زیر ہدایت حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ

مفتی صالح محمد صاحب رفیق دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کی
ترتیب، تعلیق، تبویب اور تخریج جدید کے ساتھ

کمپیوٹر ایڈیشن

فتاویٰ رحیمیہ

افادات

حضرۃ مولانا حافظ قاری مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ
خطیب بڑی جامع مسجد راندیر ضلع سورت

دارالاشاعت
اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 2631861

زیر ہدایت حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ

مفتی صالح محمد صاحب رفیق دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کی
ترتیب، تعلیق، تبویب اور تخریج جدید کے ساتھ

کمپیوٹر ایڈیشن

فتاویٰ رحیمیہ

جلد اوّل

مقدمہ، کتاب الایمان والعقائد

افادات

حضرۃ مولانا حافظ قاری مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ
خطیب بڑی جامع مسجد راندیر ضلع سورت

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : مارچ ۲۰۰۹ء علمی گرافکس

ضخامت : 264 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

……… ملنے کے پتے ………

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت القرآن اردو بازار کراچی

بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

کتب خانہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park, London E12 5Qa
Tel 020 8911 9797

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U K

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مرتب

الحمدللہ الذی وفق من ارادبہ خیر االلتفقہ فی الدین

اما بعد

فتاویٰ رحیمیہ حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عمدہ تصنیف ہے۔ کتاب اور صاحب کتاب دونوں کسی تعارف کے محتاج نہیں، اہل علم خصوصا اصحاب فتاویٰ کے ہاں فتاویٰ رحیمیہ اور مفتی صاحب کا جو مقام ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ برصغیر پاک و ہند کے اندازا ہر دارالافتاء میں اس کتاب سے استفادہ کیا جارہا ہے بایں ہمہ کتاب میں چند کمیاں تھیں جس کی وجہ سے اہل علم کو استفادہ کرنے میں مشکلات کا سامنا تھا۔ مثلاً ترتیب میں کمی کا ہونا۔ بعض مسائل میں تکرار کا ہونا۔ بعض مسائل میں دلیل کا نہ ہونا۔

اس بارے میں حضرت مفتی صاحب سے رابطہ کیا گیا۔ مفتی صاحب نے ترتیب وغیرہ کی اجازت بھی دی لیکن مکررات کو حذف کرنے سے منع فرمایا، مفتی صاحب کی ہدایت کا احترام رکھتے ہوئے کسی مسئلہ کو حذف نہیں کیا گیا البتہ جدید ترتیب، تبویب، تعلیق اور تخریج کے ساتھ کتاب کو مزین کیا گیا۔ امید کی جاتی ہے کہ اب اہل علم کو استفادہ کرنے میں مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

صالح محمد کاروڑی
دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن
جمشید روڈ۔ کراچی ۵

نوٹ: بحمد اللہ حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حیات میں دارالاشاعت کراچی کو باضابطہ تحریر کے ساتھ تمام ترحق عطا فرمادیئے تھے اب اس تخریج، تبویب، ترتیب و تعلیق کی تحریری اجازت بھی دیدی اور اپنے خط میں جو ہدایات تحریر فرمائیں یہ کام انکی روشنی میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ آمین

ناشر

فہرست عنوانات فتاویٰ رحیمیہ جلد اول

مختصر تعارف صاحب فتاویٰ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

فہرست عنوانات فتاویٰ رحیمیہ جلد دوم

کتاب العقائد

مایتعلق بکلمات الکفر

مایتعلق بتکفیر المسلم ۱۶

فہرست عنوانات فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم

مایتعلق بالقرآن و التفسیر

مضمون	صفحہ

فہرست عنوانات فتاویٰ رحیمیہ جلد چہارم

کتاب الطہارت

باب الوضو

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

صفحہ	مضمون
۱۴۰	پھر اپنی مسجد میں نماز پڑھائی تو کیا حکم ہے۔؟
۱۴۱	امام رکوع وسجدے میں کتنی بار تسبیح پڑھے
۱۴۱	اگر امام کو حدث لاحق ہوجائے تو خلیفہ کس طرح بنائے
۱۴۱	فجر کی جماعت شروع ہوجائے تو سنت پڑھے یا نہیں:
۱۴۲	تبلیغی اجتماع کے موقعہ پر نماز باجماعت کس طرح ادا کی جائے؟:
۱۴۲	مسجد کی چھت پر جماعت کرنا:
	کیا حضور اقدس ﷺ کے مبارک زمانہ میں عورتیں مسجد جاتی تھیں؟
۱۴۳	فی زماننا عورتوں کا مسجد جانا کیسا ہے؟
۱۴۵	اگلی صف میں خالی جگہ ہو تو صف چیر کر یا نمازیوں کے سامنے سے گذر کر خالی جگہ پر کرنا:
۱۴۶	کسی عالم یا بزرگ کو صف میں اپنی جگہ دینا:
۱۴۶	بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے لئے پہلی صف میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟:
۱۴۷	عورت کے لئے حرم شریف میں جماعت سے نماز پڑھنا کیسا ہے؟:
۱۴۸	امام سے مقتدی ناراض ہوں تو امام امامت چھوڑ دے یا امامت پر قائم رہے؟:
۱۵۰	مسجد میں جماعت ثانیہ کی عادت بنالینا:
۱۵۱	تنبیہ:
۱۵۲	صفیں درست کرانا کس کی ذمہ داری ہے؟ امام کی یا مؤذن کی؟
۱۵۳	عیدگاہ میں جماعت ثانیہ کا کیا حکم ہے؟:
۱۵۳	قابل اعادہ نماز کی جماعت میں نئے مقتدی شامل ہوئے تو ان کی نماز ہوئی یا نہیں؟:
۱۵۴	امام کے لئے وقت پر حاضری ضروری ہے:
۱۵۴	جماعت ثانیہ کا حکم:
۱۵۴	متعین امام کی موجودگی میں داڑھی منڈے ٹرسٹی کا نماز پڑھانا۔ کیا دعوت اسلام کی ضرورت کے پیش نظر داڑھی منڈانے کی اجازت ہے؟:
۱۵۷	نسوانی مدرسہ میں طالبات کا باجماعت نماز ادا کرنا جب کہ مسجد شرعی موجود ہو:
۱۵۸	غیر مقلد، جماعت کی نماز میں اپنا ٹخنہ قریبی نمازی کے ٹخنہ سے ملانا ضروری سمجھتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟ اور اس کا کیا مطلب ہے؟:
۱۵۸	استفتاء:

فہرست عنوانات فتاویٰ رحیمیہ جلد پنجم

صفۃ الصلوٰۃ

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ
مفسدات صلوٰۃ	
امام نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھادی تو کیا حکم ہے	۱۰۷
نماز میں آستین چڑھانا	۱۰۸
چار رکعت والی نماز میں تین رکعت پر سلام پھیر دیا اور بات کرلی	۱۰۸
لفظ اللہ اکبر میں باء اور راء کے درمیان الف کا اضافہ کرنا	۱۰۹
مقتدی کا ارکان میں امام سے آگے بڑھنا	۱۰۹
نماز میں امام کے بقدر واجب پڑھ لینے کے بعد مقتدی نے لقمہ دیا تو کیا حکم ہے	۱۱۰
امام نے سہوا سورۃ فاتحہ یا سورت چھوڑ دی اور رکوع سے اٹھنے کے بعد پڑھی	۱۱۰
دعاء قنوت بھول جانا اور رکوع کے بعد پڑھنا	۱۱۱
قعدہ اولی سہوا چھوٹ گیا پھر کھڑا ہوجانے کے بعد لوٹا	۱۱۱
سلام پھیرنے میں بھول سے دیر ہوجائے	۱۱۲
نماز پڑھنے میں اندھا آجائے تو اس کو روکے یا نہیں۔ کیا حکم ہے؟	۱۱۲
بحالت صلوۃ گلے میں شیرینی (مٹھاس) ہو تو نماز میں کوئی خرابی آئے گی یا نہیں	۱۱۲
لڑکوں کی صف کے آگے سے گزرنا جائز ہے	۱۱۲
مسبوق نے ایک رکعت پاکر امام کے سلام پھیرنے کے بعد دوسری رکعت پر قعدہ نہ کیا تو؟	۱۱۳
تعداد رکعت میں شک ہوجائے	۱۱۴
قعدہ اخیرہ میں امام فوت ہوگیا تو کیا حکم ہے؟	۱۱۴
نماز شروع ہونے کے بعد کسی کے توجہ دلانے پر امام کا تکبیر کہنا	۱۱۴
نماز ظہر میں چوتھی رکعت پر قعدہ نہ کرے اور پانچ رکعت پڑھ لے	۱۱۵
جمائی لیتے ہوئے آواز نکلی اور ایک دو حرف ہوجائے تو کیا اس سے نماز فاسد ہوگی؟	۱۱۵
تدارک زلہ کی صورت میں صحت صلوٰۃ وعدم فساد کا حکم	۱۱۵
پیشاب کی شیشی جیب میں رکھ کر نماز پڑھ لی تو نماز ہوگی یا نہیں	۱۱۷
بلاتحری نماز پڑھنے کے بعد قبلہ پر مطلع ہونا	۱۱۸
کھانے کے بعد بلا کلی کے نماز	۱۱۸
حالت نماز میں بچہ نے ماں کا دودھ پی لیا	۱۱۸
خوش الحانی سے نماز میں گریہ طاری ہونا	۱۱۹

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

فہرست مضامین فتاویٰ رحیمیہ جلد ششم

متفرقات صلوٰۃ

صفحہ	مضمون

| | **مسائل تراویح** |

صفحہ	مضمون

مضمون	صفحہ
کیا جماعت والی نماز قضاء میں شمار کی جا سکے گی؟:	۲۶۳
مسجد کے اوپر نیچے تراویح کی دو جماعت:	۲۶۴
مسجد کا مستقل امام تراویح پڑھانے کی اجرت لے سکتا ہے یا نہیں؟:	۲۶۴
تراویح میں کس تاریخ کو قرآن شریف ختم کیا جائے:	۲۶۶
تراویح میں ہونے والی کوتاہیوں سے بچنا ضروری ہے:	۲۶۷
جس لڑکے کی عمر اسلامی حساب سے پندرہ سال ہو چکی ہو وہ تراویح پڑھا سکتا ہے.	۲۶۹
جس کا پیشہ داڑھی مونڈنے کا ہو وہ امام تراویح بن سکتا ہے یا نہیں؟:	۲۷۰
تراویح کے وقت بیٹھے رہنا اور باتیں کرنا:	۲۷۰
تراویح کی قضاء:	۲۷۱
فاسد شدہ رکعت کی قرأت کا اعادہ:	۲۷۱
تراویح میں سامع نے بھول سے سجدہ کی آیت پڑھ دی	۲۷۱
بیس رکعت تراویح سنت مؤکدہ ہے حدیث اور تعامل صحابہؓ سے ثابت ہے اس کے منکر سنت کے مخالف، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے نافرمان اور اجماع صحابہ کی خلاف ورزی کرنے والے ہیں:	۲۷۲
بیس رکعت کے خلاف غیر مقلدوں کے غلط دلائل اور ان کے جوابات	۲۸۴
دلیل اول:۔	۲۸۵
دلیل ثانی:	۲۸۷
باب صلوٰۃ الاستسقاء	
نماز استسقاء کا طریقہ:	۲۸۹
نماز استسقاء کے لئے جنگل میں کب نکلے؟:	۲۹۰

فہرست عنوانات فتاویٰ رحیمیہ جلد ہفتم

کتاب الجنائز

صلوٰۃ الجنائز

صفحہ	عنوان
۳۹	میت کے نصف جسم پر جنازہ کی نماز صحیح ہے یا نہیں؟:
۳۹	مخنث (ہیجڑے) کی نماز جنازہ:
۳۹	پیدائش کے وقت زندگی کے آثار معلوم ہوں تو کیا حکم ہے؟:
۴۰	نماز جنازہ پڑھانے والا نہ ملے تو؟:
۴۰	چند جنازے جمع ہو جائیں تو ان کی نماز کس طرح پڑھی جائے؟:
۴۱	پہلی صورت:
۴۱	دوسری صورت:
۴۱	تیسری صورت:
۴۲	جنازہ کو صحن مسجد میں رکھنا:
۴۳	جنازہ کی نماز بیٹھ کر پڑھانے تو کیا حکم ہے؟:
۴۳	چار سے زیادہ تکبیر کہنے والے کے پیچھے نماز جنازہ:
۴۳	نماز جنازہ میں اللّٰھم اغفر لحینا الخ کے ساتھ دوسری دعا پڑھنا:
۴۴	غیر مسلم داشتہ عورت کے بچہ کا کیا حکم ہے؟:
۴۴	زوال کے وقت جنازہ کی نماز:
۴۵	غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا:
۴۷	جنازہ کی نماز متعدد بار پڑھنا، اگر ولی اعادہ کرے تو اس کے ساتھ کون لوگ شریک ہو سکتے ہیں؟:
۵۱	مسجد کے صحن یا اس کے احاطہ (کمپاؤنڈ) میں نماز جنازہ پڑھنا:
۵۱	نماز جنازہ میں شریک ہونے کے لئے نفل نماز توڑنا:
۵۲	عذر کی وجہ سے جماعت خانہ میں نماز جنازہ پڑھنا:
۵۲	قبرستان میں نماز جنازہ:
۵۳	تحقیق کراہت صلوۃ جنازۃ در مقبرہ:
۵۳	بغیر نماز جنازہ دفن کی گئی میت پر نماز جنازہ:
۵۴	شیعہ کے جنازہ میں شرکت:
۵۴	قبرستان میں نماز جنازہ کے متعلق مزید وضاحت:

عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان

کتاب الزکوٰۃ

باب مایوجب فیہ الزکاۃ ومالایوجب

صفحہ	عنوان
۲۱۷	(۵) کتاب القاضی الی القاضی۔
۲۱۷	(۶) خبر مستفیض:
۲۱۸	ریڈیو:
۲۱۸	”ریڈیو کی خبر کے متعلق ہندوستان کے مستند علماء کا فیصلہ“
۲۱۸	ٹیلیفون یا خط سے رویت ہلال کی خبر:
۲۲۰	دوسری جگہ سے چاند کی خبر آئے تو اس کی تحقیق کرنا ضروری ہے یا نہیں؟:
۲۲۱	رویت ہلال ٹیلیفون سے معتبر ہے یا نہیں:
۲۲۲	ریڈیو کی خبر سے ہلال رمضان وعید کا ثبوت:
	قمری مہینوں کے اثبات میں اہل حساب کی تحقیق پر عمل کیا جائے تو
۲۲۴	اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟:
۲۲۸	اختلاف مطالع
۲۳۱	ٹیلیفون کی خبر اور افواہوں پر عید الفطر کا فیصلہ کرنا درست نہیں؟:
۲۳۱	فتوی نمبر (۱):
۲۳۱	فتوی نمبر (۲):
۲۳۱	فتوی نمبر (۳) خبر صادق اور شہادت میں فرق:
۲۳۲	فتوی نمبر (۴):
۲۳۲	رمضان المبارک کے تیس دن پورے ہو جائیں اور چاند نظر نہ آئے تو کیا حکم ہے؟:
۲۳۳	رمضان اور عید کے علاوہ کے چاند کا ثبوت کیسے ہوگا؟:
۲۳۴	ریڈیو کی اطلاع پر روزہ اور عید
۲۳۷	جمع عظیم کی وضاحت۔
۲۳۸	فیکس سے چاند کی خبر ملے تو کیا حکم ہے؟:
۲۳۸	گمراہی کا نیا نمونہ:
۲۳۹	دور کی جگہ سے چاند کی خبر بطریق موجب پہنچی تو اس پر عمل کریں یا نہیں؟
۲۴۰	غیر مقلد عالم کا حدیث ابن عباس سے استدلال کرنا کیسا ہے؟:
۲۴۰	مطلع صاف ہونے کی صورت میں ثبوت ہلال کے لئے جم غفیر ضروری ہے:

عنوان	صفحہ
باب ما یتعلق بالسحر والافطار	
سحری وافطار کے لئے دف بجانا کیسا ہے؟:	۲۴۱
سحری قائم مقام نیت کے ہے یا نہیں؟:	۲۴۱
افطار کے لئے جماعت میں تاخیر کر سکتے ہیں؟:	۲۴۱
افطار کے بعد اذان کب دی جائے؟	۲۴۱
سحری کے وقت اعلان کرنا کیسا ہے؟:	۲۴۲
روزہ افطار کب کیا جائے؟	۲۴۲
افطاری میں نان گوشت پلاؤ کا انتظام اور جماعت میں تاخیر	۲۴۳
افطاری اور مغرب کی نماز میں فاصلہ کی حد	۲۴۳
رقم افطاری سے مسجد میں افطار کرائیں یا گھر پر	۲۴۴
افطاری کی بقیہ رقم کا مصرف	۲۴۴
سحری کا وقت	۲۴۴
باب مایفسد الصوم وما یکرہ	
سرمہ یا دواسے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں:	۲۴۶
چوپائے سے صحبت کرنے سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟	۲۴۶
مسئلہ کے ذکر کرنے کی ضرورت:	۲۴۸
اصل مسئلہ کی طرف رجوع:	۲۵۳
رمضان میں امتحان:	۲۵۶
سفر میں فوت شدہ روزوں کی قضا:	۲۵۶
بحالت صوم شرم گاہ میں دوا رکھنا کیسا؟	۲۵۶
بحالت صوم انجکشن لینا کیسا ہے	۲۵۷
ٹی۔بی (تپ دق) کے مریض کے لئے روزہ کا حکم؟	۲۵۷
بچہ کو روزہ کی حالت میں لقمہ چبا کر دینا:	۲۵۷
روزہ کی غلطی معاف ہے لیکن نماز اور حج کی غلطی معاف نہیں	۲۵۸
بحالت صوم طنبورہ بجانے کا کیا حکم ہے	۲۵۸

فہرست مضامین فتاویٰ رحیمیہ جلد ہشتم

کتاب الحج

مضمون	صفحہ
احرام سے متعلق احکامات	

| **کیفیۃ اداء الحج** | |

مضمون	صفحہ
مرنے والے کے حج بدل کے لئے آدمی کہاں سے جائے؟ وطن اصلی سے یا تجارت کی جگہ سے:	۱۳۱
متفرقات حج	
''غیر مسلم کا حدود حرم میں داخلہ''	۱۳۲
''حج کی فلم بنانے کے متعلق''	۱۳۳
پاسپورٹ وصول کرنے کے لئے رشوت لینا دینا کیسا ہے:	۱۳۵
آب زمزم سے وضو یا غسل کرنا:	۱۳۵
حجاج کو رخصت کرنے کے لئے عورتوں کا اسٹیشن جانا:	۱۳۶
ارکان حج ادا کرنے کی نیت سے حیض روکنے والی دوا استعمال کرنا:	۱۳۶
زمزم شریف اپنے ساتھ لانا:	۱۳۶
حجاج کرام کی دعوت، ہدیہ کا لین دین، ان کو رخصت کرنے اور استقبال کرنے کے سلسلہ میں ہونے والے رسم ورواج اور بے احتیاطیوں کا تذکرہ اور ان کا حکم:	۱۳۷
باب العمرہ	
جدہ میں رہنے والا اشہر حج میں عمرہ کرسکتا ہے یا نہیں؟:	۱۴۳
ایک عمرہ چند آدمیوں کی طرف سے کرنا:	۱۴۳
حج کے بعد عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ نہ کرسکا تو حج میں نقص آئے گا یا نہیں:	۱۴۴
ایام حج میں عمرہ کرنا:	۱۴۴
کتاب النکاح	
نکاح میں ایجاب وقبول کا طریقہ:	۱۴۵
نکاح کا خطبہ کب پڑھنا چاہئے:	۱۴۷
نکاح میں خطبہ نہ پڑھے تو کیا حکم ہے؟:	۱۴۷
خفیہ طور پر (خانگی میں) نکاح پڑھے تو کیا حکم ہے؟:	۱۴۷
دلہن سے اجازت لینے کے وقت گواہوں کا ہونا:	۱۴۷
خطبۂ نکاح کا مسنون طریقہ کیا ہے:	۱۴۷
نکاح کا وکیل اپنا نائب بنا سکتا ہے یا نہیں:	۱۴۸

صفحہ	مضمون

مضمون	صفحہ

باب ما یتعلق فی طلاق الصریح

مضمون	صفحہ
طلاق بالکتابت	
طلاق مکروہ بالکتابۃ صحیح ہے یا نہیں؟	۳۰۹
عورت کو طلاق کی اطلاع یا عورت کی منظوری:	۳۰۹
براہ ڈاک طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟:	۳۰۹
وقوع طلاق کے لئے طلاق نامہ میں دستخط شرط ہے:	۳۱۰
الفاظ کنایہ خط میں لکھے تو وقوع طلاق کا کیا حکم ہے؟	۳۱۰
طلق ،طلق ،طلق لکھنے سے طلاق ہوگی یا نہیں؟:	۳۱۰
طلاق حسن کہے مگر طلاق طلاق لکھ دے تو کیا حکم ہے؟:	۳۱۱
تو جہاں چاہے پھر سکتی ہے اس جملہ سے کون سی طلاق ہوگی؟:	۳۱۲
طلاق ثلاثہ	
بغیر نیت طلاق ،طلاق ،طلاق کہنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے	۳۱۳
ایک ساتھ تین طلاق دینے کا کیا حکم ہے؟:	۳۱۴
تین طلاق سے حکم حرمت ثابت ہوتا ہے؟:	۳۱۵
تبصرہ وتنقید:	۳۱۵
الفاظ طلاق کے سننے میں شاہدین کا اختلاف ہو تو کیا حکم ہے؟:	۳۱۸
''تجھے تین طلاق'' اور تجھے طلاق ہے اس طرح کہنے سے کتنی طلاق ہوگی؟:	۳۱۸
طلاق میں مرد وعورت اختلاف کریں تو کس کی بات قبول کی جائے؟:	۳۱۸
طلاق ثلثہ مغلظہ اور شرعی حلالہ:	۳۱۹
غصہ کی تین طلاق واقع ہوں گی یا نہیں؟:	۳۱۹
تجھ کو 'ایک طلاق دو طلاق' اس جملہ کو بار بار دہرایا تو کتنی واقع ہوں گی	۳۲۰
آپ کا دوسرا فتویٰ:	۳۲۰
''ایک دو تین طلاق'' اس جملہ کا حکم:	۳۲۱
ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں بالاجماع واقع ہو جاتی ہیں اور اسی طرح غصہ کی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے۔	۳۲۱
(پہلی حالت):	۳۲۳
(دوسری حالت):	۳۲۳

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

مضمون	صفحہ

باب الایلاء والظہار

تنسیخ نکاح

فہرست عنوانات فتاویٰ رحیمیہ جلد نہم

کتاب الایمان و النذور

کتاب الحدود و القصاص و الدیات

کتاب الامارۃ

کتاب الوقف

صفحہ	مضمون
۶۶	کہ واقف مرچکا ہے (۲) صورت مسئولہ میں واقف حیات ہے تو کیا حکم ہے؟:
۶۶	قبرستان کے لئے چندہ کیا گیا مگر مناسب زمین نہ ملی تو کیا وہ رقم مسجد مدرسہ میں خرچ کر سکتے ہیں؟:
	احکام المساجد والمدارس
۶۸	مسجد کا حق متولی معاف کرسکتا ہے یا نہیں؟:
۶۸	دخول مسجد کے وقت سلام کرے یا نہیں:
۶۸	مسجد ومدرسہ کے لئے سرکار سے قرض لینا کیسا ہے؟:
۶۸	مسجد ومدرسہ کے لئے غیر مسلم کی امداد لینا:
۶۹	مسجد کا متولی کیسا ہونا چاہئے؟:
۶۹	مسجد کس کو کہتے ہیں؟:
۷۰	مسجد کے کنوئیں کا استعمال کرنا کیسا ہے؟
۷۰	مسجد کے روپے کہاں استعمال کرے؟:
۷۰	مسجد کے پیسوں کو بے جا استعمال نہ کیا جائے:
۷۰	ماہ رمضان میں مسجد کو سنوارنا:
۷۱	مسجد کو مسافر خانہ مت بناؤ:
۷۱	مسجد میں دنیوی باتیں کرنا:
۷۲	کیا مسجد کے چراغ کو تلاوت کے لئے لے سکتے ہیں؟:
۷۲	صحن میں تراویح پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟:
۷۳	مسجد اور مدرسہ کا متولی ومہتمم پابند شرع دیانتدار ہونا چاہئے نااہل کی تولیت ٹھیک نہیں:
۷۵	نااہل متولی اور مہتمم اپنے ماتحت کام کرنے والے اہل علم کو اپنا نوکر سمجھتے ہیں:
۷۷	محراب میں تصویر آفتاب بنانا:
۷۹	بعض اوقات بطور مسجد جو مکان مستعمل ہو اس کا کیا حکم ہے؟:
۸۱	مسجد کے کسی حصہ کو راستہ بنالینا:
۸۳	دلیس نگر کی مسجد کا معاملہ
۸۳	مفتی لاجپوری صاحب دامت فیوضہم کا معائنہ اور تبصرہ
۸۴	مسجد دوسری جگہ منتقل کی جاسکتی ہے یا نہیں۔ اس کی قیمت لے جاسکتی ہے یا نہیں؟:
۸۷	ایک وقف کی رقم دوسرے وقف میں استعمال کرنا:

صفحہ	مضمون

مضمون	صفحہ
اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تحقیق:	۱۴۵
مسجد کے چندہ کے لئے سفر کے اخراجات کے سلسلہ کا قرض، مسجد کے چندہ میں سے وصول کرنا:	۱۴۷
مسجد میں دوسری منزل بنا کر نیچے والا جماعت خانہ چھوڑ کر اوپر جماعت کرنا کیسا ہے؟:	۱۴۷
مسجد کی چھت کا پانی باہر نکالنے کے لئے جماعت خانہ کے نیچے کے حصہ میں نالی بنانا:	۱۴۷
(۱) مستحکم اور مضبوط جماعت خانہ شہید کر کے نیا تعمیر کرنا (۲) بچوں کی دینی تعلیم کی ضرورت:	۱۴۸
مسجد کے پرانے ملبہ کا حکم:	۱۵۲
مسجد، مدرسہ، اسکول کا چندہ مشترک کیا جاتا ہو تو ہر ایک کا حساب الگ رکھنا ضروری ہے یا نہیں؟:	۱۵۲
مسجد کی آمدنی ہونے کے باوجود امام صاحب کو کم تنخواہ دینا:	۱۵۳
مسجد سے متصل قبرستان میں مسجد کی ضرورت کے لئے بورنگ کرنا کیسا ہے؟:	۱۵۳
صحن مسجد سے متصل مسجد کا مکان ہے اسے کرایہ دینا کیسا ہے؟:	۱۵۳
(۱) تعمیر کے زمانہ میں اذان و جماعت موقوف کرنا۔ (۲) جس دوکان میں شراب اور حرام گوشت فروخت ہوتا ہو اس کی بالائی منزل میں جماعت کرنا:	۱۵۴
شرعی مسجد میں صرف عورتیں فرادی نماز پڑھیں تو مسجد کا حق ادا ہوگا یا نہیں؟:	۱۵۴
مدرسہ کے نام سے چندہ کر کے مکان خریدا گیا اس میں مدرسہ بند کر کے اسکول جاری کرنا:	۱۵۵
(۱) مسجد کا تقدس اور اس میں حلال مال خرچ کرنا (۲) ایک شخص کی آمدنی شراب کی ہے اس نے زمین خرید کر برائے مسجد وقف کی وہاں مسجد بن چکی ہے اور عرصۂ دراز سے نماز ہو رہی ہے اس مسجد کا کیا حکم ہے؟:	۱۵۶
(۱) نماز کا وقت مقرر کرنے اور اس میں ردوبدل کرنے کا حق دار کون ہے؟	۱۵۸
(۲) وقت بدلنے پر اعلان ضروری ہے یا بلیک بورڈ پر لکھ دینا کافی ہے؟:	۱۵۸
مسجد تعمیر کرنے کی غرض سے چندہ کیا گیا پھر اس رقم سے مسجد کے لئے زمین ایک شخص کے نام سے خریدی گئی اور اس جگہ مسجد بن گئی تو وہ مسجد شرعی ہے یا نہیں؟:	۱۵۹
''کومن پلوٹ'' میں مسجد بنانا:	۱۶۰
ٹی وی اور وی سی آر مرمت کرنے والے کی رقم مسجد میں استعمال کرنا:	۱۶۰
مسجد کے لئے مسجد میں چندہ کرنا:	۱۶۱
مسجد کی زمین پر مدرسہ بنا لیا ہو تو کیا حکم ہے؟:	۱۶۱
مدارس کے لئے مسجد میں چندہ کرنا:	۱۶۲
مدرسہ کے وقت میں کسی بزرگ کی عیادت یا زیارت کے لئے جانا:	۱۶۲
مسجد کے پرانے سامان کا استعمال:	۱۶۳

مضمون	صفحہ
(۱) ادھار بیچنے پر زیادہ قیمت لینا کیسا ہے؟ (۲) خریدار وقت مقررہ پر پیسے نہ دے سکے تو زیادہ رقم لینا کیسا ہے؟:	۱۹۸
حق تعلی بیچنا:	۱۹۹
اخبارات خریدنے کے بارے میں:	۱۹۹
اخبارات و رسائل کی خریداری کا کیا حکم ہے؟	۲۰۰
ماہنامہ وغیرہ کی لائف ممبری:	۲۰۰
ہڈی کی تجارت کا حکم:	۲۰۲
آتشبازی کی تجارت کرنا کیسا ہے؟:	۲۰۴
گڑیوں کی خرید و فروخت:	۲۰۴
ناخن پالش بیچنا:	۲۰۵
دودھ بیچنا:	۲۰۵
مرغیوں کی بیٹ اور گائے بھینس کا گوبر بیچنا:	۲۰۵
تصاویر پر مشتمل اخبارات کی تجارت:	۲۰۵
راکھی بیچنا کیسا ہے؟:	۲۰۶
بیع الصرف	
برٹیس پوسٹل آرڈر میں تبادلہ کرنے کے بارے میں:	۲۰۷
پھٹے ہوئے نوٹ کو اچھے نوٹ سے کمی بیشی کے ساتھ بدلنا:	۲۰۷
بیع کو موسم میں ادا کرنے کے وعدہ پر قیمت پہلے لینا کیسا ہے؟:	۲۰۸
بیع باطل و فاسد و مکروہ	
گندا انڈا خریدنے کے بعد واپس دینا:	۲۰۹
مردار کے چمڑے کی بیع درست ہے یا نہیں؟:	۲۰۹
مردار کی خرید و فروخت جائز نہیں:	۲۰۹
سور کے بال کے برش بیچنا:	۲۱۰
(۱) ادھار معاملہ میں ثمن کی ادائیگی کی مدت متعین نہ کی تو کیا حکم ہے؟ (۲) بیع فاسد کو فسخ کرنے کا اختیار کس کو ہے؟	۲۱۱
دودھ ڈیری میں دودھ کی فروخت کا طریق کار اور اس کا حکم:	۲۱۳
دودھ سے بالائی نکال کر بیچنا کیسا ہے؟:	۲۱۴

مضمون	صفحہ

متفرقات فی البیوع

فسخ البیع

باب القرض

مضمون	صفحہ
سید سیڈی والی لون (قرض) کا حکم	۲۳۳
اضطراری حالت کے بغیر سودی قرض لینا جائز نہیں:	۲۳۴
مجبوری کی حالت میں بینک سے کتنا سودی قرض لے سکتا ہے؟:	۲۳۵
سودی قرض کے متعلق شرعا کیا حکم ہے؟	۲۳۶
سودی قرض لینا کب جائز ہے؟:	۲۳۷
باب الربوا	
مکان کی تعمیر کے لئے لون (قرض) لے سکتے ہیں یا نہیں؟:	۲۳۸
سود سے بچنے کے لئے کوئی حیلہ کرنا کیسا ہے؟:	۲۳۸
سودی رقم پر نفع لینا کیسا ہے؟	۲۳۸
بینک کے سود کے متعلق بحث:	۲۳۹
زندگی کا بیمہ کرانا کیسا ہے:	۲۴۰
انڈین ویوز کے سود والے مضمون کے متعلق اہم فتوی:	۲۴۲
انڈین ویوز کے مضمون نگار کے نظریہ کا خلاصہ	۲۴۴
قرآن حکیم کی تصریحات:	۲۴۷
مدیر صاحب کے تصور باطل کی تردید قرآن شریف سے:	۲۵۱
مقالہ نگار صاحب کی جدت:	۲۵۲
جوار کے بدلہ باجر لینے کی شرط سے قرض لینا چہ حکم دارد؟:	۲۵۳
سودی رقم بطور زکوۃ دے کر حیلہ کرنا کیسا ہے؟:	۲۵۳
سرکاری قانون سے فروخت کی ہوئی زمین کی رقم کے سود کا حکم:	۲۵۳
بینک کی سودی رقم سے تنخواہ دی جائے تو لینا کیسا ہے؟:	۲۵۴
ٹریکٹر خریدنے پر سود کے ساتھ قیمت کی ادائیگی ہو تو کیسا ہے؟:	۲۵۴
بینک کا سود	۲۵۴
بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟:	۲۵۵
بینک کے سود کے متعلق فتوے پر تنقید اس کا جواب اور اکابر علماء کی تائیدات	۲۵۶
خلاصہ:	۲۵۶
مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب کے فتاوی	۲۵۶
حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب مفتی اعظم مظاہر علوم کا فتوی	۲۵۸

مضمون	صفحہ

كتاب المزارعة

كتاب الهبة

صفحہ	مضمون
۳۱۲	زندگی میں مال کی تقسیم عطیہ ہے نہ کہ میراث:
۳۱۲	تاحیات ہبہ کرنے کا حکم:
۳۱۳	کسی لڑکے کو کم اور کسی کو زیادہ دیا اس کا حکم:
۳۱۳	باپ کی زندگی میں بعض بچے اپنے حق کا مطالبہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟:
۳۱۴	باپ اپنا حصہ اگر صرف ایک بیٹے کو دے دے تو کیا حکم ہے؟
۳۱۴	اولاد میں ایک بچی غریب گھر میں ہے تو صرف اس کی مدد کرنا کیسا ہے؟:
۳۱۵	بچوں کا مال ماں باپ کسی کو نہیں دے سکتے:
۳۱۵	مصلحتاً بیٹے کے نام پر کان خریدنے سے بیٹا اس مکان کا مالک شمار ہوگا یا نہیں؟
۳۱۶	والدہ نے بڑے بیٹے کو کھلی زمین دی تو کیا حکم ہے؟
۳۱۷	قابل تقسیم مکان میں سے قبل از تقسیم اپنا حصہ ہبہ کرنا
۳۱۹	غیر منقسم مکان میں سے چچا نے اپنا حصہ بھتیجہ کو ہبہ کیا، اس کا حکم:
۳۲۰	والد نے ایک بیٹے کو مشین دوسرے کو رکشہ دلوایا ان دونوں کی آمدنی کا مالک کون ہوگا؟
۳۲۱	تمام ورثاء متفق ہوکر پورا موروثی مکان ایک وارث کو ہبہ کردیں تو ہبہ صحیح ہوگا یا نہیں؟
۳۲۲	مشترک تجارت میں سے دس فیصد حصہ بیٹے کو ہبہ کرنے سے ہبہ صحیح ہوگا یا نہیں؟
۳۲۴	ہدیہ میں دی ہوئی چیز ہدیہ دینے والے کے پاس واپس آئے تو کیا کرے؟:
۳۲۴	چھوٹے موروثی مکان میں اپنا حصہ دوسرے ورثاء کو ہبہ کرنا:
۳۲۴	بے اولاد آدمی کا اپنی زندگی میں مال تقسیم کرنا:
۳۲۵	شوہر کا بیوی سے بخشش کی ہوئی چیزیں واپس لینا:
۳۲۵	مرحوم نے اپنی زندگی میں ایک زمین لڑکیوں کو دی تھی:
۳۲۶	بیوی اور اولاد کے ہوتے ہوئے اپنا تمام مال بھتیجہ کو ہبہ کردینا:

فہرست عنوانات فتاویٰ رحیمیہ جلد دہم

کتاب الاضحیہ

باب العقیقه

صفحہ	مضمون

باب الختان وقلم الاظفار وغیرہ

باب مایجوز اکلہ ومالایجوز

مضمون	صفحہ

تداوی و معالجات

صفحہ	مضمون

مضمون	صفحہ
باب المسکرات	
سردی کے مقابلہ کے لئے برانڈی وغیرہ مسکرات کا استعمال کیسا ہے؟:	۲۱۱
حقہ، بیڑی، سگریٹ وغیرہ پینا کیسا ہے:	۲۱۱
شراب کی حرمت کا ثبوت:	۲۱۴
متفرقات حظر و الاباحۃ	
گناہ کے بعد توبہ کرنے سے گناہ رہتا ہے یا نہیں؟	۲۱۶
لونڈی غلام بنانے کی رسم کے متعلق	۲۱۷
فرمان فاروقی:	۲۱۹
گھٹنے پر پاؤں ٹیک کر سونا کیسا ہے؟	۲۲۱
کھیتی محفوظ نہیں رہتی اس کے لئے کیا صورت اختیار کی جائے؟	۲۲۲
شوقیہ کتا پالنا جائز ہے یا نہیں؟:	۲۲۲
چوروں کے خوف سے کتا پالنا:	۲۲۳
برتھ کنٹرول اور قرآن کریم:	۲۲۴
خواب کی حقیقت کیا ہے؟:	۲۲۴
حکومت بطور امداد رقم دے تو لینا کیسا ہے:	۲۲۵
شاعر کو فنی معلومات کی بناء پر ''مفتی سخن'' کا خطاب دینا:	۲۲۵
منگنی ہو جانے کے بعد ایک دوسرے کے گھر عیدی بھیجنا:	۲۲۶
بچوں کی سالگرہ منانا:	۲۲۶
نیلام میں رشوت کی ایک صورت:	۲۲۶
شوقیہ کبوتر کھانا کیسا ہے؟:	۲۲۶
تعبیر کی عبارت کو خواب کی عبارت بتلا کر عوام کو غلط فہمی میں ڈالنے کی اہل بدعت کی ناجائز کوشش	۲۲۸
اپریل فول (یکم اپریل کو دھوکہ دہی کرنا) کیسا ہے؟:	۲۳۰
عمل صالح کی توفیق کیوں ہوتی ہے اور کیوں نہیں ہوتی؟:	۲۳۰
کیا آلات زراعت منحوس ہیں:	۲۳۰
بارش نہ برسنے اور قحط سالی کی کیا وجہ؟:	۲۳۲

صفحہ نمبر	مضمون

| | **کتاب الوصیة** |

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ الذی وفق من اراد بہ خیراً للتفقہ فی الدین

امابعد!

فتاوی رحیمیہ حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری کی ایک عمدہ تصنیف ہے۔ کتاب و صاحب کتاب دونوں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اہل علم خصوصاً اصحاب فتاویٰ کے ہاں فتاویٰ رحیمیہ اور مفتی صاحب کا جو مقام ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ برصغیر پاک وہند کے تقریباً ہر دارالافتاء میں اس کتاب سے استفادہ کیا جارہا ہے۔ بایں ہمہ کتاب میں چند کمیاں تھیں جس کی وجہ سے اہل علم کو استفادہ کرنے میں مشکلات کا سامنے پڑھ جاتا تھا۔ مثلاً ترتیب میں کمی کا ہونا، بعض مسائل میں تکرار کا ہونا، بعض مسائل میں دلیل کا نہ ہونا۔

اس بارے میں بندہ نے حضرت مفتی صاحب سے رابطہ کیا مفتی صاحب نے ترتیب وغیرہ کی اجازت دی لیکن مکررات کو حذف کرنے سے منع فرمایا۔ مفتی صاحب کی خواہش کا احترام رکھتے ہوئے کسی مسئلہ کو حذف نہیں کیا گیا البتہ جدید ترتیب، تبویب اور تخریج کے ساتھ کتاب کو مزین کیا گیا۔

امید کی جاتی ہے کہ اب اہل علم کو استفادہ کرنے میں مشکلات کا سامنے نہیں کرنا پڑے گا

صالح کاروڑی

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

جمشید روڈ کراچی/۵

مفتی صاحب کی خط کی کاپی ہمراہ ہے

۱۸ شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ باسمہ تعالیٰ از راندیر
۱۵ نومبر ۲۰۰۰ء

محترمی و مکرمی جناب مفتی محمد صالح صاحب بارک اللہ فی علمکم و عملکم

بعد سلام مسنون خیریت طرفین عند اللہ نیک مطلوب ہے۔ الحمد للہ احقر اپنی پیرانہ سالی کے ساتھ بعافیت ہے خداوند قدوس آپ کو بھی بعافیت رکھیں اور دینی خدمات میں اخلاص کے ساتھ مشغول رکھیں۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین ﷺ

آپ کا خط ملا، یاد فرمائی کا شکریہ، پڑھ کر احوال سے واقفیت ہوئی۔ آپ کو جو دار الاشاعت کے جانب سے ہمارا چھوٹا رسالہ دیا گیا آپ اس کی ایک فوٹو کاپی ہم کو روانہ کریں۔ آپ جو ترتیب و تبویب کا کام کررہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو بحسن و خوبی انجام پذیر فرمائیں۔ آپ اس بات کا اہتمام رکھیں کہ تمام مسائل آجائے کوئی مسئلہ چھوٹ نہ جائے اور جو مسائل بظاہر مکرر معلوم ہوتے ہیں ان کو بھی لیا جائے۔

باقی احوال لائق شکر ہے۔ احقر بھی آپ کے لئے دعا کرتا ہے اور آپ بھی احقر کے لئے حسن خاتمہ کی دعا فرمائے۔ آمین۔

(حضرت اقدس مفتی) سید عبد الرحیم لاجپوری۔ دام ظلکم العالی۔

مختصر تعارف صاحب فتاویٰ

از منشی عیسیٰ بھائی ابراہیم ایڈیٹر ماہنامہ پیغام گجراتی

الحمد لله الذی وفق من اراد به الخیر للتفقه فی الدین وهدی من شاء الی سبیل المهتدین والصلوٰة والسلام علیٰ سید الاولین والاخرین محمد خاتم النبیین والمرسلین الذی قال" من یرد الله به خیراً یفقهه فی الدین" وعلیٰ اله الطیبین واصحابه الطاهرین وعلیٰ اتبعه واشیاعه اجمعین الی یوم الدین۔

محترم مفتی صاحب جیسی گرانقدر ہستی کے تعارف کے لئے فتووں کا یہ مجموعہ ہی کافی تھا۔ لیکن جس طرح ماہنامہ پیغام کے خریدار اور قاری حضرات کے خطوط بکثرت پہنچتے رہے جس میں موصوف کے فتاویٰ پر کمال شوق کا اظہار تھا ایسے ہی بہت سے حضرات تعارف کی فرمائش بھی کرتے رہے۔

حضرت مفتی صاحب کی شخصیت باوجود یہ کہ اسلامی تعلیمات کی عملی نمونہ ہے مگر یہ بھی اسلامی تعلیمات کا اثر ہے کہ آپ شہرت اور نمائش سے متنفر، خاموش اور یکسوزندگی کے عادی ہیں۔ نہ اسٹیج پر آپ کی تقریریں ہوتی ہیں نہ پریس میں آپ کے بیانات اشاعت کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ اخباری دنیا آپ سے ناواقف ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ تعارف کے متمنی حضرات کی فرمائش پوری کی جائے حضرت مفتی صاحب تو اپنے قلم سے اس فرمائش کی تعمیل کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ تو یہ خدمت راقم حروف نے اپنے ذمہ لے لی۔ چنانچہ مختصر تعارف کے لئے چند سطریں پیش ہیں۔

سلسلہ نسب:

حضرت مفتی صاحب کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے علم وفضل۔ حفظ قرآن قرأت وتجوید اور حج بیت اللہ شریف کی دولتیں بخشی ہیں، خصوصیت یہ ہے کہ آپ کو خاندانی شرف بھی عطا فرمایا کہ آپ کا سلسلہ نسب چھبیس ۲۶ واسطوں سے محبوب سبحانی سیدنا حضرت مولانا سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تک پہنچتا ہے۔ اس سنہری زنجیر کی کڑیاں ملاحظہ فرمائیے۔

مولانا قاری، حافظ، (۱) مفتی سید عبدالرحیم قادری (۲) ابن سید عبدالکریم (۳) ابن سید ابراہیم (۴) ابن سید عبدالرحیم (۵) ابن سید محمد فقیر اللہ (۶) ابن سید عابد میاں (۷) ابن سید درویش (۸) ابن سید محمد فقیر اللہ (۹) ابن سید پیر محمد (۱۰) ابن سید رکن الدین یوسف (۱۱) ابن سید حسام الدین نامیاں (۱۲) ابن سید حسن (۱۳) ابن سید نظام الدین سلیمان (۱۴) ابن سید ابوالفتح اسحاق (۱۵) ابن سید ابومحمد (۱۶) ابن سید علاء الدین آدم (۱۷) ابن سید ابراہیم (۱۸) ابن سید موسیٰ قطب الدین (۱۹) ابن سید ہاشم (۲۰) ابن سید غیاث الدین قاسم (۲۱) ابن سید صالح (۲۲) ابن سید فتح اللہ (۲۳) ابن سید نصر اللہ (۲۴) ابن سید داؤد (۲۵) ابن سید صدیق (۲۶) ابن سید القطب ابومحمد عبدالخالق (۲۷) ابن سیدنا الامام مرشد الانام شیخ الجن والانس، سلطان الاولیاء السبحانی محی الدین سید عبدالقادر جیلانی الحسنی الحسینی قدس اللہ سرہ العزیز ونور اللہ ضریحہٗ۔

امتیازی شان:

آپ کی سوانح حیات کے لئے ضخیم جلد کی ضرورت ہے۔ مگر وہ تمام تفصیل جس کے لئے پوری کتاب درکار ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم وفضل اور زہد وتقویٰ کے ساتھ جفاکشی۔ محنت، عزم واستقلال اور بلندی حوصلہ کے بھی وہ جوہر عطا فرمائے جو سبق آموز ہیں اور یہی آپ کی زندگی کی خصوصیات ہیں۔ طرح طرح مشکلات کے ساتھ صحت کی خرابی بھی ایسی آزمائش تھی جو شوق علم۔ سعی پیہم دل کی لگن اور استقلال واستقامت کے جوہروں کو اجاگر کرتی رہی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو "افتاء" کے منصب جلیل تک پہنچایا۔

پیدائش:

ضلع سورت کا مشہور قصبہ نوساری آپ کا مسقط الراس ہے جہاں آپ ماہ شوال ۱۳۲۱ھ مطابق دسمبر ۱۹۰۳ء کو پیدا ہوئے۔ جد امجد حضرت مولانا سید ابراہیم صاحب رحمہ اللہ کا قیام اپنے وطن لاجپور رہتا تھا۔

تعلیم کی ابتداء اور حفظ قرآن:

۱۳۲۹ھ میں آپ نے جد امجد کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ مگر ابھی پارۂ عم ختم نہیں ہوا تھا کہ جد امجد نے داعی اجل کو لبیک کہا پھر آپ نے اپنے والد ماجد اور عم بزرگوار حضرت حافظ سید حسام الدین صاحب قادری المتوفی ۱۳۴۲ھ سے حفظ قران کی تکمیل کی۔ اس اثناء میں آپ نے گجراتی اسکول میں درجہ اول کی تکمیل بھی کی اور کچھ عرصہ آپ جامعہ اشرفیہ راندیر کے درجۂ حفظ میں بھی داخل رہے۔ امور خانہ داری کی کچھ ذمہ داریاں اور ان کی مشکلات تھیں جو آپ کو اس طرح منتقل کرتی رہیں اور اگر جذبہ صادق کی دستگیری اور فضل خداوندی نہ ہوتا تو اس صغر سنی میں طلب علم کی شاہراہ پر گامزن رہنا بہت مشکل تھا۔ خصوصاً جب کہ اسی دوران میں آپ کی شادی بھی ہوگئی تھی۔ (۱)

فارسی کی تعلیم:

حضرت مفتی صاحب کے والد صاحب کی کوشش سے نوساری (محلہ موٹھوار) میں مدرسہ محمدیہ کی داغ بیل ڈالی گئی اور والد صاحب محترم نے سلسلہ درس شروع کیا تو مولانا موسیٰ بھبات اور یوسف میمن وغیرہما کے ساتھ آپ بھی مدرسہ میں درجہ فارسی کے طالب علم بنے۔

منصب امامت:

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کو قرأت اور تجوید میں بھی کمال عطا فرمایا ہے قرأت بہت نفیس اور لہجہ نہایت دلکش ہے۔ نوساری کے حضرات نے آپ کے اس خداداد کمال سے فائدہ اٹھانا چاہا لہٰذا مسجد کی امامت آپ کے سپرد کردی اور پھر آپ کو جامع مسجد کا امام بنادیا گیا۔ درانحالیکہ تعلیم کا سلسلہ بھی جاری تھا اور فارسی کی تکمیل کررہے تھے۔ مگر آپ کی باکمال شخصیت زیادہ عرصہ یہاں نہیں رہ سکی حضرت مولانا محمد حسین صاحب رحمہ اللہ (بانی جامعہ حسینیہ راندیر) اور محترم حافظ احمد موٹا صاحب جیسے قدردان حضرات نے آپ کے کمال کی قدر کی اور آپ کو باصرار تمام

(۱) مفتی صاحب مدظلہ تعالیٰ کے والد ماجد کے پھوپی زاد بھائی حضرت مولانا سید عبدالحی صاحب رحمہ اللہ تھے ان کی بڑی دختر نیک اختر محترمہ فاطمہ بی بی سے آپ کی شادی ہوئی تھی۔ مولانا سید عبدالحی صاحب کیان ضلع سورت کے مدرسہ میں صدر مدرس تھے۔

راندیر بلالیا گیا۔ چنانچہ آپ ذی قعدہ ۱۳۴۳ھ میں بحیثیت امام مسجد راندیر تشریف لے آئے۔ راندیر جیسے دینی مرکزی کی درسگاہیں آپ کے لئے نعمت غیر مترقبہ تھیں۔ درحقیقت یہی درسگاہیں آپ کے لئے جاذب بنی تھیں کہ یہاں درس نظامی کی تکمیل کر سکتے تھے۔ چنانچہ آپ راندیر پہنچے تو پہلے آپ نے جناب قاری محمد عمر تھانوی مدظلہ سے قرأت کی تکمیل کی پھر آپ نے مدرسہ محمدیہ عربیہ جامعہ حسینیہ راندیر میں درسیات کی تکمیل کی۔ ۱۳۴۹ھ بمطابق ۱۹۳۱ء میں جبکہ حضرت علامہ مولانا انور شاہ رحمہ اللہ کی زیر صدارت جامعہ کا چودھواں سالانہ اجلاس ہورہا تھا۔ آپ کو جامعہ کی طرف سے سند فراغت دی گئی۔

صلاحیت افتاء:

فرائض امامت کا آپ کو پورا احساس رہا۔ جس کی وجہ سے درسی کتابوں کے علاوہ مسائل کی کتابوں کا مطالعہ بھی جاری رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے حافظہ بہتر عطا فرمایا ہے چنانچہ اس دور طالب علمی ہی میں بہت سے مسائل کے حافظ بن گئے۔ درس نظامی کا سلسلہ شروع ہوا تو اساتذہ کی نگرانی میں فتاویٰ لکھنے بھی شروع کر دیئے۔ آپ کے مشفق استاذ مولانا محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ آپ کو استفتات (سوالات) دے دیا کرتے تھے آپ پوری توجہ اور تحقیق کے بعد جواب لکھتے اور حضرت استاذ کی آفرین اور دعائیں حاصل کرتے تھے۔

افتاء کے ساتھ درس قرأت کی خدمت بھی آپ کے سپرد تھی۔ مولانا قاری نور گست صاحب مولانا قاری احمد ڈیسائی صاحب، قاری احمد سبات صاحب، مولانا احمد اللہ صاحب، مولانا سلیمان پٹیل صاحب مولانا محمد شریف صاحب بخاری، مولانا محمد حنیف صاحب افریقی اسی زمانہ کے آپ کے مشہور تلامذہ ہیں۔

اصابت رائے اور صحت فتویٰ:

ایسا بارہا ہوا کہ آپ کے کسی فتوے سے بعض علماء نے اختلاف کیا۔ لیکن جب وہ ہندوستان کے علمی مرکزوں یا مرکزی حضرات کی خدمت میں پیش کیا گیا تو حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب کے فتوے کی تصدیق کی گئی۔ صرف دو مثالیں یہاں پیش کی جارہی ہیں جو تاریخی حیثیت رکھتی ہیں۔

(۱) ۱۳۵۱ھ میں راندیر کے ایک مشہور حاجی صاحب کی وفات ہوئی۔ حاجی صاحب کی دوسری بیوی تھیں۔ پہلی بیوی وفات پا چکی تھیں ان کی اولاد موجود تھی۔ حاجی صاحب نے کچھ علماء کے مشورہ سے وصیت نامہ مرتب کیا۔ وصیت نامہ میں حاجی صاحب نے تحریر فرمایا:۔

"مرحومہ بیوی کے ترکہ میں میرا جو حصہ ہے وہ مجھے لینا نہیں ہے۔"

حاجی صاحب کی وفات کے بعد سوال پیدا ہوا کہ حاجی صاحب کے ترکہ میں ان کا وہ حصہ بھی شامل کیا جائے جو پہلی بیوی کے ترکہ میں سے شرعی فرائض کے بموجب ان کو ملتا ہے یا نہیں دوسری بیوی کا مطالبہ یہ تھا کہ اس حصہ میں سے بھی ان کو ثمن یعنی آٹھواں حصہ ملنا چاہئے۔ دوسرا فریق وصیت نامہ کی بنا پر تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ وہ کہتا تھا کہ حاجی صاحب اپنا حق ختم کر چکے ہیں کیونکہ وہ تحریر فرما چکے ہیں کہ "مجھے لینا نہیں ہے۔"

یہ مسئلہ حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے فرمایا کہ

''اس تحریر سے کہ مجھے لینا نہیں ہے۔ان کا حق ختم نہیں ہوا بلکہ حاجی صاحب اپنے حق کے حق دار ہیں اور اس حصہ میں سے دوسری بیوی ثمن کی حق دار ہے البتہ اگر یوں لکھا جاتا کہ میں نے اپنا حق فلاں فلاں کو دے دیا ہے اس وقت بے شک حق نہ رہتا اور جس کو دیا ہوتا وہ حق دار ہوتا۔''

حضرت مفتی صاحب کی اس رائے سے بعض جلیل القدر علماء نے اختلاف کیا تو یہ معاملہ حضرت علامہ مولانا محمد کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم ہند کی خدمت میں پیش کیا گیا جو اس وقت نیو سنٹرل جیل ملتان میں اسیر تھے، حضرت مفتی صاحب نے تحریر فرمایا' بے شک حاجی صاحب کا حق رد نہیں ہوا، وہ اس کے بدستور مالک ہیں اور اس میں سے دوسری بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔''

حضرت مفتی اعظم ہند کی طرف سے حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب کے رائے کی تصدیق ہوئی تو اختلاف کرنے والے عالم صاحب کا اعتماد مولانا مفتی عبدالرحیم پر اتنا بڑھ گیا کہ وہ کوئی فتویٰ آپ کو دکھائے بغیر روانہ نہیں کیا کرتے تھے

دوسرا فتویٰ

۱۹۳۶ء میں راندیر کی کنارہ مسجد کی تعمیر جدید کے وقت بیت الخلاء کے پائپ کے بارے میں متولی حاجی نبو صاحب نے حضرت مفتی صاحب سے مسئلہ پوچھا آپ نے جگہ دیکھ کر اجازت دے دی۔ذیل کے جواب سے سوال معلوم ہو جائے گا۔

(الجواب) اس کنویں کی جگہ جس میں بیت الخلاء کے پائپ داخل کرنا ہیں وہ مسجد اور صحن مسجد سے خارج ہے۔یہاں مسجد تعمیر ہونے تک عارضی طور پر فرض با جماعت ادا کئے جاتے ہیں اور گاہے گاہے سنتیں بھی پڑھی جاتی ہیں۔لہذا یہ جگہ شرعی مسجد میں داخل نہیں ہے بنا بریں اس بیکار کنوئیں میں ضرورۃ بیت الخلاء کا پائپ رکھا جائے تو جائز ہے اس سے مسجد کی بے حرمتی نہیں ہوگی۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔دستخط سید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہٗ راندیر شوال سنہ ۱۳۵۴ھ۔

اس فتوے کے بعد متولی صاحب نے پائپ ڈالا۔بعد میں کچھ صاحبان نے اختلاف کیا۔ایک مقامی مفتی صاحب کو بلا کر جگہ دکھائی اور عدم جواز کا فتویٰ حاصل کر لیا۔پھر اس فتویٰ کو اخبار ''ہمدرد'' میں شائع کیا۔جب یہ عدم جواز کا فتویٰ ''ہمدرد میں شائع ہوا تو ہر جانب سے متولی صاحب پر لعنت وملامت کی بارش ہونے لگی۔متولی صاحب خوف زدہ مفتی صاحب کے پاس دوڑے آئے اور کہنے لگے کہ آپ نے جواز کا فتویٰ دیا اور ہمدرد میں عدم جواز اور حرمت کا فتویٰ شائع ہوا ہے۔اب کیا کیا جائے؟ کہ اس کو توڑ دیں؟ اس پر کافی صرفہ ہوا ہے! حضرت مفتی صاحب نے تسلی دی کہ آپ نہ گھبرائیں۔آپ نے جو کچھ کیا ہے وہ غلط نہیں۔اس کے بارے میں نقشہ تیار کر کے دہلی وغیرہ سے جواب حاصل کیا جائے گا چنانچہ نقشہ تیار کر کے دہلی بھیجا۔وہاں سے حسب ذیل جواب آیا۔(الفاظ بعینہٖ نقل ہیں)

(الجواب) یہ صحیح نہیں ہے کہ احاطہ مسجد میں جو جگہ واقع ہو وہ مسجد کا حکم رکھتی ہے اور یہ بھی صحیح نہیں کہ جس جگہ پر عارضی طور پر ضرورت کی بنا پر نماز ادا کی جائے وہ مسجد بن جاتی ہے صورت واقعہ میں اگر کنویں میں نجاست کا راستہ کرنے سے اور کوئی خرابی یا نقصان نہیں تو ان وجوہ سے کہ یہ جگہ احاطہ مسجد میں ہے یا اس پر عارضی طور ۔۔

جماعت ہوئی ہے مانع جواز نہیں۔ فقط۔ دستخط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔
اس سلسلہ میں مفتی مہدی حسن صاحب سے بھی رجوع کیا گیا۔ سوال وجواب بالفاظہا مندرجہ ذیل ہے:۔

استفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل صورت میں کہ ہمارے یہاں احاطۂ مسجد میں صحن مسجد کی ایک جانب، حوض کے متصل زمین کا ایک مختصر قطعہ متعلقہ مسجد واقع ہے اس جگہ پہلے غسل خانہ اور کنواں تھا۔ چند سال ہوگئے یہاں سے غسل خانہ دوسری جگہ منتقل کردیا گیا اور کنواں پاٹ دیا گیا اور زمین ہموار کرکے فرش کو پختہ بنالیا گیا ہے۔ اس پختہ فرش پر لوگ بیٹھتے ہیں اور بلا کھٹکے دنیا کی باتیں کرتے ہیں حتیٰ کہ بیڑی سگرٹ بھی پی جاتی ہے اور بعض دفعہ لوگ سنتیں اور نوافل بھی پڑھ لیا کرتے ہیں اور جب مسجد شہید کردی گئی تھی تقریباً ڈیڑھ ماہ صحن مسجد میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے پنجگانہ نماز باجماعت اس جگہ ادا کی گئی تھی۔ میں نے مسجد کی بھلائی اور کفایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کنویں کو نفس مسجد سے خارج سمجھ کر جدید بیت الخلا سے جو احاطہ مسجد میں ایک طرف واقع ہے جوتا اتارنے کی جگہ سے مذکورہ معطل کنویں تک بول وبراز جانے کے لئے سطح زمین سے دوقدم آدم گہرائی میں پائپ ڈال دیا ہے اور پائپ سے سطح زمین تک کا (حصہ) مٹی سے بھرا ہوا ہے اس لئے بدبو آنے کا بھی احتمال نہیں ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ چونکہ یہ کنواں احاطہ مسجد میں ہے لہٰذا داخل مسجد ہے اور اس کا فرش بحکم صحن مسجد ہے خصوصاً جب کہ یہاں سنتیں اور نفلیں پڑھی جاتی ہیں اور ایک عرصہ تک فرض نماز باجماعت ادا کی گئی ہے۔ اس لئے اس کنویں میں بول وبراز داخل کرنا مسجد کی بے حرمتی کا باعث ہے تو کیا یہ صحیح ہے۔ امید کہ نقشۂ مسجد ملاحظہ فرما کر حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں گے یہ بھی خیال رہے کہ مذکورہ کنواں بہت گہرا ہے اور ندی بھی قریب ہے پانی چڑھنے اترنے سے غلاظت کھنچ جایا کرے گی اس لئے بھر جانے کا اندیشہ نہیں ہے۔ اگر اس کو بند کردیا جائے اور دوسرا کنواں کھدوایا جائے تو حکومت اجازت نہیں دیتی۔ یعنی ۲۰ فٹ سے زیادہ گہرا کنواں کھودنا ممنوع قرار دیا گیا ہے اس لئے بار بار بھر جانے کا امکان ہے اور دریں صورت مصلیوں کو تکلیف ہوگی اور مسجد پر بار پڑتا رہے گا اور مسجد ذی حیثیت بھی نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ پائپ مسجد کی بے حرمتی کا باعث ہو تو اس کے مقابلہ میں ہر قسم کی زحمت گوارا کی جاسکتی ہے۔ بینوا توجروا (متولی مسجد کنارہ راندیر ضلع سورت)

(الجواب) ایک صحن مسجد ہوتا ہے اور ایک فناء مسجد! فنائے مسجد وہ خالی جگہ ہوتی ہے جس میں ضروریات مسجد پوری کی جاتی ہیں۔ عرفاً احاطۂ مسجد میں جتنی جگہ ہوتی ہے اس میں مسجد، صحن مسجد، فنائے مسجد وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے۔ اس میں غسل خانہ، پیشاب خانہ، سنڈاس (بیت الخلاء) وضو کرنے کی جگہ، حوض، جوتے اتارنے، رکھنے کی جگہ، پانی کے مٹکے وغیرہ رکھنے کی جگہ، مسجد کے ساز وسامان رکھنے کی جگہ وغیرہ ذالک سب احاطۂ مسجد میں ہوتا ہے۔ لیکن سب پر مسجد کے شرعی احکام جاری نہیں ہوتے ہیں۔ حد مسجد شرعی سے جتنی زمین اور جگہ خارج ہوتی ہے وہ مسجد نہیں بلکہ مسجد کے انتظامات اور ضروریات کے واسطے ہوتی ہے۔ ہاں جب اہل محلّہ (بانی اصلی مالک) زائد زمین کو مسجد کی توسیع کے لئے مسجد میں ملادیں تو وہ بھی مسجد ہوجائے گی۔

سوال میں جس جگہ سے پائپ ڈال کر کنویں تک پہنچایا گیا ہے وہ بحسب نقشہ مسجد منسلکہ سوال حد مسجد شرعی

سے خارج اور فنائے مسجد میں داخل ہے، صحن مسجد سے اس کو کوئی واسطہ نہیں ہے۔ صحن مسجد جو فقہا کے نزدیک مسجد ہے وہ وہی صحن ہے جو کھلی ہوئی جگہ ہوتی ہے جس کو گرمی کی مسجد یا خارجی مسجد کہا جاتا ہے۔ جہاں جوتے اتارتے ہیں جہاں کنواں بنا ہے جہاں غسل خانہ یا سنڈاس بنا ہے یہ سب صحن مسجد سے خارج جگہ ہے۔

لہذا صورت مسئولہ میں اس پائپ کو اس کنویں تک پہنچانے میں کوئی حرج نہیں ہے اس سے مسجد کی بے حرمتی نہیں ہے اس میں مسجد کو ناپاک کرنا نہیں ہے اس میں مسجد میں نجاست جاری کرنا نہیں ہے کہ یہ سب جگہ بحسب نقشہ مسجد سے خارج ہے اسی لئے وہاں بیٹھتے اٹھتے، باتیں کرتے بیڑی وغیرہ پیتے ہیں اور اس سے پہلے غسل خانہ بھی تھا جیسا سوال میں مذکورہ ہے۔ کسی جگہ پر نوافل وغیرہ پڑھنے سے وہ جگہ مسجد نہیں ہوتی۔ اسی طرح کسی عذر کی بنا پر کسی خارجی مسجد جگہ میں جماعت سے نماز پڑھنے سے وہ جگہ مسجد نہیں ہوتی۔ جب یہ نیت ہے کہ عذر جاتے رہنے پر اس جگہ کو چھوڑ دیں گے۔ مذکورہ سوال میں یہ موجود ہے کہ مسجد بنانے کے لئے شہید کر دینے کی وجہ سے نماز پڑھنے کی مسجد اور صحن مسجد میں جگہ نہیں تھی اس مجبوری کی وجہ سے چندے اس جگہ پر جماعت سے نماز پڑھی گئی اور جب مسجد بن گئی تو اس جگہ کو چھوڑ دیا گیا ایسی صورت میں اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں اور وہ جگہ مسجد نہیں۔

وقيد باذن الباني لان متولي المسجد اذا جعل المنزل الموقوف علي المسجد مسجداً وصلي فيه سنين ثم ترك الصلوٰة فيه واعيد منزلاً مستغلاً جاز لان المتولي وان جعله مسجداً لا يصير مسجداً كذا في الخانيه (بحر ج۵ ص ۲۴۸) لكن لو قال صلوا فيه جماعةً صلوٰة او صلو تين يوماً او شهراً لا يكون مسجداً كما صرح به في الذخيرة وقد مناه عن الخانية في الرحبة(بحر ج۵ ص ۲۴۹)جعل شيء اى جعل الباني شيئاً من الطريق مسجد الضيقه ولم يضر بالمارين جاز (درمحتار) ثم ظاهر ما نقلناه ان تقييد الشارح اولا بالباني وثانياً بالا مام غير قيد الخ(رد المحتار ج۳ ص ۳۹۵)

میں نے خود بھی علاوہ نقشہ کے اس جگہ کو دیکھا ہے کہ مذکورہ کنواں اور پائپ وغیرہ فناء مسجد میں ہے جو حد مسجد سے خارج ہے صحن مسجد میں داخل نہیں ہے تاکہ نا جائز ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح۔ بندہ محمد بدر عالم عفا اللہ عنہ۔ (دستخط) کتبہ السید مہدی حسن غفرلہ۔

مفتی راندیر۔ سورت، ۱۹۔ جنوری ۱۹۳۶ء۔

الجواب صحیح۔ اس جگہ کو بندہ نے دیکھا ہے۔ یہ جگہ حد مسجد سے خارج ہے اس کو حد مسجد میں داخل قرار دینا زبردستی ہے۔ فقط واللہ اعلم بندہ سید عبدالرحیم غفرلہ لاجپوری امام بڑی مسجد راندیر۔

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
شبیر احمد عثمانی عفا اللہ	(مولانا) اشرف علی عفی عنہ	ظفر احمد عفا اللہ عنہ	اسماعیل بن محمد بسم اللہ

۲۲۔ ذی الحجہ ۵۴ھ احقر عبدالکریم عفی عنہ با[illegible] دار اسلامیہ ڈابھیل خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سملک ضلع سورت

۲۲۔ ذی الحجہ ۵۴ھ ۲۸۔ ذوالقعدہ ۵۴ھ۔

الجواب صحیح۔ بندہ احمد نور مدرس جامعہ حسینیہ راندیر ضلع سورت۔

الجواب صحیح۔ عبدالرحمن کان اللہ لہ ولوالدیہ۔

رد بدعات:

حضرت مفتی صاحب کی خاص فضیلت یہ بھی ہے کہ آپ نے صرف تحریر اور فتویٰ کے لحاظ سے بلکہ عملی طور پر رد بدعات میں پیش پیش رہے۔ نوساری، سورت وغیرہ مقامات سے رسم ورواج وغیرہ صحن مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا، ترویحہ میں سب کا ملکر دعا مانگنا، خطبہ عید کے بعد اجتماعی دعا مانگنا، صحن مسجد میں نماز جنازہ وغیرہ (اختلافی بین الناس) مسائل کو دور کرنے میں کافی زحمت اٹھائی اور بڑی استقامت اور ثابت قدمی سے کام لیا۔

آپ جس طرح دوسروں کو پابند سنت بنانا چاہتے ہیں، خود بھی زندگی کے ہر ایک گوشہ میں پابندی سنت کا پورا اہتمام کرتے ہیں۔ آپ کے گھر میں پردہ کی سخت پابندی ہے۔ اس پر آشوب دور میں اس پر پابندی بڑی دشوار ہے۔

خاتمہ کلام:

یہ چند تعارفی کلمات ہیں جو یہاں پیش کئے ورنہ واقعہ یہ ہے:۔

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچیں بہار تو زداماں گلہ دارد

خیر ختام:

آخر میں تبرکاً ان بزرگوں کے اسماء گرامی پیش کئے جارہے ہیں جن سے حضرت مفتی صاحب نے استفاضہ کیا یہ حضرت مفتی صاحب کے اساتذہ ہیں۔ فتاویٰ رحیمیہ سے فیض پانے والے حضرات مفتی صاحب کو دعا دیں تو ان بزرگوں کو بھی دعا میں یاد رکھیں۔ نیز راقم حروف کو بھی دعاء میں فراموش نہ کریں۔

حضرت الحاج مولانا محمد حسین صاحب راندیری رحمۃ اللہ۔

حضرت الحاج مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب صدر مفتی دار العلوم دیوبند مدظلہ العالی۔

حضرت مولانا احمد نور صاحب مدظلہ العالی۔ حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب اجمیری۔

حضرت مولانا محب اللہ صاحب مدظلہ العالی۔

ناچیز عیسیٰ بھائی ابراہیم (ایڈیٹر ماہنامہ پیغام (گجراتی) کاوی ضلع بھروچ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تکملۂ تعارف

از محترم عیسیٰ بھائی ابراہیم مدظلہٗ

فتاوی رحیمیہ جلد اول میں احقر نے صاحب فتاوی حضرت مفتی لاجپوری صاحب کا مختصر تعارف لکھا ہے مگر بعض احباب کو شکایت رہی کہ گجراتی میں جو فتاوی رحیمیہ شائع ہوا ہے اس کے تعارفی مضمون کی بعض اہم باتیں کیوں چھوڑ دی گئیں؟ ان احباب سے میری گذارش یہ ہے کہ اگر صاحب فتاوی کی قابل رشک اسلامی زندگی کے مثالی پہلوؤں کو لکھا جائے تو گجراتی فتاوی کا تعارفی مضمون بھی ناکافی اور تشنۂ تکمیل بن کر رہ جائے، تاہم آج جب کہ فتاوی رحیمیہ کی جلد دوم زیور طبع سے آراستہ ہو رہی ہے تو تکملۂ تعارف کے عنوان سے چند سطریں اس نیت سے زیب قرطاس کر رہا ہوں کہ صاحب فتاوی کے مزید تعارف کے ساتھ احباب کرام کی شکایت بھی رفع ہو جائے۔

الحمد للہ مجھے اس احساس سے بڑی مسرت ہو رہی ہے کہ اگر چہ میرے ماہنامہ "پیغام" نے گجراتی مسلمانوں کی بے اعتنائی اور اپنے اکثر خریداروں کی کج ادائی اور نادہندگی کی وجہ سے دم توڑ دیا ہے مگر اس میں شائع شدہ فتاوی نہ صرف گجراتی زبان میں کتابی شکل میں طبع ہوئے بلکہ اپنی کشش محبوبیت اور مقبولیت کی وجہ سے اردو زبان میں بھی دو جلدوں میں طبع ہو چکے ہیں اور اب انگریزی زبان میں بھی اس کا مسودہ تیار ہو چکا ہے عنقریب انگریزی زبان میں طبع ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ۔

آج کے غیر دینی ماحول دنیاوی علوم کے غلبہ کے دور میں فتاوی رحیمیہ کا یوں۔ تین، تین زبانوں میں طبع ہو کر اپنے لئے ایک اہم اور امتیازی مقام پیدا کر لینا اگر صاحب فتاوی کی خصوصیت کی علامت نہیں تو اور کیا ہے؟

یقیناً حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ کی شخصیت اسلامی تعلیم کا عملی نمونہ ہونے کے باجود اپنی انکساری اور خاموشی کی وجہ سے گمنام اور غیر معروف رہی ہے اور یہ ایک عام قانون ہے کہ کلام کا اثر صاحب کلام کے بااثر اور باوقار ہونے پر منحصر ہے، لیکن یہاں اس عام قانون کے خلاف یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ صاحب فتاوی کی شخصیت غیر معروف ہونے کے باوجود ان کا کلام ہر زبان کے قارئین کو متاثر کر کے مقبولیت عامہ وتامہ حاصل کر رہا ہے۔ اللّٰھم زد فزد۔

مفتی کا مقام

ہر دور کے علمی حلقوں میں مفتی کا مقام ایک امتیازی خصوصیت اور اپنی ذمہ داریوں کے اعتبار سے بڑی نزاکت اور اہمیت کا حامل شمار ہوتا ہے، کیونکہ فقہ کے بظاہر یکساں دکھائی دینے والے لاکھوں جزئیات اور فروعی مسائل سے تعلق رکھنے والے احکامات کے مابین جو معمولی سا فرق وامتیاز ہوتا ہے اسے سمجھنے کے لئے بہت ہی گہرے علم اور عقل و بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر اہل علم کے بس کی بات نہیں ہے، نیز جب تک مفتی کو فقہ کی ساتھ پوری مناسبت اور شرعی مسائل میں مکمل بصیرت حاصل نہ ہو، عقل و ذہانت میں خاص قسم کی صلاحیت اور قلب ودماغ میں مذہبی علوم راسخ نہ ہوں اس وقت تک وہ اپنی ذمہ داریوں کو کما حقہٗ اطمینان بخش طریقے پر انجام دینے سے قاصر رہتا ہے۔

الحمدللہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری میں مذکورہ بالا خصوصیتیں وسیع پیمانہ پر قدرت نے ودیعت فرمائی ہیں، علاوہ ازیں حضرت مفتی صاحب خوف خدا، دور بینی، برد باری، شرافت، تواضع تقویٰ، متانت، سنجیدگی، احساس فرض، بلندی کرداری، مہمان نوازی، اور تجربہ کاری جیسے عمدہ اور اعلیٰ اوصاف سے بھی متصف ہیں نیز آپ کے جوابات متعدد کتب کے حوالے سے مزین ہوتے ہیں اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ایسے مدلل ہوتے ہیں کہ اس مستفتی کو بھی اطمینان کی راحت بخش دیتے ہیں جس کی منشاء اور فہم کے خلاف ہوتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے ۱۳۴۹ھ میں جامعہ حسینیہ راندیر ضلع سورت سے سند فراغ حاصل فرمائی جامعہ حسینیہ کے اس سالانہ جلسہ میں جس کی صدارت فخر المحدثین حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہٗ نے فرمائی تھی اور جس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ نے بھی شرکت فرمائی تھی اس کی رپورٹ میں حضرت مولانا محمد حسین صاحب (نوراللہ مرقدہٗ) نے آپ کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ

''مولوی سید حافظ عبدالرحیم لاجپوری چھ سال سے اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں ان کی از ابتداء تا انتہاء عربی تعلیم اسی مدرسہ میں ہوئی نیز سند قرأت بھی اسی مدرسہ سے حاصل کر چکے ہیں، نہایت صالح اور ذہین طالب علم ہیں حق تعالیٰ ان کے علم اور عمر میں برکت دے کر ان سے اہل گجرات کو فیض یاب فرمائیں۔''

فتویٰ نویسی اور اصابت رائے

حضرت مفتی صاحب موصوف کے بارے میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ آپ زمانہ طالب علمی سے ہی فتوے نویسی کی خدمت انجام دے رہے تھے علاوہ اس کے آپ بعض اہم فتاوؤں کے سلسلہ میں اطمینان اور دفع تردد کے لئے خاتم المحدثین حضرت شاہ صاحب کشمیری قدس سرہٗ اور حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب قدس سرہٗ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے بذریعہ خط وکتابت بار بار استصواب فرماتے رہتے تھے، الحمدللہ ان اکابرین ملتؒ نے کبھی کسی ایک مسئلہ میں بھی حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی تحقیق سے اختلاف نہیں فرمایا بلکہ ہر بار تصدیق ہی فرماتے رہے ہیں چند نمونے درج ذیل ہیں:۔

طالب علمی کے زمانے کا اشکال اور خاتم المحدثین حضرت انور شاہ کشمیری کا تحقیقی جواب (بزمانۂ قیام ڈابھیل) وقوع طلاق کے لئے ملک بالفعل یا اضافت الی الملک کا ہونا ضروری ہے لہذا صورت مسئلہ میں اقرار نامہ کی خلاف ورزی موجب طلاق ہوگی یا نہیں۔ الخ

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جواب:۔

اضافت سبب ملک کی طرف اس واسطے شرط ہے کہ تعلیق شرط ملایم سے ہو جائے جیسے کہ کفالہ میں ذکر کرتے ہیں وعلیٰ ہذا یہ اضافت جب ہی لازم ہے کہ زوج ابتداء کرے صورت مسئولہ میں اولیاء زوجہ کی طرف سے شرط ہے اور ملایم ہے یہ معتبر ہونی چاہئے جیسے کہ کفاءت کی شرط کریں۔ محمد انور عفا اللہ عنہ،

ایک دل چسپ بحث

''تعلیم الاسلام'' اور ''تعلیم المسلمین'' کی ''عبارات پر اشکال''

جناب مولوی سید جعفر صاحب سورتی کو حضرت مولانا مفتی اعظم محمد کفایت اللہ صاحبؒ کی مشہور تالیف ''تعلیم الاسلام'' سے اتفاق نہیں تھا اس لئے انہوں نے تعلیم الاسلام کے مقابلہ میں ''تعلیم المسلمین'' کے چار حصے لکھے تھے اور عقائد و مسائل میں جگہ جگہ خلاف کیا تھا اس لئے حضرت مولانا محمد حسین صاحبؒ بانی جامعہ حسینیہ راندیر نے تعلیم المسلمین پر تنقید کا کام اپنے شاگرد رشید صاحب فتاویٰ حضرت مفتی لاجپوری صاحب کے سپرد کیا تھا حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے تعلیم المسلمین کی غلطیوں کی اصلاح مع حوالجات ونقول عبارات کتب فقہیہ معتبرہ مرتب فرما کر مسودہ استاذ محترم کی خدمت میں پیش فرمادیا ان (اصلاح شدہ) مسائل میں ''تعلیم المسلمین'' حصہ چہارم میں یہ مسئلہ تھا۔

(الجواب) قصر والی نمازوں میں مسافر قصداً اگر چار رکعت پڑھے تو اگر دوسری رکعت پر قعدہ کرلیا ہے تو آخر میں سجدۂ سہو کر لینے سے نماز ادا ہو جائے گی۔ الخ (تعلیم المسلمین ج ۴ ص ۶۵)

حضرت مفتی لاجپوری صاحب کی تنقید

معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف تعلیم المسلمین کے نزدیک مسافر بجائے دو کے قصداً چار رکعتیں پڑھے اور آخر میں سجدۂ سہو کر لے تو نماز ہو جائے گی حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے قصداً کی صورت میں سجدۂ سہو کافی نہیں نماز واجب الاعادہ ہوگی لیکن اس مسئلہ میں ''تعلیم الاسلام'' کی عبارت بھی واضح نہیں پائی۔ تعلیم الاسلام کی عبارت یہ ہے:۔

(سوال) اگر مسافر چار رکعتوں والی نماز پوری پڑھ لے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) اگر دوسری رکعت پر قعدہ کرلیا ہے تو آخر میں سجدہ سہو کر لینے سے نماز ہو جائے گی لیکن قصداً ایسا کرنے سے گنہگار ہوگا اور بھولے سے ہوگیا تو گناہ بھی نہیں۔ (تعلیم الاسلام ج ۴ ص ۴۴)

تعلیم الاسلام میں بھی قصداً کی صورت میں اعادہ کی تصریح نہیں ہے بلکہ قصداً کی صورت میں بھی سجدہ سہو کر لینے سے نماز ہو جانے کا شبہ ہوتا ہے اس بنا پر محترم مفتی لاجپوری صاحب نے حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دونوں جوابات کے متعلق اپنا اشکال پیش کیا اور لکھا کہ ''**لا یکفی سجود السھو لا نہ لتکمیل السھو لا لرفع نقص العمد**'' (سید عبدالرحیم)

حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کا جواب

(الجواب) تعلیم الاسلام کی عبارت میں سجدۂ سہو کر لینے کے باوجود عمد کی صورت میں گنہگار ہونے کا حکم موجود ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ نماز واجب الاعادہ ہے۔ ''**لان الاثم یتعلق لفعلہ الاختیاری وھو عدم قبولہ رخصۃ اللہ تعالیٰ او الزیادۃ علیٰ فریضۃ اللہ تعالیٰ.**''

اگر چہ وجوب اعادہ کی تصریح سے وہ عبارت بھی قاصر ہے تاہم جتنی عبارت ہے وہ غلط نہیں ہے، البتہ تعلیم المسلمین کی عبارت مخدوش ہے۔

تعلیم المسلمین کے ایک دوسرے جواب پر اشکال

اور حضرت مفتی اعظمؒ کا جواب (مذکورہ بالا دونوں جوابات سنٹرل جیل ملتان سے دیئے گئے)

(سوال) پہلی جماعت ہوگئی تو دوسری جماعت ہو سکتی ہے؟

(الجواب) ہاں اگر محلہ کی مسجد ہے اور اس کے امام معین نے اذان واقامت کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھی ہو تو اب دوسری جماعت محراب سے داہنی یا بائیں جانب ہٹ کر بغیر اذان واقامت کے جماعت سے نماز پڑھنا بالاتفاق جائز ہے، اور پہلی جماعت بغیر اذان کی ہوئی ہے یا معین امام کے سوا دوسرے نے جماعت کی تو اب دوسری جماعت اذان واقامت کے ساتھ جائز ہے اور یہ پہلی جماعت شمار ہوگی۔ (تعلیم المسلمین ج ۴ ص ۴۲)

کیا یہ جواب صحیح ہے بخصوصیت کے ساتھ "بالاتفاق جائز ہے" اس پر اعتراض ہے امید کہ حضرات والا اپنی تحقیق سے مشرف فرمائیں گی۔ (سید عبدالرحیم لاجپوری)

(الجواب) "بالاتفاق جائز ہے" یہ درست نہیں ہے، غالباً مؤلف تعلیم المسلمین نے فقہا کی ان عبارتوں سے یہ سمجھا ہے جن میں تبدیل ہیئت کے بعد جاز اجماعا جازت یا تجوز اجماعاً لکھ دیا ہے مگر وہ غالباً حضرت امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے اتفاق کے متعلق ہے۔ اتفاق بین لائمۃ الاربعۃ اس سے مراد نہیں ہے اور نہ اتفاق ائمتنا الثلاثۃ مقصود ہے۔ مزید تحقیق کے لئے یہاں جیل میں کتابیں موجود نہیں ہیں۔ محمد کفایت اللہ عفا عنہ' (سنٹرل جیل، ملتان)

ایک اہم استفتاء کی تصدیق

حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ حسب ذیل فتویٰ شائع کرانا ہے لہذا تصدیق یا اصلاح سے مشرف فرما کر جلد روانہ فرمائیں۔ (سید عبدالرحیم لاجپوری)

استفتاء

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حافظ بلا اجرت تراویح پڑھانے والا نہیں ملتا اور اجرت دینا لینا جائز نہیں تو پھر ہم تراویح میں قرآن مجید کیوں کر سنیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) بلاشبہ طاعت پر اجرت لینا اور دینا جائز نہیں، فقہائے متاخرینؒ نے اس حکم سے جن امور کو مستثنیٰ فرمایا ہے ان میں تراویح میں قرآن سنانے پر اجرت لینے کا مسئلہ شامل نہیں ہے لہذا تراویح میں اجرت پر قرآن سنانا ناجائز ہے اس پر فتن زمانہ میں جب کہ لوگوں کو دینی تعلیم سے ایک قسم کی نفرت سی پیدا ہو رہی ہے، حفاظ کی تعداد گھٹتی نظر آتی ہے اور جو ہیں وہ بھی برائے نام حافظ ہیں، کیوں کہ تراویح میں سنانا چھوڑ رکھا ہے کہ سنانے میں نہ روپیہ ملتا ہے نہ عزت دیکھتے ہیں اگر روپیہ ملتا ہے تو مطعون ہونا پڑتا ہے مستقبل اس سے بھی تاریک نظر آتا ہے لہذا میرے

نزدیک اجرت لینے کے لئے جواز کی شکل یہ ہے کہ رمضان کے لئے حافظ کو ثانی امام یا نائب امام اجرت (تنخواہ) پر متعین کرلیا جائے اور اس کے ذمہ تراویح کے علاوہ عشاء وغیرہ ایک دو وقت کی نماز لازم کردی جائے اور باقی اوقات میں اگر زیادہ دشوار نہ ہو تو حاضری ضروری قرار دی جائے اور چندہ کر کے یا پھر مسجد سے تنخواہ پوری کردی جائے۔ (فقط واللہ اعلم بالصواب۔)

کتبہ، سید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہ شعبان المعظم ۱۳۷۰ھ۔

نمبر ۲۶۲۷ ھو الموفق، اگر رمضان المبارک کے مہینہ کے لئے حافظ کو تنخواہ پر رکھ لیا جائے اور ایک دو نمازوں میں اس کی امامت معین کردی جائے تو یہ صورت جواز کی ہے کیونکہ امامت کی اجرت (تنخواہ) کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔ (محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی)

(الجواب) نمبر ۲۶۷ حامداً ومصلیاً، اصل مذہب تو عدم جواز ہی ہے، لیکن حالت مذکورہ میں حیلہ مذکورہ کی گنجائش ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپوری، ۱۵-۰۷/۸ھ۔

حضرت مفتی لاجپوری صاحب نے اپنے طالبعلمی کے زمانہ میں حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے بار بار استصواب فرمایا ہے اور ہر بار تصدیق سے نوازے گئے ہیں بطور نمونہ ایک خط اس سلسلہ کا بھی پیش ناظرین کیا جارہا ہے۔

حضرت مولانا صاحب مدظلہم العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! بعد ما ھو المسنون معروض خدمت آنکہ زید کہتا ہے کہ نماز پڑھنے والے کے سامنے قریب میں کسی بزرگ کا مقبرہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ مصلی اور قبرہ کے درمیان مقبرہ کی دیوار حائل ہے البتہ اگر قبر بلا مقبرہ ہوتی تو نماز مکروہ ہوتی۔

میرا خیال یہ ہے کہ مقبرہ کی چاروں دیواریں بوجہ اتصال کی قبر کے تابع ہیں، چنانچہ مبتدعین قبر کے مانند جدار مقبرہ کو بھی قابل تعظیم سمجھتے ہیں پس اگر کوئی آدمی مقبرہ کی طرف نماز پڑھے گا تو دیکھنے والے کو ضرور شبہ ہوگا کہ یہ شخص شاید تعظیماً اس جگہ نماز پڑھتا ہے لہذا تحرزاً عن اشتباہ التعظیم ایسے موقعہ پر نماز پڑھنے کی ممانعت کرنی چاہئے، امید کہ جناب والا اس کے متعلق تحریر فرما کر بندہ کو تشفی فرمائیں گے۔ مرقاۃ میں یہ عبارت ہے۔ ولا تصلوا الی مستقبلین الیہا لما فیہ من التعظیم البالغ لا نہ من رتبۃ المعبود فجمع بین الا ستحقاق العظیم والتعظیم البلیغ قالہ الطیبی ولو کان ھذا لتعظیم حقیقۃ للقبر او لصا حبہ اکفر المعظم فالتشبہ بہ مکروہ وینبغی ان تکون کراھۃ تحریم وفی معناہ بل اولیٰ منہ الجنازۃ الموضوعۃ. (مرقاۃ المفاتیح ج ۲ ص ۳۷۲)

بندہ خادم قدیم عبدالرحیم غفرلہ۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ ''میں بھی اسی خیال سے متفق ہوں۔''

اسی طرح مسلسل حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے خط و کتابت اور علمی تحقیق تصدیق اور تصویب کا سلسلہ چلتا رہا اور حضرت حکیم الامتؒ حضرت مفتی صاحب کی علمی استعداد اور ذوق فتوی نویسی سے آگاہ ہوتے رہے، چنانچہ جب ۱۳۵۰ھ میں حضرت مفتی صاحب نے بڑی مسجد راندیر کے متولی حاجی گلاب خان کے ساتھ جب کہ وہ تھانہ بھون تشریف لے جارہے تھے ایک خط درخواست بیعت پر مشتمل ارسال فرمایا تو حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے حسب ذیل جواب ارسال فرمایا۔

مولانا دامت برکاتکم السلام علیکم۔ خدمت سے عذر نہیں مگر مخدومیت کی صلاحیت اپنے اندر نہیں پاتا اور نفع اس پر موقوف بھی نہیں ہے اصل چیز اتباع ہے۔ احکام کا اور مشورہ کا سب احکام ماشاءاللہ آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں اور مشورہ کے لئے میں حاضر ہوں جب سے آپ فرمائیں۔ والسلام دعا گو و دعاء جو اشرف علی۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے وصال کے بعد حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ سے روبرو میں دست بدست تشرف بیعت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ الحمدللہ۔

آپ نے حضرت علامہ مولانا انور شاہ صاحبؒ سے شرف تلمذ بھی حاصل کیا ہے، جب کہ حضرت شاہ صاحب کشمیری قدس سرہٗ دیو بند چھوڑ کر پہلی مرتبہ راندیر تشریف لائے تو تقریباً ایک ماہ قیام رہا تھا اس وقت حضرت مولانا ابراہیم صاحب (مہتمم جامعہ) کی درخواست پر دو سبق پڑھانا منظور فرمایا تھا۔ حضرت مفتی صاحب اور حضرت مولانا سعید راندیری صاحب والی جماعت حضرت شاہ صاحب کی قیام گاہ پر جا کر سبق پڑھتی تھی چنانچہ پندرہ روز تک حضرت شاہ صاحب نے اس جماعت کو نور الانوار اور شرح وقایہ کا درس دیا تھا۔

تحریر کافی طویل ہوگئی ہے مگر مجھے امید ہے کہ ناظرین کرام اس طوالت سے محفوظ ہوئے ہوں گے کیونکہ طوالت زیادہ تر فتاویٰ کی دل چسپ بحث کی وجہ سے ہوئی ہے جو قارئین فتاویٰ کا عین مقصد ہے فقط۔

نیاز مند۔
عیسیٰ بھائی ابراہیم مدیر ماہنامہ ''پیغام''
کاوی، ضلع بھروچ۔

فتاویٰ رحیمیہ کے متعلق

حضرات اصحاب فتویٰ۔ علماء وفضلاء محترم کی آراء

حضرت علامہ مفتی سید مہدی حسن صاحب دام ظلہم العالی

(صدر مفتی دارالعلوم دیوبند)

آپ کا مرسلہ فتاویٰ رحیمیہ مجلد پہنچا، پوری جلد کا تو مطالعہ نہ کر سکا لیکن جستہ جستہ مقامات خصوصاً طویل جوابات کو بغور پڑھا اور دل سے دعاء نکلی کہ اللہ فہم اور تلاش مسائل میں اور قوت عطا فرمائے، بہت بہتر اور کاوش سے جوابات دیئے گئے خصوصاً جوابات میں نقول معتبرہ کو پیش کیا ہے، بعض مختصر جوابات پر بھی نظر ڈالی جواپنی جگہ پر بالکل صحیح ہیں جس کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ مجموعی حیثیت سے فتاویٰ رحیمیہ عوام ہی کے لئے نہیں بلکہ اہل علم کے لئے بھی بغیر محنت کے مفید ہے اللہ تعالیٰ مقبول عام بنائے اور مجیب سلمہ کو اجر جزیل عطا کرے کہ مخلوق کی اعتقادی اور عملی زندگی کی اصلاح اور حنفی مذہب کی تائید وتقویت اہل سنت والجماعت کے مطابق کی ہے نیز بعض مخالفین مذہب کے اعتراضات کے جوابات بھی باحسن وجوہ مدلل دیئے گئے ہیں۔ مسائل فقہیہ کو منقح کیا گیا ہے نیز موقع محل پر احادیث صحیحہ کو بھی دلائل میں پیش کیا گیا ہے الحاصل فتاویٰ رحیمیہ ہر اعتبار سے قابل اعتبار ہے۔ یہ چند سطور بمجبوری لکھی ہیں ورنہ میں اپنی جہالت اور ہیچ مدانی پر خود شرمسار ہوں بھلا میں کہاں اور اہل علم کے فتاوے کی تقریظ کہاں من آنم کہ من دانم ۔ آخر میں پھر دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ مؤلف فتاویٰ رحیمیہ کو اور زیادہ توفیق عطا فرمائے کہ مخلوق کی دینی خدمت کرتے رہیں۔ آمین۔

احقر الزمن السید مہدی حسن کان اللہ لہٗ

خادم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند۔

(۲) سید الملت حضرت الحاج مولانا سید محمد میاں صاحب مدظلہ العالی

شیخ الحدیث صدر ومفتی مدرسہ امینیہ دہلی

سید محترم مولانا حافظ قاری مفتی عبدالرحیم صاحب قادری (لاجپوری) مدظلہ العالی کے یہ فتاویٰ جو اس جلد میں پیش کئے جارہے ہیں ان کے مطالعہ اور ان سے استفادہ کا موقع احقر کو میسر آیا اور احقر نے محسوس کیا کہ یہ فتاویٰ دوسرے شائع شدہ فتاویٰ سے چند باتوں میں خاص طور پر ممتاز ہیں۔

(۱) حضرت مفتی صاحب نے اختصار سے کام نہیں لیا بلکہ سوال کے ہر ایک گوشے پر نظر ڈال کر تشفی بخش جواب دیا ہے۔

(۲) جواب کی تائید کے لئے صرف کتاب کا حوالہ نہیں دیا بلکہ اصل عبارت پیش کی ہے اور صفحہ اور جلد کا بھی حوالہ دیا ہے جس کی بنا پر یہ مجموعہ (فتاویٰ) ان حضرات کے لئے بھی رہنما بن گیا ہے جن کو فتاویٰ نویسی کی خدمت انجام دینی پڑتی ہے۔

(۳) ایسا بھی ہوا ہے کہ متعدد کتابوں کی عبارتیں مع حوالہ نقل کردی ہیں یعنی صرف مستفتی کے لئے نہیں بلکہ مفتی کے لئے بھی ذخیرہ جمع کردیا ہے۔

(۴) اکثر جوابات میں اس شرح وبسط سے کام لیا ہے کہ جواب ایک رسالہ بن گیا ہے اور اس بناء پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ فتاویٰ رحیمیہ محض فتاویٰ نہیں بلکہ مجموعہ رسائل ہے۔ اللہ تعالیٰ علم دوست حضرات کو ان سے استفادہ کی توفیق بخشے اور اس کا دائم وقائم اجر حضرت مفتی صاحب کو عطا فرماتا رہے۔

(۳) فخر ملت حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ العالی

پہلی گذارش تو یہ ہے کہ جناب نے فتاویٰ رحیمیہ عنایت فرمایا میں تو نام سے یہ سمجھا تھا کہ بس ''فتاویٰ'' اور ''مسائل'' ہوں گے بڑودہ سے بمبئی تک فرصت تھی اس کا مطالعہ شروع کردیا اور نظر تو پوری کتاب پر پڑ گئی۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس میں بہت سی مفید چیزیں جمع ہوگئی ہیں آپ سے یہ تعارف بالکل نہیں تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ میں اس سے کافی مستفید ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائی اور ان ہاتھوں تک پہنچائے جو اس سے صحیح فائدہ اٹھائیں۔

(۴) حضرت مولانا احمد اللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ حسینیہ راندیر

مفتی صاحب مدظلہٗ نے ہر ہر مسئلہ کو بڑی عرق ریزی کے ساتھ منقح ومدلل فرما کر مع حوالجات پوری تفصیل سے حل فرما کر اہل گجرات کے لئے علم فقہ کا ایک بہترین ذخیرہ جمع کردیا ہے جو بحمد اللہ فتاوی رحیمیہ کی نام سے (جلد اول۔ جلد دوم زیر طبع ہے) شائع ہوکر بڑی متبولیت حاصل کرچکا ہے فتاویٰ رحیمیہ نے اہل علم حضرات کو بھی مسائل حاضرہ میں فتاوی رحیمیہ اپنی بہت سی خصوصیات میں صرف فتاویٰ ہی نہیں بلکہ فقہ احناف کی ایک جامع کتاب ہے۔ نیز فتاویٰ نویسی کی مشق کرنے والوں کے لئے معین المفتیین بھی ہے۔ ساتھ ساتھ فرق ضالہ کے مقابلہ میں حجۃ اللہ البالغہ ہے فتاویٰ رحیمیہ کی سب سے بڑی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے اختلافی مسائل میں مخالفین کے دلائل زائغہ کے نہایت معقول جوابات کے ساتھ ساتھ اہل حق کے تمام دلائل عقلیہ ونقلیہ کو غایت بسط وتفصیل کے ساتھ ایک جگہ پر جمع کردیا ہے جس سے مفتی صاحب مدظلہ کی وسعت نظر اور علمی قابلیت کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے۔

(۵) حضرت مولانا محمد عمران خان الندوی (المتخصص بالجامع الازھر)
عمید ومدیر دارالعلوم تاج المساجد بھوپال

جناب محترم مفتی صاحب دامت برکاتہم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آخری جولائی میں کویت اور کراچی ہوتے ہوئے واپسی ہوئی، ۲/۱-۸ ماہ کی اس طویل مدت غیابت میں بہت سی ڈاک جو ذاتی طور پر مجھ سے متعلق تھی محفوظ تھی، تھوڑی تھوڑی روزانہ وقت نکال کر دیکھتا رہتا ہوں، اور جواب دیتا ہوں۔ آج کے نمبر میں جناب کا والا نامہ دیکھا اور کتاب بھی آج ہی مجھے دی گئی۔ آپ کی کرم فرمائی کا بہت ممنون ہوں۔ اس قیمتی ہدیہ سے بہت مسرت ہوئی۔ بڑا ہی قابل قدر ہدیہ ہے۔ خدا کرے دوسری جلد بھی جلد طبع ہوجائے۔ بڑے کام کی چیز آپ نے شائع فرمادی ہے۔ یہ مجموعہ مستفتی کے کام کا تو ہے ہی لیکن مفتی بھی اس سے استفادہ کرسکتے

ہیں۔ کتاب کھولتے ہی تراویح کی ۲۰ رکعات کے اثبات میں جو کچھ ارقام فرمایا گیا ہے زیرنظر آیا۔ ڈاک لکھنی چھوڑ کر اس کو پورا پڑھا، ماشاء اللہ وجزاک اللہ حق ادا کر دیا۔ ''اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔''

(۶) حضرت مولانا انظر شاہ صاحب استاذ تفسیر دار العلوم دیوبند

آپ کا یہ (فتاویٰ کا) مجموعہ اپنی شان خاص میں نادر اور انفرادیت کا مالک نظر آیا بخدا عوام تو درکنار اہل علم اس عطر کشید سوغات سے فائدہ اٹھائیں گے اور ان کے علم وفن، بصیرت وآگہی میں اس سے اضافہ ہوگا کوئی صفحہ ایسا نہیں جس پر ایسی چیزیں نظر نہیں آئی ہوں جنہیں آج سے پہلے نہ سنا تھا نہ دیکھا تھا خدا تعالیٰ پوری امت کی جانب سے آپ کو جزائے خیر عنایت فرمائیں کہ عجیب متاع بے بہا آپ نے امت کے ہاتھوں میں پہنچائی۔

(۷) حضرت مولانا نظام الدین صاحب
ناظم دفتر امارت شرعیہ بہار واڑیسہ پھلواری شریف پٹنہ

مخلص محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو۔

پہلے آپ کا خط ملا پھر دوسرے ہی دن آپ کی کتاب فتاویٰ رحیمیہ جلد اول بذریعہ رجسٹرڈ بک پوسٹ موصول ہوئی۔ میں نے بڑے شوق سے اس کا مطالعہ کیا۔ ماشاء اللہ کتاب بہت اچھی ہے، اس کتاب کی اشاعت سے فتاویٰ کے مجموعہ میں ایک بیش قیمت کتاب کا اضافہ ہوا ہے۔ آپ نے جس محنت سے فتاویٰ ترتیب دیئے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر جزائے خیر عطا کرے۔ ماشاء اللہ انداز تحریر بہت اچھا اور زبان سادہ وسلیس ہے۔ سب سے بڑی خوبی ہے کہ پیش آنے والے جدید مسائل کو شامل کرلیا ہے۔ اور ان کا بہت ہی تشفی بخش جواب تحریر کیا ہے۔ میرے احباب نے بھی بے حد پسند کیا۔ انشاء اللہ فتاویٰ رحیمیہ کو علمی حلقوں میں کافی مقبولیت حاصل ہوگی۔ نقیب کے آئندہ شمارہ میں اس پر تبصرہ آئے گا۔ جلد ثانی کا بے چینی سے انتظار رہے گا۔

(۸) حضرت مولانا ابوالفضل حکیم محمد آدم صاحب مدظلہم طالعپوری (پالن پور)
استاذ الحدیث جامعہ ڈابھیل

(فتاویٰ رحیمیہ) پڑھنے والا پڑھے گا.... جتنا آگے بڑھتا جائے ہر مسئلہ واضح اور سلجھا ہوا مستند حوالوں کو حسب موقع وضرورت مدلل بآیات، احادیث واقوال ائمہ یک جائے گا اور سوال کا ہر پہلو واضح وروشن پھر دل نشین پیرایۂ بیان جس سے اس پر ایک کیف ساطاری ہوگا از خود رفتہ بے ساختہ بول اٹھے گا۔ ''سبحان اللہ خدا نے کیا علم دیا ہے۔'' الخ

(۹) حضرت مولانا سید حمید الدین صاحب دامت برکاتہم
مہتمم مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی

فتاویٰ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔ بہت بڑا کام کیا ہے۔ کتاب کی طباعت اور جلد بھی بہت عمدہ اور خوش نما ہے۔

(۱۰) رئیس المناظرین حضرت مولانا عبدالسلام صاحب لکھنوی دامت برکاتہم

فتاویٰ کا مطالعہ کیا۔ ماشاء اللہ بہت خوب ہے۔

حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوری دامت برکاتہم

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری خطیب بڑی جامع مسجد راندیر ضلع سورت تفقہ میں نہایت گہری نظر رکھتے ہیں اور افتاء میں ان کا مقام بہت بلند ہے فتاویٰ رحیمیہ جلد اول ان کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ جس میں فقہی ترتیب کے مطابق۔ کتاب الایمان کتاب العلم، کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ۔ مسائل عیدین، تراویح۔ کتاب الجنائز اور ایصال ثواب وغیرہ کے ابواب وفصول میں بہت سے فتاویٰ نہایت مدلل ومحقق اور واضح دلائل وشواہد کے ساتھ درج کئے گئے ہیں۔ یہ تمام فتاویٰ پہلے گجراتی ''ماہنامہ پیغام'' میں بارہ سال کی مدت میں چھپ چکے ہیں۔ ان کا اردو ترجمہ دو جلدوں میں شائع ہو رہا ہے اور یہ پہلی جلد چھپ کر ہمارے سامنے آگئی ہے۔ بقول استاذ محترم حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب مدظلہم حضرت مفتی صاحب نے ہر مسئلہ پر مختلف پہلوؤں پر گہری نظر ڈال کر تشفی بخش جواب دیا ہے۔ کتابوں کے حوالے ہی نہیں بلکہ ان کی عبارتیں بھی درج کردی ہیں تاکہ دوسرے مفتی صاحبان بھی ان سے بوقت ضرورت کام لے سکیں۔ بہت سے مسائل میں علم وتحقیق کی یوں داد دی گئی ہے کہ وہ مستقل رسالے بن گئے ہیں اور اس طرح یہ کتاب مجموعہ رسائل بن گئی ہے۔ زبان نہایت صاف ستھری اور شستہ ہے اور نہایت ضروری کارآمد اور اہم مسائل درج ہیں۔ اردو داں دینی طبقہ اس کتاب سے بخوبی فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور اس کے لئے یہ کتاب بڑے کام کی چیز ہے امید ہے کہ فتاویٰ رحیمیہ فقہی مسائل ومعاملات میں اہم ترین مرجع قرار پائے گا اور اسے قبول تام حاصل ہوگا۔

(۱۲) ایڈیٹر صاحب ماہنامہ معارف

یہ مجموعہ حضرت مولانا سید عبدالرحیم صاحب خطیب بڑی مسجد راندیر ضلع سورت کے فتاویٰ پر مشتمل اور گجراتی زبان سے اردو میں منتقل کیا گیا ہے اس کی دوسری جلد ابھی زیر طبع ہے۔ پیش نظر جلد اول میں کتاب الایمان، کتاب العلم، کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ وعیدین، تراویح اور جنائز شامل ہیں اردو زبان میں فتووں کے بہت سے مجموعے شائع ہو چکے ہیں، اس مجموعہ کی اشاعت سے اس ذخیرہ میں ایک اچھا اضافہ ہوا ہے۔ فاضل مفتی نے ہر ہر مسئلہ کا مدلل اور محققانہ جواب تحریر کیا ہے حوالہ کے ساتھ عبارت بھی نقل کی ہے اور صرف فقہ کی کتابوں ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے بلکہ اکثر جوابات میں مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کی طرح قرآن وسنت اور صحابہ کا تعامل بھی بیان کیا گیا ہے اور اس کے نظائر پیش کئے ہیں جوابات میں اتنی تفصیل اور تنقیح کی گئی ہے کہ مسئلہ کے تمام متعلقات سامنے آجاتے ہیں، عموماً فتاویٰ کی زبان خشک اور مصطلحات فن سے بوجھل ہوتی ہے لیکن اس مجموعہ کی زبان نہایت سلیس ہے اور اس کے مطالعہ سے ایک لذت وحلاوت اور روحانی کیفیت محسوس ہوتی ہے جو غالباً مصنف کی باطنی کیفیت کا اثر ہے لیکن ظاہر ہے کہ اتنے مسائل میں ہر شخص کا مجیب سے کلی متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ جہاں غیر مقلدین اور علماء بریلی کے فتووں پر ردوقدح کی گئی ہے وہاں لب ولہجہ میں شدت آگئی ہے۔ معارف جلد ۱۰۴ اماہ جمادی الآخر ۱۳۸۹ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۶۹ء صفحہ ۲۳۹۔

شیخ الحدیث المحدث الجلیل حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی۔

فتاویٰ رحیمیہ : کے لئے یہ ناکارہ دل سے دعا کرتا ہے اللہ جل شانہ اپنے فضل وکرم سے لوگوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ تمتع اور انتفاع نصیب کرے اور جناب کے لئے وطابع وناشر اور اس میں کسی نوع کی بھی سعی کرنے والے کے لئے صدقۂ جاریہ بناوے آپ کو دارین میں اس کا بہترین بدلہ عطا فرماوے۔

فقط والسلام (حضرت شیخ الحدیث صاحب) بقلم عبدالرحیم ۲۸۔ رجب ۱۳۹۰ھ۔

حضرت العلامہ مولانا ابوالحسن علی ندوی متعنا اللہ بطول بقائہ

فقہ وفتاویٰ پر ہمارے ملک میں برابر کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں اور ایسا ہونا قدرتی امر ہے اس لئے کہ فتاویٰ ومسائل فقہی مسلمانوں کی روزمرہ کی ضرورت ہیں اور نئے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ان میں فوری طور پر دینی رہنمائی کی ضرورت ہے لیکن اس کے لئے فقہ میں ملکہ راسخہ جزئیات پر وسیع اور گہری نظر اور اصول فقہ میں استاذانہ قابلیت کی ضرورت ہے۔

پھر اسی کے ساتھ تقویٰ اور احتیاط، خشیت الٰہی، احساس ذمہ داری، اور مسلک سلف سے بڑی حد تک وابستگی ضروری ہے، جن لوگوں کو اس راہ کی مشکلات کا علم، اور فقہ حنفی سے کامل مناسبت ہے۔ وہ "فتاویٰ رحیمیہ" کی علمی وعملی قدر وقیمت کا اندازہ کر سکتے ہیں، اور اس کی شہادت دے سکتے ہیں کہ مؤلف فاضل کو اللہ تعالیٰ نے ان صلاحیتوں سے بہرہ ور فرمایا ہے۔ جو اس دور میں اس نازک فریضہ کو انجام دینے کے لئے شرط اول ہیں۔

اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کو جزائے خیر عطا فرماوے اور ان کو صحت وقوت عطا فرماوے کہ وہ اس مفید سلسلہ کی تکمیل کر سکیں۔ (مولانا) ابوالحسن علی، ۷۔ شوال المکرم ۱۳۹۰ھ۔

حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی دامت برکاتہم

بغیر تصنع عرض کرتا ہوں کہ آپ نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔

دوسری جلد کا بھی شدید اشتیاق ہے...... فقط خادم۔ مجیب ندوی۔ ۱۸۔۱۱/۶۹

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب دامت برکاتہم ومدت فیوضھم
صدر المدرسین ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، حامداً ومصلیاً ومسلماً!

حضرت حق جل جلالہ وعم نوالہ نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اپنی بے شمار رحمتوں اور بے پایاں فضل وکرم سے نوازا ہے انہیں میں ایک بہت بڑا احسان امت مرحومہ پر یہ فرمایا ہے کہ ہر زمانہ میں نئے نئے پیش آنے والے مسائل ومعاملات میں شرعی احکام بتانے کے لئے ماہرین علوم شرعیہ فقہاء پیدا فرمائے ہیں جو قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبویہ سے مسائل واحکام کا استنباط واستخراج فرماتے ہیں، ملکہ راسخہ رکھنے کے ساتھ ورع وتقویٰ وخشیت الٰہی احتیاط اتباع سلف صالحین کی اعلیٰ صفات کے حامل ہوتے ہیں۔

عام مسلمان (جن میں تفقہ فی الدین حاصل کرنے کی فرصت یا ہمت نہیں ہوتی) اپنے روز مرہ کے معاملات میں شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے ان نفوس قدسیہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جن کے جواب سے مستفتی کا قلب ایک قسم کی قوت اور اطمینان کی کیفیت محسوس کرتا ہے۔

علم الفتاویٰ بھی اگر چہ علم الفقہ ہی کا ایک حصہ ہے مگر اپنی خصوصی شرائط واحکام کی وجہ سے علوم اسلامیہ میں علم الفتاویٰ مستقل ایک اہم فن کی حیثیت رکھتا ہے، مسئلہ کا حکم معلوم ہونا اور چیز ہے اور اس کا فتویٰ دینا دوسری چیز ہے اسی لئے فقہاء نے مختلف مواقع پر تحریر فرمایا ہے هذا مما يعلم ولا يفتى به .

مفتی اپنی اپنی بصیرت سے فیصلہ کرتا ہے کہ فتویٰ دیا جائے یا نہیں اسی لئے افتاء نہایت مشکل اور نازک کام ہے، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں بھی خاص خاص صحابہ ہی اس منصب جلیل پر فائز تھے، تابعین و تبع تابعین اور ان کے بعد بھی یہی حال رہا ہے۔

ہمارے زمانہ میں بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک قیمتی کڑی زبدۃ الفقہاء اسوۃ الصلحاء فقیہ النفس حضرت مولانا قاری حافظ مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری دامت برکاتہم کی شخصیت گرامی قدر ہے جو فن افتاء میں ایک امتیازی شان کے مالک ہیں جن کے مفصل و مدلل جوابات سے نہ صرف عام مستفتی کو انشراح قلب حاصل ہوتا ہے بلکہ دیگر مفتیان کرام کو بھی حوالجات کتب و تحقیقات انیقہ کی شکل میں زبردست کار آمد ذخیرہ دستیاب ہو جاتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب موصوف مدظلہ العالی کے جوابات ایک عرصہ سے فتاویٰ رحیمیہ کے نام سے شائع ہو رہے ہیں اور دنیا بھر کے مستند طبقہ علماء و فقہاء و مفتیان کرام میں ان کو انتہائی استحسان کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے جو قبولیت عنداللہ کی دلیل ہے، حال میں فتاویٰ رحیمیہ کی آٹھویں جلد زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئی ہے جو پچھلی تمام جلدوں کی طرح خصوصیات کی حامل ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ حضرت مفتی صاحب موصوف مدظلہ کو صحت و عافیت کے ساتھ رکھے اور ان کے فیض کو زیادہ سے زیادہ عام فرمائے آمین۔

(مولانا نصیر احمد عفا اللہ عنہ

صدر المدرسین و نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند ۹۔ ستمبر ۱۹۹۶ء

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری صاحب، دامت معالیہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جناب کا مرسلہ فتاویٰ رحیمیہ جلد نمبر ۹ موصول ہوا، مختلف مقامات سے دیکھا انتظامی مشغولیات بالاستیعاب مطالعہ سے تو مانع ہوتی ہیں، مگر گاہ بہ گاہ اکابر کی کتابیں دیکھ لیتا ہوں۔

میں اگر چہ مفتی نہیں ہوں مگر عام قاری کی حیثیت سے یہ بات بے تکلف عرض کرنے کو جی چاہتا ہے کہ اللہ

تعالیٰ نے آپ کے قلم میں ایک خاص جاذبیت رکھی ہے قاری جب مطالعہ شروع کرتا ہے تو بس پڑھتے ہی رہنے کو جی چاہتا ہے، علاوہ ازیں آپ کی اصابت رائے کا سطر سطر سے اندازہ ہوتا ہے، دعاء کرتا ہوں اللہ تعالیٰ یہ سلسلہ زیادہ سے زیادہ بڑھائیں اور امت مسلمہ کو اس سلسلہ سے خوب استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں، اور فتاویٰ کو قبولیت عامہ عطا فرمائیں، آخر میں دعوت صالحہ کی درخواست پر ختم کرتا ہوں۔ والسلام۔

(مولانا) مرغوب الرحمٰن عفی عنہ

۱۸۔ صفر ۱۴۱۸ھ۔

(۷) حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم
استاذ حدیث دار العلوم دیوبند

فتاویٰ رحیمیہ انمول ہیروں کا ہار ہے، کلہائے رنگارنگ کا نہایت حسین گلدستہ ہے اس میں عام مسلمانوں ہی کے لئے سامان تسلی نہیں ہے بلکہ دریائے علم وفن کے شناوروں کے لئے بھی غیر معمولی غذا ہے، ہر فتویٰ علم وتحقیق کی داد طلب کرتا ہے، اور قاری دعائیں دینے پر مجبور ہے، درحقیقت کامیاب مفتی وہ ہے جس کے فتویٰ سے لوگوں کو اطمینان نصیب ہو، کسی قسم کی تشنگی باقی نہ رہے۔ مجھے اس بات کے اظہار میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ فتاویٰ رحیمیہ کا ہر فتویٰ تسلی بخش اور پیاس بجھانے والا ہے اللہ تعالیٰ ان کو خلعت قبولیت سے نوازیں اور امت مسلمہ کو اس سے بیش از بیش استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ حررہ العبد سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری، خادم دار العلوم دیوبند

(۸) حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی زید مجدہم
استاذ التفسیر والحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مخدوم ومحترم حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب دامت برکاتکم ومدت فیوضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج گرامی! خدا کرے مزاج سامی بذمہ وجوہ لائق شکر ہو۔

راقم ان فتاویٰ کو خدا تعالیٰ کی صفت ''رحمت'' کا خاص مظہر اور عہد حاضر کا بہت ہی قیمتی علمی فقہی سرمایا سمجھتا ہے بلکہ یہ بھی خیال کرتا ہے کہ اب تک ''فتاویٰ'' کے نام سے جو مجموعے اردو میں سامنے آئے ہیں ان میں یہ مجموعی طور سے اہل علم کے لئے خاص طور پر سب سے زیادہ نافع ہے اور آسودگی کا سامان رکھتا ہے (والعلم عند اللہ۔ ولا ازکی علی اللہ احداً)...... راقم کا یہ بھی احساس ہے کہ اس مجموعہ میں جو عالی مضامین اور رائق تحقیقات ودیعت ہوگئی ہیں ان کے بیان کے لئے لفظ ''فتاویٰ'' ناکافی بلکہ حجاب بن گیا ہے کیونکہ تعبیر سے اصل حقیقت کا پورا اظہار نہیں ہو پاتا۔ فقط والسلام۔ (مولانا) محمد برہان الدین۔ ۲۲/ ۷/ ۱۴۰۳ھ

حضرت مولانا محمد رضا اجمیری صاحب رحمہ اللہ
سابق شیخ الحدیث دار العلوم اشرفیہ راندیر سورت

آنجناب کا ہدیہ سنیہ فتاویٰ رحیمیہ موصول ہوا، ماشاء اللہ خوب خوب درافشانیاں فرمائی ہیں سب کے لئے یہ

نہایت قیمتی تحفہ ہے جس سے ایمان اور اسلام روشن اور تازہ ہو جاتے ہیں اور دینی جذبات زندہ ہو کر عرفانی روح کو خوب قوت مل جاتی ہے، جزاکم اللہ فی الدارین خیرا، بہت بہت شکریہ۔ دعا جو

(مولانا) محمد رضا اجمیری۔ ۱۶۔ مارچ ۸۳ء

حضرت مولانا مفتی ظہیر الدین صاحب دامت برکاتہم

سابق استاذ حدیث جامعہ حسینیہ راندیر، سورت

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً و مصلیاً و مسلماً و بعد

آنحضور ﷺ فرماتے ہیں: من یرد اللہ به خیرا یفقه فی الدین او کماقال ۔ (رواہ البخاری)

حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (بانی دارالعلوم دیوبند) کہتے ہیں (ویعلمهم الکتاب والحکمة) میں تعلیم حکمت کے معنی ہی نسبت حاکمیہ حقیقیہ کو نسبت حاکمیہ غیر حقیقیہ سے ممتاز کر لینے کی تعلیم یعنی تفقہ فی الدین کا مصداق منصب حکمت پر فائز ہونا اور یہی قلیل الوجود اور کبریت احمر ہے، لیکن یہ امت کبھی مردوں سے خالی نہیں رہی بالخصوص علماء دیوبند میں جو اس منصب پر فائز تھے حضرت قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حجۃ اللہ فی الارض مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی وغیرہم کے اسماء گرامی بجا طور پر لئے جاتے ہیں، اگر راقم ایک ایسی بھاری بھرکم خاموش شخصیت جو اس سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہے نام لے تو حیرت نہ ہونی چاہئے، وہ یقیناً منصب حکمت پر فائز تفقہ فی الدین کی صلاحیت سے سرفراز ہیں، ان کے علم و حکمت اور تفقہ فی الدین کو آٹھ ضخیم فتاویٰ رحیمیہ کی جلدیں شاید ہی بیان کر سکی ہوں وہ تو اس سے بھی بلند و بالا ہیں، ان کا نام نامی اسم گرامی ہے فقیہ النفس، شبیہ ابی حنیفہ حضرت مولانا حافظ قاری مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری دامت برکاتہم۔

آنجناب کے فضائل و مسائل کے بیان کے لئے دفتر طولانی چاہئے، اگر آپ چاہیں تو یوں کہہ دیں اس پرسچے میں جن بزرگوں کے نام ہیں حضرت مولانا مفتی لاجپوری صاحب دامت کاتہم ان کے علوم و معارف کے خلاصہ اور عطر ہیں، ان کے فتاویٰ بے پناہ مقبول، سہل التناول اور سیر حاصل ہیں جیسے حضرت مفتی صاحب سید السادات ہیں ان کو خداوند قدوس نے سید العلماء، اور ریحانۃ الفقہاء، بنایا، ان کے فتاویٰ بھی سید الفتاویٰ ہیں، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا آپ بھی ملاحظہ فرمادیں اور فتاوے کا لطف اٹھائیں۔ واللہ اعلم

فقط والسلام (مولنا مفتی) ظہیر الدین نیبوی عفی عنہ، نیا فیض آباد، یوپی۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت فیوضہم

خطیب شاہی جامع مسجد و مہتمم مدرسہ عربیہ حنیفہ پسرور ضلع سیالکوٹ پاکستان

بحر العلوم شیخ العلماء اسوة الصلحاء سید السادات والا تقیاء رئیس المتکلمین

وزبدۃ الفقہاء حضرت العلام حضرت السید السند مفتی صاحب لاجپوری، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
مزاج گرامی بخیر! اللہ رب العزت آپ کا سایۂ رحمت وشفقت دیر دیر تک ہزاروں سال سلامت باکرامت رکھیں اور مخلوق خدا مخزن علم وعمل سرچشمہ رُشد وہدایت، قلزم ایمان ومعرفت سے فیضیاب ہوتی رہے۔
وقار العلماء، حضرت العلام مولانا حسن الرحمٰن صاحب مدظلہ مہتمم مدرسہ یوسفیہ بنوریہ کی طرف سے فتاوی رحیمیہ (ج ۱ تا ۶) ملنے پر حضرت والا کی ذات ستودہ صفات سے غائبانہ شرف وصل حاصل ہوا، صرف موجودہ یا اردو ذخیرۂ فتاویٰ ہی نہیں بلکہ تاریخ فتاویٰ میں ''فتاویٰ رحیمیہ'' دلائل وبراہین، تفصیل واعجاز کے اعتبار سے منفرد، امتیازی عظمت وشان کا حامل ہے، بحمد اللہ عاجز کو نہایت تھوڑے وقت میں کئی بار پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، ہر مسئلہ کے جواب میں متون واصول سے اصل عبارت بھی ذکر فرمادینا ایسی جیسے کہ فقہاء نے یہ عبارت اسی سوال کے لئے ہی لکھی ہو، اور پھر اسے اس طرح درج فرمانا کہ مستفتی حیران رہ جائے، یہ فتاویٰ کی ایک امتیازی خصوصیت ہے، اور پھر بعض نہیں بلکہ جن اہم مسائل پر بھی تفصیل سے قلم اٹھایا ہے وہ اس دور کی تاریخی دستاویز بن گئے ہیں، مثلاً تراویح، طلاق ثلاثہ، غیر مقلدیت (اہل ہوا وپیروکاران نفس) کے اعتراضات، ضرورت فقہ وصحابہ کرام والتزام بالسنہ، بدعات کے رد اور دیگر ایسے عنوانات جن پر ایسی بلیغ وجامع مسکت، مؤثر ومدلل تحریر دیکھنے میں نہیں آئی، ان مسائل پر ایسے کلام کے بعد یہ فتاویٰ مجموعۃ الفتاویٰ کی حیثیت رکھتا ہے، معلوم نہیں اس کے بعد مزید کوئی جلد بھی طبع ہوئی یا نہیں؟ میری تمنا تھی کہ شاید (وہاں حاضر ہو کر شرف قدم بوسی حاصل ہونا ممکن نہ ہو سکے) کہ چند حروف کے ذریعہ ہی حضرت والا کی دعاء لے سکوں کہ۔

بلبل ہمیں کہ قفیہ گل شود بس است

اور جناب کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے دعاء کلمات ہی میرے لئے دنیا وآخرت کی نور وفلاح کا ذریعہ بن جائیں، اللہ کریم حضرت والا کو صحت وعافیت کے ساتھ قائم ودائم رکھیں، میں مولانا حسن الرحمٰن صاحب کا بھی بہت ممنون ہوں جن کے توسط سے فتاویٰ سے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل ہوا، ضرورت اس امر کی ہے کہ فتاویٰ کی تمام جلدوں کا عربی میں بھی ترجمہ کر کے بلاد عرب میں پہنچایا جائے اگر سارا فوری طور پر نہ ہو سکے تو کم از کم اہم مسائل کو بالا جزاء عربی میں شائع کیا جائے، اگر وسائل ہوتے تو عاجز یہ اعزاز حاصل کرنے میں ابدی راحت حاصل کرتا۔ صرف اور صرف دعاؤں کا محتاج۔

رشید احمد عفا اللہ عنہ، خادم شاہی مسجد پسرور ضلع سیالکوٹ۔

دار العلوم ندوۃ العماء کا ترجمان ''البعث الاسلامی'' کے مدیر اعلیٰ مولانا سید الرحمٰن صاحب تحریر فرماتے ہیں

ورد الینا کتاب "الفتاوی الرحیمیۃ" الذی یحتوی علی مجلدین ضخمین من تالیف فضیلۃ الشیخ المفتی السید عبدالرحیم لاجپوری خطیب المسجد الجامع فی راندیر بولایۃ گجرات الھند.

لقد جمع المؤلف اسئلة المستفتين وفتاواها في هذا الكتاب الضخيم وهي فتاویٰ من صميم الحياة والمجتمع الذي يعيش فيه المسلمون ويحتاجون الى مثلها في كل زمان ومكان ولا سيما الجماهيرالمسلمة التي تعيش بعيدةعن مراكز العلم والعلماء لا تخفى حاجتها الى مثل هذه الفتاوىٰ المتضمنة على فروع وجوانب كثيرة وكثيرة.

تصدى المؤلف على الاسئلة ذات النواحي الكثيرة في ضوء الكتاب والسنة في غاية ايضاح وبيان وبرهن علىٰ كل جواب من مصادر الشريعة الاسلاميةولا شك فان لعلمه هذا قيمة لا يستهان بها في مكتبة الفقه الاسلام والمؤلف يستحق كل الشكر والتقدير لهذه الهدية العلمية القيمة التي اتحف بها طبقة العلماء والجماهير على السواء مجملة شهرية "البعث الاسلامي" شوال ۱۳۹۱ھ دسمبر ۱۹۷۱ء الميلادي.

(۱۲) حضرت مولانا احمد عبدالمجیب قاسمی دام مجدہٗ

استاذ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد

فتاویٰ رحیمیہ :مشہور مفتی حضرت مولانا عبدالرحیم لاجپوری دامت برکاتہم (پیدائش ۱۹۰۳ء) کا مجموعہ فتاویٰ ہے، صاحب فتاویٰ حضرت مفتی صاحب لاجپوری گجرات کے ایک علمی خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں، قسام ازل نے آپ کو گوناگوں صلاحیتوں سے بہرہ ورفرمایا ہے، آپ ایک باکمال خطیب وامام اور کہنہ مشق مفتی ہیں، فتویٰ نویسی میں اصابت رائے اور صحت فتویٰ کے لئے شہرت رکھتے ہیں، تحریر میں جامعیت اور مسائل میں شرح وبسط کے ساتھ اس طرح محقق ومدلل بحث سامنے آتی ہے کہ بسااوقات فتویٰ ایک مفید رسالہ کی شکل اختیار کر جاتا ہے، آپ کے اس مجموعہ میں آپ کی فقیہانہ بصیرت، دیانت واحتیاط، نظر کی وسعت اور فکر کی گہرائی کے بے شمار نمونے نظر آتے ہیں، تمام فتاویٰ میں حوالہ جات کا اہتمام بڑے التزام کے ساتھ کیا گیا ہے، بعض طویل فتاویٰ میں فقہ کی خشکی کے بجائے کتاب وسنت کے سبق آموز اور عبرت انگیز ترغیب وترہیب، تذکیر وموعظت اور شعروسخن کی حلاوت بھی ہے، اس طرح فقہ وافتاء کے ساتھ دعوت وارشاد کے فریضہ کی تکمیل بھی ہوتی ہے اور بلاشبہ اس خصوصیت میں اس مجموعہ کو خاص اہمیت حاصل ہے، زبان بھی سادہ اور اسلوب تحریر سہل وآسان ہے۔

فرق باطلہ کے استیصال اور رد بدعات پر پوری قوت وجرأت اور متانت وسنجیدگی کے ساتھ لکھتے ہیں، اختلافی مسائل میں مخالفین کے دلائل کے نہایت معقول جوابات کے علاوہ اہل حق علماء کے عقلی ونقلی دلائل بھی ذکر کئے گئے ہیں، اس طرح فتاویٰ کی پہلی جلد کتاب الایمان، کتاب العلم اور کتاب الطہارت وکتاب الصلوٰۃ پر مشتمل ہے جن میں عقائد اور رد بدعات پر اہم فتاویٰ ہیں، دوسری جلد میں زکوٰۃ روزہ حج نکاح وطلاق، خرید وفروخت اور میراث وغیرہ کے ابواب ہیں اور ایک مستقل باب رد بدعت پر ہے، تیسری اور چوتھی جلد میں بھی مذکورہ ابواب ہی کے مسائل ہیں، گو مسائل میں عام طور پر تکرار نہیں پایا جاتا تاہم ابواب کا تکرار اور مسائل کا انتشار استفادہ کی راہ میں پیچیدگی کا باعث ہے کسی مسئلہ کی تلاش میں قاری کے لئے گرانی کا سبب ہوگا، اس لئے آئندہ طباعت میں ترتیب جدید کا خیال رکھا

جا نے ۔ چوتھی جلد میں تفسیر بالرائے تقلید ،فقہ وتفقہ کی اصل ترتیب وغیرہ موضوعات پر مفید تحریریں جمع ہیں ۔پانچویں جلد میں بھی مذکورہ ابواب ہی ہیں البتہ ایک اہم تحریر ’’ایک مجلس کی تین طلاقوں‘‘ کے مسئلہ پر ہے،جس میں کتاب وسنت کے علاوہ کوئی ۳۵ آثار صحابہ وتابعین
کی روشنی میں مسئلہ کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے،چھٹی جلد میں عقائدرد بدعت اور حلال وحرام کے باب میں بے شمار مسائل وفتاویٰ ہیں اور ایمان ونذور،احکام مساجد اور اجارہ وغیرہ کے ابواب ہیں،فقہ وفتاویٰ کی معتبر کتابوں کے علاوہ اردو فتاویٰ کی بعض مستند کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

(از سہ ماہی ’’صفا‘‘ کی خصوصی پیش کش ’’فقہ‘‘ اسلامی ،اصول ،خدمات تقاضے ص ۴۲۵ ،ص ۴۲۶ ، چھٹا باب ،فقہاء ہند کی خدمات ،فتاویٰ کی کتابوں پر ایک طائرانہ نظر)

حضرت مولانا محمد شریف حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ودارالعلوم دیوبند

مخدومی ومعظمی کرم فرما حضرت مولانا قاری مفتی سید عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔طالب خیر مع الخیر ہے،الحمدللہ قیمتی ہدیہ فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم پہنچا اور اس سے قبل جلد دوم کا بھی ہدیہ پہنچا تھا دونوں کا شکریہ واجب ہے۔فجزا کم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء فی الدارین خیراً آمین

بندہ نے جلد دوم کا گاہ گاہ مطالعہ کیا ہے جس قدر اس کی تعریف سنتا تھا اس سے زیادہ مفید اور علوم کا ذخیرہ اس میں پایا،آپ کی وسعت علم اور نظر عمیق اور فقاہت فی الدین کا اعتراف کرنا پڑتا ہے،اور ساتھ ساتھ آپ میں احتیاط فی الدین اور اکابر سلف کا اتباع بھی ہے اور جدید مسائل میں بھی آپ نے کافی تحقیق وتدقیق فرما کر سائلین کو مطمئن فرمایا ہے،اور ہر جگہ حوالہ کتب معتبرہ کا مع عبارتوں کے دے کر عوام اور علماء اور مفتیان سب کے لئے کارآمد ذخیرہ بنا دیا ہے، میری نظر میں تو ان خوبیوں کا جامع فتاویٰ اردو زبان میں نہیں گذرا،ہر جگہ تحقیق سے کام لیا گیا ہے صرف لکیر کے فقیر نہیں ہیں،اللہ تعالیٰ اس کو مفید عالم بنائے اور قبولیت خاصہ عطا فرمائے آمین،طباعت وکتابت بھی عمدہ ہے،فقط والسلام۔

(حضرت مولانا) محمد شریف حسن

دارالعلوم دیوبند

مورخہ ۲۶ ۔صفر ۱۳۹۵ھ ۹ ۔مئی ۱۹۷۵ء

ہندوستان کے مایۂ ناز محدث،فن اسماء الرجال کے امام،حدیث کی مشہور کتاب مصنف عبدالرزاق (گیارہ ضخیم جلدیں) وسنن سعید بن منصور کے ایڈیٹ کرنے والے،اردو عربی کی متعدد کتابوں کے مصنف (علمی وتصنیفاتی خدمات کے صلہ میں حکومت ہند کے ایوارڈ یافتہ) دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی متعنا اللہ بطول بقاۂ تحریر فرماتے ہیں۔

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

فتاوی کی دونوں جلدیں پہنچیں، اس کرم فرمائی کا بہت بہت شکریہ، جزاک اللہ خیراً۔ کہیں کہیں سے اس کو پڑھا بھی، ماشاء اللہ آپ نے بہت شرح وبسط اور تحقیق سے جوابات لکھے ہیں، حق تعالیٰ آپ کو صحت وعافیت کے ساتھ خدمت دین کی مزید توفیق عطا فرمائے۔

(مولانا) حبیب الرحمٰن اعظمی غفرلہٗ

پاکستان کے جید عالم وفقیہ، سلسلۂ مجددیہ کے شیخ طریقت، عمدۃ الفقہ (چار جلدیں) وغیرہ کتابوں کے مصنف، حضرت مولانا زوار حسین شاہ صاحب نقش بندی مجددی تحریر فرماتے ہیں۔

''فتاوی رحیمیہ کی مطالعہ سے بڑی تسکین اور انشراح حاصل ہوتا ہے۔'' (از کراچی۔ پاکستان)

دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث، شیخ المشائخ، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی کے مجاز، حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب بخاری دامت برکاتہم (حال مقیم مدینہ منورہ) تحریر فرماتے ہیں۔

''دل کی بات یہ ہے کہ'' فتاوی رحیمیہ'' اپنے طرز اسلوب میں منفرد ہے اور تمام قدیم وجدید فتاوی کے ذخیروں میں ممتاز ہے، اہل علم کے لئے مفید اور فتوی نویسی کی مشق کرنے والوں کے لئے رہنمائے مفتی ہے۔

(دارالعلوم دیوبند۔ ۹۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ)

دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ کے شیخ الحدیث، شہر بھروچ جمیعۃ العلماء کے صدر حضرت مولانا محمد ابوالحسن صاحب۔ دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں۔

''فتاوی رحیمیہ جلد پنجم میں بھی الحمد للہ بہت ہی اہم اور ضروری مسائل درج ہیں، خصوصاً طلاق ثلثہ فی مجلس واحد کی بحث الحمد للہ بہت ہی مفصل اور تسلی بخش انداز میں مرقوم ہے جس سے قلب ودماغ کو سکون نصیب ہوتا ہے، حق یہ ہے کہ آنجناب نے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔ اعلی اللہ درجا تکم فی الدارین. بندہ

(مولانا) محمد ابوالحسن علی غفرلہٗ

خادم دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ

۱۰۔ ذیقعدہ ۱۴۰۴ھ

حضرت مولانا مفتی محمد اکبر میاں رحمہ اللہ تعالیٰ مفتی پالن پور گجرات

مکتوب بنام مولانا محمد ہاشم بخاری مدظلہ

''فتاوی رحیمیہ'' کو دو چار جگہ سے دیکھا الحمد للہ بہت ہی پر کیف پایا اور عجیب جاذبیت محسوس ہوئی اور ساتھ

ہی صاحب فتاویٰ میں کچھ شان مجذوبیت بھی اس ناقص الفہم کو محسوس ہونے لگی، اور طرز بیان بھی بہت عمدہ سادہ اور سہل الافادہ پایا۔

جزاہ اللہ عنی وعن سائر المستفیدین الجزاء الاوفی آمین

۹ صفر ۱۳۹۰ھ پنجشنبہ

مشہور نقاد مرحوم حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کے معروف ہفت روزہ جریدہ ''صدق جدید'' لکھنؤ کے فاضل مدیر حضرت حکیم عبدالقوی دریابادی دامت برکاتہم تبصرہ فرماتے ہیں کہ۔

''فتاویٰ رحیمیہ جلد پنجم'' از مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری'' ان فتاویٰ کی چار جلدیں اس سے قبل شائع ہو کر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں، پانچویں جلد بھی انہیں خصوصیات سے مرصع اور بہت سے اہم دینی مسائل کے بارے میں شریعت حقہ کے احکام واضح کرنے والے اور اس سلسلہ میں عارض ہونے والے شکوک کو رفع کرنے والے فتاویٰ درج ہیں، بڑی بات یہ ہے کہ ہر فتویٰ کے دلائل معتبر کتب کے حوالہ سے پیش کر دیئے ہیں۔اور محض رسمی فتویٰ پر اکتفا نہیں کی گئی ہے، فاضل گرامی مولانا منظور نعمانی صاحب الفرقان (لکھنؤ) کی یہ رائے اس مجموعہ فتاویٰ کے بارے میں بالکل صحیح ہے کہ'' اللہ تعالیٰ اہل علم کو اس سے استفادہ کی توفیق دے فتاویٰ کا کوئی اور مجموعہ میرے علم میں نہیں جس میں ہر مسئلہ اور ہر فتویٰ کو اس کے حق کے مطابق مدلل کیا گیا ہو'' الخ۔

(صدق جدید۔۲۳۔محرم الحرام ۱۹۔اکتوبر ۱۹۸۴ء جلد نمبر ۳۴ شمارہ نمبر ۳۶)

اس قسم کی تقاریظ کا سلسلہ بہت طویل ہے، ان میں سے بعض تقاریظ تو فتاویٰ رحیمیہ کی دوسری جلدوں میں شائع بھی ہو چکی ہیں، تاہم ہماری دلی خواہش تھی کہ تمام تقاریظ یکجا شائع ہو جائیں مگر طوالت کے خوف سے صرف ان حضرات کے اسماء گرامی ذیل میں شائع کرنے پر اکتفاء کیا جا رہا ہے۔

حضرت مولانا شیخ احمد اللہ صاحبؒ (شیخ الحدیث جامعہ حسینیہ راندیر ضلع سورت)

مولانا عامر عثمانی (ایڈیٹر تجلی دیوبند)

حضرت مولانا نظام الدین (پھلواری شریف)

حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب (سابق استاذ الحدیث دارالعلوم دیوبند)

حضرت مولانا حکیم محمد آدم پالن پوریؒ (سابق استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل)

حضرت مولانا حمید الدین صاحبؒ (گلاوٹھی، یو، پی)

حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی (مدیر ماہنامہ برہان دہلی)

حضرت مولانا محمد نیاز ترکستانی مقیم مدینہ منورہ۔

حضرت مولانا مفتی یسین صاحبؒ (مفتی احیاء العلوم مبارک پور) وغیرہ۔

مذکورہ حضرات کی گرانقدر تقاریظ اور آراء سے ہماری حوصلہ افزائی ہوئی ہم ان تمام حضرات کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے ان تمام صاحبان کے ممنون و مشکور ہیں، **جزاھم اللہ خیر الجزاء**.

تحدیث نعمت

''فتاویٰ رحیمیہ'' کے متعلق مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، کے تاثرات وکلمات طیبات!

جناب مولانا محمد مرتضیٰ صاحب ناظم کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنوٴ گجرات کے دورہ سے واپسی کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔''میں (مولانا محمد مرتضیٰ صاحب) نے حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ، کو آپ کا سلام و پیام پہنچایا۔ مولانا علی میاں نے فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں سلام لکھ دو اور لکھ دو کہ!''

''میں مفتی صاحب کے لئے ان کی صحت وعافیت اور درازی عمر کے لئے باقاعدہ مداومت کے ساتھ دعا کرتا ہوں کہ الحمد اللہ اس وقت آپ محقق، فقیہ اور ماہر فن ہیں اور آپ کی تحقیق سے پورے ملک کو مستفید ہونے کا شرف حاصل ہو رہا ہے آپ کی تحقیق عمیق ہر خاص وعام کے لئے اطمینان بخش ہے۔ اللہ تعالیٰ زمانۂ دراز تک آپ کی فیوض وبرکات کو قائم رکھیں۔ آمین۔

ناچیز
خادم: مرتضیٰ
۱۴ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ

مجلہ شہریہ البعث الاسلام (لکناؤ) شوال ۱۳۹۱ھ دسمبر ۱۹۷۱ء المیلادیہ

وردالینا کتاب ''الفتاوی الرحیمیہ'' الذی یحتوی علی مجلدین ضخمین من تالیف فضیلۃ الشیخ المفتی السید عبدالرحیم لاجپوری خطیب المسجد الجامع فی راندیر بولایۃ (گجرات) الھند۔

لقد جمع المؤلف اسئلۃ المستفتین وثناوا ھافی ھذا الکتاب الضخیم وھی فتاویٰ من صمیم الحیاۃ والمجتمع الذی یعیش فیہ المسلمون ویحتاجون الیٰ مثلھا فی کل زمان و مکان ولا سیما الجماھیر المسلمۃ التی تعیش بعیدۃ عن مراکز العلم والعلماء لا تخفی حاجتھا الی مثل ھذہ الفتاوی المتضمنۃ علی فروع وجوانب کثیرۃ وکثیرۃ.

تصدی المؤلف الی الرد علی الا مسئلۃ ذات النواحی الکثیرۃ فی ضوء الکتاب والسنۃ فی غایۃ ایضاح وبیان وبرھن علی کل جواب من مصادر الشریعۃ الا سلامیۃ ولا شک فان لعلمہ ھذا قیمۃ لا یستھان بھا فی مکتبۃ الفقہ الاسلامی والمولف یستحق کل الشکر والتقدیر لھذہ الھدیۃ العلمیۃ القیمۃ التی اتحف بھا طبقۃ العلماء والجماھیر علی السواء.

(البعث الا سلامی ص ۹۹ شوال ۱۳۹۱ھ دسمبر ۱۹۷۱ء)

مولانا محمد نیاز ترکستانی (فاضل دارالعلوم دیوبند) معلم مسجد حرام مکہ معظّمہ لکھتے رقمطراز ہیں:

فتاویٰ رحیمیہ جلد اول اردو مؤلفہ مولانا حافظ قاری مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری موصول ہوا۔ ماشاء اللہ

حسن صوری اور معنوی سے مزین اور اہل اسلام کے لئے عظیم المرتبت اور گران قدر تحفہ ہے۔ یہ مجموعہ ان تمام دینی ضروری مسائل کو حاوی ہے۔ جن سے استفادہ ہر مومن کو اپنے معمولات وعبادات میں حتمی ولابدی ہے۔ نیز مبتدعین اور اختراع فی الدین کرنے والوں کا دندان شکن جواب اور ان کے زعم باطل، افتراء پردازی کا قلع قمع پورے بسط وتفصیل سے کیا گیا ہے۔ اور اس کی ایک خوبی یہ بھی ہے۔ کہ سوالات کے جوابات صرف استفتاء اور افتاء تک محدود نہیں ہیں بلکہ انہیں زیور تحقیق وتدقیق سے آراستہ کر کے اس کے محاسن معنوی کو اور دوبالا کر دیا گیا ہے۔ اللہ رب العزت آپ کو عامہ مسلمین کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)۔

جزائے دائمی ملتی رہے خلاق عالم سے
کہ نصرت اور اعانت کی ہے تم نے دین احمد ﷺ کی

ایڈیٹر ماہنامہ ’’تجلی‘‘ دیوبند

اتنا وقت تو ہم نہیں نکال سکتے کہ (فتاوی رحیمیہ) کی دونوں جلدوں کو از اول تا آخر پڑھ جاتے۔ لیکن جستہ جستہ بہت سے مقامات سے دیکھا ہے۔ فتاوی کو ہم نے اپنی امید سے زیادہ وقیع، ہدایت افروز اور محققانہ پایا۔ اس خوبی میں تو شاید وہ منفرد ہی ہوں کہ محترم مفتی صاحب نے فتوی کے طرز قدیم اور تفہیم کے طرز جدید کو آمیز کر دیا ہے۔ اس طرز سے دوہرا فائدہ ہوا۔ فتوی کی قانونی حیثیت بھی ثابت وقائم رہی اور عام سے عام آدمی کے لئے سمجھنے کا موقع بھی فراہم ہو گیا۔ شریعت کے قانونی موقف کے اظہار کو ’’فتوی‘‘ کہتے ہیں یہ اظہار حوالوں اور نظیروں سے جتنا مزین ہوگا اتنا ہی وقیع بھی ہوگا۔ محترم مفتی صاحب نے حوالوں کا اہتمام بڑے التزام کے ساتھ کیا ہے۔ اور تشریح وتفہیم میں ان کا لب ولہجہ متین اور باوقار ہے سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ ان کے فکری زاویئے مستقیم ہیں، نگاہ میں گہرائی اور استدلال میں گہرائی ہے ان کے فتاوی سے صرف عوام ہی مستفیذ نہ ہوں گے بلکہ ہم جیسے ’’نام کے خواص‘‘ بھی فائدہ اٹھا سکیں گے۔

جہاں تک اہل بدعت اور غیر مقلدین کے فرمودات پر نقد ونظر کا تعلق ہے موصوف کے اسلوب نگارش میں تھوڑا سا تغیر ضرور آ گیا ہے مگر ایسا نہیں کہ اس کی مذمت کی جائے۔ موقع محل سے ’’شدت‘‘ بھی ایک حسن ہی ہے بشرط یہ کہ غصہ اور جوش علم وتحقیق کے زاویوں کو ٹیڑھا نہ کریں۔ ہم سمجھتے ہیں مفتی صاحب اس شرط پر پورے اترے ہیں۔ اور کہیں بھی ان کے جذبے کی شدت نے استدلال کے چہرے پر خراشیں نہیں ڈالی ہیں۔ الخ۔

تجلی دیوبند۔ خاص اشاعت جولائی ۱۹۷۰ء۔

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب الایمان

ما یتعلق بالایمان و العقائد

غیر مسلم سے خلافِ توحید منتر پڑھا کر علاج کرانا کیسا ہے۔؟

(سوال ۱) ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ آنکھ میں تکلیف ہونا، چیچک نکلنا، ہاتھ پاؤں کا معطل ہو جانا، یا بابر (یعنی بھوت بلا وغیرہ) کی شکایت ہو جائے تو غیر مسلم کے پاس جو خلاف توحید منتر پڑھ کر دم کرتا ہے، جانا اور منتر پڑھوا کر دم کروانا جائز ہے یا نہیں؟ بہت سے آدمیوں کو فائدہ بھی ہوتا ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب یہ یقین ہے کہ منتر کے الفاظ اور مضمون خلاف توحید اور شرکیہ ہیں تو اس شخص سے عمل کرانا جائز نہیں۔ (۱) رہا فائدہ ہو جانا تو یہ حق ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ کا واقعہ ہے کہ ان کی آنکھ میں تکلیف ہو جایا کرتی تھی تو وہ ایک یہودی کے پاس جا کر دم کرا لیتی تھیں۔ وہ یہودی جیسے ہی پڑھ کر دم کرتا آنکھ میں سکون ہو جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا وہ شیطان کا عمل تھا۔ شیطان اپنے ہاتھ سے آنکھ کو کریدتا تھا۔ جب یہ یہودی منتر پڑھتا تھا تو شیطان رک جاتا تھا (یہ شیطان اور اس عمل کرنے والے کی ملی بھگت تھی۔ سفلی عمل میں ایسا ہی ہوتا ہے) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا، تمہارے لئے وہ کافی ہے جو آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ وہ کلمات یہ ہیں:۔

اذهب البأس رب الناس اشف انت الشافي لاشفاء الا شفاء ک لايغاد رسقماً (۲)

ترجمہ:۔ ''اے لوگوں کے پروردگار! بیماری دور کر دے اور شفا بخش، شفا دینے والا صرف تو ہی ہے۔ تیرا شفا بخشنا ہی شفاء ہے۔ ایسی شفاء دے کہ بیماری کا نام و نشان نہ رہے۔''

لقد كانت عيني تقذف فكنت اختلف الى فلان اليهودي يرقيني فاذا رقاني سكنت فقال عبدالله انما ذلک عمل الشيطان كان ينخسها بيده فاذا رقاها كف عنها انما يكفيک ان تقولي كما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اذهب البأس رب الناس الخ (ابو داؤد شريف كتاب الطب) (تلبيس ابليس لابن جوزی صفحه ۱۲۶۸) فقط والله اعلم بالصواب

غیر اللہ کے پاس مدد مانگنے کا کیا حکم ہے؟

(سوال ۲) حضرت امام حسینؓ سے ''یا حسین امداد کن، یا حسین اغثنی'' پکار کر مدد طلب کرنا، روزی اور اولاد چاہنا

---

(۱) وعن ابن مسعود رضي الله عنه انه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان الرقى والتمائم والتولتي شرک رواه ابو داؤد و ابن ماجه والتقلة اى بوزن عبتي ضرب من السحر　　وعن عروة بن مالک رضي الله عنه انه قال كنا في الجاهلية غرقي فقلنا يارسول الله صلى الله عليه وسلم كيف ترى في ذلک فقال اعرضوا على رقاكم لاباس بالرقى مالم يكن فيها شرک ردالمحتار ج ۴ صفحه ۲۶۹ حضر والاباحة فصل في البيع

(۲) مسلم باب استحباب رقية المريض ج ۲ صفحه ۲۲

جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے ہاں ہر گیارھویں کو چند آدمی جمع ہو کر مذکورہ وظیفہ کا ذکر تمام مل کر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو ''توسل'' (وسیلہ پکڑنا) کا طریقہ ہے۔ وظیفہ یہ ہے ''امداد کن امداد کن، از ہر بلا آزاد کن، در دین و دنیا شاد کن، یا غوث الأعظم دستگیر یا حضرت غوث الغنی باذن اللہ یا حضرت شیخ محی الدین مشکل کشا بالخیر'' اس طریقہ سے پڑھنا جائز ہے؟

(الجواب) حضرت امام حسینؓ کو اس طرح پکار کر مدد مانگنے اور مذکورہ وظیفہ پڑھنے کی شرعاً اجازت نہیں، ممانعت ہے، وسیلہ پکڑنا جائز ہے مگر اس کا یہ طریقہ نہیں ہے، مذکورہ طریقہ جاری رہنے سے دوسروں کے بھی عقائد فاسد ہونے کا خوف ہے، لہٰذا اس وظیفہ کو ترک کر دینا ضروری ہے، خدا کو چھوڑ کر دوسرے سے اولاد مانگنا، بیمار کے لئے شفا طلب کرنا اہل قبور سے روزی مانگنا، مقدمہ میں کامیاب کرنے کی درخواست کرنا جائز نہیں ہے، مشرکانہ فعل ہے۔ محدث علامہ محمد طاہر رحمہ اللہ صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ یہ کسی بھی اہل اسلام کے نزدیک جائز نہیں ہے اس لئے کہ عبادت اور طلب حاجت و استعانت فقط اللہ ہی کا حق ہے **فان منهم من قصد بزيارة قبور الا نبياء والصلحاء ان يصلي عند قبورهم ويدعو عند ها ويسا ئلهم الحوائج وهذا لا يجوز عند احد من علماء المسلمين فان العبادة وطلب الحوائج والا ستعانة لله وحده** (مجمع البحار الا نوار ج ۲ ص ۴۳)

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تعلیم دی ہے کہ کہو! **ایاک نعبد و ایاک نستعین**. (اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں) جب عبادت اور استعانت (امداد مانگنا) قرآن سے خدا ہی کے لئے مخصوص ہے دوسروں سے اولاد اور روزی، تندرستی وغیرہ کی درخواست کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ اسی لئے رسول مقبول ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو وصیت کی کہ **اذا سألت فاسئل الله واذا استعنت فاستعن بالله** (جب تجھے سوال کرنا ہو تو اللہ سے کرنا اور جب مدد مانگنی ہو تو اللہ ہی سے مانگنا (مشکوٰۃ شریف ص ۴۵۳)[1]

حضرت غوث الاعظمؒ مذکورہ حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں کہ ''ہر ایماندار کو چاہئے کہ اس کو اپنے دل کا آئینہ بنا لے اور اپنے جسم، لباس، گفتگو وغیرہ ہر معاملے میں اس پر عمل کرے (فتوح الغیب مقالہ نمبر ۴۲) اور فرماتے ہیں کہ ''جو شخص ضرورت کے وقت (خدا کو چھوڑ کر) لوگوں سے مدد مانگے وہ اللہ کی صفات اور اس کی قدرت سے ناواقف ہے۔ (مقالہ نمبر ۴۳) اور فرماتے ہیں کہ افسوس! تجھ پر تجھے شرم نہیں آتی کہ خدا کے سوا اوروں سے مانگتا ہے، حالانکہ وہ دوسروں کی بہ نسبت زیادہ قریب ہے (الفتح الربانی م ۳۸ ص ۲۵۹) اور فرماتے ہیں کہ ''اے مخلوق کو خدا کا ساجھی ماننے والے اور دل سے ان (مخلوق) کی طرف متوجہ ہونے والے! مخلوق سے اعراض کر اس لئے کہ نہ تو ان سے نقصان ہے اور نہ نفع۔ نہ عطا کرنا ہے اور نہ تو محروم رکھنا، اپنے دل میں چھپائے ہوئے شرک کے باوجود توحید حق کا مدعی نہ بن، اس سے تجھے کچھ حاصل نہ ہوگا (حوالہ مذکورہ) آپؒ نے وفات کے وقت بھی اپنے فرزند عبدالوہابؒ کو وصیت فرمائی تھی تمام حاجتیں اللہ کے حوالہ کرنا اور اسی سے مانگنا **عليك بتقوى الله وطاعته. ولا تخف احدا ولا ترجه. وكل الحوائج كلها الى الله عزوجل واطلبها منه، ولا تثق باحد سوى الله عزو جل ولا تعتمد الا عليه سبحانه . التوحيد، التوحيد التوحيد.** (ملفوظات مع فتح ربانی ص ۲۶۵)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ **كل من ذهب الى بلدة اجمير اولى قبر سالا ر**

---

(۱) باب التوکل والصبر.

مسعود او ما ضاهاها لا حل حاجة يطلبها ثم اثما اكبر من القتل و الزنا الخ یعنی جوشخص اپنی حاجت روائی کے لئے اجمیر جائے یا سید سالار مسعود غازی کے مزار پر یا اسی طرح دوسری جگہ پر مراد مانگے، یقیناً اس نے خدا پاک کا بہت بڑا گناہ کیا، ایسا گناہ کہ جو زنا اور ناحق قتل کرنے سے بھی بڑا ہے، کیا وہ اس مشرک کے مانند نہیں ہے؟ جو اپنی خود ساختہ چیزوں کی بندگی کرتا ہے اور جو لات اور عزیٰ جیسے بتوں کو اپنی حاجتوں کے لئے پکارتا ہے (تفہیمات ج ۲ ص ۴۵)

نیز اپنی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں ومنها انهم كانوا يستعينون بغير الله في حوائجهم من شفاء المريض وغناء الفقير وينذرون لهم ويتوقعون انجاح مقاصدهم بتلك النذور ويتلون اسمائهم رجاء بركتها فاوجب الله تعالىٰ عليهم ان يقولوا في صلاتهم اياك نعبد و اياك نستعين ۔ قال تعالىٰ" ولا تدعوا مع الله احدا وليس المراد من الدعاء العبادة كما قاله بعض المفسرين بل هو الاستعانة لقوله تعالىٰ " بل اياه تدعون فيكشف ما تدعون" اور انہی امور شرکیہ میں سے یہ ہے کہ مشرکین اپنے اغراض کے لئے غیر خدا سے امداد طلب کیا کرتے تھے، بیمار کی شفا اور غریبوں کی تو انگری کو ان سے طلب کرتے تھے اور ان کے نذریں مان کر اپنی حاجات اور مقاصد کے حاصل ہونے کے متوقع رہتے تھے، اور ان کی برکات کی امید میں ان کے نام جپا کرتے تھے اسی واسطے خدا تعالیٰ نے لوگوں پر واجب کیا کہ یہ پڑھا کریں ایاک نعبدو ایاک نستعین (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے یاوری کے خواہاں ہیں) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلا تدعوا مع الله احداً (خدا تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کو مت پکارو) (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۲۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شرعی امور کے مخالف کے حامیوں کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

(سوال ۳) ایک آدمی خلاف شرع امور کا مرتکب ہے، دوسرے بعض اس کی حمایت کرتے ہیں۔ تو ان حامیوں کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

(الجواب) گناہ اور برے کام سے جو شخص راضی رہتا ہے وہ بھی فاسق اور گنہگار ہے اور جو کوئی شرعی گنہگار اور فاسق ہو حتی الامکان اس سے احتراز و اجتناب لازم ہے۔ فرمان خداوندی ہے۔ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (سورۂ انعام) یعنی گنہگاروں کے ساتھ نشست و برخاست ترک کرنا لازم ہے۔

اس میں عاقبت کی درستی اور دین کی سلامتی اور مجرمین کے لئے عملی نصیحت اور تازیانہ عبرت ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہوئے تو علماء نے ان کو روکا۔ مگر وہ باز نہ آئے۔ علماء ان کی مجالس میں بیٹھنے لگے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے تو ان کے دل کے اثرات علماء کے قلوب پر پڑے، ان کے دل کی نحوست سے نیک آدمیوں کے قلوب بھی ویسے ہی بن گئے۔ ان تمام پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی زبانی لعنت کی گئی۔ (۱) (ترمذی شریف۔ ابوداؤد شریف)

---

(۱) عن عبدالله بن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لما وقعت بنو اسرائيل في المعاصي نهتهم علماؤهم فلم ينتهوا فجالسوهم في مجالسهم و اكلوهم وشاربوهم فضرب الله قلوب بعضهم ببعض فلعنهم على لسان داؤد وعيسى ابن مريم ذلك بما عصوا و كانوا يعتدون قال فجلس رسول الله صلى الله عليه وسلم و كان متكئا فقال لا والذى نفسى بيده حتى تاطروهم اطرا رواه الترمذى وابو داؤد وفى روايته قال كلا والله لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر و لتأخذن على يدى الظالم ولتأطرنه على الحق اطرا ولتقصرنه على الحق قصرا أو ليضربن الله بقلوب بعضكم على بعض ثم ليلعننكم كما لعنهم . مشكوة باب الامر بالمعروف ص ۴۳۸)

وباءزدہ آبادی کو چھوڑنا؟

(سوال ۴) (۱) جہاں بیماری پھیلی ہوئی ہو وہاں سے چلے جانا چاہئے یا نہیں۔ (۲) مثلاً ہم بمبئی گئے وہاں خدانخواستہ وبا شروع ہوگئی اور ہم کام سے فارغ ہوگئے اب گھر واپس لوٹنا ہے تو وہاں سے آسکتے ہیں یا نہیں ''یا وہاں وباء دفع ہونے تک ٹھہرنا ضروری ہے؟ (۳) وہاں کا باشندہ کسی کام کے لئے باہر جا سکتا ہے یا نہیں اور سفر کر سکتا ہے یا نہیں؟ (۴) ہوا، پانی بدلنے کے لئے وباء کی جگہ (آبادی) چھوڑ کر عیدگاہ کی طرف جنگل میں جا سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) وبائی اور طاعونی جگہ سے اس خیال سے اور ایسے عقیدہ سے بھاگنا کہ بیماری اور موت سے ہم بچ جائیں گے ورنہ بیماری میں پھنس کر مر جائیں گے ناجائز اور سخت گناہ کا کام ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں: **الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت الخ** ۔ کیا ان لوگوں کو آپ ﷺ نے نہیں دیکھا (کیا آپ ﷺ ان کے حال سے واقف نہیں ہیں؟) جو موت سے بچنے کے لئے اپنے مکانوں سے نکل گئے تھے اور وہ لوگ (تعداد میں) ہزاروں تھے خدا پاک نے فرمایا کہ مر جاؤ (تو مر گئے) پھر ان کو زندہ کیا (سورۂ بقرہ)(۱)

مذکورہ آیت کی تفسیر میں ہے کہ اگلی امت کی ایک بستی میں وباء پھیلی تو ہزاروں (بروایت ستر ۷۰ ہزار) کی تعداد میں بھاگ گئے اور سمجھے کہ ہم موت سے نجات پا گئے۔ خدا تعالیٰ انہیں ان کے برے عقیدہ کی سزا دی کہ ایک دم سب مر گئے۔ کوئی دفن کرنے کے لئے بھی باقی نہ رہا پھر ایک مدت کے بعد ایک نبی وہاں پہنچے۔ یہ خوفناک منظر دیکھ کر دعا کی تو خدا پاک نے ان کو عبرت دینے کے لئے زندہ کیا تب ان کو یقین ہوا کہ موت سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۴۳ تفسیر احمدی ج ۱ ص ۱۶۹)

واقعی موت اپنے وقت اور خدا کے حکم کے سوا نہیں آتی۔ اور وقت آگیا تو ٹل بھی نہیں سکتی فرمان خداوندی ہے۔ **اینما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدة** جہاں کہیں ہوگے وہاں تم کو موت آ پکڑے گی۔ چاہے مضبوط قلعہ میں کیوں نہ ہو (سورۂ نساء) **قل ان الموت الذی تفرون منه فانه ملاقیکم الآیة**. (آپ ﷺ فرما دیجئے) کہ بے شک جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تم کو پکڑے گی (سورۂ جمعہ) بے شک خدا کی مقرر کی ہوئی مدت جب آ جائے گی تو تاخیر نہ ہوگی! (سورۂ نساء)

زمانہ جاہلیت کا عقیدہ تھا کہ جو کوئی بیمار کے پاس بیٹھے اور اس کے ساتھ کھائے تو اس کی بیماری اس کو لگ جاتی ہے۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''لاعدویٰ'' یعنی (بلا تقدیر و بلا حکم خداوندی کے) ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی۔

ایک مرتبہ ایک اعرابی نے عرض کیا کہ صحت مند اونٹوں میں خارشی اونٹ مل جاتا ہے تو سب خارشی ہو جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ پہلے اونٹ کو کس نے خارشی بنایا؟ (جواب ظاہر ہے کہ خدا نے! تو پھر دوسرے اونٹوں کے لئے ایسا کیوں نہیں سمجھتے؟)(۲)

---

(۱) سورہ بقرة. آیت. ۲۴۳. پارہ: ۲

(۲) عن ابی ھریرة حین قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا عدوی ولا صفر ولا ھامة فقال اعرابی یارسول الله فما بال الابل تکون فی الرمل کانها الظباء فیجی الاجرب فید خل فیها فیجربها کلها قال فمن اعدی الاول، مسلم باب لا عدوی ولا طیر الخ ج. ۲ ص ۲۳۰)

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ایک جزامی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کھانے کے برتن میں شریک کر لیا مطلب یہ ہے کہ خدا کے حکم اور تقدیر الٰہی کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ مگر عقیدہ کی حفاظت کے لئے شریعت نے تعلیم دی ہے کہ وبائی جگہوں میں بلاضرورت نہ جائے اور نہ وہاں سے بھاگے کیونکہ اگر وہاں جا کر بیماری میں مبتلا ہو جائے گا تو طبیعت کے کمزور اور ضعیف العقیدہ سمجھے گے کہ وہاں جانے سے یہ ہوا...... بھاگنے والا سمجھے گا کہ بھاگنے سے بچ گیا ورنہ ضرور مبتلا ہو جاتا۔ اور بھاگنے والا دوسروں کے لئے بھی زیادہ پریشانی اور کم ہمتی کا باعث بنتا ہے ایسی بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر آنحضرت ﷺ نے امت کو ہدایت فرمائی۔ اذا سمعتم بالطاعون بارض فلا تدخلوھا و اذا وقع بارض وانتم بھا فلا تخرجوا منھا۔ یعنی تم سنو کہ کسی جگہ وبا پھیلی ہے تو وہاں مت جاؤ اور جہاں تم ہو وہاں وبا پھیل جائے تو بھاگنے کے ارادہ سے وہاں سے مت نکلو۔ (بخاری شریف پ ۲۳ ج ۲ ص ۸۵۳ مسلم شریف ج ۲ ص ۲۹) (۱)

اور فرمایا کہ بیمار اونٹ کو بیمار اونٹ کے ساتھ مت رکھو۔ اور ہدایت فرمائی مجذوم سے ایسا بھاگو جیسے شیر سے! کہ عقیدہ کی حفاظت ضروری ہے۔ ڈاکٹر حکیم وغیرہ بعض امراض (ٹی۔ بی، خارش جذام، طاعون، انفلوئنزا وغیرہ) کو متعدی مانتے ہیں اور اس کے جراثیم ثابت کرتے ہیں، ہمیں اس کی تردید کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر ان کو بھی ماننا چاہئے کہ بیماری از خود متعدی اور موثر نہیں ہے بلکہ بحکم خدا اور تقدیر سے متعدی ہوتی ہے جس کے لئے حکم خدا نہ ہو اور جس کی تقدیر میں نہ ہو تو ذرہ بھی اثر نہیں ہوتا۔ دیکھئے جذامی کے مکان میں سب جذامی نہیں ہوتے۔ ٹی بی والے مریض کے تیمار دار سب اس میں مبتلا نہیں ہوتے۔ انفلوئنزا کے مریض کے ساتھ رہنے والے عموماً انفلوئنزا سے محفوظ اور بالکل صحیح وسالم رہتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس کے لئے خدا کا حکم ہوا سی کو مرض لگتا ہے اگر ایسا نہیں تو مریض کے ساتھ طویل عرصہ تک رہنے اور کھانے پینے کے باوجود صحیح وسالم کیوں رہتے ہیں؟

شریعت نے دور رہنے کی ہدایت محض حفاظت عقیدہ اور سلامتی ایمان کے لئے کی ہے نہ اس لئے کہ مرض سے بچے اور وہ بھی ہر ایک کے لئے ہر حال میں حکم وجوبی نہیں ہے۔ حدیث شریف میں۔ فراراً منہ (وبا سے بھاگنے کے ارادہ سے نہ نکلو) کے الفاظ ہیں اس کی شرح میں لکھا ہے اگر وبا سے بھاگنے کے علاوہ دوسری کوئی وجہ اور غرض ہو تو وہاں سے جانے میں اور بضرورت وہاں جانے میں کوئی حرج نہیں لیکن عقیدہ میں پختہ اور مضبوط ہو ڈانواڈول نہ ہو (فتح الباری وغیرہ)

اور درمختار میں ہے:۔ واذا خرج من بلدۃ بھا الطاعون فان علم ان کل شئی بقدر اللہ تعالیٰ فلا بأس بان یخرج ویدخل. وان کان عندہ انہ لو خرج نجا ولو دخل ابتلی کرہ لہ ذلک فلا یدخل ولا یخرج صیانۃ لا عتقادہ۔ یعنی جو شخص وبائی شہر سے نکلے لیکن اس کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر ایک چیز تقدیر الٰہی سے ہے خدا کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوتا تو اس کو نکلنے اور وہاں جانے کی اجازت ہے اور اگر اعتقاد ایسا ہے کہ یہاں سے چلا جاؤں تو بچ جاؤں گا ورنہ مبتلا ہو جاؤں تو ایسے شخص کو وہاں سے نکلنے کی اور جانے کی اجازت نہیں۔ تاکہ اس کا عقیدہ محفوظ رہے۔ (درمختار مع الشامی ج ۵ ص ۶۶۱) (۲)

---

(۱) ج ۲. ص ۲۲۹ باب الطاعون والطیرۃ والکھانۃ ونحوھا. بخاری باب ما یذکر فی الطاعون. ج. ۲ ص ۸۵۳.
(۲) شامی مسائل شتی قبیل کتاب الفرائض.

(۲) ہاں! وہاں سے آسکتے ہیں، دفع وباء تک وہاں قیام کرنا لازم نہیں، قیام کے مقصد سے وہاں نہیں گئے تو کام سے فارغ ہوکر واپس آنا فرار شمار نہ ہوگا۔ تاہم نیت کی درستی ضروری ہے **وفی ھذہ الا حادیث منع القدوم علی بلد الطاعون ومنع الخروج منہ فراراً من ذالک اما الخروج لعارض فلا باس بہ!** (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۲۲۸)(۱)

(۳) ہاں! بضرورت وہاں سے جاسکتے ہیں اور سفر بھی کر سکتے ہیں جب وباء سے فرار کا قصد نہ ہو۔ لکن **ابو موسیٰ حمل النھی علی من قصدا لفرار محضاً ولا شک ان الصور ثلاث من خرج لقصد الفرار محضاً فھذا یتنا ولہ النھی لا محالۃ ومن خرج لھاجۃ متمحضۃ لا لقصد الفرار اصلاً ویصور ذالک فیمن تھیأ للرحیل من بلد کان بھا الیٰ بلد اقامتہ مثلاً ولم یکن الطاعون وقع فاتفق وقوعہ فی اثناء تجھیزہ فھذا لم یقصد الفرار اصلا فلا ید خل فی النھی والثالث من عرضت لہ حاجۃ فاراد الخروج الیھا وانضم الیٰ ذلک انہ قصد الراحۃ من الا قامۃ بالبلد التی وقع بھا الطاعون فھذا محل النزاع الخ** (فتح الباری ص ۱۵۹)

(۴) ہاں! تبدیلی آب وہوا کی غرض سے شہر کی حد میں جنگل اور میدان میں جاسکتے ہیں نیت یہ ہونی چاہئے کہ تبدیلی آب وہوا بھی ایک علاج ہے۔ لہذا بغرض علاج نکلتے ہیں۔

غرض یہ کہ وبائی جگہ سے بارادۂ فرار نہ نکلے۔ خدا پر بھروسہ کر کے صبر وہمت سے رہے۔ تقدیر میں موت ہوگی تو آئے گی اور درجۂ شہادت حاصل ہوگا۔ جب موت بھاگنے سے نہیں ٹلتی تو بھاگ کر ایمان کیوں خراب کرے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسلمان کا جین گروجی (مرشد) کو جھک کر تعظیم کرنا؟

(سوال ۵) ایک ڈگمبر جین پادری کے بیان میں ایک مسلمان جاتا ہے۔ پادری (گروجی) کو جین لوگ اپنے گھر بلا کر اس کے پاؤں کے سامنے سرخم کر کے اس کو کچھ رقم دیتے ہیں۔ اسی طرح ایک مسلم برادر نے بھی اس گروجی کو اپنے گھر بلا کر اس کے پاؤں پر جھک کر گیارہ روپے اس کے قدموں پر رکھے۔ سرجدہ کی طرح جھکایا۔ تو سوال یہ ہے کہ اس کے ایمان ونکاح کا شرعی حکم کیا ہے؟ وہ اس کام کو گناہ بھی نہیں سمجھتا۔ دریافت اس لئے کیا ہے کہ اس برادر کی اصلاح ہوجائے

(الجواب) خدا وحدہٗ لاشریک کے علاوہ کسی کے سامنے (چاہے پیر ہو یا پیغمبر) سجدہ کرنا، غیر اللہ کے سامنے زمین پر سر ٹیکنا، شریعت محمدی میں قطعی حرام اور گناہ کبیرہ ہے اگر عبادت کی نیت ہو تو موجب کفر ہے۔ اگر تعظیم مقصود ہو یا کوئی نیت نہ ہو تاہم بہت سے علماء کے نزدیک موجب کفر ہے۔ درمختار میں ہے:۔

(تقبیل الارض بین یدی العلماء) والعظماء فحرام والفاعل والراضی بہ اثمان لا نہ یشبہ عبادۃ الوثن وھل یکفر ان علی وجہ العبادۃ والتعظیم کفر وان علی وجہ التحیۃ لا وصار اثما

(۱) باب الطاعون والطیرۃ والکھانۃ ونحوھا.

مرتکبالکبیرۃ(درمختار مع الشامی ج۵ ص ۳۳۷.ص ۳۳۸. آخر باب استبراء وغیرہ

یعنی جولوگ عالم و بادشاہ وغیرہ کے سامنے زمین چومتے ہیں یہ حرام ہے۔ چومنے والا اور پسند کرنے والا دونوں گنہگار ہیں کیونکہ یہ طریقہ بت پرستی کے مشابہ ہے۔

اور یہ بات کہ کیا اس کو کافر قرار دیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر عبادت اور تعظیم مقصود ہو تو کافر ہوجاتا ہے اگر بطور سلامی کے ہو تو کافر نہیں ہوتا مگر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے۔(درمختار ص ۳۷۸)

اور ملتقط ناصری میں ہے:۔ واذا سجد لغیر اللہ تعالیٰ حقیقۃ کفر. یعنی غیر اللہ کو سجدہ کرنے والا کافر ہوجاتا ہے۔اور کفایہ شعبی میں ہے:۔ اذا سجد لغیر اللہ تعالیٰ یکفر لان وضع الجبهة علی الارض لا یجوز الا للہ . یعنی جس نے غیر اللہ کو سجدہ کیا وہ کافر ہوگیا کیونکہ زمین پر پیشانی رکھنا خدا کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ جو خدا کے علاوہ کسی کو سجدہ کرے گا کافر اور مشرک بن جائے گا۔(نصاب الاحتساب باب ۴۹ص ۹۷۔۹۸ قلمی)

صورت مسئولہ میں جبین گرو جی کے سامنے عبادت کی غرض سے نہیں بلکہ تعظیم کی غرض سے سجدہ کی طرح سر خم کیا ہو۔ پھر بھی اس کے لئے توبہ واستغفار اور تجدید نکاح ضروری ہے۔

وما فیہ خلاف یؤمر بالا ستغفار والتوبة وتجدید النکاح(درمختار مع الشامی باب المرتد ج۳ص ۴۱۴. نصاب الا حتساب قلمی باب ۱۹ ص ۴۲) جو چیز خدا کے لئے خاص ہو، پیر پیغمبر کے لئے بھی جائز نہ ہو، وہ غیرہ مسلم کے لئے کس طرح جائز ہوسکتی ہے؟ بادشاہ روم کے دربار میں رکوع کی طرح سر جھکا کر داخلہ سے انکار کرتے ہوئے صحابیؓ نے فرمایا تھا کہ مجھے کافر کے سامنے رکوع کی طرح سر جھکانے میں رسول اللہ ﷺ سے شرم آتی ہے کہ میں آپ کو کیا منہ دکھاؤں انی استحی من محمد علیه السلام ان ادخل علی کافر علی هیئة الراکع (نصاب الا حتساب باب ۴۹ ص ۹۸ قلمی) یہ ہے قانون اسلام کی پابندی اور غیرت اسلامی! فقط واللہ اعلم بالصواب۔

داڑھی پر تنقید کا حکم

(سوال ۶)میں نے بفضلہ تعالیٰ داڑھی رکھی ہے، مگر میرے دوست برادر مذاق کرتے ہیں اور چچا وغیرہ قسم قسم کے القاب دے کر مجھے شرماتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں تیری شکل اچھی نہیں لگتی تو داڑھی منڈوادے۔ اس طرح سے مجھے تنگ کرتے ہیں تو مجھے کیا کرنا چاہئے؟ منڈوادوں تو گنہگار ہوں گا یا نہیں؟

(الجواب) افسوس! وہ زمانہ آ گیا ہے جس کی خبر مخبر صادق ﷺ نے دی ہے۔ ایک روز آنحضرت ﷺ نے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے نوجوان فاسق فاجر بن جائیں گے ؟ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ایسا ہونے والا ہے؟ فرمایا ہاں! بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت! پھر آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا۔ جب تم نیکی کے کام میں آڑ بن جاؤ گے اور بدی کا حکم کرو گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ایسا ہونے والا ہے؟ فرمایا بے شک اس سے بھی زیادہ سخت پھر فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا جب تم نیکی کے کاموں کو خراب اور بدکاری کے کاموں کو اچھا سمجھنے لگو گے۔(جمع الفوائد) کیا یہ سب آج نہیں ہو رہا ہے؟

لوگ داڑھی منڈاتے ہیں اور منڈانے کی تبلیغ کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ داڑھی منڈانے کو بہتر اور رکھنے کو خراب کہتے ہیں۔ جوان تو درکنار بڑی عمر کے لوگ، بوڑھے بھی داڑھی منڈا کر سنت رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کر کے بر سر عام فاسق بن رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے ”تم سفید بالوں کو مت نوچو! جو مسلمان حالت اسلام میں بوڑھا ہوتا ہے تو خدائے تعالیٰ سفید بال کے بدلہ میں اس کو نیکی کا ثواب عطا فرماتے ہیں اور اس کی خطا معاف فرماتے ہیں اور قیامت کے دن یہ سفید بال اس کے لئے نور ہوں گے۔ (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۲۵ باب فی نتف الشیب

ایک حدیث میں ہے کہ بوڑھے کو عذاب دینے سے خدائے تعالیٰ شرماتے ہیں! اللہ اکبر خدائے پاک بوڑھوں کو ان کی معاصی کی سزا دیتے شرماتا ہے مگر بوڑھا داڑھی منڈا کر بڑھاپا چھپا کر نقلی جوان بننے سے نہیں شرماتا؟

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ خیر شبابکم من تشبه بکهولکم و شر کهولکم من تشبه بشبابکم۔ نوجوانوں میں سب سے اچھا نوجوان وہ ہے جو بوڑھی کی مشابہت اختیار کرے۔ اور بوڑھوں میں سب سے بدتر بوڑھا وہ ہے جو جوانوں کی مشابہت اختیار کرے۔ (کنز العمال ج ۸ ص ۱۲۹)

داڑھی اسلامی و قومی شعار ہے اور مرد کے لئے زینت کی چیز ہے۔ بعض فرشتوں کی تسبیح ہے کہ سبحان من زین الرجال باللحی والنساء بالذوائب۔ یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو داڑھی سے اور عورتوں کو چوٹیوں سے زینت بخشی۔ (الحدیث بحرالرائق ج ۸ ص ۲۳۱)

آنحضرت ﷺ نے داڑھی رکھی اور امت کو داڑھی رکھنے کی تاکید فرمائی۔ آنحضرت ﷺ کے عمل کو اپنانا اور آپ کے حکم و فیصلہ کو دل و جان سے تسلیم کرنا شرط ایمان ہے۔ کیونکہ اصطلاح شرع میں اسلام نام ہے نبی برحق کی ہدایت کے بموجب خداوندی احکام کی تعمیل کرنے کا، اپنی عقل اور چاہ کے مطابق خدا کی اتباع کرنا اسلام نہیں بلکہ کفر ہے۔

غ کفر ست دریں مذہب خود بینی و خودرائی

حق تعالیٰ کا فرمان ہے۔ فلا وربک لا یؤمنون۔ الی قوله۔ ویسلموا تسلیما (سورۂ نساء) یعنی قسم ہے تیرے پروردگار کی، لوگ مسلمان ہو ہی نہیں سکتے جب تک آپ کو اپنے جھگڑوں اور معاملات میں حکم اور منصف نہ بنالیں۔ پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں اس سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی (اور ناگواری) نہ محسوس کریں اور پوری طرح (دل و جان سے) اس کو مان لیں اور تسلیم کرلیں۔ (سورۂ نساء)

آیت مذکورہ کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادقؒ سے مروی ہے کہ اگر کوئی قوم خدا کی عبادت کرے اور نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ سب کچھ بجالاوے مگر آنحضرت ﷺ کے کسی عمل کے بارے میں بطور اعتراض یہ کہے کہ آپ ﷺ نے یہ کیوں کیا؟ یا آپ ﷺ کے کسی حکم کے متعلق دل میں تنگی محسوس کرے تو صوم و صلوٰۃ وغیرہ اعمال ہونے کے باوجود وہ کافر و شرک کے حکم میں ہے۔ (تفسیر روح المعانی ج ۵ ص ۶۵)

ایک مسلمان اور یہودی کا مقدمہ آنحضرت ﷺ کے دربار میں پیش ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے تحقیق فرما کر یہودی کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا۔ مسلمان اس فیصلہ پر راضی نہیں ہوا اور یہ مقدمہ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس لے گیا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے سماعت مقدمہ کے بجائے فیصلہ یہ کیا کہ یہ مرتد ہوگیا ہے چنانچہ اس کی گردن اڑادی اور

فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے فیصلہ کو منظور نہ کرنے والے کے لئے صحیح فیصلہ یہی ہے۔

یہ ایک ضابطہ اور قانون کی بات تھی کہ آنحضرت ﷺ کے فیصلہ سے منحرف ہونے والا اور آنحضرت ﷺ سے زیادہ کسی اور کو منصف قرار دینے والا مرتد کافر ہے اور اسلام کا نام لیتا ہے تو یہ نفاق ہے۔ اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو جملہ کمالات اور محاسن کا کامل نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا اور اعلان فرمادیا کہ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔ تو کمال وہی ہے جو کمالات نبوی کا پرتو ہو اور حسن وخوبی وہی ہے جو محاسن رحمۃ للعالمین کا نمونہ ہو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حسن وکمال کے اس فلسفہ کو پوری طرح سمجھتے تھے، چنانچہ نہ صرف عبادات میں سنن نبویہ کی اتباع کرتے تھے، نہ صرف اپنی عادتوں کو آنحضرت ﷺ کی عادتوں کے سانچہ میں ڈھالتے تھے بلکہ آپ ﷺ کے معمولی اشاروں کو بھی حکم کی حیثیت دیتے تھے اور اس کی تعمیل کو سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے مثلاً آنحضرت ﷺ منبر پر رونق افروز ہوئے اور آپ نے حاضرین سے فرمایا۔ اجلسوا اجلسوا۔ تشریف رکھئے۔ تشریف رکھئے۔ اب اس حکم کی تعمیل کیسے کی گئی۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے:۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دروازے کے پاس تھے۔ جیسے ہی یہ ارشاد کانوں میں پڑا فوراً بیٹھ گئے جب آنحضرت ﷺ نے طلب فرمایا تب وہاں سے اٹھ کر آگے گئے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد عرب قبائل کی سرکشی اور ارتداد کی خبریں مدینہ منورہ میں پہنچنے لگیں۔ تو صحابہ کرامؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو مشورہ دیا کہ ایسے وقت میں فوج کو شام بھیجنا مناسب نہیں ہے۔ بہت ممکن ہے مدینہ شریف کو خالی دیکھ کر باغی اور مرتد قبیلے حملہ کر دیں۔ حضرت صدیقؓ نے جواب دیا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر مدینہ اس طرح خالی ہو جائے کہ میں ہی اکیلا رہ جاؤں اور درندے اور کتے مجھ کو بھنبھوڑ کھائیں تب بھی میں اسامہؓ کو (جو اس لشکر کے سپہ سالار تھے) اس مہم پر روانہ کروں گا جس پر آنحضرت ﷺ روانہ فرمارہے تھے (ابن عساکر وغیرہ)

یہ خلیفہ اول صدیق اکبر کی شان تھی۔ عام صحابہ کرامؓ میں سے ایک صاحب کا واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے ہاتھ میں سے سونے کی انگوٹھی نکال کر پھینک دی اور فرمایا انسان جان بوجھ کر اپنے ہاتھ میں آگ کا انگارا رکھتا ہے۔ جب آپ ﷺ تشریف لے گئے تو کسی نے ان سے کہا کہ اسے اٹھالو کسی اور کام میں لے آنا۔ اس صحابی نے جواب دیا نہیں، نہیں خدا کی قسم میں کبھی بھی اس کو نہیں اٹھا سکتا جس کو رسول اللہ ﷺ نے پھینک دیا ہے۔ (مسلم شریف بحوالہ مشکوۃ شریف ص ۳۷۸)

حضرت ابوذر غفاریؓ ایک تالاب میں سے کھیت میں پانی دے رہے تھے۔ کچھ آدمی اس طرف آئے۔ ان کے پیروں سے نالی کی ڈول ٹوٹ گئی اور پانی باہر بہنے لگا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے پانی کو خراب ہوتے ہوئے دیکھا تو فوراً بیٹھ گئے۔ پھر اسی کیچڑ میں لیٹ گئے۔ جو وہاں موجود تھے انہیں بہت تعجب ہوا۔ حضرت ابوذرؓ سے۔ پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ سیدنا حضرت ابوذرؓ نے جواب دیا کہ ان لوگوں کی لاپرواہی پر مجھے غصہ آیا ساتھ ہی مجھے آنحضرت ﷺ کا ارشاد یاد آ گیا کہ غصہ آئے تو بیٹھ جاؤ پھر بھی غصہ نہ جائے تو لیٹ جاؤ۔ لہذا میں نے اس ارشاد گرامی کی تعمیل کی۔ یعنی نہ بدن کی پرواہ، نہ کپڑوں کا خیال، نہ لوگوں کے ہنسنے اور مذاق بنانے کی فکر۔ آنحضرت ﷺ کے ایماء مبارک کی تعمیل

سب سے مقدم ہے۔ اس کے مقابلہ میں سب کچھ ہیچ ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نماز جمعہ کے لئے کپڑے بدل کر جارہے تھے۔ راستہ میں حضرت عباسؓ کے گھر کے پرنالے سے مذبوحہ مرغی کے خون میں ملا ہوا پانی آپ کے اوپر گرا۔ آپ واپس مکان آئے۔ کپڑے بدلے اور پرنالے کے متعلق حکم فرمایا کہ راستہ سے ہٹادیا جائے۔ حکم کی تعمیل ہوچکی تو حضرت عباسؓ نے برجستہ تذکرہ فرمایا کہ یہ پرنالہ آنحضرت ﷺ نے اس جگہ لگوایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے جیسے ہی یہ سنا فوراً اٹھے پرنالہ پر تشریف لے گئے۔ کوئی سیڑھی نہیں تھی تو خود جھک گئے اور حضرت عباسؓ کو قسم دے کر فرمایا کہ ان کی پیٹھ پر کھڑے ہوں اور پرنالہ کو اسی جگہ لگادیں جہاں آقاء نامدار محبوب خدا ﷺ نے لگایا تھا۔

یہ تھا صحابہ کرام کا ادب (رضوان اللہ علیہم اجمعین) پرنالہ جس جگہ بھی تھا چونکہ وہ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک کا لگایا ہوا تھا اگرچہ لاعلمی میں ہٹادیا مگر چونکہ ہٹادیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اپنی پشت پر حضرت عباسؓ کو کھڑا کر کے پرنالہ کو اصلی جگہ لگوایا۔ ایک ادب ہمارے نوجوانوں اور بہت سے بوڑھوں کا ادب ہے کہ جس داڑھی کو آنحضرت ﷺ نے خود بھی ہمیشہ رکھا۔ اور مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ داڑھی بڑھائیں اور مونچھیں کٹوائیں۔ آج اصرار ہے کہ نہ داڑھی کا نام ونشان رکھیں گے نہ مونچھ کا، اس سے بڑی بے ادبی اور گستاخی کیا ہوسکتی ہے؟ بہر حال داڑھی تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ داڑھی اسلامی شعار ہے، داڑھی شرافت وبزرگی کی علامت ہے۔ داڑھی چھوٹے بڑے میں فرق کرنے والی ہے۔ داڑھی سے صورت مردانہ مکمل ہوتی ہے۔ داڑھی منڈانا فعل شیطان اور خداداد شکل کو بگاڑنا ہے داڑھی منڈانے کو اچھا سمجھنا آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کی سنت مبارکہ سے عناد اور مقابلہ ہے۔ (معاذ اللہ)

فقہ کی شہرہ آفاق کتاب "ہدایہ" میں ہے۔ **ولنا ان اللحية في وقتها جمال و في حلقها تفويته على الكمال** (ج ۴ ص ۵۷۱ فصل (الدية) فيما دو النفس) یعنی داڑھی اپنے وقت میں (یعنی جب سے اگتی ہے) خوبصورتی اور زینت کا باعث ہے اور اسکے منڈانے سے زینت وخوبصورتی بالکل نابود ہوجاتی ہے۔ بحر الرائق میں ہے۔ **لان اللحية في اوانها جمال** یعنی داڑھی اپنے وقت میں خوبصورتی کی چیز ہے۔ دلیل میں یہ حدیث پیش کی ہے۔ خدائے تعالیٰ کے ملائکہ کی ایک جماعت کا وظیفہ یہ ہے: **سبحان من زين الرجال باللحى والنساء بالقرون والذوائب.** پاک ذات ہے وہ جس نے مردوں کو داڑھی سے اور عورتوں کو چوٹیوں اور مینڈیوں سے زینت بخشی (تکملہ بحر الرائق ج ۸ ص ۳۳۱ فصل الدیۃ) فیما دون النفس) ایک روایت ہے کہ فرشتے جب قسم کھاتے ہیں تو یہ کہتے ہیں **والذي زين بني آدم باللحى** قسم اس ذات کی جس نے انسان کو داڑھی سے زینت بخشی![1]

حضور اقدس ﷺ سے سچی محبت ہو تو آپ کی ہر ایک بات اور ہر ایک عادت محبوب ہونی چاہئے۔ محبوب کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے۔ اس سے (معاذ اللہ) نفرت، محبت نہ ہونے کی علامت ہے۔ داڑھی کا منڈانے والا حضور ﷺ کی سنت کو پامال کرنے والا ہے۔ وہ سچا محب کیسے ہوسکتا ہے؟ کسی نے خوب کہا ہے۔

---

(۱) یہ حدیث کنوز الحقائق لعبد الرؤف المناوي علی هامش الجامع الصغير ج ۱ ص ۱۴۲ میں بحوالہ حاکم ان الفاظ سے منقول ہے: سبحان من زين الرجال باللحى والنساء بالذوائب. اور ج ۲ ص ۹۰ میں بحوالہ فردوس دیلمی ان الفاظ سے منقول ہے: ملائكة لذوائب النساء ولحى الرجال. مبسوط سرخسی ج ۲ ص ۷۲ میں ان الفاظ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ان السماء تستغفر لذوائب النساء ولحى الرجال. مبسوط سرخسی ج ۲۶ ص ۷۲ میں ان الفاظ سے منقول ہے: ملئكة السماء تستغفر لله تعالى ملائكة تسبيحهم سبحان من زين الرجال باللحى والنساء بالقرون والذوائب

تعصی الرسول وانت تظهر حبه
هذا لعمری فی الفعال بدیع
لو کان حبک صادقا لاطعته
ان المحب لمن یحب مطیع

یعنی تم اللہ رسول کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو اور ساتھ ہی ان کے فرمان کی خلاف ورزی بھی کرتے ہو۔ کس قدر عجیب بات ہے اگر فی الواقع تمہارے دل میں ان کی محبت ہوتی اور تم اپنے دعویٰ محبت میں سچے ہوتے تو کبھی ان کی نافرمانی نہ کرتے۔ ان کے ہر فعل اور ادا سے محبت ہوتی مجنوں لیلیٰ کی گلی سے گذرتا تو درو دیوار کو چومتا اور کہتا تھا۔

امر علی الدیار دیار لیلیٰ
اقبل ذاالجدار و ذا الجدار
وما حب الدیار شغفن قلبی
ولکن حب من سکن الدیار

میں لیلیٰ کی گلیوں سے جب گذرتا ہو تو اس دیوار کو بھی چومتا ہوں اور اس دیوار کو بھی گلی کوچوں کی محبت دل کی لگن نہیں ہے بلکہ اس کی محبت جو ان گلیوں میں رہتی ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں:۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است
افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را
کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

یعنی۔ اپنی آنکھ پر ناز کرتا ہوں کہ اس نے تیرے جمال کا دیدار کیا ہے۔ اپنے پاؤں پر گرتا ہوں کہ تیری گلی میں اس کی رسائی ہوئی ہے۔ اپنے ہاتھ کو ہزار بار چومتا ہوں کہ اس نے تیرا دامن پکڑ کر میری طرف کھینچا ہے۔

''مثنوی'' میں ہے کہ ایک معشوق نے عاشق سے کہا کہ تو نے بہت سے شہروں کی سیاحت کی ہے۔ سب سے اچھا شہر کون سا ہے؟ عاشق نے جواب دیا جس میں میرا محبوب رہتا ہے۔

گفت آں شہرے کہ دروے دلبر ست

افسوس ہوتا ہے کہ دعویٰ ہے محبت مولا اور عشق رسول کا۔ اور عمل یہ کہ داڑھی سے معاذ اللہ نفرت؟ محبوب رب العالمین آقاء دوجہان کا ارشاد ہے:۔ **لا یومن احدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به** (مشکوٰۃ کتاب الایمان) (دعویٰ محبت قابل اعتبار نہیں ہے جب تک ایسا نہ ہو جائے کہ صاحب ایمان کی چاہ (خواہش) میری تعلیم کے تابع نہ ہو جائے) یعنی دل کی خواہش اور دل کا جذبہ وہی ہو جائے جو آنحضرت ﷺ کی تعلیم اور آپ کی سنت ہے (مشکوٰۃ شریف وغیرہ) بار بار ارشاد ہوا جو میری سنت پر عمل نہ کرے وہ میرا نہیں ہے، جو دوسروں کے طریقے پر چلے وہ ہم میں سے نہیں ہے، جو میرے طریقے سے منہ پھیر لے وہ میری جماعت میں سے نہیں، جس نے میری سنت برباد کی اس پر میری شفاعت حرام ہے۔

ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ حدیث بیان فرمار ہے تھے۔ کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یحب الدباء ''حضور ﷺ کدو کو پسند فرماتے تھے۔'' ایک شاگرد فوراً بول اٹھا مگر میں تو پسند نہیں کرتا۔ امام ابو یوسفؒ نے تلوار نکال کر کہا تو بہ کرورنہ قتل کردوں گا۔

مدینہ شریف میں ایک صاحب نسبت بزرگ کی زبان سے اتنی بات نکل گئی کہ شام یا ہندوستان کا دہی یہاں کے دہی سے اچھا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے خواب میں (یا عالم واقع میں) فرمایا کہ ہمارے یہاں سے چلے جاؤ، وہاں جا کر رہو جہاں کا دہی اچھا ہے۔

امام ربانی فرماتے ہیں کہ تمام سنن خداوند عالم کی پسند فرمودہ ہیں اور جو چیزیں خلاف سنت ہیں وہ شیطان کی پسند کردہ ہیں۔ (مکتوبات ج ا ص ۲۵۵)

آپ سوال کرتے ہیں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ برادر اسلام! خواہش کے بندوں کی ملامت اور لعن طعن سے گھبرا کر حق بات کو چھوڑنا ابو طالب کا طریقہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ابو طالب کو بوقت مرگ کہا کہ چچا ایک دفعہ لا اله الا الله محمد رسول الله کہدو۔ ابو طالب نے جواب میں کہا:

اظهرت دینا قد علمت بانه

من خیر ادیان البریة دیناً

لولا الملامة او حذار مسبة

لوجدتنی سمحاً لذلک مبیناً

یعنی آپ ﷺ نے میرے سامنے ایسا دین پیش کیا ہے جس کو میں دنیا کے تمام ادیان سے افضل سمجھتا ہوں اگر مجھے لوگوں کی ملامت اور لعن طعن کا ڈر نہ ہوتا تو آپ مجھے قبولیت حق میں جوانمرد پاتے۔

خلاصہ یہ کہ لوگوں کے لعن طعن سے ڈر کر حق بات کو چھوڑ دینا ابو طالب کا طریقہ ہے، اور ساری دنیا کی ملامت کی پروا کئے بغیر حق کو پکڑے رکھنا مجاہد اسلام حضرت حذیفہؓ بن یمان کی سنت ہے۔ حضرت حذیفہؓ سفر میں تھے۔ آپ کے ہاتھ مبارک سے کھاتے کھاتے لقمہ گر گیا۔ آپؓ اس کو اٹھا کر صاف کر کے منہ میں ڈالنے لگے۔ عجمی لوگ یہ دیکھ رہے تھے خادم نے چپکے سے کہا حضرت ایسا نہ کیجئے۔ یہ عجمی گرے ہوئے لقمہ کو اٹھا کر کھالینا بہت برا جانتے ہیں اور ایسے لوگوں کو بنظر حقارت دیکھتے ہیں۔ آپؓ نے جواب دیا۔ أأترک سنة حبیبی لهؤ لاء الحمقاء۔ کیا میں ان بیوقوفوں کی وجہ سے اپنے حبیب ﷺ کی سنت چھوڑ دوں؟

یہ ہے ایمان۔ یہ ہے آنحضرت ﷺ کے افضل الانبیاء ہونے اور آپ کی تعلیم کی مکمل ترین تعلیم ہونے پر اعتماد! خادم عجمیوں کی تہذیب سے مرعوب ہے اور حضرت حذیفہؓ اپنے حبیب پاک ﷺ کی تہذیب پر نازاں۔ ہر اس شخص کو احمق کہتے ہیں جو محبوب خدا ﷺ کو کامل معلم نہ سمجھے اور آپ کی تہذیب کا شیدا نہ ہو۔ آپ داڑھی نہ منڈایئے۔ آپ ان نادانوں کی بات پر عمل کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔ خدا پاک نے اپنے پیغمبر ﷺ کو ہدایت فرمائی ہے، ہم نے تم کو دین کے ایک خاص طریقہ پر لگا دیا ہے اسی طریقہ پر چلتے رہو اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو علم سے نا آشنا ہیں۔ (سورہ جاثیہ)

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بزرگ کے نام کی چوٹی رکھنا کیسا ہے؟

(سوال ۷) استفتاء (۱۰۲۵) اکثر جگہ لوگوں میں دستور ہے کہ بچوں کے سر کے بال نہیں بناتے بزرگوں کے نام کی چوٹی ایک مدت تک رکھ کر پچاس ساٹھ آدمیوں کے ہمراہ بزرگ کے مزار پر جاکر (پہنچ کر) چوٹی کاٹتے ہیں۔ اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

(الجواب) مذکور طریقہ غیر اسلامی ہے۔ یعنی اہل سنت والجماعۃ کے عقیدے اور طریقہ کے خلاف ہے اور بدعت ہے اسلامی طریقہ تو یہ ہے کہ ساتویں دن [1] بچہ کا عقیقہ کیا جائے اور اس کے بال کاٹ کر اس کے وزن کی مقدار سونا یا چاندی غرباء پر تقسیم کردی جائے۔ اس پر عمل کرنے کی بجائے کسی بزرگ کے نام کی چوٹی رکھنا اور اس کے مزار پر جاکر کٹانا، اسلامی طریقہ کے خلاف اور ایک قبیح بدعت ہے اور مشرکانہ فعل ہے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب بھی اس کو بدعت لکھتے ہیں۔ بعض جاہل عورتوں میں دستور ہے کہ بچے کے سر پر بعض اولیاء کرامؒ کے نام کی چوٹی رکھتی ہیں اور اس کی کچھ میعاد مقرر کرتی ہیں پھر میعاد گذار کر مزار پر لے جاکر وہ بال اتارتی ہیں۔ یہ طریقہ محض بے اصل اور بدعت ہے۔ (السنیۃ الانیقہ فی فتاوی افریقہ ص ۶۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

انسان چاند پر پہنچ سکتا ہے۔ شرعی نقطۂ نظر کیا ہے؟

(سوال ۸) استفتاء (۱۰۷۷) کیا امریکہ کے خلاباز چاند پر پہنچے اور وہاں سے ریت اور پتھر لائے ہیں۔ تو دریافت طلب بات یہ ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے یہ ممکن ہے؟ اور کیوں کر؟ بتفصیل جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) چاند پر انسان پہنچ سکتا ہے۔ اسلامی تعلیم کے خلاف نہیں۔ لہذا امریکہ کے خلاباز اگر یہ دعویٰ کرتے ہیں تو اس کے ماننے میں شرعی لحاظ سے کوئی حرج نہیں ہے، چاند بھی خدا کی مخلوق ہے۔ چاند پر پہنچنے کی سمجھ بھی ان کو خدا پاک ہی نے دی ہے یہ بھی ایک کرشمۂ خداوندی ہے خدا پاک نے شیطان مردود کو اس سے بھی زیادہ طاقت دی ہے۔ پل بھر میں کہاں سے کہاں پہنچتا ہے۔ خدا ہی نے اس کو آسمان تک پہنچنے کی طاقت دی ہے۔ اسی طرح خدا پاک "دجال" کو بھی حیرت انگیز طاقت دیں گے۔ جو ایک بڑے بزرگ کے ٹکڑے کرکے اس کو زندہ کرے گا۔ اور صدیوں کے مردہ کو زندہ کرے گا، جو اس سے باتیں کرے گا۔ بارش برسائے گا، کھیتی پکائے گا۔ چند لمحات

---

(۱) فقالت عائشة السنة افضل عن الغلام شاتان مكافئتان وعن الجارية شاة تقطع جدولا ولا يكسر لها عظم فيأكل ويطعم ويتصدق ولكن ذلك يوم السابع فان لم يكن ففي اربعة عشر فان لم يكن ففي احدى وعشرين مستدرک حاکم ج۴ ص ۲۳۸. يا فاطمة احلقي رأسه، وتصدقي بزنة شعره فوزناه فكان درهما، اعلاء السنن ج ۱۷ كتاب الذبائح.

میں دنیا کا
سفر کرے گا۔ اور اس کے ساتھ اس کی خود ساختہ جنت جہنم ہوگی۔ اپنے ماننے والوں کو جنت میں اور نہ ماننے والوں کو جہنم میں داخل کرے گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام ہوائی سفر کیا کرتے تھے۔ ہدہد پرندہ نہایت دور سے خفیہ راز لاتا تھا۔ قوم سباء اس کی ملکہ ''بلقیس'' اور اس کے غیر معمولی اور نہایت عظیم الشان تخت شاہی کی خبر حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہدہد ہی نے دی تھی۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک وزیر نے جس کو کتاب الٰہی کا علم تھا (اسم اعظم جانتا تھا) یہ کرامت دکھادی تھی کہ پلک جھپکنے سے پہلے بلقیس کا شاہی تخت لاکر حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے حاضر کردیا تھا۔ ملاحظہ فرمائیے۔ سورۂ نمل پ ۱۹۔ قرآن حکیم۔

اگر امریکہ کے خلاباز چاند پر جاکر ریت اور پتھر لائے تو اس میں تعجب کیا ہے کہ ایسے کام جانور (ہدہد وغیرہ) بھی کر چکے ہیں۔ خدا کی طرف سے جس کو جیسی توفیق ملتی ہے ویسا ہی کام کرتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ **من کان یرید حرث الاخرۃ نزدلہ فی حرثہ ومن کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منہا وما لہ فی الاخرۃ من نصیب.** یعنی:۔ جو کہ (ایماندار) آخرت کی کھیتی۔ (ثواب) کا خواہش مند ہو تو ہم اس کو اس کی کھیتی میں (اخروی نعمتوں میں) ترقی دیں گے۔ اور جو کوئی (دنیا کا بندہ) دنیا کی کھیتی (ترقی عیش وآرام) کا خواہش مند ہو تو ہم اس کو اس میں سے کچھ دے دیں گے اور آخرت (کی نعمتوں) میں اس کا کوئی حصہ نہ رہے گا۔ (سورۂ شوریٰ)

اکثر لوگ کہتے ہیں کہ چاند پر رسائی اس لئے محال ہے کہ چاند آسمان پر ہے۔ اور وہاں فرشتوں کی نگرانی (پہرہ) ہے اور دلیل میں آیت قرآن پیش کرتے ہیں۔ **تبارک الذی جعل فی السماء بروجاً وجعل فیہا سراجاً وقمراً منیراً** ۔ یعنی وہ ذات عالی شان بابرکت ہے جس نے آسمان میں برج (بڑے بڑے ستارے) بنائے اور اس میں ایک چراغ (آفتاب) اور نورانی چاند بنایا۔ (سورۂ فرقان) (۲) **وجعل القمر فیہن نوراً وجعل الشمس سراجاً** ! یعنی:۔ اور خدا پاک نے آسمانوں میں نورانی چاند بنایا۔ اور سورج کو چراغ بنایا (سورۂ نوح)

مذکورہ بالا دونوں آیات میں ہے کہ خدا نے چاند، سورج وغیرہ آسمانوں میں بنائے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک چاند وغیرہ آسمانوں میں ہیں۔ لیکن آسمان کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ عربی میں جو چیز بلندی پر ہو اس کو ''سماء'' (آسمان) کہا جاتا ہے۔ '' **ارید بالسماء السحاب فان ما علاک سماء** '' (تفسیر بیضاوی شریف ص ۲۶)

امام راغب کے مفردات القرآن میں ہے۔ ہر شے کے بالائی حصہ کو سماء (آسمان) کہا جاتا ہے (سماء) سماء کل شیئی اعلاہ (ص ۲۴۳) (۴۴۶) عربی۔

قرآنی زبان واصطلاح میں سماء (آسمان) کا اطلاق جو یعنی آسمان سے نیچے کی فضاء پر اور سحاب پر بھی ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے۔ **وانزلنا من السماء ماء** ً۔ یعنی:۔ ہم نے (خدا نے) آسمان سے پانی برسایا (سورۂ بقرہ)

وانزلنا من السمآء مآءً طهوراً. یعنی:۔ہم نے آسمان سے پاک پانی برسایا۔(سورۂ فرقان) حالانکہ بظاہر بارش کا پانی بادلوں سے زمین پر برستا ہے۔جیسا کہ قرآن پاک میں ہے۔ وانزلنا من المعصرات مآءً ثجاجاً. یعنی:۔ اور ہم نے پانی سے بھرے ہوئے بادلوں سے موسلا دھار مینہ برسایا ہے۔(سورۂ نبأ) ان آیات میں بادلوں کے لئے لفظ ''سماء'' لایا گیا۔اسی طرح اس فضاء اور جو کے لئے بھی لفظ ''سماء'' لایا گیا۔جہاں آیات سابقہ نمبر ا ونمبر ۲ کے بموجب چاند اور سورج ہیں۔یعنی اس فضاء میں معلق ہیں۔اس لئے فرمادیا گیا۔جعل فیھا سراجاً وقمراً منیراً. یعنی:۔ہم نے اس (آسمان) میں چراغ اور قمر منیر بنادیا۔

تفسیر حقانی میں ہے۔السماء (آسمان) چند معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔افق کو بھی سماء کہتے ہیں۔بادل کو بھی ''سماء'' اور آسمان کو بھی ،اصل میں سماء کا اطلاق اوپر کی چیز پر ہوتا ہے۔خواہ وہ بادل ہو خواہ آسمان ،اس جگہ (وانزلنا من السمآء مآءً) بادل مراد ہے۔کیونکہ بارش وہیں سے نازل ہوتی ہے۔اور آسمان مراد لینا بھی ممکن ہے (ص۸۹ ج۲)

جدید سائنس کی تحقیق یہ ہے کہ چاند،ستارے وغیرہ آسمان کے نیچے ہیں اوپر نہیں۔اس کی تائید حضرت عباسؓ کی روایت سے ہوتی ہے۔فرماتے ہیں۔'' ان النجوم قنا دیل معلقة بین السمآء والارض. یعنی بے شک ستارے آسمان اور زمین کے درمیان نوری زنجیروں میں معلق ہیں۔اور یہ زنجیریں نوری فرشتوں کے ہاتھ میں ہیں۔(روح المعانی ص۵۰ ج۳)

مذکورہ بالا روایت نقل کر کے صاحب روح المعانی علامہ آلوسی بغدادیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ ستارے وغیرہ آسمانوں میں مرکوز نہیں۔جیسا کہ قدیم فلاسفہ کا کہنا ہے۔بلکہ وہ اس فضاء میں معلق ہیں۔اور اسی سے جدید اہل سائنس کی تائید ہوتی ہے جو قائل ہیں کہ ستارے وغیرہ کشش کی طاقت کے ذریعہ معلق ہیں۔ وظاهر هذا ان النجوم لیست فی جرما فلاک لها کما یقول الفلا سفة المتقدمون بل معلقة فی فضاء ویقرب عنه من وجه قول الفلا سفة المحدثین فانهم یقولون بکونهافی فضاء ایضا لکن یقول متجاذبة. روح المعانی ص ۵۰ ج۳)

اور حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ برسہا برس پہلے تحریر فرما گئے ہیں کہ:

اگر تمام کواکب کو آسمان کے ورے (ادھر) مانیئے اور آفتاب کو مرکز عالم پر تجویز کیجئے۔اور آسمان سے ورے ورے زمین وغیرہ کا اس کے گرداگرد متحرک ہونا تجویز کیجئے تو ان کا (اہل اسلام) کچھ نقصان نہیں ،نہ ان کی رائے ومذہب میں کچھ خلل آسکتا ہے۔(حجۃ الاسلام)

اور حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:۔کہ اہل اسلام میں سے بعض کی تحقیق یہ ہے کہ آفتاب اور ستارے آسمان میں گڑے ہوئے نہیں ہیں۔بلکہ وہ خلاء میں قائم ہیں اور اس خلاء میں جو ان کا مدار حرکت ہے وہی ان کا فلک ہے۔(تکمیل الیقین ص۲۱۱)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فلک ''سماء'' (آسمان) ہے اور جمہور کی رائے ہے کہ آسمان کے نیچے موضع ملفوف (گھیری ہوئی فضاء) فلک ہے اور اسی میں چاند سورج ستارے گردش کرتے ہیں۔عن ابن عباسؓ الفلک

السماء والجمهور على ان الفلک موج مکفوف تحت السمآء تجری فیه السماء والقمر والنجوم (تفسیر مدارک ص۲۲۱ ج ۲)

قرآن کی بعض آیات کریمہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ چاند وغیرہ آسمان کی نیچے کے حصہ میں ہیں ۔ سورۂ صافات ۔ " انا زینا السمآء الدنیا بزینة ن الکواکب ." یعنی بے شک ہم نے رونق بخشی ہے قریب کے آسمانوں کو ستاروں کے ذریعہ ۔ اور سورۂ حم سجدہ اور سورۂ ملک میں ہے ۔ کہ زینّا السّمآء الدنیا بمصا بیح ۔ یعنی ہم نے قریب کے آسمان کو ستاروں سے آراستہ کیا ہے ۔

ان آیتوں میں لفظ " السماء الدنیا " قریب کا آسمان غور طلب ہے ۔ بظاہر آسمان کا نیچے کا حصہ یا نیچے کی فضاء مراد ہے ۔ یعنی جس طرح چھت میں قندیل لٹکا ہوا ہوتا ہے ۔ اس سے چھت کی آراستگی ہوتی ہے ۔ ایسے ہی آسمان کے نیچے چاند، سورج، ستارے، آویزاں ہیں ۔ جن سے سقف آسمان آراستہ ہو رہی ہے ۔ سائنس کی ترقی سے مسلمانوں کو خائف یا حیرت زدہ نہ ہونا چاہئے ۔ سچ کبھی شکست نہیں کھاتا سائنس جوں جوں ترقی کر رہی ہے ۔ اسلامی اعتقادات، معجزات وکرامات کی تائید اور تقویت ہو رہی ہے ۔

تخت سلیمان علیہ السلام کا ہوا میں اڑنا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مسجد نبوی کے منبر سے (خطبہ دیتے ہوئے امیر لشکر حضرت ساریہ کو جو عراق کے محاذ پر میدان جنگ میں ہیں) یا ساریۃ الجبل پکار کر تنبیہ کرنا، قیامت کے دن آدمی کے اعضاء کا گواہی دینا اور گناہوں کا اقرار کرنا ۔ ان جیسے تصورات اور عقائد کو ۔ ہوائی جہاز، راکٹ، وائرلیس، ٹیلی فون، ٹیلی ویژن، وغیرہ کی ایجادات سے تقویت اور تائید حاصل ہو رہی ہے. تبارک الذی بیده الملک وهو علی کل شیئی قدیر آنحضرت ﷺ کی معراج کے بارے میں مخالفین استدلال کرتے تھے کہ ہوائی طبقہ کے اوپر جو خلاء ہے اس میں ہوا نہ ہونے کی وجہ سے کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا، تو آپ ﷺ کا گذر وہاں سے ہوا تو آپ ﷺ زندہ کس طرح رہے؟ اب سوال کیا جا سکتا ہے کہ خلاباز چاند پر جانے والے کس طرح زندہ رہے؟

قرآن شریف میں ہے :۔ اہل جنت اور اہل دوزخ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے اور پہچانیں گے اور باہم گفتگو بھی کریں گی ۔ ونادیٰ اصحب الجنة اصحب النار ان قد وجد نا ما وعدنا ربنا حقا فهل وجدتم ما وعد ربکم حقا قالوا نعم ۔ یعنی :۔ اہل جنت، اہل دوزخ کو پکار کر کہیں گے کہ ہم سے ہمارے رب نے جو جو وعدہ فرمایا تھا ہم نے بالکل ٹھیک پایا ۔ تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ فرمایا تھا (کہ جہنم بہت تکلیف کی جگہ ہے) تو تم نے بھی اس کو ٹھیک پایا؟ وہ کہیں گے ۔ کہ ہاں! خدا اور رسول ﷺ کی سب باتیں سچی پائی (سورۂ اعراف پ ۸) اس طرح کے اور سوال وجواب ہوں گے اور سورۂ مدثر میں ہے الا اصحاب الیمین فی جنت یتسآء لون عن المجرمین ما سلککم فی سقر قالوا لم نک من المصلین ولم نک نطعم المسکین وکنا نخوض مع الخائضین وکنا نکذب بیوم الدین حتی اتانا الیقین. یعنی لوگ گنہگاروں سے پوچھیں گے کہ کس بات نے تم کو دوزخ میں داخل کر دیا؟ وہ کہیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ فقیروں مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے اور باتیں بنانے والوں کے ساتھ باتیں بنانے تھے اور ہم قیامت کے دن کو جھوٹ سمجھتے تھے ۔ حتی کہ پکی بات (موت) آ پہنچی ۔ (سورۂ مدثر پ ۲۹) لوگوں کا اعتراض یہ تھا کہ جنت اور جہنم کے درمیان بہت زیادہ بعد ہوگا ۔ تو ایک دوسرے کو کس طرح دیکھ سکیں گے؟ کس

طرح پہچان سکیں گے؟ اور سوال و جواب کس طرح کر سکیں گے؟ اس کا جواب بھی ان کو مل گیا۔ امریکہ کے صدر نے خلا بازوں کو چاند پر اترتے دیکھا۔ پہچانا، گفتگو کی، مبارک بادی دی۔ دعا دی۔ اور چاند پر سے آرمسٹر ونگ (ARMOSTARWENG) نے صدر کا شکریہ ادا کیا۔ وغیرہ باتیں دنیا کے سامنے آ چکی ہیں۔ چاند والا آسمان اخیری منزل نہیں، یہ تو عالم علوی کا ابتدائی افق ہے۔ اس کے اوپر سات ۷ آسمان ہیں۔ ہر ایک کے درمیان پانچ سو برس کی مسافت ہے۔ اور ساتویں آسمان پر جنت ہے اور جنت کے سو درجے ہیں۔ اور ہر درجہ کے درمیان کا فاصلہ پانچ سو برس کی مسافت کا ہے۔ یعنی پچاس ہزار برس کی مسافت ہوئی۔ پھر اس پر عرش عظیم ہے (**سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم.**)

ستاروں کے بارے میں حضرت قتادہؒ کا بیان ہے۔ کہ خدا پاک نے ستاروں کو تین کاموں کے لئے بنایا ہے۔ (۱) آسمان کی آرائش کے لئے (۲) غیب کی خبر سننے والے شیاطین کو بھگانے کے لئے (۳) رات میں مسافروں کی رہنمائی کے لئے۔

پس جو کوئی ان تین فوائد کے علاوہ اور فائدہ مثلاً غیب کی خبر حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس نے غلطی کی۔ اپنا وقت ضائع کیا۔ اس کی کوشش رائیگاں کی (تعلیقات بخاری)

اس مقام پر مخدومی حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب مدظلہ کے رسالہ "آسمان اور چاند تارے" سے کچھ مضمون بغرض استفادہ پیش کیا جاتا ہے۔

آسمان، آسمانوں کی ترتیب اور درمیانی فاصلے:

فلاسفۂ قدیم نے آسمان دیکھے نہیں تھے۔ بے شک ان کو تارے نظر آئے۔ اور ان کی گردشیں محسوس ہوئیں۔ مثلاً ایک گردش وہ ہے جس میں تمام تارے مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کا چکر لگاتے ہیں۔ اس گردش سے دن اور رات رونما ہوتے ہیں۔ یہ مشرق سے مغرب کو ہوتی ہے۔ بے شمار تاروں کا ایک مرصع سائبان ہے۔ تمام تارے اسی میں جڑے ہوئے ہیں۔ ان کی خود اپنی کوئی حرکت محسوس نہیں ہوتی۔ البتہ روز و شب کی گردش کے ساتھ یہ بھی گردش کرتے رہتے ہیں۔ ان کو ثوابت کہتے ہیں (اپنی جگہ جمے ہوئے) ان کے علاوہ سات تارے ایسے ہیں۔ جو اپنی گردش بھی رکھتے ہیں۔ کسی کی گردش پورے ایک سال میں ختم ہوتی ہے۔ کسی کی ایک ماہ میں کسی کی اس سے زیادہ میں۔ ان کی یہ ذاتی گردشیں مختلف سمتوں میں ہوتی ہیں۔ کسی کی مشرق کی طرف اور کسی کی کسی اور سمت میں۔ کسی کی گردش سیدھی ہوتی ہے۔ کسی کی آڑی، ان سات تاروں کو "سیارات" کہا جاتا ہے۔ "سیارہ" کی جمع۔ ان میں سورج اور چاند بھی ہیں۔ اساتذۂ ہیئت اور فلسفہ نے اپنی رصد گاہوں کے ذریعہ بھی مشاہدہ کیا۔ یہ سبع سیارات ایک سطح میں نہیں ہیں، بلکہ یکے بعد دیگرے اوپر نیچے ہیں۔ اور نہایت عجیب بات یہ ہے کہ ان کی گردش کی لائنیں (خطوط) مقرر ہیں۔ یہ خطوط سیدھے نہیں۔ بلکہ دائرے ہیں۔ ان کی گردشیں انہی دائروں پر ہوتی ہے۔ جس طرح شب و روز کی ترتیب میں فرق نہیں آتا۔ ان کی ذاتی گردشیں جو معینہ دائروں پر ہوتی ہیں۔ ان میں بھی کوئی فرق نہیں آتا۔ گویا یہ تارے ان دائروں (مدارات) کے پابند اور ان میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اب فلاسفہ کی ایک جماعت تو وہ ہے جو ان ہی

کو فلک کہتی ہے۔ فلک کے اصلی معنی ہیں "گھیرا" ان کے نزدیک تاروں کے ان دائروں (مدار النجوم) ہی کا نام فلک ہے۔ جو ایک خیالی اور فرضی چیز ہے۔ فلک کا کوئی جرم یا جسم نہیں ہے!

فلاسفہ کی دوسری جماعت افلاک کا جرم اور جسم بھی مانتی ہے۔ ان کا قول یہ ہے کہ ہر ایک تارے کا ایک فلک ہے۔ لہذا سات تاروں کے ساتھ فلک، پھر ایک فلک کے اندر کم از کم دو فلک اور ہوتے ہیں۔ جو تاروں کی گردش سے خاص تعلق رکھتے ہیں۔ ان کو "تدویر" اور بعض صورتوں میں "متمم" کہا جاتا ہے۔ اور وہ فلک جس میں چاند ہے وہ گویا دوہرا ہے۔ اس کے اوپر کی تہہ کو "جوزہرہ" کہتے ہیں۔ وہ فلک جس میں "عطارد" ہے۔ اسی طرح فلک الشمس میں کچھ اور شکمی "فلک ہیں۔ اس طرح سات فلک پچیس ۲۵ فلک بن جاتے ہیں۔ ان سات افلاک کے اوپر آٹھواں فلک ہے۔ جس میں ثوابت جڑے ہوئے ہیں۔ مگر چونکہ یہ تمام فلک ایسے صاف اور شفاف ہیں کہ ان کے جرم نظر نہیں آتے۔ اس لئے آٹھویں فلک کے "ثوابت" پہلے فلک پر معلوم ہوتے ہیں۔ (تصریح ص ۶/۵)

آٹھویں آسمان کے اوپر فلک الافلاک ہے۔ یعنی نواں فلک، اور یہ محدود جہان ہے۔ اصل گردش کرنے والا یہی فلک الافلاک ہے۔ چونکہ تمام فلک ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ لہذا فلک الافلاک کے ساتھ باقی آٹھ فلک بھی ایک دن رات میں گردش کر لیتے ہیں یہ گردش آفتاب کی طرح مشرق سے مغرب کی طرف ہوتی ہے۔

فلاسفہ کی یہ جماعت اوپر نیچے ۱۳ کرے مانتی ہے جو پیاز کے چھلکوں کی طرح اوپر نیچے تہ بہ تہ ہیں۔ سب کے بیچ میں "زمین" ہے۔ جس کا مرکز پورے عالم کا مرکز ہے۔ اور مرکز ثقل ہے۔ زمین کے اوپر کرہ "آب" ہے۔ جو پورا کرہ نہیں ہے۔ زمین کے ایک حصہ نے بلند ہو کر اس کی کریت کو ناقص کر دیا۔ کرۂ آب کے اوپر کرہ "ہوا" ہے۔ اس کے اوپر کرہ "نار" ہے۔ ان چاروں کروں کے اوپر وہ سات کرہ ہیں جن کو افلاک کہتے ہیں۔ ان کے اوپر کرہ "ثوابت" پھر وہ کرہ جو محیط عالم ہے۔ جس کو فلک الافلاک کہتے ہیں۔ (مجموعہ ۱۳)

فلاسفہ قدیم نے افلاک کے ساتھ الٰہیات کا جوڑ بھی ملا دیا رعلۃ العلل جس کو خدا کہا جا سکتا ہے۔ اس سے عقل اول وجود میں آئی۔ پھر عقل اولی سے فلک الافلاک اور عقل ثانی، یہاں تک وہ نو آسمانوں کے ساتھ دس عقول بھی مانتے ہیں۔ "عقول عشرہ"

یہ فضلاء کرام ان عقول اور افلاک کو قدیم مانتے ہیں۔ ان میں خرق التیام کو محال مانتے ہیں۔ یعنی نہ ان میں کوئی شگاف پڑ سکتا ہے نہ کوئی دراڑ آ سکتی ہے نہ ان میں کوئی منفذ اور راستہ ہے۔ اور جب ان میں کوئی دراڑ نہیں پڑ سکتی تو "التیام" یعنی جوڑنے اور شگاف زدہ کو ہموار کرنے کی صورت بھی رونما نہیں ہو سکتی۔ اس مسلک اور مکتب خیال کے بموجب نہ آسمانوں میں دروازے ہیں نہ ان میں آمد و رفت ہو سکتی ہے۔ اور اس لئے یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی جسم خواہ وہ نبی الانبیاء، خیر البشر (محمد ﷺ) ہی کا جسم ہو۔ بلا کسی سواری کے یا براق جیسی سواری پر سوار ہو کر کسی آسمان سے گذر سکے۔

لہذا یہ معراج کو بھی محال مانتے ہیں۔

یہ فلاسفہ جو افلاک اور آسمانوں کو صرف خیالی نہیں مانتے بلکہ ان کے لئے وجود مانتے ہیں۔ ان کے خیال کے بموجب علم ہیئت کا تعلق اجسام سے ہے۔ فلاسفہ کے اس اختلاف کی بناء پر علم ہیئت کو بھی دو نام دیئے جاتے ہیں۔ (۱) ہیئت مجسمہ اور (۲) ہیئت غیر مجسمہ۔ (شرح مقاصد و شرح چغمینی وغیرہ بحث اجسام۔)

سبع سماوات

کلام اللہ شریف میں تین لفظ آئے ہیں:۔(۱) فلک (۲) سماء (۳) سماوات فلک صرف دو جگہ سماء ایک سو بیس ۱۲۰ اور سماوات ایک سو تیس ۱۳۰ جگہ (ان میں ایک دو کی بیشی ہوسکتی ہے) لفظ فلک جہاں آیا ہے۔ وہاں تیسرے دائرے کے معنی بنتے ہیں۔ الفلک مجری الکواکب ۔ (المفردات فی لغات القرآن) الفلک مدار النجوم (قاموس) یعنی کوئی خاص جرم نہیں۔ بلکہ محض فرضی دائرہ جس میں کواکب گردش کرتے ہیں۔ جونجوم اور تاروں کا مدار ہے۔ قرآن کریم میں اگرچہ فلک دو جگہ آیا ہے۔ مگر دونوں جگہ سورج اور چاند کے متعلق آیا ہے۔ اور الفاظ کی ایک ہی بندش کے ساتھ آیا ہے۔ سورہ انبیاء میں ہے۔ ''کل فی فلک یسبحون'' بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ سورہ یٰسں میں ہے۔ ''کل فی فلک یسبحون'' واجب الاحترام تسلیم شدہ مترجم حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے سباق کے لحاظ سے ترجمہ یہ کیا ہے۔ ''سب ایک ایک گھیرے میں پھرتے ہیں۔'' (سورۂ انبیاء) ''ہر کوئی ایک ایک گھیرے میں پھیرتے ہیں۔'' (سورۂ یٰسین)

سماء:

اصل معنی ہے بلند حصے کے سماء کل شیئی اعلماء (المفردات) یعنی ہر چیز کے اوپر کے حصہ کو سماء کہا جاتا ہے۔ سقف کل شیئی ۔ وکل بیت ۔ ورواق ۔ البیت والسحاب والمطر ۔ (القاموس) یعنی ہر چیز کی چھتری کو مکان کی چھت کو۔ اور برآمدے (برانڈے) سراپردے کو ''سماء'' کہتے ہیں۔ اور بادل وبارش کے معنی میں بھی آتا ہے۔ (قاموس) چونکہ ہر چیز کے بلند حصہ کو ''سماء'' کہا جاتا ہے۔ لہٰذا وہ فضاء جو اوپر نظر آتی ہے۔ اس کو بھی سماء کہا جاتا ہے۔ اور آسمان کو بھی سماء کہا جاتا ہے۔

''قال بعضهم كل سماء بالا ضافة الىٰ مادو نها فسماء وبالا ضافة الىٰ ما فوقها ا رض الا السماء العليا فانها سماء بلا ارض ۔ قرآن مجید کی تقریباً ایک سو بیس ۱۲۰ آیتوں میں لفظ سماء انہی مختلف معنوں میں آیا ہے۔ یعنی اوپر کی فضاء ۔ بادل ۔ بارش ۔ اور کہیں آسمان کے معنی میں آیا ہے۔''

سماوات:

بلحاظ لغت سماء کی جمع ہے۔ اور جہاں جہاں سماء کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ یعنی بادل، بارش، چھت، وغیرہ وہاں جمع کے لئے سماوات بھی بولا جاسکتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایک سو تیس ۱۳۰ آیتوں میں جو السموات وارد ہے۔ تو ہر جگہ اس طرح کے عام معنی مراد نہیں، بلکہ ایک مخصوص حقیقت ہے۔ جس کو اس لفظ سے تعبیر کیا جارہا ہے۔ مسلمانوں نے جب فلسفہ یونان کو اپنایا اور وہ اس کے استاد اور معلم بنے تو انہوں نے افلاک ہی کو سماوات قرار دیا۔ سبع سماوات سے مراد وہ آسمان لئے جن میں سات سیارے ہیں اور آٹھویں، نویں آسمان کے متعلق کہہ دیا۔ کہ اصطلاح شریعت میں ان کو عرش وکرسی کہا جاتا ہے (تصریح نمبر ۶) مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ تاویل ایسی ہی ہے۔ کہ جیسے کچھ جدت پسندوں نے کہہ دیا تھا کہ خر عیسیٰ سے مراد ریلوے ہے اور جن سے مراد دیہات کے گنوار۔

آسمان اور نصوص شریعت:

قرآن حکیم اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات مبارکہ میں جس طرح سماوات (آسمانوں) کا ذکر آیا ہے۔ اس سے آسمانوں کی نوعیت بالکل جداگانہ معلوم ہوتی ہے۔

انسان جس کو بہترین پیکر ''احسن تقویم'' عطا ہوا ہے۔ فلاسفہ اگر چہ اس کو صرف ایک ''حیوان'' مانتے ہیں۔ جو صرف قوت فکر و ادراک کی بناء پر دوسرے حیوانات سے ممتاز ہے۔ مگر نصوص شریعت نے اس کے لئے روحانیت بھی تسلیم کی ہے۔ اور اس عالم (جہان) کے ساتھ ایک اور عالم (جہان) بھی تسلیم کیا ہے۔ جس کو ہم عالم بالا' ملاء اعلیٰ'' کہتے ہیں۔ اور انسان کا عالم بالا سے بہت گہرا تعلق ظاہر کیا ہے۔ فرشتے عالم بالا ہی کی مخلوق ہیں۔ جو انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔ وہ اس کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔ اس کے ہر عمل کو لکھتے بھی رہتے ہیں۔ موقع بہ موقع اس کی امداد بھی کرتے ہیں۔ انسان اگر اچھے کام کرے تو فرشتے اس کی قدر کرتے ہیں۔ برے کاموں پر اس سے نفرت کرتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

بادل، ہوا، شجر و حجر ان سب میں ایک ثناء خوان جوہر ہے جو ہر وقت اپنے رب کی تسبیح میں مصروف رہتا ہے۔ فرشتوں کا تعلق ان مادیات سے بھی ہے وہ اللہ کے حکم سے بادلوں کو ہنکاتے ہیں۔ ہواؤں کو چلاتے ہیں۔ وغیرہ۔

جس طرح انسان اور ان مادی چیزوں کا تعلق ملاء اعلیٰ اور فرشتوں سے ہے۔ احادیث اور قرآن پاک کی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں کا تعلق بھی ملاء اعلیٰ سے ہے اور بہت زیادہ ہے بلکہ حدیث معراج اور اس جیسی احادیث اور قرآن حکیم کی متعدد آیتوں سے تو یہ مترشح ہوتا ہے کہ ساتوں آسمان، عالم بالا ہی کی وجودی حقیقتیں ہیں۔ اور قرآن پاک میں جس قوت کے ساتھ نہ صرف بار بار بلکہ تقریباً سوا سو بار ''سماوات'' کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے بھی یہ اخذ کیا جا سکتا ہے اور سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ ملائک، عرش و کرسی، روح، اور برزخ وغیرہ کی طرح سماوات بھی الغیب میں داخل ہیں۔ یعنی ان حقائق میں داخل ہیں۔ جو اگر چہ اپنا وجود رکھتی ہیں۔ مگر ہمارے مشاہدہ اور تجربہ کی رسائی ان تک نہیں ہو سکتی۔ لیکن ہماری حقیقی زندگی یعنی حیات اخروی اور اس کی کامیابی سے ان کا خاص تعلق ہے۔ لہذا ان کا ماننا ضروری ہے۔ اس کے باوجود کتاب الٰہی کی بہت سی آیتیں ایسی بھی ہیں جن سے آسمانوں کی نوعیت اور ان کی مخصوص ہیئت اور حیثیت کا تصور قائم ہوتا ہے۔ مثلاً۔

(۱) ثم استوی الی السماء وهی دخان (سورہ حم السجدہ نمبر ۴۱ آیت نمبر ۱۰) باز متوجہ شد بسوے آسمان و او دود مانند بود (شاہ ولی اللہؒ) پھر چڑھا آسمان کو اور وہ دھواں ہو رہا تھا۔ (شاہ عبدالقادرؒ)۔

(۲) وان یروا کسفا من السماء ساقطا یقولوا سحاب مرکوم. (سورہ نمبر ۵۲ الطور آیت ۴۴) اگر دیکھیں ایک تختہ آسمان سے گرتا کہیں یہ بدلی ہے گاڑھی۔ (شاہ عبدالقادرؒ)

اگر بینند یک پارہ را از آسمان افتادہ گویند ایں ابریست برہم نشستہ۔ (شاہ ولی اللہؒ)

(۳) الم تروا کیف خلق اللہ سبع سموات طباقا وجعل القمر فیهن نورا وجعل الشمس سراجا. (سورہ نمبر ۷۱ نوح آیت ۱۶) کیا تم نے نہیں دیکھا کیسے بنائے اللہ نے سات آسمان تہ پر تہ اور رکھا چاند ان میں اجالا اور رکھا سورج چراغ جلتا۔ (شاہ عبدالقادرؒ)

(۴) الذی خلق تاوھو حسیر .(سورہ نمبر ۶۷ الملک آیت ۴) وہ خدا عزیز وغفور جس نے بنائے سات آسمان تہ پرتہ کیا دیکھتا ہے تو رحمان کے بنانے میں کچھ فرق۔ پھر دوہرا کر نگاہ کر۔ کہیں دیکھتا ہے دراز۔ پھر دوہرا کر نگاہ کر دو۲ دو۲ بار الٹی آئے تیرے پاس تیری نگاہ رد ہو کر تھک کر۔ (شاہ صاحبؒ)

(۵) انا زینا تا الکواکب . (سورہ نمبر ۳۷ صافات آیت نمبر ۶) ہم نے رونق دی ورے (قریب کے) آسمان کو ایک رونق جو تارے ہیں۔ (شاہ صاحبؒ)

(۶) وزینا تا حفظا. (سورہ نمبر ۴۱ حم السجدہ . (آیت نمبر ۱۲) اور رونق دی ہم نے ورے (قریب کے آسمان کو چراغوں سے۔ (ایضاً)

(۷) وجعلنا فی السمآء بروجا الخ (سورہ نمبر ۱۵ الحجر آیت نمبر ۱۶) اور بنائے ہم نے آسمان میں برج۔

(۸) کیف بنینا ھا تا فروج .(سورہ نمبر ۵۰ ق آیت نمبر ۶) کیسا ہم نے اس کو بنایا اور رونق دی اور نہیں اس میں کوئی سوراخ (چھید)

(۹) ابواب السمآء۔ (آسمان کے دروازے) سورہ نمبر ۷ اعراف آیت نمبر ۴۰)

(۱۰) ھو الذی جعل الشمس تا الحساب (سورہ نمبر ۱۰ یونس آیت نمبر ۵) وہی ہے جس نے بنایا سورج کو چمک اور چاند کو اجالا اور ٹھیرائیں اس کی منزلیں تاکہ پہچانو گنتی برسوں کی اور حساب۔ (شاہ صاحبؒ)

(۱۱) والقمر تا یسبحون (سورۂ نمبر ۳۶ یسین آیت ۳۹، ۴۰) اور چاند کی ہم نے باندھ دی ہیں منزلیں یہاں تک کہ پھر آرہے جیسے ٹہنی پرانی۔ نہ سورج کو پہنچے کہ پکڑے چاند کو اور نہ رات آگے بڑھے دن سے۔ اور ہر ایک اپنے گھیرے میں پیرتے ہیں۔ (شاہ صاحبؒ)

(۱۲) خلق السموات بغیر عمد (سورۂ نمبر ۳۱ لقمان . آیت نمبر ۱۰) بنائے آسمان بن ٹیکی اسے دیکھتے ہو (شاہ صاحبؒ) یعنی کوئی نظر آنے والا کھمبا نہیں کھڑا کیا۔

(۱۳) یمسک السموات (الایۃ سورہ نمبر ۳۵ فاطر آیت نمبر ۴۱) اور تھام رہا ہے آسمانوں کو اور زمین کو کہ ٹل نہ جائیں۔ اور اگر ٹل جائیں تو کوئی تھام نہ سکے ان کو اس کے سوا۔

(۱۴) سورۂ رحمٰن کی آیت نمبر ۳۷ کا ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے الفاظ میں یہ ہے۔ ''اور جب پھٹ جائے آسمان اور ہو جائے جیسے تلچھٹ۔''

محولہ بالا آیات اور احادیث اس بات کی شہادت کے لئے کافی ہیں کہ فلاسفہ کے اختراع کردہ افلاک اور قرآن پاک کے بیان فرمودہ سماوات میں بہت بڑا فرق ہے۔

(۱) فلاسفہ افلاک کو قدیم مانتے ہیں۔ اور قرآن پاک ان کو فانی اور حادث قرار دیتا ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے نیست سے ہست کیا۔ اور جب وہ دن آئے گا۔ جس کی وحشتنا کی اور ہولنا کی سے بچے بوڑھے ہو جائیں گے تو یہ آسمان بھی ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہو جائیں گے۔ (سورۂ مزمل نمبر ۷۳ آیت ۱۸۔ وآیت مذکورہ نمبر ۱۴ و نمبر ۱۵)

(۲) فلاسفہ ثوابت کو آٹھویں آسمان میں مانتے ہیں۔ قرآن حکیم نے صرف سات آسمان بتائے ہیں اور تاروں کو صرف السماء الدنیا سے متعلق قرار دیا ہے۔ (سورۂ حم السجدہ ع ۲)

(۳) فلاسفہ سات تاروں (سیارات) کو سات آسمانوں میں گڑا ہوا مانتے ہیں۔ قرآن حکیم نے ان تاروں میں سے صرف شمس وقمر کا ذکر فرمایا ہے۔ اور ان کے متعلق بھی یہ ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے مدار میں تیرتے رہتے ہیں۔ (سورۂ یٰسین وسورۂ انبیاء)

(۴) فلاسفہ کسی آسمان تک کیا پہنچ سکتے ہیں۔ ان کی نگاہوں نے بھی آسمان کو نہیں پایا، یہ صرف ان کی اختراع اور فلسفی قیاس ہے کہ آسمانوں میں کوئی منفذ یا گذرگاہ نہیں۔ مگر اللہ نے محض قیاس اور پرواز عقل پر معاملہ نہیں رکھا، بلکہ وہ اپنے ایک بندے کو جو نوع انسان میں سب سے سچا بندہ تھا۔ جس کو اس کے دشمن بھی الصادق اور الامین کہا کرتے تھے۔ آسمانوں پر لے گیا اور نہ صرف سات آسمانوں کا بلکہ آسمانوں سے بھی بالاتر مقامات کا مشاہدہ کرادیا۔ اس صادق مصدوق نے ان تمام مقامات کا پوری حاضر حواسی، ہوش مندی اور کھلی ہوئی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ (سورۂ والنجم)

اس صادق امین نے شہادت دی اور غیر مبہم الفاظ میں بتایا کہ سماوات سات ہیں۔ آسمانوں کے پھاٹک اور دروازے ہیں، ان پر پہرے دار مقرر ہیں۔ آنحضرت ﷺ جس آسمان پر بھی پہنچے اور دروازہ کھلوانا چاہا تو قلعہ داروں یعنی اس باب کے محافظ فرشتوں نے دریافت کیا۔ ''کون''؟ سید الانبیاء ﷺ کے رفیق سفر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا:۔ ''جبرائیل۔ دریافت کیا گیا۔ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام:۔ محمد رسول اللہ (ﷺ) میرے ساتھ ہیں۔ محافظین:۔ کیا ان کو دعوت دی گئی ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام:۔ بے شک وہ مدعو کئے گئے ہیں۔

اس تحقیق کے بعد خوش آمدید کہتے ہوئے۔ دروازہ کھولا گیا۔ تب آنحضرت ﷺ اور جبرائیل علیہ السلام اندر داخل ہوئے۔ اس صادق مصدوق نے پہلے آسمان پر چاند (قمر) کو نہیں دیکھا بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا ان سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمایا۔ مرحبا۔ بالنبی الصالح والابن الصالح۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں بائیں ان کی تمام ذریت دیکھی، پھر اسی طرح حضرت یحییٰؑ۔ حضرت عیسیٰؑ۔ حضرت یوسفؑ۔ حضرت ادریسؑ۔ حضرت ہارونؑ۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام سے الگ الگ آسمانوں پر ملاقاتیں ہوئیں۔ کیا فلاسفہ قدیم اپنے گھڑے ہوئے افلاک میں اس مقدس نظارہ کی صلاحیت پاتے ہیں۔

سائنس جدید اور آسمان

اس موقع پر ہمیں سابق غلطی کا اعادہ ہرگز نہیں کرنا چاہئے کہ ہم نصوص قرآن کو سائنس جدید کی تھیوریوں یا اس کی تحقیق پر ڈھالنا شروع کردیں۔

قرآن حکیم کی آیات محکم اور تردید و تنسیخ سے بلند و بالا ہیں اس کے مقابلہ میں عقل انسانی تحقیقات کی منزلیں طے کررہی ہے ہر روز نیا انکشاف ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کی یہ گمراہی بھی بہت پرانی ہے کہ نامکمل ہونے کے

باوجود جب نصوص شریعت پر نظر ڈالتی ہے تو اپنے آپ کو ناقص نہیں سمجھتی بلکہ اپنے آپ کو کامل ومکمل سمجھتی ہے اور اپنے زعم میں نصوص پر یہ احسان کرتی ہے کہ ان کی تکذیب وتردید نہیں کرتی۔ بلکہ حسب منشا تاویل کر دیتی ہے۔ یعنی کوئی معنی پہنا دیتی ہے۔ مگر آنے والا دور فیصلہ کرتا ہے۔ کہ وہ ہمدردی خود فریب نظر تھی حقیقت کچھ اور ہے۔ تب ایک حقیقت پسند کو یقین کرنا پڑتا ہے کہ آیت کلام اللہ بہر حال ناقابل تاویل وترمیم اور واجب الاحترام ہے۔

اس وقت ''آسمان'' زیر بحث ہیں۔ لہٰذا آسمانوں ہی کے سلسلہ میں ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ جس سے ایک طرف فلسفہ اور سائنس کے ارتقاء کا اندازہ ہوتا ہے تو دوسری طرف عقل انسانی کی درماندگی اور درماندگی کے ساتھ اس کے غرور اور زعم باطل کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

مثال:

قرآن حکیم کی جو آیتیں اوپر بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سب سے پہلی آیت لیجئے۔ جس میں آسمانوں کے متعلق ہے۔ ''وھی دخان'' (وہ دھواں تھے) جب آسمانوں کی اصل دخان فرمائی گئی تو ایک سوال قدرتی طور پر یہ ہوتا ہے کہ ہمیں وہ کیوں نظر نہیں آتے۔ مگر اس سوال کا جواب آیات قرآنی ہی کو سامنے رکھ کر دیا جا سکتا ہے کہ اگر دخان نظر آتا ہے تو یہ ضروری نہیں کہ جو''دخان'' سے بنایا گیا ہو وہ بھی نظر آئے۔

قرآن پاک کی واضح آیات کے بموجب جنات اور شیاطین کی پیدائش ''نار'' سے ہوئی ہے۔ (سورہ نمبر ۵۵ رحمٰن آیت نمبر ۱۵ الحجر آیت نمبر ۲۷ وغیرہما) نار ہمیں نظر آتی ہے۔ مگر اس کی مخلوق جنات اور شیاطین نظر نہیں آتے۔ اس کے علاوہ دوسرا سوال فلسفی ہے کہ اس ''دخان'' کی حقیقت کیا ہے۔ اگر ہم کوتاہی عقل کا اعتراف کریں تو آسان اور سیدھا جواب یہ ہے کہ جس طرح ہمیں بہت سی حقیقتوں کا علم نہیں، حتیٰ کہ خود اپنی حقیقت کا بھی علم نہیں۔ اسی طرح ہمیں اس ''دخان'' کی حقیقت کا بھی علم نہیں، لیکن حضرات فلاسفہ نے اس سادہ اور صاف جواب پر قناعت نہیں کی۔ انہوں نے اس دخان کی حقیقت پر بھی روشنی ڈالی۔ لیکن۔ ''فکر ہر کس بقدر ہمت اوست''

بارہویں صدی عیسوی کے مشہور فیلسوف اسلام امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ نے ''دخان'' کے متعلق بحث کے بعد بطور خلاصہ فرمایا۔ ''لا معنی لدخان الا اجزاء متفرقة غیر متواصلة عدیمة النور۔'' دخان کا مطلب یہی ہے۔ اس کے سوا کوئی مطلب نہیں کہ متفرق اجزاء (سلمات) جو آپس میں جڑے ہوئے اور ملے ہوئے نہیں تھے۔ اور ان میں روشنی نہیں تھی۔ (تفسیر کبیر ص ۳۵۵ ج ۷)

تقریباً آٹھ سو برس میں سائنس نے کافی ترقی کی۔ علامہ طنطاوی جو بیسویں صدی عیسوی میں سائنس جدید کے ماہر ہیں۔ اور قرآن پاک میں سب جگہ ان کو سائنس ہی نظر آتی ہے۔ فرماتے ہیں۔'' دخان ای مادة غازیة ناریة. اشبه بالدخان او بالسحاب او السدیم۔ یعنی ایک ترقی پذیر آتش آمیز مادہ جو دھوئیں کے مشابہ تھا یا بادل کے یا کہر (کہاسے) کے۔ پھر فرماتے ہیں اس کا بھی ایک جہان ہے۔ دورہ حاضر کے علم جدید میں اس کو عالم سدیم کہتے ہیں اور سائنس جدید کے ماہرین اس طرح کے ساٹھ ہزار عالموں کا مشاہدہ کر چکے ہیں۔ یہ ایک عرصۂ دراز تک حالت سدیمیہ پر رہتے ہیں۔ پھر وہ ''تکوین'' کے مراحل طے کرتے ہیں۔ بہت سے عالم ہیں جو تکوین

''ساخت اور وجود'' کے پہلے مرحلے میں ہیں اور بہت سے ہیں جو تمام وکمال کے قریب ہیں۔ ابھی مکمل نہیں ہوئے اور جس طرح ہمارا یہ نظام شمسی ہے۔ جس کے اندر ہم موجود ہیں۔ اس طرح بہت سے نظام شمسی ہیں (علمائے فارس کی اصطلاح ہژدہ ہزار عالم (اٹھارہ ہزار جہان) شاید صحیح ہو۔ محمد میاں) ان میں اسی طرح کے سیارے ہیں آفتاب ہیں زمینیں ہیں ص ۹۰ ج ۱۹)۔

مزید تفصیل کے لئے کتاب ملاحظہ فرمائی جائے۔

قرآن پاک کی آیت اپنی جگہ پر ہے عالم اسلام چودہ سو برس سے اس کو اسی طرح تلاوت کر رہا ہے۔ اس کے بعد ایک طرف حضرت رازی کی تحقیق ہے۔ جس پر ان کو یہاں تک ناز ہے کہ فرماتے ہیں۔ ''اس کے سواء دخان کے کوئی اور معنی ہو ہی نہیں سکتے۔'' دوسری طرف علامہ جوہری طنطاوی کی سائنس نواز تحقیق ہے۔ ''اگر چہ آسمان کا ٹھیک پتہ ان کو بھی نہیں معلوم ہوا مگر عالم اور جہان بے شمار بتا دیئے۔ اسی بناء پر دانش مندوں نے'' دانش کی تعریف کی ہے۔ ''اعتراف نادانی'' ابوالشکور بلخی فرماتے ہیں:۔

تا بدیں جا رسید دانش من
کہ بداند ہمیں کہ نادانم

یقیناً سلف صالحین دانشور تھے۔ انہوں نے ایسے تمام حقائق کے متعلق طے کر لیا تھا۔ کہ یہ'' یہ سوال'' کیف'' کیسے اور کس طرح؟ غلط ہے۔ سلف صالحین کا مسلک نہایت صحیح اور پختہ تھا۔ کہ قرآن پاک عربی زبان میں ہے۔ اس نے خود بار بار کہا ہے۔ ''بلسان عربی مبین'' بس قرآن پاک میں جو الفاظ ہیں۔ ان کا ترجمہ وہی کیا جائے گا جو فصیح اور بلیغ عربی کے لحاظ سے ہونا چاہئے۔ باقی یہ کہ کیسے اور کیوں کر؟ اس کا علم عالم الحقائق خالق کائنات کے حوالہ۔

''حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معمارا''

مگر ہمارا یہ مطلب نہیں کہ غور و فکر ممنوع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غور و فکر پر اعتماد کر لینا اور اسی کو حرف آخر سمجھ لینا غلط ہے۔

سلسلۂ کلام ختم کر دینے سے پہلے یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ کتاب الہدیٰ یعنی قرآن حکیم کا طرز استدلال منطقی یا فلسفی نہیں ہے۔ جس سے صرف خاص خاص افراد متاثر ہو سکتے ہیں۔ بلکہ وہ خطیبانہ انداز میں استدلال کرتا ہے۔ یعنی اس کی نظر ذہنوں پر رہتی ہے۔ اور جو بات عام ذہنوں میں جمی ہوئی ہے۔ اور ایسی جمی ہوئی ہے۔ گویا وہ اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اسی کو پیش کر کے قوت فکر کو بیدار کرتا ہے۔

عوام کو ذہنوں میں یہ بات جمی ہوئی ہے اور اس کو وہ مشاہدہ کی طرح یقینی بات سمجھتے ہیں۔ کہ چاند سورج آسمانوں میں ہیں۔ سورۂ نوح اور سورۂ ملک کی مذکورہ بالا آیتوں کے اسلوب میں بھی یہی ذہن پیش نظر ہے ورنہ ظاہر ہے جب آسمان نظر ہی نہیں آتے تو یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ وہ تہ بہ تہ ہیں۔ اور ان میں کوئی سوراخ یا چھید نہیں ہے۔ اور چاند سورج آسمانوں میں ہیں مگر چونکہ عوام کا ذہن یہی ہے۔ اور وہ اس کو مشاہدہ کی طرح یقینی سمجھتے ہیں۔ تو قرآن پاک اس ذہن کو سامنے رکھ کر استدلال فرماتا ہے۔

متبع شریعت ہونے کے باوجود مصائب کیوں؟

(سوال ۹) خداپاک کے فضل وکرم سے میں نماز پڑھتا ہوں، روزوں کا بھی پابند ہوں، منہیات شرعیہ سے بھی حتی الامکان بچتا ہوں، مگر پھر بھی اسباب رزق مہیا کرنے کے باوجود تکلیف سے گزران ہوتا ہے، اس لئے مناسب ورد بتلاکر ممنون کریں۔

(الجواب) روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بعض گناہ ایسے ہیں کہ ان کا کفارہ نہ نماز سے ہوتا ہے نہ روزہ سے، نہ حج سے، نہ عمرہ سے، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان گناہوں کا کفارہ کس چیز سے ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ رزق حاصل کرنے میں جو تکالیف اور رنج پہنچتے ہیں ان سے ان کا کفارہ ہوتا ہے، لہذا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، گناہ کے کاموں سے بچتے رہیں، خداپاک مشکل آسان کرے گا۔ ہو سکے تو روزانہ پانچ سو مرتبہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ پڑھ لیا کریں، انشاء اللہ تمام غموم وہموم سے نجات مل جائے گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نقش ”نعل شریف“ کو دعاء کی قبولیت کے لئے سر پر رکھنا کیسا ہے؟

(سوال ۱۰) دعا کی قبولیت کے لئے نقش نعل شریف کو مؤدبانہ سر پر رکھ کر نیازمندانہ خداپاک سے کہا کرے۔ کہ ”اے خدا! اس نقشہ کی برکت سے میری فلاں حاجت پوری فرماوے۔“ پھر نقش سر سے اتار کر چہرے پر پھرائے اور چومے تو ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بے شک آنحضرت ﷺ کے استعمال شدہ مبارک کپڑے، پیراہن شریف تہبند شریف، جبہ شریف، موئے مبارک، وغیرہ یہ تمام چیزیں بڑی بابرکت اور قابل تعظیم اور لائق زیارت ہیں۔ ان کو عظمت اور محبت اور حسن عقیدت سے چومنا، سر پر رکھنا، بڑی سعادت اور دعاء کی قبولیت کے لئے بہت مؤثر ہے اور تعامل صحابہؓ سے بھی ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (فتاوی رحیمیہ گجراتی ص ۲۵۰ـ۸ـ۲۷ ج ـ۲)

اور حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی لکھتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی قبر شریف کی مٹی کا وہ حصہ جو آپ ﷺ کے جسد اطہر اور مبارک اعضاء کے ساتھ ملحق ہے وہ کعبہ شریف اور عرش اور کرسی سے بھی افضل ہے۔

(التصدیقات ص ۶)

مگر یہ فضیلت اصلی آثار اور سندی تبرکات کی ہیں۔ نقلی نقشے اور تصاویر کا یہ حکم نہیں۔ اور صحابہؓ کے عمل سے بھی ثابت نہیں خانہ کعبہ کا طواف عبادت ہے۔ حجر اسود کو بوسہ دینا عبادت ہے۔ تو کیا اس کے نقشہ اور تصویر کا بھی یہی حکم ہوگا؟ ہرگز نہیں!

مشہور واقعہ ہے:۔ کہ حضرت معاویہؓ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ تو آپؓ نے چاروں گوشوں کو بوسہ دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ صرف دو گوشوں یعنی حجر اسود اور اس کے جانب کے دوسرے گوشہ (رکن یمانی) کو آنحضرت ﷺ نے بوسہ دیا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت تو جذبہ میں فرمایا۔ ”اس باعظمت بیت کا کوئی حصہ قابل ترک نہیں (گویا ہر طرف بوسہ دینا چاہئے) مگر جب حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ ”لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (پ ۲۱) یعنی تمہارے لئے رسول خدا ﷺ کا عمل بہترین نمونہ ہے۔ تو اب

حضرت معاویہؓ کا سر تسلیم خم تھا۔ حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا ''بے شک آپ کی بات صحیح ہے۔'' یعنی باعث اجر و ثواب اور باعث برکت وہی ہے جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے (مسند امام احمدؒ) اس واقعہ سے بھی نعل شریف کے نقشے اور تصویر کا مسئلہ سمجھا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ایمان و عقائد۔

کوئی شخص خدا کے وجود کا انکار کرنے لگے تو ایسا شخص مسلمان ہے یا نہیں؟

(سوال ۱۱) ایک مسلمان نے مندرجہ ذیل کلمات کہے ہیں ''میں نے خدا کو ماننا چھوڑ دیا ہے (معاذ اللہ) اس لئے کہ جو لوگ خدا کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے وہ بہت خوشحال ہو گئے ہیں جیسے یورپین قوم خدا کے وجود کو تسلیم نہیں کرتی تو ہوائی جہاز میں اڑنے لگی اور ہم ابھی تک دین ہی کے پیچھے لگے ہوتے ہیں'' (معاذ اللہ) وہ اپنی اس بیہودہ بکواس پر اٹل ہے لوگ اسے سمجھاتے ہیں تو مانتا نہیں اور حجت بازی کرتا ہے تو ایسے شخص کے لئے شرع میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ شخص بد عقیدہ ملحد اور بد دین معلوم ہوتا ہے اس پر توبہ تجدید ایمان و تجدید نکاح لازم ہے۔[1]
فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسلمانوں نے مندر میں مالی امداد کی اس سے ان کے ایمان میں نقص آیا یا نہیں؟

(سوال ۱۲) سال گذشتہ ہمارے یہاں ایک مندر بنایا گیا ہے اس کا سنگ بنیاد ہماری مسجد کے متولی صاحب نے رکھا تھا اور دوسرے متولی نے اس کا افتتاح کیا، ان دونوں متولیوں نے خود ان مندر کے بنانے میں مالی امداد کی اور دیگر مسلمانوں کو بھی مدد کرنے کی اپیل کی اور کہا کہ ان کی مدد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ان دونوں کے اپیل کرنے پر مسلمانوں نے دل کھول کر مالی تعاون کیا اب چند باتیں دریافت طلب ہیں۔

(۱) اس فعل سے ان دونوں متولی صاحبان کا ایمان باقی رہا یا نہیں؟ اور ایمان باقی نہ رہنے کی صورت میں ان کے لئے تجدید ایمان و نکاح ضروری ہے یا نہیں؟ (۲) مسلمانوں کا مندر میں مالی امداد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۳) جن مسلمانوں نے مالی تعاون کیا ان کے ایمان میں نقص آیا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مندر بنانے میں مسلمانوں کو حصہ لینا اور مالی مدد کرنا درست نہیں قال اللہ تعالیٰ. ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان. یعنی گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون مت کرو، (سورۂ مائدہ) معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مروۃ اور لحاظ کی وجہ سے یہ کام کرنا پڑا ہے لہذا ایمان سے نکل جانے اور نکاح ٹوٹ جانے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا، البتہ ایمان کی کمزوری کی علامت ہے لہذا اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ کرنی چاہئے۔ ہر قوم کو چاہئے کہ اپنے خاص مذہبی کاموں اور عبادت گاہوں سے متعلق کاموں میں دوسری قوموں کا تعاون قبول نہ کریں خصوصاً جب کہ ان کی مذہب میں یہ کام دین و ثواب کا نہ ہو۔[2] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) رجل قال لآخر از خدائی بترس فقال خدائی کجاست یکفر فتاوی عالمگیری احکام المرتدین ما یتعلق بذات اللہ الخ ج ۲ ص ۲۶۲.

(۲) وبنصرانه یوم النیروز لم یکن یشتریه قبل ذلک تعظیما للنیروز لا للاکل والشرب وباهدائه ذلک الیوم للمشرکین ولو بیضته تعظیما لذلک. فتاوی عالمگیری. احکام المرتدین مایتعلق بتلقین الکفر الخ ج ۲ ص ۲۷۷

کنواں کھودنے کے لئے غیر مسلم سے مشورہ کرنا اور اس کی بات پر یقین کرنا

(سوال ۱۳) ہمارے علاقہ سوراشٹر میں جاہل مسلمان کاشتکار جب کھیت میں کنواں کھودنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس بات کی تحقیق کے لئے کہ پانی کہاں زیادہ ہوگا۔ ایک کافر کے پاس جاتے ہیں، جب اس کے پاس جاتے ہیں تو وہ یہ سوال کرتا ہے کہ تم کس کام کے لئے آئے ہو؟ مسلمان جواب دیتا ہے کہ کنواں کھودنا ہے پانی کہاں زیادہ ہوگا مسلمان اتنا کہہ کر خاموش ہو جاتا ہے اس کے بعد وہ کافر اس زمین کا پورا پتہ ... اس کا جائے وقوع اور علامات ......اور کنویں کی جگہ بتاتا ہے مسلمان اس پر عمل کرتے ہوئے کنواں کھودتے ہیں، کیا ان باتوں کو سچ مان کر اس پر عمل کر سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس قسم کی باتیں غیر مسلموں سے پوچھنا اور اس پر یقین کرنا اور اس کے مطابق عمل کرکے خوش ہونا، کافرانہ عمل اور مشرکانہ عقیدہ ہے اس سے توبہ کرنی چاہئے ورنہ سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ اس قسم کی باتوں کو بالکل خیال میں نہ لانا چاہئے۔ اور ان کو کمال اور کرامت نہ سمجھنا چاہئے۔ دجال سے تو اس سے بھی زیادہ عجیب عجیب باتیں ظاہر ہوں گی۔ مردوں کو زندہ کرے گا۔ اس کے ساتھ اس کی جنت جہنم ہوگی اپنے ماننے والوں کو جنت میں اور جھٹلانے والوں کو جہنم میں داخل کرے گا۔ قحط سالی ہوگی کسی کے پاس اناج غلہ نہ ہوگا دانہ دانہ کے محتاج ہوں گے۔ ایسی حالت میں بارش برسائے گا اناج پیدا کرے گا۔ اور اپنے اوپر ایمان لانے والوں کو اناج دے گا۔ مدفون اور مخفی خزانے اس کے حکم کے تابع ہوں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ کیا ان چیزوں کی وجہ سے اس کو برحق مانا جا سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں! بلکہ از روئے حدیث اس وقت جو دجال کی باتوں کو مانے گا وہ کافر ہو جائے گا۔ اور ابدی نار کا مستحق ہوگا۔ لہذا آئندہ اس کے پاس جانے سے توبہ کی جائے اور دوسروں کو بھی روکا جائے۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ہندوؤں کے تہوار "ہولی" میں شریک ہونا حرام ہے

(سوال ۱۴) ہمارے اطراف کے بہت سے گاؤں میں جب ہندوؤں کا "ہولی" کا تہوار آتا ہے تو بڑی تعداد میں مسلمان مرد اور عورتیں ہولی سلگانے کے وقت وہاں جاتے ہیں اور اس کے سلگانے میں عملاً حصہ لیتے ہیں اور اس موقعہ کی تمام رسومات ادا کرتے ہیں۔ اس کے اردگرد چکر لگاتے ہیں حتیٰ کہ بعض لوگ تو سجدہ تک کرتے ہیں جب صحیح العقیدہ مسلمان ان کو روکتے ہیں تو وہ لوگ جواب دیتے ہیں تم کو ہمارے اعمال سے کیا نسبت؟ تم ہمیں کچھ نہ کہو اور نازیبا الفاظ کہتے ہیں ہمیں ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہئے ان کو کس طرح سمجھانا چاہئے کیا ہم ان سے بالکل قطع تعلق کر لیں؟ آپ ہماری رہنمائی فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) جب قبر پرستی اور تعزیہ داری میں شریک ہونا اور حصہ لینا جائز نہیں تو ہولی میں شریک ہونا اور عملاً حصہ لینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے، ہولی کے اردگرد چکر لگانا، سجدہ کرنا ناریل وغیرہ چڑھانا قطعاً حرام اور مشرکانہ افعال ہیں۔ (۲)

---

(۱) اگر مذکورہ مسلمان اس لئے کافر کے پاس جاتا ہے کہ آثار اور علامت دیکھ کر وہ بتلا دیتا ہے کہ اس جگہ پانی ہے اور اسے اس بارے میں تجربہ ہے کہانت وغیرہ کا دخل نہ ہو تو پاس جانے میں کوئی مضائقہ نہیں اس پر عمل کیا جا سکتا ہے جیسے ہدہد پرندے کو اللہ تعالیٰ نے یہ صفت دے رکھی ہے کہ وہ زمین کی نشاندہی کر دیتا ہے جہاں پانی زمین میں ہوتا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام ہدہد سے یہ کام لیتے تھے

(۲) وبخروجه الى نيروز المجوس لموافقته معهم فيما يفعلون فى ذلك اليوم وبشرائه شيئاً لم يكن يشتريه قبل ذلك [illegible] نيروز لا للاكل والشرب الخ. فتاوىٰ عالمگیری [illegible] م المرتدين مايتعلق بتلقين الكفر الخ. ج: ۲ ص: ۲۷۷

یہ لوگ ان پڑھ اور علوم دینیہ سے ناواقف ہیں اسلامی تعلیم انہوں نے حاصل نہیں کی اس بناء پر ان کے لئے اور ان کی اولاد کے لئے دینی تعلیم کا بندوبست کرنا علاوہ ازیں وقتاً فوقتاً وعظ و نصیحت کرنا نماز کا عادی بنانا یہ دین کی بڑی خدمت ہوگی۔ اور اس طرح ان کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ ان سے متنفر ہو کر قطع تعلق کر لینے میں ان کے اسلام ہی سے نکل جانے کا خطرہ ہے لہذا حکومت عملی اور نرم کلامی اور حسن اخلاق سے ان کو سمجھانا اور ان کے لئے دینی علوم کے حصول کا بندوبست کرنا آپ لوگوں کا اسلامی فریضہ ہے آپ کی مساعی جمیلہ سے اگر قوم کا ایک شخص راہ راست پر آ گیا تو یہ دین کی بڑی خدمت ہوگی اور دوسروں کا بھی راہ راست پر آنے کا ذریعہ ہوگا اور یہ دینی سعی انشاء اللہ آپ کے لئے ذخیرۂ آخرت ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بزرگوں کے طفیل سے دعا مانگنا جائز ہے مگر مزار پر حاضر ہونا ضروری نہیں ہے

(سوال ۱۵) مزار پر جانا اور مزار کے سامنے بیٹھ کر صاحب مزار کے طفیل اور توسل سے دعا مانگ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بزرگوں کے طفیل سے دعا مانگنا جائز ہے مگر اس کے لئے مزار پر حاضری ضروری نہیں ہے۔ دعا صاحب مزار سے مانگنا نہیں ہے خدا سے مانگنا ہے اور خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور موجود ہے۔(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۷۔ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ۔

(۱) تقلید شرعی یعنی ائمہ کی تقلید:

(۲) تقلید کی ضرورت اور تقلید ائمہ اربعہ کے وجوب پر امت کا اجماع:

(سوال ۱۶) کیا فرماتے ہیں مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب اس مسئلہ میں کہ ہمارے شہر بھروچ میں ایک شخص نے اہل حدیث مذہب قبول کر لیا ہے اور وہ نماز میں ہر رکعت میں رفع الیدین کرتا ہے اور زہری نماز میں زہر سے آمین کہتا ہے تو ہمارے حنفی بھائی اس کو بدعتی کہتے ہیں تو رفع الیدین کرنا اور آمین کہنا سنت ہے یا بدعت؟ برائے مہربانی سے بقاعدۂ محدثین سے جواب عنایت فرمائیے بحوالہ کتاب سے۔

(۲) اس اہل حدیث بھائی کا کہنا ہے کہ نماز میں رفع الیدین کرنا ﷺ اور خلفائے راشدین کی سنت سے ثابت ہے اور یہ مسئلہ حنفی مذہب کی کتاب حدایہ جلد نمبر ا ص:۳۷۹ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آخر وقت تک رفع الدین کیا ہے اور آمین بال زہر کا مسئلہ بھی حدایہ جلد نمبر ا ص:۳۶۲ میں موجود ہے تو آمین اور رفع الیدین کرنا سنت ہے یا بدعت برائے مہربانی سے بحوالہ کتاب جواب عنایت فرمائیے۔ از بھروچ۔

نوٹ:۔ بعد از تحقیق معلوم ہوا ہے کہ سائل خود ہی غیر مقلد بن چکا ہے۔ اس لئے جواب میں اسی کو مخاطب کیا گیا ہے۔

(۱) قوله لا نه لا حق للخلق على الخالق قد قال انه لا حق لهم وجو با على الله تعالىٰ لكن سبحانه، وتعالىٰ جعل لهم حقاً من فضله او يراد بالحق الحرمة والعظمة فيكون من باب الوسلة وقد قال الله تعالى وابتغوا اليه الوسيلة وقد عد من آداب الدعاء التوسل على ما فى الحصن وجآء فى رواية . اللهم انى اسألك بحق سائلين عليك وقال السبكى لحسن التوسل بالنبى الى ربه الى ابى ولم ينكره احد من السلف ولا الخلف الا ابن تيميه ج. ا الخ رد المختار حضر والا باحت ، فصل فى البيع ج. ۲ ص ۳۹۷

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً وباللہ التوفیق ۔ سوال کی عبارت بعینہ وہی ہے جو اوپر لکھی گئی ہے۔ سائل تقلید او ر مذہب حنفی چھوڑ کر غیر مقلد (لامذہب) بن گیا ہے۔ علم کا حال یہ ہے کہ بارہ تیرہ سطر کے سوال میں بیس ۲۰ ۔ ے پچیس ۲۵ املاء کی غلطیاں ہیں۔ جب اردو زبان میں اس کا انتہائے علم یہ ہے کہ اردو نہ صحیح لکھنا آتا ہے نہ پڑھنا تو قرآن اور احادیث کی عربی کتابیں کیا سمجھ سکتے ہیں؟

''قیاس　کن　زگلستان　من　بہار　مرا''

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں :۔ **وانما حق العوام ان یومنوا ویسلموا و یشتغلوا بعباداتهم ومعا یشهم ویتر کوا العلم للعلماء فالعامی لویزنی و یسرق کان خیراًله من ان یتکلم فی العلم فانه من تکلم فی الله وفی دینه من غیر اتقان العلم وقع فی الکفر من حیث لا یدری کمن یر کب لجة البحر وهو لا یعرف السباحة.**

یعنی عوام کا فرض ہے کہ ایمان اور اسلام لا کر اپنی عبادتوں اور روزگار میں مشغول رہیں علم کی باتوں میں مداخلت نہ کریں اس کو علماء کے حوالے کر دیں۔ عامی شخص کا علمی سلسلہ میں حجت کرنا زنا اور چوری سے بھی زیادہ نقصان دہ اور خطرناک ہے کیونکہ جو شخص دینی علوم میں بصیرت اور پختگی نہیں رکھتا وہ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے مسائل میں بحث کرتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ وہ ایسی رائے قائم کرے جو کفر ہو اور اس کو اس کا احساس بھی نہ ہو کہ جو اس نے سمجھا ہے وہ کفر ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو تیرنا نہ جانتا ہو۔ اور سمندر میں کود پڑے۔

(احیاء العلوم ص ۳۵ ج ۳)

عام مسلمانوں کو شرعی حکم معلوم کر کے ان پر عمل کرنا ضروری ہے باریکیوں میں الجھنے کی ضرورت نہیں ہے حدیث میں ہے۔ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ آپ مجھے علمی دقائق بتلایئے۔ آپ ﷺ نے چند سوالات کئے (۱) تو خدا کی معرفت حاصل کر چکا؟ (۲) تو نے اللہ کے کتنے حقوق ادا کئے؟ (۳) تجھے موت کا علم ہے؟ (۴) تو موت کی تیاری کر چکا؟ آخر میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تو جا اول بنیاد مضبوط کر پھر آ تو میں تجھے علمی دقائق سے باخبر کروں۔

(جامع بیان العلم ص ۱۳۳)

اور آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی ہے:۔ **اتخذ الناس رؤساً جهالاً فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا (مشکوۃ شریف ص ۳۳ کتاب العلم)**

یعنی حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ (ایسا زمانہ آئے گا کہ) لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے اور ان سے مسائل دریافت کریں گے وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے اس طرح وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

ان حالات میں تقلید اور مذاہب حقہ (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) چھوڑ کر غیر مقلد (لامذہب) بن جانا اور خواہشات نفسانی کی پیروی کرنا اور مجتہدین کی تقلید کو باطل اور شرک سمجھنا اور مذہب حقہ کو ناحق کہنا اور ائمہ دین کو قرآن و احادیث کے مقابلہ میں اپنی رائے پر عمل کرنے والا بتلانا حرام اور موجب گمراہی ہے۔ ایسے لوگوں کو تو ''اہل حدیث'' کہنا بھی نازیبا ہے۔ جس طرح فرقۂ ضالہ منکرین حدیث کو ''اہل قرآن'' کا نام دینا مناسب اور جائز نہیں اسی طرح

سائل کا اپنے کو اہل حدیث کہنا اور کہلوانا اپنی ذات اور قوم کو دھوکا دینا اور گمراہ کرنا ہے غیر مقلدین کے پیشوا مولانا محمد حسین بٹالوی '' اشاعت السنہ جلد نمبر ا شمارہ نمبر ۱۰ کے ص ۲۱۱ میں تحریر فرماتے ہیں، غیر مجتہد مطلق کے لئے مجتہدین سے فرار وانکار کی گنجائش نہیں، اور اسی اشاعت السنہ کے جلد نمبر ا شمارہ نمبر ۱۱ کے ص ۵۳ میں وضاحت فرماتے ہیں:۔

'' پچیس ۲۵ برس کے تجربے سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ بالآخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں ان میں سے بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لا مذہب، جو کسی دین ومذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق وخروج تو اس آزادی (غیر مقلدیت) کا ادنی کرشمہ ہے، ان فاسقوں میں بعض تو کھلم کھلا جمعہ، جماعت اور نماز، روزہ چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ سود شراب سے پرہیز نہیں کرتے اور بعض جو کسی مصلحت دنیاوی کے باعث فسق ظاہری سے بچتے ہیں وہ فسق خفی میں سرگرم رہتے ہیں۔ ناجائز طور پر عورتوں کو نکاح میں پھنسا لیتے ہیں۔ کفر وارتداد اور فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کا بہت بڑا سبب یہ بھی ہے کہ وہ کم علمی کے باوجود تقلید چھوڑ بیٹھتے ہیں (بحوالہ سبیل الرشاد ص ۱۰ اور کلمۃ الفصل ص ۱۰ اور تقلید ائمہ ص ۱۶۔۱۷ مولانا اسماعیل سنبھلی۔

اسی طرح فرقہ اہل حدیث کے مجدد جناب نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی اپنی جماعت اہل حدیث کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ **فقد نبت فی ھذہ الزمان فرقۃ ذات سمعۃ و ریاء تدعی انفسھا علم الحدیث و القران و العمل و العرفان. (الحطہ فی ذکر صحاح الستہ ص ۶۷، ۶۸)**

یعنی اس زمانہ میں ایک فرقہ شہرت پسند ریا کار ظہور پذیر ہوا ہے جو باوجود ہر طرح کی خامی کے اپنے لئے قرآن وحدیث پر علم وعمل کا مدعی ہے حالانکہ اس کو علم وعمل اور معرفت کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ آگے اسی مضمون کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ **فیا للعجب این یسمون انفسھم الموحدین المخلصین و غیرھم بالمشرکین وھم اشد الناس تعصبا و غلواً فی الدین** . یعنی بڑے تعجب کی بات ہے کہ غیر مقلدین کیونکر خود کو خالص موحد کہتے ہیں اور مقلدین کو (تقلید ائمہ کی وجہ سے) مشرک اور بدعتی قرار دیتے ہیں حالانکہ غیر مقلدین خود تو تمام لوگوں میں سخت متعصب اور غالی ہیں۔ پھر اسی مضمون کے ختم پر لکھتے ہیں۔ **فما ھذا دین الا فتنۃ فی الا رض و فساد کبیر** یعنی یہ طریقہ (جو غیر مقلدین کا ہے) کوئی دین نہیں یہ تو زمین میں فتنہ اور فساد عظیم ہے (بحوالہ تقلید ائمہ ص ۱۷۔ ۱۸)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ عقد الجید میں تحریر فرماتے ہیں۔

"باب تاکید الا خذ بمذاھب الا ربعۃ و التشدید فی ترکھا و الخروج عنھا :. اعلم ان فی الا خذ بھذہ المذاھب الا ربعۃ مصلحۃ عظیمۃً وفی الاعراض عنھا کلھا مفسدۃ کبیرۃ .

ترجمہ۔ باب سوم، ان چار مذہبوں کے اختیار کرنے کی تاکید اور ان کو چھوڑنے اور ان سے باہر نکلنے کی ممانعت شدیدہ کے بیان میں۔ اعلم۔ جاننا چاہئے کہ ان چاروں مذہبوں کے اختیار کرنے میں ایک بڑی مصلحت ہے اور ان سب سے اعراض وروگردانی میں بڑا مفسدہ ہے۔ (عقد الجید مع سلک مروارید ص ۳۱)

اور اسی کتاب میں آپ تحریر فرماتے ہیں:۔ **وثانیاً قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اتبعوا**

السواد الا عظم ولما اندر ست المذاهب الحقة الا هذه الا ربعة كان اتباعها اتبا عاً للسواد الا عظم .
ترجمہ:۔اور مذہب کی پابندی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ سواد اعظم یعنی بڑے معظم جتھے کی پیروی کرو اور چونکہ مذاہب حقہ سوائے ان چاروں مذہب کے باقی نہیں رہے تو ان کی پیروی کرنا بڑے گروہ کی پیروی کرنا ہے اور ان سے باہر نکلنا بڑی معظم جماعت سے باہر نکلنا ہے۔ (جس میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایت اور تاکیدی ارشاد کی خلاف ورزی لازم آتی ہے) (عقد الجید مع سلک مروارید ص ۳۳)

ملاحظہ فرمایئے! حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ مذاہب اربعہ کے مقلدین کو سواد اعظم فرمارہے ہیں اور عامی غیر مقلد کو سواد اعظم سے خارج بتلارہے ہیں اس لئے جو لوگ ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کی تقلید نہیں کرتے وہ شتر بے مہار کی طرح ہیں اور درحقیقت وہ خواہشات نفسانی کی پیروی کرتے ہیں۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ کا فرمان مبارک ہے۔ اتبعوا السواد الا عظم ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ) باب مجمع بحار الانوار ص ۱۴۳ ج ۳)

دوسری حدیث میں ہے۔ عليكم بالجماعة تم پر ضروری ہے کہ جماعت کے ساتھ وابستہ رہو۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۶)

تیسری حدیث:۔ان الله لا يجمع امتى على ضلالة. اللہ تعالیٰ میری امت کو ضلالت اور گمراہی پر جمع (متفق) نہیں کرے گا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۳۰)

چوتھی حدیث:۔ لن تجتمع امتى على الضلالة [۱] ترجمہ۔ میری امت (کے علماء و صلحاء) کبھی بھی گمراہی پر متفق نہیں ہوں گے۔

پانچویں حدیث:۔ ويد الله على الجماعة ومن شذ شذ فى النار. یعنی (جس مسئلہ میں مسلمانوں میں اختلاف ہو جائے تو جس طرف علماء و صلحاء کی اکثریت ہو ان کے ساتھ وابستہ ہو جاؤ اس لئے کہ) جماعت پر خدا کا ہاتھ ہے یعنی اس کی مدد شامل حال ہوتی ہے اور جو ان سے الگ رہا (اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنائی) وہ جہنم میں تنہا ڈالا جائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ ایضاً)

چھٹی حدیث:۔ان الشيطان ذئب الا نسان كذئب الغنم يا خذ الشاذة والقاصية والناحية واياكم والشعاب وعليكم بالجماعة والعامة. شیطان انسانوں کا بھیڑیا ہے جس طرح کہ بکریوں کا بھیڑیا ہوتا ہے (اور وہ) ایسی بکریوں کو پھاڑ کھاتا ہے جو ریوڑ سے نکل کر الگ پڑ گئی ہو یا چرتے چرتے دور نکل گئی ہو یا جو غفلت کی وجہ سے ایک کنارے رہ گئی ہو (اسی طرح تم بھی اپنے کو جماعت سے الگ ہونے سے بچاؤ) اور جماعت عامہ (سواد اعظم) میں اپنے آپ کو شامل رکھو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۱ ایضاً)

ساتویں حدیث:۔ من فارق الجماعة شبراً فقد خلع ربقة الا سلام عن عنقه . جس نے ایک بالشت کے برابر بھی جماعت سے علیحدگی اختیار کی (یعنی چند مسائل میں قلیل مدت کے لئے بھی ان سے علیحدگی اختیار کی) تو بے شک اس نے اپنی گردن میں سے اسلام کی رسی نکال ڈالی۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۱ ایضاً)

آٹھویں حدیث:۔ اثنان خير من واحد وثلا ثة خير من اثنين واربعة خير من ثلاثة فعليكم بالجماعة . الخ . یعنی دو ایک سے بہتر ہیں۔ تین دو سے بہتر ہیں۔ اور چار تین سے (جب یہ فضیلت ہے) تو

---

[۱] قال السخاوى: وبالجملة فهو حديث مشهور المتن ذو اسانيد كثيرة وشواهد متعددة فى المرفوع وغيره المقاصد الحسنة ص ۴۶۰

جماعت کو لازم پکڑے رہو (یعنی ان میں شامل ہو جاؤ) اس لئے کہ خدا تعالیٰ میری امت کو ہدایت پر ہی متفق کرتا ہے۔ (مواند العوائد ص ۱۲۲)

نویں حدیث:۔ من خرج من الطاعة و فارق الجماعة مات میتة جاهلية (نسائی عن ابی ہریرة)

دسویں حدیث:۔ مارآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن ، (احمد فی کتاب السنة بحواله المقاصد الحسنة ص ۳۶۸)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ جو اپنے دور کے بلند پایہ محدث بے مثال فقیہ زبردست اصولی جامع المعقول والمنقول اور مجتہد تھے۔ جن کو غیر مقلدین کے پیشوا مولانا صدیق حسن خان صاحب بھی رئیس المجتہدین اور سردار تسلیم کرتے تھے اور آپ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔ "اگر وجود او درصدر اول ودرزمانہ ماضی بود امام الائمہ وتاج المجتہدین شمردہ می شود۔

ترجمہ:۔ اگر شاہ صاحب کا وجود صدر اول (پہلے زمانہ) میں ہوتا تو اماموں کے امام اور مجتہدین کے سردار شمار ہوتے۔ اتنے بڑے درجہ کے عالم تقلید کے متعلق کیا فرماتے ہیں وہ ملاحظہ کیجئے۔ لان الناس لم یزالوا من زمن الصحابة الی ان ظهرت المذاهب الا ربعة یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر من احد یعتبر انکاره ولو کان ذلک باطلاً لا نکره۔

ترجمہ:۔ کیونکہ صحابہ کے وقت سے مذاہب اربعہ کے ظہور تک لوگوں کا یہی دستور رہا کہ جو عالم مجتہد مل جاتا اس کی تقلید کر لیتے اس پر کسی بھی معتمد علیہ شخصیت نے نکیر نہیں کی اور اگر یہ تقلید باطل ہوتی تو وہ حضرات (صحابہ و تابعین) ضرور نکیر فرماتے۔ (عقد الجید مع سلک مروارید ص ۲۹)

نیز آپ امام بغویؒ کا قول بطور تائید نقل فرماتے ہیں:۔

ویجب علی من لم یجمع هذه الشرائط تقلیده فیما یعن له من الحوادث.

ترجمہ:۔ اور اس شخص پر جو ان شرائط (یعنی اجتہاد کی شرائط) کا جامع نہیں اس پر کسی مجتہد کی تقلید کرنا واجب ہے ان حوادث (مسائل) میں جو اس کو پیش آویں (عقد الجید ص ۹)

اور فرماتے ہیں:۔ وفی ذلک (ای التقلید) من المصالح مالا یخفی لا سیما فی هذه الا یام التی قصرت فیها الهمم جداً واشربت النفوس الهوی واعجب کل ذی رای برایه.

ترجمہ:۔ اور اس میں (یعنی مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرنے میں) بہت سی مصلحتیں ہیں جو مخفی نہیں ہیں خاص کر اس زمانہ میں جب کہ ہمتیں بہت پست ہوگئی ہیں اور نفوس میں خواہشات نفسانی سرایت کر گئی ہیں اور ہر رائے والا اپنی رائے پر ناز کرنے لگا ہے۔ (حجة الله البالغة مترجم ص ۳۶۱ ج ۱

باب الفرق بین اهل الحدیث واصحاب الرای۔

اور فرماتے ہیں:۔ وبعد المأتین ظهرت فیهم التمذهب للمجتهدین باعیانهم وقل من کان لا یعتمد علی مذهب مجتهد بعینه وکان هذا هو الواجب فی ذلک الزمان.

ترجمہ:۔ اور دوسری صدی کے بعد لوگوں میں متعین مجتہد کی پیروی (یعنی تقلید شخصی) کا رواج ہوا اور بہت کم

لوگ ایسے تھے جو کسی خاص مجتہد کے مذہب پر اعتماد نہ رکھتے ہوں (یعنی عموماً تقلید شخصی کا رواج ہو گیا) اور یہی طریقہ اس وقت رائج تھا۔ (انصاف مع ترجمہ کشاف ص ۵۹)

اور فرماتے ہیں:۔ وهذه المذاهب الا ربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة او من يعتد بها منها على جواز تقليدها الى يومنا هذا. اور یہ مذاہب اربعہ جو مدون و مرتب ہو گئے ہیں پوری امت نے یا امت کے معتمد حضرات نے ان مذاہب اربعہ مشہورہ کی تقلید کے جواز پر اجماع کر لیا ہے (اور یہ اجماع) آج تک باقی ہے (اس کی مخالفت جائز نہیں بلکہ موجب گمراہی ہے) (حجة الله البالغة ج ۱ ص ۳۶۱ فصل فی مسائل ضلت فيها الاقدام)۔

اور فرماتے ہیں:۔ وبالجملة فالتمذهب للمجتهدين سر الهمه الله تعالى العلماء جمعهم عليه من حيث يشعرون اولا يشعرون.

ترجمہ:۔ الحاصل ان مجتہدین (امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ) کے مذہب کی پابندی (یعنی تقلید شخصی) ایک راز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علماء کے دلوں میں الہام کیا ہے اور اس پر ان کو متفق کیا جائے وہ تقلید کرنے کی مصلحت اور راز کو جانیں یا نہ جانیں (یعنی تقلید کی حکمت اور خوبی ان کو معلوم ہو یا نہ ہو) (انصاف عربی ص ۴۷، انصاف مع کشاف ص ۶۳)

اور فرماتے ہیں۔ انسان جاهل فی بلاد الهند و بلاد ما وراء النهر وليس هناك عالم شافعي ولا مالكي ولا حنبلي ولا كتاب من كتب هذه المذاهب وجب عليه ان يقلد لمذهب ابي حنيفة ويحرم عليه ان يخرج من مذهبه لانه حينئذ يخلع من عنقه ربقة الشريعة ويبقى سدىً مهملاً.

ترجمہ:۔ کوئی جاہل عامی انسان ہندوستان اور ماوراء النہر کے شہروں میں ہو (کہ جہاں مذہب حنفی پر ہی زیادہ تر عمل ہوتا ہے) اور وہاں کوئی شافعی، مالکی اور حنبلی عالم نہ ہو اور نہ ان مذاہب کی کوئی کتاب ہو تو اس وقت اس پر واجب ہے کہ امام ابو حنیفہؒ ہی کے مذہب کے تقلید کرے اور اس پر حرام ہے کہ حنفی مذہب کو ترک کر دے اس لئے کہ اس صورت میں شریعت کی رسی اپنے گردن سے نکال پھینکنا ہے اور مہمل و بیکار بن جانا ہے (انصاف عربی ص ۵۳ مع ترجمہ کشاف ص ۷۰۔۷۱)

حضرت شاہ صاحبؒ کو باوجود مجتہد ہونے کے آنحضرت ﷺ کی جانب سے تقلید کرنے پر مامور کیا گیا اور دائرۂ تقلید سے خروج کی ممانعت کی گئی۔ چنانچہ آپ فیوض الحرمین میں تحریر فرماتے ہیں:۔ واستفدت منه صلى الله عليه وسلم ثلثة امور خلاف ما كان عندي وما كانت طبعي تميل اليه اشد ميل فصارت هذه الاستفادة من براهين الحق تعالى علي. الى قوله. وثانيهما الوصاة بالتقليد بهذه المذاهب الاربعة لا اخرج منها .الخ.

ترجمہ:۔ مجھے آنحضور ﷺ کی جانب سے ایسی تین باتیں حاصل ہوئیں کہ میرا خیال پہلے ان کے موافق نہ تھا اور اس طرف قلبی میلان بالکل نہ تھا یہ استفادہ میرے اوپر برہان حق بن گیا۔ ان تین امور میں سے دوسری بات یہ تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں مذاہب اربعہ کی تقلید کروں اور ان سے باہر نہ جاؤں (فیوض الحرمین ص

۶۴۔۶۵) (مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

اورفرماتے ہیں:۔ وعرفني رسول الله صلى الله عليه وسلم ان في المذهب الحنفي طريقة انيقة هي اوفق الطرق بالسنة المعروفة التي جمعت ونقحت في زمان البخاري واصحابه ، حضوراقدس ﷺ نے مجھے بتایا کہ مذہب حنفی میں ایک ایسا عمدہ طریقہ ہے جو دوسرے طریقوں کی بہ نسبت اس سنت مشہورہ کے زیادہ موافق ہے جس کی تدوین اور تنقیح امام بخاری رحمہ اللہ اوران کے اصحاب کے زمانہ میں ہوئی (فیوض الحرمین ص ۴۸)

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے مذکورہ فرامین عالیہ کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) صحابہؓ اور تابعینؒ کے مبارک زمانہ میں نفس تقلید کا رواج ودستور بلا خلاف جاری وساری تھا۔

(۲) مذاہب اربعہ (حنفی ۔ مالکی ۔ شافعی ۔ حنبلی) کا اتباع سواد اعظم کا اتباع ہے (جو از روئے حدیث واجب ہے) اور مذاہب اربعہ کے دائرہ سے خروج سواد اعظم سے خروج ہے (جو گمراہ کن ہے)

(۳) دوسری صدی کے بعد تقلید شخصی (مذاہب اربعہ میں سے صرف ایک کی تقلید) کی ابتدا ہو چکی تھی۔

(۴) مذاہب اربعہ میں سے ایک مذہب کی تقلید یعنی تقلید شخصی منجانب اللہ ایک الہامی راز ہے۔

(۵) مذاہب اربعہ کی تقلید پر امت کا اجماع ہے۔

(۶) غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے۔

(۷) تقلید شخصی میں دینی مصالح وفوائد ہیں۔

(۸) مجھے مذاہب اربعہ کے دائرہ میں رہنے کی آنحضرت ﷺ نے وصیت فرمائی ہے۔

(۹) مذہب حنفی مطابق سنت ہے اس کی شہادت خود آنحضرت ﷺ نے دی ہے۔

(۱۰) عوام (یعنی غیر مجتہد) کے لئے تقلید چھوڑنا حرام ہے ، بلکہ دائرۂ اسلام سے نکل جانے کا پیش خیمہ ہے (جس کا اعتراف انہیں کے جماعت کے پیشوا مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے کیا ہے جسے ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ تلک عشرة كاملة.

غیر مقلدین کی دھوکہ دہی سے عوام الناس اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ محدثین انہیں کے طبقہ خاص سے تعلق رکھتے تھے (یعنی غیر مقلد تھے) اور یہ حضرات مذاہب اربعہ میں سے کسی کے پابند نہ تھے۔ حالانکہ یہ بات سرتاسر غلط ہے ، تمام محدثین عظام سوائے معدودے چند کے سب مقلد تھے۔ مثلاً ملاحظہ کیجئے۔

امام بخاریؒ ، باوجود مجتہد ہونے کے صحیح قول کے مطابق مقلد تھے اور شافعی تھے۔ غیر مقلدین کے پیشوا جناب نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی نے اپنی کتاب ''الحطة في ذكر صحاح الستة'' میں تحریر کیا ہے کہ امام بخاریؒ کو امام ابو عاصمؒ نے جماعت شافعیہ میں ذکر کیا ہے۔ وقد ذكره ابو عاصمؒ في طبقات اصحابنا الشافعية نقلاً عن السبكي ، اور اسی کتاب کے ص ۱۲۷ فصل نمبر ۶ میں امام نسائی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔ كان احد اعلام الدين واركان الحديث امام اهل عصره ومقدمهم بين اصحاب الحديث وجرحه وتعديله معتبر بين العلماء وكان شافعي المذهب. یعنی: امام نسائی دین کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ

حدیث کے ارکانوں میں سے ایک رکن، اپنے زمانہ کے امام اور محدثین کے پیشوا تھے ان کی جرح وتعدیل علماء کے یہاں معتبر ہے اور آپ شافعی المذہب تھے (حطہ ص ۱۲۷)

امام ابوداؤد کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ فقیل حنبلی وقیل شافعی امام ابوداؤد حدیث اور علل حدیث کے حافظ، تقویٰ وپرہیزگاری، علم وفقہ صلاح واتقان میں عالی مقام رکھتے تھے۔ اختلاف صرف اس میں ہے کہ آپ شافعی تھے یا حنبلی، بعض حنبلی کہتے ہیں۔ اور بعض شافعی (۱۳۵ حطہ فی ذکر صحاح الستۃ) اس کے علاوہ امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ، امام بیہقیؒ، امام دارقطنیؒ، امام ابن ماجہؒ یہ سب مقلد تھے اور صحیح قول کے مطابق شافعی تھے۔ امام یحییٰ بن معین، محدث یحییٰ بن سعید القطان محدث یحییٰ بن ابی زائدہ، محدث وکیع بن جراح۔ امام طحاوی، امام زیلعی یہ سب مقلد تھے اور حنفی تھے۔ علامہ ذہبی۔ ابن تیمیہ، ابن قیم ابن جوزی، شیخ عبدالقادر جیلانی یہ حنبلی تھے۔

کیا ان محدثین عظام وعلمائے کبار کو یہ معلوم نہ تھا کہ تقلید شرک بدعت اور حرام ہے حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی بننا ناجائز اور بدعت ہے غرض سوائے معدودے چند (داؤد ظاہری ابن حزم وغیرہ) کے تمام محدثین، علماء، مشائخ، عارفین ائمہ اربعہ ہی کی تقلید کرتے چلے آئے ہیں۔ ہندوستان ہی میں دیکھ لیجئے کہ کس قدر علماء کبار، مشائخ عظام اور اولیاء اللہ گذرے ہیں وہ سب کے سب تقلید کے پابند تھے اور تقریباً سب ہی امام ابوحنیفہؒ کے مقلد تھے مثلاً۔ شیخ علی متقی صاحب کنزالعمال المتوفی ۹۷۵ھ شیخ عبدالاول جونپوری صاحب، فیض الباری شرح بخاری، شیخ عبدالوہاب برہانپوری متوفی ۱۰۰۱، شیخ محمد طاہر پٹنی گجراتی صاحب مجمع بحار متوفی ۹۸۷ھ محدث ملا جیون صدیقی متوفی ۱۱۳۰ھ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب اشعۃ اللمعات متوفی ۱۰۵۲ھ پھر ان کی اولاد میں محدث شیخ نورالحق صاحب تیسیر القاری فارسی شرح بخاری متوفی ۱۰۷۳ھ، محدث شیخ فخرالدین شارح بخاری وشارح حصن حصین۔ شیخ الاسلام محدث شیخ سلام اللہ شارح مؤطا مسمّی بہ محلی متوفی ۱۲۲۹ھ شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ شاہ عبدالعزیز متوفی ۱۲۳۹ھ شاہ عبدالقادر محدث ومفسر قرآن دہلوی المتوفی ۱۲۳۲ھ شاہ عبدالغنی محدث دہلوی متوفی ۱۲۹۶ھ شاہ اسحاق محدث دہلوی متوفی ۱۲۶۲ھ شاہ اسماعیل شہید متوفی ۱۲۴۶ھ شاہ قطب الدین صاحب مظاہر حق متوفی ۱۲۸۹ھ شاہ رفیع الدین

محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۳ھ شاہ محمد یعقوب محدث دہلوی متوفی ۱۲۸۲ھ قاضی محب اللہ بہاری متوفی ۱۱۱۹ھ جنہوں نے ۱۱۰۹ھ میں اصول فقہ کی مشہور کتاب مسلم الثبوت تصنیف فرمائی۔ محدث کبیر قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ، الشیخ الامام العلامہ نورالدین احمدآبادی گجراتی حنفی صاحب نورالقاری شرح بخاری متوفی ۱۱۵۵ھ، شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی حنفی متوفی ۹۹۸ھ محدث مفتی عبدالکریم نہروانی گجراتی صاحب نہرالجاری شرح بخاری متوفی ۱۰۱۴ھ الشیخ المحدث محی الدین عبدالقادر احمدآبادی گجراتی متوفی ۱۰۳۸ھ الشیخ المحدث خیرالدین بن محمد زاہد السورتی متوفی ۱۲۰۶ھ بحرالعلوم علامہ عبدالعلی لکھنوی صاحب شرح مسلم الثبوت وغیرہ متوفی ۱۲۲۵ھ۔ جامع معقول ومنقول ابوالحسنات علامہ عبدالحئی لکھنوی صاحب تصانیف کثیرہ متوفی ۱۳۰۴ھ محدث مولانا احمد علی سہارنپوری محشی بخاری متوفی ۱۲۹۷ھ متکلم اسلام مولانا قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند متوفی ۱۲۹۸ھ فقیہ لاثانی، محدث کبیر عارف باللہ مولانا رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ مولانا محمد یعقوب نانوتوی مجددی متوفی ۱۳۰۲ھ محدث مولانا فخرالحسن گنگوہی متوفی ۱۳۱۷ھ شیخ

الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی متوفی ۱۳۹۹ھ المحدث الکبیر امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ محدث مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی صاحب بذل المجہود شرح ابوداؤد متوفی ۱۳۴۶ھ محدث مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب فتح الملہم شرح صحیح مسلم متوفی ۱۳۶۹ھ وغیرہ وغیرہ۔

علماء سندھ:۔

محدث شیخ ابوالحسن سندھی متوفی ۱۱۸۷ھ شیخ ہاشم سندی، ابوالطیب سندھی م ۱۱۴۰ھ، شیخ محمد معین سندھی م ۱۱۸۰ھ شیخ محمد عابد سندھی م ۱۲۵۷ھ شیخ حیات سندھی م ۱۱۶۳ھ رحمہم اللہ وغیرہ۔ جنہوں نے صحاح ستہ اور کتب حدیث پر حواشی لکھے۔ اور مدینہ منورہ جا کر حدیث کا درس دیا۔

اولیاء ہند:۔

امام ربانی شیخ سید احمد مجدد الف ثانی نقشبندیؒ م ۱۰۳۴ھ عارف باللہ محدث ... مرزا مظہر جان جاناںؒ م ۱۱۹۵ھ، اولیاء ہند کے سرتاج خواجہ معین الدین چشتیؒ (سن وفات میں چند اقوال ہیں ۶۳۲ھ ۶۳۳ھ، ۶۳۶ھ ۶۳۷ھ) خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ م ۶۳۳ھ یا ۶۳۴ھ خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ م ۶۶۴ھ یا ۶۶۸ھ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ متوفی ۷۲۵ھ خواجہ علاؤ الدین صابر کلیریؒ م ۶۹۰ھ وغیرہ وغیرہ ہزار ہا محدثین۔ ومفسرین، فقہاء، مشائخ مقلدین گذرے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر، حدائق حنفیہ، انوار الباری کے مقدمہ کا حصہ دوم، تذکرۂ محدثین۔

ائمۂ اربعہ کی تقلید اور تقلید کا ائمۂ اربعہ میں منحصر ہو جانا اور جمہور اہل سنت والجماعت کا مذاہب اربعہ میں مجتمع ہونا خدا کی نعمت عظمیٰ ہے۔ ہر زمانہ میں محدثین اور علماء حقہ اس کی تصریح کرتے رہے ہیں کہ جو تقلید کا منکر ہو اور غیر مقلد بن کر شتر بے مہار کی طرح زندگی بسر کرتا ہو اور اپنی خواہشات پر عمل پیرا ہو وہ اہل بدعت میں سے ہے۔ اہل سنت میں سے نہیں شیعہ تقلید ائمۂ اربعہ کے منکر ہیں اور مذاہب اربعہ کو بدعت کہتے ہیں۔ اسی طرح غیر مقلدین بھی ان کے نقش قدم پر چل کر تقلید کو بدعت وشرک کہتے ہیں (یہ غیر مقلدین اور بھی دیگر مسائل میں شیعہ وروافض کے ہم مشرب ہیں مثلاً روافض صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو معیار حق تسلیم نہیں کرتے اسی طرح غیر مقلدین بھی صحابہ کے معیار حق ہونے کے منکر ہیں، روافض ایک مجلس کی تین طلاق کے وقوع کو تسلیم نہیں کرتے اسی طرح غیر مقلدین بھی ایک مجلس میں طلاق ثلثہ کے وقوع کے منکر ہیں، روافض نے بیس ۲۰ رکعت تراویح کو بدعت کہا تو غیر مقلدین بھی بیس ۲۰ رکعت تراویح کو بدعت عمری کہتے ہیں، روافض جمعہ کے دن اذان اول کو جو منارہ پر دی جاتی ہے۔ بدعت کہتے ہیں اسی طرح غیر مقلدین بھی اس اذان کو بدعت عثمانی قرار دیتے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے خلافت کے زمانہ میں عورتوں کی آزادی و بے احتیاطی دیکھی تو صحابہ کے مشورے سے عورتوں کو مسجد میں نماز پڑھنے کی ممانعت کا فیصلہ فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اگر حضور اکرم ﷺ عورتوں کی یہ حالت دیکھتے تو وہ خود بھی روک دیتے۔ اس فیصلہ کو شیعہ وروافض نے قبول نہیں کیا اسی طرح غیر مقلدین نے بھی منظور نہیں کیا۔ واللہ اعلم)

غرض سوائے شیعہ اور چند علماء غیر مقلدین کے تقریباً تمام ہی علماء نے تقلید کو ضروری قرار دیا ہے۔ اور اپنی

اپنی تصانیف میں اس پر بحث کی ہے۔ چنانچہ شرح مسلم الثبوت میں ہے۔ بل یجب علیھم اتباع الذین سبروا ای تعمقوا وبوبوا ای او ردوا ابواباً لکل مسئلة علیٰحدةً فهذبوا مسئلة کل باب ونقحوا کل مسئلة عن غیرها وجمعوا بینهما بجامع وفرقوا بفارق وعللوا ای اوردوا لکل مسئلة علته وفصلوه تفصیلاً وعلیه بنی ابن الصلاح منع تقلید . غیر الائمة الاربعة الامام الهمام امام الائمة اما منا الکوفی رحمه الله والامام مالک رحمه الله ، والامام الشافعی رحمه الله ، والامام احمد رحمهم الله تعالیٰ وجزاهم عنا احسن الجزاء لان ذالک المذکور لم یدر فی غیرهم .

ترجمہ:۔ بلکہ ان عوام پر ان حضرات کی پیروی اور اتباع واجب ہے۔ جنہوں نے نظر عمیق سے کام لیا اور ابواب قائم کر کے ہر مسئلہ کو اس کے مناسب باب میں درج کیا، اور ہر مسئلہ کی تنقیح اور چھان بین کی اور جمع کیا اور تفریق کی (یعنی ہر مسئلہ کو جمع کیا اور ہر مسئلہ کو دوسرے مسئلہ سے جدا کیا)۔ اور ہر مسئلہ کی علت بیان کی اور پوری پوری تفصیل کی (یہ بات تفصیلی طور پر صحابہ کی اقوال میں نہیں ہے۔ اس لئے عوام کے لئے عمل کرنا مشکل ہوتا ہے اور وہ مغالطہ میں پڑ جائیں گے بناء علیہ اصول حدیث کے واضع محدث یگانہ علامہ ابن صلاح رحمہ اللہ نے ائمۂ اربعہ کے سوا دوسروں کی تقلید کی ممانعت فرمائی کہ امور مذکورہ مذاہب اربعہ کے سوا اور کسی مذہب میں موجود نہیں ہیں اللہ تعالیٰ ان ائمہ اربعہ کو ہم سب کی طرف سے بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔

(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت للعلامہ بحر العلومؒ متوفی ۱۲۲۵ھ ص ۶۲۹)

علامہ ابن نجیم مصری متوفی ۹۷۰ھ "الاشباہ والنظائر" میں ارقام فرماتے ہیں۔ وما خالف الائمة الاربعة فهو مخالف للاجماع . یعنی (کسی شخص کا) کوئی فیصلہ ائمہ اربعہ کے خلاف ہو تو وہ اجماع کے خلاف ہے (اس لئے قابل قبول نہیں ہوسکتا) (ص ۱۳۱)

حافظ حدیث علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ متوفی ۸۶۱ھ نے "التحریر فی اصول الفقه" میں تصریح فرمائی ہے . وعلی هذا ما ذکر بعض المتاخرین منع تقلید غیر الاربعة لا نضباط مذاهبهم وتقلید مسائلهم وتخصیص عمو مها ولم ید رمثله فی غیرهم الآن لا نقراض اتباعهم وهو صحیح.

یعنی: اور اسی بنیاد پر بعض متاخرین نے ذکر کیا ہے کہ ائمہ اربعہ ہی کی تقلید متعین ہے نہ کہ دوسرے ائمہ کی، اس لئے کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب مکمل منضبط ہو گئے ہیں اور ان مذاہب میں مسائل تحریر میں آچکے ہیں اور دوسرے ائمہ کے مذاہب میں یہ چیز نہیں ہے اور ان کے متبعین بھی ختم ہو چکے ہیں اور تقلید کا ان ہی چار اماموں میں منحصر ہو جانا صحیح ہے۔ (التحریر ص ۵۵۲)

اورنگ زیب عالمگیرؒ کے استاذ علامہ، زبردست فقیہ، اصولی، جامع المعقول والمنقول شیخ احمد المعروف بہ ملا جیون صدیقی (متوفی ۱۱۳۰ھ "تفسیرات احمدیہ" میں تحریر فرماتے ہیں۔ قدوقع الاجماع علی ان الاتباع انما یجوز للاربع. الیٰ قوله وکذا لا یجوز الاتباع لمن حدث مجتهداً مخالفاً لهم . یعنی اس پر اجماع منعقد ہوگیا ہے کہ اتباع (تقلید) صرف ائمہ اربعہ ہی کی جائز ہے، اسی بنا پر جو مجتہد (اس زمانہ میں) نیا پیدا ہوا اور اس کا قول ان ائمہ اربعہ کے خلاف ہو تو اس کی اتباع بھی جائز نہیں۔

(تفسیرات احمدیہ ص ۳۴۶) مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

چند سطروں کے بعد مزید توضیح فرماتے ہیں:۔ والانصاف ان انحصار المذاهب فی الاربعة و اتباعهم فضل الهی وقبولية من عند الله لا مجال فيه للتوجيهات والادلة. یعنی:۔انصاف کی بات یہ ہے کہ مذاہب کا چار میں منحصر ہوجانا اوران ہی چار مذاہب کی اتباع کرنا فضل الٰہی ہے اور منجانب اللہ قبولیت ہے اس میں دلائل اور توجیہات کی حاجت نہیں ہے (تفسیرات احمدیه ص ۳۴۶، وداؤد وسلیمان اذ یحکمان فی الحرث آیت کے ماتحت ، سورہ انبیاء پ ۱۷)

اور مشہور محدث و مفسر وفقیہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی ،متوفی ۱۲۲۵ھ ''تفسیر مظہری'' میں تحریر فرماتے ہیں:۔ فان اهل السنة والجماعة قد افترق بعد القرن الثلثة او الاربعة علیٰ اربعة المذاهب ولم یبق فی فروع المسائل سویٰ هذه المذاهب الاربعة فقد انعقد الاجماع المركب علی بطلان قول من یخالف كلهم وقد قال الله تعالیٰ ومن یتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولیٰ ونصله جهنم.

یعنی تیسری یا چوتھی صدی کے بعد فروعی مسائل میں اہل سنت والجماعت کے چار مذہب رہ گئے کوئی پانچواں مذہب باقی نہیں رہا پس گویا اس امر پر اجماع ہو گیا کہ جو قول ان چاروں کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔اور خدا تعالیٰ کا فرمان ہے۔اور جو شخص مؤمنین (یعنی اہل سنت والجماعت) کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ پر ہولے گا تو ہم اس کو وہ جو کچھ کرتا ہے کرنے دیں گے۔اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے۔(تفسیر مظهری ص ۶۴ ج ۲، سورۂ آل عمران پ ۳ تحت الاية ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون الله)

امام ابراہیم سرخسی مالکی مرنی'' الفتوحات الوهبيه شرح اربعين نوويه ''میں تحریر فرماتے ہیں۔اما فیما بعد ذالک كما قال ابن الصلاح فلا یجوز تقلید غیر الائمة الاربعة مالکؒ وابی حنیفةؒ والشافعی واحمد لان هولاء عرفت قواعد مذاهبهم واستقرت احكامها وخدمها تابعوهم وحزروها فرعاً فرعاً وحكما حكما.

یعنی:۔اس زمانہ کے بعد (صحابہ کے دور کے بعد) جس طرح کہ ابن صلاحؒ نے بھی فرمایا ہے ائمہ اربعہ امام مالکؒ ،امام ابوحنیفہؒ ،امام شافعیؒ ،امام احمد بن حنبلؒ کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں اس لئے کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب کے قواعد معروف ہیں اوران کے احکام مستقر ہو چکے ہیں اوران حضرات کے خدام نے ان کے بعد ان مذاہب کی خدمت کی ہے (اور چار چاند لگائے ہیں) اور تمام احکام کو فرعاً فرعاً لکھ دیا ہے اور ہر ایک کو حکم بھی بیان کردیا ہے۔

(الفتوحات الوہبیہ ص ۱۹۹)

محدث ابن حجر مکیؒ (متوفی ۸۵۲ھ فتح المبین فی شرح الاربعین'' میں فرماتے ہیں اما فی زماننا فقال ائمتنا لا یجوز تقلید غیر الائمة الاربعة الشافعی ومالک وابی حنیفة واحمد رضوان الله علیهم اجمعین . یعنی ہمارے زمانہ میں ائمہ مشائخ کا یہی قول ہے کہ ائمہ اربعہ شافعیؒ ،امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی کی تقلید جائز ہے ان کے علاوہ کسی اور امام کی جائز نہیں (ص ۱۹۶)

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی رحمہ اللہ کتاب'' راحة القلوب ''میں تحریر فرماتے

ہیں کہ:۔حضرت خواجہ سید العابدین زبدة العارفین۔فرید الحق والشرع شکر گنج رحمہ اللہ علیہ نے بتاریخ ۱۱۔ماہ ذی الحجہ ۶۵۵ھ فرمایا کہ ہر چار مذہب برحق ہیں۔لیکن بالیقین جاننا چاہئے کہ مذہب امام اعظم کا سب سے فاضل تر ہے اور دوسرے مذہب ان کے پس رو ہیں اور امام ابو حنیفہ افضل المتقدمین میں ہیں اور الحمد للہ کہ ہم انؒ کے مذہب میں ہیں (بحوالہ حدائق حنفیہ ص ۱۰۴)

علامہ جلال الدین محلی ''شرح جمع الجوامع'' تحریر فرماتے ہیں:۔ **یجب علی العامی وغیره ممن لم یبلغ مرتبة الا جتهاد التزام مذهب معین من مذاهب المجتهدین** . یعنی واجب ہے عامی اور غیر عامی پر جو کہ درجۂ اجتہاد کو نہ پہنچا ہو مجتہدین کے مذاہب میں سے ایک مذہب معین کو عمل کے لئے اپنے اوپر لازم کر لینا۔''

(بحوالہ نور الہدایہ ترجمہ شرح الوقایہ ص ۱۰) مقدمہ۔

شارح مسلم شیخ محی الدین نوویؒ'' **روضة الطالبین** ''میں تحریر فرماتے ہیں:۔'' **اما الا جتهاد المطلق فقالوا اختتم با لأئمة الاربعة حتیٰ او جبوا تقلید واحد من هو لاء علی امته ونقل امام الحرمین الاجماع علیه** ''یعنی اجتہاد مطلق کے متعلق علماء فرماتے ہیں کہ ائمہ اربعہ پر ختم ہو گیا۔حتی کہ ان تمام مقتدر محققین علماء نے ان چار اماموں میں سے ایک ہی امام کی تقلید کو امت پر واجب فرمایا ہے اور امام الحرمین نے اس پر (ائمہ اربعہ ہی کی تقلید کے واجب ہونے پر) اجماع نقل کیا ہے (بحوالہ نور الہدایہ ص ۱۰)

''**نهایة المراد شرح مقدمه ابن عماد** ''میں ہے۔**وفی زماننا هذا قد انحصرت صحة التقلید فی هذه المذاهب الا ربعة (الیٰ قوله) ولا یجوز الیوم تقلید غیر الائمة الا ربعة فی قضاء والا افتاء** . یعنی ہمارے اس زمانہ میں تقلید ان مذاہب اربعہ میں منحصر ہوگئی ہے۔اور آج ائمہ اربعہ کے سواء کسی اور امام کی تقلید جائز نہیں ہے نہ تو قاضی کو اختیار ہے کہ مذاہب اربعہ سے ہٹ کر فیصلہ کرے اور نہ مفتی مجاز ہے کہ مذاہب اربعہ کے خلاف فتویٰ دے۔

(بحوالہ نور الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ ص ۱۵)

امام عبد الوہاب شعرانیؒ'' **میزان الشریعة الکبریٰ** ''میں تحریر فرماتے ہیں:۔ **وكان سیدی الخواص رحمه الله تعالیٰ اذا سأله انسان عن التقلید بمذهب معین الا ن هل هو واجب ام لا یقول له' یجب علیک التقلید بمذهب ما دامت لم تصل الیٰ شهود علی الشریعة الا ولیٰ من الو قوع فی الضلال وعلیه عمل الناس الیوم.**

یعنی: میرے سردار علی خواص رحمہ اللہ سے جب پوچھا جاتا کہ اس وقت مذہب معین کی تقلید واجب ہے یا نہیں؟ تو فرماتے کہ تجھ پر مذہب معین کی تقلید واجب ہے جب تک تجھے کمال ولایت ونظر کشف وشہود سے مرتبۂ اجتہاد حاصل نہ ہو اس وقت تک معین امام کی دائرۂ تقلید سے قدم باہر نہ نکالنا (کہ یہ موجب گمراہی ہے) اور اسی پر آج لوگوں کا عمل ہے۔(میزان کبریٰ)

مشہور فقیہہ قرآن وحدیث کے ماہر سید احمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۳ھ فرماتے ہیں:۔**فعلیکم یا معشر المؤ منین باتباع الفرقة الناجیة المسماة باهل السنة والجماعة فان نصرة الله فی موافقتهم وخذ**

لانہ وسخطہ، ومقتہ فی مخالفتھم وھذہ الطائفۃ الناجیۃ قد اجتمعت الیوم فی المذاھب الاربعۃ ھم الحنفیون والمالکیون والشافعیون والحنبلیون ومن کان خارجاً من ھذہ المذاھب الاربعۃ فی ذلک الزمان فھو من اھل البدعۃ والنار۔

یعنی! اے گروہ مسلمانان! تم پر نجات پانے والے فرقہ کی جو اہل سنت والجماعت کے نام سے موسوم ہے پیروی کرنا واجب ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اہل سنت والجماعت کے ساتھ موافقت کرنے میں ہے اور اہل سنت و الجماعت کی مخالفت کرنے میں اپنی ذات کو خدا تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کا مورد بنانا ہے۔ (اللہ اپنی پناہ میں رکھے) اور یہ نجات پانے والا گروہ (یعنی اہل سنت والجماعت) آج مجتمع ہوگیا ہے۔ چار مذاہب میں ہے۔ اور وہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہیں۔ اور جو شخص اس زمانہ میں ان چار مذاہب سے خارج ہے وہ اہل بدعت اور اہل نار سے ہے (اہل سنت میں داخل نہیں) (طحطاوی علی الدر المختار ج۴ ص۱۵۳) کتاب الذبائح)

حضرت شاہ اسحاق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

(سوال) ''شصت ویکم۔ مذاہب اربعہ بدعت حسنہ اند یا سیئہ، کدام سیئہ۔

(الجواب) اتباع مسائل مذاہب اربعہ بدعت نیست نہ سیئہ نہ حسنہ بلکہ اتباع آنہا سنت است......الخ (مائۃ مسائل ص۹۲-۹۳)

ترجمہ:۔ (سوال) اکسٹھواں ۶۱۔ مذاہب اربعہ بدعت حسنہ میں داخل ہیں یا بدعت سیئہ میں اگر بدعت سیئہ ہے تو کس قسم کی بدعت سیئہ ہے؟

(جواب) مذاہب اربعہ کے مسائل کی اتباع کرنا نہ بدعت حسنہ ہے نہ بدعت سیئہ بلکہ مذاہب اربعہ کے مسائل کا اتباع سنت ہے۔ اس لئے مذاہب اربعہ میں جو اختلاف ہے، وہ اختلافات یا تو خود صحابہؓ میں موجود تھے (اور ائمہ اربعہ ان کے خوشہ چیں ہیں اس لئے ان میں بھی اختلافات ہوئے) اور صحابہ کے متعلق حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ اصحابی کالنجوم فبأیھم اقتدیتم اھتدیتم . یعنی میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں تم جس کی بھی اقتداء (پیروی کروگے ہدایت پالوگے اور مذاہب اربعہ میں خلاف، قیاس وحجت کے اختلاف سے واقع ہوا (اور یہ مسلم ہے کہ) قیاس نص سے ثابت ہے (تو قیاس پر عمل کرنا بعینہ) اتباع نص ہوا۔ اور نیز مذاہب اربعہ میں اختلاف حدیث کے ظاہری الفاظ اور استنباط حدیث پر مبنی ہے اور ظاہر حدیث کو قابل عمل سمجھتے ہے اور بعض استنباط حدیث پر عمل کرتے ہیں چنانچہ بخاری اور مسلم وغیرہ میں ایک حدیث آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جس وقت بنی قریظہ کی طرف صحابہ کو روانہ فرمایا تو یہ حکم فرمایا کہ کوئی عصر کی نماز سوائے بنی قریظہ کے نہ پڑھے۔ بعض صحابہ نے راستہ میں اس بناء پر نماز عصر ادا کی کہ آنحضرت ﷺ کا مقصد اس تاکید سے یہ تھا کہ وہاں پہنچنے میں دیر نہ کریں نہ کہ نماز کو وقت سے ٹلا دینا مقصود تھا اور بعض صحابہ نے حدیث کے ظاہر الفاظ پر عمل کیا اور راستہ میں نماز نہ پڑھی۔ لیکن جب آنحضور ﷺ کو یہ قصہ معلوم ہوا تو اس پر ناگواری ظاہر نہ فرمائی (تو معلوم ہوگیا کہ) دونوں طرح عمل جائز ہے۔

مذاہب اربعہ کے اختلاف کی صورت ایسی ہے تو بدعت کس طرح ہوجائے گی۔

(امداد المسائل ترجمہ مائۃ مسائل ص۱۰۱-۱۰۲)

اور ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

(سوال ۶۲) مقلد ایشاں را بدعتی گویند یا نہ؟

(الجواب) ہرگز مقلد ایشاں را بدعتی نخواہند گفت زیرا کہ تقلید ایشاں تقلید حدیث شریف است باعتبار الظاہر و الباطن پس متبع حدیث را بدعتی گفتن ضلال و موجب نکال است (مأتہ مسائل ص ۹۳)

ترجمہ:۔(سوال) مذاہب اربعہ کے مقلدین کو بدعتی کہیں گے یا نہیں؟

(الجواب) مذاہب اربعہ کے مقلد کو بدعتی نہیں کہیں گے اس لئے مذاہب اربعہ کی تقلید بعینہ حدیث کے ظاہر و باطن کی تقلید ہے اور متبع حدیث کو بدعتی کہنا گمراہی اور بدبختی ہے۔ (امداد المسائل ترجمہ مأتہ مسائل ص ۱۰۲)

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

بے شائبہ تکلف و تعصب گفتہ میشود کہ نورانیت ایں مذہب حنفی بنظر کشفی درنگ دریاے عظیم می نماید و سائر مذہب ورنگ حیاض وجداول بنظر می درآیند و بظاہر ہم کو ملاحظہ نمودہ می آید سواد اعظم از اہل السلام متابعان ابی حنیفہ اند علیہم الرضوان وایں مذہب باوجود کثرت متابعان در اصول و فروع از سائر مذاہب متمیز است و در استنباط طریق علیحدہ دارد وایں معنی مبنی از حقیقت است عجب معاملہ است امام ابوحنیفہؒ در تقلید سنت از ہمہ پیش قدم است واحادیث مرسل را در رنگ احادیث مسند شایان متابعت میداند و برارائی خود مقدم میدارد و ہمچنیں قول صحابہ را بواسطہ شرف صحبت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام بر رائ خود مقدم میدارد و دیگراں نہ چنیں اند مع ذلک مخالفان اور اصاحب رائے میدانند و الفاظ کہ مبنی از سوئے ادب اند باو منتسب می سازند باوجود آنکہ ہمہ کمال علم و وفور ورع و تقویٰ او معترف اند حضرت حق سبحانہ، وتعالیٰ ایشان را توفیق دہاد کہ از راس دین و رئیس اسلام از کار نہ نمایند و سواد اعظم اسلام را ایذا نکنند یریدون ان یطفؤا نور اللہ با فواھھم. جماعۃ کہ این اکابر دین را اصحاب رائے میدانند اگر ایں اعتقاد دارند کہ ایشاناں برائے خود حکم می کروند و متابعت کتاب و سنت نمی نمودند پس سواد اعظم از اہل اسلام بزعم فاسد ایشاں ضال و متبدع باشند بلکہ از جرگہ اہل اسلام بیرون بودند ایں اعتقاد نکنند مگر جاہلے کہ از جہل خود بے خبر است یا زندیقے کہ مقصودش ابطال شطر دین است ناقصی چند احادیث چند را یاد گرفتہ اند و احکام شریعت را منحصر دراں ساختہ ماورائ معلوم خود را نفی می نمایند و آنچہ نزد ایشاں ثابت نہ شدہ منتفی می سازند۔ چوں آں کرمے کہ در سنگے نہاں است زمین و آسمان او ہماں است، وای ہزار وای از تعصبہائے بارد ایشاں واز نظرہائے فاسد ایشاں۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۱۰۷۔۱۰۸ مکتوب ۵۵ فارسی)

بلا تکلف و تعصب کہا جاسکتا ہے کہ اس مذہب حنفی کی نورانیت کشفی نظر میں دریائے عظیم کی طرح دکھائی دیتی ہے اور دوسرے تمام مذاہب حوضوں اور نہروں کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ اور ظاہر میں بھی جب ملاحظہ کیا جاتا ہے تو اہل اسلام کا سواد اعظم یعنی بہت سے لوگ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تابعدار ہیں ۔ یہ مذہب باوجود بہت سے تابعداروں کے اصول وفروع میں تمام مذہبوں سے الگ ہے اور استنباط میں اس کا طریقہ علیحدہ ہے اور یہ معنی حقیقت کا پتہ بتاتے ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ امام ابوحنیفہ سنت کی پیروی میں سب سے آگے ہیں۔ حتیٰ کہ احادیث مرسل کو احادیث مسند کی طرح متابعت کے لائق جانتے ہیں اور اپنی رائے پر مقدم سمجھتے ہیں۔ اور ایسے ہی صحابہ کے قول کو حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے شرف صحبت کے باعث اپنی رائے پر مقدم جانتے ہیں دوسروں کا ایسا حال

نہیں ۔ پھر بھی مخالف ان کو صاحب رائے کہتے ہیں ۔اور بہت بے ادبی کے الفاظ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔ حالانکہ سب لوگ ان کے کمال علم وورع وتقویٰ کا اقرار کرتے ہیں ۔حق تعالیٰ شانہٗ ان کو توفیق دے کہ دین کے سردار اور اسلام کے رئیس سے انکار نہ کریں اور اسلام کے سواد اعظم کو ایذا نہ دیں یریدون ان یطفئوا نور الله بافواههم (یہ لوگ اللہ کی نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں) وہ لوگ (غیر مقلدین) جو دین کے ان بزرگوں (امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ) کو صاحب رائے جانتے ہیں اگر یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ بزرگوار صرف اپنی رائے پر ہی عمل کرتے تھے اور کتاب وسنت کی متابعت چھوڑ دیتے تھے تو ان کے فاسد خیال کے مطابق اسلام کا ایک سواد اعظم گمراہ اور بدعتی بلکہ گروہ اسلام سے باہر ہے اس قسم کا اعتقاد وہ بے قوف جاہل کرتا ہے جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے ۔ یا وہ زندیق جس کا مقصود یہ ہے کہ اسلام کا نصف حصہ باطل ہو جائے ان چند ناقصوں نے چند حدیثوں کو یاد کر لیا ہے اور شریعت کے احکام کو انہی پر موقوف رکھا ہے اور اپنی معلومات کے سوا سب کی نفی کرتے ہیں اور جو کچھ ان کے نزدیک ثابت نہیں ہوا (یعنی جو ان کے علم سے باہر ہے) اس کا انکار کرتے ہیں ۔ بیت : وہ کیڑا جو پتھر میں پنہاں ہے وہی اس کا زمین وآسمان ہے ۔یعنی جو کیڑا پتھر میں چھپا ہوا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہی جگہ میری زمین وآسمان ہے (اور خیال کرتا ہے کہ بس اتنی ہی بڑی دنیا ہے) حالانکہ اصل زمین وآسمان تو اس نے دیکھا تک نہیں ۔ اسی قسم کے لوگ بیہودہ تعصب اور فاسد خیالوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔ (ترجمہ مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۱۷۸ ص ۱۷۹ مکتوب نمبر ۵۵)

حضرت شاہ محمد ہدایت علی نقشبندی مجددی حنفی جیپوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں :۔

’’تقلید ائمہ شریعت اس پر واجب نہیں جو علم تفسیر ، فقہ وحدیث میں کامل ہو اور مرتبہ اجتہاد واستنباط مسائل پر قادر ہو ناسخ ومنسوخ ومحاورۂ عرب سے واقف ہو ، اگر اس قدر استعداد نہیں رکھتا ہے تو تقلید ائمہ اس پر واجب ہے ۔ اور یہ سب (علوم) اس میں موجود ہوں اور پھر بھی ائمہ کی تقلید کرے تو احسن ہے ۔لیکن اس وقت میں دیکھا جاتا ہے کہ علم تفسیر حدیث فقہ اصول تو کیا قرآن شریف یا حدیث شریف بلا اعراب (زبر ، زیر ، پیش) کے صحیح نہیں پڑھ سکتے ۔ استنباط مسائل کی عقل (اور سمجھ) تو بہت بلند ہے ۔لیکن ائمہ شریعت کی تقلید نہیں کرتے اور تقلید کو شرک کہتے ہیں ان کی عقل پر پردہ پڑ گیا ہے ۔ یہ نہیں جانتے کہ ہندوستان میں علم تفسیر ، حدیث ، فقہ واصول کے پیشرو شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ ، شاہ ولی اللہ صاحبؒ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ وغیرہ باوجود مخزن علوم کے سب حنفی ہیں ۔تو کیا زمانہ موجودہ کے علماء علم فہمید واتقی میں زیادہ ہیں ؟ (نہیں) ہرگز نہیں جو ائمہ کے مقلد کو مشرک کہتے ہیں لیکن جاہلوں کو اپنا مقلد بنا لیتے ہیں اکثر لوگ جو اردو بھی نہیں جانتے وہ بھی ۔یہی کہتے ہیں کہ ہم اہل حدیث ہیں ۔یعنی غیر مقلد ۔ان سے اگر یہ سوال کیا جائے کیا تم جو اپنے کو عامل بالحدیث کہتے ہو تم نے یہ مسائل قرآن وحدیث سے اخذ کئے ہیں یا کسی مولوی صاحب سے سن کر عمل کیا ہے ؟ تو وہ یہی کہیں گے کہ فلاں مولوی صاحب سے سن کر عمل کیا ہے تو پھر یہ تقلید نہ ہوئی تو اور کیا ہوا ؟ الخ (درباثانی ج ۲ ص ۶۱ ۔ ۶۲)

نیز آپ ’’احسن التقویم‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں :۔’’اور ائمہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے تقلید جو علم عربی ، تفسیر ، حدیث ، فقہ ، اصول ، استنباط مسائل ومحاورۂ عرب ، علم ناسخ ومنسوخ سے پورا واقف نہ ہو اور تبحر علمی نہ رکھتا ہو واجب ہے اسی واسطے حکم حق تعالیٰ ہے ۔فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون ، اور جو شخص ان علوم مذکورہ صدر

سے ناواقف ہے یا ان میں کامل نہیں ہے اس پر تقلید ائمہ دین واجب ہے۔ اور باوجود ان علوم میں کمال رکھنے کے پھر بھی کوئی تقلید کرے تو احسن ہے۔ زمانۂ اخیر میں جمیع علوم دین میں کامل ذات حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ، وحضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ وحضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ وحضرت مجدد الف ثانیؒ وحضرت مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ وحضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ہوئے فی زماننا ان کے مقابلہ میں کوئی عالم تبحر علمی میں عشر عشیر بھی نہیں ہے اور نہ کوئی عالم خواہ وہ کسی گردہ کا ہو ان کے مقابل تو کیا بیان کر سکتا ہے اپنے کو نصف یا ثلث حصہ میں بھی نہیں کہہ سکتا۔ اگر کوئی کہے تو مسلمان اس کو دیوانہ یا ''انا خیر منہ'' (یہ ابلیس لعین کا مقولہ ہے) کہنے والے کا برادر ضرور جانیں گے۔ لیکن یہ سب بزرگوار حنفی ہوئے ہیں جن کی کتابوں سے ان کا حنفی ہونا ثابت ہے۔ یہ ہماری شامت اعمال ہے کہ مسلمانوں میں بعض بعض ان علوم میں منتہی تو کیا مبتدی بھی نہیں لیکن ائمہ مجتہدین کی تقلید کو برا کہتے ہیں لیکن وہ جو اپنی تحقیقات اتمام میں ناتمام باتیں سمجھ چکے ہیں ان باتوں میں اور مسلمانوں کو اپنا مقلد بنانے کو تیار ہیں۔ بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا'' (احسن التقویم ص ۱۳۷، ۱۳۸)

حضرت علامہ عبدالحق حقانی (صاحب تفسیر حقانی) رحمہ اللہ اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''عقائد الاسلام'' میں تحریر فرماتے ہیں:۔'' دوم:۔ اگر ہر شخص ان مسائل میں اپنی اپنی رائے کو دخل دیا کرے تو ایک فساد عظیم دین میں پیدا ہو جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ سے پوچھ لیا کرتے تھے پھر جب بعد میں نئے نئے واقعات پیش آئے اور قرون ثلثہ ہو چکے اور فتنہ وفساد دین میں شروع ہوا۔ تب ان بزرگان دین نے قرآن وحدیث میں تتبع کر کے فقہ کو مرتب کیا اور مسائل جزئیہ کو اپنے موقع پر لکھ دیا سو اس زمانہ سے اب تک تمام امت مسائل جزئیہ میں انہیں چاروں کی مقلد ہے۔ پھر اب جو کوئی نئی راہ نکالے تو وہ سواد اعظم کو چھوڑتا ہے۔ افسوس کہ بعض احباب آج کل عوام کو فتنہ میں ڈال رہے ہیں اور مجتہدین خصوصاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر طعن کرتے ہیں کہ ان کے اقوال احادیث کے مخالف اور بے سند ہیں حالانکہ یہ طعن بالکل غلط ہے۔ کس لئے کہ ان کی کوئی بات اور کوئی قول مخالف اور بے سند نہیں ہاں اور وہ سند تمہیں نہ ملے تو تمہارا قصور ہے ان کے اجتہاد کے قبولیت کی یہ بڑی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہزار برس سے زیادہ سے آج تک مسلمانوں میں اس کو جاری رکھا۔ اگر یہ تقلید گمراہی ہوتی تو نعوذ باللہ امت گمراہ شمار کی جاتی پھر اس امت کا خیر ہونا اور جس قدر فضائل قرآن واحادیث میں وارد ہیں سب غلط ہو جاتے۔'' (عقائد الاسلام ص ۱۱۲ ص ۱۱۳)

اور آپ ''شرح سفر السعادت'' میں تحریر فرماتے ہیں:۔'' خانۂ دین چہار است ہر کہ راہے ازیں راہ ہائی ودرے ازیں درہائے اختیار نمودہ برا ہے دیگر رفتن ودرے دیگر گرفتن عبث دیاوہ باشد وکارخانہ عمل را از ضبط وربط بیرون افگندن واز راہ مصلحت بیرون افتادن است'' یعنی۔ دین کے گھر چار ہیں جس شخص نے کوئی راہ ان راہوں میں سے اور کوئی دروازہ ان دروازوں میں سے اختیار کیا تو اس کا دوسری راہ اور دوسرا دروازہ اختیار کرنا بیہودہ اور عبث ہے اور کارخانۂ عمل کو مضبوطی اور استقامت سے دور کرنا ہے اور مصلحت سے باہر جانا ہے۔ (شرح سفر السعادت ص ۲۱)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ ' نرے اہل حدیث حضرات کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔فاما

هذه الطبقة الذين هم اهل الحديث والا ثرفان الا كثرين منهم ان ما كدهم الروايات وجمع الطرق وطلب الغريب والشاذ من الحديث الذى اكثره موضوع ''اومقلوب لا يرا عون المتون ولا

یتفهمون المعاني ولا يستنبطون سرها ولا يستخرجون ركازها وفقهها وربما عابوا الفقهاء وتنا ولوهم بالطعن وادعوا عليهم مخالفة السنن ولا يعلمون انهم عن مبلغ ما اوتوه من العلم قاصرون وبسوء القول فيهم الآثمون.

ترجمہ:۔طبقۂ اہل حدیث واثر کا حال یہ ہے کہ ان میں سے اکثر کی کوشش (صرف) روایتوں کا بیان کرنا ہے اور سندوں کا اکٹھا کرنا اور ان احادیث سے غریب اور شاذ کو تلاش کرنا ہے۔جن کا اکثر حصہ موضوع یا مقلوب ہے یہ لوگ نہ الفاظ حدیث کا لحاظ کرتے ہیں۔اور نہ معانی کو سمجھتے ہیں اور نہ مسائل کا استنباط کرتے ہیں اور نہ اس کے دفینے اور فقہ کو نکالتے ہیں۔اور بسا اوقات فقہاء پر عیب لگاتے ہیں اور ان پر طعن کرتے ہیں اور ان پر سنن واحادیث کی مخالفت کا دعویٰ کرتے ہیں (اور الزام لگاتے ہیں) حالانکہ وہ یہ نہیں جانتے کہ جس قدر علم فقہاء کو دیا گیا ہے وہ خود اس کے حصول سے قاصر ہیں۔اور فقہاء کو برا بھلا کہنے سے گنہگار ہوتے ہیں۔(انصاف مع ترجمہ کشاف ص ۵۳٠)

مسائل شرعیہ کی فہم کے لئے نری حدیث دانی کافی نہیں:

مسائل شرعیہ اور احکام فقہیہ سمجھنے کے لئے نری حدیث دانی (احادیث کا یاد کرلینا) اور جمود علی الظاہر کافی نہیں، فقہ اور اصول فقہ سے واقفیت اور تفقہ فی الدین کا حصول بھی نہایت ضروری ہے اس کے حصول کے بغیر اصل حقیقت تک رسائی ممکن نہیں ہے۔جن لوگوں نے قرآن وحدیث کے ظاہر پر جمود کیا تو باوجود عالم اور محدث ہونے کے ان سے احکام شرعیہ میں اس قسم کے فتاویٰ ومسائل منقول ہوئے جو ظاہر البطلان ہیں۔اس کے چند نمونے ملاحظہ کیجئے۔

(۱) حدیث کی مشہور کتاب کنز العمال میں ایک روایت ہے اس کا ترجمہ یہ ہے" حضرت مجاہد فرماتے ہیں ایک روز میں، عطاء، طاؤس اور عکرمہ بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نماز پڑھ رہے تھے ایک شخص نے آ کر مسئلہ دریافت کیا کہ جب میں پیشاب کرتا ہوں تو ماء دافق (یعنی منی) نکلتا ہے کیا اس سے غسل واجب ہوگا؟ ہم نے کہا وہی ماء دافق نکلتا ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے کہا ہاں۔ہم نے کہا جب تو غسل واجب ہے، وہ شخص انا اللہ پڑھتا ہوا چلا گیا۔حضرت ابن عباس جلدی جلدی نماز سے فارغ ہوئے۔اور عکرمہ سے کہا اس شخص کو بلاؤ جب وہ آیا تو پہلے ہم سے پوچھا کیا تم نے قرآن سے فتویٰ دیا ہم نے کہا نہیں۔فرمایا حدیث سے دیا؟ ہم نے کہا نہیں فرمایا صحابہ کے اقوال سے؟ ہم نے کہا نہیں پھر فرمایا آخر کس کے قول پر فتویٰ دیا؟ ہم نے کہا اپنی رائے سے یہ سن کر آپ نے فرمایا۔**ولذلک یقول رسول الله صلی الله علیه وسلم فقیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد**، یعنی اس بناپر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔پھر اس سائل سے پوچھا کہ پیشاب کے بعد جو چیز نکلتی ہے اس کے نکلنے کے وقت تمہارے دل میں شہوت یعنی عورت کی خواہش ہوتی ہے؟ کہا نہیں پھر فرمایا عضو تناسل میں استرخاء یعنی ڈھیلا پن ہوتا ہے کہا نہیں۔فرمایا اس صورت میں تمہارے لئے وضو کافی ہے۔انتہیٰ (کنز العمال ج۵ص ۱۱۸)

علماء محققین نے لکھا ہے کہ ابن عباسؓ نے جب دیکھا کہ ماء دافق کے لفظ سے ان محدثین کو دھوکا ہوا اور صرف ظاہری معنی کا اعتبار کرکے انہوں نے فتویٰ دے دیا اور علت غسل پر غور نہیں کیا تو سمجھ گئے کہ ان میں کوئی فقیہ نہیں

اگر فقیہ ہوتے تو علت غسل کی تشخیص ضرور کرتے پھر جب دیکھا کہ علت غسل یعنی خروج منی کے لوازم نہیں پائے جاتے اس لئے فتویٰ دیا کہ وہ منی نہیں ہے لہذا غسل بھی واجب نہیں اس سے ظاہر ہے کہ فقیہ کی جو تعریف و مدح حدیث میں وارد ہے اس کو اعلیٰ درجہ کی سمجھ اور موشگافیاں درکار ہیں اور مجاہد اور عطاء اور طاؤس اور عکرمہ جیسے اکابر تابعین کو (جو تقریباً کل محدثین کے اساتذہ اور سلسلۂ شیوخ میں ہیں) فقیہ نہیں سمجھا اس وجہ سے کہ انہوں نے علت کی تشخیص نہیں کی۔ اور کمال افسوس سے فرمایا کہ اسی بناء پر (کہ فقیہ اور سمجھدار لوگ بہت کم ہوتے ہیں اور فتویٰ کے لئے ظاہری نصوص کو کافی سمجھتے ہیں) حضور اکرم ﷺ نے فقیہ کی تعریف کی کہ شیطان کے مقابلہ میں ایک فقیہ ہزار عابد سے بڑھ کر ہے۔ اسلئے کہ شیطان کا مقصود اصلی یہی ہے کہ لوگوں سے خلاف شرع کام کرانے اور بیچارے عابد کو عبادت میں اتنی فرصت کہاں کہ معانی نصوص اور مواقع اجتہاد میں غور خوض کر کے خود ایسا حکم دے کہ خدا اور رسول کے حکم کے مطابق ہو۔ جیسے محدثین کو ضبط اسانید اور تحقیق رجال وغیرہ فنون حدیث کے اشتغال میں اس کی نوبت ہی نہیں آتی۔ یہ تو خاص فقیہ کا کام ہے کہ ہر مسئلہ میں تمام آیات واحادیث متعلقہ کو پیش نظر رکھ کر اپنی طبیعت وقار سے کام لیتا رہے اور ان میں موشگافیاں کر کے کوشش کرتا ہے کہ شارع کی غرض کیا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ ''ہر مردے وہر کارے''

(حقیقۃ الفقہ ج ۱ ص ۹ مطبوعہ حیدرآباد)

(۲) علامہ ابن جوزی تلبیس ابلیس میں فرماتے ہیں: **روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی ان یسقی الرجل ماءہ' زرع غیرہ فقال جماعۃ ممن حضر قد کنا اذا فضل ماء فی بساتیننا سرحناہ الی جیراننا ونحن نستغفر اللہ فما فھم القاری ولا السامع ولا شعر وان ا المراد وطی الحبالی من السبایا** ۔ یعنی! بعض محدثین نے یہ روایت بیان کی کہ منع فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے کہ آدمی اپنے پانی سے دوسرے کے کھیت کو سیراب کرے حاضرین مجلس میں سے ایک جماعت نے کہا کہ بارہا کو ایسا اتفاق ہوا ہے کہ جب ہمارے باغ میں پانی زیادہ ہو گیا تو ہم نے اپنے پڑوسی کے باغ میں وہ پانی چھوڑ دیا اب ہم اپنے اس فعل سے استغفار کرتے ہیں...... حالانکہ اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ حاملہ لونڈیوں سے وطی نہ کی جائے مگر اس کو نہ شیخ نے سمجھا اور نہ حاضرین مجلس کی نظر اس طرف گئی۔ یہ ہے عدم تفقہ کا ثمرہ (تلبیس ابلیس ص ۱۶۶)

(۳) علامہ ابن جوزی اپنی کتاب میں علامہ خطابی کا قول نقل کرتے ہیں۔ **قال الخطابی وکان بعض مشائخنا یروی الحدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن الحلق قبل الصلوٰۃ یوم الجمعۃ باسکان اللام قال واخبرنی انہ بقی اربعین سنۃ لا یحلق رأسہ قبل الصلوٰۃ قال فقلت لہ' انما ھو الحلق جمع حلقۃ وانما کرہ الاجتماع قبل الصلوٰۃ للعلم والمذاکرۃ وامر ان یشتغل بالصلوٰۃ وینصت للخطبۃ فقال قد فرجت عنی** ۔ یعنی! ایک شیخ نے یہ حدیث بیان کی حضور اکرم ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ جمعہ کے روز نماز سے پہلے حجامت بنوائی جائے اور اس کے بعد کہا کہ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے میں نے چالیس ۴۰ سال سے کبھی جمعہ سے پہلے سر نہیں منڈایا ہے۔ علامہ خطابی کہتے ہیں۔ میں نے کہا حضرت حلق بسکون لام نہیں بلکہ حلق بفتح لام و کسر حا ہے جو حلقۃ کی جمع ہے۔ اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ سے پہلے علم اور مذاکرہ کے حلقے درست نہیں اس لئے کہ یہ نماز پڑھنے اور خطبہ سننے کا وقت ہے یہ سن کر وہ شیخ بہت خوش

ہوئے اور کہا کہ تم نے مجھ پر بہت آسان کردی۔ (تلبیس ابلیس ص ۱۲۶)

(۴) ایک نرے محدث صاحب نے حدیث بیان کی۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یتخذ الروح عرضا اور حدیث کی یہ تشریح کی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ ہوا کے لئے دریچہ (کھڑکی) کو عرضاً بنایا جائے۔ حالانکہ حدیث کا یہ مطلب و مقصد نہیں ہے۔ حدیث میں لفظ روح بضم الزاء ہے اور محدث صاحب نے بفتح الراء سمجھا۔ اور غرضاً کو عرضاً بعین مہملہ پڑھا اور مندرجہ بالا نتیجہ اخذ کیا۔ حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کسی جاندار (کو باندھ کر) تیر (و بندوق وغیرہ) کا نشانہ بنایا جائے۔ یہ ہے فقہ فی الدین حاصل نہ ہونے کا ثمرہ۔ (مقدمہ مسلم شریف ص ۱۸ ج ا نیز ج ۲ ص ۱۵۳)

(۵) کشف بزدوی میں لکھا ہے کہ ایک محدث کی عادت تھی کہ استنجاء کے بعد وتر پڑھا کرتے تھے جب اس کی وجہ دریافت کی گئی تو دلیل پیش فرمائی کہ حدیث شریف میں ہے من استجمر فلیو تر کہ جو شخص استنجاء کرے وہ اس کے بعد وتر پڑھے۔ حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ استنجاء کے لئے جو ڈھیلے استعمال کئے جائیں وہ وتر (طاق عدد) ہوں۔ یعنی تین یا پانچ یا سات۔

اسی بناء پر حضور اکرم ﷺ نے دعا فرمائی ہے۔ نضر اللہ عبداً سمع مقالتی وحفظھا ووعاھا واداھا فرب حامل فقه غیر فقیه ورب حامل فقه الیٰ من ھو افقه منه ۔ الخ اللہ تر و تازہ رکھے اس بندے کو جو میری حدیث سنے پھر اس کو یاد رہے اور اس کی حفاظت کرے پھر دوسروں تک اس کو پہنچاوے اس لئے کہ بسا اوقات جس کو حدیث پہنچائی جاتی ہے وہ اس سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۵)

(۶) غیر مقلدوں کے پیشوا علامہ داؤد ظاہری نے لا یبولن احدکم فی الماء الدائم (تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے) کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے یہ فتویٰ دیا کہ ماء راکد میں پیشاب کرنا تو منع ہے اور پیشاب کرنے سے پانی ناپاک ہوجائے گا۔ لیکن اگر کسی الگ برتن میں پیشاب کر کے وہ برتن پانی میں الٹ دیا گیا۔ تو پانی ناپاک نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص پانی کے کنارے پیشاب کرے اور پیشاب بہہ کر پانی میں چلا جائے تب بھی پانی ناپاک نہ ہوگا۔ اس لئے کہ حدیث میں صرف ماء راکد میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے اور ان تینوں صورتوں میں ماء راکد میں پیشاب نہیں کیا لہٰذا پانی ناپاک نہ ہوگا۔ امام نوویؒ شارح مسلم شریف نے شرح مسلم میں علامہ داؤد ظاہری کے اس فتویٰ کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے۔ ھذہ من اقبح ما نقل عنه فی الجمود علی الظاھر یہ فتویٰ داؤد ظاہری کے ''جمود علی الظاہر'' کے غلط مسائل میں سے (ایک مسئلہ) ہے۔

(نووی شرح مسلم ج ا ص ۱۳۸) (فضل الباری شرح البخاری ج ۲ ص ۲۷) مطبوعہ پاکستان)

(۷) غیر مقلدین کے دوسرے پیشوا حافظ ابن حزم (جو بڑے محدث، مفسر اور متکلم ہیں) نے قرآن کی آیت واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰة (اور جب تم زمین میں سفر کرو تو اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا کہ تم نماز میں قصر کرو۔ (سورۂ نساء پ ۴) کے ظاہر کو دیکھ کر کہہ دیا کہ مدت سفر کوئی چیز نہیں اپنے گھر سے صرف ایک میل کے ارادے سے بھی جائے تو قصر کرے محلی میں اس مسئلہ پر بہت زور دیا ہے ان کو یہ خیال نہ ہوا کہ پھر جتنے لوگ مسجد میں جا کر نماز پڑھیں وہ سب ہی قصر کیا کریں کیونکہ صرف فی الارض صادق آ گیا،

آیت میں تو ایک میل آدھ میل کی بھی کوئی تحدید نہیں۔ (فضل الباری شرح بخاری ج ۲ ص ۳۲ مطبوعہ پاکستان)

(۸) زمانۂ حال کے غیر مقلدین کے شیخ الاسلام اور محدث مولانا عبدالجلیل سامرودی صاحب اپنے ایک رسالہ "اظہار حقیقت از آئینۂ حقیقت" میں درمختار وشامی کا حوالہ دے کر رقم طراز ہیں واحناف کے نزدیک چوپایہ سے روزہ کی حالت میں وطی (صحبت) کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، انزال ہو یا نہ ہو، بلکہ غسل بھی نہیں آتا۔ درمختار میں ہے۔ اذا ادخل ذکرہ فی بھیمۃ او میتۃ من غیر انزال ج ۲ ص ۲۰۳ مصری قدیم نقل فی البحر و کذا الزیلعی وغیرہ الاجماع علیٰ عدم الفساد مع انزال (ص ۱۶)

درمختار وشامی کی عبارت کا مفہوم سمجھے بغیر ہی لکھ دیا گیا۔ (۱) روزہ نہیں ٹوٹتا (۲) انزال ہو یا نہ ہو (۳) بلکہ غسل بھی نہیں آتا۔ حالانکہ مذکورہ تینوں دعویٰ بالکل غلط اور جہالت وکج فہمی کا واضح ثبوت ہیں۔ درمختار وشامی کی عبارت کا سرے سے یہ مطلب ہے ہی نہیں۔ اس لئے مسئلہ کی مکمل تفصیل اور وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو۔ فتاویٰ رحیمیہ ج ۲ ص ۲۴۲) اردو غیر مقلدوں کے شیخ الاسلام جب درمختار وشامی کی آسان عبارت سمجھنے سے قاصر ہیں تو قرآن وحدیث وتفسیر کیا سمجھیں گے؟ ان کے شیخ الاسلام، علامہ اور محدث کی یہ حالت ہے تو دوسروں کی کیا حالت ہوگی؟

سامرودی صاحب نے عبارت لکھنے میں خیانت سے کام لیا ہے وہ اس طرح کہ چوپایہ کے ساتھ وطی کرنے میں انزال ہو جائے تو بالاتفاق روزہ ٹوٹ جاتا ہے غسل بھی لازم ہو جاتا ہے شامی اور درمختار دونوں کی عبارت یہ ہے او دخل ذکرہ فی بھیمۃ او میتۃ من غیر انزال قال فی الشامیۃ تحت قولہ من غیر انزال امابہ فعلیہ القضاء کماسیأتی (شامی باب مایفسد الصوم ومالا یفسدہ صفحہ ۳۹۹ ج ۱۲ یچ۔ ایم سعید)

دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی شرمگاہ کو استعمال نہ کیا بلکہ جانور کی شرمگاہ کو ہاتھ سے چھوایا جانور کو بوسہ دیا اور انزال ہو گیا تو اس صورت میں روزہ نہ ٹوٹے گا سامرودی نے دوسری صورت کے حکم کو پہلے سے جوڑ دیا اسی طریقہ سے ایک اور خیانت بھی کی ہے جس کی تفصیل مفسدات صوم میں دیکھ لی جائے۔

قیاس　کن　زگلستان　من　بہار　مرا

ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ ایک نیم فارسی داں نے ایک مرتبہ اپنے ایک دوست کو دشمن کے ہاتھ پٹتے ہوئے دیکھا تو آگے بڑھ کر اپنے دوست کو دونوں ہاتھ پکڑ لئے جس کی وجہ سے وہ اپنا بچاؤ نہ کر سکا اور دشمن نے موقع غنیمت سمجھ کر اتنا مارا کہ حالت خراب ہو گئی ایک شخص نے جب یہ منظر دیکھا تو کہا ارے تو نے یہ کیا بیہودہ حرکت کی کہ دوست کے ہاتھ پکڑ کر اس کو خوب پٹوایا۔ اس نیم فارسی خاں نے کہا کیا آپ نے گلستان میں شیخ سعدی کی نصیحت نہیں پڑھی۔

دوست آنست کہ گیرد دست دوست　در پریشاں حالی ودر ماندگی!

کہ سچا دوست وہ ہے جو دوست کو تکلیف اور پریشانی میں دیکھے تو اس کے ہاتھ پکڑ لے اس لئے اس وقت میں نے دوست کے ہاتھ پکڑ لئے۔ اس شخص نے کہا (خدا تجھ پر رحم کرے) اس کا مطلب تو یہ ہے کہ جب دوست کو تکلیف اور پریشانی میں دیکھے تو اس کی مدد کرے اور اس کو تکلیف سے نجات دلائے نہ کہ اس کے ہاتھ پکڑ کر خوب پٹوائے۔ اور جیسے کہ مرزا مظہر جان جاناںؒ نے اپنے خادم کو حکم فرمایا کہ پانی کی صراحی اٹھا لاؤ مگر پیٹ پکڑ کر (ان کی مراد تو یہ تھی کہ صراحی کی پیٹ پکڑ کر لانا، گردن پکڑ کر نہ لانا۔ اس میں احتمال ہے کہ گردن علیحدہ ہو جائے اور ٹوٹ جائے) مگر ناسمجھ خادم نے یہ کیا کہ ایک ہاتھ سے تو صراحی کی گردن پکڑ کر اٹھایا اور دوسرے ہاتھ سے اپنا پیٹ پکڑا۔ مرزا صاحبؒ نے اس نامعقول حرکت کو دیکھا تو ان کے سر میں درد ہو گیا کیونکہ بہت ہی لطیف الطبع اور نازک مزاج تھے۔ یہ ہے کلام کی ظاہری سطح پر عمل کرنے اور فہم ورائے سے کام نہ لینے کی آفت، یہی حالت اس زمانہ کے اہل حدیث (غیر مقلدین) کی ہے علم میں ناقص، فہم دین سے کورے، اور تفقہ فی الدین کی نعمت عظمیٰ سے محروم، ان نقائص کے ہوتے ہوئے الٹی سیدھی چند حدیثیں یاد کر کے "ہمہ داری اور مجتہد" ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر سلف صالحین، ائمہ دین اور حضرات مجتہدین امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کو قرآن وحدیث سے ناواقف، قرآن وحدیث

کے مقابلہ میں اپنی رائے پر عمل کرنے والا کہتے ہیں۔ اور مطلقا رائے اور اجتہاد کی مذمت کرتے ہیں۔ حالانکہ رائے کی دو قسمیں ہیں ایک وہ رائے ہے جو نص کے مقابلہ میں ہو۔ جیسا کہ ابلیس کی رائے تھی۔ **خلقتنی من نار و خلقته من طین** (اعراف پ۸ آیت نمبر۱۲) آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اس (یعنی آدمؑ) کو مٹی سے آگ افضل ہے اور اس کا اٹھاؤ طبعاً علو یعنی بلندی کی طرف ہوتا ہے! اور مٹی مفضول ہے اور اس کا جھکاؤ طبعاً بجانب سفل (نیچے) ہے تو افضل و عالی مفضول و سافل کو کیوں سجدہ کرے گا۔ یہ ابلیس کی رائے تھی جو اللہ کے حکم کے مقابلہ میں تھی یہ تو بلاشک وشبہ مذموم اور خام ہے۔ اور ایک رائے وہ ہی جو نص کے مقابلہ میں نہیں بلکہ نص کا مطلب وہ مراد واضح کرنے کے لئے استعمال کی جائے یہ مذموم نہیں بلکہ محمود ہے چنانچہ بنی قریظہ کے واقعہ میں ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ **لا یصلین احد کم العصر الا فی بنی قریظة.** تم میں سے کوئی شخص نماز عصر بنی قریظہ کے علاوہ کہیں نہ پڑھے۔ راستہ میں جب صحابہؓ نے دیکھا کہ وہاں جاتے جاتے عصر کا وقت نکل جائے گا۔ تو صحابہ میں دو جماعتیں ہو گئیں۔ ایک جماعت نے ظاہری الفاظ پر عمل کرتے ہوئے راستہ میں عصر کی نماز پڑھنے سے انکار کردیا اور وہیں پہنچ کر نماز عصر ادا کی۔ اور دوسری جماعت نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ کا اصلی مقصود یہ ہی کہ جہاں تک ہو سکے اس قدر عجلت سے جاؤ کہ عصر کی نماز ادا کرنے کی نوبت منزل مقصود پر پہنچ کر آئے۔ یہ مقصد نہیں کہ بہرصورت نماز وہیں پہنچ کر پڑھو چاہے نماز قضا ہو جائے۔ یہ اجتہاد کیا اور راستہ ہی میں نماز پڑھ لی۔ بعد میں حضور اکرم کی خدمت اقدس میں یہ واقعہ بیان کیا گیا تو حضور ﷺ نے کسی پر ملامت نہیں فرمائی۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک جماعت نے اپنی رائے پر عمل کیا یہ رائے نص کے خلاف اور مقابلہ میں نہیں تھی۔ بلکہ نص کے مطلب و مراد کو واضح کرنے کے لئے استعمال ہوئی تھی۔ اس لئے مذموم قرار نہیں پائی اور حضور ﷺ نے بھی اس پر نکیر نہیں فرمائی اور بقول------ علامہ ابن قیمؒ یہ جماعت فقہاء کی تھی۔

دین کا مدار دو چیزوں پر ہے:

دین کا مدار دو چیزوں پر ہے ایک نقل صحیح (روایت) اور ایک فہم صحیح (درایت) لہذا ایک ایسی جماعت کا ہونا ضروری ہے جو شریعت (یعنی کتاب و سنت) کے الفاظ کی محافظ ہو اور پھر وہ الفاظ حضرات فقہاء کو پہنچاوے۔ یہ جماعت محدثین کی ہے اور ایک ایسی جماعت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ جو شریعت کے اصول و فروع کلمات و جزئیات غرض و مقاصد کی توضیح و تشریح کرے اور خدا اور رسول ﷺ کے کلام کی صحیح صحیح مراد امت کو سمجھا دے۔ یہ جماعت فقہاء اور مجتہدین کی ہے (دور صحابہ میں بھی یہ دو جماعتیں تھیں غیر مقلدین کے محقق علامہ ابن قیم جوزی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:۔

تبلیغ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تبلیغ الفاظ کی۔ اور ایک تبلیغ معنی و مراد کی، اسی وجہ سے علماء امت دو قسموں میں منقسم ہو گئے۔ ایک قسم حفاظ حدیث کی کہ جنہوں نے الفاظ حدیث کو یاد کیا اور ان کو پرکھا صحیح اور موضوع الگ الگ کر کے بتلایا یہ حضرات امت کے امام اور مقتدا ہیں اور اسلام کی سواری ہیں ان بزرگوں نے دین کی یادگاروں اور اسلام کے قلعوں کی حفاظت کی اور شریعت کی نہروں کو خراب و برباد ہونے سے محفوظ رکھا۔ دوسری قسم فقہاء اسلام اور اصحاب فتاویٰ

کی ہے۔(ان ہی کی فتاویٰ پر امت کا دارومدار ہے) یہی جماعت اجتہاد اور استنباط، حلال وحرام کے قواعد ضبط کرنے کے لئے مخصوص ہے۔ حضرات فقہاء زمین میں ایسے ہیں جیسے کہ آسمان میں روشن ستارے، انہی کے ذریعہ تاریک رات میں بھٹکے ہوؤں کو راستہ ملتا ہے اور انہی کے ذریعہ الجھے ہوئے مسائل سلجھتے ہیں۔ اسی وجہ سے لوگوں کو ان حضرات کی اپنی ضروریات زندگی سے زیادہ ضرورت ہے۔ اور لوگوں پر فقہاء کی فرمانبرداری والدین کی فرمانبرداری سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد خداوندی ہے۔ **یآ ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم.** اے ایمان والوں خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اولوالامر (فقہاء کرام وغیرہ) کی اطاعت کرو یعنی قرآن وسنت کا جو مطلب ومراد وہ حضرات بیان کریں اس پر عمل کرو۔ (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۹)

تفقہ فی الدین اللہ عزوجل کی نعمت عظمیٰ ہے اللہ تعالیٰ اس نعمت سے اپنے مخصوص محبوب بندوں ہی کو نوازتا ہے حضور اقدس ﷺ کا فرمان ہے۔ **من یرد اللہ بہ خیر ایفقھہ فی الدین.** خدا تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف کتاب العلم ص ۳۲) فرمان خداوندی ہے۔ **یؤت الحکمۃ من یشآء ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا** دین کا فہم (یعنی علم فقہ وتفقہ فی الدین) جس کو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں اور (سچ تو یہ ہے کہ) جس کو دین کا فہم مل جاوے۔ اس کو بڑے خیر کی چیز مل گئی۔

(ترجمۂ بیان القرآن پ ۳ سورۂ آل عمران) تفسیرات احمدیہ ص ۱۱۸)۔

جس کو یہ نعمت (دین کا فہم وتفقہ فی الدین) حاصل ہوتی ہے وہ صحیح طریقہ پر لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے اور لوگوں کے الجھے ہوئے مسائل سلجھاتا ہے۔ اور امت کو شیطانی پھندوں اور چالبازیوں سے بچا کر راہ راست پر لے چلتا ہے اسی بنا پر شیطان فقیہ سے بہت گھبراتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ **فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد** ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف کتاب العلم عن ابن عباس ص ۳۴) غیر مقلدین جو کہ تفقہ فی الدین کی نعمت سے محروم ہیں وہ بھی فقیہ سے خوف کرتے ہیں اور اس کو اپنا دشمن تصور کرتے ہیں اور فقہ وفقیہ کو نیست ونابود کرنے کی تمنا کرتے ہیں۔ غیر مقلدوں کے شیخ الاسلام مولانا عبدالجلیل سامرودی صاحب ''بوئے غلین'' میں لکھتے ہیں ''اگر دنیا میں اصول فقہ اور فقہ کا وجود نہ ہوتا تو آج کے دن کسی آریہ سماج ودیگر مذاہب نکلنے سے پیشتر کبھی فرقہ بندی نہیں ہوتی'' اور لکھتے ہیں ''اگر آپ لوگوں کو خدا کی طرف داری کرنا ہے تو تمامی کتب مذاہب سے دست بردار ہو جاؤ'' اور لکھتے ہیں ''کوئی بادشاہ ہو عادل وعامل کتاب وسنت پر پھر وہ تمامی کتب فقہ ودیگر مذاہب کی کتابیں حضرت عمر فاروقؓ کی طرح ایک خندق کھود کر دفن کر دے یا جلا دے تب تو اشاعت کتاب وسنت کی خوب ہی ہو سکتی ہے'' یہ دشمنی کا سبب علم فقہ کی قدر وقیمت سے ناواقفیت ہے مشہور ہے۔ **والجاھل لا ھل العلم اعداء** جہلاء علماء کے دشمن ہوتے ہیں۔

حالانکہ فقہ اور فقیہ کی حدیث میں بڑی فضیلتیں بیان کی گئی ہیں۔ حدیث (۱) **لکل شیئی عماد وعماد ھذا الدین الفقہ**، ہر چیز کا ستون ہوتا ہے اور اس دین کا ستون فقہ ہے۔ (بیہقی، دارقطنی) فتاویٰ سراجیہ ص ۱۵۸) کتاب الفوائد)

(۲) **عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا رواہ مسلم** (مشکوٰۃ شریف کتاب العلم ص ۳۲) لوگ سونے چاندی کے کان کی طرح ہیں۔ جو لوگ زمانۂ جاہلیت میں کریم الاخلاق ہونے کی وجہ سے مقتدا، پیشوا اور اچھے تھے وہ اسلام میں

بھی اچھے ہیں جب کہ تفقہ فی الدین حاصل کریں۔ (یعنی احکام کو علیٰ وجہ البصیرت جانتے ہوں اور فروعات کے استنباط کی قوت رکھتے ہوں۔

ایک اور حدیث میں ہے عن معاویة قال قال رسول الله صلى الله من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين متفق عليه. حضرت معاویہؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول خدا ﷺ نے کہ جس کے ساتھ خدائے پاک خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں فقاہت نصیب کرتا ہے۔ یعنی اس کو فقیہ فی الدین بناتا ہے۔ روایت کی اس کو بخاری و مسلم نے (بحوالہ مشکوۃ ص ۳۲) کتاب العلم۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان ہے۔ انما مثل الفقهاء كمثل الاكف. بے شک فقہاء کی مثال ہتھیلی کے مانند ہے۔ یعنی جس طرح انسان ہتھیلی کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح لوگ فقہ اور فقیہ کے محتاج ہیں۔
(مفید المفتی ص ۹)

اور ایک حدیث میں ہے۔ مجلس فقه خير من عبادة ستين سنة. فقہ کی ایک مجلس (یا فقہ کے درس میں شریک ہونا) ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے رواہ الطبرانی فی معجم الکبیر،

فقیہ فی الدین کی عظمت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ایک خاص موقع پر حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے دعا فرمائی۔ اللهم فقهه في الدين وعلمه التاويل. اے اللہ ابن عباس کو دین کی سمجھ اور علم تفسیر عطا فرما۔ (ترجمان السنۃ ص ۲۵۸)

فہم حدیث فقہاء کا حصہ ہے یہ نرے محدث کا کام نہیں بلکہ بسا اوقات تفقہ کے حصول کے بغیر نری حدیث دانی فتنہ اور بڑی سے بڑی غلطی میں واقع ہونے کا سبب ہو جاتا ہے جس کی چند مثالیں اوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ امام مسلم اپنی شہرۂ آفاق کتاب صحیح مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔ ما انت بمحدث قوماً حديثا لا تبلغه عقولهم الا كان لبعضهم فتنة. جب تم لوگوں سے ایسی حدیث بیان کرو گے کہ جس کی مراد تک ان کے عقل و فہم کی رسائی نہ ہو سکے تو یہ حدیث بعض لوگوں کے لئے ضرور فتنہ کا سبب بنے گی۔
(مسلم شریف ص ۹ ج ۱ مقدمہ کتاب المسلم)

امام ترمذی رحمہ اللہ ترمذی شریف میں فیصلہ فرماتے ہیں وكذا لك قال الفقهاء وهم اعلم بمعاني الحديث، اسی طرح فقہاء رحمہم اللہ نے فرمایا ہے اور وہی حضرات حدیث کی مراد اور مقصد سب سے بہتر سمجھنے والے ہیں۔
(ترمذی شریف ص ۱۱۸ ج ۱)

امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے استاذ امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں۔ الحديث مضلة الا للفقهاء (تفقہ فی الدین کے بغیر) حدیث گمراہ کرنے والی ہے سوائے فقہاء کے یعنی جس کو فقہ فی الدین حاصل نہیں۔ وہ حدیث کی صحیح مراد تک نہ پہنچ سکے گا۔ اور اپنی ناقص رائے سے الٹا سیدھا مطلب اخذ کرے گا اور گمراہ ہوگا۔ دیکھئے شیعہ، روافض، خوارج، معتزلہ، قادیانی اور دیگر فرق باطلہ قرآن و حدیث ہی سے استدلال کرتے ہیں مگر گمراہ ہوتے ہیں۔

. امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا اگر کوئی حادثہ پیش

آجائے اور اس کا صریح حکم نہ ملے تو میں کیا کروں؟ آنحضور ﷺ نے فرمایا۔ **شاوروا الفقهاء العابدین ولا تمضوا فیه رأی خاصة رواه الطبرانی فی معجمه الاوسط . ورجاله موثقون من اهل الصحیح معارف السنن شرح ترمذی للشیخ محمد یوسف بنوریؒ (ج ۳ ص ۲۶۵)** یعنی! جماعت فقہاء اور جماعت عابدین (جن کو کمال ولایت اور نظر کشف وشہود سے اجتہاد کا مرتبہ حاصل ہوا ہے مشورہ کرو۔

حاصل کلام یہ کہ فقہاء کی رہبری کے بغیر اور ان کے مسلک کے خلاف جو قدم اٹھے گا وہ غلط ہی ہوگا اسی بناء پر غیر مقلدین تراویح کی بیس ۲۰ رکعت اور طلاق ثلثہ کے سلسلہ میں ٹھوکریں کھارہے ہیں۔

قرآن پاک میں بھی تفقہ فی الدین کے حصول کا امر ہے۔ **فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین.** سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے چھوٹی جماعت۔ (جہاد میں) جایا کرے تاکہ (یہ) باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں (سورۂ توبہ پ ۱۱)

اور حدیث میں ہے۔ **عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان النا س لکم تبع وان رجالا یاتونکم من اقطار الارض یتفقهون فی الدین فاذا اتوهم فاستوصوابهم خیرا . (رواه الترمذی)** حضور اکرم ﷺ نے فرمایا (اے میرے صحابہ!) لوگ تمہارے تابع ہیں۔ دور دراز سے تمہارے پاس تفقه فی الدین حاصل کرنے کے لئے آئیں گے۔ جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کے ساتھ نرمی، محبت اور بھلائی کے ساتھ پیش آنا۔ یہ میری تم کو وصیت ہے۔ (مشکوۃ شریف ص ۳۴ کتاب العلم، فصل ثانی)

بہت ہی سوچنے اور غور کرنے کا مقام ہے کہ نبی کریم ﷺ ان لوگوں کے نرمی، بھلائی اور محبت کا معاملہ کرنے کی صحابہ کو وصیت فرمارہے ہیں۔ جو فقہ فی الدین کے حصول کے لئے آئیں اور غیر مقلدین فقہ اور فقیہ سے اظہار نفرت کرتے ہیں اور کتب فقہ کو جلادینے اور دفن کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ معاذ اللہ۔ حالانکہ جو حقیقی محدث ہوگا۔ اس کی شان یہ ہوگی کہ وہ فقیہ کا احترام اور اس کی قدر کرے گا۔ اور اس کے ساتھ محبت رکھے گا۔ اس کے بھی ایک دو نمونے ملاحظہ ہوں۔

(۱) امام اعمش رحمہ اللہ جو مشہور محدث ہیں۔ اور جلیل القدر محدثین جیسے امام شعبہ امام سفیان ثوری، امام سفیان بن عیینہ۔ امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کے استاذ اور شیخ ہیں۔ اتفاق سے امام اعمشؒ کی خدمت میں کوئی اہم مسئلہ پیش کیا گیا۔ آپ نے بلا کسی خفت اور جھجک کے فرمایا۔ **انما یحسن جواب هذا النعمان بن ثابت واظنه، انه، بورک فی العلم .** اس مسئلہ کا جواب امام ابو حنیفہؒ اچھی طرح دے سکتے ہیں اور میرا گمان یہ ہے کہ ان کے علم میں خداداد برکت ہے (الخیرات الحسان ص ۳۱)

(۲) امام اعمشؒ کا ایک اور واقعہ ہے: عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے کہ میں امام اعمش کی مجلس میں تھا، اس مجلس میں امام ابو حنیفہ بھی تشریف فرما تھے۔ ایک شخص نے امام اعمش سے مسئلہ دریافت کیا آپ ساکت وخاموش رہے۔ پھر امام ابو حنیفہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا اس مسئلہ کا کیا جواب ہے؟ آپ نے اس کا تسلی بخش جواب دیا۔ امام اعمشؒ نے تعجب سے پوچھا آپ نے یہ مسئلہ کس حدیث سے مستنبط کیا؟ جواب میں ارشاد فرمایا اس حدیث سے جو آپ نے مجھے اپنی سند سے بیان کی تھی، اس حدیث سے یہ مسئلہ اس طرح مستنبط ہوتا ہے۔ امام اعمشؒ یہ سن کر بے ساختہ بول

اٹھے۔ نحن الصیادلة وانتم الاطباء، ہم (محدثین کی جماعت) عطار یعنی دوافروش ہیں اور تم (یعنی) طبیب ہو۔ ہم صرف حدیث یاد کر لیتے ہیں۔ صحیح وضعیف کو پہنچانتے ہیں۔ لیکن ان احادیث سے احکام مستنبط کرنا تو یہ تمہارا (یعنی فقہاء کا) کام ہے۔ جس طرح عطار ہر قسم کی دوائیں اور جڑی بوٹیاں جمع کرتا ہے۔ اصلی ونقلی کو پہچانتا ہے۔ لیکن دواؤں کی کیا خاصیت ہے ان کے کیا کیا فائدے ہیں۔ طریقہ استعمال کیا ہے یہ سب باتیں اطباء جانتے ہیں نہ کہ عطار، اسی طرح محدثین احادیث یاد کر لیتے ہیں لیکن استنباط احکام فقہاء کرتے ہیں۔ پس جو فرق اطباء اور عطار میں ہے وہی فرق محدثین اور فقہاء میں ہے۔ (کتاب جامع بیان العلم وفضلہ ج ا ص ۱۳۱) (الخیرات الحسان ص ۶۱)

(۳) ایسا ہی ایک اور واقعہ ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام اعمش نے تنہائی میں مجھ سے ایک مسئلہ دریافت فرمایا۔ میں نے جواب دے دیا۔ خوش ہو کر کہنے لگے من این قلت ھذا یا یعقوب؟ اے یعقوب (یہ امام ابو یوسف کا نام ہے) یہ مسئلہ تمہیں کس طرح معلوم ہوا؟ میں نے کہا بالحدیث الذی حدثتنی انت ثم حدثتہ۔ اس حدیث سے جو آپ نے مجھے بیان کی تھی پھر میں نے وہ حدیث ان کو سنائی **فقال لی یا یعقوب انی لا حفظ ھذا الحدیث من قبل ان یجمع ابواک ما عرفت تاویلہ الی الان** کہنے لگے۔ اے یعقوب! یہ حدیث مجھے اس وقت سے یاد ہے جب کہ تمہارے والدین یکجا جمع بھی نہ ہوئے تھے۔ لیکن آج ہی اس حدیث کی مراد معلوم ہوئی۔
(کتاب جامع بیان العلم وفضلہ ص ۱۳۱) (العلم وا　ص ۲۲۵)

امام اعمش سے بھی بلند درجہ کے محدث امام عامر شعبیؒ (جو جلیل القدر تابعی ہیں اور جنہیں پانچ سو صحابہ کی زیارت کا شرف حاصل ہے) فرماتے ہیں۔ **انا لسنا بالفقھاء و لکننا سمعنا الحدیث فروینا ہ للفقھاء** ہم (یعنی محدثین کی جماعت) فقیہ ومجتہد نہیں ہیں ہم تو احادیث سنتے ہیں (اور یاد کر لیتے ہیں) پھر فقہاء سے بیان کر دیتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ) آپ نے غور فرمایا۔ محدثین کی یہ شان ہوتی ہے وہ فقہاء کے فضل کا بے تکلف اعتراف کرتے ہیں اور بوقت ضرورت ان کی طرف رجوع بھی کرتے ہیں۔ لیکن اس زمانہ کے ''اہل حدیث'' جو عربی سے نابلد، فہم، بصیرت سے کوسوں دور، مشکوٰۃ شریف موطا امام مالک وغیرہ کتب احادیث کا اردو ترجمہ دیکھ کر حدیث دانی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ائمہ ھدیٰ کو قرآن وحدیث کے خلاف عمل کرنے والا کہتے ہیں اپنے آپ کو ان سے افضل اور بڑا محدث سمجھتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی موقع کے لئے شاعر نے خوب کہا ہے۔ شعر

انقلاب چمن دہر کی دیکھی تکمیل
آج قارون بھی کہہ دیتا ہے حاتم کو بخیل
بوحنیفہ کو کہے طفل دبستان جاہل
مہ تاباں کو دکھانے لگی مشعل قندیل
حسن یوسف میں بتانے لگا آبرص سو عیب
لگ گئے چیونٹی کو پر کہنے لگی ہیچ ہے فیل
شرک، توحید کو کہنے لگے اہل تثلیث
لوح محفوظ کو کہتی ہے محرف انجیل

سادی موسیٰ عمران کو کہے جادوگر
شیخ کی کرتے ہیں اسکول کے بچے تجہیل
اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالاں!
طوق زریں ہے گدھے کے لئے عزت کی دلیل

غیر مقلدین کے اس تعصب و جہالت کا اعتراف ان کے مقتدا بھی کرتے ہیں چنانچہ ان کے ایک پیشوا قاضی عبدالوہاب خانپوری اپنی کتاب " التوحید والسنة فی رد اهل الالحاد والبدعة" ص ۲۶۲ پر تحریر فرماتے ہیں:۔ "پس اس زمانہ کے جھوٹے اہل حدیث، مبتدعین، مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ماجاء بہ الرسول سے جاہل ہیں وہ مفت میں شیعہ و روافض کے وارث و خلیفہ بنے ہوئے ہیں، جس طرح شیعہ، ملحد و زنادقہ نیز منافقین کی حمایت کے لئے باب و دہلیز اور مدخل رہے ان کا (غیر مقلدین کا) حال بھی بالکل اہل تشیع جیسا ہے" (بحوالہ تقلید ائمہ ص ۱۸)

اسی طرح مشہور اہل حدیث مولانا وحید الزماں تحریر فرماتے ہیں:۔ اہل حدیث کو امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی تقلید کو حرام کہتے ہیں۔ لیکن ابن تیمیہ، ابن قیم، شوکانی، نواب صدیق صاحب کی اندھا دھند تقلید کرتے ہیں (اسرار اللغۃ ص ۲۴ پارہ ہشتم)

اس صورت حال میں ہمارے غیر مقلدین بھائیوں کے لئے مناسب یہی ہے کہ خواہشات نفسانی پر عمل ترک کر کے ائمۂ مجتہدین کی تقلید کریں، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔ خانۂ دین ایں چہار ست دہر کہ راہے ازیں راہہائے و درے ازیں درہائے اختیار نمودہ براہ دیگر رفتن و در دیگر گرفتن عبث و یادہ باشد" یعنی دین کے گھر چار ہیں (یعنی مذاہب اربعہ) جو شخص ان راستوں کے علاوہ کسی اور راستہ کو اور ان دروازوں کے سوا کسی اور دروازے کو اختیار کرے گا تو وہ بے کار اور عبث کام ہوگا۔ (شرح سفر السعادت ص ۲۱)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔" بالجملہ ایں چہار امام اند کہ عالم را علم ایشاں احاطہ کردہ است امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد" یعنی یہ چار امام ایسے ہیں کہ ان کا علم سارے عالم کو گھیرے ہوئے ہے۔ اور وہ امام ابوحنیفہ، امام مالکؒ، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ ہیں۔ (شرح مؤطا ص ۶)

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ائمۂ اربعہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

آں اماماں کہ کردند اجتہاد
رحمت حق بر روان جملہ باد،
بوحنیفہؒ بد امام با صفا
آں سراج امتان مصطفےٰ
باد فضل حق قرین جان او
شاد باد ارواح شاگردان او
صاحبش بو یوسفؒ قاضی شدہ
وز محمدؒ ذوالمنن راضی شدہ

شافعی ، ادریسؒ ، مالکؒ با زفرؒ
یافت ذیشان دین احمد زیب و فر
احمد حنبلؒ کہ بود او مرد حق،
درہمہ چیز از ہمہ بردہ سبق
روح شاہ در صدر جنت شاد باد،
قصری دین از علم شاں آباد باد"

مندرجہ بالا فاری اشعار کا کسی شاعر نے مندرجہ ذیل اشعار میں ترجمہ کیا ہے۔

مجتہد دین کے جو گذرے ہیں امام
روح پر سب کے ہو رحمت صبح و شام
بوحنیفہؒ تھے امام با صفا
شمع جملہ امتان مصطفےٰ
جان پر اس کی خدا کا فضل ہو
خوش کرے حق اس کے ہر شاگرد کو،
یوسفؒ اس کا ہمنشین قاضی ہوا،
اور محمدؒ سے خدا راضی ہوا ،
تھے زفرؒ ، مالکؒ ، امام شافعیؒ
جن سے زینت دین احمد ﷺ کو ملی!
احمد حنبلؒ کہ تھے وہ مرد حق
لے گئے ہر علم میں سب سے سبق
روح ان سب کی جناں میں شاد ہو
علم سے ان کے ، دین کا محل آباد ہو
(پندنامہ)

(۱) تقلید کی حیثیت اور اس کا ثبوت۔
(۲) تقلید کا تقلید شخصی میں منحصر ہونا۔
(۳) تقلید پر اعتراضات کے جوابات۔

دین کی اصل دعوت یہ ہے کہ صرف اللہ کی اطاعت کی جائے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی اس لئے واجب ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے قول وفعل سے حکام الٰہی کی ترجمانی فرمائی ہے کہ کون سی چیز حلال ہے اور کون سی حرام، کیا جائز ہے اور کیا ناجائز۔ ان تمام معاملات میں اطاعت تو صرف خدا کی کرتا ہے مگر چونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ السلام ان معاملات کے مبلغ اور پہنچانے والے ہیں۔ اس لئے آنحضور ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے

ہیں، اور حضور کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ **من یطع الرسول فقد اطاع اللہ**۔ لہذا شریعت کے تمام معاملات میں صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ضروری ہے اور جو شخص خدا اور رسول کے سوا کسی اور کی اطاعت کرنے کا قائل ہو اور اس کو مستقل بالذات مطاع سمجھتا ہو۔ یہ یقیناً مذموم ہے لہذا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن وسنت کے احکام کی پاس داری اور اطاعت کرے۔

قرآن وحدیث (سنت) میں بعض احکام ایسے ہیں جو آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے صراحۃً ثابت ہیں جن میں بظاہر کوئی تعارض نہیں ہے اس قسم کے احکام ومسائل ''منصوصہ'' کہلاتے ہیں۔ لیکن بعض احکام ایسے ہیں جن میں کسی قدر ابہام واجمال اور بعض آیات واحادیث ایسی ہیں جو چند معانی کا احتمال رکھتی ہیں، بعض محکم ہیں۔ اور بعض متشابہ، کوئی مشترک ہے تو کوئی مؤول، اور کچھ احکام ایسے ہیں کہ بظاہر قرآن کی کسی دوسری آیت… یا کسی دوسری حدیث سے متعارض معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً قرآن میں ہے۔ **والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثة قروٓء** جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہے وہ تین قروء گذارنے تک انتظار کریں۔

لفظ ''قروء'' عربی زبان میں حیض اور طہر دونوں میں استعمال کیا جاتا ہے ایسے موقع پر یہ الجھن ہوتی ہے کہ مطلقہ عورت کی عدت تین حیض آ جانے پر ختم ہوگی یا تین طہر (پاکی کا زمانہ) ختم ہونے پر پوری ہوگی۔ اسی طرح۔

حدیث میں ہے۔ **من کان لہ امام فقراء ة الا مام لہ قراء ة** (ابن ماجہ) یعنی جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اس کے لئے کافی ہے۔ دوسری حدیث میں بھی اسی طرح ہے **انما جعل الا مام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا قرء فانصتوا** (مسلم شریف ج ۱ ص ۱۷۴) یعنی امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب قراءت کرے تو خاموش رہو۔ اس کے بالمقابل دوسری حدیث میں ہے **لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحة الکتاب** (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۰۴) جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز نہ ہوگی۔ اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن میں بظاہر ایک حدیث دوسری حدیث کے معارض معلوم ہوتی ہے۔ اور ان کے علاوہ بے شمار مسائل ایسے ہیں جو قرآن وحدیث سے صراحۃً ثابت نہیں وہاں اجتہاد اور استنباط سے کام لینا ہی پڑتا ہے۔ ایسے موقع پر عمل کرنے والے کے لئے الجھن اور دشواری پیدا ہوتی ہے کہ وہ کس پر عمل کرے اور کون سا راستہ اختیار کرے، اس الجھن کو دور کرنے اور صحیح مسئلہ سمجھنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ انسان اپنی فہم وبصیرت پر اعتماد کر کے اس کا خود ہی کوئی فیصلہ کرلے اور پھر اس پر عمل پیرا ہو جائے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس قسم کے معاملات میں از خود کوئی فیصلہ کرنے کے بجائے یہ دیکھے کہ قرآن وسنت کے ان ارشادات سے ہمارے جلیل القدر اسلاف (صحابہ تابعین تبع تابعین) نے (جو حضور اکرم ﷺ کے مبارک زمانہ میں یا آپ کے قریب زمانہ میں تھے جس کے متعلق لسان نبوت کا یہ فیصلہ ہے **خیر القرون قرنی ثم الذین یلو نھم ثم الذین یلو نھم** اور جو علوم قرآن وحدیث کے ہم سے زیادہ ماہر، فہم وبصیرت میں اعلیٰ تقویٰ وطہارت میں فائق، حافظہ وذکاوت میں ارفع تھے) کیا سمجھا ہے اسپر عمل کرلے ایسی الجھن، کے موقع پر عمدہ بات یہی ہے کہ جس طرح ہم اپنے دنیوی معاملات میں ماہرین فن کے مشوروں پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ بیمار ہوتے ہیں تو ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں، کورٹ میں کوئی مقدمہ دائر ہو جائے تو وکیل کرتے ہیں۔ مکان بنانا ہوتا ہے تو انجینئر کی خدمات حاصل کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ اور جو وہ کہتے ہیں اس کے سامنے سر تسلیم خم کر

دیتے ہیں۔اس سے بحث بازی نہیں کرتے اسی طرح دینی معاملات میں ان مقدس ترین حضرات کی فہم وبصیرت پر اعتماد کرتے ہوئے ان ائمہ مجتہدین میں سے کسی کے قول پر عمل کریں اس عمل کرنے کو اصطلاح میں تقلید کہا جاتا ہے۔
تقلید کی حیثیت صرف یہ ہے کہ تقلید کرنے والا اپنے امام کی تقلید یہ سمجھ کر کرتا ہے کہ وہ دراصل قرآن وسنت پر عمل کر رہا ہے اور صاحب شریعت ہی کی پیروی کر رہا ہے اور گویا یہ تصور کرتا ہے کہ" امام" اس کی اور صاحب شریعت کے درمیان واسطہ ہے۔مثال کے طور پر جس طرح جماعت کی نماز میں جب کہ جماعت بڑی ہو امام کی آواز دور کے مقتدیوں کو سنائی نہیں دیتی ہو تو اس وقت مکبر مقرر کئے جاتے ہیں وہ مکبر امام کی اقتداء کرتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہہ کر امام کی نقل وحرکت، رکوع وسجدہ کی اطلاع پچھلی صف والوں کو دیتا ہے اور پچھلی صف والے یہ تصور کرتے ہیں کہ ہم امام ہی کی اقتداء اور اتباع کر رہے ہیں اور اسی کے پیچھے نماز ادا کر رہے ہیں۔اگر چہ رکوع سجدہ تکبیر کی آواز پر کر رہے ہیں اور خود مکبر بھی یہی سمجھتا ہے کہ میں خود امام نہیں ہوں بلکہ میرا اور پوری جماعت کا امام صرف ایک ہی ہے۔ سب اسی کی اقتداء کر رہے ہیں میں تو صرف امام کے نقل وحرکت کی اطلاع دے رہا ہوں۔بالکل یہی صورت یہاں ہے کہ مقلد کا تصور یہی ہے کہ میں خدا اور رسول ہی کی اطاعت اور اتباع کر رہا ہوں" امام" کو درمیان میں بمنزلہ مکبر تصور کرتا ہے اس کو مستقل بالذات مطاع نہیں سمجھتا۔مستقل بالذات مطاع تو صاحب شریعت ہی کو خیال کرتا ہے۔
خلاصہ یہ کہ مذکورہ الجھن کے موقع پر ایک صورت تو یہ ہے کہ انسان اسلاف کے عقل وفہم وبصیرت پر اعتماد کرے اور ان کی اتباع کرے اور دوسری صورت یہ ہے کہ ان حضرات مجتہدین میں سے کسی پر اعتماد نہ کرتے ہوئے اپنی فہم ناقص پر اعتماد کر کے از خود فیصلہ کرے اس پر عمل کرے مگر اس وقت صاحب شریعت کی اتباع نہ ہوگی بلکہ اپنی خواہش کی ہوگی اور وہ اس طریقے پر کہ خود تو مجتہد نہیں کہ فیصلہ کرے کہ ناسخ کون سی آیت وحدیث ہے اور منسوخ کیا ہے راجح کیا ہے اور مرجوح کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔اس لئے وہ اپنی خواہش سے دل لگتی چیز پر عمل کرے گا۔لہذا اتباع خواہش نفسانی کی ہوئی شریعت کی نہ ہوگی، اور انسان کو گمراہ کرنے کے لئے شیطان کا یہ کامیاب حربہ ہے کہ انسان خواہشات نفسانی کا بندہ ہو جائے۔اور اس پر عمل کرنے لگے۔اس کے ذریعہ شیطان انسان کے قلب پر قابو پا لیتا ہے اور پھر بدن انسانی میں اس طرح سرایت کر جاتا ہے جیسے زہر اور یہ انسان کے دین کے لئے بہت ہی خطرناک۔ہے قرآن پاک میں بھی اللہ تعالیٰ نے خواہشات نفسانی پر چلنے والوں کی بہت ہی مذمت فرمائی ہے اور ایک جگہ ان کو خسیس ترین جانور" کتے" سے تشبیہ دی ہے۔ارشاد ہے۔ **ولکنہ اخلد الی الارض واتبع ھواہ فمثلہ کمثل الکلب.** یعنی وہ دنیا کی طرف مائل ہو گیا۔اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا سو اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی۔(سورۂ اعراف پ ۹)اور ایک موقع پر خواہش پرست کو بت پرست کے قائم مقام قرار دیا ہے۔فرماتے ہیں۔ **افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ واضلہ اللہ علی علم وختم علی سمعہ وقلبہ وجعل علی بصرہ غشاوۃ**۔سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے۔اور خدا تعالیٰ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے(سورۂ جاثیہ پ ۲۵)خواہش نفسانی پر عمل کرنے کی وجہ سے خدا اس کو گمراہ کر دیتا ہے اور کان اور دل پر مہر لگا دی جاتی ہے۔پھر اس کے قلب میں صحیح بات نہیں اترتی اور نہ راہ راست کی طرف اس کا دل مائل ہوتا ہے اور پھر وہ گمراہی کے گڑھے میں گرتا

ہی چلا جاتا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے۔ افمن کان علیٰ بینۃ من ربہ کمن زین لہ سوء عملہ واتبعوا اھواءھم. تو جولوگ اپنے پروردگار کے واضح راستہ پر ہوں کیا وہ ان شخصوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کی بدعملی ان کو مستحسن معلوم ہوتی ہو اور جو اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہوں (سورۂ محمد پ ۲۶) ایک گروہ جو اپنے پروردگار کے واضح راستہ پر چل رہا ہو اور دوسرا گروہ اپنی نفسانی خواہشات پر عمل پیرا ہو یہ دونوں گروہ ایک درجہ کے نہیں ہو سکتے پہلا گروہ کامیاب ہے۔ اور دوسرا ناکام۔

نفسانی خواہش کی مذمت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو بھی متنبہ کیا گیا کہ آپ ان لوگوں کی تابعداری نہ کریں جو اپنی نفسانی خواہش پر چلتے ہیں۔ ارشاد ہے۔ ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ وکان امرہ فرطاً یعنی۔ اور ایسے شخص کا کہا مت مانئے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا یہ حال حد سے گذر گیا ہے (سورۂ کہف پ ۱۵)

نیز ارشاد ہے۔ ولئن اتبعت اھواءھم من بعد ما جاءک من العلم انک اذا لمن الظالمین، اور اگر آپ ان کے نفسانی خیالات کو اختیار کر لیں (اور وہ بھی) آپ کے پاس علم (یعنی وحی) آنے کے بعد تو یقیناً آپ (معاذ اللہ) ظالموں میں شمار ہونے لگیں۔ (سورۂ بقرہ پ ۲)

نیز ارشاد ہے ولا تتبع اھواءھم عما جاءک من الحق. اور یہ جو سچی کتاب آپ کو ملی ہے اس سے دور ہو کر ان کی خواہشات پر عمل درآمد نہ کیجئے (سورۂ مائدہ پ ۶)

نیز ارشاد ہے۔ وان احکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم واحذرھم ان یفتنوک عن بعض ما انزل اللہ الیک. ترجمہ۔ اور ہم (مکرر) حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور ان کی خواہشوں پر عمل درآمد نہ کیجئے اور ان سے (یعنی ان کی بات سے) احتیاط رکھئے کہ وہ آپ کو خدا کے بھیجے ہوئے حکم سے بچلا دیں (سورۂ مائدہ پ ۶)

نیز ارشاد ہے۔ ثم جعلناک علیٰ شریعۃ من الامر فاتبعھا ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون. پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقے پر کر دیا ہے آپ اس طریقے پر چلے جائیے اور ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلئے۔ (سورۂ جاثیہ پ ۲۵)

ایک موقع پر حضور ﷺ کو مخاطب فرما کر پوری امت کو یہ پیغام سنایا گیا کہ خواہشات نفسانی کی پیروی سے بچتے رہنا ورنہ وہ اللہ کے راستہ سے تم کو ہٹا دے گی۔ ارشاد ہے۔ ولا تتبع الھویٰ فیضلک عن سبیل اللہ. اور خواہشات نفسانی کی پیروی مت کرنا (اگر ایسا کرو گے تو) وہ تم کو خدا کے رستہ سے بھٹکا دے گی۔

(سورۂ ص پ ۲۳)

ایک جگہ ارشاد ہے۔ فان لم یستجیبوا لک فاعلم انما یتبعون اھواءھم اگر وہ آپ کی اطاعت سے انکار کر دیں تو یقین کیجئے کہ وہ محض اپنی خواہشات ہی کی اتباع کرتے ہیں۔ اس آیت میں یہ بتلایا گیا کہ جو لوگ وحی کے موافق عمل نہ کریں تو وہ "اتباع ھویٰ" (خواہشات کے بندے) ہیں اور جو من مانی کرتا ہے وہ سب سے زیادہ

گمراہ ہوتا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ومن اضل ممن اتبع ھواہ بغیر ھدیٰ من اللہ اور ایسے شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا۔ جو اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہو بدون اس کے کہ منجانب اللہ کوئی دلیل (اس کے پاس) ہو (سورۂ قصص پ۲۰) الحمد للہ مقلدین اتباع وحی ہیں اور غیر مقلدین اتباع ھویٰ (خواہشات کی تابعداری کرنے والے) ہیں کہ مقلدین مذکورہ الجھن کے موقع پر صحابہ واسلاف عظام کی فہم وبصیرت پر اعتماد کرتے ہیں اور انہی کی اتباع کرتے ہیں اور غیر مقلدین باوجود اس کے کہ وہ عالم ومجتہد نہیں، ناسخ منسوخ وغیرہ وغیرہ امور سے ناواقف ہیں۔ پھر بھی وہ ان حضرات کی فہم وبصیرت پر اعتماد نہیں کرتے اور اپنی خواہشات کے مطابق فیصلہ کر کے اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ لا یو من احد کم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ۔ یعنی تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی تمام خواہشات میری آوردہ شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔ (مشکوٰۃ شریف ص۳۲)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ وانہ سیخرج فی امتی اقوام تتجاری بھم تلک الا ھواء کما یتجاری الکلب لصاحبہ لا یبقی منہ عرق ولا مفصل الا دخلہ' یعنی میری امت میں آئندہ کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے۔ جن میں اہواء اور خواہشات اس طرح رچی بسی ہوئی ہوں گی۔ جیسا کہ ہڑکا ہوا کتا (باولا کتا) کسی کو کاٹ لے۔ اس شخص کے جسم میں کوئی رگ اور کوئی جوڑ ایسا باقی نہیں رہتا کہ جس میں کتے کے کاٹنے کی وجہ سے زہر پیوست نہ ہوگیا ہو۔ (مشکوٰۃ شریف ص:۳۰)

اس حدیث میں اگر غور کیا جائے تو دو باتیں معلوم ہوں گی ایک یہ کہ کتا جس کو کاٹ لے اس کے جسم کے رگ وپے میں زہر پیوست ہو جاتا ہے جو اس کی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ مریض اگر تندرست انسان کو کاٹ کھائے تو اس کی بھی یہی حالت ہوجاتی ہے۔ نفسانی خواہشات پر چلنے والے کا بھی یہی حال ہے کہ پہلے خود اس کا ایمان معرض خطرے میں آ جاتا ہے اور جو شخص اس کی صحبت اختیار کرتا ہے اس کا بھی دینی نقصان ہوتا ہے۔

نفسانی خواہشات دوزخ کی چہار دیواری ہے اس پر عمل کرنا اس دیوار کو پار کر کے گویا دوزخ میں داخل ہونا ہے چنانچہ صحیحین کی روایت ہے۔ حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔ حفت الجنة بالمکارہ وحفت النار بالشھوات، جنت کے اردگرد مصائب وتکالیف کی اور جہنم کے گرد شہوات کی چہار دیواری کر دی گئی ہے۔ لہذا اپنی خواہشات پر عمل کرنا اس دیوار کو توڑ کر جہنم میں داخل ہونا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ انتم الیوم فی زمان الھویٰ فیہ تابع للعلم وسیأتی علیکم زمان یکون العلم فیہ تابعاً للھویٰ. (احیاء العلوم ج ۱ ص ۸۶)

یعنی آج تم ایسے زمانہ میں ہو کہ جس میں خواہش نفس علم کے تابع ہے اور تم پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اس میں علم خواہش نفس کے تابع ہوگا۔ (مذاق العارفین ترجمہ احیاء علوم الدین ص۹۳ ج۱)

مشہور بزرگ شیخ ابوعمرو زجاجی (شاگرد حضرت جنید بغدادیؒ) فرماتے ہیں۔ کان الناس فی الجاھلیة یتبعون ما تستحسنہ عقو لھم وطبا ئعھم فجاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرد ھم الی الشریعة و

الاتباع فالعقل الصحیح الذی یستحسن ما یستحسنہ الشرع ویستقبح ما یستقبحہ ،اسلام سے پہلے لوگ ایسی باتوں پر عمل کیا کرتے تھے جن کو ان کی عقلیں اور طبعیتیں اچھا سمجھتی تھیں رسول اللہ ﷺ نے آ کر ان کو شریعت اور اتباع کی طرف موڑ دیا اب عقل صحیح اور فہم سلیم وہ ہے جو ایسی چیزوں کو اچھا سمجھے جسے شریعت اچھا سمجھتی ہے اور ایسی چیزوں کو برا سمجھے جسے شریعت برا سمجھتی ہے۔ (کتاب الاعتصام ص ۶۷ ج ۱)

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:۔ الشریعة موضوعة لا خراج المکلف عن داعیة ھواہ شریعت کی وضع اور غرض وغایت ہی یہ ہے کہ مکلّف (یعنی انسان) کو اس کے خواہشات پر عمل کرنے کے داعیہ سے نکال دے۔ یعنی خواہشات کا بندہ بننے کے بجائے خدا کا بندہ بنادے۔ (الاعتصام)

پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:۔ لیس الشرک عبادة الا صنام فحسب بل ھو تا بعتک لھواک. شرک صرف بت پرستی کا نام نہیں ہے بلکہ شرک یہ بھی ہے کہ تم اپنی خواہش نفس کی پیروی کرو۔ شیخ نے اپنے اس ملفوظ میں افرأیت من اتخذ الھہ ھو اہ کی تفسیر فرمائی ہے۔ (فتوح الغیب ص ۲۱ مقالہ نمبر ۷)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔ اعلم ان النفس مجبولة علیٰ اتباع الشھوات لا تزال علیٰ ذلک الا ان یبھر ھا نور الا یمان . یعنی جان لو کہ نفس کی جبلی بات یہ ہے کہ وہ خواہشات کی پیروی کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ نور ایمان اس میں داخل ہو۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص ۲۰۶)

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں:۔ انما دخل الفساد علی الخلق من ستة اشیاء، ضعف النیة بعمل الا خرة والثانی صارت ابدانھم مھیئة لشھو اتھم والثالث غلبھم طول الا مل مع قصر الا جل والرابع اثر وارضاء المخلوقین علیٰ رضاء اللہ والخامس اتبعوا اھواء ھم ونبذو اسنة نبیھم صلی اللہ علیہ وسلم والسادس جعلوا زلات السلف حجة لا نفسھم ودفنوا اکثر منا قبھم.

یعنی: چھ چیزوں کی وجہ سے مخلوق میں فساد آیا ہے (۱) آخرت کے متعلق اعمال میں ان کی نیت میں ضعف آگیا (۲) ان کے بدن شہوتوں کے پورا کرنے کے آلے بن گئے (۳) طول امل (بڑی بڑی امیدیں) ان پر غالب آگیا۔ حالانکہ زندگی بہت مختصر ہے (۴) مخلوق کی رضامندی کو اللہ کی رضامندی پر ترجیح دینے لگے (۵) اپنی خواہشات کی اتباع کرنے لگے اور اپنے نبی ﷺ کی سنتوں کو پس پشت ڈال دیا (۶) اسلاف کی لغزشوں کو اپنے (اعمال بد کے لئے) حجت بنالیا اور ان کے مناقب کو (جو قابل عمل ہیں) چھوڑ دیا۔ (کتاب الاعتصام ج ۱ ص ۶۴۔۶۵)

حاصل کلام یہ کہ خواہشات نفسانی پر عمل کرنے کی مذمت میں قرآن وحدیث لبریز ہیں علماء کرام نے بھی اس کی بہت مذمت کی ہے اس لئے انسان کے لئے بہترین اور نجات کا راستہ یہی ہے کہ بجائے از خود فیصلہ کرنے کے ائمہ ھدیٰ کے تقویٰ وطہارت، ان کی خداداد فہم وبصیرت پر اعتماد کرتے ہوئے ائمہ اربعہ میں سے (جن کی تقلید پر امت کا اجماع ہو چکا ہے) کسی کی تقلید کرے اس میں دینی مصلحت اور نجات مضمر ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا ارشاد عالی پر پھر غور کیجئے فرماتے ہیں۔ اعلم ان فی الاخذ بھذہ المذاھب الا ربعة مصلحة عظیمة وفی الإعراض کلھا مفسدة کبیرة . جاننا چاہئے کہ ان مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے اور ان سب سے اعراض کرنے میں بڑا مفسدہ ہے۔ (عقد الجید ص ۳۱)

اور فرماتے ہیں:۔ وثانیا قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اتبعوا السواد الاعظم ولما اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة کان اتباعها اتباعاً للسواد الاعظم ۔ مذہب کی پابندی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ اتبعوا السواد الاعظم ۔ سواد اعظم کی اتباع کرو اور چونکہ مذاہب حقہ سوائے ان چار مذہبوں کے باقی نہ رہے اس لئے ان کی اتباع کرنا سواد اعظم (بڑے گروہ) کی اتباع کرنا ہے اور ان سے باہر نکلنا سواد اعظم سے باہر نکلنا ہے۔ (عقد الجید ص ۳۱)

حضرت سید احمد شہید بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:۔ در اعمال اتباع مذاہب اربعہ کہ رائج در تمام اہل اسلام است خوب است، اعمال کے سلسلہ مذاہب اربعہ کی پیروی جو تمام مسلمانوں میں رائج ہے نہایت عمدہ اور پسندیدہ ہے۔ (صراط مستقیم ص ۶۹ فارسی)

لہذا صحیح طور پر اگر شریعت کی اتباع کرنا ہے اور خواہشات نفسانی کی لعنت سے محفوظ رہنا ہے تو مذاہب اربعہ میں سے کسی کی اتباع کی جائے خصوصاً اس پر آشوب و پرفتن زمانہ میں کہ جس کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ثم یفشوا الکذب یعنی خیر القرون کے بعد کذب پھیل جائے گا۔

اور ٹھنڈے دل سے اگر غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ تقلید ایک امر فطری ہے اور ایک قدرتی ناگزیر ضرورت ہے جو انسان کے ساتھ مثل سائے کے لگی ہوئی ہے ہمارے غیر مقلدین بھائی بھی اس سے بے نیاز نہیں ہیں ان کے گھروں میں چھوٹے بچے گھر کے بڑوں کو ہی دیکھ کر نماز پڑھتے ہیں اور دوسرے اعمال کرتے ہیں اور ان کے گھر کی مستورات محدثہ عالمہ اور فاضلہ نہیں ہوتیں مردوں ہی سے پوچھ، پوچھ کر عمل کرتی ہیں۔ اس پوچھ پوچھ کر عمل کرنے کو مذموم نہیں سمجھا جاتا۔ اس کو شرک، بدعت اور گناہ نہیں کہا جاتا اور معمولی صنعت و حرفت میں بھی بغیر تقلید کے کام نہیں چلتا طب اور ڈاکٹری کا مطالعہ کر کے انسان حکیم اور ڈاکٹر نہیں بن جاتا ایسا شخص اگر مطلب کھول کر بیٹھ جائے تو اسے مجرم کہا جاتا ہے اور جو اس سے علاج کرائے وہ اس سے بڑا نادان سمجھا جاتا ہے۔ مثل مشہور ہے۔ نیم حکیم خطرہ جان و نیم ملا خطرۂ ایمان' بہر حال دنیا کے ہر کام میں تقلید کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن دین کے معاملہ میں چند حدیث کی کتابوں کا ترجمہ دیکھ کر اپنے آپ کو علوم قرآن و حدیث کا ماہر سمجھنے لگنا۔ اور ائمہ ھدیٰ و اسلاف عظام کے ساتھ بدگمانی کرنا ان کی شان میں بدزبانی اور گستاخی کرنا اور ان کی تقلید کو شرک و بدعت کہنا اور اپنی ناقص فہم و عقل پر اعتماد کرنا اور ہوائے نفسانی کی اتباع کو عین توحید سمجھنا یہ کہاں کا انصاف ہے ''بریں عقل و دانش بباید گریست'' اگر ہمارے غیر مقلدین بھائی ہٹ دھرمی کٹھ حجتی اور ضد کو چھوڑ کر دیانتداری، سنجیدگی اور ٹھنڈے دل سے غور کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ عدم تقلید کے عقیدے پر جمے رہیں۔

نفس تقلید قرآن وحدیث سے ثابت ہے:

اور نفس تقلید کا جواز بلکہ وجوب قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ ہم یہاں چند آیات واحادیث پیش کرتے ہیں۔

قرآن میں ہے۔ فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۔ اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے

دریافت کرلو۔

(۲)اولـئـک الـذین هدٰهم الله فبهداهم اقتده ۔ یہ حضرات ایسے تھے جن کو اللہ نے ہدایت کی تھی سو آپ بھی انہی کے طریقے پر چلئے۔ (سورۂ انعام پ ۷)

اس آیت میں اگلے انبیاء کی اتباع کا حکم فرمایا گیا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ و اتبـع مـلـة ابـراهیم حنیفاً. ملت ابراہیمی کا اتباع کیجئے۔ جس میں کجی نہیں ہے۔

(۳)یـآیهـا الـذیـن امـنـوا اطیعوا الله واطیعو االرسول واولی الا مر منکم . اے ایمان والوں اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اولوالامر کی۔ اولوالامر میں ائمۂ مجتہدین خصوصاً ائمۂ اربعہ داخل ہیں۔

(۴)ولوردوه الی الرسول والی اولی الا مر منهم لعلمه الذی یستنبطونه منهم. اگر یہ لوگ اس امر کو رسول کے اور اولی الامر کے حوالہ کرتے تو جو لوگ اہل فقہ اور اہل استنباط ہیں وہ سمجھ کر ان کو بتلا دیتے کہ کون سی چیز قابل عمل ہے۔ اور کون سی نا قابل عمل۔ اس آیت سے بھی صراحۃً ائمۂ مجتہدین کی اتباع کا ثبوت ملتا ہے۔

(۵)فلو لانفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهـم یـحذرون ۔ یعنی کیوں نہ نکلے ہر فرقہ میں سے ایک جماعت تا کہ فقہ فی الدین حاصل کرے اور جب واپس آئے تو اپنی قوم کو ہوشیار اور بیدار کرے تا کہ وہ دین کی باتوں کو سنکر اللہ کی نافرمانی سے بچیں (سورۂ توبہ پ ۱۱)

(۶)وجـعـلـنـا هم ائمة یهدون با مر نا لما صبروا وکانوا بایا تنا یوقنون. اور ہم نے ان میں پیشوا بنائے جو لوگوں کو ہماری راہ چلاتے تھے جب انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے

(سورۂ الم سجدہ پ ۲۱)

(۷)اتبـع سبیـل مـن انـاب الـی ،اس شخص کے راستہ کی پیروی کرو جو میری طرف رجوع کئے ہوئے ہے۔

(۸)یـآیهـا الـذین امنوا اتقوا الله وکونوا مع الصادقین. اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ رہو۔ (سورۂ توبہ پ ۱۱)

ان تمام آیات میں اتباع اور تقلید کی تاکید فرمائی گئی ہے اور ان سے تقلید مطلق کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ اب اس سلسلہ کی چند احادیث ملاحظہ کیجئے۔

(۱)عن حـذیـفـة رضـی الله عـنـه قـال، قـال رسـول الله صـلـی الله علیه وسلم انی لا ادری مـابـقـائـی فیکم فاقتدو اباللذین من بعدی ابی بکر وعمر ،حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے معلوم نہیں میں کب تک تم لوگوں میں زندہ رہوں گا۔ لہٰذا میرے بعد ان دو شخصوں یعنی ابوبکرؓ وعمرؓ کی اقتداء کرنا (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۰ باب مناقب ابی بکر وعمر)

(۲)عـلـیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین الخ تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہو (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

(۳)عن معاذ بن جبل رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم لما بعثه الی الیمن

قال کیف تقضی اذا عرض لک قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال بسنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ قال فان لم تجد فی سنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اجتھد برائی ولا آلو فضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی صدرہ وقال الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لما یرضیٰ بہ رسول اللہ

یعنی ۔حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو یمن کا قاضی بنا کر روانہ کیا تو یہ دریافت فرمایا کہ اگر کوئی قضیہ پیش آ جائے تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا ۔کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا ۔فرمایا اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ہو تو؟ عرض کیا ۔رسول اللہ ﷺ کی سنت سے فیصلہ کروں گا ۔آپ نے فرمایا اگر اس میں بھی نہ ملے تو؟ عرض کیا پھر اجتہاد اور استنباط کر کے اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا اور اس مسئلہ کا حکم تلاش کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گا ۔حضرت معاذؓ فرماتے ہیں آپ نے میرے اس جواب پر (فرط مسرت سے) اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا اور فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی اور خوش رہے ۔(مشکوٰۃ شریف باب العمل فی القضاء والخوف منہ ص ۳۲۴) (ابوداؤد شریف اجتھاد الرائی القضاء ص ۱۴۹)

حضرت معاذؓ کی اس حدیث سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں ۔

(۱) بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ قرآن و حدیث میں ان کا حکم منصوص نہیں ہے یعنی صراحۃً مذکور نہیں ہے ۔

(۲) غیر منصوص مسائل میں اپنی رائے اور اجتہاد سے فیصلہ کرنا مستحسن ہے اور یہ اللہ اور اس کے رسول کی عین مرضی کے مطابق ہے ۔

(۳) رائے اور اجتہاد حق تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جس پر آنحضور ﷺ نے الحمد للہ فرمایا اور فرط مسرت سے حضرت معاذؓ کے سینے پر ہاتھ مارا ۔اس سے اس طرف اشارہ تھا کہ علوم نبوت کے فیوض و برکات فقیہ و مجتہد کے ساتھ ہیں ۔

(۴) حضرت معاذؓ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا جا رہا ہے ۔مسائل کے حل کرنے اور معاملات کو سلجھانے کی تعلیم فرمائی جا رہی ہے وجہ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ جانتے ہیں کہ اہل یمن اپنے پیش آمدہ مسائل و معاملات میں حضرت معاذؓ ہی کی طرف رجوع کریں گے اور آپ ہی کی اتباع اور تقلید کریں گے ۔اس حدیث میں صحیح طور پر غور کیا جائے تو تقلید کی حقیقت اور اس کا ثبوت اور جواز واضح اور بین طور پر ثابت ہوتا ہے ۔

(۵) العلماء ورثة الانبیاء. رواہ احمد وابو داؤد والترمذی (مشکوٰۃ شریف ص ۳۴ کتاب العلم)

علماء انبیاء کے وارث ہیں ۔پس جس طرح انبیاء کی اتباع فرض اور لازم ہے ۔اسی طرح وارثین انبیاء (یعنی علماء) کی اتباع بھی لازم اور ضروری ہے ۔انبیاء کی میراث علم ہے علماء کی اتباع واقتداء اسی لئے فرض ہے کہ وہ علم شریعت کے وارث اور حامل ہیں ۔

(۶) کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفه نبی وانه لا نبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون (مسلم باب وجوب الوفاء ببیعة الخلیفة الاول فالاول ج ۲ ص ۱۲۶)

بنی اسرائیل کی سیاست و حکومت ان کے انبیاء کرتے تھے ۔ایک نبی فوت ہو جاتا تو دوسرا نبی آ جاتا تھا اور خبردار رہو

میرے بعد کوئی نبی نہیں ہاں میرے بعد خلیفہ ہوں گے اور بہت ہوں گے ۔ (یعنی میری زندگی میں تم پر میری اتباع ضروری تھی اور میرے بعد میرے خلفاء کی اتباع لازم ہوگی ۔

(از معارف القرآن حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ ج ۱ ص ۱۸۵)

مندرجہ بالا آیات واحادیث سے تقلید مطلق کا ثبوت ملتا ہے ۔ پھر اس تقلید کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ تقلید کے لئے کسی خاص امام ومجتہد کو متعین نہ کیا جائے کبھی ایک امام کے مسلک کو اختیار کرلیا تو کبھی دوسرے امام کے قول پر عمل کرلیا اسے تقلید مطلق کہا جاتا ہے ۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ تقلید کے لئے کسی ایک مجتہد کو متعین کرلیا جائے ۔ ہر مسئلہ میں اسی کی اتباع کی جائے اسے تقلید شخصی کہا جاتا ہے ۔ عہد صحابہ وتابعین میں تقلید کی ان دونوں صورتوں پر عمل درآمد رہا ہے اور بکثرت اس کا ثبوت ملتا ہے ۔ چنانچہ اس عہد مبارک میں یہ بات بالکل عام تھی کہ جو حضرات فقیہہ نہ تھے وہ فقہاء صحابہ وتابعین سے پوچھ پوچھ کر عمل کیا کرتے تھے ۔ اور سائل کے جواب میں مجیب جو حکم بتلانا مع دلیل یا بلا دلیل سائل ، اس پر عمل پیرا ہوتا اور عدم دلیل کی صورت میں سائل دلائل کا مطالبہ نہ کرتا ۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :۔

”صحابہ کرام سے لے کر مذاہب اربعہ کے ظہور تک یہی دستور اور رواج رہا کہ کوئی عالم مجتہد مل جاتا تو اسی کی تقلید کر لیتے تھے ، کسی بھی معتبر اور مستند شخصیت نے اس پر نکیر نہیں کی اگر یہ تقلید باطل ہوتی تو وہ حضرات اس پر ضرور نکیر فرماتے (عقد الجید ص ۲۹ مترجم)

حضرت شاہ صاحب کے اس فرمان سے عہد صحابہ وتابعین میں تقلید مطلق کا ثبوت واضح طور پر ملتا ہے ۔ جس طرح ان حضرات کے یہاں تقلید مطلق کا رواج تھا اسی طرح بعض حضرات تقلید شخصی پر بھی عمل پیرا تھے چنانچہ اہل مکہ مسائل خلافیہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو ترجیح دیتے تھے اور انہیں کے قول پر عمل کرتے تھے اور اہل مدینہ حضرت زید بن ثابتؓ کے قول پر عمل کرتے تھے اور اہل کوفہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کو ترجیح دیتے اور اسی کی اتباع کرتے تھے ۔

(۱) بخاری ، مسلم اور ابوداؤد میں ہے ۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا پھر وہی مسئلہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا جواب حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے جواب کے خلاف تھا ۔ جب ابوموسیٰ اشعریؓ کو اس کا علم ہوا تو سمجھ گئے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی کا جواب اور فتویٰ صحیح ہے اس کے بعد ارشاد فرمایا ” لا تسئلونی مادام ھذا الحبر فیکم “ جب تک یہ متبحر عالم (یعنی ابن مسعودؓ) تم میں موجود ہیں تمام مسائل انہیں سے دریافت کیا کرو اور وہ جو فتویٰ دیں اسی پر عمل کرو مجھ سے دریافت نہ کرو ، اسی کا نام تقلید شخصی ہے ۔ جس کا ثبوت اس روایت سے واضح طور پر ہوتا ہے ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۴)(۱)

---

(۱) سوال : ابوموسیٰ اشعریؓ سے کسی نے پوچھا اگر کوئی مر جائے اور ورثاء میں ایک بیٹی ایک نواسی اور ایک بہن ہو تو میراث کیسے تقسیم ہوگی ۔
جواب : دیا بیٹی کو آدھا اور بہن کو آدھا نواسی محروم رہے گی ، سائل نے یہی مسئلہ ابن مسعودؓ سے پوچھا اور یہ بھی بتایا کہ ابوموسیٰ اشعری نے اس طرح جواب دیا ہے ابن مسعودؓ نے جواب دیا کہ میں تو وہی بتاؤں گا جو اللہ کے رسول نے فیصلہ کیا ہے بیٹی کو آدھا پوتی کو چھٹا اور باقی بہن کو ملے گا ۔ سائل ابوموسیٰ کے پاس آئے اور ابن مسعود کا جواب بتایا تو ابوموسیٰ نے فرمایا لا تسئلونی ما دام ھذا الحبر فیکم بخاری باب میراث ابنتہ ابن مع ابنتہ ج ۲ ص ۹۹۷)

(۲) صحیح بخاری شریف میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ان اھل المدینۃ سألوا ابن عباس عن امرأۃ طافت ثم حاضت قال لھم تنفر قالوا لانأخذ بقولک وندع قول زید (باب اذا حاضت المرأۃ بعد ما افاضت صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳۷ کتاب الحج)

اہل مدینہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس عورت کے متعلق سوال کیا جو طواف فرض کے بعد حائضہ ہوگئی ہو (تو اب وہ طواف وداع کئے بغیر واپس جاسکتی ہے یا نہیں؟) ابن عباسؓ نے فرمایا وہ طواف وداع کئے بغیر واپس جاسکتی ہے۔ اہل مدینہ نے کہا ہم آپ کے قول پر (فتویٰ پر) عمل کر کے زید بن ثابت کے قول (فتویٰ) کو ترک نہیں کریں گے۔ (بخاری شریف)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ زید بن ثابتؓ کی تقلید شخصی کرتے تھے اس روایت کے اس جملہ پر "لا ناخذ بقولک وندع قول زید" پر غور کیجئے کہ جب اہل مدینہ نے ابن عباسؓ سے یہ بات کہی تو ابن عباسؓ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی کہ تم اتباع اور اقتداء کے لئے (یعنی تقلید کے لئے) ایک معین شخص کو لازم کر کے شرک، بدعت اور گناہ کے مرتکب ہو رہے ہو۔ اگر تقلید شخصی ناجائز اور حرام ہوتی تو ابن عباسؓ ضرور نکیر فرماتے۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ مجتہد تھے تاہم فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فتویٰ موجود ہو تو پھر کسی اور کے فتویٰ کی ضرورت نہیں (کلمۃ الفصل ص ۱۹)

(۴) جب تک سالم بن عبداللہ زندہ رہے امام نافع نے فتویٰ نہیں دیا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۸) معلوم ہوتا ہے کہ امام نافع کے زمانہ میں لوگ سالم بن عبداللہ کی تقلید شخصی کرتے تھے۔

(۵) حضرت معاذؓ کو قاضی بنا کر یمن بھیجنے کی روایت گذشتہ اوراق میں مفصل آچکی ہے وہ روایت تقلید شخصی واجتہاد کے ثبوت میں واضح و بین دلیل ہے۔ یہاں موقع کی مناسبت سے اس روایت کے ایک پہلو پر توجہ مبذول کیجئے۔ وہ یہ کہ حضور اکرم ﷺ نے اہل یمن کے لئے اپنے فقہاء صحابہ میں سے صرف معاذؓ کو یمن بھیجا اور انہیں حاکم، قاضی اور معلم بنا کر اہل یمن کے لئے یہ لازم کر دیا کہ وہ انہیں کی تابعداری کریں اور حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاذؓ کو صرف قرآن وسنت ہی نہیں بلکہ موقع پڑنے پر قیاس واجتہاد کے مطابق فتویٰ دینے کی اجازت مرحمت فرمائی اس کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اہل یمن کو ان کی تقلید شخصی کی اجازت دے دی بلکہ اس کو ان کے لئے لازم کر دیا۔

اور یہ بھی مشہور ہے کہ تابعین کے دور میں فقہاء سبعہ کے فتووں پر عمل ہوتا تھا۔ ان روایات کو ملحوظ رکھ کر اس کا فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ عہد صحابہ وتابعین میں تقلید مطلق وتقلید شخصی دونوں کا رواج تھا مگر یہ بات ملحوظ رہے کہ وہ زمانہ خیر القرون کا تھا۔ لوگوں میں تدین اور خدا ترسی غالب تھی۔ ان کا متعدد حضرات سے پوچھنا یا تو اتفاقی طور پر ہوتا یا یہ مقصد ہوتا کہ جس کے قول میں زیادہ احتیاط ہوگی اس پر عمل کریں گے۔ اس لئے اس زمانہ میں تقلید مطلق اور تقلید شخصی دونوں پر عمل ہوتا تھا پھر جوں جوں حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک سے بعد ہوتا گیا اور خوف خدا اور احکام شریعت کی عظمت دلوں سے کم ہونے لگی اور اغراض پرستی لوگوں پر غالب آنے لگی تو امت کے نباض علماء نے دکھتی رگ کو پکڑ کر تقلید کو "تقلید شخصی" میں منحصر کر دیا اور بتدریج اسی طرف علماء کا میلان ہونے لگا اور ہوتے ہوئے تقلید شخصی کے وجوب پر

امت کا اجماع ہوگیا اگر ایسا نہ کیا جاتا تو احکام شریعت کھلونا بن جاتے اور ہر ایک اپنے اپنے مطلب اور خواہش کے موافق عمل کرتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں **و بعد المأتین ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين اعيانهم و قل من كان لا يعتمد على مذهب مجتهد بعينه و كان هو الواجب في ذالك الزمان** یعنی دوسری صدی ہجری کے بعد لوگوں میں متعین مجتہد کی پیروی کا رواج ہوگیا اور بہت کم لوگ ایسے تھے جو کسی خاص مجتہد کے مذہب پر اعتماد نہ کرتے ہوں اور اس زمانہ میں یہی ضروری تھا۔ (انصاف ص ۴۴)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ العزیز تقلید شخصی کے ضروری اور لابدی ہونے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

''گوفی نفسہ یہ بھی جائز ہے کہ مختلف لوگوں کا اتباع ہو مثلاً کسی شیخ سے کوئی شغل پوچھ لیا اور کسی دوسرے سے اور کوئی شغل پوچھ لیا تو اس طرح متعدد کا اتباع بھی فی نفسہ جائز ہے۔ اور سلف کی یہی حالت تھی کہ کبھی امام ابوحنیفہؒ سے پوچھ لیا، کبھی اوزاعی سے، اور سلف کی اسی عادت کو دیکھ کر آج بھی لوگوں کو یہ لالچ ہوتا ہے۔ سوفی نفسہ تو یہ جائز ہے مگر ایک عارض کی وجہ سے ممنوع ہوگیا اس کے سمجھنے کے لئے ایک مقدمہ سن لیجئے وہ یہ کہ حالت غلبہٗ کا اعتبار ہوتا ہے سو حالت غلبہ کے اعتبار سے آج میں اور اس وقت میں یہ فرق ہے کہ اس وقت کے لوگوں میں تدین غالب تھا۔ ان کا مختلف لوگوں سے پوچھنا یا تو اتفاقی طور پر ہوتا تھا اور یا اس لئے کہ جس کے قول میں زیادہ احتیاط ہوگی اس پر عمل کریں گے پس اگر تدین کی اب بھی وہی حالت ہوتی تو ایک کو خاص کرنے اور اس کی تقلید کرنے کی ضرورت نہ ہوتی مگر اب تو وہ حالت ہی نہیں رہی اور کیسے رہتی؟ حدیث میں ہے **ثم يفشو الكذب** کہ خیر القرون کے بعد کذب پھیل جائے گا اور لوگوں کی حالت بدل جائے گی سو جتنا خیر القرون سے بعد ہوتا گیا۔ اتنی ہی لوگوں کی حالت ابتر ہوتی گئی۔ اب تو وہ حالت ہے کہ عام طور پر غرض پرستی غالب ہے اب مختلف لوگوں سے اس لئے پوچھا جاتا ہے کہ جس میں اپنی غرض نکلتی ہو اس پر عمل کریں گے۔ **الیٰ قولہ**۔ علامہ شامیؒ نے یہاں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک فقیہہ نے ایک محدث کے یہاں اس کی لڑکی کے لئے پیام بھیجا اس نے کہا اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ تم رفع یدین اور آمین بالجبر کرو فقیہہ نے اس شرط کو منظور کر لیا اور نکاح ہوگیا۔ اس واقعہ کو ایک بزرگ کے پاس ذکر کیا گیا تو انہوں نے اس کو سن کر سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر سوچ کر فرمایا مجھے اس شخص کے ایمان جاتے رہنے کا خوف ہے اس واسطے کہ وہ جس بات کو سنت سمجھ کر کرتا تھا بدون اس کے کہ اس کی رائے کسی دلیل شرعی سے بدلی ہو صرف دنیا کے لئے اسے چھوڑ دیا لوگوں کی یہ حالت دنیا طلبی کی ہوگئی ہے ایسے وقت میں اگر تقلید شخصی نہ ہو تو یہ ہوگا کہ ہر مذہب میں سے جو صورت اپنے مطلب کی پاویں گے اسے اختیار کریں گے۔ مثلاً اگر وضو کرنے کے بعد اس کے خون نکل آیا تو اب امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر تو وضو ٹوٹ گیا اور امام شافعیؒ کے مذہب پر نہیں ٹوٹا سو یہاں تو یہ شخص امام شافعیؒ کا مذہب اختیار کرے گا اور پھر اس نے بیوی کو بھی ہاتھ لگایا تو اب امام شافعیؒ کے مذہب پر تو وضو ٹوٹ گیا اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر نہیں ٹوٹا تو یہاں ابوحنیفہؒ کا مذہب لے لے گا۔ حالانکہ اس صورت میں کسی امام کے نزدیک اس کا وضو نہیں رہا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو خون نکلنے کی وجہ سے ٹوٹ گیا اور امام شافعیؒ کے نزدیک عورت کو چھونے کی وجہ سے۔ مگر اس شخص کو ذرا بھی پرواہ نہ ہوگی۔ وہ تو ہر امام کے مذہب میں اپنے مطلب ہی کی ڈھونڈ لے گا اور جو اس کے مطلب کے خلاف ہے اس کو نہ مانے گا۔ سو دین تو رہے گا

نہیں غرض اور نفس پرستی رہ جائے گی۔ پس یہ فرق ہے ہم میں اور سلف میں ان کو تقلید شخصی کی ضرورت نہ تھی کیونکہ تدین غالب تھا اور سہولت وغرض کے غالب نہ تھے بخلاف ہمارے کہ ہم میں غرض پرستی غالب ہے ہم سہولت اور غرض کے بندے ہیں اس لئے ہم کو اس کی ضرورت ہے کہ کسی ایک خاص شخص کی تقلید کریں ہم تقلید شخصی کو فی نفسہ واجب یا فرض نہیں کہتے بلکہ یوں کہتے ہیں کہ تقلید شخصی میں دین کا انتظام ہوتا ہے اور ترک تقلید میں بے انتظامی ہوتی ہے۔ پس تقلید شخصی میں راحت بھی ہے اور نفس کی حفاظت بھی۔

(اشرف الجواب حصہ دوم ص ۸۹ تا ص ۹۶ ملخص)

علامہ ابن تیمیہ بھی تقلید شخصی کو ضروری تحریر فرماتے ہیں۔ **فی وقت یقلدون من یفسد النکاح وفی وقت یقلدون من یصححه، بحسب الغرض والھوی و مثل ھذا لا یجوز.**

یعنی یہ لوگ کبھی اس امام کی تقلید کرتے ہیں جو نکاح کو فاسد قرار دیتا ہے اور کبھی اس امام کی جو اسے درست قرار دیتا ہے اپنی غرض اور خواہش کے مطابق۔ اور اس طرح عمل کرنا بالاتفاق ناجائز ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۲۴۰)

غیر مقلدین شیخ عبدالوہاب نجدی کے ہم مسلک و ہم عقیدہ سمجھے جاتے ہیں لیکن یہ نام نہاد اہل حدیث ان سے بھی دو قدم آگے ہیں۔ شیخ ائمہ اربعہ کی تقلید کے جواز کے قائل ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم حنبلی المذہب ہیں۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"فنحن وللہ الحمد متبعون لا مبتدعون علی مذھب الامام احمد بن حنبل" ہم لوگ الحمدللہ ائمہ سلف کے متبع ہیں کوئی نیا طریقہ اور بدعت ایجاد کرنے والے نہیں ہیں اور ہم امام احمد بن حنبل کے مذہب پر ہیں (محمد بن عبدالوہاب للعلامہ احمد عبدالغفور عطار طبع بیروت ص ۱۷۴، ۱۷۵) ایک دوسرے مکتوب میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔ انی وللہ الحمد متبع ولست بمبتدع عقیدتی ودینی الذی ادین اللہ بہ الخ، میں ... الحمدللہ ائمہ سلف کا متبع ہوں مبتدع (دین میں نئی بات نکالنے والا) نہیں ہوں۔ میرا عقیدہ اور میرا دین جو میں اللہ کے دین کی حیثیت سے اختیار کئے ہوئے ہوں وہ اہل سنت والجماعت کا وہی مسلک اور طریقہ ہے جو امت کے ائمہ اربعہ اور ان کی متبعین کا مسلک اور طریقہ ہے (محمد بن عبدالوہاب ص ۱۷۴، ص ۱۷۵)

ان کے صاحبزادے شیخ عبداللہ اپنے ایک رسالے میں اپنے اور اپنے والد کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ اصول دین (یعنی ایمانیات واعتقادیات) میں ہمارا مسلک اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے اور ہمارا طریقہ ائمہ سلف کا طریقہ ہے اور فروع میں یعنی فقہی مسائل میں ہم امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب پر ہیں اور جو کوئی ائمہ اربعہ میں سے کسی کی بھی تقلید کرے ہم اس پر نکیر نہیں کرتے۔ الھدیۃ السنیۃ ص ۳۸، ۳۹)

(مندرجہ بالا حوالہ جات حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہٗ کی ایک تازہ تصنیف بنام "شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ" سے اخذ کئے گئے ہیں۔)

علامہ ابن تیمیہ اور شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی جن کا علمی مرتبہ ہمارے غیر مقلدین بھائیوں کو بھی مسلم ہے۔ آپ نے سطور بالا میں ان دونوں حضرات کے اقوال وافکار ملاحظہ فرمائے اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان حضرات کے

یہاں بھی تقلید گناہ یا شرک نہیں ہے بلکہ وہ بھی اس کے ضروری ہونے کے قائل ہیں۔ اور یہ غیر مقلدین ائمۂ ہدیٰ کی تقلید کو حرام، شرک، بدعت اور گناہ کہتے ہیں چنانچہ غیر مقلدوں کی کتاب ''فقہ محمدی'' کے ابتداء میں ہے ''اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے ہم کو محض اپنے فضل و کرم سے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، مذاہب کی تقلید سے جن میں ایک جہان پھنس رہا ہے۔ اور بموجب آیت قرآنی اتخذوا احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللہ اور حدیث عدی بن حاتم کے کہ مخالف حکم خدا اور رسول کے اور کسی کا حکم ماننا شرک ہے، شرک سے بچایا۔'' (فقہ محمدی و طریقہ احمدیہ ص ۴)

صاحب فقہ محمدیہ نے حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی مذاہب کی تقلید کو ''شرک'' کہا ہے اور استدلال میں قرآنی آیت اتخذوا احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللہ۔ اور حدیث عدی بن حاتم کو بلا سمجھے بوجھے نقل کر دیا، حالانکہ آیت کا تعلق یہود و نصاریٰ سے ہے کہ انہوں نے اپنے علماء و مقتداؤں کو ''خدا'' بنا رکھا تھا اور وہ اس طرح کہ ان کی شریعت میں بعض چیزیں حرام تھیں ان کو ان کے علماء اور مذہبی پیشوا، اور پادریوں نے حلال کر دیا حالانکہ وہ چیزیں نص صریح ان کے مذہب میں حرام تھیں اور اس سے قبل ان اشیاء کے حرام ہونے کا عقیدہ بھی رکھتے تھے مگر پادریوں کے حلال کرنے سے حلال سمجھنے لگے۔ اسی طرح یہود نے اپنے علماء کے متعلق یہی عقیدہ بنا رکھا تھا۔ یہ صورت یقیناً مذموم اور شرک ہے چنانچہ جب یہ آیت اتخذوا احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللہ نازل ہوئی تو حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ وہ (یہود و نصاریٰ) اپنے علماء کی عبادت نہیں کرتے تھے پھر ارباباً من دون اللہ کیونکر ہوئے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انہم لم یکونوا یعبدونھم ولکنھم کانوا اذا احلوا شیئاً استحلوہ واذا حرموا علیھم شیئاً حرموہ۔ یعنی بیشک وہ ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ لیکن وہ لوگ (علماء) جس چیز کو حلال کر دیتے یہ لوگ اس کو حلال سمجھتے اور جس چیز کو حرام کہہ دیتے اس کو حرام جانتے (ترمذی وغیرہ)

اس تقریر سے ایک بات واضح ہوگئی کہ مقلدین احکام فقہیہ میں ائمہ مجتہدین کے فتاویٰ کی تقلید اور اتباع تو کرتے ہیں مگر ان میں اور یہود و نصاریٰ کی خباثت میں بین فرق ہے وہ یہ کہ یہود و نصاریٰ تحلیل و تحریم میں احبار ورھبان ان کے لئے مستقل اختیار ثابت کرتے تھے گویا انہیں قانون ساز سمجھتے تھے اور مقلدین ائمہ و علماء مجتہدین کے لئے شمہ برابر اختیار تشریعی تسلیم اور ثابت نہیں کرتے اصل حکم خدا ہی کا سمجھتے ہیں اور '' ان الحکم الا للہ '' ہی کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ہاں رسول کا بیان چونکہ دلیل قطعی ہے اللہ کی طرف سے چیزوں کے حلال و حرام ہونے پر۔ اس لئے رسول کی اتباع کرتے ہیں۔ اب رہا تقلید کا مسئلہ تو اس کی حیثیت (جیسا کہ گذشتہ اوراق سے واضح ہوگیا) صرف یہ ہے کہ ہم ائمہ کو شارح قانون سمجھتے ہیں اور ان کی فہم و بصیرت پر اعتماد کرتے ہیں نہ کہ انہیں قانون ساز گردانتے ہیں اس لئے اس تقلید کو یہود و نصاریٰ کی تقلید سے کوئی مناسبت نہیں اور ائمۂ ہدیٰ کی تقلید کی مذمت اس آیت کریمہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ سے متعلق ایک واضح اور قطعی بات لکھی ہے کہ اصل حکم تو اللہ ہی کا ہے، اور وہ تحلیل و تحریم جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی جاتی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ آنحضور ﷺ کا قول اللہ کی تحلیل و تحریم کے لئے علامت قطعی ہے۔ اور اس تحلیل و تحریم کو مجتہدین امت کی طرف منسوب کرنے کا مقصد

یہ ہے کہ یہ حضرات اس حکم کو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں یا اس کے کلام سے استنباط کرتے ہیں ۔و اما نسبة التحليل و التحريم الى النبى صلى الله عليه وسلم فبمعنى ان قوله امارة قطعيه لتحليل الله وتحريمه و اما نسبتها الىٰ مجتهدين من امته فبمعنى روايتهم ذلك عن الشرع من نص الشارع او استنباط من كلامه .

حجة الله البالغة مع ترجمه نعمة الله السابغة (ج ۱ ص ۱۲۷ باب اقسام الشرك)

غیر مقلدین کے چند اشکالات اور ان کے جوابات:

پہلا اشکال:

ان حضرات کا ایک اشکال یہ ہے کہ مسائل فقہ اور اسلامی احکام حضور اکرم ﷺ کے دور نبوت میں مدون اور جمع نہ تھے یہ بعد کی ایجاد ہے اس لئے یہ بدعت سیئہ ہے۔ یہ اعتراض سراسر ان کی جہالت اور ناواقفیت کی علامت ہے قرآن کریم بھی حضور اکرم ﷺ کے مبارک زمانہ میں یکجا جمع نہ تھا۔ حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مشورے سے جمع کیا گیا۔ جس کے لئے ابتداءً حضرت ابوبکر صدیقؓ تیار نہ تھے اور فرما رہے تھے۔ كيف تفعل شيئاً لم يفعل رسول الله صلى الله عليه وسلم "کہ جو کام حضور اکرم ﷺ نے نہیں کیا اسے آپ کیسے کر سکتے ہیں؟ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا" هذا و الله خير "قسم بخدا یہ کام لامحالہ اچھا ہے۔ ان دونوں حضرات میں بحث اور گفتگو ہوتی رہی یہاں تک کہ اللہ نے صدیق اکبر کو اس بارے میں شرح صدر فرمادیا اور وہ اس مبارک واہم کام کے کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ خود صدیق اکبر کا بیان ہے۔ فلم يزل عمر يراجعنى حتىٰ شرح الله صدرى لذلك .ورأيت فى ذلك الذى رأى عمر . یعنی عمر مجھ سے الٹ پھیر (بحث) کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اس کام کے لئے شرح صدر عطا فرمادیا اور میری بھی اس بارے میں وہی رائے ہوگئی جو عمر فاروقؓ کی تھی ان دونوں حضرات کی رائے متفق ہوگئی تو پھر کاتب وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور کرنے کے لئے طلب فرمایا اور قرآن جمع کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے بھی یہی سوال کیا۔ كيف تفعلون شيئاً لم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم آپ صاحبان وہ کام کیسے کر سکتے ہیں جو آنحضرت ﷺ نے نہیں کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو مصلحت بتائی یہاں تک کہ ان کے قلب مبارک میں اللہ نے یہ بات اتاردی اور وہ بھی اس کام کے لئے آمادہ ہو گئے حضرت زیدؓ فرماتے ہیں فلم يزل ابو بكر يرا جعنى حتى شرح الله صدرى للذى شرح له صدر ابى بكر و عمر . حضرت ابوبکر مجھ سے سوال و جواب (الٹ پھیر) کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لئے کھول دیا جس کے لئے ابوبکر و عمر کو شرح صدر ہو چکا تھا۔ اس کے بعد حضرت زید بن ثابتؓ نے نہایت جانفشانی اور پورے احتیاط کے ساتھ یہ خدمت انجام دی اور قرآن کریم کا نسخہ مرتب فرمادیا۔ اگر فقہ کے مسائل اور احکام حضور اکرم ﷺ کے بعد مدون ہونے اور جمع ہونے پر اعتراض ہے اور اسے بدعت و ناجائز کہا جاتا ہے تو جمع قرآن کے متعلق کیا کہو گے؟

احادیث کی تدوین بھی حضور کے وفات کے بعد ہوئی ہے اور کتب احادیث بعد میں مرتب ہوئی ہیں۔ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، مؤطا، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ تمام کتب بعد میں تصنیف کی گئی ہیں کیا اس کو بھی بدعت کہا جائے گا؟ اور اس سے اعراض کیا جائے گا؟ اور کتب احادیث سے استفادہ ترک کردیا جائے گا؟ حقیقت یہ ہے کہ نہ فقہ کا مدون ہونا بدعت ہے، نہ کتب احادیث کا مرتب ہونا بدعت، اور نہ جمع قرآن کو بدعت کہا جاسکتا ہے اس لئے کہ ہر نئی بات کو بدعت کہہ دینا جہاں اور محروم العقل لوگوں کا کام ہے۔ ہر نیا کام اور ہر نئی بات بدعت ممنوعہ نہیں بلکہ جو عمل "فی الدین" یعنی دین کے اندر بطور اضافہ اور کمی بیشی کے ہو اور اسے دین قرار دے کر اور عبادت وغیرہ دینی امور کے طرح ثواب آخرت اور رضائے الٰہی کا وسیلہ سمجھ کر کیا جائے حالانکہ شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہ ہو۔ نہ قرآن وسنت سے نہ قیاس واجتہاد سے "جیسے عیدین کی نماز میں اذان واقامت کا اضافہ" یہ تو بدعت ہے اور جو نیا کام " للدین" ہو یعنی دین کے استحکام ومضبوطی اور دینی مقاصد کی تکمیل وتحصیل کے لئے ہو اسے بدعت ممنوعہ نہیں کہا جاسکتا جیسے جمع قرآن کا مسئلہ، قرآن میں اعراب وغیرہ لگانا۔ کتب احادیث کی تالیف اور ان کی شرحیں لکھنا اور ان کتابوں کا صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ نام رکھنا ان تمام امور کو بدعت نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح احکام فقہ کا مدون ومرتب کرنا اور مذاہب اربعہ کی تعیین اور ان کا حنفی شافعی، مالکی اور حنبلی نام رکھنا اس کو بھی بدعت نہیں کہا جاسکتا۔ مذکورہ تمام امور للدین ہونے کی وجہ سے مستحب بلکہ ضروری ہیں۔ اگر قرآن جمع نہ کیا جاتا تو اس کی حفاظت مشکل ہوجاتی۔ اگر اس پر اعراب نہ لگائے جاتے تو صحیح تلاوت کرنا دشوار ہوجاتا۔ احادیث کو کتابوں کی صورت میں مرتب نہ کیا جاتا تو آج شاید امت کے پاس احادیث کا یہ معتبر ذخیرہ نہ ہوتا اسی طرح اگر فقہ کی تدوین اور مذاہب اربعہ کی تعیین نہ ہوتی تو آج لوگ خواہشات کے غلام اور بندے ہوچکے ہوتے یہ تو خدا کا فضل ہے کہ اس نے علماء کے قلب میں یہ بات الہام کی کہ انہوں نے ضرورت محسوس کرکے فقہ کی تدوین کی اور اس کے طفیل لوگوں کے لئے احکام شرع پر عمل کرنا آسان ہوگیا چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ وبالجملة فالتمذهب للمجتهدين سر الهمه الله تعالیٰ العلماء وجمعهم من حيث يشعرون او لا يشعرون.

الحاصل (ان مجتہدین کا صاحب مذہب ہونا) اور پھر لوگوں کا ان کو اختیار کرنا ایک راز ہے جسے کو اللہ نے علماء پر الہام کیا ہے اور ان کو اس تقلید پر جمع کردیا ہے چاہے وہ اس کو راز کو جانیں یا نہ جانیں۔ (انصاف ص ۴۷)

اور تحریر فرماتے ہیں۔ اعلم ان في الا خذ بهذه المذاهب الا ربعة مصلحة عظمية وفيه الاعراض عنها كلها مفسدة كبيرة. جاننا چاہئے کہ مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے اور ان سب سے اعراض کرنے میں بڑا مفسدہ ہے۔ (عقد الجید ص ۳۱)

دوسرا اشکال:

ان کا ایک اشکال یہ بھی ہے کہ مجتہدین تو بہت ہوئے کیا وجہ ہے کہ تقلید کا انحصار انہی چار میں ہے۔ کیا قرآن وحدیث میں ان کے برحق ہونے کی صراحت آئی ہے؟

یہ لوگ ایسے بے جا اعتراضات سے لوگوں کو بہکانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں، بخاری، مسلم، ترمذی، ابو

داؤد وغیرہ کتب احادیث کتب معتبرہ ہیں کیا قرآن کی کسی آیت یا کسی حدیث میں ان کے معتبر ہونے کی وضاحت آئی ہے؟ ان کتب کے معتبر وصحیح ہونے کی سند یہ ہے کہ امت کے علماء وصلحاء کی جانب سے ان کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور **تلقی بالقبول** کسی چیز کے صحیح و معتبر ہونے کی بہت مضبوط وقوی سند ہے حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔" **اتفاق سلف و توارث ایشان اصل عظیم است در فقه**"سلف کا اتفاق اوران کا توارث فقہ میں اصل عظیم ہے۔(ازالۃ الخفاء مطبع بریلی ص۸۵)

چار ہی کیوں رہے تین یا پانچ نہ ہوئے اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ اگر پانچ مذاہب ہوتے تب بھی یہی سوال ہوتا کہ پانچ کیوں ہوئے؟ چار میں منحصر ہو جانا اس کی مصلحت تو خدا بہتر جانتا ہے۔لیکن ظاہری طور پر آج جس قدر تفصیل کے ساتھ ہر باب اور ہر فصل کے مسائل کتاب الطہارت سے لے کر کتاب الفرائض تک ائمہ اربعہ کے مذہب میں مدون اور مجتمع ہیں ان کے علاوہ کسی اور مجتہد کے مسائل مدون اور مجتمع نہیں ہیں۔خال خال ان بزرگوں کے اقوال مذاہب اربعہ کی کتابوں میں ملتے ہیں۔جب یہ صورت حال ہے تو پھر ائمہ اربعہ کو چھوڑ کر کسی اور کی تقلید کی جائے تو کس طرح کی جائے اس لئے امت نے تقلید کو ائمہ اربعہ ہی میں منحصر کر دیا ہے۔شیخ احمد المعروف بہ ملا جیونؒ تفسیرات احمدیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔**والانصاف ان انحصار المذاهب فى الاربعة واتباعهم فضل الهى وقبولية من عند الله لا مجال فيه للتوجيهات و الادلة.** انصاف کی بات یہ ہے کہ مذاہب کا چار میں منحصر ہو جانا اور انہی چار مذاہب کی اتباع کرنا فضل الٰہی ہے اور منجانب اللہ قبولیت ہے اس میں دلائل اور توجیہات کی کوئی ضرورت نہیں (تفسیرات احمدیہ ص۳۴۶)

اور یہ حقیقت ہے کہ ان چار اماموں کو اللہ نے قرآن وحدیث کا تفصیلی علم اور درایت واستنباط کی مہارت تامہ عنایت فرمائی ہے۔حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں" بالجملة ایں چار امام اند کہ عالم را علم ایشاں احاطہ کردہ است امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ امام شافعیؒ، امام احمدؒ" یعنی چار امام ایسے ہیں کہ ان کا علم سارے عالم کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ چار امام۔ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، اور امام احمدؒ ہیں۔(شرح مؤطا ص۶)

اور اس کی مصلحت خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ چار کے عدد میں کچھ ایسی خصوصیت ہے کہ بہت سی چیزیں چار کے عدد میں مشہور ہوئیں۔دیکھئے! انبیاء ورسل بہت ہوئے مگر جلیل القدر انبیاء چار ہیں (۱) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ (۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام (۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام (۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔آسمانی کتابیں بہت نازل ہوئیں مگر ان میں چار بہت مشہور ہیں (۱) قرآن مجید (۲) توراۃ (۳) زبور (۴) انجیل۔ملائکہ ان گنت اور بے شمار ہیں مگر جلیل القدر ملائکہ چار ہیں۔(۱) حضرت جبرائیلؑ، (۲) حضرت میکائیلؑ، (۳) حضرت عزرائیلؑ، (۴) حضرت اسرافیلؑ، صحابہ بہت ہیں مگر چار بڑی خصوصیات کے حامل ہیں۔(۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ، (۲) حضرت عمر بن خطابؓ، (۳) حضرت عثمان بن عفانؓ، (۴) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اجمعین صوفیاء ومشائخ طریقت بہت ہوئے مگر چار سلسلے مشہور ہوئے۔(۱) چشتیہ، (۲) نقشبندیہ، (۳) قادریہ، (۴) سہروردیہ، خدا کی قدرت کی نشانیاں بے شمار ہیں۔مگر سورۂ غاشیہ میں اللہ نے چار چیزوں کو پیش کیا ہے۔(ابل، سماء، جبال، ارض) فرماتے ہیں **افلا ينظرون الى الابل كيف خلقت والى السمآء كيف رفعت والى الجبال كيف نصبت والى**

الارض کیف سطحت. کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح (عجیب طور سے) پیدا کیا گیا ہے اور آسمان کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں (کو نہیں دیکھتے) کہ کس طرح کھڑے کئے گئے ہیں اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بچھائی گئی ہے (سورۂ غاشیہ ۳۰)۔ اسی طرح اگر مجتہدین میں سے چار مشہور ہوئے تو اس میں کون سی بات اعتراض کی ہے؟ لہذا ان چار میں سے کسی کی اتباع میں ہماری نجات مضمر ہے۔ پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی حنبلی المذہب تھے اور آپ یہ تمنا فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو امام احمدؒ کے مذہب پر قائم رکھے اور میدان حشر میں انہی کے زمرہ میں ہمارا حشر فرمائے۔ غنیۃ الطالبین میں ہے۔ **اماتنا علی مذهبه اصلا وفرعا وحشرنا في زمرته.** یعنی اللہ تعالیٰ ہم کو اصلاً (یعنی اعتقاداً) وفرعاً ان کے مذہب پر خاتمہ کرے اور ان کے زمرہ میں ہمارا حشر فرمائے۔ (غنیۃ الطالبین ص ۶۸۹ عربی)

خلاصہ کلام یہ کہ اگرچہ مجتہدین بہت ہوئے مگر چونکہ ان کے مذاہب مدون نہیں ہوئے صرف ان چار کے مدون ومرتب ہوئے اس لئے انہی میں سے کسی کی اتباع ضروری ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ **ولما اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة كان اتباعها اتباعاً للسواد الاعظم والخروج عنها خروجا عن السواد الاعظم.** یعنی جب بجز مذاہب اربعہ کے اور سارے مذاہب حقہ ختم ہو گئے تو انہی مذاہب اربعہ کا اتباع سواد اعظم کا اتباع ہے۔ اور ان سے نکلنا سواد اعظم سے نکلنا ہے جس کی حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے۔ (عقد الجید ص ۳۱)

اور تحریر فرماتے ہیں:۔ **وليس مذهب في هذه الازمنة المتاخرة بهذه الصفة الا هذه المذاهب الاربعة.** اس آخری زمانے میں اس صفت کے (کہ جس میں ہر شعبہ کے مسائل ہوں) صرف یہ مذاہب اربعہ ہیں۔

تیسرا اشکال:

غیر مقلدین کا ایک اعتراض یہ بھی ہے۔ قرآن ایک..... رسول ایک پھر ائمۂ اربعہ کے درمیان مسائل میں اختلاف کیوں ہے؟ اس اختلاف کی وجہ سے انسان تشویش میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ کس کو حق سمجھے اور کس پر عمل پیرا ہو۔

جواب یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے اولین مخاطب حضرات صحابہ تھے، وہ براہ راست حضور اکرم ﷺ سے فیض یافتہ تھے اس لئے وہی حضرات قرآن وحدیث کی مراد کو صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں لہذا ان حضرات نے جو سمجھا ہے وہ ہمارے لئے معیار اور مشعل راہ ہے۔ اور قرآن ورسول کے ایک ہوتے ہوئے حضرات صحابہ کے مابین بے شمار مسائل میں اختلاف تھا۔ ائمۂ اربعہ نے چونکہ ان ہی حضرات اور ان سے فیض یافتہ حضرات یعنی (تابعین) کی فہم وبصیرت پر اعتماد کیا ہے اور ان ہی کے اقوال ومذاہب کو اختیار کیا ہے اس لئے ائمۂ اربعہ میں بھی مسائل میں اختلاف واقع ہوا۔ اور صحابہ کے باہمی اختلاف کے متعلق حدیث میں ہے۔ **سئالت ربي عن اختلاف اصحابي** الخ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں میں نے اپنے رب سے اپنے بعد صحابہ کے باہمی اختلاف کے متعلق پوچھا۔ اللہ نے بذریعۂ وحی بتلایا۔ کہ اے محمد! (ﷺ) تمہارے صحابہ میرے نزدیک ایسے ہیں جیسے آسمان کے ستارے کہ ان میں بعض کی روشنی

بعض سے زیادہ ہے (مگر روشنی ہر ایک میں ضرور ہوتی ہے) جو شخص آپ کے صحابہ کے مسالک مختلفہ میں سے کسی مسلک کو اختیار کرے گا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہوگا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴ باب مناقب الصحابہ) اور یہ اختلاف مبنی علی الاخلاص ہوتا ہے اس لئے مذموم نہیں بلکہ پسندیدہ اور باعث رحمت ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے " اختلاف امتی رحمة" میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ حدیث پاک میں جس اختلاف کو رحمت فرمایا ہے اس کا صحیح مصداق یہی صحابہ وائمہ کا اختلاف ہے۔ صحابہ کے باہمی اختلاف کی بے شمار مثالیں حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ صحابہ کے اختلاف کے چند نمونے ذکر فرماتے ہیں۔ **وقد کان فی الصحابة والتابعین ومن بعد هم من یقراء البسملة ومن لا یقرء ..... الخ** ترجمہ: صحابہ وتابعین میں اور ان کے بعد زمانہ میں بعض ایسے تھے جو نماز میں بسم اللہ جہراً پڑھتے تھے اور بعض جہراً نہیں پڑھتے تھے۔ اور بعض نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے۔ بعض پچھنہ لگانے نکسیر پھوٹنے اور قے کرنے کی وجہ سے وضو کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے اور اس کو ناقض وضو نہیں سمجھتے تھے۔ بعض لوگ مس ذکر اور عورتوں کو شہوت سے ہاتھ لگانے کو ناقض وضو سمجھ کر وضو کرتے تھے اور بعض لوگ نہیں کرتے تھے۔ بعض لوگ آگ سے پکی ہوئی اشیاء کھانے کے بعد وضو کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے۔ بعض اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے۔ (حجة الله البالغه مترجم ج ۱ ص ۳۷۶ (باب) اختلاف الصحابه فی الا حکام کثیر).

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس اللہ سرہٗ

" ..... والاعتدال فی مراتب الرجال" میں صحابہ کے باہمی اختلاف کی چند مثالیں بیان فرماتے ہیں۔

(۱) شرمگاہ کے چھونے سے حضرت عمرؓ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔

(۲) سمندر کے پانی سے وضو کرنا جمہور صحابہ کے نزدیک جائز ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک مکروہ ہے۔

(۳) جمعہ کے دن خوشبو کا استعمال کرنا جمہور صحابہ کے نزدیک مستحب ہے حضرت ابو ہریرہؓ کے نزدیک واجب ہے۔

(۴) حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نزدیک زندوں کے رونے سے مردے کو عذاب ہوتا ہے حضرت عائشہؓ سختی سے اس کا انکار کرتی ہیں۔

(۵) امام زہریؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ میں اختلاف تھا کہ رمضان کے روزوں کی قضا کا لگاتار رکھنا ضروری ہے یا الگ الگ رکھنا بھی جائز ہے۔

(۶) ایک بڑی جماعت کا صحابہ کرام میں سے مذہب یہ تھا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ان میں حضرت انسؓ، ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ وغیرہ بھی ہیں لیکن خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ کا مذہب یہ ہے کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

(۷) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مذہب ہے کہ تیمم میں کہنیوں تک ہاتھ پھیرنا ضروری ہے حضرت علی کرم اللہ

وجہ کا مذہب ہے کہ پہنچوں تک کافی ہے۔

(۸) حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت انسؓ کا مذہب ہے کہ نمازی کے سامنے سے گدھا گذر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کا مذہب ہے کہ نہیں ٹوٹتی۔

(۹) اگر صرف دو مقتدی ہوں تو صحابہ کے نزدیک امام کو آگے کھڑا ہونا چاہئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مذہب ہے کہ ان دونوں کے درمیان کھڑا ہونا چاہئے۔

(الاعتدال فی مراتب الرجال المعروف بہ اسلامی سیاست ص ۲۰۲-۲۰۳)

(۱۰) مسلم نے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ عورتوں کو غسل کے وقت حکم کرتے تھے کہ سر کے بالوں کو کھول لیا کریں یہ بات حضرت عائشہؓ نے سنی تو فرمایا۔ ابن عمرؓ سے تعجب ہے کہ وہ عورتوں کو سر کھولنے کا حکم دیتے ہیں ان کو سر منڈوانے کا حکم کیوں نہیں دے دیتے یقیناً میں اور رسول اللہ ﷺ ایک برتن سے نہایا کرتے تھے اور میں اس سے زیادہ نہیں کرتی تھی کہ اپنے سر پر تین بار پانی بہا دیا کرتی تھی۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ ص ۲۲۳ باب اذالم یصله الحدیث اصلاً)

(۱۱) جمہور کا مسلک یہ ہے کہ طواف میں رمل کرنا سنت ہے اور عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس کو رسول اللہ ﷺ نے اتفاقی طور پر ایک امر عارض کی وجہ سے لیا تھا اور وہ یہ کہ مشرکین نے کہا تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ کے بخار نے کمزور کر دیا ہے اور یہ رمل کرنا سنت نہیں ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ ص ۳۲۳ (باب الاختلاف فی النظر الی الحدیث)

اور بھی بے شمار مسائل ہیں جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا باہمی اختلاف ہے ترمذی شریف کا مطالعہ کرنے والے بخوبی اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

صحابہؓ کے مابین اختلاف کے وجوہ کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ بالغہ میں بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ اختلاف کے وجوہ بیان فرمانے کے بعد آپ تحریر فرماتے ہیں۔ **وبالجملة فاختلف مذاهب اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم واخذ عنهم التابعون کذالک کلٌ اخذ ماتیسر له** الخ.

ترجمہ: حاصل کلام یہ کہ ان وجوہ سے صحابہ کے مذاہب مختلف ہو گئے تھے اور ان سے تابعین نے اس طرح حاصل کیا جس طرح جس کو توفیق ہوئی (تابعین نے) جس حدیث رسول کو اور جن مذاہب صحابہ کو سنا اس کو یاد کیا اور سمجھا اور جہاں تک ہو سکا مختلف امور کو جمع کیا اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دی اور بعض کو اپنی نظر میں ضعیف سمجھا اگرچہ وہ کبار صحابہ سے مروی تھے۔ جیسے حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ کا مذہب ہے کہ وہ جنبی کے لئے تیمم کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ جب عمارؓ اور عمران بن حصینؓ وغیرہ کی احادیث مشہور ہوئیں تو ان کو وہ مسلک ضعیف معلوم ہوا۔ اسی طرح تابعین میں سے ہر عالم کا ایک مذہب اس کے خیال کے موافق قائم ہو گیا۔ پس ہر شہر میں ایک امام قائم ہو گیا جیسے مدینہ میں سعید بن مسیب اور سالم بن عبداللہ بن عمرؓ ہوئے اور ان کے بعد وہیں مدینہ میں امام زہری قاضی یحییٰ ابن سعید اور ربیعہ بن عبدالرحمن ہوئے۔ اور مکہ میں عطاء ابن ابی رباح تھے۔ کوفہ میں ابراہیم نخعی اور شعبی تھے۔ بصرہ میں حسن بصری تھے۔ یمن میں طاؤس بن کیسان تھے۔ اور شام میں مکحول تھے۔ پس خدا نے بہت سے قلوب کو ان کے علوم کا گرویدہ بنا دیا اور لوگوں نے نہایت رغبت سے ان سے حدیث، صحابہ کے فتویٰ۔ اور اقوال اور خود ان کے مذاہب اور ان کی تحقیقات کو حاصل کیا اور ان سے مسائل کا استفسار کیا اور مسائل کا خوب ان میں تذکرہ رہا تمام معاملات کے وہ مرجع رہے سعید ابن

مسیب اور ابراہیم اوران کے ہم مرتبہ لوگوں نے تمام ابواب فقہ کو مرتب کردیا تھا، اور ہر باب کے متعلق ان کے پاس اصول وقواعد مرتب تھے جن کو انہوں نے اپنے اسلاف سے حاصل کیا تھا۔ سعید بن مسیب اوران کے اصحاب کا یہ مذہب تھا کہ فقہ میں حرمین کے علماء سب سے زیادہ پختہ ہیں اوران کے مذہب کی بنیاد عبداللہ بن عمرؓ، عائشہؓ، اور عبداللہ بن عباسؓ کے فتوے اور مدینہ کے قاضیوں کے فیصلے ہیں ان سب علوم کو انہوں نے بقدر استطاعت جمع کیا اوران میں تنقیح کی نظر سے دیکھا جن مسائل میں علماء مدینہ کا اتفاق دیکھا ان کو خوب مستحکم طور سے اختیار کیا اور جو مسائل ان کے نزدیک مختلف فیہ تھے ان میں سے قوی اور راجح کو اختیار کیا ان کے نزدیک ان کے راجح ہونے کے وجہ یا یہ تھی کہ اکثر علماء نے اس طرف میلان کیا تھا یا وہ کسی قیاس قوی کے موافق تھے یا کتاب وحدیث سے مصرح طور پہ مستنبط ہوتے تھے یا اس طرح کا کوئی اور امر تھا اور جب انہوں نے اپنے محفوظات میں مسئلہ کا جواب نہ پایا تو اس کو ان کے کلام سے حاصل کیا اور کتاب وسنت کے ایماء اور اقتضاء کا تتبع کیا اس کی وجہ سے ہر ایک باب میں بکثرت مسائل ان کو حاصل ہو گئے۔ ابراہیم اوران کے شاگردوں کی رائے یہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اوران کے شاگرد فقہ میں سب سے زیادہ قابل اعتماد ہیں جیسی علقمہ نے مسروق سے کہا تھا کہ کوئی فقیہ عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ قابل وثوق نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ نے امام اوزاعیؒ سے کہا تھا کہ ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہہ ہیں اور اگر صحابی ہونے کی فضیلت عبداللہ بن عمرؓ میں نہ ہوتی تو میں کہہ دیتا کہ علقمہ عبداللہ بن عمرؓ سے زیادہ فقیہہ ہیں اور عبداللہ بن مسعودؓ تو عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی اصل عبداللہ بن مسعودؓ کے فتوے، حضرت علیؓ کے فیصلے اور قاضی شریحؒ اور دیگر قضاۃ کوفہ کے فتاوی ہیں۔ پس ان میں سے امام ابوحنیفہ نے بقدر امکان مسائل فقہیہ کو جمع کیا اور جیسے اہل مدینہ کے آثار سے مدینہ کے علماء نے تخریج کی تھی۔ ایسی ہی کوفہ کے آثار سے انہوں نے تخریج مسائل کی، پس ہر باب کے متعلق مسائل فقہ مرتب ہو گئے اور حضرت سعید بن مسیبؒ فقہائے مدینہ کی زبان تھے اوران کو حضرت عمرؓ کے فیصلے اور حضرت ابو ہریرہؓ کی احادیث سب سے زیادہ یاد تھیں اور ابراہیم فقہائے کوفہ کی زبان تھے پس جب وہ دونوں کوئی بات کہتے اور کسی کی جانب اس کو منسوب نہ کرتے تو وہ اکثر صراحتاً یا کنایۃً یا کسی اور طرح سے سلف میں سے کسی کی طرف منسوب ہوتی تھی۔ پس فقہائے مدینہ اور کوفہ نے ان دونوں پر اتفاق کیا ان سے علم کے ذریعہ دیگر مسائل کی تخریج کی'' (حجة الله البالغه مع ترجمه نعمة الله السابغه ص ۳۲۵ ص ۳۲۶ ص ۳۲۷، ص ۳۲۸ (باب) اختلاف مذاهب اصحاب النبی ﷺ (باب) مذاهب التابعين .(باب) الرواية عن الصحابة و (باب) تحفة اهل الحرمين. (باب) فقهاء الصحابة و التابعين. جلد اول باب اختلاف الصحابة و التابعين فى الفروع)

ائمہ کے باہمی اختلاف کے اور بھی بہت سے وجوہ ہیں جن کو مفصل حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اور حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے اختلاف الائمہ، اور اعتدال فی مراتب الرجال وغیرہ میں بیان کیا ہے۔ اس لئے ائمہ کے باہمی اختلاف کی وجہ سے تشویش واقع ہونے اور شکوک وشبہات پیدا کرنے اور اعتراض کرنے کا کوئی وجہ جواز نہیں۔ علامہ شعرانیؒ ائمہ کے باہمی اختلاف کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

''عزیزمن اگر تو بنظر انصاف دیکھے گا۔ تو یہ حقیقت واضح اور منکشف ہو جائے گی کہ ائمہ اربعہ اوران کے مقلدین سب کے سب طریق ہدایت پر ہیں اوراس کے بعد کسی امام کے کسی مقلد پر بھی اعتراض کا خیال نہیں ہوگا۔

اس لئے کہ یہ امر ذہن نشین ہوجاوے گا کہ ائمہ اربعہ کے مسالک شریعت مطہرہ میں داخل ہیں اوران کے مختلف اقوال امت کے لئے رحمت ہوکر نازل ہوئے حق تعالیٰ شانہ. جو علیم وحکیم ہیں ان کی مصلحت اسی امر کو متقضی تھی۔ حق سبحانہ و تعالیٰ اگر اس کو پسند نہ فرماتے تو اس کو بھی اسی طرح حرام قرار دیتے۔ جس طرح کہ اصل دین میں اختلاف کو ممنوع قرار دیا۔ عزیز من! مبادا تجھ پر یہ امر مشتبہ ہو جائے کہ تو ائمہ کے فروعی اختلاف کو اصولی اختلاف کے مشابہ اور اس کے حکم میں سمجھنے لگے جس کی وجہ سے تیرا قدم میدان ہلاکت میں پڑ جائے حضور اقدس ﷺ نے اس امت کے اختلاف فرعی کو رحمت قرار دیا ہے۔ الخ۔ (از اختلاف الائمہ ص ۳۳ ص ۳۴)

یہ ہے ائمہ کے باہمی اختلاف کی وجہ اکابر علماء کی نظر میں۔ مگر تعجب خیز بات یہ ہے کہ غیر مقلدین ائمہ پر تو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اللہ ایک، رسول ایک، قرآن ایک، پھر مسائل میں اختلاف کیوں ہے؟ حالانکہ خود ان کے علماء میں بھی بے شمار مسائل میں اختلاف ہے۔ جب سب کچھ ایک ہے تو پھر تمہارے یہاں بھی یہ اختلاف کیسا؟

علماء غیر مقلدین کے باہمی اختلاف کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:۔

(۱) علامہ شوکانی اور نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد اس کے قائل ہیں کہ ستر عورت نماز میں شرط نہیں ہے اور مولوی وحید الزماں صاحب غیر مقلد اس کے قائل ہیں کہ ستر عورت نماز میں شرط ہے بغیر اس کے نماز نہیں ہوتی۔ (ہدیۃ المہدی)

(۲) نواب صدیق حسن صاحب غیر مقلد کے قول میں مؤذن کو اجرت دے کر رکھنا جائز نہیں ہے۔ بدور الاہلہ ص ۴۶) اور مولوی وحید الزماں غیر مقلد کہتے ہیں کہ اس وقت جواز اخذ اجرت میں کوئی شبہ نہیں۔ (ہدیۃ المہدی ص ۸۷)

(۳) مولوی وحید الزماں غیر مقلد کے نزدیک مؤذن کا مذکر ہونا شرط ہے (ہدیۃ المہدی) اور نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد کے نزدیک شرط نہیں ہے بلکہ عورتوں مردوں کا ایک حکم ہے۔ (بدور الاہلہ ص ۴۶)

(۴) نواب صدیق حسن صاحب غیر مقلد کہتے ہیں کہ اذان واجب ہے (بدور الاہلہ ص ۴۶) اور مولوی وحید الزماں غیر مقلد کہتے ہیں کہ سنت ہے۔ (ہدیۃ المہدی ص ۴۶)

(۵) مولوی وحید الزماں غیر مقلد کے نزدیک رنڈی کی خرچی حرام ہے اس کے یہاں دعوت کھانا درست نہیں ہے اس سے معاملہ کرنا درست نہیں ہے چنانچہ انہوں نے اسرار اللغۃ پارہ دہم ص ۱۵۶ میں اس کی تصریح کی ہے۔ اور مولوی عبداللہ صاحب غازی پوری غیر مقلد کے نزدیک حلال ہے اور تو بہ اس کا ذریعہ ہے۔

(۶) مولوی وحید الزماں غیر مقلد کے نزدیک قرآن وحدیث سے بیمار پر رقیہ کرنا درست ہے۔ اور دوسرے غیر مقلدین کے نزدیک ناجائز ہے۔ (اسرار اللغۃ پارہ دہم ص ۱۱۸)

(۷) مولوی وحید الزماں غیر مقلد کہتے ہیں کہ اگر مواقیت سے پہلے کسی نے احرام باندھ لیا تو جائز ہے۔ (ہدیۃ المہدی ج ۶ ص ۹۹) اور نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد کہتے ہیں کہ جائز نہیں۔ (بدور الاہلہ ص ۱۳۹)

(۸) نواب صاحب فرماتے ہیں کہ وطی سے حج باطل نہیں ہوتا (بدور الاہلہ ص ۱۴۱) مولوی وحید الزماں غیر مقلد کہتے ہیں کہ باطل ہوجاتا ہے آئندہ سال اعادہ کرے۔ (ہدیۃ المہدی ص ۲۱۱ ج ۶)

(۹) مولوی بشیر قنوجی کہتے ہیں کہ تراویح میں ختم کے دن تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھنا بدعت ہے وہ حافظوں کو منع کردیا کرتے تھے مولوی وحید الزماں لکھتے ہیں کہ بدعت نہیں جائز ہے۔ (اسرار اللغۃ ص ۶۴ پارہ چہارم)

(۱۰) نواب صدیق حسن خان صاحب کہتے ہیں کہ اذان وقت میں ہونی چاہئے وقت سے پہلے جائز نہیں۔ اور حضرت بلالؓ کی اذان شب میں ایقاظ نائم وارجاع قائم کے لئے ہوتی تھی نماز فجر کے واسطے نہ تھی۔ (بدور الاہلہ ص ۴۷) لیکن مولوی وحید الزماں غیر مقلد کی رائے یہ ہے کہ فجر کے لئے دو اذانیں ہونی چاہئیں۔ چنانچہ اسرار اللغۃ میں مصرح ہے۔ (ہدیۃ المہدی ص ۶۴)

(۱۱) مولوی وحید الزماں غیر مقلد کہتے ہیں اسی طرح گانا بجانا تفریح طبع کے لئے مختلف فیہ ہے اور عید اور شادی اور خوشی کی رسموں میں بقول راجح جائز بلکہ مستحب ہے۔ (اسرار اللغۃ پارہ ہشتم ۸۶) اور نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد کہتے ہیں مزامیر وغیرہ حرام ہے (بدور الاہلہ ص ۵۱۳)

(۱۲) مولوی وحید الزماں غیر مقلد کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں صحیح یہ ہے کہ فاتحہ جہراً (یعنی بلند آواز سے) پڑھے (ہدیۃ المہدی ص ۲۲۱) اور نواب صدیق حسن خان صاحب غیر مقلد فرماتے ہیں کہ جہر ثابت ہے اور آہستہ پڑھنا مستحب نہیں (بدور الاہلہ ص ۶۲)

(۱۳) نور الحسن غیر مقلد کہتے ہیں کہ زنا کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے (عرف الجادی ص ۱۱۲) لیکن عبدالجلیل صاحب سامرودی غیر مقلد فرماتے ہیں کہ جائز نہیں کیونکہ صحاح ستہ میں اس کا ذکر نہیں۔
(العذاب المہین ص ۵۲)

(۱۴) مولوی وحید الزماں اہل حدیث فرماتے ہیں کہ مال تجارت میں زکوٰۃ واجب نہیں (بدور الاہلہ ص ۱۰۲) اور مولوی عبدالجلیل غیر مقلد کہتے ہیں کہ مال تجارت میں عامہ اہل حدیث کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہے (العذاب المہین ص ۲۸، ۲۹)

(۱۵) مولوی وحید الزماں اہل حدیث فرماتے ہیں کہ آج کل مولود مروجہ پر انکار جائز نہیں۔ (ہدیۃ المہدی ص ۱۱۸) لیکن مولوی ثناء اللہ صاحب اہل حدیث فرماتے ہیں کہ بدعت ہے (اہل حدیث کا مذہب ص ۳۴)

(۱۶) نواب صدیق خاں اہل حدیث کے نزدیک چاندی سونے کے زیور میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ (بدور الاہلہ ص ۱۰۱) لیکن مولوی وحید الزمان غیر مقلد فرماتے ہیں دلیل کے اعتبار سے وجوب قوی ہے۔
(ہدیۃ المہدی ص ۵ ج ۲)

(۱۷) نواب صدیق حسن خاں صاحب اہل حدیث فرماتے ہیں۔ قبلۂ دین مدد دے کعبۂ ایمان مدد دے ابن قیم مدد دے، قاضی شوکانی مدد دے (یہ کہنا جائز ہے) ہدیۃ المہدی ص ۲۳ ج ۱) (نفح الطیب ص ۴۷) لیکن مولوی ثناء اللہ امرتسری اس کو ناجائز اور شرک قرار دیتے ہیں۔ (اہل حدیث کا مذہب از ص ۷ تا ص ۱۲)

(۱۸) نواب صدیق حسن خاں صاحب اہل حدیث قبلہ اور کعبہ لکھنا جائز سمجھتے ہیں چنانچہ عبارت نمبر ۱۷ اسیر شاہد ہے۔ لیکن مولوی عبدالجلیل صاحب غیر مقلد اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ العذاب المہین ص ۱۰۰)

(۱۹) داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ غسل کے بعد وضو کرنا چاہئے اور صاحب ہدیۃ المہدی مولوی وحید الزماں،

فرماتے ہیں کہ نہیں کرنا چاہئے۔ (ہدیۃ المہدی ص۲۲)

(۲۰) مولوی عبدالجلیل صاحب سامرودی غیر مقلد کہتے ہیں کہ مسافر کی مقیم کے پیچھے نماز باطل ہے (العذاب المبین ص۷۱) لیکن علی حسن خان غیر مقلد فرماتے ہیں کہ ہرگز اقتدا نہ کرے مجبوری ہو تو پچھلی دو رکعتوں میں شریک ہو۔ (البنیان المرصوص ص۱۶۳)

(۲۱) نور الحسن غیر مقلد کہتے ہیں مشت زنی جائز ہے (عرف الجاری ص۲۱۴) لیکن مولوی عبدالجلیل صاحب غیر مقلد فرماتے ہیں کہ مشت زنی جائز نہیں۔ (العذاب المبین ص۵۳)

(۲۲) مولوی وحید الزماں غیر مقلد فرماتے ہیں کہ غیر اللہ کو ندا کرنا مطلقاً جائز ہے (ہدیۃ المہدی ص۲۳) اور مولوی ثناء اللہ اس کو شرک فرماتے ہیں۔ (اہل حدیث کا مذہب ص۱۶)

(۲۳) مولوی وحید الزماں غیر مقلد کہتے ہیں کہ غسل میں بدن کا ملنا مستحب ہے (ہدیۃ المہدی ص۳۱) اور نواب صاحب اہل حدیث فرماتے ہیں کہ واجب ہے۔ (بدور الاہلہ ص۳۱)

(۲۴) مولوی وحید الزماں غیر مقلد کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں چار پانچ سے زیادہ تکبیریں کہنا جائز ہے (ہدیۃ المہدی ص۲۱۷) نواب صاحب اہل حدیث فرماتے ہیں کہ چار تکبیروں سے صدا کم و بیش کرنا بدعت ہے۔ (بدور الاہلہ ص۹۱)

چوتھا اشکال:

غیر مقلدین کا اسی سے ملتا جلتا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ چاروں مذہب کس طرح حق ہو سکتے ہیں اس لئے کہ حق متعدد نہیں ہوتا صرف ایک ہی ہوتا ہے لہذا سب کی باتیں غلط ہے اور بہتر یہی ہے کہ تقلید کا قلادہ گردن سے نکال کر براہ راست قرآن وحدیث پر اپنی فہم اور سمجھ کے مطابق عمل کیا جائے۔

جواب یہ ہے کہ مذاہب اربعہ کا ماٴخذ اور مرجع ایک ہی ہے۔ اس لئے سب کو فاسق سمجھنا گویا قرآن وحدیث ہی کی موجب ضلالت وگمراہی قرار دینا ہے (معاذ اللہ) اس لئے یہ خیال بالکل گمراہ کن ہے۔ کعبۃ اللہ کی چار سمتیں ہیں (مشرق، مغرب، شمال وجنوب) اور ان چار سمتوں میں بسنے والے لوگ اپنی اپنی سمت کے اعتبار سے کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ ہر ایک کی سمت دوسرے سمت والے کے اعتبار سے مخالف ہے مگر اس کے باوجود سب کی نماز صحیح ہو جاتی ہے وجہ یہ ہے کہ سمتیں اگرچہ مختلف ہیں مگر سب کا مرکز ایک ہی کعبۃ اللہ ہے۔ اسی طرح متداول مذاہب اربعہ کا مرجع وماٴخذ ایک ہی ہے وہ سب قرآن وحدیث پر ہی عمل کرتے ہیں۔ اس لئے مذاہب اربعہ صحیح کہلائیں گے فرق صرف یہ ہے کہ ایک امام کبھی آیات محتمل المعانی میں سے ایک معنی کو بقرائن وشواہد راجح کر کے اس پر عمل کرتا ہے اور دوسرا اس معنی کو مرجوح قرار دے کر ترک کرتا ہے اسی طرح وہ احادیث جو بظاہر متعارض ہیں ایک امام اپنی تحقیق وتفتیش کے مطابق حسب قواعد وضوابط ایک حدیث کو ترجیح دے کر اس کو معمول بہ قرار دیتا ہے اور دوسرا امام اسی حدیث کو اپنے اصول وقواعد اور اپنی تحقیق واجتہاد سے مرجوح قرار دیتا ہے اور دوسری حدیث کو راجح قرار دے کر اس کو اپنے مسئلہ کی بنیاد بناتا ہے۔ کبھی ایک امام حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کرتا ہے تو دوسرا امام دوسرے نصوص کو سامنے

رکھ کر حدیث کی مراد تک پہنچنے کی سعی کرتا ہے اور اس مراد پر عمل پیرا ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور اس کی مثالیں تعامل صحابہ میں بھی ملتی ہیں۔

(۱) بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ کے واقعہ میں صحابہ سے فرمایا۔ لا یصلین احد کم الا بنی قریظة تم میں سے کوئی شخص نماز عصر بنی قریظہ کے علاوہ کہیں نہ پڑھے۔ راستہ میں عصر کا وقت ہوگیا صحابہ کی رائیں مختلف ہوگئیں۔ ایک جماعت نے حضور اکرم ﷺ کے فرمان مبارک کے ظاہری الفاظ پر عمل کرتے ہوئے کہا کہ ہم راستہ میں عصر کی نماز نہ پڑھیں گے۔ اور بعض حضرات نے کہا کہ ہم تو یہیں نماز پڑھ لیں گے۔ حضور ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ جلدی سے جلدی بنی قریظہ پہنچ جائیں (بہر حال ہر ایک نے اپنی فہم اور اجتہاد کے موافق نماز پڑھی۔ بعد میں یہ واقعہ حضور ﷺ کے سامنے ذکر کیا گیا۔ آپ نے کسی پر نکیر نہیں فرمائی اور کسی پر ملامت نہیں کی (بخاری شریف ص: ۵۹۱ باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب ومخرجی الی بنی قریظة ومحاصرتهم ابا هم مجتبائی اوارتبها ولتقلید ص ۸)

مذکورہ واقعہ میں ایک جماعت نے حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کر کے نماز نہ پڑھی اور دوسری جماعت نے اجتہاد کیا اور اس کے بعد حدیث کی جو مراد ان کی سمجھ میں آئی اس پر عمل کیا اور نماز پڑھ لی۔ حضور اقدس ﷺ نے کسی کی تغلیط نہیں فرمائی سب کی نماز کو صحیح قرار دیا۔

(۲) نسائی نے حضرت طارق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص جنبی ہوگیا اور پانی نہ ہونے کی وجہ سے نہ غسل کیا نہ تیمم کیا اور نہ نماز پڑھی۔ بعد میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا قصہ بیان کیا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی تصویب فرمائی دوسرے ایک صحابی کو ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ انہوں نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی اور خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنا عمل بیان کیا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی بھی تصویب فرمائی۔

(نسائی، فیمن لم یجد الماء ولا الصعید ج ۱ ص ۶۲)

غور کیجئے! دونوں حضرات نے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔ اور بظاہر دونوں کے عمل میں تضاد ہے مگر حضور اقدس ﷺ نے کسی کی تغلیط نہیں فرمائی۔ یہی حال ائمہ اربعہ کا ہے۔

اور جیسے کہ حضور اقدس ... کی ہدایت ہے کہ تاریک رات میں (یا جنگل میں) جب قبلہ مشتبہ ہو جائے تو اس پر واجب ہے کہ تحری کرے اور جس طرف تحری واقع ہو اور قبلہ ہونے کا گمان غالب ہو جائے اس طرف منہ کر کے نماز پڑھے تحری کے بارے میں نصب الرایہ احادیث تحری دیکھیں ج۔ ۱ص ۳۰۷ اب مثلاً چند افراد ہیں اور سب نے اپنی اپنی تحری کے موافق چار سمتوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی تو باوجود اختلاف کے از روئے حدیث سب کی نماز صحیح ہو جائے گی۔ یہی حال ائمہ اربعہ کا ہے کہ سب قرآن و حدیث کو سامنے رکھ کر اجتہاد کرتے ہیں اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو چونکہ مأخذ و مرجع ایک ہی ہے۔ اس لئے سب کا عمل صحیح کہلائے گا۔ ہاں اصابت حق صرف ایک کو حاصل ہوگا مگر عنداللہ سب ماجور ہوں گے۔ البتہ مصیب کو دوہرا ثواب (اجر) ملے گا (ایک سعی کا دوسرا اصابت حق کا) اور مخطی کو ایک اجر ملے گا۔ صحیحین میں حدیث ہے۔ اذا حکم الحاکم فاجتهد فاصاب فله اجران و اذا اجتهد فاخطأ فله اجر واحد. مسلم باب بیان اجر الحاکم اذا اجتهد فأصاب أو اخطا ج ۲ ص ۷۶۔ یعنی

جب شرعی حکم لگانے والا کوشش کرتا ہے اور صحیح بات کو حاصل کر لیتا ہے تو اس کو دوہرا ثواب ملتا ہے، اور جب کوشش کرتا ہے۔ اور حق کو نہ پا سکا تو اس کو اکہرا ثواب ملتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ثواب کا ملنا کم ہو یا زیادہ یہ عنداللہ مقبول ہونے کی دلیل ہے۔ لہذا چاروں مذاہب عنداللہ مقبول ہیں اور حق کس کو حاصل ہوا اس کا علم خدا ہی کو ہے۔ لیکن چونکہ ہر ایک امام نے اصابت حق کی سعی کی ہے اس لئے ہر ایک کا اپنے کو حق پر کہنا بھی صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

پانچواں اشکال:

ان کا ایک گھسا پٹا اعتراض یہ بھی ہے کہ جب چاروں مذہب حق ہیں تو ایک ہی کا پابند رہنا کیوں ضروری ہے؟

اس کا جواب اوراق سابقہ میں تقلید کی ثبوت میں ضمناً مفصل گذر چکا ہے۔ مختصراً یہ کہ اگر ایک شخص کو یہ اجازت ہو جائے کہ جب چاہے عمل کے لئے کسی امام کا قول اختیار کرے اور دوسری مرتبہ کسی اور کے قول پر عمل کرے تو اس صورت میں احکام شرع کی پابندی نہ ہوگی نفس کا اتباع ہوگا اور اس کا نفس جو پسند کرے گا اس پر عمل کرے گا اور مسائل شریعت بازیچۂ اطفال بن جائیں گے۔ مسائل اجتہادیہ میں مثلاً اگر وہ ایک سال امام شافعیؒ کی پیروی کر کے مینڈک وغیرہ کو حلال جانے اور اس کو کھائے اور اس کے بعد امام شافعیؒ کی اس مسئلہ میں پیروی چھوڑ کر امام ابوحنیفہؒ کا مقلد بن کر مینڈک وغیرہ کو حرام کہے تو اس آیت کا مصداق ہوگا۔ یحلونہ عاماً ویحرمونہ عاماً کہ ایک سال کفار حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے سال حرام بنا لیتے ہیں۔ وہ بھی اسی طرح خلط ملط کرنے لگے گا اور اس خلط ملط کو اصطلاح شرع میں ''تلفیق'' کہتے ہیں اور تلفیق جمہور محققین کے نزدیک مذکورہ آیت کے پیش نظر حرام ہے۔ علاوہ ازیں جب مسائل اجتہادیہ اختلافیہ میں کچھ دن امام شافعیؒ کے مذہب پر عمل کیا تو اس کے پاس اس کے حق ہونے کی کیا دلیل اور حجت شرعی تھی؟ اس کے بعد اسے چھوڑ کر دوسرا مسلک اختیار کیا تو جس مسلک کو چھوڑا اس میں کیا نقص اور خامی تھی؟ اور علم نہ ہوتے ہوئے اس کے باطل ہونے پر کون سی دلیل شرعی قائم کی؟ اگر کسی شخص کے سمجھانے سے تبدیل مذہب کیا ہے تو یہ تقلید ہے پانچویں مذہب کی جس کے حق ہونے پر کوئی دلیل شرعی قائم نہیں ہے اور یہی صورت دین کو کھلونا بنانا ہے۔ اس لئے پوری امت نے ایک ہی مذہب کی پابندی (یعنی تقلید شخصی) کو ضروری قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ:

(۲) ضرورت تدوین فقہ:

(۳) ہندوپاک میں مذہب حنفی کا رواج:

امام الائمہ، سراج الامۃ، سید الفقہاء والمجتہدین، حافظ حدیث، حضرت امام ابوحنیفہؒ رحمہ اللہ اعلیٰ درجہ کے مجتہد، محدث، ثقہ، صدوق، زاہد، عارف، خاشع اور متورع تھے ان کے مناقب وفضائل میں کبار محدثین اور علماء حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، اور حنبلیہ رطب اللسان ہیں اور ہزار ہا رسائل تصنیف فرما چکے ہیں (مثلاً **الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم. ابی حنیفۃ النعمان تالیف ابن حجر ہیثمی مکی، مناقب الامام الاعظم. تالیف موفق بن احمد مکی، مناقب الامام الاعظم تالیف ابن البزار الکردری، عقود الجمان تالیف حافظ محمد بن یوسف صالحی شافعیؒ تبییض الصحیفہ تالیف علامہ سیوطیؒ، الانتصار الامام**

الائمة الانصار علامہ سبط ابن الجوزی۔ اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ تالیف ابو عبداللہ حسین بن علی صمیری وغیرہ وغیرہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حدائق حنفیہ ص ۸۱ ص ۸۲ ص ۸۳)مہ میں ''امام اعظم'' آپ ہی کا لقب تھا۔ علماء ومحدثین کا بہت بڑا مجمع آپ کے ماننے والوں میں رہا ہے۔ اور امت محمدیہ کا نصف سے زیادہ حصہ اب بھی آپ کے پیچھے چل رہا ہے۔ آپ عہد صحابہ میں پیدا ہوئے، ورع اور تقویٰ، جود وسخا، علم وفضل کے جملہ کمالات آپ میں موجود تھے آپ کا اصلی وطن کوفہ ہے جو اس وقت حدیث کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ کیونکہ کوفہ میں ہزاروں صحابہ قیام رہ چکا تھا ایک ہزار سے زائد فقہاء پیدا ہوئے جن میں سے تقریباً ڈیڑھ سو صحابہ تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ جیسے جلیل القدر صحابی وہاں قیام فرما چکے تھے، کوفہ میں حضرت ابن مسعودؓ کے چار ہزار سے زیادہ اور حضرت ابو ہریرہؓ کے آٹھ سو سے زیادہ شاگرد تھے۔ امام صاحب کی تعلیم وتربیت اتنے بڑے علمی مرکز میں ہوئی اور علماء حرمین سے بھی برابر استفادہ فرماتے رہے۔

امام صاحبؒ کے متعلق حدیثی بشارت:

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے حضرت ابو ہریرہؓ اس کے راوی ہیں۔ فرماتے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کان الایمان عند الثریا لیذھب بہ رجل من فارس او قال من ابناء فارس حتی یتناولہ (مسلم شریف ج۲ ص ۳۱۲ باب فضل الناس)(بخاری شریف ص ۷۲۷ تفسیر سورۃ الجمعۃ باب قولہ آخرین منھم لما یلحقوا بھم)

یعنی اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو ابنائے فارس میں سے ایک شخص اس کو وہاں سے حاصل کرے گا۔

علامہ شامی بروایت ابونعیم عن ابی ہریرۃ اور بروایت شیرازی عن قیس بن سعد بن عبادۃ حدیث کے یہ الفاظ نقل فرماتے ہیں۔

''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لو کان العلم معلقاً بالثریا لتناولہ رجال من ابناء فارس او قال لتناولہ قوم من ابناء فارس) حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر علم ثریا پر بھی معلق ہوگا۔ تو اس کو ابنائے فارس کی ایک قوم (یا لوگ) ضرور حاصل کرے گی۔ (شامی ج ا ص۴۹ مقدمہ شامی)

حضرت عبداللہ بن مسعود سے معجم طبرانی میں اس طرح مروی ہے۔ اگر دین ثریا پر بھی معلق ہوگا تو اس کو بھی لوگ ابناء فارس میں سے ضرور حاصل کریں گے۔

ان احادیث کے متعلق جن کو امام بخاری، امام مسلم اور دیگر محدثین نے روایت کی ہے علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ ان احادیث کا صحیح مصداق امام ابوحنیفہؒ ہیں۔ علامہ سیوطیؒ کے اس قول کے متعلق ان کے ایک شاگرد فرماتے ہیں۔

''ما جزم بہ شیخنا من ان ابا حنیفۃ ھو المراد من ھذا الحدیث ظاھر لا شک فیہ لانہ لم یبلغ من ابناء فارس فی العلم مبلغہ.'' اھ یعنی وہ بات جو ہمارے شیخ علامہ سیوطیؒ نے فرمائی ہے کہ اس حدیث کا مصداق امام ابوحنیفہؒ ہیں بالکل صحیح ہے اس لئے کہ ابناء فارس میں سے کوئی بھی عالم امام ابوحنیفہ کے برابر کا نہ

ہوا۔ (شامی ص ۴۹ ج ۱ مقدمہ شامی)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی اس حدیث کا مصداق امام ابوحنیفہؒ کو قرار دیا ہے۔
(مکتوبات شاہ ولی اللہ۔ مکتوب یازدہم ص ۷۷ مطبع مطبع العلوم مرادآباد)۔

صاحب غایۃ الاوطار فرماتے ہیں: "بالیقین معلوم ہوگیا کہ صحیح حدیث مذکور (لو كان العلم. (او. الایمان) عند الثر بالناله' رجال من فارس) کا محمل صحیح امام اعظمؒ اور ان کے اصحاب ہیں کیونکہ اہل فارس میں ان سے زیادہ تر (بڑھ کر) کوئی عالم، عالی فہم، دقیقہ رس نہیں ہوا۔ تو امام کے واسطے یہ بشارت اور فضیلت عظیم الشان ہے۔ (غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار ص ۲۴ جلد اول)

امام صاحبؒ تابعی ہیں:

آپ کا تابعی ہونا مشہور اور مسلم ہے۔ علامہ ابن حجر ہیثمی مکیؒ نے الخیرات الحسان' میں تحریر فرمایا ہے کہ آپ اجل تابعین میں سے تھے تحریر فرماتے ہیں۔ "**وفي فتاوى شيخ الا مام ابن حجر انه ادرك جماعة من الصحابة كانوا بالكوفة بعد مولده بها سنة ثمانين فهو من طبقة التابعين ولم يثبت ذلك لا حد من ائمة الا مصار المعاصرين له' كالا وزاعي بالشام والحمادين بالبصرة والثوري بالكوفة ومالك بالمدينة الشريفة والليث بن سعد بمصر انتهى وحينئذ فهو من اعيان التابعين ......الخ**

یعنی شیخ الاسلام علامہ ابن حجرؒ کے فتاویٰ میں ہے کہ انہوں نے (یعنی امام ابوحنیفہؒ نے) ۸۰ھ میں اپنی پیدائش کے بعد کوفہ میں جہاں صحابہ کی ایک جماعت مقیم تھی ان کو پایا ہے (یعنی دیکھا ہے) اس لئے تابعین کے طبقہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ اور یہ شرف آپ کے معاصر ائمہ میں سے کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ جیسے شام میں امام اوزاعیؒ تھے۔ بصرہ میں امام حمادؒ تھے۔ کوفہ میں امام ثوریؒ اور مدینہ منورہ میں امام مالکؒ مصر میں امام لیث بن سعدؒ تھے۔ اس بناء پر آپ اجل تابعین میں سے ہیں۔ (الخیرات الحسان ص ۲۱ الفصل السادس ص ۶)

آپ کے ثقہ، صدوق اور جید الحفظ ہونے کے متعلق اور آپ کی تعدیل و توثیق میں بڑے بڑے نقادفن اور کبار محدثین نے بہت کچھ بیان کیا ہے۔ موقع کی مناسبت سے چند کبار محدثین (جو اپنے اپنے زمانہ کے مشہور محدث اور ائمہ جرح و تعدیل ہیں) کا بیان ہم نقل کرتے ہیں۔

(۱) سید الحفاظ امام یحییٰ ابن معین متوفی ۲۳۳ھ:

آپ مشہور بزرگ، محدث اور فن رجال کے متبحر عالم تھے۔ امام بخاریؒ وغیرہ کے استاذ ہیں۔ جن کے بارے میں امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو سوائے یحییٰ بن معین کے کسی کے سامنے حقیر نہیں سمجھا۔ آپ نے امام ابوحنیفہؒ کی اعلیٰ درجہ کی تعدیل و توثیق فرمائی ہے۔ ایک مرتبہ آپ سے امام ابوحنیفہؒ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا۔ ثقة مامون ما سمعت احداً ضعفه'، وہ ثقہ تھے (حدیث میں) مامون تھے میں نے کسی محدث کو ان کی تضعیف کرتے ہوئے نہیں سنا (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۳ ص ۶۶) اور فرماتے تھے۔ **القرائة عندي قراءة حمزة والفقه فقه ابي حنيفة** میرے نزدیک قراءتوں میں حمزہ کی قراءت اور فقہ میں ابوحنیفہ کی فقہ عمدہ ہے۔ (الخیرات الحسان ص ۱۱۲)

(۲) امام نقد رجال یحییٰ بن سعید قطان متوفی ۱۹۸ھ:

بڑے محدث ہیں فن رجال کے ماہرین میں سے ہیں۔ امام احمدؒ اور علی بن مدینی وغیرہ ان کے شاگرد ہیں اور عصر سے مغرب تک جو ان کے درس کا وقت تھا۔ درس میں مؤدب کھڑے ہو کر ان سے حدیث کی تحقیق کیا کرتے تھے۔ امام قطانؒ باوجود اس فضل و کمال کے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حلقہ درس میں اکثر شریک ہوتے تھے اور ان کی شاگردی پر فخر کرتے تھے اور آپ نے اکثر مسائل میں امام صاحب ہی کی تقلید کی ہے تمام کتب صحاح میں ان سے روایات ہیں۔ آپ امام صاحب کے متعلق فرماتے ہیں:

(۱) ما سمعنا احسن من رای ابی حنیفة ومن ثم کان یذهب فی الفتوی الیٰ قوله یعنی: ہم نے امام ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر کسی کو صاحب الرائے نہیں پایا اور اسی بناء پر آپ انہی کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ (الخیرات الحسان ص ۳۱)

(۲) جالسنا واللہ ابا حنیفة وسمعنا منه وکنت واللہ اذا نظرت الیه عرفت فی وجهه انه یتقی اللہ عزوجل. واللہ ہم امام ابوحنیفہ کی مجالس میں بیٹھے ہیں اور ان سے استفادہ کیا ہے اور واللہ جب کبھی میں ان کے چہرۂ مبارک کی طرف نظر کرتا تھا تو مجھے یقین ہوتا تھا کہ وہ اللہ عزوجل کے خوف وخشیت سے پوری طرح متصف ہیں۔ (موفق ج ۱ ص ۱۹۱)

(۳) لیس للناس غیر ابی حنیفة فی مسائل تنوبهم قال وکان فی اول امره لم یکن کذاک ثم استعجل امره بعد ذلک وعظم. لوگوں کو جو مسائل پیش آتے ہیں ان کو حل کرنے کے واسطے امام ابوحنیفہ کے سوا دوسرا نہیں ہے۔ پہلے پہل امام صاحب کے علمی کمالات زیادہ نمایاں نہ تھے پھر یکدم بڑی تیزی سے ان کی قدر و منزلت اور عظمت ترقی کرتی گئی (موفق ج ۲ ص ۴۵)

(۳) امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک متوفی ۱۸۱ھ

آپ ائمہ کبار میں سے ہیں اور فن حدیث کے رکن اعظم ہیں۔ یحییٰ بن معین۔ امام احمد بن حنبل وغیرہ محدثین عظام کے استاد ہیں۔ امام بخاری نے سب سے پہلے عبداللہ بن مبارکؒ ہی کی کتابیں یاد کی تھیں، مسلم طور پر آپ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ بخاری ومسلم میں ان کی روایت سے بےشمار احادیث ہیں۔ آپ امام ابوحنیفہؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں۔ جب امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کے وفور علم سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اخیری عمر تک آپ سے جدا نہ ہوئے اور امام صاحب کی شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہ کی آپ نے بڑے وسیع الفاظ میں مدح، تعدیل وتوثیق فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

(۱) کان احفظ لا حادیث رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وسمع من الامام الکثیر وکان یحث الناس علیٰ اتباعه قال کنا نختلف الی مشائخ الحجاز والعراق فلم یکن مجلس اعظم برکة ولا اکثر نفعاً من مجلس الامام.

یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے بڑے حافظ تھے اور آپ نے امام صاحب سے بہت سی احادیث سنی ہیں۔ آپ لوگوں کو امام صاحب کی اتباع کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ہم حجاز اور عراق کے مشائخ کی مجالس میں آتے جاتے ہیں لیکن امام صاحب کی مجلس سے زیادہ کوئی مجلس بابرکت اور نفع بخش نہیں دیکھی (مناقب کردری ج اص ۱۰۳)

(۲) قال اختلفت الی البلاد فلم اعلم باصول الحلال والحرام حتیٰ لقیته' میں تمام شہروں میں علم کی طلب کے لئے گیا ہوں۔ لیکن امام ابوحنیفہ کی ملاقات سے قبل تک حلال وحرام کے اصول سے واقف نہ ہو سکا۔ (کردری ج اص ۱۰۳)

(۳) جالست الناس فلم ار احدا اعلم بالفتوی منه، میں علماء کی مجالس میں بیٹھا ہوں۔ لیکن آپ سے بڑھ کر کسی کو فتوی دینے کے قابل نہیں دیکھا۔ (کردری ج اص ۱۰۴)

(۴) لو لا مخالفة الا فراط ما قدمت علیه احداً من العلماء. اگر مجھے (لوگوں کی طرف سے) افراط کا الزام دیئے جانے کا خوف نہ ہوتا تو میں امام صاحب پر کسی کو ترجیح نہ دیتا۔ (کردری ج اص ۱۰۳)

(۵) غلب علی الناس بالحفظ والفقه والعلم والصیانة والدیانة وشدة الورع آپ نے اپنے حفظ، فقہ، علم احتیاط دیانت اور اعلیٰ درجہ کے تقویٰ کی وجہ سے سب پر غلبہ پالیا۔

(جامع بیان العلم وفضلہ بحوالہ تقلید ائمہ ص ۱۱۳)

(۶) کان افقه الناس ما رأیت افقه منه. امام ابوحنیفہ لوگوں میں سے سب سے بڑے فقیہ تھے میں نے آپ سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔ (الخیرات الحسان ص ۲۹)

(۷) ان احتیج للرأی فرأی مالک وسفیان وابی حنیفة وهو افقههم واحسنهم وارقهم فطنة واغوصهم علی الفقه. اگر رائے کی ضرورت ہو تو مالک سفیان اور ابوحنیفہ کی رائے کو لینا چاہئے اور ابوحنیفہ ان سب سے زیادہ فقیہ ہیں اور ان کی سمجھ ان سب میں فقہ کے اندر اچھی، باریک اور گہری ہے (خیرات حسان ص ۲۹ فصل نمبر ۱۳)

(۸) لیس أحد احق ان یقتدیٰ به من ابی حنیفة لا نه' کان اماماً تقیاً ورعاً عالما فقیهاً کشف العلم کشفاً لم یکشفه احد ببصره وفهم وفطنة.

یعنی امام ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر کوئی لائق اقتدا نہیں۔ کیونکہ وہ امام متقی، خدا ترس عالم اور فقیہ تھے۔ علم کو اپنی بصیرت سمجھ اور عقل سے ایسا منکشف کیا کہ کسی نے نہیں کیا۔ (الخیرات الحسان ص ۲۹ فصل نمبر ۱۳)

(۴) امام اعمش کوفی متوفی ۱۴۸ھ

محلی قول کوفہ کے جلیل القدر محدث وفقیہ تابعی تھے۔ اور محدثین کے شیخ الشیوخ ہیں۔ باوجود یہ کہ امام صاحب کے اساتذہ کے طبقہ میں تھے مگر امام صاحب کے تفقہ واجتہاد کے بڑے مداح تھے۔ ایک مرتبہ کوئی مسئلہ درپیش ہوا تو جب فرمایا۔ اس مسئلہ کا بہتر جواب ابوحنیفہ ہی دے سکتے ہیں اور اس کے بعد فرمایا۔ واظن انه بورک فی العلم.

میں خیال کرتا ہوں کہ خدا نے ان کے علم میں بڑی برکت دی ہے۔ (الخیرات الحسان ص ۳۱)

(۴) ایک بار امام صاحب سے چند مسائل میں گفتگو کی۔ آپ نے جواب دیا تو اس کو بہت پسند فرمایا اور پوچھا یہ جواب آپ نے کس دلیل سے دیا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا فلاں احادیث سے جو آپ ہی سے سنی تھیں، امام اعمش اس پر اور متحیر ہوئے اور فرمایا۔ بس کافی ہے آپ نے تو حد کر دی میں نے جو احادیث سو دن میں تم سے بیان کی تھیں وہ آپ نے ایک ہی ساعت میں سنا دیں۔ مجھے یہ علم نہ تھا کہ آپ ان احادیث پر عمل کر رہے ہیں۔ اور فرمایا۔ یامعشر الفقهاء انتم الا طباء ونحن الصيادلة. اے گروہ فقہا، واقعی ہم لوگ تو صرف عطار (دوافروش) ہیں اور آپ لوگ طبیب ہو (خیرات حسان ص ۶۱ فصل نمبر ۳۰)

(۵) امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن حجاج متوفی ۱۶۰ھ

ائمہ صحابہ کے اعلیٰ رواۃ میں سے ہیں۔ سفیان ثوری ان کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہا کرتے تھے۔ حضرت شعبہ امام صاحب کے ساتھ خاص تعلق رکھتے تھے، موفق میں ہے۔

(۱) كان شعبة اذا سئل عن ابى حنيفة اطنب فى مدحه وكان يهدى اليه فى كل عام طرفة. جب امام شعبہ سے ابوحنیفہ کے متعلق پوچھا جاتا تو امام صاحب کی تعریف وتوصیف کرتے اور ہر سال امام صاحب کے لئے نیا تحفہ بھیجتے (موفق ج ۲ ص ۴۶)

(۲) جب آپ کو امام صاحب کی وفات کی خبر پہنچی تو انا للہ پڑھا اور فرمایا طفئ عن الكوفة نور العلم (اما انهم لا يرون مثله ابداً) آج کوفہ کا چراغ علم گل ہو گیا اور اب اہل کوفہ کو۔ قیامت تک آپ کی نظیر نہ ملے گی (الخیرات الحسان ص ۶۲ فصل ص ۳۲)

(۶) امام حدیث علی بن مدینی متوفی ۲۳۴ھ:

اتنے بڑے امام فن ہیں کہ ان کی شاگردی امام بخاریؒ امام ابوداؤد اور علامہ ذہبیؒ جیسے کبار محدثین نے کی ہے۔ بڑے بڑے محدثین آپ کی مدح میں رطب اللسان ہیں۔ آپ امام ابوحنیفہؒ کے متعلق فرماتے ہیں۔

" ابو حنيفه روىٰ عنه الثورى وابن المبارك وحماد بن زيد وهشام ووكيع وعباد بن العوام وجعفر بن ميمون وهو ثقة لا بأس به ." یعنی ابوحنیفہؒ سے سفیان ثوری، ابن مبارک، حماد بن زید، ہشام، وکیع، عباد بن عوام۔ اور جعفر بن میمون نے (جو سب کے سب پیشوائے محدثین اور صحاح ستہ کے ائمہ میں سے ہیں) روایت حدیث کی ہے اور وہ ثقہ ہیں (امام ابوحنیفہ میں اصول جرح وتعدیل کی رو سے) کوئی عیب نہیں ہے۔ (الخیرات الحسان ص ۶۷)

(۷) امام حدیث سفیان ثوریؒ متوفی ۱۶۱ھ:

آپ نہایت عظیم المرتبت شخص ہیں۔ اپنے زمانے کے بڑے درجہ کے محدث تھے۔ خطیب نے لکھا ہے۔ ان کی امامت پختگی، ضبط، حفظ، معرفت، زہد وتقویٰ پر علماء کا اتفاق ہے۔ امام صاحب کے معاصر ہیں اور آپ کے بڑے مداح ہیں۔ امام صاحب بھی ان کے قدرداں تھے اور بڑی تعریف کرتے تھے آپ امام ابوحنیفہ کے متعلق فرماتے

ہیں۔(۱) "کان واللہ شدید الا خذ للعلم داباً عن المحارم لا یأ خذ الا بما صح عنہ علیہ السلام شدید المعرفۃ بالناسخ والمنسوخ وکان یطلب احادیث الثقات والا خیر من فعل النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام."

یعنی! بخدا امام ابوحنیفہ علم حاصل کرنے میں بڑے مستعد اور منہیات کی روک تھام کرنے والے تھے۔ وہی حدیث لیتے تھے۔ جو حضور اکرم ﷺ سے پایۂ صحت کو پہنچ چکی ہو۔ ناسخ ومنسوخ کی پہچان میں قوی ملکہ رکھتے تھے۔ اور وہ قابل اعتماد حضرات کی روایات اور رسول اللہ ﷺ کے آخری عمل کی تحقیق وتلاش میں رہتے تھے۔

(کردری ج ۲ ص ۱۰) (خیرات حسان ص ۳۰)

(۲) عن محمد بن المنتشر الصنعانی قال کنت اختلف الیھما فاذا جئت لا بی حنیفۃ قال لی من این اقبلت قلت من عند سفیان فیقول جئت من عند رجل لو کان علقمۃ والا سود حیّین لا حتا جا الیہ واذا اتیت سفیان قال جئت من این ؟قلت جئت من عندابی حنیفۃ قال جئت من عند افقہ الارض.

یعنی محمد بن منتشر صنعانی فرماتے ہیں کہ میں ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ جب ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو دریافت فرماتے کہاں سے آ رہے ہو؟ میں کہتا سفیان کے پاس سے، آپ فرماتے تم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو کہ اگر علقمہ اور اسود بھی موجود ہوتے تو وہ ان کے محتاج ہوتے۔ اور جب سفیان کے پاس جاتا تو وہ پوچھتے کہاں سے آ رہے ہو؟ میں کہتا ابوحنیفہ کے پاس سے۔ فرماتے تم ایسے شخص کے پاس سے آ رہے ہو کہ روئے زمین پر ان جیسا کوئی فقیہ نہیں (کردری ج ۲ ص ۱۱)

(۳) کان الثوری اذا سئل عن مسئلۃ دقیقۃٍ یقول ماکان احد یحسن ان یتکلم فی ھذا لامر الارجل قد حسدناہ ثم یسئل اصحاب ابی حنیفۃ مایقول صاحبکم فیحفظ الجواب ثم یفتی.

سفیان ثوری سے جب کوئی دقیق مسئلہ دریافت کیا جاتا تو فرماتے اس مسئلہ میں کوئی عمدہ تقریر نہیں کر سکتا سوائے اس شخص کے جس پر ہم حسد کرتے ہیں (یعنی امام ابوحنیفہؒ) پھر امام صاحب کے شاگردوں سے دریافت کرتے کہ اس مسئلہ میں تمہارے استاد کا کیا قول ہے اور وہ جو جواب دیتے اس کو یاد کر کے اس کے موافق فتویٰ دیتے۔

(موفق ج ۲ ص ۱۴)

(۸) محدث شہیر یزید بن ہارون متوفی ۲۰۶ھ:

اپنے زمانہ کے محدث وثقہ تھے امام اعظمؒ امام مالکؒ اور سفیان ثوری کے شاگرد ہیں۔ یحییٰ بن معین علی بن مدینی وغیرہ شیوخ کے استاذ ہیں۔ تلامذہ کا شمار نہیں۔ ستر ہزار ایک وقت میں ہوتے تھے چالیس ۴۰ سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی (بحوالہ انوار الباری ص ۸۰ مقدمہ حصہ اول) آپ امام صاحب کے متعلق فرماتے ہیں۔

(۱) کتبت عن الف شیخ حملت عنھم العلم فما رایت واللہ فیھم اسدورعا من ابی حنیفۃ ولا احفظ للسانہ.

میں نے ہزار ہا شیوخ سے علم حاصل کیا۔ لیکن خدا کی قسم میں نے ابوحنیفہ سے زیادہ کسی کو متقی اور زبان کا سچا نہیں پایا۔(موفق ج ۱ ص ۱۹۵)

(۲) انبأ محمد بن سعد ان سمعت من حضر یزید بن هارون و عنده یحی بن معین وعلی بن المدینی واحمد بن حنبل وزهیر بن حرب وجماعة آخرون اذجاء ه مستفت فسأ له عن مسئلةٍ قال فقال له یزید اذهب الیٰ اهل العلم قال فقال له ابن المدینی الیس اهل العلم والحدیث عندک قال: اهل العلم اصحاب ابی حنیفة وانتم صیادلة.

یعنی:۔ایک دن یزید بن ہارون کی مجلس میں یحییٰ بن معین اور امام احمدؒ وغیرہ موجود تھے ایک شخص نے آکر مسئلہ دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا اہل علم کے پاس جا کر دریافت کرلو۔ علی بن مدینی بولے کیا آپ کے پاس اہل علم نہیں؟ فرمایا اہل علم تو اصحاب ابوحنیفہ ہیں تم تو عطار (دوافروش) ہو (موفق ج ۲ ص ۴۷)

(۳) وسئل متی یحل للرجل ان یفتی فقال اذا کان مثل ابی حنیفة ... الخ کسی نے پوچھا ایک عالم فتویٰ دینے کے قابل کب ہوتا ہے؟ فرمایا جب وہ امام ابوحنیفہ جیسا ہو جائے۔ ان سے کہا گیا آپ عجیب بات کہتے ہو؟ فرمایا ہاں، بلکہ اس سے بھی زیادہ مجھے آپ کی تعریف کرنا چاہئے۔ میں نے ان سے بڑا کسی کو عالم فقیہ اور متورع نہیں دیکھا ایک روز میں نے ان کو دیکھا کہ ایک شخص کے دروازے کے سامنے دھوپ میں بیٹھے ہیں میں نے عرض کیا آپ سائے میں ہو جائیے فرمایا۔ اس گھر والے پر میرے کچھ روپے قرض ہیں اس لئے اس کے گھر کے سائے میں بیٹھنا مجھے ناپسند ہوا۔ یزید بن ہارون نے یہ واقعہ بیان کر کے فرمایا۔ وای ورع اکبر من هذا؟ بتاؤ اس سے بڑا درجہ بھی ورع کا ہو سکتا ہے؟ (موفق ج ۱ ص ۱۹۱)

(۹) امام وکیع بن جراح متوفی ۱۹۷ھ:

امام شافعی، امام احمدؒ، اور اصحاب ستہ کے کبار شیوخ میں سے ہیں۔ امام صاحب سے بہت حسن ظن رکھتے تھے اور آپ کی بہت تعریف فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کی مجلس میں کوئی حدیث پیش ہوئی جس کا مضمون بہت مشکل تھا وہ کھڑے ہوئے اور ٹھنڈی سانس بھر کر کہا اب ندامت سے کیا فائدہ وہ شیخ یعنی ابوحنیفہ کہاں ہیں جن سے یہ اشکال حل ہوتا۔ انه قدوقع یوماً حدیث فیه غموض فوقف وتنفس الصعداء وقال لا تنفع الندامة این الشیخ فیفرج عنا (کردری ج ۱ ص ۹۷)

(۲) میں نے کسی شخص سے جو ابوحنیفہ سے افقہ اور اچھی طرح نماز پڑھنے والا ہو ملاقات نہیں کی حدائق حنفیہ ص ۸۷)

(۱۰) حافظ حدیث امام ابو یوسف متوفی ۱۸۲ھ:

امام ابو یوسف علم حدیث میں امام احمد، علی بن مدینی، یحییٰ بن معین وغیرہ اکابر محدثین کے استاد ہیں یہ تمام امام بخاریؒ وغیرہ محدثین کے شیوخ میں سے ہے۔ امام ابو یوسفؒ، امام ابوحنیفہؒ کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں۔ آپ امام صاحبؒ کے متعلق فرماتے ہیں۔

(۱) کان ھو ابصر بالحدیث الصحیح منی . آپ بہ نسبت میرے صحیح احادیث کے بہت زیادہ جاننے والے تھے۔(الخیرات الحسان ص ۶۱ فصل نمبر ۳)

(۲) یقول مارأیت احداً اعلم بتفسیر الحدیث من ابی حنیفۃ و کنا نختلف فی المسئلۃ فناتی ابا حنیفۃ فکان یخرجھا من کما ٔیدفعہ الینا. آپ فرماتے تھے۔ میں نے امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ حدیث کی تفسیر کا عالم نہیں دیکھا۔ ہمارا کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تھا تو ہم امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ آپ اس کا فوراً ہی حل پیش کر کے تشفی کر دیتے تھے۔ (موفق ج ۲ ص ۴۳)

(۳) عصام بن یوسف قلت لا بی یوسف رحمہ اللہ اجتمع الناس علی انہ ' لا یتقدمک احد فی المعرفۃ والفقہ فقال ما معرفتی عند معرفۃابی حنیفۃ الا کنھر صغیر عندنھر الفرات . عصام بن یوسفؒ کا بیان ہے کہ میں نے امام ابو یوسف سے کہا کہ علماء وقت کا اتفاق ہے کہ آپ سے بڑھ کر علم حدیث وفقہ میں کوئی عالم نہیں ہے۔ تو فرمایا میرا علم امام صاحب کے علم کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے ایسا سمجھو جیسے دریائے فرات کے پاس ایک چھوٹی سی نہر۔ (موفق ج ۲ ص ۴۲)

(۱۱) امام مالکؒ متوفی ۱۷۹ھ:

ایک مرتبہ امام شافعیؒ نے امام مالکؒ سے چند محدثین کا حال دریافت کیا۔ امام مالکؒ نے ان کے احوال کا بیان فرمائے۔ پھر امام ابوحنیفہؒ کے متعلق پوچھا تو فرمایا۔ سبحان اللہ لم ار مثلہ'، سبحان اللہ وہ عجیب شخص تھے۔ قسم بخدا میں نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔ (الخیرات الحسان ص ۲۹ فصل نمبر ۱۳)

(۱۲) امام شافعیؒ متوفی ۲۰۴ھ:

فرماتے ہیں۔ الناس عیال فی الفقہ علی ٔابی حنیفۃ ما رأیت ای علمت احداً افقہ منہ، لوگ فقہ میں ابوحنیفہؒ کے عیال ہیں۔ کیونکہ میں نے ان سے بڑا فقیہ کسی کو نہیں دیکھا۔

(۲) من لم ینظر فی کتبہ لم یتبحر فی العلم و لا یتفقہ، جو شخص ابوحنیفہؒ کی کتابوں کو نہ دیکھے وہ نہ علم میں تبحر ہوگا۔ اور نہ فقیہ بنے گا۔ (خیرات حسان ص ۲۹ فصل نمبر ۱۳)

(۱۳) امام احمد بن حنبلؒ متوفی ۲۴۱ھ:

فرماتے ہیں۔ انہ ' من اھل الورع والزھد وایثار الا خرۃ بمحل لایدرکہ احد. الخ امام ابو حنیفہ علم وتقویٰ، زہد اور اختیار آخرت میں اس درجہ پر تھے کہ کوئی ان کو نہیں پہنچ سکا۔
(الخیرات الحسان ۳۰ فصل نمبر ۱۳) (شامی ج ۱ ص ۵۶)

(۱۴) امام حدیث مسعر بن کدامؒ متوفی سنہ:

ائمۂ صحاح ستہ کے شیوخ میں سے ہیں۔ اور محدثین کے پیشوا جن کی جلالت قدر کے شیخ المحدثین۔ امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارکؒ معترف ہیں۔ سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ کے

اساتذہ میں سے ہیں۔ باوجود اس جلالت شان کے امام ابوحنیفہؒ سے استفادہ فرماتے تھے عبداللہ بن مبارک کا بیان ہے رأیت مسعراً فی حلقة ابی حنیفة یسئله ویستفید منه ۔ میں نے مسعر کو امام ابوحنیفہؒ کے حلقہ درس میں دیکھا کہ وہ آپ سے سوالات کرتے ہیں اور استفادہ فرمارہے ہیں۔ (خیرات حسان ص ۲۹) آپ امام ابوحنیفہؒ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

(۱) جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان امام ابوحنیفہؒ کو وسیلہ بنائے اور ان کے مذہب پر چلے میں امید کرتا ہوں کہ اس کو کچھ خوف نہ ہوگا۔ پھر آپ نے یہ اشعار پڑھے۔

حسبی من الخیرات ما اعددته یوم القیامة فی رضی الرحمان دین النبی محمد خیر الوری ثم اعتقادی مذهب النعمان (حدائق ص ۷۹۔)

(۲) مر سعر بن کدام بابی حنیفة واصحابه فو جدهم قدارتفعت اصواتهم فاقام ملیاً ثم قال هولاء افضل من الشهداء العبادو المجتهدین هولاء یجهدون فی احیاء سنة محمد صلی الله علیه وسلم ویجتهدون فی اخراج الجهال من جهلهم الخ .

یعنی! ایک مرتبہ مسعر بن کدام امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کی مجلس کی پاس سے گذرے دیکھا کہ مسائل فقہ کے مذاکرے ہورہے ہیں۔ اور خوب بلند آواز سے بحث ہورہی ہے۔ کچھ دیر ٹھہر کر سنتے رہے پھر فرمایا کہ ''یہ لوگ شہداء اور عابدین اور تہجد گذاروں سے افضل ہیں یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کو زندہ کررہے ہیں اور جہلاء کو ان کے جہل سے نکالنے کی سعی کررہے ہیں۔ (موفق ج ۱ ص ۲۴۹)

(۱۵) محدث شہیر امام اوزاعی متوفی ۱۵۷ھ:

جلیل القدر محدث فقیہ اور مجتہد تھے۔ ایک مرتبہ امام اوزاعیؒ نے عبداللہ بن مبارک سے کہا۔ **من هذا المبتدع الذی خرج بالکوفة یکنی ابا حنیفة** . یہ کون مبتدع کوفہ میں پیدا ہوا ہے جس کی کنیت ابوحنیفہ ہے؟! ابن مبارک فرماتے ہیں۔ میں نے کوئی جواب نہ دیا بعد میں امام صاحب کے پیچیدہ چیدہ مسائل ان کو دکھائے۔ جب انہوں نے ان مسائل کو پڑھا اور دیکھا کہ یہ مسائل نعمان بن ثابت کی طرف منسوب ہیں تو فرمایا **من هذا** ؟ یہ نعمان بن ثابت کون ہیں؟ میں نے کہا ایک شیخ ہیں جن سے عراق میں ملاقات ہوئی **قال هذا نبیل من المشائخ اذهب فاستکثر منه** فرمایا یہ تو مشائخ میں بڑی قابل قدر شخصیت معلوم ہوتی ہے۔ تم جاؤ اور ان سے زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرو۔ **قلت هذا ابو حنیفة الذی نهیت عنه** میں نے کہا یہ وہی ابوحنیفہ ہیں جن سے مجھ کو آپ نے روکا تھا۔ پھر امام اوزاعی اور امام صاحب مکہ مکرمہ میں جمع ہوئے۔ اور ملاقات ہوئی تو کچھ مسائل میں آپ سے گفتگو کی۔ امام ابوحنیفہؒ نے ان مسائل کو بڑی عمدہ تشریح کے ساتھ بیان کیا جب دونوں حضرات جدا ہوئے تو امام اوزاعیؒ نے ابن مبارک سے فرمایا۔ **غبطت الرجل بکثرة علمه ووفور عقله واستغفر الله تعالیٰ لقد کنت فی غلط ظاهر الزم الرجل فانه بخلاف ما بلغنی عنه** . مجھے اس شخص کے کثرت علم اور وفور عقل پر غبطہ ہوا اور میں خدا سے استغفار کرتا ہوں ان کے بارے میں جو کچھ کہا۔ اس بارے میں میں کھلی غلطی پر تھا جاؤ ان کی صحبت کو لازم کرلو۔ کس

طرح ان کا ساتھ نہ چھوڑو کیونکہ ان کے بارے میں جو چیزیں مجھ کو پہنچی تھیں ۔ میں ۔نے ان کو ان کے بالکل خلاف پایا۔(الخیرات الحسان ص۳۰ فصل نمبر۱۳)(مناقب کردری ص۳۹ ج ۱)

(۱۶) محدث کبیر مکی بن ابراہیم متوفی ۲۱۵ھ:

جلیل القدر حافظ حدیث وفقیہ ہیں۔امام بخاری،ابن معین وغیرہ کے استاد ہیں۔فرماتے ہیں۔" کان ابو حنیفة اعلم اهل زمانه" امام ابوحنیفہؒ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔(خیرات حسان ص۲۹)

(۱۷) محدث شہیر شقیق بلخی متوفی ۱۹۴ھ:

بڑے عالم،محدث،زاہد،عارف اور متوکل تھے۔فرماتے ہیں۔امام ابوحنیفہؒ اعلم الناس،اورع الناس،اعبد الناس اکرم الناس اوردین میں بڑی احتیاط کرنے والے تھے۔(حدائق حنفیہ ص۷۶)

علاوہ ازیں صدہا محدثین نے امام ابوحنیفہ کی تعریف،توثیق اور تعدیل فرمائی ہےاور آپ کو حافظ حدیث اور فقیہ نبیل فرمایا ہے۔اور آپ کی جلالت قدر اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ آپ بے شمار محدثین عظام کے شیخ ہیں اور صحاح ستہ کے مصنفین۔امام بخاری امام مسلم وغیرہ وغیرہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔کسی نے خوب کہا ہے۔

امام اعظمؒ کے شاگردوں کے ہیں شاگرد بھی ارشد
بخاریؒ ، شافعیؒ ، مسلمؒ ، نسائیؒ ، ترمذیؒ ، احمدؒ

ان مناقب کے باوجود بھی اگر کوئی متعصب اور شپرہ چشم امام ابوحنیفہ کو مجروح اور ضعیف کہے اور ان کی روایات کو قابل احتجاج نہ سمجھے۔یا یوں کہے کہ آپ کو صرف ۱۴یا۱۷ احدیثیں یاد تھیں تو اس سے زیادہ کورعقل،متعصب اور حقائق کا منکر کون ہوگا؟

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام اعظمؒ نے خواب دیکھا کہ آپ حضور اکرم ﷺ کے مرقد شریف کو کھودرہے ہیں اور آپ کی مبارک ومطہر ہڈیوں کو جمع کررہے ہیں۔امام صاحبؒ نے خواب کی تعبیر دریافت کرانے کے لئے ایک شخص کو امام ابن سیرین کی خدمت میں بھیجا،امام المعبرین نے جب خواب سنا تو سوال کیا کہ اس خواب کا دیکھنے والا کون ہے؟فرستادہ نے جواب نہ دیا۔اس شخص نے پھر دوسری مرتبہ خواب کی تعبیر دریافت کی آپ نے پھر وہی سوال کیا کہ کس شخص نے یہ خواب دیکھا ہے؟اس نے سکوت کیا اور نام ظاہر نہیں کیا اور تیسری مرتبہ تعبیر دریافت کی تو امام ابن سیرین نے تعبیر ارشاد فرمائی۔صاحب هذاه الرؤيا يبرز علماً لم يسبقه احد اليه ممن قبلسه. اس خواب کا دیکھنے والا علم کو اتنا واضح کرے گا۔(یعنی جمع کرے گا) کہ ان سے پہلے کسی نے اس طرح سبقت نہیں کی ہوگی (اس سے علم فقہ کی تدوین اور قرآن وسنت کے علوم کو جمع کرنے کی طرف اشارہ ہے۔) مرقاۃ المفاتیح میں ہے۔

رأى ابو حنيفة في النوم كأنه ينبش قبر النبي صلى الله عليه وسلم فبعث من سأل محمد بن سيرين فقال من صاحب هذه الرؤيا ولم يجب عنها ثم سئاله الثانية فقال مثل ذلك ثم سأله الثالثة فقال صاحب هذه الرؤيا يبرز علماً لم يسبقه احد.(مرقاة المفاتيح ج ۱ ص ۲۸ مطبوعه

ملتان مقدمہ مرقات)

شیخ علی بن عثمان ہجویری لاہوری (عرف داتا گنج بخشؒ) متوفی ۴۶۵ھ جن کا شمار ہندو پاک کے اولیاء کبار میں ہوتا ہے، تصوف کی مشہور و معروف کتاب "کشف المحجوب" کے مصنف ہیں۔ حنفی المذہب تھے۔ امام ابوحنیفہؒ سے خاص عقیدت تھی۔ ان کا نام "امام اماماں ومقتدائے سنیاں شرف فقہاء وعز علماء" کی حیثیت سے لیا ہے۔ اس ضمن میں امام ابوحنیفہؒ اور مذہب حنفی کے متعلق اپنا ایک دلچسپ خواب تحریر کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

من کہ علی بن عثمان الجلابی ام وفقنی اللہ بدمشق شام بودم بر سر گور موذن رسول خدائے صلی اللہ علیہ وسلم خفتہ خود را بمکہ دیدم اندر خواب کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم از باب بنی شیبہ اندر آمدہ پیرے را در بر گرفتہ چنانکہ اطفال را در بر گیرند بشفقتے من پیش دویدم بر دست و پایش بوسہ دادم و در تعجب بودم کہ آں کیست و آں حالت چیست؟ دے بر باطن واندیشۂ من مشرف شدہ مرا گفت ایں امام تو واہل دیارتست یعنی ابوحنیفہ مرا بہ ایں خواب امید بزرگ است و با اہل دیار خود ہم و درست گشت از یں خواب مرا کہ دے یلے از اناں بودہ است کہ از اوصاف طبع فانی بودند و باحکام شرع باقی و بداں قائم چنانچہ برندہ وے پیغمبر ﷺ بودہ است و اگر وے خود رفتی باقی الصفت بودے و باقی الصفت یا مخطی بود یا مصیب چوں برندہ وے پیغامبر ﷺ بود فانی الصفت باشد بقائے صفت پیغمبر ﷺ وچوں بر پیغمبر ﷺ خطا صورت نگیرد و برآنکہ بدو قائم بود، نیز صورت نگیرد دایں رمز لطیف است۔

میں کہ علی بن عثمانی جلابی ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے شام کے شہر دمشق میں حضور ﷺ کے مؤذن حضرت بلالؓ کے مزار کے سرہانے سو رہا تھا۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ مکہ معظمہ میں حاضر ہوں، اور رسول اللہ ﷺ باب بنی شیبہ سے داخل ہو رہے ہیں اور جس طرح کسی بچہ کو پیار سے گود میں اٹھاتے ہیں آپ ایک پیر مرد کو گود میں اٹھائے ہوئے ہیں، میں دوڑتا ہوا حضور ﷺ تک پہنچا، اور آپ کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینے لگا۔ اور تعجب میں تھا کہ یہ کون ہیں؟ اور یہ کیا حالت ہے؟ حضور ﷺ کو میرے خطرۂ قلب پر اطلاع ہوئی۔ ارشاد فرمایا کہ یہ شخص تیرا اور تیری قوم کا امام ہے۔ یعنی ابو حنیفہ اس خواب سے مجھے اپنے اور اپنی قوم کے حق میں بڑی امیدیں قائم ہو گئیں اور مجھے اس خواب سے یہ بھی منکشف ہو گیا کہ امام ابوحنیفہؒ ان لوگوں میں سے ہیں، جو اپنے صفات ذاتی سے فانی ہو چکے ہیں اور محض احکام شرع کے لئے باقی رہ گئے ہیں اس لئے کہ ان کے حامل رسول اللہ ﷺ تھے، اگر میں انہیں چلتے دیکھتا تو معلوم ہوتا کہ وہ باقی الصفات ہیں، اور باقی الصفات کے لئے خطا و صواب دونوں کا امکان ہے لیکن چونکہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی گود میں دیکھا، اس سے معلوم ہوا کہ ان کا وجود ذاتی فنا ہو چکا ہے اور اب جو ان کا وجود قائم ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے وجود سے قائم ہے اور چونکہ خود رسول اللہ ﷺ کے لئے کسی طرح کی خطا کا امکان نہیں اس لئے جس کا وجود ان میں فانی ہو چکا وہ بھی امکان خطا سے پاک ہے۔ (یاد رہے) یہ ایک لطیف راز ہے۔

۔ کشف المحجوب ص ۱۳۱ طبع سمر قندو ص ۸۲ طبع ۳ لاہور ۱۳۹۸ھ۔
(۱) بحوالہ وماہنامہ الفرقان جلد ۴۸ شمارہ نمبر ۱۰ نمبر ۱۱ ،اکتوبر و نومبر ۱۹۸۰ء ص ۴۷، ص ۴۸۔
(۲) تصوف اسلام۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی (ص ۴۶، ۴۷)

ضرورت تدوین فقہ:

جب تک دنیا میں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین رہے ان میں جو حضرات فقیہ اور مجتہد تھے اور افتاء کا کام کرتے تھے وہ پوری اسلامی حکومت میں پھیلے ہوئے تھے اور پیش آمدہ مسائل کا حل کرتے تھے۔ ۱۱۰ھ میں جب جماعت صحابہ کے آخری فرد حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو ان کے بعد مستقلاً احکام کی نشرواشاعت کا کام ان کے شاگردوں (یعنی تابعین) نے شروع کر دیا اس وقت سات مقامات ایسے تھے جو علوم نبویہ کا مرکز تھے اور وہاں دارالافتاء قائم تھے ان مقامات میں بڑے بڑے جید تابعی موجود تھے۔ وہ سات مقام یہ ہیں (۱) مدینہ منورہ، (۲) مکہ معظمہ، (۳) کوفہ، (۴) بصرہ، (۵) دمشق (شام) (۶) مصر، (۷) یمن، کوفہ بڑی خصوصیات کا حامل تھا ہزاروں صحابہ کا یہاں قیام رہ چکا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کے ہزاروں تلامذہ یہاں موجود تھے۔ اس لئے کوفہ علم حدیث وفقہ میں مرجع خلائق بنا ہوا تھا۔ ۱۲۰ھ سے پہلے تک امام ابوحنیفہؒ کوفہ کے مشہور محدث وفقیہہ امام حمادؒ کے حلقۂ درس کے ایک ممتاز طالب علم تھے۔ امام حماد کے انتقال کے بعد ان کی درس گاہ کے صدر نشین اور ایک مستقل معلم ومفتی ہوئے۔ امام صاحبؒ نہایت ذکی فہیم ومتفکر تھے۔ آپ نے اطراف عالم پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ اختلاف احوال وزمان کی وجہ سے ایک صدی ہی میں عالم میں بہت کچھ تغیر وتبدل آ چکا ہے۔ اور آئندہ ادوار میں یہ تغیر رک نہیں سکتا۔ واضعین حدیث نے وضع حدیث کا فتنہ اٹھا رکھا ہے اور دوسرے فتنے بھی سر اٹھا رہے ہیں۔ اور آپ نے یہ بھی دیکھا کہ اب علم ایک جگہ اور ایک فرد کے پاس نہیں ہے بلکہ وہ اطراف عالم میں پھیل چکا ہے اس لئے آپ کو خیال پیدا ہوا کہ اگر اس کو یکجا جمع نہ کیا گیا تو یہ علم ضائع ہو جائے گا، نیز امام صاحب کے پیش نظر یہ بھی تھا کہ آج سے پہلے جو افراد تھے وہ آج نہیں ہیں زمانہ انحطاط کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے لہٰذا آج جو جبال العلوم ہیں ان سے استفادہ کرنا چاہئے اور اس علم کو ایک جگہ جمع کر دینا چاہئے اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے ایسا دستور العمل مرتب کر دینا چاہئے جو زندگی کے ہر موڑ پر ان کے لئے مشعل راہ ہو اور جس میں تمام چیزوں کی رعایت ہو ان اسباب کی بنا پر امام ابوحنیفہؒ نے فقہ کی تدوین کا کام شروع کر دیا۔

کیفیت تدوین فقہ:

اس اہم کام کو انجام دینے کے لئے آپ نے اپنے ہزاروں شاگردوں میں سے چالیس ماہرین اشخاص منتخب فرمائے اور ایک کمیٹی کی تشکیل کی جن کے مبارک اسماء یہ ہیں۔

(۱) امام زفرؒ	متوفی	۱۵۸ھ
(۲) امام مالکؒ بن مغول	متوفی	۱۵۹ھ
(۳) امام داؤد طائی	متوفی	۱۶۰ھ
(۴) امام مندل بن علی	متوفی	۱۶۸ھ
(۵) امام نضر بن عبدالکریم	متوفی	۱۶۹ھ
(۶) امام عمرو بن میمون	متوفی	۱۷۱ھ

(۷) امام حبان بن علی	متوفی	۱۷۳ھ
(۸) امام ابوعصمہ	متوفی	۱۷۳ھ
(۹) امام زہیر بن معاویہ	متوفی	۱۷۳ھ
(۱۰) امام قاسم بن معین	متوفی	۱۷۵ھ
(۱۱) امام حماد بن الامام اعظم	متوفی	۱۷۶ھ
(۱۲) امام ہیاج بن بسطام	متوفی	۱۷۷ھ
(۱۳) امام شریک بن عبداللہ	متوفی	۱۷۸ھ
(۱۴) امام عافیہ بن یزید	متوفی	۱۸۰ھ
(۱۵) امام عبداللہ بن مبارک	متوفی	۱۸۱ھ
(۱۶) امام ابو یوسف	متوفی	۱۸۲ھ
(۱۷) امام محمد بن نوح	متوفی	۱۸۲ھ
(۱۸) امام ہشیم بن بشیر السلمی	متوفی	۱۸۳ھ
(۱۹) امام ابوسعید یحییٰ بن زکریا	متوفی	۱۸۴ھ
(۲۰) امام فضیل بن عیاض	متوفی	۱۸۷ھ
(۲۱) امام اسد بن عمرو	متوفی	۱۸۸ھ
(۲۲) امام محمد بن الحسن	متوفی	۱۸۹ھ
(۲۳) امام علی بن مسہر	متوفی	۱۸۹ھ
(۲۴) امام یوسف بن خالد	متوفی	۱۸۹ھ
(۲۵) امام عبداللہ بن ادریس	متوفی	۱۹۲ھ
(۲۶) امام فضل بن موسیٰ	متوفی	۱۹۲ھ
(۲۷) امام علی بن ظبیان	متوفی	۱۹۲ھ
(۲۸) امام حفص بن غیاث	متوفی	۱۹۴ھ
(۲۹) امام وکیع بن جراح	متوفی	۱۹۷ھ
(۳۰) امام ہشام بن یوسف	متوفی	۱۹۷ھ
(۳۱) امام یحییٰ بن سعید القطان	متوفی	۱۹۸ھ
(۳۲) امام شعیب بن اسحاق	متوفی	۱۹۸ھ
(۳۳) امام ابوحفص بن عبدالرحمان	متوفی	۱۹۹ھ
(۳۴) امام ابومطیع بلخی	متوفی	۱۹۹ھ
(۳۵) امام خالد بن سلیمان	متوفی	۱۹۹ھ

(۳۶)امام عبدالحمید متوفی ۲۰۳ھ
(۳۷)امام حسن بن زیاد متوفی ۲۰۴ھ
(۳۸)امام ابو عاصم النبیل متوفی ۲۱۲ھ
(۳۹)امام مکی بن ابراہیم متوفی ۲۱۵ھ
(۴۰)امام حماد بن دلیل متوفی ۲۱۵ھ

یہ حضرات سب کے سب درجۂ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ پھران چالیس میں سے دس بارہ حضرات کی ایک اور مخصوص مجلس تھی جس کے رکن امام ابو یوسف، امام زفرؒ، داؤد طائی، یوسف بن خالد۔ یحیٰ بن زکریا زائدہؒ، امام محمدؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، اور خود امام ابوحنیفہ تھے۔ [۱] (الجواہر المضیۃ ج ۱ ص ۱۴ بحوالہ امام اعظم ابوحنیفہ ص ۱۷۸)

اس مجلس تدوین فقہ کے متعلق امام وکیع بن جراح مشہور محدث، امام شافعیؒ کے استاذ فرماتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے کام میں کس طرح غلطی باقی رہ سکتی تھی۔ جب کہ واقعہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ ابو یوسف، حفص بن غیاث، حبان، مبذل جیسے ماہرین حدیث ان کے ساتھ تھے۔ اور لغت وعربیت کے ماہر قاسم بن معن یعنی عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعودؓ کے صاحبزادے جیسے شریک تھے۔ اور داؤد بن نصیر طائی، فضیل بن عیاض زہد اور تقویٰ اور پرہیز گاری رکھنے والے حضرات موجود تھے۔ لہذا جس کے رفقاء کار اور ہم نشین ایسے لوگ ہوں وہ غلطی نہیں کرسکتا۔ کیونکہ غلطی کی صورت میں صحیح امر کی طرف واپس کرنے والے لوگ موجود تھے۔

(جامع المسانید ص ۳۳ بحوالہ امام اعظم ابوحنیفہ ص ۱۷۸)

امام ابوحنیفہ نے استنباط مسائل کا یہ طریقہ مقرر کیا کہ اولاً کتاب اللہ پھر سنت نبویہ پھر آثار صحابہ اور اس کے بعد قیاس، امام صاحب کی نظر احادیث کے بارے میں بہت دوربین تھی۔ وہ حدیث کے قوی، ضعیف، مشہور آحاد کے علاوہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ آخری امر جس پر جناب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا ہے وہ کیا تھا۔ اور مسائل کے استنباط میں امام صاحب سوچ سوچ کر اس قسم کی جزئیات پر بھی بحث کرتے تھے کہ جن کا وجود ابھی تک نہیں ہوا تھا۔ اسی وجہ سے امام صاحبؒ نے مجلس تدوین فقہ میں ان تمام مسائل پر بحث فرمائی کہ جن کے وقوع کا امکان ہوسکتا تھا۔ آپ کے ارد گرد تلامذہ کا مجمع ہوتا اور ہر شخص کو احادیث آثار اور اجماع وقیاس کی روشنی میں آزادی سے گفتگو و بحث کا موقع دیا جاتا تھا۔ اور امام صاحب کے سامنے سب ہی لوگ اپنے اپنے دلائل بیان کرتے اور بحث میں بسا اوقات ان کی آواز بھی بلند ہوجاتی تھی، وہ بحث کے دوران خود امام صاحب سے (جو سب کے مسلم شیخ اور استاذ تھے) بھی بعض حضرات اختلاف کر بیٹھتے اور یہاں تک کہہ دیتے کہ آپ نے فلاں دلیل میں خطا کی ہے۔ بعض اجنبی لوگ امام صاحب سے کہتے کہ آپ اتنی بے باکی سے بات کرنے والوں کو کیوں نہیں روکتے؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے خود ان کو آزادی دی ہے اور ان کو اس امر کا عادی بنادیا ہے کہ کسی سے مرعوب نہ ہوں اور یہ لوگ ہر ایک کے حتیٰ کہ میرے دلائل پر بھی نکتہ چینی کریں تاکہ صحیح بات بالکل منقح ہوکر سامنے آجائے بہر حال اس طرح آپ جزئیات پیش فرماتے اور جواب حاصل کرتے اگر سب کا جواب ایک ہی ہوتا تو مسئلہ اسی وقت قلم بند کرلیا جاتا۔ ورنہ پھر بحث کا سلسلہ جاری رہتا

---

(۱) امانہ الاحبار، الجواہر المضیۃ۔ بحوالہ امام اعظم ابو حنیفہ ص ۱۸۳ ص ۱۸۴ مصنف مفتی عزیز الرحمان مد ظلہ)

اور جو بھی آخر میں فیصلہ ہوتا وہی بات قرار پا جاتی کبھی کبھی ایک مسئلہ پر مہینوں گذر جاتے جب کلام بہت طویل ہو جاتا تو آخر میں امام صاحبؒ بحیثیت صدر مجلس تقریر شروع فرماتے اور سب دم بخود ہو کر ہمہ تن متوجہ ہو کر امام صاحبؒ کے فرمودات سنتے اور آپ ایسا محکم فیصلہ فرماتے کہ سب اسے تسلیم کر لیتے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بعض اراکین اپنی رائے پر قائم رہتے تو اس صورت میں سب کے اقوال قلم بند کر لئے جاتے تھے۔ تقریباً بائیس ۲۲ سال کی مدت میں امام صاحب نے قانون اسلامی کو مدون کرلیا۔ یہ کتابیں کتب ابی حنیفہؒ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ یہ مجموعہ ۸۳ ہزار دفعات پر مشتمل تھا جس میں ۳۸ ہزار مسائل عبادات کے متعلق تھے۔ باقی ۴۵ ہزار مسائل کا تعلق معاملات اور عقوبات سے تھا۔ (از امام اعظم ابوحنیفہ ملخص مؤلف حضرت مفتی

عزیز الرحمن بجنوری مدظلہ، وانوار الباری شرح بخاری مصنفہ حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری دامت برکاتہم)

امام صاحب کا یہ مدون شدہ قانون اس وقت کے تمام علماء اور والیان ریاست کے کام آیا۔ عدالتوں میں سرکاری طور پر داخل کرلیا گیا اور اسی کے مطابق فیصلے ہونے لگے۔ یحییٰ ابن آدم فرماتے ہیں۔ قضی به الخلفاء والائمة والحکام واستقر علیه الا مر خلفا، اور ائمہ امام صاحب کے مدون کردہ فقہ کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے بالآخر اسی پر عمل ہونے لگا۔ (مؤفق ج ۲ ص ۴۱)

وقال محمد بن اسحاق الندیم فی "الفھرست" والعلم براً وبحراً وشرقاً وغرباً بعد او قربا تدوینه رضی الله عنه. یعنی بر و بحر، شرق و غرب، دور اور نزدیک ہر جگہ کا علم امام ابوحنیفہؒ کی تدوین کا ثمرہ ہے۔ (بحوالہ فقہ اہل العراق وحدیثہم للعلامہ زاہد کوثریؒ۔ متوفی ۱۳۷۱ھ ص ۵۷)

وقال بعض الائمة لم یظهر لا حد من ائمة الا سلام المشهورین مثل ما ظهر لابی حنیفة من الا صحاب والتلامیذ و لم ینتفع العلماء وجمیع الناس بمثل ما انتفعوا به و با صحابه فی تفسیر الا حادیث المشبهة والمسائل المستنبطة والنوازل والقضاء والا حکام.

"یعنی اسلام کے مشہور اماموں میں سے کسی امام کو اتنے زیادہ رفقاء و تلامذہ نصیب نہیں ہوئے جتنے امام ابوحنیفہؒ کو ہوئے اور علماء اور تمام لوگوں نے مشکل احادیث کی تشریح اور مستنبط مسائل کی تخریج اور احکام کے سلسلہ میں جتنا ان سے اور ان کے تلامذہ سے فائدہ اٹھایا اتنا کسی اور سے منتفع نہیں ہوئے۔ (الخیرات الحسان بحواله فقه اهل العراق وحدیثهم ص ۵۷)

قدیم زمانہ سے لے کر آج تک امت کا ایک بڑا طبقہ مذہب حنفی کا پیرو رہا ہے چنانچہ محدث حافظ ابن اثیر جزری شافعی جامع اصول کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ لو لم یکن لله سر خفی لما کان شطر هذه الامة من اقدم عهد الیٰ یو منا هذا یعبدون الله سبحانه علیٰ مذهب الا مام الجلیل (ای ابی حنیفةؒ) یعنی اس میں خدا کا کوئی مخفی راز ہے کہ اس امت کا نصف سے زیادہ حصہ قدیم زمانہ سے لے کر آج تک امام اعظمؒ کے طریقہ پر خدا کی عبادت کر رہا ہے (یعنی مسلک حنفی کا پیرو ہے) (بحوالہ فقہ اہل العراق وحدیثہم ص ۵۷)

محدث ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:۔ **وبالجملة فاتباعه اکثر من اتباع جميع الائمة من علماء الامة کما ان اتباع النبی صلی الله علیه وسلم اکثر من اتباع سائر الانبیاء وقدورد انهم ثلثا اهل الجنة والحنفیة ایضاً تجی تلثی المؤمنین** . یعنی حاصل کلام امام ابوحنیفہؒ کے متبعین دیگر ائمہ کے متبعین سے زیادہ ہیں۔ جس طرح کہ حضور اقدس ﷺ کے متبعین دیگر انبیاء کے متبعین سے بہت زیادہ ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ اہل جنت کے دو ثلث ۲/۳ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں سے ہوں گے۔ اسی طرح امت محمدی کے دو ثلث ۲/۳ حنفی ہیں۔ **(مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح ج ۱ ص ۲۷) تذکرة الاماة الاعظم ابی حنیفه مطبوعه ملتان پاکستان)**

امام ابوحنیفہؒ کو اور آپ کے متبعین کو مغفرت کی بشارت بھی دی گئی ہے۔ مناقب امام اعظم للعلامہ کردری میں ہے۔ **واستدخله الکعبة فقام علی رجله وقرء نصف السبع الثانی ، ثم قام علی رجله الاخریٰ وختم النصف الثانی وقال یارب ما عرفتک حق المعرفة وما عبدتک حق العبادة فهب لی نقصان الخدمة بکمال المعرفة فنودی من راویة البیت عرفت فاحسنت المعرفة وخدمت فاخلصت الخدمة . غفرنا لک ولمن کان علیٰ مذهبک الی قیام الساعة.**

یعنی امام ابوحنیفہؒ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو کعبۃ اللہ میں داخل ہوئے اور ایک پیر پر کھڑے ہوکر نصف قرآن اور دوسرے پیر پر کھڑے ہوکر دوسرا نصف پڑھ کر قرآن ختم کیا اور دعا فرمائی۔ اے پروردگار! جیسا تجھے پہچاننے کا حق ہے میں نے تجھے نہیں پہچانا اور جیسا تیری عبادت کرنے کا حق ہے میں نے تیری عبادت نہیں کی۔ مجھے ناقص خدمت کے طفیل اپنی کامل معرفت عطا فرما۔ کعبۃ اللہ کے ایک کونے سے ندا آئی تم کو بہت اچھی معرفت حاصل ہے اور تم نے خالص عبادت کی۔ ہم نے تمہاری اور اس شخص کی جو تمہارے مذہب پر چلے مغفرت کردی۔

(کردری ج ۱ ص ۵۵)

حاصل کلام یہ کہ امت مرحومہ کا ایک بڑا طبقہ مذہب حنفی پر عمل پیرا رہا ہے اور ہندو پاک میں بھی جب سے اسلام آیا ہے اور مسلمان غازیوں، مجاہدوں نے اس کو فتح کیا ہے اس وقت سے ہندو پاک میں مذہب حنفی رائج ہے امراء و حکام سے لے کر عوام الناس تک سب کے سب مقلد خصوصاً حنفی تھے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی مدظلہ، استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ کراچی اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے:۔ ''آپ کشور ہند کے تمام فاتحوں اور غازیوں کی تاریخ اور ان کے حالات پر نظر ڈالئے۔ محمود غزنوی علیہ الرحمہ سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر بلکہ سید احمد شہید بریلوی علیہ الرحمہ تک کوئی غیر حنفی فاتح اور غازی نہیں ملے گا اس زمانہ میں عوام و خواص سب کے سب عقیدہ و عمل کے لحاظ سے حنفی مذہب کے پیرو تھے چنانچہ کشمیر کے بارے میں محمد قاسم فرشتہ کے الفاظ ہیں۔ رعایای آں ملک کلهم اجمعین حنفی مذہب اند (تاریخ فرشتہ ص ۳۳۷ طبع نولکشور)

(یعنی اس ملک کے تمام رعایا حنفی تھے) اور اس سے قبل تاریخ رشیدی کے حوالہ سے ناقل ہے'' مرزا حیدر در کتاب رشیدی نوشتہ کہ مردم کشمیر تمام حنفی مذہب بودہ اندر۔'' (تاریخ فرشتہ ص ۳۳۶) (یعنی تاریخ رشیدی میں مرزا حیدر نے تحریر کیا ہے کہ کشمیر کے لوگ حنفی مذہب کے پیرو تھے) اور حضرت مجدد الف ثانی مغل امپائر کے فرمانروا کے بارے میں رقم

طراز ہیں" سلطان وقت خود حنفی می گیرد واز اہل سنت میداند" (یعنی بادشاہ وقت خود اہل سنت اور حنفی ہے) اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی "تحصیل التعرف فی الفقه والتصوف" میں ارقام فرماتے ہیں "واهل الروم وما وراء الهند حنفیون" اہل روم اور اہل ہند سب حنفی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

روزے درحدیث لو کان الدین عند الثریا لناله رجال او رجل من هولآء یعنی اهل فارس وفی روایة لناله رجال من هولاء بلاشک مذاکرہ می کردیم۔

فقیر گفت امام ابوحنیفہ دریں حکم داخل ہست کہ خدا تعالیٰ علم فقہ را بردست وے شائع ساخت وجمع از اہل اسلام را بآں فقہ مہذب گردانید خصوصا درعصر متاخر کہ ذی دولت ہمیں مذہب است وبس۔ درجمیع بلدان وجمیع اقالیم بادشاہان حنفی اند وقضاۃ واکثر مدرسان واکثر عوام حنفی۔

ایک دن اس حدیث پر ہم گفتگو کررہے تھے کہ اگر دین ثریا پر بھی ہو تو اس کو ان سے یعنی اہل فارس میں سے کچھ لوگ یا ان میں سے ایک شخص ضرور حاصل کرے گا۔ اور ایک روایت میں بغیر شک کے ہولآء کا ہی لفظ مذکور ہے۔ یعنی اہل فارس کے کچھ لوگ ضرور حاصل کر کے رہیں گے۔

فقیر (یعنی حضرت شاہ صاحب) نے کہا کہ امام ابوحنیفہؒ اس حکم میں داخل ہیں کہ حق تعالیٰ نے علم فقہ کی ان کے ہاتھ اشاعت فرمائی اور اہل اسلام کی ایک جماعت کو اس فقہ کے ذریعہ آراستہ فرمایا۔ خصوصا پچھلے دور میں کہ بس یہی مذہب ذی دولت ہے۔ تمام شہروں اور تمام ملکوں میں بادشاہ حنفی ہیں قاضی اور اکثر مدرسین اور عوام حنفی ہیں۔

(کلمات طیبات مکتوب حضرت شاہ ولی اللہ مکتوب یازدہم طبع مطبع العلوم مرادآباد ۱۳۰۸ھ) مزید آپ تفہیمات الٰہیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

وجمهور الملوک وعامة البلدان متمذهبین بمذهب ابی حنیفة.

عام سلاطین اور تمام ممالک (کے باشندے) امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے پیروکار ہیں۔

(تفہیمات الٰہیہ ج۱ ص ۲۱۲ شائع کردہ مجلس علمی ڈابھیل ۱۳۵۵ھ)

ایک طرف ہندوستان میں فاتحین وغازیوں کی آمد ہوئی تو انہیں کے ساتھ ساتھ سرزمین ہند ومشائخ سلوک وطریقت کے قدوم میمنت سے مشرف ہوتی رہی دور غزنوی میں ان بزرگوں کی آمد کا یہ اہتمام تھا کہ ادھر حضرت حسین زنجانی رحمہ اللہ کا جنازہ لاہور سے نکل رہا تھا اور ادھر حضرت علی ہجویری صاحب کشف المحجوب کا داخلہ ہو رہا تھا۔ غوریہ کے عہد میں جب دہلی یہاں کے فرمانرواؤں کا دارالملک بنا تو پھر ان حضرات کی آمد میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ مشائخ سہروردیہ، شیوخ فردوسیہ، بزرگان قادریہ حضرات چشت اہل بہشت سب کی آمد کا تانتا بندھ گیا۔ ان حضرات کی آمد سے اخلاص کا نور چمکا اور کفرزار ہند میں اسلام کو وہ فروغ ہوا کہ ہندوستان کے وہ باشندے جو اپنے آپ کو پوتر سمجھتے تھے جن کے نزدیک دوسروں کے مذہب کو قبول کرنا تو بڑی بات ہے ان سے ہاتھ ملانے تک کو گوارا نہ کرتے تھے آہستہ آہستہ بطوع ورغبت داخل اسلام ہوتے چلے گئے اور آج ہندوستان وپاکستان وبنگلہ دیش میں جو بفضلہ تعالیٰ اہل اسلام کی تعداد پچیس کروڑ کے لگ بھگ ہے وہ سب انہی بزرگوں کی مساعی جمیلہ کا صدقہ اور انہی کی اخلاص کی برکت ہے۔ یہ سب کے سب مشائخ حنفی تھے اور ان کے مریدین بھی حنفی تھے جیسا کہ سطور بالا سے معلوم ہوا۔

یہ ہے اس ہندوستان میں شمع اسلام و مذہب حنفی کے فروزاں ہونے کی مختصر داستان پھر دو وقت اس سر زمین پر ایسے بھی آئے جن میں ڈر تھا کہ اسلام کی یہ شمع فروزاں جس کو غازیوں نے اپنے خون سے اور اہل دل نے اپنی شعلہ نفسیوں سے اب تک روشن رکھا تھا نصیب دشمنان کہیں بجھ نہ جائے۔ایک اکبری دور الحاد کہ جس کے اثر بد کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ نے اپنی تربیت باطنی سے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی علمی کاوشوں کے ذریعہ زائل کیا۔**جزاهم الله خير الجزاء عنا وعن سائر المسلمين** ۔دوسرا انگریز کا عہد بالخصوص ۱۲۷۴ھ کا ہنگامہ کہ جس میں اس ملک کے اندر مسلمانوں کے اقتدار کا بالکل خاتمہ ہوگیا۔اور ہر طرف مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جانے لگی۔طرح طرح کے فتنوں نے سر اٹھایا۔لامذہبیت (یعنی غیر مقلدیت (نیچریت اور قادیانیت نے جنم لیا۔اہل بدعت نے زور باندھا۔اور ہر طرف سے اسلام اور مسلمانوں پر مصیبت ٹوٹ پڑی۔لیکن حق تعالیٰ کو ابھی اس ملک میں اسلام کو باقی رکھنا منظور تھا۔دہلی کے عربک کالج سے دو طالب نکلے جن کی علمی تربیت شیخ وقت حاجی امداد اللہ فاروقی مہاجر مکی رحمہ اللہ نے کی۔میری مراد ان دو طالب علموں سے حضرت محدث گنگوہی مولانا رشید احمدؒ اور حضرت متکلم اسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے ہے۔قدرت کو ان دونوں سے کام لینا تھا۔آگے چل کر ان کے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ ایک ایسی درس گاہ کی بنیاد رکھی جائے جو اس دور انحطاط میں مسلمانوں کے دینی علوم کی نشر و اشاعت اور ان کی علمی و دینی تربیت کا مرکز ہو،چنانچہ دیو بند جیسی گمنام بستی میں مسجد چھتہ میں انار کے درخت کے نیچے دار العلوم کی بنیاد رکھی۔اس درسگاہ سے حدیث،تفسیر،فقہ اور مذہب حنفی کی کیسی سرسبزی و شادابی ہوئی۔وہ سب پر عیاں اور اظہر من الشمس ہے۔اور اس علمی چمن سے ہزاروں کی تعداد میں علماء و مشائخ پیدا ہوئے وہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔(از ماہنامہ الفرقان اکتوبر و نومبر ۱۹۸۰ء بتغیر)

الغرض تیرہویں صدی کے آخر میں مسلمانان ہند کی اپنی زندگی کی وحدت کو جو شدید خطرہ فتنۂ غیر مقلدیت (لامذہبیت) کے طوفان کی وجہ سے پیش آگیا تھا اور جس کی پیش رفت کو اس دور کے علماء حقہ نے اپنی جان توڑ مساعی جمیلہ سے روک دیا۔اس فتنہ (یعنی غیر مقلدیت) کا اثر گجرات کی سر زمین پر بھی پہنچا اور سورت ضلع کی ایک بستی ''سامرود'' میں ایک غیر مقلد بنام ''مولانا محمد سامرودی'' پیدا ہوئے اور غیر مقلدیت کی اشاعت اور اس کو فروغ دینا شروع کیا اور لوگوں میں فتنہ کھڑا کر کے ان کے اتحاد کو زد پہنچایا اور حنفی علماء و عوام کو اپنی دل آزار باتوں سے ایذا رسانی شروع کی اور طرح طرح کے دعوے اور چیلنج کرنے لگے بالآخر ان کا علامہ ابو محمد عبدالحق حقانیؒ (صاحب تفسیر حقانی) کے ساتھ بمقام ڈابھیل (ضلع سورت،گجرات) ۷۔جمادی الاول ۱۳۰۳ھ بروز جمعہ ایک مناظرہ ہوا اور دوسرا مناظرہ بمقام سورت ۸۔جمادی الاول ۱۳۰۳ھ جناب مولانا علی عیدروس قدس اللہ سرہ العزیز کے آستانہ مبارک پر صحن مسجد میں ہوا (یہ دونوں مناظرے جس کو جناب محمد ابراہیم صاحب پولیس پٹیل (جنہوں نے ڈابھیل کے مناظرہ کا سرکاری طور پر بندوبست کیا تھا) نے طبع کرائے وہ ہمارے پاس محفوظ ہیں) مولانا محمد سورتی صاحب مناظرہ کا چیلنج کرتے تھے اور دعویٰ کرتے تھے ''کسی نے اپنی ماں کا دودھ پیا ہے کہ مجھ سے بحث و گفتگو کرے کیا مجال جو میرے سامنے آجائے اور کبھی بہانگ دہل یہ دعویٰ کرتے ''میرے مقابلہ میں ہرگز کوئی نہیں آسکے گا۔آوے اور جس علم میں چاہے بحث کرے'' گاؤں والے ان دعوؤں سے پریشان تھے۔مجبور ہو کر جب حنفیوں نے ان کے چیلنج کو قبول کیا اور ان کو مناظرہ

کی دعوت دی تو لیت ولعل کرنا شروع کر دیا اور بہانہ بازی کرنا چاہی مگر وہ اپنی شاطرانہ چال میں کامیاب نہ ہوئے۔ اور بڑی مشکل سے مناظرہ کرنے پر آمادہ ہوئے۔ مناظرہ کی روئیداد کے متعلق اس مطبوعہ مناظرہ کے دیباچہ میں ہے۔

''پولیس پٹیل ڈابھیل والے صاحب نے اپنی جماعت و سرکار سے بندوبست ضروری کر کے مولوی سامرودی صاحب سے کہلا بھیجا کہ تشریف لاؤ، آپ کا مقولہ کہ کوئی کیا مجال رکھتا ہے مجھ سے گفتگو کرنے کی اس کا صدق و کذب معلوم ہو جائے پس اگر صدق ہو تو ہم آپ کا طریقہ اختیار کریں والا نہیں تو آپ تائب ہو کر دین حق پہ آجاؤ اور حنفی مذہب اختیار کر و اور پورے مقلد بن جاؤ تاکہ آپ کی ہماری صلاح رہے اور فساد موقوف ہو جاوے۔ غرض تین دن تک نہیں آئے۔ لیت ولعل کرتے رہے۔ اور ان کے لڑکے کا مقدمہ تھا (جس کا وہ بہانہ کر رہے تھے) وہ بھی موقوف رہا اور ان کا یہ عذر باقی نہ رہا۔ آخر الامر چند صاحب سامرود گئے اور بہت طرح سے قائل کئے حضرت پہلے کیا فرماتے تھے اور اب کیا کرتے ہو۔ آپ کا عذر ہم ہرگز ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ آپ نے دین میں فساد ڈال رکھا ہے اور اب وقت پر حیلے حوالے کرتے ہو کیا سچائی کی یہی علامت ہے۔ آخر مجبور ہوئے اور بجز تشریف آوری کے بن نہ پڑی الحاصل جمعہ کے دن قصبہ ڈابھیل میں جناب عالی میاں جمال الدین صاحب عثمانی دام اجلالہم کی مسجد شریف میں بحث شروع ہوئی نو بجے سے بارہ بجے تک گفتگو رہی وہاں پر دس گاؤں کے لوگ شریک تھے اور سورت، راندیر، بریاؤ نوساری سے بھی چند صاحب تشریف لائے تھے ان سب صاحبوں کے روبرو جو جو سوالات و جوابات جانبین میں ہوئے وہ سب قلم بند کر لئے گئے اور اس پر مولوی عبدالحق صاحب اور مولوی محمد صاحب سامرودی کی صحیح (یعنی دستخط) اور پٹیل مذکور وغیرہ چند معتمدین کی گواہی کرائی گئی تاکہ کوئی صاحب انکار نہ کریں اور جناب مولوی عبدالحق صاحب اثناء مباحثہ میں خستہ بانہ خندہ رو ہو کر فرماتے تھے کہ مولانا صاحب ذرا سوچ بچار کر جواب دیجئے کہ یہ نوشتہ مشتہر ہو کر اہل علموں کے ملاحظہ میں گذرے گا۔ اور بندہ تو فقط آپ لوگوں کا فساد دور کرنے آیا ہے۔ الیٰ قولہ۔ حاصل کلام آخر میں یہ ہوا کہ مولوی سامرودی صاحب ''دلیل کی تعریف کیا ہے۔'' اس بات کا جواب نہ دے سکے دس ۱۰ پندرہ منٹ غور کرنے کے بعد فرمایا کہ مولانا صاحب آج معاف رکھو اور ملتوی رکھو کتاب دیکھ کر بتاؤں گا۔ اور اس مباحثہ کو کل شہر سورت میں مقرر رکھو پس جناب مولوی عبدالحق صاحب ان کے انتظار میں تین دن اپنا وقت ضائع کر چکے تھے بعد میں نماز جمعہ چلنے کے ارادہ میں تھے مگر اس کے باوجود اخلاق کریمانہ سے قبول فرمائے پس مجلس برخاست ہوئی اور جناب مولانا مخدومی مکرمی مولوی عبدالرشید صاحب موصوف الصدر نے خطبہ پڑھ کر نماز جمعہ پڑھائی بعدہ ہفتہ کے روز بعد نماز ظہر جناب مولانا وسیدنا علی عیدروس صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے آستانہ مبارک پر صحن مسجد میں گفتگو شروع ہوئی اس مجلس میں تخمیناً چار پانچ ہزار آدمی جمع تھے چنانچہ منجملہ ان کے عالی معظم و مکرم مولائی وسیدی حضرت سید علوی صاحب دام ظلہم تشریف رکھتے تھے اور جناب مولانا محمد صاحب ابن مولوی اسماعیل صاحب و جناب مولانا مولوی محمد کاظم صاحب ابن مولوی محمد اشرف صاحب۔ جناب مولانا سلیمان صوفی صاحب اجپوری وغیرہ اکثر اہل علم وسادات کرام و شرفائے شہر سلمہم اللہ تعالیٰ تشریف رکھتے تھے اور جناب غلام نبی صاحب فوجدار سورت بھی واسطے انتظام و بندوبست مجلس کے تشریف لائے تھے غرض کہ ان سب صاحبان ذی شان خاص و عام نے سب گفتگو سنی اور سب اس کے شاہد و گواہ ہیں پس باوجود اس دعویٰ اور وعدہ' کتاب کے بھی دلیل کا جواب اور تعریف نہ کر سکے اور بجز ''ہیں ہیں، ہاں ہاں'' کچھ نہ بن

یہ کی وہ دعویٰ خواب وخیال ہو گئے اور صدق و کذب ظاہر ہو گیا۔ آخر الامر جناب مولوی عبدالحق صاحب نے سب صاحبان مجلس کے روبرو فرمایا کہ مولانا صاحب اگر آپ نہیں جانتے تو مقر کیوں نہیں ہوتے اور بے فائدہ باتیں کیوں کرتے ہو خیر عاجز نے تم کو معاف کیا اب بندہ تقریر علمی اور دلائل عقلی ونقلی سے التزام وجواب مذہب واحد کا سب اہل مجلس کے روبرو آپ کو ثابت کر دیتا ہے۔ لیکن انصاف کیجئے اور غور سے سنئے یہ کہہ کر جناب مولانا عبدالحق صاحب گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے تک بحث علمی ودلائل نقلی وعقلی بیان فرماتے رہے جمیع صاحبان مجلس سے نداء آفرین وصدا آفریں آتی تھی اور سب کی نگاہ وکان انہی کی طرف لگے تھے پس یہ سن کر غیر مقلدین نے خصوص اکثر گاؤں کے لوگوں نے لامذہبی سے توبہ کی اور تقلید کے قائل بدل وجان ہوئے اور مذہب حنفی قبول کیئے حق تعالیٰ قبول فرمائے اور باقی ماندوں کو بھی توبہ نصیب کرے مگر مولوی سامرودی صاحب نے آخر انصاف نہ کیا اور نہ سمجھے بلکہ غصہ میں آکر نامناسب باتیں کرنے لگے اس پر بھی مولوی عبدالحق صاحب نے صبر وسکوت فرمایا۔ الخ۔

مندرجہ بالا اقتباس سے واضح ہو گیا کہ مولوی محمد سامرودی صاحب مناظرہ میں بالکل لاجواب ہو گئے گو انہوں نے اپنی شکست تسلیم نہیں کی۔ لیکن اسی مناظرہ کا اثر سمجھئے کہ بعد میں غیر مقلدیت سے صمیم قلب سے توبہ کی اور اس زمانہ کے مشہور ومعروف ولی کامل بلند پایہ بزرگ، عارف باللہ، فنافی اللہ حضرت شیخ پیر موسیٰ جی ترکیسری رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بیعت ہوئے اور شیخ کی عقیدت دل میں اس طرح گھر کر گئی کہ اس کے بعد انہی کے ہو کر رہ گئے اور اپنے شیخ کی مدح میں ایک عربی قصیدہ لکھا وہ قصیدہ کرامات موسویہ (جس میں، شیخ پیر موسیٰ جیؒ کی سوانح اور کمالات وکرامات کا ذکر ہے امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ کی تالیف ہے) میں شائع ہو گیا ہے۔ اسی کرامات موسویہ کے دیباچہ میں ہے ''قصیدہ کے مصنف ممدوح پہلے غیر مقلد تھے اور عدم تقلید میں نہایت غالی ومتعصب تھے حضرات صوفیہ سے ویسا ہی انکار شدید رکھتے تھے جیسا کہ اس فرقہ میں ہوتا ہے اپنی جماعت کے امام اور مقتدا ومرجع تھے مگر حضرت ولی مرشد (پیر جی موسیٰ جیؒ) کے فضائل وکمالات کا غلغلہ (شور) جو ان کے کانوں میں پہنچا اور سعادت ازلی نے ان کی دستگیری کی تو دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ بچشم خود جا کر دیکھیں کہ اس غلغلہ کی اصلیت کہاں تک ہے اور جس چیز کو وہ اب تک مستبعد ومستنکرہ سمجھتے تھے اس کی حقیقت کیا ہے چنانچہ حاضر ہوئے دیکھا تو اس غلغلہ سے کہیں زیادہ ان کی حالت پائی جیسا کہ اپنے اسی قصیدہ میں انہوں نے لکھا ہے۔

قد کنت من بعد سمعت صفاته فوجد تها اضعاف وصف فخام

اور میں سنتا تھا دور سے ان کے صفات کو۔ پھر میں نے ان صفات کو پایا دو چند سہ چند اوصاف اکابر سے۔

ورأيته علماً دليلاً، حجةً ولسالكي المنهاج خير امام

اور میں نے انہیں دیکھا اللہ کی نشانی اور راہنما اور حجت اور رہروان طریقت کے لئے بہترین پیشوا۔

خوارق عادت کا مشاہدہ کیا منجملہ اس کے یہ کہ حضرت ولی مرشد نے ان کو کشف قبول کرایا وغیرذلک۔ المختصر وہ انکار اور نفرت جو حضرات اولیاء اللہ کی طرف سے قلب میں مضمر تھی ارادت ومحبت سے متبدل ہو گئی اور بے اختیار دل اسی طرف کھنچنے لگا جس طرف کھینچنا چاہئے حضرت ولی مرشد کے حلقۂ فیض میں داخل ہوئے اور جو حق تعالیٰ نے چاہا پایا اسی حالت جوش وخروش میں یہ قصیدہ تالیف فرمایا اس انقلاب عظیم کی وجہ سے ان کی جماعت ان سے متنفر ہو گئی الخ۔

(کرامات موسویہ ص ۶،۵)

اس کے بعد مولانا محمد سورتیؒ کی نسل میں ایک شخص مولوی عبدالجلیل سامرودی پیدا ہوئے جن کے متعلق مولانا محمد سورتیؒ کے بھانجے جناب محمد سورتی کا مقولہ کرامات موسویہ میں منقول ہے۔'' اوران کے (مولانا محمد سورتی صاحب کے) دو پوتے آج کل موجود ہیں جن میں ایک مولوی عبدالجلیل صاحب نو جوان عالم ہیں مگر فنون وعلوم سے زیادہ تعلق نہیں رکھتے صرف کچھ دینیات عربی وغیرہ سے۔الخ (ص ۶)

یہ مولوی عبدالجلیل سامرودی غالی درجہ کی غیر مقلد تھے اورانہوں نے اپنی فتنہ انگیز طبیعت کی وجہ سے حد سے زیادہ فتنہ پھیلایا اورلا مذہبیت (یعنی غیر مقلدیت) کی اشاعت میں اورمذہب حنفی کو بدنامی کرنے اورکتب فقہ سے عوام الناس کو بدظن کرنے کی جان توڑ کوشش کی ۔ان کا بھی بمقام ڈابھیل متکلم اسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے ساتھ مناظرہ ہوا جس کے دیکھنے والے آج بھی بکثرت بقید حیات ہیں خود احقر بھی اس مناظرہ میں شریک تھا۔

سامرودی صاحب بڑے دعوے کرتے تھے۔اور بڑے طمطراق کے ساتھ بیل گاڑی میں کتابیں بھر کر ڈابھیل پہنچے تھے مگر اس مناظرہ میں مجمع عام میں ایک لفظ نہ کہہ سکے۔اور بالکل لاجواب ہوکر وہاں سے نکلے۔

مگر اس کے بعد بھی اپنی نازیبا حرکتوں سے باز نہ آئے اور ایک پمفلٹ شائع کیا گیا جو ان کی طرف منسوب تھا۔اور آخر میں ان کا نام درج تھا۔لوگوں کو کتب فقہ سے بدظن کرنے اوران کتابوں کو فحش لٹریچر ثابت کرنے کی غرض سے غسل اورروزے وغیرہ مسائل کے متعلق چند عربی عبارتوں کا (مثلاً ولو وطی میتة او بهيمة وهو التفخيذ او قبل او لمس ان انزل قضیٰ والا فلا (شرح الوقایه ج ۱ ص ۲۱۲ مالم يبطل به الصوم، اوانزل بنظر اوفكر وادم النظر والفكر (نور الایضاح ص ۱۲۸ باب ما يفسد الصوم) اذا ادخل ذكره' فی بهيمة او ميتة من غير انزال او مس فرج بهيمة اوقبلها فانزل او اقطر فی احليه ماءً او دهناً وان وصل الی المتانة علی المذهب واما فی قبلها فمفسد اجماعاً لا نه كا لحقنة (در مختار مع الشامی ج ۲ ص ۱۳۷ ص ۱۳۸) وانزال المنی بوطی ميتة او بهيمة ووجود ماءٍ رقيقٍ بعد النوم اذالم يكن ذكره' منتشراً قبل النوم (نور الایضاح ص ۲۶ فصل فيما يوجب الا غتسال) نہایت گندے اور بازاری الفاظ میں ترجمہ کیا گیا تھا اور بزعم خود یہ باور کرایا گیا تھا کہ یہ کتابیں مذہب حق کی نہیں ہوسکتیں کہ ان میں ایسی گندی اور فحش باتیں درج ہیں۔حکومت نے فحش الفاظ اورگندے مضامین شائع کرنے کی بنا پر دفعہ نمبر ۲۹۲ کے بموجب جس کے نام سے یہ طبع ہوا تھا اس کو اور جس پریس میں چھپا تھا اس کے مالک کو گرفتار کرلیا اوراس پر سرکاری مقدمہ دائر کردیا گیا۔اس سلسلہ میں ایل، آئی، بی شعبہ کے سب انسپکٹر جناب جی، ایم، گربانی نے احقر کا تعاون حاصل کرنا چاہا۔ احقر نے اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے قبول کیا اور پمفلٹ میں جن عبارتوں کا ترجمہ پیش کیا گیا تھا ان کی حقیقت کو ثابت کیا کہ بے شک یہ الفاظ ہماری کتب فقہ میں درج ہیں مگر ان کا جو ترجمہ کیا گیا ہے یہ صحیح نہیں ہے ان کا دوسرا صحیح ترجمہ ہوسکتا ہے اور احقر نے ایک مثال سے اس کو واضح کیا کہ کوئی شخص اپنی ماں کو'' ماں'' کہنے کے بجائے'' باپ کی جورو'' کہے تو

حقیقت کے اعتبار سے یہ غلط نہیں مگر یہ کہنا بے ادبی سمجھا جاتا ہے اور ہر ایک اس کو برا کہتا ہے۔ یہی حال ان عبارتوں کا ہے ان کا صحیح اور مہذب ترجمہ ہو سکتا ہے مگر چونکہ پمفلٹ لکھنے والے کا مقصد ہی مذہب حنفی کی تخفیف ہے اور لوگوں کو کتب فقہ سے بدظن کرنا ہے۔ اس لئے انہوں نے ان عبارتوں کا ایسا فحش اور گندے الفاظ میں ترجمہ کیا ہے۔ احقر نے تمام مسائل کا جواب تحریراً بھی دیا جو مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا اور کورٹ میں حاضر ہو کر (جہاں ہزاروں کی تعداد میں لوگ موجود تھے۔ غیر مقلدین بھی بڑی تعداد میں تھے) تقریراً بھی بیان دیا جو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہا۔ جس میں بنیادی طور پر یہ ثابت کیا کہ فقہاء نے یہ مسائل کیوں بیان کئے ہیں۔ اور اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے پر کیوں مجبور ہوئے۔ جس کی کچھ تفصیل فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد ہفتم ص ۲۴۲ تا ص ۲۵۲ پر درج ہے۔ الحمد للہ مجسٹریٹ کو اطمینان ہوا۔ (حالانکہ ابھی صرف ایک مسئلہ پر کلام کیا تھا) اور ان عبارتوں کی حقیقت اور ضرورت اس پر واضح ہو گئی۔ اس کے بعد جب سامرودی صاحب سے کچھ جواب نہ بن پڑا تو ان کے وکیل نے مشورہ دیا کہ اب چھٹکارے کی صرف ایک صورت ہے کہ تم یہ بیان دیدو کہ یہ پمفلٹ نہ میں نے لکھا ہے (اگر لکھا نہیں تھا تو شروع ہی سے انکار کر دینا تھا) نہ اس کو چھپوایا ہے نہ تقسیم کیا ہے۔ چنانچہ وکیل کے مشورے پر یہ بیان دے دیا کہ میں نے نہ اس کو لکھا ہے نہ چھپوایا ہے نہ تقسیم کیا ہے۔ اسی طرح پریس کے مالک نے بیان دیا کہ میرے پریس میں نہیں چھپا ہے۔ ان کے اس بیان پر سیکنڈ کورٹ کے فرسٹ کلاس مجسٹریٹ جناب سی، ڈی، گوشالیا نے یہ فیصلہ کیا کہ اس پمفلٹ کا لکھنے والا ''سامرودی'' ہے اور یہ پمفلٹ ''اناویل بندھو پرنٹنگ پریس'' میں چھپا ہے یہ صحیح طور پر ثابت نہ ہو سکا سامرودی صاحب کو اور پریس کے مالک کو بری الذمہ قرار دے کر رہا کر دیا گیا۔ اور اس پمفلٹ کو خلاف قانون ہونے کی وجہ سے ضبط کر لیا گیا۔ اس مقدمہ کی تفصیل ماہنامہ ''پیغام کاوی ضلع بھروچ ۱۹۵۸ء کے فائلوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

سامرودی صاحب کا انتقال ہو چکا ہے۔ اب ان کے جانشین یہ فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ آئے دن کچھ نہ کچھ مذہب حنفی کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں جمبوسر ضلع بھروچ گجرات سے ''ندائے حق'' نام کا ایک ماہنامہ رسالہ جاری کر رکھا ہے شاید ہی اس کا کوئی شمارہ اس قسم کی نازیبا حرکتوں سے خالی ہوتا ہو۔ تقریباً ہر شمارے میں تقلید کی مذمت اور احناف کے خلاف طعن وتشنیع ضرور ہوتی ہے، اور سال بہ سال بیس ۲۰ رکعت تراویح کے متعلق لمبا چوڑا پمفلٹ (جس کا مفصل جواب دے دیا گیا ہے اور چھپ بھی گیا ہے) شائع کرتے رہتے ہیں اور عوام کو مذہب حنفی سے بدظن کرنے کی انتھک کوشش کرتے رہتے ہیں ان کی اس فتنہ انگیزی کی وجہ سے بعض لوگ ان کے ہم خیال ہو گئے۔ چنانچہ سائل بھی (غالباً) ان ہی کا ہم خیال ہو چکا ہے ان وجوہات کی بنا پر ان کے سوال کا یہ طویل جواب لکھا گیا ہے اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میرے احباب واقربا کو اور امت محمدیہ (ﷺ) کو صراط مستقیم پر قائم رکھے اور حق کی ہدایت نصیب کرے اور فتنوں سے محفوظ رکھ کر حسن خاتمہ کی دولت عطا فرمادے آمین۔ بحرمة سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ اجمعین فقط۔ واللہ اعلم بالصواب ۲۸ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ۔

مودودی صاحب کی سبائی ذہنیت:

(سوال ۱۷۱) ہمارے شہر میں ایک امام اور خطیب صاحب مودودی جماعت کی طرف میلان اور رجحان رکھتے ہیں اور ان کی تائید کرتے ہیں، کچھ لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے گریز کرتے ہیں۔ ان کی امامت کیسی ہے؟ مودودی صاحب کے نظریات کے متعلق معلوم ہوا کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام اور صحابہ عظام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان میں گستاخی کی ہے کیا یہ صحیح ہے؟ ان کی امامت کیسی ہے؟ امید ہے کہ مفصل جواب مرحمت فرمائیں گے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً، آپ کی مسجد کے امام اور خطیب صاحب مودودی جماعت کو انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کی تنقیص اور ان کی شان میں صریح گستاخی کے بعد بھی حق پر سمجھتے ہیں اور ان کی جماعت کو اہل حق کی جماعت قرار دیتے ہوئے ان کا تعاون کرتے ہیں، یہ افسوس ناک ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے) **ذلک الفوز العظیم** (یہ بڑی کامیابی) نیز ارشاد فرمایا **اولٰئک هم الصادقون** (یہی لوگ ایمان کے سچے ہیں) **اولٰئک هم الفائزون يبشرهم ربهم برحمة منه ورضوان** (یہی لوگ پورے کامیاب ہیں ان کا رب ان کو بشارت دیتا ہے اپنی طرف سے بڑی رحمت اور بڑی رضامندی کی) **اولٰئک هم الراشدون** (یہ لوگ راہ راست پر ہیں) **اولٰئک هم المؤمنون حقاً لهم مغفرة ورزق كريم** (یہ لوگ ایمان کا پورا حق ادا کرنے والے ہیں ان کے لئے (آخرت میں) بڑی مغفرت اور (جنت میں) بڑی معزز روزی ہے (قرآن مجید) وغیرہ وغیرہ کامیابی کی سندیں خدا کی جانب سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو عطا کی گئی ہیں اس کے بعد بھی ان پر تنقید کرنے کا کس کو حق ہے؟

ارشاد خداوندی ہے۔ **ما اتٰكم الرسول فخذوه وما نهٰكم عنه فانتهوا** (رسول اللہ ﷺ تم کو جو کچھ دیدیا کریں وہ قبول کرلیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیا تم رک جایا کرو) (سورہ حشر) اور حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا **ما امرتكم به فخذوه وما نهيتكم عنه فانتهوا** جس چیز کا میں تم کو حکم دوں اس پر عمل کرو، اور جس چیز سے منع کردوں اس سے رک جاؤ (ابن ماجہ ص ۲)

اب ملاحظہ فرمایئے کہ حضور ﷺ نے امت کو صحابہؓ کے متعلق کیا ہدایت فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں **(الله الله في اصحابي)** (میرے صحابہ کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو) اگر کوئی حقیقی معنی میں مومن ہو تو اس کے لئے یہی ایک جملہ کافی ہے کہ وہ صحابہ کے معاملہ میں اپنی زبان نہ کھولے مگر کیا مودودی صاحب نے اس پر عمل کیا ہے؟ اور کیا ان کو اس کا پاس ہے؟ حضور ﷺ نے اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ مزید ارشاد فرمایا **لا تتخذوهم من بعدي غرضاً** (میرے بعد ان کو تنقید کا نشانہ نہ بنانا) کیا اس فرمان کی مودودی صاحب نے خلاف ورزی نہیں کی ہے؟ آگے مزید حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں **فمن احبهم فبحبي احبهم ومن ابغضهم فببغضي ابغضهم** (جس نے ان سے محبت کی پس میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے

ان سے بغض رکھا) سچے مومن کی شان تو یہ ہے کہ وہ ان دوشقوں میں سے پہلی شق کا مصداق بنے اور صحابہؓ سے محبت کا ثبوت دے مگر مودودی صاحب بجائے اس کے صحابۂ کرامؓ کی شان میں گستاخی کر کے دوسری شق کا مصداق بنے ہیں پھر آگے مزید حضور پاک ﷺ ارشاد فرماتے ہیں ومن آذاهم فقد آذاني (جس نے ان کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذاء پہنچائی) کیا یہ معمولی بات ہے' ومن آذاني فقد آذى الله'' (جس نے مجھے ایذاء پہنچائی اس نے اللہ کو ایذاء پہنچائی) یہ اس سے بھی سخت وعید ہے۔ آگے اور سنئے! ومن آذى الله فيوشك ان يأخذه (اور جو اللہ کو ایذاء پہنچائے قریب ہے کہ اللہ اس کو عذاب میں پکڑ لے) کیا ایسی سخت وعید کے بعد بھی کوئی ادنی درجہ کا مسلمان صحابہؓ کی شان میں گستاخی کی جسارت کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں کر سکتا! مگر مودودی صاحب نے خوب دل کھول کر جسارت کی ہے، اس کے کچھ نمونے آگے آرہے ہیں، اس حدیث کی تائید میں ارشاد خداوندی ملاحظہ ہو۔ ان الذين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله في الدنيا والآخرة واعد لهم عذاباً مهينا (بے شک جولوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے) نیز فرمان خداوندی ہے ان الذين يحآدون الله ورسوله اولئک في الا ذلين (جولوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں یہ لوگ سخت ذلیل لوگوں میں ہیں)

ان آیتوں کے مضمون پر غور کیجئے کہ یہ کتنی سخت وعید ہے، کیا مودودی صاحب متعدد صحابۂ کرامؓ پر تنقید کر کے اس وعید کے مستحق نہیں بنے؟

ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اذا رأيتم الذين يسبون اصحابي فقولوا لعنة الله على شركم (جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو تم ان سے کہو خدا کی لعنت ہے اس پر جو تم میں برا ہو) (ترمذی شریف باب فیمن یسب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ترمذی ج۔۲ص ۲۲۵ ج ۲ص ۲۲۷) (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴ باب مناقب الصحابہ)

ظاہر ہے کہ صحابی کے مقابلہ میں غیر صحابی ہی برا ہو سکتا ہے اور اس وعید کا وہی مستحق ہوگا۔

محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ ایک حدیث نقل فرماتے ہیں وقال صلى الله عليه وسلم لا تسبوا اصحابي ومن سبهم فعليه لعنة الله . پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ کو برا نہ کہو جس نے ان کو برا کہا اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ (غنیۃ الطالبین ج ۱ص ۵۵ عربی)

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں من ابغض الصحابة وسبهم فليس له في المسلمين حق . جو صحابہ سے بغض رکھے اور ان کو برا کہے تو اس کا مسلمانوں میں کوئی حق نہیں۔ مظاہر حق ج ۴ص ۵۸۷)

امام ابوزرعہ رازیؒ جو امام مسلمؒ کے اجلہ شیوخ میں سے ہیں فرماتے ہیں۔

اذا رأيت الرجل ينتقص احداً من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم انه زنديق وذلک ان القرآن حق والرسول حق و ما جاء به حق وما ادى ذلک الينا كله الا الصحابة فمن جرحهم انما اراد ابطال الكتاب والسنة فيكون الجرح به اليق والحكم عليه بالزندقة والضلالة اقوم واحق.

یعنی! جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہ کرام میں سے کسی کی بھی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے اس لئے کہ قرآن حق ہے، رسول ﷺ حق ہیں، اور جو کچھ رسول اللہ ﷺ لائے ہیں وہ سب برحق ہے، اور یہ چیزیں ہم تک پہنچانے والے صحابہ ہی ہیں تو جو شخص ان کو مجروح کرتا ہے وہ کتاب وسنت کو باطل کرنا چاہتا ہے لہذا خود اسی کو مجروح کرنا زیادہ بہتر ہے اور اسی پر گمراہی وزندقہ کا حکم لگانا زیادہ مناسب ہے اور وہی اس تمغہ کا زیادہ حق دار ہے۔ (فتح المغیث ص ۳۷۵ مظاہر حق ج ۴ ص ۵۷۸)

شیخ طریقت حضرت شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں **ما امن برسول الله من لم يوقر ا صحابه** جس نے اصحاب رسول اللہ ﷺ کی توقیر نہیں کی وہ (گویا) حضور ﷺ پر ایمان ہی نہیں لایا (مکتوبات امام ربانی ج ۳ ص ۴۶ مکتوب نمبر ۲۴ فارسی)

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں **من نطق في اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بكلمة فهو صاحب هوى.** جس نے صحابہؓ کے بارے میں ایک بات بھی کہی تو وہ بدعتی اور گمراہ ہے (غنیۃ الطالبین ج ۱ ص ۵۵ عربی)

ان دوعیدوں اور علماء حقہ کی ان ہدایات کے بعد بھی کیا کوئی شخص یہ ہمت کر سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان میں زبان درازی کرے اور ان کو برا بھلا کہے جس سے لوگوں کے دلوں سے ان کی عظمت ومحبت گھٹ جائے مگر مودودی صاحب نے بڑی جسارت سے صحابہؓ کی شان میں زبان درازی کی ہے اور ان کا تقدس وعظمت کم کرنے کی ناکام سعی کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

(۱) چونکہ احد کے میدان میں مسلمانوں کی شکست کا سبب ہی یہ ہوا کہ ان کے اندر صبر کی بھی کمی تھی اور ان کے افراد سے بعض ایسی غلطیاں بھی سرزد ہوئی تھیں جو خداترسی کے خلاف تھیں (تفہیم القرآن ج ۱ ص ۲۸۴)

(۲) احد کی شکست کا بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمان عین کامیابی کی موقعہ پر مال کی طمع سے مغلوب ہوگئے اور اپنے کام کو تکمیل تک پہنچانے کے بجائے غنیمت لوٹنے میں لگ گئے (تفہیم القرآن ج ۱ ص ۲۸۷)

(۳) سودخواری جس سوسائٹی میں موجود ہوتی ہے اس کے اندر سودخواری کی وجہ سے دوقسم کے اخلاقی امراض پیدا ہوجاتے ہیں، سود لینے والوں میں حرص وطمع بخل اور خودغرضی، اور سود دینے والوں میں نفرت غصہ اور بغض وحسد۔ احد کی شکست میں ان دونوں قسم کی بیماریوں کا کچھ نہ کچھ حصہ شامل تھا۔ (تفہیم القرآن ج ۱ ص ۲۸۸)

مودودی صاحب کے ایک رفیق مولوی صدرالدین اصلاحی لکھتے ہیں:۔

برسوں کی تعلیم وتربیت کے بعد رسول اللہ ﷺ ان کو میدان جنگ میں لائے اور باوجود یہ کہ ان کی ذہنیت میں انقلاب عظیم رونما ہوچکا تھا مگر پھر بھی اسلام کی ابتدائی لڑائیوں میں صحابہ کرام جہاد فی سبیل اللہ کی اصلی اسپرٹ سمجھنے میں باربار غلطیاں کرجاتے تھے (ترجمان القرآن ص ۵۷ء ص ۲۹۲ بحوالہ مودودی مذہب ص ۵۹)

(۴) امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ کے متعلق لکھا ہے "حضرت عثمانؓ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا اور غلط کام بہرحال غلط ہے خواہ کسی نے کیا ہو اس کو خواہ مخواہ سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل وانصاف کا تقاضہ ہے نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے (خلافت وملوکیت ص ۱۰۷ بار سوم)

کیا یہ ارشاد نبوی ﷺ اللہ اللہ فی اصحابی　　الخ سے بغاوت نہیں ہے۔

(۵) حضرت امیر معاویہ کے متعلق لکھا ہے ''ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہؓ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے تمام گورنر خطبوں میں برسر منبر حضرت علیؓ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے تھے حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبر رسول ﷺ پر عین روضۂ نبوی کے سامنے حضور ﷺ کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتے دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے، کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعہ کے خطبہ کو اس گندگی سے آلودہ کرنا دین واخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۶۲ بار سوم)

یہ حضرت معاویہؓ پر سراسر بہتان ہے، مودودی صاحب نے اس موقعہ پر پانچ حوالے دے کر یہ باور کرانا چاہا ہے کہ مندرجہ بالا بات بالکل صحیح ہے، حالانکہ یہ حوالے قطعاً غلط ہیں، یہ کس قدر بددیانتی اور شدید بہتان ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ماہنامہ الفرقان بابت جون ۱۹۷۹ء مطابق رجب ص ۱۳۹۹ھ جلد نمبر ۴۷ شمارہ نمبر ۶)

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی بے بنیاد اور غلط باتیں حضرت معاویہؓ کی طرف منسوب کر کے ان کی سخت ہتک کی ہے، حالانکہ حضرت معاویہؓ جلیل القدر صحابی ہیں، کاتب وحی ہیں، حضور ﷺ نے ان کے لئے خصوصی طور پر دعا فرمائی ہے **اللھم اجعلہ ھادیاً مھدیاً واھدبہ** (اے اللہ معاویہ کو ہادی (ہدایت دینے والا) اور ہدایت یافتہ بنا اور ان کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت نصیب فرما) (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲۵ مناقب معاویہ بن ابی سفیان ج ۲ ص ۲۲۴)

آپ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کے بھائی ہیں اس اعتبار سے آپ تمام مسلمانوں کے ماموں ہوئے، حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔ ''ام المؤمنین ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ حضرت معاویہؓ کی بہن تھیں اور ماں کا بھائی ماموں ہوتا ہے اس لئے حضرت معاویہؓ خال المؤمنین ہوئے اور جس طرح اہل بیت ذوی القربیٰ سے محبت رکھنا مؤمن پر فرض اور لازم ہے اسی طرح حضور پرنور ﷺ کے خسر اور برادر نسبتی اور سسرالی رشتے داروں سے بھی محبت فرض اور لازم ہے (سیرت المصطفیٰ ج ۳ ص ۵۳)

ناظرین غور کریں! جو کچھ مودودی صاحب نے حضرت معاویہؓ کی شان میں لکھا ہے اس کے ذریعہ انہوں نے محبت کا ثبوت دیا ہے یا بغض کا۔

علامہ شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ومن یکون یطعن فی معاویۃ فذالک کلب من کلاب الھاویۃ.

ترجمہ:

جو شخص حضرت معاویہ پر طعن کرتا ہے تو وہ ھاویہ (یعنی جہنم) کے کتوں میں کا ایک کتا ہے (شیم الریاض)

مودودی صاحب نے اسی پر بس نہیں کیا اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام (جو کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک معصوم ہیں) پر بھی رکیک حملے کئے ہیں اور ان کی شان میں بھی نازیبا الفاظ لکھے ہیں، ملاحظہ ہو۔ وہ فرماتے ہیں۔

(۱) حضرت داؤد علیہ السلام کے فعل میں خواہش نفس کا کچھ دخل تھا اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا، اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرماں روا کو زیب نہ دیتا تھا۔ (تفہیم القرآن ج ۴ ص ۳۲۷)

(۲) اور تو اور بسا اوقات پیغمبروں تک کو اس نفس شریر کی رہزنی کے خطرے پیش آئے ہیں چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایک موقعہ پر تنبیہ کی گئی کہ **لا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ** (سورہ ص) ہوائی نفس کی پیروی نہ کرنا ورنہ یہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی (تفہیمات ص ۱۶۱ طبع پنجم)

(۳) حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق لکھا ہے:۔ ''اصل بات یہ ہے کہ انبیاء بھی انسان ہی ہوتے ہیں اور کوئی انسان بھی اس پر قادر نہیں ہو سکتا کہ ہر وقت اس بلند ترین معیار کمال پر قائم رہے جو مومن کے لئے مقرر کیا گیا ہے، بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقعہ پر نبی جیسا اعلیٰ واشرف انسان بھی تھوڑی دیر کے لئے اپنی بشری کمزوریوں سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ الی قولہ لیکن جب اللہ تعالیٰ انہیں متنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اس کو محض اس لئے اپنا سمجھنا کہ وہ تمہاری صلب سے پیدا ہوا ہے محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے، تو وہ فوراً اپنے دل کے زخم سے بے پرواہ ہو کر اس طرز فکر کی طرف پلٹ آتے ہیں جو اسلام کا مقتضا ہے۔

(تفہیم القرآن ص ۳۴۳ و ص ۳۴۴ جلد دوم۔ سورۂ ہود)

(۴) سیدنا۔ یوسف علیہ السلام کے اس ارشاد ''اجعلنی علی خزائن الارض'' مجھے زمین مصر کے خزائن کا نگراں مقرر کر دیجئے'' کے متعلق مودودی صاحب نے لکھا ہے۔ ''یہ محض وزیر مالیات کے منصب کا مطالبہ نہیں تھا جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں بلکہ یہ ڈکٹیٹر شپ (DIC TATOR SHIP) کا مطالبہ تھا اور اس کے نتیجہ میں سیدنا یوسف علیہ السلام کو جو پوزیشن حاصل ہوئی وہ قریب قریب وہی پوزیشن تھی جو اس وقت اٹلی میں مسولینی کو حاصل ہے۔

(تفہیمات حصہ دوم ص ۱۲۸ طبع سوم۔ ص ۱۲۲ طبع پنجم)

(۵) حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق لکھا ہے:۔ '' قرآن کے اشارات اور صحیفۂ یونس کی تفصیلات پر غور کرنے سے اتنی بات صاف معلوم ہو جاتی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام سے فریضۂ رسالت ادا کرنے میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں۔ اور غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا۔''

(تفہیم القرآن ص ۳۱۲ طبع سوم)

مودودی صاحب کی یہ عبارت تیسرے ایڈیشن کی ہے جسے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر معارف القرآن ج ۴ ص ۵۷۰) میں نقل فرمایا ہے۔ بعد کے ایڈیشنوں میں یہ عبارت اس طرح باقی نہیں ہے مگر اس کا کوئی اعلان نہیں کیا کہ لوگوں کو صحیح صورت حال معلوم ہو جاتی۔ کیا اچھا ہوتا کہ مودودی صاحب اپنی غلطی کا اعتراف کر کے توبہ کر لیتے اور اس کا اعلان کر دیتے کہ میں نے یہ بات غلط لکھی ہے۔ لیکن مودودی صاحب نے اس طرح نہیں کیا، ہاں یہ تو ہوا کہ جب ان کو اپنی غلطی کا اعتراف کرنا پڑا تو بعد کے ایڈیشن میں وہ عبارت نکال دی گئی لیکن رجوع کا اعلان نہیں کیا، اگر اعلان کر دیا جاتا تو وہ لوگ جن کے پاس سابقہ ایڈیشن ہے اپنی کتاب کی اصلاح کر لیتے اور گمراہ نہ ہوتے۔

(۶) سیدنا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق لکھا ہے:۔ یہاں اس بشری کمزوری کی حقیقت کو سمجھ

لینا چاہئے جو آدم علیہ السلام سے ظہور میں آئی تھی بس ایک فوری جذبہ نے جو شیطانی تحریص کے زیر اثر ابھر آیا تھا ان پر ذہول طاری کردیا اور ضبط نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے۔ (تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۳۳)

سرور دو عالم فخر موجودات ﷺ کے متعلق لکھا ہے۔

(الف) رسول اللہ نہ فوق البشر ہے نہ بشری کمزوریوں سے بالاتر ہے، کس جاہل نے کہا ہے کہ وہ فوق البشر ہے الخ (ترجمان القرآن جلد نمبر ۸۵ شمارہ اپریل ۱۹۷۶ء بعنوان ''اسلام کس چیز کا علمبردار ہے'' بحوالہ مودودی صاحب کا براءت کی نظر میں ص ۲۹)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''آپ ﷺ بشر تو ہیں مگر اور انسانوں کے مانند نہیں بلکہ انسانوں میں ایسے ہیں جیسے پتھروں میں یاقوت'' یعنی انسانوں اور حضور ﷺ میں زمین و آسمان کا فرق ہے، آپ سب سے اعلیٰ وارفع ہیں، آپ کی طرف بشری کمزوری کو منسوب کرنا سخت بے ادبی اور گستاخی اور فساد عقیدہ کی طرف مشیر ہے۔

(ب) اور ایک جگہ مودودی صاحب نے لکھا ہے: حضور کو اپنے زمانہ میں یہ اندیشہ تھا کہ شاید دجال آپ ہی کے عہد میں ظاہر ہو جائے یا آپ کے بعد کسی قریبی زمانہ میں ظاہر ہو لیکن کیا ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کردیا کہ حضور ﷺ کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا۔ (ترجمان القرآن فروری ۱۹۴۶ء بحوالہ مودودی مذہب ص ۴۱)

اس عبارت میں بھی ترمیمات کی ہیں جو مودودی مذہب میں درج ہے مگر اس کے بعد بھی تو ہین علیٰ حالہ باقی رہتی ہے جیسا کہ مودودی مذہب کے مصنف نے لکھا ہے، تفصیل کے لئے مودودی مذہب کا مطالعہ کیا جائے۔

مودودی صاحب کا ایک انوکھا اور غیر اسلامی دعویٰ ملاحظہ ہو۔ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، الہ، رب، دین اور عبادت کے اصلی معنی اور مفہوم اور ان کی صحیح مراد ایک محدود مدت کو چھوڑ کر تقریباً تیرہ سو برس تک علماء کرام مجتہدین محدثین مفسرین مجددین فقہاء اور مشائخ طریقت پر مخفی رہی اور ان میں سے الہ رب دین عبادت ہر ایک اپنی وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لئے خاص ہو گئے اور ان بنیادی اصطلاحات پر پردہ پڑ جانے کی وجہ سے قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہوگئی، اور اب طویل عرصہ کے بعد ان اصطلاحات کا اصلی مفہوم اور ان کی حقیقی روح براہ راست مودودی صاحب کے قلب و دماغ پر نازل ہوئی ہے گویا ان پر وحی آئی (معاذ اللہ)

بدیں عقل و دانش بباید گریست

اور کسی نے خوب کہا ہے۔

بد گوہر را علم و فن آموختن

دادن تیغ است بدست راہزن

ان کے اس دعویٰ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تیرہ سو برس تک پوری امت غلط چیز پر عمل پیرا اور گمراہ رہی ہے، اور قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم کی حقیقی روح سے ناواقف رہی ہے، اور کسی نے اس روح کو سمجھا ہی نہیں چاہے وہ امام ابوحنیفہؒ ہوں کہ امام شافعی، امام مالک ہوں یا امام احمد، امام بخاری ہوں یا امام مسلم، امام ترمذی ہوں یا امام ابوداؤد،

امام نسائی ہوں یا ابن ماجہ شیخ عبدالقادر جیلانی ہوں یا خواجہ معین الدین چشتی، شیخ احمد سر ہندی مجدد الف ثانی ہوں یا شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہوں یا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہم اللہ وغیرہ وغیرہ اور اب صدیوں بعد وہ حقیقت مودودی صاحب پر منکشف ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو وہ فرماتے ہیں:۔

''عرب میں جب قرآن پیش کیا گیا تھا، اس وقت ہر شخص جانتا تھا کہ الٰہ کے کیا معنی ہیں اور رب کسے کہتے ہیں کیونکہ یہ دونوں لفظ ان کی بول چال میں پہلے سے مستعمل تھے انہیں معلوم تھا کہ ان الفاظ کا اطلاق کس مفہوم پر ہوتا ہے اسی طرح عبادت اور دین کے الفاظ بھی ان کی بولی میں پہلے سے رائج تھے ان کو معلوم تھا کہ عبد کسے کہتے ہیں، عبودیت کس حالت کا نام ہے، عبادت سے کون سا رویہ مراد ہے اور دین کا کیا مفہوم ہے...... لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصلی معنی جو نزول قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے بدلتے چلے گئے یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لئے خاص ہو گیا...... نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کا اصلی مدعا ہی سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل ہو گیا...... پس یہ حقیقت ہے کہ محض ان چار بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم پر پردہ پڑ جانے کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہو گئی ہے اور اسلام قبول کرنے کے باوجود لوگوں کی عقائد و اعمال میں جو نقائص نظر آ رہے ہیں ان کا ایک بڑا سبب یہی ہے۔

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں ص ۸۔۹۔۱۰)

ان کے اس غیر اسلامی دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:۔ ان الفاظ کے معنی و مفہوم متعین ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان سے ان کی تشریح اور اپنے عمل سے ان کی تعیین کر دی ہے، یہ معنی و مفہوم امت میں عملی و لفظی طور پر تواتر و تسلسل سے چلے آ رہے ہیں اور ساری امت اس کو جانتی اور مانتی ہے (عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح ص ۲۳)

نیز فرماتے ہیں:۔ سورۂ حجر میں فرمایا گیا **انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون** اور ہم نے اتاری ہے یہ نصیحت (قرآن مجید) اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، فضل و احسان جتانے کے موقعہ پر حفاظت کے وعدے کے اعلان میں اس کے مطالب کا فہم ان کی تشریح، اس کی تعلیمات پر عمل، اور زندگی میں ان کا انطباق بھی شامل ہے، ایسی کتاب کی کیا قدر و منزلت ہو سکتی ہے، اور اس کی حفاظت کا کیا فائدہ اور نتیجہ ہے جو طویل مدت تک معطل پڑی رہے نہ سمجھی جائے، نہ اس پر عمل کیا جائے؟ نیز اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا **ان علینا جمعه وقرآنه فاذا قراناه فاتبع قرانه ثم ان علینا بیانه** 'اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے جب ہم وحی پڑھا کریں تو تم اس کو سنا کرو اور پھر اسی طرح پڑھا کرو پھر اس کے معانی کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔

ان **علینا بیانه**' کی تفسیر کرتے ہوئے حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''ازالۃ الخفاء'' میں لکھتے ہیں۔

اللہ فرماتا ہے کہ قرآن مجید کی توضیح ہمارے ذمہ ہے، ہم ہر زمانہ میں ایک جماعت کثیر کو قرآن مجید کی وضاحت طلب الفاظ کی تشریح اور اسباب نزول کے بیان کی توفیق دیتے رہیں گے تا کہ ان کا صحیح مصداق لوگوں کے سامنے آ جائے، اس کا نمبر حفظ قرآن و تبلیغ قرآن کے بعد ہے، خود آنحضرت ﷺ قرآن مجید کی تشریح و تفسیر کرنے

والے تھے، قرآن مجید کے مصاحف میں محفوظ ومدون ہو جانے اور اس کی تلاوت کا رواج عام ہو جانے کے بعد تفسیر کی باری آئی اور عملی طور پر ایسا ہی ہوا، چنانچہ حضرت ابن عباس سے یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔

''ان علینا بیانہ'' کے واضح اور مؤکدہ وعدۂ الٰہی کے بعد یہ سمجھنا کہ قرآن مجید کے ایسے کلیدی الفاظ جن کے بغیر اس کے مطالب ومعانی احکام ومطالبات تک رسائی ممکن نہیں صدیوں تک مغلق ومقفل رہے، آیت کے مفہوم ومقتضا کے خلاف ہے۔ (عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح ص ۲۷، ص ۲۸، ص ۲۹)

ایسے فاسد العقیدہ امیر اور ان کے معتقدین ومتبعین کو اہل حق سمجھنے والے اور ان کا بھرپور تعاون کرنے والے کی امامت کا کیا حکم ہونا چاہئے، وہ ظاہر ہے'' عیاں راچہ بیان'' فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گنبد خضرا کی توہین کے متعلق رضا خانیوں کا غلط پروپیگنڈہ:

(سوال ۱۸) محترم ومکرم حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری صاحب مدظلہم ودامت برکاتہم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا، عرض ہے کہ آج کل رضا خانی علماء نے شور مچا رکھا ہے کہ سعودی حکومت گنبد خضرا کو گرانا چاہتی ہے، اور دیوبندی حضرات بھی اس میں شریک ہیں، کیا یہ بات صحیح ہے؟ حکومت سعودیہ کی یہ اسکیم ہے یا نہیں؟ بریلوی علماء دیوبندی حضرات کو بدنام کر رہے ہیں، اور یہ کہتے پھر رہے ہیں کہ ان کے اور ان کے علماء کے دلوں میں روضۂ اطہر اور گنبد خضرا کی عظمت نہیں ہے گستاخ رسول ہیں اور اس سلسلہ میں ایک جلسہ کر رہے ہیں، چندہ بھی خوب ہو رہا ہے، آنجناب جلد از جلد جواب عنایت فرمائیں اور واضح فرمائیں کہ حقیقت کیا ہے؟ اور روضۂ اطہر، گنبد خضرا علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام کے متعلق ہمارے اکابرین کی طرف جو باتیں منسوب کی جارہی ہیں وہ صحیح ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً، گنبد خضرا کے متعلق اہل بدعت حکومت سعودیہ اور جماعت دیوبند کو بلاوجہ بدنام کرنا چاہتے ہیں اور اپنا پیٹ بھرنے کے لئے شور مچا رہے ہیں کہ گنبد خضرا کو گرانا چاہتے ہیں یہ قطعاً غلط اور صریح بہتان ہے۔ **سبحانک ھذا بھتان عظیم۔**

مسجد نبوی **علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام** کی توسیع کا تو پروگرام ہے مگر اس نئی اسکیم میں گنبد خضراء کو منہدم کرنے کا پروگرام قطعاً نہیں ہے، سعودی حکومت کے مذہبی مقامات کے انتظامی امور کے سربراہ جناب سلیمان عبید نے مسجد نبوی کی توسیع کے متعلق جو بیان دیا ہے اس میں انہوں نے واضح طور پر یہ بھی بتایا ہے کہ نئے پروجیکٹ کی تکمیل کے دوران گنبد خضراء کو ہاتھ نہیں لگایا جائے گا، روزنامہ انقلاب بمبئی، سنڈے ایڈیشن میں جناب ہارون رشید علیگ نے اسلامی دنیا کے عنوان کے ماتحت جلی عنوان سے یہ بیان شائع کیا ہے، ملاحظہ ہو۔

مسجد نبوی کی توسیع

ایک لاکھ ۶۵ ہزار نمازیوں کے لئے جگہ

گذشتہ دنوں سلیمان عبید نے جو سعودی عرب کے مذہبی مقامات کے انتظامی امور کے سربراہ ہیں یہ اعلان کیا ہے کہ مسجد نبوی کو مزید وسعت دی جائے گی تاکہ اس میں بیک وقت ایک لاکھ ۶۵ ہزار فرزندان توحید نماز ادا کر سکیں۔

یاد رہے کہ اس وقت یہ دنیا کی مقدس ترین مسجد ۱۶۵۰۰ مربع میٹر میں پھیلی ہوئی ہے جس میں ۲۸ ہزار مسلمان پروردگار کے حضور میں سر جھکاتے ہیں، اب نئے پروجیکٹ کے تحت مسجد نبوی ایک لاکھ مربع میٹر میں پھیل جائے گی۔

اس ضمن میں یہ بات قابل لحاظ اور اہم ہے کہ پروجیکٹ کی تکمیل کے دوران گنبد خضرا کو ہاتھ نہیں لگایا جائیگا، اگر ضرورت محسوس ہوئی تو نمازیوں کی سہولت کے لئے مسجد پر ایک منزل اور چڑھا دیا جائے گا۔

علاوہ ازیں مسجد کے صحن کو بھی وسعت دی جائے گی، فرش سنگ مرمر کا بنایا جائے گا اور عازمین حج اور زائرین کے لئے آرام گاہیں بھی بنائیں جائیں گی۔

(روزنامہ انقلاب۔ بمبئی۔ ۲۵ نومبر ۱۹۸۴ء مطابق یکم ربیع الاول ۱۴۰۵ھ یوم اتوار جلد نمبر ۴۷ شمارہ نمبر ۳۲۵)

اکابر علمائے دیو بند کے عقائد

روضۂ مطہرہ، گنبد خضراء اور مدینہ منورہ کی جو عظمت اور احترام ہمارے دلوں میں ہے وہ ہماری علماء کی کتابوں اور ان کے اعمال سے ظاہر و باہر ہے اس کے ہزارویں حصہ سے بھی یہ اہل بدعت محروم ہیں، چنانچہ علماء حرمین شریفین نے جو چھبیس ۲۶ سوالات علماء دیو بند سے کئے تھے اور ان کے جوابات محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری مہاجر مدنی نے لکھے تھے اور ان جوابات پر اکابر علمائے دیو بند کی تصدیقات ہیں، وہ سوالات اور جوابات مع تصدیقات بنام "التصدیقات لدفع التلبیسات" معروف بمہند علی المفند شائع ہو چکے ہیں، ان میں سوال نمبر ۱ و نمبر ۲ کا جو جواب ہے اس میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔

وهو مع الزيادة موجود في البقعة الشريفة فان البقعة الشريفة والرحبة المنيفة التى ضم اعضائه صلى الله عليه وسلم افضل مطلقاً حتى من الكعبة ومن العرش والكرسى كما صرح به فقهائنا رضى الله عنهم.

یعنی۔ اور یہ فضیلت زیادتی کے ساتھ بقعہ شریفہ میں موجود ہے اس لئے کہ وہ حصہ زمین جو جناب رسول اللہ ﷺ کے اعضاء مبارکہ کو مس کئے ہوئے ہیں علی الاطلاق افضل ہے یہاں تک کہ کعبہ اور عرش وکرسی سے بھی افضل ہے چنانچہ ہمارے فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

(التصدیقات لدفع التلبیسات ص ۶)

رأس المحدثین حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ زبدۃ المناسک میں تحریر فرماتے ہیں۔

''جب مدینہ منورہ کا عزم ہو تو بہتر یہ ہے کہ روضہ اطہر صلی اللہ علی صاحبہا وسلم کی زیارت کی نیت کر کے جائے، تاکہ یہ اس حدیث میں داخل ہو جائے کہ جس میں کہا گیا ہے کہ جو کوئی صرف میری زیارت کو آئے اس کی شفاعت کا مجھ پر حق ہو گیا۔

مدینہ منورہ روانگی کے آداب:

جس وقت مدینہ منورہ روانہ ہو تو راستہ میں کثرت کے ساتھ درود شریف کا ورد رکھے جب وہ وہاں ایسی جگہ پہنچے کہ وہاں سے مدینہ کے درخت نظر آنے لگیں تو اور زیادہ درود کی کثرت کرے اور جب عمارت نظر آنے لگے تو درود پڑھ کر کہے۔

اللھم ھذا حرم نبیک فاجعله وقایة لی من النار واماناً من العذاب وسوء الحساب.

اے اللہ یہ تیرے نبی ﷺ کا حرم ہے لہذا تو اس کو میرے لئے جہنم سے پناہ بنادے اور عذاب اور برے حساب سے امن وامان بنادے۔

مدینہ میں داخلے کے آداب:

مستحب یہ ہے کہ غسل کرے ورنہ کم از کم وضو اور کپڑے پاک وصاف اور عمدہ (حسب حیثیت) لباس زیب تن کرے نئے کپڑے ہوں تو اور اچھا ہے، پھر خوشبو لگائے اور پیادہ پاؤں ہو جائے اور خشوع وخضوع اور تواضع جس قدر کر سکتا ہے کرے کوئی کوتاہی نہ ہونے دے، اور عظمت کا دھیان کرتے ہوئے درود شریف پڑھتا ہوا روانہ ہو اور مدینہ میں داخل ہوتا ہوا پڑھے۔

رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا اللھم افتح لی ابواب رحمتک وارزقنی من زیارة رسولک صلی اللہ علیه وسلم مارزقت اولیاء ک واھل طاعتک واغفرلی وارحمنی یا خیر مسئول.

اے اللہ مجھے خوبی کے ساتھ داخل فرما اور خوبی کے ساتھ نکالنا، اور تو میرے لئے اپنے پاس سے غلبہ دے جس کے ساتھ مدد ہو اے اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور اپنے رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب فرما ایسی زیارت جو تو نے اپنے دوستوں اور فرمانبرداروں کو عطا کی اور میرے گناہوں کو بخش دے اور مجھ پر رحم و کرم فرما، اے بہترین درخواست سننے والے۔

حرمت مدینہ:

مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے بعد پورے ادب اور حضور قلب کے ساتھ دعاء، درود شریف پڑھتا رہے، مدینہ منورہ کی بہت سی جگہوں میں آنحضرت ﷺ کے قدم مبارک پڑھے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ مدینہ منورہ میں

سواری پر سوار نہیں ہوتے تھے فرماتے تھے کہ شرم آتی ہے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے اس سرزمین کو پامال کروں جس پر آنحضرت ﷺ چلے پھرے ہیں۔

مسجد نبوی میں داخلہ:

جب مسجد نبوی میں داخل ہونے لگے تو پہلے دایاں پیر داخل کرے اور دعا پڑھے جو داخلہ کے وقت پڑھی جاتی ہے اور درود شریف بھی اور باب جبرائیل سے داخل ہونا بہتر ہے، پھر ریاض الجنہ میں جو قبر شریف اور منبر کے درمیان کی جگہ کا نام ہے اور جسے جنت کا حصہ کہا گیا ہے تحیۃ المسجد پڑھے اس طرح کہ منبر داہنے مونڈھے کی سیدھ میں ہو اور وہ ستون جس کے نیچے صندوق ہے سامنے رہے اس لئے کہ یہ آنحضرت ﷺ کا موقف ہے تحیۃ المسجد کے بعد سجدۂ شکر کرے کہ حق تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی اور جو دعائیں کرنی چاہے خوب جی کھول کر کرے۔

روضۂ اطہر پر حاضری:

پھر روضہ اطہر ﷺ کے پاس حاضر ہو اور سرہانے کی دیوار کے کونے میں جو ستون ہے اس سے تین چار ہاتھ کے فاصلہ سے کھڑا ہو اور پشت قبلہ کی طرف کر کے کچھ بائیں طرف کو مائل ہو جائے تا کہ چہرۂ انور سے مواجہ خوب اچھی طرح ہو سکے اور پورے ادب اور خشوع کے ساتھ کھڑا ہو زیادہ قریب نہ ہو اور نہ دیوار کو ہاتھ لگائے کہ یہ ادب و ہیبت کی جگہ ہے اور پھر رحمت عالم ﷺ کو اپنی لحد میں قبلہ رو لیٹا ہوا تصور کر کے کہے۔

السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا خیر خلق اللہ السلام علیک یا خیرۃ اللہ من خلق اللہ السلام علیک یا حبیب اللہ السلام علیک یا سید ولد آدم السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' یا رسول اللہ انی اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ. واشھد انک عبدہ' ورسولہ' اشھد انک بلغت الرسالۃ وادیت الامانۃ ونصحت الامۃ وکشفت الغمۃ فجزاک اللہ عنا افضل ما جازی نبیاً عن امتہ اللھم اعط لسیدنا عبدک ورسولک محمد الوسلیۃ والفضیلۃ والدرجۃ الرفیعۃ وابعثہ المقام المحمود الذی وعدتہ انک لا تخلف المیعاد وانزلہ المنزل المقرب عندک انک سبحنک ذوالفضل العظیم.

اے اللہ کے رسول آپ پر سلامتی ہو اے اللہ کی مخلوق کے بہترین فرد آپ پر سلامتی ہو، اے مخلوق خدا میں سب سے برگزیدہ آپ پر سلامتی ہو، اے اللہ کے محبوب آپ پر سلامتی ہو اے اولاد آدم کے سردار آپ پر سلامتی ہو اے نبی ﷺ آپ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں اے اللہ کے رسول میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ واحد کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ اس کا کوئی شریک ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے پیغام خداوندی پہنچا دیا اور امانت ادا کر دی، اور امت کی خیر خواہی فرمائی اور مصائب دور فرمائے پس اللہ آپ کو اس بدلہ سے افضل بدلہ عطا فرمائے جو کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے عطا ہوا ہے، اے اللہ اپنے بندے اور اپنے رسول اور ہمارے سردار محمد ﷺ کو وسیلہ فضیلہ اور بلند درجہ عطا فرما اور مقام محمود میں ان کو اٹھا جس کا تو نے وعدہ کیا ہے بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا اور ان کو اتار مقرب منزل میں اپنے پاس بے شک تو پاک ہے بڑے

فضل والا ہے۔

توسل رسول خدا ﷺ:

پھر آنحضرت ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرے اپنی شفاعت چاہے اور کہے۔ اے اللہ کے رسول میں آپ سے سفارش کی درخواست کرتا ہوں اور آپ کو اللہ کی طرف وسیلہ بناتا ہوں اس بات کے لئے کہ میں آپ کی ملت اور آپ کی سنت پر مسلمان ہونے کی حالت میں جان دوں۔

اور ان الفاظ میں اور جتنا چاہے زیادہ کر سکتا ہے مگر وہ سب کلمات ادب اور عاجزی کے ہوں، لیکن سلف فرماتے ہیں کہ اس موقعہ سے الفاظ جتنے کم ہوں مستحسن ہے اور بہت تیز آواز سے نہ بولے بلکہ آہستہ آہستہ خضوع و ادب کے ساتھ عرض کرے۔ (زبدۃ المناسک ص ۱۱۳ تا ص ۱۱۷)

حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کا مندرجہ بالا مضمون غور سے پڑھئے، لفظ لفظ سے عشق نبوی جھلک رہا ہے اور مدینہ منورہ کا احترام روضہ اقدس ﷺ صاحبہا وسلم کی عظمت حتیٰ کہ مدینہ منورہ کے درخت اور عمارتوں کا احترام لفظ لفظ سے ٹپک رہا ہے پھر بھی اعتراض ہے کہ دیوبندی گستاخ رسول ہیں۔ معاذ اللہ!

پھر بھی ہم سے یہ گلہ کہ وفادار نہیں

مزید ملاحظہ ہو۔ زبدۃ المناسک مصنفہ مولانا الحاج شیر محمد شاہ صاحب جو حضرت گنگوہی کی زبدۃ المناسک کی گویا شرح ہے، ملاحظہ ہو اس میں مسئلہ ہے۔

مسئلہ:۔ حجرۂ شریف کی طرف بہت نظر کرنا چاہئے، قربت کی نیت سے کیونکہ حضرت ﷺ کے حجرۂ مطہرہ کی طرف نظر کرنا عبادت ہے، پس مسجد شریف میں ہو یا اور کہیں باہر جہاں سے قبۂ خضریٰ پر نظر پڑے تو اس کی ہیبت و ادب اور دل کے حضور سے دیکھنا چاہئے بلکہ ٹھہر کر صلاۃ و سلام کہے (حیات) (زبدۃ المناسک ج ۲ ص ۱۷۹)

معلم الحجاج (مؤلفہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب سابق مفتی اعظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور) میں ہے۔

مسئلہ:۔ جب قبہ خضراء پر نظر پڑے تو کمال عظمت اور اس کے مجد و شرف کا استحضار کرے کیونکہ یہ بزرگ ترین مقام ہے۔ (معلم الحجاج ص ۲۴۵)

مسئلہ:۔ روضہ شریفہ کی طرف دیکھنا ثواب ہے اور اگر مسجد کے باہر ہو تو قبہ کو دیکھنا بھی ثواب ہے۔ (معلم الحجاج ص ۳۵۱ و ص ۳۵۲)

مسئلہ:۔ جب کبھی روضہ کے برابر سے گذرے حسب موقع تھوڑا بہت ٹھہر کر سلام پڑھے اگرچہ مسجد سے باہر ہی ہو۔ (معلم الحجاج ص ۳۵۱)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ نے فضائل حج میں ایک فصل آداب زیارت کے عنوان سے تحریر فرمائی ہے اس میں زیارت کے اکسٹھ آداب تحریر فرمائے ہیں اس میں ادب نمبر ۱۴ میں ہے۔

ادب نمبر ۱۴:

جب قبہ خضراء پر نظر پڑے تو عظمت و ہیبت اور حضور ﷺ کی علو شان کا استحضار کرے اور یہ سوچے کہ اس

پاک قبہ میں وہ ذات اقدس ہے جو ساری مخلوقات سے افضل ہے، انبیاء کی سردار ہے فرشتوں سے افضل ہے، قبر شریف کی جگہ ساری جگہوں سے افضل ہے جو حصہ حضور ﷺ کے بدن مبارک سے ملا ہوا ہے وہ کعبہ سے افضل ہے عرش سے افضل ہے کرسی سے افضل ہے حتی کہ آسمان وزمین کی ہر جگہ سے افضل ہے (لباب)

(فضائل حج ص ۱۰۸۔ ص ۱۰۹)

ادب نمبر ۱۵:

میں ہے مسجد شریف میں رہتے ہوئے حجرۂ شریفہ کی طرف اور مسجد سے جب باہر ہو تو قبہ شریف جہاں سے نظر آتا ہو بار بار اس کو دیکھنا اس پر نظر جمائے رکھنا بھی افضل ہے، اور انشاء اللہ موجب ثواب ہے (شرح لباب وشرح مناسک نووی) نہایت ذوق وشوق کے ساتھ چپ چاپ والہانہ نظر جمائے رکھے۔

سکوت عشق و ترجیح ہے اظہار الفت پر
مری آہیں رسا نکلیں یہ نالے بے اثر نکلے

(فضائل حج ص ۱۲۰)

ادب نمبر ۴۸:

میں ہے بلاضرورت شدیدہ قبر شریف کی طرف پشت نہ کرے نہ نماز میں نہ بغیر نماز کے (شرح لباب) بلکہ نماز میں ایسی جگہ کھڑا ہونے کی سعی کرے کہ نہ اس جانب منہ ہو نہ پشت اور بلا نماز تو اس طرف پشت کرنے کی کوئی وجہ ہو ہی نہیں سکتی۔ (فضائل حج ص ۱۲۰)

ادب نمبر ۵۰:

میں ہے اس کا لحاظ رکھے کہ جب قبر شریف کے مقابل سے گذرنا ہو تو کھڑے ہو کر سلام کر کے آگے بڑھے حتی کہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر مسجد سے باہر بھی قبر شریف کے مقابل سے گذرے تو کھڑے ہو کر سلام کر کے آگے بڑھے، حضرت ابو حازمؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص ان کے پاس آئے اور یہ کہا کہ میں نے حضور ﷺ کی خواب میں زیارت کی، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابو حازم سے کہہ دینا کہ تم میرے پاس سے اعراض کرتے ہوئے گذر جاتے ہو کھڑے ہو کر سلام بھی نہیں کرتے، اس کے بعد سے ابو حازم کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ جب ادھر سے گذرتے تو کھڑے ہو کر سلام کر کے آگے بڑھتے۔ (شرح لباب) (فضائل حج ص ۱۲۰)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ سابق مہتمم دار العلوم دیوبند نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ بانی دار العلوم دیوبند کے سفر حج کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے، اس واقعہ سے اندازہ لگائیے کہ حضرت قدس سرہ کا قلب عشق نبوی اور احترام مدینہ منورہ روضۂ اطہر سے کس قدر لبریز تھا۔

''حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند جب حج کے لئے گئے ہیں تو مدینہ منورہ کے قریب ایک منزل آتی ہے جس کو بیر علی کہتے ہیں ذرا سی پہاڑی ہے اس پر جب اونٹ یا کاریں چڑھتی ہیں تو ایک دم حرم

شریف کے منارے نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ وہاں سے مدینہ منورہ تین چار میل کے فاصلہ پر ہے، یہ حضرات جب مدینہ منورہ حاضر ہوئے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور سارے بزرگ جب بیر علی پر پہنچے اور حرم کے منارے نظر پڑے تو حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ بے تاب ہو کر ایک دم اونٹ سے ود سے اور ننگے پیر چل پڑے تھے، اور کچھ عاشقانہ اشعار زبان پر تھے جیسے معلوم ہو کہ اپنے ہوش میں نہیں۔ حالانکہ وہاں کی کنکریاں ایسی ہیں کہ جب وہ چبھتی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے چھریاں چبھ رہی ہوں...... الی قولہ چار پانچ میل اسی طرح ننگے پاؤں چلے پیر لہولہان ہو گئے مگر انہیں کچھ ہوش نہیں تھا۔

(خطبات حکیم الاسلام ص ۸۸ ج ۲ ص ۸۹ وعظ رحمۃ للعلمین ﷺ)

حضرت اقدس مولانا نانوتوی قدس سرہ کا ایک مشہور قصیدہ بہاریہ ہے جو بہت طویل ہے موقع کی مناسبت سے اس میں سے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں، جس سے حضرت قدس سرہ کی والہانہ محبت اور عشق نبوی کا اندازہ ہوتا ہے۔

خوش نصیب یہ نسبت کہاں نصیب مرے
تو جس قدر ہے بھلا میں برا اسی مقدار
یہ سن کے آپ شفیع گناہ گاراں ہیں
کئے ہیں میں نے اکٹھے گناہ کے انبار
گناہ کیا ہیں اگر کچھ گناہ کئے میں نے
تجھے شفیع کہے کون گر نہ ہوں بدکار
جو تو ہی ہم کو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا
بنے گا کون ہمارا ترے سوا غم خوار
تو بہترین خلائق میں بدترین جہاں
تو سرور دو جہاں میں کمینہ خدمت گار
بہت دنوں سے تمنا ہے کیجئے عرض حال
اگر ہو اپنا کسی طرح تیرے در تک بار
مگر جہاں ہو فلک آستان سے بھی نیچا
وہاں ہو قاسم بے بال وپر کا کیونکر گذار
دیا ہے حق نے تجھے سب سے مرتبہ عالی
کیا ہے سارے بڑے چھوٹوں کا تجھے سردار
رجا وخوف کی موجوں میں ہے امید کی ناؤ
کہ ہو سگان مدینہ میں میرا نام شمار

جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو موروما ر
اڑا کے باد میری مشت خاک کو پس مرگ
کرے حضور کے روضہ کے آس پاس نثار
ولے یہ رتبہ کہاں مشت خاک قاسم کا
کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غبار
غرض نہیں مجھے اس سے بھی کچھ رہی لیکن
خدا کی اور تیری الفت سے میرا سینہ فگار
تمہارے عشق میں رورو کے ہوں نحیف اتنا
کہ آنکھیں چشمۂ آبی سے ہوں درون غبار
بس اب درود پڑھ اس پر اور اس کی آل پہ تو
جو خوش ہو تجھ سے وہ اور اس کی عشرت مآب
الٰہی اس پر اور اس کی تمام آل پہ بھیج
وہ رحمتیں کہ عدد کر سکے نہ ان کو شمار

(بحوالہ الشہاب الثاقب۔ اور فضائل درود)

فقط واللہ اعلم بالصواب وصلی اللہ علی النبی الامی وعلی الہ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔ ۱۳ جمادی الاول ۱۴۰۵ھ۔

کوئی شخص حضور ﷺ کو نو مسلم لکھے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۹) مکرمنا المحترم حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی، بعد سلام مسنون۔

یہاں ایک اخبار کے ایڈیٹر نے حضور پاک ﷺ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ (معاذ اللہ) نو مسلم تھے۔ جس پریس میں یہ اخبار چھپتا ہے اس کا مالک بھی مسلمان ہے، جس شخص نے حضور ﷺ کے متعلق یہ مضمون لکھا اور جس نے اسے چھاپا ان کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟ تحریر فرمائیں عین نوازش ہوگی۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) ھو الموفق للصواب۔ آقائے نامدار خاتم الانبیاء ﷺ کے متعلق یہ عقیدہ کہ آپ (معاذ اللہ) نو مسلم تھے، اور آپ کی چالیس سالہ زندگی (معاذ اللہ) کافرانہ اور مشرکانہ عقائد و اعمال کے مطابق تھی چالیس سال بعد اس میں تبدیلی آئی یہ اسلام عقیدہ نہیں ہو سکتا بلکہ نصاریٰ اور دشمنان اسلام کا نظریہ ہے لہذا جو شخص یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ (معاذ اللہ) نو مسلم تھے اور اخبار کے ذریعہ اپنے اس فاسد عقیدہ کی اشاعت کرے وہ اسلامی عقائد اور تعلیمات کا مخالف اور نصاریٰ کی اندھی تقلید کررہا ہے اور ضلوا واضلوا (خود بھی

گمراہ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا) کا مصداق ہے ،اس پر توبہ واستغفار لازم ہے اور زجراً واحتیاطاً تجدید ایمان وتجدید نکاح کا بھی حکم دیا جائے گا۔ وفی شرح الوھبانیة ما یکون کفراً اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا وما فیہ خلاف یؤمر بالا ستغفار والتوبة وتجدید النکاح .(درمختار) شامی میں ھے .(قولہ والتوبة) ای تجدید الا سلام (قولہ وتجدید النکاح) ای احتیاطاً(وقولہ احتیاطاً) ای یا مرہ المفتی بالتجدید لیکون وطؤہ حلالا باتفاق الخ (درمختار مع الشامی ج۳ ص ۴۱۴ باب المرتد)

حضور ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرنا معمولی گناہ نہیں ہے ایسے فاسق العقیدہ اور گندہ ذہنیت والے شخص کو اخبار کا ایڈیٹر بنانا جائز نہیں ہے، ورنہ وہ اسی قسم کے غلط مضامین شائع کر کے لوگوں کو گمراہ کرے گا اور جن لوگوں نے اسے چھاپا ہے (گوان کے علم میں یہ بات تھی تو وہ بھی گنہگار ہوں گے ان پر بھی توبہ لازم ہے۔

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنی نور کے فیض سے نور محمدی ﷺ کو پیدا فرمایا۔(نشر الطیب ص۵ مصنفہ حضرت تھانوی)

نیز حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے آقائے نامدار ﷺ سے سوال کیا کہ یارسول اللہ! آپ کو نبوت سے کب سرفراز کیا گیا فرمایا اس وقت سے مجھے نبی بنادیا گیا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام روح اور بدن کے مابین تھے یعنی ابھی صرف حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنا تھا روح نہیں ڈالی گئی تھی۔

عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ قال قالوا یارسول اللہ متی وجبت لک النبوة قال وآدم بین الروح والجسد رواہ الترمذی (ترمذی شریف ج۲ ص ۲۰۱ ابواب المناقب

(مشکوٰة شریف ص ۵۱۲ باب فضائل سید المرسلین صلوات اللہ وسلامة علیہ)

(مظاھر حق ج۴ ص ۵۰۷)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سب سے پہلے صفت نبوت سے سرفراز فرمادیئے گئے تھے گوکہ نبوت کا ظہور آپ کی عمر مبارک چالیس سال ہونے پر ہوا (جس طرح سرکاری عہدہ دار کا انتخاب پہلے ہوجاتا ہے مگر باقاعدہ چارج بعد میں دیا جاتا ہے)

شعبی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کب نبی بنائے گئے آپ نے فرمایا آدم اس وقت روح اور جسد کے درمیان تھے جب کہ مجھ سے میثاق (نبوت کا) لیا گیا (کما قال تعالیٰ واذا اخذنا من النبیین میثاقھم ومنک ومن نوح الآیة) (نشر الطیب ص۶ فصل نور محمد کے بیان میں)

یہ حدیث اس بارے میں نص ہے کہ آپ کے لئے نبوت کا ثبوت سب سے پہلے ہو چکا تھا اور اس کا ظہور آپ کی پیدائش کے بعد چالیس سال کی عمر میں ہوا۔

جب حضور پاک ﷺ کی عمر مبارک بارہ برس کی ہوئی تو آپ ﷺ اپنے چچا ابو طالب اور مشائخ قریش کے ساتھ بغرض تجارت شام کی طرف گئے ، راستہ میں ایک جگہ شہر بصریٰ کے قریب پڑاؤ ڈالا وہاں ایک راہب رہتا تھا (جو بحیرا راہب کے نام سے مشہور تھا) اس

سے پہلے بھی بار ہا مکہ والوں کا وہاں گذر ہوتا تھا مگر وہ کبھی ملتفت نہ ہوتا تھا، اس مرتبہ قریش کا کاروان تجارت جب وہاں جا کر اترا تو راہب خلاف معمول اپنے صومعہ سے نکل کر ان کے پاس آیا، اور متجسانہ نظروں سے ایک ایک کو دیکھنے لگا، یہاں تک کہ حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا اور یہ کہا **ھذا سیدا لعلمین ھذا رسول رب العلمین یبعثہ اللہ رحمۃ للعلمین** یہی ہے سردار جہانوں کا یہی ہے رسول پروردگار عالم کا، جس کو اللہ جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گا، سرداران قریش نے اس راہب سے کہا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا راہب نے کہا جس وقت آپ لوگ گھاٹی سے نکلے تو کوئی شجر و حجر ایسا باقی نہ رہا جس نے سجدہ نہ کیا ہو اور شجر و حجر نبی ہی کے لئے سجدہ کرتے ہیں اور علاوہ ازیں میں آپ کو مہر نبوت سے بھی پہچانتا ہوں جو سیب کے مشابہ آپ کے شانہ کے نیچے واقع ہے، راہب یہ کہہ کر واپس ہو گیا اور رفقاء ایک آپ کی وجہ سے تمام قافلہ کے لئے کھانا تیار کرایا کھانے کے لئے سب حاضر ہوئے تو آپ موجود نہ تھے، راہب نے دریافت کیا کہ آپ کہاں گئے ہیں؟ معلوم ہوا کہ اونٹ چرانے گئے ہوئے ہیں، آدمی بھیج کر آپ کو بلوایا جس وقت آپ تشریف لائے تو ایک ابر آپ پر سایہ کئے ہوئے تھا، جب آپ اپنی قوم کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ لوگ آپ سے پہلے درخت کے سایہ میں جگہ لے چکے ہیں، اب کوئی جگہ سایہ کی باقی نہ رہی آپ ایک جانب کو بیٹھ گئے، بیٹھتے ہی درخت کا سایہ آپ کی طرف جھک گیا۔ راہب نے کہا درخت کے سایہ کو دیکھو کہ کس طرح آپ کی طرف مائل ہے۔ راہب نے پھر قریش کے قافلہ کو قسم دے کر یہ دریافت کیا کہ تم میں ان کا ولی کون ہے لوگوں نے ابو طالب کی طرف اشارہ کیا راہب نے ابو طالب سے کہا کہ آپ ان کو ضرور واپس بھیجدیں، ابو طالب نے آپ کو ابو بکر اور بلال کے ہمراہ مکہ واپس بھیج دیا، راہب نے ناشتہ کے لئے روٹی اور زیتون کا تیل ساتھ کر دیا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۰۲ باب ماجاء فی بدء نبوۃ النبی ﷺ)

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۰ باب فی المعجزات۔ الفصل الثانی)

اسی طرح جب آپ ﷺ نے ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ کا تجارتی سامان لے کر شام کا دوسرا سفر کیا اور بصریٰ پہنچے اور ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھے، وہاں ایک راہب رہتا تھا جس کا نام نسطورا تھا آپ کو دیکھ کر وہ آپ کے پاس آیا اور علامات دیکھ کر کہا **ھو وھو نبی وھو آخرالانبیاء** یہ وہی نبی ہیں یہ آخری نبی ہیں۔

ان دو واقعات اور ان کے علاوہ دیگر واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اس وقت علامات نبوت سے متصف تھے انہیں علامتوں کو دیکھ کر ان دونوں راہبوں نے ان کے نبی ہونے کی پیشین گوئی کی، جب آپ ﷺ کا علامات نبوت سے متصف ہونا ثابت ہوا تو یہ تسلیم کرنا ہی ہوگا کہ آپ پہلے ہی سے صفت نبوت سے متصف تھے اور آپ کے لئے نبوت ثابت اور متحقق تھی (گو اس کا ظہور چالیس سال کی عمر میں ہوا)

حدیث میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا کا ارتکاب ہو گیا تو انہوں نے جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ اے پروردگار میں آپ سے بواسطہ محمد ﷺ کے درخواست کرتا ہوں کہ میری مغفرت کر دیجئے سو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم تم نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا حالانکہ ہنوز میں نے ان کو پیدا بھی نہیں کیا، عرض کیا کہ اے رب میں نے اس طرح پہچانا کہ جب آپ نے مجھ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی (شرف دی ہوئی) روح میرے اندر پہنچی تو میں نے سر جو اٹھایا تو عرش کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** سو میں نے معلوم کر لیا

کہ آپ نے اپنے نام مبارک کے ساتھ ایسے ہی شخص کے نام کو ملایا ہوگا جو آپ کے نزدیک تمام مخلوق سے پیارا ہوگا حق تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تم سچے ہو، واقع میں وہ میرے نزدیک تمام مخلوق سے پیارا ہوگا اور جب تم نے مجھ سے ان کے واسطہ سے درخواست کی ہے تو میں نے تمہاری مغفرت کردی اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا (نشر الطیب ص ۱۰،۹ فصل نمبر ۲)

اگر آپ ﷺ نومسلم تھے اور اس سے پہلے آپ (معاذ اللہ) ایمان کے ساتھ متصف نہ تھے تو خدا تعالیٰ نے اپنے مقدس نام کے ساتھ عرش کے پایوں پر آپ کا نام مبارک کیوں تحریر فرمایا؟

خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ اس وقت سے صفت نبوت کے ساتھ متصف تھے جب کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بدن مبارک میں جان بھی نہیں پڑی تھی، نبوت اور کفر آپس میں ضد ہیں یہ دونوں ایک ذات میں جمع نہیں ہوسکتیں، لہذا جو نبی ہوگا وہ کسی حال میں کفر کے ساتھ متصف نہیں ہوسکتا، اور جو کافر ہوگا وہ کسی حال میں نبی نہیں ہوسکتا، جب یہ ثابت شدہ ہے کہ حضور ﷺ پہلے ہی سے صفت نبوت کے ساتھ متصف ہیں تو آپ نومسلم کس طرح ہوں گے؟ نیز حضور پاک ﷺ بالذات وصف نبوۃ کے ساتھ متصف ہیں اور دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بالعرض متصف ہیں، تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت آپ ﷺ کی نبوت کا فیض ہے، لیکن حضور ﷺ کی نبوت کسی اور کے فیض سے نہیں ہے، جس طرح آپ ﷺ اس امت کے نبی ہیں اسی طرح آپ نبی الانبیاء بھی ہیں، قرآنی آیت ہے **واذا اخذ اللہ میثاق النبیین**...... اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے آپ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی اتباع اور اقتداء کا عہد لیا گیا تو کیا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے غیر نبی اور غیر مسلم پر ایمان لانے اور ان کی اتباع اور اقتداء کا عہد لیا گیا؟

بدیں　عقل　و　دانش　بباید　گریست

(فقط واللہ اعلم بالصواب)۔

فاسق کس کو کہتے ہیں اور شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟
گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی مختصر فہرست:

(سوال ۲۰) فاسق کی کیا تعریف ہے؟ اور شریعت میں اس کے لئے کیا حکم ہے؟ کن گناہوں کے مرتکب کو فاسق کہیں گے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جو شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو یا گناہ صغیرہ پر اصرار کرتا ہو ایسا شخص فاسق ہے، اور فاسق مردود الشہادت ہوتا ہے یعنی اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی، گناہ کبیرہ وصغیرہ کی فہرست کے سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا ایک رسالہ مسمی بہ ''گناہ بے لذت'' ہے، اس میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔ ان میں سے بعض گناہ کبیرہ یہ ہیں، نماز چھوڑنا، نماز کو اپنے وقت سے مقدم یا مؤخر کرنا، زکوٰۃ نہ دینا، چوری کرنا، لوگوں کو گانے سنانا لوگوں کے سامنے ستر کھولنا (جیسے آج کل دریا کنارے سوئمنگ پول اور فٹبال وغیرہ کھیلوں میں عموماً ہوتا ہے)، از راہ تکبر لنگی یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا غیبت کرنا، چغل خوری کرنا، جھوٹی گواہی دینا، جھوٹی قسم کھانا، کسی کا

مال غصب کرنا، سود کھانا، رشوت لینا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، یتیم کا مال ناحق کھانا، قطع رحمی کرنا، کسی صحابی کو برا کہنا (جیسے روافض اور خوارج فرق ضالہ کا طریقہ ہے اور جس پر آج کی مودودی جماعت گامزن ہے) علماء اور حفاظ قرآن کو برا کہنا ان کو بدنام کرنے کے درپے ہونا، باوجود قدرت کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑنا، جوا کھیلنا (جس کا ایک نیا طریقہ آج کل لاٹری ہے) معاصی پر کسی کی اعانت کرنا یا گناہ پر آمادہ کرنا، عالم کا اپنے علم پر عمل نہ کرنا، کسی دوسرے کے گھر میں جھانکنا، دوسرے کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونا، شراب پینا، لوگوں کے نسب پر طعنے دینا، گانے بجانے کے ساتھ رقص کرنا وغیرہ وغیرہ۔

گناہ صغیرہ پر اصرار یعنی بار بار کرنے سے وہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے، گناہ صغیرہ میں سے بعض یہ ہیں۔ غیر محرم عورت کو بقصد دیکھنا، کسی مسلمان کی ہجو کرنا، اگر چہ اشارہ کنایہ سے ہو اور بات سچی ہو، کسی فاسق کے پاس اٹھنا بیٹھنا، مسجد میں نجاست داخل کرنا، کھانے پینے کی ضروری اشیاء اناج وغیرہ کو گرانی کے انتظار میں روکے رکھنا، جمعہ کی اذان کے بعد بیع وشراء کرنا، شوقیہ کتا پالنا (آج کل۔ وباء عام ہو رہی ہے) شراب کو اپنے گھر رکھنا، کھڑے کھڑے پیشاب کرنا نماز میں دائیں بائیں یا آسمان کی طرف دیکھنا زکوٰۃ ردی مال سے ادا کرنا، زوجہ کو ایک سے زیادہ طلاق دینا، بحالت حیض طلاق دینا، اپنی اولاد کو چیز دینے میں برابری نہ کرنا (ہاں کسی لڑکے لڑکی میں علم و صلاحیت زیادہ ہونے کے سبب اسکو کچھ زیادہ دے دے تو مضائقہ نہیں۔ ۔) دانتوں کو سونے کے تار سے باندھنا، اذان سننے کے بعد گھر میں بیٹھ کر اقامت کا انتظار کرنا محض ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنا۔ مسلمان سے بدگمانی کرنا، گانا سننا، جو لوگ کسی شخص کی امامت سے ناراض ہوں ان کی امامت کرنا، اگر ان کی ناراضگی بے وجہ ہو راستہ میں نجاست ڈالنا وغیرہ وغیرہ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کیا نسل انسانی کی ابتداء بندر سے ہے؟ قرآن وحدیث سے کیا ثابت ہوتا ہے:

(سوال ۲۱) حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کے متعلق چند افراد کا یہ خیال ہے کہ آپ (معاذ اللہ) بندر کے پیٹ سے پیدا ہوئے اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کر کے دنیا میں بھیجا ہے، اس حقیقت کا وہ لوگ انکار کرتے، شریعت میں انکار کرنے والوں کے لئے اور ایسے ناپاک خیال رکھنے والوں کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔ (از سنگاپور)

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔

ابو البشر حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق مٹی سے کی گئی ہے، قرآن مجید میں جا بجا اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے۔ ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حماء مسنون ○

ترجمہ:

اور بلاشبہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے انسان کو خمیر اٹھے ہوئے گارے سے بنایا جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے۔ (قرآن مجید پارہ نمبر ۱۴ سورۂ حجر قصص القرآن ص ۲۰ ج ۱) ایک اور جگہ ارشاد فرمایا اذ قال ربک للملئکۃ انی خالق بشرا

من طین O

ترجمہ:

اور وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا میں مٹی سے بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔ (قرآن مجید پارہ ۲۳، سورہ ص)

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا تو فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کو سجدہ کرو، تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے اور جب اس سے پوچھا گیا کہ تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا تو اس نے کہا میں ان سے بہتر ہوں، آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور ان کو مٹی سے۔ قرآن مجید میں ہے۔

اذ قال ربک للملئکة انی خالق بشراً من طین O فاذا سویته' ونفخت فیه من روحی فقعوا له' سجدین O فسجد الملئکة کلهم اجمعون O الا ابلیس ابیٰ واستکبر وکان من الکافرین O قال یا ابلیس ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی استکبرت ام کنت من العالین O قال انا خیر منه خلقتنی من نار وخلقته' من طین O

(قرآن مجید پارہ نمبر ۲۳ سورۂ ص)

جب کہ آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں گارے سے ایک انسان (یعنی اس کے پتلے کو) بنانے والا ہوں، سو میں جب اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں (اپنی طرف سے) جان ڈال دوں تو تم سب اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا سو (جب اللہ نے اس کو بنا لیا) تو سارے کی سارے فرشتوں نے (آدم کو) سجدہ کیا مگر ابلیس نے کہ وہ غرور میں آ گیا اور کافروں میں سے ہوگیا، حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس جس چیز کو میں نے اپنے ہاتھوں بنایا اس کو سجدہ کرنے سے کون سی چیز مانع ہوئی، کیا تو غرور میں آ گیا (اور واقع میں بڑا نہیں) یا یہ کہ تو (واقع میں ایسے بڑے) درجہ والوں میں ہے، کہنے لگا کہ (شق ثانی واقع ہے یعنی) میں آدم سے بہتر ہوں (کیونکہ) آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے، اور اس (آدم) کو خاک سے پیدا کیا ہے۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

اس کے بعد اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو پیدا فرمایا، اور بعد میں حضرت آدم علیہ السلام کا حضرت حوا رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا، اور انہی دونوں سے نسل انسانی کی ابتداء ہوئی حضرت حواء کی پیدائش کے متعلق قرآن مجید میں ہے **وخلق منها زوجها** اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا فرمایا، اور اس کے بعد ارشاد فرمایا **وبث منهما رجالاً کثیراً ونساء** اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔ (قرآن مجید پ۴ ع ۱۱، سورہ نساء)

بخاری شریف میں ہے **استوصوا بالنساء خیراً فان المرأة خلقت من ضلع الخ** عورتوں کے ساتھ نرمی اور خیر خواہی سے پیش آؤ اس لئے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔

(بخاری شریف ص ۴۶۹ ج ۱ کتاب الانبیاء باب خلق آدم وذریتہ)

مزید تفصیل کے لئے قصص القرآن جلد اول ص ۱۷ تا ص ۵۲ ملاحظہ فرمائیں، بہر حال مذکورہ آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے مٹی سے پیدا فرمایا اور نسل انسانی کی

ابتدا حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام سے ہوئی، سوال میں جو بات ذکر کی گئی ہے یہ قرآن وحدیث کے قطعاً خلاف ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا فرمایا قرآن مجید میں ہے **لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم** O ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے (قرآن مجید پارہ نمبر ۳۰ سورہ والتین) مزید تفصیل کا نہ موقع ہے نہ ضرورت۔

لہٰذا مذکورہ عقیدہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے، یہ ملحدانہ عقیدہ ہے یہ ڈارون کی تھیوری ہے اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں اس لئے اگر کوئی (معاذ اللہ) اس قسم کا عقیدہ رکھتا ہو تو اسے فوراً اپنے عقیدہ سے توبہ کرنا چاہئے اور تجدید ایمان اور تجدید نکاح کرنا چاہئے ،شامی میں ہے۔ **نعم سیذ کرا لشارح ان مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح وما فیہ خلاف یؤمر بالا ستغفار والتوبۃ وتجدید النکاح.**

(شامی ص ۳۹۹ ج ۳ باب المرتد)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حیات عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام:

(سوال ۲۲) حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہ نظریہ کہ وہ وفات پا چکے ہیں اس بارے میں اہل سنت والجماعت کا کیا عقیدہ ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا مفصل و مدلل جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ (از سنگاپور)

(الجواب) حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمان پر اٹھالیا ہے اور آپ زندہ ہیں، قیامت کے قریب دنیا میں تشریف لائیں گے، دجال کو قتل کریں گے اور اس کے بعد آپ کی وفات ہوگی ، یہ عقیدہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اور اس پر امت کا اجماع ہے، لہٰذا جو شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھے اور آپ کی وفات کا قائل ہو وہ قرآن وحدیث اور اجماع کا منکر ہے اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے، یہ اجماعی مسئلہ ہے اجتہادی چیز نہیں ہے، قرآن مجید میں ہے۔

وقولھم انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ ما لھم بہ من علم الا اتباع الظن وما قتلوہ یقیناً O بل رفعہ اللہ الیہ وکان اللہ عزیزا حکیماO

اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم جو کہ رسول ہیں اللہ تعالیٰ کے (ہم نے) قتل کر دیا، حالانکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہوگیا، اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیالی میں ہیں ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اور انہوں نے ان کو یقینی بات ہے کہ قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست بڑے حکمت والے ہیں۔

اس آیت مبارکہ سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہودیوں کا یہ کہنا کہ ہم نے ان کو (معاذ اللہ) قتل کر دیا بالکل غلط ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمان پر اٹھالیا ہے اور آپ زندہ ہیں۔

روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے: **وهو حيي في السماء الثانية على ما صح عن النبي صلى الله عليه وسلم في حديث المعراج وهو هنالك مقيم حتى ينزل الى الارض يقتل الدجال ويملؤها عدلاً كما ملئت جوراً الخ** یعنی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام دوسرے آسمان پر زندہ ہیں جیسا کہ یہ بات حدیث معراج میں صحیح طور پر مروی ہے، اور آپ آسمان پر مقیم ہیں، یہاں تک کہ آپ دنیا میں تشریف لائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جیسا کہ آپ کی آمد سے قبل دنیا ظلم وستم سے بھری پڑی تھی۔ (روح المعانی ص۱۲ ج۶)

حدیث میں ہے **عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم والله لينزلن ابن مريم حكماً عادلاً فليكسرن الصليب الخ** رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کی قسم حضرت ابن مریم (یعنی عیسیٰ) علیہ الصلوٰۃ والسلام یقیناً (قیامت کے قریب دنیا میں) نازل ہوں گے (اور آپ) حاکم عادل ہوں گے، پس آپ صلیب کو توڑیں گے الخ (مشکوٰۃ شریف ص۴۰۹ باب نزول عیسیٰ علیہ السلام)

مظاہر حق میں ہے:۔

فائدہ:

بالتحقیق ثابت ہوا ہے صحیح حدیثوں سے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اتریں گے آسمان سے زمین پر اور دین محمد ﷺ کے تابع ہوں گے اور حکم کریں گے آنحضرت ﷺ کی شریعت پر الخ (مظاہر حق بتغیر یسیر ص۳۲۷ ج۴ باب نزول عیسیٰ علیہ السلام)

حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ نے بیان القرآن میں اس پر علمی بحث فرمائی ہے جو قابل مطالعہ ہے، اس میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

تنبیہ ضروری:

تقریر تفسیر سے بعض ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہوگئی جو آج کل دعویٰ بلا دلیل کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی اور آپ مدفون ہوگئے اور پھر قیامت کے قریب تشریف نہ لاویں گے اور اس پر جو احادیث عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کے متعلق آئی ہیں، ان میں تحریف کی ہے کہ مراد اس سے مثیل عیسیٰ ہے، اور پھر اس مثیل کا مصداق اپنے کو قرار دیا ہے (الیٰ قولہ) اور دوسری دلائل سے رفع وحیات ثابت ہے، پس اس کا قائل ہونا واجب ہے، رفع تو آیت رفعہ اللہ سے جو اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے نص ہے رفع مع الجسد میں اور بلا تعذر معنی حقیقی کے مجازی لینا ممتنع ہے اور دلیل تعذر مفقود ہے اور حیات احادیث واجماع سے ثابت ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے **ان عيسى لم يمت وانه راجع اليكم قبل يوم القيمة** اور دہ السیوطی **في الدر المنثور واخرج ابن كثير من آل عمران وقال ابن ابي حاتم حدثنا ابي حدثنا احمد بن عبدالرحمن حدثنا عبدالله بن جعفر عن ابيه حدثنا الربيع بن انس عن الحسن لفذكر اثراً عنه ثم قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لليهود: ان عيسى لم يمت وانه راجع اليكم قبل يوم القيمة (الى قوله)** اور اجماع نہایت

ظاہر ہے کہ کسی مستند عالم سے سلفاً وخلفاً اس کے خلاف منقول نہیں الخ۔

(بیان القرآن ص ۲۵ وص ۲۶ جلد دوم پارہ نمبر ۳ رکوع ۱۳ سورہ آل عمران)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اپنی مشہور تفسیر ''معارف القرآن'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

مسئلہ حیات ونزول عیسیٰ علیہ السلام

دنیا میں صرف یہودیوں کا یہ کہنا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول ومصلوب ہوکر دفن ہو گئے اور پھر زندہ نہیں ہوں گے اور ان کے اس خیال کی حقیقت قرآن کریم نے سورۂ نساء کی آیت میں واضح کردی اور اس آیت میں بھی ومکروا ومکر اللہ میں اس طرف اشارہ کردیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں کے کید اور تدبیر کو خود انہی کی طرف لوٹا دیا کہ جو یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے لئے مکان کے اندر گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے ایک شخص کی شکل وصورت تبدیل کر کے بالکل عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں ڈھال دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا، آیت کے الفاظ یہ ہیں **وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم** نہ انہوں نے عیسیٰ کو قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا، لیکن تدبیر حق نے ان کو شبہ میں ڈال دیا (کہ اپنے ہی آدمی کو قتل کر کے خوش ہولئے) اس کی مزید تفصیل سورۂ نساء میں آئے گی نصاریٰ کا کہنا یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول ومصلوب تو ہو گئے مگر پھر دوبارہ زندہ کر کے آسمان پر اٹھالئے گئے، مذکورہ آیت نے ان کے اس غلط خیال کی بھی تردید کردی اور بتلادیا کہ جیسے یہودی اپنے ہی آدمی کو قتل کر کے خوشیاں منارہے تھے اس سے یہ دھوکا عیسائیوں کو بھی لگ گیا کہ قتل ہونے والے عیسیٰ علیہ السلام ہیں اس لئے شُبِّہَ لَھُم کے مصداق یہود کی طرح نصاریٰ بھی ہو گئے۔

ان دونوں گروہوں کے بالمقابل اسلام کا وہ عقیدہ ہے جو اس آیت اور دوسری کئی آیتوں میں وضاحت سے بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہودیوں کے ہاتھ سے نجات دینے کے لئے آسمان پر زندہ اٹھالیا، نہ ان کو قتل کیا جاسکا نہ سولی پر چڑھایا وہ زندہ آسمان پر موجود ہیں اور قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہوکر یہودیوں پر فتح پائیں گے اور آخر میں طبعی موت سے وفات پائیں گے۔

اسی عقیدہ پر تمام امت مسلمہ کا اجماع واتفاق ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر ص ۳۱۹ میں یہ اجماع نقل کیا ہے، قرآن مجید کی متعدد آیات اور حدیث کی متواتر روایات سے یہ عقیدہ ثابت ہے اور اس پر اجماع امت ہے، یہاں اس کی پوری تفصیل کا موقع بھی نہیں اور ضرورت بھی نہیں کیونکہ علمائے امت نے اس مسئلہ کو مستقل کتابوں اور رسالوں میں پورا پورا واضح فرمادیا ہے اور منکرین کے جوابات تفصیل سے دیئے ہیں ان کا مطالعہ کافی ہے، مثلاً حضرت حجۃ الاسلام مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری کی تصنیف بزبان عربی عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی کی تصنیف بزبان اردو ''حیات عیسیٰ علیہ السلام'' مولانا سید محمد ادریس صاحب کی تصنیف ''حیات مسیح علیہ السلام'' اور ابھی سینکڑوں چھوٹے بڑے رسائل اس مسئلہ پر مطبوع ومشتہر ہو چکے ہیں، احقر نے بامر استاذ محترم حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ سو ۱۰۰ سے زائد احادیث کو جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ اٹھایا جانا اور پھر قرب قیامت میں نازل ہونا بتواتر ثابت ہوتا ہے ایک مستقل کتاب

التصریح بما تواتر فی نزول المسیح میں جمع کردیا ہے جس کو حال میں حواشی وشرح کے ساتھ حلب (شام) کے ایک بزرگ علامہ عبدالفتاح ابوغدہ نے بیروت میں چھپوا کر شائع کیا ہے۔

اور حافظ ابن کثیر نے سورۂ احزاب کی آیت وانہ لعلم للساعة کی تفسیر میں لکھا ہے **وقد تواترت الاحادیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ اخبر بنزول عیسیٰ علیہ السلام قبل یوم القیمة اماماً عادلاً الخ** یعنی رسول اللہ ﷺ کی احادیث اس معاملہ میں متواتر ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قبل قیامت نازل ہونے کی خبر دی ہے الخ۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۷۸ و ص ۷۹ پارہ نمبر ۳ رکوع نمبر ۱۴ سورہ آل عمران)

ایک شبہ کا جواب:

اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ قرآن کی اس آیت مبارکہ **یعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی** سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلے آپ کی وفات ہوگی پھر آپ کو آسمان پر اٹھایا گیا تو اس شبہ کا جواب سمجھنے سے پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس آیت میں جو وعدے مذکور ہیں وہ اس وقت کئے گئے تھے جب کہ قوم یہود نے آپ کو شہید کرنے کی خفیہ سازش بنائی تھی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آپ کو اس ناپاک سازش سے باخبر کردیا اور وعدہ فرمایا کہ آپ اطمینان رکھیں کہ یہ لوگ آپ کے قتل کے درپے ہیں مگر یہ اپنے ناپاک منصوبہ میں کامیاب نہ ہوسکیں گے بلکہ قیامت کے قریب وقت موعود پر آپ اپنی طبعی موت سے ہی وفات پائیں گے اور فی الحال ان کے شر سے بچانے کے لئے آپ کو آسمان پر اٹھالیا جائے گا، تو مذکورہ آیت **انی متوفیک ورافعک الی** میں جو دو وعدے مذکور ہیں وہ یقیناً پورے ہوں گے، البتہ **رافعک الی والا وعدہ** اسی وقت پورا کیا گیا، اور دوسرا وعدہ اس وقت پورا ہوگا جب قیامت کے قریب آپ دنیا میں تشریف لائیں گے تو آیت کے الفاظ میں تقدیم وتاخیر ہے، اور واؤ چونکہ ترتیب کے لئے وضع نہیں ہوا ہے لہذا یہ ضروری نہیں کہ پہلے متوفیک کا وقوع ہوا پھر **رافعک الی** کا اور اس تقدیم وتاخیر میں بھی مصلحت ہے جسے مفسرین نے بیان کیا ہے، **کما سیاتی انشاء اللہ**۔

تفسیر روح المعانی میں ہے **(یعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی) اخرج ابن ابی حاتم عن قتادة قال ھذا من المقدم والمؤخر ای رافعک الی ومتوفیک وھذا احد تاویلات اقتضاھما مخالفة ظاھر الآیة للمشھور المصرح بہ فی الآیة الاخری وفی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم " ان عیسیٰ لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیمة و ثانیھا ان المرادانی مستوفی اجلک وممیتک حتف انفک لا اسلط علیک من یقتلک فالکلام کنایة عن عصمة من الاعداء وما ھم بصددہ من الفتک بہ علیہ السلام لانہ یلزم من استیفاء اللہ تعالیٰ اجلہ وموتہ حتف انفہ ذلک الخ** (روح المعانی ج ۳ ص ۱۷۹ سورہ آل عمران پارہ نمبر ۳) روح المعانی میں اور بھی جوابات مذکور ہیں تفصیل درکار ہو تو روح المعانی کا مطالعہ کیا جائے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی معارف القرآن میں اس پر کلام فرمایا ہے، چنانچہ ایک

مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی منقول ہے کہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ حق تعالیٰ نے اس وقت جب کہ یہودی آپ کے قتل کے در پے تھے آپ کی تسلی کے لئے دو لفظ ارشاد فرمائے ایک یہ کہ آپ کی موت ان کے ہاتھوں قتل کی صورت میں نہیں بلکہ طبعی موت کی صورت میں ہوگی، دوسرا یہ کہ اس وقت ان لوگوں کے نرغہ سے نجات دینے کی ہم یہ صورت کریں گے کہ آپ کو اپنی طرف اٹھالیں گے، یہی تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے، تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عباس کی یہ روایت اس طرح منقول ہے اخرج اسحق بن بشر و ابن عساکر من طریق جو هر عن الضحاک عن ابن عباسؓ فی قوله تعالیٰ انی متو فیک و رافعک الی یعنی رافعک ثم متو فیک فی آخر الزمان . (درمنثور ص ۳۶ ج ۲) اسحٰق ابن بشر اور ابن عساکر نے بروایت جوہر عن الضحاک حضرت ابن عباسؓ سے آیت انی متوفیک و رافعک الی کی تفسیر میں یہ لفظ نقل کئے ہیں کہ میں آپ کو اپنی طرف اٹھا لوں گا پھر آخر زمانہ میں آپ کو طبعی طور پر وفات دوں گا۔

اس تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ توفی کے معنی موت ہی کے ہیں مگر الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہے رافعک کا پہلے اور متوفیک کا وقوع بعد میں ہوگا، اور اس موقع پر متوفیک کو مقدم ذکر کرنے کی حکمت و مصلحت اس پورے معاملہ کی طرف اشارہ کرنا ہے جو آگے ہونے والا ہے یعنی یہ اپنی طرف بلا لینا ہمیشہ کے لئے نہیں ہے بلکہ چند روزہ ہوگا اور پھر آپ دنیا میں آئیں گے اور دشمنوں پر فتح پائیں گے اور بعد میں طبعی طور پر آپ کی موت واقع ہوگی اس طرح دوبارہ آسمان سے نازل ہونے اور دنیا پر فتح پانے کے بعد موت آنے کا واقعہ ایک معجزہ بھی تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اعزاز و اکرام کی تکمیل بھی نیز اس میں عیسائیوں کے عقیدۂ الوہیت کا ابطال بھی تھا ورنہ ان کے زندہ آسمان پر چلے جانے کے واقعہ سے ان کا یہ عقیدۂ باطل اور پختہ ہوجاتا کہ وہ بھی خدا حی و قیوم ہے اس لئے پہلے متوفیک کا لفظ ارشاد فرما کر ان تمام خیالات کا ابطال کردیا پھر اپنی طرف بلانے کا ذکر فرمایا (معارف القرآن ص ۷۴ و ۷۵ ج ۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قادیانی کسی غیر مسلم کی سند سے مسلمان نہیں ہو سکتے:

(استفتاء نمبر ۲۳) مکرم و محترم حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری صاحب، دامت برکاتہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

جنوبی افریقہ ایک عیسائی ملک ہے، یہاں کی عدالت میں اسلامی قانون کا کوئی لحاظ نہیں ایسی خالص غیر اسلامی عدالت میں ایک مرزائی احمدی نے یہ دعویٰ دائر کیا ہے کہ وہ مسلمان ہے اور دوسرے مسلمان ان کو کافر و مرتد کہتے ہیں اور اپنی مساجد میں عبادت نہیں کرنے دیتے لہٰذا اس نے عدالت سے استدعا کی ہے کہ:

(۱) یہ غیر مسلم جج اس مرزائی احمدی کو مسلمان ہونے کا قطعی فیصلہ دے۔

(۲) یہ غیر مسلم جج اس مرزائی احمدی کو اسلامی حقوق دلوائے تاکہ وہ مسلمانوں کی مسجد میں عبادت کر سکے اور مسلمانوں کے قبرستان میں مدفون بھی ہو سکے۔

عدالت نے مسلمانوں کو طلب کیا کہ عدالت میں حاضر ہو کر اپنے دلائل پیش کریں کہ وہ مرزائی احمدی کو

کیوں مسلمان قرار نہیں دیتے ، اور مرزائی احمدی بھی آ کر اپنے دلائل پیش کرے کہ وہ کس بنا پر مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

یہ غیر مسلم یہودی یا عیسائی جج دلائل سننے کے بعد فیصلہ کرے گا کہ وہ مرزائی احمدی مسلمان ہے یا نہیں؟ اب جواب طلب امر یہ ہے کہ:

نمبر۱۔ غلام احمد اور اس کے متبعین دائرہ اسلام میں داخل ہیں یا نہیں؟

نمبر۲۔ اسلامی حقوق ان کو حاصل ہیں یا نہیں؟

نمبر۳۔ کیا غیر مسلم جج اس بات کی اہلیت رکھتا ہے کہ وہ مرزائیوں کے مسلمان ہونے کا فیصلہ دے؟

نمبر۴۔ مسلمانوں کی جماعت کے لئے شرعاً کیا یہ جائز ہے کہ وہ ایسے مقدمہ میں حاضر ہو کر ایک غیر مسلم عیسائی یا یہودی جج کو یہ موقع دے کہ وہ مسلمانوں کے خالص دینی واعتقادی معاملہ میں فیصلہ کرے، براہ کرم مدلل جواب تحریر فرما کر کرم فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً باللہ التوفیق:۔ مرزا غلام احمد کے ساتھ اہل سنت والجماعت کا اختلاف اصولی اختلاف ہے، فروع اور اجتہادی اختلاف نہیں ہے کہ اسے نظر انداز کیا جا سکے، پوری امت اسلامیہ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ آخری نبی ہیں، نبوت کا سلسلہ آپ پر ختم ہو گیا ہے، آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا اور یہ عقیدہ قرآن وحدیث سے ایسے محکم اور قطعی وطریقہ پر ثابت ہے کہ اس میں ذرہ برابر شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے، قرآن مجید میں آپ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے اور خود آپ ﷺ نے اپنے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ سلسلۂ نبوت مجھ پر ختم کر دیا گیا ہے میں خاتم النبیین ہوں اور اب میرے بعد کوئی نیا نبی اللہ کی طرف سے نہیں آئے گا۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت سے لیکر آج تک پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ جس طرح توحید ورسالت قیامت وآخرت اور قرآن کے کلام اللہ ہونے کا منکر پنجگانہ نماز روزہ زکوٰۃ اور حج کا منکر مسلمان نہیں ہوسکتا، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا بھی کسی حال میں مسلمان نہیں ہوسکتا، ایسا شخص کذاب ہے ملعون ہے، دائرۂ اسلام سے قطعاً خارج ہے اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، اگر وہ پہلے مسلمان تھا تو اس کو دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد قرار دیا جائے گا۔

امت کی پوری تاریخ میں عملاً یہی ہوتا رہا ہے مثلاً سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب اور اس کے ماننے والوں کے متعلق یہی فیصلہ صادر فرمایا تھا، حالانکہ یہ بات محقق ہے کہ وہ لوگ توحید ورسالت کی قائل تھے ان کے یہاں اذان بھی ہوتی تھی اور اذان میں اشھدان لا الٰہ الا اللہ اور اشھدان محمداً رسول اللہ بھی کہا جاتا تھا، ختم نبوت سے متعلق یہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔

لیکن غلام احمد نے اس بنیادی اور اجماعی عقیدہ سے بغاوت کی ہے اور اپنے لئے ایسے الفاظ کے ساتھ نبوت کا دعویٰ کیا ہے کہ اس میں کسی طرح کی کوئی تاویل اور توجیہ کی گنجائش نہیں ہے اور اس کے معتقدین اس کو دیگر

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مثل "نبی" کہتے ہیں، اور اس غلط عقیدہ پر ان کو بے حد اصرار بھی ہے۔ مرزا غلام احمد کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود نے حقیقۃ النبوۃ ایک کتاب شائع کی تھی جس کا موضوع ہی مرزا غلام احمد کی نبوت کو ثابت کرنا تھا اور اس کتاب میں مرزا صاحب کے نبوت کے دلائل خود مرزا غلام احمد کی کتابوں سے پیش کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ مرزا غلام احمد نے اپنے لئے مسیحیت اور مہدویت کا اتنی کثرت سے دعویٰ کیا ہے کہ اس کا انکار یا اس کی تاویل ناممکن ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جو بالاجماع معصوم ہیں ان کی بہت سخت توہین کی ہے اور بہت سے مقامات پر خود کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل بلکہ تمام انبیاء کی روح بتلایا ہے، نیز معجزات کا استہزاء کیا ہے، قرآن میں تحریف کی ہے، احادیث کی بے حرمتی کی ہے وغیرہ وغیرہ۔

دعویٰ نبوت واقوال کفریہ قادیانی کی تحریر کے آئینہ میں

(۱) خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین حق اور تہذیب اخلاق کے ساتھ بھیجا (اربعین نمبر ۳ ص ۴۴)

(۲) میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی ہوں (اشتہار ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ حقیقۃ النبوت ص ۲۶۵)

(۳) میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے اور اس نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اس نے میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشان ظاہر کئے ہیں جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں جن میں بطور نمونہ کسی قدر اس کتاب میں لکھے گئے ہیں (تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۶۸)

(۴) سچا خدا وہ ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔ (دافع البلاء ص ۱۱)

(۵) میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں۔ (مرزا صاحب کا آخری خط مندرجہ اخبار عام ۲۶ مئی ص ۱۹۰۸)

(۶) ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول و نبی ہیں۔ (بدر ۵۔ مارچ ۱۹۰۸ء)

(۷) پس اس میں کیا شک ہے کہ میری پیشن گوئیوں کے بعد دنیا میں زلزلوں اور دوسری آفات کا سلسلہ شروع ہو جانا میری سچائی کے لئے ایک نشانی ہے، یاد رہے کہ خدا کے رسول کی خواہ کسی حصہ زمین میں تکذیب ہو مگر اس کی تکذیب کے وقت دوسرے مجرم بھی پکڑے جاتے ہیں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۶۱)

(۸) سخت عذاب بغیر نبی قائم ہونے کے آتا ہی نہیں جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا پھر یہ کیا بات ہے کہ ایک طرف تو طاعون ملک کو کھا رہی ہے اور دوسری طرف ہیبت ناک زلزلے پیچھا نہیں چھوڑتے۔

اے غافلو تلاش کرو شاید تم میں کوئی خدا کی طرف سے نبی قائم ہو گیا ہے جس کی تم تکذیب کر رہے ہو (تجلیات الٰہیہ ص ۸۔۹)

(۹) خدا نے نہ چاہا کہ اپنے رسول کو بغیر گواہی چھوڑے (دافع البلاء ص ۸)

(۱۰) تیسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہر حال جب تک کہ طاعون دنیا میں

رہے گو ستر برس رہے قادیان کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے۔ (البشریٰ ص ۱۱)

(۱۱) الہامات میں میری نسبت بار بار کہا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ، خدا کا مامور خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے جو کچھ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔ (انجام آتھم ص ۷۹)

(۱۲) انا ارسلنا احمد الی قومه فاعرضوا وقالوا کذاب اشر (اربعین ص ۳ ص ۳۴)

(۱۳) فکلمني ونادانی وقال انی ارسلک الی قوم مفسدین وانی جاعلک للناس اماما وانی مستخلفک اکراماً کما جرت سنتي في الاولین (انجام آتهم ص ۷۹)

(۱۴) اور میں جیسا کہ قرآن شریف کی آیات پر ایمان رکھتا ہوں ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے خدا کے اس کھلی کھلی وحی پر ایمان لاتا ہوں جو مجھے ہوئی جس کی سچائی اس کے متواتر نشانیوں سے مجھ پر کھل گئی ہے، اور میں بیت اللہ میں کھڑے ہو کر یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ پاک وحی جو میری پر نازل ہوتی ہے وہ اسی خدا کا کلام ہے جس نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر اپنا کلام نازل کیا تھا، میرے لئے زمین نے بھی گواہی دی اور آسمان نے بھی اسی طرح آسمان بھی بولا اور زمین بھی کہ میں خلیفہ اللہ ہوں مگر پیشین گوئیوں کے مطابق ضرور تھا کہ انکار بھی کیا جاتا (ایک غلطی کا ازالہ منقول از ضمیمہ حقیقۃ النبوۃ ص ۲۶۴)

(۱۵) آپ (یعنی مرزا صاحب) نبی ہیں اور خدا نے اور اس کے رسول نے ان ہی الفاظ میں آپ کو نبی کہا ہے جس میں قرآن کریم اور احادیث میں پچھلے نبیوں کو نبی کہا گیا ہے۔ (حقیقۃ النبوۃ ص ۷۰)

(۱۶) پس اس میں کیا شک ہے کہ حضرت مسیح موعود قرآن کریم کے معنوں کی رو سے بھی نبی ہیں اور لغت کے معنوں سے بھی نبی ہیں۔ (حقیقۃ النبوۃ ص ۱۱۶)

(۱۷) پس شریعت اسلام نبی کے جو معنی کرتی ہے اس معنی کو ہاں کر حضرت صاحب ہرگز مجازی نبی نہیں ہیں بلکہ حقیقی نبی ہیں۔ (حقیقۃ النبوۃ ص ۱۷۴)

(۱۸) بلحاظ نبوت ہم بھی مرزا صاحب کو پہلے نبیوں کی مطابق نبی مانتے ہیں۔ (حقیقۃ النبوۃ ص ۲۹۲)

مسیح ہونے کا دعویٰ

حضرت عیسیٰ کے متعلق ہمارا (یعنی اہل سنت والجماعت کا) عقیدہ یہ ہے کہ اللہ نے ان کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا ہے، اور قیامت کے قریب تشریف لائیں گے مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ میرا بھی پہلے یہی عقیدہ تھا، مگر بعد میں ان کا یہ خیال ہو گیا کہ اللہ نے اس کو بذریعۂ وحی یہ بتلایا کہ یہ سراسر غلط خیال ہے کہ عیسیٰ آسمان پر زندہ ہیں، اور کسی وقت دنیا میں دوبارہ آئیں گے بلکہ وہ مسیح اور عیسیٰ جو آنے والا تھا وہ خود تو ہی ہے تیرا ہی نام ابن مریم رکھا گیا ہے، اس سلسلہ میں خود مرزا صاحب کا بیان ملاحظہ ہو۔

''اور میری آنکھیں اس وقت تک بالکل بند رہیں جب تک کہ خدا نے بار بار کھول کر مجھ کو نہ سمجھایا کہ عیسیٰ ابن مریم اسرائیلی تو فوت ہو چکا ہے اور وہ واپس نہیں آئے گا اس زمانہ اور اس امت کے لئے تو ہی عیسیٰ ابن مریم ہے۔'' (براہین احمدیہ جلد پنجم ص ۸۵)

حضرت عیسیٰ پر فضیلت کا دعویٰ

پہلے تو مرزا جی مسیح موعود اور عیسیٰ ابن مریم ہی بنے تھے، لیکن پھر وہ اور آگے بڑھے اور انہوں نے حضرت

عیسیٰ علیہ السلام پر اپنی فضیلت کا اعلان شروع کر دیا، ان کے لڑکے مرزا بشیر احمد نے مرزا جی کا یہ قول نقل کیا ہے ''میں مسیح علیہ السلام کی خدائی کا منکر ہوں ہاں بے شک وہ خدا کے نبیوں میں سے ایک نبی تھا مگر مجھے خدا نے اس سے برتر مرتبہ عطا کیا ہے۔'' (تبلیغ ہدایت ص ۱۶۹) اور دیکھو آج تم میں ایک ہے جو اس مسیح سے بڑھ کر ہے (دافع البلاء ص ۱۳)

مرزا صاحب کا درج ذیل شعر بہت مشہور ہے اور خود مرزا صاحب کو اپنا یہ شعر بہت پسند تھا اس لئے انہوں نے بار بار اپنی تصنیفات میں اس کو نقل کیا ہے۔ شعر یہ ہے۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بڑھ کر غلام احمد ہے

(معاذ اللہ) (دافع البلاء ص ۲)

مرزا جی کا دوسرا شعر ہے۔

مرہم عیسیٰ نے دی تھی محض عیسیٰ کو شفا
میری مرہم سے شفا پائے گا ہر ملک و دیار

(درثمین)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین

ہاں آپ کو (یعنی حضرت عیسیٰ کو) گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی، ادنی ادنی بات میں غصہ آجاتا تھا اپنے نفس کو جذبات سے روک نہیں سکتے تھے۔ (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص ۵)

یہ بھی یاد رہے کہ کسی قدر جھوٹ بولنے کی عادت تھی (استغفر اللہ) (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ نمبر ۵)

عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزات لکھے ہیں مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔ (حاشیہ صفحہ نمبر ۶ ضمیمہ انجام آتھم)

''مسیح کی راست بازی اپنے زمانہ میں دوسرے راست بازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا، یا ہاتھوں اور سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا، یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی، اسی وجہ سے خدا نے قرآن کریم میں یحییٰ کا نام حصور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہیں رکھا کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔'' (ازالۂ اوہام حصہ اول ص ۱۵۸)

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کی نسبت مرزا جی کے خیالات

کچھ تعجب نہیں کرنا چاہئے کہ حضرت مسیح نے اپنے دادا سلیمان کی طرح اس وقت کے مخالفین کو یہ عقلی معجزہ دکھلایا ہو اور ایسا معجزہ دکھانا عقل سے بعید بھی نہیں کیونکہ حال کے زمانہ میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ اکثر صناع ایسی ایسی چڑیا بنا لیتے ہیں کہ وہ بولتی بھی ہیں اور ہلتی بھی ہیں اور دم بھی ہلاتی ہیں، اور میں نے سنا ہے کہ کل کے ذریعہ سے بعض چڑیا پرواز بھی کرتی ہیں۔ (ازالۃ الاوہام حصہ اول ص ۳۰۳)

کچھ تعجب کی جگہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو عقلی طور سے ایسے طریق پر اطلاع دی ہو جو ایک مٹی کا کھلونا کسی کل کے دبانے یا کسی پھونک کے مارنے سے کسی طور پر ایسا پرواز کرتا ہو جیسا پرندہ پرواز کرتا ہے یا اگر پرواز نہیں تو پیروں سے چلتا ہو۔ کیونکہ حضرت مسیح ابن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس کی مدت تک نجاری کا کام بھی کرتے رہے، اور ظاہر ہے کہ بڑھئی کا کام درحقیقت ایسا کام ہے جس میں کلوں کے ایجاد کرنے اور طرح طرح کی صنعتوں کے بنانے میں عقل تیز ہو جاتی ہے۔ (توضیح المرام ص۹)

نوٹ:

اس حوالہ میں خط کشیدہ عبارت پر غور کیجئے، حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ پر کس قدر گندہ بہتان لگایا ہے، قرآن مجید کی بیان کی ہوئی اس حقیقت پر تمام اہل اسلام کا بلا کسی شک وشبہ کے ایمان ہے کہ اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلا کسی شخص کی وساطت کے امر "کن" سے پیدا فرمایا تھا حضرت مریم عفیفہ اور پاک دامن تھیں، آپ کا کسی شخص سے تعلق قائم نہیں ہوا تھا، قرآن کی اس صریح وضاحت کے باوجود مرزا غلام احمد نے کس قدر غلط بات لکھی ہے، یہ قرآن کے بالکل خلاف ہے، اور قرآن کا انکار ہے، اس کے باوجود اس کو مسلمان سمجھنا اور اس کے متبعین کا اپنے کو مسلمان کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

"اوائل میں میرا بھی یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے، وہ خدا کے نبی ہیں اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اس کو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا مگر بعد میں جو خدا کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۴۸)

"اس امر میں کیا شک ہے کہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہ فطرتی طاقتیں نہیں دی گئیں جو مجھے دی گئیں کیونکہ وہ ایک خاص قوم کے لئے آئے تھے اور اگر وہ میری جگہ ہوتے اپنی اس فطرت کی وجہ سے وہ کام انجام نہ دے سکتے جو خدا نے مجھے انجام دینے کی قوت دی۔ وھذا تحدیث نعمة الله و لا فخر. (حقیقۃ الوحی ص۱۴۱)

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت کا دعویٰ

بس اس امت کا یوسف یعنی یہ عاجز اسرائیلی یوسف سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ عاجز قید کی دعاء کر کے بھی قید سے بچالیا گیا مگر یوسف ابن یعقوب قید میں ڈالا گیا۔ (براہین احمدیہ جلد پنجم ص ۷۶)

میں سب کچھ ہوں

مرزا صاحب کا دعویٰ یہ تھا کہ میں تمام نبیوں کی روح اور ان کا خلاصہ ہوں، میری ہستی میں تمام انبیاء سمائے ہوئے ہیں، چنانچہ اس نے لکھا ہے۔

"میں خدا کے دفتر میں صرف عیسیٰ ابن مریم کے نام سے موسوم نہیں بلکہ اور بھی میرے نام ہیں، میں آدم ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحاق ہوں، میں یعقوب ہوں، میں اسمٰعیل ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں

داؤد ہوں، میں عیسیٰ ابن مریم ہوں، میں محمد ﷺ ہوں...... سو ضرور ہے کہ ہر نبی کی شان مجھ میں پائی جائے۔''
(تحفہ حقیقۃ الوحی ص ۸۵)

معجزات کی کثرت

جب مرزا جی نے پیغمبری اور نبوت کا دعویٰ کیا تو معجزات کا دعویٰ بھی لازم تھا چنانچہ انہوں نے معجزات کا دعویٰ بھی معمولی انداز سے نہیں کیا بلکہ اللہ کے تمام نبیوں کو معجزات کے معاملہ میں بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ چنانچہ لکھتا ہے۔

''اللہ نے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ میں اس کی طرف سے ہوں اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کئے جائیں تو ان کی بھی ان سے نبوت ثابت ہوسکتی ہے۔(چشمہ معرفت ص ۳۱۷)

ہاں اگر یہ اعتراض ہو کہ اس جگہ وہ معجزات کہاں ہیں تو میں صرف یہی جواب نہیں دوں گا کہ میں معجزات دکھلا سکتا ہوں بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرا جواب یہ ہے کہ اس نے میرا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے اس قدر معجزات دکھائے ہیں کہ بہت ہی کم نبی ایسے آئے ہیں جنہوں نے اس قدر معجزات دکھائے ہوں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس نے اس قدر معجزات کا دریا رواں کر دیا ہے کہ باستثناء ہمارے نبی ﷺ کے باقی تمام انبیاء علیہم السلام میں ان کا ثبوت اس کثرت کے ساتھ قطعی اور یقینی طور پر محال ہے اور خدا نے اپنی حجت پوری کر دی ہے اب چاہے کوئی قبول کرے یا نہ کرے۔(تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۳۶)

''اور خدا تعالیٰ میرے لئے اس کثرت سے نشان دکھلا رہا ہے کہ اگر نوح کے زمانے میں وہ نشان دکھلائے جاتے تو وہ لوگ غرق نہ ہوتے۔''(تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۳۷)

''ان چند سطروں میں جو پیشین گوئیاں ہیں وہ اس قدر نشانیوں پر مشتمل ہے جو دس لاکھ سے زیادہ ہوں گی اور نشان بھی ایسے کھلے کھلے ہیں جو اول درجہ پر فائق ہیں۔''(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۵۶)

''اگر بہت ہی سخت گیری اور زیادہ سے زیادہ احتیاط سے بھی ان کا شمار کیا جائے تب بھی یہ نشان جو ظاہر ہوئے دس لاکھ سے زیادہ ہوں گے۔(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۵۶)

احادیث کے متعلق مرزا جی کا خیال

''ہم اس کے جواب میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ میرے اس دعویٰ کی حدیث بنیاد نہیں بلکہ قرآن اور وہ وحی جو میرے پر نازل ہوئی ہاں تائیدی طور پر ہم حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں، اور دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔
(ازالہ اوہام ص ۳۱۰ ص ۳۱۱)

شیخ المحدثین حضرت مولانا ادریس کاندھلوی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں۔

فرقۂ قادیانیہ و مرزائیہ

اس زمانے کے گمراہ ترین فرقوں میں سے ایک فرقہ قادیانیہ اور مرزائیہ ہے جو مرزا غلام احمد ساکن قصبہ قادیان ضلع

گورداسپور کا پیرو ہے، اس کا دعویٰ یہ تھا کہ میں مسیح موعود اور مہدی منتظر ہوں اور نبی اور رسول ہوں اور تمام پیغمبروں کا ظل اور بروز ہوں اور سب سے افضل واکمل ہوں۔

ومبدم گفتے کہ من پیغمبرم
وز ہمہ پیغمبراں بالا ترم

اور نہایت ڈھٹائی اور بے حیائی سے یہ کہتا تھا کہ میں وہی رسول موعود اور مبشر معہود ہوں جس کی قرآن پاک میں بدیں الفاظ بشارت موجود ہے۔ **واذ قال عیسیٰ ابن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** ۔ گویا کہ مرزائے قادیان کے گمان میں یہ آیت محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نازل نہیں ہوئی بلکہ قادیان کے ایک دہقان کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اسی طرح بہت سی آیات جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نازل ہوئیں ان کے متعلق کہتا ہے کہ یہ آیتیں میرے بارے میں نازل ہوئیں کوئی دیوانہ ہی ہوگا جو اس بات کو مانے گا کہ قرآن کی آیتیں مرزائے قادیان کے بارے میں نازل ہوئیں۔

آبلہ گفت دیوانہ باور کرد

اور کہا کہ میں کلمۃ اللہ ہوں اور روح اللہ اور عیسیٰ ہوں بلکہ اس سے بڑھ کر ہوں جیسا کہ خود اس کا قول ہے۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

اور جب مرزا نے یہ دعویٰ کیا کہ میں مثیل مسیح ہوں تو سوال ہوا کہ آپ عیسیٰ ابن مریم جیسے معجزات دکھلایئے جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہیں کہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور کوڑھیوں اور اندھوں کو اچھا کرتے تھے، تو جواب میں یہ بولا کہ عیسیٰ کا یہ تمام کام مسمریزم تھا میں اسی باتوں کو مکروہ جانتا ہوں ورنہ میں بھی کر دکھاتا۔

اور مرزا حضرت عیسیٰ کو یوسف نجار کا بیٹا بتاتا تھا اور بغیر باپ کے پیدا ہونے کا منکر تھا اور طرح طرح سے ان کی شان میں گستاخانہ کلمات کہتا تھا۔

علمائے ربانیین نے اس مسیلمہ پنجاب کے رد میں بے مثال کتابیں لکھیں، مرزائے غلام احمد کی مایہ ناز کتاب ازالۃ الاوہام ہے، حضرت مولانا انوار اللہ خان حیدرآبادی نے اس کی تردید میں بے مثال کتاب لکھی جس کا نام افادۃ الافہام رکھا اور اس ناچیز نے بھی متعدد رسائل اس مسیلمۂ پنجاب کے رد میں لکھے جو چھپ چکے ہیں، اے مسلمانو! عہد رسالت سے لے کر اس وقت تک سینکڑوں مدعیٔ نبوت ورسالت اور مدعی عیسویت اومہدویت گذر چکے ہیں جو مرزائیوں کے نزدیک بھی کافر اور مرتد اور ملعون تھے جس دلیل سے گذشتہ مدعیان نبوت مرزا کے نزدیک کافر اور مرتد تھے، اسی دلیل سے یہ جدید مدعی نبوت مرزائے قادیان بھی کافر و مرتد ہے۔

(عقائد اسلام ص ۱۸۱، ص ۱۸۲ حصہ اول از حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ)

مرزا غلام احمد قادیانی کے اقوال کفریہ میں سے چند اقوال کفریہ بطور نمونہ نقل کئے گئے ہیں ان سے صراحۃً یہ ثابت ہو رہا ہے کہ وہ نبوت کا مدعی ہے اور اس کے معتقدین بھی اس کی نبوت کے قائل ہیں، لہذا غلام احمد قطعی طور پر

اسلام سے خارج اور اس کے متبعین بھی جو اس کی نبوت کو تسلیم کرتے ہیں یا دعویٰ نبوت کے باوجود اسے دائرہ اسلام میں سمجھتے ہیں وہ لوگ بھی قطعی طور پر کافر مرتد اور خارج از اسلام ہیں۔

علمی لطیفہ:

موقعہ کی مناسبت سے ایک علمی لطیفہ ذہن میں آیا، رنگون میں خواہ کمال الدین پہنچا، بڑا عیار چالاک اور چالباز تھا، اس نے اہل رنگون کے سامنے اپنے اسلام کا دعویٰ کیا اور کہا کہ ہم غلام احمد کو نبی نہیں مانتے ہیں، اور یہ بات قسمیہ کہتا (جیسا کہ بہت سے خصوصاً لاہوری کہتے ہیں) خواہ مخواہ ہم کو بدنام کیا جاتا ہے، حالانکہ ہم پکے مسلمان ہیں، قرآن کو مانتے ہیں، حضور اکرم ﷺ کو اللہ کا سچا رسول سمجھتے ہیں، عوام اس کی باتوں میں آ گئے، اس کی تقریریں ہونے لگیں بہت سے مقامات پر نماز بھی پڑھائی، جمعہ تک پڑھایا رنگون کے ذمہ دار بہت فکر مند تھے کہ عوام کو کس طرح اس فتنہ سے محفوظ رکھیں، عوام میں دن بدن اس کو مقبولیت حاصل ہو رہی ہے، مقامی علماء سے اس کی گفتگو بھی ہوئی مگر اپنی چالبازی کی وجہ سے اپنی اصلیت ظاہر نہ ہونے دیتا۔

مشورہ کر کے یہ طے پایا کہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی کو مدعو کیا جائے، چنانچہ تار دیدیا گیا اور وہاں اس کی شہرت بھی ہوگئی کہ بہت جلد مولانا عبدالشکور صاحب تشریف لا رہے ہیں وہ اس سے گفتگو کریں گے، خواجہ کمال الدین نے جو مولانا کا نام سنا تو راہ فرار اختیار کرنے میں ہی اپنی عافیت دیکھی چنانچہ مولانا کے وہاں پہنچنے سے پہلے پہلے چلا گیا، مولانا تشریف لے گئے، مولانا کی تقریریں ہوئیں عوام کو حقیقت سے خبردار کیا اور ذمہ داروں کی ایک مجلس میں فرمایا کہ آپ حضرات نے غور فرمایا کہ وہ کیوں یہاں سے چلا گیا دراصل وجہ یہ تھی کہ وہ سمجھ گیا کہ میں اس سے یہ سوال کردوں گا۔ ''کہ تو مرزا غلام احمد کی نبوت کا قائل نہیں مگر تو اسے مسلمان سمجھتا ہے یا کافر؟ اس کا جواب اس کے پاس نہیں تھا جو جواب بھی دیتا پکڑا جاتا وہ مرزا کو کسی حال میں کافر تو کہہ نہیں سکتا تھا اگر مسلمان کہتا تو اس پر بھی اس کی گرفت ہوتی کہ جو شخص مدعی نبوت ہو وہ کسی حال میں مسلمان نہیں رہ سکتا، ایسے آدمی کو مسلمان سمجھنا خود کفر ہے۔ میں اس سے یہی سوال کرتا، اور انشاء اللہ اسی ایک سوال پر وہ لاجواب ہو جاتا اور اس کا راز فاش ہو جاتا یہ سوال آپ لوگوں کے ذہن میں نہیں آیا اس لئے آپ لوگ پریشان رہے۔

بہر حال یہ ایسا ظاہر و باہر مسئلہ ہے کہ اس میں کسی کو فیصل بنانے اور اس سے فیصلہ کرانے کی بھی ضرورت نہیں ہے، لہذا مرزائی احمدی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی غیر مسلم کے پاس اپنا مقدمہ لے جا کر اس سے اپنے مسلمان ہونے کی سند حاصل کرے اور ایسی سند سے وہ مسلمان بھی نہیں ہوسکتا، اس کو سچا اور پکا مسلمان ہونا ہے تو اس کی صورت صرف یہی ہے کہ جس راہ پر وہ گامزن ہے اس کو چھوڑ کر صدق دل سے توبہ کرے اور اس کا اعلان کرے، مرزا غلام احمد کی نبوت کا انکار کرے، اور اس کی تکفیر کرے اور اس کے تمام عقائد باطلہ سے یکسر توبہ کرے، اور اہل سنت والجماعت کے عقائد کے مطابق تجدید ایمان و تجدید نکاح کرے، جب وہ مسلمان ہی نہیں ہے تو اسلامی حقوق بھی اس کو حاصل نہیں ہوں گے اور اسلامی اصطلاحات کا استعمال بھی اس کے لئے جائز نہ ہوگا، لہذا اس کافر مرتد فرقہ کو اہل سنت والجماعت کی مسجد میں نماز پڑھنے اور مدارس میں داخلہ لینے اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے کا قطعاً حق حاصل نہیں ہے

اوراس کا یہ مطالبہ بالکل غلط ہے۔

یہ مسلمانوں کا خالص دینی واعتقادی مسئلہ ہے ایسے معاملہ میں جو دین کے ماہر ہیں انہی کا فیصلہ قابل قبول ہوسکتا ہے، اس لئے عدالت کو چاہئے کہ اس معاملہ کو علمائے محققین کی کمیٹی کے سپرد کردے، اس لئے کہ فیصلہ نافذ کرنے اور قاضی بننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے اندر تمام شرائط شہادت موجود ہوں، اور شرائط شہادت میں سے پہلی شرط اسلام ہے، جب پہلی ہی شرط مفقود ہو تو وہ شرعی طور پر قاضی نہیں ہوسکتا اور اس کا فیصلہ شرعی فیصلہ نہیں کہا جاسکتا، یہ شرط فقہ کی تمام کتابوں میں درج ہے، مثلاً البحر الرائق میں ہے۔

(قوله اهله اهل الشهادة) ای اهل القضاء ای من یصح منه او من تصح تولیته (الیٰ قوله) وهو ان یکون حراً مسلماً بالغاً عاقلاً عدلاً (الی قوله) فلا تصح تولیة کافر و صبی . یعنی قاضی وہ شخص بن سکتا ہے جس میں (مسلمانوں کے باہمی معاملات میں) شہادت دینے کی صلاحیت ہو، اور صلاحیت اس شخص کے اندر ہوسکتی ہے جو آزاد ہو (غلام نہ ہو) مسلمان ہو (غیر مسلم نہ ہو) بالغ ہو (نابالغ نہ ہو) عاقل ہو (مجنون اور دیوانہ نہ ہوں) عادل اور ثقہ ہو (فاجر اور فاسق نہ ہو) الی قولہ اسی بنا پر کافر اور بچہ کو عہدۂ قضاء سپرد کرنا صحیح نہیں ہے۔

(ص ۲۶۰ جلد نمبر ۶ کتاب القضاء)

اور کسی کمیٹی کو بھی اسلامی حیثیت اسی وقت حاصل ہوگی جب اس کے تمام ارکان میں شرائط شہادت مجتمع ہوں لہٰذا اگر کمیٹی کا ایک رکن بھی غیر مسلم ہوگا تو کمیٹی کی اسلامی حیثیت باقی نہ رہے گی اور اس کا فیصلہ اسلامی فیصلہ نہ ہوگا۔

مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ عدالت میں اپنا موقف ظاہر کردیں اور یہ بتادیں کہ یہ ہمارے خالص ایمان وعقائد کا مسئلہ ہے، اور اس خالص دینی واعتقادی مسئلہ میں ہمارے لئے ماہرین دین علمائے اسلام ہی کا فیصلہ قابل قبول ہوسکتا ہے اور مسلمہ اصول ہے کہ ہر مسئلہ اور ہر معاملہ کے حل کے کچھ اصول وضوابط ہوتے ہیں اور مسئلہ انہیں ضوابط واصول کے ماتحت حل کیا جاتا ہے، اس مسئلہ کے حل کے لئے ہم اپنے اصول وضوابط کی پابندی کررہے ہیں اس لئے عدالت کو چاہئے کہ اس مسئلہ کے حل میں شریعت اسلام کے اصول وضوابط کی قدر کرے اور یہ مسئلہ مسلمانوں کی کمیٹی کے حوالہ کردے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب۔ احقر سید عبدالرحیم لاجپوری ثم راندیری غفرلہٗ راندیر۔ مورخہ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ۔

فرقۂ مہدویہ کے متعلق وضاحت اور حضرت امام مہدی کے حالات:

(سوال ۲۴) فرقہ مہدویہ کی کچھ عقائد تحریر ہیں ان عقائد کے پیش نظر کیا یہ لوگ حق پر ہیں؟ اہل سنت والجماعت کے اندر داخل ہیں؟

نمبر ۱۔ مہدی موعود دنیا میں آکر چلے گئے۔

نمبر ۲۔ دعا کے لئے ہاتھ نہیں اٹھاتے۔

نمبر ۳۔ صبح کی چھ رکعت نماز پڑھتے ہیں، دوگانہ، دو سنت دو فرض۔

نمبر۴۔ ہر نماز سے پہلے دوگانہ پڑھتے ہیں۔
نمبر۵۔ رمضان کی چھبیسویں رات کو ڈیڑھ دو بجے دو رکعت امام کے پیچھے پڑھتے ہیں، اس رات عشاء کی نماز نہیں پڑھتے۔
نمبر۶۔ جمعہ کا خطبہ نہیں پڑھتے۔
نمبر۷۔ عید کی نماز نہیں پڑھتے۔ بینوا توجروا (از بڑودہ)

الجواب حامداً ومصلیاً ومسلماً! (۱) فرقہ مہدویہ جس کا عقیدہ یہ ہے کہ مہدی موعود کی ولادت جونپور میں ۱۴ جمادی الاولیٰ ۸۴۷ھ کو ہو چکی ہے اور وہ دنیا میں آکر چلے گئے، اب کوئی مہدی نہیں آنے کا یہ عقیدہ احادیث صحیحہ کے قطعاً خلاف اور بالکل غلط ہے احادیث صحیحہ میں جس مہدی موعود کا ذکر ہے وہ قرب قیامت میں دجال کے وقت ظاہر ہوں گے حضرت حسن کی اولاد میں سے ہوں گے، نصاریٰ سے آپ کی بہت عظیم الشان جنگ ہوگی اور آپ ان پر فتحیاب ہوں گے، آپ کے زمانے میں دین کی خوب اشاعت ہوگی، دنیا عدل وانصاف سے بھر جائے گی، مکہ مکرمہ کے باشندے ان سے بیعت کریں گے اور جس سال آپ کا ظہور ہوگا اس سال رمضان میں چاند اور سورج کا گہن ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آپ کی ملاقات ہوگی، آپ کے حالات کتب احادیث میں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ علامہ ابو محمد عبدالحق حقانی نے بھی اپنی مشہور و معروف کتاب "عقائد اسلام" میں امام مہدی موعود کا احادیث کی روشنی میں تفصیل سے تذکرہ فرمایا ہے جو اس جواب کے اخیر میں درج ہے اس کو ضرور ملاحظہ فرمائیں، عقائد اسلام میں علامہ نے فرقہ مہدویہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

آپ تحریر فرماتے ہیں نویں صدی ہجری کے عہد میں سید محمد جونپوری نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا جن کے مرید اب تک دکن میں موجود ہیں، ان کا مہدی بھی وہ مہدی نہیں ہو سکتا جس قدر صفات امام مہدی کے ہیں ان میں سے کوئی بھی محمد جونپوری میں نہ پائی گئی، نہ ان کے عہد میں دجال موجود تھا، نہ نصاریٰ سے مقابلہ ہوا، نہ اشاعت دین ہوئی نہ اس مہینہ میں دو بار کسوف وخسوف ہوا، نہ مکہ میں لوگوں نے ان سے بیعت لی، بلکہ کل علمائے مکہ نے ان کے پیروؤں کے قتل کا فتویٰ دیا اور امراء نے ان کا قتل واجب ٹھہرایا (عقائد اسلام ص:۱۸۰ تا ص۱۸۲)

یہ فرقہ سید محمد جونپوری کو صرف مہدی موعود ہی نہیں سمجھتا بلکہ ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ وہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے اور اسی طرح خلفاء راشدین حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین سے افضل ہیں، اور ان کا مرتبہ حضور اکرم ﷺ کے مرتبہ کے بالکل برابر ہے، کوئی بیشی نہیں ہے اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام وغیرہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو (معاذ اللہ) کامل الایمان نہیں سمجھتے اور جو ان کے عقیدہ کے مطابق محمد جونپوری کو مہدی موعود نہ مانے وہ کافر ہے، اس کے علاوہ اور بھی عقائد باطلہ ہیں جن کو علامہ ابو رجاء محمد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "ہدیہ مہدویہ" میں انہی کی کتابوں کے حوالوں سے نقل کرکے تفصیل کے ساتھ ان کا رد کیا ہے، اور آپ نے کتاب کے شروع میں اختصاراً ان کے عقائد باطلہ کو بیان کرکے اہل سنت والجماعت کے عقائد صحیحہ سے تقابل کرکے واضح فرمایا ہے کہ ان کے عقائد قطعاً اہل سنت والجماعت کے خلاف ہیں، نمونہ کے طور پر کچھ عقائد "ہدیہ مہدویہ" کے حوالہ سے ملاحظہ ہوں۔

فرقۂ مہدویہ کے عقائد کا اسلامی عقائد سے تقابل:

(۱) سید محمد جونپوری مہدی موعود ہیں کہ ۹۰۵ھ میں دعویٰ مہدویت کا کر کے ۹۱۰ھ پر انتقال کیا۔ اور اہل سنت کا اعتقاد یہ ہے کہ ایک شخص آل محمد ﷺ سے بلا شک مہدی ہونے والے ہیں اور ان کی شناخت موقوف ہے ان علامات کے موجود ہونے پر، جو احادیث صحیحہ میں امام مہدی کے متعلق مذکور ہیں اور چونکہ علامات شیخ موصوف کے حق میں مفقود تھیں اس واسطے یہ مہدی نہیں ہیں اور دعویٰ ان کا باطل ہے (ہدیہ مہدویہ ص ۱۶)

(۲) ان کا عقیدہ ہے کہ تصدیق مہدویت سید محمد جونپوری کی فرض ہے اور انکار ان کی مہدویت کا کفر ہے اور سن نو سو پانچ سے اس طرف (یعنی ۹۰۵ھ کے بعد) جس قدر اہل اسلام مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک گذرے ہیں اور گذریں گے سب بہ سبب اس انکار کے کافر مطلق ہیں، مسلمان فقط مہدوی ہیں......اور اہل سنت کا اعتقاد یہ ہے کہ چونکہ شیخ موصوف علامات مہدویت سے عاری (خالی) ہیں ان کی مہدویت کی تصدیق حقیقی مہدی کی تکذیب کو مستلزم ہے جو حرام ہے اور انکار ان کی مہدویت کا واجب اور موجب نجات و ثواب ہے، اور اہل اسلام کو کافر کہنا کفر ہے کہ ان لوگوں کی شامت اعمال نے ان کو اس میں مبتلا کیا ہے۔ (ہدیہ مہدویہ ص ۱۷)

(۳) ان کا عقیدہ ہے کہ شیخ موصوف اگر چہ امت محمدی میں داخل ہیں لیکن افضل ہیں امرائے مؤمنین ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اور عثمان ذی النورین اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے......اور اعتقاد تمام اہل سنت بلکہ امت محمد ﷺ کا یہ ہے کہ انبیاء مرسلین کے بعد نہ کوئی امت محمدیہ میں ان حضرات سے افضل ہے اور نہ امم انبیاء سابقین میں (ہدیہ مہدویہ ص ۱۷)

(۴) ان کا عقیدہ ہے کہ سید محمد جونپوری محمد ﷺ کے سوا ابراہیمؑ، موسیٰ و عیسیٰ و نوحؑ و آدم علیہم الصلوٰۃ والسلام اور تمام انبیاء مرسلین سے افضل ہیں......اور اہل سنت کا اعتقاد یہ ہے کہ کوئی اگر چہ غوث و اقطاب و ابدال و اوتار و ائمہ اہل بیت و صحابہ و تابعین و مجتہد و مہدی ہو کسی پیغمبر کے درجہ کو نہیں پہنچتا ہے انبیاء و مرسلین تمام خلائق سے افضل ہیں (ہدیہ مہدویہ ص ۱۷)

(۵) ان کا عقیدہ ہے کہ سید محمد جون پوری اگر چہ تابع تام ہیں محمد ﷺ کے لیکن رتبے میں آنحضرت ﷺ خاتم المرسلین کے برابر ہیں کہ دونوں میں ایک سرمو (بال برابر) کی و بیشی نہیں ہے......اور اعتقاد اہل سنت کا یہ ہے کہ کوئی امتی کیا بلکہ کوئی پیغمبر مرسل یا فرشتہ مقرب رتبہ حضرت سید الاولین و الآخرین خاتم الانبیاء والمرسلین کو نہیں پہنچتا ہے، اور عالم وجود میں کوئی موجود حضرت کا ہم رتبہ موجود نہیں ہے اور بعد خداوند عالم کے جو مقام و منزلت کہ حضرت کے واسطے ہے کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہے کہ۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(ہدیہ مہدویہ ص ۱۷)

(۶) ان کا عقیدہ ہے کہ جو احادیث رسول خدا کی اور تفاسیر قرآن اگر چہ کیسی ہی روایت صحیحہ سے مروی ہوں لیکن شیخ جونپور کے احوال و

بیان سے مقابل کر کے دیکھنا اگر مطابق ان کے احوال کے ہووے تو صحیح جاننا ورنہ غلط جاننا...... اور اہل سنت کے اعتقاد اس کے برعکس ہے یعنی مسلمان کو چاہئے کہ اپنے احوال کو احادیث وتفاسیر کے خلاف پاوے اس سے توبہ کر کے ترک کر دے (چھوڑ دے) اور وہ احوال پیدا کرے کہ مطابق سنت ہیں اللہ (ﷺ) اور مشرب جماعت صحابہ اور اہل بیت کے ہوویں، اس سبب سے ان کو اہل سنت والجماعت بولتے ہیں (ہدیہ مہدویہ ص ۱۷۔۱۸)

(۷) ان کا عقیدہ ہے کہ سید محمد جونپوری اور محمد ﷺ پورے مسلمان ہیں اور سوائے ان کے حضرت ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ ونوح آدم اور تمام انبیاء ومرسلین ناقص الاسلام ہیں کہ کوئی پیغمبر نیم مسلم ہے اور کوئی پاؤ مسلمان اور کوئی اس سے بھی کم چنانچہ پنج فضائل (یہ ان کی ایک کتاب کا نام ہے) میں ہے کہ شاہ دلاور نے اپنے مہدی سے روایت کی کہ آدم علیہ السلام ناک کے نیچے سے بالائے سرتک مسلمان تھے اور نوح زیر حلق سے بالائے سرتک مسلمان تھے اور ابراہیم وموسیٰ زیر سینہ سے سرتک مسلمان تھے، اور عیسیٰ زیر ناف سے بالائے سرتک مسلمان تھے دوسری بار جب آویں گے تب پورے مسلمان ہو جاویں اب آدھے مسلمان ہیں، انتہی۔

اور اہل سنت کا اعتقاد یہ ہے کہ درجہ اسلام، درجہ نبوت ورسالت سے کمتر ہے انبیاء ومرسلین ہو کر اسلام میں ناقص رہنا کیا معنی؟ بلکہ تمام حضرات انبیاء پورے مسلمان کامل الاسلام والایمان ہیں الخ (ہدیہ مہدویہ ص ۱۹)

اپنے معتقدین اور خلفاء کے متعلق سید محمد جونپوری کا نظریہ

''شواہد الولایت'' (یہ بھی اس فرقہ کی ایک کتاب ہے) کے دسویں باب میں لکھا ہے کہ ان کے مہدی کے پاس امیر المؤمنین ابوبکر صدیقؓ کی صفات کا تذکرہ آیا کہ چھ اوپر تین سو صفتیں ان میں تھیں ان کے خلیفہ نظام نے پوچھا کہ اس میں سے ہم میں بھی کوئی صفت ہے کہا بلکہ وہ سب تم میں موجود ہیں۔انتہی (ہدیہ مہدویہ ص ۲۳۱)

پنج فضائل میں ہے کہ سید محمد جونپوری نے کہا کہ میاں نعمت (یہ اس کے ایک خلیفہ ہیں) ہماری ولایت کے عمر ہیں اور یہ بھی کہا کہ حیا، میں ثانی عثمان ہیں (بحوالہ ہدیہ مہدویہ ص ۲۳۲)

مطلع الولایت (یہ بھی اس فرقہ کی ایک کتاب ہے) میں لکھا ہے کہ میران نے کہا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میں کسی پیغمبر کو نہ بھیجتا اور کوئی کتاب بھی نہ اوتارتا تب بھی سید محمود (یہ سید محمد جونپوری کے بڑے لڑکے کا نام ہے) اور خوندمیر (یہ ان کے داماد کا نام ہے) کو یہی مقام اور قرب حاصل ہوتا اور ہم نے ان کے مرتبے کا کوئی آدمی کسی نبی اور مرسل کے پاس پیدا نہ کیا یہ فقط تم ہی پر احسان کیا گیا۔ (بحوالہ ہدیہ مہدویہ ص ۲۳۲)

پنج فضائل میں ہے کہ ان کے مہدی جونپور نے کہا کہ میاں سید خوندمیر ولایت کے اسد اللہ الغالب ہیں (بحوالہ ہدیہ مہدویہ ص ۲۳۲)

نیز پنج فضائل میں لکھا ہے کہ مہدی کے خلیفہ دلاور کو مراقبے میں معلوم ہوا کہ جیسا جناب رسالت مآب کے چار یار ہیں مہدی کے بھی ہیں پھر جب کہ مہدی سے اس کی تصدیق کے طالب ہوئے انہوں نے سر مراقبے میں جھکا کر پھر اٹھا کر کہا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میران سید محمود ہیں، پھر جھکا کر اور اٹھا کر بولے میاں سید خوندمیر ہیں پھر جھکا کر اور اٹھا کر بولے کہ میاں نعمت ہیں، پھر جھکا کر اور اٹھا کر بولے کہ میاں نظام ہیں، پھر جھکا کر اور اٹھا کر بولے کہ

سائل ہیں (یعنی ان کے خلیفہ ولاور) لو یہاں پانچ ہو گئے اور اس کی وجہ یہ بولے کہ زمانہ رسول میں نبوت تھی وہاں چار اصحاب ہوئے اور بندے پر ولایت ہے بحکم اس حدیث کے کہ الولایت افضل من النبوۃ یہاں پانچ ہیں (بحوالہ ہدیہ مہدویہ ص۲۳۲،ص۲۳۳)

نیز رسالہ بشارت نامے میں رسالہ سید و میاں سے نقل کیا ہے کہ جیسا حضرت رسالت مآب کے اصحاب میں عشرہ مبشرہ تھے مہدی کے اصحاب میں بارہ شخص ہیں، انتہی اور تذکرۃ الصالحین وغیرہ میں ان کی تفصیل بھی دیکھنے میں آئی کہ پانچ یہی ہیں جو کہ اوپر مذکورہ ہوئے اور سات یہ ہیں ۔(۱)امین محمد (۲)ملک معروف (۳)عبدالمجید (۴)ملک الوحی (۵)یوسف (۶)ملک گوہر (۷)ملک برہان الدین (بحوالہ ہدیہ مہدویہ ص۲۳۳)

نوٹ:

ہدیہ مہدویہ کی اردو بہت قدیم ہے، مفہوم کو علی حالہ قائم رکھتے ہوئے کہیں کہیں الفاظ میں معمولی تغیر کیا گیا ہے

ملاعلی قاری رحمہ اللہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔ وقد ظهر فی البلاد الهندیة جماعة تسمی المهدویة (الیٰ قوله) انهم یعتقدون ان لمهدی الموعود هو شیخهم الذی ظهر و مات و دفن فی بعض بلاد خراسان ولیس یظهر غیره مهدی فی الوجود و من ضلالتهم انهم یعتقدون ان من لم یکن علی هذه العقیده فهو کافر و قد جمع شیخنا العارف بالله الولی الشیخ علی المتقی رحمه الله رسالت جامعة فی علامات المهدی منتخبة من رسائل السیوطی رحمه الله و استفتی من علماء عصره الموجودین فی مکة من المذاهب الاربعة وقد افتوا بوجوب قتلهم علی من یقدر من ولاة الامر

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۱۷۹ ج ۱۰ مطبوعه ملتان باب اشراط الساعة)

یعنی ہندوستان میں ایک جماعت پیدا ہوئی جس کا نام مہدویہ ہے عقیدہ رکھتے ہیں کہ ”مہدی موعود“ ان کے شیخ ہیں جو ظاہر ہو چکے ہیں اور مر گئے ہیں اور خراسان کے کسی شہر میں مدفون ہیں اب ان کے علاوہ اس دنیا میں کوئی مہدی نہیں آئے گا اور اس فرقہ کی گمراہی میں سے ایک یہ ہے کہ جو یہ عقیدہ نہ رکھے (یعنی ان کو مہدی موعود نہ مانے) وہ کافر ہے، ہمارے شیخ عارف باللہ شیخ علی متقی رحمہ اللہ نے علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی رسائل میں سے انتخاب کر کے ایک رسالہ امام مہدی کی علامات میں تحریر کیا ہے اور انہوں نے اپنے زمانہ کے مکہ مکرمہ کے چاروں مذہب کے علماء سے اس فرقہ کے متعلق استفتاء فرمایا ان تمام نے بالاتفاق اس کے قتل کا فتویٰ دیا اور حکام پر جن کو اس پر قدرت حاصل ہو اس کے قتل کو لازم قرار دیا۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۱۷۱ ج۱۰)

مظاہر حق میں ہے:۔ اور ایک جماعت پیدا ہوئی ہند میں مشہور ساتھ مہدویہ کے کہ نہایت جاہل تھے اعتقاد ان کا یہ تھا کہ مہدی موعود ہمارا شیخ تھا کہ جو ظاہر ہوا اور مر گیا اور دفن کیا گیا بعضے شہروں خراسان میں اور ان کی گمراہیوں میں سے یہ بھی تھا کہ اعتقاد کرتے تھے کہ جو اس عقیدہ پر نہ ہو وہ کافر ہے چنانچہ مکہ کی چاروں مذاہب کے علماء

نے فتویٰ دیا کہ واجب ہے قتل ان کا ان امراء پر کہ قادر ہوں ان کے قتل پر (مظاہر حق ص ۲۹۹ ج ۴ کتاب الفتن باب اشراط الساعۃ)

یہ ہے ان کے عقائد باطلہ کی ایک جھلک۔ اب آپ کے بقیہ سوالات کے جوابات ملاحظہ ہوں۔

جواب نمبر۲:۔ نماز کے بعد اور دیگر مواقع میں بھی دعاء میں ہاتھ اٹھانا احادیث سے ثابت ہے ایک حدیث میں ہے۔ عن عمر رضی الله عنه قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا رفع یدیه فی الدعاء لم یحطهما حتیٰ یمسح بهما وجهه رواه الترمذی، حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب دعاء میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تو جب تک دونوں ہاتھ اپنے چہرۂ انور پر نہ پھیر لیتے نیچے نہ کرتے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۵ کتاب الدعوات)

نیز حدیث میں ہے:۔ عن سلمان رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان ربکم حی کریم یستحیی من عبده اذا رفع یدیه الیه ان یردهما صفراً رواه الترمذی.

یعنی حضرت سلیمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہارا رب شرم والا ہے کریم ہے اپنے بندہ سے شرم کرتا ہے جب وہ اپنے ہاتھوں کو اس کے سامنے اٹھاتا ہے کہ ان کو خالی واپس لوٹانے۔
(مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۵)

نیز حدیث میں ہے عن مالک بن یسار قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا سألتم الله فاسئلوه ببطون اکفکم ولا تسئلوه بظهورها وفی روایة ابن عباس قال سئلوا الله ببطون اکفکم ولا تسئلوه بظهورها فاذا فرغتم فامسحو بها وجوهکم، رواه ابو داود.

یعنی حضرت مالک ابن یسارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم اللہ سے دعا کرو تو ہتھیلیوں سے کرو ہاتھوں کی پشت سے نہ کرو، حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیو سے سوال کیا کرو ہاتھوں کی پشت سے نہ کرو، پس جب دعا سے فارغ ہو جاؤ تو ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیر لو۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۵)

نیز حدیث میں ہے عن انس رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال ما من عبد بسط کفیه فی دبر کل صلوٰة ثم یقول اللهم الٰهی واله ابراهیم واسحاق ویعقوب واله جبریل ومیکائیل واسرافیل اسئلک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنیؑ فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتک فانی مذنب وتنفی عنی الفقر فانی متمسکن الا کان حقا علی الله عزوجل ان لا یرد یدیه خائبین.

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو بندہ نماز کے بعد اپنے ہاتھوں کو پھیلاتا ہے پھر یوں دعاء کرتا ہے اللهم الٰهی واله ابراهم ...... الخ تو اللہ پر حق ہے کہ اس کے دونوں ہاتھوں کو ناکام اور خالی واپس نہ کرے (عمل الیوم واللیلۃ ص ۳۰۔۲۹)

نیز حدیث میں ہے:۔ حتی جاء البقیع فاطال القیام ثم رفع یدیه ثلث مرات وفی النووی

(قولها حتیٰ جاء البقيع فاطال القيام ثم رفع يديه ثلث مرات) فيه استحباب اطالة الدعاء وتكريره ورفع اليدين الخ (مسلم كتاب الجنائز مسلم شريف مع شرحه للنووی ص ۳۱۳ ج ۱)

اس حدیث میں تصریح ہے کہ جنت البقیع میں آنحضرت ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے، نیز ابو عوانہ کی حدیث جس کی تخریج حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرمائی ہے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ تدفین کے بعد حضور اکرم ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی ہے وفي حديث ابن مسعود رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في قبر عبد الله ذی البجادين وفيه فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعا يديه، اخرجه ابو عوانة في صحيحه. (فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱۱ ص ۱۲۲)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ کو عبداللہ ذی البجادین کی قبر پر دیکھا جب ان کے دفن سے فارغ ہو گئے تو آنحضرت ﷺ قبلہ رو ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے میں مشغول ہو گئے۔

(از فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۴۷ ص ۲۴۸ ج ۲)

احادیث کے پیش نظر علماء محققین نے تحریر فرمایا ہے کہ دعاء میں ہاتھ اٹھانا آداب دعاء میں سے ہے مشہور کتاب حصن حصین میں ہے وبسط اليدين ورفعهما وان يكون رفعهما حذو المنكبين وكشفهما. یعنی دونوں ہاتھ کو مونڈھوں تک اٹھانا دونوں ہاتھوں کو کھلا رکھنا (حصن حصین مترجم ص ۱۲۸ از حضرت مولانا ادریس صاحب)

(حصن حصین عربی ص ۲۲ ص ۲۳ آداب الدعاء)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

ادب (۱۰) دعاء کے لئے دونوں ہاتھ پھیلانا (ترمذی، مستدرک، حاکم)

ادب (۱۱) دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں کے برابر اٹھانا (ابوداؤد، مسند احمد حاکم)

(جواہر الفقہ ص ۳۷۲ ج ۱ فضائل و آداب دعاء) فقط۔

(جواب ۳۔۴) صبح کی نماز اور ہر نماز سے پہلے دوگانہ کس نیت سے اور کیا سمجھ کر پڑھتے ہیں؟ اگر فرض سمجھ کر پڑھتے ہیں تو یہ اپنی طرف سے دین میں زیادتی ہے جو قطعاً حرام ہے، فقط۔

(جواب نمبر ۵) رمضان المبارک کی چھبیسویں رات وعشاء کی نماز نہیں پڑھتے یہ عمل قطعاً ناجائز ہے فرض نماز جان بوجھ کر نہ پڑھنا موجب فسق ہے اگر اس رات عشاء کی فرضیت کا انکار کرتے ہوں تو یہ عقیدہ موجب کفر ہے، درمختار میں ہے ھی (الصلوٰۃ) فرض عین علی کل مکلف بالاجماع (ويكفر جاحدها لثبوتها بدليل قطعي تاركها عمداً) (مجانةً) ای تکاسلا (فاسق) الخ یعنی جمہور علماء امت کے نزدیک نماز ہر مکلف پر فرض عین ہے اس کا انکار کرنے والا کافر ہے دلیل قطعی سے ثابت ہونے کی وجہ سے، اور جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا فاسق ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار ص ۳۲۵ و ص ۳۲۶ ج ۱، کتاب الصلوٰۃ) فقط۔

جواب نمبر ۶۔ جمعہ کا خطبہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے، حضور اقدس ﷺ خلفاء راشدین، ائمہ مجتہدین سے ثابت ہے اور خیر القرون سے لے کر آج تک اہل سنت والجماعت کا اسی پر عمل ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے: عن كعب بن عجرة رضی الله عنه انه دخل المسجد وعبدالرحمن

بن ام الحکم یخطب قاعدا فقال انظر والیٰ ھذا الخبیث یخطب قاعد او قد قال اللہ تعالیٰ واذا راٰو اتجارۃ او لھوا ن انفضوا الیھا و ترکوک قائما (رواہ مسلم)

یعنی:۔ حضرت کعب بن عجرہؓ مسجد میں داخل ہوئے اور عبدالرحمٰن ابن ام الحکم بیٹھ کر خطبہ دے رہا تھا تو آپ نے فرمایا اس خبیث کو دیکھو بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے واذا راٰوتجارۃ..... وہ لوگ جب تجارت یا مشغولی کی چیز دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑنے کے لئے بکھر جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ص۱۲۴ باب الخطبہ والصلوٰۃ)

حضرت کعب ابن عجرہؓ نے آیت سے استدلال فرمایا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وترکوک قائما کی مراد یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ جمعہ کا خطبہ کھڑے ہو کر دیتے تھے، روح المعانی میں ہے (واذا را وا تجار ۃ اولھوا ن انفضوا الیھا) اخرج الامام احمد والبخاری و مسلم والترمذی و جمعت عن جابر بن عبداللہ قال بینما النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب یوم الجمعۃ قائماً اذ قدمت عیر المدینۃ فابتدرھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ لم یبق منھم الا اثنا عشر رجلا انا فیھم وابو بکر وعمر فانزل اللہ تعالیٰ (واذا راٰو تجارۃ) الیٰ اخر السورۃ)

یعنی:۔ امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی اور محدثین کی ایک جماعت نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک مدینہ منورہ کا تجارتی قافلہ آیا، پس رسول اللہ ﷺ کے اصحاب چلے گئے اور صرف بارہ حضرات باقی رہ گئے، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں باقی رہنے والوں میں سے ایک میں تھا اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر وغیرہ تھے پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی واذا رأواتجار ۃ اولھو ان انفضوا لیھا وترکوک قائما قل ما عند اللہ خیر من اللھو و من التجارۃ واللہ خیر الرازقین. یعنی (بعضے لوگوں کا حال یہ ہے کہ) وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑنے کے لئے بکھر جاتے ہیں اور آپ کو (خطبہ میں) کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ جو چیز (از قسم ثواب و قرب خدا کے پاس ہے وہ ایسے مشغلہ اور تجارت سے بدرجہا بہتر ہے (اور اگر اس سے افزونی رزق کی طمع ہو تو سمجھ لو کہ) اللہ سب سے اچھا روزی پہنچانے والا ہے۔ (روح المعانی ص۱۰۴ جز ۲۸ سورۂ جمعہ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین خطبہ کی حالت میں بازار چلے گئے، یہ بات کچھ عجیب معلوم ہوتی ہے تو اس کے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

اور حسن بصریؒ اور ابو مالکؒ نے فرمایا کہ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مدینہ میں اشیاء ضرورت کی کمی اور سخت گرانی تھی (تفسیر مظہری) یہ اسباب تھے کہ حضرت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بڑی جماعت تجارتی قافلہ کی آواز پر مسجد سے نکل گئی، اول تو نماز فرض ادا ہو چکی تھی، خطبہ کے متعلق یہ معلوم نہ تھا کہ جمعہ میں وہ بھی فرض کا جز ہے، دوسرے اشیاء کی گرانی، تیسرے تجارتی قافلہ پر لوگوں کا ٹوٹ پڑنا جس سے ہر ایک کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ دیر کروں گا تو اپنی ضروریات نہ پا سکوں گا، بہر حال ان اسباب کے تحت صحابہ کرام سے یہ لغزش ہوئی جس پر حدیث مذکور میں وعید کے الفاظ آئے کہ سب کے سب چلے جاتے تو اللہ کا عذاب آ جاتا اسی پر عار دلانے اور تنبیہ کرنے کے لئے آیت مذکورہ

نازل ہوئی، اذا رأوتجارۃ اور اسی کے سبب رسول اللہ ﷺ نے خطبہ کے معاملے میں اپنا طرز بدل دیا کہ نماز جمعہ سے پہلے خطبہ دینے کا معمول بنالیا، اور یہی اب سنت ہے۔ (ابن کثیر)

(معارف القرآن ج ۸ ص ۴۴۴ مطبوعہ مکتبہ مصطفائی دیوبند)

الغرض مذکورہ بیان سے ثابت ہوا کہ وترکوک قائماً کی مراد جمعہ کے دن کا خطبہ ہے اب چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

(۱) عن جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ قال کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبتان یجلس بینھما یقرأ القرآن ویذکر الناس فکانت صلوتہ قصداً و خطبتہ قصداً. حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ دو خطبے دیتے تھے اور ان دونوں کے درمیان بیٹھتے تھے، خطبوں میں قرآن مجید کی تلاوت اور لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے، آپ کی (جمعہ کی) نماز اور خطبہ متوسط ہوتا تھا (نہ بہت طویل نہ بہت مختصر رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۳ باب الخطبہ والصلوٰۃ)

(۲) عن عمار رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان طول صلوٰۃ الرجل وقصر خطبتہ مئنۃ من فقھہ فاطیلوا الصلوٰۃ واقصروا الخطبۃ.... (رواہ مسلم) یعنی: حضرت عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ خطیب کی نماز کا طویل ہونا اور اس کے خطبے کا مختصر ہونا اس کے فقیہ ہونے کی علامت ہے، لہٰذا نماز لمبی کرو اور خطبہ مختصر کرو.....رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۳)

(۳) عن عمرو بن حریث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب وعلیہ عمامۃ سوداء قدارخی طرفیھا بن کتفیہ یوم الجمعۃ. رواہ مسلم، یعنی: حضرت عمرو ابن حریثؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے جمعہ کے دن خطبہ دیا اور آپ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے، اور آپ نے اس کے دونوں کناروں کو اپنے دونوں شانوں کے درمیان لٹکا رکھا تھا (رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۳)

(۴) عن ابن عمر قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب خطبتین کان یجلس اذا صعد المنبر حتیٰ یفرغ اراہ المؤذن ثم یقوم فیخطب ثم یجلس ولا یتکلم ثم یقوم فیخطب، رواہ ابو داؤد.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ دو خطبے دیتے تھے آپ منبر پر تشریف لے جاتے اور بیٹھ جاتے، جب مؤذن اذان پوری کر لیتا تو آپ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے پھر بیٹھ جاتے اور اس وقت گفتگو نہ فرماتے پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے۔ رواہ ابوداؤد۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۴)

(۵) عن جابر بن سمرۃ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب قائما ثم یجلس ثم یقوم فیخطب قائما فمن نبأک انہ کان یخطب جالسا فقدکذب واللہ صلیت معہ اکثر من الفی صلوٰۃ. رواہ مسلم: یعنی حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہو کر (دوسرا) خطبہ دیتے جو تم کو یہ خبر دے کہ حضور ﷺ بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے تو اس نے جھوٹ بولا، واللہ

میں نے آپ ﷺ کے ساتھ دو ہزار سے زائد نمازیں پڑھی ہیں (آپ ﷺ کا معمول وہی تھا جو میں نے بیان کیا) رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۴)

مذکورہ احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دیتے تھے، اسی بنیاد پر فقہاء رحمہم اللہ نے جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لئے خطبہ کو شرط لکھا ہے، اگر خطبہ کے بغیر نماز پڑھی جائے گی تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ مراقی الفلاح میں ہے والرابع الخطبة قبلها كما فعله النبى صلى الله عليه وسلم بقصدها فى وقتها (مراقى الفلاح) یعنی جمعہ کی نماز صحیح ہونے کی چوتھی شرط نماز سے پہلے خطبہ پڑھنا ہے جس طرح کہ نبی کریم ﷺ نے خطبہ پڑھا ہے اور خطبہ، خطبہ کی نیت سے پڑھا ہے اور خطبہ بھی جمعہ کی نماز کے وقت میں ہو۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔وهى (اى الخطبة) شرط بالاجماع خلاف للامامية وقد شذوا .خطبہ جمہور علماء امت کے نزدیک شرط ہے صرف شیعہ امامیہ اس کا خلاف کرتے ہیں اور وہ اس میں منفرد ہیں (طحطاوی ص ۲۷۷ باب الجمعہ) لہذا خطبہ نہ پڑھنا بھی قرآن حدیث اور جمہور اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے۔ فقط۔

(۷) عید کی نماز احادیث صحیحہ سے ثابت ہے حضور اکرم ﷺ نے ہمیشہ پابندی سے عید کی نماز ادا فرمائی ہے، اور آج تک جمہور اہل سنت والجماعت کا اس پر عمل ہے۔

حدیث میں ہے: عن ابى سعيد الخدرى رضى الله عنه قال كان النبى صلى الله عليه وسلم يخرج يوم الفطر والاضحىٰ الى المصلى فاول شئى يبدأ به الصلوٰة ثم ينصرف فيقوم مقابل الناس والناس جلوس على صفوفهم فيعظهم ويوصيهم ويأمرهم وان كان يريد ان يقطع بعثا قطعه او يامر بشئى امر به ثم ينصرف ، متفق عليه

یعنی حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ تشریف لے جاتے، سب سے پہلے عید کی نماز ادا فرماتے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور صحابہ اپنی اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے تھے آپ انہیں نصیحت فرماتے (یعنی خطبہ دیتے) اور اگر کسی جگہ لشکر بھیجنے کا ارادہ ہوتا تو لشکر روانہ فرماتے یا کوئی خاص امر ہوتا تو اس کا حکم فرماتے پھر اپنے گھر تشریف لے جاتے۔ بخاری ومسلم۔

(بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۵ باب صلوٰۃ العیدین)

(۲) عن جابر بن سمرة قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم العيدين غير مرة ولا مرتين بغير اذان ولا اقامة . رواه مسلم .

یعنی: حضرت جابر بن سمرةؓ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دونوں عیدوں (یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ) کی نماز کئی بار بغیر اذان اور بغیر اقامت کے پڑھی ہے، رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۵)

(۳) عن ابن عمر قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم و ابو بكر و عمر يصلون العيدين قبل الخطبة (متفق عليه)

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت

مرؑ دونوں عیدوں کی نماز خطبہ سے قبل پڑھتے تھے۔ (بخاری ومسلم) (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۵)

(۴) عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی یوم الفطر رکعتین لم یصل قبلھما متفق علیہ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عید الفطر کے دن دو رکعتیں پڑھیں اور ان سے قبل کوئی نماز نہیں پڑھی۔ (بخاری ومسلم) مشکوٰۃ ص ۱۲۵۔

اور بھی احادیث ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے پابندی سے عیدین کی نماز ادا فرمائی ہے، اسی وجہ سے احناف کے نزدیک عیدین کی نماز واجب ہے درمختار میں ہے (تجب صلوتھما) فی الاصح اصح قول کے مطابق دونوں عیدوں کی نماز واجب ہے، شامی میں ہے لانہ صلی اللہ علیہ وسلم واظب علیھما اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے مواظبت کے ساتھ عیدین کی نماز ادا فرمائی ہے۔ (درمختار وشامی ج ۱ ص ۷۷۳ باب العیدین) لہذا عیدین کی نماز نہ پڑھنا بھی احادیث صحیحہ اور سنت متوارثہ کے خلاف ہے۔

مندرجہ بالا گذارشات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس فرقہ مہدویہ کے عقائد قرآن، احادیث اور جمہور علماء اہل سنت والجماعت کے خلاف ہیں اس لئے یہ فرقہ قطعاً گمراہ اور زندیق ہے اہل سنت والجماعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

آخر میں مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

(سوال) فرقہ مہدویہ جو یہ کہتے ہیں کہ توبہ کا دروازہ بند ہوگیا، ان کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) فرقہ مہدویہ جو اطراف دکن میں پایا جاتا ہے کافر ہے، اس کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز نہیں

(کفایت المفتی ج ۱ ص ۲۲۱ کتاب العقائد)

نوٹ:

احباب سے معلوم ہوا کہ رفتہ رفتہ اس فرقہ کے بیشتر افراد کی اصلاح ہو چکی ہے، اور نئی نسل تو اپنے عقائد سے بالکل ناواقف ہے اور صحیح العقائد حضرات کی صحبت کی وجہ سے وہ بھی صحیح العقیدہ ہو گئے ہیں، صرف برائے نام مہدوی ہیں، البتہ کچھ افراد اپنے عقائد پر قائم ہیں، لہذا جو لوگ صحیح العقیدہ ہو گئے ہیں وہ مذکورہ حکم کے مصداق نہ ہوں گے اللہ تعالیٰ مجھ کو اور تمام لوگوں کی صراط مستقیم پر قائم و دائم رکھیں اور حسن خاتمہ نصیب فرمائیں۔

امام مہدی کے حالات

علامہ ابو محمد عبدالحق حقانی '' عقائد اسلام '' میں تحریر فرماتے ہیں واضح ہو کہ مہدی لغت میں ہدایت یافتہ کو کہتے ہیں اس معنی سے بہت سے مہدی ہو چکے ہیں اور بہت سے تا زمانہ مہدی موعود ہوں گے، لیکن وہ مہدی کہ جن کا ذکر احادیث میں بکثرت ہے وہ ایک شخص خاص ہیں جو دجال موعود کے وقت میں ظاہر ہوں گے اور اس سے پہلے نصاریٰ سے جنگ کر کے فتح یاب ہوں گے، حلیہ مبارک ان کا یہ ہے قد مائل بہ درازی قوی الجثہ رنگ سفید سرخی مائل چہرہ کشادہ ناک باریک و بلند زبان میں قدرے لکنت کہ جب کلام کرنے میں تنگ ہوں گے تو زانو پر ہاتھ ماریں گے اور علم آپ کا لدنی ہوگا۔ چالیس برس کی عمر میں ظاہر ہوں گے بعد اس کے سات یا آٹھ برس تک علی اختلاف الروایات زندہ رہیں گے، نام آپ کا محمد والد کا نام عبداللہ ماں کا نام آمنہ ہوگا، جناب امام حسنؓ کی اولاد میں سے ہوں گے، مدینے کے رہنے والے ہوں گے، یہ علامت اکثر احادیث میں مذکور ہے چنانچہ بعض کا ذکر کرتا ہوں۔

ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ دنیا تمام نہ ہوگی جب تک کہ میری اہل بیت میں سے ایک شخص عرب کا مالک نہ ہوگا اور اس کا نام میرا نام اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کا نام ہوگا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۷۰ باب اشراط الساعۃ)

فائدہ:

حدیث میں حضرت ﷺ نے یوں فرمایا کہ عرب کا مالک ہوگا، حالانکہ امام مہدی تمام زمین کے مالک ہوں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب اسلام کا مرکز اور پایہ تخت ہے اس لئے اس کا ذکر کافی ہوا ابوداؤد نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے المهدی منی اجلی الجبهة اقنی الانف يملأ الارض قسطا وعدلا كما ملئت ظلما وجورا يملك سبع سنين (یہ روایت مشکوٰۃ شریف میں ص ۴۷۰ پر ہے)

ترجمہ:

مہدی میری اولاد میں سے ہے کشادہ پیشانی، بلند بینی بھر دے گا زمین کو عدل وانصاف سے جیسے کہ بھر گئی تھی جور وظلم سے۔ الغرض امام مہدی مدینہ سے مکہ آئیں گے، لوگ ان کو پہچان کر ان سے بیعت کریں گے اور اپنا بادشاہ بنائیں گے اور اس وقت غیب سے یہ آواز آوے گی هذا خليفة الله المهدى فاستمعوا واطيعوا کہ خدا کا خلیفہ مہدی یہ ہے اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔

اور دوسری علامت یہ ہوگی کہ اس سال جو رمضان ہوگا اس میں چاند اور سورج کا گہن ہوگا، کذا ذکرہ مولانا رفیع الدین رحمہ اللہ تعالیٰ، ابدال وعصائب اکثر ان سے بیعت کریں گے، اور عرب کی فوج ان کی مدد کو جمع ہوگی، اور کعبہ کے دروازے کے آگے جو خزانہ مدفون ہے کہ جس کو تاج الکعبہ کہتے ہیں نکالیں گے اور مسلمانوں کو تقسیم فرمادیں گے، جب یہ خبر مسلمانوں میں منتشر ہوں گی تو ایک امیر خراسانی کہ جس کی فوج کا سپہ سالار ایک شخص منصور نامی ہے، امام مہدی کی مدد کو آوے گا، چنانچہ ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ماورا النہر

یعنی ملک خراسان سے ایک شخص حارث حراث کہ جس کی فوج کے آگے ایک شخص منصور ہوگا محمد کی اہل بیت یعنی امام مہدی کی مدد کو آوے گا جیسا کہ قریش نے نبی ﷺ کی مدد کی ہی وہ کرے گا، ہر مسلمان پر اس کی مدد واجب ہے۔

ابوداؤد نے ام سلمہ سے روایت کیا ہے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک بادشاہ کے مرنے سے اختلاف پڑ جائے گا تو ایک شخص مدینہ کا رہنے والا بھاگ کر مکہ میں آوے گا اہل مکہ اس کو گھر سے بلا کر حالانکہ وہ انکار کرتے ہوں رکن اور مقام کے درمیان بیعت کریں گے اور شام کی فوج اس پر چڑھائی کرے گی، مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام بیداء میں زمین میں دھنس جاوے گی۔ جب لوگ حال دیکھیں گے تو ابدال شام سے اور عصائب عراق سے آکر ان سے بیعت کریں گے پھر ایک قوم قریش کا کہ جس کی ننہیال قبیلہ کلب ہوگا امام مہدی پر فوج بھیجے گا، وہ سب مغلوب ہو جاویں گے اور امام مہدی اور ان کے اتباع غالب آویں گے اور یہ غنیمت کلب کہلاوے گی، امام مہدی سنت نبوی پر عمل کریں گے اور زمین پر خوب اسلام پھیلے گا اور سات برس امام مہدی زندہ رہیں گے پھر انتقال کریں گے اور مسلمان ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے۔ ان تمام احادیث کی تفصیل مظاہر حق المصابیح باب اشراط الساعۃ ج ۴ ص ۳۵۱ پر دیکھئے۔

الغرض امام مہدی مع لشکر اسلام مدینہ سے مدینہ میں نبی ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کو آویں گے، پھر وہاں سے ملک شام میں دمشق تک پہنچیں گے اور نصاریٰ کی ۸۰ نشان کہ ہر نشان کے نیچے بارہ ہزار فوج ہوگی سے کر مقابلہ کو آویں گے جیسا کہ روایت کیا اس کو امام بخاری نے اور دمشق کے قریب دابق یا اعماق میں آٹھہریں گے اور ان کے مقابلہ کو امام مہدی دمشق سے فوج لے کر باہر نکلیں گے وہ کہیں گے کہ جن مسلمانوں نے ہمارے لوگ پکڑے ہیں ان کو ہمارے حوالے کر دو ہم انہیں کو قتل کریں گے، امام مہدی فرماویں گے واللہ ہم اپنے بھائیوں کو نہ دیں گے پس مسلمانوں کے تین فریق ہوں گے، ایک نصاریٰ کے خوف سے بھاگ جاویں گے ان کی توبہ خدا کبھی قبول نہ فرمائے گا یعنی حالت کفر میں مر جاویں گے اسلام نصیب نہ ہوگا، اور ایک فریق شہید ہو جاوے گا اور عنداللہ افضل شہداء کا مرتبہ پاوے گا، اور تیسرا فریق فتح پاوے گا اور ہمیشہ فتنہ سے امن میں رہے گا روایت کیا ہے اس کو امام مسلم نے مگر صحیح مسلم میں بجائے شہر دمشق لفظ مدینہ بمعنی شہر آیا ہے لیکن علماء نے اس کو دمشق ہی کہا ہے لہذا اس کو لکھ دیا۔

اور تفصیل اس فریق کے فتح یاب ہونے کی نصاریٰ پر جیسا کہ امام مسلم نے بروایت عبداللہ ابن مسعودؓ نبی ﷺ سے تو روایت کیا ہے کہ یوں ہے کہ امام مہدی جب اس جماعت سے مقابل ہوں گے تو مسلمان یہ قسم کھائیں گے کہ ماریں گے یا مر جائیں گے شام تک جنگ رہے گی آخر دونوں اپنے اپنے فرودگاہوں پر لوٹ جائیں گے، دوسرے روز پھر بہت سے لوگ قسم کھا کر امام مہدی کے ہمراہ میدان جنگ میں آئیں گے دن بھر لڑتے رہیں گے بہت سے جوانمردی کی داد دے کر شہادت کا پیالہ پئیں گے آخر دونوں فریق لوٹ جاویں گے، تیسرے روز پھر جماعت کثیر اسی طرح قسم کھا کر میدان جنگ میں آوے گی، تمام دن کشت وخون رہے گا، ہر دو فریق آخر شام کے وقت اپنے اپنے خیموں میں جاویں گے، چوتھے روز کچھ اہل اسلام جو باقی رہ گئے ہیں امام مہدی کے ہمراہ ہو کر میدان جنگ میں آویں گے اور دلیرانہ اس طرح جنگ کریں گے کہ نصاریٰ کے کشتوں کے پشتے لگا دیں گے یہاں تک کہ اگر ان لاشوں پر پرندا اڑے گا تو اس سرے سے دوسری سرے تک نہ جا سکے گا آخر نصاریٰ کی بڑی شکست ہوگی بہت سے جہنم واصل ہوں گے باقی

ماندہ سراسیمہ ہو کر بھاگیں گے پھر امام مہدیؓ انعام بیشمار دلاوران اسلام کو عطا فرمائیں گے اور مال غنیمت کو تقسیم کریں گے لیکن لوگوں کو اس سبب سے کہ ان کے خویش و اقارب بہت سے شہید ہوں گے اس سے کچھ خوشی نہ ہوتی یہاں تک کہ جس قبلیہ کے سو آدمی تھے ایک باقی رہ گیا ہوگا پس وہ کسی غنیمت سے خوش ہوگا اور کس میراث کو تقسیم کرے گا۔

بعد اس کے امام مہدی بلد اسلام کا انتظام اور لشکر جمع کرنے کا اہتمام کر کے قسطنطنیہ پر چڑھائی کریں گے تاکہ ان نصاریٰ کو جنہوں نے سلطان کو وہاں سے نکالا تھا شکست دیویں اور تفصیل اس کی موافق روایت ابو ہریرہؓ کے نبی ﷺ سے جیسا کہ روایت کیا ہے اس کو امام مسلم نے یوں ہے کہ جب امام مہدیؓ مع فوج کثیر قسطنطنیہ کو آگھیریں گے تو اولاد اسحاق کے ستر ہزار مسلمان اس کو گھیر لیں گے اور اس کے ایک جانب دریا اور دوسری طرف خشکی ہے پس وہ اولاد اسحق آواز لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر بلند کریں گے تو دریا کی طرف کی دیوار گر پڑے گی، پس جب دوسری بار تکبیر لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر کہیں گے تو خشکی کی طرف کی دیوار گر پڑے گی پس جب تیسری بار تکبیر لا الـہ الا اللہ و اللہ اکبر کہیں گے تو راہ کھل جاوے گی اور شہر میں گھس آویں گے اور کفار کو قتل کریں گے اور تلواروں کو درخت زیتون سے لٹکا کر مال غنیمت تقسیم کرتے ہوں گے کہ اتنے میں کوئی پکارے گا کیا بیٹھے ہو دجال تمہارے گھروں میں آگیا ہے جب اس کی تحقیق کو نکلیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ خبر جھوٹ بلکہ آواز شیطانی تھی۔

پھر جب لشکر اسلام شام کی طرف لوٹ آوے گا تو دجال نکلے گا، الحاصل بعد فتح قسطنطنیہ کے دجال نکلے گا، ایک بار اس کے نکلنے کی جھوٹی خبر مشہور ہوگی تو امام مہدی دس سوار اس کی تحقیق کو بطور طلیعہ کی بھیجیں گے، مسلم میں آنحضرت ﷺ سے روایت ہے کہ ان سواروں کے نام اور ان گھوڑوں کے رنگ پہچانتا ہوں اور وہ اس وقت کے سب روئے زمین کے سواروں سے افضل ہوں گے پس معلوم ہوگا کہ یہ خبر غلط ہے ابھی دجال نہیں نکلا، اس کے بعد امام مہدی بہ آہستگی ملک کا بندوبست کرتے ہوئے شام میں آویں گے پھر دجال نکلے گا۔ (عقائد اسلام از ص ۱۸۱ تا ص ۱۸۶)

امام مہدیؓ کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زندہ اللہ نے آسمان پر اٹھالیا اور قیامت کے قریب دنیا میں تشریف لائیں گے، دجال کو قتل کریں گے، احادیث صحیحہ سے ان کا آنا ثابت ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے عقائد اسلام میں ہے:

مسلم نے روایت کیا ہے کہ اس وقت (جب دجال کا ظہور ہو چکا ہوگا) اللہ تعالیٰ عیسیٰ ابن مریم کو بھیجے گا وہ شہر دمشق کے شرقی سفید منارے پر زرد حلے پہنے ہوئے دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے، جب سر نیچا کریں گے تو پسینے سے قطرے ٹپکیں گے اور جب سر اٹھاویں گے تو موتیوں کے دانوں کے مانند قطرے گریں گے۔

پھر امام مہدیؓ سے ملاقات کیلئے امام بتواضع پیش آئیں گے اور کہیں گے اے نبی امام ہو کر نماز پڑھائیے۔ تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماویں گے نہیں بلکہ تمہیں امامت کرو، اور میں خاص دجال کے قتل کو آیا ہوں۔ مسلم کی ایک روایت سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام امامت کریں گے، اور دوسری روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے

کہ امام مہدی کو اس امت کی تعظیم وتکریم کے لئے امام بنا دیں گے، مسلم شریف میں ہے اخبرنی نافع مولیٰ ابی قتادۃ الانصاری انہ سمع ابا ھریرۃ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم فامکم. دوسری روایت میں ہے۔ عن ابی جریج قال اخبرنی ابو الزبیر انہ سمع جابر بن عبداللہ یقول سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تزال طائفۃ من امتی یقاتلون علی الحق ظاھرین الی یوم القیمۃ قال فینزل عیسیٰ بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم فیقول امیر ھم تعال صل لنا فیقول الا ان بعضکم علی بعض امرآء تکرمۃ لھذہ الامۃ ایک اور روایت میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کیف انتم اذا نزل فیکم ابن مریم فامکم منکم ...... الخ (مسلم شریف ج۱ ص ۸۷ باب نزول عیسیٰ علیہ السلام) سو علماء نے اس کی تطبیق یوں کی ہے کہ اول روز تو امام مہدی نماز پڑھاویں گے تاکہ تکریم امت ہو پھر عیسیٰ علیہ السلام بسبب اس کے کہ وہ نبی ہیں۔ واللہ اعلم۔ اور عیسیٰ علیہ السلام دجال کے قتل کو آمادہ ہوں گے اور جیسا کہ مسلم کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دم میں یہ تاثر ہوگی کہ جس کافر کو وہ ہوا لگ جاوے گی مر جاوے گا اور ہوا ان کی وہاں تک جاوے گی کہ جہاں تک ان کی نظر پڑے گی، پس وہ دجال کا تعاقب کریں گے اور باب لد کے پاس اسے قتل کریں گے (لد شام کے کسی پہاڑ کا نام ہے بعض کہتے ہیں کہ شام میں ایک گاؤں ہے) اور نیزہ سے اس کو قتل کر کے اس کا خون لوگوں کو دکھلا دیں گے اور اگر اس کے قتل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جلدی نہ کرتے تو وہ کافر خود بخود نمک کی طرح گھل جاتا۔

پھر لشکر اسلام دجال کے لشکر کو کہ جو اکثر یہودی ہوں گے بہت قتل کرے گا، ابوداؤد نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے جنگ عظیم میں جو کہ نصاریٰ سے ہوگی اور فتح قسطنطنیہ میں جو کہ اہل اسلام فتح کریں گے چھ برس کا فاصلہ ہوگا پھر ساتویں برس دجال نکلے گا، اور ایک روایت میں بجائے چھ برس کے چھ مہینہ کا فاصلہ آیا ہے مگر اول روایت زیادہ صحیح ہے۔

القصہ جب دجال اور اس کی فوج پامال ہو چکے گی تو امام مہدیؒ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ملک کی سیر کریں گے اور جن کو دجال کی مصیبت پہنچی تھی ان کو تسلی دیں گے اور ان کے نقصان کا الطاف وعنایت سے تدارک کریں گے، کما رواہ مسلم۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام حکم دیں گے کہ خنزیر قتل کئے جائیں اور صلیب کو جس کو نصاریٰ پوجتے ہیں توڑی جاوے اور کسی کافر سے جزیہ نہ لیا جاوے بلکہ وہ اسلام لائے کما رواہ البخاری ومسلم۔

پس اس وقت تمام روئے زمین پر اسلام پھیل جاوے گا، کفر مٹ جاوے گا جور وظلم جہاں سے منہدم ہوگا، اور جیسا کہ ابوداؤد نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے حضرت امام مہدی کی خلافت سات برس ہوگی اور بعض روایات میں آٹھ بعض میں نو بھی آیا ہے اس کے بعد امام مہدی دنیا سے تشریف لے جاویں گے، عیسیٰ علیہ السلام اور مسلمان ان کی نماز پڑھ کر دفن کریں گے اس حساب سے کل عمر ان کی سینتالیس یا اڑتالیس یا انچاس برس کی ہوگی۔ (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۴۰) بعد اس کے تمام انتظام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اختیار میں ہوگا اور عالم اچھی حالت پر ہوگا، الخ۔ (عقائد اسلام ص ۱۸۸، ص ۱۸۹) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سال گرہ کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں، برطانیہ (انگلینڈ یو، کے) میں عیسائیوں کے اندر بچہ کی سالگرہ (برتھ ڈے) منانے کا دستور ہے، بچہ کی پیدائش کی جو تاریخ ہوتی ہے ہر سال اس تاریخ پر اپنے رشتہ دار اور دوست واحباب کو دعوت دیتے ہیں بعض اوقات گانے بجانے کا اہتمام بھی ہوتا ہے لوگ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق تحفہ پیش کرتے ہیں اور یوم سالگرہ کی مناسبت سے ایک خاص قسم کا کیک بنایا جاتا ہے اس کی لمبائی چوڑائی بچہ کے عمر کی مناسبت سے ہوتی ہے، کیک پر بچہ کی عمر کے مطابق موم بتیاں جلائی جاتی ہیں، پانچ برس کا بچہ ہو تو پانچ موم بتیاں، چھ برس کا ہو تو چھ، شام کے وقت جب کہ تمام مدعوئین جمع ہو جاتے ہیں اس وقت وہ بچہ جس کی سالگرہ ہوتی ہے پھونک مار کر موم بتیاں بجھاتا ہے، اگر ایک پھونک سے تمام موم بتیاں بجھ جائیں تو اسے بہت اچھا سمجھا جاتا ہے اور تالیوں سے محفل گونج اٹھتی ہے اس کے بعد وہ بچہ اپنے ہاتھ سے کیک کاٹتا ہے اور اس مجلس میں ہیپی برتھ ڈے ٹو یو (HAPPIBIRTHDAYTOYOU) (تجھ کو سال گرہ مبارک) کو کنے کے طرف پر گایا جاتا ہے۔ یہ عیسائیوں کا طریقہ ہے اور ان میں رائج ہے، بتدریج یہ رسم مسلمانوں میں سرایت کر گئی ہے ہندوستانی اور پاکستانی اکثر مسلمان اس طریقہ پر "رسم سالگرہ" مناتے ہیں، آپ سے مؤدبانہ التماس ہے کہ تفصیل کے ساتھ شریعت کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں، اللہ پاک آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، کیا بعید ہے کہ آپ کی تحریر مسلمانوں کی ہدایت کا ذریعہ بن جائے۔ فقط بینوا توجروا۔

(باٹلی، انگلینڈ)

(الجواب) حضور اقدس ﷺ کی پیشین گوئی ہے **لتتبعن سنن من قبلکم شبرا بشبر و ذرا عابذراع حتی لو دخلوا حجر ضب لتبعتموہم قلنا یا رسول اللہ الیہود والنصاری قال فمن ؟(عن ابی سعید الخدری)**

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم لوگ ضرور بالضرور اگلے لوگوں کے قدم بقدم چلو گے (یعنی ان کی پوری پوری پیروی کرو گے) یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل (سوراخ) میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی اسی طرح کرو گے، ہم نے کہا اگلے لوگوں سے یہود ونصاری مراد ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اور کون؟ (بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۸۸ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لتتبعن سنن من کان قبلکم)

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ **عن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیاتین علی امتی کما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل حتی ان کان منہم من اتی امہ علانیۃ لکان فی امتی من یصنع ذلک۔**

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ضرور بالضرور میری امت میں وہ تمام باتیں اسی طرح پوری ہوں گی جو بنی اسرائیل کو پیش آئی ہیں حتی کہ اگر ان میں سے کسی شخص نے اپنی ماں سے علانیہ زنا کا ارتکاب کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو اس طرح کرے گا۔
(مشکوۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ فصل نمبر ۲)

جولوگ رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا سچا پیغمبر مانتے ہیں، آپ کا کلمہ پڑھتے ہیں یا وہ سوال میں درج شدہ حرکتوں کا ارتکاب کرتے ہیں، تو یہ استغفر اللہ یہ جاہلانہ اور کافرانہ رسم وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ایمان سے محروم یا اضعف الایمان ہیں تفسیر بیضاوی میں ہے وانما عد لبس الغیار وشد الزنار ونحوهما کفراً لا نها تدل علی التکذیب لا نها کفر فی انفسها یعنی غیار پہننا اور زنار (جنوئی) باندھنا اور ان کے مانند چیزوں کا اختیار کرنا کفر ہے اس لئے کہ یہ چیزیں آپ ﷺ کی تکذیب پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کو سچا نبی جانے گا وہ ان چیزوں پر جرأت نہیں کر سکتا اور نہ یہ چیزیں اپنی ذات کے اعتبار سے موجب کفر نہیں ہیں۔
(تفسیر بیضاوی ص ۲۳ سورہ بقرہ)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے من تشبه بقوم فهو منهم .
ترجمہ: جس شخص نے کسی قوم کے ساتھ (صورتاً) بھی مشابہت اختیار کی وہ (انجام کار) اسی قوم میں سے (حقیقۃً بھی) ہو جائے گا۔ (کتاب اللباس فصل الثانی مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۵)

آپ ﷺ کا فرمان ہے۔ لا یؤمن احد کم حتی یکون هواه تبعاً لما جئت به تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہو جائے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰)

غوث اعظم پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے اما بقولک انا من امته من غیر متابعة لا نفعک اذا تبعتموه فی اقواله کنتم معه فی صحبته فی دار الاخرة.
ترجمہ: (رسول اللہ ﷺ کا) اتباع کئے بغیر تیرا یوں کہنا کہ میں آپ کا امتی ہوں تیرے لئے مفید نہیں، جب تم آپ ﷺ کے اقوال وافعال میں آپ کے متبع بن جاؤ گے تو دار آخرت میں تم کو آپ ﷺ کی مصاحبت نصیب ہوگی۔ (الفتح الربانی ص ۱۷۸ مجلس نمبر ۴۵)

غیر قوم کے ساتھ تشبیہ اختیار کرنے کی بہت ہی مذمت آئی ہے، علامہ ابن حجر ہیثمیؒ نے اپنی کتاب "الزواجر عن اقتران الکبائر" میں مالک ابن دینار محدث کی روایت سے ایک نبی کی وحی نقل کی ہے کہ وقال مالک بن دینار اوحی الله الی نبی من الا نبیاء ان قل لقومک لا ید خلوا مداخل اعدائی ولا یلبسوا ملا لبس اعدائی ولا یرکب مراکب اعدائی فیکونوا اعدائی کما هم اعدائی.
ترجمہ: خدا نے انبیاء میں سے ایک نبی علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اے نبی اپنی قوم سے کہہ دو کہ میرے دشمنوں کے گھسنے کی جگہوں سے گھسیں بھی نہیں اور میرے دشمنوں کا سا لباس بھی نہ پہنیں اور میرے دشمنوں جیسے کھانے بھی نہ کھائیں اور میرے دشمنوں کی سواریوں جیسی سواریوں پر سوار بھی نہ ہوں۔ (یعنی ان میں سے ہر چیز میں کسی امتیاز کی شان پیدا کر لیں اور امتیاز سب سے بہتر اس طریقہ سے ہو جائے گا جو سنت نبوی ہو) کہ کہیں وہ بھی ان دشمنوں کی طرح میرے دشمن نہ بن جائیں۔ (الزواجر عن اقتراف الکبائر ص ۱۵ مقدمہ۔ خاتمہ فی التحذیر من جملۃ المعاصی صغیرہا وکبیرہا)

ڈاکٹر علامہ اقبال جواب شکوہ میں تحریر کرتے ہیں۔

شور ہے ہوگئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

حضور اکرم ﷺ کے مبارک زمانہ میں رسم سالگرہ منانے کے لئے لوگوں کو دعوت دے کر جمع نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ختنہ جو سنت ہے اور شعائر اسلام میں سے ہے اس کے لئے بھی دعوت دے کر لوگوں کو جمع کرنے کا دستور نہیں تھا۔

حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کو کسی نے ختنہ میں دعوت دی، آپ نے قبول نہ فرمائی، اور فرمایا کہ آنحضور ﷺ کے مبارک دور میں ہم لوگ ختنہ کی تقریب میں نہیں جاتے تھے اور نہ اس کی دعوت دی جاتی تھی۔ (مسند امام احمد ص ۲۱۷ ج ۴)

رسم سالگرہ یہ خالص غیر اقوام کا طریقہ اور انہی کی رسم ہے، مسلمانوں پر لازم ہے کہ مذکورہ طریقہ سے اجتناب کریں ورنہ اس کی نحوست سے ایمان خطرے میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔

(معاذ الله ، اللهم اهدنا الصراط المستقيم)

ارشاد خداوندی ہے **ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار وما لكم من دون الله من اولياء ثم لا تنصرون.**

ترجمہ: اور (اے مسلمانو) ظالموں کی طرف مت جھکو کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جاوے (اس وقت) خدا کے سوا تمہارا کوئی رفاقت کرنے والا نہ ہو پھر حمایت تو تمہاری ذرہ برابر بھی نہ ہو (قرآن مجید، سورۂ ہود پارہ نمبر ۱۲ رکوع نمبر ۸)

شرعاً جن کاموں کا کرنا ضروری ہے ان کے متعلق احکامات موجود ہیں اور ان احکامات پر عمل کرنے کے لئے اللہ نے رسول اقدس ﷺ کی ذات کو ہمارے لئے نمونہ بنایا ہے ارشاد خداوندی ہے، **لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة لمن كان يرجوا الله واليوم الاخر وذكر الله كثيراً.**

ترجمہ: تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو رسول اللہ ﷺ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے۔ (قرآن مجید، سورۂ احزاب پ ۲۱ رکوع نمبر ۲۱)

نیز ارشاد فرمایا: **مآ اتكم الرسول فخذوه وما نهكم عنه فانتهوا.**

ترجمہ: رسول تم کو جو دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز (کے لئے) سے تم کو روک دیں (اور بعموم الفاظ یہی حکم ہے افعال اور احکام میں بھی) تم رک جایا کرو (قرآن مجید سورۂ حشر پارہ نمبر ۲۸)

لہٰذا آپ ﷺ کا جو مبارک نمونہ ہے اس کے مطابق عمل کرنے کی ضرورت ہے اس مبارک نمونہ کو چھوڑ کر غیر قوام سے بھیک مانگ کر ان کا طریقہ اختیار کرنا کفران نعمت اور ضلالت کی دلیل ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس مبارک نمونہ کو اپنا مشعل راہ بنایا اور اس کے مطابق اپنی زندگی بنائی تو بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے جو قیامت تک یادگار رہیں گے اللہ کی غیبی نصرت ان کے شامل حال رہی دشمنوں کے دل میں اللہ نے رعب ڈال، امداد کے لئے ملائکہ بھیجے، چنانچہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر فرمایا **اذ يوحى ربك الى**

الملئکة انی معکم فثبتو االذین امنوا سألقی فی قلوب الذین کفرو الرعب۔
ترجمہ: اس وقت کو یاد کرو جب کہ آپ کا رب فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی (مددگار) ہوں سو (مجھ کو مددگار سمجھ کر) تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ میں ابھی کفار کے قلب میں رعب ڈالے دیتا ہوں۔ (سورہ انفال پارہ نمبر ۹ رکوع نمبر ۱۶) غزوہ احد کے موقع پر ارشاد فرمایا۔ **سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب بما اشرکوا باللہ مالم ینزل به سلطاناً وما وٰھم النار بئس مثوی الظلمین.**
ترجمہ: ہم ابھی ڈالے دیتے ہیں ہول (رعب ہیبت) کافروں کے دلوں میں بسبب اس کے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک ایسی چیز کو ٹھہرایا ہے جس پر کوئی دلیل اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمائی اور ان کی جگہ جہنم میں اور وہ بری جگہ ہے بے انصافوں کی۔ (سورہ آل عمران پارہ نمبر ۴ رکوع نمبر ۷)

مدینہ منورہ کے قریب ایک یہودی قبیلہ ''بنوقریظہ'' آباد تھا، وہ لوگ اہل اسلام کو تکلیف پہنچاتے اور ان کو نیست و نابود کرنے کی سازش کرتے رہتے تھے ان کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ ہوا اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی **وانزل الذین ظاھر وھم من اھل الکتاب من صیاصیھم وقذف فی قلوبھم الرعب فریقاً تقتلون وتاسرون فریقاً.**
ترجمہ: اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھلا دیا، اور بعضوں کو تم قتل کرنے لگے اور بعضوں کو قید کر لیا۔ (سورۂ احزاب پارہ نمبر ۲۱ رکوع نمبر ۱۹)

یہودیوں کا ایک دوسرا قبیلہ ''بنونضیر'' بھی مدینہ منورہ کے قریب آباد تھا ان کے ساتھ مقابلہ کے وقت یہ آیت نازل ہوئی **وقذف فی قلوبھم الرعب یخربون بیوتھم بایدیھم وایدی المؤمنین فاعتبروا یآ اولی الابصار.**
ترجمہ: اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے اجاڑے جا رہے تھے، سوائے دانشمندو اس حالت کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو۔ (سورۂ حشر پارہ نمبر ۲۸ رکوع نمبر ۳) یہ سب اتباع شریعت اور اتباع سنت کا ثمرہ ہے، کسی نے خوب کہا ہے۔

ہوا ہے دامن گلچیں ہی کوتاہ ورنہ گلشن میں
وہی ہے لالہ وگل وہی ہے برگ وباراب بھی
اگر پہلو میں دل ہو اور تڑپ اسلام کی دل میں
برس سکتا ہے ابررحمت پروردگار اب بھی
فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

حدیث میں بھی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے **من حفظ سنتی اکرمھم اللہ تعالیٰ باربع خصال المحبة فی قلوب البررة والھیبة فی قلوب الفجرة والسعة فی الرزق والثقب فی الدین.**
ترجمہ: جس شخص نے میری سنت کی حفاظت کی (دل و جان سے اس کو مضبوط پکڑا اور اس پر عمل کیا) تو اللہ تعالیٰ چار

باتوں سے اس کی تکریم کرے گا (۱) نیک لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کرے گا (۲) فاجراور بدکارلوگوں کے دلوں میں اس کی ہیبت ڈال دے گا (۳) رزق میں وسعت اور برکت عطا کرے گا (۴) دین میں پختگی نصیب فرمائے گا۔ (شرح شرعۃ الاسلام ص ۸ سید علی زادہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قادیانیوں کا کیا حکم ہے؟ اوران کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟:

(سوال ۲۶) محترمی و معظمی حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری صاحب دامت فیوضہم و برکاتہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو، ایک مسئلہ کی تحقیق مطلوب ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ ''اگر کوئی شخص پہلے سے مسلمان تھا بعد میں قادیانی ہوا تو وہ مرتد ہے اور اس پر مرتدین ہی کے احکام جاری ہوں گے، لیکن جو شخص شروع ہی سے قادیانی ہے (یعنی پیدائش سے قادیانی ہے جو آج کل کے اکثر قادیانیوں کا حال ہے) تو وہ اہل کتاب کے حکم میں ہیں'' کیا یہ بات صحیح ہے؟ اگر یہ بات صحیح ہو تو ان کے ذبیحہ کا کیا حکم ہوگا؟ امید ہے کہ اس کا جواب مرحمت فرمائیں گے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) قادیانیوں کی اولاد (نسلی مرزائی قادیانی) غلام احمد قادیانی کو نبی یا کم از کم مسلمان مانتے ہو تو بھی وہ کافر ہیں، ان کا ذبیحہ حرام اور مردار ہونا چاہئے، ان کو اہل کتاب کے حکم میں قرار دینا سمجھ میں نہیں آتا ہے، علامہ شامی غالی روافض کو کافر مانتے ہیں اور ان کو اہل کتاب نہیں سمجھتے تو قادیانیوں کی اولاد کا شمار اہل کتاب میں کیسے ہوگا؟ **والظاهر ان الغلاة من الروافض المحكوم بكفرهم لا ينفكون عن اعتقادهم الباطل فى حال اتيانهم بالشهادتين وغيرهما من احكام الشرع كالصوم والصلوة فهم كفار لا مرتدون ولا اهل كتاب** (رسائل ابن عابدین ص ۳۷۰، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور پاکستان) حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی دامت برکاتہم جو اس موضوع پر کافی بصیرت رکھتے ہیں رد قادیانیت پر کئی رسائل تصنیف فرمائے ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہے

- جو شخص خود قادیانیت کی طرف مرتد ہوا وہ مرتد بھی ہے اور زندیق بھی۔
- اس کی صلبی اولاد بھی اپنے والدین کے تابع ہونے کی وجہ سے حکماً مرتد ہے اور زندیق بھی۔
- اس کی اولاد کی اولاد مرتد نہیں بلکہ خالص زندیق ہے۔
- مرتد اور زندیق دونوں واجب القتل ہیں، دونوں سے مناکحت باطل اور دونوں کا ذبیحہ حرام اور مردار ہے، اس لئے کسی قادیانی کا ذبیحہ کسی حال میں حلال نہیں۔ (رسالہ قادیانی ذبیحہ ص ۲۴ ص ۲۵ شائع کردہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ پاکستان) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

علامات قیامت کا ثبوت:

(سوال ۲۷) کیا حضور اقدس ﷺ نے قیامت کی علامتیں بیان فرمائی ہیں؟ اگر بیان فرمائی ہیں تو وہ کون سی علامات ہیں اس کو وضاحت سے بیان فرمائیں، یہاں ایک دو آدمی اسے مانتے نہیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جس طرح کسی عظیم الشان چیز کے فنا ہونے سے پہلے کچھ علامتیں اور آثار ظاہر ہوتے ہیں اسی طرح دنیا کے فنا ہونے سے قبل علامتوں اور آثار کا ظاہر ہونا ثابت ہے اس لئے کہ دنیا کا فنا ہونا بھی ایک عظیم الشان امر ہے، احادیث مبارکہ میں ان علامات کو بیان کیا گیا ہے، حضور اقدس ﷺ سے ان کا ثبوت ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا، اس لئے انہیں تسلیم کرنا چاہئے۔ علامات دو قسم کی ہیں۔(۱) علامات صغریٰ (۲) علامات کبریٰ، امام مہدی کے ظہور تک جو علامتیں پیش آنے والی ہیں وہ علامات صغریٰ ہیں، اور امام مہدی کے ظہور کے بعد نفخ صور تک جو علامات ظاہر ہوں گی وہ علامات کبریٰ ہیں اور یہیں سے قیامت کی ابتداء ہوگی، یہاں کچھ علامات صغریٰ و کبریٰ بیان کی جاتی ہیں۔

یہ امر پیش نظر رہے کہ جو اختیاری امور علامات قیامت میں سے ہیں وہ گناہ کے کام ہوتے ہیں (فتاوی رحیمیہ ج ۲ ص ۱۶۵) لہذا ایسی علامات جن کا تعلق بندوں کے اختیاری امور سے ہے ان کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں، گناہوں سے توبہ کریں، نفس کی اصلاح کریں، جن کے حقوق اپنے ذمہ باقی ہیں ان کو ادا کریں اور جو علامات قیامت بیان کی گئیں ہیں ان سے بچنے کی پوری کوشش کریں اور قابل غور بات یہ ہے کہ سینکڑوں سال قبل حضور اقدس ﷺ نے جو نقشہ کھینچا تھا ہو بہو سامنے آرہا ہے، آپ ﷺ نے جو باتیں بیان فرمائی تھیں وہ پوری ہوتی نظر آرہی ہیں اس سے حضور اقدس ﷺ کی نبوت کی صداقت بھی ثابت ہوتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے عن انس رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان من اشراط الساعة ان یرفع العلم ویکثر الجهل ویکثر الزنا ویکثر شرب الخمر ویقل الرجال ویکثر النساء حتی یکون لخمسین المرأة القیم الواحد . متفق علیه.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ علامات قیامت میں سے یہ ہے کہ علم اٹھ جائے گا (یعنی رفتہ رفتہ علمائے ربانی اٹھتے جاویں گے) ار جہل بڑھ جائے گا، اور زنا کی کثرت ہو جائے گی، اور شراب خوری زیادہ ہو جائے گی، اور مرد کم ہو جائیں گے اور عورتیں اس قدر زیادہ ہو جائیں گی کی پچاس عورتوں کے لئے (بعض مقامات میں یا بعض اوقات میں) ایک نگراں ہوگا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۶۹ باب اشراط الساعۃ)

علامہ ابو محمد عبدالحق دہلوی مفسر تفسیر حقانی اپنی مشہور کتاب ''عقائد اسلام'' میں تحریر فرماتے ہیں بخاری اور مسلم نے بروایت انسؓ نبی ﷺ سے یوں روایت کیا ہے، کہ علامت قیامت یہ ہیں۔(۱) علم اٹھ جائے گا۔(۲) جہل زیادہ ہوگا۔(۳) زنا اور شراب خوری کی بڑی کثرت ہوگی۔(۴) عورتیں بہت مرد کم ہوں گے یہاں تک کہ (بعض جگہ) بیس عورتوں کا کاروبار کرنے والا ایک آدمی ہوگا، صحیح مسلم میں جابرؓ سے نقل ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے جھوٹے بہت کثرت سے ہو جاویں گے، صحیح بخاری میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ بڑے بڑے کام نا اہل لوگوں کے سپرد کئے جائیں گے، صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ لوگ مصائب دنیا کی کثرت سے موت کی آرزو کیا کریں گے۔ ترمذی نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے سردار لوگ جہاد کی غنیمت کو اپنا حصہ سمجھیں گے اور کسی کی امانت کو مال نصیحت سمجھ کر دبا بیٹھیں گے اور زکوٰۃ دینے کو جرمانہ سمجھیں گے علم دنیا کے لئے پڑھیں گے مرد عورت کا مطیع ماں کا نافرمان ہو جاوے گا، اور یار کو نزدیک اور باپ کو دور کردے گا مسجدوں میں شور کریں گے، چلاویں گے، فاسق

لوگ قوم کے سردار ہوجاویں گے اور رزیل لوگ قوم کے ضامن ہوں گے اور بدی کے خوف سے آدمی کی تعظیم کریں گے باجے علانیہ ہوجاویں گے، شراب خوری ہوا کرے گی، امت کے لئے لوگوں پر پچھلے لوگ لعنت کریں گے پس اس وقت انتظار کریں گے سخت آندھی کا کہ سرخ رنگ کی ہوگی اور زلزلے اور خسف اور مسخ اور قذف کا۔ الخ۔

(عقائد اسلام ص ۱۸۰)

حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلویؒ "علامات قیامت" میں تحریر فرماتے ہیں ۔ قیامت کی علامت صغری کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ جب حکام زمین وملک کے لگان ومحصول کو اپنی ذاتی دولت بنائیں (یعنی اس کو مصرف شرعی میں خرچ نہ کریں) زکوٰۃ بطور تاوان ادا کریں، لوگ امانت کو مال غنیمت کی طرح (جو کفار سے جہاد میں حاصل کیا جاتا ہے) حلال وطیب سمجھیں، شوہر اپنی بیوی کی بیجا اطاعت کرے، اولاد والدین کی نافرمانی اور بدلوگوں کی دوستی کرے، علم دین حصول دنیا کی غرض سے سیکھا جاوے، ہر قبیلہ وقوم میں ایسے لوگ سردار بن جاویں جوان میں سب سے زیادہ کمینے، بداخلاق لالچی ہوں۔ انتظامات ایسے اشخاص کے سپرد کئے جاویں جوان کے لائق نہ ہوں، خوف وضرر کی وجہ سے ایسے آدمیوں کی تعظیم وتکریم کی جائے جو خلاف شرع ہوں، شراب خوری ظاہراً ہونے لگے، آلات لہو ولعب وناچ گانے کا رواج عام ہوجائے، زنا کاری کی کثرت ہو امت کے پچھلے لوگ اگلوں پر لعنت وطعنہ زنی کرنے لگیں تو اس وقت جھگڑنا اور نہایت سرخ آندھی اور دیگر علامات اور عذاب آنے کا انتظار کرو جیسے زمین دھنسنا آسمان سے پتھروں کا برسنا، صورتوں کا بدل جانا، ان کے علاوہ دوسری علامتیں بھی اس طرح پے در پے ظاہر ہونے لگیں گی جیسے تسبیح کا ڈورا ٹوٹ جائے اور اس کے دانے یکے بعد دیگرے گرنے لگتے ہیں، دوسری حدیثوں میں آیا ہے (الی قولہ) اغلام بازی، چپی بازی، مساجد میں کھیل کود، ملاقات کی وقت بجائے سلام کے گالی گلوچ بکنا، علوم (شرعیہ) کا کم ہونا جھوٹ کو اچھا سمجھنا، دلوں سے امانت ودیانت کا اٹھنا، فاسقوں کا علم سیکھنا، شرم اور حیا کا جاتا رہنا، مسلمانوں پر کفار کا چاروں طرف سے جمع ہوکر ظلم میں اس قدر بڑھ جانا کہ جس سے پناہ لینی مشکل ہو، باطل مذاہب، جھوٹی حدیثوں اور بدعتوں کا فروغ پانا۔ (علامات قیامت ص ۴، ۵)

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جس میں کفار ایک دوسرے کو ممالک اسلامیہ پر قابض ہونے کے لئے اس طرح مدعو کریں گے جیسے کہ دستر خوان پر کھانے کے لئے ایک دوسرے کو بلاتے ہیں، کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی؟ فرمایا نہیں بلکہ اس وقت تم کثرت سے ہوگے لیکن بالکل ایسے جیسے پانی کے زد کے سامنے خس وخاشاک اور تمہارا رعب دشمنوں کے دل سے اٹھ جائے گا اور تمہارے دلوں میں سستی پڑ جائے گی، ایک صحابی نے عرض کیا کہ حضور سستی کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم دنیا کو دوست رکھو گے اور موت سے خوف کرو گے۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۴۵۹ باب تغیر الناس، ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۴۲ کتاب الملاحم باب فی تداعی الامم علی الاسلام)

حدیث میں ہے عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتقوم الساعۃ حتی یتقارب الزمان فتکون السنۃ کالشہر و الشہر کالجمعۃ وتکون الجمعۃ کالیوم

ویکون الیوم کالساعۃ وتکون الساعۃ کالضرمۃ بالنار ،رواہ الترمذی.
ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ زمانہ پاس پاس ہو جائے (کہ وقت گذرتا معلوم ہی نہ ہو) پس سال مثل مہینہ کے ہو جائے گا اور مہینہ مثل ہفتہ کے اور ہفتہ مثل ایک دن کے اور دن مثل گھڑی کے اور گھڑی مثل آگ کی لپیٹ کے۔
(مشکوٰۃ شریف ص ۴۷۰ باب اشراط الساعۃ ،ترمذی شریف ج ۲ ص ۵۶ ،۵۷ باب ماجاء فی تقارب الزمن ابواب الزہد)
الجواہر الزواہر ترجمہ البصائر میں ہے: خطیب نے حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے نضلہ بن ساویہ کو قادسیہ کی جانب روانہ کیا پس جب عصر کا وقت آیا تو نضلہ نے اذان دی اور کہا، اللہ اکبر ، اللہ اکبر ، دفعۃً پہاڑ سے ایک جواب دینے والے کی آواز سنائی دی کہ کہتا ہے۔ بڑی ذات کی بڑائی بیان کی تو نے اے نضلہ پھر انہوں نے کہا اشھد ان محمداً رسول اللہ جواب آیا وہ ڈرانے والے اور مژدہ سنانے والے پیغمبر ہیں، جن کی بشارت دی عیسیٰ ابن مریم نے اور انہیں کی امت پر قیامت قائم ہوگی، (کہ آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہ ہوگا) پھر انہوں نے کہا حی علی الصلوٰۃ، جواب آیا مبارک اس کو جو اس کی طرف چلا اور اس کا پابند رہا، پھر انہوں نے کہا حی علی الفلاح آواز آئی فلاح پائی جس نے کہا مانا محمد ﷺ کا کہ یہی امت محمدیہ کی بقاء کا سبب ہے، پھر انہوں نے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر ، لا الہ الا اللہ جواب آیا کہ پورا اخلاص ظاہر کیا تو نے اے نضلہ لہذا حرام کردیا اللہ نے تیرا بدن دوزخ پر پس جب نضلہ اذان سے فارغ ہوئے اور سب لوگ اٹھے تو پہاڑ سے جو شخص مؤذن کو جواب دے رہا تھا اس سے سب نے کہا تو کون شخص ہے اللہ کی تجھ پر رحمت ہو کیا تو کوئی فرشتہ ہے یا کوئی جن ہے یا بندگان غیبی میں سے کوئی ہاتف سیاح ہے تو نے ہم کو اپنی آواز سنائی پس اب اپنی صورت بھی دکھاوے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کا وفد ہیں، اور عمر بن خطاب کے بھیجے ہوئے ہیں، راوی کہتا ہے کہ پہاڑ شق ہوا اور ایک بزرگ صفت سفید ریش شخص ظاہر ہوئے بدن پر صوف کی دو چادریں تھیں، پس کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، سب نے جواب دیا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تم کون ہو اللہ کی رحمت تم پر ہو، اس نے کہا میں زرنب ولد برتملا ہوں، بندۂ صالح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا وصی کہ انہوں نے مجھ کو اس پہاڑ میں ٹھیرا کر میری درازی عمر کی دعا فرمائی اس وقت تک کہ آسمان سے اتریں اور خنزیر کو قتل کریں صلیب کو توڑیں اور نصاریٰ نے جن محرمات کو حلال بنالیا ان سے بیزاری ظاہر کریں، پس محمد ﷺ سے مجھ کو ملاقات نصیب نہ ہوئی تو عمر ہی سے میرا سلام کہہ دو اور ان سے کہو کہ اے عمر احتیاط اور اعتدال کے راستہ پر چلو کہ وقت قریب آ لگا ہے اور ان کو ان خصال کی خبر دے دو جو میں تم سے بیان کرتا ہوں کہ جب وہ امت محمدیہ میں ظاہر ہوں گے تو بس بھاگو، بھاگو، یعنی مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے ضرورت پوری کرنے لگیں۔
(۲) اور لوگ اپنے آپ کو دوسرے خاندانوں اور دوسرے آقاؤں کی طرف نسبت کرنے لگیں۔
(۳) اور بڑے ترس نہ کھاویں اپنے چھوٹوں پر۔
(۴) اور نیکی متروک ہو جائے کہ اس کا حکم نہ کیا جائے اور بدی سے روکنا چھوڑ دیا جائے۔
(۵) اور اس غرض سے علم حاصل کریں کہ اس سے روپیہ حاصل کریں۔
(۶) اور بارش بند ہو جائے۔

(۷)اور اولاد سرتاپا غیظ وغضب بن جائے۔
(۸)اور اونچے اونچے مناروں کی تعمیر ہونے لگے۔
(۹)اور قرآنوں پر سونے چاندی کے پانی پھیرے جاویں۔
(۱۰)اور مکانات مستحکم بنائے جاویں۔
(۱۱)اور لوگ خواہشات کا اتباع کریں۔
(۱۲)اور دین کو دنیا کے بدلہ فروخت کریں۔
(۱۳)اور خون بہانا اور رشتہ ناطہ سے بے تعلقی کو معمولی بات سمجھیں۔
(۱۴)اور حکومت کی بیع ہونے لگے (کہ جو زیادہ رشوت دے وہی عہدہ حاصل کرے)۔
(۱۵)اور سود خواری ہونے لگے۔
(۱۶)اور تونگری پر عزت مدار رہ جائے۔
(۱۷)اور انسان اپنے گھر سے نکلے تو اس سے بہتر شخص اس کی تعظیم کو کھڑا ہو اور اس کو سلام کرے۔
(۱۸)اور عورتیں زین پر سواری کرنے لگیں۔ (اسکوٹر پر شوہر کے ہمراہ بے پردہ اور عورتوں کا خود اسکوٹر چلانے کا رواج عام ہوتا جارہا ہے) اس کے بعد وہ یعنی زرنب بن برتملا غائب ہو گئے کہ کہیں نظر ہی نہ آئے، پس نضلہ بن معاویہؓ نے یہ قصہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو لکھا اور حضرت سعدؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجا، پس حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو لکھا کہ اے سعد! براہ کرم تم اپنے ساتھی مہاجرین وانصار کے ساتھ روانہ ہو کر اس پہاڑ پر پڑاؤ ڈالو پس اگر ان سے ملاقات ہو تو میرا سلام پہنچاؤ کیونکہ رسول اللہ نے ہم کو خبر دی ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی وصی اطراف عراق کے اس پہاڑ میں مقیم ہوا ہے، پس حضرت سعد رضی اللہ عنہ چار ہزار مہاجرین وانصار کے ساتھ روانہ ہوئے اور چالیس دن تک اس پہاڑ میں ٹھہرے کہ ہر نماز کے وقت اذان دیتے تھے مگر کوئی جواب ہی نہ آیا۔ (الجواہر الزواہر، ترجمہ البصائر ص ۲۸۶ وص ۲۸۷ پچپنویں بصیرت)

یہاں تک علامات صغریٰ بیان ہوئیں، اب اختصار کے ساتھ علامات کبریٰ تحریر کی جاتی ہیں، یہ عقائد اسلام سے ماخوذ ہیں، جو مزید تفصیل سے دیکھنا چاہے وہ عقائد اسلام، علامت قیامت اور کتب حدیث ملاحظہ کریں۔

امام مہدیؓ ظاہر ہوں گے اور بہت ہی عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کریں گے کانا دجال نکلے گا اور دنیا میں بہت فساد مچائے گا اس کے قتل کے واسطے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان سے اتریں گے اور باب لد کے پاس اس کو قتل کریں گے، جب دجال اور اس کی فوج پامال ہو چکے گی تو امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ملک کی سیر کریں گے اور جن کو دجال سے مصیبت پہنچی تھی ان کو تسلی دیں گے اور اس وقت تمام روئے زمین پر اسلام پھیل جائے گا، کفر مٹ جاوے گا دنیا سے ظلم وجور منہدم ہوگا، حضرت امام مہدیؓ کی خلافت سات یا آٹھ علی اختلاف الروایات رہے گی اس کے بعد آپ کی وصال ہو جائے گا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمان آپ کی نماز جنازہ پڑھ کر آپ کو دفن کریں گے، اس کے بعد تمام انتظام حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اختیار میں ہوگا، ہر طرف امن وسکون ہوگا اس دوران آپ پر وحی آئیگی کہ میرے بندوں کو کوہ طور کی طرف لے جاؤ، میں نے ایسی قوم (یعنی یاجوج ماجوج)

نکالی ہے کہ کسی کو اس قوم کے ساتھ جنگ کی طاقت نہیں ہے چنانچہ یاجوج ماجوج دنیا میں پھیل پڑیں گے اور خوب ادھم مچائیں گے اور پھر خدا کے قہر سے ہلاک ہوں گے، قوم یاجوج ماجوج کی ہلاکت کے بعد پھر زمین میں خیر وبرکت ظاہر ہوگی یہاں تک کہ ایک انار کو ایک گھر کے آدمی شکم سیر ہو کر کھاویں گے اور ایک بکری کے دودھ سے ایک گھر کے لوگ سیر ہو جائیں گے، یہ خیر و برکت سات برس تک رہے گی پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا سے انتقال کریں گے اور حضور اقدس ﷺ کے روضہ میں دفن ہوں گے پھر آہستہ آہستہ دنیا میں شر وفساد کفر والحاد پھیل جاوے گا اور ان دنوں میں آسمان سے ایک دھواں نمودار ہوگا، مؤمنین کو زکام سا معلوم ہوگا، اور کافروں کو نہایت تکلیف ہوگی کل چالیس روز یہ دھواں رہے گا، مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت نہ ہوگی جب تک کہ دس علامتیں نہ دیکھو گے، پھر آپ نے ذکر فرمایا (۱) دھواں (۲) اور دجال (۳) اور دابۃ الارض (۴) آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا (۵) اور عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا (۶) یاجوج ماجوج کا نکلنا (۷) اور تین جگہ زمین میں خسف ہونا، ایک مشرق میں ایک مغرب میں ایک جزیرہ عرب میں (۸) اور سب سے پیچھے ایک آگ کہ یمن سے نکلے گی اور لوگوں کو محشر کی طرف پہنچاوے گی۔

انہیں دنوں میں کہ ماہ ذی الحجہ ہوگا یوم النحر کے بعد رات نہایت دراز ہوگی یہاں تک کہ لوگ ہیبت اور قلق سے بے قرار ہو کر نالہ وزاری کریں گے اور توبہ توبہ پکاریں گے اس رات کی درازی تین یا چار رات کے برابر ہو جائیں گی اور لوگ نہایت مضطرب ہوں گے تب قرص آفتاب تھوڑے سے نور کے ساتھ مغرب کی جانب سے طلوع کرے گا اور اتنا بلند ہو کر کہ جتنا چاشت کے وقت ہوتا ہے پھر غروب ہو جائے گا اور پھر حسب دستور قدیم مشرق سے طلوع ہوتا رہے گا، اس کے بعد نہ کسی کی توبہ قبول ہوگی نہ کسی کا ایمان، احادیث صحیحہ میں یہ مضمون بکثرت آیا ہے، چنانچہ بخاری اور مسلم نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت نہ ہوگی جب تک کہ آفتاب مغرب سے طلوع نہ کرے گا، پس جب وہ طلوع کرے گا اور لوگ اس کو دیکھیں گے تو ایمان لاویں گے مگر اس وقت کا ایمان نفع نہ دے گا۔ مغرب سے آفتاب طلوع ہونے کے دوسرے روز یہ حادثہ پیش آوے گا کہ مکہ مکرمہ میں جو ایک پہاڑ ہے جس کو صفا کہتے ہیں زلزلہ آ کر شق ہو جائے گا اور ایک جانور جس کی عجیب صورت ہوگی باہر آوے گا اور لوگوں سے بات چیت کرے گا، خدا کی قدرت کا کرشمہ معلوم ہوگا، دابۃ الارض کا نکلنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے، طلوع آفتاب اور خروج دابہ سے نفخ صور میں سو برس کا فاصلہ ہوگا، دابۃ الارض کے نکلنے کے چند عرصہ کے بعد شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا چلے گی جس سے کوئی اہل ایمان اور اہل خیر زمین پر نہ رہے گا سب اس سے مر جاویں گے، یہاں تک کہ اگر کوئی پہاڑ کی غار میں چھپے گا تو وہاں بھی وہ ہوا پہنچے گی اور اس کو مارے گی، اس کے بعد بدلوگ جو نیکی اور بھلائی نہ جانیں گے باقی رہ جاویں گے، اس کے بعد حبشہ کے کفار کا غلبہ ہوگا اور ملک میں ان کی سلطنت ہو جائے گی اور وہ حبشی خانہ کعبہ کو گرادیں گے اور اس کے نیچے سے خزانے نکالیں گے اس وقت ظلم وفساد پھیلے گا، چوپائیوں کی طرح لوگ کوچہ و بازاروں میں ماں بہن سے جماع کیا کریں گے قرآن کاغذوں سے اٹھ جائے گا، کوئی اہل ایمان دنیا پر نہ رہے گا اور آپس کے ظلم وستم سے شہر اجاڑ ہو جاویں گے، قحط ووبا کا ظہور ہوگا پھر چند مدت کے بعد جنوب کی طرف سے ایک آگ اٹھے گی کہ لوگوں کو گھیر کر جہاں مرنے کے بعد حشر ہوگا یعنی ملک شام کی طرف لاوے گی جب شام کے وقت لوگ ٹھہر جایا کریں گے آگ

بھی ٹھہر جائے گی پھر جب آفتاب بلند ہوگا وہ آگ اس کے پیچھے چلے گی جب لوگ شام کے ملک میں پہنچ جائیں گے تو وہ آگ غائب ہو جائے گی، چنانچہ مسلم نے حذیفہ ابن اسید غفاریؓ سے انہوں نے نبی ﷺ سے دس علامات قیامت روایت کئے ہیں ان میں آخر میں یہ ہے نار تخرج من الیمن تطرد الناس الی محشرھم کہ ایک آگ یمن سے کہ جنوب میں واقع ہے نکلے گی لوگوں کو محشر کی طرف کہ وہ ملک شام ہے ہانک کرلے جاوے گی اس کے بعد چار پانچ برس تک لوگوں کو خوب عیش وآرام میسر ہوگا اور شیطان آدمی کی صورت میں آکر کہے گا تم کو حیا نہیں آتی وہ کہیں گے اب تو کیا کہتا ہے، تب وہ کہے گا بتوں کی عبادت کرو تب لوگ بتوں کی عبادت کریں گے اس میں ان کو روزی کی فراخی اور فراخ دستی حاصل ہوگی جیسا کہ روایت کیا اس کو مسلمؒ نے، الغرض جب دنیا میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا باقی نہ رہے گا جیسا کہ روایت کیا اس کو مسلمؒ نے، تب صور پھونکے گا قیامت ہو جائے گی الحاصل لوگ اس وقت عیش وآرام میں ہوں گے کوئی کسی کام میں کوئی کسی میں مصروف ہوگا کہ یکایک جمعہ کو روز عاشورہ ہوگا علی الصباح لوگوں کے کان میں ایک باریک آواز آوے گی، لوگ متحیر ہوں گے کہ یہ کیا ہے تب رفتہ رفتہ وہ آواز بلند ہوتی جاوے گی یہاں تک کہ کڑک اور رعد کے برابر ہوگی، تب لوگ مرنے شروع ہوں گے، صور ایک چیز ترئی یا بگل کے مانند ہے میکائل اس کو منہ سے بجاویں گے اس کی آواز کی شدت سے ہر چیز فنا ہو جاوے گی، چنانچہ ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ صور ایک سینگ سا ہے کہ اس میں پھونک ماری جائے گی، صحیح مسلم میں آیا ہے کہ اول صور کی آواز ایک شخص کے کان میں پڑے گی کہ وہ اپنے اونٹ کے حوض کو لیپتا ہوگا، سنتے ہی بے ہوش ہو جاوے گا، اور پھر سب آدمی بے ہوش ہو جاویں گے وتری الناس سکری وما ھم بسکری ولکن عذاب اللہ شدید یعنی دیکھے گا تو لوگوں کو بے ہوش پڑے اور وہ بے ہوش نہ ہوں گے بلکہ اللہ کے سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے پس دمبدم آواز زیادہ ہونے لگے گی کہ باہر کے وحشی جانور شہروں میں آویں گے اور شہروں کے لوگ گھبراہٹ سے جنگل میں جاویں گے کما قال اللہ تعالیٰ واذا الوحوش حشرت اور جب وحوش میں رول پڑے جاوے گی پس سب جاندار مر جائیں گے تب آواز زیادہ ہونے کے سبب سے درخت اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھرینگے وتکون الجبال کالعھن المنفوش یعنی ہو جاویں گے اس روز پہاڑ دھنی اون کے مانند پھر جب آواز تیز ہوگی تو آسمان کے تارے اور چاند سورج ٹوٹ کر گر پڑیں گے اور آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاوے گا اور زمین بھی معدوم ہو جاوے گی اذا السماء انشقت جس وقت آسمان پھٹ جاوے واذا الارض مدت اور جب زمین کھینچی جائے اذا الشمس کورت واذا النجوم انکدرت جس وقت سورج لپیٹا جاوے اور جس وقت ستارے بے نور ہو جائیں گے۔ فاذا نفخ فی الصور نفخة واحدة وحملت الارض والجبال فدکتا دکة واحدةً فیومئذ وقعت الواقعة وانشقت السماء پس جب پھونکا جاوے صور میں ایک ہی دفعہ اور اٹھائی جاوے زمین اور پہاڑ بس ایک ہی بار توڑے جائیں پس اس روز ہو جائے گی ہونے والی یعنی قیامت اور پھٹ جاوے گا آسمان۔

فائدہ:

بعض علماء کہتے ہیں کہ فناء کلی سے آٹھ چیزیں مستثنیٰ ہیں کہ ان کو فنا نہ ہوگی، (۱) عرش (۲) وکرسی

(۳) ولوح (۴) وقلم (۵) وبہشت (۶) ودوزخ (۷) وصور (۸) وارواح لیکن ارواح پر ایک قسم کی بے ہوشی طاری ہووے گی، اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ سوائے ذات باری تعالیٰ کے ہر چیز فنا ہوگی، اوران چیزوں پر بھی ایک دم بھر کے لئے فنا آوے گی۔ کما قال تعالیٰ کل شی ھالک الا وجھہٗ یعنی ہر چیز اس کے سوا ہلاک ہوگی، المختصر جب فقط اللہ تعالیٰ باقی رہے گا کما قال تعالیٰ ویبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال و الاکرام اور باقی رہ جاوے گا، ایک اللہ بزرگی اور جلال والا اس وقت فرماوے گا لمن الملک الیوم کہ آج کس کا ملک ہے؟ پھر کوئی جواب نہ دے گا تو پھر آپ ہی فرمادے گا للہ الواحد القھار کہ ملک ایک اللہ قہار ہی کا ہے، بعد اس کے پھر دوسری بار صور پھینکے گا اس سے ہر چیز دوبارہ پھر زندہ موجود ہو جاوے گی الخ۔ (عقائد السلام ص ۱۷۸ تا ص ۱۹۶ مختصراً باب سوم) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اہل قبور کی زندوں سے ہم کلامی:

(سوال ۲۸) کیا یہ بات ممکن ہے کہ مردے زندہ لوگوں سے بات کریں اور زندہ لوگ مردوں کا کلام سن سکیں امید ہے اس کے متعلق تفصیل سے جواب مرحمت فرمائیں گے۔

(الجواب) اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، اللہ کی مشیت سے جس طرح مردے زندہ لوگوں کی بات سن سکتے ہیں اسی طرح اللہ کی مشیت سے مردوں کی بات زندہ بھی سن سکتے ہیں اور یہ سننا زیادہ تر خواب (نیند) میں ہوتا ہے اور گاہے بیداری کی حالت میں بھی ہو جاتا ہے اور دونوں قسم کے صحیح واقعات مستند کتابوں میں ملتے ہیں۔

(۱) حضرت زید بن خارجہؓ یہ جلیل القدر انصاری صحابی ہیں، حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ان کا وصال ہوا، حضرت نعمان بن بشیرؓ راوی ہیں کہ جب ان کا جنازہ تیار کر کے رکھ دیا گیا اور نماز کے لئے حضرت عثمانؓ کا انتظار ہونے لگا تو میں نے ارادہ کیا کہ انتظار کے اس وقفہ میں دو رکعت نماز ہی پڑھ لوں، چنانچہ میں ایک طرف کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگا، دوسرے لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے اتنے میں جنازے سے آواز آئی السلام علیکم انصتوا انصتوا (یعنی خاموش ہو کر بات سنو) اس کے بعد مرحوم حضرت زید ابن خارجہؓ نے ایک طویل کلام فرمایا جس میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے بارے میں شہادت دی اور ان کے کچھ اوصاف بیان فرمائے اور اخیر میں حضرت عثمان کے بارے میں ایک پیشین گوئی فرمائی جو بعد میں بالکل حق ثابت ہوئی۔

حضرت زید ابن خارجہ کے بعد الموت تکلم کرنے کا یہ واقعہ اور ان کا وہ پورا کلام قریب قریب ان سب کتابوں میں مروی ہے جو صحابہ کرام کے احوال میں لکھی گئی ہیں اور ائمہ حدیث وروایت نے اس کو قبول کیا ہے امام بخاری تک نے اس کو ذکر کیا ہے، کما فی الاصابہ، (بحوالہ تذکرہ شاہ عبدالرحیم وشاہ ابوالرضا دہلوی مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی علیہ الرحمہ مع ضمیمہ ''اہل قبور کی زندوں سے ہم کلامی'' از مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم ص ۱۷۱، ص ۱۷۲) (تہذیب، عمدۃ الاخبار، اکفار الملحدین بحوالہ ملفوظات محدث کشمیریؒ، مرتب مولانا سید احمد رضا بجنوری مؤلف انوار الباری دامت برکاتہم ص ۱۲۸)

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی رحمہ اللہ اکبرآباد میں حضرت اقدس مرزا محمد زاہد ہروی رحمہ اللہ کے درس سے فارغ ہو کر واپس تشریف لا رہے تھے، راہ میں ایک غیرآباد لمبی گلی پڑتی تھی اس وقت حضرت والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم صاحبؒ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ کے ابیات مزے لے لے کر پڑھ رہے تھے، وہ ابیات یہ ہیں۔

جز یاد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است

جز سر عشق ہرچہ بخوانی بطالت است

(یاد الٰہی کے سوا جو کچھ کہ تو کرے گا زندگی برباد کرنا ہے، اور عشق الٰہی کے اسرار کے بجز جو کچھ تو پڑھے گا وہ بے ہودگی اور غفلت ہے)

سعدی بشوئی لوح دل از نقش غیر حق

(اے سعدی تو دل کی تختی کو غیر اللہ کے نقش سے پاک اور صاف کر دے)

اب اس کے بعد والا مصرعہ یاد نہیں آتا اس لئے بار بار دہراتے اور آخری مصرعہ کو پڑھنا چاہتے ہیں مگر ذہن میں نہیں آتا اس پریشانی کے عالم میں تھے کہ پیچھے سے ایک درویش (جن کی وضع قطع فقیرانہ تھی) آپ کی داہنی طرف سے نکلے اور کہا کہ

علمے کہ راہ حق نہ نماید جہالت است (جو علم کہ خدا کی طرف راہ نہ دکھلائے وہ علم جہالت ہے) یہ سنتے ہی دل باغ باغ ہو گیا اور فرمایا اے درویش خدا آپ کو جزائے خیر دے آپ نے میرے دل کے اضطراب کو رفع کر دیا جو وہ درویش آگے بڑھ گئے تو خوشی کے عالم میں پوچھا کہ اے بھائی اتنا تو بتلاؤ کہ آپ کون ہیں؟ کہ آپ کے لئے دعا کرتا رہوں، انہوں نے فرمایا ''سعدیؔ میں فقیر است'' (جسے سعدی کہتے ہیں وہ اسی فقیر کا نام ہے)

(۳) ''ملفوظات'' مولانا احمد رضا خاں صاحب میں ہے:۔

عرض:۔ کیا یہ روایت صحیح ہے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ قبر شریف میں ننگے سر کھڑے ہوئے گانے والوں پر لعنت فرما رہے تھے؟

ارشاد:۔ یہ واقعہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ آپ کے مزار شریف پر مجلس سماع میں قوالی ہو رہی تھی، آج کل تو لوگوں نے بہت اختراع کر لیا ہے ناچ وغیرہ بھی کراتے ہیں، حالانکہ اس وقت بار گاہوں میں مزامیر بھی نہ تھے حضرت سید ابراہیم امیر جی رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے پیروں کے سلسلہ میں سے ہیں باہر مجلس سماع کے تشریف فرما تھے ایک صاحب صالحین سے آپ کے پاس آئے اور گذارش کی کہ مجلس میں تشریف لے چلئے۔ حضرت سید ابراہیم امیر جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تم جاننے والے ہو، مواجہ اقدس میں حاضر ہوا گر حضرت راضی ہوں تو میں ابھی چلتا ہوں، انہوں نے مزار اقدس میں مراقبہ کیا، دیکھا کہ حضور قبر شریف میں پریشان خاطر ہیں اور ان قوالوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں:۔ ''ایں بدبختاں وقت مارا پریشان کردہ اند'' وہ واپس آئے اور قبل اس کے کہ عرض کریں فرمایا آپ نے دیکھا؟ (ملفوظات جلد نمبر ص ۹۰ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ص ۹۹ ص ۱۰۰ جلد ۲)

(۴) علامہ کمال الدین ابن ہمام صاحب فتح القدیر رحمہ اللہ شیخ اسکندری کی قبر شریف پر زیارت کے لئے

گنے اور سورۂ ہود پڑھنی شروع کی، جب اس آیت پر پہنچے۔ فمنهم شقی وسعید (یعنی پس بعض ان لوگوں میں سے بد بخت ہیں اور بعض نیک بخت) تو شیخ قبر کے اندر بلند آواز سے جواب دیتے ہیں کہ "لیس فینا شقی" (یعنی اے کمال ہم میں کوئی بد بخت نہیں ہے) اسی لئے علامہ کمال الدین ابن ہمام نے وقت انتقال وصیت کی کہ میں شیخ کی قبر کے متصل دفن کیا جاؤں۔ (اکمال الشیم ص ۳)

(۵) حضرت محمد بن نافع رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے مرحوم ابونواس رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا کہ رحمت کے لباس میں ہیں، تب میں نے کہا کہ حق تبارک وتعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا، کہا کہ میں نے اپنی موت سے پہلے چند ابیات لکھے تھے جس کے باعث مجھے بخش دیا گیا اور وہ ابیات میرے تکیہ کے نیچے رکھے ہیں، چنانچہ صبح ہوتے ہی میں ان کے گھر پہنچا اور خواب کا واقعہ گھر والوں کو سنا کر تکیہ اٹھا کر دیکھا تو ابیات والا کاغذ پایا جس میں یہ اشعار تھے۔

یا رب ان عظمت ذنوبی کثیرۃ
فلقد علمت بان عفوک اعظم
ان کان لایرجوک الا محسن
فمن الذی یدعوا ویرجوا المجرم
ادعوک رب کما امرت تضرعا
فاذا رددت یدی فمن ذایرحم
مالی الیک وسیلۃ الا الرجاء
وجمیل عفوک ثم انی مسلم

ترجمہ: (۱) اے میرے رب اگرچہ میرے گناہ بہت زیادہ ہیں لیکن میرا عقیدہ ہے کہ تیرا کرم اور عفو میرے گناہوں سے کئی درجہ زیادہ ہے۔

(۲) اگر جو تیری ذات پاک سے نیک بندہ ہی بخشش کا امیدوار ہو تو (مجھ جیسا سیاہ کار کس کو پکارے اور کس سے بخشش کی امید رکھے۔

(۳) اے خدا میں تجھے آہ وزاری کے ساتھ پکارتا ہوں جیسا کہ تو نے حکم دیا ہے اگر تو مجھ گنہگار کا دست دعا رد کر دے تو مجھ تباہ کار پر کون رحم کرے۔

(۴) سوائے امید کے میرا کوئی وسیلۂ نجات نہیں ہے اور دراصل بات یہ ہے کہ تیری بخشش تو روشن اور ظاہر ہے ہاں ایک بات یہ ہے کہ میں مسلمان اور اسلام کا نام لیوا ہوں۔

(۶) بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوابراہیم قاضی نیشاپوریؒ سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تب کسی نے اس آدمی کی متعلق آپ سے کہا کہ حضرت اس شیخ کا عجیب قصہ ہے اس وقت حضرت ابراہیمؒ نے اس سے کہا کہ اے شخص وہ کیا قصہ ہے اس نے کہا کہ حضور اس سے پہلے میں کفن چور تھا۔ اتفاقاً ایک عورت کا انتقال ہو گیا تو میں اس کی قبر کو پہچاننے کے لئے وہاں گیا اور اس پر نماز بھی پڑھی اور جب کہ رات کو میں

نے قبر کھود کر اس کی قبر پر اپنا ہاتھ بڑھایا تب اس عورت نے کہا کہ سبحان اللہ یہ کیا عجیب بات ہے کہ ایک جنتی مرد ایک جنتی عورت کا کپڑا کھینچ رہا ہے، تجھے خبر بھی ہے کہ تو نے مجھ پر نماز پڑھی ہے اس کی خدا نے مغفرت فرمائی ہے، **اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم** (ص ۲۱۷، ص ۲۱۸)۔

(۷) ''کتاب المنامات'' میں منقول ہے) کہ ابو بکر ابن خیاطؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز خواب میں میں نے اپنے آپ کو قبرستان میں دیکھا دیکھ رہا ہوں کہ اہل قبور اپنی اپنی قبروں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے سامنے جنت کی خوشبو اور ریحان ہے اور شیخ المشائخ حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ آمد و رفت فرما رہے ہیں تب میں نے حضرت معروف کرخی سے کہا کہ حضور آپ تو وفات پا چکے ہیں، جواب میں فرمایا۔

موت التقی حیات لا نفاد لھا

قد مات قوم وھم فی الناس احیاء

یعنی:۔ جس نے پرہیزگاری اور تقویٰ اختیار کیا، موت کے بعد اس کو ایسی زندگی میسر ہوتی ہے کہ جس کے لئے فنا نہیں ہے، کسی نے خوب کہا ہے۔

شہیدان محبت کو کبھی مرتے نہیں دیکھا
حیات جاودانی ملتی ہے تو فنا ہو کر

(۸) مشہور تابعی ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ میں شام سے بصرہ کی طرف آیا ایک منزل پر میں نے قیام کیا وہاں میں نے رات کو وضو کر کے دو رکعتیں پڑھیں وہاں ایک قبر بھی تھی میں اسی پر سر رکھ کر سو گیا پھر میری آنکھ کھل گئی تو صاحب قبر نے شکایت کرتے ہوئے مجھ سے کہا کہ تم نے آج رات مجھے ایذاء پہنچائی (یعنی تمہارا سر رکھ کر سونا میری ایذاء کا سبب ہوا) پھر اسی صاحب قبر نے کہا کہ تم زندہ لوگ عمل کرتے ہو اور (اس کا نتیجہ کا) علم تم کو نہیں ہے اور مردوں کو علم ہو گیا ہے مگر افسوس ہم عمل نہیں کر سکتے، پھر کہا کہ جو دو رکعتیں تم نے اس وقت پڑھیں وہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں، اللہ تعالیٰ دنیا کے زندہ لوگوں کو ان کے اعمال کی بہتر جزا دے میری طرف سے ان کو سلام پہنچاؤ ان کی دعاؤں سے ہم مردوں کو پہاڑوں کی عظیم مقدار میں انوار ملتے ہیں۔

(اہل قبور کی زندوں سے ہم کلامی ص ۱۶۱، ص ۱۶۲ مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہم ضمیمہ تذکرہ حضرت شاہ عبدالرحیم وشاہ ابوالرضا دہلویؒ)

(۹) جلیل القدر تابعی مطرف بن عبداللہ الحراشیؒ فرماتے ہیں کہ ایک جمعہ کے دن میں ایک قبرستان کے پاس سے گذرا، میں نے دیکھا کہ ایک جنازہ وہاں آیا ہوا ہے، میں نے سوچا کہ موقع غنیمت ہے اس جنازہ میں بھی شرکت کر لو، چنانچہ میں اسی ارادے سے قبرستان میں آ گیا، پھر میں لوگوں کے پاس سے ہٹ کر ایک طرف آ گیا اور وہاں میں نے دو رکعت نماز پڑھی اور بالارادہ ہلکی اور مختصر پڑھی، اس کے بعد مجھے کچھ اونگھ سی آ گئی، یہاں ایک قبر تھی، میں نے دیکھا کہ صاحب قبر مجھ سے کہہ رہا ہے کہ تم نے یہ دو رکعتیں زیادہ اچھی نہیں پڑھیں، میں نے کہا ہاں بے شک ایسا ہی ہوا ہے، اس صاحب قبر نے فرمایا'' تم زندہ لوگ عمل کرتے ہو لیکن تم کو علم نہیں ہے (یعنی اعمال کے ثواب وعذاب کے بارے میں وہ علم نہیں ہے جو مرنے کے بعد ہم کو حاصل ہو گیا ہے) اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم یہاں کوئی عمل نہیں

کر سکتے (پس تم لوگوں پر رشک کرتے ہیں) بخدا اگر مجھے یہاں ایسی ہلکی اور مختصر ہی دو رکعتیں پڑھنے کا موقع دے دیا جائے جیسی تم نے پڑھی ہیں تو میرے لئے یہ دو رکعتیں پوری دنیا اور اس کے سارے ساز و سامان سے زیادہ ہوں گی (مطرف بن عبداللہ کہتے ہیں کہ) اس کے بعد میں نے اس صاحب قبر سے پوچھا کہ یہاں کس قسم کے لوگ مدفون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ خدا کے فضل سے سب مسلمین ہیں اور سب کو اللہ تعالیٰ کا فضل نصیب ہے میں نے کہا اچھا یہ بتائیے کہ یہاں کے مدفونوں میں سب سے افضل کون ہے؟ انہوں نے ایک قبر کی طرف اشارہ کیا...... میں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ اس قبر والے اپنے بندے کو میرے لئے باہر نکال دے تاکہ میں اس سے کچھ باتیں کر سکوں تو اس قبر سے ایک جوان نکل کر میرے سامنے آ گیا، میں نے اس سے کہا آپ یہاں والوں میں سب سے افضل ہیں، اس نے کہا یہ لوگ ایسی بات کہتے ہیں میں نے کہا اس چھوٹی سی عمر میں آپ کو یہ بلند مقام کیوں کر حاصل ہوا؟ کیا حج وعمرہ اور جہاد فی سبیل اللہ اور دوسرے اعمال کی کثرت سے؟ انہوں نے کہا میرا معاملہ یہ ہے کہ مجھے دنیوی زندگی میں مصائب اور تکلیف کا بہت سامنا ہوا اور مجھے ان پر صبر کی توفیق ملی، بس اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل وکرم اسی کا صلہ ہے۔
(اہل قبور کی زندوں سے ہم کلامی ص ۱۶۲، ص ۱۶۳)

(۱۰) علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے عہد صحابہ کا ایک عجیب وغریب واقعہ صعب بن جثامہ اور عوف بن مالک رضی اللہ عنہم کا نقل کیا ہے۔

صعب بن جثامہ اور عوف بن مالک ان دونوں کے درمیان عہد مواخات (یعنی بھائی چارہ کا معاہدہ) ہوا ان میں سے صعب بن جثامہ کا انتقال ہو گیا، عوف بن مالک نے ان کو خواب میں دیکھا تو انہوں نے (چند دوسری باتوں کے علاوہ) عوف کو یہ بھی بتایا کہ میں نے فلاں یہودی سے دس دینار قرض لئے تھے اور وہ میرے ہاں ''قرن'' (سینگ) میں رکھے ہوئے ہیں وہ اس یہودی کو دے دیئے جائیں، عوف کہتے ہیں کہ صبح ہوئی تو میں نے دل میں کہا کہ اس کو خواب میں تو بڑی تعلیم اور بڑا پیغام ہے میں صعب کے گھر آیا، سب سے پہلے میں نے ''قرن'' اتروایا اور جو کچھ اس میں تھا اس کو نکالا تو اس میں وہ تھیلی نکلی جس میں دینار محفوظ تھے، میں وہ دینار لے کر اس یہودی کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ کیا صعب پر تمہارا کچھ قرض تھا یا نہیں تو اس نے کہا کہ ہاں انہوں نے دس دینار قرض لئے تھے عوف کہتے ہیں کہ میں نے وہ دینار جو قرن سے نکلوائے تھے وہ اس کے سامنے ڈال دیئے تو اس نے دیکھ کر کہا خدا کی قسم یہ تو بعینہ میرے والے دینار ہیں۔'' (کتاب الروح ص ۱۹ مختصراً وملخصاً'' بحوالہ ''اہل قبور کی زندوں سے ہم کلامی ص ۱۶۶)

(۱۱) اس سے بھی زیادہ عجیب واقعہ حضرت ابن قیس بن شماسؓ کا ہے، جس کو ابو عمرو عبدالبر نے سند کے ساتھ ان کی صاحبزادی کی روایت سے نقل کیا ہے۔

ثابت بن قیسؓ معرکہ یمامہ میں شہید ہوئے (یعنی اس جنگ میں جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مدعی نبوت مسیلمہ کذاب اور اس کے لشکر کے ساتھ حضرت خالد ابن ولیدؓ کی کمان میں لڑی گئی) جس وقت وہ شہید ہوئے تو ان کے جسم پر ایک بہت نفیس اور قیمتی زرہ تھی، مسلمانوں ہی کے لشکر میں کا ایک آدمی ان کے پاس سے گذرا تو اس نے ان کی وہ زرہ اتار کر اپنے قبضہ میں کر لی۔ لشکر کے ایک مجاہد نے ثابت بن قیس کو خواب میں دیکھا انہوں نے فرمایا میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں، ایسا نہ ہو کہ تم یہ خیال کر کے کہ یہ ایک بے حقیقت خواب ہے اس کو ضائع کر دو، مجھے کہنا یہ

ہے کہ میں کل شہید کردیا گیا ہوں اور مسلمانوں ہی میں ایک شخص نے میری زرہ لے لی ہے اوراس کا خیمہ بالکل آخری کنارہ پر ہے اورایک پہچان یہ ہے کہ اس کے خیمہ کے پاس ایک گھوڑا ہے جو بہت اچھلتا کودتا ہے اس نے میری زرہ کو اس طرح چھپایا ہے کہ اس کے اوپر ایک بڑی ہانڈی الٹ دی ہے اوراس کے اوپر کجاوہ ہے، تم خالد بن ولید سے کہو کہ وہ کسی کو بھیج کراس سے میری زرہ حاصل کریں، اور جب تم مدینہ پہنچوتو خلیفۂ رسول ابوبکر صدیقؓ سے عرض کرنا کہ مجھ پر اتنا قرض ہے اور میرے غلاموں میں سے فلاں فلاں آزاد ہیں (یعنی میں ان کو آزاد کرتا ہوں) چنانچہ یہ صاحب جن کو ثابت بن قیس نے خواب میں یہ وصیت کی تھی حضرت خالدؓ کے پاس آئے اوران سے زرہ والی بات کہی، انہوں نے آدمی بھیج کر خواب کی نشاندہی کے مطابق وہ زرہ حاصل کرلی اور جب یہ صاحب مدینہ آئے تو حضرت ابوبکرؓ کو حضرت ثابت کا خواب والا پیغام پہنچایا حضرت ابوبکرؓ نے ان کی وصیت کے نفاذ کا حکم دیا۔

(کتاب الروح ص ۲۱ بحوالہ ''اہل قبور کی زندوں سے ہم کلامی ص ۱۶۶ تا ص ۱۶۹)

(۱۲) حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی تصنیف ''شوق وطن'' میں ہے۔

عن جبير رضى الله عنه قال اما والله الذى لا اله الا هو لقد ادخلت ثابتا البنانى فى الحده ومعى حميد الطويل فلما سوينا عليه اللبن سقطت لبنة فاذا هو فى قبره يصلى وكان يقول فى دعائه اللّهم ان كنت اعطيته احدا من خلقت الصلوٰة فى قبره فاعطينها فما كان الله ليرد دعاءً.
(اخرجه ابو نعيم فى الحلية.

ترجمہ: حضرت جبیرؒ سے روایت ہے وہ قسم اللہ وحدہ لاشریک لہ، کی کھا کر کہتے ہیں کہ میں نے ثابت بنانیؒ کو ان کی لحد میں رکھا اور میرے ساتھ حمید طویل بھی تھے جب ہم نے ان پر کچی اینٹیں چنیں تو ایک اینٹ گر پڑی میں دیکھتا کیا ہوں کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور وہ اپنی دعاء میں کہا کرتے تھے کہ اے اللہ اگر کسی کو آپ نے قبر میں نماز پڑھنا عطا فرمایا ہے تو مجھ کو بھی عطا کیجئے، سوخدا تعالیٰ نے ان کی دعا رد نہیں فرمائی (بلکہ جیسا موسیٰ کو یہ دولت عطا فرمائی ہے (اخرجہ مسلم) اسی طرح ان کو عطا ہوئی۔ (شوق وطن ص ۲۳) (ص ۳۹، ص ۴۰ مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ محمد علی روڈ بمبئی)

نیز شوق وطن میں ہے۔

(۱۳) عن ابن عباس قال ان بعض اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم جلس على قبر وهو لا يحسب انه قبر فاذا فيه انسان يقرأ سورة الملك حتى ختمها فاتى النبى صلى الله عليه وسلم فاخبرد فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم هى المانعة وهى المنجية تنجيه من عذاب القبر اخرجه الترمذى. شوق وطن ص ۲۳-۲۴ ص ۴۰ مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ بمبئی نمبر ۳۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے کوئی صحابہ کسی قبر پر بیٹھ گئے اور (بوجہ نشان نہ ہونے کے) ان کو معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے سو دیکھتے کیا ہیں کہ اس کے اندر ایک آدمی ہے جو سورۂ ملک پڑھ رہا ہے یہاں تک کہ اس کو پورا ختم کیا انہوں نے نبی ﷺ کو آ کر خبر کی آپ نے فرمایا کہ یہ سورت (عذاب سے) بچانے والی ہے اور وہ نجات دینے والی ہے کہ مردے کو عذاب قبر سے نجات دیتی ہے۔

(۱۴) حکایت:

مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ اخبار الاخیار میں شیخ محمد ترک نارنولیؒ کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ وہاں دو شہیدوں کی قبریں ہیں ایک کو بوجہ بلند زمین بلند شہید اور دوسرے کو بوجہ نشیب زمین نشیب شہید کہتے ہیں یہ دونوں شہداء حافظ کلام اللہ تھے کہتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے ان کی قبروں سے تلاوت قرآن کی آواز سنی ہے جو بطریق دور پڑھتے تھے۔

(۱۵) حکایت:

صاحب خزینۃ الاصفیاء شیخ روز بھان کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ شیخ ابو طاہر جو شیخ روز بھان کے اصحاب میں سے ہیں کہتے) ہیں کہ میں اور شیخ روز بھان ہر روز صبح کو قرآن کا دور کیا کرتے تھے، جب ان کا انتقال ہو گیا تو دنیا میری نظر میں تیرہ و تاریک ہوگئی، ایک دن میں نے پچھلی رات کو اٹھ کر نماز پڑھی اور شیخ کی قبر کے سرہانے بیٹھ کر قرآن شریف پڑھنا شروع کیا مگر مجھے اپنی تنہائی و بے کسی پر رونا آیا اسی حالت میں میں نے شیخ کی قبر سے تلاوت قرآن کی آواز سنی اور جب تک لوگ جمع نہیں ہوئے برابر سنتا رہا یہی حال ایک عرصہ تک رہا مگر جب میں نے اس کا ذکر اپنے ایک دوست سے کردیا تو اس روز سے آواز کا آنا موقوف ہو گیا۔

(۱۶) حکایت:

صاحب ماثر الکرام نے بحوالہ کتاب اخبار الاصفیاء رقم فرمایا ہے کہ حافظ محمود قرآن خواں بلگرامی قدس سرہٗ جو اپنے وقت کے ممتاز و برگزیدہ بزرگ تھے جب سے اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو تشریف لے گئے ہمیشہ ہر شب جمعہ کو ان کے مرقد منور سے قرآن خوانی کی آواز کاملین کو سنائی دیتی ہے۔

(۱۷) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع احکام القرآن میں تحریر فرماتے ہیں۔

علامہ یافعیؒ نے روض الریاحین میں بعض صالحین سے نقل کیا ہے کہ میں نے ایک شخص کی قبر کھودی اور لحد بنائی لحد بناتے ہوئے اس کے قریب کے قبر کی ایک اینٹ گر پڑی میں نے دیکھا کہ ایک شیخ تشریف فرما ہیں اور ان کے بدن پر سفید کپڑے لہرا رہے ہیں ان کی گود میں ایک قرآن ہے جو سونے کا لکھا ہوا ہے اور تلاوت میں مشغول ہیں انہوں نے سر اٹھایا اور مجھ سے کہا اللہ آپ پر رحم فرمائے کیا قیامت قائم ہوگئی؟ میں نے کہا نہیں تو انہوں نے کہا اینٹ اسی جگہ رکھ دو اللہ آپ کو عافیت سے رکھے چنانچہ میں نے اینٹ اسی جگہ رکھ دی۔

ویشبہ ہذا ما حکاہ الیافعی فی روض الریاحین عن بعض الصالحین قال: حضرت قبر الرجل من العباد والحدتہ ،فبینا انا اسوی اللحد اذ سقطت لبنۃ من لحد قبر یلیہ ، فنظرت ، فاذا بشیخ جالس فی القبر علیہ ثیاب بیض تقعقع وفی حجرہ مصحف من ذہب مکتوب بالذہب وہو یقرأ فیہ فرفع رأسہ و قال لی اقامت القیامۃ رحمک اللہ ؟ قلت لا، قال رد اللبنۃ الی موضعہا عافاک اللہ تعالیٰ فردوتہا.

(احکام القرآن ص ۱۷۸ ج ۳ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، پاکستان)

(۱۸) نیز احکام القرآن میں ہے۔

ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے..... ابن میناء فرماتے ہیں کہ میں ایک جنگل میں پہنچا اور دو رکعت مختصری پڑھیں، پھر ایک قبر سے ٹیک لگا کر لیٹ گیا میں ابھی بیدار ہی تھا کہ قبر سے ایک آواز سنی، تم اٹھ جاؤ، تم نے مجھے ایذا پہنچائی تم عمل کرتے ہو لیکن تم کو علم نہیں (کہ اس کا کتنا ثواب ہے) اور ہم جانتے ہیں لیکن عمل نہیں کر سکتے، اللہ کی قسم میں تمہاری طرح دو رکعتیں پڑھوں یہ مجھے دنیا و مافیہا سے محبوب ہے اخرج ابن ابی الدنیا و البیهقی فی دلائل النبوة من طریق المعتمر بن سلیمان عن ابیه عن ابی عثمان النهدی عن ابن میناء قال دخلت الجبانة فصلیت رکعتین خفیفتین ثم اضطجعت الی قبر فو الله انی لنبها ن اذسمعت قائلاً فی القبر یقول، قم فقد اذیتنی ، انکم لتعملون ولکن لا تعلمون ونحن نعلم ولا نعمل فالله لان اکون صلیت مثل رکعتیک احب الی من الدنیا وما فیها (احکام القرآن ص ۱۷۹ ج ۳)

(۱۹) نیز احکام القرآن میں ہے، حاکم نے تاریخ نیشاپور میں اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں ایسی سند کے ساتھ جس میں ایک راوی مجہول ہیں سعید بن مسیبؒ سے روایت کی ہے، آپ فرماتے ہیں ہم امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہمراہ مدینہ منورہ کے قبرستان میں داخل ہوئے آپ نے پکارا اے اہل قبور اسلام علیکم، تم ہمیں اپنی خبر بتاؤ یا تم ہم سے خبر سننا چاہتے ہو، ہم نے ایک قبر میں سے آواز سنی وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته یا امیر المومنین ہمارے بعد کیا ہوا آپ اس کی خبر بتاؤ، حضرت علیؓ نے فرمایا تمہاری بیویوں نے نکاح کر لیا، تمہارا مال تقسیم ہو گیا اولاد یتیم ہو گئی تمہارے مکانوں میں تمہارے دشمن رہنے لگے یہ ہماری خبر ہے، تمہاری کیا خبر ہے؟ ایک میت نے جواب دیا تحقیق کہ کفن پھٹ گئے بال بکھر گئے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، آنکھیں نکل پڑیں ناک سے خون پیپ بہنے لگا، ہم نے جو آگے بھیجا وہ پایا، اور جو چھوڑ کر آئے اس میں ہمیں نقصان ہوا اور ہم اپنے اعمال میں مرہون ومحبوس ہیں۔

واخرج الحاکم فی تاریخ نیسابور و البیهقی وابن عساکر فی تاریخ دمشق بسند فیه من یجهل عن سعید بن المسیب قال: دخلنا مقابر المدینة مع علی ابن ابی طالب کرم الله وجهه فنادی، یا اهل القبور السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته تخبرونا باخبارکم ام تریدون ان نخبرکم؟ قال فسمعنا صوتاً من داخل القبر وعلیک السلام ورحمة الله وبرکاته یا امیر المؤمنین اخبرنا عما کان بعدنا فقال علی رضی الله عنه اما ازواجکم فقد تزوجن واما اموالکم فقد قسمت والاولاد فقد حشر وافی زمرة الیتامی والبناء الذی شید تم فقد سکنه اعداء کم فهذا اخبار ما عندنا فما اخبارکم ما عندکم فاجابه میت: قد تخرقت الاکفان وانتثرت الشعور و تقطعت الجلود وسالت الاحداق علی الخدود وسالت المناخر بالقیح والصدید وما قدمناه وجدناه وما خلفناه خسرناه ونحن مرتهون بالاعمال. (احکام القرآن ص ۱۷۸، ص ۱۷۹ ج ۳)

(۲۰) امام بخاری علیہ الرحمہ نے ''تاریخ'' میں اور ابن مندہ نے حضرت عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے

آپ نے فرمایا کہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے ثابت بن قیس شماسؓ کو دفن کیا اور آپ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے، جب ہم نے ان کو قبر میں اتارا تو ہم نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا "محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، ابوبکر صدیق ہیں، عمرؓ شہید ہیں، عثمانؓ امانت دار قابل رحم ہیں، ہم نے ان کو دیکھا وہ مردہ تھے (اور مردہ ہونے کی حالت میں یہ کلام کیا) **واخرج البخاری فی تاریخه و ابن منده عن عبداللہ بن عبیدا للہ الا نصاری قالت کنت فی من دفن ثابت بن قیس بن شماس و کان اصیب یوم الیمامة فلما ادخلناه قبره سمعناه یقول " محمد رسول اللہ، ابو بکر الصدیق عمر الشهید، عثمان امین رحیم" فنظر الیه فاذا هو میت (احکام القرآن ص ۱۸۱ ج۳)**

(۲۱) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی علیہ الرحمہ "فضائل صدقات" میں روض الریاحین کے حوالہ میں نقل فرماتے ہیں۔

ایک کفن چور تھا وہ قبریں کھود کر کفن چرایا کرتا تھا اس نے ایک قبر کھودی تو اس میں ایک شخص اونچے تخت پر بیٹھے ہوئے قرآن پاک ان کے سامنے رکھا ہوا، وہ قرآن پڑھ رہے ہیں اور ان کے تخت کے نیچے ایک نہر چل رہی ہے، اس شخص پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا، لوگوں نے اسے قبر سے نکالا تین دن بعد ہوش آیا لوگوں نے قصہ پوچھا تو اس نے سارا حال سنایا، بعض لوگوں نے اس قبر کے دیکھنے کی تمنا کی اس سے پوچھا کہ قبر بتا دے اس نے ارادہ بھی کیا کہ ان کو لے جا کر قبر دکھاؤں رات کو خواب میں ان قبر والے بزرگ کو دیکھا کہہ رہے ہیں کہ اگر تو نے میرے قبر بتائی تو ایسی آفتوں میں پھنس جائے گا کہ یاد کرے گا، اس نے عہد کیا کہ نہیں بتاؤں گا۔ (روض) فضائل صدقات حصہ دوم ص ۴۷۵)

(۲۲) نیز فضائل صدقات میں ہے۔

"شیخ ابو یعقوب سنوسیؒ کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک مرید آیا اور کہنے لگا کہ میں کل کو ظہر کے وقت مر جاؤں گا، چنانچہ دوسرے دن ظہر کے وقت مسجد حرام میں آیا، طواف کیا اور تھوڑی دور جا کر مر گیا، میں نے اس کو غسل دیا اور دفن کیا، جب میں نے اس کو قبر میں رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں، میں نے کہا کہ مرنے کے بعد بھی زندگی ہے، کہنے لگا کہ میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر عاشق زندہ ہی رہتا ہے (روض) (فضائل صدقات ص ۴۷۸ حصہ دوم)

(۲۳) نیز فضائل صدقات میں ہے:۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرید کو غسل دیا، اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا، میں نے کہا میرا انگوٹھا چھوڑ دے، مجھے معلوم ہے کہ تو مرا نہیں ہے، یہ ایک مکان ہے، دوسرے مکان میں انتقال ہے، اس نے میرا انگوٹھا چھوڑ دیا، شیخ ابن الجلاء مشہور بزرگ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا اور ان کو نہلانے کے لئے تختہ پر رکھا تو وہ ہنسنے لگے نہلانے والے چھوڑ کر چلا دیئے، کسی کو ہمت ان کے نہلانے کی نہ پڑتی تھی، ایک اور بزرگ ان کے رفیق آئے تو انہوں نے غسل دیا۔ (روض) فضائل صدقات ص ۴۷۶ حصہ دوم)

اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں: غرض صاحب روض نے بہت سے واقعات ان مرنوں کے ایسے لکھے ہیں جن سے ان کے مرنے کے وقت اور مرنے کے بعد نہایت بشاش ہونا، ہنسنا مذاق کرنا، لطف اٹھانا

معلوم ہوتا ہے، مرنے کے بعد کلام کرنے کے واقعات حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب میں بھی ذکر کئے ہیں، حضرت زید بن خارجہؓ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ اس میں اختلاف نہیں کہ انہوں نے مرنے کے بعد کلام کیا اور اسی طرح بعض دوسرے صحابہ کرام سے بھی نقل کیا ہے۔ (فضائل صدقات ص ۴۷۶ حصہ دوم)

اب آخر میں ایک عجیب وغریب اور مستند اور مبارک واقعہ ملاحظہ ہو۔

(۲۴) امام جلال الدین سیوطی نے اپنے رسالہ "شرف محتم" میں سلسلہ وار سند سے لکھا ہے کہ وہ روایت کرتے ہیں شیخ کمال الدینؒ سے اور وہ شیخ شمس الدین جزری سے اور وہ شیخ زین الدین مراغی سے اور وہ شیخ عز الدین احمد فاروقی کے واسطے سے اور وہ اپنے والد شیخ ابواسحاق ابراہیم سے اور وہ اپنے باپ شیخ عز الدین عمر رحمہم اللہ تعالیٰ سے کہ میں ۵۵۵ھ میں سید احمد رفاعی کے ساتھ سفر حج میں تھا، جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے، اور روضہ شریف پر حاضر ہوئے تو انہوں نے ان الفاظ سے سلام عرض کیا السلام علیکم یا جدی (اے نانا جان آپ پر سلام) وہاں سے جواب عطا ہوا وعلیک السلام یا ولدی (تجھ پر سلام اے میرے بیٹے) کہ اس کو تمام اہل مسجد نے سنا، حضرت سید احمد رفاعیؒ پر وجد شدید نے غلبہ کیا اور بڑی دیر تک روتے رہے اور شدت شوق میں عرض کیا۔ یا جداہ۔

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها

تقبل الارض عنی وھی نائبتی

وھذہ دولة الاشباح قد حضرت

فامدد یمینک کی تحظی بها شفتی

یعنی:۔ اے نانا جان حالت بعد میں اپنی روح کو حضور میں بھیج دیا کرتا تھا وہ نائب بن کر زمین بوس ہو جاتی تھی، اب جسم کی حاضری کی نوبت آئی ہے سو ذرا اپنا دایاں دست مبارک دیجئے تا کہ میرا لب اس کے بوسہ سے مشرف ہو جائے۔ پس فوراً آپ ﷺ کا دست مبارک چمک اور مہک کے ساتھ قبر شریف سے ظاہر ہوا اور ہزاروں آدمیوں نے زیارت کی اور سید رفاعیؒ نے اس کا بوسہ لیا۔ (مجمع الجواہر ص ۱۸۶)

(۲۵) حقیقت السورت میں ہے:۔ سورت کے ایک بزرگ شیخ محمد فاضل سورتی رحمہ اللہ (آپ کی ولادت با سعادت ۱۲۱۷ھ میں ہوئی اور سن وفات ۱۳۰۲ھ ہے) جس روز آپ کی وفات ہوئی وہ عرفہ کا دن تھا، آپ فرما رہے تھے کہ میں حج کے لئے جا رہا ہوں چنانچہ سورة کے کچھ باشندے حج سے فارغ ہو کر واپس لوٹے تو ان کا بیان ہے کہ ہم نے مولانا صاحب کو حج کے دن عرفات میں دیکھا، دیگے از خوارق آنجناب یوم حج بود میگفتند کہ برائے حج میروم چوں بعضے از ساکنان سورت از حج فارغ شدہ آمدند گفتند کہ مولوی صاحب را در عرفات بروز حج دیدہ بودم۔

(حقیقت السورت فارسی ص ۹۳) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ احقر سید عبدالرحیم لاجپوری۔

بزرگان دین حین حیات یا بعد وفات حج کے لئے یا دیگر مقامات پر جا سکتے ہیں یا نہیں؟:

(سوال ۲۹) کیا فرماتے ہیں کہ علماء دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ بزرگان دین اپنی حیات میں مخفی طور پر یا بعد الوفات حج کے لئے اور اسی طرح دیگر مقامات پر جا سکتے ہیں یا نہیں؟ حوالوں کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں،

بینوا توجروا۔

(الجواب) اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقرب بندے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے سفر کر سکتے ہیں، حج کے لئے بھی جا سکتے ہیں ،مشیت الٰہی پر موقوف ہے خود ان کو اختیار نہیں ہوتا اور یہ درجہ یاد الٰہی ،سنت کی پیروی اور اتباع شریعت کی برکت سے حاصل ہوتا ہے یہ ان کی کرامت اور حضور اقدس ﷺ کا معجزہ ہوگا۔

حقیقت السورت میں ہے:۔سورت کے ایک بزرگ شیخ محمد فاضل سورتی رحمہ اللہ (آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۱۷ھ میں ہوئی اور سن وفات ۱۳۰۲ھ ہے) جس روز آپ کی وفات ہوئی وہ عرفہ کا دن تھا، آپ فرما رہے تھے کہ میں حج کے لئے جا رہا ہوں، چنانچہ سورت کے کچھ باشندے حج سے فارغ ہو کر واپس لوٹے تو ان کا بیان ہے کہ ہم نے مولانا صاحب کو حج کے دوران عرفات میں دیکھا تھا۔

دیگے از خوارق آنجناب یوم حج بدمی گفتند کہ برائے حج میروم چوں بعضی از ساکنان سورت از حج فارغ شدہ مدند گفتند کہ مولوی صاحب درعرفات بروز حج دیدہ بودم۔(حقیقت السورت فارسی ص ۹۳)

ایسا ہی ایک واقعہ اکمال الشیم میں شیخ عطاء اللہ اسکندری رحمہ اللہ مصنف ''الحکم'' کا لکھا ہے (شیخ احمد بن محمد بن عبدالکریم بن عطاء اللہؒ نے الحکم تصنیف فرمائی، آپ ابن عطاء اللہ اسکندری کے نام سے مشہور تھے، الحکم کے مضامین ابواب پر منقسم نہ تھے اس لئے شیخ علی متقی نے الحکم کے متفرق مضامین کو ابواب کے ماتحت مرتب فرمایا اور اس کتاب کا نام ''تبویب الحکم'' رکھا، پھر حضرت العلامہ مولانا الحافظ خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ نے تبویب الحکم کا اردو میں ترجمہ کیا اور اس کا نام ''اتمام النعم'' رکھا، اس کے بعد مولانا محمد عبداللہ صاحب گنگوہی نے اتمام النعم کی شرح لکھی، اور اس شرح کا نام ''اکمال الشیم'' رکھا، اس اکمال الشیم میں شیخ عطاء اللہ اسکندریؒ کے مختصر حالات قلم بند کئے ہیں، ان کے حالات میں یہ واقعہ تحریر فرمایا ہے)

''شیخ کے تلامذہ میں سے کوئی صاحب حج بیت اللہ کے لئے گئے تو شیخ کو انہوں نے مطاف میں پایا، حالانکہ ان کو اپنے مقام پر چھوڑ گئے تھے، پھر آگے چل کر مقام ابراہیم میں دیکھا اس کے بعد پھر صفا مروہ کی درمیان دیکھا۔ اس کے بعد عرفہ میں بھی دیکھا، جب حج سے واپس آئے تو شاگرد نے لوگوں سے دریافت کیا کہ کیا میرے بعد شیخ حج کو چلے گئے تھے، لوگوں نے انکار کیا جب استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دریافت کیا کہ سفر حج میں کن کن لوگوں کو دیکھا، شاگرد نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو بھی دیکھا تھا، شیخ مسکرا دیئے۔

غفر اللہ لہ ولنا ولجمیع عباد اللہ الصالحین بحرمۃ سیدنا محمد والہ واصحابہ الطاھرین ومتبعی سننہ اجمعین (اکمال الشیم ص ۳ و ص ۴) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حجر اسود کا بوسہ دینے میں اس کی عبادت کا شائبہ

(سوال ۳۰) غیر مسلم اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمان حجر اسود کو بوسہ دے کر اس کی پوجا کرتے ہیں، ان کو کیا جواب دیا جائے؟

(الجواب) حجر اسود کو بوسہ محبت کی غرض سے دیا جاتا ہے، بطور عبادت وعظمت اور حاجت روا جان کر نہیں دیا جاتا۔

مذکورہ اعتراض کا جواب آج سے چودہ سو سال پہلے دیا جا چکا ہے، نبی کریم ﷺ نے حجر اسود کے قریب کھڑے ہوکر فرمایا تھا انی لا علم انک حجر لاتضر و لا تنفع ولو لا امرنی ربی ان اقبلک ما اقبلک (ابن ابی شیبه)
ترجمہ: مجھے معلوم ہے تو ایک پتھر ہے نفع ونقصان پہنچانے پر قادر نہیں، میرا رب تجھے بوسہ دینے کا حکم نہ کرتا تو میں بوسہ نہ دیتا۔

اسی طرح اس مسئلہ کی تنقیح کرنے والے خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ ایک مرتبہ طواف فرمارہے تھے اس وقت کچھ نو مسلم دیہاتی بھی موجود تھے۔ حضرت عمرؓ جب حجر اسود کے قریب پہنچے تو چومنے سے قبل ذرا ٹھہر گئے اور فرمایا: انی لا علم انک حجر و لاتضر و لا تنفع ولو لا انی رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم قبلک ما اقبلک: (مشکوٰة باب دخول مکة والطواف فصل ثالث ص۲۲۸)
ترجمہ: میں جانتا ہوں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے (معبود نہیں ہے) نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع۔ اگر میں نے آپ ﷺ کو چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی تجھے نہ چومتا۔
ذرا سوچئے کہ مسلمان حجر اسود کو قابل پرستش اور حاجت روا اور نفع ونقصان کا مالک جانتے ہوتے تو اس طرح خطاب کا کیا مطلب؟ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ بوسہ صرف جذبۂ محبت میں دیتے ہیں، اپنی اولاد اور بیوی کو بھی بوسہ دیتے ہیں کیا انہیں معبود اور حاجت روا سمجھ کر بوسہ دیا جاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ فقط۔

طاعون سے متعلق اسلامی تعلیمات:

(سوال ۳۱) آج کل سورت میں بیماری پھیلی ہوئی ہے، حکومت اسے طاعون کہہ رہی ہے اور اسے ''چھپی روگ'' سمجھتی ہے یعنی یہ بیماری متعدی ہے ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جاتی ہے، کیا اسلامی تعلیمات کے اعتبار سے یہ بات صحیح ہے کہ ایک کی بیماری دوسرے کو لگتی ہے؟ اور وبا والی جگہ سے بھاگنے کا کیا حکم ہے؟ امید ہے کہ تفصیل سے اس پر روشنی ڈالیں گے۔

(الجواب) حامداو مصلیا و مسلما ۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا عقیدہ تھا کہ چند بیماریاں (جیسے خارش جذام وغیرہ) متعدی ہیں، جسے آج کی اصطلاح میں "چیپی روگ" کہا جاتا ہے، حضور اکرم ﷺ نے اس کی نفی فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا **لا عدویٰ الخ**.

اور حضور اقدس ﷺ جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں وہ منجانب اللہ ہوتا ہے قرآن مجید میں ہے۔ **وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یو حی.**

ترجمہ: اور نہ آپ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں، آپ کا ارشاد نری وحی ہے جوان پر بھیجی جاتی ہے۔ (قرآن مجید، سورۂ نجم پ ۲۷) لہذا حضور ﷺ کا مذکور فرمان عالی بھی منجانب اللہ وحی ہے۔ پوری حدیث ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے۔

سمعت اباھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنه یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا عدویٰ ولا طیرۃ ولا ھامة ولا صفر الخ (بخاری شریف ص ۸۵۰)

کتاب الطب باب الجذام (مشکوٰۃ شریف ص ۳۹۱ باب الفال والطیرۃ)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہ (مرض کا) تعدیہ ہے (بلکہ جس طرح حق تعالیٰ کسی کو مریض بناتے ہیں اسی طرح دوسرے کو اپنے مستقل تصرف سے مریض کر دیتے ہیں، میل جول سے مرض کسی کو نہیں لگتا یہ سب وہم ہے) اور نہ (جانور کے اڑنے سے) بدشگونی لینا کوئی چیز ہے (جیسا کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ داہنی جانب سے تیتر وغیرہ اڑے تو منحوس جانتے ہیں یہ سب ڈھکوسلے ہیں) اور نہ الو کی نحوست کوئی چیز ہے، جیسا کہ عام طور پر لوگ اس کو منحوس خیال کرتے ہیں یہ بالکل من گھڑت بات ہے اور حدیث صریح کے خلاف ہے) اور ایک رسم ماہ صفر میں آخری چہار شنبہ کی مروج ہے یہ بھی بالکل بے اصل ہے۔ (ترجمہ مع تشریح ماخوذ از خطبات الاحکام خطبہ نمبر ۴۰)

دوسری حدیث میں ہے۔ **عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا عدوی ولا ھامة ولا صفر فقال اعرابی یا رسول اللہ فما بال الا بل تکون فی الرمل لکا نھا الظبآء فیخا لطھا البعیر الا جرب فیجربھا ؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فمن أعدی الاول؟** (بخاری شریف ج۲ ص ۸۵۹، کتاب الطب، باب لا ھامة) (مسلم شریف ج۲ ص ۲۳۰)

(مشکوۃ شریف ص ۳۹۱ باب الفال والطیرۃ)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی اور نہ بدشگونی لینا ہے اور نہ صفر ہے، پس ایک اعرابی نے کہا یا رسول اللہ! پس اونٹوں کا کیا حال ہے کہ وہ ریگستان میں ہرنوں کی طرح تندرست ہوتے ہیں، پھر ان میں ایک خارشی اونٹ ملتا ہے پھر وہ دوسروں کو خارشی کر دیتا ہے، پس پیغمبر خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا! پس کس نے خارشی کیا ہے پہلے کو؟ یعنی وہ بھی بتقدیر الٰہی خارشی ہوا تھا یہ بھی بتقدیر الٰہی ہوئے۔)

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ اسلام میں مرض متعدی ہونے (بالفاظ دیگر چیپی روگ) کا کوئی تصور

اور عقیدہ نہیں ہے، ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حکم اور تقدیر الٰہی سے ہوتی ہے لہذا یہ عقیدہ اور خیال کرکے کہ دوسرے کی بیماری مجھے لگ جائے گی یا میں طاعون والی جگہ میں رہوں گا تو موت آ جائے گی طاعون والی جگہ سے بھاگنا جائز نہیں ہے۔ حدیث میں ممانعت آئی ہے، بخاری شریف میں ہے۔

حدثنا حفص بن عمر قال سمعت اسامة بن زيد يحدث سعداً عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال اذا سمعتم بالطاعون بارض فلا تد خلوها واذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا منها لقوله عليه السلام في آخر الحديث ولا تخرجوا منها فراراً منه. ويدل على التحريم ماروى عن ام المؤمنين عائشة رضى الله عنها انه عليه السلام قال الفارمن الطاعون كالفارمن الزحف. واخرج ابن خزيمة في صحيحه ان الفرار منه من الكبائر والله تعالىٰ يعاقب عليه ان لم يعف. الى قوله . ونقل ابو الحسن المدائنيؒ عن ابيه قال فلما فر احد من الطاعون فسلم. قال تاج الدين السبكى والذى حكاه مجرب وليس ببعيد ان يجعل الله الفرار منه سبباً لقصر العمر وقد جاء في الكتاب الكريم ما يؤخذ منه ان الفرار من الجهاد سبب لقصر العمر وهو قوله تعالىٰ قل لن ينفعكم الفراران فررتم من الموت او القتل واذا لا تمتعون الا قليلاً. وحكى ان والده استنبط ذالك من هذه الاية (مجالس الابرار ص ۳۴۵ وص ۳۴۶ مجلس نمبر ۵۹)

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہمانے حضرت سعدؓ کو یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم کسی جگہ طاعون پھیلنے کی خبر سنو تو وہاں مت جاؤں اور جہاں تم مقیم ہو وہاں طاعون پھیل جائے جملہ" **ولا تخرجوا فراراً منه** " (طاعون سے بھاگ کر مت نکلو) کی وجہ سے اور حرمت پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا طاعون سے بھاگنے والا جہاد سے بھاگنے والے کے برابر ہے اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ اس سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر عذاب دے گا اگر معاف نہ کیا۔ الیٰ قولہ۔ اور ابوالحسن مدائنیؒ نے اپنے والد بزرگوار سے نقل کیا ہے کہ طاعون سے بھاگنے والا کم بچتا ہے تاج الدین سبکیؒ فرماتے ہیں یہ جو بیان کیا ہے یہ بات آزمائی ہوئی ہے اور کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ طاعون سے بھاگنے کے سبب سے عمر کم کردے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **قل لن ينفعكم الفرار**...... آپ فرمادیجئے کہ تم کو بھاگنا کچھ نافع نہیں ہوسکتا اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگتے ہو اور اس حالت میں بجز تھوڑے دنوں کے اور زیادہ متمتع نہیں ہوسکتے نقل کیا ہے کہ امام تاج الدین سبکیؒ کے والد بزرگوار (جو بڑے محدث گذرے ہیں) اسی آیت سے استنباط فرماتے ہیں کہ طاعون سے بھاگنے والا زیادہ مدت زندگی کے فوائد حاصل نہیں کرتا بلکہ اس کی عمر کم ہوجاتی ہے۔

اس کے قریب قریب مضمون امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے بھی تحریر فرمایا ہے ملاحظہ ہو مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی ص ۴۳۰ ج ۱، فارسی، مکتوب نمبر ۲۹۹۔

لہذا اللہ رب العزت پر یقین کرتے ہوئے وہیں ٹھہرے رہیں بھاگنے کی کوشش نہ کریں اس جگہ سے بھاگ جانا نجات کا سبب نہیں ہے اپنے گناہوں پر توبہ استغفار اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور انابت یہ چیزیں در اصل نجات دینے والی ہیں، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرار سے نہی والی حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔ **قال ابن**

الملک فان العذاب لا یدفعه الفرار وانما یمنعه التوبة والا ستغفار. ابن ملکؒ فرماتے ہیں فرار عذاب الٰہی کو دور نہیں کرتا، عذاب الٰہی کو دور کرنے والی چیز توبہ اور استغفار ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۳۶۰ ج ۳ ملتانی)

نیز اس میں یہ حکمت بھی پیش نظر ہے کہ اگر سب وہاں سے نکل جائیں گے تو بیماروں کی عیادت اور تیمارداری کون کرے گا؟ اور مردوں کی تجہیز وتکفین کون انجام دے گا؟ لہٰذا نکلنے سے منع فرمایا۔ التعلیق الصبیح میں ہے

ویحتمل انه کره ذلک لما فیه من تضییع المرضیٰ اذآ رخص للا صحاء فی التحول عن جانبهم وترک الا موات بم ضیعة فلا یحضرهم من یقوم بامرهم ویصلی علیهم (التعلیق الصبیح علی مشکاة المصابیح ۲ / ۱۹۹) نیز جولوگ وہاں مقیم ہیں ان کی ہمت پست ہوگی اور لوگوں کو بھاگنے والوں سے بدظنی پیدا ہوگی۔

پس اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرے اور یہ یقین کرکے کہ جو تقدیر الٰہی میں ہوگا وہی ہوگا، ثواب کی امید رکھتے ہوئے وہیں ٹھہرا رہے تو اللہ رب العزت محض اس ٹھہرنے پر بھی اجر وثواب عطا فرماتے ہیں۔ بخاری شریف کی روایت ہے۔

عن عائشة رضی الله عنها زوج النبی صلی الله علیه وسلم انها اخبرته انها سألت رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الطاعون فاخبرها نبی الله صلی الله علیه وسلم انه کان عذاباً یبعثه الله علیٰ من یشآء فجعله الله رحمة للمؤمنین فلیس من عبدیقع الطاعون فیمکث فی بلده صابراً یعلم انه لن یصیبه الا ماکتب الله له الا کان له مثل اجرا لشهید (بخاری شریف ج ۲ ص ۸۵۳ کتاب الطب باب اجر الصابر فی الطاعون)

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے طاعون کے متعلق دریافت کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ (بعض کے لئے ایک طرح کا عذاب ہے کہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے (بطور عذاب) کے بھیجتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اہل ایمان کے لئے رحمت بنایا ہے جو شخص وقوع طاعون کے وقت اپنی بستی میں صابر اور امیدوار ثواب ہوکر اس اعتقاد سے کہ وہی ہوگا جو مقدر ہے ٹھہرا رہے گا تو اس کو شہید کے برابر ثواب ملے گا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۳۵ باب عیادۃ المریض۔)

اور اگر اللہ کو منظور ہوا اور اس میں اس کا انتقال ہوگیا تو یہ شہادت کی موت ہوگی بخاری شریف میں حدیث ہے

عن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الطاعون شهادة لکل مسلم (بخاری شریف ج ۲ ص ۸۵۳ باب مایذکر فی الطاعون) (مشکوٰة شریف ص ۱۳۵)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، طاعون ہر مسلمان کے لئے شہادت ہے۔

دوسری روایت میں ہے۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الشهداء خمسة المطعون والمبطون والغریق وصاحب الهدم والشهید فی سبیل الله، متفق علیه (مشکوٰةشریف ص ۱۳۵ باب عیادة المریض)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شہداء پانچ ہیں طاعون والا اور جس کو پیٹ کی بیماری ہو (جیسے اسہال، استسقاء) اور جو ڈوب جائے اور جو دب کر مر جائے اور جو جہاد میں شہید ہو جائے۔

الطاعون شهادة لامتي ورحمة لهم ورجس على الكافرين .(حم وابن سعيد عن ابن عسيب(كنز العمال ج۵ ص ۱۸۶ رقم الحديث نمبر ۳۸۱۴)

ترجمہ: طاعون میری امت کے لئے شہادت ہے اور ان کے لئے رحمت ہے اور کافروں پر عذاب ہے۔

شامی میں ہے۔

(قوله والمطعون) وكذا من مات في زمن الطاعون بغيره اذا اقام في بلده صابراً محتسباً فان له اجر الشهيد كما في حديث البخاري وذكر الحافظ ابن حجر انه لا يسئل في قبره اجهودى .(رد المحتار على الدر المختار ج ا ص ۸۵۲ باب الشهيد)

ترجمہ: جس کا طاعون میں انتقال ہوا ہو وہ شہید ہے اسی طرح وہ شخص جو طاعون کے زمانہ میں اپنی بستی میں صبر اور ثواب کی امید کے ساتھ ٹھہرا رہے اور طاعون کے سوا (کسی اور بیماری میں) انتقال ہو جائے تو اس کو بھی شہادت کا درجہ ملتا ہے جیسا کہ بخاری شریف کی روایت میں ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ طاعون سے مرنے والے سے قبر میں سوال نہ ہوگا۔

مکتوبات امام ربانی میں ہے۔

وقد جزم شيخ الاسلام ابن حجر في كتاب بذل الماعون في فضل الطاعون(بخاري شريف ج۲ ص ۸۵۳ كتاب الطب . باب ما يذكر في الطاعون)

ترجمہ: شیخ الاسلام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''بذل الماعون فی فضل الطاعون'' تو وہاں سے (بھاگنے کے ارادہ سے مت نکلو۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۳۵ باب عیادۃ المریض)

لہذا طاعونی جگہ سے اس خیال اور عقیدہ سے بھاگنا کہ بیماری اور موت سے بچ جاؤں گا (ورنہ بیماری میں پھنس کر مر جاؤں گا) ناجائز اور سخت گناہ ہے۔ اور دوسروں کے لئے بھی پریشانی اور پست ہمتی کا سبب بنتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ پر اعتماد کر کے وہیں ٹھہرا رہے۔ اسی طرح جہاں طاعون پھیلا ہوا ہو وہاں نہ جانے اس میں بھی عقیدہ کی حفاظت مقصود ہے کیونکہ وہاں جا کر اگر بیمار ہو گیا یا مر گیا تو ہمارا عقیدہ یہی ہے کہ یہ تقدیر الٰہی سے ہوا مگر شیطان دل میں وسوسہ ڈالے گا کہ نہ آتا تو بیمار نہ ہوتا، یہاں آنے کی وجہ سے بیمار ہو گیا، نیز طبیعت کے کمزور اور ضعیف العقیدہ لوگ بھی یہی سمجھیں گے کہ وہاں جانے سے بیمار ہو گیا اس لئے حدیث میں طاعونی جگہ سے نکلنے اور داخل ہونے دونوں سے روکا گیا۔ دونوں صورتوں میں عقیدہ کی حفاظت مقصود ہے۔ بہر صورت مومن کا عقیدہ یہ ہونا چاہئے'' نہ خروج (نکلنا موجب نجات ہے اور نہ دخول (داخل ہونا) موجب مرض وسبب ہلاکت ہے۔''

درمختار میں ہے۔

واذا خرج من بلدة بها الطاعون فان علم ان كل شئي بقدر الله تعالىٰ فلا بأس بان يخرج ويدخل وان كان عنده انه لو خرج فنجا ولو دخل ابتلى به كره له ذلك فلا يدخل ولا يخرج

صیانة لا عتقاده وعلیه حمل النهی فی الحدیث الشریف . مجمع الفتاوی.

(درمختار مع رد المحتار ص ۶۶۱ ج۵ مسائل شتی قبیل کتاب الفرائض)

ترجمہ: اور جب کہ اس شہر سے نکلا جس میں طاعون پھیلا ہوا ہے تو اگر اس کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر چیز تقدیر الٰہی سے ہے (اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوتا) تو نکلنے اور داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں (اجازت ہے) اور اگر اس کا عقیدہ یہ ہو کہ یہاں سے نکل جاؤں گا تو بچ جاؤں گا اور اگر داخل ہوں گا تو مرض میں مبتلا ہو جاؤں گا تو یہ بات اس کے لئے مکروہ ہے یعنی ایسے شخص کو وہاں سے نکلنے اور داخل ہونے کی اجازت نہیں اس کے عقیدہ کی حفاظت کے خاطر اور حدیث شریف میں دخول اور خروج سے نہی اسی تفصیل پر محمول ہے۔

قرآن مجید میں ہے۔

الم تر الی الذین خرجوا من دیار هم وهم الوف حذر الموت فقال لهم الله موتوا ثم احیاهم

(قرآن مجید، سورۂ بقرہ پارہ نمبر۲)

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت سے بچنے کے لئے اپنے مکانوں سے نکل گئے تھے اور وہ لوگ (تعداد میں) ہزاروں تھے، سو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے حکم فرمایا کہ مرجاؤ (پس سب مر گئے پھر ان کو زندہ کیا۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں ہے کہ اگلی امت کی ایک بستی میں وبا (طاعون) پھیلی تو ہزاروں (بروایتے ستر ہزار) کی تعداد میں بھاگ گئے اور سمجھے کہ ہم موت سے نجات پا گئے خدا تعالیٰ نے انہیں ان کے برے عقیدہ کی سزا دی کہ ایک دم سب مر گئے، کوئی دفن کرنے کے لئے بھی باقی نہ رہا، پھر ایک مدت کے بعد ایک نبی وہاں پہنچے، یہ خوفناک منظر دیکھ کر دعاء کی، تو خدا پاک نے ان کو عبرت دینے کے لئے زندہ کیا، تب ان کو یقین ہوا کہ موت سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ (تفسیر مظہری ج اص ۳۴۳ تفسیر احمدی ج اص ۱۶۹)

مقام طاعون میں دخول سے روکنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ طاعون کافروں کے حق میں اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے اور عذاب والے مقام میں جانا نہ چاہئے۔ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ ایک سفر میں حضور اکرم ﷺ قوم ثمود کی بستی (جن پر عذاب الٰہی نازل ہوا تھا) کے پاس سے گذرے تو حضور اقدس ﷺ نے ان کی بستی میں داخل ہونے سے منع فرمایا تھا۔ (۱) لہٰذا مناسب یہی ہے کہ حضور ﷺ اپنی امت کو اس جگہ داخل ہونے سے منع فرمادیں جہاں طاعون (عذاب) پھیلا ہوا ہو، التعلیق الصبیح میں ہے **فقوله لا تقدموا علیه لان الله تعالیٰ شرع لنا التوقی عن**

---

(۱) وقد مر رسول الله صلی الله علیه وسلم علی دیارهم ومسا کنهم وهو ذاهب الی تبوک فی سنة تسع قال الا مام احمد حدثنا عبدالصمد صخربن جویریة عن نافع عن ابن عمر قال لما نزل رسول الله صلی الله علیه وسلم بالناس علی تبوک نزل بهم الحجر عند بیوت ثمود فاستقی الناس من الا بار التی کانت تشرب منها ثمود فعجبوا منها ونصبوا لها القدور فا مرهم النبی صلی الله علیه وسلم فاهر قوا القدور وعلفوا العجین الا بل ثم ارتحل الا بل ثم ارتحل بهم حتی نزل بهم علی البئر التی کانت تشرب منها الناقة ونها هم ان ید خلوا علی القوم الذین عذبوا وقال، انی اخشی ان یصیبکم مثل ما اصابهم فلا تد خلوا علیهم وقال ایضاً حدثنا عفان حدثنا عبد العزیز بن مسلم حدثنا عبدالله بن دینار عن عبدالله بن ع قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو بالحجر لا تد خلوا علی هؤلاء المعذبین الا ان تکون با کین فان لم تکون با کین فلا تد خلوا علیهم ان یصیبکم مثل ما اصا بهم واصل هذا الحدیث فخرج فی الصحیحین من غیر وجه الخ والبسط فی التفسیر ابن کثیر سورة اعراف ج۲ ص ۲۳۲.

المحذور ثم ان الطاعون لما كان رجزا لم يرا الا قدام عليه والتورط فيه وقد صح عنه صلى الله عليه وسلم انه لما بلغ الحجر وهى ديار ثمود منع اصحابه ان يد خلوا ديار المعذبين فبا لحرى ان يمنع امته ان يد خلوا ارضاً وقع بها الطاعون وهو عذاب (التعليق الصبيح على مشكوٰة المصابيح ص ۱۹۹ تا ص ۲۰۰ ج ۲) حدیث میں ہے۔

عن جابر رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الفار من الطاعون كا لفار من الزحف، والصابر فيه له اجر شهيد. رواه احمد.

(مشکوٰۃ شریف ص ۱۳۹ باب عیادۃ المریض کی آخری حدیث)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے جیسے جہاد سے بھاگنے والا اور اس میں ثابت قدم رہنے والے کو شہید کا ثواب ملتا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

واز یں حدیث معلوم می شود کہ گریختن از طاعون گناہ کبیرہ است چنانکہ فرار از زحف واگر اعتقاد کند کہ اگر نگریزد البتہ می میرد واگر بگریزد بسلامت می ماند آں خود کفر است (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۵۳ باب عیادۃ المریض)

ترجمہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طاعون سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے جس طرح جنگ سے بھاگنا اور اگر یہ اعتقاد ہو کہ نہ بھاگے گا تو البتہ مر جائے گا اور اگر بھاگے گا تو ضرور سلامت رہے گا، یہ عقیدہ بجائے خود کفر ہے (نعوذ باللہ من ذلک) اور فرماتے ہیں:

ضابطہ دریں وباہمین است کہ در انجا کہ ہست نباید رفت واز آنجا کہ باشد نباید گریخت واگر چہ گریختن در بعض مواضع مثل خانہ کہ دروے زلزلہ باشد یا آتش گرفتہ یا نشستن درزیر دیوار کہ خم شدہ نزد غلبہ ظن بہ ہلاک آمدہ است، اما در باب طاعون جز صبر نیامدہ و گریختن تجویز نیافتہ وقیاس ایں براں فاسد است کہ آنہا از قبیل اسباب عادیہ اند وایں از اسباب وہمی دوبر ہر تقدیر گریختن از آنجا جائز نیست وہیچ جا وارد نہ شدہ وہر کہ بگریزد عاصی ومرتکب کبیرہ ومردود است، نسأل اللہ العافیۃ۔ (اشعۃ اللمعات ص ۶۳۹ جلد اول۔ باب عیادۃ المریض۔ فصل نمبر ۱)

اس وبا میں ضابطہ یہی ہے کہ جہاں وبا پھیلی ہے وہاں نہ جانا چاہئے اور اگر اس جگہ ہو تو وہاں سے بھاگنا نہ چاہئے اگرچہ بعض موقعوں میں بھاگنا جائز ہے جیسے اس مکان سے بھاگنا جس میں زلزلہ (کا اثر معلوم ہو یا اس میں آگ لگ جائے یا وہ دیوار جو خم (ٹیڑھی) ہوگئی ہو اس کے نیچے بیٹھنے سے ہلاکت کا ظن غالب ہو تو (وہاں سے ہٹ جانا) وارد ہوا ہے، لیکن طاعون میں سوائے صبر کے اور کچھ وارد نہیں ہوا ہے اور بھاگنا جائز قرار نہیں دیا گیا ہے، اور طاعون کو ان امور پر قیاس کرنا فاسد ہے، کیونکہ وہ اسباب عادیہ میں سے ہیں اور یہ (طاعون سے بھاگنا) اسباب وہمی سے ہے، بہر صورت اس جگہ سے بھاگنا جائز نہیں ہے اور کہیں وارد نہیں ہوا ہے اور جو شخص بھاگے وہ عاصی اور مرتکب گناہ کبیرہ اور مردود ہے، نسأل اللہ العافیۃ۔

مجالس الابرار میں ہے۔

واختلف فی هذا النهی فقال القاضی تاج الدین السبکیؒ مذهبنا هو الذی علیه الاکثرون ان النهی عن الفرار منه للتحریم وقال بعض العلماء هو للتنزیه واتفقوا علی جواز الخروج لشغل غرض غیر الفرار بان المیت بالطعن لایسأل لانه نظیر المقتول فی المعرکة محتسبا یعلم انه لا یصیبه الا ماکتب له اذا مات فیه بغیر الطعن لایفتن ایضاً لا نه نظیر المرابط کذا ذکره الشیخ الاجل السیوطی فی کتاب شرح الصدور بشرح حال الموتیٰ والقبور وقال وهو حجة جدا.

وہمیں کسے کہ نگریخت و نہ مرد از جملہ غازیان ومجاہد است ـ الیٰ قولہ ـ واکثر گریز پایاں کہ سلامت ماندند بعلت آں کہ اجل ایشاں نرسیدہ بود نہ آں کہ گریختن ایشاں را از مرگ خلاص ساخت واکثر صابراں کہ ہلاک شدند ہم باجل ہلاک شدند فلیس الفرار ینجی و الا الا سقرار یهلک.

(مکتوبات امام ربانی فارسی ص ۴۳۰ دفتر اول مکتوب نمبر ۲۹۹، اردو ج ۱ ص ۶۸۷)

ترجمہ: حدیث میں فرار سے نہی آئی ہے علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نہی کیسی ہے قاضی تاج الدین سبکیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا مذہب وہی ہے جس پر اکثر علماء ہیں کہ بھاگنے کی ممانعت تحریم کے لئے ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں تنزیہی ممانعت ہے، اور بھاگنے کے سوا کسی اور کام کی غرض سے جانے کے جواز پر سب متفق ہیں، حدیث کے آخری میں تحقیق سے لکھا ہے کہ جو شخص طاعون سے مرجائے اس سے کوئی سوال نہیں ہوتا کیونکہ وہ ایسا ہے جیسے لڑائی میں قتل ہوا، اور جو شخص طاعون میں طلب اجر کی نیت سے صبر کرتا ہے اور جانتا ہے کہ مجھے وہی پہنچے گا جو میرے لئے اللہ نے لکھا اور مقدر کیا ہے تو وہ شخص اگر طاعون کے سوا کسی اور بیماری سے بھی مرجائے تو اس صورت میں بھی اس کو عذاب نہ ہوگا کیونکہ وہ مرابط یعنی جہاد کے لئے مستعد اور تیار رہنے والے کی طرح ہے، اسی طرح شیخ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب شرح الصدور فی حال الموتیٰ والقبور میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بڑی اعلیٰ حجت ہے اور جو شخص کہ نہ بھاگا اور نہ مرا وہ غازیوں اور مجاہدوں اور صابروں میں سے ہے ـ الیٰ قولہ ـ اور اکثر بھاگنے والے جو سلامت رہے ہیں اسی واسطے رہے ہیں کہ ابھی ان کی اجل نہ آئی تھی، نہ یہ کہ بھاگ کر موت سے بچ گئے اور اکثر صابر لوگ جو ہلاک ہوگئے وہ بھی اپنی اجل ہی سے ہلاک ہوئے ہیں پس نہ تو بھاگنا بچا سکتا ہے اور نہ ہی ٹھہرنا ہلاک کردیتا ہے۔

جب لوگوں میں کھلم کھلا بے حیائی عام ہوتی ہے تو طاعون اور نئی نئی قسم کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ ابن ماجہ شریف میں حدیث ہے۔

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ...... لم یظهر الفاحشة فی قوم قط حتی یعلنوا بها لافشیٰ فیهم الطاعون والا وجاع التی لم تکن مضت فی اسلافهم الذی مضوا. یعنی جس قوم میں علانیہ بدکاری ظاہر ہوتی ہے تو ان لوگوں میں طاعون اور نئی نئی بیماریاں پھیلتی ہیں جو ان سے پہلے لوگوں میں ظاہر نہیں ہوئی تھیں۔ (ابن ماجہ ص ۳۰۰ باب العقوبات)

مجالس الابرار میں ہے۔

وقدثبت فی الحدیث ان سبب وقوع الطاعون ظهور الفاحشة واعلان المنکرات علی ماروی ابن عمر رضی اللہ عنہ انه علیه السلام قال لم یظهر الفاحشة فی قوم قط حتی یعلنوا بها الا

فشا فیهم الطاعون واخرج مالک عن ابن عباس موقوفاً والطبرانی مرفوعاً ما فشا الزنافی قوم قط الا کثرفیهم الموت (مجالس الا برار ص ۲۴۶ ،مجلس نمبر ۵۹)

ترجمہ: حدیث میں ہے کہ طاعون کا سبب فحش باتوں کا ظاہر ہونا اور برائیوں کا برملا عمل میں آنا ہے جیسا کہ ابن عمرؓ نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہرگز کسی قوم میں فحش ظاہر نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ کھلم کھلا کرنے لگیں مگر ضرور ان میں طاعون پھیلتا ہے اور مالکؒ نے ابن عباسؓ سے موقوفاً اور طبرانی نے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ نہیں پھیلتا ہے زنا کسی قوم میں کبھی بھی مگر ان لوگوں میں مری پھیل جاتی ہے۔

قران مجید میں ہے۔**فانزلنا علی الذین ظلموا رجزاً من السماء بما کانوا یفسقون O** پھر اتارا ہم نے ان ظالموں پر عذاب آسمان سے اس وجہ سے کہ وہ عدول حکمی کرتے تھے۔ (قرآن مجید، سورۂ بقرہ نمبر ۵۹ پارہ نمبرا) یہ آیت بنی اسرائیل کے متعلق ہے، ان کے فسق وفجور اور نافرمانی کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے ان پر آفت سماوی نازل فرمائی تھی اور وہ آفت سماوی طاعون تھا، تفسیر بیضاوی میں ہے۔ **والمرادبه الطاعون روی انه مات به فی ساعة اربعة وعشرون الفاً (تفسیر بیضاوی ص ۵۰)**(۱)

مذکورہ حدیث اور قرآن پاک کی آیت سے ثابت ہوا کہ طاعون گناہوں کے سبب سے آتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنی بے پایاں عنایت سے مومنوں کے حق میں رحمت بنادیتا ہے، اور کافروں کے حق میں عذاب جیسا کہ بخاری شریف اور کنزالعمال کی روایتوں سے معلوم ہوا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مرض میں تعدیہ (چھپی روگ) کا عقیدہ نہ رکھے، اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر یقین رکھے اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ حدیث میں ہے **فرمن المجذوم کما تفرمن الا سد جذامی** سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔ اور دوسری حدیث میں ہے **لا یوردن ذوعاهة علی مصح**، بیمار اونٹ کو تندرست اونٹ کے پاس مت لے جاؤ، اس سے بظاہر حدیثوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے، تو جواب یہ ہے کہ حدیث کا منشا یہ نہیں ہے کہ مرض متعدی ہوتا ہے بلکہ یہاں بھی امت پر شفقت اور ان کے عقائد کی حفاظت مقصود ہے کہ جذامی سے خلط ملط فی نفسہ مؤثر نہیں ہے، لیکن خدانخواستہ کسی کو تقدیر الٰہی سے یہ مرض ہوگیا تو وہ مرض کے تعدیہ کو صحیح سمجھنے لگے گا۔ اور اس کا عقیدہ خراب ہوگا، اس لئے حضور اکرم ﷺ نے امت پر شفقت کے پیش نظر فرمایا کہ اس سے خلط ملط مت رکھو۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ **ان النهی فیهما انما جاء شفقاً علی مباشرة احد الا مرین فتصیر علة فی نفسه او عاهة فی ابله فیعتقد ان العدوی حق.** (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۳ ج۹ ملتانی) مذکورہ دونوں حدیثوں کا اگر یہ مطلب نہ لیا جائے تو ابتداء میں جو حدیث پیش کی گئی ہے لاعدوی...... اور دوسری حدیث **فمن اعدی الاول** کا کیا مقصد ہوگا؟ اور حدیث میں تضاد تو ہوتا نہیں اصل چیز مشیت الٰہی اور تقدیر الٰہی ہے، اس کے سوا کچھ نہیں، بیماری از خود متعدی اور مؤثر نہیں جس کے لئے حکم خدا نہ ہو اور جس کی تقدیر میں نہ ہو تو اسے ذرہ بھی اثر نہیں ہوتا۔

(۱) قال حافظ ابن کثیر تحت هذه الآیت. وقال الشعبی الرجز اما الطاعون واما البرد وقال سعید بن جبیر هو الطاعون وقال ابن أبی حاتم حدثنا ابو سعید الأشجع حدثنا وکیع عن سفیان عن حبیب بن أبی ثابت عن ابراهیم بن سعد یعنی ابن أبی وقاص عن سعد بن مالک وأسامة بن زید وخزیمة بن ثابت رضی الله عنهم قالوا قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الطاعون رجز عذاب عذب به من کان قبلکم و هکذا رواه النسائی من حدیث سفیان الثوری به تفسیر ابن کثیر ج.۱ ص ۱۰۰

دیکھئے ! جذامی کے گھر میں سب جذامی نہیں ہوتے ،اور جس مقام پر طاعون پھیلتا ہے سب کے سب طاعون زدہ نہیں ہوجاتے ۔خود احقر تین طاعون سے گذر کر بفضلہ تعالیٰ اب بھی بقید حیات ہے ۔ ہماری دادی اماں مرحومہ کا انتقال ۱۳۲۵ھ میں طاعون میں ہوا تھا ،اس وقت ایک ہی گھر میں ہمارے دادا صاحب ایک چچا دو پھوپھیاں اور احقر کے والدین مرحومہ دادی اماں کے ساتھ رہتے تھے اور یہ سب مرحومہ کی تیمارداری اور خدمت میں لگے ہوئے تھے ،اللہ کے فضل سے ان میں سے کسی ایک کو بھی یہ مرض نہیں ہوا ،اور دادی اماں مرحومہ کے انتقال کے بعد یہ سب برسوں زندہ سلامت رہے اور اس طاعون کے بعد وقفہ وقفہ سے دو مرتبہ طاعون ہوا ،اور اللہ کے فضل سے دونوں طاعون میں وہ سب محفوظ رہے ،اگر مرض میں تعدیہ ہے تو ان سب کو کیوں نہیں لگا ؟ لہٰذا عقیدہ کی درستگی اور تقدیر الٰہی پر اعتماد کر کے اسی جگہ ٹھہرے رہنا چاہئے ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

غیر مسلموں میں ایمان کی دعوت کی اہمیت :

(سوال ۳۳) آج کل ایک عالم صاحب نے ایک تحریک شروع کی ہے جس کا مقصد غیر مسلموں کو ایمان کی دعوت دینا ہے ۔کیا اس میں عملی طور پر حصہ لینا چاہئے ۔بینوا توجروا ۔

(الجواب)بسم اللہ الرحمن الرحیم .

الحمد للہ الذی ھدانا للایمان وما کنا لنھتدی لو لا ان ھدانا اللہ ونشھدان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا و مولانا محمداً عبدہ ورسولہ المبعوث الی کافۃ للناس بشیراً ونذیراً وداعیاً الی اللہ باذنہ وسراجاً منیراً صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین ومن تبعھم الیٰ یوم الدین ، اما بعد !

تمام انسان ایک ماں باپ حضرت آدم وحوا علیہما السلام کی اولاد ہیں اس لحاظ سے ہر شخص کے دل میں پوری انسانیت کی ہمدردی اور خیر خواہی ہونا چاہئے اور یہ وصف اللہ تعالیٰ کو بے انتہا پسند ہے ،حدیث میں ہے ۔

عن انس وعبداللہ رضی اللہ عنھما قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الیٰ عیالہ .

حضرت انس اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مخلوق اللہ کا کنبہ ہے ،پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص بہت محبوب ہے جو حق تعالیٰ کے کنبہ کے ساتھ حسن سلوک کرے ۔
(مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۵ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ۔

بنی آدم اعضائے یک دیگر ند
کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضو ہا را نماند قرار

تو کز محنت دیگراں بے غمی
نشاید کہ نامت نہند آدمی

یعنی حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام اولاد آپس میں اعضاء کے مانند ہیں، اس لئے کہ سب کی پیدائش ایک جوہر یعنی آگ، پانی اور مٹی سے ہوئی ہے، پس ایک عضو میں حوادث زمانہ سے درد پیدا ہو جائے تو دوسرے اعضاء کو بھی قرار اور چین نہیں آتا ہے، اے مخاطب اگر تو دوسروں کے رنج والم سے بے غم رہتا ہے تو تجھ کو "آدمی" ہی کہنا زیبا نہیں ہے۔ (گلستان، باب اول)

نیز حدیث میں ہے: "الدین النصیحۃ" دین سرتاپا خیر خواہی ہے۔

لہذا انسانیت کے ناطہ ہر انسان کے دل میں پوری انسانیت کی ہمدردی، غم خواری اور خیر خواہی اور پوری انسانیت کا درد ہونا ضروری ہے اور انسانیت کی سب سے بڑی ہمدردی اور خیر خواہی یہ ہے کہ وہ ایمان اور اسلام کی دولت سے مالا مال ہو جائے اور ہمیشہ ہمیشہ کی جہنم کی آگ سے بچ جائے اور اسے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی جگہ جنت میں داخلہ نصیب ہو جائے۔

دنیا میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا اصلی مقصد دعوت الی اللہ یعنی ایمان اور توحید ہی کی دعوت دینا ہوتا ہے، خاتم الانبیاء سید المرسلین حضور اقدس ﷺ کی شب و روز کی یہی فکر تھی اور آپ کے قلب مبارک میں سب سے زیادہ جو درد و غم تھا وہ صرف یہ تھا کہ انسان اپنے معبود حقیقی پر ایمان لے آئے اور اپنے رب کو پہچانے، آپ ﷺ کے سوز و گداز اور دل کی گھٹن کا قرآن مجید کے ان الفاظ مبارکہ کی روشنی میں اندازہ لگایئے۔

لعلک باخع نفسک ان لا یکونوا مؤمنینO

ترجمہ: شاید آپ ان کے ایمان نہ لانے پر رنج کرتے کرتے اپنی جان تک دے دیں گے۔

(قرآن مجید پارہ نمبر ۱۹ سورۂ شعراء آیت نمبر ۳)

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے۔

لعلک باخع نفسک علیٰ اٰثارھم ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفاً.

ترجمہ: سو شاید آپ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ اس مضمون قرآنی پر ایمان نہ لائے تو غم سے اپنی جان دے دیں گے۔

(قرآن مجید پارہ نمبر ۱۵ سورۂ کہف آیت نمبر ۵)

حضور اکرم ﷺ کی بعثت قیامت تک کے تمام انسانوں کے لئے ہے، قرآن مجید میں ہے۔

قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً.

ترجمہ: (اے دنیا جہان کے) لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔

(قرآن مجید پارہ نمبر ۹ سورۂ اعراف آیت نمبر ۱۵۸)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔

وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیراً ونذیراً ولکن اکثر الناس لا یعلمون (قرآن مجید پارہ نمبر ۲۲ آیت نمبر ۲۸ سورۂ سبا)

ترجمہ۔ اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے (ایمان لانے پر ان کو ہماری رضا و ثواب کی) خوشخبری سنانے والے اور (ایمان نہ لانے پر ان کو ہمارے غضب و عذاب سے) ڈرانے والے، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

ایک اور مقام پر ارشاد خداوندی ہے۔

وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین .(سورۂ انبیاء ،آیت نمبر ۱۰۷)

ترجمہ: اور (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں آپ کے متعلق رحمۃ للعالمین فرمایا ہے، رحمۃ للمسلمین نہیں فرمایا اسی طرح قران مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق " **الحمد للہ رب العلمین** " ارشاد فرمایا ہے، رب المسلمین نہیں فرمایا ہے، معلوم ہوا کہ آپ کی بعثت عام ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ربوبیت بھی عام ہے۔

جب حضور اقدس ﷺ کی بعثت پوری انسانیت کی طرف ہے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پوری انسانیت کے لئے رحمت اور آپ محسن انسانیت ہیں تو آپ ﷺ کی جوامت اجابت (یعنی مسلمان) ہے اسے بھی پوری انسانیت کے لئے رحمت بننا ہے، لہذا پوری انسانیت کا درد وغم دل میں رکھ کر ساری انسانیت کے لئے رحمت بننا ہے، لہذا پوری انسانیت کا درد وغم دل میں رکھ کر ساری انسانیت کو جہنم کی آگ سے بچانے کی فکر کرنا ہے، اور تمام انسانوں کو سوز و گداز کے ساتھ ایمان و اسلام کی دعوت دینا ہے اس امت کو خیر امت اسی بنیاد پر کہا گیا ہے، لہذا دوسرے دینی کاموں کے ساتھ ساتھ اس عظیم ذمہ داری کو بھی انجام دینے کی فکر کرنا ہے، اس مقدس کام کا جس قدر حق ہے وہ ادا نہیں ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائیں، اور ہمارے اندر اس کا احساس پیدا فرمائیں کہ ہم پوری فکر اور درد کے ساتھ اس عظیم کام کو انجام دیں

شمائل ترمذی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے: **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقد اخفت فی اللہ وما یخاف احد ولقد اوذیت فی اللہ وما یؤذی احد ...... الخ (شمائل ترمذی ص۲۷ باب ماجاء فی عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم)**

ترجمہ: اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کے راستہ میں جس قدر مجھے ڈرایا گیا ہے اتنا کسی کو نہیں ڈرایا گیا، اور جس قدر میں ستایا گیا ہوں کوئی (نبی) اس قدر نہیں ستایا گیا۔

یہ صعوبتیں اور تکالیف حضور ﷺ نے "ایمان" ہی کی دعوت میں برداشت کی ہیں ورنہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین، اللہ تعالیٰ اور پیارے رسول اللہ ﷺ کے ہر حکم پر عمل کرنے کے لئے دل و جان سے ہمہ وقت تیار رہتے تھے، صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اتباع کے واقعات احادیث اور سیر کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔

ہادیٔ عالم ﷺ نے طائف کا سفر کس مقصد کے لئے کیا؟ اور اس سفر میں آپ کو کس قدر تکلیف پہنچائی گئی، حتی کہ آپ کی نعل مبارک لہولہان ہوگئے، ان تمام تکالیف کے باوجود رحمت عالم ﷺ نے ملک الجبال سے فرمایا (انہیں ہلاک نہ کیا جائے) میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ اللہ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اس **وحدہٗ لا شریک لہ** کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔" (سیرت مصطفےٰ ص۲۷۸ ج۱)

رحمت عالم ﷺ کے یہ الفاظ قابل غور اور قابل عبرت ہیں، ان الفاظ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے قلب مبارک میں انسانیت کا کس قدر درد تھا۔ شعب ابی طالب میں تقریباً تین سال تک آپ ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے کس قدر صعوبتیں برداشت کیں؟ سرداران قریش نے کس کس انداز سے آپ کو ستایا، آپ کے قتل کا (معاذ اللہ) پروگرام بنایا، یہاں تک کہ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ نے اپنے پیارے وطن مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ ہجرت کی، یہ سب صعوبتیں اور تکالیف آپ نے کونسی کام میں برداشت کیں؟ یہی دعوت الی اللہ کی کام میں!

محسن انسانیت، رحمت عالم ﷺ کا سوز و گداز، آپ کا درد و غم دعوت الی اللہ کی راہ میں استقامت اور ثابت قدمی، یہ اوصاف حمیدہ ہمیں بھی اپنے اندر پیدا کرنے کی شدید ضرورت ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جن جذبات کو لے کر اطراف عالم میں پھیلے اور دعوت الـــی اللہ کو مقصد زندگی بنایا اور اس کے لئے ہر نوع کی قربانی دی، اللہ کرے ہمارے اندر بھی اس کی جھلک اور جذبہ پیدا ہو جائے۔ اللہ پاک اپنے فضل سے یہ اوصاف اور کار نبوت انجام دینے کا سرفروشانہ جذبہ پیدا فرمائے، امین بحرمة النبی الا می صلی اللہ علیه وسلم ، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

دعوتی کام تعلق مع اللہ، ہمدردی، خیر خواہی اور مواعظہ حسنہ کے ساتھ کیا جائے، مناظرانہ انداز اور تنقیص و تحقیر کی صورت اختیار کرنے سے مکمل اجتناب کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے عجز کا اقرار بھی رہے اور دعاؤں کا اہتمام بھی رہے، دلوں کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں اور ہدایت دینا اللہ رب العزت ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ "لیس علیک هداهم ولکن اللہ یهدی من یشآء" ہر وقت یہ آیت پیش نظر رہے، دل میں اس آیت کو جما لینے سے انشاء اللہ ناامیدی اور ناکامی کی کیفیت پیدا نہ ہوگی، صبر وحلم، عفو و درگذر اور اخلاق حسنہ کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹے، خالص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کام کریں، کسی قسم کی دنیوی غرض اور مالی لالچ نہ ہو، ان صفات کے ساتھ دعوت الی اللہ کا کام کریں انشاء اللہ اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائیں گے۔

کفر قابل مذمت اور قابل نفرت ہے مگر کافر کی تحقیر مناسب نہیں، محبت، شفقت ہمدردی اور سوز و گداز کے ساتھ اس پر محنت کی جائے مگر اسے (حقیر نہ سمجھا جائے۔

مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم (خلیفہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب مدظلہم ہردوئی) نے بڑی اچھی بات ارشاد فرمائی ہے، فرماتے ہیں:

"تو اس بات کو خوب سمجھ لیجئے کہ تکبر دو جزء سے بنتا ہے (۱) بطر الحق، حق بات کو قبول نہ کرنا۔ اور (۲) غمط الناس، دنیا کے کسی بھی انسان کو حقیر سمجھنا۔ الناس فرمایا المسلم نہیں فرمایا، اسی سے نکلتا ہے کہ کسی کافر کو بھی حقیر مت سمجھو، اس کے کفر سے تو نفرت کرو اس کی ذات سے نہیں، معاصی سے تو نفرت کرو، لیکن دوستو عاصی سے نفرت نہ کرو، معاصی سے نفرت واجب، عاصی سے نفرت حرام، نکیر واجب تحقیر حرام، یعنی کسی بری بات پر سمجھانا تو واجب ہے لیکن اس کو حقیر سمجھنا حرام ہے اسی لئے حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جب تک کسی کے نفس میں اتنی صلاحیت نہ پیدا ہو جائے کہ نصیحت کرنے والا جس کو نصیحت کر رہا ہے اس کو اپنے سے بہتر سمجھتے ہوئے نصیحت کرے اس وقت تک اس کو نصیحت کرنا جائز نہیں، اگر وہ اپنے کو بڑا سمجھ کر اور دوسرے کو حقیر سمجھ کر نصیحت کر رہا ہے تو ایسی تبلیغ اس پر حرام ہے جس کو نصیحت کیجئے تو پہلے یہ مراقبہ کیجئے کہ یا اللہ یہ بندہ مجھ سے بہتر ہے لیکن آپ کا حکم سمجھ کر اس کی بھلائی اور خیر خواہی

کے لئے نصیحت کررہا ہوں۔الیٰ قولہ۔بس اسی طرح اللہ کے تمام بندوں کا اکرام چاہئے۔الخ۔
(مواعظ دردو محبت ص ۲۲۱ وعظ علاج کبر ص ۳۴)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ملفوظ گرامی۔

مولانا محمد تقی عثمانی دامت فیوضہم فرماتے ہیں۔"جن بزرگوں کی باتیں سن کر اور پڑھ کر ہم لوگ دین سیکھتے ہیں ان کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ وہ لوگ اپنے آپ کو اتنا بے حقیقت سمجھتے ہیں جس کی حد وحساب نہیں، چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد ہے میں نے اپنے بے شمار بزرگوں سے سنا وہ فرماتے تھے۔"

"میری حالت یہ ہے کہ میں ہر مسلمان کو اپنے آپ سے فی الحال اور ہر کافر کو احتمالاً اپنے آپ سے افضل سمجھتا ہوں، مسلمان کو تو اس لئے افضل سمجھتا ہوں کہ وہ مسلمان اور صاحب ایمان ہے اور کافر کو اس وجہ سے کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کبھی ایمان کی توفیق دے دے اور یہ مجھ سے آگے بڑھ جائے۔"
(اصلاحی خطبات، وعظ، تواضع، رفعت اور بلندی کا ذریعہ ص ۳۰ ج ۵)

لہذا کسی کافر کو بھی حقیر نہ سمجھا جائے اور شفقت وخیر خواہی سے اس پر محنت کی جائے کیا بعید ہے کہ اللہ پاک تمہیں اس کی ہدایت کا ذریعہ بنادے اور تمہارے لئے ذخیرۂ آخرت بن جائے۔

مولانا یوسف متالا صاحب دامت برکاتہم (مہتمم دار العلوم بری، برطانیہ، وخلیفہ حضرت شیخ الحدیثؒ) ایک مضمون میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ مہاجر مدنی کو اس سلسلہ میں جو فکر تھی اس کو تحریر فرماتے ہیں۔

"غیر مسلموں میں تبلیغ کے لئے بے چینی":

غالباً ۹۷ھ کی مدینہ طیبہ حاضری کے دوران ایک روز احقر حضرت کی قیام گاہ کے برابر خدام والے حجرے میں تھا کہ حضرت کے خادم محمد اعجاز چمپارنی آئے اور فرمایا: حضرت یاد فرمارہے ہیں، احقر حاضر ہوا، تو حضرت نے زار و قطار روتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ سن یہ کیا کہہ رہا ہے۔

بھائی اعجاز صاحب نے کہا میں نے حضرت سے پوچھا کہ وہ غیر مسلم حضرات جنہوں نے اسلام کا نام بھی نہیں سنا اور جنہیں اسلام کی کوئی تبلیغ نہیں کی گئی، کیا انہیں عذاب ہوگا؟ یہ سن کر حضرت نے روتے ہوئے ارشاد فرمایا اس پر ضرور کام ہونا چاہئے اور اس موضوع پر اسلام کے محاسن پر کتابیں ہونی چاہئیں، میں نے اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں کے نام گنوائے جن میں بطور خاص حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کی کتاب "اسلام کیا ہے؟" کا بھی ذکر کیا، حضرت نے ارشاد فرمایا انگریزی میں بھی ایسی کتابیں ہونی چاہئیں...... بھائی اعجاز صاحب نے عرض کیا کہ ان کے ہاں علامہ خالد محمود صاحب ہیں وہ انگریزی میں لکھ سکتے ہیں میں نے عرض کیا ان کا خصوصی ذوق فرق باطلہ کی تردید ہے اس لئے ان کے بجائے اس کام کے لئے مولانا ابراہیم صاحب دیسائی زیادہ موزوں ہیں جو ہمارے دار العلوم کے استاد حدیث ہیں اور یہ کام ان کے ذوق کے موافق ہے، حضرت نے فرمایا ان سے ضرور لکھواؤ میں اسے

طبع کرادوں گا۔

چنانچہ چند روز بعد ہی جب حضرت کا انگلینڈ کا سفر ہوا تب وہاں دارالعلوم میں ایک دن میں مولانا ابراہیم صاحب کے ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اوران کے تعارف کے بعد عرض کیا کہ مولانا یہ کام شروع کررہے ہیں اور پوچھ رہے ہیں کہ کس نوعیت کی کتاب لکھی جائے؟ حضرت نے فرمایا خوب وضاحت کے ساتھ اسلام کی خوبیاں بیان کر کے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دی جائے اوراس کام کے لئے حضرت نے انہیں بہت دعائیں دیں ۔''الخ۔

(بحوالہ اقرا،'' ڈائجسٹ کراچی،صفر، ربیع الاول ۱۴۰۷ھ نومبر ۱۹۸۶ء قطب الاقطاب نمبر، حصہ اول ص ۲۱۶ ص ۲۱۷)

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی یہ فکر نصیب فرمائے۔انسانیت کی ہمدردی اور امت کا سوز و گداز عطا فرمائے آمین بحرمة سيد المرسلين صلى الله عليه و آله وصحبهٔ سلم تسليماً كثيراً كثيراً فقط و الله اعلم بالصواب، ۲۴۔رجب المرجب ۱۴۱۶ھ ۱۸۔ دسمبر ۱۹۹۵ء۔

توحید کی صحیح ہونے کے شرائط اسلام میں توحید کا مقام:

(سوال ۳۴) اسلام میں ''توحید'' کا تصور کیا ہے؟ کن چیزوں کے ماننے سے انسان کی توحید کامل اور صحیح ہوتی ہے؟ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیسے عقیدے رکھنا چاہئے؟ امید ہے کہ اس سوال کا جواب عنایت فرمائیں گے۔

(الجواب) حامداً و مصليا و مسلما! آپ نے بہت اہم اور ضروری سوال پیش فرمایا ہے،اس کے بارے میں علماء نے بہت کچھ لکھا ہے۔تفسیر ہدایت القرآن میں اس کے متعلق بہت بہترین مضمون ہے۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کو یہاں نقل کردیا جائے۔ملاحظہ ہو۔

توحید صحیح اس وقت ہوتی ہے جب درج ذیل باتیں مانی جائیں۔

(۱) اللہ پاک ہی خالق ہیں، یہ کائنات جس کا ایک فرد ہم بھی ہیں ازلی اور ابدی نہیں ہے بلکہ پہلے نہیں تھی بعد میں پیدا ہوئی ہے۔اس کے پیدا فرمانے والے تنہا اللہ پاک جل شانہ ہیں انہوں نے بلاشرکت غیرے یہ ساری کائنات بنائی ہے،سورۃ الانعام (آیت نمبر ۱۰۱) میں اللہ پاک کا ارشاد ہے وخلق كل شئى . (اور اللہ پاک نے یہ چیز پیدا فرمائی)

(۲) اللہ پاک ہی پروردگار ہیں۔اللہ پاک نے تمام کائنات کو پیدا کیا ہے اور وہی ہر چیز کے پالنے والے ہیں۔ان کے سوا کوئی پالنے والا نہیں ہے۔سورۃ الجاثیہ (آیت ۳۶) میں اللہ پاک کا ارشاد ہے۔'' فلله الحمد رب السموات ورب الارض رب العلمين . حمد اللہ پاک ہی کے لئے جو آسمانوں کے پالنہار زمین کے پروردگار اور تمام کائنات کے پالنے والے ہیں۔

(۳) اللہ پاک ہی مالک ہیں۔تمام کائنات اللہ پاک نے پیدا فرمائی ہے وہی اس کے پالنے والے ہیں اور وہی تمام چیزوں کے مالک بھی ہیں،ان کے سوا کائنات کا یا اس کے کسی جزء کا کوئی مالک نہیں ہے،سورۃ البقرہ (آیت

نمبر۲۸۴) میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ " **لله ما فی السموات وما فی الارض** "اللہ پاک ہی مالک ہیں ہر اس چیز کے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔

(۴) اللہ پاک ہی حکم چلتا ہے۔ کائنات کے خالق و مالک اللہ پاک قادر مطلق ہیں وہ جو چاہیں اسے کرنے پر پوری قدرت رکھتے ہیں، وہ اسباب کے سامنے عاجز نہیں ہیں بلکہ وہی مسبب الاسباب ہیں۔ تمام ظاہری اسباب انہیں کے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں، سورۂ یوسف (آیت نمبر۶۷) میں ہے کہ " **ان الحکم الا لله** " حکم بس اللہ پاک ہی کا چلتا ہے۔

(۵) اللہ پاک ہی حاجت روا ہیں۔ اللہ پاک ہی خالق و مالک ہیں وہی پالنہار ہیں اور ان ہی کا حکم چلتا ہے، اور سب کچھ ان ہی کے پاس ہے اس لئے وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہیں، سب بندے اللہ پاک کے محتاج ہیں وہ خود مخلوق ہیں اپنی زندگی تک میں اللہ کے محتاج ہیں، سورۃ النمل (آیت نمبر۶۲) میں اللہ پاک کا ارشاد ہے: **امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء**. وہ کون ہے جو مصیبت زدہ کی فریاد سنتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کرتا ہے؟ اللہ پاک کے سوا کوئی نہیں جو مصیبت زدہ کی فریاد سن کر اس کی مصیبت دور کرے صرف اللہ پاک ہی ہر مشکل کھولنے والے ہیں۔

(۶) اللہ پاک ہی معبود ہیں۔ یعنی پرستش اور بندگی کے حقدار اللہ پاک ہی ہیں، انسان کا سر ان ہی کے آگے جھکنا چاہئے، انسان اللہ پاک کا بندہ ہے اس لئے اسے اللہ پاک ہی کی بندگی کرنی چاہئے، اسلام کا کلمہ ہی **لا الٰہ الا الله** ہے یعنی معبود اللہ پاک ہی ہیں اور سورۃ الاسراء (آیت نمبر۲۳) میں ہے کہ **وقضیٰ ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ** اور تمہارے پروردگار نے قطعی حکم دیا ہے کہ صرف انہی کی بندگی کرو۔

(۷) زندگی اور موت اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ پاک ہی خالق و مالک اور معبود و پروردگار ہیں ان ہی کے ہاتھ میں زندگی اور موت کا رشتہ ہے اور کسی کے ہاتھ میں نہیں ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے کہا تھا: **ربی الذی یحیی ویمیت** (بقرہ نمبر۲۸۵) یعنی میرے رب وہ ہیں جو جلاتے اور مارتے ہیں۔

(۸) نفع اور نقصان اللہ پاک ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ہر قسم کا نفع و نقصان اللہ پاک ہی کے ہاتھ میں ہے اور کسی کے ہاتھ میں نہیں ہے، انبیاء علیہم السلام جو اللہ پاک کے مقرب ترین بندے ہیں ان کے ہاتھ میں بھی نفع و نقصان نہیں ہے خود سردار انبیاء حضرت محمد مصطفے ﷺ کی زبانی کہلوایا گیا۔

قل انی لا املک لکم ضراً ولا رشداً. (سورۂ جن ۲۱)

ترجمہ: اے پیغمبر! اعلان فرما دیجئے کہ میرے ہاتھ میں تمہارا نفع و نقصان نہیں ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ: جب مانگو اللہ تعالیٰ سے مانگو اور جب مدد چاہو اللہ پاک سے چاہو اور یقین رکھو کہ اگر سب لوگ مل کر تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں تو ہرگز نہیں پہنچا سکتے مگر جتنا اللہ پاک نے تمہارے حق میں مقدر فرما دیا ہے اور اگر سارے لوگ اکٹھے ہو کر تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو ہرگز نہیں پہنچا سکتے مگر جتنا اللہ پاک نے تمہارے نصیب میں لکھ دیا ہے۔"

(۹) اللہ پاک ہی ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔ ساری کائنات اللہ پاک نے پیدا فرمائی ہے اور وہی ہر چیز

کو خوب جانتے ہیں، سورۃ الملک (آیت نمبر ۱۴) میں ہے۔

الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر۔

ترجمہ: بھلا جس نے پیدا کیا وہ نہ جانے گا؟ جب کہ وہ باریک بین اور باخبر بھی ہے۔

انسان کا علم بہت محدود ہے، کائنات کی بے شمار چیزیں اس کے دائرہ علم سے باہر ہیں جنہیں صرف اللہ پاک ہی جانتے ہیں، یہ سب چیزیں انسان کے حق میں ''غیب'' ہیں اور غیب کا علم انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل نہیں ہے، وہ غیب کی بس اتنی ہی باتیں جانتے ہیں جتنی وحی کے ذریعہ اللہ پاک نے انہیں بتادی ہیں۔

(۱۰) اللہ پاک کا کوئی ہمسر نہیں ہے ...... تمام کائنات مخلوق ہے اور اللہ پاک خالق ہیں، یہ مملوک ہے اور اللہ پاک مالک ہیں اس لئے کائنات کی کوئی چیز اللہ پاک کی ہمسر نہیں ہے، ارشاد باری ہے۔ ولم یکن له کفوا احد. اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

(۱۱) اللہ پاک کے بیوی نہیں ہے ...... میاں بیوی کا تعلق وہاں ہوتا ہے جہاں کم از کم تین باتیں پائی جائیں۔ (الف) ایک ہستی دوسری ہستی کی محتاج ہو، (ب) شہوانی جذبات موجود ہوں (ج) میاں بیوی دونوں ہم جنس ہوں۔ اور اللہ پاک ان تینوں باتوں سے بری ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں ہیں، وہ شہوانی جذبات سے پاک ہیں اور کوئی ان کا ہم جنس بھی نہیں ہے اس لئے اللہ پاک کی بیوی نہیں ہے سورۂ جن میں فرمایا گیا ہے۔

وانه تعالیٰ جد ربنا ما اتخذ صاحبة ولا ولداً.

ترجمہ: اور یہ کہ ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے انہوں نے نہ تو کسی کو بیوی بنایا اور نہ کسی کو اولاد۔

(۱۲) اللہ پاک کے بیٹا بیٹی نہیں ہے ...... بیٹا بیٹی کا تصور بیوی اور شہوانی تعلقات سے پیدا ہوتا ہے اور اللہ پاک جل شانہ نہ شہوانی جذبات رکھتے ہیں نہ ان کے بیوی ہے پھر ان کے لئے اولاد کیسی؟ ...... یا اولاد کا خواہش مند وہ ہوتا ہے جو کمزور اور محتاج ہوتا کہ بڑھاپے میں اولاد سہارا بن سکے اور اللہ پاک قادر مطلق غنی مطلق اور ہر چیز کے مالک و مختار ہیں، پھر ان کو اولاد کی کیا حاجت ہے؟ یا اولاد کا آرزومند وہ شخص ہوتا ہے جس کو چند روز کے بعد مر جانا ہے تا کہ اولاد کے ذریعہ اس کا نام اور سلسلہ قائم رہے، اور اللہ پاک تو سدا زندہ رہنے والے ہیں، پس انہیں اولاد کی کیا حاجت ہے؟ سورۃ الانعام (آیت نمبر ۱۰۰) میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وخرقوا له بنین وبنات بغیر علم سبحنه وتعالیٰ عما یصفون.

ترجمہ: لوگوں نے بغیر دلیل کے خدا کے لئے بیٹے بیٹیاں گھڑ لیں اللہ تعالیٰ پاک و برتر ہیں ان باتوں سے جو وہ لوگ بیان کرتے ہیں۔

(۱۳) اللہ پاک اوتار نہیں لیتے ...... کیا یہ بات اللہ پاک کے شایان شان ہے کہ وہ مخلوقات کی طرح ماں کے پیٹ میں رہیں، پیدا ہوں، پرورش کئے جائیں، ان کا جسم ہو، وہ کھائیں پئیں، قضائے حاجت کریں، بیوی بچے رکھیں، دکھ درد سہیں، اور مصیبتیں اٹھائیں، انسانی اور حیوانی جذبات ہوں پھر وہ مر جائیں یا مار دیئے جائیں، یا خودکشی کر لیں؟ توبہ! توبہ! ان میں سے کوئی بات بھی خالق کائنات کے شایان شان نہیں ہے پس وہ اوتار نہیں لیتے۔

حقیقت یہ ہے کہ لوگ جب مذہبی پیشواؤں کی عقیدت میں حد سے بڑھ جاتے ہیں تو انہیں خدائی صفات کا

حامل سمجھ بیٹھتے ہیں پھر انہیں بعینہٖ خدا قرار دے دیتے ہیں اور ان کے بارے میں یہ عقیدہ قائم کر لیتے ہیں کہ اللہ پاک نے انسانوں کی شکل میں اوتار لیا ہے۔

(۱۴) اللہ پاک ہی قانون دینے والے ہیں..... اللہ پاک انسان کے خالق اور مالک ہیں اس لئے ان ہی کو انسان کے لئے قانون بنانے کا حق پہنچتا ہے، ان کے سوا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا، علماء و مشائخ، عباد و زہاد یا سیاسی راہنماؤں کو قانون بنانے کا کوئی حق نہیں پہنچتا، حدیث شریف میں ہے کہ علماء و مشائخ جس چیز کو حلال قرار دیں اسے حلال سمجھ لینا اور جسے وہ حرام قرار دے دیں اسے حرام مان لینا، ان کو رب بنالینا ہے جو شرک ہے۔

(۱۵) اللہ پاک کی حضور اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکتا..... کسی کے بارے میں یہ خیال کر لینا کہ وہ اللہ پاک کے حضور ان کی بے جا سفارش کر دیں گے اور اللہ پاک کی گرفت سے بچالیں گے یہ شرک ہے، کیونکہ اللہ پاک کے یہاں اس طرح کی کسی سفارش کا کوئی گذر نہیں ہے نہ وہ کسی کا دباؤ قبول کرتے ہیں نہ انہیں دھوکہ دے کر غلط فیصلہ کرایا جاسکتا ہے۔

یہ ہے اسلام کا تصور توحید اور قرآن پاک اسی توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے اکثر لوگوں کا جو حال ہے کہ وہ خدا کی ہستی پر یقین بھی رکھتے ہیں اور ساتھ ہی دوسروں کو اس کا شریک بھی ٹھہراتے ہیں، یہ خدا کو ماننا نہ ماننے کے برابر ہے، یہ خدا پرستی سچی خدا پرستی نہیں ہے سچی خدا پرستی یہ ہے کہ دعاء، واستعانت، رکوع و سجود، عجز و نیاز، اعتماد و توکل، عبادت و نیاز مندی کارسازی اور کبریائی صرف اللہ پاک ہی کے لئے مخصوص سمجھی جائے، منہ سے تو سبھی کہتے ہیں کہ خالق و مالک سب کے اللہ پاک ہیں مگر پھر اوروں کو بھی پکڑتے ہیں۔

سب کو یہ مسلم ہے معبود وہی ہے
کم ہیں جو سمجھتے ہیں کہ مقصود وہی ہے

(ہدایت القرآن تیرہواں پارہ، پہلی قسط ص ۵۰ تا ص ۵۴، سورۂ یوسف آیت نمبر ۱۰۶ وما یؤمن اکثر ھم باللہ الا ھم مشرکون.)

نیز ہدایت القرآن میں ہے: لہ دعوۃ الحق، برحق دعا ان ہی کے لئے خاص ہے۔ برحق دعا وہ ہے جو رائیگاں نہ جائے، ضائع ہونے والی اور بے فائدہ دعاء باطل دعاء ہے آیت پاک کا مطلب یہ ہے کہ جو دعاء اللہ پاک ہی سے کی جاتی ہے بس وہی نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہے اور جو دعائیں اللہ پاک کے علاوہ دوسروں سے کی جاتی ہیں وہ بے فائدہ ثابت ہوتی ہیں اور ضائع جاتی ہیں جیسا کہ ارشاد فرماتے ہیں: اور جو لوگ اللہ پاک کو چھوڑ کر دوسری ہستیوں سے دعائیں مانگتے ہیں وہ ان کی درخواستوں کا کچھ بھی جواب نہیں دے سکتے ہاں (ویسا ہی جواب دے سکتے ہیں) جیسا پانی کی طرف ہتھیلیاں پھیلانے والا تاکہ وہ اس کے منہ میں پہنچ جائے حالانکہ وہ اس کے منہ تک آنے والا نہیں، اور کافروں کی دعائیں محض بے فائدہ ہیں..... یعنی غیر اللہ سے دعائیں کرنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی پیاسا کنویں کی منہ پر کھڑا ہو کر پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے اور خوشامد کرے کہ میرے منہ میں پہنچ جا۔ ظاہر ہے قیامت تک پانی اس کی فریاد کو پہنچنے والا نہیں، ٹھیک یہی حال اللہ پاک کو چھوڑ کر دوسری ہستیوں سے دعائیں مانگنے کا۔ وہ ساری دعائیں محض بے فائدہ ہیں کیونکہ کافر اور جاہل مسلمان جن کو پکارتے ہیں ان میں سے کچھ تو محض اوہام و خیالات ہیں، لوگوں نے خالی

خود ہی نام رکھ لئے ہیں ان ناموں کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں ہے اور کچھ جن اور شیاطین ہیں اور بعض اللہ پاک کے مقبول بندے ہیں، لیکن خدائی میں ان کا کچھ حصہ نہیں ہے، اور کچھ چیزیں ہیں جن میں کچھ خواص ہیں جیسے آگ پانی اور ستارے، لیکن وہ اپنے خواص کے مالک نہیں ہیں پھر ان کے پکارنے سے کیا حاصل؟ انسان کے لئے لائق یہ ہے کہ اپنے خالق و مالک کو پکارے جو اس سے بہت قریب ہے سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۸۶ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جب میرے بندے آپ ﷺ سے میرے بارہ میں سوال کریں تو (آپ انہیں بتلادیں) کہ میں قریب ہوں، جب دعاء کرنے والا مجھ سے دعاء کرتا ہے تو میں قبول کرلیتا ہوں پھر ان کو چاہئے کہ اپنی دعاؤں کی قبولیت مجھ سے چاہیں اور ان کو چاہئے کہ مجھ پر ایمان لائیں امید ہے کہ ان کو راہ مل جائے یعنی اللہ کے بندوں کو چاہئے کہ اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے لئے ان ہی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں، دوسرا کوئی نہ ان کا خالق ہے نہ مالک نہ نفع ونقصان کا اختیار رکھتا ہے اس لئے دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلانا جہالت اور کفر ہے، دعاء صرف ان کا نام نہیں ہے کہ بندہ جس طرح اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے لئے دوسری محنتیں اور کوشش کرتا ہے اسی طرح ایک کوشش دعاء بھی ہے اگر قبول ہوگئی تو بندہ کامیاب ہوگیا اور اس کی کوشش کا پھل مل گیا اور اگر قبول نہ ہوئی تو اس کی کوشش رائیگاں گئی بلکہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ دعاء عین عبادت ہے یعنی وہ حصول مقصد کا وسیلہ ہونے کے علاوہ بذات خود عبادت ہے، سورۃ المؤمن آیت نمبر ۶۰ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ''تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا جو لوگ میری عبادت سے روگردانی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل وخوار ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے''.....اس آیت پاک سے صاف معلوم ہوا کہ دعاء بعینہ عبادت ہے اور عبادت غیر اللہ کی جائز نہیں، پس دعاء بھی غیر اللہ سے جائز نہیں ہے۔

دعائیں صرف اللہ پاک ہی سے مانگو، غیر اللہ سے دعائیں مانگنا کفر ہے۔

(ہدایت القرآن ص ۸۸، ص ۸۹ سورۂ رعد، آیت نمبر ۱۴ پارہ نمبر ۱۳، پہلی قسط)

فتاویٰ رحیمیہ میں ایک جواب بہت مفید ہے موقع کی مناسبت سے یہاں پیش کیا جاتا ہے، ملاحظہ ہو۔

(سوال ۱۰۴) حضرت امام حسین سے ''یا حسین امداد کن'' ''یا حسین الغنی'' پکار کر مدد طلب کرنا، روزی اور اولاد چاہنا جائز ہے یا نہیں، ہمارے یہاں ہر گیارہویں کو چند آدمی جمع ہوکر مذکورہ وظیفہ کا ذکر تمام مل کر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو ''توسل'' (وسیلہ پکڑنے) کا طریقہ ہے، وظیفہ یہ ہے۔ امداد کن امداد کن، از ہر بلا آزاد کن، در دین و دنیا شاد کن، یا غوث الاعظم دستگیر یا حضرت غوث الثقلین باذن اللہ، یا شیخ محی الدین مشکل کشا بالخیر۔ اس طریقہ سے پڑھنا جائز ہے؟

(الجواب) حضرت امام حسینؓ کو اس طرح پکار کر مدد مانگنے اور مذکورہ وظیفہ پڑھنے کی شرعاً اجازت نہیں، ممانعت ہے، وسیلہ پکڑنا جائز ہے مگر اس کا یہ طریقہ نہیں ہے، مذکورہ طریقہ جاری رہنے سے دوسروں کے بھی عقائد فاسد ہونے کا خوف ہے، لہٰذا اس وظیفہ کو ترک کردینا ضروری ہے، خدا کو چھوڑ کر دوسرے سے اولاد مانگنا بیمار کے لئے شفا طلب کرنا، اہل قبور سے روزی مانگنا، مقدمہ میں کامیاب کرنے کی درخواست کرنا جائز نہیں ہے، مشرکانہ فعل ہے، محدث علامہ محمد طاہر رحمہ اللہ صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ یہ کسی بھی اہل اسلام کے نزدیک جائز نہیں ہے، اس لئے کہ عبادت اور طلب حاجت واستعانت فقط اللہ ہی کا حق ہے۔ **فان منهم من قصد بزيارة قبور الانبياء والصلحاء ان يصلى عند قبورهم ويدعو عندها ويسئلهم الحوائج وهذا لا يجوز عند احد من علماء المسلمين. فان**

العبادة وطلب الحوائج والا ستعانة لله وحده .(مجمع بحار الا نوار ص ۴۳ ج ۲)

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تعلیم دی ہے کہ کہو ایاک نعبدو ایاک نستعین (اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں) جب عبادت اور استعانت (امداد مانگنا) قرآن سے خدا ہی کے لئے مخصوص ہے، دوسروں سے اولاد اور روزی تندرستی وغیرہ کی درخواست کرنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟ اسی لئے رسول مقبول ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو وصیت کی کہ اذا سألت فاسئل الله و اذا استعنت فاستعن بالله (جب تجھے سوال کرنا ہو تو اللہ سے سوال کرنا اور جب مدد مانگنی ہو تو اللہ ہی سے مانگنا) (مشکوٰۃ شریف ص ۴۵۳ باب التوکل والصبر فصل ثانی)

حضرت غوث الاعظمؒ مذکورہ حدیث نقل کرکے فرماتے ہیں کہ ''ہر ایماندار کو چاہئے کہ اس کو اپنے دل کا آئینہ بنالے اور اپنے جسم، لباس، گفتگو وغیرہ ہر معاملے میں اس پر عمل کرے (فتوح الغیب مقالہ نمبر ۴۲) اور فرماتے ہیں کہ ''جو شخص ضرورت کے وقت (خدا کو چھوڑ کر) لوگوں سے مدد مانگے وہ اللہ کی صفات اور اس کی قدرت سے ناواقف ہے'' (مقالہ نمبر ۴۳) اور فرماتے ہیں کہ ''افسوس! تجھ پر تجھے شرم نہیں آتی کہ خدا کے سوا اوروں سے مانگتا ہے، حالانکہ وہ دوسروں کی بہ نسبت زیادہ قریب ہے۔'' (الفتح الربانی ص ۲۵۹ مجلس نمبر ۳۸)

اور فرماتے ہیں۔ کہ ''اے مخلوق کو خدا کا ساجھی ماننے والے اور دل سے ان (مخلوق) کی طرف متوجہ ہونے والے! مخلوق سے اعراض کر اس لئے کہ نہ تو ان سے نقصان ہے اور نہ نفع، نہ عطا کرتا ہے اور نہ تو محروم رکھنا، اپنے دل میں چھپائے ہوئی شرک کے باوجود توحید حق کا مدعی نہ بن، اس سے تجھے کچھ حاصل نہ ہوگا۔'' (حوالہ مذکورہ) آپؒ نے وفات کے وقت بھی اپنے فرزند عبدالوہابؒ کو وصیت فرمائی تھی، تمام حاجتیں اللہ کے حوالے کرنا اور اسی سے مانگنا علیک بتقوی الله و طاعة و لا تخف احداً و لا ترجه و کل الحوائج کلها الی الله عزوجل و اطلبها منه ، و لا تثق باحد سوی الله عزوجل و لا تعتمد الا علیه سبحانه . التوحید . التوحید . التوحید .(ملفوظات مع فتح ربانی)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ کل من ذهب الی بلدة اجمیر او الی قبر سالار مسعود او ما ضاها ها لا جل حاجة یطلبها اثم اثما اکبر من القتل و الزنا الخ. یعنی جو شخص اپنی حاجت روائی کے لئے اجمیر جائے یا سید سالار مسعود غازی کے مزار پر یا اسی طرح دوسری جگہ پر مراد مانگے، یقیناً اس نے خدا پاک کا بہت بڑا گناہ کیا، ایسا گناہ کہ جو زنا اور ناحق قتل کرنے سے بھی بڑا ہے، کیا وہ اس مشرک کے مانند نہیں ہے جو اپنی خود ساختہ چیزوں کی بندگی کرتا ہے اور جو لات عزیٰ جیسے بتوں کو اپنی حاجتوں کے لئے پکارتا ہے۔
(تفہیمات ص ۴۵ ج ۱)

نیز اپنی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

ومنها انهم کانوا یستعینون بغیر الله فی حوائجهم من شفاء المریض و غناء الفقیر و ینذرون لهم و یتوقعون انجاح مقاصدهم بتلک النذور و یتلون اسماءهم رجاء برکتها فاوجب الله تعالیٰ علیهم ان یقولوا فی صلاتهم ایاک نعبدو ایاک نستعین و قال تعالیٰ " و لا تدعوا مع الله

احدا" ولیس المراد من الدعاء العبادة کما قاله بعض المفسرین بل هو الا ستعانة بقوله تعالیٰ بل ایاه تدعون فیکشف ما تدعون (حجة الله البالغة ج ۱ ص ۱۲۲ (باب) الا ستعانة بغیر الله فی قضاء الحوائج)(فتاوی رحیمیه ص ۴۳ ، ص ۴۴ ،ص ۴۵ جلد اول)فقط والله اعلم.

ترجمہ:اوران ہی امورشرعیہ میں سے یہ ہے کہ مشرکین اپنے اغراض کے لئے غیر خدا سے امداد طلب کیا کرتے تھے، بیمار کی شفاءاورغریبوں کی تونگری کوان سے طلب کرتے تھےاوران کی نذریں مان کراپنی حاجات اور مقاصد کے حاصل ہونے کے متوقع رہتے تھے۔اوران کی برکات کی امید میں ان کےنام جپا کرتے تھے،اسی واسطے خداتعالیٰ نے لوگوں پرواجب کیا کہ یہ پڑھا کریں ایاک نعبدو ایاک نستعین (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے یاوری کے خواہاں ہیں)اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا فلا تدعوا مع الله احدا (خداتعالیٰ کے ساتھ دوسرے کومت پکارو۔)

تقلید شرعی اور علماءامت:

(سوال ب/۳۵)آج کل غیر مقلدیت (لامذہبیت) کا فتنہ عام ہورہا ہے،غیر مقلدین نئے نئے انداز سے غیر مقلدیت کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتے ہیں اورتقلید کی بہت مذمت کرتے ہیں،تقلیدائمہ کوکفروشرک تک کہہ دیتے ہیں اورائمہ عظام کے متعلق توہین آمیز الفاظ استعمال کرتے ہیں،ہمارے بعض مقلد بھائی ان کی باتوں میں آجاتے ہیں،آپ سے عرض ہے کہ تقلید کی شرعی حیثیت واضح فرمادیں اورتقلید قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں،محدثین عظام اورعلماءامت کا رجحان کس طرف ہے اس کی بھی وضاحت فرمائیں،غیر مقلدین جماعت محدثین کواپنے جیسا غیر مقلد تصور کرتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟امید ہے کہ قدرے تفصیل سے جواب تحریرفرما کرامت کی رہنمائی فرمائیں گے،اللہ پاک دارین میں آپ کوجزا خیرعطافرمائیں اورآپ کے فیوض وبرکات کوجاری رکھیں آمین فقط والسلام۔

(الجواب)الحمد لله الذی اعلی المؤمنین بکریم خطابه ورفع درجة العالمین بمعانی کتابه وخص المستنبطین منهم بمزید الا صابة وثوابه والصلوة والسلام علی النبی واصحابه وائمة المجتهدین واتباعه وابی حنیفة واحبابه.

غیر مجتہد پرائمہ اربعہ امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ ،امام شافعیؒ ،امام احمد بن حنبلؒ میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے اس پر جمہور علماءامت کا اجماع ہےاسی میں اس کےایمان اوراعمال کی سلامتی ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مجتہداور غیر مجتہداورتقلید کی تعریف بیان کردی جائے۔

مجتہد وہ شخص ہے جو براہ راست اپنے خداداد فہم وفراست کے ذریعہ کتاب وسنت سے شریعت کے اصول و فروع کا اوردین کے مقاصد کلیہ وجزئیہ کا استنباط اوراستخراج کرسکے،اس کے لئے چند شرائط ہیں۔مجتہد کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ علوم عربیت یعنی لغت،صرف،نحواور بلاغت ومعانی میں حاذق اور ماہر ہو،دوسری شرط یہ ہے کہ کتاب وسنت اوراقوال صحابہؓ وتابعین پر پورا مطلع ہو،قرآن کریم کی قرأت متواترہ اورقراءت شاذہ سے بخوبی واقف ہواور آیات کے اسباب نزول اورناسخ ومنسوخ سے باخبر ہوتا کہ قرآن مجید کی صحیح تفسیر کرسکےاوراحادیث نبویہ سے بھی بخوبی

واقف ہو کہ اس مسئلہ میں کس قدر احادیث اور مرویات ہیں نیز احادیث کی صحت وعدم صحت وضعف وغیرہ سے بھی پورا واقف ہو، نیز راویوں کے حالات بھی اچھی طرح جانتا ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ منجانب اللہ اس کو نور فہم اور فراست ایمانی سے خاص حصہ ملا ہو، ذکاوت اور ذہانت میں ایسا ممتاز ہو کہ بڑے بڑے اذکیاء اور عقلاء کی گردنیں اس کے خداداد فہم کے سامنے خم ہوں، چوتھی شرط یہ ہے کہ ورع وتقویٰ کا مجسمہ ہو، حق پرست ہو، ہوا پرست نہ ہو۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ اجتہاد اور استنباط کے طریقوں سے واقف ہو۔ جس شخص کے اندر یہ شرائط موجود ہوں وہ مجتہد ہے، ایسا شخص اپنے اجتہاد پر عمل کرے، اور جس شخص کے اندر یہ شرائط موجود نہ ہوں وہ غیر مجتہد ہے، اور جمہور علماء امت کا اجماع ہے کہ غیر مجتہد پر ائمہ شریعت کی اتباع اور تقلید واجب ہے۔

عقد الجید ص ۷، ص ۸ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے علامہ بغویؒ سے یہ شرائط نقل فرماتے ہیں، اسی طرح مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ نے بھی ان شرائط کو بیان فرمایا ہے۔

تقلید کی حقیقت:

جو شخص درجہ اجتہاد کو نہ پہنچا ہو یعنی وہ غیر مجتہد ہو اس کا کسی عالم و مجتہد کے علم وفہم اور ان کے ورع وتقویٰ پر اعتماد کر کے ان کے قول اور فتویٰ پر دلیل معلوم کئے بغیر عمل کرنا تقلید کہلاتا ہے۔

غیر مجتہد چونکہ از خود قرآن وسنت کے مسائل اور احکام مستنبط کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لئے اس پر ضروری ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کرے اور ان حضرات مجتہدین نے محنت اور جان توڑ کوشش کر کے ادلۂ شرعیہ (قرآن وحدیث واجماع امت اور قیاس شرعی) کی روشنی میں جو فقہی مسائل مدون اور مرتب فرمائے ہیں ان پر عمل کرے، تقلید ہی کے ذریعہ وہ صحیح طریقہ پر قرآن وسنت پر عمل کرسکتا ہے اگر تقلید ائمہ سے آزاد ہو کر زندگی گزارے گا تو چونکہ اس کے اندر اجتہاد واستنباط مسائل کی صلاحیت نہیں بایں وجہ نفس جس طرف مائل ہوگا اس پر عمل کرے گا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ہوائے نفسانی کا غلام اور بندہ ہوگا شریعت کا پیروکار نہ ہوگا۔

غیر مقلدوں کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ مسائل فقہ حضور اقدس ﷺ کے دور نبوت میں مدون اور جمع نہ تھے، یہ بعد کی ایجاد ہے لہذا یہ بدعت ہے۔

مگر یہ اعتراض ان کی جہالت اور ناواقفیت کی علامت ہے، قرآن مجید میں حضور اکرم ﷺ کے مبارک زمانہ میں کتابی صورت میں یکجا جمع نہ تھا، یہ بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ پر قرآن کریم بیک وقت نازل نہیں ہوا بتدریج تئیس سال میں نازل ہوا، حالات کے مناسب جب کوئی آیت یا کوئی سورت نازل ہوتی تو آنحضرت ﷺ لکھوا دیتے، کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو میں کوئی ہڈی یا کسی چیز کا ٹکڑا لے کر حاضر ہو جاتا اور آپ لکھواتے اور میں لکھتا جاتا حضرت زید بن ثابتؓ کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات کتابت وحی کے فرائض انجام دیتے تھے جن میں خلفاء راشدینؓ حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زبیر بن عوام حضرت معاویہؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت ثابت بن قیسؓ حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہم اجمعین بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب قرآن کریم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ کاتب وحی کو یہ ہدایت بھی فرما دیتے تھے کہ اسے فلاں سورت میں فلاں فلاں آیات کے بعد لکھا جائے۔ اور اس زمانہ میں چونکہ عرب میں کاغذ کمیاب تھا اس لئے یہ قرآنی آیات زیادہ تر پتھر کی سلوں چمڑے کے پارچوں، کھجور کی شاخوں، بانس کے ٹکڑوں، درخت کے پتوں، اور جانور کی ہڈیوں پر لکھی جاتی تھیں، البتہ کبھی کبھی کاغذ کے ٹکڑے بھی استعمال کئے گئے، اس انداز سے قرآن مجید متفرق تھا، مکمل نسخہ نہیں تھا، کسی صحابی کے پاس ایک سورت لکھی تھی، کسی نے پاس دس پانچ سورتیں اور کسی کے پاس چند آیات لکھی ہوئی تھیں (فتح الباری بحوالہ مقدمہ معارف القرآن ص ۲۶ ج س ۲۷، از مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم)

الغرض حضور اکرم ﷺ کے مبارک دور میں قرآن مجید یکجا جمع نہ تھا، حضور اقدس ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے مبارک زمانہ میں حضرت عمر فاروقؓ کے مشورہ سے جمع کیا گیا جس کا مختصراً واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ جنگ یمامہ میں حفاظ کی ایک بڑی تعداد شہید ہوگئی ہے، اور اگر مختلف مقامات پر قرآن کریم کے حفاظ اسی طرح شہید ہوتے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ ناپید نہ ہو جائے، لہذا میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے حکم سے قرآن مجید جمع کروانے کا کام شروع کر دیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ اس کام کے لئے ابتداءً تیار نہ تھے اور فرما رہے تھے " کیف نفعل شیئا لم یفعله رسول الله صلی الله علیه وسلم؟" جو کام حضور اکرم ﷺ نے نہیں کیا وہ کام کیسے کر سکتے ہو؟ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا "هذا والله خیر " خدا کی قسم! یہ کام بہت بہتر ہے، اس کے بعد حضرت عمر بار بار یہی بات کہتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کا سینہ اس کام کے لئے کھول دیا، اور آپ کو شرح صدر ہو گیا اور آپ اس مبارک اور اہم کام کرنے پر آمادہ ہوگئے، خود صدیق اکبرؓ کا بیان ہے، فلم یزل عمر یراجعنی حتی شرح الله صدری لذلک ورأیت فی ذلک الذی رأی عمر " حضرت عمر مجھ سے مراجعت کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے میرا سینہ کھول دیا (اور مجھے بھی شرح صدر ہو گیا) اور میری بھی اس بارے میں وہی رائے ہوگئی جو عمر فاروقؓ کی تھی، ان دونوں حضرات کی اتفاق رائے کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ کو یہ خدمت انجام دینے کے لئے فرمایا تو انہوں نے بھی یہی سوال کیا۔ " کیف تفعلون شیئا لم یفعله رسول الله صلی الله علیه وسلم " آپ صاحبان وہ کام کیسے کر سکتے ہو جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا " هو والله خیر " واللہ یہ کام بہتر ہی بہتر ہے اور پھر آپ ان سے گفتگو فرماتے رہے اس کی مصلحت پیش فرماتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زید ابن ثابتؓ کو بھی شرح صدر عطا فرما دیا اور وہ بھی اس کام کے لئے آمادہ ہوگئے۔ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں۔" فلم یزل ابو بکر یراجعنی حتی شرح الله صدری للذی شرح له صدر ابی بکر و عمر " حضرت ابوبکر مجھ سے مراجعت کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے میرا سینہ بھی کھول دیا جس کے لئے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو شرح صدر ہو چکا تھا اس کے بعد حضرت زید بن ثابتؓ نے نہایت جانفشانی اور پوری احتیاط کے ساتھ یہ خدمت انجام دی اور قرآن مجید کا نسخہ مرتب فرما دیا۔

(بخاری شریف ص ۷۴۵ ج ۲، باب جمع القرآن، کتاب فضائل القرآن)

اگر فقہ کے مسائل اور احکام حضور اکرم ﷺ کے بعد مدون اور جمع ہونے پر اعتراض ہے اور اسے بدعت و ناجائز کہا جاتا ہے تو جمع قرآن کے متعلق کیا کہو گے؟؟؟

احادیث کی تدوین بھی حضور ﷺ کی وفات کے بعد ہوئی ہے، بخاری مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، مؤطا، ابن ماجہ وغیرہ کتب احادیث بعد میں تصنیف کی گئی ہیں کیا اس کو بھی بدعت کہا جائے گا؟ اور اس سے اعراض کیا جائے گا؟ اور کتب احادیث سے استفادہ ترک کر دیا جائے گا؟ حقیقت یہ ہے کہ نہ فقہ کا مدون ہونا بدعت ہے اور نہ جمع قرآن کو بدعت کہا جا سکتا ہے اس لئے کہ ہر نئی بات کو بدعت کہہ دینا جاہل اور محروم العقل لوگوں کا کام ہے، ہر نیا کام اور ہر نئی بات بدعت ممنوعہ نہیں بلکہ جو کام "فی الدین" ہو یعنی دین کے اندر بطور اضافہ اور کمی بیشی کی ہو اور اسے دین قرار دے کر اور عبادت وغیرہ دینی امور کی طرح ثواب آخرت اور رضاء الٰہی کا ذریعہ سمجھ کر کیا جائے حالانکہ شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہ ہو قرآن وسنت سے نہ قیاس واجتہاد سے جیسے عیدین کی نماز میں اذان واقامت کا اضافہ یہ تو بدعت ہے اور جو نیا کام "للدین" ہو یعنی دین کے استحکام و مضبوطی اور دینی مقاصد کی تکمیل وتحصیل کے لئے ہو اسے بدعت ممنوعہ نہیں کہا جا سکتا جیسے جمع قرآن کا مسئلہ، قرآن میں اعراب لگانا، کتب احادیث کی تالیف اور ان کی شرحیں لکھنا اور ان کتابوں کا صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ نام رکھنا ان تمام امور کو بدعت نہیں کہا جا سکتا، اسی طرح احکام فقہ کا مدون ومرتب کرنا اور مذاہب اربعہ کی تعیین اور ان کا حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی نام رکھنا اس کو بھی بدعت نہیں کہا جا سکتا۔ مذکورہ بالا تمام امور "للدین" ہونے کی وجہ سے مستحب بلکہ ضروری ہیں۔ اگر قرآن جمع نہ کیا جاتا تو اس کی حفاظت مشکل ہو جاتی، اگر اس پر اعراب نہ لگائے جاتے تو صحیح تلاوت کرنا دشوار ہو جاتا، احادیث کو کتابوں کی صورت میں مرتب نہ کیا جاتا تو آج شاید امت کے پاس احادیث کا یہ معتبر ذخیرہ نہ ہوتا اسی طرح اگر فقہ کی تدوین اور مذاہب اربعہ کی تعیین نہ ہوتی تو آج لوگ خواہشات کے بندے اور غلام ہوتے، یہ تو اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ اللہ پاک نے علماء اور مجتہدین کے قلب میں یہ بات الہام فرمائی کہ انہوں نے ضرورت محسوس کر کے فقہ کی تدوین کی اور طہارت، عبادات، معاملات، اور بیوعات وغیرہ سے متعلق سینکڑوں مسائل جو قرآن وسنت میں متفرق تھے ان کو یکجا جمع کر کے الگ الگ ابواب میں مرتب کر دیا اور خداداد فہم ثاقب کے ذریعہ اجتہاد واستنباط سے کام لیا اور امت کے سامنے قرآن وسنت کا خلاصہ اور جوہر پکے پکائے تیار خوان کی صورت میں رکھ دیا جس کی بدولت امت کے لئے قرآن وسنت کے مسائل کا تلاش کرنا اور ان پر عمل کرنا آسان ہو گیا اگر فقہ کی تدوین نہ ہوئی ہوتی تو بتلایا جائے کیا ہمارے اندر یہ صلاحیت ہے کہ ہم براہ راست قرآن وسنت سے مسائل استنباط کرتے؟ ہمارا حال تو یہ ہے کہ علم تفسیر، علم حدیث تو کیا قرآن شریف، یا حدیث شریف بلا اعراب کے صحیح نہیں پڑھ سکتے، استنباط مسائل کی سمجھ اور صلاحیت تو بہت بلند ہے ان حالات میں تو ائمہ مجتہدین کا احسان مند ہونا چاہئے اور ان کے لئے دعاء خیر کرنی چاہئے اس کے بجائے ان کی شان میں گستاخی کرنا ان کی توہین کرنا کس قدر محرومی کی بات ہے ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ائمہ مجتہدین کا امت پر بہت عظیم احسان ہے اللہ پاک ہماری طرف سے ان کو بہترین جزاء عطا فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے آمین!

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وبالجملة فالتمذهب للمجتهدين سر الهمه الله تعالىٰ العلماء وجمعهم من حيث

یشعرون او لا یشعرون(الا نصاف ص ۴۷)

ترجمہ: الحاصل (ان مجتہدین کا صاحب مذہب ہونا) اور پھر لوگوں کا ان کو اختیار کرنا ایک راز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علماء پر الہام کیا ہے اور ان کو (اس تقلید پر) جمع کر دیا ہے چاہے وہ اس راز کو جانیں یا نہ جانیں۔

اور تحریر فرماتے ہیں:

اعلم ان فی الا خذ بھذہ المذاھب الاربعۃ مصلحۃ عظیمۃ و فی الاعراض عنھا کلھا مفسدۃ کبیرۃ (عقد الجید ص ۳۱)

ترجمہ: جاننا چاہئے کہ مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے اور ان سے اعراض کرنے میں بڑا مفسدہ ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس اعتراض کا جواب تحریر فرمایا ہے۔ ناظرین وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

''جواب یہ ہے کہ حاشا وکلا مذاہب اربعہ بدعت نہیں بلکہ چوتھی صدی کے بعد اہل سنت والجماعت انہی چار مذاہب میں محدود ہو گئے جیسا کہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں لکھا ہے اور شیخ ابن ہمام تحریر الاصول میں فرماتے ہیں کہ اس امر پر اجماع ہو گیا ہے کہ جو مذہب مذاہب اربعہ کے خلاف ہوگا اس پر عمل نہیں کیا جائے گا، عہد صحابہ میں اگر چہ یہ مذاہب اربعہ (حنفی و مالکی و شافعی و حنبلی) نہ تھے تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں ان کا ظہور ہوا مگر یہ ایسا ہے جیسا کہ سبع قرأت اور صحاح ستہ کا ظہور تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں ہوا اور حنفی مالکی نسبت ایسی ہے جیسا کہ کہا جائے کہ یہ قرأت حفص کی یا حمزہ کی ہے اور یہ قرأت عاصم کی یا کسائی کی ہے اور یہ حدیث بخاری کی ہے اور یہ حدیث مسلم کی ہے سب کو معلوم ہے کہ صحابہ کے زمانہ میں نہ صحیح بخاری تھی اور نہ صحیح مسلم، پس جس طرح بخاری اور مسلم کی طرف کسی حدیث کی نسبت باعتبار تخریج اور اسناد کے ہے اور عاصم اور حمزہ کی طرف کسی قرأت کی نسبت باعتبار روایت کے ہے، اسی طرح امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کی طرف نسبت کرنا باعتبار استنباط اور اجتہاد کے ہے یعنی امام اعظمؒ نے اس حدیث کے یہ معنی بیان فرمائے اور امام شافعی نے یہ معنی بیان کئے، اصل مقصود حق تعالیٰ شانہ اور اس کے رسول برحق کی اطاعت ہے اور ائمہ مجتہدین کی اتباع کے یہ معنی ہیں کہ ان حضرات کی تشریح اور تفسیر کے مطابق کتاب وسنت پر عمل کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی راسخ فی العلم کی تفسیر اور تفہیم کے مطابق احکام شریعت کا اتباع کرنا عین ہدایت اور عین رشد وسعادت ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ بخاری ومسلم کی طرف نسبت تو جائز ہو اور ابوحنیفہ وشافعی کی طرف نسبت شرک ہو۔

پس جس طرح بخاری ومسلم اور صحاح ستہ کی احادیث لسان نبوت کے موتی ہیں اسی طرح فقہ حنفی اور فقہ شافعی دریائے دین محمدی کی نہریں ہیں دونوں نہروں کا پانی ایک ہی دریا سے آرہا ہے...... الی قولہ......

اور مسائل اجتہادیہ میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ایسا ہے جیسا کہ احادیث کی صحت اور علت میں ائمہ حدیث کا اختلاف ہے اور جس طرح مسند اور مرسل اور مرفوع اور موقوف اور صحیح اور حسن وغیرہ وغیرہ یہ اصطلاحات نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں نہ تھیں لیکن ائمہ حدیث نے حسب ضرورت زمانہ کلمات نبویہ اور احادیث کے الفاظ کی حفاظت کے لئے یہ اصطلاحیں وضع کیں جو عہد نبوت میں نہ تھیں اسی طرح حضرات فقہاء نے کتاب وسنت کے معانی سمجھنے کے لئے

عبارت النص اور اشارۃ النص اور ظاہر اور نص اور مفسر اور محکم وغیرہ وغیرہ کی اصطلاحات وضع کیں جو عہد نبوت میں نہ تھیں۔

پس جس طرح قواعد محدثین کی پابندی اور اتباع واجب ہے اور کسی شخص کو یہ اختیار نہیں کہ اپنی رائے سے جس حدیث کو چاہے صحیح بتائے اور جس کو چاہے موضوع اسی طرح اصول فقہ کی پابندی اور اتباع بھی ضروری ہے، اور ہر کس وناکس کو ہرگز اس کی اجازت نہیں کہ قرآن وحدیث کا ترجمہ دیکھ کر جو چاہے معنی سمجھے اس پر عمل کرے اور دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی تبلیغ کرے اگر اصول فقہ کی پابندی ضروری نہیں تو پھر اصول حدیث کی بھی پابندی نہیں ہوگی، جرح وتعدیل اور تصحیح وتضعیف میں ہر شخص کو اختیار ہوگا کہ جس کو چاہے ثقہ اور صدوق بتلائے اور جس کو چاہے کذاب و دجال اور وضاع الحدیث بتائے۔

اور جس طرح ائمہ حدیث کی مساعی جمیلہ پر اطمینان کر کے احادیث کے رجال اور ان کی صحت اور ضعف کو معرض بحث میں نہیں لایا جاتا اور ان کی علمی تحقیقات پر اعتماد کر کے بلا دلیل معلوم کئے ہوئے ان کے قول کو تسلیم کر لیا جاتا ہے، حالانکہ اسماء الرجال کی کتابیں اب بھی موجود ہیں۔

اسی طرح ائمہ مجتہدین نے تفقہ اور استنباط اور خداداد نور فہم اور نور فراست پر اعتماد کر کے ان کے فتاویٰ پر بلا دلیل معلوم کئے اور بلا جانچ و پڑتال کے عمل کر لینا بلا شبہ صحیح اور درست ہوگا۔ ان دونوں تقلیدوں میں اگر فرق ہے تو بتلایا جائے کہ وہ کیا فرق ہے کہ جس بنا پر محدثین کی تقلید تو فرض اور واجب ہو اور فقہاء کی تقلید شرک اور حرام؟

حق تعالیٰ کی کروڑہا کروڑ رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں حضرات محدثین پر اور حضرات فقہاء پر کسی نے ہم نابکاروں کو روایت پہنچائی اور کسی نے درایت اور معانی واحکام روایت۔

جس طرح ہم ائمہ قراءت اور ائمہ تفسیر دونوں ہی کے زر خرید غلام ہیں کہ ایک گروہ نے ہم تک کلام ربانی اس طرح بلا کم وکاست پہنچایا کہ جس طرح جبریل امین سید الاولین والآخرین پر لے کر نازل ہوئے تھے اور دوسرے گروہ نے ہمیں کلام ربانی کے حقائق اور معارف اور اس کی سحر بیانی سے ہمارے دل کی آنکھیں روشن کیں اسی طرح ہم محدثین اور فقہاء دونوں ہی کے کفش بردار اور بیرد کار ہیں اگر کتب حدیث نہ ہوتیں تو نبی ﷺ کے اقوال افعال کا علم کہاں سے ہوتا اور اگر کتب فقہاء نہ ہوتیں تو کتاب وسنت پر عمل کیسے کرتے، عمل تو بغیر معنی سمجھے نہیں ہوسکتا، قرآن و حدیث کا اصل مقصود اطاعت ہے اور اطاعت کا مدار معنی پر ہے نہ لفظوں پر خوب سمجھ لو۔ (ص ۱۰۱ ص ۱۰۲)

مندرجہ بالا تحریر سے ثابت ہوگیا کہ ائمہ اربعہ کی تقلید اور فقہی مسائل کو بدعت نہیں کہا جاسکتا۔

اور یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ نفس تقلید اور تقلید شخصی کا ثبوت قرآن وحدیث اور تعامل صحابہ سے ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

قرآن مجید میں ہے۔

(۱) یـآیھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم. (قرآن مجید پ ۵ سورۂ نساء آیت نمبر ۵۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں جو اولوالامر ہیں ان کی بھی اطاعت کرو۔

اللہ تعالیٰ کے اس آیت کریمہ میں اللہ ورسول کی اطاعت کے ساتھ اولوالامر کی اطاعت کا بھی حکم فرمایا ہے۔
اولوالامر سے مراد علماء فقہاء، حاکم اور ذی اختیار ہیں عوام پر علماء اور فقہاء کا اتباع واجب ہے اس لئے کہ علماء انبیاء کرام کے وارث ہیں اور احکام شریعت کے خازن وامین ہیں۔ (معارف القرآن ادریسی ص۱۰۲ ج۲)

اس آیت کریمہ میں غور کیجئے! اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اولوالامر کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے اور اولوالامر کے مصداق میں علماء اور فقہاء بھی شامل ہیں، لہذا اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علماء اور فقہاء کی اتباع کا حکم فرمایا ہے، یہ تقلید نہیں تو اور کیا ہے؟

(۲) ولو ردوہ الی الرسول والیٰ اولی الا مر منھم لعلمہ الذین یستنبطو نہ منھم. (قرآن مجیدسورہ نساء آیت نمبر ۸۳، پ۵)

ترجمہ: اگر یہ لوگ اس امر کو رسول اور اولوالامر کے حوالہ کرتے تو جو لوگ اہل فقہ اور اہل استنباط ہیں وہ سمجھ کر ان کو بتلا دیتے کہ کون سی چیز قابل عمل ہے اور کون سی نا قابل عمل۔

اس آیت کریمہ میں بھی صراحۃ ائمہ مجتہدین کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے، یہی تو تقلید ہے۔ مذکورہ آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ اپنے اندر استنباط کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں، یعنی بات کی تہہ اور گہرائی تک نہ پہنچ سکتے ہوں، ان کو چاہئے کہ وہ مستنبطین اور مجتہدین کی طرف رجوع کریں اور ان سے دریافت کئے بغیر دین کی کوئی خبر اور بات زبان سے نہ نکالیں۔

معارف القرآن ادریسی میں ہے۔ استنباط کے لغوی معنی: زمین کھود کر اس کی تہہ میں سے پانی نکالنے کے ہیں۔ اور اصطلاح شریعت میں نصوص شریعت کی تہہ میں جو حقائق اور معارف مستور (پوشیدہ) ہیں ان کو خدا داد فہم وفراست سے کھود کر نکالنے کا نام استنباط اور اجتہاد ہے۔ شریعت کے بعض احکام آیات اور احادیث کے ظاہر سے مفہوم نہیں ہوتے، لیکن وہ بلاشبہ نصوص شریعت اور کتاب وسنت کی گہرائیوں میں مستور اور پوشیدہ ہوتے ہیں یہ ناممکن ہے کہ شریعت نے کوئی امر چھوڑ دیا ہو اور اس کے متعلق کوئی حکم نہ دیا ہو، فقہاء کرام جن کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خاص خیر کا ارادہ فرمایا وہ اپنے دقیق اور عمیق نظر اور فکر کے ذریعہ سے زمین شریعت کو کھود کر اس کی تہہ اور گہرائیوں میں سے ان پوشیدہ احکام کو نکال کر لاتے ہیں جو زمین شریعت کی ظاہری سطح پر نمایاں نہ تھے، شریعت کی تہہ اور گہرائی میں سے کسی پوشیدہ حکم کو نکالنے کا نام استنباط اور اجتہاد اور قیاس ہے۔

اسی بنیاد پر حضرات فقہاء لکھتے ہیں کہ قیاس مظہر حکم ہے نہ کہ مثبت حکم۔ یعنی قیاس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوتا بلکہ جو حکم قرآن وحدیث میں پہلے موجود تھا مگر مخفی تھا قیاس نے اس کو اب ظاہر کر دیا، حکم درحقیقت کتاب و سنت ہی کا ہے قیاس خدا اور رسول کے پوشیدہ حکم کا مظہر و محض ظاہر کرنے والا ہے، قیاس مثبت حکم نہیں یعنی قیاس اپنی طرف سے کوئی حکم نہیں دیتا، عرف عام میں چونکہ قیاس کے لغوی معنی خیال اور گمان اور وہم کے ہیں اس لئے بہت سے نادانوں نے یہ گمان کر لیا کہ قیاس شرعی کی حقیقت بھی یہی ہے، حالانکہ اصطلاح شریعت میں قیاس شرعی کی حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ شریعت میں قیاس شرعی کی حقیقت یہ ہے کہ غیر منصوص الحکم کو منصوص الحکم کے مشابہ اور مماثل دیکھ کر بوجہ مماثلت اور مشابہت کے منصوص الحکم کے حکم کو غیر منصوص کے لئے ثابت کر دینا، اور یہ کام مجتہد کا ہے، یعنی جس چیز کا

حکم کتاب وسنت اوراجماع امت میں منصوص اور مصرح نہیں ہے اس میں یہ غور وفکر کرنا کہ جس چیز کا حکم شریعت میں موجود ہے یہ غیر منصوص کس کے ساتھ زیادہ مشابہ اور مماثل ہے اس مشابہت کی بنا غیر منصوص کے لئے اس حکم کے ثابت کرنے کا نام قیاس شرعی ہے جیسے ہائی کورٹ کا کوئی فاضل جج جس مقدمہ کا حکم صراحۃً قانون میں موجود نہ ہو وہاں نظائر کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ صادر کرتا ہے یہ بھی تو ایک قسم کا قیاس ہی ہوا۔ عدالتوں میں ہزار ہا مقدمات کا فیصلہ نظائر ہی پر ہوتا ہے، نظیر کے موافق حکم دینا یہی قیاس ہے معلوم ہوا کہ ہر قانون میں قیاس موجود ہے بلا قیاس کے عدالتوں کا فیصلہ نا ممکن ہے، امام بخاری نے بھی قیاس کی یہی حقیقت قرار دی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔ **باب من شبه اصلا معلوما باصل مبين قد بين الله حكمها ليفهم السائل** (بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۸۸، کتاب الاعتصام) جس سے اشارہ اس طرف ہے کہ قیاس کی حقیقت تشبیہ اور تمثیل ہے اور اس بارے میں امام بخاری نے متعدد تراجم قائم فرمائے ہیں، سب کا حاصل یہ ہے کہ قیاس اور رائے کی دو قسمیں ہیں ایک محمود اور ایک مذموم، مذموم وہ ہے کہ جس کی کتاب، سنت واجماع میں کوئی اصل موجود نہ ہو اور محمود وہ ہے کہ کتاب وسنت اور اجماع امت سے ماخوذ ہو، حضرات اہل علم فتح الباری جلد سیزدہم باب الاعتصام کی طرف مراجعت فرمائیں۔ (معارف القرآن ادریسی ص ۱۲۴، ص ۱۲۵، جلد نمبر ۲)

خلاصہ یہ کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم فرما کر اہل استنباط کی اتباع کا حکم فرمایا جس سے تقلید کا ثبوت ہوتا ہے، اور ساتھ ساتھ استنباط (اجتہاد، قیاس شرعی) کا بھی ثبوت ہو گیا، اگر استنباط خلاف شریعت ہوتا تو اللہ تعالیٰ اہل استنباط کی طرف معاملہ پیش کرنے اور ان کی اتباع کا حکم کیوں فرماتے؟

احادیث سے بھی قیاس شرعی اور اجتہاد واستنباط کا ثبوت ہوتا ہے، حضرت معاذؓ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجنے کی روایت آئندہ صفحات میں آ رہی ہے اس روایت کو بغور ملاحظہ فرمائیں، اس روایت سے اجتہاد کا ثبوت صراحۃً ہو رہا ہے نیز مندرجہ ذیل حدیث بھی ملاحظہ فرمادیں۔

صحیح بخاری شریف باب **غزوة الخندق وهي الاحزاب** میں ہے کہ احزاب کے دن حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عن ابن عمر قال قال النبي صلى الله عليه وسلم يوم الا حزاب لا يصلين احد العصر الا في بني قريظة. کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ پہنچ کر۔

حضرات صحابہ روانہ ہوئے راستہ میں عصر کا وقت آ گیا تو نماز پڑھنے نہ پڑھنے میں صحابہ میں دو جماعتیں ہو گئیں، ایک جماعت نے ظاہری الفاظ پر عمل کرتے ہوئے کہا۔ **فقال بعضهم لا نصلي حتى ناتيها** ہم بنو قریظہ ہی پہنچ کر نماز ادا کریں گے، اس کے بالمقابل دوسری جماعت نے کہا: **وقال بعضهم بل نصلي لم يرد منا** اس جماعت نے دیگر نصوص جن میں نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنے کی تاکید ہے مثلاً ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا وغیرہ کو پیش نظر رکھ کر حضور اکرم ﷺ کے ارشاد عالی میں اجتہاد کیا کہ آپ کا منشاء اور آپ کی مراد بنو قریظہ پہنچنے میں تعجیل ہے یعنی جلدی پہنچنے میں اتنی کوشش کرو کہ ہو سکے تو عصر وہاں پہنچ کر ادا کرو، آپ کا یہ مقصود نہیں کہ اگر راستہ میں عصر کا وقت ہو جائے تب بھی تم نماز نہ پڑھنا اور قضا کر دینا یہ قیاس کیا اور راستہ ہی میں عصر کی نماز پڑھ لی۔ بعد میں حضور اکرم ﷺ کے سامنے اس واقعہ کو بیان کیا گیا، روایت کے الفاظ ہیں: **فذكر ذلك للنبي صلى الله عليه**

وسلم فلم یعنف واحداً منھم. نبی اکرم ﷺ نے کسی پر ملامت نہیں فرمائی (بخاری شریف ج ۱ص ۵۹۱، نیز ج ۲ص ۱۲۹)

اس حدیث میں غور کیجئے ایک جماعت نے آپ ﷺ کے ارشاد مبارک کے ظاہری الفاظ کو چھوڑ کر آپ کی مراد اور منشا تک پہنچنے کے لئے اجتہاد اور استنباط کر کے اپنی رائے اور قیاس پر عمل کیا، اہل علم وفہم سمجھ سکتے ہیں یہ رائے اور اجتہاد نص کے مقابلہ میں نہیں تھی بلکہ نص کے مطلب ومراد کو واضح کرنے کے لئے تھی، یعنی یہ رائے بمقابلہ نص نہیں بلکہ اجتہاد فی مراد النص ہے اور نبی اکرم ﷺ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، لہٰذا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ شریعت میں اجتہاد واستنباط، قیاس شرعی مذموم اور غلط نہیں ہے۔

ہاں وہ رائے اور قیاس جو نص کے مقابلہ میں ہو وہ مذموم اور غلط ہے جیسے کہ ابلیس کی رائے تھی قال انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین میں آدم علیہ السلام سے بہتر ہوں، آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور ان کو مٹی سے آگ افضل ہے کہ اس کا اٹھاؤ طبعاً علو اور بلندی کی طرف ہے اور مٹی مفضول ہے اور اس کا جھکاؤ طبعاً بجانب سفل (نیچے) ہے، تو افضل وعالی، مفضول وسافل کو کیوں سجدہ کرے؟ یہ ابلیس کی رائے تھی جو اللہ عزوجل کے حکم کے مقابلہ میں تھی لہٰذا یہ رائے مذموم اور غلط ٹھیری اور ابلیس مردود ومطرود وملعون ہوا۔

(۳) فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (قرآن مجید سورۂ نحل پ ۱۴)

ترجمہ: اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ایک بنیادی مسئلہ کی تعلیم دی ہے کہ جو لوگ قرآن وحدیث خود نہ سمجھ سکتے ہوں اور احکام الٰہی معلوم کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں تو وہ اہل علم سے احکام الٰہیہ دریافت کریں، آیت میں اہل الذکر سے اہل علم مراد ہیں جن کا بہترین مصداق ائمہ مجتہدین اور فقہاء عظام ہیں تو اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ جو شخص احکام الٰہی نہ جانتا ہو، اور اس کو علم نہ ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ جاننے والے سے پوچھ کر عمل کرے، یہی تو تقلید ہے۔

(۴) فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون (قرآن مجید سورۂ توبہ آیت نمبر ۱۲۲ پ ۱۱)

ترجمہ: کیوں نہ نکلے ہر فرقہ میں سے ایک جماعت تاکہ فقہ فی الدین حاصل کرے اور جب واپس آئے تو اپنی قوم کو ڈرائے تاکہ وہ دین کی باتوں کو سن کر اللہ کی نافرمانی سے بچیں۔

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ سب لوگ طلب علم کے لئے اپنے گھروں سے نہ نکل جاویں بلکہ تھوڑے سے لوگ جایا کریں یہ کہ مکمل علم دین کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اگر کوئی بھی حاصل نہ کرے تو سب گنہگار ہوں گے اور جو لوگ گئے ہیں وہ علم دین اور فقہ فی الدین حاصل کر کے اپنی قوم کو فائدہ پہنچائیں ان کو تعلیم دین اور وعظ وتلقین کریں اور عذاب الٰہی سے ڈرائیں۔ (معارف القرآن ادریسی ص ۳۲۳ ج ۵)

لہٰذا اس آیت سے ایک تفسیر کے مطابق ثابت ہوا کہ عالموں پر بے علموں کو احکام سے واقف کرانا اور عذاب الٰہی سے ڈرانا ضروری ہے، اور بے علموں پر عالموں کی بات ماننا اور اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے، یہ تقلید

نہیں تو کیا ہے لہذا اس آیت سے واضح طور پر تقلید کا ثبوت ہوتا ہے۔ بلکہ تقلید شخصی کا بھی ثبوت ہو سکتا ہے، اس لئے کہ آیت کریمہ میں لفظ ''طائفۃ'' ہے اور طائفہ کا اطلاق عربی زبان میں ایک آدمی پر بھی ہوتا ہے اور ایک سے زیادہ آدمیوں پر بھی ہوتا ہے، علامہ ابن عبدالبر تحریر فرماتے ہیں۔

" والطائفة في لسان العرب الواحد فما فوقه (جامع بيان العلم و فضله ص ١١ باب قوله صلى الله عليه وسلم طلب العلم فريضة على كل مسلم)

لہذا ممکن ہے کہ گاہے علم حاصل کر کے آنے والا ایک ہی شخص ہو تو قوم پر اس کی اتباع بھی ضروری ہوگی، اور ایک شخص کی اتباع تقلید شخصی ہے۔

ليتفقهوا في الدين ۔ کے سلسلہ میں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی عمدہ بات تحریر فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

'' جاننا چاہئے کہ فقاہت فی الدین کا درجہ مطلق علم سے بالاتر ہے، علم کے معنی جاننے کے ہیں اور فقاہت کے معنی لغت میں فہم اور سمجھ کے ہیں، فقیہ لغت اور شریعت کے اعتبار سے اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو شریعت کے حقائق اور دقائق کو اور اس کے ظہر و بطن کو سمجھا ہو، محض الفاظ یاد کر لینے کا نام فقاہت نہیں، جن لوگوں نے خداداد حافظہ سے کتاب وسنت کے الفاظ یاد کئے اور امت تک ان و با نام وکاست پہنچایا وہ حفاظ قرآن اور حفاظ حدیث کا گروہ ہے جزاہم اللہ عن الاسلام والمسلمین خیراً آمین۔

اور جن لوگوں نے خداداد عقل سلیم اور فہم مستقیم سے کتاب وسنت کے معانی اور شریعت کے حقائق و دقائق اور اس کے اصول وفروع امت کو سمجھائے تاکہ امت ان احکام پر عمل کر سکے ان کو فقہاء کہتے ہیں خواہ فقہاء ظاہر کے ہوں یا باطن کے اصل مقصود اطاعت خدا اور رسول ہے اور اطاعت کا اصل دارومدار معانی پر ہے محض الفاظ یاد کر لینے سے فریضہ اطاعت ادا نہیں ہو سکتا، اصل عالم وہ ہے جو شریعت کے معانی اور مقاصد سمجھتا ہو **كما قال تعالىٰ وتلك الا مثال نضربها للناس وما يعقلها الا العالمون**.

شریعت کی حفاظت امت پر فرض ہے، حضرات محدثین نے الفاظ شریعت کی حفاظت کی اور حضرات فقہاء نے معانی شریعت کی حفاظت کی، دونوں ہی اللہ کے مقبول گروہ ہیں، جس طرح انبیاء کرام میں درجات اور مراتب کا فرق ہے۔ **كما قال تعالىٰ تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض منهم من كلم الله ورفع بعضهم درجات** اسی طرح وارثین انبیاء یعنی علماء میں بھی درجات اور مراتب کا فرق ہے۔

حضرات محدثین اور حضرات فقہاء میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ لفظ اور معنی میں درجہ اور مرتبہ کا فرق ہے، حافظ قرآن الفاظ قرآن کا حافظ ہے اور ایک مفسر قرآن معانی قرآن کا عالم اور قاسم ہے۔

(معارف القرآن ادریسی ص ۴۲۳، ص ۴۲۴، ج ۳، سورۂ توبہ)

اب احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

(١)عن حذيفة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اني لا ادري ما بقائي فيكم فاقتدوا باللذين من بعدي ابي بكر و عمر .(مشكوة شريف ص ٥٦٠ باب مناقب ابي

بکر و عمر رضی اللہ عنہما)

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے معلوم نہیں میں کب تک تم لوگوں میں رہوں گا پس میرے بعد ان دو شخصوں کا اتباع کرنا ایک ابوبکر اور دوسرے عمر رضی اللہ عنہما کا۔

''من بعدی'' کی تشریح کرتے ہوئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ من بعدی سے مراد ان صاحبوں کی حالت خلافت ہے..... پس مطلب یہ ہوا کہ ان کے خلیفہ ہونے کی حالت میں ان کا اتباع کیجیو، اور ظاہر ہے کہ خلیفہ ایک ایک ہوں گے، پس حاصل یہ ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں تو ان کا اتباع کیجیو اور حضرت عمرؓ کی خلافت میں ان کا اتباع کیجیو، پس ایک زمانہ خاص تک ایک شخص کے اتباع کا حکم فرمایا اور یہ نہیں فرمایا کہ ان سے احکام کی دلیل بھی دریافت کر لینا اور نہ یہ عادت مستمرہ تھی کہ دلیل کی تحقیق ہر مسئلہ میں کی جاتی ہو اور یہی حقیقت تقلید شخصی کی ہے کیونکہ حقیقت تقلید شخص کی یہ ہے کہ ایک شخص کو جو مسئلہ پیش آوے کسی مرجح کی وجہ سے ایک ہی عالم سے رجوع کیا کرے اور اس سے تحقیق کر کے عمل کیا کرے اور اس مقام میں اس کے وجوب سے بحث نہیں وہ آگے مذکور ہے، صرف اس کا جواز اور مشروعیت اور موافقت سنت سے ثابت کرنا مقصود ہے، سو وہ حدیث قولی ہے جو ابھی مذکور ہوئی، بفضلہ تعالیٰ ثابت ہے۔ الخ (الاقتصاد فی بحث التقلید والاجتہاد ص ۳۱، ص ۳۲)

(۲) علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰)

ترجمہ: تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے طریقہ کو سنت فرما کر اس پر عمل کو ضروری قرار دیا۔ یہ تقلید نہیں تو کیا ہے؟

(۳) عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لما بعثه الی الیمن قال کیف تقضی اذا عرض لک قضاء ... قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال بسنة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال فان لم تجد فی سنة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال اجتهد برأیی ولا الو فضرب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علی صدره وقال الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ (صلی اللہ علیه وسلم) لما یرضیٰ به رسول اللہ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۲۴ باب العمل فی القضآء والخوف منه ابو داؤد، باب اجتهاد والرأی فی القضاء.

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو یمن کا قاضی بنا کر روانہ کیا تو دریافت فرمایا تمہارے سامنے کوئی قضیہ پیش آجانے تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا فرمایا وہ مسئلہ اگر کتاب اللہ میں نہ ملے تو؟ عرض کیا رسول اللہ ﷺ کی سنت سے فیصلہ کروں گا، آپ نے فرمایا اگر اس میں بھی نہ ملے تو؟ عرض کیا پھر اجتہاد کروں گا اور اس قضیہ (مسئلہ) کا حکم معلوم کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گا حضرت معاذؓ فرماتے ہیں آپ ﷺ نے میرے اس جواب پر (فرط مسرت سے) اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا اور فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی اور خوش ہے۔

حضرت معاذؓ کی مذکورہ حدیث سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ قرآن وحدیث میں ان کا حکم منصوص نہیں ہے یعنی صراحۃً مذکور نہیں ہے۔

(۲) غیر منصوص مسائل میں اپنی رائے اور اجتہاد سے فیصلہ کرنا مستحسن ہے اور پسندیدہ اور اس سے رسول اللہ ﷺ عین مرضی کے مطابق ہے۔

(۳) رائے اور اجتہاد حق تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جس پر آنحضرت ﷺ نے الحمد للہ فرمایا اور فرط مسرت سے حضرت معاذؓ کے سینہ پر ہاتھ مارا، اس سے اس طرف اشارہ تھا کہ علوم نبوت کے فیوض و برکات فقیہ اور مجتہد کے ساتھ ہیں

(۴) حضرت معاذؓ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا جا رہا ہے، مسائل حل کرنے اور معاملات سلجھانے کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ حضور اقدس ﷺ جانتے ہیں کہ اہل یمن اپنے پیش آمدہ مسائل و معاملات حضرت معاذؓ کے سامنے پیش کریں گے اور حضرت معاذؓ قرآن وحدیث اور اپنے اجتہاد کی روشنی میں جو حکم بیان فرمائیں گے وہ لوگ اس میں آپ کی اتباع کریں گے۔ یہ تقلید نہیں تو اور کیا ہے گویا حضور اقدس ﷺ نے اہل یمن کو حضرت معاذؓ کی تقلید شخصی پر مامور فرمایا، الغرض اس حدیث میں صحیح طور پر غور کیا جائے تو مذکورہ حدیث سے تقلید کا ثبوت اور جواز واضح اور بین طور پر ثابت ہوتا ہے۔

(۵) العلماء ورثۃ الانبیاء، رواہ احمد وابوداؤد والترمذی (کتاب العلم مشکوٰۃ شریف ص ۳۴) علماء انبیاء کے وارث ہیں، پس جس طرح انبیاء کی اتباع فرض اور لازم ہے، اسی طرح وارثین انبیاء یعنی علماء کی اتباع بھی لازم اور ضروری ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی میراث علم ہے، علماء کی اتباع واقتداء اسی لئے فرض ہے کہ وہ علم شریعت کے وارث اور حامل ہیں، اس حدیث سے بھی تقلید کا ثبوت ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا آیات واحادیث سے تقلید مطلق کا واضح طور پر ثبوت ہوتا ہے پھر اس تقلید کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ تقلید کے لئے کسی خاص امام و مجتہد کو متعین نہ کیا جائے کبھی ایک امام کے مسلک کو اختیار کر لیا تو کبھی دوسرے امام کے قول پر عمل کر لیا اسے تقلید مطلق کہا جاتا ہے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ تقلید کے لئے کسی ایک مجتہد کو متعین کر لیا جائے، ہر مسئلہ میں اسی کی اتباع کی جائے اسے تقلید شخصی کہا جاتا ہے ...... عہد صحابہ و تابعین میں تقلید کی ان دونوں صورتوں پر عمل ہوتا رہا ہے اور اس کا ثبوت ملتا ہے۔

چنانچہ اس عہد مبارک میں یہ بات بالکل عام تھی کہ جو حضرات فقیہ نہ تھے وہ فقہاء صحابہ و تابعین سے پوچھ پوچھ کر عمل کیا کرتے تھے اور سائل کے جواب میں مجیب جو حکم بتاتا مع دلیل یا بلا دلیل سائل اس پر عمل پیرا ہوتا، اور دلیل نہ ہونے کی صورت میں سائل دلیل کا مطالبہ نہ کرتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

لان الناس لم یزالوا من زمن الصحابة الی ان ظهرت المذاهب الاربعة یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر من احد یعتبر انکاره' ولو کان ذلک باطلاً لانکره' (عقد الجید مع سلک مروارید ص ۲۹)

ترجمہ: کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے وقت سے مذاہب اربعہ کے ظہور تک لوگوں کا یہی دستور رہا کہ جو عالم مجتہد مل

جاتا اس کی تقلید کر لیتے اس پر کسی بھی معتمد علیہ شخصیت نے نکیر نہیں فرمائی اور اگر یہ تقلید باطل ہوتی تو وہ حضرات صحابہ و تابعین ضرور نکیر فرماتے۔

حضرت شاہ صاحب کے اس فرمان سے عہد صحابہ و تابعین میں تقلید شخصی کا ثبوت واضح طور پر ملتا ہے، جس طرح ان حضرات کے یہاں تقلید مطلق کا رواج تھا اسی طرح بعض حضرات تقلید شخصی پر بھی عمل پیرا تھے، چنانچہ اہل مکہ مسائل خلافیہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو ترجیح دیتے تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کرتے تھے، اور اہل مدینہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کرتے تھے اور اہل کوفہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتوی کو ترجیح دیتے اور اسی کی اتباع کرتے تھے۔

(۱) چنانچہ بخاری و مسلم اور ابوداؤد میں ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا پھر وہی مسئلہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا گیا ابن مسعودؓ کا جواب ابوموسیٰ اشعریؓ کے جواب کے خلاف تھا۔ بعد میں ابو موسیٰ اشعریؓ کو اس کا علم ہوا تو سمجھ گئے کہ ابن مسعودؓ ہی کا جواب صحیح ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا" **لا تسألونی مادام هذا الحبر فیکم** " مسئلہ یہ تھا کہ پوتی کو بیٹی کے ساتھ میراث میں کتنا حصہ ملے گا۔ بخاری باب میراث ابنة ابن مع ابنة۔ ج ۲ ص ۹۹۸۔ جب تک یہ تجر عالم (یعنی ابن مسعودؓ) تم میں موجود ہیں تمام مسائل انہیں سے دریافت کیا کرو اور وہ جو فتویٰ دیں اسی پر عمل کرو مجھ سے دریافت نہ کرو، اسی کا نام تقلید شخصی تو ہے، اس حدیث سے تقلید شخصی کا ثبوت واضح انداز میں ہو رہا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۴ باب الفرائض فصل الثانی۔)

(۲) صحیح بخاری میں حضرت عکرمہؓ سے روایت ہے۔

ان اهل المدینة سألوا ابن عباس رضی الله عنه عن امرأة طافت ثم حاضت قال لهم تنفر قالوا لا نأخذ بقولک وندع قول زید رضی الله عنه (صحیح بخاری شریف ص ۲۳۷ ج ۱، کتاب الحج باب اذا حاضت المرأة بعد ما افاضت)

ترجمہ: اہل مدینہ نے حضرت ابن عباسؓ سے اس عورت کے متعلق سوال کیا جو طواف فرض (یعنی طواف زیارت) کے بعد حائضہ ہوگئی ابن عباسؓ نے فرمایا وہ طواف وداع کئے بغیر جا سکتی ہے اہل مدینہ نے کہا ہم آپ کے قول (فتویٰ) پر عمل کر کے زید بن ثابت کے قول (فتویٰ) کو ترک نہیں کریں گے۔

اس حوالہ سے ثابت ہوا کہ اہل مدینہ حضرت زید بن ثابتؓ کی تقلید شخصی کیا کرتے تھے، اس روایت کے اس جملہ " **لا نأخذ بقولک وندع قول زید** " پر غور کیجئے کہ جب اہل مدینہ نے ابن عباسؓ سے یہ بات کہی تو ابن عباسؓ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی کہ تم اتباع و اقتداء کے لئے (یعنی تقلید کے لئے) ایک معین شخص کو لازم کر کے شرک، بدعت اور گناہ کے مرتکب ہو رہے ہو اگر تقلید شخصی ناجائز اور حرام ہوتی تو ابن عباس رضی اللہ عنہما اس پر ضرور نکیر فرماتے۔

ان روایات کو ملحوظ رکھ کر اس بات کا فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ عہد صحابہ و تابعین میں تقلید مطلق و تقلید شخصی دونوں کا رواج تھا مگر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ وہ خیر القرون کا زمانہ تھا، اس زمانہ میں خیر کا غلبہ تھا نفسانی خواہشات کا عام طور پر دین میں دخل نہیں تھا، اس لئے جو شخص اپنے کسی بڑے سے کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو نیک نیتی سے کرتا اس

کے پیچھے اپنی خواہش پوری کرنے کا جذبہ کارفرما نہ ہوتا لہٰذا جو جواب ملتا نفس کے موافق ہوتا یا خلاف اسے قبول کر کے اس پر عمل پیرا ہو جاتا لہٰذا ان کا متعدد حضرات سے پوچھنا یا تو اتفاقی طور پر ہوتا یا یہ نیت ہوتی کہ جس کے قول میں زیادہ احتیاط ہوگی اس پر عمل کریں گے۔ اس لئے اس زمانہ میں تقلید مطلق اور تقلید شخصی دونوں پر عمل ہوتا تھا پھر جوں جوں حضور اقدس ﷺ کے مبارک زمانہ سے بعد ہوتا گیا لوگوں کی دینی حالت بدلنے لگی، خوف خدا اور احکام شریعت کی عظمت دلوں سے کم ہونے لگی اور اغراض پرستی غالب آنے لگی اور حالت یہ ہونے لگی کہ اب متعدد حضرات سے اس لئے پوچھا جاتا کہ جس میں سہولت ہوگی اسے اختیار کریں گے، تو امت کے نباض علماء نے دکھتی رگ پکڑ کر تقلید کو تقلید شخصی میں منحصر کر دیا اور بتدریج علماء کا میلان اسی طرف ہونے لگا اور ہوتے ہوتے تقلید شخصی کے وجوب پر امت کا اجماع ہو گیا، اگر ایسا نہ کیا جاتا تو احکام شریعت کھلونا بن جاتے اور لوگ اپنے مطلب اور خواہش پر عمل کرتے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

وبعد المائتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين اعيانهم وقل من كان لا يعتمد على مذهب مجتهد بعينه وكان هو الواجب في ذلك الزمان (الانصاف ص ۴۴)

ترجمہ: دوسری صدی ہجری کے بعد لوگوں میں متعین مجتہد کی پیروی کا رواج ہو گیا اور بہت کم لوگ ایسے تھے جو کسی خاص مجتہد کے مذہب پر اعتماد نہ کرتے ہوں اور اس زمانہ میں یہی ضروری تھا۔

علامہ ابن تیمیہ بھی تقلید شخصی کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

في وقت يقلدون من يفسد النكاح وفي وقت يقلدون من يصححه بحسب الغرض الهوىٰ ومثل هذا لا يجوز. (فتاوىٰ ابن تيميه ص ۲۴۰ ج ۲)

ترجمہ: یعنی یہ لوگ کبھی اس امام کی تقلید کرتے ہیں جو نکاح کو فاسد قرار دیتا ہے۔ اور کبھی اس امام کی جو اسے درست قرار دیتا ہے اپنی غرض اور خواہش کے مطابق اور اس طرح عمل کرنا بالاتفاق ناجائز ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تقلید کے ضروری ہونے کے مختلف انداز سے تحریر فرماتے ہیں۔

باب تاكيد الاخذ بمذاهب الاربعة والتشديد في تركها والخروج عنها. اعلم ان في الاخذ بهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظيمة وفي الاعراض عنها كلها مفسدة كبيرة (عقد الجيد مع سلك المرواريد ص ۳۱)

ترجمہ: باب سوم ان چار مذہبوں کے اختیار کرنے کی تاکید اور ان کے چھوڑنے اور ان سے باہر نکلنے کی ممانعت شدیدہ کے بیان میں۔ اعلم...... جاننا چاہئے کہ ان چار مذہبوں کے اختیار کرنے میں ایک بڑی مصلحت ہے اور ان سے اعراض روگردانی کرنے میں بڑا مفسدہ ہے۔

اسی کتاب میں دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

وثانيا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتبعوا السواد الاعظم ولما اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة كان اتباعها اتباعا للسواد الاعظم. (عقد الجيد مع سلك مرواريد ص ۳۳)

ترجمہ: اور مذہب کی پابندی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ سواد اعظم یعنی بڑے معظم جتھے کی

پیروی کرو اور چونکہ مذاہب حقہ سوائے ان چار مذہب کے باقی نہیں رہے تو ان کی پیروی کرنا بڑے گروہ کی پیروی کرنا ہے اور ان سے باہر نکلنا بڑی معظم جماعت سے باہر نکلنا ہے۔

آپ امام بغوی رحمہ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں۔

ویجب علی من لم یجمع ھذہ الشرائط تقلیدہ فیما یعن لہ من الحوادث .(عقد الجید ص ۹)

ترجمہ: اور اس شخص پر جو ان شرائط (یعنی اجتہاد کی شرائط) کا جامع نہیں اس پر کسی مجتہد کی تقلید کرنا واجب ہے ان حوادث (مسائل) میں جو اس کو پیش آویں۔

نیز تحریر فرماتے ہیں:

وفی ذلک (التقلید) من المصالح ما لا یخفی الا سیما فی ھذہ الایام التی قصرت فیھا الھمم واشربت النفوس الھوی واعجب کل ذی رأیٍ برأیہ.

(حجۃ اللہ البالغۃ مترجم ص ۳۶۱ ج ۲)

ترجمہ: اور اس میں (یعنی مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرنے میں) بہت سی مصلحتیں ہیں جو مخفی نہیں ہیں خاص کر اس زمانہ میں جب کہ ہمتیں بہت پست ہوگئی ہیں اور نفوس میں خواہشات نفسانی سرایت کر گئی ہیں اور ہر رائے والا اپنی رائے پر ناز کرنے لگا ہے۔

اور فرماتے ہیں:

وھذہ المذاھب الاربعۃ المدونۃ المحررۃ قد اجتمعت الا مۃ اومن یعتد بھا منھا علی جواز تقلید ھا الی یومنا ھذا .(حجۃ اللہ البالغۃ ص ۳۶۱ ج ۱ باب حمت الامۃ علی جواز تقلید لمذاہب الاربعۃ)

ترجمہ: اور یہ مذاہب اربعہ جو مدون اور مرتب ہوگئے ہیں پوری امت نے یا امت کے معتمد حضرات نے ان مذاہب اربعہ (مشہورہ) کی تقلید کے جواز پر اجماع کرلیا ہے (اور یہ اجماع) آج تک باقی ہے۔

اور فرماتے ہیں۔

انسان جاھل فی بلاد الھند وبلاد ماوراء النھر ولیس ھناک عالم شافعی ولا مالکی ولا حنبلی ولا کتاب من کتب ھذہ المذاھب وجب علیہ ان یقلد لمذھب ابی حنیفۃ ویحرم علیہ ان یخرج من مذھبہ لا نہ حینئذ یخلع من عنقہ ربقۃ الشیعۃ ویبقی سدی مھملا .(الانصاف عربی ص ۵۳ مع ترجمہ کشاف ص ۷۰)

ترجمہ: کوئی جاہل عامی انسان ہندوستان اور ماوراء النہر کے شہروں میں ہو (کہ جہاں مذہب حنفی پر ہی زیادہ تر عمل ہے) اور وہاں کوئی شافعی، مالکی اور حنبلی عالم نہ ہو اور نہ ان مذاہب کی کوئی کتاب ہو تو اس وقت اس پر واجب ہے کہ امام ابوحنیفہ ہی کے مذہب کی تقلید کرے اور اس پر حرام ہے کہ حنفی مذہب کو ترک کردے اس لئے کہ اس صورت میں شریعت کی رسی اپنی گردن سے نکال پھینکنا ہے اور مہمل اور بیکار بن جانا ہے۔

اور فرماتے ہیں:

وبالجملۃ فالتمذھب للمجتھدین سر الھمہ اللہ تعالیٰ العلماء وجمعھم علیہ من حیث

یشعرون اولا یشعرون. (الانصاف عربی ص ۴۷ مع ترجمہ کشاف ص ۶۳)
ترجمہ: الحاصل ان مجتہدین (ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کے) مذہب کی پابندی (یعنی تقلید شخصی) ایک راز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علماء کے دلوں میں الہام کیا ہے اور اس پر ان کو متفق کیا ہے وہ تقلید کی مصلحت اور راز کو جانیں یا نہ جانیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے مذکورہ فرامین سے ثابت ہوتا ہے۔

(۱) مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، حنبلی، شافعی) کا اتباع سواداعظم کا اتباع ہے (جواز روئے حدیث واجب ہے) اور مذاہب اربعہ کے دائرہ سے خروج سواداعظم سے خروج ہے (جو گمراہ کن ہے)۔

(۲) مذاہب اربعہ کے دائرہ کے اندر رہنے میں دینی مصالح ہیں اور ان سے اعراض میں مفسدہ ہے۔

(۳) غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے۔

(۴) مذاہب اربعہ کی تقلید پر امت کا اجماع ہے۔

(۵) مذاہب اربعہ میں سے ایک مذہب کی تقلید یعنی تقلید شخصی منجانب اللہ ایک الہامی راز ہے۔

(۶) کوئی شخص (غیر مجتہد) ایسی جگہ ہو جہاں صرف مذہب حنفی پر عمل ہوتا ہو اور وہاں دوسرے مسلک کا کوئی عالم نہ ہو اور نہ کتاب ہو تو ایسی جگہ اس پر واجب ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی تقلید کرے، اور اس صورت میں آپ کے مذہب سے خروج حرام ہے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ کی مندرجہ فرامین سے تقلید کی اہمیت اس کی ضرورت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر علماء کبار نے بھی تقلید کی ضرورت اور اس کے واجب ہونے کو تحریر فرمایا ہے، بطور نمونہ چند علما، کی عبارتیں پیش کی جاتی ہیں، ملاحظہ فرماویں۔

حافظ حدیث علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ متوفی ۸۶۱ھ نے التحریر فی اصول "الفقہ" میں تحریر فرمایا ہے۔

وعلی هذا ما ذكر بعض المتأخرين منع تقليد غير الاربعة لانضباط مذاهبهم وتقييد مسائلهم وتخصيص عمومها ولم يد ومثله فی غيرهم الان لانقراض اتباعهم وهو صحيح. (التحرير ص ۵۵۲)

ترجمہ: اور اسی بنیاد پر بعض متاخرین نے ذکر کیا ہے کہ ائمہ اربعہ ہی کی تقلید متعین ہے نہ کہ دوسرے ائمہ کی، اس لئے کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب مکمل منضبط ہو گئے ہیں اور ان مذاہب میں مسائل تحریر میں آچکے ہیں اور دوسرے ائمہ کے مذاہب میں یہ چیز نہیں ہے اور ان کے متبعین بھی ختم ہو چکے ہیں اور تقلید کا ان ہی چار اماموں میں منحصر ہو جانا صحیح ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری متوفی ۹۷۰ھ "الاشباہ والنظائر" میں تحریر فرماتے ہیں۔

وما خالف الائمة الاربعة فهو مخالف للاجماع. (الاشباه والنظائر ص ۱۳۱)

ترجمہ: یعنی (کسی شخص کا) کوئی فیصلہ ائمہ اربعہ کے خلاف ہو تو وہ اجماع کے خلاف ہے (اس لئے قابل قبول نہیں ہو سکتا)

اورنگ زیب عالمگیرؒ کے استاذ جامع المعقول والمنقول شیخ احمد المعروف بہ ملاجیون صدیق متوفی ۱۱۳۰ھ

"تفسیرات احمدیہ" میں تحریر فرماتے ہیں۔

والانصاف ان انحصار المذاهب فی الاربعة واتباعهم فضل الٰهی وقبولیة من الله لا مجال فیه للتوجیهات والادلة. (تفسیرات احمدیه ص ۳۴۶)

ترجمہ: انصاف کی بات یہ ہے کہ مذاہب کا چار میں منحصر ہوجانا اور انہی چار کی اتباع کرنا فضل الٰہی ہے اور منجانب اللہ قبولیت ہے اس میں دلائل اور توجیہات کی حاجت نہیں۔

علامہ جلال الدین محلی "شرح جمع الجوامع" میں تحریر فرماتے ہیں۔

ویجب علی العامی وغیره ممن لم یبلغ مرتبة الاجتهاد التزام مذهب معین من مذاهب المجتهدین. (بحواله نور الهدایة ترجمه شرح الوقایه ص ۱۰)

ترجمہ: واجب ہے عامی اور غیر عامی پر جو کہ درجۂ اجتہاد کو نہ پہنچا ہو مجتہدین کے مذاہب میں سے ایک مذہب معین کو عمل کے لئے اپنے اوپر لازم کر لینا۔

امام عبدالوہاب شعرانی "میزان الشریعۃ الکبریٰ" میں تحریر فرماتے ہیں۔

وکان سیدی الخواص رحمه الله تعالیٰ اذا سئاله انسان عن التقلید بمذهب معین الآن هل هو واجب ام لا یقول له یجب علیک التقلید بمذهب مادامت لم تصل الیٰ شهود عین الشریعة الاولیٰ من الوقوع فی الضلال علیه عمل الناس الیوم (میزان کبریٰ)

ترجمہ: میرے سردار علی خواص رحمہ اللہ سے جب پوچھا جاتا کہ اس وقت مذہب معین کی تقلید واجب ہے یا نہیں؟ تو فرماتے تجھے کمال ولایت ونظر کشف وشہود سے مرتبۂ اجتہاد حاصل نہ ہو اس وقت تک معین امام کے دائرۂ تقلید سے قدم باہر نہ نکالنا اور اسی پر آج لوگوں کا عمل ہے۔

علامہ سید طحطاوی رحمہ اللہ متوفی ۱۲۳۳ھ فرماتے ہیں۔

فعلیکم یا معشر المؤمنین باتباع الفرقة الناجیة المسماة باهل السنة والجماعة فان نصرة الله فی موافقتهم وخذلانه وسخطه ومقته فی مخالفتهم وهذه الطائفة الناجیة قد اجتمعت الیوم فی المذاهب الاربعة هم الحنفیون والمالکیون والشافعیون والحنبلیون ومن کان خارجا من هذه المذاهب الاربعة فی ذلک الزمان فهو من اهل البدعة والنار. (طحطاوی علی الدر المختار ج۴ ص ۱۵۳ کتاب الذبائح)

ترجمہ: اے گروہ مسلمان! تم پر نجات پانے والے فرقہ کی جو اہل سنت والجماعت کے نام سے موسوم ہے پیروی کرنا واجب ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اہل سنت والجماعت کے ساتھ موافقت کرنے میں ہے اور اہل سنت والجماعت کی مخالفت کرنے میں اپنی ذات کو خدا تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کا مورد بنانا ہے (اللہ اپنی پناہ میں رکھے) اور یہ نجات پانے والا گروہ (یعنی اہل سنت والجماعت) آج مجتمع ہوگیا ہے چار مذاہب میں اور وہ حنفی مالکی شافعی اور حنبلی ہیں اور جو شخص اس زمانہ میں ان چار مذاہب سے خارج ہے وہ اہل بدعت اور اہل نار سے ہے (اہل سنت میں داخل نہیں)

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی رحمہ اللہ کتاب "راحۃ القلوب" میں تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت خواجہ سید العابدین، زبدۃ العارفین، فرید الحق والشرع شکر گنج رحمہ اللہ علیہ نے بتاریخ ۱۱۔ ماہ ذی الحجہ سنہ ۶۵۱ھ میں فرمایا کہ ہر چار مذاہب برحق ہیں لیکن بالیقین جاننا چاہئے کہ مذہب امام اعظم کا سب سے فاضل تر ہے اور دوسرے مذہب ان کے پس رو ہیں اور امام ابوحنیفہؒ افضل المتقدمین ہیں اور الحمد للہ کہ ہم ان کے مذہب میں ہیں بحوالہ حدائق حنفیہ ص ۱۰۴)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

بے شائبہ تکلف وتعصب گفتہ میشود کہ نورانیت ایں مذہب حنفی بنظر کشفی دررنگ دریائے عظیم می نماید وسائر مذاہب دررنگ حیاض وجداول بنظر می آیند وبظاہر ہم کہ ملاحظہ نمودہ می آید سواد اعظم از اہل اسلام متابعان ابی حنیفہ اند علیہم الرضوان وایں مذہب باوجود کثرت متابعان دراصول وفروع از سائر مذاہب متمیز است ودر استنباط طریق علحدہ دارد وایں معنی منبی از حقیقت است، عجب معاملہ است امام ابوحنیفہ درتقلید سنت از ہمہ پیش قدم است واحادیث مرسل را دررنگ احادیث مسند شایان متابعت میداند وبررائے خود مقدم میدارد وہمچنیں قول صحابہ رابواسطہ شرف صحبت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام بررائے خود مقدم میدارد ودیگراں نہ چنیں اند مع ذلک مخالفان اورا صاحب رائے میدانند والفاظ کہ مبنی از سوئے ادب اند باومنتسب می سازند باوجود آنکہ ہمہ کمال علم ووفور ورع وتقویٰ او معترف اند حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ایشان راتوفیق دہد کہ از رأس دین ورئیس اسلام انکار نہ نمایند وسواد اعظم اسلام راایذا نکنند یریدون ان یطفؤا نور اللہ بافواھھم جماعۃ کہ ایں اکابر دین رااصحاب رائے میدانند اگر ایں اعتقاد دارند کہ ایشاناں برائے خود حکم میکردند ومتابعت کتاب وسنت نمی نمودند پس سواد اعظم از اہل اسلام بزعم فاسد وایشاں ضال ومبتدع باشند بلکہ از جرگۂ اہل اسلام بیرون بودند ایں اعتقاد نکند مگر جاہلی کہ از جہل خود بے خبر است یا زندیقی کہ مقصودش ابطال شطر دین است ناقصی چند احادیث چندرا یادگرفتہ اند واحکام شریعت رامنحصر دراں ساختہ ماورائے معلوم خود رانفی می نمایند وآنچہ نزد ایشاں ثابت نہ شدہ منتفی می سازند۔

چوں آں کرمے کہ در سنگے نہاں است زمین وآسماں او ہماں است وای ہزار وای از تعصبہائے بارد ایشاں واز نظر ہائی فاسد ایشاں (مکتوبات امام ربانی ص ۱۰۷، ص ۱۰۸، ج ۲ مکتوب نمبر ۵۵ فارسی)

بلا تکلف وتعصب کہا جاسکتا ہے کہ اس مذہب حنفی کی نورانیت کشفی نظر میں دریائے عظیم کی طرح دکھائی دیتی ہے اور دوسرے تمام مذاہب حوضوں اور نہروں کی طرح دکھائی دیتے ہیں اور ظاہر میں بھی جب ملاحظہ کیا جاتا ہے تو اہل اسلام کا سواد اعظم یعنی بہت سے لوگ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تابعدار ہیں یہ مذہب باوجود بہت سے تابعداروں کے اصول وفروع میں تمام مذہبوں سے الگ ہے۔ اور استنباط میں اس کا طریقہ علیحدہ ہے اور یہ معنی حقیقت کا پتہ بتاتے ہیں، بڑے تعجب کی بات ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سنت کی پیروی میں سب سے آگے ہیں حتی کہ احادیث مرسل کو احادیث مسند کی طرح متابعت کے لائق جانتے ہیں اور اپنی رائے پر مقدم سمجھتے ہیں، اور ایسے ہی صحابہؓ کے قول کو حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شرف صحبت کے باعث اپنی رائے پر مقدم جانتے ہیں دوسروں کا ایسا حال نہیں پھر بھی مخالف ان کو صاحب رائے کہتے ہیں اور بہت بے ادبی کے الفاظ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ سب لوگ ان کے کمال علم وورع وتقویٰ کا اقرار کرتے ہیں حق تعالیٰ شانہ ان کو توفیق دے کہ دین کے سردار اور اسلام کے

رکھیں سے انکار نہ کریں اور اسلام کے سواد اعظم کو ایذا دیں یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم یہ لوگ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں وہ لوگ (غیر مقلدین) جو دین کے ان بزرگوں (امام ابو حنیفہ امام مالک امام شافعی امام احمدؒ) کو صاحب رائے جانتے ہیں اگر یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ بزرگوار صرف اپنی رائے پر ہی عمل کرتے تھے اور کتاب وسنت کی متابعت چھوڑ دیتے تھے تو ان کے فاسد خیال کے مطابق اسلام کا ایک سواد اعظم گمراہ اور بدعتی بلکہ گروہ اسلام سے باہر ہے اس قسم کا اعتقاد وہ بے وقوف جاہل کرتا ہے جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے یا وہ زندیق جس کا مقصود یہ ہے کہ اسلام کا نصف حصہ باطل ہو جائے ان چند ناقصوں نے چند حدیثوں کو یاد کر لیا ہے اور شریعت کے احکام کو انہی پر موقوف رکھا ہے اور اپنی معلومات کے سوا سب کی نفی کرتے ہیں اور جو کچھ ان کے نزدیک ثابت نہیں ہوا (یعنی ان کے علم سے باہر ہے) اس کا انکار کرتے ہیں۔ بیت: وہ کیڑا جو پتھر میں پنہاں ہے وہی اس کا زمین وآسمان ہے۔ اسی قسم کے لوگ بیہودہ تعصب اور فاسد خیالوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ (ترجمہ مکتوبات امام ربانی ص ۱۷۸، ص ۱۷۹، ج ۲ مکتوب نمبر ۵۵)

شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

(سوال) مقلد ایشاں را بدعتی گویند یا نہ؟

(الجواب) ہرگز مقلد ایشان را بدعتی نخواہند گفت زیرا کہ تقلید ایشاں تقلید حدیث شریف است باعتبار الظاہر والباطن پس متبع حدیث را بدعتی گفتن ضلال وموجب نکال است (مأۃ مسائل ص ۹۳)

(سوال) مذاہب اربعہ کے مقلدین کو بدعتی کہیں گے یا نہیں؟

(الجواب) مذاہب اربعہ کے مقلد کو بدعتی نہیں کہیں گے۔ اس لئے کہ مذاہب اربعہ کی تقلید بعینہ حدیث کے ظاہر و باطن کی تقلید ہے اور متبع حدیث کو بدعتی کہنا گمراہی اور بدبختی ہے۔ (امداد المسائل ترجمہ مأۃ مسائل ص ۱۰۲)

حضرت شاہ محمد ہدایت علی نقشبندی مجددی حنفی جے پوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

''تقلید ائمہ شریعت اس پر واجب نہیں جو علم تفسیر، فقہ، حدیث میں کامل ہو اور مرتبہ اجتہاد واستنباط مسائل پر قادر ہو، ناسخ ومنسوخ ومحاورۂ عرب سے واقف ہو اگر اس قدر استعداد نہیں رکھتا ہے تو تقلید ائمہ اس پر واجب ہے اور یہ سب علوم اس میں موجود ہوں پھر بھی ائمہ کی تقلید کرے تو احسن ہے لیکن اس وقت میں دیکھا جاتا ہے کہ علم تفسیر حدیث فقہ اصول تو کیا قرآن شریف یا حدیث شریف بلا اعراب کے صحیح نہیں پڑھ سکتے، استنباط مسائل کی عقل اور سمجھ تو بہت بلند ہے لیکن

ائمہ شریعت کی تقلید نہیں کرتے اور تقلید کو شرک کہتے ہیں۔ ان کی عقل پر پردہ پڑ گیا ہے، یہ نہیں جانتے کہ ہندوستان میں علم تفسیر حدیث فقہ واصول فقہ کے بیشتر وشاہ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ صاحبؒ، شاہ عبدالعزیز صاحب، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی وغیرہ باوجود مخزن علوم کے سب حنفی ہیں، تو کیا زمانہ موجودہ کے علماء علم وفہم وتقویٰ میں زیادہ ہیں؟ ہرگز نہیں، جو ائمہ کے مقلد کو مشرک کہتے ہیں لیکن جاہلوں کو اپنا مقلد بنا لیتے ہیں، اکثر لوگ جو اردو بھی نہیں جانتے وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم اہل حدیث ہیں۔ یعنی

غیر مقلد۔ ان سے اگر یہ سوال کیا جائے کہ تم جو اپنے کو عامل بالحدیث کہتے ہو تم نے یہ مسائل قرآن وحدیث سے اخذ کئے ہیں یا کسی مولوی صاحب سے سن کر عمل کیا ہے؟ تو وہ یہی کہیں گے کہ فلاں مولوی صاحب سے سن کر عمل کیا ہے تو پھر یہ تقلید نہ ہوئی تو اور کیا ہوا؟ (درلا ثانی ص ۶۱ ص ۶۲ ج ۲، احسن التقویم ص ۱۳۷ ص ۱۳۸)

ناظرین غور کریں! مذکورہ آخری عبارت میں جن محدثین اور بزرگوں کا نام پیش کیا گیا ہے کیا غیر مقلدوں میں ان کے ہم پلہ کوئی عالم ہے؟ حدیث کے ساتھ ان کا جو شغل تھا اور حدیث پر جس قدر گہری نظر ان کی تھی کیا غیر مقلدوں کی اتنی گہری نظر ہے؟ اس کے باوجود ان محدثین اور بزرگوں نے تقلید کی اور مذہب حنفی کو اختیار کیا، اب فیصلہ کیا جائے کہ لائق اتباع ان بزرگوں کا قول وعمل ہے یا غیر مقلدوں کا؟

اسی طرح مندرجہ بالا صفحات میں جن علماء محققین کی عبارتیں پیش کی گئی ہیں ان پر بھی غور فرمائیں، اللہ پاک نے ان بزرگوں کو قرآن وحدیث کا عمیق علم عطا فرمایا تھا اور رات دن ان کا یہی مشغلہ تھا اس کے باوجود ان حضرات نے خود بھی تقلید کی اور امت کو بھی تقلید کی دعوت دی۔ یہ وہ بزرگ حضرات ہیں جو اپنے اپنے زمانہ میں علم وعمل تقویٰ و طہارت، خوف وخشیت، احسان واخلاص میں امام تھے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور دین متین کی خدمت کا جذبہ ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، فکر آخرت میں مستغرق تھے اور قرآن وسنت پر پوری طرح عامل، حرام کا تو کیا تصور ہو مشتبہات سے بھی بچنے کی کوشش کرتے تھے یا ان بزرگوں کے متعلق یہ سوچا جا سکتا ہے کہ تقلید (جو بقول غیر مقلدین حرام اور کفر وشرک ہے) کر کے خود بھی زندگی بھر (معاذ اللہ) حرام اور کفر وشرک میں مبتلا رہے اور امت کو بھی پوری زندگی اس کی دعوت دیتے رہے! معاذ اللہ ثم معاذ اللہ جس کے دل میں قرآن وحدیث کی عظمت، اسلاف عظام کا احترام، اور علماء ربانی اور مشائخ کرام کی محبت ہے وہ اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

ان بزرگوں کے علاوہ مثال اور نمونہ کے طور پر محدثین عظام، علماء کبار، اولیاء کرام اور مشائخ طریقت کی ایک فہرست ملاحظہ فرمائیں، یہ سب کے سب مقلد تھے، ملاحظہ فرمائیں۔

امام نقد رجال محدث جلیل یحییٰ بن سعید القطان (جو امام بخاریؒ کے استاذ کے استاذ ہیں) امیر المومنین فی الحدیث حضرت **عبداللہ بن المبارک**ؒ (جو فن حدیث کی رکن اعظم ہیں، امام بخاریؒ کے استاذ کے استاذ ہیں اور یحییٰ بن معینؒ، امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ محدثین عظام کے استاذ ہیں) امام حدیث وکیع بن جراحؒ (جو امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ اور اصحاب ستہ کے کبار شیوخ میں سے ہیں) امام حدیث سید الحفاظ یحییٰ بن معینؒ (جو امام بخاریؒ کے استاذ ہیں) امام حدیث امام ابو یوسفؒ (جو علم حدیث میں امام احمدؒ علی بن مدینیؒ، یحییٰ بن معینؒ وغیرہ اکابر محدثین کے استاذ ہیں اور یہ حضرات امام بخاریؒ وغیرہ محدثین کے شیوخ میں سے ہیں) یہ اجلہ محدثین حدیث میں جلالت شان کے باوجود تقلید کرتے تھے اور حنفی المسلک تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ باوجود مجتہد ہونے کے صحیح قول کے مطابق مقلد تھے اور شافعی تھے، خود غیر مقلدوں کے پیشوا جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی نے اپنی کتاب "**الحطه فی ذکر صحاح السة**" میں تحریر کیا ہے کہ امام بخاریؒ کو امام ابو عاصمؒ نے جماعت شافعیہ میں ذکر کیا ہے۔ **وقد ذکره ابو عاصمؒ فی طبقات**

اصحابنا الشافعیة نقلاً عن السبکیؒ۔ اوراسی کتاب کے ص ۱۲۷ فصل نمبر ۶ میں امام نسائی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: کان احد اعلام الدین وارکان الحدیث امام اهل عصره ومقدمهم بین اصحاب الحدیث وجرحه وتعدیله معتبر بین العلماء وکان شافعی المذهب۔ امام نسائی دین کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ حدیث کے ارکانوں میں سے ایک رکن، اپنے زمانہ کے امام اور محدثین کے پیشوا تھے، ان کی جرح وتعدیل علماء کے یہاں معتبر ہے اور آپ شافعی المذہب تھے۔

امام ابوداؤد کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ فقیل حنبلی وقیل شافعی، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آپ حنبلی تھے اور کچھ حضرات فرماتے ہیں کہ آپ شافعی ہیں (الحطہ ص ۱۳۵)

ان کے علاوہ امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ، امام بیہقیؒ، امام دارقطنیؒ امام ابن ماجہؒ یہ سب بھی مقلد تھے اور صحیح قول کے مطابق شافعی ہیں۔

علامہ ذہبیؒ، علامہ حافظ ابن تیمیہؒ، علامہ ابن قیمؒ، علامہ ابن جوزیؒ، یہ سب حضرات مقلد تھے اور حنبلی تھے۔

غور فرمائیں! بڑے بڑے ائمہ حدیث اور صحاح ستہ کے مصنفین امام بخاریؒ امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ، امام نسائی، امام ابن ماجہؒ، امام ابوداؤدؒ، جن کو خود غیر مقلدین بھی جلیل القدر محدث تسلیم کرتے ہیں۔ یہ محدثین سینکڑوں اور ہزاروں نہیں لاکھوں حدیث کے حافظ تھے، حدیث میں اس قدر مہارت کے باوجود ائمہ کی تقلید کر رہے ہیں تو غیر مقلدین کے لئے کون سی گنجائش ہے کہ وہ دائرہ تقلید سے آزاد رہیں اور تقلید کو حرام اور کفر وشرک کہیں۔

اسی طرح ہندوستان میں جس قدر مشہور محدثین، علماء محققین اور مشائخ طریقت اور اولیاء اللہ گذرے ہیں وہ سب کے سب مقلد اور تقریباً سب ہی امام ابوحنیفہؒ کے مقلد تھے، ان کی فہرست تو بہت طویل ہے ان میں سے چند مشہور علماء ومشائخ کے اسماء گرامی ملاحظہ فرمائیں۔

امام ربانی شیخ سید احمد مجدد الف ثانیؒ نقش بندی، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور آپ کا پورا خاندان جن کے ذریعہ ہندوستان میں علم حدیث کا خوب پھیلاؤ اور ترویج وترقی ہوئی، اولیاء ہند کے سرتاج خواجہ معین الدین چشتیؒ مرزا مظہر جان جاناںؒ بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب تفسیر مظہریؒ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، خواجہ نظام الدین اولیا، خواجہ باقی باللہ، خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ خواجہ علامہ الدین صابر کلیری۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ وغیرہ وغیرہ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ رحیمیہ جلد نمبر ۱ ص ۷۷، ص ۷۸۔

غرض امت کی جمہور محدثین علماء محققین، اولیاء اللہ اور عارفین تقلید پر متفق ہیں بہت ہی قلیل تعداد تقلید کی منکر ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

ائمہ کی تقلید پر امت کا متفق ہوجانا خداداد مقبولیت ہے

امت محمدیہ کے علماء اور صلحاء مفسرین اور محدثین کا ائمہ اربعہ کی تقلید پر متفق ہوجانا کوئی امر عقلی نہیں اور نہ کوئی امر کسبی ہے کہ جس کو کسی سعی اور جدوجہد کا نتیجہ کہا جائے، بلکہ محض فضل خداوندی اور مشیت ربانی ہے اسی نے اپنی قدرت اور حکمت سے فقہاء اور مجتہدین کو پیدا کیا اور اسی کی مشیت سے ان کے مذاہب پھیلے، اور لوگوں نے ان کی تقلید

کی پھر اسی کی مشیت اور حکمت اس کو مقتضی ہوئی کہ ائمہ اربعہ کو اپنے فضل اور قبول سے سرفراز فرمائے اور تمام امت ان ہی حضرات کی رہنمائی سے خدا تک پہنچے، چنانچہ رفتہ رفتہ تمام مذاہب دنیا سے معدوم ہوگئے اور صرف ائمہ اربعہ کے مذاہب باقی رہ گئے، حق جل وعلا نے تکوینی طور پر محدثین اور مفسرین اور اولیاء اور عارفین کے قلوب میں یہ القاء فرمایا کہ تم ہمارے ان چار مقبول بندوں میں سے کسی کا اتباع کرو، یہ القاء ہونا تھا کہ امت کے عوام اور خواص کے قلوب سمٹ کر ائمہ اربعہ پر جمع ہوگئے اور دن بدن ان کا شیوع (پھیلاؤ) اور قبول ہوتا رہا یہاں تک کہ ان کی اصول وفروع منضبط ہوگئے اور روئے زمین کے تمام اہل سنت والجماعت انہی ائمہ اربعہ کے تقلید کے دائرہ میں منحصر ہوگئے اور اہل علم نے یہ اعلان کردیا کہ جو شخص ائمہ اربعہ کی تقلید سے خروج کرے وہ اہل بدعت سے ہے اہل سنت سے نہیں، جس طرح تمام امت کا صحاح ستہ پر متفق ہوجانا کسی سعی اور جدوجہد کا نتیجہ نہیں بلکہ خداداد قبولیت کا نتیجہ ہے، اسی طرح تمام امت کا ائمہ اربعہ کی تقلید پر متفق ہوجانا خداداد مقبولیت کا ثمرہ ہے۔

لہٰذا یہ سوال کرنا کہ تقلید انہی چار میں کیوں منحصر ہوئی ایسا ہی ہے کہ خلافت راشدہ خلفاء اربعہ ہی میں کیوں منحصر ہوئی۔ اور ملائکہ مقربین چار ہی میں کیوں منحصر ہیں؟ جواب یہ ہے کہ یہ محض فضل ربانی اور قبول یزدانی ہے اس میں کسی توجیہ اور دلیل کی گنجائش نہیں ماشاء اللہ کان وما لا یشاء لایکون (ص ۱۰۴، ص ۱۰۵)

محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے نام نامی سے سب ہی واقف ہیں، علم اور ولایت کے انتہائی اعلیٰ مقام پر فائز تھے مگر اس کے باوجود مقلد اور حنبلی تھے، اور امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب پر موت آنے اور حشر میں ان کے ساتھ ہونے کی تمنا اور دعاء فرماتے ہیں۔ آپ کی مشہور کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں ہے: قال الامام ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانیؒ واماتنا علی مذھبہ اصلاً وفرعاً وحشرنا فی زمرتہ۔

(غنیۃ الطالبین ص ۶۰۵ باب فی الصلوٰۃ الخمس فضل وینبغی للماموم)

حضرت غوث پاکؒ تو تقلید پر قائم رہنے کی دعاء فرمادیں اور غیر مقلدین تقلید کو حرام اور کفر وشرک کہیں۔

بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تابکجا

اور اس کے باوجود خود کو ''سلفی'' کہیں جب کہ سلف صالحین سے کوئی تعلق نہیں ان کی شان میں ناروا الفاظ کہیں، تقلید کرنے کی وجہ سے ان کی تغلیط اور ان کی توہین کریں۔ قرأت خلف الامام نہ کرنے کی وجہ سے ان کی نماز کو باطل سمجھیں اور پھر بھی سلفی کہلائیں...... یہ تو برعکس نام نہدن زنگی کافور...... کا مصداق ہے۔ یہی حال ان کا خود کو ''اہل حدیث'' کہنے کا ہے، جس طرح ''منکرین حدیث'' کا حدیث کا انکار کرکے اپنا نام ''اہل قرآن'' رکھنا صحیح نہیں، اسی طرح تقلید شرعی کا انکار کرکے خود کو ''اہل حدیث'' کہنا بھی صحیح نہیں۔

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ جن کا علمی مقام اور حدیث میں ان کا جو درجہ ہے اس کا اعتراف خود غیر مقلدین کو بھی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ مقلد ہیں اور حنفی ہیں، اپنے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

واستفدت منہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلثۃ امور خلاف ما کان عندی وما کانت طبعی تمیل الیہ اشد میل فصارت ھذہ الا ستفادۃ من براھین الحق تعالیٰ علی ...... الی قولہ ...... وثانیھما

الوصاة بالتقليد بهذه المذاهب الا ربعة لا اخرج منها الخ(فيض الحرمين ص ۶۴، ص ۶۵ مطبعه کتب خانه رحیمیه دیو بند)

ترجمہ: مجھے حضور اقدس ﷺ کی جانب سے ایسی تین باتیں حاصل ہوئیں جن کی طرف میری طبیعت مائل نہ تھی اور اس طرف بالکل قلبی میلان نہ تھا یہ استفادہ میرے اوپر برہان حق ہوگیا ان تین باتوں میں دوسری بات یہ تھی ،حضور اقدس ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں مذاہب اربعہ کی تقلید کروں اور ان سے باہر نہ نکلوں۔

مذکورہ عبارت میں غور فرمائیں اور غیر مقلدوں کو چاہئے کہ اس سے عبرت حاصل کریں ،اس عبارت سے دو باتیں ثابت ہورہی ہیں۔(۱) نفس تقلید کی وصیت (۲) اور تقلید کا مذاہب اربعہ میں منحصر اور محدود ہونا۔اس عبارت میں ائمہ اربعہ کے مقلدین کے لئے بشارت عظمی اور غیر مقلدوں کے لئے عبرت ہے۔

نیز تحریر فرماتے ہیں:

وعرفني رسول الله صلى الله عليه وسلم ان في المنهب الحنفى طريقة انيقة هي اوفق الطرق بالسنة المعروف التي جمعت وتقحت في زمان البخاري واصحابه (فيوض الحرمين ص ۴۸، کتب خانه رحیمیه دیو بند)

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ نے مجھے بتایا کہ مذہب حنفی میں ایک ایسا عمدہ طریقہ ہے جو دوسرے طریقوں کی بہ نسبت اس سنت مشہورہ کے زیادہ موافق ہے جس کی تدوین اور تنقیح امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کے زمانہ میں ہوئی۔

ان دونوں عبارتوں کو بغور ملاحظہ فرمائیں! اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے شاہ ولی اللہؒ جیسے محدث جلیل کو تقلید پر مامور کیا جارہا ہے اور بتلایا جارہا ہے کہ مذہب حنفی سنت کے زیادہ موافق ہے۔حضور اقدس ﷺ کی طرف سے حضرت شاہ صاحب کو تقلید پر مامور کیا گیا اور آپ نے محدث اور مجتہد ہونے کے باوجود اس پر عمل فرمایا اور مذہب حنفی کو اختیار فرمایا اور آخر تک حنفی رہے۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے (حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی) ۱۱۷۶ء میں وفات ہوئی اسی ۱۱۷۶ء میں اخیر مرتبہ بخاری شریف پڑھائی ہے اور مولوی چراغ صاحب کے لئے سند اپنے قلم سے لکھی ہے جو کہ بخاری شریف کے ساتھ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے اس میں اپنے نام کے ساتھ حنفی لکھا ہے اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کی تصدیق ہے کہ یہ میرے والد کی تحریر فرمودہ ہے، نیز شاہ عالم کی مہر بھی اس تصدیق پر موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخیر تک حنفی رہے الخ۔(فتاویٰ محمودیہ ص ۳۸۸ جلد اول)

غیر مقلدین اشکال کرتے ہیں کہ یہ تو خواب ہے اور خواب حجۃ شرعیہ نہیں ہے، اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ تقلید کے ثبوت کا دارومدار صرف اس خواب پر نہیں ہے بلکہ تقلید کا ثبوت مستقل دلائل سے ہے جن میں سے کچھ دلائل آپ گذشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔مگر یہ بھی ملحوظ رہے کہ مذکورہ خواب کوئی معمولی چیز نہیں ہے خواب دیکھنے والے عالم ربانی محدث کبیر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ جیسی عظیم شخصیت اور جس ذات اقدس کی خواب میں زیارت کی ہے اور جن کی طرف سے تقلید اختیار کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے وہ سید المرسلین محبوب رب العلمین حضور اقدس ﷺ کی ذات گرامی ہے۔اور حدیث میں ہے۔

(۱)عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من رأنی فی المنام فقد رأنی فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی متفق علیہ .(مشکوٰۃ ص ۳۹۴ کتاب الرؤیا) (بخاری باب من رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام ج۲ ص ۱۰۳۵)
ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا تحقیق کہ اس نے مجھے ہی دیکھا، پس بے شک شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔

(۲)عن ابی قتادۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من رأنی فقد رأی الحق، متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۹۴) (بخاری شریف ص ۱۰۳۶ ج۲ ایضاً)
ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا پس تحقیق کہ اس نے حق دیکھا۔ (یعنی بالکل سچا اور صحیح خواب دیکھا)
ان دو حدیثوں کے پیش نظر اس خواب کے سچا ہونے میں کیا شک ہے لہذا خواب کہہ کر لوگوں کو شبہ میں نہیں ڈالا جا سکتا۔

غیر مقلدین شیخ عبدالوہاب نجدی کے ہم مسلک وہم عقیدہ سمجھے جاتے ہیں لیکن شیخ عبدالوہاب مقلد ہیں۔اپنے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

فنحن و للہ الحمد متبعون لا مبتدعون علی مذھب الا مام احمد بن حنبل (محمد بن عبدالوھاب للعلامۃ احمد عبدالغفور عطار ،طبع بیروت ص ۱۷۴ ،ص ۱۷۵)
ترجمہ: ہم لوگ الحمدللہ ائمہ سلف کے متبع ہیں کوئی نیا طریقہ اور بدعت ایجاد کرنے والے نہیں ہیں اور ہم امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب پر ہیں۔

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

انی . وللہ الحمد متبع ولست بمبتدع عقیدتی و دینی الذین ادین اللہ بہ ......الخ. میں الحمد للہ (ائمہ سلف کا) متبع ہوں، مبتدع نہیں ہوں میرا عقیدہ اور میرا دین جو میں اللہ کے دین کی حیثیت سے اختیار کئے ہوئے

ہوں وہ اہل سنت والجماعت کا وہی مسلک اور طریقہ ہے جو امت کے ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین کا مسلک اور طریقہ ہے (محمد بن عبدالوہاب ص ۱۷۵)

ان کے صاحبزادے شیخ عبداللہ اپنے ایک رسالہ میں اپنے اور اپنے والد کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”اصول دین (ایمانیات و اعتقادات) میں ہمارا مسلک اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے اور ہمارا طریقہ ائمہ سلف کا طریقہ ہے اور فروع میں یعنی فقہی مسائل میں ہم امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب پر ہیں اور جو کوئی ائمہ اربعہ میں سے کسی کی بھی تقلید کرے ہم اس پر نکیر نہیں کرتے۔“ (الہدیۃ السنیہ ص ۳۸،ص ۳۹ عربی)
مندرجہ بالا حوالجات حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمہ اللہ کی ایک تصنیف بنام ”شیخ محمد بن

عبدالوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ'' سے اخذ کئے گئے ہیں۔

حاصل کلام!:

مندرجہ بالا گذارشات سے ثابت ہو رہا ہے کہ امت کے محدثین، مفسرین، علماء صلحاء اولیاء اور مشائخ تقلید ائمہ پر متفق ہیں اور ان سب کا تقلید ائمہ پر متفق اور مجتمع ہو جانا تقلید کے برحق ہونے کی نہایت مضبوط سند اور دلیل ہے۔

حدیث میں ہے۔

عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله لایجمع امتی او قال امة محمد علی ضلالة وید الله علی الجماعة ومن شذشذ فی النار رواه الترمذی.

(مشکوٰة شریف ص ۳۰ باب الا عتصام بالکتاب والسنة)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ میری امت کو۔ یا یہ ارشاد فرمایا محمد ﷺ کی امت کو ضلالت (گمراہی) پر اکٹھا نہیں کرے گا۔ اور جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے (یعنی اس کی مدد شامل حال ہوتی ہے) اور جو جماعت سے الگ ہوا وہ جہنم میں تنہا ڈالا جائے گا۔

(۲) لن تجتمع امتی علی الضلالة قال البخاری وبالجملة فهو حدیث مشهور المتن ذو اسانید کثیرة وشواهد متعددة فی المرفوع وغیره. (المقاصد الحسنة ص ۴۶۰)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت (کے علماء وصلحاء) کبھی بھی گمراہی پر متفق نہیں ہوں گے۔

(۳) عن ابی ذر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من فارق الجماعة شبراً فقد خلع ربقة الا سلام من عنقه، (رواه احمد و ابو دائود) (مشکوٰة شریف ص ۳۱) (الا عتصام بالکتاب والسنة)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے ایک بالشت کے برابر بھی جماعت سے علیحدگی اختیار کی تو تحقیق کہ اس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسی نکال ڈالی۔

مفسر قرآن حضرت علامہ ابو محمد عبدالحق حقانی دہلویؒ اپنی مشہور کتاب ''عقائد الاسلام'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

''جس مسئلہ میں امت متفق ہو وہ حق ہے اور اُن کا مخالف مردود ہے۔

ترمذی نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے **لا تجتمع امة محمد علی الضلالة** کہ محمد ﷺ کی امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔ **وید الله علی الجماعة ومن شذ شذ فی النار** (رواہ الترمذی) کہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو شخص جماعت سے نکلا اکیلا جہنم میں گیا۔ **واتبعوا السواد الا عظم** (رواہ ابن ماجۃ) کہ تابعداری کرو بڑے گروہ کی۔ یعنی میری امت میں جس مسئلہ میں بہت سے لوگ ایک طرف ہوں اس کی پیروی کرو کیونکہ جماعت کثیر گمراہ نہ ہوگی کیونکہ **للاکثر حکم الکل** پس اگر گمراہ ہوں تو غالباً سب گمراہ کہلا دیں اور سب کا گمراہ ہونا باطل ہے، کیونکہ اگر تمام امت گمراہ ہو تو قرآن کی تکذیب لازم آوے اور امت وسط اور خیر ہونا غلط ہو جاوے، پس یہ محال ہے تو

امت کا گمراہ ہونا بھی محال ہے اور بہت سی احادیث صحیحہ اس باب میں وارد ہیں ۔ (عقائد الاسلام ص ۸۵ باب نمبر ا فصل نمبر ۵)

ان معروضات کے بعد "الدین النصیحۃ" (دین خیر خواہی کا نام ہے) کے پیش نظر تمام اہل ایمان خاص کر غیر مقلدین سے یہی عرض ہے کہ تمام لوگ اسی راہ کو اختیار کریں جس کو امت کے جمہور محدثین، مفسرین، علماء صلحاء، عارفین اور مشائخ طریقت نے اختیار کیا ہے، اور جمہور امت اور سواد اعظم سے خود کو وابستہ رکھیں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اسلاف عظام رحمہم اللہ سے حسن ظن رکھیں، اسی میں انشاء اللہ ایمان اور اعمال کی سلامتی ہے اور ضلالت وگمراہی سے حفاظت ہے، ورنہ غیر مقلدیت اور لا مذہبیت سراسر گمراہی اور ضلالت ہے، بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ "غیر مقلدیت گمراہی کا پہلا زینہ ہے" اور خود غیر مقلدوں کے پیشوا مولانا محمد حسین بٹالوی نے برسوں کے تجربہ کے بعد تحریر کیا ہے:۔

" پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ بلا آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، ان میں سے بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لا مذہب، جو کسی دین ومذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق وخروج تو اس آزادی (غیر مقلدیت) کا ادنی کرشمہ ہے، ان فاسقوں میں بعض تو کھلم کھلا جمعہ، جماعت اور نماز روزہ چھوڑ بیٹھتے ہیں، سود، شراب سے پرہیز نہیں کرتے، اور بعض جو کسی مصلحت دنیاوی کے باعث فسق ظاہری سے بچتے ہیں وہ فسق خفی میں سرگرم رہتے ہیں، ناجائز طور پر عورتوں کو نکاح میں پھنسا لیتے ہیں، کفر وارتداد اور فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کا بہت بڑا سبب یہ بھی ہے کہ وہ کم علمی کے باوجود تقلید چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

(اشاعۃ السنہ ص ۵۳ جلد نمبر ۱۱، عدد نمبر ۲۔ بحوالہ سبیل الرشاد ص ۱۲ تقلید ائمہ ص ۱۶ ص ۱۷)

غیر مقلدوں کے ایک دوسرے پیشوا جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی نے اپنی جماعت کے متعلق جو تحریر فرمایا ہے وہ بھی قابل ملاحظہ ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

فقد نبت فی هذه الزمان فرقة ذات سمعة ورياء تدعى انفسها علم الحديث والقرآن والعمل والعرفان.

ترجمہ: اس زمانہ میں ایک فرقہ شہرت پسند ریا کار ظہور پذیر ہوا ہے جو باوجود ہر طرح کی خامی کے اپنے لئے قرآن وحدیث پر علم وعمل کا مدعی ہے حالانکہ اس کو علم وعمل اور معرفت کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

آگے اسی مضمون کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

فيا للعجب ان يسمون انفسهم الموحدين المخلصين وغيرهم بالمشركين وهم اشد الناس تعصباً وغلواً فی الدين.

ترجمہ: بڑے تعجب کی بات ہے کہ غیر مقلدین کیونکر خود کو خالص موحد کہتے ہیں، اور مقلدین کو (تقلید ائمہ کی وجہ سے) مشرک اور بدعتی قرار دیتے ہیں حالانکہ غیر مقلدین خود تو تمام لوگوں میں سخت متعصب اور غالی ہیں۔

پھر اسی مضمون کے اختتام پر لکھتے ہیں۔

فما هذا دين الا فتنة في الارض وفساد كبير. (الحطه في ذكر صحاح الستة ص ٦٧، ص ٦٨)

ترجمہ: یہ طریقہ (جو غیر مقلدین کا ہے) کوئی دین نہیں، یہ تو زمین میں فتنہ اور فساد عظیم ہے۔

(بحوالہ تقلید ائمہ ص ۱۷، ص ۱۸ مولانا اسماعیل سنبھلی)

اللہ پاک ہر ایک کو حق قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، ایمان اور اعمال پر استقامت اور اسی پر حسن خاتمہ نصیب فرمائیں۔ اللهم آمين بحرمة النبي الامي صلى الله عليه واله وصحبه وسلم فقط والله تعالىٰ اعلم بالصواب.

نوٹ:

اس جواب میں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کے ایک رسالے سے بھی کافی استفادہ کیا گیا ہے (ابتدائی صفحات پھٹ جانے کی وجہ سے رسالہ کا نام معلوم نہ ہو سکا) اللہ تعالیٰ مرحوم کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور ان کی تمام تصانیف کو مفید نافع اور مرحوم کے لئے صدقہ جاریہ بنائے آمین بحرمة سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم. احقر الانام سید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہ اللہ ولوالدیہ راندیر، ۵ صفر المظفر ۱۴۱۸ھ۔

تقلید کی حیثیت بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے[1]

(۱۹) دین کی اصل دعوت یہ ہے کہ صرف اللہ کی اطاعت کی جائے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی اسی لئے واجب ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے قول و فعل سے احکام الٰہی کی ترجمانی فرمائی ہے کہ کونسی چیز حلال ہے کون سی چیز حرام ہے، کیا جائز ہے اور کیا ناجائز ہے۔ ان تمام معاملات میں اطاعت تو صرف خدا کی کرنا ہے مگر چونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان معاملات کے مبلغ اور پہنچانے والے ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہیں اور حضور ﷺ کی اطاعت درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہے، ارشاد خداوندی ہے من يطع الرسول فقد اطاع الله لہٰذا شریعت کے تمام معاملات میں صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ضروری ہے اور جو شخص خدا اور اس کے رسول کے سوا کسی اور کی اطاعت کرنے کا قائل ہو اور اس کو مستقل بالذات مطاع سمجھتا ہو تو یہ یقیناً مذموم ہے، لہٰذا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن و سنت کے احکام کی تابعداری اور اطاعت کرے۔

قرآن و حدیث (سنت) میں بعض احکام ایسے ہیں جو آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے صراحۃً ثابت ہیں جن میں بظاہر کوئی تعارض نہیں ہے اس قسم کے احکام اور مسائل "منصوصہ" کہلاتے ہیں، لیکن بعض احکام ایسے ہیں جن میں کسی قدر ابہام و اجمال ہے اور بعض آیات و احادیث ایسی ہیں جو چند معانی کا احتمال رکھتی ہیں بعض محکم ہیں اور بعض متشابہ، کوئی مشترک ہے تو کوئی مؤول اور کچھ احکام ایسے ہیں کہ بظاہر قرآن کی کسی دوسری آیت یا کسی دوسری حدیث سے متعارض معلوم ہوتے ہیں، اس کی چند مثالیں بیان فرمانے کے بعد تحریر فرمایا ہے۔

(۱) یہ مضمون فتاوی رحیمیہ پرانہ ایڈیشن ج ۹ ص ۳۹۷ تا ... حضرت مفتی صاحب نے فتاوی رحیمیہ اور عقلی دلائل کے تحت لکھا ہے۔ یہ کسی سوال کا جواب نہیں

ایسے مسائل میں اجتہاد واستنباط سے کام لینا پڑتا ہے ایسے موقع پر عمل کرنے والے کو الجھن ہوتی ہے کہ وہ کس طرح عمل کرے، از خود اجتہاد کر کے فیصلہ کرے یا اسلاف کی فہم وبصیرت اور ان کے علم پر اعتماد کر کے ان کے فیصلہ پر عمل کرے، ایسی الجھن کے موقعہ پر عمدہ بات یہی ہے کہ جس طرح ہم اپنے دنیوی معاملات میں ماہرین فن کے مشوروں پر عمل پیرا ہوتے ہیں، بیمار ہوتے ہیں تو ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں، کورٹ میں کوئی مقدمہ ہو تو وکیل کرتے ہیں مکان بنانا ہو تو انجینئر کی خدمات حاصل کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ اور جو وہ کہتے ہیں اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں اس سے حجت بازی نہیں کرتے، اسی طرح دینی معاملات میں ان مقدس ترین حضرات کی فہم وبصیرت پر اعتماد کرتے ہوئے ان ائمہ مجتہدین میں سے کسی کے قول پر عمل کریں، اس عمل کرنے کو اصطلاح میں تقلید کہتے ہیں، تقلید کی حیثیت صرف یہ ہے کہ تقلید کرنے والا اپنے امام کی تقلید یہ سمجھ کر کرتا ہے کہ وہ دراصل قرآن وسنت پر ہی عمل کر رہا ہے اور صاحب شریعت ہی کی پیروی کر رہا ہے اور گویا یہ تصور کرتا ہے کہ ''امام'' اس کے اور صاحب شریعت کے درمیان واسطہ ہے، مثال کے طور پر جماعت کی نماز میں جب کہ جماعت بڑی ہو امام کی آواز دور کے مقتدیوں کو سنائی نہ دیتی ہو تو اس وقت مکبر مقرر کئے جاتے ہیں وہ مکبر امام کی اقتداء کرتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہہ کر امام کی نقل وحرکت، رکوع وسجدہ کی اطلاع پچھلی صف والوں کو دیتا ہے اور پچھلی صف والے یہ تصور کرتے ہیں کہ ہم امام ہی کی اقتداء واتباع کر رہے ہیں اور خود مکبر بھی یہی سمجھتا ہے کہ میں خود امام نہیں ہوں بلکہ میرا اور پوری جماعت کا امام صرف ایک ہی ہے سب اسی کی اقتداء کر رہے ہیں میں تو صرف امام کے نقل وحرکت کی اطلاع دے رہا ہوں، بس بالکل یہی صورت یہاں ہے کہ مقلد کا تصور یہی ہے کہ میں خدا اور رسول ہی کی اطاعت اور اتباع کر رہا ہوں ''امام'' کو درمیان میں بمنزلۂ مکبر تصور کرتا ہے، اس کو مستقل بالذات مطاع نہیں سمجھتا مستقل بالذات مطاع تو صاحب شریعت ہی کو خیال کرتا ہے ۔(فتاویٰ رحیمیہ جلد چہارم ص ۱۷۲ ص ۱۷۴ ص ۱۷۵)

اس عام فہم مثال سے تقلید کی حیثیت کو واضح فرمایا اور غیر مقلدوں کے خود ساختہ اعتراض واشکال کی بنیاد ڈھا کر رکھ دی اس کے بعد بھی خواہ مخواہ اعتراض کی راہ اختیار کرنا ہٹ دھرمی اور تعنت کے سوا کچھ نہیں، **واللہ المستعان علیٰ ماتصفون.**

(۲۰) ایک دوسرے مقام پر تقلید کی ضرورت پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

ٹھنڈے دل سے اگر غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ تقلید ایک امر فطری ہے اور ایک قدرتی ناگزیر ضرورت ہے جو انسان کے ساتھ مثل سائے کے لگی ہوئی ہے، غیر مقلدین بھی اس سے بے نیاز نہیں ہیں، ان کے گھروں میں چھوٹے بچے گھر کے بڑوں کو ہی دیکھ کر نماز پڑھتے ہیں، اور دوسری اعمال کرتے ہیں اور ان کے گھر کی مستورات محدثہ، عالمہ فاضلہ نہیں ہوتیں، مردوں ہی سے پوچھ پوچھ کر عمل کرتی ہیں، اور خود غیر مقلدین عالم فاضل محدث نہیں ہوتے وہ بھی اپنے بڑوں ہی سے پوچھ پوچھ کر عمل کرتے ہیں اور اس پوچھ پوچھ کر عمل کرنے کو مذموم نہیں سمجھا جاتا، اس کو شرک بدعت اور گناہ نہیں کہا جاتا، اور معمولی صنعت وحرفت میں بھی بغیر تقلید کے کام نہیں چلتا، طب کی کتابوں کا مطالعہ کر کے انسان حکیم اور ڈاکٹر نہیں بن جاتا اور ایسا شخص اگر مطب کھول کر بیٹھ جائے تو اسے مجرم کہا جاتا ہے اور جو اس سے علاج کرائے وہ اس سے بڑا نادان سمجھا جاتا ہے، مثل مشہور ہے۔ ''نیم حکیم خطرۂ جان ونیم ملا خطرۂ ایمان'' بہر حال دنیا میں

ہر کام میں تقلید کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن دین کے معاملہ میں چند حدیث کی کتابوں کا ترجمہ دیکھ کر اپنے آپ کو علوم قرآن وحدیث کا ماہر سمجھنے لگنا، اور ائمہ ہدیٰ واسلاف عظام کے ساتھ بدگمانی کرنا ان کی شان میں بدزبانی اور گستاخی کرنا اور ان کی تقلید کو شرک وبدعت کہنا اور اپنی ناقص فہم وعقل پر اعتماد کرنا اور ہوائے نفسانی کی اتباع کو عین توحید سمجھنا یہ کہاں کا انصاف ہے۔ ''بریں عقل ودانش بباید گریست'' اگر ہمارے غیر مقلدین بھائی ہٹ دھرمی کٹھ حجتی اور ضد کو چھوڑ کر دیانتداری، سنجیدگی اور ٹھنڈے دل سے غور کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ عدم تقلید کے عقیدے پر جمے رہیں اور اپنی پہلی روش پر ندامت اختیار نہ کریں۔ (فتاوی رحیمیہ ص ۱۰۲ جلد اول)

رکوع کے قریب قریب جھک کر شکریہ ادا کرنا اور تعظیم بجالانا:

(سوال ۳۶) ہمارے یہاں ایک مسلمان ''کراٹے'' (یہ ایک طرح کی کشتی اور ورزش ہے جس میں مختلف داؤں سکھائے جاتے ہیں) سکھاتے ہیں انہوں نے یہ فن نیپال جا کر سیکھا ہے، ان کے پاس جانے اور روانگی کے وقت اپنے دونوں ہاتھ کولھوں پر رکھ کر رکوع کے قریب قریب جھک کر نیپالی زبان میں ان کا شکریہ ادا کرنا پڑتا ہے، اور وہ اور اس ادارہ کے منتظم یہ کہتے ہیں کہ اس فن کے سیکھنے کے لئے اس طرح جھک کر شکریہ ادا کرنا اور تعظیم بجالانا ضروری ہے، تو اس طرح جھک کر شکریہ ادا کرنا اور تعظیم بجالانا شرعاً جائز ہے؟ یا اس میں کراہیت ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسلمانوں کا ایمان ہے کہ اللہ ہی سب سے زیادہ قابل تعظیم ہے اللہ ہی کی ذات اس قابل ہے کہ انسان اس کے سامنے اپنی جبین نیاز جھکائے اسی وجہ سے اسلام میں غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام قرار دیا گیا ہے اور اسی بنا پر فقہاء نے اس صورت کو بھی مکروہ لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی کے سامنے رکوع کے مانند جھک کر سلام کرے یا اس کی تعظیم بجالائے، شامی میں ہے۔ **قال القهستاني وفي الظهيرية يكفر بالسجدة مطلقا وفي الزاهدي الا يماء في السلام الى الركوع كالسجود وفي المحيط انه يكره الانحناء للسلطان وغيره** (شامی ص ۳۳۸ ج ۵ کتاب الحظر والاباحۃ قبیل فی البیع) یعنی علامہ قہستانی فرماتے ہیں، ظہیریہ میں ہے کہ مطلقاً (غیر اللہ کو) سجدہ کرنے کی وجہ سے انسان کافر ہو جاتا ہے، زاہدی میں ہے کہ سلام کرتے وقت رکوع جیسی ہیئت بنا لینا یہ سجدہ کے مانند ہے (یعنی جس طرح غیر اللہ کو سجدہ کرنا ناجائز ہے اسی طرح رکوع کے بقدر جھکنا بھی ناجائز ہے۔ اور محیط میں ہے کہ بادشاہ یا کسی اور کے سامنے جھکنا مکروہ تحریمی ہے۔ (شامی ص ۲۳۸ ج ۵)

فتاوی عالمگیری میں ہے۔ **الا نحناء للسلطان...... اولغيره مكروه لا نه يشبه فعل المجوس كذافي جواهر الا خلاطي، ويكره الا نحناء عند التحية وبه ورد النهي كذافي التمر تاشي.**

(عالمگیری ص ۲۴۴ ج ۶، کتاب الکراھیۃ باب نمبر ۲۸)

سوال میں جو جھکنے کی صورت ہے یہ قریب قریب رکوع کی ہے لہذا شرعاً اس کی اجازت نہ ہوگی، فن سکھانے والے اور ادارہ کے منتظمین کو چاہئے کہ اسلامی طریقہ کو مقدم رکھیں اور غیروں کے طریقہ کو اختیار نہ کریں اور اپنے سامنے جھکنے کی شرط نہ لگائیں بے شک اپنے محسن کا شکریہ ادا کرنا چاہئے، حدیث میں ہے: **عن ابي سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من لم يشكر الناس لم يشكر الله ،**

(ترمذی شریف ج ۲ص ۱۷باب ماجاء فی الشکر لمن احسن الیک، ابواب البر والصلۃ)
لہذا اپنا محسن ہونے کے اعتبار سے ان کا شکریہ ادا کریں چاہے جس زبان میں بھی ہوا، اگر چہ سب سے بہتر الفاظ یہ ہیں کہ جزاک اللہ (اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں) کہے، حدیث میں ہے: **عن اسامه بن زيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صنع اليه معروف فقال لفاعله جزاک الله خيراً فقد ابلغ في الثناء ......** حضرت اسامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیا گیا اس شخص نے بھلائی کرنے والے سے کہا جزاک اللہ تو اس نے شکریہ کا حق ادا کر دیا۔
(ترمذی شریف ص ۲۴ ج ۲ باب ماجاء فی الثنایا، ابواب البر والصلۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دیوان حافظ وغیرہ سے فال نکالنا:

(سوال ۳۷) عملیات کی بہت سی کتابوں میں فالنامے ہوتے ہیں، جیسے دیوان حافظ، تو ایسے فالنامے سے فال نکالنا کیسا ہے؟ کیا اس سے ایمان میں خرابی آئے گی؟
(الجواب) نیک فالی لی جا سکتی ہے، اس کو یقینی چیز نہ سمجھا جائے البتہ نجومی اور کاہن کے پاس جا کر فال نکلوانا اور ان سے غیب کی باتیں پوچھنا گناہ کبیرہ ہے، حدیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے، مشکوٰۃ شریف میں ہے: **عن ابی هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اتى كاهناً فصدقه بما يقول ...... فقد برئ مما انزل علىٰ محمد صلى الله عليه وسلم.**
رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص نجومی کے پاس گیا اور اس کی بات کی تصدیق کی، پس تحقیق کہ وہ اس چیز سے بیزار ہوا جو محمد ﷺ پر اتاری گئی (مشکوٰۃ شریف ص ۳۹۳ باب الکہانۃ)
مظاہر حق میں ہے: بیزار ہوا یعنی کافر ہوا یہ محمول ہے حلال جاننے پر یا تغلیظ وتشدید ہے اوپر کرنے ان شنائع کے۔ (مظاہر حق ص ۳۰ ج ۴)

ما یتعلق بکلمات الکفر

مکالمہ میں کفریہ کلمات بولنا کیسا ہے؟

(سوال ۱) جلسوں میں مکالمے کئے جاتے ہیں، دو بچوں میں سے ایک بچہ خود کو کافر ظاہر کرتا ہے، لباس بھی ایسا ہی (ہیٹ۔ سوٹ وغیرہ) پہنتا ہے، البتہ عقیدہ ایسا نہیں ہوتا، اجلاس میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے یا تعلیم کی غرض سے یہ کیا جاتا ہے، کافر بننے والا لڑکا کہتا ہے کہ میں خدا کا منکر ہوں، خدا کا اقرار حماقت ہے وغیرہ وغیرہ کفریہ کلمات کہتا ہے، جواب دینے والا بچہ اس کو ''اے کافر بچہ'' ''مردود'' وغیرہ کہتا ہے، تو ایسے مکالمہ میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

(الجواب) ضرورۃً کسی منکر خدا اور مخالف اسلام کا کفریہ کلمہ اور عقیدہ نقل کیا جا سکتا ہے کہ فلاں یوں کہتا ہے اور فلاں کا عقیدہ یہ ہے اور حکم بیان کرنے کی غرض سے کہا جا سکتا ہے کہ یوں کہنا کفر ہے اور یوں کہنا کفر نہیں ہے، اسی طرح حالت اکراہ اور سخت ترین حالت خوف میں دل سے ایمان پر قائم رہتے ہوئے صرف زبان سے کلمات کفر بولنے کی اجازت ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالا یمان (سورۃ النحل) اس کے علاوہ علیٰ سبیل الاختیار ہنسی مذاق میں یا تعلیمی مقصد سے بے تحاشا زبان سے کلمات کفر بولنا اور محض ڈھونگ کے لئے کافرانہ اور فاسقانہ لباس پہننا، خود کو غیر مسلم بتلانا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، اگرچہ عقیدہ ایسا نہ ہو نا جائز اور حرام ہے، (۱) بعض صورتوں میں اندیشہ کفر بھی ہے'' مالا بد منہ'' میں ہے'' اگر کسے کلمہ کفر عمداً گفت لیکن اعتقاد بکفر نہ کرو بعضے علماء گفتہ اند کہ کافر نہ شود کہ کفر از اعتقاد تعلق دارد و بعضے گفتہ اند کہ کافر شود کہ رضا ست بکفر (ص ۱۴۵) اور مجموعہ فتاوی میں ہے'' کلمہ کفر بولنا عمداً اگرچہ اعتقاد اس پر نہ ہو کفر ہے (ج ۲ ص ۳۶۰ کتاب الایمان)۔

اور امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ سے پوچھا گیا کہ'' حضرت ہمارا عقیدہ فلسفی مسائل پر نہیں ہے صرف زبان ہی سے ان کو پڑھتے پڑھاتے ہیں اس میں کیا حرج ہے؟ حضرت نے فرمایا اول تو زبان سے کفر و شرک کا نکالنا اور ان کو دلائل سے ثابت کرنا، اس کے اعتراضات کو دفع کرنا خود دلیل عقیدہ کی ہے اور اگر بالفرض عقیدہ نہ ہو تب بھی حرام اور موجب غضب خداوندی ہے مثلاً کوئی شخص تم کو گدھا سور کہے یا کوئی مغلظ گالی دے تو ظاہر ہے کہ وہ شخص عقیدہ نہیں رکھتا کہ تم گدھے سور یا ایسے ہو جیسا وہ گالی میں تمہیں بتلا رہا ہے، صرف زبان ہی سے کہہ رہا ہے مگر بتلاؤ تو سہی تمہیں اس پر غصہ آئے گا یا نہیں؟ ضرور آئے گا۔ پس ایسے ہی سمجھو کہ کلمات کفر و شرک ضرور موجب غضب خداوندی

---

(۱) میں خدا کا منکر ہوں خدا کا اقرار حماقت ہے، جیسے جملے ادا کرنے سے کفر لازم آجاتا ہے انسان دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے اگرچہ حقیقتاً وہ خدا کا منکر نہ ہو وفی الفتح من ہزل بلفظ کفر ارتد وان لم یعتقدہ للاستخلاف فہو ککفر العناد قال فی الشامیۃ تحت قولہ من ہزل بلفظ کفر ای تکلم بہ با ختیارہ غیر قاصد معناہ وھذا لا ینا فی ما مرمن ان الا یمان ھو التصدیق فقط أو مع الا قرار لأن التصدیق وان کان موجوداً حقیقۃ لکنہ زائل حکما لأن الشارع جعل بعض المعاصی امارۃ علی عدم وجودہ کا لھزل المذکور وکما لو سجد لصنم او وضع مصحفاً فی قاذورۃ فانہ یکفر وان کان مصدقاً لأن ذلک فی حکم التکذیب کما افادہ' فی شرح العقائد واشار الی ذلک بقولہ للاستخفاف فان فعل ذلک استخفاف و استھانۃ بالدین فھو امارۃ عدم التصدیق الخ فتاوی شامی باب المرتد ج ۳ ص ۲۲۲۔

رہا مسئلہ بچے اور بالغ کا تو بالغ عاقل اگر مذکورہ الفاظ ادا کردے تو کافر ہو جائے گا اگر بچہ مراہق ہو یعنی قریب البلوغ ہو یا بالغ ہو تو مذکورہ الفاظ کی ادا کرنے سے دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

ہوں گے کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات، حیادار سے حیادار مسلمان سے بھی زیادہ غیور ہے۔ (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۹۴)
مطلب کہ مذکورہ طریقہ جائز نہیں ہے، لائق ترک ہے، تعلیم واصلاح اس پر موقوف نہیں ہے اس کے جائز طریقے بہت سے ہیں، مسلمان کو کافر بچہ کہنا جائز نہیں "فتاویٰ قاضی خاں" میں ہے امرأة قالت لولدها (اے مغ بچہ) اَو (اے کافر بچہ) اَو (اے جہود بچہ) قال اکثر العلماء لا یکون ھذا کفرا وقال بعضھم یکون کفراً (ج ۴ ص ۸۸۵) فقط واللہ اعلم بالصواب باب مایکون کفراً من المسلم وما لا یکون (فصل) ومن الفاظ الکفر بالفارسیة.

مسلمانوں سے غیر مسلم اچھے ہیں یہ کہنا کیسا ہے

(سوال ۲) مسلمان کبھی کہہ دیا کرتے ہیں مسلمانوں سے غیر مسلم اچھے ہیں ایسا کہنے میں کوئی قباحت تو نہیں ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایسا کہنے سے مسلمانوں کو احتراز کرنا ضروری ہے کہ اندیشہ کفر ہے نصاب الاحتساب میں ہے **معلم صبیان قال الیھود خیر من المسلمین بکثیر فانھم یقضون حقوق معلم صبیانھم یکفر من سیرة الذخیرة فی کلمات الکفر** یعنی سیرۃ ذخیرہ میں کلمات کفر کے باب میں مذکور ہے کہ لڑکوں کے استاذ کو یہ بات کہنی نہ چاہئے کہ مسلمان سے یہود بہت اچھے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کے معلمین کا حق پورا پورا ادا کرتے ہیں اسلئے کہ اس طرح کہنے سے کافر ہو جاتا ہے۔ (نصاب الاحتساب ص:۲۷ باب: ۳۳ قلمی)۔

"میں ہندو دھرم اختیار کرلوں گی اور اپنے بچے کو بھی ہندو بنالوں گی" ایسا بولنے والی عورت کے لئے کیا حکم ہے؟

(سوال ۳) ایک عورت نے شوہر سے جھگڑتے وقت یہ الفاظ کہے "میں شوہر کے گھر پر نہیں رہوں گی اور ہندو دھرم اختیار کرلوں گی اور اپنے بچہ کو بھی ہندو بنالوں گی۔"

(الجواب) سوال میں جو الفاظ لکھے ہیں مسلمان کو اس قسم کے الفاظ ہرگز نہ بولنے چاہئے، بہت خطرناک الفاظ ہیں، عورت کا مقصد دھمکی دینا ہوگا مگر پھر بھی اس میں رضا بالکفر کا شائبہ ہوتا ہے، اس قسم کے الفاظ زبان پر لانے بلکہ اس قسم کے خیالات سے بھی بچنا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس قسم کے الفاظ زبان پر لانے اور اس قسم کے گندے خیالات سے محفوظ رکھے، آمین۔

اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایمان واسلام کی دولت بلا استحقاق محض اپنے فضل وکرم سے عطا فرمائی ہے ہر لحہ اس نعمت اور دولت کا دل وجان سے شکر ادا کرنا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتے رہنا چاہئے کہ ایمان واسلام پر استقامت اور اسی پر حسن خاتمہ نصیب فرمائیں، اس کے بجائے زبان پر سوال میں درج شدہ الفاظ لانا بہت بڑی ناشکری اور اس نعمت عظیم کی ناقدری ہے، لہذا صورت مسئولہ میں عورت پر لازم ہے کہ صدق دل سے توبہ واستغفار اور آئندہ اس قسم کے الفاظ زبان پر نہ لانے کا عزم کرے اور کبھی بھی اس قسم کے الفاظ زبان پر نہ لائے اور احتیاطاً

تجدید ایمان اور تجدید نکاح کرے۔

شرح فقہ اکبر میں ہے: والرضا بالکفر کفر سواء کان بکفر نفسہ او بکفر غیرہ (ص ۱۸۸) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

''نماز تو گدھے بھی پڑھتے ہیں اس سے وہ مسلمان نہیں ہو جاتے'' کہنے والے کے لئے کیا حکم ہے؟:

(سوال ۴) ایک مسلمان نے نماز کی توہین کرتے ہوئے یوں کہا کہ ''نماز تو گدھے بھی پڑھتے ہیں اس سے وہ مسلمان نہیں ہو جاتے'' اس طرح نماز جیسی فرض عین عبادت کے بارے میں اس طرح کے الفاظ استعمال کرنے والا شخص اسلام سے خارج ہو جاتا ہے یا نہیں؟ کیا اس کا نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) الفاظ مذکورہ سے ظاہراً نماز اور نمازیوں کی توہین لازم آتی ہے، لیکن اس کی تاویل ممکن ہے، بولنے والے کا مقصد یہ ہوگا کہ نماز تو اصل دین ہے لیکن عقیدہ کی درستگی مقدم ہے، اگر عقیدہ فاسد ہو تو نماز نجات کے لئے کافی نہیں اس لئے اس کہنے والے کو اسلام سے خارج نہیں کہا جا سکتا...... ہاں اگر یہ شخص نماز نہ پڑھتا ہو اور نماز پڑھنے کو ضروری نہ جانتا ہو اس لئے نماز کے متعلق ایسے الفاظ استعمال کئے ہوں تو بیشک اسلام سے خارج ہو جائے گا اور توبہ، تجدید ایمان اور تجدید نکاح ضروری ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مایتعلق بتکفیر المسلم

اہل بدعت کی کفربازی کا تسلی بخش جواب

(سوال ۵) ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ. مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ،مولانا قاسم نانوتویؒ ،مولانا خلیل احمد انبھٹیویؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، وغیرہم علماء کرام کو بعض نام نہاد مولوی کافر، مرتد، بے ایمان، بدعقیدہ، جہنمی اور لعنتی وغیرہ کہتے ہیں اور ایسا کہنے اور ان پر لعنت کرنے کی لوگوں کو تعلیم بھی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو ان کو کافر نہ مانے اور برا نہ سمجھے وہ مسلمان نہیں ہے۔ اس کے متعلق قران وحدیث کی روشنی میں تفصیل سے جواب دیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) اہل حق کو بدنام کرنے کی ناپاک کوشش اور اس کے متعلق لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرنے کی ناجائز حرکت کوئی نئی چیز نہیں ہے، ہمیشہ سے اہل باطل اور نفس پرستوں کا طریقہ رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو گمراہ کہا گیا اور سنگسار کرنے کو کہا، حضرت ہود علیہ السلام کو احمق اور جھوٹا کہا گیا، حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے رفقا کو منحوس ٹھہرایا گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کو جلاوطن کرنے کی دھمکی دی گئی، حضرت شعیب علیہ السلام کو کہا گیا کہ ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ ورنہ تمہیں اور تمہارے رفقاء کو شہر بدر کر دیں گے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجرم ٹھہرا کر نذر آتش کیا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شعبدہ باز اور دیوانہ بتایا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا بتا کر واجب القتل قرار دیا گیا ،ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت تراشی گئی اور ان کے حواریوں کو منحوس کہہ کر سنگساری کی دھمکی دی گئی، حضرت زکریا علیہ السلام کو دیوانہ اور جھوٹا کہا گیا اور بے حد تکالیف پہنچائی گئیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جتنی ایذائیں پہنچائی گئیں اتنی کسی نبی کو نہیں پہنچائی گئیں۔

علماء ربانی چونکہ انبیاء علیہم السلام کے حقیقی وارث ہیں، لہذا ضروری تھا کہ ان کو بھی ان باقیات صالحات میں سے کچھ حصہ ملتا، آپ کا فرمان ہے (ﷺ) کہ سب سے زیادہ سخت ابتلاء انبیاء علیہم السلام کا ہوتا ہے کہ ان کو سخت تکلیفیں پہنچائی جاتی ہیں، پھر درجہ بدرجہ جو افضل ہوتے ہیں وہ زیادہ آزمائے جاتے ہیں،(۱) چنانچہ ایسا ہی ہوا، پہلے تینوں خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو روافض نے اہل بیت کا دشمن بتا کر کافر ٹھہرایا، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو خوارج نے کافر ٹھہرایا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر نفس پرستوں نے قرآن مجید کی غلط تفسیر کرنے کا بہتان تراشا۔

حضرت امام زین العابدینؒ کے متعلق کہا گیا کہ وہ بت پرستوں کی سی باتیں کرتے ہیں، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو مکار اور منافق کہا گیا، حضرت خواجہ حسن بصریؒ کو منکر تقدیر کہا گیا، حضرت امام اعظمؒ کو گمراہ، امت کا دشمن اور امت کا شیطان کہا گیا (معاذ اللہ) اور ان کے قتل کو ۷۰ جہاد سے افضل بتلایا گیا (حقیقۃ الفقہ ج ۱ ص ۲۲۵ سلسلہ اشاعت علوم حیدرآباد دکن)

حضرت امام مالکؒ نفس پرستوں کے ظلم کی وجہ سے طویل عرصہ (پچیس ۲۵ برس) تک جماعت اور نماز جمعہ کے لئے گھر سے باہر نہ جا سکے، انتہا یہ کہ ان کو سختی سے زدوکوب کیا گیا، حضرت امام شافعیؒ کو اضرمن ابلیس

---

(۱) اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل.

(شیطان سے زیادہ نقصان دہ) کا خطاب دیا گیا اور ایسی تہمت لگائی گئی کہ لوگ لعنت کرتے اور گالیاں دیتے تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ پر حق بات کہنے کی پاداش میں قید خانہ میں روزانہ اس قدر کوڑے برسائے جاتے کہ بے ہوش ہو جاتے تھے ساتھ ساتھ لوگ طمانچے مارتے اور منہ پر تھوکتے تھے، حضرت ذوالنون مصریؒ کے گلے میں طوق اور پاؤں میں بیڑیاں پہنا کر مصر سے نکال دیا گیا تھا، حضرت محمد بلخیؒ کے گلے میں رسی ڈال کر شہر سے نکال دیا گیا، حضرت امام نسائیؒ بدعتیوں کے ہاتھوں خانۂ خدا میں شہید ہوئے، حضرت بایزید بسطامیؒ کے اقوال اور احوال کو خلاف شرع بتلایا گیا، حضرت امام غزالیؒ کی کتابوں کو جلاڈالنا فرض اور آپ پر لعنت برسانا کار ثواب بتلایا گیا، حضرت امام ابوبکر نابلوسیؒ کی کھال کھینچی گئی ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت تاج الدین سبکیؒ، حضرت امام بخاریؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شبلی رحمہ اللہ پر کفر کے فتوے لگائے گئے اور ان کے ساتھ بیٹھنے کو گناہ ٹھہرایا گیا حضرت شیخ محی الدین عربیؒ کے متعلق کہا گیا کہ **کفرہ اشد من کفر الیھود الخ** (ان کا کفر یہود و نصاریٰ کے کفر سے زیادہ سنگین ہے) اہل سنت کے امام حضرت ابوالحسن اشعریؒ کو صریح الفاظ میں کافر اور ملحد کہا گیا، حضرت شاہ ولی اللہ نفس پرستوں کے ظلم سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے ، [1] اس سلسلہ کی ایک کڑی چودھویں صدی کے بدعتی ہیں جو مبلغین توحید اور متبعین سنت، صحیح العقیدہ مشائخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ، حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی رحمہ اللہ، حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ وغیرہ علمائے ربانی کو اپنے پیٹ کے لئے کافر اور ملحد ٹھہراتے ہیں۔ (معاذ اللہ)

مذکورہ بزرگ توحید، رسالت، حشر ونشر، جنت و دوزخ، ختم نبوت وغیرہ ضروریات دین پر بفضلہ تعالیٰ ایمان رکھتے تھے، اور اہل سنت والجماعت کے تھے، اصول اور اعتقادیات میں حضرت امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ اور حضرت امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ سے متبع تھے اور فروعات میں امام اعظم رحمہ اللہ کے مقلد تھے چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ، سہروردیہ، سلسلہ سے نسبت رکھتے تھے، باکمال اور صاحب کرامت، متبع سنت، حقیقی عاشق رسول بزرگ تھے، ان کے فتاویٰ اور ان کی کتابیں اور مریدین کے اعمال اس کے شاہد ہیں، ہزاروں علمائے کاملین اور مسلمان ان کے مرید تھے۔ ہند وبیرون ہند کے لاکھوں کروڑوں مسلمان ان کو اپنا مذہبی پیشوا اور دینی رہبر سمجھتے تھے اور سمجھتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس وفات پانے والے کو نیک اور پرہیز گار آدمی بھلائی سے یاد کریں اور اس کے ایمان کی شہادت دیں، اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ [2]

فاثنوا علیھا خیراً فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجبت فقال عمر بن الخطاب ماوجبت قال ھذا اثنیتم علیہ خیرا فوجبت لہ الجنۃ وھذا اثنیتم علیہ شرا فوجبت لہ النار انتم شھداء اللہ فی الارض (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۸۲ پارہ ۵ باب ثناء الناس علی المیت)

یہ حضرات فی الحقیقت اولیاء کرام اور انبیاء علیہم السلام کے حقیقی وارث، نائبین رسول اور ''الشیخ فی قومہ کالنبی

---

(۱) دشمنوں اور مخالفوں کے ظالمانہ اقدامات نے ہی آپ کو مجبور کیا تھا کہ آپ حجاز مقدس تشریف لے جائیں جہاں آپ پر اللہ تعالیٰ نے اسرار و معارف اور علوم نبوت کے دروازے کھول دیئے اور آپ کے سینہ کو گنجینۂ حقائق بنا دیا گیا۔ **ذلک فضل اللہ یو تیہ من یشاء** (سیف یمانی مولانا منظور نعمانی حصہ اول) اور (حقیقۃ الفقہ حصہ اول سلسلہ اشاعۃ علوم حیدر آباد دکن وغیرہ)
(۲) ... دل گواہی دیں کہ یہ صاحب ایمان تھا اور اس دل کی شہادت اور سچے جذبہ کے ساتھ ان کی زبان پر اس کے متعلق تعریف کے الفاظ ... سچا مسلمان تھا۔

نی امتیٰ" کے صحیح مصداق تھے۔ان کی پوری زندگی " قال اللہ " اور " قال الرسول " تبلیغ اسلام اور دین متین کی خدمت میں گذری اور ان کے فتاویٰ کی روشنائی ازروئے حدیث شہداء کے خون سے زیادہ وزن اور وقعت رکھتی ہے۔ایسے جلیل القدر بزرگوں کو کافر سمجھی (اور معاذ اللہ) بعنتی سمجھنا اپنی عاقبت خراب کرنا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ آدمی کسی کو کافر کہے اور واقع میں اس میں کفر کی بات نہ ہو تو کہنے والے کی طرف کفر لوٹتا ہے یعنی وہ کافر ہو جاتا ہے" لا یرمی رجل رجلا بالفسق و الکفر الارد ت علیه ان لم یکن صاحبه کذلک رواه البخاری (مشکوة شریف ص ۴۱۱ باب حفظ اللسان من الغیبة و الشتم) آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو کلام تمہارے بھائی کی زبان سے نکلے تو جب تک اس کا مطلب اچھا نکل سکتا ہے اس وقت تک اس کو باطل پر محمول کرنے کی کوشش نہ کرو۔(درمنثور)

اسی لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ جو مسئلہ کفر سے متعلق ہو اگر اس میں ننانوے ۹۹ احتمالات کفر کے ہوں اور صرف ایک احتمال کفر کی نفی کرتا ہو تو مفتی اور قاضی کو چاہئے کہ اس کفر کی نفی کرنے والے احتمال پر عمل کرے اور کفر کا فتویٰ نہ دے۔وقد ذکروا ان المسئلة المتعلقة بالکفر اذا کان لها تسع وتسعون احتمالا للکفر و احتمال واحد فی نفیه فالاولی للمفتی و القاضی ان یعمل بالا حتمال التانی (شرح فقه اکبر لأ بی المنتهی ص ۱۹۹)

مذکورہ بزرگوں نے اپنی زندگی میں زبانی اور تحریری طور پر بار بار اعلان کیا ہے کہ اہل بدعت جو عقائد ہماری طرف منسوب کرتے ہیں وہ ہمارے عقائد نہیں ہیں ہم ایسے عقائد رکھنے والے کو کافر سمجھتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیے ان بزرگوں کے ارشادات جو صحیح حوالوں کے ساتھ نقل کئے جا رہے ہیں۔

(۱) حضرت مولانا گنگوہیؒ (ایک سوال کے جواب میں)

(سوال)"سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ذات باری تعالیٰ عزاسمہ متصف بصفت کذب ہے یا نہیں؟ اور خدا تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے یا نہیں؟ اور جو شخص خدا تعالیٰ کو یہ سمجھے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے وہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

(الجواب) ذات پاک حق تعالیٰ جل جلالہ کی پاک ومنزہ ہے اس سے کہ اس کو متصف بصفت کذب (جھوٹ) کیا جائے معاذ اللہ اس کے کلام میں ہرگز شائبہ کذب (جھوٹ) نہیں ہے قال اللہ تعالیٰ ومن اصدق من اللہ قیلا جو شخص اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے کہ وہ کذب (جھوٹ) بولتا ہے،وہ قطعاً کافر ہے ملعون ہے اور مخالف قرآن وحدیث کا اور اجماع امت کا ہے وہ ہرگز مومن نہیں" (فتاویٰ رشیدیہ ج ا ص ۱۸)

(۲) حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ:

"امتناع بالغیر میں کسے کلام ہے،اپنا دین وایمان ہے،بعد رسول اللہ ﷺ کسی اور نبی ہونے کا احتمال نہیں، جو اس میں تامل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں۔(مناظرہ عجیبہ ص ۱۰۳)

(۳) حضرت مولانا خلیل احمد انبھیٹوی صاحب رحمہ اللہ:

''میں اور میرے اساتذہ ایسے شخص کو کافر مرتد وملعون جانتے ہیں، جو شیطان علیہ اللعن کیا کسی مخلوق کو بھی جناب رسول اللہ ﷺ سے علم میں زیادہ کہے۔ (اصحاب المدرار ص ۴۹ تصنیف مولانا مرتضیٰ حسن)

(۴) حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی وضاحت ''حفظ الایمان'' کی عبارت کے متعلق:

''میں نے یہ خبیث مضمون کسی کتاب میں نہیں لکھا اور لکھنا تو درکنار میرے قلب میں بھی اس مضمون کا کبھی خطرہ نہیں گزرا۔''

''جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحۃً یا اشارۃً یہ بات کرے میں اس شخص کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں۔'' (بسط البنان ص ۱۰)

پھر بھی اہل بدعت پیٹ کی خاطر یہی کہتے پھرتے ہیں کہ نہیں نہیں ان لوگوں کا یہی عقیدہ تھا اور ان کی تحریروں کا یہی مطلب ہوتا ہے، اس لئے کافر ہیں اور ان کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر!!

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت اسامہؓ نے میدان جنگ میں ایک کافر پر حملہ کر دیا، اس نے فوراً ہی '' لا الہ الا اللہ '' پڑھ دیا مگر حضرت اسامہؓ نے اسے قتل کر دیا، جب آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو حضرت اسامہؓ سے فرمایا کہ '' لا الہ الا اللہ'' پڑھنے کے بعد بھی اسے قتل کر دیا؟ جواب دیا حضور! اس نے فلاں فلاں کو قتل کیا تھا اور جب میں نے حملہ کیا تو ڈر کر جان بچانے کی خاطر کلمہ پڑھ لیا، صدق دل سے نہیں پڑھا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا کہ صدق دل سے پڑھا ہے یا خوف سے؟ اور فرمایا کہ قیامت کے روز جب کہ اس کی طرف سے کلمۂ توحید مدعی بن کر آئے گا اس وقت تم کیا جواب دو گے؟ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے لئے مغفرت کی دعا کیجئے تو جواب میں بھی آپ بار بار یہی فرماتے رہے، حضرت اسامہؓ کہتے تھے کہ میں نے بار بار حضور ﷺ کا یہ ارشاد سن کر تمنا کی کہ کاش! میں آج ہی اسلام لایا ہوتا کہ میرا نیا اسلام اس گناہ کو محو کر دیتا (بخاری و مسلم ج ۱ ص ۶۸ مسلم شریف باب تحریم قتل الکافر بعد قولہ لا الہ الا اللہ ج ۱ ص ۶۷ بخاری باب بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسامۃ بن زید الی الحرقات من جہینۃ ج ۲ ص ۶۱۲)

اس واقعہ سے بدعتیوں کو عبرت پکڑنی چاہئے اور مسلمانوں کو کافر، مرتد بنانے کی ناپاک کوشش سے باز آ جانا چاہئے۔

سب وشتم کی عادت منافق کی علامت ہے۔ اور بدگوئی، تبرا بازی روافض کا طریقہ ہے اور مذہبی پیشواؤں کو ایذا رسانی اور قتل کرنا یہود کی سنت ہے، اسلامی طریقہ نہیں ہے، بدعتی اسلامی تعلیم سے علانیہ خلاف ورزی کر رہے ہیں جس کی شہادت روایات حدیث وفقہ دے رہی ہیں۔ بنی اسرائیل نے ۴۳ نبیوں کو دن کے ابتدائی حصہ میں قتل کر دیا اور اسی دن کے انتہائی حصہ میں ۱۱۲ عابدوں کو قتل کر دیا تھا۔

''فتاویٰ حدیثیہ'' میں ہے کہ مسلم اور غیر مسلم (جس کے متعلق علم نہ ہو کہ اس کی موت کفر پر ہوئی ہے) اس پر لعنت بھیجنا ممنوع ہے۔

لان لعن المسلم حرام بل لعن الکافر الغیر الحربی کذلک واما لعن شخص بعینہ فان کان حیا لم یجز مطلقا الا ان علم انہ یموت علی الکفر کا بلیس وذلک کمن لم یعلم موتہ علی الکفر وان کان کافراً فی الحال الخ .(فتاویٰ حدیثیۃ لا بن حجر ہیثمی مکی ص ۲۳۱)

اس لئے حجاج اور یزید کے متعلق بھی محققین کی رائے اور معتبر مذہب یہی ہے کہ خاموش رہنا اولیٰ ہے لعنت کی اجازت نہیں دی۔

ایک مرتبہ بلال بن ابی بردہ کا ذکر چھڑا تو لوگ لعنت ملامت کرنے لگے ابن عون خاموش رہے پوچھا گیا کہ تم کیوں برائی نہیں کرتے ؟ فرمایا کہ قیامت کے روز نامۂ اعمال میں دو باتیں ہوں گی ایک " لاالــــہ الا اللہ " اور دوسری یہ کہ ''فلاں فلاں پر لعنت بھیجی'' مجھے یہی پسند ہے کہ میرے نامۂ اعمال میں کلمہ لا الــــہ الا اللہ ملے یہ نہ ہو کہ ''فلاں فلاں پر خدا کی لعنت''

قال مکی بن ابراھیم کنا عند ابن عون فذکروا بلال بن ابی بردۃ فجعلوا یلعنونہ ویقعون فیہ وابن عون ساکت فقالوا یا ابن عون انما تذکرہ لما ارتکب منک فقال انما ھما کلمتان تخرجان من صحیفتی یوم القیامۃ لا الہ الا اللہ ولعن اللہ فلاناً فلانٌ یخرج من صحیفتی لا الہ الا اللہ احب الیٰ من ان یخرج منھا لعن اللہ فلانا " (احیاء العلوم ج۳ ص ۱۲۲)

حضرت رابعہ بصریہ ؒ کبھی شیطان کو بھی برا نہیں کہتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ جتنا وقت اس مہمل کام میں صرف کیا جائے اتنا وقت اگر محبوب کے ذکر میں مشغول رہے تو کتنا نفع ہو۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی تم میں سے وفات پائے تو اسے چھوڑ دو اور اس کی غیبت نہ کرو اذا مات صاحبکم (احدکم) فدعوہ ولا تقعوا فیہ (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۳۲۳) اور فرمایا کہ اپنے مردوں کے اچھے اوصاف کا تذکرہ کرو اور ان کی برائیوں سے زبان کو محفوظ رکھو اذ کروا محاسن موتا کم وکفوا عن مساویھم (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۳۲۳، ترمذی شریف ذیلی باب، باب ماجاء فی قتلی احد الخ ج ۱ ص ۱۲۱، ترغیب ترہیب ج ۶ ص ۱۴۴) اور فرمایا کہ جو لوگ وفات پا چکے ہیں انہیں برا بھلا نہ کہو کیونکہ جو انہوں نے آگے بھیج دیا تھا وہ ان کو مل گیا ۔لا تسبوا لا موات فانھم قد افضوا الی ما قدموا (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۸۷ باب ما ینھی من سب الاموات، شامی، احیاء العلوم وغیرہ)

احیاء العلوم میں روایت ہے کہ مردوں کو نیکی سے یاد کرو اس لئے کہ اگر وہ جنتی ہیں تو ان کی برائی کرنے کی وجہ سے تم گنہگار ٹھہرو گے اور اگر وہ جہنمی ہیں تو ان کے لئے یہی برائی کافی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ مردوں کو سب وشتم نہ کرو کہ جس سے زندوں کو ایذاء پہونچاؤ۔ لا تسبوا الأموات فتؤ ذوابہ الأحیاء (احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۲۲ کتاب آفات اللسان ۱ الآفۃ الثامنۃ اللعن) (مردہ کی برائی کرنے سے اس کے زندہ متعلقین کو تکلیف پہنچتی ہے)

ایک آدمی ہر وقت " تبت یدا ابی [illegible] پڑھا کرتا تھا، ابولہب اگرچہ کافر تھا مگر حضور ﷺ کا چچا تھا، سورہ تبت میں اس کی برائی ہے، آنحضرت ﷺ کو اس آدمی کا ہر وقت یہ سورت پڑھنا اور ابولہب کا عیب زبان پہ لانا برا معلوم ہوا، آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا " تجھے اس سورت کے علاوہ اور کوئی سورت یاد نہیں ہے؟

جنگ بدر میں جو مشرکین قتل کئے گئے تھے ان کو بھی سب وشتم کرنا ممنوع ہے۔آپ کا فرمان ہے(ﷺ) کہ ان کو سب وشتم نہ کرو اس لئے کہ جو کچھ تم انہیں کہتے ہو، وہ ان کو نہیں پہنچتا، اور زندوں کو اس سے ایذا ہوتی ہے، خبر دار بد گوئی کمینہ پن ہے'' لا تسبوا هو لاء فانه لا يخلص اليهم شئى مما تقولون وتؤذون الا حياء الا ان البذاء لؤم. (احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۱۷ ایضاً الآفۃ السابعۃ الفحش والسب وبذاءۃ اللسان)۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا نفاق بدیہی اور اس کی ایذا رسانی علانیہ تھی، مگر جب وہ مدینہ میں وفات پاتا ہے تو آنحضرت ﷺ اس کے بیٹے کو کفن کے لئے اپنا مبارک کرتا عنایت فرماتے ہیں، نماز جنازہ پڑھاتے ہیں، اس کا سر اپنے گھٹنہ مبارک پر رکھ کر اس کے منہ میں لعاب مبارک ڈالتے ہیں، اس طرح جہنم سے بچانے اور جنتی بنانے کی پوری کوشش فرماتے ہیں اور اس کے زندہ متعلقین کو خوش کرتے ہیں، جب کہ آج کل کے بدعتی مولوی، سچے مسلمان اور جلیل القدر بزرگوں اور مذہبی پیشواؤں کو کافر، مرتد جہنمی اور لعنتی وغیرہ ٹھہراتے ہیں اور متعلقین و معتقدین کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ع

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا

خدا پاک نیک ہدایت عطا کرے کہ یہ لوگ سچے مسلمانوں کو کافر بنانے کے بجائے ضعیف الایمان مسلمانوں کو شدھی اور مرتد ہونے سے بچانے کی کوشش کریں آمین ثم آمین۔فقط۔

علمائے دیوبند اور تبلیغی جماعت کے متعلق رضاخانیوں کا غلط پروپیگنڈہ

(سوال ۲) یہاں پر (جام نگر، سوراشٹر میں) رضاخانی فرقہ والے ایسا پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ دیوبند کے علماء اور تبلیغی جماعت کافر اور اسلام سے خارج ہیں اور ان کے معاونین اور انہیں نیک وصالح ماننے والے بھی کافر اور خارج از اسلام ہیں، تو اس طرح علمائے دیوبند اور تبلیغی جماعت کو مسلمان اور نیک وصالح ماننے والے کیسے ہیں؟ اور اس کے متعلق خدا ورسول خدا کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) رضاخانیوں کا پروپیگنڈہ غلط اور گمراہی میں ڈالنے والا ہے۔علمائے دیوبند اور تبلیغی جماعت پر رضاخانی جو بہتان تراشتے ہیں اس سے وہ حضرات بالکل بری اور پاک ہیں، وہ لوگ پکے مسلمان اور سچے اہل سنت والجماعت اور پکے حنفی ہیں۔مجلس شوریٰ کی ہیئت ترکیبیہ۔دفعہ (۱۲) تمام ارکان کا حنفی المذہب ہونا ضروری ہوگا، دستور اساسی دارالعلوم (دیوبند ص ۱۰) توحید خداوندی اور رسالت محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے مبلغ، سنت کے محافظ، اور انبیاء علیہم السلام کے حقیقی وارث ہیں (دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم کے الفاظ میں:۔علماء دیوبند دیناً مسلم ہیں، فرقۃً اہل سنت والجماعت ہیں، مذہباً حنفی ہیں، مشرباً صوفی ہیں، کلاماً ماتریدی ہیں، سلوکاً چشتی بلکہ جامع سلاسل ہیں فکراً ولی اللٰہی ہیں، اصولاً قاسمی ہیں، فروعاً رشیدی ہیں اور نسبۃً دیوبندی ہیں" والحمد لله على هذه الجامعية " (علماء دیوبند کا مسلک) قرآن وحدیث اور فقہ کی خدمت کے لئے زندگیاں وقف کئے ہوئے ہیں۔علوم دینیہ کی یونیورسٹی'' دارالعلوم دیوبند'' کے فیض یافتہ لاکھوں علماء وحفاظ قراء ومفسرین، محدثین، صوفیاء، مفتی اور مبلغین دنیا کے ہر ملک کے چپے چپے میں اسلام کی تبلیغ اور دین ومذہب کی اشاعت

کر رہے ہیں۔

ان کی علمی خدمات کا بیّن ثبوت ان کی بیشمار تصانیف ہیں جو سینکڑوں سے متجاوز ہیں صرف حدیث شریف کے سلسلہ میں صرف عربی زبان میں چند تصانیف یہ ہیں جو علمی دنیا سے تحسین وآفرین حاصل کر رہی ہیں۔

(۱)فیض الباری شرح صحیح البخاری.

(۲)لامع الدراری علی جامع البخاری(شرح صحیح البخاری).

(۳)فتح الملهم شرح صحیح المسلم.

(۴)العرف الشذی شرح جامع ترمذی.

(۵)الکوکب الدری شرح جامع ترمذی .

(۶)بذل المجهود شرح ابی داؤد.

(۷)اوجز المسالک شرح موطا امام مالک.

(۸)التعلیق الصبیح شرح مشکوٰة المصابیح.

(۹)امانی الاحبار شرح معانی الآثار.

(۱۰)معارف السنن شرح جامع ترمذی.

(۱۱)اثار السنن مع التعلیق الحسن و تعلیق التعلیق.

(۱۲)اعلاء السنن (ستره حصص)

یہ ایک نمونہ ہے ان روشن خدمات اور دینی سعادت اور خدائی انعامات کا جن سے منکرین بالکل محروم ہیں۔ وہ لوگ اس طرح کی عظیم الشان اسلامی خدمت کی ایک بھی نظیر پیش نہیں کر سکتے ،هاتوا برهانکم ان کنتم صادقین. یقیناً۔

ایں	سعادت	بزور	بازو	نیست
تانہ	بخشد	خدائے		بخشندہ

خدا کے ایسے مقبول اور صالح بندوں اور دین کے سچے خادم اور نائبین رسول اللہ ﷺ کو کافر مجرم اور اسلام سے خارج تصور کرنا جہالت ، بے دینی ، اسلام دشمنی اور گمراہی کی دلیل ہے اور اپنی عاقبت خراب کرنا ہے۔
اور تبلیغی جماعت والے بھی اپنا عیش وآرام چھوڑ کر، گھربار آل اولاد، دکان کھیتی ، پیشہ وتجارت کو خیرباد کہتے ہوئے ،اپنا کھا کر، اپنے خرچہ سے سفر کر کے تکالیف سفر برداشت کرتے ہوئے تبلیغ دین کی اہم خدمات (جو دراصل پیغمبران خدا کا کام تھا) انجام دے رہے ہیں، جو بڑی سے بڑی بھلائی کا کام ہے،عوام یعنی ناواقف مسلمانوں کے لئے توحید اور کلمۂ شہادت وغیرہ (جن پر اسلام کا مدار ہے) صحیح طریقہ سے پڑھنا سکھاتے ہیں، معنی بتلاتے ہیں. بے نمازیوں کو نمازی اور نام نہاد مسلمانوں کو صحیح معنی میں مسلمان اور نمازی بناتے ہیں، اسلامی اخلاق، تقویٰ وطہارت ، حقوق اللہ وحقوق العباد، اطاعت والدین، بڑوں کی تعظیم اور چھوٹوں کے ساتھ ہمدردی کی تعلیم دیتے ہیں، اس سے بڑھ کر دوسرا کار خیر کیا ہوسکتا ہے؟ خدائے پاک ایسے لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں ومن احسن قولا ممن

دعا الی اللہ وعمل صالحا (یعنی) ان سے بڑھ کر اچھا کلام کس کا ہو سکتا ہے؟ جو خدا کی طرف بلاتے ہیں اور خود بھی اچھے عمل کرتے ہیں'' اور ارشاد خداوندی ہے ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئک ھم المفلحون (یعنی) تم میں ایک جماعت ایسی ہونی ضروری ہے کہ (لوگوں کو) بھلائی کی طرف بلاتی رہے اور نیکی کے کام کرنے کا حکم دے اور برائے کے کاموں سے روکتی رہے (حقیقت میں) وہی لوگ پورے کامیاب ہوں گے۔ (سورۂ آل عمران)

دین کے ایسے سچے خادموں کو (جن کی تعریف خدا پاک فرماتے ہیں) اور ان کے معاونین اور انہیں نیک ماننے والوں کو کافر کہنے والے اور اسلام سے خارج کرنے والے اسلام کے دشمن اور مسلمانوں کے بدخواہ اور ان کے دین کے ڈاکو ہیں اور فرمان نبوی ﷺ کی رو سے خود ہی کافر اور اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں۔ آپ کا فرمان ہے (ﷺ) لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذلک (مشکوۃ شریف ص ۴۱۱ باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم) (یعنی) ''جو آدمی کسی آدمی پر فاسق اور کافر ہونے کی تہمت لگائے اگر وہ ایسا نہیں ہے تو اس کا یہ کہنا اسی کے اوپر لوٹ کر آئے گا (مطلب یہ کہ وہ کہنے والا خود ہی فاسق اور کافر ہو جائے گا۔)

نیز آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے۔ من دعا رجلا بالکفر اوقال عدو اللہ و لیس کذلک الا حار علیہ (مشکوۃ شریف باب حفظ اللسان فصل اول) (یعنی) کوئی شخص کسی کو کافر یا خدا کا دشمن بتلائے اور وہ ایسا نہیں ہے تو یہ قول پلٹ کر خود کہنے والے پر آئے گا۔ یعنی کہنے والا کافر اور خدا کا دشمن ہو جائے گا''

کتب حدیث میں ہے کہ حضرت اسامہؓ نے میدان جنگ میں ایک کافر پر حملہ کیا اس نے فوراً لا الٰہ الا اللہ پڑھ لیا مگر حضرت اسامہؓ نے اس کا کام تمام کر دیا، جب آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو حضرت اسامہؓ سے دریافت کیا کہ لا الٰہ الا اللہ پڑھ لینے کے بعد بھی کیوں قتل کر دیا؟ عرض کیا یا رسول اللہ ! اس نے چند صحابیوں کو قتل کر دیا تھا پھر میں نے جب اس پر حملہ کیا تو موت کے خوف سے کلمہ پڑھ لیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا؟ کہ اس نے کلمہ صدق دل سے نہیں پڑھا ہے؟ اسامہ!! قیامت کے روز جب کہ کلمۂ توحید (لا الٰہ الا اللہ) اس کی طرف سے مدعی بن کر آئے گا تو کیا جواب دو گے؟ حضرت اسامہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے لئے مغفرت کی دعا کیجئے، اس کے جواب میں بھی بار بار آنحضرت ﷺ یہی فرماتے رہے کہ قیامت کے روز کلمۂ توحید کو کیا جواب دو گے؟ یہ دیکھ کر حضرت اسامہؓ تمنا کرنے لگے کہ کاش! میں آج ہی اسلام لایا ہوتا تو یہ گناہ اسلام کی حالت میں شمار نہ ہوتا اور میرا نیا اسلام اس گناہ کو محو کر دیتا (مسلم شریف ج ۱ ص ۶۸ باب تحریم قتل الکافر بعد قولہ لا الٰہ الا اللہ) اس واقعہ سے رضاخانیوں کو عبرت لینی چاہئے اور مسلمانوں کو کافر و مرتد بنانے کی ناپاک کوشش سے باز آ جانا چاہئے۔

الغرض خادمان دین اور تبلیغی خدمت انجام دینے والے سچے اور خالص مسلمان ہیں، ان کی اعانت کرنا اور انہیں سچا تصور کرنا، ایمانداری کی دلیل ہے، خدا پاک ایسے نیک کام کرنے والوں کی مدد اور اعانت کا قرآن مجید میں حکم دیتے ہیں۔ تعاونوا علی البر والتقوی (یعنی) نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں مدد کرو۔

خدا پاک جن لوگوں کا مدح سرا ہو اور جن کی مدد و اعانت کا حکم دیتا ہو انہیں اور ان کے معاونین کو کافر بتانے والے اور اسلام سے خارج ماننے والے خدا اور رسول ﷺ کے نافرمان، اسلام اور اہل اسلام کے دشمن، آنحضرت ﷺ

کے تبلیغی مشن کو دھکا پہنچانے والے اور آیت کریمہ "وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین الانس والجن الخ (الانعام)

ترجمہ:۔ (اور اس طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے ہیں انسان اور جنوں میں سے جو بعض بعض کو دھوکہ دینے کے لئے غلط اشاعت کرتے ہیں) اور حدیث نبوی ﷺ ضلوا فاضلوا (خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا) (بخاری ومسلم بخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم ج۔ا ص۲۰) کے صحیح معنی میں مصداق ہیں۔ آعاذنا الله منها، خدا پاک ہدایت اور نیک توفیق عنایت کرے (آمین) واللہ اعلم بالصواب۔

علمائے دیوبند پر رضا خانیوں کی باران رحمت (نفرت وحقارت کی صورت میں):

(سوال ۷) فی الحال بھروچ میں رضا خانی فرقہ کی کانفرنس ہوئی تھی، جس میں اس فرقہ کے مولوی حضرات حشمت علی وغیرہ نے علماء دیوبند کو سب وشتم کیا، کافر ومرتد اور اسلام سے خارج بتلایا اور کہا کہ سچے اہل سنت والجماعت ہم ہی ہیں، دیوبندی نہیں، وغیرہ بہت سی باتیں بیان کیں۔ تو سوال یہ ہے کہ بریلوی علماء، علمائے دیوبند کی کیوں مخالفت کرتے ہیں؟ اس کی تفصیل کریں، بہت سے لوگ تشویش میں ہیں۔

(الجواب) اہل حق اور صاحب کمال کو بدنام کرنے کی ناپاک کوشش اور ان کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرنے کی ناجائز حرکت ہمیشہ سے اہل باطل اور نفس پرستوں کا شیوہ رہا ہے۔

باطل پرستوں نے پیغمبروں کو بدنام کیا اور مجرم ٹھہرایا، پہلے تین خلفاء راشدین کو اہل بیت کا دشمن بتلا کر کافر ٹھہرایا، چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ کو خوارج نے کافر بتلایا، حضرت ابن عباسؓ پر قرآن شریف کی غلط تفسیر بیان کرنے کا الزام لگایا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کو گمراہ اور امت کا دشمن اور امت کا شیطان کہا گیا اور ان کے قتل کو ستر جہاد سے افضل بتلایا، حضرت امام شافعیؒ کو اضر من ابلیس (شیطان سے زیادہ نقصان دہ) کا خطاب ملا۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین بن عربیؒ کے متعلق کہا گیا کہ کفره اشد من كفر اليهود والنصارى (ان کا کفر یہود ونصاریٰ کے کفر سے بھی زیادہ سخت ہے) اسی سلسلہ کی ایک کڑی چودھویں صدی کے مبتدعین کا (تبرائی فرقہ) ہے جو توحید باری تعالیٰ کے سچے مبلغین اور سنت رسول اللہ ﷺ کے صحیح محافظین دیوبندی بزرگوں کو اپنے نفس اور پیٹ کی خاطر مرتد بناتے پھرتے ہیں، خدا پاک انہیں ہدایت دے۔ (آمین)

ان کی مخالفت کی وجہ حسد اور کینہ ہے اور یہ شیطانی سنت ہے، شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کی عزت وعظمت دیکھ کر حسد کیا۔ ان کی اور ان کی اولاد کی دشمنی کے لئے کمر کسی حضرت ابو حازمؒ فرماتے ہیں کہ (لوگوں کی عادت میں یہ ہے کہ) اپنے سے بڑے عالم میں کیڑے نکالتے ہیں (یعنی ان کی عیب جوئی کرتے ہیں) تا کہ (دوسرے لوگ) ان سے نفرت کر کے انہیں چھوڑ دیں۔ (العلم والعلماء ص ۲۳۸)

حضرت یحییٰ بن معینؒ کے سامنے جب کہا جاتا کہ فلاں عالم حضرت امام ابوحنیفہ کی بدگوئی کرتا ہے تو آپ فرماتے ہیں۔

حسدوا الفتی اذا لم ینالوا سعیه

فالقوم اعداء له وخصوم

لوگ اس لئے ان کے دشمن بن گئے ہیں کہ علم وعمل میں ان کی برابری نہیں کر سکتے۔

کضرائر الحسناء قلن لو جهها

حسداً او بغیاً انها لذمیم

(ان کی مثال کسی حسینہ کی سوکنوں جیسی ہے کہ وہ حسد سے اس حسینہ کو کہتی ہیں کہ بہت بدصورت ہے)

یہی صورت یہاں بھی ہے۔ علماء دیو بند خدا پاک کے فضل وکرم سے علم وعمل تقویٰ وطہارت اور تبلیغ دین وخدمت قرآن وحدیث اور سیاست میں جس کمال اور شہرت کے مالک ہیں اس کی ایک نظیر بھی مخالف گروہ میں نہیں مل سکتی۔ هاتوا برهانکم ان کنتم صادقین. دیکھئے حدیث کی مشہور کتابیں۔ (۱) صحیح بخاری کی عربی شرح فیض الباری (تصنیف حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ) (۲) صحیح مسلم کی عربی شرح فتح الملہم (تصنیف مولانا شبیر احمد عثمانیؒ (۳) ترمذی شریف کی عربی شرح عرف شذیٰ (حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ) (۴) دوسری شرح الکوکب الدری (حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ (۵) ابوداؤد شریف کی عربی شرح بذل المجہود (حضرت علامہ خلیل احمد انبیٹھوی مہاجر مدنیؒ (۶) مشکوٰۃ شریف کی عربی شرح التعلیق الصبیح (مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ) اس کے علاوہ ہدایہ، کنز الدقائق شرح وقایہ، نور الایضاح، شرح نقایہ، زاد الفقیر وغیرہ وغیرہ فقہ اور حدیث کی کتابوں کی شرح اور حواشی اور مستقل طور پر عربی تصنیفات کر کے شائع کرنے کا شرف علمائے دیو بند ہی کو حاصل ہے۔ **ذلک فضل الله یو تیه من یشاء**.

اس شرف سے بریلوی فرقہ بالکل محروم ہے، مذکورہ کتب عربیہ سے عرب وعجم کے اسلامی ممالک فیض یاب ہو رہے ہیں دار العلوم دیو بند کے شیخ الحدیث شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ روضۂ رسول مقبول ﷺ کے جوار میں مسجد نبوی میں بیٹھ کر کئی سال تک عربوں کو قال اللہ اور قال الرسول کا درس دیتے رہے۔

این	سعادت	بزور	بازو	نیست
تانہ	بخشد	خدائے		بخشندہ

مذکورہ بالا خدائی نعمتیں اور انعامات ربانی رضا خانی دیکھ نہیں سکتے، علمائے دیو بند سے مخالفت کی یہ اصلی وجہ ہے ان کا دعویٰ کہ سچے اہل سنت والجماعت ہم ہی ہیں، دوسرے نہیں ابو عامر کے دعوے کے مانند ہے۔ ابو عامر کو عرب کا سردار اور لیڈر بننے کا چسکہ تھا۔ مگر آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں ایسے رذیل کی کیا حیثیت؟ اس نے حسد میں آکر کہا کہ میں صحیح ملت حنیف اور دین ابراہیم پر ہوں اور آپ ﷺ جو دین ابراہیم پیش کر رہے ہیں اصلی ملت حنیف نہیں ہے، ایسا غلط پروپیگنڈہ کر کے جگہ جگہ پر آنحضرت ﷺ کا مقابلہ کیا، ایذا رسانی اور تکلیف دہی میں کمی نہیں رکھی، مدینہ منورہ میں منافقین کو بہکا کر مسجد قوت اسلام (مسجد قبا) کے مقابلہ میں اپنی مطالب برآری کے لئے مسجد کے نام سے ایک مکان کی بنیاد ڈالی، آپ ﷺ کو بذریعہ وحی خبر ہوئی جس کی بنا پر آپ ﷺ نے اس مسجد کو ڈھا دینے کا حکم دیا۔ وہ مسجد، مسجد ضرار کے نام سے مشہور ہے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر موجود ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں:۔ **والذین اتخذوا مسجداً ضراراً وكفراً وتفريقاً بين المؤمنين وارصاداً لمن حارب الله ورسوله من قبل وليحلفن ان**

اردنا الا الحسنی و الله یشهد انهم لکا ذبون.

ترجمہ۔اور جن لوگوں نے مسجد بنائی (اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور غلط عقیدہ پھیلانے اور مسلمانوں میں تفریق ڈالنے کے لئے اور موقعہ دینے کے لئے اس شخص (ابو عامر) کو جو ابتداہی سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے برسر جنگ ہے اور (یہ لوگ) قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے اس سے محض بھلائی ہی چاہی تھی اور اللہ شاہد ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔(سورۂ توبہ)

اسی طرح مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور نااتفاقی پیدا کرنے اور اپنی مطلب برآری کے لئے رضا خانیوں نے اہل حق کے مقابلہ میں رضا خانی جماعت کی بنیاد ڈالی ہے، اس کے علاوہ اور کوئی مقصد ذہن میں نہیں آتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

دیوبندی جماعت اصول اور عقائد میں حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ اور حضرت امام ابومنصور ماتریدیؒ کے متبع اور فروعات میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مقلد ہے اور پیری مریدی نیز تصوف میں۔ چشتیہ، قادریہ نقشبندیہ، سہروردیہ سلسلے سے نسبت رکھتی ہے۔ یہ حضرات سچے اہل سنت والجماعت ہیں، ان کے کارنامے اور تصنیفات اس کی شاہد ہیں۔

اہل سنت والجماعت کی پہچان کیا ہے؟:

حضرت غوث الاعظمؒ فرماتے ہیں کہ فالسنة ماسنه رسول الله صلی الله علیه وسلم والجماعة ما اتفق علیه اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم فی خلافة الائمة الاربعة الخلفاء الراشدین المهدیین رحمة الله علیهم اجمعین.

ترجمہ۔ سنت وہ طریقہ ہے جس پر اللہ کے رسول ﷺ گامزن تھے اور جماعت وہ طریقہ ہے جس پر صحابہ چاروں خلفاء راشدینؓ کے مبارک زمانے میں متفق تھے (غنیۃ الطالبین ج ا ص ۵۵) مذکورہ طریقہ پر چلنے والی اور اس کو پھیلانے والی کونسی جماعت ہے؟ دیوبندی یا رضا خانی؟ ناظرین انصاف کریں!

علمائے دیوبند کے سامنے اسوہ حسنہ ہے، اس لئے کہ فرمان خداوندی ہے۔ لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة تو رضا خانی مذہب کی بنیاد خلاف سنت اور بے اصل آبائی رسم ورواج پر ہے۔ یہ لوگ طریقہ مسنونہ کے مقابلہ میں بدعت کو پروان چڑھاتے ہیں قرآن شریف میں گمراہ قوموں کے متعلق جگہ جگہ ارشاد ہے۔ واذا قیل لهم اتبعوا ما انزل الله قالوا بل نتبع ما وجدنا علیه اباءنا.

ترجمہ۔اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا نے جو طریقہ نازل فرمایا ہے اس پر چلو تو کہتے ہیں کہ نہیں! ہم تو اس (طریقہ پر) چلیں گے جس پر ہم نے اپنے آباواجداد کو پایا ہے۔(سورۂ بقرہ)

اس کے مقابلے میں دیوبندی حضرات خلاف سنت آباواجداد کے بے اصل رسومات کو نہیں مانتے اور سخت مخالفت کرتے ہیں، تو رضا خانی بدعتی جماعت ان کی غیبت کرتی ہے حضرت غوث اعظمؒ فرماتے ہیں۔ ''فعلامة اهل البدعة الوقیعة فی اهل الاثر (یعنی) اہل بدعت کی نشانی یہ ہے کہ حدیث اور تعامل صحابہ پر عمل کرنے والے کی غیبت کریں۔(غنیۃ الطالبین ج ا ص ۹۶)

عمر خیام نے ایک فارسی رباعی میں ایسے گمراہوں کو جواب دیا ہے۔

با این دو سہ نادان کہ چناں می دانند
اہل جہل کہ دانائے جہاں ایشانند
خوش باش کہ خرئی ایشاں بمثل
ہر کہ نہ خراست کافرش می دانند

ترجمہ: بعض آدمی جہالت وحماقت سے اپنے کو عالم خیال کرتے ہیں حالانکہ وہ عالم نہیں ہوتے۔ اور وہ اپنے گدھے پن کی وجہ سے ان لوگوں کو جو ان جیسے گدھے نہیں کافر جانتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مولوی احمد رضا خان صاحب کا اکابر علماء دیوبند پر کذب وافتراء اور اس کا مفصل جواب:

(سوال ۸) ہماری مسجد کے امام صاحب بدعت نواز ہیں بلکہ اپنے اقوال وافعال سے بدعتوں کی ترویج اور اشاعت میں کوشاں رہتے ہیں، اور رضا خانی علماء کی طرح وہ بھی اکابر علماء دیوبند حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت سہارنپوریؒ، حضرت تھانویؒ کو برا بھلا بلکہ کافر و مرتد تک کہتے ہیں (معاذ اللہ) اور وہ اس بات پر بڑی پختگی سے قائم ہیں اس وجہ سے مسجد میں اختلاف ہوگیا ہے اور دو فریق دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ لوگ ہمارے اکابر کی طرف جو باتیں منسوب کر کے کفر کے فتوے دیتے ہیں ان باتوں کی حقیقت کیا ہے؟ ایسا معلوم ہوا ہے کہ اکابر علماء دیوبند نے ان تمام باتوں کو اپنے اوپر الزام قرار دیتے ہوئے ان غلط باتوں سے اپنی براءت کا اظہار فرمایا ہے، اگر یہ صحیح ہے تو آپ ان تمام باتوں کو مفصل تحریر فرمادیں امید ہے کہ آپ کا فتویٰ آنے پر انشاء اللہ بہت سے مسلمان ان کی دھوکہ دہی اور فریب کاری سے بچ جائیں گے اور اصل حقیقت ان کے سامنے آجائے گی، نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ علماء عرب نے بھی علماء دیوبند کی تکفیر کی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ امید ہے کہ آپ مفصل جواب تحریر فرمائیں گے بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً و مصلیاً و مسلماً، اکابر علماء دیوبند کی طرف جو عقائد منسوب کئے گئے ہیں وہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہیں، وہ حضرات ان عقائد باطلہ سے بالکل بری ہیں، بلکہ ان حضرات نے ان عقائد باطلہ سے بیزاری کا اظہار کیا ہے اور زبانی وتحریری اعلان کیا ہے کہ رضا خانی ہماری طرف جو عقائد منسوب کرتے ہیں وہ ہمارے عقائد نہیں ہیں اور ہم خود ایسے شخص کو جو یہ عقائد باطل رکھتا ہو کافر سمجھتے ہیں، ان اعلانات اور براءت کے بعد بھی ان کی طرف یہ عقائد منسوب کرنا اور معاذ اللہ ایسے خاصان خدا کو کافر و مرتد کہنا کسی طرح ایک امام مسجد بلکہ ایک کلمہ گو کے شایان شان نہیں ہوسکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اکابر علماء دیوبند کی جن جن عبارتوں کو نقل کر کے ان پر اعتراضات کئے ہیں اور کفر کے فتویٰ لگائے ہیں ان تمام عبارتوں کے نقل کرنے اور ان کی تشریح میں صریح خیانت سے کام لیا گیا ہے اور ان کو لعنۃ اللہ علی الکاذبین کا بھی خیال نہیں رہا ہے، اختصار کے پیش نظر ہم یہاں صرف حضرت نانوتویؒ کی تحذیر الناس کی عبارت نقل کرنے میں جو خیانت کی ہے اس کو واضح کریں گے اور حضرت نانوتویؒ کی عبارت کا صحیح مطلب اختصار کے ساتھ پیش کریں گے اور خود حضرت نانوتویؒ کا بیان نقل کریں گے، بقیہ تین حضرات نے جو بیانات دیئے ہیں صرف

انہی کے نقل پر اکتفا کریں گے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ پر یہ بہتان تراشا گیا ہے کہ آپ (معاذ اللہ) ختم نبوت زمانی کے منکر ہیں، چنانچہ مولوی احمد رضا خان صاحب نے حسام الحرمین میں لکھا ہے:۔

قاسم نانوتوی جس کی تحذیر الناس ہے اس نے اپنے اس رسالہ میں لکھا ہے۔

''بلکہ بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے بلکہ اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا، عوام کے خیال میں رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں الخ۔'' (حسام الحرمین مع تمہید ایمانی ص ۱۰۱)

تحذیر الناس کی عبارت نقل کرنے میں بے انتہا خیانت سے کام لیا گیا ہے، جو عبارت حسام الحرمین میں مسلسل پیش کی گئی ہے، درحقیقت یہ پوری عبارت کتاب کے تین مختلف صفحات کے متفرق فقروں سے جوڑ کر بنائی گئی ہے، چنانچہ اس عبارت میں۔

(۱) ''بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔'' یہ فقرہ صفحہ نمبر ۱۴ سطر نمبر ۱۵۔۱۶۔۱۷ کا ہے۔ (تحذیر الناس مطبوعہ قاسمی پریس دیوبند)

(۲) ''بلکہ اگر بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔'' یہ عبارت صفحہ نمبر ۲۸ سطر نمبر ۷۔۸ کی ہے۔

(۳) عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ یہ عبارت صفحہ نمبر ۳ سطر نمبر ۴۔۵ کی ہے۔

ناظرین ملاحظہ کریں کتنی صریح خیانت ہے **لعنة الله على الكاذبين** کا بھی خیال نہیں ہے۔ حضرت نانوتوی پر افتراء کرنے اور کفریہ مضمون بنانے کے لئے کتاب کے متفرق صفحات سے عبارت اخذ کر کے اس طرح پیش کی گئی ہے کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ بعینہ یہ عبارت تحذیر الناس کی ہے، حالانکہ یہ مسلسل عبارت تحذیر الناس میں نہیں ہے، مزید خیانت یہ کی کہ فقروں کی ترتیب بھی بدل دی ہے اس طرح کہ صفحہ نمبر ۱۴ کا فقرہ پہلے لکھا ہے اس کے بعد صفحہ نمبر ۲۸ کا پھر صفحہ نمبر ۳ کا کیا مجدد ایسے ہی ہوتے ہیں اور ان کے ایسے کارنامے ہوتے ہیں۔ انا لله وانا اليه راجعون ایسے تصرف سے ہر ایک کے کلام میں بلکہ کلام اللہ میں بھی معانی کفریہ پیدا کئے جا سکتے ہیں، کوئی بددین معاذ اللہ تصرف کر کے یوں کہہ سکتا ہے ان الذين امنوا وعملوا الصلحت اولئک اصحاب النار هم فيها خلدون (معاذ اللہ)

حقیقت یہ ہے کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ جناب رسول اللہ ﷺ کے لئے تین قسم کی خاتمیت ثابت فرما رہے ہیں، خاتمیت ذاتی، خاتمیت زمانی اور خاتمیت مکانی۔

خاتمیت زمانی:

یعنی آپ کا زمانہ نبوت اس عالم مشاہدہ میں تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے آخر میں ہے، آپ کے بعد

کوئی نبی نہ ہوگا (حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائیں گے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت پر عمل کریں گے ان کے تشریف لانے سے آپ کے آخری نبی اور نبی آخرالزماں ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا) آپ کا آخری نبی ہونا ایسا مسلم اور اجماعی عقیدہ ہے کہ اس کا انکار ہی نہیں کیا جاسکتا، اگر کوئی انکار کرے بلکہ شبہ کرے تو وہ بلاشبہ کافر ہے۔

خاتمیت مکانی:

یعنی یہ زمین جس میں جناب رسول اللہ ﷺ جلوہ افروز ہوئے وہ تمام زمینوں میں بالاتر اور آخری ہے اس کے اوپر کوئی زمین نہیں تو مکانی اعتبار سے بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام خاتم ہیں۔

خاتمیت ذاتی جس کو خاتمیت مرتبی بھی کہتے ہیں یعنی جناب رسول اللہ ﷺ وصف نبوت کے ساتھ بالذات متصف ہیں اور دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ موصوف بالعرض۔ دیگر انبیاء علیہم السلام کی نبوت آپ کا فیض ہے پر آپ کی نبوت کسی کا فیض نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جس قدر کمالات اور مراتب قرب الٰہیہ ہیں وہ سب آپ میں بالذات موجود ہیں اور دیگر انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام و اولیاء کرام بلکہ جملہ مخلوقات کو جو کمالات حاصل ہوئے وہ آپ ہی ذات اقدس کے واسطہ سے حاصل ہوئے، تو آپ اس حیثیت سے بھی خاتم ہیں کہ تمام کمالات اور مراتب قرب و کمال آپ پر ختم ہیں۔ جو مضمون حضرت نانوتوی قدس سرہ بیان فرمارہے ہیں یہی مضمون مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان فرمایا ہے۔

وعظ ''الظہور'' میں ہے۔

بہر ایں خاتم شد است او کہ بجود
مثل او نے بود ونے خواہند بود

آپ اس سبب سے خاتم ہوئے ہیں کہ فیوض وعلوم کے جود وعطا میں آپ کا مثل نہ ہوا اور نہ ہوگا، کمالات کے تمام مراتب آپ پر ختم ہوگئے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ (صرف) خاتم زمانی ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ خاتم مطلق ہیں زماناً بھی اور کمالاً بھی۔ اور خاتمیت کے یہ معنی جو اس شعر میں مع شعر مابعد کے مذکور ہیں وہ وہ ہیں جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحذیر الناس میں بیان فرمائے ہیں جس پر مبتدعین نے مولانا کے خلاف بے حد شور مچایا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشعار مولانا کو ملے نہیں ورنہ سہولت کے ساتھ فرمادیتے کہ خاتمیت کے یہ معنی بیان کرنے میں میں تنہا نہیں ہوں، مولانا رومؒ نے بھی اس کو لیا ہے۔ قالؒ۔

چونکہ در صنعت برد استاد دست
نے تو گوئی ختم صنعت بر توست

تمثیل کے طور پر فرماتے ہیں کہ دیکھو جب کسی صنعت (فن) میں استاد سبقت لے جاتا ہے تو تم اس کو کہتے نہیں؟ یعنی یہ کہتے ہو کہ یہ صنعت آپ پر ختم ہے، اسی طرح حضور ﷺ خاتم کمالات ہیں یعنی آپ کا مثل کمالات میں کوئی نہیں ہے، پس یہ معنی ہیں ذاتی خاتمیت کے، یعنی ختم زمانہ کے ساتھ آپ اس طرح بھی خاتم ہیں۔

(وعظ الظہور ص ۵۷ حضرت تھانویؒ)

جب آپ کے لئے نبوت بالذات ثابت ہے تو یہ وصف آپ کے لئے لازم ہوا آپ اس وقت بھی نبی تھے جب کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، چنانچہ خود حضور پاک ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کنت نبیا و آدم بین الماء والطین (۱) اور سلسلۂ نبوت آپ پر ختم ہو چکا ہے لہٰذا آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں ہوگا، چنانچہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا لا نبی بعدی لیکن بطریق فرض سمجھو کہ اگر بفرض محال حضور ﷺ کے زمانہ میں یا آنحضور ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا ہو تو بھی آپ خاتم ذاتی ہونے کی حیثیت سے خاتم النبیین رہیں گے، اس میں کوئی فرق نہیں آئے گا اس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آپ کے لئے ختم زمانی ثابت نہیں بلکہ ختم زمانی تو آپ کے لئے قرآن احادیث اور اجماع سے ثابت ہے، یہاں تو صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ آپ کا منبع الکمالات ہونا ایسا وصف ہے کہ اگر کسی محال اور ناممکن بات کو بھی فرض کرلو جب بھی وہ وصف آپ کے لئے بدستور باقی رہتا ہے، اور حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے جو تعبیر اختیار فرمائی ہے قرآن مجید میں بھی بعینہ یہ تعبیر موجود ہے ارشاد خداوندی ہے۔

قل ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین.

ترجمہ:۔ اگر خدائے رحمان کے لئے ولد (بیٹا) ہوتا تو سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا میں ہوتا۔

فوائد عثمانی میں ہے۔یعنی اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہوگا کہ اللہ کے لئے بیٹے بیٹیاں تجویز کی جائیں، آپ کہہ دیجئے اگر بفرض محال خدا کے اولاد ہوتو پہلا شخص میں ہوں جو اس کی اولاد کی پرستش کرے۔(فوائد عثمانی) اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اللہ کے لئے ولد کا ہونا بالکل محال ہے لم یلد و لم یولد میں صاف اعلان ہے کہ اس کی کوئی اولاد نہیں، اسی طرح حضرت نانوتویؒ کے مضمون کا مقصود ہے۔

یہ مختصر مضمون تحذیر الناس کی اس تقریر کا خلاصہ ہے جس میں آنحضور ﷺ کی خاتمیت ذاتی کو ثابت فرمایا ہے، اب حضرت نانوتویؒ کی عبارت "اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں فرق نہ آئے گا" کا مطلب اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ اس عبارت میں خاتمیت سے مراد خاتمیت ذاتی ہے، اس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ خاتمیت زمانی کا انکار فرمارہے ہیں۔خاتمیت زمانی تو آپ کا عقیدہ ہے اور آپ خود ایسے شخص کو کافر اور خارج از اسلام سمجھتے ہیں جو آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین زمانی نہ مانے، اور آپ کے بعد کسی نبی کے آنے کو جائز سمجھے، تحذیر الناس میں اول سے آخر تک ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس سے آنحضرت ﷺ کی خاتمیت زمانی کا انکار نکل سکے بلکہ تحذیر الناس کا تو موضوع ہی آنحضرت ﷺ کی ہر قسم کی خاتمیت ذاتی، زمانی، مکانی کی حمایت وحفاظت ہے بالخصوص ختم نبوت زمانی کے متعلق تو اس میں نہایت صاف اور واضح تصریحات ہیں، اس کی عبارتیں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں، اور پھر تحذیر الناس ہی پر منحصر نہیں حضرت مرحوم کی دوسری تصانیف میں بھی بکثرت اس قسم کی تصریحات موجود ہیں، محض بطور نمونہ مناظرۂ عجیبہ کی چند عبارتیں ملاحظہ ہوں۔

---

(۱) یہ حدیث مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ میں ان الفاظ سے منقول ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قالوا یارسول اللہ متی وجبت لک النبوۃ قال وآدم بین الروح والجسد. دیگر الفاظ سے یہ ھیں وعن العرباض بن ساریۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال انی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتہ الخ مشکوٰۃ ص ۵۱۳

(۱) حضرت ختم المرسلین ﷺ کی خاتمیت زمانی تو سب کے نزدیک مسلم ہے اور یہ بات سب کے نزدیک مسلم ہے کہ آپ اول المخلوقات ہیں۔ (مناظرۂ عجیبہ ص ۳۹)

(۲) خاتمیت زمانی اپنا دین وایمان ہے، ناحق کی تہمت کا البتہ کچھ علاج نہیں۔ (مناظرۂ عجیبہ ص ۳۹)

(۳) خاتمیت زمانی سے مجھے انکار نہیں بلکہ یوں کہئے کہ منکروں کے لئے گنجائش انکار نہ چھوڑی، افضلیت کا اقرار بلکہ اقرار کرنے والوں کے پاؤں جما دیئے اور نبیوں کی نبوت پر ایمان ہے پر رسول اللہ ﷺ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتا۔ (مناظرۂ عجیبہ ص ۵۰)

(۴) ہاں یہ مسلم ہے کہ خاتمیت زمانی اجماعی عقیدہ ہے۔ (مناظرۂ عجیبہ ص ۶۹)

(۵) بعد رسول اللہ ﷺ کسی اور نبی ہونے کا احتمال نہیں، جو اس میں تامل کرے اسے کافر سمجھتا ہوں۔ (مناظرۂ عجیبہ ص ۱۰۳)

ان تمام عبارتوں کو بغور ملاحظہ فرمایئے کیا اس کے بعد بھی آپ کی طرف یہ غلط عقیدہ منسوب کرنا صحیح ہو سکتا ہے؟

قطب العالم حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ پر یہ بہتان تراشا گیا ہے کہ آپ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ (معاذ اللہ) خدا تعالیٰ کذب (جھوٹ) بولتا ہے۔

آپ پر یہ صراحۃ بہتان والزام ہے، آپ اپنی زندگی میں اس کا انکار فرماتے رہے ہیں اور تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص ایسا ناپاک عقیدہ رکھے یا زبان سے ایسا ناپاک جملہ کہے وہ کافر ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ رشیدیہ میں ہے۔

استفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ذات باری تعالیٰ عزاسمہ موصوف بصفت کذب ہے یا نہیں، اور خدا تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے یا نہیں؟ اور جو شخص خدا تعالیٰ کو یہ سمجھے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے وہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ذات پاک حق تعالیٰ جل جلالہ کی پاک ومنزہ ہے اس سے کہ متصف بصفت کذب کیا جائے، معاذ اللہ تعالیٰ اس کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبہ کذب کا نہیں ہے۔ قال اللہ تعالیٰ و من اصدق من اللہ قیلاً جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے کہ وہ کذب بولتا ہے وہ قطعاً کافر ہے، ملعون ہے اور مخالف قرآن اور حدیث کا اور اجماع امت کا وہ ہرگز مؤمن نہیں۔ تعالیٰ اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً الخ فتاویٰ رشیدیہ ج۔ا ص ۱۸

تاج المحدثین، سراج المناظرین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری مہاجر مدنی رحمہ اللہ پر یہ افترا کیا گیا ہے کہ انہوں نے براہین قاطعہ میں یہ لکھا ہے کہ شیطان لعین کا علم (معاذ اللہ) رسول اللہ ﷺ کے علم سے زیادہ ہے۔

یہ اعتراض بھی بالکل بے حقیقت اور سراسر بہتان ہے۔ اس اعتراض کے متعلق خود حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا تھا، آپ نے اس کا جواب تحریر فرمایا ہے، وہ سوال وجواب "السحاب المدرار" میں

شائع ہو چکا ہے، کچھ اختصار کے ساتھ اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت شریف مخدوم ومکرم جناب مولانا مولوی خلیل احمد صاحب مدرس اول مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور دامت برکاتہم۔

بعد عرض تحیہ ماثورہ عرض ہے کہ مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی، حسام الحرمین میں آپ کی نسبت یہ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنی کتاب براہین قاطعہ میں تصریح کی ہے کہ ابلیس کا علم نبی ﷺ کے علم سے زیادہ ہے (معاذ اللہ) امور ذیل دریافت طلب ہیں۔

(۱) کیا اس مضمون کی آپ نے اپنی کتاب براہین قاطعہ میں یا کسی دوسری کتاب میں تصریح فرمائی ہے؟

(۲) اگر تصریح نہیں کی تو بطریق لزوم کے اشارۃً یا کنایۃً بھی یہ مضمون آپ کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے یا نہیں؟

(۳) اگر آپ نے یہ مضمون نہ صراحۃً بیان فرمایا نہ اشارۃً نہ کنایۃً آپ کے کلام کو لازم نہ آپ کی مراد تو جو شخص ایسا اعتقاد رکھے کہ سرور عالم ﷺ کے علم سے ابلیس کا علم زیادہ ہے اس کو آپ مسلمان جانتے ہیں یا کافر؟

(۴) جس عبارت کو خان صاحب بریلوی براہین قاطعہ سے نقل کرتے ہیں اس عبارت کا صحیح مطلب کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الوصول الی الصواب

مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے بندہ پر جو الزام لگایا ہے وہ بالکل بے اصل اور لغو ہے میں اور میرے اساتذہ ایسے شخص کو کافر و مرتد و ملعون جانتے ہیں جو شیطان علیہ اللعن کیا کسی مخلوق کو بھی جناب سرور عالم ﷺ سے علم میں زیادہ کہے، چنانچہ براہین قاطعہ ص ۴ میں یہ عبارت موجود ہے، پس کوئی ادنیٰ مسلم بھی فخر عالم ﷺ کے تقرب اور شرف وکمالات میں کسی کو آپ کا مماثل نہیں جانتا، خان صاحب بریلوی نے یہ مجھ پر اتہام لگایا ہے اس کا حساب تو روز جزاء ہوگا۔ یہ کفری مضمون کہ شیطان علیہ اللعن کا علم نبی ﷺ کے علم سے زیادہ ہے، براہین کی کسی عبارت میں نہ صراحۃً ہے نہ کنایۃً الیٰ قولہ غرض خان صاحب بریلوی نے محض اتہام اور کذب بندہ کی طرف منسوب کیا ہے مجھ کو تو کبھی مدت العمر اس کا وسوسہ بھی نہیں ہوا کہ شیطان کیا کوئی ولی اور فرشتہ بھی آپ کے علوم کی برابری کر سکے، چہ جائیکہ علم میں زیادہ ہو۔ یہ عقیدہ خان صاحب نے بندہ کی طرف منسوب کیا ہے کفر خالص ہے اس کا مطالبہ خان صاحب سے روز جزا ہوگا، میں اس سے بالکل بری اور پاک۔ وکفیٰ باللہ شہیداً۔

اہل اسلام عبارات براہین قاطعہ کو بغور ملاحظہ فرمائیں، مطلب صاف اور واضح ہے۔

حررہ خلیل احمد

مہر: خلیل احمد۔ (از۔ السحاب المدرار)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ کی طرف یہ منسوب کیا گیا کہ انہوں نے حفظ الایمان

میں یہ لکھا ہے..... ''غیب کی باتوں کا علم جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کو ہے ایسا ہر بچہ ہر پاگل بلکہ ہر جانور ہر چار پایہ کو حاصل ہے۔'' (نعوذ باللہ)

یہ بھی حضرت تھانویؒ پر اتہام اور الزام ہے، حفظ الایمان پر اس اعتراض کے متعلق خود حضرت تھانوی رحمۃ اللہ سے استفتاء کیا گیا، حضرت نے جو جواب دیا وہ بسط البنان اور السحاب المدرار میں طبع ہو چکا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے بھی یہاں نقل کر دیا جائے۔

بخدمت اقدس حضرت مولانا المولوی الحافظ الحاج الشاہ اشرف علی صاحب مدت فیوضہم العالیہ۔

بعد سلام مسنون عرض ہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی یہ بیان کرتے ہیں اور حسام الحرمین میں آپ کی نسبت یہ لکھتے ہیں کہ آپ نے حفظ الایمان میں اس کی تصریح کی ہے کہ غیب کی باتوں کا علم جیسا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو ہے ایسا ہر بچے اور ہر پاگل بلکہ ہر جانور اور ہر چار پائے کو حاصل ہے اس لئے امور ذیل دریافت طلب ہیں۔

(۱) آیا آپ نے حفظ الایمان میں یا کسی کتاب میں ایسی تصریح کی ہے؟

(۲) اگر تصریح نہیں کی تو بطریق لزوم بھی یہ مضمون آپ کی کسی عبارت سے نکل سکتا ہے۔

(۳) آیا ایسا مضمون آپ کی مراد ہے؟

(۴) اگر آپ نے نہ ایسے مضمون کی تصریح فرمائی نہ اشارۃً مفاد عبارت ہے، نہ آپ کی مراد ہے تو ایسے شخص کو جو یہ اعتقاد رکھے یا صراحتاً یا اشارۃً کہے اسے آپ مسلمان سمجھتے ہیں یا کافر؟ بینوا توجروا۔

بندہ محمد مرتضیٰ حسن عفی اللہ عنہ۔

الجواب مشفق مکرم سلمہم اللہ تعالیٰ ... السلام علیکم

آپ کے خط کے جواب میں عرض کرتا ہوں کہ میں نے یہ خبیث مضمون (غیب کی باتوں کا علم جیسا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو ہے ایسا ہر بچہ کو اور ہر پاگل بلکہ ہر جانور اور ہر چار پائے کو حاصل ہے) کسی کتاب میں نہیں لکھا اور لکھنا تو درکنار میرے قلب میں بھی اس مضمون کا کبھی خطرہ نہیں گذرا۔

(۲) میری کسی عبارت سے یہ مضمون لازم نہیں آتا، چنانچہ اخیر میں عرض کروں گا۔

(۳) جب میں اس مضمون کو خبیث سمجھتا ہوں اور میرے دل میں کبھی اس کا خطرہ نہیں گذرا جیسا کہ اوپر معروض ہوا تو میری مراد کیسے ہو سکتا ہے؟

(۴) جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحتاً یا اشارۃً یہ بات کہے میں اس شخص کو خارج از سلام سمجھتا ہوں کہ وہ تکذیب کرتا ہے نصوص قطعیہ کی اور تنقیص کرتا ہے حضور سرور عالم فخر بنی آدم ﷺ کی۔ یہ تو جواب ہوا آپ کے سوالات کا..... الیٰ قولہ..... میرا میرے سب بزرگوں کا عقیدہ اور قول ہمیشہ سے آپ ﷺ کے افضل المخلوقات فی جمیع الکمالات العلمیہ والعملیہ ہونے کے باب میں یہ ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(بسط البنان مع حفظ الایمان ص ۱۰۹)

مولوی نذیر احمد خان رام پوری نے براہین قاطعہ کی عبارات سے غلط مطالب نکال کر ایک خط مع چند اعتراضات سید الطائفہ حضرت شاہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کی خدمت میں روانہ کیا اور اس میں بہت کچھ سب وشتم تکفیر وتضلیل کے الفاظ لکھے۔ ہم یہاں ان میں سے چند اعتراضات اور حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کا جواب موقع کی مناسبت سے نقل کرتے ہیں۔

پہلا اعتراض:

براہین قاطعہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کذب ممکن ہے۔ اس مسئلہ کی وجہ سے کتب الہیہ میں احتمال جھوٹ کا پیدا ہو سکتا ہے، یعنی مخالفین کہہ سکتے ہیں کہ شاید یہ قرآن ہی جھوٹا ہے اور اس کے احکام ہی غلط ہیں، اور براہین قاطعہ کی اس تحریر کی وجہ سے بہت لوگ گمراہ ہو گئے۔

دوسرا اعتراض:

براہین قاطعہ میں رسول اللہ ﷺ کو بشریت میں جملہ مخلوقات کے برابر کہہ کر حضرت ﷺ کو سب کے برابر کر دیا۔ اور ہامان وفرعون بھی اس اعتبار سے آنحضرت ﷺ کے برابر ہو گئے، یہ کفر کی بات ہے۔

تیسرا اعتراض:

براہین قاطعہ میں مجلس میلاد کو بدعت ضلالہ کہا اور فاتحہ اور محفل میلاد کرنے والوں کو ہنود اور روافض لکھا ہے۔ الخ

نقل خط حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ

نحمد اللہ الحلیم القدیر الدیان الذی کشف بمحض فضلہ علی من اصطفیٰ من عبادہ حقائق العلوم والبیان ونصلی ونسلم علی عبادہ الذین اصطفیٰ لا سیما علی اشرف الرسل و الانبیاء سیدنا محمد ن المصطفیٰ و آلہ و صحبہ النجباء الا تقیاء اما بعد۔

از فقیر امداد اللہ چشتی فاروقی عفا اللہ عنہ بخدمت مولوی نذیر احمد خان صاحب بعد سلام تحیۃ الاسلام آنکہ آپ کا خط آیا مضمون سے مطلع ہوا ہر چند کہ بعض وجوہ سے عزم تحریر جواب نہ تھا مگر بغرض اصلاح وتوضیح مطلب براہین قاطعہ بالاختصار کچھ لکھا جاتا ہے، شاید اللہ تعالیٰ نفع پہنچا دے۔ **ان ارید الا الا صلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ۔**

جواب اول:

واضح ہو کہ امکان کذب کے جو معنی آپ نے سمجھے ہیں وہ تو بالاتفاق مردود ہیں یعنی اللہ کی طرف وقوع کذب کا قائل ہونا باطل ہے، اور خلاف ہے نص صریح کی **ومن اصدق من اللہ حدیثاً ... وان اللہ لا یخلف المیعاد ... وغیرھما** آیات کہ وہ ذات پاک مقدس ہے شائبہ نقص وکذب وغیرہ سے رہا خلاف علماء کا جو در بارۂ وقوع یا عدم وقوع خلاف وعید ہے جس کو صاحب براہین قاطعہ نے تحریر کیا ہے وہ دراصل کذب نہیں صورت کذب ہے،

اس کی تحقیق میں طول ہے ..... الحاصل امکان کذب سے مراد دخول کذب تحت قدرۃ باری تعالیٰ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ وعید فرمایا ہے اس کے خلاف پر بھی قادر ہے اگر چہ وقوع اس کا نہ ہو، امکان کو وقوع لازم نہیں، بلکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شی ممکن بالذات ہو اور کسی وجہ خارجی سے اس کو استحالہ لاحق ہوا ہو چنانچہ اہل حق پر مخفی نہیں ..... پس مذہب جمیع محققین اہل اسلام صوفیاء کرام وعلماء عظام کا اس مسئلہ میں یہ ہے کہ کذب داخل تحت قدرت باری تعالیٰ ہے پس جو شبہات آپ نے وقوع کذب پر متفرع کئے تھے وہ مندفع ہو گئے۔ کیونکہ وقوع کا کوئی قائل نہیں ..... الخ۔

محبوب سبحانی حضرت غوث اعظم شاہ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے بھی اسی طرح تحریر فرمایا ہے ملاحظہ ہو ..... **الطاعة عمل الجنة. والمعصية عمل النار. وبعد ذلك الا مراليه ان شاء اثاب واحداً منا بغير عمل. فذاك اليه. فعال لما يريد. لا يسئل عما يفعل وهم يسئالون. لوادخل واحداً من الانبياء والصالحين النار كان عادلا وكان ذلك الحجة البالغة. يجب علينا ان نقول صدق الا مير. ولا نقول لم وكيف. هذا يجوز ان يكون ولو كان كان عن عدل وحق. وهو شئى لا يكون ولا يفعل شيئاً من ذلك.**

یعنی۔ جنت (حاصل ہونے) کا عمل تو طاعت ہی ہے اور دوزخ کا عمل معصیت۔ اس کے بعد اختیار خدا کو ہے کہ اگر چاہے تو عمل کے بغیر ہی کسی کو ثواب دے دے اور چاہے تو عمل کے بغیر کسی کو عذاب دے۔ وہ مالک ومختار ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس کے کئے کی اس سے باز پرس نہیں ہو سکتی، اور دوسروں سے باز پرس ہوگی، اگر وہ انبیاء اور صالحین میں سے کسی کو دوزخ میں ڈال دے تب بھی وہ عادل ہی رہے گا اور یہ حجت بالغہ ہوگی (کہ مالک اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے) ہمارے اوپر واجب ہے کہ یوں کہیں کہ حاکم بہر حال سچا ہے اور ہم چون و چرا نہیں کر سکتے۔ ایسا ہونا (کہ حق تعالیٰ مستحق جنت کو دوزخ میں ڈال دے) امکان اور جواز کے درجہ میں ضرور داخل ہے اور اگر ایسا ہو تو عین انصاف اور حق ہوگا (ظلم یا کذب نہ ہوگا) البتہ یہ ایسی بات ہے کہ وقوع میں نہ آئے گی اور وہ ایسی بات کرے گا نہیں (الفتح الربانی ص ۲۷۴ مجلس نمبر ۶۱)

نیز فرماتے ہیں۔ **وذلك لان الله عزوجل لا يجب عليه لا حد حق ولا يلزمه الوفاء بالعهد - الخ**

یعنی یہ بات اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق واجب نہیں اور نہ کسی وعدہ کو پورا کرنا لازم ہے بلکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جس پر چاہتا ہے عذاب کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے جس پر چاہتا ہے رحم کرتا ہے جسے چاہے نعمت دیتا ہے جو ارادہ کرتا ہے کر کے رہتا ہے جو کرتا ہے اس سے اس کی باز پرس نہیں ہو سکتی ہے اور بندوں سے باز پرس ہوتی ہے۔
(فتوح الغیب ص ۱۶۷ مقالہ نمبر ۶۸)

جواب ثانی:

علی ہذا رسول اللہ ﷺ کا بشریت میں شریک ومثل ہونا جملہ بشر کے بنص قرآنی ثابت ہے اس کا انکار نص کا انکار ہے مگر ایک وصف میں مثل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جمیع اوصاف میں مثل ہوا کریں، سو برابری کا دعویٰ کوئی نہیں کرتا، خود براہین قاطعہ میں آیت انما انا بشر مثلکم کی شرح کے بعد صاف لکھ دیا ہے کہ جملہ یوحی الی

سے حومرتبہ آنحضرت ﷺ اور امتیاز معلوم ہوگیا ،شاید آپ نے براہین کی اگلی عبارت کو بنظر انصاف نہیں دیکھا اس لئے تکفیر علماء وصلحاء پر مبادرت کر کے اپنا خیال نہ کیا۔ یہ طعن تو در پردہ خودسرور کائنات بلکہ خالق موجودات تک پہنچتا ہے۔ کیونکہ انما انا بشر مثلکم کے اظہار و بیان کا ارشاد رسول اللہ ﷺ کو جناب باری جل وعلیٰ کی طرف سے ہوا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الا بصار.

جواب ثالث:

اسی طرح صاحب براہین قاطعہ نے نفس ذکر میلاد کو بدعۃ ضلالہ نہیں کہا قیودات زائدہ محرمہ مکروہہ کو کہا ہے اور نہ نفس ذکر و قیام کرنے والوں کو ہنود و روافض کہا بلکہ عقیدۂ باطلہ پر تحکم حرمۃ ومشابہۃ روافض و ہنود کا لگایا ہے۔ چنانچہ خود فتویٰ جناب مولوی احمد علی صاحب مرحوم اور مولوی رشید احمد صاحب سلمہ میں یہ امر مصرح موجود ہے کہ نفس ذکر میلاد کو وہ باعث حسنات و برکات لکھتے ہیں اور براہین قاطعہ میں مکرر اس کو ظاہر کیا ہے۔ انصاف شرط ہے۔

(از فسانہ عبرت ص ۵۶ تا ص ۵۹ مصنفہ جناب مولانا مولوی مشتاق احمد صاحب چرتھاولی)

رہا یہ دعویٰ کہ عرب کے علماء نے بھی ان حضرات کی تکفیر کی ہے تو اس کے متعلق عرض ہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے علماء دیوبند کی جن جن کتابوں کے حوالے سے رسالہ مرتب کر کے علماء عرب کے سامنے پیش کیا تھا وہ سب کتابیں (مثلاً تحذیر الناس ، براہین قاطعہ ،حفظ الایمان) اردو میں تھیں اور علماء عرب اردو نہیں جانتے تھے جیسا کہ خود ان علماء عرب نے جب علماء دیو بند پر چھبیس ۲۶ سوالات بھیجے تو اس کے شروع میں لکھا ہے۔

ایھا العلماء الکرام والجھابذۃ العظام قد نسبہ الی ساحتکم الکریمۃ اناس عقائد الوھابیۃ واتوا باوراق ورسائل لا نعرف معانیھا لا ختلاف اللسان فنر جوا ان تخبرو نا بحقیقۃ الحال ومرادات المقال، یعنی اے علماء کرام اور سرداران عظام تمہاری جانب چند لوگوں نے وہابی عقائد کی نسبت کی اور چند اوراق اور رسالے ایسے لائے جن کا مطلب غیر زبان ہونے کے سبب ہم نہیں سمجھ سکے اس لئے امید کرتے ہیں کہ ہمیں حقیقت حال سے مطلع کرو گے۔ (التصدیقات لدفع التلبیسات ص ۸)

علماء عرب کی اس عبارت سے معلوم ہوگیا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اپنے طور پر جو کچھ مرتب کر کے ان کے سامنے پیش کیا ان علماء نے خاں صاحب پر اعتماد کر کے اس کی تصدیق کر دی لیکن جب ان علماء عرب کے سامنے اصل حقیقت پیش ہوئی تو وہ سخت نادم ہوئے اور اپنے فتووں سے رجوع کیا اور علماء دیو بند پر چھبیس ۲۶ سوالات لکھ کر بھیجے جن کے جوابات محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ (مصنف بذل المجہود شرح ابی داؤد) نے لکھے اور اس زمانہ میں ہندوستان کے اکابر علماء نے ان جوابات کی تصدیق کی اور لکھا کہ ہمارے یہی عقائد ہیں۔ وہ جوابات علماء حرمین شریفین (زادہما اللہ عزاً وکرامۃً) اور دیگر علماء عرب کے سامنے پیش ہوئے تو ان حضرات نے جوابات ملاحظہ کر کے ان جوابات کی تصدیق اور علماء دیو بند کو صحیح العقیدہ بتایا ، چنانچہ ان جوابات کی تصدیق کرتے ہوئے کسی نے لکھا" جو کچھ مولانا خلیل احمد صاحب نے لکھا ہے وہ صحیح ہے اس میں شک نہیں ہے" تو کسی نے لکھا" کہ جو کچھ اس میں ہے اس کو بالکل مذہب اہل سنت کے مطابق پایا اور کسی مسئلہ میں گفتگو کی

گنجائش نہ پائی۔“

یہ چھبیس ۲۶ سوالات اوران کے جوابات اورعرب علماء کی تصدیقات اردو ترجمہ کے ساتھ طبع ہو چکے ہے جس کا نام ”المھند علی المفند معروف بہ ”التصدیقات لدفع التلبیسات“ ہے۔

تفصیل دیکھنا ہوتو مذکورہ رسالہ کا مطالعہ کیا جائے۔

موقع کی مناسبت سے شیخ العرب والعجم مولانا حاجی شاہ امداداللہ چشتی فاروقی مہاجر مکی قدس سرہٗ العزیز کا والا نامہ ملاحظہ ہو (حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کو رضا خانی بھی اپنا بڑا مانتے ہیں، چنانچہ رضا خوانی مولوی عبدالسمیع ساکن رامپور ضلع سہارنپور نے اپنی کتاب ’انوار ساطعہ‘‘ کے صفحہ نمبر ۴ پر حاجی صاحبؒ کے متعلق یہ القاب لکھے ہیں۔ جناب مرشدی ومولائی حضرت حاجی شاہ امداد اللہ عم فیوضہ، حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے اس مکتوب گرامی سے ان بزرگان دین کی حقانیت وعلومرتبت وعاشق رسول ہونے پر پورے طریقہ سے روشنی پڑتی ہے۔)

نقل والا نامہ عنبر شمامہ اعلیٰ حضرت مرشد العرب والعجم مولانا المحترم الحاج الحافظ امداد اللہ شاہ فاروقی مہاجر مکی قدس سرہٗ

بسم اللہ الرحمن الرحیم . نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ازفقیر امداداللہ چشتی۔ بخدمت محبان عموماً۔ ان دنوں بعض خطوط ہندوستان سے اس فقیر کے پاس آئے اس میں یہ تحریر تھا کہ مولوی رشید احمد صاحب کے ساتھ بعض لوگ سوءظن رکھتے ہیں کہ ہم مولوی صاحب کو کیسا سمجھیں، لہذا فقیر کی جانب سے مشتہر کرادو کہ مولوی رشید احمد صاحب عالم ربانی اور فاضل حقانی ہیں، سلف صالحین کا نمونہ ہیں جامع بین الشریعت والطریقت ہیں شب وروز خدا اوراس کے رسول کی رضامندی میں مشغول رہتے ہیں، حدیث پڑھانے کا شغل رکھتے ہیں مولانا مولوی اسحاق صاحب کے بعد میں اس قسم کا فیض علم دین کا مولوی صاحب سے جاری ہوا ہے، ہندوستان میں مولوی صاحب فرد واحد ہیں، مسائل مشکلہ کی عقدہ کشائی مولوی صاحب سے ہوتی ہے، ہر سال میں پچاس آدمی کے قریب علم حدیث پڑھ کران سے سند لیتے ہیں، اتباع سنت رسول اللہ ﷺ میں محو ہیں محبت رسول کریم ﷺ اور عشق خداوندی میں مستغرق ہیں، حق گو ہیں لا یخافون لومۃ لائم کے مصداق ہیں، خدا کے اوپر پورے طور سے توکل رکھتے ہیں، بدعات سے پورے طور سے مجتنب ہیں، اشاعۃ سنت ان کا پیشہ ہے بدعقیدوں کو خوش عقیدہ بنانا ان کا حرفہ ہے، ان کی صحبت اہل اسلام کے واسطے کیمیا اور اکسیر اعظم ہے، ان کے پاس بیٹھنے سے اللہ یاد آتا ہے، یہی اللہ والوں کی علامت ہے، متقی اورتارک الدنیا ہیں، راغب الی الآخرت ہیں، تصوف اور سلوک میں کامل ہے امیر وغریب ان کے نزدیک یکساں ہیں سب کی طرف توجہ برابر ہے لاطمع ہیں فقیر نے جو کچھ ان کی ثناء میں ضیاء القلوب میں تحریر کیا ہے وہ حق ہے۔

(ضیاء القلوب کی عبارت یہ ہے:۔ مولوی رشید احمد صاحب ومولوی محمد قاسم صاحب سلمہ را کہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری وباطنی اند بجائے من فقیر راقم اوراق بلکہ بمدارج فوق ازمن شمارند، اگرچہ بظاہر معاملہ برعکس شد کہ

اوشان بجائے من ومن بمقام اوشان وصحبت اوشان راغنیمت دانند کہ ایں چنیں کساں دریں زماں نایاب اند......
یعنی...... مولوی رشید احمد صاحب سلمہ اور مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ جو کمالات علوم ظاہری و باطنی کے جامع ہیں مراتب میں ان کو مجھ سے بڑھ کر سمجھیں، اگر چہ بظاہر معاملہ الٹا ہو گیا کہ وہ میری جگہ اور میں ان کی جگہ ہو گیا (یعنی وہ میرے مرشد ہوتے برعکس میں ان کا مرشد ہو گیا) ایسی شخصیتیں اس زمانہ میں نایاب ہیں، ان کی صحبت کو غنیمت سمجھیں ۔ضیاء القلوب ص ۶۰)

اور اب فقیر کا حسن ظن اور محبت بہ نسبت پہلے کے ان کے ساتھ بہت زیادہ ہے فقیر ان کو اپنے واسطے ذریعہ نجات کا سمجھتا ہے۔ میں صاف کہتا ہوں کہ جو شخص مولوی صاحب کو برا کہتا ہے وہ میرا دل دکھاتا ہے، میرے دو بازوں ہیں ایک مولوی محمد قاسم مرحوم دوسرے مولوی رشید احمد صاحب ایک، جو باقی ہے اس کو بھی نظر لگاتے ہیں۔ میرا اور مولوی صاحب کا ایک عقیدہ ہے میں بھی بدعات کو برا سمجھتا ہوں جو مولوی صاحب کا امور دینیہ میں مخالف ہے وہ میرا مخالف ہے اور خدا اور رسول کا مخالف ہے، اور بعض جہلا جو کہہ دیتے ہیں کہ شریعت اور ہے طریقت اور ہے محض ان کی کم فہمی ہے طریقت بغیر شریعت خدا کے گھر مقبول نہیں۔ صفائی قلب کفار کو بھی حاصل ہو جاتی ہے، قلب کا حال مثل آئینہ کے ہے آئینہ زنگ آلودہ ہے تو پیشاب سے بھی صاف ہو جاتا ہے اور گلاب سے بھی صاف ہو جاتا ہے لیکن فرق نجاست اور طہارت کا ہے۔ ولی اللہ کے پہچاننے کے واسطے اتباع سنت کسوٹی ہے جو متبع سنت ہے وہ اللہ کا دوست ہے اور اگر مبتدع ہے تو محض بیہودہ ہے خرق عادات تو دجال سے بھی بہت ہوں گی خداتعالیٰ فرماتا ہے **قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی** جو رسول اللہ ﷺ کا پیرو نہ ہووے اور مروج بدعات ہووے وہ خدا کا دوست نہیں ہو سکتا اس فقیر سے جو اہل علم محبت رکھتے ہیں یہ امر باعث اتباع سنت کے ہے کسی کی مخالفت سے مولوی صاحب کا نقصان نہیں۔ ع

آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

مولوی صاحب وہ شخص ہیں کہ خواص کو چاہئے کہ ان کی صحبت سے مستفید ہوں اور ان کی صحبت کو خیر کثیر سمجھیں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ مولوی صاحب کی نسبت مجھے کوئی کلمہ بے ادبی کا نہ سناوے اور نہ تحریر کرے، مجھ کو ان امور سے سخت ایذاء ہوتی ہے، عجب بات ہے کہ میرے لخت جگر کو ایذاء پہنچاویں اور اپنے آپ کو میرا دوست سمجھیں ہرگز نہیں، مولوی صاحب پکے حنفی المذہب، صوفی المشرب باخدا ولی کامل ہیں ان کی زیارت کو غنیمت سمجھیں۔

مہر حاجی امداد اللہ مکہ معظمہ ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ
امداد اللہ فاروقی۔
(از الشہاب الثاقب)
(فیصلہ خصومات ص ۴۴، ص ۴۵، ص ۴۶) (براءۃ الابرار ص ۴۷۳، ص ۴۷۵)

موقع کی مناسبت سے دارالعلوم دیو بند کے سابق مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی رحمہ اللہ کا فتویٰ اور اس فتویٰ پر محدث کبیر علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی تصدیق اور دیگر علماء کبار کی تحریر ملاحظہ کیجئے۔

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین وہادیان شرع متین اس بارے میں کہ جو شخص ان بزرگان دین کو کہ جن کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں (نعوذ باللہ منہ) وہابی یا کافر بتلادے تو اس شخص کو کافر کہنا یا اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا بالکتاب وتوجروا یوم الحساب۔ فقط۔

عاصی محمد نور الحق عباسی امروہوی
ملازم محکمۂ پیمائش خاص ضلع ہزاری باغ محلہ پٹم بازار
مورخہ ۶ مئی ۱۹۱۷ء

(۱) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ۔
(۲) جناب مولانا سید احمد صاحب شہیدؒ۔
(۳) جناب مولانا امانت اللہ صاحب غازی پوریؒ۔
(۴) جناب مولانا عبد الحیٔ صاحب لکھنویؒ۔
(۵) جناب مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ۔
(۶) جناب مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ۔
(۷) جناب مولانا محمد اسحاق صاحب دہلوی مہاجر مدنیؒ۔
(۸) جناب مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھیؒ مفتی ہائی کورٹ حیدرآباد دکن۔
(۹) جناب مولانا محمد اسمعیل صاحب شہید دہلویؒ۔
(۱۰) جناب مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ۔
(۱۱) جناب مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہیؒ۔
(۱۲) جناب مولانا خلیل احمد صاحب انبہٹیؒ۔
(۱۳) شمس العلماء مولانا عبد الحق صاحب حقانیؒ سابق ہیڈ مولوی مدرسہ عالیہ کلکتہ۔
(۱۴) شمس العلماء جناب مولانا عبد الوہاب صاحب بہاریؒ پروفیسر مدرسہ عالیہ کلکتہ۔
(۱۵) جناب مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ۔
(۱۶) جناب مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواریؒ۔
(۱۷) جناب مولانا ظہیر احسن صاحب محدث نیموی ضلع پٹنہ۔
(۱۸) جناب مولانا سید محمد مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوریؒ ضلع بجنور۔

الجواب

حدیث شریف میں ہے **من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب . او کما قال صلی الله علیه وسلم** یعنی جس نے میرے دوست اور ولی سے دشمنی کی اس کو میں اطلاع دیتا ہوں اپنی لڑائی کی۔ یعنی اس کا مقابلہ مجھ

ست ہے، پس ظاہر ہے کہ جس مردود کا مقابلہ اللہ ورسول سے ہوا اس کا کہاں ٹھکانہ ہے سوائے جہنم کے ... وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام سباب المسلم فسوق وقتاله كفر الحديث. پس ایسے مردود کے پیچھے جو علماء ربانیین اور اولیاء اللہ کی توہین کرے اور ان کو کافر کہے نماز درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مہر۔ کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند ۵۔ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ۔

(۲) تحریر شریف عمدۃ الفقہاء واسوۃ الاصفیاء جناب مولانا علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری محدث دارالعلوم دیوبند۔

(الجواب صواب) اس شخص کو جو سوال میں مذکور ہے خود خوف کفر ہے۔ اور انشاء اللہ دنیا سے بے ایمان جائے گا۔ فقط۔

محمد انور عفا اللہ عنہ مدرس دارالعلوم دیوبند۔

(۳) تحریر منیف شمس فلک الشریعت و بدر سماء الطریقت حضرت مولانا الاجل مولوی حافظ سید غلام محی الدین صاحب پشاوری رحمۃ اللہ علیہ۔

ان حضرات پر کلمہ کافر کا کہنا خود اسی پر عائد ہوتا ہے، توبہ کرے، بدون توبہ کے نماز اس کے پیچھے جائز نہیں، اس لئے کہ ان حضرات کی تصدیق جناب علماء حرمین شریفین کے یہاں سے ہوکر آئی ہے کہ نہ کافر ہیں نہ بدعتی ہیں نہ غیر مقلد۔ فقط حررہ العبد الراجی غلام محی الدین عفی عنہ۔

(۴) تحریر شریف فاضل عصر کامل دہر خزانہ فہوم جناب مخدوم حاجی عبداللہ صاحب جہلمی رحمۃ اللہ علیہ۔

اگر کوئی ان بزرگوار مذکورہ صاحبان کو کافر کہے، یا کہ بدگمانی کرے وہ مسلمان نہیں بلکہ خود کافر اور مرتد اور زندیق ہے۔

از دستخط مخدوم حاجی عبداللہ سکنہ دولت ضلع جہلم۔

(۵) تصدیق انیق سید الصلحاء امام الفضلاء حضرت میر عبداللہ بادشاہ خراسانی رحمۃ اللہ علیہ۔

اگر ہر کسی ایں علمائے دین را حرف سب وکذب بگوید بقرار مر کتاب اللہ خود آناں شخص کافر و مرتد می باشد۔ فقط۔

(۶) تحریر شریف قدوۃ العارفین زبدۃ السالکین ہادی راہ طریقت واقف رموز حقیقت جناب مولانا محمد بدر الدین شاہ صاحب پھلواروی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلام مسنون! سلام کی بعد واضح ہو کہ اس سوال میں جتنے لوگوں کا نام لکھا ہوا ہے اور ان کی نسبت میرا خیال اور میری سمجھ سے سوال کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ میں ان میں سے کسی کو بھی کافر نہیں جانتا، خاص کر شیخ احمد سرہندی کابلی مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ کو تو اولیاء اللہ میں بڑے عالی درجہ کا ولی سمجھتا ہوں اور ایک میں ہی نہیں، ہندوستان سے لے کر عرب، مصر، شام وروم تک لاکھوں آدمی ان کی ولایت کے قائل ہیں، یہ بزرگ علوم دین میں عالم متبحر سنت نبوی کے رواج دینے والے، بدعات کو دور کرنے والے تھے، ان کے بعد کثیر اولیاء اللہ نے جو دوسرے

طریقوں کے تھے ان کی ولایت کو تسلیم کیا ہے، تو ان کو کافر کہنے والا مرنے تک اپنے اس قول سے توبہ نہ کرے تو اس کے خاتمہ خراب ہونے کا خوف ہے۔

علماء اسلام دینی مسائل میں صحیح جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں، گو بمقتضائے بشریت کبھی کبھی ان سے اس میں خطا ہو جاتی ہے، اس سوال میں جتنے لوگوں کا نام لکھا گیا ہے ان سے بھی مسائل کے جواب میں کبھی کبھی لغزشیں ضرور ہوئی ہیں کیونکہ ان میں سے کوئی معصوم نہیں لیکن ان لغزشوں کے سبب سے میں انہیں اہل ایمان کے زمرہ سے خارج نہیں کرتا، اور کافر نہیں جانتا، اور ان سے بغض نہیں رکھتا ہوں، بلکہ میں دعاء کرتا ہوں۔ ربنا اغفرلنا ولا خوانناالذين سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤف رحیم.

رقمه العبد المسکین محمد بدر الدین القادری الفلواروی عفا اللہ تعالیٰ عنہ ۲۷. شعبان دو شنبہ ۱۳۳۵ھ.

(۷) الجواب:۔ جامع علوم نقلیہ مجمع فنون عقلیہ، حامی سنت بیضاء، ماحیٔ بدعت ظلماء مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کلکتہ علیہ الرحمہ۔

ان بزرگان دین کو اگر وہ شخص بلا تاویل کافر کہتا ہے تو وہ خود کافر ہے اور جو اس کو کافر نہ کہے بلکہ اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

(ماخوذ از غلبۃ الحق مطبوعہ پبلک پریس مراد آباد ۱۳۳۶ھ) (بحوالہ رضاخانی مذہب ص ۲۱۹ تا ص ۲۲۴)

مزید ایک اور فتویٰ عارف باللہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند جو دیگر اکابر علماء کے جوابات وتصدیقات پر مشتمل ہے پیش کیا جاتا ہے، یہ فتویٰ اس زمانہ میں رسالہ کی صورت میں بھی شائع ہو چکا ہے جس کا نام "الختم علی لسان الخصم" ہے اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے اسی رسالہ سے جوابات وتصدیقات نقل کئے جاتے ہیں، جس کو تفصیل دیکھنا ہو وہ مذکورہ رسالہ کا مطالعہ کرے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باسمہ تعالیٰ حامداً ومصلیا ومسلما:۔ کیا فرماتے ہیں حضرات علماء دیوبند مدرسین مدرسہ عالیہ دیوبند وتلامذہ ومعتقدین حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ العزیز حجۃ اللہ فی الارض فخر الاسلام والمسلمین وحضرت مولانا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ العزیز رشید الحق والملۃ والدین امور مفصلہ ذیل میں۔

(۱) مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا نانوتوی قدست اسرارہم نے تحذیر الناس میں سرور عالم ﷺ کے ختم زمانی کا انکار فرمایا ہے۔

(۲) خان صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدست اسرارہم اللہ تعالیٰ کے کذب بالفعل کو جائز کہتے ہیں اور معاذ اللہ جو خدا کو جھوٹا کہے اور اس عیب کا صدور اس سے جائز کہے وہ کافر و فاسق نہیں۔

(۳) نیز خاں صاحب مولانا خلیل احمد صاحب کی نسبت فرماتے ہیں کہ انہوں نے براہین قاطعہ میں تصریح کی کہ ابلیس کا علم رسول اللہ ﷺ کے علم سے زیادہ ہے۔

(۴) خاں صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ جناب مولانا مولوی اشرف علی صاحب دامت برکاتہم نے حفظ الایمان میں تصریح کی ہے کہ جیسا علم غیب رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے ایسا تو ہر بچہ اور ہر پاگل بلکہ ہر جانور کو حاصل ہے اور ان تمام مضامین کو حسام الحرمین میں لکھا ہے اور علمائے حرمین شریفین سے تکفیر کا فتویٰ حاصل کیا ہے۔ اب امور ذیل دریافت طلب ہیں۔

(۵) آیا امور مذکورہ واقعی حضرات موصوفین نے صراحۃً یا اشارۃً بیان فرمائے ہیں، اگر بیان نہیں فرمائے تو آپ حضرات کا ان امور کی نسبت کیا اعتقاد ہے، جو شخص ایسا اعتقاد رکھے وہ آپ حضرات کے اور آپ کے اساتذہ کرام کے نزدیک کیسا شخص ہے، صاف صاف بیان فرمایئے تاکہ حق واضح ہو جائے۔

(۶) جن عبارات کو خان صاحب نقل فرما کر ان مضامین مذکورہ کی صراحت کا دعویٰ فرماتے ہیں وہ مضامین ان عبارات سے اگر صراحۃً نہیں تو لزوماً بھی نکل سکتے ہیں یا نہیں؟

(۷) اگر لزوماً بھی ان عبارات کا مفاد وہ مضامین کفریہ نہیں ہیں تو کسی اور جگہ ان مضامین کو صراحۃً یا ضمناً بیان کیا ہے، بینوا توجروا۔

حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ نے ان سوالات کے جوابات بہت تفصیل سے بیان فرمائے ہیں، اور جواب ختم کرتے ہوئے ان سوالات کا نمبروار اختصار کے ساتھ بھی جواب تحریر فرمایا ہے، یہاں اسی کے نقل پر اکتفاء کیا جاتا ہے، آپ تحریر فرماتے ہیں۔

''اب ہم کو امور مستفسرہ کے متعلق کچھ عرض کرنے کی حاجت نہیں رہی مگر بغرض توضیح و تحقیق ہر سوال کے متعلق نمبروار صداقت و ایمانداری سے کچھ عرض کئے دیتے ہیں۔

(۱) تحذیر الناس میں ختم زمانی کا انکار کہیں نہیں کیا بلکہ اس کا ثبوت مدلل تحذیر الناس اور دیگر تحریرات حضرت مولانا قدس سرہ میں بوضاحت موجود ہے اور منکر ختم زمانی کو کافر کہا ہے۔

(۲) حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کا کوئی فتویٰ ایسا نہیں جس میں کذب بالفعل باری تعالیٰ نعوذ باللہ واقع یا ممکن الوقوع فرمایا ہے بلکہ ایسے عقیدہ کو اپنے فتویٰ میں صریح کفر تحریر فرمایا ہے، مطلب یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا جھوٹ بولنا محال ہے۔

(۳) مولانا خلیل احمد صاحب نے ہرگز ہرگز اس کی تصریح نہیں فرمائی کہ علم ابلیس نعوذ باللہ حضرت رسول کریم ﷺ سے زیادہ اور بڑھ کر ہے اور نہ ان کا یہ عقیدہ ہے ایسے عقیدہ کو مولانا مسلمہ باطل اور کفر فرماتے ہیں۔

(۴) مولانا اشرف علی صاحب نے یہ مضمون صریح غلط اور کفر کسی تحریر میں نہیں لکھا کہ نعوذ باللہ آپ کا علم غیب بچہ اور پاگل بلکہ ہر جانور کے برابر ہے ایسے مضامین علماء حرمین شریفین کو لکھنا اور فتویٰ حاصل کرنا سخت بے حیائی اور سراسر افتراء ہے۔

(۵) یہ مضامین کاذبہ کفریہ حضرات موصوفین نے کسی کتاب میں صراحۃً یا اشارۃً کبھی ہرگز بیان نہیں فرمائے جو ایسا عقیدہ رکھے وہ ہمارے بزرگوں کے اعتقاد میں ضال مُضل معلون کافر زندیق ملحد اور اس شیطان کا بھی استاد ہے جو اکابر دین اور اولیاء اللہ کی تکفیر کا ولدادہ ہو۔

(۶) جن عبارات سے مجدد البدعات اپنے مضامین افتراء اور اختراع کردہ کو بالتصریح ثابت کہتے ہیں ان سے اشارۃً اور لزوماً بھی قیامت تک وہ مضامین اہل فہم وانصاف کے نزدیک ثابت نہیں ہو سکتے۔
(اگر تفصیل منظور ہو تو السحاب المدرار فی توضیح اقوال الا خیار اور توضیح البیان فی حفظ الایمان ملاحظہ کی جائے، اس میں نہایت وضاحت سے ان عبارات کا مطلب بیان کیا گیا ہے۔۱۲)
(۷) ان مضامین مستفسرہ کفریہ کا اثر نہ تحریرات مسئولہ میں ہے اور نہ ان حضرات کی تحریرات باقیہ اور دیگر تالیفات میں کہیں پتہ اور نشان صراحۃً یا ضمناً اصالۃً یا تبعاً کہیں ایسے مضامین خبیثہ کا کسی تقریر وتحریر میں اصلاً اثر نہیں اور نہ ان کے اتباع میں ان صریح کفریات کا کوئی معتقد۔ ان حضرات پر ایسے لغویات کا افتراء اس قدر بے اصل اور جھوٹ ہے کہ نادان جاہل معتقدین بریلوی کو تو میں نہیں کہہ سکتا مگر بریلوی خان صاحب بھی خوب جانتے ہیں کہ یہ یاروں کی کارسازی ہے جس کی اصل کچھ بھی نہیں ہے جس کا نتیجہ انشاء اللہ دنیا میں ناکامیابی اور آخرت میں خسران ہے اعاذنا اللہ والمسلمین من ذلک واللہ تعالیٰ ھو الموفق والمعین.
بالجملہ ہمارے اکابر پر اور ہم پر اہل بدعات کے یہ وہ اتہامات ہیں جن سے ہم بفضلہ تعالیٰ بالکل بری ہیں......الخ۔

کتبہ بندہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ عالیہ دیوبند۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ کی تصدیق

''جن حضرات اربعہ کے متعلق یہ استفسارات ہیں بندہ بحمد اللہ ان حضرات کے علم وعقائد واقوال اور حالات سے پورا واقف ہے اور بلاواسطہ ان حضرات کے مقالات وحالات کو بکثرت سنا اور دیکھا ہے مجھ کو پورا یقین اور اطمینان ہے کہ جو اباطیل ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں وہ اس قدر بے اصل ہیں کہ مفتری کا تو ذکر کیا ہے ان امور کی تصدیق کرنے والوں پر بھی مجھ کو سوء عاقبت کا اندیشہ ہے۔ اعاذنا اللہ والمسلمین من ذلک ان حضرات کے علماً وعملاً اور متبع سنت اور اہل حق ہونے میں ادنی تأمل اہل ایمان اور اہل انصاف کا کام نہیں جو حضرات ان میں سے موجود ہیں ان کو دیکھ لو اور جس کی چاہو تالیفات ملاحظہ فرمالو انشاء اللہ ناواقفیت سے جو بھی کسی کو خلجان ہوگا وہ جاتا رہے گا اس لئے بندہ اس فتویٰ کی لفظاً لفظاً تصدیق کرتا ہے۔''

بندہ محمود عفی عنہ مدرس اول مدرسہ عالیہ دیوبند۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ مہتمم دار العلوم دیوبند کی تصدیق

خدائے ذوالجلال کو شاہد بنا کر عرض کرتا ہوں کہ ہمارے موجودہ اکابر واصاغر وحضرت والد ماجد فخر الاسلام والمسلمین مولانا مولوی الحاج الحافظ محمد قاسم نانوتوی وحضرت رشید الاسلام والمسلمین استاذ نا ومرشدنا مولانا مولوی الحاج رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہما اور جس قدر مدرسین ومنتظمین وممبران مدرسہ عالیہ دیوبند ہیں سب کے یہی عقائد ہیں، جو فتویٰ میں مذکور ہوئے، ہمارے مخالفین نے جو ہم پر بلاوجہ بہتان بندی فرمائی ہے اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت فرماوے اور جن عبارات تحذیر الناس وبراہین قاطعہ وحفظ الایمان کی نسبت خان صاحب بریلوی نے افتراء کیا ہے ان کا صحیح

مطلب رسالہ السحاب المدرار فی توضیح اقوال الاخیار، وتوضیح البیان فی حفظ الایمان میں ملاحظہ فرمائیں۔

محمد احمد مہتمم مدرسہ عالیہ دیوبند ابن حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ العزیز۔

''ہمارا اور ہمارے بزرگوں کا یہی اعتقاد ہے''

محمد مسعود احمد عفی عنہ ابن حضرت مولانا مولوی رشید احمد صاحب قدس سرہٗ العزیز گنگوہی۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی کا بیان

کفیٰ باللہ شہیدا کہ ہم نہ غیر مقلد نہ وہابی نہ بزرگوں کی عظمت کے منکر نہ خدائے ذوالجلال کے جھوٹ کو معاذ اللہ تعالیٰ ممکن الوقوع کہیں، نہ سرور عالم ﷺ کے علم وفضل میں کسی مخلوق کو مساوی کہنے والے بلکہ حضور صلعم کو خاتم زمانی کے ساتھ خاتم جملہ کمالات بشریہ کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اہل اسلام ہماری جانب سے بالکل مطمئن ہو جائیں مدرسہ عالیہ دیوبند کے جملہ منتظمین ومدرسین اصولاً وفروعاً بفضلہٖ تعالیٰ حنفی ہیں۔ خان بریلوی نے خلاف علم ودیانت جن عبارات کا غلط مطلب بیان کر کے خلقت کو گمراہ کیا ہے ان کا صحیح مطلب السحاب المدرار اور توضیح البیان میں ملاحظہ فرمائیں، ان رسائل کے مطالعہ کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ ہر طالب حق کے اطمینان کی امید ہے واللہ تم ھوالھادی الی الصواب۔ احقر حبیب الرحمٰن عفی عنہ مددگار مہتمم مدرسہ عالیہ دیوبند۔

حضرت مولانا محمد مرتضیٰ حسن چاندپوری کی تصدیق

بندہ نے خان بریلوی کے تمام الزامات کو بغور دیکھا ان کی بنا محض نفسانیت پر پائی، چنانچہ عبارات منقولہ تحذیر الناس ومناظرہ عجیبہ سے ظاہر ہے اس کے علاوہ قبلہ نما جو ۱۲۹۵ھ میں تحریر ہوا گویا حضرت مولانا نانوتوی مرحوم ومغفور کی آخر التصانیف ہے اس کی بھی چند عبارتیں نقل کرتا ہوں جن سے ختم زمانی صراحۃً ثابت ہوتی ہے الیٰ قولہ......

بالجملہ اہل اسلام بالکل مطمئن ہو جاویں کہ خان صاحب اور اہل بدعت نے جو اتہامات اکابر اہل سنت دیوبند کی طرف منسوب کیے ہیں بالکل بے اصل اور لغو ہیں، علمائے دیوبند سچے اور پکے حنفی ہیں، بزرگان دین کے ماننے والے ہی نہیں بلکہ خود بفضلہٖ تعالیٰ بزرگ اور اولیاء کبار میں داخل اور سلاسل اولیاء میں شامل ہیں بلکہ خود صاحب سلسلہ ہیں یہاں جیسے سلسلہ علم ظاہری ہے، الحمد للہ تعالیٰ کہ تعلیم باطنی کا فیض بھی ویسے ہی جاری ہے......الخ۔

محمد مرتضیٰ حسن عفی عنہ

ابن شیر خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

خادم الطلباء دارالعلوم دیوبند ادامہ اللہ تعالیٰ

شیخ الاسلام پاکستان حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کا بیان

بندۂ ہیچمدان نے بحمد اللہ ان حضرات قدسی صفات کی تصانیف کا بکرات ومرات مطالعہ کیا اور جہاں تک

فہم نے یارائی دی میں نے ان کو خوب سمجھنے کی کوشش کی ادھر مخالفین کے اعتراضات بھی بغور دیکھے اور سنے لیکن خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ان حضرات کے دامن تقدس کو ان خرافات سے پاک پایا جوان کی طرف منسوب کئے گئے ہیں اور جس قدر مخالفین کی نکتہ چینیاں سنیں اسی قدر اپنے حضرات سے عقیدت بڑھتی گئی چنانچہ (بحوال اللہ وقوتہ) بندہ اپنے دائرۂ فہم کے موافق ان مضامین کا مطلب بتلانے کے واسطے ہر شخص کے مواجہ تیار ہے جن کو مخالفین نے اپنی سفاہت سے مخدوش ٹھہرایا ہے، یہ عجیب بات ہے کہ ان حضرات کی نسبت جس طرح کی بہتان بندیاں کی گئی ہیں ان سے پہلے بھی اسی طرح کے لغو عقائد حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور امام عبدالوہاب شعرانی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق حاسدوں نے مشہور کئے ہیں جن کا دھندلا سا نشان کتاب الیواقیت والجواہر وغیرہ میں مل سکتا ہے، لیکن خدا کا شکر ہے کہ نہ ان کو اس قسم کے حملوں سے کچھ گزند پہنچ سکا، اور نہ ہمارے اکابر کو، فنعم الوفاق واللہ الموفق۔ شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ مدرس دارالعلوم دیوبند

دیگر اکابر علماء دیوبند کے بیانات وتصدیقات

ہمارا اور ہمارے بزرگوں کا یہی اعتقاد ہے۔

بندہ غلام رسول عفی عنہ۔ مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند۔

ہمارا یہی اعتقاد ہے۔

بندہ محمد حسن عفی عنہ۔ مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند۔

ہمارے بزرگوں اور ہمارا یہی عقیدہ ہے۔

وہو الصحیح وفیہ السداد، شائق احمد غفرلہٗ ۔ مدرس دارالعلوم دیوبند۔

ہمارا اور ہمارے بزرگوں کا یہی عقیدہ ہے۔

خادم الطلبہ محمد اعزاز علی غفرلہ مدرس دارالعلوم دیوبند

ہمارا اور ہمارے تمام اکابر کا یہی عقیدہ ہے اور حق ہے۔

بندہ محمد علی اظہر کان اللہ لہ ولوالدیہ خادم طلبہ دارالعلوم دیوبند۔

ہمارا اور ہمارے تمام اکابر کا یہی عقیدہ ہے اور حق ہے۔

احقر الزمن نبیہ حسن مدرس مدرسہ دیوبند۔

ہمارے بزرگوں کا بالکل یہی عقیدہ اور یہی طریقہ ہے۔

احمد امین عفی عنہ خادم مدرسہ عربیہ دارالعلوم دیوبند۔

ہمارا اور ہمارے بزرگوں کا یہی اعتقاد ہے۔

بندہ رشید احمد عفی عنہ۔ خادم دربار رشید عالم قدس سرہ گنگوھی۔

ہمارا اور ہمارے اکابر کا یہی اعتقاد ہے اور یہی عقیدہ اہل حق کا ہے۔

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ کشمیری۔

ہمارا اور ہمارے مقتدر بزرگوں کا یہی عقیدہ ہے۔

احقر الزماں، گل محمد خان۔ مدرس مدرسہ عالیہ اسلامیہ دیوبند۔

ہمارا اور ہمارے مقدس بزرگوں کا یہی عقیدہ ہے۔

فقیر اصغر حسین حسنی حنفی مدرس دار العلوم دیوبند۔

ہمارا اور ہمارے بزرگوں کا یہی عقیدہ ہے۔

محمد یسین مدرس دار العلوم دیوبند۔

ہمارے بزرگوں کا یہی عقیدہ ہے۔

منظور احمد مدرس دار العلوم دیوبند۔

ہمارے بزرگوں کا یہی اعتقاد ہے۔

ہادی حسن مبلغ احکام اسلام منجانب دار العلوم دیوبند۔

بے شک بندہ کا اور اپنے بزرگوں کا یہی عقیدہ ہے۔

محمد ابراہیم عفی عنہ بلیاوی مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند۔

ہمارے بزرگوں کا یہی اعتقاد ہے۔

بندہ عطا محمد ولایتی خادم علماء دیوبند۔

ہمارا اور ہمارے بزرگوں کا یہی عقیدہ ہے۔

محمد عبدالوحید عفی عنہ مدرس تجوید دار العلوم دیوبند۔

ہمارا اور ہمارے بزرگوں کا یہی عقیدہ ہے۔

محمد شفیع عفی عنہ مدرس تجوید دار العلوم دیوبند۔

اشهد انه معتقدنا و معتقد مشآ ئخنا.

بندہ سید حسن عفی اللہ عنہ حسنی چاند پوری مدرس دار العلوم دیوبند (الختم علی لسان الخصم)

مزید ایک اور فیصلہ ملاحظہ ہو۔

اس زمانہ میں ایک مشہور اسلامی ریاست ''ریاست بھوپال'' تھی اس کے ماتحت دار الافتاء، دار القضاء، مجلس العلماء اور محکمہ دینیات قائم تھے۔

رنگون سے فرقۂ رضا خانی کی طرف سے اکابر علماء دیوبند کی تکفیر کے متعلق ایک استفتاء ریاست بھوپال بھیجا گیا اس کا جواب ریاست بھوپال کے دار الافتاء کی جانب سے دیا گیا جو سترہ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں تفصیل سے غیر جانبدارانہ طور پر متنازع فیہ عبارات کا صحیح مطلب بیان کیا گیا ہے اور جواب کے اخیر میں یہ فیصلہ دیا گیا ہے۔ ''یہ علماء کرام الزامات سے بالکل صاف اور پاک ہیں جو کہ مندرجۂ استفتاء ہیں لہٰذا ان حضرات کی تکفیر کسی طرح نہیں ہو سکتی۔'' پورا فتویٰ قابل مطالعہ ہے، طوالت کے خوف سے اسے یہاں نقل نہیں کیا جاتا، البتہ جواب سے پہلے چند تمہیدی کلمات درج ہیں ان کو ذیل میں نقل کیا جائے گا، اس فتوئی پر ریاست بھوپال کے مجلس العلماء، محکمۂ دینیات اور

دارالقضاء کے اراکین کے تصدیقی دستخط ہیں اوران کے علاوہ تقریباً ۵۸۹ علمائے کرام ومشائخ عظام ومفتیان کرام کے تصدیقی دستخط ہیں، یہ پورا فتوی مع تصدیقات کے مورخہ ۲۳۔ شوال ۱۳۵۲ھ میں ''فیصلہ خصومات از محکمۂ دارالقضات'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اب وہ تمہیدی کلمات ملاحظہ ہوں۔

باسمہ تعالیٰ حامدا ومصلیا ومسلما۔

آپ کے استفسارات کے جوابات حوالۂ قلم ہیں۔حسب ہدایت جناب والا کتب مندرجہ استفتاء بغور دیکھیں۔ ان سب کتب میں وہ مضامین جو کہ بعض متعصبین پیش کرتے ہیں کسی جگہ نہ پائے تقویۃ الایمان، تحذیر الناس، براہین قاطعہ، فتاویٰ رشیدیہ، حفظ الایمان کے مصنفین کو کافر کہنا اوران کی طرف ان عقائد فاسدہ کو منسوب کرنا جن سے ان حضرات کا دامن تقدس پاک ہے دراصل ایک باطل اور بے بنیاد بات ہے، ان حضرات کی بعض عبارات میں تقدیم و تاخیر، حذف وابدال کر کے ان کے خلاف مراد عوام الناس کو دھوکہ میں ڈالنے کی غرض سے یہ عقائد کفریہ گھڑے گئے ہیں اوران مصنفین کی طرف منسوب کئے گئے ہیں، حالانکہ یہ حضرات خود ایسے شخص کو کافر کہتے ہیں جو ان خیالات فاسدہ کو اپنے دماغ میں جگہ دے، عنقریب ہر جواب کے تحت میں خود ان کتب کے مصنفین کی عبارات پیش کر کے بتلا دیا جائے گا کہ یہ لوگ ان عقائد باطلہ کی پرزور تردید کررہے ہیں جو کہ ان کی طرف محض تعصب وعناد کی وجہ سے منسوب کئے جارہے ہیں...... استفتاء میں پانچ سوالات ہیں جن کے جوابات بطور اختصار عرض کئے جاتے ہیں...... جواب کے اخیر کی عبارت پھر ملاحظہ فرمایئے...... یہ علماء کرام الزامات سے بالکل صاف اور پاک ہیں جو کہ مندرجہ استفتاء ہیں لہذا ان حضرات کی تکفیر کسی طرح نہیں ہوسکتی، واللہ اعلم۔ فقط۔

کتبہ العبد الاحقر سید عزیز احمد عفی عنہ الحنفی النقشبندی الچشتی القادری السہروردی مدرس جامعہ احمدیہ عربیہ دارالاقبال بھوپال۔ (فیصلہ خصومات از محکمۂ دارالقضات ص ۴ وص ۲۲)

خلاصہ کلام:

اکابرین علماء دیوبند کی اپنی تحریر براءت اور علمائے عرب کی تصدیقات، اور شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کی شہادت اور عارف باللہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ کے فتویٰ اور رأس المحدثین شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ محدث کبیر علامہ محمد انور شاہ کشمیری، مولانا سید اصغر حسین محدث دیوبند اور متکلم اسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، وغیرہ وغیرہ پوری جماعت دیوبند کے جوابات وتصدیقات اور دیگر بے شمار علماء کبار ومشائخ عظام کے جوابات سے اور مزید برآں مشہور اسلامی ریاست، ریاست بھوپال کے دارالافتاء کے فتویٰ (جس پر ریاست کے مجلس العلماء، محکمہ دینیات اور دارالقضا کے مقتدر اراکین اور مختلف مقامات کے ۵۸۹ علماء کے تصدیقی دستخط ثبت ہیں) سے روز روشن کی طرح ثابت ہوگیا کہ اکابر علماء دیوبند (حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت سہارنپوری حضرت تھانویؒ) تمام الزامات سے بالکل بری ہیں اور مکمل طور پر اہل سنت والجماعت کے عقائد پر ہیں، جامع شریعت و طریقت ہیں۔

درحقیقت مذکورہ بزرگان دین اور علمائے دیوبند ہمیشہ سے جامعین شریعت وطریقت پکے حنفی اور اہل سنت

والجماعت ہیں، سلسلہ تلمذ حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی ثم المدنیؒ، حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی ثم المکیؒ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے رکھتے ہیں اور سلسلہ ارادت حضرت قطب عالم حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے رکھتے ہیں، عقائد میں اہل سنت اشاعرہ اور ماتریدیہ کے متبع اور اعمال وفروع میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں، ان حضرات نے دارالعلوم دیوبند وسہارنپور، ومرادآباد ودہلی وغیرہ پورے ہندوستان وپاکستان میں قائم کر کے پوری دنیا کو اپنے علمی آغوش میں لے لیا ہے اور قرآن وحدیث اور فقہ کی بذریعۂ درس وتدریس وتصنیف وتالیف اس قدر خدمت انجام دی ہے کہ اس کے مقابلہ میں فرقہ رضاخانی کسی شمار میں نہیں، ہند اور بیرون ہند کے لاکھوں کروڑوں مسلمان ان کو اپنا مذہبی پیشوا اور دینی رہبر سمجھتے تھے اور سمجھتے ہیں ایسے جلیل القدر بزرگوں کو (معاذ اللہ) کافر اور مرتد اور بددین کہنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟ بلکہ ان بزرگوں کی بدگوئی کرنا اپنی عاقبت خراب کرنا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ آدمی کسی کو کافر کہے اور حقیقت میں اس میں کفر کی بات نہ ہو تو وہ کلمۂ کفر کہنے والے کی طرف لوٹتا ہے **لا یرمی رجل رجلاً بالفسق والکفر الا ردت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذلک رواہ البخاری.** (مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۱ باب حفظ اللسان من الغیبۃ والشتم) نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے جو کلام تمہارے بھائی کی زبان سے نکلے جب تک اس کا اچھا مطلب نکل سکتا ہو اس وقت تک اس کو باطل پر محمول کرنے کی کوشش نہ کرو۔ (درمنثور)

اسی لئے فقہاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جو مسئلہ کفر سے متعلق ہو اگر اس میں ننانوے احتمالات کفر کے ہوں اور صرف ایک احتمال کفر کی نفی کرتا ہو تو مفتی اور قاضی کو چاہئے کہ اس کفر کی نفی کرنے والے احتمال پر عمل کرے، اور کفر کا فتویٰ نہ دے، **وقد ذکروا ان المسئلۃ المتعلقۃ بالکفر اذا کان لھا تسع وتسعون احتمالاً للکفر و احتمال واحد فی نفیہ فالا ولی للمفتی والقاضی ان یعمل بالاحتمال الثانی** (شرح فقہ اکبر ص ۱۹۹)

آخر میں ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے جو بہت ہی قابل عبرت اور سبق آموز ہے، حدیث شریف میں ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے میدان جنگ میں ایک کافر پر حملہ کر دیا اس نے فوراً ہی **لا الہ الا اللہ** پڑھ دیا مگر حضرت اسامہؓ نے اسے قتل کر دیا جب آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو حضرت اسامہؓ سے فرمایا کہ **لا الہ الا اللہ** پڑھنے کے بعد بھی اسے قتل کر دیا، جواب دیا حضور! اس نے فلاں فلاں کو قتل کیا تھا اور جب میں نے حملہ کیا تو جان بچانے کے خاطر کلمہ پڑھ دیا، صدق دل سے نہیں پڑھا تھا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا کہ صدق دل سے پڑھا ہے یا خوف سے؟ اور فرمایا کہ قیامت کے روز جب کہ اس کی طرف سے کلمۂ توحید مدعی بن کر آئے گا اس وقت تم کیا جواب دو گے؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے لئے مغفرت کی دعا کیجئے، تو جواب میں بھی آپ ﷺ یہی فرماتے رہے، حضرت اسامہؓ کہتے تھے میں نے بار بار حضرت ﷺ کا یہ ارشاد سن کر تمنا کی کہ کاش میں آج ہی اسلام لایا ہوتا کہ میرا اسلام اس گناہ کو محو کر دیتا۔ (**بخاری شریف، مسلم شریف ج ۱ ص ۶۸ باب تحریم قتل الکافر بعد قولہ لا الہ الا اللہ مسلم ج ۱ ص ۶۸ بخاری باب بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسامۃ بن زید الی الحرقات من جھینۃ ج ۲ ص ۶۱۲**)

الحاصل:

آپ کے امام اور خطیب صاحب تکفیر سازی سے توبہ کرلیں تو ان کی امامت بلا کراہت درست ہے ورنہ امامت جیسے عظیم ومقدس منصب کے شایان شان نہیں ہوسکتے وبان فی تقدیمہ للامامة تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعاً (شامی ج ۱ ص ۵۲۳)فقط واللہ اعلم بالصواب وهو الهادی الی الصراط المستقیم اللّٰهم اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضالین آمین ثم آمین بحرمة النبی الامی صلی الله علیه وآله وصحبه وسلم.

رضا خانی علماء کی کفر سازی کا نمونہ:

(سوال ۹) ہمارے یہاں بریلوی مکتب فکر کے کچھ لوگ ہیں اور وہ لوگ گاہے گاہے اپنے علماء کو بلاتے ہیں، ان کے علماء اپنی تقریروں میں علماء دیوبند کو بہت برا بھلا کہتے ہیں، بعض مرتبہ تو کافر اور مرتد تک کہہ دیتے ہیں، ان کی تقاریر کی وجہ سے ہمارے یہاں بہت انتشا ہورہا ہے، ہم کیا کریں؟ امید ہے کہ آپ ہماری رہنمائی فرمائیں گے، بینوا توجروا۔

(الجواب) بریلوی مکتب فکر کے بانی مولوی احمد رضا خان اور ان کے ہمنواؤں کی کفرسازی صرف علماء دیوبند تک محدود نہیں ہے، فاضل بریلوی احمد رضا خاں اور ان کے حواریین و متبعین کا سوائے اپنے معدودے چند معتقدین کے دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر اور مرتد قرار دینا ایک ایسی بین حقیقت ہے کہ جس کا کوئی صاحب بصیرت شخص اور ان کی کتابوں اور فتاوی سے واقف کار انسان انکار نہیں کرسکتا، فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خان بہت تیز مزاج اور شدت پسند طبیعت رکھتے تھے، ان کا جب بھی اپنے کسی ہم عصر سے ٹکراؤ ہو (چاہے وہ ان کا ہمنوا اور ان کا ہم مشرب ہو) تو وہ ان کے کلام کو غلط معنی پہنا کر تکفیر مسلمین کے تمام اصولوں کو پس پشت ڈال کر محض اپنی من گھڑت اور ایجاد کردہ تشریح کی بنا پر کفر کا فتوی لگادیتے تھے اور فتوی کفر بھی ایسا کہ جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر اور مرتد، معاذ اللہ، انا للہ وانا الیہ راجعون، بات بات پر بریلوی حضرات کے تکفیری فتووں کو دیکھ کر مرحوم مولانا ظفر علی خان (متوفی ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۶ء) فرماتے ہیں

جب سے پھوٹی ہے بریلی سے کرن تکفیر کی
دید کے قابل ہے اس کا انعکاس وانعطاف
مشغلہ ان کا ہے تکفیر مسلمانان ہند
ہے وہ کافر جس کو ہوا ان سے ذرا بھی اختلاف

(مقدمہ الشہاب الثاقب ص ۱۰۹ مطبوعہ پاکستان)

آج اسی طریقہ پر ان کے اخلاف گامزن ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ان کا محبوب مشغلہ ہی تفریق مسلمانان و تکفیر علماء وبزرگان دین ومؤمنین ہے۔

فاضل بریلوی اور ان کے متبعین کی کفر سازی کی ایک مختصر فہرست ان کی کتابوں کے حوالوں سے ہدیہ

ناظرین کرتے ہیں، اسے غور سے پڑھئے اور اندازہ لگائیے کہ بریلوی مکتب فکر کے علماء کی کفر سازی کس قدر حدود کو تجاوز کئے ہوئے ہے، اور پھر فیصلہ کیجئے کہ دنیا میں کتنے مسلمان باقی رہے اور خود آپ بھی ان کے فتاویٰ کی رو سے مسلمان رہے یا نہیں؟

علماء رضاخانی کی کفر سازی انہیں کے الفاظ میں

(۱) مرتد گنگوہی (تجانب اہل السنۃ عن اہل الفتنہ ص ۲۴۵ مصنفہ ابو الطاہر عبید البرکات محمد طیب صدیقی قادری برکاتی داناپوری اس کتاب پر مولوی حشمت علی اور بریلوی علماء کبار کے تصدیقی دستخط ہیں۔)

(۲) مرتد تھانوی (تجانب اہل السنۃ ص ۲۳۷)

(۳) مرتد نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند (تجانب اہل السنۃ ص ۱۷۳)

(۴) مرتد دیوبندی محمود حسن (شیخ الہند) (ستر باادب ص ۵۶ مصنفہ مولوی حشمت علی)

(۵) مرتد انبیٹھوی (مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنیؒ) (تجانب اہل السنۃ ص ۲۸۸)

(۶) مرتد حسین احمد مدنی (مجمل انوار الرضا ص ۲۹ مصنفہ مولوی حشمت علی)

(۷) مرتد شبیر احمد دیوبندی (ستر باادب ص ۵۶)

(۸) مرتد عبد الشکور ایڈیٹر النجم (تجانب ص ۱۶۰)

(۹) مرتد ابوالکلام (تجانب ص ۱۷۶)

(۱۰) مرتد عبد الماجد دریابادی (تجانب ص ۱۳۷)

(۱۱) مرتد حسن نظامی (تجانب ص ۲۴۷)

(۱۲) مرتد ثناء اللہ امرتسری (تجانب ص ۲۴۷)

(۱۳) مرتد مرتضیٰ حسن دربھنگی (تجانب ص ۲۳۷)

(۱۴) مرتد محمد علی ایم، اے (تجانب ص ۲۲۵)

(۱۵) مرتد عنایت اللہ (تجانب ص ۱۷۶)

(۱۶) مرتد قائد اعظم (تجانب ص ۱۱۹) (ستر باادب ص ۱۱۰)

(۱۷) ابن سعود مرتد (ستر باادب ص ۳۳)

(۱۸) مرتد ظفر احمد تھانوی (ستر باادب ص ۱۰۱)

(۱۹) مظہر الدین کا کفر واضح (مسلم لیگ کی زرین بخیہ دری ص ۷ مصنفہ اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی ارہروی)

(۲۰) غیر مقلدوں کا پیشوا ابراہیم سیالکوٹی (ستر باادب ص ۲۸)

(۲۱) مرتد اکفر سر سید احمد خاں (تجانب ص ۸۵)

''بہر حال جو شخص نیچری (یعنی سر سید احمد خاں) کے کفریات قطعیہ یقینیہ میں سے کسی ایک بھی کفر قطعی پر

مطلع ہونے کے بعد بھی اس کے کافر و مرتد ہونے میں شک رکھے یا اس کو کافر و مرتد کہنے میں توقف کرے وہ بھی بحکم شریعت مطہرہ قطعاً یقیناً کافر و مرتد اور بے توبہ مرا تو مستحق عذاب ابد ہے۔'' (تجانب اہل السنہ ص ۸٦)

سر سید احمد کے مشیروں کے متعلق لکھا ہے۔

''جس طرح بے دین بادشاہ اکبر نے اپنے نورتن بنائے تھے جو اس کے وزیران حکومت اور مشیران سلطنت تھے اسی طرح پیر نیچر نے بھی اپنے نورتن بنا رکھے تھے جو پیر نیچر کے وزیران نیچریت اور مشیران دہریت اور مبلغین زندیقت ہے جن کے نام یہ ہیں۔ نواب محسن الملک مہدی علی خاں، نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی خاں، نواب انتصار جنگ مولوی مشتاق حسین، مولوی الطاف حسین حالی، شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ، مولوی مہدی حسن، سید محمود خان، شبلی نعمانی اعظم گڑھی، ڈپٹی نذیر احمد خاں دہلوی۔

مسٹر جناح کے متعلق لکھا ہے:۔

''بحکم شریعت مسٹر جناح اپنے ان عقائد کفریہ قطعیہ یقینیہ کی بنا پر قطعاً مرتد اور خارج از اسلام ہے اور جو شخص اس کے ان کفروں پر مطلع ہونے کے بعد اس کو مسلمان جانے یا اسے کافر نہ مانے یا اس کے کافر مرتد ہونے میں شک رکھے یا اس کو کافر کہنے میں توقف کرے وہ بھی کافر مرتد شر الملنام اور بے توبہ مرا تو مستحق لعنت عزیز و علام۔ (تجانب اہل السنہ ص ۱۲۲)

احراریوں کے متعلق لکھا ہے۔

''فرقہ احرار اشرار بھی فرقہ نیچریہ کی ایک شاخ ہے اس ناپاک فرقے کے بڑے بڑے مکلبین یہ ہیں، ملکی شیخ جی امام الخوارج مبلغ دہابیہ ایڈیٹر النجم عبد الشکور کاکوروی، صدر مدرسہ دیوبند حسین احمد اجودھیاباشی، شبیر احمد دیوبندی، عطاء اللہ بخاری، حبیب الرحمٰن لدھیانوی، احمد سعید دہلوی، نائی عن الاسلام کفایت اللہ شاہجہاں پوری، عبد الغفار سرحدی گاندھی، اس فرقہ کا سرغنہ مسٹر ابوالکلام آزاد ہے، جو امام الاحرار کہلاتا ہے۔'' (تجانب ص ۱٦۰) اور ص ۱۷۷ پر لکھا ہے۔

''بہر حال جو شخص احراریوں کے ان ناپاک اقوال ملعونہ پر مطلع ہونے کے بعد بھی ان کے قائلین کے قطعی یقینی کافر مرتد ہونے میں شک رکھے یا ان کو کافر کہنے میں توقف کرے وہ بھی بحکم شریعت قطعاً کافر مرتد ہے۔ (تجانب اہل السنہ ص ۱۷۷)

خواجہ حسن نظامی کے متعلق لکھا ہے۔

''خواجگی کے دعویدار کفر کی تبلیغ کے ٹھیکدار، اسلام کی مخالفت کے علمبردار کرشن کہنیا کے امتی مسٹر جٹا دھاری خواجہ حسن نظامی دہلوی۔ (تجانب ص ۱۳۹)

مولوی حشمت علی نے اپنی کتاب'' قہر القہار علی اصول الگاندھویۃ الکفار'' میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی جوہر، اور مولانا عبد الباری لکھنوی کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں۔

''قطعاً یقیناً گمراہ اور بد دین بلکہ علی العموم کفار مرتدین''

اور اسی کتاب کے ص ٦۳، ص ٦۴ پر حکیم اجمل خان، ڈاکٹر انصاری، سیٹھ چھوٹانی، مرحوم مسٹر محمد کھتری اور

خلافت کمیٹی کے ممبروں کو تقریباً بیس وجوہات سے کافر اور مرتد قرار دیا ہے۔

اور مولوی عبدالقدیر بدایونی، مولوی عبدالماجد بدایونی، مولوی آزاد سبحانی مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید کو بھی "بددین" بتایا ہے۔ (ظفر الاسلام ص ۱۲، ص ۱۳، ص ۱۵ حصہ دوم)

سب ہی کافر و مرتد۔ تمام کے تمام ایک صف میں

نجدیوں، وہابیوں، دیوبندیوں، غیر مقلدوں، نیچریوں، رافضیوں، چکڑالویوں، قادیانیوں، گاندھلویوں، صلح کلیوں، کانگریسیوں، لیگیوں، خارجیوں، بابیوں، بہائیوں، احراریوں اور کفار اور مشرکین و مرتدین اور اسلام کے جملہ نئے اور پرانے مخالفین کی صحبت سے بچیں۔ (فتاوی اہل السنن لہدم الفتن ص ۱۴ مرتب: ناظم جماعت اہل سنت مارہرا)

"مرتدین دیوبندیہ، ملحدین چکڑالویہ، وزنادقہ خاکساریہ، وبے دینان لیگیہ، وغیرہم کفار اشرار۔" (تجانب ص ۲۸۰)

"لیگ مسلمانوں کو ملحد و بے دین بنانا چاہتی ہے۔" (الجوابات السنیہ ص ۲۱ مصنفہ مولوی حشمت علی)

"لیگ کا نمرودی آتشکدہ کتنے مسلمانوں کو بھسم کر چکا اور کتنوں کا خاکستر کر رہا ہے۔" (اشک رواں ص ۸۳ مصنفہ محمد شریف الحق امجدی)

مندرجہ ذیل جماعتوں اور کمیٹیوں کے متعلق فیصلہ یہ ہے کہ ان کے بانی کفار اور نیچری ہیں۔

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس۔　ندوۃ العلماء۔　خلافت کمیٹی،　جمعیۃ علماء ہند،

خدام الحرمین،　مجلس احرار،　مسلم لیگ،　اتحاد کانفرنس۔

مسلم آزاد کانفرنس،　نوجوان کانفرنس،　نمازی فوج،　جمعیت تبلیغ۔

الاسلام انبالہ،　سیرت کمیٹی، پٹی ضلع لاہور،　امارت شرعیہ بہار شریف

وآل پاٹیز کانفرنس وغیرہ کمیٹیاں اسی مقصد کے لئے انہیں کفرہ نیاچرہ نے اپنی نیچریت ودہریت پھیلانے اور بھولے بھالے مسلمانوں کو دین سے آزاد...... الی قولہ...... گڑھی ہیں۔ (تجانب اہل السنہ ص ۹۰)

بہت سے وہ مسلمان جو رضا خانی علماء کے معتقد اور ان کے محب ہیں، انہیں اپنا دینی مقتدا اور پیشوا سمجھتے ہیں، وہ خلافت کمیٹی اور مسلم لیگ وغیرہ کے قائدین کو مسلمان سمجھتے ہیں اور خود بھی ان کمیٹیوں کے ممبر رہ چکے ہیں، اب وہ اپنے بارے میں کیا فیصلہ کریں گے؟ کیا بریلوی علماء کے فتاویٰ کی رو سے تجدید ایمان وتجدید نکاح کریں گے، اور آج تک جو نمازیں پڑھیں، روزے رکھے، زکوٰۃ دی، قربانی کی، حج کیا، صدقہ وخیرات کیا، اور ان کے علاوہ جو اعمال صالحہ کئے ان کے متعلق کیا فیصلہ کریں گے؟ نکاح کیا، اللہ نے اولاد عطا کی کیا اس نکاح اور اولاد کو حالت کفر پر مانیں گے؟

پیارے مسلمانو! غور کرو، یہ رضا خانی علماء تمہارے ایمان کے محافظ ہیں یا تمہارے ایمان کے دشمن؟ تم کو کون مسلمان بنانا چاہتے ہیں یا کافر و مرتد؟

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ (م ۱۳۸۷ھ) پر احمد رضا خاں صاحب کے خلیفۂ اجل اور بریلویوں کے امام المحدثین

مولوی دیدار علی صاحب (م ۱۳۵۴ھ) سابق خطیب مسجد وزیر خان لاہور نے کفر کا فتویٰ لگایا اور اس میں ارشاد فرمایا۔

''لہذا جب تک ان کفریات سے قائل اشعار مذکور توبہ نہ کرے اس سے ملنا جلنا تمام مسلمان ترک کریں ورنہ سخت گنہگار ہوں گے۔'' (ذکر اقبال ص ۱۲۹، سرگذشت اقبال ص ۱۹)

چونکہ مفتی مذکور ریاست ''الور'' کے رہنے والے تھے اس لئے علامہ اقبال مرحوم نے بعنوان ''الور'' مفتی مذکور کے خلاف درج ذیل چار اشعار تحریر فرمائے اور اس مفتی کو آدمیت سے عاری اور اس کی اس حرکت کو ''گدھا پن'' قرار دیا۔

گر فلک در ''الور'' اندازد ترا
اے کہ می داری تمیز خوب وزشت
گویمت در مصرعہ برجستہ
آنکہ بر قرطاس دل باید نوشت
آدمیت در زمین او مجو
آسماں ایں دانہ در ''الور'' نہ کشت
کشت گرز آب وہوا خردستہ است
زانکہ خاکش را خرے آمد سرشت

ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے۔

''اے اچھے اور برے کی تمیز رکھنے والے! اگر آسمان تجھے ریاست ''الور'' میں ڈال دے تو میں تجھے ایک برجستہ شعر میں نصیحت کرتا ہوں جسے لوح قلب پہ نقش کر لینا چاہئے، اور وہ یہ ہے کہ انسانیت اس سرزمین میں تلاش نہ کرنا کیونکہ آسمان نے یہ تخم اس سرزمین میں ڈالا ہی نہیں ہے، اور اگر ڈالا ہوگا تو اس کی آب وہوا کی تاثیر سے بجائے انسان پیدا ہونے کے اس سرزمین میں ''گدھے'' پیدا ہوئے ہیں۔''

(بحوالہ مقدمہ الشہاب الثاقب ص ۱۲۵۔۱۲۶ از جناب انوار احمد ایم کام ناشر انجمن ارشاد المسلمین لاہور)

علامہ اقبال کے متعلق ''تجانب اہل السنہ'' میں لکھا ہے۔

'' اسی طرح فسلفی نیچریت ڈاکٹر اقبال صاحب نے اپنی فارسی وار دو نظموں میں دہریت اور الحاد کا زبردست پروپیگنڈا کیا ہے (تجانب ص ۳۳۴)

مولانا ظفر علی خان صاحب (م ۱۳۷۶ھ) پر احمد رضا خان صاحب کے صاحبزادے اور بریلویوں کے ''مفتی اعظم ہند'' جناب محمد مصطفیٰ رضا خان صاحب نے کفر کا فتویٰ لگایا، جسے بریلویوں کے ''مفتی اعظم پاکستان'' جناب ابوالبرکات صاحب (م ۱۳۹۸ھ) مہتمم وشیخ الحدیث دار العلوم حزب الاحناف لاہور نے کتابی صورت میں شائع کیا اور اس کا نام رکھا۔

''سیف الجبار علی کفر زمیندار'' معروف بہ '' القسورہ علی ادوار الحمر الکفرہ''

گویا مولانا ظفر علی خان صاحب کو کافر تو بنایا ہی تھا ساتھ ہی انہیں ''گدھا'' ہونے کا لقب بھی مرحمت فرما

دیا، اسی فتویٰ کفر پر مولانا مرحوم و مغفور نے یہ رباعی کہی تھی۔

کوئی ٹرکی لے گیا اور کوئی ایران لے گیا
کوئی دامن لے گیا کوئی گریبان لے گیا
رہ گیا تھا نام باقی اک فقط اسلام کا
وہ بھی ہم سے چھین کر حامد رضا خاں لے گیا

(نگارستان: ص ۶۵ بحوالہ مقدمہ الشہاب الثاقب ص ۱۲۴ مطبوعہ پاکستان)

مولانا حالی کی ''مسدس'' کے متعلق فیصلہ ہے۔

''مسٹر حالی کے اس مسدس میں بیسیوں کفر کے انبار اور ہزاروں ضلالات کے طومار (تجانب اہل السنہ ص ۳۳۴)

یہ ہے رضا خانی علماء کی کفر سازی کا ایک نمونہ۔

مذکورہ حضرات کے علاوہ اور بھی بے شمار حضرات ہیں جو ان کے خنجر تکفیر کا نشانہ بن چکے ہیں۔ اس فہرست پر نظر ڈالئے، یہ تمام دیوبندی نہیں ہیں لیکن وہ مولوی احمد رضا خان اور ان کے متبعین و ذریت کی نظر میں کافر و مرتد ہیں۔

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو'' مقدمہ الشہاب الثاقب مطبوعہ پاکستان از ص ۱۰۶ تا ص ۱۳۴ اور تکفیری افسانے مصنفہ مولانا نور محمد ٹانڈوی''۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور پوری امت محمد یہ ﷺ کو ایمان پر استقامت عطا فرمائے اور حسن خاتمہ نصیب فرمائے اور ایمان کے لیٹروں سے محفوظ رکھے آمین بحرمۃ النبی الامی ﷺ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ما يتعلق بالفرق المختلفه

اہل سنت والجماعت کسے کہا جائے

(سوال ۱۰) اہل سنت والجماعت کسے کہا جائے؟ دیوبندی اہل سنت والجماعت ہیں یا ان کے مخالفین رضا خانی؟ بالتفصیل جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

(الجواب) اہل سنت والجماعت وفرقہ ناجیہ اور فرقہ اہل حق وہ ہے جو پیغمبر اسلام خاتم الانبیاء حضرت رسول مقبول ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب خصوصاً خلفاء راشدین کے طریقے اور سنت کا مطیع و متبع ہو، جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے **وتفترق امتی علی ثلث وسبعین ملة کلھم فی النار الا ملة واحدة قالوا و ماھی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ و اصحابی** (ترجمہ) میری امت تہتر ۷۳ فرقوں میں منقسم ہو جائے گی اور بجز ایک فرقے کے سب فرقے جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ ایک فرقہ کون ہے؟ ارشاد فرمایا کہ جس طریقہ پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں'' (مطلب یہ کہ کتاب وسنت کی اتباع کرنے والا فرقہ نجات پانے والا اور اہل سنت والجماعت ہے (ترمذی شریف ج ۲ ص ۸۹ ابواب الایمان باب افتراق ھذہ الامۃ) **کلھم فی النار** کے معنی یہ ہیں کہ بد اعتقادی کی بنا پر جہنم میں جائیں گے۔ پھر جن کا عقیدہ حد کفر تک پہنچا نہ ہو وہ اپنی سزا بھگت کر دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل ہوں گے (مکتوبات امام ربانی ج ۳ ص ۷۰ مکتوب نمبر ۳۸) اور توضیح وتلویح میں ہے **السواد الا عظم عامة المسلمین ممن ھوا مة مطلقة والمراد بالا مة المطلقة اھل السنة والجماعة وھم الذین طریقھم طریق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ دون اھل البدع** (یعنی) سواد اعظم سے اہل سنت والجماعت مراد ہیں جن کا طریقہ وہ ہے جو آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کا طریقہ تھا۔ اہل بدعت ان میں سے خارج ہیں۔ (ص ۳۵۰)

اور حضرت شیخ احمد رومیؒ فرماتے ہیں کہ **لان المراد بالا مة المطلقة اھل السنة والجماعة وھم الذین طریقھم طریق النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ دون اھل البدع والضلال کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم امتی من استنَّ بسنتی** (یعنی) امت مطلقہ سے مراد اہل سنت والجماعت ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا طریق وہ ہے جو آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب کا طریقہ تھا، اہل بدعت وضلال مراد نہیں جیسا کہ رحمۃ عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت وہ ہے جس نے میرا طریقہ اختیار کیا (مجالس الابرار ۱۰ اص ۱۳۱) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں'' وشک نیست کہ فرقہ ملتزم اتباع اصحاب آں سرور اند علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات اہل سنت و جماعت اند۔ شکر اللہ سعیہم۔'' اور اس بات میں ذرا بھی شک نہیں کہ یہ فرقہ جس نے آپ ﷺ کے اصحاب کی اتباع ضروری ٹھہرائی وہی اہل سنت والجماعت ہے، خدا پاک ان کی مساعی کو مشکور فرمائے۔

(مکتوبات امام ربانی ج ۱ ص ۱۰۲ مکتوب نمبر ۸۰)

اور حضرت غوث الاعظم شاہ عبد القادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ **فعلی المؤمن اتباع السنة والجماعة**

فالسنة ماسنه رسول الله صلى الله عليه وسلم والجماعة ما اتفق عليه اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فى خلافة الائمة الاربعة الخلفاء الراشدين المهديين رحمة الله عليهم اجمعين (غنیۃ الطالبین ص ۱۴۲) (یعنی) مؤمن بندہ پر لازم ہے کہ سنت والجماعت کی اتباع کرے، سنت وہ طریقہ ہے جس پر آنحضرت ﷺ عمل کرتے تھے اور جماعت یہ ہے کہ جس پر خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے زمانۂ خلافت میں اتفاق کیا اور یہ اصحاب سیدھی راہ بتلانے والے تھے اور ان کو بھی سیدھی راہ بتلائی گئی ان سب پر خدا کی رحمت ہو'' اور جن کا عمل خلاف سنت ہے اور سنت کے خلاف اپنے آباؤاجداد کی رسم ورواج کے پابند ہیں اور ان کو اسلامی اعمال اور نیکی کے کام اور دین کے کام سمجھ کر کر رہے ہیں، تعزیہ داری، دھوم دھام سے عرس وصندل اور قبروں کے سامنے سجدے اور مزاروں کے طواف اور غیر اللہ کی نذر و نیاز وغیرہ بدعت کرنے والے اور ان کو ترقی دینے والے ہیں، ان پر اہل سنت والجماعت کی تعریف چسپاں نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت غوث اعظمؒ فرماتے ہیں کہ ''اہل بدعت نے اہل سنت کا جو لقب ظاہر کیا ہے یہ ان کے نام کے ساتھ موزوں نہیں، جیسا کہ کفار نے پیغمبر ﷺ کا نام ساحر، وشاعر دیوانہ، آسیب زدہ اور کاہن رکھا تھا (معاذ اللہ) یہ سب نام حضور ﷺ کی صفات کے ساتھ بالکل چسپاں نہ تھے، آپ ﷺ پر کسی طرح صادق نہ آتے تھے، اسی طرح اہل بدعت پر اہل سنت کا لقب صادق نہیں آتا، اہل بدعت کی نشانی حضرت غوث الاعظمؒ نے یہ بیان کی ہے کہ حدیث وسنت کے طریقہ پر چلنے والوں کی برائی اور غیبت کرتے ہیں۔ فعلامة اهل البدع الوقيعة فى اهل العصر (غنیۃ الطالبین ص ۱۴۳) اور حضرت شیخ احمد رومیؒ فرماتے ہیں کہ ''اہل بدعت لوگوں کو بدعت کی طرف بلاتے ہیں اور وہ امت مطلقہ میں داخل نہیں۔ (مجالس الابرار ص ۱۳۱)

تکملہ بحر الرائق میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے حدیث کا خلاصہ منقول ہے کہ جس میں دس علامتیں ہوں وہ اہل سنت والجماعت ہیں، وہ دس علامتیں یہ ہیں:۔

(۱) ان يصلى الصلوٰت الخمس بالجماعة (پنجگانہ نماز باجماعت پڑھتا ہو۔ (۲) ولا يذكر احداً من الصحابة بالسوء ولا ينقصه (صحابہ میں سے کسی کا ذکر برائی کے ساتھ نہ کرے نہ کسی میں عیب نکالے (۳) ولا يخرج على السلطان بالسيف. (اور مسلمان بادشاہ کے خلاف تلوار نہ اٹھائے) (۴) ولا يشك فى ايمانه (اور اپنے ایمان میں شک نہ کرے اپنے کو پورے وثوق سے مومن اور مسلم کہے) (۵) ويؤمن بالقدر خيره وشره من الله تعالى (ایمان رکھتا ہو بھلی اور بری تقدیر پر کہ جو کچھ ہے خداء پاک کی طرف سے ہے) (۶) ولا يجادل فى دين الله تعالى (خدا کے دین میں کج بحثی نہ کرے۔ (کہ بلا دلیل فلسفہ بگھارے) (۷) ولا يكفر احداً من اهل التوحيد بذنب (کسی گناہ کی بنا پر اہل توحید میں سے کسی کی تکفیر نہ کرے (نوٹ) مطلب یہ ہے کہ بہتر فرقے سب اہل توحید واہل قبلہ ہیں لہٰذا ان کی تکفیر میں جرأت نہ کرے، جب تک کسی فرقے کے متعلق یہ ثابت نہ ہو جائے کہ وہ ضروریات دین اور کسی ایسی بات کا منکر ہے جو بدیہی طور پر اسلام کی بات مانی جاتی ہے اور جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ وہ احکام شرعیہ کے تواتر کو نہیں مانتا ان کو غیر ثابت اور غیر یقینی کہتا ہے اس کی تکفیر نہ کرے۔ فقہا نے فرمایا ہے کہ اگر ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال اسلام کا موجود ہو تو اس ایک احتمال کی بنا پر کفر کا حکم نہ لگایا جائے (مکتوبات امام ربانی ج ۳ ص ۷۰ مکتوب نمبر ۳۸) وقد ذكروا ان المسئلة المتعلقة بالكفر اذا كان لها تسع

وتسعرن احتمالاً للکفر واحتمال واحدفی نفیه فالا ولیٰ للمفتی والقاضی ان یعمل بالاحتمال الثانی (شرح)فقہ اکبرلابی المنتھی ص۱۹۹)

(۸)ولا یدع الصلوٰة علی من مات من اهل القبلة (اور اہل قبلہ میں سے جومرے اس کی نماز جنازہ نہ چھوڑتا ہو)(۹) ویری المسح علی الخفین جائز افی السفر والحضر (سفروحضر میں موزوں پر مسح کرنے کا قائل ہو)(۱۰)ویصلی خلف کل امام برو فاجر (اور ہر نیک اور گنہگار کے پیچھے نماز کو جائز سمجھتا ہو۔(تکملۂ بحرالرائق ج۸ص۱۸۲اول کتب الکراھیۃ)

خلاصہ یہ ہے کہ دیوبندی مسلمان آنحضرت ﷺ اورآپ ﷺ کے مقدس اصحابؓ کے سچے متبع اورآپ کے تابعدار ہیں اور سچے سنت والجماعت اورسنی حنفی ہیں جیسا کہ دارالعلوم دیوبند کے بنیادی اصول میں ہے کہ''(۴) دارالعلوم دیوبند کا مسلک اہل سنت والجماعت، حنفی مذہب اوراس کے مقدس بانیوں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی وحضرت مولانارشید احمد گنگوہی قدس سرہما کے مشرب کے موافق ہوگا۔(دستوراساسی مع آئین دارالعلوم دیوبند ص۵) اصول وعقائد میں حضرت امام ابوالحسن اشعری اورامام ابومنصور ماتریدیؒ کے پیرو،فروعات میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں، چشتیہ،نقشبندیہ،قادریہ،سہروردیہ سلسلوں سے نسبت رکھتے ہیں اوراہل سنت والجماعت کی مذکورہ بالا دس علامتیں ان پر پوری طرح منطبق ہیں۔اس کے برعکس حضرات دیوبند کے مخالفین یعنی رضا خانی آنحضرت ﷺ اورآپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سنت اورطریقہ کے تارک اور بدعت کے حامی اوراس کورواج دینے والے اوراس کی اشاعت کرنے والے ہیں اہل سنت والجماعت کی تمام علامتیں تو قطعاً نہیں پائی جاتیں جو پائی جاتی ہیں وہ برائے نام۔مثلاً(۱)پنجگانہ نماز باجماعت کے اتنے پابند نہیں جتنے ان کاموں کے پابند ہیں جو قطعاً خلاف سنت اورغیر ثابت ہیں۔(۲)صحابہ کرامؓ کی عظمت ان کے قلوب میں اتنی بھی نہیں جتنی رضاخانی مذہب کے بانی مولانا احمد رضا خاں صاحب کی عظمت ان کے دلوں میں ہوتی ہے۔ان کی کتاب''وصایاشریف''میں ہے''زہدوتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ میں نے بعض مشائخ کرام کو یہ کہتے سنا کہ ان کو(مولانا احمد رضا خاں صاحب کو) دیکھ کرصحابہ کرامؓ کی زیارت کا شوق کم ہوگیا(معاذ اللہ) یہ ہے صحابۂ کرام کی عظمت!(۳) سلطان سعود کو کافر مانتے ہیں (۴) دین الٰہی میں ناحق جھگڑے کرکے فرقہ بندی کرتے ہیں (۵)اہل قبلہ اوراہل توحید مسلمان جوان کے ہم خیال نہیں ان سب کو(معاذ اللہ بددین، کافراورمرتد بناتے ہیں(۶)ان کے جنازہ پرنماز پڑھنے کوحرام کہتے ہیں۔(۷)ان کومسلمانوں کے قبرستان میں دفنانے کوناجائز کہتے ہیں(۸)ان کے پیچھے نماز پڑھنا حرام بتلاتے ہیں،دیکھئے''تجانب''''قہرقہار''وغیرہ وغیرہ۔

دیوبندی مسلمانوں کا ان کے متعلق ایسا اعتقاد نہیں ہے ہر منصف مزاج آدمی سمجھ سکتا ہے کہ صحیح اہل سنت والجماعت کون ہوسکتا ہے؟ دیوبندی یارضاخانی؟ خداپاک تمام لوگوں کونیک ہدایت اوراچھی سمجھ عطافرمائے اورحقیقی معنی میں اہل سنت والجماعت بنائے۔آمین فقط واللہ اعلم بالصواب۔

منکرین حدیث اسلام سے خارج ہیں!:

(سوال ۱۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فرقہ منکرین حدیث (اہل قرآن)

کے عقائد فاسدہ و باطلہ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، احادیث نبویہ کا صراحتہً انکار و تکذیب، ارکان اسلام میں سے نماز کی تضحیک، یا پھر پنج وقتہ نماز کا انکار اور صرف دو یا تین وقتیہ فرض نماز کا قائل ہونا، صحیح بخاری شریف و صحیح مسلم شریف کی احادیث کو نقل کر کے نہایت گھناؤنے انداز میں مزاق اڑانا، یہ فرقہ ایسے مہلک اور فاسد و باطل خیالات کی تشہیر اور نشر و اشاعت میں لگا ہوا ہے، اور بھولے بھالے سادہ لوح انسانوں کو بہکا کر دین اسلام کی بنیادیں ڈھانے میں ہمہ تن مصروف عمل ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسے خیالات کا حامل شخص ''مسلمان'' کہلایا جا سکتا ہے؟ ایسے خیالات والوں کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفنایا جا سکتا ہے؟ ایسے لوگوں کے جنازے میں شریک ہونا اور ان سے شادی بیاہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔ (از سورت)

(الجواب) مدعیان اہل قرآن جو احادیث کا انکار کرتے ہیں، اور مذاق اڑاتے ہیں، اور نماز کی تضحیک کرتے ہیں، پنجوقتہ نمازوں کی فرضیت کا انکار کرتے ہیں یہ لوگ اسلام سے خارج ہیں ان کی نماز جنازہ پڑھنا اور مسلمانوں کی قبرستان میں دفنانا ان سے شادی بیاہ وغیرہ کسی قسم کے تعلقات رکھنا درست نہیں فقط واللہ اعلم ۱۰ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ۔

مايتعلق بالسنة و البدعة

آنحضرت ﷺ کا اسم مبارک سن کر انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟

(سوال ۱۲) اس کے ہمراہ احمد آباد سے شائع ہونے والے ماہنامے طیبہ (گجراتی) کے اگست ۱۹۶۰ء کے شمارے کے ایک فتوے کی نقل ارسال خدمت ہے، جس میں مرقوم ہے کہ بہت سے علماء ایسے ہیں جو فقہ حنفی پر عامل نہیں ہیں اور اس کے باوجود خود کو حنفی جتلاتے ہیں اور ناواقف مسلمانوں کو غلط راہ پر لے جاتے ہیں یہ لوگ ایسا کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے نام مبارک لیتے وقت خصوصاً اذان کے وقت انگوٹھے چومنا بدعت ہے، جو لوگ رحمۃ للعالمین ﷺ کی عزت کرتے ہیں آپ ﷺ کی شان وعظمت کو بیان کرتے ہیں، انہیں یہ علماء بدعتی کہتے ہیں اب سوال یہ ہے کہ انگوٹھے چومنے کے ثبوت میں جو حوالے دیئے گئے ہیں وہ ٹھیک ہیں یا نہیں؟ اور انگوٹھے چومنا سنت ٹھہرایا ہے وہ ٹھیک ہے یا نہیں؟ تفصیل سے جواب عنایت کریں۔

(الجواب) آنحضرت ﷺ کا نام مبارک پڑھ کر سن کر درود شریف پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اس میں سرور دو جہان ﷺ کی صحیح تعظیم بھی ہے، ایک مجلس میں کئی مرتبہ آپ ﷺ کا نام مبارک پڑھا جائے یا سنا جائے تو اس کے لئے فتویٰ یہ ہے کہ ہر مرتبہ درود شریف پڑھنا مستحب اور کم از کم ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے (درمختار و شامی ج اص ۴۸۱ مطلب فی وجوب الصلاۃ علیہ کلما ذکر علیہ الصلاۃ والسلام) مگر اس وقت انگوٹھے چومنے کے متعلق کوئی صحیح یا ضعیف حدیث وارد نہیں ہے، لہذا نام مبارک لے کر یا سن کر انگوٹھے چومنے کو حدیث سے ثابت شدہ ماننا اور مسنون سمجھنا، اور اس کو آپ کی تعظیم ٹھہرانا غلط اور بے دلیل ہے، یہ بدعتیوں کی ایجاد ہے اس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔
آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو رد (بخاری شریف پ ۱۰ ج اص ۳۷۱ باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود) (باب نقض الا حکام الباطلة ورد محدثات الامور مسلم شریف ج ۲ ص ۷۷) (یعنی) ”جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات نکالی کہ جو دین میں داخل نہیں ہے تو وہ نا قابل تسلیم ہے۔“

نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے من عمل عملاً لیس علیه امرنا فهو رد . (مسلم شریف ج ۲ ص ۷۷ ایضا) (یعنی) ”جو شخص ایسا کام کرے جس کے لئے ہمارا حکم نہ ہو“ (یعنی جو ہمارے طریقہ پر نہ ہو) وہ رد ہے۔

نیز اذان و اقامت کے وقت آنحضرت ﷺ کا نام مبارک سن کر انگوٹھے کے ناخن چومنا اور آنکھوں پر رکھنا اس فعل کو سنت سمجھنا اور حدیث نبوی ﷺ سے ثابت تصور کرنا اور اس کو سرور کائنات ﷺ کی صحیح تعظیم وعزت ٹھہرالینا اور حنفی ہونے کی علامت بتلانا اور نہ چومنے والے کو لعن طعن اور ملامت کے قابل سمجھنا، یہ بھی غلط ہے اور دین میں تحریف (رد وبدل) کرنے کے مانند ہے۔ اتنی بات درست ہے کہ بعض علماء نے کچھ ایسی حدیثوں کی بنا پر جن کو علماء محققین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ یہ جائز اور بعض نے اس کو مستحب قرار دیا ہے کہ اذان میں جب نام نامی آئے تو انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھے مگر یہ بات بھی آنکھ کی بیماری کے عمل اور علاج کے طور پر ہے۔ عبادت اور سنت مقصودہ اور آنحضرت ﷺ کی مخصوص تعظیم اور عظمت کے لئے نہیں۔ (مقاصد حسنہ وغیرہ) (مولانا احمد رضا خان کا فتویٰ بھی یہی بتلا رہا ہے جو

آگے تحریر ہے) لیکن اب صورت یہ ہے کہ لوگ اس کو آپ کی خاص تعظیم اور دین سنت مقصودہ سمجھتے ہیں اور نہ کرنے والے کو لعن طعن کرتے ہیں اور حنفیت کے خلاف اور اہل سنت سے خارج تصور کرتے ہیں۔ یہ تمام باتیں غلط ہیں اور ان کی بنا پر یہی ضروری ہے کہ ایسا نہ کیا جائے اور اس عمل کو ترک کر دیا جائے، فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ مستحب کو جب اپنی مرتبہ (درجہ) سے بڑھا دیا جاتا ہے تو وہ مکروہ ہو جاتا ہے۔

واستنبط منه ان المندوب ينقلب مكروهاً اذا خيف ان يرفع عن مرتبته (مجمع البحار ج ۲ ص ۲۴۴) فتح الباری شرح صحیح البخاری میں ہے کہ قال ابن المنير ان المندوبات قد تنقلب مكروهات اذا رفعت عن مرتبتها لان التيا من مستحب فی کل شی من امور العبادةلكن لما خشی ابن مسعود ان يعتقدوا وجو به اشار الى كراهته (یعنی) مستحبات مکروہات بن جاتے ہیں جب کہ انہیں اپنے اصلی مرتبہ سے بڑھا دیا جاتا ہے (مثال ملاحظہ ہو) ہر نیکی کے کام میں دائیں جانب سے ابتداء کرنا مستحب ہے لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے زمانے میں اس کا بے حد اہتمام دیکھا تو اس کو مکروہ فرما دیا کیونکہ ان کو خطرہ ہوا کہ لوگ اس مستحب کو واجب سمجھنے لگیں گے (فتح الباری ج ۲ ص ۲۸۱)

بعض فقہاء نے اپنے زمانہ میں ایام بیض (ہر ماہ کی تیرھویں، چودھویں، پندرھویں) کے روزوں کے متعلق کراہت کا فتویٰ دیا کیونکہ ان کے زمانہ میں ان روزوں کا عام رواج ایسا ہو گیا تھا کہ خطرہ ہوا کہ لوگ واجب سمجھنے لگیں گے حالانکہ ایام بیض کے روزے مستحب ہیں　کی فضیلت میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ وكل مباح ادى الى هذا فهو مكروه حتى افتى بعض الفقهاء حين شاع صوم ايام البيض فی زمانه بكراهته لئلا يؤدى الى اعتقاد الواجب مع ان صوم ايام البيض مستحبة وردفيه اخبار كثيرة فما ظنك بالمباح وما ظنك بالمكروه (مجالس الابرار م ۵۰ ص ۲۹۹) اس درجہ کی حدیث انگوٹھے چومنے کے متعلق کوئی پیش نہیں کر سکتا۔

اذان کے وقت انگوٹھے چومنے کے متعلق جو احادیث اور روایات آئی ہیں وہ مسند الفردوس دیلمی کے حوالے سے موضوعات کبیر اور تذکرۃ الموضوعات اور الفوائد المجموعه فی الاحادیث الموضوعه وغیرہ میں منقول ہیں۔

علامہ سخاویؒ کے حوالے سے ملا علی قاریؒ مذکورہ روایات کے متعلق نقل فرماتے ہیں کہ لا یصح (موضوعات کبیر ص ۷۵) یعنی روایت صحیح نہیں ہے۔

اور علامہ محمد طاہرؒ قمطراز ہیں کہ ولا یصح (تذکرۃ الموضوعات ص ۳۴) یہ روایت صحیح نہیں ہے اور علامہ شوکانیؒ علامہ طاہرؒ کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ لا یصح (الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ص ۹) اور امام المحدثین علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ الا حاديث التی رويت فی تقبيل الا نامل وجعلها على العينين عند سماع اسمه صلی الله عليه وسلم عن المؤذن فی كلمة الشهادة كلها موضوعات (یعنی) موذن سے کلمۂ شہادت میں آپ ﷺ کا نام مبارک سن کر انگلیاں چومنے اور آنکھوں پر رکھنے کے متعلق جو حدیثیں نقل کی جاتی ہیں وہ سب موضوع یعنی غلط اور بناوٹی ہیں (تیسیر المقال وغیرہ) موضوع حدیث پر عمل ناجائز ہے اور ضعیف حدیث پر

چند شرائط عمل کرنے کی گنجائش ہے ، امام سخاویؒ بحوالہ حافظ حدیث علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ "ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ زیادہ ضعیف نہ ہو اور اس پر عمل کرنے والوں کا اعتقاد نہ ہو کہ آپ ﷺ سے یہ ثابت ہے۔" (القول البدیع ص ۱۹۵) اور شیخ الاسلام ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں کہ "اگر حدیث ضعیف ہو، موضوع نہ ہو تو عمل جائز ہے لیکن اگر اس سے دین میں کوئی شعار یعنی امتیازی علامت قائم ہوتی ہو (جیسے کرنے والے کو سنی حنفی اور نہ کرنے والے کو وہابی کہا جانے لگے) تو اس پر عمل کرنا ممنوع ہو جائے گا" (احکام الاحکام ج ۱ ص ۵۱) اور علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ "بعض اعمال فی نفسہ جائز بلکہ مستحب ہوتے ہیں مگر حیثیت بدل جانے سے یا بدل جانے کے خوف سے لائق ترک بن جاتے ہیں۔" (الاعتصام ج ۲ ص ۹۲) اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تحریف دین کے اسباب بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ وان یلتزم السنن والاداب کا لتزام الواجبات، یعنی دین میں ایک تحریف یہ بھی ہے کہ سنن اور مستحبات کو واجب کی طرح لازم وضروری قرار دے لیں۔

(حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ ص ۲۶۱ ومن اسباب التحریف التشدد باب احکام الدین من التحریف)

تحریر بالا سے انگوٹھے چومنے کی شرعی حیثیت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے آپ کے بھیجے ہوئے فتویٰ کی نقل میں بعض حوالجات غلط ہیں ، اور بعض کتابیں جن کا حوالہ دیا گیا ہے جیسے جامع الرموز، کنز العباد، خزانۃ الروایات اور شرح مختصر وغیرہ غیر معتبر ہیں ، علامہ برکلیؒ، علامہ عصام الدینؒ، علامہ جلال الدین مرشدیؒ، علامہ ملا علی قاریؒ، اور علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ان کتابوں کے حوالے سے فتوے لکھنے کی ممانعت فرمائی ہے جب تک معتبر کتابوں سے کسی مسئلہ کی تائید نہ ہوتی ہو (دیکھئے مقدمہ مفید المفتی ص ۹۵-۹۴)

اب آخر میں فرقہ رضا خانی کے بانی مبانی اور بریلوی پارٹی کے حضور پر نور امام اہل سنت مجدد دین وملت شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت مولانا الحاج القاری الشاہ احمد رضا خاں بریلوی کی تحقیق اور آپ کا واضح فیصلہ پیش کرتا ہوں۔ غور سے ملاحظہ فرمایئے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب سے پوچھا گیا کہ :۔ مسئلہ اکثر وبیشتر مخلوق خدا کا طریقہ ہے کہ اذان اور فاتحہ خوانی یعنی پنجایت پڑھنے کے وقت (ختم اجتماعی) انگوٹھے چومتی ہے اور علماء بھی درست بتلاتے ہیں اور حدیث شریف سے ثابت کر دکھلاتے ہیں ، تو یہ قول درست ہے یا نہیں؟

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے جواب کا اصلی اور ضروری حصہ انہیں کے الفاظ میں یہ ہے ملاحظہ فرمایئے :۔

(جواب) اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخون چومنا آنکھوں پر رکھنا، کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں ، یہ جو کچھ اس میں روایت کیا جاتا ہے کلام سے خالی نہیں ، پس جو اس کے لئے ثبوت مانے یا اسے مسنون یا موکد جانے یا نفس ترک کو باعث زجر وملامت کہے وہ بے شک غلطی پر ہے ، ہاں بعض احادیث ضعیفہ مجروحہ میں تقبیل وارد ہے ...... اور بعض کتب فقہ میں مثلاً جامع الرموز، شرح نقایہ وفتاویٰ صوفیہ ، وکنز العباد وشامی حاشیہ در مختار کہ اکثر ان میں مستندات علمائے طائفہ اسماعیلیہ سے ہیں ، وضع ابہامین کو مستحب بھی لکھ دیا۔

(ابر المقال فی استحسان قبلۃ الاجلال ص ۱۱۔۱۲) ۔

مذکورہ بالا کتب کنز العباد، جامع الرموز، فتاویٰ صوفیہ شامی وغیرہ میں جوانگوٹھے چومنے کو مستحب لکھا ہے اس کو بھی مولانا احمد رضا خان صاحب نے پسند نہیں کیا، آگے تحریر کرتے ہیں کہ "پس حق اس میں اس قدر ہے کہ جو کوئی بامید زیادتی روشنائی بصر مثلاً از قبیلہ اعمال مشائخ جان کر یا بتوقع فضل ان کتب پر لحاظ اور ترغیب وارد پر نظر رکھ کر بے اعتقاد سنیت فعل وصحت احادیث وشناعت ترک اسے عمل میں لائے، اس پر بنظر اپنے نفس فعل واعتقاد کے خیر کچھ مواخذہ بھی نہیں کہ فعل پر حدیث صحیح نہ ہونا اس فعل سے نہی ومنع کو مستلزم نہیں ...... اور پنچایت (فاتحہ خوانی) کے وقت اس فعل کا ذکر کسی کتاب میں نہیں دیکھا گیا اور فقیر کے نزدیک بر بنائے مذہب ارجح واصح غالباً ترک زیادہ انسب والیق ہونا چاہئے ۔(ابر المقال فی استحسان قبلۃ الاجلال ص ۱۲۔۱۳ ۱۳۳۸ھ حسنی پریس بریلی میں طبع ہوئی ہے)

مذکورہ فتوے کا حاصل یہ کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے نزدیک مجلس فاتحہ خوانی جیسی مواقع پر انگوٹھے چومنے کا ثبوت کسی بھی کتاب میں نہیں ہے اس لئے ان کا نظریہ یہ ہے کہ نہ چومنا ہی زیادہ مناسب ہے۔

اور یہ بات کہ اذان کے وقت انگوٹھا چومنا ثابت ہے اس کے متعلق بھی وہ فرماتے ہیں کہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے اور اس شخص کو غلطی پر مانتے ہیں جو اس کا قائل ہو کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے یا جو شخص نہ چومنے کو برا سمجھے، صرف آنکھ کی روشنی کے علاج کے لئے مانتے ہیں، سنت نہیں سمجھتے، اور ان احادیث کو ضعیف اور مجروح مانتے ہیں ،جن میں اذان کے وقت چومنے کی کوئی فضیلت آئی ہے اور چومنے کی اجازت اس شرط پر دیتے ہیں کہ (۱) سنیت کا اعتقاد نہ ہو (۲) اس کے بارے میں جو حدیث ہے اس کو صحیح نہ سمجھے (۳) نہ چومنے والے کو برا نہ جانے وغیرہ یہ ہے مولانا احمد رضا خاں صاحب کے نزدیک مسئلہ کی حقیقت! جس کو سنی وہابی بلکہ کفر واسلام کی علامت ونشانی بتایا گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرہ خوں نہ نکلا

فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔

"رسمی تقاریب اور رواجی مجالس کے متعلق صحیح رہنمائی"

(سوال ۱۳) اہل بدعت کہتے ہیں کہ رسمی مجالس اور تقریبات میں تسبیح وقرآن خوانی ہوتی ہے اس کی مخالفت درحقیقت تسبیح وقرآن خوانی کی مخالفت ہے اور اس کو بدعت ٹھہرانا حقیقت میں تسبیح وقرآن خوانی کو بدعت قرار دینا ہے، اسی لئے ہم دیوبندیوں کو وہابی کہتے ہیں کہ وہ لوگ ثواب اور کار خیر سے منع کرتے ہیں، لہذا اس کے متعلق رہنمائی فرمائیں۔

(الجواب) اس قسم کے سوالات کے جوابات "پیغام" کے صفحات میں بار بار آ چکے ہیں تاہم اجمالاً جان لیجئے! آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کے عمل اور تعلیم کے خلاف کاموں کو ثواب اور دینی امور سمجھنا، اور اس پر عمل پیرا ہونا شریعت محمدی میں تحریف وتبدیل کے مرادف ہے کہ غیر شریعت کو شریعت اور بدعت کو سنت، اور گناہ کے کام کو اجر وثواب کا کام سمجھا جاتا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ گویا آنحضرت ﷺ کی پیش کردہ شریعت ناقص و ناتمام اور تغیر

وتبدل کی محتاج ہے (معاذ اللہ) ظاہر ہے یہ گناہ عظیم اور معاذ اللہ دین کے نام پر بددینی ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام نے ایسی ایجادات کی سخت ممانعت کی ہے اور ایسے کام کی شدت سے تردید کی ہے جو ذرہ برابر بھی سنت مبارکہ کے مخالف ہو۔

(۱) مجمع البحرین کے مصنف نے اپنی شرح میں بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے عید کے دن نماز عید سے پہلے عیدگاہ میں نفل نماز پڑھنے کا ارادہ کیا حضرت علیؓ نے اس کو منع کیا اس نے کہا یا امیر المومنین میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نماز پڑھنے پر عذاب نہیں کرے گا (پھر کیوں مجھے نماز پڑھنے سے روکا جاتا ہے؟) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں بھی خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی کام پر ثواب نہیں دیتا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا ہو یا ترغیب نہ دی ہو تو تیری یہ نماز عبث ہے اور عبث کام (عبادت میں) حرام ہے، شاید اللہ تعالیٰ تجھ کو اس پر عذاب دے اس لئے کہ تو نے پیغمبرؐ کے خلاف کیا۔ **وقال صاحب مجمع البحرین فی شرحه ان رجلاً یوم العید فی الجبانة ارادان یصلی قبل صلوة العید فنهاه علی رضی الله عنه فقال الرجل یا امیر المؤ منین انی اعلم ان الله تعالیٰ لا یعذب علی الصلوٰة فقال علی رضی الله عنه وانی اعلم ان الله تعالیٰ لا یثیب علی فعل حتیٰ یفعله رسول الله صلی الله علیه وسلم او یحث علیه فیکون صلوتک عبثا والعبث حرام فلعله تعالیٰ یعذبک به بمخالفتک لنبیه** (مجالس الابرار م ۱۸ ص ۱۲۹)

دیکھئے عید کی نماز سے قبل دو رکعت نفل نماز آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہے اس لئے حضرت علیؓ نے مخالفت کی حالانکہ نماز عبادت ہے، نماز میں قرآن خوانی ہوتی ہے، تسبیح پڑھی جاتی ہے، ابتدا سے انتہا تک خدا کا ذکر ہوتا ہے تو کیا حضرت علیؓ کا منع کرنا قرآن وتسبیح خوانی اور ذکر اللہ سے منع کرنے کے مرادف ہے؟ اور کیا آپؓ وہابی تھے؟

(۲) حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کے صاحبزادے نے نماز میں سورہ فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ زور سے پڑھی تو حضرت عبداللہ بن مغفل نے تنبیہ فرمائی۔ بیٹا۔ بدعت ہے۔ دیکھو ہرگز ہرگز کوئی ایسا کام نہ کرو جو بدعت ہو۔ صحابہ کرام کو اسلام میں بدعت سے (ایجاد سے) اتنی شدید نفرت تھی کہ میں نے تو اور کسی کو اتنی نفرت کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ **عن ابن عبدالله بن مغفل قال سمعنی ابی وانا فی الصلوة اقول بسم الله الرحمن الرحیم قال لی ای بنی محدث ایاک والحدث قال ولم ارا حداً من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم کان ابغض الیه الحدث فی الا سلام یعنی منه وقال وقد صلیت مع النبی صلی الله علیه وسلم ومع ابی بکرو عمرو مع عثمان فلم اسمع احد ا منهم یقولها فلا تقلها اذا انت صلیت فقل الحمد لله رب العالمین الخ (ترمذی شریف : باب ماجاء فی ترک الجهر ببسم الله الرحمن الرحیم ج ۱ ص ۳۳)**

دیکھئے! بسم اللہ بجائے آہستہ پڑھنے کے زور سے پڑھنے کو صحابی ناپسند کرتے ہیں اور بدعت ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں، حالانکہ بسم اللہ قرآن شریف کی ایک آیت ہے تو کیا حضرت عبداللہ بن مغفلؓ وہابی تھے؟

(۳) حضرت امام نافع فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے ایک آدمی چھینکا اور چھینکنے کے بعد الحمد للہ کے بجائے اس نے کہہ دیا **الحمد لله والسلام علی سول الله** یعنی **والسلام علی رسول الله** بڑھا دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ یہ دونوں جملے اپنی جگہ ٹھیک ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ کی حمد اور آنحضرت ﷺ پر

درود وسلام" میں بھی کہتا ہوں الحمد لله والسلام علی رسول الله . مگر جس رسول پر ہم درود وسلام بھیجتے ہیں اس نے یہ تعلیم نہیں دی۔ ان کی تعلیم یہ ہے کہ ہم اس موقعہ پر یہی کہیں الحمدللہ علی کل حال۔ عن نافع ان رجلا عطس الی جنب ابن عمر فقال الحمد لله والسلام علیٰ رسول الله فقال ابن عمر انا اقول الحمد لله والسلام علی رسول الله ولیس هکذا علمنا رسول الله صلی الله علیه وسلم علمنا ان نقول الحمد لله علی کل حال (ترمذی شریف ج۲ص۹۸ باب مایقول العاطس اذا عطس) دیکھئے! صحابیؓ نے والسلام علی رسول اللہ کہنے کی مخالفت کی تو کیا وہ آپ ﷺ کے مخالف تھے؟ اور کیا وہ وہابی تھے؟

(۴) حضرت ابو مالک اشجعیؒ فرماتے ہیں میں نے اپنے والد (طارقؓ) سے پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور تقریباً پانچ برس یہاں کوفہ میں حضرت علیؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے؟ کیا وہ حضرات قنوت پڑھتے تھے؟ جواب دیا کہ اے میرے بیٹے یہ تو بدعت ہے۔ عن ابی مالک الاشجعی قال قلت لابی یا ابت انک قد صلیت خلف رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ بن ابی طالب ها هنا بالکوفة نحوا من خمس سنین أکانوا یقنتون قال ای بنی محدث . (ترمذی شریف ج۱ص۵۳ باب ترک القنوت)

دیکھئے! چونکہ آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہے کہ مخصوص حالت کے علاوہ دائمی طور پر نماز صبح میں قنوت پڑھی ہے تو صحابی نے اس کے بدعت ہونے کا فتویٰ دے دیا حالانکہ یہ دعا ہے اور دعا عبادت بلکہ مخ العبادۃ (دعاء کا مغز) ہے۔ تو کیا یہ صحابی دعا وعبادت کے مخالف تھے؟ اور کیا وہ وہابی تھے؟

(۵) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دعا میں لوگوں کو سینہ سے اوپر ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ دعا میں اس طرح ہاتھ اٹھانا بدعت ہے، رسول خدا ﷺ دعاء کے وقت سینہ سے اوپر ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔ عن ابن عمر انه یقول ان رفعکم ایدیکم بدعة مازاد رسول الله صلی الله علیه وسلم علی هذا یعنی الی الصدر . رواه احمد . (مشکوٰۃ ص۱۹۶ کتاب الدعوات الفصل الثالث)

دیکھئے! دعا میں استسقاء کے خاص موقعہ کے سوا آپ ﷺ کی عادت شریفہ سینہ سے اوپر ہاتھ اٹھانے کی نہ تھی ،لہٰذا صحابی نے فوراً بدعت کا فتویٰ دے دیا تو کیا حضرت عبداللہ بن عمرؓ دعا کے وقت بارگاہ ایزدی میں ہاتھ اٹھانے کے مخالف تھے اور کیا وہ وہابی تھے؟

(۶) حضرت عمارہ بن رویبہؓ نے بشر بن مروان کو خطبہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہوئے دیکھا تو بددعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں بیکار چھوٹے ہاتھوں کو خراب و برباد کرے، آنحضرت ﷺ کو خطبہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہوئے نہیں دیکھا (ترمذی شریف ج۱ص۶۸) قال سمعت عمارة بن رویبة وبشر بن مروان یخطب فرفع یدیه فی الدعاء فقال عمارة قبح الله هاتین الیدتین القصیر تین لقد رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم وما بزید علی ان یقول هکذا واشار مسلم بالسبابة (ترمذی باب ماجاء فی کراهیة رفع الایدی علی المنبر ج۱ص۶۸)

دیکھئے! صحابی نے آپ ﷺ کی عادت شریفہ کے خلاف خطبہ میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے کو ناپسند فرمایا اور نہ صرف مخالفت کی بلکہ بددعا دی۔ تو کیا یہ صحابی باری تعالیٰ عزاسمہٗ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے مخالف تھے؟

اور کیا وہابی تھے؟

(۷) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ایک شخص کو نماز سے فراغت سے پہلے (قعود میں) دعا کے وقت ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ رسول خدا (ﷺ) جب تک نماز سے فارغ نہ ہوتے دعا میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

دیکھئے! قعود میں دعا کے وقت آنحضرت ﷺ سے ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں تھا اس لئے صحابیؓ نے مخالفت کی تو کیا وہ وہابی تھے؟

(۸) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جن کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کوفے میں معلم قرآن محدث اور مفتی مقرر کیا تھا ان کے دور کا واقعہ ہے کہ کچھ لوگ ایسا کرنے لگے کہ نماز صبح سے پہلے جس وقت لوگ جماعت کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے یہ اپنے حلقے بنا لیتے تھے ان کے سامنے کنکریاں ہوتیں پھر حلقہ میں سے ایک شخص کہتا سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھو وہ پڑھتے پھر اسی طرح سو مرتبہ لا الہ الا اللہ اور سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھنے کے لئے کہتا وہ ایسا ہی کرتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو خبر دی گئی، آپ وہاں تشریف لے گئے۔ آپ نے فرمایا یہ کیا ہو رہا ہے، ان لوگوں نے جواب دیا ہم ان کنکریوں پر یہ تسبیحات شمار کر کے پڑھ رہے ہیں آپؓ نے فرمایا تسبیحات کرنے کے بجائے اپنی برائیاں اور اپنے گناہ شمار کرو۔ تسبیحات کے لئے شمار کی ضرورت نہیں۔ میں ذمہ دار ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری کسی ایک نیکی کو بھی ضائع نہیں کرے گا۔ لہذا ان کے گننے کی ضرورت نہیں ہے) پھر آپ نے (افسوس کرتے ہوئے فرمایا) اے امت محمد (ﷺ) افسوس تمہاری تباہی کتنی تیزی سے آ رہی ہے۔ تمہارے نبی ﷺ کے یہ صحابہ بکثرت موجود ہیں نبی ﷺ کے کپڑے موجود ہیں وہ بوسیدہ نہیں ہوئے برتن موجود ہیں وہ نہیں ٹوٹے (اور تم نے یہ حرکتیں شروع کر دیں) اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے یا تو تم نے ایسا مذہب اختیار کر لیا جو ملۃ محمد (ﷺ) سے زیادہ ہدایت بخش ہے ورنہ تم گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔ ان لوگوں نے کہا حضرت! ہمارا منشاء صرف خیر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، بہت سے وہ ہوتے ہیں جو کہتے ہیں ہمارا منشاء خیر ہے ہم صرف بھلائی کا ارادہ رکھتے ہیں اور ان کو خیر اور بھلائی نصیب نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو قرآن شریف پڑھا کریں گے مگر قرآن ان کی ہنسلیوں سے (چنبرہ گردن سے) آگے نہیں بڑھے گا (ان کا یہ قرآن پڑھنا نہ دل پر اثر انداز ہوگا نہ عنداللہ قبول ہوگا) کیونکہ یہ تلاوت وہ اپنے منشاء کے بموجب کریں گے، وہ اللہ اور رسول کی منشاء کے مطابق نہیں کریں گے وہ خدا پرست نہیں بلکہ عقل پرست اور دل کی چاہ کے پجاری ہوں گے) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس طرح خفا ہو کر وہاں سے تشریف لے گئے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ یہ لوگ بعد میں خوارج سے مل گئے۔ اور جب خوارج سے جنگ ہوئی تو یہ ہمارے مقابلہ پر تھے) (ازالۃ الخفاء ۔ ج ا ص ۱۳۰) حصہ اول۔ فصل پنجم و ششم۔

(۹) ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی کہ بعض لوگ نماز مغرب کے بعد مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے کہ اتنی بار سبحان اللہ اور اتنی بار الحمد للہ اور اتنی دفعہ اللہ اکبر پڑھو، وہ اس کے مطابق پڑھ رہے ہیں تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کا یہ طریقہ دیکھ کر قسم کھا کر فرمایا کہ بے شک! تم لوگ بے حد تاریک بدعت میں مبتلا ہو گئے ہو۔ یا پھر رسول خدا ﷺ کے صحابہ سے بھی علم میں بڑھ گئے ہو، پھر ان لوگوں

کو مسجد سے نکال دیا (الاعتصام ج ۱ ص ۱۶۵) (مجالس الابرار م ۱۸ ص ۱۲۵) کیا حضرت ابن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی تسبیح خوانی کے مخالف تھے؟ اور کیا وہ وہابی تھے؟

(۱۰) حدیث میں ہے کہ تین صحابی آنحضرت ﷺ کی عبادت کا حال معلوم کرنے کے لئے ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ کی عبادت کا حال معلوم کر کے کہنے لگے کہ کہاں ہم اور کہاں آپ (ﷺ) آپ ﷺ تو وہ ہیں کہ آپ کی اگلی پچھلی تمام خطائیں معاف کر دیں گئیں (لہذا آپ کو زیادہ عبادت کی ضرورت نہیں (ﷺ) ان میں سے ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا، دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا، کبھی ترک نہ کروں گا تیسرے نے کہا میں کبھی شادی نہیں کروں گا (آزادرہ کر خوب عبادت کروں گا) آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا تم ایسا ایسا کہتے تھے؟ سن لو! خدا کی قسم میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ متقی ہوں اس کے باوجود روزے بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا، تہجد بھی پڑھتا ہوں آرام بھی کرتا ہوں اور اس کے علاوہ نکاح بھی کرتا ہوں (یہ میرا طریقہ ہے) جس نے میرا طریقہ چھوڑا وہ میرا نہیں۔ جاء ثلثة رهط الى بيوت ازواج النبى صلى الله عليه وسلم يسئلون عن عبادة النبى صلى الله عليه وسلم فلما اخبروا كانهم تقالوها فقالوا واين نحن من النبى صلى الله عليه وسلم قد غفرله' ما تقدم من ذنبه وما تأخر قال احدهم اما انا فانى اصلى الليل ابداً وقال اخر انا اصوم الدهر ولا افطر وقال اخر وانا اعتزل النساء فلا اتزوج ابداً فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم اليهم فقال انتم الذين قلتم كذا وكذا اما والله انى لا خشاكم لله واتقاكم له لكنى اصوم وافطر و اصلى وارقدوا تزوج النساء فمن رغب عن سنتى فليس منى.

(بخاری شریف ج ۲ ص ۷۵۷ پ ۲۱) (مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص ۲۷)

دیکھئے! حدیث مذکور میں کیا آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو خلاف سنت زیادہ نفل روزے رکھنے سے منع نہیں کیا اور زیادہ نفل نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا، کیا کثرت عبادت کی غرض سے بغیر نکاح کے رہنے سے ممانعت نہیں فرمائی؟ کیا سردار دو جہاں ﷺ وہابی تھے؟

یہ کامل اور مستند، ایمان کو تازہ اور مضبوط بنانے والے واقعات پڑھو اور پڑھاؤ اور مسلمانوں کو سناؤ، جس کے دل میں انصاف اور حق کی تلاش ہوگی اس کے لئے انشاء اللہ کافی وشافی ثابت ہوں گے، ہاں! جو اپنے نفس کے بندے ہیں، جن کا مذہب خواہشات نفسانیہ ہے نفس انہیں جدھر لے جاتا ہے ادھر جاتے ہیں، وہ کبھی تسلیم کرنے والے نہیں، ایسی ضدی ہٹ دھرم اور معاند کے متعلق خداء پاک اپنے پیغمبر ﷺ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔ فان لم يستجيبوالك فاعلم انما يتبعون اهوائهم ومن اضل ممن اتبع هواه بغير هدًى من الله ان الله لا يهدى القوم الظالمين (یعنی) اگر یہ لوگ آپ کی دلیل اور بات قبول نہ کریں تو سمجھ لو کہ وہ لوگ محض خواہشات نفسانیہ کے بندے اور متبع ہیں (جس چیز کو ان کا دل مانے قبول کرتے ہیں اور جس کو دل قبول نہ کرے اسے چھوڑ دیتے ہیں) اور جو شخص خدا کی ہدایت ترک کر کے اپنی خواہش کی پیروی کرنے والا ہے اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا؟ بے شک ایسے ظالم اور بے انصافوں کو خداء پاک ہدایت دینے والے نہیں ہیں۔ (سورہ قصص)۔

خلاصہ یہ کہ سوال سے جو ذہنیت ظاہر ہورہی ہے وہ گندی ذہنیت اور گمراہ کن شیطانی حجت بازی ہے (معاذ اللہ) اس کی مثال دیمک کی طرح ہے جیسے دیمک لکڑی کا خاتمہ کردیتی ہے ۔ بدعتی بھی (معاذ اللہ) نبوی ﷺ طریقہ کو نیست ونابود کرنے والے اور سنت کو ختم کر کے اس کی جگہ پر شیطان کی پسندیدہ بدعات کو تربیت اور ترویج دینے والے ہیں، خدا محفوظ رکھے۔ آمین

حضرت سفیان ثوریؒ سے روایت ہے کہ وہ کہتے تھے کہ بدعت ابلیس کو تمام گناہوں سے زیادہ محبوب ہے اس لئے کہ گناہوں سے توتوبہ ہوسکتی ہے اور بدعت سے توبہ نہیں کی جاتی اور اس کا سبب یہ ہے کہ گنہگار تو یہ سمجھتا ہے کہ میں گنہگار ہوں تو اس کے توبہ واستغفار کی امید ہے اور بدعتی یہ سمجھتا ہے کہ میں طاعت وعبادت کررہا ہوں تو یہ نہ توبہ کرے گا نہ استغفار، یہ مضمون خود ابلیس سے منقول ہے اس نے کہا کہ میں نے بنی آدم کی کمر معاصی اور گناہوں سے توڑ دی اور انہوں نے میری کمر توبہ اور استغفار سے توڑی تو میں نے ان کے لئے ایسے گناہ نکالے ہیں کہ جن سے وہ نہ استغفار کرتے ہیں اور نہ توبہ اور وہ بدعتیں ہیں عبادت کی صورت میں (مجالس الابرار م ۱۸ ص ۱۲۹)

اسی لئے حضرت امام غزالی نے صراحت کی ہے) کہ ''اگر تم کوئی کام شارع علیہ السلام کے حکم اور پیروی کے بغیر کروگے اگرچہ وہ کام عبادت کی صورت میں کیوں نہ ہو وہ عبادت نہیں بلکہ گناہ کا کام ہے۔ (مکتوب ص ۹)

دین اسلام خدائی دین ہے، اس کے احکام کسی کے گھڑے ہوئے نہیں ہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جو احکام حضرت رسول مقبول ﷺ کے پاس بھیجے ان کا نام شریعت محمدی ﷺ ہے، لہذا دینی کام ہونے نہ ہونے کا دارومدار قرآن وحدیث اور آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کے طریقے، معمولات اور آپ کی ہدایت پر ہے۔ عقل وخواہش اور ارادہ واختیار پر نہیں ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

ماہ صفر میں نحوست ہے یا نہیں؟

(سوال ۱۴) عورتوں کا خیال اور اعتقاد یہ ہے کہ صفر کا مہینہ اور خصوصاً ابتدائی ۱۳ دن منحوس اور نامبارک ہیں ۔ ان دنوں میں عقد نکاح، خطبہ اور سفر نہ کرنا چاہئے ورنہ نقصان ہوگا، کیا یہ عقیدہ درست ہے؟

(الجواب) مذکورہ خیالات اور عقائد اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں، زمانہ جاہلیت میں لوگ ماہ صفر کو منحوس سمجھتے تھے، نبی کریم ﷺ نے ان خیالات کی سخت الفاظ میں تردید فرمائی ہے ۔ واقع میں وقت، دن، مہینہ یا تاریخ منحوس نہیں ہوتے، نحوست بندوں کے اعمال وافعال پر منحصر ہے، جس وقت کو بندوں نے عبادت میں مشغول رکھا وہ وقت ان کے حق میں مبارک ہوتا ہے اور جس وقت کو گناہ کے کاموں میں صرف کیا ہے وہ ان کے لئے منحوس ہے ۔ حقیقت میں مبارک عبادات ہیں اور منحوس معصیات ہیں ۔ الغرض ماہ صفر منحوس نہیں ہے مگر منحوس ہمارے برے اعمال اور غیر اسلامی عقائد ہیں، ان تمام کو ترک کرنا اور ان سے توبہ کرنا ضروری ہے ۔ ماہ صفر اور اس کے ابتدائی تیرہ دنوں کو منحوس سمجھ کر شادی منگنی (خطبہ) سفر وغیرہ کاموں سے رک جانا سخت گناہ کا کام ہے۔

نصاب الاحتساب میں ہے کہ کوئی شخص سفر کے ارادہ سے گھر سے نکلے اور کوے کی آواز سن کر سفر سے رک جائے تو بزرگوں کے نزدیک وہ شخص کافر شمار ہوتا ہے۔ (مجالس الابرار م ۳۹ ص ۲۴۸)

آنحضرت ﷺ نے جاہلیت کے باطل عقائد کو رد کرتے ہوئے فرمایا(۱) **لا عدوی** امراض کی تعدی کوئی چیز نہیں ہے یعنی ایک کا مرض دوسرے کو لگ جانے کا عقیدہ غلط ہے اور فرمایا **لا طیرۃ** بدفالی کوئی چیز نہیں ہے یعنی سامنے سے بلی یا عورت یا کانا آدمی آجائے تو کام نہیں ہوگا، ایسا عقیدہ باطل ہے۔ **والطیرۃ شرک** (تین مرتبہ) بدفالی شرک کا کام ہے، بدفالی شرک کا کام ہے، بدفالی شرک کا کام ہے' اور فرمایا **ولا ھامۃ** یعنی الو کی نحوست بھی کوئی چیز نہیں ہے، مشرکوں کا عقیدہ تھا کہ جہاں پر الو بولتا ہے وہ گھر برباد ہوجاتا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے **ولا ھامۃ** فرما کر اس عقیدہ کو بھی باطل ٹھہرایا اس کے بعد فرمایا ولا صفر اور صفر کے مہینہ کی نحوست بھی کوئی چیز نہیں ہے۔ (بخاری شریف : باب لا ھامۃ ج ۱ ص ۸۵۷) مشرکین ماہ صفر کو تیرہ تاریخوں تک منحوس سمجھتے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ نے تردید فرمائی۔ افسوس! مسلمان اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے فرمان کے خلاف مشرکین کے عقیدہ کی اقتداء کرتے ہیں۔

اسی طرح عورت، گھوڑا اور گھر کی نحوست کا بھی عقیدہ باطل ہے، ایسے تمام خیالات مشرکانہ ہیں، اسلامی نہیں، غیر مسلموں کے ساتھ رہنے سہنے سے جاہلوں میں خصوصاً عورتوں میں ایسی خلاف اسلام خیالات گھر کر گئے ہیں۔ حکماء کا مشہور مقولہ ہے " **القبائح متعدیۃ والطبائع متسرقۃ** " خراب باتیں پھیلنے والی ہیں اور لوگوں کی طبیعتیں چور ہیں کہ خراب باتیں جلد قبول کر لیتی ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ کیسا ہے؟ اور اس کو خوشی کا دن منانا کیسا ہے؟

(**سوال ۱۵**) ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کو جو آخری بدھ (چہار شنبہ) کے طور پر منایا جاتا ہے اور اسکول و مدارس میں تعطیل رکھی جاتی ہے اور اس کو خوشی کے دن کے طریقہ سے منایا جاتا ہے اس کی کوئی اصلیت ہے؟ یوں کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صفر مہینہ کے آخری چہار شنبہ کو مرض سے شفا پائی اور غسل فرما کر سیر و تفریح فرمائی اس لئے مسلمانوں کو اس کی خوشی منانا چاہئے کیا یہ صحیح ہے؟ خصوصاً بریلوی طرز فکر کے مسلمان چہار شنبہ کو زیادہ مانتے ہیں۔

(**الجواب**) مذکورہ چیزیں بالکل بے اصل اور بلا دلیل ہیں، مسلمانوں کے لئے اخیری چہار شنبہ کے طور پر خوشی کا دن منانا جائز نہیں ہے۔ شمس التواریخ وغیرہ میں ہے کہ "۲۶ صفر (۱۱ھ) یوم دوشنبہ کو آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو رومیوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا اور ۲۷ صفر سہ شنبہ کو اسامہ بن زیدؓ امیر لشکر مقرر کئے گئے ۲۸ صفر چہار شنبہ کو اگرچہ آپ بیمار ہو چکے تھے لیکن اپنے ہاتھ سے نشان تیار کر کے اسامہؓ کو دیا۔ ابھی کوچ کی نوبت نہ آئی تھی کہ آخر روز چہار شنبہ اور اول شب پنجشنبہ میں آپ کی علالت خوفناک ہوگئی اور ایک تہلکہ پڑ گیا اسی دن وقت عشاء سے

(۱) عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا عدوی ولا طیرۃ ولا ھامۃ ولا صفر (بخاری شریف باب لا ھامۃ ج ۱ ص ۸۵۷)

آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے پر مقرر فرمایا (شمس التواریخ ج ۲ ص ۱۰۰۹۔۱۰۰۸)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۲۸ صفر چہار شنبہ کے روز آنحضرت ﷺ کے مرض میں زیادتی ہوئی تھی اور یہ دن ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ تھا، یہ دن مسلمانوں کے لئے خوشی کا تو ہے ہی نہیں، البتہ یہود وغیرہ کے لئے شادمانی کا دن ہوسکتا ہے۔ اس روز کو تہوار کا دن ٹھیرانا خوشیاں منانا، مدارس وغیرہ میں تعطیل رکھنا یہ تمام باتیں خلاف شرع اور ناجائز ہیں۔ بریلوی طرز فکر کے حضرات اس دن کو کیوں اہمیت دیتے ہیں یہ سمجھ میں نہیں آتا، ان کے جلیل القدر بزرگ مولوی احمد رضا خان صاحب تو آخری چہار شنبہ کو نہیں مانتے، دیکھئے احکام شریعت میں مذکورہ ذیل سوال وجواب:۔

(سوال) ''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ صفر کے آخری چہار شنبہ کے متعلق عوام میں مشہور ہے کہ اس روز آنحضرت ﷺ نے مرض سے صحت پائی تھی، بنابراس کے اس روز کھانا، شیرینی وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اور جنگل کی سیر کو جاتے ہیں...... لہذا اصل اس کی شرع میں ثابت ہے کہ نہیں؟

(الجواب) آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں، نہ اس دن صحت یابی۔ حضور سید عالم ﷺ کا کوئی ثبوت ہے بلکہ مرض اقدس جس میں وفات مبارکہ ہوئی اس کی ابتدا اسی دن سے بتلائی جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم'' (احکام شریعت ج ۲ ص ۵۰) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایام محرم میں ماتم کرنا کیسا ہے:

(سوال ۱۶) ہر سال ایام محرم میں دس روز امام حسینؓ کا ماتم کیا جاتا ہے اس کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) حضرت امام حسینؓ کی رسم ماتم سخت مکروہ اور ممنوع ہے، قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:۔

ولو جاز ان یتخذ یوم موته یوم مصیبة لکان یوم الا ثنین اولیٰ بذلک اذ قبض الله تعالیٰ نبیه محمداً صلی الله علیه وسلم فیه وکذالک ابو بکر الصدیق رضی الله عنه قبض فیه ۔ یعنی اور اگر امام حسینؓ کی شہادت کا دن یوم مصیبت و ماتم کے طور پر منایا جائے تو یوم دوشنبہ (پیر کا دن) اس غم واندوہ کے لئے زیادہ سزاوار ہے کیونکہ اس دن حضرت رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وفات پائی ہے اور اسی دن میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی وفات پائی ہے (حالانکہ کوئی ایسا نہیں کرتا) غنیۃ الطالبین ج ۲ ص ۳۸)

اور علامہ ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں۔ **وایاہ ثم ایاہ ان یشغله ببدع الرافضة ونحوهم من الندب والنیاحة والحزن اذلس ذلک من اخلاق المؤمنین والا لکان یوم وفاته صلی الله علیه وسلم اولیٰ بذلک واحریٰ.**

خبردار اور ہوشیار!! عاشورہ کے دن روافض کی بدعتوں میں مبتلا نہ ہوجانا مانند مرثیہ خوانی۔ آہ و بکا اور رنج والم کے! اس لئے کہ یہ خرافات مسلمانوں کے شایان شان نہیں اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو اس کا زیادہ مستحق حضور ﷺ کا یوم وفات ہوسکتا تھا۔ (صواعق محرقہ ص ۱۰۹ وشرح سفر السعادۃ ص ۵۴۳)

اور علامہ شیخ رومی فرماتے ہیں:۔ **واما اتخاذہ ماتما لا جل قتل الحسینؓ بن علیؓ کما یفعله الروافض فهو من عمل الذین ضل سعیهم فی الحیوٰة الدنیا وهم یحسبون انهم یحسنون صنعا اذلم**

یا مر اللہ و لا رسولہ باتخا ذ ا یام مصائب الا نبیاء و مو تھم ماتما فکیف بما دو نھم ؟

یعنی اور اس دن کو امام حسین بن علیؓ کی شہادت کے سبب ماتم منانا جیسا کہ رافض کرتے ہیں یہ سو یہ ان لوگوں کا طریقہ کار ہے جن کی کوشش دنیا میں رائگاں گئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنا کام خوب بنا رہے ہیں ، کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے انبیاء کے مصائب اور ان کی موت کے ایام کو ماتم کرنے کا حکم نہیں دیا۔ تو ان سے ادنی لوگوں کو کیا پوچھنا؟ (مجالس الابرار ص ۲۳۹)

محدث علامہ محمد طاہر تحریر فرماتے ہیں :۔ فانہ ۔۔۔ تجدید الماتم وقد نصوا علیٰ کر اھیۃ کل عام فی سیدنا الحسین مع انہ لیس لہ اصل فی امھات البلاد الا سلامیہ ۔ یعنی ہر سال سیدنا امام حسین کا ماتم کرنا علماء نے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے اور بلاد اسلامیہ میں کسی جگہ بھی یہ طریقہ رائج نہیں ہے۔ (مجمع البحار ج ۳ ص ۵۵۰)

حضرت شاہ سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔ وسوائے آں ہر احداد حرام وگناہ است گو بر پیغمبر باشد یا بر صدیق یا بر شہید ۔ ایام موت وقتل وشہادت باشد یا غیر آں ، تخصیص ہیچ کس دریں حکم نیست الخ (صراط مستقیم ص ۶۰)

صرف دسویں محرم کا روزہ رکھنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۷) دسویں محرم کا روزہ رکھے مگر ساتھ ساتھ نویں کا روزہ نہ رکھے تو کوئی حرج ہے

(الجواب) دسویں محرم کے ساتھ نویں محرم کا بھی روزہ رکھنا چاہئے ۔ نویں کا روزہ نہ رکھ سکے تو گیارھویں کا رکھ لے ورنہ صرف دسویں کا روزہ مکروہ ہو جائے گا۔

وتنزیھا کعا شوراء وھذہ (درمختار) اسی منفرداعن التاسع اوعن الحادی عشر (امداد) لانہ تشبہ بالیھود (شامی ج ۲ ص ۱۱۴ مراقی الفلاح ص ۱۲۴)فقط

صوم عاشوراء کی فضیلت کیا ہے؟:

(سوال ۱۸) دسویں محرم یعنی صوم عاشوراء کی فضیلت کے متعلق آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے خداوند تعالیٰ سے امید ہے کہ پچھلے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا کیا کبیرہ گناہ بھی معاف ہو جائیں گے یا صرف صغیرہ۔

(الجواب) یہ ارشاد گرامی تو صغیرہ گناہوں کے بارے میں اطمینان اور یقین دلاتا ہے باقی گناہ کبیرہ کے معاف ہونے کی بھی خدا تعالیٰ سے امید رکھنی چاہئے ، مگر ان احادیث کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے بھروسہ پر گناہ کرنے لگے بلکہ اپنے گناہوں پر نادم رہں اور پاک باز رہنے کی کوشش کریں تو یہ چیزیں مددگار ہوں گی۔

تعزیہ سازی جائز نہ ہونے کی دلیل کیا ہے؟

(سوال ۱۹) تعزیہ بنانا جائز نہیں ہے اس کی واضح دلیل کیا ہے؟

(الجواب) تعزیہ سازی کا ناجائز ہونا اور اس کا خلاف دین وایمان ہونا اظہر من الشمس ہے۔ ادنی درجہ کے مسلمان کے لئے بھی دلیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

قرآن مجید میں ہے۔ اتعبدون ماتنحتون ؟ کیا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہو جس کو خود ہی نے تراشا

اور بنایا ہے؟ ظاہر ہے کہ تعزیہ انسان اپنے ہاتھ سے بانس کو تراش کر بناتا ہے۔ اور پھر منت مانی جاتی ہے اور اس سے مرادیں مانگی جاتی ہیں، اس کے سامنے اولاد و صحت کی دعائیں کی جاتی ہیں، سجدہ کیا جاتا ہے۔ اس کی زیارت کو زیارت امام حسینؓ سمجھا جاتا ہے! کیا یہ سب باتیں روح ایمان اور تعلیم اسلام کے خلاف نہیں ہیں؟

علامہ حیات سندھی ثم المدنیؒ (المتوفی ۱۱۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ رافضیوں کی برائی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگ امام حسین کی قبر کی تصویر بناتے ہیں اور اس کو مزین کر کے گلی کوچوں میں لے کر گشت کرتے ہیں اور یا حسین! یا حسین! پکارتے ہیں اور فضول خرچ کرتے ہیں۔ یہ تمام باتیں بدعت اور ناجائز ہیں۔ (الرقضہ فی مہر الرفضۃ)

حضرت شاہ سید احمد صاحب بریلویؒ فرماتے ہیں۔ از جملہ بدعات رفضہ کہ در دیار ہندوستان اشتہار تمام یافتہ ماتم داری و تعزیہ سازی ست در ماہ محرم بزعم محبت حضرت حسنین رضی اللہ عنہما...... این بدعات چند چیز ست اول ساختن نقل قبور و مقبرہ و علم و سدہ و غیرہ ہا و این معنی بالبداہت از قبیل بت سازی و بت پرستی ست۔ (صراط مستقیم ص ۵۹)

اور فتاویٰ غرالدرر میں ہے کہ علیحدہ قبر بنانا۔ اور اس کی زیارت و اکرام کرنا جیسا کہ یوم عاشورہ میں روافض کرتے ہیں حرام ہے اور اس کے کرنے والے گنہگار ہیں اور حلال سمجھنے والا کافر ہے! بدعتیوں کے پیشوا مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کا فتویٰ بھی یہی ہے ملاحظہ ہو۔

(۱) علم، تعزیہ، بیرک، مہندی جس طرح رائج ہے بدعت ہے اور بدعت سے شوکت اسلام نہیں ہوتی، تعزیہ کو حاجت روا یعنی ذریعہ حاجت روائی سمجھنا جہالت پر جہالت ہے اور اس سے منت ماننا حماقت اور نہ کرنے کو باعث نقصان خیال کرنا زنانہ وہم ہے مسلمانوں کو ایسی حرکت سے باز آنا چاہئے۔ واللہ اعلم (رسالہ محرم و تعزیہ داری ص ۵۹)

(۲) محرم شریف میں سوگ کرنا حرام ہے۔ (عرفان شریعت ص ۷ ج ۱)

(۳) تعزیہ آتا دیکھ کر اعراض اور روگردانی کریں اس کی جانب دیکھنا بھی نہیں چاہئے (ایضاح ۲ ص ۱۵)

(۴) محرم شریف میں مرثیہ خوانی میں شرکت ناجائز ہے۔ (ایضاح ا ص ۱۶)

(۵) تعزیہ داری اس طریقہ نامرضیہ کا نام ہے جو قطعاً بدعت و ناجائز اور حرام ہے۔

(رسالہ تعزیہ داری حصہ دوم)

مولوی محمد مصطفیٰ رضا خانی بریلوی نوری برکاتی صاحب کا فتویٰ:۔

تعزیہ بنانا بدعت ہے اس سے شوکت و دبدبہ اسلام نہیں ہوسکتا ہے۔ مال کا ضائع کرنا ہے اس کے لئے سخت وعید آئی ہے۔ (رسالہ محرم و تعزیہ داری ص ۶۰)

مولوی محمد عرفان صاحب رضوی کا فتویٰ:۔ تعزیہ بنانا، اس پر پھول چڑھانا وغیرہ وغیرہ یہ سب امور ناجائز و حرام ہے۔ (عرفان ہدایت ص ۹)

غیر ذی روح کا تعزیہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۰) تعزیہ بے جان تصویر و نقشہ ہے، جیسے کہ کعبۃ اللہ کا نقشہ مدینہ منورہ، روضۂ اطہر بیت المقدس وغیرہ کا

نقشہ تو پھر ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے۔

(الجواب) بے جان تصاویر ونقشہ جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کی عبادت اور خلاف شریعت تعظیم نہ کی جاتی ہو۔ درمختار میں ہے:۔ **او لغیر ذی روح لا یکره لا نها لاتعبد (قوله لا نها لا تعبد) ای هذه المذکورات وحینئذ فلا یحصل التشبه فان قیل عبدالشمس والقمر والکواکب والشجرة الخضراء قلنا عبد عینه لا تمثاله درمختار مع الشامی ص ۶۴۹ مکروهات الصلاة** ۔یعنی کعبہ شریف وغیرہ کے نقشوں کی عبادت نہیں کی جاتی ہے۔اس کا طواف نہیں کیا جاتا۔نذرونیاز نہیں چڑھائی جاتیں اور اصل کعبہ کی طرح اس کے نقشہ کی تعظیم نہیں کی جاتی مگر تعزیہ داری اور تعزیہ سازی اعتقادی اور اصل خرابیوں سے پاک نہیں ہیں۔تعزیہ کو سجدہ کیا جاتا ہے،اس کا طواف کیا جاتا ہے،نذرونیاز چڑھائے جاتے ہیں۔اس کے پاس مرادیں مانگی جاتی ہیں،اس پر عرضیاں چسپاں کی جاتی ہیں اس لئے اس کا بنانا اور گھر میں لٹکانا ناجائز ہے۔اگر کعبۃ اللہ وغیرہ کی تصاویر اور نقشوں کے ساتھ حرکات مذکورہ کی جائیں گی تو وہ بھی ناجائز ٹھہرے گا۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔ **فان کل ما اعظم بالباطل من مکان او زمان اوحجر او شجر او بنیة یجب قصد اهانته کما اهانة الا وثان المعبودة.**

یعنی ایسی ہر چیز جس کی باطل طور پر تعظیم کی جائے مقام،وقت،شجر ہو یا حجر،باطل معبودوں کی طرح اس کی تحقیر وتذلیل کا قصد لازم ہے (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۷۶) فقط واللہ اعلم بالصواب۔نوٹ:۔ بزرگوں کی تصویر والے کپڑے کا سوال متفرقات میں آ گیا ہے۔

مولود کا شرعی حکم کیا ہے؟:

(سوال ۲۱) مولود شریف پڑھنے کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

(الجواب) آنحضرت ﷺ کی ولادت شریفہ کا ذکر اور آپ کے موئے مبارک،لباس،نعلین شریفین اور آپ کی نشست وبرخاست،خوردنوش،نوم ویقظ وغیرہ کا حال بیان کرنا اور سننا مستحب اور نزول رحمت وبرکت کا موجب ہے! بلکہ آنحضرت ﷺ کی ذات والاصفات کے ساتھ جس چیز کو بھی تھوڑی بہت مناسبت ہو۔جیسے کہ آپ کے نعلین شریفین کی خاک اور آپ کا بول وبراز بلکہ آپ کی سواری کے گدھے کے پیشاب وپسینہ کا ذکر بھی ثواب سے خالی نہیں جب کہ احادیث صحیحہ اور روایات معتبرہ سے ثابت ہو اور طریقۂ ذکر بھی مطابق سنت ہو۔ارشاد الطالبین میں محدث حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے حدیث نقل کی ہے۔ **ان القول لا یقبل مالم یعمل به و کلا هما لا یقبلان بدون النیة والقول والعمل والنیة لا تقبل مالم توافق السنة.** سخن مقبول نیست بدوں عمل کردن وہر دو مقبول نیستند بدوں نیت وہر سہ مقبول نیستند کہ موافق سنت نباشند (ص ۲۸)

یعنی۔قول بلا عمل درست نہیں ہوتا اور یہ دونوں (قول وعمل) بلا صحیح نیت کے مقبول نہ ہوں گے اور قول وعمل اور نیت مقبول ہونے کے لئے ضروری ہے کہ سنت کے موافق ہوں اور آیت کریمہ " **لیبلوکم ایکم احسن عملاً** " کی تفسیر میں ہے:۔

"ذکروا فی تفسیر احسن عملاً وجوھا (احدھا) ان یکون اخلص الا عمال واصوبھا لان العمل اذاکان خالصاً غیر صواب لم یقبل وکذلک اذا کان صوابا غیر خالص فالخالص ان یکون لوجہ اللہ والصواب ان یکون علی السنۃ.

یعنی احسن عملا سے مراد عمل مقبول ہے اور عمل مقبول وہ ہے جو خالص ہو۔ اور صواب بھی ہو، اگر عمل خالص ہے مگر صواب نہیں ہے تو وہ مقبول نہیں ہے۔ عمل خالص وہ ہے جو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا جائے اور صواب وہ ہے جو سنت کے مطابق ہو۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۴۳) العبودیہ ص ۲۰-۲۱)

اور حضرت احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

من عمل بلا اتباع سنۃ فباطل عملہ یعنی جو بھی عمل اتباع سنت کے بغیر کیا جائے گا وہ باطل ہے! (الاعتصام ص ۱۱۴ ج نمبر ۱)

حضرت سفیان ثوریؒ کا قول ہے:۔

لا یستقیم قول وعمل ونیۃ الا بموافقۃ السنۃ ! یعنی کوئی قول اور عمل اور نیت درست نہیں جب تک کہ رسول مقبول ﷺ کی سنت کے موافق نہ ہو! (تلبیس ابلیس ص ۹)

اسی طرح غوث الاعظم حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: لا یقبل قول بلا عمل ولا عمل بلا اخلاص واصابۃ السنۃ . (فتح ربانی ج ۱ ص ۱۴) کوئی قول عمل کے بغیر قابل قبول نہیں اور کوئی عمل اس وقت تک قبول نہیں جب تک اس میں اخلاص نہ ہو اور وہ سنت کے موافق نہ ہو۔

ولادت شریفہ کا ذکر بھی ایک عمل ہے اس کا صحیح اور درست طریقہ یہ ہے کہ بلا پابندی رواج، اور ماہ وتاریخ کی تعیین کے بغیر کسی ماہ میں کسی بھی تاریخ میں مجلس وعظ میں یا پڑھنے پڑھانے کے طور پر یا اپنی مجالس میں یا خود بخود آیات قرآنی اور روایات صحیحہ سمیت آنحضرت ﷺ کی ولادت شریفہ اور آپ کے صفات وکمالات اور معجزات وغیرہ وہ بیان کیا جائے۔ اور واعظ ومقرر بھی باعمل اور متبع سنت اور سچا عاشق رسول اللہ ﷺ ہونا چاہئے۔

(آج کل رسمی مجالس میلاد میں لوگ جمع ہو کر جاہل شعراء کے قصائد اور مصنوعی اور من گھڑت روایات کو برعایت نغمہ وترنم پڑھتے ہیں اس میں بے نمازی وفاسق بھی ہوتے ہیں) اس مذکورہ طریقہ کو ضروری سمجھتے ہیں، یہ خلاف سنت، اور بدعت ہے، نہ صحابہ کرامؓ تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ کرام میں سے کسی سے ثابت ہے! مجالس الابرار میں ہے ویستحب التکبیر فی طریق المصلی ... لکن لا علیٰ ھیئۃ الا جتماع والا تفاق فی الصوت ومراعات الا نغام فان ذلک کلہ حرام.

عیدگاہ کے راستہ میں تکبیر پڑھنا مستحب ہے لیکن نہ سب مل کر اور نہ بیک آواز نہ برعایت راگ راگنی! کیونکہ یہ سب حرام ہے۔ (م ۳۲ ص ۲۱۳)

دیکھئے تکبیر پڑھنا مستحب ہے، لیکن طریقۂ مذکورہ سے پڑھنا ثابت نہیں۔ اس لئے فقہاء ناجائز فرماتے ہیں۔ روایت ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لما اخبر بالجماعۃ الذین کانوا یجلسون بعد المغرب

وفیھم رجل یقول کبروا اللہ کذا و کذا وسبحوا اللہ کذا و کذا وحمدو اللہ کذا و کذا فیفعلون فحضرھم فلما سمع مایقولون قام فقال انا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اللہ الذی لا الہ غیرہ لقد جئتم ببدعۃ ظلماء او لقد فقتم علی اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔

حضرت ابن مسعودؓ کو خبر پہنچی کہ چند لوگ بعد نماز مغرب مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھتے ہیں۔ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ تکبیر، تسبیح اور تحمید اتنی اتنی مرتبہ پڑھو۔سب مل کر پڑھنے لگتے ہیں تو آپؓ ان کے پاس پہنچے اور ان کی یہ حالت دیکھ کر آپ نے بقسم انہیں فرمایا کہ تم لوگ ایک بہت تاریک بدعت میں پھنسے ہو یا یہ سمجھو کہ اصحاب محمد ﷺ سے بھی آگے بڑھ گئے۔(کہ تم وہ کر رہے ہو جو صحابہ کو نہیں سوجھی) الاعتصام ج ۲ ص ۱۶۵۔مجالس الابرار م ۱۸ ص ۱۲۵)

تکبیرات پڑھنے میں کچھ حرج نہیں لیکن طریقہ خلاف سنت ہونے کی وجہ سے جلیل القدر صحابی نے بدعت ہونے کا فتویٰ دے دیا۔اسی طرح مروجہ مجالس میلاد کو سمجھنا چاہئے۔حضرت علامہ ابن الحاج فرماتے ہیں:۔

(الا تری) انھم لما خالفوا السنۃ المطھرۃ وفعلوا المولود لم یقتصروا علی فعلہ بل زادوا علیہ ما تقدم ذکرہ من الاباطیل المتعددۃ الخ ۔

جب لوگوں نے (میلاد خوانوں نے) سنت مطہرہ کی مخالفت کی اور مولود مروجہ کیا تو پھر ذکر میلاد پر بھی نہیں رکے بلکہ بہت سی ان باطل اور غلط باتوں کا اضافہ کرلیا جن کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔(المدخل ج ۱ ص ۱۵۷)

اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکور میلاد کے رواج کو بند کردینے کی تاکید فرمائی ہے۔(مکتوب ۲۷ ج ۳ ص ۱۳۰)

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

فقط۔واللہ اعلم بالصواب۔

میلاد میں قیام:

(سوال ۲۲) مجلس میلاد میں ذکر ولادت کے وقت قیام کیا جاتا ہے۔اس کی وضاحت مطلوب ہے!

(الجواب) یہ بھی بے اصل ہے۔آنحضرت ﷺ کے ارشاد اور تابعین وتبع تابعین کے قول وفعل سے ثابت نہیں ہے تو اس کا التزام بھی بدعت ہے۔سیرت شامی میں ہے کہ کچھ لوگوں کی عادت ہوگئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ذکر ولادت کے وقت آپ کے لئے قیام کرتے ہیں۔لیکن درحقیت یہ بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں ۔حقیقت یہ ہے کہ مروجہ مجلس میلاد کی طرح قیام بھی بے اصل ہے۔اگر قیام کا مقصد ذکر ولادت شریفہ کی تعظیم ہے تو خطبوں اور وعظوں کی مجلس میں یا تفسیر قرآن واحادیث پڑھتے پڑھاتے گھنٹوں تک آپ کی ولادت کا تذکرہ ہوتا رہتا ہے اس وقت قیام کیوں نہیں کرتے؟

اگر قیام کرنے والوں کا اعتقاد ہو کہ مجلس میلاد میں آنحضرت ﷺ تشریف لاتے ہیں یا

تشریف آوری کا احتمال ہے اس لئے قیام کرتے ہیں تو مذکورہ بالا مواقع مجلس میں آپ کیوں تشریف نہیں لاتے؟ اگر تشریف فرما ہوتے ہیں یا اس کا احتمال ہے تو پھر یہاں کیوں قیام نہیں کرتے۔ بہر حال ذکر میلاد کے وقت قیام کا التزام بدعت ہے اس سے اجتناب ضروری ہے!

ترمذی شریف میں ہے۔ **عن بن عبدالله بن مغفل قال سمعني ابي وانا في الصلوٰة اقول بسم الله الرحمن الرحيم فقال لي اى بني محدث اياک والحدث قال ولم ار احداً من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كان ابغض اليه الحدث في الا سلام يعني منه.**

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے نے نماز میں سورۂ فاتحہ کے شروع میں **بسم الله بالجهر** پڑھی تو حضرت عبداللہ بن مغفل بولے اے میرے پیارے بیٹے! یہ بدعت ہے اس سے بچتے رہو۔ میں نے صحابۂ کرام میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ کسی چیز سے اس قدر عداوت رکھتے ہوں جتنا وہ بدعت سے رکھتے تھے۔
(ترمذی شريف ج ۱ ص ۳۳ باب ماجاء في ترک الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم)

ملاحظہ فرمایئے کہ **بسم الله** سراً (آہستہ) پڑھنے کے بجائے جہراً (زور سے) پڑھنے کو صحابی ناپسند فرماتے ہیں اور بدعت کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اور استدلال فرماتے ہیں کہ:۔

وقد صليت مع النبي صلى الله عليه وسلم ومع ابي بكر و عمر و مع عثمان فلم اسمع احداً منهم يقولها فلا تقلها اذا انت صليت فقل الحمد لله رب العلمين.

یعنی۔ میں نے حضور ﷺ ابوبکر، عمر، عثمان ہر ایک کے ساتھ نماز پڑھی ہے کہ کسی کو **بسم الله بالجهر** پڑھتے نہیں سنا! (ایضاً)

عن نافع ان رجلا عطس الى جنب ابن عمرؓ فقال الحمد لله والسلام على رسول الله فقال ابن عمرؓ وانا اقول الحمد لله والسلام على رسول الله وليس هكذا علمنا رسول الله علمنا ان نقول الحمد لله علىٰ كل حال!

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے سامنے ایک شخص کو چھینک آئی اس پر اس نے کہا **الحمد لله والسلام على رسول الله** . حضرت ابن عمرؓ نے والسلام علی رسول اللہ کے اضافہ کو ناپسند فرماتے ہوئے کہا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں اس موقع پر صرف "الحمد للہ علیٰ کل حال" کہنے کی تعلیم فرمائی ہے اور بس۔ (ترمذی شریف ص ۹۸ باب مایقول العاطس اذا عطس)

جو صحابہ اس قدر زیادتی کو برداشت نہیں کر سکتے کیا وہ قیام کے اضافہ کو گوارا کریں گے؟ ہرگز نہیں! خصوصاً ایسی حالت میں کہ "**لم يقوموا لما يعلمون من كراهيته لذلك**"۔

حضور ﷺ کی آمد پر صحابہ بطور ادب کھڑے ہو جاتے تھے آپ ﷺ نے اس تکلف کو ناپسند فرمایا لہذا صحابہ پھر کبھی کھڑے نہیں ہوئے۔ شمائل ترمذی وغیرہ)

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

مپندار سعدی کہ راہ صفا
تواں یافت جز درپے مصطفےٰ

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گیارھویں منانا چہ حکم دارد؟:

(سوال ۲۳) ہرسال ماہ ربیع الثانی میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی گیارھویں کے نام سے''یوم وفات'' بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں۔اس کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) بیشک! غوث الاعظم قطب ربانی محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۶۱ھ) ایک بڑے بزرگ ہیں جن کی عظمت ومحبت ایمان کی علامت ہے اور بے ادبی وگستاخی کرنا گمراہی کی دلیل ہے!!

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام مخلوق میں انبیاء علیہم السلام کا رتبہ سب سے بڑا ہے اور انبیاء میں سب سے افضل آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ پھر خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ، پھر عمر فاروقؓ، پھر عثمان غنیؓ اور پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا رتبہ ہے۔ان کے بعد عشرہ مبشرہ (جن کے متعلق حضور ﷺ نے جنت کی بشارت دی ہے) ان کے بعد پھر بقیہ اہل بدر، اہل احد مہاجرین وانصار وغیرہ صحابہ کرام کا درجہ بدرجہ رتبہ ہے ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا ہے جو اولیائے کرام اور بزرگان دین شرف صحبت سے سرفراز نہیں ہیں وہ نہ صحابہ سے افضل ہیں اور نہ کسی صحابی کے برابر ہیں! حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (تابعی المتوفی ۱۸۱ھ) سے دریافت کیا گیا کہ حضرت معاویہ (صحابی) اور حضرت عمر بن عبدالعزیز (تابعی المتوفی ۱۰۱ھ) میں کون افضل ہے؟ آپ نے جواب دیا قسم بخدا! جو مٹی حضور ﷺ کی معیت میں معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوئی ہے وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے سو بزرگوں سے بہتر ہے سئل ایما افضل ؟ معاویة او عمر بن عبدالعزیز فقال واللہ لغبار الذی دخل انف فرس معاویة مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر من ماۃ مثل ابن عبدالعزیز . (فتاویٰ حدیثیہ ص ۲۶۱)

حقیقت مذکورہ کو بغور سوچئے کہ انبیاء اور صحابہ جیسی مقدس ہستیوں کے''ایام وفات'' منانے کی شریعت نے کوئی تاکید نہیں کی تو حضرت غوث اعظم کا''یوم وفات'' منانے کا کیا مطلب؟ دن منانا ہر ایک کے لئے ممکن نہیں۔ کیونکہ مراتب ودرجات کا لحاظ کرکے سب سے پہلے حضرات انبیاء علیہم اور صحابہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں اور سال کے کل ایام تین سو چون یا تین سو ساٹھ ہیں تو تمام کے ایام وفات منانے کے لئے اور دن کہاں سے لائیں گے؟ اور انبیاء وصحابہ کو چھوڑ کر ان سے کم اور نیچے کے درجہ والے بزرگوں کے دن منائے جائیں تو یہ انبیاء اور صحابہ کے مراتب میں رخنہ اندازی کے برابر ہے جس کو مرحوم حالی نے بھی ناپسند فرمایا ہے۔

نبی کو جو چاہے خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں

حدیث شریف میں ہے کہ ہر ایک سے معاملہ اس کے درجہ کے مطابق کرو!

خلاصہ یہ کہ یہ رواج جس کے متعلق سوال کیا گیا ہے عقل ونقل دونوں کے خلاف ہے اور اس کے بدعت

ہونے میں ذرہ برابر شبہ کی گنجائش نہیں۔ صحیح اور قابل تقلید طریقہ یہ ہے کہ بلا تداعی اور بلا کسی پابندی کے شب و روز کی اپنی مجالس میں انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام اور اسی طرح بزرگان دین حضرت غوث اعظمؒ وغیرہ اولیاء عظام کا ذکر کیا جائے۔

اس کے علاوہ واقعہ یہ ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تاریخ وفات میں بڑا اختلاف ہے ''تفریح الخاطر فی مناقب شیخ عبدالقادر'' میں آٹھ اقوال بیان کئے ہیں۔ نویں، دسویں، سترھویں، آٹھویں، تیرھویں، ساتویں، گیارھویں، ربیع الاول! اس کے بعد لکھا ہے کہ صحیح دسویں ربیع الاول۔ (بستان المناظر ص ۱۱۳)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ کے خلفاء، مریدین و متبعین نے آپ کی تاریخ وفات اور دن و ماہ کی تعیین کے ساتھ برسی اور یوم وفات منانے کا اہتمام نہیں کیا ہے۔ ورنہ تاریخ وفات میں اتنا شدید اختلاف نہ ہوتا! رہا ایصال ثواب۔ تو جائز طریقہ پر بلا تعیین تاریخ و یوم و ماہ کے جب چاہے کر سکتے ہیں! ہمیشہ کے لئے ایک ہی تاریخ متعین کرنا کہ کبھی بھی اس کے خلاف نہ کیا جائے تو یہ اپنی طرف سے زیادتی اور ایجاد فی الدین ہے۔

افسوس! فرائض و واجبات اور سنن کو نظر انداز کر کے بدعات و غیر ضروریات میں مشغول و مبتلا ہیں اور اس کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں۔

المحروم رضا مولاہ من لم یعمل بما امرو اشتغل بما لم یؤ مر به هذا هو الحرمان بعینه والموت بعینه والطرد بعینه.

یعنی اپنے آقا کی خوشنودی سے محروم ہے وہ شخص جو اس پر تو عمل نہ کرے جس کا اس کو حکم کیا گیا۔ اور جس کا آقا نے حکم نہیں دیا اس میں مشغول رہے یہی اصل محرومیت ہے یہی اصل موت ہے، یہی اصل مردودیت ہے۔ (الفتح الربانی م ۶۰۰ ص ۴۴۰) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گیارھویں کو روشنی و چراغاں کرنے کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۴) گیارھویں ربیع الآخر کو چراغاں کیا جاتا ہے، مساجد میں روشنی کی جاتی ہے۔ اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

(الجواب) مذکورہ شب میں چراغ اور مٹی کے دیئے جلانا اور دیوار کے طاقچہ میں دیر رکھنے کی جو رسم ہے وہ بالکل ناجائز اور بدعت ہے اور دیوالی کی پوری نقل ہے۔ مساجد میں بھی نمازیوں کی ضرورت سے زیادہ رسماً رواجاً روشنی کرنا اسراف و حرام ہے اگر متولی مسجد کے مال میں سے کرے گا تو اس کو اس کا تاوان دینا ہوگا۔ شب برات وغیرہ راتوں کا یہی حکم ہے ان سراج السرج الکثیرة لیلة البراءة فی السکک والا سواق بدعة و کذا فی المساجد ویضمن القیم بل لو ذکرہ الواقف وشرطه لا یعتبر ذالک الشرط شرعاً وان لم یکن من مال الوقف بل تبرع به یکون ذلک تبذیرا واضاعة المال والتبذیر حرام بنص القران.

یعنی شب برات کو کوچوں اور بازاروں میں چراغ جلانا بدعت ہے اور ایسے ہی مسجدوں میں بھی! اور متولی تاوان دے گا۔ بلکہ اگر وقف کرنے والا اس کا ذکر کر دے۔ اور شرط لگا دے تو اس شرط کا اعتبار نہیں ہے۔ اور اگر یہ چراغاں وقف کے مال سے نہ ہو بلکہ متولی اپنی طرف سے کرے تو یہ اسراف اور مال کا ضائع کرنا ہے اور اسراف

ازروئے نص قرآن حرام ہے۔ (مجالس الابرار م ۲۴ ص ۱۶۵)

وصرح ائمتنا الاعلام رحمهم الله بانه لا يجوزان يزاد على سراج المسجد سواء كان في شهر رمضان او غيره لان فيه اسرافا كما في الذخيره .(فتاوىٰ حامديه ج ۲ ص ۳۷۸).مسائل و فوائد شتى من الحظر والاباحة وغير ذلک ومطالبة فقط والله اعلم بالصواب.

زیارت میت کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۵) یہاں پر بہت سی جگہ یہ رواج ہے کہ بعد وفات میت کے خویش واقارب اس کے)مکان پر پہنچتے ہیں بعض دوسرے اور تیسرے دن زیارت کر کے جاتے ہیں۔ بعض نوجوان دوشیزہ بھی زرق برق لباس پہن کر جمع ہوتی ہیں اور زیارت کا کھانا کھاتی ہیں۔ شادی کی طرح خورد نوش اور پان بیڑی، سگریٹ وغیرہ کا بندوبست کرنا پڑتا ہے ورنہ لوگوں کی طعن وتشنیع کا اندیشہ رہتا ہے اور بدعتی، وہابی اور پھر یلے کہتے ہیں۔ یہ رواج جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) مذکورہ رواج بدعت وناجائز ہے۔ ہاں تاریخ ویوم کی تعیین اور تیجہ برسی کی پابندی کے بغیر ایصال ثواب کے لئے فقراء کو حسب حیثیت کھانا کھلائے یہ منع نہیں ہے جائز ہے۔ اس سلسلہ میں دلائل اور فقہی عبارت تحریر کرنے کے بجائے وہابی وغیرہ القاب دینے والوں کے بڑے رئیس '' مولوی احمد رضا خاں'' کا فتویٰ۔ یہاں پیش کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ملاحظہ ہو۔ الجواب سبحان الله ! اے مسلمان یہ پوچھتا ہے جائز ہے۔ یا کیا یوں پوچھ کہ یہ ناپاک رسم کتنے قبیح اور شدید گناہوں سخت وشنیع خرابیوں پر مشتمل ہے اولاً یہ دعوت خود ناجائز وبدعت شنیعہ قبیحہ ہے۔ امام احمد اپنے مسند اور ابن ماجہ سنن میں بسند صحیح حضرت جریر ابن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کنا نعد الاجتماع الىٰ اهل الميت وصنعهم الطعام من النيا حة ! ہم (گروہ صحابہ) اہل میت کے یہاں جمع ہونے اور ان کے لئے کھانا تیار کرانے کو مردے کی نیاحت سے شمار کرتے تھے جس کی حرمت پر متواتر حدیثیں ناطق ہیں۔ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:۔

يكره اتخاذ الضيافة من الطعام من اهل الميت لانه شرع في السرور لا في الشرور وهي بدعة مستقبحة . یعنی اہل میت کی طرف سے کھانے کی ضیافت تیار کرنی منع ہے کہ شرع نے ضیافت خوشی میں رکھی ہے نہ کہ غمی میں۔ اور یہ بدعت شنیعہ ہے اسی طرح شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں فرمایا:۔

ولفظه يكره الضيا فة من اهل الميت لا نهاشرعت في السرور لا في الشرور هي بدعة مستقبحة.

فتاویٰ خلاصہ (۳)، فتاویٰ سراجیہ (۴)، فتاویٰ ظہیریہ (۵)، فتاویٰ تاتارخانیہ (۶) اور ظہیریہ سے خزانۃ المفتین کتاب الکراہیۃ اور تاتارخانیہ سے فتاویٰ ہندیہ میں بالفاظ متقاربہ ہے۔

واللفظ للسراجية لا يباح اتخاذ الضيافة عند ثلاثة ايام في المصيبة زاد في الخلاصة لان الضيافة تتخذ عند السرور ا.

غمی میں یہ تیسرے دن کی دعوت جائز نہیں کہ دعوت تو خوشی میں ہوتی ہے، فتاویٰ امام قاضی خان ! کتاب

الحظر والاباحۃ میں ہے۔ یکرہ اتخاذ الضیافۃ فی ایام المصیبۃ لانھا ایام تاسف فلا یلیق بھا مایکون للسرور۔ غمی میں ضیافت ممنوع ہے کہ یہ افسوس و رنج و ملال کے دن ہیں تو جو کچھ خوشی میں ہوتا ہے وہ اس حال کے لائق نہیں۔ تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے۔ لا باس بالجلوس للمصیبۃ الیٰ ثلاث من غیر ارتکاب محظور من فرش البسط والا طعمۃ من اھل المیت۔ مصیبت کے لئے تین دن بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں جب کہ کسی امر ممنوع کا ارتکاب نہ کیا جائے جیسے مکلف فرش بچھانا اور میت والوں کی طرف سے کھانا وغیرہ امام بزازی وجیز میں فرماتے ہیں۔ یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع یعنی میت کے لئے پہلے اور تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد جو کھانا تیار کیا جاتا ہے وہ مکروہ اور ممنوع ہے۔ علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں۔ اطال ذلک فی المعراج وقال ھذہ الا فعال کلھا للسمعۃ والریاء فیحترز عنھا صاحب معراج الدرایہ (شرح ہدایہ) نے اس مسئلہ میں بہت کلام طویل کیا اور فرمایا کہ یہ سب ناموری اور دکھاوے کے کام ہیں ان سے احتراز کیا جائے۔

جامع الرموز آخر الکراہیۃ میں ہے۔ یکرہ الجلوس للمصیبۃ ثلثۃ ایام او اقل فی المسجد ویکرہ اتخاذ الضیافۃ فی ھذہ الا یام وکذا اکلھا کما فی خیرۃ الفتاوی۔ یعنی تین دن یا کم تعزیت کے لئے مسجد میں بیٹھنا منع ہے اور ان دنوں میں ضیافت بھی ممنوع اور اس کا کھانا بھی منع جیسا کہ خیرۃ الفتاویٰ میں اس کی تصریح ہے۔

فتاویٰ القروی اور واقعات المفتیین میں ہے۔ یکرہ اتخاذ الضیافۃ ثلاثۃ ایام واکلھا لانھا مشروعۃ للسرور! تین دن ضیافت اور اس کا کھانا مکروہ ہے کہ دعوت تو خوشی میں کی جاتی ہے۔ کشف الغطاء میں ہے۔ ضیافت نمودن اہل میت اہل تعزیت را و پختن طعام برائے آنہا مکروہ است باتفاق روایات چہ ایشاں را بسبب اشتغال بمصیبت استعداد و تہیۂ آں دشوار ست! اسی میں ہے:۔

پس آنچہ متعارف شدہ از پختن اہل مصیبت طعام را در سوم و قسمت نمودن آں میان اہل تعزیت و اقران غیر مباح و نامشروع ست۔ بتصریح کردہ بداں در خزانہ چہ شریعت ضیافت نزد سرور ست نہ نزد شرور وھو المشھور عند الجمھور!

ثانیاً غالباً ورثہ میں کوئی یتیم یا بچہ نابالغ ہوتا ہے یا بعض ورثاء موجود نہیں ہوتے۔ نہ ان سے ان کا اذن لیا جاتا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:۔ ان الذین یاکلون اموال الیتمیٰ ظلماً انما یاکلون فی بطونھم ناراً وسیصلون سعیراً۔ بے شک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق طور پر کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں اور قریب ہے کہ جہنم کی گہرائی میں جائیں گے۔ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل۔ خانیہ و بزازیہ و تاتارخانیہ وھندیہ میں ہے۔ واللفظ لھا تبین ان اتخذ طعاماً للفقراء کان حسناً اذا کانت الورثۃ بالغین فان کان فی الورثۃ صغیر لم یتخذوا۔ ان اتخذولی المیت طعاماً للفقراء کان حسناً الا ان یکون فی الورثۃ صغیر فلا یتخذ من الترکۃ۔

ثالثاً یہ عورتیں کہ جمع ہوتی ہیں افعال منکرہ کرتی ہیں۔ مثلاً چلا کر رونا پیٹنا، بناوٹ سے منہ ڈھانکنا الیٰ غیر ذلک اور یہ سب نیاحت ہے اور نیاحت حرام ہے۔

ایسے مجمع کے لئے میت کے عزیزوں، دوستوں کو بھی جائز نہیں کہ کھانا بھیجیں کہ گناہ کی امداد ہوگی۔ قال اللہ تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان! نہ کہ اہل میت کا اہتمام طعام کرنا کہ سرے سے ناجائز ہے۔ اس مجمع

ناجائز کے لئے کشف الغطاء میں ہے:۔ساختن طعام در روز ثانی وثالث برائے اہل میت اگر نوحہ گراں جمع باشند مکروہ ست زیرا کہ اعانت ست ایشاں را بر گناہ!

رابعاً اکثر لوگوں کو اس رسم شنیع کے باعث اپنی طاقت سے زیادہ تکلیف کرنی پڑتی ہے یہاں تک کہ میت والے بیچارے اپنے غم کو بھول کر اس آفت میں مبتلا ہوتے ہیں کہ اس میلے کے لئے کھانا پان چھالیہ کہاں سے لائیں اور بارہا ضرورت قرض لینے کی پڑتی ہے ایسا تکلف شرع کو کسی امر مباح کے لئے بھی زنہار پسند نہیں ۔ نہ کہ ایک رسم ممنوع کے لئے ۔ پھر اس کے باعث جو دقتیں پڑتی ہیں خود ظاہر ہیں پھر اگر قرض سودی ملا تو حرام خالص ہو گیا اور معاذ اللہ لعنت الٰہی سے پورا حصہ ملا کر بے ضرورت شرعیہ سود دینا بھی سود لینے کے مثل باعث لعنت ہے۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں فرمایا۔غرض اس رسم کی شناعت وممانعت میں شک نہیں !اللہ عزوجل مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ قطعاً ایسی رسوم شنیعہ جن سے ان کے دین ودنیا کا ضرر ہے ترک کردیں اور طعن بیہودہ کا لحاظ نہ کریں۔ واللہ الھادی الیٰ سواء السبیل.

تنبیہ:

۔۔۔ ف ایک دن یعنی پہلے ہی روز عزیزوں ہمسایوں کو مسنون ہے کہ اہل میت کے لئے اتنا کھانا پکوا کر بھیجیں ۔۔۔ دو۔۔۔ت ہا سکیں اور باصرار کھلائیں مگر کھانا صرف اہل میت ہی کے قابل ہونا سنت ہے۔اس میلے کے لئے بھیجنے کا ۔۔۔ حکم نہیں ہے اور ان کے لئے بھی فقط روز اول کا حکم ہے آگے نہیں۔کشف الغطاء میں ہے:۔

مستحب ست خویشاں وہمسایہائے میت راکہ اطعام کنند طعام را برائے اہل وے کہ سیر کنند ایشاں را یک شبانہ روز والحاح کنند تا بخورند ودر خوردن غیر اہل میت ایں طعام را مشہور آنست کہ مکروہ است اھ ملخصاً۔عالمگیری میں ہے:۔

حمل الطعام الی صاحب المصیبۃ و۔۔۔ کل معھم فی الیوم الاول جائز لشغلھم بالجھاز وبعدہ یکرہ کذافی التاتار خانیۃ.(احکام شریعت صفحہ ۱ ۶ ۲ ۰ ۶ ۲-۶۳ . ۶۴ ج ۳ مولفہ مولوی احمد رضا خان صاحب)

فتاویٰ رشیدیہ کی ایک عبارت سے متعلق:

(سوال ۲۶) کیا فتاویٰ رشیدیہ میں یہ عبارت ہے !محرم میں شہادت کی صحیح نقل کرنا ،سبیل لگانا شربت یا دودھ پینا ، سبیل یا شربت کے لئے چندہ دینا ،سب ناجائز وحرام ہے۔رضا خانی صاحبان اس عبارت کے اوپر بڑا اعتراض کرتے ہیں۔لہٰذا تفصیل سے جواب مرحمت فرمائیں!

(الجواب) فتاویٰ رشیدہ کی عبارت نقل کرنے میں بڑی خیانت کی گئی ہے اصل تحریر میں 'تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہے'' کہ الفاظ ہیں جس پر مسئلہ کا مدار تھا اس کو نکال کر پیش کرنا دیانتداری کے خلاف ہے۔

سوال میں محرم کے دس ایام میں شہادت کے بیان کے متعلق پوچھا گیا ہے۔حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے تشبیہ روافض کی بنا پر ناجائز لکھا ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ جس نے جس قوم کا تشابہ اختیار کیا وہ اس قوم میں

سے ہے اور فرمایا ہے کہ جو غیروں کے طریقہ کو اختیار کرے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۵۶)

نماز کتنی بہترین عبادت ہے لیکن آفتاب پرستوں سے مشابہت کی وجہ سے طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے کی سخت ممانعت ہے کیونکہ اس وقت آفتاب پرست سجدہ کرتے ہیں۔ اگر چہ ہماری نیت و مقصد آفتاب کو سجدہ کرنا یا آفتاب پرستوں کی مشابہت کرنے کی نہیں ہے۔ پھر بھی ظاہراً تشابہ کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے ممانعت کردی گئی ہے۔ اس لئے بزرگان دین محرم شریف کی شہادت کے بیان وغیرہ کرنے کو منع کرتے آئے ہیں کہ اس میں بھی تشابہ روافض لازم آتا ہے۔

(۱) حضرت امام صفار سے سوال کیا گیا کہ یوم عاشوراء کو حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا بیان جائز ہے یا نہیں؟ جواب دیا کہ ناجائز ہے کیونکہ یہ روافض کی علامت ہے۔

(۲) حضرت ابن حجر مکیؒ ''صواعق محرقہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:۔

قال الغزالی وغیرہ یحرم علی الواعظ وغیرہ روایة مقتل الحسن رضی اللہ عنه والحسین رضی اللہ عنه وحکایته.

ترجمہ: امام غزالی وغیرہ فرماتے ہیں کہ واعظ وغیرہ بیان کرنے والوں کو حضرت امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی شہادت کا قصہ بیان کرنا حرام ہے۔

(۳) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

ومنها قصصهم قصة کربلا والوفاة وغیرہ ذالک وخطبهم فیها .

اس زمانے میں جو خرابی ہمارے واعظین میں پیدا ہوئی ہے اس میں سے ایک واقعہ کربلا کا ذکر کرنا ہے۔ (القول الجمیل مع شرح شفاء العلیل ص ۱۴۷)

(۴) حضرت عبید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

وآں ذکر قصہ شہادت ست بشرح وبسط عقد مجلس کردہ بایں قصد کہ مردم آں را بشنوند وتأسفہا نمایند وحسرتہا فراہم آرند وگریہ وزاری کنند۔ ہر چند درنظر ظاہر خللے نمیشود امافی الحقیقت ایں ہم مذموم ومکروہ است، چرا کہ دروقت حدوث صدمہ یا تذکرہ آں استرجاع صبر ماموربہ است نہ اظہار تأسف وحسرت وتکلف در پیدا کردن آن!

شہادت کا بیان اس غرض سے کرے کہ لوگ جمع ہو کر سنیں اور افسوس وحسرت کا اظہار کریں۔ بظاہر اس میں کوئی خرابی معلوم نہیں ہوتی۔ مگر حقیقت میں یہ برا اور مکروہ ہے۔ کیونکہ کسی صدمہ کے پیش آنے یا کسی صدمہ کے تذکرہ کر کے وقت **انا للہ وانا الیه راجعون** پڑھنے اور صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ افسوس اور رنج وغم ظاہر کرنے اور رنج وغم نہ ہو تو رنج وغم کی شکل بنانے کا حکم نہیں ہے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں اور اپنے قلوب میں ایسے طرز کو ائمہ کی محبت کا ثبوت سمجھتے ہیں یہ کھلا اور بین دھوکہ ہے۔ (مجموعہ ملفوظات عرف صراط مستقیم فارسی ص ۶۱) کیا یہ سب لوگ وہابی تھے۔

رضا خانی جماعت کے بڑے پیشوا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی رقمطراز ہیں:۔ کہ عوام مجلس خوان اگر چہ بالفرض صرف روایات صحیحہ مرجحہ صحیح پڑھیں بھی تاہم جو ان کے حال سے آگاہ ہے خوب جانتا ہے کہ ذکر شہادت شریف پڑھنے سے ان کا مطلب یہی بہ تکلف رونا، بہ تصنع رلانا، اور رونے رلانے سے رنگ جمانا ہے۔ اس کی شناعت

میں کیا شبہ ہے؟ (رسالہ تعزیہ داری ص ۵)

یوم عاشوراء کو شربت پینے میں رواج کی پابندی ہے، روافض سے تشابہ بھی ہے اور خصوصاً شربت کو پسند کرنے کی وجہ (خواہ گرمی ہو یا سردی) یہ ہے کہ شہداء کربلا پیاسے شہید ہوئے ہیں اور شربت پیاس کو بجھاتا ہے، وہ لوگ مانتے ہوں گے کہ ہو بہو شربت پہنچتا ہے اس میں اعتقادی خرابی بھی ہے۔ لہذا ناجائز ہے۔

حضرت امام حسینؓ کے نام سے سبیل لگانا بھی مذکورہ وجوہات کی وجہ سے جائز نہیں **والله اعلم بالصواب.**

درود تاج پڑھنا بدعت ہے؟:

(سوال ۲۷) درود تاج پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اس درود میں **دافع البلاء، والوباء، والقحط والمرض، والا لم** کے الفاظ ہیں (یعنی حضور ﷺ کو ان تمام چیزوں کے دور کرنے والے فرمایا ہے۔ اطلاعاً) اب فی الحال ایک اشتہار (ہینڈ بل) نکلا ہے۔ "وہابی دیوبندی بھرم کے گندے عقیدے" عنوان ہے۔ جس میں بعض عقائد تحریر ہیں منجملہ ایک یہ ہے۔

درود تاج کا وظیفہ پڑھنا بدعت اور گمراہی ہے۔ اس درود میں شرک کے الفاظ ہیں۔ درود تاج سیکھنا زہر قاتل ہے اور شرک کے عقیدہ میں پھنساتا ہے۔ (فتاوی رشیدیہ ج ۳ ص ۳۰) کیا یہ صحیح ہے؟ بالتفصیل تحریر فرمائیں!

(**الجواب**) درود تاج کے الفاظ قرآن پاک اور حدیث شریف کے نہیں ہیں، اور صحابہ کرامؓ اور تابعین و سلف صالحین وغیرہ سے درود تاج پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ درود تاج سینکڑوں برس بعد کی ایجاد ہے۔ جس درود شریف کے الفاظ آنحضرت ﷺ نے اصحاب کرام کو سکھلائے ہیں (جیسے درود ابراہیم وغیرہ) کوئی دوسرا درود جس کے الفاظ ایجاد کردہ ہوں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سرور کائنات ﷺ کی زبان مبارک سے صادر شدہ الفاظ اور کسی امتی کے ایجاد کردہ الفاظ کی برکت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ آنحضرت ﷺ کے ایجاد کردہ اور تعلیم دیئے ہوئے الفاظ میں جو برکت اور کشش ہے وہ دیگر کلمات میں نہیں ہے! اور اگر وہ دوسرے الفاظ خلاف سنت بھی ہوں تو پھر تو کوئی نسبت ہی باقی نہیں رہتی پھر تو وہ فرق ہو جاتا ہے جو روشنی اور اندھیرے میں ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کسی صحابی کو ایک دعا سکھلائی جس میں " **امنت بکتابک الذی انزلت ونبیک الذی ارسلت** " کے الفاظ ہیں۔ صحابی نے ازروئے تعظیم نبی کے بجائے رسول کا لفظ کہا یعنی **نبیک الذی ارسلت** کے بجائے **رسولک الذی ارسلت** پڑھا تو آپ نے فوراً ٹوکا۔ ان کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا کہو **نبیک الذی ارسلت** یعنی لفظ نبی ہی پڑھنے کا حکم دیا جو زبان مبارک سے نکلا ہوا تھا۔ **قال البراء فقلت وبرسولک الذی ارسلت قال فطعن بیده فی صدری ثم قال ونبیک الذی ارسلت** (ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۷۵)

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔

فضیلت منوط بمتابعت سنت اوست ومزیت مربوط باتیان شریعت **او علیه وعلیٰ آله الصلوٰة والسلام والتحیة مثلاً** خواب نیمروزی کہ ازروئے ایں متابعت واقع شود از کرور احیائے لیالی کہ نہ از متابعت است اولیٰ

وافضل ست وہمچنیں افطار یوم فطر کہ شریعت مصطفویؐ باں امر فرمودہ است از صیام ابدالآباد کہ نہ ماخوذ از شریعت اند بہتر ست۔ اعطاء چیتلے بامر شارع از انفاق کوہ زر کہ از نزد خود باشد فاضل تر ست۔

یعنی فضیلت سنت کی تابعداری پر، اور اجر وثواب کی زیادتی شریعت کی بجا آوری پر موقوف ہے۔ مثلاً قیلولہ (دوپہر کا سونا) جو سنت کے مطابق اور متابعت میں ہوا ہو وہ ان کروڑہا شب بیداریوں سے جو موافق سنت نہ ہوں افضل واولیٰ ہے! ایسے ہی یوم عید الفطر (عید کے دن) میں افطار کرنا (یعنی روزہ نہ رکھنا) جس کا شریعت نے حکم دیا ہے، خلاف شریعت صیام دہر سے بہتر ہے۔ شارع علیہ السلام کے حکم سے ایک چیتل (دمڑی) کا دینا اپنی خواہش سے سونے کے پہاڑ خرچ کرنے سے بزرگ تر ہے۔ (مکتوب ۱۱۴ ج ۱ ص ۱۳۵)

مثلاً یک دام در ادائے زکوٰۃ کہ شریعت باں امر فرمودہ است در تخریب نفس سود مند تر است از آنکہ ہزار دینار از پیش خود صرف کند وطعام خوردن در عید فطر بحکم شریعت نافع تر ست در رفع ہوا از آنکہ از نزد خود سالہا صائم باشد و دو رکعت نماز بامداد بجماعت ادا کردن کہ سنتی از سنن بجا آوردنست بمراتب بہتر است از آنکہ تمام شب بصلوٰۃ نافلہ قیام نماید ونماز بامداد را بے جماعت ادا کند الخ۔

یعنی مثلاً بطور زکوٰۃ جس کا شریعت نے حکم دیا ہے ایک درم خرچ کرنا نفس کشی کے بارے میں ان ہزار دیناروں کے خرچ کرنے سے بہتر اور فائدہ مند ہے جو اپنی خواہش سے خرچ ہوں۔ اور شریعت کے حکم کے مطابق عید فطر کے دن کا کھانا خواہش کے دور کرنے میں اپنے طور پر کئی سال روزہ رکھنے سے بہتر ہے اور نماز صبح کی دو رکعتوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا جو سنتوں میں سے ایک سنت ہے کئی درجہ بہتر ہے اس بات سے کہ تمام رات نماز نفل میں قیام کریں اور صبح کی نماز بے جماعت ادا کریں۔ (مکتوب ۵۲ ج ۱ ص ۶۹)

ولقد کان محمد ابن اسلم لا یا کل البطیخ لانہ لم ینقل الیہ کیفیۃ اکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفیہ۔

حضرت شیخ محمد ابن اسلمؒ نے تمام عمر صرف اس خیال سے کبھی خربوزہ نہیں کھایا کہ انہیں کوئی ایسی روایت نہیں معلوم تھی جس سے معلوم ہوتا کہ آنحضرت ﷺ نے خربوزہ کس طرح تناول فرمایا تھا۔

(اربعین غزالی ص ۱۳۸ الاصل العاشر فی اتباع السنۃ)

خلاصہ یہ کہ حتی الامکان وہی درود پڑھا جاوے جو حدیث شریف سے ثابت ہو۔ جس درود شریف کے الفاظ حدیث سے ثابت نہ ہوں اس کو مسنون نہ سمجھے! اور جب آنحضرت ﷺ نے اس کی تعلیم ہی نہیں دی تو ظاہر ہے اس کے فضائل بھی نہیں بتائے۔ اب اگر کوئی شخص اس کے فضائل کی روایات کو صحیح نہ مانے اور اس بنا پر اس کو نہ پڑھے تو اس کو طعن دینا صحیح نہیں ہے۔ درود تاج کا بھی یہی حکم ہے۔ اس شرط پر کہ "**دافع البلاء والوبا والقحط والمرض والالم**" کی عبارت کو چھوڑ دے یا دافع (دور کرنے والا) حقیقت میں خدا ہی کو مانے۔ آنحضرت ﷺ کو بلاء، وبا، قحط وغیرہ دور ہونے کا ذریعہ سمجھے تو جائز ہے مگر تفاوت عوام نہیں سمجھتے۔ لہٰذا ان کو مذکورہ کلمات پڑھنے کی محققین علماء اجازت نہیں دیتے۔ مشکلات کا حل کرنے والا خداوند قدوس ہی ہے۔ مخلوق میں سے کسی کو بھی حقیقتاً دافع البلا وغیرہا ماننا اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف ہے۔

حضرت اقدس پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

دع عنک الشرک بالخلق ووحد الحق عزوجل هو خالق الا شياء جميعها وبيده الاشياء جميعها يا طالب الا شياء من غيره ما انت عاقل هل شيء ليس هو فی خزائن الله عزوجل! قال الله عزوجل وان من شيئی الا عندنا خزائنه.

ارشاد: مخلوق کو خدا کے ساتھ شریک کرنا چھوڑ دے اور حق تعالیٰ عزوجل کو یکتا سمجھ۔ وہی تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ تمام چیزیں اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اے غیر اللہ سے کسی چیز کے طلب کرنے والے! تو بے وقوف بے عقل ودانش سے محروم ہے۔ کیا کوئی ایسی چیز بھی ہے جو اللہ کے خزانہ میں نہ ہو؟ اللہ عزوجل فرماتا ہے کوئی چیز بھی نہیں مگر ہمارے پاس ہیں اس کے خزانے۔ (فتح الربانی م۱ص۵)

الخلق عجزة لا يضرونک ولا ينفعونک.

ارشاد:۔ ساری مخلوق عاجز ہے نہ کوئی تجھے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ (فتح الربانی م۱۳ص۸۹)

عن ابن عباس انه قال بينا انا رديف رسو ل الله صلی الله عليه وسلم اذ قال لی يا غلام احفظ الله يحفظک الله احفظ الله تجده امامک فاذا سألت فاسئل الله واذااستعنت فاستعن بالله جف القلم بما هو كائن ولو جهد العباد ان ينفعوک بشيئی لم يقضه الله عليک لم يقدروافينبغی لکل مومن ان يجعل هذا الحديث مراة لقلبه وشعاره وو ثاره وحديثه فيعمل به فی جميع حر كاته سكنا ته حتی يسلم فی الدنيا والاخرة ويجد العزة فيهما برحمة الله.

ارشاد:۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سوار جارہا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا، اے لڑکے! اللہ پر نگاہ رکھ وہ تیری حفاظت کرے گا۔ اللہ پر نگاہ رکھ تو اسے اپنے آگے پائے گا جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر اور جب مدد مانگے تو اللہ سے مانگ! جو کچھ ہونے والا ہے اس کو لکھ کر قلم خشک ہو چکا ہے۔ اگر لوگ تجھے نفع پہنچانا چاہیں جو خدا نے تیرے لئے مقرر نہیں کیا ہے یا نقصان پہنچانا چاہیں جو خدا نے تیرے لئے مقرر نہیں کیا ہے تو وہ کبھی بھی قادر نہ ہوں گے پس ہر مومن کو چاہئے کہ اس حدیث کو اپنے دل کا آئینہ بنائے اور اپنا اوڑھنا بچھونا کر کے اسی کی بات چیت کرے اور اپنے کل حرکات وسکنات میں اس پر عمل رکھے تا کہ دنیا وآخرت میں سلامت رہے اور دونوں جگہ عزت پائے خدا کی رحمت سے۔ (فتوح الغیب م۴۲ص۱۱۵۔۱۱۶)

فلا تذهبن بهمتک الیٰ احد من خلقه فی معافاتک فذاک اشراک منک به لا يملک معه فی ملكه احد شيئاً. لا ضار ولا نافع ولا رافع ولا جالب ولا مسقم ولامبلی ولا معافی ولا مبری غيره.

ارشاد:۔ مصیبت ٹالنے یا دفع کرنے کے لئے اپنی ہمت کسی مخلوق کی طرف نہ لیجاؤ کہ یہ خداوند تعالیٰ سے شرک کرنا ہے۔ کوئی شخص اس کے ساتھ اس کے ملک میں سے کسی چیز کا مالک نہیں ہے۔ نہ نفع دینے والا، نہ نقصان پہنچانے والا، نہ ہٹانے والا نہ بلانے والا، نہ بیمار کرنے والا نہ مبتلا کرتے والا نہ صحت ونجات دینے والا، اس کے سوا کوئی اور ہے؟ (فتوح الغیب م۵۹ص۱۸۰)

سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

(۱) خدا کے سوا اوروں کی تاثیر کو ماننا کم ہو یا زیادہ، پورا ہو یا ناقص ایک جزء ہے شرک کا۔ (روح تصوف)

(۲) عقلمند! خدا کے سواء اوروں سے دل لگا کر کیا پائے گا؟ خدا کے سوا دوسرے کی تاثیر کو ماننا پھر تھوڑا اثر ہو یا زیادہ، کامل ہو یا ایک جزء، ہو شرک ہے۔ (البیان المشید)

(۳) خدا کے سوا اور کسی سے عزت طلب کرے گا تو ذلیل ہوگا۔ (روح تصوف)

یہ ہیں اہل سنت والجماعت کے عقائد، بار بار پڑھو اور غور کرو مولانا گنگوہی کا فتویٰ فارسی میں ہے۔ اشتہار (ہینڈ بل) میں جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ ناقص اور گمراہ کن ہے۔

فتویٰ کا خلاصہ یہ ہے کہ درود تاج کے فضائل جو جہلاء میں مشہور ہیں وہ بے اصل و بے بنیاد ہیں۔ حدیث شریف سے ثابت نہیں ہیں۔ فضائل و مقدار ثواب۔ آنحضرت ﷺ کے بیان کئے بغیر جاننا محال ہے۔ خود درود تاج سینکڑوں برس کے بعد کی ایجاد ہے تو اس کے پڑھنے کی فضیلت اور مقدار ثواب کس نے اور کب بتائی؟ جس درود کے الفاظ حدیث شریف سے ثابت ہیں انہیں چھوڑ کر غیر مسنون الفاظ پر بڑے بڑے ثواب کے وعدوں کا عقیدہ رکھ کر اس کا وظیفہ ضروری لازم کر لینا بدعت ہے۔ نیز اس میں دافع البلاء وغیرہ الفاظ کی نسبت کا فرق عوام نہیں جانتے لہذا اسے پڑھنے کا حکم دینا ان کو شرک میں مبتلا کرنے کے برابر ہے۔ درود تاج پڑھنا فرض، واجب یا مسنون نہیں ہے تو پھر مسنون درود کو چھوڑ کر اس کو لئے بیٹھنا اور اس کو ایمان وکفر کی نشانی بنالینا کہاں کا انصاف ہے؟

فقہاء رحمہم اللہ نے خلاصہ کیا ہے کہ مستحب کو اس کے درجہ سے بڑھا دیا جائے تو وہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ **واستنبط منه ان المندوب ينقلب مكروها اذا خيف ان يرفع عن رتبته (مجمع البحار ج ۲ ص ۲۲۴) حتى افتى بعض الفقهاء حين شاع صوم ايام البيض في زمانه بكراهية لئلا يؤ دى الى اعتقاد الواجب مع ان صوم ايام البيض مستحب و رد فيه اخبار كثيرة فما ظنك بالمباح وما ظنك بالمكروه.**

یعنی یہاں تک کہ بعض فقہاء نے جب ان کے زمانے میں ایام بیض کے روزوں کا رواج ہو گیا تو اس کے مکروہ ہونے کا فتویٰ دیا تاکہ واجب اعتقاد کر لینے کی نوبت نہ پہنچ جائے باوجود یہ کہ ایام بیض کے روزے مستحب ہیں اس بارے میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ پھر بھلا مباح کے باب میں تیرا کیا خیال وگمان ہے؟ اور کیا رائے ہے کراہیت میں؟ (مجالس الابرار م ۵۰ ص ۲۹۹)

ایک عربی شاعر کا قول ہے۔

قد نقر الناس حتى احدثوا بدعة
في الدين بالراى لم تبعث به الرسل

یعنی کرید کرید کر لوگوں نے اپنی رائے کے مطابق دین میں ایسی باتیں ایجاد کردی ہیں جن کو پیغمبر نہ لائے تھے۔ (صلوات اللہ علیہم وسلامہ)

حتى تخفقوا بدين الله اكثرهم
وفي الذى حملوا من دينه شغل

آخرش دین لوگوں کی نظروں میں ایک مذاق کی چیز بن گیا۔ حالانکہ صحیح طریقہ سے دین میں کرنے کے امور تھے (وہ متروک العمل بن گئے) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی سنتے وقت انگوٹھا چومنا:

(سوال ۲۸) جب بھی آنحضرت ﷺ کا نام مبارک لیا جائے اس وقت ہم دل سے درود شریف پڑھتے ہیں لیکن انگوٹھا نہیں چومتے۔ اس لئے بہت سے برادران اسلام وہابی کہتے ہیں۔ اور ایک دوست نے ''ہدیۃ الحرمین'' نامی گجراتی کتابچہ دیا ہے اس میں ہے کہ جب اس مبارک کا ذکرا وے تو انگوٹھا چومنا چاہئے۔ اس کتاب کے حوالے یہ ہیں:۔

(۱) مسند الفردوس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حدیث ہے کہ اذان میں **اشھد ان محمداً رسول اللہ** سنا تو ہم نے شہادت کی دونوں انگلیوں کے پورے چومے اور آنکھوں سے لگائے۔

(۲) کتاب ''معارج النبوۃ'' اور ''فتاویٰ جواہر'' میں بھی حضرت آدم علیہ السلام نے بوسہ دیا وغیرہ لکھا ہے۔

(۳) حضرت امام حسنؓ کی روایت ہے کہ جو آدمی اذان میں حضور ﷺ کا نام مبارک سنکر دونوں ابہام کو بوسہ دے کر آنکھوں پر رکھے گا تو وہ اندھا نہ ہوگا اور اس کی آنکھیں کبھی درد نہ کریں گی۔ (نور العینین)

علاوہ ازیں دیگر حوالجات کتب لکھے تھے مگر آپ واقف ہوں گے۔ لہذا حوالے نہیں لکھے ہیں۔ خلاصہ فرمائیں

(الجواب) آپ ٹھیک کرتے ہو، سنت طریقہ یہی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا اسم مبارک سن کر یا لیکر درود شریف پڑھنے کی فضیلت اور تاکید احادیث صحیحہ میں آئی ہے مشکوٰۃ میں ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں:۔ **البخیل الذی من ذکرت عندہ فلم یصل علی** . حقیقت میں بخیل وہ ہے جس کی سامنے میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ (۸۷) اور فرمایا: **رغم انف رجل ذکرت عندہ فلم یصل علی** ۔ ہلاک ہو وہ شخص کہ جس کے سامنے میرا تذکرہ ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

(ص۸۶ **باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفضلھا**.)

نوٹ:۔ ایک ہی مجلس میں کئی مرتبہ حضور اکرم ﷺ کا اسم گرامی لیا یا سنا جائے تو اس کے بارے میں فتویٰ یہ ہے کہ ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے پھر بعدہ مستحب ہے (**شامی مطلب فی وجوب الصلاۃ علیہ کلما ذکر علیہ الصلوٰۃ والسلام** ج۔ا ص۵۱۶)۔ مگر تقبیل ابہام کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یہ بدعتیوں کی ایجاد ہے اس سے بچنا ضروری ہے۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے۔ **من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فھو رد**. جو کوئی ایسا کام کرے جس کے متعلق ہمارا فرمان نہیں ہے تو وہ کام مردود ہے۔

(مسلم شریف ج۲ ص ۷۷ باب نقض الاحکام الباطلۃ ورد محدثات الامور)

عن نافع ان رجلاً عطس الیٰ جنب ابن عمر فقال الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ فقال ابن عمرو انا اقول الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ ولیس ھکذا علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم علمنا ان نقول الحمد لله علی کل حال .(ترمذی شریف ج ۲ ص ۹۸ باب ما یقول العاطس اذا عطس)

حضرت ابن عمرؓ کے سامنے ایک آدمی نے چھینک کر الحمد لله کے ساتھ والسلام علی رسول الله کی زیادتی کی تو ابن عمرؓ نے اس زیادتی کو ناپسند کرتے ہوئے فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ایسی تعلیم نہیں دی، ہم کو تو چھینک کر صرف "الحمد لله علی کل حال" کہنا سکھلایا ہے۔ (ج ۲ ص ۹۸)

صرف اذان کے وقت جب مؤذن اشهد ان محمد ا رسول الله بار دیگر کہے تو دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کے ناخن کو آنکھ پر رکھنے کے متعلق بعض عالموں نے لکھا ہے مگر اول تو ایسی روایتوں کے حوالہ سے لکھا ہے جو ضعیف ہیں جن سے استدلال درست نہیں۔ اس کے علاوہ بطور عبادت نہیں بلکہ اس کو آنکھ کے مرض کا علاج بتایا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی خاص تعظیم کے طور پر نہیں!! (مقاصد حسنہ)

اب لوگ حضور ﷺ کی خاص تعظیم اور دین اور سنت مقصودہ سمجھ کر کرتے ہیں اور نہ کرنے والے کو وہابی سے طعن کیا کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ بھی مکروہ و منع ہے۔ اعتصام میں ہے:۔ ثم اقتحمت الصحابة ترک سنة حذرا من ان یضع الناس الا مر علی غیر وجهه فیعتقدو نها فریضة (الی) (والرابع) من باب الذرائع وهی کم العمل فی اصله معروفاالا انه یتبدل الا عتقاد فیه مع طول العهدبالذکری. خلاصہ یہ ہے کہ بعض عمل فی نفسہ جائز بلکہ مستحب ہوتے ہیں مگر اس کی حیثیت بدل جانے یا بدل جانے کے اندیشہ کی وجہ سے وہ قابل ترک ہوتا ہے۔ (ج ۲ ص ۹۲)

دیکھئے! امور خیر کو جانب یمین سے شروع کرنا مستحب ہے۔ مگر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اپنے زمانے میں اس کا کافی اہتمام دیکھ کر واجب سمجھ لینے کے ڈر سے مکروہ ہونے کا حکم لگایا۔

قال ابن المنیر فیه ان المندوبات قد تنقلب مکروهات اذا رفعت عن رتبتها لان التیامن مستحب فی کل شیئی ای من امور العبادة لکن لما خشی ابن مسعود رضی الله عنه ای یعتقدوا وجوبه اشار الی کراهة . والله اعلم .(فتح الباری شرح البخاری ج ۲ ص ۲۸۱)

وکل مباح ادی الی هذا فهومکروه حتی افتی بعض الفقها حین شاع صوم ایام البیض فی زمانه بکراهته لئلا یؤدی الی اعتقاد الواجب مع ان صوم ایام البیض مستحب . اور جو امر مباح اس حد تک پہنچ جائے کہ لوگ اس کو ضروری اور واجب کے درجہ میں سمجھنے لگیں اور نہ کرنے والوں پر طعن کرنے لگیں) وہ مکروہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ بعض فقہاء نے جب ان کے زمانے میں ایام بیض کے روزوں کا زیادہ اہتمام ہونے لگا تو اس کے مکروہ ہونے کا فتویٰ دیا تاکہ واجب اعتقاد کر لینے تک نوبت نہ پہنچ جائے باوجود یہ کہ ایام بیض کے روزے مستحب ہیں۔ (مجالس الابرار م ۵۰ ص ۲۹۹)

فقہ کا متفقہ اور مسلمہ قانون ہے کہ مستحب کو اس کے درجہ سے بڑھا دیا جائے تو وہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ واستنبط منه ان المندوب ینقلب مکروها اذا خیف ان یرفع عن رتبته. (مجمع البحار ج ۲ ص ۲۴۴)

اگر کسی کی نیت و اعتقاد غلط نہ ہو پھر بھی دوسروں کے عقیدہ کے فساد کے خوف سے اور اہل بدعت کی مشابہت کی وجہ سے منع کیا جائے گا کیونکہ یہ تو بدعتیوں کا ایک شعار ہو گیا ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

مھما صارت السنة شعاراً لا ھل البدعة قلنا بتر کھا خوفاً عن التشبه بھم.

جب کوئی سنت بدعتیوں کا امتیازی شعار بن جائے تو ہم ان کے مشابہہ بن جانے کے خوف سے اس کے ترک کرنے کا حکم دیں گے۔ (احیاء العلوم ج ۲ ص ۲۷۰)

آپ نے جو احادیث لکھی ہیں ان کے متعلق میں کچھ ذکر کروں بجائے اس کے مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی تحقیق اور خلاصہ پیش کر دینا بہتر ہے وہ آپ اور آپ کے دوست احباب کے لئے زیادہ اطمینان بخش ہوگا۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا فتویٰ

مسئلہ: (سوال) اکثر مخلوق خدا کا یہ طریق ہے کہ وقت اذان اور وقت فاتحہ خوانی یعنی پنچایت پڑھنے کے وقت انگوٹھے چومتے ہیں اور علماء بھی درست بتلاتے ہیں اور حدیث شریف سے ثابت کرتے ہیں آیا یہ قول درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک ﷺ انگوٹھوں کے ناخن چومنا آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں۔ جو کچھ اس میں روایات کیا جاتا ہے کلام سے خالی نہیں۔ پس جو اس کے لئے ایسا ثبوت مانے یا سے مسنون ومؤکد جانے یا نفس ترک کو باعث زجر وملامت کہے وہ بے شک غلطی پر ہے۔ ہاں بعض احادیث ضعیفہ مجروحہ میں تقبیل وارد ہے۔

اخرجه الدیلمی فی مسند الفردوس واورده الا مام السخاوی فی المقاصد الحسنة والعلامة خیر الدین الرملی فی حواشی البحر الرائق وذکره العلامة الجراحی فاطال و بعد الملتیا واللتی قال لم یصح فی المرفوع من ھذا شیئی کما اثره المحقق الشامی فی رد المحتار……

اور بعض کتب فقہ میں مثل جامع الرموز شرح نقایہ وفتاویٰ صوفیہ وکنز العباد وشامی حاشیہ درمختار کے! اکثر ان میں مستندات علماء۔ طائفہ اسماعیلیہ سے ہیں۔ وضع ابہامین کو مستحب بھی لکھ دیا۔ فاضل قہستانی شرح مختصر وقایہ میں لکھتے ہیں:۔

واعلم انه یستحب ان یقال عند سماع الا ولی من الشھادة الثانیة صلی الله علیک یا رسول الله وعند سماع الثانیة منھا قرة عینی بک یارسول الله ثم قال اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفر الا بھا مین علی العینین فانه صلی الله علیه وسلم یکون قائداله الی الجنه کما فی کنز العباد انتھی ۱۲۔

ردالمحتار حاشیہ درمختار میں اسے نقل کر کے فرماتے ہیں۔ " ونحوه فی الفتاویٰ الصوفیه" پس حق اس میں اس قدر کہ جو کوئی بامید زیادت روشنی بصر مثلاً از قبیل اعمال مشائخ جان کر یا بتوقع فضل ان کتب پر لحاظ اور ترغیب وارد پر نظر رکھ کر بے اعتقاد سنیت فعل وصحت حدیث وشناعت ترک اسے عمل میں لائے اس پر نظر اپنے نفس فعل واعتقاد کے! خیر کچھ مواخذہ بھی نہیں کہ فعل پر حدیث صحیح نہ ہونا اس فعل سے نہی ومنع کو مستلزم نہیں۔

(ابر المقال فی استحسان قبلہ الاجلال ص ۱۲۔۱۰)

مذکور فتوی کا خلاصہ:

مولوی احمد رضا خاں صاحب کے نزدیک اذان کے علاوہ فاتحہ خوانی وغیرہ مواقع پر تقبیل ابہامین کا کسی کتاب سے ثبوت نہیں ہے لہذا وہ مانتے ہیں کہ نہ چومنا ہی زیادہ مناسب ہے۔اذان کے وقت بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں مانتے اور چومنے کو مسنون اور حدیث کو صحیح کہنے والے کو اور سمجھنے والے کو نیز نہ چومنے والے کو برا ماننے والے کو غلطی پر سمجھتے اور مانتے ہیں۔اذان کے وقت چومنے کی احادیث کو ضعیف اور مجروح مانتے ہیں اور شرائط ذیل سے چومنے کی اجازت دیتے ہیں۔

(۱) مسنون کا عقیدہ نہ رکھے۔
(۲) اس کے متعلق جو حدیث وارد ہے اس کو صحیح نہ سمجھے۔
(۳) نہ چومنے کو برا نہ جانے۔

یہ ہے مسئلہ کی سچی حقیقت۔جس کو سنی وہابی بلکہ اسلام وکفر کی علامت بنالی گئی ہے۔افسوس صد افسوس۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

فقط۔واللہ اعلم بالصواب۔

عورتوں کا مزار پر جانا کیا حکم رکھتا ہے:

(سوال ۲۹) عورتوں کو زیارت قبور سے علماء دیوبند کیوں منع کرتے ہیں؟ اور مردوں کو اجازت دیتے ہیں۔مگر خاص عرس کے موقع پر جانے سے روکتے ہیں۔اس کی کیا وجہ ہے۔

(الجواب) عورتوں کو مزار پر جانے کی ممانعت اور مردوں کو خاص عرس کے موقع پر نہ جانے کی ہدایت کی وجہ اعتقادی اور عملی خرابی ہے۔جس کو بالتفصیل نہ لکھتے ہوئے رضا خانی جماعت کے ایک مشہور عالم مولوی حکیم حشمت علی صاحب سنی حنفی قادری بریلوی کا فتویٰ انکی کتاب میں سے نقل کر دیتا ہوں جس سے اطمینان ہونے کے ساتھ علمائے دیوبند کے متعلق جو غلط فہمی اور بدگمانی ہے وہ کسی حد تک دور ہو جانی چاہئے۔فتویٰ یہ ہے:۔

(سوال) مستورات کو قبروں پر جانا اور مردوں کو سفر کر کے قبروں پر جانا جیسے پیران کلیر و اجمیر وغیرہ کیسا ہے؟

(الجواب) اصح الاقوال میں تو زیارت قبور مردوں عورت دونوں کے لئے جائز بلکہ مندوب و مستحب ہے۔نور الا یضاح میں ہے ندب زیارتها للرجال والنساء علی الاصح مگر اس زمانے میں مستورات کو زیارت قبور کے لئے جانا مکروہ بلکہ حرام ہے۔قال بدر العینی فی شرح البخاری وحاصل الکلام انها تکره للنساء بل تحرم فی هذا الزمان لا سیما نساء مصر لان خروجهن علیٰ وجه فیه فساد وفتنة . رہے مرد!ان کے لئے ہر حال میں زیارت قبور کے واسطے سفر کر کے جانا،مزارات اولیائے کرام وقبور آباء واجداد کی زیارت کرنا مستحب ہے۔کما مر وقال فی الغنیة و تستحب زیارة القبور للرجال . حضور اقدس سرور عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔کنت

نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا۔ بلکہ خود آنحضرت ﷺ کے فعل سے زیارت قبور ثابت ہے کہ آپ جنت البقیع میں تشریف لے جا کر دعا فرماتے تھے مگر بہتر یہ ہے کہ زیارت پیران کلیر واجمیر وغیرہ کو بعد میلوں کے جانا چاہئے کہ میلوں میں بدعات وامور نامشروعہ اکثر ہوتے ہیں اور عام لوگ اپنے نفس پر ان سے بچنے کا قابو نہیں رکھتے اور اولیائے کرام کے دربار میں گناہ کا ارتکاب اور زیادہ سخت: (مجمع المسائل ج ا ص ۱۱۰)

سیدالشہداؓ کے لئے آنحضرت ﷺ نے سوم، دہم، چہلم وغیرہ چیزیں کیں کیا یہ روایت صحیح ہے؟:

(سوال ۳۰) ایک روایت یہ لکھی ہے کہ خود حضور ﷺ نے اپنے چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی روح کو ایصال ثواب کے لئے ان کی شہادت کے تیسرے روز، پھر دسویں روز، پھر چالیسویں روز اور پھر چھ ماہ بعد اور سال ختم ہونے پر ایسے افعال کئے تھے اور صحابہ بھی اس طرح ایصال ثواب کرتے تھے (مجمع الروایات) کیا مذکورہ افعال واعمال حدیث صحیح سے ثابت ہیں؟

(الجواب) مذکورہ روایت بھی صحیح نہیں ہے، موضوع اور بے اصل ہے حضور مقبول ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر صریح بہتان ہے اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو ایصال ثواب کے لئے مذکورہ تاریخیں اور ایام مقرر کرنا سنت قرار پاتا اور ان ایام کو اس لئے فضیلت نصیب ہوتی حالانکہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ "یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثلاث و بعد الا سبوع" (یعنی) اہل میت کے گھر خاص پہلے روز اور تیسرے روز اور ہفتہ بعد کھانا بنانے کی رسم مکروہ ہے۔ (ج ا ص ۸۱ باب الخامس والعشرون فی الجنائز)

اور امام نوویؒ کی شرح منہاج میں ہے۔ واطعام الطعام فی الا یام المخصوصات کالثالث والخامس والتاسع والعشرین والاربعین والشھر السادس والسنۃ بدعۃ (ترجمہ) مخصوص ایام میں کھانا کھلانے کا رواج مثلاً تیسرے روز، پانچویں روز اور دسویں روز بیسویں روز، چالیسویں روز یا چھ مہینے بعد اور برسی پر یہ سب بدعت ہے۔"

اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ شرح سفر السعادۃ اور مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "اما ایں اجتماع مخصوص روز سوم وارتکاب تکلفات دیگر وصرف اموال بے وصیت از حق یتامیٰ بدعت است وحرام" (ص ۳۷۳) (ج ا ص ۱۲۱)

(ترجمہ) مگر تیسرے روز (بطور زیارت) "یہ خاص اجتماع کرنا اور دوسرے تکلفات کرنا اور یتامیٰ کی حق میں سے میت کی وصیت کے بغیر خرچ کرنا بدعت اور حرام ہے۔" (ایام کی تخصیص اور تکلفات کو بدعت فرمایا ہے اور یتامیٰ کی حق تلفی کو حرام ٹھہرایا ہے)

اور قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ "وصیت نامہ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ "وبعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم وبستم وچہلم وششماھی وبرسی ہیچ نکنند (مالا بدمنہ ص ۱۶۰) (ترجمہ) میری وفات کی بعد رسوم دنیوی جیسے کہ دسواں، بیسواں، چالیسواں اور ششماہی اور برسی کچھ بھی نہ کریں۔

ہاں! تاریخ اور دن کی تخصیص اور تیسرے، دسویں، بیسویں، چالیسویں کی پابندی کے بغیر کسی بھی تاریخ اور

دن کو ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے، ممنوع نہیں ہے۔ جب ایصال ثواب مقصود ہے تو دوسرے تیسرے دن تک کیوں ٹالا جائے۔ موت (قضاء) کے پہلے روز سے ہی ایصال ثواب کے کام شروع کردیئے جائیں، خصوصاً میت کے روزے یا نمازیں قضا ہوئی ہیں تو بلا کسی تاخیر کے ان کا فدیہ ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ:۔

قبر میں میت کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ جیسے پانی میں ڈوبنے والے مدد چاہنے والے کی۔ ثواب کا انتظار کرتا ہے کہ والدین، بھائی اور احباب کی طرف سے اسے کچھ پہنچے، جب ثواب پہنچتا ہے تو وہ اس کے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔'' (مشکوٰۃ ص ۲۰۶)(۱)

لہٰذا جہاں تک ممکن ہو جلد از جلد لوجہ اللہ اور طریقہ مسنونہ کے مطابق عبادات مالیہ و بدنیہ کا ثواب میت کو پہنچائے، تیسرے، دسویں، بیسویں، چالیسویں، ششماہی اور برسی کا انتظار نہ کرے، اس میں میت کا صریح نقصان ہے اور مخالف سنت امور میں کوئی خیر نہیں ہوتی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تعیین تاریخ برائے اطعام للمیت اور اس کا مصرف:

(سوال ۱۳۱) ایک مسلم کی موت سے اس کی والی ایک تاریخ معین کر کے اپنے عزیز و اقرباء اور غرباء و مساکین کو کھانا کھلا سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ للہ کھلانے کے لئے پکایا گیا ہے! اس میں امیر و غریب تمام کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ یا دونوں کے لئے الگ الگ پکانا ہوگا؟ تاریخ معین کرنے کی خاص وجہ یہ ہے کہ دور دراز سے عزیز و اقربا باری باری آتے ہیں۔ صاحب خانہ ملازم (نوکری کرنے والا) اور محنت پر گذارہ کرنے والا ہے۔ ایسا کرنے میں اس غریب کا بہت خرچ ہوتا ہے۔ لہٰذا بغیر کسی رواج کے محض بطور مہمان برائے تعزیت دعوت دے دیتے ہیں تاکہ ہمیشہ کے لئے اطمینان کے ساتھ سروس کر سکے۔ اسی لئے یہ کیا جاتا ہے۔ اگر کسی جگہ خبر موت نہیں لکھتے تو قطع رشتہ ہو جاتا ہے اس مجبوری سے یہ کرنا پڑتا ہے۔ ایسا لکھنے میں شرعاً کوئی حرج ہے؟

(الجواب) اہل میت خاص عزیز و اقرباء دوست واحباب وغیرہ کو خبر میت دے کر دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی درخواست کرے اور وہ لوگ کچھ پڑھ کر یا خیرات کر کے ایصال ثواب کریں اور دعائے مغفرت کریں۔ نیز مکتوب سے یا از خود آکر اہل میت کی تعزیت کرلے تو یہ جائز و مستحب ہے، منع نہیں ہے۔ مگر قریہ قریہ دعوت دے کر برائے تعزیت (فاتحہ خوانی) ایک تاریخ کو جمع کرنا اور طعام میت کا دن منانا یہ رواج جائز نہیں ہے منع ہے۔ مذکور رواج دوسرے مذہب کے لوگوں کے یہاں جو بارھویں ہوتی ہے اس کی نقل ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ کنا نری الا جتماع الیٰ اھل المیت و صنع الطعام من النیا حۃ فتاویٰ شامی ج۔۲ ص ۲۴۰۔ یعنی ہم (صحابہ) اہل میت کے ہاں جمع ہونے اور کھانے کے انتظام واہتمام کو نوحہ کے سلسلہ کی رسم سمجھتے تھے اور یہ معلوم ہے کہ نوحہ کو آنحضرت ﷺ نے حرام قرار دیا ہے۔ اسی لئے فقہائے کرام دعوت غمی کو ناجائز فرماتے ہیں۔

چند تصریحات ملاحظہ فرمایئے۔

---

(۱) عن عبداللہ بن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او ام او اخ او صدیق فاذا لحقتہ' کان احب الیہ من الدنیا و ما فیھا الخ باب الا ستغفار و التوبۃ.

(۱) فقیہ حافظ الدین ابن شہاب کردریؒ (المتوفی ۸۲۷ھ) فرماتے ہیں۔ ویکرہ اتخاذ الضیافۃ فی ایام المصیبۃ لا نھا ایام غم فلا یلیق فیھا ما یختص باظھار السرور .(فتاویٰ بزازیہ ج ۳ ص ۳۷۹ مع فتاویٰ ھندیہ باب الخامس والعشرون فی الجنائز۔)

ایام مصیبت میں دعوت کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ غم کے دن ہیں۔ جو کام اظہار خوشی کے لئے مخصوص ہوں وہ ان ایام کے لائق نہیں ہیں۔ اسی طرح امام طاہر بخاریؒ (المتوفی ۵۴۲ھ) نے خلاصۃ الفتاویٰ میں اور امام کبیر سلطان الشریعۃ فخر الدین اوز جندیؒ (المتوفی ۲۹۲ھ نے فتاویٰ قاضی خان میں اور فقیہ سراج الدینؒ نے فتاویٰ سراجیہ ص ۷۵ میں اور علامہ ابن نجیم مصری (المتوفی ۹۶۹ء) نے بحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۲ میں اور فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۴۴ میں تحریر فرمایا ہے۔

(۲) فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔ ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الا ول والثالث وبعد الا سبوع (ج ۱ ص ۸۱ ایضاً) یعنی اہل میت کے ہاں خاص اول دن، تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد کھانا تیار کرنے کا رواج مکروہ ہے اس طرح ملا علی قاریؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ نے مرقات المفاتیح ج ۵ ص ۴۹۲ میں اور فقیہ سید احمد (المتوفی ۱۲۴۳ھ) نے طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۶۰ میں نیز علامہ سید ابن عابدین (المتوفی ۱۲۵۲ء) شامی ج ۱ ص ۸۴۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔

(۳) اور فقیہ علامہ شرنبلالیؒ (المتوفی ۱۰۶۹ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ وتکرہ زیارۃ من اھل المیت لا نھا شرعت فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ (مراقی الفلاح ص ۱۲۰)

(۴) اور امام نوویؒ "شرح منہاج" میں تحریر فرماتے ہیں:۔ واطعام الطعام فی الا یام المخصوصۃ کالثالث والخامس والعاشر والعشرین والا ربعین وشھر السادس والسنۃ بدعۃ. یعنی خاص ایام میں کھانا کھلانے کا رواج جیسے کہ تیجہ کے دن اور پانچویں نویں، دسویں بیسویں، چالیسویں اور نیز ششماہی اور برسی پر یہ سب بدعت ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) شرح سفر السعادۃ ص ۲۷۳ میں رواج مذکور کو بے اصل بتلاتے ہیں۔

فقیہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (المتوفی ۱۲۲۵ھ) وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

وبعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم وبستم وچہلم وششماہی وبرسانی ہیچ نہ کنند۔

یعنی میرے انتقال کے بعد دنیوی رواج مثل دسواں، بیسواں، چالیسواں، ششماہی اور برسی نہ منائی جائے۔

(مالا بدمنہ، وصیت نامہ ص ۱۶۰)

اور رضا خانی مولوی ابو العلی امجد علی "بہار شریعت" میں لکھتے ہیں۔ میت کے گھر والے تیجہ وغیرہ کے دن دعوت کریں تو ناجائز و بدعت قبیح ہے کہ دعوت تو خوشی کے وقت مشروع ہے۔ نہ کہ غمی کے وقت اور اگر فقراء کو کھلائیں تو بہتر ہے۔ (بہار شریعت ج ۴ ص ۱۵۹)

خیرات کے سچے حق دار غربا ر مساکین ہیں، مالدار کو ایصال ثواب میں شریک کرنا غرباء کی حق تلفی اور رواج

بِ ہلیت کو عروج دینا ہے۔بغیر پابندی رواج اور تاریخ و دن کو ضروری سمجھے بغیر کسی بھی تاریخ اور دن میں غرباء محتاجوں کو کھلا کر یا امداد کر کے ایصال ثواب کر سکتے ہیں منع نہیں ہے۔موت کے اول دن ہی حسب حیثیت خیرات کر دے (میت کے ترکہ سے کرے تو صغیر ورثاء کے حق میں سے نہ کرے۔نیز بالغ حاضر ہو یا غیر حاضر اس کے حصہ میں سے اس کی اجازت کے بغیر خیرات کرنا جائز نہیں ہے) ایصال ثواب کے علاوہ نہایت ضروری یہ ہے کہ میت کے نماز روزے قضا ہوئے ہوں تو ان کا فدیہ دینے کی کوشش کریں۔

حدیث شریف میں ہے۔ **ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب اوام او اخ او صدیق فاذا لحقتہ کان احب الیہ من الدنیا وما فیہا وان اللہ تعالیٰ لیدخل علی اھل القبور من دعاء اھل الارض امثال الجبال وان ھدیۃ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لھم.**
یعنی مردہ قبر میں ڈوبنے والے غوطہ کھانے والے مدد کے خواہش مند کی طرح دعاء اور ثواب کا منتظر رہتا ہے۔جو اس کو باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی جانب سے پہنچے (وہ ایصال ثواب کی شکل میں ہو یا تلاوت قرآن اور تسبیح یا درود پڑھ کر ثواب بخشنے کی شکل میں) جب دعا پہنچتی ہے وہ اس کے لئے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اہل دنیا کی دعا کے سبب اہل قبور پر پہاڑوں کے برابر اجر پہنچاتا ہے اور زندوں کا تحفہ مردوں کے لئے ان کا دعائے مغفرت مانگنا ہے۔(مشکوٰۃ شریف باب الاستغفار والتوبۃ)

لہٰذا جب تک ہو سکے۔تاکید سے لوجہ اللہ اور طریقہ سنت کے مطابق ایصال ثواب کرے جس کام کو ریاو نمود و ناموری یا لوگوں کے طعن و تشنیع سے بچنے کے لئے یا آباواجدا کے رواج کو باقی رکھنے کے لئے کیا جائے اس کا نہ کوئی ثواب ہوتا ہے نہ میت کو کچھ پہنچتا ہے۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عمل مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں۔(۱) خالص لوجہ اللہ ہو (۲) صواب (مطابق سنت) ہو۔

ان دونوں شرطوں میں سے ایک بھی نہ ہو تو عمل مقبول نہیں ہوتا۔آیت کریمہ **لیبلوکم ایکم احسن عملاً** کی تفسیر میں ہے۔ **العمل اذا کان خالصاً غیر صواب لم یقبل و کذلک اذا کان صواباً غیر خالص فالخالص ان یکون لوجہ اللہ والصواب ان یکون علی السنۃ.** (تفسیر کبیر ج۸ ص۲۴۳) یعنی جو عمل خالص ہو مگر صواب نہ ہو تو وہ مقبول نہیں اور جو عمل صواب ہو مگر خالص نہ ہو وہ بھی مقبول نہیں۔

عمل وہی مقبول ہوتا ہے جو خالص ہو اور صواب ہو خالص وہ ہے جو لوجہ اللہ کیا جائے اور صواب وہ ہے جو مطابق سنت ہو۔ارشاد الطالبین میں محدث قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث نقل فرمائی ہے:۔ **ان القول لا یقبل مالم یعمل بہ وھما لا تقبلان بدون النیۃ والقول والعمل والنیۃ لم تقبل ما لم توافق السنۃ.**
سخن مقبول نیست بدون عمل کردن وہر دو مقبول نیستند کہ موافق نباشد۔یعنی قول بلا عمل مقبول نہیں ہوتا اور یہ دونوں (قول و عمل) بلا نیت کے مقبول نہ ہوں گے اور قول و عمل اور نیت کے مقبول ہونے کے لئے ضروری ہے کہ سنت کے موافق ہوں۔(ص ۲۸)

تعیین تاریخ کی جو مصلحتیں بیان کی ہیں وہ شرعی حکم کے مقابلہ میں قابل توجہ نہیں ہیں نیز یہ مصالح اور ضرورتیں تیمارداری کے وقت بھی پیش ہوتی ہیں تو تیمارداری کے لئے بھی تعزیت کی طرح ایک دن متعین کر کے عزیز

واقارب اور دوست واحباب کو دعوت دے کر بلا لینا چاہئے بار بار کی مصیبت اور تکالیف سے نجات مل جائے۔ ملازمت وسروس میں بھی نقصان نہ آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو مصائب اور پریشانیاں درپیش ہوتی ہیں وہ صرف من گھڑت رواج کی پابندی کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ احکام شریعت اور سنت نبوی کی تابعداری میں راحت ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق بخشے کہ دینوی واہیات رواجوں کو ترک کریں اور طریقہ سنت کے تابعدار بنیں۔ آمین۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مزارات اولیاء پر افعال کردنی ونا کردنی:

(سوال ۳۲) بزرگان دین کی مزار اور خانقاہوں پر سال بھر میں ایک معین تاریخ یا یوم وفات میں بنام عرس، برسی یا میلاد منایا جاتا ہے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ بینواتوجروا اجراً جزیلا۔

(الجواب) زیارت قبور مسنون ہے! مزارات پر عبرت حاصل کرنے، دعائے مغفرت کرنے، فاتحہ خوانی وتلاوت قرآن وغیرہ کے لئے جانا اور بخشنا اور خیرات کرنا یہ سب جائز ہے منع نہیں ہے۔ لیکن رسمی عرس جو یوم وفات متعین کر کے اور اس کو شرعی حکم اور ضروری سمجھ کر ہر سال اجتماعی صورت میں کیا جاتا ہے یہ ناجائز ہے۔

آنحضرت ﷺ اور اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مبارک دور میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی! یہ اہل کتاب کا رواج ہے۔ اگر اسلامی رواج ہوتا تو سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کا عرس مناتے۔ پھر دیگر انبیاء اور خلفاء راشدین کا ہوتا۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ "لا تجعلوا قبری عیداً" میری قبر کو عید (تہوار) مت بنائیو۔ (مشکوٰۃ ص ۸۶ باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفضلھا)

یعنی جس طرح تہوار میں لوگ ایک ہی تاریخ کو جمع ہوتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں۔ اس طرح میری قبر پر جمع مت ہونا۔ عید (تہوار) میں یہ تین چیزیں خاص کر ہوتی ہیں:۔

(۱) تاریخ کو متعین کرنا (۲) اجتماع (۳) خوشیاں منانا۔ لہٰذا از روئے حدیث مزاروں پر ایک متعین تاریخ کو اجتماع کرنے کی اور رواجی خوشیاں منانے کی ممانعت ثابت ہوئی۔ اس لئے حدیث مذکور کی تشریح میں علامہ محمد طاہر فرماتے ہیں:۔

لا تجتمعوا لزيارته اجتماعكم للعيد فانه يوم لهو وسرور وحال الزيارة بخلافه وكان داب اهل الكتاب فاورثهم القسوة.(مجمع البحار ج ۲ ص ۴۴۵)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قبر کی زیارت کے لئے مثل عید کے جمع نہ ہونا چاہئے کیونکہ یوم عید تو کھیل اور خوشی کا ہے اور زیارت قبر کی شان تو اس سے علیحدہ ہے۔ قبر پر عرس منانے کا رواج اہل کتاب کا ہے جس کی وجہ سے ان کے قلوب بھی سخت ہو گئے۔ (زیارۃ قبور کا مقصد عبرت حاصل کرنا تھا وہ فوت ہو گیا)

اسی لئے آنحضرت کی قبر مبارک کی زیارت کا دن یا تاریخ متعین نہیں ہے سال کے درمیان کتنے ہی مشتاق کسی بھی تاریخ کو آتے رہتے ہیں۔ جب آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر پر عرس واجتماع نہیں ہوتا تو دیگر بزرگان دین کے مزاروں پر کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ اسی لئے بزرگان دین، محدثین، فقہائے کرام نے صریح الفاظ میں رواجی عروس کو ناجائز بتلایا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے شاگرد رشید اور حضرت مرزا مظہر جانجاںؒ کے خاص خلیفہ بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ نقشبندی پانی پتی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں:۔

لا یجوز ما یفعله الجهال بقبر الا ولیاء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السروج الیها ومن اجتماع بعد الحول کالعیاد ویسمونه عرساً.

یعنی جاہل لوگ اولیاء اور شہداء کی قبروں سے جو برتاؤ کرتے ہیں یعنی قبروں کو سجدہ کرنا اور اس کا طواف کرنا، اس پر چراغاں کرنا اور ہر سال عید کی طرح وہاں پر جمع ہو جانا جسے عرس کا نام دیتے ہیں یہ سب امور ناجائز ہیں۔

اور حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ مقرر ساختن روز عرس جائز نیست عرس کا دن مقرر کرنا جائز نہیں۔ (مسائل اربعین ص ۴۲)

اور مجالس الابرار میں ہے:۔

ونهی عن اتخاذها عیداً وهم یخالفونه ویتخذونها عیداً ویجتمعون لها کما یجتمعون للعید او اکثر! اور قبروں کو عید بنانے سے منع فرمایا اور حال یہ ہے کہ وہ مخالفت کرتے اور میلہ مانتے ہیں اور اس پر ایسے جمع ہوتے ہیں جیسے عید کے لئے بلکہ اس سے بھی زیادہ! (م ۱۷ ص ۱۱۸)

ان تمام کتابوں کو بریلوی علماء قابل اعتماد اور ان کے مصنفین کو مذہبی پیشوا مانتے ہیں اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ اعتقادی خرابی کے علاوہ رواجی عرس کی عملی خرابی بھی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ بریلوی علماء بھی عرس میں نہ جانے کا فتوی دینے کے لئے مجبور ہو گئے ہیں، دیکھئے مولوی حکیم محمد حشمت علی صاحب عرس کی بابت ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔

''مگر بہتر یہ ہے کہ زیارت پیران کلیر و اجمیر وغیرہ کو بعد میلوں کے جانا چاہئے کہ میلوں میں بدعات و امور نا شروعہ اکثر ہوتے ہیں اور عام لوگ اپنے نفس پر ان سے بچنے کا قابو نہیں رکھتے اور اولیاء کرام کے دربار میں گناہ کا ارتکاب اور زیادہ سخت! (مجمع المسائل ج ۱ ص ۱۱۰) واللہ اعلم بالصواب۔

بزرگان دین کی قبروں پر طبلہ و باجا بجانا اور دیگر ناجائز امور:

(سوال ۴۳) شادی کی مجالس میں، خاص کر بزرگان دین کے مزارات پر طبلہ باجہ سمیت قوالی ہوتی ہے اور لوگ اس کو ثواب کا کام سمجھتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) قوالی، طبلہ، باجا وغیرہ قطعی حرام ہے۔ مسند ابن ابی الدینار میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا آخیر زمانے میں اس امت میں سے ایک قوم بندر اور خنزیر بن جائے گی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا وہ **لا اله الا الله محمد رسول الله** کو نہیں مانتے ہوں گے؟ فرمایا کیوں نہیں۔ حضرات صحابہ نے عرض کیا۔ پھر اس سزا کی کیا وجہ ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ وہ بجانے اور گانے کا پیشہ اختیار کریں گے۔ مزید فرمایا۔ **استماع الملاهی معصیة والجلوس علیها فسق والتلذذ فیها کفر** (ترجمہ) باجے کی آواز سننا گناہ ہے، وہاں بیٹھنا فسق ہے اور اس سے لذت اندوزی کفر ہے۔ (نصاب الاحتساب ج ۵۲ ص ۱۰۳۔ درمختار مع الشامی ج ۵ ص ۳۰۶ کتاب الحظر والاباحۃ)

ابن ماجہ میں ایک حدیث ہے۔

انه سمع صفوان ابن امية قال كنا عندرسول الله صلى الله عليه وسلم فجاء ه عمر بن قرة فقال يا رسول الله ان الله قد كتب على الشقوقفما ارانى ارزق الا من وفى بكفى فآذن لى فى الغناء فى غير فاحشة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا آذن لك ولا كرامة ولا نعمة عين كذبت اى عدوا الله لقدرزقك الله طيباً حلا لاً فاخترت ما حرم الله عليك من رزقه مكان ما احل الله عزوجل لك من حلاله ولو كنت تقدمت اليك لفعلت بك وفعلت قم عنى وتب الى الله اما انك ان فعلت بعد التقدمة اليك ضربتك ضرباً وجيعاً وحلقت راسك مثلة ونفيتك من اهلك واحللت سلبك نهبة لفتيان اهل المدينة فقام عمرو وبه من الشرو الخزى مالا يعلمه الا الله فلما ولى قال النبى صلى الله عليه وسلم هؤلاء العصاة من فات منهم بغير توبة حشره الله عزوجل يوم القيامة كما كان فى الدنيا فحنثاً عريا ناً لا يستر من الناس بهدبة كلما قام صرع !

صفوان ابن امیہؓ نے فرمایا۔ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ''عمرو بن قرہ'' آیا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری قسمت میں بدنصیبی لکھ دی گئی ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ میری روزی اسی میں ہے کہ اپنی ہتھیلی سے دف بجاؤں اب آپ اس کی بھی اجازت دے دیجئے کہ میں ایسے گانے گایا کروں جن میں فحش باتیں نہ ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دے سکتا نہ میری نظر میں تمہاری عزت ہے نہ تم سے مل کر مجھے خوشی ہو سکتی ہے۔ دشمن خدا تو جھوٹ کہتا ہے خدا نے تجھ کو رزق حلال دیا لیکن تو نے حلال چھوڑ کر حرام رزق اختیار کیا اگر اس سے پہلے میں نے منع کر دیا ہوتا تو میں اس وقت تجھے ضرور سزا دیتا اٹھ میرے پاس سے، دور ہو جا، توبہ کر اور سن لے، جب میں تنبیہ کر چکا ہوں اس کے بعد اگر تو نے یہ کام کیا تو میں تجھے بہت سخت مار ماروں گا اور تیری صورت بگاڑنے کے لئے تیرا سر منڈوا دوں گا۔ اور تجھے تیرے گھر والوں کے پاس سے نکلوا دوں گا اور مدینہ کے نوجوان کو اجازت دوں گا کہ تیرا سامان لوٹ لیں۔ (یہ سن کر) عمرو بن قرہ اٹھا اور خدا ہی خوب جانتا ہے کہ اس کے دل میں کتنی بدی ہوگی اور کتنی رسوائی اور شرمندگی وہ محسوس کر رہا ہوگا۔ جب وہ چلا گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ یہ لوگ نافرمان ہیں۔ اللہ کے حکم سے سرتابی کرنے والے ہیں انہیں سے جو شخص بلا توبہ مرجائے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو اسی حال میں اٹھائے گا جس حال میں دنیا میں تھا۔ کہ مخنث ہوگا۔ اس کا بدن ننگا ہوگا۔ کپڑے کا پھندنا (معمولی سا ٹکڑا) بھی اس کے ستر کے لئے نہ ہوگا جو اس کو لوگوں کی نظروں سے چھپا سکے۔ جب جب وہ کھڑا ہوگا پچھاڑ کھا کر گر جائے گا۔ (ص ۱۹۱ باقی ہے)

بغیر آلۂ سرود (طبلہ و باجہ وغیرہ) صرف ذوقاً وشوقاً قوالی کا ہونا بھی (جائز نہیں ہے) اس کے ساتھ عورتوں کی حاضری وغیرہ جس طرح بڑھتی جائیگی اسی طرح گناہ، لعنت، پھٹکار اور قہر وغضب بڑھتا جائے گا (معاذ اللہ) مسند ابن ابی الدینار اور طبرانی وغیرہ میں حضرت امامہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس نے مجھے دین حق دے کر بھیجا، جو کوئی اپنی آواز گانے کے لئے بلند کرتا ہے خدا پاک اس پر دو شیطان مقرر فرما دیتے ہیں وہ اس کے کندھے پر بیٹھ کر اس کے خاموش ہونے تک اس کے سینہ میں لاتیں مارتے رہتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ

الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء الزرع ۔گانا دل میں نفاق اگاتا ہے جیسا کہ پانی کھیتی کو اگاتا ہے !(مشکوٰۃ ص ۴۱۲)

حضرت فضیل ابن عیاضؒ فرماتے ہیں الغناء رقیۃ الزنا راگ زنا کا رقیہ (منتر) ہے۔
(تلبیس ابلیس ابن جوزی ص ۳۲۸)

فاقبل سلیمان فقال ھدر الجمل فضیعت الناقۃ وھب التیس فسکرت الشاۃ ھدر الحمام فراقت الحمامۃ وغنی الرجل فطربت المرأۃ ثم امر بہ فخصی.

سلیمان ابن عبدالملک آئے انہوں نے فرمایا'' اونٹ بڑبڑاتا ہے تو اونٹنی وجد میں آتی ہے۔ بکرا جوش شہوت میں آکر آواز کرتا ہے تو بکری در پے رقص وسرود ہوتی ہے۔ کبوتر اپنی مخصوص آواز نکالتا ہے تو کبوتری پرخوشی طاری ہوجاتی ہے اور جب مرد گنگناتا ہے تو عورت پر کیف ونشاط سا چھا جاتا ہے۔ یہ فرمایا پھر آپ نے حکم دیا جس کی تعمیل میں مغنی کو خصی کر دیا گیا۔ (تلبیس ابلیس ص ۳۴۴)

ایک بزرگ کا قول ہے۔ ایاک والغنی فانہ یزید الشھوۃ ویھدم المروۃ .گانے بجانے سے بچو کو یہ شہوت کو بڑھاتا ہے اور مروت کا جنازہ نکالتا ہے۔

غوث الاعظم حضرت عبدالقادر فرماتے ہیں:۔فکیف بالشعر والغزل والا مور المھیجۃ لطباع الناس من ذکر صفات العشاق والمعشوقین ودقائق صفات المحبۃ والمیل والصفات المشتھیات التی تشوق النفس الی سماعھا فتھیج دواعی السماع وتثیر طبعہ الی المحارم فلا یجوز لا حد لسماع ذالک وان قال قائل انی اسمعھا علی معان اسلم فیھا عند اللہ تعالیٰ کذبناہ لان الشرع لم یفرق بین ذلک ولو جاز لا حد جاز للانبیاء علیھم السلام ! نغمہ وراگ سے شعر وغزل پڑھنا اور وہ چیزیں جو طبیعت کو ابھارتی ہیں یا عاشق ومعشوق کی صفت بیان کرنا اور دقیق محبت اور اشتیاق کا اظہار اور اس کو خوش الحانی سے گانے سے اور اسی طرح سننے سے قلب انسانی میں شوق پیدا ہوتا ہے اور یہ شوق حرام کی طرف رغبت دلاتا ہے۔ اس بناء پر کسی کے لئے اس قسم کا گانا اور آواز سننا جائز نہیں۔ کوئی کہے کہ گانا سن کر میں یاد الٰہی میں جذب وکشش پا کر مشغول رہتا ہوں تو یہ صریح جھوٹ ہے کہ شریعت نے ممنوع کام میں کوئی راز نہیں رکھا۔ اگر کسی کے لئے یہ سننا جائز ہوتا تو پیغمبر اس کے زیادہ حق دار تھے۔ (غنیۃ الطالبین ج ا ص ۲۶)

واما مذھب ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فعن ابی الطیب الطبری قال کان ابو حنیفۃ یکرہ الغناء مع اباحۃ شرب النبیذ ویجعل سماع الغناء من الذنوب.

حضرت امام اعظمؒ نے غناء سننے کو حرام قرار دیا ہے۔ (تلبیس ابلیس ص ۳۳۷)

واما مذھب الشافعیؒ فحدثنا الحسن بن عبدالعزیز الجروی قال سمعت محمد بن ادریس الشافعی یقول خلفت بالعراق شیئا احدثتہ الزنا دقۃ یسمونہ التغیر یشتغلون بہ الناس من القران!

حسن ابن عبدالعزیز جروی نے حضرت امام شافعیؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں عراق میں ایک چیز چھوڑ کر

آیا ہوں جو زنادقہ کی ایجاد ہے جس کو تغبیر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس کے ذریعہ سے لوگوں کو قرآن سے باز رکھتے ہیں۔ (ایضاً)

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ فاسقوں کا کام ہے۔

ان چاروں ائمہ مجتہدین کے علاوہ عام فقہاء کرام کا فیصلہ یہ ہے:۔

وان کان سماع غناء فهو حرام لان التغنى واستماع الغناء حرام اجمع عليه العلماء وبالغو افيه ومن اباحه من المشائخ الصوفية فلمن تخلى عن الهوى تحلى بالتقى واحتاج الى ذالك احتياج المريض الى الدواء وله شرائط . احدها ان لا يكون فيهم امرد والثانى ان لا يكون فيهم الا من جنسهم ليس فيهم فاسق ولا اهل الدنيا ولا امرد والثالث ان تكون نية القوال الاخلاص لا اخذ الا جر والطعام والرابع ان لا يجتمعوا لا جل طعام او فتوح والخامس لا يقومون الا مغلوبين والسادس لا يظهرون وجدا الا صادقين وقال بعضهم الكذب فى الوجد اشد من الغيبة كذا وكذا سنة والحاصل انه لا رخصة فى باب السماع فى زماننا لان جنيداً رحمه الله تعالىٰ تاب عن السماع فى زمانه اه.(فتاوى خيريه كتاب الكراهية والاستحسان ومطالبه ج ۲ ص ۱۷۹ شامى ج ۵ ص ۳۰۶ كتاب الحظر و الاباحة)

سماع کا مقصد صرف لذت کام و دہن ہو تو سن لو وہ حرام ہے۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ مشائخ صوفیہ میں سے جن حضرات نے جائز فرمایا ہے وہ صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو خواہشات نفسانیہ سے پاک ہوں اور تقویٰ سے آراستہ ہوں اور اپنی خاص کیفیات کے باعث غناء کے ایسے محتاج ہوں جیسے مریض دوا کا! کہ خطرناک حالت میں جب کوئی چارہ نہ ہو اور طبیب حاذق ضروری قرار دے تو مریض کے لئے محرمات کا استعمال بھی جائز ہو جاتا ہے۔ مگر اس جواز کے لئے بھی چند شرطیں ہیں۔ (۱) اس مجلس میں امرد (بے ریش لڑکا) نہ ہو (۲) حاضرین میں سب انہیں کے ہم جنس صوفی باصفا متقی اور پرہیز گار ہوں ان میں نہ فاسق و بدکار ہو نہ دنیا پرست نہ کوئی عورت ہو (۳) قوال بھی ایسا ہی ہو۔ اس کی نیت میں اخلاص ہو۔ اجرت لینے کی یا خوردنوش کی نیت نہ ہو (۴) یہ اجتماع بھی کھانے پینے یا فتوحات اور نذرانے وصول کرنے کے لئے نہ ہو۔ (۵) حالت سماع میں اگر کھڑے ہو جائیں تو اسی حالت میں کہ وہ مغلوب ہو (بناوٹ سے نہیں بلکہ جذبہ میں کھڑے ہو گئے ہوں) (۶) وجد میں بھی تکلف اور تصنع نہ ہو وہ ایک حقیقی جذبہ اور سچی کیفیت ہو۔ بعض مشائخ کا ارشاد ہے کہ وجد میں کذب (جھوٹا وجد) غیبت سے بہت زیادہ سخت ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہمارے زمانہ میں سماع کی مطلق اجازت نہیں ہے کیونکہ حضرت جنید رحمہ اللہ نے اپنے مبارک دور میں سماع سے توبہ کر لی تھی۔ (فتاویٰ خیریہ ج ۲ ص ۱۷۹ شامی ج ۵ ص ۳۰۶)

''شرح ملتقی'' میں ہے:۔ وما يفعله متصوفة زماننا حرام لا يجوز القصد و الجلوس اليه ومن قبلهم لم يفعله كذالك وما نقل انه عليه السلام سمع الشعر لم يدل على اباحة الغناء ويجوز حمله على الشعر المشتمل على الحكمة والوعظ.

یعنی اپنے زمانے میں تقلیدی صوفیا جو کچھ کرتے ہیں وہ حرام ہے۔ وہاں کا قصد اور جا کر بیٹھنا جائز نہیں

ہے۔اسلاف ایسا نہیں کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ کا شعر سننا غناء اور راگ کی سماعت کے لئے دلیل نہیں بن سکتا۔ کیونکہ یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ اشعار حکمت و دانش اور پند و نصیحت سے متعلق تھے۔(الدر المنتقی شرح الملتقی ج ۲ ص ۵۵۱)

از روئے شریعت مجذوب اور مست حال صوفیاء کے اعمال سے استدلال غلط ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تنبیہاً فرماتے ہیں کہ تم لوگ مست حال عشاق کی باتیں اختیار کرتے ہو۔ حالانکہ یہ باتیں لپیٹ کر طاق میں رکھ دینے کے قابل تھیں۔تشہیر اور بیان کرنے کے قابل نہیں تھیں و تمسکتم بکلام المغلوبین من العشاق و کلام العشاق یطوی ولا یروی۔(تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص ۲۱۵)

جہاں فقہاء اور صوفیا میں اختلاف ہو وہاں فقہاء کا فیصلہ تسلیم کرنا ضروری ہے حضرت سید احمد کبیر رفاعی کا فیصلہ سینہ پر لکھنے کے قابل ہے۔آپ فرماتے ہیں۔

بزرگو! تم یہ کیا کررہے ہو؟ کہ حارث نے یوں فرمایا، بایزید بسطامی نے یوں فرمایا منصور حلاج نے اس طریقے سے فرمایا۔ایسا کہنے سے پہلے یوں کہو، امام شافعیؒ نے یوں کہا، امام مالکؒ نے ایسا کہا، امام احمدؒ نے یوں کہا. امام اعظمؒ نے یوں فرمایا ہے۔حارث اور بایزید بسطامی کی بات نہ تم کو گھٹا سکتی ہے نہ بڑھا سکتی ہے اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے فرامین راہ نجات اور کامیاب قانون ہے۔(البنیان المشید ص ۸۸)

رضا خانی برادران کے اطمینان خاطر کے لئے قوالی کے سلسلہ میں مولوی احمد رضا خاں صاحب کا فتویٰ عرض ہے:۔سوال۔آج میں جس وقت آپ سے رخصت ہوا اور واسطے نماز مغرب کے مسجد میں گیا بعد نماز مغرب کے ایک میرے دوست نے کہا چلو ایک جگہ عرس ہے۔میں وہاں چلا گیا وہاں جا کر کیا دیکھتا ہوں کہ بہت سے لوگ جمع ہیں اور قوالی اس طرح سے ہو رہی ہے کہ ایک ڈھول دو سارنگی بج رہی ہیں اور چند قوال پیران پیر دستگیر کی شان میں اشعار گا رہے ہیں اور ڈھول سارنگیاں بج رہی ہیں۔یہ باجے شریعت میں قطعی حرام ہیں۔کیا اس فعل سے رسول اللہ ﷺ اور اولیاء اللہ خوش ہوتے ہوں گے؟ اور یہ حاضرین جلسہ گنہگار ہوئے یا نہیں؟ اور ایسی قوالی جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کس طرح کی؟

(الجواب) ایسی قوالی حرام ہے۔حاضرین سب گنہگار ہیں اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے اور قوالوں کا بھی گناہ اس عرس کرنے والے پر بغیر اس کے کہ عرس کرنے والے کے ماتھے قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ کی کچھ کمی آئے یا اس کے اور قوالوں کے ذمے حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف ہو! نہیں بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پورا گناہ اور قوالوں پر اپنا گناہ الگ اور سب حاضرین کے برابر جدا اور ایسا عرس کرنے والے پر اپنا گناہ الگ اور قوالوں کے برابر جدا اور سب حاضرین کے برابر علیحدہ الخ۔(احکام شریعت ج ۱ ص ۳۲)

خان صاحب کا دوسرا فتویٰ۔عرض۔کیا روایت صحیح ہے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ قرب شریف میں ننگے سر کھڑے ہوئے گانے والوں پر لعنت فرما رہے تھے؟

ارشاد:۔یہ واقعہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ آپ کے مزار شریف پر مجلس سماع میں قوالی ہو رہی تھی آج کل تو لوگوں نے بہت اختراع کرلیا ہے۔ناچ وغیرہ بھی کرتے ہیں حالانکہ اس وقت

بارگاہوں میں مزامیر بھی نہ تھے۔ حضرت سید ابراہیم امیر جی رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے پیروں کے سلسلہ میں سے ہیں بار مجلس سماع کے تشریف فرما تھے۔ ایک صاحب ساعتین سے آپ کے پاس آئے اور گذارش کی۔ مجلس میں تشریف لے چلئے حضرت سید ابراہیم امیر جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تم جانے والے ہو مواجہ اقدس میں حاضر ہوا گر حضرت راضی ہوں میں ابھی چلتا ہوں، انہوں نے مزار اقدس پر مراقبہ کیا۔ دیکھا کہ حضور قبر شریف میں پریشان خاطر ہیں اور ان قوالوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں۔ "ایں بدبختان وقت مارا پریشان کردہ اند" وہ واپس آئے اور قبل اس کے کہ عرض کریں، فرمایا آپ نے دیکھا؟ (ملفوظات ج ا ص ۹۰) فقط واللہ اعلم بالصواب!

میت کے ہاں دعوت طعام و تعیین اور اس کے اہل:

(سوال ۴۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ یہاں ریونین (Rinyon) میں ہندوستان کے گجراتی مسلم بسلسلۂ تجارت مدت مدید سے مقیم ہیں اب چند ماہ سے نیا رواج جاری ہوا ہے کہ انڈیا یا جنوبی افریقہ (S.A) یا ماریشس سے بذریعہ ٹیلیگراف یا خط کسی رشتہ دار کی وفات کی خبر پہنچے تو موذن مسجد سے کہہ دیا جاتا ہے کہ سب دوکانوں پر خبر کر دو کہ ظہر یا عصر کی نماز کے بعد (میرے فلاں رشتہ دار کی وفات ہو جانے کی وجہ سے) آپ میرے ہاں فاتحہ خوانی کے لئے تشریف لائیں! انجام کار سب وقت مقررہ پر جمع ہو کر اس کے ہاں فاتحہ خوانی کے لئے جاتے ہیں، جانے والوں میں بعض دوستی کے خیال سے دعائے مغفرت اور تعزیت کے ایک دو جملے مرحوم کے اقارب کو کہہ کر تسلی دلاتے ہیں۔ بعض شرما شرمی جاتے ہیں کہ نہ جاؤں گا تو ناراض ہو جائیں گے اور چہ میگوئیاں ہوں گی کہ فلاں نہ آیا تو اب ان امور مذکورہ کے متعلق شرعی فرمان کیا ہے؟ کیا دور نبی ﷺ میں یہ طریقہ تھا؟ صحابہ اس پر عمل کرتے تھے؟ رہبری فرما کر مسلم جماعت کو ممنون و مشکور فرمائیں۔

(الجواب) اہل میت کی تعزیت یعنی ان کی تسلی اور دلجوئی کرنا، صبر کی تلقین و ترغیب دینا اس کے اور میت کے حق میں دعا کے الفاظ کہنا مسنون ہے اور اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حدیث میں ہے۔ قال من عزی مصابا فله مثل اجره. یعنی جو کوئی مصیبت زدہ کی تعزیت کرے خدائے پاک اس کو اس قدر ثواب دے گا جس طرح مصیبت زدہ کو (اس کے صبر پر) (ترمذی شریف ج ا ص ۱۲۷ باب ما جاء فی أجر من عزی مصابا)

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من عزی ثکلی کسی بردا فی الجنة. ترمذی کتاب الجنائز باب آخر فی فضل التعزیة یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی ایسی عورت کی تعزیت کرے جس کا بچہ مر گیا ہو تو اس کو جنت میں چادریں اڑھائی جائیں گی۔ (ایضا)

دوسری حدیث میں ہے کہ عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال ما من مومن یعزی اخاه بمصیبة الا کساه الله سبحانه من حلل الکرامة یوم القیامة. یعنی جو کوئی اپنے دینی بھائی کی مصیبت میں تعزیت کرے تو قیامت کے روز خدائے پاک اس کو بزرگی اور کرامت کا لباس پہنائیں گے۔

(ابن ماجہ ص ۱۱۶ باب ماجاء فی ثواب من عزی مصابا)

ووقتها من حین یموت الیٰ ثلاثة ایام ویکره بعدها الا ان یکون المعزی او المعزی الیه

غائبا فلا باس بها وهي بعد الدفن اولى منها قبله وهذا اذا لم ير منهم جزع شديد فان رأى ذالك قدمت التعزية ويستحب ان يعم بالتعزية جميع اقارب الميت الكبار والصغار والرجال والنساء الا ان يكون امرء ة شابة فلا يعزيها الا محارمها.

تعزیت تین دن تک کرنی چاہئے اس کے بعد مکروہ ہے۔ ہاں جس کو اطلاع نہ ہو۔ یا تعزیت کرنے والا یا اہل میت حاضر نہ ہوں تو تین دن کے بعد بھی کر سکتے ہیں۔ دفن کرنے کے بعد تعزیت کرنا افضل ہے۔ دفن سے پہلے تعزیت کرنا اتنا افضل نہیں ہے۔ یہ اس صورت میں کہ بعد از دفن تعزیت میں جزع فزع زیادہ نہ ہو (نوحہ اور بین کی شکل نہ ہو) اور اگر نوحہ اور بین کی شکل ہو اور جزع فزع زیادہ ہو تو دفن کرنے سے پہلے ہی تعزیت کر لینی چاہئے۔ مستحب یہ ہے کہ تعزیت عام طور پر میت کے تمام رشتہ داروں کو کی جائے (ہر ایک کو تسکین اور تسلی دے) وہ رشتہ دار بڑے ہوں یا چھوٹے، مرد ہوں یا عورتیں۔ لیکن اگر عورت جوان ہو (مثلاً مرنے والے کی جوان لڑکی ہو) تو اس کو اس کے محرم ہی تسکین دلائیں اور تعزیت کریں۔ (فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۷)

مجبوری یا دوری کی بنا پر حاضر نہ ہو سکے تو بذریعہ خط تعزیت کی جا سکتی ہے۔ وكتب النبي صلى الله عليه وسلم الىٰ معاذ يعزيه في ابن له۔ یعنی آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی تعزیت بذریعہ خط فرمائی جب کہ ان کے لڑکے کی وفات ہوئی۔ (حصن حصین ص ۱۸۰)

الفاظ تعزیت اور مضمون متعین نہیں، جدا جدا ہیں۔ صبر اور تسلی کے لئے جو الفاظ زیادہ موثر ہوں ان کو استعمال کرے۔ بہتر یہ ہے کہ یہ الفاظ کہے جائیں۔ ان لله ما اخذ وله ما اعطى وكل عنده باجل مسمى فلتصبر ولتحتسب۔ جو لیا وہ بھی خدا کا ہے اور جو کچھ دیا وہ بھی اسی کی ملکیت ہے۔ ہر ایک چیز کا اس کے پاس ایک وقت مقرر ہے (یعنی میت کی زندگی اتنی مقدر تھی) پھر صبر اختیار کرو اور ثواب کی امید رکھو۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۵۰ باب البکا علی المیت)

یہ الفاظ بھی ایک حدیث میں ہیں اعظم الله اجرک واحسن عزاءک وغفر لميتک خدائے پاک تجھے اجر عظیم عطا فرمائے اور تیری صبر کا بہتر صلہ عنایت فرمائے اور تیری میت کی بخشش کرے۔ اگر غیر مکلف ہو تو آخری لفظ نہ کہے۔ (کبیری ص ۵۶۵)

مسلم کی تعزیت اس کے غیر مسلم خویش کی موت کے وقت ان الفاظ سے کی جائے۔ اعظم الله اجرک واحسن عزاک۔ خدائے پاک تجھے زیادہ اجر دے اور تیرے صبر کا بہتر صلہ عنایت فرمائے۔ اور غیر مسلم کی تعزیت اس کے مسلم رشتہ دار کی وفات کے وقت ان الفاظ سے کی جائے۔ احسن الله عزائک وغفر لميتک۔ خدائے پاک تیرے صبر کو اچھا بنائے اور تیری میت کو بخش دے۔ اگر دونوں غیر مسلم ہوں تو یہ الفاظ کہے۔ اخلف الله ولا نقص عددک۔ خدائے پاک تجھے بدلہ دے اور تیرے آدمی نہ گھٹائے۔

(فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۷ باب وممایتصل بذلک مسائل)

رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث اور فقہاء کے فرامین کی روشنی میں آپ نے دیکھ لیا کہ تعزیت محض رواج دنیوی نہیں ہے (کہ مرضی کی مطابق کمی بیشی کرتے رہو) بلکہ خاص اسلامی تعلیم اور فضیلت و ثواب کا امر ہے اس

کو خصوصی ثواب وعبادات کے امور کی طرح اسلامی تعلیم اور آنحضرت ﷺ کی سنت کے مطابق عمل میں لانا ضروری ہے ورنہ بجائے مقبولیت کے مردودیت اور بجائے ثواب کے عتاب وگمراہی کا کام ہو جائے گا۔

حضرت امام غزالی کا ارشاد ہے تم کوئی کام بدوں حکم شارع علیہ السلام کے کرو اگرچہ وہ بشکل عبادت ہی ہو تو وہ عبادت نہیں بلکہ گناہ ہے۔ (مکتوب نمبر ۷)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ **لا یستقیم قول الا بعمل و لا یستقیم قول و عمل الا بنیۃ و لا یستقیم قول و عمل و نیۃ الا بموافقۃ السنۃ** . یعنی کوئی قول عمل کے بغیر درست نہیں ہو سکتا اور قول اور عمل نیت کے بغیر درست نہیں ہو سکتے اور (یہ تینوں چیزیں) قول۔ عمل اور نیت درست نہیں ہو سکتے مگر اس شکل میں کہ وہ آنحضرت ﷺ کی سنت مبارکہ کے مطابق ہوں۔

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کا فیصلہ ہے۔

و لا یقبل قول بلا عمل و لا عمل بلا اخلاص و اصابۃ السنۃ.

(الفتح الربانی ص ۲ ص ۱۴)

کوئی قول عمل کے بغیر قبول نہیں اور کوئی عمل قبول نہیں جب تک اس میں اخلاص نہ ہو اور سنت رسول اللہ ﷺ کی اتباع نہ ہو۔

تعزیت کا سنت طریقہ یہ ہے کہ میت کے گھر والوں کے ہاں، دعوت، اجتماع اور دیگر پابندی رسوم کے بغیر تنہا جائے۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ اور سلف صالحینؒ کا یہی طریقہ تھا۔ لہذا جو صورت سوال میں ذکر کی گئی ہے کہ خاص وقت مقرر کر کے اجتماع کیا جائے اور اس کے لئے بلایا جانے۔ یہ بدعت ہے اور مکروہ ہے۔ زاد المعاد میں ہے۔

ولم یکن من ھدیہ ان یجتمع للعزاء ویقرأ لہ القران لا عند قبرہ ولا غیرہ و کل ھذہ بدعۃ حادثۃ مکروھۃ.

آنحضرت ﷺ کا یہ طریقہ نہیں تھا کہ تعزیت کے لئے جمع ہوں اور قرآن خوانی ہو نہ قبر کے پاس۔ نہ کسی اور جگہ یہ سب باتیں بدعت ہیں۔ ایجاد کردہ ہیں، مکروہ ہیں۔ (زاد المعادج ۱ ص ۱۵۰ مصری)

فتاویٰ جامع الرموز میں ہے **ویکرہ اجتماعھم عندہ للتعزیۃ** . تعزیت کے لئے اہل میت کے ہاں اجتماع کرنا مکروہ ہے۔ (ج ۱ ص ۱۲۸) مراقی الفلاح ص ۱۲۰ طحطاوی شرح در المختار ج ۱ ص ۶۱۲ شامی ج ۱ ص ۹۴۲) اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے:۔ **واتخاذ الدعوۃ بقرأۃ القران وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقرأۃ سورۃ الانعام اوالاخلاص . فالحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراۃ القران لا جل الاکل یکرہ** . یعنی ایصال ثواب کے لئے صلحا متقین یا قراء کو ختم قرآن یا سورۂ انعام یا سورۂ اخلاص پڑھنے کی دعوت دے کر جمع کرنا مکروہ ہے۔ (ج ۱ ص ۸۱ جنائز (فصل) نوع آخر)

اور شرح سفر السعادۃ میں ہے:۔ وعادت نبود کہ برائے میت در غیر وقت نماز جمع شوند وقرآن خوانند وختمات خوانند نہ برسر گور ونہ غیر آن وایں مجموع بدعت است ومکروہ۔

یعنی آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ وغیرہ ہم سلف صالحین کی یہ عادت نہ تھی کہ میت کے لئے سوائے صلوٰۃ جنازہ

دوسرے کسی موقع پر جمع ہوتے ہوں اور قرآن پڑھتے ہوں! نہ قبر پر! اور نہ دیگر کسی مقام پر! یہ تمام رواج و رسوم بدعت اور مکروہ ہیں۔ (شرح سفر السعادۃ ص ۲۷۳)

بہت سے مقامات پر گھر کے سامنے شارع عام پر فرش یا کرسیاں بچھا کر تعزیت کرنے والوں کے لئے نشست کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اس رسم کی فقہاء نے سخت الفاظ میں تردید فرمائی ہے۔ (فتاوی عالمگیری وغیرہ) اجتماع کی قید کے بغیر اتفاقاً لوگ کسی وقت جمع ہوگئے اس میں کسی بزرگ نے حاضرین کے ساتھ مل کر دعا کرلی یہ مذکورہ رواجوں میں شامل نہیں ہے ریاکاری سے ثواب برباد ہوجاتا ہے۔ مجالس الابرار میں ہے۔ اما مو فقة اهل الدنيا لحاجة عندهم او خوف اللوم او اتباع العادة او نحو ذلك وفساد الكل ظاهر لان كل ذلك رياء والرياء بالعبادة حرام.

یعنی دنیاداروں کی اتباع اور پیروی، اور رسم ورواج کی خاطر یا لوگوں کی ملامت سے بچنے کے لئے کوئی کام کیا جائے تو وہ ریاء ہے اور ریاء عبادت میں حرام ہے۔ (م ۱۹ ص ۱۴۱)

شامی میں معراج الدرایہ شرح ہدایہ کے مصنف علامہ قیام الدین (المتوفی ص ۴۴۹) کا قول منقول ہے واطال ذلك في المعراج وقال وهذه الا فعال كلها للسمعة والرياْ فيحترز عنها لانهم لا يريدون بها وجه الله تعالى . یہ سب ناموری اور دکھاوے کے کام ہیں۔ ان میں للّٰہیت نہیں ہوتی۔ ان سے احتراز کیا جائے۔ (ج ۱ ص ۸۴۲ شامی مطلب في كراهية الضيافة من اهل ا لميت۔)

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سنت نبوی کی روشنی میں دوسروں سے فاتحہ خوانی اور ایصال ثواب کا کام لینے کی بہترین، مفید اور قابل عمل ترکیب بتلائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

جس طریق سے آج کل قرآن شریف پڑھ کر ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ یہ صورت مروجہ تو ٹھیک نہیں۔ ہاں۔ احباب خاص سے کہہ دیا جائے کہ اپنے اپنے مقام پر حسب توفیق پڑھ کر ثواب پہنچادیں۔ باقی اجتماعی صورت اس میں مناسب نہیں۔ چاہے تین بار "قل هو الله" ہی پڑھ کر بخش دیں جس سے ایک قرآن کا ثواب مل جائے گا یہ اس سے اچھا ہے کہ اجتماعی صورت میں دس قرآن ختم کئے جائیں۔ اس میں اکثر اہل میت کو جتلانا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تھوڑے بہت کو نہیں دیکھا جاتا۔ خلوص اور نیت دیکھی جاتی ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میرا ایک صحابی ایک مد کھجور خیرات کرے اور غیر صحابی احد پہاڑ کے برابر سونا تو وہ اس درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ یہ فرق خلوص اور عدم خلوص ہی کا تو ہے کیونکہ جو خلوص ایک صحابی کو ہوگا وہ غیر صحابی کو ہو نہیں سکتا۔ (انفاس عیسیٰ ج ۲ ص ۲۱۵)

خدائے پاک خلوص اور طریقہ سنت پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اولیائے کرام کے مزارات کا طواف کرنا اور تقبیل (بوسہ دینا) کیسا ہے:

(سوال ۳۵) ایک بدعتی مولوی کہتا ہے کہ اولیاء کے مزارات کا طواف کرنا اور تعظیمی سجدہ کرنا، اور قبروں کو بوسہ دینا ثواب کا کام ہے۔ منع کرنے والا وہابی ہے، دشمن اولیاء اللہ ہے اس کو کیا جواب دینا چاہئے۔

(الجواب) ایسے خرافات وبکواس کا جواب تحقیقی اور تفصیلی بار بار دیا گیا ہے اس بدعتی مولوی کے لئے ان کے مقتدی احمد

رضا خاں صاحب کا فتویٰ پیش کیا جا رہا ہے، ان کو دکھایئے اور پوچھئے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب بھی وہابی اور دشمن اولیاء اللہ تھے؟

مولانا احمد رضا خان صاحب سے جو سوال کیا گیا تھا اور آپ نے جو جواب دیا تھا وہ بالفاظہا درج ذیل ہے!

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بوسہ دینا قبر اولیائے کرام کو اور طواف کرنا گرد قبر کے اور سجدہ کرنا تعظیماً از روئے شرع شریف موافق مذہب حنفی جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) بلاشبہ غیر کعبہ معظّمہ کا طواف تعظیمی ناجائز ہے اور غیر خدا کو سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے اور بوسہ قبر میں علماء کا اختلاف ہے اور احوط منع ہے۔ خصوصاً مزارات طیبہ اولیائے کرام کہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ کم از کم چار ہاتھ کے فاصلہ سے کھڑا ہو۔ یہی ادب ہے۔ پھر تقبیل کیونکہ متصور ہے۔ یہ وہ ہے جس کا فتویٰ عوام کو دیا جاتا ہے اور تحقیق کا مقام دوسرا ہے۔

لکل مقام مقال ولکل مقال رجال ولکل رجال مجال ولکل مجال منال ! نسئل اللہ حسن المآل وعندہ العلم بحقیقۃ کل حال . واللہ تعالیٰ اعلم (احکام شریعت ج ۳ ص ۲۰۳)

دیکھئے قبر کے تعظیمی سجدہ کو ناجائز کہا اور سجدۂ غیر اللہ کو حرام بتلایا اور تقبیل قبر کے ممنوع ہونے کو احوط فرمایا اور بہار شریعت میں ہے کہ:۔

مسئلہ:۔ قبر کو بوسہ دینا بعض علماء نے جائز کہا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ منع ہے۔ (اشعۃ اللمعات) اور قبر کا طواف تعظیمی منع ہے۔ اور اگر برکت لینے کے لئے گرد مزار پھرا تو حرج نہیں مگر منع کئے جائیں بلکہ عوام کے سامنے کیا بھی نہ جائے۔ کچھ کا کچھ سمجھیں گے۔ (بہار شریعت ج ۴ ص ۱۵۷)

قبر کو بوسہ دینے کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۳۶) جو مضمون پہلے سوال میں نقل کیا گیا ہے، اس کے بعد ایک عنوان ہے۔ قبر کو بوسہ دینا اس عنوان کے تحت تحریر ہے:۔

"کنز العباد" میں بحوالہ "شعبی کرت تحریر ہے، اپنے والدین کی قبروں کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نیز شعبی سے ایک روایت یہ بھی ہے۔ ایک صحابی نے دربار رسالت میں آکر یہ عرض کیا کہ یارسول اللہ میں نے قسم کھائی ہے کہ میں "باب الجنۃ" اور "حور جنت" کو بوسہ دوں گا اب مجھے یہ قسم کیسے ادا کرنی چاہئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو اپنے والدہ کے قدم اور والد کی جبین چوم لے تو تیری قسم ادا ہو جائے گی۔ اس شخص نے کہا۔ میرے والدین نہ ہوں تو کیا کروں؟ حضور ﷺ نے فرمایا ان کی قبروں کو چوم لے۔ اس نے کہا کہ ان کی قبروں کو بھی نہ جانتا ہوں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ زمین پر دو خط کھینچ کر ایک کو والدہ کی اور دوسری کو والد کی قبر سمجھ کر دونوں خط چوم لو۔ تیری قسم ادا ہو جائے گی۔ اس روایت کو دلیل بنا کر امام طحطاوی نے لکھا ہے کہ اس طریقہ سے استاد و مرشد کی قبر چومنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کا درجہ والدین سے بڑھ کر ہے۔ "طوالع الانوار" شرح درمختار میں لکھا

ہے کہ قرآن مجید کے علاوہ اور اشیاء انبیاء، شہداء اور صالحین کی قبروں کو برکت حاصل کرنے کی خاطر بوسہ دینے کے بارے میں علماء امت میں سخت اختلاف ہے۔

(الجواب) صحیح یہ ہے کہ والدین کی قبر کو بوسہ دینا بھی منع ہے اور قول صحیح کو ترک کر کے قول ضعیف پر عمل کرنا مذموم ہے۔ حضرت شاہ اسحاق محدث دہلوی کی فارسی کتاب "مأۃ مسائل" میں فتویٰ ہے کہ۔

(سوال ۴۷) بوسہ گرفتن قبر والدین چہ حکم دارد؟ جائز یا گناہ؟ کدام گناہ!

ترجمہ:۔ والدین کی قبر کو بوسہ دینا کیسا ہے؟ جائز ہے یا گناہ؟ اور گناہ ہے تو کون سا؟

(الجواب) بوسہ دادن قبر والدین غیر جائز ست علے الصحیح وفی مدارج النبوۃ بوسہ دادن قبر را سجدہ کردن آں را و رخسار نہادن حرام وممنوع است۔ ودر بوسہ دادن قبر والدین روایت فقہی نقل می کنند وصحیح آنست کہ لایجوز! انتہیٰ وادنی الا یجوز گناہ صغیرہ است واصرار برآں گناہ کبیرہ است کما تقدم!

ترجمہ:۔ صحیح یہ ہے کہ والدین کی قبر کو بھی بوسہ دینا جائز نہیں۔" مدارج النبوۃ" میں ہے قبر کو چومنا سجدہ کرنا رخسار لگانا حرام اور ممنوع ہے اور والدین کی قبر کو بوسہ دینے میں روایت فقہی نقل کرتے ہیں۔ حالانکہ صحیح یہ ہے کہ ناجائز ہے اور ناجائز کا ادنیٰ مرتبہ گناہ صغیرہ ہے اور اس پر اصرار گناہ کبیرہ ہے۔ (مأۃ مسائل ص ۱۷)

رضا خانی کتاب "بہار شریعت" میں ہے۔ مسئلہ قبر کو بوسہ دینا بعض علماء نے جائز کہا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ منع ہے (مشکوٰۃ) بہار شریعت ج ۵ ص ۱۵۷۔

مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کا فتویٰ یہ ہے کہ احادیث صحاح مرتوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصے یا محتمل واقعے یا متشابہہ پیش کرتے ہیں۔ انہیں اتنی عقل نہیں یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف۔ متعین کے آگے محتمل، محکم کے حضور متشابہ واجب الترک ہے۔ (احکام شریعت ا ص ۳۴) اس بارے میں جو حدیث بیان کی گئی ہے، حدیث کی کتابوں میں اس کا نام ونشان نہیں ہے۔ ایسی روایت بے اصل پر بھروسہ کرنا غلط ہے اور حدیث رسول مان لینا آنحضرت ﷺ پر بہتان دھرنے کے برابر ہے۔ آپ کا فرمان ہے کہ جو آدمی جان بوجھ کر غلط باتوں کو میری طرف منسوب کرے اس کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تلاش کرے۔ (معاذ اللہ) فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تعزیت حسینؓ اور ماتم سرائی:

اس کے جواب میں مندرجہ ذیل ارشادات اور فتاویٰ مطالعہ فرمایئے اور محفوظ رکھئے۔

(۱) حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کا فتویٰ:۔

لوجاز ان یتخذ یوم موته یوم مصیبة لکان یوم الا ثنین اولیٰ بذالک اذ قبض اللہ تعالیٰ نبیه محمداً صلی اللہ علیه وسلم فیه وذالک ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنه قبض فیه. (اگر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن کو روز مصیبت شمار کیا جاتا ہے تو دوشنبہ کا دن اس سے کہیں زیادہ مصیبت وغم واندوہ کا سزاوار ہے کیونکہ اس دن حضرت پیغمبر خدا ﷺ نے وفات پائی ہے اور اسی دن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی وفات

پائی ہے ۔)(غنیۃ الطالبین مصری ج ۲ ص ۳۸ مع زبدۃ السالکین ص ۴۸۳)

(۲) محدث علامہ محمد طاہر کا فتویٰ :۔ فانہ یشبہ تجدید الماتم وقد نصوا علی کراھیۃ کل عام فی سید نا الحسین مع انہ لیس لہ اصل فی امھات البلاد الا سلامیۃ.

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ہر سال سیدنا حسین علیہ السلام کی تعزیت کی جاتی ہے ، وہ مکروہ تحریمی ہے ۔ اسلام کے مرکزی شہروں میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے ۔ (مجمع البحار ۔ ج ۳ ص ۵۵۰)

(۳) حضرت حافظ علامہ ابن حجر مکی نے فرمایا ہے :۔

و ایاہ ثم ایاہ ان یشتغل ببدع الرافضۃ ونحوھم من الندب والنیاحۃ والحزن اذ لیس ذالک من اخلاق المؤمنین والا لکان یوم وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم اولی بذالک واحری. خبردار! خبردار! یوم عاشوراء کو روافض کی بدعات میں ہرگز مشغول نہ ہونا جیسا کہ مرثیہ خوانی ، رونا ، چلانا اور ماتم کرنا ۔ یہ سب امور مسلمانوں کے نہیں اور اگر ان کا کچھ بھی تعلق اسلام سے ہوتا تو آنحضرت ﷺ کی وفات کا دن اس ماتم سرائی کے لئے زیادہ مستحق تھا ۔ (صواعق محرقہ ص ۱۱۲)

(۴) علامہ حیات سندھی ثم المدنیؒ کا فتویٰ :۔

روافض کی برائیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ حضرت حسین کی قبر کا نقشہ بناتے ہیں اور اس کو سنوار کر گلی کوچہ میں لے کر گشت کرتے ہیں اور یا حسین یا حسین پکارتے ہیں اور فضول خرچی کرتے ہیں یہ سب بدعت اور ناجائز ہے ۔ (الرقضہ فی طہر الرفضہ)

(۵) محدث علامہ شاہ عبدالحق دہلویؒ کا فتویٰ :۔ درصواعق گفتہ کہ طریقہ اہل سنت آنست کہ دریں روز ہم از مبتدعات فرقہ رافضیہ مثل ندبہ ونوحہ وعزا وامثال آں اجتناب کنند کہ نہ از داب مومناں است والا روز وفات حضرت پیغمبر ﷺ اولی واحری میبود!

اہل سنت کا طریقہ یہ ہے کہ یوم عاشورا ، کو فرقۂ روافض کی بدعات مخترعہ مثلاً ماتم ونوحہ وغیرہ سے علیحدہ رہتے ہیں کہ یہ مومنوں کا کام نہیں ورنہ اس غم کا سب سے زیادہ حق دار پیغمبر ﷺ کا یوم وفات تھا ۔

(شرح سفر السعادۃ ص ۵۴۳)

(۶) حضرت شاہ سید احمد بریلوی رحمہ اللہ کا ارشاد :۔ از جملہ بدعات رفضہ کہ در دیار ہندوستان اشتہار یافتہ ماتم وتعزیہ است در ماہ محرم بزعم محبت حضرت حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ۔ ایں بدعات چند قسم است اول ساختن نقل قبور ومقبرہ وعلم وشدہ وغیرہ وایں معنی بالبداہت از قبیل بت سازی وبت پرستی است الخ ۔

ماہ محرم میں حضرت حسین کی محبت کے گمان میں تعزیت اور تعزیہ سازی بھی روافض کی ان بدعات میں سے ہے جو ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں ۔ ان بدعتوں کی چند قسمیں ہیں ۔ سب سے پہلے قبر ومقبرہ کی نقل علم وشدہ وغیرہ کہ یہ کھلے طور پر بت سازی اور بت پرستی کی قسم میں سے ہیں ۔ (مجموعۂ ملفوظات عرف صراط مستقیم فارسی ص ۵۹)

تعزیہ داری اور علمائے بریلوی :۔ جناب مولوی احمد رضا خان صاحب کا فتویٰ :۔

(۱) علم ، تعزیہ ، بیرک ، مہندی جس طرح رائج ہے بدعت ہے اور بدعت سے شوکت اسلام نہیں ہوتی ۔ تعزیہ

کو حاجت روا یعنی ذریعہ حاجت روائی سمجھنا جہالت ہے اور اس سے منت ماننا اور حماقت! اور نہ کرنے کو باعث نقصان خیال کرنا زنانہ وہم! مسلمانوں کو ایسی حرکت سے باز آنا چاہئے۔ (واللہ اعلم (رسالہ محرم وتعزیہ داری ص ۵۹)

(سوال) ''تعزیہ بنانا سنت ہے'' جس کا یہ عقیدہ ہو یا قرآن شریف کی کسی آیت یا حدیث سے سند پکڑے ایسا شخص علمائے اہل سنت والجماعت کے نزدیک خارج الاسلام تو نہ سمجھا جائے گا؟ اس پر کفر کا اطلاق جائز ہے یا نہیں؟ اور کب سے شروع ہوا ہے؟ اگر سامنے آ جائے تو بنظر تحقیر یا تعظیم سے دیکھنا چاہئے؟

(الجواب) وہ جاہل خطاوار مجرم ہے۔ مگر اسے کافر نہ کہیں گے۔ تعزیہ آتا دیکھ کر اعراض وروگردانی کرے اس کی جانب دیکھنا بھی نہ چاہئے۔ اس کی ابتداء سنا جاتا ہے کہ امیر تیمور بادشاہ دہلی کے وقت سے ہوئی۔

(عرفان شریعت ج۱ ص ۱۶)

(سوال) محرم شریف میں مرثیہ خوانی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) (۱) ناجائز ہے کہ وہ مناہی (منع کی ہوئی چیز) ومنکرات (خلاف شرع باتوں) سے مملو (پُر) ہوتے ہیں (عرفان شریعت ج۱ ص ۱۶)

(۲) اب کہ تعزیہ داری اس طریقہ نامرضیات کا نام ہے۔ وہ قطعاً بدعت، ناجائز وحرام ہے۔

(رسالہ تعزیہ داری ص ۳)

(۱) محرم میں سیاہ اور سبز (ہرے) کپڑے علامت سوگ ہے اور سوگ حرام ہے (احکام شریعت ج۱ ص ۹۰) مولوی محمد مصطفےٰ رضا خاں صاحب بریلوی نوری برکاتی کا فتویٰ:۔

تعزیہ بنانا بدعت ہے اس سے دبدبۂ اسلام نہیں ہو سکتا مال کا ضائع کرنا ہی اس کے لئے سخت وعید آئی ہے۔ (رسالہ محرم وتعزیہ داری ص ۶۰)

مولوی ابوالعلی امجد علی اعظمی سنی حنفی قادری رضوی کا فتویٰ:۔

علم اور تعزیہ بنانے، پیک بننے اور محرم میں بچوں کو فقیر بنانے اور بدھی پہنانے اور مرثیہ کی مجلس کرنے اور تعزیوں پر نیاز دلوانے وغیرہ خرافات جو روافض اور تعزیہ دار لوگ کرتے ہیں، ان کی منت سخت جہالت ہے۔

(بہار شریعت ج۹ ص ۳۵)

مولوی محمد عرفان رضا خانی صاحب کا فتویٰ:۔ تعزیہ بنانا اور اس پر ہار پھول چڑھانا وغیرہ وغیرہ یہ سب امور ناجائز وحرام ہیں۔ (عرفان ہدایت ص ۹)

مولوی حکیم محمد حشمت علی صاحب سنی، حنفی، قادری بریلوی کا فتویٰ:۔

(الجواب) تعزیہ داری جس طرح رائج ہے متعدد معاصی (نافرمانی) ومنکرات (خلاف شرع باتوں) کا مجموعہ اور گناہ و ناجائز وبدعت شنیعہ وباعث عذاب الٰہی طریقہ روافض ہے۔

اسے جائز نہیں کہے گا مگر بے علم، احکام شرع سے ناواقف! حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں:۔ **کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار**۔ دوسری حدیث میں ہے:۔ **شر الامور محدثا تها و کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة** (کذا فی المشکوٰۃ) پس تعزیہ کا بنانے والا، رکھنے والا، اس میں دامے، درمے، قدمے مدد کرنے

والا، اس پر شیرینی چڑھانے والا، فاتحہ دینے والا سب گنہگار۔ مستحق عذاب نارکہ یہ سب باتیں بدعت واعانت علی المعصیۃ ہیں اور وہ حرام۔ سخت عذاب کا باعث! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان! مسلمانوں و چاہئے کہ اس بدعت شنیعہ سے بموجب حدیث ایام ومحدثات الامور بچیں اور دور رہیں۔ اور کسی بھی طرح اس میں شرکت نہ کریں۔ (مجمع المسائل ج ا ص ۱۹۹)

پیارے بھائیوں اور بہنو! یہ علماء تو دیوبندی نہیں۔ اب تو اسلام کے بدنام کرنے سے باز آؤ۔ خلاف شرع امور کرتے رہیں گے تو آنحضرت ﷺ کی شفاعت سے کیونکر حقدار ہوں گے شفیع المذنبین آقاء دو جہاں ﷺ کا ارشاد ہے۔" من ترک سنتی لم ینل شفاعتی "جو کوئی میرا طریقہ چھوڑ دے گا وہ میری شفاعت سے محروم رہے گا۔ حوض کوثر پر ایک جماعت آئے گی جن کو میں پہچان لوں گا کہ یہ تو میرے ہیں! کہا جائے گا۔ آپ کو کیا خبر؟ آپ کے بعد انہوں نے کیسی کیسی بدعات ایجاد کی ہیں! میں کہوں گا دور ہو جاؤ! جس نے میرے بعد میرے طریقہ کے خلاف امور ایجاد کی ہیں لیردن علی اقوام اعرفھم ویعرفتنی ثم یحال بینی وبینھم فاقول انھم منی فیقال انک لا تدری ما احدثوا بعدک فاقول سحقا سحقا لمن غیر بعدی .

(مشکوٰۃ ص ۴۸۷)

حق تعالیٰ ہم سب کو اتباع شریعت کی توفیق اور سید الانبیاء ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے آمین۔ بجاہ النبی المرسلین صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ واتباعہ اجمعین!

یارسول اللہ کہنا کیسا ہے؟:

(سوال ۳۷) یارسول اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) یارسول اللہ کہنے میں بڑی تفصیل ہے بعض طریقے سے جائز اور بعض طریقے سے ناجائز ہے۔ بے شک رحمۃ للعالمین ﷺ حیات ہیں۔ قبر شریف کے پاس درود وسلام پڑھا جاتا ہے تو آپ خود سنتے ہیں۔ اور کسی دور دراز مقام سے صلوٰۃ وسلام بھیجا جائے تو فرشتے آپ کی خدمت اقدس میں بالاسماء (بھیجنے والے کے نام کے ساتھ) پیش کرتے ہیں اور آپ ﷺ اس کا جواب دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔ من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی نائیا ابلغتہ . یعنی جو کوئی میری قبر کے پاس سے درود بھیجتا ہے وہ میں خود سنتا ہوں اور جو کوئی دور سے درود بھیجتا ہے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

(مشکوٰۃ شریف مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفضلھا۔ ص۸۶)

دوسری حدیث میں ہے:۔ ان اللہ ملئکۃ سیا حین فی الارض یبلغونی من امتی السلام مشکوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفضلھا ص ۸۷.

خدا تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت مقرر کردی ہے جو زمین میں گشت کرتے رہتے ہیں اور میری امت کا صلوٰۃ وسلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

مطلب یہ کہ نزدیک ہو یا دور صحیح عقیدہ کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھتے وقت یارسول اللہ کہا جائے تو وہ جائز

ہے۔مگر یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ دور سے پڑھے ہوئے درود وسلام آپ ﷺ کو بذریعۂ فرشتہ پہنچائے جاتے ہیں خدا کی طرح بہ نفس نفیس سن لینے کا عقیدہ نہ رکھے۔

اسی طرح ''التحیات'' میں '' السلام علیک ایها النبی '' کہہ کر سلام پہنچایا جاتا ہے۔اس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔نیز قرآن پاک پڑھتے وقت '' یا ایها المزمل '' عبارت کے طور پر پڑھا جاتا ہے اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔اس کو حاضر و ناظر کی دلیل بنالینا جہالت ہے۔نیز حاضر و ناظر کے عقیدے کے بغیر فقط جوش محبت میں یارسول اللہ کہا جائے یہ بھی جائز ہے۔کبھی غایۂ محبت اور شدید غم کی حالت میں حاضر ناظر کے تصور کے بغیر غائب کے لئے لفظ ندا بولتے ہیں یہ بھی جائز ہے۔کبھی صرف تخیل کے طریقہ کے ساتھ شاعرانہ وعاشقانہ خطاب کیا جاتا ہے اس میں بھی کوئی حرج نہیں (شعراء تو دیواروں اور کھنڈرات کو مخاطب بناتے ہیں۔یہ ایک محاورہ ہے۔حاضر و ناظر وغیرہ کا کوئی عقیدہ یہاں نہیں ہوتا۔البتہ بدوں صلوٰۃ وسلام حاضر ناظر جان کر حاجت روائی کے لئے اٹھتے بیٹھتے یارسول اللہ یا علی یا غوث وغیرہ کہنا بے شک ناجائز اور ممنوع ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد۔ ادعونی استجب لکم (سورۂ مؤمن) تم مجھے پکارو، میری عبادت کرو، میں تم سے غائب نہیں ہوں۔میں تمہارا کہنا اور پکارنا سنتا ہوں اور تمہاری درخواست وعبادت قبول کرتا ہوں۔
(تفسیر حقانی ج ۶ ص ۱۹۱)

نیز حدیث شریف میں ہے۔ قال رجل یا رسول الله ای الذنب اکبر عند الله قال ان تدعو الله ندا وهو خلقک. یعنی ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کون سا گناہ عند اللہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔اللہ کو پکارنے میں اور اس کی عبادت میں تو کسی کو شریک بنادے۔یعنی خدا کی طرح اور کو پکارے حالانکہ تجھ کو پیدا اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح حاجت روائی کے لئے یا اللہ کہہ کر پکارتے ہیں اسی طرح دوسرے کو پکارے یہ بڑا گناہ ہے۔(مشکوٰۃ شریف۔مظاہر حق ج ۱ ص ۴۱)

لہٰذا نشست و برخاست اور بوقت مصیبت یا اللہ کہہ کر اپنے خالق و مالک اور رزاق کو (جس کی شان "علیٰ کل شیئی قدیراً" اور " بکل شیئی علیم" ہے) پکار کر مدد مانگنی چاہئے۔اور تمام حوائج اسی کی بارگاہ میں پیش کرنے چاہئیں۔نہ یہ کہ یارسول اللہ، یا علی، یا غوث کہہ کر بالاستقلال حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان کو پکارے اور ان کی خدمت میں حوائج کو پیش کرے۔یہ تعلیم اسلام کے خلاف ہے حضرت محبوب سبحانی غوث اعظم عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:۔

اے مخاطب! میں تجھ کو مخلوق کے پاس دیکھ رہا ہوں نہ کہ خالق کے پاس! تو نفس اور مخلوق دونوں کا حق ادا کرتا ہے اور حق تعالیٰ کا حق ساقط کرتا ہے۔یہ نعمتیں جن میں تو غرق ہے۔تجھ کو کس نے دی ہیں؟ کیا خدا کے سوا کسی دوسرے نے دی ہیں؟ (الفتح الربانی م ۴۳ ص ۲۸۵)

نیز وہ فرماتے ہیں:۔ فلا تذهبن بهمتک الیٰ احد من خلقه فی معافاتک فذالک اشراک منک به لا یملک معه فی ملکه احد شیئاً . لا ضار ولا نافع ولا جالب ولا مسقم ولا مبلی ولا معافی ولا مبری غیره!

(ترجمہ) بلا دفع کرانے کے لئے اپنی ہمت اور اپنی توجہ کسی مخلوق کے پاس مت لے جاؤ کہ یہ خداوند تعالیٰ کا شریک بنانا ہے۔ کوئی شخص اس کے ساتھ اس کی ملک میں سے کسی چیز کا مالک نہیں ہے، نہ نقصان و نفع پہنچانے والا، نہ ہٹانے والا، نہ بیمار و مبتلا کرنے والا۔ نہ صحت و نجات دینے والا اس کے سوا اور کوئی نہیں۔

(فتوح الغیب مقالہ نمبر ۵۹، ص ۱۵۰)

اور فرماتے ہیں:۔ **فلیکن لک مسئول واحد و معطی واحد و ھمۃ واحدۃ و ھو ربک عزو جل الذی نواصی الملوک بیدہ وقلوب الخلق بیدہ التی ھی امراء الاجساد.**

پس چاہئے کہ تمہارا مسئول (جس سے تم مانگو) وہ واحد ہو۔ عطا کرنے والا واحد ہو۔ ہمت اور توجہ واحد ہو (پراگندہ نہ ہو) اور وہ تیرا رب ہے (عزوجل) وہ رب کہ تمام بادشاہوں کے پیشانی کے بال اس کے دست قدرت میں ہیں۔ تمام مخلوق کے دل جو جسموں کے حاکم ہوتے ہیں اس کے قبضہ میں ہیں۔ فتوح الغیب مقالہ ص ۵۸۔

خلاصہ یہ کہ خدا کے سوا کسی اور کے لئے چاہے نبی ہو یا ولی، حاظر و ناظر اور حاجت روا ہونے کا عقیدہ بالکل غلط اور باطل ہے اور اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ حاضر و ناظر صرف خدا کی ذات ہے۔ مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:۔

''حق سبحانہ وتعالیٰ بر احوال جزوی وکلی او مطلع ست وحاضر و ناظر! شرم باید کرد!

یعنی خداوند قدوس بندوں کے تمام جزوی وکلی امور پر خبر دار اور مطلع اور حاضر و ناظر ہیں! اس کے علاوہ کئی اور کے تصور سے ہمیں شرم کرنی چاہئے۔'' (مکتوب نمبر ۷۸ ج ۱ ص ۱۰۰)

" **علی کل شیئی قدیر** " اور " **بکل شیئی محیط** " " **حاضر و ناظر** " وغیرہ صرف اللہ پاک کے اوصاف ہیں ان میں کوئی شریک نہیں۔ حضرت شاہ ہدایت اللہ نقشبندی جے پوریؒ فرماتے ہیں، خدا تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور افعال میں یکتا ہے کوئی اس کی ذات وصفات اور اس کے افعال میں کسی قسم کی شرکت نہیں رکھتا (معیار السلوک ص ۷) اسی لئے حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے استاد سلطان العارفین حضرت قاضی حمید الدین ناگوری ''توشیح'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعض اشخاص وہ ہیں جو اپنے حوائج اور مصیبت کے وقت اولیاء وانبیاء کو پکارتے ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کی ارواح موجود ہیں ہماری پکار سنتی ہیں اور ہماری ضروریات کو خوب جانتی ہیں یہ بڑا شرک اور کھلی جہالت ہے۔ اور ملا حسین خباح ''مفتاح القلوب'' میں فرماتے ہیں:۔

واز کلمات کفرست نداء کردن اموات غائبانہ بگمان آں کہ حاضر اند مثل یا رسول اللہ و یا عبد القادر و مانند آں!

یعنی جو بزرگ وفات پا چکے ہیں ان کو ہر جگہ حاضر و ناظر گمان کر کے غائبانہ نداء کرنا جیسے یا رسول اللہ، یا عبد القادر وغیرہ، یہ کلمات کفریہ ہیں۔

اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے:۔ **من قال ارواح المشائخ حاضرۃ یکفر** . یعنی جو کوئی کہے کہ بزرگوں کی روحیں ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں وہ کافر ہے۔ (ج ۳ ص ۳۲۶ مع فتاویٰ عالمگیری)

اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ عقائد باطلہ کے بارے میں یہ تحریر فرماتے ہیں:۔

''انبیاء مرسلین را لوازم الوہیت از علم غیب وشنیدن فریاد ہر کس وہر جا قدرت بر جمع مقدورات ثابت کنند۔''
انبیاء اور رسولوں کے لئے لوازم الوہیت جیسے کہ عالم الغیب ہونا اور ہر جگہ سے ہر ایک کی فریاد سننا اور تمام مقدورات پر قدرت ثابت کرنا الخ (یہ عقیدہ باطل ہے) (تفسیر فتح العزیز سورۂ بقرہ ص ۵۲)

بریلوی خیالات کے ایک بڑے عالم بھی مذکورہ بالا عقیدہ کے بارے میں واضح الفاظ میں فرماتے ہیں:۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ سب جا (ہر جگہ) حاضر وناظر بجز خدائے عز اسمہٗ کے کوئی نہیں۔
(انوار الہیہ فی الاستعانۃ من خیر البریہ ص ۱۲۴)

غرض یہ کہ یا رسول اللہ، یا غوث، وغیرہ اس عقیدہ سے کہنا کہ اللہ کی طرح یہ حضرات بھی ہر جگہ حاضر وناظر ہیں یا ہماری ہر پکار اور فریاد کو سنتے ہیں اور حاجت روا ہیں، جائز نہیں ہے! اگر اپنا یہ عقیدہ نہ ہو لیکن اوروں کا عقیدہ بگڑنے کا اندیشہ ہو تب بھی جائز نہیں ہے کہ ان کے سامنے ایسے کلمات کہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ وعلمہ اتم واحکم!

اللهم ان هذا الكتاب وسيلتي اليك وفي مغفرتك الو سعة حيلتي لديك لا اله الا انت سبحانك لبيك وسعديك فاغفر اللهم ارحم امة محمد صلى الله عليه وسلم رحمة عامة اياك نعبد و اياك نستعين ونتوكل عليك ربنا عليك توكلنا واليك انبنا واليك المصير وما علينا الا البلاغ المبين بلاغ فهل يهلك الا القوم الفاسقون . حٰمٓ الامر وجاء النصر فعلينا لا ينصرون وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد وآله واصحابه اجمعين.

اے اللہ میں اس کتاب کو تجھ تک رسائی کا وسیلہ بناتا ہوں اور تیری وسیع مغفرت اور بخشش کے لئے بہانہ۔ تو ہی ہے میرا معبود، تیری ذات پاک ہے، میں تیری عبادت کے لئے ہر وقت حاضر ہوں۔ اے اللہ تو امت محمدیہ ﷺ پر مہربانی فرما۔ پوری امت پر اپنی عام رحمت نازل کر۔ ہم تیری عبادت کرتے ہیں تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں، اے ہمارے رب ہم تجھ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں اور تیری ہی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ ہمارے ذمہ یہ ہے کہ واضح طور پر تیرا پیغام پہنچادیں۔ پیغام پہنچنے کے بعد وہی برباد ہوتے ہیں جو فاسق اور بدکردار ہوں پیغام کی طرف توجہ نہ کریں۔

حم الامر وجاء النصر فعلينا لا ينصرون .

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں حضرت محمد ﷺ پر جو تمام مخلوق میں سب سے افضل ہیں اور آپ کے تمام آل واصحاب پر۔

بعد نماز عید مصافحہ ومعانقہ:

(سوال ۴۸) عید کی نماز کے بعد معانقہ ومصافحہ مسنون اور جائز ہے یا نہیں؟
(الجواب) عید کی نماز کے بعد ملنا اور معانقہ ومصافحہ کرنا کوئی امر مسنون نہیں ہے لوگوں کی اختراعات اور بدعات میں سے ہے۔ احادیث میں جہاں تک معلوم ہے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ غیوبت کے بعد مصافحہ اور طویل غیوبت پر معانقہ ثابت ہے۔ مگر عید کی نماز کے بعد ان کا ثبوت نہیں ہے۔ یہاں یہ حالت ہے کہ وہ رفقاء جو نماز میں شریک بلکہ برابر

کہتے تھے سلام اور خطبہ کے بعد منعقد ہوتے ہیں اور اس کو امر دینی سمجھتے ہیں اس لئے یہ غلط چیز ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۹۶ ۳۰۷-۳۰۸)

رسمی مجلس میلاد اور عرس میں شرکت: (سوال ۳۹) یہاں پر ایک صاحب کے یہاں عرس اور رسمی مجلس میلاد ہوتی رہتی ہے۔ بعض امور خلاف شرع ہوتے ہیں تو مجھ کو کیا کرنا چاہئے۔ شرکت کروں یا نہیں؟ (الجواب) جن صاحب کے یہاں میلاد اور عرس ہوتا ہے اور چونکہ خلاف شرع ہوتا ہے۔ اس لئے اولاً ان کی اصلاح ہونی چاہئے۔ اگر یہ ممکن نہیں تو آپ ان کے ان افعال میں شرکت نہ فرمائیں۔ ہاں اگر ظن غالب ہو کہ وہ لوگ اس کی وجہ سے آپ کی ایذا کے درپے ہوں گے یا تعصب وغیرہ دشمنی پر اس سے زائد نقصان پہنچا سکیں گے۔ یا مسلمانوں میں افتراق کا زہریلا بازار گرم ہو جانے کا تو شریک ہونا جائز ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۲۹ ص ۸۱)

یوم عاشوراء میں مسلمان کیا کریں؟ (سوال ۴۰) یوم عاشوراء کے متعلق شرع نے کیا حکم فرمایا ہے؟ مسلمان کو اس دن کیا کرنا چاہئے؟ (الجواب) اس دن کے متعلق شریعت نے خاص دو چیزیں بتلائی ہیں (۱) روزہ رکھنا (۲) اہل و عیال پر کھانے پینے میں وسعت کرنا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے یوم عاشوراء کو اپنے بال بچوں پر کھانے پینے کی وسعت کی تو خدائے تعالیٰ پورے سال روزی میں اضافہ کریں گے۔ مصیبت اور صدمہ کے وقت استرجاع کا حکم ہے اور مذکورہ تاریخ میں ایک دردناک اور الم انگیز واقعہ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا پیش آیا اس کی یاد سے صدمہ ضرور ہوگا تو شریعت کے مذکورہ بالا حکم عام کے مطابق " انا للہ وانا الیہ راجعون " پڑھنا رہے اس کے علاوہ اس دن کے لئے اور کوئی حکم نہیں دیا گیا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صرف دسویں محرم کا روزہ رکھنا کیسا ہے؟: (سوال ۴۱) دسویں محرم کا روزہ رکھے مگر ساتھ ساتھ نویں کا روزہ نہ رکھے تو کوئی حرج ہے؟ (الجواب) دسویں محرم کے ساتھ نویں محرم کا بھی روزہ رکھنا چاہئے۔ نویں کا روزہ نہ رکھ سکے تو گیارہویں کا رکھ لے ورنہ صرف دسویں کا روزہ مکروہ تنزیہی ہوگا۔ و تنزیھا کعاشوراء وحدہٗ (درمختار) ای منفردا عن التاسع او عن الحادی عشر (امداد) لانہ یشبہ بالیہود (شامی ج ۲ ص ۱۱۴، ۱۲۷ مراقی الفلاح ص ۱۲۶) فقط

صوم عاشورا کی فضیلت کیا ہے؟: (سوال ۴۱/۱) دسویں محرم یعنی صوم عاشوراء کی فضیلت کے متعلق آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے خداوند تعالیٰ سے امید ہے کہ پچھلے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا تو کبیرہ گناہ بھی معاف ہو جائیں گے یا صرف صغیرہ۔ (الجواب) یہ ارشاد گرامی تو صغیرہ گناہوں کے بارے میں اطمینان اور یقین دلاتا ہے باقی گناہ کبیرہ کے معاف ہونے کی بھی خداتعالیٰ سے امید رکھنی چاہئے مگر ان احادیث کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے بھروسہ پر گناہ کرنے لگے بلکہ اپنے گناہوں پر نادم ہوں اور پاک باز بننے کی کوشش کریں تو یہ چیزیں مددگار ہوں گی۔

ماہ ذیقعدہ کو منحوس سمجھنا کیسا ہے؟: (سوال ۴۲) ماہ ذی قعدہ کو خالی ماہ کہا جاتا ہے اور اس کو منحوس سمجھ کر لوگ رشتہ نکاح نہیں کرتے تو اس طرح ماننے سے اس کو منحوس کہنا کیسا ہے؟ (الجواب) ماہ ذی قعدہ بڑا ہی مبارک مہینہ ہے۔ یہ مہینہ "اشہر حرم" یعنی حرمت اور عدل کا ایک مشہور مہینہ ہے۔ قرآن شریف میں اس کا بیان ہے " منھا اربعۃ حرم " یعنی وہ (بارہ ماہ میں) چار ماہ عدل و عزت کے ہیں۔ (سورۂ توبہ) نیز یہ مہینہ " اشھر حج " (حج کے مہینوں) میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ الحج اشھر معلومات، یعنی حج کے مقرر مہینے ہیں۔ (سورۂ بقرہ) حج کے تین مہینے ہیں۔ شوال، ذی قعدہ و ذی الحجہ حدیث شریف میں ہے۔ عن انس اخبر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع کلھن فی ذی القعدہ الخ . (مشکوٰۃ شریف کتاب المناسک ص ۲۲۱)
حضرت انس فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے چار عمرے کئے، اور وہ سب ذیقعدہ میں کئے، بجز اس عمرہ کے جو حج کے ساتھ کیا تھا۔

جو ماہ بنظر قرآن عدل وعزت کا مہینہ ہو، اور اشہر حج کا ایک ماہ مبارک ہو اور جس میں آنحضرت ﷺ نے تین عمرے فرمائے ہوں ایسا مہینہ منحوس کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کو منحوس سمجھنا اور اس میں خطبہ رشتہ اور نکاح وغیرہ خوشی کے کاموں کو نامبارک ماننا جہالت اور مشرکانہ ذہنیت ہے اور اپنی طرف سے ایک جدید شریعت کی ایجاد ہے۔ ایسے ناپاک خیالات اور غیر اسلامی عقائد سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ اس ماہ مبارک کو نامبارک اور برکت سے خالی سمجھ کر ''خالی'' کہا جاتا ہے۔ یہ بھی جائز نہیں ہے۔ ذیقعدہ کہنا چاہئے خالی نہیں کہنا چاہئے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے نماز عشاء کو عشاء کے بجائے عتمہ کہنے کی ممانعت آئی ہے (مرقاۃ ج ۱ ص ۳۹۹) ایسے ہی اس غلط نام کے استعمال کرنے میں بھی احتیاط کرنی چاہئے۔ فقط۔

فرائض، واجبات، مسنونات اور مستحبات کس کو کہتے ہیں؟:

(سوال ۴۳) فرض، واجب، سنت مستحب، مکروہ، مباح، حرام ان کے معنی ومطلب کیا ہے؟
(الجواب) (۱) فرض، جو دلیل قطعی سے ثابت ہو، یعنی اس کے ثبوت میں شک وشبہ نہ ہو، جیسے مثلاً قرآن شریف سے ثابت ہو، بلا عذر اس کا تارک فاسق اور عذاب کا مستحق ہے اور فرضیت کا منکر کافر ہے۔

(ا) فرض عین۔ وہ ہے جس کی ادائیگی سب کے ذمہ ضروری ہو جیسے نماز پنجگانہ وغیرہ۔

(ب) فرض کفایہ:۔ وہ ہے جس کی ادائیگی تمام کے ذمہ نہیں، ایک دو کے ادا کرنے سے سب بری الذمہ ہو جاتے ہیں اور کوئی بھی ادا نہ کرے تو سب گنہگار رہوں گے جیسا کہ نماز جنازہ وغیرہ۔[1] (درمختار مع الشامی ج ۱)

(۲) واجب:۔ وہ ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو اس کا تارک عذاب کا مستحق ہے اس کا منکر فاسق ہے کافر نہیں

(۳) سنت:۔ وہ کام جس کو نبی کریم ﷺ نے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کیا ہو اور اسکی تاکید کی ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) سنت موکدہ (۲) سنت غیر موکدہ۔

(ا) سنت موکدہ وہ ہے: جس کو حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ہمیشہ کیا ہو یا کرنے کی تاکید کی ہو اور بلا عذر کبھی ترک نہ کیا ہو اس کا حکم بھی عملاً واجب کی طرح ہے۔ یعنی بلا عذر اس کا تارک گنہگار اور ترک کا عادی سخت گنہگار اور فاسق ہے اور شفاعت نبی ﷺ سے محروم رہے گا۔[2] (درمختار)

---

(۱) ھی فرض عین علی کل مکلف بالا جماع قال فی الشامیۃ تحت قولہ علی کل مکلف ای بعینہ ولذاسمی فرض عین بخلاف فرض کفایہ فانہ یجب علی جملۃ المکلفین کفایۃ بمعنی انہ لو قام بہ بعضھم کفی عن الباقین والا اثموا کلھم . درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۳۵۲ کتاب الصلوٰۃ)

(۲) کنسبۃ الواجب الی الفرض فیثبت بہ الواجب یعنی بظنی الثبوت ویاثم بار تکابہ کما یا ثم بترک الواجب ومثالہ السنۃ المؤکدۃ (درمختار مع ھامش شامی ج ۵ ص ۳۳۷ کتاب الحظر والاباحۃ)

اس کی بھی دو قسمیں ہیں: سنت عین اور سنت کفایہ۔

(ا) سنت عین وہ ہے جس کی ادائیگی ہر مکلف پر سنت ہے جیسا کہ نماز تراویح وغیرہ۔

(ب) سنت کفایہ وہ ہے جس کی ادائیگی سب پر ضروری نہیں یعنی بعض کے ادا کرنے سے ادا ہو جائے گی اور کوئی بھی ادا نہ کرے تو سب گنہگار رہوں گے جیسا کہ محلہ کی مسجد میں جماعت تراویح وغیرہ۔

السنة تكون سنة كفاية (قوله سنة عين) اى يسن لكل واحد من المكلفين بعينه وفيه اشارة الى ان السنة قد تكون سنة عين وسنة كفاية مثاله ما قالوا فى صلوٰة التراويح انها سنة عين وصلاتها بجماعة فى كل محلة سنة كفاية. (شامی ج ۱ ص ۵۰۲)

(ب) سنت غیر مؤکدہ وہ ہے جس کو نبی کریم ﷺ نے اور صحابۂ کرام نے اکثر مرتبہ کیا ہو مگر کبھی کبھار بلا عذر ترک کیا ہو، اس کے کرنے میں بڑا ثواب ہے اور ترک کرنے میں گناہ نہیں اس کو سنت زوائد اور سنت عادیہ بھی کہتے ہیں۔ (شامی ج ۱ ص ۹۵)

(۴) مستحب وہ کام ہے جس کو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے کبھی کیا ہو اور اس کو سلف صالحین نے پسند کیا ہو۔ (شامی ج ۱ ص ۱۱۵) اس کے کرنے میں ثواب ہے نہ کرنے میں گناہ بھی نہیں اس کو نفل مندوب اور تطوع بھی کہتے ہیں۔ والنفل ومنه المندوب يثاب فاعله ولا يسيئى تاركه (شامی ج ۱ ص ۹۵)

(۵) حرام وہ ہے جس کی ممانعت دلیل قطعی سے ثابت ہو اس کا منکر کافر ہے اور بلا عذر اس کا مرتکب فاسق اور مستحق عذاب ہے۔

(۶) مکروہ تحریمی وہ ہے جس کی ممانعت دلیل ظنی سے ثابت ہو بلا عذر اس کا مرتکب گنہگار اور عذاب کا مستحق ہے۔ اور اس کا منکر فاسق ہے۔ (شامی ج ۵ ص ۲۹۵)

(۷) مکروہ تنزیہی وہ ہے جس کے ترک میں ثواب اور کرنے میں عذاب نہیں مگر ایک قسم کی قباحت ہے۔

(۸) مباح وہ ہے جس کے کرنے میں ثواب نہیں اور ترک کرنے میں گناہ اور عذاب بھی نہیں[1] (شامی ج ۵ ص ۲۹۴) فقط

---

(۱) كل مكروه اى كراهة تحريم حرام اى كالحرام فى العقوبة بالنار عند محمد واما المكروه كراهة تنزيه فالى الحل اقرب اتفاقا وعندهما وهو الصحيح المختار الى الحرام اقرب فالمكروه تحريما نسبته الى الحرام كنسبة الواجب الى الفرض فيثبت به الواجب يعنى بظنى الثبوت ويأثم بارتكابه كما يأثم بترك الواجب قال فى الشامية تحت قوله نسبته اى من حيث الثبوت .. بيان ذلك ان الادلة السمعية اربعة . الاول قطعى الثبوت والدلالة كنصوص القرآن المفسرة اوالمحكمة والسنة المتواترة التى مفهومها قطعى، الثانى قطعى الثبوت ظنى الدلالة كالآيات المؤولة . الثالث عكسه كاخبار الأحاد التى مفهومها قطعى الرابع ظنيهما كاخبار التى مفهومها ظنى . فبالاول يثبت الافتراض والتحريم وبالثانى والثالث الايجاب وكراهة التحريم وبالرابع يثبت السنية والاستحباب . درمختار مع الشامى حظر والاباحة ج ۶ ص ۳۳۷.

ماہ محرم میں شادی کرے یا نہیں؟:

(سوال ۴۴) ہمارے یہاں ماہ محرم میں شادی کرنے کو ناجائز کہتے ہیں اور اس کو ماتم اور سوگ کا مہینہ کہتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ماہ محرم کو ماتم اور سوگ کا مہینہ قرار دینا جائز نہیں، حرام ہے۔ حدیث میں ہے کہ عورتوں کو ان کے خویش و اقارب کی وفات پر تین دن ماتم اور سوگ کرنے کی اجازت ہے اور اپنے شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ منانا ضروری ہے۔ دوسرا کسی کی وفات پر تین دن سے زائد سوگ منانا جائز نہیں، حرام ہے۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے۔

" لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تحد علی میت فوق ثلث لیال الا علی زوج اربعۃ اشھر وعشرا ."

ترجمہ:۔ جو عورت خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھے۔ اس کے لئے جائز نہیں کہ کسی کی موت پر تین رات سے زیادہ سوگ کرے۔ مگر شوہر اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ کرے۔ (بخاری باب تحد المتوفی عنھا اربعۃ اشھر وعشرا الخ ص ۸۰۳ ج ۲ پ ۲۲) (مسلم باب وجوب الا حداد فی عدۃ الوفات الخ ص ۴۹۲ ج ۱) مشکوۃ باب العدۃ . الفصل الاول . ص ۲۸۸)

ماہ مبارک محرم میں شادی وغیرہ کرنا مبارک اور ناجائز سمجھنا سخت گناہ اور اہل سنت کے عقیدے کے خلاف ہے۔ اسلام نے جن چیزوں کو حلال اور جائز قرار دیا ہو۔ اعتقاداً یا عملاً ان کو ناجائز اور حرام سمجھنے میں ایمان کا خطرہ ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ روافض اور شیعہ سے پوری احتیاط برتیں۔ ان کی رسومات سے علیحدہ رہیں۔ ان میں شرکت حرام ہے۔

"مالا بد منہ" میں ہے۔ "مسلم راتشبہ بکفار وفساق حرام است۔" یعنی مسلمانوں کو کفار وفساق کی مشابہت اختیار کرنی حرام ہے۔ (ص ۱۳۱)

ماہ مبارک میں شادی وغیرہ کے بارے میں دیوبندی اور بریلوی میں اختلاف بھی نہیں ہے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا فتویٰ پڑھئے۔

(سوال ۱) بعض سنی جماعت عشرۂ محرم میں نہ تو دن بھر میں روٹی پکاتے ہیں اور نہ جھاڑو دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بعد دفن تعزیہ روٹی پکائی جائے گی۔ (۲) ان دس دن میں کپڑے نہیں اتارتے۔ (۳) ماہ محرم میں کوئی بیاہ شادی نہیں کرتے۔ اس کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) تینوں باتیں سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے۔ (احکام شریعت ص ۹۰ ج ۱) مصنفہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایصال ثواب کے کھانے پر فاتحہ خوانی:

(سوال ۴۵) ہمارے یہاں ایصال کا کھانا غرباء ومساکین کے سامنے رکھ کر ایک بار سورۂ فاتحہ تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر میت کو بخشتے ہیں۔ اس کے بعد کھانا کھایا جاتا ہے تو کیا شرعاً اس کا ثبوت ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایصال ثواب کے کھانے پر فاتحہ خوانی کا یہ طریقہ بے اصل اور بلا دلیل ہے اور بدعت ہے۔ اس کے ثبوت میں جو حدیث پیش کی جاتی ہے وہ موضوع (من گھڑت اور بناوٹی) ہے فتاویٰ سمرقندی میں ہے۔ قراءۃ الفاتحۃ و الاخلاص والکافرون علی الطعام بدعۃ. فقط واللہ اعلم بالصواب

عرس میں قوالی کو ثواب کا باعث سمجھنا کیسا؟:

(سوال ۴۶) بزرگوں کے مزارات پر عرس کے وقت قوالی ہوتی ہے اس کو ثواب کا باعث سمجھتے ہیں۔ اس کی کیا اصل ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مزارات پر قوالی ایک ڈھونگ اور ناجائز حرکت ہے۔ اس سے بزرگان دین کو تکلیف پہنچتی ہے۔ جماعت رضا خانی کے پیشوا مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں۔

''حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار شریف پر مجلس سماع میں قوالی ہو رہی تھی۔ حالانکہ اس وقت بارگاہوں میں مزامیر بھی نہ تھے) حضرت سید ابراہیم امیرجیؒ باہر مجلس سماع کے تشریف فرما تھے۔ ایک صاحب سامعین میں سے آپ کے پاس آئے اور گذارش کی کہ مجلس میں تشریف لے چلئے۔ حضرت سید ابراہیم امیرجیؒ نے فرمایا۔ تم جانتے ہو۔ مواجہ اقدس میں حاضر ہو..... اگر حضرت راضی ہوں تو میں ابھی چلتا ہوں۔ انہوں نے مزار اقدس پر مراقبہ کیا۔ دیکھا کہ حضور قبر شریف میں پریشان خاطر ہیں۔ اور ان قوالوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں۔ ''این بد بختان وقت مارا پریشان کردہ اند''۔

(ترجمہ) ان بدنصیبوں نے ہمارا وقت برباد کر دیا۔ یاد حق کی مشغولیت میں فرق آ گیا اور خلل پڑ گیا) وہ واپس آئے اور قبل اس کے کہ عرض کریں۔ فرمایا۔ آپ نے دیکھا؟ (ملفوظات ص ۹۰ ج ۱) (مصنف مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

میت کے گھر ختم قرآن کے لئے اجتماع اور شیرینی:

(سوال ۴۷) ہمارے گجرات کے اکثر خطوں میں رواج ہے کہ میت کے انتقال کے بعد ختم قرآن مجید ایام متعینہ میں ہوتا ہے۔ مثلاً تین روز بعد یا چالیس روز بعد، یا جو بھی انہوں نے متعین کیا ہے۔ اور قرآن خوانی کے بعد پڑھنے والوں کو کچھ شیرینی یا کچھ رقم دی جاتی ہے۔ تو گذارش یہ ہے کہ قرآن خوانی کا یہ رواج کیسا ہے؟ اس کا کوئی ثبوت بھی ہے؟ اور بعد خواندن جو چیزیں دی جاتی ہیں اس کا لینا بھی جائز ہے؟ فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) خیر القرون میں ایصال ثواب کا یہ طریقہ نہیں تھا کہ خاص خاص دنوں اور متعینہ تاریخوں میں میت کے گھر قرآن پڑھتے ہوں اور ختم قرآن کے لئے حفاظ وقراء دعوت دے کر جمع کئے جاتے ہوں اور رقم یا شیرینی تقسیم ہوتی ہو۔ ''و من المحال ان یکون شیئ منھا مشروعا و عملا صالحا و یصرف عنہ القرون الثلثۃ التی شھد فیھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالصدق والعدل و یظفر بہ الخلف الذین شھد فیھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالکذب والفسق۔ یعنی:۔ اور محال ہے کہ ان میں سے کوئی مشروع (جائز) اور عمل نیک ہو اور قرون ثلثہ اس سے خالی

گذر جائیں ۔ جن کی نسبت نبی کریم ﷺ نے صدق اور عدل کی گواہی دی ہے اور اس پر وہ پچھلے لوگ عمل کریں ۔ جس کی نسبت حضور ﷺ نے کذب اور فسق کی شہادت دی ہے ۔ (مجالس الابرار ص ۱۱۹)

پس یہ طریقہ مروجہ بدعت اور مکروہ ہے ویکرہ اتخاذ الدعوۃ بقراءۃ القرآن و جمع الصلحاء والقراء للختم ولقراۃ سورۃ انعام او الاخلاص . ترجمہ :۔ اور قرآن خوانی کے لئے دعوت دینا اور نیک لوگوں اور قاریوں کو ختم قرآن کے لئے یا سورہ اخلاص پڑھنے کے لئے جمع کرنا مکروہ ہے (فتاویٰ البزازیہ مع الہندیہ ج :اص :۸۱ ۔ الخامس والعشرون فی الجنائز) اور شرح سفر السعادۃ میں ہے ۔ وعادت نبود کہ برائے میت در غیر وقت نماز جنازہ جمع شوند و قرآن خوانند نہ بر سر گور ونہ غیر آن وایں مجموع بدعت است ومکروہ ۔ ترجمہ :۔ خیر القرون میں یہ دستور نہیں تھا کہ میت کے لئے نماز جنازہ کے سوا اور کسی وقت لوگ جمع ہوتے ہوں اور قرآن کریم پڑھتے ہوں ۔ اور ختم قرآن کرتے ہوں نہ قبر پر اور نہ کسی اور جگہ پر اور یہ سب بدعت اور مکروہ ہے ۔ (ص ۲۷۳)

علاوہ ازیں پڑھنے والے لوجہ اللہ نہیں پڑھتے (طمع یا خوف مہتمم کی وجہ سے جاتے ہیں اگر یہ بات نہ ہو تو وہ ہرگز نہ جاویں) نہ پڑھانے والوں کی نیت درست ہوتی ہے ۔ نام ونمود کے لئے اور طعنہ وتشنیع سے بچنے کی غرض سے وہ کرتے ہیں ۔ یا رسم کی پابندی مقصود ہوتی ہے ۔ اس لئے بھی اس رسم سے احتراز لازم ہے ۔" وقال ھذہ الافعال کلھا للسمعۃ والریاء فیحترز عنھا لا نھم لا یزیدون بھا وجہ اللہ تعالیٰ ا ھ " (شامی ص ۸۴۲ ج ا ۔ جنائز ۔ مطلب فی کراھۃ الضیافۃ من اھل المیت)

اور قرآن پاک پڑھنے پر نقد لینے دینے اور شیرینی وغیرہ کھلانے کا التزام اور عادت بھی منع اور مکروہ ہے اور بقاعدہ "المعروف کالمشروط" اجرت ہی کے مانند ہے ۔ "ثم انہ یا خذ علی قراء تہ اجراً من اولیاء المیت کانہ اجیر لھم لان المعتاد کا المعقود وانہ بدعۃ اخری ظلمات بعضھا فوق بعض (نصاب الاحتساب قلمی ۔ ص ۳۸) اور " شامی " میں ہے ۔ الحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءۃ القرآن لا جل الاکل یکرہ (ص ۸۴۲ ج احوالہ بالا) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

جنازہ اٹھاتے وقت اور قبرستان کے باہر اسی طرح میت کے گھر آ کر فاتحہ خوانی کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۴۸) جنازہ اٹھاتے وقت فاتحہ خوانی (دعا مانگنا) گھر سے نکلتے وقت اور قبرستان میں نماز جنازہ کے بعد دفنانے کے بعد قبرستان کے باہر اور میت کے مکان واپس لوٹ کر فاتحہ خوانی صحیح ہے یا نہیں؟ براہ کرم میت کے لئے فاتحہ کا شرعی طریقہ واضح فرمائیں ۔

(الجواب) جنازہ اٹھاتے وقت اور نماز جنازہ پڑھنے کے لئے لوگ جمع ہوتے ہیں اس وقت فاتحہ خوانی کا دستور مکروہ اور قابل ترک ہے ۔ کرہ ان یقوم رجل بعد ما اجتمع القوم للصلوٰۃ ویدعوا للمیت ویرفع صوتہ (فتاویٰ عالمگیری ص ۳۱۹ ج ۵ کتاب الکراھیۃ الباب الرابع فی الصلاۃ والتسبیح والقراءۃ الخ) اس طرح بعد نماز جنازہ متصلاً بالاجتماع فاتحہ خوانی کا دستور بھی غلط ہے اور مکروہ ہے ۔ نماز جنازہ دعا ہی تو ہے ۔ اس کے بعد فوراً دعا کرنا

پہلی دعا کو نا کافی قرار دینا ہے۔ اس لئے گیارہ سو سال پہلے سے (یعنی جب سے اس طرح کی باتیں شروع ہوئیں) فقہائے کرام اس کو ممنوع اور مکروہ فرماتے آئے ہیں۔ چنانچہ تیسری صدی ہجری کے فقیہ امام ابو بکر بن حامد فرماتے ہیں۔ ان الدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ مکروہ (فتاویٰ برجندی ص ۱۸۰ ج ۱) اور امام طاہر ابن احمد بخاری سرخسی (المتوفی ۵۴۲ھ) فرماتے ہیں۔ لا یقوم بالدعاء فی قرأۃ القرأن لا جل المیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ وقبلھا (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۲۵ ج ۱)

اس طرح قبرستان کے باہر اور مکان پر جا کر فاتحہ خوانی کا دستور خلاف سنت ہے۔ ویکرہ الا جتماع عند صاحب المیت ویکرہ لہ الجلوس فی بیتہ حتی یأتی الیہ من یعزی بل اذا فرغ ورجع الناس من الدفن فلیتفرقوا ولیشتغل الناس با مورھم وصاحب المیت بامرہ ۔

(کتاب الجنائز مع رد المحتار ص ۸۴۱-۸۴۲ ج ۱۔ مطلب فی کراھۃ الضیافۃ من اھل المیت)

البتہ میت کو دفنانے کے بعد قبر پر کچھ دیر تک دعاء کرنا اور پڑھ کر بخشنا ثابت ہے۔ اور مسنون ہے۔ وعن عمرو بن العاصؓ قال لا بنہ ھو فی سیاق الموت اذا انامت فلا تصحبنی نائحۃ ولا نارا فاذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنا ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر جزور و یقسم لحمھا حتی استانس بکم واعلم ماذا اراجع بہ رسل ربی . رواہ مسلم .

(مشکوٰۃ شریف باب دفن المیت ص ۱۴۹ و کتاب الاذکار امام نووی ص ۲۱۱)

ترجمہ:۔ حضرت عمرو بن العاص پر موت کے آثار طاری تھے۔ اسی حالت میں انہوں نے اپنے بیٹے کو وصیت کی۔ جب میں مر جاؤں تو نہ کوئی نوحہ کرنے والی میرے ساتھ ہو اور نہ آگ۔ پھر جب تم مجھ کو دفن کر چکو تو میرے اوپر مٹی بہادو (یعنی آہستہ آہستہ مٹی ڈال کر قبر کو پاٹ دو) پھر میری قبر کے پاس اتنی دیر تک ٹھہرے رہو۔ جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کر کے گوشت تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (تقریباً ایک گھنٹہ) تا کہ مجھے تم لوگوں کے ذریعہ انسیت رہے اور میں جان جاؤں کہ میں اپنے پروردگار کے بھیجے ہوئے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عاشوراء کے دن مسجد میں جمع ہو کر نوافل پڑھنا:

(سوال ۴۹) ہمارے یہاں (ملاوی، سنٹرل افریقہ میں) عرصہ دراز سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ دسویں محرم الحرام کے ایک دن پہلے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ آئندہ کل آٹھ بجے نفل نماز پڑھی جائے گی، چنانچہ عاشوراء کے روز شہر کے لوگ کثیر تعداد میں جمع ہو کر تنہا تنہا نماز پڑھتے ہیں اور امام مسجد اعلان کرتا ہے کہ دو رکعت حضور اکرم ﷺ کے ایصال ثواب کے لئے اور دو رکعت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ایصال ثواب کے لئے اسی طرح چاروں خلفاءؓ اور امام حسینؓ کے ایصال ثواب کے نیت سے نوافل پڑھتے ہیں، کیا اس طرح نماز پڑھنا جائز ہے؟ اس کا کوئی ثبوت ہے؟ مع دلائل جواب تحریر فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) دسویں محرم کو (عاشوراء کے دن) اعلان اور مظاہرہ کے ساتھ مسجد میں نوافل پڑھنے کا اہتمام والتزام (جس طرح سوال میں مذکور ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے عمل اور فرمان سے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اجمعین، تابعین، تبع تابعین وائمہ دین رحمہم اللہ سے ثابت نہیں ہے، یہ طریقہ ممنوع اور لائق ترک ہے کہ نو ایجاد اور خلاف سنت ہے۔

بہ زہد و ورع کوش و صدق و صفا
و لیکن میفزائے بر مصطفٰے

پرہیز گاری و پارسائی، سچائی وصفائی میں کوشش کئے جا، لیکن نبی کریم ﷺ کے طریقہ سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کر۔ مطلب یہ ہے کہ آنحضور ﷺ اور آپ کے صحابہؓ نے جیسا اور جس قدر کیا ہے ویسا اور اسی قدر کر اپنی طرف سے زیادتی نہ کر، زیادتی کرنا شریعت میں اضافہ اور اصلاح کرنے کے مانند ہے، اور یہ مذموم اور بدعت ہے اور شرک فی النبوۃ ہے۔ نوافل پڑھنے میں کوئی اختلاف اور اعتراض کی بات نہیں ہے مگر پڑھنے کا طریقہ اور مسجد میں اجتماع کا اہتمام اور التزام قابل اعتراض ہے۔

چاشت کی نماز احادیث سے ثابت ہے لیکن جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ اس کے لئے لوگ مسجد میں جمع ہونے کا اہتمام کرتے ہیں تو فرمایا کہ یہ طریقہ بدعت ہے، بخاری شریف میں ہے **عن مجاهد قال دخلت انا و عروة ابن الزبير المسجد فاذا عبدالله بن عمر جالس الى حجرة عائشة و اذا اناس يصلون في المسجد صلوٰة الضحىٰ قال فسئلناه عن صلوتهم فقال بدعة .**
(بخاری شریف ج۱ ص۲۳۸ فی اول ابواب العمرۃ) (زاد المعاد ج۱ ص۹۵)

علامہ نووی فرماتے ہیں۔ **واما ما صح عن ابن عمر رضى الله عنه قال في الضحىٰ هى بدعة فمحمول على ان صلوتها في المسجد والتظاهر بها كما كانوا يفعلونه بدعة لان اصلها في البيوت** (نووی شرح مسلم باب استحباب صلوٰۃ الضحی اقلہا رکعتان ج۱ ص۲۴۹) (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۳ ص۲۰۵)

اس کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ **ان كان ولا بد ففي بيوتكم** اگر تم کو چاشت کی نماز پڑھنے کا شوق ہی ہے تو اپنے مکان میں پڑھو۔ (فتح الباری ج۳ ص۴۳)

دیکھئے! جلیل القدر صحابی مجتمع ہو کر نوافل پڑھنے کو بدعت قرار دے رہے ہیں اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کے مبارک دور میں یہ طریقہ نہیں تھا، اسی طرح عاشورہ کے دن آپ کے یہاں مجتمع ہو کر نوافل پڑھنے کا جو دستور بنالیا ہے اس کا صحیح ثبوت نہ حضور ﷺ کے مبارک زمانہ میں ملتا ہے نہ صحابہ کے زمانہ میں نہ تابعین نہ تبع تابعین اور نہ ائمہ دین کے زمانہ میں، اس لئے اس کے قابل ترک ہونے میں کوئی شبہ نہیں لہذا اس میں شرکت نہ کی جائے۔

انہی وجوہ سے فقہاء کرام رحمہم اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ شب برأت، عیدین رمضان المبارک کی آخری دس راتوں میں اور ذی الحجہ کے عشرۂ اولی کی دس راتوں میں اور نصف شعبان کے رات کو عبادت کے لئے جاگنا مستحب ہے مگر اس کے لئے مساجد میں جمع ہونا مکروہ ہے، بحر الرائق میں ہے **ومن المندوبات احياء ليالى العشر من رمضان وليلتى العيدين وليالى عشر ذى الحجة وليلة النصف من شعبان كما وردت به الاحاديث. الى قوله . ولكن يكره الاجتماع على احياء ليلة من هذه الليالى فى المساجد.**
(البحر الرائق ج۲ ص۵۲ باب الوتر والنوافل)

اسی طرح عاشوراء کے دن یارات کو اپنے اپنے مکانوں میں عبادت اور نوافل وغیرہ ذکر واذکار میں مشغول رہیں مساجد میں اعلان ومظاہرہ کے ساتھ نوافل کا اہتمام والتزام ممنوع ومکروہ ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب

جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا:

(سوال ۵۰) جب جنازے کو لے کر چلتے ہیں تو آگے آگے چند آدمی بلند آواز سے کلمۂ طیبہ اور دوسرے دعائیہ الفاظ مثلاً اغفرلی، یاغفور پڑھتے ہیں اور یہ سلسلہ قبرستان تک رہتا ہے، اس طرح بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے یانہیں؟ اس طرح جنازہ کی نماز کے بعد فاتحہ پڑھنا اور دفن کے بعد اور پھر چند قدم چل کر اور میت کے گھر واپس آکر فاتحہ پڑھنا ازروئے شرع جائز ہے یانہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جنازے کے ساتھ ذکر خفی کی اجازت ہے، زور سے پڑھنے کی اجازت نہیں، مکروہ ہے لہذا جنازے کے آگے چند آدمیوں کا آواز ملا کر بلند آواز سے پڑھنے کا طریقہ خلاف سنت اور مکروہ تحریمی ہے عن قيس بن عباد : قال كان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يكرهون الصوت عند ثلاث. الجنائز والقتال والذكر .(البحر الرائق ج۵ ص۷۶، کتاب السیر)

فتاویٰ سراجیہ میں ہے وفي منزل الميت رفع الصوت بالذكر وقرائة القرآن وقولهم كل حي لا يموت ونحو ذلك خلف الجنازة بدعة (فتاویٰ سراجیہ ص۲۳)(ھکذا فی مراقی الفلاح ص۱۱۸)(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۵۳)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ وعلى متبعي الجنازة الصمت ويكره لهم رفع الصوت بالذكرو قرائة القرآن كذافي شرح الطحاوي وان اراد ان يذكر الله يذكره في نفسه كذا في فتاوىٰ قاضي خان (ج ۱ ص ۱۰۴ عالمگیری جنائز الفصل الرابع في حمل الجنازة) البحر الرائق میں ہے ويكره رفع الصوت بالذكرو قرأة القرآن وغيرهما في الجنازة والكراهة فيهما كراهة تحريم . الىٰ قوله. وفي الظهيرية فان اراد ان يذكر الله يذكره في نفسه لقوله تعالىٰ انه لا يحب المعتدين اى الجاهرين بالدعاء وعن ابراهيم انه كان يكره ان يقول الرجل هو يمشي معها استغفروا الله غفر لهم الله (البحر الرائق ج۲ ص ۱۹۲ كتاب الجنائز)

مندرجہ بالا حوالہ جات سے صراحۃً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جنازہ کے ساتھ دل دل میں اللہ کا ذکر کیا جائے، جہراً ذکر کرنا مکروہ ہے اور بحرالرائق کی عبادت میں تصریح ہے کہ کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے۔

جنازہ کی نماز بذاتہ اعلیٰ درجہ کی دعا ہے اس کے بعد دوسری اجتماعی دعا ثابت نہیں ہے چلتے چلتے فرادیٰ فرادیٰ دعا کرنے میں مضائقہ نہیں، جنازہ روک کر اجتماعی دعاء کا رواج خلاف سنت اور مکروہ ہے لا يقوم بالدعاء في قراءة القرآن لاجل الميت بعد صلوة الجنازة وقبلها یعنی نماز جنازہ کے بعد اور اس سے پہلے قرآن شریف پڑھ کر میت کے لئے کھڑے ہو کر دعا نہ کرنا چاہئے۔(خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص ۲۲۵) مزید تفصیل کیلئے کتاب الجنائز

دفن سے فارغ ہو کر میت کے لئے کچھ دیر تک مغفرت کی دعاء کرنا اور قرآن وغیرہ پڑھ کر بخشنا مسنون اور مستحب ہے، حضور پاک ﷺ کے قول اور عمل سے ثابت ہے، سنن ابوداؤد میں ہے۔ **کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبرہ وقال استغفروا لا خیکم واسألوا اللہ لہ التثبت فانہ الآن یسئل وکان ابن عمر یستحب ان یقرأ علی القبر بعد الدفن اول سورۃ البقرۃ وخاتمتھا وروی ان عمرو بن العاص قال وھو فی سیاق الموت اذا انا مت فلا تصحبنی نائحۃ ولا نارا فاذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شناً ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر جزور ویقسم لحمھا حتی استأنس بکم وانظر ماذا اراجع رسل ربی . جو ھرۃ** (شامی ج ۱ ص ۸۳۸ مطلب فی دفن المیت)

تدفین کے بعد چند قدم چل کر دعا کرنے کا رواج اور میت کے گھر دعا کرنے کے لئے جمع ہونے کا دستور خلاف سنت ہے، شامی میں ہے۔ **بل اذا فرغ ورجع الناس من الدفن فلیتفرقوا و یشتغل الناس باموارھم وصاحب البیت بامرہ** الخ (شامی ج ۱ ص ۸۴۲ ایضاً) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حول قبر کی نماز:

(**سوال ۱۵**) ہمارے محلہ میں گزشتہ کل ایک شخص کا انتقال ہوگیا، اور دن کے وقت ان کو سپرد خاک کیا گیا مغرب کے بعد ان کے رشتے دار آئے اور امام کو کہنے لگے کہ آپ مرحوم کے لئے "حول قبر کی نماز" پڑھایئے، امام نے کہا کہ حول قبر کی نماز کیا ہے میں نہیں جانتا میں نے کبھی یہ نماز نہ پڑھی ہے نہ پڑھائی ہے نہ کسی جگہ آج تک "حول قبر کی نماز" کا نام سنا ہے تو کہنے لگے کہ حول قبر کی نماز یہ ہے کہ دو رکعت کی نیت کرو پہلی رکعت میں گیارہ مرتبہ **الھٰکم التکاثر** اور دوسری رکعت میں گیارہ مرتبہ **قل ھو اللہ احد** پڑھو اور سلام پھیرنے کے بعد میت کو اس کا ثواب پہنچادو۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا شریعت میں اس نماز کا ثبوت ہے؟ حضور ﷺ یا صحابہ کرام نے یہ نماز پڑھی ہے؟ بینوا توجروا۔

(**الجواب**) حول قبر کی نماز با جماعت آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ، خلفائے راشدین، ائمہ مجتہدین اور فقہائے کرام سے منقول نہیں ہے اس کو مسنون سمجھنا اور شرعی حکم بتانا اپنی طرف سے شریعت میں اضافہ کرنے کے مرادف ہے وہی عمل قابل قبول اور میت کے لئے مفید اور باعث ثواب ہوسکتا ہے جو سنت کے موافق ہو، حدیث شریف میں ہے **والقول والعمل لا تقبل مالم توافق السنۃ** . یعنی قول، عمل اور نیت اسی وقت درست اور قابل قبول ہوتے ہیں جب سنت کے موافق کئے جائیں۔ (تلبیس ابلیس ص ۹)

ولی کامل حضرت احمد بن الواری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ **من عمل عملاً بلا اتباع سنۃ فبا طل عملہ** جو عمل بھی سنت کے مطابق نہ کیا جائے وہ باطل اور بیکار ہے (خدا کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں)۔

(کتاب الاعتصام ج ۱ ص ۶۸)

پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں **لا یقبل قول بلا عمل ولا عمل بلا اخلاص واصابۃ السنۃ** کوئی قول بلا عمل کے اور کوئی عمل بلا اخلاص کے اور بلا اتباع سنت کے قبولیت کے قابل نہیں ہوسکتا۔ (فتح ربانی ص ۱۴ مجلس نمبر ۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مرشد کے پاس رمضان گذارنا:

(سوال ۵۲) رمضان المبارک میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا دامت برکاتہم (نوراللہ مرقدہ) اپنے خلفاء اور خاص خاص مریدین کو سہارنپور میں جمع کرتے ہیں اور پورا رمضان اعتکاف میں گذارتے ہیں، ذکر ومراقبہ میں مشغول رکھتے ہیں کیا یہ بدعت نہیں ہے؟ ایک اردو ماہنامہ میں اس پر سخت تنقید کی گئی ہے اس لئے وضاحت ضروری ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مرشد اپنے مریدین کو اپنے پاس بلا کر رکھتے ہیں اس کا مقصود تعلیم وتربیت اور اصلاح نفس ہوتا ہے کہ مریدین مرشد کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کریں، دل میں جلا (نور) پیدا کریں اور یقین کو مضبوط بنائیں اپنے نفس کو رذائل سے پاک کریں اور مرشد ان پر نگرانی رکھے اور خصوصی توجہ فرمائے، یہ مریدین کی تعلیم وتربیت کا خاص طریقہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کا بھی یہ عمل رہا ہے، آپ فرماتے ہیں، درآں ہنگام بزرگان بسیار اولیائے بسیار از یاران والد ماجد معتکف بودند یعنی۔ اس زمانہ میں بہت سے بزرگ اور بہت سے اولیا والد ماجد کے رفقاء میں سے مسجد میں معتکف ہوتے تھے (ملفوظات) اور حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنے بعض مخصوص مسترشدین اور مریدین کو رمضان المبارک میں اپنے پاس بلانے کی کوشش بھی فرماتے چنانچہ شاہ ابو سعید کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''اگر گرمی ہوا بہم رسد اینجا تشریف آوردہ اینجا رمضان گذارند۔ اگر دل چاہے اور اشتیاق ہو تو رمضان ہمارے پاس آکر گذاریں۔ (الامام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ص ۱۸۴ مطبوعہ کانپور)

الحاصل حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم ومدت فیوضہم (نوراللہ مرقدہٗ وبرد اللہ مضجعہ) کا عمل بدعت نہیں ہے، تعلیم میں جو طریقہ استاذ ومرشد کے تجربہ میں نفع بخش ہو حدود شرع میں رہتے ہوئے اس کو اختیار کیا جاسکتا ہے لہٰذا اس طریقہ پر تنقید کرنا مناسب نہیں بے جا ہے۔ فقط۔

واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۱۔ رمضان المبارک ص ۱۳۹۷ھ

اذان علی القبر بدعت ہے:

(سوال ۵۳) رضا خانی جماعت کے لوگ تدفین کے بعد قبر پر اذان دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اذان سن کر شیطان بھاگتا ہے، مردہ اس کی شرارت سے محفوظ رہتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامدا و مصلیا و مسلما۔ قبر پر اذان دینا بے اصل ہے آنحضرت ﷺ اور آپ کے جانشین خلفائے راشدین وصحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ، امام نسائیؒ، امام ابوداؤدؒ وغیرہ رحمہم اللہ سے ثابت نہیں، یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے مبارک طریقہ کے موافق نہیں، بدعت مخترعہ اور واجب الترک ہے آنحضرت ﷺ اور صحابہ

کرام کے دور میں ہزاروں اور سینکڑوں کی تعداد میں صحابہ اور تابعین کی وفات ہوئی وہ حضرات اپنے مبارک ہاتھوں سے اپنے مردوں کو دفناتے تھے، عذاب قبر اور شیطانی شرارتوں سے واقف تھے مگر کسی کی قبر پر اذان دی گئی ہو اس کا ثبوت نہیں کیا وہ حضرات اپنے مردوں کے خیر خواہ نہ تھے؟ جب آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے قبر پر اذان نہیں دی تو اب کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ قبر پر اذان دے اور اس کو شرعی حکم بتلائے اس نئے طریقہ کو جاری کرنا تو یا آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مبارک طریقہ کو ناقص سمجھنا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا فرمان واجب الاذعان ہے من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھو رد جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کرے جو دین میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔ (صحیح بخاری شریف باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فھو مردود ج۱ ص۳۷۱، صحیح مسلم شریف باب نقض الاحکام الباطلۃ ورد محدثات الامور ج۲ ص ۷۷)۔

مسلم شریف میں ایک اور حدیث ہے من عمل عملاً لیس علیه امرنا فھو رد جو شخص ایسا کام کرے جس کے لئے ہمارا حکم نہیں ہے وہ ردا ور باطل ہے (مسلم شریف ج۲ ص۷۷ ایضاً)

ابوداؤد شریف میں ہے من صنع امراً علی غیر امرنا فھو رد . جس نے ہمارے عمل کے خلاف کوئی کام کیا وہ مردود ہے۔ (ابوداؤد شریف ج۲ ص۲۸۷ باب لزوم السنۃ)

دوسری ایک حدیث میں ہے علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم و محدثات الامور فان کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة.

ترجمہ:۔ تم میرا طریقہ اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کا طریقہ اختیار کرو اور اس کو مضبوطی سے پکڑو اور دانتوں سے مضبوط دبائے رکھو اور نئی نئی باتیں ایجاد کرنے سے گریز کرو اس لئے کہ (دین میں) ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے (مشکوۃ شریف ص۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ابوداؤد شریف باب لزوم السنۃ ج۲ ص ۲۸۷، ترمذی شریف باب الأخذ بالسنۃ واجتناب البدعۃ۔ ج۲ ص۹۲، ابن ماجہ ص۵)

جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے اتبعوا آثارنا ولا تبتدعوا فقد کفیتم ۔ تم ہمارے نقش قدم پر چلو اور بدعات ایجاد نہ کرو تمہارے لئے ہماری اتباع ہی کافی ہے۔ (کتاب الاعتصام ج۱ ص۵۴)

مشہور و معروف صحابی حضرت حذیفہؓ کا فرمان ہے کل عبادة لم یتعبد ھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فلا تعبدوھا ہر وہ عبادت جو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے نہیں کی وہ تم بھی نہ کرو (کتاب الاعتصام ج۳ ص۳۱۰)

اسی بنا پر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں واما اھل السنة والجماعه فیقولون کل فعل وقول لم یثبت عن الصحابة فھو بدعة لا نه لو کان خیراً لسبقونا الیه لانھم لم یترکوا خصلةً من خصال الخیر الا وقدبادروا الیھا یعنی۔ اہلسنت والجماعت کہتے ہیں کہ جو قول اور فعل رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے کیونکہ اگر اس کام میں خیر ہوتی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اس کار خیر کو ہم سے پہلے ضرور کرتے اس

لئے کہ انہوں نے کسی عمدہ خصلت کو تشنۂ عمل نہیں چھوڑا بلکہ وہ ہر کام میں سبقت لے گئے ہیں۔
(بحوالہ المنہاج الواضح ص ۶۶)

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں۔ ''جس نے دین میں نئی بات ایجاد کی اور اس کو نیک کام سمجھا تو اس نے آنحضرت ﷺ کو احکام خداوندی کی تبلیغ میں (معاذ اللہ) خائن اور کوتاہی کرنے والا ٹھیرایا چونکہ ارشاد خداوندی ہے "الیوم اکملت لکم دینکم" آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا لہذا جو کام آپ کے مبارک زمانہ میں دین میں شامل نہ تھا وہ آج بھی دین میں شامل نہیں ہو سکتا (الاعتصام ج ا ص ۴۵)

اسی لئے عید کی نماز اور خطبہ کے وقت اذان اور جماعت کے وقت اقامت نہیں کہی جاتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں اذان عید وا قامت دین کے اندر نہیں تھی اسی طرح قبر پر اذان دینا بھی دین میں شامل نہیں قطعاً بدعت ہے کیونکہ سنت سے ثابت نہیں۔ اور کسی ایک صحابی کی قبر پر اذان دینا بھی دین میں شامل نہیں قطعاً بدعت ہے کیونکہ سنت سے ثابت نہیں۔ اور کسی ایک صحابی کی قبر پر اذان دی گئی ہو اس کا ثبوت نہیں۔

میت کے مغفرت کے لئے نماز جنازہ ہے اور اس کو قبر میں رکھتے وقت بسم اللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ کہنا ہے اور جو لوگ میت کی تدفین میں حاضر ہیں ان کے واسطے تین لپیں (مٹھی) مٹی ڈالنا مستحب ہے پہلی بار منھا خلقنا کم اور دوسری بار وفیھا نعید کم اور تیسری بار ومنھا نخرجکم تارۃً اخریٰ کہنا ہے، اور تدفین کے بعد اس کے سرہانے) سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں (الم سے مفلحون تک) اور پائینتی سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں (آمن الرسول سے آخر تک) پڑھنا ہے اور میت کے لئے مغفرت، ثابت قدمی اور منکر نکیر کے سوال کے جواب کی آسانی اور عذاب قبر سے نجات کے لئے دعا کرنا ہے اور جو میت کے قریبی رشتے دار اور تعلق والے ہیں ان کے واسطے مستحب یہ ہے کہ دفن سے فارغ ہونے کے بعد مزید قبر کے پاس اتنا وقت ٹھہریں جتنا وقت ایک اونٹ ذبح کرنے اور اس کا گوشت تقسیم کرنے میں لگتا ہے کہ ان کے رہنے سے میت کو انس ہوگا اور منکر نکیر کے جواب دینے میں وحشت (گھبراہٹ) نہیں ہوگی، اور وہاں ٹھہر کر قرآن پڑھتے رہیں اور میت کے لئے دعاء اور استغفار کرتے رہیں، یہ سب باتیں تو احادیث سے ثابت ہیں اور مامور بہ ہیں (مگر اذان علی القبر کا کہیں ذکر اور ثبوت نہیں)

ملاحظہ ہو کتاب الاذکار میں ہے باب ما یقول بعد الدفن. السنة لمن کان علی الله . ان یحثی ثلاث حثیات بیدیه جمیعا من قبل رأسه قال جماعة من اصحابنا یستحب ان . . . رل فی الحثیة الاولی منها خلقنا کم وفی الثانیة وفیها نعید کم وفی الثالثة ومنها نخرجکم تارة اخری (تدفین کے بعد کیا کہے ..... جو شخص بوقت تدفین موجود ہو تو اس کے لئے سنت یہ ہے کہ وہ مردہ کے سر کی طرف سے تین لپیں مٹی ڈالے، ہمارے فقہاء کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ پہلی لپ ڈالتے وقت منھا خلقنا کم اور دوسری لپ ڈالتے وقت وفیھا نعید کم اور تیسری لپ ڈالتے وقت ومنھا نخرجکم تارۃ اخریٰ کہے۔
(کتاب الاذکار ص ۱۹۲ امام نوویؒ)

مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن عبدالله بن عمر قال سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول اذا مات أحدکم فلا تحبسوه واسرعوا به الی قبره ولیقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجلیه بخاتمة

البقرة (حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کسی کا انتقال ہو جائے تو اسے مت روکے رکھو اور اس کی تجہیز و تکفین میں جلدی کرو اور اس کے سرہانے سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں اور اس کے پائنتی سورہ بقرہ کی آخری آیتیں پڑھی جائیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹ باب دفن المیت)

تدفین کے بعد انفرادی و اجتماعی طور پر میت کے لئے دعاء مغفرت کرنے اور منکر نکیر کے سوال کے جواب میں ثابت قدمی کے لئے دعا کرنے کی ترغیب ہے ابوداؤد شریف میں ہے۔ حضور ﷺ تدفین سے فراغت کے بعد قبر کے قریب کھڑے ہو کر فرماتے استغفروا لاخیکم واسئالوا له التثبیت۔ تم اپنے بھائی کے لئے مغفرت طلب کرو اور خدا تعالیٰ سے اس کے لئے (سوال و جواب میں توحید پر) ثابت قدم رہنے) کی دعاء کرو۔ (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۰۳)

اسی طرح تدفین کے بعد دیر تک ٹھہرنے اور قرآن شریف وغیرہ پڑھ کر بارگاہ خداوندی میں میت کے لئے دعاء مغفرت کرنے کا ثبوت اور ترغیب ہے، کتب احادیث میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ جب میری وفات ہو جائے تو جنازہ میں نوحہ کرنے والی عورت اور آگ نہ ہو (جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا) اور جب مجھے دفن کر چکو تو مجھ پر مٹی ڈالنا اور پھر میری قبر کے ارد گرد (ذکر و دعا میں مشغول رہتے ہوئے) اتنی دیر ٹھہرے رہنا جتنی دیر اونٹ ذبح کرنے اور اس کا گوشت تقسیم کرنے میں لگتی ہے کہ مجھے تمہاری وجہ سے ہمت اور انس رہے اور اپنے پروردگار کے فرشتوں کو بلا وحشت جواب دے سکوں (حضرت عمرا بن العاص ؓ نے یہ وصیت نہیں فرمائی کہ میری قبر پر (اذان دینا) عن عمرو بن العاص قال لا بنه وهو في سياق الموت اذا انامت فلا تصحبني نائحة ولا نارا فاذ ادفنتمو ني فشنوا على التراب شنا ثم اقيمو احول قبري قدر ما ينحر جزو رويقسم لحمها حتى استانس بكم واعلم ما ذا اراجع رسل ربي رواه مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹ باب دفن المیت)

اور کتاب الاذکار میں ہے ويستحب ان يقعد عنده بعد الفراغ ساعة قدر ما ينحر جزو رو يقسم لحمها ويشتغل القاعدون بتلاوة القرآن و الدعاء للميت (کتاب الاذکار ص ۹۲)

ملاحظہ کیجئے مندرجہ بالا حوالجات میں قبل از تدفین اور بعد از تدفین جو جو باتیں مسنون ہیں ان کو مفصل بیان کیا گیا ہے مگر کسی جگہ اذان کا تذکرہ تک نہیں ہے اگر اس وقت اذان دینا مسنون ہوتا یا اس کی ضرورت ہوتی تو آنحضور ﷺ ضرور حکم فرماتے اور آپ کے جاں نثار صحابہؓ اس پر ضرور عمل پیرا ہوتے اور اپنی وفات کے بعد قبر پر اذان دینے کی ہدایت اور وصیت فرماتے مگر کہیں اس کا ثبوت نہیں، لہذا قبر پر اذان دینا اور اس کو مسنون و مستحب سمجھنا دین میں اضافہ کرنا ہے۔ اور یہ فعل آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے طریقہ کو ناقص اور قابل اصلاح قرار دینے کے مرادف ہے (معاذ اللہ) اس لئے کہ حضور پاک ﷺ اور آپ کے صحابہؓ نے کوئی عمل خیر (جس میں فلاح ہے) نہیں چھوڑا۔

مجالس الابرار میں ہے۔

واما ما كان المقتضى لفعله في عهده عليه السلام موجودا من غير وجود المانع منه ومع

ذلک لم یفعله علیه السلام فاحداثه تغییر لدین الله تعالیٰ اذ لو کان فیه مصلحة لفعله علیه السلام او حث علیه ولما لم یفعله علیه السلام ولم یحث علیه علم انه لیس فیه مصلحة بل هو بدعة قبیحة سیة مثاله الا ذان فی العیدین فانه لما احدثه بعض السلاطین انکره العلماء وحکموا بکراهته فلو لم یکن کونه بدعة دلیلاً یکن کونه بدعة دلیلاً علی کراهته لقیل هذا ذکر الله تعالی ودعاء الخلق الی عبادة الله تعالیٰ فیقاس علی اذان الجمعة او یدخل فی العمومات التی من جملتها قوله تعالیٰ واذکروا الله ذکراً کثیراً وقوله تعالیٰ ومن احسن قولاً ممن دعا الی الله لکن لم یقولوا ذلک بل قالوا کما ان فعل مافعله علیه السلام کان سنة کذلک ترک ما ترکه علیه السلام مع وجود المقتضی وعدم المانع منه کان سنة ایضاً فانه علیه السلام لما امر با لا ذان فی الجمعة دون العیدین کان ترک الا ذان فیها سنة ولیس لا حد ان یزیده ویقول هذا زیادة العمل الصالح لا یضر زیادته اذ یقال له هکذا تغیرت ادیان الرسل وتبدلت شرائعهم فان الزیادة فی الدین لو جازت لجاز ان یصلی الفجر اربع رکعات والظهر ست رکعات ویقال هذا زیاده عمل صالح لا یضر زیادته لکن لیس لا حد نا یقول ذلک لان ما یبدیه المبتدع من المصلحة والفضیلة ان کان ثابتا فی عصره علیه السلام ومع هذ لم یفعله علیه السلام فیکون ترک مثل هذا الفعل سنة متقدمة علی کل عموم وقیاس الخ (مجالس الا برار ص ۱۲۷ ،ص۱۲۸ مجلس نمبر۱۸ فی اقسام البدع واحکامها)

(ترجمہ) جس فعل کا موجب (سبب) دور نبوی میں موجود ہو اور (اس کے فعل کے کرنے سے) کوئی مانع بھی موجود نہ ہو پھر بھی آنحضور ﷺ نے وہ فعل (کام) نہ کیا ہو (مثلاً اذان قبر) تو اس کام کو جاری کرنا دین کو بدلنا ہے اس لئے کہ اگر اس کام میں کوئی مصلحت ہوتی تو حضرت سرور کائنات ﷺ اس کو ضرور کرتے، یا اس کی ترغیب فرماتے، اور جب آپ نے نہ خود اس کام کو کیا نہ کسی کو ترغیب دی تو معلوم ہوا کہ اس میں کوئی بھلائی اور خیر وفلاح نہیں بلکہ وہ بدعت قبیحہ سیئہ ہے اس کی مثال عیدین میں اذان کہنا ہے کہ جب اس کو بعض سلاطین نے ایجاد کیا تو علماء نے منع کیا اور ناجائز بتلایا اگر اس کا بدعت ہونا اس کی کراہت کی دلیل نہ ہوتی تو کہا جاتا کہ یہ تو خدا کا ذکر ہے اور اللہ کی عبادت کے لئے لوگوں کو بلانا ہے (اور شیطان کو بھگانا بھی ہے) لہذا جمعہ کی اذان پر اس کو قیاس کیا جائے یا ان عام احکامات کے تحت اس کو داخل مانا جائے جن میں سے ایک اللہ کا یہ فرمان ہے واذ کرو الله ذکراً کثیراً اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو نیز یہ ارشاد خداوندی ہے ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللہ اس سے بہتر کون ہے جس نے اللہ کی طرف بلایا (لیکن ان دونوں امور میں سے کسی پر قیاس کر کے) کسی نے اذان عید کے سنت ہونے کو نہیں کہا بلکہ تمام علماء یہی کہتے رہے کہ جس کام کو حضور اکرم ﷺ نے کیا ہو اس کا اسی طرح کرنا سنت ہے اسی طرح اس کام کو چھوڑنا بھی سنت ہے جس کو حضور اکرم ﷺ نے باوجود اقتضاء کے اور مانع نہ ہونے کے نہیں کیا، بلکہ پیغمبر ﷺ نے جب جمعہ کی اذان کا حکم دیا اور عیدین میں حکم نہیں دیا تو عیدین میں اذان نہ کہنا ہی سنت ہے اور کسی کو حق نہیں ہے کہ اس پر زیادتی کرے اور یہ کہے کہ یہ نیک کام کی افزائش ہے اور ایسی زیادتی مضر نہیں، اس لئے کہ اس سے یہ کہا جائے گا کہ اسی طرح پیغمبروں کے دین

متغیر ہو گئے اور ان کی شریعتیں بدل گئیں اس لئے کہ اگر دین میں زیادتی جائز ہوتی تو یہ بھی جائز ہوتا کہ صبح کی نماز چار رکعت پڑھے اور ظہر کی چھ رکعت اور کہا جاتا کہ یہ نیک کام کی زیادتی ہے اس میں کچھ حرج نہیں لیکن یہ کوئی نہیں کہہ سکتا اس واسطے کہ بدعتی جو مصلحت اور فضیلت بیان کرتا ہے اگر وہ مصلحت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت میں ثابت (موجود) تھی اور باوجود اس کی آپ نے اس کو نہیں کیا تو اس کام کا چھوڑنا ہی ایسی سنت ہے جو ہر عموم اور قیاس سے مقدم ہے۔ دیکھئے ان الابرار ص ۱۲۷ - ۱۲۸ مجلس ۱۸ فی اقسام البدع واحکامھا۔

یہی حال اذان علی القبر کا ہے جب حضور اکرم ﷺ نے باجود سبب پائے جانے کے نہیں کیا تو آج کسی کو یہ حق نہیں کہ یہ کام کرے اسی بناء پر علامہ حافظ ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ویکرہ عند القبر کلما لم یعھد من السنۃ والمعھود منھا لیس الا زیارتھا والدعاء عندھا قائماً کما کان یفعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الخروج الی البقیع یعنی قبر کے پاس ہر وہ کام کرنا جو سنت سے ثابت نہیں مکروہ ہے اور ثابت یہ ہے کہ قبر کی زیارت کی جائے اور کھڑے کھڑے دعا کی جائے جس طرح حضور اکرم ﷺ جنت البقیع میں کرتے تھے (بحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۶ باب الجنائز، عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۷ الفصل السادس کتاب الجنائز، فتح القدیر فصل فی الدفن ج ۲ ص ۱۰۲)

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ لایسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما ھو المعتاد الآن وقد شرح ابن حجر فی فتاواہ بانہ بدعۃ...... ومن ظن انہ سنۃ قیاساً علی ندبھما للمولود الحاقاً لخاتمۃ الامر بابتدائہ فلم یصب الخ. یعنی میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان دینا مسنون نہیں ہے، اور علامہ ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں واضح طور پر فرمایا ہے کہ قبر پر اذان دینا بدعت ہے اور جو شخص نومولود بچے کے کان میں اذان دینے کے مندوب ہونے پر قیاس کرے اور خاتمہ کو ابتداء سے ملحق کرتے ہوئے اذان علی القبر کو سنت کہے تو اس نے غلطی کی (اور اس کا یہ قیاس صحیح نہ ہوگا)۔

(شامی ج ۱ ص ۳۸۷ باب الاذان، مطلب فی المواضع التی یندب لھا الاذان فی غیر الصلاۃ)

شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔ الجواب: اذان دادن بر قبر بعد دفن مکروہ است کہ معہود از سنت نیست (مائۃ مسائل ص ۵۵) ترجمہ:۔ قبر پر اذان دینا مکروہ ہے کہ یہ سنت سے ثابت نہیں۔

درر البحار میں ہے من البدع التی شاعت فی الھند الاذان علی القبر بعد الدفن منجملہ بدعات میں سے ایک بدعت جو ہندوستان میں شائع ہے دفن کے بعد قبر پر اذان دینا ہے۔ (بحوالہ المنہاج الواضح ص ۲۱۲)

لہذا اذان علی القبر کو مسنون سمجھنا اور اس کو رائج کرنا صحیح نہیں، ہماری نجات اور کامیابی اسی میں مضمر ہے کہ ہم حضور اکرم ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقہ پر چلیں، خود حضور پاک ﷺ نے اپنی امت کو ہدایت فرمائی ہے کہ تمہاری نجات اور کامیابی میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر عمل کرنے میں ہے، صاف ارشاد فرمایا ما انا علیہ واصحابی (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ) نیز حدیث شریف میں ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے نہایت ہی عجیب وغریب اور بلیغ ومؤثر انداز میں کچھ کلمات ارشاد فرمائے وعظ سن کر حاضرین کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور دل لرزاٹھے، ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ ارشادات تو ایسے ہیں جیسے کوئی رخصت کرتے وقت ضروری نصیحتیں کیا کرتا ہے، ہمیں کچھ اور بھی نصیحتیں فرمائیں۔ آپ نے کچھ اور نصیحتیں بھی

ارشادفرمائیں ان میں سے اہم ترین نصیحت یہ تھی، میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا ایسی حالت میں تم پر لازم اور ضروری ہے کہ اس طریقہ پر مضبوطی سے جمے رہو جو میرا اور میرے بعد ان خلفاء راشدین کا طریقہ ہے جو ہدایت یافتہ ہیں اس طریقہ کو مضبوطی سے سنبھال لو اور دانتوں اور کچلیوں سے مضبوط پکڑ لو اور جو نئی باتیں ایجاد ہوں ان سے پوری طرح پرہیز کرو اس لئے کہ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ عن العرباض بن سارية قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم ثم اقبل علينا بوجهه فوعظنا موعظة بليغة ذرفت منها العيون ووجلت منها القوب فقال رجل يا رسول الله كان هذه موعظة مودع فاوصنا فقال (وفي نسخة اوصيكم) بتقوىٰ الله والسمع والطاعة وان كان عبداً حبشياً فانه من يعش منكم بعدى فيسرى اختلافاً كثيراً فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذوايا كم ومحدثات الامور فان كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة. رواه احمدو ابو داؤد والترمذى، وابن ماجة الا انهما لم يذكرا لصلوٰة (مشكوٰة شريف ص ۲۹. ۳۰) (باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

عنداللہ کسی بھی عمل کے مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ اخلاص کے ساتھ ہو اور دوسرا یہ کہ وہ عمل سنت کے مطابق ہو ارشاد خداوندی ہے ومن احسن دينا ممن اسلم وجهه لله وهو محسن. یعنی اس شخص سے بہتر کسی کا طریقہ نہیں ہوسکتا جس میں دو باتیں پائی جائیں ایک "اسلم وجهه" اپنی ذات کو اللہ کے سپرد کرے ریا کاری یا دنیا سازی کے لئے بلکہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے عمل کرے۔ دوسرے "وھو محسن" یعنی وہ عمل بھی درست طریقہ پر کرے، امام ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ درست طریقہ پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس عمل کا محض خود ساختہ طرز نہ ہو بلکہ شریعت مطہرہ کے بتلائے ہوئے طریقہ پر ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیم کے مطابق ہو (بحوالہ معارف القرآن از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ج ۲ ص ۵۵۵ سورہ نساء)

اور آیت کریمہ۔ ليبلو كم ايكم احسن عملا کی تفسیر میں امام رازیؒ فرماتے ہیں. "ذكروا في تفسير احسن عملاً وجوها (احدها) ان يكون اخلص الاعمال واصوبها لان العمل اذا كان خالصاً غير صواب لم يقبل وكذلك اذا كان صواباً غير خالص فالخالص ان يكون لوجه الله والصواب ان يكون على السنة."

یعنی "احسن عملاً" سے مراد عمل مقبول ہے اور عمل مقبول وہ ہے جو خالص ہو اور صواب بھی ہو، اگر عمل خالص ہے مگر صواب نہیں ہے تو وہ مقبول نہیں ہے عمل خالص وہ ہے جو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا جائے اور صواب وہ ہے جو سنت کے مطابق ہو. (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۴۳ سورۂ ملک) (رسالۃ العبودیہ لابن تیمیہ ص ۲۰۔۲۱)

ارشاد الطالبین میں محدث قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے حدیث نقل کی ہے۔" ان القول لا يقبل مالم يعمل به وكلاهما لا يقبلان بدون النية والقول والعمل والنية لا تقبل ما لم توافق السنة " سخن مقبول نیست بدون عمل کردن و ہر دو مقبول نیستند بدون نیت و ہر سہ مقبول نیستند کہ موافق سنت نباشند۔ یعنی قول بلا عمل درست نہیں ہوتا اور یہ دونوں (قول وعمل) بلا صحیح نیت کے مقبول نہ ہوں گے اور قول وعمل اور نیت مقبول ہونے کے لئے ضروری ہے

کہ سنت کے موافق ہو۔ (ص ۲۸)

پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں۔ لا یقبل قول بلا عمل و لا عمل بلا اخلاص و اصابة السنة یعنی۔ کوئی قول عمل کے بغیر قابل قبول نہیں اور کوئی عمل اس وقت تک قبول نہیں جب تک اس میں اخلاص نہ ہو اور وہ سنت کے موافق نہ ہو۔ (فتح ربانی ج ا ص ۱۴ مجلس نمبر ۲)

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں لا یستقیم قول و عمل و نیة الا بموافقة السنة . یعنی کوئی قول اور عمل اور نیت درست نہیں جب تک کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے موافق نہ ہو۔ (تلبیس ابلیس ص ۹)

حضرت احمد بن ابی الحواری رحمہ اللہ فرماتے ہیں من عمل بلا اتباع سنة فبا طل عمله یعنی جو بھی عمل اتباع سنت کے بغیر کیا جائے وہ باطل ہے۔ (الاعتصام ج ا ص ۱۱۴)

حضرت ابوالعالیہ تابعیؒ فرماتے ہیں علیکم بالامر الا ول الذی کا نوا علیه قبل ان یفتر قوا تم پر واجب ہے کہ وہ پہلا طریقہ اختیار کرو جس پر اہل ایمان مختلف ہونے سے پہلے متفق تھے۔ (تلبیس ابلیس ص ۸)

حضرت امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں اصبر نفسک علی السنة وقف حیث وقف القوم وقل بما قالوا و کف عما کفوا عنه و اسلک سبیل سلفک الصالحین فانه یسعک ما وسعهم . یعنی طریقہ سنت پر اپنے آپ کو مضبوطی سے جمائے رکھو جہاں قوم (جماعت صحابہؓ) ٹھہر گئی تم بھی ٹھہر جاؤ، جو ان بزرگوں نے کہا وہی تم بھی کہو جس کے بیان سے یہ حضرات رک گئے تم بھی رک جاؤ (اپنی عقل نہ چلاؤ) اور اپنے سلف صالحین کے طریقہ پر چلو۔ (تلبیس ابلیس ص ۹)

حجۃ الاسلام امام غزالی قدس سرہ اپنے ایک خصوصی شاگرد کو لکھتے ہیں۔ ''خلاصہ یہ کہ تم کو سمجھ لینا چاہئے کہ طاعت وعبادت کیا چیز ہے؟ سنو! جناب شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فرمانبرداری کا نام عبادت ہے قولاً وعملاً، اوامر میں بھی نواہی میں بھی، اگر تم کوئی کام بدون حکم شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کرو اگر چہ وہ بشکل عبادت ہی ہو تو وہ عبادت نہیں۔ بلکہ گناہ ہے۔ دیکھو نماز کیسی اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے مگر اوقات مکروہ میں یا غصب کردہ زمین میں اس کا پڑھنا گناہ ہے، اسی طرح روزہ فی نفسہ عمدہ عبادت ہے مگر ایام عید وتشریق میں روزہ رکھنا گناہ ہے اس لئے کہ حکم شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف ہے اور لہو ولعب اچھی چیز نہیں مگر اپنی بی بی کے ساتھ کرنا باعث اجر ہے کیونکہ بحکم شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے تو معلوم ہو گیا کہ عبادت کی حقیقت فرمانبرداری ہے نہ محض نماز روزہ، کیونکہ نماز روزہ کا بھی اسی وقت عبادت میں شمار ہوتا ہے جب کہ وہ شارع علیہ السلام کے حکم کے مطابق ہو تو بیٹا تمہارے احوال واقوال کو شریعت کے تابع ہونا چاہئے اس لئے کہ کوئی علم وعمل بدون اجازت شارع علیہ السلام کے سراسر گمراہی اور خداوند سے بعد کا سبب ہے (خط امام غزالی بنام شاگرد خود ص ۸۰۷ مترجم)

حضرت خواجہ معصوم سرہندی رحمہ اللہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

''سعادت دارین سرور کونین ﷺ کی اتباع پر موقوف ہے جہنم سے نجات اور دخول جنت سید الا برار قدوة الا نبیاء ﷺ کی اطاعت پر موقوف ہے، اسی طرح خدا کی رضامندی، رسول مختار ﷺ کی پیروی کے ساتھ مشروط ہے، توبہ، زہد وتقویٰ، توکل وتبتل آنحضرت ﷺ کے طریقہ کے بغیر مقبول نہیں اور ذکر وفکر ذوق وشوق

آنحضرت ﷺ سے تعلق کے بغیر نا قابل اعتبار ہے، صلوات اللہ علیہ وسلامہ (مکتوب نمبر ۱۰ بنام خواجہ دینار)
دیگر ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: سنت نبوی کی روشنی کے بغیر صراط مستقیم دشوار ہے، اور راہ نبوت اختیار کئے بغیر حصول نجات محض خیال ہے۔ (مکتوب نمبر ۲۲ بنام محمد حنیف)

قامع البدعات حضرت علامہ ابن الحاج رحمہ اللہ اپنی کتاب "المدخل" میں فرماتے ہیں "نحن متبعون لا مبتدعون فحیث وقف سلفنا وقفنا اھ" یعنی ہم اپنے اسلاف (صحابہ، تابعین، تبع تابعین وغیرہم) کی اتباع کرنے والے ہیں مبتدع نہیں ہیں، جہاں وہ حضرات ٹھہر گئے ہم بھی وہیں ٹھہر جائیں گے (اور اپنی طرف سے کچھ اضافہ نہیں کریں گے) (بحوالہ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۵۴)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھ کو عالم رؤیا میں ارشاد ہوا تمن علی ابن ادریس۔ مجھ سے کچھ تمنا کروائے ادریس کے بیٹے! میں نے عرض کیا امتنی علی الا سلام مجھ کو اسلام پر موت نصیب فرما۔ ارشاد ہوا قل وعلی السنۃ اسلام کے ساتھ سنت پر بھی مرنے کی تمنا کیجئے! (اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام اور سنت پر خاتمہ نصیب فرمائے آمین)

سلف صالحین کی بدعت سے بیزاری کا نمونہ

حکی ابن وضاح قال ثوّب المؤذن بالمدینة فی زمان مالک فقال: ما ھذا الفعل الذی تفعل؟ فقال اردت ان یعرف الناس طلوع الفجر فیقوموا فقال له مالک لا تفعل. لا تحدث فی بلدنا شیئاً لم یکن فیه قد کان رسول الله صلی الله علیه وسلم بهذا البلد عشر سنین وابو بکر وعمر وعثمان فلم یفعلوا هذا فلا تحدث فی بلدنا ما لم یکن فیه فکف المؤذن عن ذلک واقام زماناً ثم انه تنحنح فی المنارة عند طلوع الفجر فقال له، الم انهک ان لا تحدث عندنا مالم یکن فقال انما نهیتنی عن التثویب فقال له لا تفعل فکف زمانا ثم جعل یضرب الا بواب. فارسل الیه مالک فقال: ما ھذا الذی تفعل؟ فقال: اردت ان یعرف الناس طلوع الفجر فقال له مالک لا تفعل لا تحدث فی بلدنا مالم یکن فیه.

ترجمہ: حضرت ابن وضاح کا بیان ہے کہ مدینہ منورہ کا مؤذن امام مالک رحمہ اللہ کے زمانہ میں صبح صادق کے وقت لوگوں کو آواز دیتا، امام مالک نے اس کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ تو یہ کیا کرتا ہے؟ جواب دیا لوگوں کو صبح صادق کی خبر کرنے کے لئے یہ عمل کرتا ہوں تاکہ لوگ اٹھ جائیں، امام مالک نے فرمایا تو ایسا نہ کر، ہمارے اس شہر میں ایسی بات ایجاد نہ کر جو اس میں نہیں ہے، آنحضرت ﷺ نے اس مبارک شہر میں دس سال قیام فرمایا ہے اور حضرت ابو بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ نے بھی (یہاں قیام فرمایا ہے) انہوں نے یہ کام نہیں کیا اس لئے تو بھی ایسی چیز ایجاد مت کر جو آج تک یہاں نہیں کی گئی، تو مؤذن رک گیا، پھر کچھ دنوں کے بعد صبح صادق کے وقت منارے پر کھنکھارنا شروع کیا، امام مالک نے فرمایا کیا تم کو نئی چیز ایجاد کرنے سے منع نہیں کیا تھا؟ (پھر یہ نیا کام کیوں شروع کر دیا) اس نے جواب دیا آپ نے تثویب (یعنی اذان کے بعد لوگوں کو نماز کے لئے بلانے کے لئے پکارنا) سے منع فرمایا تھا، امام مالک نے فرمایا نہیں۔ یہ

کام بھی مت کرو، پھر کچھ مدت اس سے رکا رہا اس کے بعد لوگوں کے دروازے کھٹکھٹانا شروع کیا، امام مالکؒ نے اس کے پاس ایک آدمی بھیجا اور پوچھوایا کہ پھر یہ کیا کرنا شروع کر دیا؟ تو اس نے کہا (میں نہ تو تثویب کرتا ہوں نہ کھنکھارتا ہوں جس سے آپ نے منع فرمایا تھا، اب تو میں) لوگوں کو صبح صادق کی اطلاع دینے کے لئے دروازہ کھٹکھٹاتا ہوں، آپ نے اس سے بھی منع فرمایا اور ارشاد فرمایا جو چیز اس شہر میں نہیں ہوئی تو اسے یہاں جاری مت کر۔ (الاعتصام۔از امام شاطبیؒ ج۔۲ص۲۲۲۔ص۲۲۳)

غور کیجئے! مؤذن لوگوں کو نماز کی طرف بلانے کی نیت سے تثویب کر رہا ہے کھنکھار رہا ہے، دروازے کھٹکھٹا رہا ہے لیکن امام مالکؒ نے محض اس وجہ سے کہ یہ نئی چیز تھی ثابت شدہ نہیں تھی، پسند نہیں فرمایا اور موذن کو روک دیا تو وہ اذان قبر کو جس کا ثبوت نہیں ہے کس طرح برداشت کر سکتے ہیں؟

اسی لئے فقہاء کرام رحمہم اللہ تحریر فرماتے ہیں، دن کے وقت نفل نماز ایک تحریمہ سے چار رکعت سے زیادہ پڑھنا منع اور مکروہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں، ہدایہ اولین میں کراہت کی دلیل بیان فرماتے ہیں ودلیل الکراھة انه علیه السلام لم یزد علی ذلک (ھدایہ ج اص ۱۲۷ باب النوافل)

صلوٰۃ کسوف میں خطبہ مسنون نہیں اور مسنون نہ ہونے کی دلیل یہ لکھی ہے کہ خطبہ آنحضور ﷺ سے منقول نہیں۔ولیس فی الکسوف خطبة لانه لم ینقل (ھدایہ اولین ج اص ۱۵۳ باب صلوٰۃ کسوف) اور تحریر فرماتے ہیں کہ نماز عید سے پہلے نفل نماز منع اور مکروہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے باوجود نماز کے حریص ہونے کے نہیں پڑھی۔

ولا یتنفل فی المصلی قبل صلوٰة العید لان النبی صلی الله علیه وسلم لم یفعل ذلک مع حرصه علی الصلوٰة (باب العیدین ہدایہ اولین ج اص ۱۵۳) اور لکھتے ہیں کہ نماز استسقاء کے لئے تین دن باہر نکلیں اس سے زیادہ نہیں کہ تین دن سے زیادہ نکلنا منقول نہیں۔ویخرجون ثلثة ایام لانه لم ینقل اکثر منها (درمختار مع الشامی ج اص ۷۹۲ باب الاستسقاء)

غور کیجئے! نفل نماز عبادت ہے شریعت میں نفل کے لئے بہت زیادہ سہولت اور آسانی ہے لیکن دن کے وقت ایک تحریمہ سے چار رکعت، اور رات کے وقت آٹھ رکعات سے زیادہ ایک تحریمہ سے پڑھنا مکروہ ہے کہ ثابت اور منقول نہیں اسی طرح اذان قبر بھی ممنوع اور مکروہ ہے کہ ثابت نہیں۔ خطبہ عبادت ہے اس میں خدا کی حمد اور حضور ﷺ پر صلوٰۃ وسلام ہوتا ہے مگر کسوف میں اس کی اجازت نہیں کہ منقول نہیں، اسی طرح اذان قبر منع اور مکروہ ہے کہ آنحضور ﷺ وصحابہ سے منقول نہیں۔ صبح صادق کے بعد کا وقت بے انتہا نورانی اور برکتی ہے مگر نفل نماز، تحیة الوضوء تحیة المسجد وغیرہ نوافل پڑھنے کی اجازت نہیں کہ آنحضور ﷺ سے ثابت نہیں۔ نماز عید سے پہلے مسجد یا عیدگاہ میں یا گھر میں اشراق اور دیگر نفل نماز پڑھنا ممنوع و مکروہ ہے کہ آنحضور ﷺ سے ثابت نہیں، اسی طرح اذان قبر بھی ممنوع اور مکروہ ہے کہ ثابت نہیں۔ استسقاء (بارش طلب کرنے) کے لئے میدان میں جا کر نماز پڑھنا ہے، اللہ رب العزت کی بارگاہ میں آہ و بکا، گریہ وزاری تضرع و عاجزی کے ساتھ دعا کرنا ہے پھر چاہے بارش ہو یا نہ ہو تین دن کے بعد یہ سلسلہ محض اس بناء پر جاری نہیں رکھا جاتا کہ اس سے زیادہ ثابت نہیں، اسی طرح اذان قبر بھی ثابت نہیں اس لئے ممنوع ومکروہ ہے۔

اتباع کامل اور سچی پیروی یہ ہے کہ جو فعل آنحضور ﷺ سے جس طرح ثابت ہوا سی طرح عمل میں لایا جائے اس میں اپنی طرف سے کمی بیشی نہ کی جائے مثلاً۔

(۱) عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ آتے جاتے بلند آواز سے تکبیر کہی جائے اور عید الفطر میں پست آواز سے کہ اسی طرح ثابت ہے۔(۱)

(۲) نماز کسوف (سورج گرہن کی نماز) باجماعت ادا کی جائے اور نماز خسوف (چاند گرہن کی نماز) انفرادی طور پر ادا کی جائے باجماعت منع اور مکروہ ہے کہ ثابت نہیں۔(۲)

(۳) صلوٰۃ استسقاء میں خطبہ ہے اور نماز کسوف میں نہیں کہ آنحضور ﷺ سے ثابت نہیں۔(۳)

(۴) رمضان المبارک میں وتر کی نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے جب کہ دوسرے ایام میں باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے اور ممنوع ہے کہ ثابت نہیں۔(۴)

(۵) جمعہ کی نماز کے لئے دو اذان (ایک منارہ پر، دوسری منبر کے سامنے) دی جاتی ہیں اور نماز سے پہلے اقامت کہی جاتی ہے مگر دونوں عیدوں میں نہ منارہ کی اذان ہے اور نہ خطبہ کی اذان ہے نہ نماز کے لئے اقامت ہے، اور سبب صرف یہی ہے کہ حضور ﷺ سے ثابت نہیں۔(۵)

(۶) نماز اشراق ہمیشہ پڑھی جاتی ہے اس پر مقبول حج وعمرہ کا ثواب ملتا ہے مگر عید کے دنوں میں منع ہے کہ ثابت نہیں۔(۶)

---

(۱) ویکبر فی الطریق فی الاضحی جهرا و یقطعه اذا انتهی الی المصلی وهو الماخوذبه وفی الفطر المختار من مذهبه انه لا یجهر وهو الماخوذ به کذا فی الغیاثیة فتاوی عالمگیری باب العیدین ج ۱ ص ۱۵۰.

(۲) واجمعوا انها تؤدی بجماعة یصلون رکعتین فی خسوف القمر وحدانا هکذا فی محیط السرخسی . الباب الثامن عشر فی صلاة الکسوف فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۳.

(۳) ولیس فی هذه الصلاة خطبة و هذا مذهبنا کذافی المحیط ، صلاة الکسوف ونخطب خطبتین بعد الصلاة ویستقبل الناس الخ الباب التاسع عشر فی الاستسقاء فتاوی عالمگیری ص ۱۵۳.

(۴) ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان ای یکره ذلک . محبث صلاة تراویح . درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۴۳

(۵) واختلفوا فی المراد بالأذان الاول فقیل الاول باعتبار المشروعیة وهو الذی بین یدی المنبر لأنه الذی کان اولا فی زمنه علیه الصلاة والسلام وزمن ابی بکر وعمر حتی احدث عثمان الاذان الثانی والاصح انه الاول باعتبار الوقت وهو الذی یکون علی المنارة بعد الزوال . (شامی ج ۲ ص ۱۲۱)

(۶) ولا یکبر فی طریقها ولا یتنفل قبلها مطلقا درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۱۶۹ باب العیدین .

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو امور غیر مسنونہ سے اجتناب کا بڑا اہتمام تھا اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں

(۱) حضرت عمارۃ بن رویبہؓ نے بشر بن مروان کو خطبہ میں ہاتھ اٹھاتا ہوا دیکھ کر فرمایا قبح اللہ هاتين اليديتين القصيرتين لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وما يزيد على هذا واشار هشيم بالسبابة یعنی اللہ ان چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو خراب کرے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے نہیں دیکھا۔ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۶۸ باب ماجاء فی کراهية رفع الايدی علی المنبر)

دیکھئے! خطبہ میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں اس لئے صحابی نے اس پر کتنی سخت نکیر کی اور بددعا کی اسی طرح قبر پر اذان دینے والا بھی بددعا کا مستحق ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کے فرزند ارجمند نے نماز میں سورۂ فاتحہ شروع کرتے ہوئے جہراً بسم اللہ پڑھی تو حضرت عبداللہؓ نے فوراً تنبیہ فرمائی بیٹا یہ بدعت ہے، بدعت سے الگ رہو عن عبدالله بن مغفل قال سمعنی ابی وانا فی الصلوٰة اقول بسم الله الرحمن الرحيم فقال لی ای بنی محدث اياک والحدث (ترمذی شریف ج ۱ ص ۳۳ باب ماجاء فی ترک الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم)

غور کیجئے! بسم اللہ آہستہ پڑھنے کے بجائے زور سے پڑھنے کو صحابی ناپسند کرتے ہیں اور اس پر بدعت ہونے کا حکم لگاتے ہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ آنحضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمان غنیؓ میں سے کسی کو بسم اللہ زور سے پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ اسی طرح قبر پر اذان دینا حضور ﷺ کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ثابت نہیں، اس لئے اس کے بدعت ہونے میں شبہ نہیں۔ فمن ادعى فلعليه البيان یعنی جو شخص ثابت شدہ تسلیم کرنے اس کے ذمہ صحیح دلیل پیش کرنا ہے۔

(۳) حضرت ابو مالک الاشجعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد" طارقؓ" سے پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ، صدیق اکبرؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے کیا وہ حضرات فجر کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے؟ آپ نے فرمایا: بیٹا! بدعت ہے عن مالک الا شجعی قال قلت لا بی يا ابت انک قد صليت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم وابی بکر و عمرو عثمان وعلی ابن ابی طالب عنها بالكوفة نحوا من خمس سنين اكانو ايقنتون قال ای بنی محدث (باب فی ترک القنوت ترمذی شریف ج ۱ ص ۵۳ باب فی ترک القنوت) (نسائی شریف ج ۱ ص ۱۳۲ ترک القنوت)

(۴) امام نافعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کے سامنے ایک شخص کو چھینک آئی اس نے کہا" الحمد لله والسلام على رسول الله " یہ زائد کلمہ "والسلام على رسول الله " اپنے مفہوم کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے مگر اس موقعہ پر چونکہ حضور ﷺ نے کہنے کی تعلیم نہیں دی اس لئے اس اضافہ کو ناپسند کرتے ہوئے حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے اس طرح تعلیم نہیں فرمائی اس موقعہ پر آپ کی تعلیم یہ ہے کہ اس طرح کہیں الحمد لله على كل حال۔ عن نافع ان رجلاً عطس الى جنب ابن عمرؓ فقال الحمد لله والسلام على رسول الله

قال ابن عمرؓ وانا اقول الحمد لله والسلام علیٰ رسول الله ولیس هکذا علمنا رسول الله صلی الله علیه وسلم علمنا ان نقول الحمد لله علی کل حال رواه الترمذی (ج ۲ ص ۹۸ باب ما یقول العاطس اذا عطس) (مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۶ باب العطاس والتثاؤب)

دیکھئے! چھینک کے وقت الحمدللہ کے ساتھ والسلام علی رسول اللہ کہنے کا ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے اسے صحابی نے ناپسند فرمایا، اسی طرح اذان قبر ثابت نہ ہونے کی وجہ سے مکروہ اور ناپسندیدہ ہے اور قابل ترک ہے۔

افسوس! جہاں مچھر کے جانے کی گنجائش نہیں وہاں اہل بدعت ہاتھی گھسانا چاہتے ہیں۔

(۵) چاشت کی نماز حدیث سے ثابت ہے (مگر گھر میں یا مسجد میں تنہا تنہا) اس کے برخلاف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جب دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر اور مظاہرہ کر کے پڑھتے ہیں تو آپ نے اسے ناپسند فرمایا اور بدعت قرار دیا۔ عن مجاهد قال دخلت انا وعروة بن الزبیر المسجد فاذا عبدالله بن عمر جالس الی حجرة عائشة واذا اناس یصلون فی المسجد صلوٰة الضحی قال فسئالناه عن صلوتهم فقال بدعة (بخاری شریف ج ۱ ص ۲۳۸)۔ نووی شرح مسلم میں ہے واما ما صح عن ابن عمر رضی الله عنه انه قال فی الضحی هی بدعة فمحمول علی ان صلوتها فی المسجد و التظاهر بها کما کانوا یفعلونه بدعة. (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۴۹ باب استحباب صلوٰة الضحیٰ اقلها رکعتان الخ.)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بھی اس صورت کو ناپسند کیا اور فرمایا ان کان ولا بد ففی بیو تکم اگر تمہیں چاشت کی نماز پڑھنا ہی ہے تو اپنے گھروں میں پڑھو۔

(۶) نماز صبح میں لوگ جمع ہو کر خاص طریقہ سے سومرتبہ اللہ اکبر، سومرتبہ لا الٰہ الا اللہ سومرتبہ سبحان اللہ پڑھتے تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو اس کی خبر دی تو ابن مسعودؓ وہاں تشریف لے گئے اور ان لوگوں سے پوچھا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا اے ابوعبدالرحمٰن! ہم ان سنگریزوں سے تکبیر اور تہلیل اور تسبیح شمار کرتے ہیں آپ نے فرمایا بجائے اس کے تم اپنے اپنے گناہ شمار کرو پھر فرمایا ویحکم یا امة محمد صلی الله علیه وسلم ما اسرع هلکتکم هؤلاء صحابة نبیکم صلی الله علیه وسلم متوافرون وهذا ثیابه لم تبل وانیته لم تکسر والذی نفسی بیده انکم لعلی ملة هی اهدیٰ من ملة محمد صلی الله علیه وسلم او مفتتح باب ضلالة. اے امت محمد ﷺ! تم پر افسوس تمہاری ہلاکت کس قدر جلد آ گئی ابھی یہ اصحاب نبی ﷺ تمہارے درمیان بکثرت موجود ہیں اور تمہارے نبی ﷺ کے کپڑے بوسیدہ نہیں ہوئے اور ان کے برتن نہیں ٹوٹے (اور تم ابھی سے بدعتوں میں مشغول ہو گئے) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یا تو تم ایک ایسے دین پر ہو جو حضرت محمد ﷺ کے دین سے (نعوذ باللہ) زیادہ راست اور صحیح ہے یا تو تم گمراہی کے دروازے پر پہنچ گئے جو عنقریب کھلنے والا ہے۔ ان لوگوں نے جواب دیا والله یا ابا عبدالرحمن ما اردنا الا الخیر اے ابوعبدالرحمٰن! قسم خدا کی ہم اس عمل سے نیکی ہی کا ارادہ رکھتے ہیں، حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا وکم من مرید للخیر لن یصیبه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم حدثنا ان قوماً یقرئون القرآن لا یجاوز تراقیهم وایم الله ما ادری لعل اکثرهم منکم ثم تولیٰ عنهم بہت سے نیکی کا ارادہ کرنے والے ایسے ہیں کہ انہیں نیکی حاصل نہیں ہوتی کیونکہ رسول خدا ﷺ نے

ہم سے فرمایا ہے کہ بہت سے لوگ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے گلے سے تجاوز نہ کرے گا، قسم خدا کی! مجھے کچھ معلوم نہیں! ہوسکتا ہے کہ ان کے بیشتر لوگ تم ہی میں سے ہوں! یہ کہہ کر ابن مسعودؓ تشریف لے گئے۔ عمرو بن سلمہ کہتے ہیں (اس بدعت کے ایجاد کرنے کی بناپر ان لوگوں کا انجام) ہم نے یہ دیکھا کہ جنگ نہروان میں خوارج کے ساتھ مل کر یہ لوگ ہم پر برچھے مارتے تھے۔

(ازالۃ الخفاء ص ۲۷۹، ص ۲۸۰ جلد اول، مقصد اول فصل پنجم ملخصاً)

(۷) مجالس الابرار میں ہے:۔ ایک جماعت بعد مغرب بیٹھا کرتی تھی اور ان میں ایک شخص کہتا کہ اتنی بار اللہ اکبر کہو اور اتنی بار سبحان اللہ کہو اور اتنی بار الحمد للہ کہو اور لوگ کہتے جاتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اس کی خبر دی گئی آپ ان لوگوں کے پاس گئے وہ جو کچھ کہتے تھے، جب آپ نے سن لیا تو آپ کھڑے ہوگئے اور فرمایا **انا عبدالله ابن مسعود فو الله الذی لا اله غیره لقد جئتم ببدعة ظلماء او لقد فقتم علی اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم علماً یعنی ان ما جئتم به اما ان یکون بدعة ظلماء او انکم تدارکتم علی الصحابة ما فاتهم لعدم تنبههم له او لتکاسلهم عنه فغلبتمو هم من حیث العلم بطریق العبادة والثانی منتف فتعین الا ول وهو کونه بدعة ظلماء** یعنی۔ میں عبداللہ بن مسعودؓ ہوں، قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے بے شک یا تو تم نہایت تاریک بدعت میں مبتلا ہوگئے یا حضرت محمد ﷺ کے اصحاب سے علم میں بڑھ گئے، دوسری چیز (یعنی علم میں بڑھ جانا) ناممکن ہے اس لئے پہلی چیز یعنی اس کا بدعت ظلماء ہونا متعین ہے۔

(مجالس الابرار ص ۱۲۵ مجلس نمبر ۱۸ فی احکام البدعۃ)

غور کیجئے! تسبیحات پڑھنے میں کس کو اعتراض ہوسکتا ہے مگر پڑھنے کا طریقہ اور اس کا التزام موافق ہونے کی وجہ سے جلیل القدر صحابی نے اس کے بدعت ہونے کا فتویٰ دیا۔

(۸) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو دعا میں سینہ سے اوپر تک ہاتھ اٹھاتا ہوا دیکھ کر اس کے بدعت ہونے کا فتویٰ دیا۔ دلیل میں فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کو دعا کے وقت (سوائے کسی خاص موقعہ کے) سینہ کے اوپر تک ہاتھ اٹھاتے نہیں دیکھا **عن ابن عمر رضی الله عنه انه یقول ان رفعکم ایدیکم بدعة مازاد رسول الله صلی الله علیه وسلم علی هذا یعنی الی الصدر. رواه احمد.**

(کتاب الدعوات الفصل الثالث مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۶)

بجز استسقاء کے کسی دوسرے موقعہ پر آنحضور ﷺ دعا میں سینہ سے اوپر ہاتھ نہ اٹھاتے تھے اس بنا پر بدعت کا فتویٰ دیا اسی طرح آنحضرت ﷺ نے قبر پر نہ اذان دی نہ دلوائی لہذا یہ بھی بدعت ہے۔

(۹) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو سلام پھیرنے سے پہلے دعا میں ہاتھ اٹھاتا ہوا دیکھا تو آپ نے فرمایا آنحضرت ﷺ جب تک نماز سے فارغ نہ ہولیتے دعا میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

(۱۰) امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عید کے دن عید گاہ میں نماز عید سے پہلے ایک شخص کو نفل نماز پڑھنے سے روک دیا اور اس نے کہا اے امیر المومنین مجھے امید ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے پر عذاب نہ دے گا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا مجھے بھی یقین ہے کہ آنحضور ﷺ نے جو کام نہیں کیا یا کرنے کی ترغیب نہیں دی ہے تو وہ کام عبث

ہوگا اور عبث کام بے کار و بے فائدہ ہے ۔ پس ڈر ہے کہ حضور ﷺ کے طریقہ سے مخالف ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عذاب دے۔ وقال صاحب مجمع البحرین فی شرحہ ان رجلاً یوم العید فی الجبانة اراد ان یصلی قبل صلوة العید فنهاه علی قال الرجل یا امیر المؤمنین انی اعلم ان الله لا یعذب علی الصلوٰة فقال علی انی اعلم ان الله تعالیٰ لا یثیب علی فعل حتی یفعله رسول الله صلی الله علیه وسلم او یحث علیه فی کون صلوتک عبثا والعبث حرام " فلعله تعالیٰ یعذبک بمخا لفتک لنبیه (صلی الله علیه وسلم)(مجالس الابرار ص ۱۲۹ مجلس نمبر ۱۸)

(۱۱) ایک شخص عصر کی نماز کے بعد دو رکعت پڑھتا تھا اس کو اس سے روکا گیا تو اس نے حضرت سعید بن المسیب سے دریافت کیا یا ابا محمد ایعذ بنی الله علی الصلوة اے ابومحمد! کیا خدا پاک مجھے نماز پڑھنے پر سزا دیں گے؟ آپ نے فرمایا لکن یعذبک لخلاف السنة (عبادت موجب سزا و عتاب نہیں) لیکن خدا تعالیٰ سنت کی مخالفت پر تجھ کو سزا دیں گے (مسند دارمی)

سوچئے! نماز عبادت ہے حضور ﷺ کے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، خدا کے قرب کا ذریعہ ہے مگر عید کی نماز سے پہلے اور عصر کی نماز کے بعد پڑھنا چونکہ خلاف سنت ہے اس لئے موجب عقاب ہے۔ ہٰذا اذان قبر بھی چونکہ خلاف سنت ہے اس لئے یہ بھی موجب عقاب ہے۔

(۱۲) حضرت ابن عباسؓ اور حضرت امیر معاویہؓ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے، حضرت امیر معاویہؓ نے خانہ کعبہ کے تمام کونوں کو بوسہ دیا، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ سوائے حجر اسود کے بوسہ دینے اور رکن یمانی کو چھونے کے کسی اور گوشہ کو بوسہ نہیں دیا کرتے تھے، حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا اس مقدس گھر کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جسے چھوڑ دی جائے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة (تمہارے لئے رسول مقبول ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے) بے شک خانہ کعبہ کی ہر چیز باعظمت اور ہر ذرہ متبرک ہے مگر ہمیں وہ عمل کرنا ہے جو آنحضور ﷺ سے ثابت ہے، حضرت معاویہؓ نے فرمایا آپ کا ارشاد صحیح ہے۔ (مسند امام احمدؒ)

(۱۳) حضرت ابو سعید خدریؓ نے خلیفہ مروان بن حکم کو نماز عید سے پہلے خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا تو منع فرمایا، اور فرمایا کہ یہ خلاف سنت ہے۔ (اقامۃ الحجہ ص ۵)

(۱۴) حضرت کعب بن عجرہؓ نے عبدالرحمٰن ابن ام حکم کو خلاف سنت خطبہ بیٹھ کر پڑھتے ہوئے دیکھا تو غضب ناک ہو کر فرمایا، دیکھو! یہ خبیث بیٹھ کر خطبہ پڑھتا ہے عن ابی عبیدة عن کعب بن عجرة قال دخل المسجد وعبدالرحمن بن ام حکم یخطب قاعداً فقال انظروا الی هذا الخبیث یخطب قاعداً (مسلم شریف ص ۲۸۴ کتاب الجمعۃ)

دیکھئے! مذکورہ دو امور چونکہ حضور ﷺ سے ثابت نہیں تھے اس لئے صحابی رسول سے برداشت نہ ہو سکا اور حاکم وقت پر بلا جھجک نکیر فرمائی تو اذان قبر جو بالکل ثابت نہیں کس طرح برداشت کی جا سکتی ہے۔ خدارا سنت کی قدر پہچانیے، اور بدعت کی تاریکی سے بچئے۔

(۱۵) مکہ معظمہ میں مؤذن نے صبح کی اذان کے بعد تثویب کی مثلاً لوگوں کو بلانے کے بلند آواز سے پکارا۔ ''الصلوٰۃ جامعۃ (جماعت تیار ہے) تو حضرت عمر فاروقؓ نے نہایت سختی کے ساتھ فرمایا۔ ''الیس فی اذانک ما یکفینا'' (کیا تو نے اپنی اذان میں جو حی علی الصلوٰۃ کہا وہ ہیں کافی نہ تھا؟ (کفایہ ج اص۲۱۵ باب الاذان)

(۱۶) حضرت علیؓ نے مؤذن کو عشاء کی اذان کے بعد تثویب کرتے ہوئے دیکھا تو خفا ہو کر فرمایا اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔ ان علیاً رأی مؤذناً یثوب للعشاء فقال اخرجوا ھذا المبتدع من المسجد. (بحر الرائق ج اص ۲۶۱) (اقامۃ الحجۃ ص ۷)

(۱۷) حضرت ابن عمرؓ نے اذان ظہر کے بعد مؤذن کو تثویب کرتے ہوئے دیکھا تو بے حد غضب ناک ہوئے اور اپنے ساتھی حضرت مجاہدؒ سے فرمایا کہ اس بدعتی کے پاس سے ہمیں لے چلو (چونکہ اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے) پھر مسجد چھوڑ کے چلے گئے اور وہاں نماز نہ پڑھی و روی عن مجاھد قال دخلت مع عبداللہ بن عمر مسجدا وقد اذن فیہ ونحن نرید ان نصلی فیہ فثوّب المؤذن فخرج عبداللہ بن عمرو قال اخرج بنا من عند ھذا المبتدع ولم یصلی فیہ۔

(باب فی التثویب ابوداؤد ج اص ۸۶ ترمذی باب ماجاء فی التثویب فی الفجر ج اص ۲۸ الاعتصام ج اص ۳۳۴)

غور فرمایئے! جو حضرات اذان کے بعد ایک لفظ پکارنا گوارا نہ کر سکتے تھے کیا وہ اذان قبر برداشت کر سکتے ہیں؟

(۱۸) حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کو کسی نے ختنہ میں دعوت دی آپ نے قبول نہ کی اور فرمایا کہ آنحضور ﷺ کے مبارک دور میں ہم لوگ ختنہ کی تقریب میں نہیں جاتے تھے اور نہ اس کی دعوت دی جاتی تھی۔ (مسند امام احمد ج ۴ ص ۲۱۷)

حاصل کلام! حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو بدعت اور خلاف سنت کاموں سے اتنی بیزاری تھی کہ امت کا کوئی طبقہ یا کوئی فرد اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتا، جماعت صحابہ کے ایک فرد حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کی شہادت ہے لم ار احداً من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ابغض الیہ الحدث فی الا سلام یعنی منہ. میں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کسی کو ایسا نہیں دیکھا کہ وہ بدعت سے زیادہ اور کسی چیز سے بغض رکھتا ہو (ترمذی شریف ج اص ۳۳ باب ماجاء فی ترک الجہر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم)

اسی مضمون کو شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے اشعار میں بیان فرمایا ہے۔

بہ زہد و ورع کوش و صدق و صفا
و لیکن میفزائے بر مصطفےٰ

یعنی: پرہیزگاری و پارسائی و سچائی اور صفائی میں کوشش کر لیکن آنحضرت ﷺ سے آگے نہ بڑھ۔ مطلب یہ ہے کہ جیسا اور جتنا کیا ہے اسی طرح کر اپنی طرف سے زیادتی نہ کر۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

جو شخص پیغمبر ﷺ سے الٹی راہ اختیار کرے گا وہ بھی منزل مقصود پر نہ پہنچ سکے گا۔

مپندار سعدی کہ راہ صفا
تواں یافت جز بر پئے مصطفٰے

سعدی! ایسا گمان ہرگز نہ کر کہ آنحضرت ﷺ کی پیروی اور آپ کے نقش قدم پر چلے بغیر صراط مستقیم اور صفائی کا راستہ پاسکو گے۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو می روی بترکستان است

اے اعرابی مجھے ڈر ہے کہ تو کعبۃ اللہ تک نہ پہنچ سکے گا کہ تو نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ ترکستان کا ہے۔

بدعت کی نحوست

جس قوم میں بدعت ایجاد ہوتی ہے اس کی نحوست کی وجہ سے وہ قوم سنت کی برکت سے محروم ہو جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث قوم بدعۃً الا رفع مثلھا من السنۃ فتمسک بسنۃ خیر من احداث بدعۃ رواہ احمد (مشکوٰۃ شریف ص ۳۱) یعنی: جس قوم نے بھی کوئی بدعت ایجاد کی تو (اس کی نحوست سے) اس جیسی سنت اٹھالی جاتی ہے لہذا سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنا بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

حضرت حسان بن عطیہؒ کہتے ہیں کہ وہ سنت تا قیامت ان کو دوبارہ نہیں دی جاتی یعنی وہ قوم اس سنت کی برکت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتی ہے عن حسان قال ما ابتدع قوم بدعۃ فی دینھم الا نزل اللہ من سنتھم مثلھا ثم لا یعیدھا (اللہ تلک الحسنۃ) الیھم الی یوم القیامۃ رواہ الدارمی ایضا (مشکوٰۃ شریف ص ۳۱) (دارمی ج ا ص ۴۵)

احیاء العلوم میں ہے ان للہ ملکا ینادی کل یوم من خالف سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم تنلہ شفاعتہ' ومثال الجانی علی الدین با بداع ما یخالف السنۃ بالنسبۃ الی من یذنب ذنبا مثال من عصی الملک فی قلب دولتہ بالنسبۃ الی من خالف أمرہ فی خدمۃ معینۃ ۔۔ک قد یغفر لہ فاما قلب الدولۃ فلا۔

یعنی۔ خدا تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے ہر روز پکارتا ہے کہ جو کوئی سنت کے خلاف کرے گا تو اس کو آنحضور ﷺ کی شفاعت حاصل نہ ہوگی، اور جو شخص دین میں سنت کے خلاف بدعت ایجاد کر کے خطاوار ہوتا ہے اس کی نسبت دوسرے گنہگار سے ایسی ہے جیسے کسی بادشاہ کی سلطنت کا تختہ الٹنے والا۔ کہ اگر کوئی شخص بادشاہ کے کسی ایک حکم میں خلاف ورزی کرے تو بادشاہ کبھی یہ تقصیر معاف کر دیتا ہے مگر سلطنت کے درہم برہم کرنے والے کو معاف نہیں کرتا، یہی حال بدعت ایجاد کرنے والا کا ہے (کہ وہ باغی سنت ہے، سنت کا مٹانے والا ہے اور بدعت کو اس کی جگہ جاری کرنے والا ہے، جو خدا اور رسول کا دشمن ہے) (احیاء العلوم ص ۸۷ جلد اول)

آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:۔ اما بعد! فان خیر الحدیث کتاب الله وخیر الھدی ھدی محمد صلی الله علیه وسلم وشرا لامور محمد ثاتھا وکل بدعة ضلالة. رواه مسلم. یعنی بہترین فرمان خدا کی کتاب ہے اور بہترین سیرت اور نمونہ حضور ﷺ کی سیرت اور اسوۂ حسنہ ہے اور بدترین امور محدثات (بدعات) ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے (چاہے بظاہر اچھی نظر آتی ہو) (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷ الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

اور ارشاد فرمایا علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذوا یاکم ومحدثات الامور فان کل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة تم پر لازم اور ضروری ہے کہ میری سنت (یعنی میرے طریقہ) کو اور خلفاء راشدین کے طریقہ کو (جو منجانب اللہ ہدایت یافتہ ہیں) مضبوطی سے سنبھالے رکھو اس کو دانتوں اور کچلیوں سے مضبوط پکڑلو ہر نئی باتوں سے جو ایجاد کی جائیں پوری احتیاط برتو اور ان سے قطعاً الگ رہو کیونکہ ہر نو ایجاد چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

اور ارشاد فرمایا۔ من احدث او اویٰ محدثا فعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین لا یقبل منه صرف ولا عدل جس نے (دین میں) کوئی نئی بات ایجاد کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر خدا اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے نہ اس کی فرض عبادت مقبول ہے اور نہ نفلی عبادت۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۲۳۸ باب حرم المدینہ حرسہا اللہ تعالیٰ)

اور ارشاد فرمایا۔ من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی ھدم الاسلام جس نے بدعتی کی عزت کی اس نے اسلام (کی بنیاد) ڈھانے میں مدد کی (مشکوٰۃ شریف ص ۳۱ ایضاً)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے ابغض الامور الی الله البدعة خدا کے نزدیک مبغوض ترین چیز بدعت ہے۔ (بیہقی)

اور ارشاد فرمایا لا یقبل لصاحب بدعة صوماً ولا صلوٰة ولا صدقةً ولا حجاً ولا عمرةً ولا جھاداً ولا صرفاً ولا عدلاً یخرج من الاسلام کما تخرج الشعر من العجین. یعنی خدا تعالیٰ بدعتی کا نہ روزہ قبول کرتا ہے نہ نماز، نہ صدقہ، نہ حج، نہ عمرہ، نہ جہاد، نہ کوئی فرض عبادت نہ نفلی عبادت، بدعتی اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح گوندھے ہوئے آٹے سے بال۔ (ابن ماجہ ص ۶ باب اجتناب البدع والجدل)

جب کوئی قوم بدعت پر عمل کرنے کی عادی ہو جاتی ہے تو بتدریج بدعت اس قوم میں اس طرح رچ بس جاتی ہے کہ ان کے ہر عمل میں بدعت کی آمیزش ہوتی ہے، ایک حدیث میں حضور پاک ﷺ ارشاد فرماتے ہیں انه سیخرج فی امتی اقوام تتجاری بھم تلک الاھواء کما یتجاری الکلب بصاحبه لایبقی منه عرق ولا مفصل الا دخله عنقریب میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن میں خواہشات (بدعات) اس طرح سرایت کریں گی جس طرح باؤلے کتے کا زہر آدمی میں سرایت کر جاتا ہے اور رگ و ریشہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بلکتاب والسنۃ)

حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی پیشین گوئی نقل فرماتے ہیں۔

عن عکرمة عن ابن عباس رضی الله عنه قال لایأتی علی الناس زمان الا اماتوا فیه سنة واحیوا بدعة ۔ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ سنت کو مٹائیں گے اور بدعت کو زندہ کریں گے۔
(غنیۃ الطالبین ص ۱۵۸ الفصل الثانی فی بیان الفرق الضالۃ)

یہ وہی زمانہ ہے طرح طرح کی بدعتیں ایجاد کر لی گئی ہیں، مثلاً قبر پر اذان، قبر کا طواف قبروں پر سجدہ، بزرگوں کے مزارات پر صندل، عرس، قوال، پھولوں کی چادریں، ناریل کے چڑھاوے، ان کے نام کی نذر و نیاز، مزارات پر عورتوں کا بے پردہ آنا اور ان کا افعال ناکردنی کرنا، مزارات پر ڈھول، تاشہ بجانا، اسی طرح شادی و غمی کی سینکڑوں بدعات، اللہ مسلمانوں کو ان بدعات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آج اس بات کی ضرورت تھی کہ مسلمانوں کو ان بدعات سے روکا جاتا مگر اس کے بجائے ان اعمال کو اعمال اسلامیہ بتایا جاتا ہے رضا خانی فرقہ کی کتاب ''تجانب اہل السنۃ'' میں ہے نماز روزہ و میلاد گیارہویں شریف وسوم و چہلم و عرس وغیرہا اعمال اسلامیہ میں نہایت خاموشی کے ساتھ مشغول ہیں (تجانب ص ۹۱) دیکھا آپ نے رضا خانی فرقہ کے نزدیک اسلامی اعمال میں نماز روزہ کے بعد میلاد گیارہویں شریف، سوم، چہلم، عرس وغیرہ یعنی صندل، مزارات کے سجدے، طواف، قوالی ناریل کے چڑھاوے اعمال اسلامیہ میں شامل ہیں۔ سچ ہے۔

اذا کان الغراب دلیل قوم
سیدیهم طریق الهالکین

امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں: وترویج بدعت موجب تخریب دین است وتعظیم مبتدع باعث ہدم اسلام۔ الی قولہ۔ بدعت را در رنگ کلندی داند کہ ہدم بنیاد اسلام می نماید وسنت را در رنگ کوکب درخشاں می نماید کہ در شب جور ضلالت ہدایت می فرماید (مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۳۸ فارسی)

ترجمہ:۔ بدعت کا جاری کرنا دین کی بربادی کا موجب ہے اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو گرانے کا باعث ہے۔ الی قولہ۔ بندہ بدعت کو کلہاڑی کی طرح جانتا ہے جو بنیاد اسلام کو گرا رہی ہے اور سنت کو چمکنے والے ستارے کی طرح دیکھتا ہے جو گمراہی کی سیاہ رات میں ہدایت فرما رہا ہے (ترجمہ مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۶۳ مکتوب نمبر ۱)

نیز تحریر فرماتے ہیں: وعمل بدعت از دیاد آں ظلمت می نماید وتقلیل نور سنت می سازد، وعمل سنت باعث تقلیل آں ظلمت است وتکثیر آں نور فمن شاء فلیکثر ظلمة البدعة ومن شاء فلیکثر نور السنة ومن شاء فلیکثر حزب الشیطان ومن شاء فلیکثر حزب الله الا ان حزب الشیطان هم الخاسرون الا ان حزب الله هم المفلحون.

(مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۴۹ مکتوب نمبر ۲۳ فارسی)

ترجمہ:۔ بدعت پر عمل کرنا اس ظلمت کو اور بھی زیادہ کرتا ہے اور سنت کے نور کو کم کرتا ہے اور سنت پر عمل کرنا اس ظلمت کے کم ہونے اور اس نور کے زیادہ ہونے کا باعث ہے اب اختیار ہے کہ کوئی خواہ بدعتوں کی ظلمت کو زیادہ کرے یا سنت کے نور کو بڑھائے اور جو چاہے شیطان کے گروہ کو بڑھائے اور جو چاہے اللہ کے گروہ کو زیادہ کرے الا ان حزب الشیطان هم الخاسرون ۔ اور الا ان حزب الله هم المفلحون جان لو کہ شیطان کا گروہ خسارہ

میں ہے اور خدائی فوج کامیاب ہے۔ (مکتوبات امام ربانی ج۲ص ۶۴ مکتوب نمبر ۲۴)

اور ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں النصیحۃ ھی الدین ومتابعۃ سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام واتیان السنۃ السنیۃ والا جتناب عن البدعۃ اللامرضیۃ وان کانت البدعۃ تری مثل فلق الصبح لانہ فی الحقیقۃ لانور فیھا ولا ضیاء ولا للعلیل منھا شفاء ولا للداء منھا دواء کیف والبدعۃ اما رافعۃ للسنۃ اوساکتۃ عنھا والساکتۃ اما لا بد وان تکون زائدۃ علی السنۃ فتکون ناسخۃ لھا فی الحقیقۃ ایضاً لان الزیادۃ علی النص نسخ لہ فالبدعۃ کیف کانت تکون رافعۃ للسنۃ نقیضۃ لھا فلا خیر فیھا ولا حسن فیھا ۔

(مکتوبات امام ربانی ج ۲ص ۳۱ مکتوب نمبر ۱۹ فارسی)

ترجمہ:۔ سب سے اعلیٰ نصیحت یہی ہے کہ حضرت سید المرسلین ﷺ کا دین اور متابعت اختیار کریں، سنت سنیہ کو بجالائیں اور بدعت نامرضیہ سے پرہیز کریں اگرچہ بدعت صبح کی سفیدی کے مانند (بظاہر) روشن ہو لیکن درحقیقت اس میں کوئی روشنی اور نور نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کسی بیمار کی دوا اور بیمار کی شفاء ہے کیونکہ بدعت دو حال سے خالی نہیں، یا تو سنت کی رافع ہوگی، یا رافع سنت ہونے سے ساکت ہوگی، ساکت ہونے کی صورت میں سنت پر ضرور زائد ہوگی جو درحقیقت سنت کو منسوخ کرنے والی ہے کیونکہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہے، پس معلوم ہوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو سنت کی رافع اور اس کی نقیض ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کی خیر اور حسن نہیں ۔

(ترجمہ مکتوبات امام ربانی ج ۲ص ۵۲۔۵۳ مکتوب نمبر ۱۹)

اور ہدایت فرماتے ہیں: از حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ بتضرع وزاری والتجا وافتقار وذل وانکسار درسر وجہار مسالت می نماید کہ ہر چہ در دین محدث شدہ است ومبتدعہ گشتہ کہ در زمانہ خیر البشر وخلفائے راشدین او نبودہ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اگرچہ آں چیز در روشنی مثل فلق صبح بود ایں ضعیف را جمع کہ با و مستند اند گرفتار عمل محدث مگر داناد و مفتون حسن آن مبتدع مکند بحرمۃ سید المختار وآلہ الابرار علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات گفتہ اند کہ بدعت بر دو نوع است حسنہ وسیئہ، حسنہ آن عمل نیک را گویند کہ بعد از زمان آنحضور وخلفائے راشدین علیہ وعلیہم الصلوات اتمہا ومن التحیات اکملہا پیدا شدہ باشد و رفع سنت نہ نماید وسیئہ آن کہ رافع سنت باشد این فقیر در ہیچ بدعتے ازیں بدعتہا حسن ونورانیت مشاہدہ نمی کند وجز ظلمت وکدورت احساس نمی نماید اگر فرضاً عمل مبتدع را امروز بواسطۂ ضعف بصارت بطراوت ونضارت بیند فردا کہ حدید البصر کردن دانند کہ جز خسارت وندامت نتیجہ نداشت (مکتوبات امام ربانی ج ۱ص ۱۸۶ مکتوب نمبر ۱۸۶)

ترجمہ:۔ عاجزی اور زاری اور التجا اور محتاجی اور ذلت وخواری کے ساتھ ظاہر اور پوشیدہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کرتا ہے اور جو کچھ اس دین میں محدث اور مبتدع پیدا ہوا ہے جو خیر البشر اور خلفائے راشدین علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے زمانہ میں نہ تھا اگرچہ وہ روشنی میں صبح کی سفیدی کے مانند ہو اس ضعیف کو ان لوگوں کے ساتھ جو اس بدعت سے منسوب ہیں اس محدث کے عمل میں گرفتار نہ کرے اور اس مبتدع کے حسن پر فریفتہ نہ کرے بحرمۃ سید المختار وآلہ الابرار علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام ۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ بدعت دو قسم پر ہی حسنہ وسیئہ،

حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کے بعد پیدا ہوا ہو، اور وہ سنت کو رفع نہ کرے اور سیئہ اس بدعت کو کہتے ہیں جو سنت کو رفع کرے، یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیت مشاہدہ نہیں کرتا اور ظلمت و کدورت کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتا اگر چہ آج اس مبتدع کے عمل کو ضعف بصارت کے باعث طراوٹ و تازگی میں دیکھیں لیکن کل جبکہ بصیرت تیز ہوگی تو دیکھ لیں گے کہ اس کا نتیجہ خسارت و ندامت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ (ترجمہ مکتوبات امام ربانی ص ۳۰۸۔۳۰۹ جلد اول مکتوب نمبر ۱۸۶)

خدارا سنت کی قدر پہچانو! حضور اقدس ﷺ کی نورانی سنتوں کو زندہ کرو، آنحضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں مَنْ تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهيد جس نے میری امت میں فساد کے وقت (یعنی غلبۂ بدعت کے وقت) میری ایک سنت اختیار کی تو اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰) نیز فرمایا ومن احب سنتي فقد احبني ومن احبني كان معي في الجنة جس نے میری سنت سے محبت کی (یعنی اس پر عمل کیا) تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جو مجھ سے محبت کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰) نیز ارشاد فرماتے ہیں من حفظ سنتي اكرمه الله باربع خصال المحبة في قلوب البررة، والهيبة في قلوب الفجرة والسعة في الرزق والثقة في الدين جس نے میری سنت کی حفاظت کی (یعنی دل و جان سے اس کو مضبوط پکڑا اور اس پر عمل کیا) تو خدا تعالیٰ چار باتوں سے اس کی تکریم کرے گا۔ (۱) نیک لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کردے گا (۲) فاجر اور بدکار لوگوں کے دلوں میں اس کی ہیبت ڈال دے گا (۳) رزق فراخ کردے گا (۴) دین میں پختگی نصیب فرمائے گا (شرح شرعۃ الاسلام لسید علی زادہ ص ۸)

امام مالک رحمہ اللہ کا ارشاد ہے، ان السنة مثل سفينة نوح من ركبها نجى ومن تخلف عنها غرق. سنت کی مثال نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کشتی کے مانند ہے جو اس میں سوار ہوگیا (گمراہی سے) بچ گیا اور جو اس پر سوار نہ ہوا (یعنی سنت کو چھوڑ دیا) تو وہ غرق ہوگیا (یعنی گمراہی کے گڑھے میں گر گیا)

خدا تعالیٰ کا اعلان ہے۔ قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ويغفر لكم ذنوبكم (محمد ﷺ) آپ فرما دیجئے! اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو اس کی عملی صورت یہ ہے کہ میری اتباع کرو، اور میرے نقش قدم پر چلو، تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا۔

آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی سنت اور آپ کے مبارک طریقہ پر چلنے سے انسان اللہ کا محبوب بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں، اس سے بڑھ کر کیا نعمت ہوگی؟ لہٰذا سعادت مندی اسی میں ہے کہ بدعت سے بالکلیہ اجتناب کیا جائے بلکہ جس فعل کے متعلق سنت یا بدعت ہونے میں تردد ہو تو ایسے فعل کو بھی چھوڑ دینا چاہئے۔ اصول فقہ کا قاعدہ ہے وما تردد بين البدعة والسنة يترك لان ترك البدعة لازم یعنی جس کام کے بدعت اور سنت ہونے میں تردد ہو تو اس کو چھوڑ دیا جائے اس لئے کہ بدعت کا چھوڑنا لازم اور ضروری ہے۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۵۵ باب سجود السہو)

مجالس الابرار میں ہے وقد صرح العلماء بان مالم يعلم صحته لا يصح اتباعه وان لم يعلم بطلانه فضلاً عما علم بطلانه. علماء اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جس چیز کی صحت یقینی طور پر معلوم نہ ہو جائے اس پر عمل کرنا

جائز نہیں اگر چہ اس کا باطل ہونا بھی معلوم نہ ہو چہ جائے کہ اس کا باطل ہونا معلوم ہو جائے (یعنی جب اس چیز کا باطل ہونا معلوم ہو جائے تو بطریقہ اولیٰ اس پر عمل کرنا جائز نہ ہوگا) (مجالس الابرار ص ۱۲۵ مجلس نمبر ۱۹)

بحرالرائق میں ہے ان الحکم اذا تردد بین سنة وبدعة کان ترک البدعة راجحاً علی فعل السنة ۔ جب کوئی حکم سنت اور بدعت ہونے میں متردد ہو تو بدعت کو چھوڑنا سنت پر عمل کرنے کی بنسبت بہتر اور راجح ہوگا۔ (بحرالرائق ج ۲ ص ۲۰ باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے وما تردد بین البدعة والسنة یترک جو چیز سنت اور بدعت ہونے میں متردد ہو تو اسے چھوڑ دیا جائے۔ (ج ۱ ص ۹ ۷ امصری)

شامی میں ہے اذا تردد الحکم بین سنة وبدعة کان ترک السنة راجحاً علیٰ فعل البدعة جب کوئی حکم سنت اور بدعت ہونے میں متردد ہو تو سنت کا چھوڑنا اس بدعت پر عمل کرنے سے راجح ہوگا۔

(شامی ج ۱ ص ۶۰۰)

بلکہ یہاں تک ہدایت ہے کہ اگر کوئی بات دل میں آئے جو اسے اچھی معلوم ہو تو فوراً اس پر عمل شروع نہ کر دینا چاہئے تا آنکہ اس کا موافق سنت ہونا معلوم نہ ہو جائے حضرت سلیمان دارانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں **لا ینبغی لمن الھم شیئاً من الخیران یعمل به حتی یسمع به فی الاثر فیحمد الله تعالیٰ اذا وافق مافی نفسه وانما قال ھذا لان ما قد ابدع من الآراء قد قرع الاسماع وعلق بالقلوب وربما یشوش صفاء القلب فیتخیل بسببه الباطل حقاً فیحتاط فیه بالاستظھار.** (احیاء العلوم ج ۱ ص ۸۶)

یعنی: جس شخص کے دل میں کوئی امر خیر الہام کیا جائے تو اس کو چاہئے کہ اس پر عمل نہ کرے جب تک کہ اس کا آثار کے موافق ہونا معلوم نہ ہو جائے۔ اگر آثار میں اس امر کا وجود پایا جاتا ہو تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ جو بات اس کے دل میں آئی وہ آثار کے مطابق ہوئی، اور یہ بات آپ نے (یعنی سلیمان دارانیؒ نے) اس لئے فرمائی کہ اب جو بہت سی نئی نئی راہیں پیدا ہو گئی ہیں ان کو سن کر آدمی کبھی دل میں جمالیتا ہے اور اس سے بعض اوقات دل کی صفائی میں فرق آ جاتا ہے اور اس کے سبب سے وہ امر باطل کو حق خیال کرنے لگتا ہے اس لئے احتیاط ضروری ہوا کہ جو امر دل میں پڑے اس کی تائید آثار سے کرے۔ (مذاق العارفین ص ۹۳ جلد اول)

اہل بدعت اذان قبر کے بارے میں کہتے ہیں کہ شیطان قبر میں داخل ہو کر مردہ کو بہکاتا ہے اور اذان سے شیطان بھاگتا ہے لہذا اذان دینا چاہئے تا کہ مردہ اس کی شرارت سے محفوظ رہ سکے۔

اس کے متعلق عرض ہے کہ اس دعویٰ کے ثبوت پر کوئی صحیح اور صریح حدیث اور حضور ﷺ وصحابہ کا عمل پیش کرنا چاہئے مگر اہل بدعت اس کے ثبوت پر کوئی صحیح اور صریح حدیث پیش نہیں کرتے، جب صحیح طریقہ سے اس کا ثبوت نہیں اور حضور ﷺ اور صحابہ کرام کا اس پر عمل نہیں تو اسے کس طرح مسنون سمجھا جا سکتا ہے! اور بلا دلیل نقلی اس پر عمل پیرا ہونا (بلکہ دوسروں کو اس پر مجبور کرنا اور نہ کرنے والوں پر لعن طعن کرنا) کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ اس سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ معاذ

اللہ، ثم معاذ اللہ خاکم بدہن۔حضور ﷺ کو اس کا علم نہیں تھا، اور اگر علم تھا تو آپ نے امت کو اذان کی ہدایت نہ فرما کر مردے کی خیر خواہی میں کوتاہی فرمائی (معاذ اللہ) اور اس کمی کو اب یہ اہل بدعت پوری کرر ہے ہیں۔

بریں　عقل　و　دانش　بباید　گریست

گر ہمیں　مکتب　و ہمیں　ملاں

کار　طفلاں　تمام　خواہد شد

اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جہاں شیطان شرارت کرے وہاں اذان دینا چاہئے۔حدیث میں ہے **ان الشیطان یجری منّ الا نسان مجری الدم** (متفق علیہ) شیطان انسان کے بدن میں داخل ہو کر خون کی طرح دوڑتا ہے (اور انسان کو گمراہ کرتا ہے) (مشکوٰۃ شریف ص ۱۸ باب فی الوسوسہ) اہل بدعت بتلائیں کیا اس وقت اذان دینا مسنون ہے؟

اسی طرح حدیث میں ہے کہ میاں بیوی جب صحبت کرتے ہیں تو شیطان شرارت کرتا ہے اور شامل ہونے کی کوشش کرتا ہے اسی لئے حضور ﷺ نے امت کو تعلیم دی کہ صحبت سے پہلے یہ دعا پڑھی جائے **بسم اللہ اللھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان مارزقتنا**. اے اللہ تو ہمیں شیطان سے دور رکھ اور جو اولاد تو عطا کرے اسے بھی شیطانی اثر سے محفوظ رکھ۔ اور بوقت انزال دل میں یہ دعا پڑھنے کی ہدایت فرمائی **اللھم لا تجعل للشیطان فیما رزقتنی نصیباً** اے اللہ جو کچھ تو ہمیں عطا فرمائے اس میں شیطان کا حصہ نہ رکھ۔ (حصن حصین ص ۱۲۰)

کیا اہل بدعت بوقت مصاحبت اذان دیتے ہیں؟ اگر نہیں دیتے تو کیا وجہ ہے؟ اسی طرح حدیث میں ہے کہ بیت الخلاء میں خبیث جنات مرد اور عورتیں رہتی ہیں جو انسان کی شرم گاہ سے کھیلتے ہیں اور شرارت کرتے ہیں اسی لئے حضور ﷺ نے امت کو ہدایت فرمائی کہ بیت الخلاء جانے سے پہلے یہ دعا پڑھیں **اللھم انی اعوذبک من الخبث والخبائث**.

کیا یہ بدعتی بیت الخلاء میں جاتے وقت شیطانی شرارت سے محفوظ رہنے کے لئے اذان دیتے ہیں؟ اگر نہیں دیتے تو کیا وجہ ہے؟؟؟ اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ ان مواقع میں اذان دینا ثابت نہیں اس لئے نہیں دیتے، اسی طرح قبر پر اذان دینا ثابت نہیں اس لئے قبر پر اذان نہیں دیتے اور نہ اسے مسنون سمجھتے ہیں۔

خدا تعالیٰ امت کو سنت رسول اللہ ﷺ اور تعامل صحابہ پر عمل کرنے اور بدعات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ واھل بیتہ اھل طاعتہ اجمعین

میت والے مکان پر عید کے روز کھانا بھیجنا کیسا ہے؟:

(سوال ۵۴) ہمارے یہاں جب کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو یہ رواج ہے کہ عید کے روز مختلف احباب کھانا لے کر حاضر ہوتے ہیں اس سے گویا صاحب خانہ کی تعزیت اور ہمدردی اور احسان کرنا مقصود ہوتا ہے تو یہ دستور کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عید کے روز میت والے کے مکان پر کھانا بھیجنے کا دستور غلط اور قابل ترک ہے، تعزیت تین دن تک ہے، اور ایک مرتبہ تعزیت کے بعد دوسری دفعہ تعزیت نہیں ہے اور میت کے گھر کھانا بھیجنا پہلے دن مسنون ہے اس کے بعد خصوصاً عید کے دن کھانا بھیجنے کی رسم کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ یہ اسلامی طریقہ نہیں ہے غیروں کا ہو سکتا ہے۔[1]
فقط واللہ اعلم بالصواب۔

چلہ کی اصلیت:

(سوال ۵۵) تبلیغ والے چلہ میں نکلنے پر بہت زور دیتے ہیں، کیا چلہ کی کوئی اصلیت ہے؟ کہ جس کی بنا پر لوگ چلہ لگانے کے لئے کہتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) چلہ یعنی چالیس دن لگاتار عمل کی بہت برکت اور تاثیر ہے چالیس دن تک عمل کرنے سے روح اور باطن پر اچھا اثر مرتب ہوتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوہ طور پر چالیس یوم کا اعتکاف فرمایا اس کے بعد آپ کو توراۃ ملی، صوفیائے کرام کے یہاں بھی چلہ کا اہتمام ہے لہٰذا یہ بالکل بے اصل نہیں ہے، ایک حدیث میں ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا من صلی للہ اربعین یوماً فی جماعۃ یدرک التکبیرۃ الاولی کتب لہ براء تان براءۃ من النار وبراءۃ من النفاق. جس شخص نے صرف خدا کی رضامندی کے لئے چالیس دن تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز پڑھی تو اس کے لئے دو پروانے لکھے جاتے ہیں ایک پروانہ جہنم سے نجات کا دوسرا نفاق سے بری ہونے کا (ترمذی شریف ج ۱ ص ۳۳) (مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۲ باب ما علی الماموم من المتابعۃ وحکم المسبوق۔) (الفصل الثانی) اس سے معلوم ہوا کہ چلہ کو حالات کے بدلنے میں خاص اثر ہے۔ دیکھئے! جب نطفہ رحم مادر میں قرار پکڑتا ہے تو پہلے چلہ میں وہ نطفہ علقہ (یعنی بندھا ہوا خون) بنتا ہے اور دوسرے چلہ میں وہ علقہ مضغہ (گوشت کی بوٹی) بنتا ہے، اور تیسرے چلہ میں اس مضغہ کے بعض اجزاء کو ہڈیاں بنا دیا جاتا ہے اور ان ہڈیوں پر گوشت چڑھتا ہے، پھر اس کے بعد (یعنی تین چلوں کے بعد جس کے چار ماہ ہوتے ہیں) اس میں جان پڑتی ہے (بیان القرآن)

حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں ایک شخص ایک عورت پر عاشق ہو گیا اور اس کی محبت میں دیوانہ ہو گیا، وہ عورت بڑی پاک دامن، عفیفہ اور سمجھدار تھی اس نے اس شخص کو کہلوایا کہ چالیس دن تک حضرت عمرؓ کے پیچھے تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز پڑھو اس کے بعد فیصلہ ہوگا، اس نے چالیس دن تک اسی طرح نماز پڑھی تو اس کی کایا پلٹ گئی اور اس کا عشق مجازی عشق حقیقی سے بدل گیا، ابھی تک وہ اس عورت کا عاشق تھا اب اللہ کا عاشق ہو گیا اور عشق بھی ایسا کہ اللہ کی محبت اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی، حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو فرمایا صدق اللہ ورسولہ ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر بے شک اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا یقیناً نماز بے حیائی اور برائی کی باتوں سے روکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ویستحب لجیران اھل المیت والاقرباء الاباعد تھیئۃ طعام لھم یشبعھم یومھم ولیلتھم لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اصنعوا لآل جعفر طعاما فقد جاء ھم ما یشغلھم، شامی جنائز مطلب فی الثواب علی المصیبۃ ج ۲ ص ۲۴۰.

شب برأت کی چھ رکعتیں:

(سوال ۵۲) ہماری مسجد میں لوگ شب برأت کو مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعتیں بڑے اہتمام سے پڑھتے ہیں، پہلی دو رکعت درازی عمر کی نیت سے دوسری دو رکعت دفع بلا، کی نیت سے اور اخیر کی دو رکعت کسی کا محتاج نہ ہونے کی نیت سے، ہر دوگانہ کے بعد سورۂ یٰسین بھی پڑھتے ہیں اور اس کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے تو کیا یہ چھ رکعتیں مسنون ہیں؟ ہم پڑھیں یا نہ پڑھیں؟ بینوا توجروا۔ (از سورت)

(الجواب) پندرہویں شعبان کو بعد مغرب جو چھ رکعات جس مقصد اور جس نیت سے پڑھی جاتی ہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے لہذا اس کو مسنون سمجھنا غلط ہے۔ اس رات میں نفل نمازیں جتنی بھی چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔ اور درازی عمر، وسعت رزق اور بلاؤں سے حفاظت وغیرہ کی دعا کر سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ایک غیر مقلد نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ مذاہب اربعہ کو بدعت کہتے ہیں کیا یہ بات صحیح ہے یا ان پر الزام ہے؟:

(سوال ۵۳) ایک رسالہ "مذہبی فرقہ پرستی اور اسلام" ترجمہ و تلخیص مختار احمد ندوی نظر سے گذرا، اس رسالہ میں ائمہ اربعہ کی تقلید پر نکتہ چینی کی گئی ہے اور ص ۳۹ پر ایک عنوان ہے۔ "شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کہ یہ مذاہب بدعت ہیں" اور اس کے بعد "الانصاف" کے حوالہ سے لکھا ہے۔

"شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "الانصاف" میں لکھا ہے کہ "لوگ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں کسی ایک مذہب کی تقلید سے واقف نہ تھے اور نہ ہی اس وقت تک مسلمانوں میں کسی خاص مذہب کا رواج تھا، سلف صالح مذہب کے تصور سے واقف نہ تھے، اس وقت سب لوگ صرف شرع محمدی کی اتباع کرتے تھے اور تمام اعمال میں صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے قول و عمل کی اتباع کرتے تھے، اور تمام صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا اس بات پر اجماع تھا کہ لائق تقلید و اتباع صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک ہے، یہ سب لوگ اس بات سے منع کرتے تھے کہ کوئی مسلمان صرف کسی ایک شخص کے قول و فتویٰ پر عمل کرے۔"

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تقلید ائمہ کے منکر ہیں؟ اور مروجہ مذاہب اربعہ کی تقلید کو بدعت قرار دیتے ہیں؟ امید ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی کتابوں کے حوالوں سے جواب مرحمت فرما کر ہماری رہنمائی فرمائیں گے فقط والسلام۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) بسم اللہ الرحمن الرحیم . حامداً و مصلیا و مسلما.

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی طرف یہ انتساب بالکل غلط اور حضرت شاہ صاحب پر سخت بہتان ہے، ہم بعد میں حضرت شاہ صاحبؒ کے اقوال نقل کریں گے ان سے اس بات کی تردید ہوگی اور یہ ثابت ہوگا کہ حضرت شاہ صاحبؒ تقلید کے منکر نہیں تھے اور خود اپنے متعلق ارشاد فرمایا کہ مجھے حضور ﷺ نے مذہب اربعہ کے دائرہ میں رہنے کی وصیت فرمائی ہے اور مذہب حنفی سنت نبوی کے مطابق ہے، اس کی شہادت خود آنحضرت

ﷺ نے دی ہے۔ الانصاف کے باب چہارم میں چوتھی صدی سے پیشتر لوگوں کا حال بیان فرمایا ہے پورے باب کا بنظر غائر مطالعہ کر لیجئے، حضرت شاہ صاحبؒ کا منشأ ہرگز ہرگز تقلید کی مذمت اور اس کو بدعت قرار دینا نہیں ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے پہلی اور دوسری صدی کے لوگوں کی حالت بیان کرتے ہوئے ابو طالب مکیؒ کا مقولہ قوت القلوب سے نقل فرمایا ہے، آپ نے الانصاف کے حوالہ سے جو عبارت نقل کی ہے وہ ابو طالب مکیؒ کی عبارت کا ترجمہ ہے، علمی دیانت داری کا تقاضا یہ تھا کہ یہ عبارت ابو طالب مکیؒ کے حوالہ سے پیش کی جاتی، اس عبارت کا انتساب حضرت شاہ صاحب کی طرف علمی خیانت ہے، نیز اس عبارت کو تقلید کے خلاف قرار دینا بھی صحیح نہیں ہے، ترجمہ میں بھی خیانت کی گئی ہے، انصاف کی عبارت مع ترجمہ حسب ذیل ہے۔

واعلم ان الناس كا نوافي المائة الا ول والثانية غير مجتمعين على التقليد لمذهب واحد بعينه قال ابو طالب المكى فى قوت القلوب ان الكتب والمجموعات محدثة والقول بما قالات الناس والفتيا بمذهب الواحد من الناس واتخاذ قوله والحكاية له فى كل شئٍ والثقة على مذهبه لم يكن الناس قديماً على ذلك فى القرنين الا ول والثانى ، انتهىٰ (انصاف مع ترجمه كشاف ص ۵۷)

جاننا چاہئے کہ پہلی اور دوسری صدی میں لوگ ایک مذہب معین کی تقلید پر متفق نہ تھے چنانچہ ابو طالب مکیؒ نے قوت القلوب میں کہا ہے کہ کتابیں اور مجموعے سب نئی نکلی ہوئی ہیں اور لوگوں کے اقوال بیان کرنا اور ایک شخص کے مذہب پر فتویٰ دینا اور اس کے قول کو اختیار کرنا اور ہر چیز میں اس کی نقل کرنی اور اس کے مذہب پر اعتماد کرنا اول اور دوم دو قرنوں میں لوگوں کا دستور نہ تھا، تمام ہوا قول ابو طالب کا۔

اصل عربی عبارت کو سامنے رکھ کر ان کا پیش کیا ہوا ترجمہ ملاحظہ کیجئے، جو بات وہ کہنا اور ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اصل عربی عبارت اور اس کے صحیح ترجمہ سے ثابت ہوتی ہے؟ یہ دھوکہ دہی اور بہتان تراشی نہیں تو کیا ہے؟ "**غير مجتمعين لمذهب واحد بعينه**" کا جو ترجمہ انہوں نے کیا ہے۔ "کسی ایک مذہب کی تقلید سے واقف نہ تھے۔" یہ ترجمہ بھی قابل دید ہے، اس سے یا تو ان کی علمی صلاحیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے یا پھر دھوکہ دہی کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے! ابو طالب مکیؒ کی عبارت سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ "پہلی اور دوسری صدی میں تقلید شخصی کا عام رواج نہ تھا" مگر بتدریج اس کا رواج ہوتا گیا، چنانچہ اسی بات میں آگے چل کر حضرت شاہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے۔

وبعد المائتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين باعيا نهم وقل من كان لا يعتمد علىٰ مذهب مجتهد بعينه وكان هذا هو الواجب فى ذلك الزمان (انصاف مع ترجمه كشاف ص ۵۹)

اور بعد دو صدیوں کے لوگوں میں معین مجتہدوں کا مذہب اختیار کرنا ظاہر ہوا اور ایسے کم آدمی تھے کہ مجتہد معین کے مذہب پر اعتماد نہ رکھتے ہوں اور اس وقت میں پابندی مذہب معین کی واجب ہوگئی۔

یہ بحث کافی طویل ہے کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں نفس تقلید اور تقلید شخصی کا رواج تھا یا نہیں؟ نیز تقلید کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ قرآن و حدیث سے اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟ تقلید شخصی پر امت کا اجماع ہوا اس میں

کیا مصلحت ہے اور تقلید سے متعلق دیگر مباحث پر ہم نے تفصیل سے اپنے ایک رسالہ ''تقلید شرعی کی ضرورت'' میں کلام کیا ہے اس رسالہ کا ضرور مطالعہ کریں ان شاء اللہ دل کو تشفی حاصل ہوگی اور تقلید سے متعلق جو شکوک و شبہات پیش کئے جاتے ہیں وہ ختم ہو جائیں گے۔ اب ہم شاہ صاحب کے اقوال پیش کرتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

باب تاكيد الأخذ بمذاهب الاربعة والتشديد في تركها والخروج عنها . اعلم ان في الاخذ بهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظيمة وفي الاعراض عنها كلها مفسدة كبيرة (عقد الجيد مع سلك مرواريد ص ۳۱)

ترجمہ۔ باب سوم، ان چار مذہبوں کے اختیار کرنے کی تاکید اور ان کو چھوڑنے اور ان سے باہر نکلنے کی ممانعت شدید کے بیان میں اعلم...... جاننا چاہئے کہ ان چاروں مذہبوں کے اختیار کرنے میں ایک بڑی مصلحت ہے اور سب سے اعراض اور روگردانی میں بڑا مفسدہ ہے۔

اور اسی کتاب میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

وثانيا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتبعوا السواد الاعظم ولما اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة فاتباعها اتباعا للسواد الاعظم.(عقد الجيد مع سلك مرواريد ص ۳۳)

اور مذہب کی پابندی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ سواد اعظم یعنی بڑے معظم جتھے کی پیروی کرو اور چونکہ مذاہب حقہ سوائے ان چاروں مذہب کے باقی نہیں رہے تو ان کی پیروی کرنا بڑے گروہ کی پیروی کرنا ہے اور ان سے نکلنا بڑی معظم جماعت سے باہر نکلنا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے! حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ مذاہب اربعہ کے مقلدین کو سواد اعظم بتلا رہے ہیں لہذا جو لوگ ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کی تقلید نہیں کرتے وہ شتر بے مہار کی طرح ہیں اور درحقیقت وہ خواہشات نفسانی کی پیروی کرتے ہیں۔

نیز آپ امام بغوی کا قول بطور تائید نقل فرماتے ہیں۔

ويجب على من لم يجمع هذه الشرائط تقليده فيما يعن له من الحوادث. (عقد الجيد ص ۹)

اور اس شخص پر جو ان شرائط (یعنی اجتہاد کے شرائط) کا جامع نہیں اس پر کسی مجتہد کی تقلید کرنا واجب ہے ان حوادث (مسائل) میں جو اس کو پیش آویں)

اور فرماتے ہیں۔

وفي ذلك (اي التقليد) من المصالح مالا يخفى لا سيما في هذه الايام التي قصرت فيها الهمم جدا واشربت النفوس الهوى واعجب كل ذي راى برايه (حجة الله البالغة مترجم ۱ / ۲۶۱)

اور اس میں (یعنی مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرنے میں) بہت سے مصلحتیں ہیں جو مخفی نہیں

ہیں خاص کر اس زمانہ میں جب کہ ہمتیں بہت پست ہوگئی ہیں اور نفوس میں خواہشات نفسانی سرایت کر گئی ہیں اور ہر رائے والا اپنی رائے پر ناز کرنے لگا ہے۔

اور فرماتے ہیں۔

وبعد المائتين ظهرت فيهم التمذهب للمجتهدين باعيا نهم وقل من كان لا يعتمد على مذهب مجتهد بعينه و كان هذا هوا لواجب في ذلك الزمان.(انصاف مع ترجمه كشاف ص ۵۹)

اور دوسری صدی کے بعد لوگوں میں متعین مجتہد کی پیروی (یعنی تقلید شخصی) کا رواج ہوا اور بہت کم لوگ ایسے تھے جو کسی خاص مجتہد کے مذہب پر اعتماد نہ رکھتے ہوں (یعنی عموما تقلید شخصی کا رواج ہوگیا) اور یہی چیز اس وقت واجب تھی۔

اور فرماتے ہیں:

وهذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الا مة او من يعتد بها منها على جواز تقليدها الى يومنا هذا (حجة الله البالغة ۱ / ۳۶۱)

اور یہ مذاہب اربعہ جو مدون اور مرتب ہوگئے ہیں پوری امت نے یا امت کے معتمد حضرات نے ان مذاہب اربعہ (مشہورہ) کی تقلید کے جواز پر اجماع کرلیا ہے (اور یہ اجماع) آج تک باقی ہے (اس کی مخالفت جائز نہیں بلکہ موجب گمراہی ہے)

وبالجملة فالتمذهب للمجتهدين سرا الهمه الله تعالىٰ العلماء وجمعهم عليه من حيث يشعرون او لا يشعرون(انصاف عربى ص ۴۷.انصاف مع كشاف ص ۶۳)

الحاصل! ان مجتہدین (ائمہ اربعہ) کے مذہب کی پابندی (یعنی تقلید شخصی) ایک راز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علماء کے دلوں میں الہام کیا ہے اور ان کو اس پر متفق کیا ہے خواہ وہ تقلید کی مصلحت اور راز کو جانیں یا نہ جانیں۔

انسان جاهل فى بلاد الهند وبلاد ماوراء النهر وليس هناك عالم شافعي ولا مالكي ولا حنبلي ولا كتاب من كتاب هذه المذاهب وجب عليه ان يقلد لمذهب ابى حنيفة ويحرم عليه ان يخرج من مذهبه لانه حينئذ يخلع من عنقه ربقة الشريعة ويبقىٰ سدىٰ مهملاً.(انصاف عبرى ص ۵۳، انصاف مع كشاف ص ۷۰، ۷۱)

کوئی جاہل عامی انسان ہندوستان اور ماوراء النہر کے شہروں میں ہو (کہ جہاں عام طور پر مذہب حنفی پر عمل ہوتا ہے) اور وہاں کوئی شافعی مالکی اور حنبلی عالم نہ ہو اور نہ ان مذاہب کی کوئی کتاب ہو تو اس وقت اس پر واجب ہے کہ امام ابوحنیفہ ہی کے مذہب کی تقلید کرے اور اس پر حرام ہے کہ حنفی مذہب کو ترک کردے اس لئے کہ اس صورت میں شریعت کی رسی اپنے گردن سے نکال پھینکتا ہے اور مہمل و بیکار بن جاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنے دور کے بلند پایہ محدث، بے مثال فقیہ، جامع المعقول والمنقول اور مجتہد تھے، غیر مقلدوں کے پیشوا مولانا صدیق حسن خان صاحب شاہ صاحب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "اگر وجود او در صدر اول در زمانہ ماضی بود امام الائمہ و تاج المجتہدین شمردہ می شود" یعنی: اگر شاہ صاحب کا وجود صدر اول

(متقدمین کے زمانہ) میں ہوتا تو اماموں کے امام اور مجتہدین کے سردار شمار ہوتے، یہ ہے شاہ صاحبؒ کا علمی مقام اور محدثانہ شان۔ اس علوشان کے باوجود حضور اقدس ﷺ کی جانب سے آپ کو تقلید پر مامور کیا گیا اور دائرۂ تقلید سے خروج کی ممانعت کی گئی، چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ "فیوض الحرمین" میں تحریر فرماتے ہیں۔

واستفدت منه صلی الله علیه وسلم ثلثة امور خلاف ما کان عندی وما کانت طبعی تمیل الیه اشد میل فصارت هذه الا ستفادة من براهین الحق تعالیٰ علی الی قوله . وثانیهما الو صا ة بالتقلید بهذه المذاهب الاربعة لا اخرج منها الخ. (فیوض الحرمین ص ۶۴، ص ۶۵ مطبوعه رحیمیه دیو بند)

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ کی جانب سے ایسی تین باتیں حاصل ہوئیں کہ پہلے میرا خیال ان کے موافق نہ تھا اور اس طرف بالکل قلبی میلان نہ تھا، یہ استفادہ میرے اوپر برہان حق ہو گیا، ان تین امور میں سے دوسری بات یہ تھی، حضور اکرم ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں مذاہب اربعہ کی تقلید کروں اور ان سے باہر نہ نکلوں۔

مذکورہ عبارت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی ہے جسے شک ہو فیوض الحرمین کھول کر دیکھ لے، اس عبارت میں ائمہ اربعہ کے مقلدین کے لئے بشارت عظمیٰ اور غیر مقلدوں کے لئے بڑی عبرت ہے کیا اس کے بعد بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف یہ بات منسوب کی جاسکتی ہے کہ آپ تقلید کے منکر اور مذہب اربعہ کے بدعت ہونے کے قائل ہیں!!! مزید آپ فیوض الحرمین میں تحریر فرماتے ہیں۔

وعرفنی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان فی المذهب الحنفی طریقةً انیقةً هی اوفق الطرق بالسنة المعروفة التی جمعت ونقحت فی زمان البخاری واصحابه . (فیوض الحرمین ص ۴۸ کتب خانه رحیمیه دیو بند)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے مجھے بتایا کہ مذہب حنفی میں ایک ایسا عمدہ طریقہ ہے جو دوسرے طریقوں کی بہ نسبت اس سنت مشہورہ کے زیادہ موافق ہے جس کی تدوین اور تنقیح امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کے زمانہ میں ہوئی۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ فرامین عالیہ کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ کے مبارک زمانہ میں نفس تقلید کا رواج و دستور بلا خلاف جاری و ساری تھا۔

(۲) مذاہب اربعہ (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) کا اتباع سواد اعظم کا اتباع ہے (جو از روئے حدیث واجب ہے) اور مذاہب اربعہ کے دائرہ سے خروج سواد اعظم سے خروج ہے (جو گمراہ کن ہے)

(۳) دوسری صدی کے بعد تقلید شخصی (یعنی مذاہب اربعہ میں سے صرف کسی ایک کی تقلید) کی ابتدا ہو چکی تھی۔

(۴) مذاہب اربعہ میں سے ایک مذہب کی تقلید یعنی تقلید شخصی منجانب اللہ ایک الہامی راز ہے۔

(۵) مذاہب اربعہ کی تقلید پر امت کا اجماع ہے۔

(۶) غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے۔
(۷) تقلید شخصی میں دینی مصالح وفوائد ہیں۔
(۸) مجھے مذاہب اربعہ کے دائرہ میں رہنے کی (یعنی تقلید کی) آنحضور ﷺ نے وصیت فرمائی ہے۔
(۹) مذہب حنفی سنت کے مطابق ہے اس کی شہادت خود حضور اقدس ﷺ نے دی ہے۔
(۱۰) عوام (یعنی غیر مجتہد) کے لئے تقلید چھوڑنا حرام ہے بلکہ دائرۂ اسلام سے نکل جانے کا پیش خیمہ ہے (جس کا اعتراف غیر مقلدوں کے پیشوا مولانا محمد حسین بٹالوی نے کیا ہے جسے ہم آئندہ پیش کریں گے۔ (تلک عشرۃ کاملۃ۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کے فرامین بار بار پڑھئے اور فیصلہ کیجئے جس بات کی سنت حضرت شاہ صاحب کی طرف کی جارہی ہے وہ کس قدر غلط ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اس فرقہ کے متعلق جو بات تحریر فرمائی ہے وہ بھی قابل دید ہے، اس سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرکے فقہاء کرام پر طعن وتشنیع اوران کی شان میں بدزبانی، گستاخی، اور بدگمانی سے باز آنا چاہئے ملاحظہ ہو۔

فاما هذه الطبقة الذين هم اهل الحديث والا ثرفان الا كثرين منهم انما كدهم الروايات وجمع الطرق وطلب الغريب والشاذ من الحديث الذى اكثره موضوع او مقلوب لا يراعون المتون ولا يتفهمون المعانى والا يستنبطون سرها ولا يستخرجون ركازها وفقهها وربما عابوا الفقهاء وتناولوهم بالطعن وادعوا عليهم مخالفة السنن ولا يعلمون انهم عن مبلغ ما او توه من العلم قاصرون وبسوء القول فيهم الا ثمون(الا نصاف مع ترجمه كشاف ص ۵۳).

طبقۂ اہل حدیث والاثر کا حال یہ ہے کہ ان میں سے اکثر کی کوشش (صرف) روایتوں کا بیان کرنا ہے اور سندوں کا اکٹھا کرنا اوران احادیث سے غریب اور شاذ کو تلاش کرنا ہے جن کا اکثر حصہ موضوع یا مقلوب ہے، یہ لوگ نہ الفاظ حدیث کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ معانی کو سمجھتے ہیں اور نہ مسائل کا استنباط کرتے ہیں اور نہ اس کے دفینے اور فقہ کو نکالتے ہیں اور بسا اوقات فقہاء پر عیب لگاتے ہیں اوران پر طعن کرتے ہیں اوران پر سنن واحادیث کی مخالفت کا دعویٰ کرتے ہیں، حالانکہ وہ یہ نہیں جانتے کی جس قدر علم فقہاء کو دیا گیا ہے وہ خود اس کے حصول سے قاصر ہیں اور فقہاء کو برا بھلا کہنے سے گنہگار ہوتے ہیں۔

غیر مقلدین ترک تقلید کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں، جس طرح خود آزاد ہیں دوسروں کو بھی آزاد رہنے کی تلقین کرتے ہیں مگر ترک تقلید سے جو دینی نقصان ظاہر ہورہا ہے اور برسوں کے تجربہ کے بعد ان کے بڑوں نے اس آزادی کے متعلق جو تحریر کیا ہے اسے نہیں دیکھتے، حق یہ ہے کہ اگر یہ لوگ ہٹ دھرمی کٹ حجتی کو چھوڑ کر دیانت داری اور سنجیدگی سے غور کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ عدم تقلید کے عقیدے پر جمے رہیں، غیر مقلدوں کے پیشوا مولانا نواب صدیق حسن خان صاحب　بھوپالی اپنی جماعت اہل حدیث کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

فقد نبت فى هذا الزمان فرقة ذات سمعة ورياء تدعى انفسها علم الحديث والقرآن

والعمل والعرفان . الی قوله . فیا للعجب ان یسمون انفسهم الموحدین المخلصین وغیرهم بالمشرکین وهم اشد الناس تعصبا وغلوا فی الدین. الی قوله . فما هذا دین الا فتنة فی الا رض وفساد کبیر .(الحطه فی ذکر صحاح السته ص ۶۷، ۶۸ بحواله تقلید ائمه ص ۱۷، ۱۸)

اس زمانہ میں ایک فرقہ شہرت پسند ریا کار ظاہر ہوا ہے جو ہر طرح کی خامی کے باوجود اپنے قرآن وحدیث پر علم وعمل کا مدعی ہے (حالانکہ اس کو علم وعمل اور معرفت کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں ہے)۔الی قولہ۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ غیر مقلدین کس بنیاد پر خود کو موحد کہتے ہیں اور مقلدین کو (تقلید ائمہ کی وجہ سے) مشرک (اور بدعتی) قرار دیتے ہیں حالانکہ غیر مقلدین خود تمام لوگوں میں سخت متعصب اور غالی ہیں، اس مضمون کے اختتام میں لکھتے ہیں فما ہذا... یہ طریقہ (جو غیر مقلدوں کا ہے) کوئی دین نہیں یہ تو زمین میں فتنہ اور فساد عظیم ہے۔

ان کے ایک دوسرے پیشوا مولانا محمد حسین بٹالوی تحریر فرماتے ہیں۔

''پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ بالآخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، ان میں سے بعض عیسائی ہوجاتے ہیں اور بعض لامذہب جو کسی دین ومذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق وخروج تو اس آزادی (غیر مقلدیت) کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ان فاسقوں میں بعض تو کھلم کھلا جمعہ، جماعت اور نماز، روزہ چھوڑ بیٹھتے ہیں، سود، شراب سے پرہیز نہیں کرتے ،اور بعض جو کسی مصلحت دنیاوی کے باعث فسق ظاہری سے بچتے ہیں وہ فسق خفی میں سرگرم رہتے ہیں ناجائز طور پر عورتوں کو نکاح میں پھنسا لیتے ہیں، کفر وارتداد اور فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداروں کے بے دین ہوجانے کا بہت بڑا سبب یہ بھی ہے کہ وہ کم علمی کے باوجود تقلید چھوڑ بیٹھتے ہیں۔''

(اشاعت السنہ جلد ۱۱، شمارہ ۱۱ ص ۵۳ بحوالہ سبیل الرشاد ص ۱۰ اور کلمۃ الفصل ص ۱۰ اور تقلید ائمہ ص ۱۶، ۱۷ از مولانا اسمٰعیل سنبھلیؒ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تقلید کے متعلق غلط فہمی اور اس کا ازالہ:

(سوال ۵۸) آج کل سورت میں نام نہاد اہل حدیث (غیر مقلدین) کی طرف سے ایک کتابچہ (رسالہ) تقسیم کیا جارہا ہے جس میں تقلید سے متعلق کچھ ایسی باتیں لکھی ہیں، جن کی وجہ سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہورہی ہے، مثلاً اس کتابچہ کے ص ۶ پر لکھا ہے ''اہل حدیث کے علاوہ دوسرے بہت سے مذاہب بھی قرآن وحدیث کا دم بھرتے ہیں مگر ان فرقوں میں اور مسلک اہل حدیث کے طرز عمل میں زمین آسمان کا فرق ہے تقلیدی مذاہب میں پہلی بنیاد اماموں کے اقوال کو قرار دیا گیا ہے، پھر قرآن مجید واحادیث......الخ'' کیا ان کا یہ دعویٰ صحیح ہے؟

اور اسی طرح حضرت غوث پاک رحمہ اللہ کا قول بھی پیش کیا ہے جس سے یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ حضرت غوث پاک بھی تقلید کے مخالف تھے،اور آیت **اتخذوا احبار هم ورهبانهم اربابا من دون الله** اور حضرت عدی بن حاتمؓ کی حدیث بھی پیش کی ہے جس سے بظاہر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح یہود ونصاریٰ نے اپنے مذہبی رہنماؤں کو الٰہ کا درجہ دے رکھا تھا۔اور تحلیل وتحریم اشیاء کا اختیار ان کے حوالے کر رکھا تھا، یہی حال مقلدوں کا اپنے

اماموں کے ساتھ ہے، کیا یہ باتیں صحیح ہیں؟ امید ہے کہ آپ جواب عنایت فرمائیں گے اور مختصراً ان باتوں کے متعلق بھی وضاحت فرمائیں تا کہ لوگوں کی غلط فہمی دور ہو، بینوا توجروا۔ (از سورت)

(الجواب) تقلید سے متعلق غیر مقلدین (نام نہاد اہل حدیث) نے جو لکھا ہے وہ سراسر غلط اور بہتان ہے، یہ ان کی جانب سے دھوکہ دہی، کذب بیانی اور سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنا ہے۔

ہمارے بزرگوں نے لکھا ہے: دین کی اصل دعوت یہ ہے کہ صرف اللہ کی اطاعت کی جائے، اللہ رب العزت وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ذات اقدس ہی مستقل مطاع بالذات ہے اور اللہ کے رسول حضور اقدس ﷺ نے اپنے اقوال واعمال سے احکام الٰہی کی ترجمانی فرمائی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کا حکم دیا ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی لابدی اور ضروری ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔ **من یطع الرسول فقد اطاع اللہ .**

قرآن وحدیث میں بعض احکام ایسے ہیں جو آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے صراحۃً اور قطعی طور پر ثابت ہیں، اس قسم کے مسائل ''منصوصہ'' کہلاتے ہیں جیسے نماز روزہ زکوٰۃ اور حج کی فرضیت وغیرہ وغیرہ ان مسائل منصوصہ میں کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں، لیکن بعض احکام ایسے ہیں جن میں کسی قدر ابہام واجمال ہوتا ہے، اور بعض احکام ایسے ہیں جن میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ، ایسے مسائل واحکام کا حکم معلوم کرنے کے لئے قرآن وحدیث کا بہت گہرا علم اور منصب اجتہاد پر فائز ہونا اور طرق استنباط سے واقف ہونا ضروری ہے، ظاہر ہے کہ ایسا عمیق علم ہمیں حاصل نہیں کہ ہم اپنے طور پر کوئی حکم معلوم کر سکیں، ہمارے اسلاف عظام جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن وحدیث کا بہت وسیع اور عمیق علم عطا فرمایا تھا اور جو حضور اقدس ﷺ کے مبارک زمانہ سے ہماری نسبت بہت قریب تھے، اور تقویٰ وپرہیز گاری کے بہت ہی اعلیٰ مقام پر فائز تھے، ان اسلاف عظام نے خداداد صلاحیت سے قرآن وحدیث اقوال صحابہ، اجماع امت وقیاس شرعی کی روشنی میں ان احکام ومسائل کا جو حکم بیان فرمایا ہے مناسب بلکہ ضروری یہ ہے کہ ہم ان کی فہم وبصیرت پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی بات تسلیم کر لیں اور ان ائمہ مجتہدین میں سے کسی کے قول پر عمل کریں، اس عمل کرنے کو اصطلاح میں ''تقلید'' (اتباع) کہا جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین کا اصول یہ ہے کہ وہ کسی بھی مسئلہ کا حکم سب سے پہلے کتاب اللہ یعنی قرآن مجید میں تلاش کرتے ہیں، پھر سنت مبارکہ میں پھر اجماع امت میں، اور جب کسی مسئلہ کا حکم مذکورہ تینوں حجتوں میں نہ ملے تو قرآن وحدیث واجماع امت کی روشنی میں اجتہاد واستنباط کرتے ہیں، جسے قیاس شرعی کہا جاتا ہے۔

اصول فقہ کی مشہور کتاب ''حسامی'' میں ہے:

ان اصول الشرع ثلثة الکتاب والسنة واجماع الامة والاصل الرابع القیاس المستنبط من ھذہ الاصول (حسامی ص ۲)

اصول شرع تین ہیں، کتاب، سنت اور اجماع امت اور چوتھی اصل وہ قیاس ہے جو قرآن وحدیث واجماع امت سے مستنبط ہو۔

نورالانوار میں ہے۔ اعلم ان اصول الشرع ثلثة الكتاب والسنة واجماع الامة ... والاصل الرابع القياس (ص ۶، ص ۷)

اصول الشاشی میں ہے۔ ان اصول الفقه اربعة كتاب الله تعالیٰ وسنة رسوله واجماع الامة والقياس. (ص ۵)

احقر کے برادر خورد مولوی سید عبدالاحد قادری کوثر نے کیا خوب کہا ہے۔

لفظ ''فقہ'' کے معنی کسی شئی کا جاننا
احکام شرع جو بھی ہیں ان کو پہچاننا
اب اس کے بعد سنیئے ذرا محترم عزیز
علم فقہ کے مآخذ و منبع ہیں چار چیز
قرآن اور حدیث ہے اس کے لئے اساس
اجماع اس کے بعد ہے آخر میں ہے قیاس
ہے مجتہد کے واسطے یہ صورت جواز
ہر فرد اجتہاد کا ہوتا نہیں مجاز

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین کا جو طریقہ اور اصل ہے وہ مندرجہ ذیل حدیث سے مستفاد ہے۔

عن معاذ بن جبل رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله عليه وسلم لمابعثه الى اليمن قال كيف تقضی اذا عرض لک قضاء قال اقضی بكتاب الله قال فان لم تجد فی كتاب الله قال بسنة رسول الله صلی الله عليه وسلم قال فان لم تجد فی سنة رسول الله صلی الله علی وسلم قال اجتهد برائی ولا آلو فضرب رسول الله صلی الله عليه وسلم علی صدره وقال الحمد لله الذی وفق رسول رسول الله (صلی الله عليه وسلم) لما يرضیٰ به رسول الله. (باب العمل فی القضاء والخوف منه مشكوٰة شريف ص ۳۲۴) (باب اجتهاد الرأی فی القضآء ابو داؤد شريف ص ۱۴۹)

ترجمہ۔ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو یمن کا قاضی بنا کر روانہ کیا تو دریافت فرمایا کہ اگر کوئی قضیہ پیش آ جائے تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا، کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا، فرمایا اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ملے تو؟ عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے فیصلہ کروں گا، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اس میں بھی نہ ملے تو؟ فرمایا پھر اجتہاد اور استنباط کر کے اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا، اور اس مسئلہ کا حکم تلاش کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گا، حضرت معاذؓ فرماتے ہیں، آپ ﷺ نے میرے اس جواب پر (فرط مسرت سے) اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا اور فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی کہ جس سے اللہ کا رسول راضی اور خوش ہے۔

مندرجہ بالا تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ غیر مقلد نے جو بات لکھی ہے وہ سراسر غلط ہے ہرگز ہمارا یہ عمل نہیں ہے، ہمارے نزدیک تقلید کی حیثیت صرف یہ ہے کہ تقلید کرنے والا اپنے امام کی تقلید یہ سمجھ کر کرتا ہے کہ دراصل وہ

قرآن وسنت ہی پر عمل کر رہا ہے اور صاحب شریعت ہی کی پیروی کر رہا ہے اور گویا یہ تصور کرتا ہے کہ ''امام'' اس کی اور صاحب شریعت کے درمیان واسطہ ہے، جیسے بڑی جماعت میں مکبر مقرر کئے جاتے ہیں، پچھلی صف والے مکبر کی تکبیر پر رکوع سجدہ وغیرہ ادا کرتے ہیں مگر سب کا تصور یہی ہوتا ہے کہ ہم امام کی اقتداء کر رہے ہیں مکبر ہمارے اور امام کے درمیان ایک واسطہ ہے اور خود مکبر کا بھی یہی تصور ہوتا ہے کہ میں خود امام نہیں ہوں، میرا اور پوری جماعت کا امام صرف ایک ہی ہے، ہم سب اسی کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے ہیں، بالکل یہی تصور تقلید میں ہوتا ہے۔

غور کیا جائے تو تقلید ایک امر فطری ہے اور انسان کے ساتھ مثل سائے کے لگی ہوئی ہے، خود غیر مقلدین بھی اس سے بے نیاز نہیں ہیں، رات دن تقلید کرتے ہیں، وہ خود قرآن وحدیث کے ماہر نہیں ہیں دوسروں سے پوچھ کر عمل کرتے ہوں گے، ان کے گھر کی عورتیں محدثہ عالمہ فاضلہ نہیں ہوتیں مردوں سے پوچھ کر عمل کرتی ہوں گی، ان کے گھر کے چھوٹے بڑوں کو دیکھ کر عمل کرتے ہوں گے، یہ تقلید کی صورت نہیں تو کیا ہے؟ اور اہل دنیا کا طریقہ ہے کہ جو شخص جس علم وفن کا ماہر نہ ہو وہ اس فن کے ماہرین سے پوچھ کر اور اس کی رہنمائی میں اس کام کو انجام دیتا ہے، بیمار ہو تو ڈاکٹر کی خدمات حاصل کرتا ہے، مکان بنانا ہو تو ماہر انجینئر کی تلاش ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ جب دنیوی معاملات میں ماہرین فن کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے تو دینی معاملات میں کیوں نہ ہو؟ بلکہ نسبتاً زیادہ ضرورت ہوگی، وہاں تو صرف دنیا برباد ہوگی، یہاں دین ودنیا دونوں کا خسارہ ہوگا اور **خسر الدنیا والاخرۃ** کا مصداق ہوگا۔

غور کیا جائے تو امت پر مجتہدین وفقہاء کا بڑا احسان ہے (اللہ تعالیٰ ہماری اور پوری امت کی طرف سے ان کو جزاء خیر عطا فرمائے آمین) ان حضرات نے قرآن وحدیث آثار صحابہ اور قیاس شرعی کی روشنی میں طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ ہر قسم کے مسائل الگ الگ کر کے ایک جگہ جمع کر دیئے ہیں جس کی وجہ سے امت کے لئے قرآن وحدیث پر عمل کرنا نہایت آسان ہوگیا اگر فقہاء عظام کا یہ عظیم الشان کارنامہ نہ ہوتا تو نہ معلوم آج امت کا کیا حال ہوتا!! کیا امت کے ہر فرد میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ پیش آمدہ مسائل کا حکم براہ راست قرآن وحدیث سے معلوم کر سکے؟ آج کل تو حال یہ ہے کہ صحیح طریقہ سے قرآن مجید باتجوید پڑھنا نہیں آتا، عربی کے ابجد سے واقف نہیں کیا یہ لوگ براہ راست قرآن وحدیث سے مسائل کا حکم معلوم کریں گے؟ بس تھوڑی دیر کے لئے رک کر غور کیجئے! غیر مقلدین جن کا مبلغ علم چند حدیثوں کا اردو ترجمہ ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ چاہے آپ بالکل جاہل ہو مگر اسلاف (۱) عظام اور ائمہ اربعہ میں سے کسی کی اتباع مت کرو، براہ راست قرآن وحدیث پر عمل کرو۔ خدا کے بندو! جب علم نہیں تو قرآن وحدیث پر تو کیا عمل کریں گے اپنی نفسانی خواہشات پر عمل پیرا ہوں گے، اس کے برعکس امت کے جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ انسان اپنی ناقص فہم پر ناز نہ کرے، اور امت کے بڑے بڑے علماء، محدثین اور اولیاء کرام جس طریقہ پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں اسی طریقہ پر عمل کرے، بس یہ ہے تقلید، بتلایئے اس میں کیا خرابی ہے؟ اگر اس کو بدعت و شرک کہا جائے تو مطلب یہ ہوگا معاذ اللہ ثم معاذ اللہ تعالیٰ علماء محدثین اور اولیاء کرام بدعت وشرک میں مبتلا تھے؟ اور جب ان کے اس گمان کے مطابق اسلاف کا یہ حال ہو تو اپنے حال وایمان کا خدا ہی حافظ! لہٰذا ہمارے غیر مقلدین

(۱) اور پھر خود کو سلفی کہتے ہیں جب کہ اسلاف سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے بلکہ ان کی شان میں گستاخی اور بدگوئی کرتے ہیں۔

بھائیوں کو اگر اپنے ایمان کی سلامتی کی فکر ہے تو پہلی فرصت میں غیر مقلدیت سے توبہ کریں اور جمہور امت جس طریقہ پر عمل پیرا ہے اس طریقہ پر آ جائیں اور علمی مباحث علماء کے لئے چھوڑ دیں، چند حدیثوں کا ترجمہ دیکھ کر انسان عالم نہیں بن جاتا جیسے طب کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے انسان طبیب اور ڈاکٹر نہیں بن جاتا، رائے زنی اور معالج بننے کے قابل نہیں ہو جاتا، یہی حال دوسرے فن کا ہے، اسی طرح چند حدیثوں کا ترجمہ یاد کر کے بخاری اور مسلم کا نام لینے لگنا اور خود کو بڑا محدث سمجھنا اور بحث و مباحثہ کرنا بہت ہی نازیبا حرکت ہے، علم کے بغیر علمی مباحث کرنا بہت ہی خطرناک ہے، حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

وانما حق العوام ان یؤ منوا ویسلموا ویشتغلوا بعبادتھم ویترکوا العلم للعلماء فالعامی لویزنی ویسرق کان خیراً له من ان یتکلم فی العلم فانه من تکلم فی الله وفی دینه من غیر اتقان العلم وقع فی الکفر من حیث لایدری کمن یرکب لجة البحر وھو لا یعرف السباحة.

(احیاء العلوم ص ۳۵ جلد نمبر ۳)

ترجمہ:۔ عوام کا فرض ہے کہ ایمان اور اسلام لا کر اپنی عبادتوں میں مشغول رہیں، علمی باتوں میں مداخلت نہ کریں، یہ کام علماء کے لئے چھوڑ دیں، عامی شخص کا علمی سلسلہ میں حجت کرنا زنا اور چوری سے بھی زیادہ نقصاندہ اور خطرناک ہے، کیونکہ جو شخص دینی علوم میں بصیرت اور پختگی نہیں رکھتا، اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے مسائل میں بحث کرتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ وہ ایسی رائے قائم کرے جو کفر ہو اور اسے اس کا احساس بھی نہ ہو کہ جو اس نے سمجھا ہے وہ کفر ہے اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو تیرنا نہ جانتا ہو اور سمندر میں کود پڑے۔

عام مسلمانوں کو شرعی حکم معلوم کر کے اس پر عمل کرنا ضروری ہے، باریکیوں میں الجھنے کی ضرورت نہیں ہے، حدیث میں ہے، ایک شخص حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! آپ مجھے علمی دقائق بتلایئے، آپ ﷺ نے چند سوالات کئے (۱) تو خدا کی معرفت حاصل کر چکا؟ (۲) تو نے اللہ تعالیٰ کے کتنے حقوق ادا کئے؟ (۳) تجھے موت کا علم ہے؟ (۴) تو موت کی تیاری کر چکا؟ اخیر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "جا اولاً بنیاد مضبوط کر پھر میرے پاس آ تو میں تجھے علمی دقائق سے باخبر کروں۔"

(جامع بیان العلم ص ۱۳۲)

اور آنحضور ﷺ کی پیشین گوئی ہے اتخذ الناس رؤساً جھالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا. حضور اکرم ﷺ نے فرمایا (ایک ایسا زمانہ آئے گا) کہ لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے اور ان سے مسائل دریافت کریں گے اور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے اس طرح وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔"

(کتاب العلم الفصل الاول مشکوٰۃ شریف ص ۳۳)

غیر مقلدین آیت قرآنی اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون الله، اور حضرت عدی بن حاتم کی حدیث سے نہایت غلط استدلال کر کے یہ آیت اور حدیث مقلدین پر چسپاں کرتے ہیں اور معاذ اللہ مقلدین اور یہود و نصاریٰ کو ایک صف میں کھڑا کر دینا چاہتے ہیں مگر مندرجہ بالا تحریر سے واضح ہو گیا کہ یہ استدلال نہایت غلط ہے، یہود و نصاریٰ نے اپنے احبار و رہبان کو تحلیل و تحریم کا مستقل اختیار دے رکھا تھا اور مقلدین کا اپنے اماموں کے متعلق جو

سو! اور خیال ہے وہ اوپر واضح ہوگیا، کسی بھی صورت میں یہ آیت اور حدیث مقلدین پر صادق نہیں آتی، اس آیت کا تفصیلی جواب فتاوی رحیمیہ ص ۱۹۳، ص ۱۹۴ ج ۴، اور تقلید کی شرعی ضرورت ص ۵۷ پر چھپ چکا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔

جاہل لوگ اپنے آباؤ اجداد کی تقلید کرتے ہیں، قرآن مجید میں اس کی مذمت آئی ہے **قالوا وجدنا علیها آباء نا اولو کان آباء هم لا یعقلون شیئا ولا یهتدون**، غیر مقلد یہ آیت بھی مقلدین پر چسپاں کرکے لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں تو معلوم ہونا چاہئے کہ اس آیت کا تعلق جاہلانہ رسوم ورواج سے ہے، کیا قرآن وحدیث کی روشنی میں مرتب کردہ فقہ معاذ اللہ جاہلانہ رسوم ہیں؟ کس قدر الزام تراشی، دھوکا دہی اور کذب بیانی ہے؟

ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا

نفس تقلید کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہے اختصار کے پیش نظر صرف ایک آیت اور ایک حدیث پیش کی جاتی ہے (تفصیل تقلید کی شرعی کی ضرورت اور فتاوی رحیمیہ میں ملاحظہ ہو) قرآن مجید میں ہے **فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون**. ترجمہ: اگر تمہیں علم نہ ہو تو اہل ذکر (اہل علم) سے پوچھو (قرآن مجید سورۂ نحل پ ۱۴) یعنی جو لوگ مجتہد نہ ہوں اور قرآن وحدیث سے براہ راست مسائل کا حکم معلوم کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں تو انہیں اہل علم سے پوچھنا چاہئے، یہی تو تقلید کا حاصل ہے۔

حدیث میں ہے: **عن حذیفة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انی لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا باللذین من بعدی ابی بکر رضی الله عنه وعمر رضی الله عنه** حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے معلوم نہیں میں تم لوگوں میں کب تک زندہ رہوں لہذا میرے بعد ان دو شخصوں یعنی ابوبکرؓ وعمرؓ کی اقتداء کرنا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۰ باب مناقب ابی بکر وعمر الفصل الثانی)

ان دونوں دلیلوں سے نفس تقلید کا ثبوت ہوتا ہے پھر اس تقلید کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ تقلید کے لئے کسی خاص امام مجتہد کو متعین نہ کیا جائے، کبھی ایک امام کے مسلک کو اختیار کرلیا تو کبھی دوسرے امام کے قول پر عمل کرلیا اسے "تقلید مطلق" کہا جاتا ہے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ تقلید کے لئے کسی ایک مجتہد کو متعین کرلیا جائے، ہر مسئلہ میں اسی کی اتباع کی جائے اسے "تقلید شخصی" کہا جاتا ہے، عہد صحابہ وتابعین میں تقلید کی ان دونوں صورتوں پر عمل در آمد رہا ہے اور بکثرت اس کا ثبوت ملتا ہے۔

چنانچہ اس عہد (زمانہ) میں یہ بات عام تھی کہ جو خود فقیہ، مجتہد نہ تھے وہ فقہاء صحابہ وتابعین سے پوچھ پوچھ کر عمل کرتے تھے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

لان الناس لم یزالوا من زمن الصحابة الیٰ ان ظهرت المذاهب الاربعة یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر من احد یعتبر انکارهٗ ولو کان ذلک باطلاً لا نکروهٗ. (**عقد الجید مع سلک مروارید ص ۲۹**)

صحابہ کرامؓ سے لے کر مذاہب اربعہ کے ظہور تک لوگوں کا یہی دستور رہا کہ جو عالم مجتہد مل جاتا اس کی تقلید کرلیتے تھے اس پر کسی بھی معتبر اور مستند شخصیت نے نکیر نہیں کی، اگر یہ تقلید باطل ہوتی تو وہ حضرات (صحابہ وتابعین)

ضرور اس پر نکیر فرماتے۔

حضرت شاہؒ کے اس فرمان سے عہد صحابہؓ وتابعین میں ''تقلید مطلق'' کا واضح طور پر ثبوت ملتا ہے، تقلید مطلق کے ساتھ عہد صحابہؓ وتابعین بلکہ عہد رسالت میں بھی تقلید شخصی کی مثالیں ملتی ہیں۔

(۱) حضرت معاذؓ کی حدیث پہلے گذر چکی ہے، حضور ﷺ نے اہل یمن کے لئے اپنے فقہاء صحابہ میں سے صرف ایک جلیل القدر صحابی حضرت معاذؓ کو بھیجا اور انہیں حاکم، قاضی اور معلم بنا کر اہل یمن پر لازم کر دیا کہ ان کی اتباع کریں، یہ حدیث اجتہاد واستنباط اور تقلید شخصی کے ثبوت میں واضح دلیل ہے۔

(۲) عہد صحابہ وتابعین میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ مکہ مکرمہ میں، حضرت زید بن ثابتؓ مدینہ منورہ میں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ میں فتویٰ دیتے تھے، صحابہ وتابعین ان کے فتاویٰ پر بلا دلیل دریافت کئے عمل پیرا ہوتے تھے، یہ تقلید شخصی نہیں تو اور کیا ہے؟

بخاری، مسلم، اور ابوداؤد میں ہے: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا پھر وہی مسئلہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے پوچھا گیا، دونوں کا جواب الگ الگ تھا حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو جب اس کا علم ہوا تو فرمایا: **لا تسئلو نی ما دام ھذا الحبر فیکم** جب تک یہ متبحر عالم تمہارے درمیان موجود ہیں تمام مسائل انہیں سے دریافت کرو، مجھ سے مت پوچھو۔ یہ تقلید شخصی ہی تو ہے۔ (بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۴ باب الفرائض الفصل الثانی)

صحیح بخاری میں حضرت عکرمہؒ سے روایت ہے: **ان اھل المدینۃ سئالوا ابن عباس عن امرأۃ طافت ثم حاضت قال لھم تنفر، قالوا لا نأ خذ بقولک و ندع قول زید** یعنی: اہل مدینہ نے ابن عباسؓ سے ایک مسئلہ دریافت کیا، کہ ایک عورت طواف فرض (طواف زیارۃ) کے بعد حائضہ ہوگئی تو وہ (طواف وداع کئے بغیر) جاسکتی ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب دیا'' جاسکتی ہے۔'' اہل مدینہ نے کہا ہم آپ کے قول (فتویٰ) پر عمل کر کے زید بن ثابتؓ کے قول (فتویٰ) کو ترک نہیں کریں گے۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۲۳۷ باب اذا حاضت المرأۃ بعد ما افاضت)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اہل مدینہ زید بن ثابتؓ کی تقلید شخصی کرتے تھے، اور حضرت ابن عباسؓ نے اہل مدینہ کے جواب پر نکیر نہیں فرمائی کہ تم اتباع اور اقتدار کے لئے ایک معین شخص کو لازم کر کے گناہ کے مرتکب ہورہے ہو، اگر تقلید ناجائز اور حرام ہوتی تو ابن عباسؓ ضروری نکیر فرماتے۔

اور یہ بھی مشہور ہے کہ تابعین کے دور میں فقہاء سبعہ کے فتووں پر عمل ہوتا تھا۔

الحاصل عہد صحابہؓ وتابعینؒ میں تقلید مطلق اور تقلید شخصی دونوں کا رواج تھا، مگر وہ زمانہ خیر القرون کا تھا، لوگوں میں تقویٰ کا دور دورہ تھا، خدا ترسی غالب تھی، ان کا متعدد حضرات سے پوچھنا یا تو اتفاقی طور پر ہوتا تھا یا یہ مقصد ہوتا کہ جس کے قول میں زیادہ احتیاط ہوگی اس کے قول پر عمل کریں گے اس لئے تقلید مطلق اور تقلید شخصی دونوں پر عمل ہوتا تھا، اس کے بعد جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا لوگوں کی ہمتیں پست ہوتی گئیں، دین کی طرف سے سستی بڑھنے لگی تو امت کے نباض علماء نے محسوس کیا، بلکہ منجانب اللہ محسوس کرایا گیا (اس لئے کہ پوری امت کا کسی ایک بات پر متفق ہوجانا مشیت ایزدی اور القاء ربانی کے بغیر بہت مشکل ہے) کہ ''تقلید شخصی'' میں منحصر کر دیا جائے چنانچہ بتدریج اسی طرف علماء کا میلان ہونے لگا اور ہوتے ہوتے تقلید شخصی کے وجوب پر امت کا اجماع ہوگیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

وبعد المائتین ظهر فیهم التمذهب للمجتهدین باعیانهم وقل من کان لا یعتمد علی مذهب مجتهد بعینه و کان هو الواجب فی ذلک الزمان .(الا نصاف عربی ص ۴۴ مع ترجمه ص ۵۹)

دوسری صدی ہجری کے بعد لوگوں میں متعین مجتہد کی پیروی کا رواج ہوگیا اور بہت کم لوگ ایسے تھے جو کسی خاص مجتہد کے مذہب پر اعتماد نہ کرتے ہوں اور اس زمانہ میں یہی ضروری تھا۔

اور فرماتے ہیں۔

وبالجملة فالتمذهب للمجتهدین سرٌّ الهمه الله تعالیٰ العلماء وجمعهم علیه من حیث یشعرون اولا یشعرون.(انصاف عربی ص ۴۷ مع ترجمه کشاف ص ۶۳)

الحاصل :ان مجتہدین (ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کے مذہب کی) پابندی (یعنی تقلید شخصی) ایک راز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علماء کے دلوں میں الہام کیا ہے اور اس پر ان کو متفق کیا ہے وہ تقلید کی مصلحت اور راز کو جانیں یا نہ جانیں۔

اور فرماتے ہیں:

انسان جاهل فی بلاد الهند وبلا د ما وراء النهر ولیس هناک عالم شافعی و لا مالکی ولا حنبلی ولا کتاب من کتب هذه المذاهب وجب علیه ان یقلد لمذهب ابی حنیفة ویحرم علیه ان یخرج من مذهبه لا نه حینئذ یخلع من عنقه ربقة الشریعة ویبقی سدی ً مهملاً.....(انصاف عربی ص ۵۳ مع ترجمه کشاف ص ۷۰،۷۱)

ترجمہ:۔کوئی جاہل عامی انسان جو ہندوستان اور ماوراء النہر کے شہروں میں ہو (کہ جہاں عام طور پر مذہب حنفی پر عمل ہوتا ہے) اور وہاں کوئی شافعی، مالکی، اور حنبلی عالم نہ ہو اور نہ ان مذاہب کی کوئی کتاب ہو تو اس پر واجب ہے کہ امام ابوحنیفہؒ ہی کے مذہب کی تقلید کرے اور اس پر حرام ہے کہ مذہب حنفی کو ترک کردے اس لئے کہ اس صورت میں شریعت کی رسی اپنے گردن سے نکال پھینکنا ہے اور مہمل اور بیکار بن جانا ہے۔

اور فرماتے ہیں۔

وثانیا قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اتبعوا السواد الا عظم ولما اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة کان اتباعها اتباعاً للسواد الاعظم.(عقد الجید مع سلک مروارید ص ۳۳)

ترجمہ:۔اور مذہب کی پابندی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا سواد اعظم یعنی بڑے جتھے کی پیروی کرو اور چونکہ مذاہب حقہ سوائے ان چاروں مذہب کے باقی نہیں رہے تو ان کی پیروی کرنا سواد اعظم کی پیروی کرنا ہے اور ان سے نکلنا سواد اعظم (بڑی معظم جماعت) سے باہر نکلنا ہے۔

حدیث میں حضور اکرم ﷺ سواد اعظم (بڑی جماعت) کی اتباع کا حکم فرما رہے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تقلید ضروری ہونے کے لئے اسی فرمان نبوی ﷺ سے استدلال فرما رہے ہیں اور سواد اعظم کا مصداق ائمہ اربعہ کے مقلدین کو قرار دے رہے ہیں، لہٰذا جو لوگ ائمہ اربعہ کی تقلید کے منکر ہیں وہ سواد اعظم سے خارج ہیں۔

اور فرماتے ہیں۔

باب تاکید الاخذ بمذاھب الاربعۃ والتشدید فی ترکھا، والخروج عنھا اعلم ان فی الاخذ بھذہ المذاھب الاربعۃ مصلحۃ عظیمۃ وفی الاعراض عنھا کلھا مفسدۃ کبیرۃ.(عقد الجید مع سلک مروارید ص ۳۱)

ترجمہ: باب سوم ان چار مذہبوں کے اختیار کرنے کی تاکید اور ان کو چھوڑنے اور ان سے باہر نکلنے کی ممانعت شدیدہ کے بیان میں اعلم جاننا چاہئے کہ ان چار مذہبوں کے اختیار کرنے میں ایک بڑی مصلحت ہے اور ان سب سے اعراض اور روگردانی کرنے میں بڑا مفسدہ ہے۔

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (جن کے بلند پایہ محدث بےمثال عالم وفقیہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہے، خود غیر مقلدین بھی ان کو محدث تسلیم کرتے ہیں) کی ارشادات غور بار بار پڑھئے، آپ عامی شخص (غیر مجتہد) پر تقلید کو واجب قرار دے رہے ہیں اور ایسے شخص کے لئے تقلید چھوڑنے کو حرام فرما رہے ہیں اور فرمایا کہ اس صورت میں شریعت کی رسی گردن سے نکال پھینکنا ہے، غور کیجئے! تقلید میں دین کی حفاظت ہے یا بربادی؟ اور ترک تقلید کا کیا نتیجہ ہوگا؟ اور یہ بات تنہا شاہ صاحبؒ نے نہیں تحریر فرمائی ہے، خود غیر مقلدوں کے گھر سے واقف اور ان کے بڑوں نے بھی طویل تجربہ کے بعد اسی طرح کی بات لکھی ہے۔

چنانچہ غیر مقلدوں کے پیشوا مولانا محمد حسین بٹالوی نے "اشاعت السنہ جلد نمبر ۱۱ شمارہ نمبر ۱۱ کے ص ۵۳ پر لکھا ہے۔"

"پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے باوجود مجتہد مطلق اور تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ بالآخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، ان میں سے بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لامذہب جو کسی دین ومذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق وخروج تو اس آزادی (غیر مقلدیت) کا ادنی کرشمہ ہے۔" الخ (بحوالہ سبیل الرشاد ص ۱۰ اور کلمۃ الفصل ص ۱۰ اور تقلید ائمہ ص ۱۶ ج ص ۱۷) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تقلید شرعی کی ضرورت ۳،۴،۵ اور فتاوی رحیمیہ اردو ص ۷۱،۷۲ ج ۱)

غیر مقلدین۔ محدثین کا اس انداز سے تذکرہ کرتے ہیں گویا وہ سب کے سب ان کے ہم مشرب، ہم خیال، تقلید کے منکر، تین طلاق کو ایک کہنے والے ائمہ اربعہ کی بدگوئی کرنے والے، بیس رکعت تراویح کے منکر اور اسے بدعت عمری کہنے والے، جمعہ کی اذان اول کو بدعت عثمانی کہنے والے (وغیرہ وغیرہ) تھے، کہاں یہ نام نہاد اہل حدیث اور کہاں وہ محدثین کی مقدس جماعت۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

البتہ روافض اور شیعہ سے ان کا رشتہ جڑا ہوا ہے، اس لئے کہ بہت سے مسائل میں یہ لوگ روافض اور شیعہ کے ساتھ ہیں مثلاً

(۱) شیعہ ائمہ اربعہ کی تقلید کے منکر ہیں اور مذاہب اربعہ کو بدعت کہتے ہیں اسی طرح غیر مقلدین بھی ان کے نقش قدم پر چل کر تقلید کو بدعت اور شرک کہتے ہیں۔

(۲) روافض صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو معیارِ حق تسلیم نہیں کرتے، اسی طرح غیر مقلدین بھی صحابہؓ کے معیارِ حق ہونے کے منکر ہیں۔
(۳) روافض ایک مجلس کی تین طلاق کے وقوع کو تسلیم نہیں کرتے، اسی طرح غیر مقلدین بھی تین طلاق کے وقوع کے منکر ہیں۔
(۴) روافض نے بیس رکعت تراویح کو بدعت کہا تو غیر مقلدین بھی بیس رکعت تراویح بدعت عمری کہتے ہیں۔
(۵) روافض جمعہ کے دن اذان اول کو جو منارہ پر دی جاتی ہے بدعت کہتے ہیں اسی طرح غیر مقلدین بھی اس اذان کو بدعت عثمانی کہتے ہیں۔
(۶) حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں عورتوں کی آزادی و بے احتیاطی دیکھی تو صحابہ کے مشورہ سے عورتوں کو مسجد میں نماز پڑھنے کی ممانعت کا فیصلہ فرمایا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اگر حضور اکرم ﷺ عورتوں کی یہ حالت دیکھتے تو آپ بھی روک دیتے' اس فیصلہ کو شیعہ و روافض نے قبول نہیں کیا، اسی طرح غیر مقلدین بھی منظور نہیں کرتے۔

اب محدثین کا حال ملاحظہ فرمائیے! جتنے محدثین گذرے ہیں باوجود یہ کہ ان کی زندگیاں حدیث کے پڑھنے پڑھانے میں گذریں، حدیث کی ضخیم ضخیم کتابیں تصنیف کیں مگر الحمد للہ وہ سب مقلد تھے، صحاح ستہ کے مصنفین کا حال سنیئے! امام بخاری مقلد تھے اور شافعی تھے، غیر مقلدوں کے پیشوا مولانا نواب صدیق حسن صاحب نے اپنی کتاب ''الحطہ فی ذکر صحاح الستہ'' میں تحریر کیا ہے کہ امام بخاری کو امام ابو عاصمؒ نے جماعت شافعیہ میں ذکر کیا ہے۔ امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ، امام ابن ماجہؒ یہ سب بھی مقلد اور شافعی ہیں، امام ابوداؤد کے متعلق بعضوں نے کہا کہ وہ حنبلی تھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ شافعی تھے، امام نسائیؒ شافعی تھے، یہ ہے صحاح ستہ کے مصنفین کا حال۔ اب بتلائیے غیر مقلدین کس منہ سے کہتے ہیں کہ محدثین ہم جیسے تھے، الحمد للہ وہ سب ہمارے ہیں اور یقیناً جس طرح حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی قرآن و حدیث پر عمل پیرا ہیں اور صحیح معنی میں اہل قرآن اور اہل حدیث ہیں اسی طرح صحاح ستہ کے مصنفین تھے، اور ملاحظہ فرمائیے، صحاح ستہ کی سوا جتنے محدثین گذرے ہیں وہ سب بھی مقلد تھے، مثلاً امام دارقطنیؒ، امام بیہقیؒ مقلد تھے اور شافعی تھے، امام یحییٰ بن معینؒ، محدث یحییٰ بن سعید قطانؒ، محدث یحییٰ بن ابی زائدہ محدث وکیع بن جراحؒ، امام طحاویؒ، امام زیلعیؒ، عبداللہ بن مبارکؒ یہ سب مقلد تھے اور حنفی تھے، علامہ ذہبیؒ، ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، ابن جوزیؒ، یہ سب حنبلی تھے وغیرہ وغیرہ۔

محبوب سبحانی، قطب ربانی، غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے مبارک نام سے کون ناواقف ہوگا؟ علم اور ولایت کے اس رفیع مقام پر فائز ہونے کے باوجود آپ مقلد تھے اور حنبلی تھے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب پر موت آنے اور حشر میں ان کے ساتھ ہونے کی تمنا اور دعا فرماتے تھے، آپ کی مشہور کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں ہے۔'' **قال الامام ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانیؒ واماتنا علی مذھبہ اصلاً و فرعاً و حشرنا فی زمرتہ۔** '' (غنیۃ الطالبین ص ۱۰۵ باب فی الصلوٰۃ الخمس، فصل وینبغی للماموم۔)(۱)

---

(۱) حق تو یہ ہے کہ غیر مقلدین کو ان کی وہی عبارت پیش کرنے کا حق نہیں جب کہ وہ اپنے طریقہ کے علاوہ تمام مقلدین کو باطل راستہ پر سمجھتے ہیں تو ان کی عبارت ان کے مقصد و منشاء مسلک کے خلاف یا ناقابل مقصد ہے ... کے لئے کیوں پیش کرتے ہیں؟ ایک طرف ان بزرگوں کے اقوال صرف دکھانے کے لئے ... پیش بھی کرتے ہیں اور دوسری طرف ان کے مقلد ہونے کی بنیاد پر ان کو ... راہ پر بھی سمجھتے ہیں۔

ان بزرگوں کے علاوہ اولیاء ہند کے سرتاج خواجہ معین الدین چشتیؒ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، خواجہ علاء الدین صابر کلیریؒ امام ربانی شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ عارف باللہ بیہقی وقت مرزا مظہر جان جاناںؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ وغیرہ وغیرہ ہزارہا محدثین، مفسرین فقہاء اور مشائخ مقلدین گذرے ہیں، کیا یہ سب کے سب معاذ اللہ باطل راستہ پر تھے اور تقلید کے مرتکب ہوکر گناہ کا ارتکاب کیا تھا؟

غیر مقلدین بڑی صفائی سے امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کو بھی اپنی زمرہ میں شامل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور حضرت کے منشاء کے خلاف آپ کی کتابوں سے عبارتیں اپنے غلط مقصد کو ثابت کرنے کے لئے پیش کرتے ہیں مگر ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت شاہ صاحب خود مقلد تھے اور حنفی تھے، آپ کی طبیعت ابتداء تقلید پر آمادہ نہ تھی مگر حضور اقدس ﷺ کی طرف سے آپ کو تقلید پر مامور فرمایا گیا خود حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ''فیوض الحرمین'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

واستفدت منه صلى الله عليه ثلاثة امور خلاف ماكان عندى وما كانت طبعى تميل اليه اشد ميل فصارت هذه الاستفادة من براهين الحق تعالىٰ على . الى قوله. وثانيهما الوصاة بالتقليد بهذه المذاهب الاربعة الا اخرج منها .(فيوض الحرمين ص ۶۴، ص ۶۵ مطبوعه رحيميه ديو بند)

ترجمہ:۔ مجھے حضور اقدس ﷺ کی جانب سے ایسی تین باتین حاصل ہوئیں کہ میرا خیال پہلے ان کے موافق نہ تھا اور اس طرف بالکل قلبی میلان نہ تھا، یہ استفادہ میرے اوپر برہان حق ہوگیا، ان تین امور میں سے دوسری بات یہ تھی کہ حضور اکرم ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں مذاہب اربعہ کی تقلید کروں اور دائرہ تقلید سے باہر نہ نکلوں۔

اور جب پابند کیا گیا تو ظاہر بات ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے سامنے یہ مسئلہ بھی درپیش ہوا ہوگا کہ چار مسلکوں میں سے کس کو منتخب فرمائیں تو یہ عقدہ بھی حضور اکرم ﷺ نے حل فرمایا، حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

وعرفنى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان فى المذهب الحنفى طريقة انيقةهى اوفق الطرق بالسنة المعروفة التى جمعت ونقحت فى زمان البخارى واصحابه .(فيوض الحرمين ص ۴۸ رحيميه ديو بند)

ترجمہ:۔ حضور اکرم ﷺ نے مجھے بتایا کہ مذہب حنفی میں ایک ایسا عمدہ طریقہ ہے جو دوسری طریقوں کی بہ نسبت اس سنت مشہورہ کے زیادہ موافق ہے جس کی تدوین اور تنقیح امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کے زمانہ میں ہوئی۔

تقلید سے متعلق مزید وضاحت اور تقلید پر اعتراضات کے جوابات کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ص ۷۰ تا ۱۴۳، ج ۱۔ احقر کا فتاویٰ رحیمیہ والا پورا جواب مستقل رسالہ کی صورت میں بھی ''تقلید شرعی کی ضرورت'' کے نام سے شائع ہوگیا ہے۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو صحیح بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، ضلالت وگمراہی سے ہم سب کی حفاظت فرمائے آمین، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ختم بخاری شریف کی مجالس کے اہتمام پر ایک بزرگ کا خلجان، اور اس کا جواب:

(سوال ۵۹) مکرم ومحترم جناب مفتی سید عبدالرحیم صاحب زید مجدہ السامی۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اس وقت آپ کی خدمت میں دو باتوں کی گذارش کا داعیہ پیدا ہوا۔ ایک معاملہ ختم بخاری شریف کا ہے، دوسرا معاملہ حالات خاصہ یعنی بیماری ومصائب وغیرہ میں ختم بخاری شریف کرنے اور کرانے کا اہتمام ختم بخاری شریف پر دعاء کا قبول ہونا اور مشکلات وتکالیف کے موقع پر اس کے ختم کی برکت سے سکون ملنا، اور آسانی کی صورت پیدا ہو جانا، یہ صرف اکابر کے مجربات میں سے ہے، البتہ ختم قرآن پاک یا تلاوت قرآن پاک پر دعاء۔ کا قبول ہونا اس سے پریشان کن حالات میں تسلی وتشفی کی صورتیں پیدا ہونا اس پر نہ صرف یہ کہ تجربات شاہد ہیں بلکہ یہ نص سے بھی ثابت ہے اس لئے اس کا اختیار کرنا اہم ومؤکد ہے، اب معاملہ یہ ہے کہ ختم بخاری شریف پر پہلے سے تاریخ کا تعین اور اس پر مستزاد یہ کہ بعض جگہ عمومی خصوصی دعوت ناموں کے ذریعہ اس میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے پھر آنے والوں کے لئے طعام کا بھی انتظام کیا جاتا ہے۔ پھر یہ کہ حالات خاصہ میں اس کے ختم کا اہتمام کرنا جو کہ صرف ایک تجرباتی چیز ہے، نیز یہ کہ اس میں نسبۃً دشواری بھی ہے مشقت بھی ہے اس کے بالمقابل جو چیز منصوص ہونے کے ساتھ ساتھ سہل وآسان بھی ہے اور سراپا خیر وبرکت ورحمت بھی ہے اس کو چھوڑنا حد سے تجاوز معلوم ہوتا ہے، اب نوبت یہاں تک آ گئی ہے کہ اکثر مقامات پر جہاں بخاری شریف کا ختم ہوتا ہے وہاں ختم قرآن پاک کا ذکر بھی نہیں آتا اور نہ ایسے اجتماع میں ختم کرایا جاتا ہے، ایسے معاملات سے غیر منصوص کی منصوص پر ترجیح عملاً لازم آتی ہے اس طرح کے ختم میں شرکت کے دعوت نامہ پر حاضری سے معذرت کر دیا کرتا ہوں، لہذا آپ سے دریافت ہے کہ احقر کا یہ خلجان وعمل صحیح ہے یا نہیں اگر صحیح ہے تو تائید فرمادیں ورنہ اس کی اصلاح کی گذارش ہے۔
والسلام۔

(الجواب) حامداً و مصلیاً و مسلماً و هو الموفق.

حضرت والا دامت برکاتہم نے جو دو باتیں تحریر فرمائی ہیں ان کے متعلق عرض ہے کہ حفظ قرآن کی تکمیل کے وقت دعاء کی قبولیت سے انکار کی گنجائش نہیں ہے، ختم بخاری شریف پر دعاء کا قبول ہونا اکابر کا مجرب ہے، تکمیل بخاری کے موقع پر دعاء کا اہتمام ہوتا ہے اس پر مداومت تو ہے مگر اصرار نہیں ہے، جو حضرات تکمیل حفظ قرآن مجید کے موقع پر دعا کا اہتمام کرتے ہیں نہ ان پر نکیر کی جاتی ہے اور نہ اس کی اہمیت سے انکار کیا جاتا ہے اور نہ اس پر اس کی ترجیح دینا مقصود ہے، لہذا یہ بھی صحیح ہے اپنے اپنے موقع پر ہر ایک پر عمل ہوتا ہے، بحالت اعتکاف معتکف قرآن مجید کی تلاوت بھی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ بہشتی زیور یا اور کوئی دینی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ نہ کہا جائے گا کہ بہشتی زیور کو قرآن مجید پر ترجیح دے دی گئی، دونوں اپنے اپنے موقعہ پر بالکل صحیح ہیں، قرآن پاک کی تلاوت بھی کرے اور موقعہ ہونے پر بہشتی زیور یا اور کوئی دینی کتاب کا مطالعہ کرے، دونوں صحیح ہیں۔

نیز یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ آج کل دنیوی تعلیم کو دینی تعلیم پر جو اہمیت دے دی گئی ہے وہ سب پر ظاہر ہے، کسی پر مخفی نہیں ہے، اگر کوئی شخص دنیوی تعلیم کی کوئی اعلیٰ ڈگری حاصل کرتا ہے تو اس کی کس قدر حوصلہ افزائی اور

عزت افزائی کی جاتی ہے، چاروں طرف سے مبارک بادی پیش کی جاتی ہے، اس کے اعزاز میں جلسوں اور محفلوں کا انعقاد ہوتا ہے ہر موقع پر اس کی ڈگری بڑے نمایاں انداز میں فخریہ ظاہر کی جاتی ہے۔ نکاح کی دعوت نامہ ہو یا کوئی اور موقع ہو بڑے اہتمام سے اسے لکھا جاتا ہے، ایسے ماحول میں دینی تعلیم کی اہمیت واضح کرنے اور طلبۂ علوم کی حوصلہ افزائی اور عزت افزائی کی بھی سخت ضرورت ہے کہ دوسروں کو بھی اپنے بچوں کو عالم بنانے کا جذبہ اور شوق پیدا ہو، نیز اس بہانے علمائے اسلام اور محدثین عظام کی دینی اور حدیث پاک کی عظیم الشان خدمات بھی لوگوں کے سامنے آتی ہیں، اور ان کے قلوب میں ان کتابوں کی عظمت پیدا ہوتی ہے اور ان کے دلوں اور عقیدہ کی اصلاح کا سبب بھی ہو سکتا ہے، اس مقصد سے پہلے سے تاریخ بھی متعین کردی جاتی ہے کہ شریک ہونے والوں کو سہولت رہے، اگر طعام پر شرح صدر نہ ہو تو طعام سے احتراز کرے۔

امراض ومصائب، شدائد وبلیات کے وقت بخاری شریف کا ختم بطور علاج ہے، مقصود دفع امراض وبلیات ہے، مقصود عبادت نہیں نہ اسے شرعی حکم یا سنت سمجھ کر کیا جاتا ہے، جس طرح ہمارے اکابر کے یہاں ختم خواجگان اور ختم یٰسین کا معمول ہے یہ بھی بطور عبادت نہیں ہے لہذا اس کی گنجائش ہونی چاہئے۔

اس تحریر میں کوئی کمزوری معلوم ہو تو اسے رائی العلیل علیل پر محمول کریں اور آپ کے نزدیک جو محقق ہو اس سے مطلع فرمائیں تاکہ اس کے مطابق عمل ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم ۴ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ۔

جنازہ لے جاتے وقت کلمہ وغیرہ باآواز بلند پڑھنا:

(سوال ۶۰) جنازہ لے جاتے وقت آواز ملا کر زور سے کلمہ وغیرہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جنازہ کو خاموشی کے ساتھ لے جانے کا حکم ہے، حدیث شریف میں ہے کہ جنازہ لے جاتے وقت خاموشی اختیار کرنا خدا تعالیٰ کو پسندیدہ ہے ان اللہ تعالیٰ یحب الصمت عند ثلاث عند تلاوۃ القرآن وعند الزحف وعند الجنازۃ (طب) عن زید بن ارقم (جامع الصغیر للسیوطی ص ۷۵) اسی لئے حضرات صحابہ جنازہ کے ساتھ زور سے پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے عن قیس بن عبادۃ قال کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکرہون الصوت عند ثلاث الجنائز والقتال والذکر والمراد بالذکر الوعظ (بحر الرائق ۷۶/۵) کتاب السیر اسی لئے فقہاء احناف جنازہ کے ہمراہ باآواز بلند ذکر کرنے اور قرآن پڑھنے کو بدعت اور مکروہ تحریمی کہتے ہیں ویکرہ النیاح والصوت خلف الجنازۃ وفی منزل المیت رفع الصوت بالذکر وقرائۃ القرآن وقولھم کل حیی یموت ونحو ذلک خلف الجنازۃ بدعۃ (فتاویٰ سراجیہ ص ۲۳)

وعلی متبعی الجنازۃ الصمت ویکرہ لھم رفع الصوت بالذکر وقرائۃ القرآن کذا فی شرح الطحاوی (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۴ کتاب الجنائز الفصل الرابع فی حمل الجنازۃ) ویکرہ رفع الصوت بالذکر وقرأۃ القرآن وغیرھما فی الجنازۃ والکراھۃ کراھۃ تحریم (بحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۲ کتاب الجنائز تحت قولہ ومشی قدامھا) کلمہ وغیرہ آہستہ پڑھنا ممنوع نہیں، بلا کراہت جائز ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے ویکرہ رفع الصوت بالذکر فان اراد ان یذکر اللہ یذکر فی نفسہ یعنی جنازہ کے ہمراہ باآواز بلند ذکر کرنا مکروہ ہے، اگر خدا تعالیٰ کا ذکر

کرنا چاہتا ہے تو دل میں کرے (جلد ۱/۹۱ کتاب الجنائز)

اسلام میں سنت کی عظمت اور بدعت کی قباحت:

(سوال ۱۶۱) شرک کے بعد بدعت بہت بڑا گناہ ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ بدعت کی تعریف کیا ہے اور اس میں کون سی ایسی قباحت اور خرابی ہے کہ اسے اتنا بڑا گناہ کہا جاتا ہے؟ تفصیلی دلائل سے اسے منقح فرمائیں، مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ بدعت کی قباحت سے واقف نہیں ہے بلکہ اسے ثواب اور کار خیر سمجھتے ہیں اس لئے آپ کو تکلیف دی جارہی ہے کہ آپ اس پر مکمل روشنی ڈالیں اور خاص اپنے انداز میں اس کی مکمل وضاحت فرمائیں اللہ پاک آپ کی سعی کو قبول فرمائے اور بارآور فرمائے اور امت کی ہدایت کا ذریعہ بنائے کہ امت بدعت کی اندھیریوں سے نکل کر سنت کی روشنی میں آکر دین دنیا اور آخرت کو سنوارے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداو مصلیاً ومسلماً! جس طرح شرک توحید کی ضد ہے اسی طرح بدعت سنت کے مدمقابل ہے، سنت کو سخت نقصان پہنچاتی ہے اور اسے نیست ونابود کر کے اس کی جگہ لے لیتی ہے۔

بدعت کی تعریف

بدعت اسے کہا جاتا ہے کہ جس کی اصل شریعت سے ثابت نہ ہو یعنی قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت نہ ملے، حضور اقدس ﷺ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تابعین اور تبع تابعین کے مبارک زمانہ میں اس کا وجود نہ ہو اور اس کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں۔

والبدعة اصلها ما احدث على غير مثال سابق وتطلق في الشرع في مقابل السنة فتكون مذمومة (فتح الباری ص ۲۱۹ ج ۴، کتاب صلوٰۃ التراویح)

بدعت اصل میں اس چیز کو کہا جاتا ہے جو بغیر کسی سابق مثال کے اور نمونہ کے ایجاد کی گئی ہو اور شریعت میں بدعت کا اطلاق سنت کے مقابلہ میں ہوتا ہے لہذا وہ مذموم ہی ہوگی۔

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

واما البدع فهو جمع بدعة وهي كل شئي ليس له مثال تقدم فيشتمل لغة بما يحمد ويذم ويختص في عرف اهل الشرع بما يذم. وان وردت في المحمود فعلى معناه اللغوي. (فتح الباری ص ۲۳۵ ج ۱۳، باب ما یکرہ من التعمق والتنازع فی العلم والغلو فی الدین والبدع)

بدعت ہر وہ چیز ہے کہ اس کے لئے سابق زمانہ میں کوئی مثال (نظیر) نہ ہو لغوی معنی کے اعتبار سے یہ لفظ قابل تعریف اور قابل مذمت دونوں چیزوں کو شامل ہے اور شرعی اصطلاح میں یہ لفظ خاص کر اسی موقع پر استعمال ہوتا ہے جو چیز قابل مذمت ہو اور اگر کسی جگہ قابل تعریف چیز پر بدعت کا لفظ بولا گیا ہو تو وہ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے ہوگا (شرعی اصطلاح کے اعتبار سے نہیں)

شامی میں ہے:

ما احدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من علم او عمل او حال بنوع شبهة واستحسان وجعل دیناً قویماً وصراطا مستقیماً (شامی ص ۵۲۵ ج ۱. باب الامامة)

بدعت وہ امر ہے جس کو ایک قسم کے شبہ اور استحسان کے ساتھ اس حق کے خلاف ایجاد کیا جاوے جو کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے ماخوذ ہے خواہ وہ از قسم علم ہو یا عمل یا حال اور اس کو دین قویم اور صراط مستقیم قرار دے لیا جاوے۔

مفسر قرآن حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''بدعت کہتے ہیں ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب وسنت اور قرون مشہود لہا بالخیر میں نہ ہو اور اس کو دین اور ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے۔'' (تفسیر فوائد عثمانی ص ۷۲۱ رکوع نمبر ۲۰ سورۂ حدید آیت نمبر ۲۷ ورهبانية ن ابتدعوها)

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں ''بدعت ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کی اصل شریعت سے ثابت نہ ہو، یعنی قرآن مجید اور احادیث شریف میں اس کا ثبوت نہ ملے اور رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام اور تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں اس کا وجود نہ ہو اور اسے دین کا کام سمجھ کر کیا جائے یا چھوڑا جائے۔'' (تعلیم الاسلام ص ۲۲ حصہ چہارم، بدعت کا بیان)

علم الفقہ میں ہے:۔ اصطلاح شریعت میں بدعت اس چیز کو کہتے ہیں جو امور دینیہ سے سمجھی جائے اور کسی دلیل شرعی سے اس کا ثبوت نہ ہو نہ کتاب اللہ سے نہ احادیث سے نہ اجماع محدثین سے نہ قیاس شرعی سے۔

(علم الفقہ ص ۲۳۱ ج ۱۳، ایصال ثواب کا بیان، مصنفہ حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ)

عمدۃ الفقہ میں ہے:۔ بدعت ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کی اصل شریعت سے ثابت نہ ہو، یعنی قرآن مجید اور حدیث شریف میں اس کا ثبوت نہ ملے اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں اس کا وجود نہ ہو، نہ اس کی نظیر ان تینوں زمانوں میں پائی جائے اور شرع شریف کی ان چاروں دلیلوں یعنی کتاب اللہ وسنت رسول اللہ واجماع امت (صحابہ وتابعین وتبع تابعین کا اجماع) اور قیاس مجتہدین سے اس کا ثبوت نہ ملے اور اس کو دین کا کام سمجھ کر کیا جائے یا چھوڑا جائے خواہ اس کا موجد کوئی بھی کیوں نہ ہو۔

(عمدۃ الفقہ ص ۶۷ ج ۱۔ مصنفہ حضرت مولانا شاہ زوار حسین رحمہ اللہ تعالیٰ)

عقائد اسلام میں ہے:۔ شرع میں بدعت دین میں کمی زیادتی کرنے کو کہتے ہیں کہ بغیر اذن شارع کے کی جاوے اور شارع کے قول یا فعل سے صراحۃً یا اشارۃً اس کی اجازت نہ پائی جاوے **کذا فی الطريقة المحمدیه**، اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ جو چیز نبی ﷺ کے عہد میں ہو خواہ خود حضرت ﷺ نے اس کو کیا ہو یا حضرت کے اصحاب نے آپ ﷺ کے رو برو کیا ہو اور آپ نے منع نہ کیا ہو سو وہ بالاتفاق بدعت نہیں ہے بلکہ سنت ہے اور جو چیز کہ آپ ﷺ کے عہد میں نہیں، وہ مطلقاً بدعت نہیں بلکہ اس کی تفصیل یوں ہے کہ اگر وہ از قسم عادت ہے تو وہ بھی بالاتفاق بدعت نہیں بشرطیکہ ممنوع نہ ہو، اور اگر از قسم عبادت ہے پس وہ صحابہ کے عہد میں یا تابعینؒ کے یا تبع تابعینؒ کے یا بعد اس کے، پس اگر صحابہ کے عہد میں پیدا ہوئی تو وہ بھی بدعت نہیں بشرطیکہ صحابہ نے بعد خبر پانے کے منع نہ کیا ہو جیسا کہ قبل از نماز عیدین خطبہ پڑھنا،

چنانچہ مروان نے پڑھا اور ابو سعید خدریؓ نے منع کیا (تو عید کی نماز سے پہلے خطبہ پڑھنا بدعت ہوگا) روایت کیا اس کو بخاریؒ وغیرہ نے ، اور اگر تابعین یا تبع تابعین کے عہد میں پیدا ہوئے تو وہ بھی بدعت نہیں بشرطیکہ ان لوگوں نے خبر پا کر اس کو منع نہ کیا ہو (اگر منع کیا تو وہ بدعت ہوگی) اور صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے عہد کی چیز اس لئے بدعت نہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلو نھم ثم الذین یلو نھم الحدیث ، (رواہ الشیخان مشکوٰۃ باب الا عتصام بالکتاب والسنۃ ص ۳۰) ۔ کہ سب سے اچھا میرا زمانہ ہے پھر ان کا جو ان کے بعد ہوں گے پھر ان کا جو ان کے بعد ہوں گے یعنی تبع تابعین ، پھر ان کے بعد ایسے لوگ ہوں گے کہ خود بخود گواہی دیتے پھرا کریں گے اور امانت میں خیانت کریں گے ، الحدیث پس بموجب بشارت آنحضرت ﷺ کے ان تینوں زمانے کا اعتبار ہے اور ان کے عہد میں خیر ہے اور ان کے بعد پھر شر ہے اور اگر ان تینوں زمانہ کے بعد پیدا ہوئے ہیں تو اس کو ادلہ شرعیہ کتاب اللہ سنت رسول اللہ اجماع امت قیاس مجتہدین سے مطابق کیا جاوے گا پس اگر اس کا نظیر ان تینوں زمانوں میں پایا جاوے گا اور وہ کسی ادلہ شرعیہ سے ثابت ہوگئی تو بدعت نہ ہوگی اور اگر اس کا نظیر ان تینوں زمانے میں نہ پایا گیا یا وہ کسی ادلہ شرعیہ سے ثابت نہ ہوئی تو بدعت ہے گو اس کا موجد کوئی کیوں نہ ہو مولوی ، درویش ، مکی ، مدنی ، شیخ ، سید ۔

(عقائد اسلام ص ۱۳۳ ، ۱۳۴ ، مصنفہ علامہ مولانا ابو محمد عبدالحق صاحب مفسر قرآن)

بدعت بہت سخت گناہ ہے از روئے حدیث بدعت مردود ہے ، گمراہی ہے شر الامور ہے ، اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ ، ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت کا سبب ہے ، بدعتی کی تعظیم کرنے والے پر لعنت ہوتی ہے ، بدعتی کا روزہ مقبول نہیں ، نماز مقبول نہیں ، حج مقبول نہیں ، عمرہ مقبول نہیں ، صدقہ مقبول نہیں ، جہاد مقبول نہیں ، بدعتوں سے باز نہ آوے تو توبہ بھی نصیب نہیں ہوتی ۔

بدعت اس قدر سخت گناہ ہے کہ اس کی نحوست سے سنت نیست و نابود ہو جاتی ہے اور وہ قوم سنت کے نور سے محروم ہو جاتی ہے ، حدیث میں ہے ۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلھا من السنۃ فتمسک بسنۃ خیر من احداث بدعۃ ، رواہ احمد ، مشکوٰۃ شریف ص ۳۱ باب الا عتصام بالکتاب والسنۃ)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی قوم نے بھی کوئی بدعت ایجاد کی تو اس کی وجہ سے اس جیسی سنت اس قوم سے اٹھالی جاتی ہے ، لہٰذا سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنا بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے ۔

دوسری روایت میں ہے ۔ ثم لا یعیدہ الیھم الی یوم القیمۃ ۔ پھر وہ سنت جو اٹھالی جاتی ہے قیامت تک اس قوم کو نہیں دی جاتی (بالفاظ دیگر وہ قوم اس سنت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتی ہے ۔

(ایضاً مشکوٰۃ شریف ص ۳۱)

مطلب یہ ہے کہ بدعت سے سنت کو عظیم نقصان پہنچتا ہے ، بدعت سنت کی جگہ لے لیتی ہے اور بالآخر سنت نیست و نابود ہو جاتی ہے اس کو ایک مثال سے سمجھئے ، گیہوں چاول باجرہ وغیرہ کے کھیت میں گھاس اُگ آتی ہے اور وہ جس قدر بڑھتی جاتی ہے فصل کو نقصان پہنچتا ہے ، اس نقصان سے حفاظت کی خاطر کھیت کا مالک اس گھاس کو جڑ سے نکلوا

دیتا ہے تو گیہوں وغیرہ کے پودے پھلتے پھولتے ہیں اور فصل عمدہ ہوتی ہے، اگر وہ گھاس اکھاڑی نہ جائے تو کھیتی کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے، اسی طرح بدعت سنت کو پھلنے پھولنے نہیں دیتی اسے دبائے رکھتی ہے، اگر ابتداء ہی سے بدعت کو روکا نہ جائے تو بالآخر بدعت غالب آجاتی ہے اور سنت کی جگہ لے کر نیست ونابود کر دیتی ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا فرمان مبارک ہے۔

لا يقبل الله لصاحب بدعة صوماً ولا صلوٰة ولا صدقةً ولا حجاً ولا عمرة ولا جهاداً ولا صرفاً ولا عدلاً يخرج من الا سلام كم تخرج الشعرة من العجين (باب اجتناب البدع والجدل ابن ماجه ص ٦)

اللہ تعالیٰ بدعتی کا نہ روزہ قبول فرماتے ہیں نہ نماز نہ صدقہ نہ حج نہ جہاد، نہ کوئی فرض عبادت نہ نفلی عبادت، بدعتی اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح گوندھے ہوئے آٹے سے بال۔

اسی بنا پر احادیث میں بدعت کی بہت ہی مذمت کی گئی ہے۔ مسلم شریف میں ہے۔

عن جابر رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا خطب احمرت عيناه وعلاصوته واشتد غضبه كانه منذر جيش يقول صبحكم ومساكم ويقول بعثت انا و الساعة كهاتين ويقرن بين اصبعيه السبابة والوسطىٰ ويقول اما بعد فان خير الحديث كتاب وغير الهدى هدى محمد صلى الله عليه وسلم وشر الا مور محدثا تها وكل بدعة ضلالة(مشكوٰة شريف ص ٢٧ باب الا عتصام)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں۔ آواز اونچی ہو جاتی، غصہ سخت ہو جاتا جیسے کسی لشکر سے ڈراتے ہوئے فرما رہے ہوں کہ تم پر صبح یا شام کو ٹوٹ پڑنے والا ہے اور اپنی شہادت والی اور درمیانی انگلی کو ملا کر اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں میری بعثت اور قیامت اس طرح ہیں (جیسے یہ دونوں انگلیاں، یعنی بغیر فاصلہ کے) اس کے بعد آپ ارشاد فرماتے سب سے بہتر کلام اللہ کی کتاب ہے اور سب سے عمدہ طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے، سب سے بری چیز بدعتیں (نو ایجاد چیزیں) ہیں۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

دوسری حدیث میں ہے۔

عن العرباض بن سارية قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم ثم اقبل علينا بوجهه فوعظنا موعظة بليغة زرفت منها العيون ووجلت منها القلوب فقال رجل يا رسول الله كان هذه موعظة مودع فاوصنا فقال او صيكم بتقوى الله والسمع والطاعة وان كان عبداً حبشياً، فان من يعش منكم بعدى فسيرى اختلافاً كثيراً، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بهاوعضوا عليها بالنوا جذ واياكم ومحدثات الا مور فان كل محد ثه بدعة وكل بدعة ضلالة، روه احمد.

حضرت عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے پھر نہایت بلیغ اور مؤثر انداز میں کچھ کلمات ارشاد فرمائے جس کی وجہ سے حاضرین کی آنکھوں سے آنسو بہنے

لگے اور دل لرز اٹھے ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ تو گویا رخصت کرنے والے کی نصیحت ہے ہمیں اور بھی نصیحت فرمائیں آپ نے فرمایا میں تم کو تقویٰ اختیار کرنے اور سمع وطاعت کی وصیت کرتا ہوں اگر چہ (تمہارا) امیر حبشی غلام ہو پس تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت اختلاف دیکھے گا ایسی حالت میں تم پر لازم ہے کہ تم اس طریقہ پر مضبوطی سے جمے رہو جو میرا طریقہ ہے اور میرے بعد ان خلفاء راشدین کا طریقہ ہے جو ہدایت یافتہ ہیں تم اس کو مضبوطی سے سنبھال لو اور ڈاڑھوں سے مضبوط پکڑ لو اور جو نئی باتیں ایجاد ہوں ان سے پوری طرح پرہیز کرو اس لئے کہ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔(مشکوٰۃ شریف) وابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ (مشکوٰۃ شریف ص۲۹ ص۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

نیز حدیث میں ہے، حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے۔ **من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو رد.** جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کرے جو دین میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔(صحیح بخاری شریف باب اذا اصطلحوا علی صلح فهو مردود ص۳۷۱ ج۱ باب نقض الاحکام الباطلۃ ومحدثات الامور صحیح مسلم شریف ص۷۷ ج۳۔ مشکوٰۃ شریف ص۲۷ الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

مسلم شریف میں ایک اور حدیث میں ہے:۔ **من عمل عملاً لیس علیه امرنا فهو رد:.** جو شخص ایسا کام کرے جس کے لئے ہمارا حکم نہیں ہے، وہ رد و باطل ہے۔
(مسلم شریف ص۷۷ ج۲ باب نقض الاحکام الباطلۃ ومحدثات الامور)

ابوداؤد شریف میں ہے: **من صنع امراً علیٰ غیر امرنا فهو رد .** جس نے ہمارے حکم کے خلاف کوئی کام کیا وہ مردود ہے۔(ابوداؤد شریف ص۲۸۷ ج۲ کتاب السنۃ باب لزوم السنۃ)

حضور اقدس ﷺ کا فرمان مبارک ہے۔

فمن احدث فیها حدثا او آویٰ محدثاً فعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین لا یقبل منه صرف ولا عدل (مشکوة شریف ص ۲۳۸ باب حرم المدینة حرسها الله تعالیٰ)

جس نے اس (مدینہ منورہ) میں کوئی نئی بات ایجاد کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی ایسے شخص پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور تمام انسانوں کی لعنت ہے نہ اس کی فرض عبادت مقبول ہوتی ہے اور نہ نفلی عبادت۔

بدعتی کی تعظیم پر وعید:

حدیث میں ہے: **من وقر صاحب بدعة فقد اعان علیٰ هدم الا سلام**، یعنی جس نے بدعتی کی توقیر (تعظیم) کی اس نے اسلام (کی بنیاد) ڈھانے میں مدد کی (مشکوٰۃ ص۳۱)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ما من نبی بعثه الله فی امته قبلی الا کان له فی امته حواریون واصحاب یأخذون بسنة ویقتدون بامره ثم انها تخاف من بعده خلوف یقولون مالا یفعلون ویفعلون مالا یؤمرون فمن جاهدهم بیده فهو مومن ومن جاهدهم بلسانه فهو مؤمن ومن جاهدهم بقلبه فهو مؤمن ولیس

وراء ذلک من الایمان حبۃ خردل رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۲۹ باب الاعتصام)

یعنی! اللہ تعالیٰ نے مجھ سے قبل جس نبی کو بھی ان کی امت کی طرف مبعوث فرمایا ان کی امت میں ایسے حواری اور اصحاب ہوتے تھے جو اپنے نبی کی سنت پر عمل کرتے اور ان کے حکم کی اقتداء کرتے پھر ان کے بعد ناخلف پیدا ہوئے لوگوں کو ایسی باتیں کہتے جن پر خود عمل نہ کرتے اور جن باتوں کا انہیں حکم نہیں دیا گیا ان کو کرتے، پس جو شخص ان کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور جو ان سے اپنی زبان سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو ان سے اپنے دل سے جہاد کرے (یعنی ان باتوں کو برا سمجھے) وہ مؤمن ہے اور جو دل سے بھی ان چیزوں کو برا نہ سمجھے اس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان نہیں۔

غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

المحروم رضا مولاہ من لم یعمل بما امر واشتغل بما لم یؤ مر بہ ھذا ھو الحرمان بعینہ والموت بعینہ والطرد بعینہ. (الفتح الربانی ص ۴۴۰ مجلس نمبر ۶۰)

اپنے آقا کی خوشنودی سے محروم ہے وہ شخص جو اس پر تو عمل نہ کرے جس کا اسے حکم دیا گیا ہے اور جس کا آقا نے حکم نہیں دیا اس میں مشغول رہے یہی اصل محرومیت ہے، یہی اصل موت ہے، یہی اصل مردودیت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا فرمان مبارک ہے۔

انہ سیخرج فی امتی اقوام تتجاری بھم تلک الاھواء کما یتجاری الکلب لصاحبہ لا یبقی منہ عرق ولا مفصل الا دخلہ. (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام)

عنقریب میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن میں خواہشات (بدعات) اس طرح سرایت کر جائیں گی جس طرح باؤلے کتے کا زہر آدمی میں سرایت کر جاتا ہے اور (بدن کے) رگ وریشہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

صحیح بخاری شریف میں اور صحیح مسلم شریف میں حضور اقدس ﷺ کے خادم حضرت انسؓ سے روایت ہے۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال جاء ثلثۃ رھط الی ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما اخبروا بھا کانھم تقالوھا فقالوا این نحن من النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقد غفر اللہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر فقال احدھم اما انا فاصلی اللیل ابداً وقال الاخر انا اصوم النھار ابدا ولا افطر وقال الاخر انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابداً فجاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انتم الذین قلتم کذا وکذا اما واللہ انی لاخشاکم للہ واتقاکم لہ لکنی اصوم وافطر واصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی. متفق علیہ. (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷ باب الاعتصام)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ تین صحابی آنحضرت ﷺ کی عبادت کا حال معلوم کرنے کے لئے ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ کی عبادت کا حال معلوم کر کے کہنے لگے کہ کہاں ہم اور کہاں آپ (ﷺ) آپ ﷺ تو وہ ہیں کہ آپ کی اگلی پچھلی تمام خطائیں معاف کر دی گئیں، (لہذا آپ کو زیادہ عبادت کی ضرورت نہیں) ان میں سے ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا، دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھوں

گا کبھی ترک نہ کروں گا، تیسرے نے کہا میں کبھی شادی نہیں کروں گا (آزادرہ کر خوب عبادت کروں گا) آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا تم ایسا ایسا کہتے تھے؟ سن لو! خدا کی قسم میں تم سے زیادہ متقی ہوں، اس کے باوجود روزے بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا، تہجد بھی پڑھتا ہوں آرام بھی کرتا ہوں اور اس کے علاوہ نکاح بھی کرتا ہوں (یہ میرا طریقہ ہے) جس نے میرا طریقہ چھوڑا وہ میرا نہیں ہے۔

مذکورہ حدیث میں غور کیجئے! ایک صحابی نماز کے متعلق عہد کرتے ہیں کہ میں پوری رات نماز پڑھتا رہوں گا، اور دوسرے عہد کرتے ہیں کہ میں پوری عمر روزہ رکھوں گا اور تیسرے صحابی اپنے اوپر یہ لازم کرتے ہیں کہ میں عورتوں سے الگ تھلگ رہ کر عبادت میں مشغول رہوں گا، بتلائیے ظاہراً ان چیزوں سے کیا کوئی خرابی اور قباحت ہے؟ مگر حضور اقدس ﷺ نے اسے پسند نہیں فرمایا، دراصل اس میں قباحت یہی تھی کہ یہ حضور اکرم ﷺ کے طریقہ اور منشاء کے خلاف تھا اور اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ان حضرات صحابہ کو تنبیہ فرمائی۔

بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی

امیر المومنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

ان ابلیس قال اهلكتهم بالذنوب فاهلكوني بالا ستغفار فلما رأيت ذلک اهلكتهم بالا هواء فهم يحسبون انهم مهتدون فلا يستغفرون (الترغيب والترهيب ص ۶۵ ج ۱)

یعنی! ابلیس کا مقولہ ہے کہ میں نے لوگوں کو گناہوں میں مبتلا کر کے تباہ و برباد کر دیا (جس کی وجہ سے وہ مستحق جہنم ہو گئے) تو لوگوں نے مجھے توبہ و استغفار سے ہلاک کر دیا (اس طرح انہوں نے میری محنت رائیگاں کر دی) جب میں نے یہ حالت دیکھی تو میں نے خواہشات نفسانی میں ان کو مبتلا کر کے) ہلاک و برباد کر دیا (یعنی سنت کے خلاف ایسے امور ایجاد کئے جو ان کی خواہشات کے مطابق تھے) پس وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں پس توبہ و استغفار بھی نہیں کرتے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

روى عن سفيان الثورى انه كان يقول البدعة احب الىٰ ابليس من كل المعاصي لان المعاصي يتاب عنها والبدعة لايتاب عنها وسبب ذلک ان صاحب المعاصي يعلم بكونه مرتكب المعاصي فيرجى له التوبة والا ستغفار واما صاحب البدعة فيعتقدانه فى طاعة وعبادة ولا يتوب ولا يستغفر وهذا ما حكى عن ابليس انه قال قصمت ظهور بنى آدم بالمعاصي والا وزار وقصموا ظهرى بالتوبة والا ستغفار فاحدثت لهم ذنو بالا يستغفرون منها ولا يتو بون عنها وهى البدع فى صورة العبادة. (مجالس الا برابر ص ۱۳۰ مجلس نمبر ۱۸)

حضرت سفیان ثوریؒ سے روایت ہے کہ وہ کہتے تھے کہ بدعت ابلیس کو تمام گناہوں سے زیادہ محبوب ہے اس لئے کہ گناہوں سے تو توبہ ہو سکتی ہے اور بدعت سے توبہ نہیں کی جاتی اور اس کا سبب یہ ہے کہ گنہگار تو یہ سمجھتا ہے کہ میں طاعت و عبادت کر رہا ہوں تو وہ نہ توبہ کرے گا نہ استغفار، یہ مضمون خود ابلیس سے منقول ہے اسنے کہا ”میں نے

بنو آدم کی کمر معاصی اور گناہوں سے توڑ دی تو انہوں نے میری کمر توبہ اور استغفار سے توڑ دی تو میں نے ان کے لئے ایسے گناہ نکالے ہیں کہ جن سے وہ نہ استغفار کرتے ہیں اور نہ توبہ! اور وہ بدعتیں ہیں عبادت کی صورت میں۔
(مجالس الابرار ص ۱۳۰ مجلس نمبر ۱۸)

بدعتی اور اس سے محبت کرنے والا نور ایمان سے محروم رہتا ہے

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عن فضیل بن عیاض یقول من احب صاحب بدعة احبط الله عمله واخرج نور الا سلام من قلبه.

جو شخص کسی بدعتی سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے نیک اعمال مٹا دیتا ہے اور اسلام کا نور اس کے دل سے نکال دیتا ہے۔

فائدہ:۔ اس مقام سے خیال کرو کہ خود بدعتی کا کیا حال ہوگا۔ (تلبیس ابلیس ص ۱۵)

بدعتی قیامت کے دن آب کوثر سے محروم رہے گا:

حدیث میں ہے۔

عن سهل بن سعد رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انى فرطكم على الحوض من مرعلى شرب ومن شرب لم يظمأ ابداً ليردن على اقوام اعرفهم ويعرفوننى ثم يحال بينى وبينهم فاقول انهم منى فيقال انک لا تدرى ما احد ثو ابعد ک فاقول سحقا سحقا لمن غيرى بعدى ، متفق عليه (مشكوٰة شريف ص ۴۸۷، ص ۴۸۸ باب الحوض والشفاعة)

یعنی: حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں حوض کوثر پر تم سے پہلے موجود ہوں گا جو شخص میرے پاس آئے گا وہ اس کا پانی پئے گا اور جو ایک بار پی لے گا پھر اسے کبھی پیاس نہ ہوگی، کچھ لوگ میرے پاس وہاں آئیں گی جن کو میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے مگر میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے گی، میں کہوں گا یہ تو میرے آدمی ہیں جواب ملے گا آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا ایجاد کیا، یہ (سن کر) میں کہوں گا سحقا سحقا، پھٹکار پھٹکار ان لوگوں پر جنہوں نے میرے بعد دین بدل ڈالا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی سنتوں کو چھوڑ کر دین میں نئی نئی بدعتیں ایجاد کر لی ہیں وہ قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کے حوض کوثر سے محروم رہیں گے، اس سے بڑی محرومی کیا ہو سکتی ہے؟
(اختلاف امت اور صراط مستقیم ص ۱۰۰، ص ۱۰۱)

خلاصہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے جو عمل جس طرح ثابت ہو اسی طرح عمل کرنا یہی اصل اتباع ہے اس کے خلاف طریقہ اختیار کرنا بظاہر وہ بڑا عمدہ ہی دکھائی دیتا ہو مگر وہ شریعت میں مذموم ہی ہوگا، ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو ایک دعا سکھائی جس میں " امنت بکتابک الذی انزلت ونبیک الذی ارسلت " کے الفاظ ہیں، حضرت براء رضی اللہ عنہ نے از روئے تعظیم نبی کے بجائے رسول کا

انہوں نے کہا، یعنی نبیک الذی ارسلت کے بجائے رسولک الذی ارسلت پڑھا تو آپ نے فوراً ٹوکا۔ ان کے سینے پہ ہاتھ مارکر فرمایا یہ کہو نبیک الذی ارسلت یعنی لفظ نبی ہی پڑھنے کا حکم دیا جو زبان مبارک سے نکلا ہوا تھا۔ قال البراء فقلت و برسولک الذی ارسلت قال فطعن بیدہ فی صدری ثم قال ونبیک الذی ارسلت۔ (ترمذی شریف ص ۱۷۵ ج ۲ ابواب الدعوات باب ماجآء فی الدعآء اذا اویٰ الی فراشہ)

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد عالی ہے:۔ لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ یعنی تم میں سے کسی کا بھی ایمان قابل ذکر نہیں جب تک کہ یہ صورت نہ ہو کہ اس کی چاہت (اس کا جذبہ اور رجحان خاطر) اس (شریعت) کے تابع نہ ہو جس کو لے کر میں آیا ہوں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی ارشاد الطالبین میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں۔ ان القول لایقبل مالم یعمل بہ وکلاھما لا یقبل بدون النیۃ والعمل والنیۃ لا تقبل مالم توافق السنۃ سخن مقبول نیست بدون عمل کردن وہر دو مقبول نیستند بدون نیت وہر سہ مقبول نیستند کہ موافق سنت نباشند یعنی قول بلا عمل درست نہیں ہوتا، اور یہ دونوں (قول وعمل) بلا صحیح نیت کے مقبول نہیں ہوتے، اور قول وعمل اور نیت مقبول ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سنت کے موافق ہو۔

(ارشاد الطالبین ص ۲۸)

حضور اکرم ﷺ کی طرح حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی بدعت سب سے مبغوض چیز تھی، اس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں

حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی رفاقت کے لئے منتخب فرمایا تھا اور جن کو اس ''دین کامل'' کا محافظ اور مبلغ بنایا جو قیامت تک رہنے والا ہے وہ حضرات رسول اللہ ﷺ کی سنت کے اس قدر دلدادہ اور عاشق تھے کہ امت کا کوئی طبقہ یا کوئی فرد اس کی نظیر نہیں پیش کرسکتا اور خلاف سنت افعال اور بدعات سے ایسے بیزار تھے کہ اس کی مثال نہیں پیش کی جاسکتی، جماعت اصحاب کے ایک فرد حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ صحابہؓ کے متعلق فرماتے ہیں۔

لم ار احداً من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ابغض الیہ الحدث فی الاسلام یعنی منہ۔ (ترمذی شریف ص ۳۳ ج ۱ باب ماجآء فی ترک الجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم)

یعنی: میں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کسی کو ایسا نہیں دیکھا کہ وہ بدعت سے زیادہ اور کسی چیز سے بغض رکھتا ہو۔

مندرجہ ذیل واقعات وامثلہ میں آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی دقت نظر کا جائزہ لیجئے جو باتیں ہمیں بہت ہی معمولی معلوم ہوتی ہیں صحابہ کرام کی نظر میں کتنی بڑی اور سخت تھیں اور برملا اس پر نکیر فرماتے تھے

اور بڑے سے بڑے صاحب شوکت وحشمت کا دبدبہ اور رعب ان کے لئے مانع نہیں بنتا تھا۔

(۱) عن ابن عبداللہ بن مغفل قال سمعنی ابی و انا فی الصلوٰۃ اقول بسم اللہ الرحمن الرحیم فقال لی ای بنی محدث ایاک والحدث . الیٰ . وقال وقد صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومع ابی بکر و عمر ومع عثمان فلم اسمع احداً.

(ترمذی شریف ج ۱ ص ۳۳ باب ماجاء فی ترک الجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم)

حضرت عبداللہ ابن مغفل رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند نے نماز میں سورۂ فاتحہ شروع کرتے ہوئے جہراً بسم اللہ پڑھی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فوراً تنبیہ فرمائی۔ بیٹا! یہ بدعت ہے، بدعت سے الگ رہو۔ الیٰ۔ اور فرمایا میں نے نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی ہے میں نے جہراً بسم اللہ کسی سے نہیں سنی۔

غور کیجئے! بسم اللہ آہستہ پڑھنے کے بجائے زور سے پڑھنے کو صحابی ناپسند کرتے ہیں اور اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ بدعت ہے اور دلیل یہ پیش فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ میں سے کسی کو بسم اللہ زور سے پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔

(۲) عن ابی مالک الا شجعی قال قلت لا بی یا ابت انک قد صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر و عمرو عثمان وعلی بن ابی طالب ھھنا بالکوفۃ نحواً من خمس سنین اکانو یقنتون قال ای بنی محدث (ترمذی شریف ج ۱ ص ۵۳ باب فی ترک القنوت) (نسائی شریف ج۱ ص ۱۳۲)

حضرت ابو مالک اشجعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ''طارقؓ'' سے پوچھا کہ آپ ﷺ نے رسول اللہ ﷺ، صدیق اکبرؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ اور علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہم اجمعین کے پیچھے نماز پڑھی ہے کیا وہ حضرات فجر کی نماز میں (ہمیشہ) قنوت پڑھتے تھے؟ آپ نے فرمایا، بیٹا! بدعت ہے۔

ملاحظہ کیجئے! فجر کی نماز میں ہمیشہ دعاء قنوت تو آنحضور ﷺ اور صدیق اکبرؓ وغیرہ حضرات سے ثابت نہیں ہے اس بنا پر حضرت طارقؓ نے واضح الفاظ میں اس کے متعلق بدعت ہونے کا حکم لگایا۔

(۳) چاشت کی نماز حدیث سے ثابت ہے (مگر گھر میں یا مسجد میں تنہا تنہا) اس کے برخلاف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جب دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر اور مظاہرہ کر کے پڑھتے ہیں تو آپ نے اس سے ناپسند فرمایا اور بدعت قرار دیا۔ عن مجاھد قال دخلت انا وعروۃ بن الزبیر المسجد فاذا عبد اللہ بن عمر جالس الیٰ حجرۃ عائشۃ واذا اناس یصلون فی المسجد صلوٰۃ الضحیٰ قال فسألناہ عن صلوٰتھم فقال بدعۃ (باب کم اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بخاری شریف ج ۱ ص ۲۳۸)

نووی شرح مسلم میں ہے: واما ما صح عن ابن عمر رضی اللہ عنہ انہ قال فی الضحیٰ ھی بدعۃ فمحول علی ان صلوتھا فی المسجد والتظاھر بھا کما کانوا یفعلونہ بدعۃ.

(نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۴۹ باب استحباب صلوٰۃ الضحیٰ وان اقلھا رکعتان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی اس صورت کو ناپسند کیا اور فرمایا ان کان و لا بد ففی بیوتکم اگر تمہیں چاشت کی نماز پڑھنا ہی ہے تو اپنے گھروں میں پڑھو۔ (فتح الباری ص ۴۲ ج ۳)

غور کیجئے! چاشت کی نماز حدیث سے ثابت ہے اور اس کی بڑی فضیلت ہے لیکن اہتمام کر کے مسجد میں جمع ہو کر علانیہ پڑھنے کا التزام حضور اکرم ﷺ سے ثابت نہیں اس وجہ سے جلیل القدر صحابی حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ نے اسے پسند نہیں فرمایا اور جمع ہو کر علانیہ پڑھنے کو بدعت قرار دیا اور ہدایت فرمائی کہ گھروں میں پڑھو۔

(۴) صبح کی نماز میں لوگ جمع ہو کر خاص طریقہ سے سو مرتبہ اللہ اکبر، سو مرتبہ لا الــــــہ الا اللہ، سو مرتبہ سبحان اللہ پڑھتے تھے، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو خبر دی تو ابن مسعودؓ وہاں تشریف لے گئے اور ان لوگوں سے پوچھا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا اے ابو عبدالرحمٰن ہم ان سنگریزوں سے تکبیر اور تہلیل اور تسبیح شمار کرتے ہیں، آپ نے فرمایا بجائے اس کے تم اپنے اپنے گناہ شمار کرو پھر فرمایا ویحکم یا امة محمد صلی اللہ علیه وسلم ما اسرع هلکتکم هولاء صحابة نبیکم صلی اللہ علیه وسلم متوا فرون هذا ثیابه لم تبل و انیته لم تکسر والذی نفسی بیده انکم لعلی ملةٍ هی اهدی من ملة محمد صلی اللہ علیه وسلم او مفتتح باب ضلالة اے امت محمد تم پر افسوس تمہاری ہلاکت کس قدر جلد آ گئی ابھی یہ اصحاب نبی ﷺ تمہارے درمیان بکثرت موجود ہیں اور تمہارے نبی ﷺ کے کپڑے بوسیدہ نہیں ہوئے اور ان کے برتن نہیں ٹوٹے (اور تم ابھی سے بدعتوں میں مشغول ہو گئے) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یا تو تم ایسے دین پر ہو جو حضرت محمد ﷺ کے دین سے (نعوذ باللہ) زیادہ راست اور صحیح ہے یا تو گمراہی کے دروازے پر پہنچ گئے جو عنقریب کھلنے والا ہے ان لوگوں نے جواب دیا واللہ یا ابا عبدالرحمن ما اردنا الا الخیر اے ابو عبدالرحمٰن! قسم خدا کی ہم اس عمل سے نیکی ہی کا ارادہ رکھتے ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ و کسم من مرید للخیر لن یصیبه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم حدثنا ان قوماً یقرؤن القرآن لا یجاوز ترا قیهم وایم اللہ ما ادری لعل اکثرهم منکم ثم تولیٰ عنهم بہت سے نیکی کا ارادہ کرنے والے ایسے ہیں کہ انہیں نیکی حاصل نہیں ہوتی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا ہے کہ بہت سے لوگ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے گلے سے تجاوز نہ کرے گا قسم اللہ کی مجھے کچھ معلوم نہیں! ہوسکتا ہے کہ ان کے اکثر لوگ تم ہی میں سے ہوں، یہ کہہ کر ابن مسعودؓ تشریف لے گئے، عمرو بن سلمہ کہتے ہیں (اس بدعت کے ایجاد کرنے کا نتیجہ) ہم نے یہ دیکھا کہ جنگ نہروان میں خارجیوں کے ساتھ مل کر یہ لوگ ہم پر برچھے مارتے تھے۔

(ازالۃ الخفاء ص ۲۷۹، ص ۲۸۰ جلد اول، مقصد اول، فصل پنجم، ملخصا)

(۵) مجالس الابرار میں ہے۔ ایک جماعت مغرب کے بعد بیٹھا کرتی تھی اور ان میں ایک شخص کہتا ہے کہ اتنی بار اللہ اکبر کہو اور اتنی بار سبحان اللہ کہو اور اتنی مرتبہ الحمد للہ پڑھو اور لوگ اس کے موافق پڑھتے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور وہ جس انداز سے پڑھتے تھے آپ نے سن لیا تو آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

انا عبداللہ بن مسعود فو اللہ الذی لا الٰه غیره لقد جئتم ببدعة ظلماء او لقد فقتم علی

اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم علماً یعنی ان ماجئتم بہ اما ان یکون بدعۃ ظلماء او انکم تدارکتم علی الصحابۃ ما فاتھم لعدم تنبھھم لہ او لتکاسلھم عنہ فغلبتموھم من حیث العلم بطریق العبادۃ والثانی منتف فتعین الاول وھو کونہ بدعۃ ظلماء .(مجالس الابرار ص ۱۲۵ مجلس ۱۸ فی احکام البدعۃ)

میں عبداللہ بن مسعود ہوں، قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں بے شک یا تو تم نہایت تاریک بدعت میں مبتلا ہوگئے یا حضرت محمد ﷺ کے اصحاب سے بھی علم میں بڑھ گئے، یعنی یہ جو تم کرتے ہو یا تو تاریک بدعت ہے یا تم نے وہ بات پائی ہے جو صحابہ کے بھی ہاتھ نہ آئی تھی خواہ بے خبری سے یا سستی سے پس تم طریق عبادت کے علم میں ان سے غالب ہو نکلے ، دوسری صورت ناممکن ہے پس پہلی صورت یعنی اس کام کا بدعت سیئہ ہونا ہی متعین ہے۔ (مجالس الابرار مترجم)

غور کیجئے! تسبیحات پڑھنے میں کس کو اعتراض ہوسکتا ہے مگر چونکہ پڑھنے کا طریقہ اور اس کا التزام موافق سنت نہیں تھا اس وجہ سے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے بدعت ہونے کا فتویٰ دیا۔

مجالس لابرابر میں ہے۔

(۶) وقال صاحب مجمع البحرین فی شرحہ ان رجلا یوم العید فی الجبانۃ اراد ان یصلی قبل صلوۃ العید فنھاہ علی فقال الرجل یا امیرالمومنین انی اعلم ان اللہ لا یعذب علی الصلوۃ فقال علی و انی اعلم ان اللہ تعالیٰ لا یثیب علی فعل حتی یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او یحث علیہ فیکون صلوتک عبثاً والعبث حرام فلعلہ تعالیٰ یعذبک بما خالفتک لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم .(مجالس الابرار ص ۱۲۹ مجلس نمبر ۱۸)

امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عید کے دن عید کی نماز سے پہلے عیدگاہ میں ایک شخص کو نماز پڑھنے سے روک دیا اس نے کہا اے امیرالمومنین مجھے امید ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے پر عذاب نہیں دے گا، حضرت علیؓ نے فرمایا مجھے بھی یقین ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو کام نہیں کیا یا کرنے کی ترغیب نہیں دی ہے اس پر اللہ تعالیٰ ثواب نہیں دیتا اور جس پر اللہ تعالیٰ ثواب نہ دے تو وہ کام عبث ہوگا اور عبث کام بیکار و بے فائدہ ہے پس ڈر ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے طریقہ سے مخالف ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عذاب دے۔

(۷) ایک شخص عصر کی نماز کے بعد دو رکعت پڑھتا تھا اس کو نماز پڑھنے سے روکا تو اس شخص نے حضرت سعید بن المسیبؒ سے دریافت کیا۔ **یا ابا محمد ایعذبنی اللہ علی الصلوۃ؟** اے ابومحمد! کیا اللہ تعالیٰ نماز پڑھنے پر مجھے سزا دیں گے؟ آپ نے فرمایا **لکن یعذبک لخلاف السنۃ** (عبادت موجب سزا و عتاب نہیں) لیکن خدا تعالیٰ سنت کی مخالفت پر تجھے سزا دیں گے (مسند دارمی)

سوچئے نماز افضل ترین عبادت ہے حضور اقدس ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے مگر عید کی نماز سے پہلے اور عصر کی نماز کے بعد نماز پڑھنا چونکہ خلاف سنت ہے اس لئے موجب عقاب ہے۔

(۸) مکہ معظمہ میں حضرت عمر فاروقؓ کو مؤذن نے اذان کے بعد نماز کی تیاری کی اطلاع دی تو آپ نے

اسے جھڑک دیا اور فرمایا الیس فی اذانک ما یکفینا کیا تمہاری اذان میں جو چیز ہے (حی علی الصلوٰۃ) وہ ہمارے لئے کافی نہیں ہے؟ کفایہ شرح ہدایہ میں ہے۔ لما روی ان عمر رضی اللہ عنہ اتاہ مؤذن مکۃ یؤذنہ بالصلوٰۃ فانتہرہ وقال الیس فی اذانک ما یکفینا؟

(کفایہ ص ۲۱۵ ج ۱ مع فتح القدیر وعنایۃ عند قولہ والتثویب فی الفجر، باب الاذان)

(۹) حضرت علیؓ نے مؤذن کی عشاء کی اذان کے بعد تثویب کرتا ہوا دیکھا تو خفا ہوکر فرمایا اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔ ان علیا رأی مؤذناً یثوب للعشاء فقال اخرجوا ھذا المبتدع من المسجد (اقامۃ الحجۃ ص ۷) (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۶۱ باب الاذان تحت قولہ یثوب)

(۱۰) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اذان ظہر کے بعد مؤذن کو تثویب کرتے ہوئے دیکھا تو بے حد غضبناک ہوئے اور اپنے شاگرد حضرت مجاہد سے فرمایا کہ اس بدعتی کے پاس سے ہمیں لے چلو (اس لئے کہ آپ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے) اور آپ مسجد چھوڑ کر چلے گئے اور وہاں نماز نہیں پڑھی۔ روی عن مجاھد قال دخلت مع عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مسجداً وقد اذن فیہ ونحن نرید ان نصلی فیہ فثوب المؤذن فخرج عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وقال اخرج بنا من عند ھذا المبتدع ولم یصل فیہ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۲۸) (باب ماجآء فی التثویب فی الفجر ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۸۶) (الاعتصام ج ۲ ص ۲۴۴) واللفظ للترمذی۔

(۱۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو دعا میں سینہ سے اوپر ہاتھ اٹھاتا ہوا دیکھ کر اس کے بدعت ہونے کا فتویٰ دیا، اور بطور دلیل یہ فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو دعا کے وقت (سوائے کسی خاص موقعہ کے) سینہ سے اوپر ہاتھ اٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ انہ یقول ان رفعکم ایدیکم بدعۃ مازاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ھذا یعنی الی الصدر، رواہ احمد۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۶ کتاب الدعوات الفصل الثالث)

(۱۲) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو سلام پھیرنے سے پہلے دعا میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا آنحضرت ﷺ جب تک نماز سے فارغ نہ ہو لیتے دعا میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

(اعلاء السنن ص ۲۰۲ حصہ سوم)

(۱۳) امام نافعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے ایک شخص کو چھینک آئی اس نے کہا "الحمدللہ والسلام علی رسول اللہ" یہ زائد کلمہ "والسلام علیٰ رسول اللہ" اپنے مفہوم کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے، مگر اس موقعہ پر چونکہ حضور ﷺ نے یہ پڑھنے کی تعلیم نہیں دی اس لئے اس اضافہ کو ناپسند کرتے ہوئے حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے اس طرح تعلیم نہیں فرمائی، اس موقعہ پر آپ ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ اس طرح کہیں الحمد للہ علی کل حال۔ عن نافع ان رجلا عطس الی جنب ابن عمر رضی اللہ عنہ فقال الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ قال ابن عمر رضی اللہ عنہ وانا اقول الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ ولیس ھکذا علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنا ان نقول الحمد للہ علی کل

حال: رواه الترمذی (مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۶ باب العطاس والتثاؤب)

(۱۴) حضرت سعد بن مالکؓ نے ایک حاجی کو تلبیہ میں لبیک ذاالمعارج کہتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ لفظ نہیں کہتے تھے، ان سعد بن مالک سمع رجلا یقول لبیک ذا المعارج فقال ما کنا نقول علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم (تلبیس ابلیس ص ۱۷)

(۱۵) حضرت عمارہ بن رویبہؓ نے بشر بن مروان کو خطبہ میں دعا کے وقت دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھ کر فرمایا: قبح الله هاتین الیدین القصیرتین لقد رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم وما یزید علی هذا واشار هشیم بالسبابة. یعنی اللہ ان چھوٹے چھوٹے دونوں ہاتھوں کو خراب (برباد) کردے میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ میں اس طرح ہاتھ اٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔

(ترمذی شریف ج ۱ ص ۶۸ باب ماجاء فی کراہیۃ رفع الایدی علی المنبر)

ملاحظہ کیجئے! دعا میں ہاتھ اٹھانا آداب دعا میں سے ہے مگر چونکہ خطبہ میں دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا حضور اقدس ﷺ سے ثابت نہیں، اس لئے حضرت عمارہؓ نے اس پر سخت نکیر فرمائی۔

(۱۶) حضرت کعب بن عجرہؓ نے عبدالرحمن بن ام حکم کو خلاف سنت بیٹھ کر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا تو غضبناک ہوکر فرمایا دیکھو! یہ خبیث بیٹھ کر خطبہ پڑھتا ہے۔ عن ابی عبیدة عن کعب بن عجرة قال دخل المسجدو عبد الرحمن بن ام حکم یخطب قاعداً فقال انظرو ا الیٰ هذا الخبیث یخطب قاعداً (مسلم شریف ص ۲۸۴ ج ۱ کتاب الجمعۃ)

غور کیجئے! بیٹھ کر خطبہ دینا خلاف سنت تھا صحابہ سنت کے اتنے دلدادہ تھے کہ اگر خلاف سنت کوئی کام دیکھتے تو فوراً اس پر نکیر فرماتے، حالانکہ یہاں امکان تھا کہ وہ کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر خطبہ دے رہے ہوں۔

(۱۷) حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کو کسی نے ختنہ میں دعوت دی، آپ نے قبول نہیں فرمائی اور فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے مبارک دور میں ہم لوگ ختنہ کے موقع پر نہیں جاتے تھے اور نہ اس کی دعوت دی جاتی تھی۔

(مسند امام احمد ص ۲۱۷ ج ۴)

(۱۸) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت معاویہؓ خانہ کعبہ کا طواف کررہے تھے، حضرت امیر معاویہؓ نے خانہ کعبہ کے تمام کونوں کو بوسہ دیا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ ان دونوں کونوں یعنی رکن یمانی اور حجر اسود کے علاوہ کسی اور گوشہ کو بوسہ نہیں دیا کرتے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا اس مقدس گھر کی کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جس کو چھوڑ دیا جائے (بوسہ نہ دیا جائے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة (تمہارے لئے رسول مقبول ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے) (اگرچہ خانہ کعبہ کا ہر ذرہ متبرک ہے مگر ہمیں وہ عمل کرنا ہے جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے) حضرت معاویہؓ نے فرمایا آپ کا فرمانا صحیح ہے۔

(مسند امام احمد)

ملاحظہ کیجئے! بیت اللہ کا ہر ذرہ یقیناً متبرک ہے مگر چونکہ تمام کونوں بوسہ دینا حضور اکرم ﷺ سے ثابت نہیں، اس لئے حضرت ابن عباسؓ نے اسے گوارہ نہیں کیا اور فوراً اس پر تنبیہ فرمائی۔

(۱۹) حضرت ابو سعید خدریؓ نے خلیفہ مروان بن حکم کو عید کی نماز سے پہلے خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا تو منع فرمایا۔ اور فرمایا کہ یہ خلاف سنت ہے۔ (اقامۃ الحجہ ص ۵)

سلف صالحین کو بھی بدعت سے سخت نفرت تھی اس کا نمونہ ملاحظہ ہو

حکی ابن وضاح قال ثوب المؤذن بالمدینة فی زمان مالک فقال ما هذا الفعل الذی تفعل؟ فقال اردت ان یعرف الناس طلوع الفجر فیقوموا فقال له مالک لا تفعل لا تحدث فی بلدنا شیئالم یکن فیه قد کان رسول الله صلی الله علیه وسلم بهذا البلد عشر سنین وابو بکر وعمر رضی الله عنه وعثمان فلم یفعلوا هذا فلا تحدث فی بلدنا مالم یکن فیه فکف المؤذن عن ذلک واقام زماناً ثم انه تنحنح فی المنارة عند طلوع الفجر فقال له: الم انهک ان لا تحدث عندنا مالم یکن فقال انما نهیتنی عن التثویب فقال له لا تفعل فکف زماناً ثم جعل یضرب الابواب فارسل الیه مالک فقال ما هذا لذی تفعل؟ فقال اردت ان یعرف الناس طلوع الفجر فقال له مالک رحمه الله لا تفعل لا تحدث فی بلدنا مالم یکن فیه. (الاعتصام از امام شاطبی ص ۲۲۲، ص ۲۲۳ ج ۲)

حضرت ابن وضاحؒ کا بیان ہے کہ مدینہ منورہ کا مؤذن امام مالکؒ کے زمانہ میں صبح صادق کے وقت لوگوں کو آواز دیتا امام مالکؒ نے اس کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ تو یہ کیا حرکت کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا، لوگوں کو صبح صادق کی خبر کرنے کے لئے یہ عمل کرتا ہوں تاکہ لوگ اٹھ جائیں امام مالکؒ نے فرمایا تو ایسا نہ کر ہمارے اس شہر میں ایسی بات ایجاد نہ کر جو اس میں نہیں ہے، آنحضرت ﷺ نے اس مبارک شہر میں دس سال قیام فرمایا ہے اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ وعثمانؓ نے بھی (یہاں قیام فرمایا ہے) لیکن ایسا نہیں کیا اس لئے تو بھی ایسی چیز ایجاد نہ کر جو آج تک یہاں نہ کی گئی، تو موذن رک گیا، پھر کچھ دنوں کے بعد صبح صادق کے وقت منارے پر کھنکھارنا شروع کیا، امام مالکؒ نے فرمایا کیا تم کو نئی چیز ایجاد کرنے سے منع نہیں کیا تھا؟ (پھر یہ نئی حرکت کیوں شروع کردی؟) اس نے جواب دیا آپ نے تثویب (یعنی اذان کے بعد لوگوں کو نماز کے لئے بلانے کے لئے پکارنا) سے منع فرمایا تھا امام مالکؒ نے فرمایا نہیں یہ کام بھی مت کرو، پھر کچھ مدت اس سے رکا رہا، اس کے بعد لوگوں کے دروازے کھٹکھٹانا شروع کیا، امام مالکؒ نے اس کے پاس ایک شخص کو بھیجا اور دریافت کیا کہ پھر یہ کیا کرنا شروع کردیا؟ تو اس نے کہا (میں نہ تثویب کرتا ہوں نہ کھنکھارتا ہوں اور آپ نے مجھے اس سے منع فرمایا تھا، اب تو میں) لوگوں کو صبح صادق کی اطلاع دینے کے لئے دروازے کھٹکھٹاتا ہوں، آپ نے اس سے بھی منع فرمایا اور ارشاد فرمایا جو چیز اس شہر میں نہیں ہوئی تو اسے یہاں جاری مت کر۔

حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب غنیۃ الطالبین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل فرمائی ہے۔ **عن عکرمة عن ابن عباس قال لا یاتی علی الناس زمان الا اماتوا فیه سنةً و احیوا بدعةً** (غنیۃ الطالبین ص ۵۸، الفصل الثانی فی بیان الفرق الضالۃ)

یعنی: لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ سنت مٹائیں گے اور بدعت زندہ کریں گے۔

یہ وہی زمانہ ہے طرح طرح کی بدعتیں ایجاد کر لی گئی ہیں مثلاً قبروں کا طواف، قبروں پر سجدے، بزرگوں

کے مزارات پر صندل، عرس، قوالی، چھوٹوں کی چادریں ناریل کے چڑھاوے ان کے نام کی نذر و نیاز، مزارات پر عورتوں کا بے پردہ جانا، ان کے نام کی منتیں ماننا، مزارات پر ڈھول تاشہ بجانا وغیرہ وغیرہ، شادی وغمی کی سینکڑوں بدعات، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان بدعات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: اتبعوا آثارنا و لا تبتدعوا فقد کفیتم۔ تم ہمارے نقش قدم پر چلو اور بدعات ایجاد نہ کرو تمہارے لئے ہماری اتباع ہی کافی ہے (کتاب الاعتصام ج ۱ ص ۵۴)

مشہور و معروف صحابی حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں۔ کل عبادة لم یتعبدها اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تعبدوها۔ وہ عبادت جو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے نہیں کی وہ تم بھی نہ کرو۔ (کتاب الاعتصام ص ۳۱۰ ج ۲)

اسی بناء پر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

واما اهل السنة والجماعة فیقولون کل فعل و قول لم یثبت عن الصحابة فهو بدعة لانه لو کان خیراً لسبقونا الیه لانهم لم یترکوا خصلة من خصال الخیر الا وقد بادروا الیها (بحواله المنهاج الواضح ص ۶۶)

یعنی: اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ جو قول اور فعل رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے کیونکہ اگر اس کام میں خیر ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اس کار خیر کو ہم سے پہلے ضرور کرتے اس لئے کہ انہوں نے کسی عمدہ خصلت کو بغیر عمل نہیں چھوڑا بلکہ وہ ہر کام میں سبقت لے گئے ہیں۔

حضرت ابو العالیہ تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علیکم بالامر الاول الذی کانوا علیه قبل ان یفترقوا قال عاصم فحدثت به الحسن فقال قد نصحک واللہ وصدقک تم پر واجب ہے کہ وہ پہلا طریقہ اختیار کرو جس پر اہل ایمان پھوٹ پڑنے سے پہلے متفق تھے، عاصم نے کہا کہ میں نے ابو العالیہ کا یہ قول حسن بصری سے بیان کیا تو کہا واللہ ابو العالیہ نے سچ کہا اور تم کو خیر خواہی کی نصیحت فرمائی (تلبیس ابلیس ص ۸)

حضرت علامہ ابن الحاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ "نحن متبعون لا مبتدعون فحیث وقف سلفنا وقفنا" ہم اپنے اسلاف (صحابہ، تابعین، تبع تابعین وغیرہ) کی اتباع کرنے والے ہیں مبتدع نہیں ہیں، جہاں وہ حضرات ٹھہر گئے ہم بھی وہیں ٹھہر جائیں گے، (اپنی طرف سے کچھ اضافہ نہیں کریں گے)

(بحوالہ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۵۴)

حضرت امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اصبر نفسک علی السنة وقف حیث وقف القوم وقل بما قالوا وکف عما کفوا عنه واسلک سبیل سلفک الصالحین فانه یسعک ما وسعهم (تلبیس ابلیس ص ۹)

یعنی طریقہ سنت پر اپنے آپ کو مضبوطی سے جمائے رکھو جہاں قوم (صحابہ کی جماعت) ٹھہر گئی تم بھی ٹھہر جاؤ، جو ان بزرگوں نے کہا وہی تم بھی کہو جس کے بیان سے وہ حضرات رک گئے تم بھی رک جاؤ (اپنی عقل نہ چلاؤ) اور اپنے سلف صالحین کے طریقہ پر چلو۔

امام غزالی رحمہ اللہ اپنے ایک خصوصی شاگرد کو لکھتے ہیں۔

''خلاصہ یہ کہ تم کو سمجھ لینا چاہئے کہ طاعت وعبادت کیا چیز ہے؟ سنو! جناب شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فرمانبرداری کا نام عبادت ہے قولاً وعملاً، اوامر میں بھی نواہی میں بھی، اگر تم کوئی کام بدون حکم شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کرو اگرچہ وہ بشکل عبادت ہی ہو تو وہ عبادت نہیں بلکہ گناہ ہے دیکھو! نماز کیسی اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے مگر اوقات مکروہہ میں یا غصب کردہ زمین میں نماز پڑھنا گناہ ہے اسی طرح روزہ فی نفسہ عمدہ عبادت ہے مگر ایام عید وتشریق میں روزہ رکھنا گناہ ہے اس لئے کہ حکم شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف ہے اور لہو ولعب اچھی چیز نہیں مگر اپنی بی بی کے ساتھ لہو ولعب باعث اجر ہے کیونکہ بحکم شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے تو معلوم ہوگیا کہ عبادت کی حقیقت فرمانبرداری ہے نہ محض نماز روزہ، کیونکہ نماز روزہ کا بھی اسی وقت عبادت میں شمار ہوتا ہے جب کہ وہ شارع علیہ السلام کے حکم کے مطابق ہو تو بیٹا تمہارے احوال واقوال کو شریعت کے تابع ہونا چاہئے اس لئے کہ کوئی علم وعمل بدون اجازت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سراسر گمراہی اور خداوند سے بعد کا سبب ہے۔'' (خط امام غزالی بنام شاگرد خود ص ۷، ۸ مترجم)

خواجہ معصوم سرہندی رحمہ اللہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

''سعادت دارین سرورِ کونین ﷺ کی اتباع پر موقوف ہے جہنم سے نجات اور دخول جنت سید الابرار قدوۃ الانبیاء ﷺ کی اطاعت پر موقوف ہے، اسی طرح خدائی رضامندی رسول مختار ﷺ کی پیروی کے ساتھ مشروط ہے، توبہ، زہد وتقویٰ، توکل وتبتل آنحضرت ﷺ کے طریقہ کے بغیر مقبول نہیں اور ذکر وفکر ذوق وشوق آنحضرت ﷺ کے طریقہ کے بغیر نا قابل اعتبار ہے، صلوات اللہ علیہ وسلامہ (مکتوب نمبر ۱۰ بنام خواجہ دینارؒ)

دیگر ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔ سنت نبوی کی روشنی کے بغیر صراط مستقیم دشوار ہے اور راہ نبوت اختیار کئے بغیر حصول نجات محض خیال ہے۔ (مکتوب نمبر ۲۲ بنام محمد حنیف)

شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے اسی مضمون کو اشعار میں بیان فرمایا ہے۔

بہ زہد و ورع کوش و صدق و صفا
و لیکن میفزائے بر مصطفیٰ

پرہیزگاری و پارسائی اور صدق وصفا میں کوشش کر لیکن آنحضرت ﷺ سے آگے نہ بڑھ۔ یعنی حضور اکرم ﷺ نے جیسا اور جتنا کیا ہے اسی طرح تم کرو اپنی طرف سے سرمو زیادتی مت کرو۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

جو شخص پیغمبر ﷺ کے خلاف راہ اختیار کرے گا وہ کبھی منزل مقصود پر نہ پہنچ سکے گا۔

مپندار سعدی کہ راہ صفا
تواں یافت جز بر پئے مصطفیٰ

سعدی! ایسا گمان ہرگز نہ کر کہ آنحضرت ﷺ کی پیروی اور آپ کے نقش قدم پر چلے بغیر صراط مستقیم اور سیدھا راستہ پاسکو گے۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بترکستان است

اے اعرابی! مجھے ڈر ہے کہ تو کعبۃ اللہ تک نہ پہنچ سکے گا اس لئے کہ تو نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ ترکستان کا ہے۔

عمل مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں، عند اللہ کسی بھی عمل کے مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ اخلاص ہو اور دوسرا یہ کہ وہ عمل سنت کے مطابق ہو، ارشاد خداوندی ہے۔ **ومن احسن دینا ممن اسلم وجهه لله محسن** یعنی اس شخص سے بہتر کسی کا طریقہ نہیں ہوسکتا جس میں دو باتیں پائی جائیں ایک **اسلم وجهه** اپنی ذات کو اللہ کے سپرد کردے، ریاکاری، دنیا سازی شہرت اور ناموری کے لئے نہیں بلکہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے عمل کرے، دوسرے **وهو محسن** یعنی وہ عمل بھی درست طریقہ پر کرے، امام ابن کثیر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ درست طریقہ پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس عمل کا خود ساختہ طرز نہ ہو بلکہ شریعت مطہرہ کے بتلائے ہوئے طریقہ پر ہو اللہ تعالیٰ اور اس کی رسول ﷺ کی تعلیم کے مطابق ہو۔

(بحوالہ معارف القرآن ص ۵۵۵ ج ۲ سورۂ نساء، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

امام رازی رحمہ اللہ آیت کریمہ **لیبلو کم ایکم احسن عملاً** کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ذکروا فی تفسیر احسن عملا وجوهاً (احدها) ان یکون اخلص الا عمال واصوبها لان العمل اذا کان خالصاً غیر صواب لم یقبل وکذلک اذا کان صواباً غیر خالص فالخالص ان یکون لوجه الله والصواب ان یکون علی السنة (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۴۳ سوره ملک) (رساله العبودیة ص ۲۰ - ۲۱)

یعنی ''احسن عملاً'' سے مراد عمل مقبول ہے اور عمل مقبول وہ ہے جو خالص ہو اور صواب ہو، اگر عمل خالص ہے مگر صواب نہیں تو وہ مقبول نہیں ہے، اسی طرح صواب ہے مگر خالص نہیں تو وہ عمل بھی مقبول نہیں، عمل خالص وہ جو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا جائے اور صواب وہ ہے جو سنت کے مطابق ہو۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: **لا یستقیم قول وعمل ونیة الا بموافقة السنة** یعنی کوئی قول اور عمل اور نیت درست نہیں جب تک کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے موافق نہ ہو۔ (تلبیس ابلیس ص ۹)

حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لا یقبل قول بلا عمل ولا عمل بلا اخلاص واصابة السنة** ۔ یعنی کوئی قول عمل کے بغیر قابل قبول نہیں اور کوئی عمل اس وقت تک مقبول نہیں جب تک اس میں اخلاص نہ ہو اور سنت کے مطابق نہ ہو۔ (الفتح الربانی ص ۱۴ ج ۱ مجلس نمبر ۲)

حضرت احمد ابن ابی الحواری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **من عمل بلا اتباع سنة فباطل عمله** یعنی جو عمل بھی اتباع سنت کے بغیر کیا جائے وہ باطل ہے (کتاب الاعتصام ص ۱۱۴ ج ۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله ویغفر لکم ذنوبکم والله غفور رحیم** ۔ آپ فرما دیجئے! اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو تم لوگ میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور

تمہارے سب گناہوں کو معاف کردیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑی عنایت فرمانے والے ہیں ۔ (سورۂ آل عمران پ ۳ رکوع نمبر ۱۱)

آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی سنت اور آپ کے مبارک طریقہ پر چلنے سے، انسان اللہ کا محبوب بن جاتا ہے اور اللہ اس کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں اس سے بڑھ کر کیا نعمت ہوگی؟ اس لئے یہی سعادت مندی ہے کہ انسان بدعات سے بالکلیہ اجتناب اور سنت کی اتباع کرے۔

اتباع سنت اور اتباع شریعت کے متعلق حضرت غوث الاعظم کے فرامین

(۱) اساس الخیر متابعة النبی صلی الله علیه وسلم فی قوله وفعله یعنی ساری خوبیوں کی جڑ جناب رسول اللہ ﷺ کا اتباع ہے آپ کے قول میں بھی اور آپ کے فعل بھی (الفتح الربانی ص ۴۳۸ مجلس نمبر ۵۹)

(۲) اتبعوا ولا تبتدعوا (رسول برحق کی) پیروی کرو اور (احکام دین میں) بدعتیں پیدا نہ کرو (فتوح الغیب ص ۱۰، مقالہ نمبر ۲)

(۳) لاتصح متابعتک للرسول صلی الله علیه وسلم حتی تعمل بما قال .

ترجمہ: تیری متابعت جناب رسول اللہ ﷺ کے لئے صحیح نہیں جب تک کہ تو اس شریعت پر عمل نہ کرے جس کا آپ ﷺ نے تجھے حکم دیا ہے (الفتح الربانی ص ۲۲ مجلس نمبر ۳)

(۴) علیکم بالا تباع من غیر ابتداع علیکم بمذهب السلف الصالح، امشوا فی الجادة المستقیمة لا تشبیه ولا تعطیل ، بل اتباع لسنة رسول الله صلی الله علیه وسلم من غیر تکلف ولا تطبع ولا تشدد ولا تمشدق ولا تمعقل. (الفتح الربانی ص ۶۰ مجلس نمبر ۱۰)

اپنے اوپر لازم سمجھو اتباع کو بدعت ایجاد کئے بغیر، لازم پکڑو سلف صالحین کے مذہب کو، چلو راہ مستقیم پر جس میں نہ تشبیہ ہو نہ تعطیل بلکہ جناب رسول اللہ ﷺ کی سنت کا اتباع ہو بلا تکلف بلا تصنع بلا تشدد اور لسانی و عقل کے تیکھے چلائے بغیر۔

(۵) ما لنا حاجة خارجة عن دائرة الشرع. جو چیز شریعت کے دائرے سے خارج (باہر) ہے اس کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں (الفتح الربانی ص ۷ مجلس نمبر ۱۱)

(۶) تامرهم بطاعته ، وتنهاهم عن معصیته ، وتنهاهم عن الضلال والا بتداع واتباع الهوی وموافقة النفس وتامرهم باتباع کتاب الله عزوجل وسنة رسوله صلی الله علیه وسلم. (الفتح الربانی ص ۷ مجلس نمبر ۱۱)

یعنی: ان کو (لوگوں کو) حکم کر اللہ کی اطاعت کا اور منع کر اس کی معصیت سے ان کو روک گمراہی اور بدعتوں کے ارتکاب اور خواہش نفس کے اتباع اور نفس کی موافقت سے اور ان کو حکم کر کتاب اللہ عزوجل اور سنت رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا۔

(۷) تادبوا بین یدی الحق عزوجل کما کان یتادب من سبقکم ، انتم مخانیث ونساء

بالاضافة اليهم ، شجاعتكم عند ماتامركم به نفوسكم و اهو يتكم وطباعكم ،الشجاعة في الدين تكون في قضاء حقوق الحق عزو جلّ .(الفتح الربانی ص ۹۳ مجلس نمبر ۱۴)

ترجمہ: باادب بنو حق تعالیٰ کے سامنے جیسے کہ تمہارے اسلاف باادب رہتے تھے تم ان کے مقابلہ میں ہیجڑے اور عورتیں ہو تمہاری شجاعت انہیں باتوں میں ہے جن کا تم کو تمہارے نفس، تمہاری خواہش اور تمہاری طبیعتیں تم کو حکم دیتی ہیں دین کے بارے میں شجاعت اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے میں ہوا کرتی ہے۔

(۸) اما بقولک انا من امته من غير متا بعة لا ينفعك ، اذا اتبعتموه في اقواله وافعاله كنتم معه في صحبته في دار الاخرة اما سمعتم قوله عزوجل وما اتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا امتثلوا ما امركم ، وانتهوا عما نهاكم وقد قربتم من ربكم عزوجل في الدنيا بقلوبكم وفي الاخرة بنفوسكم واجسادكم .(الفتح الربانی ص ۱۷۸ مجلس نمبر ۲۵)

ترجمہ: اور (رسول اللہ ﷺ) کا اتباع کئے بغیر تیرا یوں کہنا کہ میں آپ کا امتی ہوں تیرے لئے مفید نہیں ہے جب تم آپ کے اقوال اور افعال میں آپ کے متبع بن جاؤ گے تو دار آخرت میں تم کو آپ ﷺ کی مصاحبت نصیب ہوگی کیا تم نے حق تعالیٰ کا ارشاد نہیں سنا کہ "جو کچھ تم کو حکم دیں اس کی تعمیل کرو اور جس بات کی بھی ممانعت کریں اس سے رک جاؤ، یقیناً دنیا میں حق تعالیٰ کے قریب ہو جاؤ گے قلوب کے اعتبار سے اور آخرت میں قریب ہو جاؤ گے اجسام اور نفوس کے اعتبار سے۔

(۹) ليس الشرك عبادة الاصنام فحسب بل هو متابعتك بهواك .(فتوح الغیب ص ۲۱ مقالہ نمبر ۷)

ترجمہ: شرک صرف بت پرستی ہی نہیں ہے بلکہ شرک یہ (بھی) ہے کہ تم اپنی خواہشات کی پیروی کرو۔

(۱۰)فتبين طريق المحبة اتباعه (صلى الله عليه وسلم) قولاً وفعلاً ،(فتوح الغیب ص ۱۰۱ مقالہ نمبر ۳۶)

ترجمہ ظاہر ہوا کہ محبت کا طریقہ نبی ﷺ کی پیروی ہے قولاً اور فعلاً تلك عشرة كاملة.

عربی شاعر نے خوب کہا ہے:

تعصى الرسول وانت تظهر حبه
هذا لعمرى فى الفعال بديع
لو كان حبك صادقاً لا طعته
ان المحب لمن يحب يطيع

یعنی: تم اللہ کے رسول ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو اور ساتھ ہی ان کے فرمان کی خلاف ورزی بھی کرتے ہو کس قدر عجیب بات ہے اگر فی الواقع تمہارے دل میں ان کی محبت ہوتی اور تم اپنے دعویٰ محبت میں سچے ہوتے تو کبھی ان کی نافرمانی نہ کرتے، اس لئے کہ محبت کرنے والا محبوب کے ہر فعل کی اطاعت کرتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ سنت کے خلاف بدعت کو دینی کام سمجھنا اور سنت کے مثل اسے تھامے رہنا یہ دین میں کمی بیشی اور کتر بیونت ہے اور دین میں اس طرح کرنا سخت ناجائز اور بڑا گناہ اور خطرناک ہے۔

جس نے دین میں نئی بات ایجاد کی اور اس کو نیک کام سمجھا تو اس نے آنحضرت ﷺ کو احکام خداوندی کی تبلیغ میں (معاذ اللہ) خائن اور کوتاہی کرنے والا ٹھہرایا اس لئے کہ ارشاد خداوندی ہے **الیوم اکملت لکم دینکم** آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا، لہذا جو کام آپ کے مبارک زمانہ میں دین میں شامل نہ تھا وہ آج بھی دین میں شامل نہیں ہو سکتا (کتاب الاعتصام ص ۴۸ ج ۱)

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **من احب صاحب بدعة احبط الله عملهٗ واخرج نور الایمان من قلبه**: یعنی: جو شخص بدعتی سے محبت اور دوستی کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کے اعمال ضائع فرما دیتے ہیں اور نور ایمان اس کے دل سے نکال دیتے ہیں۔ (غنیۃ الطالبین ص ۵۵ ج ۱ عربی)

امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

وترویج بدعت موجب تخریب دین است وتعظیم مبتدع باعث ہدم اسلام۔ الی قولہ۔ بدعت را در رنگ کلندی داند کہ ہدم بنیاد اسلام می نماید وسنت را در رنگ کوکب درخشاں می نماید کہ در شب دیجور ضلالت ہدایت می فرماید۔ (مکتوبات امام ربانی ص ۳۸ ج ۲ فارسی)

بدعت کا جاری کرنا دین کی بربادی کا موجب ہے اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو گرانے کا باعث ہے۔ الیٰ قولہ۔ بندہ بدعت کو کلہاڑی کی طرح جانتا ہے جو بنیاد اسلام کو گرا رہی ہے اور سنت کو چمکنے والے ستارے کی طرح دیکھتا ہے جو گمراہی کی سیاہ رات میں ہدایت فرما رہا ہے۔ (ترجمہ مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۶۳، مکتوب نمبر ۲۳)

آپ ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں۔

وعمل بدعت از دیاد آں ظلمت می نماید وتقلیل نور سنت می سازد ودر عمل سنت باعث تقلیل آں ظلمت است و تکثیر آں نور **فمن شاء فلیکثر ظلمة البدعة ومن شاء فلیکثر نور السنة ومن شاء فلیکثر حزب الشیطان ومن شاء فلیکثر حزب الله . الا ان حزب الشیطان هم الخاسرون الا ان حزب الله هم المفلحون .**

(مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی ج ۲ ص ۳۹ مکتوب نمبر ۲۳ فارسی)

ترجمہ: بدعت پر عمل کرنا اس ظلمت کو اور بھی زیادہ کرتا ہے اور سنت پر عمل کرنا اس ظلمت کے کم ہونے اور اس نور کے زیادہ ہونے کا باعث ہے اب اختیار ہے کہ کوئی خواہ بدعات کی ظلمت کو زیادہ کرے یا سنت کے نور کو بڑھاوے اور جو چاہے شیطان کے گروہ کو بڑھائے اور جو چاہے اللہ کے گروہ کو زیادہ کرے **الا ان حزب الشیطان هم الخاسرون الا ان حزب الله هم المفلحون**. (مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۶۴ مکتوب نمبر ۲۳)

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

النصیحة هی الدین ومتابعة سید المرسلین علیه وعلیهم الصلوٰة والسلام وایتان السنة السنیة والاجتناب عن البدعة اللامرضیة وان کانت البدعة تری مثل فلق الصبح لانه فی الحقیقة

لانور فیھا ولا ضیاء ولا للعلیل منھا شفاء ولا للداء منھا دواء کیف والبدعۃ اما رافعۃ للسنۃ او ساکتۃ عنھا والساکتۃ اما لا بد ان تکون زائدۃ علی السنۃ فتکون ناسخۃ لھا فی الحقیقۃ ایضا لان الزیادۃ علی النص نسخ لہ فالبدعۃ کیف کانت تکون رافعۃ للسنۃ نقیضۃ لھا فلا خیر فیھا ولا حسن فیھا .(مکتوبات امام ربانی ص ۳۱ ج ۲، مکتوب نمبر ۱۹ فارسی)

ترجمہ: سب سے اعلیٰ نصیحت یہی ہے کہ حضرت سید المرسلین ﷺ کا دین اور متابعت اختیار کریں، سنت سنیہ کو بجالائیں اور بدعت نامرضیہ سے پرہیز کریں اگرچہ بدعت صبح کی سفیدی کے مانند (بظاہر) روشن ہو لیکن درحقیقت اس میں کوئی روشنی اور نور نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کسی بیماری کی دوا اور بیمار کی شفاء ہے کیونکہ بدعت دو حال سے خالی نہیں یا تو سنت کی رافع ہوگی یا رافع سنت ہونے سے ساکت ہوگی، ساکت ہونے کی صورت میں سنت پر ضرور زائد ہوگی جو درحقیقت سنت کو منسوخ کرنے والی ہے کیونکہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہے پس معلوم ہوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو سنت کی رافع اور اس کی نقیض ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کی خیر اور حسن نہیں۔

(ترجمہ مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۵۲، ۵۳ مکتوب نمبر ۱۹)

اور ہدایت فرماتے ہیں۔

از حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ بتضرع وزاری والتجا وافتقار و ذل وانکسار در سر و جہار مسالت می نماید کہ ہر چہ در دین محدث شدہ است و مبتدع گشتہ کہ در زمانہ خیر البشر و خلفائے راشدین نبودہ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اگرچہ آن چیز در روشنی مثل فلق صبح بود ایں ضعیف را با جمع کہ باو مستند اند گرفتار عمل محدث مگر دانا ومفتون حسن آں مبتدع مکنا و بحرمت سید المختار و آلہ الابرار علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات گفتہ اند کہ بدعت بر دو نوع است حسنہ وسیئہ حسنہ آں عمل نیک را گویند کہ بعد از زماں آں حضور و خلفائے راشدین علیہ وعلیہم الصلوات اتمہا ومن التحیات اکملہا پیدا شدہ باشد و رفع سنت نہ نماید و سیئہ آنکہ رافع سنت باشد ایں فقیر در ہیچ بدعتے ازیں بدعتہا حسن ونورانیت مشاہدہ نمی کند و جز ظلمت وکدورت احساس نمی نماید اگر فرضاً عمل مبتدع را امروز بواسطۂ ضعف بصارت بطراوت ونظارت بیند فردا کہ حدید البصر کردن دانند کہ جز خسارت وندامت نتیجہ نداشت۔ (مکتوبات امام ربانی ص ۱۸۶ ج ۲ مکتوب نمبر ۱۸۶)

ترجمہ: عاجزی اور زاری اور التجا و محتاجی اور ذلت و خواری کے ساتھ ظاہر اور پوشیدہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کرتا ہے اور جو کچھ اس دین میں محدث اور مبتدع پیدا ہوا ہے جو خیر البشر اور خلفائے راشدین علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے زمانہ میں نہ تھا اگرچہ وہ روشنی میں صبح کی سفیدی کے مانند ہو اس ضعیف کو ان لوگوں کے ساتھ جو اس بدعت سے منسوب ہیں اس محدث کے عمل میں گرفتار نہ کرے اور اس مبتدع کے حسن پر فریفتہ نہ کرے۔ بحرمۃ سید المختار وآلہ الابرار علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام بعض علماء نے کہا ہے کہ بدعت دو قسم پر ہے حسنہ اور سیئہ، حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کے بعد پیدا ہوا ہو اور وہ سنت کو رفع نہ کرے اور سیئہ اس بدعت کو کہتے ہیں جو سنت کو رفع کرے، یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیت مشاہدہ نہیں کرتا اور ظلمت اور کدورت کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتا اگرچہ آج اس مبتدع کے عمل کو ضعف بصارت کے باعث طراوت و تازگی میں دیکھیں، لیکن

کل جب کہ بصیرت تیز ہوگی تو دیکھ لیں گے کہ اس کا نتیجہ خسارت وندامت کے سواء کچھ نہیں تھا۔
(ترجمہ مکتوبات امام ربانی ج ا ص ۳۰۸، ص ۳۰۹ مکتوب نمبر ۱۸۶)

جس فعل کے متعلق سنت یا بدعت ہونے میں تردد ہو اسے چھوڑ دیا جائے

لہذا سعادت مندی یہی ہے کہ سنت کے مطابق عمل کیا جائے اور بدعات سے بالکلیہ اجتناب کیا جائے، بلکہ جس فعل کے متعلق سنت یا بدعت ہونے میں تردد ہو تو ایسے فعل کو بھی چھوڑ دیا جائے، اصول فقہ کا قاعدہ ہے۔ وما تردد بین البدعة والسنة یترک لان ترک البدعة لازم ۔ یعنی: جس کام کے بدعت اور سنت ہونے میں تردد ہو تو اسے چھوڑ دیا جائے، اس لئے کہ بدعت کا چھوڑنا لازم اور ضروری ہے۔ (فتح القدیر ص ۴۵۵ ج ا، باب سجود السہو)

بحر الرائق میں ہے: ان الحکم اذا تردد بین سنة وبدعة کان ترک البدعة راجحاً علی فعل السنة، یعنی: جب کسی حکم کے متعلق سنت اور بدعت ہونے میں تردد ہو تو بدعت کا چھوڑنا سنت پر عمل کرنے کی بہ نسبت بہتر اور مباح ہوگا۔ (البحر الرائق ص ۲۰ ج ۲ باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: وما تردد بین البدعة والسنة یترک جس چیز کے متعلق تردد ہو کہ یہ سنت ہے یا بدعت تو اسے چھوڑ دیا جائے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۱۷۹)

شامی میں ہے۔ اذا تردد الحکم بین سنة وبدعة کان ترک السنة راجحاً علی فعل البدعة. جب کوئی حکم سنت اور بدعت کے درمیان متردد ہو تو سنت کو چھوڑنا اس بدعت پر عمل کرنے سے بہتر ہے۔ (شامی ص ۶۰۰ ج ا مکروہات الصلوٰۃ)

یہاں تک ہدایت کی گئی ہے کہ اگر کوئی بات دل میں آئے اور اسے وہ بات اچھی معلوم ہو تو اس پر فوراً عمل شروع نہ کردے تا آنکہ یہ تحقیق نہ ہو جائے کہ یہ بات سنت کے موافق ہے۔ حضرت سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ لا ینبغی لمن الھم شیئا من الخیرات یعمل به حتی یسمع به فی الا ثر فیحمد اللہ تعالیٰ اذا وافق السنة :. یعنی شخص کے دل میں کوئی امر خیر الہام کیا جائے تو اسے چاہئے کہ اس پر عمل نہ کرے جب تک کہ اس کا آثار کے موافق ہونا معلوم نہ ہو جاوے، اگر آثار میں اس کا وجود ملے تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ جو بات اس کے دل میں آئی وہ آثار کے مطابق ہوئی۔ (احیاء العلوم ص ۸۶ ج ا) (مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم ص ۹۳ ج ا)

بدعت میں شدید قباحت کیوں ہے؟

اس کے متعلق صاحب مجالس الابرار کا فاضلانہ مضمون

بدعت میں اس قدر قباحت کیوں ہے، اس کے متعلق مجالس الابرار میں بہت عمدہ بات تحریر فرمائی ہے، انشاء اللہ اس سے بدعت کی قباحت سمجھنے میں مدد ملے گی، ملاحظہ ہو فرماتے ہیں۔

واما ما کان المقتضیٰ لفعله فی عهده علیه السلام موجوداً من غیر وجود المانع منه ومع ذلک لم یفعله علیه السلام فاحداثه تغییر لدین الله تعالیٰ اذ لو کان فیه مصلحة لفعله علیه السلام او حث علیه وکما لم یفعله علیه السلام ولم یحث علیه علم انه لیس فیه مصلحة بل هو بدعة قبیحة سیئة مثاله الاذان فی العیدین فانه لما احدثه بعض السلاطین انکره العلماء وحکموا بکراهته فلو لم یکن کونه بدعة دلیلاً علی کراهته لقیل هذا ذکر الله تعالیٰ ودعاء الخلق الیٰ عبادة الله تعالیٰ فیقاس علی اذان الجمعة او یدخل فی العمومات التی من جملتها قوله تعالیٰ واذکروا الله ذکراً کثیراً وقوله تعالیٰ ومن احسن قولاً ممن دعا الی الله لکن لم یقولوا ذلک بل قالوا کما ان فعل ما فعله علیه السلام کان سنة کذلک ترک ما ترکه علیه السلام مع وجود المقتضی وعدم المانع منه کان سنة ایضاً فانه علیه السلام لما امر بالاذان فی الجمعة دون العیدین کان ترک الاذان فیهما سنة ولیس لاحد ان یزیده ویقول هذا زیادة العمل الصالح لا یضر زیادته اذ یقال له هکذا تغیرت ادیان الرسل وتبدلت شرائعهم فان الزیادة فی الدین لو جازت لجاز ان یصلی الفجر اربع رکعات والظهر ست رکعات ویقال هذا زیادة عمل صالح لا یضر زیادته لکن لیس لاحد ان یقول ذلک لان ما یبدیه المبتدع من المصلحة والفضیلة ان کان ثابتاً فی عصره علیه السلام ومع هذا لم یفعله علیه السلام فیکون ترک مثل هذا الفعل سنة مقدمة علی کل عموم وقیاس. (مجالس الابرار ص ۱۲۷، ص ۱۲۸ مجلس نمبر ۱۸ فی اقسام البدع واحکامها)

ترجمہ: جس فعل کا موجب سبب دور نبویؐ میں موجود ہو اور اس فعل کے کرنے سے کوئی مانع بھی موجود نہ ہو پھر بھی آنحضور ﷺ نے وہ فعل (کام) نہ کیا ہو (مثلاً اذان قبر) تو اس کام کو جاری کرنا دین کو بدلنا ہے اس لئے کہ اگر اس کام میں کوئی مصلحت ہوتی تو حضرت سرور کائنات ﷺ اس کو ضرور کرتے، یا اس کی ترغیب فرماتے [illegible] جب آپ نے نہ خود اس کام کو کیا نہ کسی کو ترغیب دی تو معلوم ہوا کہ اس میں کوئی بھلائی اور خیر وفلاح نہیں بلکہ وہ بدعت قبیحہ سیئہ ہے اس کی مثال عیدین میں اذان کہنا ہے کہ جب اس کو بعض سلاطین نے ایجاد کیا تو علماء نے منع کیا اور ناجائز بتایا اگر اس کا بدعت ہونا اس کی کراہت کی دلیل نہ ہوتی تو کہا جاتا کہ یہ تو خدا کا ذکر ہے اور اللہ کی عبادت کے لئے لوگوں کو بلانا ہے (اور شیطان کو بھگانا بھی ہے) لہٰذا جمعہ کی اذان پر اس کو قیاس کیا جائے یا ان عام احکامات کے تحت اس کو داخل مانا جائے جن میں سے ایک اللہ کا یہ فرمان ہے واذکروا الله ذکراً کثیراً اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو، نیز یہ ارشاد خداوندی ہے ومن احسن قولاً ممن دعا الی الله اس سے بہتر کون ہے جس نے اللہ کی طرف بلایا (لیکن ان دونوں امور میں سے کسی

پر قیاس کر کے کسی نے اذان عید کے سنت ہونے کو نہیں کہا بلکہ تمام علماء یہی کہتے رہے کہ جس کام کو حضور اکرم ﷺ نے کیا ہو اس کا اسی طرح کرنا سنت ہے اسی طرح اس کام کو چھوڑنا بھی سنت ہے جس کو حضور اکرم ﷺ نے باوجود اقتضاء کی اور مانع نہ ہونے کے نہیں کیا، کیونکہ پیغمبر ﷺ نے جب جمعہ کی اذان کا حکم دیا اور عیدین میں حکم نہیں دیا تو عیدین میں اذان نہ کہنا ہی سنت ہے اور کسی کو حق نہیں ہے کہ اس پر زیادتی کرے اور یہ کہے کہ یہ نیک کام کی افزائش ہے اور ایسی زیادتی مضر نہیں، اس لئے کہ اس سے یہ کہا جائے گا کہ اسی طرح پیغمبروں کے دین متغیر ہو گئے اور ان کی شریعتیں بدل گئیں اس لئے کہ اگر دین میں زیادتی جائز ہوتی تو یہ بھی جائز ہوتا کہ صبح کی نماز چار رکعت پڑھے اور ظہر کی چھ رکعت اور کہا جاتا کہ یہ نیک کام کی زیادتی ہے اس میں کچھ حرج نہیں لیکن یہ کوئی نہیں کہہ سکتا، اس واسطے کہ بدعتی جو مصلحت اور فضیلت بیان کرتا ہے اگر وہ مصلحت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت میں ثابت (موجود) تھی اور باوجود اس کے آپ نے اس کو نہیں کیا تو اس کام کا چھوڑنا ہی ایسی سنت ہے جو ہر عموم اور قیاس سے مقدم ہے۔

تحفۂ علم وحکمت میں ہے:۔ بدعت کی تیسری شرط داعیہ کے باوجود نہ پایا جانا۔ یعنی قرون مشہود لہا بالخیر (خود آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ اور ائمہ مجتہدین کے دور میں) ضرورت اور داعیہ کے باوجود نہ پایا جانا، کیونکہ سال کے یہ بارہ مہینے، ہفتے کے یہ سات دن، اور دن کے یہ چوبیس گھنٹے ان ادوار میں بھی موجود تھے مگر اس کے باوجود اگر انہوں نے کسی خاص مہینے یا خاص دن یا خاص وقت کے لئے کوئی خاص طریقہ یا خاص عمل مقرر نہیں کیا تو ہمیں اس کا کیا حق پہنچ سکتا ہے، یا مثلاً پیدائش وموت، خوشی وغمی، عیدین وجنائز وغیرہ تمام امور اس وقت بھی موجود تھے تو پھر ان امور کے متعلق کوئی ایسا کام کرنا ہمارے لئے کس طرح جائز اور درست ہو سکتا ہے جو انہوں نے ضرورت وداعیہ کے باوجود نہ کیا ہو، کیونکہ ظاہر ہے کہ نہ ہم علم کے میدان میں ان کی گرد راہ کو پہنچ سکتے ہیں نہ عمل کے میدان میں۔ نہ عشق نبوی کے دعویٰ میں ان کی ہمسری کر سکتے ہیں نہ اتباع سنت کے دائرہ میں ان کی برابری کا سوال پیدا ہو سکتا ہے، تو پھر وہ کام کیونکر دین قرار پا سکتا ہے جو انہوں نے ضرورت وداعیہ کے باوجود نہیں کیا۔ (تحفہ علم وحکمت ص ۱۹۶ مولانا ابو عامر محمد اسحاق خان)

نیز تحفۂ علم وحکمت میں ہے:۔

بدعتی دین کو ناقص سمجھتا ہے

بدعت کی ایجاد واختراع سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ دین ناقص تھا، اور اس میں اس چیز کی کمی تھی جو بدعتی شخص بدعت ایجاد کر کے پوری کر رہا ہے (نعوذ باللہ من ذلک) اور یہ خیال بھی کفر ہے کیونکہ ہمارا دین مکمل ہے اور اللہ نے تیئس سال کے طویل عرصہ میں اپنے پیغمبر ﷺ پر وحی کے ذریعہ اس کی تکمیل فرما دی چنانچہ ارشاد ربانی ہے **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا** . آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا، یہ آیت کریمہ ۹ھ کو حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفہ کے دن ''عرفات'' کے میدان میں نازل ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے جبل رحمت کے دامن میں اس کا اعلان فرمایا، اس لئے جمہور علماء ومفسرین کے نزدیک اس آیت کریمہ کی بعد احکام سے متعلق کوئی آیت

نازل نہیں ہوئی، تو جب دین مکمل ہوگیا اور اس کی تکمیل کا اعلان بھی اس طرح کر دیا گیا تو پھر اس میں بدعات کی پیوند کاری کی گنجائش کس طرح ہو سکتی ہے، تو بدعتی شخص اپنی بدعت ایجاد کر کے گویا یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ دین نعوذ باللہ ناقص تھا اور میں اس طرح اس کی تکمیل کا سامان کر رہا ہوں اس طرح وہ اپنے عمل سے اس آیت کریمہ کی تکذیب کرتا ہے اور کلام اللہ کی تکذیب کا مجرم قرار پا رہا ہے اور اس کے ساتھ خدا اور رسول کی بھی تکذیب کا ارتکاب کرتا ہے۔ والعیاذ باللہ (تحفۂ علم وحکمت ص ۲۰۱، ص ۲۰۲)

مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔ ''اور فرمایا (رسول اللہ ﷺ نے) کہ جو شخص بدعتی کی توقیر اور تعظیم کرتا ہے وہ گویا اسلام کے ڈھانے پر مدد کرتا ہے، یہ کیوں؟ اس لئے کہ بدعتی خدا اور رسول کی توہین کرتا ہے کہ اس کی کامل ومکمل شریعت میں اپنی طرف سے ایجاد کر کے گویا خدا اور رسول کی جانب کوتاہی اور نقصان کی نسبت کرتا ہے یا خود احکام تجویز کر کے اپنے لئے (تشریع احکام کا) خدائی منصب تجویز کرتا ہے، اس لئے وہ تو درحقیقت اسلام کو ڈھا رہا ہے اور جو اس کی تعظیم وتکریم کرے وہ اسلام کے ڈھانے میں اس کا مددگار ہے نعوذ باللہ منہا۔ (کفایت المفتی ص ۱۳۰ ج ۴، کتاب الجنائز)

کیا ہر نئی چیز بدعت ہے؟:

یہاں یہ سمجھ لیا جائے کہ احادیث میں جس بدعت کی مذمت آئی ہے اس سے وہ بدعت مراد ہے جسے شرعی اعتبار سے بدعت کہا جائے اور شرعی اعتبار سے بدعت کی تعریف اور اس کے متعلق کافی وضاحت از صفحہ تا صفحہ پر آ چکی ہے، اس لئے ہر نئی بات کو بدعت ممنوعہ نہیں کہا جا سکتا، بلکہ جو عمل ''فی الدین'' یعنی دین کے اندر بطور اضافہ اور کمی بیشی کے ہو اور اسے دین قرار دے کر اور عبادات وغیرہ دینی امور کی طرح ثواب اور رضائے الٰہی کا ذریعہ سمجھ کر کیا جائے، حالانکہ شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہ ہو نہ قرآن وسنت سے نہ قیاس واجتہاد سے جیسے عیدین کی نماز میں اذان اور اقامت کا اضافہ وغیرہ وغیرہ یہ تو بدعت ہے اور جو نیا کام ''للدین'' ہو یعنی دین کے استحکام ومضبوطی اور دینی مقاصد کی تکمیل وتحصیل کے لئے ہو اسے بدعت ممنوعہ نہیں کہا جا سکتا جیسے جمع قرآن کا مسئلہ، قرآن میں اعراب لگانا، کتب احادیث کی تالیف اور ان کی شرحیں لکھنا اور ان کتابوں کا صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ وغیرہ نام رکھنا، اسی طرح احکام فقہ کا مدون کرنا اور ان کو مرتب کرنا اور مذاہب اربعہ کی تعیین اور ان کا حنفی، شافعی مالکی اور حنبلی نام رکھنا، مدارس مکاتب اور خانقاہیں بنانا، ان تمام امور کو بدعت نہیں کہا جا سکتا، اسی طرح آج کل کی نو ایجاد چیزیں، سفر کے جدید ذرائع، ریل موٹر ہوائی جہاز وغیرہ وغیرہ، ان چیزوں کو بھی بدعت نہیں کہا جائے گا، اس لئے کہ ان کو دین اور ثواب اور رضائے الٰہی کا کام سمجھ کر استعمال نہیں کیا جاتا، لہذا جو لوگ یوں کہہ دیتے ہیں کہ جب ہر نئی چیز بدعت ہے تو یہ تمام نو ایجاد اشیاء بھی بدعت ہونا چاہئے اور ان کو استعمال نہ کرنا چاہئے یہ صریح جہالت ہے یا عوام کو دھوکا دینا ہے۔

سنت کی تعریف اور اس کا حکم

لہٰذا سنت کی قدر پہچانو اور حضور اقدس ﷺ کی سنتوں کو مضبوطی سے تھام لو اور آپ کی مبارک اور نورانی سنتوں کو زندہ کرنے کی بھرپور کوشش کرو۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر سنت کی تعریف اور اس کا حکم بیان کر دیا جائے۔

سنت وہ کام جس کو نبی کریم ﷺ نے خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا ہو اور اس کی تاکید کی ہو۔

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ. تم اپنے اوپر میری سنت کو اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم کر لو اور دانتوں سے مضبوط پکڑ لو۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

نیز حدیث میں ہے:۔

عن عمر بن الخطاب قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول سألت ربی عن اختلاف اصحابی من بعدی فاوحی الی یا محمد ان اصحابک عندی بمنزلۃ النجوم فی السماء بعضھا اقوی من بعض ولکل نور فمن اخذ بشیء مما ھم علیہ من اختلافھم فھو عندی علی ھدی. قال . وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابی کا لنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم رواہ رزین. (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴ باب مناقب الصحابۃ)

ترجمہ۔ حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنے بعد اپنے اصحاب کے اختلاف کی بابت حق تعالیٰ سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری جانب وحی فرمائی، میرے نزدیک آپ کے صحابہ کا مرتبہ آسمان کے ستاروں کی طرح ہے کہ بعض ستارے بعض سے قوی ہیں لیکن ہر ستارہ میں نور ہے، جن چیزوں میں صحابہ کے درمیان اختلاف ہوا ان میں کسی کے قول کو اختیار کرے گا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہوگا، اس کے بعد حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، ان میں سے جن کی اقتدا کرو گے ہدایت کی راہ پاؤ گے۔

مزید احادیث فتاویٰ رحیمیہ ص ۹۷ تا ص ۱۰۶ جلد سوم میں ملاحظہ فرمائیں۔

پھر سنت کی دو قسمیں ہیں (۱) سنت مؤکدہ (۲) سنت غیر مؤکدہ۔

(۱) سنت مؤکدہ وہ ہے جس کو حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ہمیشہ کیا ہو یا کرنے کی تاکید کی ہو اور بلا عذر کبھی ترک نہ کیا ہو اس کا حکم بھی عملاً واجب کی طرح ہے یعنی بلا عذر اس کا تارک گنہگار اور ترک کا عادی سخت گنہگار اور فاسق ہے اور حضور اقدس ﷺ کی شفاعت سے محروم رہے گا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۴۱ ج ۲)

ردالمحتار معروف بہ شامی میں ہے:۔ **اعلم ان المشروعات اربعۃ اقسام فرض وواجب وسنۃ ونفل فما کان فعلہ اولیٰ من ترکہ مع منع الترک ان ثبت بدلیل قطعی فرض اوبظنی فواجب .**

وبلا منع الترک ان کان مما واظب علیه الرسول صلی الله علیه وسلم او الخلفاء الراشدون من بعده فسنة والا فمندوب ونفل ، والسنة نوعان سنة الهدی وترکها یوجب اساء ة وکراهیة کالجماعة والا ذان والا قامة ونحوها ، وسنة الزوائد وترکها لا یوجب ذلک کسیر النبی علیه الصلوٰة والسلام فی لبسه وقیامه وقعوده الخ (شامی ص ۹۵ مطلب فی السنة وتعریفها)

درمختار میں ہے وفی الزیلعی..... الی قوله ..... کترک السنة المؤ کدة فانه لا یتعلق به عقوبة النار . لحدیث من ترک سنتی لم تنل شفاعتی فترک السنة المؤ کدة قریب من الحرام ولیس من الحرام انتهیٰ

ردالمحتار میں ہے۔(قوله وفی الزیلعی الخ) ..... وما فی الزیلعی موافق لما فی التلویح حیث قال معنی القرب الی الحرمة انه یتعلق به محذور دون استحقاق العقوبة بالنار وترک السنة المؤکدة قریب من الحرام یستحق حرمان الشفاعة اھ ومقتضاه ان ترک السنة المؤ کدة مکروه تحریماً لجعله قریباً من الحرام والمراد بها سنن الهدی کالجماعة والا ذان والاقامة فان تارکها مضلل ملوم کما فی التحریر والمراد الترک علی وجه الا صرار بلا عذر ..... الخ (درمختار رد المحتار ص ۲۹۵ ج ۵، کتاب الحظر والا باحة)

شامی میں ایک اور موقع پر تحریر فرمایا ہے الحا صل ان السنة ان کانت مؤ کدة قویة لا یعد کون ترکها مکروها تحریماً وان کانت غیر مؤ کدة فترکها مکروه تنزیهاً ..... الخ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۳۹ باب مایفسد الصلوٰة وما یکره مطلب فی بیان السنة والمستحب)

پھر سنت مؤکدہ کی دو قسمیں ہیں (۱) سنت عین (۲) سنت کفایہ۔

(۱) سنت عین وہ ہے جس کی ادائیگی ہر مکلّف پر سنت ہے جیسا کہ نماز تراویح وغیرہ۔

(۲) سنت کفایہ وہ ہے جس کی ادائیگی سب پر ضروری نہیں یعنی بعض کے ادا کرنے سے ادا ہو جائے گی اور کوئی بھی ادا نہ کرے تو سب گنہگار ہوں گے جیسا کہ محلّہ کی مسجد میں جماعت تراویح وغیرہ۔

شامی میں ہے:(قوله سنة عین) یسن لکل واحد من المکلفین بعینه وفیه اشارة الی ان السنة قد تکون سنة عین وسنة کفایة ومثاله ما قالوا فی صلاة التراویح انها سنة عین وصلاتها بجماعة فی کل محلة سنة کفایة .(شامی ص ۵۰۲ ج ا) فصل فی القرأة ، مطلب السنة تکون سنة عین وسنة کفایة.

اتباع سنت کے متعلق ارشادات نبی ﷺ

عن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ..... من احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة رواه الترمذی (مشکوٰة شریف ص ۳۰ باب الا عتصام بالکتاب والسنة)

ترجمہ۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا...... اور جس نے میری سنت سے محبت کی (یعنی اس پر عمل کیا) تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جو مجھ سے محبت کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ (مشکوٰۃ)

نیز ارشاد فرمایا: **عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهيد.**

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے میری امت میں فساد کے وقت میری ایک سنت کو مضبوطی سے پکڑا (اور اس پر عمل کیا) تو اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ مناقب صحابؓ)

فساد کے وقت ایک سنت زندہ کرنے پر سو۱۰۰ شہیدوں کا ثواب کیوں ملتا ہے؟

حضرت شاہ محمد اسحاقؒ فرماتے ہیں......!:

اس کو سو۱۰۰ شہیدوں کا ثواب کیوں ملتا ہے اس کے متعلق حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بڑی اچھی بات تحریر فرمائی ہے۔

"**من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهيد**" کہ اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا کیونکہ شہید حقیقی کو جو کفار کے مقابلہ میں لڑ کر شہید ہو زخم کی تکلیف ایک بار اٹھانی ہوتی ہے اس واسطے وہ ایک شہید کا ثواب پاتا ہے اور یہ شخص جو ایسے زمانہ میں کہ کفار اور فساق کا غلبہ ہو رہا ہے سنت نبوی پر چلنے میں ہر طرف سے طعن اور تشنیع کے زخم سے ہر دم جراحت جسمانی اور روحانی کے الم اور رنج میں گرفتار رہتا ہے اس لئے اس کو سو شہید کا ثواب ملے گا اور ہمیشہ مؤمنین نے مفسدوں اور بے دینوں کے ہاتھ سے اس طرح تکلیف پائی ہے جیسا فرمایا حضور ﷺ نے **قال عليه الصلوة والسلام اشد الناس بلاءً الانبياء ثم الامثل فالامثل** بہرحال رضامندی اور تابعداری اللہ اور رسول کی ہر کام میں ضروری ہے اور یہی باعث ہے فلاح اور بہتری کا، دنیا چند روزہ ہے آخر اسی اپنے مالک اور خالق سے معاملہ پڑے گا تو ایسا کرنا چاہئے کہ وہاں شرمندگی نہ اٹھاوے اور دوزخ کا کندہ نہ بنے بلکہ اچھے اعمال عمل میں لا کے خوشی اپنے خداوند قدوس کی حاصل کر کے سزاوار بہشت کے جانے کا اس نے فضل وکرم سے ہووے۔ **ذلک فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم ، اللهم اجعلنا منهم** اور حضور ﷺ کی سنت سے انکار کرنے کو اللہ کے غضب کا سبب سمجھے **ربنا انک من تدخل النار فقد اخزيته وما للظلمين من انصار ، فلا تجعلنا منهم قال النبی صلى الله عليه وسلم كل امتی يدخلون الجنة الا من ابیٰ قيل و من قال من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد ابیٰ** اور تابعداری رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عین تابعداری اللہ تعالیٰ کی ہے، اللہ جل شانہ، نے فرمایا **ومن يطع الرسول فقد اطاع الله ومن تولى فما ارسلناک عليهم حفيظا ربنا آمنا بما انزلت واتبعنا الرسول فاكتبنا مع الشهدين.**

(مسائل اربعین فی سنۃ سید المرسلین ﷺ ص ۳، ج ۴)

نیز حدیث میں ہے۔من حفظ سنتی اکرمہ اللہ باربع خصال المحبۃ فی قلوب البررۃ والھیبۃ فی قلوب الفجرۃ والسعۃ فی الرزق والثقۃ فی الدین یعنی! جس نے میری سنت کی حفاظت کی (دل وجان سے اس کو مضبوط پکڑلیا، اور اس پر عمل کیا) تو اللہ تعالیٰ چار باتوں سے اس کی تکریم کرے گا (۱) نیک لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کرے گا (۲) فاجر اور بدکار لوگوں کے دلوں میں اس کی ہیبت ڈال دے گا (۳) رزق فراخ کردے گا (۴) دین میں پختگی نصیب فرمائے گا۔ (شرح شرعۃ الاسلام ص ۸ لسید علی زادہ)

نیز حدیث میں ہے: عن مالک بن انس رضی اللہ عنہ مرسلاً قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم .رواہ فی المؤطا(مشکوٰۃ شریف ص ۳۱ باب الاعتصام بالکتاب والسنہ)

حضرت مالک بن انسؓ سے مرسلاً روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے کبھی گمراہ نہیں ہو گے، ایک اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید اور دوسری چیز رسول اللہ ﷺ کی سنت (مشکوٰۃ ص ۳۱)

نیز حدیث میں ہے:من احییٰ سنتی فقد احیانی ومن احیانی کان معی فی الجنۃ . رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھے زندہ کیا اور جس نے مجھے زندہ کیا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی شریف ص ۹۲ ج ۲ باب الأخذ بالسنۃ واجتناب البدعۃ)

امام مالک رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: ان السنۃ مثل سفینۃ نوح من مرکبھا نجیٰ ومن تخلف عنھا غرق. یعنی سنت کی مثال حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کشتی کے مانند ہے جو اس میں سوار ہوگیا (گمراہی سے) بچ گیا اور جو اس پر سوار نہ ہوا (یعنی سنت کو چھوڑ دیا) تو وہ غرق ہوگیا (یعنی ضلالت وگمراہی کے گڑھے میں گرگیا)

(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۴۲ ج ۲ باب الأخذ بالسنۃ واجتناب البدعۃ)

امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے اللہ رب العزت کو خواب میں دیکھا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے عبدالرحمٰن تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہو، میں نے عرض کیا اے میرے پروردگار آپ کے فضل سے کرتا ہوں، اس کے بعد پھر میں نے کہا، اے رب! مجھے اسلام پر موت نصیب فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وعلی السنۃ، اسلام کے ساتھ سنت پر موت آنے کی بھی دعا اور تمنا کرو۔

عن الاوزاعی رحمہ اللہ قال رأیت رب العزۃ فی المنام فقال لی یاعبدالرحمن انت الذی تأمر بالمعروف وتنھی عن المنکر فقلت. بفضلک یا رب وقلت یا رب امتنی علی الاسلام فقال وعلی السنۃ .(تلبیس ابلیس ص ۹)

اتباع سنت سے محبوبیت کا راز

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

''حضور ﷺ کی اتباع میں خاص برکت کا راز یہ ہے کہ جو شخص آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہیئت (وضع) بناتا

ہے اس پر اللہ تعالیٰ کو محبت اور پیار آتا ہے کہ یہ میرے محبوب کا ہم شکل ہے پس یہ وصول کا سب سے اقرب طریق ہے (اللہ تک پہنچنے کا سب سے قریب راستہ ہے) (کمالات اشرفیہ۔ بحوالہ مواعظ درد محبت ص ۶۸ از حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم)

سنت کا ہلکا سمجھنے کا انجام

تفسیر عزیزی میں ہے: من تھاون بالاداب عوقب بحرمان السنة و من تھاون بالسنة عوقب بحرمان الفرائض ومن تھاون بالفرائض عوقب بحرمان المعرفة. یعنی جو شخص آداب میں سستی کرتا ہے وہ سنت سے محرومی کی بلا میں گرفتار کیا جاتا ہے اور جو سنت میں سستی کرتا ہے اور اسے ہلکا سمجھتا ہے وہ فرائض کے چھوٹنے کی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اور جو فرائض میں سستی کرتا ہے اور ان کو خفیف سمجھتا ہے وہ معرفت الٰہی سے محروم رہتا ہے۔ (تفسیر عزیزی ص ۴۳۲ سورہ بقرہ تحت الآیة ضربت علیھم الذلة ...... ذلک بما عصوا و کانوا یعتدون.) (نیز فضائل حج ص ۶۱ اجمالی آداب)

سنت کی اہمیت اور حضرت مجدد الف ثانیؒ ۔ ایک واقعہ

حضرت محبوب سبحانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک بزرگ چشتیہ حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ مجھ کو کئی سال نسبت حق میں قبض تھا، آپ کے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قبض کی شکایت کی، تو حضرت خواجہ کی توجہ و دعاء سے میری حالت قبض بسط سے بدل گئی، آپ بھی کچھ توجہ فرمائیں کیونکہ حضرت خواجہ رحمہ اللہ نے اپنے تمام خلفاء اور مریدین کو آپ کے حوالہ کر دیا، تو حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ میرے پاس تو اتباع سنت کے سوا کچھ بھی نہیں، یہ سنتے ہی ان بزرگ پر حال طاری ہوا اور کثرت نسبت اور قوت باطنی کے اثرات سے سرہند شریف کی زمین جنبش کرنے لگے، حضرت امام ربانیؒ نے ایک خادم سے فرمایا کہ طاق میں سے مسواک اٹھالاؤ آپ نے مسواک کو زمین پر ٹیک دیا اسی وقت زمین ساکن ہو گئی اور ان بزرگ کی کیفیت جذبی بھی جاتی رہی، اس کے بعد آپ نے ان بزرگ سے فرمایا کہ تمہاری کرامت سے زمین سرہند جنبش میں آگئی اور اگر فقیر دعا کرے تو انشاء اللہ سرہند شریف کے مردے زندہ ہو جائیں لیکن میں تمہاری اس کرامت (جنبش زمین) سے اور اپنی اس کرامت سے کہ (دعاء سے سرہند شریف کے تمام مردے زندہ ہو جائیں) اثناء وضو میں بطریق سنت مسواک کرنا بدرجہا افضل جانتا ہوں۔ (دیباچہ درلا ثانی شاہ محمد ہدایت علی جے پوری ص ۶، ۷ ج ۳)

اولیاء کی کرامت برحق ہے

اہل سنت والجماعۃ کے نزدیک اولیاء اللہ کی کرامت برحق ہے، عقائد کی مشہور کتاب ''شرح عقائد نسفی'' میں ہے وکرامات الاولیاء حق...... الخ ص ۱۰۵ ولی کی کرامت درحقیقت اس نبی کا معجزہ ہوتا ہے جس کا یہ امتی ہے اور جن کی اتباع اور پیروی کے صلہ میں اس کو یہ کمال حاصل ہوتا ہے جیسے پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا مسافت بعیدہ کو مختصر وقت میں طے کر لینا، غیر موسم کے پھل ملنا وغیرہ، ان کرامات کو کرامات حسی کہا جاتا ہے، یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ عموماً

حسی کرامتوں کو ہی کمال سمجھا جاتا ہے مگر اہل کمال کے نزدیک ''کرامت معنوی'' کمال ہے یعنی شریعت مصطفوی ﷺ پر مضبوطی سے ثابت قدم رہنا زندگی کے ہر شعبے میں اور ہر ایک موقعہ پر سنت اور غیر سنت کے فرق کو سمجھ کر سنت رسول اللہ ﷺ کی مکمل اتباع اس کا شوق اس کی لگن اور دل سے توجہ الی اللہ اور اشتغال باللہ کہ ایک دم اور ایک سانس بھی غفلت میں نہ گذرے، اور یہ بات مندرجہ بالا واقعہ سے واضح طور پر ثابت ہوتی ہے، تو اصل کمال اتباع شریعت اور اتباع سنت ہے ،اسی بنا پر محقق فرماتے ہیں کہ طریقہ سنت کی اتباع کے بغیر اگر کوئی تعجب کی چیز دیکھنے میں آئے تو وہ ہرگز کرامت نہیں استدراج اور شیطانی حرکت ہے۔

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تمہاری نظروں میں ایسا کمال والا آدمی ہو جو ہوا پر مربعاً چوکڑی مار کر اور آلتی پالتی لگا کر بیٹھتا ہو اور پانی پر چلتا ہو تو جب تک تم امتحان نہ کرلو کہ احکام اسلام اور شرعی حدود کی پابندی میں کیسا ہے ہرگز اس کو نظر میں نہ لاؤ۔

حضرت بسطامی سے کہا گیا کہ فلاں شخص ایک رات میں مکہ پہنچ جاتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ شیطان تو ایک جھپک میں مشرق سے مغرب پہنچ جاتا ہے حالانکہ وہ اللہ کی لعنت میں گرفتار ہے۔ (بصائر العشائر ص ۶۱۲)

پیشوائے طریقت حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ واصل الی اللہ ہونے کے بے شمار طریقے اور راستے ہیں مگر مخلوق کے لئے تمام راستے بند ہیں اس کے لئے صرف وہی راستہ کھلا ہوا ہے جو اتباع رسول اللہ ﷺ کی شاہراہ ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اے فرزند! آنچہ فردا بکار آید متابعت صاحب شریعت است علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ ،احوال ومواجید علوم ومعارف واشارات ورموز اگر باآن متابعت جمع شوند فبہا ونعمت والا جز خرابی واستدراج ہیچ نیست۔

(مکتوبات امام ربانی ص ۱۸۵ ج ا مطبع مرتضوی دھلی)

یعنی اے فرزند جو چیز کل کو (قیامت میں) کارآمد ہوگی وہ صاحب شریعت ﷺ کی متابعت اور پیروی ہے درویشانہ حالات اور عالمانہ وجد، علوم ومعارف صوفیانہ رموز واشارات اگر آنحضرت ﷺ کی اتباع اور پیروی کے ساتھ ہوں تو بے شک بہت بہتر ہیں ،اور اگر یہ باتیں پابندی شریعت اور اتباع سنت کے جوہر کے بغیر ہوں تو خرابی اور استدراج کے سوا ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

ناظرین کرام! یہاں تک جو کچھ لکھا گیا اس کو بغور اور بار بار پڑھیے، اس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ ہمارا معاشرہ اتباع سنت کے رنگ میں رنگا ہوا ہوتا، ہماری خوشی کی تقریب ہوتی یا غمی کا موقع ہوتا سنت ہی کو اپنا مشعل راہ بنانا چاہئے تھا مگر ازحد افسوس اور قلق ہے کہ جب ہم یا آپ اپنے معاشرہ پر نظر ڈالیں گے تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں میں عجیب عجیب بدعات رواج پا رہی ہیں اور ان پر بڑی پابندی سے عمل کیا جاتا ہے، اسی پر بس نہیں جو ان بدعات پر عمل نہیں کرتے ان پر جملے کسے جاتے ہیں ان پر لعن وطعن کیا جاتا ہے، ان کو برا بھلا کہا جاتا ہے ان کی توہین کی جاتی ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون، اللّٰہم اھدنا الصراط المستقیم۔

چند مروجہ بدعات

یہاں ہم چند بدعات مروجہ بیان کرتے ہیں، مقصد نیک ہے الدین النصیحۃ (یعنی دین خیر خواہی کا نام ہے) کے پیش نظر یہ سطریں تحریر کی جارہی ہیں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان بدعات اور اس کے علاوہ تمام بدعات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

غمی کی تقریبات اور ضیافتیں

تیجہ، دھم، چہلم، ششماہی، برسی

موت جو غم کا موقع ہوتا ہے اس موقع پر تیجہ، دہم، چہلم، ششماہی، برسی وغیرہ کیا جاتا ہے اور بڑے اہتمام سے اسے ادا کیا جاتا ہے دعوتیں دی جاتی ہیں، اگر اپنی گنجائش نہ ہو تو قرض لے کر بھی ان رسوم کو ادا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس میں شرکت کرنیوالے اس طرح شرکت کرتے ہیں جیسے شادی کی تقریب ہو خاص کر عورتیں زرق برق لباس کا اہتمام کرتی ہیں، یہ سب چیزیں بدعت اور ناجائز ہیں۔

کچھ پڑھ کر یا غرباء کو کھانا کھلا کر یا کچھ دے کر ایصال ثواب اور میت کے لئے دعاء مغفرت یقیناً ثابت ہے اور اس کے لئے فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد ہفتم، ص ۹۱ تا ص ۹۴ پر ہمارا جو فتویٰ چھپ چکا ہے اسے ضرور ملاحظہ کیا جائے، اس فتویٰ میں ہم نے مدلل اس بات کو ثابت کیا ہے کہ میت کے لئے ایصال ثواب بلا شک وشبہ جائز ہے اور اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ انسان کو جو کچھ میسر ہو صدقہ کرے یا کوئی بدنی عبادت نوافل روزہ، قرآن مجید کی تلاوت درود شریف وغیرہ پڑھ کر جس کو چاہے بخش دے یا اہل میت اپنے خاص اعزہ واقرباء دوست احباب کو خبر دے کر دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی درخواست کریں اور وہ لوگ کچھ پڑھ کر یا خیرات کر کے ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کریں۔ شامی میں ہے۔

روی الامام احمد وابن ماجة باسناد صحیح عن جریر بن عبداللہ قال کنا نری الاجتماع الی اھل المیت وصنعھم الطعام من النیاحة (جنائز ، مطلب فی کراھیة الضیافة من اھل المیت شامی ص ۸۴۲ جلد اول)

ترجمہ:۔ حضرت جریر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ ہم (جماعت صحابہ) اہل میت کے یہاں جمع ہوتے اور کھانے کے انتظام واہتمام کو نوحہ (اور ماتم) کے سلسلہ کی رسم سمجھتے تھے (اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ حضور ﷺ نے نوحہ سے منع فرمایا ہے)

فقیہ حافظ الدین ابن شہاب کردری (المتوفی ص ۸۲۷ھ فرماتے ہیں۔

ویکرہ اتخاذ الضیافة فی ایام المصیبة لانھا ایام غم فلا یلیق فیھا ما یختص باظھار السرور وان اتخذ طعاماً للفقراء کان حسناً.

(فتاویٰ بزازیه علی هامش الهندیه ص ۳۷۹ کتاب الکراهیة فصل نمبر ۹)

ایام مصیبت میں دعوت کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ غم کے دن ہیں جو کام اظہار خوشی کے لئے مخصوص ہوں وہ ان ایام کے لائق نہیں۔ اور اگر غرباء کے لئے کھانا تیار کرے تو بہتر ہے۔

فقیہ علامہ شرنبلالی (المتوفی ۱۰۶۹ھ) فرماتے ہیں۔

وتکره الضیافة من اهل المیت لانها شرعت فی السرور لا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة، (مراقی الفلاح ص ۱۲۰ مع طحطاوی ص ۳۳۹ فصل فی حملها ودفنها)

ترجمہ: اہل میت کی طرف سے ضیافت مکروہ ہے اس لئے کہ ضیافت (مہمانی) خوشی کے موقع پر ہوتی ہے نہ کہ غمی کے موقع پر اور اس موقع پر ضیافت بدعت قبیحہ ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

قال فی البزازیة ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع.

(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۳۹ فصل فی حملها ودفنها)

بزازیہ میں ہے: اہل میت کے یہاں پہلے دن، تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد کھانا تیار کرنا مکروہ ہے۔

امام نووی شرح منہاج میں فرماتے ہیں۔

واتخاذ الطعام فی الایام المصیبة کالثالث والخامس والتاسع والعشرین والاربعین والشهر السادس والسنة بدعة. (شرح منهاج).

یعنی خاص ایام میں کھانا کھلانے کا رواج جیسے تیجہ کے دن اور پانچویں، نویں، دسویں، بیسویں، چالیسویں دن، نیز ششماہی اور برسی یہ سب بدعت ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی (المتوفی ۱۲۲۵ھ) وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

وبعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم وبستم وچہلم وششماہی وبرسانی ہیچ نہ کنند۔

(مالا بدمنہ، وصیت نامہ ص ۱۶۰)

میرے انتقال کے بعد دنیوی رسوم جیسے دسواں، بیسواں، چالیسواں ششماہی اور برسی نہ منائی جائے۔

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

(۱۴۷) جواب:۔ اموات کو ثواب پہنچانا مستحسن ہے عبادات مالیہ وعبادات بدنیہ دونوں کا ثواب پہنچتا ہے لیکن ایصال ثواب کے لئے شریعت مقدسہ نے جو صورتیں مقرر نہیں کیں ان کو مقرر کرنا اور ایصال ثواب کی شرط سمجھنا یا مفید جاننا بدعت ہے، شرعی صورت اس قدر ہے کہ اگر کسی میت کو ثواب پہنچانا ہے تو کوئی بدنی عبادت کرو مثلاً نماز پڑھو روزہ رکھو، قرآن مجید کی تلاوت کرو درود شریف پڑھو وغیرہ، اور اس عبادت کا ثواب جس کو پہنچانا ہو اس کو اس طرح پہنچاؤ کہ یا اللہ! میں نے جو نماز پڑھی ہے یا روزہ رکھا ہے یا تلاوت کی ہے یا درود شریف پڑھا ہے اس کا ثواب اپنے فضل ورحمت سے فلاں میت کو پہنچادے اسی طرح اگر عبادات مالیہ کا ثواب پہنچانا ہے تو جو میسر ہو اس کو خدا تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کردیا مسجد بنواؤ، کنواں بنواؤ، سرائے مسافر خانہ تعمیر کرو، دینی مدرسہ قائم کرو وغیرہ، اور مذکورہ بالا طریقے پر خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ ان چیزوں کا ثواب اس میت کو پہنچادے جسے تم پہنچانا چاہتے ہو، یہ تو ایصال ثواب کا شرعی طریقہ

ہے، اب اس کے لئے خاص تاریخ یا دن معین کرنا اور اس تعیین کو وصول ثواب کی شرط یا زیادت ثواب کے لئے بغیر شرعی دلیل کے مفید سمجھنا یا خاص چیزیں مقرر کرنا یا خاص مقام مثلاً خاص قبر پر صدقہ کرنے کی تعیین یا مردے کے جنازے کے ساتھ لے جانے کو ضروری یا مفید سمجھنا اور بھی اکثر امور جو رسم ورواج کے طور پر قائم ہو گئے ہیں یہ سب خلاف شریعت اور بدعت ہیں کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا بھی بے اصل ہے اگر کھانے کا صدقہ کرنا مقصود ہے تو صدقہ کردو، کسی مستحق کو دے دو اگر تلاوت قرآن مجید یا درود کا ثواب پہنچانا ہے وہ بھی کرو مگر دونوں کا ثواب پہنچنے کی یہ شرط نہیں ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر ہی پڑھا جائے یہ اشتراط نہ شریعت سے ثابت ہے اور نہ معقول، کیونکہ کھانے پر فاتحہ دینے والے بھی کپڑے یا پیسے کا ثواب پہنچانا چاہتے ہیں تو اس پر وہ بھی فاتحہ نہیں پڑھتے، الغرض ایصال ثواب فی حد ذاتہ جائز اور مستحسن ہے لیکن اس کی اکثر مروج صورتیں جائز اور بدعت ہیں۔

(کفایت المفتی ص ۱۱۲، ص ۱۱۳ ج ۴، کتاب الجنائز)

آپ کا دوسرا فتویٰ۔ (۱۶۲) جواب:۔ ایصال ثواب جائز بلکہ مستحسن ہے مگر اس کا صحیح شرعی طریقہ یہ ہے کہ انسان کو جو کچھ میسر ہو صدقہ کردے اگر کوئی بدنی عبادت مثلاً نماز نفل، نفل روزہ، تلاوت قرآن مجید کرے اور اس کا ثواب جس کو بخشنا چاہے بخش دے اس میں کسی دن اور تاریخ یا کسی معین چیز کی تخصیص اور تعین نہ کرے نہ اس کو لازم اور ضروری قرار دے، تیجہ اور دسواں اور چہلم ان تخصیصات کی وجہ سے اور ان کو مستقل رسم قرار دے لینے کی وجہ سے بدعت ہیں ان کی بطور رسم ادائیگی موجب ثواب ہی نہیں پھر ایصال ثواب کہاں؟ (کفایت المفتی ص ۱۲۲ ج ۴، کتاب الجنائز)

فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں صاحب اور دیگر رضا خانی علماء کے فتاویٰ بھی پیش کئے جاتے ہیں، جو لوگ مذکورہ رسوم دین اور ثواب کا کام سمجھ کر ادا کرتے ہیں اور ان رسوم پر نکیر کرنے والوں کو برا بھلا کہتے ہیں وہ ان حضرات کے فتاویٰ ملاحظہ کریں اور پھر خود ہی فیصلہ کریں کہ وہ کس قسم کی چیزوں کو اختیار کئے ہوئے ہیں غور سے پڑھیں اور عبرت حاصل کریں۔ اور ان رسوم سے توبہ کر کے ان رسوم کو چھوڑ دیں۔

مولانا احمد رضا خان صاحب کا مفصل فتویٰ

مسئلہ:۔ اکثر بلاد ہند میں یہ رسم ہے کہ میت کے روز وفات سے اس کے اعزاء واقارب واحباب کی عورات اس کے یہاں جمع ہوتی ہیں اس اہتمام کے ساتھ جو شادی میں کیا جاتا ہے یعنی عمدہ لباس پہن کر آتی ہیں، پھر کچھ دوسرے دن اکثر تیسرے دن واپس آتی ہیں، بعض چالیسویں تک بیٹھتی ہیں اس مدت اقامت میں عورت کے کھانے پینے، پان چھالیہ کا اہتمام اہل میت کرتے ہیں جس کے باعث ایک صرف کثیر کے زیر بار ہوتے ہیں اگر اس وقت ان کا ہاتھ خالی ہو تو قرض لیتے ہیں یوں نہ ملے تو سودی نکلواتے ہیں اگر نہ کرے تو مطعون وبدنام ہوتے ہیں، یہ شرعاً جائز ہے یا کیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب، سبحان اللہ! اے مسلمان یہ پوچھتا ہے جائز ہے۔ یا کیا یوں پوچھ کہ یہ ناپاک رسم کتنے قبیح اور شدید گناہوں، سخت وشنیع خرابیوں پر مشتمل ہے، اولاً یہ دعوت خود ناجائز وبدعت شنیعہ وقبیحہ ہے، امام احمدؒ اپنے مسند اور

ابن ماجہ سنن میں بسند صحیح حضرت جریر ابن عبداللہ البجلیؓ سے راوی ہیں کنا نعد الا جتماع الیٰ اھل المیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ ! ہم (گروہ صحابہ) اہل میت کے یہاں جمع ہونے اور ان کے لئے کھانا تیار کرانے کو مردے کی نیاحت سے شمار کرتے تھے، جس کی حرمت پر متواتر حدیثیں ناطق ہیں، امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔

یکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ فتح القدیر ، جنائز فصل فی الدفن ، یعنی اہل میت کی طرف سے کھانے کی ضیافت تیار کرنی منع ہے کہ شرع نے ضیافت خوشی میں رکھی ہے نہ کہ غمی میں، اور یہ بدعت شنیعہ ہے اسی طرح شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں فرمایا۔

ولفظہ یکرہ الضیافۃ من اھل المیت لا نھا شرعت فی السرور لافی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ جنائز فصل فی حملھا و دفنھا۔

۳ فتاویٰ خلاصہ، ۴ فتاویٰ سراجیہ، ۵ فتاویٰ ظہیریہ، ۶ فتاویٰ تاتارخانیہ، اور ظہیریہ سے خزانۃ المفتین کتاب الکراہیۃ اور تاتارخانیہ سے فتاویٰ ہندیہ میں بالفاظ متقاربہ ہے۔

واللفظ للسراجیۃ لا یباح اتخاذ الضیافۃ عند ثلاثۃ ایام فی المصیبۃ زاد فی الخلاصۃ لان الضیافۃ تتخذ عند السرور!

غمی میں یہ تیسرے دن کی دعوت جائز نہیں کہ دعوت تو خوشی میں ہوتی ہے فتاویٰ امام قاضی خان کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے یکرہ اتخاذ الضیافۃ فی ایام المصیبۃ لانھاایام تأسف فلا یلیق بھا مایکون للسرور. غمی میں ضیافت ممنوع ہے کہ یہ افسوس ورنج وملال کے دن ہیں تو جو کچھ خوشی میں ہوتا ہے وہ اس حال کے لائق نہیں، تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے لا بأس بالجلوس للمصیبۃ الی ثلاث من غیر ارتکاب محظور من فرش البسط والا طعمۃ من اھل المیت مصیبت کے لئے تین دن بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں جب کہ کسی امر ممنوع کا ارتکاب نہ کیا جائے جیسے مکلّف فرش بچھانا اور میت والوں کی طرف سے کھانا وغیرہ، امام بزازی وجیز میں فرماتے ہیں: یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الا ول والثالث وبعد الا سبوع یعنی میت کے لئے پہلے اور تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد جو کھانا تیار کیا جاتا ہے وہ مکروہ اور ممنوع ہے علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں اطال ذلک فی المعراج وقال ھذہ الا فعال کلھا للسمعۃ والریا جنائز مطلب فی کراھیۃ الضیافۃ من اھل المیت فیحترز عنھا صاحب معراج الدرایہ (شرح ہدایہ) نے اس مسئلہ میں بہت کلام طویل کیا اور فرمایا کہ یہ سب ناموری اور دکھاوے کے کام ہیں ان سے احتراز کیا جائے۔

جامع الرموز آخر الکراہیۃ میں ہے یکرہ الجلوس للمصیبۃ ثلثۃ ایام او اقل فی المسجد ویکرہ اتخاذ الضیافۃ فی ھذہ الایام وکذا اکلھا کما فی خیرۃ الفتاویٰ یعنی تین دن یا کم تعزیت کے لئے مسجد میں بیٹھنا منع ہے اور ان دنوں میں ضیافت بھی ممنوع ہے اور اس کا کھانا بھی منع جیسا کہ خیرۃ الفتاویٰ میں اس کی تصریح ہے۔

فتاویٰ القروی اور واقعات المفتیین میں ہے۔ یکرہ اتخاذ الضیافۃ ثلاثۃ ایام واکلھا لانھا مشروعۃ للسرور تین دن ضیافت اور اس کا کھانا مکروہ ہے) کہ دعوت تو خوشی میں کی جاتی ہے۔ کشف العطاء میں ہے۔ ضیافت نمودن اہل میت اہل تعزیت را وپختن طعام برائے آنہا مکروہ است باتفاق روایات چہ ایشاں را بسبب اشتغال بمصیبت استعداد وتہیۂ آن دشوار ست۔

اسی میں ہے: پس آنچہ متعارف شدہ از پختن اہل مصیبت طعام را در سوم وقسمت نمودن آں میان اہل تعزیت واقران غیر مباح ونامشروع ست وتصریح کردہ بداں در خزانہ چہ شرعیت ضیافت نزد سرور است نہ نزد شرور وھو المشھور عند الجمھور!

ثانیاً غالباً ورثہ میں کوئی یتیم یا بچہ نابالغ ہوتا ہے یا بعض ورثاء موجود نہیں ہوتے، نہ ان سے ان کا اذن لیا جاتا ہے، اللہ عزوجل فرماتے ہیں ان الذین یأ کلون اموال الیتامیٰ ظلماً انما یأ کلون فی بطو نھم ناراً وسیصلون سعیراً بے شک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق طور پر کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں اور قریب ہے کہ جہنم کی گہرائی میں جائیں گے، لاتا کلو اموالکم بینکم بالباطل خانیہ وبزازیہ وتاتارخانیہ وہندیہ میں ہے۔ واللفظ لھا تین ان اتخذ طعاماً للفقراء کان حسناً اذا کانت الورثۃ بالغین فان کان فی الورثۃ صغیر لم یتخذوا، ان اتخذولی المیت طعاما للفقراء کان حسناً الا ان یکون فی الورثۃ صغیر فلا یتخذ من الترکۃ.

ثالثاً یہ عورتیں کہ جمع ہوتی ہیں افعال منکرہ کرتی ہیں، مثلاً چلا کر رونا پیٹنا، بناوٹ سے منہ ڈھانکنا الیٰ غیر ذلک، اور یہ سب نیاحت ہے اور نیاحت حرام ہے۔

ایسے مجمع کے لئے میت کے عزیزوں دوستوں کو بھی جائز نہیں کہ کھانا بھیجیں کہ گناہ کی امداد ہوگی۔ قال اللہ تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان! نہ کہ اہل میت کا اہتمام طعام کرنا کہ سرے سے ناجائز ہے، اس مجمع ناجائز کے لئے کشف العطاء میں ہے۔ ساختن طعام در روز ثانی وثالث برائے اہل میت اگر نوحہ گراں جمع باشند مکروہ ست زیرا کہ اعانت ست ایشاں برابر گناہ!

رابعاً اکثر لوگوں کو اس رسم شنیع کے باعث اپنی طاقت سے زیادہ تکلیف کرنی پڑتی ہے یہاں تک کہ میت والے بیچارے اپنے غم کو بھول کر اس آفت میں مبتلا ہوتے ہیں کہ اس میلے کے لئے پان چھالیہ، کھانا کہاں سے لائیں اور بارہا ضرورت قرض لینے کی پڑتی ہے، ایسا تکلف شرع کو کسی امر مباح کے لئے بھی زنہار پسند نہیں، نہ کہ ایک رسم ممنوع کے لئے، پھر اس کے باعث جو دقتیں پڑتی ہیں خود ظاہر ہیں، پھر اگر قرض سودی ملا تو حرام خالص ہو گیا اور معاذ اللہ لعنت الٰہی سے پورا حصہ ملا کہ بے ضرورت شرعیہ سود دینا بھی سود لینے کے مثل باعث لعنت ہے، جیسا کہ حدیث صحیح میں فرمایا، غرض اس رسم کی شناعت وممانعت میں شک نہیں! اللہ عزوجل مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ قطعاً ایسی رسوم شنیعہ جن سے ان کے دین ودنیا کا ضرر ہے ترک کر دیں اور طعن بیہودہ کا لحاظ نہ کریں۔ واللہ الھادی الیٰ سواء السبیل.

تنبیہ: اگرچہ صرف ایک دن یعنی پہلے ہی روز عزیزوں ہمسایوں کو مسنون ہے کہ اہل میت کے لئے اتنا

لھانا پکوا کر بھیجیں جسے وہ دووقت کھا سکیں اور باصرار کھلائیں مگر کھانا صرف اہل میت ہی کے قابل ہونا سنت ہے، اس میلے کے لئے بھیجنے کا ہرگز حکم نہیں ہے اور ان کے لئے بھی فقط روز اول کا حکم ہے آگے نہیں۔

کشف الغطاء میں ہے: مستحب ست خویشاں وہمسایہائے میت را کہ اطعام کنند طعام را برائے اہل وے کہ سیر کنند ایشاں را یک شبانہ روز والحاح کنند تا بخورند ودر خوردن غیر اہل میت ایں طعام را مشہور آنست کہ مکروہ است اھ ملخصاً۔

عالمگیری میں ہے: **حمل الطعام الی صاحب المصیبة والاکل معهم فی الیوم الاول جائز لشغلهم بالجهاز وبعده یکره کذا فی التاتار خانیة.**

(احکام شریعت صفحہ ص ۶۱، ص ۶۲، ص ۶۳، ص ۶۴ ج ۳ مولفہ مولوی احمد رضا خان صاحب)

مولوی امجد علی رضا خانی "بہار شریعت" میں لکھتے ہیں۔ میت کے گھر والے تیجہ وغیرہ کے دن دعوت کریں تو ناجائز و بدعت قبیح ہے کہ دعوت تو خوشی کے وقت مشروع ہے نہ کہ غمی کے وقت اور اگر غرباء کو کھلائیں تو بہت رہے۔

(بہار شریعت ج ۴ ص ۱۵۹)

ان کے ایک دوسرے مقتدا مولوی حکیم محمد حشمت علی صاحب رضوی تحریر کرتے ہیں "اہل برادری واہل میت کے یہاں کا کھانا کھانا، ان کی ضیافت قبول کرنا ناجائز اور گناہ ہے، ہندوستان کے بعض شہروں میں یہ بہت بری رسم ہے کہ اہل برادری میت کے یہاں جمع ہو کر کھانا کھاتے ہیں، پان تمباکو وغیرہ چیزوں میں ان کا خرچ کراتے ہیں، اور اہل میت مجبوراً ایسا کرتے ہیں بلکہ بہت سے بدنامی کے باعث قرض لے کر یا یتیموں کا مال اس میں صرف کرتے ہیں، مسلمانوں کو اس سے بچنا اور بہت بچنا چاہئے۔ (اسوۂ حسنہ۔ از مولوی حکیم محمد حشمت علی ص ۱۲)

آپ کا دوسرا فتویٰ:

(**سوال**) اگر فاتحہ دیتے وقت ہاتھ نہ اٹھائیں اور کھانا سامنے نہ رکھیں اور زبان سے یہ نہ کہیں کہ یہ فلاں کی فاتحہ ہے صرف دل میں خیال کرلیں......

(**الجواب**) حقیقتاً امر یہ ہے کہ فاتحہ ایصال ثواب یعنی اموات کی ارواح کو ثواب پہنچانے کا نام ہے، اور وہ ہاتھ اٹھانے نہ اٹھانے، زبان سے کہنے نہ کہنے کھانا سامنے رکھنے نہ رکھنے پر موقوف نہیں، صرف کھانا وغیرہ فقراء کو دیتے وقت قرآن عظیم وغیرہ اعمال کا ثواب ان کی روح کو بخشتے وقت ان کی نیت کرنا کہ اس کا ثواب فلاں کی روح کو پہنچے کافی ہے...... (مجمع الوسائل ص ۱۲۵)

الغرض تیجہ دسواں بارہواں، بیسواں، چالیسواں، ششماہی اور برسی یہ اسلامی تقریبات نہیں ہیں غیر اقوام کی ہمسائیگی اور تقلید کا نتیجہ ہے۔

رسمی قرآن خوانی

اسی طرح قرآن مجید پڑھ کر ایصال ثواب کرنا ہو تو جتنا ہو سکے قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کر دیں، یہ اسلاف کے طریقہ کے مطابق ہوگا اور اس میں اخلاص بھی ہوگا اور انشاء اللہ مردہ کو فائدہ ہوگا، رسمی قرآن خوانی اسلاف سے ثابت نہیں۔ شامی میں اس قسم کی قرآن خوانی اور رسمی تقریبات کے متعلق معراج الدرایہ سے نقل فرماتے ہیں۔

هذه الا فعال كلها للسمعة والريا فيحترز عنها لانهم لا يريدون بها وجه الله تعالىٰ جنائز مطلب فى كراهية الضيافة من اهل الميت ج۲ ص ۲۷۰ یعنی یہ سارے افعال محض دکھاوے اور نام ونمود کے لئے ہوتے ہیں، لہٰذا ان افعال سے احتراز کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ صرف شہرت اور نام ونمود کے لئے ہوتا ہے، رضاء الٰہی مطلوب نہیں ہوتی۔ (شامی ج۱ ص ۸۴۲)

اور جو لوگ قرآن خوانی میں شرکت کرتے ہیں عموماً ان میں بھی اخلاص نہیں ہوتا بہت سے لوگ اس لئے شرکت کرتے ہیں کہ اگر نہیں جائیں گے تو اہل میت ناراض ہوں گے اور بہت سے لوگ صرف شیرینی اور کھانے کی غرض سے حاضری دیتے ہیں۔ تو جب اخلاص ہی نہیں ہے تو ثواب کہاں ملے گا؟ اور جب پڑھنے والا ہی ثواب سے محروم ہے تو پھر ایصال ثواب کس طرح ہوگا؟؟؟

علامہ شامیؒ کی تحقیق

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر عمدہ بحث فرمائی ہے جو قابل مطالعہ ہے کچھ حصہ ملاحظہ ہو۔

قال تاج الشريعة فى شرح ان القرآن بالا جرة لايستحق الثواب لا للميت ولا للقارى وقال العينى فى شرح الهداية ويمنع القارى للدنيا والآخذ والمعطى آثمان فالحاصل ان ماشاع فى زماننا من قرأة الا جزاء بالا جرة لا يجوز لان فيه الا مر بالقراءة لاجل المال فاذا لم يكن للقارى ثواب لعدم النية الصحيحة فاين يصل الثواب الى المستاجر ولولا الا جرة ماقرأ احد لا حد فى هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسباً ووسيلة الى جمع الدنيا انا لله وانا اليه راجعون . الى قوله. وقد رده الشيخ خير الدين رملى فى حاشية البحر فى كتاب الوقف حيث قال اقول المفتى به جواز الا خذ استحساناً على تعليم القرآن الا على القراءة المجردة كما صرح به فى التتارخانية حيث قال لا معنى لهذه الوصية ......لان هذا بمنزلة الا جرة والاجارة فى ذلك باطلة وهى بدعة ولم يفعلها احد من الخلفاء وقد ذكرنا مسئلة تعليم القرآن على استحسان اه يعنى للضرورة ولا ضرورة فى الاستئجار على القرأة على القبر. الى قوله . ونقل العلامة الخلوتى فى حاشية المنتهى الحنبلىؒ عن شيخ الا سلام تقى الدين مانصه' ولا يصح الا ستئجار على القرائة واهدائها الى الميت لا نه لم ينقل عن احد من الا ئمة الا ذن فى ذلك وقد قال العلماء ان القارى اذا قرأ لا جل المال فلا ثواب له' فاى شئى يهديه الى الميت وانما يصل الميت العمل الصالح و..

الاستئجار علی مجردة التلاوة لم یقل به احد من الائمة الخ. (شامی ج ۵ ص ۴۷، ۴۸ باب الاجارة الفاسدة مطلب فی الاستئجار علی الطاعات)

تاج الشریعۃ نے شرح ہدایہ میں فرمایا ہے اجرت لے کر قرآن پڑھنے پر نہ میت کو ثواب پہنچتا ہے اور نہ قاری مستحق ثواب ہوتا ہے، علامہ عینیؒ نے شرح ہدایہ میں فرمایا ہے جو شخص دنیا کے لئے قرآن پڑھتا ہو اسے اس سے روکا جائے قرآن کریم کی تلاوت پر اجرت لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہوتے ہیں حاصل یہ کہ ہمارے زمانہ میں جو قرآن کریم کے پاروں کی اجرت لے کر پڑھنے کا رواج ہوگیا ہے وہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس میں قرأت کا حکم کرنا آمر کو ثواب دینا اور مال کے لئے قرأت کرنا ہے پس جب نیت صحیح نہ ہونے کی وجہ سے قاری کو ثواب نہیں ملتا تو مستاجر (اجرت دے کر پڑھوانے والا) کو کہاں ثواب پہنچے گا؟ اگر پیسے (شیرینی) ملنے کی امید نہ ہو تو اس زمانہ میں کوئی کسی کے لئے تلاوت نہ کرے حقیقت یہ ہے کہ لوگوں نے قرآن مجید کو کمائی اور دنیا جمع کرنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے، انا لله وانا الیه راجعون. الی قوله. علامہ مفتی خیر الدین حاشیہ بحر کے کتاب الوقف میں تحریر فرماتے ہیں، اقول۔ میں کہتا ہوں مفتی بہ قول یہ ہے کہ تعلیم قران پر استحساناً اجرت لینا جائز ہے، تلاوت مجردہ پر اجرت لینا جائز نہیں جیسا کہ تتارخانیہ میں بیان فرمایا ہے، حیث قال. لا ینبغی لهذه الوصية ... اگر کوئی یہ وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد اجرت دے کر قرآن خوانی کرانا تو یہ وصیت معتبر نہیں اس لئے کہ یہ بمنزلۂ اجرت کے ہے اور محض قرآن خوانی کے لئے اجرت دینا باطل ہے اور یہ بدعت ہے خلفاء میں سے کسی نے ایسا کام نہیں کیا اور تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے مسئلہ کو ہم نے استحساناً بیان کیا ہے، یعنی (قرآن کی حفاظت ہو جانے اس) ضرورت کی وجہ سے اور قبر پر اجرت لے کر قرآن خوانی کرنے کے لئے کوئی ضرورت نہیں۔ الی قولہ۔ علامہ خلوتی نے حاشیۂ المنتہی الحنبلی میں شیخ الاسلام تقی الدین سے نقل فرمایا ہے میت کے ایصال ثواب کے لئے اجرت دے کر قران خوانی کرانا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ کسی بھی امام سے اس کی اجازت منقول نہیں ہے، علماء نے فرمایا ہے کہ قاری جب مال کے لئے قرأت کرے تو اس کو ثواب نہیں ملتا تو وہ کون سی چیز میت کو پہنچائے گا میت کو عمل صالح پہنچتا ہے تلاوۃ مجردہ کے لئے اجرت دینا کوئی بھی امام اس کا قائل نہیں الخ۔

شرح سفر السعادت میں ہے: وعادت نبود کہ برائے میت در غیر وقت نماز جمع شوند وقرآن خوانند وختمات خوانند نہ برسر گور ونہ غیر آں وایں مجموع بدعت است ومکروہ۔ یعنی آنحضرت ﷺ اور صحابہ وغیرہم سلف صالحین کی یہ عادت نہ تھی کہ میت کے لئے سوا نماز جنازہ کے دوسرے کسی موقعہ پر جمع ہوتے ہوں اور قرآن خوانی کرتے ہوں نہ قبر پر اور نہ دیگر کسی مقام پر یہ تمام رواج ورسوم بدعت اور مکروہ ہیں۔ (شرح سفر السعادت ص ۲۷۳)

زاد المعاد میں ہے۔

ولم یکن من هدیه ان یجتمع للعزاء ویقرء له القرآن لا عند قبره ولا غیره وکل هذه بدعة حادثة مکروهة. (زاد المعاد. ص ۱۵۰ ج ۱، مصری)

یعنی: آنحضرت ﷺ کا یہ طریقہ نہیں تھا کہ تعزیت کے لئے جمع ہوں اور قرآن خوانی کرتے ہوں نہ قبر کے پاس نہ کسی اور جگہ، یہ سب باتیں بدعت ہیں، ایجاد کردہ ہیں مکروہ ہیں۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔

واتخاذ الدعوة بقراءة وجمع الصلحاء والقراء للختم اولقرأة سورة الا نعام او الاخلاص فالحاصل ان اتخاذ الطعام عند قرأة القرآن لا جل الا کل یکره.

(بزازیه علی هامش الهندیه ص ۸۱ ج ۴ جنائز (فصل) نوع آخر)

(ایصال ثواب کا یہ طریقہ) کہ ختم قرآن یا سورۂ انعام یا سورۂ اخلاص پڑھنے کے لئے صلحاء اور قراء کو دعوت دے کر جمع کرنا اور کھانے کا اہتمام کرنا مکروہ ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

''جس طریق سے آج کل قرآن شریف پڑھ کر ایصال ثواب کیا جاتا ہے یہ صورت مروجہ ٹھیک نہیں ہاں احباب خاص سے کہہ دیا جائے کہ اپنے اپنے مقام پر حسب توفیق پڑھ کر ثواب پہنچا دیں۔الی قولہ۔ چاہے تین مرتبہ قل هو الله ہی پڑھ کر بخش دیں جس سے ایک قرآن کا ثواب مل جائے گا یہ اس سے بھی اچھا ہے کہ اجتماعی صورت میں دس قرآن ختم کئے جائیں، اس میں اکثر اہل میت کو جتلانا ہوتا ہے، اور اللہ کے یہاں تھوڑے بہت کو نہیں ۔ دیکھا جاتا خلوص اور نیت دیکھی جاتی ہے، چنانچہ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ میرا ایک صحابی ایک مد کھجور خیرات کرے اور غیر صحابی احد پہاڑ کے برابر سونا، تو وہ اس درجہ کو نہیں پہنچ پاتا، یہ فرق خلوص اور عدم خلوص کا ہے، کیونکہ جو خلوص ایک صحابی کا ہوگا وہ غیر صحابی کا نہیں ہوسکتا۔(انفاس عیسیٰ ص ۲۱۵ ج ۱)

مزارات پر عرس اور قوالی

زیارت قبور یقیناً مسنون ہے، مزارات پر عبرت حاصل کرنا، دعاء مغفرت اور فاتحہ خوانی کے لئے جانا اور بخشانا یہ سب جائز ہے، منع نہیں ہے، لیکن رسمی عرس جسے شرعی حکم اور ضروری سمجھ کر ہر سال وفات کے دن اجتماعی صورت میں کیا جاتا ہے یہ ناجائز اور بدعت ہے، آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مبارک دور میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، یہ اہل کتاب کا (یعنی غیروں کا) رواج ہے، اگر اسلامی حکم اور دینی امر ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کا عرس کرتے، خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا عرس کیا جاتا، حالانکہ حدیث سے اس کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے لا تجعلوا قبری عیداً میری قبر کو عید (تہوار) مت بنائیو (مشکوٰة شریف ص ۸۶ باب الصلوٰة علی النبی صلی الله علیه وسلم وفضلها) یعنی جس طرح تہوار میں لوگ ایک ہی تاریخ میں جمع ہوتے ہیں اس طرح میری قبر پر جمع نہ ہونا عید (تہوار) میں یہ تین چیزیں خاص طور پر ہوتی ہیں۔(۱) تاریخ متعین کرنا (۲) اجتماع (۳) خوشی منانا۔لہذا اس حدیث سے مزاروں پر ایک متعین تاریخ پر جمع ہونے اور خوشی منانے کی ممانعت ثابت ہوئی، چنانچہ علامہ محمد طاہر پٹنی مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ لا تجتمعوا لزیارته اجتماعکم للعید فانه یوم لهو وسرور وحال الزیارة بخلافه وکان داب اهل الکتاب فاورثهم القسوة یعنی: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قبر کی زیارت کے لئے مثل عید کے جمع نہ ہونا چاہئے کیونکہ عید کا دن تو کھیل اور خوشی (اور کھانے پینے) کا دن ہے اور زیارت قبر کی شان تو اس سے علیحدہ ہے (زیارت کا مقصد عبرت حاصل کرنا ہے موت اور آخرت کو اور اپنے انجام کو یاد کرنا ہے) قبر پر عرس منانے کا رواج اہل کتاب کا ہے جس

کی وجہ سے ان کے قلوب بھی سخت ہو گئے۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضور ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کا دن یا تاریخ متعین نہیں ہے سال ہا سال سے درمیان کتنے ہی مشتاق آتے رہتے ہیں، اور زیارت کر کے اجر و ثواب سے مالا مال ہوتے ہیں جب حضور اقدس ﷺ کی روضۂ اقدس پر عرس اور اجتماع نہیں ہوتا تو دیگر بزرگان دین کے مزاروں پر کیونکر جائز ہوسکتا ہے اسی لئے بزرگان دین، محدثین اور فقہاء کرام نے صریح الفاظ میں رواجی عرس کو ناجائز تحریر فرمایا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید اور عارف باللہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ کے خلیفۂ خاص بیہقیٔ وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی تفسیر مظہری میں تحریر فرماتے ہیں۔

لا یجوز مایفعله الجهال بقبور الا ولیاء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد علیها ومن اجتماع بعد الحول کا لاعیاد ویسمونه عرسا (تفسیر مظهری)

یعنی: جہلا اولیاء اور شہداء کی قبروں سے جو برتاؤ کرتے ہیں یعنی قبروں کو سجدہ کرنا اور اس کے ارد گرد طواف کرنا اس پر چراغاں کرنا اور ہر سال عید کی طرح وہاں جمع ہونا جسے عرس کہتے ہیں یہ سب امور ناجائز ہیں۔

حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مقرر ساختن روز عرس جائز نیست

عرس کا دن مقرر کرنا جائز نہیں ہے (مسائل اربعین۔ ص ۴۲)

مجالس الابرار میں ہے۔

ونهی عن اتخاذ ها عیدا وهم یخا لفو نه ویتخذو نها عیدا ویجتمعو ن لها کما یجتمعون للعید او اکثر. (مجالس الا برار ص ۱۱۸ مجلس نمبر ۱۷)

اور قبروں کو عید بنانے سے منع فرمایا ہے اور حال یہ ہے کہ وہ مخالفت کرتے ہیں اور میلہ مناتے ہیں اور اس پر ایسے جمع ہوتے ہیں جیسے عید کے لئے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

اسی طرح قوالی، طبلہ، سارنگی، باجا، وغیرہ قطعی حرام ہے، مسند ابن ابی الدنیا میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اخیر زمانہ میں اس امت میں ایک قوم بندر اور خنزیر بن جائے گی، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو نہیں مانتے ہوں گے؟ فرمایا کیوں نہیں، حضرات صحابہؓ نے عرض کیا پھر اس سزا کی کیا وجہ؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، وہ باجہ بجانے اور گانے کا پیشہ اختیار کریں گے، مزید فرمایا استماع الملاهی معصیة والجلوس علیها فسق والتلذذ بها کفر، باجے کی آواز سننا گناہ ہے، وہاں بیٹھنا فسق ہے، اور اس سے لذت اندوزی کفر ہے (نصاب الاحتساب ص ۱۰۳ باب ص ۵۳)۔ (درمختار مع الشامی ص ۳۰۶ ج ۵، کتاب الحظر والاباحۃ)

حدیث میں ہے الغناء ینبت النفاق فی القلب کماینبت الماء الزرع، گانا دل میں نفاق اگاتا ہے جیسے کہ پانی کھیتی کو اگاتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۴)

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں الغناء رقیة الزنا، راگ زنا کا رقیہ (یعنی منتر) ہے۔
(تلبیس ابلیس ص ۲۳۸)

مولانا احمد رضا خان صاحب کا فتوی

جولوگ عرس قوالی وغیرہ کو بڑے اہتمام اور پابندی سے کرتے ہیں، دین اور ثواب کا کام سمجھتے ہیں وہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے فتاویٰ بغور ملاحظہ فرمائیں اور عبرت حاصل کریں۔

(سوال) آج میں جس وقت آپ سے رخصت ہوا اور واسطے نماز مغرب کے مسجد میں گیا بعد نماز مغرب کے ایک میرے دوست نے کہا چلو ایک جگہ عرس ہے میں وہاں چلا گیا وہاں جا کر کیا دیکھتا ہوں کہ بہت سے لوگ جمع ہیں اور قوالی اس طریقہ سے ہو رہی ہے ایک ڈھول دو سارنگی بج رہی ہیں اور چند قوال پیران پیر دستگیر کی شان میں اشعار گا رہے ہیں اور ڈھول سارنگیاں بج رہی ہیں، یہ باجے شریعت میں قطعی حرام ہیں، کیا اس فعل سے رسول اللہ ﷺ اور اولیاء خوش ہوتے ہوں گے؟ اور یہ حاضرین جلسہ گنہگار ہوئے یا نہیں؟ اور ایسی قوالی جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کس طرح ہی؟

(الجواب) ایسی قوالی حرام ہے، حاضرین سب گنہگار ہیں اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے اور قوالوں کا بھی گناہ اس عرس کرنے والے پر بغیر اس کے کہ عرس کرنے والے کے ماتھے قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ کی کچھ کمی آئے یا اس کے اور قوالوں کے ذمے حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف ہو! نہیں بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پورا گناہ اور قوالوں پر اپنا گناہ الگ اور سب حاضرین کے برابر جدا! اور ایسا عرس کرنے والے پر اپنا گناہ الگ اور قوالوں کے برابر جدا اور سب حاضرین کے برابر علیحدہ الخ (احکام شریعت ج ۱ ص ۳۳)

خان صاحب کا دوسرا فتویٰ:

عرض، کیا روایت صحیح ہے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ قبر شریف میں ننگے سر کھڑے ہوئے گانے والوں پر لعنت فرما رہے تھے؟

ارشاد۔ یہ واقعہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ کا ہے کہ آپ کے مزار شریف پر مجلس سماع میں قوالی ہو رہی تھی، آج کل تو لوگوں نے بہت اختراع کر لیا ہے، ناچ وغیرہ بھی کراتے ہیں، حالانکہ اس وقت بارگاہوں میں مزامیر بھی نہ تھے۔ حضرت سید ابراہیم امیر جی رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے پیروں کے سلسلہ میں سے ہیں باہر مجلس سماع کے تشریف فرما تے تھے، ایک صاحب صالحین سے آپ کے پاس آئے اور گذارش کی مجلس میں تشریف لے چلئے، حضرت سید ابراہیم امیر جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تم جانے والے ہو مواجہ اقدس میں حاضر ہو اگر حضرت راضی ہوں میں ابھی چلتا ہوں، انہوں نے مزار اقدس پر مراقبہ کیا، دیکھا کہ حضور قبر شریف میں پریشان خاطر ہیں اور ان قوالوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں۔ ''ایں بد بختاں وقت مارا پریشان کردہ اند'' وہ واپس آئے اور قبل اس کے کہ عرض کریں، فرمایا آپ نے دیکھا؟ (ملفوظات ج ۱ ص ۹۰)

رضا خانی برادران کے دوسرے پیشوا مولانا حکیم محمد حشمت علی صاحب کا فتویٰ۔

(سوال) مستورات کو قبروں پر جانا اور مردوں کو سفر کر کے قبروں پر جانا جیسے پیران کلیر واجمیر وغیرہ کیسا ہے؟
(الجواب) اصح الاقوال میں تو زیارت قبور مرد وعورت دونوں کے لئے جائز بلکہ مندوب ومستحب ہے۔ نورالایضاح میں ہے۔ ندب زیارتها للرجال والنساء علی الاصح ۔مگر اس زمانے میں مستورات کو زیارت قبر کے لئے جانا مکروہ بلکہ حرام ہے۔ قال بدرا لعینی فی شرح البخاری وحاصل الکلام انها تکره للنساء بل تحرم فی هذا الزمان لا سیما نساء مصر لان خروجهن علی وجه فیه فساد وفتنة ۔رہے مرد! ان کے لئے ہر حال میں زیارت قبور کے واسطے سفر کر کے جانا، مزارات اولیائے کرام وقبور آباء واجداد کی زیارت کرنا مستحب ہے کما مرو قال فی الغنیة وتستحب زیارة القبور للرجال حضور اقدس سرور عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کنت نهیتکم عن زیارة القبور الا فزوروها بلکہ خود آنحضرت ﷺ کے فعل سے زیارت قبور ثابت ہے کہ آپ جنت البقیع میں تشریف لے جایا کرتے تھے مگر بہتر یہ ہے کہ زیارات پیران کلیر واجمیر وغیرہ کو بعد میلوں کے جانا چاہئے کہ میلوں میں بدعات وامور نامشروعہ اکثر ہوتے ہیں اور عام لوگ اپنے نفس پر ان سے بچنے کا قابو نہیں رکھتے اور اولیاء کرام کے دربار میں گناہ کا ارتکاب اور زیادہ سخت! (مجمع المسائل ص ۱۱۰ ج ۱)

قبروں کا طواف

مزارات پر حاضر ہو کر قبروں کا طواف اور سجدے کئے جاتے ہیں، آستانے چومے جاتے ہیں یہ افعال بھی شرعاً ناجائز اور حرام ہیں۔

شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی شرح مناسک کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں۔

(سوال) از طواف کردن قبر سہ بار کافر می شود یا مشرک یا فاسق۔

(سوال) قبر کے گرداگرد تین مرتبہ پھرنے سے (طواف کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے یا مشرک یا فاسق ہوتا ہے؟
(الجواب) طواف کردن قبر سہ بار باشد یا غیر سہ بار شرعاً غیر جائز وحرام است ومرتکب حرام کہ اصرار بر آن سازد فاسق می شود واگر جائز ومستحب دانستہ طواف نمودہ باشد موجب کفر است فی شرح المناسک للقاری ولا یطوف ای لا یدور حول البقعة الشریفة لان الطواف من مختصات الکعبة المنیفةفیحرم حول قبور نبیاء والا ولیاء ......الخ.

(مائۃ مسائل ص ۶۸ سوال سی وچہارم)

(الجواب) قبر کے گرداگرد تین مرتبہ پھرے یا تین سے کم یا زائد شرعاً ناجائز اور حرام ہے اور ایسا مرتکب جو حرام پر مصر ہو فاسق ہو جاتا ہے اور اگر جائز ومستحب سمجھ کر کسی نے طواف کیا ہو تو یہ موجب کفر ہے ملا علی قاریؒ کی شرح مناسک میں ہے ولا یطوف الخ. نہ طواف کرے یعنی حضور ﷺ کے مزار مطہرہ کے گرداگرد نہ پھرے اس لئے کہ طواف کعبہ مقدسہ کے لئے مخصوص ہے پس انبیاء واولیاء کی قبروں کے گرداگرد طواف کرنا حرام ہے......الخ۔

(امداد المسائل ترجمہ مائۃ مسائل ص ۵۵ ، ص ۵۶)

قبروں پر سجدہ

اسی طرح قبر پر سجدہ کرنا حرام ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنے آخری ایام میں فرماتے تھے۔ **لعن اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاء ھم مساجد.** یعنی: اللہ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا (بخاری شریف ج اص ۱۷۷ کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من اتخاذ المسجد علی القبور) مشکوٰۃ شریف ص ۶۹ باب المساجد و موضع الصلوٰۃ)

نیز حدیث میں ہے: **عن جندب قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول الا وان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیاء ھم وصالحیھم مساجد انی انھا کم عن ذلک رواہ مسلم.**
حضرت جندبؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ سے میں نے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے سنو! تم سے پہلے لوگ اپنے) نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا کرتے تھے میں تم کو اس سے روکتا ہوں (تم قبروں کو سجدہ گاہ مت بنانا)۔
(مشکوٰۃ شریف ص ۶۹ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ)

ایک اور حدیث میں ہے: **عن عطاء بن یسار قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد اشتد غضب اللہ علی قوم اتخذ وا قبور انبیاء ھم مساجد.** یعنی: حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنا جس کو پوجا جائے (جس کی عبادت کی جائے یعنی سجدہ کی جائے) اللہ کا غضب بھڑکتا ہے اس قوم پر جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۷۲ باب المساجد)

ایک اور حدیث میں ہے: **عن قیس بن سعد** ...... حضرت قیس بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ میں حیرہ گیا، وہاں میں نے لوگوں کو دیکھا کہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں میں نے دل میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے، اس کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور جو دیکھا تھا وہ بیان کر کے اپنا خیال ظاہر کیا کہ آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ارأیت **لو مررت بقبری اکنت تسجد لہٗ فقلت لا فقال لا تفعلوا لو کنت امر احداً ان یسجد لا حد لامرت النساء ان یسجدن لا زواجھن لما جعل اللہ لھم علیھن من حق، رواہ ابو داؤد. باب عشرۃ النساء وما بکل واحد من الحقوق.**

یعنی: دیکھو! اگر تم میری قبر کے پاس سے گذرتے تو کیا اس کو سجدہ کرتے؟ میں نے عرض کیا ہرگز نہیں، فرمایا پھر (زندگی میں بھی سجدہ) نہ کرو، اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی مخلوق کو سجدہ کرے تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں اس حق کی وجہ سے جو اللہ نے مردوں کا ان پر رکھا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۲ باب عشرۃ النساء)

نیز ایک حدیث میں ہے: ایک موقعہ پر ایک اونٹ نے آکر آپ ﷺ کو سجدہ کیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ آپ کو حیوانات اور درخت سجدہ کرتے ہیں تو ہم زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا **اعبدوا ربکم واکرموا اخاکم** تم اپنے رب کی عبادت کرو (یعنی سجدہ عبادت ہے اور

عبادت کے لائق اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات اقدس ہے) ہاں تم اپنے بھائی کا اکرام کرو۔ **عن عائشة رضی الله عنها ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان فی نفر من المهاجرین والانصار فجاء بعیر فسجد له فقال اصحابه یا رسول الله تسجد لک البهائم والشجر فنحن احق ان نسجد لک فقال اعبدوا ربکم واکرموا اخاکم ولو کنت امر احداً ان یسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها الخ(مشکوٰة شریف ص ۲۸۳ باب عشرة النساء)**

ان احادیث مبارکہ میں غور فرمائیے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی امت کے متعلق قبر پرستی کا خطرہ کتنی شدت سے تھا اور کس قدر سختی سے اس کی ممانعت فرمائی جس قبر کو سجدہ کیا جائے اسے بت قرار دے کر سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی اور اسے غضب الٰہی کے بھڑکنے کا سبب فرمایا۔

قبر پر سجدہ کے متعلق بیہقیٔ وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ مالابدمنہ میں فرماتے ہیں۔

مسئلہ:۔ سجدہ کردن بسوئے قبور انبیاء واولیاء وطواف گرد قبور کردن ودعا از آنہا خواستن ونذر برائے آنہا قبول کردن حرام است بلکہ چیز ہا از آں بکفر می رساند، پیغمبر ﷺ برآنہا لعنت گفتہ واز اں منع فرمودہ وفرمودہ کہ قبر مرا بت نہ کنید۔ (مالابدمنہ ص ۸۰ کتاب الجنائز)

یعنی: انبیاء اور اولیاء کے قبروں پر سجدہ کرنا اور قبروں پر طواف کرنا اور ان سے دعا، مانگنا اور ان کے نام کی نذر ماننا حرام ہے بلکہ ان میں سے بعض چیزیں کفر تک پہنچا دیتی ہیں، پیغمبر ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی ہے اور اس سے منع فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ میری قبر کو بت نہ بنالینا (یعنی جس طرح کفار بتوں کے سامنے سجدہ کرتے ہیں اس طرح میری قبر کے ساتھ معاملہ نہ کرنا)

شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

(سوال) سی وسوم: سجدہ کردن قبر را برائے تعظیم مقبور در شرع حرام است یا کفر یا شرک یا کبیرہ؟

(ترجمہ)(سوال ۳۳) صاحب قبر کی تعظیم کے لئے قبر کو سجدہ کرنا شریعت میں حرام ہے یا کفر ہے یا شرک ہے یا گناہ کبیرہ؟

(الجواب) سجدہ کردن غیر خدا را قبر باشد یا غیر قبر حرام وکبیرہ است واگر بجہت عبادت غیر خدا را سجدہ کند موجب کفر و شرک است واگر غیر خدا را قبر باشد یا غیر قبر سجدہ بدون حضور نیت کند آنہم موجب کفر است، چنانچہ از کتب فقہیہ معلوم می شود وسجدۂ تحیہ کہ در زمان سابق بود در شریعت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام منسوخ شدہ چنانچہ کتب تفسیر وحدیث وفقہ دلالت برآں دارند، ......الخ (مائۃ مسائل ص ۶۳)

(الجواب) سوائے خداوند تعالیٰ کے کسی قبر ہو یا قبر کے علاوہ اور کسی چیز کو سجدہ کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور اگر عبادت کے ارادے سے سوائے خدا کے اور کسی کو سجدہ کرے گا تو موجب کفر وشرک ہے اور اگر غیر خدا کو قبر ہو یا غیر قبر بلا کسی نیت کے سجدہ کرے گا تو یہ بھی موجب کفر ہے، چنانچہ روایات فقہ سے معلوم ہوتا ہے اور سجدہ تحیۃ (سجدۂ تعظیمی) جو گذشتہ امتوں میں رائج تھا شریعت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام میں وہ سجدہ منسوخ ہو گیا چنانچہ کتب تفسیر اور حدیث وفقہ اس پر دال ہیں (اس کے بعد حضرتؒ نے نقل فرمائے ہیں۔ (امداد المسائل ترجمہ مائۃ مسائل ص ۷۰)

قبر پر سجدۂ تعظیمی اور طواف کے متعلق فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان صاحب کا فتویٰ

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بوسہ دینا قبر اولیائے کرام کو اور طواف کرنا گرد قبر کے اور سجدہ کرنا تعظیماً از روئے شرع شریف موافق مذہب حنفی جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) بلاشبہ غیر کعبہ معظّمہ کا طواف تعظیمی ناجائز ہے اور غیر خدا کو سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے اور بوسۂ قبر میں علماء کا اختلاف ہے اور احوط منع ہے، خصوصاً مزارات طیبہ اولیائے کرام کہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ کم از کم چار ہاتھ کے فاصلہ سے کھڑا ہو، یہی ادب ہے، پھر تقبیل کیونکر متصور ہے، یہ وہ ہے جس کا فتویٰ عوام کو دیا جاتا ہے اور تحقیق کا مقام دوسرا ہے۔

لکل مقام مقال ولکل مقال رجال ولکل رجال مجال ولکل مجال منال! نسئال اللہ حسن المآل وعندہ العلم بحقیقۃ کل حال . واللہ تعالیٰ اعلم (احکام شریعت ج۳ ص ۴،۳)

دیکھئے قبر کے تعظیمی سجدہ کو ناجائز کہا اور سجدۂ غیر اللہ کو حرام بتلایا اور تقبیل قبر کے ممنوع ہونے کو احوط فرمایا۔ اور بہار شریعت میں ہے کہ۔

مسئلہ:۔ قبر کو بوسہ دینا بعض علماء نے جائز کہا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ منع ہے (اشعۃ اللمعات) اور قبر کا طواف تعظیمی منع ہے، اور اگر برکت لینے کے لئے گرد مزار پھرا تو حرج نہیں مگر منع کئے جائیں بلکہ عوام کے سامنے کیا بھی نہ جائے کچھ کا کچھ سمجھیں گے، (بہار شریعت ص ۱۵۷ ج ۴)

"الزبدۃ الزکیۃ لتحریم السجود التحیۃ" (مصنفہ مولانا احمد رضا خان بریلوی) میں ہے۔ سجدۂ تعظیمی حرام ہے اور سور کھانے اور شراب پینے سے بھی بڑا گناہ ہے جس کو قرآن عظیم نے کفر سے تعبیر فرمایا، اور رکوع کی حد تک جھکنا بھی حرام ہے۔ (احسن الفتاویٰ ص ۹)

اور رسالہ " جواہر القرآن فی اسرار الارکان میں لکھتے ہیں۔

وقت زیارت دیوار حجرہ محترمہ کو مس نہ کرے (ہاتھ نہ لگائے) اس سے نہ چمٹے گرد روضۂ انور طواف نہ کرے، زمین نہ چومے، پیٹھ مثل رکوع نہ جھکائے، تعظیم رسول اللہ ﷺ ان کی اطاعت میں ہے۔

(ص ۱۹۹ احسن الفتاویٰ، مفتی مدرسہ مظہر اسلام بریلی ص ۹)

دیگر رضا خانی علماء کے فتاویٰ

احسن المسائل (مصنفہ مفتی سید محمد افضل حسین صاحب مونگیری) میں ہے۔

''محض ان منکرات شرعیہ (قبروں کو بوسہ دینا، زمین چومنا، سجدہ کرنا، عورتوں کا آنا، قبروں پر گانا بجانا، مزامیر ڈھول سارنگی کے ساتھ قوالی) کے انکار پر فریق ثانی کو وہابی بتانا ظلم بالائے ظلم ہے، توبہ لازم ہے بلکہ تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا بھی حکم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ سید محمد افضل حسین مونگیری غفرلہٗ مفتی دارالعلوم مظہر اسلام بریلی ۲۴، صفر ۱۳۷۴ھ۔

(الجواب صحیح)

(۱) فقیر مصطفیٰ رضا قادری۔

(۲) ثناء اللہ الاعظمی غفرلہٗ خادم الطلبہ مدرسہ مظہر اسلام بریلی۔

(۳) فقیر محمد اخلاق احمد مدرس الطلبہ مدرسہ مظہر اسلام بریلی۔

(۴) معین الدین اعظمی، مدرس مظہر اسلام بریلی۔

(۵) محمد رجب علی القادری۔

(۶) فقیر ابو محمد سنی رضوی مدرسہ مظہر اسلام بریلی شریف۔

(۷) فقیر ابو المظفر محبّ الرضا محمد محبوب علی خاں قادری، برکاتی، رضوی لکھنوی۔

(۸) فقیر مظفر پوری صدر مدرس مدرسہ مظہر اسلام بریلی۔

(۹) محمد عرف جہانگیر صدر مدرس مدرسہ رضویہ مقام مچھاسرا (گجرات)

(۱۰) محمد حبیب اللہ مفتی جامعہ نعیمہ مراد آباد۔

(۱۱) فقیر عبد الحفیظ مفتی آگرہ۔

(''بحوالہ احسن الفتاویٰ'' مفتی سید افضل حسین مونگیری ص ۱۲، ص ۱۳، ص ۱۴)

عرس کے موقعہ پر عورتیں زرق برق لباس پہن کر بے پردہ آتی ہیں، بے حیائی کے مظاہرے بھی ہوتے ہیں اور حدیث میں ہے۔ لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ. اللہ کی لعنت ہے۔ غیر محرم کو دیکھنے والے پر اور اس عورت پر بھی جس کو دیکھا جائے ایسا عرس کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟

عورتوں کے مزار پر جانے کے متعلق مولانا احمد رضا خان صاحب کا فتویٰ

عرض:۔ حضور اجمیری شریف میں خواجہ صاحب کے مزار پر عورتوں کو جانا جائز ہے یا نہیں؟

ارشاد:۔ غنیۃ میں ہے، یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزار پر جانا جائز ہے یا نہیں، بلکہ یہ پوچھوں کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے اللہ کی طرف سے اور کس قدر صاحب قبر کی جانب سے جس وقت وہ گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی ہے ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں سوائے روضۂ انور کے کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں وہاں کی حاضری البتہ سنت جلیلہ عظیمہ قریب بواجبات ہے اور قرآن عظیم نے اسے مغفرت ذنوب کا تریاق بتایا ..... بخلاف دیگر قبور و مزارات کہ وہاں ایسی تاکیدیں مفقود:۔ اور احتمال مفسدہ موجود، اگر عزیزوں کی قبریں ہیں بے صبری کریں گی، اولیاء کے مزار ہیں تو محتمل ہے کہ بے تمیزی سے بے ادبی کرے یا جہالت سے تعظیم میں افراط جیسا کہ معلوم و مشاہد ہے لہذا ان کے لئے طریقۂ اسلم احتراز ہی ہے۔

(ملفوظات مولانا احمد رضا خان صاحب ص ۱۱۶، ص ۱۱۷ حصہ دوم)

بہار شریعت میں ہے: مسئلہ عورتوں کے لئے بھی بعض علماء نے زیارت قبور جائز بتایا، درمختار میں یہی قول اختیار کیا مگر عزیزوں کی قبور پر جائیں گی تو جزع، فزع کریں گی، لہذا ممنوع ہے اور صالحین کی قبور پر برکت کے لئے جائیں تو بوڑھیوں کے لئے حرج نہیں اور جوانوں کے لئے ممنوع (ردالمحتار) اور اسلم یہ ہے کہ عورتیں مطلقاً منع کی جائیں کہ اپنوں کی قبور کی زیارت میں تو وہی جزع وفزع ہے اور صالحین کی قبور پر یا تعظیم میں حد سے گذر جائیں گی یا بے ادبی کریں گی کہ عورتوں میں یہ دونوں باتیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ)

قبروں پر چراغ جلانا

قبروں پر چراغ جلانے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے نہ صرف ممانعت فرمائی ہے بلکہ ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ حدیث میں ہے۔

عن ابن عباس رضی الله عنهما قال لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم زائرات القبور والمتخذین علیها المساجد والسرج رواه ابو داؤد والترمذی والنسائی. (مشکوٰۃ شریف ص ۷۱ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے لعنت فرمائی ہے ان عورتوں پر جو قبروں پر جاتی ہیں اور ان لوگوں پر جو قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں اور ان پر جو چراغ جلاتے ہیں۔

ملا علی قاری حنفی اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

والنهی عن اتخاذ السرج لما فیه من تضیع المال لانه لا نفع لا حد من السراج ولا نها من آثار جهنم واما للاحتراز عن تعظیم القبور کالنهی عن اتخاذ مساجد الخ.

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص. ۲۱۹ ج ۳ مطبوعه مکتبه امدادیه، ملتان، پاکستان)

قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت یا تو اس لئے ہے کہ اس میں مال کو بے فائدہ ضائع کرنا ہے، کیونکہ اس کا کسی

کو نفع نہیں اور اس لئے کہ آگ تو جہنم کے آثار میں سے ہے (اس کو قبر سے دور رکھنا چاہئے) یا یہ ممانعت قبروں کی (غیر شرعی) تعظیم سے بچانے کے لئے ہے جیسا کہ قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی ممانعت بھی اسی بناء پر ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے شاگرد رشید اور حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے خاص خلیفہ بیہقیٔ وقت حضرت قاضی ثناء اللہ نقشبندی پانی پتی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں۔

لایجوز ما یفعله الجهال بقبور الاولیاء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد علیها ومن الاجتماع بعد الحول کالاعیاد ویسمونه عرساً.(تفسیر مظهری بحواله فتاویٰ رحیمیه ج ۲ ص ۹۵ اردو)

یعنی جاہل لوگ اولیاء اور شہداء کی قبروں سے جو برتاؤ کرتے ہیں یعنی قبروں کو سجدہ کرنا اور اس کا طواف کرنا، اس پر چراغاں کرنا اور ہر سال عید کی طرح وہاں جمع ہونا جسے عرس کا نام دیتے ہیں یہ سب امور ناجائز ہیں۔

حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب (نواسے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ) تحریر فرماتے ہیں۔

(سوال سی و نهم) روشنی کردن برائے تعظیم میت جائز یا گناہ، کدام گناہ؟

(سوال) تعظیم میت کے لئے (قبر پر روشنی کرنا جائز ہے یا گناہ اور کس قسم کا گناہ۔

(الجواب) غیر جائز بلکہ مستوجب لعن است کما ہو مذکور فی الحدیث فی المشکوٰۃ **عن ابن عباس لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم زائرات القبور والمتخذین علیها المساجد والسرج، رواه ابو داؤد والنسائی والترمذی . الی قوله** . در ترجمہ شیخ عبدالحق تحت ایں حدیث مرقوم است ولعنت کردہ است رسول خدا ﷺ کسانیکہ می گیرند قبور را مسجد یعنی سجدہ برندگان بجانب قبور بقصد تعظیم چنانکہ گذشت وکسانی را کہ میگرند چراغہا را بر قبور بقصد تعظیم ونزد بعضے حرام است اگر چہ نہ تعظیم باشد از جہت اسراف وتضییع مال وبعضے گویند کہ اگر برائے رہگذر مردم باشد یا در سایۂ چراغ کارے می کردہ جائز است ودریں صورت چراغ گرفتن بجہت قبر نیست بلکہ بجہت کاری دیگر است کہ روشنی قبر ازاں منظور نیست انتہی ۔ پس ازیں روایات معلوم شد کہ روشنی کردن بر قبور غیر جائز است ومقرون بلعنت شدن فعلی دلیل گناہ ست ونزد بعضے علامت کبیرہ است کما ذکرہ الشیخ عبدالحق فی شرح العربی علی المشکوٰۃ ۔ (مأتہ مسائل ص ۲۷، ص ۷۳)

(الجواب) ناجائز ہے بلکہ قابل لعنت ہے چنانچہ مشکوٰۃ کی ایک حدیث میں آیا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے، روایت کیا اس حدیث کو ابوداؤد و نسائی اور ترمذی نے (مشکوٰۃ)۔ الی قولہ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث بالا کے ذیل میں اپنے ترجمہ مشکوٰۃ میں ارقام فرماتے ہیں :۔ رسول خدا ﷺ نے ان لوگوں پر جو قبروں پر مسجد بناتے ہیں یعنی تعظیم کے ارادہ سے قبروں کی طرف سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے، اور ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جو تعظیم کے ارادہ سے قبروں پر چراغ جلاتے ہیں اور بعض علماء کے نزدیک حرام ہے اگر چہ تعظیماً (ان کا یہ فعل نہ ہو) لیکن اسراف اور تضییع مال کی وجہ سے حرام ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر لوگوں کی آمد ورفت کے لئے ہو یا چراغ کی روشنی میں کوئی کام کرتے ہوں تو جائز ہے اور اس صورت میں قبر

کے لئے چراغ جلانا مقصود نہیں بلکہ ایک دوسرے ہی کام کے لئے اور قبر کی روشنی منظور نہیں ہے لیکن اگر قبر کی روشنی مقصود ہے تو چراغ جلانا حرام ہوگا انتہی (ترجمہ مشکوٰۃ للشیخ) پس ان روایات سے معلوم ہوگیا کہ قبروں پر روشنی کرنا، ناجائز ہے، اور کسی فعل کا ملعون ہونا موجب گناہ ہے اور بعض علماء کے نزدیک تو علامت گناہ کبیرہ ہے جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مشکوٰۃ کی عربی شرح میں بیان فرمایا ہے۔ (امداد المسائل ترجمہ مأۃ مسائل ص ۸۰،۸۱،۸۲)

قبروں پر پھول چڑھانا

حدیث سے اتنا تو ثابت ہے کہ ایک موقع پر حضور اقدس ﷺ کا گذر دو قبروں پر ہوا آپ نے ارشاد فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور آپ نے کھجور کی ایک تازہ ٹہنی لے کر درمیان سے اس کو چیرا اور ہر ایک قبر پر ایک ایک ٹکڑا گاڑ دیا اور فرمایا امید ہے کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں ان سے عذاب میں تخفیف کر دی جائے۔ (بخاری، مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۴۲ باب آداب الخلاء) اگر حقیقت میں حدیث پر عمل ہی کرنا ہے تو کوئی سبز ٹہنی قبر پر گاڑنا چاہئے جیسا کہ دفناتے وقت تازہ شاخ گاڑی جاتی ہے اس کو پھولوں کے ساتھ ہی کیوں خاص کر دیا گیا؟ ٹہنی بآسانی اور مفت میسر ہوسکتی ہے پھولوں کو تو خریدنا پڑے گا اگر یہی پیسے ایصال ثواب کی نیت سے غریب کو دے دیئے جائیں تو مردہ کو زیادہ فائدہ پہنچنے کی امید ہے، معلوم ہوتا ہے کہ پھول یا تو تقرب میت کی نیت سے چڑھائے جاتے ہیں جس کا ناجائز اور حرام ہونا ظاہر ہے یا صرف رسماً جس میں اضاعت مال اور تشبہ بالہنود ہے و مسلم را تشبہ بالکفار و فساق حرام است، مسلمان کو کفار اور فساق کی تشبہ اختیار کرنا حرام ہے (مالا بد منہ ص ۱۳۱) مردہ کے ایصال ثواب کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ کچھ پڑھ کر یا صدقہ و خیرات کر کے ایصال کی روح بہت ہی خوش ہوگی، اور یہ طریقہ سنت کے مطابق ہے۔

حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔ مفصل فتویٰ

(سوال چهل ویکم) چادر گل انداختن بر قبر چہ حکم دارد جائز یا گناہ؟ کدام گناہ؟

(سوال ۴۱) پھولوں کی چادر قبر پر چڑھانا کیسا ہے؟ جائز ہے یا گناہ ہے؟

(الجواب) اگر برائے تقرب میت می اندازند غیر جائز است وحرام کما یفهم من الدر المختار وغیرہ عبارته هكذا اعلم ان النذر الذى يقع للاموات وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها الىٰ ضرائح الاولياء الكرام تقرباً اليهم فهو بالا جماع باطل وحرام مالم يقصدوا صرفها لفقراء الا نام وابتلى الناس بذلك ولا سيما فى هذه الا عصار، انتهى. واگر برائے تزئین قبر و تجمل آں باشد آنہم مکروہ است زیرا کہ قبر محل زینت و تجمل نیست بلکہ نزد قبر فعلے باید کرد کہ تذکرآ خرت شود کہ در حدیث شریف وارد است زوروا القبور فانها تزهد الدنيا وتذكر الاخرة ، پس امری کہ خلاف زہد و تذکر آخرت باشد مطلوب از زیارت قبور نیست پس زینت و تجمل قبر خلاف مقصود شارع خواہد شد وکسانیکہ انداختن سبزہ و گل بر قبور جائز داشتہ اند تمسک کردہ اند بحدیثی کہ در مشکوٰۃ وغیرہ است مرا النبى صلى الله عليه وسلم بقبرين فقال انهما ليعذبان وما يعذبان فى كبير اما احد هما فكان لا يستتر من البول وفى رواية مسلم لا يستنزه من البول واما الا خر فكان يمشى بالنميمة ثم اخذ

جریدۃ رطبۃ فشقھا بنصفین ثم غرز فی کل قبرواحدۃ. قالوا یارسول اللہ بما صنعت ھذا فقالک لعلہ ان یخفف عنھما مالم ییبسا شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحت ایں می نویسند تمسک می کند جماعتہ بایں حدیث درانداختن سبزہ و گل وریحان برقبور۔ وخطابی کہ از ائمہ اہل علم وقدوۂ شراح حدیث ایں قول رارد کردہ است وانداختن سبزہ وگل رابرقبور متمسک بایں حدیث انکار نمودہ وگفتہ کہ ایں سخن اصلے ندارد ودرصدراول نبودہ وبعضے گفتہ اند بنابرآں تحدید وتوقیت بدانست کہ آنحضرت شفاعت خواست درتخفیف عذاب پس قبول کردہ شدازوی تامدت خشک شدن آں شاخ کلمۂ لعل ناظر است دریں معنی ... الخ (مأتہ مسائل ص ۷۴،۷۵،۷۶)

(الجواب) اگرتقرب میت کے لئے وہ چادرڈالتے ہیں تب تو ناجائزوحرام ہے چنانچہ درمختاروغیرہ سے ایسا ہی مفہوم ہوتا ہے، درمختار کی عبارت یہ ہے۔ ترجمہ: جان تو کہ جونذریں اموات کے لئے مانی جاتی ہیں اوروہ روپیہ پیسہ اور چراغ اور تیل اوراس کے مثل اور چیزیں جو اولیاء کرام کے مزارات پران کا تقرب حاصل کرنے کے لئے چڑھائی جاتی ہیں وہ باالاجماع باطل اور حرام ہیں جب تک کہ ان چیزوں کے خرچ کا ارادہ فقیروں کے لئے نہ ہواوراس آفت میں خصوصاً اس زمانہ میں سب لوگ مبتلا ہیں۔ انتہیٰ (درمختار) اوراگرپھولوں کی چادرقبرکی زیب وزینت کے لئے ہوتب بھی مکروہ ہے اس لئے کہ قبرزینت وآرائش کی جگہ نہیں ہے بلکہ قبرستان میں تو ایسے افعال کئے جائیں جس سے آخرت کی یاد زیادہ ہو، حدیث شریف میں آیا ہے۔ قبرکی زیارت کرواس لئے کہ قبرکی زیارت کرنادنیا کی طرف سے بے رغبت کردیتا ہے اور آخرت کی یاد دلاتا ہے پس جو کام زہداوریادآخرت کے خلاف ہوگا وہ زیارت قبور کا مقصود نہیں اس لئے کہ قبر کی زینت وآرائش شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقصود کے خلاف ہوجائے گی اور جولوگ سبزہ وگل قبروں پر چڑھانا جائز سمجھتے ہیں انہوں نے مشکوٰۃ کی اس حدیث سے تمسک کیا ہے، نبی ﷺ دوقبروں پرتشریف فرما ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دونوں عذاب دیئے جارہے ہیں لیکن کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور مسلم کی روایت میں ہے کہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلخوررتھا پھرآپ ﷺ نے ایک گیلی شاخ لے کربیچ میں سے چیرااور ہرایک قبرپرگاڑدی صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ نے کس لئے ایسا کیا تو آپ نے فرمایا شاید ان سے عذاب میں تخفیف کردی جائے جب تک یہ شاخ نہ سوکھیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے ایک جماعت قبروں پرسبزہ وگل اور ریحان چڑھانے پراستدلال کرتے ہیں۔ (۱) لیکن علامہ خطابیؒ نے جوامام العلماء اورشارحین حدیث کے پیشوا ہیں اس قول کا ردفرمایا ہے اوراس حدیث سے قبروں پرسبزہ وگل ڈالنے کے استدلال پرانکارفرمایا ہے اور فرمایا ہے

---

(۱) میں کہتا ہوں کہ بدعتیوں کا حدیث مذکور سے استدلال سراسر باطل ہے کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے قبروں پرکھجور کی شاخ کے ٹکڑے گاڑے تھے پھول نہیں ڈالے تھے پس اگران لوگوں کا مقصود اتباع ہوتا توان کو چاہئے تھا کہ یہ بھی کھجور کی شاخ کے ٹکڑے گاڑتے نہ کہ پھول چڑھاتے تو ثابت ہوا کہ ان کا مقصود ابتداع ہے نہ کہ اتباع، دوسرے جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ عمل گنہگاروں کی قبروں پرکیا تھا نہ کہ صلحاء کی قبروں پر، اب اگر ان کا مقصود اتباع ہوتا تو چاہئے تھا کہ وہ فساق وفجار کی قبروں پرپھول وغیرہ چڑھاتے لیکن وہ ایسا نہیں کرتے، بلکہ وہ ایسے لوگوں کی قبروں پرپھول چڑھاتے ہیں جن کی متعلق ان کو عذاب کا احتمال تو کیا امکان بھی نہیں ہوتا، پس ثابت ہوا کہ آپ کی اتباع مقصود نہیں بلکہ ابتداع مقصود ہے، اوران کا یہ استدلال ازقبیل استنباط احکام نہیں بلکہ ازقبیل تحریف حکم ہے۔ "اعاذنا اللہ من ذلک" حبیب احمد کیرانوی (امداد المسائل ترجمہ مأتہ مسائل ص ۸۴)

کہ یہ علت کچھ بھی اصلیت نہیں رکھتی اور قرون اولیٰ میں بھی نہیں تھا اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اس حد اور وقت مقرر فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تخفیف عذاب کی شفاعت فرمائی تھی جو اس ٹہنی کے خشک ہونے کی مدت تک کے لئے قبول فرمالی گئی او رلفظ لعل یہی بات بتلا رہا ہے الخ (امداد المسائل ترجمہ مأتہ مسائل ص ۸۲،ص ۸۳،ص ۸۴)

ایک نئی بدعت

نماز جمعہ کے بعد اجتماعی صلوٰۃ وسلام

بعض جگہ مسجد میں نماز کے بعد خصوصاً جمعہ کی نماز کے بعد قیام کر کے لوگ اجتماعی طور پر ایک خاص طرز سے جھوم جھوم کر زور زور سے التزاماً درود وسلام پڑھتے ہیں اور اس طریقہ کو ''اہل سنت'' (سنی) ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے جو لوگ ان کے ساتھ اس فعل میں شرکت نہیں کرتے ان کو اہل سنت والجماعت سے خارج کہتے ہیں، بدعقیدہ سمجھتے ہیں، درود اور معاذ اللہ حضور ﷺ کا مخالف اور گستاخ کہتے ہیں اور بعض متشدد تمام حدود سے تجاوز کرتے ہوئے کفر کا فتویٰ بھی لگادیتے ہیں، انا للہ .معاذ اللہ .

یقیناً درود وسلام بہت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اور بہت عظیم عمل ہے قرآن مجید میں بڑے اہتمام کے ساتھ اس کا حکم دیا گیا ہے، احادیث میں اس کے بے شمار فضائل اور فوائد بیان کئے گئے ہیں، اس عظیم عبادت کے لئے بھی دیگر عبادات کے مانند کچھ اصول اور آداب ہیں ان کی رعایت کرنا اور ان کی پابندی کرنا بہت ضروری ہے اور ان کو چھوڑ کر اپنی نفسانی خواہشات اور اپنے من گھڑت اور خود ساختہ طریقے کے مطابق عمل کرنا بجائے ثواب کے گناہ اور بجائے قرب کے بعد کا سبب بن سکتا ہے۔

غور کیجئے! اگر کوئی شخص نماز کی ابتدا تکبیر تحریمہ کے بجائے درود شریف سے کرے، سورۂ فاتحہ کی جگہ درود پاک پڑھے، سورہ ملانے کے بجائے درود شریف پڑھتا رہے، تکبیرات انتقالات کے موقعہ پر درود پاک کا ورد کرتا رہے، رکوع اور سجدہ میں بھی درود پڑھتا رہے، تشہد چھوڑ کر درود پاک کا شغل رکھے تو آپ خود بتلائیے کہ ان مقامات پر درود پاک پڑھنے کی اجازت ہے؟ اور کیا اسے صحیح طریقہ کہا جاسکتا ہے؟ نماز صحیح ہوجائے گی؟ اگر کوئی شخص قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھ لے تو سجدۂ سہولازم آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بے موقعہ اور بے محل درود شریف پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

صلوٰۃ وسلام انفرادی طور پر (تنہا تنہا) پڑھا جاتا ہے صلوٰۃ وسلام کے لئے اجتماع، اہتمام اور التزام ثابت نہیں ہے، حضور اقدس ﷺ کے قول وعمل، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تابعین، تبع تابعین، محدثین ائمہ مجتہدین اولیاء عظام، مشائخ کرام، حضرت غوث الاعظم، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، خواجہ نظام الدین اولیاء وغیرہ سے نماز کے بعد مسجد میں اجتماعی طور پر کھڑے ہوکر زور زور سے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا ایک نمونہ اور ایک مثال بھی پیش نہیں کرسکتے لہذا یہ طریقہ یقیناً بدعت ہے اسے ایجاد کرنے والے اور اس پر عمل کرنے اور اس پر اصرار کرنے والے اور اسے دین سمجھنے والے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی اور لعنت کے مستحق ہیں۔ اور بدعت کے سلسلہ میں جو وعیدیں ہیں آپ اسے تفصیل سے ملاحظہ فرماچکے ہیں۔

جس عبادت میں اجتماع ثابت نہ ہو اس میں اجتماع سے روکا جائے گا اس کے چند نمونے

جس عبادت کے لئے اجتماع ثابت نہ ہو اگر اہتمام والتزام کے ساتھ اجتماعی طریقہ سے اس کو ادا کیا جائے گا تو وہ مناسب طریقہ نہ ہوگا اور اس سے روکا جائے گا اور اسلاف عظام سے اس کا بھی ثبوت ہے اس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

(۱) ...... چاشت کی نماز حدیث سے ثابت ہے مگر اس کے لئے مساجد میں اجتماع اور اہتمام ثابت نہیں، حضرت ابن عمرؓ نے جب دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہوکر پڑھتے ہیں آپ نے اسے ناپسند فرمایا اور سے بدعت قرار دیا عن مجاھد قال دخلت انا وعروۃ بن الزبیر المسجد فاذا عبداللہ بن عمر جالس الی حجرۃ عائشۃ واذا اناس یصلون فی المسجد صلوٰۃ الضحیٰ قال فسالناہ عن صلوتھم فقال بدعۃ.
(بخاری شریف باب کم اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۳۸ ج۱)

(۲) شہاب الدین شیخ رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ویستحب التکبیر فی طریق المصلی ...... لکن لا علی ھیئۃ الا جتماع والا تفاق فی الصوت ومراعات الا نغام فان ذلک کلہ حرام بل یکبر کل واحدبنفسہ.

ترجمہ: عیدگاہ جاتے آتے راستہ میں تکبیر " اللہ اکبر ، اللہ اکبر ، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر ، اللہ اکبر وللہ الحمد" پڑھنا مستحب ہے لیکن سب مجتمع ہوکر آواز سے راگ کی رعایت کرتے ہوئے نہ پڑھیں کہ یہ حرام ہے بلکہ ہر ایک اپنے اپنے طور پر تکبیر پڑھے۔ (مجالس الابرار ص ۲۱۳ م نمبر ۳۲)

(۳) ...... عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی راتوں میں، شب برأت میں، رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ کی راتوں میں، ذی الحجہ کے دس دن اور ان کی دس راتوں میں عبادت کی بڑی فضیلت آئی ہے، لیکن فقہائے کرام رحمہم اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ ان راتوں میں عبادت کرنے، نوافل وغیرہ پڑھنے کے لئے مساجد میں جمع ہونا مکروہ ہے۔ البحر الرائق میں ہے۔ ومن المندوبات احیاء لیالی العشر من رمضان ولیلتی العیدین ولیالی عشر ذی الحجۃ ولیلۃ النصف من شعبان کما وردت بہ الاحادیث وذکر ھا فی الترغیب والترھیب مفصلۃ والمراد باحیاء الیل قیا مہ ...... ویکرہ الا جتماع علی احیاء لیلۃ من ھذہ اللیالی فی المسا جد (البحر الرائق ص ۵۳ ج ۲، باب الوتر والنوافل)

(۴) ...... علامہ ابن الحاج "کتاب المدخل" میں فرماتے ہیں۔ وانما اجتماعھم لذلک فبدعۃ کما تقدم. یعنی جمعہ کے دن سورہ کہف مسجد میں اجتماعی طور پر پڑھنا بدعت ہے۔
(انفرادی طور پر پڑھنا بہت عظیم ثواب کا کام ہے) (کتاب المدخل ص ۱۸۱ ج ۲)

(۵) ...... امام نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے ایک شخص کو چھینک آئی، اس نے " الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ" کہا، حضرت ابن عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا میں بھی یہ کلمات پڑھ سکتا

ہوں مگر اس موقعہ پر یہ کلمات پڑھنے کی رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تعلیم نہیں دی، اس موقعہ پر ہمیں یہ تعلیم فرمائی کہ یہ کلمات کہیں ' الحمد للہ علی کل حال "

عن نافع ان رجلاً عطس الی جنب ابن عمر رضی اللہ عنہ فقال الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ ولیس ھکذا علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنا ان نقول الحمد للہ علی کل حال. (ترمذی شریف باب مایقول العاطس اذا عطس ج ۲ ص ۹۸) (مشکوٰۃ شریف باب العطاس والتثاؤب ص ۴۰۶)

ان کلمات میں یہ زائد کلمہ " **والسلام علی رسول اللہ** " اپنے مفہوم کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے لیکن اس موقعہ پر حضور اکرم ﷺ نے اس کے پڑھنے کی تعلیم نہیں دی۔ حضرت ابن عمرؓ کو یہی چیز نئی معلوم ہوئی اس لئے فوراً آپ نے اس پر نکیر فرمائی۔

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ عبادات میں مخصوص کیفیات اور مخصوص طریقے اور اوقات مقرر کر لینا جو شریعت میں وارد نہیں ہیں بدعت اور ناجائز ہیں (الاعتصام ج ۱ ص ۲۴)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر وہ کام جس کے متعلق صاحب شریعت کی طرف سے ترغیب نہ ہو اس کی ترغیب دینا اور جس کا وقت مقرر نہ ہو اس کا وقت مقرر کر لینا سنت سید الانام ﷺ کے خلاف ہے اور سنت کی مخالفت حرام ہے (مجموعہ فتاویٰ عزیزی ص ۹۹ ج ۱)

بحر الرائق میں ہے:۔ **ولان ذکر اللہ تعالیٰ اذاقصد بہ التخصیص بوقت دون وقت او بشیء دون شیئی لم یکن مشروعاً حیث لم یرو بہ الشرع لانہ خلاف المشروع.**
(البحر الرائق ص ۱۵۹ ج ۲ باب العیدین تحت قولہ غیر مکبر و متنفل)

ایک اشکال کا جواب

کچھ لوگ بڑی سادگی سے کہتے ہیں کہ اس میں گناہ کی کون سی بات ہے درود ہی تو پڑھا جارہا ہے، لیکن اگر مذکورہ بالا گذارشات پر غور کریں گے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگی کہ جو عمل بے موقع اور بے محل کیا جاتا ہے وہ قابل ملامت اور قابل مواخذہ ہو سکتا ہے۔

دیکھئے! روایت میں ہے: امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک شخص کو عیدگاہ میں عید کے دن دیکھا کہ وہ عید کی نماز سے پہلے نماز پڑھ رہا ہے تو حضرت علیؓ نے اسے روک دیا، اس نے عرض کیا امیر المومنین! مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے پر عذاب نہیں دے گا، حضرت علیؓ نے فرمایا مجھے بھی یقین ہے کہ آنحضور ﷺ نے جو کام نہیں کیا یا جس کام کے کرنے کی ترغیب نہیں دی اس پر اللہ تعالیٰ ثواب نہیں دے گا اس لئے وہ کام عبث ہوگا اور عبث کام بے کار و بے فائدہ ہے پس ڈر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ سے مخالف ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عذاب دے۔ (مجالس الابرار ص ۱۲۹ م نمبر ۱۸)

ایک شخص عصر کی نماز کے بعد دو رکعت نفل پڑھتا تھا، حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے اسے روکا تو اس

نے سعید بن میںب سے دریافت کیا یا ابا محمد ایعذبنی اللہ علی الصلوٰۃ ؟ اے ابو محمد! کیا اللہ تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے پر سزا دیں گے؟ آپ نے فرمایا: لکن یعذبک اللہ بخلاف السنۃ (عبادت موجب سزا وعتاب نہیں) لیکن خدا تعالیٰ سنت کی مخالفت پر تجھے سزا دیں گے (مسند دارمی)

غور کیجئے! نماز عبادت ہے حضور اقدس ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے مگر عید کی نماز سے پہلے اور عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھنا چونکہ خلاف سنت ہے اس لئے موجب عقاب قرار پایا اور شدت سے منع کیا گیا۔

لہٰذا صلوٰۃ وسلام کا جو طریقہ ایجاد کیا گیا ہے اسے بدعت ہی کہا جائے گا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ لوگ مسجد میں بلند آواز سے درود پڑھتے ہیں تو آپ نے ان کو بدعتی قرار دیا اور مسجد سے نکال دیا۔ شامی میں ہے۔

لما صح عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ انہ اخرج جماعۃ من المسجد یھللون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جھراً وقال لھم ما اراکم الا مبتدعین.

یعنی: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بسند صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے ایک جماعت کو مسجد سے محض اس لئے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ اور حضور ﷺ پر درود پڑھتے تھے، اور آپ نے فرمایا میں تمہیں بدعتی ہی خیال کرتا ہوں (شامی ص ۳۵۰ ج ۵، کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع عند قول ھل یکرہ رفع الصوت بالذکر)

جو لوگ مروجہ صلوٰۃ وسلام پر عمل پیرا ہیں اور جگہ جگہ اس طریقہ کو رواج دینے کے لئے کوشاں رہتے ہیں اور جو لوگ ان کے اس نو ایجاد، خود ساختہ طریقہ پر عمل نہیں کرتے انہیں برا بھلا، بدعقیدہ، تعظیم رسالت کے منکر، درود کے مخالف اور نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں مذکورہ روایت سے ان کو عبرت حاصل کرنا چاہئے، جلیل القدر صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تو اسے بدعت قرار دے رہے ہیں اور ایسے لوگوں کو مسجد سے نکال رہے ہیں اور یہ لوگ اسی کو سنی ہونے کی علامت بنائے ہوئے ہیں، فاعتبروا یا اولی الابصار.

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

اتباع کامل یہ ہے کہ جو عمل جس طرح ثابت ہو اسی طرح اس پر عمل کیا جائے اس کے چند نمونے

اتباع کامل اور سچی پیروی یہ ہے کہ جو عمل آنحضور ﷺ سے جس طرح ثابت ہو اسی طرح عمل میں لایا جاوے، اپنی طرف سے کمی بیشی نہ کی جائے مثلاً۔

(۱) عید الاضحیٰ میں عیدگاہ آتے جاتے بلند آواز سے تکبیر کہی جائے اور عید الفطر میں پست آواز سے کہ اسی طرح ثابت ہے۔

(۲) نماز کسوف (سورج گرہن کی نماز) باجماعت ادا کی جائے اور نماز خسوف (چاند گرہن کی نماز) انفرادی طور پر ادا کی جائے باجماعت منع اور مکروہ ہے کہ ثابت نہیں۔

(۳) صلوٰۃ استسقاء میں خطبہ ہے اور نماز کسوف میں نہیں کہ آنحضور ﷺ سے ثابت نہیں۔

(۴) رمضان المبارک میں وتر باجماعت ادا کی جاتی ہے جب کہ دوسرے ایام میں باجماعت ادا کرنا مکروہ اور ممنوع ہے کہ ثابت نہیں۔

(۵) جمعہ کی نماز کے لئے دو اذان (ایک منارہ پر دوسری منبر کے سامنے) دی جاتی ہیں اور نماز سے پہلے اقامت کہی جاتی ہے مگر دونوں عیدین میں نہ منارہ کی اذان ہے اور نہ خطبہ کی اور نہ نماز سے قبل اقامت ہے، اس کا سبب صرف یہی ہے کہ عیدین میں اذان و اقامت حضور اقدس ﷺ سے ثابت نہیں۔

(۶) نماز اشراق ہمیشہ پڑھی جاتی ہے، مقبول حج وعمرہ کا ثواب ملتا ہے مگر عیدین میں منع ہے کہ ثابت نہیں۔

محرم اور تعزیہ داری

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وایاہ ثم ایاہ ان یشغلہ ببدع الرافضۃ ونحوھم من الندب والنیاحۃ والحزن اذ لیس ذلک من اخلاق المؤمنین والا لکان یوم وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم اولیٰ بذلک واحری (صواعق محرقہ ص ۱۰۹) (شرح سفر السعادۃ. ص ۵۴۳)

خبردار اور ہوشیار! عاشورہ کے دن روافض کی بدعتوں میں مبتلا نہ ہو جانا مانند مرثیہ خوانی، آہ و بکا اور رنج والم کے اس لئے کہ یہ خرافات مسلمانوں کے شایان شان نہیں اور اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو حضور اقدس ﷺ کی وفات کا دن اس کا زیادہ مستحق ہو سکتا تھا۔

قطب عالم محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ولو جاز ان یتخذ یوم موتہ یوم مصیبۃ لکان یوم الاثنین اولیٰ بذلک اذ قبض اللہ تعالیٰ نبیہ محمداً صلی اللہ علیہ وسلم فیہ وکذلک ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ قبض فیہ. (غنیۃ الطالبین ص ۳۸ ج ۲)

اور اگر حضرت حسینؓ کی شہادت کا دن ''یوم مصیبت و ماتم'' کے طور پر منایا جائے تو یوم دوشنبہ (پیر کا دن) اس غم واندوہ کے لئے زیادہ سزاوار ہے کیونکہ اس دن حضرت رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وفات پائی ہے اور اسی دن حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی وفات پائی ہے۔ (حالاں کہ ایسا کوئی نہیں کرتا)

علامہ شیخ رومی مجالس الابرار میں لکھتے ہیں:

واما اتخاذه ما تماً لا جل قتل الحسين بن علی كما يفعله الروافض فهو من عمل الذين ضل سعيهم فی الحيوٰة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعاً اذلم يأمر الله ولا رسوله باتخاذ ايام مصائب الانبياء وموتهم ما تماً فكيف بما دونهم ؟ (مجالس الابرار ص ۲۳۹ م ۳۷)

اور اس دن کو حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی شہادت کے سبب یوم ماتم بنانا جیسا کہ روافض کرتے ہیں سو یہ ان لوگوں کا طریقہ کار ہے جن کی کوشش دنیا میں رائیگاں گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ ہم اپنا کام خوب بنا رہے ہیں کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے انبیاء کے مصائب اور ان کی موت کے ایام کو ماتم کرنے کا حکم نہیں دیا، تو ان سے ادنیٰ لوگوں کا کیا پوچھنا؟

محدث علامہ محمد طاہرؒ فرماتے ہیں۔

فانه تجديد الماتم وقد نصوا علی کراهيته كل عام فی سيد نا الحسين رضی الله عنه مع انه ليس له اصل فی امهات البلاد الا سلامية.(مجمع البحار ص ۵۵۰ ج۳)

یعنی: ہر سال سیدنا امام حسینؓ کا ماتم کرنا علماء نے مکروہ تحریمی فرمایا ہے اور بلاد اسلامیہ میں کسی جگہ بھی یہ طریقہ رائج نہیں ہے۔

علامہ حیات سندھی ثم المدنیؒ (المتوفی ۱۱۶۰ھ) فرماتے ہیں ''رافضیوں کی برائیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگ امام حسینؓ کی قبر کی تصویر بناتے ہیں اور اس کو مزین کر کے گلی کوچوں میں لے کر گشت کرتے ہیں اور یا حسین یا حسین پکارتے ہیں اور فضول خرچ کرتے ہیں یہ تمام باتیں بدعت اور ناجائز ہیں۔ (الرقضہ فی ظہر الرفضہ)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں ۔ درصواعق گفتہ کہ طریقہ اہل سنت آنست کہ درین روز ہم از مبتدعات فرقۂ رافضیہ مثل ندبہ ونوحہ وعزا وامثال آن اجتناب کنند کہ نہ از داب مؤمنان است والا روز وفات حضرت پیغمبر ﷺ اولیٰ واحریٰ می بود۔

یعنی: اہل سنت کا طریقہ یہ ہے کہ یوم عاشوراء کو فرقۂ روافض کی بدعات مخترعہ مثلاً ماتم، نوحہ وغیرہ سے علیحدہ رہتے ہیں کہ یہ مومنوں کا کام نہیں ہے ورنہ اس غم کا سب سے زیادہ حق دار پیغمبر ﷺ کا یوم وفات تھا۔

(شرح سفر السعادت ص ۵۴۳)

حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

از جملہ بدعات رفضہ کہ در دیار ہندوستان اشتہار تمام یافتہ ماتم داری وتعزیہ سازی است در ماہ محرم بزعم محبت حضرت حسین رضی اللہ عنہ...... ایں بدعات چند چیز ست اول ساختن نقل قبور ومقبرہ وعلم وشدہ وغیرھا وایں معنی بالبداہت از قبیل بت سازی بت پرستی است۔

یعنی: ماہ محرم میں حضرت حسینؓ کی محبت کے گمان میں ماتم اور تعزیہ سازی بھی روافض کے ان بدعات میں سے ہے جو ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں، ان بدعتوں کی چند قسمیں ہیں (۱) قبر و مقبرہ کی نقل علم و شدہ وغیرہ کہ یہ کھلے طور پر بت سازی اور بت پرستی کی قسم میں سے ہیں۔ (مجموعہ ملفوظات عرف صراط مستقیم فارسی ص ۵۹)

رضا خانی اور بریلوی علماء بھی ان خرافات کو ناجائز اور گناہ کہتے ہیں

علماء بریلوی کے فتاویٰ

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے فتاویٰ غور سے پڑھو اور سبق حاصل کرو۔

(۱) علم، تعزیہ، بیرک، مہندی، جس طرح رائج ہے بدعت ہے، اور بدعت سے شوکت اسلام نہیں ہوتی، تعزیہ کو حاجت روا یعنی ذریعۂ حاجت روائی سمجھنا جہالت پر جہالت ہے اور اس سے منت ماننا حماقت اور نہ کرنے والوں کو باعث نقصان خیال کرنا زنانہ وہم ہے، مسلمانوں کو ایسی حرکت سے باز آنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

(رسالہ محرم و تعزیہ داری ص ۵۹)

(سوال ۲) تعزیہ بنانا سنت ہے، جس کا یہ عقیدہ ہو یا قرآن شریف کی کسی آیت یا حدیث سے سند پکڑے، ایسا شخص علماء اہل سنت والجماعت کے نزدیک خارج از اسلام تو نہ سمجھا جائے گا؟ اس پر کفر کا اطلاق جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ کیسے شروع ہوا ہے؟ اگر سامنے آجائے تو بنظر تحقیر یا تعظیم دیکھنا چاہئے یا نہیں؟

(الجواب) وہ جاہل خطاوار مجرم ہے مگر کافر نہ کہیں گے، تعزیہ آتا دیکھ کر اعراض و روگردانی کریں اس کی جانب دیکھنا ہی نہ چاہئے اس کی ابتداء سنا جاتا ہے امیر تیمور لنگ بادشاہ دہلی کے وقت سے ہوئی۔

(عرفان شریعت ص ۱۵، ج ۲)

(سوال ۳) محرم شریف میں مرثیہ خوانی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) ناجائز ہے کہ وہ مناہی و منکرات سے مملو ہوتے ہیں (عرفان شریعت ج ۱ ص ۱۶)

(سوال ۴) اب کہ تعزیہ داری طریقہ نامرضیہ کا نام ہے قطعاً بدعت و ناجائز و حرام ہے۔ (رسالہ تعزیہ داری ص ۳)

(سوال ۵) محرم میں سیاہ اور سبز کپڑے علامت سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے خصوصاً سیاہ کہ شعار رافضیان لئام ہے (احکام شریعت ص ۹۰ ج ۱)

(سوال ۷) ماہ محرم میں کوئی بیاہ شادی نہیں کرتے......

(الجواب) یہ بات سوگ ہے اور سوگ حرام ہے (احکام شریعت ص ۹۰ ج ۱)

مولوی محمد مصطفےٰ رضا خانی بریلوی نوری برکاتی کا فتویٰ

تعزیہ بنانا بدعت ہے اس سے شوکت و دبدبہ اسلام نہیں ہو سکتا، مال کا ضائع کرنا ہے اس کے لئے سخت وعید آئی ہے (رسالہ محرم و تعزیہ داری ص ۶۰)

مولوی حکیم محمد حشمت علی حنفی قادری بریلوی کا فتویٰ

(الجواب) تعزیہ داری جس طرح رائج ہے متعدد معاصی و منکرات کا مجموعہ اور گناہ و ناجائز و بدعت شنیعہ و باعث عذاب الٰہی، طریقۂ روافض ہے اسے جائز نہ کہے گا مگر بے علم، احکام شریعت سے ناواقف، حضور اقدس سرور عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار دوسری حدیث میں ہے۔ شر الا مور محدثا تھا و کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة کذا فی المشکوٰۃ پس تعزیہ کا بنانے والا، اس میں دامے درمے، قدمے مدد کرنے والا اس پر شیرینی چڑھانے والا، فاتحہ دینے والا سب گنہگار، مستحق عذاب نار، کہ یہ سب باتیں بدعت و اعانت علی المعصیت ہیں اور وہ حرام، سخت عذاب کا باعث، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے و لا تعاونوا علی الا ثم والعدوان مسلمانوں کو چاہئے کہ اس بدعت شنیعہ سے بموجب حدیث " ایا کم ومحدثات الا مور " سے بچیں اور دور رہیں اور کسی طرح اس میں شرکت نہ کریں۔ (مجمع المسائل ص ۱۱۹ ج ۱)

مولوی محمد عرفان رضا خانی صاحب کا فتویٰ

تعزیہ بنانا اور اس پر ہار پھول چڑھانا وغیرہ وغیرہ یہ سب امور ناجائز و حرام ہیں، شرعی اخلاقی و تمدنی اعتبار سے سب سے زیادہ فضول اور مضر مروجہ رسمی تعزیہ سازی ہے، جس کے باعث مسلمانوں کا لاکھوں روپیہ کاغذ بانس کی شکل میں تبدیل ہو کر زیر زمین دفن ہو جاتا ہے، تعزیہ مروجہ بنانا تضیع مال و سنت روافض ہے، اور اس کا جائز جاننا اشد گناہ ہے، ایسے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، واجب الا عادہ ہوتی ہے۔ الیٰ قولہ۔ اسی طرح مسلمانوں کا بہت سارو پیہ ڈھول تاشے آرائش وزیبائش کی نظر ہو جاتا ہے، اور بہت سارو پیہ مرثیہ خوانوں کی جیبوں میں پہنچتا ہے۔ الیٰ قولہ۔ بعض سنیوں میں بھی روافض کی طرح محرم شریف میں سوگ منایا جاتا ہے، دس یوم چار پائیوں پر نہیں سوتے، ننگے سر ننگے پیر رہتے ہیں، سیاہ ماتمی لباس یا سبز رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں یا کم سے کم سبز ٹوپی ہی اوڑھ لیتے ہیں، گلے میں قلادہ ڈالتے ہیں، بچے سبز رنگ کے کپڑے پہنا کر فقیر بنائے جاتے ہیں، عورتیں چوڑیاں توڑ ڈالتی ہیں، پان نہیں کھاتیں، سرمہ نہیں لگاتیں، دس محرم الحرام کو جب تک کہ تعزیہ والے تعزیہ دفن کر کے مصنوعی کربلا سے واپس نہیں آتے، کھانا نہیں پکتا، ان سب امور کو اسلام سے کچھ واسطہ نہیں سوگ حرام ہے...... الخ (عرفان ہدایت ص ۹، ص ۱۰)

مولوی ابو العلی امجد علی اعظمی سنی حنفی قادری رضوی کا فتویٰ

علم اور تعزیہ بنانے پیک بننے، اور محرم میں بچوں کو فقیر بنانے اور بدھی پہنانے اور مرثیہ کی مجلس کرنے اور تعزیوں پر نیاز دلانے وغیرہ خرافات جو روافض اور تعزیہ دار لوگ کرتے ہیں ان کی منت سخت جہالت ہے۔
(بہار شریعت ص ۳۵ جلد نمبر ۹)

موصوف کا دوسرا فتویٰ

مسئلہ: تعزیہ داری کے واقعات کربلا کے سلسلہ میں طرح طرح ڈھانچے بنانے اور ان کو حضرت سیدنا امام

حسینؓ کے روضۂ پاک کی شبیہ (تصور نقشہ) کہتے ہیں، کہیں تخت بنائے جاتے ہیں کہیں ضریح (قبر) بنتی ہے اور علم اور شہدے نکالے جاتے ہیں، ڈھول تاشے اور قسم قسم کے باجے بجائے جاتے ہیں، تعزیوں کا بہت دھوم دھام سے گشت ہوتا ہے، آگے پیچھے ہونے میں جاہلیت کے سے جھگڑے ہوتے ہیں، کبھی درخت کی شاخیں کاٹی جاتی ہیں، کہیں چبوترے کھدوائے جاتے ہیں، تعزیوں سے منتیں مانی جاتی ہیں، سونے چاندی کے علم چڑھائے جاتے ہیں، ہار پھول ناریل چڑھائے جاتے ہیں، وہاں جوتے پہن کر جانے کو گناہ جانتے ہیں بلکہ اس شدت سے منع کرتے ہیں کہ گناہ پر بھی ایسی ممانعت نہیں کرتے، چھتری لگانے کو بہت برا جانتے ہیں، تعزیوں کے اندر دو مصنوعی قبریں بناتے ہیں ایک پر سبز غلاف اور دوسری پر سرخ غلاف ڈالتے ہیں، سبز غلاف والی کو حضرت سیدنا امام حسینؓ کی قبر اور سرخ غلاف والی کو حضرت سیدنا امام حسینؓ کی قبر یا شبیہ قبر بناتے ہیں اور وہاں شربت مالیدہ وغیرہ پر فاتحہ دلاتے ہیں یہ تصور کر کے کہ حضرت امام عالی مقام کے روضہ اور مواجہ اقدس پر فاتحہ دلا رہے ہیں پھر یہ تعزیے دسویں تاریخ کو مصنوعی کربلا میں لے جا کر دفن کرتے ہیں گویا یہ جنازہ تھا جسے دفن کر آئے، پھر تیجہ، دسواں، چالیسواں، سب کچھ کیا جاتا ہے، اور ہر ایک خرافات پر مشتمل ہوتا ہے، حضرت قاسم کی مہندی نکالتے ہیں، گویا ان کی شادی ہو رہی ہے اور مہندی رچائی جائے گی اور اسی تعزیہ داری کے سلسلہ میں کوئی پیک (قاصد) بنتا ہے جس کے کمر سے گھنگھرو باندھتے ہیں گویا حضرت امام عالی مقام کا قاصد اور ہرکارہ ہے جو یہاں سے خط لے کر ابن زیاد یا یزید کے پاس جائے گا اور وہ ہرکاروں کی طرح بھاگا پھرتا ہے کسی بچے کو فقیر بنایا جاتا ہے، گلے میں جھولی ڈالتے اور گھر گھر اس سے بھیک منگواتے ہیں، کوئی ساقی بنایا جاتا ہے چھوٹی سی مشک اس کے کندھے سے لٹکتی ہے، گویا یہ دریاء فرات سے پانی بھر لائے گا، کسی علم پر مشک لٹکتی ہے اور اس میں تیر لگا ہے گویا کہ یہ حضرت عباس علمبردار ہیں کہ فرات سے پانی لا رہے ہیں اور یزیدیوں نے مشک کو تیر سے چھید دیا ہے اسی قسم کی بہت سی باتیں کی جاتی ہیں یہ سب لغو خرافات ہیں، ان سے سیدنا امام حسینؓ خوش نہیں یہ تم خود غور کرو کہ انہوں نے احیاءِ دین وسنت کے لئے یہ زبردست قربانیاں کیں اور تم نے معاذ اللہ اس کو بدعات کا ذریعہ بنالیا، بعض جگہ اسی تعزیہ داری کے سلسلہ میں براق بنایا جاتا ہے جو عجیب قسم کا مجسمہ ہوتا ہے کہ کچھ حصہ انسانی شکل کا ہوتا ہے اور کچھ حصہ جانور کا سا، شاید یہ حضرت امام عالی مقام کی سواری کے لئے ایک جانور ہوگا، کہیں دلدل بنتا ہے کہیں بڑی قبریں بنتی ہیں، بعض جگہ آدمی، ریچھ بندر، لنگور بنتے ہیں اور کودتے پھرتے ہیں، جن کو اسلام تو اسلام! انسانی تہذیب بھی جائز نہیں رکھتی، ایسی بری حرکت اسلام ہرگز جائز نہیں رکھتا، افسوس! محبت اہل بیت کرام کا دعویٰ اور ایسی بیجا حرکتیں؟ یہ واقعہ تمہارے لئے نصیحت تھا اور تم نے اس کو کھیل تماشہ بنالیا، اسی سلسلہ میں نوحہ و ماتم بھی ہوتا ہے اور سینہ کوبی ہوتی ہے، اتنے زور زور سے سینہ کوٹتے ہیں کہ ورم ہو جاتا ہے، سینہ سرخ ہو جاتا ہے بلکہ بعض جگہ زنجیروں اور چھریوں سے ماتم کرتے ہیں کہ سینے سے خون بہنے لگتا ہے) تعزیوں کے پاس مرثیہ پڑھا جاتا ہے اور جب تعزیہ گشت کو نکلتا ہے اس وقت بھی اس کے آگے مرثیہ پڑھا جاتا ہے، مرثیہ میں غلط واقعات نظم کئے جاتے ہیں اہل بیت کرام کی بے حرمتی اور بے صبری اور جزع وفزع کا ذکر کیا جاتا ہے اور چونکہ اکثر مرثیے رافضیوں کے ہیں بعض میں تبرا بھی ہوتا ہے مگر اس رد میں سنی بھی اسے بے تکلف پڑھ جاتے ہیں اور انہیں اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ کیا پڑھ جاتے ہیں یہ سب ناجائز اور گناہ کے کام ہیں (بہار شریعت ص ۲۴۷ ص ۲۴۸ حصہ نمبر ۱۶)

دعاء ثانی

بعض مسجدوں میں یہ طریقہ ہے کہ فرض نماز کے بعد تو فقط اللھم انت السلام والی دعا مانگی جاتی ہے پھر سنن وغیرہ مسجد میں پڑھ کر امام اور مقتدی اکٹھے ہو کر الفاتحہ کہہ کر اجتماعی دعا کرتے ہیں اور اس کو بہت ضروری سمجھا جاتا ہے، امام کے ساتھ شرط کی جاتی ہے کہ اس طرح فاتحہ پڑھنا ہوگا، جو لوگ اس طرح دعاء ثانی نہیں کرتے ان کو تارک فاتحہ، منکر دعا، وہابی، بدعقیدہ کہتے ہیں حتیٰ کہ اہل سنت والجماعت سے خارج سمجھتے ہیں۔

مسنون یہ ہے کہ فرض نماز جماعت سے پڑھی ہے تو نماز کے بعد دعا بھی جماعت کے ساتھ کی جائے یعنی امام اور مقتدی سب مل کر دعا مانگیں اور سنتیں اور نفلیں الگ الگ پڑھی ہیں تو دعا بھی الگ الگ مانگیں، سنن اور نوافل کے بعد فاتحہ اور دعاء ثانی کا طریقہ خلاف سنت ہے، بے اصل، منگھڑت اور بلا دلیل ہے، الگ الگ سنتیں اور نفل پڑھنے کے بعد سب کا اکٹھا ہونا اور اکٹھے ہو کر دعا مانگنا نہ آنحضرت ﷺ کی کسی عمل اور فرمان سے نہ صحابہ و تابعین، تبع تابعین اور ائمہ دین میں سے کسی کے قول و عمل سے ثابت ہے آنحضرت ﷺ صحابہ کرام اور سلف صالحین (رضی اللہ عنہم) کا طریقہ یہ تھا کہ فرض نماز جماعت سے ادا فرما کر دعاء بھی جماعت کے ساتھ (امام اور مقتدی سب مل کر) مانگا کرتے تھے، اور پھر سنتیں اور نفلیں الگ الگ پڑھا کرتے تھے تو دعاء بھی الگ الگ مانگا کرتے تھے، احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ سنن گھر جا کر پڑھتے تھے اور صحابہ کو بھی یہی ہدایت فرماتے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے مسجد بنی اشہل میں نماز مغرب ادا فرمائی، نماز کے بعد دیکھا کہ جماعت میں شریک ہونے والے مسجد میں سنتیں اور نفلیں پڑھ رہے ہیں، فرمایا یہ نمازیں تو گھر میں پڑھنے کی ہیں۔

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی) (مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۵ باب السنن وفضائلھا)

بہر حال جب یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام اکثر و بیشتر سنتیں گھر جا کر ادا فرماتے تھے تو امام و مقتدی کا مل کر باجماعت دعاء مانگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیا سنتیں گھر میں پڑھ کر دوبارہ مسجد میں جمع ہوتے تھے؟ اور جماعت کے ساتھ دعا مانگا کرتے تھے؟ دعاء مانگنے کے لئے دولت خانہ سے مسجد میں آنا تو درکنار واقعہ یہ ہے کہ کبھی کسی مصلحت یا ضرورت کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو مسجد میں سنتیں پڑھنے کا اتفاق ہوا تب بھی آپ ﷺ نے مقتدیوں کے ساتھ مل کر دعا نہیں فرمائی بلکہ آنحضرت ﷺ سنتوں میں مشغول رہتے اور مقتدی اپنی اپنی نمازوں سے فارغ ہو کر آنحضرت ﷺ کی فراغت کا انتظار کئے بغیر ایک ایک کر کے چلے جاتے، حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ بعد نماز مغرب سنتوں میں اتنی طویل قراءت فرماتے تھے کہ مصلی مسجد سے چلے جاتے تھے (ابو دائود شریف ص ۱۹۱ ج ۱ باب رکعتی المغرب این تصلیان) **كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يطيل القراءة في الركعتين بعد المغرب حتى يتفرق اهل المسجد.**

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ایک شب میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر رہا آپ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی پھر نماز میں مشغول ہو گئے، یہاں تک کہ مسجد میں سوائے آپ ﷺ کے کوئی باقی نہ رہا (شرح معانی الآثار ص ۲۰۱ ج ۱ باب التطوع فی المساجد)

اس سے بھی ثابت ہوا کہ سنن کے بعد امام ومقتدی مل کر دعا مانگنے کا دستور تھا ہی نہیں، لہذا یہ دستور اور طریقہ خلاف سنت ہے اس کو ترک کرنا لازم ہے۔ (بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد ششم ص ۶۸، ص ۵۹، ص ۶۰)

مصافحہ بعد نماز

مصافحہ حدیث سے ثابت ہے اور اس کی بڑی فضیلت وارد ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے **ما من مسلمين يلتقيان فيتصا فحان الا غفر لهما قبل ان يتفر قا.** جب دو مسلمان مل کر باہم مصافحہ کریں تو ان کی جدا ہونے سے قبل ہی ان کی بخشش ہو جاتی ہے۔ (ترمذی شریف ص ۹۷ ج ۲ باب ماجآء فی المصافحہ)

اس سے ثابت ہوا کہ مصافحہ مسلمانوں کی باہم ملاقات کے وقت بعد سلام کے مسنون اور مشروع ہے اور چونکہ مصافحہ تکملہ سلام ہے تو بعد سلام کے ہونا چاہئے۔

مجالس الابرار میں ہے: **واما المصافحة فسنة عند التلاقی** ، اور مصافحہ ملاقات کے وقت مسنون ہے کیونکہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دو مسلمان جب ملیں اور مصافحہ کریں تو دونوں کے جدا ہونے سے قبل ہی ان کی بخشش ہو جاتی ہے۔ (ص ۹۲ مجلس ص ۸۴)

ملاقات کے شروع میں یعنی جیسے ہی ملاقات اور سلام و جواب ہو اس وقت کے علاوہ دوسرے وقت جو مصافحے کئے جاتے ہیں مثلاً نماز فجر، نماز عصر، نماز جمعہ یا نماز عیدین وغیرہ کے بعد جو مصافحہ کیا جاتا ہے اور اس کو سنت سمجھا جاتا ہے یہ غلط ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل سے ثابت نہیں ہے۔

شارح مشکوٰۃ ملا علی قاری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

فان محل المصافحة المشروعة اول الملاقات وقديكون جماعة يتلاقون من غير مصافحة ويتصاحبون بالكلام ومذاكرة العلم وغيره مدة مديدة. ثم اذا صلوا يتصافحون فاين هذا من السنة المشروعة ولهذا صرح بعض علماء نا بانها مكروهة حينئذو انها من البدع المذمومة. (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۵۷۵ ج ۴)

ترجمہ:۔ بے شک مشروع مصافحہ کا محل شروع ملاقات کا موقع ہے بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ ملتے ہیں بغیر مصافحہ کے اور دیر تک ادھر ادھر کی اور علم وغیرہ کی باتیں کرتے رہتے ہیں اور پھر جب نماز پڑھ لیتے ہیں تو مصافحہ کرنے لگتے ہیں، یہ کہاں کی سنت ہے؟ اس لئے بعض علماء نے تو صراحۃً لکھ دیا ہے کہ یہ طریقہ مکروہ ہے اور بدعت مذمومہ ہے۔

شامی میں ہے:

ونقل في تبيين المحارم عن الملتقط انه تكره المصافحة بعد اداء الصلوٰة بكل حال لان الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم ما صا فحوا بعد اداء الصلوٰة ولانها من سنن الروافض الخ ثم نقل عن ابن حجر من الشافعية انها بدعة مكروهة لا اصل لهافي الشرع وانه ينبه فاعلها اولاً ويعزر ثانيا

ثم قال وقال ابن الحاج من المالكية في المدخل انها من البدع وموضع المصافحة في الشرع انما هو عند لقاء المسلم لا خيه لا في ادبار الصلوات فحيث وضعها الشرع يضعها فينهى عن ذلك ويز جر فاعلها لما اتى به من خلاف السنة.

(کتاب الحظر والا باحة باب الا ستبراء وغيره شامی ص ۳۳۶ ج۵)

ترجمہ: نماز کے بعد مصافحہ کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ صحابہ بعد نماز مصافحہ نہیں کیا کرتے تھے اور اس لئے بھی مکروہ ہے کہ یہ روافض کا طریقہ ہے اور علامہ ابن حجر فرما تے ہیں یہ قابل کراہت بدعت ہے شریعت محمدی میں اس کی کوئی اصلیت نہیں اس کے کرنے والے کو پہلی دفعہ میں تنبیہ کردی جائے (نہ مانے تو) دوسری دفعہ میں اسے سزا دی جائے اور ابن الحاج مالکیؒ "مدخل" میں تحریر فرماتے ہیں، یہ بھی ایک بدعت ہے، شریعت میں مصافحہ کا وقت وہ بتایا گیا ہے جب مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کرے نمازوں کے بعد نہیں پس جہاں شریعت نے مصافحہ رکھا ہے وہیں مصافحہ کرے (اس کے علاوہ دوسرے موقعہ پر مثلاً نمازوں کے بعد) مصافحہ کرنے سے منع کیا جائے۔ اور خلاف سنت مصافحہ کرنے والے کو سختی سے منع کیا جائے۔

مجالس الابرار ص ۲۹۸ مجلس نمبر ۵۰ میں بھی یہ مضمون بیان فرمایا ہے۔

بہر حال اصل مسئلہ یہی ہے، البتہ لوگوں کے حالات بہت نازک ہو چکے ہیں مزاج بگڑ چکے ہیں، بات بات پر لڑائیاں ہوتی ہیں، بدگمانیاں پھیلتی ہیں، لہذا رفع فتنہ کے طور پر علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر کوئی مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے تو اپنا ہاتھ کھینچ کر ایسی صورت پیدا نہ کرنا چاہئے کہ اسے بدگمانی، شکایت اور رنج ہو۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۵۷۵ ج ۴، بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۲۴، ج ۱)

اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے اہل و عیال، متعلقین احباب اور پوری امت کو سنت رسول اللہ ﷺ اور تعامل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور طریقۂ سلف صالحین پر عمل کرنے اور بدعات سے بالکلیہ بچنے کی توفیق عطا فرمائے، دین و ایمان پر استقامت، ایمان و سنت پر موت نصیب فرمائے اپنی رضامندی عطا فرمائے **آمین بحرمة النبی الا می وسيد المرسلين صلى الله عليه وسلم وهو الهادى الى الصراط المستقيم وصلى الله على خير خلقه محمد وآله واصحابه واهل بيته واهل طاعة اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين.**

ختم خواجگان کا اجتماعی طور پر دوامی معمول بنانا:

(سوال ۶۲) بعض جگہ ختم خواجگان اجتماعی طور پر پڑھا جاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ کیا ہمیشہ پڑھنا بدعت و مکروہ نہ ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس سلسلہ کا ایک سوال احقر نے حضرت مفتی محمد یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہٗ (مظاہر علوم سہارنپور) سے کیا تھا مفتی یحییٰ صاحب نے حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ سے اس کے متعلق دریافت کیا، حضرت نے اس کا جواب املاء فرمایا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ سوال و جواب ہی نقل کر دیا جائے انشاء اللہ اس سے آپ کے سوال کا بھی جواب ہو جائے گا۔

(سوال) ہمارے بزرگوں کے یہاں ختم خواجگان کا معمول ہے اور جو حضرات ان سے متعلق ہیں ان میں سے بعض اپنے مقام پر اس پر عمل پیرا ہیں، اسی طرح سورہ یٰسین شریف کا اجتماعی ختم ہو کر اس کے بعد اجتماعی دعا ہوتی ہے اس پر شرح صدر نہیں ہے، آپ کو تو اس کے جواز کے دلائل معلوم ہی ہوں گے تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ وجہ اشکال حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا وہ واقعہ ہے جو فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۰۷ جلد ششم میں، بحوالہ ازالۃ الخفاء، الاعتصام اور مجالس الابرار مذکور ہے بعض حضرات نے فتاویٰ رحیمیہ کے مطالعہ کے بعد اشکال کیا کہ آپ کے فتاویٰ رحیمیہ میں یہ لکھا ہوا ہے اور سہارنپور دہلی وغیرہ مقامات پر ہمارے بزرگوں کے یہاں ختم خواجگان اور ختم سورۂ یٰسین شریف کا معمول ہے، کیا یہ عمل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے واقعہ کے خلاف نہیں ہے؟ اور یہ التزام مالا یلزم نہیں ہے؟ دونوں میں وجہ فرق کیا ہے؟...... اگر یہ علاجاً یا دفع آفات کے لئے تجویز کیا گیا ہے تو علاج یا آفات وقتی چیز ہے، جس طرح قنوت نازلہ ہنگامی حالات میں پڑھا جاتا ہے اس پر مداومت نہیں ہوتی اسی طرح یہاں بھی ہونا چاہئے، فقط والسلام بینوا توجروا۔

(جواب ۱۳۳۳) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ دو چیزیں ہیں، ایک تو مداومت اور ایک اصرار، دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔ امر مندوب پر مداوت قبیح نہیں ہے۔ فقہاء نے امر مندوب پر اصرار کو مکروہ قرار دیا ہے۔

اصرار یہ ہے کہ کسی عمل کو ہمیشہ کیا جائے اور نہ کرنے والے کو گنہگار سمجھا جائے اس کی تحقیر وتذلیل کی جائے تو یہ مکروہ ہے، اگر امر مندوب پر مداوت ہو اصرار نہ ہو تو مندوب مندوب ہی رہتا ہے، مثلاً کوئی شخص وضو کے بعد تحیۃ الوضو پڑھتا ہے اور اس کو ضروری نہیں سمجھتا اور نہ پڑھنے والوں کو گنہگار نہیں سمجھتا اور ان کو ملامت نہیں کرتا تو اس میں کوئی کراہت نہیں، اب جو اعمال علاجاً کئے جائیں یا کسی سبب کی وجہ سے کئے جائیں تو جب علاج کی ضرورت ہوگی یا وہ سبب پایا جائے گا اس عمل کو کیا جائے گا۔

قنوت نازلہ اول تو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزانہ نماز فجر میں پڑھا جاتا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابتلائے عام کے وقت اجازت دی ہے اس کا سبب ابتلائے عام ہے، لہذا جب تک ابتلائے عام رہے گا اس کو پڑھا جائے گا اور جب یہ سبب ختم ہو جائے گا نہیں پڑھا جائے گا۔

ختم خواجگان حصول برکت کے لئے پڑھا جاتا ہے مشائخ کا مجرب عمل ہے کہ اس کی برکت سے دعاء قبول ہوتی ہے اور کون سا وقت ایسا ہے کہ برکت کی خواہش نہیں ہوگی، لہذا جب اس کا مقصد حصول برکت ہے تو جب جب حصول برکت کی خواہش ہوگی اس کو پڑھا جائے گا اور ہر وقت برکت کی خواہش ہوتی ہے اس لئے مداومت کرتے ہیں مگر اصرار نہیں کرتے ہیں، فقط۔ املاء الشیخ محمود حسن۔

رئیس المفتیین مظاهر علوم .باستدعاء یحییٰ غفرله، ۱۴۰۲/۵/۱۰ھ فقط والله اعلم.

بڑوں کا ازارہ شفقت اپنے چھوٹوں کے سر پر ہاتھ رکھنا، یا بوقت لقاء یا دعا بزرگوں کا ہاتھ اپنے سر پر رکھوانا کیسا ہے:

(سوال ۶۳) کوئی بزرگ اپنے چھوٹوں کے سر پر ازراہ شفقت ہاتھ رکھیں، یا ان کے خادم یا عوام اپنے بزرگوں سے اپنے سر پر برکت کی نیت سے ان کا ہاتھ رکھوا کر دعا کروائیں تو شرعاً کیا حکم ہے؟ اسی طرح ملاقات کے وقت اگر سر پر

ہاتھ رکھیں یا چھوٹے رکھوائیں تو کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ملاقات کے وقت سلام کرنا اور معانقہ کرنا تو سنت ہے اس موقعہ پر سر پر ہاتھ رکھنے یا رکھوانے کا التزام شئی زائد ہے، یہ ملاقات کی سنت نہیں ہے اگر اس کا التزام ہو تو اسے بدعت بھی کہا جا سکتا ہے۔

البتہ گاہے کسی بزرگ کا از راہ شفقت چھوٹوں کے سر پر ہاتھ رکھنا یا کسی شخص کا اپنے کسی بزرگ کا ہاتھ از راہ عقیدت حصول برکت کے خیال سے اپنے سر پر رکھوا کر دعا کروانا اس کی گنجائش ہے مگر اس کا دستور نہ بنایا جائے۔ امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں ایک باب باندھا ہے "**باب الدعاء للصبیان بالبرکة ومسح رؤسهم**" یعنی بچوں کے لئے برکت کی دعاء کرنا اور ان کے سر پر ہاتھ پھیرنا، اس کے تحت حدیث لائے ہیں۔ **حدثنا قتیبه ...... قال ...... سمعت سائب بن یزید یقول ذهبت بی خالتی الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالت یارسول الله ان ابن اختی وجع فمسح رأسی ودعا لی بالبرکة ثم توضأ فشربت من وضوئه ثم قمت خلف ظهره فنظرت الی خاتمه بین کتفیه مثل زرا لحجلة.**

سائب بن یزیدؓ کہتے ہیں مجھ کو میری خالہ حضور اقدس ﷺ کے پاس لے گئیں اور عرض کیا یہ میرا بھانجا بیمار ہے، حضور اقدس ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا فرمائی پھر حضور ﷺ نے وضو فرمایا تو میں نے حضور اقدس ﷺ کی وضو کا پانی پیا، پھر میں (اتفاقاً یا قصداً) حضور اقدس ﷺ کے پس پشت کھڑا ہوا تو میں نے مہر نبوت دیکھی جو مسہری کی گھنڈیوں جیسی تھی (جو کبوتر کے بیضہ کے برابر بیضوی شکل میں اس پردہ میں لگی ہوئی ہوتی ہے جو مسہری پر لٹکایا جاتا ہے)

(بخاری شریف ص ۹۴۰ ج ۲، کتاب الدعوات باب الدعاء للصبیان بالبرکة ومسح رؤسهم)

یہی حدیث امام ترمذی "شمائل ترمذی" میں "**باب ماجاء فی خاتم النبوة**" کے تحت لائے ہیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نے "**خصائل نبوی اردو**" میں اس حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔

"بعض علماء کے نزدیک حضور ﷺ کا (سائب بن یزیدؓ کے) سر پر ہاتھ پھیرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے سر میں کوئی تکلیف تھی، لیکن بندۂ ضعیف کے نزدیک اچھا یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا ان کے سر پر ہاتھ پھیرنا شفقت کے لئے تھا اس لئے کہ ۲ھ میں ان کی ولادت ہے تو حضور ﷺ کے وصال کے وقت بھی ان کی عمر آٹھ نو سال سے زائد نہیں تھی اس لئے یہ ہاتھ پھیرنا شفقت کا تھا جیسے کہ بزرگوں کا معمول ہوتا ہے (خصائل نبوی اردو شرح شمائل ترمذی ص ۱۶)

(۲) نشر الطیب میں ہے: **فیضع یده علیٰ رأس الصبی فیعرف من بین الصبیان،** یعنی آپ ﷺ کبھی کسی بچہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے (تو حضور ﷺ کے دست مبارک کی خوشبو کی وجہ سے اس کا سر خوشبودار ہو جاتا اور وہ بچہ اس خوشبو کی وجہ سے) دوسرے بچوں میں پہچانا جاتا تھا۔

(نشر الطیب ص ۱۴۴ فصل نمبر وصل چہارم شیم الحبیب)

ایک اور حدیث میں ہے۔

(۳)عن ابی محذورہ رضی اللہ عنہ قال قلت یارسول اللہ علمنی سنۃ الا ذان قال فمسح مقدم رأسہ قال تقول اللہ اکبر ...... الخ رواہ ابو داؤد.

(مشکوۃ شریف ص ۶۳ باب الا ذان فصل نمبر ۲ حدیث نمبر ۳)

مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے:۔(فمسح) ای النبی صلی اللہ علیہ وسلم (مقدم رأسہ) ای رأسہ علیہ السلام قال ابن حجر اشارۃ الی انہ علی الرأس وفیہ تأمل اذ فی العادۃ یقال علی الرأس لا انہ یمسح رأسہ وایضا ھذا یصدر من الا صاغر للاکابر دون العکس فالظاھر انہ فعل اتفاقی ذکرہ الراوی استحضاراً للقضیۃ بکمالھا او رأس ابی محذورہ ویؤیدہ مافی نسخۃ صحیحۃ فمسح رأسی لیحصل لہ برکۃ یدہ الموصلۃ الی الدماغ وغیرہ فیحفظ مایلقی الیہ وعلی علیہ.

(مرقاۃ ج۲ ص ۱۵۳ مطبوعہ امدادیہ ملتان)

مظاہر حق میں ہے:۔اور روایت ہے ابومحذورہؓ سے کہ کہا میں نے یارسول اللہ سکھاؤ مجھ کو طریقہ اذان کا، کہا راوی نے پس ہاتھ پھیرا اگلے جانب سر ان کے پر فرمایا کہ کہہ اللہ اکبر۔

ف:۔سر ان کے پر یعنی حضرت ﷺ نے ابومحذورہ کے سر پر ہاتھ پھیرا تا کہ دست مبارک کی برکت اس کے دماغ کو پہنچے اور یاد رکھے دین کی باتیں، چنانچہ ایک نسخہ صحیحہ میں ہے فمسح رأسی، پس وہ مؤید ہے اس تقریر کی یا حضرت نے اتفاقاً اپنے سر مبارک پر ہاتھ پھیرا راوی نے تمام قصہ بیان کرنے میں وہ بھی بیان کر دیا......الخ (مظاہر حق قدیم ص ۲۲۰ ج ۱، باب الاذان فصل نمبر۲)

ابوداؤد شریف کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: حدثنا مسدد ...... عن محمد بن عبدالملک بن ابی محذورہ عن ابیہ عن جدہ قال قلت یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) علمنی سنۃ الا ذان قال فمسح مقدم رأسی قال تقول اللہ اکبر ......الخ.

(ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۷۹ ا باب کیف الا ذان)

بذل المجہود میں ہے۔قال فمسح مقدم رأسی ، وتفصیل القصۃ فیما اخرجہ الدار قطنی فی سننہ قال خرجت فی نفروفی روایۃلما خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی حنین خرجت عاشر عشرۃ من اھل مکۃ اطلبھم فکنا فی بعض طریق حنین فقفل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حنین فلقینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم فی بعض الطریق فاذن موذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للصلوۃ قال فسمعنا صوت المؤذن ونحن متنکبون فصرخنا نحکیہ ونستھزیٔ بہ فسمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصوت فارسل الینا وفی روایۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایتونی بھؤلاء الفتیان فقال ادنوا الی فقمنا بین یدیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایکم الذی سمعت صوتہ قدارتفع فاشار القوم کلھم الیّ وصدقوا فارسل کلھم وحبسنی فقال قم فاذن بالصلوۃ فقمت ولا شئی اکرہ الیّ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم وما یأمرنی بہ فقمت بین یدی

رسول الله صلى الله عليه وسلم فالقى على رسول الله صلى الله عليه وسلم التاذين بنفسه فقال قل الله اكبر الله اكبر الله اكبر الله اكبر حتى تم الا ذان وفى آخره ثم دعا لى حين قضيت التاذين واعطانى صرة فيها شئى من فضة ثم وضع يده على ناصية ابى محذورة ثم امرها على وجهه ثم امر بين ثدييه ثم على كبده ثم حتى بلغت يديه سرة ابى محذورة ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم بارک الله فيک وبارک عليک فقلت يارسول الله مرنى بالتاذين بمكة فقال قد امرتک وذهب كل شئى كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم من كراهية وعاد ذالک كله محبة للنبى صلى الله عليه وسلم. الحديث.

(بذل المجهود فى حل ابى داؤد ص ۲۸۲، ص ۲۸۳ ج اول، باب كيف الا ذان)

حضرت ابومحذورہؓ کے سر کے جس حصہ پر حضور اقدس ﷺ نے اپنا دست مبارک پھیرا تھا آپ نے برکت کے لئے ان بالوں کی حفاظت فرمائی اور ان بالوں کو حضرت ابومحذورہ نہیں کاٹتے تھے، ابوداؤد میں ایک روایت کے آخر میں ہے۔

قال فكان ابو محذورة لا يجزنا صيتولا يفرقها لان النبى صلى الله عليه وسلم مسح عليها (ابو دائود شريف ص ۸۰ ج ۱، باب كيف الاذان)

ایک اور حدیث میں ہے:

(۴)عن ابى امامة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من مسح رأس يتيم لم يمسحه الا لله كان له بكل شعرة يمر عليها حسنات ومن احسن الىٰ يتيمة او يتيم عنده كنت انا وهو فى الجنة كهاتين وقرن بين اصبعيه ، رواه احمد والترمذى وقال هذا حديث غريب (مشكوة شريف ص ۴۲۳ باب الشفقة والرحمة على الخلق)

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص صرف رضاء الٰہی کے لئے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے تو ہر ہر بال کے بدلہ جس پر اس کا ہاتھ گذرے گا نیکیاں ملیں گی اور جو شخص کسی یتیمہ یا یتیم سے حسن سلوک کرے جو اس کی پرورش میں ہے تو میں اور وہ جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ہوں گے، اور حضور اقدس ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر بتلایا، (مشکوٰۃ شریف)

اس آخری حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ازراہ شفقت چھوٹوں کے سر پر ہاتھ پھیرنا جائز ہے بلکہ بعض اوقات باعث ثواب بھی ہے۔

تتبع سے اور بھی واقعات اور دلائل مہیا ہو سکتے ہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مصائب اور بلیات کے وقت سورۂ یٰسین کا ختم:

(سوال ۶۴) ہمارے محلہ کی مسجد میں روزانہ بعد نماز عشاء اجتماعی طور پر سورۂ یٰسین کا ختم ہوتا ہے، روزانہ ختم کرنا کیسا ہے؟ کیا یہ بدعت نہ ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) دفع مصائب اور بلیات اور حصول برکات کے لئے یٓسین شریف کا ختم بزرگوں کا مجرب عمل ہے، لہذا جب تک مصائب ہوں بطور عمل اور بطور علاج اس کا ختم کیا جا سکتا ہے، اسے مسنون طریقہ اور شرعی حکم نہ سمجھا جائے اور جو لوگ ختم میں شریک نہ ہوں ان پر کسی طرح کا طعن نہ کیا جائے اور نہ ان کی طرف سے بدگمانی کی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۴ شعبان المعظم ص ۱۴۱۰ھ۔

حالت سجود میں دعا کا کیا حکم ہے؟

(سوال ۶۵) اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے آدمی بعد نماز کے جائے نماز پر سجدہ ریز ہوکر دینی دینوی بہبودی کے لئے دعا کرتے ہیں، اس میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟

(الجواب) اس کی عادت بنالینا بدعت ہے مگر گاہے ایسا ہوجائے اور ناظرین بھی اس طریقہ کو ایک ضروری چیز نہ سمجھنے لگیں تو مضائقہ نہیں ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سجدہ میں دعا مانگنا:

(سوال ۶۶) سجدہ میں جا کر دعا مانگنا صحیح ہے یا نہیں؟ تہجد کی نماز کے بعد یا دوسرے وقت روزانہ سجدہ میں جا کر اپنی مغفرت اور حاجت کے لئے دعا کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بعض مکروہ کہتے ہیں اور بعض جواز کے قائل ہیں۔ کیا حضور اکرم ﷺ نے سجدہ میں دعا کی ہے؟

(الجواب) اس طرح کا سجدہ سجدہ مناجات کہلاتا ہے اس کی بارے میں بعض علماء دین کا قول ہے کہ مکروہ ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی شرح اشعۃ اللمعات میں ہے۔ سوم سجدہ مناجات بعد از نماز وظاہر کلام اکثر علماء آنست کہ مکروہ است (اشعۃ للمعات ج ۱ ص ۶۲۰) (شرح سفر السعادۃ۔ ص ۱۵۹) لہذا اس کی عادت بنالینا غلط ہے۔ دعا اور مناجات کا مسنون طریقہ جس کی مسنونیت میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے اس کو ترک کر کے اختلافی طریقہ اختیار کرنا مناسب نہیں ہے۔ سجدہ میں دعا کرنے کی جو روایت ہے۔ اس کے متعلق شرح سفر السعادۃ میں ہے وآنکہ درآحادیث آمدہ است کہ آنحضرت ﷺ در سجدہ اطالت میفر مود ودعا بسیار میکرد مراد بدں سجدۂ صلاتیہ است (ص ۱۵۹) یعنی حدیثوں میں جو وارد ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ سجدہ طویل فرماتے اور بہت دعا کیا کرتے تھے۔ اس سے مراد وہی سجدہ ہے جو نفل نماز میں کیا کرتے تھے۔ پس تہجد کے سجدہ میں وہ دعائیں پڑھی جا سکتی ہیں جو احادیث میں وارد ہوئی ہیں فقط واللہ اعلم۔

مجتمع ہوکر سورۂ کہف پڑھنا:

(سوال ۶۷) بعض مقامات پر جمعہ کے دن اذان جمعہ کے بعد مسجد میں جمع ہوکر اس طرح سورۂ کہف پڑھتے ہیں۔ ایک آدمی زور سے ایک رکوع پڑھتا ہے اور دوسرے سنتے ہیں اس طرح یکے بعد دیگرے زور سے پڑھتے ہیں جس سے نمازیوں اور وظیفہ خواں حضرات کا حرج ہوتا ہے۔ لہذا اس کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) سوم سجدہ مناجات وظاہر کلام اکثر علماء آنست کہ مکروہ است۔ (اشعۃ اللمعات۔ ج: ۱ ص: ۶۲۰)

(الجواب) جمع ہوکر بلند آواز سے پڑھنے کی رسم غلط ہے۔ متفرق طور پر اس طرح پڑھیں کہ کسی کی نماز اور وظیفہ وغیرہ میں خلل نہ ہو تو مضائقہ نہیں۔ علامہ ابن الحاج (المتوفی ۷۳۷ھ) کتاب المدخل میں تحریر فرماتے ہیں۔ واما اجتماعھم لذلک فبدعة کما تقدم واللہ تعالیٰ اعلم. یعنی جمعہ کے دن سورۂ کہف مسجد وغیرہ میں جمع ہوکر پڑھنے سے منع کیا جائے کہ یہ بدعت ہے۔ (ج ۲ ص ۸۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جمعہ کی روز سورۂ کہف:

(سوال ۶۸) ہمارے ضلع میں اکثر مقامات پر جمعہ کے دن اذان اول کے پندرہ منٹ بعد سورۂ کہف پڑھنے کا رواج ہے یکے بعد دیگرے سب ایک ایک رکوع زور سے پڑھتے ہیں اور باقی سنتے ہیں جو پڑھ نہیں سکتے وہ سن کر ثواب حاصل کرتے ہیں پھر اس کے بعد سنت وغیرہ پڑھ کر خطبہ شروع کرتے ہیں۔ بعض اس کی مخالفت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری نماز میں خلل ہوتا ہے تو کیا سورۂ کہف پڑھنے کی فضیلت ثابت نہیں زور سے پڑھ کر ان پڑھوں کو ثواب میں شامل کرنا منع ہے؟ یہ رواج جاری رکھنا چاہئے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہو رہا ہے۔ لہذا مدلل جواب ارسال فرمائیں۔

(الجواب) بلاشبہ جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے کی فضیلت وارد ہوئی ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ مسجد میں اذان کے بعد زور سے پڑھی جائے جمعہ کے دن یا شب میں گھر میں یا مسجد میں تنہا آہستہ آہستہ پڑھنے سے بھی فضیلت حاصل ہوجاتی ہے بلکہ دن یا شب کے شروع حصہ میں پڑھ لینا افضل ہے (شامی ج ۱ ص ۷۷۳)[1] پس یہ صورت کہ مسجد میں اذان کے بعد اجتماعی طور پر بلند آواز سے سورۂ کہف پڑھی جائے اس کی پابندی کی جائے، دوسروں کی عبادت اور وظیفہ میں خلل ڈالا جائے اس ہنگامہ اور فتنہ کی کیا ضرورت ہے، پھر اس کو مسنون سمجھ کر اس پر مواظبت کرنا جہالت ہے اس کا ترک ضروری ہے۔ پس سب سے بہتر تو یہ ہے کہ گھر میں پڑھ لے اور اگر مسجد میں پڑھتا ہے تو اس طرح تنہا آہستہ پڑھے کہ دوسرے کی عبادت وغیرہ میں خلل نہ ہو۔

چاشت کی نماز حدیث سے ثابت ہے مگر مسجد میں جمع ہوکر التزام واہتمام اور اعلان کے ساتھ پڑھنا بدعت ہے۔ قال النووی واما ما صح عن ابن عمر انه قال فی الضحیٰ انه بدعة فمحمول علی ان صلوتها فی المسجد والتظاهر بها کما کانو ایفعلونه بدعة لاان اصلها فی البیوت ونحوها مذموم الخ باب استحباب صلوٰة الضحیٰ واقلها رکعتان. الخ. ج ۱ ص ۲۴۹ وفی الفتح قال عیاض وغیره انما انکر ابن عمر ملازمتها واظهار ها فی المساجد وصلا تها جماعة لا انها مخالفة للسنة. باب کم اعتمر النبی صلی اللہ علیه وسلم فتح الباری ج ۳ ص ۴۱۔

بہر حال ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ چاشت کی نماز کو تو بدعت نہیں کہتے تھے اپنے مکان میں کوئی پڑھے اس کو سنت سمجھتے تھے لیکن مسجد میں مظاہرہ کرتے ہوئے اہتمام والتزام کے ساتھ پڑھنے کو یا نماز

---

(۱) باب الجمعة مطلب ما اختص به یوم الجمعة مما اختص به یومها قراة الکهف منه قال فی الشامیة تحت قوله قراة الکهف ای یومها ولیلتها والا فضل فی اولهما مبادرة للخیر و حذرا من الا همال الخ.

چاشت کی جماعت کو بدعت قرار دیتے تھے اسی طرح سیدنا ابن مسعودؓ کا ارشاد بھی منقول ہے کہ آپ نے اس طرح پڑھنے پر بہت سخت اعتراض کیا اور فرمایا کہ اگر چاشت کی نماز پڑھنی ہی ہے تو اپنے گھروں میں پڑھو۔ ابن ابی شیبہ عن ابن مسعود انہ رأی قوما یصلونھا فانکر علیھم وقال ان کان ولابد ففی بیوتکم فتح الباری. ج ۳ ص ۴۱. ایضـاً پھر جس طرح نوافل چاشت کی فضیلت احادیث میں وارد ہے عیدین کی شب میں نیز شب برات، رمضان کا اخیر عشرہ اور ذی الحجہ کے عشرہ اولیٰ میں عبادت کی بھی بہت فضیلتیں احادیث میں وارد ہیں مگر فقہاء کرام نے یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ ان کے لئے مسجد میں جمع ہونا اور جمع ہو کر ان فضائل اعمال اور نوافل کو ادا کرنا مکروہ ہے ۔(بحر الرائق ج ۲ ص ۵۲ باب الوتر والنوافل تحت قولہ وند ب الا ربع قبل العصر والعشاء والست بعد المغرب.)

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ عبادات میں خاص خاص کوائف اور رسمیں اور اوقات کی تعیین (جو شریعت مطہرہ سے ثابت نہیں ہے) ناجائز اور بدعت ہے۔ (الاعتصام ج ا ص ۳۴) یہ بھی قابل توجہ ہے کہ صرف سورۂ کہف ہی نہیں بلکہ جمعہ کے روز ''سورۂ اخلاص'' ہزار بار ''سورہ آل عمران'' سورۂ ہود، سورۂ صافات، ''صلوٰۃ التسبیح'' درود شریف اور دعاء واستغفار میں مشغول رہنے کی بھی فضیلتیں احادیث میں وارد ہیں اور یہ بھی روایت ہے کہ جس وقت سورۂ کہف پڑھی جاتی ہے یعنی بعد زوال خاص اس وقت صحابہ کرام دوسرے عمل کیا کرتے تھے مثلاً حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما صلوٰۃ التسبیح پڑھا کرتے تھے (احیاء العلوم ج ا ص ۱۶۹) اور حضرت ابو ہریرہؓ حاضرین کو احادیث سناتے تھے (مستدرک حاکم ج ا ص ۱۰۸) اور حضرت تمیم داریؓ وعظ فرمایا کرتے تھے (مسند امام احمد ج ۳ ص ۴۴۰) خلاصہ یہ ہے کہ جس سے جو کچھ ہو سکے اور جس چیز کا موقع ہو وہ کرے، ہمیشہ ایک ہی چیز ایک ہی وقت اور ایک ہی طریقہ اور ایک ہی رسم کو پکڑ رکھنا اور دوسرے سب فضائل کو ترک کر دینا دین میں غلط دخل اندازی ہے، رہا عوام کو ثواب میں شامل کرنا تو اس کا شوق یا اس کی حرص وطمع، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین رضی اللہ عنہم اور خود آنحضرت ﷺ کو ہم سے کہیں زیادہ تھی صحابہ کرام کے آخری دور میں اور تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں جدید الاسلام (نومسلموں) کی تعداد بھی کافی رہا کرتی تھی مگر کسی سے ثابت نہیں ہے کہ جمعہ کے دن اذان اول کے بعد مسجد میں جمع ہو کر سورۂ کہف سننے سنانے کا اہتمام کیا کرتے تھے یا بلا اہتمام یہ عمل کیا کرتے تھے آج ہم یہ نئی چیز ایجاد کر کے گویا یہ ثابت کرتے ہیں کہ سلف صالحین اور خود سرور کائنات ﷺ معاذ اللہ غلطی پر تھے اور ان کو معاذ اللہ اشاعت دین کا شوق نہیں تھا۔

جس نے نئی بات ایجاد کی اور اس کو اچھا سمجھا تو اس نے حضور ﷺ کو تبلیغ دین میں خائن اور معاذ اللہ قاصر گردانا (الاعتصام ج ا ص ۴۸)

بہر حال ہماری کامیابی اور ہماری سعادت ان نئی ایجادوں میں نہیں ہے بلکہ ہماری سعادت اور کامیابی یہ ہے کہ سید الانبیاء ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کی پوری پوری پیروی کریں ادھر ادھر نہ بھٹکیں، آنحضرت ﷺ نے آگاہ فرمادیا تھا کہ جو میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بہت اختلاف دیکھیں گے۔ اس آگاہی کے ساتھ حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی تاکید فرمادی تھی کہ میرے طریقہ اور خلفاء راشدین کے طریقہ کو ہرگز نہ چھوڑنا۔ اس پر مضبوطی سے جمے رہنا۔ ساتھ ساتھ یہ بھی ارشاد فرمادیا تھا کہ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے (اور گمراہی کا ٹھکانہ دوزخ

ہے)(مشکوٰۃ شریف۔ص ۳۰) فتنہ وفساد کے دور میں جو شخص میرے طریقہ پر جما رہے گا، جو سنت بھلا دی گئی اس کو دوبارہ جاری کرے گا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔)

خلاصہ یہ کہ احادیث مقدسہ اور کتب فقہ کے حوالوں سے ثابت ہوگیا کہ سورۂ کہف پڑھنے کا یہ طریقہ قابل ترک ہے اس میں دوسری خرابیوں کے علاوہ ایک یہ بھی ہے کہ اذان سے ایک گھنٹہ بعد خطبہ پڑھا جاتا ہے اتنی تاخیر خلاف سنت ہے۔ (شامی ج ۱ ص ۷۷۳۔۳۴۱) فقط واللہ اعلم۔

عید یا جمعہ کے خطبۂ ثانی میں ہاتھ اٹھا کر آمین کہنا:

(سوال ۶۹) عید و جمعہ کے خطبۂ ثانی میں دعا کرتے ہیں اس وقت حاضرین ہاتھ اٹھا کر آمین کہتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے۔

(الجواب) اس وقت ہاتھ اٹھانا، آمین کہنا منع ہے! اس میں دیوبندی، رضاخانی کا اختلاف نہیں ہے۔ مولوی احمد رضا خان کی مصوقہ کتاب میں ہے خطیب نے مسلمانوں کے لئے دعا کی تو سامعین کو ہاتھ اٹھانا یا آمین کہنا منع ہے۔ کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔ خطبہ میں درود شریف پڑھتے وقت خطیب کا داہنے بائیں منہ کرنا بدعت (ردالمحتار) بہار شریعت ج ۴ ص ۱۰۰۔

سوتے وقت تین بار سورۂ اخلاص و درود پڑھنا:

(سوال ۷۰) رات کو سوتے وقت تین بار سورۂ اخلاص اور تین بار درود شریف پڑھ کر اپنے بدن پر ہاتھ پھیرنے (پھونکنے) سے ثواب ملتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) فتاویٰ حدیثیہ میں ہے رات کو سوتے وقت دعائے ماثورہ پڑھ کر ہاتھ پر دم کر کے منہ اور جسم پر پھیرنا مسنون طریقہ ہے۔ (فتاویٰ حدیثیہ ص ۴۲) اور ترمذی شریف میں ہے۔ **عن عائشة رضی الله عنها ان النبی صلی الله علیه وسلم کان اذا أوی الیٰ فراشه کل لیلة جمع کفیه ثم نفث فیهما فقراء فیهما" قل هو الله احد" وقل اعوذ برب الفلق قل اعوذ برب الناس ثم یمسح بهما ما استطاع من جسده یبدأ بهما علی رأسه ووجهه ما اقبل من جسده یفعل ذالک ثلاث مرات.** یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ روزانہ رات کے وقت جب آنحضرت ﷺ اپنے بستر مبارک پر تشریف فرما ہوتے تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو جمع کرتے (ملاتے) پھر **قل هو الله احد** اور **قل اعوذ برب الفلق** اور **قل اعوذ برب الناس** پڑھ کر ان میں پھونکتے پھر ان کو اپنے پورے بدن پر جہاں تک ممکن ہوتا پھیرتے۔ پہلے سر مبارک پر، چہرۂ انور پر اور بدن کے اگلے حصہ پر پھیرتے تین مرتبہ اس طرح کرتے۔ **ترمذی شریف باب ماجاء فیما یقرء من القرآن عند المنام ج ۲ ص ۱۷۶ مجتبائی دهلی**) اس طریقہ مسنونہ کو حرز جان بنانا چاہئے جو ثواب و برکت ذکر مسنون میں ہے وہ دیگر اذکار و اوراد میں کہاں؟ فقط۔

قنوت نازلہ ایک ہے یا اور بھی ہیں؟:

(سوال ۷۱) قنوت نازلہ ایک ہے یا دیگر ادعیہ بھی پڑھ سکتے ہیں؟

(الجواب) قنوت نازلہ ایک متعین نہیں حسب حال واوقات ادعیہ ماثورہ میں سے کوئی بھی دعا پڑھ سکتے ہیں![1]

صلوٰۃ التسبیح کی تسبیح میں زیادتی کرنے کے متعلق:

(سوال ۷۲) صلوٰۃ التسبیح کی تسبیح۔ سبحان الله والحمد لله و لا اله الا الله والله اکبر کے ساتھ ، ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم کی زیادتی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) حدیث کی روایتوں میں محض مذکورہ بالا الفاظ ہی آئے ہیں، مگر بعض روایات میں پچھلے الفاظ بھی منقول ہیں لہذا پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے احیاء العلوم میں مذکورہ زیادتی سے پڑھنے کو مستحسن بتلایا ہے[2]۔ ج۔ا ص ۲۷۔

انبیاء اور اولیائے کرام سے دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟:

(سوال ۷۳) انبیاء اور اولیائے کرام سے دعا کرنا کہ آپ میرا یہ کام کردیں، اولاد عطا فرمائیں، نوکری پر لگائیں اور مقدمہ میں کامیاب کریں۔ تو اس طرح دعا، کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) مخلوق سے اس طرح دعا کرنا جائز نہیں ہے۔ دعاء عبادت ہے اور عبادت خاص ہے خدا پاک کے لئے، مخلوق کے لئے جائز نہیں، حرام ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔ ''سجدہ کردن بسوئے قبور انبیاء و اولیاء طواف گرد قبور کردن و دعا از آنہا خواستن و نذر برائے آنہا قبول کردن حرام است۔ (مالابد منہ ص ۸۰)

اور ''ارشاد والطالبین'' میں ہے۔'' دعاء از اولیائے مردگان یا زندگان و از انبیائے کرام جائز نیست۔ رسول خدا (ﷺ) فرمود۔" الدعاء هو العبادة ."(ص ۲۸)

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔ " كل من ذهب الى بلدة اجمير او الى قبر سالار مسعود او ما ضاهاها لاجل حاجة يطلبها فانه اثم اثما اكبر من القتل والزنا ليس مثله الا مثل من كان يعبد المصنوعات او مثل من كان يدعوا اللات والعزى."

ترجمہ:۔ ہر وہ شخص جو اپنی حاجت طلبی کے لئے اجمیر شریف (حضرت خواجہ اجمیریؒ کے مزار پر) سید سالار مسعود یا ان جیسے بزرگوں کے مزارات پر جا کر مرادیں مانگے تو بے شک اس نے بہت بڑا جرم کیا، ایسا جرم کیا جو قتل نفس اور زناء سے بھی زیادہ سنگین ہے۔ اس کی مثال دی جا سکتی ہے تو صرف اس مشرک کی...... جو اپنی بنائی ہوئی (مورتیوں) کی پوجا کرتے ہیں۔ اور لات وعزی کو اپنی حاجت برآری کے لئے پکارتے ہیں۔ (تفہیمات الٰہیہ ص ۴۵ ج ۲)

---

(۱) قوله ويسن الدعاء المشهور وذكر في البحر ان القنوت ليس فيه دعاء مؤقت لأ نه ' روى عن الصحابة ادعية مختلفة والان المؤقت من الدعاء يذهب برقة القلب وذكر اسبيجابي انه ظاهر الرواية. الخ شامي. باب الوتر والنوافل ج. ۲ ص ۲.

(۲) يقول فيها ثلثمائة مرة سبحان الله ، والحمد لله. ولا اله الا الله والله اكبر وفي رواية زيادة ولا حول ولا قوة الا بالله، شامي مطلب في صلاة التسبيح ج. ۲ ص ۲۷ .فقط والله اعلم.

اور ''مجالس الابرار'' میں ہے۔ والا ستغاثة بهم وسؤ الهم النصر والرزق والعافية والولد وقضاء الديون وتفريج الكربات وغير ذلك من الحاجات التي كان عباد الاوثان يسألونها من او ثانهم وليس شيئى منها مشروعاً باتفاق ائمة المسلمين. الخ یعنی اہل قبور سے فریاد کرنا اور ان سے مدد اور روزی اور تندرستی اور اولاد اور ادائے قرض اور مصیبتوں سے نجات کی دعا کرنا۔ ان کے علاوہ اور اسی قسم کی حاجتیں مانگنا جیسے کہ بت پرست اپنے بتوں سے مانگتے ہیں۔ تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی جائز نہیں الخ۔ (مجلس ۱۷ص ۱۱۹)

ماحصل یہ کہ خدا کو چھوڑ کر دوسرے اہل قبور سے اولاد مانگنا بیمار کے لئے شفاء چاہنا اور رزق طلب کرنا مشرکانہ فعل ہے۔

محدث علامہ محمد طاہرؒ فرماتے ہیں:۔ فان منهم من قصد بزيارة قبور الا نبياء والصلحاء ان يصلى عند قبورهم و يدعو عندها ويسألهم الحوائج وهذا لا يجوز عند احد من علماء المسلمين فان العبادة وطلب الحوائج والاستعانة لله وحده' (مجمع بحار الانوار ص ۷۲ ج ۲)

یعنی کچھ وہ ہیں جن کا مقصد انبیاء اور صلحاء کے مزارات کی زیارت کرنے سے یہ ہوتا ہے کہ وہ ان مزارات کے پاس نماز پڑھیں اور اپنی حاجتیں مانگیں۔ علمائے اسلام میں سے کوئی بھی نہیں جو اس کو جائز قرار دے۔ کیونکہ عبادت کرنا اور حاجتیں مانگنا اور مدد چاہنا صرف اللہ سے ہی ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ غور فرمائیے!

حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں سے روزانہ بار بار اقرار کراتا ہے کہ کہو ''ایاک نعبد وایاک نستعین.'' (اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں کسی اور سے نہیں۔

اور رسول خدا (ﷺ) نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو وصیت فرمائی:۔ اذا سألت فسأل الله واذا ستعنت فاستعن بالله . ترجمہ:۔ جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر اور جب مدد مانگے تو اللہ سے مدد مانگ۔ (مشکوٰة شريف ص ۴۵۳ مشکوٰة باب التوکل والصبر الفصل الثانی)

حضرت غوث اعظم شاہ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنے صاحبزادہ عبدالوہاب کو بوقت وفات وصیت فرمائی۔ کہ جملہ حاجتیں اللہ پاک کے حوالہ کر اور اسی سے مدد مانگ۔ آپ کے ارشاد کے پورے الفاظ یہ ہیں:۔

" عليك بتقوىٰ الله وطاعته ولا تخف احداً ولا ترجه وكل الحوائج كلها الى الله عزوجل واطلبها منه ولا تثق باحد سوى الله عزوجل ولا تعتمد الا عليه سبحانه التوحيد التوحيد التوحيد." (ملفوظات مع فتح ربانی۔ ج: ص ۲۶۵)

ترجمہ:۔ تم پر لازم ہے کہ خوف خدا دل میں رکھو۔ اس کی اطاعت کرتے رہو۔ اللہ کے سوا کسی کا خوف تمہارے دل میں نہ ہو نہ تو اللہ کے سواء کسی سے امید لگاؤ۔ اپنی تمام حاجتیں اللہ عزوجل کے سپرد کرو۔ اسی سے اپنی ضرورتیں مانگو۔ اللہ عزوجل کے سواء کسی پر بھروسہ نہ رکھو جو کچھ بھروسہ اور اعتماد ہو صرف اسی ایک ذات واحد پر ہو اس کی ذات تمام عیبوں سے پاک ہے۔ دیکھو توحید۔ توحید۔ توحید (یعنی) صرف اسی ایک ذات واحد کو مانو۔ صرف اسی ایک ذات واحد کو قادر ذوالجلال سمجھو۔ صرف اسی ایک ذات واحد پر بھروسہ رکھو۔ اسی سے اپنی امیدیں وابستہ رکھو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دعا میں توسل کا مسئلہ:

(سوال ۷۴)انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے وسیلہ سے دعا مانگنا۔ اور الٰہی بحق فلاں، الٰہی بحرمت فلاں، کہنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

(الجواب) اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعاء کرنے اور اپنی حاجت طلب کرنے میں کسی نبی یا ولی کو بطور وسیلہ کے ذکر کرنا اور یوں کہنا کہ اے اللہ بوسیلۂ فلاں نبی یا فلاں ولی میرے حال پر رحم فرما۔ اور میری حاجت پوری کر۔ یہ جائز اور مسنون ہے۔ اور اجابت دعاء میں نہایت مؤثر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک صحابی کو اس طرح دعاء کرنے کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے۔ ترمذی شریف وغیرہ کتب احادیث میں ہے۔'' اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ الخ۔'' اے اللہ! میں تیرے نبی حضرت محمد ﷺ نبی رحمت کے وسیلہ سے تجھ سے حاجت روائی چاہتا ہوں۔ اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں الخ (ترمذی شریف ص ۱۹۷ ج۲ باب فی دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتعوذہ فی دبر کل صلاۃ)(مشکوٰۃ شریف ص ۲۱۹ باب جامع الدعآء الفصل الثالث۔)(حصن حصین ص ۱۵۱ المنزل الخامس)(ابن ماجہ ص ۱۰۰)

مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کا معمول تھا کہ جب قحط ہوتا تو حضرت عباسؓ کے توسل سے بارش کی دعا مانگتے اور کہتے۔ اللھم انا کنا نتوسل الیک نبینا فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا فیسقوا۔ (رواہ البخاری) اے اللہ ہم آپ کے نبی ﷺ کو وسیلہ بنایا کرتے تھے اور ان کا واسطہ دے کر تجھ سے دعا کیا کرتے تھے۔ خداوندا آپ ہماری التجا قبول کرتے اور بارش برسا دیا کرتے تھے۔ اب آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کے ذریعہ سے آپ کے حضور میں توسل کرتے تھے۔ ہم پر بارش نازل فرمائیے حضرت عمرؓ حضرت عباس کا واسطہ دے کر اس
طرح دعا کیا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ بارش ہو جاتی تھی (مشکوٰۃ شریف ص۱۳۲ باب الاستسقاء الفصل الثالث) ہمارے حضرات اس قسم کے توسل کے قائل ہیں اور ان کا عمل یہی رہا ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں۔ اہل طریق میں مقبولان الٰہی کے توسل سے دعاء کرنا بکثرت شائع ہے۔ حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔ مشکوٰۃ میں امیہ سے روایت ہے۔ نبی ﷺ فتح کی دعا بتوسل فقرائے مہاجرین کیا کرتے تھے۔ (التکشف ص ۴۴۶) نیز امداد الفتاویٰ میں ہے:۔

(الجواب) توسل دعا میں مقبولان حق کا خواہ وہ احیاء ہوں یا اموات ہوں درست ہے۔ قصہ استسقاء میں حضرت عمرؓ کا توسل حضرت عباسؓ سے قصہ ضریر میں توسل جناب رسول اللہ ﷺ سے بعد وفات نبوی بھی احادیث میں وارد ہے اس لئے جواز میں کوئی شبہ نہیں الخ (ص ۳۲۶ ج۴)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنیؒ لکھتے ہیں کہ:۔ آپ سے توسل نہ صرف وجود ظاہری کے زمانہ میں کیا جاتا ہے بلکہ اس برزخی وجود میں بھی کیا جانا چاہئے۔ محبوب حقیقی تک وصال اور اس کی رضا صرف آپ ہی کے ذریعہ اور

وسیلہ سے ہوسکتی ہے۔الخ۔(مکتوبات شیخ الاسلام ص۱۲۹ج۱ص۱۳۰مکتوب)

وسیلہ دراصل اللہ کی وہ رحمت ہے جس سے خدا کا مقبول بندہ (نبی۔ولی) نوازا گیا ہے۔پس کسی نبی یا ولی کے وسیلہ سے دعا کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور خصوصی عنایت کو جو اس بندہ پر ہے وسیلہ بنایا گیا۔ناجائز توسل وہ ہے جس میں غیر اللہ کو مطلب برآری میں معین اور فریادرس سمجھا جائے کہ وہ ہی مدد فرمائیں گے۔اور ان کی مدد سے ہماری حاجت پوری ہوگی یہ عقیدہ رکھنا درست نہیں ہے۔الٰہی بطفیل فلاں۔الٰہی بحرمت فلاں۔الٰہی بجاہ فلاں۔الٰہی بحق فلاں۔کہنا بھی درست ہے۔بعض نے بحق کے الفاظ سے اختلاف کیا ہے اور **لاحق للمخلوق علی الخالق** سے استدلال کیا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:۔ **قال هل تدری ماحق الله علی عباده قلت الله ورسوله اعلم قال حق الله علی عباده ان یعبدوه ولا یشرکوا به شیئا ثم سار ساعة ثم قال یا معاذ بن جبل قلت لبیک رسول الله وسعدیک قال هل تدری ماحق العباد علی الله اذا فعلوه قال الله ورسوله اعلم قال حق العباد علی الله ان لا یعذبهم.**

(بخاری شریف ص۸۸۳ کتاب الادب باب من احق الناس بحسن الصحبۃ ج۲ص۹۲۷ کتاب الاستیذان باب من اجاب بلبیک وسعدیک ج:۲۔ص:۱۰۹۷)

آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے گھر سے نماز کے لئے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ الٰہی بحق السائلین علیک۔یعنی اے اللہ! میں ان سوال کرنے والوں کے حق کے بدلہ میں جو تجھ پر ہے۔اور میں اس نماز کی طرف جانے کے بدلہ تجھ سے سوال کرتا ہوں تو اس کی دعا قبول ہوگی۔(۱)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ طبرانی نے صغیر میں اور حاکم وابونعیم وبیہقی ــــ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا۔کہ حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو اپنی دعا اور توبہ میں حضرت رسول محبوب ﷺ کے وسیلہ سے عرض کیا۔کہ اے اللہ میں تجھ سے بحق حضرت محمد ﷺ سوال کرتا ہوں۔کہ میرے گناہ کو بخش دے۔تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرمادی۔
(فتح العزیز ص۱۸۳)

وجمعے دیگر گفتہ کہ بحرمت وبحق وبطفیل کسے گفتند مضائقہ ندارد زیرا کہ در ادعیۂ ماثورہ آمدہ است کہ بحق السائلین علیک ولفظ طفیل وحرمت مرادف است ومفید معنی آن لاغیر۔(ریاض المرتاض مؤلفہ نواب صدیق حسن خاں ص۲۹)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ رحمہ اللہ بھی اس طرح دعا فرماتے تھے۔

خدایا بحق نبی فاطمہؓ
کہ بر قول ایماں کنم خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ورقبول
من ودست وامان آل رسول ﷺ

(۱) وجاء فی روایة اللهم انی أسئلک بحق السائلین علیک وبحق ممشائی الیک فانی لم اخرج اشراً ولا بطراً الحدیث فتاوی شامی حضرو الاباحة فصل فی البیع ج.۶ ص ۳۹۷.

ترجمہ:۔

خدایا بحق بنی فاطمہؓ
کہ ایمان پر ہو میرا خاتمہ
دعاء کو میری رد کر یا قبول
مجھے بس ہے دامان آل رسول ﷺ

(مکتوبات ص ۶۴ ج ۲ مکتوب نمبر ۳۶)(فقط واللہ اعلم بالصواب)

ختم قرآن پر دعا

(سوال) حضرت محترم تحریر فرمائیں کہ ختم قرآن پاک پر کیا دعاء کرنی چاہئے؟

(الجواب) حضرت مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ صحابہ کرام قرآن مجید کی تلاوت کے بعد ہر روز مندرجہ ذیل درود شریف کی مواظبت رکھتے تھے۔ **اللھم صل علی محمد واله وصحبه بعدد ما فی جمیع القران حرفاً حرفاً وبعدد کل حرف الفاالفاً.**

اورحضرت ملا علی قاری شرح عین العلم میں تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن شریف پڑھنے والا ہر روز قرآن مجید کی تلاوت کے بعد یہ دعا پڑھا کرے:۔

اللھم آنس وحشتی فی قبری. اللھم ارحمنی بالقران العظیم .اللھم ذکرنی منه ما نسیت وعلمنی منه ماجھلت وارزقنی تلاوته آناء الیل و آناء النھار . اللھم اجعله لی اماماً ونوراً واجعله لی حجةًیارب العلمین.

دعائے اذان میں ہاتھ اٹھانا افضل ہے؟:

(سوال ۷۵) اذان کے بعد کی دعاء میں ہاتھ اٹھانا مسنون ہے یا خلاف سنت؟ بینوا وتوجروا۔

(الجواب) اذان کے بعد کی دعا میں ہاتھ اٹھانا منقول نہیں ہے ویسے مطلقاً دعاء میں ہاتھ اٹھانا قولی اور فعلی احادیث سے ثابت ہے۔لہذا دعائے اذان میں ہاتھ اٹھانے کو سنت کی خلاف ورزی نہیں کہا جائے گا۔(۱) مگر چونکہ ثابت نہیں ہے۔ لہذا افضل بھی نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ افضل ہاتھ نہ اٹھانے کو کہا جائے گا۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) چونکہ یہ دعاء اذکار متواردہ میں سے ہے اور اذکار متواردہ میں آنحضرت ﷺ سے ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں مثلاً دوران طواف ہونے کے وقت مسجد میں داخل ہونے کے وقت وغیرہ میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں اٹھانا خلاف سنت ہوگا تو یہاں بھی یہی حکم لگے گا۔

دل الحدیث علی انه اذالم یرفع یدیه فی الدعآء لم یمسح بھما وھو قید حسن لانه صلی اللہ علیه وسلم کان یدعوا کثیراً کما فی الصلاة والطواف وغیرھما من الدعوات الماثورة دبر الصلوات وعند النوم وبعد الأکل وامثال ذلک لم یرفع یدیه ولم یمسح بھما وجمعه طحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی صفة الاذکار. ص: ۱۷۷.

نماز کے بعد سجدہ میں دعاء کرنا:

(سوال ۷۶) بعض نمازیوں کی یہ عادت ہے کہ نماز کے بعد سجدہ میں ہاتھ پھیلا کر دعا کرتے ہیں، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) دعاء کا عام مسنون طریقہ ہی افضل ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے سجدۂ مناجات اکثر فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے، اشعۃ اللمعات میں ہے، سوم سجدۂ مناجات وظاہر کلام اکثر علماء آنست کہ مکروہ است یعنی تیسرا سجدۂ مناجات ہے اکثر علماء کے نزدیک مکروہ ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۲۰) شرح سفر السعادۃ میں ہے ودیگر سجدۂ مناجات ست بعد از نماز وظاہر از کلام اکثر آنست کہ ایں مکروہ است (شرح سفر السعادت ص ۱۵۹) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کھانے کے بعد دعاء میں ہاتھ اٹھانا:

(سوال ۷۷) کھانے کے بعد دعاء پڑھی جاتی ہے، اس میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے؟ ثابت ہو تو کتاب کا حوالہ ضرور لکھیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) آنحضرت ﷺ کھانا تناول فرمانے کے بعد دعاء پڑھتے تھے لیکن اس میں ہاتھ اٹھانا منقول نہیں اور بہت سے ایسے مواقع ہیں کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں ہے جیسے مسجد میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت بیت الخلاء میں جانے اور نکلتے وقت، زوجین کے ملنے اور جدا ہونے کے وقت، سونے کے وقت اور بیدار ہونے کے وقت، اور طواف کی دعاؤں میں رفع یدین ثابت نہیں ہے، طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے **ودل الحدیث اذا لم یرفع یدیه فی الدعاء لم یمسح بهما وهو قید حسن لا نه صلی الله علیه وسلم کان یدعو کثیراً کما هو فی الصلوٰة والطواف وغیرهما من الدعوات الماثورة دبر الصلوٰة وعند النوم وبعد الا کل وامثال ذلک ولم یرفع یدیه ولم یمسح بهما وجهه . افاده فی شرح المشکوٰة وشرح الحصن الحصین وغیرهما.** یعنی۔ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب دعا میں ہاتھ نہ اٹھائے تو ہاتھوں کو چہرے پر بھی نہ پھیرے، یہ قید اچھی ہے، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم بسا اوقات نماز میں، طواف میں، سونے کے وقت اور کھانا تناول فرمانے کے بعد اور ان کے علاوہ مواقع میں دعا فرماتے تھے، اس وقت نہ ہاتھ اٹھاتے تھے اور نہ ان کو اپنے چہرۂ انور پر پھیرا کرتے تھے۔

(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۸۵ فصل فی صفۃ الاذکار) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تسبیحات فاطمی کے عدد کی تحقیق اور اس میں اضافہ کرنا:

(سوال ۷۸) تسبیحات فاطمی کی مقدار کیا ہے؟ کیا روایات سے مختلف اعداد ثابت ہیں؟ دوسری بات یہ کہ جو اعداد احادیث میں وارد ہیں اگر کوئی اس سے زیادہ پڑھے تو ثواب کا حق دار ہوگا یا نہیں؟ ایک شخص کہتا ہے کہ حق دار ہوگا، اور

دوسرا یہ کہتا ہے کہ جو اعداد منقول ہیں ان کا لحاظ کیا جائے تب ہی باعث برکت ہے، دونوں میں سے کس کی بات صحیح ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) تسبیحات فاطمی یہ ہیں سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر ۳۳ مرتبہ۔ اور آخر میں سو کا عدد پورا کرنے کے لئے ایک مرتبہ لا الا اللہ وحده لا شريک له له الملک وله الحمد وهو على كل شئى قدير.
مشکوٰۃ شریف بحوالہ مسلم شریف روایت ہے۔ عن ابی هريره رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سبح الله فی دبر كل صلوة ثلثاً وثلثين فتلک تسعة وتسعون وقال تمام المائة لا اله الا الله وحده لا شريک له له الملک وله الحمد وهو على كل شئى قدير غفرت خطاياه وان كانت مثل زبد البحر. رواه مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۸۹ باب الذکر بعد الصلوٰۃ) یہی عدد مشہور ہے اور اسی پر عمل ہے۔

اس کے علاوہ اور اعداد بھی احادیث میں منقول ہیں، چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ مسلم شریف روایت ہے عن كعب بن عجرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم معقبات لا يخيب قائلهن اوفاعلهن دبر كل صلوة مكتوبة ثلث وثلثون تسبيحة وثلث وثلثون تحميدة واربع وثلون تكبيرة رواه مسلم . (مشکوٰۃ شریف ص ۸۹ ایضاً)

مشکوٰۃ شریف میں ایک اور روایت بحوالہ بخاری شریف ہے وفی رواية للبخاری تسبحون فی دبر كل صلوة عشرا وتحمدون عشرا وتكبرون عشرا بدل ثلثا وثلثين (ایضاً مشکوٰۃ شریف ص ۸۹)

اس کے علاوہ اور بھی اعداد منقول ہیں جن کو علامہ حافظ ابن حجرؒ نے ایک جگہ جمع فرمایا ہے چنانچہ التعلیق الصبیح میں ہے قال ابن حجر واعلم ان فی كل من تلک الكلمات الثلاث روايات مختلفة ذكر بعضها ونذكر باقيها. ورد التسبيح ثلثاً وثلثين وخمساً وعشرين واحدى عشرة وعشرة وثلاثاً ومرة واحدة وسبعين ومائة وورد التحميد ثلاثا وثلثين وخمساً وعشرين واحدى عشرة وعشرة و مائة وورد التهليل عشرة وخمساً وعشرين ومائة (ایضاً التعلیق الصبیح ج ۲ ص ۵)

جو اعداد وارد ہیں ان کا لحاظ کر کے پڑھے تو اس میں برکت زیادہ ہے، غفلت میں زیادہ پڑھ لے ابتداء سے زیادہ پڑھنے کی نیت نہ ہو تو انشاء اللہ فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ لیکن اگر شروع ہی سے زیادہ پڑھنے کی نیت ہے تو ممکن ہے کہ جس مخصوص فضیلت کا وعدہ ہے وہ فضیلت حاصل نہ ہو، جیسے کسی دوا میں ایک خاص مقدار میں شکر ڈالنا ہو اگر کوئی تعداد معینہ سے زیادہ شکر ڈال دے تو دوا کا جو مخصوص اثر اور فائدہ ہے وہ حاصل نہ ہوگا۔ التعلیق الصبیح میں ہے۔

قال بعض العلماء والا عداد الواردة فی الا ذكار كالذكر عقب الصلوة اذا رتب عليها ثواب مخصوص فزاد الآتی بها على العدد لا يحصل له ذلک الثواب المخصوص لا حتمال ان لتلک الا عداد حكما وخاصية تفوت مجاوزة العدد ونظر فيه الحافظ العراقی بانه اتی بالقدر الذی رتب الثواب على الا تيان به فحصل له ثواب فاذا زاد عليه من جنسه كيف تزيل الزيادة ذلک الثواب بعد حصوله قال الحافظ ويمكن ان يفترق الحاصل فيه بالنية فاذا نوى عند الا نتهاء

الیہ امتثال الامر الوارد ثم اتی بالزیادۃ لم یضر وان نوی الزیادۃ ابتداء أبان یکون الثواب رتب علی عشرۃ مثلاً فذکرہ ھو مائۃ فیتجہ القول الماضی ومثلہ بعضھم بالدواء یکون فیہ مثلا اوقیۃ سکر فلو زید فیہ اوقیۃ اخری تخلف الانتفاع بہ فلو اقتصر علی الاوقیۃ فی الدواء ثم استعمل من السکر بعد ذلک ماشاء لم یتخلف الانتفاع اھ(التعلیق الصبیح ج ۲ ص ۵ ایضاً) واللہ اعلم۔

اوقات نماز کے علاوہ مسجد میں مجلس ذکر قائم کرنا اور بذریعہ مائیکروفون عورتوں کو ذکر کی تلقین کر کے ان کی مجلس ذکر مکان میں قائم کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۷۹)ایک مشہور عالم عارف باللہ اور مسلم بزرگ ہیں ان کا فیض ہندوپاک ،انگلینڈ اور بہت سے ممالک میں جاری ہے ان کے ایک مجاز عالم نے ان کی اجازت سے ذکر کا حلقہ قائم کیا ہے ہر ہفتہ مسجد میں جب کہ وہ نمازیوں سے اور تلاوت کرنے والوں سے خالی ہو مردوں کے لئے ذکر کا حلقہ قائم کرتے ہیں اور مسجد سے کافی فاصلہ پر ایک مدرسہ میں مستورات جمع ہوتی ہیں مائیکروفون کے ذریعہ سے ان کو ذکر کی تلقین کی جاتی ہے ،الحمد للہ اس سے مردوں اور عورتوں میں دین کی طرف رجحان بڑھ رہا ہے اور نفع کی صورت پیدا ہو رہی ہے ،اگر یہ مرد اور عورتیں گھروں پر ہوتیں تو اپنا قیمتی وقت ٹیلیویژن ،ویڈیو اور دیگر خرافات میں ضائع کرتیں ، بہت سے علماء حضرات اس طریقہ ذکر (مسجد اور مدرسہ میں مردوں اور عورتوں کے اجتماع کا) کی ہمت افزائی نہیں کرتے ،اسی طرح ایک اور مجلس ذکر مسجد میں جب کہ وہ نمازیوں اور تلاوت کرنے والوں سے خالی ہو مسلمانوں کے افادہ کی نیت سے شروع ہونے والی ہے جس میں ایک عالم مختصر بیان کریں گے ،اس کے بعد ختم خواجگان ہوگا (حضرت تھانویؒ کی خانقاہ میں جس طرح ہوتا تھا) پھر ذکر ہوگا اور بعد میں اجتماعی دعاء ہوگی ،حضرت والا سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا مجلس کے انعقاد میں شرعاً کوئی قباحت ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب)حامداً ومصلیا ومسلما !مشائخ حقہ کے یہاں خانقاہ میں ذکر جہری ،ذکر سری ،مراقبہ کا عمل تو ارثاً جاری ہے ،یہ حضرات اپنے اپنے تجربات کی روشنی میں روحانی امراض کا علاج تجویز کرتے ہیں اور برائیوں ،گناہوں سے بچانے کی تدبیریں بتاتے ہیں ،مقصود تزکیۂ نفس ہوتا ہے ،اپنے مریدین کے دل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت محبت اور تعلق پیدا کرنے کے لئے اور ان کو یاد الٰہی میں مشغول رکھنے کے لئے شرعی حدود کے دائرہ میں رہ کر کوئی حلقۂ ذکر جاری کریں اور اس طریقہ پر اصرار نہ ہو ،اس طریقہ میں شرکت نہ کرنے والوں سے بدگمانی اور ان کو گنہگار نہ سمجھا جائے اور ان کی تحقیر وتذلیل نہ کی جائے اور ان کے ذکر سے نمازیوں اور سونے والوں کو تشویش اور خلل نہ ہو تو اس کی گنجائش ہو سکتی ہے ، البتہ عورتوں کا اجتماع امر نازک ہے ،اگر گھروں میں رہتے ہوئے اس کی صورت کی جاسکتی ہو تو بہت بہتر ہے ،اگر ایسی صورت نہ بنتی ہو اور عورتیں پردہ کے پورے اہتمام کے ساتھ اپنے محرم کے ہمراہ آمد و رفت کریں یا ایسی قابل اعتماد رفاقت اختیار کریں کہ جس سے فتنہ اور بدنامی سے محفوظ رہ سکیں اور ان کی عزت وآبرو پر کسی طرح کا کوئی داغ دھبہ نہ آئے تو اپنے نفع کی امید پر اور گناہوں ،خرافات اور برائیوں سے حفاظت (جس کی نشاندہی سوال میں کی گئی ہے) کی وجہ سے گنجائش نکل سکتی ہے بشرطیکہ اسے دینی حکم اور سنت طریقہ نہ سمجھا جائے اور اس پر اصرار نہ ہو اور خدانخواستہ کسی

وقت فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو جائے تو پھر اس طریقہ کو چھوڑنا ضروری ہوگا مستقلاً حلقۂ ذکر کے بجائے تفسیر قرآن یا درس قرآن کے نام سے مجلس کا قیام ہو اور اس میں تفسیر قرآن ہو اسی طرح ضروری مسائل کا مذاکرہ ہو اور ساتھ ساتھ کچھ وقت ذکر کے لئے بھی رکھا جائے تو یہ صورت مناسب معلوم ہوتی ہے، حدیث میں ہے۔ **عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ما اجتمع قوم فی بيت من بيوت الله ويتدارسونه بينهم الا نزلت عليهم السكينة وغشيتهم الرحمة وحفتهم الملائكة وذكرهم الله فيمن عنده ، رواه مسلم وابو داؤد.**

حضرت ابوہریرہؓ نے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ کوئی قوم اللہ کے گھر میں سے کسی گھر میں مجتمع ہو کر تلاوت کلام پاک اور اسکا دور نہیں کرتی مگر ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے ملائکہ رحمت ان کو گھیر لیتے ہیں اور حق تعالیٰ شانہ ان کا ذکر ملائکہ کی مجلس میں فرماتے ہیں (بحوالہ فضائل قران ص ۳۱ ، ص ۳۲ حدیث نمبر ۲۲، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ مہاجر مدنی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دعائے گنج العرش، دعائے قدح وغیرہ پڑھنا:

(سوال ۸۰) پنج سورہ (جو تقریباً ہر مسجد میں پایا جاتا ہے اس) میں دعائے گنج العرش اور دعائے قدح وغیرہ ہے اس کا شرعی ثبوت کیا ہے؟ بعض علماء اس کے پڑھنے سے روکتے ہیں، کیونکہ دعاء گنج العرش کا ثبوت صحاح ستہ یا کسی اور صحیح حدیث سے نہیں ہے، پنج سورہ میں دعائے گنج العرش کے متعلق لکھا ہے کہ یہ دعا حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ بطور وحی نازل ہوئی ہے۔ اور اس دعا کے بڑے فضائل بتلائے ہیں لہذا مندرجہ ذیل امور کے متعلق صحیح رہنمائی فرمادیں۔

(۱) دعائے گنج العرش کا ثبوت صحیح احادیث سے ہے یا نہیں؟

(۲) آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں یہ دعا پڑھی یا کسی صحابی کو سکھلائی ہے؟

(۳) اگر اس کا ثبوت صحیح احادیث سے نہ ہو تو آج تک جو لوگ بغرض ثواب اس دعاء کا ورد کرتے رہے ان کو ثواب ملے گا؟ مفصل جواب عنایت فرما کر مہربانی فرمادیں۔

(الجواب) باسمہ تعالیٰ حامداً ومصلیاً ومسلماً (۱-۲-۳) مذکورہ ادعیہ کی روایات کو موضوع لکھا گیا ہے کسی معتمد و مشہور محدث نے ان روایات کی تصدیق نہیں کی، لہذا ان ادعیہ کو مستند سمجھنا اور لکھے ہوئے فضائل کو صحیح جان کر پڑھنا غلط ہے قرآن کریم کی تلاوت اور احادیث میں وارد شدہ ذکر و اذکار درود شریف، پہلا، تیسرا اور چوتھا کلمہ، استغفار حصن حصین، حزب الاعظم، مناجات مقبول وغیرہ جو علمائے کرام کے معمولات میں رہتا ہے اس پر اکتفاء کرنے میں بھلائی برکت اور ہدایت ہے۔ درود تاج کے متعلق ایک فتویٰ فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد دوم از ص ۸۲ تا ص ۸۶ اور فتاویٰ رحیمیہ گجراتی جلد دوم از ص ۲۲۰ تا ۲۲۴ میں شائع ہوا ہے اس فتویٰ کو ضرور ملاحظہ فرماویں۔

اور یہ بات بھی یاد رہے کہ کوئی دعا لکھ کر مردہ کے کفن میں رکھنا یا روشنائی کے ذریعہ مردہ کے کفن یا اس کی پیشانی وغیرہ پر لکھنا بھی جائز نہیں، کیونکہ اس میں بے ادبی ہے، البتہ روشنائی کے بغیر ویسے ہی انگلی سے کفن وغیرہ پر کوئی دعا لکھی جائے تو اس کی گنجائش ہے، اس سلسلہ میں ایک فتویٰ فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد ہفتم از صفحہ ۱۰۳ تا صفحہ ۱۰۵ اور فتاویٰ رحیمیہ

گجراتی جلد اول از صفحہ نمبر ۲۹۴ تا صفحہ نمبر ۲۹۶ میں شائع ہوا ہے گذارش ہے کہ اسے بھی دیکھ لیا جائے۔
دعائے قدح کے متعلق جو روایت پنج سورہ میں ہے وہ بھی موضوع ہے، لہذا اسے مستند اور صحیح نہ سمجھنا چاہئے اور اس کے مطابق عمل بھی نہ کیا جاوے، قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اہل ایمان کے لئے بڑی عظیم نعمت ہے، قرآن کریم کی تلاوت اللہ سے قرب حاصل کرنے کا مضبوط ذریعہ ہے، احادیث میں قران کریم اور اس کی تلاوت کے بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فضائل قرآن از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ اور احقر کا فتویٰ، فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد سوم از صفحہ نمبر ۲۷ تا صفحہ نمبر ۳۱ اور فتاویٰ رحیمیہ گجراتی جلد چہارم از صفحہ ۹۷ تا صفحہ نمبر ۱۰۳ قرآن کریم کی تلاوت اور اسے سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی لوگ سعی نہیں کرتے اور غیر مستند اشیاء لے کر بیٹھ جاتے ہیں، قرآن کریم کی تلاوت ہمہ تن متوجہ ہو کر شوق سے خوب کی جانے اور معاذ کر اللہ پہلا، تیسرا، چوتھا کلمہ استغفار درود شریف وغیرہ مستند دعائیں بھی پڑھتے رہنا چاہئے۔ فتاویٰ محمودیہ میں ہے۔
(سوال ۳۵۰) نورنامہ، عہدنامہ، دعاء گنج العرش، درود تاج درود لکھی کی اصلیت کیا ہے ان کی تعریفات درست ہیں یا مبالغہ، دوسرے ان کا ثبوت رسول پاک ﷺ سے ہے یا لوگوں نے خود تالیف کیا ہے ان کے پڑھنے کے بارے میں کیا مسئلہ ہے؟
(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! ان کی کوئی سند صحیح ثابت نہیں، جو تعریفیں لکھی ہیں بے اصل ہیں، بجائے ان کے قرآن پاک کی تلاوت کی جائے، درود شریف، کلمہ شریف، استغفار پڑھا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہٗ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۴۷ جلد نمبر ۵ الاشتات) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد میں ذکر جہری کی مجلس:

(سوال ۸۲) ہم لوگوں نے اپنے علاقہ میں ایک مسجد بنائی ہے اس میں نماز بھی شروع کر دی گئی ہے، اس میں چند لوگ ذکر جہری کرنا چاہتے ہیں تو کیا ذکر جہری مسجد میں کرنا جائز ہے؟ اگر یہ لوگ ذکر جہری شروع کر دیں گے تو آگے بڑھ کر اور نئی چیزیں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، اس بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟
(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! کوئی شخص مشائخ حقہ میں سے کسی سے بیعت ہو اور انہوں نے ذکر جہری کی تعلیم دی ہو تو تعلیم کے مطابق اپنا اپنا الگ الگ ذکر جہری کر سکتے ہیں، لیکن مسجد میں ذکر جہری سے نمازیوں کو تشویش اور تکلیف ہوتی ہو تو ایسی صورت میں مسجد میں زور زور سے ذکر کرنا جائز نہیں، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

مسئلہ:۔ مسجد میں ذکر جہر کرنا اور آواز سے تلاوت قرآن کرنا وغیرہ سب ناجائز ہیں (خلاصۃ الفتاویٰ) البتہ اگر مسجد میں کوئی نماز یا تسبیح وغیرہ میں مشغول ہو تو پھر بعض علماء نے اجازت دی ہے (بیان ذکر الذاکر للشیخ عبدالوہاب شعرانیؒ) اور بعض علماء نے مسجد میں جہراً ذکر کرنے اور جہراً قرآن پڑھنے کو مطلقاً ناجائز فرمایا ہے اس مسئلہ کی مزید تفصیل اور پوری تحقیق ضمیمہ رسالہ ہذا میں ضرور دیکھئے۔ (آداب المساجد ص ۱۶) ضمیمہ میں تحریر فرمایا ہے: قولہ، (مسئلہ) مسجد میں ذکر جہر کرنا اور آواز سے تلاوت قرآن کرنا وغیرہ سب ناجائز ہیں (خلاصۃ الفتاویٰ) الی قولہ ناجائز فرمایا ہے۔
اقول۔ اس میں اقوال بہت مختلف ہیں، فیصلہ وہ ہے جو شامی نے حاشیہ حموی سے امام شعرانی کا قول نقل کیا ہے: اجمع

العلماء سلفا و خلفا علیٰ استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرھا الا ان یشوش جھرھم علی نائم او مصل او قارئ الخ (ص ۱۹۱ ج ۱ مطلب فی احکام المسجد)

اسی طرح اگر مسجد میں ذکر جہری سے بدعتوں اور نئی چیزیں پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسے موقع پر ذاکرین بھائی مسجد میں ذکر کرنے پر اصرار نہ کریں اور ان کو چاہئے کہ اپنے گھروں میں اس طرح ذکر کریں کہ سونے والوں اور نماز پڑھنے والوں وغیرہم کو تکلیف نہ ہو۔

اسلام میں بدعت پر سخت وعیدیں آئی ہیں، لہٰذا بدعتیں پیدا ہونے کا سبب نہ بنے ذکر جہری کے لئے مسجد نیز جمع ہوکر ذکر کرنا ضروری نہیں، ہرایک اپنے گھروں میں بھی ذکر کرسکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کھانے کے بعد کی دعا میں ہاتھ اٹھانا مسنون ہے یا نہیں:

(سوال ۸۳) کھانا کھانے سے فراغت کے بعد دعا پڑھی جاتی ہے تو اس دعا میں دونوں ہاتھ اٹھانا مسنون ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ہر مسنون اور مستحب دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا ضروری نہیں ہے یعنی کھانا کھانے کے بعد کی دعا میں ہاتھ اٹھانا مسنون نہیں ہے، طواف کرتے وقت دعا مسنون ہے مگر اس میں ہاتھ نہیں اٹھائے جاتے، نماز کے اندر بھی دعا ہوتی ہے، سوتے وقت، مسجد میں داخل ہوتے وقت، مسجد سے نکلتے وقت، مجامعت کے وقت، بیت الخلاء میں جاتے وقت اور نکلتے وقت بھی دعا ثابت ہے مگر ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں، اسی طرح کھانا کھانے کے بعد کی دعا میں بھی ہاتھ اٹھانا مسنون نہیں ہے۔ لا نہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یدعو کثیراً کما ھو فی الصلوٰۃ والطواف وغیرھما من الدعوات الماثورۃ دبر الصلوٰۃ وعند النوم وبعد الا کل وامثال ذلک ولم یرفع یدیہ ولم یمسح بھما وجھہ . افادہ فی شرح المشکاۃ وشرح الحصن الحصین وغیر ھما. (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۸۵) فقط واللہ اعلم بالصواب.

قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا:

(سوال ۸۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ تدفین کے بعد اور قبروں کی زیارت کے وقت قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ممنوع نہیں ہے بلکہ مندوب ہے کیونکہ آداب دعا میں ہاتھ اٹھانا بھی ہے اور حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے، مسلم شریف میں ہے۔ حتی جاء البقیع فقام فاطال القیام ثم رفع یدیہ ثلث مرات وفی النووی (قولھا حتی جاء البقیع فاطال القیام ثم رفع یدیہ ثلث مرات) فیہ استحباب اطالۃ الدعاء وتکریرہ ورفع الیدین الخ (مسلم شریف مع شرحہ للنووی ج ۱ ص ۳۱۳ کتاب الجنائز) اس حدیث میں تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جنت البقیع میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے نیز ابوعوانہ کی حدیث جس کی تخریج حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرمائی ہے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ تدفین کے بعد حضور اکرم ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی ہے۔ وفی حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ رأیت

رسول الله صلى الله عليه وسلم فى قبر عبدالله ذى البجادين وفيه فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعا يديه اخرجه ابو عوانة فى صحيحه (فتح البارى شرح بخارى ج ۱۱ ص ۱۲۲) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو عبداللہ ذی البجادینؓ کی قبر پر دیکھا ہے، جب ان کے دفن سے فارغ ہوگئے تو آنحضرت ﷺ قبلہ رو ہوکر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے میں مشغول ہو گئے۔

اور فقہاء کی عبارت سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اجازت معلوم ہوتی ہے۔ لان السكوت فى معرض البيان بيان۔ البتہ قبر سامنے ہو اور صاحب قبر سے استمداد کا شبہ ہو تو ہاتھ اٹھانا ممنوع ہے۔(۱)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:۔

(سوال) قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا درست ہے یا نہ؟

(الجواب) فى رد المحتار آداب زيارة القبور ثم يدعو قائماً طويلاً اس سے دعا کا جائز ہونا ثابت ہوا اور ہاتھ اٹھانا مطلقاً آداب دعا سے ہے پس یہ بھی درست ہوا (امداد الفتاوی ج ۱ ص ۶۷۴ مطبوعہ کراچی پاکستان)

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا فتویٰ:۔

(سوال) کسی مزار پر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) مزار پر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا مباح ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ یا تو مزار کی طرف منہ کر کے بغیر ہاتھ اٹھائے فاتحہ پڑھے یا قبلہ رخ کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھ لے، فاتحہ سے مراد یہ ہے کہ ایصال ثواب کی غرض سے کچھ قرآن مجید پڑھ کر اس کا ثواب بخش دے اور میت کے لئے دعائے مغفرت کرے، صاحب قبر سے مرادیں مانگنا حاجتیں طلب کرنا یا ان کی منتیں ماننا یہ سب ناجائز ہے۔ (کفایت المفتی ج ۴ ص ۱۸۳) ۱۱۔ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) مرد گودفنانے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کی صراحت شامی میں موجود ہے وجلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقرأة بقدر ما ينحر الجزور ويفرق لحمه، قال فى الشامية تحت قوله وجلوس الخ لما فى السنن أبى داؤد كان النبى صلى الله عليه وسلم اذا فرغ من دفن الميت وقف على قبره وقال استغفروا لأخيكم وأسالوا الله له التثبيت فأنه الآن مسال الخ شامى مطلب فى دفن الميت ج ۲ ص ۲۳۷۔

ما یتعلق بالقرآن والتفسیر

احد اور صمد کے معنی اور مطلب

(سوال ۱) سورۂ اخلاص میں لفظ ''احد'' اور ''صمد'' کا کیا مطلب ہے؟ تحریر فرمائیں؟

(الجواب) ''احد'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ذات اور صفات میں یکتا ہے، اکیلا اور تنہا ہے (جس کا نہ کوئی شریک ہے نہ کوئی اس کا مثل)۔ اس میں ان کی تردید ہے جو ایک سے زیادہ کو معبود اور قابل پرستش سمجھتے ہیں[۱]۔ ''صمد'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور سب سے بے پرواہ ہے اور کسی کا محتاج نہیں، اور سب اس کے محتاج ہیں

توبۃ نصوحا سے کیا مراد ہے؟:

(سوال ۲) قرآن میں ''توبہ نصوحا'' ہے اس سے کیا مراد ہے۔

(الجواب) "توبۃ نصوحاً" یعنی صمیم قلب کی خالص اور سچی توبہ یعنی یہ پختہ اور پکا ارادہ کر لینا کہ اب یہ گناہ نہیں کرے گا۔ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابی ابن کعب اور حضرت معاذ رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ ''توبۃ نصوحا'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ طے کر لے کہ اس کا دوبارہ گناہ کرنا ایسا ہی محال ہے جیسے دودھ کا دوبارہ تھنوں میں لوٹنا محال ہے۔ خالص حقیقی سچی۔[۲]

قرآن پاک کی ترتیب کے خلاف بچوں کو سورتیں پڑھانا:

(سوال ۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مکتب میں بچوں کو پارۂ عم خلاف ترتیب پڑھایا جاتا ہے، کیا یہ طریقہ مکروہ نہیں ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایک وقت میں پورے پارے کی تلاوت نہیں ہوتی اور مقصد بھی تلاوت نہیں ہے، پڑھنا اور سیکھنا مقصد ہے

---

(۱) جیسے فارس اور ایران کے پرانے لوگ دو خدا مانتے تھے ایک خیر کا پیدا کرنے والا جس کو یزداں کہتے تھے دوسرا شر کو پیدا کرنے والا جس کو اہرمن کہتے تھے (الملل والنحل وغیرہ)

(۲) توبہ کی چار شرطیں ہیں اگر ایک کی بھی کمی رہے تو وہ خالص توبہ نہ ہوئی مجالس الابرار میں ہے۔

فلابد للمؤمن من التوبة لكن لها اربعة شروط ان اختل شرط منها لا يتحقق التوبة . الاول الندم بالقلب على مافعل من الذنوب فى الماضى ومعنى الندم تحزن وتوجع على ما فعل وتمنى كونه لم يفعل ، والثانى ترك المعصية فى الحال ، والثالث العزم على ان لا يعود الى مثلها فى الاستقبال. والرابع ان يكون ذلك خوفاً من الله تعالىٰ لا لامر آخر.

ترجمہ:۔ مومن کو توبہ ضرور کرنی چاہئے، لیکن توبہ کے لئے چار شرطیں ہیں، اگر ان میں سے ایک بھی کم ہوگی تو توبہ ٹھیک نہیں ہوگی۔ اول زمانہ گذشتہ کے گناہوں پر دل سے نادم ہونا اور ندامت سے مراد یہ ہے کہ پچھلے گناہوں پر رنج اور قلق ہو دل میں درد اور بے چینی ہو اور پچھتاوا ہو کہ ایسے کاش یہ گناہ نہ کئے ہوتے۔ اور دوسری شرط معصیت کا فی الفور ترک کر دینا اور تیسری شرط اس کا پختہ قصد کرنا کہ پھر آئندہ کبھی ایسا نہ کروں گا اور چوتھی شرط یہ ہے کہ یہ سب اللہ کے خوف سے ہو کسی اور وجہ سے نہ ہو۔ (مجالس الابرار م ۲۶ ص ۳۸۳)

دل میں گناہ کا عزم اور زبان سے توبہ توبہ۔ یہ توبہ نہیں بلکہ خدا کے ساتھ ایک قسم کا مذاق ہے۔

سبحہ درکف توبہ برلب دل پر از ذوق گناہ
معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

یعنی ہاتھ میں تسبیح زبان پر توبہ اور دل گناہ کے خیال سے پر، ایسی توبہ پر گناہ کو بھی ہنسی آتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اور اس طرح پڑھانے میں بچوں کے لئے سہولت ہے اس لئے بزرگوں نے یہ طریقہ اختیار فرمایا ہے، اس میں کراہت نہیں لان ترتیب السور فی القرائة من واجبات التلاوة وانما جوز واللصغار تسهیلا لضرورة التعلیم (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۷۱) (شامی ج ۱ ص ۵۱۰ فصل فی القرأة مطلب ستماع للقرآن فرض کفایه) وقال العلماء الا ختیار ان یقرء علی الترتیب فی المصحف واما تعلیم الصبیان فی آخر المصحف الی اوله فلیس من هذا الباب فان قراء ته متفا صلة فی ایام متعددة مع ما فیه من تسهیل الحفظ. (مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۲۸۷) فقط واللہ اعلم بالصواب.)
(الجواب)

عربی عبارت ٹکڑے ٹکڑے کر کے پڑھنا:

(سوال ۴) ایک اردو رسالہ میں لکھا ہے کہ بعض مدارس میں دیکھا اور سنا گیا ہے کہ کلمہ " لا الــه الا الله ٹکڑے ٹکڑے کر کے بچوں کو پڑھایا جاتا ہے یعنی ایک بچہ" لا الہ کہہ کر خاموش ہو جاتا ہے اور دوسرے بچے بیک آواز بولتے ہیں، پھر وہ بچہ الا اللہ بولتا ہے اس وقت دوسرے بچے الا اللہ کہتے ہیں، ایسی پڑھائی کفر ہے، اس کے متعلق جواب دے کر ممنون کریں۔

(الجواب) اس طرح بچوں کو پڑھانا کفر نہیں ہے، ضرورۃً جائز ہے۔ یہ تلاوت نہیں ہے، سیکھنا سکھانا مقصود ہے۔ استاذ بچوں کو پڑھاتے وقت " قل اعوذ" بول کر رک جاتا ہے پھر " برب الناس" بولتا ہے، اسی طرح وما محمد کہہ کر رک جاتا ہے، پھر "الا رسول " پڑھاتا ہے۔ یہ ضرورۃً جائز ہے، ممنوع نہیں ہے۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ استانی حالت حیض میں ایک ایک کلمہ پر رک کر اور سانس توڑ کر پڑھا سکتی ہے، اگر ٹکڑے ٹکڑے کر کے پڑھانا کفر ہوتا تو فقہا ہرگز اس کی اجازت نہ دیتے۔ "فتاویٰ عالمگیری " میں ہے واذا حاضت المعلمة فینبغی لها ان تعلم الصبیان کلمة کلمة وتقطع بین الکلمتین (یعنی) اگر معلمہ (استانی) کو حیض آ جائے تو اسے چاہئے کہ بچوں کو ایک ایک کلمہ سکھائے (یعنی ٹکڑے ٹکڑے پڑھائے) اور دو کلموں کے درمیان رک جائے (یعنی سانس توڑ دے) (ج ۱ ص ۱۳۸ الفصل الرابع فی احکام الحیض والنفاس والاستحاضۃ) جوز للحائض المعلمة تعلیمه کلمة کلمة کما قدمنا (شامی ج ۱ ص ۲۷۰ باب الحیض) مگر جب بچے" لا الہ الا اللہ " پورا پڑھنے پر قادر ہو جائیں۔ اس وقت ٹکڑے ٹکڑے کر کے نہ پڑھائے بلکہ پورا پڑھائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی جلائے تو اس کا کیا حکم:

(سوال ۵) قرآن مجید کے پرانے، بوسیدہ اور پھٹے ہوئے اور کرم خوردہ کاغذوں کا کیا کیا جائے اگر کوئی شخص ایسے کاغذات کو دفن کرنے سے پہلے جلا ڈالے تو ایسے شخص کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) قرآن کریم (کے اوراق) کو جو بوسیدہ یا دیمک خوردہ، ناقابل انتفاع ہو چکے ہوں ایسے پاک کپڑے میں لپیٹ کر کسی محفوظ جگہ میں جہاں لوگوں کی آمد و رفت بالکل نہ ہو یا کم ہو دفن کر دیا جائے جیسا کہ مسلمان میت کو دفنایا جاتا ہے۔(۱) وفی الذخیرة المصحف اذا صار خلقا وتعذرت القرأة منه لا یحرق بالنار الیه اشار محمد

وبـه نأخذ ولا يكره دفنه وينبغي ان يلف بخرقة طاهرة ويلحد له لا نه لوشق ودفن يحتاج الىٰ اهالة التـراب عـلـيـه وفـي ذلک نوع تحقير الا اذا جعل فوقه سقف وان شاء غسله بالماء او وضعه في مـوضـع طاهر لا تصل اليه يد محدث ولا غبار ولا قذر تعظيماً لكلام الله عزوجل (شامي ج ۵ ص ۳۷۳ کتاب الحظر والاباحة فصل في البيع)

اگر قرآن مجید قلمی ہوتو بہتر یہ ہے کہ اولاً پانی میں دھوڈالے اور کاغذات دفنادے اور جس پانی میں دھویا گیا ہے وہ پانی پی لیا جائے اس میں ہر مرض اور دلی بیماری کی شفا ہے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ہے بل ينبغي ان يشرب ماء ه فانه دواء من كل داء وشفاء لما في الصدور (ج ۲ص ۶۳۱)

دوسری صورت یہ ہے کہ بوسیدہ قرآن مجید کے ساتھ کوئی وزنی شے باندھ دی جائے اور اس طرح اس کو بہتے ہوئے گہرے پانی میں یا کنویں کی تہ میں احترام کے ساتھ پہنچادیا جائے ولا بأس بان تلقى في ماء جار.
(شامي ج ۱ ص ۱۶۴ يطلق الدعاء على ما يشتمل الثناء)

جہاں مذکورہ بالا صورتوں پر عمل ممکن ہو اور یہ صورتیں اطمینان بخش بھی ہوں تو جلانے کی اجازت نہ ہوگی خصوصاً جب کہ جلانے کو بے حرمتی سمجھا جاتا ہو تو جلانے کی اجازت ہرگز نہیں ہے ’’فتاویٰ عالمگیری‘‘ میں ہے المـصـحف اذا صـار خـلـقـا وتعذرت القرأة عنه لا يحرق بالنارٔ اشار الشيباني الى هذا في السير الكبير وبه نـأخـذ كـذافي الـذخيـره (ج۵ ص ۳۲۳ كـتـاب الكره الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف وما كتب فيمـا شئ من القران ... الخ الا تقان ج ۲ ص ۳۰۳) یعنی مصحف اگر بوسیدہ ہوگیا کہ اس میں پڑھا نہیں جاسکتا تو اسے آگ میں جلایا نہ جائے اس حکم کی طرف امام محمدؒ نے سیر کبیر میں اشارہ فرمایا ہے اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں‘‘

ہاں جہاں پر مذکورۃ الصدر دونوں صورتیں دشوار ہوں یا اطمینان بخش نہ ہوں اور مقصد حاصل نہ ہوتا ہو یعنی دفنانے اور پانی میں ڈبونے کے بعد بھی بے حرمتی کا احتمال ہو اور جلائے بغیر چارہ نہ ہو تو جلا کر راکھ دفن کردی جائے یا پانی میں بہادی جائے جیسے امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے اختلاف کو دفع کرنے کے لئے اور شورش عوام کی وجہ سے غیر قریشی زبان میں لکھے ہوئے قرآن کو جلانے کا حکم دیا تھا۔ تفصیل یہ ہے کہ قرآن مجید خالص قریشی فصیح بلیغ لغت میں

---

(۱) یعنی بوسیدہ اوراق دفن کرنے کے لئے لحد (بغلی قبر) بنائی جائے تاکہ قرآن پر مٹی نہ پڑے اگر شق (صندوق) بنائی گئی تو قرآن پر مٹی پڑے گی اور اس میں ایک گونہ قرآن کی تحقیر ہے، ہاں اگر اس پر تختوں سے چھت بنالی جائے اور اس پر مٹی ڈالی جائے تو پھر مضائقہ نہیں۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ المـصـحف اذا صار خلقا لا يقرء منه ويخاف ان يضيع يجعل في خرقة طاهرة ويدفن ودفنه اولىٰ من وضعه موضـعـا يخاف ان يقع عليه النجاسة او نحو ذلک ويلحد له لانه لو شق ودفن يحتاج الى اهالة التراب عليه وفي ذلک نوع تـحقير الا اذا جعل فوقة سقف بحيث لا يصل التراب اليه فهو حسن ايضاً كذا في الغرائب ج ۵ ص ۳۲۳. اذا المصحف اذا صـار بحال لا يقرء فيه يدفن كالمسلم (درمختار) (قوله يدفن) اى يجعل في خرقة طاهرة ويدفن في محل غير ممتهن لا يوطا وفي الذخيرة وينبـغي ان يلحد له ولا يشق له لا نه يحتاج الى اهالة التراب عليه وفي ذلک نوع تحقير الا اذا جعل فوقة سقفا بـحيـث لا يـصـل الـتـراب اليـه فهـو حسن ايضاً اه واما غيره من الكتب فسيأتي في الحظر والاباحة انه يمحى عنها اسم الله تـعـالـىٰ ملئكته ورسله ويحرق الباقي ولا بأس بان تلقى في ماء جار كما هي او تدفن وهو احسن اه (قوله لالمسلم) فانه مكرم واذا مـات وعدم نفعه يدفن وكذلک للمصحف فليس في دفنه اهانة له بل ذلک اكرام خوفاً من الا متهان. (درمختار شامي ج ۱ ص ۱۶۳)

نازل ہوا ہے۔قریش کے علاوہ عربی قبائل میں بعض ایسے تھے کہ ان کی زبان عربی ہونے کے باوجود ایسی صاف نہیں تھی جیسی قریشی زبان صاف تھی ان کے محاورے اور لغت میں ایسا فرق تھا جیسا کہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ہر ملک میں زبان ایک ہونے کے باوجود ہوتا ہے اور یہ فطری چیز ہے (جیسے راندیر کی زبان اور دیہات کی زبان میں فرق ہے نیز سورت ضلع اور بھروچ ضلع وغیرہ کی زبان میں بعض الفاظ متفاوت ہیں حالانکہ زبان (گجراتی) ایک ہی ہے) ایسے ہی عربی قبائل کی زبان کا فرق تھا، جیسے قاف کی جگہ پر ''گاف'' اور ''ش'' کی جگہ ''ت'' حتی کی جگہ " عتی " ''ان'' کی جگہ ''عن'' ''ماء غیر اسن'' کی جگہ " ماء غیر یسن" تعریف کے ''الف لام'' کی جگہ ''الف میم'' وغیرہ وغیرہ فرق تھا (موجودہ زمانے میں بھی بعض عرب '' قاف'' کو'' گاف'' پڑھتے ہیں) یہ قبائل اسلام میں داخل ہوتے ہی قرآن کی تلاوت ضروری سمجھتے اور نماز پڑھنے کی کوشش کرتے تھے مگر ان پڑھ، بڑی عمر کے مرد، عورتوں اور بچوں کو قریشی فصیح بلیغ الفاظ پڑھنا ناممکن تھا اس مجبوری کے پیش نظر آنحضرت ﷺ نے بموجب الہام ربانی اجازت دی تھی کہ یہ مجبور لوگ اپنی فطری زبان میں قرآن پاک کے الفاظ ادا کریں۔اس کے بعد ایسا ہوا کہ اس عارضی اجازت کو کچھ لوگ مستقل اجازت سمجھنے لگے اور اسی کو قرآن سمجھ کر اس پر اصرار کرنے لگے جس سے بحث اور نزاع کی نوبت آ گئی۔حضرت حذیفہ بن یمانؓ جنگ آرمینیہ اور جنگ بائذ رجان کے موقع پر شام اور عراق گئے تو وہاں کے لوگوں کی قرأت کے اختلافات اور ایک دوسرے پر فوقیت کے واقعات اور نزاعات دیکھ کر آپ کو بڑی تشویش ہوئی، لہذا آپؓ نے حضرت عثمانؓ کے پاس آ کر عرض کیا۔یا امیر المومنین! اس امت کی خبر لو قبل اس کے کہ قرآن میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلافات رونما ہوں، حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ سے مشورہ کر کے ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس سے قرآن کا وہ نسخہ منگوایا جو امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مبارک زمانے میں پورے اہتمام سے مرتب کیا گیا تھا اور حضرت زید بن ثابت انصاریؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیر قریشیؓ اور حضرت سعید بن عاص قریشیؓ اور حضرت عبداللہ بن حارث بن ہشام قریشیؓ کو بلا کر خالص قریشی زبان اور محاورہ کے مطابق قرآن کے چند نسخے لکھوا کر اور صوبوں میں بھیج کر فرمان جاری کیا کہ اس کے سوا دوسرے قرآن کے نسخے جن میں غیر قریشی زبان کے الفاظ ہوں انہیں جلا دیا جائے (آپ کا یہی کارنامہ ہے جس کی بنا پر آپؓ کو جامع القرآن کہا جاتا ہے) بخاری شریف کے الفاظ یہ ہیں۔(وامر بما سواہ من القرآن فی کل صحیفۃ او مصحف ان یحرق (ترجمہ) اور حکم دیا حضرت عثمانؓ نے کہ اس قرآن کے (جو قریش ہی کی زبان کے موافق لکھا گیا تھا) اس کے سوا اور جو صحیفے ملیں سب جلا دیئے جائیں۔(صحیح بخاری شریف ج ۱ ص ۷۴۶ پ ۲۰ کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن)

خلیفہ مروان سے بھی جلانا منقول ہے قال السخاوی فلما فرغ عثمان من امر المصاحف حرق ما سواھا وردتلک الصحف الأولیٰ الی حفصة فکانت عند ھا فلما ولی مروان المدینة طلبھا لیحرقھا فلم تجبه حفصة الی ذلک ولم تبعث بھا الیه فلما ماتت حضر مروان فی جنازتھا وطلب الصحف من اخیھا عبد اللہ بن عمر و عزم علیه فی امرھا فسیرھا الیه عند انصرافه فخرقھا خشیة ان تظھر فیعود الناس علی الاختلاف (مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۶۳۰۔۶۳۱ جلد ثانی)

حضرت عثمانؓ نے جلانے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ اگر پانی میں ڈالتے تو لوگ نکالتے یا مٹی میں دفناتے تو بھی نکالتے اور تاقیامت تورات وانجیل کی طرح اختلاف رہتا یہ مصلحت تھی، اہانت کی راہ سے نہیں جلایا تھا کہ طعن کیا جائے ''مظاہر حق'' میں ہے ''حضرت عثمانؓ'' نے جلایا بنابر مصلحت کے کہ اختلاف نہ باقی رہے اور طعن حضرت عثمانؓ پر وارد ہو کہ کہیں شرع میں آیا ہو کہ جلانا بے ادبی ہے، جب کہ شرع میں یہ آیا نہ ہوا اور انہوں نے (اپنے اجتہاد سے) بنابر مصلحت کے یہ فعل کیا ہو تو کیوں ان پر طعن کریں بحسب عادت اپنی کے'' (ج ۴ ص ۴۴۵)

''فیض الباری علی صحیح البخاری'' میں ہے والا حراق ھا ھنا لدفع الا ختلاف وھو جائز (ج ۴ ص ۲۶۴) (ترجمہ) مذکورہ صورت میں جلانا اختلاف مٹانے کے لئے ہے اور یہ جائز ہے۔

اور ''امداد الفتاوی'' میں ہے ''اس احراق (جلانے) میں اختلاف ہے اس لئے فعل میں بھی گنجائش ہے اور ترک احوط ہے ج ۴ ص ۵۵ قرآن مجید قبلہ و دیگر قابل تعظیم اشیاء کے احکام غرض کہ جہاں پر محفوظ مقام پر دفن کرنا اور پانی میں ڈبونا دشوار ہو یا بعد میں بھی بے حرمتی کا احتمال ہو تو بے حرمتی سے بچانے کی غرض سے جلانے کی گنجائش ہے (ضرورۃً جائز ہے فتاوی سراجیہ میں ہے اذا صار المصحف الی قولہ یغسل (ترجمہ) جب قرآن کہنہ اور بوسیدہ ناقابل انتفاع ہو جائے تو مناسب ہے کہ پاک کپڑے میں لپیٹ کر پاک جگہ میں دفن کر دیا جائے یا جلا دیا جائے (اور اس کی خاک کو پانی میں میں بہادیا جائے یا دفن کر دیا جائے) یا پانی سے دھو دیا جائے'' (ص ۷۷)

پس صورت مسئولہ میں اگر کسی نے اوراق کو بے حرمتی سے بچانے کی نیت سے ایسا کیا ہے تو اسے تنبیہ کے بعد درگذر کرنا چاہئے کہ اس کی نیت تحقیر کی اور توہین کی نہیں ہو سکتی، ایک مسلمان قصداً بے حرمتی کیسے کرے گا؟ ایک مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہئے۔ (بخاری باب کیف کان بدء والوحی الخ۔ ج۔ا ص ۲) انما الاعمال بالنیات (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے) ظنوا المومنین خیراً ابن کثیر سورۃ حجرات ص ۲۱۲ (مومنین سے حسن ظن رکھو) یآ یھا الذین امنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم (حجرات) حدیث شریف ہے۔ ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث تفسیر ابن کثیر سورۃ حجرات ج۔ ۷ ص ۲۱۲۔ (گمان سے بچو کہ گمان سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تلاوت قرآن پاک کا کیا طریقہ ہونا چاہئے؟:

(سوال ۶) قرآن مجید کی تلاوت معنی کے ساتھ پڑھے تو زیادہ اجر ملے گا یا محض تلاوت سے؟ معنی پڑھے تو کتنے درجہ بڑھ کر ثواب ملے؟ معنی کے ساتھ پڑھے تو تفسیر بھی پڑھنے کی ضرورت ہے؟ اگر تفسیر نہ پڑھے تو ثواب میں کمی ہوگی؟

(الجواب) بلاشبہ سمجھ کر پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے، سمجھنے میں جتنی محنت سے کام لے گا اتنا زیادہ اجر ملے گا۔[1]

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وعن عبیدۃ الملیکی و کانت لہ اصحبۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اھل القرآن لا تتو سدوا القرآن و اتلوہ حق تلاوتہ من آناء اللیل والنھار وافشوہ وتغنوہ و تدبروا ما فیہ لعلکم تفلحون ولا تعجلوا ثوابہ فان لہ ثوابا رواہ البیھقی فی شعب الایمان۔ زجاجۃ المصابیح کتاب فضائل القرآن ج۔ ۲ ص ۲۰۔

تلاوت قرآن مجید کا کیا طریقہ ہونا چاہئے؟:

(سوال ۷) کوئی آدمی رمضان میں پانچ ختم قرآن کرتا ہو اگر وہ معانی کے ساتھ پڑھے تو فقط ایک ختم ہوسکتا ہے، تو کون سے طریقہ سے پڑھنا اولیٰ ہے؟ اور کس طریقے سے پڑھنے میں زیادہ ثواب ملے گا؟

(الجواب) رمضان المبارک میں اکثر لوگوں کو تلاوت کی رغبت اور ختم کا شوق ہوتا ہے، اس لئے اس میں زیادہ دلجمعی ہوتی ہے، زیادہ پڑھا جاتا ہے اور زیادہ وقت اسی میں صرف ہوتا ہے، لہذا جس کو جس میں زیادہ دلچسپی ہو اس کے لئے وہ اختیار کرنا اولیٰ ہے واللہ اعلم بالصواب۔

گجراتی میں قران شریف لکھنا:

(سوال ۸) گجراتی حروف میں پورا قرآن اس طرح لکھا جائے کہ زبان اور تلفظ عربی ہی رہے تو اس میں کوئی حرج ہے ان پڑھ آدمی جو عربی میں قرآن شریف پڑھے ہوئے نہ ہوں وہ کلام پاک کی تلاوت کے ثواب سے محروم رہتے ہیں، ان کی سہولت اور خیر خواہی کے لئے مذکورہ طریقہ پر پورا قرآن گجراتی حروف میں لکھنا اور اس میں تلاوت کرنا ثواب کا کام ہے یا نہیں؟ اس کو مع دلائل تفصیل سے سمجھائیں؟

(الجواب) قران شریف گجراتی حروف میں لکھنے سے قرآنی رسم خط جو قرآن کا ایک رکن ہے، چھوٹ جاتا ہے اور تحریف رسمی لازم آتی ہے، جس سے احتراز ضروری ہے۔ مثلاً بسم اللہ کو گجراتی حروف میں لکھا جائے تو لفظ اللہ اور لفظ الرحمٰن اور لفظ الرحیم کی ابتدا کے دو حروف (الف لام) تحریر میں نہیں آئیں گے بسم للہ رحمٰن رحیم لکھا جائے گا اس طرح لکھنے میں صرف بسم اللہ شریف میں چھ حروف کی کمی آجاتی ہے تو غور فرمایئے پورا قرآن شریف گجراتی میں لکھا جائے تو کتنے حروف کم ہو جائیں گے حالانکہ معانی کی طرح حروف بھی قرآن ہونے میں شامل ہیں۔ دوسری جانب صورت یہ ہے کہ بعض آیتوں میں حروف زائد ہو جائیں گے مثلاً الٓمٓ میں قرآنی رسم خط کے بموجب صرف تین حروف ہیں لیکن گجراتی میں لکھا جائے تو نو حروف ہو جائیں گے۔ اب حساب لگایئے پورے قرآن شریف میں کتنی کمی بیشی ہو جائے گی اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ قرآنی رسم الخط قیاسی نہیں ہے، بلکہ توفیقی اور سماعی ہے لوح محفوظ میں تحریر شدہ قرآن کے رسم الخط کے مطابق ہے، منزل من اللہ ہے، تواتر اور اجماع سے ثابت ہے، اعجازی ہے، اس میں قرأت سبعہ وغیرہ شامل ہیں اور ساری قرأتیں جاری کی جاسکتی ہیں، یہ کمال اور خوبی گجراتی رسم الخط میں نہیں ہوسکتی لہذا اس کی اتباع واجب اور تبدیلی ناجائز اور حرام ہے۔ طریقہ یہ تھا کہ جب کلام پاک کی کوئی آیت یا سورت نازل ہوتی، تو آنحضرت ﷺ کاتبین وحی میں سے کسی کو بلا کر لکھواتے اور ہر لفظ کا رسم الخط کاتب وحی کو تعلیم فرماتے، جسے آنحضرت ﷺ وحی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کی معرفت سیکھتے تھے۔ جب خلیفہ اول حضرت صدیق اکبرؓ کے دورِ خلافت میں یہ طے ہوا کہ جو آیتیں اور سورتیں لکھی ہوئی مختلف حضرات کے پاس ہیں ان سب کو کتابی صورت میں ایک جگہ کر دیا جائے تو کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ نے بڑی احتیاط اور پوری توجہ سے اسی اصلی رسم الخط کے مطابق جو آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے بموجب آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں لکھا گیا تھا پورا قرآن شریف لکھا، اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے قرآن لکھوایا تو انہی کاتب ! ارحی حضرت زید بن ثابتؓ کو وہ عظیم الشان خدمت سپرد ہوئی، جب کہ پچاس ہزار

صحابہؓ موجود تھے، لہذا اس مصحف عثمانی کے رسم الخط کا خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔ چاروں ائمہؒ اس رسم الخط کو ضروری مانتے ہیں۔ خدا پاک کا ارشاد ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (ترجمہ) ہم ہی نے قرآن نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں (سورۂ حجر)

مذکورہ ارشاد میں صرف قرآنی الفاظ کی حفاظت کا وعدہ نہیں ہے بلکہ الفاظ معانی اور رسم الخط سب ہی کی حفاظت کا وعدہ اور پیشینگوئی ہے۔ لہذا اس کا خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔ معانی اور علوم قرآن کی حفاظت میں علمائے دین مشغول ہیں تو الفاظ، عبارت اور طرز ادا کی حفاظت میں قراء منہمک ہیں اور رسم الخط کی حفاظت کاتبین قرآن کرر ہے ہیں جن کی پیروی ہم پر لازم ہے۔

مذکورہ بالا خرابیوں کے علاوہ یہ بھی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ:۔

(۱) عربی میں ''ح'' اور ''ہ'' میں فرق ہے گجراتی میں نہیں۔ (۲) عربی میں ''ق'' اور ''ک'' میں فرق ہے گجراتی میں نہیں (۳) عربی میں ''ء'' (ہمزہ) اور ''ع'' الگ الگ ہیں گجراتی میں نہیں (۴) عربی میں ''ت'' اور ''ط'' جدا جدا ہیں گجراتی میں نہیں (۵) عربی میں ''س'' اور ''ص'' اور ''ث'' میں فرق ہوتا ہے گجراتی میں نہیں (۶) عربی میں ''ذ'' ''ض'' ''ز'' اور ''ظ'' میں فرق ہوتا ہے گجراتی میں نہیں۔ مطلب یہ کہ عربی میں جس طرح ہ اور ح، ق اور ک، ع اور ء، اور ت ط اور س، ص، ث اور ذ، ض، ز، ظ کے رسم الخط اور ادائیگی میں نمایاں فرق ہے، یہ فرق اور امتیاز گجراتی میں نہیں ہے، اگر علامتیں مقرر کی جائیں پھر بھی ناقص ہیں، جس میں تحریر اور رسم الخط کی تحریف کے ساتھ ساتھ ادائیگی میں نمایاں فرق ظاہر ہوگا، جس سے بیسیوں غلطیاں اور غلط تلفظ سے حروف میں تبدیلی آنے کی وجہ سے مطلب بھی بدل جائے گا۔ اور ثواب کی جگہ عقاب اور رحمت کی جگہ لعنت کا حق دار ہوگا، جیسا کہ مشہور فرمان ہے رب تال یلعنہ القران (یعنی) بہت سے قرآن کے تلاوت کرنے والے ایسے ہیں کہ جن پر قرآن لعنت کرتا ہے۔

حضرت امام ابن جوزیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ بے شک جس طرح امت کے لئے مطلب قرآنی کا سمجھنا اور اس کے حدود کو قائم رکھنا عبادت ہے، اسی طرح صحیح پڑھنا اور حروف کو طریقہ کے مطابق ٹھیک ٹھیک ادا کرنا بھی عبادت ہے۔ قرآن شریف قابل استاد کے پاس صحیح تلفظ سے پڑھے بغیر عربی رسم الخط میں بھی صحیح پڑھنا دشوار ہے تو ان پڑھ آدمی گجراتی رسم الخط میں کس طرح صحیح پڑھ سکتا ہے؟ صحیح پڑھنا دشوار ہے، اس سے بہتر تو یہ ہے کہ جو سورتیں زبانی صحیح یاد ہیں وہی پڑھا کرے مگر گجراتی میں نہ پڑھے کیونکہ غلط پڑھنا حرام ہے۔

(اتقان، درمختار۔ شامی۔ فتاویٰ ابن تیمیہ شرح جزری ملا علی قاری وغیرہ)

گجراتی میں قرآن لکھنے کے متعلق کچھ زائد:

(سوال ۹) آپ نے گجراتی رسم الخط میں لکھے ہوئے قرآن مجید کی تلاوت سے سخت ممانعت کا فتویٰ دیا ہے مگر گاؤں میں تو اکثر لوگ عربی سے بالکل ناواقف ہیں اور گجراتی ہی میں تلاوت کر کے مستحق ثواب بنتے ہیں، گجراتی رسم الخط میں لکھے ہوئے قرآن میں تلاوت کا حرام ہونا کون سی حدیث میں ہے؟ ایسی کوئی حدیث دیکھنے میں تو نہیں آئی۔

جو محض گجراتی ہی سے واقف ہیں، جو پیدائشی گجراتی ہیں اور عربی رسم الخط میں تعلیم پاوے ایسے نہیں ہیں اور پائی بھی نہیں ہے، ایسے لوگ روزانہ صبح میں تلاوت کرنے کے خاص شوقین اور عادی ہیں، وہ لوگ اب کیا کریں؟

(الجواب) اس فتویٰ میں آپ کے تمام اشکالات کا جواب موجود ہے۔ کاش آپ نے غور سے فتویٰ پڑھا ہوتا! عبادات اور مامور بہ اعمال کے صحیح اور مقبول ہونے کے لئے جو ارکان و شروط مقرر ہوتی ہیں ان کو عمل میں نہ لانے اور اس کے خلاف کرنے سے وہ عمل باطل اور فاسد ہو جاتا ہے بلکہ کبھی عذاب وعقاب کا باعث بھی ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں **فویل للمصلین الذین هم عن صلوٰتهم ساهون.** (ترجمہ) ان نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔ (سورۂ ماعون)

حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا بعض لوگ ساٹھ سال تک نماز پڑھتے رہتے ہیں لیکن ان کی ایک بھی نماز قبول نہیں ہوتی، اس لئے کہ اگر رکوع صحیح ادا کرتے ہیں تو سجدہ صحیح نہیں کرتے اور سجدہ صحیح کرتے ہیں تو رکوع ٹھیک نہیں کرتے۔

ایک حدیث میں ہے، آنحضرت ﷺ نے ایک نمازی کو رکوع و سجود ٹھیک سے ادا نہ کرتا ہوا دیکھ کر فرمایا **لو مات هذا على حالته هذا مات على غير ملة محمد** (ﷺ) (ترجمہ) اگر یہ شخص اپنی اسی حالت میں مر جائے تو محمد ﷺ کے دین پر اس کی موت نہ ہوگی۔ (مجالس الابرار ص ۳۴)

ایک روایت میں ایسے نمازیوں کے متعلق جو شرعی عذر بغیر مسجد چھوڑ کر اپنے گھر ہی میں نماز کے عادی ہیں **لضللتم** (یقیناً تم گمراہ ہو جاؤ گے) فرمایا گیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

دیکھئے! مذکورہ بالا مثالوں میں نماز کے اصول وقواعد اور اس کی اقامت (تکمیل) کی شرط کے خلاف نماز پڑھنے والوں کے متعلق کتنی سخت وعیدیں آئی ہیں، تلاوت قرآن بھی ایک عظیم الشان عبادت اور بڑے اجر کا کام ہے، ایسے کام میں بے احتیاطی اور غفلت برت کر اسے خلاف اصول غلط طریقہ سے پڑھنے والا بھی گنہگار اور قابل وعید ہے۔ ''فتاویٰ بزازیہ'' میں ہے۔ **قراءة القران بالالحان معصية والتالي والسامع اثمان.** قرآن کا غلط اور بے قاعدہ پڑھنا معصیت ہے۔ تالی (تلاوت کرنے والا) اور مستمع (سننے والا) دونوں گنہگار ہیں (ج ۳ ص ۴۷۹)

قرآن مجید خالص عربی اور نہایت فصیح وبلیغ عربی زبان میں نازل ہوا ہے، لہٰذا اس زبان کے اصول اس کے امتیازات اور اس کی ادائیگی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، فرمان خداوندی **ورتل القران ترتيلا** (ترجمہ) قرآن کو ترتیل سے پڑھو ''ترتیل کی تفسیر حضرت علیؓ نے یہ بیان فرمائی ہے، حروف کو تجوید یعنی ان کے مخارج اور صفات سے ادا کرنا نیز وقف اور اس کے اصول جان کر ان پر عمل کرنا۔'' (شرح جزری)

اس کے متعلق علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تجوید سیکھنا یعنی قرآن صحیح پڑھنے کے قوانین کا سمجھنا اور انہیں اختیار کرنا، ان پر عمل کرنا ضروری اور لازمی ہے جو آدمی قرآن مجید کو صحیح طریقہ سے اس کے اصول کے مطابق نہ پڑھے وہ گنہگار ہے۔

والاخذ بالتجويد حتم لازم
من لم يجود القران اثم

(شرح ملا علی قاری)

ظاہری بات ہے کہ قرآن شریف جو عربی میں ہے جب تک کسی ماہر قرآن سے اس کو صحیح طور سے نہ پڑھ

لے گجراتی میں اس کو صحیح پڑھ لینا ناممکن ہے، پڑھنے والا بیسیوں غلطیوں کا مرتکب ہو کر فرمان نبوی: رب تال للقران والقران یلعنه (بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے) (العقد الفرید) کے مطابق قرآنی لعنت اور پھٹکار کا مستحق ہوگا (اعاذنا الله منها) (ایسے ہی موقعوں کے لئے کہا گیا ہے۔

گر تو قرآن بدیں نمط خوانی
ببری رونق مسلمانی

(اگر تو اسی طرح غلط سلط قرآن پڑھتا ہے تو یقیناً مسلمانی کی رونق ختم کرتا ہے)

جو لوگ گجرات میں پیدا ہوئے ہیں اور گجراتی ہی سے واقف ہیں، ان کے لئے عربی پڑھنا دشوار ہے، یہ بات کتنی سادہ ہے، کیا اور زبانوں کے لئے بھی یہ دلیل پیش کی جاسکتی ہے یا صرف عربی زبان کے لئے ہی پیش کی جاتی ہے؟ ذرا غور تو کرو، مثلاً انگریزی زبان کو لو کیا اس کے لئے بھی یہ دلیل ٹھیک رہے گی؟ یقیناً نہیں، یہاں تو حالت برعکس ہے، کہاں ایک طرف عربی سیکھنا دشوار اور دوسری جانب زبان سیکھنا تو درکنار اس زبان والوں (انگریزوں) کے رنگ میں رنگ جانا بھی مشکل نہیں رہتا بلکہ آسان ہو جاتا ہے۔

بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تابہ کجا

لہذا ایسے بہانے مت کرو؟ جب حضور ﷺ بارگاہ خداوندی میں فریاد پیش کریں گے کہ یارب ان قومی اتخذوا هذا القران مهجوراً تو سوچو اس وقت کیا جواب ہوگا۔ قرآن شریف عربی میں ہی پڑھنے کی کوشش کرو، ہمارے نبی عربی، قرآن عربی اور جنتیوں کی زبان بھی عربی ہے لہذا عربی سے محبت رکھنا ضروری ہے، مسجد کے امام کے پاس روزانہ تھوڑا تھوڑا سیکھنے کی کوشش کرو، حدیث شریف میں ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا جس کو قرآن کی تلاوت میں مشغولیت کی وجہ سے میرے ذکر اور دعا کا موقعہ نہ ملتا ہو اس کو دعا مانگنے والوں سے زیادہ عطا کروں گا (مشکوٰۃ شریف)

جس کو کبر سنی کی وجہ سے عربی سیکھنا دشوار ہو، وہ جو سورتیں اس کو یاد ہیں انہیں کی بار بار تلاوت کرتا رہے، مگر گجراتی رسم الخط والے قرآن میں تلاوت نہ کرے، اس لئے کہ گجراتی میں صحیح پڑھنا دشوار ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قرآن مجید کا ترجمہ انگلش میں کر سکتے ہیں؟:

(سوال ۱۰) قرآن مجید کا ترجمہ انگلش وغیرہ زبانوں میں کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) ہاں! تبلیغ کے مقصد سے کر سکتے ہیں فقط واللہ اعلم بالصواب۔

”قرآن مجید کا ترجمہ بلا وضو چھو سکتے ہیں؟“

(سوال ۱۱) مذکورہ ترجمہ کو بلا وضو چھو سکتے ہیں یا نہیں؟ اور غیر مسلم کے ہاتھوں میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) ترجمہ مسلمانوں کے حق میں قرآن کا حکم رکھتا ہے، لہذا بلا وضو کے نہ چھوئے۔ (۱) غیر مسلم کو تبلیغ کی غرض سے دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ولو كان القرآن مكتوباً بالفارسية يكره لهم مسه عند أبي حنيفة وكذا عندهما على الصحيح هكذا في الخلاصة فتاوى عالمگیری ج ۱ ص ۳۹.

''قرآن مجید میں سے بالوں کا نکلنا''

(سوال ۱۲) کئی دنوں سے مسلمانوں میں قران مجید میں سے بال نکلنے کی خوب بحث چلتی ہے بعضوں کا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بال مبارک ہیں، اس لئے وہ لوگ اس کو عطر میں رکھتے ہیں، اس پر درودخوانی ہوتی ہے، اس کی زیارت کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ کسی بزرگ کی کرامت ہے، لہٰذا اس کی تعظیم ضروری ہے، مذکورہ امر میں تشریح کریں۔ان بالوں کا کیا کیا جائے وہ بھی بتلائیں؟

(الجواب) کوئی جگہ بالوں سے خالی نہیں ہے، سر کے بھنوؤں کے، مونچھ کے داڑھی اور بدن کے ہزاروں لاکھوں بالوں میں سے نہ معلوم روز اور کتنے بال گرتے ٹوٹتے مُڈوائے اور کتروائے جاتے ہیں وہ ہوا میں اڑ کر ادھر ادھر گھس جاتے ہیں؟ قرآن شریف میں برسوں سے پڑھے جاتے ہیں اور گھنٹوں کھلے رہتے ہیں ان میں گھر میں گرے ہوئے بال ہوا سے اڑ کر اور پڑھنے والے کے سر کے بال کھجلانے سے ٹوٹ کر گرتے ہیں اور برسوں اوراق کی تہہ میں دبے رہتے ہیں پس اگر تلاش کرنے کے بعد کوئی بال مل جائے تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے بلکہ استعمال شدہ قرآنوں میں بال نہ نکلنا حیرت ناک ہے۔

قرآن مجید میں سے نکلے ہوئے بالوں کو پیغمبر ﷺ کے مبارک بال سمجھ لینا، ان پر درودخوانی کرنا، ان کی زیارت کرنا، کروانا ایمان کھونے جیسی حرکت ہے اور اسے کرامت سمجھنا بھی جہالت ہے۔

ہر حیرت کی بات کرامت نہیں ہوتی بلکہ استدراج اور شیطانی حرکت بھی ہوسکتی ہے، حضرت پیران پیرؒ فرماتے ہیں کہ ''ایک دن سیر وسیاحت کرتے ہوئے میرا ایک ایسے جنگل میں گزر ہوا جہاں پانی نہیں تھا، چند دنوں تک وہیں ٹھیرنا پڑا، پانی نہ ملنے کی وجہ سے سخت پیاس لگی، حق سبحانہ تعالیٰ نے بادل کا سایہ میری اوپر کردیا اور اس بادل سے چند قطرے ٹپکے جس سے مجھ کو کچھ تھوڑی بہت تسکین ہوئی، اس کے بعد ان بادلوں سے ایک روشنی نکلی جس نے آسمان کے تمام کناروں کو گھیر لیا، اور اس روشنی میں سے ایک عجیب وغریب صورت نمودار ہوئی جو مجھ سے مخاطب ہوکر کہنے لگی کہ اے عبدالقادر میں تیرا پروردگار ہوں تجھ پر تمام حرام چیزوں کو حلال کرتا ہوں (اس لئے) جو چاہو کرو (کوئی باز پرس نہ ہوگی) میں نے کہا اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم. اے شیطان ملعون! راندہ درگاہ دور ہوجا اور بھاگ یہاں سے یہ کیا بات ہے؟ اس کے بعد ہی فوراً وہ روشنی تاریکی سے بدل گئی اور اندھیرا چھا گیا، وہ صورت غائب ہوگئی اور آواز آئی اے عبدالقادر تم نے اپنے علم وفہم کی وجہ سے (جو احکام الٰہی سے حاصل کئے ہیں) اور اپنے مرتبہ کے ذریعہ مجھ سے نجات پائی ہے (ورنہ) میں اس جگہ ستر ۷۰ بزرگوں اور صوفیوں کو گمراہ کرچکا ہوں ایک بھی سیدھے راستے پر قائم نہ رہ سکا۔ (البلاغ المبین ص ۳۴ تصنیف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ)

اس سے معلوم ہوا کہ ہر ایک تعجب خیز چیز کو کرامت سمجھ لینا یہ گمراہی کی علامت ہے، دجال کے کرشمے بڑے تعجب انگیز ہوں گے، مردوں کو زندہ کرنے کا کرشمہ دکھائے گا، اس کے ساتھ اس کی جنت اور دوزخ بھی ہوگی، جو اس کو مانے گا اس کو وہ جنت میں اور نہ ماننے والے کو دوزخ میں ڈالے گا سخت قحط سالی کے زمانے میں کسی کے پاس غلہ نہ ہوگا اس وقت جو اس کو مانے گا اسے وہ دے گا بارش برسائے گا، غلہ پیدا کرے گا، زمین میں مدفون خزانے اس کے

تابع ہو جائیں گے، ایسے حالات میں آج کل کے بال پرست اور ضعیف العقیدہ لوگ اپنا ایمان کیونکر محفوظ رکھ سکیں گے۔

ایمان اور عقیدہ کی سلامتی کے لئے حضرت عمر فاروقؓ نے ایک مقدس تاریخی درخت جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے محض اس لئے کٹوادیا کہ لوگ اس کی زیارت کے لئے بڑے اہتمام سے آتے تھے، اسی طرح مکہ ومدینہ کے راستہ میں وہ جگہ جہاں آنحضرت ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی، وہاں لوگوں کو بڑے اہتمام سے جاتے ہوئے دیکھ کر ان کو تنبیہ فرمائی اور فرمایا **فانما هلک من کان قبلکم بمثل ذلک کانوا یتبعون اثار الانبیاء** (تم سے پہلی قومیں اسی لئے ہلاک و برباد ہوئیں کہ تمہارے اس فعل کی طرح وہ اپنے نبیوں کے نشانات کے پیچھے لگا کرتی تھیں۔(البلاغ المبین ص ۷)

یہ دونوں مثالیں مسلمانوں کے لئے سبق آموز ہیں۔ آدمی کے بدن سے علیحدہ شدہ بالوں کے لئے اولیٰ یہ ہے کہ ان کو زمین میں دفن کردیا جائے ان کو پھینک دینا بھی جائز ہے مگر پاخانے یا غسل خانے میں نہ ڈالے اس لئے کہ اس سے مرض پیدا ہوتا ہے۔ **فاذا قلم اظفاره او جز شعره ینبغی ان یدفن ذلک الظفر والشعر المجزوز فان رمی به فلا بأس وان القاه فی الکنیف اوفی المغتسل یکره ذلک لان ذلک یورث داء کذا فی فتاویٰ قاضی خان (فتاویٰ عالمگیری ج۵ ص ۳۵۸ کتاب. کراهیة الباب التاسع عشر فی الختان والحضاء وقلم الا ظفار الخ. فقط و الله اعلم بالصواب.)**

نوٹ:۔ بھائیو! قرآن شریف اللہ کا قانون ہے یہ ایک کامل اور بہترین دستور العمل ہے اس میں بھلائی اور ہدایت کا راستہ تلاش کرنا چاہئے جسے اختیار کرکے دین اور دنیا کی بھلائی حاصل کرسکتے ہیں۔ مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج ہم نیکی اور ہدایت کے راستہ کی تلاش چھوڑ کر قرآن شریف میں بال تلاش کرنے لگے ہیں اور اگر اتفاق سے کوئی بال نکل آتا ہے تو اس کی پرستش میں لگ جاتے ہیں (معاذ اللہ) کتنے افسوس کا مقام ہے۔ اللہ ہم سب کو نیک توفیق عنایت کرے۔ آمین۔ فقط واللہ اعلم۔

لِمَا تَصِفُ صحیح ہے یا لِمْ تَصِفُ:

(سوال ۱۳) استفتاء۔ یہاں ایک مولانا جو حافظ، قاری، مولوی بھی ہیں وہ تراویح پڑھاتے ہیں۔ جب پڑھتے پڑھتے۔ ولاتقولوالما تصف (پ۱۴) پر پہنچے تو لما کا الف نہ پڑا کہ جس کا تلفظ لم ہوتا ہے۔ ہم نے لقمہ دیا تو لقمہ نہیں لیا۔ تراویح کے بعد پوچھا تو کہنے لگے کہ الف نہ پڑھا جائے گا۔ آپ تفصیل فرمائیے۔

(الجواب) ولاتقولوالم لتصف میں لما کا الف پڑھا جائے۔ مولوی صاحب جو کہہ رہے ہیں۔ کہ الف نہ پڑھا جائے گا۔ صحیح نہیں! فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تفسیر بالرائے کا شرعی حکم:

(سوال ۱۴) حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم ...... سلام مسنون!

یہاں پورے یوروپ، امریکہ اور کنیڈا میں ایک فتنہ عرصہ سے چل رہا ہے وہ ہے ”تفسیر بالرائے“ کا

یونیورسٹی کے طلباء وطالبات مخلوط طور پر درس قرآن کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ایک شخص قرآن پاک کی ایک آیت پڑھتا ہے پھر تفہیم القرآن یا کسی اور تفسیر سے ترجمہ کرتا ہے پھر کہتا ہے پروفیسر صاحب! آپ کا اس آیت کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ڈاکٹر صاحب آپ کے خیال میں اس آیت سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ فلاں صاحبہ! آپ کے نزدیک آیت سے کیا مراد ہے؟ غرض اس طرح تفسیر چل پڑی ہے اور اس کو وہ لوگ درس قرآن کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

تفسیر بالرائے کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ اپنی سمجھ اور عقل سے اس طرح تفسیر کرنا جو سوال میں درج کی گئی ہے درست ہے؟ مفصل ومدلل جواب مرحمت فرمائیں۔ بڑی پیانہ پر طبع کروا کر پورے یورپ وامریکہ میں پہنچانے کا ارادہ ہے۔فقط والسلام مع الاحترام بینوا توجروا۔(مولانا) محمد عیسیٰ کاوی۔یو۔کے۔

بواسطہ محترم جناب منشی عیسیٰ بھائی کاوی ضلع بھروچ۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً: درس قرآن کا یہ طریقہ جو سوال میں مذکور ہے کہ ''یونیورسٹی کے طلباء طالبات مخلوط طور پر درس قرآن کے لئے جمع ہوتے ہیں'' الخ یہ درس قرآن نہیں ہے بلکہ تحریف قرآن کا ناروا مشغلہ ہے۔جس کی پیشین گوئی حضرت معاذ بن جبلؓ نے کی ہے۔ابوداؤد(بذل شرح ابوداؤد ص ۱۹۱ ج ۵) میں حضرت معاذؓ کا ارشاد ہے کہ ''تمہارے بعد فتنوں کا زمانہ آنے والا ہے، مال کی کثرت ہوجائیگی اور قرآن عام ہوجائے گا۔حتیٰ کہ اس کو مؤمن اور منافق، مرد اور عورت، بڑا اور چھوٹا غلام اور آزاد سب پڑھنے لگیں گے (اور خود کو ماہر قران سمجھنے لگیں گے) ایک کہنے والا کہے گا کہ لوگ میری اتباع کیوں نہیں کرتے حالانکہ میں نے قرآن پڑھا ہے یہ اس وقت تک میری اتباع نہیں کریں گے جب تک کہ میں کوئی نئی بات نہ گھڑوں (یعنی تفسیر بالرائے نہ کروں) اس کے بعد حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ اپنے کوئی نئی بدعتوں سے بچاتے رہیو کیونکہ جو بدعت نکالی جائے گی وہ گمراہی ہوگی۔(ابوداؤد) لہذا جو شخص اپنے ذہن اور دماغ کی قوت سے قرآن کے مطالب کی اختراع کرتا ہے اور من پسند تفسیر کرتا ہے وہ قرآن کی تحریف کے درپے ہے اور بدترین قسم کا گمراہ ہے اور فرمان نبوی ﷺ "ضلوا فاضلوا" کا صحیح مصداق ہے اور اس کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔

رسول کریم ﷺ کی شان تو یہ تھی۔ **وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی**۔ یعنی کوئی فعل تو کیا ایک حرف بھی آپ کے زبان مبارک سے ایسا نہیں نکلتا جو نفسانی خواہشات پر مبنی ہو بلکہ آپ جو کچھ دین کے بارے میں قرآن کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔اس میں وحی متلو کو ''قرآن'' اور غیر متلو کو ''حدیث'' کہا جاتا ہے۔(سورۂ والنجم پ ۲۷)

قرآن کریم ایک جامع ومکمل کتاب ہے۔قرآن کریم کی جامعیت کا یہ مفہوم تو شاید کسی کے نزدیک نہ ہوگا کہ وہ تعلیم اور توضیح کا محتاج نہیں اور لوگ اپنی اپنی سمجھ اور عقل سے بلا کسی رسول کی تعلیم کے اس کے مطالب ومراد سمجھ لیں۔اگر ایسا ہی ہوتا تو رسول کی بعثت بے فائدہ ہوتی قرآن کریم براہ راست اتار دیا جاتا اور دنیا خود اس سے استفادہ کر لیتی لیکن قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت کے لئے قرآن کی تعلیم وتفہیم کے لئے رسول کی بعثت عمل میں آئی ہے رسول کے واسطہ کے بغیر کتاب اللہ کا سمجھنا ممکن نہیں خدا کا فرشتہ کتاب اللہ کی پہلے رسول کو تعلیم دیتا ہے۔

پھر رسول اس پر مامور ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو اس کی تعلیم دے۔ **علمه شديد القوىٰ**۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت رسول مقبول ﷺ کی بعثت کا مقصد جہاں۔ **يتلون عليهم آياته** (تلاوت کتاب) اور **ويزكيهم** (تزکیہ وتطہیر مؤمنین) قرار دیا گیا ہے وہاں آپ کی بعثت کا اہم مقصد **ويعلمهم الكتاب والحكمة** (تعلیم کتاب اللہ اور بیان آیات) بھی ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہے **وانزلنا اليك الذكر لتبين للناس**. ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے سامنے اسے خوب واضح کر کے بیان کردیں۔ اس بناء پر آپ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے معانی آیات کے بیان کا فریضہ انجام دیا اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خاص کر خلفائے راشدین، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، اور عبداللہ بن زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے ماہرین تفسیر کے ذریعہ منتقل ہو کر ہم تک پہنچا۔ فہم قرآن میں اس واسطہ کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو "باب العلم" کہا گیا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم کوئی آیت ایسی نازل نہیں ہوئی جس کے متعلق میں یہ نہ جانتا ہوں کہ وہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی (اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بھی بیان ہے) اور حضرت علیؓ نے فرمایا ہے **ان ربى وهب لى قلباً عقولاً ولساناً سؤلاً**۔ میرے رب نے مجھے سمجھدار دل اور تحقیق کرنے والی زبان عطا فرمائی ہے۔ آپ حضور اکرم ﷺ سے ہر چیز کی تحقیق فرمایا کرتے۔ اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ عقل و سمجھ کے ساتھ استاذ کی بھی ضرورت ہے کہ جو اس کی صحیح نور پر رہنمائی کر سکے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد حضرت مسروق کا بیان ہے "**كان عبد الله يقرء علينا السورة ثم يحدثنا فيها ويفسرها عامة النهار**" یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہمارے سامنے ایک سورت تلاوت فرماتے اور پھر دن بھر اس کے متعلق احادیث بیان فرماتے اور اس کی تشریح وتفسیر فرماتے (طبری ص ۱۷ ج ۱) اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اعلم بکتاب اللہ ہونا صحابہ میں مسلم تھا (استیعاب ج ۱ ص ۳۷۳) حضرات صحابہؓ نے یہ تمام علوم، منبع علوم وسرچشمۂ ہدایت حضور اکرم ﷺ سے حاصل کئے تھے اور حضور اکرم ﷺ کی تعلیم وفیض صحبت نے صحابہ کے علوم میں ایسا عمق اور گہرائی اور ایسی نورانیت پیدا کر دی تھی کہ وہ خود معیار حق بن گئے، مرحوم اکبر الہ آبادیؒ نے خوب فرمایا ہے۔

در فشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا!

اس لئے سلف صالحین کی نظر میں حضرات صحابہ کے علم وفہم کی بہت زیادہ اہمیت تھی اور ہر دینی معاملہ میں ان حضرات کی سب سے پہلے یہی تلاش رہا کرتی تھی کہ اس میں صحابۂ کرامؓ کا کیا مسلک اور طریقہ تھا۔ اور جب ان کی رائے معلوم ہو جاتی تو اسی کو اپنے لئے اسوہ بنا لیتے اور اگر اس مسئلہ میں صحابۂ کرام کا باہمی اختلاف دیکھتے تو انہی کی آراء میں سے کسی کی رائے پر عمل کرتے اور اس سے باہر قدم نکالنا ضلالت وگمراہی تصور کرتے، چنانچہ امام محمد بن

سیرین جو جلیل القدر تابعی ہیں ان سے حج کے متعلق ایک مسئلہ دریافت کیا گیا تو فرمایا۔

کرھھا عمرو عثمان فان یکن علماً فھما اعلم منی وان یکن رأیا فرأیھما افضل.

(جامع بیان العلم ج ۲ ص ۳۱)

حضرت عمر فاروقؓ اور عثمان غنیؓ اسے مکروہ سمجھتے تھے اب اگر یہ علم تھا تو وہ مجھ سے اعلم تھے اور اگر ان کی رائے تھی تو ان کی رائے میری رائے سے زیادہ بہتر ہے۔

غور کیجئے! جلیل القدر تابعی امام ابن سیرین رحمہ اللہ کے علم اور ان کی رائے کے مقابلہ میں اپنے علم و رائے کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ جب کہ اس زمانہ کے بعض روشن خیال تفسیر میں سلف کے علم و اجتہاد سے بے نیازی کا اظہار کرتے ہیں۔

امام اوزاعیؒ نے اپنے ایک شاگرد بقیہ بن ولید سے فرمایا:۔

یابقیة ! العلم ماجاء عن اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم وما لم یجئی فلیس بعلم

(جامع بیان العلم ج ۲ ص ۲۹).

اے بقیہ! علم تو بس وہی ہے جو آنحضور ﷺ کے اصحاب سے منقول ہو اور جو ان سے منقول نہیں وہ علم ہی نہیں۔

عامر شعبیؒ فرماتے ہیں:۔

ما حدثوک عن اصحاب رسو ل الله صلی الله علیه وسلم فخذبه وما قالوا فیه برأیھم فبل علیه (جامع بیان العم ج ۲ ص ۳۲)

لوگ جو باتیں تمہارے سامنے آنحضور ﷺ کے صحابہ کی طرف سے نقل کریں تو انہیں اختیار کرلو، اور جو اپنی رائے سے کہیں اسے نفرت کے ساتھ چھوڑ دو۔

اس طرح کے بہت سے آثار سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلاف کے یہاں صحابہ کے علم کا کتنا وزن تھا۔ ان کے یہاں اس علم کی اس قدر قدر و قیمت کیوں تھی؟ اس کا راز یہ ہے کہ جس طرح سنت مقاصد قرآنیہ کے لئے کاشف ہے اسی طرح صحابہؓ کے کلمات مقاصد سنت کی شرح کرنے والے ہیں۔ کیونکہ یہ کلمات اگر حضور اکرم ﷺ سے سنے ہوئے ہیں تو ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نقل سے افضل کوئی نقل نہیں ہوسکتی اور اگر وہ ان کی اپنی اجتہادی رائے ہے تو دین میں ان کی اجتہادی رائے سے افضل کس کی رائے ہوسکتی ہے؟

خلاصہ یہ کہ احادیث اور آپ کے فیض یافتہ صحابہؓ اور ان کے فیض یافتہ تابعین و تبع تابعین و سلف صالحین کے آثار و اقوال کو بالائے طاق رکھ کر اپنی سمجھ اور عقل سے قرآن کے صحیح مطالب و مراد تک رسائی ناممکن ہے۔ اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے تفسیر بالرائے (یعنی اپنی رائے اور عقل سے من پسند تفسیر کرنا) کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے۔

من قال فی القران بغیر علم فلیتبوا مقعده' من النار ،(رواه الترمذی،مشکوٰۃ ص ۳۵)

جس نے علم حاصل کئے بغیر قرآن کا مطلب بیان کیا تو اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے۔ قیل یخشی علیہ

الکفر ،اس کے حق میں کفر (اور سوء خاتمہ) کا اندیشہ ہے (مرقاۃ ج ا ص ۱۹۱)

(۲) من قال في القران برائه فاصاب فقد اخطأ .(رواه الترمذی وابو داؤد (مشکوٰۃ شریف ص ۳۵)

یعنی :۔جس نے قرآن کی تشریح اپنی عقل اور سمجھ سے کی اگر (اتفاق سے) وہ صحیح بھی ہو تب بھی وہ خطاوار ہے (اس لئے کہ اس کو یہ حق ہی نہیں تھا کہ قرآن میں اپنی رائے کو دخل دے)

قرآن پاک کی تفسیر کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ اہل فن نے تفسیر کے لئے پندرہ علوم میں مہارت کو ضروری بتایا ہے (جس طرح دریا کی تہ سے موتی و مرجان نکالنے سے پہلے اس کے تمام طریقوں کو اپنانا ہوتا ہے اور اس کے متعلق آلات کا استعمال ناگزیر ہوتا ہے ان طریقوں اور آلات کو اپنائے بغیر اگر کوئی دریا میں غوطہ لگائے گا تو تہ میں سے موتی و مرجان نکالنے میں تو کیا کامیابی ہوگی اپنی جان ہی ضائع کر دے گا) بالکل اسی طرح قرآنی علوم اور اس کی گہرائی تک رسائی کے لئے پندرہ علوم میں مہارت کو ضروری بتایا گیا ہے وہ یہ ہیں (۱) لغت (۲) علم نحو (۳) علم صرف واشتقاق (۴) علم معانی (۵) علم بیان (۶) علم بدیع ۔آخر الذکر تینوں فن "علم بلاغت" کہلاتے ہیں مفسر بننے کے لئے یہ تینوں اہم علوم میں سے ہیں اس لئے کہ کلام پاک جو سراسر اعجاز ہے ان علوم سے اس کا اعجاز معلوم ہوتا ہے ۔(۷) علم تجوید وقراءت (۸) علم عقائد (۹) اصول فقہ (۱۰) قصص و اسباب نزول کا معلوم ہونا (۱۱) ناسخ و منسوخ کا معلوم ہونا (۱۲) علم فقہ سے واقف ہونا (۱۳) فرائض وحساب کا جاننا (۱۴) ان احادیث کا جاننا جو قرآن پاک کی مجمل آیات کی تفسیر واقع ہوئی ہیں ۔ان سب کے بعد پندرہواں وہ علم وہبی ہے جو حق تعالیٰ وسبحانہ کا عطیہ خاص ہے اور وہ اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرماتا ہے ۔(از شریعت وطریقت کا تلازم ۔الاحسان ملخص)

یہ تھی قرآن کی تفسیر کی عظمت سلف صالحین کی نظر میں اس کے بالمقابل اس قسم کے درس کے حامی ،صاحب تفہیم القرآن کے اقوال ملاحظہ ہوں ۔

(۱) اس میں (تفہیم القرآن میں) جس چیز کی میں نے کوشش کی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے قلب پر پڑتا ہے حتیٰ الامکان جوں کا توں اپنی زبان میں منتقل کردوں ۔" (ترجمان القرآن ۱۳۶۱ھ محرم ص ۲)

(۲) اس طرز تعلیم کو بدلنا چاہئے قرآن وسنت کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر تفسیر وحدیث کے پرانے ذخیروں سے نہیں" الخ (تنقیحات ص ۱۲۶)

حدیث وتفسیر کی جو متداول اور مقبول کتابیں ہیں (مثلاً بخاری ،مسلم ،ابوداؤد ،نسائی ابن ماجہ ، مؤطا امام مالک ،تفسیر ابن کثیر ،مظہری ،روح المعانی ،بیضاوی ،مدارک التنزیل وغیرہ وغیرہ) ان کو پرانا ذخیرہ کہہ کر بیکار اور ناقابل توجہ قرار دیا جارہا ہے اور ان سے آزاد ہو کر قرآن فہمی کی ترغیب دی جارہی ہے ۔چنانچہ ایک جگہ لکھا ہے ۔

"قران کے لئے کسی تفسیر کی حاجت نہیں ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر کافی ہے الخ" (تنقیحات ص ۲۲۲)

"بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا"

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت فرمایا کہ اس امت کا جب نبی ایک ،قبلہ

ایک، کتاب ایک ہے تو پھر اس میں اختلاف کیونکر پیدا ہوگا؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ ''اے امیر المؤمنین قرآن ہمارے سامنے اترا ہے ہم تو اس کے موارد نزول کو اچھی طرح جانتے ہیں لیکن آئندہ ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن تو پڑھیں گے مگر انہیں صحیح طور پر اس کے موارد، ومصادر کا علم نہ ہوگا پھر اس میں اپنی طرف سے رائے زنی شروع کریں گے اور اٹکل کے تیر چلائیں گے اس لئے ان میں اختلاف ہو جائے گا۔ اور جب اختلاف ہوگا تو لڑائیاں شروع ہوں گی۔ (الاعتصام ص ۱۵۷)

علامہ ابن تیمیہؒ اپنے تدبر فی القرآن کے طریقہ کے متعلق بیان فرماتے ہیں۔

ربما طالعت علی الایة الواحدة نحو مائة تفسیر، ثم اسأل الله الفهم واقول یا معلم آدم علیه السلام وابراهیم علمنی وکنت اذهب الی المساجد المهجورة ونحوها وامزغ وجهی فی التراب واقول یا معلم ابراهیم فهمنی .(العقود الدریة ص ۲۶، بحواله تاریخ دعوت عزیمت ص ۲۹ ج ۲)

بعض اوقات ایک ایک آیت کے لئے میں نے سو ۱۰۰ سو ۱۰۰ تفسیروں کا مطالعہ کیا ہے، مطالعہ کے بعد میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ مجھے اس آیت کا فہم عنایت ہو۔ میں عرض کرتا ''اے آدم وابراہیم کے معلم میری تعلیم فرما'' میں سنسان اور غیر آباد مسجدوں اور مقامات کی طرف چلا جاتا اپنی پیشانی خاک پر ملتا اور کہتا کہ اے ابراہیم کو تعلیم دینے والے مجھے سمجھ عطا فرما۔''

غور کیجئے علامہ ابن تیمیہ باوجود راسخ فی العلم ہونے کے سلف صالحین کے علم وفہم پر کتنا اعتماد کرتے تھے اور استفادہ کی غرض سے بعض بعض اوقات ایک ایک آیت کی تفسیر کے لئے اسلاف کی سو ۱۰۰ سو ۱۰۰ تفسیروں کا مطالعہ فرماتے تھے جب کہ اس زمانہ میں ان تفاسیر کو پرانا ذخیرہ کہا جا رہا ہے مزید برآں علامہ ابن تیمیہؒ اسلاف عظام کے علم و فہم اور ان کے متبع قرآن وسنت ہونے کی تعریف کرتے ہوئے اور ان کی اتباع کو واجب قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ **یجب علی المسلمین بعد مرا لاة الله ورسوله موالاة المؤمنین کما نطق به القران وخصوصاً العلماء الذین هم ورثة الانبیاء الذین جعلهم الله بمنزلة النجوم یهتدی بهم فی ظلمات البر والبحر......الخ (رفع الملام عن ائمة الاعلام للعلامة ابن تیمیه)**

یعنی مسلمانوں پر اللہ ورسول کی محبت کے بعد اہل ایمان کی دوستی اور محبت واجب ہے۔ جیسا کہ قرآن میں صاف صاف موجود ہے خصوصاً ان علماء کی دوستی اور محبت جو وارث انبیاء تھے اور جن کو اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کا مرتبہ عطا فرمایا جن سے تاریکیوں میں روشنی اور رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ تمام آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل دوسری امت کے علماء شرار امت تھے لیکن اس امت کے علماء خیر امت ہیں اس لئے کہ وہ اس امت میں رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشین ہیں وہ سنتوں کے زندہ کرنے والے ہیں۔ ان سے کتاب اللہ کی رونق اور رواج ہے اور وہ اس کے علم بردار ہیں، وہ کتاب اللہ کے ترجمان اور شارح اور کتاب اللہ ہی ان کی ورد زبان اور دلیل وبرہان ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ان ائمہ میں سے جو عام طور پر مسلمانوں میں مقبول ومعتمد ہیں (یعنی ائمہ اربعہ) ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو جان بوجھ کر رسول اللہ ﷺ کی کسی چھوٹی یا بڑی سنت کی مخالفت کرتا ہو۔ اس لئے کہ وہ سب اس پر متفق

تھے کہ آنحضرت ﷺ کی اتباع اور پیروی واجب ہے اور آپ ﷺ ہی کی تنہا وہ ذات ہے جس کے سب اقوال واحکام واجب القبول ہوں الخ۔ (از تاریخ دعوت وعزیمت ص ۱۰۱، ص ۱۰۲ حصہ دوم مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ)

الحاصل:۔ اس قسم کے درس قرآن اور ایسی مجلسوں سے احتراز ضروری ہے ورنہ عقائد واعمال خراب ہوں گے۔ اور ضال ومضل بنیں گے، اور ایسے لوگوں کی گمراہی ظاہر اور معلوم ہوجانے کے بعد ان کے ساتھ مخالطت اور میل جول رکھنا بھی جائز نہیں۔ خدا کا فرمان ہے۔ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔

ترجمہ:۔ (اے مسلمانو!) ان ظالموں کی طرف مت جھکو کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جاوے (پ ۱۲ سورہ ہود) اور ارشاد ہے:۔ فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین۔ ترجمہ (اور اگر شیطان تجھ کو بھلادے) تو یاد آنے کے بعد ایسے ظالموں کے پاس مت بیٹھو (سورۂ انعام پ ۷) اور حکماء کا مشہور مقولہ ہے۔ القبائح متعدیۃ والطبائع متسرقۃ۔ بری عادتیں متعدی ہوتی ہیں اور طبیعتیں چور ہیں کہ ہر کمزور سے کمزور بات سے متاثر ہوجاتی ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب وھو الھادی الی الصراط المستقیم۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس قسم کے فتنوں سے محفوظ رکھے اور صراط مستقیم (اسوۂ رسول اللہ ﷺ، وطریقۂ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین) پر قائم رکھے بحرمۃ سید المرسلین ﷺ۔ ۳ جمادی الثانی ۱۳۹۹ھ۔

قرآن مجید کی عظمت اور اس کے لئے تجوید کا لزوم:

(سوال ۱۵) محترم المقام مخدوم الانام حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم۔ بعد سلام مسنون ایک اہم اور ضروری امر کے لئے آپ کی طرف رجوع کررہا ہوں امید ہے کہ اس کا تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں گے۔

ہمارے یہاں لوگوں کا رجحان قرآن کریم کی تعلیم کی طرف بہت کم ہے۔ لوگ بچوں کو دوسری تعلیم بڑے ذوق شوق سے دلاتے ہیں مگر اس کی طرف ان کی توجہ بہت کم ہے، اور بعض جگہ کچھ تعلیم ہے مگر تجوید کا نام ونشان نہیں اور نہ قرآن پڑھانے والوں کی عظمت اور احترام لوگوں کے دلوں میں ہے آپ ایسے طریقے سے جواب عنایت فرمائیں کہ لوگوں کے قلوب میں قرآن مجید کی عظمت پیدا ہو اس کے پڑھانے والوں کا احترام کریں اور تجوید کا ذوق وشوق پیدا ہو۔ اور اس کی تعلیم کی طرف توجہ دینا شروع کریں۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء۔ فقط والسلام بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً:۔ قرآن کریم مؤمنین کے لئے بہت بڑی نعمت ہے اور یہ سب کتابوں سے افضل و اشرف ہے، اس کی شرافت اور فضیلت کے لئے یہی ایک خصوصیت کافی ہے کہ یہ اللہ کا مقدس کلام ہے۔ حدیث میں ہے خیر الحدیث۔ کتاب اللہ (مسلم شریف) یعنی اللہ کی کتاب (قران کریم) سب سے بہتر کلام ہے اور رحمۃ للعلمین وخاتم النبیین ﷺ پر نازل ہوا ہے، اور اس کی تعلیم کا فریضہ آپ کے سپرد فرمایا گیا ایک حدیث میں ہے:۔ فضل القران علی سائر الکلام کفضل اللہ علی سائر خلقہ (ترمذی شریف) (مشکوۃ شریف ص ۱۸۶) یعنی قرآن مجید کو دوسری کتابوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے خدا تعالیٰ کی فضیلت ساری مخلوق پر ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے۔ القران احب الی اللہ من السموت والارض۔ قرآن اللہ کے نزدیک آسمان اور زمین (اور جو کچھ ان میں ہے) سب سے زیادہ محبوب ہے۔

قرآن کریم سارے عالم کے لئے خدا کا آخری اور مکمل قانون ہے اس وجہ سے آسمانی کتابوں میں سب سے افضل، اعلیٰ وارفع ہے اور اس امت کا طرۂ امتیاز ہے ایک حدیث میں ہے ان لکل شئی شرفا یتبا ھون وانا بھاء امتی شرفھا القرآن. (رواہ فی الحلیۃ بحوالہ فضائل قرآن ص ۲۸) یعنی ہر چیز کے لئے کوئی افتخار (شرافت کی چیز) ہوتا ہے جس کے ذریعہ ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں اور میری امت کا افتخار اور رونق قرآن مجید ہے۔ دنیا میں لوگ اپنے خاندان، مال ودولت پر فخر کرتے ہیں اور اس کو اپنی شرافت کا ذریعہ سمجھتے ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وصحبہ وسلم نے فرمایا میری امت کے لئے فخر کی چیز قرآن مجید ہے جو شخص جتنا زیادہ اس کو حاصل کرے گا۔ سیکھے گا۔ اور پڑھے گا اور دوسروں کو سکھائے گا اس کا شوق بڑھتا ہی جائے گا۔ اور شرف بھی ایسا کہ دنیا کا کوئی بڑا سے بڑا شرف اس کی برابری نہیں کر سکتا۔

دنیا میں یوں تو ہزاروں کتابوں کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن قرآن کی تعلیم دینا اور اس کی تعلیم حاصل کرنا۔ یہ سب سے اعلیٰ قسم کی تعلیم ہے۔ کیونکہ دوسری کتابوں کی عبارتیں اور ان کے مضامین انسانی دماغوں کے تراشیدہ ہیں، جس کا علم ہمیشہ محدود اور ناقص رہا ہے اور آئندہ بھی ناقص ہی رہے گا۔ اور قرآن مجید اس ذات مقدسہ کے ارشادات گرامی ہیں جس کا علم غیر محدود ہے اور آسمان وزمین اور پوری کائنات کے ہر ہر جز کو حاوی اور شامل ہے لہذا قرآن مجید کے پڑھنے اور پڑھانے والے دوسری دنیوی کتابوں کے پڑھنے اور پڑھانے والوں سے اعلیٰ واشرف قرار دیئے جائیں گے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کا ارشاد ہے خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ تم میں بہترین وہ شخص ہے جو قرآن کی تعلیم حاصل کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔ (بخاری شریف، مشکوٰۃ شریف ص ۱۸۳) اور ایک حدیث میں ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:۔ یا ابا ھریرۃ تعلم القرآن وعلمہ الناس ولا تزال کذلک حتیٰ یأتیک الموت فان اتاک الموت وانت کذلک زارت الملائکۃ قبرا کما یزار البیت العتیق. یعنی اے ابوہریرہ! قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ اور موت آنے تک زندگی بھر یہی مشغلہ رکھو پھر اگر قرآن پڑھتے پڑھاتے موت آ گئی تو ملائکہ تمہاری قبر کی زیارت (قیامت تک) کرتے آتے رہیں گے جیسے کہ خانہ کعبہ کی زیارت کی جاتی ہے اور ایک حدیث میں ہے۔ اکرمو احملۃ القران فمن اکرمھم فقد اکرم اللہ الا فلا تنقصوا حملۃ القران حقوقھم فانھم من اللہ بمکان کا دحملۃ القران ان یکونوا انبیاء الا انہ لا یوحیٰ الیھم (عن ابن عمر) (کنز العمال) یعنی حفاظ قرآن کی عزت کرو کیونکہ جس نے ان کی عزت کی اس نے اللہ کی عزت کی۔ خبردار! حاملین قرآن کی بے حرمتی اور ان کے حقوق میں کمی نہ کرو اس لئے کہ ان کا اللہ کے نزدیک ایسا مرتبہ ہے کہ قریب ہے کہ نبی ہو جائیں مگر ان پر وحی نہیں آتی۔ اور ایک حدیث میں ہے۔ حامل القرآن حامل رأیۃ الاسلام ومن اکرمہ فقد اکرم اللہ ومن اھانہ علیہ لعنۃ اللہ (عن ابی امامۃ)۔ (کنز العمال) یعنی۔ حامل قرآن اسلام کا علمبردار ہے۔ جس نے اس کی عزت کی اس نے اللہ کی عزت کی۔ اور جس نے اس کو ذلیل کیا۔ اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے اذا مات حامل القران او حی اللہ تعالیٰ الی الارض ان لا تاکل لحمہ فتقول الارض کیف آکل لحمہ وکلامک فی جوفہ. (عن جابر بن عبداللہ) (کنز العمال)

حضرت جابر بن عبداللہ راوی ہیں فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جب حامل قرآن مر جاتا ہے تو

اللہ تعالیٰ زمین کو حکم کرتا ہے کہ وہ اس کے گوشت کو نہ کھائے زمین عرض کرتی ہے۔ آپ کا کلام اس کے پیٹ (اور سینہ) میں ہے پھر کس طرح میں اس کے گوشت کو کھا سکتی ہوں۔

نیز حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بروز قیامت تم قرآن شریف پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والے شخص سے کہا جائے گا کہ پڑھ اور درجے حاصل کر اور سنوار کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں پڑھا کرتا تھا۔ تیرا درجہ اسی آیت کے ختم پر ہے۔ جس کو تو پڑھے یعنی جتنی آیتیں پڑھے گا اتنے درجے ملیں گے۔ (ترمذی، نسائی، ابوداؤد)

جو لوگ دنیوی ترقی کے لئے دنیوی تعلیم میں مشغول ہو کر قرآن کی نعمت سے محروم رہے وہ کس قدر خسارہ میں ہیں؟

نیز حدیث میں ہے کہ بلا شبہ وہ شخص جس کے دل میں قرآن شریف نہ ہو وہ اجڑے ہوئے گھر جیسا ہے۔ (ترمذی وغیرہ) حضرت کا فرمان ہے جس نے قرآن پاک پڑھا اور اس کو یاد کیا یعنی حفظ کیا اور قرآن کے حلال بتائے ہوئے کو حلال اور اس کے حرام بتلائے ہوئے کو حرام سمجھا۔ اور عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ اور اس کے گھر کے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ جن کے لئے دوزخ واجب ہو چکی تھی۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

اللہ اکبر! قرآن پڑھنے پڑھانے والوں کی اللہ کے نزدیک کس قدر عزت اور قدر و منزلت ہے۔ قرآن اللہ کا کلام ہے اس کی عظمت کو کون بیان کر سکے، اس کی عظمت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ نزول وحی کے وقت حضور اکرم ﷺ کا چہرۂ انور سرخ ہو جاتا اور وحی کی شدت سے ایسا معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ کا دم گھٹ رہا ہے اور جب وحی کی آمد ختم ہو جاتی تو آپ کی پیشانی مبارک سے موتی کی طرح پسینہ کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کا سر مبارک جھک جاتا تھا۔ یہ دیکھ کر صحابہ بھی اپنا سر جھکا لیا کرتے تھے جب یہ حالت ختم ہوتی تو سر اٹھاتے۔ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ جب کلمہ ''اولی الضرر'' آپ ﷺ پر نازل ہو رہا تھا تو اس وقت آپ ﷺ کی ران مبارک میری ران کے اوپر تھی مجھے اپنی ران پر نا قابل برداشت بوجھ محسوس ہوا اور مجھے ایسا لگا جیسے میری ران چور چور ہو گئی، اس سے اندازہ کر لینا چاہئے کہ جب ایک کلمہ کا وزن حضرت زید بن ثابتؓ کو اتنا محسوس ہوا تو جس ذات قدسی پر پورا قرآن نازل ہوا اسے عام انسانوں سے کتنا امتیاز حاصل ہوگا۔ اور آپ نے کتنی شدت برداشت کی ہوگی۔ اور شدت وحی کا احساس صرف انسانوں ہی کو نہیں حیوانات کو بھی ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی اور آپ اس وقت اونٹنی پر سوار ہوتے تو وحی کے وزن اور شدت سے وہ بھی اپنی گردن نیچے ڈال دیتی اور جب تک وحی کی آمد جاری رہتی اپنی گردن ہلا نہیں سکتی تھی پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ انا سنلقی قولاً ثقیلاً ہم آپ پر ایک وزنی کلام اتارنے والے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے۔ لو انزلنا ھذا القران علیٰ جبل لرأیته خاشعاً متصدعاً من خشیة اللہ . اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو تم دیکھتے کہ وہ خدا کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا ہے۔ یہ ہے کلام الٰہی کی عظمت کہ اس کو نہ جانور اٹھا سکے نہ پہاڑ برداشت کر سکے۔

حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر عزیزی میں تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ

سے منقول ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تختیاں توریت کی عنایت ہوئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اندران کے اٹھانے کی طاقت نہ دیکھی حق تعالیٰ نے ایک ایک آیت اٹھانے کے واسطے ایک ایک فرشتہ بھیجا وہ بھی نہ اٹھا سکے اس کے بعد ایک ایک حرف کے واسطے ایک ایک فرشتہ بھیجا وہ بھی نہ اٹھا سکے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرشتوں کو ثقل معنوی معلوم ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اب تمہارے لئے اس کا اٹھانا میں نے آسان کر دیا۔ تب اٹھا کر بنی اسرائیل کے پاس لائے۔

غور فرمائیے! کلام الٰہی کی کتنی عظمت ہے کہ ایک ایک حرف کو ایک ایک فرشتہ بھی نہ اٹھا سکا یہ تو خدا کا فضل اور حضور اکرم ﷺ کا صدقہ ہے کہ قرآن مجید کو ہمارا چھوٹا سا بچہ یاد کر لیتا ہے۔ یہ صرف خدا کے آسان کر دینے کی وجہ سے ہے۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **ولقد یسرنا القران للذکر فھل من مدکر** .ہم نے قرآن پاک کو یاد کرنے اور سمجھنے کے لئے آسان کر دیا۔ ہے کوئی یاد کرنے والا اور سوچنے سمجھنے والا؟

کلام الٰہی کی عظمت کے پیش نظر ہمارے اسلاف قرآن پاک کا بہت احترام کرتے تھے۔ چنانچہ مسند دارمی میں حضرت ابن ملیکہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عکرمہ ابن ابی جہل رضی اللہ عنہ ادب واحترام کے خیال سے قرآن کو اپنے چہرے پر رکھتے اور فرماتے۔ ھذا کتاب ربی۔ ھذا کتاب ربی، یہ میرے رب کی کتاب ہے۔ یہ میرے رب کی کتاب ہے۔ اسی لئے علماء نے اس کی تلاوت کے آداب بیان فرمائے ہیں۔ آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ مسواک اور وضوء کرنے کے بعد کسی یکسوئی کی جگہ میں نہایت ادب سکون و تواضع کے ساتھ قبلہ رخ بیٹھے، چوزانو ہو کر اور ٹیک لگا کر نہ بیٹھے قرآن کی عظمت دل میں رکھے اور یہ تصور کرے کہ یہ اس ذات کا کلام ہے جو تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ پھر نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ تلاوت کرے اگر معنی سمجھتا ہے تو تدبر وتفکر کے ساتھ آیات رحمت ومغفرت پر رحمت اور مغفرت کی دعاء مانگے اور عذاب اور وعیدوں کی آیات پر اللہ کے عذاب سے پناہ مانگے، اور آیات تقدیس وتنزیہ پر سبحان اللہ کہے۔ اور بوقت تلاوت رونے کی سعی وکوشش کرے۔ اگر رونا نہ آئے تو بہ تکلف روئے اور رونے والوں جیسی صورت بنائے، آنحضرت ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ رویا کرتے تھے۔ نیز ارشاد فرمایا کہ جب قرآن کی تلاوت کرو تو رو‌و۔ اگر رونا نہ آئے تو بہ تکلف رو‌و۔ ایک دفعہ صالح مریؒ نے آنحضور ﷺ کو قرآن پاک سنایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ **یا صالح ھذہ القراءۃ فاین البکاء** ؟ اے صالح یہ تو قراءت ہوئی رونا کہاں گیا؟ اور ایک اہم ادب یہ بھی ہے کہ پڑھنے میں جلدی نہ کرے۔ قرآن کو اس کی فصیح زبان میں قواعد تجوید کے ساتھ پڑھے قرآن کو صحت در تجوید کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے۔ تجوید کلام الٰہی سے جدا نہیں ہو سکتی اگر قرآن مجید سے تجوید جدا ہوگئی تو قرآن مجید اپنی اصلی حیثیت پر باقی نہ رہے گا۔ اور اس طرح بے قاعدہ پڑھنے والا گنہگار ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

رب تال للقران و القران یلعنہ. کتنے لوگ قرآن کو اس طرح پڑھتے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔ اسی لئے امام القراء والتجوید علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

والاخذ بالتجوید حتم لازم

من لم یجود القران اثم

لانــــــه بــــــه الا لــــــه انــــزلا
وهــــكــــذا مــــنــــه الیــنــا وصــلا

یعنی تجوید کا حاصل کرنا اور قرآن کو تجوید کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے جس نے بے قاعدہ اور خلاف تجوید پڑھا وہ گنہگار ہے۔ اس لئے کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور اسی طرح تجوید کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔ لہٰذا قرآن کو تجوید اور قراءت کے ساتھ پڑھا جائے، قراءت سے وہ قراءت مراد ہے جو تواتر سے منقول ہو جیسے سات مشہور قراء تیں جس کو قراءت کے سات اماموں نے اختیار کیا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ہم ساتوں مشہور اور متواتر قراءتوں سے واقف ہوتے اور اپنی اولاد کو بھی واقف کراتے مگر افسوس صرف امام عاصمؒ کی قراءت بروایت امام حفصؒ کے سیکھنے کا بھی جیسا چاہئے اہتمام نہیں ہے اور عام طور پر غلط قرآن پڑھا جاتا ہے نہ مخارج کی ادائیگی کا خیال نہ صفات کی رعایت لحن جلی اور لحن خفی سے بھرپور ہوتا ہے کیا ایسا غلط قرآن پڑھنا اس نماز میں جائز ہوسکتا ہے جو امت کے ذمہ ایمان کے بعد سب سے اہم فریضہ ہے جس کی ادائیگی کے بغیر اسلام کی بنیاد اور عمارت ہی منہدم ہوجاتی ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے والصلوٰة عماد الدين فمن اقامها اقام الدين ومن هدمها فقد هدم الدين او كما قال صلى الله عليه وسلم اس نماز کے ارکان میں سے ایک اہم رکن قرآن کی قراءت بھی ہے اور قراءت صحیح اسی وقت ہوسکتی ہے جب تجوید سے پڑھی جائے۔

اور ایک ادب یہ بھی ہے کہ خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھے، نبی کریم ﷺ خوش آوازی سے پڑھنے کو بہت پسند فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ زینوا القرآن باصواتکم یعنی قرآن مجید کو اپنی آواز سے مزین کرو۔ لیکن یہ خوش الحانی قراءت کے قوائد کے مطابق ہونا چاہئے جو لوگ تجوید کا لحاظ نہیں کرتے اور لہجوں کی مشق کسی قاری سے کئے بغیر آواز گھٹا بڑھا کر پڑھتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔ اللہ ہمیں قرآن کے قدر کی توفیق عطا فرمادے اور امت میں اس کی تعلیم عام فرمادے اور اس پر عمل کی توفیق بخشے اور اس کی عظمت ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے۔ آمین۔

فقط واللہ اعلم بالصواب وھو الھادی الی الصراط المستقیم۔

ختم قرآن کے لئے اعلان کرنا:

(سوال ۱۶) ہمارے یہاں جب کسی کا انتقال ہوجاتا ہے تو مسجد میں بعد نماز یا قبرستان میں تدفین کے بعد یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں مسجد میں فلاں نماز کے بعد میت کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی ہوگی اور یہ طریقہ کئی سالوں سے جاری ہے اور بعض مرتبہ امام مسجد کے نہ بیٹھنے پر ان کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور بعض مرتبہ اس اعلان کے علاوہ اعزاء واقرباء کو قران خوانی میں شرکت کی خصوصی طور پر دعوت دی جاتی ہے تو اس طریقہ سے اعلان کر کے لوگوں کو جمع کرنا جس سے اجتماعی التزام مترشح ہوتا ہے تداعی میں داخل ہو کر حسب ذیل امداد الفتاویٰ کے فتوی کا مصداق ہوگا یا نہیں؟

(سوال) سال کے اکثر حصوں میں بزرگوں کی ارواح کے ایصال ثواب کے لئے لوگوں کو جمع کر کے بلا کسی خاص انتظام واوقات معینہ قرآن شریف پڑھا جاوے تو جائز ہے تو اپنے دوست واحباب کو شمولیت کے لئے کہنا کیسا ہے؟

(الجواب) یہ تداعی ہے غیر مقصود کے لئے جو بدعت اور مکروہ ہے۔ فقط (امداد الفتاویٰ جلد اول باب الجنائز)

(الجواب) وہوالموفق للصواب ۔ شامی میں اس قسم کی قرآن خوانی اور رسمی تقریبات کے متعلق معراج الدرایہ سے نقل فرماتے ہیں ھذہ الا فعال کلھا للسمعۃ والریاء فیحترز عنھا لانھم لایریدون بھا وجہ اللہ تعالی یعنی یہ سارے افعال محض دکھاوے اور نام ونمود کے لئے ہوتے ہیں، لہذا ان سے بچنا چاہئے کیونکہ ایسے رواجی کاموں میں اخلاص وللٰہیت نہیں ہوتی۔

(شامی ج ا ص ۸۴۲ کتاب الجنائز مطلب فی کراھیۃ الضیافۃ من اھل المیت)

شرح سفرالسعادت میں ہے۔ وعادت نبود کہ برائے میت در غیر وقت نماز جمع شوند وقرآن خوانند وختمات خوانند نہ برسر گور ونہ غیر آں واین مجموع بدعت است ومکروہ ۔ یعنی ۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ وغیرہم سلف صالحین کی عادت نہ تھی کہ میت کے لئے سوائے صلوٰۃ جنازہ دوسرے کسی موقع پر جمع ہوتے ہوں اور قرآن پڑھتے ہوں نہ قبر پر اور نہ دیگر کسی مقام پر یہ تمام رواج ورسوم بدعت اور مکروہ ہیں۔ (شرح سفرالسعادت ص ۲۷۴)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

''جس طریق سے آج کل قرآن شریف پڑھ کر ایصال ثواب کیا جاتا ہے، یہ صورت مروجہ ٹھیک نہیں ہاں احباب خاص سے کہہ دیا جائے کہ اپنے اپنے مقام پر حسب توفیق پڑھ کر ثواب پہنچادیں (الی قولہ) چا۔ ہے تین مرتبہ قل ہو اللہ ہی پڑھ کر بخش دیں جس سے ایک قرآن کا ثواب مل جائے گا یہ اس سے بھی اچھا ہے کہ اجتماعی صورت میں دس قرآن ختم کئے جائیں اس میں اکثر اہل میت کو جتلانا ہوتا ہے اور اللہ کے یہاں تھوڑے بہت کو نہیں دیکھا جاتا خلوص اور نیت دیکھی جاتی ہے (انفاس عیسیٰ ج ا ص ۲۱۵) لہذا آپ کے یہاں کا دستور خلاف سنت اور قابل ترک ہے اس کا اماموں کو پابند بنانا ظلم اور زیادتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غیر مسلم کو مطالعہ کے لئے قرآن شریف دینا:

(سوال ۱۷) غیر مسلم اگر قرآن شریف مطالعہ کے لئے مانگے تو دینا جائز ہے یا نہیں؟ غیر مسلم بلا وضو قرآن شریف پکڑ سکتا ہے یا نہیں؟ وہ مکلّف بالاعمال نہیں کیا تب بھی اس کو غسل یا وضو کرنا ہوگا؟ بینواتوجروا۔

(الجواب) اگر غیر مسلم کے دل میں قرآن مجید کی عظمت ہو اور اس کی طرف سے اس بات کا اطمینان ہو کہ وہ اس کی بے ادبی نہیں کرے گا تو اس کو قرآن مجید دینا جائز ہے، ممکن ہے کہ اس کو ہدایت نصیب ہو جائے مگر اس کو یہ ہدایت کر دی جائے کہ یہ اللہ کا مقدس کلام ہے ناپا کی کی حالت میں اس کو چھونا اس کی عظمت کے خلاف ہے، لہذا ناپا کی کی حالت ہو تو غسل کر کے ورنہ وضو کر کے اس کا مطالعہ کیا جائے اس کو وضو اور غسل کا طریقہ بھی بتلا دیا جائے، اس سے اس کے دل میں قرآن مجید کی عظمت پیدا ہوگی، انشاء اللہ ۔ درمختار میں ہے ویمنع النصرانی (وفی بعض النسخ الکافر) من مسہ وجوزہ محمد اذا اغتسل ولا بأس بتعلیمہ القرآن والفقہ عیسی یھتدی (درمختار مع الشامی ج ا ص ۱۶۴ مطلب یطلق الدعاء علی ما یشتمل الثناء) غیر مسلم کو مکلّف بالاعمال نہیں ہے مگر قرآن مجید کو بے ادبی اور بے حرمتی سے محفوظ رکھنا ہم پر ضروری ہے اسی بنا پر اگر بے حرمتی کا خطرہ ہو تو کافروں اور دشمنوں کے ملک میں قرآن شریف لے جانے سے حدیث شریف میں منع فرمایا ہے مبادا کہ ان کے قبضہ میں قرآن مجید آجائے

اور وہ اس کی بے حرمتی کریں (اگر بے حرمتی کا خطرہ نہ ہو تو ممنوع نہیں کہ علت نہیں پائی جارہی ہے) مسلم شریف میں ہے عن عبد الله بن عمر عن النبی صلی الله علیه وسلم انه کان ینهی ان یسافر بالقرآن الی ارض العدو مخافة ان یناله العدو (مسلم شریف ج۲ ص۱۳۱ باب النہی ان یسافر بالمصحف الی ارض الکفار اذا خیف وقوعہ بایدیھم) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بذریعۂ پارسل قرآن شریف بھیجنا:

(سوال ۱۸) بذریعۂ پارسل ڈاک سے قرآن مجید بھیجنا کیسا ہے؟ گناہ تو نہ ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مجبوری اور ضرورت کی بنا پر پارسل کے ذریعہ قرآن شریف بھیجنا جائز ہے پوری احتیاط کے ساتھ پیکنگ کر کے بکس میں رکھ کر روانہ کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

توراۃ وانجیل کی اصلی زبان کیا ہے؟:

(سوال ۱۹) توراۃ اور انجیل کس زبان میں تھی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کتب سماویہ عربی زبان میں نازل ہوئیں۔ مگر صاحب کتاب (جس پر کتاب نازل ہوئی ہے) اپنی قوم کی زبان میں ترجمانی کرتے تھے۔ اس لئے تورات عبرانی زبان میں تھی۔ اور انجیل سریانی زبان میں ہے۔ (الیواقیت والجواہر ص۹۴ ج۱) مصنف علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک مفتی صاحب دامت برکاتہم کے اشکال کا جواب:

(سوال ۲۰) احقر کے خیال ناقص میں فتاوی رحیمیہ ص۲۸۴ ج۲ میں جو حدیث[1] ترمذی شریف کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس پر نظر ثانی کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ شروح اربعہ ترمذی شریف شرح سراج احمد ص۲۶۸ پر ہے وگفت ابن عبد اللہ ندیدم ہیچ کس را از صحابہ کہ بود مبغوض تر بسوی وے نو پیدا در اسلام یعنی از پدر من۔'' نیز ملاحظہ ہو ''تحفۃ الاحوذی'' ص۲۰۴ جلد اول۔ فقط والسلام۔

(الجواب) فتاوی رحیمیہ جلد ثانی ص۲۸۴ کی جس حدیث کے ترجمہ کے بارے میں حضرت والا نے نظر ثانی کی ضرورت بتلائی ہے۔ اس کے متعلق جناب کا بے حد ممنون ہوں آئندہ بھی مطالعہ میں جو بات قابل اصلاح معلوم ہو بلا تامل تحریر فرمائیں۔ مگر معاف فرمایئے واقعہ یہ ہے جو ترجمہ کیا گیا ہے وہی ٹھیک ہے کہ تمام صحابہ کو حدث فی الاسلام سے زیادہ کوئی شئی مبغوض نہ تھی۔ ضمیر غائب ''الحدث'' کی طرف راجع ہے اور قال ولم ار کا فاعل حضرت ابن مغفلؓ ہیں اور یعنی کوئی نیچے کا راوی تفسیر کر رہا ہے اور اس کا فاعل حضرت ابن مغفلؓ ہیں گویا یزید اپنے والد کے تین مقولے حدیث میں نقل کر رہے ہیں۔ اور حضرات نے بھی اس حدیث کا یہی ترجمہ کیا ہے۔ کہ صحابہ کرام کے نزدیک حدث فی الاسلام سے زیادہ کوئی شئی مبغوض نہ تھی۔ نور المصابیح ترجمہ زجاجۃ المصابیح مولفہ حضرت مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ

---

(۱) یہ روایت عبداللہ بن مغفل کی ہے کہ آپ کے صاحب زادے نے نماز میں سورہ فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ بالجہر پڑھی تو عبداللہ بن مغفل بولے میرے پیارے بیٹے یہ بدعت ہے اس سے بچتے رہو الخ جدید ترتیب میں کتاب السنۃ والبدعۃ میں میلاد میں قیام کے عنوان سے دیکھے۔

شاہ صاحب محدث حیدرآبادی ملاحظہ ہو۔ عبداللہ بن مغفلؓ کے صاحبزادے سے روایت ہے۔ وہ کہتے کہ میرے والد عبداللہ بن مغفلؓ نے مجھ سے نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بلند آواز سے پڑھتے ہوئے سنا۔ تو کہا بیٹا یہ بدعت ہے اور بدعت سے بچو۔ پھر کہا۔ میں نے اصحاب نبی ﷺ سے زیادہ کسی کو بدعت سے عداوت ونفرت کرتے ہوئے نہیں دیکھا الخ۔ (ج۱ص۲۹۶)

''سبع سنابل'' فی تصریح المسائل مولفہ حضرت مولانا قاضی رحمت اللہ صاحب محدث راندیری میں ہے۔ عبداللہ بن مغفلؓ کے صاحبزادے نے فرمایا۔ کہ اے بیٹے بدعت ہے اس سے بچ۔ اور فرمایا کہ میں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کسی کو ایسا نہیں دیکھا کہ وہ بدعت سے زیادہ اور کسی چیز سے بغض رکھتا ہو۔ (ص۱۶)

انوار الباری شرح صحیح البخاری اردو جلد اول مولفہ حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب مدظلہٗ (فاضل دیوبند) میں ہے:۔ امام ترمذی نے ترک بسم اللہ کا باب قائم کر کے حدیث یزید بن عبداللہ بن مغفلؓ روایت کی۔ کہ میں نے نماز میں الحمد سے پہلے بسم اللہ پڑھی۔ تو میرے والد نے فرمایا کہ بیٹا! یہ محدث وبدعت ہے۔ اور صحابۂ کرامؓ کو سب سے زیادہ مبغوض اسلام میں نئی باتوں کا پیدا کرنا تھا۔ (ص۵۴ ج۱)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:۔ ویمکن ان یکون مرجع الضمیر الحدث والغرض اظهار تقدیر من قبل الحدث ویکون تقدیر الکلام کان ابغض الیه شیئ من الحدث فی الا سلام والمقصود منه ان کلام ابن عبد الله لا یصح بظاهره اذا المقصود اظهار ابغضية الحدیث فی الا سلام للصحابة والذی یظهر من الکلام نقیضه لانه یدل علی ان الحدث لم یکن مبغوضاً الیٰ اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم فبین ان الحدث ههنا مفضل علیه والمقصود انهم لم یکن شئ ابغض الیهم من الحدث فی الا سلام وهذا لا یفید ارجحیة ابیه فی بغض الحدث بل یقتضی البغضية الحدث بالنسبة الی سائر الا شیاء الی الصحابة رضی الله عنهم اجمعین افاده الشیخ الجلیل الجبر النبیل مولینا السید خلیل رحمه الله ۱۲ منه قلت هذه العبارة مکتوبة علی هامش التقریر من کلام الشیخ مولانا خلیل احمد شارح ابی دائود اولها مکتوبة بید الشیخ وآخرها بید الذی المرحوم نور الله مرقدهما. ۱۲ (الکوکب الدری ص ۱۲۶ ج ۱) فقط والله اعلم بالصواب.

حدیث، شہد میں چیز نہ ملائے اس کی تحقیق:

(سوال ۲۱) ایک آدمی نے کسی کتاب میں حدیث دیکھی کہ شہد میں کوئی چیز نہ ملائے، یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہم شہد میں پانی ملاتے ہیں۔

(الجواب) اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ شہد، دودھ، گھی وغیرہ میں دوسری چیز ملا کر بیچنا جائز نہیں، یہ لوگوں کو دھوکہ دینے کے برابر ہے، پینے کے لئے شہد میں پانی وغیرہ ملانا ممنوع نہیں ہے۔

لفظ ''علیٰ حرف'' کی تحقیق:

(سوال ۲۲) ماہنامہ ''الفرقان'' (لکھنؤ) ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ کے شمارہ میں فتاویٰ رحیمیہ کی تقریظ (ریویو) میں لکھتے ہیں۔ کہ جلد دوم صفحہ چوبیس ۲۴ یہ روایت ابن عباسؓ سے منقول ہے جدید ترتیب میں مفسدات صوم میں، چوپائے سے صحبت کرنے سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں۔ میں ابوداؤد کی ایک حدیث میں دو جگہ لفظ علیٰ حرف کا ترجمہ چت لیٹنا کیا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ کروٹ پر لیٹنا یہ ترجمہ صحیح ہے۔ اس بارے میں تفصیل مطلوب ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مذکورہ حدیث میں ''علیٰ حرف'' کا ترجمہ اور مفہوم چت لیٹنے کا صحیح ہے۔ کروٹ پر لیٹنے کا ترجمہ صحیح نہیں ہے۔ ابوداؤد میں دونوں جگہ بین السطور چت لیٹنے کی تفصیل ہے۔ اسی طرف یعنی یجامعون علی طرف واحد ھی حالۃ الاستلقاء (چت لیٹنا) ابوداؤد کی مشہور اور مستند شرح بذل المجہود میں بھی چت لیٹنے کی تشریح ہے۔ ''ای علیٰ ھیئۃ واحدۃ ھی الا ستلقاء (چت لیٹنے کی حالت) ص ۱۵۱ ج ۳) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تبصرہ نگار الفرقان (لکھنو) کے اشکال کا جواب

استدراک:

الفرقان بابت ماہ ذی الحجہ ۸۹ھ مطابق مارچ کے عنوان ''نئی مطبوعات'' کے تحت تبصروں میں حضرت مولانا سید عبدالرحیم لاجپوری کے فتاویٰ رحیمیہ جلد دوم میں منقول ایک حدیث:۔ ایک لفظ (علیٰ حرف) کے ترجمہ سے اختلاف کیا گیا تھا۔ مولانا نے اس پر ہمیں تحریر فرمایا ہے۔ کہ سنن ابی داؤد میں جہاں یہ حدیث آئی ہے وہاں بین السطور میں اس لفظ کے وہی معنی بتائے گئے ہیں۔ جو ترجمہ میں انہوں نے اختیار فرمائے ہیں۔ نیز بذل المجہود شرح ابی داؤد میں بھی یہی تشریح ہے۔ تبصرہ نگار حضرت مولانا کا مشکور ہے کہ زمانہ طالب علمی سے ذہن میں پڑی ہوئی ایک غلط فہمی ان کی بدولت دور ہوگئی۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء (ماہنامہ الفرقان لکھنو بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ۔

ایک حدیث کی تحقیق:

(سوال ۲۳) بعد سلام مسنون! گذارش یہ ہے کہ ہمارے یہاں ایک بدعتی عالم نے تبلیغی جماعت کے خلاف ایک کتاب لکھی ہے اس کے آخر میں مسند دارمی کے حوالہ سے ایک حدیث لکھی ہے۔ اس حدیث کی تحقیق مطلوب ہے۔

حدیث یہ ہے۔ ''نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد ایک مرتبہ کچھ صحابہ کو یہ بات پسند آئی کہ مسجد میں جمع ہو کر اللہ کا ذکر کریں، چنانچہ ان حضرات نے مسجد میں حلقہ بنا کر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ اور سبحان اللہ وغیرہ تسبیحات پڑھنا شروع کیا اور تسبیحات گننے کے لئے کنکریاں استعمال فرمائیں، جب اس حقیقت کا علم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ہوا تو وہ دوڑے دوڑے مسجد میں تشریف لے گئے اور ناراض ہو کر فرمایا کہ تم نے یہ کیا حرکتیں شروع کر دی ہیں؟ ان لوگوں نے جواب میں فرمایا کہ ہم اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ تم کتنی جلد بربادی کے راستہ پر چلنے لگے حالانکہ نبی کریم ﷺ کا کفن مبارک میلا بھی نہیں ہوا ہے اور آپ ﷺ کے اصحاب بھی ہم میں موجود ہیں۔''

اس حدیث کو نقل کر کے وہ استدلال کرتا ہے کہ آج کل موجودہ تبلیغی جماعت کی بدولت مسجد اب مسجد نہ رہی، کھانا پکانا، کھانا کھانا بستر اور دوسرے سامان کے ساتھ مسجد میں قیام پذیر ہونا آرام کرنا، سونا اور زندگی کے یہ تمام کام مسجد ہی میں انجام دیتے ہیں مسجد میں ایسی حرکتوں کے کرنے والوں کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کیسی خفگی اور ناراضگی ظاہر فرمائی جو اوپر والی حدیث سے ظاہر ہے۔

اب حضرت والا سے اس سلسلہ میں یہ فتویٰ مطلوب ہے کہ مندرجہ بالا حدیث کے صحیح مصداق کون لوگ ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مذکور حدیث ثابت ہے، ازالۃ الخفاء وغیرہ کتب معتبرہ میں موجود ہے، یہ لوگ اجتماعی طور پر عبادت کے لئے جمع ہوتے تھے اور اس ہیئت سے عبادت کرنے کا ثبوت نہیں تھا اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان کو روک دیا۔ عبادت میں مخصوص کیفیات اور خصوصی طریقے اور اوقات مقرر کر لینا جو شرع میں وارد نہیں ہیں۔ بدعت اور ناجائز ہے، امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:۔ **ولان ذکر اللہ اذا قصد به التخصیص بوقت دون وقت او شیء دون شیء لم یکن مشروعا حیث لم یرد الشرع به لا نه خلاف المشروع** (بحر الرائق ج۲ ص۱۵۹) (الاعتصام ج۱ ص۴۴) اسی لئے نماز وتر بالجماعۃ غیر رمضان میں مشروع نہیں ہے اور اسی طرح نماز تہجد با جماعت ممنوع و مکروہ ہے، رہا تبلیغی جماعت کا مسجدوں میں حلقہ بنانا تو یہ تعلیم اور تبلیغ کے لئے ہے، محض عبادت نہیں ہے اس لئے وہ بعض قیود اور شرائط جو عبادت کے حق میں لازم ہیں وہ تعلیم اور تبلیغ کے لئے نہیں ہوسکتے، تعلیم و تبلیغ کے سلسلہ میں نسبۃ آزادی ہے اور سہولت مطلوب ہے تنہا تنہا پڑھائیں یا جماعت بنا کر پڑھائیں، صبح پڑھائیں، شام پڑھائیں یا شب کو سب درست ہے، اجتماعی عبادت کے لئے یہ آزادی نہیں ہے، مسجد کا احترام وادب سب کو لازم ہے، خارج مسجد آرام اور سونے کی جگہ نہ ہو تو مسافر اور تبلیغی جماعت والے بہ نیت اعتکاف مسجد میں سوسکتے ہیں، مگر مسجد میں کھانے پینے کی اجازت نہ ہوگی، تبلیغی جماعت اپنی اصلاح اور دین کی تبلیغ کے لئے نکلتی ہے یہ جماعت مسجدوں میں نہیں ٹھیرے گی تو کہاں ٹھیرے گی؟ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ نجران نصاریٰ کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ آیا اس وفد کے لوگ عصر کی نماز کے بعد مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور وہ ان لوگوں کے نماز کا وقت تھا اس لئے ان لوگوں نے نماز پڑھنی چاہی، صحابہ نے چاہا کہ ان کو اس طریقہ کی نماز سے روکیں مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چھوڑ دو پڑھنے دو، اس کے بعد انہوں نے مشرق کی طرف رخ کر کے اپنے قاعدہ سے نماز ادا کی (زاد المعاد) (اصح السیر ج ص۴۲۳ ج۱ ص۴۲۴)

لہذا تبلیغی جماعت پر اعتراض کرنا درست نہیں ہے البتہ مسجد کے احترام کے خلاف ہوتا ہو تو محبت اور نرمی سے کہا جائے۔ اور ان کو بھی چاہئے کہ مسجد کا پورا احترام کریں دنیوی باتوں میں مشغول ہونے اور مسجد کو مسافر خانہ کے طور پر استعمال کرنے سے پورا احتراز کیا جائے ورنہ معصیت کے مرتکب ہوں گے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲ جمادی الثانی ۱۳۹۹ھ۔

ما یتعلق بالانبیاء والاولیاء

(سوال ۲۴) اولیاء اللہ کی کرامت حق ہے یا نہیں؟

(الجواب) بیشک کرامات اولیاء حق ہیں، قرآن مجید واحادیث سے ثابت ہیں۔ عقائد نسفی میں ہے" کرامات الاولیاء حق" (ص ۱۲)

مگر یہ بھی یاد رہے کہ شیطان کی شرارت بھی حق ہے اور بزرگان دین کی کرامت اور شیطان کی شرارت میں امتیاز کرنا ہر کس وناکس کا کام نہیں، شیطان کی شرارت کا ایک قصہ نقل کیا جاتا ہے، حضرت غوث الاعظم محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں چند دن کے لئے جنگل بیابان میں مقیم رہا، ایک روز شدت سے پیاس لگی تھی، میں پانی کی تلاش میں نکلا، مگر پانی نہ ملا، اسی اثناء میں کچھ بادل چھا گئے، کچھ بوندیں برسیں جن سے مجھے کچھ تسکین ہوئی، پھر ان بادلوں میں سے ایک روشنی نکلی جس نے آسمان کے تمام کناروں کو گھیر لیا، اس روشنی میں سے ایک عجیب وغریب صورت نمودار ہوئی جو مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ اے عبدالقادر! میں تیرا پروردگار ہوں، میں تجھ پر تمام حرام چیزوں کو حلال کرتا ہوں۔ (اس لئے) جو چاہو کرو، کوئی باز پرس نہ ہوگی، میں نے کہا اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اے شیطان ملعون! راندۂ درگاہ! دور ہو اور بھاگ کیا بکتا ہے۔ میں نے جیسے ہی اعوذ باللہ پڑھی وہ روشنی تاریکی سے بدل گئی، اندھیرا چھا گیا۔ وہ صورت غائب ہو گئی اور آواز آئی کہ اے عبدالقادر! شریعت مقدسہ کی واقفیت اور علمی بصیرت جو تمہیں حاصل ہے اور جو تقویٰ تمہیں میسر ہے کہ تم بیدار مغز عالم متقی ہو۔ اس دولت کی وجہ سے تم محفوظ رہ گئے اور مجھ سے نجات پا گئے ورنہ میں اس مقام پر تم جیسے ستر عبادت گذار زاہدوں اور صوفیوں کو گمراہ کر چکا ہوں۔ (البلاغ المبین ص ۳۴ حضرت شاہ ولی اللہ)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بزرگان دین کی کرامت اور شیطان کی شرارت کو سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں ہے، ہر تعجب خیز چیز کو کرامت سمجھ لینا اور اس کا معتقد ہو جانا بسا اوقات گمراہی کا سبب بن جاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رسول اللہ ﷺ کے روضۂ مبارکہ کی زیارت کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۵) کیا غیر مقلدوں کے نزدیک آنحضرت ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ کا سفر ناجائز ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو بحوالہ کتب جواب دیجئے؟ اس بارے میں علماء دیوبند کا نظریہ کیا ہے؟ جائز مانتے ہیں یا ناجائز؟

(جواب) ہاں غیر مقلدین آنحضرت ﷺ کے روضہ مبارک کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو ناجائز کہتے ہیں ان کے مذہبی مقتدیٰ مولانا نورالحسن خاں صاحب کی کتاب "عرف الجادی" میں ہے" وجہ منع از سفر زیارت خواہ قبور انبیاء باشد یا غیر ایشاں آنست کہ دلیلے بر جواز آن از کتاب یا سنت یا اجماع یا قیاس قائم نیست واز سلف ثابت نشدہ" (ص ۲۵۷)

علمائے دیوبند کا نظریہ ایسا نہیں ہے، علمائے دیوبند کا اعتقاد یہ ہے کہ سرور کائنات ﷺ کے مزار مبارک کی

زیارت افضل المستحبات بلکہ قریب بواجب ہے، اور بڑی فضیلت اور اجر عظیم کا موجب ہے۔علمائے دیو بند کے جلیل القدر عالم و بزرگ مولانا خلیل احمد صاحب انبیٹھوی ثم المدنی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ ”ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک زیارت قبر سید المرسلین (ہماری جان آپ ﷺ پر قربان) اعلیٰ درجہ کی قرابت اور نہایت ثواب اور سبب حصول درجات ہے بلکہ واجب کے قریب ہے ”عندنا وعند مشائخنا زيارة قبر سيد المرسلين (روحي فداه) من اعظم القربات واهم المندوبات وانجح لنيل الدرجات بل قريبة من الواجبات “اور آگے چل کر فرماتے ہیں وينوى وقت الارتحال زيارته عليه الف الف تحية وسلام وينوى معها زيارة مسجده صلى الله عليه وسلم وغيره من البقاع والمشاهد الشريفة بل الا ولى ما قال العلامة الهمام بن الهمام ان يجرد النية لزيارة قبره عليه الصلوٰة والسلام ثم يحصل له اذا قدم زيارة المسجد لان في ذلك زيارة تعظيمه واجلاله صلى الله عليه وسلم ويو ا فقه قوله صلى الله عليه وسلم من جاء نى زائراً لا تحمله حاجة الا زيارتي كان حقا على ان اكون شفيعاً له يوم القيامة . (ترجمہ) اور سفر کے وقت آنحضرت ﷺ کی زیارت کی نیت کرے اور ساتھ میں مسجد نبوی اور دیگر مقامات و زیارت گاہائے متبرکہ کی بھی نیت کرے بلکہ بہتر وہ ہے جو علامہ ابن ہمام نے فرمایا کہ خالص قبر شریف کی زیارت کی نیت کرے جب وہاں حاضر ہوگا تو مسجد نبوی ﷺ کی بھی زیارت حاصل ہو جائے گی۔اس صورت میں جناب رسالت مآب ﷺ کی تعظیم زیادہ ہے اور اس کی موافقت خود حضرت کے ارشاد سے ہو رہی ہے کہ جو میری زیارت کو آیا کہ میری زیارت کے سوا کوئی حاجت اس کو نہ لائی ہو تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن اس کا شفیع بنوں“ (التصدیقات ص ۵)

اور دوسرے جلیل القدر بزرگ و محدث حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ روضۂ پاک کی زیارت کے فضائل بیان کرنے کے بعد ہدایت فرماتے ہیں کہ” جب مدینہ کا عزم ہو تو بہتر یہ ہے کہ روضۂ اطہر ﷺ کی زیارت کی نیت کر کے جائے۔(زبدۃ المناسک ”جدید“ ص ۱۱۳)

اور تیسرے بزرگ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں کہ ”مدینہ منورہ کی حاضری محض سرور کائنات علیہ السلام کی زیارت اور آپ کے توسل کی غرض سے ہونی چاہئے......اسی وجہ سے میرے نزدیک بہتر یہی ہے کہ حج سے پہلے مدینہ منورہ جانا چاہے اور آنحضرت ﷺ کے توسل سے نعمت قبولیت حج و عمرہ کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے، مسجد کی نیت خواہ وہ تبعاً کرلی جائے مگر اولیٰ یہی ہے کہ صرف جناب رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی جائے تاکہ لاتحملہ الازیارتی والی روایت پر عمل ہو جائے۔

مکتوب نمبر ۴۵ مکتوبات شیخ الاسلام (صفحہ ۱۲۹۔۱۳۰ ج ۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے متعلق:

(سوال ۲۶) حضور اکرم ﷺ کے روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے مدینہ شریف جانے کے متعلق علمائے دیو بند کا کیا نظریہ ہے؟ سنا ہے کہ ناجائز اور شرک مانتے ہیں،لہذا تشریح کریں! مدینہ طیبہ جانے والا شخص حضور ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کی نیت کرے یا مسجد نبوی کی؟ علمائے دیو بند کے نزدیک ان دو میں بہتر کیا ہے؟

(الجواب) آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر کو بڑی عظمت وشرف حاصل ہے اس لئے کہ آنحضور ﷺ کا جسم اطہر اس میں موجود ہے، یہی نہیں بلکہ آنحضرت بنفس نفیس باحیات اس میں تشریف فرما ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ اپنی قبر شریف میں باحیات ہیں آپ کو رزق بھی دیا جاتا ہے (ﷺ) (دیکھئے حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی کتاب (الحبور ص ۶)

آنحضرت ﷺ کی قبر شریف کا وہ حصہ جو آپ ﷺ کے جسم مبارک کے ساتھ لگا ہوا ہے وہ کعبہ شریف اور عرش وکرسی سے بھی افضل ہے (دیکھئے حضرت مولانا خلیل احمد انبھیٹوی ثم المدنی مصنف براہین قاطعہ کی کتاب التصدیقات ص ۶ جس پر حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شاہ اشرف علی تھانویؒ اور مولانا عزیز الرحمٰن مفتی دیوبند اور حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہؒ وغیرہ سے بہت سے علمائے دیوبند کے دستخط موجود ہیں)

مختصر یہ کہ آنحضرت ﷺ کی قبر شریف کی بزرگی عظمت اور احترام کے متعلق ہمارا اعتقاد وہی ہے جو حضرت امام تاج الدین سبکیؒ کا ہے کہ وہ کون سی جنت ہے جو آپ ﷺ کی قبر شریف سے افضل ہوگی؟ آپ ﷺ کی قبر مبارک جنت سے ہی نہیں بلکہ ہر مقام سے اعلیٰ وافضل ہے، اگر یہ کہا جائے کہ قبر مبارک کا جو حصہ آنحضرت ﷺ کی جسم اطہر سے متصل ہے وہ عرش سے بھی افضل ہے تو بھی کسی مومن کو اس میں دم مارنے کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ جو کچھ ہے وہ ذات اقدس رحمۃ للعالمین ﷺ کے طفیل میں ہی ہے'' تاج الدین سبکیؒ گفتہ است کدام جنت است کہ بر قبر شریف آنرا افضل نہند قبر شریف افضل است از تمامہ اماکن چہ ہشت وچہ جز آن وگفتہ است اگر آنرا بر عرش عظیم فضل نہند نمی دانم ہیچ مومن صادق راکہ توقف کند دراں ہمہ طفیل شریف اوست'' (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۷۸) الحاصل آنحضرت ﷺ کی قبر شریف کی زیارت افضل المستحبات ہے بلکہ قریب الواجب ہے، بڑی فضیلت اور ثواب کا کام ہے خود حضرت رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے من وجد سعة ولم یزرنی فقد جفانی یعنی جو شخص باوجود وسعت پانے کے میری زیارت کیلئے نہ آیا اس نے میرے ساتھ بڑی بے مروتی برتی'' اور فرمایا من زار قبری وجبت له شفاعتی یعنی جو شخص میری قبر کی زیارت کرے گا اس کے لئے میری شفاعت ضروری ہے'' اور فرمایا من زارنی بعد مماتی فکانما زارنی فحیاتی یعنی جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی'' (مراقی الفلاح ص ۱۵۰ کتاب الحج فصل فی زیارۃ النبی ﷺ) (باب حرم المدینۃ حرمہا اللہ تعالیٰ مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۰۔۲۴۱)

لہذا جو شخص استطاعت ہونے کے باوجود آنحضرت ﷺ کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ نہیں جائے گا وہ بڑے فضائل اور بہت سے برکات سے محروم رہے گا اور بدنصیب سمجھا جائے گا، اور از راہ انکار وہاں پر حاضری نہ دینا بدبختی، بدنصیبی اور سنگدلی کی دلیل ہے، عذر کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے اس پر کوئی الزام نہیں ہے۔

دیوبندیوں کے جلیل القدر عالم اور بزرگ مولانا خلیل احمد صاحب انبھیٹوی ثم المدنیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ'' ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک زیارت قبر سید المرسلین (ہماری جان آپ پر قربان) اعلیٰ درجہ کی قربت اور نہایت ثواب اور سبب حصول درجات ہے بلکہ واجب کے قریب ہے۔'' عندنا وعند مشائخنا زیارۃ قبر سید المرسلین (روحی فداہ) من اعظم القربات واھم المندوبات وانجح لنیل الدرجات بل قریبة من الواجبات (التصدیقات ص ۵)

رہانیت کا سوال تو کتاب مذکورہ میں حضرت مولانا خلیل احمد تحریر فرماتے ہیں کہ ''سفر کے وقت آنحضرت ﷺ کی زیارت کی نیت کرے اور ساتھ میں مسجد نبوی ﷺ اور دیگر مقامات مقدسہ وزیارت گاہائے متبرکہ کی بھی نیت کرے بہتر یہ ہے جو علامہ ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ خالص قبر شریف کی زیارت کی نیت کرے پھر جب وہاں حاضر ہوگا تو مسجد نبوی ﷺ کی بھی زیارت ہو جائے گی اس صورت میں جناب رسالت مآب ﷺ کی تعظیم زیادہ ہے اور اس کی موافقت خود حضور ﷺ کے ارشاد سے ہو رہی ہے کہ جو میری زیارت کو آیا کہ میری زیارت کے سوا کوئی حاجت اس کو نہ لائی ہو تو مجھ پر حق ہے کہ میں قیامت کے دن اس کا شفیع بنوں'' وینوی وقت الارتحال زیارته علیه الف الف تحیةو سلام وینوی معها زیارة مسجده صلی الله علیه وسلم وغیره من البقاع والمشاهدالشریفة بل ا لا ولی ما قال العلامة الهمام ابن الهمام ان یجرد النیة لزیارة قبره علیه الصلوٰة والسلام ثم یحصل له اذا قدم زیارة المسجد لان فی ذلک زیادة تعظیمه واجلاله صلی الله علیه وسلم ویو افق قوله صلی الله علیه وسلم من جاء نی زائراً لا تحمله حاجة الا زیارتی کان حقا علی ان اکون شفیعاً له یوم القیامة (التصدیقات ص ۵)

اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ روضۂ پاک کی زیارت کے فضائل بیان کرنے کے بعد ہدایت فرماتے ہیں کہ ''جب مدینہ کا عزم ہو تو بہتر یہ ہے کہ روضۂ اطہر ﷺ کی زیارت کی نیت کر کے جائے۔ (زبدۃ المناسک ''جدید'' ص ۱۱۳)

اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ ''مدینہ منورہ کی حاضری محض سرور کائنات ﷺ کی زیارت اور آپ ﷺ کے توسل کے غرض سے ہونی چاہئے۔'' (مکاتیب شیخ الاسلام ص ۱۳۰۔۱۲۹ ج ا مکتوب نمبر ۴۵ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حضور ﷺ کے موئے مبارک کا وجود:

(سوال ۲۷) یہ مشہور ہے کہ اکثر بڑے شہروں میں اور دیہات میں حضور پرنور ﷺ کے موئے مبارک ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟ اور کیا اس کی تعظیم کی جائے؟

(الجواب) حدیث شریف سے ثابت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے موئے مبارک صحابہ کرام کو تقسیم فرماتے تھے۔ فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے۔ فان النبی صلی الله علیه وسلم حلق راسه واعطیٰ نصفه لا بی طلحة ونصفه قسمه بین الناس! تو اگر کسی کے پاس ہو تو تعجب کی بات نہیں۔ اگر اس کی صحیح اور قابل اعتماد سند ہو تو اس کی تعظیم کی جائے۔ اگر سند نہ ہو اور مصنوعی ہونے کا بھی یقین نہیں تو خاموشی اختیار کی جائے نہ اس کی تصدیق کرے اور نہ جھٹلائے۔ نہ تعظیم کرے اور نہ اہانت کرے۔ فقط۔

حضور ﷺ کے بال مبارک کی زیارت کی جائے یا نہیں؟:

(سوال ۲۸) ایک جگہ حضور ﷺ کے موئے مبارک ہیں۔ ۱۲ ربیع الاول کو اس کو زیارت مقرر کی گئی ہے۔ دور دراز سے لوگ آتے ہیں۔ ۱۳۔۱۴ تاریخیں عورتوں کے لئے متعین ہیں تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟

(الجواب) بے شک! موئے مبارک اور تبرکات نبویہ موجب خیر و برکت ہیں اور اس کی زیارت سے اجر و ثواب ملتا ہے۔ لیکن اس میں غلو اور زیادتی کی جاتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حد سے بڑھ جانا چاہئے اعتقاد میں ہو خواہ عمل میں، بہت برا اور سبب عذاب ہے۔ اسی لئے حضرت عمر ﷺ نے ''حجر اسود'' کو خطاب کر کے فرمایا کہ بے شک تو ایک پتھر ہے نہ تو نفع بخش ہے اور نہ ضرر رساں! اور آپؓ نے اس درخت کو جس کے تعریف وفضیلت قرآن شریف میں ہے۔ اس لئے کٹوا دیا کہ لوگ اس کی زیارت میں حد سے زیادہ اہتمام کرنے لگے تھے۔ اسی طرح آپؓ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے راستہ میں جہاں آنحضرت ﷺ نے نماز ادا فرمائی ہے۔ وہاں لوگوں کو اہتمام کے ساتھ نماز کو جاتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا اور فرمایا کہ تم سے اگلے بھی اسی طرح انبیاء کے آثار کی پیروی کرنے کی وجہ سے برباد ہو گئے۔ (البلاغ المبین ص ۷)

اسی طرح تبرکات کی زیارت کا بھی اہتمام ہوتا ہے، دور دراز سے لوگ آتے ہیں بے نمازی، فاسق، فاجر اور بے پردہ عورتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ بے حیائی اور بے شرمی کی بھرپور نمائش ہوتی ہے۔ اس میں اعتقادی اور عملی بے شمار خرابیاں ہیں۔ لہذا طریقہ مذکور کو ترک کرنا ضروری ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے زمانہ کی عورتوں کے متعلق فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ اس زمانہ کی عورتوں کو دیکھتے تو ان کو مسجد میں جانے سے منع فرماتے (حدیث)

تبرکات سے برکات حاصل کرنے کا صحیح اور جائز طریقہ یہ ہے کہ بلا تعیین تاریخ اور بلا اہتمام اجتماع جب دل چاہے زیارت کرے کرائے! بخاری شریف میں ہے:۔

عن عثمان بن عبد الله بن موهب قال دخلت على ام سلمة رضى الله عنها فاخرجت الينا شعرا من شعر النبى صلى الله عليه وسلم مخضوباً.

حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہبؒ نے بیان کیا کہ میں ام سلمہؓ کے یہاں گیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کا ایک موئے مبارک نکالا جس پر خضاب کا اثر تھا (ج ۲ ص ۸۷۵ پ ۲۴ کتاب اللباس، باب مایذکر فی الشیب)

وفى رواية عن عثمان بن عبد الله بن موهب قال ارسلنى اهلى الىٰ ام سلمة رضى الله عنها بقدح من ماء وقبض اسرائيل ثلث اصابع من قصة فيه شعر من شعر النبى صلى الله عليه وسلم وكان اذا اصاب الا نسان عين اوشيى بعث اليها مخضبةً فى الجلجل فرايت شعرات حمرا (بخارى شريف ص ۸۷۵ ايضاً)

دستور تھا کہ جب کسی کو نظر وغیرہ کی تکلیف ہو جاتی تو ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے پاس پانی کا پیالہ بھیج دیا جاتا۔ آپ کے پاس آنحضرت ﷺ کے کچھ موئے مبارک تھے۔ ان کو چاندی کی نلکی میں محفوظ کر رکھا تھا پانی میں اس نلکی کو ڈال دیتے تھی اور وہ پانی مریض کو پلایا جاتا تھا۔ کبھی یہ کرتے کہ بڑے ٹب میں پانی بھر کر مریض کو بٹھاتے اور اس ٹب کے پانی میں یہ نلکی ڈال دیتے تھے۔ (قسطلانی شرح بخاری ج ۸ ص ۳۸۲)

راوی حدیث حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان بالوں کو دیکھا یہ سرخ تھے۔ (خضاب کی وجہ سے)

مسلم شریف میں ہے:۔

فقالت هذه جبة رسول الله صلى الله عليه وسلم فاخرجت جبة طيالسة كسروانية لها لبند ديباج وفرجيها مكفوفين بالديباج فقالت هذه كانت عند عائشة رضي الله عنها حتى قبضت فلما قبضت قبضتها وكان النبي صلى الله عليه وسلم يلبسها فنحن نغسلها للمرضى نستشفي بها .

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک جبہ طیالسانی کسروی نکالا جس کے گریبان اور دونوں چاکوں پر ریشم کیس تجاف (حاشیہ، کناری) لگی تھی ۔ اور فرمایا کہ یہ رسول خدا ﷺ کا جبہ مبارک ہے جو حضرت عائشہ کے پاس تھا ان کی وفات کے بعد میرے پاس آیا، آنحضرت ﷺ اس کو پہنا کرتے تھے ہم اسے پانی میں دھو کر وہ پانی اپنے بیماروں کو بغرض شفاء پلا دیا کرتے ہیں ۔ (صحیح مسلم شریف ج ۲ ص ۱۹۰ کتاب اللباس والزینۃ باب تحرم استعمال اناء الذهب والفضۃ علی الرجال الخ)

عن ام عطية قالت دخل علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن نغسل ابنته فقال اغسلنها ثلاثا او خمسا او اكثر من ذلك بماء وسدر وا جعلن في الاخرة كافوراً فاذا فرغتن فاذنني فلما فرغنا آذناه فالقى الينا حقوة فقال اشعرنها اياه!

حاصل حدیث یہ ہے کہ حضرت ام عطیہ حضرت زینب بنت رسول خدا ﷺ کے غسل وکفن کے واقعہ میں روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا تہبند ہمارے پاس بھیجا تا کہ اس کو میت کے جسم سے لگتا ہوا پہنایا جائے (تا کہ اس کی برکت سے متمتع ہوں) (بخاری شریف ص ا ص ۱۶۸ پ ۵ کتاب الجنائز باب کیف الاشعار للمیت) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ لفظ ''سیدنا'' بولنا:

(سوال ۲۹) آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ ''سیدنا'' کا لفظ بولنا بدعت ہے یا نہیں؟

(الجواب) حدیث شریف میں ہے کہ ''انا سید ولد ادم والفخر'' یہ لفظ ''سیدنا'' بولنا بدعت نہیں ہے۔ حدیث سے ثابت ہے باب بدء الخلق وذکر الانبیاء علیہم السلام۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مدینہ منورہ جانے کا اصلی مقصد کیا ہے؟:

(سوال ۳۰) مدینہ منورہ (زادها الله شرفا وكرامة) کی حاضری آنحضرت ﷺ کی زیارت کی غرض سے ہونی چاہئے یا مسجد نبوی کی زیارت کی نیت سے؟ جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ کا مشہور مسلک ہے۔

(الجواب) مدینہ طیبہ کی حاضری آنحضرت ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کی نیت سے ہونی چاہئے یہی افضل ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارن پوری ثم المدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک زیارت قبر سید المرسلین (ہماری جان آپ ﷺ پر قربان) اعلیٰ درجہ کی قربت اور نہایت ثواب اور سبب حصول درجات ہے بلکہ واجب کے قریب ہے گو شد رحال اور بذل جان و مال سے نصیب ہو اور سفر کے وقت آپ کی زیارت کی نیت کرے۔ اور ساتھ میں مسجد نبوی اور دیگر مقامات وزیارت گاہ ہائے متبرکہ کی بھی نیت کرے۔ بہتر یہ ہے جو علامہ ابن ہمامؒ نے فرمایا ہے کہ خالص قبر شریف کی زیارت کی نیت کرے پھر جب وہاں حاضر ہوگا تو مسجد

نبوی کی بھی زیارت حاصل ہوجائے گی۔ اس صورت میں جناب رسالت مآب ﷺ کی تعظیم زیادہ ہے اور اس کی موافقت خود حضرت کے ارشاد سے ہو رہی ہے کہ جو میری زیارت کو آیا کہ میری زیارت کے سوا کوئی حاجت اس کو نہ لائی ہو تو مجھ پر حق ہے کہ میں قیامت کے دن اس کا شفیع بنوں۔ اور ایسا ہی عارف ملا جامی سے منقول ہے کہ انہوں نے زیارت کے لئے حج سے علیحدہ سفر کیا اور یہی طرز مذہب عشاق سے زیادہ ملتا ہے۔ اب رہا وہابیہ کا یہ کہنا کہ مدینہ منورہ کی جانب سفر کرنے والے کو صرف مسجد نبوی کی نیت کرنی چاہئے اور اس قول پر اس حدیث کو دلیل لانا کہ کجاوے نہ کسے جاویں مگر تین مسجدوں کی جانب۔'' سو یہ قول مردود ہے اس لئے کہ حدیث کہیں بھی لغت پر دلالت نہیں کرتی بلکہ صاحب فہم اگر غور کرے تو یہی حدیث بدلالۃ النص جواز پر دلالت کر رہی ہے کیونکہ جو علت سہ مساجد کے دیگر مسجدوں اور مقامات سے مستثنیٰ ہونے کی قرار پائی ہے وہ ان مساجد کی فضیلت ہی تو ہے اور یہ فضیلت زیادتی کے ساتھ بقعہ شریف میں موجود ہے اس لئے کہ وہ حصہ زمین جو جناب رسول اللہ ﷺ کے اعضائے مبارکہ کو مس کئے ہوئے ہے علی الاطلاق افضل ہے۔ یہاں تک کہ کعبہ و عرش و کرسی سے بھی افضل ہے۔ چنانچہ ہمارے فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور جب فضیلت خاصہ کی وجہ سے تین مسجدیں عموم نہی سے مستثنیٰ ہوگئیں تو بدرجہا اولیٰ ہے کہ بقعہ مبارکہ فضیلت عامہ کے سبب مستثنیٰ ہو۔

ہمارے بیان کے موافق بلکہ اس سے بھی زیادہ بسط کے ساتھ اس مسئلہ کی تصریح ہمارے شیخ العلماء حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ نے اپنے رسالہ زبدۃ المناسک کی فصل زیارت مدینہ منورہ میں فرمائی ہے جو بار ہا طبع ہو چکا ہے۔ نیز اس مبحث میں ہمارے شیخ المشائخ مفتی صدر الدین دہلوی قدس سرہٗ کا ایک رسالہ تصنیف کیا ہوا ہے جس میں مولانا نے وہابیہ اور ان کے موافقین پر قیامت ڈھادی اور بیخ کن دلائل ذکر فرمائے ہیں اس کا نام ہے احسن المقال فی شرح حدیث لاتشد الرحال! وہ طبع ہو کر مشتہر ہو چکا ہے۔ اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم (التصدیقات لدفع التلبیسات معروف بمہند ص ۵۔۶۔۷)

اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مسلک حضوری مدینہ منورہ کے بارے میں مرجوح بلکہ غلط مسلک ہے۔ مدینہ منورہ کی حاضری محض جناب سرور کائنات علیہ السلام کی زیارت اور آپ کے توسل کی غرض سے ہونی چاہئے۔ آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام مومنین و شہدا کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی ہے اور از قبیل حیات دینوی بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے۔ آپ سے توسل نہ صرف وجود ظاہری ہے کے زمانہ میں کیا جاتا تھا بلکہ اس برزخی وجود میں بھی کیا جانا چاہئے۔ محبوب حقیقی تک وصال اور اس کی رضا صرف آپ ہی کے ذریعہ اور وسیلہ سے ہو سکتی ہے اسی وجہ سے میرے نزدیک یہی ہے کہ حج سے پہلے مدینہ منورہ جانا چاہئے اور آپ کے توسل سے نعمت قبولیت حج وعمرہ کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے۔ مسجد کی نیت خواہ تبعاً کر لی جائے مگر اولیٰ یہی ہے کہ صرف جناب رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی نیت کی جائے تاکہ "لا تحمله حاجة الا زيارتي" والی روایت پر عمل ہو جائے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام مکتوب ۴۵ ج ۱ ص ۱۲۹۔۱۳۰)

آپ ﷺ کے دست اقدس کو حضرت رفاعیؒ نے بوسہ دیا:

(سوال ۳۱) حضرت سید احمد کبیر رفاعیؒ مدینہ تشریف لے گئے اور آنحضرت ﷺ کے روضۂ مبارک کی زیارت کی تو سرورکائنات ﷺ کا دست مبارک نمودار ہوا اور حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمہ اللہ نے دست مبارک کو بوسہ دیا۔ یہ حقیقت کہاں تک صحیح ہے۔ بحوالہ کتب جواب عنایت فرمائیں بینوا توجروا۔

(الجواب) حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنے رسالہ ''شرف محتم'' میں سلسلہ وار سند سے لکھا ہے کہ وہ روایت کرتے ہیں کہ شیخ کمال الدینؒ سے اور وہ شیخ شمس الدین جزری سے اور وہ شیخ زین الدین مراغی سے اور وہ شیخ عزالدین احمد فاروقی کے واسطے اور وہ اپنے والد شیخ ابواسحاق ابراہیم سے اور وہ اپنے باپ شیخ عزالدین عمر سے رحمہم اللہ تعالیٰ کہ میں ۵۵۵ھ میں سید احمد رفاعی کے ساتھ سفر حج میں تھا۔ جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے اور روضہ شریف پر حاضر ہوئے تو انہوں نے ان الفاظ سے سلام عرض کیا۔ السلام علیکم یا جدی (اے نانا جان! آپ پر سلام) وہاں سے جواب عطا ہوا وعلیک السلام یا ولدی (تجھ پر سلام اے میرے بیٹے) کہ اس کو تمام اہل مسجد نے سنا۔ حضرت سید احمد رفاعی پر وجد شدید نے غلبہ کیا اور بڑی دیر تک روتے رہے اور شدت شوق میں عرض کیا۔ یا جداہ

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها
تقبل الارض عنی وهی نائبتی
وهذه دولة الاشباح قد حضرت
فامدد یمینک کی تحظی بها شفتی

یعنی! اے نانا جان! حالت بُعد میں اپنی روح کو حضور ﷺ میں بھیج دیا کرتا تھا وہ نائب بن کر زمین بوس ہو جاتی تھی۔ اب جسم کی حاضری کی نوبت آئی ہے سو ذرا اپنا دایاں دست مبارک دیجئے تاکہ میرا لب اس کے بوسہ سے مشرف ہو جائے! پس فوراً آپ ﷺ کا دست مبارک چمک اور مہک کے ساتھ قبر شریف سے ظاہر ہوا اور ہزاروں آدمیوں نے زیارت کی۔ اور سید رفاعیؒ نے اس کا بوسہ لیا۔ (مجمع البحور ص ۱۸۶)

اس عظیم الشان واقعہ کی تفصیل بالسند کتب معتبرہ میں نقل کی گئی ہے شک وشبہ کی ضرورت نہیں۔ اولیاء اللہ کے کرامت کا ظاہر ہونا، عقل اور نقل دونوں طریقہ سے ثابت ہے۔ قرآن اور حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اصل فعل باری تعالیٰ کا ہوتا ہے۔ بندہ کو اس کے ظہور کا ذریعہ بنایا جاتا ہے اور اس طرح بارگاہ رب العزت میں اس کے تقرب اور اس کی مقبولیت کی شہادت مہیا کی جاتی ہے۔

مرغی کا بیضہ چاروں طرف سے قلعہ کی طرح بند ہوتا ہے۔ اس میں ذرا بھی سوراخ نہیں ہوتا مگر پھر ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اسی بند قلعہ سے اچانک ایک بچہ نکل آتا ہے جو بہت کمزور ہوتا ہے۔ اگر قادر ذوالجلال کی یہی قدرت کارفرما ہو اور نبی کریم ﷺ کا دست مبارک (جن کی حیات مسلمہ حقیقت ہے) قبر شریف سے باہر نکلے تو اس میں خلاف عقل کیا بات ہے؟ البتہ خلاف عادت ضرور ہے۔ اسی لئے اس کو کرامت کہا جاتا ہے۔ اولیائے کرام رحمہم اللہ سے جو باتیں ظاہر ہوں وہ کرامت کہلاتی ہیں۔ مگر ولی کی کرامت درحقیقت اس نبی کا

معجزہ ہوتا ہے جس کا یہ امتی ہے اور جن کی اتباع اور پیروی کے صلہ میں اس کو یہ کمال حاصل ہوا ہے ۔اس طرح پانی پر چلنا ، ہوا پر اڑنا وغیرہ بھی کرامتیں ہیں جن کو حسی کرامت کہا جاتا ہے (یعنی جو آنکھوں سے نظر آئیں) یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ عموماً حسی کرامتوں ہی کو کمال سمجھا جاتا ہے ۔مگر اہل کمال کے نزدیک ''کرامت معنوی'' کمال ہے ۔یعنی شریعت مصطفوی ﷺ پر مضبوطی سے ثابت قدم رہنا زندگی کے ہر شعبہ میں اور ہر ایک موقع پر سنت اور غیر سنت کے فرق کو سمجھ کر سنت رسول ﷺ کی مکمل اتباع اس کا شوق اور اس کی لگن اور دل سے توجہ الی اللہ اور اشتغال باللہ کہ ایک دم اور ایک سانس بھی غفلت میں نہ گذرے ۔حضرت محبوب سبحانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک بزرگ چشتیہ حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ :

مجھ کو کئی سال نسبت حق میں قبض تھا ۔آپ کے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قبض کی شکایت کی تو حضرت خواجہ کی توجہ و دعا سے میری حالت قبض بسط سے بدل گئی ۔آپ بھی کچھ توجہ فرمائیں کیونکہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ نے اپنے تمام خلفاء اور مریدین کو آپ کے حوالہ کر دیا ہے تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ میرے پاس تو اتباع سنت کے سوا کچھ بھی نہیں ۔یہ سنتے ہی ان بزرگ پر حال طاری ہوا اور کثرت نسبت اور قوت باطنی کے اثرات سے سرہند شریف کی زمین جنبش کرنے لگی ۔حضرت امام ربانیؒ نے ایک خادم سے فرمایا کہ طاق میں سے مسواک اٹھا لاؤ ۔آپ نے مسواک کو زمین پر پٹک دیا ،ہی وقت زمین ساکن ہوگئی اور ان بزرگ کی کیفیت جذبی بھی جاتی رہی ۔اس کے بعد آپ نے ان بزرگ سے فرمایا کہ تمہاری کرامت سے زمین سرہند جنبش میں آ گئی اور اگر فقیر دعا کرے تو انشاء اللہ سرہند شریف کے مردے زندہ ہو جائیں ۔لیکن میں تمہاری اس کرامت (جنبش زمین) سے اور اپنی اس کرامت سے کہ دعا سے سرہند شریف کے تمام مردہ زندہ ہو جائیں ،اثناء وضو میں بطریق سنت مسواک کرنا بدرجہا افضل جانتا ہوں ۔(دیباچہ درلا ثانی شاہ محمد ہدایت علی جیپوری ج ۳ ص ۶۔۷)

حضرت محبوب سبحانی غوث اعظم سید احمد کبیر رفائی رحمہ اللہ کامل متقی اور متبع سنت اور بدعت کے سخت دشمن تھے ۔آپ کی بنیادی تعلیم یہ تھی کہ خدا کی تلاش رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ کرو ۔(البنیان المشید ص ۴) اور اس محمدی ﷺ طریقہ کی اساس کو سنت کو زندہ کرکے اور بدعات کو مٹا کر مضبوط کرو ۔(ایضاً ص ۸)

کرامت اتباع سنت کا ثمرہ ہے ۔آنحضرت ﷺ کی اتباع کے بغیر کوئی کمال حاصل نہیں ہو سکتا ۔حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر ایک فضیلت اور اور ہر ایک کمال آنحضرت ﷺ کی پیروی اور آپ کی شریعت کی تابعداری ہی پر موقوف ہے ۔(مکتوبات امام ربانی ج ۱ ص ۱۳۵)

لہذا طریقہ سنت کی اتباع کے بغیر جو کوئی بھی تعجب کی بات دیکھنے میں آئے وہ ہرگز کرامت نہیں استدراج اور شیطانی حرکت ہے ۔

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تمہاری نظروں میں ایسا کمال والا آدمی ہو جو ہوا پر مربعا چوکڑی مار کر آلتی پالتی لگا کر بیٹھتا ہو اور پانی پر چلتا ہو تو جب تک تم امتحان نہ کر لو کہ احکام اسلام اور شرعی حدود کی پابندی میں کیسا ہے ،ہرگز اس کو نظر میں نہ لاؤ ۔

حضرت بسطامیؒ سے کہا گیا کہ فلاں آدمی ایک رات میں مکہ پہنچ جاتا ہے تو آپؒ نے فرمایا کہ شیطان تو ایک جھپک میں مشرق سے مغرب میں پہنچ جاتا ہے حالانکہ وہ لعنۃ اللہ میں گرفتار ہے۔ (بصائر العشائر ص ۶۱۲)

پیشواء طریقت حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ واصل الی اللہ ہونے کی بے شمار طریقے اور راستے ہیں مگر مخلوق کے لئے تمام راستے بند ہیں۔ اس کے لئے صرف وہی راستہ کھلا ہوا ہے جو اتباع رسول اللہ ﷺ کی شاہراہ ہے۔

حضرت ابوحفص کبیر حداد رحمۃ اللہ علیہ جو اہل طریقت میں بڑے بزرگ تھے، فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے اقوال، حالات اور امور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی میزان میں نہیں تولے اور خواہشات نفس کو برا نہ سمجھا تو اس کو بزرگوں کی فہرست میں داخل نہ کرو۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ:۔ اے فرزند! آنچہ فردا بکار خواہد آمد متابعت صاحب شریعت است علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ۔ احوال و مواجید علوم و معارف و اشارات و رموز اگر با آں متابعت جمع شوند فبہا ونعمت والا جز خرابی واستدراج ہیچ نیست۔

یعنی اے فرزند جو چیز کل کو (قیامت میں) کارآمد ہوگی، وہ صاحب شریعت ﷺ کی متابعت اور پیروی ہے۔ درویشانہ حالات اور عالمانہ وجد، علوم و معارف، صوفیانہ رموز و اشارات اگر آنحضرت ﷺ کی اتباع اور پیروی کے ساتھ ہوں تو بے شک بہت بہتر ہیں؟ اور اگر یہ باتیں پابندی شریعت اور اتباع سنت کے جوہر کے بغیر ہوں تو خرابی اور استدراج کے سوا ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۱ ص ۱۸۵ مطبع مرتضوی دہلی)

اور فرمایا۔ باوجود مخالفت شریعت اگر چہ برابر سر موئے باشد اگر بالفرض احوال و مواجید دست دہد داخل استدراج است آخر او را رسوا خواہند ساخت۔ **خلاصی بے اتباع محبوب رب العالمین علیہ وعلی آلہ من الصلوٰۃ افضلہا ومن التسلیمات اکملہا ممکن نیست۔** (مکتوبات امام ربانی ج ۱ ص ۱۰۰) یعنی شریعت کے خلاف کرنے کے باوجود چاہے وہ بال برابر ہی ہو، اگر مان لو کہ احوال اور کوائف حاصل ہو جاویں تو وہ سب استدراج شمار ہوں گے، کار پردازان قضا و قدر آخر کار اس کو شرمندہ اور ذلیل کریں گے۔ محبوب رب العالمین ﷺ کی اتباع کے بغیر خلاصی اور نجات ممکن نہیں۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۱ ص ۱۰۰)

اس زمانہ میں پیرزادے یا ایسے لوگ جن سے کوئی تعجب خیز بات ظاہر ہوئی ہو، غوث، قطب یا پیر تسلیم کر لئے جاتے ہیں، چاہے ان کے عقائد و اعمال کتنے ہی خلاف شرع ہوں چاہے وہ داڑھی منڈے اور سینما کے ایکٹر ہوں (انا للہ الخ) یہ کتنی بڑی گمراہی ہے حق تعالیٰ فہم سلیم و توفیق صحیح نصیب فرمائے۔ آمین۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

جس نے پیغمبر ﷺ کے طریقہ کے خلاف کوئی راستہ اختیار کیا وہ کبھی منزل مقصود تک نہیں پہنچے گا۔

میندار سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز در پے مصطفےٰ

سعدی! یہ گمان کرنا کہ پیغمبر ﷺ کی تابعداری کے بغیر راہ راست حاصل ہو جائے گا فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کیا آنحضرت ﷺ بشر نہ تھے؟:

(سوال ۳۲) بریلوی رضاخانی مولویوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت رسول خدا ﷺ بشر یعنی انسان نہ تھے اور کہتے ہیں کہ جو لوگ آپ کی بشریت کے قائل ہیں یعنی آپ کو بشر مانتے ہیں وہ لوگ (معاذ اللہ) کافر اور خارج از اسلام ہیں۔ لہذا خلاصہ فرمائیے۔

(الجواب) حضرت رسول مقبول ﷺ اور دیگر انبیاء کرام (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کا بشر (انسان) ہونا قطعی ہے۔ قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ اس کا منکر نص قرآنی واحادیث کا منکر ہے۔

ہمارے نبی آخر الزماں ﷺ تیرہ سو برس پہلے اپنی امت کو جو ضروری پیغام دے گئے تھے کہ تم لوگ مجھ کو حد سے نہ بڑھاؤ جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کو حد سے بڑھا دیا تھا۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ مجھے خدا کا بندہ اور اس کا رسول کہو! (بخاری و مسلم)

افسوس اس پیغام کی نقیض کا یہ ایک نمونہ ہے کہ اہل بدعت آنحضرت ﷺ کی بشریت ہی کے منکر ہیں۔ حالانکہ قرآن حکیم میں جگہ جگہ آپ ﷺ کی بشریت کا اعلان کیا گیا ہے خود آنحضرت ﷺ کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بشر کہیں تا کہ آنحضرت ﷺ کی حقیقت بشریہ کا امت کو علم ہو جائے اور وہ عیسائیوں کی طرح آپ کو الوہیت میں داخل کر کے گمراہی میں مبتلا نہ ہوں!

(۱) حق تعالیٰ کا فرمان ہے۔ **قل سبحان ربی هل كنت الا بشراً رسولاً** یعنی (اے رسول مقبول) آپ کہدو کہ سبحان اللہ! میں صرف بشر رسول ہوں (سورۂ بنی اسرائیل)

(۲) سورۂ کہف وحم سجدہ میں ہے۔ **قل انما انا بشر مثلكم الآية**. یعنی (اے رسول مقبول) آپ کہہ دیجئے کہ میں بھی تم جیسا بشر ہی ہوں (فرق یہ ہے کہ) مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود فقط ایک اللہ ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں۔

آنحضرت ﷺ کی طرح سابق انبیاء نے بھی اپنی قوم کو اسی طرح جوابات دیئے تھے۔ مثلاً ارشاد خداوندی ہے۔ **قالت رسلهم ان نحن الا بشر مثلكم**، یعنی ان کے پیغمبروں نے کہا کہ ہم بھی تم جیسے ہی بشر ہیں مگر خدائے تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اسے (نبوت سے) سرفراز کرتا ہے۔ (سورۂ ابراہیمؑ)

حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے:۔

اللهم انما انا بشر اغضب كما يغضبون فايما رجل اذيتها وشتمته او لعنته فجعلها له صلوٰة وزكوة وقربة تقربه بها اليك! الٰہی میں ایک بشر (انسان) ہوں مجھ کو بھی غصہ آ جاتا ہے جیسا کہ اور انسانوں کو غصہ آتا ہے تو جس کسی مسلمان کو (بغلبۂ بشریت) میں تکلیف پہنچاؤں یا اسے برا بھلا کہہ دوں یا اس کے لئے بددعا کروں تو ان سب کو اس کے حق میں رحمت اور سبب تزکیہ اور قربت کا ذریعہ بنا دیجیو (جس سے آپ اس کو

اپنا مقرب بنالیں) اور حدیث شریف میں ہے۔ عن أم سلمة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ سمع خصومة بباب حجرتہ فخرج الیہم فقال انما انا بشر و انہ یاتینی الخصم فلعل بعضکم ان یکون ابلغ من بعض فاحسب انہ قد صدق و اقضی لہ بذالک فمن قضیت لہ بحق مسلم فانما ھی قطعة من النار فلیأ خذھا اوفلیتر کھا۔

یعنی حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ دو فریق اپنا جھگڑا لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ (انما انا بشر) میں ایک بشر ہی ہوں میرے پاس لوگ اپنا جھگڑا (مقدمہ) لے کر آتے ہیں ممکن ہے کہ ایک فریق اپنے دلائل صفائی سے پیش کرنے میں چالاک اور چرب زبان ہو میں سمجھ جاؤں کہ اس نے سچ کہا ہے اور اس بنا پر میں اس کے حق میں فیصلہ کردوں (مگر یاد رکھو) اس طریقہ سے جس کو بھی لاعلمی میں دوسرے کا حق دلوادوں تو وہ (اس کے لئے حلال نہیں بلکہ) جہنم کا ایک ٹکڑا ہے، چاہے تو وہ اس کو لے لے یا اس کو چھوڑ دے۔

(ابواب المظالم والقصاص باب اثم من خاصم فی باطل وھو یعلمہ صحیح بخاری پ ۹ ج ۱ ص ۳۳۲ اور پ ۲۹ ج ۲ ص ۱۰۶۲) عینی شرح بخاری ج ۱ ص ۲۵۷ شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۸۷)

اور ایک روایت میں ہے۔ عن رافع بن خدیج قال قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینة وھم یؤبرون النخل فقال ما تصنعون قالوا کنا نصنعہ قال لعلکم لو لم تفعلوا کان خیرا فترکوہ فنقصت قال فذکرو اذالک لہ فقال انما انا بشر اذاامر تکم بشی من امر دینکم فخذوا بہ واذا امر تکم بشی من رأی فانما انا بشر۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۸ باب الا عتصام بالکتاب والسنة)

حضرت رافع خدیج سے مروی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو مدینہ کے لوگ کھجور کی تابیر کیا کرتے تھے (یعنی اس تصور کی بنا پر کہ کھجوروں میں نر اور مادہ ہوتے ہیں، ایک کا قلم دوسرے میں لگاتے تھے) آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا کرتے ہو؟ حضرات انصار نے جواب دیا کہ یہی طریقہ ہے اور ایسے ہی ہم کیا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ ایسا نہ کرو تو بہتر ہوگا۔ چنانچہ حضرات انصار نے یہ عمل چھوڑ دیا۔ (مگر) اس سال کھجور کی پیداوار کم ہوئی، راوی کہتے ہیں کہ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''انما انا بشر'' میں ایک بشر ہی ہوں۔ جب میں دین کے معاملہ میں کسی بات کا حکم کروں تو اس کو لو اور اس پر عمل کرو (وہ من جناب اللہ ہوگا) اور جب میں اپنی رائے سے کوئی بات بتاؤں تو میں ایک بشر ہی ہوں (اس میں غلطی بھی ہوسکتی ہے اور اس میں آپ حضرات کو بھی رائے دینے کا حق ہے۔)

حضرت زید بن ارقمؓ سے ایک طویل حدیث مروی ہے۔ جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے:۔

قال قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فینا خطیباً بماء یدعیٰ خما بین مکة والمدینة فحمد اللہ واثنی علیہ ووعظ وذکر ثم قال اما بعد الا یایھا الناس فانما انا بشر یوشک ان یأتی رسول ربی فاجیب وانا تارک فیکم ثقلین الخ (مسلم شریف باب من فضائل علی بن أبی طالب

رضی اللہ عنہ ج ۲ ص ۲۷۹)

یعنی آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع سے فارغ ہوکر ''غدیر خم'' کے پاس پہنچ کر یہ خطبہ دیا۔ امابعد! لوگو! سن لو میں بھی ایک بشر ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ میرے رب کا قاصد میرے پاس آئے اور میں اس کو لبیک کہہ دوں۔ میں تمہارے درمیان دواہم چیزیں چھوڑے جاتا ہوں الخ۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۲۷۹)

آنحضرت ﷺ کو کئی مرتبہ نماز میں سہو ہوگیا۔ آپ نے فرمایا (ﷺ) **انما انا بشر انسی کما تنسون فاذا نیست فذکرونی** . یعنی میں بھی ایک بشر ہی ہوں جیسے تم بھولتے ہو میں بھی بھولتا ہوں میں بھول جاؤں تو یاد دلایا کرو۔ الحدیث۔

ایک اور حدیث میں ہے:۔ **عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخصف نعلہ ویخیط ثوبہ ویعمل فی بیتہ کما یعمل احد کم فی بیتہ وقالت کان بشرا من البشر** . (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۲۰ باب فی اخلاقہ وشمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی جوتی خود گانٹھ لیتے۔ اپنے کپڑے سی لیتے اور اپنے گھر میں ایسے ہی کام کرتے تھے جیسے تم اپنے گھروں میں کرتے ہو۔ حضرت عائشہؓ نے مزید فرمایا۔ **کان بشر امن البشر** یعنی آنحضرت ﷺ بھی انسانوں میں سے ایک انسان تھے (گھر کے کاموں میں اسی کا ظہور ہوتا تھا)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اے برادر محمد ﷺ باآں علوشان بشر بود وبہ داغ حدوث و امکان مقسم۔ یعنی اے برادر! حضرت محمد ﷺ عالی شان ہستی ہونے کے باوجود بشر تھے حدوث وامکان سے داغدار تھے۔ (مکتوب نمبر ۱۰۳ ص ۱۷۷)

دوسرے ایک مکتوب میں انبیاء کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ خود را بشر مثل سائر بشری گفتند!

یعنی انبیاء علیہم السلام دوسرے انسانوں کی طرح اپنے آپ کو بشر کہتے تھے (مکتوب نمبر ۱۶۷ ج ا ص ۱۷۱)

اور مصنف ''قصیدہ بردہ'' فرماتے ہیں۔ **فمبلغ العلم فیہ انہ بشر وانہ خیر خلق اللہ کلھم**. آنحضرت ﷺ کے متعلق ہمارے علم کی آخری پرواز (پہنچ) یہ ہے کہ آپ بشر ہیں اور آپ خدا کی ساری مخلوق میں سب سے افضل ہیں۔ (قصیدہ بردہ)

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

شیخ ابن ہمامؒ (علم عقائد کے امام) فرماتے ہیں۔ **ان النبی انسان بعثہ اللہ بتبلیغ ما اوحی الیہ** (مسامرہ ص ۱۹۸) یعنی بے شک نبی انسان ہوتا ہے جس کو خدا تعالیٰ اس لئے مبعوث فرماتے ہیں کہ ان کو جو کچھ وحی سے بتایا جائے اس کی تبلیغ کریں۔

ان آیات۔ احادیث اور اقوال بزرگان سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ بے شک بشر اور انسان تھے۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ کی بشریت کے قائل کو کافر سمجھنا، کافر کہنا اور خارج از اسلام بتانا قطعاً غلط اور باطل ہے بلکہ مفتی بغداد علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی البغدادیؒ نے اپنی مشہور کتاب تفسیر روح المعانی میں ایک فتویٰ نقل کیا ہے

جس میں اس کو کافر قرار دیا گیا ہے جو آنحضرت ﷺ کی بشریت کا انکار کرے۔

وقد سئل الشیخ ولی الدین العراقی هل العلم یکونه صلی الله علیه وسلم بشراً من العرب شرطٌ فی صحة الایمان او من فروض کفایة فاجاب انه شرط فی صحةالایمان ثم قال فلو قال شخص او من برسالة محمد صلی الله علیه وسلم الی جمیع الخلق لکن لا ادری هل هو من البشر او من الملائکة اومن الجن او لا ادری هل هو من العرب او من العجم فلا شک فی کفره لتکذیبه القران.

یعنی حضرت شیخ ولی الدین عراقی رحمۃ اللہ سے سوال کیا گیا کہ کیا صحت ایمان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ کو بشر جانے۔ یا یہ جاننا فرض کفایہ ہے کہ بعض کا جان لینا کافی ہوجائے گا؟ تو جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ کو بشر جاننا اور سمجھنا صحت ایمان اور شرائط اسلام میں سے ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص یوں کہدے کہ میں ایمان لایا آنحضرت ﷺ کی رسالت پر اور آپ ہی تمام مخلوق کے نبی ہیں مگر مجھے یہ خبر نہیں کہ آپ ﷺ بشر تھے یا ملائکہ میں سے تھے یا جنوں میں سے تھے تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں کیونکہ اس نے قرآن کو جھٹلایا۔

(تفسیر روح المعانی ج۲ ص ۱۰۱ پ ۴ قاله رحمه الله تعالیٰ فی تفسیر لقد من الله علی المؤمنین اذبعث فیهم رسولاً الخ رقم الایة ۱۶۴)

غرض یہ کہ آنحضرت ﷺ کی بشریت کے بارے میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں مگر یہ بھی خوب سمجھ لینا چاہئے کہ آپ ﷺ صرف بشر ہونے میں دوسرے انسانوں کی طرح تھے نہ کہ تمام صفات وکمالات میں!

چہ نسبت خاک را باعالم پاک!

حقیقت یہ ہے کہ آپ کی مثال انسانوں میں ایسی ہے جیسے پتھروں میں یاقوت: یاقوت ذات کے اعتبار سے پتھر ہے مگر یاقوت اور دوسرے پتھروں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی شان یہ ہے کہ "بشر لا کالبشر و لکن کالیاقوت بین الحجر" آپ ﷺ بشر تو ہیں مگر اور انسانوں کے مانند نہیں ہیں بلکہ آپ انسانوں میں ایسے ہیں جیسے پتھروں میں یاقوت ہوا کرتا ہے کہ جنس کے اعتبار سے تو وہ بھی پتھر ہی ہے مگر زمین آسمان کا فرق ہے یاقوت میں اور دوسرے پتھروں میں! واقعی یہی بات ہے۔

گفتہ اینک مابشر ایشاں بشر
ماوایشاں بستۂ خوابیم وخور
این نداستند ایشاں ازعمی
درمیان فرقے بود بے منتہا

(ایواء الیتامی ص۲۶)

آنحضرت ﷺ بشر ہی ہیں مگر مجموعۂ بشر سے عالی مرتبت افضل واکمل اور اقدس واطہر ہیں۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو سند نبوت واکرام سے نوازا اور وہ باطنی، ظاہری، دنیوی، اخروی خوبیاں، محاسن اور کمالات عطا فرمائے جو کسی بھی

انسان کے لئے ممکن نہیں اللہ تعالیٰ نے جو مرتبہ آپ کو عطا فرمایا وہ کسی بھی نبی، ولی یا ملک مقرب کو عطا نہیں ہوا۔ جبرائیل امینؑ نے بھی شب معراج میں ایک خاص مقام پر آ کر اپنی عاجزی کا اعتراف کرلیا۔

اگر یک سر موئے بر تر پرم
فروغ تجلّی بسوزد پرم

بہر حال جس طرح آپ ﷺ کو بشر ماننا جزو ایمان ہے۔ ایسے ہی آپ ﷺ کی بشریت کو ہر بشر سے بالا اور مقدس ماننا بھی ضروری ہے۔ حتیٰ کہ علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ کا بول و براز ناپاک نہیں ہوتا تھا۔ پسینے کی خوشبو مشک وعنبر سے بہتر ہوتی تھی۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ کا سایہ نہیں پڑ سکتا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم۔

''فرمان مصطفوی'' نامی ہینڈ بل (اشتہار) غلط ہے!:

(سوال ۴۳) کچھ دن ہوئے میرے نام بغیر نام و پتہ کے کچھ کاغذ آئے ہیں، جس میں لکھا ہوا ہے کہ ایک شخص کو حضور ﷺ نے خواب میں بشارت دی ہے کہ مسلمانوں کو کہہ دو نماز پڑھیں، قیامت آنے والی ہے۔'' اس مضمون کو نقل کر کے دس آدمیوں کو پہنچاؤ گے تو تجھ کو بہت نفع ہوگا ورنہ نقصان ہوگا۔ ایک شخص نے ایسا کیا تو پندرہ ہزار روپے ملے۔ اور ایک شخص نے اس طرح پرچے نہ لکھے تو اس کا لڑکا مر گیا۔ بہت سے لوگ اس طرح سے) خط لکھتے ہیں تو ایسے خطوط لکھنا اور ایسا عقیدہ رکھنا کیسا ہے؟ اسی طرح ''فرمان مصطفوی'' والا اشتہار وقتاً فوقتاً نکلتا رہتا ہے، جو اس وقت خط کے ساتھ ارسال خدمت ہے۔

(الجواب) ''فرمان مصطفوی'' نامی یہ اشتہار اور وصیت نامہ بالکل مصنوعی اور بناوٹی (جعلی) ہے۔ کسی چالاک مخالف اسلام (یہودی یا کسی اور دشمن اسلام) کا یہ ایک پینترہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلام سے بدظن کرے اور ان کے اعتقاد کمزور کرے کہ جب وصیت نامہ میں لکھنے کے مطابق واقعات نہ ہوں گے (جیسا کہ ۱۳۸۰ھ میں عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور خروج دجال وغیرہ) تو مسلمانوں کے عقائد ڈانواڈول ہو جائیں گے۔ اور آنحضرت ﷺ کی دوسری پیشگوئیوں سے بھی وثوق اور بھروسہ اٹھ جائے گا بلکہ آپ ﷺ کے نبی ہونے میں بھی شک وشبہ کرنے لگیں گے اس چیز کو بھولے بھالے مسلمان نہیں سمجھ سکتے۔ نماز، روزہ توبہ وغیرہ کا دلکش ذکر دیکھ کر دھوکہ میں پھنس جاتے ہیں اور وقتاً فوقتاً ایسے اشتہارات چھپوا کر، قریہ اور بستی بستی خطوط لکھ لکھوا کر، غلط باتوں کو چھپوا کر مال وایمان کی بربادی کے موجب بن جاتے ہیں۔ ایسے اشتہارات وخطوط لکھنے سے نفع ہونے، اور نہ لکھنے سے جانی و مالی نقصان ہونے کا عقیدہ رکھنا موجب گناہ اور نادانی ہے۔ مسلمانوں کو اس سے ضرور بچنا چاہئے! فقط۔

راندیر میں تبع تابعین رحمہم اللہ:

(سوال ۴۴) راندیر میں آپ کی بڑی جامع مسجد کے متصل تبع تابعین کے چار مزارات ہیں یہ تمام مرد ہیں یا ان میں کوئی عورت بھی ہے نام کیا ہیں کس سنہ میں آئے تھے وغیرہ سندی تفصیل سے مطلع کریں تو بڑی عنایت ہوگی۔

(الجواب) ۱۳۴۲ھ میں احقر یہاں امام بن کر آیا اس وقت ضعیف العمر نمازیوں سے سنا تھا کہ تقریباً ۵۰ سال پہلے

کانپور سے کوئی بزرگ آئے تھے ان کا بیان تھا کہ مجھ کو بشارت ہوئی ہے کہ رانديرمیں حضرات تبع تابعین رحمہم اللہ کی چند قبریں ہیں جگہ کی تعیین بھی انہوں نے فرمائی اور کہا کہ مجھ کو یہاں خوشبو آرہی ہے اسی جگہ ان کی قبریں ہیں چنانچہ ان کی بتائی ہوئی جگہ پر چار قبریں بنادی گئیں تب سے مشہور ہے کہ یہ تبع تابعین کی قبریں ہیں۔ اس کی سوا اور کوئی سند اور نام وغیرہ تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔ شہرت عوام بے درجہ تحقیق کو نہیں پہنچی اور کسی سلسلہ روایت کے نہ ہونے کی بنا پر لاتصدق ولاتکذب کے درجہ میں ہے۔ فقط واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

آنحضرت ﷺ کے والدین کی وفات کب ہوئی؟:

(سوال ۳۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع عظام از روئے فرمان اللہ ورسول اللہ (ﷺ) کے اس مسئلہ میں کہ ابوین کریمین وجد امجد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دور رسالت سے پہلے وفات پاگئے یا بعد میں؟

(الجواب) آنحضرت ﷺ کے ابوین میں سے والد ماجد تو آپ کی ولادت سے پہلے وفات پاگئے تھے اور والدہ ماجدہ کی وفات اس وقت ہوئی جب کہ آپ کی عمر مبارک چھ ۶ سال کی تھی اور دور رسالت تو ۴۰ سال سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ابوین نے دور رسالت نہیں پایا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب) کتبہ السید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہ ولوالدیہ۔

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کا اسلام:

(سوال ۳۶) اور یہ حضرات مسلمان ہیں یا نہیں؟

(الجواب) اس میں اختلاف ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس میں سکوت اختیار کیا جائے۔ اس نازک بحث میں پڑنا نہیں چاہئے۔ اس کا عقیدہ سے تعلق نہیں اس لئے سکوت بہتر ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

آنحضرت ﷺ کے والدین کے لئے ایصال ثواب:

(سوال ۳۷) ان حضرات کے لئے ایصال ثواب ودعا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور درود شریف پڑھ کر ثواب پہنچا سکتے ہیں۔ یا نہیں؟

(الجواب) بعض کے نزدیک جائز ہے اور بعض کے نزدیک جائز نہیں۔ مسئلہ اختلافیہ اور نازک ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ولی ہونے کا معیار کیا ہے؟ جو شخص پابند شرع نہ ہو وہ ولی ہوسکتا ہے؟ اگر ایسے شخص سے خرق عادت کوئی چیز ظاہر ہو تو اسے کرامت کہیں گے؟:

(سوال ۳۸) آج کل قصبہ خیر الو (ضلع مہسانہ، گجرات) میں ایک باپو (بناوٹی پیر) ظاہر ہوئے ہیں ان کا دعویٰ ہے

---

(۱) علامہ شامی نے دونوں اقوال ذکر کر کے کہا کہ اس مسئلہ میں توقف کیا جائے یہ ان مسائل سے نہیں جن کے متعلق سوال کیا جائے گا وبالجملة كما قال بعض المحققين أنه لا ينبغي ذكر هذه المسألة الا مع مزيد الادب وليست من المسائل التى يضر جهلها أو يسأل عنها فى القبر او فى الموقف فحفظ اللسان عن التكلم فيها الا بخير اولى واسلم. شامی ج ۲ ص ۱۸۵ باب نكاح الكافر.

اور عوام کا بھی تاثر یہ ہے کہ ان کی پھونک کا اثر ایک میل تک پہنچتا ہے۔اور ایک میل کے احاطہ میں بوتلوں وغیرہ میں جو پانی بھر کر رکھا جاتا ہے اس میں ازالۂ مرض کی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔اور ایسا سنا گیا ہے کہ ہزاروں مریض شفایاب ہوئے ہیں،عوام اس باپو (مصنوعی پیر) کو خدا کا ولی اور ان کی پھونک کو کرامت سمجھتے ہیں اور پانی پر دم کرانے کے لئے مردوزن کا اژدحام ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگوں کی نمازیں بھی قضا ہو جاتی ہیں۔اور ان کی حالت یہ ہے کہ وہ باپو صاحب نہ نماز کے پابند ہیں اور نہ جماعت کا اہتمام کرتے ہیں، نہ متبع سنت ہیں، داڑھی بھی نہیں رکھتے نامحرم اجنبی عورتوں سے ملتے ہیں مصافحہ کرتے ہیں،لوگ ان کے آگے جھکتے ہیں سجدہ کرتے ہیں اور وہ روکتے بھی نہیں تو کیا ان کو ولی اور ان کی پھونک کو کرامت کہہ سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(نوٹ) عالیپور،لاجپور،اور سورت شہر وغیرہ کے مسلمانوں کے سوالات کا یہ خلاصہ ہے ۱۲)۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً و باالله التوفیق: یہ فتنہ کا زمانہ ہے خدا محفوظ رکھے،حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ بھی اس سے پناہ مانگتے تھے اور فرماتے تھے۔" **هذا آخر الزمان اللهم انا نعوذ بک من شره** " یہ آخری زمانہ ہے اے خدا ہمیں اس کے شر سے محفوظ رکھئے۔(ملفوظات مع فتح ربانی ص ۶۶۵)

جمع الجوامع میں حدیث ہے کہ اخیری زمانہ میں شیطان بزرگوں کی صورت میں آ کر لوگوں کو گمراہ کرے گا (معاذ اللہ) آنحضرت ﷺ کی وفات سے امام مہدی علیہ السلام کے ظہور تک قیامت کی جونشانیاں ظاہر ہوں گی وہ علامت صغریٰ ہیں،اور امام مہدی کے ظہور سے نفخ صور تک جونشانیاں ظاہر ہوں گی وہ علامت کبریٰ ہیں،لوگوں کا ایمان و یقین ابھی سے ڈانواڈول ہے،اور "با مسلمان اللہ اللہ بابرہمن رام رام" جیسی حالت ہورہی ہے اور باپو کی پھونک پر فریفتہ ہو کر نمازیں، جمعہ اور جماعات قربان کررہے ہیں، بے حیائی، بے پردگی بے شرمی کا مظاہرہ کر کے شیطانی دام میں پھنس کر خدا کی لعنت کا شکار بن رہے ہیں ابھی ان کی یہ حالت ہے تو جب قیامت کی علامات کبریٰ ظاہر ہوں گی، دجال نکلے گا اس کے کرشمے نہایت حیرت انگیز ہوں گے،مردوں کو زندہ کرے گا۔اس کے ساتھ اس کی جنت جہنم بھی ہوگی، ماننے والوں کو جنت میں اور اس کی تکذیب کرنے والوں کو جہنم میں ڈالے گا،قحط سالی ہوگی کسی کے پاس اناج غلہ نہ ہوگا اور اس وقت اپنے مطیعین کو اناج دے گا بارش برسائے گا،اناج پیدا کرے گا،مدفون اور مخفی خزانے اس کے حکم کے تابع ہوں گے،اس وقت باپو کی پھونک سے متاثر ہونے والوں کی کیا حالت ہوگی؟ ایسے ضعیف الایمان اور ڈانواڈول مسلمان اپنا ایمان کس طرح محفوظ رکھ سکیں گے؟

اس میں کلام نہیں کہ قرآنی آیات،اسمائے الٰہی اور جائز عملیات تعویذ جھاڑ پھونک اور منتر وغیرہ سے (جو کفریہ اور شرکیہ کلمات سے بری اور پاک ہوں اور جن کے معانی سے واقف ہو علاج کیا جاسکتا ہے۔)

حضور اقدس ﷺ کا فرمان ہے کہ خدا تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں اتاری مگر اس کے لئے شفا (دوا علاج) بھی ضرور اتاری ہے **عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما انزل الله داء الا انزل له شفاء رواه البخاری** (مشکوۃ شریف ص ۳۸۷ کتاب الطب والرقی)

عن جابر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لكل داء دواء فاذا

اصیب دواء الداء برء باذن اللہ .(رواہ مسلم ، مشکوۃ شریف ص ۳۸۷ کتاب الطب والرقی)
حضور اقدس ﷺ نے آشوب چشم، پھوڑا پھنسی اور ڈنگ وغیرہ کے لئے جھاڑ پھونک کی اجازت دی ہے۔
حضرت عوف بن مالکؓ کا بیان ہے کہ ہم قبول اسلام سے پہلے جھاڑ پھونک کرتے تھے۔ جب اسلام قبول کیا تو ہم نے بارگاہ نبوی ﷺ میں عرض کیا یا رسول اللہ! جھاڑ پھونک کا کیا حکم ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اپنا منتر سناؤ، جس منتر میں شرک نہ ہو وہ جائز ہے، مشکوۃ شریف میں ہے۔ **عن عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ قال کنا نرقی فی الجاھلیۃ فقلنا یا رسول اللہ کیف تری فی ذلک فقال اعرضوا علی رقاکم لاباس بالرقی مالم یکن فیہ شرک رواہ مسلم (مشکوۃ شریف ص ۳۸۸ ایضاً)**

کلام اس میں ہے کہ ایک پھونک سے ہزاروں لاکھوں انسان فیض یاب ہوتے ہیں اور ایک میل تک پانی میں تاثیر شفا پیدا ہوتی ہے اول تو یہ صحیح نہیں تو ہم پرستی۔ ضعیف الاعتقادی، اور یقین فاسد کا نتیجہ ہے اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تب بھی عادۃً محال ہے۔ اور خلاف عادت ہونے کی وجہ سے شرعی اصطلاح میں اسے (خرق عادت'' کہا جائے گا اگر ایسی خرق عادت چیز کسی نبی سے ظاہر ہو تو وہ معجزہ ہے، چنانچہ غزوۂ بدر میں حضور اکرم ﷺ نے زمین پر سے مٹی لے کر'' شاھت الوجوہ'' پڑھ کر دم کیا اور وہ دشمن کے فوج کی طرف پھینکی جو ہر کافر کے آنکھ میں پہنچی جس سے وہ آنکھیں ملنے لگے اس وقت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان کو قتل کیا، اللہ تعالیٰ نے قران کریم میں اس کو بیان فرمایا ہے۔ **وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی** ، یعنی آپ نے مٹی نہیں پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی (ترجمہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ سوۂ انفال پارہ نمبر ۹)

اور اگر ایسی کوئی خرق عادت چیز خدا کے ولی سے ظاہر ہو تو وہ کرامت ہے۔ اور اگر فاسق وفاجر سے ظاہر ہو تو وہ استدراج (شیطانی جال) ہے۔

صورت مسئولہ میں جب بابا نماز باجماعت کے پابند نہیں، بلکہ نماز کے بھی پابند نہیں ہیں۔ اور اس کی ڈاڑھی بھی نہیں۔ (جو جملہ انبیاء علیہم السلام کی متفقہ قدیم سنت ہے) تو یہ فاسق ہیں۔ اور فاسق ولی نہیں ہوتا لہٰذا اگر اس سے کوئی کرشمہ ظاہر ہو تو وہ کرامت نہیں استدراج شیطانی جال، سفلی عمل اور سحر ہے لہٰذا اس کے پاس جانا اور اس سے ماننا اور اسکے دم کردہ پانی کو متبرک سمجھ کر پینا جائز نہیں، اسی میں ایمان وعقائد کی حفاظت ہے۔

حضرت مولانا شیخ عبدالحق حقانی رحمہ اللہ (صاحب تفسیر حقانی) فرماتے ہیں:۔

''عوام کو کرامت اور استدراج میں تمیز نہیں۔ اس لئے بے نماز، شراب خوار فاسقوں کی خارق عادت باتیں دیکھ کر ان کے مطیع ہو جاتے ہیں اور ان خوارق کو کرامت اور اس فاسق کو ولی سمجھتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ ولی کا درجہ مومن صالح کے بعد ہے یعنی جب مومن صالح ہو لیتا ہے اس کے بعد ذات وصفات الٰہی کا عارف ہو کر لذات ترک کرتا ہے اور عبادت میں ہمہ تن مصروف ہوتا ہے تو جذبہ شوق الٰہی اسے بارگاہ کبریا میں کھینچ لے جاتا ہے تب وہ خاصان درگاہ میں شمار کیا جاتا ہے پھر اس وقت اس سے جو خوارق ظہور میں آویں ان کا نام کرامت ہے اور یہ شخص ولی ہے اور اگر اس درجہ کو نہیں پہنچا بلکہ فقط مومن صالح ہے تو اس کے خوارق کرامت نہیں اور اصطلاح میں یہ شخص ولی نہیں

پھر جو سرے سے مؤمن صالح ہی نہیں بلکہ کبائر میں مبتلا ہے یا مؤمن ہی نہیں وہ ہرگز ولی نہیں اور اس کے خوارق دام شیطانی ہیں کرامت نہیں بلکہ اس کو استدراج کہتے ہیں جیسا کہ پہلے اس کا ذکر ہو چکا ہے۔(عقائد اسلام ص ۱۵۲ ص ۱۵۴ باب افضل نمبر ۱۰)

خدا کا مقبول بندہ وہ ہے جو ذات باری اور صفات الٰہی کا عارف ہو اس کی طاعت ہو عبادت کا پابند ہو، متبع سنت ہو، گناہ سے بچتا ہو، محارم وشبہات سے اجتناب کرتا ہو ایسے انفاس قدسیہ کو "اولیاء اللہ" کہتے ہیں۔

ابو حفص کبیر حداد کا فرمان ہے "جس نے اپنے اقوال واحوال قرآن وسنت رسول اللہ ﷺ کے ترازوں میں نہیں تولے اور نفسانی خواہشات کو برا نہیں سمجھا تو وہ خدا کے نیک اور مقبول بندوں میں نہیں ہے۔

(البلاغ المبین فارسی ص ۴۶)

عارف باللہ شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اگر تم کسی کو دیکھو کہ اس کو عجیب وغریب باتیں ملی ہیں، ہوا میں اڑتا ہے، فضاء میں چارزانو ہو کر بیٹھتا ہے۔ پانی پر چلتا ہے تو جب تک وہ شریعت اور طریقہ سنت کا پابند نہ ہو اسے خیال میں نہ لاؤ۔ شیخ بایزید بسطامی رحمہ اللہ که مشائخ ملقب سلطان العارفین است نیز فرموده لو نظر تم الیٰ رجل اعطی انواعاً من الکرامات حتی یتربع فی الهواء او یمشی علی الماء فلا تعتبروا به حتی تنظروا کیف تجدونه عند الا مر والنهی وحفظ الحدود واداء احکام الشریعه (البلاغ المبین فارسی ص ۴۶) اور (رسالہ قشیریہ ص ۱۵)

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔ الطرق الی الله تعالیٰ کلها مسدودة علی الخلق الا من اقتفیٰ اثر الرسول. یعنی وصول الی اللہ کے جملہ طرق سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی کے بغیر بند اور باطل ہیں۔(قشیریہ ص ۲۰)(البلاغ المبین ص ۴۶)

حضرت ابوعبداللہ حارث بن اسدی محاسبیؒ فرماتے ہیں۔ من صحح باطنه بالمراقبة والا خلاص زین الله ظاهره بالمجاهدة واتباع السنة . ترجمہ:۔ جس کا باطن مراقبہ اور اخلاص سے درست ہو گیا تو خدا پاک اس کے ظاہر کو مجاہدہ اور اتباع سنت سے مزین فرماتا ہے (رسالہ قشیرہ ص ۱۳)(البلاغ المبین ص ۴۶)

حضرت ابوسعید خراز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کل باطن یخالفه الظاهر فهو باطل ہر باطن جس کا ظاہر مخالفت کرے (یعنی ظاہر باطن کی مطابق نہ ہو) تو وہ باطل اور مردود ہے (رسالہ قشیریہ ص ۲۴، البلاغ المبین ص ۴۵)

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ یقول من علامات المحب لله عزوجل متابعة حبیب الله صلی الله علیه وسلم فی اخلاقه وافعاله واوامره وسنته.

یعنی حب الٰہی کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ خدا کے حبیب ﷺ کی اتباع آپ کے اخلاق و اعمال اور ارشادات وسنتوں میں ہو (رسالہ قشیریہ ص ۹)

حضرت شیخ بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ ایک بزرگ کی شہرت سن کر زیارت کے لئے گئے وہ بزرگ اتفاق سے گھر سے مسجد آرہے تھے ان کو قبلہ کی جانب تھوکتے ہوئے دیکھا تو حضرت بایزید بسطامیؒ ملاقات کئے بغیر ہی واپس

چلے آئے اور فرمایا کہ جس کو رسول خدا ﷺ کے آداب (قبلہ کی حرمت) کا پاس نہیں ہے تو اس کی بزرگی کا کیا اعتبار۔ رسالہ قشیریہ میں ہے۔

یقول سمعت ابی . یقول قال لی ابو یزید قم بنا حتی ننظر الیٰ ھذا الرجل الذی قد شھر نفسہ بالولایۃ وکان رجلا مقصودا مشھورا بالزھد فمضینا الیہ فلما خرج من بیتہ رمی ببصاقہ تجاہ القبلۃ فانصرف ابو یزید و لم یسلم علیہ وقال ھذا غیر مامون علیٰ ادب من آداب رسول اللہ صلی اللہ وسلم فکیف یکون ماموناً علیٰ مایدعیہ .(رسالۃ قشیریہ ص ۱۵)

پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔ **کل حقیقۃ لا یشھد لھا الشرع زندقۃ .**
یعنی ہر وہ حقیقت جو شریعت محمد ﷺ کے خلاف ہو وہ گمراہی اور بد دینی ہے۔ (البلاغ المبین ص ۴۵)

ارشاد خداوندی ہے **وذرو اظاھر الا ثم وباطنہ** اور تم ظاہری و باطنی گناہ کو چھوڑ دو (سورۂ انعام ص ۸)
یعنی ہر قسم کے گناہ چھوڑ دو جن کا تعلق بیرونی اعضاء جسمانی (کان، ناک، آنکھ، زبان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ) سے ہے۔
اور اندرونی گناہ بھی جن کا تعلق محض دل اور اندرونی جذبات نفس سے ہے۔ (تفسیر مظہری ص ۲۰۴ جلد نمبر ۴ اردو)

باطن کا اثر ظاہر پر ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ظاہر اور باطن میں ایسا قوی رشتہ ہے کہ ایک کی اصلاح دوسرے کی اصلاح میں اور ایک کی خرابی دوسرے کی خرابی میں مؤثر ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔ بدنی ظاہری اعمال خیر کی بجا آوری کے بغیر دل کی درستگی کا دعویٰ ردو باطل ہے۔ جس طرح دنیا میں جسم بلا روح کے ہونا ناممکن ہے اسی طرح احوال بدنی ظاہری اعمال خیر کے بغیر محال ہیں۔ اس زمانہ میں بیشتر اس قسم کی مدعی بنے ہیں۔ خدا پاک اپنے حبیب ﷺ کے صدقہ میں ملحدات عقائد سے بچائے (مکتوبات امام ربانی ص ۵۳، ۵۴ ج ۱ فارسی، مکتوب نمبر ۳۹)

جو کوئی پابند شرع اور متبع سنت نہ ہو وہ کبھی خدا کا دوست اور ولی نہیں بن سکتا، اور اس سے کوئی عجیب بات ظاہر ہو تو وہ کرامت نہیں ہوسکتی بلکہ یہ سحر اور استدراج ہے، ریاضت اور مجاہدہ کے ذریعہ بھی عجیب اور حیرت انگیز باتیں ظاہر ہوسکتی ہیں اس میں اسلام کی بھی قید نہیں ہے، چنانچہ علامہ ابن حجر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ **قال ابن حجر انہ ناظر صوفی برھما فطار البرھمی فی الجو فارتفعت الیہ نعل الشیخ و الناس ینظرون.** یعنی ایک صوفی کا ایک جوگی کے ساتھ مناظرہ ہوا تو جوگی ہوا میں اڑنے لگا اس کے پیچھے صوفی نے اپنی کھڑاؤں پھینکی اور عوام اس منظر کو دیکھ رہے تھے، (البصائر ص ۴۱۲ عربی، بصیرت نمبر ۴۷)

حضرت ابو یزید بسطامی علیہ الرحمہ سے کسی نے پوچھا کہ فلاں آدمی ایک ہی شب میں مکہ مکرمہ پہنچ جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا شیطان پل بھر میں مشرق سے مغرب پہنچتا ہے (تو یہ کوئی کمال اور حق ہونے کی دلیل نہیں) حالانکہ وہ خدا کی لعنت میں گرفتار ہے۔ **وقیل لہ فلان یمر فی لیلۃ الیٰ مکۃ فقال: الشیطان یمر فی لحظۃ من المشرق الی المغرب وھو فی لعنۃ اللہ تعالی** (البصائر ص ۴۱۲ بصیرت نمبر ۴۷)

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔ اگر اتباع رسول کے ساتھ کمالات

ہوں تو خوب وگرنہ سوائے استدراج کے کچھ نہیں۔ (مکتوبات امام ربانی ج اص ۱۹۵) اور تحریر فرماتے ہیں۔" جو کوئی شرعی احکام کی بجا آوری میں چست نہیں بلکہ سست ہے تو خدا کی معرفت سے محروم ہے اور جو کچھ اس کے خیال فاسدہ میں ہے وہ ہیچ ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں اور استدراج وشیطانی کید ہے جس میں جوگی و برہمن......اس کا شریک ہے یعنی ایسی باتیں جوگی و برہمن میں ہوتی ہیں۔ (ج ۲ص ۱۰۹ مکتوب نمبر ۵۵ فارسی) (اردو ج ۲ص ۱۸۱)

گجرات بالخصوص شہر سورت کے ہزار ہا مسلمانوں کے پیرومرشد حضرت مولانا الحاج شاہ محمد ہدایت علی نقش بندی مجددی جیپوری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

جو متبع سنت ظاہر باطن میں ہو وہی متقی ہے اور خدا کا ولی ہے اور جو باوجود ہوش وتمیز ہونے کے پیروی چھوڑے ہوئے ہے ہرگز خدا کا ولی نہیں ہوسکتا، چنانچہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ترجمہ:۔ جس کسی نے نبی کریم ﷺ کے خلاف راستہ اختیار کیا وہ ہرگز منزل مقصود کو نہیں پہنچے گا۔ اس زمانہ میں اکثر اپنی وضع وقطع خلاف شریعت رکھتے ہیں جیسے نماز نہ پڑھنا یا گاہے گاہے پڑھنا داڑھی چڑھانا یا منڈوانا یا کترو انا مونچھوں کو بڑھالینا، پائینچے ٹخنوں سے نیچے رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ شریعت پاک میں چاروں ائمۂ شریعت وائمۂ طریقت کے نزدیک ایسا شخص فاسق ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ فاسق کی تعریف کرنے سے عرش معلی کانپتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ان اللہ لا یھدی القوم الفاسقین** (بے شک اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ہدایت نہیں کرتا)......لیکن جاہل ایسے لوگوں کو خدا کو ولی جانتا ہے اور وہ فاسق پیر اپنی ولایت کا اثبات جاہلوں کی زبان سے سن کر خاموش بیٹھے رہتے ہیں جاہل یہ کہتے ہیں کہ میاں صاحب (باپو) نماز پنجگانہ مکہ شریف میں پڑھتے ہیں اس لئے یہاں ان کو نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

پس اے عزیز! ایسے لوگوں سے جو فاسق ہوں اور خدا ان کو اپنا دوست نہ فرمائے ان سے بیعت نہ ہونا چاہئے اور ان کی صحبت سے بچنا چاہئے کیونکہ فائدہ مفقود اور نقصان ظاہر ہے۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

دست ناقص دست شیطان است ودیو
زانکہ اندر دام وتکلیف است وریو

ترجمہ:۔ ناقص کا ہاتھ شیطان کا ہاتھ ہے کیونکہ اس میں سراسر مکاری اور تکلیف ہے اور صحبت میں ان کی نہ بیٹھنا چاہئے۔ اگرچہ ان سے عجیب باتیں ظاہر ہوں کہ شریعت میں ان کو استدراج کہتے ہیں جیسے دلوں کا حال بیان کرنا۔ دلوں پر اثر ڈالنا، غائب چیزوں کا بتا دینا، خود غائب ہوجانا، تیرکی کی بن جانا، ہوا میں اڑنا یہ سب صفات شیطان لعین وجوگیاں اور برہمان ہند اور فلاسفۂ یونان میں بھی ہوتی ہیں اگر انہیں چیزوں کا نام ولایت ہے تو شیطان کفار کو بھی ولی کہنا لازم آئے گا۔ ولایت قرب حق اور یقین کامل اور کثرت محبت خدا اور رسول (ﷺ) واتباع حبیب خدا (ﷺ) کا نام ہے۔ حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے بھی صاف شناخت (پہچان) ناقص اور کامل کی بیان فرمائی ہے۔

(۱) اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نہ باید داد دست

ترجمہ:۔ بہت سے شیطان آدمی کی شکل میں ہیں پس ہر شخص کے ہاتھ میں بغیر تحقیق کے ہاتھ نہ دینا چاہئے (یعنی بیعت نہ کرنی چاہئے)

(۲) ہر کہ اواز کشف خود گوید سخن
کشف اور اکفش کن بر سر بزن!

ترجمہ:۔ جو کچھ اپنے کشف سے بات کہے۔ تو اس کی کشف کی جوتی اس کے سر پر ماردے۔

(۳) ما برائے استقامت آمدیم
نہ پئے کشف و کرامت آمدیم

ترجمہ:۔ ہم شریعت کے احکام پر پابند و مضبوط رہنے کو آئے ہیں۔ نہ کہ کشف و کرامت کے واسطے آئے ہیں۔

عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ صحبت ناجنس مخالف سے بچے اور بدعتی کی صحبت سے بھاگ اور جو مسند شیخی پر بیٹھا ہے اور اعمال اس کے سنت کے خلاف ہوں۔ زنہار الف زنہار اس سے دور ہو بلکہ اس کے شہر میں بھی مت رہ شاید کبھی تیرا رجحان اس طرف ہو جائے اور تیرے عقائد میں فرق آجائے وہ پیر چور ہے چھپا ہوا، اور جال ہے شیطان کا اگر چہ اس سے خرق عادات طرح طرح کے دیکھے تو اور دنیا سے بے تعلق پائے تو بھاگ اس کی صحبت سے جیسے کہ بھاگتے ہیں شیر سے مقصد شریعت وطریقت، حقیقت، معرفت سب کا یہ ہے کہ بندہ خاکی کی بخشش ہو جائے اور اس کا پہلا ذریعہ شریعت کی اتباع ہے اور اعمال شریعت میں خلوص پیدا ہو جانا یہ طریقت ہے، کسی کے حال وقال کشف وکرامت پر انحصار بخشش کا نہیں ہے۔ جو حال یا کشف یا خرق عادات متقی سے ظاہر ہوں وہ نور ہے اور اس کو کرامت اور برکت کہیں گے اور جو خلاف شرع لوگوں سے ایسے باتیں ظاہر ہوں اس کو استدراج کہیں گے (معیار السلوک ودافع الاوہام والشکوک ص ۲۹، ص ۳۲، ص ۳۳)

شیخ ابوالنصر موسیٰ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میرے والد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ نے میرے سامنے ایک عجیب وغریب واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے چند دن جنگل میں قیام کیا وہاں پانی نہیں تھا چند روز پانی نہ ملنے کی وجہ سے پریشانی ہوئی اور پیاس کی وجہ سے میرا برا حال ہو رہا تھا کہ حق تعالیٰ کے حکم سے ایک ابر نے سایہ کیا اور اس سے تھوڑی بارش ہوئی جس سے قدرے سکون ہوا اس کے بعد اسی بادل میں سے روشنی نمودار ہوئی اور سب جگہ پھیل گئی اور اس سے ایک عجیب شکل نمودار ہوئی اور آواز آئی اے عبدالقادر میں تیرا رب ہوں تجھ پر ان سب چیزوں کو حلال کرتا ہوں جو تمہارے سوا دوسروں پر حرام کی ہیں، جو دل چاہے کھاؤ اور جو شوق ہو وہ کرو یہ سن کر میں نے کہا **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** اے ملعون دور ہو کیا بکتا ہے، تو فوراً وہ روشنی تاریکی سے بدل گئی اور وہ صورت دور ہو گئی اور کہا اے عبدالقادر تو نے علم وفہم کی وجہ سے جو احکام الٰہی حاصل کئے ہیں ان کے ذریعہ تو نے نجات حاصل کی ہے (ورنہ) اسی جگہ تیری جیسے ستر بزرگوں کو گمراہ کر چکا ہوں، اس کے بعد شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے فرمایا اے

کمبخت یہ خدا کا فضل ہے (البلاغ المبین فارسی ص ۳۴، ۳۵)

قصبہ ویسما (WESMA) میں ایک کھجور کے درخت کا کرشمہ

''سوت سے دس ۱۰ یا پندرہ ۱۵ میل کے فاصلہ پر (قصبۂ ویسما میں) ایک کھجور کا درخت آفتاب کی رفتار کے مطابق متحرک ہوتا تھا۔ دوپہر میں آفتاب ڈھلنے پر وہ بھی جھکتا تھا جب آفتاب غروب ہوتا تو وہ زمین پر گر جاتا صبح جب آفتاب طلوع ہوتا تو وہ حرکت میں آ کر کھڑا ہوتا تھا دوپہر تک، آفتاب کی رفتار پر چلتا اور غروب کے وقت سو جاتا (اس کا یہ کرشمہ دیکھ کر ہنود اور مسلمان جہلاء اس شیطانی حرکت کو کرامت سمجھ کر نذر اور منت ماننے لگے، ناریل اور پھول چڑھانے لگے، لاجپور کے مشہور بزرگ حضرت صوفی صاحب (قدس سرہ) نے اس درخت پرستی کو دیکھ کر رات میں اپنے شاگردوں کے ہمراہ وہاں پہنچ کر اس درخت کو باوجود پولیس کے بندوبست (وپہرہ) کے جڑ سے کاٹ کر اکھاڑ دیا۔ (باغ عارف ص ۴۰۱)

باپو کی پھونک سے فائدہ ہوتا ہے یہ حق ہونے کی دلیل نہیں ہے، باطل چیزوں سے بھی فائدہ ہوتا ہے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اہلیہ محترمہ کی آنکھ میں تکلیف تھی ایک یہودی عالم سے تاگے پر منتر پڑھوا کر گلے میں لٹکا لیا جس سے سکون ہوگیا حضرت ابن مسعودؓ نے اس تاگے کو توڑ دیا بیوی نے کہ اس سے مجھے آرام ہے تکلیف سے میری آنکھیں نکل پڑتی تھیں اس سے مجھے بہت سکون ہے آپؓ نے فرمایا یہ شیطانی عمل ہے شیطان اپنے ہاتھ سے تمہاری آنکھ کریدتا تھا جب بیوی نے عمل کیا تو شیطان نے کریدنا چھوڑ دیا تمہارے لئے حضور اکرم ﷺ کا عمل کافی ہے اور وہ یہ ہے " **اذھب الباس** " **رب الناس اشف انت الشافی لا شفاء الا شفاء ک شفاء لا یغادر سقماً** یہ ایک حدیث کا خلاصہ ہے پوری حدیث دیکھئے (مشکوٰۃ شریف ص ۳۸۹ کتاب الطب والرقی الفصل الثانی) **فقط واللہ اعلم بالصواب وعلم اتم واحکم وھو الھادی الی الصراط المستقیم اللھم اھدنا الصراط المستقیم آمین۔**

قرآن وحدیث آثار صحابہ واقوال سلف کی روشنی میں تنقید انبیاء وطعن صحابہ کا شرعی حکم!:

یہ فتویٰ بے ”رسالہ“ کی صورت میں بھی شائع ہوا ہے، ناشر صہیب برادرس، صابن کڑہ آگرہ ہے۔ ادارہ کے منیجر حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس صاحب رومی مدظلہ نے رسالہ کے شروع میں ”تقریب کتاب“ کے عنوان سے چند مفید باتیں تحریر فرمائی ہیں۔ ناظرین کے افادہ کی غرض سے ان کو یہاں نقل کر دیا جاتا ہے آپ تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت مصنف کتاب ہذا مخدومی مولانا الحاج المفتی السید عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم لاجپوری راندیری مفتی گجرات علمی حلقہ میں مشہور ومعروف اہل علم وفتویٰ اور صاحب زہد وتقویٰ بزرگ ہیں، دور حاضر میں مودودیت کی خطرناکی اور زہرناکی کو جن حضرات نے شدت واہمیت کے ساتھ محسوس کیا ہے موصوف اس حلقہ میں بلند علمی مقام رکھتے ہیں۔

فتویٰ نویسی میں موصوف کی یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ وہ مسئلۂ متعلقہ پر نہایت شرح وبسط کے ساتھ سیر حاصل کلام فرماتے ہیں، رسالۂ ہذا میں بھی (جو در حقیقت ایک استفتاء کا جواب ہی ہے) موصوف کی یہ خصوصیت نمایاں ہے۔ زیر نظر رسالہ میں حضرت مفتی صاحب کے پیش نظر یہ سوال ہے کہ۔

مودودی صاحب میں عقیدہ کی کیا خرابی تھی؟ ان کی دینی واصلاحی خدمات مسلم ہیں یا نہیں؟ ان کی تعریف کرنا اور ان کی خدمات کو سراہنا کیسا ہے؟

اس سوال کے جواب میں حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ نے علامہ مودودی کے لٹریچر سے اقتباسات پیش فرماتے ہوئے مندرجہ ذیل امور ثابت فرمائے ہیں۔

(۱) مودودی صاحب کے لٹریچر میں ایسے مواد بڑی مقدار میں موجود ہیں جن سے حضرات انبیاء کرامؑ اور حضرات صحابہؓ کے نفوس قدسیہ کی عظمت ورفعت مجروح وداغدار ہوتی ہے اور اس بات میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا کہ علامہ مودودی اپنی تحریروں میں تنقید انبیاء وطعن صحابہ کے واقعی مرتکب ہوئے ہیں۔

(۲) اس مرحلہ کے بعد دوسرا مرحلہ آتا ہے کہ تنقید انبیاء وطعن صحابہ کا شرعی حکم کیا ہے؟ مفتی صاحب موصوف نے قرآن وحدیث آثار صحابہ اور اقوال سلف کی روشنی میں نہایت وضاحت وتفصیل کی ساتھ یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچا دی ہے کہ تنقید انبیاء وطعن صحابہ دین وشریعت کی رو سے بالکل حرام وناجائز ہیں بلکہ بعض صورتوں میں تو اندیشۂ کفر بھی ہے اس لئے اس کا مرتکب فاسق تو ضرور ہی ہے۔

(۳) تیسرا مرحلہ آتا ہے کہ اگر مودودی صاحب مرتکب معصیت وفسق ہیں تو ان کی مدح وتعریف کا شرعی حکم کیا ہے؟ قرآن وحدیث، آثار صحابہ واقوال سلف کی روشنی میں حضرت مفتی صاحب نے فاسق شرعی کی تعریف وتوصیف کی ممانعت بھی ثابت فرمادی ہے۔

ان مراحل ثلٰثہ کے بعد علامہ مودودی کی مدح وتعریف کا شرعی حکم خود بخود واضح ہو جاتا ہے اس لئے اس کی مزید وضاحت کو ضروری بھی نہیں سمجھا گیا ہے۔

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے یہ دلائل اور ان سے ثابت ہونے والے جوابات اس درجہ محکم و

متعین ہیں کہ جنہیں تسلیم کر لینے کے سوا کوئی دوسرا چارہ بھی باقی نہیں رہ گیا ہے۔منیجر صہیب برادرس آگرہ،
اب اصل، سوال و جواب ملاحظہ ہو۔

(سوال ۳۹) مودودی صاحب میں عقیدہ کی کیا خرابی تھی؟ ان کی دینی اور اصلاحی خدمات مسلم ہیں یا نہیں؟ ان کی تعریف کرنا اور ان کی خدمات کو سراہنا کیسا ہے؟ یہاں پر اس مسئلہ میں بڑا اختلاف ہے، اہل علم بھی اس میں شامل ہیں۔لہذا مفصل اور مدلل جواب کی ضرورت ہے تاکہ صحیح بات سامنے آجائے اور اختلاف کی خرابی سے لوگ بچ جائیں۔بینوا توجروا۔

(مولانا) موسیٰ کرباڈی، خادم اسلامک ایجوکیشنل ٹرسٹ ۸۶ ساؤتھ اسٹریٹ۔ڈیوزبری یو، کے)

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً وباللہ التوفیق:۔جس شخص نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عصمت کو مجروح کیا ہو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان میں گستاخی کی ہو، اور اہل سنت والجماعت کے متفقہ فیصلہ کے خلاف کیا ہو تعریف کے قابل نہیں، اگر تعریف ہی کرنا ہو تو اس کی بدعقیدگی اور گمراہی کو بھی واضح کر دینا چاہئے کہ لوگ اس سے اشتباہ میں نہ پڑ جائیں اور اس کی اقتداء کرنے لگیں۔حدیث میں ہے اترعون عن ذکر الفاجر بما فیہ اھتکوہ حتیٰ یعرفہ الناس اذکروہ بما فیہ حتیٰ یحذرہ الناس ،کیا فاجر کو برا کہنے سے پرہیز کرتے ہو اس کی ہتک کرو تاکہ لوگ اس کو پہچان جاویں، جو خصلت (اور برائی) اس میں ہے اس کو ذکر کرو تاکہ لوگ اس سے بچیں (طبرانی، ابن حبان، معجم کبیر، سنن کبریٰ احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۴۹ الاشباہ والنظائر ص ۲۵۴)

اور حدیث میں ہے۔اذا مدح الفاسق غضب الرب تعالیٰ واھتزلہ العرش، جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو خدا تعالیٰ غصہ ہوتا ہے اس کی وجہ سے عرش ہل جاتا ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۴) اور اکابر اسلاف کا قول ہے ۔ثلاثہ لا غیبۃ لھم الامام الجائر المبتدع والمجاھر بفسقہ، تین آدمیوں کی برائی کرنا غیبت نہیں ہے اول امام ظالم، دوم بدعتی (بدعقیدہ) سوم فاسق معلن (احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۴۹)

یہ ظاہر ہے کہ عقیدہ کا فسق عمل کے فسق سے بڑھا ہوا ہے جو شخص عمل کے فسق میں مبتلا ہو اس کی برائیوں کے اظہار کا حکم ہے۔لہذا جو شخص بدعقیدگی میں مبتلا ہو اس کی گمراہی کو لوگوں پر ظاہر کرنا نسبۃً زیادہ ضروری ہوگا کہ لوگ اس کی اقتداء نہ کریں اور اس کو اپنا پیشوا بنا کر اس کے ہم خیال وہم عقیدہ نہ ہو جائیں، اور مودودی صاحب کی بدعقیدگی ظاہر و باہر ہے انہوں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عظمت کی تنقیص کی ہے، صحابہ واسلاف کی عظمت شان کو مجروح کرنے کے لئے ایک غلط اصول۔

''رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے، کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو، ہر ایک کو خدا کے بنائے ہوئے اسی معیار کامل پر جانچے اور پرکھے اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو اس کو اسی درجہ میں رکھے (دستور جماعت اسلامی، ترمیم شدہ) وضع کر کے صحابۂ کرام اور اسلاف عظام کے مرتبہ کو گھٹانے اور لوگوں کی نظروں میں ہلکا کرنے کی ناجائز کوشش کی ہے۔اور سیدنا امیر معاویہؓ پر تو خواہ مخواہ تنقید کی ہے اور غلط حوالے دے کر ان کی طرف غلط واقعات منسوب کر کے ان کو بدنام کیا ہے۔

فقہ، تصوف کا مذاق اڑایا ہے۔محدثین کی محنت کو رائیگاں کیا ہے۔اور حکومت الٰہیہ کا غلط نظریہ قائم کر کے

ارکان اربعہ (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج) کو جہاد کا تربیتی کورس قرار دے کر عبادت کی روح ومقصد کو ختم کر دیا ہے اس لئے ایسا شخص علی الاطلاق تعریف کا اہل نہیں اور اسی بناء پر علماء حقہ ہمیشہ ان کی تغلیط کرتے رہے ہیں اور امت کو ان کے لٹریچر کے مسموم اثرات سے آگاہ کرتے رہے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ کسی بھی نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے بارے میں کوئی ایسی تعبیر روا نہیں جو ان کے مقام رفیع کے شایان شان نہ ہو لیکن مودودی صاحب بڑی بے تکلفی سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں ایسے الفاظ وتعبیرات لکھتے ہیں جو ان کی شان کے مناسب نہیں۔ چنانچہ لکھا ہے۔

(۱) موسیٰ علیہ السلام کی مثال اس جلد باز فاتح کی سی ہے جو اپنے اقتدار کا استحکام کئے بغیر مارچ کرتا ہوا چلا جائے اور پیچھے جنگل کی آگ کی طرح مفتوحہ علاقہ میں بغاوت پھیل جائے۔

(ترجمان القرآن ص ۵ ج ۲۹ عدد ۴، از مودودی (۱) مذہب ص ۲۳)

(۲) حضرت داؤد علیہ السلام کے فعل میں خواہش نفس کا کچھ دخل تھا۔ اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمانروا کو زیب نہ دیتا تھا۔ (تفہیم القرآن ص ۳۲۷ طبع اول)

(۳) حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے عہد کی اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہو کر اوریا سے طلاق کی درخواست کی تھی۔ (تفہیمات حصہ دوم ص ۴۲ طبع دوم۔)

(۴) اور تو اور بسا اوقات پیغمبروں تک کو اس نفس شریر کی رہزنی کے خطرے پیش آئے ہیں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایک موقع پر تنبیہ کی گئی کہ **لا تتبع الهوىٰ فيضلك عن سبيل الله** (سورہ ص) ہوائے نفس کی پیروی نہ کرنا ورنہ یہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔" (تفہیمات ج ۱ ص ۱۶۱ طبع پنجم ص ۴۷ ا ج ۱) (طبع دار الاسلام)

(۵) حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ اشرف انسان بھی اپنی بشری کمزوریوں سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ الیٰ قولہ۔ لیکن جب (اللہ تعالیٰ) انہیں متنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اس کو محض اس لئے اپنا سمجھنا کہ وہ تمہاری صلب سے پیدا ہوا ہے محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے۔ تو وہ فوراً اپنے دل کے زخم سے بے پرواہ ہو کر اس طرف فکر کی طرف پلٹ آتے ہیں۔ جو اسلام کا مقتضی ہے۔ (تفہیم القرآن سورۂ ہود ص ۳۴۴ جلد ۲۔)

(۶) سیدنا یوسف علیہ السلام کے ارشاد (**اجعلني على خزائن الارض**) مجھے زمین مصر کے خزائن کا نگراں مقرر کر دیجئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر سے یہ بات فرمائی تھی) کے بارے میں مودودی

---

(۱) نوٹ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عبارت مولوی امین احسن اصلاحی کی ہے جو مودودی صاحب کے ترجمان القرآن میں شائع ہوئی تھی۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ اگر مودودی صاحب کے نزدیک یہ عبارت قابل اعتراض ہوتی۔ وہ اس پر ضرور تنقید کرتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کا اس عبارت سے اتفاق ہے۔ ۱۲

صاحب لکھتے ہیں'' یہ محض وزیر مالیات کے منصب کا مطالبہ نہیں تھا جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں بلکہ یہ ڈکٹیٹر شپ کا مطالبہ تھا اور اس کے نتیجے میں سیدنا یوسف علیہ السلام کو جو پوزیشن حاصل ہوئی وہ قریب قریب وہی پوزیشن تھی جو اس وقت اٹلی میں مسولینی کو حاصل ہے۔(تفہیمات حصہ دوم ص۱۲۸ طبع سوم ص۱۲۲ طبع پنجم)

(۷) حضرت یونس سے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں اور غالباً انہوں نے بے صبر ہوکر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا'' (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۳۲۱ سورۂ یونس۔ حاشیہ ص ۳۱۲۔۳۱۳)

کیا مودودی صاحب کی ان تعبیرات'' جلد باز فاتح ،خواہش نفس کی بنا پر حاکمانہ اقتدار کا نامناسب استعمال، بشری کمزوریوں سے مغلوب، جذبۂ جاہلیت کا شکار فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں، اور ڈکٹیٹر شپ میں سوء ادب کا پہلو نہیں پایا جاتا؟ اگر یہی الفاظ وتعبیرات کوئی مودودی صاحب کے حق میں استعمال کرے تو ان کو (اگر اس وقت زندہ ہوتے) اور ان کے مداحوں کو اس سے ناگواری نہ ہوگی؟ اگر یہ الفاظ مودودی صاحب کی شان کے مناسب نہیں تو انصاف فرمایئے کیا ایسے الفاظ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان کے مناسب ہو سکتے ہیں؟ اور ان کی شان میں یہ الفاظ لکھنا بجا ہے؟

الٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے
دے آدمی کو موت مگر ایسی ادا نہ دے

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ان کا ارشاد ملاحظہ کیجئے۔

''یہاں اس بشری کمزوری کی حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے۔ جو آدم علیہ السلام سے ظہور میں آئی تھی ...... بس ایک فوری جذبے نے جو شیطانی تحریض کے زیر اثر ابھر آیا تھا ان پر ذہول طاری کر دیا اور ضبط نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے۔'' (تفہیم القرآن ص ۱۳۳ ج ۳)

سید المرسلین حضور اکرم ﷺ کے متعلق لکھا ہے۔

''رسول اللہ نہ فوق البشر ہے۔ نہ بشری کمزوریوں سے بالاتر ہے'' (ترجمان القرآن جلد ۸۵ شمارہ اپریل ۱۹۷۶ء بعنوان ''اسلام کس چیز کا علم بردار ہے'')

مودودی صاحب ہی کی ہمت ہے کہ وہ ابوالانبیاء حضرت آدم علیہ السلام اور خاتم الانبیاء حضور اکرم ﷺ کی شان میں ایسے الفاظ استعمال کریں۔ اعاذ نا اللہ۔ اللہ امت کو اس سوء ادبی سے محفوظ رکھے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد انسانیت کا سب سے مقدس گروہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔ یہ مقدس گروہ رسول اللہ ﷺ اور عام امت کے درمیان اللہ کا منتخب کردہ ایک واسطہ ہے۔ اس واسطہ کے بغیر نہ امت کو قرآن ہاتھ آسکتا ہے نہ قرآن کے وہ مضامین جن کو قرآن میں رسول اللہ ﷺ کے بیان پر چھوڑا گیا ہے۔(لتبین للناس مانزل الیھم) نہ رسالت اور اس کی تعلیمات کا کسی کو اس واسطے کے بغیر علم ہو سکتا ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے ساتھی آپ کی تعلیمات کو اپنے زن وفرزند اور اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھنے والے ہیں۔ آپ کے پیغام کو اپنی جانیں قربان کرکے دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلانے والے ہیں۔ پوری عمر ہر چیز میں ہر حالت میں ہر کیفیت میں آپ کے اتباع کے پل صراط کو اس طرح طے کرنا کہ کسی بات میں سنت محمدی ﷺ سے قدم ادھر ادھر نہ ہے۔

سب سے مشکل امتحان ہے۔ مگر اس اتباع کے امتحان میں تمام صحابۂ کرام پورے اترے، اور اس طرح پورے اترے کہ صحابہؓ نے آپ ﷺ کی زندگی کے آئینہ میں اپنی زندگیاں سجائی تھیں۔ اور آپ کی زندگی کا پرتو بن گئے تھے۔

اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آنحضرت ﷺ کی مصاحبت کا جو شرف حاصل ہوا ہے۔ پوری امت کے اعمال حسنہ مل کر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

ذرا تصور کیجئے، صحابۂ کرام کی دو رکعتیں جو انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ادا کی ہیں کیا پوری امت کی نمازیں مل کر بھی ان دو رکعتوں کے ہم وزن ہوسکتی ہیں کیا وہ ایک روزہ جو صحابہ کرامؓ نے حضور کی معیت میں رکھا ہو پوری امت کے روزے مل کر بھی اس ایک روزے کے مثل ہو سکتے ہیں؟ کیا وہ ایک حج جو صحابہؓ نے حضور ﷺ کی ہمراہی میں ادا کیا پوری امت کے حج مل کر بھی اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ صحابہ کا وہ ایک یا آدھا سیر جو یا کھجور جس کو حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک سے قبولیت کا شرف بخشا ہو پوری امت اگر پہاڑ برابر بھی سونا خرچ کر دے تو کیا یہ شرف اسے حاصل ہوسکتا ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے میرے ساتھیوں کو برا نہ کہو (ان کا مرتبہ یہ ہے کہ) تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو ان کے ایک مد بلکہ نصف مد جو کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔ اگر اس مقدس گروہ کی عدالت اور ثقاہت میں اس طرح کلام کیا جائے گا تو پھر ان کے ذریعہ پہنچا ہوا قرآن، نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ اسلام کے ارکان وتعلیمات کی کیا پوزیشن باقی رہ سکتی ہے؟

حاصل کلام یہ کہ "صحابہ" جس مقدس گروہ کا نام ہے وہ امت کے عام افراد کی طرح نہیں ہے بلکہ وہ حضرات ایک خاص مقام اور ایک امتیازی شان کے حامل ہیں اور یہ مقام وامتیاز ان کو قرآن وسنت کی نصوص وتصریحات کا عطا کیا ہوا ہے یہاں مختصراً چند آیات واحادیث ذکر کرتے ہیں۔

نصوص قرآن

(۱) کنتم خیر امة اخرجت للناس الخ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے (اصلاح ونفع) کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ (سورۂ آل عمران پ۴)

(۲) وکذلک جعلنا کم امة وسطاً لتکونوا شھدآء علی الناس. اور ہم نے تم کو ایک جماعت بنادیا ہے جو (ہر پہلو سے) نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم (مخالف) لوگوں کے مقابلہ میں گواہ رہو۔ (سورہ بقرہ پارہ۲)

ان دونوں آیتوں کے اصل مخاطب اور اولین مصداق صحابۂ کرام ہیں۔

(۳) والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنه......الخ.

اور جو مہاجرین وانصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدم ہیں اور (بقیہ امت میں) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس (اللہ) سے راضی ہوئے، اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی (سورۂ توبہ پ۱۱)

اس میں صحابۂ کرام کے دو طبقے بیان کئے ہیں ایک سابقین اولین کا دوسرے بعد میں ایمان لانے والوں

کا۔اور دونوں طبقوں کے متعلق اعلان کر دیا گیا کہ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

علامہ ابن عبدالبرؒ مقدمہ استیعاب میں فرماتے ہیں۔" ومن رضی اللّٰہ عنہ لم یسخط علیہ ابداً ان شاء اللّٰہ تعالیٰ۔ یعنی اللہ جس سے راضی ہو گیا پھر اس سے کبھی ناراض نہ ہوگا۔ یہ اس وجہ سے کہ اللہ کو سب اگلی اور پچھلی چیزوں کا علم ہے۔لہذا وہ راضی اس شخص سے ہو سکتے ہیں جو آئندہ زمانے میں بھی رضاء الٰہی کے خلاف کام کرنے والا نہیں ہے اس لئے کسی کے واسطے رضا الٰہی کا اعلان اس کی ضمانت ہے کہ اس کا خاتمہ اور انجام بھی حالت صالحہ پر ہوگا اس سے رضاء الٰہی کے خلاف کوئی کام آئندہ بھی نہ ہوگا۔

(۴)فانزل اللّٰہ سکینۃ علی رسولہ وعلی المومنین والزمھم کلمۃ التقوی وکانوا احق بھا وکان اللّٰہ بکل شئی علیماً.

پس نازل کیا اللہ نے اپنی طرف سے سکون (اور اطمینان) اپنے رسول پر اور مومنین پر اور ان کو جمادیا تقویٰ کی بات پر (یعنی ان پر تقویٰ کی بات چپکا دی) اور اللہ تعالیٰ ہر بات کا پورا علم رکھتا ہے۔(سورۂ فتح پ ۲۶)

اس وضاحت کی ضرورت نہیں کہ آنحضور ﷺ کے دور سعود میں جو مؤمنین تھے وہ صحابہ ہی تھے۔اور انہی کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

(۵)لکن الرسول والذین امنوا معہٗ جاھدو باموالھم وانفسھم ...... واولئک لھم الخیرات واولئک ھم المفلحون .

لیکن رسول اور جو ایمان والے ان کے ساتھ ہیں کوشش کرتے ہیں جان و دل سے...... انہی کے لئے ہیں بھلائیاں اور انہی کے لئے ہے فلاح و کامرانی (سورۂ توبہ پ ۱۰)

(۶)الذین امنوا وھاجروا جاھدوا فی سبیل اللّٰہ باموالھم وانفسھم اعظم درجۃ عنداللّٰہ واولئک ھم الفائزون O یبشر ھم ربھم برحمۃ منہ ورضوان وجنت لھم فیھا نعیم مقیم O

جو لوگ ایمان لائے اور (اللہ کے واسطے) انہوں نے ترک وطن کیا اور اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے جہاد کیا وہ درجہ میں اللہ کے نزدیک بہت بڑے ہیں اور یہی لوگ پورے کامیاب ہیں۔ان کا رب ان کو بشارت دیتا ہے اپنی طرف سے بڑی رحمت اور بڑی رضامندی اور (جنت کے) ایسے باغوں کی کہ ان کے لئے ان (باغوں) میں دائمی نعمت ہوگی۔(سورۂ توبہ پ ۱۰)

(۷)یوم لا یخزی اللّٰہ النبی والذین امنوا معہٗ نور ھم یسعیٰ بین ایدیھم وبایمانھم.

وہ دن کہ اللہ رسوا نہ کرے گا رسول کو اور ان کے ساتھ مومنین کو ان کا نور دوڑتا پھرے گا ان کے سامنے اور ان کے دائیں جانب۔(سورۂ تحریم پ ۲۸)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ آخرت میں صحابہ کو عذاب نہ ہوگا اور یہ کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد بھی ان کا نور زائل نہ ہوگا ورنہ زائل شدہ اور مٹا ہوا نور ان کے کیا کام آتا ہے۔(تحفہ اثناء عشریہ ص ۵۳۰)

(۸)محمد رسول اللّٰہ والذین...... معہٗ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعاً سجداً

یبتغون فضلاً من اللہ ورضوانا سیما ھم فی وجوھھم من اثر السجود۔

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ (سورۂ فتح پ ۲۶)

عام مفسرین امام قرطبی وغیرہ نے فرمایا کہ **والذین امنوا** عام ہے اس میں تمام صحابۂ کرام کی پوری جماعت داخل ہے اور اس میں تمام صحابہ کرام کی تعدیل اور ان کا تذکیہ اور ان کی مدح وثنا خود مالک کائنات کی طرف سے آئی ہے۔

(۹) **لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد ، قاتلوا وکلاً وعداللہ الحسنی واللہ بما تعملون خبیرا۔**

جو لوگ فتح مکہ سے پہلے (فی سبیل اللہ) خرچ کر چکے اور لڑ چکے برابر نہیں، وہ لوگ درجہ میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنہوں نے (فتح مکہ کے) بعد میں خرچ کیا اور لڑے، اور اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔ (سورۂ حدید پ ۲۷)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کی مدح فرمائی ہے اور تمام سے حسنیٰ کا وعدہ فرمایا ہے۔

(۱۰) **والذین امنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ والذین اووا ونصروا اولئک ھم المؤمنون حقاًلھم مغفرۃ ورزق کریم۔**

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے اور جن لوگوں نے (ان مہاجرین کو اپنے یہاں ٹھیرایا اور ان کی مدد کی یہ لوگ ایمان کا پورا حق ادا کرنے والے ہیں ان کے لئے (آخرت میں) بڑی مغفرت اور (جنت میں) بڑی معزز روزی ہے۔ (سورۂ انفال پ۱۰)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے تمام مہاجرین وانصار کی تعریف فرمائی ہے۔ اور ان کے سچے پکے مؤمنین ہونے کی شہادت دی ہے اور ان سے مغفرت ورزق کریم کا وعدہ فرمایا ہے۔

تلک عشرۃ کاملۃ۔

احادیث نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

(۱) حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:۔ **ان اللہ نظر الی قلوب العباد فاختار محمداً فبعثہ برسالتہ ثم نظر فی قلوب العباد فاختار لہ اصحابہ فجعل انصار دینہ ووزراء نبیہ فما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن وما راٰہ المسلمون قبیحا فھو عند اللہ قبیح۔** (اقامۃ الحجۃ ص ۸، مجالس الابرار ص ۱۳۰ مجالس نمبر ۱۸ . مؤطا امام محمد ص ۱۱۲ البدایہ والنھایہ ج ۱۰ ص ۲۲۸)

یعنی:۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی پس محمد ﷺ کو رسالت کے لئے منتخب فرمایا پھر بندوں کے دلوں پر نظر فرمائی تو آپ کے اصحاب کو آپ کے لئے منتخب فرمایا ان کو آپ کے دین کے مددگار اور آپ کا وزیر بنادیا

(پس یہ صحابہؓ اللہ کے دین کے مددگار۔ اور آنحضرت ﷺ کے وزیر ہیں) پس جس کام کو یہ مسلمان اچھا سمجھیں وہ عند اللہ بھی بہتر ہے اور جس کو برا سمجھیں وہ عند اللہ بھی برا ہے۔

(۲) عن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیاتین علی امتی کما اتی علی بنی اسرائیل حذوا لنعل بالنعل ..... الیٰ قولہ ما انا علیہ واصحابی .

یعنی:۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت پر وہ سب کچھ آئے گا جو بنی اسرائیل پر آچکا ہے۔ بنی اسرائیل کے ۷۲ فرقے ہوگئے تھے میری امت کے ۷۳ فرقے ہوجائیں گے وہ سب دوزخی ہوں گے مگر صرف ایک فرقہ (ملت) ناجی ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا وہ فرقہ کون سا ہے؟ فرمایا۔ ما انا علیہ واصحابی . جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ:۔ پیغمبر صادق علیہ من الصلوٰت افضلھا و من التسلیمات اکملھا تمیز فرقہ واحدہ ناجیہ ازاں فرق متعددہ فرمودہ است آنست الذین ھم ما انا علیہ واصحابی ..... الخ.

یعنی:۔ آنحضرت ﷺ نے نجات پانے والی جماعت کی پہچان میں فرمایا۔ کہ جو اس طریقہ پر ہو جس طریقہ پر میں ہوں اور میرے صحابہؓ۔ ظاہراً اتنا فرمادینا کافی تھا کہ ''جس طریقہ پر میں ہو'' صحابہؓ کا ذکر اپنے ساتھ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ سب جان لیں کہ جو میرا طریقہ ہے وہی میرے اصحاب کا طریقہ ہے اور نجات کی راہ صحابہ کی پیروی ہی میں منحصر ہے۔ (مکتوبات امام ربانی ص ۱۰۲ ص ۱۰۳ ج ۱)

(۳) عن عمر بن الخطاب قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول سألت ربی عن اختلاف اصحابی من بعدی ..... الخ.

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنے بعد اپنے صحابہ کے اختلاف کی بابت دریافت کیا ۔ اللہ نے مجھ پر وحی فرمائی کہ اے محمد (ﷺ) تمہارے صحابہ میرے نزدیک ایسے ہیں جیسے آسمان میں ستارے۔ بعض ستارے بعض سے قوی ہیں لیکن نور اور روشنی ہر ستارے میں ہے۔ پس جو شخص ان کی باہم مختلف فیہ شے میں سے کسی کو بھی اختیار کرے گا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہوگا اور پھر فرمایا۔ اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم . میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں جس کی بھی اقتدا کرو گے راہ یاب ہوجاؤ گے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴ باب المناقب)

(۴) عن ابی بردۃ رضی اللہ عنہ عن ابیہ قال رفع یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأسہ الی السماء فقال النجوم امنۃ للسمآء فاذ اذھبت النجوم اتی السماء ما تو عدوانا امنۃ لاصحابی فاذا ذھبت انا اتی اصحابی مایو عدون واصحابی امنتہ لا متی فاذا ذھب اصحابی اتی امتی مایوعدون رواہ مسلم .(مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۳ باب مناقب الصحابۃ)

یعنی:۔ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور فرمایا ستارے آسمان کے امن کے باعث ہیں جب جاتے رہیں گے تب آسمان پر جو آفتیں آنے والی ہیں آجائیں گی۔ اور میں اپنے اصحاب کے لئے امن

ہوں جب میں رخصت ہو جاؤں گا تب صحابہ پر جو جو بلا اور مصیبتیں آنے والی ہیں سب آ جائیں گی اور میرے صحابہ میری امت کے لئے امن ہیں جب اصحاب نہ رہیں گے تو امت پہ جو جو فتنے اور فساد آنے والے ہیں سب ٹوٹ پڑیں گے ۔(مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۳)

(۵) اکرموا اصحابی فانھم خیار کم ثم الذین یلو نھم ثم الذین یلو نھم ......الخ.

میری صحابہ کی عزت کرو وہ تم میں سب سے اچھے ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہیں اس کے بعد کذب پھیل جائے گا۔ یہاں تک کہ لوگ بلا قسم کھلائے قسم کھائیں گے۔ بغیر بلائے گواہی دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔(مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴)

(۶) مامن احد من اصحابی یموت بارض الا بعث قائداً و نوراً لھم یوم القیامۃ .

میری صحابہ میں سے کوئی بھی صحابی جس سرزمین میں وفات پائے گا وہ قیامت کے دن اس سرزمین والوں کے لئے قائد اور نور بن کر اٹھے گا۔(مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴ ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲۶)

صحابہ کے ان مناقب و فضائل کی بنا پر اہل سنت و جماعت کا متفقہ عقیدہ ہے بڑے سے بڑا ولی ادنیٰ درجہ کے صحابی کی مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں۔

”ہیچ ولی بمرتبہ صحابی نرسد اویس قرنیؒ باں رفعت شان کہ بشرف صحبت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات نرسیدہ بمرتبہ ادنی صحابی نرسد شخصے از عبداللہ بن مبارکؒ پرسید کہ ایہما افضل معاویہ یا عمر بن عبدالعزیز؟ در جواب فرمود الغبار الذی دخل انف فرس معاویۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر من عمر بن عبدالعزیز کذا مرۃ ۔

(مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی ص ۲۰۵ دفتر اول مکتوب نمبر ۲۰۷)

ترجمہ:۔ کوئی ولی کسی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا ، اویس قرنیؒ اپنی تمام تر بلندیٔ شان کے باوجود چونکہ آنحضرت ﷺ کی شرف صحبت سے مشرف نہ ہو سکے اس لئے ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو بھی نہ پہنچ سکے۔

کسی شخص نے عبداللہ بن مبارکؒ سے دریافت کیا کہ حضرت معاویہ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز؟ جواب میں فرمایا آنحضرت ﷺ کی معیت میں حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں جو غبار داخل ہوا وہ بھی عمر بن عبدالعزیز سے کئی گنا بہتر ہے۔

اللہ اکبر! کیا شان ہے صحبت رسول کی ، اس لئے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ صحابۂ کرام خصوصاً مہاجرین وانصار سے بدگمانی رکھنا ان کو برا کہنا قرآن مجید کی صریح مخالفت اور شریعت الہیہ سے کھلی ہوئی بغاوت ہے ایسے شخص کے کفر کا اندیشہ ہے۔(خلفاء راشدین ص ۶)

پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

واتفق اھل السنۃ علی وجوب الکف عما شجر بینھم والا مساک عن مساویھم واظھار فضائلھم ومحاسنھم .

اہل سنت نے اتفاق کیا ہے کہ جو اختلاف صحابہ کے درمیان ہوئے ہیں اس کے بارے میں سکوت کرنا اور

ان کی برائیوں کو بیان کرنے سے باز رہنا واجب ہے اوران کے فضائل محاسن کو ظاہر کرنا اوران کو بیان کرنا مناسب ہے۔(غنیۃ الطالبین ج۱ص۵۴)

علامہ ابن ہمام عقائد اسلامیہ پراپنی مشہور کتاب ''مسامرہ'' میں فرماتے ہیں:۔

واعتقاد اهل السنة والجماعة تزكية جميع الصحابة وجزما باثبات العدالة لكل منهم والكف عن الطعن فيهم والثناء عليهم كما اثنى الله سبحانه وتعالىٰ عليهم الخ.

یعنی:۔عقیدہ اہل سنت والجماعت کا،تمام صحابۂ کرام کا تزکیہ یعنی گناہوں سے پاکی بیان کرنا ہے اس طرح کہ ان سب کے عدول ہونے کو ثابت کیا جائے اوران پر کسی قسم کا طعن کرنے سے پرہیز کیا جائے اوران کی مدح وثنا کی جائے جیسا کہ اللہ نے ان کی مدح فرمائی ہے۔(مسامرہ ص۱۳۲ طبع دیوبند(مقام صحابہ ص۷۹)

علامہ ابن تیمیہ'' شرح عقیدۂ واسطیہ میں فرماتے ہیں۔

ومن اصول اهل السنة والجماعة سلامة قلوبهم والسنتهم لا صحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كما وصفهم الله تعالىٰ فى قوله والذين جاءُ وا من بعدهم (الاية .الخ)

اہل سنت کے اصول عقائد میں یہ بات بھی داخل ہے کہ وہ اپنے دلوں اور زبانوں کو صحابہؓ کے معاملے میں صاف رکھتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا۔ **والذين جائو امن بعدهم .الخ.** (شرح عقیدۂ واسطیہ ص۴۰۳ طبع مصر۔بحوالہ مقام صحابہ ص۷۹)

علامہ سفارینیؒ فرماتے ہیں:۔

والذى اجمع عليه اهل السنة والجماعة انه يجب علىٰ كل واحد تزكية جميع الصحابة باثبات العدالة لهم والكف عن الطعن فيهم والثناء عليهم فقد اثنى الله سبحانه عليهم فى عدة ايات من كتابه العزيز ......الخ.

یعنی:۔اہلسنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ تمام صحابہ کو پاک وصاف سمجھے ان کے لئے عدالت ثابت کرے ان پر اعتراض کرنے سے بچے،اوران کی مدح وتوصیف کرے،اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کی متعدد آیات میں ان کی مدح وثنا کی ہے۔الخ۔(عقیدہ سفارینی ج۲ص۳۳۸ بحوالہ مقام صحابہ ص۸۰)

عقائد کی مشہور درسی کتاب شرح عقائد نسفیہ میں ہے۔ **ويكف عن ذكر الصحابة الا بخير .** (اسلام کا عقیدہ یہ ہے)صحابۂ کرام کا ذکر بجز خیراور بھلائی کے نہ کیا جائے۔(شرح عقائد نسفیہ ص۱۱۶)

اسی طرح عقائد کی مشہور ومعروف کتاب'' شرح مواقف'' میں سید شریف جرجانیؒ نے مقصد سابع میں لکھا ہے۔

المقصد السابع انه يجب تعظيم الصحابة كلهم والكف عن القدح فيهم لان الله عظيم واثنى عليهم فى غير موضع من كتابه .الىٰ. والرسول صلى الله عليه وسلم قد احبهم واثنىٰ عليهم فى الاحاديث الكثيرة.

یعنی:۔ تمام صحابہ کی تعظیم کرنا اوران پر اعتراض کرنے سے بچنا واجب ہے۔ اس لئے کہ اللہ عظیم ہے اور اس نے ان حضرات پر اپنی کتاب کے بہت سے مقامات میں مدح وثنا فرمائی ہے (آیات نقل کر کے بعد میں لکھتے ہیں) اور رسول اللہ ﷺ ان حضرات سے محبت فرماتے تھے اور آپ نے بہت سی احادیث میں ان کی ثنا فرمائی ہے۔ (شرح مواقف)

مگر مودودی صاحب کو ان فیصلوں کا کچھ پاس نہیں، بلکہ ان کے خود ساختہ اصول رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے، کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے...... الخ کے تحت ان کے نزدیک صحابہ وغیرہ پر تنقید کرنا جائز بلکہ ضروری ہے۔ چنانچہ صحابہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے۔

(۱) ان سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ بسا اوقات صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی بشری کمزوریوں کا غلبہ ہو جاتا تھا۔ اور وہ ایک دوسرے پر چوٹیں کر جاتے تھے۔ الخ۔ (تفہیمات ص ۲۹۳ جلد اول ج ۱ ص ۳۵۸ مطبوعہ جنوری ص ۱۹۷۹ء حقیقت یہ ہے کہ عامی لوگ نہ کبھی عہد نبوی میں معیاری مسلمان تھے نہ اس کے بعد کبھی انکو معیاری مسلمان ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ معیاری مسلمان تو دراصل اس زمانے میں وہی تھے اور اب بھی وہی ہیں جو قرآن و حدیث کے علوم پر نظر رکھتے ہوں اور جن کی رگ وپے میں قرآن کا علم اور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کا نمونہ سرایت کر گیا ہو۔ باقی رہے عوام تو اس وقت بھی ان معیاری مسلمانوں کے پیرو تھے اور آج بھی ہیں۔''
(تفہیمات ج ۱ ص ۳۰۹ ترجمان القرآن جولائی ۱۹۴۳ء)

خدا تعالیٰ تو تمام صحابہ کے متعلق فرماتا ہے۔ **ولکن اللہ حبب الیکم الایمان الخ** اور **لا یستوی منکم من انفق۔ الی۔ وکلا وعد اللہ الحسنیٰ** اور تمام مہاجرین وانصار کے متعلق ارشاد ہے۔ **یبشرھم ربھم برحمۃ منہ ورضوان وجنت لھم فیھا** نعیم مقیم اور حضور اکرم ﷺ مطلقاً ارشاد فرماتے ہیں۔ **اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم**۔ لیکن مودودی صاحب کو تمام صحابہ معیاری مسلمان نظر نہیں آتے غرض کہ یہاں بھی مودودی صاحب نے عوام صحابہ کی تنقیص کی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ صحابۂ کرام میں باہمی فرق مراتب تھا لیکن صحابہ میں ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کا صحابی بعد کے بڑے سے بڑے ولی اور قطب سے افضل ہے۔ یہی اہل حق کا عقیدہ ہے۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

(۳) مودودی صاحب نے تفہیم القرآن میں سورۂ آل عمران کی آیت ولقد عفا اللہ عنہم کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''جس سوسائٹی میں سود خوری ہوتی ہے اس کے اندر سود خوری کی وجہ سے دو قسم کے اخلاقی مرض پیدا ہوتے ہیں سود لینے والے میں حرص وطمع، خود غرضی اور...... دوسرا سود دینے والے میں نفرت وغصہ اور بغض وحسد پیدا ہو جاتی ہے میدان احد کی جنگ میں ان دونوں بیماریوں کا کچھ نہ کچھ حصہ شامل تھا۔'' (تفہیم القرآن ص ۲۸۸ ج ۱)

یعنی ابھی تک معاذ اللہ حضور اکرم ﷺ کی صحبت سے صحابہ کے ذہن اور سیرت وکردار کی پوری قلب ماہیت نہ ہوئی تھی اور زمانۂ جاہلیت میں سودی لین دین کا جو رواج تھا اس کا اثر تا جنگ احد باقی تھا۔ معاذ اللہ۔

مودودی صاحب کے ایک رفیق مولوی صدر الدین اصلاحی لکھتے ہیں۔

(۴) ''برسوں کی تعلیم وتربیت کے بعد رسول اللہ ﷺ ان کو (صحابہ کو) میدان جنگ میں لائے اور باوجود یہ کہ ان کی ذہنیت میں انقلاب عظیم رونما ہو چکا تھا مگر پھر بھی اسلام کی ابتدائی لڑائیوں میں صحابۂ کرام جہاد فی سبیل اللہ کی اصلی اسپرٹ سمجھنے میں باربار غلطیاں کرجاتے تھے۔ (ترجمان القرآن ۵۷ ص ۲۱۲۔ مودودی مذہب ص ۵۹)

یہی مولوی صدرالدین صاحب حضرت ابوبکر صدیقؓ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اگر چہ غیرت انسانیت کا بہترین جوہر ہے لیکن اسلام اسے آزاد نہیں چھوڑتا اسے بھی اپنا تابع بناتا ہے۔ اسے اعتدال کی حدود سے باہر جانے نہیں دیتا، انسان کو حکم دیتا ہے کہ وہ کبھی نفس کے رجحانات سے مغلوب نہ ہو۔ جو کچھ کرے اور جو کچھ کہے نفسانیت اور جذبات سے عاری ہو کر محض خدا کے اس کی رضا جوئی کے لئے اور اس نظام عدل کی برقراری کے لئے اسلام کا یہ۔ اتنا۔ نازک ترین مطالبہ ہے اور اتنا نازک ہے کہ ایک مرتبہ صدیق اکبر جیسا بےنفس متورع اور سراپا للہیت انسان بھی اسے پورا کرنے سے چوک گیا۔ الخ۔ (ترجمان القرآن جنوری ۵۸ء مودودی مذہب ص ۶۶)

(۵) ''حضرت عمرو بن العاصؓ حقیقتاً بڑے مرتبے کے بزرگ ہیں اور انہوں نے اسلام کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ البتہ ان سے یہ دو کام ایسے سرزد ہو گئے ہیں جنہیں غلط کہنے کے سوا چارہ نہیں'' (مودودی مذہب ص ۸۴)

اور بھی جلیل القدر صحابہ پر خلافت وملوکیت میں تنقیدیں کی ہیں حالانکہ حدیث میں صراحۃً صحابہ کو ہدف تنقید بنانے سے روکا گیا ہے اور اس پر بہت سخت وعیدیں آئی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

(۱) عن عبداللہ بن مغفل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ فی اصحابی لا تتخذو ھم من بعدی غرضاً فمن احبھم فبحبی احبھم و من ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن اذاھم فقد اذانی ومن اذانی فقد آذی اللہ ومن آذی اللہ فیوشک ان یا خذہ.

یعنی:۔ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، خبردار، میرے بعد ان کو نشانۂ ملامت نہ بنانا، جس نے ان سے محبت کی پس میری محبت کے سبب ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض کے سبب ان سے بغض رکھا جس شخص نے میرے اصحاب کو تکلیف دی اس نے مجھے دکھ دیا اور اس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ کو تکلیف دی عنقریب وہ عذاب میں پکڑ لیا جاوے گا۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲۶ مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴ باب مناقب الصحابہ)

اس حدیث میں غور کیجئے! حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کو ''اصحابی'' فرمایا اور ان سے محبت کو اپنی محبت اور ان سے بغض کو ذات رسول (ﷺ) سے بغض کی علامت قرار دی۔ اس کے بعد بھی صحابۂ کرام کو آزادانہ تنقید کا نشانہ بنانا اور ان پر نکتہ چینی کرنا کیا یہ رسول اللہ سے بغاوت کے حکم میں نہیں ہے؟ (معاذ اللہ)

(۲) ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:۔ **"اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنۃ اللہ علی شرکم"** جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو تم ان سے کہو خدا کی لعنت ہے تمہارے اس فعل بد پر۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲۷۔ مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴ ایضاً)

(۳) لا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذهبا ما بلغ مدا حدهم و لا نصیفه متفق علیه .

یعنی:۔میرے صحابہ کو برامت کہو(کیونکہ ان کا مرتبہ یہ ہے کہ)تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے(خیرات کرے)تو ان کے ایک مد بلکہ نصف مد (جو) کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔(مسلم شریف ج۲ص ۳۱۰،ترمذی شریف ج۲ص۲۲۶،مشکوٰۃ ص۵۵۳ ایضاً)

(۴) عن عویمر بن ساعدة انه صلی الله علیه وسلم قال ان الله اختار نی و اختارلی اصحاباً فجعل لی منهم وزراء و انصارا فمن سبهم فعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین و لا یقبل الله منهم صرفاً و لا عدلاً.

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ نے مجھے منتخب فرمایا اور میرے لئے صحابہ کو منتخب کیا ان کو میرا وزیر، مددگار اور رشتے دار بنادیا جو ان کو برا کہے اس پر اللہ کی، فرشتوں کی، اور تمام لوگوں کی لعنت اور اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض اور کوئی نفل قبول نہ کرے گا۔(مظاہر حق ج۴ص۵۷۸ باب مناقب صحابہ)

(۵) غنیۃ الطالبین میں حدیث ہے۔قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فی روایة انس رضی الله عنه ان الله عزوجل اختار نی و اختار لی اصحابی فجعلهم انصاری و جعلهم اصهاری و انه سیجئی فی اخر الزمان قوم ینقصو نهم الا فلا تأ کلوهم الا فلا تشار بوهم الا فلا تنا کحوهم الا فلا تصلوا معهم الا فلا تصلوا علیهم .علیهم حلت اللعنة.(غنیة الطالبین ج ۱ ص ۵۴)

یعنی:۔حضرت انسؓ نے روایت کی کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ نے مجھے منتخب کیا اور میرے لئے میرے صحابہ کو منتخب کیا پس ان کو میرا مددگار اور رشتے دار بنایا۔اور آخر زمانہ میں ایک گروہ پیدا ہوگا جو صحابہ کا رتبہ کم کرے گا۔پس تم ان کے ساتھ نہ کھاؤ نہ پیو نہ ان(کی عورتوں) سے نکاح کرو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو اور نہ ان پر جنازہ کی نماز پڑھو ان پر خدا کی لعنت نازل ہوئی ہے۔(غنیہ)

(۶) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔

" لا تسبوا اصحاب محمد فلمقام احدهم ساعة خیر من عمل احدکم عمره"

یعنی:۔برا نہ کہو اصحاب محمد ﷺ کو، ان میں سے کسی ایک کا ایک گھڑی عبادت کرنا بہتر ہے۔تم میں سے کسی ایک کے عمر بھر عبادت کرنے سے۔(مظاہر حق ج۴ص۵۷۹)

(۷) حضرت ابن عمرؓ سے ایک روایت ہے:۔آپ فرماتے ہیں جس میں دس۱۰ علامتیں ہوں وہ اہل سنت والجماعت میں سے ہے ان میں سے ایک علامت یہ ہے " و لا یذکر احداً من الصحابة بسوء" صحابہ میں سے کسی کا ذکر برائی کے ساتھ نہ کرے اور نہ کسی کی تنقیص کرے۔(تکملہ بحر الرائق ج۸ص۱۸۲ کتاب الکراھیۃ)

(۸) ابوداؤد و ترمذی میں حضرت سعیدؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا کہ بعض لوگ امراء حکومت کے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو برا کہتے ہیں تو حضرت سعید بن زیدؓ نے فرمایا افسوس میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے سامنے اصحاب نبی ﷺ کو برا کہا جاتا ہے اور تم اس پر نکیر نہیں کرتے اور اس کو روکتے نہیں (سن لو) میں نے رسول اللہ ﷺ کو

اپنے کانوں سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے (اور حدیث بیان کرنے سے پہلے فرمایا یہ بھی سمجھ لو مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کروں جو آپ نے نہ فرمائی ہو کہ قیامت کے روز جب میں حضور سے ملوں تو آپ مجھ سے اس کا مواخذہ فرماویں، یہ کہنے کے بعد حدیث بیان کی۔) ابوبکرؓ جنت میں ہیں عمرؓ جنت میں ہیں۔عثمانؓ جنت میں ہیں۔علیؓ جنت میں ہیں۔طلحہؓ جنت میں ہیں۔زبیرؓ جنت میں ہیں۔سعد بن مالکؓ جنت میں ہیں۔عبدالرحمان بن عوفؓ جنت میں ہیں۔ابوعبیدہ بن جراحؓ جنت میں ہیں۔یہ تو حضرات صحابہ کا نام لے کر دسویں کا نام نہیں لیا جب لوگوں نے پوچھا دسواں کون ہے؟ تو ذکر کیا سعید بن زیدؓ (یعنی خود اپنا نام ابتداءً بوجہ تواضع کے ذکر نہیں کیا تھا لوگوں کے اصرار پر ظاہر کیا) اس کے بعد حضرت سعید بن زیدؓ نے فرمایا:۔" **والله لمشهد رجل منهم مع النبي صلى الله عليه وسلم يغبر فيه وجهه خير من عمل احدكم ولو عمر عمر نوح** " خدا کی قسم ہے کہ صحابہ کرام میں سے کسی شخص کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی جہاد میں شریک ہونا جس میں اس کا چہرہ غبار آلود ہوا ہو غیر صحابہ سے ہر شخص کی عمر بھر عبادت و عمل سے بہتر ہے اگر چہ اس کو نوح علیہ السلام کے برابر عمر عطا ہو جائے۔"

(ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۹۱ کتاب السنہ باب فی الخلفاء)

(۹) روایت کی عدی نے ابن عائشہؓ سے مرفوعاً۔" **ان شرارمتي اجرؤهم على اصحابي** "میری امت کے بدترین افراد وہ ہیں جو میرے اصحاب کی (برائی بیان کرنے میں) بہت جری ہوں" (مظاہر حق ج ۴ ص ۵۸۳)

(۱۰) عن النبي صلى الله عليه وسلم لان يلقى الله عبد بذنوب العباد خير له من ان يبغض رجلاً من اصحابي صلى الله عليه وسلم فانه ذنب لا يغفر له يوم القيامة .(نزهة المجالس ج ۲ ص ۲۴۳)

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ بندہ کا خدا سے اس حال میں ملنا کہ وہ تمام بنی آدم کے گناہوں کا گٹھر باندھ کر سر پر رکھے ہوئے ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ خدا کے دربار میں اس حال میں حاضر ہو کہ میرے صحابہ میں سے کسی ایک صحابہ کی عداوت و بغض دل میں رکھتا ہو کیونکہ ایسے شخص کی قیامت کے دن بخشش نہ ہوگی۔(خیر المونس ترجمہ نزہۃ المجالس ج ۲ ص ۳۰۲)

(۱۱) قال ابن عباس قال النبي صلى الله عليه وسلم من احب اصحابي وازواجي واهل بيتي ولم يطعن في واحد منهم وخرج من الدنيا على محبتهم كان معي في درجتي يوم القيامة (نزهة المجالس ج ۲ ص ۲۴۳)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص میرے صحابہ اور ازواج مطہرات اور اہل بیت سے محبت رکھے گا اور ان میں سے کسی پر طعن نہ کرے گا (کسی کی بدگوئی نہ کرے گا) اور ان کی محبت دل میں رکھتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوگا تو وہ قیامت کے روز میرے ساتھ ہوگا۔

سورۂ حشر میں حق تعالیٰ نے عہد رسالت کے موجودہ اور آئندہ آنے والے مسلمانوں کا تین طبقے کر کے ذکر کیا ہے۔ پہلا مہاجرین کا جن کے بارے میں حق تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا۔

اولئک هم الصادقون.
یعنی یہی لوگ سچے ہیں۔
دوسرا انصار کا جن کی صفات وفضائل ذکر کرنے کے بعد قرآن کریم نے فرمایا۔
اولئک هم المفلحون!
یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔
تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو مہاجرین وانصار کے بعد قیامت تک آنے والا ہے ان کے بارے میں فرمایا:۔

والذين جاؤا من بعد هم يقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذين سبقونا بالا يمان ولا تجعل في قلوبنا غلاً للذين امنوا. (سورۂ حشر پ ۲۸)

اور وہ لوگ جو بعد میں یہ کہتے ہوئے آئے کہ اے ہمارے پروردگار ہماری بھی مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے ،اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں سے کوئی بغض نہ کرنا۔
ازالۃ الخفاء میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس آیت کی تفسیر میں متعدد روایات نقل کی ہیں۔آپ نقل فرماتے ہیں۔

عن سعد بن ابی وقاص رضی اللّٰہ عنه قال الناس علی ثلث منازل قد مضت منزلتان وبقیت منزلةً فاحسن ما انتم کائنون علیه ان تکونوا. بهذا المنزلة التي بقيت ثم قرأ للفقراء المهاجرين الذين ...... الخ.

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا لوگوں کے (مسلمانوں کے) تین طبقے ہیں، دو طبقے تو گذر چکے اب صرف ایک باقی رہ گیا ہے۔پس تمہاری بہترین حالت یہ ہے کہ جو طبقہ باقی رہ گیا ہے اس میں داخل ہو جاؤ۔

اس کے بعد انہوں نے **للفقراء المهاجرن الذين اخرجوا من ديار هم واموالهم** الا یۃ کی تلاوت کی اور ان کو فرمایا کہ وہ مہاجرین کا طبقہ ہے اور یہ طبقہ گذر چکا ہے اس کے بعد **والذين تبوء الدارو الا يمان** کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہ انصار کا طبقہ ہے یہ بھی گذر چکا اس کے بعد **والذين جاؤ امن بعد هم يقولون ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذين سبقونا بالايمان الخ** کی تلاوت کی اور کہا کہ وہ دونوں طبقے تو گذر چکے اب یہی ایک طبقہ باقی ہے لہذا تمہاری بہترین حالت یہ ہے کہ اس تیسرے طبقہ میں تمہارا شمار ہو جائے۔(ازالۃ الخفاء مقصد اول۔فصل ششم ج ۲ ص ۲۴۵۔۲۴۶)

عن الضحاک والذين جاؤا من بعدهم . امروا بالا ستغفار لهم وقد علم ما حد ثوا. الخ.
ضحاک سے والذین جاؤ من بعدھم کی تفسیر میں منقول ہے کہ لوگوں کو حکم ملا تھا کہ صحابہ کے لئے استغفار کریں مگر اب دیکھو لوگ کیسی بدعت کر رہے ہیں۔(ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۴۶)

عن عائشة رضی اللّٰہ عنها قالت امروا ان يستغفر والا صحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم

فسبو هم ثم قرأت هذه الاية والذين جائو امن بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا ولا خواننا الذين سبقونا بالايمان .

یعنی:۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا مسلمانوں کو حکم دیا گیا تھا کہ اصحاب ﷺ کے لئے استغفار کریں مگر لوگوں نے (بجائے استغفار کرنے کے) ان کی بدگوئی شروع کردی یہ کہہ کر انہوں نے بھی والذین جائو ا من بعدهم يقولون الخ کی تلاوت فرمائی۔(ازالۃ الخفاء ج۱ص۲۴۶)

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ انه سمع رجلاً وهو يتنا ول بعض المها جرين فقرأ للمهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم الخ ثم قال هو لاء المهاجرين افمنهم انت؟ قال لا ثم قرء عليه والذين تبوو الدار والا يمان الأ ية . قال هولاء الا نصار . افمنهم انت قال لاثم قراء والذين جائو امن بعد هم الا ية قال افمن هؤ لاء انت ؟ قال ارجوا . قال لا ليس من هو لاء من سب هو لاء .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو سنا کہ مہاجرین میں سے کسی پر اعتراض کرتا ہے تو انہوں نے اس کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم اور اس سے فرمایا یہ تو مہاجرین کا بیان ہے کیا تو اس گروہ میں سے ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی والذين تبوؤا الدار والا يمان اور فرمایا یہ انصار کا بیان ہے کیا تو اس گروہ میں سے ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی۔ والذين جائو امن بعد هم اور فرمایا کیا تو اس گروہ میں سے ہے؟ اس نے کہا ہاں امید تو ایسی ہی رکھتا ہوں، فرمایا کہ نہیں۔ اس گروہ میں سے وہ شخص نہیں ہوسکتا جو پہلے دونوں گروہوں کی بدگوئی کرے۔(ازالۃ الخفاء ج۲ص ۲۴۶)

ومن وجه اخر عن ابن عمر رضی اللہ عنه انه بلغه ان رجلاً قال من عثمان رضی اللہ عنه فدعاه فاقعده بين يديه فقرأ عليه للفقراء المهاجرين قال امن هؤلآء انت ؟ قال لا ثم قرأ والذين تبوؤ ا الدار والا يمان الا ية ثم قال من هؤ لاء انت ؟ قال لا ثم قرأ والذين جاء وا من بعد هم يقولون ربنا اغفرلنا الخ قال امن هؤلاء انت ؟ قال ارجوا ان اكون منهم قال لا والله لايكون منهم من تناولهم وكان في قلبه الغل عليهم.

یعنی:۔ایک دوسری سند سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ان کو یہ خبر ملی کہ کوئی شخص حضرت عثمانؓ پر اعتراض کرتا ہے کہ آپ نے اس کو بلایا اور اپنے سامنے بٹھلایا اور اس کے سامنے یہ آیت پڑھی للفقراء المهاجرين الخ اور پوچھا کہ کیا تو ان میں سے ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی والذين تبوؤ الدار والا يمان الخ اور پوچھا کہ کیا تو ان میں سے ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی والذين جاؤا من بعدهم الخ اور پوچھا کہ کیا تو ان میں سے ہے؟ اس نے کہا ہاں امید تو ایسی ہی رکھتا ہوں کہ میں ان میں سے ہوں۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا نہیں۔ اللہ کی قسم ان میں سے وہ شخص نہیں ہوسکتا جو مہاجرین وانصار پر اعتراض کرے اور اس کے دل میں ان کی عداوت ہو۔(ازالۃ الخفاج۲ص۲۴۶فصل ششم)

ابوعروہ زبیریؒ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم امام مالکؒ کی خدمت میں تھے۔ لوگوں نے ایک شخص کا ذکر کیا جو

بعض صحابۂ کرام کو برا کہتا تھا امام مالکؒ نے یہ آیت محمد رسول اللہ لیغیظ بھم الکفار تک تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا جس شخص کے دل میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کے متعلق غیظ ہو وہ اس آیت کی زد میں ہے یعنی اس کا ایمان خطرے میں ہے کیونکہ آیت میں کسی صحابی سے غیظ کفار کی علامت قرار دی گئی ہے۔ (مظاہر حق ج ۴ ص ۵۷۸) (مقام صحابہ ص ۴۰)

نیز امام مالکؒ فرماتے ہیں:۔ من ابغض الصحابة وسبھم فلیس له فی المسلمین حق. جو صحابۂ کرام سے بغض رکھے اور ان کو برا کہے تو اس کا مسلمانوں میں کوئی حق نہیں۔ مظاہر حق ج ۴ ص ۵۷۸۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ جو شخص امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کی تنقیص کرے کیا وہ رافضی ہے؟ فرمایا ان پر وہی جرأت کر سکتا ہے۔ جس کے دل میں خباثت چھپی ہو اور جو بھی کسی صحابی کی تنقیص کرتا ہے۔ اس کے دل میں خباثت چھپی ہوئی ہے۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۳۹ جلد ۸ بحوالہ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ۱۹۶۸ء)

نیز امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:۔ لا یجوز لا حد ان یذکر شیئاً من مساویھم ولا ان یطعن علیٰ احد منھم بعیب ولا نقص فمن فعل ذلک وجب تأدیبه وقال المیمونی سمعت احمد یقول مالھم ولمعاویة نسأل اللہ العافیة وقال لی یا ابا الحسن اذا رأیت احداً یذکر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بسوء فاتھمه علی الا سلام۔

یعنی کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ ان کی (صحابہ کی) کوئی برائی ذکر کرے اور ان پر کسی عیب یا کسی نقص کا حکم لگائے جو شخص ایسا کرے اس کی تادیب واجب ہے۔

اور (ان کے شاگرد) میمونی فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کی برائی کرتے ہیں ہم اللہ سے عافیت کے طلب گار ہیں اور پھر مجھ سے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہ کا ذکر برائی کے ساتھ کر رہا ہے تو اس کے اسلام کو مشکوک سمجھو۔ (الصارم المسلول بحوالہ مقام صحابہ ص ۷۷)

امام ابوزرعہ رازی جو امام مسلمؒ کے اجلہ شیوخ میں سے ہیں فرماتے ہیں:

"اذا رأیت الرجل ینقص احداً من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فاعلم انه زندیق وذلک ان القران حق والرسول حق وما جاء به حق وما ادی ذلک الینا کل الا الصحابة فمن جرحھم انما اراد ابطال الکتاب والسنة فیکون الجرح به الیق والحکم علیه بالزندقة والضلالة اقوم واحق"

یعنی:۔ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہ کرام میں سے کسی کی بھی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے، اس لئے کہ قرآن حق ہے، رسول حق ہیں، اور جو کچھ رسول لائے ہیں وہ برحق ہے اور یہ سب چیزیں ہم تک پہنچانے والے صحابہ ہی ہیں تو جو شخص ان کو مجروح کرتا ہے تو کتاب وسنت کو باطل کرنا چاہتا ہے۔ پس خود اسی کو مجروح کرنا زیادہ مناسب ہے اور اس پر گمراہی وزندقہ کا حکم لگانا بالکل صحیح اور انصاف ہے۔ (فتح المغیث ص ۳۷۵) (مظاہر حق ج ۴ ص

۵۷۸)

شیخ شبلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔ **ما آمن برسول اللہ من لم یوقر اصحابہ** جس نے اصحاب رسول کی توقیر نہ کی وہ (گویا) حضور اکرم ﷺ پر ایمان ہی نہیں لایا۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۳ ص ۴۶ مکتوب نمبر ۲۴ فارسی)

اسی طرح ایک دوسرے بزرگ سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں:

''وہ شخص رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لایا جو آپ کے اصحاب کرام کی تعظیم اور توقیر اور آپ کے اصحاب کی عزت نہ کرتا ہو۔ (شیم الریاض ترجمہ شفا قاضی عیاضؒ ج ۲ ص ۵۸) (مظاہر حق ج ۴ ص ۵۷۸)

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:۔ " **یا ویل من ابغضھم او سبّھم او سب بعضھم الیٰ قولہ فاین ھؤلاء من الایمان بالقران اذ یسبون من رضی اللہ عنھم**"

یعنی:۔ عذاب اہم ہے ان لوگوں کے لے جو ان حضرات (صحابہ) سے یا ان میں بعض سے بغض رکھے یا اُن کو برا کہے ایسے لوگوں کو ایمان بالقرآن سے کیا واسطہ؟ جو ان لوگوں کو برا کہتے ہیں جن سے اللہ نے راضی ہونے کا اعلان کر دیا۔ (ابن کثیر بحوالہ مقام صحابہ ص ۴۳)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

"**ونکف السنتنا عن ذکر الصحابۃ الا بخیر وھم ائمتنا و قادتنا فی الدین وسبھم حرام وتعظیمھم واجب**" ہم لوگ صحابہ کا صرف ذکر خیر ہی کریں گے وہ ہمارے دینی امام اور مقتدا ہیں ان کو برا کہنا حرام ہے اور ان کی تعظیم ہم پر واجب ہے۔'' (تفہیمات الٰہیہ ج ا ص ۱۴۸)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''بالیقین ایں جماعت ہم در حکم انبیاء خواہند بود...... الخ یقیناً صحابۂ کرام کی جماعت بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حکم میں ہوگی پس جس طرح کسی نبی پر تنقید نہیں کی جا سکتی اور ان کی بات واجب التسلیم ہوتی ہے بوجہ دلائل قطعیہ یقینیہ کے اسی طرح صحابۂ کرام پر بھی تنقید کرنے کی نیت تک کرنا بددینی اور کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ (تحفۂ اثنا عشریہ ص ۵۲۹)

امام سفیان ثوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''جس نے یہ گمان کیا کہ علیؓ شیخین سے زیادہ مستحق خلافت تھے اس نے ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) اور تمام مہاجرین و انصار کو خطا پر سمجھا اور میں نہیں سمجھتا کہ ان سب کو خطا پر سمجھنے کے بعد اس کا کوئی نیک کام آسمان تک جا سکے'' (ازالۃ الخفاء ص ۲۴۴ مقصد اول فصل چہارم)

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''دلوں کی سب سے بڑی ناپاکی اور مرض یہ ہے کہ انسان کے دل میں ان لوگوں کی طرف سے کھوٹ ہو جو

اخیار مؤمنین اورانبیاء کے بعد اولیاء اللہ کے سرگروہ اور سرتاج تھے اسی لئے مال غنیمت (فیٔ) میں انہی لوگوں کا حصہ رکھا گیا ہے، جو مہاجرین وانصار اور سابقین اولین کی طرف سے دل میں کھوٹ نہ رکھتے ہوں اوران کے لئے دعاواستغفار کرتے ہوں۔ والذین جاء وا من بعد هم الخ اوران لوگوں کے لئے بھی (مال فیٔ ہے) جو مہاجرین کے بعد آئے۔ دعامانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اور ہمارے بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمانداروں کی طرف سے کینہ قائم نہ ہونے پائے اے ہمارے رب بے شک تو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ (منہاج السنۃ بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت حصہ۲ص ۲۹۹۔۳۰۰)

نیز آپ فرماتے ہیں:۔حضور اکرم ﷺ کے بعد خیر امت حضرت ابوبکرؓ ہیں اوران کے بعد حضرت عمرؓ، ان کے بعد حضرت عثمانؓ اوران کے بعد بقیہ تمام صحابہ خیر الناس ہیں۔ کسی کے لئے زیبا نہیں ہے کہ ان کا نام ذرہ برابر برائی کے ساتھ لے یا ان پر طعن کرے یا عیب جوئی کرے۔ اور جو یہ کام کرے حکومت اسلامی پر شرعاً واجب ہے کہ وہ ایسے خبیث کو سزا دے، اوراس کو معاف نہ کرے۔ اس سے توبہ کرائے اگر صدق دل سے توبہ کرلے تو قبول کرلی جائے۔ اگر توبہ نہ کرے تو سزا جاری رکھے اوراس کو قید کردے تا آنکہ توبہ کرے یا مرجائے ۔ (الصارم المسلول ص ۵۷۳)

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں:۔فضائل صحابہ سے وہی شخص واقف ہے جو ان کے حالات اوران کی زندگی سے واقف ہو، حضور اقدس ﷺ کی زندگی میں اور وصال کے بعد۔ ان کا ایمان میں تقدم اور کفار سے جہاد اور دین کا پھیلانا اور شعائر اسلام کا اعلان اور اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کا کلمہ بلند کرنا اور فرائض وسنن کی تعلیم۔ اوراگر وہ نہ ہوتے تو دین کی کوئی اصل یا فرع ہم تک نہیں پہنچتی اور ہم کسی سنت یا فرض سے واقف نہ ہوتے اور نہ حضور اقدس ﷺ کی احادیث اور حالات ہم تک پہنچتے۔ لہٰذا جو ان کی شان میں گستاخی کرے وہ دین سے نکل گیا۔ اور مسلمانوں کے طریقہ سے خارج ہوگیا۔ اس واسطے کہ کسی میں طعن کرنا اس وقت تک نہیں ہوتا۔ جب تک کہ ان کی برائیوں کو دل میں جگہ نہ دے۔ اور بغض دل میں نہ ہو اور جب تک کہ ان فضائل کا جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے ان کا منکر نہ ہو اور جب تک ان فضائل ومناقب اور صحبت جو حضور اقدس ﷺ کو ان سے تھی ان کا منکر نہ ہو۔ اوراس وجہ سے بھی طاعن صحابہ دین سے نکل گیا کہ یہ صحابہ ہی ماثور ومنقول ہیں بہترین وافضل ترین وسیلہ ہیں اور وسیلہ پر طعن اصل پر طعن شمار ہوتا ہے اور ناقل پر عیب لگانا منقول پر عیب لگانا ہے۔ اور یہ باتیں اس شخص کے لئے ہیں جو غور وفکر کرے اور نفاق وزندقہ اور الحاد سے اس کا عقیدہ پاک ہو۔ الخ۔ (شریعت وطریقت کا تلازم ص ۲۲۔۲۳، از حضرت مولانا زکریا صاحب نوراللہ قدہٗ۔

امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''ایں قسم بزرگواران را بدیاد کردن وسوء ظن بایشاں نمودن چہ دور از انصاف ودیانت است'' اس قسم کے بزرگواروں کو برائی سے یاد کرنا اوران سے بدظن ہونا انصاف ودیانت سے کس قدر دور ہے۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۳ ص ۴۸ فارسی)

مناظر اسلام حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ فرماتے ہیں:

ائمہ کو برا کہنے سے آدمی چھوٹا رافضی ہوتا ہے اور صحابہ کی شان میں گستاخی کرنا یہ اصل رفض ہے۔'' (تنقیح

التنقید ص ۱۰)

خلاصۂ کلام یہ کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور اکرم ﷺ کی صحبت سے فیض یافتہ ہیں ۔ آپ کی مصاحبت سے ان کا قلب منور اور باطن بالکل صاف ہو چکا تھا اس لئے انسان کی سعادت مندی اسی میں ہے کہ ان کی گستاخی کر کے اپنی آخرت برباد نہ کرے ۔ آخر میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا مقولہ جو لوح قلب پہ نقش کرنے کے قابل ہے وہ ملاحظہ فرمایئے :۔

وایضاً رذائیلی کہ منافی شفقت ومہربانی ست واز ذمائم اخلاق است از حسد وبغض وکینہ وعداوت در حق جماعۃ کہ بشرف صحبت خیر البشر مشرف گشتہ اند علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات چگونہ متصور شود کہ بہترین ایں امت کہ خیر الامم است ایشانند وسابق ترین ایں ملت کہ ناسخ الملل است ہم ایشاں قرن ایشاں بہترین قرون بودہ است وصاحب ایشاں افضل الرسل انبیاء رسل ، واگر انساں بایں صفات ردیہ موصوف باشند کہ کمینہ ایں امت مرحومہ رااز اں ذمائم عار است ایشاں چرا بہترین ایں امت باشند وایں امت بکدام وجہ خیر الامم بود واسبقیت ایمان واولیت انفاق اموال وبذل انفس راچہ مزیت وفضیلت باشد وخیریت قرن راچہ تاثیر فضل صحبت خیر البشر را علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام چہ اثر باشد جماعۃ کہ در صحبت اولیائے ایں امت زندگانی مینمایند ازیں رذائل نجات می یابند جمعی کہ در صحبت افضل الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات عمر خود را صرف کردہ باشند واز برائے تائید ونصرت دین او بذل اموال وانفس نمودہ ند چہ احتمال دارد کہ ایں ذمائم در حق شاں توہم نمودہ آید مگر آنکہ عظمت وبزرگی خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ از نظر ساقط شود ۔ عیاذاً باللہ وصحبت او علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام از صحبت ولی امت ناقص تر متوہم کرد ۔ نعوذ باللہ سبحانہ ۔ حال آنکہ مقرر است کہ ہیچ ولی امتی مرتبۂ صحابی آں امت نرسد فکیف بہ نبی آں امت (مکتوبات امام ربانی فارسی ج ۳ ص ۴۵ ۔ ۴۶) مکتوب نمبر ۴ ۔

نیز وہ رذائل یعنی کمینہ صفتیں جو شفقت ومہربانی کے منافی ہیں اور برے اخلاق میں سے ہیں ان لوگوں کے حق میں جو حضرات خیر البشر کی شرف صحبت سے مشرف ہوئے ہیں حسد اور بغض اور کینہ ۔ کس طرح متصور ہوسکتا ہے ۔ جو تمام امتوں میں سے بہتر امت کے بہترین افراد ہیں اور تمام مذہبوں کو منسوخ کرنے والے مذہب کے سابق ترین ہیں ۔ جن کا (یعنی صحابہ کا) زمانہ تمام زمانوں سے بہترین زمانہ تھا اور ان (صحابہ) کا صاحب تمام نبیوں اور رسولوں سے فضیلت والا تھا اگر یہ لوگ (صحابہ) ردی صفتوں سے موصوف ہوں جن سے اس امت مرحومہ کے کمینہ آدمی کو عار آتی ہے (اگر خدانخواستہ یہ صفات ردیہ صحابہ کی اندر ہوں) تو پھر یہ لوگ (صحابہ) کس طرح امت میں سے بہتر ہوں گے اور یہ امت کس اعتبار سے خیر الامم ہوگی ۔ اور ایمان میں سب سے اول اور بڑھ کر ہونا اور مال وجان کو سب سے بڑھ کر خرچ کرنا کیوں زیادت اور فضیلت کا باعث ہوگا ، اور خیر القرون کی کیا تاثیر ہوگی ۔ اور حضرت خیر البشر ﷺ کی فضل صحبت کا کیا اثر ہوگا ؟ وہ لوگ جو اس امت کے اولیاء کی صحبت میں کچھ مدت رہتے ہیں وہ ان رذیلہ صفتوں سے نجات پاجاتے ہیں ، تو وہ لوگ جنہوں نے حضرت افضل الرسل ﷺ کی صحبت میں اپنی عمریں صرف کی ہیں اور دین کی تائید اور مدد کے لئے اپنے مالوں اور جانوں کو خرچ کیا ہے کیا یہ ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں کے حق میں اس قسم کی بری خصلتوں کا وہم کیا جائے ۔ سوائے اس کے کہ حضرت خیر البشر کی عظمت وبزرگی ۔ نظر سے گر جائے اور ان کی صحبت ایک ادنیٰ امتی کی صحبت سے بھی ناقص سمجھی جائے ۔ نعوذ باللہ منہا ۔ حالانکہ مقرر ہے کہ امت کا کوئی ولی صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا تو

اس امت کے نبی کے درجہ کو کیسے پاسکے گا۔ (مکتوبات امام ربانی اردو ج ۳ ص ۶۱ مکتوب نمبر ۲۴)
مرحوم اکبرالہ آبادی نے بھی کیا خوب کہا ہے۔

در فشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور مودودی

خلیفۂ راشد حضرت عثمانؓ عظیم المرتبت اور جلیل المنقب صحابی ہیں، آپ سابق الاسلام ہیں جن کے متعلق اللہ کا خصوصی اعلان ہے رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ السابقون السابقون اولئک المقربون فی جنت النعیم ، آپ نہایت عفیف و باحیا تھے، آپ نے دو ہجرتیں کیں اور دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی نہایت صابر اور متحمل تھے، قبل از اسلام بھی کبھی بت پرستی نہیں کی تمام غزوات میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ رہے، غزوۂ بدر میں جناب رسالت مآب حضور ﷺ کی اجازت سے آپ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکے لیکن آپ ﷺ نے ان کو شریک قرار دیا اور مثل شرکاء کے حصہ دیا۔ اور بیعۃ رضوان کے موقعہ پر جب کہ حضور اکرم ﷺ نے ان کو مکہ مکرمہ بھیجا اور یہاں آپ علیہ السلام نے موت و جہاد پر صحابہ سے بیعت کی تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ان عثمان فی حاجۃ اللہ و حاجۃ رسولہ فضرب باحدی یدیہ علی الاخریٰ الخ. کہ عثمان اللہ اور اس کے رسول کے کام میں ہے پھر آپ ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ پر بایاں ہاتھ رکھ کر فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور آپ نے ان کی طرف سے غائبانہ بیعت کی، لہذا آپ بھی اس بیعۃ رضوان میں شامل ہیں۔ جن کے متعلق اللہ نے اپنی رضامندی کی بشارت سنائی۔ (سورۂ فتح پ ۲۶)

آپ کے مشرف باسلام ہونے کے بعد فوراً رسول خدا ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا۔ جب کفار نے مسلمانوں کی ایذا رسانی پر کمر باندھی تو آپ حضرت رقیہؓ کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں کہ مع اہل بیت ہجرت کی ان کی وفات کے بعد حضور ﷺ نے اپنی دوسری بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح کرا دیا جب ان کا بھی انتقال ہوا تو فرمایا میری اور کوئی بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمان کے ساتھ کر دیتا۔ یہ آپ کی خصوصیت ہے کہ بلا طلب نبی نے اپنی بیٹی نکاح میں دی، آپ نے اسلام کی مالی خدمت بھی خوب کی اور بڑی اچھی اچھی دعائیں حضور ﷺ کی حاصل کیں۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر سامان جہاد کے علاوہ آپ ﷺ اور صحابہ کے کھانے کا سامان کئی اونٹوں پر لدا ہوا حاضر کیا اس وقت رسول اللہ ﷺ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا کہ یا اللہ میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی ان سے راضی رہ اور صحابۂ کرام سے فرمایا کہ تم بھی عثمان کے لئے دعا کرو چنانچہ رسول

اللہ ﷺ کے ساتھ سب نے دعا مانگی، اوراسی موقع پر آپ نے فرمایا**ماضر عثمان ما عمل بعد الیوم** یعنی آج کے بعد عثمان جو چاہیں کریں کوئی کام ان کونقصان نہیں پہنچا سکتا۔(مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۱)

ایک مدت تک کتابت وحی کی خدمت ان کے سپرد رہی۔تمام اعمال صالحہ میں آپ کومنجانب اللہ عظیم الشان توفیق عطا ہوئی تھی۔نماز تہجد کی یہ حالت تھی کہ رات کو بہت کم سوتے تھے اورقریب قریب پوری رات عبادت کرتے تھے نماز تہجد میں روزانہ ایک ختم قرآن کامعمول تھا صائم الدہر تھے سوائے ایام منوعہ کے کسی دن روزہ ناغہ نہ ہوتا تھا۔جس روز شہید ہوئے اس روز بھی روزے سے تھے۔صدقہ وخیرات کرنے میں اپنی مثال آپ تھے ہر جمعہ کوایک غلام آزاد کرنے کا معمول تھا۔حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں سخت قحط پڑا اس وقت حضرت عثمانؓ کے ایک ہزار اونٹ غلہ کے آئے آپ نے وہ تمام فقراء کوتقسیم کردیا۔(خلفاء راشدین ملخصاً ص ۱۱۹ص ۱۲۰ص ۱۲۱)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے۔**عن عمر قال ما احداحق بهذا الامر من هؤلاء النفر الذين توفى رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو عنهم راض فسمى علياً وعثمان والزبير وطلحة وسعدا وعبدالرحمن بن عوف** .(راوہ البخاری)

حضرت عمرؓ نے فرمایا خلافت کا حق داران لوگوں سے زیادہ کوئی نہیں جن سے رسول اللہ ﷺ اپنی وفات تک راضی رہے پھر آپ نے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعدؓ اورعبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اجمعین کا نام لیا(صحیح بخاری)

چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے انتہائی غور وفکر اوراکابر صحابہ اور بے شمار لوگوں سے مشورے کے بعد حضرت عثمانؓ کوخلیفۂ ثالث منتخب کیا اورحضرت علیؓ سمیت تمام حضرات صحابہ نے بالاتفاق آپ سے بیعت کی۔امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں "لہذا علماء فرمودہ اند کہ آنقدر اتفاق اجماع کہ برخلافت حضرت ذی النورینؓ بحصول پیوستہ برخلافت ہیچ یکے از حضرات خلفاء ثلثہ دیگر بحصول نہ پیوستہ زیرا کہ در بدو خلافت اورضی اللہ عنہ چوں بلکنوں تردد بودہ۔(مکتوبات امام ربانی فارسی ج ۳ ص ۹۵ مکتوب نمبر ۴۴)

ترجمہ۔اورحضرت ذی النورین کی خلافت صحابۂ کرام کے اجماع سے ثابت ہوچکی ہے اسی واسطے علماء نے فرمایا ہے کہ جس قدر اتفاق واجماع حضرت ذی النورین کی خلافت پر حاصل ہوا ہے حضرات خلفاء ثلثہ میں سے کسی کی خلافت پراتنا حاصل نہیں ہوا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی خلافت کے ابتداء ہی میں چونکہ ایک قسم کا تردد تھا اس لئے اس زمانہ کے لوگوں نے اس بارے میں بڑی احتیاط سے توجہ کی ہے۔(مکتوبات ج ۳ ص ۶۳)

آپ کی خلافت کے زمانہ میں بھی بہت سے شہر اورعلاقے اسلام کے تصرف میں داخل ہوئے مثلاً ہمدان، آذربائیجان، قیروان، اندلس، قبرس، گازرون، قلعہ سفید، سیرجان، مازندران نیشاپور، طوس، عبس، ہرات، بلخ، مصیصہ۔ قسطنطنیہ، قرطبہ۔

کہتے ہیں کہ آپ کی خلافت کے زمانہ میں اس قدر مال غنیمت آیا کہ گھوڑے کی قیمت ایک ہزار درہم اور اونٹ کی قیمت ایک ہزار درہم ہوگئی تھی اورآپ کی خلافت کے ایام مثل حضرت عمرؓ کی خلافت کے ایام کے تھے۔

حاصل کلام آپ کے مناقب بہت ہیں احادیث میں بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کی منقبت بیان

فرمائی ہے۔چنانچہ حدیث میں ہے۔

(۱) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ لکل نبی رفیق فی الجنة ورفیقی فیها عثمان ۔ ہر نبی کا جنت میں رفیق ہوگا اور میرے رفیق جنت میں عثمان ہیں ۔(مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۱)

(۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ میرے گھر میں زمین پر لیٹے ہوئے تھے کہ آپ کی پنڈلی مبارک کھل گئی اس حالت میں حضرت ابوبکرؓ نے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی آپ نے اجازت مرحمت فرمادی۔ پھر حضرت عمرؓ تشریف لائے اور حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمادی۔ ان کے بعد حضرت عثمان غنیؓ حاضر ہوئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی اور پنڈلی کو ڈھک لیا۔ (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں) ان سب کے جانے کے بعد میں نے پنڈلی چھپانے کی وجہ دریافت کی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ الا استحیی من رجل تستحیی منه الملائکة میں اس آدمی سے کیوں شرم نہ کروں جس سے فرشتے شرم وحیا کرتے ہوں۔(مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۰)

(۳) وقال النبی صلی اللہ علیه وسلم عثمان احیا امتی واکرمها، وقال النبی صلی اللہ علیه وسلم اشد امتیٰ حیاءً عثمان.(نزهة المجالس ج ۲ ص ۲۷۳)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا عثمان میری امت میں سب سے زیادہ حیادار اور کریم وسخی ہیں۔

وقال عثمان رضی اللہ عنه مالمست فرجی بیمینی لانی لمست بها یدرسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم .(نزهة المجالس ج ۲ ص ۲۷۳)

حضرت عثمانؓ نے فرمایا: میں نے داہنے ہاتھ سے کبھی اپنی شرم گاہ نہیں چھوئی، کیونکہ میں نے اس سے آنحضرت ﷺ کا دست مبارک چھوا تھا۔

(۴) قالت عائشة رضی اللہ عنها مکثنا اربعة ایام ما طعمنا شیئاً فدخل علینا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقالت یا عائشة هل اصبتم شیئاً بعدی قلت لا فتوضأ وخرج یصلی هٰهنا مرةً وهٰهنا مرةً ویدعو فجاء عثمان رضی اللہ عنه اٰخر النهار فقال این رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فاخبرته الخبر فبکیٰ ثم خرج عثمان وبعث لنا ادقیقاً وتمراً وغیرہ ثم قال هذ یبطئی علیکم فارسل خبزاً و لحماً مشویاً ثم جاء النبی صلی اللہ علیه وسلم وقال هل أصبتم شیئاً فاخبرته بما فعله عثمان فلم یجلس حتیٰ خرج الی المسجد ورفع یدیه وقال اللهم انی رضیت عن عثمان فارض عنه اللهم انی رضیت عن عثمان فارض عنه اللهم انی رضیت عن عثمان فارض عنه ۔(نزهة المجالس ج ۲ ص ۲۶۸،۲۶۷)

یعنی:۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دفعہ ہم پر چار دن متواتر گذر گئے کہ ہمیں کھانے کی کوئی چیز نہیں ملی ۔ جناب رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آکر فرمانے لگے عائشہ! کیا تمہیں میرے جانے کے بعد کھانے کی کوئی چیز ملی، میں نے کہا نہیں، آپ وضو کر کے نماز کے لئے نکلے کبھی یہاں نماز پڑھتے ہیں تو کبھی وہاں

(دوسرے گوشہ میں) اور دعا کرتے ہیں، جب دن کا آخری حصہ ہوا (شام ہونے لگی) تو حضرت عثمان آئے اور کہنے لگے کہ آنحضور ﷺ کہاں تشریف لے گئے؟ میں نے سارا واقعہ بیان کیا ہے۔ آپ یہ سن کر رونے لگے پھر گھر جا کر ہمارے لئے آٹا اور کھجوریں بھیجیں پھر فرمایا کہ اس کے پکانے میں تو دیر لگے گی میں تیار کھانا تمہارے لئے بھیجتا ہوں چنانچہ آپ نے ہمارے لئے بھنا ہوا گوشت روٹی بھیجی اتنے میں آپ ﷺ تشریف لائے فرمانے لگے عائشہ! کیا تمہارے پاس کہیں سے کھانا آیا میں نے حضرت عثمانؓ کا آنا اور ان کی ہمدردی اور کھانے کے بھیجنے کا ذکر کیا یہ سن کر آپ نہایت خوش ہوئے اور گھر میں بیٹھے تک نہیں مسجد میں جا کر ہاتھ پھیلا کر فرمانے لگے الٰہی! میں عثمان سے خوش ہوں تو بھی ان سے راضی ہو، تین دفعہ آپ نے یہی الفاظ فرمائے۔ (نزہۃ المجالس)

وقال ابو سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ رأیت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من اول اللیل الیٰ ان طلع الفجر یدعو لعثمان. (نزھۃ المجالس ج۲ ص ۲۶۸)

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں میں نے نبی ﷺ کو اول شب سے آخر رات تک حضرت عثمانؓ کے لئے دعا کرتے دیکھا۔

(۵) وعن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ قال غفر اللّٰہ لک یا عثمان ما قدمت وما أخرت وما ھو کائن الی یوم القیامۃ. (نزھب المجالس ج۲ ص ۲۶۸)

آنحضور ﷺ نے فرمایا عثمان! خدا تعالیٰ نے تمہارے اگلے پچھلے گناہ اور جو قیامت تک ہونے والا ہے سبھی تو بخش دیا۔

(۶) وقال علی رضی اللّٰہ عنہ فی قولہ تعالیٰ ان الذین سبقت لھم منا الحسنیٰ ھو عثمان بن عفان. (نزھۃ المجالس ج۶ ص ۲۶۸)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آیۃ۔ ان الذین سبقت لھم منا الحسنی. حضرت عثمانؓ کے متعلق نازل ہوئی۔

(۷) عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنھما عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یشفعن عثمان فی سبعین الفاً ممن قد استوجبوا النار حتی یدخلھم الجنۃ. (نزھۃ المجالس ج ۲ ص ۲۶۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جناب نبی ﷺ نے فرمایا کہ عثمان ان ستر ہزار لوگوں کی سفارش کریں گے۔ جنہوں نے دوزخ کے عذاب کا استحقاق حاصل کر لیا ہوگا۔ آپ ان کی شفاعت کر کے جنت میں لے جائیں گے۔

(۸) عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ وابن عباس رضی اللّٰہ عنہ ایضاً ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لعثمان رضی اللّٰہ عنہ انت ذوا لنورین قال یارسول اللّٰہ لم سمیتنی بذی النورین قال لانک تقتل وانت تقرأ سورۃ النور. (نزھۃ المجالس ج ۲ ص ۲۸۱)

یعنی! حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان سے فرمایا اے عثمان تم ذوالنورین ہو کہا اے رسول خدا آپ نے میرا نام ذوالنورین کیوں رکھا؟ فرمایا اس لئے کہ جس

وقت تمہیں باغی شہید کریں گے تم سورۂ نور پڑھ رہے ہوں گے۔

(۹)عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان یوم القیامة یوتی بعثمان وأوداجہ تشخب دما اللون لون الدم والریح ریح المسک ویکسیٰ حنتین من نور وینصب لہ منبر علی الصراط فیجوز المؤمنون بنوری ولیس لمبغضہ نصیب .(نزھة المجالس ج۲ ص ۱۷۲)

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب قیامت برپا ہوگی تو عثمان میدان حشر میں لائے جائیں گے اور ان کی گردن کی رگوں سے خون کی فوارے چل رہے ہوں گے، خون کا رنگ تو خون ہی جیسا ہوگا مگر اس میں خوشبو مشک جیسی ہوگی، انہیں نور کے دو بیش قیمت حلے پہنائے جائیں گے۔ اور پل صراط پر ایک منبر نصب کیا جائے گا جس پر وہ بیٹھیں گے اور ایماندار ان کے نور میں پل صراط عبور کر جائیں گے۔ مگر انکے دشمنوں کے لئے اس سے کوئی حصہ نہ ہوگا۔

(۱۰)ایک روز رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم احد پر تشریف لے گئے۔ پہاڑ میں حرکت پیدا ہوئی حضور ﷺ نے پاؤں مبارک پہاڑ پر مارا اور فرمایا۔ " اسکن احد لیس علیک الا نبی وصدیق وشھیدان احد" ! ساکن ہو جا تیرے اوپر اور کوئی نہیں ہے صرف ایک نبی ہے ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ (بخاری شریف ص ۵۲۳)

(۱۱)حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز آنحضور ﷺ نے فرمایا۔ یا عثمان لعل اللہ یقمصک قمیصاً فان ارادوک علی خلعہ فلا تخلعہ لھم .

یعنی! اے عثمان امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک قمیص پہنائے گا پھر اگر وہ لوگ تمہارے اوپر سے قمیص اتارنے کا ارادہ کریں تو ان کی (درخواست پر) اس قمیص کو نہ اتارنا (یعنی اگر خلافت سے معزول کرنا چاہیں تو معزول نہ ہونا۔) (ترمذی شریف ج۲ ص ۶۱۲) (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۴)

(۱۲)مرہ بن کعبؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں۔ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذکر الفتن فقربھا فمر رجل مقنع فی ثوب فقال ھذا یومئذ علی الھدیٰ فقمت الیہ فاذا ھو عثمان بن عفان الخ.

یعنی:۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا " میرے بعد تمہارے درمیان فتنے اور حوادثات ظاہر ہوں گے۔ اور ان کو بہت اہمیت سے بیان فرمایا اتنے میں حضرت عثمان بن عفانؓ کپڑا اوڑھے ہوئے ادھر سے گذرے آپ نے فرمایا اس دن یہ شخص راہ حق پر ہوگا۔ (ترمذی شریف ج۲ ص ۲۱۱) (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۲)

اور آیۂ تمکین (الذین ان مکنا ھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ الخ) میں یہ مضمون وارد ہے کہ مہاجرین میں سے جو شخص بھی خلیفہ ہوگا اس کی خلافت پسندیدہ ہوگی اور زمانۂ خلافت میں وہ وہی کام کرے گا جو مرضیٔ الٰہی ہوں گے۔ (خلفاء راشدین ص ۱۴۰)

(۱۳)ایک حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ میں کسی سے ایک

راز کی بات کہوں ۔عرض کیا گیا ابوبکرؓ وعمرؓ ہیں ۔فرمایا نہیں ۔عرض کیا گیا عثمان حاضر ہیں فرمایا ہاں !اور ان کو تنہائی میں لے جا کر کچھ فرمایا۔جس سے حضرت عثمانؓ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کا دن آیا اور بلوائیوں نے آپ کو آ گھیرا تو آپ نے فرمایا جو راز کی بات جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی وہ یہ ہے کہ تو اس دن ثابت قدم رہنا اب میں نقض عہد نہ کروں گا۔

(۱۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں ۔ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتنۃ فقال یقتل ھذا فیھا مظلوماً العثمان۔

یعنی:۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔تم لوگوں کے درمیان فتنے پیدا ہوں گے اور اس میں یہ یعنی حضرت عثمانؓ مظلوم قتل کئے جائیں گے۔(ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۱۲)(مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۲)

(۱۵) روایت ہے کہ ایک دن حضرت عثمانؓ کے چہرہ کے طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیکھا اور خوب روئے اور فرمایا اے عثمان !آپ کو ظالم قتل کر دیں گے آپ اس روز ثابت قدم رہنا اور اپنے اوپر سے صبر وتحمل کا لباس علیحدہ نہ کرنا۔

(۱۶) ابو حبیبہ فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت عثمانؓ محصور تھے اس وقت حضرت ابو ہریرہؓ نے آپ سے گفتگو کرنے کی اجازت چاہی تو آپ نے اجازت مرحمت فرمائی، بات چیت کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ کھڑے ہوئے حمد وثنا کے بعد فرمایا۔ **سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انکم ستلقون بعدی فتنۃ واختلافاً فقال لہ قائل من الناس فمن الناس یا رسول اللہ او ماتأ مرنا بہ (ای من نتبعہ فیکون لنا العاقبۃ) قال علیکم بالامیر واصحابہ وھو یشیر الیٰ عثمان.**

یعنی:۔میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے میرے بعد تمہارے درمیان فتنے اور اختلافات ظاہر ہوں گے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا اس وقت ہم کس کی اتباع کریں؟ حضور ﷺ نے فرمایا تم پر امیر کی اور ان سے اصحاب کی متابعت لازم ہے اور آپ ﷺ حضرت عثمانؓ کی طرف اشارہ فرمارہے تھے۔(مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۲ ، ص ۵۶۳)

(۱۷) بخاری شریف میں ہے ۔ایک موقعہ پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا " **بشرہ بالجنۃ معھا بلاء یصیبہ** (ج ۲ ص ۱۰۵۲) وفی روایۃ " **علیٰ بلویٰ ستصیبہ** " (ج ص ۵۲۲) ان کو (حضرت عثمانؓ کو) جنت کی بشارت دے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ ان کو ایک آزمائش میں مبتلا ہونا ہوگا۔"

آخر الذکر احادیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضور کو پہلے سے معلوم ہو چکا تھا کہ۔حوادثات اور فتن ظاہر ہوں ، اور حضرت عثمان خلیفہ بنائے جائیں گے اور آپ پر امتحان اور آزمائشیں آئیں گی اور اس وقت حضرت عثمانؓ راہ حق یں گے یہ تمام باتیں معلوم ہوتے ہوئے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو ان فتنوں کے ظہور کے وقت اپنے منصب پر تحمل کے ساتھ قائم رہنے کی وصیت فرمارہے ہیں اب ذرا غور وفکر سے کام لیجئے کہ کیا معمولی عقل وفہم والا انسان جس قلب میں ایمان کا نور ہے وہ یہ تصور کر سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے شخص کو منصب پر قائم رہنے کی تاکید ، ہو جو اپنے منصب کا غلط استعمال کرنے والا ہو اور معیار مطلوب کو پورا نہ کرنے والا ہو۔اعاذ نا اللہ ،لہذا انسان کی

سعادت مندی اور نیک بختی یہی ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شان عالی میں گستاخی کر کے اپنی عاقبت برباد اور خراب نہ کرے آپ کی طرف سے قلوب بالکل صاف ہوں اور آپ کی مودت ومحبت ہمارے قلوب میں ہو، آپ سے (معاذ اللہ) بغض ونفرت اور آپ کی شان میں گستاخی کے نتائج بڑے خراب ہو سکتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے۔ عن جابر رضی اللہ عنہ قال اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بجنازۃ رجل لیصلی فلم یصل علیہ فقیل یا رسول اللہ ما رأینا ترکت الصلوۃ علی احد قبل ھذا قال انہ کان یبغض عثمان فابغضہ اللہ.

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک جنازہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا گیا کہ نماز پڑھا دیں آپ نے نماز نہ پڑھائی آپ سے عرض کیا گیا آپ نے کبھی اس طرح نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا یہ عثمان سے بغض رکھتا تھا (اس وجہ سے) اللہ اس سے بغض رکھتا ہے۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۱۲)

بہر حال احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ آخر تک حق پر رہیں گے اور آپ کی شہادت مظلومانہ ہوگی اور یہ ایک ابتلاء وآزمائش ہوگی۔ مگر مودودی صاحب کی کوتاہ نظر ان احادیث کی طرف نہ گئی اور آپ کی شان میں بے بنیاد کیا کیا گستاخیاں کی ہیں وہ ملاحظہ کیجئے۔

(۱) حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) جن پر اس کار عظیم کا بار رکھا گیا تھا۔ ان خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیشروں کو عطا ہوئی تھیں۔ اس لئے جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔ (تجدید واحیائے دین ص ۲۳ بحوالہ مودودی مذہب ص ۶۵)

(۲) لیکن ان کے (حضرت عمرؓ کے) بعد جب حضرت عثمانؓ جانشین ہوئے تو رفتہ رفتہ اس پالیسی سے ہٹتے چلے گئے۔ انہوں نے پے در پے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کئے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدف اعتراض بن کر رہیں۔ (خلافت وملوکیت ص ۹۷ بار سوم ۱۹۷۲ء)

(۳) حضرت عثمانؓ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا، اور غلط کام بہر حال غلط ہے، خواہ کسی نے کیا ہو اسکو خواہ مخواہ سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل وانصاف کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۰۷ بار سوم)

(۴) اس سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ دو چیزیں ایسی تھیں جو بڑے دوررس اور خطرناک نتائج کی حامل ثابت ہوئیں۔

ایک یہ کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہ کو مسلسل بڑی طویل مدت تک ایک ہی صوبے) کی گورنری پر مامور کئے رکھا وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں چار سال سے دمشق کی ولایت پر مامور چلے آرہے تھے۔ حضرت عثمان نے ابلہ سے سرحد روم تک اور الجزیرہ سے ساحل بحر ابیض تک کا پورا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کر کے اپنے پورے زمانہ خلافت (۱۲ سال) میں ان کو اسی صوبے پر برقرار رکھا...... الیٰ قولہ...... دوسری چیز جو اس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوئی وہ خلیفہ کے سکریٹری کی اہم پوزیشن پر مروان بن الحکم کی ماموریت تھی۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۰۶ بار سوم)

(۵) مجھے یہ تسلیم کرنے میں ذرہ برابر تامل نہیں ہے کہ انہوں نے (حضرت عثمانؓ) یہ غلطی نیکی نیتی ساتھ اپنے کو حق بجانب سمجھتے ہوئے نہیں کی تھی مگر میں اسے محض غلطی سمجھتا ہوں اس کو اجتہادی غلطی ماننے میں مجھے

تامل ہے۔(اصحاب النبی ص ۲۰۱)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مودودی

حضرت معاویہؓ جلیل القدر صحابی ہیں، خدمت نبوی (ﷺ) میں رہ کر تعلیم وتربیت حاصل کی، حبر امت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آپ کو فقہاء امت میں شمار کرتے تھے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ ایک موقع پر حضرت ابن عباسؓ نے حضرت معاویہؓ کے متعلق فرمایا۔ **اصاب انه فقيه** انہوں نے درست فرمایا وہ تو خود فقیہ ہیں (مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔ **دعه فانه قد صحب النبی صلی اللہ علیه وسلم رواه البخاری** . ان کو (حضرت معاویہ کو ان کی حالت پر) چھوڑ دو اس لئے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی صحبت میں رہے ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۳) یعنی حضور سے خصوصی طور پر فیض حاصل کیا ہے۔

صحبت نبوی میں آپ نے ارشادات رسول اللہ ﷺ کا کافی ذخیرہ محفوظ کیا کتب احادیث میں ۱۶۳ احادیث آپ سے مروی ہیں۔ جن میں چار متفق علیہ یعنی بخاری ومسلم دونوں میں ہیں اور چار صرف بخاری میں ہیں اور پانچ صرف مسلم میں ہیں باقی دوسری کتب احادیث میں ہیں۔ (تہذیب الاسماء نووی ص ۱۳۳)

اسلام لانے کے بعد غزوۂ حنین میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ شریک رہے کتابت وحی کی خدمت بھی انجام دی۔ حضرت ابوسفیانؓ نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر درخواست کی۔ " **معاویة تجعله كاتباً بين يديك قال نعم** " معاویہ کو آپ اپنا کاتب بنالیں آپ ﷺ نے منظور فرمالیا۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۰۴)

کتابت وحی کے ساتھ حضرت معاویہؓ نبی کریم ﷺ کی خصوصی خدمت بھی انجام دیتے تھے حتیٰ کہ عمرۂ جعرانہ میں آپ کے بال مبارک بھی حضرت امیر معاویہؓ نے کاٹے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ **قال ابن عباس : قال لی معاوية اعلمتک انی قصرت من رأس النبی صلی اللہ علیه وسلم عند المروة بمشقص**، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے مجھے فرمایا کہ آپ کو معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بال مبارک قینچی سے مروہ کے پاس میں نے کاٹے تھے۔ (مسلم شریف ج ۱ ص ۴۰۸)

حضرت معاویہؓ کی بڑی منقبت یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے آپ کے لئے خصوصی دعا فرمائی۔ **اللّٰهم اجعله هادياً مهدياً واهدبه** . اے اللہ معاویہ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا اور اس کے ذریعہ (لوگوں کو) ہدایت دے۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲۵)

ابوادریس خولانی کہتے ہیں۔ **لما عزل عمر بن الخطاب عمير بن سعد عن حمص ولی معاوية فقال عمير لا تذكروا معاوية الا بخير فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم يقول اللهم اهدبه** .

یعنی:۔ جب حضرت عمرؓ نے عمیر بن سعدؓ کو حمص سے معزول کر کے حضرت معاویہؓ کو گورنر بنادیا (تو لوگ کہنے لگے عمر نے عمیر کو معزول کردیا اور معاویہ کو گورنر بنادیا) اس وقت حضرت عمیرؓ نے فرمایا تم معاویہ کا ذکر، خیر کے سوا

کرو کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔ اللھم اھدبہ اے اللہ معاویہ کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت فرما۔ (ترمذی شریف ج ۲ص ۲۲۵)

اور ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو دعا دی اور فرمایا:۔

اللھم علم معاویة الکتاب والحساب وقه العذاب .

اے اللہ معاویہ کو حساب کتاب سکھا اور اس کو عذاب جہنم سے بچا۔ (الاستیعاب تحت الاصابہ ج ۳ص ۳۸۱، مجمع الزوائد ج ۹ص ۳۵۶) (بحوالہ حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ص ۲۳۰)

مشہور صحابی حضرت عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:۔

"اللھم علمه الکتاب ومکن له فی البلاد وقه العذاب"

اے اللہ معاویہ کو کتاب سکھلا دے اور شہروں میں اس کے لئے ٹھکانا بنا دے اور اس کو عذاب سے بچا لے۔ (مجمع الزوائد ج ۹ص ۳۵۶ بحوالہ حضرت معاویہ ص ۲۳۰)

نبی کریم ﷺ نے آپ کی امارت وخلافت کی اپنی حیات میں ہی پیشین گوئی فرمادی تھی اور اس کے لئے دعا بھی فرمائی تھی، جیسا کہ مذکورہ حدیث سے ظاہر ہے۔ نیز حضرت معاویہؓ خود بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں نبی کریم ﷺ کے واسطے وضو کا پانی لے گیا۔ آپ نے پانی سے وضو فرمایا۔ اور وضو کرنے کے بعد میری طرف دیکھا اور فرمایا:۔

"اے معاویہ! اگر تمہارے سپرد امارت کی جائے (اور تمہیں امیر بنادیا جائے) تو تم اللہ سے ڈرتے رہنا اور انصاف کرنا" (الاصابہ ج ۳ص ۴۱۳ مطبوعہ مصر)

ان روایات سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت معاویہؓ کو دربار نبوی میں کیا مرتبہ حاصل تھا؟ اور آپ ان سے کتنی محبت فرماتے تھے۔

نیز ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سواری پر سوار ہوئے اور حضرت معاویہؓ کو اپنے پیچھے بٹھایا تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمایا:۔

"اے معاویہ تمہارے جسم کا کون سا حصہ میرے جسم کے ساتھ مل رہا ہے انہوں نے عرض کیا رسول اللہ! میرا پیٹ (اور سینہ) آپ کے جسم مبارک کے ساتھ ملا ہوا ہے یہ سن کر آپ نے دعا دی:۔

"اللھم املاہ علماً"

اے اللہ اس کو علم سے بھر دے۔ (تاریخ الاسلام از حافظ ذہبی ج ۲ص ۳۱۹ بحوالہ حضرت معاویہ ص ۲۳۲)

ان خصوصیات کی وجہ سے حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے دور میں انہیں ممتاز مقام دیا۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے انہیں شام وغیرہ کا گورنر بنادیا۔ اور آخر حیات تک انہیں اس عہدے پر برقرار رکھا، دنیا جانتی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے گورنروں اور والیوں کے تقرر میں انتہائی محتاط تھے۔ جب تک کسی شخص پر مکمل اطمینان نہ ہوجاتا کسی مقام اور علاقہ کا امیر مقرر نہ کرتے تھے۔ پھر جس کو گورنر بناتے اس کی پوری نگرانی فرماتے اگر ذرہ بھی معیار مطلوب سے کم درجہ کا پاتے معزول فرمادیتے۔ ان کا آپ کو شام کا گورنر مقرر کرنا اور آخر حیات تک انہیں عہدے پر برقرار رکھنا ظاہر کرتا ہے کہ انہیں آپؓ پر مکمل اعتماد تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کا دور آیا، وہ بھی آپ پر مکمل اعتماد کرتے تھے اور اہم معاملات میں آپ سے مشورہ لیتے اور اس پر عمل کیا کرتے تھے، انہوں نے بھی آپ کو شام کی گورنری کے عہدہ پر نہ صرف باقی رکھا بلکہ آپ کی حسن انتظام اور تدبر کی وجہ سے آس پاس کے دوسرے علاقے، اردن، حمص، قنسرین، اور فلسطین کے علاقے بھی آپ کے ماتحت گورنری میں دے دیئے۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں آپ نے بہت سی فتوحات کیں۔ آپ کے غزوات کی پیشین گوئی لسان نبوت (ﷺ) سے پہلے ہی مل چکی تھی۔ حدیث پاک میں ہے۔ حضرت ام حرامؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا'' اول جیش یغزون البحر قد او جبوا میری امت میں پہلا لشکر جو بحری جنگ کرے گا انہوں نے اپنے لئے جنت واجب کرلی۔ (بخاری ص ۴۱۰ ما قیل فی قتال الروم کتاب الجہاد)

دوسری روایت میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں:۔ کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ ام حرام رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور سو گئے۔ جب اٹھے تو مسکرائے ام حرامؓ نے ہنسنے اور مسکرانے کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا۔ ناس من امتی یر کبون البحر الا خصر فی سبیل اللہ مثلھم مثل الملوک علی الا سرّۃ فقالت یا رسول اللہ اد ع اللہ ان یجعلنی منھم قال اللھم اجعلھا منھم. الخ.

یعنی:۔ میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں فی سبیل اللہ جہازوں پر سوار ہیں جیسے بادشاہ تخت پر بیٹھے ہوئے ہوں۔ حضرت ام حرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ دعا فرمائیں مجھے بھی اللہ ان میں کردے آپ نے دعا فرمائی، اے اللہ ان کو ان میں کردے الخ۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۰۳ باب غزوۃ المرأۃ فی البحر، کتاب الجہاد)

یہ غزوہ جس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت دی حضرت معاویہؓ کی قیادت میں ہوا۔ چنانچہ امام طبریؒ لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ نے ۲۸ھ میں قبرص پر پہلا بحری حملہ کیا اور قبرص آپ نے فتح کرلیا اور اس غزوہ میں آپ کے ساتھ حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی زوجہ محترمہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا (جن کے لئے حضور اکرم ﷺ نے شرکت کی دعا فرمائی تھی) حضرت مقدادؓ، حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے کبار صحابہ بھی شریک تھے۔ (طبری ج ۳ ص ۳۱۵)

غرض کہ آپ نے بڑی بڑی خدمات کیں اور ایک وہ وقت آیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؓ نے آپ سے صلح فرمائی اور آپ کو اس وقت کی وسیع مملکت کا خلیفہ تسلیم کرلیا اس طرح پوری امت آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئی۔ اور امام حسنؓ ۱۹۔۲۰ سال آپ کی خلافت میں رہے اور آپ نے ان کی طرف سے سالانہ وظیفہ قبول فرمایا۔ سید اشباب اہل الجنۃ امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما کا آپ کی خلافت کو قبول کرنا اور آپ کی خلافت میں رہنا حضرت معاویہؓ کی خلافت حقہ ہونے کے زبردست شہادت ہے۔

خوف خدا:

ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ تین شخص قیامت کے دن پیش ہوں گے۔ عالم قرآن، دولت مند، اللہ کی راہ میں مقتول آخر کار ان کی ریاء کی وجہ سے انہیں جہنم میں بھیجا جائے گا کہ ان کی یہ کام

اللہ کے لئے نہ تھے بلکہ دنیاوی شہرت کے لئے تھے۔ جب آپ کے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی تو آپ اس قدر زار و قطار روئے کہ ساتھ والے سمجھے کہ مرجائیں گے پھر ہوش میں آکر یہ آیت پڑھی۔ من کان یرید الحیوة الدنیا زینتها نوف الیهم اعمالهم فیها وهم فیها لا یبخسون . اولئک الذین لیس لهم فی الاخرة الا النار وحبط ما صنعوا فیها وباطل ما کانوا یعملون.

سادگی وزہد:

جب آپ پوری دنیائے اسلام کے امیر المؤمنین تھے اس وقت حضرت فاروق اعظم کی طرح آپ کے کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے تھے اور آپ اس طرح دمشق کے بازاروں میں گھومتے تھے، یونس بن میدہ فرماتے ہیں میں نے حضرت معاویہؓ کو دمشق کے بازار میں دیکھا آپ کے گریبان پر پیوند لگے ہوئے تھے۔ (البدایہ ج ۸ ص ۱۳۴) ابوجملہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہؓ کو خطبہ دیتے وقت دیکھا کہ آپ کے کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ (البدایہ ج ۸ ص ۱۱۳)

عدل وانصاف:

حضرت سعد بن وقاصؓ ان دس خوش نصیبوں میں سے ہیں جن کو دنیا ہی میں لسان نبوت سے جنت کی بشارت مل چکی تھی۔ وہ فرماتے ہیں۔ ما رأیت احداً بعد عثمان اقضیٰ بحق من صاحب هذا الباب۔ یعنی میری نگاہوں نے حضرت عثمانؓ کے بعد اس دروازے والے (یعنی حضرت معاویہ سے زیادہ حق سے فیصلہ کرنے والا نہیں دیکھا۔ (۱) البدایہ ص ۱۳۳)

امام اعمشؒ کے سامنے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عدل وانصاف کا ذکر کیا گیا تو فرمایا۔ فکیف لو ادرکتم معاویة قالوا فی حلمه بل فی عدله. یعنی حضرت معاویہؓ کو تم پالیتے تو ان کو دیکھتے، لوگوں نے کہا ان کی بردباری؟ فرمایا نہیں بلکہ ان کے عدل وانصاف کو دیکھتے۔ (منہاج السنہ ج ۳ ص ۱۸۵)

حضرت قبیصہ بن جابرؓ کا قول ہے۔ ما رأیت احداً اعظم حلماً ولا اکثر سوددا ولا ابعدا ناءة ولا الین مخرجا ولا ارحب باعا بالمعروف من معاویة.

یعنی:۔ میں نے کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جو (حضرت) معاویہؓ سے بڑھ کر بردبار۔ ان سے بڑھ کر سیادت کا لائق۔ ان سے زیادہ باوقار۔ ان سے زیادہ نرم دل، اور نیکی کے معاملہ میں ان سے زیادہ کشادہ دست ہو۔ (البدایہ ج ۸ ص ۱۳۵ تاریخ الخلفاء ص ۱۴۹ مطبوعہ کراچی)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے پوچھا گیا۔ ایما افضل معاویة او عمر بن عبدالعزیز فقال والله لغبار الذی دخل انف فرس معاویة مع رسول اللہ علیه وسلم خیر من مأته واحد مثل عمر بن عبدالعزیز.

یعنی:۔ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز میں کون افضل ہیں؟ آپ نے جواب دیا قسم بخدا وہ غبار جو حضور اکرم ﷺ کی معیت میں حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے بدرجہا افضل ہے۔ (فتاویٰ حدیثیہ ص ۲۶۱)

ایک شخص نے معافی بن عمران سے کہا کہ (عدل وانصاف میں) عمر بن عبدالعزیز کو حضرت معاویہؓ سے کیا نسبت ہے؟ تو ان کو غصہ آ گیا اور کہا کہ اصحاب نبی ﷺ پر کوئی دوسرا قیاس نہیں کیا جا سکتا اور حضرت معاویہ تو آپ کے صحابی ہیں اور صہر (سالے) بھی ہیں اور کاتب بھی ہیں اور وحی الٰہی پر آپ کے امین بھی ہیں۔ (شیم الریاض ترجمہ شفا قاضی عیاض ج ۴ ص ۵۶)

علامہ شہاب الدین خفاجیؒ فرماتے ہیں۔

ومن یکون یطعن فی معاویة
فذاک کلب من کلاب الھاویة

جو شخص حضرت معاویہؓ پر طعن کرتا ہو وہ ھاویہ (جہنم) کے کتوں میں کا ایک کتا ہے۔ (شیم الریاض)

ابراہیم بن سعد جوہریؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوامامہ سے دریافت کیا کہ حضرت معاویہ اور عمر بن عبدالعزیز ان دونوں میں کون افضل ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:۔ **لا نعدل باصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم احداً** ہم اصحاب محمد ﷺ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے افضل ہونا تو کجا؟ (الروضۃ الندیہ شرح العقیدۃ الواسطیہ ص ۴۰۵ لابن تیمیہ، از مقام صحابہ ص ۲۹)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

(الجواب) حدیث میں ہے۔ **لا تسبوا اصحابی فلو ان احد کم انفق مثل احد ذھبا ما بلغ مد احد ھم ولا نصیفه متفق علیه** اور حدیث میں ہے **اکرموا اصحابی فانھم خیارکم، رواہ النسائی** اور حدیث میں ہے۔ **لا تمس النار مسلماً رانی او رأی من رانی** ۔رواہ الترمذی، اور حدیث میں ہے **فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم رواہ الترمذی**، اور حضرت ابوسفیانؓ اور حضرت معاویہؓ۔ یقیناً صحابی ہیں اس لئے احادیث مذکورہ ان کو شامل ہوں گی پس ان کا اکرام اور محبت واجب ہوگی اور ان کو برا کہنا اور ان سے بغض ونفرت رکھنا یقیناً حرام ہوگا اور ان سے جو کچھ منقول ہے بعد تسلیم صحت نقل ان اعمال پر ان کے حسنات بلکہ خود ایک وصف صحابیت غالب ہے جیسا کہ ارشاد نبوی **فلو ان احدکم الخ** اس پر دال ہے اور اسی بناء پر لا تمس النار الخ فرمایا ہے پس جو وسوسہ اور خطرہ بلا اختیار دل میں پیدا ہو وہ عفو ہے اور جو عقیدہ اور تعلق اختیار سے ہو اس کی اصلاح واجب ہے اور جو شخص باختیار بدگمانی یا بدزبانی یا بغض ونفرت رکھے گا۔ لامحالہ وہ احادیث نبویہ کا مخالف اور خارج از اہل سنت والجماعت ہے جیسا کہ کتب اہل سنت سے ظاہر ہے اس لئے اس کی امامت بھی مکروہ ہے۔ اور اختلاط بلا ضرورت ممنوع، **فی شرح العقائد النسفیه وما وقع بینھم من المنازعات والمحاربات فله محامل وتاویلات فسبھم والطعن فیھم ان کان مما یخالف الادلة القطعیة فکفر کقذف عائشة رضی اللہ عنھا والا فبدعة وفسق**. (فتاوی اشرفیہ ص ۴۱، ۴۲ حصہ دوم)

یہ ہیں علماء حق کے بیانات حضرت معاویہ کے متعلق لیکن مودودی صاحب نے بالکل بے بنیاد باتیں ان کی طرف

منسوب کر کے ان کے مرتبہ کو کم کرنے کی ناکام کوشش کی ہے چنانچہ انہوں نے لکھا ہے۔

(۱) ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے گورنر، خطبوں میں برسر منبر حضرت علیؓ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے تھے، حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبر رسول پر عین روضۂ نبوی کے سامنے حضور (ﷺ) کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتے دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے۔ کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعہ کے خطبے کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین واخلاق کے لحاظ سے بھی سخت گھناؤنا فعل تھا۔(۱) (خلافت و ملوکیت ص۱۶۴)

(۲) مال غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہؓ نے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی، کتاب وسنت کی رو سے پورے مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل ہونا چاہئے اور باقی چار حصے اس فوج میں تقسیم کئے جانے چاہئیں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو۔ لیکن حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ مال غنیمت میں چاندی سونا ان کے لئے الگ نکال لیا جائے پھر باقی مال شرعی قاعدے کے مطابق تقسیم کیا جائے۔ (خلافت وملوکیت ص۱۶۴ بار سوم)

(۳) زیاد بن سمیہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہؓ کے ان افعال میں سے ہے جن میں انہوں نے سیاسی اغراض کے لئے شریعت کے ایک مسلم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی'' (خلافت وملوکیت ص۱۶۴)

(۴) حضرت معاویہؓ نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دیا اور ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ (خلافت وملوکیت ص۱۶۳)

(۵) یہ ساری کارروائیاں گویا اس بات کا عملاً اعلان تھیں کہ اب گورنروں اور سپہ سالاروں کو ظلم کی کھلی چھوٹ ہے اور سیاسی معاملات میں شریعت کی کسی حد کے وہ پابند نہیں ہیں۔ (خلافت وملوکیت ص۱۶۱)

(۶) حضرت معاویہؓ نے اپنے زمانہ حکومت میں مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا اور کافر کو مسلمان کا وارث قرار نہ دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے آ کر اس بدعت کو موقوف کیا۔ (خلافت وملوکیت ص۱۶۱)

(۷) یزید کی ولی عہدی کے لئے ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبے کی بنیاد نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک بزرگ (حضرت مغیرہ بن شعبہؓ) کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا۔ اور ان دونوں صاحبوں نے اس سے قطع نظر کر لیا کہ وہ اس طرح امت محمدیہ کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں۔ (خلافت وملوکیت ص۱۴۱)

(۸) اس پر حضرت معاویہؓ نے کہا'' اب تک میں تم لوگوں سے درگذر کرتا رہا ہوں، اب میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے کسی نے میری بات کے جواب میں ایک لفظ بھی کہا تو دوسری بات اس کی زبان سے نکلنے کی نوبت نہ آئے گی۔ تلوار اس کی سر پر پہلے پڑ چکی ہوگی۔ (خلافت وملوکیت ص۱۴۴)

اور بھی بہت کچھ بازاری الفاظ جو آج کل نفس پرست سیاستدانوں کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔

---

(۱) یہ حضرت معاویہؓ پر سراسر بہتان ہے اور جو حوالے اس موقعہ پر دیئے گئے ہیں وہ بالکل غلط ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ماہنامہ الفرقان بابت جون ۱۹۷۹ء مطابق رجب ۱۳۹۹ھ جلد نمبر ۴۷ شمارہ نمبر ۲۔

حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق لکھے ہیں۔خلافت وملوکیت کے ان صفحات کے مطالعہ کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ مودودی صاحب نے حضرت امیر معاویہؓ کو آج کل جیسا ایک نفس اور موقع پرست، ابن الوقت اور ایک چالباز سیاسی سمجھ رکھا ہے۔(معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

مودودی صاحب نے حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے علماء حق نے ان کے جوابات لکھے ہیں۔ اور حقیقت کا انکشاف کیا ہے۔ تفصیلی جوابات کے لئے ملاحظہ ہو (۱) اظہار حقیقت بہ جواب خلافت وملوکیت مصنفہ حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی (۲) حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق مصنفہ مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدہ، وغیرہ۔

مودودی صاحب اب اس دنیا میں نہیں رہے اس لئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کی رحلت کے بعد ان پر تنقید وتبصرہ کا قلم خشک کر دیا جائے۔اس لئے کہ حکم ہے کہ اموات کی برائی بیان نہ کی جائے بلکہ ان کی مدح وتعریف کی جائے۔ان کا یہ کہنا خود ان پر حجت ہے اس لئے کہ مودودی صاحب نے بھی ان مقدس ذوات پر تنقید یں کی ہیں جو اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں اگر علماء حقہ مودودی صاحب کے متعلق کچھ تحریر کریں تو وہ برداشت نہیں ہوتا۔اور مودودی صاحب صحابۂ کرام اور اسلاف عظام کے متعلق جو کچھ لکھیں وہ سب برداشت، آخر غیرت اسلامی کہاں چلی گئی؟ صحابہ واسلاف کی محبت کہاں دفن ہوگئی؟ اور ہمارا خیال یہ ہے کہ ان کا یہ مطالبہ بہت نازیبا اور غلط اندیشی کا مظہر ہے اس لئے کہ مودودی صاحب کی ذات پر تنقید نہ پہلے تھی اور نہ اب ہے۔(اگر بالفرض والتقدیر دشمنی ہوتی تو ان کے انتقال پہ خوش ہونا دانشمندی اور عقلمندی کی بات نہیں ہے۔

مرا بمرگ عدو جائے شادمانی نیست
کہ زندگانی ما نیز جاودانی نیست

تنقید ان کے فکر، فاسد عقائد، اور گمراہ کن لٹریچر پر ہے۔ جو اہل سنت والجماعت سے مختلف مستقل ایک مکتب خیال کی صورت اختیار کر چکا ہے اور ان کے اس سرمایہ کو دریا برد نہیں کر دیا گیا بلکہ ان کے اس مسموم لٹریچر و خیالات کو پشت پر لے کر چلنے والے موجود ہیں اور ان کے نائبین ومحبین ان تمام باتوں کو حق سمجھ کر اس کی تبلیغ واشاعت میں سرگرم عمل ہیں لہذا جب تک اس مردہ لاش کو لے کر چلنے والے موجود ہیں متوازن اور منصفانہ تنقید کا ہونا قابل طعن وتشنیع نہیں ہوسکتا بلکہ ضروری ہے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ ہم صرف مودودی صاحب کی تحریک کے حامی ہیں ہمارا ان کے افکار ونظریات سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ یہ بھی ایک قسم کا مغالطہ ہے اگر حقیقت یہی ہوتی تو جب مودودی صاحب کے افکار و مسموم لٹریچر پر تنقید کی جاتی ہے اور ان کی گمراہی کو آشکارا کیا جاتا ہے تو ان کے ہم خیال ومتفقین کیوں چراغ پا ہو جاتے ہیں اور ان کی طرف سے مدافعت کیوں کی جاتی ہے۔حقیقت یہی ہے کہ کسی بھی تحریک کے بانی کے نظریات وافکار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے نظریات ہی تحریک کی روح ہوتی ہے۔بقول مودودی صاحب کے۔

"کسی تحریک کے بانی اور لیڈر کے عقائد ونظریات کسی حال میں نظر انداز نہیں کئے جاسکتے اور درحقیقت یہی چیز ہر تحریک کی روح رواں ہوتی ہے۔" (از ماہنامہ الفرقان ص ۱۱۹ خاکسار تحریک نمبر ۱۳۵۸ھ)

کہا جاتا ہے کہ وہ نہایت ذکی وفہیم تھے۔ ہمیں بھی ان کی ذکاوت اور فطانت سے انکار نہیں مگر ذکی اور فہیم ہونا اہل حق ہونے کی دلیل نہیں ہے حدیث میں ہے۔ **یقال للرجل ما اعقله وما اظرفه وما اجلده وما فی قلبه مثقال حبة من الایمان.** (بخاری شریف بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص ۴۶۱ کتاب الفتن، فصل اول)

یعنی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص کی نمائشی باتوں سے لوگ یہاں تک متاثر ہوتے ہیں کہ حیرت سے کہتے ہیں کتنا بڑا عقل مند ہے کیسا ذہین اور سخن شناس ہے کس قدر دلیر ہے اور حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہوتا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور ان کی دینی معلومات بہت وسیع تھی ہم کو تسلیم ہے کہ ان کا مطالعہ وسیع تھا۔ لیکن اگر ان کا علم صحیح ہوتا تو سلف صالحین اور اہل سنت والجماعت کے خلاف نہ کرتے اور شیعیت کی حمایت نہ فرماتے، کتب فقہ وعلوم شرعیہ کی تضحیک نہ کرتے، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی ذوات مقدسہ پر طعن وتنقیدیں نہ کرتے، متقدمین کی خدمات پر جرح نہ کرتے، اور ان کی برائی بیان نہ کرتے اور اس حدیث کا مصداق نہ بنتے" امت کے پچھلے لوگ پہلے لوگوں پر بے لاگ تنقیدیں اور ان پر لعنت وملامت کرنے لگیں' لہذ حقیقت میں یہ علم نہیں جہل ہے۔ حدیث میں ہے۔ **ان من العلم لجهلا**، یعنی بعض علم جہل ہوتا ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

علمیکہ رہ بحق نماید جہالت است۔ جو علم راہ حق نہ دکھلائے وہ علم نہیں۔ بلکہ جہالت ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مودودی صاحب کی تحریروں سے لوگوں کو خصوصاً نئی نسل کے ان نوجوانوں کو جو جدید تعلیم یافتہ ہیں ان کو بہت دینی فائدہ ہوا ہے۔ اور اس طرح انہوں نے اسلام کی بہت خدمت کی ہے۔ ہمیں بھی اس سے انکار نہیں کہ خدمت کی ہے مگر انہوں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جو تنقیص کی ہے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر جو تنقیدیں کی ہیں اس نے تمام خدمات کو ہباءً منثورا کر دیا۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

ساتھ ساتھ حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان مبارک کو بھی پیش نظر رکھئے۔ فرماتے ہیں۔ **ان الله يؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر.** یعنی اس دین حق کی تائید اللہ تعالیٰ فاسق اور فاجر سے بھی کرالیتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۳۴ باب فی المعجزات)

اور ہمیں یہ بھی تسلیم ہے کہ ان کی تحریروں سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو فائدہ ہوا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ ان کے قلوب میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور اسلاف عظام کی جو عظمت ہونی چاہئے وہ باقی نہیں رہی اور ان حضرات سے جو مودودی صاحب کے لٹریچر کے مداح ہیں ہماری ایک درخواست ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر غور کریں۔ (۱) کیا جماعت اسلامی میں داخل ہونے سے پہلے بھی حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بالخصوص حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ سے متعلق آپ کو یہ بدظنی تھی جو اب ہے؟

(۲) علماء امت کے بارے میں جو بدگمانی آپ کو اب ہے کیا وہ جماعت کے ہم خیال ہونے سے پہلے بھی

تھی؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہوگا۔ تو غور کریں کہ اس لٹریچر سے آپ کو فائدہ ہوا یا کچھ اور؟
انسان کی کامیابی اور سعادت مندی اسی میں ہے کہ وہ اپنے دل کو ہر قسم کی برائی اور کدورت سے پاک و صاف کرے اور قلب میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اسلاف عظام سے محبت پیدا کرے اور انکی عظمت کرے۔
الٰہی! مجھ کو اور میرے جملہ احباب واقرباء کو اور تمام مسلمانوں کو صراط مستقیم پر قائم رکھ اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم اور آپ کے تمام اصحاب اور اہل بیت کی محبت کاملہ عطا کر اور ان کے ساتھ حشر فرما۔ امین بحرمة سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم وصلى الله علىٰ خير خلقه ومحمد واله واصحابه وازواجه واهل بيته واهل طاعة اجمعين برحمتک يا ارحم الراحمين. فقط والله اعلم بالصواب وعلمه اتم واحكم. يكم ربيع الاول ۱۴۰۰ھ

رسالہ ”تنقید انبیاء وطعن صحابہ کا شرعی حکم“ کے متعلق حضرات اصحاب فتاویٰ اور علماء کرام ذوی الاحترام کی آراء

(۱) استاذی المکرم حضرت العلام مولانا محب اللہ صاحب دامت برکاتہم سابق شیخ الادب والتفسیر مدرسہ جامعہ حسینیہ راندیر، سورت۔
”عزیز محترم! کچھ دن قبل تنقید انبیاء وطعن صحابہ کا شرعی حکم رسالہ دستیاب ہوا تھا کیا خوب جواب ہے۔ بیسا داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ فقط۔
بندہ محب اللہ۔ ۱۶ فروری ۱۹۸۱ء (بنگلہ دیش)

(۲) حضرت العلام مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم مفتی دار العلوم دیوبند

مکرمنا المحترم زاد مجدکم۔　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
اس وقت آنجناب کے مرحمت کردہ دو رسالے ”تنقید انبیاء وطعن صحابہ کا شرعی حکم اور تفسیر بالرائے کا شرعی حکم“ موصول ہوئے۔ ایجاز واطناب سے محفوظ بالکل معتدل اور اس طرح صاف وستھرے مدلل ومکمل طریقہ پر تحریر فرمائے گئے ہیں کہ وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ شروع کر دینے کے بعد جب تک پورا پڑھ نہیں لیا۔ چھوڑنے کو جی نہیں چاہا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور عام وتام فائدہ لوگوں کو پہنچائیں۔ آمین۔
بندہ نظام الدین دار العلوم دیوبند۔ ۲۴۔ ۳/۱۴۰۱ھ

(۳) حضرت مولانا مفتی یحییٰ صاحب دامت برکاتہم

صدر مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

محترم المقام زیدت معالیکم　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت کی دوسری تالیف تنقید انبیاء...... دو مجلسوں میں سنی ابھی ختم ہوئی۔ اس کے مضامین عالیہ آیات مقدسہ احادیث مبارکہ اوران نفوس قدسیہ کے مقامات عالیہ سے واقفیت ہوئی۔ جن کا اس میں ذکر خیر ہے اوراس کو سر پر رکھ لیا۔ گستاخی کرنے والے سے سخت کبیدگی ونفرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قبر میں پہنچنے تک صراط مستقیم پر ہم کو قائم رکھیں اور آپ کے درجات بلند فرمائیں۔

فقط والسلام خیر ختام محتاج دعا۔ یحییٰ غفرلہٗ ۳۔ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ۔

(۴) حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب دامت برکاتہم

مرتب فتاویٰ دارالعلوم مکمل ومدلل

حضرت المحترم مفتی صاحب زید مجدکم　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جناب کا فرستادہ رسالہ ''تنقید انبیاء وطعن صحابہ کا شرعی حکم'' آج ایک طالب علم دے گیا ایک نشست میں پورا پڑھ گیا۔ ماشاء اللہ آں محترم نے اس چھوٹے سے رسالہ میں وہ سارا مواد جمع فرمادیا ہے جس کی آئے دن ضرورت ہوتی ہے۔ آپ نے تو دراصل استفتاء کا جواب تحریر فرمایا ہے مگر اس میں اپنی تمام معلومات آپ نے یکجا جمع کردینے کی سعی فرمائی ہے۔ جزاک اللہ خیر الجزاء بھی فتاویٰ رحیمیہ کی پہلی جلد بھیجی تھی اس کے مطالعہ کے بعد سے ہی آپ کا معتقد ہوگیا تھا۔ اس ایک فتویٰ کو پڑھ کراس اعتقاد میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ آپ سے علم ودین کی زیادہ سے زیادہ خدمت لے اور صحت وسلامتی کے ساتھ عمر دراز فرمائے آپ کا علم بہت سنجیدہ واقع ہوا ہے جس کی آج کل کمی ہے۔ رسالہ پڑھ کراس قدر مسرت ہوئی کہ بیساختہ یہ چند سطریں لکھنے پر مجبور ہوگیا۔ اخیر میں پھر اس خدمت پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمت قبول فرمائے۔

طالب دعاء۔ محمد ظفیر الدین غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند شب ۲۲۔۳۔۱۴۰۱ھ۔

(۵) حضرت علامہ رفیق احمد صاحب مدظلہٗ العالی

سابق شیخ الحدیث مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد ضلع مظفر نگر (یو۔پی)

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد ،

سفر گجرات میں ایک رسالہ ''تنقید انبیاء وطعن صحابہ کا شرعی حکم'' مولانا موسیٰ کرماڈی نے دکھلایا او دو تین جگہ سے سرسری دیکھا حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب مدظلہٗ کی شان علم وفقاہت کا بندہ پہلے سے قائل تھا مگر اس رسالہ میں دلائل کی قوت اور بیان کی سنجیدگی سے بے حد متاثر ہوا۔ الخ۔

(مولانا علامہ) رفیق احمد صاحب (مدظلہ)

(۶) حضرت مولانا محمد ہاشم بخاری دامت برکاتہم

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند۔

محترم سیدی حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم۔　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اس عمراور ضعیفی میں آپ نے عجیب وغریب کتاب تحریر فرمائی ہے جو مودودی جماعت کے لئے لاجواب ہے اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت دیں آپ کا سایہ تادیر قائم فرمائیں اورامت کواستفادہ کا موقع دیں آمین ثم آمین۔

طالب دعا۔محمد ہاشم بخاری دارالعلوم دیوبند۔۲۳۔۳۔۱۴۰۱ھ۔

(۷) جناب مولانا قمرالدین صاحب بڑودوی زیدمجدہٗ

ناظم اعلےٰ اصلاح المسلمین بڑودہ

بخدمت گرامی محترم مفتی صاحب زیدت معالیکم۔　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعدتسلیم......سوال سے متعلقہ موضوع پر کتاب اپنی جامعیت اورحسن طباعت کے اعتبار سے لاجواب ہے۔مودودی صاحب کے بارے میں جولوگ تذبذب کا شکار ہیں اس کتاب کے مطالعہ کے بعدمبنی برحق صحیح فیصلہ کے لئے ان کوراہ ملے گی اوران کے لئے یہ باعث تشفیٔ قلوب ہوگی۔اللہ تعالیٰ آپ کی اس عظیم خدمت اورسعی کوقبول فرمائے اورمخلوق کواس سے نفع پہنچائے آمین۔

والسلام قمرالدین محمود ناظم اعلیٰ اصلاح المسلمین بڑودہ۔۲۲۔۳۔۱۴۰۱ھ۔

حضرات صحابہ معیارحق ہیں:

(سوال) کیافرماتے ہیں مفتیان عظام اس بارے میں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین معیارحق ہیں یانہیں؟ مودودی جماعت ان کومعیارحق تسلیم نہیں کرتی ،سوال یہ ہے کہ صحابہ کرام کے معیارحق ہونے کے کیامعنی ہیں؟ صحابۂ کرامؓ اگرمعیارحق ہیں تواس کے کیادلائل ہیں تفصیل سے بیان فرمائیں۔بینواتوجروا۔

ازبارہ مولا کشمیر،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(الجواب) حامداً ومصلیاً صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین معیارحق ہیں۔اس کامعنی ومطلب یہ ہے کہ ان کے اقوال افعال حق وباطل کی کسوٹی ہیں ان حضرات نے جوفرمایا۔یاجودینی کام کیاوہ ہمارے لئے مشعل راہ حجت اور ذریعہ فلاح ہے اوران کے معیارحق ہونے کے دلائل بےشمار ہیں:۔

قرآن میں ہے۔ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی ونصله جهنم وساءت مصیراً .

ترجمہ:۔اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ امر حق ظاہر ہو چکا تھا۔ اور مسلمانوں کا رستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ ہولیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ معلوم شد کہ ہر کہ خلاف راہ مومنان اختیار نمود مستحق دوزخ شد و مومنین در وقت نزول ایں آیت نبودند مگر صحابہ۔ (تحفۂ اثناعشریہ ص ۶۰۰)

یعنی معلوم ہوا کہ جس نے مومنین کے خلاف راستہ اختیار کیا وہ مستحق دوزخ ہوا اور اس آیت کے نزول کے وقت مومنین صحابہ ہی تھے۔

اس سے واضح ہوا کہ صحابہ کا طریقہ حق اور ہدایت کا طریقہ ہے اور وہ ہمارے لئے نمونہ ہے۔ لہذا جوان کے طریقہ کے خلاف چلے گا۔ وہ گمراہ ہو جائے گا۔

قرآن میں دوسری جگہ ہے۔ ھو الذی یصلی علیکم وملآئکتہ لیخرجکم من الظلمات الی النور ۔ وہ اور اس کے فرشتے تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں تا کہ حق تعالیٰ تم کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے آوے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مخاطب بایں آیت صحابہ اند و ہر کہ تابع ایشاں شد نیز از ظلمات بر آمد......الخ۔ (تحفۂ اثناعشریہ)

یعنی اس آیت کے مخاطبین صحابہ ہیں (کہ اللہ نے ان کو ظلمات سے نکالا) اور جو ان کے تابع ہوا وہ بھی اندھیریوں سے نکلا کیونکر ظاہر ہے کہ جو اندھیری رات میں مشعل لے کر نکلے تو جو اس کے ہمراہ ہوتا ہے وہ بھی تاریکی سے خلاصی پالیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ جو صحابہ کے طریقہ پر چلے گا راہ یاب ہوگا اور جو سر موان کے طریقہ سے ہٹے گا گمراہ ہو جائے گا۔

ایک جگہ صحابہ کے بارے میں قرآن میں فرمایا۔ واولٰئک ھم المفلحون اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں۔ ولا شک ان تابع المفلح مفلح ظاہر ہے کہ کامیاب کا تابع بھی کامیاب ہی ہے۔ (تحفۂ اثناعشریہ ص ۶۰۱) اور ایک جگہ فرمایا واولٰئک ھم الراشدون یہی لوگ راہ راست پر ہیں ۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں وتابع الراشد راشد بھلے کا تابع بھی بھلا ہی ہے۔ (تحفۂ اثناعشریہ ص ۶۰۱) ان مقدس ترین حضرات کے بارے میں قرآن میں کئی جگہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے) آیا ہے۔ علامہ ابن عبدالبر مقدمۂ استیعاب میں فرماتے ہیں۔ ومن رضی اللہ عنہ لم یسخط علیہ ابداً انشاء اللہ (از مقام صحابہ ص ۴۴) اللہ جس سے راضی ہو گیا پھر اس سے کبھی ناراض نہ ہوگا۔ انشاء اللہ۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو اگلی پچھلی سب چیزوں کا علم ہے وہ راضی اس شخص سے ہوتے ہیں جو آئندہ زمانہ میں بھی رضائے الٰہی کی خلاف کام کرنے والا نہیں ہے۔ اس لئے کسی کے واسطے رضائے الٰہی کا اعلان اس کی ضمانت ہے کہ اس کا خاتمہ اور انجام بھی حالت صالحہ پر ہوگا اس سے رضائے الٰہی کے خلاف کوئی کام آئندہ بھی نہ ہوگا۔ پھر ایسے مقدس حضرات صحابہ ہمارے لئے کیونکر معیار حق نہ ہوں گے۔

قرآن میں ایک اور جگہ ہے۔ یوم لا یخزی اللہ النبی والذین امنوا معہ نورھم یسعیٰ بین

ایدیھم و بایمانھم . دلالت می کند کہ ایشان رادر آخرت ہیچ عذاب نخواہد شدو بعد از فوت پیغمبر نور ایشاں ضبط وزائل نہ خواہد شدو الا نور ضبط شدہ وزوال پذیرفتہ روز قیامت چہ قسم بکار ایشاں می آید۔

ترجمہ:۔یوم لا یخزی ...... وہ دن کہ رسوانہیں کرے گا اللہ نبی کو اور ان کی ساتھی مومنین کو ان کا نور دوڑتا پھرے گا ان کے سامنے اور ان کے دائیں جانب۔ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ آخرت میں ان کو کوئی عذاب نہیں ہوگا اور یہ کہ پیغمبر کی وفات کے بعد بھی ان کا نور زائل نہ ہوگا ورنہ زائل شدہ اور مٹا ہوا نور قیامت کے روز ان کے کیا کام آتا۔(تحفہ اثناعشریہ ص۵۳۰)

حضور اکرم ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو معیار حق بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "میری امت پر وہ سب کچھ آئے گا۔ جو بنی اسرائیل پر آچکا ہے۔ بنی اسرائیل کے بہتر (۷۲) فرقے ہوگئے تھے میری امت کے تہتر (۷۳) فرقے ہو جائیں گے وہ سب دوزخی ہوں گے مگر صرف ایک ملت (فرقہ) ناجی ہوگی۔ صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا وہ ملت کون سی ہے؟ ارشاد ہوا۔ "ما انا علیہ و اصحابی" یہ وہ ملت ہے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہؓ ہیں۔ (مشکوۃ شریف ص۳۰)

اس حدیث پاک میں حضور اکرم ﷺ نے ما انا علیہ واصحابی فرمایا۔ صرف ما انا علیہ نہیں فرمایا۔ کیا یہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معیار حق قرار دینا نہیں ہے؟ نیز ارشاد فرمایا علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنوا جذ اپنے اوپر میرے طریقہ کو اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقہ کو لازم کرلو اور دانتوں سے مضبوط پکڑلو۔ (مشکوۃ شریف ص۳۰)

اس حدیث میں خلفائے راشدین کے طریقہ کو "سنۃ" کہنا اس کی دلیل ہے کہ جس طرح حضور اکرم ﷺ کی سنت حجت ہے اسی طرح خلفائے راشدین کی سنت بھی حجت ہے۔ علامہ تورپشتیؒ اس حدیث کے شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ واما ذکر سنتھم فی مقابلةسنة لانہ علم انھم لا یخطؤن فیما یستخر جو نہ' ویستنبطونہ من سنتہ بالا جتھاد و لا نہ عرف ان بعض سنة لا تشتھر لا فی زمانھم فاضاف الیھم لبیان ان من ذھب الیٰ ردتلک السنة مخطی فاطلق القول باتباع سنتھم سداً اللباب. (الفتوحات الوھبیة ص ۱۹۸)

یعنی حضور اکرم ﷺ نے اپنے طریقہ کو سنت فرمایا اور ساتھ ساتھ خلفائے راشدین کے طریقہ کو بھی سنت سے تعبیر فرمایا یہ اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ جانتے تھے کہ میرے خلفاء میری سنت کو سامنے رکھ کر جو کچھ استنباط کریں گے اس میں خطا نہیں کریں گے۔ یا پھر اس لئے ان کے طریقہ کو سنت فرمایا کہ حضور ﷺ کی بعض سنتیں خلفائے راشدین کے زمانہ میں مشہور ہونے والی ہیں پہلے ہی سے حضور اکرم ﷺ نے تنبیہ فرمادی اور سد باب کر دیا کہ کوئی اس پر اعتراض نہ کر سکے اور نہ رد کر سکے۔ (الفتوحات الوہبیہ ص۱۶۸)

اس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ خلفائے راشدین کا طریقہ یقیناً ہمارے لئے حجت اور معیار ہے۔ اس کے بالمقابل مودودی نے جو لکھا ہے وہ ملاحظہ کیجئے۔ حتیٰ کہ خلفائے راشدین کے فیصلے بھی اسلام میں قانون نہیں قرار پائے جو انہوں نے قاضی کی حیثیت سے کئے تھے۔ (ترجمان القرآن جنوری ۵۸ء بحوالہ مودودی مذہب ص ٦٦)

خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق ان کے یہ خیالات ہیں کہ ان کے فیصلے اسلامی قانون اور معیار حق نہیں قرار پائے ۔ اور اپنی جماعت کے متعلق ارشاد ہوتا ہے جو گروہ قرآن کی نصوص قطعیہ سے مرتب کئے ہوئے اس دستور جماعت اسلامی کے اندر ہیں ۔ انہیں ہم امت مسلمہ کے اندر شمار کرتے ہیں اور جن لوگوں نے ان حدود کو پھاند لیا ہے ۔ انہیں دائرہ امت سے باہر سمجھنے پر مجبور ہیں ۔'' (ترجمان القرآن ص ۲۷۷ ج ۲۶)

کیا یہ اپنی جماعت کو معیار حق بنانے کا ادعا نہیں ہے؟ صحابہ تو معیار حق نہ بن سکیں لیکن یہ اور ان کی جماعت معیار حق ہے ۔

معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ۔

نیز حضور اکرم ﷺ صحابۂ کرام کو معیار قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں ۔ **اقتدوا باللذین من بعدی ابی بکر و عمر** ۔ یعنی میرے بعد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کرنا ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۰)

حضور ﷺ تو اقتداء کرنے کی وصیت فرمائیں اور یہ جماعت اسے ذہنی غلامی بتاتی ہے ۔

نیز ارشاد فرمایا ۔ **عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول سألت ربی** ..... حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنے بعد اپنے اصحاب کے اختلاف کی بابت حق تعالیٰ سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری جانب وحی فرمائی ۔ **ان اصحابک بمنزلۃ النجوم فی السماء بعضھا اقویٰ من بعض و لکل نور فمن اخذ بشئی مما ھو علیہ من اختلافھم فھو عندی علی ھدی** ۔ یعنی میرے نزدیک آپ کے اصحاب کا رتبہ آسمان کی ستاروں کی طرح ہے کہ بعض ستارے بعض سے قوی ہیں لیکن ہر ستارہ کے لئے نور ہے ۔ پس جو کوئی صحابہ کے اختلاف رائے سے کسی ایک جانب کو اختیار کرے گا ۔ وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہوگا ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ۔ **اصحابی کالنجوم فبأیھم اقتدیتم اھتدیتم** ، یعنی میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جن کی اقتدا کرو گے ہدایت کی راہ پاؤ گے ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴)

اس حدیث میں اللہ جل شانہٗ کی وحی کے الفاظ '' **فھو عندی علی ھدی** ۔'' اور حضور اکرم ﷺ کے یہ الفاظ '' **اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدتم** '' کیا صحابہ کے معیار حق ہونے کی واضح اور بین دلیل نہیں ہے؟

نیز حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ۔ **ان اللہ نظر الی قلوب العباد ..... الخ** اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو قلب محمد ﷺ کو ان سب قلوب میں بہتر پایا ۔ اس کو اپنی رسالت کے لئے مقرر کر دیا ۔ پھر دوسرے قلوب پر نظر ڈالی تو اصحاب محمد ﷺ کے قلوب کو دوسرے سب بندوں کے قلوب سے بہتر پایا ان کو اپنے نبی کی صحبت کے لئے منتخب کر لیا ۔ پس ان کو اپنے دین کا مددگار ۔ اور اپنے نبی (ﷺ) کا وزیر بنا لیا ۔ پس جس کام کو یہ مسلمان (صحابہ) اچھا سمجھیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے اور جس کو یہ برا سمجھیں وہ عند اللہ بھی برا ہے ۔ (مؤطا امام محمد ص ۱۱۲) (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۲۸ جلد ۱۰)

نیز ارشاد فرمایا **ما من احد من اصحابی یموت بارض الا بعث قائداً و نوراً لھم یوم القیامۃ** . میرے صحابہ میں سے کوئی صحابی جس سرزمین پر وفات پائے گا ۔ قیامت کے روز وہ اس سرزمین والوں کے لئے قائد

اور نور بن کر اٹھے گا۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴۔ترمذی شریف ص ۲۲۶)

نیز ارشاد فرمایا۔ ان الله جعل الحق علىٰ لسان عمرؓ و قلبه. رواہ الترمذی اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی زبان اور قلب پر حق کو جاری کیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۷) معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کی زبان مبارک سے حق کے خلاف کوئی بات نہیں نکل سکتی، پھر ان کی بات کیونکر معیار نہ ہوگی؟

نیز دوسری روایت میں ارشاد ہے۔ لقد كان فيما قبلكم من الا مم محد ثون فان يک في امتي احد فانه. عمر ۔یعنی تم سے پہلے جو امتیں گذری ہیں ان میں محدث (جن کو حق باتیں الہام کی جاتی ہیں) گذرے ہیں میری امت میں اگر کوئی محدث ہے تو وہ عمرؓ ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۶)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔ روی ابو نعيم من حديث عروبة الكندی ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ستحدث بعدی اشياء فاحبها الى ان تلزموا ما احدث عمر. یعنی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میرے بعد بہت سی باتیں ایجاد ہوں گی۔ مجھے ان میں سب سے زیادہ محبوب وہ چیز ہوگی جس کو عمرؓ نے ایجاد کیا تم سب اس کو لازم کر لینا۔ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۳۹)

شیخ الاسلام علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری " بنـاية شرح هداية" میں فرماتے ہیں سيرة عمر لا شک ا ن فـي فعلها ثواب وفی تركها عقاب لا نا امرنا بالا قتداء بهما لقوله عليه الصلوٰة والسلام اقتدوا الـذيـن من بعدی ابی بكر و عمر فاذا كان الا قتداء بهما ماموراً به يكون واجباً وتارک الـواجـب يستحق العقاب والعتاب، یعنی حضرت عمرؓ کی سیرت پر عمل کرنے میں بلا شبہ ثواب ہے اور اس کے ترک کرنے میں عقاب ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کے اس قول مبارک " اقتدوا بـالـذين من بعدی ابی بكرو عمر " میں ہمیں آپ کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے تو جب ان دونوں حضرات کی اقتداء مامور بہ ہے تو ان کی اقتداء کرنا یقیناً واجب ہوئی اور واجب کا ترک کرنے والا عقاب وعتاب کا مستحق ہوتا ہے۔ (بحوالہ فتاویٰ قیام الملۃ والدین ص ۳۷۸)

یہ علمائے ربانیین تو ان کی اقتداء کو واجب اور ان کے قول و عمل کو معیار قرار دیں اور مودودی جماعت اسے ذہنی غلامی اور اس سے بڑھ کر بت پرستی قرار دیتی ہے۔

"بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا"

نیز حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "رضيت لا متی ما رضی لها ابن ام عبد" یعنی میں نے اپنی امت کے لئے رضا مند اور خوش ہوں اس چیز سے جس چیز سے ابن ام عبد (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ) راضی ہوں (مظاہر حق ص ۶۹۰۔ ۶۸۹ ج ۴)

نیز ارشاد فرمایا۔ تمسكوا بعهد ابن ام عبد، یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وصیت کو لازم اور مضبوط پکڑو۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۸)

نیز ارشاد فرمایا۔ لو كنت مؤمرا من غير مشورة لا مرت عليهم ابن ام عبد رواه الترمذی ۔

یعنی اگر میں کسی کو بغیر مشورہ کے امیر بناتا تو ابن ام عبد کو بناتا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۸)

کتنا اعتماد ہے حضور اکرم ﷺ کو اپنے صحابہ پر کہ علی الاطلاق فرمایا کہ ابن مسعودؓ امت کے لئے جو پسند کریں میں بھی اسے پسند کرتا ہوں۔ اور ابن مسعودؓ تم کو جو وصیت کریں اسے مضبوطی سے پکڑے رکھو۔ ابن مسعود نے امت کو صحابہ کے متعلق کیا وصیت فرمائی ہے۔ دل کی گہرائیوں سے ملاحظہ فرمایئے۔ فرماتے ہیں:۔ من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤ من علیه الفتنة اولئک اصحاب محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم کانوا افضل هذه الامة ابراها قلوباً واعمقها علما واقلها تکلفاً اختار هم اللّٰہ لصحبة نبیه و لا قامة دینه فاعر فوا لهم فضلهم و اتبعو هم علی اٰثار هم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقهم وسیر هم کانوا علی الهدی المستقیم. (مشکوٰۃ شریف ص ۳۲)

ترجمہ:۔ جو شخص کسی کی اقتداء کرنا چاہتا ہے اس کو چاہئے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کرے کیونکہ یہ حضرات ساری امت میں سب سے زیادہ اپنے قلوب کے اعتبار سے پاک اور علم کے اعتبار سے گہرے اور تکلف کرنے میں بہت کرم۔ یہ وہ قوم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور دین کی اقامت کے لئے پسند فرمایا ہے تو تم ان کی قدر پہچانو اور ان کے آثار کا اتباع کرو کیونکہ یہی لوگ ہیں مستقیم پر ہیں۔

غور سے ملاحظہ کیجئے! حضرت ابن مسعودؓ کس درجہ صحابۂ کرامؓ کی جماعت کو قابل اتباع فرمارہے ہیں لیکن مودودی صاحب اور ان کے ہم خیال اسے ذہنی غلامی اور بت پرستی کہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ما رأیت قوماً کانوا خیراً من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم میں نے کوئی قوم نہیں دیکھی جو اصحاب رسول اللہ ﷺ سے بہتر ہو۔ (انصاف مع کشاف ص ۵)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جو جلیل القدر تابعی ہیں انہوں نے اپنے ایک مکتوب میں صحابہ کے مقام کی وضاحت فرمائی ہے یہ طویل مکتوب حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد میں سند کے ساتھ لکھا گیا ہے اس کے ضروری جملے یہ ہیں۔ فارض لنفسک مارضی به القوم لا نفسهم. فانهم علی علم وقفوا. الیٰ قوله فان الهدی ما انتم علیه لقد سبقتموه الخ. یعنی پس تمہیں چاہئے کہ اپنے لئے وہی طریقہ اختیار کرلو جس کو قوم نے (یعنی صحابۂ کرامؓ نے) اپنے لئے پسند کرلیا تھا اس لئے کہ وہ جس حد پر ٹھہرے علم کے ساتھ ٹھہرے اور انہوں نے جس چیز سے لوگوں کو روکا ایک دور بین نظر کی بنا پر روکا اور بلاشبہ وہی حضرات دقیق حکمتوں و رعلمی باریکیوں کے کھولنے پر قادر تھے اور جس کام میں وہ تھے اس میں سب سے زیادہ فضیلت کے مستحق وہی تھے پس اگر ہدایت اس طریق میں مان لی جائے جس پر تم ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم فضائل میں ان سے سبقت لے گئے۔ (جو بالکل ہی محال ہے) (ابوداؤد شریف ص ۲۸۵ جلد ۲)

غور کیجئے! حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سر مو ان کے طریقہ سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ان کو اپنا مقتدا اور حق و باطل کا معیار سمجھ رہے ہیں مگر مودودی جماعت اس کی منکر ہے۔ آپؒ مزید ارشاد فرماتے ہیں۔

سن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وولاة الا مر من بعده سنناً الا خذ بها تصدیق لکتاب اللّٰہ

واستکمال لطاعة اللّٰہ وقوة علی دین اللّٰہ من عمل بها مهتدی ومن استنصر بها منصور ومن حالفها اتبع غیر سبیل المؤمنین وولاہ ما تولی وصلاہ جهنم وساءت مصیرا.

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ نے کچھ طریقے مقرر فرمائے ہیں اور آپ کے بعد حضور ﷺ کے جانشین اولوالامر حضرات نے بھی کچھ طریقے مقرر فرمائے ہیں کہ ان کا اختیار کرنا کتاب اللہ کی تصدیق ہے اور اللہ کی اطاعت کو مکمل کرنا ہے اور خدا کے دین کی مدد کرنا ہے جو اس پر عمل کرے گا راہ یاب ہوگا اور جو اس سے قوت حاصل کرے گا مدد کیا جائے گا اور جو ان کی مخالفت کرے گا اور ان کے طریقوں کے خلاف کرے گا اور اہل ایمان کے راستہ کے خلاف چلے گا اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرف موڑ دے گا جس طرف اس نے رخ کیا ہے۔ پھر اس کو جہنم میں داخل کرے گا اور جہنم بہت بری جگہ ہے)۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ج۲ص ۱۸۷)

حضرت امام حسن بصری تابعی فرماتے ہیں:۔

''یہ جماعت (صحابۂ کرام) پوری امت میں سب سے زیادہ نیک دل سب سے زیادہ گہرے علم کی مالک اور سب سے زیادہ بے تکلف جماعت تھی۔ خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کی رفاقت کے لئے اسے پسند کیا وہ آپ کے اخلاق اور آپ کے طریقوں سے مشابہت پیدا کرنے کی سعی میں لگی رہا کرتی تھی۔ اس کو دھن تھی تو اسی کی، تلاش تھی تو اسی کی۔ اس کعبہ کے پروردگار کی قسم وہ جماعت صراط مستقیم پر گامزن تھی۔ (الموافقات ج۴ص ۷۸ بحوالہ ترجمان السنہ ج اص ۴۶)

جو جماعت ان قدسی صفات کی حامل ہو وہ ہمارے لئے معیار نہ ہوگی تو اور کون سی جماعت ہوگی؟

حضرت امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان غنیؓ اس کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اگر یہ علم تھا تو وہ مجھ سے زیادہ (قرآن وحدیث کے) عالم تھے اور اگر ان کی ذاتی رائے تھی تو ان کی رائے میری رائے سے افضل ہے۔ (جامع بیان العلم ص ۳۱ ج ۲)

حضرت امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں:۔

یا بقیه العلم ما جاء عن اصحاب محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم ما لم یجئی عن اصحاب محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم فلیس بعلم، اے بقیہ! بس علم تو وہی ہے جو آپ کے صحابہ سے منقول ہو اور جو ان سے منقول نہیں وہ علم ہی نہیں۔ (جامع بیان العلم ص ۲۹ جلد ۲)

حضرت عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ما حدثوک عن اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فخذ به وما قالوا فیه برایهم فبل علیه . ترجمہ:۔ جو باتیں تمہارے سامنے آپ ﷺ کے صحابہ سے نقل کی جائیں۔ انہیں اختیار کرلو۔ اور جو اپنی سمجھ سے کہیں اسے نفرت کے ساتھ چھوڑ دو۔ (جامع بیان العلم ص ۳۲ ج ۲)

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

اس وقت سے لے کر قیامت تک مسلمانوں کے پاس جو خیر ہے مثلاً ایمان واسلام، قرآن وعلوم ومعارف، عبادات ودخول جنت، جہنم سے نجات، کفار پر غلبہ اللہ کے نام کی بلندی، وہ سب صحابۂ کرامؓ اور خلفائے راشدین کی کوششوں کی برکت ہے جنہوں نے دین کی تبلیغ کی اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا، جو مومن بھی اللہ پر ایمان لایا اس پر

صحابۂ کرام کا احسان قیامت تک رہے گا۔ اور شیعہ وغیرہ (مودودی) جماعت کو بھی جو خیر حاصل ہے وہ صحابۂ کرام کی برکت سے ہے۔ اور صحابۂ کرام کی خیر خلفائے راشدین کی خیر کے تابع ہے۔ اس لئے کہ وہ دین و دنیا کی ہر خیر کے ذمہ دار و سرچشمہ تھے۔'' (منہاج السنہ ج ۳ ص ۲۴۵ بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت ص ۷۔۳۰۶ حصہ دوم)

اور فرماتے ہیں:۔ صحابۂ کرام کا اجماع قطعی حجت ہے اور اس کا اتباع فرض ہے بلکہ وہ سب سے بڑی حجت اور دوسرے تمام دلائل پر مقدم ہے۔ (اقامۃ الدلیل ج ۳ ص ۱۳۰ بحوالہ انوار الباری ۴۸ ج ۱۰)

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:۔ **پیغمبر صادق علیه من الصلوٰت افضلها و من التسلیمات اکملها تمیز فرقۂ ناجیه ازاں فرق متعدده فرموده است آن است الذین هم علی ما انا علیه واصحابی** یعنی آں فرقۂ ناجیہ آنان اند کہ ایشاں بطریقے اند کہ من براں طریقم واصحاب من برآں طریق اندذکر اصحاب باوجود کفایت بذکر صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والتحیہ دریں موطن برائے آں تو اند بود کہ تابدانند کہ طریق من ہماں طریق اصحاب است وطریق نجات منوط باتباع طریق ایشاں است...... الخ۔

ترجمہ:۔ آنحضرت ﷺ نے نجات پانے والی جماعت کی پہچان میں فرمایا کہ جو اس طریقہ پر ہو جس طریقہ پر میں ہوں اور میرے صحابہؓ۔

ظاہراً اتنا فرما دینا کافی تھا کہ ''جس طریقہ پر میں ہوں'' صحابہ کا ذکر اپنے ساتھ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ سب جان لیں کہ میرا جو طریقہ ہے وہی میرے اصحاب کا طریقہ ہے اور نجات کی راہ صحابہ کی پیروی میں منحصر ہے الخ ۔ (مکتوبات امام ربانی ج ا ص ۱۰۳، ص ۱۰۲)

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:۔

'' معرفت حق و باطل فہم صحابہ و تابعین است آنچہ ایں جماعت از تعلیم آنحضرت ﷺ بانضمام قرائن حالی ومقالی فہمیدہ اند دراں تخطیہ ظاہر نہ کردہ واجب القبول است'' ۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۱۵۷ ج ۱)

ترجمہ:۔ حق و باطل کا معیار صحابہ اور تابعین کی سمجھ ہے۔ جس چیز کو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی تعلیم سے قرائن حالی ومقالی کو سامنے رکھ کر سمجھا ہے اس کا تسلیم کرنا واجب ہے۔

نیز آپ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''تحفۂ اثنا عشریہ'' میں صحابہ کے مقام اور ان کے مرتبہ پر بحث کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

'' بالیقین ایں جماعت ہم در حکم انبیاء خواہند بود'' (تحفہ اثناعشریہ ص ۵۲۹ فارسی) یقیناً صحابۂ کرام کی جماعت بھی انبیاء علیہم السلام کے حکم میں ہوگی۔

پس جس طرح کسی نبی پر تنقید نہیں کی جاسکتی اور ان کی بات واجب التسلیم ہوتی ہے بوجہ دلائل قطعیہ یقینیہ کے۔ اسی طرح صحابۂ کرام پر بھی تنقید کرنے کی نیت کرنا بددینی اور کھلی ہوئی گمراہی ہے اور ان کا قول و فعل ہمارے لئے معیار حق ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔''

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تمام اہل سنت والجماعت غیر معصوم مانتے ہیں مگر یہ قابل تسلیم نہیں ہے

کہ معیار حق صرف معصوم ہی ہوسکتا ہے۔ جس سے اللہ نے اپنی رضا کا اظہار کردیا اس کے جنتی اور مخلد فی الجنۃ ہونے کا اعلان کردیا وہ کیوں معیار حق نہ ہوگا۔'' (فرمودات حضرت مدنیؒ ص ۱۴۵ مرتبہ (مولانا) ابوالحسن بارہ بنکوی)

نیز فرماتے ہیں:۔ ''صحابۂ کرام میں جو بھی کمالات اور بھلائیاں ہیں خواہ از قسم علم ہوں یا از قسم عمل وہ سب جناب رسول اللہ ﷺ ہی کے طفیل اور آپ ﷺ کے اتباع ہی سے ہے۔ بالذات کچھ نہیں ہیں مگر جب قرآن اور احادیث صحیحہ نے ان میں موجبات و معیاریت حقانیت کی خبر دے دی تو آج ہم کو ان کی معیاریت میں کلام اور تأمل کرنا یقیناً قطعیات کا انکار ہوگا۔ جو انکار کتاب اللہ ہے۔ (فرمودات حضرت مدنیؒ ص ۱۴۶)

نیز فرماتے ہیں:۔ صحابہ کرام کا اتباع جناب رسول اللہ ﷺ ہی کا اتباع ہے جس کو جناب رسول اللہ ﷺ نے ہم پر واجب کیا ہے۔ ان کا اتباع بحیثیت رسالت نہیں ہے بلکہ بحیثیت نقل و فہم ارشادات نبویہ کیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح بعد والے ائمہ کا اتباع بھی جناب رسول اللہ ﷺ ہی کا اتباع ہے جو کہ بحیثیت نقل و فہم ہی کیا جاتا ہے مطاع مطلق تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ (فرمودات حضرت مدنیؒ ص ۱۴۶)

اور بھی بے شمار دلائل ہیں جن سے روز روشن کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین امت کے لئے حق و باطل، خیر و شر، سنت و بدعت ثواب و عقاب وغیرہ امور کے پرکھنے کی کسوٹی اور معیار حق ہیں۔ جو کام انہوں نے کیا وہ حق اور سنت اور باعث نجات ہے اور ان کا ہر قول و فعل ہمارے لئے ذریعۂ فلاح اور وہی ہمارے لئے ترقی و سعادت کی راہ ہے۔ مگر مودودی جماعت اسے نہیں مانتی بلکہ اسے ذہنی غلامی اور بت پرستی قرار دیتی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ مودودی صاحب رسول خدا کے سوا کسی کو معیار حق ماننے کے لئے تیار نہیں مگر خود اپنی ذات کو اور اپنی جماعت کو معیار حق تسلیم کروانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ صحابۂ کرام کو معیار حق اور تنقید سے بالاتر نہ مان کر ان کی ذات پر بے جا اور بے دھڑک تنقید کرتے ہیں چنانچہ ایک جگہ لکھا ہے:۔ ''ان سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ بسا اوقات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر بھی بشری کمزوریوں کا غلبہ ہوجاتا ہے۔'' الخ۔ (تفہیمات ص ۲۹۴ طبع چہارم)

ان کے ایک رفیق نے ایک جگہ لکھا ہے:۔

''مگر پھر بھی اسلام کی ابتدائی لڑائیوں میں صحابۂ کرام جہاد فی سبیل اللہ کی اصلی اسپرٹ سمجھنے میں بار بار غلطیاں کرتے تھے'' (ترجمان القرآن ۷ ص ۲۹۲ بحوالہ مودودی مذہب۔)

جنگ احد میں شکست کے اسباب شمار کراتے ہوئے لکھا ہے۔ جس سوسائٹی میں سود خوری ہوتی ہے اس کے اندر سود خوری کی وجہ سے دو قسم کے اخلاقی مرض پیدا ہوتے ہیں سود لینے والے میں حرص و طمع، بخل و خود غرضی اور دوسرا سود دینے والے میں نفرت، غصہ اور بغض و حسد پیدا ہوجاتے ہیں۔ میدان احد کی جنگ میں ان دونوں بیماریوں کا کچھ نہ کچھ حصہ شامل تھا۔ (تفہیم القرآن ص ۲۸۸ ج ا سورۂ آل عمران)

اور اپنے بارے میں لکھا ہے:۔ اللہ کے فضل سے مجھے کسی مدافعت کی حاجت نہیں۔ اور میرے رب کی مجھ پر خاص عنایت ہے کہ اس نے میرے دامن کو داغوں سے محفوظ رکھا ہے۔'' اور اپنی جماعت کے متعلق لکھا ہے۔'' سیدھی بات یہ ہے کہ جب ہم یقین سے یہ کہتے ہیں کہ حق صرف یہ ہے۔ (یعنی جماعت اسلامی) تو اس سے از خود یہ

بات اخذ ہوتی ہے کہ اس نظریہ کے خلاف جو کچھ ہے باطل ہے۔'' (ترجمان القرآن ص ۷۷ ج ۲۶)

گویا اپنی ذات اور اپنی جماعت کو تو معیارِ حق سمجھتے ہیں مگر صحابہؓ کرام کے معیارِ حق ہونے کو ذہنی غلامی قرار دیتے ہیں۔

ان کی اس باطنی خباثت کی حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے بھی نشاندہی فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ اندریں صورت مودودی صاحب کا دستور جماعت کی بنیادی دفعہ میں عموم واطلاق کے ساتھ یہ دعویٰ کرنا کہ رسول خدا کے سوا کوئی معیارِ حق اور تنقید سے بالاتر نہیں ہے جس میں صحابہؓ سب سے پہلے شامل ہوتے ہیں۔ پھر ان پر جرح وتنقید کا عملی تجربہ بھی کر ڈالنا حدیث رسول ﷺ کا محض معارضہ ہی نہیں بلکہ ایک حد تک خود اپنے معیارِ حق ہونے کا ادعا ہے۔ جس پر صحابہ تک کو پرکھنے کی کوشش کر لی گئی گویا جس اصول کو شدومد سے تحریک کی بنیاد قرار دیا گیا تھا اپنی ہی بارے میں اسے سب سے پہلے توڑ دیا گیا اور سلف وخلف کے لئے رسول کے سوا خود معیارِ حق بن بیٹھنے کی کوشش کی جانے لگی۔ (مودودی دستور وعقائد کی حقیقت، مقدمہ ص ۱۸)

فقط واللہ اعلم بالصواب وہو الہادی الی الصراط المستقیم ۱۷۔ شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ۔

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زلیخا سے نکاح ہوا یا نہیں؟:

(سوال ۴۰) حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرت زلیخا سے نکاح ہوا یا نہیں؟ سوال کا سبب یہ ہے کہ ایک قاضی صاحب نے نکاح کی بعد دعا میں یہ جملہ کہا اللّٰھم الف بینھما کما الفت بین یوسف وزلیخا تو نکاح ہوا ہے یا نکاح خوانوں نے اپنی طرف سے جوڑ ملا دیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بعض معتبر تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا نکاح زلیخا سے ہوا ہے چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تفسیر معارف القرآن میں ہے: ''بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں زلیخا کے شوہر قطفیر کا انتقال ہو گیا تو شاہ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کی شادی کر دی'' الخ (معارف القرآن ج ۵ ص ۷۷)

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ اپنی تفسیر معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں'' عزیز مصر کے انتقال کے بعد بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کی عزیز مصر کی بیوی زلیخا سے شادی کر دی جس سے دولڑکے پیدا ہوئے ایک افرائیم دوسرے میشا تفصیل کے لئے دیکھو تفسیر قرطبی ج ۹ ص ۲۱۳۔ وزاد المسیر ج ۴ ص ۲۳۴، وتفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۸۲ (معارف القرآن ج ۵ ص ۲۴۲ سورۂ یوسف مطبوعہ لاہور) دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: ۔ یوسف علیہ السلام نے ایک سو دس سال یا ایک سو سات سال کی عمر میں وفات پائی، اور عزیز مصر کی عورت کے بطن سے ان کے دو لڑکے پیدا ہوئے اور ایک لڑکی۔ لڑکوں کا نام افرائیم اور میشا تھے اور لڑکی کا نام رحمت تھا جو حضرت ایوب علیہ السلام کے عقد میں آئیں الخ (معارف القرآن ج ۶ ص ۲۷۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

''قصص الانبیاء'' معتبر کتاب ہے یا نہیں:

(سوال ۴۱) کتاب ''قصص الانبیاء'' کا پڑھنا اور پڑھ کر لوگوں کو سنانا جائز ہے یا نہیں؟ دریافت کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض لوگوں سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب غیر معتبر ہے، اب چند امور جواب طلب ہیں۔

(۱) معتبر یا غیر معتبر ہونے کا حکم علی الاطلاق ہے یا تعیین مواضع کے ساتھ؟ اگر مواضع متکلم فیہ کی نشاندھی فرمادیں تو ہم جیسوں کے لئے مفید ہوگا۔

(۲) فارغ التحصیل عالم معتبر کتب سنانے کے بجائے یہ کتاب پڑھ کر سنائے تو کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کتاب قصص الانبیاء فارسی زبان میں ہے، تلاش کرنے کے بعد بھی فارسی نسخہ نہیں ملا، دارالعلوم اشرفیہ سے ترجمہ دستیاب ہوا ہے مگر مطالعہ کا وقت نہیں مل سکا، اتفاق سے ایک دوست نے کہا کہ حضرت تھانویؒ نے بہشتی زیور حصہ دہم میں بعنوان ''بعضی کتابوں کے نام جن کے دیکھنے سے نفع ہے'' اس میں قصص الانبیاء کا بھی ذکر فرمایا ہے، جب حضرت محققؒ نے مفید بتلایا ہے تو اب مزید تحقیق کی ضرورت نہیں، تاریخ کی کتاب ہے عقائد واحکام کی کتاب نہیں ہے، اور پڑھ کر سنانیوالا جب عالم ہوگا تو غلط فہمی کا بھی اندیشہ نہیں ہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صحابہ کرامؓ سے بدظنی سے احتراز:

(سوال ۴۲) ایک شخص نے اپنی تقریر میں یہ روایت بیان کی کہ ایک صحابی کا انتقال ہوگیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ان کی تجہیز وتکفین کے بجائے یہ چرچا رہا کہ اس شخص نے نہ کبھی نماز پڑھی نہ روزہ رکھا اور نہ کسی کار خیر میں حصہ لیا حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اور میت سے عدم توجہی کا سبب دریافت فرمایا صحابہ نے اپنی باہم گفتگو کا ذکر کیا اس پر حضور ﷺ نے فرمایا تم لوگ غور کرو ممکن ہے اس نے کوئی نیک کام ضرور کیا ہوگا، اس پر ایک صحابی نے کہا ایک مرتبہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے سامان وغیرہ کی رات بھر نگہبانی کرتا رہا اس پر حضور ﷺ نے اس کی تجہیز وتکفین کا حکم دیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ واقعہ جس میں بظاہر ایک صحابی رسول کے اعمال کی توہین نظر آتی ہے، یہ واقعہ صحیح ہے یا نہیں؟ تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مشکوٰۃ شریف میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے، حضرت ابن عائذؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک جنازہ کے ہمراہ نکلے جب (نماز پڑھانے کے لئے) جنازہ رکھ دیا گیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ آپ اس کی جنازہ کی نماز نہ پڑھایئے یہ رجل فاجر (برا گنہگار) ہے رسول اللہ ﷺ صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا **ھل رآہ احد منکم علی عمل الا سلام ؟** کیا تم میں سے کسی نے اس کو کوئی اسلامی عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے ایک شخص نے کہا ہاں یا رسول اللہ! حرس لیلۃً فی سبیل اللہ ایک رات انہوں نے اللہ کے راستہ میں پہرہ دیا تھا، یہ سن

---

(۱) کتاب قصص الانبیاء مفید ضرور ہے مگر اس کی سب روایات صحیح نہیں ہیں جیسے عوج بن عنق کا قصہ فرضی ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مصنف کے پیش نظر ایسی تفاسیر بھی ہیں جو اسرائیلیات سے پاک نہیں ہیں جیسے ثعالبی کی العرائس ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس پر (اپنے دست مبارک سے) مٹی ڈالی اور فرمایا "اصحابک یظنون انک من اھل النار وانا اشھد انک من اھل الجنة" تیرے ساتھی یہ خیال کرتے ہیں کہ تو دوزخی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تو جنتی ہے اور فرمایا "یا عمر انک لا تسئال عن اعمال الناس ولکن تسئل عن الفطرة" اے عمر! تم سے لوگوں کے اعمال کے متعلق سوال نہ کیا جائے گا تم سے دین اسلام کے متعلق سوال ہوگا (مشکوٰۃ شریف ص ۳۳۶ کتاب الجہاد۔ الفصل الثالث:)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس حدیث کا مقصود یہ ہے کہ اے عمر تم کو ایسی جگہ مردوں کے اعمال بد کی خبر نہ دینی چاہئے بلکہ تم کو چاہے کہ ایسی موقعہ پر مردوں کے اعمال خیر کا تذکرہ کرو جیسے کہ ارشاد فرمایا اذکروا موتاکم بالخیر تم اپنے مردوں کو بھلائی کے ساتھ یاد کرو۔ (یعنی ان کے اچھے اعمال کا تذکرہ کرو) اس بناء حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کو منع فرمایا کہ ایسے موقع پر اعمال بد کا ذکر مت کرو کہ مدار اسلام اور فطرہ پر ہے۔ (مظاہر حق بتغیر ج ۳ ص ۳۶۱)

اس حدیث سے بیش از بیش یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو ان کے کسی برے عمل کا علم ہوگا جس کی بنا پر آپ نے حضور اقدس ﷺ کو نماز جنازہ پڑھانے سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ نے اس کے بالمقابل ان کے کسی اچھے عمل کی تحقیق فرمائی چنانچہ جب ایک صحابی نے ان کے ایک اچھے عمل کی خبر دی تو حضور اقدس ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی بلکہ اس کے بعد فرمایا کہ تو جنتی ہے (تاکہ ان کے متعلق کسی کے قلب میں بدظنی نہ رہے) اور حضرت عمرؓ کو تنبیہ فرمائی کہ ایسے موقعہ پر اعمال بد کا تذکرہ نہ ہونا چاہئے بلکہ ہر مسلمان کی نماز جنازہ پڑھ لینا چاہئے جیسا کہ دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ صلوا علی کل بر و فاجر ہر نیک و بد کی نماز جنازہ پڑھو۔ (الجامع الصغیر للعلامۃ السیوطی ج ۲ ص ۴۷)

اس واقعہ سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا (اور نہ خود اس واقعہ میں اس کا تذکرہ ہے) کہ انہوں نے نہ کبھی نماز پڑھی نہ روزہ رکھا اور نہ کسی کار خیر میں حصہ لیا" اور صحابی رسول ہو کر نہ کبھی نماز پڑھیں نہ روزہ رکھیں یہ بعید از عقل و قیاس ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۷ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ۔

نعل شریف کے متعلق فتویٰ پر اشکال اور اس کا حل:

(سوال ۴۳) فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم کا سوال نمبر ۱۰۵۶ جو صفحہ نمبر ۲۰۸، ص ۲۰۹ پر ہے (جدید ترتیب میں اس کو سنت و بدعت میں، نقش نعل شریف کو دعاء کی قبولیت کے لئے سر پر رکھنا کیسا ہے؟ کے عنوان کے تحت درج کیا گیا ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے ۱۲ از مرتب)

اس میں سائل کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدس حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ کے رسالہ "زاد السعید" کے آخر میں "نعل شریف" کے متعلق اجابت دعا کے لئے جو عمل بتایا گیا ہے اسی

کے متعلق سوال کیا گیا ہے آپ نے اس کا جو جواب تحریر فرمایا ہے وہ بظاہر حضرت تھانویؒ کے بتائے ہوئے عمل کے معارض معلوم ہوتا ہے۔تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ معارضہ اختلاف رائے پر مبنی ہے یا پھر تطبیق کی کوئی صورت ہے؟امید ہے کہ مذکورہ اشکال کا حل فرمائیں گے،بینوا توجروا۔

(الجواب) آپ نے نعل شریف کے متعلق فتوی پر جو اشکال فرمایا ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ اسی قسم کا سوال مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ سے کیا گیا تھا،آپ نے اسکا جواب تحریر فرمایا وہ ملاحظہ ہو۔

(۴۸) جواب۔آنحضرت ﷺ کے آثار متبرکہ طیبہ سے برکت حاصل کرنا تو علماء متقدمین اور صحابہ وتابعین سے ثابت ہے لیکن آثار واشیا متبرکہ سے مراد یہ ہے کہ ان چیزوں کے متعلق یہ بات ثابت ہو کہ وہ حضور انور ﷺ کی استعمال کی ہوئی اشیاء (مثلاً جبہ مبارک یا قمیص یا نعل مبارک) یا حضور ﷺ کے جسم اطہر کے اجزاء (مثل موئے مبارک) یا حضور ﷺ کے جسم اطہر کے ساتھ مس کی ہوئی چیزیں ہیں۔لیکن ان میں سے کسی چیز کی تصویر بنا کر اس سے برکت حاصل کرنے کا معتمد اہل علم وارباب تحقیق سے ثبوت نہیں۔

اگر تصویر سے تبرک حاصل کرنا بھی صحیح ہو تو پھر نعل مبارک کی کوئی تخصیص نہ ہوگی بلکہ جبہ مبارک قمیص شریف موئے مبارک اور قدم شریف کا کاغذ پر تصویریں بنانے اور ان سے تبرک وتوسل کرنے کا حکم اور نقشہ نعل مبارک سے تبرک وتوسل کا حکم ایک ہوگا،اور ایک ماہر بالشریعۃ اور ماہر نفسیات اہل زمانہ اس کے نتائج سے بے خبر نہیں رہ سکتا،جن بزرگوں نے نعل مبارک کے نقش کو سر پر رکھا بوسہ دیا اس سے توسل کیا وہ ان کے وجدانی اور انتہائے محبت بالنبی ﷺ کے اضطراری افعال ہیں ان کو تعمیم حکم اور تشریع للناس کے موقع پر استعمال کرنا صحیح نہیں۔

نیز اس امر کا بھی کوئی ثبوت نہیں کہ نعل مبارک کا یہ نقشہ فی الحقیقت حضور ﷺ کے نعل مبارک کی صحیح تصویر ہے،یعنی حضور ﷺ کے نعل مبارک کے درمیانی پٹے (شراک) کے وسط میں اور آگے کے تسموں (قبالین) پر ایسے ہی پھول اور نقش ونگار بنے تھے جیسے اس نقشے میں بنے ہوئے ہیں اور بلا ثبوت صورت وہیئت کے حضور کی طرف نسبت کرنا بہت خوفناک امر ہے اندیشہ ہے کہ من کذب علی متعمدا الخ کے مفہوم کے عموم میں شامل نہ ہو جائے کیونکہ اس ہیئت کے ساتھ اس کو مثال نعل مصطفےٰ ﷺ قرار دینے کا ظاہر مطلب یہی ہے کہ اس کو مثال قرار دینے والا یہ دعوی کرتا ہے کہ حضور ﷺ نے ایسی نعل مبارک استعمال کی تھی جس کے پٹوں اور اگلے تسموں پر اس قسم کے پھول بنے تھے اور اس طرح کے نقش ونگار بھی تھے۔

پھر یہ سوال بھی پیدا ہوگا کہ یہ نقش ونگار ریشم سے بنائے گئے تھے یا کلابتوں اور زری کے تھے یا محض ٹھپہ تھا اور ان تمام امور میں سے کسی ایک کا بھی ثبوت مہیا نہ ہوگا اور اختلاف اہواء سے مختلف حکم لگائے جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔

بہر حال تصویر کو اصل کا منصب دینا اور اس کے ساتھ اصل کا معاملہ کرنا احکام شرعیہ سے ثابت نہیں۔اگر

حضور ﷺ کی نعل مبارک جو حضور کے قدم مبارک سے مس کر چکی ہو کسی کو مل جائے تو زہے سعادت، اس کو بوسہ دینا، سر پر رکھنا سب صحیح، مگر نعل کی تصویر اور وہ بھی ایسی تصویر جس کی اصل سے مطابقت کی بھی کوئی دلیل نہیں اصل نعل مبارک کے قائم مقام نہیں ہو سکتی الخ۔ (کفایت المفتی ص ۵۹ ص ۶۰ جلد دوم)

اسی طرح کے ایک اور سوال کے جواب میں تحریر فرمایا۔

(جواب ۴۹) اگر آنحضرت ﷺ کی استعمال کی ہوئی نعل شریف کسی کو مل جائے تو زہے سعادت اور فرط محبت سے اس کو بوسہ دینا، سر پر اٹھالینا بھی موجب سعادت ہے، مگر یہ تو اصل نعل نہیں اس کی تصویر ہے، اور یہ بھی متیقن نہیں کہ یہ تصویر اصل کے مطابق ہے یا نہیں اور تصویر کے ساتھ اصل شئی کا معاملہ کرنا شریعت میں معہود نہیں ورنہ آنحضرت ﷺ کے ست مبارک پائے مبارک موئے مبارک اور قمیص مبارک جبہ مبارک، کی تصویریں بھی بنائی جاسکتی ہیں اور اگر انہیں بھی اصل کی مطابقت کے ثبوت قطع نظر کر لی جائے تو پھر آج ہی بیشمار تصویریں بن جائیں گی، اور ایک فتنہ عظیمہ کا دروازہ کھل جائے گا جن بزرگوں نے اس تصویر کے ساتھ محبت کا معاملہ کیا وہ ان کے والہانہ جذبات محبت کا نتیجہ تھا، مگر دستور العمل قرار دینے کے لئے حجت نہیں ہوسکتا۔ (کفایت المفتی ج ۲ ص ۶۱)

مذکورہ بالا دو فتوں کے بعد بھی حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں مختلف سوالات آئے، مفتی صاحبؒ نے دیکھا کہ اختلاف وشقاق بین المسلمین کا دروازہ کھل رہا ہے تو حضرت مفتی صاحبؒ نے مناسب سمجھا کہ اسی وقت اس کا تدارک کرلیا جائے چنانچہ حضرت ممدوح نے اپنے یہ دونوں جواب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ کی خدمت میں ایک مکتوب کے ساتھ روانہ کر دیئے اس کے بعد جانبین سے خط وکتابت ہوئی، وہ خط وکتابت ''اتمام القال فی بعض احکام التمثال'' کے نام سے رسالہ کی صورت میں شائع ہوئی اور کفایت المفتی جلد دوم کتاب السلوک والطریقۃ کے فصل سوم ''توسل'' میں بھی شائع ہوگئی ہے۔ حضرت تھانوی قدس سرہ نے جو جوابات تحریر فرمائے اختصار کے پیش نظر اس کے چند جملے یہاں نقل کئے جاتے ہیں، تفصیل درکار ہو تو کفایت المفتی کا مطالعہ کیا جائے۔

(۱) بعد الحمد والصلوٰۃ احقر نے دونوں جواب پڑھے جو بالکل حق ہیں۔ اور صحت معنی کے ساتھ اسلوب کلام میں ادب کی رعایت خاص طور پر قابل داد ہے جس کی ایسے نازک مسائل میں سخت ضرورت ہے (بحوالہ کفایت المفتی ج ۲ ص ۶۲)۔

(۲) یہ سب تفصیل حکم فی نفسہ کی ہے، ورنہ جہاں احتمال غالب مفاسد کا ہو وہاں نقشہ تو کیا خود اصل تبرکات کا انعدام بھی بشرط عدم اہانت وبشرط عدم لزوم ابقاء مطلوب و مامور بہ ہوگا، جیسا حضرت عمرؓ کا قصہ قطع شجرہ کا منقول ہے۔

(۳) یہ تو طالب علمانہ کلام ہے جس میں جانبین کو بہت وسعت ہے ہر جواب پر شبہ اور ہر شبہ کا جواب ہوسکتا

ہے، لیکن شیخ شیرازی کا ارشاد یاد آتا ہے۔

ندانی کہ مارا سر جنگ نیست
وگرنہ مجال سخن تنگ نیست

اس لئے مناظرانہ کلام کو بند کر کے ناظرانہ عرض کرتا ہوں کہ گو احتیاطی تحریرات میں ہمیشہ شائع کرتا رہا۔ چنانچہ مکتوبات خبرت کے حصہ سوم بابت ۳۳ء کے صفحہ ۱۵ میں بھی ایک صاف مضمون ہے مگر مسئلہ میں تردد نہ ہوا تھا لیکن اب مجھ کو خواص کے اس اختلاف آراء سے نفس مسئلہ میں تردد پیدا ہو گیا۔ پھر اس کے ساتھ عوام کے اختلاف ابوا ہے جس سے میرا ذہن خالی تھا مصالح دینیہ اسی کو مقتضی ہیں کہ بحکم دع مایریبک الیٰ مالا یریبک (الحدیث) اپنے رسالہ "نیل الشفا" سے رجوع کرتا ہوں، اور کوئی درجہ تسبب للضرر کا اگر واقع ہو گیا ہو اس سے استغفار اور کسی عاشق صادق کے اس فیصلہ کا استحضار اور تکرار کرتا ہوں

علی اننی راض بان احمل الھویٰ
واخلص منہ لا علی ولا لیا

(کفایت المفتی ج ۲ ص ۶۸)

امید ہے کہ اب اشکال رفع ہو جائے گا۔

فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۷۔ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ۔

خواب میں امام ابوحنیفہؒ کا اللہ کی زیارت اور عذاب الٰہی سے نجات پانے کے متعلق آپ کا سوال اور حق جل مجدہ کا جواب:

(استفتاء ۴۴) حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پروردگار کو خواب میں سو مرتبہ دیکھا اور آپ نے حق تعالیٰ شانہ سے عرض کیا کہ قیامت کے روز مخلوق آپ کے عذاب سے کس چیز سے نجات پائے گی؟ فرمایا جو شخص صبح و شام یہ پڑھتا رہے گا وہ میرے عذاب سے نجات پائے گا، صبح و شام پڑھنے کی چیز یہ ہے۔ سبحان الابدی الا بد ...... الخ کیا یہ واقعہ مستند و معتبر ہے؟ اور کس کتاب میں لکھا ہے، حوالہ درکار ہے بینوا توجروا۔

(الجواب) فقہ حنفی کی مستند کتاب طحطاوی علی الدر المختار ص ۳۶ ج ۱ اور فتاوی شامی ص ۴۸ ج ۱، اور غایۃ الاوطار ص ۲۱ ج ۱، میں مذکور واقعہ منقول ہے، ملاحظہ کیجئے شامی میں ہے۔ ان الامام رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رأیت رب العزۃ فی المنام تسعا وتسعین مرۃ فقلت فی نفسی ان رأیتہ تمام المائۃ لاسألنہ بم ینجو الخلائق من عذابہ یوم القیمۃ ؟ قال فرأیتہ سبحانہ وتعالیٰ فقلت یارب عز جارک وجل ثناءک وتقدست اسماؤک بم ینجو عبادک یوم القیمۃ من عذابک ؟ فقال سبحانہ وتعالیٰ من قال بعد الغداۃ والعشی سبحان الابدی الا بد ......

یعنی امام ابوحنیفہ نے اللہ رب العزت کوخواب میں ننانوے مرتبہ دیکھا پھر اپنے دل میں کہا اب اگر سویں بار دیکھوں گا تو سوال کروں گا کہ خلائق اس کے عذاب سے قیامت کے دن کس چیز سے نجات پائے گی ، امام صاحب فرماتے ہیں کہ پھر میں نے حق سبحانہ وتعالیٰ کوخواب میں دیکھا تو عرض کیا اے پروردگار عز جارک وجل ثناء ک وتقلست اسماء ک کس چیز سے نجات پائے گی خلائق تیرے عذاب سے قیامت کے دن تو فرمایا جوشخص صبح وشام یوں کہا کرے گا۔

سبحان الا بدی الابد سبحان الواحد الا حد سبحان الفرد الصمد.

پاکی ہے اس ذات کے لئے جو ہمیشہ ہمیشہ تک ہے پاکی ہے اس ذات پاک کے لئے جو ایک اور یکتا ہے پاکی ہے اس ذات کے لئے جو تنہا اور طاق اور بے نیاز ہے۔

سبحان رافع السماء بغير عمد.

پاکی ہے اس ذات پاک کی لئے جو آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند کرنے والا ہے۔

سبحان من بسط الا رض علی ماء جمد .

پاکی ہے اس ذات پاک کے لئے جس نے بچھایا زمین کو برف کی طرح جمے ہوئے پانی پر۔

سبحان من خلق الخلق فاحصاهم عدداً.

پاکی ہے اس ذات پاک کے لئے جس نے پیدا کیا خلق کو پس ضبط کیا اور خوب جان لیا ان کو گن کر۔

سبحان من قسم الرزق ولم ينس احداً.

پاکی ہے اس ذات پاک کے لئے جس نے روزی تقسیم فرمائی اور نہ بھولا کسی کو بھی۔

سبحان الذی لم يتخذ صاحبةً ولا ولداً.

پاکی ہے اس ذات پاک کے لئے جس نے نہ اختیار کیا اور نہ بنایا (اپنے لئے) بیوی اور نہ لڑکے کو۔

سبحان الذی لم يلد ولم يولد ولم يكن له' كفوا احدا.

پاکی ہے اس ذات کے لئے جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور نہ تھا اور نہ ہے اور نہ ہوگا اس کے لئے برابری کرنے والا کوئی۔

وہ میرے عذاب سے نجات پائے گا۔ (شامی مقدمہ ص ۴۸ ج ۱) (غایۃ الاوطار ص ۲۱ ج ۱)

ہر مسلمان مذکورہ دعاء کو اپنا وظیفہ بنالے اور صبح وشام پڑھتا رہے تو اس کے لئے بڑی سعادت مندی کی بات ہوگی ، مغفرت اور اللہ کے عذاب سے نجات کے لئے بڑا اچھا وظیفہ ہوگا۔

رسول مقبول ﷺ وفات سے پہلے اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے یہ کلمات طیبات پڑھا کرتے تھے۔ **سبحانک اللهم ربنا وبحمدک اللهم اغفرلی وتب علی انک انت التواب الرحيم** اور کبھی **سبحان الله وبحمده استغفر الله واتوب اليه** پڑھتے ، اور گاہے پڑھتے **سبحانک اللهم وبحمدک استغفرک واتوب اليک**۔ یہ تمام روایتیں تفسیر (درمنثور ج ۶ ص ۴۰۸) میں مذکور ہیں (سورۂ النصر) بحوالہ سیرت مصطفیٰ ج ۳ ص ۱۵۶ (حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ)

ورد کے قابل ایک دعا یہ بھی ہے

دعائے حفظ الایمان

بسم اللہ الرحمن الرحیم اللھم انی اسئلک بعزتک یا عزیز وبقدرتک یا قدیر وبحمدک یا حمید وبحکمتک یا حکیم وبرحمتک یا رحیم وبعظمتک یا عظیم وبعفوک یا عفو وبفضلک یا رحمن وبمنک یامنان ان تحفظ علی الایمان فی انآء اللیل واطراف النھار قائما وقاعداً راکعاً وساجداً یقظاناً ونا نماً حیاً ومیتاً وعلی کل حال یا ارحم الراحمین .(فقط واللہ اعلم بالصواب.

انبیاء علیہم السلام کی ہڈیوں کے متعلق:

(سوال ۴۵)ایک رسالہ میں امام حسن خالص عسکری کے حالات میں لکھا ہے کہ جب سر من رای میں قحط پڑا تو خلیفۂ وقت کے حکم کے مطابق بارش کی دعاء کی گئی پھر بھی بارش نہ برسی ،لیکن ایک نصرانی راہب نے اس کے بعد دعا کی تو بارش ہوئی کیونکہ اس کے ہاتھ میں کسی مدفون نبی کی ہڈی تھی اس لئے شبہ پیدا ہوا کہ کیا واقعۃً نبی کی ہڈی تھی یا کسی اور انسان کی؟ اور اس راہب کے ہاتھ میں وہ ہڈی کہاں سے آئی؟ واقعۃً وہ ہڈی نبی کی ہو تو اس کا ثبوت کیا ہے؟ ایسے اشکالات پیدا ہو رہے ہیں ،لہذا تفصیل سے جواب تحریر فرمائیں۔

(جواب) حدیث شریف سے ثابت ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں حیات ہیں ،نماز پڑھتے ہیں ، ان کو رزق پہنچایا جاتا ہے ،خدا تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے بدن مبارک کو زمین پر حرام کردیا **فی حدیث ابن اوس قال ان اللہ حرم علی الارض اجساد الا نبیاء رواہ ابو دائود والنسائی وابن ماجة والدارمی والبیھقی فی الدعوات الکبیر و فی حدیث ابی الدرداء قال ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الا نبیاء فنبی اللہ حی یرزق فی حدیث مسلم وصح خبر الا نبیاء احیاء فی قبورھم یصلون (مشکوٰۃ مع ھامش ص ۱۲۰ وص ۱۲۱ باب الجمعة)**

لہذا ذکر کردہ بات صحیح نہیں ہوسکتی ،اگر سند صحیح اور معتبر روایت سے ثابت ہو جاوے تو اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ کسی نبی کی وفات سے قبل انگلی وغیرہ کٹ کر کسی کے پاس محفوظ ہوگئی ہو جیسا کہ آپ ﷺ کے بال مبارک اور ناخن مبارک وفات سے قبل بدن مبارک سے الگ ہوئے تھے ،آج بھی لوگوں کے پاس وہ محفوظ ہیں ،اس کے علاوہ اور کوئی تاویل سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اعمال امت کی پیشی دربار نبوی میں:

(سوال ۴۶) تبلیغی حضرات بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں ،کیا یہ صحیح ہے؟
(الجواب) جی ہاں آپ ﷺ کے حضور میں آپ کے امتیوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں بایں طور کہ فلاں امتی

نے یہ کیا اور فلاں نے یہ، امت کے نیک اعمال پر آپ مسرت کا اظہار فرماتے ہیں اور معاصی سے آپ کو اذیت پہنچتی ہے۔

وقال علیہ السلام تعرض الا عمال یوم الا ثنین ویوم الخمیس علی اللہ تعالیٰ وتعرض علی الا نبیاء وعلی الآباء والا مھات یوم الجمعۃ فیفرحون بحسنا تھم ویزدا دون وجوھھم بیضاء ونزھۃ فاتقوا اللہ ولا تو ذوا موتاکم (نوادر الا صول ص ۲۱۳) مطبوعہ دار السعادۃ قسطنطنیۃ (شرح الصدور ص ۱۷۸) (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ابتداء عمر ہی سے کفر وشرک سے محفوظ ہونا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقولہ ہذا ربی کی وضاحت:

(سوال ۷۴) حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ابتداء ہی سے موحد ہوتے ہیں یا قرائن ودلائل دیکھ کر بعد میں توحید کے قائل ہوتے ہیں؟ اس بارے میں اہل سنت والجماعت کا کیا عقیدہ ہے؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔

بعض لوگوں کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس مقولہ "ھذا ربی" (جو قرآن مجید میں ہے) سے اشکال ہوتا ہے اور وہ لوگ اس آیت کی وجہ سے اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ابتداء عمر میں (**معاذ اللہ ثم معاذ اللہ**) موحد نہ تھے، لہٰذا اس بارے میں وضاحت کی سخت ضرورت ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) باسمہ سبحانہ وتعالیٰ حامداً ومصلیاً ومسلما وھو الموفق.

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ابتداء ہی سے موحد ہوتے ہیں، قبل نبوت اور بعد نبوت کفر وشرک بلکہ شائبہ کفر وشرک سے بھی بالکل پاک صاف اور منزہ ہوتے ہیں، فتاویٰ رحیمیہ میں ایک جگہ احقر نے تحریر کیا ہے۔ نبوت اور کفر آپس میں ضد ہیں یہ دونوں ایک ذات میں جمع نہیں ہو سکتے، لہٰذا جو نبی ہوگا وہ کسی حال میں کفر کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتا اور جو کافر ہوگا وہ کسی حال میں نبی نہیں ہو سکتا (فتاویٰ رحیمیہ ۳۹۱/۶) (جدید ترتیب میں اسی باب میں اس فتویٰ کو، کوئی شخص حضور کو نو مسلم لکھے تو کیا حکم ہے؟ عنوان سے دیکھے۔ از مرتب) یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے جسے عقائد وکلام کی کتابوں میں بیان کیا ہے، چنانچہ شرح فقہ اکبر میں ہے۔ **والانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام ینزھون عن الصغائر والکبائر والقبائح یعنی قبل النبوۃ وبعدھا.**

یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام قبل نبوت اور بعد نبوت صغائر، کبائر، کفر اور قبائح سے بالکل منزہ ہوتے ہیں۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۶، ۱۷)

شرح عقائد نسفی میں ہے: **وفی عصمتھم عن سائر الذنوب تفصیل وھو انھم معصومون عن الکفر قبل الوحی وبعدہ بالا جماع وکذا عن تعمد الکبائر عند الجمھور .** (شرح عقائد نسفی ص ۹۸)

---

(۱) اس کے علاوہ مشکوٰۃ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپ لوگوں کے اعمال جمعہ کے دن مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں فاکثروا علی من الصلوٰۃ فیہ فان صلوتکم معروضۃ علی. مشکوٰۃ باب الجمعۃ ص ۱۲۰)

عقائد اسلام میں ہے۔ (وہ یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سب راستباز اور نیکوکار، اور کبیرہ وصغیرہ گناہ سے پاک تھے) تفصیل اس کی یہ ہے کہ کل انبیاء علیہم السلام وحی آنے کے بعد یعنی نبی ہونے کے بعد کفر اور شرک اور جمیع کبائر سے خواہ عمداً ہوں خواہ سہواً..... معصوم تھے..... الی قولہ..... مگر کفر اور شرک سے بالاتفاق معصوم تھے کسی نبی سے قبل نبوۃ بھی کفر اور شرک سرزد نہیں ہوا الخ (عقائد اسلام ص ۳۸، ص ۳۹، باب نمبر ا فصل نمبر ۴ مصنفہ علامۂ زمن مولانا ابو محمد عبدالحق محدث دہلوی ومفسر تفسیر حقانی)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کی مصنفہ ''عقائد اسلام'' میں ہے۔

عقیدۂ چہارم:

تمام انبیاء کرام خدا کے پاک اور برگزیدہ بندہ صغیرہ اور کبیرہ گناہ سے معصوم تھے انبیاء کی عصمت اور طہارت اور نزاہت کا اعتقاد جزء ایمان ہے اگر انبیاء کرام معصوم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ مطلقاً اور بے چون وچرا ان کی اطاعت اور متابعت کا حکم نہ دیتا اور نہ ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیتا اور نہ انبیاء کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو اللہ تعالیٰ اپنی ہاتھ پر بیعت کرنا قرار دیتا۔

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ ید اللّٰہ فوق ایدھم.

جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی تحقیق جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

معصوم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا مصطفےٰ اور مرتضیٰ یعنی اخلاق اور عادات اور افعال اور ملکات اور تمام احوال میں **من کل الوجوہ** خدا تعالیٰ کا برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ ہو اور اس کا باطن مادۂ معصیت سے بالکلیہ پاک ہو یعنی مادۂ شیطانی ونفسانی سے اس کا قلب بالکلیہ پاک اور منزہ ہو، کیونکہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں انبیاء کرام کو مرتضیٰ اور مصطفین الاخیار اور عباد مخلصین فرمایا ہے، جس سے مراد **من کل الوجوہ** ارتضاء اور اصطفاء اور اخلاص کامل ہے اور من کل الوجوہ پاک وصاف اور خدا کا پسندیدہ اور بلاشرکت غیر خالص اللہ کا بندہ وہی ہوسکتا ہے جس کا باطن نفس اور شیطان کی بندگی سے بالکلیہ پاک ہو، اس اسی مادۂ معصیت سے بالکلیہ طہارت اور نزاہت کا نام عصمت ہے۔ (عقائد اسلام ص ۴۵، ص ۴۶ حصہ اول)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی علیہ الرحمہ نے اپنی ایک اور تصنیف ''علم الکلام'' میں تحریر فرمایا ہے۔

''ایمان واسلام سے ان کا قلب اس درجہ لبریز ہو کہ کفر ودجل کے لئے **جزو لا یتجزی** کی مقدار بھی اس میں جگہ نہ ہو، حاشا ایسا ہرگز ہرگز نہ ہو کہ جس کو خود دجال کہتے ہوں اسی سے قتال وجدال کو حرام بتلاتے ہوں اور نہایت تضرع اور ابتہال سے اس کے بقاء کی دعا کرتے ہوں۔'' (علم الکلام ص ۲۰۱ خصائص نبوت)

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ابتداہی سے کفر وشرک بلکہ شائبہ کفر وشرک سے بھی پاک صاف اور منزہ ہوتے ہیں، اور یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے عالم ازل میں اپنی عبادت اور توحید اور اس کی طرف دعوت دینے کا بہت

پختہ اور مضبوط عہد لیا ہے، قرآن مجید میں ہے۔

واذاخذ نا من النبیین میثاقھم ومنک ومن نوح وابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ بن مریم۔ واخذ نا منھم میثاقاً غلیظاً ۔ لیسئل الصدقین عن صدقھم واعد للکفرین عذاباً الیماً۔

(قرآن مجید سورۂ احزاب آیت نمبر ۷.نمبر۸ پارہ نمبر ۲۱ رکوع نمبر ۱۷)

ترجمہ:۔اور (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب کہ ہم نے تمام پیغمبروں سے ان کا اقرار لیا (کہ احکام الٰہیہ کی اتباع کریں جن میں خلق اللہ کو تبلیغ ودعوت اور باہمی تعاون وتناصر بھی داخل ہے) اور آپ سے بھی (اقرار لیا) اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم (علیہم السلام) سے بھی اور (یہ کوئی معمولی عہد واقرار نہیں تھا بلکہ) ہم نے ان سب سے خوب پختہ عہد لیا تا کہ (قیامت کے روز) ان سچے لوگوں سے (یعنی انبیاء علیہم السلام سے) ان کے سچ کی تحقیقات کرے اور کافروں کے لئے جو صاحب وحی کی اتباع سے منحرف ہیں) اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (معارف القرآن، خلاصۂ تفاسیر ص ۸۹ ج ۷)

تفسیر جلالین میں ہے: **(و) اذکر (اذا خذنا من النبیین میثاقھم) حین اخرجوا من صلب آدم کالذر جمع ذرۃ وھی اصغر النمل (ومنک ومن نوح وابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ابن مریم) بان یعبدوا اللہ ویدعوا الی عبادتہ وذکر الخمسۃ من عطف الخاص علی العام (واخذ نامنھم میثاقاً غلیظاً) شدیداً بالوفاء بما حملوہ وھو الیمین باللہ تعالیٰ..... الخ (جلالین مع صاوی ص ۲۵۲ ج ۳)**

صاوی حاشیہ جلالین میں ہے: **(قولہ بان یعبدوا اللہ) ای یوحدوہ وھو تفسیر للمیثاق (قولہ ویدعوا الی عبادتہ) ای یبلغو اشرائعہ للخلق فعھد الانبیاء لیس کعھد مطلق الخلق... (قولہ من عطف الخاص علی العام) ای والنکتۃ کونھم اولی العزم ومشاھیر الرسل وقدمہ صلی اللہ علیہ وسلم لمزید شرفہ وتعظیمہ (صاوی علی جلالین ص ۲۵۲ ج ۳)**

آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے عالم ازل میں حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے جو میثاق لیا اس کو بیان فرمایا ہے اور انبیاء علیہم السلام میں بھی جو اولوالعزم اور مشہور ہیں ان کا خاص طور پر ذکر فرمایا جن میں خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ہیں۔ اب غور فرمایئے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حضرات انبیاء علیہم السلام سے ہی مضبوط عہد لیا ہو (اور ان حضرات کا عہد عام مخلوق کی طرح نہیں ہے جیسا کہ صاوی کی عبارت سے واضح ہے) کیا دنیا میں تشریف آوری کے بعد اس کے خلاف ان سے متصور ہو سکتا ہے؟ اور کیا یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام بدء خلقت سے موحد نہیں ہوتے؟ حاشا وکلا اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا!

لہٰذا اس آیت کریمہ کی روشنی میں بلا تکلف یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی بدء خلقت ہی سے موحد ہوتے ہیں اور ابتداء ہی سے کفر وشرک سے بالکل سے پاک صاف اور منزہ ہوتے ہیں، توحید اور اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دینے کے لئے ان کو دنیا میں مبعوث کیا جاتا ہے۔

لہٰذا سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اولوالعزم نبی ہیں آپ بھی اپنی بدء خلقت سے موحد بلکہ موحد اعظم تھے۔ **ولقد اتینا ابراھیم رشدہٗ من قبل وکنا بہ عالمین** یہ آیت کریمہ بھی ایک تفسیر کے مطابق

اس پر دال ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے اذ جآء ربہ' بقلب سلیم. اور قلب سلیم کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ وہ کفر سے پاک ہو (تفسیر رازی) یہ آیت بھی ہمارے دعویٰ پر دال ہے۔

روح المعانی میں ہے (ولقد آتینا ابراھیم رشدہ) ای الرشد ، الا ئق به زبامثاله' من الرسل الکبار وھو الرشد الکامل اعنی الا ھتداء الیٰ وجوہ الصلاح فی الدین والدنیا والا رشا د بالنوامیس الا لھیة......(من قبل) ای من قبل موسیٰ وھارون وقیل من قبل البلوغ حین خرج من السرب وقیل من قبل ان یو لد حین کان فی صلب آدم علیه السلام الخ.(روح المعانی ۱.۷/ ۵۸)

تفسیر رازی میں ہے:(المحجه السادسة) انه تعالیٰ قال فی صفة ابراھیم علیه السلام اذ جاء ربه' بقلب سلیم واقل مراتب القلب السلیم ان یکون سلیماً عن الکفر وایضاً مدحه فقال ولقد اتینا ابراھیم رشدہ من قبل وکنا به عالمین ای اتیناہ رشدہ من قبل من اول زمان الفکرة وکنابه عالمین ای بطھا رته وکماله ونظیرہ قوله تعالیٰ اللہ اعلم حیث یجعل رسالته (تفسیر امام رازی ۴/ ۱۱۰ تحت الآیة فلما جن علیه اللیل رأ ی کو کبا)

سوال میں جس آیت کریمہ سے اشکال کیا گیا ہے وہ آیت اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں ہے اور معاذ اللہ آپ نے اعتقاداً ''ھذا ربی'' نہیں فرمایا ہے، مفسرین نے اس کے مختلف جواب تحریر فرماتے ہیں، مثلاً آپ نے یہ بطور استفہام انکاری فرمایا ہے، اور حرف استفہام محذوف ہے، یا آپ نے بطور استہزاء فرمایا ہے، یا قوم کے اعتقاد اور زعم کے اعتبار سے فرمایا کہ تمہارے زعم کے موافق یہ کوکب میرا معبود ہے مگر ابھی تھوڑی دیر میں اس کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے، چنانچہ جب وہ غروب ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان پر حجت قائم کرتے ہوئے فرمایا ''لا احب الا فلین'' میں غروب ہونے والی چیزوں سے محبت نہیں رکھتا اور جسے خدا یا معبود بنایا جائے وہ سب سے زیادہ محبت وعظمت کا مستحق ہوتا ہے، جب آپ نے اس سے محبت کی نفی فرمائی تو مطلب یہ ہوا کہ میں اسے رب نہیں سمجھتا، اس لئے کہ جس چیز میں تغیر پیدا ہو اور وہ فنا ہو جائے وہ معبود بننے کے قابل نہیں۔

مناظرہ میں فریق مقابل کی بات کی تردید کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اولاً اس کی بات موافقت کے انداز میں نقل کی جائے پھر دلائل قائم کر کے اس کی تردید کی جائے، گا ہے یہ طریقہ زیادہ مؤثر ہوتا ہے اور فریق مقابل جلد اپنی بات سے رجوع کر لیتا ہے، یہاں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی طریقہ اختیار فرماتے ہوئے ''ھذا ربی'' فرمایا، پھر لا احب الا فلین فرما کر اس کی تردید فرمائی جیسا کہ آئندہ مفسرین کے اقوال سے ظاہر ہوگا۔

چاند اور سورج دیکھ کر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی طرح ان کی تردید فرمائی اور آخر میں '' انی بری مما تشرکون'' (بے شک میں بیزار ہوں ان تمام چیزوں سے جن کو تم شریک کرتے ہو) فرما کر ان تمام سے براءت پیش فرمائی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس جملہ میں شریک کی نسبت قوم کی طرف فرمائی، ان کی طرف نسبت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قوم شرک میں مبتلا تھی، آپ شرک وکفر سے بالکل پاک وصاف تھے۔

قرآن مجید میں اس مناظرہ سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستی کی جو تردید فرمائی ہے اس کو بیان فرمایا ہے، ارشاد خداوندی ہے۔

واذ قال ابراهيم لابيه آزر اتتخذ اصناماً الهةً انى اراك وقومك فى ضلال مبين O
(قرآن مجید سورہ انعام پ ۷)
اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے فرمایا کہ کیا تو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے، بے شک میں تجھ کو اور تیری ساری قوم کو صریح غلطی میں دیکھتا ہوں (ترجمہ حضرت تھانویؒ)
یہ تردید بھی واضح دلیل ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا ''ھذا ربی'' کہنا اعتقاداً نہیں ہوسکتا، آپ کو اپنے رب کی معرفت اس سے قبل حاصل تھی تفسیر رازی میں ہے۔

(الحجة الثانية) ان ابراهيم عليه السلام كان قد عرف ربه قبل هذه الواقعة بالدليل والدليل على صحة ماذكرناه انه تعالىٰ اخبر عنه انه قال قبل هذا الوقعة لابيه آزر أتتخذ اصناماً الهة انى اراك وقومك فى ضلل مبين (تفسير رازى ۴/۱۱۰)
اب مفسرین نے ''ھذا ربی'' کے متعلق جو جوابات تحریر فرماتے ہیں وہ ملاحظہ فرمائیں۔
تفسیر امام رازی میں ہے:فثبت بهذه الدلائل الظاهرة انه لا يجوز ان يقال ان ابراهيم عليه السلام قال على سبيل الجزم هذا ربى واذا بطل هذا بقى ههنا احتمالان(الاول) ان يقال هذا كلام ابراهيم عليه السلام بعد البلوغ و لكن ليس الغرض منه اثبات ربوبية الكواكب بل الغرض منه احد امور سبعة (الاول ان يقال ان ابراهيم عليه السلام لم يقل هذا ربى على سبيل الاخبار بل الغرض منه انه كان يناظر عبدة الكواكب وكان مذهبهم ان الكواكب ربهم والههم فذكر ابراهيم عليه السلام ذلك القول الذى قالوه بلفظهم وعبارتهم حتىٰ يرجع عليه فيبطله ومثاله ان الواحدمنا اذا ناظرمن يقول بقدم الجسم فيقول الجسم قديم فاذا كان كذلك فلم نراه ونشاهده مركباً متغيراً فهو انما قال الجسم قديم اعادة لكلام الخصم حتىٰ يلزمه المحال عليه فكذا ههنا قال هذا ربى والمقصود حكاية قول الخصم ثم ذكر عقيبه ما يدل على فساده وهو قوله لا احب الا فلين وهذا الوجه هو المعتمد فى الجواب والدليل عليه انه تعالىٰ دل فى اول الاية على هذه المناظرة بقوله تعالىٰ وتلك حجتنا اتيناها ابراهيم عليه قومه (والوجه الثانى فى التاويل) ان نقول قوله هذا ربى معناه هذا ربى فى زعمكم واعتقادكم ..... (والوجه الثالث) ان المراد منه الاستفهام على سبيل الانكار الا انه اسقط حرف الاستفهام استغناءً عنه لدلالة الكلام عليه (والوجه الرابع) ان يكون القول مضمراً فيه والتقدير قال " يقولون هذا ربى' واضمار القول كثير. الى قوله . (والوجه الخامس) ان يكون ابراهيم ذكر هذا الكلام على سبيل الاستهزاء كما يقال لذليل ساد قوماً هذا سيدكم على سبيل الاستهزاء..... الخ.
(تفسير امام رازى ۴/۱۱۱. ۱۱۲، تحت الاية فلما جن عليه الليل راى كوكبا)
چھٹا اور ساتواں جواب طوالت کے خوف سے نقل نہیں کیا، جن کو شوق ہو تفسیر میں مطالعہ فرمائیں۔
تفسیر روح المعانی میں ہے(قال هذا ربى) استئناف مبنى على سوال نشأ من الكلام السابق

وھذامنه علیه السلام علی سبیل الفرض وارخاء العنان مجاراة مع ابیه وقومه الذین کانوا یعبدون الاصنام والکواکب. الیٰ قوله. وقیل فی الکلام استفهاما انکار یا محذوفاً رحذف اداة الاستفهام کثیر فی کلامهم...... وقیل انه مقول علی سبیل الا ستهزاء کما یقاٰل لذلیل ساد قوما ھذا سیدکم علی سبیل الا ستهزاء وقیل انه علیه الصلوٰة والسلام ارادان یبطل قولهم بر بو بیة الکواکب...... الخ .(تفسیرروح المعانی ۱۹۸/۷)

تفسیر تبصیر الرحمان وتیسیر المنان المعروف بہ ''تفسیر مہائمی'' میں ہے(فلما جن) ای اظلم علیه اللیل رأی کوکباً) الزهرة اوالمشتری (قال) لقومه ارخاء للعنان معهم باظهار موافقته لهم اولاً ثم ابطال قولهم بالا ستد لال لانه اقرب لر جو ع الخصم (ھذا ربی.فلما افل) وھو د ناء ة تنا فی الا لھیة بل تمنع من المیل الی صاحبها فضلاً عن اتخاذه الهاً او معبوداً فضلا عما یفتقر الیه .(تفسیر مها ئمی ۲۲۵/۱)

تفسیر بیان القرآن میں ہے۔امر دوم ابراہیم علیہ السلام ہوش سنبھالنے ہی کے وقت سے توحید کے عارف و محقق تھے۔الیٰ قولہ۔فلما جن...... پھر جب رات کی تاریکی ان پر (اسی طرح اور سب پر) چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا کہ چمک رہا ہے، آپ نے (اپنی قوم سے مخاطب ہوکر) فرمایا کہ (تمہارے زعم کے موافق) یہ میرا (اور تمہارا) رب (اور میرے احوال میں متصرف) ہے (بہت اچھا اب تھوڑی دیر میں حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے، چنانچہ تھوڑے عرصہ کے بعد وہ افق میں جا چھپا، سو جب وہ غروب ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہوجانے والوں سے (جو کہ ایسی حالت کے ساتھ موصوف ہوں کہ وہ حالت بوجہ حدوث کے خود دلالت کررہی ہے کہ یہ خود بوجہ محل حوادث ہونے کے محدث کا محتاج ہے محبت نہیں رکھتا (اور محبت لوازم اعتقاد ربوبیت سے ہے پس حاصل یہ ہوا کہ میں رب نہیں سمجھتا، پھر (اسی شب میں یا کسی دوسری شب میں) جب چاند کو دیکھا کہ چمکتا ہوا نکلا ہے تو (پہلی ہی کی طرح) فرمایا کہ (تمہارے زعم کے موافق) یہ میرا (اور تمہارا) رب (اور متصرف فی الاحوال ہے) (بہتر اب تھوڑی دیر میں اس کی کیفیت بھی دیکھنا، چنانچہ وہ بھی غروب ہوگیا) سو جب وہ غروب ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو میرا رب (حقیقی) ہدایت نہ کرتا رہے۔ (جیسا کہ اب تک ہدایت کرتا رہتا ہے) تو میں بھی (تمہاری طرح) گمراہ ہوجاؤں، پھر (یعنی اگر) چاند کا قصہ اسی قصہ کوکب کی شب کا تھا تب تو کسی اور شب کی صبح کو اور اگر چاند کا قصہ اسی قصہ کوکب کی شب کا نہ تھا تو قصہ قمر کی صبح کو یا اس کے علاوہ کسی اور شب کی صبح کو جب آفتاب کو دیکھا (کہ بڑی آب و تاب سے چمکتا ہوا (نکلا ہے) تو (پہلی دوبار کی طرح پھر) فرمایا کہ (تمہارے زعم کے موافق) یہ میرا (تمہارا) رب (اور متصرف فی الاحوال) ہے (اور) یہ تو سب (مذکورہ ستاروں میں) بڑا ہے اس پر خاتمہ کلام کا ہوجاوے گا، اگر اس کی ربوبیت باطل ہوگئی تو چھوٹوں کی بدرجۂ اولیٰ باطل ہوجاوے گی ،غرض شام ہوئی تو وہ بھی غروب ہوگیا) سو جب وہ غروب ہوگیا تو آپ نے فرمایا بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار (اور نفور) ہوں (یعنی براءت ظاہر کرتا ہوں) اعتقاداً تو ہمیشہ سے بیزار ہی تھے)

(بیان القرآن ص ۱۰۹ ج ۳ سورۂ انعام پ ۷)

تفسیر معارف القرآن میں ہے: فلما جن علیه اللیل رأی کوکباً قال هذا ربی ۔ یعنی ایک رات جب تاریکی چھا گئی اور ایک کوکب یعنی ستارے پر نظر پڑی تو اپنی قوم کو سنا کر کہا کہ یہ ستارہ میرا رب ہے، مطلب یہ تھا کہ تمہارے خیالات اور عقائد کی رو سے یہی میرا اور تمہارا رب یعنی پالنے والا ہے، اب تھوڑی دیر میں اس کی حقیقت دیکھ لینا چنانچہ کچھ دیر کے بعد وہ غروب ہو گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قوم پر حجت قائم کرنے کا واضح موقع ہاتھ میں آیا، اور فرمایا لا احب الا فلین ، آفلین کا یہ لفظ افول سے بنا ہے جس کے معنی ہیں غروب ہونا۔"

مطلب یہ ہے کہ میں غروب ہو جانے والی چیزوں سے محبت نہیں رکھتا اور جس کو خدا یا معبود بنایا جائے، ظاہر ہے کہ وہ سب سے زیادہ محبت وعظمت کا مستحق ہونا چاہئے۔ الیٰ قولہ۔ اس کے بعد پھر کسی دوسری رات میں چاند چمکتا ہوا نظر آیا تو پھر اپنی قوم کو سنا کر وہی طریقہ اختیار فرمایا اور کہا کہ تمہارے عقائد کے مطابق یہ میرا رب ہے مگر اس کی حقیقت بھی کچھ دیر کے بعد سامنے آجائے گی، چنانچہ جب چاند غروب ہو گیا تو فرمایا کہ اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرتا رہتا تو میں بھی تمہاری طرح گمراہوں میں داخل ہو جاتا، اور چاند ہی کو اپنا معبود اور رب سمجھ بیٹھتا لیکن اس کے طلوع و غروب کے بدلنے والے حالات نے مجھے متنبہ کر دیا کہ یہ ستارہ بھی قابل عبادت نہیں۔

اس آیت میں اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ میرا رب کوئی دوسری شئی ہے جس کی طرف مجھے ہدایت ہوتی رہتی ہے۔

اس کے بعد ایک روز آفتاب کو نکلتے ہوئے دیکھا تو پھر قوم کو سنا کر اسی طریقہ پر فرمایا کہ (تمہارے خیال کے مطابق) یہ میرا رب ہے، اور یہ تو سب سے بڑا ہے مگر اس بڑے کی حقیقت وحیثیت بھی عنقریب تمہارے سامنے آجائے گی چنانچہ آفتاب بھی اپنے وقت پر غروب ہو گیا تو قوم پر آخری حجت تمام کرنے کے بعد اب اصل حقیقت واضح طور پر بیان فرما دیا کہ یاقوم انی بری مما تشرکون، یعنی اے میری قوم میں تمہارے ان مشرکانہ خیالات سے بیزار ہوں کہ تم نے خدا تعالیٰ کی مخلوقات کو ہی خدائی کا شریک بنا رکھا ہے..... الخ۔

(معارف القرآن ۳/۳۸۱، از مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

عقائد اسلام میں علامہ ابو محمد عبدالحق صاحب تفسیر حقانی دہلوی تحریر فرماتے ہیں۔

"اول ابراہیم علیہ السلام نے ھذا ربی استہزاءً کفار کو الزام دینے کے لئے فرمایا تھا نہ کہ اعتقاداً، کما قال تعالیٰ ولقد اتینا ابراهیم رشده' من قبل الا یة کہ ہم نے اول عمر سے ابراہیم کو رشد عطا کیا تھا، پس رشد کی یہ منافی ہے کہ آفتاب کو خدا سمجھیں۔ (عقائد اسلام ص ۴۰ باب ۱ فصل نمبر ۴)

مندرجہ بالا حوالہ جات سے "ھذا ربی" کا مطلب واضح ہو گیا، لہٰذا اس آیت کے ذریعہ کسی طرح اشکال درست نہیں ہو سکتا اور سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابتداء ہی سے موحد تھے، ادنیٰ درجہ کا شک وشبہ کرنے کی بھی گنجائش نہیں رہی، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت رکانہؓ کے صحابی ہونے کی تحقیق:

(سوال ۴۸) میں نے سنا ہے کہ رکانہ کی (جو پہلوان تھے) حضور ﷺ کے ساتھ دو تین مرتبہ کشتی ہوئی، کیا وہ صحابی

ہیں، اسلام قبول کیا تھا اور کیا ان کا انتقال حالت اسلام میں ہوا ہے، امید ہے کہ حوالوں کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں گے! بینوا توجروا۔

(الجواب) حضرت رکانہ عرب کے مشہور پہلوان تھے، قبول اسلام سے پہلے دو تین مرتبہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ ان کی کشتی ہوئی اور ہر مرتبہ حضور ﷺ نے ان کو شکست دی، یہ بھی آپ ﷺ کا معجزہ ہے۔ کشتی میں شکست ہوئی مگر اس وقت اسلام قبول نہیں کیا، البتہ منقول ہے کہ یہی واقعہ ان کے قبول اسلام کا سبب ہوا، قبول اسلام کے بعد مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی، ان سے احادیث بھی مروی ہیں، کتب احادیث میں باب الطلاق میں ''طلاق البتہ'' سے متعلق ایک مشہور حدیث ہے، وہ واقعہ حضرت رکانہؓ ہی کا ہے اور وہ حدیث ''حدیث رکانہ'' سے مشہور ہے، حالت اسلام میں ان کی وفات ہوئی ہے لہذا ان کے صحابی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، آپ کی وفات مدینہ منورہ میں ایک روایت کے مطابق حضرت معاویہؓ کی خلافت کے زمانہ میں ۴۱ھ یا ۴۲ھ میں ہوئی، اور ایک روایت کے مطابق حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ہوئی، تہذیب التہذیب میں ہے۔

(رکانة) بن عبد يزيد بن هاشم بن المطلب بن عبد مناف المطلبی كان من مسلمة الفتح وهو الذی صارع النبی صلی الله عليه وسلم وذلك قبل اسلامه وقيل كان ذلك سبب اسلامه له احاديث وعنه نافع ابن عجير وابن ابنه علی بن يزيد بن ركانة وقيل عن يزيد بن ركانة . قال الزبير بن بكار نزل ركانة المدينة ومات بها فی اول خلافة معاوية ، قلت وقال ابن حبان يقال انه صارع النبی صلی الله عليه وسلم وفی اسناد خبره يعنی الذی رواه (ت) نظر وكذا قال ابن السكن وقال ابو نعيم سكن المدينة وبقی الیٰ خلافة عثمان ويقال تو فی سنة (۴۱) (تهذيب التهذيب ص ۲۸۷ ج۳، للعلامة حافظ ابن حجر عسقلانی رحمه الله)

" اسد الغابة فی معرفة الصحابه" میں ہے (ركانة) بن عبد يزيد بن هاشم بن المطلب بن عبد مناف بن قصی بن كلاب بن مرة القرشی المطلبی. الی قوله. وهذا ركانة هو الذی صارعه النبی صلی الله عليه وسلم فصرعه النبی صلی الله عليه وسلم مرتين او ثلاثا وكان من اشد قريش وهو من مسلمة الفتح وهو الذی طلق امرأته سهيمة بنت عويمر بالمدينة. الی قوله. ثم اسلم بعد ونزل المدينة واطعمه رسول الله صلی الله عليه وسلم من خيبر ثلاثين وسقا ومن حديثه عن النبی صلی الله عليه وسلم ان لكل دين خلقا وخلق هذاالدين الحياء وتوفی ركانة فی خلافة عثمان وقيل توفی سنة اثنتين و اربعين اخرجه الثلاثة (اسد الغابة فی معرفة الصحابه ج۲ ص ۱۸۷ ،ص ۱۸۸ للعلامة عز الدين ابو الحسن علی بن محمد بن عبدالكريم الجزری المعروف بابن الا ثير م ۶۳۰ھ باب الراء والكاف)

اکمال فی اسماء الرجال میں ہے: ركانة بن عبديزيد ، هو ركانة بن عبد يزيد بن هاشم بن المطب القرشی كان من اشد الناس حديثه فی الحجازيين بقی الیٰ زمان عثمان وقيل مات سنة اثنتين واربعين روی عنه جماعة ركانة بضم الراء وتخفيف الكاف والنون(اكمال فی اسماء الرجال ص ۱۰، حرف

الرواء فصل فی الصحابة رضی اللہ عنہ لصاحب المشکوۃ الشیخ ولی الدین ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب رحمھم اللہ، (یہ رسالہ مشکوۃ شریف کے آخر میں ہے) فقط و اللہ اعلم بالصواب۔

شیعہ کا یہ کہنا کہ اگر حضرت علیؓ کو خلیفۂ اول بنایا جاتا تو جنگ جمل و جنگ صفین پیش نہ آتیں اس کا کیا جواب ہے؟:

(سوال ۴۹) کیا فرماتے ہیں علماء محققین اس اہم ترین مسئلہ میں کہ میرے ایک ملنے والے شیعی بھائی کا کہنا ہے کہ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفۂ اول بنایا جاتا اور آپ کے بعد حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کو خلیفہ بنایا جاتا تو جنگ جمل اور جنگ صفین کا واقعہ پیش نہ آتا اور ہزار ہا مسلمان اور صحابہ ان جنگوں میں قتل نہ ہوتے، صحابہ کرام نے صدیق اکبرؓ کو خلیفہ منتخب کیا، یہ مناسب نہیں تھا، اس کا کیا جواب ہوگا؟

(الجواب) علماء محققین رحمہم اللہ نے اس اعتراض کے تحقیقی جواب تحریر فرمائے ہیں اور دلائل سے اسے مبرہن کیا ہے اس موضوع پر جو کتابیں تصنیف فرمائی گئی ہیں ان کا مطالعہ کیا جائے، یہ بات خیال میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کو جو منظور ہوتا ہے اور جو اس کی مشیت ہوتی ہے وہی ہو کر رہتا ہے (ان الحکم الا للہ) اس میں بندہ کا کوئی ادنیٰ دخل نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے انسان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اس کا فیصلہ فرما دیا ہے کہ اتنے سال اس کی عمر ہوگی اپنی زندگی میں وہ ان کاموں اور خدمتوں کو انجام دے گا اور وقت موعود آنے پر وہ دنیا سے رحلت کر جائے گا اس میں ایک آن اور ایک گھڑی کا بھی فرق نہ ہوگا، قولہ تعالیٰ اذا جآء اجلھم لا یستاخرون ساعة ولا یستقدمون ۔ جب کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے نہ آگے بڑھ سکیں گے۔

نیز ارشاد فرمایا ولن یؤخر اللہ نفساً اذا جآء اجلھا. ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جب کہ اس کی میعاد (عمر کے ختم ہونے پر) آجاتی ہے ہرگز مہلت نہیں دیتا۔ (قرآن مجید سورۂ منافقون)

آپ کے دوست کے خیال کے مطابق حضرت علیؓ اگر "خلیفہ اول" منتخب ہوتے تو تینوں خلفاء خلافت سے محروم رہتے کیونکہ یہ تینوں بزرگ حضرت علیؓ کی حیات ہی میں وفات پا گئے، حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ اول کی وفات ۱۳ھ میں ہوئی اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت ۲۴ھ میں ہوئی اور خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفانؓ کی شہادت ۳۵ھ میں ہوئی اور خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کی شہادت ۴۰ھ میں ہوئی، اب آپ ہی بتلائیے کہ حضرت علیؓ خلیفہ اول ہوتے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ کیسے خلیفہ ہو سکتے تھے جو اللہ کے فیصلے کے مطابق پہلے ہی وفات پا چکے ہوتے۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو فیصلہ کیا تھا وہ الہامی اور مشیت خداوندی کے عین مناسب تھا، آپ کے شیعی دوست کی تجویز لغو ہے خدا کے فیصلہ میں دخل اندازی ہے، چار خلفاء کی خلافت اللہ کی عین مرضی کے مطابق ہے اور سرور کائنات ﷺ بھی اسی فیصلہ سے مکمل طور پر رضامند تھے روایات سے اس کے اشارے ملتے ہیں چنانچہ ایک روایت میں ہے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ایک بدوی سے چند اونٹ قرض خریدے

کہ قیمت فلاں وقت ادا کریں گے، حضرت علیؓ نے بدوی سے کہا کہ جا کر آنحضرت ﷺ سے دریافت کرے کہ اگر آپ کی وفات کے بعد آؤں تو میری قیمت کون ادا کرے گا اس نے جا کر عرض کیا تو آپ نے فرمایا ابوبکرؓ ادا کرے گا، بدوی نے جا کر علیؓ سے خبر کی تو انہوں نے فرمایا کہ پھر جا کر دریافت کر کہ اگر ابوبکر کی وفات کے بعد آؤں تو قیمت کہاں سے پاؤں گا، اس نے جا کر یہی سوال کیا تو سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ عمرؓ ادا کرے گا بدوی نے علیؓ سے آ کر بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس مرتبہ جا کر پوچھ کر عمرؓ کی وفات کے بعد آؤں تو کون ادا کرے گا، اس کا جواب رسول مقبول ﷺ نے یہ دیا کہ عثمانؓ ادا کرے گا، بدوی نے آ کر پھر علیؓ سے خبر کی تو آپ نے فرمایا کہ پھر جا اور عرض کر کہ اگر عثمانؓ کی وفات کے بعد آوں تو قیمت کون دے گا اس نے حاضر ہو کر یہ پوچھا تو حضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ جب ابوبکر و عمر عثمان مرجاویں تو اگر ہو سکے تو تو بھی مر جانا، یا یہ کہ اتنی مدت تو کہاں زندہ رہے گا مر ہی جائے گا، غرض اس مرتبہ بار بار سوال کرنے کے سبب سے آپ نے خفگی سے ایسا جواب دیا، رواہ اسمٰعیل فی معجمہ (از فتاویٰ محمدی ص ۴۷ مولفہ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب محدث دیوبند) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

آنحضرت ﷺ کو تین چیزیں محبوب ہیں ان کی تفصیل:

(سوال ۵۰) رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ مجھے دنیا کی تین چیزیں محبوب ہیں۔ خوشبو، عورت، نماز، اس کی تفصیل فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) خوشبو دل و دماغ کو معطر کرتی ہے۔ اور عقل میں اضافہ کرتی ہے اور عقل دین کو قائم رکھ سکتی ہے اس لئے خوشبو محبوب ہے۔ اور عورتیں مردوں کے لئے عفت و پاک دامنی اور امت میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اس لئے عورتیں محبوب ہیں۔ اور نماز اسلامی رکن اور دین کی بنیاد ہے۔ اور نماز کے وقت دربار خداوندی میں حاضری ہوتی ہے۔ اس لئے نماز محبوب ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ما یتعلق بالعلم و العلماء

تعلیم نسواں کے متعلق

(سوال ۵۱) مسلمان لڑکیوں کو انگلش پڑھانا کیسا ہے؟ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے۔
(الجواب) انگلش میں نام اور پتہ لکھ سکے اتنا سیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، کبھی شوہر سفر میں ہو اور اس کو خط لکھنے میں انگلش پتہ کی ضرورت ہو تو غیر کے پاس جانا نہ پڑے لڑکیوں کو اسکول اور کالج میں داخل کر کے اونچی تعلیم دلانا اور ڈگریاں حاصل کرنا جائز نہیں ہے کہ اس میں نفع سے نقصان کہیں زیادہ ہے (اثمهما اکبر من نفعهما) تجربہ بتلاتا ہے کہ انگلش تعلیم اور کالج کے ماحول سے اسلامی عقائد واخلاق وعادات بگڑ جاتے ہیں۔ آزادی، بے شرمی، بے حیائی بڑھ جاتی ہے جیسا کہ مرحوم اکبرالہٰ آبادی نے فرمایا ہے۔

نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر
گرائیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ ''اگر انگریزی تعلیم کا آخری اثر یہی ہے جو عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ نصرانیت کے رنگ میں رنگ جائیں، یا ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذہب اور مذہب والوں کا مذاق اڑائیں یا حکومت وقت کی پرستش کرنے لگیں تو ایسی تعلیم پانے سے ایک مسلمان کے لئے جاہل رہنا ہی اچھا ہے۔ (خطبہ صدارت جلسہ افتتاحیہ مسلم نیشنل یونیورسٹی علی گڈھ ۱۹۲۰ء)

اور حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''آج کل تعلیم جدید کے متعلق علماء پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ تعلیم جدید سے روکتے ہیں اور اس کو ناجائز بتلاتے ہیں، حالانکہ میں یہ قسم کہتا ہوں کہ اگر تعلیم جدید کے یہ آثار نہ ہوتے جو علی العموم اس وقت اس پر مرتب ہو رہے ہیں تو علماء اس سے ہرگز منع نہ کرتے لیکن اب دیکھ لیجئے کہ کیا حالت ہو رہی ہے، جس قدر جدید تعلیم یافتہ ہیں بہ استثناء شاذ و نادران کو نہ نماز سے غرض ہے، نہ روزے سے، نہ شریعت کے کسی دوسرے حکم سے بلکہ ہر بات میں شریعت کے خلاف ہی چلتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اس سے اسلام کی ترقی ہوتی ہے۔'' (فضل العلم والعمل ص ۸)

اور فرماتے ہیں ''مدارس اسلامیہ میں بیکار ہو کر رہنا لاکھوں کروڑوں درجہ انگریزی میں مشغول رہنے سے بہتر ہے، اس لئے کہ گولیاقت اور کمال نہ ہو لیکن کم از کم عقائد تو فاسد نہ ہوں گے اہل علم سے محبت تو ہوگی، اگرچہ کسی مسجد کی جاروب کشی ہی میسر ہو یہ جاروب کشی اس انگریزی میں کمال حاصل کرنے اور وکیل، بیرسٹر وغیرہ بننے سے کہ جس سے اپنے عقائد فاسد ہوں اور ایمان میں تزلزل ہو اور اللہ اور رسول ﷺ اور صحابہؓ و بزرگان دین کی شان میں بے ادبی ہو کہ جو اس زمانے میں انگریزی کا اکثری بلکہ لازمی نتیجہ ہے اور یہ ترجیح ایک محب دین کے نزدیک تو بالکل واضح ہے، ہاں جس کو دین کے جانے کا غم ہی نہ ہو وہ جو چاہے کہے۔ (حقوق العلم ص ۶۳۔۶۴)

اور آپ کے ملفوظات میں ہے کہ ''ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! علی گڈھ کالج میں لڑکوں کو داخل

کرتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں دین سے برباد نہ ہو جائیں، فرمایا "میاں ہوگا تو وہی جو اللہ کو منظور ہوگا، مگر ظاہری اسباب میں یہ داخلہ بھی ایک قوی سبب ہے بربادی کا۔ اوراس بنا پر کالج کے داخلہ سے فالج کا داخلہ اچھا ہے اس لئے کہ اس میں تو دین کا ضرر اور اس میں جسم کا ضرر، ان دونوں مرضوں میں حقیقی مرض وہی ہے جو کالج میں رہ کر پیدا ہوتا ہے۔ (ملفوظات ج ۳ ص ۱۰۷)

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! کشمیر میں بھنگی کا پیشہ مسلمان کرتے ہیں، بہت برا معلوم ہوتا ہے، اب کچھ تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا ہے مطلب یہ کہ تعلیم کے بعد یہ پیشہ چھوڑ دیں گے۔ فرمایا کہ کس قسم کی تعلیم؟ عرض کیا انگریزی ہی کی تعلیم کے اسکول کھولے گئے ہیں، فرمایا کہ اگر یہ بھنگی کا پیشہ چھوٹ جائے گا تو یہ انگریزی تعلیم کا پیشہ اس سے بدتر ہے، اب تک تو ظاہری نجاست تھی اور یہ باطنی نجاست ہوگی، اکثر یہ دیکھا ہے کہ اس تعلیم سے عقائد خراب ہوجاتے ہیں۔ (ملفوظات نمبر ۶ ۴۳ ملفوظات ص ۲۷۳ ج ۵)

(۱) ڈاکٹر ہنٹر کا قول ہے کہ "ہمارے انگریزی اسکولوں میں پڑھا ہوا کوئی نوجوان ہندو یا مسلمان ایسا نہیں جس نے اپنے بزرگوں کے مذہبی عقائد کو غلط سمجھنا نہ سیکھا ہو (مسلمانان ہند ص ۱۴۲)۔

(۲) گاندھی جی لکھتے ہیں "ان کالجوں کی اعلیٰ تعلیم بہت اچھے صاف اور شفاف دودھ کی طرح ہے جس میں تھوڑا سا زہر ملا دیا گیا ہو" (خطبہ صدارت مولانا شیخ الہندؒ جلسہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ ۱۹۲۰ھ ص ۶)

(۳) سرسید مرحوم لکھتے ہیں "اسی طرح لڑکیوں کے اسکول بھی قائم کئے گئے جن کے ناگوار طرز نے یقین دلادیا کہ عورتوں کو بدچلن اور بے پردہ کرنے کے لئے یہ طریقہ نکالا گیا ہے" (اسباب بغاوت ہند)

(۴) سرعبداللہ ہارون سندکی مسلمان طلبہ کی تعلیمی کانفرنس کی صدارتی تقریر میں فرماتے ہیں:۔

"تعلیم کا موجودہ طریقہ جسے لارڈ میکالے نے رائج کیا تھا ہر اس چیز کو تباہ کر چکا جو ہمیں عزیز تھی۔"

(روزنامہ "انجام" دہلی ۲۰ فروری ۱۹۴۱ء)

(۵) آنریبل مسٹر فضل حق وزیراعظم صوبہ بنگال نے ۱۹۳۸ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل منعقدہ پٹنہ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا کہ "جس قسم کی تعلیم (کالج اور اسکولوں میں ان کو دی گئی ہے دراصل اس نے ان کو نہ دنیا کا رکھا ہے نہ دین کا۔ اگر ایک مسلمان بچہ نے اونچی سے اونچی تعلیم کی ڈگری حاصل کر بھی لی لیکن اس کوشش میں مذہب کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تو اس کا ڈگریاں حاصل کرنا قوم کے لئے کیا مفید ہوسکتا ہے؟ مفید اس وقت ہوسکتا ہے جب مسلمان رہ کر ترقی کرے۔ کیا خوب کہا ہے اکبرالہ آبادی نے

فلسفی کہتا ہے کیا پروا گر مذہب گیا
میں یہ کہتا ہوں، بھائی یہ گیا تو سب گیا

("مدینہ" (سہ روزہ) بجنور ۹۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء)

(۶) مسلم لیگی اخبار "منشور" (دہلی) کے مدیر مسٹر حسن ریاض ۹۔ جون ۱۹۴۰ء کے اداریہ میں لکھتے ہیں کہ "گذشتہ تیس برس سے مسلمان بچے بالعموم صرف انگریزی اسکولوں میں تعلیم پارہے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس دور کے جتنے تعلیم یافتہ ہیں، وہ اسلامی کلچر، اخلاق اور اسلامی تصورات سے بالکل نابلند ہیں۔"

(۷) علامہ ''اقبال'' مرحوم ایک نظم میں جس کا عنوان ''فردوس میں ایک مکالمہ'' ہے اپنا خیال یوں ظاہر کرتے ہیں:۔

ہاتف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں اک روز
حالی سے مخاطب ہوئے یوں سعدی شیراز
کچھ کیفیت مسلم ہندی تو بیاں کر
درماندۂ منزل ہے کہ مصروف تگ وتاز
مذہب کی حرارت بھی ہے کچھ اس کی رگوں میں
تھی جس کی فلک سوز کبھی گرمی ٔ آواز
باتوں سے ہوا شیخ کی حالی متاثر
رورو کے لگا کہنے کہ اے صاحب اعجاز
جب پیر فلک نے ورق ایام کا الٹا
آئی یہ صدا پاؤ گے تعلیم سے اعزاز
آیا ہے مگر اس سے عقیدہ میں تزلزل
دنیا تو ملی طائر دین کر گیا پرواز
دیں ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی
فطرت ہے جوانوں کی زمین گیرد زمیں تاز
بنیاد لرز جائے جو دیوار چمن کی
ظاہر ہے کہ انجام گلستاں کا ہے آغاز
پانی نہ ملا زمزم ملت سے جو اس کو
پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز
یہ ذکر حضور شہ یثرب میں نہ کرنا
سمجھیں نہ کہیں ہند کے مسلم مجھے غماز
خرما نتواں یافت ازاں خار کہ کشتیم
دیبا نتواں بافت ازاں پشم کہ رشتیم

شریعت کا قانون ہے کہ فائدہ حاصل کرنے کے بجائے خرابی سے دور رہنا اور برائی سے بچنا ضروری ہے۔

الاشباہ والنظائر میں ہے۔

قاعدہ خامسة وھی درأ المفاسد اولیٰ من جلب المصالح فاذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالبا لان اعتناء الشرع المنهيات اشد من اعتناء ه بالماموارت ص (۱۱۴

وضواور غسل میں غرغرہ کرنا سنت ہے، لیکن حلق میں پانی چلے جانے کے خوف سے روزہ دار کے لئے غرغرہ ممنوع ہے اسی طرح بالوں کا خلال سنت ہے مگر بالوں کے ٹوٹ جانے کے خوف سے حالت احرام میں خلال مکروہ ہے۔

حضور ﷺ کے مبارک زمانہ میں عورتوں کو مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی اجازت تھی، مگر بعد میں خرابی پیدا ہونے کی وجہ سے حضرت عمر فاروقؓ نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکا اور حضرت عائشہؓ نے مذکورہ فیصلہ کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ عورتوں نے جو حالت بنالی ہے اگر آنحضرت ﷺ نے اس کو ملاحظہ فرمایا ہوتا تو (پہلے ہی) ان کو مسجد سے روک دیتے (اجازت نہ دیتے) **ان عائشة زوج النبی صلی الله علیه وسلم قالت لو ادرک رسول الله صلی الله علیه وسلم ماحدث النساء لمنعهن المسجد .(ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۹۱ باب ماجآء فی خروج النسآء الی المسجد)**

مذکورہ قانون کے مطابق جب عورتوں کے لئے مسجد میں جا کر نماز پڑھنا ناجائز ٹھہرا۔ تو ان کو انگریزی پڑھانا اور کالجوں میں داخل کرنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟ جب کہ یہاں دین کا ضرر کہیں زیادہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی تعلیم دلانا جس سے دین وایمان پر برا اثر پڑتا ہو جو غیر اسلامی کلچر، غیر اسلامی اخلاق وعادات اختیار کرنے کا ذریعہ بنتی ہو ہر ایک کے لئے ناجائز ہے، لڑکی ہو یا لڑکا البتہ یہ فرق کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ لڑکیوں کی فطرت اثر بد کو جلد قبول کر لیتی ہے اور مذہبی لحاظ سے معاشی ذمہ داریاں بھی ان پر نہیں ہوتیں تو ان کو انگریزی تعلیم سے علیحدہ رہنا چاہئے اور انہیں انگریزی اسکول اور کالج کی ہوا بھی نہ لگنی چاہیئے، ہاں لڑکے اگر مذہبی بنیادی ضروری تعلیم پوری طرح حاصل کر لیں اور اسلامی تمدن، اسلامی اخلاق اور عادات پر بھی مضبوطی سے قائم رہیں تو بے شک ان کے لئے گنجائش ہے کہ وہ جتنی چاہیں انگریزی کی ڈگریاں حاصل کریں۔

بقول اکبر الہ آبادی۔

تم شوق سے کالج میں پھلو، پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں میں اڑو، چرخ پہ جھولو
بس ایک سخن بندۂ ناچیز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

مگر موجودہ دور میں یہ گارنٹی بالکل ناممکن معلوم ہوتی ہے، پس اسلامی عقائد اور اسلامی اخلاق وغیرہ پر مضبوطی سے قائم رہنے کا یقین نہ ہو اور اثر بد اور برے ماحول سے محفوظ رہنے کا بھی پورا اطمینان نہ ہو تو جس طرح مہلک مرض اور مفسد صحت آب وہوا سے اولاد کی حفاظت کی جاتی ہے اسی طرح مذکورہ تعلیم اور کلچر سے بھی ان کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔

اولاد کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ ان کے دین کی درستگی کی فکر دنیا کی درستگی کی فکر سے زیادہ ہو بزرگان دین فرماتے ہیں۔ **صدیق الانسان من یسعی فی عمارة اخرته وان کان فیه ضرر، لدیناه وعدوه من یسعی فی خسارة اخرته وان کان فیه نفع لدیناه (مجالس الابرار م ۸۵ ص ۵۰۰)**

(یعنی) آدمی کا دوست وہ ہے جو اس کی آخرت کی درستگی کی کوشش کرے اگر چہ اس میں اس کی دنیا کا کچھ نقصان ہو اور اس کا دشمن وہ ہے جو اس کی آخرت کے نقصان میں کوشش کرے اگر چہ اس میں اس کی دنیا کا فائدہ ہو۔ و اللہ اعلم بالصواب۔

عورتوں کو انگریزی تعلیم دلوانا کیسا ہے؟

(سوال ۵۲) آج کل ہمارے یہاں بہت سے آدمی ایسے ہیں جو اپنی لڑکیوں کو کالج میں بھیجتے ہیں، اور دیکھا گیا ہے کہ کالج کے داخلہ کے بعد ان کے لباس، رہن سہن، چال ڈھال، غرض کہ ہر چیز میں نمایاں فرق ہو جاتا ہے او پھر آہستہ آہستہ شرم و حیا بھی جاتی رہتی ہے اور اس سے والدین کا مقصد صرف اتنا ہوتا ہے کہ ہماری لڑکی کوئی اونچی ڈگری حاصل کرے اور کوئی اونچی سے اونچی دنیوی ملازمت مل جائے تو اس غرض سے اپنی لڑکی کو اس تعلیم میں مبتلا کرنا کیسا ہے؟

(جواب) لڑکیوں کو کالج میں بھیجنے والے ماں باپ ان کے دشمن ہیں، دوست نہیں ہو سکتے ''مجالس الابرار میں ہے۔ **فصدیق الا نسان من یسعی فی عمارة اخرته وان کان فیه ضرر لدنیاه وعدوه من یسعی فی خسارة اخرته وان کان فیه نفع لدنیاه وقد قال اللہ تعالیٰ وتعاونوا علی البر و التقویٰ ولا تعاونوا علی الا ثم والعدوان.** (یعنی) آدمی کا دوست وہی ہے جو اس کی آخرت کی اصلاح اور درستی میں کوشاں ہو اگر چہ اس میں اس کی دنیا کا کچھ نقصان ہو اور اس کا دشمن وہ ہے جو اس کی آخرت کے نقصان میں کوشش کرے اگر چہ اس میں اسی کی دنیا کا فائدہ ہو'' م ۸۵ ص ۵۰۰)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ کالج کے داخلہ سے فالج کا داخلہ اچھا ہے اس لئے کہ اس میں تو دین کا ضرر ہے اور اس میں جسم کا ضرر، ان دونوں مرضوں میں حقیقی مرض وہی ہے جو کالج میں رہ کر پیدا ہوتا ہے۔ (ملفوظات ج ۳ ص ۱۰۷، ملفوظ نمبر ۳۲۱)

اس میں شک نہیں کہ کالج جانے والی لڑکی پہلے درجہ کی آزاد، بے پردہ اور بے حیاء و بے شرم بن جاتی ہے، یہ انگلش تعلیم اور کالج کے ماحول کا اکثری نتیجہ ہے، مرحوم سرسید کو جو انگلش کے بڑے حامی تھے تجربہ نے یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ ''لڑکیوں کے اسکول بھی قائم کئے گئے جن کے ناگوار طرز نے یقین دلا دیا کہ عورتوں کو بدچلن اور بے پردہ کرنے کے لئے یہ طریقہ نکالا گیا ہے۔'' (اسباب بغاوت ہند)

جب لڑکی کی حیا گئی تو سب کچھ گیا، حیا تو ایمان کی شاخ اور اس کا جزء ہے اور ایک حدیث شریف میں ہے **ان الحیاء والا یمان قرناء جمیعاً فاذا رفع احدهما رفع الا خر** (رواه البیهقی فی شعب الایمان مشکوٰة باب الرفق والحیاء وحسن الخلق ص ۴۳۲) (یعنی) حیا اور ایمان یہ دونوں اکٹھے رہنے والے جوڑی دار ہیں، جب ان دونوں میں سے کوئی ایک اٹھالیا جائے تو دوسرا بھی اٹھ جاتا ہے۔

اب آسانی سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ لڑکی کو کالج میں بھیجنے والے ماں باپ اس کے دوست ہیں یا دشمن؟ والدین کے لئے قرآن حکیم میں یہ تعلیم ہے۔ **قوا انفسکم و اهلیکم نارا** (یعنی تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ

کی آگ سے بچاؤ (سورۂ تحریم) اور ماں باپ کا حال یہ ہے کہ اپنی اولاد کو دوزخ میں جھونکے جارہے ہیں اور محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اولاد کے بگڑنے کی تمام ذمہ داری والدین پر ہے، اولاد کی زندگی بنانا بگاڑنا والدین کے ہاتھ میں ہے، اولاد کو جیسی تعلیم وتربیت دی جائے گی، اولاد ویسی ہی بنے گی، حدیث شریف میں ہے۔ **ما من مولود الا یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ اوینصرانہ ویمجسانہ** (یعنی ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے (کہ دین اسلام قبول کرنے کی بوجہ اتم اس میں استعداد ہوتی ہے) مگر اس کے والدین (تعلیم وتربیت کے ذریعہ) اسے یہودی بنادیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی (مشکوٰۃ شریف ص۲۱ باب الایمان بالقدر) مانا کہ کالج میں پڑھنے والی دنیا کے کاموں میں ترقی کر سکتی ہے لیکن آخرت کے اعتبار سے یقیناً وہ خسارہ میں رہے گی۔ پس بمصداق **اثمھما اکبر من نفعھما** خسارہ والا عمل حرام اور ممنوع ہوگا۔ فرمان نبوی ﷺ ہے۔" **من احب دنیاہ اضر باٰخرتہ ومن احب اٰخرتہ اضر بدنیاہ فاٰثروا ما یبقی علی ما تفنیٰ**" (یعنی) جو شخص دنیا کی محبت میں گرفتار ہوگا، آخرت کے اعتبار سے وہ نقصان میں ہوگا اور جو آخرت ہی کی محبت میں لگا رہے گا وہ دنیا کے اعتبار سے نقصان میں رہے گا لہٰذا باقی چیز (آخرت) کو فانی (دنیا) پر ترجیح دو" حضرت سلیمان فارسیؓ نے فرمایا کہ "بندہ جس وقت دنیوی امور سے بے رغبتی اختیار کرتا ہے تو اس کا قلب حکمت سے منور ہو جاتا ہے اور اس کے اعضاء عبادت الٰہی کے لئے مددگار بن جاتے ہیں لہٰذا باقی رہنے والی چیز (آخرت) کو فنا ہونے والی (دنیا) پر ترجیح دینا چاہئے۔ (**منھاج العابدین**)

اگر لڑکی بالغ نہیں ہے، مراہقہ ہے تو وہ بھی بالغہ کے حکم میں ہے، اس کو بے پردہ باہر نکلنا پھرنا جائز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے "**المرأۃ تقبل فی صورۃ شیطان وتدبر فی صورۃ شیطان**" (یعنی) عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی صورت میں جاتی ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۸ کتاب النکاح باب النظر الی الخطبۃ)

مطلب یہ کہ جیسے شیطان وسوسہ ڈالتا ہے ویسے ہی عورت کا دیکھنا باعث وسوسہ اور موجب فساد ہے اور حدیث میں ہے **المرأۃ عورۃ فاذاخرجت استشرفھا الشیطان**. (مشکوٰۃ ص ۲۶۷ ایضاً) یعنی "عورت ستر ہے (جس طرح ستر چھپایا جاتا ہے عورت کو بھی چھپائے رکھنا چاہئے اور جس طرح ستر کا کھلا رکھنا برا ہے عورت کا بے پردہ رہنا اور پھرنا بھی برا ہے) جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے" (اور گناہ میں مبتلا کرنے کی تدبیریں سوچتا ہے) اور حدیث میں **لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ** "یعنی" اللہ کی لعنت ہے اس پر جو (عورت کو بری نظر سے) دیکھے اور اس پر بھی جس کی طرف دیکھا جائے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۰ ایضاً) اور حدیث میں ہے **العینان زناھما النظر والاذنان زناھما الاستماع واللسان زناہ النطق والیدان زناھما البطش** یعنی آنکھیں (زنا کرتی ہیں) کہ ان کا زنا دیکھنا اور کان (زنا کرتے ہیں) کہ ان کا زنا سننا ہے اور زبان (زنا کرتی ہے) کہ اس کا زنا بولنا ہے اور ہاتھ (بھی زنا کرتے ہیں) کہ ان کا زنا پکڑنا ہے (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۳۶ باب قدر علی ابن آدم حظہ من الزنا وغیرہ)

جب لڑکی بے پردہ پھرے گی تو یہ سارے منکرات پیش آئیں گے اور قدم قدم پر گنہگار ہوگی اور دوسروں کو گناہ میں مبتلا کرے گی جب ازواج مطہراتؓ اور بنات طاہراتؓ کے لئے حکم ہے وقرن فی بیوتکن (اور اپنے گھروں میں جمی رہو) اور طبعی اور شرعی ضرورت سے نکلنا پڑے تو یدنین علیھن من جلابیبھن (سر سے نیچی کرلیا کریں اپنے (چہرے کے) اوپر اپنی چادریں) تو عام عورتوں کو بے پردہ پھرنے کی اجازت کیسے ہوگی؟ جب بالغہ اور مراہقہ لڑکی کو جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں جانے کی اجازت نہیں تو کالج جانے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟ اور پھر ایسے لباس میں جو نہ پہننے کے برابر ہے کاسیات عاریات ممیلات مائلات الحدیث (یعنی) "بہت سی عورتیں ایسی ہیں جو بظاہر تو کپڑا پہنے ہوئے ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں ننگی ہوتی ہیں، دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے اور دوسروں کی طرف مائل ہونے میں بڑی مشاق ہوتی ہیں" آگے سزا کے طور پر فرمایا کہ ایسی عورتیں جنت ہی سے محروم نہیں بلکہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم ہیں، آج کل کالج لڑکیاں اس قدر تنگ اور چست لباس پہنتی ہیں جس سے ان کا اٹھنا بیٹھنا بھی مشکل ہوتا ہے، عضو کی شکل اور پورے نجسہ معلوم ہوتی ہے اس قسم کا کپڑا اور فیشنی لباس پہن کر غیر مردوں کے سامنے آنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من تأمل خلف امرأۃ ورأی ثیابھا حتی تبین لہ حجم عظامھا لم یرح رائحۃ الجنۃ. اقول مفادہ ان رؤیۃ الثوب بحیث لصف حجم العضو ممنوعۃ ولو کثیفا لا تری البشر منہ (یعنی) آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص کسی عورت کے پیچھے نظر ڈالے اور اس کے کپڑے اس طرح دیکھے کہ اس کی ہڈیوں کی ضخامت نظر آئے (یعنی بدن کا انداز نمایاں ہو) وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکے گا" اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ کپڑے کا اس طرح دیکھنا کہ عضو کی ضخامت (اور اس کا انداز) نمایاں ہو ممنوع ہے اگرچہ کپڑا ایسا گاڑھا ہو کہ اس سے بدن کی جلد نظر نہ آتی ہو (شامی ج ۵ ص ۳۲۱ کتاب الحظر والاباحۃ)

دنیوی تعلیم کی کلاس جاری کرنے کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۵۳) دنیاوی علوم گجراتی، انگریزی حاصل کرنے کے لئے اسکول قائم کرنا اور ہنر سکھلانے کی کلاس جاری کرنا جائز و کار خیر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایسے اسکول قائم کرنا جس میں بقدر ضرورت گجراتی، انگریزی وغیرہ دنیوی علوم وفنون سکھلائے جائیں اور صنعت وحرفت کے کلاس قائم کرنا جس سے حلال روزی حاصل کرنے میں مدد مل سکے، بلا شبہ جائز اور کار خیر وموجب اجر وثواب ہے لیکن دینی تعلیم کو اور دینی مدارس کی امداد کو مقدم سمجھا جائے۔

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ پہ جھولو
بس ایک سخن بندۂ ناچیز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

(مرحوم اکبر الٰہ آبادی)

دینی تعلیم سے اعراض کر کے اور دینی مدارس کو نازک حالت میں چھوڑ کر دنیوی تعلیم میں منہمک ہو جانا اچھا کام نہیں ہے، خدائے پاک کو ناراض کرنے کے مرادف ہے۔ قرآن شریف میں ہے:۔ **بل تؤثرون الحیواۃ الدنیا والاخرۃ خیر وابقی .** (یعنی) بلکہ تم دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ (دنیا کے مقابلہ میں) آخرت اچھی اور سدا باقی رہنے والی ہے (سورۂ اعلیٰ)

اولاً بچوں کو قرآن پاک کی صحیح اور باقاعدہ تعلیم دی جائے، شرعی احکام اور ضروریات دین سے مناسب طریق سے واقف کیا جائے، ان کے قلوب میں اسلام کا ایک ایسا نقش جمایا جائے جس سے اسلامی جذبات اور ایمانی احساسات پختہ اور پائیدار ہوں تاکہ ان کو کوئی قوت سرد نہ کر سکے اور عملی حالت کو کوئی طاقت نہ بدل سکے۔ اسکولوں اور کالجوں کی تعلیم بھی اسلامی اعمال، اسلامی خصوصیات، اسلامی کلچر کے برعکس اور مدمقابل ہے۔ اگر مسلمان بچے اسلامی تعلیم سے محروم یا کمزور رہیں گے تو اسکول وکالج کی زہر آلود تعلیم اور مخالف ماحول اور سوسائٹی ان پر ضرور اثر انداز ہوگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلامی عقائد اور اسلامی خصوصیات سے متنفر اور معاذ اللہ بددین بن جائیں گے اس لئے اگر دین عزیز ہو تو اس میں پختہ اور مضبوط بنے، چاہے دنیوی نقصان ہوتا ہو، اولاد اور قوم کی صحیح خیر خواہی اسی میں ہے کہ ان کے دین کی درستگی اور آخرت کی خیر و خوبی کی فکر دنیوی فکر سے زیادہ رکھے" مجالس الابرار" میں ہے کہ" آدمی کا دوست وہ ہے جو اس کی آخرت کی درستگی میں کوشش کرے اگرچہ اس میں اس کی دنیا کا نقصان ہو اور اس کا دشمن وہ ہے جو اس کی آخرت کے نقصان میں کوشش کرے اگرچہ اس میں اس کی دنیا کا فائدہ ہو"(م۸۵ص۵۰۰)

بچوں کے سرپرستوں کا فرض ہے کہ بچوں کا دین درست رکھنے کی فکر بہ نسبت دنیوی درستگی کے زیادہ رکھیں، والدین پر بڑی ذمہ داری ہے، قرآن حکیم کا فرمان ہے۔" **یایھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا** (ترجمہ) اے ایمان والو تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو آگ (جہنم) سے بچاؤ (سورۂ تحریم پارہ ۲۸) اگر اس میں کوتاہی کرو گے تو خدا کے یہاں باز پرس ہوگی۔ فرمان نبوی ﷺ ہے **الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ** (ترجمہ) یاد رکھو۔ تم میں سے ہر شخص نگران اور ذمہ دار ہے، ہر شخص سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ (بخاری و مسلم)

ایک حدیث میں ہے **کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم .** (ترجمہ) ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے لیکن ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی مجوسی بنا دیتے ہیں مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر ص۲۱۔"

ایک عبرت ناک سبق آموز قصہ حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی تحریر فرماتے ہیں کہ گوالیار کی حکایت سنی ہے کہ ایک صاحب نے اپنے لڑکے کو بچپن ہی سے انگریزی میں ڈال دیا تھا اور اس کی تعلیم پر بہت روپے خرچ کئے تھے، لندن بھی پاس کرنے کے لئے بھیجا تھا وہاں سے آ کر وہ بیمار ہوا اور مرنے لگا تو ابا جان اس کے سرہانے بیٹھ کر رونے لگے کہ ہائے بیٹا! میں نے تو تیری تعلیم پر بیس پچیس ہزار روپے خرچ کئے تھے، میں نے اپنی محنت کا پھل بھی نہ دیکھا لڑکے نے آنکھیں کھول دیں اور کہا ابا جان! اب کیا روتے ہو، جب مجھ کو آخرت میں جہنم میں جلتا ہوا دیکھو گے اس وقت روؤ گے، کیونکہ آپ نے یہ بیس پچیس ہزار روپے خرچ کر کے مجھے جہنم میں جھونکنے کا انتظام کیا ہے، تم نے اس رقم سے میرے واسطے دوزخ خریدی ہے، کیونکہ مجھے تم نے دین کی تعلیم سے کورا رکھا، اس وقت میں دیکھتا ہوں کہ میرا

مارا لکھاپڑھا بیکار ہے، موت کے فرشتے آنے والے ہیں تم نے اتنی بڑی رقم میرے اوپر خرچ کر کے میرے ساتھ دوستی نہیں کی بلکہ سراسر دشمنی کی ہے۔ (وعظ الھدیٰ والمغفرہ ص ۳۳)

یہ ہے دنیوی تعلیم میں مشغول رہ کر دینی تعلیم سے محروم رہنے کا انجام! اسی لئے مولانا گیلانیؒ فرماتے ہیں کہ ''گو معاشی نقطہ نظر سے جدید تعلیم گاہوں کے پڑھنے والوں کی حالت بظاہر بہتر ہی کیوں نہ نظر آتی ہو لیکن دین کے متعلق ان کی کافی تعداد نے اپنے طرز عمل سے خود یہ ثابت کر کے دکھایا کہ اسلام کے لئے ان کا عدم ان کے وجود سے بہتر تھا جس قسم کے شکوک وشبہات کی چنگاریاں عام مسلمانوں میں ان کی طرف سے اڑائی گئیں، اسلامی عقائد و اسلامی اعمال کی تحقیر وتوہین کے سلسلہ میں جن ناگفتنیوں اور جن ناکردنیوں کے وہ مرتکب ہوئے، خود انہیں نے ان و اسی فیصلہ کا مستحق بنادیا کہ اسلام کے ان کپوت فرزندوں کی نیستی ان کی ہستی سے یقیناً بہتر تھی۔'' (ماہنامہ الفرقان افادات گیلانی نمبر ص ۱۸۸) یہ ہے اسلامی تعلیم سے لا ابالی اور بے پرواہی برتنے کا افسوسناک انجام!!

گجرات کے بڑے بزرگ، رنگون کے خطیب اور مفتی مولانا عبدالحیٔ کھلیتوی سورتیؒ پچاس برس پہلے قوم کے سامنے ڈنکے کی چوٹ گواہی دے گئے ہیں کہ ''البتہ اس تعلیم نے اکثر مسلمانوں میں اس قدر تو ضرور اثر کیا ہے کہ پابندئ شریعت کا ان کے پاس جو قابل قدر جوہر تھا وہ ان کے ہاتھوں سے ضائع ہوگیا، نہ ان کے دل میں ایمان کی حرارت باقی رہی نہ ان کے چہروں پر کوئی اسلام کی علامت (داڑھی) موجود، مسلمانوں کو اتفاق کے لئے ہدایت کرتے ہیں اور خود مسلمانوں سے صورت اور لباس میں مخالفت کرتے جاتے ہیں۔ (نسیم الصباص ۳)

اور مرحوم علامہ اقبال ایک نظم میں جس کا عنوان ''فردوس میں ایک مکالمہ'' ہے اپنے خیال کو اس طرح ظاہر فرماتے ہیں۔

ہاتف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں اک روز
حالی سے مخاطب ہوئے یوں سعدی شیراز
کچھ کیفیت مسلم ہندی تو بیاں کر
درماندۂ منزل ہے کہ مصروف تگ وتاز
مذہب کی حرارت بھی ہے کچھ اس کی رگوں میں
تھی جس کی فلک سوز کبھی گرمی آواز
باتوں سے ہوا شیخ کی حالی متاثر
رو رو کے لگا کہنے کہ اے صاحب اعجاز
آیا ہے مگر اس سے عقیدہ میں تزلزل
دنیا تو ملی طائر دیں کر گیا پرواز
دین ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی
فطرت ہے جوانوں کی زمین گیر و زمیں تاز
بنیاد لرز جائے جو دیوار چمن کی

ظاہر ہے کہ انجام گلستاں کی ہے آغاز
پانی نہ ملا زمزم ملت سے جو اس کو
پید اہیں نئی پود میں الحاد کے انداز
ذکر حضور شہ یثرب میں نہ کرنا
سمجھیں نہ کہیں ہند کے مسلم مجھے غماز
خرما نتواں یافت ازاں خار کہ کشتیم
دیبا نتوان بافت ازاں پشم کہ رشتیم

اس سے ثابت ہو کہ خرابی کی اصل وجہ دینی تعلیمات سے بالکل محرومی یا اس میں کمزوری ہے، لہذا جس طرح مسموم ہوا کے ضرر سے بچنے کے لئے ہیضہ کا انجکشن لیا جاتا ہے اسی طرح دنیوی تعلیم کے ساتھ علم دین کی بھی اشد ضرورت ہے، لہذا سب سے پہلے اس کا انتظام ہونا چاہئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ”انتظام تو مسلمانوں میں ہے نہیں، اگر دینیات پڑھ کر ضرورت کے لئے انگریزی تعلیم ہو تب اندیشہ عقائد خراب ہونے کا بہت کم ہوتا ہے اور جب اپنے مذہب کے عقائد کی خبر نہیں ہوتی تو اکثر بگاڑ ہی ہو جاتا ہے۔(ملفوظات جلد ۵ ملفوظ ص ۴۳۶)

لہذا دور حاضر میں بہ نسبت دنیوی تعلیم کے علم دین کی زیادہ فکر ہونی چاہئے، دنیوی تعلیم کے اسکول قائم کرنے والے اور صنعت وحرفت کے کلاسیں چلانے والے بہت ہیں، گورنمنٹ خود حمایت کرتی ہے، البتہ یہ ہمارے کمزور مذہبی ادارے (جو فی الحقیقت حفاظت اسلام کے قلعے ہیں) بہت ضروری ہے کہ ان کو مضبوط کیا جائے، ان کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ محلہ محلہ گلی۔ گلی اور ہر مسجد میں دینی تعلیم کے مکتب ہونے ضروری ہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ”اس میں تو ذرا بھی شبہ نہیں کہ اس وقت مدارس علوم دینیہ کا وجود مسلمانوں کے لئے ایک ایسی بڑی نعمت ہے کہ اس سے فوق (بڑھ کر) متصور نہیں، دنیا میں اگر اس وقت اسلام کے بقا کی کوئی صورت ہے تو یہ مدارس ہیں۔ (حقوق العلم ص ۵۱)

حضرت مولانا گیلانیؒ فرماتے ہیں کہ ”سچ تو یہ ہے کہ مسلمان باپوں اور مسلمان ماؤں کے بچوں کو ان کی گود سے چھین چھین کر عصری جامعات اور یونیورسٹیوں میں داخل کر کے طغیان وسرکشی الحاد وارتداد کے کافرانہ جراثیم ان کے دل ودماغ میں ایک طرف جہاں پرورش کرنے والے کر رہے تھے تو دوسری طرف ان کے مقابلے میں ہمارے یہی کہفی (۱) مدارس تھے جنہوں نے مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کے ایک طبقہ کو خواہ ان کی تعداد جتنی بھی کم ہے، اعتقادی و اخلاقی گندگیوں سے پاک رکھنے کی کامیاب کوشش کی (ماہنامہ الفرقان افادات گیلانی نمبر ص ۱۸۸)۔

لہذا ایسے دینی مدارس کے باقی رکھنے، ان کو مضبوط بناتے اور ان کی تعداد بڑھانے کے لئے مالی قربانی میں سبقت کرنے کی ضرورت ہے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ارشاد فرماتے ہیں:۔

(ترجمہ): سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ شریعت کی اشاعت اور اس کے احکام میں سے کسی حکم کو زندہ کرنے

---

(۱) بظاہر کہف کی طرف نسبت ہے اور طلباء، علماء کو اصحاب کہف کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ مولانا کی مخصوص اصطلاح ہے۔

میں کوشش کرے، بالخصوص ایسے زمانے میں جب کہ شعار دین مٹ گئے ہوں، کروڑوں روپے راہ خداوندی میں خرچ کرنا ایک مسئلہ کی اشاعت کے مثل نہیں، ان اموال کے خرچ کرنے میں جو تائید شریعت اور تبلیغ مذہب کے لئے ہیں بہت بڑا درجہ ہے اور اس نیت سے ایک پیسہ خرچ کرنا دوسری نیت سے لاکھ روپے خرچ کرنے کے مثل ہے۔ (مکتوب امام ربانی ج ۱ ص ۶۷۔۶۶ مکتوب نمبر ۴۸) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

علمائے حق کو برا بھلا کہنا کیسا ہے؟:

(سوال ۵۴) جاہل پیر رسمی واعظین اور مولوی حضرات نے ماہ محرم ربیع الاول اور ربیع الآخر میں علمائے حق و بدنام کرنے اور ان سے عوام کو بدظن کرنے کے لئے وعظ وتقاریر اور مجالس میلاد کا سلسلہ جاری کر دیا ہے جن کے ذریعہ مسلمانوں میں عملی خرابی اور اعتقادی گمراہی کی اشاعت کر رہے ہیں۔ انجام کار عوام کے عقائد فاسدہ کو تقویت ملتی ہے اور وہ علمائے حق سے دور رہتے ہیں۔ اس بنا پر علمائے دیوبند کے ساتھ ربط وضبط رکھنے والے خوش عقیدہ حضرات ان مذکورہ مہینوں میں بھی دیوبندی خیالات کے علماء کو وعظ کے لئے دعوت دے کر وعظ کراتے ہیں جس کی وجہ سے عوام کے عقائد درست ہو رہے ہیں اور علماء کے بارے میں جو بدظنی و بدگمانی پھیلی ہے اس کا ازالہ ہو رہا ہے۔ اب جہاں دیکھئے دیوبندی علماء کے وعظ اور مجلس میں بڑے بڑے ذوق وشوق سے شرکت فرماتے ہیں اور فیضیاب ہو رہے ہیں۔ لیکن بعضوں کا کہنا ہے کہ ان مہینوں میں تقریر و وعظ کرنا کرانا ہی بدعت ہے اور اپنے اسلاف واکابر کے مسلک کے خلاف ہے۔ دیوبندی علماء سفرخرچ لیتے ہیں، ٹیکسی میں بیٹھ کر جاتے ہیں، بعض عالم ہدیہ قبول کرتے ہیں، یہ سب نادرست ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ شرعی حکم اس بارے میں کیا ہے؟ بالتفصیل تحریر فرمائیں۔ فجزاک اللہ فی الدارین خیرا لجزاء۔

(الجواب) اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ماہ ربیع الاول اسلام میں بڑا با برکت مہینہ ہے کہ اس مہینہ میں آقائے نامدار سرکار مدینہ حضرت رسول مقبول ﷺ تشریف لائے جو منبع انوار اور فیوض و برکات کا سرچشمہ اور مرکز ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں:۔

لھذا الشھر فی الاسلام فضل ومنقبۃ تفوق علی الشھور. ربیع فی ربیع فی ربیع. ونور فوق نور فوق نورا (اس ماہ کی اسلام میں فضیلت ہے اور اس کی ایک فضیلت ایسی جو سب مہینوں پر سبقت لی جاتی ہے۔ ایک بہار ہے موسم بہار میں بہار کے وقت (صبح کے سہانے وقت میں) نور بالائے نور بالائے نور)

اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت کا صحیح بیان (خواہ ربیع الاول میں ہو یا دوسرے مہینہ میں!) ثواب دارین اور فلاح دین کا موجب ہے جنہوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ دیوبندی علماء ولادت شریفہ کے بیان کے منکر ہیں یہ صریح کذب اور بالکل غلط ہے۔ (سبحانک ھذا بہتان عظیم)

ہمارے اسلاف واکابر علمائے دیوبند نے تصریح کی ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت شریفہ کا بیان کسی ماہ میں کسی دن بھی ہو مندوب ومستحب اور خیر و برکت کا باعث ہے جیسا کہ:۔

(۱) حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفس ذکر ولادت کو کوئی منع نہیں

کرتا۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ا ص ۷۰ مطبع ہندوستان پرنٹنگ ورکس دہلی)
نفس ولادت مندوب ہے اس میں کراہت قیود کے سبب آئی ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ا ص ۱۰۹)
(۲) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نفس ذکر میلاد فخر عالم علیہ السلام کو کوئی منع نہیں کرتا بلکہ ذکر ولادت آپ کا مثل ذکر دیگر سیر وحالات کے مندوب ہے۔ (براہین قاطعہ ص ۴)
(۳) حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایسا کون مسلمان ہوگا جو حضور ﷺ کے وجود باجود پر خوش نہ ہو یا شکر نہ کرے پس ہم پر یہ خالص تہمت اور محض افتراء اور نرا بہتان ہے کہ (توبہ توبہ نعوذ باللہ) ہم لوگ حضور ﷺ کے ذکر شریف یا اس پر خوش ہونے سے روکتے ہیں۔ حاشا وکلا، حضور ﷺ کا ذکر تو ہمارا جزو ایمان ہے۔ (وعظ السرور ص ۸۲)
(۴) حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:۔
" اللہ علیم وخبیر شاہد ہے کہ ہمارے نزدیک آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت کا ذکر پاک دوسرے اذکار حسنہ کی طرح موجب رحمت اور باعث برکت ہے بلکہ حضور ﷺ کے بول وبراز بلکہ آپ کی سواری کے گدھے کے پسینہ وپیشاب کا ذکر بھی بلاشبہ باعث ثواب ہے۔ (سیف یمانی برفرقہ رضاخانی ص ۱۶۔۱۷)
البتہ میلاد کی رسمی مجالس کو ہمارے بزرگوں نے بدعت لکھا ہے۔ جن کی خصوصیات یہ ہیں:۔
(۱) چند لوگوں کا حلقہ بنا کر آواز ملا کر خوش الحانی سے گانا۔
(۲) تداعی:۔ ایک دوسرے کو بلانے کا اور اجتماع کا اہتمام اس قدر رہتا ہے کہ اتنا فرض نماز و جماعت کا بھی نہیں کیا جاتا۔
(۳) قیام۔ اس عمل کو بطور عقیدہ ضروری قرار دیا جاتا ہے۔
(۴) میلاد کی ایسی مجلس ومحفل کے متعلق اہل بدعت کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ تشریف فرما ہوتے ہیں۔ لہذا ایک خاص وقت میں برائے تعظیم قیام کرتے ہیں اور آپ کو حاضر ناظر مانتے ہیں۔
(۵) ربیع الاول کی بارھویں تاریخ کو یہ عمل بطور عقیدہ واجب اور ضروری قرار دیا جاتا ہے اور اس کو اپنی نجات کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے اسی لئے یہ لوگ فرائض ونماز باجماعت کے پابند نہیں ہوتے۔ الا ماشاء اللہ!
(۶) مولود کے اس رواجی طریقہ کو ایک رکن عظیم اور شعار اہل سنت قرار دیا گیا ہے۔ جو لوگ اس کے پابند نہیں ہیں انہیں بدعقیدہ، وہابی، بدمذہب، خارج از اہل سنت بلکہ خارج از اسلام تک کہا جاتا ہے۔ فرض نماز قضا ہو تو ہو مگر رسم مولود قضا نہ ہو۔ نماز باجماعت چلی جائے تو پرواہ نہیں مگر میلاد یا قیام فوت نہ ہونے پائے۔
(۷) میلاد خواں اکثر وبیشتر بے علم وبے عمل فاسق ہوتے ہیں۔
(۸) من گھڑت روایتیں اور بے اصل واقعات اور قصص اور خلاف شرع امور سے ایسی مجلسیں خالی نہیں ہوتیں۔
(۹) شیرینی (مٹھائی) اس کے لئے ضروری ہے۔
(۱۰) روشنی وغیرہ میں فضول خرچی حد سے تجاوز کر جاتی ہے۔

(۱۱) مردوزن کا اختلاط وغیرہ وغیرہ۔

مذکورہ عملی واعتقادی خرابیوں کی وجہ سے ہمارے بزرگوں نے رسمی مجلس مولود کو بدعت فرمایا ہے۔ ان بزرگوں میں امام ابن الحاج (المتوفی ۷۳۷ھ) اور حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی (المتوفی ۱۰۳۴ھ) وغیرہ بھی شامل ہیں۔ ملاحظہ ہو کتاب المدخل ج ۱ ص ۱۵۷۔ مکتوبات امام ربانی ج ۳ ص ۱۲۰)

مگر عدم جواز کا یہ حکم عارضی ہے اصلی ودائمی نہیں ہے۔ جب یہ غلط پابندیاں اور برائیاں جن کی وجہ سے عدم جواز کا فتوی دیا گیا تھا۔ نہ رہیں تو یہ حکم باقی نہ رہے گا جیسا کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خاص ربیع الاول ہی میں آنحضرت ﷺ کی ولادت شریفہ کے متعلق بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

''حق تعالیٰ نے اس آیت کے جزء میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے حقوق اور برکات بیان فرمائے ہیں وجہ اس بیان کے اختیار کرنے کی اس وقت یہ کہ بعض محبین کی عادت ہے کہ وہ اس زمانہ (ربیع الاول) میں تذکرہ کیا کرتے ہیں حضور ﷺ کے فضائل کا، اور یہ بڑی خوبی کی بات ہے مگر اس کے ساتھ جو ان کو غلطی واقع ہوئی ہے اس کا رفع کرنا بھی ضروری ہے۔ (ذکر الرسول ص ۲)

نیز فرماتے ہیں کہ چند سال سے میرا معمول ہے کہ ماہ ربیع الاول کے شروع میں ایک وعظ اس ماہ میں افراط وتفریط کرنے والوں کی اصلاح کے متعلق کہا کرتا ہوں اور اس میں طبعاً واستطراداً فوائد علمیہ ونکات وحقائق کا بیان بھی آجاتا ہے۔

آج بارہ ربیع الاول ہے۔ اسی تاریخ میں لوگ افراط تفریط کرتے ہیں۔ اسی تاریخ کا بالتخصیص ارادہ نہیں کیا گیا اور نہ نعوذ باللہ اس تاریخ سے ضد ہے بلکہ الحمد للہ ہم اس میں برکت کے قائل ہیں...... پس تاریخ اگرچہ بابرکت ہے اور حضور ﷺ کا ذکر شریف اس میں باعث مزید برکت کا ہے۔ لیکن چونکہ تخصیص اس کی اور اس میں اس ذکر کا التزام کرنا بدعت ہے اس لئے اس تاریخ کی تخصیص کو ترک کردیں گے۔ (واعظ السرور ص ۲)

حضرت حکیم الامت نے ماہ ربیع الاول میں بہت سے وعظ فرمائے ہیں'' الظہور'' نامی وعظ اسی ماہ میں فرمایا اور اس ماہ میں وعظ نہ کہنے کے معتقدین کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ:۔

'' یہ ماہ ہے ربیع الاول شریف کا اور اس میں یہ مضمون بیان کررہا ہوں تو شاید پڑھے لکھے لوگوں میں شبہ ہو کہ ہم میں اور اہل بدعت میں کیا فرق رہا؟ وہ بھی بیان کے لئے اس ماہ کی تخصیص کرتے ہیں اور تم نے بھی کی! تو بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں کوئی تخصیص نہیں تخصیص کیسے؟ یہاں تو کوئی بیان اور کوئی وعظ اس سے خالی نہیں جاتا کہ آپ کی تشریف آوری کی حکمتیں اور غایات اور اسرار ومقاصد کہ ماحصل ان کا اتباع کامل ہے اس میں بیان نہ ہوں۔ لیکن اب بھی شاید کسی کو شبہ ہو کہ اور زمانوں میں تو اس خاص اہتمام کے ساتھ اس کا بیان نہیں ہوا اور اس طرح خاص اسی ماہ میں کیوں کیا گیا۔ تو اس لئے عرض ہے کہ ہم نے اس ماہ کو اس ذکر کے لئے '' من حیث انہ زمان الولادۃ '' مخصوص نہیں کیا۔ '' بل من حیث انہ یذکر فیہ اھل البدعۃ ذکر الولادۃ ولا یحترزون عن البدعات'' (یعنی اس وجہ سے تخصیص اس ماہ کی نہیں کی گئی کہ اس ماہ میں ولادت شریفہ ہوئی ہے اس لئے کہ شریعت میں تو اس کا پتہ نہیں بلکہ اس وجہ سے یہ تخصیص کی ہے کہ اہل بدعت اس ماہ میں ذکر ولادت شریفہ کی مجالس کیا کرتے ہیں اور ان میں بدعات سے

نہیں بیچتے۔۱۲ جامع) جیسے حکیم صاحب اسی وقت دوا دیں گے جب دورہ ہو۔ (الیٰ) پس درد اور مرض جب دیکھا جاتا ہے جب ہی دوا دی جاتی ہے اور وہ مرض اسی ماہ میں شروع ہوتا ہے اسی لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کا معالجہ اور اصلاح کی جائے۔'' (وعظ الظہور ص ۴۸)

النور نامی وعظ بھی ربیع الاول میں ہوا جس میں حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں:۔

''.....مگر قبل اس کے کہ اس کے متعلق کچھ بیان کیا جاوے اس سوال کا جواب دیتا ہوں کہ اس وقت (آداب متعلقہ ذکر نبوی ﷺ) بیان کرنے کی کیا ضرورت ہوئی تو اول تو یہ سوال ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ حضور ﷺ کا ذکر مبارک ایسا نہیں کہ اس پر یہ سوال ہو سکے مگر یہ سوال ہمارے کم سمجھ مدعیان محبت اخوان کی بدولت پیدا ہوا ہے اور وہ وہ لوگ ہیں جو آج کل مولود میں تخصیصات کے پابند ہیں۔ سوان حضرات نے حضور ﷺ کے ذکر کو خاص ازمنہ کے ساتھ مختص کر دیا ہے، جیسے بعض مدعیان محبت حضرت حسینؓ نے ذکر حضرت حسینؓ کو محرم کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔ ایسا ہی ان مدعیان محبت نے حضور ﷺ کے ذکر مبارک کو ربیع الاول کے ساتھ خاص کر دیا ہے اور عجب نہیں کہ میرے اس وقت کے اس بیان سے کسی کے ذہن میں یہ بات آئی ہو کہ یہ بیان بھی شاید اس وجہ سے ہو رہا ہے کہ یہ مہینہ اس بیان کا ہے اور اس کے ذہن میں آنے سے دو قسم کے لوگوں کو دو تعجب پیدا ہوئے ہیں۔ ''منہمکین فی التخصیصات'' کو تو یہ تعجب ہے کہ یہ لوگ اس تخصیص پر کلام کرتے ہیں پھر خود اس کا ارتکاب کرنے کی کیا وجہ؟ کیا ان لوگوں کے قول وعمل مطابق نہیں ہوتے؟ اور مانعین تخصیصات'' کو یہ تعجب کہ اس نے محققین کا مسلک کیوں چھوڑا؟ بہر حال چونکہ ایک خاص جماعت نے ذکر رسول ﷺ کو خاص کر دیا ہے خاص اوقات کے ساتھ! اسی لئے اس وقت میرے اس بیان پر سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ ورنہ یہ سوال بالکل لایعنی تھا الخ۔ (وعظ النور ص ۴۰۳)

اور بعض خیر خواہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں بحث ومباحثہ کرنے سے عوام میں بدنامی ہوتی ہے۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ ایسے) بدنامی کے ڈر سے کب تک خاموش رہیں گے؟ اسی خاموشی کی وجہ سے تو منکرات بڑھ رہے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ذکر شہادت اور ذکر ولادت باسعادت جب صحیح روایات اور جائز طریقہ سے ہو، تداعی واجتماع غیر معمولی اہتمام نہ ہو اور ضروری نہ سمجھا جائے تو محرم اور ربیع الاول میں بھی جائز ہے بشرطیکہ اہل بدعت کی مجالس کی طرح نہ ہو اور واعظین ومقررین محتاط علماء ہوں! یہ حکم میلاد وشہادت کی مجالس کا تھا۔ لیکن سوال میں جن مجالس کا حکم دریافت کیا ہے وہ مجالس وعظ ہیں۔ شہادت ومیلاد کی مجلس علیحدہ چیز ہے اور مجلس وعظ الگ! دونوں میں بڑا فرق ہے۔ مجلس میلاد وشہادت سے اہل بدعت کی غرض وغایت تاریخ اور دن منانا اور یادگار تازہ کرنا ہے اور اس میں از اول سے انتہا تک ولادت، حسب نسب، صغر سنی، رضاعت، معجزات، ہجرت، جنگ وجہاد، شہادت ووفات کا بالترتیب بیان مقصود ہوتا ہے اور ہر سال اسی کا اعادہ کرتے ہیں اور قیام مجلس میلاد کا جزو لاینفک ہوتا ہے۔ احکام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مقصود نہیں ہوتے۔ بلکہ ان سے روکا جاتا ہے۔

اس کے برعکس ہمارے وعظ کی مجلس میں دن اور یادگار منانا مقصود نہیں، اس میں رسمی قیام نہیں ہوتا اسی طرح بیان کی نہ وہ ترتیب ہوتی ہے نہ وہ طرز ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں احکام دین امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق شرعی قوانین وسنت کی اتباع اور بدعت کی مذمت اور بری رسموں کی تردید اور اہل بدع کے اعتراضات والزامات کے

مناسب جوابات اور صحیح طریق کی تعلیم اور تبلیغ ہوتی ہے اور واقعات وفضائل تمہیداً وضمناً بیان کئے جاتے ہیں، جیسا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:۔

''اصل میں اجتماع وعظ اور احکام سننے کے لئے ہوا اور اس میں یہ مبارک واقعہ اور فضائل کا بیان بھی آ گیا۔ یہ وہ صورت ہے جو بلانکیر جائز ہے بلکہ مستحب اور سنت ہے۔'' (اصلاح الرسوم ص ۸۴)

وعظ کی مجلس کے لئے تداعی نیز اجتماع کا اہتمام اور اشتہار منع نہیں بلکہ مستحسن اور مطلوب ہے۔ معترض کے قول کے مطابق بیان کرنے والے اچھے دیوبندی علماء ہوتے ہیں، گجرات میں حضرت الحاج مولانا احمد رضا صاحب اجمیری دامت برکاتہم شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ راندیر ومہتمم، مولانا احمد اشرف صاحب اور مولانا احمد اللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ حسینیہ راندیر، ومہتمم مدرسہ جامعہ مولانا محمد سعید صاحب اور مولانا عبدالجبار صاحب شیخ الحدیث مدرسہ آنند وغیرہ نیز بمبئی میں مولانا ابوالوفا صاحب اور مولانا محمد قاسم صاحب شاہجہانپوری دامت برکاتہم وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام علماء کرام بدعات کا قلع قمع کرنے والے اور مسنون طریقہ کو رواج دینے والے ہیں۔ پس ان کے وعظوں کی مجالس کو بدعت ٹھہرانا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: ''محققین کی عادت ہے کہ وہ ایک ہی فتویٰ سب کو نہیں دیتے۔ اس لئے طبیب سے جب حلوہ کھانے کی نسبت پوچھا جائے تو اس کو پوچھنا چاہئے کہ حلوہ کون کھائے گا؟ اگر معلوم ہو کہ مریض کھائے گا تو ناجائز کہہ دے اگر معلوم ہو کہ تندرست کھائے گا تو جائز کہہ دے۔ اب یہ ممانعت مریض کی سن کر اگر کوئی کہے کہ یہ تو حلوہ کے منکر ہیں تو کیسی بیوقوفی ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک نوعمر مولوی نے پوچھا کہ قبروں سے فیض حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟ مولانا نے فرمایا۔ کون فیض لینا چاہتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں۔ فرمایا کہ نہیں ہوتا تو یہ ہے محققین کی شان (رسالہ نفی الحرج ص ۳۱)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی فرماتے ہیں۔ باقی آپ کا یہ ارشاد کہ اہل سنت میں سے کچھ عالم ذکر شہادتین کو جائز سمجھتے ہیں اور اس کے موافق ذکر شہادتین بروز عاشوراء کیا کرتے ہیں۔ اور بعض علماء جائز نہیں سمجھتے اور اس بنا پر اس ذکر کو منع کرتے ہیں۔ سو اگر یہ سچ ہے تو بیجا نہیں۔ اول ایک مثال عرض کرتا ہوں پھر اصل مطلب پر آتا ہوں۔ ایک ایک دوا اور ایک ایک غذا میں کئی کئی تاثیریں ہوتی ہیں اور اسی وجہ سے کسی مرض میں مفید اور کسی مرض میں مضر ہوتی ہیں۔ سو اس بنا پر کسی مریض کو کوئی طبیب اس دوا کو بتلاتا ہے اور کسی مریض کو کوئی طبیب منع کرتا ہے۔ ظاہر میں اس کو اختلاف سمجھتے ہیں اور اہل فہم اس کو اختلاف رائے نہیں سمجھتے بلکہ اختلاف مرض اور اختلاف موقع استعمال سمجھتے ہیں۔ جب یہ بات ذہن نشین ہوئی تو سنئے جو عالم ذکر شہادتین کرتے ہیں یا انہوں نے کیا ہے ان کی غرض یہ ہے کہ سامعین کو یہ معلوم ہو جائے کہ دین میں جانبازی اور جاں نثاری اور پختگی اور ثبات واستقامت چاہئے۔ تقیہ اور نامردہ پن نہ چاہئے۔

حضرت امام علیہ السلام نے نہ جان و مال کا لحاظ کیا نہ زن وفرزند کا خیال کیا۔ نہ بھوک وپیاس کا دھیان کیا نہ اپنی بے کسی و بے سروسامانی کا لحاظ کیا۔ جان نازنین پر راہ خدا میں کھیل گئے اور خویش واقربا اور احباب کو قتل کرا دیا پر دین کو بٹہ نہ لگنے دیا۔ اور جو صاحب منع فرماتے ہیں وہ اس وجہ سے منع فرماتے ہیں کہ حضرات شیعہ کی روز کی شکوہ

وشکایت ونالہ وفریاد بے بنیاد سے اکثر عوام کے کان بھرے ہوئے ہیں اور تمام روایات صحیحہ اور سقیمہ کا ان کو سلیقہ نہیں اور شکر رنجی باہمی انبیاء واولیاء کی ان کو خبر نہیں۔ قصہ ماحوشی اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ اور حضرت خضرؑ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعتراضات کہ جن سے قرآن شریف معمور ہے ان کو اطلاع نہیں۔ اس لئے یہ اندیشہ ہے کہ بعجہ کم فہمی ایسے لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جن کی مدح سے قرآن مالا مال ہے اور ان کی مغفرت اور عالی مراتب ہونے پر اور خدا کے ان سے راضی ہونے پر شاید بظن ہو کر اپنی عاقبت نہ خراب کر بیٹھیں۔ کیونکہ خدا کے دوستوں سے دشمنی ہوئی تو پھر خدا سے پہلے ہوگی۔ بالجملہ یہ اختلافات علماء کہ ایک ذکر شہادتین کو روا رکھتا ہے اور ایک ناجائز سمجھتا ہے اختلاف رائے نہیں! جو آپ یوں پوچھیں کہ تو کس کی طرف ہے؟ اختلاف امراض کے باعث یہ اختلاف علاج و پرہیز ہے میں دونوں کے ساتھ ہوں اور دونوں کو حق سمجھتا ہوں۔ (فیوض قاسمیہ ص ۸۔۹)

محدث حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے پہلے زمانے میں عوام محتاج تھے اور نائبین رسالت محتاج الیہ! کہ جتنا بھی ان پر تشدد ہوتا وہ اس کا اثر لیتے، پریشان ہوتے اور توبہ ورجوع کیا کرتے تھے مگر اب تو وہ زمانہ ہے کہ خود طالب بن کر لگے لپٹے رہ۔ زاد کچھ کام اصلاح کا نکال لو تو نکال لو ورنہ عوام کو اصلاح کی پرواہ تو کیا حس بھی نہیں ہے پس اصلاح امت کے لئے اللہ اور رسول کی خوشی کی خاطر سب ہی رنگ بدلنے پڑیں گے کہ۔

"ایں ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دیگر"
"ہاں معصیت کا ارتکاب کسی حال جائز نہیں"
(کتاب تذکرۃ الخلیل پریس میرٹھ)

اس زمانہ میں ہر جگہ مجالس وعظ کے انعقاد کی خاص ضرورت ہے۔ لادینی حکومت ہے، دنیوی تعلیم میں زیادہ منہمک ہونے کی وجہ سے عوام اور خواص دینی تعلیم سے محروم ہو رہے ہیں نہ وہ مدرسہ کا قصد کرتے ہیں نہ کتابیں پڑھتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں س لئے عوام کے لئے اسلامی تعلیم سے واقفیت کے لئے وعظ ہی سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ دوسری طرف رضاخانی مولوی اہل حق کو بدنام اور ان کی تکفیر وتذلیل کرنے اور ان کے فیوض وبرکات سے عوام کو روکنے اور سنت کو مٹانے اور بدعت کو ترویج دینے کے سلسلہ میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ بالخصوص محرم، ربیع الاول ربیع الآخر میں ان ایمان کے لٹیروں (ڈاکوؤں) کو گمراہ کرنے کا اچھا موقع ملتا ہے۔ بھولے بھالے عوام ان کی رنگ آمیزی میں پھنس کر علمائے حق سے بدظن ہو جاتے ہیں اور ان علماء کے فیوض وبرکات سے جو درحقیقت وارث الانبیاء ہیں، محروم رہتے ہیں اور ان کی بدعقیدگی میں اور پختگی ہوتی ہے۔ آہ! اس طرح سے ان مبارک مہینوں کو جو نیکیوں کا موسم بہار ہو سکتے ہیں، خرابیوں اور برائیوں کا وبائی موسم بنا دیتے ہیں۔ بنابریں ضرورت اور اشد ضرورت ہے کہ دین وشریعت کے اطباء حاذق یعنی علمائے حق جس وقت اور جہاں ضرورت محسوس کریں فوراً پہنچ جائیں وعظ ونصیحت کریں اور عوام کو بدعت پرست واعظوں اور گمراہ کن مرثیہ خوانوں کے مکروفریب کے کمند (جال) میں پھنسنے سے بچائیں۔ یہ بروقت دین کی سب سے بڑی خدمت ہوگی۔ محرم، ربیع الاول میں لوگ بآسانی اور شوق سے جمع ہو جاتے ہیں اس کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ دارالعلوم دیوبند کے موجودہ دور کے مفتی اعظم سید مہدی حسن صاحب مدظلہٗ زمانہ قیام راندیر۔ سورت میں محرم اور ربیع الاول میں بعض تاریخوں میں وعظ فرماتے تھے۔ بارھویں ربیع الاول کو آپ نے بھی کئی بار وعظ فرمائے ہیں۔

فی الحال محرم و ربیع الاول میں علماء دیوبند الگ الگ دنوں میں تقریر کرتے ہیں کسی جگہ دس بارہ روز تک ہوتی ہے اور وہ بھی ایک ہی آدمی تقریر نہیں کرتا کسی نے دو دن، کسی نے چار دن، شاید ہی کسی نے پورے دس بارہ روز تقریر کی ہو، اگر پورے دس بارہ روز تقریر کریں جب بھی کوئی حرج نہیں یہ بدعت کے مقابلہ میں ہیں۔ اگر اہل بدعت پندرہ روز بیان کریں تو ہم بھی پندرہ روز بیان کریں۔ ماحصل یہ کہ جب تک سنت کی تردید ہوتی رہے گی بدعت کی تردید بھی ضروری ہوگی۔ تاہم اگر تشابہہ کا احتمال ہو تو ایک دو روز کم و بیش تقدیم و تاخیر کردی جائے۔

لکھنؤ میں قدح صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقابلہ میں مدح صحابہ کے اجلاس ہوئے اور جلوس نکلے اور دیوبندیوں کی طرف سے اعلان ہوا کہ جب تک قدح صحابہ کا سلسلہ جاری رہے گا مدح صحابہ کا سلسلہ بھی جاری رہے گا جس کی سرپرستی حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی اور مناظر اسلام حضرت مولانا عبدالشکور صاحب رحمہما اللہ فرما رہے تھے! کیا یہ بھی بدعت تھا اگر نہیں تھا تو اہل بدعت کے مقابلہ میں اہل سنت کے وعظوں کی مجالس کیوں کر بدعت ہوگئی؟ اس فرق کی وجہ کیا؟ البتہ محض یادگار منانے کے لئے اور رسماً ایصال ثواب کے ارادہ سے دسویں محرم اور بارھویں ربیع الاول اور گیارھویں ربیع الثانی وغیرہ کی تعیین و تخصیص کی جاتی ہو، جس طرح کہ تیجہ (سویم) چالیسواں یا برسی کی تقریبات ہوتی ہیں یہ بے شک ممنوع ہیں۔ ان میں شرکت بھی منع ہے۔ ہاں ان میں جو اعتقادی و عملی خرابیاں ہوتی ہیں ان کی اصلاح کی غرض سے کبھی کبھار کسی خاص موقع پر چلا جائے تو منع نہیں۔

شادی کے موقع پر رسمی وعظ ہوتے تھے وہ بھی بند ہوگئے تو ان کا مقام قوالی نے لے لیا ہے اگر ہم وعظ کہنا بند کردیں گے تو بدعت کا زور بڑھ جائے گا اور ہوسکتا ہے کہ بدعتی عالموں کی رسائی وہاں بھی ہوجائے جہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے کیونکہ اہل حق کے وعظ کی مجلسیں نہ ہوں گی تو عوام اہل بدعت کی طرف مائل ہوجائیں گے۔

لہذا یہ وعظ سودمند ہونے کے ساتھ ساتھ رفع ضرر کے لئے بھی مفید ہیں اور ان میں نقصان سے بچنے کا پہلو بھی غالب ہے۔ اگر مجلس وعظ میں کوئی شے قابل اعتراض ہو تو اس کی برائی واضح کردی جائے اور اصلاح کی فکر کی جائے۔ وعظ کی مجلس ہر طرح منکرات سے پاک ہونے کا انتظار نہ کیا جائے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جو کام خود شرعاً ضروری ہو تو اس کو ترک نہ کیا جائے اور اس میں جو خرابی ہو اس کی اصلاح کی فکر کی جائے۔

وروی عن الحسن انه حضر هو وابن سيرين جنازة وهناك نوح فانصرف ابن سيرين فذكر ذلك الحسن فقال انا كنا متى رأينا باطلا تركنا حقا اسرع ذلك في ديننا لم نرجع وانما لم ينصرف لان شهود الجنازة حق قد ندب اليه وامربه فلا يتركه لا جل معصية وغيره .

یعنی حضرت بصریؒ اور ابن سیرینؒ ایک جنازہ میں شریک ہوئے وہاں نوحہ کرنے والی عورتیں بھی تھیں۔ حضرت ابن سیرین واپس لوٹ گئے۔ حضرت حسن بصری سے یہ بات کہی گئی (کہ ابن سیرین واپس ہوگئے ہیں) تو آپ نے فرمایا۔ اگر یہ ہوا کہ جہاں ہم نے باطل کو دیکھا تو حق کو چھوڑ دیا (اور وہاں سے چلے آئے) تو یہ باطل بڑی تیزی اور پھرتی سے ہمارے دین میں پھیل جائے گا ہم تو واپس نہیں ہوں گے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ اس لئے واپس نہیں ہوئے کہ جنازہ میں شرکت کرنا تو حق بات ہے شریعت میں اس کی دعوت دی گئی ہے اور اس کی ہدایت کی گئی ہے تو اگر وہاں کوئی معصیت کرنے لگے تو اس کی وجہ سے حق کو اور فریضہ کو نہیں چھوڑا جائے گا۔ (احکام

القرآن ج ۳ص ۳۵۴)

رام پور میں ایک خوشی کے موقعہ پر حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ مدعو کئے گئے تھے۔ وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ دعوت کے مجمع میں بہت اہتمام ہے اور فخر و تفاخر کا رنگ ہے مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ واپس لوٹ گئے اور بقیہ دونوں حضرات شریک ہوئے اور فرمایا کہ ایسے موقع پر مولانا تھانویؒ تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور ہم فتویٰ۔ (لمعات الدین ص ۴۲)

واعظ سفر خرچ ضرورۃً لے سکتا ہے۔ اس کو ٹیکسی میں سفر کرنا بھی جائز ہے اگر اس کو بلایا جائے اور وہ اپنا مکان اور کاروبار چھوڑ کر سفر کرے اور اس میں اس کو حرج ہوتا ہو اور وہ حاجت مند بھی ہو تو اس کے لئے ہدایا لینے کی بھی گنجائش ہے۔ تاہم اپنے علماء میں استطاعت ہوتی ہے تو بچتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی واعظ کسی وجہ سے بھی لینے کے لئے مجبور ہو تو اس کو عوام کے سامنے بدنام کرنا اور عوام کو اس طرف وقتاً فوقتاً متوجہ کرنا ایک نہایت ہی خلاف شان اور ذلیل حرکت ہے اور علماء کے اعزاز و اکرام کو گھٹانا ہے۔ اگر کسی سے کچھ لغزش ہوگئی تو اس کی اصلاح کا طریقہ یہ نہیں ہے۔ ایک بار مجمع میں حضرت فضیلؒ سے شکایت ہوئی کہ حضرت سفیان بن عیینہؒ نے شاہی تحفہ قبول کیا۔ شیخ نے مجمع میں یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ " جی نہیں " سفیان نے اپنا حق وصول کیا ہوگا! اور وہ بھی ناقص!! پھر خلوت میں حضرت سفیان کو قریب بٹھا کر نہایت نرمی سے نصیحتاً فرمایا کہ اے ابوعلی ہم اور تم اگر چہ بزرگ نہیں لیکن ان کے محبوب اور صحبت یافتہ ضرور ہیں (مطلب یہ کہ ہم کیونکہ اس گروہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ لہذا ہم کو ایسے فعل سے بچنا چاہئے جس کو لوگ دلیل بنالیں اور اس کے حوالہ سے بزرگوں کے نام پر عیب لگادیں۔

وقال بعضهم للفضيل ان سفيان بن عينيه قبل جوائز السلطان فقال ما اخذ منهم الا دون حقه ثم خلى به وعاتبه بالرفق يا ابا علي ان لم نكن من الصالحين فانا نحب الصالحين الخ. (كتاب الاربعين امام غزالي ص ٣٧)

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارن پور فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں علماء کی طرف سے بدگمانی و بےتوجہی ہی نہیں بلکہ مقابلہ اور تحقیر کی صورتیں بالعموم اختیار کی جارہی ہیں۔ یہ امر دین کے لحاظ سے نہایت ہی سخت خطرناک ہے۔ (فضائل تبلیغ فصل نمبر ٦ ص ٢٦)۔

حضرت سعید بن مصعب تابعی فرماتے ہیں۔ شریف اور عالم آدمی میں کچھ نہ کچھ عیب تو ہوتا ہی ہے لیکن وہ حضرات جن کے عیوب کا تذکرہ مناسب نہیں ایسے لوگ ہیں جن کے فضائل اور نیکیاں ان کی برائیوں اور عیوب کے مقابلہ میں زیادہ ہوں ان کی خرابیوں کو ان کی بعض خوبیوں اور قابلیتوں کی وجہ سے قبول کرلو۔ (صفوۃ الصفوۃ)

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ سخی کے گناہ نیز عالم کی لغزش اور سلطان عادل کی ترشی و تیزی سے درگذر کرو۔ (کنز العمال ج ۲ص ۳۹۳) فقط واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم۔

وعظ کہنے کا کون حق دار ہے؟:

(سوال ۵۵) ہمارے اطراف اور دیہات میں برسہابرس سے محرم شریف کے وعظ کے لئے مولوی صاحب آتے

ہیں مگر کچھ اصلاح نہ ہوئی۔ سچ پوچھئے تو خود ان کا بھی اصلاح کا ارادہ وخواہش نہیں ان کو تو حلوہ مالیدہ سے کام ہے۔ قصہ کوئی کر کے عوام کو خوش کرتے ہیں اور بدیہ مقررہ لے جاتے ہیں۔ مسائل سے ناواقف ہیں۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ عالم نہیں، عربی وفارسی کی تعلیم لی نہیں، قرآن کا اردو ترجمہ دیکھ کر وعظ کہتے ہیں۔ لہذا عربی وفارسی داں سندی عالم کو وعظ کے لئے بلانے کا ہمارا ارادہ ہے۔ مگر پرانے خیال کے چند اشخاص رضامند نہیں ہوتے۔ لہذا صریح شرعی بیان سے نوازیں تو وہ لوگ کچھ ہم خیال ہوں۔

(الجواب) وعظ کے لئے پہلی شرط عالم ہونا ہے۔ **الامر بالمعروف یحتاج الی خمسة اشیاء اولها العلم لان الجاهل لا یحسن الامر بالمعروف.** (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۳) جو عالم نہ ہو اور عربی وفارسی کی تعلیم باقاعدہ حاصل نہ کی ہو، تفسیر قرآن اور اس کے اصول، علم حدیث اور علم فقہ اور اس کے اصول وقوانین سے واقف نہ ہو۔ وہ وعظ کہنے کا اہل نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہٗ اللہ (القول الجمیل) میں فرماتے ہیں:۔ **محدثا مفسرا عالما بجملة کافية من اخبار السلف الصالحین وسیر تهم.** یعنی وعظ کے لئے ضروری ہے کہ قرآن، حدیث، تفسیر کا اچھی طرح عالم و ماہر ہو اور سلف صالحین، تابعین، تبع تابعین، صحابہ کرام کے صحیح حالات اور سیرت کا علم رکھتا ہو، صحیح، ضعیف اور موضوع حدیث میں امتیاز کر سکتا ہو اور یہ سب علوم کامل استاد کے پاس سے سیکھے ہوں۔ اور فرماتے ہیں کہ وعظ گوئی کا عہدہ معمولی نہیں۔ خدا پاک نے اپنی رسول ﷺ کو فرمایا:۔ **فذکر انما انت مذکر** آپ ﷺ سمجھاتے رہئے آپ کا کام سمجھانا ہے۔ اور حضرت موسیٰؑ کو فرمایا۔ **وذکرهم بایام الله** !اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تذکیر اور وعظ دین کا بڑا اور عظیم الشان رکن ہے۔ دین کے معاملہ میں ہر کس کا اعتبار نہ کیا جائے۔ دین، احکام پہنچانے کا معمولی کام نہیں ہے۔ درمختار میں ہے۔ **التذکیر علی المنابر للوعظ والاتعاظ سنة الانبیاء والمرسلین وللریاسة والمال وقبول عامة من ضلالة الیهود والنصاری** (درمختار مع الشامی ج ۵ ص ۳۷۲) یعنی وعظ ونصیحت کے لئے منابر اور تخت پر برا جمان ہونا (تشریف رکھنا) تو انبیاء اور مرسلین کی سنت وطریقہ ہے۔ مگر ریاست و مال اور عزت وقبولیت عامہ اور ناموری کے لئے کرنا یہود اور نصاریٰ کی گمراہیوں میں سے ہے۔

حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ **ویحک کن عاقلا لا تزاحم القوم بجهلک بعد ما خرجت من الکتاب صعدت تتکلم علی الناس هذا امر یحتاج الی احکام الظاهر واحکام الباطن ثم الغنی عن الکل** یعنی تجھ پر افسوس۔ سمجھدار بن، اپنی جہالت لے کر حکمائے امت واعظین کی صف میں مت آ، تو مدرسہ سے نکلتے ہی (منبر پر) چڑھ بیٹھا کہ لگا لوگوں کو وعظ کہنے، اس (وعظ گوئی) کے لئے اول ضرورت ہے ظاہری اور باطنی مضبوطی کی (کہ اعمال وعقائد دونوں موافق شرع ہوں) اس کے بعد سب سے مستغنی ہونے کی۔ (فتح ربانی م ۹۵ ص ۴۲۸)

اور فرماتے ہیں۔ **اعمی کیف تداوی اعین الناس، اخرس کیف تعلم الناس، جاهل کیف تفیم الدین من لیس بحاجب کیف یقیم الناس الی باب الملک.** تو خود اندھا ہے پھر لوگوں کی آنکھوں کا

علاج کیونکر کرے گا۔ تو گونگا ہے پھر لوگوں کو تعلیم کس طرح دے گا اور جاہل ہے پھر دین کو کس طرح درست کر سکے گا۔ جو شخص دربان نہ ہو وہ لوگوں کو شاہی دروازہ تک کیونکر پیش کر سکتا ہے؟ (فتح ربانی م ۱۱ ص ۲۷۸)

نااہل واعظین کو قوم کی اصلاح کا کام سپرد کرنا، آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق قیامت کی علامت میں سے ایک علامت ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ "**اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة**" یعنی جب اہم امور نااہل کو سپرد کئے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو یعنی سمجھ لو کہ قیامت قریب ہے۔ (بخاری پ ا ج ا ص ۱۴)

اور جو اختیاری فعل علامات قیامت ہو وہ موجب گناہ ہے۔ قوم مریض ہے اور جہالت تمام امراض میں خطرناک مرض ہے اس کے علاج کے لئے حکیم حاذق اور لائق طبیب کی ضرورت ہے طبیب لائق نہ ہوگا تو مرض دور کرنے کے بجائے اور بڑھا دے گا۔ اور مریض کو ہلاکت کے قریب پہنچا دے گا اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے امت کو ہدایت و تعلیم دی کہ **استعینوا علی کل صنعة بصالح اهلها** ہر فن میں اس کے علم والے ماہر فن سے مدد لی جائے۔ (فتح ربانی م ۶۲ ص ۴۹۲)

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب تک لوگوں کے ساتھ کاملین کا علم رہے گا وہ دین میں ترقی کرتے رہیں گے اور جب ناقصوں اور ناواقفوں کا علم ہو گا تو برباد ہو جائیں گے۔ (جامع بیان العلم ج ا ص ۱۵۹)

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن امام ربیعہ کو بہت روتا آیا۔ وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ اس لئے رو رہا ہوں کہ دین کی باتیں جاہلوں سے پوچھی جارہی ہیں۔ اور یہی گمراہی کی علامت ہے۔ (الاعتصام ج ا ص ۱۳۹)

جو باقاعدہ وکالت اور بیرسٹری کا امتحان دے کر کامیاب نہ ہوا ہو یعنی جس نے وکالت اور بیرسٹری کی سند؍ ڈگری حاصل نہ کی ہو اس کو آپ وکیل اور بیرسٹر ماننے کے لئے تیار نہیں اور اس کو اپنا مقدمہ سپرد نہیں کرتے، اسی طرح جس نے باقاعدہ ڈاکٹری نصاب اور طبی کورس ختم نہ کیا ہو اس کو ڈاکٹر و حکیم نہیں مانتے اور اپنی اور اپنے بچوں کی جان کے متعلق ان کا اعتبار نہیں کرتے بلکہ نیم حکیم کو خطرۂ جان سمجھتے ہو پھر تعجب ہے کہ ایمان کے بارے میں "نیم ملا" اور نام کے مولویوں کو خطرۂ ایمان کیوں نہیں سمجھتے؟ یہاں صرف سبق آموزی کے لئے تین مشہور واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔ جن سے معلوم ہو جائے گا کہ ناواقفیت اور نیم ملائی کتنی خطرناک ہے۔

(۱) علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک "نیم ملا" نے آیت کریمہ **یوم ندعوا کل اناس بامامهم** کا مطلب بیان کیا کہ یاد کرو اس دن کو جس دن کہ ہم ہر ایک کو ان کی ماؤں کے ساتھ بلائیں گے؟ امام کے لفظ کو لفظ ام (ماں) کی جمع سمجھا، حالانکہ امام ام کی جمع نہیں ہے۔ امام کا لفظ مفرد ہے جس کا مطلب پیشوا، مقتدا، سردار ہوتا ہے نہ کہ ماں۔

(۲) ایک نیم ملا ہمیشہ استنجاء کرنے کے بعد وتر پڑھتا تھا۔ اس سے پوچھا کہ مولانا یہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ حدیث میں ہے کہ "من استنجی فلیو تر" جب آدمی استنجاء کرے تو اسے چاہئے کہ وتر پڑھے، لہٰذا مذکورہ حدیث پر میرا عمل ہے۔ حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ استنجا کرے تو ڈھیلے طاق عدد لیوے۔ یعنی تین۔ پانچ سات وغیرہ۔

(۳) ایک "نیم ملا" کے دوست کو دشمن پیٹنا چاہتے تھے۔ یہ بچاؤ کر رہا تھا۔ نیم ملا نے دوست کے ہاتھ پکڑ لئے۔ دشمن کو موقع مل گیا۔ کسی نے نیم ملا سے کہا یہ تم نے کیا کیا؟ جواب دیا کہ میں نے شیخ سعدیؒ کے قول پر عمل کیا تم

نے گلستان میں نہیں پڑھا؟

دوست آنباشد کہ گیرد دست دوست
در پریشاں حالی و درماندگی

یعنی دوست وہ ہے کہ پریشانی و لاچاری کی حالت میں دوست کا ہاتھ پکڑے۔ اس پر میں نے عمل کیا۔ حالانکہ یہاں ہاتھ پکڑنے کا مطلب مدد کرنا ہے۔ نہ کہ ہاتھ پکڑ کر پٹوانا۔

بے شک جو عربی و فارسی نہ پڑھے ہوں اور اصطلاحات ومحاورات سے واقف نہ ہوں وہ ضرور اس قسم کی غلطیاں کریں گے اور قرآن وحدیث کا مطلب غلط سمجھیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ لہٰذا جاہل واعظین سے بچنا چاہئے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو قرآن کا مطلب اپنی رائے سے بیان کرے اگر صحیح بیان کرے گا تب بھی خطاوار ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۳۵)

اپنی رائے سے بیان کرنے والا عالم فاضل بھی آنحضرت ﷺ کے نزدیک خطاوار ہے تو بسبب ناواقفیت قرآن وحدیث کا مطلب غلط اور خلاف مراد بیان کرنے والوں کے لئے کیا حکم ہونا چاہئے۔ مطلب یہ کہ نام کے مولوی اور پیشہ ور جاہل واعظین سے ضرور بچنا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سنی مسلمان شیعہ بچوں کو تعلیم دے سکتا ہے؟:

(سوال ۵۶) اہل سنت والجماعت کے عقائد والا عالم شیعہ بچوں کو قرآن وغیرہ دینی تعلیم دے سکتا ہے؟

(الجواب) شیعہ لوگوں کے بچوں کو قرآن شریف اور دینیات کی ایسی تعلیم (جو اہل سنت والجماعت کے خلاف نہ ہو) دے سکتے ہیں۔ فقط۔

مدرسہ کی تعلیم اہم ہے یا تبلیغ؟:

(سوال ۵۷) انگلینڈ میں مدرسہ ہے تین اساتذہ ہیں۔ ڈیڑھ سو بچے تعلیم پا رہے ہیں۔ مدرسین کی ٹوٹل چھٹیاں تین ہفتے کی ہیں۔ علاوہ اس کے مدرسین باری باری تبلیغی اجتماع میں جاتے ہیں۔ جس سے تعطیلات رہتی ہیں۔ غرض کہ سال میں تین سو تیرہ (۳۱۳) دن مدرسہ میں تعلیم کے ہیں۔ ان میں سے ایک سو چھپن (۱۵۶) دن تبلیغی پروگرام میں گذرتے ہیں۔ یعنی صرف تعلیم کے لئے ایک سو ستاون (۱۵۷) دن ہی رہتے ہیں۔ جس میں تعلیم پاتے ہیں۔ یہاں عیسائی ماحول اور کفرستان میں بچوں کو صرف پندرہ برس تک ہی دینی تعلیم کے حصول کا موقع ہوتا ہے۔ جس بنا پر دینی تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر ان کے اوقات ضائع کر کے تبلیغی جماعت میں جانا جائز ہے؟ دینی تعلیم دینا اہم ہے یا تبلیغی جماعت میں جانا؟ شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب مدرسین مدرسہ کمیٹی کے قول وقرار کے مطابق عمل کرتے ہیں تو یہ ناجائز نہیں ہے اور کوئی حرج بھی نہیں، بچوں کی تعلیم کی طرح تبلیغی کام بھی نہایت اہم ہے جس کا بیان دشوار ہے۔ تبلیغی کام سے چھوٹے، بڑے، مرد، عورت میں دینی ماحول پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کا ڈر، فکر آخرت عبادت کا شوق، اور دینداری بڑھنے کا موقعہ ہے۔

انگلینڈ کا ماحول اس قدر مخدوش ہے۔ جو بچوں اور بڑوں کے لئے بالخصوص نوجوان طبقہ کے لئے بے انتہا خطرناک ہے۔ ماں، باپ دیندار ہوں گے تو اولاد کی دینداری کی فکر ہوگی۔ ان کو علم دین سکھائیں گے (جس سے عوام عملاً نفرت کر رہے ہیں) اور مدرسہ ومسجد آباد ہوں گے۔ آپ کے مدرسہ کا دستور العمل قابل تعریف اور قابل اتباع ہے۔ جس طرح علمائے کرام بچوں کی تعلیم کے ذمہ دار ہیں، ایسے ہی تبلیغی کام کے ذمہ دار ہیں۔ یعنی ان پر دونوں کی ذمہ داری ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ جان لو کہ اس دور میں گھر کے ہر چھوٹے بڑے تعلیم وتبلیغ رشد وہدایت اور عمل صالح کے بارے میں لوگوں کو آمادہ کرنے میں قاصر ہیں۔ جس بناء پر گنہگار ہیں۔ کہ شہر میں اکثر لوگ نماز کے شرائط واحکام سے ناواقف ہیں۔ تو پھر گاؤں کے باشندوں کی نماز اور دین کی کیا حالت ہوگی؟

لہذا شہر کی ہر ایک مسجد اور محلہ میں ایک عالم دین کا ہونا ضروری ہے۔ ایسے ہی ہر ایک گاؤں میں بھی ایک عالم دین کا ہونا ضروری ہے۔ جو عالم اپنے فرض عین سے فارغ ہو اور فرض کفایہ کی فرصت ہو تو اس پر لازم ہے کہ قرب وجوار کی بستی میں جا کر لوگوں کو دین سکھانے اور شرعی احکام سے واقف کرے، اپنا کھانا ساتھ لے جائے، کسی کا کھانا نہ کھائے کہ وہ مشتبہ ہوتا ہے قرب وجوار میں کوئی عالم چلا جاوے تو دوسرے سبکدوش ہو جائیں گے! ورنہ عالم غیر عالم سب پر وبال آئے گا۔ عالم پر تو اس لئے کہ باہر جا کر جاہلوں کو دین نہ سکھایا۔ اور غیر عالم پر اس لئے کہ دین سیکھنے میں سستی کی، عوام جو شرائط صلوٰۃ سے واقف ہیں۔ ان پر ضروری ہے کہ ناواقف لوگوں کو سکھائیں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے کہ وہ جانتے ہیں۔ ناواقف عوام کو سکھانے کی ان کو کافی فرصت ہوتی ہے اور یہ لوگ اس خدمت کو بحسن وخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ دوسرے لوگ زراعت، تجارت، ملازمت، چھوڑ کر تبلیغ میں جائیں گے تو ان کا کاروبار بند ہو جائے گا۔ بدنظمی ہو جائے گی۔ جس کے سنبھالنے کے ذمہ دار وہ ہیں۔ اقتصادی حالت کی درستگی بھی ضروری ہے۔ علماء کی شان اور ان کا کام یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے جو کچھ ان تک پہنچا ہے۔ وہ دوسروں تک پہنچا دیں کہ علماء وارث انبیاء ہیں ۔(احیاء العلوم ص ۳۳۶ ج ۲)

بچوں کی تعداد زیادہ ہو اور مدرسین کم ہوں تو مدرسین بڑھائے جائیں۔ مدرسہ کی عمارت میں کافی سے زائد صرف کر دیتے ہیں۔ حالانکہ مدرسہ کی عمارت مقصود بالذات نہیں۔ مقصود اصلی تعلیم ہے تو پھر اساتذہ کے اضافہ میں اور ان کی تنخواہوں کے بارے میں کوتاہی کیوں کی جائے؟ خلاصہ یہ کہ تعلیمی کام کے ساتھ تبلیغی شغل ہونا چاہئے۔ دینی انجمن (کمیٹی) تبلیغی کام کی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ لہذا تعلیمی کام کے ساتھ تبلیغی کام میں دلچسپی لیں۔ اور مدرسین کو جاری وظیفہ کے ساتھ تبلیغی کام کے لئے جانے کی اجازت دیں۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ تحریر فرماتے ہیں ”مجھ کو یہ معلوم ہوا ہے کہ بعض ممبران شوریٰ کو ان مدرسین کی تنخواہوں کے جاری رکھنے کے متعلق اعتراضات اور شبہات ہیں۔ مسلمانوں کے ادارات تعلیمیہ صرف تعلیمی خدمت انجام دینے کے لئے نہیں بنائے گئے۔ بلکہ مسلمانوں کی مذہبی اور دینی اور دوسری ضروری خدمات بھی ان کے فرائض میں سے ہیں یہی وجہ ہے کہ جنگ روم وروس کے زمانہ میں حضرت نانوتوی قدس سرہٗ العزیز نے دورے کئے اور ایک عظیم الشان مقدار چندہ کی جمع کر کے ترکی کو بھیجی۔ اس زمانہ میں دار العلوم دیوبند میں تعطل رہا (تعلیم بند رہی) اور

تنخواہیں دی گئیں۔

شدھی اور سنگھٹن وغیرہ کی نحوستوں کے زمانہ میں ملکانہ راجپوتوں وغیرہ کے علاقہ میں مدرسین اور علماء کے وفود بھیجے گئے اور ان کی تنخواہیں جاری رکھی گئیں۔ ایسے اوقات میں کام کرنے والے اور حصہ لینے والے یہی مدرسین اور علماء ہوئے اور ہو سکتے ہیں۔ اگر ان کے اہل وعیال کی خبر گیری بند ہو جائے۔ تو یقیناً اسلام اور مسلمانوں کے لئے بہت نقصان اور مصائب کا سامنا ہو جاوے گا۔ مذہبی جلسوں اور مناظرات مذہبیہ کے اجلاس وغیرہ میں علماء اور مدرسین کا شریک ہونا تدریسی خدمات کو معطل کرنا۔ نہ صرف آج بلکہ اسلاف کرام کے عہد ماضیہ سے چلا آتا ہے۔ پس جو لوگ بھی اس میں حصہ لے رہے ہیں وہ کسی ادارۂ اسلامیہ کے مقاصد کے علاوہ کسی دوسرے مقصد میں حصہ نہیں لے رہے ہیں۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۳۵۶۔ مکتوب ۱۲۶) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

لڑکی حفظ قرآن کرتے ہوئے بالغ ہوگئی تو اب اتمام کے لئے کیا تدبیر ہے؟:

(سوال ۵۸) ایک لڑکی نے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا۔ پھر اسی اثناء میں بالغ ہوگئی تو اب ایام حیض میں کیا کرے؟ کہ جس سے ساتھیوں کو خبر نہ ہو اور شرم کی وجہ سے حفظ نہ چھوڑ دے۔ اور قرآن پاک ختم کرلے۔ تو مناسب تدبیر بتلائیں! بینوا توجروا۔

(الجواب) جب لڑکی بالغ ہوگئی تو ایسے مدرسہ میں بھیجنا جائز نہیں جہاں لڑکے پڑھتے ہوں اور مرد پڑھاتے ہوں۔ اس کے لئے جداگانہ انتظام کیا جاوے۔ حفظ جاری رکھے۔ پڑھانے والا محرم ہو یا عورت ہو۔ غیر محرم کے پاس پڑھنا جائز نہیں۔ حیض کے ایام میں حفظ یا تلاوت نہ کرے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اولاد کی دینی علم سے جاہل رکھنے کی ذمہ داری والدین پر ہے!:

(سوال ۵۹) محترم المقام واجب الاحترام حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم، بعد سلام مسنون! آج کل لوگوں کا ذہن عام طور پر یہ بن رہا ہے کہ اپنی اولاد کے لئے دنیوی تعلیم کو دینی تعلیم سے زیادہ اہم سمجھتے ہیں، بڑی بڑی ڈگریاں دلوانے کو بڑی کامیابی سمجھتے ہیں اور ان کو دینی تعلیم سے محروم رکھتے ہیں نہ ان کے اخلاق کی اصلاح کی فکر ہے نہ ان کو دیندار بنانے کا خیال اس بارے میں شرعی ہدایات کیا ہیں؟ اولاد کو دیندار نہ بنانے کی ذمہ داری والدین پر ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ مفصل جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں گے۔ فقط۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً:۔ اولاد ہمارے پاس خدائے تعالیٰ کی امانت ہے ہمیں اس کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جو اس کی روحانی وجسمانی تربیت کے لئے ضروری ہے۔ بچہ کی پیدائش کی غرض حق تعالیٰ کی معرفت و اطاعت ہے اور اس کی تربیت کا مقصد دین اور روحانیت کا حاصل کرنا ہے، اولاد کو چھوٹی چھوٹی اور معمولی باتوں کی تعلیم دینا اور ادب سکھانا ایک صاع (ساڑھے تین کلو غلہ) خیرات کرنے سے بہتر ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ لان یؤدب الرجل ولدہ' خیر لہ' من ان یتصدق بصاع (ترمذی شریف) یعنی! آدمی کا اپنی اولاد کو ادب سکھانا ایک صاع (غلہ) خیرات کرنے سے بہتر ہے، ایک اور حدیث میں آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ما نحل والد ولدہ' من نحل افضل من ادب حسن (ترمذی شریف) یعنی! کسی والد نے اپنی اولاد کو نیک

ادب سے افضل کوئی عطیہ عطا نہیں کیا، نیز ارشاد فرمایا۔ **مروا اولاد کم بالصلوۃ وھم ابناء سبع سنین واضربوھم علیھا وھم ابناء عشر سنین وفرقوا بینھم فی المضاجع** (ابوداؤد شریف) اے لوگو! اپنی اولاد کو نماز کا حکم کرو جب سات برس کے ہوں اور انہیں ترک نماز پر مارو جب وہ دس برس کے ہوں اور اس وقت (یعنی جب دس برس کی عمر کے ہو جائیں) سونے کی جگہ الگ الگ کردو (یہ اس لئے کہ بچہ دس برس کی عمر کے بعد قریب البلوغ اور مراہق شمار کیا جاتا ہے اس وقت احتمال ہے کہ کسی کے ساتھ اس کا جسم مس کر جائے اور یہ خلاف ادب ہے) محسن انسانیت پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اولاد کی پیدائش سے بہت پہلے اس کے اخلاق اور اعمال کی درستی اور تربیت کا اہتمام فرمایا ہے، ہدایت ہے کہ باپ اولاد کے حصول کے لئے کسی ذلیل اور رذیل بد اخلاق، بداطوار عورت کو پسند نہ کرے بلکہ شریف پاکباز دیندار عورت کو منتخب کرے، ارشاد ہے، **عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنکح المرأۃ لا ربع لما لھا ولحسبھا ولجما لھا ولدینھا فاظفر بذات الدین تربت یداک** (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۷)

اسی طرح لڑکی کے والدین کو ہدایت ہے کہ فاسق وفاجر وبدچلن لڑکے سے اپنی لڑکی کا نکاح نہ کرے، بلکہ دیندار، متقی، پرہیزگار سے کرے چنانچہ ارشاد ہے۔ اگر ایسے شخص کی طرف سے نکاح کا پیغام آوے کہ تم کو اس کا دین اور اس کے اخلاق پسند ہوں تو اس سے نکاح کردو ورنہ (اگر اس ہدایت پر عمل نہ کیا گیا تو) زمین میں فتنہ ہوگا اور فساد پھیلےگا۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب الیکم من ترضون دینہ وخلقہ فزوجوہ ان لا تفعلوہ تکن فتنہ فی الارض وفساد عریض .(مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۷) جب اس پر عمل کر کے والدین نیک اور دیندار ہوں گے تو اولاد بھی صالح ہوگی۔ الا ماشاء اللہ)

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

اولاد نیک پیدا ہو اس کی دوسری ہدایت:۔ مباشرت کے وقت یہ دعا پڑھی جائے **بسم اللہ اللھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان مارزقتنا** . میں اللہ کا نام لے کر یہ کام کرتا ہوں۔ اے اللہ ہمیں شیطان سے بچا اور جو اولاد تو ہم کو دے اس سے (بھی) شیطان کو دور رکھ۔

تیسری ہدایت:

بچہ پیدا ہو تو نہلا دھلا کر اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے، اذان میں پہلے چار مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر بچہ کے دل ودماغ میں یہ ذہن نشین کرایا جاتا ہے کہ دنیا میں کوئی طاقت خدائے واحد وقہار کی طاقت سے بڑھ کر نہیں۔ وہی سب سے بڑا ہے۔ اور بڑی عظمت ورفعت والا ہے۔ اس کے بعد دو مرتبہ **اشھد ان لا الٰہ الا اللہ** کہہ کر خداوند قدوس کی وحدانیت کان میں پہنچا کر بچہ کے دل ودماغ کو اپیل کی جاتی ہے کہ مسلمان کو توحید کی تبلیغ میں کسی کا خوف مانع نہ ہونا چاہئے۔ اس اعلان توحید کے بعد دو مرتبہ **اشھد ان محمداً رسول اللہ** کہہ

کراس ذات کی رسالت مقدسہ کا اظہار کیا جاتا ہے کہ جن کی بدولت ہم کفر وشرک کی ظلمات سے نکل کر ایمان وتوحید کی دولت سے مالا مال ہوئے جو کچھ بھی ہے وہ انہیں کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔ان اعتقادی مسائل یعنی وجود باری تعالیٰ، توحید باری تعالیٰ اور مسئلہ رسالت کے بعد حی علی الصلوٰۃ کہہ کر اسلام کی سب سے اہم عبادت جو نماز ہے دعوت دی جاتی ہے۔اس کے بعد حی علی الفلاح کہہ کر اس فلاح دائمی کی طرف جس میں دنیا وآخرت کی کامیابیوں کا راز مضمر ہے دعوت دی جاتی ہے، اس کے بعد پھر دو مرتبہ اللہ اکبر اور ایک مرتبہ لا الٰہ الا اللہ کہہ کر یہ بتلایا جاتا ہے کہ مسلمان کی کامیابی اسی وقت ہے جب اس کے دل میں ابتداء میں بھی توحید۔پناں گزین ہو اور آخرت میں بھی اس کی موت انہیں سچے اقوال وعقائد پر ہوگئی ہو۔

چوتھی ہدایت:

تحنیک اور برکت کی دعا کرائیں، عمل تحنیک میں بھی بچہ کی صلاح وفلاح مقصود ہوتی ہے کہ بچہ کو کسی بزرگ کے پاس لے جائیں کہ وہ اس کے حق میں صلاح وفلاح کی دعا کرے اور کھجور وغیرہ کوئی میٹھی چیز چبا کر بچہ کے تالو پر مل دے اور اپنا لعاب دہن منہ میں ڈال دے جو اس کی دینداری اور خیر وبرکت کا باعث ہے۔صحابہ کرام حضور اکرم ﷺ سے تحنیک اور برکت کی دعا کرایا کرتے تھے، عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یوتی بالصبیان فیبرک علیھم ویحنکم، رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۲، باب العقیقہ)۔

پانچویں ہدایت:

من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وادبہ (مشکوٰۃ ص ۲۷۱) جس کی یہاں بچہ پیدا ہو تو اس کو چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور ادب سکھائے اس لئے بچہ کا نام مبارک ناموں میں سے رکھا جائے تاکہ موجب صلاح وفلاح اور باعث رحمت وبرکت ہو۔حدیث میں ہے کہ تمہارے ناموں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبد اللہ اور عبدالرحمٰن ہیں نیز ارشاد نبوی (ﷺ) ہے سموا باسماء الانبیاء، انبیاء علیہم السلام کے ناموں میں سے (نام) رکھو۔

چھٹی ہدایت:

جب بچہ کی زبان کھل جائے اور باتیں کرنے لگے تو اس کو کلمہ سکھائیں۔ اور عمر رسیدہ، دیندار، تعلیم کے طریقوں سے واقف کار خوش خلق شفیق استاد کے پاس بٹھائیں۔استاد ایسا ہو کہ نرمی اور پیار ومحبت سے پڑھائے بد اخلاقی اور بری عادتوں پر مناسب تنبیہ کرتا رہے۔ضروری علم سکھانے کے بعد دنیا کا علم بھی ضرور سکھایا جائے مگر علم دین کو مقدم رکھا جائے، عقل مند شخص وہی ہے جو اپنی اولاد کو مذہبی تعلیم سے آراستہ کرے اور دین کو عملاً مقدم رکھے، دنیوی زندگی بنانے میں اتنا مگن نہ مٹے کہ بچہ مذہبی تعلیم سے نابلد رہے اور دین برباد ہو جائے، رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے دنیا کو محبوب ومقدم سمجھا اس نے آخرت کا نقصان کیا اور جس نے آخرت کو دوست رکھا اس نے اپنی دنیا کا نقصان کیا پس فنا ہونے والی چیز پر (یعنی دنیا پر) باقی رہنے والی چیز (یعنی آخرت) کو ترجیح دو، (رواہ احمد) اس لئے

اولاد کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ ان کے دین و مذہب کی درستی کی فکر دنیا کی درستی کی فکر سے زیادہ اور مقدم ہو چنانچہ بزرگوں کا مقولہ ہے۔ صدیق الانسان من یسعیٰ فی عمارۃ اخرتہ وان کان فیہ ضرر لدنیاہ و عدوہ من یسعیٰ فی خسارۃ اخرتہ وان کان فیہ نفع لدنیاہ، یعنی آدمی کا دوست اور خیر خواہ وہ ہے جو اس کی آخرت کی درستگی میں کوشاں رہے اگر چہ اس میں اس کی دنیا کا کچھ نقصان ہو اور اس کا دشمن وہ ہے جو اس کی آخرت کے نقصان میں کوشش کرے اگر چہ اس میں اس کی دنیا کا کچھ فائدہ ہو (مجالس الابرار)

والدین اگر واقعی اپنی اولاد کے خیر خواہ ہیں تو مذہبی اور اسلامی تعلیم دینے میں پیش پیش رہیں۔ قرآن حکیم کی تعلیم تو یہ ہے۔ قوا انفسکم واھلیکم نارا. تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ، اور ماں باپ کا حال یہ ہے کہ اپنی اولاد کو دوزخ میں جھونکے جا رہے ہیں اور دعویٰ ہے محبت کا العجب کل العجب۔

یاد رکھیں اولاد کے بد دین ہونے اور بگڑنے کی تمام ذمہ داری والدین پر ہے۔ اولاد کو جیسی تعلیم و تربیت دی جائے گی اولاد ویسے ہی بنے گی۔ حدیث میں ہے ما من مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ، ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے۔ یعنی دین اسلام قبول کرنے کی بجہ اتم اس میں صلاحیت اور استعداد ہوتی ہے مگر اس کے والدین تعلیم و تربیت کے ذریعہ اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی بنا دیتے ہیں یا مجوسی (مشکوٰۃ شریف ص ۲۱)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بچہ کا ذہن، بچہ کے اخلاق، عادات و اطوار رہن سہن اور اس کا دین ماں باپ کی تربیت اور تعلیم سے متاثر ہوتا ہے۔ والدین کا جیسا تعلیم و تربیت کا ڈھنگ اور طریقہ ہوگا۔ اسی طریقہ پر بچہ نشو و نما پائے گا۔ قیامت کے روز باپ سے اولاد کے بارے میں سوال ہوگا! ماذا علمتہ وما ذا ادبتہ تم نے اس بچہ کو کیا کیا تعلیم دی تھی اور کیسی تہذیب اور ادب سکھایا تھا؟ لہذا اولاد کی جسمانی پرورش کے بعد سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ انہیں اس قابل بنائیں کہ وہ خدا کی بارگاہ میں معزز ہوں۔ اور جہنم سے محفوظ رہیں۔ اور ایسی تعلیم و تربیت کریں کہ وہ سنت کے مطابق زندگی گذارنے کے عادی بن جائیں۔ اور نماز وغیرہ کے پابند ہو جائیں اور آخرت کی فکر ان کے اندر پیدا ہو جائے۔

اس کے برعکس آج کل ایک نہایت خطرناک طریقہ چل پڑا ہے وہ یہ کہ بچے کے ہوش سنبھالتے ہی اس کو دنیوی تعلیم میں لگا دینا اور قرآن کی تعلیم اور دینیات کو پیچھے ڈال دینا یا ضمناً رکھ دینا، یہ انتہائی غلط طریقہ ہے اس طرح نہ تو بچہ کی دینی تعلیم مکمل ہوتی ہے اور نہ بچوں کے دل میں مذہبی تعلیم کی کوئی اہمیت اور وقعت باقی رہتی ہے، بالآخر وہ دینی تعلیم اور ضروریات دین سے جاہل رہ جاتے ہیں، بچوں کو الٹا سیدھا ناظرہ قرآن ختم کرا کر اور تعلیم الاسلام کے ایک دو حصے پڑھا کر یہ سمجھ لینا کہ بس فرض ادا ہو گیا زبردست غلط فہمی ہے۔ یاد رکھئے صرف ایسی اور اتنی تعلیم سے ہرگز دینی تعلیم کا وہ فریضہ ادا نہیں ہوتا جس کو سرکار دو عالم ﷺ نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے۔ طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم ومسلمۃ (ابن ماجہ) یعنی ہر مسلمان مرد اور عورت پر دین کا ضروری علم سیکھنا فرض ہے۔

اس لئے اگر والدین نے اولاد کو دین سے جاہل رکھا اور نماز وغیرہ کا پابند نہیں بنایا، اور سنت کے مطابق زندگی گذارنے کا عادی نہیں بنایا۔ اور جہنم سے بچ کر جنت میں پہنچنے کا راستہ نہیں سمجھایا تو قیامت کے روز پھر یہی اولاد

اللہ تعالیٰ سے شکایت کرے گی۔

آخرت کی اس رسوائی اور مصیبت سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ جہاں والدین اولاد کی جسمانی تربیت کریں اسی کے ساتھ ساتھ انہیں (اور خود اپنی ذات کو بھی) دوزخ کی آگ سے بچائیں اور اس کی تدبیر یہی ہے کہ انہیں کتاب وسنت کی تعلیم دلائیں اور بعد ازاں ان پر سختی سے عمل کرائیں۔ صحابۂ کرام اور بزرگان دین کو اس کا بڑا اہتمام تھا۔ معمولی معمولی باتوں کی تعلیم دیتے تھے۔ اور چھوٹی چھوٹی سنتوں کا پابند بناتے تھے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ سر مبارک میں تیل لگانے کی عادت تھی۔ مگر یہ کوئی ایسی سنت نہیں ہے کہ جس کے ترک پر سزا ہو، عتاب ہو۔ البتہ اس پر عمل کرنے میں ثواب ہے کہ سنن عادی میں سے ہے مگر اس کے باوجود ایسی چھوٹی سنت پر بھی عمل کرنے کرانے کا صحابہ کرام کو بڑا شغف تھا۔ حضرت عبداللہ بن ثابت انصاریؓ نے اپنے لڑکوں کو بلا کر زیتون کا تیل پیش کیا اور فرمایا کہ سر پر اس کی مالش کرو۔ لڑکوں نے سر پر تیل لگانے سے انکار کیا۔ راوی کا بیان ہے۔ **فاخذ عصا وجعل یضربھم ویقول اترغبون عن دھن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** ۔ انہوں نے لاٹھی لی اور لڑکوں کو مارنا شروع کیا اور کہتے تھے کیا تم رسول اللہ ﷺ کے تیل لگانے کی سنت سے اعراض کرتے ہو؟ یہ ہے تربیت کا طریقہ اور سنت کی عظمت ، تربیت کی ذمہ داری ماں پر زیادہ ہے چونکہ باپ بیوی اور بچوں کی ضروریات پورا کرنے کی فکر میں کمانے کے لئے باہر چلا جاتا ہے ماں گھر میں رہتی ہے اس لئے ماں کو چاہئے کہ اولاد کی تعلیم وتربیت اور ان کی نقل وحرکت پر کڑی نگاہ رکھے اور خود بھی دیندار بنے۔ اگر ماں نیک ہے۔ جھوٹ نہیں بولتی گالیاں نہیں بکتی، سویرے اٹھ جاتی ہے۔ نماز کی پابند ہے قرآن حکیم کی تلاوت کرتی ہے تو بچوں اور بچیوں کے اندر بھی اس قسم کے اوصاف حمیدہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ماں جھوٹ بولتی ہے۔ بدزبان ہے، بداخلاق ہے، گالی گلوچ بکتی ہے اور دین پر پابندی کا اہتمام نہیں کرتی، تو بچوں کے اندر بھی یہی بری خصلتیں پیدا ہوں گی اور بچپن کی یہ برائیاں آخیر عمر تک رہیں گی جن کے برے نتائج دنیا وآخرت میں انہیں بھگتنے ہوں گے اور یہ سب گھر کے ماحول کا ثمرہ ہے۔ عربی شاعر کہتا ہے۔

اذا کان رب البیت بالطبل ضاربا

فلا تلم الاولاد فیھا علی الرقص

یعنی گھر کا ماحول غیر اسلامی ہے، اور گھر کے بڑے لوگ ڈھول بجاتے ہیں تو اولاد کو ناچنے اور گانے بجانے پر ملامت مت کر، خلاصہ یہ کہ بچہ جو سیکھے گا گھر سے سیکھے گا۔ گھر کا ماحول برا اور غیر اسلامی ہوگا تو اولاد بھی برائیوں کی عادی ہوگی۔ اس لئے نہایت ضروری ہے کہ ماں باپ خود بھی برائیوں سے بچتے رہیں اور اولاد کو بھی بچاتے رہیں۔

اولاد کی تعلیم وتربیت کا ایک اہم جز صحبت نیک کا اہتمام اور صحبت بد سے اجتناب بھی ہے۔ چنانچہ صحبت نیک کے متعلق شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دست محبوبے بد ستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری !!!
کہ از بوئے دلآویز تو مستم

بگفتا من گلے نا چیز بودم!
ولیکن مدتے باگل نشستم،
جمال ہمنشیں در من اثر کرد!
دگر نہ من ہمہ خاکم کہ ہستم

یعنی! ایک دن ایک خوشبودار مٹی کا ڈھیلا حمام میں ایک محبوب کے ہاتھ سے میرے ہاتھ لگ گیا۔ خوشبو محسوس کر کے میں نے اس سے پوچھا بتا تو مشک سے بنا ہے یا عبیر سے۔ اس نے زبان حال سے جواب دیا میں تو ناچیز (حقیر) مٹی ہوں لیکن ایک مدت تک پھول کی ہمنشینی میں رہی ہوں۔ میرے ہمنشین کے جمال نے مجھ میں اثر کیا (اسی وجہ سے میں مہک رہی ہوں۔ ورنہ میں وہی حقیر مٹی ہوں جو پہلے تھی مطلب کہ نیکوں کی صحبت آدمی کو نیک اور اچھا بنا دیتی ہے جیسے مٹی میں پھول کی صحبت سے خوشبو پیدا ہو جاتی ہے۔ (گلستاں، مقدمہ) اسی طرح بری صحبت کے متعلق ارشاد ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

نیک آدمی کی صحبت تم کو نیک بنا دے گی اسی طرح بد بخت کی صحبت تم کو بھی بد بخت بنا دے گی۔ اور فرماتے ہیں

تا توانی دور شواز یار بد
یار بد بدتر بود از مار بد
مار بد تنہا ہمیں بر جاں زند
یار بد بر جاں و بر ایمان زند

ترجمہ:۔ جہاں تک تم سے ہو سکے یار بد (برے دوست) سے دور رہو (اور اپنی اولاد کو بھی دور رکھو) اس لئے کہ برا دوست سانپ سے بھی بدتر ہے (اس لئے کہ) سانپ کا حملہ تو صرف جان پر ہوتا ہے لیکن برے دوست کی صحبت جان اور ایمان دونوں کے لئے خطرناک ہوتی ہے قرآن و حدیث کی بے شمار نصوص سے ثابت ہے کہ صحبت کا تمام اشیاء میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ یہی وجہ تو ہے کہ جو چیزیں بزرگوں کے ہاتھوں میں رہی ہوں انہوں نے استعمال کی ہوں تو ان کو متبرک سمجھا جاتا ہے اور ارباب بصیرت ان میں انوار و برکات محسوس کرتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ اسی صحبت کا اثر اور نتیجہ ہے جو ان اشیاء کو ان بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوا ہے تو خوب سمجھ لیا جائے کہ جس طرح بزرگوں کی صحبت کے برکات استعمالی چیزوں میں ظاہر ہوتے ہیں اسی طرح کفار یا فجار کے ہاتھوں میں یا استعمال میں رہی ہوئی چیزوں میں بھی تاریکی اور ظلمت ہوتی ہے جس کو ارباب بصیرت اکثر محسوس بھی کر لیتے ہیں لہذا صحبت نیک کا اہتمام اور صحبت بد سے اجتناب خود بھی کرنا چاہئے اور اپنی اولاد سے بھی کرانا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم۔

مدرسہ کی تعلیم شروع ہونے سے پہلے بچوں سے دعائیہ نظم پڑھوانا:

(سوال ۶۰) انگریزی اور ہندی اسکولوں میں اسکول کھلنے کے وقت طلبہ سے پرارتھنا اور پریر پڑھوایا جاتا ہے، ہمارے یہاں خالص دینی مدارس ہیں، یہاں کے منتظمین اصرار کے ساتھ تقاضا کررہے ہیں کہ جس طرح اسکولوں میں پرارتھنا ہوتی ہے اسی طرح مدارس میں بھی کوئی دعائیہ نظم پڑھانی چاہئے اور اس کے پڑھنے کی شکل یہ ہوگی کہ ایک یا دو طالب علم نظم کا ایک مصرعہ پڑھے گا اور بقیہ طلباء ترنم کے ساتھ اسی مصرعے کو دہراتے جائیں گے۔ اب سوال یہ ہے۔

(۱) کیا اسلامی مدارس میں اسکولوں کی پرارتھنا کی طرح کوئی دعائیہ نظم طلبا سے اجتماعی طور پر پڑھوانا درست ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں بعض علماء انکار کرتے ہیں۔

(۲) اگر کوئی طالب علم شریک نہ ہو یا کبھی غیر حاضر ہوجائے تو اس کو تنبیہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایسی دعائیہ نظم جو اللہ تعالیٰ کی ثناء اور رسول مقبول ﷺ کی صحیح تعریف وتوصیف پر مشتمل ہو اجتماعی طور پر اسلامی مدارس میں بھی پڑھائی جاسکتی ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ مستحسن ہے۔

مثلاً یہ دعا پڑھی جائے۔

اے خدائے پاک رحمٰن و رحیم
قاضی حاجات و وہاب و کریم
اے الٰہ العالمین اے بے نیاز
دین و دنیا میں ہمارے کار ساز
تو ہی معبود اور تو ہی مقصود ہے
تیرے ہی ہاتھوں میں خیر و جود ہے
ہم تیرے بندے ہیں اور تو ہے خدا
تو کریم مطلق اور ہم ہیں گدا
ہم گنہگار، اور تو غفار ہے
ہم بھرے عیبوں سے تو ستار ہے
ہم ہیں بے کس اور تو بے کس نواز
ہم ہیں ناچار اور تو ہے چارہ ساز
تو وہ قادر ہے کہ جو چاہے کرے
جس کو چاہے دے جسے چاہے نہ دے
تو وہ داتا ہے کہ دینے کے لئے

در تری رحمت کے ہر دم ہیں کھلے
تیری در پہ ہاتھ پھیلاتا ہے جو
پا ہی لیتا ہے وہ ہر مقصود کو
مانگنا ہم پہ کیا ہے تو نے فرض
اور سکھا ہم کو دیئے آداب عرض
مانگنے کو بھی ہمیں فرمادیا
مانگنے کا ڈھنگ بھی بتلادیا
بلکہ مضمون بھی ہر اک درخواست کا
ہم کو یارب تو نے خود سکھلا دیا
ہر گھڑی دینے کو تو تیار ہے
جو نہ مانگے اس سے تو بیزار ہے
ہر طرف سے ہو کے ہم خوار و تباہ
آ پڑے اب تیرے در پر یا اللہ
گرچہ یارب ہم سراپا ہیں برے
اب تو لیکن آپڑے در پر ترے
دل میں ہیں لاکھوں امیدیں جلوہ گر
ہاتھ اٹھاتے شرم آتی ہے مگر
تو غنی ہے اور ہم ہیں بے نوا
کون پوچھے گا ہمیں تیرے سوا
ہے تو ہی حاجت روائے دو جہاں
ہم تیرا در چھوڑ کر جائیں کہاں
صدقہ اپنی عزت و اجلال کا
صدقہ پیغمبر کا، ان کی آل کا
اپنی رحمت ہم پہ اب مبذول کر
یہ مناجات اور دعا مقبول کر

(مناجات مقبول)(آمین)

نیز مندرجہ ذیل مناجات بھی بہت عمدہ ہے، یہ پڑھی جائے۔

مناجات بدرگاہ مجیب الدعوات

بادشاہا جرم مارا در گذار
ماگنہگاریم وتو آمرزگار
تو نکوکاری وما بد کردہ ایم
جرم بے اندازہ بے حد کردہ ایم
سالہا دربند عصیاں گشتہ ایم
آخر از کردہ پشیماں گشتہ ایم
دائما در فسق وعصیان ماندہ ایم
ہم قرین نفس وشیطان ماندہ ایم
روز وشب اندر معاصی بودہ ایم
غافل از امر ونواہی بودہ ایم
بے گناہ نگذشت بر ما ساعتے
باحضور دل نکردم طاعتے
بردر آمد بندہ بگریختہ
آبروئے خود زعصیاں ریختہ
مغفرت دارد امید از لطف تو
زانکہ خود فرمودۂ لا تقنطوا
بحر الطاف تو بے پایا بود
نا امید از رحمتت شیطاں بود
نفس و شیطان زد کریما راہ من
رحمتت باشد شفاعت خواہ من
چشم دارم از گنہ پاکم کنی
پیش ازیں کاندر لحد خاکم کنی
اندر آں دم کز بدن جانم بری
از جہاں بانور ایما نم بری

(پندنامہ) ۔

اس مناجات کا کسی نے اشعار میں ترجمہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو

عفو کر میرے جرائم یا خدا
تو غفور اور میں ہوں گنہگار یا خدا
نیکی تو کرتا ہے اور میں کار بد
میرے جر موں کی نہیں اللہ حد
کی بسر جو معصیت میں زندگی
آخر ش حاصل ہوئی شرمندگی
مبتلائے فسق وعصیاں میں رہا
ہم قرین نفس و شیطاں میں رہا
مبتلائے معصیت ہوں صبح و شام
تیرے امر و نہی سے غافل مدام
ایک ساعت بے گنہ گذری نہیں
اور حضور دل سے طاعت کی نہیں
بھاگ کر یہ بندہ آیا رُو برو
جرم سے اپنی مٹا کر آبرو
عفو کی کرتا ہے تجھ سے آرزو
کیونکہ تیرا قول ہے لا تقنطوا
ہووے کیونکر تجھ سے انسان نا امید
تیری رحمت سے ہو شیطاں نا امید
نفس و شیطاں نے کیا گمراہ مجھے
نیک ہے امید تیرے لطف سے
یا خدا مجھ کو گناہ سے پاک کر
قبل ازیں کہ دفن زیر خاک کر
جان میرے جسم سے جب ہو جدا
ہو نہ قید قلب سے ایمان رہا

آمین۔

یاان کے علاوہ اور کوئی دعائیہ نظم پڑھی جائے۔

(۲) ان کو سمجھا کر کام لیا جائے تشدد نہ کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم

غیر عالم کا وعظ کہنا:

(سوال ۱۶۱) جو لوگ عالم نہیں ہیں، کسی معتبر عالم سے قرآن وحدیث نہیں پڑھی ہے، وہ اگر علماء کی طرح وعظ کریں تو کیسا ہے؟ دلائل کی روشنی میں مدلل ومفصل تحریر فرمائیں بینوا توجروا۔

(الجواب) وعظ گوئی اور تذکیر دین کا عظیم الشان رکن ہے، جو شخص قرآن وحدیث کا عالم نہ ہو وہ اس منصب کا اہل نہیں، حضور ﷺ کا فرمان ہے۔ **اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة** جب نااہلوں کو کام سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۴ پ ۱)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے **الامر بالمعروف یحتاج الی خمسة اشیاء اولها العلم لان الجاهل لا یحسن الامر بالمعروف.** امر بالمعروف (وعظ گوئی) کے لئے پانچ شرطیں ہیں جن میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ عالم ہو اس لئے کہ جاہل اچھے طریقہ سے امر بالمعروف نہیں کرسکتا (فتاویٰ عالمگیری ج ۶ ص ۲۳۵ کتاب الکراہیۃ الباب السابع عشر)

درمختار میں ہے **التذکیر علی المنابر للوعظ والا تعاظ سنة الانبیاء والمرسلین.** منبر پر بیٹھ کر نصیحت کرنا متاثر کرنے کے لئے اور متاثر ہونے کے لئے انبیاء ومرسلین کا طریقہ ہے (اور ان کے بعد ان کے وارثین علماء امت کا منصب ہے) (درمختار مع الشامی ج ۵ ص ۳۷۲ قبیل باب احیاء الاموات)

محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں:۔

ریحک کن عاقلاً لا تزاحم القوم بجهلک بعد ما خرجت من الکتاب صعدت تتکلم علی الناس هذا امر یحتاج الی احکام الظاهر واحکام الباطن ثم الغنی عن الکل . یعنی تجھ پر افسوس سمجھدار بن۔ اپنی جہالت لے کر حکمائے امت کے سامنے صف میں مت آ۔ تو مدرسہ سے نکلتے ہی (منبر پر) چڑھ بیٹھا کہ لگا لوگوں کو وعظ کہنے، اس (وعظ گوئی) کے لئے اول ضرورت ہے ظاہری اور باطنی مضبوطی کی (کہ اعمال وعقائد دونوں موافق شروع ہوں) اس کے بعد سب سے مستغنی ہونے کی (فتح ربانی ص ۲۳۸ مجلس نمبر ۵۹)

اور فرماتے ہیں:۔ **اعمی کیف تداوی اعین الناس . اخرس کیف تعلم الناس جاهل کیف تقیم الدین من لیس بحاجب کیف یقیم الناس الی باب الملک** تو خود اندھا ہے پھر لوگوں کے آنکھ کا علاج کیونکر کرے گا، تو گونگا ہے پھر لوگوں کو تعلیم کس طرح دے گا اور جاہل ہے پھر دین کو کس طرح درست کر سکے گا جو شخص دربان نہ ہو وہ لوگوں کو شاہی دروازہ تک کیونکر پیش کرسکتا ہے۔ (فتح ربانی ص ۲۷۸ مجلس نمبر ۶۱)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں **فالتذکیر رکن عظیم الخ** یعنی وعظ گوئی دین میں رکن عظیم ہے، خدا تعالیٰ نے اپنے رسول مقبول ﷺ سے فرمایا **فذکر فانما انت مذکر**، آپ سمجھاتے رہئے آپ کا کام سمجھانا ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا **وذکرهم بایام الله** ان کو گذشتہ واقعات یاد دلایا کرو تو نص قرآنی سے ثابت ہوا کہ تذکیر اور وعظ گوئی عظیم الشان رکن ہے۔ اور فرماتے ہیں **فاما المذکر فلا بد ان یکون مکلفاً عدلاً محدثاً مفسراً عالماً بجملة کافیة من اخبار السلف الصالحین وسیرتهم ونعنی**

بالمحدث المشتغل بكتب الحديث وكذلك بالمفسر المشتغل بشرح غريب كتاب الله وتوجيا مشكله وبما روى عن السلف في تفسيره یعنی واعظ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مکلف یعنی مسلمان عاقل بالغ اور متقی وعادل ہو، قرآن وحدیث کے علوم کا ماہر ہو، سلف صالحین، صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین کے صحیح حالات اوران کی صحیح سیرت کا علم رکھتا ہو، محدث سے مراد یہ ہے کہ کتب حدیث یعنی صحاح ستہ (بخاری و مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) وغیرہ سے شغل رکھتا ہو، صحیح ضعیف اور موضوع احادیث میں امتیاز کرسکتا ہواور یہ علوم کامل استاد سے حاصل کئے ہوں اور مفسر سے یہ مراد ہے کہ قرآن کی تفسیر آیات مشکلہ کی توجیہ اور تاویل سے واقف ہو ۔(القول الجمیل مع شرح شفاء العلیل ص ۱۳۸، تا ص ۱۴۰ فصل نمبر ۱۰)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

''بعض لوگ جن کی تربیت نہیں ہوتی اور مقتدا بن جاتے ہیں، ان کے اخلاق نہایت خراب ہوتے ہیں اور وجہ اس کی یہی ہے کہ وہ چھوٹا ہونے کے قبل بڑے ہوجاتے ہیں کسی نے خوب کہا ہے ۔

اے بے خبر بکوش کہ صاحب خبر شوی
تاراہ بین نہ باشی کے راہبر شوی
در مکتب حقائق پیش ادیب عشق
ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

تو پسر بننے سے پہلے پدر بن جانا (متعلم بننے سے پہلے (معلم اور) علماء کا منصب اختیار کرلینا) بہت ہی خرابیوں کا باعث ہے (الرفیق فی سواء الطریق ص ۱۸)

اور فرماتے ہیں:۔ سفیر (یعنی مدرسہ کا سفیر) اگر عالم نہ ہو تو اسے وعظ گوئی سے منع کردیا جائے محض ترغیب چندہ کا محدود الفاظ سے مضائقہ نہیں مگر غیر عالم وعظ کبھی نہ کہے اس میں چند مفاسد ہیں ایک تو یہ کہ اس میں اس حدیث کی مخالفت ہے رسول اللہ ﷺ کا امر ہے کہ ہر کام اس کے اہل کے سپرد کرنا چاہئے اور آپ فرماتے ہیں اذا وسد الامر الیٰ غیر اهله فانتظر الساعة. کہ جب کام نااہلوں کے سپرد کئے جانے لگیں تو قیامت کے منتظر رہو گویا نااہل کو کوئی کام سپرد کرنا اتنی سخت بات ہے کہ اس کا ظہور قیامت کی علامات سے ہیں اور یہ امر مصرح ہے کہ جو فعل اختیاری علامات قیامت سے ہوں وہ معصیت اور مذموم ہے، اور ظاہر ہے کہ غیر عالم وعظ گوئی کا اہل نہیں یہ منصب صرف علماء کاملین کا ہے اس لئے غیر عالم کو اس کی اجازت ہر گز نہ دی جائے ۔(التبلیغ کا ۲۶ واں وعظ المسمی بہ الھدیٰ والمغفرۃ ص ۴۰ مطبوعہ اشرف المطابع تھانہ بھون)

آپ ''تفسیر بیان القرآن'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

''اور علم کی شرط ہونے سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ آج کل جو اکثر جاہل یا کالجاہل وعظ کہتے پھرتے ہیں اور بیدھڑک روایات و احکام بلا تحقیق بیان کرتے ہیں سخت گنہگار ہوتے ہیں اور سامعین کو بھی ان کا وعظ سننا جائز نہیں۔'' (بیان القرآن ج ۲ ص ۷۴ پارہ نمبر ۴ سورۂ آل عمران)

اسی بنا پر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ لا يزال الناس بخير ما اتاهم العلم من قبل

اکابرھم فاذا اتاھم من قبل اصاغرھم ھلکوا یعنی جب تک لوگوں کے سامنے کاملین کا علم رہے گا وہ دین میں ترقی کرتے رہیں گے، اور جب ناواقفوں کا علم شروع ہوگا تو برباد ہو جائیں گے۔ (جامع بیان العلم ج ۱ص ۱۵۹) (ترجمان السنہ ج ۱ص ۲۴۴ حاشیہ نمبر ۲)

حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن امام ربیعہ کو بہت رونا آیا وجہ دریافت کی تو فرمایا اس لئے رو رہا ہوں کہ دین کی باتیں جاہلوں سے پوچھی جارہی ہیں اور یہی گمراہی کی علامت ہے۔ (الاعتصام ج ۱ص ۱۴۹)

خلاصہ کلام یہ کہ جو دینی کام کیا جائے وہ اصول شرعیہ کے تابع رہ کر کرنا چاہئے خلاف اصول اگر کام ہوں گے تو اس میں خرابیاں ہی پیدا ہوں گی۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: ۔ حضرت گنگوہیؒ نے مجھ کو جواب میں لکھا کہ نااہل کو مدرسہ کا (یا وعظ گوئی کا) کام سپرد کرنا یہ خیانت ہے ایسا کرنے سے ہم پر مواخذہ ہوگا کہ کام نااہل کو کیوں سپرد کیا گیا اصل مقصود خدا کی رضا مندی ہے مدرسہ مقصود نہیں، اور رہا یہ کہ مدرسہ باقی نہ رہے گا اس سے ہم پر مواخذہ نہ ہوگا یہ ان سے مواخذہ ہوگا جن کی حرکات سے مدرسہ کو نقصان پہنچے گا۔ اس پر حضرت تھانویؒ نے فرمایا۔ کہ جتنا بھی کام ہو صحیح اصول کے تابع ہو۔ حدود شرعیہ کے ماتحت رہ کر ہو مقصود خدا کی رضا ہے، مسلمان کے ہر کام کا مقصد خدا کی رضا ہونی چاہئے مدرسہ رہے یا جائے، مدرسہ ملک میں بدنام ہو یا نیک نام ہو چندہ بند ہو جائے یا جاری رہے طلباء زیادہ ہوں یا کم، غرض کچھ بھی ہو، اصول صحیح کے تابع رہنا چاہئے۔ (ملفوظات حضرت تھانویؒ ج ۵ ص ۲۲۴ ملفوظ نمبر ۲۳۸)

علماء کو بھی اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہئے، جس طرح درس و تدریس ضروری ہے اسی طرح ان پر یہ بھی فریضہ ہے کہ وہ وعظ و تبلیغ کے ذریعہ عوام کے عقائد و اعمال کی اصلاح کریں، اس وقت جو صورت حال ہے وہ بشکل تقسیم کار کے ہے بعض نے درس و تدریس ہی کو اختیار کر لیا۔ اور دوسری ذمہ داری سے صرف نظر کر لی اور بعض نے دوسری شق اختیار کر کے پہلی صورت کو چھوڑ دیا، علماء کی اس ذمہ داری کے متعلق حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

''علماء نے آج کل یہ کام بالکل چھوڑ دیا جو انبیاء علیہم السلام کا کام تھا اس لئے آج کل واعظ جہلاء زیادہ نظر آتے ہیں علماء واعظ بہت کم ہیں تو آپ نے اصل مقصود کے علاوہ جس چیز کو مقصود بنایا تھا اس کی بھی تکمیل نہیں کی، اس کا بھی ایک شعبہ لے لیا یعنی تعلیم و درسیات اور دوسرا شعبہ تعلیم عوام کا چھوڑ دیا۔

صاحبو! اگر علماء عوام کی تعلیم نہیں کریں گے تو کیا جہلاء تعلیم کریں گے؟ اگر جہلا یہ کام کریں گے تو وہی ہوگا جو حدیث میں اتخذوا رؤساجھالاً فضلوا واضلوا کہ یہ جہلاء مقتداو پیشوا شمار ہوں گے لوگ انہیں سے فتویٰ پوچھیں گے اور یہ جاہل خود بھی گمراہ ہوں گے، دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے اس لئے علماء کو تعلیم درسیات کی طرح وعظ و تبلیغ کا کام بھی کرنا چاہئے اور اس کا انتظار نہ کرو کہ ہمارے وعظ کا اثر ہوتا ہے یا نہیں؟ اور کوئی سنتا بھی ہے یا نہیں اور سننے والا مجمع ہے یا ایک؟ (وعظ العلم والخشیہ ص ۳۳) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تبلیغی جماعت والوں کا چھ نمبر کے دائرہ میں رہ کر کام کرنا:

(سوال ۶۲) معظم ومحترم حضرت مفتی صاحب ادام اللہ ظلہم، بعد سلام مسنون! ''غیر عالم کا وعظ کہنا'' اس کے متعلق حضرت والا کا تفصیلی مدلل فتویٰ دیکھا ماشاء اللہ بہت مدلل اور بصیرت افروز ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ وعظ گوئی اور تذکیر صرف علماء کا منصب ہے، اس وقت مزید ایک دو باتیں حضرت والا سے دریافت کرنا چاہتا ہوں امید ہے کہ جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

آج کل خدا کے فضل وکرم سے تبلیغی جماعت کا کام بہت وسیع ہو گیا ہے بہت سے لوگوں کو اس سے فیض پہنچا ہے اور ان کی زندگی میں انقلاب آیا ہے، آخرت کی فکر پیدا ہوئی وہ لوگ اپنی اصلاح کی نیت سے وقتاً فوقتاً جماعت میں نکلتے ہیں، جماعت میں نکلنے والوں کے لئے جماعت کے اکابرین نے چھ نمبر مرتب فرمائے ہیں اور ہر ایک کو یہ ہدایت ہوتی ہے کہ وہ ان چھ نمبروں کے دائرہ ہی میں رہ کر دینی دعوت کا کام کریں، دینی دعوت دینے کے لئے کچھ نہ کچھ بیان کرنا ہی پڑتا ہے تبلیغی کارکن ان ہی چھ نمبروں کے دائرہ میں رہ کر عوام الناس کو دین کی پابندی، فرائض کی پابندی، آخرت کی فکر پیدا کرنے کے لئے کچھ بیان کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ اس کام کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے اعتراض کرتے ہیں ان کا یہ فعل کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) غیر عالم کا وعظ کہنا ممنوع ہے لیکن تبلیغ جس کا دائرہ کار چھ نمبروں کے اندر محدود ہے اور ان چھ نمبروں سے متعلق جو کتاب تبلیغی اکابرین نے مرتب فرمائی ہے اسی کے اندر رہ کر دعوت دی جائے اس سے تجاوز کر کے اپنی طرف سے اضافہ اور استنباط نہ کیا جائے تو یہ کام واقف مسلمان کر سکتا ہے اس کے لئے عالم ہونا ضروری نہیں ہے ''تبلیغ علماء کا کام ہے جاہل کا نہیں'' اس اعتراض کا جواب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے تحریر فرمایا ہے، وہ ملاحظہ ہو۔

''یہ اعتراض دراصل ''تبلیغ'' و ''وعظ'' میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے وعظ درحقیقت صرف عالموں کا کام ہے، جاہلوں کو وعظ کہنا جائز نہیں ہے، اس کے لئے عالم ہونا بہت ضروری ہے، تاکہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ شریعت کے موافق ہو، کوئی چیز اس میں قرآن وحدیث کے خلاف نہ کہی جاسکے، اور تبلیغ جس کے معنی صرف پیام پہنچا دینے کے ہیں، کوئی پیام کسی کے ہاتھ بھیج دینے کے واسطے اس کا عالم ہونا بالکل ضروری نہیں ہے نظام الدین کی تبلیغی جماعت پر یہ اشکال بالکل وارد نہیں ہوتا اس لئے کہ ان کی تبلیغ میں صرف چھ نمبر متعینہ بتائے جاتے ہیں انہی کی مشق کرائی جاتی ہے اور انہی کو پیام کے طور پر لے جا کر شہر در شہر ملک در ملک بھیجا جاتا ہے، ان کے اصول میں یہ بھی ہے کہ چھ نمبروں کے ساتھ ساتواں نمبر یہ ہے کہ ان چھ امور کے علاوہ کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہوں۔ (جماعت تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات ص ۲۷۔ ۲۸)

تبلیغی کام کرنے والوں کی برائی کرنا مخالفت کرنا ان کو ذلیل کرنا اور اہانت کرنا ناجائز اور حرام ہے اور نفس تبلیغ اور دین کو نقصان پہنچانا ہے البتہ اگر وہ کوئی شرعی غلطی کا ارتکاب کریں تو جس طرح ہم اپنے بھائی کو نصیحت کرتے ہیں اسی طرح ان کو بھی نصیحت کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تعلیم نسواں کی اہمیت:

(سوال ۶۳) آج کل بڑی عمر کی لڑکیوں اور دین سے ناواقف عورتوں کی دینی تعلیم کا مسئلہ بہت اہم ہوگیا ہے، لڑکیاں عموماً اسکول اور کالج کی دلدادہ ہوتی ہیں اور ان کے ماں باپ کا رجحان بھی اسی طرف ہوتا ہے، اور اسکول وکالج کا ماحول کس قدر خراب ہے وہ بالکل ظاہر ہے لڑکیاں عموماً ضروریات دین سے ناواقف ہوتی ہیں، ان کے مخصوص مسائل سے بھی بے خبر ہوتی ہیں، ہماری کوشش یہ ہے کہ ہم کسی طرح اسکول وکالج سے ان کی رغبت ہٹا کر دینی تعلیم کی طرف ان کو راغب کریں اور اس مقصد کے پیش نظر ہم نے محلّہ میں ان کے لئے دینی تعلیم کا انتظام کیا ہے جس میں لڑکیاں پردہ کی پوری پابندی کے ساتھ آمد ورفت کرتی ہیں اور سند یافتہ معلمات ان کو قرآن مجید یا تجوید اور ضروری مسائل کی تعلیم دیتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ امور خانہ داری کھانا پکانا، سینا پرونا وغیرہ بھی ان کو سکھایا جائے تو اس طرح محلّہ میں ان کے لئے دینی تعلیم کا انتظام شرعاً کیسا ہے؟ اس میں تعاون کرنا چاہئے یا نہیں؟ امید ہے کہ تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں گے! بینوا توجروا۔

(الجواب) حدیث میں ہے: **عن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم طلب العلم فریضة علی کل مسلم وفی روایة مسلمة** حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد (اور ایک روایت کے مطابق ہر مسلمان عورت) پر فرض ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۳۴ مع حاشیہ کتاب العلم)

التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں ہے۔ **وقال البیضاوی المراد من العلم مالا مندوحة للعبد عن تعلمه کمعرفة الصانع او العلم بوحدانیة ونبوة رسوله وکیفیة الصلوٰة فان تعلمه فرض عین.** (ص ۱۵۱ ج اول)

مظاہر حق میں مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔ ''اور طلب کرنا علم کا فرض ہے، مراد علم سے وہ علم ہے کہ جس کی ضرورت پڑتی ہے، مثلاً آدمی جب مسلمان ہوا تو واجب ہوا اس پر معرفت صانع کی اور اس کے صفات کی اور جاننا نبوت رسول کا، اور سوائے ان کے ان چیزوں کا کہ ایمان بدون ان کے صحیح نہیں اور جب وقت نماز کا آیا تو واجب ہوا علم احکام نماز کا سیکھنا، جب رمضان آیا تو واجب ہوا علم احکام روزوں کا، اور جب مالک نصاب کا ہوا تو واجب ہوا علم احکام زکوٰۃ کا، اور جب نکاح کیا تو حیض ونفاس اور طلاق وغیرہ کے مسائل کا علم حاصل کرنا جو شوہر و بیوی سے متعلق ہے واجب ہوا، اسی طرح بیع وشراء (خرید وفروخت) کرنے لگے تو اس کے مسائل سیکھنے واجب ہوں گے، اسی پر اور چیزوں کو سمجھ لے غرض کہ جو بات اس کو پیش آوے گی اس کا حاصل کرنا بھی فرض ہوگا اگر نہ کرے گا تو اشد گنہگار ہوگا۔'' (مظاہر حق بتغییر یسیر ص ۹۶، ص ۹۷، جلد اول)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان مرد اور عورت پر اتنا دینی علم حاصل کرنا فرض ہے جس سے ایمان کی بنیاد توحید و رسالت اور عقائد کی اصلاح ہو سکے، اسی طرح اعمال یعنی نماز روزہ زکوٰۃ حج وغیرہ درست اور صحیح طریقہ سے ادا کر سکے اور معاملات، معاشرت اور اخلاق درست ہو جائیں۔

لہذا ضروری علم کا حصول صرف مردوں پر ضروری نہیں عورتوں اور لڑکیوں پر بھی ضروری ہے اور اس کی بے حد اہمیت ہے، عورتیں اگر ضروری دینی علوم سے واقف ہوں گی اور ان کا ذہن دینی علوم سے آراستہ پیراستہ ہوگا تو وہ اپنی زندگی بھی دین کی روشنی میں صحیح طریقہ سے گذار سکتی ہیں اور اپنی اولاد نیز اپنے متعلقین کی بھی بہترین دینی تربیت کر سکتی ہیں۔ اور بچپن ہی سے بچوں کا ذہن دین کے سانچہ میں ڈھال سکتی ہیں، اور ان کو دینی باتوں سے روشناس کرا سکتی ہیں۔ اولاد کی تربیت میں ماں کا کردار بہت بنیادی ہوتا ہے، لہذا ہر عورت پر اتنا علم حاصل کرنا فرض ہے جس سے وہ اپنے رب کو پہچان سکے اور اپنے عقائد کی اصلاح کر سکے اور غلط قسم کے عقائد رسوم ورواج سے محفوظ رہ سکے اور اپنی عبادت، نماز، روزہ، وغیرہ صحیح طریقہ پر ادا کر سکے اور عورتوں کے مخصوص حیض ونفاس اور استحاضہ کے مسائل سے واقف ہو سکے، اس کے برعکس اگر عورت دینی علوم سے واقف نہ ہوگی اور اس کا ذہن دین کے سانچہ میں ڈھلا ہوا نہ ہوگا تو نہ وہ خود اپنی زندگی دینی تقاضوں کے مطابق گذار سکتی ہے اور نہ اپنی اولاد کی صحیح دینی تربیت کر سکتی ہے۔

والدین کی بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ خود کو بھی اور اپنی اولاد کو بھی دوزخ کی آگ سے بچانے کی فکر کریں، ارشاد خداوندی ہے **یآ یھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا** . اے ایمان والو تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) آگ سے بچاؤ (سورۂ تحریم پارہ نمبر ۲۸)

اور دوزخ کی آگ سے بچانے کا طریقہ یہی ہے کہ ان کی دینی تربیت کریں، ضروری دینی علوم سے ان کو واقف کرانے کا پورا انتظام کریں، بچپن ہی سے ان کو نماز کا پابند بنائیں حلال وحرام سے واقف کریں اور احکام الٰہیہ اور ضروریات دین سے باخبر کریں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں: **قوا انفسکم واھلیکم** : الآیۃ اس آیت میں عام مسلمانوں کو حکم ہے کہ جہنم کی آگ سے اپنے آپ کو بھی بچائیں اور اپنے اہل وعیال کو بھی...... لفظ اھلیکم میں اہل وعیال سب داخل ہیں جن میں بیوی، اولاد، غلام، باندیاں سب شامل ہیں اور بعید نہیں کہ ہمہ وقتی نوکر چاکر بھی غلام باندیوں کے حکم میں ہوں، ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر بن خطابؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کی فکر تو سمجھ میں آ گئی (کہ ہم گناہوں سے بچیں اور احکام الٰہیہ کی پابندی کریں) مگر اہل وعیال کو ہم کس طرح جہنم سے بچائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جن کاموں سے منع فرمایا ہے ان کاموں سے ان سب کو منع کرو اور جن کاموں کے کرنے کا تم کو حکم دیا ہے تم ان کے کرنے کا اہل وعیال کو بھی حکم کرو تو یہ عمل ان کو جہنم کی آگ سے بچا سکے گا۔ (روح المعانی)

حضرات فقہاء نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنی بیوی اور اولاد کو فرائض شرعیہ اور حلال وحرام کے احکام کی تعلیم دے اور اس پر عمل کرانے کے لئے کوشش کرے...... الیٰ قولہ...... اور بعض بزرگوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب میں وہ شخص ہوگا جس کے اہل وعیال دین سے جاہل وغافل ہوں (روح) (معارف القرآن ص ۵۰۲، ص ۵۰۳ جلد نمبر ۸ سورۂ تحریم آیت نمبر ۸ پارہ نمبر ۲۸)

آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ ہر شخص پر اولاد کی تعلیم وتربیت لازم اور ضروری ہے اور اولاد عام ہے لڑکے لڑکیاں سب اولاد میں داخل ہیں، لہذا جس طرح لڑکوں کی تعلیم وتربیت ضروری ہے اسی طرح لڑکیوں کی تعلیم وتربیت

بھی لازم اور ضروری ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''اصلاح انقلاب میں تعلیم نسواں کے متعلق بہت ہی مفید مضمون بعنوان ''اصلاح معاملہ بہ تعلیم نسواں'' تحریر فرمایا ہے پورا مضمون قابل مطالعہ ہے (ملاحظہ ہو اصلاح انقلاب ص ۱۹۰ تا ص ۲۰۱) یہ مضمون بہشتی زیور حصہ اول میں بھی اسی عنوان سے ص ۹۵ تا ص ۱۰۷ پر چھپا ہوا ہے۔اس مضمون میں حضرتؒ نے تحریر فرمایا ہے۔

''غرض عقل اور مشاہدہ دونوں شاہد ہیں کہ بدون علم کے عمل کی تصحیح ممکن نہیں اور عمل کی تصحیح واجب اور فرض پس تحصیل علم دین کا فرض ہونا جیسا اوپر دعویٰ کیا گیا ہے عقلاً بھی ثابت ہوا اور سمعاً فرض ہونا اس سے اوپر بیان کیا گیا ہے تو دونوں طرح تحصیل علم دین فرض ہوا، پس ان لوگوں کا یہ خیال کہ جب عورتوں کو نوکری کرنا نہیں ہے تو ان کی تعلیم کیا ضروری ہے محض غلط ٹھہرا۔ الیٰ قولہ۔ یہ بھی تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ مردوں میں علماء کا پایا جانا مستورات کی ضرورت دینیہ کے لئے کافی وافی نہیں دو وجہ سے اول پردہ کے سبب (کہ وہ بھی اہم الواجبات ہے) سب عورتوں کا علماء کے پاس جانا قریبا ناممکن ہے اور گھر کے مردوں کو اگر واسطہ بنایا جاوے تو بعض مستورات کو گھر کے ایسے مرد بھی میسر نہیں ہوتے اور بعض جگہ خود مردوں ہی کو اپنے دین کا بھی اہتمام نہیں ہوتا تو وہ دوسروں کے لئے سوال کرنے کا کیا اہتمام کریں گے، پس ایسی عورتوں کو دین کی تحقیق از بس دشوار ہے اور اگر اتفاق سے کسی کی رسائی بھی ہوگئی یا کسی کے گھر میں باپ بیٹا بھائی وغیرہ عالم ہیں تب بھی بعض مسائل عورتیں ان مردوں سے نہیں پوچھ سکتیں، ایسی بے تکلفی شوہر سے ہوتی ہے تو سب شوہروں کا ایسا ہونا خود عادتاً ناممکن ہے تو ان کی عام احتیاج رفع ہونے کی بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ کچھ عورتیں پڑھی ہوئی ہوں اور عام مستورات ان سے اپنے دین کی ہر قسم کی تحقیقات کرلیا کریں، پس کچھ عورتوں کو بطریق متعارف تعلیم دین دینا واجب ہوا۔'' (اصلاح انقلاب ص ۱۹۴) (بہشتی زیور ص ۹۹ حصہ اول)

مندرجہ بالا حوالوں سے عورتوں اور لڑکیوں کی دینی تعلیم کی اہمیت ثابت ہوتی ہے، لہذا ان کی تعلیم کی طرف توجہ دینا اور اس کا انتظام کرنا بھی ضروری ہے۔

عورتوں اور لڑکیوں کی دینی تعلیم کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہر جگہ اور ہر بستی میں مقامی طور پر ان کی تعلیم کا انتظام کیا جائے کہ عورتیں اور لڑکیاں پردہ کے پورے اہتمام کے ساتھ آمد و رفت کریں اور ایسی قابل اعتماد رفاقت اختیار کریں کہ وہ بدنامی سے بالکل محفوظ رہیں اور ان کی عصمت و پاکدامنی، عزت و آبرو پر کوئی داغ دھبہ نہ آنے پائے اور شام تک اپنے گھر واپس پہنچ جائیں، ان کے بڑے اور اولیاء بھی ان کی تعلیم اور آمد و رفت کی پوری نگرانی کریں، عورتوں اور لڑکیوں کی تعلیم کا یہ طریقہ انشاء اللہ فتنوں سے محفوظ ہوگا۔

صورت مسئولہ میں آپ نے جو باتیں لکھی ہیں اگر وہ بالکل صحیح ہوں اور لڑکیاں پردہ کے مکمل انتظام اور اہتمام کے ساتھ آمد و رفت کرتی ہوں، معلمات بھی صحیح العقیدہ اور قابل اعتماد ہوں تو بہت ہی قابل مدح و ستائش اور لائق صد مبارکباد ہے، ہر مسلمان کو اپنی حیثیت کے مطابق اس میں تعاون کرنا چاہئے لڑکیوں کے ماں باپ بھی اس کو غنیمت سمجھیں اور اس سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی بچیوں کو دینی تعلیم سے آراستہ پیراستہ کرنے کی فکر اور سعی کریں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دینی تعلیم پر دنیوی تعلیم کو ترجیح دینے کی مذمت:

(سوال ۶۴) مسلمانوں کا بہت بڑا طبقہ دینی علوم اور اسی طرح دنیوی تعلیم سے بھی بے بہرہ ہے اور اس کا ان کو احساس بھی نہیں ہے اور جن لوگوں کو تعلیمی رغبت ہے ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو دنیوی تعلیم اور بڑی ڈگریوں کے حصول کو اپنی معراج سمجھتے ہیں، اس کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار رہتے ہیں اس کے بالمقابل دینی تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہیں اور نہ اس کو کوئی اہتمام ہوتا ہے، برائے نام کچھ دینی تعلیم دلا دی جاتی ہے، آپ سے گذارش ہے کہ دینی تعلیم کی اہمیت پر تفصیل سے روشنی ڈالیں، اور اہل ایمان کی رہنمائی فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً، جو باتیں آپ نے سوال میں درج فرمائی ہیں وہ بہت ہی قابل افسوس اور لائق اصلاح ہیں، فی زمانناً یہ صورت حال صرف آپ کے یہاں نہیں ہے بلکہ عام مرض ہے، جو ہیضہ اور طاعون کی طرح پھیلا ہوا ہے اور مسلمانوں کا بہت بڑا طبقہ اس مرض میں مبتلا ہے، اللہ تعالیٰ ہی ہم سب کی حفاظت فرمائیں، آمین۔

یہ صورت حال ہماری نئی نسل کی ایمان کے بقاء اور حفاظت کے لئے بہت ہی خطرناک ہے، مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اس کی فکر اور اس اہم مسئلہ پر توجہ دینے کی فوری ضرورت ہے اور عملی قدم اٹھانا ہی ہوگا ورنہ ہمارے ملی تشخص کا بقاء اور ہماری نئی نسل کے ایمان کی حفاظت بڑے خطرہ میں پڑ سکتی ہے، اللہ تعالیٰ ایسی بری حالت اور سنگین نتائج سے پوری ملت اسلامیہ کی حفاظت فرمائیں اور دینی تعلیم کی اہمیت ہمارے دلوں میں پیدا فرمائیں، آمین بحرمة النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم۔

جو باتیں سوال میں ہیں وہ حقیقت اور بالکل صحیح ہیں، جب ہم اپنے معاشرہ پر نظر ڈالتے ہیں تو عام صورت حال یہی نظر آتی ہے کہ بچوں اور بچیوں کی دینی تعلیم برائے نام ہی ہے اور ایک رسم کے طور پر دینی تعلیم دلا دی جاتی ہے، جس قدر فکر اور توجہ دنیوی تعلیم کی طرف ہے اتنی فکر دینی تعلیم کی طرف نہیں ہے، حد تو یہ ہے کہ ہمارے معاشرہ کی نوجوان لڑکیاں بھی اسکولوں اور کالجوں میں نظر آتی ہیں جب کہ یہی بچیاں عام طور پر دینی تعلیم سے بالکل بے بہرہ ہوتی ہیں، نہ قرآن مجید صحیح پڑھنا آتا ہے نہ ضروریات دین سے واقفیت ہوتی ہے ان کی زندگی میں نہ دین ہے نہ دین کی عظمت او رنہ دین پر عمل۔ دنیوی تعلیم میں اس قدر انہماک ہے کہ ایمان اور دین کی بیخ و بنیاد نکلتی جارہی ہے مگر اس کا احساس بھی نہیں، آج تقریباً ہر جگہ مسلمانوں کے معاشرہ کی یہی حالت ہے، مرحوم اکبر الہ آبادی نے بالکل صحیح فرمایا ہے۔

نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر
گرا کیں چپکے چپکے بجلیان دینی عقائد پر

ہم دنیوی تعلیم سے منع نہیں کرتے مگر شکایت اور گلہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے طرز عمل سے دنیوی تعلیم کو دینی تعلیم پر فوقیت اور اہمیت دے رکھی ہے، دنیوی تعلیم غالب اور دینی تعلیم مغلوب ہے اور اس کی شکایت قرآن مجید میں بھی موجود ہے، ارشاد خداوندی: بل تؤثرون الحیوة الدنیا والاخرة خیر وابقیٰ. ترجمہ: بلکہ تم دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو حالانکہ آخرت (دنیا سے) بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے۔

مفسر قرآن حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی تحریر فرماتے ہیں۔

''یعنی یہ بھلائی (جس کا بیان اوپر کی آیات میں ہوا) تم کو کیسے حاصل ہو جب کہ آخرت کی فکر ہی نہیں بلکہ دنیا کی زندگی اور یہاں کے عیش و آرام کو اعتقاداً یا عملاً آخرت پر ترجیح دیتے ہو حالانکہ دنیا حقیر و فانی اور آخرت اس سے کہیں بہتر اور پائیدار ہے، پھر تعجب ہے کہ جو چیز کماً و کیفاً ہر طرح افضل ہو اسے چھوڑ کر مفضول کو اختیار کیا جائے۔ (سورۂ اعلیٰ، پارہ نمبر ۳۰)

اللہ تعالیٰ نے اس عالم اسباب میں ہر چیز کا تریاق رکھا ہے جو اس کے زہریلے اور خراب اثرات کو ختم کرتا ہے، دنیوی اور عصری تعلیم کے زہر کے لئے قرآن و حدیث دینی تعلیم اور اسلامی تربیت تریاق ہے، اگر ہمارے بچوں نے بنیادی دینی تعلیم ٹھوس طریقہ پر حاصل نہ کی اور اسلامی عقائد اور احکامات کا علم بقدر فرض بھی حاصل نہ کیا اور علماء کرام سے ربط وضبط اور دینی اور تبلیغی کاموں سے وابستگی نہ رکھی تو عصری (دنیوی) تعلیم ہم کو ضلالت اور ہلاکت تک پہنچا کر چھوڑے گی اور دنیا و آخرت میں اس کا زبردست خمیازہ بھگتنا پڑے گا، یہ بات احقر تنہا نہیں کہہ رہا ہے، ہمارے اکابر اور سربراہوں نے بھی یہ بات کہی اور لکھی ہے۔

ہندوستان کی جنگ آزادی کے مجاہد جلیل اسیر مالٹا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ ''اگر انگریزی تعلیم کا آخری اثر یہی ہے جو عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ نصرانیت کے رنگ میں رنگ جائیں یا ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذاہب اور مذہب والوں کا مذاق اڑائیں، یا حکومت وقت کی پرستش کرنے لگیں تو ایسی تعلیم پانے سے ایک مسلمان کے لئے ل رہنا ہی اچھا ہے۔ (خطبہ صدارت جلسہ افتتاحیہ مسلم نیشنل یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۲۰ء بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ اردو ص ۲۴۲ ج سوم)

حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''آج کل تعلیم جدیدہ کے متعلق علماء پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ تعلیم جدید سے روکتے ہیں اور اس کو ناجائز بتلاتے ہیں، حالانکہ میں بہ قسم کہتا ہوں کہ اگر تعلیم جدید کے یہ آثار نہ ہوتے جو علی العموم اس وقت اس پر مرتب ہو رہے ہیں تو علماء اس سے ہرگز منع نہ کرتے، لیکن اب دیکھ لیجئے کہ کیا حالت ہو رہی ہے، جس قدر جدید تعلیم یافتہ ہیں بہ استثناء شاذ و نادر ان کو نہ نماز سے غرض ہے نہ روزے سے نہ شریعت کے کسی دوسرے حکم سے بلکہ ہر بات میں شریعت کے خلاف ہی چلتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اس سے اسلام کی ترقی ہوتی ہے۔ (فضل العلم والعمل ص ۸)

سرسید مرحوم لکھتے ہیں'' اسی طرح لڑکیوں کے اسکول بھی قائم کئے گئے جن کے ناگوار طرز نے یقین دلایا کہ عورتوں کو بدچلن اور بے پردہ کرنے کے لئے یہ طریقہ نکالا گیا ہے۔ (اسباب بغاوت ہند، بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ اسی باب میں یہ حوالہ تعلیم نسواں کے متعلق کے عنوان سے دیکھو

مسٹر فضل حق وزیر اعظم صوبۂ بنگال نے ۱۹۳۸ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل مسقدہ پٹنہ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا کہ ''جس قسم کی تعلیم (کالج اور اسکول میں) ان کو دی گئی ہے، دراصل اس نے ان کو نہ دنیا کا رکھا ہے نہ دین کا، اگر ایک مسلمان بچہ نے اونچی سے تعلیم کی ڈگری حاصل کر بھی لی لیکن اس کوشش میں مذہب کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تو اس کا ڈگریاں حاصل کرنا قوم کے لئے کیا مفید ہو سکتا ہے؟ مفید اس وقت ہو سکتا

ہے جب مسلمان رہ کر ترقی کرے، کیا خوب کہا ہے اکبرالہ آبادی نے ۔

فلسفی کہتا ہے کیا پرواہ ہے گر مذہب گیا
میں یہ کہتا ہوں بھائی، یہ گیا تو سب گیا

(مدینہ، اخبار سہ روزہ بجنور ۹ ۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء رحیمیہ ۳/۱۲۵)

مسلم لیگی اخبار ''منشور'' (دہلی) کے مدیر مسٹر حسن ریاض ۹ جون ۱۹۴۰ء کے اداریہ میں لکھتے ہیں کہ ''گذشتہ تمیں برس سے مسلمان بچے بالعموم صرف انگریزی اسکولوں میں تعلیم پا رہے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس دور کے جتنے تعلیم یافتہ ہیں وہ اسلامی کلچر، اخلاق اور اسلامی تصورات سے بالکل نابلد ہیں ۔

ڈاکٹر ہنٹر کا قول ہے کہ ''ہمارے انگریزی اسکولوں میں پڑھا ہوا کوئی نوجوان، ہندو ہو یا مسلمان، ایسا نہیں جس نے اپنے بزرگوں کے مذہبی عقائد کو غلط سمجھنا نہ سیکھا ہو ۔ (مسلمانان ہند ص ۱۴۲ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۵ ج ۳)

علامہ اقبال مرحوم ایک نظم میں جس کا عنوان ''فردوس میں ایک مکالمہ'' ہے اپنا خیال یوں ظاہر فرماتے ہیں ۔

ہاتف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں ایک روز
حالی سے مخاطب ہوئے یوں سعدی شیرازی
کچھ کیفیت مسلم ہندی کی تو بیاں کر
درماندۂ منزل ہے کہ مصروف تگ و تاز
مذہب کی حرارت بھی ہے کچھ اس کی رگوں میں
تھی جس کی فلک سوز کبھی گرمی آواز
باتوں سے ہوا شیخ کی حالی متاثر
رو رو کے لگا کہنے کہ اے صاحب اعزاز
جب پیر فلک نے ورق ایام کا پلٹا
آئی یہ صدا پاؤ گے تعلیم سے اعزاز
آیا ہے مگر اس سے عقیدہ میں تزلزل
دنیا تو ملی طائر دیں کر گیا پرواز
دیں ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی
فطرت ہے جوانوں کی زمیں گیر زمیں تاز
بنیاد لرز جائے جو دیوار چمن کی
ظاہر ہے کہ انجام گلستاں کا ہے آغاز
پانی نہ ملا زمزم ملت سے جو اس کو
پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز

یہ ذکر حضور شہ یثرب میں نہ کرنا
سمجھیں نہ کہیں ہند کے مسلم مجھے غماز
خرما نتوان یافت ازان خار کہ کشتیم
دیبا نتواں یافت ازاں پشم کہ رشتیم

یہ ہیں عصری (دنیوی انگریزی) اعلیٰ تعلیم کے نتائج جس کا اعتراف ہمارے بڑوں اور قائدین قوم نے کیا ہے، لہٰذا اس کے غلط نتائج سے حفاظت کے لئے ہمیں تدبیر اختیار کرنا ہے اور اچھی طرح اس پر غور کرنا ہے کہ ہماری موجودہ اور آئندہ آنے والی قیامت تک کی نسلوں کے ایمان واعمال کی حفاظت ہوسکے اور دنیا کے ہر خطہ اور ہر علاقہ کے مسلمانوں کو اس کی فکر کرنا ہے اور میری یہ دعوت فکر صرف آپ حضرات کو نہیں ہے بلکہ دنیا کے ہر مسلمان سے ہے، اور وہ تدبیر یہ ہے کہ ہمارے بچے دینی مذہبی بنیادی ضروری تعلیم پوری طرح حاصل کریں، اسلامی تعلیمات واحکامات کو اور ایمان کے تقاضوں کو اچھی طرح سمجھ لیں اور اسلامی تمدن، اسلامی اخلاق اور عادات پر بھی مضبوطی سے قائم رہیں، علماء کرام سے ربط اور دینی وتبلیغی کام سے پوری طرح وابستگی قائم رکھیں، اور اس کے ساتھ عصری تعلیم حاصل کریں تو انشاء اللہ اس کے زہریلے اثرات سے حفاظت ہوسکتی ہے۔

اکبر الہ آبادی نے بڑے پتہ کی بات کہی ہے۔

تم شوق سے کالج میں پھلو، پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں میں اڑو، چرخ پے جھولو
بس ایک سخن بندہ ناچیز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

اگر حقیقت پر غور کیا جائے تو علم درحقیقت وہی ہے جو انسان کے دل میں اللہ رب العزت کی معرفت اور اس کا خوف وخشیت پیدا کرے، انسان اپنی حقیقت کو پہچانے اور اس کے اندر عجز وتواضع اور اپنی خواہشات اور حرص ختم کرنے کا جذبہ پیدا ہو، قبر اور آخرت کی زندگی کا استحضار حاصل ہو، ایک فارسی شاعر نے اسی حقیقت کو کھولا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

علم چہ بود آنکہ رہ بنمایدت
زنگ گمراہی ز دل بزدایدت
حرص و ہوس از دلت بیروں کند
خوف وخشیت دردلت افزوں کند

یعنی علم حقیقت میں وہ ہے جو تمہیں راست راہ دکھائے، گمراہی کے زنگ کو دل سے زائل کردے، حرص وخواہش کو دل سے باہر نکال دے، خوف وخشیت تمہارے دل میں زیادہ کرے اسے علم کہتے ہیں، ایک اور شعر ہے۔

علم دین فقہ است تفسیر و حدیث
ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

علم دین فقہ،تفسیر وحدیث ہے،جو شخص ان علوم کو چھوڑ کر محض دنیوی تعلیم پر اکتفاء کرے اور اس پر ناز کرے تو ایسا شخص عارف نہیں بلکہ خبیث بنے گا۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

علمے که راه بحق نه نماید جهالت است

یعنی: جو علم راہ حق (صراط مستقیم) نہ دکھائے وہ علم نہیں بلکہ جہالت ہے۔

اپنی اولاد کو اسلامی اور دینی تعلیم دلانا از حد ضروری اور اسلامی فریضہ ہے، قیامت کے دن ہم سے اس کی باز پرس ہوگی،حدیث میں قیامت کے دن باپ سے سوال ہوگا ماذا علمته ' واما ذا ادبته' تم نے اس بچہ کو کیا تعلیم دی تھی اور اس بچہ کو کیا ادب سکھایا تھا؟

بچہ کے سدھرنے اور بگڑنے کی پوری ذمہ داری والدین پر ہے، بچہ بہت اچھی صلاحیت لے کر دنیا میں آتا ہے مگر والدین غلط تربیت سے اس کی صلاحیت کو خراب کردیتے ہیں،حدیث میں ہے،محسن انسانیت حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ما من مولود الا یو لد علی الفطرة فابواه یهود انه او ینصرانه او یمجسانه ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے(یعنی اس کے اندر دین اسلام اور صحیح طریقہ قبول کرنے کی پوری صلاحیت ہوتی ہے) مگر اس کے والدین (غلط تعلیم وتربیت سے)اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں ۔(مشکوۃ شریف ص ۲۱)

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے یآ یھا الذین امنوا قوا انفسکم و اھلیکم نارا ترجمہ:اے ایمان والوں تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو(دوزخ کی) آگ سے بچاؤ(سورۂ تحریم پارہ نمبر ۲۸)

معارف القرآن میں ہے: قوا انفسکم واھلیکم الآیة اس آیت میں عام مسلمانوں کو حکم ہے کہ جہنم کی آگ سے اپنے آپ کو بھی بچائیں اور اپنے اہل وعیال کو بھی......لفظ اھلیکم میں اہل وعیال سب داخل ہیں،جن میں بیوی،اولاد،غلام باندیاں سب شامل ہیں اور بعید نہیں کہ ہمہ وقتی نوکر چاکر بھی غلام ، باندیوں کے حکم میں ہوں ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر بن خطابؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کی فکر تو سمجھ میں آ گئی (کہ ہم گناہوں سے بچیں اور احکام الٰہی کی پابندی کریں) مگر اہل وعیال کو ہم کس طرح جہنم سے بچائیں؟رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جن کاموں سے منع فرمایا ہے ان کاموں سے ان سب کو منع کرو اور جن کاموں کے کرنے کا تم کو حکم دیا ہے تم ان کے کرنے کا اہل وعیال کو بھی حکم کرو تو یہ عمل ان کو جہنم کی آگ سے بچا سکے گا (روح المعانی) ۔الی قولہ۔

حضرات فقہاء نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنی بیوی اور اولاد کو فرائض شرعیہ اور حلال وحرام کی تعلیم دے اور اس پر عمل کرانے کے لئے کوشش کرے۔الی قولہ۔اور بعض بزرگوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب میں وہ شخص ہوگا جس کے اہل وعیال دین سے جاہل وغافل ہوں (روح)

(معارف القران ص ۵۰۲،ص ۵۰۳ جلد نمبر ۸،حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

لہذا ہر مسلمان پر لازم اور ضروری ہے کہ خود بھی ضروری دینی علم حاصل کرے اور اس پر عمل پیرا ہو،اور اپنے دل میں دین وشریعت کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول اللہ ﷺ کی مبارک اور نورانی سنتوں کا احترام پیدا

کرے اوراس پر سختی سے) عمل کرے، اورسب سے بڑھ کرقرآن مجید سے تعلق پیدا کرے اور اپنی اولاد کوبھی دینی تعلیم قرآن وسنت سے آراستہ پیراستہ کرکے ان کواس پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت کرے، ماضی میں مسلمان عروج وارتقاء کی جس بلندی پر پہنچے اس کا بنیادی سبب قرآن اور اسلامی تعلیمات سے بے پناہ لگاؤ تھا اوراس پر سختی سے عمل تھا، قرآن نے مسلمانوں کو جو تعلیمات دی تھیں مسلمان ان پر عمل پیرا تھے، جن راہوں کی طرف رہنمائی کی تھی ان پر چلنے کے لئے بے چین رہتے تھے، ہر معاملہ میں اپنی خواہشات کو پیچھے شرعی احکامات کو مقدم رکھتے تھے، آج بھی ہمارے اندر ایسے ہی بلند جذبات پیدا کرنے کی ضرورت ہے، آج تو ہم درحقیقت برائے نام مسلمان ہیں اسلامی تعلیمات، اسلامی تمدن، اسلامی وضع قطع اور اسلامی اخلاق وتہذیب سے ہم کوسوں دور ہیں اور ہمارا گلہ یہ ہے کہ دنیا میں مسلمان پریشان ہیں، ان کا کوئی اثر نہیں، دنیا کی قومیں ان کو لقمۂ تر بنائے ہوئے ہیں، اگر ہمارے اندر ایمان کی حقیقت اور ایمانی قوت وحمیت ہو تو انشاء اللہ یہ حالت ختم ہو سکتی ہے، ایمان کامل اور ایمان حقیقی پر ہی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ارشاد خداوندی ہے۔

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين O

ترجمہ: اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہوگے اگر تم پورے مؤمن رہے۔

علامہ اقبال مرحوم نے جواب شکوہ میں اسی کا نقشہ کھینچا ہے۔

شور ہے ہوگئے دنیا سے مسلمان نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

اس لئے اب خواب غفلت سے بیدار ہونے کی سخت ضرورت ہے اور خود کو اور اپنی اولاد کو سچا پکا مسلمان بنانا ضروری ہے صرف اپنے آباواجداد پر فخر کرنا کافی نہیں۔

علامہ اقبال مرحوم نے خوب کہا ہے

تھے تو آباء وہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو
ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغاں بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو
وہ زمانہ میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

اس لئے اہل ایمان سے بہت واضح الفاظ میں عرض کرتا ہوں کہ ہماری کامیابی کا واحد راستہ صرف یہی ہے کہ قرآن مجید اور اسلامی تعلیمات سے گہری دلچسپی پیدا کریں اور اپنی اولاد اور مسلمانوں کے بچوں کو بھی دینی علوم سے آراستہ پیراستہ کریں، اس نعمت سے اپنے بچوں کو محروم رکھنا بہت عظیم خسران ہے۔

ایک عربی شاعر نے خوب کہا ہے

لیس الیتیم الذی قد مات والدہ
ان الیتیم یتیم العلم والادب

یعنی: وہ بچہ جس کے باپ کا انتقال ہوگیا ہو صرف وہی یتیم نہیں بلکہ وہ بچہ بھی یتیم ہے جو باپ کے ہوتے ہوئے بھی دینی علوم اور اسلامی ادب سے محروم رہا ہو۔

خلاصۂ کلام!:

ماں باپ پر اولاد کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ ان کو اسلامی تعلیمات سے خوب اچھے طریقہ سے واقف کریں، صرف رسمی طور پر کچھ ابتدائی دینی تعلیم دلا دینا کافی نہیں بلکہ عصری علوم کی ساتھ دینی اور اسلامی تعلیمات، تہذیب واخلاق سے بھی ان کو آراستہ کیا جائے، یہ ان کا ماں باپ پر بہت بڑا حق ہے جسے پورا کرنا اور اس پر پوری توجہ دینا ہمارا دینی وملی فریضہ ہے اس کے بغیر ہم اپنے فریضہ سے سبکدوش نہیں ہو سکتے، اسی طرح قوم کے سربراہ اور قائدین پر لازم ہے کہ جگہ جگہ اپنے علاقوں، اپنی بستی، اپنے محلوں میں بھی مدارس اسلامیہ اور مکاتب قرآنیہ قائم کریں اور مسلمانوں کے بچے اور بچیوں کے لئے دینی تعلیم کا بہتر سے بہتر انتظام کریں اور اس کے ساتھ ساتھ بچوں کے والدین اور اولیاء سے بھی عرض ہے کہ اپنے بچوں کی دینی تعلم کی پوری نگرانی کریں، بچہ کو پابندی کے ساتھ مدرسہ بھیجیں، بچہ نے سبق یاد کیا یا نہیں اس کی بھی فکر کریں، ہم اسکول کی تعلیم کے لئے کس قدر متفکر رہتے ہیں ہمیں یہ فکر سوار رہتی ہے کہ بچہ اسکول گیا یا نہیں؟ اس نے اسکول کا سبق (لیسن) یاد کیا یا نہیں؟ اسکول لانے لے جانے کا پورا انتظام، بلکہ اسکول کے ساتھ ساتھ ٹیوشن کا بھی انتظام کاش اتنی فکر اور توجہ قرآن مجید، دینی تعلیم کی طرف ہوتی جو ہماری اصل اور بنیادی چیز ہے۔

یاد رکھئے! ہم اپنے بچوں کو اسلامی تعلیم اور اسلامی آداب وتہذب سے بہتر کوئی چیز نہیں دے سکتے، اس سے انشاء اللہ ان کی دنیا وآخرت بنے گی، آپ کے انتقال کے بعد ایسے بچے آپ کے لئے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کریں گی۔ حدیث میں ہے **ما نحل والدو لدہ' من نحل افضل من ادب حسن**، کسی باپ نے اپنے بچہ کو اچھے ادب سے بہتر کوئی تحفہ اور عطیہ نہیں دیا، ایک اور حدیث میں ہے **لان یؤدب الرجل ولدہ' خیر لہ' من ان یتصدق بصاع** آدمی کا اپنی اولاد کو ادب سکھانا ایک صاع غلہ خیرات کرنے سے بہتر ہے۔ اس سلسلہ کی مزید تفصیل فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد سوم ص ۱۴۹ تا ص ۱۵۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں پر عمل کرنے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں، ایمان پر استقامت اور صراط مستقیم پر گامزن رکھیں اور پوری ہی نسل کے ایمان کی حفاظت فرمائیں اور ہر ایک کو اپنے اپنے وقت موعود پر حسن خاتمہ نصیب فرمائیں، اپنی رضا عطا فرمائیں اور ہمارے دلوں میں دینی علوم کی عظمت اور اس کی طرف توجہ دینے اور جگہ جگہ مکاتیب قرآنیہ مدارس اسلامیہ قائم کرنے کی توفیق سعید عطا فرمائیں، آمین **بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم تسلیماً کثیراً۔ فقط واللہ اعلم بالصواب.**

علما دین کی ذمہ داریاں:

(سوال ۲۵) علمائے دین کی ذمہ داریاں کیا ہیں، اختصار کے ساتھ بیان فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) الحمد لله رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی سید المرسلین و علیٰ اله و صحبه اجمعین. اما بعد.

مدارس اسلامیہ اسلام کے قلعے ہیں اور اسلامی تعلیمات ہی کے ذریعہ عقائد صحیح اور درست ہوسکتے ہیں اور علم ہی کی روشنی میں انسان صحیح اسلامی زندگی گذار سکتا ہے اس کی تمام عبادات معاملات لین دین وغیرہ وغیرہ علم ہی کی روشنی میں صحیح اور سنت کے مطابق ادا ہو سکتے ہیں، تعلیم و تعلم کے فضائل اور اس کی اہمیت اظہر من الشمس ہے، لہذا مدارس اسلامیہ مکاتب قرآنیہ میں جو طلبا حصول علم کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں اور جو معلمین ان کی تعلیم و تربیت میں شب و روز مصرف ہیں، اور مہتمم وغیرہ حضرات یہ سب کے سب سعادت مند اور صد بار قابل مبارکباد ہیں کائنات کی ہر مخلوق ان کے لئے دعا کرتی ہے، ملائکہ طلبۂ علوم کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں اور بلا شبہ طلبہ اضیاف الرسول (ﷺ) کہلانے کے مستحق ہیں اور معلمین بھی نہایت قابل احترام ہیں جو علم کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں، الغرض مدارس اسلامیہ کی اہمیت بہت زیادہ ہے اس کی اہمیت سے کسی حال میں انکار نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ مدارس اور دار العلوم میں امت کا بہت ہی مختصر سا طبقہ پہنچتا ہے اکثریت مدارس کے باہر ہی ہے، لہذا امت کا وہ بہت بڑا طبقہ جو مدارس اور دار العلوم سے کوسوں دور ہے ان کو دین پہنچانے اور احکام و مسائل سے آگاہ کرنے اور ان کی اصلاح کی فکر اور اس کا انتظام بھی ضروری ہے، ان تمام کاموں کی ذمہ داری کس پر ہے؟ اسی طرح حضور اقدس ﷺ کی امت دعوت کو توحید اور دین کی دعوت دینا کس کے ذمہ ہے؟

بلا تکلف اور سیدھا جواب یہی ہے کہ یہ ذمہ داری بھی علماء امت پر ہے **العلماء ورثة الانبیاء** لہذا جس طرح علماء کرام مدارس اسلامیہ اور دار العلوم کے طلباء کی علمی، دینی اصلاح کرتے ہیں اور علم کے زیور سے ان کو آراستہ پیراستہ کرتے ہیں۔ اسی طرح علماء امت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ عوام تک دین پہنچانے کا جو راستہ اور طریقہ ہو وہ راستہ اور طریقہ اختیار کر کے عوام کو دین سے اور مسائل سے آگاہ کرتے رہیں اور ان کے دل و دماغ میں دین اور شریعت کی محبت پیدا کرنے کی کوشش کریں چاہے وہ وعظ و ارشاد کے ذریعہ ہو یا دعوت و تبلیغ کے ذریعہ، اس اہم اور ضروری کام میں بھی علماء امت کو اپنا وقت لگانا چاہئے۔

مدارس اسلامیہ کے مہتمم حضرات پر بھی لازم ہے کہ وہ دل کھول کر علماء کرام کو اس کام میں حصہ لینے کا موقع فراہم کریں اور پوری بشاشت کے ساتھ ان کو باہر جانے کی اجازت دیں تاکہ علماء کرام کو ان کاموں کے لئے سفر کرنے اور ان میں عملی حصہ لینے میں کسی قسم کی جھجک اور رکاوٹ محسوس نہ ہو اور ان ایام کی تنخواہ بھی جاری رکھیں یہ بھی دین کا بہت اہم کام ہے، اور علماء امت پر ذمہ داری بھی ہی، علماء اس ذمہ داری کو انجام دیں گے تو دین کا یہ شعبہ صحیح طریقہ پر جاری رہے گا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

’’علماء نے آج کل یہ کام بالکل چھوڑ دیا جو انبیاء علیہم السلام کا کام تھا اس لئے آج کل واعظ جہلاء زیادہ نظر آتے ہیں، علماء واعظ بہت کم ہیں تو آپ نے اصل مقصود کے علاوہ جس چیز کو مقصود بنایا تھا اس کی بھی تکمیل نہیں کی اس کا بھی ایک شعبہ لے لیا یعنی تعلیم و درسیات اور دوسرا شعبہ تعلیم عوام کا چھوڑ دیا۔

صاحبو! اگر علماء عوام کی تعلیم نہیں کریں گے تو کیا جہلاء تعلیم کریں گے؟ اگر جہلاء یہ کام کریں گے تو وہی ہوگا جو حدیث میں اتخذوا رؤساجھا لا فضلوا واضلوا کہ یہ جہلاء مقتدا و پیشوا شمار ہوں گے لوگ انہیں سے فتویٰ پوچھیں گے اور یہ جاہل خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے، اس لئے علماء کو تعلیم درسیات کی طرح وعظ و تبلیغ کا کام بھی کرنا چاہئے اور اس کا انتظار نہ کرو کہ ہمارے وعظ کا اثر ہوتا ہے یا نہیں؟ اور کوئی سنتا بھی ہے یا نہیں؟ اور سننے والا مجمع ہے یا ایک؟ (وعظ العلم والخشیۃ ص ۳۳ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۸۰ ج ۶۔ (جدید ترتیب میں اسی باب کے اندر غیر عالم کا وعظ کہنا، کے عنوان سے دیکھئے ص ۱۵۰ ج ۲۴ از مرتب)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جان لو کہ اس دور میں گھر کے ہر چھوٹے بڑے تعلیم و تبلیغ رشد و ہدایت اور عمل صالح کے بارے میں لوگوں کو آمادہ کرنے میں قاصر ہیں، جس بناپر گنہگار ہیں کہ شہر میں اکثر لوگ نماز کے شرائط و احکام سے ناواقف ہیں تو پھر گاؤں کے باشندوں کی نماز اور دین کی کیا حالت ہوگی؟

لہٰذا شہر کی ہر ایک مسجد اور محلہ میں ایک عالم دین کا ہونا ضروری ہے، ایسے ہی ہر ایک گاؤں میں بھی ایک عالم دین کا ہونا ضروری ہے، جو عالم اپنے فرض عین سے فارغ ہو اور فرض کفایہ کی فرصت ہو تو اس پر لازم ہے کہ قرب و جوار کی بستی میں جاکر لوگوں کو دین سکھائے اور شرعی احکام سے واقف کرے، اپنا کھانا ساتھ لے جائے، کسی کا کھانا نہ کھائے کہ وہ مشتبہ ہوتا ہے، قریب و جوار میں کوئی چلا جاوے تو دوسرے سبکدوش ہو جائیں گے، ورنہ عالم و غیر عالم سب پر وبال آئے گا، عالم پر تو اس لئے کہ باہر جا کر جاہلوں کو دین نہ سکھایا اور غیر عالم پر اس لئے کہ دین سیکھنے میں سستی کی، عوام جو شرائط صلوٰۃ سے واقف ہیں ان پر ضروری ہے کہ ناواقف لوگوں کو سکھائیں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے کہ وہ جانتے ہیں، ناواقف عوام کو سکھانے کی ان کو کافی فرصت ہوتی ہے، اور یہ لوگ اس خدمت کو بحسن و خوبی انجام دے سکتے ہیں، دوسرے لوگ زراعت، تجارت، ملازمت چھوڑ کر تبلیغ میں جائیں گے تو ان کا کاروبار بند ہو جائے گا، بدنظمی ہو جائے گی جس کے سنبھالنے کے وہ ذمہ دار ہیں، اقتصادی حالت کی درستگی بھی ضروری ہے، علماء کی شان اور ان کا کام یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے جو کچھ ان تک پہنچا ہے وہ دوسروں تک پہنچا دیں کہ علماء وارث انبیاء ہیں۔

(احیاء العلوم ص ۶۶۳ ج ۲ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۱۹ (جدید ترتیب میں، اسی باب کے اندر مدرسہ کی تعلیم اہم ہے یا تبلیغ کے عنوان، سے دیکھئے ج ۳ ص ۱۵۵ از مرتب)

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

’’مجھ کو یہ معلوم ہوا ہے کہ بعض ممبران شوریٰ کو ان مدرسین کی تنخواہوں کے جاری رکھنے کے متعلق اعتراضات اور شبہات ہیں، مسلمانوں کے ادارات تعلیمیہ صرف تعلیمی خدمات انجام دینے کے لئے نہیں بنائے گئے بلکہ مسلمانوں کی مذہبی اور دینی دوسری ضروری خدمات بھی ان کے فرائض میں سے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جنگ روم و روس کے زمانہ میں حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز نے دورے کئے اور ایک عظیم الشان مقدار چندہ کی جمع کر کے ترکی کو

تھی ،اس زمانہ میں دارالعلوم دیوبند میں تعطل رہا (تعلیم بند رہی)اور تنخواہیں دی گئیں۔

شدھی اور سنگھٹن وغیرہ کی نحوستوں کے زمانہ میں ملکانہ راجپوتوں وغیرہ کے علاقہ میں مدرسین اور علماء کے وفود بھیجے گئے اور ان کی تنخواہیں جاری رکھی گئیں ،ایسے اوقات میں کام کرنے والے اور حصہ لینے والے یہی مدرسین اور علماء ہوئے اور ہوسکتے ہیں ،اگر ان کے اہل وعیال کی خبر گیری بند ہوجائے گو یقیناً اسلام اور مسلمانوں کے لئے بہت نقصان اور مصائب کا سامنا ہوجائے گا ،مذہبی جلسوں اور مناظرات مذہبیہ کے اجلاس وغیرہ میں علماء اور مدرسین کا شریک ہونا ، تدریسی خدمات کو معطل کرنا نہ صرف آج بلکہ اسلاف کرام کے عہد ماضیہ سے چلا آتا ہے پس جو لوگ بھی اس میں حصہ لے رہے ہیں وہ کسی ادارۂ اسلامیہ کے علاوہ کسی دوسرے مقصد میں حصہ نہیں لے رہے ہیں ۔(مکتوبات شیخ الاسلام ص ۳۵۲ ص ۳۵۶ ج ،بحوالہ فتاوی رحیمیہ ص ۱۴۵ ص ۱۴۶ ج ۳)

ان بزرگوں کی تحریر سے بات بہت واضح ہوئی ،اس لئے اگر کوئی اہم دینی اجلاس ہو جس کا تعلق اسلامی تعلیم اور عوام کی اصلاح سے ہو یا تحفظ شریعت سے ہو ایسی ضرورت کے موقع پر مدارس اسلامیہ کے مہتمم اور ذمہ داران کو اس پر عمل کرنا چاہئے ،ذمہ دار اور قابل علماء کو اس میں شرکت کی اجازت دینا چاہئے ،اگر تعلیم کے حرج کا اندیشہ ہو تو مدرسین کی تعداد بڑھادی جائے یا ایک دو مدرس زائد رکھے جائیں تاکہ جب کسی مدرس کو اس اہم اور ضروری کام کے لئے جانا پڑے تو ان کی غیر موجودگی میں یہ زائد مدرس ان کا تعلیمی سلسلہ جاری رکھ سکیں۔

آج کل تبلیغی ،جماعت کا کام بھی ماشاء اللہ بہت پھیل گیا ہے اور عالمی سطح پر یہ کام ہو رہا ہے اور اس سے عوام میں دینی بیداری ،دین کا شوق دین کی لئے قربانی کا جذبہ اور آخرت کی فکر پیدا ہو رہی ہے ، بے شمار لوگوں کی زندگیاں بدلی ہیں ،عوام تک دین پہنچانے کے لئے یہ بہت وسیع میدان ہے ،علماء کو اس کام میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی ضرورت ہے ۔ یہ کام دراصل علماء ہی کا ہے ،اس لئے علماء کو اس میں حصہ لینا چاہئے ،علماء کے حصہ لینے سے اس کام میں اور مضبوطی پیدا ہوگی اور کام صحیح نہج اور اصولوں کے مطابق چلے گا انشاء اللہ ،اتنی بڑی جماعت کو علماء ہی سنبھال سکتے ہیں ، ورنہ اگر اس میں کچھ خرابیاں پیدا ہوں گی تو علماء اس کے ذمہ دار ہوں گے ،لہذا مہتمم اور مدرسہ کی ذمہ داروں کو چاہئے کہ مدرسین کو اس میں بھی عملی طور پر حصہ لینے کا موقع فراہم کریں۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فرمایا.....انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی امتوں کی عام حالت یہ رہی ہے کہ جوں جوں زمانہ نبوت سے ان کو بعد ہوتا تھا دینی امور (عبادات وغیرہ)اپنی روح اور حقیقت سے خالی ہوکر ان کے ہاں محض ''رسوم'' کی حیثیت اختیار کر لیتے تھے اور ان کی ادائیگی بس ایک بڑی ہوئی رسم کے طور پر ہوتی تھی ،اس گمراہی اور بے راہ روی کی اصلاح کے لئے پھر دوسرے پیغمبر مبعوث ہوتے تھے جو اس رسمی حیثیت کو مٹا کر امتوں کو ''امور دین'' کی اصل حقیقتوں اور حقیقی روح شریعت سے آشنا کرتے تھے۔

سب سے آخر میں جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو اس وقت کی جن قوموں کا تعلق کسی سماوی دین سے تھا ان کی حالت بھی یہی تھی کہ ان کے پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعت کا جو حصہ ان کے پاس باقی تھا تو اس کی حیثیت سے بھی چند بے روح رسوم کے مجموعہ کی تھی ،ان ہی رسوم کو وہ اصل دین و شریعت سمجھتے تھے ،رسول اللہ ﷺ نے ان ''رسوم''

کو مٹایا اور اصل دینی حقائق اور احکام کی تعلیم دی۔

امت محمدی ﷺ بھی اب اس بیماری میں مبتلا ہو چکی ہے، اس کی عبادات تک میں یہ رسمیت آ چکی ہے حتیٰ کہ دین کی تعلیم بھی جو اس قسم کی ساری خرابیوں کی اصلاح کا ذریعہ ہونی چاہئے تھی وہ بھی بہت سی جگہ ایک "رسم" سی ہی بن گئی ہے۔ لیکن چونکہ سلسلہ نبوت اب ختم کیا جا چکا ہے اور اس قسم کے کاموں کی ذمہ داری امت کے "علماء" پر رکھ دی گئی ہے جو نائبین نبی ﷺ ہیں تو ان ہی کا یہ فرض ہے کہ وہ اس ضلال اور فساد حال کے اصلاح کی طرف خاص طور پر متوجہ ہوں اور اس کا ذریعہ ہے تصحیح نیت، کیونکہ اعمال میں "رسمیت" جب ہی آتی ہے جب کہ ان میں للٰہیت اور شان عبدیت نہیں رہتی اور نیت کی تصحیح سے اعمال کا رخ صحیح ہو کر اللہ ہی کی طرف پھر جاتا ہے اور "رسمیت" کے بجائے ان میں "حقیقت" پیدا ہو جاتی ہے ہر کام عبدیت اور خدا پرستی کے جذبہ سے ہوگا ہے۔ الغرض لوگوں کو تصحیح نیت کی طرف متوجہ کر کے ان کے اعمال میں للٰہیت اور حقیقت پیدا کرنے کی کوشش کرنا علماء امت اور حاملان دین کا اس وقت ایک خاص فریضہ ہے۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۳، ص ۱۴، ملفوظ نمبر ۱) (مرتب حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم)

نیز حضرت مولانا محمد الیاس صاحب فرماتے ہیں:

"ایک دن بعد نماز فجر جب کہ اس تحریک میں عملی حصہ لینے والوں کا نظام الدین کی مسجد میں بڑا مجمع تھا اور حضرت مولانا کی طبیعت اس قدر کمزور تھی کہ بستر پر لیٹے لیٹے بھی دو چار لفظ با آواز نہیں فرما سکتے تھے تو اہتمام سے ایک خاص خادم کو طلب فرمایا اور اس کے واسطے سے اس پوری جماعت کو کہلوایا کہ۔ آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جد وجہد بیکار ہوگی اگر اس کے ساتھ علم دین اور ذکر اللہ کا پورا اہتمام آپ نے نہیں کیا (گویا یہ علم و ذکر دو بازو ہیں جن کے بغیر اس فضا میں پرواز نہیں کی جا سکتی) بلکہ سخت خطرہ اور قوی اندیشہ ہے کہ اگر ان دو چیزوں کی طرف سے تغافل برتا گیا تو یہ جد وجہد مبادا فتنہ اور ضلالت کا ایک نیا دروازہ نہ بن جائے، دین کا اگر علم ہی نہ ہو تو اسلام و ایمان محض رسمی اور اسمی ہیں اور اللہ کے ذکر کے بغیر اگر علم ہو بھی تو وہ سراسر ظلمت ہے اور علیٰ ہذا اگر علم دین کے بغیر ذکر اللہ کی کثرت بھی ہو تو اس میں بھی بڑا خطرہ ہے الغرض علم میں نور ذکر سے آتا ہے اور بغیر علم دین کے ذکر کے حقیقی برکات و ثمرات حاصل نہیں ہوتے بلکہ بسا اوقات ایسے جاہل صوفیوں کو شیطان اپنا آلۂ کار بنا لیتا ہے، لہٰذا علم اور ذکر کی اہمیت کو اس سلسلہ میں کبھی فراموش نہ کیا جائے اور اس کا ہمیشہ خاص اہتمام رکھا جائے، ورنہ آپ کی یہ تبلیغی تحریک بھی بس ایک آوارہ گردی ہو کر رہ جائے گی اور خدا نکردہ آپ لوگ سخت خسارہ میں رہیں گے۔

(حضرت مولانا کا مطلب اس ہدایت سے یہ تھا کہ اس راہ میں کام کرنے والے تبلیغ و دعوت کے سلسلہ کی محنت و مشقت، سفر و ہجرت اور ایثار و قربانی ہی کو اصل کام نہ سمجھیں جیسا کہ آج کل کی عام ہوا ہے، بلکہ دین کے تعلیم و تعلم اور ذکر اللہ کی عادات ڈالنے اور اس سے تعلق پیدا کرنے کو اپنا اہم فریضہ سمجھیں بہ الفاظ دیگر ان کو صرف "سیاح" اور "والعشیر" بننا نہیں ہے بلکہ طالب علم دین اور "اللہ کا یاد کرنے والا بندہ" بھی بننا ہے۔)

(ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۹، ص ۴۰، ملفوظ نمبر ۳۵۔ مرتب حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم۔ ادارہ اشاعت دینیات، نئی دہلی)

اللہ تعالیٰ دین اسلام کی اور امت کی ہر طرح حفاظت فرمائیں اور ہم سب کو دین کے ہر شعبہ کو اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ زندہ رکھنے کی توفیق سعید عطا فرمائیں اور دین کی فکر اور امت کا درد نصیب فرمائیں، آمین بحرمۃ النبی الامی صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً فقط و اللہ اعلم بالصواب. احقر الانام سید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہٗ راندیر، ۱۴. ذی قعدۃ الحرام ۱۴۱۶ھ (۳/۴/۹۶)

بچوں کی تعلیم وتربیت کی اہمیت اور اس کا طریقہ:

(سوال ۲۲) اولاد کی تعلیم وتربیت کی کیا اہمیت ہے؟ کس طرح ان کی تربیت کی جائے کہ ان کی دل ودماغ میں اسلامی تعلیمات بچپن ہی سے رچ بس جائیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں اس اہم مسئلہ پر تحریر فرمائیں جزاکم اللہ خیر الجزاء فقط، بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً وھو الموافق۔

ایک عربی شاعر نے بہت اچھا کہا ہے۔

لیس الیتیم الذی قد مات والدہٗ

ان الیتیم یتیم العلم والادب

یعنی یتیم صرف وہ بچہ نہیں ہے جس کے والد انتقال ہوگیا ہو (بلکہ) یتیم وہ بھی ہے جو علم وادب سے محروم رہا ہو۔

ہمارے ذہنوں میں صرف یہ بات ہے کہ بچپن میں جس بچہ کے والد کا انتقال ہوگیا ہو وہ بچہ یتیم ہے، مگر شاعر یہ کہتا ہے کہ وہ بچہ بھی یتیم ہے کہ جس کا باپ زندہ ہے مگر وہ بچہ کی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ نہیں دیتا اور اس کو علم ادب سے محروم رکھا ہے، بچہ میں نہ نماز کا شوق پیدا ہوا نہ قرآن پاک کی تلاوت کی طرف توجہ پیدا ہوئی، بچہ نہ مدرسہ جاتا ہے نہ دوسرے اسلامی آداب کا اسے علم ہے نہ بڑوں کا ادب واحترام جانتا ہے، تو اس بچہ کے حق میں باپ کا ہونا نہ ہونا برابر ہے، وہ بچہ بھی شاعر کی نظر میں یتیم ہے اس لئے بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینا اور علم دین سکھانا اور اسلامی آداب سے مزین کرنا بہت ضروری ہے اور والدین پر اس کی بہت بڑی ذمہ داری ہے، جس نے اپنی اولاد کو علم دین سے محروم رکھا اور ان کی دینی تربیت کی طرف توجہ نہیں دی اس نے اپنی اولاد کو دنیا اور آخرت کے بہت بڑے خیر سے محروم رکھا، قیامت میں باپ سے اولاد کے متعلق سوال ہوگا ماذا علمتہ وما ذا ادبتہ تم نے بچہ کو کیا تعلیم دی اور کیسا ادب سکھایا؟

قرآن مجید میں ہے۔ یا ایھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم ناراً وقودھا الناس والحجارۃ.

ترجمہ: اے ایمان والو تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں (سورۂ تحریم آیت نمبر ۶، پارہ نمبر ۲۸)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: لفظ اھلیکم میں اہل وعیال سب داخل

ہیں..... نوکر چاکر بھی اس میں داخل ہو سکتے ہیں ایک روایت میں ہے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر بن خطابؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! اپنے کو جہنم سے بچانے کی فکر تو سمجھ میں آ گئی (کہ ہم گناہوں سے بچیں اور احکام الٰہیہ کی پابندی کریں) مگر اہل وعیال کو ہم کس طرح جہنم سے بچائیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جن کاموں سے منع فرمایا ہے ان کاموں سے ان سب کو منع کرو اور جن کاموں کے کرنے کا تم کو حکم دیا ہے تم ان کے کرنے کا اہل وعیال کو بھی حکم کرو تو یہ عمل ان کو جہنم کی آگ سے بچا سکے گا۔ (روح المعانی)

حضرات فقہاء نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنی بیوی اور اولاد کو فرائض شرعیہ اور حلال حرام کے احکام کی تعلیم دے اور اس پر عمل کرنے کے لئے کوشش کرے..... الیٰ قولہ..... اور بعض بزرگوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب میں وہ شخص ہوگا جس کے اہل وعیال دین سے جاہل اور غافل ہوں (روح) (معارف القرآن ص ۵۰۲ جلد نمبر ۸)

اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کی تعلیم وتربیت کا مسئلہ بہت اہم ہے اولاد والدین کے پاس اللہ تعالیٰ کی بہت عظیم امانت ہوتی ہے والدین کو ان کی تعلیم وتربیت کا بہت ہی اہتمام کرنا چاہئے۔

اولاد نیک، صالح، اطاعت گذار اور فرمانبردار ہو اس کے لئے مرد پر لازم ہے کہ دیندار پاکباز اور شریف عورت سے نکاح کرے، اسی طرح لڑکی کے والدین پر لازم ہے کہ فاسق فاجر بدچلن لڑکے سے اپنی لڑکی کا نکاح نہ کریں بلکہ دیندار، متقی پرہیز گار لڑکے سے نکاح کریں۔

نکاح کے بعد حلال اور طیب روزی کا خاص اہتمام کریں، لہٰذا مرد کو چاہئے کہ اپنی آمدنی کے ذرائع کا جائزہ لے، استقرار حمل کے بعد عورت بھی خصوصاً حرام اور مشتبہ روزی سے بچے، اپنے خیالات نہایت پاکیزہ کرے، اخلاق حسنہ اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے، دین وشریعت کی اتباع کا اہتمام کرے اس کے بعد دوررس اور بہترین نتائج ظاہر ہوتے ہیں اولاد صالح اور نیک پیدا ہوتی ہیں ملاحظہ ہو خطبات حکیم الاسلام ص ۴۵۸ تا ص ۴۶۲ ج ۴۔ نیز تحفۃ الوالد والولد ص ۴۲ تا ص ۴۶ مصنفہ مولانا محمد ابراہیم پالنپوری صاحب۔

اسی طرح زوجین پر لازم ہے کہ بوقت مباشرت دعاؤں کا اہتمام کریں دعاؤں کی برکت سے بچہ شیطانی اثرات سے محفوظ رہتا ہے۔

صحبت کے وقت مرد وعورت یہ دعا پڑھیں۔

بسم اللہ اللّٰھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان مارزقتنا۔

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اے اللہ ہمیں شیطان سے بچانا اور جو اولاد آپ ہم کو عطا فرمائیں اس سے (بھی) شیطان کو دور رکھنا۔

جب انزال کا وقت ہو تو دل میں یہ دعا پڑھے۔

اللّٰھم لا تجعل للشیطان فیما رزقتنی نصیباً۔

ترجمہ:۔ اے اللہ جو (بچہ) آپ مجھے عنایت فرمائیں اس میں شیطان کا کچھ حصہ مقرر نہ فرما ہر صحبت کے وقت دعاؤں کا اہتمام کریں۔

بچہ کی ولادت کے بعد اسے نہلا دھلا کر سیدھے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہیں، اس کے بعد تحنیک اور برکت کی دعا کرائیں، تحنیک کا مطلب یہ ہے کہ ہو سکے تو بچہ کو کسی بزرگ کے پاس لے جائیں کہ وہ بزرگ بچہ کے حق میں صلاح وفلاح کی دعا کریں، اور کھجور وغیرہ کوئی میٹھی چیز چبا کر بچہ کے تالوں میں مل دیں، کوشش یہ ہو کہ بچہ کے پیٹ میں سب سے پہلے یہی چیز جائے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے بچوں کو تحنیک اور برکت کی دعاء کرانے کے لئے حضور اکرم ﷺ کے پاس لایا کرتے تھے، رواہ مسلم۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۲)

بچہ پیدا ہونے کی خوشی میں شکریہ کے طور پر نیز آفات وامراض سے حفاظت کے لئے ساتویں دن لڑکے کے لئے دو بکرے اور لڑکی کے لئے ایک بکرا ذبح کیا جائے اور بچہ کا سر منڈوا کر بال کے ہم وزن چاندی غریبوں کو صدقہ کردیں اور بچہ کے سر پر زعفران لگائیں (یعنی پورے سر پر اتنا زعفران لگائیں جو بچہ کے لئے مضر نہ ہو) اور اس کا (اچھا) نام رکھ دیا جائے۔

حدیث میں ہے: عن سمرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الغلام مرتهن بعقیقته یذبح عنه یوم السابع ویسمی ویحلق رأسه (ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۸۳)

ترجمہ: بچہ اپنے عقیقہ کے بدلہ میں مرہون ہوتا ہے لہٰذا ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے اور اس کا سر منڈوایا جائے (تفصیل فتاویٰ رحیمیہ ص ۹۱، ص ۹۲ جلد نمبر ۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(جدید ترتیب میں کتاب العقیقہ میں، بچے کے عقیقے کا شرعی حکم کیا ہے کے عنوان سے دیکھئے ۱۴۲، ۵۹ از مرتب)

بچہ کا نام اچھا رکھیں اور اس کو ادب سکھائیں، حدیث میں ہے: من ولد له ولد فلیحسن اسمه وادبه (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۱)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کے یہاں بچہ پیدا ہو تو اسے چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو ادب سکھائے۔

حدیث میں ہے: تمہارے ناموں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں، نیز حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے تسموا باسماء الانبیاء انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ناموں میں سے نام رکھو۔

آج کل نئے نئے نام رکھنے کا شوق ہوتا ہے، انبیاء علیہم السلام، صحابہ، صحابیات اور نیک بندوں، بندیوں کے ناموں میں جو برکت ہے وہ ان نئے نئے ناموں میں کہاں؟ نام کا بھی بڑا اثر ہوتا ہے، اچھے جذبات اور نیک نیت کے ساتھ صلحاء وصالحات کے نام رکھو، انشاء اللہ برکت اور دینداری پیدا ہوگی۔

جب بچہ سمجھدار اور بڑا ہونے لگے اور اس کی زبان کھل جائے تو سب سے پہلے اس کو کلمۂ طیبہ سکھائیں، اللہ پاک اور مبارک نام اس کی زبان پر جاری کرائیں۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جس وقت حضور اقدس ﷺ کا دودھ چھڑایا تو یہ کلمات آپ کی زبان مبارک پر جاری ہوئے: الله اکبر کبیراً والحمد لله کثیراً سبحان الله بکرةً واصیلاً، اور یہ آپ کا سب سے پہلا کلام تھا (اخرجہ البیہقی عن ابن عباسؓ، کذا فی الخصائص ص ۵۵ ج ۱) بحوالہ سیرت خاتم الانبیاء ص ۱۲، از

حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ)

لہذا اپنے بچوں کو یہ مبارک کلمات بھی سکھائیں اور ان کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دیں، ان کو اسلامی آداب سکھائیں، ایک ایک ادب سکھانے پر انشاء اللہ اجر و ثواب ملے گا اور والدین کی طرف سے اپنی اولاد کو اسلامی آداب سکھانا سب سے بہتر اور افضل عطیہ اور تحفہ ہے۔

حدیث میں ہے: **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما نحل والد ولدہ افضل من ادب حسن** . ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی باپ نے اپنی اولاد کو اچھے ادب سے بہتر کوئی عطیہ (تحفہ) نہیں دیا (ترمذی شریف ص ۱۷ ج ۲، باب ماجاء فی ادب الولد، ابواب البر والصلۃ)

نیز حدیث میں ہے **عن جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان یؤدب الرجل ولدہ خیر من ان یتصدق بصاع**.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، مرد کا اپنے بچہ کو ادب سکھانا ایک صاع (تقریباً ساڑھے تین کلو) غلہ خیرات کرنے سے بہتر ہے (ترمذی شریف ص ۱۷ ج ۲ باب ماجاء فی ادب الولد)

اللہ کی رحمت کی قدر کیجئے، آپ اپنے بچہ کو ایک ادب سکھائیں گے اس پر بھی آپ کو اجر و ثواب ملتا ہے۔
مثلاً والدین نے بچہ کو سکھایا بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ، یہ ایک ادب سکھانا ہوا، اور یہ سکھانے پر ساڑھے تین کلو غلہ خیرات کرنے کا ثواب ملے گا، اور جیسے ماں باپ نے بچہ کو سکھایا بیٹھ کر پانی پیا کرو، تین سانس میں پیو، سیدھے ہاتھ سے کھاؤ، ہاتھ دھو کر کھانا کھاؤ، اپنے آگے سے کھاؤ، دستر خوان پر کھانا گر جائے تو اسے اٹھا کر کھالو، برتن صاف کر لیا کرو، بڑوں کو سلام کرو، ان کا ادب کرو، ان کے سامنے زبان درازی نہ کرو، گھر میں داخل ہونے کے وقت سلام کرو، وغیرہ وغیرہ ایک ایک ادب سکھانے پر ساڑھے تین کلو غلہ خیرات کرنے کا ثواب ملے گا۔

اس طرح بچوں کو اسلامی آداب سکھائے جائیں، ہمارا معاشرہ اور ہر مسلمان کے گھر کا ماحول اسی طرح ہونا چاہئے، رہن سہن، کھانے پینے، لباس وغیرہ ہر چیز میں اسلامی طریقہ اور سنت کو اختیار کرنا چاہئے، بچوں کی تربیت اسی انداز سے کرنا چاہئے، اس کے برعکس آج کل مسلمانوں میں خاص کر انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ میں غیروں کی نقل کا طریقہ چل پڑا ہے۔ بچوں کی تربیت بھی اسی انداز پر کرتے ہیں جو غیروں میں رائج ہے، آپس میں ملنے جلنے کے وقت جو الفاظ اور اصطلاحات ان کے یہاں رائج ہیں جیسے گڈ مورننگ، گڈ نائٹ وغیرہ وغیرہ وہی الفاظ مسلمان بھی اپنے بچوں کو سکھاتی ہیں، جو لباس غیر اپنے بچوں کو پہناتے ہیں اسی انداز کا لباس مسلمان بھی اپنے بچوں کو پہنانے لگے ہیں خصوصاً جو بچے نرسری میں جاتے ہیں ان کی تربیت عموماً غیر اسلامی طریقہ پر ہوتی ہے، مسلمانوں کو اس پر خاص توجہ دینا چاہئے، ذہنی مرعوبیت ختم کر کے اپنا اسلامی طرز، معاشرہ تمدن اور ملی تشخص قائم رکھنے کا پورا عزم اور اس کے لئے پوری کوشش ہونی چاہئے، اور اپنے بچوں اور نئی نسل کی تربیت انھی بنیادوں پر کرنا چاہئے، جس طرح یہ مسلمان کا انفرادی مسئلہ ہے اجتماعی مسئلہ بھی ہے، لہذا انفرادی طور پر بھی اپنے گھروں کا ماحول اور طرز معاشرت اسلامی طریقہ پر بنانے کی ضرورت ہے، اسی طرح اجتماعی طور پر بھی اس کی کوشش کرنا ضروری ہے۔

بچوں کا ذہن بہت صاف ستھرا ہوتا ہے ان کی جیسی ذہنی تربیت کی جائے گی اس کے مطابق بچوں کے ذہن

میں وہ باتیں جمتی جائیں گی، اگر اسلامی انداز پر تربیت کی گئی تو انشاء اللہ وہ بڑا ہو کر بھی اسی انداز پر رہے گا، اور اگر غیروں کے طریقہ پر اس کی تربیت کی گئی تو وہی طرز زندگی اس کے اندر آئے گی، اس لئے بچہ کے دیندار بننے اور بگڑنے کی پوری ذمہ داری ماں باپ پر ہے، حدیث میں ہے **مامن مولد الا یولد علی الفطرة فابواہ یھود انه او ینصرانه اویمجسانه** ۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے، یعنی دین اسلام، اور حق بات قبول کرنے کی اس کے اندر پوری صلاحیت ہوتی ہے مگر اس کے والدین (غلط تعلیم وتربیت سے) اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی (عیسائی) بنا دیتے ہیں یا مجوسی (مشکوٰۃ شریف ص ۲۱)

لہذا اگر ہم اپنی اور اپنے اہل وعیال کی آخرت بنانا اور ان کو جہنم کی آگ سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو غیروں کے طور وطریق چھوڑ کر خود کو بھی سچا پکا مسلمان بنانا ہوگا اور بچوں کو بھی بچپن سے ہی ضروری دینی تعلیم اور اسلامی تہذیب و آداب سے روشناس کرانا ہوگا، اور اپنا طرز معاشرہ اسلام اور سنت طریقہ کے مطابق بنانا ہوگا اور اپنے گھروں میں بھی سنت طریقوں اور اسلامی طرز زندگی کو اختیار کرنا ہوگا، نمازوں کی پابندی، قرآن مجید کی تلاوت اور سیکھنے سکھانے کا ماحول پیدا کرنا ہوگا، اور صاف بات یہ ہے کہ اپنے گھروں کو ناچ گانے، ٹی وی، وی سی آر، سے پاک صاف کرنا ہوگا، کس قدر افسوس کی بات ہے کہ حضور اقدس ﷺ جس ناچ گانے کو مٹانے کے لئے تشریف لائے تھے آج وہی ناچ گانوں کے سامان مسلمانوں کے گھروں میں ہے، صحیح اور حق بات یہ ہے کہ ٹی وی، وی سی آر، اس قدر خطرناک اور نقصان دہ ہے کہ اس کی موجودگی میں کوئی تعلیم اور کوئی تربیت مؤثر نہیں ہوسکتی، خدارا اپنے گھروں سے اس لعنت کو دور کرو جس نے اسلامی حیا کا جنازہ نکال کر رکھ دیا ہے، کس قدر بے حیائی کی بات ہے کہ گھر میں یہ باپ بیٹی، ماں بیٹا، بھائی بہن ایک جگہ بیٹھ کر ٹی وی پر انتہائی فحش اور حیا سوز مناظر دیکھتے ہیں، بچے بچپن ہی سے جب اس قسم کے مناظر دیکھیں گے تو ان کے اندر حیا پیدا ہوگی یا بے حیائی؟ اللہ پاک تمام مسلمانوں کو صحیح بات سمجھنے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

حاصل یہ کہ بچوں کی تعلیم وتربیت از حد ضروری ہے اور گھروں کا ماحول سنت طریقہ کے مطابق بنانا ضروری ہے، غیروں کی نقل کرنے کے بجائے اسلامی طرز زندگی کو اختیار کیا جائے ہم غیروں کے الفاظ اور ان کی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں، اس کے بجائے حضور اکرم ﷺ نے مختلف اوقات اور مختلف احوال کی جو دعائیں تعلیم فرمائی ہیں وہ دعائیں بچوں کو یاد کرانے اور ان پر عمل کروانے کا اہتمام کیا جائے ان دعاؤں میں بڑی برکتیں ہیں اور بہت جامع دعائیں ہیں بچپن ہی سے بچوں کو اگر دعائیں یاد ہوجائیں گی، اور بچے ان کے پڑھنے کے عادی ہوجائیں گے تو بڑے ہو کر بھی انشاء اللہ وہ اس پر عامل رہیں گے اور آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہوجائے گا۔

دعاؤں کے سلسلہ میں مختلف کتابیں علماء نے مرتب فرمائی ہیں ان سے استفادہ کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ دعائیں یہاں نقل کردی جائیں، یہ دعائیں اگر والدین اور گھر کے بڑوں کو یاد نہ ہوں تو وہ خود بھی یاد کریں اور بچوں کو بھی یاد کرائیں، دعاء یاد کرنے کرانے پر ہر ایک کو اجر وثواب ملے گا انشاء اللہ، اور آپ خود اس کی برکتیں محسوس کریں گے۔

جب کھانا شروع کرے

بسم اللہ وعلیٰ برکۃ اللہ.

میں نے اللہ کے نام سے اور اللہ کی برکت پر کھانا شروع کیا۔

اگر شروع میں بسم اللہ بھول گیا تو یاد آنے پر یہ پڑھے

بسم اللہ اولہ واخرہ

ترجمہ: میں نے اس کے اول وآخر میں اللہ کا نام لیا۔

جب کھانا کھا چکے

الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین.

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور مسلمانوں میں سے بنایا۔

دعوت کا کھانا کھانے کے بعد

اللّٰھم اطعم من اطعمنی واسق من سقانی .

اے اللہ جس نے مجھے کھلایا تو اسے کھلا، اور جس نے مجھے پلایا تو اسے پلا۔

جب کوئی لباس پہنے

الحمد للہ الذی کسانی ما اواری بہ عورتی واتجمل بہ فی حیاتی .

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے مجھے کپڑا پہنایا جس سے میں اپنا ستر چھپاتا ہوں اور اپنی زندگی میں اس کے ذریعہ خوبصورتی حاصل کرتا ہوں۔

جب سونے لگے

(۱) اللھم قنی عذابک یوم تبعث عبادک.

(۲) اللھم باسمک اموت واحییٰ.

اے اللہ مجھے اپنے عذاب سے بچانا جس دن کہ آپ اپنے بندوں کو اٹھائیں۔

اے اللہ تیرا نام لے کر میں مرتا اور جیتا ہوں۔

جب سو کر اٹھے

الحمد للہ الذی احیانا بعدما اماتنا والیہ النشور .

سب تعریفیں خدا کے لئے ہیں جس نے ہمیں مار کر زندگی بخشی اور ہم کو اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔

جب بیت الخلاء جائے

اللھم انی اعوذبک من الخبث والخبائث.

اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبیث جنوں سے مرد ہو یا عورت (گندے مرد اور گندی عورتوں یعنی شیاطین سے)

جب بیت الخلاء سے نکلے

غفرانک . الحمد للہ الذی اذھب عنی الاذی وعافانی .

بخشش چاہتا ہوں، سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے مجھ سے گندگی دور کی اور مجھے عافیت عطا فرمائی۔

جب گھر میں داخل ہو

اللھم انی اسئالک خیر المولج وخیر المخرج بسم اللہ ولجنا وبسم اللہ خرجنا وعلی اللہ ربنا توکلنا .

اے اللہ میں تجھ سے اچھا داخل ہونا اور اچھا باہر جانا مانگتا ہوں، ہم اللہ کا نام لے کر داخل ہوئے اور اللہ کا نام لے کر نکلے اور ہم نے اپنے رب اللہ پر بھروسہ کیا۔

گھر میں داخل ہونے کے وقت سلام ضرور کرو ، بچوں کو بھی اس کا عادی بناؤ۔

جب گھر سے نکلے

بسم اللہ توکلت علی اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ.

میں اللہ کا نام لے کر نکلا میں نے اللہ پر بھروسہ کیا، گناہوں سے بچانا، اور نیکیوں کی قوت دینا اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

مسجد میں داخل ہونے کے وقت کی دعاء

جب مسجد میں داخل ہو تو پہلے حضور اقدس ﷺ پر درود شریف اور سلام بھیج کر یہ دعا پڑھے۔

اللھم افتح لی ابواب رحمتک.

اے اللہ میرے لئے اپنے رحمت کے دروازے کھولدیجئے۔

مسجد سے نکلنے کی دعاء

اللھم انی اسئالک من فضلک .

اے اللہ میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں۔

جب کوئی تمہارے ساتھ احسان کرے

جزاک اللہ خیراً.

اللہ تعالیٰ تم کو بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

جب چھینک آئے تو کہے

الحمد لله.

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔

اس کو سن کر دوسرا مسلمان یوں کہے

یرحمک الله.

اللہ تم پر رحم کرے۔

اس کے جواب میں چھینکنے والا یوں کہے

یهدیکم الله ویصلح بالکم.

اللہ تم کو ہدایت پر رکھے اور تمہارا حال سنوارے۔

فائدہ:

جسے چھینک آئی ہو اگر وہ عورت ہو تو جواب دینے والا یرحمکِ اللہ کاف کے زیر کے ساتھ کہے۔
اور اگر چھینکنے والا الحمدللہ نہ کہے تو اس کے لئے یرحمک اللہ کہنا واجب نہیں ہے، اور اگر الحمدللہ کہے تو واجب ہے۔ چھینکنے والے کو اگر زکام ہو یا اور کوئی تکلیف ہو جس سے چھینکیں آتی ہی چلی جائیں تو دو تین دفعہ کے بعد جواب دینا ضروری نہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۵، ص ۴۰۶ باب العطاس والتثاؤب)

جب کسی بیمار کی عیادت کرے تو اس سے یوں کہے

لا باس طهور انشاء الله.

کچھ حرج نہیں انشاء اللہ یہ بیماری تم کو گناہوں سے پاک کرے گی۔

اور سات مرتبہ اس کے شفایاب ہونے کی یوں دعا کرے

اسال الله العظيم رب العرش العظيم ان يشفيك.

میں اللہ سے سوال کرتا ہوں جو بڑا ہے، اور بڑے عرش کا مالک ہے کہ تجھے شفا دیوے۔

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سات مرتبہ اس دعا کے پڑھنے سے مریض کو شفا ہوگی ہاں اگر اس کی موت کا وقت آ گیا ہو تو دوسری بات ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۳۵ باب عیادۃ المریض، فصل نمبر ۲)

صبح کے وقت یہ دعا پڑھو

اللھم بک اصبحنا وبک امسینا وبک نحیٰ وبک نموت والیک المصیر.

اے اللہ تیری قدرت سے ہم صبح کے وقت میں داخل ہوئے اور تیری قدرت سے ہم شام کے وقت میں داخل ہوئے اور تیری قدرت سے ہم جیتے ہیں اور تیری طرف جانا ہے۔

شام کے وقت یہ دعا پڑھو

اللھم بک امسینا وبک اصبحنا وبک نحیٰ وبک نموت والیک المصیر.

اے اللہ تیری قدرت سے ہم شام کے وقت میں داخل ہوئے اور تیری قدرت سے ہم نے صبح کی اور تیری قدرت سے ہم جیتے ہیں اور تیری طرف لوٹ کر جانا ہے۔

صبح وشام یہ دعا پڑھو

(۲) بسم اللہ الذی لا یضرمع اسمہ شی فی الارض ولا فی السمآء وھو السمیع العلیم.

اللہ کی نام سے (ہم نے صبح کی یا شام کی) جس کے نام کے ساتھ آسمان میں یا زمین میں کوئی چیز نقصان نہیں دے سکتی اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

یہ دعا صبح وشام تین تین مرتبہ پڑھ لینے سے ناگہانی بلا سے حفاظت رہے گی۔ (مشکوۃ ص ۲۰۹)

(۳) رضیت باللہ رباً وبالاسلام دیناً وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیاً وبالقران اماماً وبالکعبۃ قبلۃ؟.

راضی ہوں میں اللہ کو رب مان کر اور اسلام کو دین مان کر اور محمد ﷺ کو نبی ورسول مان کر اور قرآن کو امام مان کر اور کعبۃ اللہ کو قبلہ مان کر۔

صبح وشام یہ وظیفہ پڑھا کریں قبر میں بھی انشاء اللہ یہ وظیفہ کام آئے گا۔ (مجموعہ کمالات عزیزی ص ۲۷)

(۴) اللھم اجرنی من النار.

اے اللہ مجھے دوزخ کی آگ سے بچا۔

فجر اور مغرب کی نماز کے بعد سات سات مرتبہ پڑھے اگر اس دن یا رات کو مرجائے تو دوزخ سے حفاظت ہوگی۔ (مشکوۃ شریف ص ۲۱۰)

صبح وشام آیت الکرسی، قل اعوذبرب الفلق، قل اعوذ برب الناس، قل ھو اللہ احد تین تین بار پڑھنے کی عادت بنائیں۔ بچوں کو بھی سکھائیں۔

سوار ہونے کی دعا

جب کسی سواری پر سوار ہونے لگے تو بسم اللہ کہہ کر سوار ہو اور جب جانور کی پشت یا سیٹ پر بیٹھ جائے تو

الحمد للہ کہے پھر یہ دعا پڑھے۔

سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ' مقرنین وانا الیٰ ربنا لمنقلبون.

اللہ پاک ہے جس نے اس کو ہمارے قبضہ میں دے دیا اور ہم اس کی قدرت کے بغیر اسے قبضہ میں کرنے والے نہ تھے اور بلاشبہ ہم کو اپنے رب کی طرف جانا ہے۔

بطور نمونہ چند دعائیں نقل کر دی گئیں، بچے ادھر ادھر کی بیکار چیزوں میں اپنا وقت گذاریں اس کے بجائے گھر میں ان کو بٹھا کر پیار محبت اور شفقت سے یہ دعائیں ان کو سکھائیں، اچھی اچھی کتابوں سے ایسے واقعات سنائیں جس سے ان کے اندر دیندار بننے کا جذبہ پیدا ہو، دین اسلام کی محبت اور اس کے لئے ہر چیز قربان کر دینے کی تمنا پیدا ہو جائے۔

یہ سطریں تحریر کی جا رہی تھیں کہ حسن اتفاق سے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی قابل قدر باتیں نظر سے گذریں بطور افادہ وہ پیش کی جاتی ہیں فرماتے ہیں۔

ذاتی عمل نجات کے لئے کافی نہیں

اس آیت (یآیھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم ناراً) میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ بات صرف یہاں تک ختم نہیں ہو جاتی کہ بس اپنے آپ کو آگ سے بچا کر بیٹھ جاؤ اور اس سے مطمئن ہو جاؤ کہ بس میرا کام ہو گیا بلکہ اپنے اہل وعیال کو بھی آگ سے بچانا ضروری ہے، آج یہ منظر بکثرت نظر آتا ہے کہ آدمی اپنی ذات میں بڑا دیندار ہے، نمازوں کا اہتمام ہے، صف اول میں حاضر ہو رہا ہے، روزے رکھ رہا ہے، زکوٰۃ ادا کر رہا ہے، اللہ کے راستہ میں مال خرچ کر رہا ہے اور جتنے اوامر ونواہی ہیں ان پر عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن اس کے گھر کو دیکھو اس کی اولاد کو دیکھو، بیوی بچوں کو دیکھو تو ان میں اور اس میں زمین وآسمان کا فرق ہے، یہ کہیں جا رہا ہے وہ کہیں جا رہے ہیں، اس کا رخ مشرق کی طرف ہے ان کا مغرب کی طرف ہے، ان میں نہ نماز کی فکر ہے نہ فرائض دینیہ کو بجالانے کا احساس ہے، گناہوں کے سیلاب میں بیوی بچے بہہ رہے ہیں اور یہ صاحب اس پر مطمئن ہیں کہ میں صف اول میں حاضر ہوتا ہوں اور باجماعت نماز ادا کرتا ہوں، خوب سمجھ لیں جب اپنے گھر والوں کو آگ سے بچانے کی فکر نہ ہو خود انسان کی اپنی نجات نہیں ہو سکتی، انسان یہ کہہ کر جان نہیں بچا سکتا کہ میں تو خود اپنے عمل کا مالک تھا اگر اولاد دوسری طرف جا رہی تھی تو میں کیا کرتا، اس لئے کہ ان کو بچانا بھی تمہارے فرائض میں شامل تھا، جب تم نے اس میں کوتاہی کی تو اب آخرت میں تم سے مواخذہ ہوگا۔ الیٰ قولہ۔

آج دین کے علاوہ ہر چیز کی فکر ہے

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کی جو مثال دی جاتی ہے کہ ان کا بیٹا کافر رہا وہ اس کو آگ سے نہیں بچا سکے، یہ بات درست نہیں، اسلئے کہ یہ بھی تو دیکھو کہ اس کو انہوں نے راہ راست پر لانے کی نو سو سال تک لگاتار کوشش کی، اس کے باوجود جب راہ راست پر نہیں آیا تو اب ان کے اوپر کوئی مطالبہ اور کوئی مواخذہ نہیں۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ایک دو مرتبہ کہا اور پھر فارغ ہو کر بیٹھ گئے کہ ہم نے تو کہہ دیا۔ حالانکہ ہونا یہ چاہئے کہ ان کو گناہوں سے اس طرح بچاؤ

جس طرح ان کو (دنیا کی) حقیقی آگ سے بچاتے ہو (کسی جگہ آگ لگ جائے تو ہم خود کو اور بچوں کو آگ سے بچانے کی کیسی فکر اور کوشش کرتے ہیں ایسی ہی فکر دوزخ کی آگ سے (جو دنیا کی آگ سے کہیں درجہ بڑھ کر ہے) بچنے اور بچانے کی ہونا چاہئے) اگر اس طرح نہیں بچارہے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فریضہ ادا نہیں ہو رہا ہے۔ آج تو یہ نظر آرہا ہے کہ اولاد کے بارے میں ہر چیز کی فکر ہے مثلاً یہ تو فکر ہے کہ بچے کی (دنیوی) تعلیم اچھی ہو، اس کا کیریئر اچھا بنے یہ فکر ہے کہ معاشرہ میں اس کا مقام اچھا ہو، یہ فکر تو ہے کہ اس کی کھانے پینے اور پہننے کا انتظام اچھا ہو جائے لیکن دین کی فکر نہیں۔

تھوڑا سا بے دین ہو گیا

ہمارے ایک جاننے والے تھے جو اچھے خاصے پڑھے لکھے تھے، دیندار اور تہجد گذار تھے، ان کے لڑکے نے جدید انگریزی تعلیم حاصل کی جس کے نتیجے میں اس کو کہیں اچھی ملازمت مل گئی، ایک دن وہ بڑی خوشی کے ساتھ بتانے لگے کہ ماشاء اللہ ہمارے بیٹے نے اتنا پڑھ لیا اب ان کو ملازمت مل گئی اور معاشرہ میں اس کا بڑا مقام حاصل ہو گیا البتہ تھوڑا سا بے دین تو ہو گیا لیکن معاشرہ میں اس کا کیریر بڑا شاندار بن گیا، اب اندازہ لگایئے کہ ان صاحب نے اس بات کو اس طرح بیان کیا کہ...... وہ بچہ ذرا سا بے دین تو ہو گیا۔ مگر اس کا کیریر شاندار بن گیا۔'' معلوم ہوا کہ یہ دین ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے بس ذرا سی گڑبڑ ہو گئی ہے، حالانکہ وہ صاحب خود بڑے دیندار اور تہجد گذار آدمی تھے۔

نئی نسل کی حالت

آج ہمارا یہ حال ہے کہ اور ہر چیز کی فکر ہے مگر دین کی طرف توجہ نہیں، بھائی، اگر یہ دین اتنی ہی نا قابل توجہ چیز تھی تو پھر آپ نے نماز پڑھنے کی اور تہجد گذاری کی، اور مسجدوں میں جانے کی تکلیف کیوں فرمائی؟ آپ نے بھی اپنے بیٹے کی طرح اپنا کیریر بنالیا ہوتا۔ شروع سے اس بات کی فکر نہیں کہ بچے کو دین کی تعلیم سکھائی جائے، آج یہ حال ہے کہ پیدا ہوتے ہی بچے کو ایسی نرسری میں بھیجد یا جاتا ہے جہاں اس کو کتا بلی تو سکھایا جاتا ہے لیکن اللہ کا نام نہیں سکھایا جاتا، دین کی باتیں نہیں سکھائی جاتیں، اس وقت وہ نسل تیار ہو کر ہمارے سامنے آچکی ہے، اور اس نے زمام اقتدار سنبھال لی ہے زندگی کی باگ دوڑ اس کے ہاتھ میں آگئی ہے جس نے پیدا ہوتے ہی اسکول کالج کی طرف رخ کیا اور ان کے اندر ناظرہ قرآن شریف پڑھنے کی بھی اہلیت موجود نہیں، نماز پڑھنا نہیں آتا، اگر اس وقت پورے معاشرہ کا جائزہ لے کر دیکھا جائے تو شاید اکثریت ایسے لوگوں کی ملے جو قرآن شریف ناظرہ نہیں پڑھ سکتے، جنہیں نماز صحیح طریقہ سے پڑھنا نہیں آتی...... وجہ اس کی یہ ہے کہ بچے کے پیدا ہوتے ہی ماں باپ نے یہ فکر تو کی کہ اس کو کون سے انگلش میڈیم اسکول میں داخل کیا جائے، لیکن دین کی تعلیم کی طرف دھیان اور فکر نہیں الخ۔ (پورا وعظ قابل مطالعہ ہے) (اصلاحی خطبات ص ۲۶، ص ۲۹، ص ۳۰، جلد نمبر ۴)

اس سے اندازہ لگایئے بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کس قدر ضروری ہے اس لئے اس اہم فریضہ سے تغافل نہ ہونا چاہئے، آپ خود نمازی ہیں تو بچے کو بھی بچپن سے نماز کا عادی بنایئے، حدیث میں اس کا حکم بھی ہے۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مروا اولادکم بالصلوة وهم ابناء سبع واضربوهم وهم ابناء عشر سنين وفرقوا بينهم في المضاجع ، رواه ابوداؤد.

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہارے بچے جب سات سال کے ہوجائیں تو ان کو نماز کی تاکید کرو، اور جب دس سال کے ہوجائیں تو نماز میں کوتاہی کرنے پر ان کو سزا دو اور ان کے بستر بھی الگ الگ کردو۔(مشکوٰۃ شریف ص ۵۸ کتاب الصلوٰۃ)

بچپن میں بچہ کی دینی تعلیم پر خاص توجہ دی جائے، مکاتب قرآنیہ جگہ جگہ قائم کریں جہاں قرآن مجید صحت وتجوید کے ساتھ، نیز طہارت، نماز وغیرہ کے ضروری مسائل، نیز عقائد صحیحہ کی تعلیم کا انتظام ہو۔

اور اس کے ساتھ بچوں کے لئے اچھی صحبت کا اہتمام اور بری صحبت سے اجتناب کی طرف بھی خصوصی توجہ دی جائے، یہ بہت ہی ضروری ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

نیک شخص کی صحبت تم کو نیک بنا دے گی، اسی طرح بدبخت کی صحبت تم کو بھی بدبخت بنا دے گی۔(شیخ سعدیؒ) نیز فرماتے ہیں۔

تاتوانی دور شواز یار بد
یار بد بدتر بود از مار بد
مار بد تنہا ہمیں برجاں زند
یار بد برجاں و بر ایماں زند

(ترجمہ): جہاں تک تم سے ہوسکے یار بد یعنی برے دوست سے دور رہو (اور اپنی اولاد کو بھی دور رکھو) اس لئے کہ برا دوست سانپ سے بھی بدتر ہے (اس لئے کہ) سانپ کا حملہ تو صرف جان پر ہوتا ہے لیکن برے دوست کی صحبت جان اور ایمان دونوں کے لئے خطرناک ہوتی ہے۔

اس لئے بچوں کو غلط صحبت اور گندے ماحول سے بچانے کی بھی فکر کی جائے اگر آپ علماء وصلحاء کے پاس آمدورفت رکھتے ہیں اور رکھنا بھی چاہئے تو اپنے بچوں کو بھی ساتھ لے جایا کریں، بزرگوں سے ان کے لئے دعا کرائیں اور بچوں کو بزرگوں اور علماء کے پاس آمدورفت کی تعلیم دیں۔

گھر میں غلط قسم کے فحش ناول، رسالوں اور کتابوں کے بجائے مستند دینی رسائل اور کتابیں جمع کی جائیں اور ان کے پڑھنے اور مطالعہ کا ماحول بنایا جائے، ایسی دینی کتابوں اور مضامین، اس طرح بزرگوں کے ملفوظات ومکتوبات کا مطالعہ کرنے سے، پڑھ پڑھ کر سنانے اور ان کی تعلیم کرنے سے گھر والوں کو بڑا فائدہ ہوگا، ممکن ہو تو اس کے لئے کچھ وقت مقرر کرلیا جائے۔ گھر میں ان شاء اللہ دینی ماحول بنے گا اور اعمال کی طرف رغبت پیدا ہوگی، بے دینی، ذہنی گمراہی اور بدعملی سے حفاظت رہے گی اور گھر میں قرآن وحدیث اور دینی مضامین کی تعلیم اور مطالعہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں، برکتیں نازل ہوں گی، طمانیت اور سکون پیدا ہوگا اور اس کا فائدہ ان شاء اللہ بہت جلد محسوس ہوگا۔

بچوں کی تربیت میں بچوں کی نفسیات کا بہت زیادہ لحاظ کیا جائے نہ بہت شدت اختیار کریں نہ بہت نرمی لاڈ اور پیار کا معاملہ کریں موقع کے اعتبار سے سختی بھی مفید ہوتی ہے اور نرمی وشفقت کا موقع ہو تو اس کا بھی اچھا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے، علماء نے بچوں کی تربیت کے جو اصول اور طریقے بیان فرمائے ہیں ان کو پیش نظر رکھیں، بہشتی زیور چوتھے حصہ ص ۵۳ تا ص ۵۷ میں ''اولاد کی پرورش کرنے کا طریقہ'' نیز دسویں حصہ ص ۱۷ تا ص ۲۰ میں ''بچوں کی احتیاط کا بیان'' میں بہت عمدہ ہدایتیں بیان فرمائی ہیں، ان کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے دین و ایمان کی حفاظت فرمائے، **آمین بحرمة سيدالمرسلين صلى الله عليه و آله وصحبه وسلم تسليماً كثيرا كثيرا كثيرا۔** فقط واللہ اعلم بالصواب ہے۔

ظالم ظلم سے باز نہ آئے تو کیا تدبیر کی جائے:

(سوال ۶۷) ایک ظالم لوگوں پر بہت ہی ظلم کرتا ہے۔ لوگوں کے منع کرنے پر بھی باز نہیں آتا تو اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

(الجواب) ایسے شخص کے متعلق قرآنی تعلیم یہ ہے کہ دونوں میں عداوت دور کرنے اور اتفاق و باہمی محبت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اس میں اگر کامیابی نہ ہو اور ایک گروہ ظلم زیادتی پر کمر کس لے تو دوسرے مسلمان خاموش ہو کر تماشہ نہ دیکھیں بلکہ جس کی زیادتی ہو تمام مسلمان متفق ہو کر اس کا مقابلہ کریں یہاں تک کہ ظالم مجبور ہو کر ظلم وزیادتی سے باز آجائے جب یہ باز آجائے تو عدل و انصاف کے تقاضے کو سامنے رکھ کر ان دونوں میں صلح وصفائی اور میل ملاپ کرادو۔ (سورۂ حجرات)

اور حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا تمہیں نجات نہ ملے گی تاوقتیکہ ظالموں کو اپنے ظلم سے باز نہ رکھو، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا تم ''امر بالمعروف'' کرتے رہو اور ظالموں کو ظلم سے روکتے رہو اور حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو ورنہ تمہارے قلوب بھی اسی طرح مسخ کر دیئے جائیں گے جس طرح ان لوگوں کے کر دیئے گئے اور اسی طرح تم پر بھی لعنت ہوگی جس طرح ان پر یعنی بنی اسرائیل پر ہوئی۔ (۱) اور ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا **انصر اخاك ظالماً او مظلوماً** تو اپنے مسلمان بھائی کی مدد کر'' ظالم ہو یا مظلوم'' سوال کیا گیا یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد تو کریں گے، مگر ظالم کی مدد کس طرح کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا (ظالم کی مدد یہ ہے کہ) اس کو ظلم سے روک دو! (بخاری شریف ج ۱ ص ۳۳۱ پ ۹ ابواب المظالم والقصاص باب اعن اخاک ظالما او مظلوما۔)

سرراہ مجلس جمانا:

(سوال ۶۸) ایسے راستے پر جہاں مرد و عورت کی آمد و رفت رہتی ہے مجلس جمانا کہ اس سے عورتوں کو آمد و رفت

---

(۱) قال. فجلس رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان متكئا فقال لا والذى نفسى بيده حتى تاطروهم اطراً رواه الترمذى وابو داؤد وفى روايتى قال كلا والله لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر ولتأخذن على يدى الظالم ولتأطرنه على الحق اطرا ولتقصرنه على الحق قصراً او ليضربن الله بقلوب بعضكم على بعض ثم ليلعنكم كما لعنهم، مشكوة باب الامر بالمعروف الفصل الثانى ص ۴۳۸

میں حرج ہوتا ہے تو اس طرح مجلس جمع کر کے سر راہ بیٹھنا کیسا ہے؟

(الجواب) عورتوں کی گذرگاہ پر مجلس آراستہ کرنا لوگوں کو ایذا پہنچانا ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹانا ایمان کا ایک جزو ہے اور علامت ایمان میں سے ہے۔ (مشکوۃ شریف ص ۱۲ (۱))

راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانے کے بجائے خود تکلیف دہ بننا کس قدر برا فعل اور قبیح حرکت ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے **لا خیر فی جلوس الطرفات الا لمن ھدی السبیل وردالتحیۃ وغض البصر واعان علی الحمولۃ** (مشکوۃ ص ۳۹۹ کتاب الاذان باب السلام الفصل الثانی) یعنی راستہ پر بیٹھنا اچھا نہیں مگر اس کے لئے جو راستہ بتائے اور سلام کا جواب دے اور نگاہ نیچی کرے اور بوجھ اٹھانے میں مددگار بنے!

سیدنا حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت کا ترجمہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ راستوں پر بیٹھنے سے احتیاط برتو! راستہ کو نشست گاہ نہ بناؤ۔ صحابہ کرام نے عرض کیا ہمارے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں ہے (ہماری بیٹھکیں اور نشست گاہ نہیں ہے) ہم یہیں راستوں پر بیٹھ کر اپنی باتیں کیا کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر تمہیں بیٹھنا ہی ہے اور اس کے بغیر چارہ نہیں ہے تو تمہارا فرض ہے کہ راستہ کا حق ادا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! راستہ کا حق کیا ہے؟ ارشاد ہوا نیچی نگاہ رکھنا۔ کسی کو تکلیف نہ دینا۔ سلام کا جواب دینا۔ اچھی بات کی ہدایت کرنا۔ بری بات سے روکنا۔ **عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ایا کم والجلوس علی الطرقات فقالوا و مالنا بد انما ھو مجالسنا نتحدث فیہ قال فاذا ابیتم الا المجالس فاعطوا الطریق حقھا قالو اوما حق الطریق قال غض البصر و کف الا ذی ورد السلام وامر بالمعروف ونھی عن المنکر** ! (بخاری شریف پ ۹ ج ۱ ص ۳۳۳ باب افنیۃ الدور والجلوس فیھا والجلوس علی الصعدات اور پ ۲۵ ج ۲ ص ۹۲۰ کتاب الا ستذان باب یایھا الذی امنوا الخ. صحیح مسلم شریف ج ۲ ص ۲۱۳ باب من حق الجلوس علی الطریق رد السلام)

ظاہر ہے کہ ان حقوق کی ادائیگی آسان نہیں اور ان میں کامیاب ہونا ہر کس و نا کس کا کام اور بس کی بات نہیں۔ ان میں سے ایک حق غض البصر ہے نگاہیں نیچی رکھنا یعنی اجنبیہ عورت کو نہ دیکھنا۔ دور حاضر میں کون اس کی گارنٹی دے سکتا ہے؟

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔

(۱) **ماترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجال عن النساء متفق علیہ** (مشکوۃ ص ۲۶۷ کتاب النکاح الفصل اول) (میں نے اپنے بعد مردوں کے لئے عورتوں سے بڑا کوئی فتنہ نہیں چھوڑا)

(۲) **واتقوا النسآء فان اول فتنۃ بنی اسرائیل کانت فی النسآء** (مشکوۃ ص ۲۶۷ ایضاً) (یعنی عورتوں سے احتیاط برتو بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں کی وجہ سے پھیلا تھا۔

(۳) **عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المرأۃ تقبل فی صورۃ شیطان وتدبر فی صورۃ شیطان** (ایضاً ص ۲۶۸ ایضاً باب النظر الی المخطوبۃ وبیان العورات الفصل الاول)

---

(۱) الا یمان بضع وسبعون شعبۃ فافضلھا قول لا الہ الا اللہ اذنا ھا اماطۃ الا ذی عن الطریق، کتاب الا یمان الفصل الاول.

(عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور شیطان ہی کی صورت میں واپس لوٹتی ہے)

(۴)عن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشیطان (ایض ص ۲۶۹) (عورت ستر کی طرح اس کا پردہ رکھنا ضروری ہے) جب وہ باہر نکلتی ہے تب شیطان اس کے انتظار میں رہتا ہے)

(۵)عن الحسن مرسلا قال بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم قال لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ (مشکوٰۃ ص ۲۷۰) (خدا کی لعنت ہے اس پر جو اجنبیہ کو دیکھتا ہے اور اس پر جو دیکھا جاتا ہے)

(۶) العینان تزنیان وزناھما النظر۔ آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے ان احادیث پر غور کیجئے اور یاد رکھئے کہ جو کوئی شبہ کی چیز اور تہمت کی جگہ سے بچے گا وہ اپنے دین و آبرو کی حفاظت کر سکے گا اور جو شک کی چیز میں پڑے گا وہ حرام میں مبتلا ہو جائے گا۔ جس کے سامنے آنحضرت ﷺ کے یہ ارشادات ہیں اور جس کے دل میں خوف خداوندی ہے وہ کبھی ایسی جگہ بیٹھنے کو پسند نہ کرے گا۔ ان کے علاوہ اور بھی قباحتیں ہیں مثلاً راہ گیر سے ہنسی کرنا، مذاق اڑانا، ان کی غیبت کرنا، ان پر غلط شبہات کرنا، ان کے راز فاش کرنا جن کو وہ ناپسند سمجھتے ہیں وغیرہ۔ لہذا گذرگاہ پر نشستگاہ بنانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ ممنوع اور مکروہ ہے۔ (باب من حق الجلوس علی الطریق رد السلام نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۲۱۳ عینی شرح بخاری پ ۲۲ ج ۲ ص ۲۳۳ باب افنیۃ الدور والجلوس فیھا والجلوس علی الصعدات) فقط و اللہ اعلم بالصواب۔

عورت خاوند کو ہم بستر نہ ہونے دے:

(سوال ۶۹) اگر عورت اپنے شوہر کو بلا وجہ محض ضد اور بڑائی کی بنا پر ہم بستری نہ کرنے دے۔ ایسی عورت کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

(الجواب) یہ ناشزہ اور نافرمان ہے۔ ناشزہ کے لئے قرآن پاک کی تعلیم و ہدایت ہے، کہ اولاً نصیحت کرے (نہ سمجھے تو) بستر علیحدہ کردے (پھر بھی نہ سمجھے تو) زدوکوب کرے لیکن نہ اتنا کہ ہڈی پسلی ٹوٹ جائے اور خون آلود ہو جائے اور منہ پر نہ مارے کہ یہ منع ہے (حدیث مذکورہ تدبیر مفید ثابت نہ ہو تو میاں بیوی کے خاندان میں سے ایک ایک فیصل منتخب کر کے ان سے تصفیہ کرایا جائے (سورۂ نساء) خداء پاک نے مرد کو عورت پر بڑی فضیلت عطا کی ہے۔ ارشاد باری ہے کہ الرجال قوامون علی النساء یعنی مرد، عورتوں کے حاکم ہیں۔ (سورہ نسائی)

اور حدیث شریف میں ہے:۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت آمرا احداً ان یسجد لا حد لا مرت المرأة ان ان تسجد لزوجھا (رواہ الترمذی)

یعنی غیر خدا کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو میں ضرور عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کریں۔ (مشکوٰۃ ص ۲۸۱ کتاب النکاح باب عشرۃ النساء وما لکل واحد من الحقوق)

خدا تعالیٰ نے شوہر کے بڑے حقوق رکھے ہیں۔ حدیث میں ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ ای الناس اعظم حقا علی المرأة عورت پر سب سے بڑا حق کس کا ہے۔ آنحضرت

ﷺ نے جواب دیا زوجھا (اللہ اور رسول کے بعد) اس کے خاوند کا حق ہے (بزاز۔حاکم) نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ عورت اللہ کے حق سے خلاصی حاصل نہیں کر سکتی تاوقتیکہ وہ اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے۔ (ابن ماجہ) (۱)

حدیث میں ہے کہ جس عورت کا شوہر اس سے ناراض ہو تو نہ اس عورت کی نماز قبول ہوتی ہے اور نہ کوئی نیکی (۲)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عورت کو جنت حاصل نہ ہوگی جب تک کہ وہ خاوند کا حق ادا نہ کرے گی۔ (طبرانی)

غرض یہ کہ شوہر کے بڑے حق ہیں اور بڑی فضیلت ہے۔ خاوند کی رضا مندی بڑی عبادت ہے اور ناراضگی بڑا گناہ ہے۔ عورت مرد کی نافرمانی کرے گی اور تکلیف پہنچائے گی تو وہ غضب الٰہی اور ملائکہ کی لعنت اور حوران جنت کی بددعا کی مستحق بن جائے گی۔ حدیث شریف میں ہے کہ شوہر نے سونے کے لئے بلایا اور اس نے انکار کر دیا جس کی وجہ سے خاوند نے غصہ میں شب گذاری تو صبح تک فرشتے عورت پر لعنت کرتے رہیں گے۔ (بخاری شریف پ ۱۳ ج ۱ ص ۴۵۹ کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکۃ الخ)

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ جس خاوند نے اپنی بیوی کو بستر پر بلایا اور اس نے انکار کیا تو جب تک مرد راضی نہ ہوگا اللہ تعالیٰ بھی ناراض رہیں گے۔ (مسلم شریف ج ۱ ص ۴۶۴ باب تحریم امتناعھا فراش زوجھا، عن ابی ہریرۃ) آنحضرت نے فرمایا کہ جب مرد اپنی بیوی کو اپنے کام کے لئے بلائے تو اس پر لازم ہے کہ اس کے پاس پہنچ جائے اگرچہ چولھے پر بیٹھی ہو (ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۳۸ الرضاع والطلاق باب ماجآء فی حق الزوج علی المرأۃ) ایک حدیث میں ہے کہ عورت پر خاوند کا ایک حق یہ ہے کہ وہ اس کی طرف رغبت کرے اور وہ اونٹ کی پشت پر ہو تب بھی انکار نہ کرے (مجالس الابرار ۹۸ ص ۵۶۷) غرض کہ عورت پر والدین کی بہ نسبت شوہر کے حقوق زیادہ ہیں۔ خاوند کی دل وجان سے عزت وتعظیم کرے۔ خاوند سے نفرت کرنا، جائز امور میں اس کی اطاعت نہ کرنا۔ ضد اور بڑائی سے ہمبستری سے انکار کرنا، ناجائز اور سخت گناہ کا کام ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر خاوند کے سر سے پیر تک پیپ بہے اور عورت اس کو زبان سے چاٹ بھی لے تب بھی اس نے اس کا شکریہ ادا نہیں کیا (مجالس الابرار ۹۸ ص ۵۶۶)

اگر خاوند میں کوئی عیب اور خرابی ہو، بدشکل ہو تب بھی نفرت نہ کرے رضاء بقضاء رہے کہ خدائے وحدہٗ لاشریک نے جو کچھ کیا اچھا کیا ہے (شرح شرعۃ الاسلام) میں ہے کہ اصمعی نامی بزرگ عالم نے جنگل میں ایک نہایت ہی خوبصورت عورت اور بے انتہا بدصورت مرد کو دیکھ کر کہا مجھے تعجب ہوتا ہے کہ تجھ جیسی خوبصورت عورت ایسے بدشکل مرد کے ساتھ بڑی ہنسی خوشی سے رہتی اس نے جواب دیا میں سمجھتی ہوں کہ میرے خاوند نے کوئی نیکی کی ہے جس کے عوض میں اس کو مجھ جیسی حسینہ عورت ملی اور مجھ سے کوئی جرم ہوا ہوگا جس کی سزا اور نحوست میں مجھی ایسا بدصورت شوہر نصیب

---

(۱) (عن عبد اللہ بن ابی اوفی قال لما قدم معاذ من الشام ... والذی نفس محمد بیدہ لا تؤدی المرأۃ حق ربھا حتی تؤدی حق زوجھا ولو سالھا نفسھا وھی علی قتب لم تمنعہ ابواب النکاح باب حق الزوج علی المرأۃ ص ۱۳۳.)

(۲) (عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ لا یقبل لھم صلوۃ ولا یصعد لھم حسنۃ، العبد الآبق حتی یرجع الی موالیہ فیضع یدہ فی ایدیھم والمرأۃ الساخط علیھا زوجھا الخ باب النکاح باب عشرۃ النسآء ومالکل واحد من الحقوق مشکوۃ ص ۲۸۳)

ہوا۔ بہر حال یہ خداوند تعالیٰ کا فیصلہ ہے اس پر میرا رضامند رہنا ضروری ہے۔ اسی کتاب میں ہے کہ ایک خوبصورت عورت اپنے بدصورت خاوند سے کہتی تھی کہ میں تم کو بشارت سناتی ہوں کہ ہم دونوں جنت میں جائیں گے۔ شوہر نے کہا تمہیں کیا خبر؟ عورت نے کہا کہ آپ کو بدصورتی میں میرا امتحان ہے، جس پر میں نے صبر کیا اور صبر کرنے والے کا مقام آخرت میں جنت ہے اور میری خوبصورتی میں آپ کی آزمائش ہے آپ نعمت خداوندی کے شکر گذار ہیں، اور شاکر کی جگہ بھی جنت ہے۔ لہذا ہم دونوں جنتی ہوئے۔ (شرح شرعۃ الاسلام ص ۴۳۱)

عورت بدد ماغ یا سرکش بن جائے تو خاوند اپنے ہاتھ کی ہتھیلی عورت کے گردن کے نیچے دونوں کندھوں کے درمیانی حصے میں رکھ کر ایھا الرجس الخبیث المخبث اخز من حب و طیب کہے۔

غصہ میں عورت سے ناشائستہ حرکت پر قطع تعلق کرے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۷۰) شادی کے موقعہ پر عورتوں کے مجمع میں میری عورت نے ڈانس کر کے، مردوں کا لباس پہن کر مجمع کو ہنسایا۔ مجھے پتہ چلا تو اس کو ڈانٹا جس سے وہ ناراض ہوگئی وہ کہتی ہے کہ مجمع میں میری بے عزتی کی۔ اس نے تعلقات قطع کر دیئے۔ اور یہ اس کی قدیم عادت ہے۔ ہر وقت میں اسے مناتا تھا۔ لیکن اب میں نے طے کر لیا ہے کہ جب تک وہ پہل نہ کرے میں بات نہ کروں گا۔ چاہے کچھ بھی ہو۔ بچے چھوٹے ہیں ان کا بھی اس کو احساس نہیں۔ اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(جواب) بے شک عورت کو اس کی بدکرداری پر تنبیہ کرنے، دھمکانے، مناسب کارروائی کرنے، اور سزا دینے کا شوہر کو حق ہے۔ قرآن میں ہے الرجال قوامون علی النساء یعنی مرد عورت پر نگران ہیں۔ (سورۂ نساء)

مجمع میں ناچنا اور مردوں کا لباس پہن کر ڈھونگ کرنا برا کام ہے۔ اس سے توبہ واستغفار کرے۔ "من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه." یعنی کسی شخص کے اسلام کی خوبی میں سے بڑی خوبی یہ ہے کہ لایعنی باتوں کو ترک کر دے (حدیث۔ ترمذی شریف رواہ مالک احمد ورواہ ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ والترمذی والبیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم الفصل الاول ج ص ۴۱۳) حدیث شریف میں ہے۔ عن النبی صلی اللہ علیه وسلم انه لعن المتشبهات من النساء بالرجال والمتشبهین من الرجال بالنسآء. وعن ابی هریرة رضی اللہ عنه قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم. الرجل یلبس لبسة المرءة والمرءة تلبس لبسة الرجل (دونوں حدیثیں ابوداؤد باب فی لباس النساء ج ۲ ص ۵۶۲ میں موجود ہے ابوداؤد شریف ص ۲۱۲ ج ۲) یعنی خدا کی لعنت ان مردوں پر جو عورتوں کا لباس پہنیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کا لباس پہنیں (مشکوٰۃ شریف ص ۳۸۰ باب الترجل الفصل الاول) مالا بدمنہ میں ہے۔ "مرد را تشبه به زنان، وزنان را تشبه به مرداں و مسلم را تشبه به کفار و فساق حرام است." (ص ۱۳۱) حدیث شریف میں ہے۔ رحمۃ اللعالمین ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سی عورت اچھی ہے؟ ارشاد فرمایا۔ وہ جو اپنے شوہر کو پسند آئے۔ جب وہ اس کی طرف دیکھے۔ اور جب حکم کرے تو اطاعت کرے۔ اور اپنی ذات و مال میں شوہر کی مرضی کے خلاف نہ کرے (بیہقی) اس لئے مزاحاً بھی عورتیں مردوں کا لباس نہ پہنیں اس سے احتراز لازم ہے شوہر کی

خفگی بے موقعہ نہیں ہے۔لہذا عورت برا نہ مانے البتہ شوہر کو بھی چاہئے کہ اس سے اقرار کرائے کہ ''اب ایسا نہ کروں گی۔'' تو معاف کردے۔ذلیل ورسوا کرنے کی کوشش نہ کرے۔آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔تم میں اچھا وہ ہے جو اپنی عورت کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔اور میں تم سب کی بہ نسبت اپنی ازواج سے اچھا برتاؤ کرنے والا میں ہوں۔**عن الشعبی مرسلاً خیر کم خیر کم لا ھلہ و انا خیر کم لا ھلی** ۔حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں اس کا بھی اضافہ ہے کہ شریف آدمی ہی عورت کی عزت وقدر کرتا ہے۔اس کی بے عزتی اور اس کے ساتھ ذلت کا برتاؤ وضیع اور کمینہ آدمی کرسکتا ہے **عن ابن عباس رضی اللہ عنہ خیر کم خیر کم لاھلہ وانا خیر کم لا ھلی ما اکرم النساء الا کریم والا اھا نھن الا لیم. جامع صغیر ص ۹ ج ۲)(ھکذا فی المشکوٰۃ للمصابیح باب عشرۃ النسآء وما لکل واحد من الحقوق)**

لہذا عورت کے قصور سے زائد سزادی ہوتو اس کو منانے میں پیش قدمی کی جائے اس میں شرمانا نہ چاہئے ۔ لیکن عورت کی شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ شوہر کو منانے میں پہل کرے کہ شوہر کا رتبہ بہت بڑا ہے۔آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو ضرور عورت کو حکم دیتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے۔

ایک حدیث میں ہے اگر شوہر کے سر سے پاؤں تک پیپ بہتا ہو اور عورت اسے چاٹے تب بھی شوہر کا حق ادا نہ ہوگا۔لہذا عورت شوہر کو منانے راضی کرنے میں سبقت کرے گی تو وہ بڑی فضیلت کی حق دار ہوگی۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

برادری کے قانون کی خلاف ورزی کرنے والے سے قطع تعلق کا قانون بنانا کیسا ہے؟:

(**سوال ۱۷۰**) علمائے دین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔ایک جگہ ایک برادری ہے اس برادری کی ایک پنچ ہے،اس پنچ کے صدر اور ممبروں نے ایک دنیوی جھگڑے کی وجہ سے برادری کے ایک دیندار پابند شریعت شخص کا بائیکاٹ کیا ہے اور اس سے سلام وکلام بند کردیا ہے اور اس کی خوشی وغمی میں شرکت ممنوع قرار دی گئی ہے،کیا ان کا یہ فیصلہ صحیح ہے؟اور برادری والوں کا اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟بائیکاٹ کے خلاف اس برادری کے چند افراد نے اس شخص کے یہاں میت کے موقع پر سنت رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو مدنظر رکھتے ہوئے جنازے میں شرکت کی اس کے بعد برادری کے صدر نے میٹنگ کی اور جن لوگوں نے جنازے میں شرکت کی تھی ان سے کہا کہ تم نے جماعت کے قانون کو کیوں توڑا؟تم کو معافی نامہ لکھنا ہوگا،کیا ان کا یہ مطالبہ اور معافی نامہ لکھوانا جائز ہے؟بینوا توجروا۔

(**الجواب**) مذکورہ جماعتی پنچ کو لازم ہے کہ اس قسم کا کوئی بھی فیصلہ مستند علماء سے تحریری فتویٰ حاصل کئے بغیر نہ کرے،دنیوی معاملات اور خاندانی جھگڑوں کی وجہ سے مسلمان بھائی بہنوں سے بائیکاٹ کرنا اور ان کو جماعت (برادری) سے خارج کردینا اور سلام وکلام بند کردینا جائز نہیں،حرام ہے،حدیث میں ہے **حق المسلم خمس ، رد السلام، وعیادۃ المریض، واتباع الجنائز واجابۃ الدعوۃ ، وتشمیت العاطس بخاری ج ۱ ص ۱۶۶ .(کتاب الجنائز باب الامر باتباع الجنائز)** یعنی مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں، سلام کا جواب دینا۔بیمار کی عیادت کرنا ، جنازے کے ساتھ جانا، دعوت قبول کرنا اور چھینک کا جواب دینا

(یرحمک اللہ) کہنا (بخاری شریف وغیر) اور ایک حدیث میں ہے لا یحل لمؤمن ان یھجر اخاہ فوق ثلث لیال مؤمن کے لئے حلال نہیں ہے کہ تین دن سے زیادہ اپنے مسلمان بھائی سے قطع تعلق رکھے۔ اور ایک حدیث میں ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ کامل مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں (بخاری شریف کتاب الایمان باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ ج۔ ۱ ص ۲) نیز ایک حدیث میں ہے لا تقاطعوا ولا تدابروا ولا تباغضوا ولا تحاسدوا وکونوا عباد اللہ اخوانا آپس میں قطع تعلق نہ کرو اور ایک دوسرے کے درپے آزار نہ ہو آپس میں بغض نہ رکھو اور حسد نہ کرو، اے خدا کے بندو سب بھائی بھائی بن کر رہو۔ (بخاری شریف وغیرہ) ایک حدیث میں ہے لا یدخل الجنۃ قاطع قطع رحمی کرنے والا (رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والا) جنت میں داخل نہ ہوگا (بخاری شریف وغیرہ کتاب الادب باب ما ینھی عن التحاسدوا لتدابر الخ ج۔ ۲ ص ۸۹۶)

بزرگان دین کا ارشاد ہے

وظلم ذی القربیٰ اشد مضارۃ
علی المؤمن قطع الحسام المھند

یعنی: اقارب اور رشتے داروں کا ظلم انسان کے لئے تلوار کے زخموں سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔

حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں

مباش در پۓ آزار وہر چہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیر ازیں گنا ہے نیست

کسی کی ایذاء رسانی کے درپے نہ ہو اور جو چاہے کرو ہماری شریعت میں اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے۔

جنازے میں شرکت کرنا کوئی گناہ نہیں کہ اس پر مواخذہ ہو اور معافی کا مطالبہ کیا جائے اور معافی منگوائی جائے، معافی مانگنا جرم کا اقرار کرنا ہے، حدیث میں ہے لا طاعۃ للمخلوق فی معصیۃ الخالق. اللہ کی نافرمانی کی باتوں میں کسی کی اطاعت نہ ہونی چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۷ھ۔

بیوی سے دوسری بیوی کو دیکھتے ہوئے ہم بستر ہونا:

(سوال ۲۷) ایک آدمی کی دو بیویاں ہیں اور وہ دونوں کو ایک ہی مکان میں رکھتا ہے اور رات کو بھی ایک ہی بستر پر سلاتا ہے اور لگا ہے ایک سے دوسرے کے دیکھتے ہوئے ہمبستری بھی کرتا ہے تو یہ حرکت کیسی ہے؟ جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) دوسری بیوی کو دیکھتے ہوئے صحبت کرنا بے حیائی ہے اور دوسری عورت کا دل دکھانا ہے، ایک عورت کو دوسری عورت کا ستر دیکھنا بھی گناہ ہے، لہذا یہ طریقہ واجب الترک ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے وطی زوجتہ بحضرۃ ضرتھا او امتہ یکرہ عند محمد رحمہ اللہ (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۲۱۹ کتاب

الکراھیة)(الباب الثامن فیما یحل للرجل النظر الیه) فقط و اللہ اعلم بالصواب.

زنا کی حرمت اور اس کے نقصانات:

(سوال ۷۳) ہمارے یہاں نوجوانوں کی عادت خراب ہوتی جارہی ہے، بہت سے نوجوان بلکہ بعض شادی شدہ بھی زنا میں مبتلا ہیں، اگر چہ سب جانتے ہیں کہ زنا بہت بڑا گناہ ہے مگر اس سے اجتناب نہیں کرتے آپ تفصیل سے اس کی وعید یں اور اس کے نقصانات تحریر فرمائیں، خدا کرے آپ کا فتویٰ ان کی ہدایت کا سبب بن جائے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) شریعت اسلامیہ میں زنا بالکل حرام قرار دیا گیا ہے اور شرک و قتل کے بعد اکبر الکبائر سمجھا گیا ہے، قرآن مجید میں اس کے متعلق ارشاد ہے و لا تقربوا الزنیٰ انه کان وفاحشة وسآء سبیلاً اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو، بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے، اور بری راہ ہے(قرآن مجید پارہ نمبر ۱۵ رکوع نمبر ۳)

اس آیت میں زنا کے حرام ہونے کی دو وجہ بیان کی گئی ہیں، اول یہ کہ یہ بے حیائی ہے اور انسان میں جب صفت حیا نہ رہی تو وہ انسانیت ہی سے محروم ہو جاتا ہے پھر اس کے لئے کسی اچھے برے کام کا امتیاز باقی نہیں رہتا، حدیث میں ارشاد ہے اذا فاتک الحیاء فافعل ماشئت جب تیرے اندر حیا باقی نہ رہی تو کسی برائی سے رکاوٹ کا کوئی پردہ نہیں رہا جو چاہو کرو گے۔ دوسری وجہ معاشرتی فساد ہے جو زنا کی وجہ سے اتنا پھیلتا ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں اور اس کے نتائج بد بعض اوقات پورے خاندان اور پوری قوم کو برباد کر دیتے ہیں، آج دنیا میں قتل و غارتگری جنگ و جدال کے جتنے واقعات رونما ہوتے ہیں، ان میں سے بیشتر کا سبب یہی زنا یا اس کے مبادی (چھیڑ چھاڑ ،نظربازی وغیرہ) ہوتے ہیں۔ اسی لئے شریعت نے اس جرم کو تمام جرائم سے اشد قرار دیا ہے، اور اس کی سزا بھی تمام جرائم کی سزاؤں سے زیادہ سخت ہے، ارشاد خداوندی ہے۔ الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة . زانی عورت اور زانی مرد سوان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ اور اگر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرے تو اس کو سنگسار کرنے کا حکم ہے۔

احادیث میں بھی زنا کے متعلق بہت سخت وعید یں بیان کی گئی ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں شادی شدہ زنا کار پر لعنت کرتی ہیں اور جہنم میں ایسے لوگوں کی شرم گاہوں سے ایسی سخت بدبو پھیلے گی کہ اہل جہنم بھی اس سے پریشان ہوں گے اور آگ کے عذاب کے ساتھ ان کی رسوائی جہنم میں بھی ہوتی رہے گی (رواہ البزار عن بریدة۔ مظہری بحوالہ معارف القرآن از مفتی محمد شفیع صاحبؒ ج۔۵ ص ۴۶۳ ،ص ۴۶۴)(الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۳۱۴)

ایک دوسری حدیث میں ہے:۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن ولا یسرق السارق حین یسرق وھو مؤمن ولا یشرب الخمر حین یشربها وھو مؤمن الخ زنا کرنے والا زنا کرنے کے وقت مؤمن نہیں رہتا، چوری کرنے چوری کرنے کے وقت مؤمن نہیں رہتا۔ اور شراب پینے والا شراب پینے کے وقت مؤمن نہیں رہتا الخ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۷ کتاب الایمان)

ابوداؤد میں یہ الفاظ ہیں۔ اذا زنی العبد خرج منه الایمان و کان فوقه کا لظلة فاذآ خرج من ذلک العمل رجع الیه الا یمان ۔ یعنی۔ بندہ جب زنا کرتا ہے تو ایمان اس کے قلب سے نکل جاتا ہے اور سائبان کی طرح اس کے سر پر آجاتا ہے اور جب اس عمل بد سے فارغ ہو جاتا ہے تب ایمان لوٹ آتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۸ باب الکبائر)

ایک طویل حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں سو رہا تھا کہ میرے پاس دو شخص آئے اور مجھ کو ایک بہت سخت پہاڑ پر لے گئے اور مجھ سے کہا چڑھو...... الی قولہ...... پھر فرماتے ہیں ثم انطلق بی فاذا انا بقوم اشد انتفاخاً وانتنه ریحاً کان ریحهم المراحیض قلت من هؤلاء قال هو لا ء الزانون فرماتے ہیں پھر مجھ کو آگے لے چلے تو دیکھتا ہوں کہ ایک قوم ہے جن کا بدن بہت پھولا ہوا ہے اور پاخانہ کی بدبو کی طرح ان سے بدبو پھوٹ رہی ہے میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ فرشتے نے کہا یہ زانی مرد اور زانی عورتیں ہیں۔ (الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۳۱۱)

حضرت عبداللہ بن عباس حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں اذا ظهرا لزنا والربا فی قریة فقد احلوا بانفسهم عذاب الله. جب کسی بستی میں زنا اور سودی لین دین ظاہر ہوتا ہے تو انہوں نے اپنے اوپر اللہ کے عذاب کو حلال کر لیا (یعنی اللہ کے عذاب کا مستحق بنا لیا) (الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۳۱۶)

زنا کی ایک دنیوی مضرت یہ بھی ہے کہ جب کسی قوم میں زنا پھیلتا ہے تو ان پر قحط نازل ہوتا ہے، امام احمدؒ نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں۔ سمعت رسول اللهﷺ صلی اللهعليه وسلم يقول ما من قوم يظهر فيهم الزنا الا اخذو ابالسنة وما من قوم يظهر فيهم الرشا الا اخذوا بالرعب. یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس قوم میں بھی زنا پھیلتا ہے ان کو قحط میں مبتلا کر دیا جاتا ہے، اور جس قوم میں رشوت خوری شائع ہوتی ہے ان پر مرعوبیت ڈال دی جاتی ہے (یعنی دوسروں کا رعب ان کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے) (بحوالہ البصائر فی تذکرالعشائر ج ا ص ۸۴۸ عربی مع ترجمہ ناشر کفلیہ ضلع سورت)

اور زنا کا ایک برا نتیجہ یہ بھی ہے کہ زنا سے فقر پیدا ہوتا ہے، بزار نے روایت کی ہے اذا ظهر "الزنا ظهر الفقر والمسكنة جب زنا ظاہر ہوتا ہے تو فقر اور مسکنت اس کو گھیر لیتی ہے۔ (بحوالہ البصائر فی تذکرالعشائر ج ا ص ۸۴۸)

حضرت انسؓ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں المقيم على الزنا كعابد وثن ، زنا کا عادی بت پرست کی طرح ہے۔ (الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۳۱۶)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا ای الذنب اكبر عند الله قال ان تدعوا لله نداً وهو خلقک. یعنی کون سا گناہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا ہے؟ فرمایا تو اللہ کے ساتھ شرک کرے حالانکہ اس نے تجھ کو پیدا کیا ہے، سائل نے دریافت کیا: اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا ان تقتل ولدک خشية ان يطعم معک تو اپنے بچے کو اس خوف سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھانے میں شریک ہوگا، سائل نے پوچھا پھر کون سا گناہ؟ فرمایا ان تزنی حليلة جارک تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی والذين لا يدعون مع

اللہ الہا اخر و لا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق و الا یزنون . الایۃ یعنی اللہ کے خاص بندے وہ ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور جس نفس کو حق تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۶ اص ۷ اباب الکبائر)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زلزلہ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: زنا، شراب رقص و سرود (گانا بجانا) لوگوں کا مذاق بن جائیں تو غیرت حق کو بھی جوش آتا ہے، اگر معمولی تنبیہ پر توبہ کرلیں، تو فبہا ورنہ عمارتیں منہدم، اور عالیشان تعمیرات خاک کے تودے کردیئے جاتے ہیں۔

پوچھا گیا کہ کیا زلزلہ عذاب ہے؟ فرمایا مؤمن کے حق میں رحمت اور کافر کے لئے عذاب (معاذ اللہ)
(اخبار زلزلہ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ج ۱۰ص ۳۳۴)

زنا کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے نسب برباد ہوتے ہیں اور جو بچے زنا سے پیدا ہوتے ہیں وہ حرامی کہلاتے ہیں، ان کی صحیح تربیت نہیں ہوتی سماج اور معاشرہ میں ان کو اچھا مقام حاصل نہیں ہوتا، ولد الزنا کے لقب بد سے ملقب ہوجاتے ہیں۔

نیز زنا کا ایک برا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جس طرح زانی دوسروں کی بہو بیٹیوں کے عصمت دری کرتا ہے اسی طرح زانی کی اولاد اس کے اہل وعیال اور اعزاء کے ساتھ بھی اسی قسم کا برتاؤ پیش آتا ہے، چنانچہ البصائر میں ایک واقعہ ہے۔

''مدینہ منوہ میں ایک سقہ دیانت میں مشہور تھا، اس کا گذر ایک عورت پر ہوا وہ عورت بھی دیانت میں بہت مشہور تھی عورت نے اس سے پانی مانگا، عورت کا دامن جھکا ہوا تھا، سقہ نے کہا دامن اوپر اٹھالو، پس وہ اس کو اٹھانے کے لئے جھکی تو سقے نے اپنا ہاتھ اس کے سرین پر رکھ دیا، عورت کو بڑا تعجب ہوا کہ ایسے دیندار شخص نے ایسی حرکت کی جس کی دس برس سے کوئی خیانت نہیں سنی گئی تھی، الغرض وہ خاموش ہوگئی، یہاں تک کہ اس کا شوہر آیا، اس نے شوہر سے کہا کہ آج جو کچھ تم سے وقوع میں آیا ہے مجھ سے بیان کرو۔ شوہر نے کہا کچھ بھی وقوع میں نہیں آیا بجز اس کے کہ میں لکڑیاں چن رہا تھا کہ ایک عربی عورت میرے سامنے آگئی اور میں نے اپنا ہاتھ اس کے سرین پر رکھ دیا، تب عورت نے کہا لا الہ الا اللہ دستک کے بدلہ دستک اور اگر تم اس سے زیادہ کرتے تو سقہ بھی اس پر زیادتی کرتا (البصائر فی تذکیر العشائر ج ا ص ۸۴۶) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نوجوان لڑکیوں کا کار ڈرائیونگ سیکھنا کیسا ہے؟:

(سوال ۴۷) نوجوان لڑکیوں کا کار ڈرائیونگ سیکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نوجوان لڑکیوں کا ڈرائیونگ سیکھنا فی نفسہ مباح ہے مگر سخت ناپسندیدہ ہے اور یہ بھی اس وقت ہے جب کہ بے پردگی اور نامحرم مردوں سے اختلاط اور ان سے سیکھنا نہ پڑتا ہو مگر یہ ناممکن سا ہی ہے کیونکہ ان مراحل کو طے کئے بغیر لائسنس ملنا مشکل ہے، لائسنس کے حصول کے لئے نامحرم مرد سے سیکھنا اس کے پہلو میں بیٹھنا اور اس سے بات چیت کرنے کا موقع یقیناً آئے گا، بے پردگی گویا لازمی ہے، اور اس کے علاوہ بہت سے مفاسد ہیں، لہذا

عورتوں کو اس سے محفوظ ہی رکھا جائے۔(١) قرآنی ہدایت تو یہ ہے **وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیة الاولیٰ**. تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق علانیہ نہ پھرتی رہو (قرآن مجید پارہ نمبر ٢٢ رکوع نمبر ١ سورۂ احزاب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

استاد کی جگہ پر بیٹھنا:

(**سوال ٧٥**) استاد کی عدم موجودگی میں ان کی جائے نشست پر بیٹھنے میں کوئی قباحت ہے؟ معتبر حوالہ سے جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں، بینوا توجروا۔

(**الجواب**) شاگرد کے لئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ استاد کی جگہ پر بیٹھے چاہے استاد موجود نہ ہوں، ادب واحترام کے خلاف ہے، خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے **ولا یجلس مکانه ان غاب عنه** (ج ٤ ص ٣٢٧ باقی ہے) **فقط واللہ اعلم بالصواب**.

انسانی حقوق:

(**سوال ٧٦**) آج کل قومی فسادات ہوتے ہیں ایک شخص دوسرے شخص کو بلاقصور ایذا پہنچاتا ہے، موقع ملنے پر مکان دوکان کارخانہ وغیرہ جلا دیتا ہے گا ہے اس کو جان سے بھی مار دیتا ہے، حالانکہ سب ایک انسان کی اولاد ہیں، سب نبی آدم ہیں اس قسم کی حرکتیں کرنا کیسا ہے؟ اس بارے میں اسلام کی کیا تعلیمات ہیں، امید ہے کہ مفصل جواب تحریر فرمائیں گے۔ بینوا توجروا۔

(**الجواب**) تمام انسان ایک ماں باپ یعنی حضرت آدم وحوا علیہما السلام کی اولاد ہیں، اس اعتبار سے ہر انسان کا دوسرے انسان پر چاہے اس کا تعلق کسی بھی قوم یا مذہب سے ہو یہ حق ہے کہ اس کا احترام کرے اس کی خیر خواہی کا خواہش مند رہے، اپنی طرف سے اسے کوئی تکلیف نہ پہنچائے، اس کو اچھی حالت میں دیکھے تو خوشی کا اظہار کرے اس پر تکلیف اور مصیبت آپڑے تو اس کی مدد کرے، اس کے ساتھ بھائی چارگی کا معاملہ کرے یہ انسانیت کا تقاضا ہے، اور انسانیت انسان کا سب سے بڑا جوہر ہے کسی حال میں بھی خود کو اس جوہر سے محروم کر کے حیوانیت کا روپ اختیار کر لینا انسانیت پر بدنما داغ ہے پھر ایسا شخص انسان کہلانے کا بھی مستحق نہیں رہتا، لہذا محض اس نسبت سے کہ وہ اللہ کی مخلوق ہے اور ہم سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اس کے ساتھ حسن سلوک اور بھائی کا معاملہ کرنا چاہئے، اسلام نے اس بارے میں بہت واضح ہدایات دی ہیں ہر موقع پر انسانیت کے احترام کا اور ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی رحم وشفقت کا حکم دیا ہے۔

محسن انسانیت حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا **الناس کلھم بنو ادم وادم من تراب** تمام انسان بنی آدم ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہوئے ہیں (رواہ الترمذی وابوداؤد مشکوٰۃ باب المفاخرۃ والعصبیۃ ص ٤١٨ ترمذی شریف)

---

(١) لا ترکب مسلمة علی سرج للحدیث هذا لو للتلهی ولو لحاجة غزو اوحج او مقصد دینی او دنیوی لا بد لها منه فلا باس به قال فی الشامیه تحت قوله ولو لحاجة غزو الخ ای بشرطان تکون متسترة وان تکون مع زوج او محرم، درمختار مع الشامی کتاب الحضر والاباحة فصل فی البیع ج ٢ ص ٣٢٣.

رحمت عالم رسول اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے عن جریر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس متفق علیہ حضرت جریر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتے (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۱ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق) مذکورہ حدیث میں انسانوں کو ہمدری اور حسن سلوک کا سبق دیا ہے اور ایک دوسرے پر ظلم اور زیادتی کرنے سے روکا گیا ہے، اللہ کی مخلوق پر رحم کرنا اور ان سے اچھا سلوک کرنا ایسا عمل ہے کہ اللہ بھی اس پر رحم فرماتے ہیں، حدیث میں ہے۔ عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الراحمون یرحمھم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السمآء، رواہ ابوداؤد والترمذی حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جو لوگ انسانوں پر رحم کرتے ہیں خدائے رحمٰن ان پر رحم کرتے ہیں۔ اے لوگو! زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کریگا (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۳ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

کرو مہربانی تم اہل زمین پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

حدیث میں ہے عن انس وعبد اللہ قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الیٰ عیالہ . یعنی حضرت انس اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مخلوق خدا کا کنبہ ہے، اس لئے خدا کے نزدیک محبوب ترین وہ شخص ہے جو خدا کے کنبہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے (مشکوٰۃ شریف باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص ۴۲۵)

حدث میں ہے عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اکرم شاب شیخاً من اجل سنہ الا قیض اللہ لہ عند سنہ من یکرمہ رواہ الترمذی حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو نوجوان کسی بوڑھے شخص کا محض اس کے بڑھاپے کی وجہ سے احترام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی پیرانہ سالی کے وقت ایسے شخص کو پیدا فرمائے گا جو اس کی تعظیم کرے گا۔ (ایضاً مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۲)

یہ ہیں "اسلامی تعلیمات" جس نے انسانیت کو اجاگر کیا ہے اور قوم وملت کے فرق کو مٹا کر محض انسانیت کے ناطے دوسرے شخص کے ساتھ رحم وشفقت اور حسن سلوک کا حکم دیا ہے، مندرجہ بالا احادیث میں غور کیجئے، سب انسانوں کے ساتھ بھلائی کی تعلیم دی گئی ہے مسلمان ہونے کی تخصیص نہیں۔

گلستان جس میں شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے بڑی قیمتی نصیحتیں اور حکمت کی باتیں بیان فرمائی ہیں اس میں ہے

بنی آدم اعضائے یک دیگر ند
کہ در آفرنیش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضو ہارا نماند قرار
تو کز محنت دیگراں بے غمی
نشاید کہ نامت نہند آدمی

یعنی آدم کے بیٹے آپس میں اعضاء کے مانند ہیں، کیونکہ ایک جوہر یعنی آگ، پانی، مٹی اور ہوا سے سب کی پیدائش ہے، پس ایک عضو میں حوادث زمانہ سے درد پیدا ہو جائے تو دیگر اعضاء کو بھی کسی طرح قرار (اور چین) نہیں آتا، اے مخاطب اگر تو دوسروں کے رنج والم سے بے غم رہتا ہے تو تجھ کو آدمی ہی کہنا زیبا نہیں ہے۔ (گلستان باب اول حکایت بابالین تربت یحیی پیغمبر علیہ السلام الخ)

انسان تو انسان جانوروں پر بھی رحم کرنے سے انسان کو اللہ اجر عظیم عطا فرماتے ہیں ایک حدیث میں ہے

عن ابی هریرة رضی اللہ عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال بینما رجل یمشی بطریق اشتد علیه العطش فوجد بئراً فنزل فیها فشرب ثم خرج فاذا کلب یلهث یأکل الثری من العطش فقال الرجل لقد بلغ هذا الکلب من العطش مثل الذی کان بلغ بی فنزل البئر فملأ خفه ثم امسکه بفیه فسقی الکلب فشکر اللہ فغفر له قالوا یارسول اللہ وان لنا فی البهائم اجراً فقال فی کل ذات کبد رطبة اجر :۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک شخص راستہ پر چل رہا تھا، اس کو سخت پیاس لگی ایک کنواں دیکھا وہ اس میں اترا اور پانی پی کر کنویں سے نکلا تو ایک کتے کو دیکھا کہ زبان لٹکائے ہوئے ہے شدت پیاس کی وجہ سے مٹی چاٹ رہا ہے، اس نے (اپنے دل میں) کہا پیاس کی وجہ سے اس کتے کی بھی ایسی ہی حالت ہوگئی ہے جیسی میری حالت ہوئی تھی تو وہ کنویں میں اترا اور اپنے موزے کو پانی سے بھرا پھر موزے کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر باہر آیا اور کتے کو پانی پلایا، اللہ نے اس کے عمل کو پسند فرمایا (قدر کی) اور اس کی مغفرت فرمادی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ، کیا جانوروں پر رحم کرنے میں ہم کو اجر ملتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر ذی روح اور جاندار پر رحم کرنے میں اجر ہے (بخاری شریف ص ۸۸۸ ج ۲ باب رحمۃ الناس والبہائم) (نیز بخاری شریف ص ۳۱۸ ج ۱ باب فضل سقی الماء)

جس شخص میں ''انسانیت'' کا قیمتی جوہر ہوتا ہے دنیا میں اس کی قدر ہوتی ہے لوگ اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، نیک نامی ہوتی ہے اور انتقال کے بعد بھی اس کا ذکر خیر ہوتا ہے، لہذا ایسی پاکیزہ زندگی گذارنا چاہئے کہ اس کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے کہ زندگی میں بھی نیک نامی ہو اور انتقال کے بعد بھی لوگ ذکر خیر کریں

یاد داری کہ وقت زادن تو
ہمہ خندہ بودند تو گریاں
آنچناں زی کہ وقت مردن تو
ہمہ گریاں بودند تو خنداں

ترجمہ:۔تو اس وقت کو یاد رکھ کہ تیری پیدائش کے وقت تمام ہنس رہے تھے (خوش تھے) اور تو رو رہا تھا، تو اس طرح زندگی بسر کر کہ تیرے انتقال کے وقت سب رو رہے ہوں اور تو ہنس رہا ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسلمانوں کے حقوق اور اس کے مراتب صلہ رحمہ کی اہمیت اور اس سے متعلق چالیس احادیث:

(سوال ۷۷) ایک مسلمان کا دوسرے مسلمانوں پر کیا حق ہے؟ آپس میں کیا سلوک اور کس قسم کا برتاؤ کرنا چاہئے؟ اس سلسلہ میں اسلامی تعلیمات کیا ہیں، آپ وضاحت سے تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایک مسلمان کے دوسرے مسلمانوں پر کیا حقوق ہیں اس سلسلہ میں قرآن مجید میں ہدایت فرمائی گئی ہیں اور احادیث مبارک میں بھی مختلف انداز میں یہ مضمون بیان فرمایا گیا ہے، بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔ قرآن مجید میں ہے۔

وان طآئفتٰن من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احدھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفی الیٰ امر اللہ فان فآءت فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا ان اللہ لایحب المقسطین.

ترجمہ: اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلاح کردو پھر اگر ان میں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جائے پھر اگر رجوع ہو جائے، تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کردو اور انصاف کا خیال رکھو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے۔

انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون.

ترجمہ: مسلمان تو سب بھائی بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

یا ایھا الذین امنوا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیراً منھم ولا نسآء من نسآء عسیٰ ان یکن خیراً منھن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولٰئک ھم الظلمون.

اے ایمان والوں نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے۔ کیا عجب ہے کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ ان (ہنسنے والوں) سے (خدا کے نزدیک) بہتر ہوں، اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو، ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا (ہی) برا ہے، اور جو ان حرکتوں سے) باز نہ آویں گے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔

یایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضاً ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتاً فکرھتموہ، واتقوا اللہ ان اللہ تواب رحیم.

اے ایمان والوں بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور سراغ مت لگایا کرو، اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت

کھائے اس کو تو تم ناگوار سمجھتے ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

یآ یھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوباً وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ان اللہ علیم خبیر .(قرآن مجید پارہ نمبر ۲۶ سورۂ حجرات آیت ۹ / ۱۰ / ۱۱ / ۱۲ / ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا، تا کہ ایک دوسرے کی شناخت کرسکو، اللہ کے نزدیک تم میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔ (ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

احادیث مبارکہ

(۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تحاسدوا ولا تناجشوا ولا تباغضو ولا تدابروا...... وکونوا عباد اللہ اخوانا المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یخذ لہ ولا یحقرہ..... بحسب امرأمن الشران یحقر اخاہ المسلم کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ (مسلم شریف ص ۳۱۷ ج ۲ کتاب البر و الصلۃ والا دب باب تحریم ظلم المسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا آپس میں حسد نہ کرو اور بلا نیت خریداری (دوسرے کو دھوکہ دینے کے لئے) نرخ مت بڑھایا کرو اور آپس میں بغض نہ رکھو اور ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہوکر رہو، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو ذلیل کرے اور نہ اس کو حقیر جانے (اور پھر فرمایا) انسان کے برا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے، مسلمان کے لئے مسلمانوں کا سب کچھ حرام ہے اس کا خون بھی مال بھی، آبرو بھی۔

(۲) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقاطعوا ولا تدابروا ولا تباغضوا ولا تحاسدوا وکونوا عباد اللہ اخوانا کما امرکم اللہ (مسلم شریف ص ۳۱۶ ج ۲ باب تحریم الظن والتجسس)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا آپس میں قطع تعلق نہ کرو اور ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو اور آپس میں بغض نہ رکھو اور حسد نہ رکھو اور اللہ کے سب بندوں بھائی بھائی بن کر رہو جیسا اللہ نے تم کو حکم دیا۔

(۳) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایا کم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تنافسوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ اخوانا (مسلم شریف ص ۳۱۶ ج ۲ باب تحریم الظن والتجسس)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے اور (دوسروں کے عیوب کی) ٹوہ میں مت لگو نہ جاسوسی کرو نہ تنافس کرو اور آپس میں حسد اور بغض بھی نہ کیا

کرو اور نہ ایک دوسرے سے روگردانی کر کے چلو اور بندگان خدا آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔

(۴)عن ابی هریرة عن النبی صلی اللّٰہعلیه وسلم : ومن ستر علی مسلم فی الدنیا ستر اللّٰہعلیه فی الدنیا والا خرة و اللّٰہفی عون العبدما کان العبد فی عون اخیه.

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص دنیا میں کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ اور اللہ اپنے بندہ کی مدد میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔

(۵)عن ابی الدرداء قال سمعت رسول اللّٰہصلی اللّٰہعلیه وسلم یقول ما من مسلم یردعن عرض اخیه الا کان حقاً علی اللّٰہان یرد عنه نارجهنم یوم القیمة ثم تلا هذه الایة و کان حقاً علینانصر المومنین رواه فی شرح السنة (مشکوٰة ص ۴۲۴ باب الشفقة الرحمة علی الخلق)

حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عزت کی حفاظت کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے جہنم کی آگ دور فرمائے گا، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی و کان حقاً علینا نصر المؤمنین۔

(۶)عن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰہصلی اللّٰہعلیه وسلم للمؤمن علی المؤمن ست خصال (۱)یعوده اذا مرض (۲) ویشهده اذا مات و (۳) یجیبه اذا دعاه (۴)ویسلم علیه اذا لقیه (۵)ویشمته اذا عطس (۶) وینصح له اذا غاب او شهد .(مشکوٰة شریف ص ۳۹۷ باب السلام) (هدایت القرآن ص ۱۰۵ سورهٔ رعد پاره نمبر ۱۳ دوسری قسط)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں (۱) جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرنا (۲) جب انتقال کر جائے تو کفن دفن کے لئے حاضر ہونا (۳) جب دعوت کرے تو قبول کرنا (۴) جب ملاقات ہو تو سلام کرنا (۵) جب اس کو چھینک آئے (اور الحمد اللہ کہے) تو یرحمک اللہ کہہ کر دعا دینا (۶) اور اس کی خیر خواہی کرنا خواہ وہ غائب ہو یا حاضر۔

(۷)عن انس قال قال رسول اللّٰہصلی اللّٰہعلیه وسلم والذی نفسی بیده لایؤمن عبد حتی یحب لا خیه ما یحب لنفسه .(مشکوٰة شریف ص ۴۲)(باب الشفقة و الرحمة علی الخلق)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کوئی بندہ اس وقت تک مومن کہلانے کے قابل نہیں جب تک کہ اس میں یہ جذبہ پیدا نہ ہو جائے کہ اپنے بھائی کے لئے اسی چیز کو پسند کرے جس کو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

(۸)عن عبد اللّٰہبن عمرو رضی اللّٰہعنه قال قال رسول اللّٰہصلی اللّٰہعلیه وسلم المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده (بخاری شریف بحواله مشکوة شریف ص ۱۲ کتاب الا یمان)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا مسلمان تو بس وہی جس کی زبان اور ہاتھ (کی ایذاء سے) مسلمان محفوظ رہے۔

(۹) عن انس رضی اللہ عنہ قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ یا بنی ان قدرت ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبک غش لا حد فافعل ثم قال یا بنی ذلک من سنتی ومن احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة (رواہ الترمذی (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، بیٹا اگر تم قدرت رکھتے ہو کہ صبح و شام اس حالت میں کرو کہ تمہارے دل میں کسی طرف سے کھوٹ (کینہ کپٹ) نہ ہو تو ایسا کرلیا کرو، پھر ارشاد فرمایا یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

دل کی صفائی اور کینہ و کپٹ سے خالی ہونا اتنا اونچا اور عظیم عمل ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اہتمام کے ساتھ اس کی تعلیم فرمائی اور اسے اپنی سنت فرمایا اس لئے اس بات کی پوری کوشش کرنا چاہئے کہ ہر مومن کی طرف سے دل صاف و پاک ہو کینہ کپٹ حسد بغض عداوت بدخواہی نہ ہو۔

مؤمنین کی مثال

(۱۰) عن النعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تری المؤمنین فی تراحمھم وتوادھم و تعاطفھم کمثل الجسد اذا اشتکی عضواً تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمیٰ ، متفق علیہ. (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۲ باب الشفقة والرحمة علی الخلق)

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سارے مسلمان باہم شفقت و محبت اور رحم کا معاملہ کرنے میں ایک بدن کے مانند ہیں، جب ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو سارا بدن جاگنے اور بخار چڑھنے میں اس کا ساتھ دیتا ہے۔

(۱۱) عن النعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المؤمنون کرجل واحد ان اشتکی عینہ اشتکی کلہ وان اشتکی رأسہ اشتکی کلہ رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۲)

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمام مؤمنین ایک شخص کے مانند ہیں اگر آنکھ دکھے تو سارا بدن دکھتا ہے اور اگر سر دکھے تو سارا بدن دکھے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے اس مضمون کو بیان فرمایا ہے۔

مثنوی:۔

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند
کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضوہا را نماند قرار

تو کز محنت دیگراں بے غمی
نشاید کہ نامت نہند آدمی

یعنی آدم کے بیٹے آپس میں اعضاء کے مانند ہیں کیونکہ ایک جوہر یعنی آگ پانی مٹی اور ہوا سے سب کی پیدائش ہے، پس ایک عضو میں حوادث زمانہ سے درد پیدا ہو جائے تو دیگر اعضاء کو بھی کسی طرح قرار اور چین نہیں آتا، اے مخاطب اگر تو دوسروں کے رنج والم سے بے غم رہتا ہے تو تجھ کو آدمی ہی کہنا زیبا نہیں ہے۔

(گلستاں، باب اول حکایت بہ بالین تربت یحییٰ پیغمبر علیہ السلام)

لہٰذا ایمانی تقاضہ یہ ہے کہ اگر اپنا کوئی مسلمان بھائی کسی مصیبت و پریشانی میں مبتلا ہے تو دوسرے مسلمان اس کا تعاون کریں اس کے ساتھ ہمدردی و غم خواری کا معاملہ کریں اس کی تکلیف کو اپنی تکلیف محسوس کریں، یہی ایمانی تقاضہ اور ایمانی غیرت ہے اور احادیث میں اسی چیز کا ہم سے مطالبہ ہے۔

(۱۲) عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المؤمن للمؤمن کالبنیاد یشد بعضہ بعضاً ثم شبک بین اصابعہ متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۲ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نبی کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے عمارت کے مانند ہے کہ ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتا ہے پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی انگلیاں دوسری انگلیوں میں داخل کیں (اور تشبیک کر کے سمجھایا)

عمارت کا حال یہ ہے کہ ہر حصہ دوسرے حصہ کو تقویت پہنچاتا ہے اگر ایک حصہ کمزور ہو جائے تو آہستہ آہستہ ساری عمارت کمزور ہو جاتی ہے یا ایک حصہ گر جائے تو پوری عمارت گر جاتی ہے، پس اسی طرح سارے مسلمان مثل ایک دیوار کے ہیں کہ ان میں سے ایک کو تکلیف ہو تو ہر شخص کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ کمزوری مجھ ہی کو لاحق ہوئی، پس اس کی اعانت کرے یہاں تک کہ اس کی کمزوری دور ہو کر اس کو قوت حاصل ہو جائے۔

(۱۳) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ ومن کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ. (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۲ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ تو خود اس پر ظلم کرے اور نہ اسے کسی ظالم کے حوالہ کرے اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پورا کرنے میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرنے میں رہتے ہیں۔

(۱۴) عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل الجنۃ من لا یأمن جارہ بوائقہ، رواہ مسلم. (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۲ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہو۔

(۱۵)عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم و الله لا یؤمن والله لا یؤمن و الله لا یؤمن قیل من یارسول الله قال الذی لا یأمن جاره بوائقه، رواه مسلم.(مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۲ باب الشفقة و الرحمة علی الخلق)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایاواللہ وہ شخص مؤمن نہیں ہے، واللہ وہ شخص مؤمن نہیں ہے، قسم بخداوہ شخص مؤمن نہیں ہے عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول کون؟ آپ نے فرمایا وہ شخص جس کے خطرات (شرارتوں) سے اس کے پڑوسی مامون نہ ہوں۔

(۱۶)عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم سباب المسلم فسوق وقتاله کفر متفق علیه (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۱ باب حفظ اللسان و الغیبة و الشتم)

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ مسلمان کو برا کہنا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔

(۱۷)عن ابی ایوب الانصاری رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یحل للرجل ان یهجر اخاه فوق ثلث لیال یلتقیان فیعرض هذا ویعرض هذا وخیر هما الذی یبدأ بالسلام متفق علیه (بخاری شریف، مسلم شریف مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۷ باب ماینهی من التهاجر و التقاطع)

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ کسی شخص کے لئے حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق رکھے کہ دونوں کا آمنا سامنا (ملاقات) ہوتو یہ ادھر کو منہ پھیرے اور وہ ادھر کو منہ پھیرے اور دونوں میں بہتر شخص وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔

حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔ یہ جو حدیث میں ہے کہ تین روز سے زیادہ کسی سے قطع تعلق نہ کرے یہ مطلقاً نہیں اگر فساق سے بوجہ فسق کے احتراز کرے تو کوئی حرج نہیں یعنی دین کے واسطے دواماً بھی بغض فی اللہ جائز ہے، البتہ دنیاوی معاملات میں کسی سے رنجش رکھنا اس کے تین دن کی حد ہے، اگر احتراز وقار کے واسطے ہو کہ کسی سے تعلق رکھنا شان کے خلاف ہے تو اس میں کبر کا شائبہ ہے۔ (ملفوظات معروف بہ ''کلمۃ الحق'' جلد ہشتم ص ۱۲۷)

(۱۸)عن ابی خراش السلمی انه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من هجر اخاه سنةً فهو کسفک دمه رواه ابو داؤد (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۸ باب ما ینهیٰ عنه من التهاجر)

حضرت ابوخراش سلمیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اپنے بھائی کو ایک سال تک چھوڑے رکھا تو یہ ایسا ہے جیسا اس کا خون کردیا۔

تفسیر مظہری میں ہے، ابن عساکر نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص اپنے بھائی کو سال بھر چھوڑے رکھے گا (یعنی قطع تعلق رکھے گا) وہ اللہ کے سامنے قابیل کے گناہ کا حامل ہو کر جائے گا، سوائے دوزخ میں داخلہ کے اس کو قابیل سے کوئی چیز جدا نہیں کرے گی (یعنی قیامت کے دن وہ قابیل

کا ساتھی ہوگا مگر دوزخ میں وہ قابیل سے الگ ہوگا، کیونکہ قابیل کا عذاب سخت اور طویل ہوگا) (تفسیر مظہری مترجم ص ۴۴۶ ج ۳، سورہ مائدہ پارہ نمبر ۶ رکوع نمبر ۹)

ہابیل اور قابیل ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہیں، قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تھا یہ روئے زمین پر سب سے پہلا قتل ہے، ان دونوں کا واقعہ قرآن مجید میں سورہ مائدہ پارہ نمبر ۶ میں بیان کیا گیا ہے، قتل کرنے کی وجہ سے قیامت کے دن قابیل کو سخت عذاب ہوگا، چنانچہ تفسیر مظہری میں روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ظلم سے قتل کیا جاتا ہے اس کے خون کا ایک حصہ آدم کے پہلے بیٹے کی گردن پر ہوتا ہے کیونکہ قتل کا دستور سب سے پہلے اسی نے ایجاد کیا ہے، رواہ البخاری وغیرہ۔

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمرؓ کا قول لکھا ہے کہ آدم کا قاتل بیٹا (دوسرے) دوزخیوں کے عذاب کا آدھا حصہ صحیح طور پر تقسیم کر کے اپنے لئے لے لے گا (یعنی سارے دوزخیوں کا آدھا عذاب اس پر ہوگا) (تفسیر مظہری ص ۴۴۶ ج ۳)

غور کیجئے کتنی سخت وعید ہے، آج ہم لوگوں کو برسوں گذر جاتے ہیں کہ جن سے اختلاف ہے ان سے ملنے کا نام تک نہیں لیتے اگر کوئی درمیان میں مصالحت کی کوشش کرتا ہے تو اس کو بھی رد کر دیتے ہیں اور ملنے میں عار محسوس کرتے ہیں، حالانکہ اگر قطع تعلق کسی امر شرعی کی وجہ سے نہیں ہے تو تین دن سے زائد مومن بھائی سے قطع تعلق حلال نہیں جیسا کہ حدیث نمبر ۱۲ میں بیان ہوا اور ایسے لوگ مغفرت سے بھی محروم رہتے ہیں، حدیث میں ہے:۔

(۱۹) عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یفتح ابواب الجنۃ یوم الاثنین ویوم الخمیس فیغفر لکل عبد لا یشرک باللّٰہ الا رجلا کانت بینہ وبین اخیہ شحناء فیقال انظروا ھذین حتیٰ یصطلحا، رواہ مسلم. (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۷. ص ۴۲۸، باب ما ینھیٰ عنہ من التھاجر والتقاطع)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ہر اس بندے کی مغفرت کر دی جاتی ہے جو خدا کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو مگر اس شخص کی مغفرت نہیں ہوتی جس کے درمیان اور اس کے بھائی کے درمیان کینہ ہو، ارشاد ہوتا ہے کہ ان دونوں کو ابھی رہنے دو یہاں تک کہ آپس میں صلح کرلیں۔

(۲۰) عن ابی بکر الصدیق رضی اللّٰہ عنہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ملعون من ضار مؤمنا او مکر بہ، رواہ الترمذی (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۸ باب ماینھی عنہ من التھاجر)

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی مسلمان کو ضرر پہنچائے یا اس کو فریب دے وہ ملعون ہے۔

(۲۱) عن واثلۃ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا تظھر الشماتۃ لاخیک فیرحمہ اللّٰہ ویبتلیک، رواہ الترمذی (مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۴ باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم)

حضرت واثلہ بن اسقعؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی تکلیف پر

خوشی مت ظاہر کرو ممکن ہے خدا پاک اس پر رحم فرمادے اور تجھے اس (تکلیف ومصیبت میں) مبتلا کردے۔

(۲۲)عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا اخبرکم بافضل من درجۃ الصیام والصدقۃ والصلوۃ قال قلنا بلیٰ ، قال اصلاح ذات البین وفساد ذات البین ھی الحالقۃ رواہ ابوداؤد والترمذی (مشکوۃ شریف ص ۴۲۸ باب ماینھی عنہ ، من التھاجر والتقاطع واتباع العورات الفصل الثانی)

حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو روزہ صدقہ اور نماز کے درجہ سے بہتر ہے، ہم نے عرض کیا ضرور! ارشاد فرمایا، باہمی تعلقات کی درستگی اور باہمی فساد (دین کو) مونڈنے والا ہے۔

(۲۳)عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصر اخاک ظالماً او مظلوما فقال رجل یا رسول اللہ انصرہ مظلوما فکیف انصرہ ظالماً قال تمنحہ من الظلم فذلک نصرک ایاہ متفق علیہ (مشکوۃ شریف باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص ۴۲۲)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا تو اپنے بھائی کی مدد کر وہ ظالم ہو یا مظلوم، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں مظلوم کی تو مدد کرتا ہوں، ظالم کی کس طرح مدد کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کو ظلم کرنے سے روک دے یہ اس کی مدد ہے۔

(۲۴)قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یؤقر کبیرنا (ترمذی شریف ص ۱۴ ج ۲ باب ماجاء فی رحمۃ الصبیان)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی عزت نہ کرے وہ ہمارے طریقہ پر نہیں ہے۔

(۲۵)عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اکرم شاب شیخا لسنہ الا قیض اللہ لہ من یکرمہ عند سنہ (ترمذی شریف ج۲ ص ۲۳ باب ماجاء فی اجلال الکبیر)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس جوان نے بڑھے کی اس کی سن (عمر) کی وجہ سے عزت کی تو خدا اس کے بڑھاپے کے وقت ضرور ایسا شخص مقرر کرے گا جو اس کی عزت کرے گا۔

(۲۶)عن علی رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ وسلم یقول ما من مسلم یعود مسلماً غدوۃ الا صلی علیہ سبعون الف مالک حتی یمسی وان عادہ عشیۃ الا صلی علیہ سبعون الف ملک حتی یصبح وکان لہ خریف فی الجنۃ (ترمذی شریف ص ۱۱۶ ج ۱ ابواب الجنائز، باب ماجاء فی عیادۃ المریض) (ابوداؤد شریف ج۱ ص ۸۶ کتاب الجنائز باب فی فضل العیادۃ)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، جو مسلمان صبح کے وقت کسی مسلمان کی عیادت (بیمار پرسی) کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے شام تک اس کے لئے رحمت ومغفرت کی دعا کرتے ہیں اور اگر شام کے وقت کسی کی عیادت کرتا ہے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے رحمت ومغفرت کی دعا کرتے ہیں اور اس

کے لئے جنت میں ایک باغ ہوگا۔

(۲۷)عن ثوبان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان المسلم اذا عاد اخاہ المسلم لم یزل فی خرفۃ الجنۃ حتیٰ یرجع (رواہ مسلم)(مشکوۃ شریف ص ۱۳۳ کتاب الجنائز باب عیادۃ المریض)

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا بیشک مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو وہ واپس لوٹنے تک جنت کے چنیدہ میووں میں رہتا ہے (یعنی وہ اس عمل کی وجہ سے جنت اور اس کے پھولوں کا مستحق ہوتا ہے)۔

(۲۸)عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من توضأ فاحسن الوضوء وعاد اخاہ المسلم محتسبا بوعد من جھنم میسرۃ ستین خریفاً (ای عاما) رواہ ابو داؤد (مشکوۃ شریف باب عیادۃ المریض وثواب المریض الفصل الثانی ص ۱۳۵)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اچھی طرح وضو کرے اور محض ثواب کی نیت سے اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرے تو دوزخ سے ساٹھ برس کی مسافت دور کر دیا جاتا ہے۔

(۲۹)عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عاد مریضاً او زار اخا لہ فی اللہ ناداہ مناد ان طبت وطاب ممشاک وتبوات من الجنۃ منزلا (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲، ص ۲۳ باب ماجاء فی زیارۃ الاخوان)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے کسی مریض کی عیادت کی یا اپنے بھائی کی زیارت کی محض اللہ کے واسطے تو آسمان سے ایک منادی ندا دیتا ہے تو نے اچھا کام کیا اور تیرا چلنا بہت اچھا ہے اور تو نے اپنے لئے جنت میں مکان بنالیا۔

نمونہ کے طور پر چند احادیث نقل کی گئیں ان کا تعلق عام مسلمانوں کے حقوق سے ہے، قرابت اور رشتہ داری کا معاملہ اس سے اہم ہے، صلہ رحمی یعنی اپنے رشتہ داروں سے نیک سلوک کرنا میل محبت سے پیش آنا، بڑے اجر و ثواب کا کام ہے، خاندان میں میل محبت رزق میں برکت کا سبب ہے قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں اس کی بہت تاکید آئی ہے قرآن مجید میں ہے۔

(۱)وات ذا القربیٰ حقہٗ والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطٰن لربہ کفوراً (قرآن مجید پارہ نمبر ۱۵ سورہ بنی اسرئیل آیت نمبر ۲۶،۲۵)

اور قرابت دار کو اس کا حق (مالی وغیر مالی) دیتے رہنا اور محتاج و مسافر کو بھی دیتے رہنا، اور (مال) بے موقع مت اڑانا، (کیونکہ) بے شک بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔

یعنی قرابت والوں کے مالی واخلاقی ہر قسم کے حقوق ادا کرو محتاج و مسافر کی خبر گیری رکھو اور خدا کا دیا ہوا مال فضول بے موقعہ مت اڑاؤ فضول خرچی یہ ہے کہ معاصی اور لغویات میں خرچ کیا جائے، یا مباحات میں بے سوچ سمجھے اتنا خرچ کر دے جو آگے چل کر تفویت حقوق اور ارتکاب حرام کا سبب بنے (فوائد عثمانی از مفسر قرآن علامہ شبیر احمد

عثمانی پ ۱۵)

(۲) واعبدوا اللّٰہ ولا تشرکوا بہ شیئاً و بالوالدین احساناً وبذی القربیٰ والیتمیٰ والمسکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل و ما ملکت ایمانکم ان اللّٰہ لا یحب من کان مختالاً فخوراً. (قرآن مجید پارہ نمبر ۵ سورۂ نساء آیت نمبر ۳۶)

اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو، اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اہل قرابت کے ساتھ بھی اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی جو تمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں بے شک اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں سے محبت نہیں رکھتے جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہوں شیخی کی باتیں کرتے ہوں۔

(۳) فات ذا لقربیٰ حقہ والمسکین وابن السبیل ذلک خیر للذین یریدون وجہ اللّٰہ واولئک ھم المفلحون (قرآن مجید پارہ نمبر ۲۱ سورۂ روم آیت نمبر ۳۸)

پھر قرابت دار کو اس کا حق دیا کرو اور مسکین اور مسافر کو بھی، یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

(۴) یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتمیٰ والمسکین وابن السبیل وما تفعلوا من خیر فان اللّٰہ بہ علیم. (قرآن مجید پارہ نمبر ۲ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۱۵)

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کیا کریں آپ فرما دیجئے کہ جو کچھ مال تم کو صرف کرنا ہو سو ماں باپ کا حق ہے، اور قرابت داروں کا اور بے باپ کے بچوں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا، اور جو نیک کام کرو گے سو اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے۔ (وہ اس پر ثواب دیں گے)

(۵) ان اللّٰہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشآء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون. (قرآن مجید پارہ نمبر ۱۴ سورہ نحل آیت نمبر ۸۹)

بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ تم کو اس لئے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو۔

فوائد عثمانی میں ہے، اقارب کا حق اجانب سے کچھ زائد ہے جو تعلقات قرابت قدرت نے باہم رکھ دیئے ہیں انہیں نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ اقارب کی ہمدردی اور ان کے ساتھ مروت و احسان اجانب سے کچھ بڑھ کر ہونا چاہئے، صلہ رحم ایک مستقل نیکی ہے جو اقارب اور ذوی الارحام کے لئے درجہ بدرجہ استعمال ہونی چاہئے۔ (فوائد عثمانی پ ۱۴ سورہ نحل)

احادیث میں بھی اس کی بہت تاکید آئی ہے

(۱) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم...... ان صلۃ الرحم محبۃ فی الا ھل مثراۃ فی المال منساۃ فی الا ثر رواہ الترمذی (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۰ باب البر والصلۃ،

ترمذی شریف ج۲ ص ۱۹ باب ماجاء فی تعلیم النسب)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا..... رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا خاندان میں محبت مال میں برکت اور موت میں ڈھیل کا سبب ہے۔

(۲) عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احب ان یبسط لہٗ فی رزقہ وینسالہ فی اثرہ فلیصل رحمہ. (متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۹ باب البر والصلۃ)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص روزی میں وسعت اور عمر میں برکت چاہتا ہو اس کو چاہئے کہ رشتہ داروں سے صلہ رحمی (نیک سلوک) کرے۔

(۳) عن عبدالرحمن بن عوف قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تعالیٰ انا اللہ و انا الرحمن خلقت الرحم وشققت لھا من اسمی فمن وصلھا وصلتہ ومن قطع بتتہ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۳ باب ماجاء فی قطیعۃ الرحم)مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۰ باب البرو الصلۃ)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اللہ ہوں اور میں ہی رحمان ہوں، میں نے رشتہ پیدا کیا اور اپنے نام سے اس کا نام نکالا پس جس نے اس کو جوڑا میں نے اس سے تعلق جوڑا اور جس نے اس سے قطع کیا میں نے اس سے رحمت کا تعلق ختم کیا۔

(۴) عن جبیر بن مطعم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ید خل الجنۃ قاطع، متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۹ باب البر والصلۃ)

حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

(۵) عن عبد اللہ بن ابی اوفیٰ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تنزل الرحمۃ علیٰ قومہ فیہ قاطع رحم (ای یسا عدونہ ولا ینکرون علیہ) رواہ البیھقی فی شعب الایمان (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۰ باب البرو الصلۃ)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، جس قوم میں قطع رحمی کرنے والا ہو (اور قوم اس کا تعاون کرتی ہو، اس پر نکیر نہ کرتی ہو) اس قوم (جماعت) پر اللہ کی رحمت نازل نہیں ہوتی۔

(٦) عن ابی بکرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من ذنب اخریٰ ان یعجل اللہ لصاحبہ العقوبۃ فی الدنیا مع ما ید خر لہ فی الا خرۃ من البغی وقطیعۃ الرحم رواہ الترمذی وابوداود، مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۰ باب البر والصلۃ)

حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ظلم اور قطع رحم سے زیادہ کوئی گناہ ایسا نہیں جس کے مرتکب کو جلد دنیا ہی میں سزا دی جاتی ہے اور آخرت میں بھی عذاب کا ذخیرہ اس کے لئے رکھا جاتا ہے۔

(۷)روی البیهقی عن عائشة رضی اللہ عنها ..... فقال هذه الليلة ليلة النصف من شعبان ولله فيها عتقاء من النار بعدد شعر غنم كلب لا ينظر اللہ فيها الى مشرک ولا الى مشاحن ولا الى قاطع رحم ولا الى مسبل ازار والا الى عاق والديه ولا الى مد من خمر(بحواله الجواهر الزواهر منر جم ص ۵۸۰ جلد نمبر ۱ بیسویں بصیرت ماثبت بالسنة ص ۲۰۲ ، فضائل الا یام والشهور ص ۷۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے......(حضور ﷺ نے فرمایا میرے پاس جبرائیل آئے)اور کہا آج شب برأت ہے اور اس رات میں بنوکلب کے بکریوں کے صوف اور بالوں کی مقدار خدا کی رہائی دیئے ہوئے دوزخی چھوٹیں گے البتہ جو مشرک ہوگا اور جو کینہ ور ہوگا اور جو رشتہ ناطہ کے حقوق نہ سمجھے گا اور ٹخنہ سے نیچا کپڑا لٹکا ہوا پہنے گا اور جو والدین کا نافرمان ہوگا اور جو شراب خوری کا خوگر ہوگا اس کی طرف نگاہ رحمت نہ فرمائے گا۔

یہاں ایک بات سمجھ لینی چاہئے کہ صلہ رحمی کے بدلہ میں صلہ رحمی کرنا، یہ کامل صلہ رحمی نہیں ہے یہ تو "بدلہ" ہے حقیقی اور کامل صلہ رحمی یہ ہے کہ قطع رحمی کرنے والے کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے۔حدیث میں ہے۔

(۸)عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمه وصلها ،رواه البخاری (مشکوٰة شریف ص ۴۱۹) (تفسیر هدایت القرآن ص ۱۰۳ سوره رعد پاره نمبر ۱۳ قسط نمبر ۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کامل صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص نہیں جو احسان کے بدلہ میں احسان کرتا ہے، کامل صلہ رحمی کرنے والا تو وہ شخص ہے جو اس کے ساتھ قطع رحمی کی جائے تب وہ صلہ رحمی کرے۔

(۹)صل من قطعک واحسن الیٰ من اساء الیک وقل الحق ولو علی نفسک (جامع الصغیر للعلامة سیوطیؒ ص ۲۷ ج ۲ حرف الصاد)

جو تم سے قطع رحمی کرے تم اس سے صلہ رحمی کرو اور جو تمہارے ساتھ برا سلوک کرے تم اس سے حسن سلوک کرو اور سچ بولو اگرچہ تمہارے خلاف ہو۔

(۱۰)عن ابی هریرة ان رجلاً قال یارسول اللہ ان لی قرابةً اصلهم ویقطعونی واحسن الیهم ویسیئون الی واحلم عنهم ویجهلون علی فقال لئن کنت کما قلت فکا نما تسفهم المل ولا یزال معک من اللہ ظهیر ما دمت علیٰ ذلک رواه مسلم.(مشکوٰة شریف ص ۴۱۹ باب البر والصلة)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ میرے رشتہ داروں کا یہ حال ہے کہ میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ قطع رحمی کرتے ہیں، میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں میں ان کے ساتھ حلم کا برتاؤ کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ جہالت برتتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر ایسا ہی ہے جیسا تم کہہ رہے ہو تو گویا تم ان کو ریت پھنکار ہے ہو اور جب تک تمہاری

یہ حالت رہے گی تمہارے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف سے ان سے مقابلہ کی لئے فرشتہ مددگار رہے گا۔

(۱۱) عن سعید بن العاص قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم حق کبیر الاخوة علی صغیرهم حق الوالد علی ولدہ (مشکوٰة شریف ص ۴۲۱، باب البر والصلة، آخری حدیث)

حضرت سعید بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بڑے بھائی کا حق چھوٹے بھائیوں پر ایسا ہے جیسا کہ باپ کا اپنی اولاد پر حق ہے۔

الحمدللہ چالیس حدیثیں بھی جمع ہوگئیں، آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں غور وفکر کیا جائے اور خود بھی عمل کی کوشش کی جائے دوسروں کو بھی عمل کی ترغیب دی جائے، اللہ تعالیٰ سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وبال الٰہی کے اسباب اور ان کا علاج:

(سوال ۷۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ مسلمان آج کل پریشان ہیں مصائب اور آلام آرہے ہیں، فسادات کا سلسلہ جاری ہے، اس کی صحیح وجہ کیا ہوسکتی ہے؟ اور اس کا کیا علاج ہے، ہماری رہنمائی فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) اس کی صحیح وجہ ہماری بداعتقادی، بداعمالی، گناہوں کی کثرت بزدلی، دنیا کی محبت، قانون اسلام اور سنت رسول اللہ ﷺ سے انحراف اور خود ساختہ رسومات کی پابندی، دینی ودنیوی کمزوری، ظاہر وباطنی کوتاہی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پامالی ہوسکتی ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **وما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر** (ترجمہ) اور تم کو (اے گنہگارو) جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے (پہونچتی ہے) اور بہت سی باتوں سے تو درگذر کردیتا ہے (قرآن مجید سورۂ شوریٰ پارہ نمبر ۲۵) دوسری جگہ پوری وضاحت کے ساتھ فرمایا گیا **ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقهم بعض الذی عملوا لعلهم یرجعون.**

ترجمہ:۔ خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزہ ان کو چکھادے تاکہ وہ باز آجاویں (قرآن مجید پ ۲۱ سورۂ روم)

بعض گناہوں کے مخصوص اثرات:

ویسے تو عام طور پر ہر گناہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور مصائب وحوادث کا سبب ہے مگر بعض گناہ کے ارتکاب سے بعض مخصوص نتائج برآمد ہوتے ہیں اور ان گناہوں سے بعض مخصوص مصائب نازل ہوتے ہیں۔

جزاء الاعمال میں ہے:

(۳) ناحق فیصلہ کرنے اور عہد شکنی کرنے پر دشمن مسلط کردیا جاتا ہے (۴) ناپ تول میں کمی کرنے سے قحط، تنگی اور حکام کے ظلم میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ (۵) خیانت کرنے سے دشمن کا رعب ڈال دیا جاتا ہے (۶) دنیا کی محبت اور موت سے نفرت کرنے پر بزدلی پیدا ہوتی ہے اور دشمن کے دل سے رعب دور کردیا جاتا ہے (جزاء الاعمال)

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جس میں کفار ایک دوسرے کو ممالک اسلامیہ پر قابض ہونے کے لئے اس طرح مدعو کریں گے جیسے کہ دستر خوان پر کھانے کے لئے ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی؟ فرمایا نہیں، بلکہ اس وقت تم کثرت سے ہوگے لیکن بالکل ایسے جیسے پانی کے رو کے سامنے خس وخاشاک اور تمہارا رعب دشمنوں کے دل سے اٹھ جائے گا اور تمہارے دلوں میں سستی پڑجائے گی، ایک صحابی نے عرض کیا حضور! سستی کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم دنیا کو دوست رکھوگے اور موت سے خوف کروگے (مشکوٰۃ شریف ص ۴۵۹ باب تغیر الناس، ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۴۲)

دشمن کے دل میں رعب پیدا ہونا اللہ کا بڑا انعام ہے، شریعت اور سنتوں پر عمل کرنے روحانی وظاہری قوت سے یہ صفت حاصل ہوتی ہے، حدیث میں ہے. **من حفظ سنتی اکرمه اللّٰہ باربع خصال المحبة فی قلوب البررة والهیبة فی قلوب الفجرة والسعة فی الرزق والثقة فی الدین.** یعنی جس نے میری سنت کی حفاظت کی تو اللہ تعالیٰ چار باتوں سے اس کی تکریم کرے گا (۱) نیک لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کرے گا (۲) فاجر اور بدکار لوگوں کے دلوں میں اس کی ہیبت ڈال دے گا۔ (۳) رزق فراخ کردے گا (۴) دین میں پختگی نصیب فرمائے گا (شرح شرعۃ الاسلام ص ۸ سید علی زادہ)۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ترک پر عام عذاب:

قرآن مجید میں ہے **واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصة**. اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں (قرآن مجید پارہ نمبر ۹ سورۂ انفال)

تفسیر معارف القرآن میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کا حکم دیا ہے کہ کسی جرم وگناہ کو اپنے ماحول میں قائم نہ رہنے دیں کیونکہ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا یعنی جرم وگناہ دیکھتے ہوئے باوجود قدرت کے اس کو منع نہ کیا تو اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا عذاب عام کردیں گے جس سے نہ گنہگار بچیں گے نہ بے گناہ...... الی قولہ...... امام بغوی نے شرح السنہ اور معالم میں بروایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وصدیقہ عائشہؓ یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص جماعت کے گناہ کا عذاب عام لوگوں پر نہیں ڈالتے۔ جب تک کہ ایسی صورت پیدا نہ ہوجائے کہ وہ اپنے ماحول میں گناہ ہوتا ہوا دیکھیں اور ان کو یہ قدرت بھی ہو کہ اس کو روک سکیں اس کے باوجود انہوں نے اس کو روکا نہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا عذاب ان سب کو گھیر لیتا ہے۔

اور ترمذی ابوداؤد وغیرہ میں صحیح سند کے ساتھ منقول ہے[1] کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب لوگ کسی ظالم کو دیکھیں اور ظلم سے اس کا ہاتھ نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا عذاب عام کردیں (معارف القرآن ص ۲۱۲ ج ۴)

---

(۱) عن ابی بکر الصدیق انه قال یا یها الناس انکم تقرؤن هذه الآیة : یا یها الذین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اهتدیتم وانی سمعت رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم یقول: ان الناس اذا رأوا الظالم فلم یاخذوا علی یدیه او شک ان یعمهم اللّٰہ بعقاب منه.ابواب الفتن باب ماجاء فی نزول العذاب اذا لم یغیر المنکر . ج ۲ ص ۳۹

مشکوٰۃ شریف میں ہے: عن حذیفة رضی اللہ عنه ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قال والذی نفسی بیده لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنکر اولیو شکن اللہ ان یبحث علیکم عذابا من عنده ثم لتدعنه ولا یستجاب لکم، رواه الترمذی. حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور بھلائی کا حکم کرتے رہو اور برائی سے روکتے رہو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل کرے اور پھر تم خدا سے دعا کرو اور تمہاری دعا قبول نہ ہو (مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۶ باب الامر بالمعروف فصل نمبر ۲)

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زلزلہ کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ زنا، شراب، رقص و سرود (گانا بجانا) لوگوں کا مذاق بن جائیں تو غیرت حق کو بھی جوش آتا ہے، اگر معمولی تنبیہ پر توبہ کرلیں تو فبہا ورنہ عمارتیں منہدم اور عالی شان تعمیرات خاک کے تودے کردیئے جاتے ہیں (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۳۴ ج ۱)

ہم اپنی زندگی، اپنے گھر اور مسلمانوں کے معاشرہ پر نظر ڈالیں گے تو یہ سب گناہ اور برائیاں ہمیں نظر آئیں گے، نمازوں کا کوئی اہتمام نہیں، مرد اگر نماز پڑھ لیتے ہیں تو عموماً عورتیں بے نمازی ہیں، شعائر اسلام کی کوئی عظمت نہیں قسم ہا قسم کے گناہ ہمارے اندر ہیں. عورتوں میں بے حیائی اور بے پردگی اپنی انتہا پر ہے، یہ سب گناہ اور برائیاں کیا کم تھیں کہ ٹی وی، وی سی آر. جیسے سیا اور ایمان سوز معصیت کا ارتکاب فخریہ کیا جارہا ہے، اعاذنا اللہ منہا حالانکہ ناچ گانے پر بڑی سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔

ایک حدیث میں ہے: عن عمران بن حصین ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال فی هذه الامة خسف ومسخ وقذف فقال رجل من المسلمین یا رسول اللہ ومتی ذلک قال اذا ظهرت القیان والمعازف وشربت الخمور یعنی حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اس امت میں بھی زمین میں دھنسنے، صورتیں مسخ ہونے اور پتھروں کی بارش کے واقعات ہوں گے، مسلمانوں میں سے ایک شخص نے پوچھا: یارسول اللہ! ایسا کب ہوگا؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جب گانے والیوں اور باجوں کا عام رواج ہوجائے گا اور کثرت سے شرابیں پی جائیں گی (ترمذی شریف ابواب الفتن باب ماجاء فی اشراط الساعة ج ۲ ص ۴۴)

مسند ابن ابی الدنیا میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اخیر زمانہ میں اس امت میں سے ایک قوم بندر اور خنزیر بن جائے گی، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا وہ لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ کو نہیں مانتے ہوں گے؟ فرمایا کیوں نہیں حضرات صحابہ نے عرض کیا پھر اس سزا کی کیا وجہ؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ باجہ بجانے اور گانے کا پیشہ اختیار کریں گے۔ (بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ص ۹۵ ج ۲)

ہمارے زمانہ کی جو حالت ہے کسی شاعر نے اس کا خوب نقشہ کھینچا ہے اس کے چند اشعار یاد ہیں جو پیش کئے جارہے ہیں۔

خبر حدیثوں میں جس کی آئی
وہی زمانہ اب آرہا ہے

زمیں بھی تیور بدل رہی ہے
فلک بھی آنکھیں دکھا رہا ہے
پرائے مال کو اپنا سمجھیں
حرام کو بھی حلال سمجھیں
گناہ کریں اور کمال سمجھیں
بتاؤ دنیا میں کیا رہا ہے
بھائی کا بھائی ہے گارہزن
حقیقی بیٹی ہے ماں کی دشمن
پسر نے چھوڑا پدر کا دامن
بہن کو بھائی ستا رہا ہے
ہاتھ باندھے کھڑے ہیں صف میں
سب اپنے اپنے خیال میں ہیں
امام مسجد سے کوئی پوچھے
نماز کس کو پڑھا رہا ہے

اللہ جل شانہٗ کی نافرمانی اور رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت سے انحراف و اعراض بہت خطرناک اور موجب غضب خداوندی ہے، اگلی امتوں کی نافرمانی پر اللہ تعالیٰ نے ان پر مختلف قسم کے عذاب نازل کئے قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد فرمایا: **فکلا اخذ نا بذنبه فمنهم من ارسلنا عليه حاصباً ومنهم من اخذته الصيحة ومنهم من خسفنا به الارض ومنهم من اعرقنا وما كان الله ليظلمهم ولكن كانوا انفسهم يظلمون.** ترجمہ: تو ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کی سزا میں پکڑ لیا سو ان میں بعضوں پر تو ہم نے تند ہوا بھیجی اور ان میں بعضوں کو ہولناک آواز نے آدبایا اور ان میں بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں بعض کو ہم نے (پانی میں) ڈبو دیا، اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن یہی لوگ اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے (قرآن مجید، پارہ نمبر ۲۰ سورہ عنکبوت آیت نمبر ۴۰)

اس آیت میں اہل ایمان کے لئے بڑی عبرت اور سبق ہے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور سرکشی پر ان قوموں کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا، اگر ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے ہماری حفاظت فرمائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اللہ کے اطاعت گذار بندے بن جائیں اور شریعت کے مطابق اپنی زندگی گزاریں۔

مسلمان ان حالات میں کیا کریں:

(۱) تمام مصائب اور پریشانیوں اور ہر قسم کے حوادث اور آفات کا اصلی علاج یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی طرف رجوع کیا جائے، صدق دل سے اپنے پچھلے گناہوں سے استغفار اور آئندہ ان سے پرہیز کرنے کا پختہ ارادہ

کریں اور اللہ تعالیٰ ہی سے رفع مصائب کی دعا کریں، پنج وقتہ نمازوں کا اہتمام کریں، ہر شخص اس بات کی کوشش کرے کہ اس کے گھر میں کوئی فرد بھی بے نمازی نہ رہے، مرد مساجد میں نماز با جماعت کا اہتمام کریں، اور عورتیں گھروں میں پورے اہتمام سے نماز ادا کریں، بچوں کو بھی نماز کی تاکید کی جائے، ارشاد خداوندی ہے۔ یآیھا الذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ان اللہ مع الصبرین. اے ایمان والوں مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (قرآن مجید، سورۂ بقرہ، پارہ نمبر۲)

حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

انتم فی غفلة کیلة عن الحق سبحانه تعالیٰ علیکم بالیقظة له علیکم بالزوم المساجد وکثرة الصلاة علی النبی صلی اللہ علیه وسلم فانه قال علیه الصلوٰۃ والسلام لو نزل من السماء نار لما نجا منها الا اهل المساجد اذا توا نیتم فی الصلوٰۃ انقطعت صلاتکم بالحق عزو جل ولهذآ قال النبی صلی اللہ علیه وسلم اقرب ما یکون العبد من ربه اذا کان ساجداً. (الفتح الربانی ص ۱۸، مجلس نمبر ۲)

ترجمہ:۔ تم حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے پوری غفلت میں ہو، اس کے لئے بیدار ہو جانے کو اپنے اوپر لازم سمجھو اور مسجدوں سے تعلق قائم کرنے اور جناب رسول اللہ ﷺ پر بکثرت درود بھیجنے کو ضروری خیال کرو، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر آسمان سے آگ نازل ہو تو اس سے کوئی نجات نہ پاوے بجز مسجد والوں کے، جب تم کاہل بن جاؤ گے نماز کے بارے میں تو تمہارے تعلقات حق تعالیٰ سے منقطع ہو جائیں گے اور اسی لئے جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ قرب بندہ کو اپنے رب سے اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ وہ سجدہ میں ہو۔

لہٰذا اس بات کی کوشش کی جائے کہ اپنے گھر، پڑوس، محلہ اور پوری بستی میں سو فیصد لوگ نمازوں کا اہتمام کریں۔

(۲) استغفار اور گناہوں سے توبہ کا خصوصی اہتمام ہو، استغفار کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد فرمایا وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون . ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیں گے جس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں (قرآن مجید پ۹ سورۂ انفال)

درس قرآن میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: مفسرین نے یہاں لکھا ہے کہ جب کافر کی استغفار دنیا میں نزول عذاب سے مانع ہو سکتی ہے تو مسلمان کی استغفار وتوبہ اولیٰ نزول عذاب سے مانع ہونی چاہئے ترمذی شریف میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے میری امت کے لئے دو امانیں (امن کی چیزیں) اتاری ہیں، ایک میرا وجود دوسرا استغفار جب میں ان میں سے اٹھ جاؤں گا تو استغفار ان کے لئے قیامت تک چھوڑ جاؤں گا، یعنی قیامت تک استغفار لوگوں کو عذاب سے بچاتا رہے گا، ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان نے کہا اے خدا تیری عزت کی قسم جب تک تیرے بندوں کے جسموں میں روحیں ہیں میں انہیں بہکاتا رہوں گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، مجھے میری عزت کی قسم جب تک وہ استغفار کرتے رہیں گے میں انہیں بخشتا رہوں گا، ایک مطلب وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون کا یہ بیان کیا ہے

کہ مکہ میں بعض ایسے ضعفاء مسلمین بھی تھے جو مکہ سے ہجرت نہ کرسکتے تھے اس لئے مجبوراً مکہ ہی میں رہ گئے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہتے تھے ان کی خاطر سے اور ان کی استغفار سے اہل مکہ پر عام عذاب نازل نہیں کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس بستی میں لوگ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہوں اللہ تعالیٰ اس بستی پر عام عذاب نازل نہیں فرماتے۔ (درس قرآن ص ۵۰۷، ص ۵۰۸ جلد چہارم سورۂ انفال)

(۳) جن کو اللہ نے صاحب مال بنایا ہے وہ اپنے مال کی پوری پوری زکوٰۃ ادا کرنے کا اہتمام کریں اور اس کے علاوہ صدقہ خیرات کرنا بھی حوادث و مصائب کا بہترین علاج ہے اللہ جل شانہ نے جو مال عطا فرمایا ہے اسے اللہ کی نعمت سمجھیں، گناہوں اور فضول کاموں میں خرچ کرنے سے بہت ہی احتراز کریں، غرباء کی امداد اور دینی کاموں میں دل کھول کر خرچ کریں، عموماً مسلمان فضول خرچی میں مبتلا ہیں حالانکہ فضول خرچ کرنے والوں کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے، قرآن مجید میں ہے ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین۔

ترجمہ:۔ بے شک بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں۔ (قرآن مجید پ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل)

(۴) گھروں میں قرآن مجید کی تلاوت، اللہ کا ذکر، گریہ وزاری کے ساتھ دعاؤں کا اہتمام درود شریف کی کثرت کا اہتمام کیا جائے مسنون دعائیں یاد کی جائیں، انفرادی طور پر بھی دعاؤں کا اہتمام کریں اور اجتماعی طور پر بھی، گھروں میں عورتوں بچوں کو جمع کرکے دعائیں کی جائیں، آیت کریمہ **لا الہ الا انت سبحنک انی کنت من الظلمین** کثرت سے ورد رکھیں۔

(۵) گناہوں سے بچنے کا بہت ہی اہتمام کریں، اپنے گھروں سے ناچ گانے (ٹی وی اور وی سی آر) بالکل ختم کئے جائیں زنا اور اسباب زنا سے اجتناب کریں، عورتیں بے پردگی بالکل ختم کریں، شراب اور جتنی نشہ آور چیزیں ہیں ان سے احتراز کریں، اپنے محلہ اور اپنی بستی میں سے ان خرافات کو ختم کرنے کی انتھک کوشش کی جائے، مزید کچھ گناہوں کی نشاندہی کی جاتی ہے ان سے بھی بچنے کی سعی کی جائے۔ یتیموں کا مال کھانا جیسے بہت سی عورتیں شوہر کے انتقال کے بعد تمام مال و جائداد پر قبضہ کرکے چھوٹے بچوں کا حصہ اڑا دیتی ہیں، لڑکیوں کو میراث کا حصہ نہ دینا، ظلم کرنا، غیبت کرنا، وعدہ کرکے پورا نہ کرنا، جھوٹ بولنا خصوصاً جھوٹی قسم کھانا، امانت میں خیانت کرنا، خدا کا کوئی فرض مثلاً نماز، روزہ زکوٰۃ حج چھوڑ دینا چوری کرنا، سود لینا سود دینا، سود لکھنا، سود پر گواہ بننا، قدرت ہونے کے باوجود نصیحت نہ کرنا تہمت اور بہتان لگانا تکبر کرنا، فخر کرنا، جوا کھیلنا (لاٹری کی ٹکٹ خریدنا بھی جوے میں شامل ہے) رشوت لینا دینی پیشواؤں کی توہین کرنا وغیرہ وغیرہ۔

(۶) اپنی اولاد کی دینی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جائے، اسلامی عقائد، دینی فرائض، اور اسلامی اخلاق سے ان کو واقف کیا جائے، اور اس کو اپنا ایسا اسلامی و اخلاقی فریضہ سمجھیں جیسا کہ بچوں کی خوراک پوشاک اور بیماری کے علاج کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں اور اس کا انتظام کرتے ہیں، بچوں کی دینی تعلیمی تربیت سے غفلت بڑے خطرناک نتائج کا سبب ہے، اللہ تعالیٰ نے صاف صاف ارشاد فرمایا **یآ یھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم ناراً**. اے ایمان والو تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) آگ سے بچاؤ (قرآن مجید پارہ نمبر ۲۸ سورۂ تحریم) اور حدیث میں

ہے کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ: تم میں سے ہرایک اپنے ماتحتوں کے بارے میں سرپرست اور ذمہ دار ہے اور ہرایک سے اس کے ماتحتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا، لہذا ہربستی، ہر محلہ اور ہر گھر میں بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام ہونا چاہئے۔

(۷) آپس کے نزاعات اور جھگڑوں کو ختم کر کے اتحاد واتفاق پیدا کیا جائے، آپسی نزاع سے بڑے بڑے دینی ودنیوی نقصانات پیدا ہوتے ہیں، ارشاد خداوندی ہے **واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصابرین:**

ترجمہ:۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور نزاع مت کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی، اور صبر کرو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں (قرآن مجید پارہ نمبر۱۰ سورۂ انفال آیت نمبر ۴۶) دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔ **واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً و لا تفرقوا۔**

ترجمہ:۔ اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اس طور پر کہ باہم سب متفق بھی رہو اور باہم نااتفاقی نہ کرو (قران مجید، سورہ آل عمران پارہ نمبر ۱)

(۸) اپنے تمام معاملات علماء کرام سے حل کروائیں اور علماء کرام جو ہدایت دیں اس کے مطابق عمل کریں، حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اذا حضرتم عند العلماء ولم تقبلوا ما یقولون لکم کان حضر کم عندھم حجۃ علیکم ، یکون علیم اثم ذلک کما لقیتم الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ولم تقبلوا منہ .(الفتح الربانی ص ۱۴۱، ص ۲۴۲م۵)

ترجمہ:۔ جب تم علماء کے پاس جاؤ اور وہ تم سے جو کہیں تم اسے قبول نہ کرو تو تمہارا ان کے پاس حاضر ہونا تم پر حجت بنے گا، اس کا گناہ تم پر ایسا ہوگا جیسا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کرتے اور آپ کا کہنا نہ مانتے۔

علماء سے رابطہ نہ رکھنے اور ان کی ہدایت پر عمل نہ کرنے کے سلسلہ میں حدیث میں بہت سخت وعید آئی ہے، حدیث ملاحظہ ہو **سیأتی زمان علی امتی یفرون من العلماء والفقھاء فیبتلیھم اللہ تعالیٰ بثلث بلیات اولھا یرفع البرکۃ من کسبھم والثانیۃ یسلط اللہ تعالیٰ علیھم سلطاناً ظالماً والثالث یخرجون من الدنیا بغیر ایمان (کذا فی مکاشفۃ الاسرار).**

(ترجمہ): حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت پر عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ علماء اور فقہاء سے بھاگیں گے پس اللہ تعالیٰ ان کو تین بلاؤں میں مبتلا کرے گا (۱) ان کے کسب (کمائی) سے برکت اٹھ جائے گی (۲) اللہ تعالیٰ ان پر ظالم بادشاہ مسلط کردے گا (۳) ایسے لوگ دنیا سے بے ایمان جائیں گے۔ (درۃ الناصحین ص ۲۹، ص ۳۰ ج ۱)

ایک اور حدیث میں ہے: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت اپنے علماء سے بغض رکھنے لگے گی، اور بازاروں کی عمارتوں کو بلند اور غالب کرنے لگے گی اور مال ودولت پر نکاح کرنے لگے گی (یعنی نکاح میں دینداری اور تقویٰ کے مال داری کو دیکھا جائے گا) تو حق تعالیٰ شانہ ان پر چار قسم کے عذاب

مسلط فرمادیں گے (۲) قحط سالی ہوجائے گی (۲) بادشاہ کی طرف سے مظالم ہونے لگیں گے (۳) حکام خیانت کرنے لگیں گے (۴) دشمنوں کے پے در پے حملے ہوں گے (حاکم) آج کل ان عذابوں میں کون سا عذاب نہیں ہے جو امت پر مسلط نہیں لیکن وہ اپنی خوشی سے ان کے اسباب کو اختیار کریں تو پھر شکایت کیا؟ (الاعتدال نمبر ۱۵۳)

لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ دل سے علماء کی عزت کریں، ان کی صحبت سے فیض حاصل کریں، ان کی شان میں کوئی کلمہ بے ادبی اور گستاخی کا نہ کہیں اور اگر کسی سے گستاخی اور بے ادبی ہوگئی ہوتو اپنے اس گناہ پر اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرے استغفار کرے، ایک زمانہ سے اس معاملہ میں بڑی کوتاہی اور علماء سے بے اعتنائی برتی جارہی ہے، امام خطابی رحمہ اللہ اپنے زمانہ کا حال بیان فرماتے ہیں۔

وقد قال ابو سليمان الخطابی دع الراغبين فی صحبتک والتعلم منک فليس لک منهم صديق ولا رفيق اخوان العلانية واعداء السر اذا لقوک مد حوک واذا غبت عنهم اغتا بوک من اتاک منهم کان عليک رقيباً ،واذا خرج من عندک کان عليک خطيباً فلا تغتر باجتما عهم لديک وتملقهم بين يديک فما غرضهم ان يتخذوک سلماً الیٰ اوطارهم حمارا فی حاجاتهم وان قصرت فی غرض من اغراضهم يکون اشداعدائک ويعدون ترددهم اليک .... عليک او يرونه واجباً لديک ويعرضون عليک ان تبدل لهم غرضک ودينک وتکون لهم تابعاً خسيساً بعد ان کنت متبرعاً رئيساً .(مجالس الا برار ص ۵۰۸ مجلس نمبر ۸۷)

ترجمہ:۔ اور ابو سلیمان خطابی نے کہا ہے کہ تیری صحبت اور تیری شاگردی کی رغبت کرنے والوں کو چھوڑ دے کیونکہ ان میں تیرا کوئی دوست نہیں ہے اور نہ رفیق ہے، ظاہر کے بھائی ہیں باطن کے دشمن ہیں جب تم سے ملتے ہیں تعریف کرتے ہیں اور جب تم ان سے جدا ہو جاتے ہو تو غیبت کرتے ہیں، جو کوئی ان میں سے تمہارے پاس آتا ہے وہ تمہارا نگہبان ہوتا ہے اور جب تمہارے پاس سے چلا جاتا ہے تو تمہاری بدگوئی کرتا ہے، لہذا اپنے پاس ان کے جمع ہونے اور تمہارے سامنے خوشامد کرنے سے دھوکا نہ کھانا کیونکہ ان کی غرض علم نہیں ہے بلکہ ان کی غرض یہ ہے کہ تم کو اپنی حاجات کا زینہ اور اپنے مقاصد کا گدھا بنالیں اور اگر تم نے ان کی کسی غرض میں ذرا کوتاہی کی تو پھر وہ تمہارے بڑے سخت دشمن ہیں اور تمہارے پاس اپنی آمد و رفت کو تم پر احسان سمجھتے ہیں اور اس کو تمہارے اوپر ایک واجب حق سمجھتے ہیں۔ اور خواہش کرتے ہیں کہ تم اپنی آبرو اور اپنا دین ان کے لئے کھو دو اور ان کا ادنیٰ فرمانبردار بن جاؤ اس کے بعد کہ تم واقع میں حاکم اور سردار تھے۔

لہذا علماء کی عظمت کو سمجھیں اور ان کی صحبت کو غنیمت جانیں اور اکتساب فیض کی نیت سے حاضر ہوا کریں اور کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جس سے ان کو تکلیف پہنچے اور ان کو ستانے اور بدنام کرنے کا تو دل میں خیال بھی نہ لائیں، یہ بہت خطرناک ہے، حدیث قدسی میں ہے من اذی لی ولیاً فقد اذنتہ بالحرب اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: جو میرے کسی مقبول بندے کو ستائے گا میں نے اس کے لئے اعلان جنگ کردیا۔

(۹) بھائی چارگی کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کریں، انسانیت کے حقوق و احترام کی بنیاد پر اس کو فروغ دیا جائے، اور دوسری قوموں کے ساتھ اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کیا جائے اور ہر ایسے کام سے بچنے کی کوشش کی جائے جس

سے فتنہ پیدا ہو، جھگڑوں سے دور رہنے کی سعی کی جائے، اگر کوئی تمہارے ساتھ ناحق جھگڑا کرے تو اول اسے سمجھاؤ اگر وہ نہ مانے اور مقابلہ پر تل جائے اور بادل ناخواستہ اس کے ساتھ مقابلہ کرنا ہی پڑے تو پھر بزدلی کا مظاہرہ نہ کریں، جرأت مندانہ مقابلہ کریں مگر ان اصول کی پابندی کی جائے۔

(۱) بوڑھوں کو نہ ماریں (جب کہ وہ مقابلہ نہ کریں)

(۲) عورتوں کو نہ ماریں (جب کہ وہ مقابلہ پر نہ آئیں)

(۳) بچوں کو نہ ماریں۔

(۴) ان کی عبادت گاہوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔

(۵) ان کا مثلہ نہ کیا جائے (یعنی ناک کان نہ کاٹیں)

(۶) پھلدار درخت نہ کاٹا جائے۔

(۷) کسی جاندار کو آگ میں نہ جلائیں۔

(۸) کھیتی برباد نہ کی جائے۔

(۹) جانوروں، گائے، بیل، بھینس بکریوں وغیرہ کو تباہ نہ کیا جائے۔

(۱۰) برادران وطن کو اسلامی تعلیمات سے واقف کرنے کی کوشش کرتے رہیں، توحید و رسالت کی حقیقت سمجھائیں اور اس بات کی فکر کریں کہ وہ بھی ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جائیں اور ابدی عذاب سے نجات پائیں ان کا بھی ہم پر حق ہے حضور اکرم ﷺ کی بعثت دنیائے کے تمام انسانوں کے لئے ہے، لہذا اس کی بھی فکر کریں۔

"تلک عشرة كاملة"

اللہ تعالیٰ امت کے لئے خیر کے فیصلے فرمائے، امت میں اتحاد و اتفاق اور رجوع الی اللہ کی توفیق عطا فرمائے، اور ہر قسم کے شر و فساد سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

بحرمة النبی الامی صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم تسلیماً کثیراً فقط و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

قرآن وحدیث کی روشنی میں رشتے داروں سے صلہ رحمی کی برکت وفضیلت اور قطع رحمی کی مذمت اور وعید شدید:

(سوال ۷۹) رشتے داروں اور عزیزوں کے ساتھ تعلقات کیسے رکھنے چاہئیں قرآن وحدیث میں اس کے متعلق کیا ہدایات ہیں تفصیل سے ان کو تحریر فرمائیں، آج کل عموماً رشتے داروں میں تعلقات اچھے نہیں ہیں، معمولی معمولی باتوں پر تعلقات توڑ دیئے جاتے ہیں ہفتوں نہیں برسوں تک سلام کلام تک بند رکھتے ہیں، کیا شرعاً بات چیت اور سلام کلام بند رکھنا جائز ہے رشتے داروں کی آپسی نااتفاقی کی وجہ سے آج گھر گھر فتنہ ہے، گھروں کا چین و سکون ختم ہو گیا ہے، ہر ایک دوسرے کی غلطی نکالتا ہے کوئی چھوٹا بن کر پہل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا (الا ماشاء اللہ) امید ہے کہ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس اہم مسئلہ پر تفصیلی روشنی ڈال کر امت کی رہنمائی فرمائیں

گئے، اللہ دارین میں آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے آمین، بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداومصلیاومسلماً، وہوالموفق۔قرآن وحدیث میں صلہ رحمی یعنی رشتے داروں کی حقوق کی ادائیگی اوران کے ساتھ اچھا معاملہ اورحسن سلوک کی از حد تاکید اوراس کے بے حد فضائل اوراس پر بڑے اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اور قطع رحمی یعنی اہل قرابت کے حقوق ادا نہ کرنے اوران کے ساتھ برا معاملہ اور بدسلوکی کرنے پر بہت سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔

رشتے داروں سے صلہ رحمی ایسا مبارک اورمقدس عمل ہے کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ رزق میں وسعت اور فراخی اورعمر میں اضافہ اور برکت عطا فرماتے ہیں جیسا کہ آئندہ حدیث سے معلوم ہوگا، انسان کبھی اپنے مال سے اہل قرابت کی مدد کرتا ہے اور کبھی اپنا کچھ وقت ان کے کاموں میں لگاتا ہے تواس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق اور مال میں وسعت اورعمر میں برکت اوراضافہ بالکل قرین قیاس ہے یہ صلہ رحمی کا دنیوی فائدہ ہے، آخرت کا اجروثواب علیحدہ ہے۔

اس کے برعکس جب کوئی شخص رشتہ داروں سے قطع رحمی کرتا ہے اوران کے حقوق ادانہیں کرتا جس کی وجہ سے خاندانی جھگڑے اورالجھنیں کھڑی ہوتی ہیں اوراس کے نتیجہ میں دلی پریشانی اوراندرونی گھٹن پیدا ہوتی ہے جس کا اثر کاروبار صحت بلکہ ہر چیز پر پڑتا ہے، اوروہ ہروقت پریشان حال رہتا ہے زندگی بے لطف ہوجاتی ہے نہ کاروبار میں برکت معلوم ہوتی ہے اورنہ دلی سکون رہتا ہے، قطع رحمی کا یہ دنیوی نقصان ہے اورآخرت میں جوعذاب اورسزا ہے وہ الگ ہے، اللہ پاک قطع رحمی سے محفوظ رکھے۔

جن رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا ہے قرآن وحدیث میں ان کے لئے عموماً دولفظ (۱) ذوی الارحام (۲) ذوی القربیٰ استعمال کئے گئے ہیں۔ذوی الارحام یاذوی القربیٰ میں وہ تمام رشتے دار داخل ہیں جن سے نسبی رشتہ ہوچاہے وہ رشتہ والد کی طرف سے ہو یاوالدہ کی طرف سے اور چاہے وہ رشتہ کتنا ہی دور کا ہو......والد کی طرف سے رشتہ داری ہو جیسے دادا، دادی، پردادا، پردادی، بھائی، بھتیجے، بھتیجی، اوران دونوں کی اولاد کا سلسلہ، بہن، بھانجا، بھانجی، اوران دونوں کا سلسلۂ اولاد، چچا اوران کی اولاد دراولاد، پھوپھی اوران کی اولاد، آخر تک والدہ کی طرف سے رشتہ داری ہو جیسے نانا، نانی، پرنانا، پرنانی، خالہ، ماموں اوران دونوں کی پوری نسل وغیرہ، اسی طرح بیوی کے رشتہ دار جیسے بیوی کے ماں باپ، بھائی بہن اوران کی اولاد دراولاد کے ساتھ بھی حسن سلوک اورصلہ رحمی کا معاملہ کرنا چاہئے، حسن سلوک کے لئے والدین سب سے مقدم ہیں۔

الحاصل اقارب اجانب کے مقابلہ میں ہیں جن سے کسی طرح کا بھی رشتہ ہووہ اقارب ہیں ورنہ اجانب۔

تفسیر روح المعانی میں ہے:والمراد بالرحم الاقارب ویقع علیٰ کل من یجمع بینک وبینہ نسب وان بعد، ویطلق علی الاقارب من جهة النساء (تفسیر روح المعانی ص ۱۵۴ جز نمبر۴،سورۂ نساء)

نیز روح المعانی میں ہے۔وقال الراغب،الرحم: رحم المرأة ای بیت منبت ولدها ووعاؤه ومنه استعير الرحم للقرابة لكونهم خارجين من رحم واحده...... وقد صرح ابن الاثير بان ذا الرحم يقع على كل من يجمع بينك وبينه نسب...... والمراد بهم مايقا بل الاجانب ويدخل فيهم

الاصول والفروع والحواشی من قبل الاب او من قبل الام وحرمة قطع کل لا شک فیھا.... والآیة ظاھرۃ فی حرمة قطع الرحم. (تفسیر روح المعانی ص ۷۰ جز نمبر ۲۶ سورۂ محمد، آیت وتقطعوا ارحامکم)

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر صلہ رحمی کرنے کو بیان فرمایا ہے چند آیات ملاحظہ ہوں۔

(۱) واتقوا اللہ الذی تساء لون بہ والارحام (سورۂ نساء آیت نمبر ۱، پارہ نمبر ۴)

اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے واسطہ سے سوال کرتے ہو آپس میں اور خبردار رہو قرابت والوں سے۔

یہ آیت صلہ رحمی کے بارے میں بہت ہی واضح ہے اور بہت بلیغ اور محکم انداز میں صلہ رحمی کا حکم کیا گیا ہے..... مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فوائد عثمانی میں تحریر فرمایا ہے (اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے بعد)..... تم کو یہ حکم ہے کہ قرابت سے بھی ڈرو یعنی اہل قرابت کے حقوق ادا کرتے رہو اور قطع رحم اور بدسلوکی سے بچو، بنی نوع تمام افراد انسانی کے ساتھ علی العموم سلوک کرنا تو آیت کے پہلے حصہ میں آچکا تھا اہل قرابت کے ساتھ چونکہ قرب و اتحاد مخصوص اور بڑھا ہوا ہے اس لئے ان کی بدسلوکی سے اب خاص طور پر ڈرایا گیا کیونکہ ان کے حقوق دیگر افراد انسانی سے بڑھے ہوئے ہیں چنانچہ حدیث قدسی: (۱) قال اللہ تبارک وتعالیٰ انا اللہ وانا الرحمن خلقت الرحم وشققت لھا من اسمی فمن وصلھا وصلتہ ومن قطعھا قطعتہ (مشکوٰۃ باب البر والصلة الفصل الثانی ص ۴۲۰)

اور حدیث (۲) خلق اللہ الخلق فلما فرغ منہ قامت الرحمٰن فاخذت بحقوی الرحمٰن فقال مہ قالت ھذا مقام العائذ منک من القطیعة فقال الا ترضین ان اصل من وصلک واقطع من قطعک قالت بلیٰ یارب قال (ایضاً الفصل الاول) فذلک اور حدیث الرحم (۳) شجنة من الرحمن فقال اللہ من وصلک وصلتہ ومن قطعک قطعتہ ایضاً. اور حدیث الرحم (۴) معلقة بالعرش تقول من وصلنی وصلہ اللہ ومن قطعنی قطعہ (مشکوٰۃ باب البر والصلة الفصل الاول ص ۴۲۰)

---

(۱) ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میں اللہ ہوں، میں رحمٰن ہوں، میں نے رحم کو پیدا کیا ہے اور میں نے لفظ رحم کو اپنے نام (رحمٰن) سے مشتق کیا ہے (نکالا ہے) پس جو شخص اس کو ملائے گا (یعنی صلہ رحمی کرے گا) میں اس کو (اپنی رحمت سے) ملاؤں گا اور جو شخص اسے کاٹے (قطع رحمی کرے گا) میں اس کو اپنی (رحمت سے) کاٹوں گا۔

(۲) ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو ان کی پیدائش سے پہلے ہی ان صورتوں کے ساتھ اپنے علم ازلی میں مقدر کردیا جن پر وہ پیدا ہوں گی) اور جب ان سے فارغ ہوا تو رحم یعنی رشتہ ناطہ کھڑا ہوا اور پروردگار کی کمر تھام لی، پروردگار نے فرمایا کہہ کیا چاہتا ہے؟ رحم نے عرض کیا یہ کاٹے جانے کے خوف سے تیری پناہ چاہنے والے کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔ (یعنی میں تیرے روبرو کھڑا ہوں اور تیرے دامن عزت وعظمت کی طرف دست سوال دراز کئے ہوئے ہوں تجھ سے اس امر کی پناہ چاہتا ہوں کہ کوئی شخص مجھ کو کاٹ دے اور میرے دامن کو جوڑنے کے بجائے اس کو تار تار کردے) پروردگار عالم نے فرمایا کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ جو شخص رشتہ داروں اور عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک کے ذریعہ) تجھ کو قائم و برقرار رکھے اس کو میں بھی (اپنے احسان وانعام اور اجر وبخشش کے ذریعہ) قائم و برقرار رکھوں اور جو شخص (رشتہ داری اور تعلق کے حقوق کی پامالی کے ذریعہ) تجھ کو منقطع کردے میں بھی (اپنے احسان وانعام کا تعلق اس سے منقطع کرلوں؟ رحم نے عرض کیا پروردگار بے شک میں اس پر راضی ہوں، اللہ رب العزت نے فرمایا اچھا تو یہ وعدہ تیرے لئے ثابت وبرقرار ہے ایسا ہی ہوگا (مظاہر حق جدید)

(۱) رحم (کا لفظ) رحمٰن (کے لفظ) سے نکلا ہے، اللہ تعالیٰ نے (رحم سے) فرمایا جو شخص تجھ کو جوڑے گا تیرے حق کو ملحوظ رکھے گا) میں بھی اس کو (اپنی رحمت کے ساتھ) جوڑوں گا اور جو شخص تجھ کو کاٹے گا (تیرے حق کا لحاظ نہیں کرے گا) میں بھی اس کو (اپنی رحمت سے) جدا کردوں گا۔

(۲) ترجمہ: رحم یعنی رشتہ ناطہ عرش سے لٹکا ہوا ہے اور (بطریق دعا یا خبر کے کہتا ہے) جو شخص مجھ کو ملائے گا اس کو اللہ (اپنی رحمت سے) جوڑیں گے اور جو شخص مجھ کو توڑے گا اللہ تعالیٰ اس کو (اپنی رحمت سے جدا کردے گا۔

اللہ اس پر شاہد ہیں اور رحم کے اختصاص مذکور اور تعلق کی طرف مشیر ہیں الخ (فوائد عثمانی یعنی تفسیر عثمانی اول سورۃ نساء)

تفسیر معارف القرآن میں ہے: والارحام: یعنی قرابت کے تعلقات خواہ باپ کی طرف سے ہوں خواہ ماں کی طرف سے ان کی نگہداشت اور ادائیگی میں کوتاہی کرنے سے بچو۔

صلہ رحمی کے معنی اور اس کے فضائل:

لفظ ارحام جمع ہے رحم کی، رحم بچہ دانی کو کہتے ہیں جس میں ولادت سے پہلے ماں کے پیٹ میں بچہ رہتا ہے، چونکہ ذریعۂ قرابت یہ رحم ہی ہے اس لئے اس سلسلہ کے تعلقات وابستہ رکھنے کو صلہ رحمی اور رشتہ داری کی بنیاد پر جو فطری طور پر تعلقات پیدا ہو گئے ان کی طرف سے بے توجہی و بے التفاتی برتنے کو قطع رحمی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

احادیث شریفہ میں صلہ رحمی پر بہت زور دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

من احب ان یبسط له فی رزقه وینسأ له فی اثره فلیصل رحمه (مشکوٰۃ، ص ۴۱۹ باب البر والصلة الفصل الاول)

یعنی جس کو یہ بات پسند ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی پیدا ہو اور اس کی عمر دراز ہو تو اسے چاہئے کہ صلہ رحمی کرے۔

اس حدیث سے صلہ رحمی کے دو بڑے اہم فائدے معلوم ہو گئے کہ آخرت کا ثواب تو ہے ہی دنیا میں بھی صلہ رحمی کا فائدہ یہ ہے کہ رزق کی تنگی دور ہوتی ہے اور عمر میں برکت ہوتی ہے۔

عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے اور میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ کے وہ مبارک کلمات جو سب سے پہلے میرے کانوں میں پڑے یہ تھے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

یاایها الناس افشوا السلام واطعموا الطعام وصلوا الارحام وصلوا باللیل والناس نیام تدخلوا الجنة بسلام (مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۸ (باب فضل الصدقة الفصل الثانی)

لوگو ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کیا کرو، اللہ کی رضا جوئی کے لئے لوگوں کو کھانا کھلایا کرو صلہ رحمی کیا کرو، اور ایسے وقت میں نماز کی طرف سبقت کیا کرو جب کہ عام لوگ نیند کے مزے میں ہوں، یاد رکھو ان امور پر عمل کر کے تم حفاظت اور سلامتی کے ساتھ بغیر کسی رکاوٹ کے جنت میں پہنچ جاؤ گے۔

ایک اور حدیث میں ذکر ہے کہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک باندی کو آزاد کر دیا تھا، جب نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لو اعطیتها اخوالک کان اعظم اجرک (مشکوٰۃ، ص ۱۷۱ (باب فضل الصدقه الفصل الاول ص ۱۷۱)

اگر تم اپنے ماموں کو دے دیتیں تو زیادہ ثواب ہوتا۔

اسلام میں غلام باندی آزاد کرنے کی بہت ترغیب ہے اور اسے بہترین کار ثواب قرار دیا گیا ہے، لیکن اس کے باوجود صلہ رحمی کا مرتبہ بہر حال اس سے اعلیٰ ہے۔

اسی مضمون کی ایک اور روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

الصدقة على المسكين صدقة وهى على ذى الرحم ثنتان صدقة وصلة (مشکوٰۃ ص ۱۷۱ (ایضاً الفصل الثانی)

یعنی کسی محتاج کی مدد کرنا صرف صدقہ ہی ہے اور اپنے کسی عزیز قریب کی مدد کرنا دوامروں پر مشتمل ہے ایک صدقہ دوسرا صلہ رحمی۔

صرف مصرف کے تبدیل کرنے سے دوطرح کا ثواب مل جاتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں قطع رحمی کے حق میں جو شدید وعیدیں روایات حدیث میں مذکور ہیں، اس کا اندازہ دو حدیثوں سے بخوبی ہوسکتا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

(۱) لا يدخل الجنة قاطع (باب البر والصلة الفصل الاول مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۹)

''جو آدمی حقوق قرابت کی رعایت نہیں کرتا وہ جنت میں نہیں جائے گا''

(۲) لا تنزل الرحمة علىٰ قوم فيه قاطع رحم (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۰)

''اس قوم پر اللہ کی رحمت نہیں اترے گی جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا موجود ہو''

اخیر میں پھر دلوں میں اداء حقوق کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے فرمایا۔

ان الله كان عليكم رقيباً: یعنی اللہ تعالیٰ تم پر نگراں ہے جو تمہاری دلوں اور ارادوں سے باخبر ہے اگر رسمی طور پر شرما شرمی، بے دلی سے کوئی کام کر بھی دیا مگر دل میں جذبۂ ایثار وخدمت نہ ہو تو قابل قبول نہیں ہے، اس سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وجہ بھی معلوم ہوگئی کہ وہ سب پر ہمیشہ نگراں ہے، قرآن کریم کا یہ عام اسلوب ہے کہ قانون کو محض دنیا کی حکومتوں کے قانون کی طرح بیان نہیں کرتا بلکہ تربیت وشفقت کے انداز میں بیان کرتا ہے، قانون کے بیان کے ساتھ ساتھ ذہنوں اور دلوں کی تربیت بھی کرتا ہے۔ (معارف القرآن ص ۲۸۰، ص ۲۸۱ ص ۲۸۲ جلد دوم، مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ)

تفسیر ماجدی میں ہے:۔ واتقوا الله الذى تسآء لون به والارحام. الارحام رحم کی جمع ہے اور اس کا اطلاق بڑا وسیع ہے، سارے عزیز واقارب، اہل خاندان اس کے اندر آجاتے ہیں۔

الرحم اسم لكافة الاقارب من غير فرق بين المرحم وغيره (قرطبی) من المجاز الرحم القرابة وبينهما رحم اى قرابة قريبة (تاج)

الارحام:۔ کا عطف، آیت میں خوب غور کرلیا جائے، اللہ پر ہے، یہ ہے قرابت یا رشتہ داری کی اہمیت اسلام میں، درحقیقت امت کے نظام اجتماعی کا سنگ بنیاد ہی شریعت نے قرابت یا رحم کو قرار دیا ہے، عزیزوں، قریبوں، خاندان اور برادری والوں کے ساتھ حسن سلوک اسلام میں کوئی دوسرے درجہ کی چیز نہیں اول درجہ کی اہمیت رکھنے والی ہے۔

وفى عطف الارحام على اسم الله دلالة على عظم ذنب قطع الرحم (بحر) وقد نبه سبحانه تعالىٰ اذا قرن الارحام باسمه الكريم علىٰ ان صلها بمكان منه (بیضاوی) فيه تعظيم لحق الرحم و تاكيد للمنع عن قطعها (جصاص).

اور اسی معنی میں یہ حدیث بھی آئی ہے: الرحم معلقة بالعرش تقول الا من وصلنی وصله اللّٰہ ومن قطعنی قطعه اللّٰہ (رحم عرش الٰہی سے معلق دعا کرتا رہتا ہے کہ جو مجھے جوڑے رکھے اللہ اسے جوڑے رہے اور جو مجھے کاٹے اللہ اسے کاٹے۔)

فقہاء اس پر متفق ہیں کہ قرابت کا لحاظ واجب ہے اور قطع کرنا جرم ہے اتفقت الملة علی ان صلة الرحم واجبة وان قطعیتها محرمة (قرطبی) ان اللّٰہ کان علیکم رقیباً، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر نگراں ہے، ص ۲۲۶ (تمہارے ذاتی، خانگی، اجتماعی سارے ہی معاملات میں (اللہ تعالیٰ نگراں ہے) اگر اس کا استحضار رہے تو آج افراد امت کی خانگی زندگیاں کس قدر خوشگوار ہو جائیں۔ (تفسیر ماجدی ص ۳، ص ۴، جلد دوم، مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ)

(۲) دوسری آیت: واعبدوا اللّٰہ ولا تشرکوا به شیئاً وبالوالدین احساناً وبذی القربیٰ والیتمیٰ والمسکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم ان اللّٰہ لا یحب من کان مختالاً فخوراً (سورۂ نسآء آیت ص ۳۶ پارہ نمبر ۵)

ترجمہ: اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ بھی اور غریب غرباء کے ساتھ بھی اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی اور راہ گیر کے ساتھ بھی اور ان کے ساتھ بھی جو تمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں بے شک اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں سے محبت نہیں رکھتے جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہوں، شیخی کی باتیں کرتے ہوں (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

یہ آیت مبارکہ بھی بیان حقوق میں بڑی جامع ہے، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا حق بیان فرمایا پھر ماں باپ کا پھر درجہ بدرجہ سب رشتہ داروں اور حاجت مندوں کا۔

تفسیر ماجدی میں ہے ص ۵۲ مکرر خیال کر کے دیکھ لیا جائے کہ حسن سلوک کی تاکید والدین سے لے کر غلاموں اور باندیوں، غرض معاشرہ کے ہر طبقہ کے ساتھ ہو رہی ہے پھر اس حکم کا عطف توحید الٰہی پر! دنیا کی کسی آسمانی کتاب میں اس بے نظیر تعلیم کی نظیر ملے گی؟ اور اس کے ساتھ محققین کی یہ تصریح بھی ملالی جائے کہ ''اہل حقوق اگر کافر ہوں تب بھی ان کے ساتھ احسان کرے البتہ مسلمان کا حق اسلام کی وجہ سے ان سے زائد ہوگا۔ (تھانوی) (تفسیر ماجدی ص ۵۶)

معارف القرآن میں ہے۔'' حقوق کی تفصیل سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت اور توحید کا مضمون اس طرح ارشاد فرمایا گیا۔ واعبدوا اللّٰہ ولا تشرکوا به شیئاً یعنی اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک نہ ٹھہراؤ۔ الیٰ قولہ۔ اس کے بعد تمام رشتہ داروں اور تعلق والوں میں سب سے پہلے والدین کے حقوق کا بیان فرمایا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت اور اپنے حقوق کے متصل والدین کے حقوق کو بیان فرما کر اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ حقوق اور اصل کے اعتبار سے تو سارے احسانات وانعامات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں لیکن ظاہری اسباب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ احسانات وانعامات انسان پر اس کے والدین کے ہیں، کیونکہ عالم اسباب میں وہی اس کے وجود کا سبب ہیں اور آفرینش سے لے کر اس کے جوان

ہونے تک جتنے کٹھن مراحل ہیں ان سب میں بظاہر اسباب ماں باپ ہی اس کے وجود اور پھر ان کے بقاء وارتقاء کے ضامن ہیں اسی لئے قرآن کریم میں دوسرے مواقع میں بھی ماں باپ کے حقوق کو اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت کے متصل بیان فرمایا گیا ہے، ایک جگہ ارشاد ہے:

ان اشکر لی ولو الدیک.

یعنی میرا شکرادا کرو اور اپنے ماں باپ کا شکرادا کرو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔ واذا خذ نا میثاق بنی اسرائیل لا تعبدون الا اللہ وبالو الدین احسانا.

ان دونوں آیتوں میں والدین کے معاملہ میں یہ نہیں فرمایا کہ ان کے حقوق ادا کرو یا ان کی خدمت کرو، بلکہ لفظ احسان لایا گیا جس کے عام مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ حسب ضرورت کے نفقہ میں اپنا مال خرچ کریں اور یہ بھی داخل ہے کہ جیسی ضرورت ہو اس کے مطابق جسمانی خدمات انجام دیں، یہ بھی داخل ہے کہ ان کے ساتھ گفتگو میں سخت آواز سے یا بہت زور سے نہ بولیں جس سے ان کی بے ادبی ہو، کوئی ایسا کلمہ نہ کہیں جس سے ان کی دل شکنی ہو، ان کے دوستوں اور تعلق والوں سے بھی کوئی ایسا سلوک نہ کریں جس سے والدین کی دل آزاری ہو، بلکہ ان کو آرام پہنچانے اور خوش رکھنے کے لئے جو صورتیں اختیار کرنی پڑیں وہ سب کریں، یہاں تک کہ اگر ماں باپ نے اولاد کے حقوق میں کوتاہی بھی کی ہو جب بھی اولاد کے لئے بدسلوکی کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول کریم ﷺ نے دس وصیتیں فرمائی تھیں، ایک یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اگرچہ تمہیں قتل کر دیا جائے، یا آگ میں جلا دیا جائے، دوسرے یہ کہ اپنے والدین کی نافرمانی یا دل آزاری نہ کرو اگرچہ وہ یہ حکم دیں کہ تم اپنے اہل اور مال کو چھوڑ دو (مسند احمد)

رسول کریم ﷺ کے ارشادات میں جس طرح والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکیدات وارد ہیں اسی طرح اس کے بے انتہاء فضائل اور درجات ثواب بھی مذکور ہیں۔

بخاری اور مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کے رزق اور عمر میں برکت ہو اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے، یعنی اپنے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرے۔

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا باپ کی رضا میں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی باپ کی ناراضی میں ہے۔

شعب الایمان میں بیہقی نے روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو لڑکا اپنے والدین کا مطیع وفرمانبردار ہو جب وہ اپنے والدین کو عزت ومحبت کی نظر سے دیکھتا ہے تو ہر نظر میں اس کو حج مقبول کا ثواب ملتا ہے۔

بیہقی ہی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمام گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں لیکن جو شخص ماں باپ کی نافرمانی اور دل آزاری کرے اس کو آخرت سے پہلے دنیا ہی میں طرح طرح کی آفتوں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

(آیت میں والدین کی بعد عام ذوی القربیٰ یعنی تمام رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید آئی ہے......الخ (معارف القرآن ص ۴۰۹ وص ۴۱۰ ج ص ۴۱۱ ج ۲)

(۳)لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر والملئکۃ والکتب والنبیین وآتی المال علیٰ حبہ ذوی والقربیٰ والیتمیٰ والمسکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب ج واقام الصلوٰۃ وآتی الزکوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصابرین فی الباساء والضرآء و حین الباس اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون .(قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۷۷ پارہ نمبر ۲)

ترجمہ:۔ کچھ سارا کمال اسی میں نہیں (آ گیا) کہ تم اپنا منہ مشرق کو کرلو یا مغرب کو،لیکن (اصلی) کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (سب) کتب (سماویہ) پر اور پیغمبروں پر اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور (بے خرچ) مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور جو اشخاص (ان عقائد واعمال کے ساتھ یہ اخلاق بھی رکھتے ہوں کہ) اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کرلیں اور وہ لوگ مستقل رہنے والے ہوں تنگدستی میں اور بیماری میں اور قتال میں یہ لوگ ہیں جو سچے کمال کے ساتھ موصوف ہیں اور یہی لوگ جو (سچے) متقی (کہے) جاسکتے ہیں۔

تفسیر ماجدی میں ہے:ذوی القربی الخ مصارف خیر کی اسلام نے یہ کتنی مناسب اور حکیمانہ ترتیب قرار دے دی ہے،آیت کے اس جزو میں امت کا پورا نظام معاشی ایک خلاصہ کی شکل میں آ گیا ہے،مالی اعانت سب سے پہلے اپنے عزیزوں قریبوں کی کرنا چاہئے یہ نہ ہو کہ بھائی کی کوٹھیاں تیار ہو رہی ہیں اور بہن جھونپڑے کو ترس رہی ہے، چچا کے پاس موٹریں ہوں اور بھتیجے کو یکہ کے پیسے بھی میسر نہ ہوں،ہر زردار کو سب سے پہلے خبر گیری اپنے نادار عزیزوں، کنبہ والوں، بھائیں، بہنوں، بھتیجوں، بھانجوں اور دوسرے قریبوں کی کرنا چاہئے اس کے بعد نمبر محلہ کے بستی کے،شہر کے یتیم بچوں بچیوں کا آتا ہے جن کا کوئی والی،وارث،سرپرست باقی نہیں رہا ہے،اس کے بعد درجہ بدرجہ نمبر امت کے عام مفلسوں محتاجوں اور پھر ان مسافروں راہ گیروں کا آتا ہے جو زادِراہ سے محروم ہیں،اور اس لئے اپنے ضروری سفروں سے محروم رہ جاتے ہیں،یا بستی میں کہیں باہر سے وارد ہو گئے ہیں،اور کوئی ان کے ٹھیرانے،کھلانے پلانے کا روادار نہیں ہو رہا ہے اور پھر آخر میں اہل حاجت سوالی رہ جاتے ہیں،اس پورے معاشی پروگرام پر اگر قاعدہ سے عمل ہونے لگے تو امت میں کہیں مفلسی،تنگدستی،بے معاشی،بے روزگاری کا وجود باقی رہ سکتا ہے؟(تفسیر ماجدی ص ۳۰۶ ج ۱ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۷۷ ص ۱۲۱)

(۴)یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتمیٰ والمسکین وابن السبیل وما تفعلوا من خیر فان اللہ بہ علیم (سورہ بقرہ آیت ص ۲۱۵ پ ۲)

ترجمہ:۔لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کیا کریں،آپ فرمادیجئے کہ جو کچھ مال تم کو صرف کرنا ہو سو ماں باپ کا حق ہے اور قرابت داروں کا اور بے باپ کے بچوں کا اور محتاجوں کا اور مسافر کا،اور جو سا نیک کام کرو گے سو اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے (وہ اس پر ثواب دیں گے)

فوائد عثمانی میں ہے۔بعض اصحاب جو مالدار تھے انہوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ مال میں سے

کیا خرچ کریں؟ اور کس پر خرچ کریں، اس پر یہ حکم ہوا کہ قلیل خواہ کثیر جو کچھ خدا کے لئے خرچ کرو وہ والدین اور اقارب اور یتیم اور محتاج اور مسافروں کے لئے ہے، یعنی حصول ثواب کے لئے خرچ کرنا چاہو تو جتنا چاہو کرو اس کی کوئی تعیین وتحدید نہیں، البتہ یہ ضرور ہے جو مواقع ہم نے بتلائے ان میں صرف کرو۔ (فوائد عثمانی)

(۵) ان اللّٰہ یأ مر بالعدل و الاحسان و ایتاء ذی القربیٰ و ینھیٰ عن الفحشاء و المنکر و البغی یعظکم لعلکم تذکرون. (سورۂ نحل آیت نمبر ۹۰ پارہ نمبر ۲۴ رکوع ۱۸)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ تم کو اس لئے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو۔

فوائد عثمانی میں ہے: قرآن کو تبیاناً لکل شیئ فرمایا تھا، یہ آیت اس کا ایک نمونہ ہے، ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک خیر وشر کے بیان کو اس آیت میں اکٹھا کر دیا ہے، گویا کوئی عقیدہ، خلق نیت، عمل، معاملہ اچھا یا برا ایسا نہیں جو امر اً ونہیاً اس کے تحت میں داخل نہ ہوگیا ہو بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر قرآن میں کوئی دوسری آیت نہ ہوتی تو تنہا یہی آیت ''تبیاناً لکل شیئ'' کا ثبوت دینے کے لئے کافی تھی، شاید اسی لئے خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خطبہ جمعہ کے آخر میں درج کر کے امت کے لئے اسوۂ حسنہ قائم کر دیا اس آیت کی جامعیت سمجھانے کے لئے تو ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے تاہم تھوڑا سا اندازہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ آیت میں تین چیزوں کا امر فرمایا نمبر ۱ عدل نمبر ۲ احسان نمبر ۳ ایتاء ذی القربیٰ۔

عدل کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے تمام عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات، جذبات، اعتدال وانصاف کے ترازو میں تلے ہوئے ہوں، افراط وتفریط سے کوئی پلہ جھکنے یا اٹھنے نہ پائے، سخت سے سخت دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرے تو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے، اس کا ظاہر وباطن یکساں ہو، جو بات اپنے لئے پسند نہ کرتا ہو اپنے بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے۔

احسان کے معنی یہ ہیں کہ انسان بذات خود نیکی اور بھلائی کا پیکر بن کر دوسروں کا بھلا چاہے، مقام عدل و انصاف سے ذرا اور بلند ہو کر فضل وعفو اور تلطف وترحم کی خو اختیار کرے، فرض ادا کرنے کے بعد تطوع وتبرع کی طرف قدم بڑھائے، انصاف کے ساتھ مروت کو جمع کرے اور یقین رکھے کہ جو کچھ بھلائی کرے گا خدا اسے دیکھ رہا ہے، ادھر سے بھلائی کا جواب ضرور بھلائی کی صورت میں ملے گا "الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک" (صحیح بخاری) ھل جزاء الاحسان الا الاحسان (رحمٰن، رکوع نمبر ۳) یہ دونوں خصلتیں (یعنی عدل وانصاف یا بالفاظ دیگر انصاف ومروت) تو اپنے نفس اور ہر ایک خویش وبیگانہ اور دوست ودشمن سے متعلق تھیں لیکن اقارب کا حق اجانب سے کچھ زیادہ ہے، جو تعلقات قرابت قدرت نے باہم رکھ دیئے ہیں انہیں نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ اقارب کی ہمدردی اور ان کے ساتھ مروت واحسان اجانب سے کچھ بڑھ کر ہونا چاہئے، صلہ رحمی ایک مستقل نیکی ہے جو اقارب وذوی الارحام کے لئے درجہ بدرجہ استعمال ہونی چاہئے، گویا احسان کے بعد ذوی القربیٰ کا بالتخصیص ذکر کر کے متنبہ فرما دیا کہ عدل وانصاف تو سب کے لئے یکساں ہے لیکن مروت واحسان کے وقت بعض مواقع بعض سے زیادہ رعایت واہتمام کے قابل ہیں فرق مراتب کو فراموش کرنا ایک طرح قدرت کے قائم کئے ہوئے

قوانین کو بھلا دینا ہے۔ اب ان تینوں لفظوں کی ہمہ گیری کو پیش نظر رکھتے ہوئے سمجھدار آدمی فیصلہ کر سکتا ہے کہ وہ کون سی فطری خوبی بھلائی اور نیکی دنیا میں ایسی رہ گئی ہے جو ان تین فطری اصولوں کے احاطہ سے باہر ہو (فوائد عثمانی)

تفسیر معارف القرآن ادریسی میں ہے: ''اور سوم یہ کہ اللہ تم کو حکم دیتا ہے خویش و اقارب کو دینے کا یعنی صلہ رحمی کا کیونکہ اقارب کا حق اجانب سے زائد ہے، عدل و انصاف تو دوست و دشمن سب کے لئے برابر اور یکساں ہے، اور احسان و مروت میں بسا اوقات خصوصیت اور رعایت بھی ملحوظ ہوتی ہے، یہ صلہ رحمی اگر چہ عدل میں یا احسان میں داخل ہے لیکن صلہ رحمی اور حق قرابت کا لحاظ اور پاسداری ایک مستقل نیکی اور بھلائی ہے اور عظیم احسان ہے اس خصوصیت کے ساتھ وایتاء ذی القربیٰ کو علیحدہ ذکر فرمایا کیونکہ قرآن اور حدیث صلہ رحمی سے بھرے پڑے ہیں حدیث میں ہے کہ لفظ رحم بمعنی قرابت اللہ کے نام پاک رحمٰن سے مشتق ہے جو رحم (قرابت) کو وصل کرے یعنی ملاوے اللہ اس کو ملاوے اور جو رحم (قرابت) کو قطع کرے اللہ اس کو اپنی رحمت سے منقطع کرے یہی وجہ ہے کہ بعض صورتوں میں قریبی حاجتمند رشتہ دار کا نان نفقہ واجب ہو جاتا ہے، اور بعض صلہ رحمی مستحب ہے جیسے رشتہ دار کو ہدیہ اور تحفہ دینا تا کہ باہمی محبت اور الفت قائم رہے۔ بہر حال صلہ رحمی احسان کا فرد اکمل ہے، اس لئے خاص طور پر اس کو علیحدہ ذکر فرمایا، کیونکہ قرابت داروں کو روپیہ پیسہ سے مدد کرنا اور ان کے ساتھ احسان کرنا عظیم عبادت ہے جس میں یہ تین صفتیں عدل اور احسان اور صلہ رحمی جمع ہوگئیں اس کی قوت عقلیہ اور ملکیہ مکمل اور مہذب ہوگئی۔ (معارف القرآن ج ۷ ص ۷۱ سورۂ نحل، از شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ)

(۶) واذا اخذنا میثاق بنی اسرائیل لا تعبدون الا اللہ وبالوالدین احساناً وذی القربیٰ والیتمی والمسکین وقولوا للناس حسناً واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ ثم تولیتم الا قلیلا منکم وانتم معرضون. (سورۂ بقرہ آیت نمبر ۸۳ پارہ نمبر ۱ رکوع نمبر ۹)

ترجمہ:۔ اور وہ (زمانہ یاد کرو) جب لیا ہم نے (توریت میں) قول و قرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت مت کرنا (کسی کی) بجز اللہ تعالیٰ کے اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت گذاری کرنا اور اہل قرابت کی بھی اور بے باپ کے بچوں کی بھی اور غریب محتاجوں کی بھی اور عام لوگوں سے اچھی طرح (خوش خلقی سے) کہنا اور پابندی رکھنا نماز کی اور ادا کرتے رہنا زکوٰۃ، پھر تم (قول و قرار کر کے) اس سے پھر گئے بجز معدودے چند کے اور تمہاری تو معمولی عادت ہے اقرار کر کے ہٹ جانا۔ (ترجمہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ)

تفسیر معارف القرآن میں ہے: مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ احکام اسلام اور سابقہ شریعتوں میں مشترک ہیں، جن میں توحید، والدین اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کی خدمت اور تمام انسانوں کے ساتھ گفتگو میں نرمی و خوش خلقی کرنا اور نماز اور زکوٰۃ سب داخل ہیں۔ (معارف القرآن ص ۲۵۳ ج ۱، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ، معارف القرآن ادریسی میں ہے: فوائد:

(فائدہ اولیٰ):

والدین کی تربیت: تربیت خداوندی کا ایک نمونہ ہے، والدین عالم اسباب میں اس کے وجود کے ایک

ظاہری سبب ہیں، ماں باپ اولاد کے ساتھ جو کچھ احسان کرتے ہیں وہ کسی غرض اور عوض کے لئے نہیں۔ اولاد کی تربیت سے ماں باپ کسی وقت ملول نہیں ہوتے اولاد کے لئے جو کمال ممکن ہو والدین دل و جان سے اس کی آرزو کرتے ہیں، اولاد کی ترقی اور عروج پر کبھی حسد نہیں کرتے ہمیشہ اپنے سے زیادہ اولاد کو ترقی اور عروج پر دیکھنے کے خواہش مند اور آرزومند رہتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد تعظیم والدین کا حکم دیا اور انہیں وجوہ کی بنا پر والدین کی تعظیم تمام شریعتوں میں واجب رہی اور چونکہ یہ حق محض ماں باپ ہونے کی وجہ سے ہے اس لئے وبالوالدین میں ایمان کی قید نہیں لگائی گئی اشارہ اس طرف ہے کہ والدین کی تعظیم والدین ہونے کی حیثیت سے ہر حال میں واجب اور لازم ہے، والدین خواہ کافر و فاجر ہوں یا منافق و فاسق ہوں، اسی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام نے آزر کی دعوت و تلقین میں ہمیشہ تلطف اور نرمی کو ملحوظ رکھا جیسا کہ سورۂ مریم میں مفصل قصہ مذکور ہے اور قرآن و حدیث میں جابجا کافر و مشرک ماں باپ کے ساتھ بھی سلوک اور احسان کا حکم دیا گیا ہے۔

فائدہ دوم:

محتاج تو یتیم اور مسکین دونوں ہی ہیں، مگر یتیم کمسن ہونے کی وجہ سے کمانے کی طاقت نہیں رکھتا اس لئے یتیم کو مسکین پر مقدم فرمایا۔

فائدہ سوم:

مالی سلوک اور احسان زیادہ تر اقارب کے ساتھ ہوتا ہے، مالی احسان ہر ایک کے ساتھ ممکن نہیں اس لئے وقولوا للناس حسناً میں اجانب کے ساتھ قولی احسان کا ذکر فرمایا اس لئے کہ تواضع اور حسن خلق کا معاملہ ہر ایک کے ساتھ ممکن ہے۔

فائدہ چہارم:

دعوت اور تذکیر یعنی وعظ اور نصیحت کے موقع پر نرمی اور ملاطفت معہود ہے، **کما قال تعالیٰ: وقولا له قولا لينا لعله يتذكر او يخشى ، وقال تعالىٰ ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة، وقال تعالىٰ فبما رحمة من الله لنت لهم . وقال تعالىٰ ادفع بالتى هى احسن**، غرض یہ کہ وعظ اور نصیحت اور تبلیغ اور مناظرہ میں تلطف اور لین مناسب ہے جیسا کہ ان آیات سے صاف ظاہر ہے، البتہ جہاد اور قتال میں غلظت اور شدت مناسب ہے، **كما قال تعالىٰ يآ ايها النبى جاهد الكفار والمنافقين واغلظ عليهم** (کیونکہ جہاد اسلام اور اہل اسلام کو مٹانے والوں سے کیا جاتا ہے) جہاد اور نصیحت کے فرق کو خوب سمجھ لو۔

فائدہ پنجم:

دربیان فرق مداراۃ و مداہنت: بہت سے لوگ مداراۃ اور مداہنت میں فرق نہیں سمجھتے، حالانکہ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے، اپنی دنیوی اور جسمانی راحت اور منفعت کو دوسرے کی دنیوی راحت اور منفعت کے خیال سے

چھوڑ دینا اس کا نام مداراۃ ہے اور کسی دنیوی لحاظ کے خاطر اپنے دین کو چھوڑ دینا اور اس میں سستی کرنا اس کا نام مداہنت ہے، مدارۃ شریعت میں مستحسن اور پسندیدہ ہے اور مداہنت قبیح اور مذموم ہے، کما قال تعالیٰ ودّوا لو تدھن فید ھنون.

خلاصہ یہ کہ یہ دین میں سستی اور نرمی کا نام مداہنت ہے اور دنیوی امور میں نرمی اور سستی کا نام مدارات ہے۔ (معارف القرآن ص ۶۹ ص ۷۰ ج ۱، مولانا محمد ادریس کاندھلوی)

تفسیر ماجدی میں ہے: قولو اللناس حسناً یعنی عام طور پر لوگوں سے حسن گفتار کو قائم رکھو۔

ای قولوا للناس مقالة حسنة (بحر) قولوالهم القول الطیب (بحر عن ابی العالیه (بات چیت میں اچھی طرح پیش آتے رہنا سہل ترین اور ادنیٰ ترین فریضۂ انسانیت ہے اس لئے یہ حکم عام ہے یعنی خوش خلقی سے سب ہی کے ساتھ پیش آتے رہنا چاہئے، چاہے وہ نیک و بد فاسق و صالح، کیسا ہی انسان ہو بس احتیاط اتنی رہے کہ اس خوش خلقی و خندہ روئی سے کہیں مخاطب کی بدعت یا بد مذہبی کی تائید نہ پیدا ہو جائے۔

وھذا کله حض علی مکارم الا خلاق فینبغی للانسان ان یکون قوله للناس لینا ووجهه منبسطاً طلقاً مع البر والفاجر والسنی والمبتدع من غیر مداهنة ومن غیر ان یتکلم معه بکلام یظن انه یرضیٰ مذھبه (قرطبی)

وبالوالدین احساناً: والدین کے ساتھ حسن سلوک یہ ہے کہ ان کے ساتھ حسن معاشرت اختیار کیا جائے، ان سے بہ ادب پیش آیا جائے، ان کے احکام کی تعمیل کی جائے اور ان کی وفات کے بعد ان کے حق میں دعائے خیر کی جائے اور ان کے دوستوں سے بہ حسن سلوک پیش آیا جائے۔

الا حسان الی الوالدین معاشرتهما بالمعروف والتواضع لهما وامتثال امرهما والدعاء لهما بعد مما تهما وصلة اهل ودهما (قرطبی)

حکیم توحید کے معاً بعد بندوں کے ساتھ ان احکام سلوک و حسن معاشرت کو لے آنا اس کی دلیل ہے کہ خدا کے ہاں حقوق العباد (بندوں کے حقوق) کی اہمیت کتنی زیادہ ہے۔ (تفسیر ماجدی ص ۱۵۰ جلد اول)

(۷) وات ذالقربیٰ حقه والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیراً ○ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین ... و کان الشیطن لربه کفوراً. (سورۂ بنی اسرائیل آیت نمبر ۲۶، ۲۷ پارہ نمبر ۱۵ رکوع نمبر ۳)

ترجمہ:۔ اور قرابت دار کو اس کا حق (مال وغیر مال) دیتے رہنا اور محتاج اور مسافر کو بھی دیتے رہنا اور (مال کو) بے موقع مت اڑانا (کیونکہ) بے شک بے مواقع اڑانے والے شیطان کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے)۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

معارف القرآن میں ہے: اس آیت میں عام رشتہ داروں کے حقوق کا بیان ہے کہ ہر رشتہ دار کا حق ادا کیا جائے جو کم سے کم ان کے ساتھ حسن معاشرت اور عمدہ سلوک ہے، اگر وہ حاجت مند ہوں تو ان کی مالی امداد بھی اپنی وسعت کے مطابق اس میں داخل ہے، اس آیت سے اتنی بات تو ثابت ہوگئی کہ ہر شخص پر اس کے عام رشتہ دار، عزیزوں کا بھی حق ہے وہ کیا اور کتنا ہے اس کی تفصیل مذکور نہیں مگر عام صلہ رحمی اور حسن معاشرت کا اس میں داخل ہونا

واضح ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اسی فرمان کے تحت جو رشتہ دار ذی رحم محرم ہو اگر وہ عورت یا بچہ ہے جن کے پاس اپنے گذارہ کا سامان نہیں اور کمانے پر بھی قدرت نہیں، اسی طرح جو رشتہ دار ذی رحم اپاہج یا اندھا ہو اور اس کی ملک میں اتنا مال نہیں جس سے اس کا گذارہ ہو سکے تو ان کی جن رشتہ داروں میں اتنی وسعت ہے کہ وہ ان کی مدد کر سکتے ہیں ان پر ان سب کا نفقہ فرض ہے، اگر ایک ہی درجہ کے کئی رشتہ دار صاحب وسعت ہوں تو ان سب پر تقسیم کر کے ان کا گذارہ نفقہ دیا جائے گا۔

سورۂ بقرہ کی آیت وعلی الوارث مثل ذلک سے بھی یہ حکم ثابت ہے۔

اس آیت میں اہل قرابت و مسکین و مسافر کو مالی مدد دینے اور صلہ رحمی کرنے کو ان کا حق فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ دینے والے کو ان پر احسان جتانے کا کوئی موقع نہیں کیونکہ ان کا حق اس کے ذمہ فرض ہے، دینے والا اپنا فرض ادا کر رہا ہے کسی پر احسان نہیں کر رہا ہے۔ (معارف القرآن ص ۴۵۷ ج ۵ (مکتبہ مطفا تیہ دیوبند) مولانا مفتی محمد شفیعؒ)

(۸) فات ذالقربیٰ حقه والمسکینٌ وابن السبیل ط ذلک خیر للذین یریدون وجه اللہ واولئک هم المفلحون O (سورۂ روم آیت نمبر ۳۸ ع نمبر ۷ پ ۲۱)

ترجمہ:۔ پھر قرابت دار کو اس کا حق دیا کر اور مسکین اور مسافر کو بھی، یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

معارف القرآن میں ہے: آیت مذکورہ میں رسول اللہ ﷺ کو اور بقول حسن بصریؒ ہر مخاطب انسان کو جس کو اللہ نے مال میں وسعت دی ہو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جو مال اللہ نے آپ کو دیا ہے اس میں بخل نہ کرو بلکہ اس کو ان کے مصارف میں خوش دلی کے ساتھ خرچ کرو، اس سے تمہارے مال اور رزق میں کمی نہیں آئے گی اور اس حکم کے ساتھ اس آیت میں مال کے چند مصارف بھی بیان کر دیئے، اول ذی القربیٰ، دوسرے مساکین تیسرے مسافر، کہ خدا تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے مال میں سے ان لوگوں کو دو اور ان پر خرچ کرو اور ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ یہ ان لوگوں کا حق ہے جو اللہ نے تمہارے مال میں شامل کر دیا ہے اس لئے ان کو دینے کے وقت ان پر کوئی احسان نہ جتلاؤ کیونکہ حق والے کا حق ادا کرنا مقتضائے عدل وانصاف ہے کوئی احسان وانعام نہیں ہے۔

اور ذوی القربیٰ سے مراد ظاہر ہے کہ عام رشتہ دار ہیں، خواہ ذو رحم محرم ہوں یا دوسرے (**کما هو قول الجمهور من المفسرین**) اور حق سے مراد بھی عام ہے خواہ حقوق واجبہ ہوں جیسے ماں، باپ، اولاد اور دوسرے ذوی الارحام کے حقوق یا محض تبرع واحسان ہو رشتہ داروں کے ساتھ یہ بنسبت دوسروں کے بہت زیادہ ثواب رکھتا ہے، یہاں تک کہ امام تفسیر مجاہدؒ نے فرمایا کہ جس شخص کے ذوی الارحام رشتہ دار محتاج ہوں وہ ان کو چھوڑ کر دوسروں پر صدقہ کرے تو اللہ کے نزدیک مقبول نہیں، اور ذوی القربیٰ کا حق صرف مالی امداد ہی نہیں ان کی خبر گیری، جسمانی خدمت اور کچھ نہ کر سکے تو کم از کم زبانی ہمدردی اور تسلی وغیرہ جیسا کہ حضرت حسنؒ نے فرمایا کہ ذوی القربیٰ کا حق اس شخص کے لئے جس کو مالی وسعت حاصل یہ ہے کہ مال سے ان کی امداد کرے اور جس کو یہ وسعت حاصل نہ ہو اس کے لئے جسمانی خدمت اور زبانی ہمدردی ہے (قرطبی) (معارف القرآن ج ۶ ص ۷۳۷، مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

(۹) واذا حضر القسمة اولوا القربیٰ والیتمیٰ والمسکین فارزقوهم وقولو الهم قولاً

معروفا O (سورہ نساء آیت نمبر ۷ پارہ نمبر ۴ رکوع نمبر ۱۳)

ترجمہ: اور جب (وارثوں میں ترکہ کے) تقسیم ہونے کے وقت آموجود ہوں رشتہ دار (دور کے) اور یتیم اور غریب لوگ تو ان کو بھی اس (ترکہ) میں سے (جس قدر بالغوں کا ہے اس میں) سے کچھ دے دو اور ان کے ساتھ خوبی سے بات کرو (حضرت تھانوی رحمہ اللہ)

فوائد عثمانی میں ہے: یعنی تقسیم میراث کے وقت برادری اور کنبہ کے لوگ جمع ہوں تو جو رشتہ دار ایسے ہوں جن کو میراث میں حصہ نہیں پہنچتا یا جو یتیم اور محتاج ہوں ان کو کچھ کھلا کر رخصت کردیا کوئی چیز ترکہ میں سے حسب موقع ان کو بھی دے دو کہ یہ سلوک کرنا مستحب ہے اور اگر مال میراث میں سے کھلائے یا کچھ دینے کا موقع نہ ہو مثلاً وہ یتیموں کا مال ہے، اور میت نے وصیت بھی نہیں کی تو ان لوگوں سے معقول بات کہہ کر رخصت کردو یعنی نرمی سے عذر کردو کہ یہ مال یتیموں کا ہے اور میت نے وصیت بھی نہیں کی اس لئے ہم مجبور ہیں، ابتدائے سورت میں بیان ہو چکا ہے کہ تمام قرابت والے درجہ بدرجہ سلوک اور مراعات کے مستحق ہیں اور یتامیٰ اور مساکین بھی اور جو قریب یتیم یا مسکین بھی ہو تو اس کی رعایت اور بھی زیادہ ہونی چاہئے اس لئے تقسیم میراث کے وقت ان کو حتی الوسع کچھ نہ کچھ دینا چاہئے، اگر کسی وجہ سے وارث نہ ہو تو حسن سلوک سے محروم نہ رہیں۔ (فوائد عثمانی)

(۱۰) فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم. (سورۃ محمد آیت نمبر ۲۲، رکوع نمبر ۷ پ ۲۶)

ترجمہ: سو اگر تم کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے کہ تم دنیا میں فساد مچادو اور آپس میں قطع قرابت کردو۔ (ترجمہ از حضرت تھانویؒ)

تفسیر معارف القرآن میں ہے، لفظ تولّی کے لغت کے اعتبار سے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک اعراض دوسرے کسی قوم وجماعت پر اقتدار حکومت، اس آیت میں بعض حضرات مفسرین نے پہلے معنی لئے ہیں...... ابوحیان نے بحر محیط میں اسی کو ترجیح دی ہے اس معنی کے اعتبار سے مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر تم نے احکام شرعیہ سے روگردانی کی جن میں حکم جہاد بھی شامل ہے تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ تم جاہلیت کے قدیم طریقوں پر پڑ جاؤ گے جس کا لازمی نتیجہ زمین میں فساد اور قطع ارحام ہے جیسا کہ جاہلیت کے ہر کام میں اس کا مشاہدہ ہوتا تھا کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر چڑھائی اور قتل وغارت کرتا تھا اپنی اولاد کو خود اپنے ہاتھوں زندہ درگور کردیتے تھے، اسلام نے ان تمام رسوم جاہلیت کو مٹایا۔ الیٰ قولہ۔ اور روح المعانی قرطبی وغیرہ میں اس جگہ تولی کے معنی حکومت اور امارت کے لئے ہیں تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ تمہارے حالات جس کا ذکر اوپر آچکا ہے ان کا تقاضا یہ ہے کہ اگر تمہاری مراد پوری ہو، یعنی اس حالت میں تمہیں ملک وقوم کی ولایت اور اقتدار حاصل ہو جائے تو نتیجہ اس کے سوا نہیں ہوگا کہ تم زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور رشتوں قرابتوں کو توڑ ڈالوں گے۔

صلہ رحمی کی سخت تاکید:

اور لفظ ارحام رحم کی جمع ہے جو ماں کے پیٹ میں انسان کی تخلیق کا مقام ہے، چونکہ عام رشتوں، قرابتوں کی

بنیاد وہیں سے چلتی ہے اس لئے محاورات میں رحم بمعنی قرابت اور رشتہ کے استعمال کیا جاتا ہے، تفسیر روح المعانی میں اس جگہ اس پر تفصیلی بحث کی ہے کہ ذوی الارحام اور ارحام کا لفظ کن کن قرابتوں پر حاوی ہے، اسلام نے رشتہ داری اور قرابت کے حقوق پورے کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے، صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ اور دوسرے دو اصحاب سے اس مضمون کی حدیث نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص صلہ رحمی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے قریب کریں گے اور جو رشتہ قرابت قطع کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو قطع کردیں گے جس سے معلوم ہوا کہ اقرباء اور رشتہ داروں کے ساتھ اقوال وافعال اور مال کے خرچ کرنے میں احسان کا سلوک کرنے کا تاکیدی حکم ہے، حدیث مذکور میں حضرت ابو ہریرہؓ نے اس آیت قرآن کا حوالہ بھی دیا کہ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو۔ اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ کوئی ایسا گناہ جس کی سزا اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی دیتا ہے اور آخرت میں اس کے علاوہ ظلم اور قطعہ رحمی کے برابر نہیں (رواہ ابوداؤد والترمذی، ابن کثیر) اور حضرت ثوبانؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہو کہ اس کی عمر زیادہ ہو اور رزق میں برکت ہو اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے، یعنی رشتہ داروں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے، احادیث صحیحہ میں یہ بھی ہے کہ قرابت کے حق کے معاملہ میں دوسری طرف سے برابری کا خیال نہ کرنا چاہئے اگر دوسرا بھائی قطع تعلق اور ناروا سلوک بھی کرتا ہے جب بھی تمہیں حسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہئے صحیح بخاری میں ہے **لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمه وصلها** یعنی وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں جو صرف برابر کا بدلہ دے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب دوسری طرف سے قطع تعلق کا معاملہ کیا جائے تو یہ ملانے اور جوڑنے کا کام کرے (ابن کثیر) (معارف القرآن ص ۴۱ ص ۴۲، ج ۸۔ مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

(۱۱) ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعة ان یؤتوآ اولی القربیٰ والمسکین والمهجرین فی سبیل الله ولیعفوا ولیصفحوا ط الا تحبون ان یغفر الله لکم ط و الله غفور رحیم .(قرآن مجید، سورہ نور آیت نمبر ۲۲ پ نمبر ۱۸، رکوع نمبر ۹)

ترجمہ: اور جو لوگ تم میں وسعت والے ہیں وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کردے (سو تم بھی اپنے قصور واروں کو معاف کردو) بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں (سو تم کو بھی تخلق باخلاق الٰہیہ چاہئے)

فوائد عثمانی میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر طوفان اٹھانے والوں میں بعض مسلمان بھی نادانی سے شریک ہو گئے، ان میں ایک حضرت مسطح تھے جو ایک مفلس مہاجر ہونے کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ کے بھانجے یا خالہ زاد بھائی ہوتے ہیں، قصہ "افک" سے پہلے حضرت صدیق اکبرؓ ان کی امداد اور خبر گیری کیا کرتے، جب یہ قصہ ختم ہوا اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت آسمان سے نازل ہو چکی تو حضرت ابوبکرؓ نے قسم کھائی کہ آئندہ مسطح کی امداد نہ کروں گا، شاید بعض دوسرے صحابہ کو بھی یہ صورت پیش آئی ہو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، یعنی تم میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی بزرگی اور دنیا کی وسعت دی ہے انہیں لائق نہیں کہ ایسی قسم کھائیں، ان کا ظرف بہت بڑا، ان کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں بڑی جوانمردی تو یہ ہے کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیا جائے محتاج رشتہ داروں اور خدا کے لئے وطن چھوڑنے

والوں کی اعانت سے دستکش ہوجانا بزرگوں اور بہادروں کا کام نہیں، اگر قسم کھالی ہے تو ایسی قسم کو پورا مت کرو، اس کا کفارہ ادا کردو، تمہاری شان یہ ہونی چاہئے کہ خطا کاروں کی خطا سے اغماض اور درگذر کرو ایسا کرو گے تو حق تعالیٰ تمہاری کوتاہیوں سے درگذر کرے گا، کیا تم حق تعالیٰ سے عفوودرگذر کی امید اور خواہش نہیں رکھتے؟ اگر رکھتے ہو تو تم کو اس کے بندوں کے معاملہ میں یہی خو اختیار کرنی چاہئے، گویا اس میں تخلیق باخلاق اللہ کی تعلیم ہوئی، احادیث میں ہے کہ جب ابوبکرؓ نے سنا "الا تحبون ان یغفر اللہ لکم" (کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کردے) تو فوراً بول اٹھے "بلیٰ یا ربنا انا نحب" بے شک اے پروردگار ہم ضرور چاہتے ہیں) یہ کہہ کر مسطح کی جو امداد کرتے تھے بدستور جاری فرمادی بلکہ بعض روایات میں ہے کہ پہلے سے دگنی کردی، (فوائد عثمانی، سورۂ نور آیت نمبر ۲۲ پارہ نمبر ۱۸)

یہ ہیں مکارم اخلاق، جن کی تعلیم امت کو دی گئی ہے، یہاں تک بطور نمونہ کچھ آیات بیان کی گئی۔

احادیث مبارک میں بھی مختلف پیرایوں سے صلہ رحمی کی اہمیت اور اس پر اجر وثواب اور قطع رحمی کی مذمت اور اس پر شدید وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم..... ان صلۃ الرحم محبۃ فی الاھل مثراۃ فی المال منسأۃ فی الاثر، رواہ الترمذی. (مشکوۃ شریف ص ۴۲۰ باب البر والصلۃ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا (رشتہ داروں سے اچھا سلوک (صلہ رحمی) کرنا خاندان میں محبت، مال میں برکت اور موت میں ڈھیل کا سبب ہے۔ (ترمذی شریف ص ج ۲ ص ۱۹ باب ماجاء فی تعلیم النسب)

(۲) عن انس رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احب ان یبسط لہٗ رزقہ وینسأ لہ فی اثرہ فلیصل رحمہ. متفق علیہ. (مشکوۃ شریف ص ۴۱۹ باب البرو والصلۃ الفصل الاول)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص روزی میں وسعت اور فراخی چاہتا ہو اور اس کی یہ خواہش ہو کہ دنیا میں اس کے آثار قدم تادیر رہیں (یعنی اس کی عمر دراز ہو اور اس میں برکت ہو) تو اسے چاہئے کہ رشتے داروں سے صلہ رحمی کرے۔

رشتے داروں سے صلہ رحمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے طاعات کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور زندگی کی قیمتی لمحات ایسے کاموں میں گذرتے ہیں جو آخرت میں نفع بخش ہوں بیکار کاموں میں وقت ضائع کرنے سے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتے ہیں اور جو شخص صلہ رحمی کرتا ہے اس کے انتقال کے بعد لوگ اس کا ذکر خیر کرتے ہیں اور اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے:

احدھما ان الزیادۃ بالبرکۃ فی العمر بسبب التوفیق فی الطاعات وعمارۃ اوقاتہ بما ینفعہ فی الاخرۃ وصیانتھا عن الضیاع وغیر ذلک. الی قولہ. ایضاً وثالثھا ان المراد بقاء ذکرہ الجمیل بعدہ فکانہ لم یمت (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۹ ص ۱۶۵ ملتانی)

معارف الحدیث میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہم العالی مذکور حدیث کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن پاک اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں جا بجا یہ حقیقت بیان فرمائی گئی ہے کہ بعض نیک اعمال کے صلہ میں اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی برکتوں سے نوازتا ہے۔ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ صلہ رحمی یعنی اہل قرابت کے حقوق کی ادائیگی اور ان کی ساتھ حسن سلوک ومبارک عمل ہے جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق میں وسعت اور عمر میں زیادتی اور برکت ہوتی ہے...... صلہ رحمی کی دو ہی صورتیں ہیں ایک یہ کہ آدمی اپنی کمائی سے اہل قرابت کی مالی خدمت کرے، دوسرے یہ کہ اپنے وقت اور اپنی زندگی کا کچھ حصہ ان کے کاموں میں لگائے، اس کے صلہ میں رزق و مال میں وسعت اور زندگی کی مدت میں اضافہ اور برکت بالکل قرین قیاس اور اللہ تعالیٰ کی حکمت ورحمت کے عین مطابق ہے۔

اسبابی نقطۂ نظر سے بھی یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے، یہ واقعہ اور عام تجربہ ہے کہ خاندانی جھگڑے اور خانگی الجھنیں جو زیادہ تر حقوق قرابت ادا نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں آدمی کے لئے دلی پریشانی اور اندرونی کڑھن اور گھٹن کا باعث بنتی ہیں اور کاروبار اور صحت ہر چیز کو متأثر کرتی ہیں لیکن جو لوگ اہل خاندان اور اقارب کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی کا برتاؤ کرتے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک رکھتے ہیں ان کی زندگی انشراح وطمانینت اور خوشدلی کے ساتھ گذرتی ہے اور ہر لحاظ سے ان کے حالات بہتر رہتے ہیں اور فضل خداوندی ان کے شامل حال رہتا ہے۔ (معارف الحدیث ص ۶۴، ص ۶۵، جلد نمبر ۶)

(۳) عن عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم یقول قال اللہ تبارک وتعالیٰ انا اللہ وانا الرحمن خلقت الرحم وشققت لها من اسمی فمن وصلها وصلتہ (ای الیٰ رحمتی او محل کرامتی) ومن قطعها بتتہ: (ترمذی شریف ص ۱۳، جلدنمبر ۲) (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۰ باب البر والصلة)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عوفؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں، میں اللہ ہوں اور میں رحمٰن ہوں، میں نے رشتہ پیدا کیا اور اپنے نام سے ان کا نام نکالا پس جو اس کو جوڑے گا اس کو میں اپنی (رحمت سے) جوڑوں گا، اور جو اسے کاٹے گا میں اس کو (اپنی رحمت خاصہ سے) الگ کروں گا۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے: **ولا خلاف ان صلة الرحم واجبة فی الجملة وقطیعتها معصیة کبیرة وللصلة درجات بعضها ارفع من بعض وادناها ترک المهاجرة وصلتها بالکلام ولو بالسلام.**

فی الجملہ صلہ رحمی واجب ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور قطع رحمی گناہ کبیرہ ہے، صلہ رحمی کے درجات ہیں، بعض بعض سے ارفع ہیں۔ صلہ رحمی کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ بات چیت بند نہ کرے (کسی وجہ سے بات چیت بند ہو جائے تو) صلہ رحمی یہ ہے کہ آپس میں بات چیت شروع کر دے، اگر چہ سلام ہی سے ہو۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۱۹۶ ج ۹)

(۴)عن عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تنزل الرحمة علیٰ قوم فیہ قاطع رحم ،رواہ البیھقی فی شعب الا یمان .(مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۰ ،باب البر و الصلة)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس قوم میں قطع رحمی کرنے والا ہو اس قوم (جماعت) پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل نہیں ہوتی۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے: قال التور پشتی یحتمل انہ اراد بالقوم الذین یساعدونہ علی قطیعة الرحم ولا ینکرون علیہ ویحتمل ان یراد بالرحمة المطر ای یحبس عنھم المطر بشؤم القاطع.

علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں: مراد وہ قوم ہے جو قطع رحمی کرنے والے کی مدد کرتی ہو اور قطع رحمی کرنے کے باوجود اس پر نکیر نہ کرتی ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ رحمت سے بارش مراد ہو، قطع رحمی کرنے والے کی وجہ سے بارش روک دی جاتی ہے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۲۰۲ ج ۹)

غور کیجئے! کتنی سخت وعید ہے قاطع رحم کو جو گناہ ہوتا ہے وہ تو ہوتا ہی ہے، جو لوگ اس پر اس کی مدد کرتے ہیں وہ بھی رحمت خداوندی سے محروم ہو جاتے ہیں، اعاذنا اللہ۔

(۵)عن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل الجنة قاطع ، متفق علیہ .(مشکوٰۃ شریف ایضاً ص ۴۱۹)

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

(۶)عن عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل الجنة منان ولا عاق ولا مد من خمر (ای شاربھا من غیر توبة ایضاً رواہ النسائی والدارمی) (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۰)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، احسان جتلانے والا والدین یا ان میں سے کسی ایک کی نافرمانی کرنے والا اور شراب پینے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

قال التور پشتی محمل ھذا انہ لا یدخل مع الفائزین او لا یدخل حتی یعاقب بما اجترحہ من الا ثم بکل واحد من الا عمال الثلا ثة قلت لا بد من تقیید ہ بالمشیئة لقولہ تعالیٰ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء بشفاعة او بغیر ھا.

علامہ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مصداق یہ ہے کہ یہ شخص فائزین (کامیاب ہونے والوں جن کو ابتداء ہی سے جنت میں داخل ہونا نصیب ہوگا) کے ساتھ داخل نہ ہوگا یا اپنے اس عمل بد کی سزا بھگتے بغیر جنت میں داخلہ نصیب نہ ہوگا، ہاں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یا کسی کی شفاعت سے معاف فرمادیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۲۰۲ ج ۹)

(۷)عن ابن بکرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من ذنب احری ان یعجل اللہ لصاحبہ العقوبۃ فی الدنیا مع مایدخر فی الاخرۃ من البغی وقطیعۃ الرحم رواہ الترمذی (مشکوۃ شریف ص ۴۲۰ ایضاً

ترجمہ: حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایاظلم اورقطع رحمی سے زیادہ کوئی گناہ ایسانہیں ہے کہ اس گناہ کرنے والے کوجلد دنیامیں سزادی جاتی ہو۔اس عذاب کے ساتھ جواس کے لئے اخرت میں بطورذخیرہ رکھا گیاہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمدزکریاصاحب مہاجرمدنی نور اللہ مرقدہٗ تحریرفرماتے ہیں۔

ف:۔یعنی یہ دوگناہ ظلم اورقطع رحمی ایسی ہیں کہ آخرت میں توان پرجوکچھ وبال ہوگاوہ توہوگاہی آخرت کے علاوہ دنیامیں بھی ان کی سزابہت جلدملتی ہے،ایک اورحدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ہرگناہ کی جس چاہے مغفرت فرمادیتے ہیں مگروالدین کی قطع رحمی کی سزامرنے سے پہلے پہلے دےدیتے ہیں(مشکوۃ)

ایک حدیث میں ہے کہ ہرگناہ کی سزا اللہ جل شانہٗ آخرت پرموخرفرمادیتے ہیں،لیکن والدین کی نافرمانی کی سزاکوبہت جلددنیامیں دےدیتے ہیں،(جامع الصغیر)بہت سی احادیث میں یہ بھی مضمون ہے کہ حق تعالیٰ شانہ قیامت کے دن رحم(قرابت)کوزبان عطافرمادیں گےوہ عرش معلی کوپکڑکردرخواست کرتارہےگاکہ یا اللہ جس نے مجھے ملایاتواس کوملاءاورجس نے مجھےقطع کیاتواس کوقطع کر۔بہت سی احادیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں کہ رحم کالفظ اللہ تعالیٰ کے پاک نام رحمٰن سے نکالاگیاہے جواس کوملائےگارحمٰن اس کوملائےگاجواس کوقطع کرےگا رحمٰن اسےقطع کرےگا،ایک حدیث میں ہے کہ اس قوم پررحمت نازل نہیں ہوتی جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والاہو،ایک حدیث میں ہے کہ ہرپنجشنبہ کو اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال پیش ہوتے ہیں،قطع رحمی کرنے والے کاکوئی عمل قبول نہیں ہوتا(درمنشور)۔

فقیہ ابواللیثؒ فرماتے ہیں کہ قطع رحمی اس قدربدترین گناہ ہے کہ پاس بیٹھنے والوں کوبھی رحمت سے دورکردیتا ہے،اس لئے ضروری ہے کہ ہرشخص اس سے بہت جلدتوبہ کرےاورصلہ رحمی کااہتمام کرے،حضورکاارشادہے کہ صلہ رحمی کے علاوہ کوئی نیکی ایسی نہیں ہے کہ جس کابدلہ بہت جلدملتاہو،اورقطع رحمی اورظلم کے علاوہ کوئی گناہ ایسانہیں ہے جس کا وبال آخرت میں باقی رہنے کے ساتھ ساتھ دنیامیں جلدی نہ مل جاتاہو(تنبیہ الغافلین)حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک مرتبہ صبح کی نمازکےبعدایک مجمع میں تشریف فرماتھے،فرمانے لگے میں تم لوگوں کوقسم دیتاہوں کہ اگراس مجمع میں کوئی شخص قطع رحمی کرنے والاہوتووہ چلاجائے ہم لوگ اللہ تعالیٰ سےایک دعاکرناچاہتےہیں اورآسمان کےدروازے قطع رحمی کرنے والے کے لئے بندہوجاتے ہیں(ترغیب)یعنی اس کی دعاآسمان پرنہیں جاتی،اس سے پہلے ہی دروازہ بندکردیاجاتاہے،اورجب اس کے ساتھ ہماری دعاہوگی تووہ دروازہ بندہونے کی وجہ سےرہ جائےگا،ان کے علاوہ بہت سی روایات سے یہ مضمون معلوم ہوتاہےاوردنیاکےواقعات بہت کثرت سےاس کی شہادت دیتے ہیں کہ قطع رحمی کرنے والادنیامیں بھی ایسےمصائب میں پھنستاہےکہ پھرروتاہی پھرتا ہے،اوراپنی حماقت اورجہالت سےاس کو یہ خبربھی نہیں ہوتی کہ اتنےاس گناہ سےتوبہ نہ کرے،اس کی تلافی نہ کرے،اس کابدل نہ کرے،اتنےاس آفت اور

عذاب سے جس میں مبتلا ہے خلاصی نہ ہوگی، چاہے لاکھ تدبیریں کرے، اور اگر کسی دنیوی آفت میں مبتلا ہو جائے تو وہ اس سے بہت ہلکی ہے کہ کسی بددینی میں خدا نہ کرے مبتلا ہو جائے کہ اس صورت میں اس کو پتہ بھی نہ چلے گا کہ تو بہ ہی کرے، حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل سے محفوظ فرمائے آمین۔ (فضائل صدقات ص ۲۱۸، ص ۲۱۹ حصہ اول، تیسری فصل، حدیث نمبر ۱۰)

(۸) روی البیھقی عن عائشۃ...... فقال ھذہ اللیلۃ لیلۃ النصف من شعبان وللہ فیھا عتقاء من النار بعد دشعر غنم کلب لا ینظر اللہ فیھا الیٰ مشرک ولا الیٰ مشاحن ولا الی قاطع رحم ولا الیٰ مسبل ازا ولا الیٰ عاق والدیہ ولا الیٰ مد من خمر .(بحوالہ الجواھر الزواھر . مترجم ص ۵۸۰ جلد نمبر ۱ بیسویں بصیرت ماثبت بالسنۃ ص ۲۰۳ ،فضائل الایام والشھور ص ۷۵)

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے...... (حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، میرے پاس حضرت جبرائیلؑ آئے) اور کہا آج شب برات ہے اور آج رات میں بنوکلب کی بکریوں کے اون اور بالوں کے برابر اللہ تعالیٰ کے آزاد کئے ہوئے دوزخی چھوٹیں گے، البتہ جو مشرک ہوگا اور جو کینہ ور ہوگا اور جو رشتہ ناطہ کے حقوق نہ سمجھے گا اور ٹخنہ سے نیچے لٹکا ہوا کپڑا پہنے گا اور جو والدین کا نافرمان ہوگا، اور جو شخص شراب خوری کا عادی ہوگا اللہ تعالیٰ (آج مبارک رات میں بھی) ان کی طرف نظر رحمت نہ فرمائے گا)

قطع رحمی کرنے والوں سے صلہ رحمی کرنا

(۹) عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمہ وصلھا. رواہ البخاری (باب البر والصلۃ الفصل الاول مشکوۃ شریف ص ۴۱۹)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کامل صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص نہیں ہے جو بدلہ دینے والا ہو (یعنی احسان کے بدلہ میں احسان کرتا ہو) کامل صلہ رحمی کرنے والا تو وہ شخص ہے جب اس کے ساتھ قطع رحمی کی جائے تب بھی وہ صلہ رحمی کرے۔

(۱۰) صل من قطعک واحسن الی من اساء الیک وقل الحق وان کان علیٰ نفسک (جامع الصغیر للعلامۃ) (سیوطیؒ ص ۳۷ ج ۲ حرف الصاد)

ترجمہ: جو تم سے قطع رحمی کرے تم اس سے صلہ رحمی کرو اور جو تمہارے ساتھ برا سلوک کرے تم اس سے اچھا سلوک کرو اور سچی بات کہو اگرچہ تمہارے خلاف ہو۔

(۱۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رجلاً قال یا رسول اللہ، ان لی قرابۃ اصلھم ویقطعونی واحسن الیھم ویسیئون الی واحلم عنھم یجھلون علی فقال لئن.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا، یا رسول اللہ! میرے قرابت دار ہیں میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ قطع رحمی کرتے ہیں، میں

ان سے حسن سلوک کرتا ہوں۔

(۱۲) کنت کما قلت فکانما تسفهم المل ولا یزال معک من اللّٰه ظهیر مادمت علیٰ ذلک رواه مسلم ،(باب البر والصلة الفصل الاول مشکوٰة شریف ص ۴۱۹)

ترجمہ: وہ میرے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں میں ان کے ساتھ حلم (اور بردباری) کا برتاؤ کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ جہالت برتتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے ارشادفرمایا اگر معاملہ ایسا ہی ہے جیسا تم کہہ رہے ہوتو گویا تم ان کو ریت پھنکار رہے ہواور جب تک تمہاری یہ حالت رہے گی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارا ایک مددگار (فرشتہ) رہے گا۔

درمختار میں ہے:

(۱۳) وصلة الرحم واجبة ولو) كانت (بسلام وتحية وهدية) ومعاونة ومجالسة ومكالمة ومعاونة ومجالسة ومكالمة وتلطف واحسان ويزور هم غباً ليزيدحباً بل يزور اقرباء ه كل جمعة او شهر ولا يرد حاجتهم لا نه من القطيعة في الحديث ان اللّٰه يصل من وصل رحمه ويقطع من قطعها وفي الحديث صلة الرحم تزيد في العمرو تمامه في الدر ر(درمختار)

ترجمہ: اور صلہ رحمی واجب ہے اگر چہ صلہ رحمی سلام کرنے اور دعا دینے اور ہدیہ پیش کرنے اور مدد کرنے اور ان کے ساتھ ہمنشینی اور باہم بات چیت کرنے اور مہربانی کرنے اور احسان کرنے کے ساتھ ہواور رشتہ داروں سے ایک دن چھوڑ کر ملاقات کرے (یہ نہ ہو سکے تو) ہر جمعہ یا ہر مہینہ میں ملاقات کرے تاکہ محبت زیادہ ہواوران کی حاجت کو نہ روکے اس لئے کہ حاجت روائی نہ کرنا قطع رحمی میں داخل ہے حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کو (اپنی رحمت خاصہ سے) جوڑتا ہے جو صلہ رحمی کرتا ہے، اور جو قطع رحمی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت خاصہ سے الگ کردیتا ہے، اور حدیث میں ہے کہ صلہ رحمی کرنا عمر کو زیادہ کرتا ہے اور اس کا پورا بیان درر میں ہے، شامی میں ہے۔

(قوله وصلة الرحم واجبة) نقل القرطبي في تفسيره اتفاق الامة على وجوب صلتها وحرمة قطعها للادلة القطعيةمن الكتاب والسنة على ذلک قال في تبيين المحارم واختلفوا في الرحم التي يجب صلتها قال قوم هي قرابة كل ذي رحم محرم وقال آخرون كل قريب محرما كان او غيره ا ه والثاني ظاهر اطلاق المتن قال النووي وفي شرح مسلم وهو الصواب واستدل عليه بالاحاديث نعم تفاوت درجاتها ففي الوالدين اشد من المحارم وفيم اشد من بقية المحارم وفي الا حاديث اشارة الىٰ ذلک كمابينه' في تبيين المحارم (قوله ولو كانت بسلام الخ) قال في تبيين المحارم وان كان غائبا يصلهم بالمكتوب فان قدر على المسير اليهم كان افضل وان كان له والدان لا يكفي المكتوب ان اراد امجينه وكذا ان احتاجا الىٰ خدمته (قوله ويزوررهم غبا)...... لكن في شرح الشرعة هو ان تزوريوماً وتدع يوما ولما كان فيه نوع عسر عدل الىٰ ما هو اسهل من الغب فقال بل يزور اقرباء ه في كل جمعة او شهر على ماورد في بعض الروايات.

(قوله وصلة الرحم واجبة) امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں صلہ رحمی کے وجوب اور قطع رحمی کے حرام

ہونے پر امت کا اجماعت نقل کیا ہے اس باب میں کتاب وسنت کی ادلۂ قطعیہ کی بنیاد پر، تبیین المحارم میں فرمایا ہے، جن قرابت داروں سے صلہ رحمی واجب ہے ان کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے بعضوں نے کہا ایسے رشتے دار مراد ہیں جو ذی رحم محرم ہوں اور دوسرے علماء نے فرمایا ہے قریبی رشتہ دار مراد ہے محرم ہو یا نہ ہو، دوسرا قول متون کے مطابق ہے، علامہ نوویؒ نے شرح مسلم میں فرمایا ہے یہی صواب ہے اور اس پر احادیث سے استدلال کیا ہے، ہاں یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ صلہ رحمی کی درجات ہیں چنانچہ تمام رشتہ داروں کی بہ نسبت صلہ رحمی اور حسن سلوک کا سب سے زیادہ تاکیدی حکم والدین کے ساتھ ہے اور احادیث میں اس طرف اشارہ بھی ہے **(قوله ولو كانت بسلام)** تبیین المحارم میں ہے اگر رشتہ دار غائب ہوں (یعنی کسی اور جگہ رہتے ہوں) تو خط لکھ کر صلہ رحمی کرے، اور اگر ان کے پاس جا سکتا ہو تو جانا افضل ہے اگر کسی کے والدین ہوں اور ان کی خواہش ملاقات کی ہو تو خط لکھنا کافی نہیں ہوگا، اور اسی طرح اگر والدین خدمت کے محتاج ہوں تو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی خدمت کرے، **(قوله ويزور هم غبا)** شرح شرعہ میں ہے کہ ایک دن کے ناغہ سے ملاقات کریں اس میں اگر دشواری ہو تو ہر ہفتہ میں یا ہر مہینہ میں اپنے اقرباء کی ملاقات کرے جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔ (درمختار و ردالمحتار المعروف بہ شامی ص ۳۶۲ و ص ۳۶۳ ج ۵ کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع)

غایۃ الاوطار میں ہے: صلہ رحمی میں دس فضیلتیں ہیں (۱) خوشنودی حق تعالیٰ کی (۲) ادخال سرور (۳) فرشتوں کا خوش ہونا (۴) نیک نامی (۵) شیطان کو غمگین کرنا (۶) عمر کا زیادہ ہونا (۷) رزق میں برکت ہونا (۸) سرور اموات (مردوں کی روح خوش ہوتی ہے) (۹) محبت زیادہ ہونا (۱۰) ثواب زیادہ ہونا، موت کے بعد اس واسطے کہ جب اس کا احسان یاد کریں و دعاء خیر کریں گے، زیادت عمر کی تاویل میں اختلاف ہے بعضوں کے نزدیک زیادہ حقیقی مراد ہے اور بعضوں نے کہا کہ بعد موت کے اس کا ثواب لکھا جاتا ہے تو گویا وہ زندہ ہے اور بعضوں نے کہا کہ لوح محفوظ میں طول عمر، صلح رحمی پر معلق ہے، کذا فی الطحطاوی، بخاری اور مسلم میں عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول خدا ﷺ نے کہ رحم یعنی قرابت عرش سے متعلق ہے کہتی ہے جو مجھ سے جوڑے اللہ اس سے جوڑے گا اور جو مجھ سے توڑے اللہ اس سے توڑے گا اور بخاری میں ابوہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس کو اپنے رزق کی کشادگی اور اپنی موت کی تاخیر خوش معلوم ہو وہ اپنی برادری سے احسان کرے اور ترمذی میں روایت ہے کہ اپنے انساب کو سیکھو تا کہ اپنے (رشتہ داروں سے) صلہ رحمی کرو اس واسطے کہ صلہ رحمی سے قرابت والوں سے محبت ہوتی ہے اور مال میں برکت اور موت میں تاخیر ہوتی ہے اور نسائی میں سلمان بن عامر سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ محتاج کی خیرات میں (یعنی کسی محتاج اور ضرورت مند کی امداد کرنے میں فقط ایک ثواب ہے خیرات (یعنی صدقہ) کا اور قرابت والے کو دینے میں دو ثواب ہیں ایک خیرات کا اور دوسرا صلہ رحمی کا کذا فی تیسر الوصل۔ (غایۃ الاوطار، ترجمہ درمختار ص ۲۳۸ ج ۴، کتاب الحظر والاباحۃ)

غور کیجئے! قرآن و حدیث میں صلہ رحمی کی کس قدر اہمیت بیان فرمائی گئی ہے اور کس کس پیرایہ سے اس کی ترغیب ہے، درمختار و شامی کے جزئیات بھی قابل عمل ہیں اگر مسلمان ان تعلیمات پر عمل کریں تو ان کے گھر جنت کا نمونہ بن جائیں اور ان کی زندگی پرسکون اور خوشگوار ہو جائے، درحقیقت صلہ رحمی میں بڑے منافع ہیں اگر رشتہ داروں

میں آپس میں تعلقات اچھے ہوں ایک دوسرے کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہوں تو دلوں میں الفت ومحبت اور ایک دوسرے کی ہمدردی، غم خواری پیدا ہوتی ہے، ضرورت کے وقت ایک دوسرے کا تعاون کرنے اور ہاتھ بٹانے کا موقع ملتا ہے اور بڑے بڑے مشکل کام اور اہم امور آسانی سے پورے ہوجاتے ہیں، اور قطع رحمی اور تعلقات کی کشیدگی کی وجہ سے پریشانیاں بے چینی اور بے اطمینانی کی صورت ہے وہ ختم ہوسکتی ہے، مسلمانوں کو ایسی پاکیزہ تعلیم کی قدر کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت سمجھ کر دل وجان سے عمل کرنا چاہئے کہ آخرت کا اجر وثواب بھی ملتا ہے اور دنیوی زندگی میں بھی سکون حاصل ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور اگر کبھی خدانخواستہ آپس میں رنجش ہوجائے تو جلد از جلد اسے ختم کر کے تعلقات استوار کر لینا چاہئے اور آپس میں بات چیت، صلہ رحمی اور حسن سلوک شروع کردینا چاہے، یہی اسلامی تعلیم ہے اور اسی میں ہماری کامیابی اور نجات ہے، اس کے برعکس رنجش قائم رکھنا اور تین دن سے زیادہ بات چیت اور سلام کلام بند رکھنا بالکل ناجائز اور حرام ہے اور خود کو رحمت خداوندی اور مغفرت الٰہی سے محروم کرنا ہے، احادیث میں بات چیت بند کردینے سے سخت وعیدیں آئی ہیں۔

حدیث میں ہے۔

(۱۲) عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل للرجل ان یھجر اخاہ فوق ثلث لیال یلتقیان فیعرض ھذا ویعرض ھذا وخیرھما الذی یبدأ بالسلام متفق علیہ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۷ باب ماینھی عنہ من التھا جروا لتقاطع)

ترجمہ: حضرت ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کے لئے حلال نہیں ہے کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑ دے (یعنی بات چیت بند کردے) کہ دونوں کا آمنا سامنا (ملاقات) ہو تو ایک ادھر کو منہ پھیرے اور دوسرا ادھر کو منہ پھیرے اور دونوں میں بہترین شخص وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: یہ جو حدیث میں ہے کہ تین روز سے زیادہ کسی سے قطع تعلق نہ کرے یہ مطلقاً نہیں اگر فساق سے بوجہ فسق کے احتراز کرے تو کوئی حرج نہیں یعنی دین کے واسطے دواما بھی بغض فی اللہ جائز ہے، البتہ دنیاوی معاملات میں کسی سے رنجش رکھنا اس کے لئے تین دن کی حد ہے، اگر احتراز وقار کے واسطے ہو کہ کسی سے تعلق رکھنا شان کے خلاف ہے تو اس میں کبر کا شائبہ ہے۔

(ملفوظات معروف بہ ''کلمۃ الحق'' جلد ہشتم ص ۱۲۷)

(۱۳) عن ابی خراش السلمی انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من ھجر اخاہ سنۃ فھو کسفک دمہ رواہ ابو داؤد (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۸ باب ما ینھی عنہ من التھا جر)

ترجمہ: حضرت ابوخراش سلمیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے اپنے بھائی کو ایک سال تک چھوڑے رکھا، (بات چیت بند اور تعلقات توڑے رکھے، تو اس نے گویا اپنے بھائی کا خون کردیا۔)

غور کیجئے! اپنی قبر اور آخرت کی فکر کیجئے، ایک سال تک بات چیت بند رکھنے اور تعلقات منقطع کرنے پر کتنی

سخت وعید ہے، اتنی سخت وعیدوں کے بعد بھی ہم اس پر عمل نہ کریں تو ہمارے گھروں میں کہاں سے چین وسکون آئے گا، اللہ پاک ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

(۱۴)عن ابی هریرة رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یفتح ابواب الجنة یوم الاثنین ویوم الخمیس فیغفر لکل عبد لا یشرک باللہ شیئاً الا کانت بینه وبین اخیه شحناء فیقال انظروا هذین حتیٰ یصطلحا رواه مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۷ ، ص ۴۲۸ باب ما ینهی عنه من التهاجر)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ہر اس بندے کی مغفرت کردی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو مگر اس شخص کی مغفرت نہیں ہوتی کہ اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان کینہ ہو، ارشاد ہوتا ہے کہ ان دونوں کو ابھی رہنے دو، یہاں تک کہ آپس میں صلح کرلیں۔

کون سا مسلمان ہوگا جو اپنے گناہوں کی مغفرت اور بخشش کا خواہش مند نہ ہو، یقیناً ہر مسلمان کی یہی خواہش ہوتی ہے خود بھی دعا کرتا رہتا ہے اور دوسروں سے بھی دعا کی درخواست کرتا ہے کہ اللہ پاک ہمارے گناہوں کو معاف فرمادیں، ہمارے مغفرت فرمادیں، اب حدیث بالا کو عبرت کی نگاہ سے پڑھئے! بات چیت بند کرنے اور دل میں اپنے بھائی کی طرف سے کینہ رکھنے کی بنیاد پر ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے محروم رہتا ہے بلکہ مبارک اور بڑی راتوں میں بھی اس کی مغفرت نہیں ہوتی (حدیث نمبر ۸ ملاحظہ کیجئے) اتنی سخت وعیدوں کے باوجود ہم بات چیت سلام کلام شروع کرنے اور صلہ رحمی کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو ہم سے زیادہ بدنصیب اور سخت دل کون ہوگا، ایسی وعیدوں کو سن کر ہمارے دل نرم ہونے چاہئے اور اپنی قبر اور آخرت کی فکر پیدا ہونی چاہئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم بات چیت کی ابتدا کریں گے تو ہماری ناک نیچی ہوجائے گی، ہماری ناک کٹ جائے گی، بھائیو! آپ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت سے ابتدا کر کے دیکھو نہ ناک نیچی ہوگی، نہ ناک کٹے گی بلکہ اللہ تعالیٰ مزید عزت اور سر بلندی عطا فرمائے گا، انشاء اللہ، حدیث میں ہے من تواضع لله رفعه الله جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند فرماتے ہیں، اس پر یقین کر کے رضاء الٰہی کے لئے آگے بڑھئے انشاء اللہ بہترین نتائج سامنے آئیں گے، اگر آپ قصوروار ہیں، حق ادا کردینا بہت آسان ہے آخرت کا معاملہ بہت سخت ہے، اور اگر آپ بے قصور ہیں تب بھی اللہ کو راضی کرنے کے لئے اپنے نفس کو مار کر سلام میں پہل کیجئے، انشاء اللہ دنیا اور آخرت بن جائے گی۔

کسی نے خوب کہا ہے

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے

کسی اور نے بھی خوب کہا ہے

سالہا تو سنگ باشی دل خراش
آزمودہ یک زمانہ خاک باش

در　بہاراں　کے　شود　سر　سبز سنگ
خاک　شو　تا　گل　بروید　رنگ　برنگ

یعنی:۔تو برسہابرس تک دل خراش پتھر بنارہا،کم ازکم آزمانے کے لئے اب تھوڑی دیر کے لئے مٹی ہوجا (یعنی تواضع اختیار کراور اپنا تکبر اور سنگ دلی چھوڑ دے) موسم بہار میں پتھر سرسبز شاداب کیسے ہوسکتا ہے (سرسبزی اور شادابی کے لئے تو مٹی کی ضرورت ہے لہذا تو بھی) مٹی بن جا،تاکہ اس پر رنگ برنگ کے پھول کھلیں۔

لہذا اگر کسی پر ظلم کیا ہو یا کسی کا کوئی مالی حق دبا رکھا ہو تو اولین فرصت میں معافی مانگ لینا چاہئے اور حق ادا کر دینا چاہئے اور دنیا ہی میں معاملہ صاف کرلینا چاہئے اور مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا چاہئے، اللہ تعالیٰ مظلوم کی بددعا رد نہیں فرماتے ،حدیث میں ہے۔

(۱۵)عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاک ودعوۃ المظلوم فانما یسأل اللہ تعالیٰ حقہ' وان اللہ لا یمنع ذاحق حقہ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۵ باب الظلم)

ترجمہ:حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:مظلوم کی بددعا سے بچو وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا حق مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی حق والے کا حق نہیں روکتا۔

ایک اور حدیث میں ہے:

(۱۶)عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ لا ترد دعوتھم الصائم حین یفطر والا مام العادل ودعوۃ المظلوم یرفعھا اللہ فوق الغمام ویفتح لھا ابواب السماء ویقول الرب وعزتی لا نصر نک ولو بعد حین.(ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۹۹ ابواب الدعوات) (مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۵ کتاب الدعوات)

ترجمہ:حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی ایک روزہ دار کی افطار کے وقت دوسرے عادل بادشاہ کی دعا،تیسرے مظلوم کی جس کو حق تعالیٰ شانہ بادلوں سے اوپر اٹھا لیتے ہیں اور آسمان کے دروازے اس کے لئے کھول دیئے جاتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ میں تیری ضرور مدد کروں گا گو (کسی مصلحت سے) کچھ دیر ہوجائے۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بترس　ازآہ　مظلوماں　کہ　ہنگام　دعا　کردن
اجابت　از　در　حق　بہر　استقبال　می　آید

یعنی:۔مظلوم کی آہ سے ڈرتا رہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے فریاد (بددعا) کرتا ہے تو حق تعالیٰ کے دربار سے قبولیت اس کے استقبال کے لئے آتی ہے (یعنی اس کی بددعا رد نہیں ہوتی)

یہ ہے مظلوم کی بددعا کا مقام دربار الٰہی میں،لہذا مظلوم کی بددعا کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے ظلم وستم سے باز آکر اس کی بددعا سے بچنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے۔

الغرض آپس میں صلح رحمی اور اچھے تعلقات رکھنے سے دنیا اور آخرت کی کامیابی نصیب ہوتی ہے اور بڑے

اجروثواب کا حق دار ہوتا ہے اور باہمی فساد اور قطع تعلقات سے دنیا اور آخرت خراب ہو جاتی ہے، اجر وثواب اور دین برباد ہو جاتا ہے، حدیث میں ہے۔

(۱۷) عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا اخبر کم بافضل من درجة الصیام والصدقة والصلوۃ قال، قلنا بلی، قال اصلاح ذات البین وفساد ذات البین ھی الحالقة (ای المزیلة للخیرات) روہ ابو داؤد والترمذی (مشکوۃ شریف باب ماینھی عنہ من التھاجر والتقاطع واتباع العورات الفصل الثانی ص ۴۲۸)۔

ترجمہ: حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو روزہ، صدقہ اور نماز کے درجہ سے بہتر ہے ہم نے عرض کیا ضرور! ارشاد فرمایا باہمی تعلقات کی درستگی اور باہمی فساد (ثواب اور نیکیوں کو) مونڈنے والا ہے۔

مذکورہ حدیث سے اصلاح ذات البین کا درجہ اور اس کی فضیلت معلوم ہوئی اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپس کی تعلقات کی درستگی کس قدر ضروری ہے اور فساد ذات البین (باہمی فساد) کس قدر نقصان دہ ہے کہ اس میں صرف دنیا کی بربادی نہیں آخرت کی بربادی بھی ہے، اعمال کے اجر وثواب کو ختم کر دیتی ہے۔

اصلاح ذات البین کے متعلق ارشاد خداوندی ہے۔

فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم واطیعوا اللہ ورسولہ ان کنتم مؤمنین. (سورۃ الانفال آیت نمبر ۱ پارہ نمبر ۹)

ترجمہ: تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو (کہ آپس میں حسد اور بغض نہ رہے) اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

تفسیر الدر المنثور میں ہے۔

واخرج ابن ابی شیبة والبخاری فی الادب المفرد وابن مردویة والبیھقی فی شعب الایمان عن ابن عباس فی قولہ تعالی فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم قال ھذا تحریج من اللہ علی المؤمنین ان یتقوا اللہ وان یصلحوا ذات بینھم الخ. (الدر المنثور ص ۱۶۱ ج۳)

ترجمہ: ابن ابی شیبہ نے اور بخاری نے الادب المفرد میں اور ابن مردویہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں اللہ تعالیٰ کے قول " فاتقو اللہ واصلحوا ذات بینکم " کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا" اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو مکلف بنایا ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کریں اور آپس کے تعلقات کی اصلاح کریں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تفسیر معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں۔

لوگوں کے باہمی اتفاق واتحاد کی بنیاد تقویٰ اور خوف خدا ہے:

اس آیت کے آخری جملہ میں ارشاد فرمایا فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم واطیعوا اللہ ورسولہ

ان کنتم مؤمنین ط جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپس کے تعلقات کو درست رکھو۔ الیٰ قولہ۔ اب ان کے دلوں کی اصلاح اور باہمی تعلقات کی خوشگواری کی تدبیر بتلائی گئی ہے جس کا مرکزی نقطہ تقویٰ اور خوف خدا ہے۔

تجربہ شاہد ہے کہ جب تقویٰ اور خوف خدا غالب ہوتا ہے تو بڑے بڑے جھگڑے منٹوں میں ختم ہو جاتے ہیں باہمی منافرت کے پہاڑ گرد بن کر اڑ جاتے ہیں (الیٰ قولہ) اسی لئے اس آیت میں تقویٰ کی تدبیر بتلا کر فرمایا اصلحوا ذات بینکم یعنی بذریعہ تقویٰ آپس کے تعلقات کی اصلاح کرو، اس کی مزید تشریح اس طرح فرمائی۔ واطیعوا اللہ ورسولہ ' ان کنتم مؤمنین . یعنی اللہ اور رسول کی مکمل اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔ یعنی ایمان کا تقاضا ہے اطاعت اور اطاعت کا نتیجہ ہے تقویٰ اور جب یہ چیزیں لوگوں کو حاصل ہو جائیں تو ان کے آپس کی جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے اور دشمنی کی جگہ دلوں میں الفت ومحبت پیدا ہو جائے گی؟ (معارف القرآن ص ۱۷۶، ص ۱۷۷ جلد نمبر ۴)

ایک حدیث میں اصلاح ذات البین کی فضیلت اس طرح ارشاد فرمائی ہے۔

(۱۸) افضل الصدقة اصلاح ذات البین .

ترجمہ: افضل صدقہ آپس میں صلح کرا دینا ہے۔

(کتاب الشہاب فی الحکم والامثال والآداب مع ترجمہ جوامع الکلم لسید الامم ص ۱۴۵ حدیث نمبر ۹۷۶)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے وصایا میں ہے: "اس کے بعد اپنی سب اولاد کو مخاطب کیا، چست بن کر عبادت پر کمر بستہ رہو، اسلام ہی پر مرنا، سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑنا، آپس میں ملاپ رکھنا، حضور ﷺ نے فرمایا ہے آپس کا ملاپ نماز روزے سے بھی افضل ہے، رشتہ داروں کا خیال رکھنا، یتیموں، پڑوسیوں کی مدد کرنا الخ۔ (بحوالہ "وصایا" وصیت نامے) ص ۲۵ مرتب افتخار فریدی)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا اس موضوع پر ایک وعظ ہے۔ جس کا نام "اصلاح ذات البین" ہے پورا وعظ قابل مطالعہ ہے اس میں سے کچھ اقتباس ملاحظہ فرمائیے اما بعد " فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایاکم وفساد ذات البین فانها هی الحالقة لا اقول انها تحلق الشعر ولکن تحلق الدین . یہ ایک حدیث ہے۔ یعنی ارشاد ہے جناب رسول اللہ ﷺ کا جس میں آپ نے آپس کی خرابی ونا اتفاقی وفساد کے ضرر پر مطلع فرمایا ہے۔ الیٰ قولہ۔ حدیث میں فرماتے ہیں " ایاکم وفساد ذات البین " یعنی باہم تعلقات کے بگاڑنے سے بچو...... ایسا اختلاف جو فساد میں داخل ہو وہ مراد ہوگا، اس کے بعد ارشاد فرمایا " هی الحالقة " فساد باہمی سے بچو اس لئے کہ وہ مونڈنے والی چیز ہے لا اقول تحلق الشعر بل تحلق الدین میں یہ نہیں کہتا ہو کہ بالوں کو مونڈ دیتی ہے بلکہ دین کو مونڈ دیتی ہے یعنی باہمی فساد سے دین برباد ہو جاتا ہے۔ الیٰ قولہ۔ اس تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ دین کا ضرر ایسا ضرر ہے جس سے دنیا کی راحت بھی برباد ہو جاتی ہے، پس فساد سے اول دین کا ضرر ہوتا ہے اور دین کے ضرر سے دنیا بھی برباد ہو جاتی ہے، اور فساد سے دنیا کا برباد ہونا ایسا بدیہی ہے کہ اس کے لئے مقدمات ودلائل کی ضرورت نہیں بلکہ مشاہدہ ہی کافی ہے۔ چنانچہ پہلا اثر فساد کا یہ ہوتا ہے کہ دو شخصوں میں عداوت پیدا ہو جاتی ہے ہر

شخص دوسرے سے غیر مطمئن ہو جاتا ہے پھر عداوت میں ہر قسم کے ضرر کا احتمال ہوتا ہے گو دشمن ضعیف ہی ہو۔ بقول سعدیؒ

دانی کہ چہ گفت زال بارستم گرد
دشمن نتواں حقیر و بیچارہ شمرد

یعنی: دشمن کو کبھی حقیر نہ سمجھنا چاہئے، اس سے ہوشیار رہنا چاہئے ......الیٰ قولہ۔ سو عداوت میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ اس کی فکر میں رہتا ہے اور یہ اس کی بس دق سی لگ جاتی ہے اور ہر شخص کا حال مدقوق سا ہو جاتا ہے، دونوں کے دل کو گھن لگ جاتی ہے پھر آگے عداوت کا سلسلہ بہت دور تک چلتا ہے وہ اس کو ذلیل کرنا چاہتا ہے یہ اس کو، وہ اسے مالی اور جانی نقصان پہنچانا چاہتا ہے، اور یہ اس کو یہ اس کی آبرو اتارنا چاہتا ہے وہ اس کی، یہاں تک کہ جائز ناجائز کا بھی خیال
نہیں رہتا، اب اگر کسی سے کہو کہ بھائی یہ طریقہ انتقام کا ناجائز ہے تو کہتے ہیں کہ اگر ہم جائز و ناجائز ہی میں رہے تو دوسرا اچھی طرح سے کسر نکال لے گا جب دوسرے کو دین کی پروا نہیں تو ہم کیسے پروا کریں، اب دنیا کے ساتھ دین بھی برباد ہونے لگا۔ الیٰ قولہ۔ شیطان اسی لئے اس شخص سے بہت خوش ہوتا ہے جو میاں بی بی میں لڑائی کرادے، حدیث میں آتا ہے کہ شیطان شام کو دریا پر اپنا تخت بچھاتا ہے اس وقت سارے شطونگڑے اپنی اپنی کارروائی آ کر بیان کرتے ہیں، ایک کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کی نماز قضا کرادی ایک کہتا ہے کہ میں نے ایک آدمی سے زنا کرادیا شیطان سب سے کہتا ہے کہ تم نے کچھ نہیں کیا (کیونکہ ان گناہوں کا کفارہ ایک توبہ استغفار سے ہوسکتا ہے) پھر ایک کہتا ہے کہ میں نے میاں بی بی میں لڑائی کرادی پھر وہاں سے ٹلا نہیں یہاں تک کہ شوہر نے بی بی کو طلاق ہی دے دی شیطان اس کو گلے سے لگالیتا ہے اور بہت شاباشی دیتا ہے کہ ہاں تو نے بڑا کام کیا۔ اس میں راز یہ ہے کہ اگر دوسروں میں عداوت ہو تو اس کا اثر دور تک نہیں پہنچتا، اور میاں بی بی میں لڑائی اور طلاق ہو جائے تو دونوں کے خاندان میں جنگ ہو جاتی ہے، دو کی عداوت سے سو۱۰۰ میں عداوت قائم ہو جاتی ہے، شیطان کو اتنی فرصت کہاں جو سو۱۰۰ آدمیوں میں الگ الگ عداوت پیدا کرے، بس وہ دو میاں بی بی میں عداوت کرا دیتا ہے اس سے خود بخود دور تک سلسلہ پہنچ جاتا ہے۔ (التبلیغ کا وعظ نمبر ۱۲ المسمی بہ اصلاح ذات البین)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ مہاجر مدنی فضائل رمضان میں تحریر فرماتے ہیں۔

(۱۹) عن عبادة بن الصامت قال خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیخبرنا بلیلة القدر فتلاحیٰ رجلان من المسلمین فقال خرجت لا خبر کم بلیلة القدر فتلاحیٰ فلان وفلان فرفعت وعسیٰ ان یکون خیراً لکم فالتمسوھا فی التاسعة والسابعة والخامسة .(مشکوٰة عن البخاری)

ترجمہ: حضرت عبادہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اس لئے باہر تشریف لائے تا کہ ہمیں شب قدر کی اطلاع فرمادیں مگر دو مسلمانوں میں جھگڑا ہو رہا تھا، حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس لئے آیا تھا کہ تمہیں شب قدر کی خبر کردوں مگر فلاں فلاں شخصوں میں جھگڑا ہو رہا تا کہ جس کی وجہ سے اس کی تعین اٹھالی گئی، کیا بعید ہے کہ یہ اٹھالینا اللہ کے علم میں بہتر ہو، لہٰذا اب اس رات کو نویں اور ساتویں اور پانچویں رات میں تلاش کرو۔

ف:۔ اس حدیث میں تین مضمون قابل غور ہیں، امر اول جو سب سے اہم ہے وہ جھگڑا ہے، جو اس قدر سخت بری چیز ہے کہ اس کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے شب قدر کی تعیین اٹھالی گئی، اور صرف یہی نہیں بلکہ جھگڑا ہمیشہ برکات سے محرومی کا سبب ہوا کرتا ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمہیں نماز روزہ، صدقہ وغیرہ سب سے افضل چیز بتلاؤں، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا ضرور، حضور ﷺ نے فرمایا کہ آپس کا سلوک سب سے افضل ہے، اور آپس کی لڑائی دین کو مونڈنے والی ہے، یعنی جیسے استرے سے سر کے بال ایک دم صاف ہوجاتے ہیں، آپس کی لڑائی سے دین بھی اسی طرح صاف ہوجاتا ہے، دنیادار دین سے بے خبر لوگوں کا کیا ذکر جب کہ بہت سے لمبی لمبی تسبیحیں پڑھنے والے دین کے دعویدار بھی ہر وقت آپس کی لڑائی میں مبتلا رہتے ہیں، اول حضور ﷺ کے ارشاد غور سے دیکھیں اور پھر اپنے اس دین کی فکر کریں جس کے گھمنڈ میں صلح کے لئے جھکنے کی توفیق نہیں ہوتی، فصل اول میں روزہ کے آداب میں گذر چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کی آبروریزی کو بدترین سود اور خبیث ترین سود ارشاد فرمایا ہے، لیکن ہم لوگ لڑائی کے زور میں نہ مسلمان کی آبرو کی پروا کرتے ہیں نہ اللہ اور اس کے سچے رسول ﷺ کے ارشادات کا خیال، خود اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے **ولا تنازعوا فتفشلوا الآیۃ** اور نزاع مت کرو، ورنہ کم ہمت ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی (بیان القرآن) آج وہ لوگ جو ہر وقت دوسروں کا وقار گھٹانے کی فکر میں رہتے ہیں تنہائی میں بیٹھ کر غور کریں کہ خود وہ اپنے وقار کو کتنا صدمہ پہنچا رہے ہیں اور اپنی ان ناپاک اور کمینہ حرکتوں سے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کتنے ذلیل ہو رہے ہیں، اور پھر دنیا کی ذلت بدیہی نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ چھوٹ چھٹاؤ رکھے اگر اس حالت میں مرگیا تو سیدھا جہنم میں جاوے گا، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ہر پیر و جمعرات کے دن اللہ کی حضوری میں بندوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں، اور اللہ جل شانہٗ کی رحمت سے نیک اعمال کی بدولت مشرکوں کے علاوہ اوروں کی مغفرت ہوتی رہتی ہے مگر جن دو میں جھگڑا ہوتا ہے ان کی مغفرت کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ ان کو چھوڑے رکھو جب تک صلح نہ ہو، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ہر پیر اور جمعرات کو اعمال کی پیشی ہوتی ہے اس میں توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول ہوتی ہے اور استغفار کرنے والوں کی استغفار قبول کی جاتی ہے مگر آپس میں لڑنے والوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے، ایک جگہ ارشاد ہے کہ شب برأت میں اللہ کی رحمت عامہ خلقت کی طرف متوجہ ہوتی ہے (اور ذرا ذرا سے بہانہ سے) مخلوق کی مغفرت فرمائی جاتی ہے مگر دو شخصوں کی مغفرت نہیں ہوتی ایک کافر دوسرا وہ جو کسی سے کینہ رکھے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ تین شخص ہیں جن کی نماز قبولیت کے لئے ان کے سر سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں جاتی، جن میں آپس کے لڑنے والے بھی فرمائے ہیں۔ یہ جگہ ان روایات کے احاطہ کی نہیں ہے مگر چند روایات اس لئے لکھ دی ہیں کہ ہم لوگوں میں عوام کا ذکر نہیں خواص میں اور ان لوگوں میں جو شرفاء کہلاتے ہیں، دیندار سمجھے جاتے ہیں ان کی مجالس، ان کے مجامع ان کی تقریبات اس کمینہ حرکت سے لبریز ہیں، **فالی اللہ المشتکی و اللہ المستعان** لیکن ان سب کے بعد یہ بھی معلوم ہونا ضروری ہے کہ یہ سب دنیوی دشمنی اور عداوت پر ہے، اگر کسی شخص کے فسق کی وجہ سے یا کسی دینوی امر کی حمایت کی وجہ سے ترک تعلق کرے تو جائز ہے، حضرت ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا تو ان کے بیٹے نے اس پر ایسا لفظ کہہ دیا جو صورتاً حدیث پر اعتراض تھا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مرتے دم تک ان سے نہیں بولے، اور بھی اس قسم کے واقعات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں،

لیکن اللہ تعالیٰ شانہ دانا و بینا ہیں قلوب کے حال کو اچھی طرح جاننے والے ہیں اس سے خوب واقف ہیں کہ کون سا ترک تعلق دین کے خاطر ہے اور کون سا اپنی وجاہت اور کسر شان اور بڑائی کی وجہ سے ہے۔ دیسے تو ہر شخص اپنے کینہ اور بغض کو دین کی طرف منسوب کر ہی سکتا ہے۔ (فضائل رمضان ص ۴۲ جس ۴۳، فصل ثانی، شب قدر کے بیان میں۔ حدیث نمبر ۵)

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے "الا عتدال فی مراتب الرجال" معروف بہ "اسلامی سیاست" میں بھی اس کے متعلق بہت مفید مضمون تحریر فرمایا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی یہاں نقل کردیا جائے، اللہ پاک ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں، ملاحظہ ہو۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص مسلمان کی عیب پوشی کرتا ہے حق تعالیٰ شانہ قیامت میں اس کی عیب پوشی کریں گے اور جو شخص مسلمان کی پردہ دری کرتا ہے حق تعالیٰ شانہ اس کی پردہ دری کرتے ہیں، حتیٰ کہ وہ اپنے گھر میں (چھپ کر) کوئی عیب کرتا ہے تب بھی اس کو فضیحت کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بلند آواز سے ارشاد فرمایا اے وہ لوگو جن کی زبان پر اسلام ہے اور ان کے دلوں تک ایمان نہیں پہنچا، تم مسلمانوں کو نہ ستاؤ اور ان کے عیوب کے درپے نہ ہو، جو شخص مسلمان کے عیب کے درپے ہوتا ہے حق تعالیٰ شانہ اس کی پردہ دری فرماتے ہیں اور جس کے عیب کو اللہ جل شانہ کھولنا چاہیں اس کو گھر کے اندر کئے ہوئے کام پر بھی رسوا کردیتے ہیں، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ بیت اللہ شریف کو دیکھا اور دیکھ کر فرمایا کہ تو کتنا بابرکت اور باعظمت گھر ہے لیکن اللہ کے نزدیک مسلمان کا احترام تجھ سے کہیں زیادہ ہے۔ (ترغیب)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اپنے بھائی کی کسی تکلیف پر اظہار مسرت و خوشی نہ کر، (اگر ایسا کرے گا) تو حق تعالیٰ شانہ اس پر رحم فرما کر تجھے اس مصیبت میں مبتلا کردیں گے (ترغیب)

ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ لوگ ہیں جو خوش اخلاق ہوں، اپنے بازوؤں کو نرم کرنے والے ہوں (یعنی ذرا ذرا سی بات پر اکڑنے اور آستینیں سوتنے والے نہ ہوں) الفت کرنے والے ہوں اور دوسروں کے درمیان تعلقات پیدا کرنے والے ہوں اور مجھے سب سے زیادہ ناپسند اور میرے نزدیک زیادہ مبغوض وہ لوگ ہیں جو چغلخوری کرنے والے ہوں، دوستوں میں تفریق اور اختلاف پیدا کرنے والے ہوں اور جو لوگ بری ہوں ان کے لئے عیب جوئی کرنے والے ہوں۔ (ترغیب)

حضور کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص تجھے کسی ایسے عیب سے رسوا کرے جو تجھ میں ہے تو تو اس کے جواب میں بھی ایسے عیب سے اس کو رسوا نہ کر جو اس میں ہے تجھے اس کا اجر ملے گا اور اس کے کہنے پر وبال اس پر رہے گا۔ (ترغیب)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ آپس میں قطع تعلقات نہ کرو۔ ایک دوسرے سے پشت نہ پھیرو۔ آپس میں بغض نہ رکھو، ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو، کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ ترک کلام کرے (ترغیب)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کے یہاں ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ کو اعمال کی پیشی ہوتی ہے اور ہر اس شخص کے لئے مغفرت کی جاتی ہے جو شرک نہ کرتا ہو، البتہ جن دو شخصوں میں کینہ اور عداوت ہو ان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ ان کو ابھی رہنے دو جب تک آپس میں صلح نہ کریں۔ (بخاری ترغیب)

حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کو کافر اللہ کا دشمن کہہ کر پکارے اور وہ ایسا نہ ہو تو یہ کلمہ کہنے والے پر لوٹ جاتا ہے۔ (بخاری ترغیب)

حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے، دوسری حدیث میں ہے کہ مسلمان کو گالی دینے والا اپنی ہلاکت کا سامان کرنے والا ہے۔ (ترغیب)

حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کا ایسی بات کے ساتھ ذکر کرے جو اس میں نہیں ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کو جہنم میں مقید فرما کر کہیں گے کہ اپنے کہے ہوئے کو سچا کر (ترغیب)

ایک حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہو اور بدترین بندے وہ ہیں جو چغل خوری کرنے والے ہوں، دوستوں کے درمیان تفریق پیدا کرنے والے ہوں اور ایسے لوگوں کے لئے عیوب تلاش کرنے والے ہوں جو ان سے بری ہیں۔ (ترغیب)

حضور اقدس ﷺ نے حجۃ الوداع میں خطبہ پڑھا اور اس میں اعلان فرمایا کہ تم لوگوں کے خون اور آبروئیں اور مال تم پر ہمیشہ کے لئے ایسے ہی حرام ہیں جیسا کہ آج اس محترم شہر محترم مہینہ اور محترم دن میں ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر جان و مال اور آبرو حرام ہے، ایک حدیث میں ہے کہ بڑے سے بڑے سود کے حکم میں ہے مسلمان کی آبروریزی کرنا اس مضمون میں کئی حدیثیں مختلف الفاظ سے ذکر کی گئی ہیں جن میں سے بعض احادیث کا تذکرہ پہلے بھی آچکا ہے مگر ہم لوگوں کے یہاں مسلمان کی آبروریزی اس قدر سہل ہے کہ معمولی سی بات پر بلکہ محض گمان اور احتمال پر اس کی آبروریزی میں ذرا بھی باک نہیں ہے، اللہ کی نزدیک مسلمان کی آبرو اتنی بڑی چیز ہے کہ اس کو بدترین سود فرمایا ہے اور بہت ہی کثرت سے یہ مضمون احادیث میں وارد ہوا ہے، ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ بدترین سود کسی مسلمان کو دوسرے پر گالیوں کے ساتھ بڑھانا ہے (جامع) یعنی ایک کے وقار کو گالیاں دے کر گرایا جائے تا کہ دوسری کے وقار کو بڑھایا جائے، آج انصاف اور غور سے دیکھا جائے کہ جتنی جماعتیں بھی ہم لوگوں میں قائم ہیں سیاسی ہوں یا غیر سیاسی ہر جماعت کے کتنے افراد ایسے ہیں جو دوسری جماعت کے اکابر کو خواہ وہ علماء ہوں یا لیڈر صرف اس لئے برا بھلا کہتے ہیں کہ ان کا وقار گرایا جانے اور اپنی جماعت کا وقار بڑھایا جائے اور پھر لطف یہ ہے کہ ہر شخص اس کو برا بھی سمجھتا ہے اور برا کہتا بھی ہے دوسروں کی اس بات کی شکایت کرتا ہے کہ وہ گالیاں دیتے ہیں، برا بھلا کہتے ہیں لیکن اپنے گریبان میں منھ ڈال کر نہیں دیکھتا اپنی جماعت کے اقوال و افعال کو نہیں دیکھتا یہ کوئی نہیں سوچتا این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے یبصر احدکم القذی فی عین اخیه ینسی الجذع فی عینه (جامع) تم میں بعض آدمی دوسرے کی آنکھ کا تنکا دیکھتے ہیں اور اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا، اس بات کو خوب غور سے سن لو، یہ بات نہایت اہم اور ضروری ہے کہ مسلمان کی آبروریزی اللہ کے نزدیک سخت ہے اور بہت ہی سخت وعیدیں اس بارے میں آئی ہیں، حضور ﷺ کا ارشاد ہے مسلمان کی آبرو میں بغیر حق

کے زبان درازی بدترین سود ہے (جامع) بغیر حق کا مطلب یہ ہے کہ جہاں شریعت نے اجازت دی ہے وہاں جائز ہے اور جہاں جائز نہیں وہ بغیر حق کے ہے، ایک حدیث میں ہے کہ سود کا کمتر درجہ ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے صحبت کرنا اور بدترین سود مسلمان کی آبروریزی کرنا ہے (جامع)

ایک حدیث میں ہے کہ سود کے بہتر دروازے ہیں جن میں سب سے کم درجہ ایسا ہے جیسا اپنی ماں سے صحبت کرنا اور سب سے بڑھا ہوا سود مسلمان کی آبروریزی میں زبان درازی ہے (جامع) ایک حدیث میں ہے کہ سود کے تہتر دروازے ہیں جن میں سب سے ہلکا ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے صحبت کرنا اور سب سے بڑھا ہوا سود مسلمان کی آبرو ہے یعنی اس کی آبروریزی کرنا، ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ مومن کی آبروریزی کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور ایک گالی کے بدلہ میں دو گالیاں دینا میں کبیرہ گناہوں میں سے ہے (جامع) ایک حدیث میں ہے کہ جب میری امت ایک دوسرے کو آپس میں گالیاں دینے لگے گی تو اللہ کی نگاہ سے گر جائے گی۔ (رسالہ تبلیغ)

نبی اکرم ﷺ کا تو اس بارے میں اہتمام یہاں تک ہے کہ جماعت کے بڑوں سے معمولی لغزشوں کو نظر انداز کرنے کا بھی حکم ہے، چنانچہ ارشاد ہے **اقیلو اذوی الھیئات عثراتھم الاالحدود** (جامع) ذی وجاہت لوگوں سے حدود کے سوا ان کی لغزشوں سے درگذر کیا کرو، یعنی اگر کوئی حد یعنی زنا چوری وغیرہ کا شرعی ثبوت ان پر ہو جائے تو دوسری بات ہے کہ ان چیزوں کے ثبوت کے بعد تو کسی کی بھی رعایت نہیں ہے، ان کے علاوہ ان کی معمولی لغزشوں سے درگذر کیا کرو، اور حدود کے بارے میں بھی جب تک شرعی ثبوت نہ ہو اس وقت تک کسی کو محض بدگمانی یا ذاتی مخالفت پر متہم کرنا جائز نہیں، سورۂ نور میں قرآن کا زنا کے بارے میں صاف فیصلہ ہے کہ اگر یہ لوگ چار عینی شاہد نہ لاویں تو یہ خود (شرعی قواعد میں) جھوٹے ہیں، لیکن ہماری یہ حالت ہے کہ جس سے مخالفت ہو اس کے متعلق جیسا چاہے گندہ سے گندہ کارٹون طبع کرالو، جس قدر شرمناک مضمون چاہو اس کے متعلق لکھوالو، زانی اور شرابی کہہ دینا تو ایک معمولی سی بات ہے، شریعت کا قانون یہ ہے کہ جب تک شرعی ثبوت نہ ہو تہمت لگانے والوں کے اسی اسی کوڑے حدقذف (تہمت) لگاؤ، لیکن ہمارے یہاں الزام لگانے کے واسطے کسی شرعی شہادت کی ضرورت نہیں، حالانکہ کسی سچے الزام کے قائم کرنے کے واسطے بھی ایسے عادل گواہوں کی ضرورت ہے جن کی عدالت کا حال محقق ہو چہ جائیکہ خود ہی اپنی طرف سے افتراء کرلیا جائے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ شیطان بھی کبھی آدمی کی صورت میں ظاہر ہو کر جھوٹی بات کہہ دیتا ہے، مجمع اس کو سنتا ہے اور پھر وہ مجمع متفرق ہو کر اس کو کہنے لگتا ہے کہ میں نے خود ایک آدمی سے ایسا سنا ہے، میں اس کا نام تو جانتا نہیں صورت پہچانتا ہوں (مشکوٰۃ بروایت مسلم)

اس لئے محض کسی جلسہ میں کسی مجمع میں کسی نامعروف آدمی سے کوئی بات سن کر اس کا یقین کر لینا بھی زیادتی ہے تاوقتیکہ شرعی قواعد سے ثابت نہ ہو البتہ ایسے شخص کے متعلق احتیاط کرنا انتظاماً اس سے علیحدہ رہنا یا اس کو علیحدہ کر دینا یہ امر آخر ہے، مگر اس پر حکم لگانا امر آخر ہے، اس کو غور سے سمجھ لینا چاہئے کہ کسی شخص سے علیحدہ رہنا یا اس کو علیحدہ کر دینا یہ انتظاماً سیاسۃً احتیاطاً بھی ہو سکتا ہے مگر اس پر کسی الزام کو قائم کر دینا یہ شرعی ثبوت ہی کا محتاج ہے، اور یہ فرضی الزامات عموماً انفرادی اور جماعتی حسد سے پیدا ہوتے ہیں کہ دوسرے کا بڑھتا ہوا دیکھنا گوارہ نہیں ہوتا، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ کینہ اور حسد نیکیوں کو ایسا کھا جاتے ہیں جیسے کہ آگ ایندھن کو کھا لیتی ہے (جامع) حالانکہ یہ لوگ جو

شخص بدگمانیوں سے دوسروں کے ذمہ الزام تراشتے ہیں اگر نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کو غور سے دیکھیں تو ان کو معلوم ہو جائے کہ ان الزامات سے اپنا بھی نقصان کرتے ہیں کہ جس قسم کا معاملہ یہ دوسروں کے ساتھ کرتے ہیں ویسا ہی ان کے ساتھ بھی کیا جائے گا، حضور ﷺ کا ارشاد ہے **کما تدین تدان** . (مقاصد حسنہ) جیسا کرو گے ویسا بھرو گے، ایک حدیث میں وارد ہے کہ بھلائی اور نیکی پرانی نہیں ہوتی اور گناہ بھلایا نہیں جاتا اور دیان (بدلہ دینے والی ذات یعنی حق تعالیٰ شانہٗ) کے لئے موت نہیں (وہ حی وقیوم ہے ہر شخص کے ہر فعل کو دیکھتا ہے) جیسے چاہو عمل کرلو جیسا کرو گے ویسا ہی بھرو گے، ایک حدیث میں تورات سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ جیسا کرو گے ویسا ہی بدلہ پاؤ گے اور جس پیالہ سے دوسرے کو پلاؤ گے اسی پیالہ سے پیو گے (مقاصد حسنہ) ایک حدیث میں انجیل سے نقل کیا گیا ہے کہ جیسا کرو گے ویسا ہی بھرو گے اور جس ترازو سے تول کر دو گے اس ترازو سے تول کر تم کو دیا جائے گا (جامع الصغیر)

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی مدد سے ایسے وقت میں دست برادری کرتا ہے جس وقت اس کی اہانت کی جارہی ہو اس کی آبروریزی کی جارہی ہو تو حق تعالیٰ شانہ ایسے وقت میں اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے جس وقت یہ خود مدد کا ضرورت مند ہوگا، اور جو کسی مسلمان کی مدد ایسے وقت میں کرے گا جب کہ اس کی آبروریزی کی جارہی ہو اور اس کی اہانت کی جارہی ہو تو حق تعالیٰ شانہ اس شخص کی ایسے وقت میں مدد فرمائیں گے جس وقت کہ اس کو مدد کی ضرورت ہو (مشکوٰۃ)

حضرت ابوذر غفاریؓ مشہور صحابی ہیں، ان کا ایک طویل قصہ حدیث کی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے جس کے اخیر میں یہ مضمون ہے کہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے کچھ وصیت فرما دیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں، یہ تمام چیزوں کے لئے زینت ہے (اور حقیقت میں جو شخص ہر امر میں اللہ سے ڈرتا ہے تو پھر وہ کسی عیب یا مصیبت میں گرفتار ہو ہی نہیں سکتا) انہوں نے عرض کیا، کوئی اور بات بھی بتا دیجئے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تلاوت قرآن اور اللہ کے ذکر کی کثرت رکھا کرو کہ یہ آسمانوں میں تمہارے ذکر تذکرے کا سبب ہے اور زمین میں تمہارے لئے انوار کی کثرت کا سبب ہے انہوں نے اور اضافہ چاہا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اکثر چپ رہا کرو کہ یہ شیطان کے دفعیہ کا سبب ہے (کہ زبان کی بدولت وہ بہت سے ہلاکت کے مواقع میں پھنسا دیتا ہے) اور چپ رہنا دینی کاموں کے اہتمام میں معین ہے (کہ جس شخص کو فضول گوئی کا مرض ہوتا ہے بہت سے دینی کاموں سے محروم رہتا ہے) انہوں نے اور اضافہ چاہا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ ہنسنے سے احتراز کیا کرو کہ اس سے دل مرجاتا ہے اور چہرہ کی رونق زائل ہو جاتی ہے، انہوں نے اور زیادتی چاہی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق بات کہو چاہے کڑوی ہی معلوم ہو، انہوں نے اور اضافہ چاہا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے بارے میں کسی کی ملامت کی پروانہ کرو اور پھر اضافہ کی درخواست پر ارشاد فرمایا کہ اپنے عیوب پر نظر کرنا تمہیں دوسروں کے عیوب پر نظر کرنے سے روک دے۔ (مشکوٰۃ)

یہ اخیر کلام میرا اس جگہ مقصود ہے کہ ہم لوگ ہر وقت دوسروں کے عیوب کی فکر میں رہتے ہیں اگر ہمیں اپنے عیوب پر نظر کا چسکہ پڑ جائے تو نہ دوسروں کے عیوب دیکھنے کی فرصت ملے نہ ان کو پھیلانے کی ہمت پڑے کہ ہر وقت اپنے عیوب کا فکر دامنگیر رہے

مرا پیر دانائے مرشد شہاب
دو اندر ز فرمود برروئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بین مباش
دگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش

(وصیت نامہ حضرت رائے پوری)

(الاعتدال فی مراتب الرجال معروف بہ اسلامی سیاست ص ۱۲۷ تا ص ۱۳۵)

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

''ان چیزوں کا اجر (یعنی بڑوں، چھوٹوں کے حقوق کی رعایت کا اجر جس کا وسیع نام اصلاح ذات البین ہے) ارکان سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہی ہے، ارکان کی رکنیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے جو زندگی چاہتے ہیں وہ ان ارکان سے پیدا ہوسکتی ہے نیز اصلاح ذات البین کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کے حق میں شفیق و کریم اور رؤف و رحیم ہے لیکن بندے تو ایسے ہی ہیں جیسے کہ تم خود ہو لہذا ان کے حقوق کی ادائیگی کا معاملہ نہایت اہم ہے۔'' (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۲۸، ملفوظ نمبر ۱۵۱، مرتب حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم)

خلاصہ یہ ہے کہ آپس میں میل محبت سے رہنا اور اپنے دل کو حسد اور بغض اور کینہ سے پاک صاف رکھنا بہت ضروری ہے۔ حدیث میں ہے۔

(۲۰) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تقاطعوا ولا تدابروا ولا تباغضوا ولا تحاسدوا وکونوا عباد الله اخوانا کما امرکم الله (مسلم شریف ج ۲ ص ۲۱۶ باب تحریم الظن والتجسس)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آپس میں قطع تعلق نہ کرو اور ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو اور آپس میں بغض نہ رکھو اور حسد نہ کرو، اور اللہ کے بندو! سب بھائی بھائی بن کر رہو جیسا کہ اللہ نے تم کو حکم فرمایا ہے۔

(۲۱) عن انس رضی الله عنه قال قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم یا بنی ان قدرت ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبک غش لا حد فافعل ثم قال یا بنی ذلک من سنتی ومن احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة رواه الترمذی (مشکوٰة شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیٹا! اگر تم اس بات پر قدرت رکھتے ہو کہ تم اس حالت میں صبح و شام کرو کہ تمہارے دلوں میں کسی کی طرف سے کھوٹ (کینہ، کپٹ) نہ ہو تو تم ایسا ضرور کرو، پھر ارشاد فرمایا یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

دل کو بغض اور کینہ سے صاف رکھنا اتنا اونچا اور بڑا عمل ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اہتمام کے ساتھ اس کی تعلیم فرمائی اور اسے اپنی سنت فرمایا، حدیث پاک کا مقتضی یہ ہے کہ ہر مومن کی طرف سے دل صاف رکھنا چاہئے جب ہر مومن کی طرف سے دل صاف رکھنے کا حکم ہے تو اپنے رشتہ داروں کی طرف سے دل صاف رکھنا کتنا ضروری ہوگا اس کا خود اندازہ لگایا جا سکتا ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے یہ جواب مرتب ہوا، حق تعالیٰ اپنے فضل سے قبول فرمائے اور تمام مسلمانوں کو قرآن و حدیث کی ان زریں تعلیمات اور ہدایات پر عمل کرنے اور جملہ اہل ایمان کو آپس میں صلہ رحمی کرنے اور قطع رحمی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے آمین بحرمۃ النبی الامی صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

اولاد کی تربیت کی خاطر ماں باپ سے علیحدہ رہنا:

(سوال ۸۰) شوہر بیوی دیندار ہیں اور ان کی ایک چھوٹی بچی ہے جو چار ماہ کی ہے اور ان کے گھر میں شوہر کے والدین ہیں لیکن وہ دیندار نہیں ہیں اور ان کے یہاں ٹی وی بھی ہے، شوہر کام پر جاتے ہیں اور بیوی جب تعلیم و اجتماع میں جاتی ہے تو بچی کو گھر میں سلا کر جاتی ہے لیکن جب وہ تعلیم یا اجتماع سے واپس لوٹتی ہے تو بچی کو ٹی وی کے پاس پاتی ہے یعنی اس کے ساس سسر بچی کو اپنے پاس بٹھا لیتے ہیں اور سامنے ٹی وی چلتا رہتا ہے (صبح سے لے کر رات تک ٹی وی چلتا رہتا ہے) تو بچی کی نگاہ اس ٹی وی پر رہتی ہے، بیوی شوہر سے کہتی ہے کہ ہم الگ ہو کر رہیں گے تاکہ ٹی وی سے بچ جائیں، لیکن شوہر کو اپنے والدین کے پاس ہی رہنا ہے حالانکہ ان کے شوہر بھی دیندار ہیں تو اب کیا کیا جائے۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ اولاد ماں باپ کے پاس اللہ کی امانت ہے ان کی صحیح تربیت اور بچپن ہی سے ان کو علم و ادب سے روشناس کرانا والدین کی بہت بڑی ذمہ داری ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے فتاویٰ رحیمیہ جلد چہارم (جدید ترتیب میں کتاب العلم والعلماء، میں دیکھ لیا جائے۔ (ص ۱۴۶ تا ۱۵۲ از مرتب)

اور اولاد کی تعلیم و تربیت میں گھر کے ماحول کو بڑا اثر ہوتا ہے، ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

اذا کان رب البیت بالطبل ضاربا

فلا تلم الاولاد فیھا علی الرقص

جب گھر کے بڑے لوگ ڈھول تاشہ بجاتے ہوں تو اس گھر میں اولاد کے ناچنے اور گانے بجانے پر ملامت مت کرو، ٹی وی، وی سی آر، خرابی میں ڈھول تاشوں سے کہیں بڑھ کر ہے، ٹی وی پر گانے بجانے کے علاوہ بے حیائی کے فحش مناظر بھی سامنے آتے ہیں اور بچوں کی اخلاقی حالت پر اس سے بہت برا اثر پڑتا ہے اور بچوں کے صاف اور کھلے ذہن پر اس کا اثر یقیناً پڑے گا۔

صورت مسئولہ میں بچی شیر خوار اور بہت چھوٹی ہے، بظاہر اس پر اثر ہونا نظر نہیں آتا مگر اس کے کان سے گانے کی آواز اس کے دل و دماغ پر پہنچتی ہے اس کا اثر یقیناً ہوگا، بچہ کی ولادت کے بعد اس کے دائیں کان میں اذان

اور بائیں کان میں اقامت دی جاتی ہے، یہ ہدایت بیکار نہیں ہوسکتی یقیناً بچہ کے دل و دماغ پر اس کا اثر ہوتا ہوگا تب ہی شریعت نے یہ ہدایت دی ہے، لہٰذا جب پیدا ہوتے ہی اس کے دل میں اللہ رب العزت کی عظمت و کبریائی توحید رسالت اور نماز اور دائمی فلاح کے دعوت دی گئی، اب گانے بجانے کی آواز پہنچانا کسی حال میں پسندیدہ نہیں ہوسکتا اور اس کا بھی اس بچی پر اثر ہوگا، لہٰذا سوال میں جو بات درج ہے اگر وہ صحیح ہے تو شوہر کو چاہئے کہ گھر کا ماحول سدھارنے کی پوری کوشش کرے، اور بچی کو ابھی سے اس بے حیائی سے دور رکھنے کا انتظام کرے، اگر شوہر کوشش کے باوجود اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور بیوی اس بنیاد پر الگ رہنے کا مطالبہ کرے تو اس کا مطالبہ شرعاً ناجائز نہیں ہے، شوہر کو اس طرف توجہ دینا چاہئے، اور فی زمانناً میل محبت سے الگ رہنے ہی میں بہتری ہے، گھریلو جھگڑوں سے بھی حفاظت رہتی ہے اور آپس میں تعلق قائم رہتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ۔

عورتوں کو لے کر تبلیغی جماعت میں جانا:

(سوال ۸۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ میں اپنی اہلیہ کو لے کر تبلیغی جماعت میں جا سکتا ہوں۔ عورتوں کو جماعت میں لے جانا چاہئے یا نہیں؟ فقط۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! عورتوں کو جماعت میں لے جانا مطلوب اور پسندیدہ نہیں ہے، اور **واثمهما اكبر من نفعهما** کا مصداق ہے، عورتیں غیر محتاط ہوتی ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شیعہ والدین کے ساتھ سلام وکلام اور ان کے لئے دعائے مغفرت:

(سوال ۸۲) میں اور میری اہلیہ تین سال قبل شیعہ تھے، الحمد للہ تائب ہو کر داخل اسلام ہوئے، میری اہلیہ کے والدین وغیرہ کے لئے مغفرت کی دعاء کرنا، ان کو مسنون طریقہ کے مطابق سلام کرنا، ان کے سلام کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں، جب کہ میرے خسر صاحب کا یہ عقیدہ ہے کہ "پہلے زمانہ میں اللہ میاں تھے اور اب سیدنا ہیں جن کو سجدہ کرنا کار ثواب ہے، ہمیں بھی اس عقیدے کے منوانے پر اصرار کرتے ہیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) شیعوں میں مختلف فرقے ہیں، بعض کے عقائد حد کفر تک پہنچے ہوئے ہیں۔ فتاویٰ رحیمیہ میں ہے۔ جو لوگ حضرت علیؓ کو معاذ اللہ خدا سمجھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے ساتھ قدرت وغیرہ میں شریک مانتے ہیں، جن کا عقیدہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وحی لانے میں غلطی کی، حضرت علیؓ کے بجائے محمد مصطفےؐ کو پہنچائی ہے، اور جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر (**معاذ اللہ خاکم بدھن**) زنا کی تہمت لگاتے ہیں، اور جو لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صحابی ہونے کا انکار کرتے ہیں وغیرہ ذلک کفریہ عقیدہ رکھنے والوں کو فقہائے کرام نے دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ **نعم لا شك فى تكفير من قذف السيدة عائشة رضى الله عنها او انكر صحبة الصديق او اعتقد الالوهية فى على رضى الله عنه او ان جبريل غلط فى الوحى او نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن (شامى ص ۴۰۶ ج ۳ باب المرتد مطلب مهم فى حكم سب الشيخين)(فتاوىٰ عالمگيرى ص ۲۶۴ ج ۲) (احكام المرتدين موجب الكفر انواع منها ما يتعلق بانبياء الخ)** (از فتاوی رحیمیہ ص ۱۳۵ ج ۳)(جدید

ترتیب میں کتاب النکاح میں دیکھ لیا جائے۔ازمرتب)۔

ان کے علاوہ اور بھی کفریہ عقائد ہیں مثلاً (۱) تحریف قرآن کا قائل ہونا (۲) حضور اکرم کی وفات کے بعد چار شخصوں کے سوا سارے صحابہ تمام مہاجرین وانصار (معاذ اللہ) مرتد ہو گئے تھے یعنی کفر کی طرف پلٹ گئے تھے اور اس ارتداد میں سب سے زیادہ اور بھرپور حصہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ نے لیا تھا اور اسی کفر وارتداد کی حالت میں ان کی وفات ہوئی توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوئی (ص ۱۰۴) (۳) امام معصوم اور مفترض الطاعۃ ہوتا ہے اس پر وحی باطنی آتی ہے، اس کو حلال وحرام کرنے کا اختیار ہوتا ہے، وہ تمام کمالات وشرائط وصفات میں انبیاء کا ہم پلہ ہوتا ہے اس میں اور پیغمبر میں کوئی فرق نہیں ہوتا بلکہ امامت کا مرتبہ پیغمبری سے بھی بالاتر ہے (از ماہنامہ الفرقان خصوصی اشاعت ''خمینی اور اثنا عشریہ کے بارے میں علماء کرام کا متفقہ فیصلہ'' اکتوبر تا دسمبر ۱۹۷۸ء۔

سوال میں آپ نے ان کے مقتدا کے متعلق ان کا جو عقیدہ تحریر کیا ہے اس کے کفر اور شرک ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے؟ اس لئے اس قسم کے عقائد کے حامل شیعوں کو مسنون طریقہ کے مطابق سلام کرنا، مسنون طریقہ کے مطابق ان کے سلام کا جواب دینا، ان کی مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں ہے ہاں ان کے لئے ہدایت کی دعا کرنا بالکل جائز ہے باقی والدین کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کرنا یہ الگ مسئلہ ہے، حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ والدین کافر ہوں تب بھی ان کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کی جائے، حدیث میں ہے۔ **عن اسماء بنت ابی بکر قالت قدمت علی امی وھی مشرکۃ فی عھد قریش فقلت یا رسولَ اللّٰہ ان امی قدمت علی وھی راغبۃ افا صلھا قال نعم صلیھا ، متفق علیہ** حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری والدہ جو مشرکہ تھیں قریش کے ساتھ صلح کے زمانہ میں (یعنی صلح حدیبیہ کے بعد) میرے پاس آئیں، میں نے اللہ کے رسول سے عرض کیا میری والدہ آئی ہیں اور مجھ سے مال کی امید رکھتی ہے، کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ آپ نے ارشاد فرمایا تم ان کے ساتھ صلہ رحمی کرو (بخاری ومسلم، بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۸، ص ۴۱۹ باب البر والصلۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب الطهارت

باب الوضو

وضومیں بجائے مسواک کے کسی اور چیز کا استعمال

(سوال ۱) مسواک کی جگہ منجن اور ٹوتھ پیسٹ کا استعمال کیسا ہے؟ برش کے استعمال کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) وضو کرتے وقت مسواک کرنا سنت موکدہ ہے (**والسواک هو سنة موكدة ووقته عند المضمضة الجوهرة النيرة ج ۱ ص ۵ کتاب الطهارة سنن الوضوء**) اور مسواک بانس، انار اور ریحان کے علاوہ کسی اور درخت کی ہونی چاہئے، خصوصاً کڑوے درخت کی، زیادہ اولیٰ پیلو کے درخت کی ہے، پھر زیتون کے درخت کی، **قال في الحلية وذكر غير واحد من العلماء كراهته بقضبان الرمان والريحان اه وفي شرح الهداية للعيني روى الحارث في مسنده عن ضمير بن جيب قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن السواک بعود الريحان وقال انه يحرک عرق الجذام وفي النهر ويستاک بكل عود الا الرمان والقصب وافضله الاراک ثم الزيتون (شامي ج ۱ ص ۱۰۷ کتاب الطهارة وسنن الوضوء) (كبيرى ص ۳۲. ايضاً)** علامہ طحطاوی زیتون کی مسواک کو افضل مانتے ہیں **قلت والحديث يفيد افضلية الزيتون على الأراک (طحطاوی على الدر المختار ج ۱ ص ۱۰۱. ايضاً)**

الغرض مسواک درخت کی ہونا ضروری ہے، اگر کسی وقت کسی درخت کی مسواک میسر نہ ہو تو انگلی سے دانت صاف کر کے منہ کی بو زائل کر دے اس طرح بھی سنت ادا ہو جاتی ہے ہدایہ میں ہے **والسواک لانه عليه السلام كان يواظب عليه وعند فقده يعالج بالا صابع لانه عليه السلام فعل ذلک (ج ۱ ص ۶ ايضاً)** اور مسواک سنت ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ کرتے تھے اور مسواک نہ ہو تو انگلیوں سے مسواک کا کام لے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی کیا ہے۔'' نیز ہادی عالم ﷺ کا فرمان ہے **الا صابع تجرى مجرى السواک اذالم يكن سواک** (یعنی) جب مسواک نہ ہو اس وقت انگلیاں مسواک کا کام کرتی ہیں۔ (طبرانی وغیرہ)[1]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل سنت درخت کی مسواک ہے، وہ میسر نہ ہو یا دانت نہ ہوں یا دانت یا مسوڑے کی خرابی کی وجہ سے مسواک سے تکلیف ہوتی ہو تو ضرورۃً ہاتھ کی انگلیوں یا موٹے کھردرے کپڑے یا منجن، ٹوتھ پیسٹ یا برش سے مسواک کا کام لیا جا سکتا ہے مگر مسواک کے ہوتے ہوئے مذکورہ چیزیں مسواک کی سنت ادا کرنے کے لئے کافی نہیں اور مسواک کی سنت کا پورا اجر حاصل نہ ہوگا۔

ولا تقوم الاصابع مقام العود عند وجوده (اور مسواک کی موجودگی میں یہ چیزیں اس کے قائم مقام

---

(۱) یہ حدیث طبرانی میں ان الفاظ میں نہیں جن الفاظ میں حضرت مفتی صاحب لے آئے ہیں بلکہ ان الفاظ میں منقول ہے **حديث آخر في المعنى، رواه الطبراني في معجمه الوسط حدثنا محمد بن الحسن بن قتيبة ثنا محمد ابی السری ثنا الوليد بن مسلم ثنا عيسى بن عبدالله الانصاری عن عطاء بن ابی رباح عن عائشة قالت قلت يارسول الله الرجل يذهب فوه يستاک؟ قال نعم قلت كيف يصنع قال يدخل اصبعه في فيه نصب الراية ج ۱ ص ۱۰)**

نہیں بن سکتیں (کبیری ص ۳۲)(صغیری ص ۱۴) البحر الرائق سنن الوضوء تحت قولہ السواک ص ۲۱ ج ۱)(فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۷۔ الفصل الثانی فی سنن الوضوء)

جب مسواک کی موجودگی میں انگلیاں (جن کے لئے آنحضرت ﷺ کا عمل اور قول ثابت ہے) مسواک کے قائم مقام نہیں ہوسکتیں تو برش وغیرہ کیسے مسواک کے قائم مقام ہوسکتے ہیں۔

برش اگر سور (خنزیر) کے بالوں کا ہے تو اس کا استعمال قطعاً حرام ہے۔ اگر مشتبہ ہو تو بھی استعمال نہ کرے۔ مشکوک نہ ہو تو استعمال کرسکتا ہے۔ مگر بلا عذر کے مسواک کے قائم مقام نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ سنت درخت کی مسواک ہے (توضیح المسائل ص ۳۵) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسواک کی لکڑی اور بوقت قیلولہ تیمّم اور داہنی کروٹ قبلہ رو لیٹنا:

(سوال ۲) وضو میں مسواک کے لئے کونسی لکڑی استعمال کی جائے؟ رات کو سونے کے وقت اور بوقت قیلولہ تیمّم کر لینا کافی ہوگا یا نہیں؟ کس کروٹ سونا چاہئے مسنون کیا ہے؟

(الجواب) وضو میں مسواک کسی لکڑی کی ہو جائز ہے۔ مگر وہ لکڑیاں جن میں کڑواہٹ یا کھٹاپن ہو وہ مفید تر ہوتی ہیں اس لئے ان کا استعمال انسب ہے[۱]۔ پیلو کی مسواک سب سے افضل ہے۔ مگر دوسری لکڑیاں بھی جائز ہیں۔ شب کو اور قیلولہ کے وقت میں اگر ممکن ہو تو وضو ورنہ تیمم کر کے سوئیں۔ لیٹنے کے لئے یہ ہے کہ داہنی کروٹ پر قبلہ رو لیٹیں یہ حالت ابتدائی ہے۔ پھر جس طرح بھی انسان کروٹ بدل لے گا جائز ہوگا۔

(مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ م ۲۹ ص ۸۳)

دانتوں پر سونا یا چاندی وغیرہ کا خول اور وضوو غسل کا حکم:

(سوال ۳) دانتوں کے اندر سوراخ ہو جاتے ہیں اور اس میں غذا کے ذرات داخل ہو کر تکلیف اور درد کا موجب بن جاتے ہیں۔ اس سے بچنے کے لئے ڈاکٹروں نے ایک علاج تجویز کیا ہے۔ کہ سونا یا چاندی یا سیسہ یا سیمنٹ وغیرہ سے ان سوراخوں کو پر کر دیا جائے تا کہ غذاء کے ذرات داخل نہ ہوں۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے۔ کہ سوراخوں کو بند کرنے میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ غسل جنابت میں غرغرہ کے وقت پانی سوراخوں میں نہیں جاتا تو اس سے غسل جنابت میں خلل ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل: حافظ عبدالسلام بخاری راندیری مقیم افغانستان۔

(الجواب) جبکہ بطور علاج دانت کے سوراخوں میں چاندی یا سونا یا سیسہ یا سیمنٹ وغیرہ ڈال کر انہیں بند اور پر کر دیا جاتا ہے تو وہ ڈالی ہوئی چیز بدن کا جز بن جاتی ہے۔ اور غسل اور وضو میں اس چیز کو پانی پہنچانا کافی ہو جاتا ہے اس کے نیچے پانی پہنچانا ضروری نہیں ہے۔ حدیث اور فقہ میں سونے چاندی کے تاروں سے شکستہ دانتوں کو باندھنے اور چاندی سونے کی ناک بنوانے کی اجازت منقول ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے اندرونی حصہ میں پانی نہ پہنچے گا۔

---

(۱) ویستاک بکل عود الا الرمان والقصب وافضلہ الاراک ثم الزیتون۔ شامی ص ۱۱۵

''بستن دندان شکستہ بہ تار نقرہ جائز است نہ بہ تار زر'' ''ونزد صاحبین'' بہ تار زر ہم جائز است (مالابدمنہ ص ۱۱۰)

ولا يشدسنه المتحرك (بذهب بل بفضة) وجوز هما محمد (درمختار ص ۳۱۷، ۳۱۸ ج۵) (قولهٗ وجوزهما محمد) اى جوز الذهب والفضة اى جواز الشدبهما واما ابو يوسف رحمه الله فقيل معه وقيل مع الا مام (شامى ص ۳۱۸ ج۵) (ويتخذ انفامنه) لان الفضة تنتنه (در مختار ص۳۱۸ ج۵) (قوله لان الفضة تنتنه) الا ولى تنتن بلا ضمير (الى قوله) واصل ذلك ماروى الطحاوى باسناده الى عرفجة بن سعد اصيب انفه يوم الكلاب فى الجاهلية فاتخذ انفاً من ورق فائن عليه فامره النبى صلى الله عليه وسلم ان يتخذا نفاً من ذهب ففعل ......اى وفى التاتر خانية وعلىٰ هذا الا ختلاف اذا جدع انفه او اذنه او سقط منه فاراد ان يتخذ سناً آخر فعند الا مام يتخذ ذلك من الفضة فقط وعند محمد من الذهب ايضاً ا ه (شامى ص ۳۱۸ ج۵[۱]. حظر والاباحة فصل فى اللبس)والله اعلم بالصواب.

کامل اور مکمل مسنون وضو کی ترکیب:

(سوال ۴) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ اعضاء وضو مثلاً کلی کرنے ناک میں پانی ڈالنے، چہرہ دھونے، ہاتھ دھونے، مسح کرنے کے وقت دعائیں پڑھی جاتی ہیں وہ ہمیں یاد نہیں ہم سیکھنا چاہتے ہیں تو اس کی کیا صورت؟ اگر آپ تکلیف اٹھا کر لکھ سکتے ہوں تو بڑی عنایت ہوگی، ہم آپ کے لئے دعا کریں گے۔

(الجواب) کتب احادیث وکتب فقہ (شامی ج ا ص ۱۱۸، فتاوی عالمگیری ج ا ص ۶) میں وضو کی دعائیں موجود ہیں، احادیث اور فقہ کی عبارتیں پیش کرنے کے بجائے آپ کی سہولت کے لئے اردو کی معتبر کتاب ''ضمیمۂ جدیدہ حصہ دوم عملیات مجربہ خاندان عزیزیہ'' سے نقل کیا جاتا ہے کسی کو دعائیں کرنے میں دشواری ہو تو یا دھونے تک صرف درود شریف ہی پڑھ لینا کافی ہے انشاء اللہ۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ويصلى على النبى صلى الله عليه وسلم بعد غسل كل عضو(فتاوىٰ عالمگيرى الفصل الثالث فى المستحبات، ج ا) اب ضمیمۂ جدیدہ کی عبارت ملاحظہ کریں۔

ترکیب وضوء مسنونہ

عامل (نمازی) کو چاہئے کہ جب وضو کرے کامل کرے، یعنی جب استنجاء وغیرہ سے فارغ ہو تو قبلہ رو بلند جگہ پر بیٹھے، اور مسواک کرے، پھر یہ دعا پڑھے اللّٰهم اجعل تسويكى هذا تمحيصاً لذنوبى ومرضاة لك يارب بيض به وجهى كما تبيض به اسنانى فضائل مسواک میں ہے: مسواک کی دعاء۔ بنایہ میں درایہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسواک کرتے وقت یہ دعا پڑھنی چاہئے اللّٰهم طهر فمى ونور قلبى وطهر بدنى وحرم جسدى على النار۔ اسی طرح علامہ نوویؒ نے شرح مہذب میں ایک دوسری دعا نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ

---

(۱) یہ حوالہ سونے سے خول بنانے کے جواز کے لئے ہے غسل کی صحت کے لئے یہ حوالہ دیا جائے۔ ولا يمنع ما على ظفر صباغ ولا طعام بين اسنانه او فى سنه المجوف به يفتى درمختار على هامش شامى ابحاث الغسل ج ا ص ۱۵۴ ۔

دعاء اگرچہ بے اصل ہے لیکن اچھی دعاء ہے، اس لئے اس کو پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، وہ دعاء یہ ہے اللھم بیض اسناني وشدبه لساني وثبت به لهاتي وبارك لي فيه يا ارحم الراحمين.

(فضائل مسواک ص ۲۷، ص ۲۷ از مولانا اظہر حسین صاحب)

پھر نیت وضوء کر کے یہ دعا پڑھے بسم الله الرحمن الرحيم اللهم اني اعوذبك من همزات الشياطين واعوذبك رب ان يحضرون پھر دونوں ہاتھ کلائی تک تین مرتبہ دھوئے، اور انگلیوں میں خلال کرے اور پڑھے اللهم اني اسئلك اليمن والبركة واعوذبك من الشوم والهلكة پھر تین مرتبہ کلی کرے اور اس دعا کو پڑھے اللهم اعني علي ذكرك وشكرك وتلاوة كتابك پھر تین بار ناک میں پانی ڈالے اور بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے ناک کے اندر کی آلائش کھجلا کر صاف کرے اور یہ دعاء پڑھے اللهم ارحني رائحة الجنة وانت راض عني پھر تین مرتبہ دونوں ہاتھوں سے منہ، بالوں کے اگنے کی جگہ سے تھوڑی کے نیچے تک اور کنپٹیوں تک دھووے، اور یہ دعا پڑھے۔ اللهم بيض وجهي بنور وجهك يوم تبيض وجوه اوليائك ، يا اللهم بيض وجهي بنور وجهك يوم تبيض وجوه وتسرد وجوه ۔ اگر ڈاڑھی گنجان ہو تو انگلیوں سے خلال کرے انگلیوں کو ٹھوڑی کے نیچے ڈاڑھی میں ڈال کر او پر رخساروں کی طرف لے جاوے پھر داہنا ہاتھ کہنی سمیت تین مرتبہ دھوئے اور یہ دعا پڑھے اللهم اعطني كتابي بيميني وحاسبني حسابا يسيرا پھر بایاں ہاتھ تین بار دھوئے اور یہ دعاء پڑھے اللهم اني اعوذبك ان تعطيني كتابي بشمالي او من وراء ظهري اگر انگشتری (انگوٹھی) ہاتھ میں ہو تو اس کو ہلا کر پانی پہنچا دے پھر دونوں ہاتھوں کو تر کر کے تین تین انگلیاں دونوں ہاتھ کی خنصر او بنصر و وسطی، یعنی چھنگلیاں اور اس کے پاس کی انگلی اور بیچ کی انگلی ملا کر اور دونوں انگوٹھے اور انگوٹھوں کے پاس کی انگلیاں الگ الگ کر کے پیشانی پر رکھ کر دماغ کے او پر سے گدی تک لے جاوے پھر گدی سے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں کانوں کے اوپر تک جو سر باقی رہے ملتا ہو ماتھے تک لے جاوے اس ترکیب سے سارے سر کا مسح کرے، پھر یہ دعا پڑھے۔ اللهم غشني برحمتك وانزل علي من بركاتك واظلني تحت عرشك يوم لا ظل الا ظلك پھر دونوں کانوں میں انگوٹھوں کے پاس کی انگلیاں اندر کی جانب سے کانوں کی کھائیوں میں سب طرف خوب پھیرے کہ کھائیاں کانوں کی تر ہو جائیں اور کانوں کی پشت پر انگوٹھوں کے شکم کا پانی ملے اس طرح کانوں کا مسح کرے پھر یہ دعا پڑھے اللهم اجعلني من الذين يستمعون القول فيتبعون احسنه پھر دونوں ہاتھوں کی پشت گردن پر ملے پھر یہ دعا پڑھے اللهم فك رقبتي من النار واعوذبك من السلاسل والاغلال پھر داہنا پاؤں ٹخنوں سمیت تین دفعہ دھوئے بائیں ہاتھ کی چھنگلیاں سے خلال دونوں پیروں کی انگلیوں میں کرے مگر داہنے پیر کی چھنگلیا سے شروع کرے اور بائیں پاؤں کی چھنگلیاں پر ختم کرے، جب داہنا پاؤں دھوئے تو تب یہ دعا پڑھے اللهم ثبت قدمي علي الصراط يوم تزل الاقدام في النار اور جب بایاں پاؤں دھو چکے تو یہ دعاء پڑھے اللهم اني اعوذبك ان تزل قدمي علي الصراط يوم تزل اقدام المنافقين (شامی، عالمگیری، طحطاوی علی مراقی الفلاح میں دعا کے کلمات کچھ مختلف ہیں جو یاد ہو پڑھ سکتا ہے)

اور جب وضو سے فراغت پاوے تو کلمہ شہادت پڑھے اشهد ان لا اله الا الله وحده' لا شريك له' واشهد ان محمداً عبده' ورسوله . حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی بعد وضو کے کلمہ شہادت کا پڑھے گا اس کے

واسطے بہشت کے آٹھوں دروازے کھولے جائیں گے کہ جس دروازے سے چاہے بہشت میں داخل ہو کلمۂ شہادت کے بعد یہ دعا پڑھے اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین واجعلنی من عبادک الصالحین الذین لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون.

نسائی شریف میں حدیث بیان کی ہے کہ جو شخص وضو کے بعد یہ دعا پڑھے گا حبط نہ ہوں گے پھر سورۂ قدر یعنی انا انزلناہ پڑھے پھر دو رکعت نفل تحیۃ الوضوء پڑھے (ضمیمۂ جدیدہ حصہ دوم عملیات مجربہ خاندان عزیزیہ ص ۴، ص ۵ ص ۶)

وضو کے بعد کلمۂ شہادت پڑھتے وقت آسمان کی طرف انگشت شہادت اٹھانا:

(سوال ۵) وضو کے بعد کلمہ شہادت پڑھتے وقت آسمان کی طرف انگشت شہادت اٹھانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بعض فقہاء نے اس کو ذکر کیا ہے اور بعض نے صرف آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے کو بیان کیا ہے لہذا دونوں کی گنجائش ہے اسے ضروری نہ سمجھا جائے اور نہ کرنے والوں پر نکیر نہ کی جاوے، یہ محض آداب میں سے ہے، طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے (قوله والاتیان بالشھادتین بعده) ذکر الغزنوی انه یشیر بسبابته حین النظر الی السماء یعنی آداب وضو میں سے ایک ادب یہ ہے کہ وضو کے بعد شہادتین پڑھنا، غزنویؒ نے بیان کیا ہے کہ آسمان کی طرف دیکھتے وقت اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کرے۔ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۴۳ فصل فی آداب الوضوء)

شامی میں ہے وزاد فی المنیة ایضاً وان یقول بعد فراغه سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا اله الا انت استغفرک واتوب الیک واشھد ان محمداً عبدک ورسولک ناظراً الی السمآء (شامی ص ۱۱۹ ج ۱، آداب الوضوء)

حصن حصین میں ہے:۔ واذا فرغ من الوضوء رفع نظره الی السمآء ولیقل اشھد ان لا اله الا الله ..... الی قوله ..... من توضأ فقال سبحانک اللھم وبحمدک استغفرک واتوب الیک کتب له فی رق ثم جعل فی طابع فلم یکسر الی یوم القیمة یعنی اور وضو سے فارغ ہو کر آسمان کی طرف نظر اٹھا کر تین مرتبہ کلمۂ شہادت پڑھے اشھد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له واشھد ان محمداً عبده ورسوله. اس کے بعد یہ دعا پڑھے اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین، سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا اله الا انت استغفرک واتوب الیک لیکن یا یہ دعا پڑھی سبحانک اللھم وبحمدک استغفرک واتوب الیک جو شخص وضو کرتے وقت مذکورہ بالا دعا کرتا ہے اس کے لئے (مغفرت کا) ایک پرچہ لکھ کر اور پھر اس پر مہر لگا کر رکھ دیا جاتا ہے قیامت کے دن تک اس کی مہر نہ توڑی جائے گی (اور وہ مغفرت کا حکم برقرار رہے گا) (حصن حصین عربی ص ۶۸، ص ۶۹) (حصن حصین مترجم ص ۱۰۰ از حضرت مولانا محمد ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ) ہو سکے تو قبلہ رو ہو کر دعا پڑھے۔

بدائع میں ہے:۔ ثم یستقبل القبلة ویقول اشھد ..... الخ پھر قبلہ رخ ہو کر پڑھے اشھد ان لا اله الا الله واشھد ان محمداً رسول الله (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۳ اداب الوضوء) فقط والله اعلم بالصواب.

پیشانی کے اوپر کے حصہ میں بال نہ ہوں تو وضو میں چہرہ کہاں تک دھونا چاہئے؟:

(سوال ۶) ایک شخص کے سر کے اگلے حصہ میں بالکل بال نہیں ہیں، تقریباً نصف سر کے بعد بال ہیں وضو میں اسے چہرہ کہاں تک دھونا چاہئے، عرف میں جسے پیشانی کہتے ہیں وہاں تک دھونا کافی ہے یا جہاں سے بال اُگنا شروع ہوں وہاں تک دھونا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عام طور پر جہاں سے سر کے بال اگتے ہیں اور جسے عرف میں پیشانی کہتے ہیں اتنے حصہ کا دھونا فرض ہے اس سے اوپر تک دھونا ضروری نہیں ہے مراقی الفلاح میں ہے۔(وحده) ای جملة الوجه (طولاً من مبدأ سطح الجبهة) سواء كان به شعر ام لا. طحطاوی میں ہے (قوله سواء كان به شعر ام لا)اشار به الى ان الاغم والا صلع والا قرع والا نزع فرض غسل الوجه منهم ما ذكر .(مراقى الفلاح احكام الوضوء وطحطاوى ص ۳۲) (درمختار مع شامی ص ۸۹، ص ۹۰ ج ۱ اركان الوضوء اربعة)

عمدۃ الفقہ میں ہے "اگر کسی کے بال آدھے سر تک اگلی طرف سے نہ اگیں تو عرف میں جہاں تک پیشانی کہلاتی ہو اس سے اوپر تک دھونا فرض نہیں بلکہ پیشانی کے بالوں کے اگنے کی معروف جگہ تک دھونا فرض ہے اسی قول پر فتویٰ ہے۔الخ (عمدۃ الفقہ ص ۹۳ حصہ اول) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جو خضاب بالوں تک پانی پہنچنے کے لئے رکاوٹ بنتا ہو تو وہ مانع وضو وغسل ہوگا:

(سوال ۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں، خضاب جو عام طور پر بازار میں ملتا ہے کہا جاتا ہے کہ اس میں تیزاب اور کیمیکل رنگ میں ملا کر بنایا جاتا ہے، خضاب لگانے سے بالوں پر رنگ کی ایک باریک سی تہہ چڑھ جاتی ہے تو ایسی حالت میں وضو اور غسل ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فتاویٰ رحیمیہ جلد ہفتم ص ۱۴۶ میں اس کے متعلق ایک فتویٰ ہے اس کے آخر میں تحریر ہے "اگر کسی نے باوجود ناجائز ہونے کے خالص سیاہ خضاب لگایا ہو اور وہ پانی کی طرح پتلا ہو اور خشک ہونے کے بعد بالوں تک پانی پہنچنے کے لئے رکاوٹ نہ بنتا ہو تو اس صورت میں وضو وغسل ہو جائے گا (مگر خضاب لگا رکھا ہے اس کا مستقل گناہ ہوگا) اور اگر وہ گاڑھا ہو بالوں تک پانی پہنچنے کے لئے رکاوٹ بنتا ہو تو پھر وضو غسل صحیح نہ ہوگا (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۴۶ ج ۷) (جدید ترتیب میں احکام غسل میں صحیح، بالوں میں فیشنی رنگ لگایا ہو تو غسل ہوگا یا نہیں کے عنوان سے دیکھ لیا جائے۔ازمرتب)

صورت مسئولہ میں اگر آپ کو تجربہ ہو کہ خضاب واقعی طور پر بالوں تک پانی کے پہنچنے کے لئے رکاوٹ بنتا ہے تو مذکورہ جواب کے پیش نظر وضو وغسل صحیح نہ ہوگا فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وضو سے پہلے پیر تر کرنا:

(سوال ۸) حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مواعظ علم وعمل کے ص ۳۳۰ (مطبوعہ ملتان پاکستان) میری نظر سے گذرا اس میں لکھا ہے کہ وضو سے قبل پیر تر کر لیا جائے اور آخر میں دھویا جائے۔فقہاء نے مندوب کہا ہے۔اس پر عمل

کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اچھا ہے عمل کر سکتے ہیں۔ مقصود پیروں کے دھونے میں مبالغہ ہے اور پیروں کو پہلے سے تر کر لینا اس کے لئے معین ہے مگر اس کو سنت طریقہ نہ سمجھا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۹ شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ۔

خروج مذی ناقض وضو ہے:

(سوال ۹) میں شادی شدہ ہوں ملاعبت کے وقت جو مذی نکلتی ہے وہ معلوم نہیں ہوتی ہاں البتہ استنجاء کے وقت معلوم ہوتا ہے اور ہمبستری کا ارادہ نہ ہو تب بھی کئی بار نکلتی ہے تو آیا وہ مذی پاک ہے یا ناپاک؟ اس سے غسل ضروری ہوتا ہے یا نہیں؟ وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ جسم کے کسی حصہ میں لگ جائے تو پاک کرنا چاہئے یا نہیں؟ مذی لگے ہوئے جسم یا کپڑے میں نماز جائز ہو سکتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مذی ناپاک ہے کپڑے اور بدن پر لگنے سے کپڑا اور بدن ناپاک ہو جاتا ہے۔ اس کی مقدار کم ہو تو دھونا واجب نہیں بہتر ہے مقدار زیادہ ہو تو دھونا ضروری ہو جاتا ہے غسل فرض نہیں ہوتا۔ البتہ وضو ٹوٹ جاتا ہے۔[1]

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

پیشاب کی راہ سے جو سفید پانی نکلتا ہے وہ ناپاک اور ناقض وضو ہے؟:

(سوال ۱۰) ایک شخص کے پیشاب کی راہ سے سفید پانی نکلتا ہے اور پاجامہ کو لگ جاتا ہے تو وہ ناپاک ہو جائے گا؟ اور اس کپڑے کو پہن کر نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) پیشاب کی راہ سے جو سفید پانی نکلتا ہے وہ ناپاک ہے اور نجاست غلیظہ اور ناقض وضو ہے، بدن اور کپڑے پر لگ جائے تو بدن اور کپڑا ناپاک ہو جائے گا لیکن ایک درہم کی مقدار (یعنی ہاتھ کی ہتھیلی کے برابر) معاف ہے۔ اگر دھونے کا وقت نہ مل سکا اور اس کو پہن کر نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔ بعد میں دھو لینا چاہئے۔ درمختار میں ہے

(وعفی) الشارع (عن قلر درهم) وان کره تحریماً فیجب غسله وما دونه تنزیهاً فیسن وفوقه مبطل فیفرض……(وهو مثقال فی نجس کثف) له جرم (عرض مقعر الکف) وهو داخل مفاصل اصابع الید (فی رقیق مغلظةالخ) (درمختار مع الشامی باب الانجاس ج ۱ ص ۲۹۳)(هدایه ج ۱ ص ۵۸ باب الا نجاس مالا بد منه ص ۱۹)فقط والله اعلم بالصواب.

انجکشن اور جونک کے ذریعہ خون نکالنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۱) انجکشن کے ذریعہ خون نکالتے ہیں اس سے وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر نکلا ہوا خون بہہ پڑنے کی مقدار ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا کبیری میں ہے۔ **اذا فصدو خرج منه دم کثیر ولم یتلطخ رأس الجرح فانه ینقض (فصل فی نواقض الوضوء ص ۱۲۹)** یعنی فصد لگایا اور بہت

---

(۱) کل ما یخرج من بدن الانسان مما یوجب خروجه الوضوء أو الغسل فهو مغلظ کالغائط والبول والمنی والمذی والودی الخ فتاوی عالمگیری الفصل الثانی فی الاعیان النجسة ج ۱ ص ۴۲.

سارا خون زخم سے نکلا اور زخم کے ظاہری حصے پر ذرہ برابر بھی خون نہیں لگا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ پہلے زمانہ میں آلۂ فصد سینگی تھی آج کی جدید دور میں انجکشن اسی آلۂ فصد کی بدلی ہوئی صورت ہے جونک کے ذریعہ خون نکالا جاتا ہے۔اس کا بھی یہی حکم ہے۔(وکذا ینقضه)علقة مصت عضواً وامتلأت من الدم ....الخ (درمختار مطلب نواقض الوضوء ج اص ۱۲۹)اور کبیری میں ہے۔ امام العلق اذا مصت العضو حتی امتلأت قلیلا بحیث لو سقطت وشقت لسال منها الدم انتقض الوضوء وان مصت قلیلا بحیث لو شقت لم یسل لا ینتقض(ص ۱۳۴).فقط واللہ اعلم بالصواب.

بیمار کے ستر کا حصہ دیکھنا یا ہاتھ لگانا ناقض وضو ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۲)مسلمان ڈاکٹر اگر بیمار کے بدن کے ستر کا حصہ دیکھے اور اس کو ہاتھ لگادے اور وہ پہلے سے باوضو ہو تو اسی وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب)صورت مسئولہ میں ستر والا حصہ دیکھنے اور اسے ہاتھ لگانے سے پیشاب کی راہ سے اگر منی، مذی، ودی وغیرہ کوئی ناپاک چیز خارج ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ محض شرم گاہ وغیرہ دیکھنے اور ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، ہاں دوبارہ وضو کر لینا بہتر ہے۔(لاینقضه (مس ذکر) لکن یغسل یده' ندباً وامرو لکن یندب للخروج من الخلاف لا سیما للامام (درمختار مع الشامی (وامرأة مطلب نواقض الوضوء) ج ا ص ۱۳۶) فقط۔واللہ اعلم بالصواب.

زخم کو پٹی باندھ دی جائے اور اندر اندر خون نکل کر پٹی میں پیوست ہوتا رہے تو وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟:

(سوال ۱۳)ایک پھوڑا نکل آیا ہے اور اس سے خون پیپ نکلتا ہے اس وجہ سے اس پر روئی رکھ کر پٹی باندھ دی ہے۔ اندر اندر خون نکلتا رہتا ہے پٹی کی وجہ سے باہر نہیں نکلتا تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ جواب تحریر فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب)اگر اتنا خون نکلے کہ اسے روکا نہ جاتا تو زخم کے مقام سے آگے بڑھ جاتا تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ کبیری میں ہے۔ وان مسح الدم عن رأس الجرح بقطنة اوغیر هاثم خرج ایضاً فمسح ثم وثم او القی التراب او وضع القطن ونحوه' علیه فخرج وسوی فیه ینظر فیه ان کان بحال او ترکه ولم یمسحه ولم یضع علیه شیئاً لسال نقض والا فلا (ص ۱۳۰ فصل فی نواقض الوضوء)

(قوله ولو شدالخ) قال فی البدائع ولو القیٰ علی الجرح الرماد او التراب فتشرب فیه او ربط علیه رباً طافا بتل الرباط ونفذ قالوا یکون حدثا لانه'سائل وکذا قالوا لو کان الرباط ذاطاقین فنفذ الی احدهما لما قلنا اه.(شامی ج ا ص ۱۲۹ مطلب نواقض الوضوتحت قوله ولو شدالخ)فقط (واللہ اعلم بالصواب)

آنکھوں سے پانی نکل آنا ناقض وضو ہے یا نہیں:

(سوال ۱۴) تیز روشنی سے، دھوپ کی تپش سے پیاز کاٹنے سے، نماز میں کھانسی کے روکنے سے آنکھوں میں پانی آجائے تو ان میں سے کن کن صورتوں میں وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ان صورتوں میں آنکھوں میں پانی نکل آنا ناقض وضو نہیں ہے۔ آنکھ دکھنے آئی ہو اور اس وقت چکنا پانی یا پیپ نکلے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ بلا درد اور بغیر تکلیف کے پانی نکلے اس سے وضو نہیں ٹوٹتا و لا ینقض لو خرج من اذنه) ونحو ها كعينه وثديه (قيح) ونحوه' كصديد وماء سترة وعين (لا بوجع وان خرج به) اى بوجع (نقض) لانه دليل الجرح فدمع من بعينه رمدا وعمش ناقض الخ (درمختار مع الشامى مطلب نواقض الوضوء مطلب فى تذب مراعاة الخلاف اذالم ير تكب مكروه مذهبه' ج ۱ ص ۱۳۷) فقط والله اعلم بالصواب. ۱۰ جمادى الثانى سنہ ۱۴۰۰ھ.

کان یا آنکھ میں سے پانی وغیرہ نکلے تو وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں:

(سوال ۱۵) اگر کان یا آنکھ میں درد و تکلیف ہو اور اس وقت کان یا آنکھ سے مواد یا پانی نکلے اور نکل کر باہر آجائے تو یہ ناقض وضو ہے یا نہیں؟ ایسی حالت میں نماز پڑھ لی ہو تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر کان یا آنکھ میں کچھ درد و تکلیف ہو اور اس وقت کان یا آنکھ سے مواد یا پانی خارج ہو اور ایسی جگہ تک آجائے کہ جس کا وضو یا غسل میں دھونا ضروری ہے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا، اور وضو کئے بغیر نماز پڑھنا صحیح نہ ہوگا پڑھی ہو تو اعادہ ضروری ہے، اور اگر کچھ درد و تکلیف نہ ہو اور ایسے ہی پانی نکلے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا، درمختار میں ہے (لا ينقض لو خرج من اذنه) ونحوها كعينه وثديه (قيح) ونحوه كصديدوماء سرة وعين (لا بوجع وان خرج به) اى بوجع (نقض) لانه دليل الجرح (درمختار مع الشامى ج ۱ ص ۱۳۷ حواله بالا) فقط والله اعلم بالصواب.

وضو ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا ایک نادر مسئلہ:

(سوال ۱۶) ایک عورت جب نماز شروع کرتی ہے تو عموماً آگے کی راہ سے ہوا خارج ہو جاتی ہے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟، کیا وضو ٹوٹ جائے گا نماز کس طرح پڑھے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں صحیح قول کے مطابق اس سے وضو نہیں ٹوٹتا لہٰذا وہ اسی حالت میں نماز پڑھ سکتی ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے والريح الخارجة من الذكر وفرج المرأة لا تنقض الوضوء على الصحيح الا ان تكون المرأة مفضاة فانه يستحب لها الوضوء كذا فى الجوهرة النيرة (فتاوىٰ عالمگيرى ج ۱ ص ۹ نواقض الوضوء)

درمختار میں ہے۔ ولا خروج (ريح من قبل) غير مفضاة اما هى فيندب لها الوضوء وقيل يجب وقيل لو منتنة (قوله اماهى) اى المفضاة وهى التى اختلط سبيلاها اى مسلك البول

والغائط فیندب لها الوضوء من الریح وعن محمد یجب احتیاطاً وبه اخذ ابو حفص ورجحه فی الفتح بان الغالب فی الریح کونها من الدبر الخ (درمختار ورد المحتار ص ۱۲۶ ج ۱ ، نواقض الوضوء)

بہشتی زیور میں ہے: مسئلہ پاخانہ پیشاب اور ہوا جو پیچھے سے نکلے اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے البتہ اگر آگے کی راہ سے ہوا نکلے جیسا کہ کبھی بیماری سے ایسا ہو جاتا ہے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا (بہشتی زیور ص ۴۷ حصہ اول)(۱)

مرض آشوب چشم (آنکھ دکھنا) میں آنکھوں سے نکلنے والے پانی کا حکم:

(سوال ۱۷) آج کل آنکھوں کی بیماری جس میں دو تین دن تک مسلسل پانی رستا رہتا ہے، سوال یہ ہے کہ یہ رسنے والا پانی پاک ہے یا ناپاک؟ اس سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ میں نے صبح صادق کے بعد وضو کیا، صبح کی نماز ادا کی آنکھیں ٹھیک تھیں، فجر کے بعد تلاوت ذکر میں مشغول تھا کہ آنکھ دکھنے لگی، پانی بہنے لگا، سورج نکلنے کے بعد کیا اسی وضو سے جو فجر کے لئے کیا تھا اشراق پڑھ سکتا ہوں؟ اس کے علاوہ وضو توڑنے والی کوئی چیز پیش نہیں آئی۔ اگر دوبارہ سورج نکلنے کے بعد وضو کر لیا اور وضو توڑنے والی کوئی چیز پیش نہیں آئی تو یہ وضو کب تک باقی رہے گا؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ جواب مرحمت فرمائیں۔

(الجواب) مرض آشوب چشم (آنکھ دکھنا) لاحق ہونے کی حالت میں آنکھوں سے جو چکنا پانی یا پیپ نکلتا ہے اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور جو چیز ناقض وضو ہوتی ہے وہ ناپاک ہوتی ہے، آنکھوں میں تکلیف اور درد نہ ہو اس وقت آنکھ سے پانی نکلے اس سے وضو نہیں ٹوٹتا (لا ینقض لو خرج من اذنه) ونحوه کعینه وثدیه (قیح) ونحوه کصدید وماء سرة وعین (لا بوجع وان خرج به) ای بوجع (نقض) لانه دلیل الجرح فدمع من به رمد او عمش ناقض اه (درمختار مع ردالمحتار ج ۱ ص ۱۳۷ مطلب نواقض الوضوء)

اگر یہ پانی مسلسل ایک نماز کے وقت تک اس طرح نکلتا رہے کہ وضو کر کے فریضۂ وقت ادا کرنے کا موقع نہ ملے تو ایسا شخص شرعاً معذور ہوگا اور اگر نماز کا پورا وقت نہیں گھیرتا اتنا وقت مل جاتا ہے کہ وضو کر کے طہارت کی حالت میں نماز ادا کر سکے تو وہ شرعاً معذور نہ ہوگا اسے چاہئے کہ پانی رکنے کا انتظار کرے موقع ملنے پر وضو کر کے نماز ادا کرے۔

اگر شرعاً معذور ہو گیا تو وہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرے نماز کا وقت خارج ہونے [illegible] کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ وتتوضأ المستحاضة ومن به عذر کسلس بول واستطلاق بطن لوقت کل فرض ویصلون به ماشاؤا من الفرائض والنوافل. (نور الایضاح مع مراقی الفلاح ص ۲۱ باب الحیض والنفاس والاستحاضة.)

معذور شرعی ہونے کے بعد ہر نماز کے وقت یہ عذر پیش آتا رہے تو وہ معذور رہے گا ہاں اگر مکمل ایک نماز کا وقت اس طرح گذر جائے کہ ایک دفعہ بھی یہ عذر (پانی نکلنا) پیش نہ آئے تو وہ معذور شرعی نہ رہے گا، وشرط دوام

---

(۱) البتہ اگر دونوں راستے ایک ہو چکے ہوں تو احتیاطاً وضو کر لینا ہوگا بشرطیکہ بدبو اور آواز نہ آئی ہو ورنہ وضو ٹوٹ جائے گا۔ قوله وقیل لو منتنة ای لأن نتنها دلیل انها من الدبر وعبارة الشیخ اسماعیل وقیل ان کان مسموعا أو ظهر نتنه فهو حدث والا فلا شامی مطلب نواقض الوضوء ج ۱ ص ۱۳۶ فقط واللہ اعلم بالصواب.

العذروجوده فی کل وقت بعد ذالک ولو مرة وشرط انقطاعه وخروج صاحبه عن کونه معذوراً خلو وقت کامل عنه(نور الا یضاح ص ۵۴) (حوالہ باب الحیض والنفاس والاستحاضہ)

(۲) فجر کے لئے وضو کیا تھا اس وضو سے اشراق پڑھنا درست نہیں کہ فجر کا وقت سورج طلوع ہونے سے خارج ہو گیا۔(۱)

(۳) معذور شرعی نے سورج نکلنے کے بعد وضو کیا اور اس کے بعد وضو توڑنے والی کوئی چیز پیش نہیں آئی تو یہ وضو ظہر کا وقت خارج ہونے تک باقی رہے گا اس وضو سے ظہر ادا کر سکتا ہے۔(۲)

بعد استنجاء چند قدم چلنے سے قطرہ کا آنا:

(سوال ۱۸) بعد فراغت استنجاء آٹھ دس قدم چلنے پر پیشاب کے قطرے نکل کر پائجامے کو لگ جاویں تو ایسی حالت میں نماز پڑھنا تراویح پڑھانا جائز ہے؟

(الجواب) بفضل اللہ تعالیٰ جب قطرے گرنے کا مرض دائمی نہیں، عارضی طور پر ہے تو (اس کے ازالہ کی تدبیر یہ ہے کہ) بعد قضائے حالت مٹی یا پکی اینٹ کے ڈھیلے کے ساتھ ٹھلے یعنی چند قدم چلے اور داہنا پاؤں بائیں پاؤں پر چڑھا کر دبائے اس تدبیر سے جو قطرے اندر ہوں گے وہ نکل جاویں گے، جب اطمینان ہو جاوے تب پانی سے استنجاء کرے اور وضو کر کے نماز پڑھے اور پڑھا بھی سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اگر مذکورہ تدبیر اختیار کرنے سے قطرہ آنے کی شکایت دور نہ ہو بلکہ قطرے آتے ہی رہیں اور نماز کا وقت ختم ہونے کا اندیشہ ہے تو ایسی حالت میں بھی بدن پاک کرے اور وضو کر کے پاک کپڑے پہنے پھر نماز پڑھے، نماز قضا نہ ہونے دے، لیکن امامت کی اجازت نہیں (ہاں اپنے جیسے معذورین یعنی جن کو سلس البول کا مرض ہو ان کی امامت کر سکتا ہے۔)

(ولا یصلی الطاهر خلف من هو فی معنی المستحاضة) کمن به سلس البول (الی قوله) ویجوز اقتداء معذور بمثله اذا اتحد عذرهما لاان اختلف(فتح القدیر کتاب الصلاة باب الا مامة ج۔۱ ص ۲۵۹ و ص ۲۶۰

ایسی حالت ہمیشہ رہتی ہو تو تفصیل معلوم کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے احکام الگ ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

ریح خارج نہیں ہوئی لیکن ایسی آواز کا وہم ہوتا ہے:

(سوال ۱۹) ریح یعنی ہوا کے پیچھے سے خارج ہونے سے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، مگر ایک شخص ایسا ہے کہ اس کی ریح تو خارج نہیں ہوئی البتہ اوپر سے ہلکی ہلکی آواز کا وہم ہوتا ہے، اس طرح کے وہم سے وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟

---

(۱) وقت الفجر من الصبح الصادق وهو البیاض المنتشر فی الا فق الی طلوع الشمس الخ فتاویٰ عالمگیری کتاب الصلاة الباب الاول فی المواقیت ج۔۱ ص ۵۱۔

(۲) حتیٰ لو توضأ المعذور لصلاة العید له' ان یصلی الظهر به عنداً بی حنیفة ومحمد وهو الصحیح لانها بمنزلة صلاة الضحی، فتاوی عالمگیری ، ومما یتصل بذلک احکام المعذور ج۔۱ ص ۴۱۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً: جب ہوا نکلنے کا یقین نہیں ہے تو صرف وہم ہوتے رہنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔[1] اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ ہاں بادی کا علاج کرے اور ریاح پیدا کرنے والی چیزوں سے پرہیز کرے۔ فقط واللہ اعلم ۲۸ محرم الحرام ۱۳۸۱ھ فقط

مشت زنی کرنے سے منی نکل جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے:

(سوال ۲۰) میرا ایک دوست ہے جسے مشت زنی (ہاتھ سے منی خارج کرنا) کی عادت ہے اس عمل کے بعد وہ غسل نہیں کرتا۔ یہ کام کرنے کے بعد وہ پیشاب کرتا ہے اس وقت منی خارج نہیں ہوتی اس بناء پر وہ کہتا ہے کہ غسل واجب نہ ہوگا۔ آپ وضاحت فرمائیں کہ اس عمل سے غسل واجب ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مشت زنی حصول شہوت کے لئے حرام ہے اور موجب لعنت ہے طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے (قوله لا لجلبها اى الشهوة) اى فيحرم لما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم ناكح اليد ملعون وقال ابن جريج سألت عنه عن عطاء فقال مكروه سمعت قوماً يحشرون وأيديهم حبالىٰ فاظنهم هولآء وقال سعيد بن جبير عذب الله امة كانوا يعبثون بمذاكيرهم وورد سبعة لا ينظر اليهم منهم الناكح يده (طحطاوى ص ۵۲ فصل ما يوجب الا غتسال)

اس عمل پر شہوت سے منی کا خروج ہوتا ہے اس لئے غسل واجب ہوگا۔ چاہے پیشاب کرنے کے بعد منی نہ نکلے۔ مراقی الفلاح میں ہے يفترض الغسل بواحد من سبعة اشياء اولها (خروج المنى الى ظاهر الجسد اذا انفصل عن مقره بشهوة من غير جماع) كا حتلام ولو باول مرة لبلوغ فى الا صح وفكر ونظر وعبث بذكره (مراقى الفلاح مع حاشية طحطاوى ص ۵۲ باب الا غتسال) فقط (والله اعلم بالصواب.)

عورت کی شرم گاہ میں ہاتھ یا انگلی داخل کرنے سے غسل واجب ہوگا یا نہیں؟:

(سوال ۲۱) عورت کی فرج داخل (شرم گاہ) میں ڈاکٹرنی یا دایہ بغرض علاج یا تحقیق حمل کے واسطے ہاتھ یا انگلی داخل کرے یا عورت دوا لگانے کے لئے خود اپنی انگلی داخل کرے تو عورت پر غسل لازم ہوگا یا نہیں؟ اگر شوہر یہ عمل کرے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر یہ عمل علاجاً ہو چاہے ڈاکٹرنی کرے یا عورت خود کرے اور عورت کے اندر شہوت پیدا نہیں ہوئی تو محض ہاتھ یا انگلی داخل کرنے سے غسل واجب نہ ہوگا، لیکن اگر عورت غلبۂ شہوت سے بقصد استمتاع (یعنی لذت اندوز ہونے کے ارادے سے) اپنی انگلی داخل کرے یا میاں بیوی بقصد استمتاع یہ عمل کریں (اور شوہر انگلی داخل کرے) تو بعض فقہاء کے قول کے مطابق غسل واجب ہو جاتا ہے اور اس کو مختار بھی کہا گیا ہے لہذا اس صورت میں بہتر یہی ہے کہ

---

(۱) عن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا وجد احدكم فى بطنه شيئاً فاشكل عليه أخرج منه شئ ام لا فلا يخرجن من المسجد حتى يسمع صوتاً او يجد ريحاً رواه مسلم مشكوة باب ما يوجب الوضوء ص ۴۰ حاشيه پر هے قوله او يجد ريحاً اى يجد رائحة ريح خرجت منه وهذا مجاز عن تيقن الحدث ص ۴۰

عورت غسل کرے اسی میں احتیاط ہے (اور اگر عورت کو منی نکل آئی تو پھر یقیناً غسل واجب ہو جائے گا)، درمختار میں ہے:۔لا (یجب الغسل)عند (ادخال اصبع ونحوه) کذکر غیر آدمی وذکر خنثیٰ ومیت وصبی لا یشتهی ومایصنع من نحو خشب (فی الدبرا والقبل) علی المختار(درمختار) شامی میں ہے ۔ (قوله علی المختار) قال فی التجنیس رجل اد خل اصبعه فی دبره وهو صائم اختلف فی وجوب الغسل والقضاء والمختار انه لا یجب الغسل ولا القضاء لا ن الا صبع لیس آلة للجماع فصار بمنزلة الخشبة ذکره فی الصوم وقید بالدبر لان المختار وجوب الغسل فی القبل اذا قصدت الا ستمتا ع لان الشهوة فیهن غالة فیقام السبب مقام المسبب دون الدبر لعدمها ، نوح افندی، اقول اخر عبارة التجنیس عند قوله بمنزلة الخشبة وقدرا جعتها منه فرأ یتها کذلک فقوله وقید الخ من کلام نوح افندی وقوله لان المختار وجوب الغسل الخ بحث منه سبقه الیه شارح المنیة حیث قال والاولیٰ ان یجب فی القبل الخ وقد نبه فی الا مداد ایضاً علی انه بحث من شارح المنیة فافهم (درمختار وشامی ص ۱۵۳ ،ص ۱۵۴ ج ۱ ، ابحاث الغسل)

طحطاوی علی الدر المختار میں ہے(قوله ولا عند اد خال اصبع...... علی المختار) یخالفه من جهة الترجیح فی القبل ماذکره نوح افندی ونصه قال فی التجنیس رجل ادخل اصبعه فی دبره وهو صائم اختلفوا فی وجوب الغسل والقضاء والمختار انه لا یجب الغسل ولا القضاء لان الا صبع لیس آلة الجماع فصار بمنزلة الخشبة وقید بالدبر لان المختار وجوب الغسل فی القبل اذا قصدت الا ستمتا ع لان الشهوة فیهن غالبة فیقام السبب مقام المسبب دون الدبر لعدمها فقد اختلف الترجیح فی القبل ابو السعود (طحطاوی علی الدر المختار ج ا ص ۱۳۹ ابحاث غسل)

غایۃ الاوطار میں ہے:۔ ولا عند ادخال اصبع ونحوه.... فی الدبر او القبل علی المختار ،اور فرض نہیں نہانا وقت داخل کرنے انگلی اور اس کے مانند.....الیٰ قوله بنا بر قول مختار کے دبر میں تو ترجیح متفق ہے مگر قبل میں ترجیح مختلف ہے اس واسطے کہ شیخ الاسلام ابو سعود نے نوح آفندی کے کلام سے نقل کیا ہے کہ ادخال قبل میں وجوب غسل کا مختار ہے جب کہ عورت شہوت رانی کا قصد کرے یعنی بدون انزال کے بھی غسل واجب ہے اس واسطے کہ عورتوں میں شہوت غالب ہوتی ہے تو سبب کو مقام مسبب کے قائم کیا، کذا فی الطحطاوی ملخصاً .(غایة الاوطار ترجمه در مختار. ج ا ص ۸۳ ابحاث غسل)

مراقی الفلاح میں ہے ومنها ادخال اصبع ونحو ه کشبه ذکر مصنوع من نحو جلد (فی احد السبیلین) علی المختار لقصور الشهوة. طحطاوی میں ہے (قوله علی المختار) ای فی الدبرو مقابله ضعیف، واما فی القبل فذکر فی شرح التنویر ان المختار عدمه ایضاً وحکی العلامة نوح ان المختار فیه الو جوب اذا قصدت الا ستمتا ع لان الشهوة فیهن غالبة فیقام السبب مقام المسبب فاختلف الترجیح بالنسبة لا دخال الا صبع فی قبل المرأة افاده السید رحمه الله (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۵۵ فصل عشرةاشیاء لا یغتسل منها)

عمدۃ الفقہ میں ہے۔ اگرکوئی عورت شہوت کے غلبہ میں اپنے خاص حصہ میں کسی بے شہوت مرد یا جانور کے کسی خاص حصہ کو یا کسی لکڑی وغیرہ یا خنثیٰ یا میت کے ذکر کو یا اپنی انگلی داخل کرے تب بھی اس پر غسل فرض ہو جائے گا خواہ انزال ہو یا نہ ہو مگر یہ شارح منیہ کی رائے ہے اور اصل مذہب میں بغیر انزال غسل واجب نہیں غسل کا حکم احتیاطا ہے اصل مذہب عدم وجوب غسل کا ہے (عمدۃ الفقہ ص ۱۱۲ جلد اول) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورت کے تصور سے منی کا خروج، منی مذی اور ودی کی تعریف اور مرض جریان (سیلان منی) کا حکم:

(سوال ۲۲) ایک شخص کو بیٹھے بیٹھے کسی لڑکی کا خیال آیا، یا اس نے کسی لڑکی کو دیکھا یا عورت کی تصویر دیکھی یا ناول پڑھتے ہوئے گندے خیالات اور شہوت پیدا ہوئی اور اس کے بعد خیالات میں گم ہو گیا، اس وقت شرم گاہ سے رطوبت خارج ہوئی تو اس سے غسل واجب ہوگا یا نہیں؟ خارج ہونے والی چیز کیا کہی جائے گی منی یا مذی؟ اگر منی اور مذی کا فرق اور علامت بھی بیان کردیں تو بہتر ہوگا۔

(۲) اور اگر منی بلا کسی گندے خیال و تصور کے نکلے جیسے کہ کبھی جریان (دھات) کا مرض ہو تو پیشاب کے بعد نکل جاتی ہے تو اس صورت میں غسل واجب ہوگا یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر اس تصور اور خیال سے شہوت پیدا ہوئی اور عضو میں ایستادگی ہوئی اس کے بعد اگر منی کا خروج ہو تو غسل واجب ہوگا، اور اگر مذی کا خروج ہوا تو غسل واجب نہ ہوگا وضو کر لینا کافی ہے۔ (بدن یا کپڑے پر مذی لگی ہو تو اس کا دھونا اور پاک کر لینا ضروری ہے) خارج ہونے والی چیز منی ہے یا مذی یا ودی اس کے پہچان کے لئے تینوں چیزوں کی تعریف اور فرق معلوم ہو تو اس کا تعین کیا جا سکتا ہے اور پھر حکم کی تعیین بھی آسان ہوگی، فقہاء نے ہر ایک کی تعریف اس طرح کی ہے (اولها خروج المنی) وهو ماء ابيض ثخين ينكسر الذكر بخروجه يشبه رائحة الطلع ومن المرأة رقيق اصفر ...... (الیٰ ظاهر الجسد) لانه مالم يظهر لاحكم له (اذا انفصل عن مقره) وهو الصلب (بشهوة) وكان خروجه (من غير جماع) كا حتلام ولو باول مرة لبلوغ فی الا صح وفكر و نظر و عبث بذكره . الى قوله. فاذا لم توجد بشهوة لا غسل كما اذا حمل ثقيلاً او ضرب على صلبه فنزل منيه' بلا شهوة (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۵۵ فصل ما يوجب الا غتسال)

مذی:

مذی بفتح الميم وسكون الذال وكسرها وهو ماء ابيض يخرج عند شهوة لا بشهوة و لا دفق و لا يعقبه فتور وربما لا يحس بخروجه وهو اغلب فی النساء من الرجال.

ودی:

وهو ماء ابيض كدر ثخين لا رائحة له يعقب البول وقد يسبقه، اجمع العلماء على انه لا يجب .. سل بخروج المذی و الودی. (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۵۵ حواله مذكوره)

سید الملت حضرت مولانا سید محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ شرح نور الایضاح میں تحریر فرماتے ہیں ''مذی اس پتلی رطوبت کو کہا جاتا ہے جو شہوت کے وقت خارج ہوتی ہے اس کی رنگت سپید ہوتی ہے، اس میں اور منی میں فرق یہ ہے کہ۔ (الف) مذی کے خروج کے وقت کوئی شہوت یا لذت حاصل نہیں ہوتی، منی میں حاصل ہوتی ہے (ب) منی کا خروج قوت اور جست کے ساتھ ہوتا ہے، اس کے بعد انتشار ختم ہو جاتا ہے، مذی میں یہ سب باتیں نہیں ہوتیں علاوہ ازیں منی کی رنگت زیادہ صاف ہوتی ہے اور کچے چھوارے کی سی بو اس میں ہوتی ہے، ودی بھورے رنگ کی ہوتی ہے جو پیشاب کے بعد اور کبھی اس سے پیشتر خارج ہوتی ہے اور پیشاب سے گاڑھی ہوتی ہے (ایضاح الاصباح شرح نور الایضاح ص ۲۷ فصل مایوجب الاغتسال)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

منی اور مذی اور ودی میں یہ فرق ہے کہ مرد کی منی غلیظ، اور سفید رنگ کی ہوتی ہے اور عورتوں کی منی پتلی اور زرد رنگ کی گولائی والی ہوتی ہے مردوں کی لسبائی میں پھیلتی ہے، منی بہت لذت سے شہوت کے ساتھ کود کر نکلتی ہے اور خرمائے شگوفہ جیسی بو اور اس میں چپکاہٹ ہوتی ہے، اور اس کے نکلنے سے عضو سست ہو جاتا ہے یعنی شہوت و جوش جاتا رہتا ہے، مذی پتلی سفیدی مائل ہوتی ہے، شہوت کے ساتھ بوس و کنار کرنے سے بغیر کود کر اور بغیر لذت اور شہوت کے نکلتی ہے اس کے نکلنے پر شہوت قائم رہتی اور جوش کم نہیں ہوتا بلکہ زیادہ ہو جاتا ہے، یہی چیز جب عورتوں میں ہوتی ہے تو اسکو قذی کہتے ہیں، ودی گاڑھا پیشاب ہوتا ہے خواہ پیشاب کے بعد بلاشہوت نکلے یا بعد جماع یا بعد غسل بلاشہوت نکلے (عمدۃ الفقہ ص ۱۱۱ حصہ اول موجبات غسل)

صورت مسئولہ میں مذکورہ وجوہات میں سے کسی وجہ سے گندے خیالات اور شہوت و عضو میں استادگی پیدا ہوئی اور اس کے بعد رطوبت خارج ہوئی، مندرجہ بالا منی، مذی کی تعریف اور علامات کے پیش نظر اگر یہ فیصلہ کرے کہ خارج ہونے والی چیز منی ہے تو غسل واجب ہوگا (جیسا کہ مراقی الفلاح کی عبارت سے واضح ہوتا ہے)

بہشتی گوہر میں ہے:

مسئلہ حدث اکبر سے پاک ہونے کے لئے غسل فرض ہے اور حدث اکبر پیدا ہونے کے چار سبب ہیں، پہلا سبب خروج منی یعنی منی کا اپنی جگہ سے بشہوت جدا ہو کر جسم سے باہر نکلنا خواہ سوتے میں یا جاگتے میں، بے ہوشی میں یا ہوش میں جماع سے یا بغیر جماع کے کسی خیال وتصور سے یا خاص حصہ کو حرکت دینے سے یا کسی اور طرح سے (بہشتی گوہر ص ۷ اغسل کا بیان)

(۲) اگر اس وقت بالکل شہوت نہ ہو نہ گندے خیالات ہوں نہ عضو میں استادگی ہو اور پیشاب کے بعد مرض جریان (دھات) کی وجہ سے منی نکل جائے تو غسل واجب نہ ہوگا، اور اگر شہوت ہو اور ذکر منتشر ہو (استادگی ہو) تو اس صورت میں غسل واجب ہوگا، درمختار میں ہے وفی الخانیة خرج منی بعد البول وذکرہ منتشر لزمه الغسل قال فی البحر ومحمله ان وجد الشهوة وهو تقييد قولهم بعدم الغسل بخروجه بعد البول (درمختار) شامی میں ہے (قوله محمله) وعبارة المحيط كما فی الحلية رجل بال فخرج من

ذکره منی ان کان منتشرا فعلیه الغسل لان ذلک دلالة خروجه عن شهوة (قوله تقیید قولهم) ای فیقال ان عدم وجوب الغسل بخروجه بعد البول اتفاقاً اذا لم یکن ذکره منتشراً فلو منتشر اوجب لانه انزال جدید وجدمعه الدفق والشهوة (درمختار شامی ج ۱ ص ۱۴۹ ابحاث الغسل)

غایۃ الاوطار میں ہے۔ وفی الخانیة ..... بعد البول اور خانیہ میں ہے کہ منی نکلی پیشاب کرنے کے بعد اور حالانکہ اس کا ذکر استادہ ہے تو غسل کرنا اس پر لازم ہوا، بحر الرائق میں ہے کہ یہ مسئلہ اس صورت پر محمول ہے جو استادگی کے ساتھ شہوت بھی پائی جاوے اور وہ یعنی استادگی شہوت کے ساتھ مقید کرتا ہے، فقہاء کے اس قول کو کہ پیشاب کے بعد منی نکلنے سے غسل لازم نہیں، کتب فقہ میں مصرح ہے کہ بول یا نوم یا مشی کثیر کے بعد اگر منی نکلی تو غسل واجب نہیں تو عدم غسل کا اطلاق عدم انتشار اور شہوت کے ساتھ ہے الخ (غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار ابحاث غسل ص ۹۷ ج ۱)

عمدۃ الفقہ میں ہے: اگر کسی شخص نے پیشاب کیا اور اس کے ذکر سے منی نکلی اگر اس کے ذکر میں تندی تھی یا وہ منی شہوت سے کود کر نکلی تو غسل واجب ہوگا، اور اگر عضو سست تھا اور بغیر شہوت کے نکلی تو واجب نہیں (البتہ وضو ٹوٹ جائے گا۔) (عمدۃ الفقہ ص ۱۱۱ حصہ اول)

فتاویٰ دار العلوم میں ہے۔

(سوال) اگر کسی کو دھات آوے تو اس پر غسل واجب ہے کہ نہیں؟

(الجواب) دھات سے غسل واجب نہیں، فقط (فتاویٰ دار العلوم مکمل ص ۱۵۳ ج ۱) فقط واللہ اعلم۔

خضاب لگایا ہو تو غسل اور وضو صحیح ہوگا یا نہیں:

(سوال ۲۳) ایک شخص نے اپنے سفید بالوں میں سیاہ خضاب لگایا ہے، کیا یہ خضاب لگانا درست ہے؟ اگر لگایا ہو تو وضو اور غسل جنابت صحیح ہوگا یا نہیں؟ اگر خضاب لگانا ہو تو کون سا خضاب لگانا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سیاہ خضاب لگانا سخت گناہ ہے، احادیث میں اس پر سخت وعیدہ آئی ہے، ایک حدیث میں ہے **عن ابن عباس رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال یکون قوم فی آخر الزمان یخضبون بهذا السواد کحواصل الحمام لایجدون رائحة الجنة.**

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا آخر زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے جو سیاہ خضاب لگائیں گے جیسے کبوتر کا سینہ، ان لوگوں کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی۔ (ابو داؤد شریف ج ۲ ص ۲۲۶ کتاب الترجل باب ماجآء فی خضاب السواد) (مشکوٰۃ شریف ص ۳۸۳ باب الترجل) مزید تفصیل فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۹۰ ..... ۲۹۱ ج ۶ (جدید ترتیب میں حظر والاباحۃ، بالوں کے احکام میں، سیاہ خضاب لگانا کے عنوان سے ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ ص ۱۱۷ ج ۱۰ از مرتب) لہٰذا خالص سیاہ خضاب نہ لگایا جائے، لگانا سخت گناہ ہے، سرخ یا مہندی کا خضاب لگایا جائے، اگر کسی نے باوجود ناجائز ہونے کے خالص سیاہ خضاب لگایا ہو اگر وہ پانی کی طرح پتلا ہو اور خشک ہونے کے بعد بالوں تک پانی پہنچنے کے لئے رکاوٹ نہ بنتا ہو تو اس صورت میں وضو و غسل ہو جائے گا(۱)

(۱) قوله والاولی غسله الخ اعلم انه ذکر فی المنیة انه لو ادخل یده فی الدهن النجس او اختضب المرأة بالحناء والنجس او صبغ الثوب بالصبغ النجس ثم غسل کل ثلاثا لحمعر، شامی باب الانجاس ج ۱ ص ۳۲۹

(مگر خضاب لگا رکھا ہے اس کا مستقل گناہ ہوگا) اور اگر وہ گاڑھا ہو بالوں تک پانی پہنچنے کے لئے رکاوٹ بنتا ہو تو پھر وضو غسل صحیح نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بالوں میں فیشنی رنگ لگایا ہو تو غسل ہوگا یا نہیں؟:

(سوال ۲۴) یہاں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں سر کے بال رنگ سے رنگنے کا فیشن ہے تو ایسی حالت میں فرض غسل ان کا صحیح ہوگا یا نہیں؟ خضاب پر اس کو قیاس کرنا صحیح ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مہندی جیسا رقیق رنگ لگا ہو تو غسل صحیح ہو جائے گا مگر یہ فیشن قابل ترک ہے حوالہ گذشتہ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیدار ہونے کے بعد کپڑے پر دھبہ دیکھے تو غسل واجب ہوگا یا نہیں؟:

(سوال ۲۵) ایک شخص بیدار ہوا کپڑے پر دھبہ دیکھا، دھبہ منی کا ہے یا مذی کا اس میں اسے شک ہے اور خواب بالکل یاد نہیں، تو اس صورت میں غسل واجب ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسؤلہ میں غسل واجب ہے، یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا قول ہے اور اسی میں احتیاط ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے وان رأی بللاً الا انه لم یتذکر الا حتلام فان تیقّن انه ودی لا یجب الغسل وان تیقن انه مني یجب الغسل ، وان تیقن انه مذی لا یجب الغسل وان شک انه مني او مذی قال ابو یوسف رحمه الله تعالیٰ لا یجب الغسل حتی تیقن بالا حتلام وقال یجب هذا ذکره' شیخ الاسلام (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۵ ج ۱ الفصل الثالث فی المعانی الموجبة للغسل مع بزازیہ)

مجمع الانہر میں ہے (و) فرض (لروية مستيقظ لم يتذكر الاحتلام بللاً ولو مذياً) عند الطرفين (خلافاله) ای لا بی یوسف، له' ان الاصل برأة الذمة فلا یجب الا بیقین وهو القیاس، ولهما ان النائم غافل والمنی قدیر ق بالهواء فیصیر مثل المذی فیجب علیه احتیاطاً (مجمع الانهر ص ۲۳ ج ۱)

کبیری میں ہے (اما اذا لم یتذکر الا حتلام وتیقن انه مني او شک) هل هو مني او مذی (فکذلک) یجب علیه الغسل فی هاتین الحالتین ایضاً اجماعاً للاحتیاط (کبیری شرح منیه ص ۴۲ مطلب یجب الغسل علی المفعول به فی الدبر)

بہشتی گوہر میں ہے:

مسئلہ: اگر کسی مرد یا عورت کو اپنے جسم یا کپڑے پر سو کر اٹھنے کے بعد تری معلوم ہو تو اس میں بہت سی صورتیں ہیں، منجملہ ان کے آٹھ صورتوں میں غسل فرض ہے (۱) یقین یا گمان غالب ہو جائے کہ یہ منی ہے اور احتلام یاد ہو (۲) یقین ہو جائے کہ یہ منی ہے اور احتلام یاد نہ ہو (۳) یقین ہو جائے کہ یہ مذی ہے اور احتلام یاد ہو (۴) شک ہو کہ یہ منی ہے یا مذی ہے اور احتلام یاد ہو (۵) شک ہو کہ یہ منی ہے یا ودی ہے اور احتلام یاد ہو (۶) شک ہو کہ یہ مذی ہے یا ودی ہے اور

احتلام یاد ہو (۷) شک ہو کہ یہ منی ہے یا مذی ہے یا ودی ہے اور احتلام یاد ہو (۸) شک ہو کہ یہ منی ہے یا مذی اور احتلام یاد نہ ہو۔ عہ۔ نمبر ۸ والی صورت وہی ہے جس کا تذکرہ سوال میں ہے، اس نمبر پر بہشتی گوہر کے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے۔ شامی نے اس صورت میں عدم وجوب غسل پر اتفاق نقل کیا ہے، لیکن کبیری میں وجوب پر اجماع نقل کیا ہے، لہذا ہم نے احتیاطاً کبیری کا قول لیا ہے ۱۲ انتہی (بہشتی گوہر ص ۸ غسل کا بیان فقط واللہ اعلم بالصواب۔)

انجکشن کے ذریعہ عورت کے رحم میں مادۂ منویہ پہنچائے تو عورت پر غسل واجب ہے یا نہیں:

(سوال ۲۶) انجکشن کے ذریعہ منی فرج کی راہ سے رحم میں پہنچائی تو کیا عورت پر اس کی وجہ سے غسل واجب ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر اس عمل سے عورت میں شہوت پیدا ہوئی تو وجوب غسل راجح ہے اور اگر مطلقاً شہوت پیدا نہ ہوئی تو غسل واجب نہیں، کر لینے میں احتیاط ہے، اگر یہ عمل ڈاکٹر یا شوہر کرے تو شہوت کا مظنہ زیادہ ہے لہذا اس صورت میں وجوب غسل کا حکم راجح ہوگا (مگر ڈاکٹر سے یہ عمل کرنا قطعاً حرام ہے، ملاحظہ ہو فتاوی رحیمیہ ص ۲۸۱ ج ۶ (جدید ترتیب میں حظر والاباحۃ میں بذریعہ انجکشن رحم میں مادہ منویہ پہنچانا، کے عنوان سے دیکھئے۔ ص ۱۷۹ ج ۱۴ ازمرتب) بوقت ضرورت سوائے شوہر کے کسی سے یہ عمل نہ کرایا جائے) وما یصنع من نحو خشب (فی الدبر او القبل علی المختار. لان المختار وجوب الغسل فی القبل اذا قصدت الاستمتاع لان الشہوۃ فیہن غالبۃ فیقام السبب مقام المسبب الخ (درمختار وردالمحتار ص ۱۵۳ ص ۱۵۴ ج ۱ ابحاث الغسل) (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۱۳۹) (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۵۵ عشرۃ اشیاء لا یغتسل منہا) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ما یتعلق بالماء و احکامھا

ناپاک کنویں کا پانی پاک کرنے کے لئے یک بارگی نکالنا ضروری نہیں ہے:

(سوال ۲۷) گاؤں میں ایک کنواں ہے۔ جس میں ایک مسلمان عورت گر کر مرگئی تھی۔ اس کو نکال کر کنویں کا آدھا پانی نکالا اور اس کے بعد آٹھ دن تک مویشیوں کو پانی پلایا۔ تقریباً بیس ۲۰ دن سے اس سے کپڑے دھوئے جاتے ہیں۔ اب یہ پانی پینا جائز ہے یا نہیں؟ کنویں کی مشین میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ یکبارگی سب پانی نکال سکے اور پائپ بھی اتنے لمبے نہیں ہیں کہ سارا پانی نکال سکے۔ ایسی صورت میں یکبارگی سارا پانی نکالیں یا تھوڑا تھوڑا؟ کنواں کب پاک ہوگا؟ اس سے پہلے کپڑے دھو کر نماز پڑھی ہو تو ان کو دھونا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کنواں شرعی حوض کی طرح دہ در دہ نہ ہو تو عورت کے گر کر مر جانے سے پانی ناپاک ہو جائے گا اور اگر دہ در دہ ہو تو پانی ناپاک نہ ہوگا۔[1] ہاں اگر خون وغیرہ ناپاکی کی وجہ سے پانی کا رنگ یا بو یا مزہ بدل جائے تو کنواں ناپاک ہو جائے گا پاک کرنے سے پہلے اس پانی سے وضو کر کے نماز پڑھی ہو تو اس کا اعادہ کرے۔ اور جو کپڑے عورت کے کنویں میں گر کر مرنے کے بعد اور پورا پانی نکالنے سے پہلے دھوئے گئے ہیں وہ ناپاک ہیں ان کو پہن کر نماز پڑھی ہو تو ان نمازوں کا اعادہ بھی ضروری ہے۔ عورت کے گرنے کے وقت جس قدر پانی تھا اس کے نکالنے سے کنواں پاک ہو جائیگا۔ یکبارگی پانی نکالنا ضروری نہیں ہے تھوڑا تھوڑا پانی نکالنے سے کنواں پاک ہو جاتا ہے۔[2] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کنویں میں بیت الخلا کا ناپاک پانی مل جائے تو کیا حکم ہے؟ ایسے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھی ہو تو اعادہ واجب ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۸) ہمارے محلہ کی مسجد میں کنواں ہے، طہارت خانے اور بیت الخلاء کنویں سے چار پانچ گز دور ہیں، بارش میں بیت الخلاء بھر جاتا ہے، کنواں سفلی سطح پر ہے اس لئے بارش میں کنویں کے اطراف میں غلیظ پانی بھر جاتا ہے حال میں تین روز قبل بہت زور کی بارش ہوئی تو یہی صورت حال پیش آئی، اور کنویں کے پانی کے تینوں اوصاف بدل گئے چار نمازیں اس کنویں کے پانی سے وضو کر کے پڑھی گئی ہیں اگر کنویں کا پانی ناپاک سمجھا جائے تو پاک کرنے کے لئے

---

(۱) وان وقعت نجاسة فی بئر دون القدر الکثیر علی مامر ولا عبرة للعمق علی المعتمد قال فی الشامیة تحت قوله ' علی ما مر ای من ان المعتبر فیه اکبر رأی المبتلیٰ به اوما کان عشرا فی عشر در مختار مع الشامی فصل فی البئر ج. ا ص ۲۱۱.

(۲) وان تعذیر نزح کلها لکو نها معیناً فبقدر ما فیها وقت ابتداء النزح قاله' الحلبی یوخذ ذلک بقول رجلین عدلین لهما بصارة با لمآء به یفتی وقیل بقیٰ بمائة الی ثلثما ئة وهذا ایسر قال فی الشامیة تحت قوله وان تعذر کذا عبر فی الهدایة وغیر ها وقال فی شرح المنیة ای بحث لا یمکن الابحرج عظیم اه فالمراد به التعسر و به عبر فی الدرر در مختار مع الشامی فصل فی البئر ج. ا ص ۲۱۴ اگر معلوم نہ ہو کہ نجاست گرنے کے وقت کتنا پانی تھا اس بارے میں تجربہ نہیں تو ایسی صورت میں تین سو ڈول یعنی بالٹی پانی نکالنے سے کنواں پاک ہو جائے گا۔

کیاصورت اختیار کریں، کچھ دن کنواں ایسے ہی بند رہنے دیں یا خالی کرنا ہوگا، اور جو نمازیں پڑھی ہیں ان کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔ (حیدرآباد)

(الجواب): جب کہ یہ واقعہ ہے کہ ناپاک پانی کنویں کے پانی سے مس ہوا، یا نجاست کے اثرات پانی میں سرایت کر گئے اور کنویں کے پانی کے تینوں اوصاف بدل گئے تو یقیناً کنواں ناپاک ہوگیا۔(۱) ایسے پانی سے وضو کر کے جو نمازیں ادا کی ہیں، وہ نمازیں قابل اعادہ ہیں۔(۲) اور بلا تاخیر کنویں کا سب پانی نکال دیا جائے۔ پانی کچھ دن رہنے دینے سے کنواں پاک نہ ہوگا، نکال دینا ہی ضروری ہے۔(۳) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیت الخلاء میں رہنے والا جانور پانی میں مرا ہوا ملے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۹) ٹنکی میں گابے سنڈاسیا (ایک قسم کا جانور جو عموماً بیت الخلاء میں ہوتا ہے لال رنگ ہوتا ہے) مرا ہوا ملتا ہے تو اس کی وجہ سے پانی ناپاک ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس جانور (سنڈاسیا) میں چونکہ دم مسفوح نہیں ہے لہذا اس کے مرنے کی وجہ سے پانی کو ناپاک نہیں کہا جائے گا، البتہ اگر اس کے بدن پر نجاست لگی ہو اور اس حالت میں وہ پانی میں پایا گیا تو وہ پانی ناپاک ہو جائے گا۔

مراقی الفلاح میں ہے (ولا) ینجس الماء ولا المائعات علی الاصح (بموت ما) بمعنی حیوان (لا دم له) سواء البری والبحری (فیه) ای المائع، او الماء ... الخ (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۲۳ فصل فی مسائل الآبار) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیت الخلاء مسجد کے کنوئیں سے کتنی دور ہونا چاہئے؟

(سوال ۳۰) مسجد سے خارج ایک بیت الخلاء بنانے کا خیال ہے، تو مسجد کے کنوئیں سے کتنے فاصلہ پر پاخانہ بنا سکتے ہیں؟

(الجواب) فقہاء کرام نے کنویں اور پاخانے کے درمیان پانچ گز سات گز وغیرہ فاصلہ اپنے یہاں کی زمین کے اعتبار سے لکھا ہے، اصلی مدار اس پر ہے کہ فاصلہ اتنا ہو کہ پیشاب، پاخانہ وغیرہ کی ناپاکی کا اثر یعنی رنگ یا بو یا مزہ کنویں کے پانی تک نہ پہنچے، البعد بین البئر والبالوعة بقدر ما لا یظهر للنجس اثر (درمختار) اس کے لئے کوئی خاص اندازہ اور فاصلہ متعین نہیں ہے، ہر جگہ کی زمین کی سختی، نرمی اور تاثیر کے تفاوت سے فاصلے میں بھی تفاوت ہوگا "شامی" میں ہے۔

---

(۱) وبتغیر احد اوصافه من لون او طعم او ریح ینجس الکثیر ولو جاریا اجماعا اما القلیل فینجس وان لم یتغیر خلافا للمالک درمختار علی هامش شامی باب المیاه ج ۱ ص ۱۸۵۔

(۲) جس دن اور وقت بارش شروع ہوئی ہے اسی دن سے جو نمازیں پڑھی ہیں یا کپڑے دھوئے ہیں نمازیں لوٹائی جائے اور کپڑے اور برتنوں کو دھویا جائے ویحکم بنجاستها مغلظة من وقت الوقوع ان علم قال فی الشامیة تحت قوله ان علم ای بان لم یعلم اولم یغلب علی الظن درمختار مع الشامی فصل فی البئر ج ۱ ص ۲۱۸

(۳) واذا وقعت فی البئر نجاسة نزحت وکان نزح ما فیها من الماء طهارة لها باجماع السلف هدایه فصل فی البئر ج ۱ ص ۴۱۔

والحاصل انه یختلف بحسب رخاوة الأرض وصلابتها (ج ۱ ص ۲۰۴ فصل فی البئر مطلب فی الفرق بین الروث والخثی والبعر والجزء والنجوو العذرة) لہذا آپ کو اپنے یہاں کے زمین کے ماہرین سے تحقیق کرنا چاہئے کہ کتنا فاصلہ ہونا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شرعی حوض:

(سوال ۳۱) یہاں ایک مسجد میں حوض بن رہا ہے شرعی حوض کے بارے میں کتب فقہ میں عشرة اذرع فی عشرة اذرع کا لفظ آتا ہے۔ جس کی تعبیر اردو میں ہمارے علمائے کرام دس ہاتھ دردس ہاتھ (دہ دردہ) کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ذراع اور ہاتھ سے کیا مراد ہے؟ احقر سے بھی اس مسجد والوں نے دریافت کیا تو میں نے دس ہاتھ دردس ہاتھ بتایا تھا اور دو تین جگہ سے انہوں نے فتاویٰ منگوائے وہاں سے بھی یہی جواب ملا تھا۔ کہ دس ہاتھ دردس ہاتھ کا حوض بنایا جائے۔

اب ان حضرات نے ایک ہاتھ کا ڈیڑھ فٹ کا ناپ نکالا۔ اس حساب سے پندرہ فٹ در پندرہ فٹ یعنی سوا دو سو اسکویر فٹ (۲۲۵) بنتا ہے اور اسی حساب سے انہوں نے حوض کی تعمیر شروع کر دی ہے لیکن کسی نے اعتراض کیا کہ یہ حوض بہت چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ دوبارہ یہ حضرات احقر کے پاس آئے۔ میں نے ذراع اور ہاتھ کے بارے میں جستجو کی تو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی مصنفہ تعلیم الاسلام میں ذراع یعنی شرعی گز نوگرہ کا بتایا ہے اور نوگرہ کے سوا بیس انچ ہوتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہاتھ سوا بیس انچ کا مانا جائے۔ حالانکہ عام طور پر ہاتھ اٹھارہ انچ کا ہوتا ہے نوگرہ والے ذراع سے اگر حساب نکالا جائے تو کل ۱۲۷۵ اسکویر فٹ بنتے ہیں۔

لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہاتھ سے اور ذراع سے کیا مراد کیا جائے؟ یعنی اس کا ناپ کیا ہو۔ ڈیڑھ فٹ یا سوا بیس انچ۔ امید کہ اس بارے میں جواب سے مشرف فرمائیں گے۔ (مولانا) قمر الدین محمد غفرلہٗ۔ مغلواڑہ۔ بروڈا۔

(الجواب) مقدار ذراع شرعی میں اختلاف ہے اکثر فقہاء رحمہم اللہ نے "ست قبضات" (۲۴ انگل بعد وحروف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کو اختیار کیا ہے جو ڈیڑھ فٹ بنتا ہے۔ والمعتبر ذراع الکبر باس کذافی الظهیریه وعلیه الفتویٰ کذافی الهدایه وهو ذراع العامة ست قبضات اربع وعشرون اصبعاً کذافی التبیین (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۱ ج ۱ الفصل الثالث فی المیان الثانی المآء الراکد)

لہذا آپ کے یہاں کا یہ حوض بھی شرعی حوض ہے۔ اگر جگہ میں وسعت ہو تو بڑھا کر تعلیم الاسلام کے حساب کے مطابق کر لینا انسب اور احوط ہوگا۔ تاکہ کسی کو چون وچرا کی گنجائش نہ رہے۔ حوض کے معاملہ میں احتیاط برتنا اچھا ہے۔ لہذا وسعت ہو تو تھوڑا بڑھا دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اگر پانچ ہاتھ چوڑا اور بیس ہاتھ لمبا حوض ہو تو وہ دہ دردہ ہے:

(سوال ۳۲) ہماری مسجد کا حوض دہ دردہ ہے۔ یعنی دس ہاتھ لمبا اور دس ۱۰ ہاتھ چوڑا ہے۔ لیکن اس کے طول میں اضافہ اور عرض میں کمی۔ یا عرض میں اضافہ اور طول میں کمی کرنے کا کمیٹی کا ارادہ ہے۔ اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حوض کا طول وعرض یکساں ہونا ضروری نہیں ہے۔کمی بیشی کی گنجائش ہے جس طرح دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا شرعی حوض ہے۔اسی طرح پانچ ہاتھ چوڑا اور بیس ۲۰ ہاتھ لمبا، یا چار ہاتھ چوڑا اور پچیس ۲۵ ہاتھ لمبا، اور دو ہاتھ چوڑا اور پچاس ۵۰ ہاتھ لمبا بھی شرعی حوض ہے اور اگر حوض مدور (گول) ہے تو اس کا محیط (گھیراؤ) چھتیس ۳۶ گز ہو (اور بقول صاحب محیط احتیاط اس میں ہے کہ ۴۸ گز ہو اور اگر حوض مثلث (تین گوشہ) ہو تو ہر جانب سے ساڑھے پندرہ گز ہونا چاہئے، گہرائی کم از کم اتنی ضروری ہے کہ چلو سے پانی لیا جائے تو زمین نظر نہ آئے واما اذا کان عشراً فی عشر بحوض مربع او ستة وثلاثین فی مدور وعمقه ان یکون بحال لا تنکشف ارضه بالغرف منه علی الصحیح (مراقی الفلاح) قوله او ستة وثلاثین فی مدور) هذا القدر اذا ربع یکون عشراً فی عشرو فی المثلث کل جانب منه یکون ذرعه خمسة عشر ذراعاً وربعاً وخمساً (طحطاوی علی المراقی ص ۱۷ باب المیاه) (شامی ج ۱ ص ۱۷۸ کتاب الطهارة) فقط والله اعلم بالصواب.

بئر بالوعہ (کھاڑ کنواں) پانی کے کنویں سے کتنے فاصلے پر ہونا چاہئے:

(سوال ۳۳) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مسئلہ ذیل میں کہ ہمارے یہاں تقریباً دو سال سے ایک مسجد بنائی گئی ہے اس میں ایک حوض ہے اس کا مستعمل پانی کرنے کے لئے ایک گڑھا مثل کنویں کے بنا ہوا ہے۔اسی طرح مسجد کے پیشاب خانوں وغسل خانوں کے ناپاک ونجس پانی کرنے کا ایک الگ گڑھا مثل کنویں کے بنایا ہے۔اب مسجد کے لئے ایک پانی کا کنواں کھودا جا رہا ہے۔

(۱) حوض کا مستعمل پانی کرنے کے لئے جو گڑھا کھودا گیا ہے (جو قریب چھ فٹ گہرا ہے۔جس کے نیچے کا حصہ کچا ہے) وہ پانی کے کنویں سے بیس ۲۰ فٹ کی دوری پر ہے۔اسی حوض والے گڑھے میں اور نجاستیں بھی گرتی ہیں۔

(۲) پیشاب خانہ وغسل خانہ وغیرہ کا ناپاک پانی کرنے کے لئے جو گڑھا کھدا ہوا ہے وہ تقریباً بیس ۲۰ فٹ گہرا ہے اور اس کا بھی نیچے کا حصہ کچا ہے اور پانی کے کنویں سے پچانوے ۹۵ فٹ کے فاصلہ پر ہے۔اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ حوض کا مستعمل پانی جہاں گرتا رہتا ہے اور اس میں اور بھی ناپاکیاں گرتی رہتی ہیں اس سے غسل خانہ و پیشاب خانہ کی ناپاک کنویں سے پانی کا کنواں کتنے فاصلہ پر ہونا چاہئے؟ ہمارے شہر کی دو چار مسجدوں کا واقعہ ایسا بن چکا ہے کہ پانی کے کنویں میں ایسے نجس کنووں کا ناپاک پانی زمین کے اندرونی منافذ سے آ کر ملتا تھا اور اس کا احساس اس وقت ہوا جب کہ پانی کا کنواں صاف کر رہے تھے اور کنویں کا پانی بالکل نکل چکا تھا تو ایک منفد سے بدبودار پانی آتا ہوا معلوم ہوا۔تحقیق سے پوری طرح معلوم ہو گیا کہ اس منفد سے پانی نہیں بلکہ پیشاب ہی آتا ہے۔کنواں تو دہ دردہ ہوتا نہیں اس لئے اس ناپاک پانی سے کنواں ناپاک ہو گیا ہے۔ایسا معلوم کر کے ان تمام مساجد کے تمام ناپاک کنویں بالکل بند کر دیئے گئے تھے اس طرح اگر اس کنویں کا حال بھی وہی ہو جائے تو کیا علاج؟ ایسے گندے کنووں سے پانی کا کنواں کتنے فاصلہ پر ہونا چاہئے؟ کنواں کھودنے سے پہلے گندے کنووں کا بند کرنا ضروری ہے؟ اگر بند نہ کریں اور جب کبھی اس کنویں کو صاف کرنے کی ضرورت ہو اور کوئی منفد ناپاک پانی کا معلوم ہو جاوے اور کنویں کا پانی لیبوریٹی میں تحقیق کرائیں اور ناپاک ہونا محقق ہو جائے تو کتنے عرصہ پہلے سے یہ پانی ناپاک شمار ہوگا۔اور کب سے اس

کنویں کے پانی سے وضو کرنے والوں کی نمازوں کا لوٹانا واجب ہوگا؟
ہمارے یہاں نل کا پانی صاف وشفاف ملتا ہے وہ پانی استعمال کرنا بہتر ہے یا کنواں کھودنا بہتر ہے جب کہ مذکورہ تمام خرابیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ بینوا توجروا۔ (از گودھرا ضلع پنچ محل گجرات)

(الجواب) جب ناپاک پانی اور نجاست کا اثر پاک پانی میں ظاہر ہو یعنی پانی کا رنگ یا بو یا مزہ بدل جائے تو کنویں کا پانی ناپاک سمجھا جائے گا۔ پاک اور ناپاک کنویں کے درمیان فاصلہ کم ہو یا زیادہ مدار فاصلہ پر نہیں ہے۔ بلکہ پانی کے اوصاف بدلنے پر پانی کے پاک رہنے یا ناپاک ہوجانے کا حکم لگایا جائے گا۔ **البعد بين البئر والبالوعة بقدر مالايظهر للنجس اثر (قوله البعد الخ) اختلف في مقدار البعد المانع من وصول النجاسة البالوعة الى البئر ففي رواية خمسة اذرع وفي رواية سبعة وقال الحلواني المعتبر الطعم او اللون او الريح فان لم يتغير جاز والا لا ولو كان عشرة اذرع وفي الخلاصة والخانية والتعويل عليه وصححه في المحيط بحر والحاصل انه يختلف بحسب رخاوة الارض وصلابتها ومن قدره اعتبر حال ارضه**
(درمختار مع شامي فصل في البئر مطلب في الفرق بين الروث والخثي والبعر الخ ج ۱ ص ۲۰۴)

جس وقت کنویں کے ناپاک ہونے کا علم ہوا اس وقت سے پانی ناپاک سمجھا جائے گا۔[1] احتیاط اس میں ہے کہ ایک روز کی نمازیں قضا کی جائیں اگر ہمت ہو تو تین روز کی نماز قضا کریں اس میں احتیاط زیادہ ہے۔ کنویں کے پانی پر اطمینان نہ ہو تو نل کا پانی استعمال کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔ فقط مزید تفصیل اور اطمینان کے لئے فتاوی رحیمیہ جلد چہارم اردو ص ۴۲ ملاحظہ فرمائیے۔

بیت الخلا مسجد کے کنویں سے کتنی دور ہونا چاہئے:

(سوال ۳۴) مسجد سے خارج ایک بیت الخلاء بنانے کا خیال ہے تو مسجد کے کنویں سے کتنے فاصلہ پر بیت الخلاء بنا سکتے ہیں؟

(الجواب) فقہاء کرام نے کنویں اور پاخانہ کے درمیان پانچ گز سات گز وغیرہ کا فاصلہ اپنے یہاں کی زمین کے اعتبار سے لکھا ہے۔ اصل مدار اس پر ہے کہ فاصلہ اتنا ہو کہ پیشاب پاخانہ وغیرہ کی ناپاکی کا اثر کنویں کے پانی تک نہ پہنچے۔ یعنی ناپاکی کے اثر سے پانی کا رنگ یا بو یا مزہ میں فرق نہ آئے۔ **البعد بين البئر والبالوعة بقدر ما لا يظهر للنجس اثر** (درمختار) اس کے لئے کوئی خاص اندازہ اور فاصلہ متعین نہیں ہے ہر جگہ کی زمین کی سختی نرمی اور تاثیر کے تفاوت سے فاصلہ میں بھی تفاوت ہوگا۔ ''شامی'' میں ہے **والحاصل انه يختلف بحسب رخاوة الارض وصلابتها** (ج ۱ ص ۲۰۴ فصل في البئر مطلب في الفرق بين الروث والخثي والبعر الخ) لہذا آپ کو اپنے یہاں کے زمین کے ماہرین سے تحقیق کرنا چاہئے کہ کتنا فاصلہ ہونا چاہئے۔ فقط۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۴ جمادی الاولی ۱۳۹۷ھ۔

---

(۱) ويحكم بنجاستها مغلظة من وقت الوقوع ان علم والا فمذ يوم وليلة ان لم ينتفخ ولم ينفسخ درمختار على هامش شامي فصل في البئر ج ۱ ص ۲۱۸

سوال میں درج شدہ حوض حوض شرعی ہے یا نہیں؟:

(سوال ۳۵) ہمارے یہاں نئی مسجد بن رہی ہے اس میں وضو کے لئے جو حوض بنایا گیا ہے اس کا نقشہ حسب ذیل ہے۔

۲ ۱/۲ فٹ چوڑائی	۳۰ رفٹ لمبائی — حوض
	۱۰ فٹ
۲ ۱/۲ فٹ چوڑائی	۳۰ رفٹ لمبائی — حوض
	۱۰ فٹ
۲ ۱/۲ فٹ چوڑائی	۳۰ رفٹ لمبائی — حوض
	۱۰ فٹ
۲ ۱/۲ فٹ چوڑائی	۳۰ رفٹ لمبائی — حوض
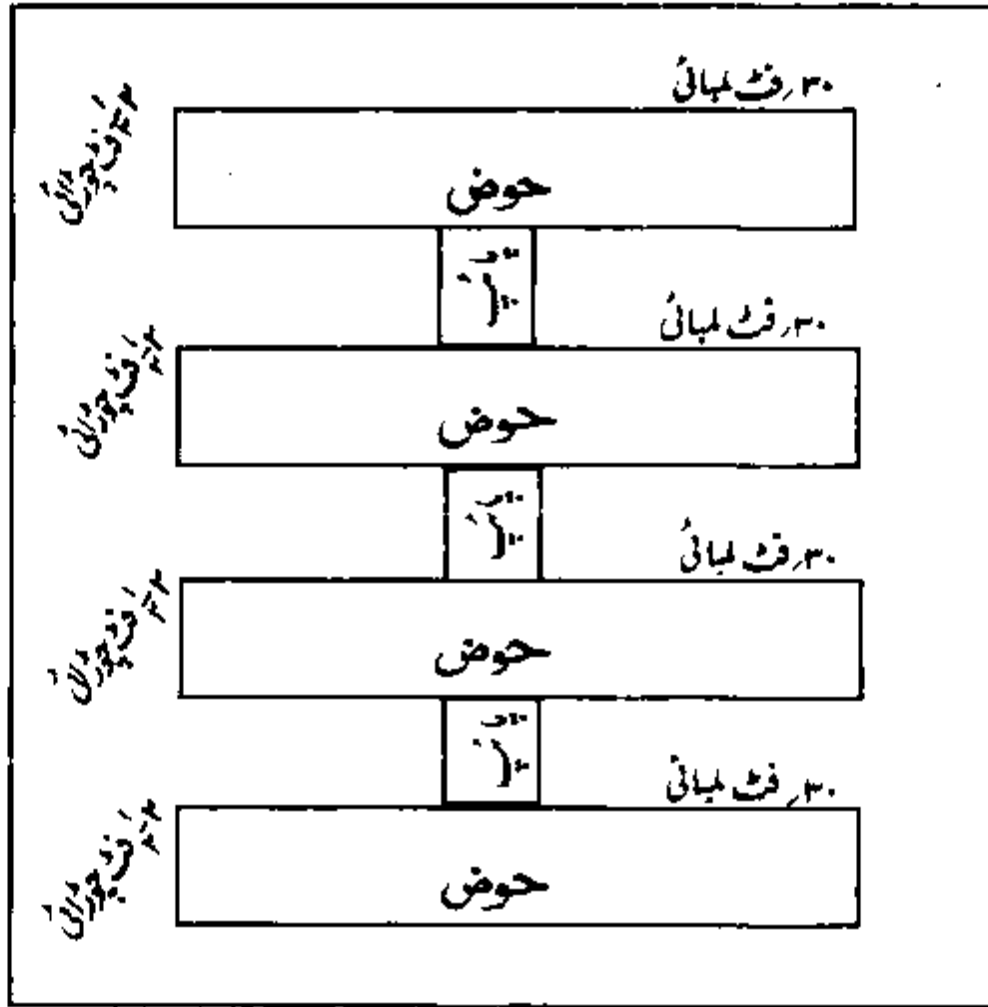
نقشہ کے مطابق چار حوض ہیں۔ ہر ایک کی لمبائی ۳۰ فٹ اور چوڑائی ڈھائی (۲-۱/۲) فٹ ہے اور ان کے درمیانی فاصلوں کو پائپ سے ملایا گیا ہے اس طرح ان چاروں حوضوں کا کھلا ہوا حصہ لمبائی چوڑائی کے ضرب سے تین سو ۳۰۰ اسکوائر فٹ ہو جاتا ہے۔ مگر اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ ان حوضوں کو آپس میں ملانے والا جو پائپ ہے پانی ان پائپوں کے اوپر کے حصہ سے لگا ہوا رہے گا اس لئے پائپ حوضوں کو ملا کر ایک کرنے کے لئے کافی نہ ہونے چاہئیں۔ اور اس کے بعد ہر حوض دہ دردہ نہیں رہ سکتا، کیا یہ اشکال صحیح ہے؟ یہ مذکورہ شکل پر بنے ہوئے حوض کا شمار دہ دردہ میں ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) آپ کا اشکال درست ہے۔ یہ حوض شرعی (دہ دردہ) نہیں ہے نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حوض چار صغیر حوضوں پر (قطعات اربعہ پر) مشتمل ہے اور ہر قطعہ ایک دوسرے سے جدا اور منقطع ہے چاروں کو ملانے کی غرض سے پائپ رکھا گیا ہے مگر وہ کافی نہیں ہے۔ ہاں حوض میں اگر ایک جانب سے پانی داخل ہو کر دوسری جانب نکل جاتا ہو تو کافی ہو سکتا ہے۔ **کحوض صغیر ید خل فیه الماء من جانب ویخرج من اخر یجوز التوضوء من کل الجانب مطلقاو به یفتی (درمختار باب المیاه مطلب لو ادخل المآء من اعلیٰ الحوض فخرج من اسفله فلیس بجار)**

حوض کی سطح (بالائی حصہ) جہاں سے وضو کیا جاتا ہے اس کا اعتبار ہوتا ہے۔ اگر بالائی حصہ کا رقبہ دہ دردہ کے

برابر ہے تو وہ شرعی حوض ہے (لان العبرۃ لوجه الماء) اگر چہ تحتانی حصہ کم ہو، اگر تحتانی حصہ دہ در دہ کے مقدار کا ہو لیکن بالائی حصہ (جہاں سے وضو کیا جاتا ہے) کم ہو تو وہ حوض شرعی نہیں ہے تھوڑی سی نجاست گرنے سے ناپاک ہو جائے گا۔ ولو اعلاه عشراً واسفله اقل جاز حتیٰ یبلغ الا قل ولو بعکسه لا (ای اسفله عشراً او اعلاه اقل نوقع فیه نجس) لم یجز حتیٰ یبلغ العشر (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۱۷۹ باب المیاه)

فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ شرعی حوض کو اوپر سے بند کر دیا ہوا اور وہ بند حصہ پانی سے ملا ہوا ہو اور کھلا ہوا حصہ دہ در دہ سے کم ہو تو وہ حوض بھی شرعی نہیں رہے گا۔ ولو جمد ماؤه فثقب ان الماء منفصلاً عن الجمد جاز لانه کالمسقف وان متصلاً لا (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۱۷۹ ایضاً) وعلیٰ هذا التفصیل اذا کان الحوض مسقفاً وفی السقف کوة فان کان الماء متصلاً بالسقف والکوة دون عشر فی عشر یفسد الماء بوقوع المفسدوان کان متصلاً لا یفسد الخ (کبیری ص ۹۸ فصل باب احکام الحیاض) فقط واللہ تعالیٰ اعلم. ۲۶ .صفر ۱۴۰۰ھ.

حوض کب ناپاک ہوگا؟ ناپاک حوض کے پانی سے استنجاء کر کے نماز پڑھائی تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟:

(سوال ۳۶) مسجد کے حوض کا پانی کسی جانور کے گر کر مر جانے اور سڑ گل جانے کی وجہ سے نجس اور غلیظ ہو گیا اور ظہر سے قبل عام لوگوں کو یہ بات معلوم ہوگئی۔ امام صاحب نے ظہر سے قبل اسی پانی سے استنجاء کیا اور پھر پاک پانی سے وضو کر کے نماز پڑھائی، نماز کے بعد ایک شخص نے۔ امام صاحب سے اس سلسلہ میں دریافت کیا انہوں نے اس پانی سے استنجاء کرنے کا اعتراف کیا۔ یہ نماز صحیح ہوئی یا اعادہ کرنا ہوگا؟ امام صاحب لاعلمی میں اس کے مرتکب ہوئے ہوں یا دیدہ و دانستہ اس پانی کا استعمال کیا ہو دونوں کے متعلق نماز کے ہونے یا نہ ہونے کے متعلق جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) حوض کے اندر کوئی جانور گر کر مر گیا اور گل سڑ گیا اگر اس کے گل سڑ جانے سے پانی کا رنگ یا بو یا مزہ بدل گیا ہو تو حوض کا پانی ناپاک ہو جائے گا اور اگر پانی کے تینوں اوصاف میں سے کوئی بھی نہ بدلا ہو تو چونکہ حوض کا پانی ماء کثیر (یعنی زیادہ پانی) ہے اس لئے وہ ناپاک نہ ہوگا۔

جب اس کا رنگ یا مزہ یا بو بدل گیا تو پانی ناپاک ہوگا۔ (۱) اس سے وضو یا غسل کرنا یا استنجاء کرنا صحیح نہیں اگر کیا جائے تو طہارت حاصل نہ ہوگی لہذا اگر اس ناپاک پانی سے استنجاء کرنے کے بعد (چاہے وہ استنجاء دیدہ و دانستہ کیا ہو یا عدم واقفیت کی وجہ سے کیا ہو) وضو کر کے نماز پڑھائی ہو تو نماز نہ ہوگی اور اس نماز کا اعادہ ضروری ہوگا۔ مقتدی بھی اعادہ کرلیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وکذا براکد کثیر کذلک ای وقع فیه نجس لم یرا اثره ولو فی موضع وقوع المرئیة به یفتی بحر قال فی الشامیة تحت قوله لم یرا اثره ای من طعم اولون اوریح وهذا القید لا بدمنه درمختار مع الشامی باب المیاه مطلب لو ادخل المآء من اعلی الحوض الخ.

حوض گہرا ہو مگر وہ دہ دردہ نہ ہو تو وہ شرعی حوض نہیں ہے:

(سوال ۳۷) ہمارے یہاں مسجد میں جو حوض ہے اس کی لمبائی پونے چودہ فٹ چوڑائی آٹھ فٹ اور گہرائی ساڑھے چار فٹ ہے (۱۳/۹×۸×۴/۶) اس میں تقریباً چودہ ہزار لیٹر سے زائد پانی کی گنجائش ہے، میرے خیال میں اتنا پانی کسی بڑے کنویں میں بھی موجود نہ رہتا ہوگا؟ تو یہ ماء کثیر کے حکم میں ہوگا یا نہیں؟ اس میں اگر نجاست گر جائے تو کیا ہوگا؟ کتب فقہ میں آب کثیر کے متعلق دہ دردہ کی تشریح آئی ہے وہ باعتبار حدود کے ہے یا باعتبار مقدار کے بھی ہے؟ یعنی اگر لمبائی چوڑائی میں مقدار مذکور (دہ دردہ) میں کمی ہو مگر گہرائی زیادہ ہونے کی وجہ سے پانی کی مقدار زیادہ ہو تو طول و عرض میں جو کمی ہے اس کی تلافی ہو کر اس کا شمار شرعی حوض میں ہو سکے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ حوض دہ دردہ (شرعی حوض) نہیں ہے، گہرائی کی زیادتی سے طول و عرض کی کمی کی تلافی نہ ہوگی، وضو وغیرہ میں اس کا پانی استعمال کر سکتے ہیں لیکن جب تھوڑی سی نجاست گرے گی تو حوض کا تمام پانی ناپاک ہو جائے گا، لہٰذا ممکن ہو تو اسے دہ دردہ کر لیا جائے۔[1] اگر یہ نہ ہو سکے تو حوض کے بجائے مسقف ٹنکی بنا دی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غیر مسلم کے حوض میں اترنے سے پانی پاک رہے گا یا نہیں؟

(سوال ۳۸) ہماری جامع مسجد میں ہندو بڑھئی کا آلہ گر گیا، اسے لینے کے لئے وہ بڑھئی خود حوض میں اترا تو وہ پانی پاک ہے یا ناپاک؟ حوض پانی سے بھرا ہوا ہے۔

(الجواب) دہ دردہ حوض کا پانی ماء جاری کے حکم میں ہے، اس لئے پانی میں جب تک ناپاکی کا اثر محسوس نہ ہو، وہ پاک ہے، اگر نجاست کے گرنے سے پانی کے رنگ یا بو یا مزہ میں فرق نہ آئے تو حوض کا پانی ناپاک شمار نہیں ہوگا، لہٰذا صورت مسئولہ میں حوض کا پانی پاک ہے شک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔[2] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تالاب نصف بھرا ہوا ہے اور اس میں گوبر وغیرہ بھی ملا ہوا ہے تو ایسا پانی پاک ہے، یا ناپاک؟

(سوال ۳۹) ہمارے گاؤں میں تالاب اس طرح نصف بھرا ہوا ہے کہ گاؤں کے گوبر اور پیشاب والا پانی بھی بہہ کر تالاب میں گیا ہے، کھیتوں میں سے بھی پانی آ کر جمع ہوا ہے، اس طرح تقریباً نصف یا نصف سے زیادہ بھرا ہے اور پورا بھر کر باہر نہیں نکل آیا اگرچہ جتنا پانی ہے وہ صاف معلوم ہوتا ہے اور تالاب کے پر ہونے کے بعد جیسا رنگ ہوتا ہے ایسا ہی رنگ فی الحال ہے، تو ایسا پانی پاک ہے یا ناپاک؟ اس پانی سے کپڑے دھوئے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

---

(۱) قال ابو سليمان الجوز جاني ان كان عشراً في عشر فهو مما لا يخلص وبه اخذ عامة المشائخ رحمهم الله هكذا في المحيط ، فتاوىٰ عالمگيرى الباب الثالث في المياه

(۲) اگر حوض دہ دردہ ہو تو یہی حکم ہے البتہ احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ پانی کو نکالا جائے نقل في الذخيرة عن كتاب الصلاة للحسن ان الكافر اذا وقع في البئر وهو حي نزح الماء وفي البدائع انه رواية عن الامام لانه لا يخلو من نجاسة حقيقية أو حكمية حتى لو اغتسل فوقع فيها من ساعته لا ينزح منها شئي اقول ولعل نزحها للاحتياط تأمل ، شامي فصل في البئر ص ۲۱۴ .

(الجواب) مذکورہ تالاب میں جن جن راستوں سے پانی آیا ہے وہ تمام راستے ناپاک ہوں تو پانی ناپاک سمجھا جائے اور اگر تالاب میں پانی آنے کا ایک بھی راستہ پاک ہو اور اس راستہ سے دہ دردہ جتنا پاک پانی آ کر جمع ہو گیا ہو یا وہ دہ در دہ جتنا پاک پانی تالاب میں جمع ہو کر ایک ساتھ تالاب کے دوسرے ناپاک پانی کے ساتھ مل گیا ہو تو تالاب پاک سمجھا جائے گا، ہاں ناپاکی کی وجہ سے پانی کی رنگ، مزہ یا بو میں فرق آ گیا ہو تو تالاب پاک سمجھا جائے گا، ہاں ناپاکی کی وجہ سے پانی کے رنگ، مزہ یا بو میں فرق آ گیا ہو تو تالاب کا پانی ناپاک سمجھا جائے گا غدیر عظیم یبس فی الصیف وراثت الدواب فیہ ثم دخل فیہ الماء وامتلأ ینظر ان کانت النجاسۃ فی موضع دخول الماء (ص ۴) الی قولہ کالغدیر الیابس اذا کان فیہ نجاسات وموضع دخول الماء طاهر فاجتمع الماء فی مکان طاهر هو عشر فی عشر ثم تعدی بعد ذلک الی موضع النجاسۃ (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۵ کتاب الطهارۃ فصل فی الطهارۃ بالمآء (غدیر) جب تالاب کا پانی پاک ہے، ناپاکی کا اثر ظاہر نہیں ہے تو پاک ہی سمجھنا چاہئے۔ پانی کے متعلق آنحضرت ﷺ نے مشکلات اور دشواریوں کا لحاظ رکھا ہے اور آسان صورتیں تجویز فرمائی ہیں، فقہا نے بھی عموم بلویٰ کا لحاظ کیا ہے، لہٰذا شک وشبہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

آدمی حوض میں گر کر مر جائے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۴۰) مسجد کی حوض میں مصلی گر کر مر گیا ہے، سر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے خون نکلتا تھا، شاید پیشاب پائخانہ بھی ہو گیا ہو، مگر پانی میں کوئی اثر نمایاں نہیں ہوا تو حوض پاک ہے یا ناپاک؟ بعض کہتے ہیں کہ آدمی حوض میں مرا اس لئے پانی ناپاک ہے اور سب پانی نکالنا ضروری ہے۔

(الجواب) آدمی کے پانی میں گر کر مر جانے سے پانی ناپاک ہوتا ہے یہ حکم کنویں کا ہے۔ جو ''دہ دردہ'' اور ماء جاری کے حکم میں نہ ہو یہ تو حوض ہے اور حوض دہ دردہ ہوتا ہے اور یہ ماء جاری کے حکم میں ہے۔ ایسے حوض میں آدمی کے گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، پاک رہتا ہے۔[1] حدیث میں ہے۔ ان الماء طهور لا ینجسه شیئی. ترجمہ:۔ بے شک پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی (تاوقتیکہ اس کے اوصاف ثلاثہ (رنگ۔ بو۔ مزہ) میں سے کوئی وصف نہ بدل جائے (باب احکام المیاہ الفصل الثانی عن ابی سعید الخدری) (مشکوٰۃ شریف ص ۵۱) (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) اور ''مالا بدمنہ'' میں ہے۔ آب جاری وآب کثیر از افتادن نجاست دراں نجس نشود مگر وقتے کہ از نجاست رنگ یا بو یا مزہ دراں ظاہر شود۔ ترجمہ:۔ جاری پانی وکثیر پانی نجاست کے گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ تا وقتیکہ اس کے اوصاف ثلاثہ میں سے کسی وصف میں ناپاکی کا اثر ظاہر نہ ہو جائے۔ (ص ۲۱)

خلاصہ یہ کہ جب پانی میں ناپاکی کا اثر نمایاں نہیں، رنگ وبو ومزہ میں فرق نہ ہوا تو شک وشبہ کی کیا ضرورت ہے۔ مذاہب اربعہ، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، متفق ہیں کہ مذکور حوض پاک ہے۔ نجس کا کوئی قائل نہیں۔ (رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ ص ۶) لہٰذا حوض کو ناپاک سمجھنا غلط اور بلا دلیل ہے۔ فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) واما اذا کان عشرا فی عشر بحوض مربع ... فلا ینجس الا بظهور وصف للنجاسة منه حتیٰ وضع الوقوع وبه اخذ مشائخ بلخ توسعة علی الناس والتقدیر بعشر فی عشر هو المفتی به، مراقی الفلاح علی هامش طحطاوی کتاب الطهارة ص ۱۶.

کنویں میں چوہا گر جائے

(سوال ۴۱) ایک کنویں میں سے ایک تازہ مرا ہوا چوہا برآمد ہو، ایک شخص نے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے پانی نکالا تھا اس وقت چوہا نہ تھا، مگر ایک گھنٹہ بعد کنویں میں سے چوہا مردہ حالت میں برآمد ہوا تو شرعاً کنویں کے اس پانی کے لئے کیا حکم ہے۔ تقریباً پچیس ۲۵ یا تیس ڈول پانی نکالنے سے کیا پانی پاک ہو جاتا ہے؟ پانی کے رنگ یا مزہ میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا، ایسے پانی سے پکائی ہوئی چیز کھائی اور وضو کر کے نماز پڑھی تو کیا نماز ادا ہو جائے گی یا قضا لازم ہے؟

(الجواب) جب پھولا نہیں ہے تو اس کو نکال کر بیس ۲۰ ڈول پانی نکالنے سے کنواں پاک ہو جاتا ہے، تیس ۳۰ ڈول نکالنا اولیٰ ہے، آپ نے پچیس ۲۵ سے تیس ۳۰ ڈول نکالے یہ بہتر ہوا، کنواں پاک ہو گیا، اب وہ پانی کھانے پینے اور وضو غسل وغیرہ میں بلا تکلف استعمال کر سکتے ہیں۔ وان ماتت فارة نزح منها عشرون دلوا الیٰ ثلاثین (یعنی) اور اگر کنویں میں چوہا مر جائے تو بیس ۲۰ سے تیس ۳۰ تک ڈول نکالے جائیں (هدایه ج ۱ ص ۲۶ باب الماء الذي یجوز به الوضوء ومالا یجوز به فصل في البیر) فقط والله اعلم بالصواب.

شرعی حوض کب ناپاک ہوگا؟:

(سوال ۴۲) ہمارے یہاں ایک دہ دردہ حوض ہے اور اس حوض میں پانی کنویں سے آتا ہے، اب حوض میں جس کنویں کا پانی آتا ہے ایک مردہ پھولا ہوا چوہا پایا گیا تو کنویں کا پانی تو تین دن سے ناپاک شمار ہوگا، لیکن حوض کے پانی کے بارے میں اختلاف ہے ایک مفتی صاحب شامی کی عبارت وکذا یجوز براکد کثیر (کذلک) ای وقع فیه نجس لم یرا ثره ولو في موضع وقوع المرئیة به یفتي بحر (درمختار) (قوله ای وقع فیه نجس الخ) شمل مالو کان النجس غالباً ولذا قال في الخلاصة الماء النجس اذا دخل الحوض الکبیر لا ینجس الحوض وان کان الماء النجس غالباً علی ماء الحوض لا نه کلما اتصل الماء بالحوض صار ماء الحوض غالباً اه (شامی ج ۱ ص ۱۷۶ باب المیاه) ایسے ہی فتاویٰ دارالعلوم کی عبارت۔

(سوال) حوض دہ دردہ میں پانی ایک ہاتھ یا اس سے زائد ہو اگر ایسی حالت میں ناپاک کنویں میں سے پانی نکال کر حوض کو بھر دیا جائے تو پاک ہے یا ناپاک؟

(الجواب) پاک رہے گا اور ایسے ہی آپ کے فتاویٰ رحیمیہ میں بھی اسی قسم کے تالاب کے بارے میں مسئلہ ہے، الغرض ان مذکورہ عبارتوں سے ایک مفتی صاحب حوض کی طہارت کے قائل ہیں اور دوسرے مفتی صاحب عدم طہارت کے قائل ہیں۔

لہذا آپ کی ذات ستودہ صفات سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ آپ جواب عنایت فرمائیں بینوا توجروا۔

(الجواب) حوض میں پانی نہ ہو، اگر ہو تو شرعی مقدار سے کم ہو تو ناپاک کنویں کے پانی کے شامل ہونے سے حوض ناپاک شمار ہوگا، اور اگر دہ دردہ حوض میں بقدر مقدار شرعی پانی موجود تھا اس کے بعد اس میں ناپاک پانی ملا ہے اور ناپاک پانی کے ملنے سے اوصاف ثلثہ (رنگ، مزہ، بو) میں سے کوئی وصف نہ بدلا ہو تو وہ حوض پاک ہے بلا تامل وضو درست ہے۔[1]

---

(۱) سوال میں جو حوالہ سائل نے دیا ہے یہی حوالہ جواب میں چلے گا بشرطیکہ حوض میں جو پانی ہے ان کے اوصاف پر نجس پانی غالب ہو کر تبدیل نہ کرے قوله لم یر اثره ای من طعم او لون او ریح وهذا القید لا بد منه وان لم یذکر في کثیر من المسائل الآتیة فلا تغفل عنه، شامي باب المیاه مطلب لو ادخل الماء من اعلی الحوض وخرج من اسفله فلیس بجار. ج ۱ ص ۱۹۱.

ما یتعلق بالحیض و النفاس

چالیس روز ختم ہونے سے پہلے نفاس بند ہو جائے

(سوال ۴۳) ایک عورت پہلی مرتبہ ہی حاملہ ہوئی ہے اور اس کو چالیس ۴۰ روز سے قبل خون نفاس بند ہو جائے تو وہ غسل کر کے نماز پڑھ سکتی ہے؟ یا چالیس ۴۰ دن پورے کرنے لازمی ہیں؟

(الجواب) چالیس ۴۰ دن پورے کرنے ضروری نہیں ہیں۔ جب خون بند ہو گیا۔ نفاس ختم ہو گیا۔ اب غسل کر کے نماز پڑھے نہیں پڑھے گی تو گنہگار ہوگی۔ یہ عقیدہ غلط ہے کہ چالیس روز پورے کئے بغیر غسل نہ کرے۔ چالیس روز نفاس کی آخری مدت ہے۔ چالیس ۴۰ روز کے اندر جب بھی بند ہو جائے گا نفاس ختم مان لیا جائے گا۔ آنحضرت ﷺ کے ارشادات سے یہی ثابت ہوتا ہے وروی الدار قطنی وابن ماجه عن انس رضی الله عنه انه صلی الله علیه وسلم وقت للنفساء اربعین یوماً الا ان تری الطهر قبل ذلک وروی هذا من عدة طرق لم یخل عن الطعن لکنه یرتفع بکثرتها الی الحسن (شامی ج ۱ ص ۲۷۷ باب الحیض تحت قوله کذاء رواه الترمذی وغیره) عن ابی الدرداء وابی هریرة قالا قال رسول الله صلی الله علیه وسلم تنظر النفساء اربعین یوماً الا ان تری الطهر قبل ذلک فان بلغت اربعین یوماً ولم تری الطهر فلتغتسل وبمنزلة المستحاضة. رواه ابن عدی وابن عساکر (زجاجة المصابیح ص ۱۵۴. ۱۵۵ باب الحیض)

چالیس دن سے کم مدت میں نفاس کا خون بند ہو جائے:

(سوال ۴۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی عورت کو زچگی ہوئی اور ایک ماہ میں نفاس سے پاک ہوگئی اب یہ عورت نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟ اور اپنے خاوند سے ہم صحبت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں!

(الجواب) نفاس کی اقل مدت متعین نہیں ہے ہاں انتہائی مدت چالیس روز ہے۔ ''فتاویٰ عالمگیری'' میں ہے۔ اقل النفاس مایو جدو لو ساعة وعلیه الفتویٰ واکثره اربعون کذا فی السراجیة (ص ۳۷ ج ۱ الباب السادس فی الدمآء المختصة بالنسآء الفصل الثانی فی النفاس)

لہذا ایک ماہ کے اندر نفاس سے پاک ہوگئی ہے تو غسل کر کے نماز ادا کرے روزہ کا زمانہ ہو تو روزہ بھی رکھے اور زچگی کا یہ پہلا موقع ہو تو صحبت بھی درست ہے اور اگر پہلے کی عادت ایک ماہ سے زیادہ کی تھی اور اس وقت عادت سے پہلے خون موقوف ہو گیا ہے تو صحبت کی اجازت نہ ہوگی ولو انقطع دمها دون عادتها یکره قربانها حتی یمضی عادتها وعلیها ان تصلی وتصوم للاحتیاط هکذا فی التبیین. (فتاویٰ عالمگیری. ص ۳۹ ج ۱ الفصل الرابع فی احکام الحیض والنفاس والاستحاضة) فقط والله اعلم بالصواب.

حیض کا خون بند ہو جانے کے بعد پھر نظر آوے :

(سوال ۴۵) ماہواری ہر تین روز میں بند ہو جاتی ہے۔ پاک ہونے اور ۳/۴/۵/ وقت کی نماز پڑھنے کے بعد پھر ذرا خون نظر آتا ہے۔ اور کبھی تو نظر نہیں آتا۔ اب وہ نماز جو پڑھی ہے اس کی قضاء پڑھنی ہوگی؟ یا غسل دیر سے کرتی ہیں تو نمازیں جاتی ہیں اس کی قضاء پڑھنی ہوگی؟

(الجواب) جب کہ ہمیشہ کی عادت تین دن کی ہے۔ تین روز میں خون بند ہو جاتا ہے۔ تو خون بند ہوتے ہی غسل کر کے نماز کا وقت ہو تو نماز پڑھنا ضروری ہے۔(۱) نہ پڑھی گئی تو قضاء لازم ہے مگر احتیاط اسی میں ہے کہ جب تک خون آنے کا احتمال ہے شوہر سے نہ ملے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زچگی کے بعد کب غسل کیا جائے اور اس غسل میں پہلے پیٹھی لگانا کیسا ہے :

(سوال ۴۶) زچگی کے ایک مہینہ کے بعد اور پھر چالیس ۴۰ دن کے بعد غسل کرنے کا رواج ہے کیا یہ صحیح ہے؟ اسی طرح پیٹھی لگانا یعنی غسل سے دو روز پہلے صبح و شام پورے بدن پر تین مرتبہ گیہوں کا آٹا اور ہلدی لگانا کیا یہ صحیح ہے؟ نفاس والی عورت کب اور کس طرح غسل کرے اسلامی طریقہ تحریر فرمائیں عین نوازش ہوگی۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) نفاس کا خون بند ہونے پر غسل واجب ہے ویسے حالت نفاس میں ظاہری پاکیزگی اور صحت کے لئے روزانہ بھی غسل کیا جا سکتا ہے منع نہیں ہے۔ لیکن ایک مہینے کے ختم پر غسل کرنے کو مسنون اور حکم شرعی سمجھنا غلط ہے۔ چالیس ۴۰ روز سے پہلے جب بھی خون بند ہو جائے طہارت کی نیت سے غسل کر کے نماز شروع کر دینا ضروری ہے۔ اگر چالیس روز تک خون جاری رہا جو اس کی انتہائی مدت ہے تو چالیس روز پورے ہوتے ہی غسل کر کے نماز شروع کر دے۔(۲) اس غسل کا کوئی جداگانہ طریقہ نہیں ہے پیٹھی لگا کر غسل کرنے کو مسنون اور ضروری سمجھنا غلط اور بے اصل ہے۔ بدن کی صفائی کے لئے مٹی یا صابون وغیرہ کسی بھی پاک چیز کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حیض کی اقل مدت تین دن ہیں اس سے کم جو خون آئے وہ استحاضہ ہے:

(سوال ۴۷) ایک عورت کو ہر تین ماہ پر خون آتا ہے پہلے پانچ دن کی عادت تھی لیکن اب ایک رات خون آ کر موقوف ہو جاتا ہے۔ بہشتی زیور میں مسئلہ ہے کہ تین دن اور تین رات سے کم جو خون آوے تو وہ حیض نہیں ہے بیماری کا خون ہے عورت مذکورہ کو جو خون آتا ہے اس کو کیا کہا جائے۔ حیض یا استحاضہ؟ عورت کی عمر ۴۵ سال ہے۔ نماز، تلاوت کے لئے کیا کیا جائے　بینوا توجروا۔

(الجواب) تین دن اور تین رات سے کم خون آیا تو وہ حیض نہیں ہے ہدایہ میں ہے **اقل الحیض ثلاثة ایام و ما نقص من ذلک فهو استحاضة** (جلد اول ص ۵۴ باب الحیض والا ستحاضة) فقط واللہ اعلم بالصواب.

---

(۱) وان انقطع لدون اقله تتوضؤ وتصلی فی آخر الوقت وان لأ قله فان لدون عادتها لم یحل وتغتسل وتصلی وتصوم احتیاطا وان لعادتها . درمختار علی هامش شامی باب الحیض.

(۲) قوله ولا حد لا قله　وذکر شیخ الاسلام فی مبسوطه اتفق اصحابنا علی ان اقل النفاس ما یوجد فانها کما ولدت اذا رأت الدم ساعة ثم انقطع الدم عنها فانها تصوم وتصلی وکان مارأت نفاسا لا خلاف فی هذا بین اصحابنا　واکثره اربعون یوما　فکان اکثر مدة النفاس اربعین یوما. بحر الرائق باب الحیض ج ۱ ص ۲۱۹، ۲۲۰.

چند دن نفاس کا خون آیا پھر بند ہو گیا پھر تھوڑے دن آ کر بند ہو گیا تو کتنے ایام نفاس کے شمار ہوں گے:

(سوال ۴۸) ایک عورت کو نفاس اس طرح آتا ہے کہ چار روز آیا پھر بند ہو گیا پھر چار دن آیا پھر بند ہو گیا اسی طرح معاملہ رہتا ہے حتیٰ کہ چالیس ۴۰ روز ختم ہو جاتے ہیں تو جن دنوں میں خون نہیں آیا وہ دن طہارت کے شمار ہوں گے یا نفاس کے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں پورے چالیس ۴۰ روز نفاس کے شمار ہوں گے۔ درمیان کا زمانہ طہارت میں شمار نہ ہوگا۔ جب کہ چالیس روز کی عادت ہو چکی ہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم۔

دم نفاس دس ۱۰ یا بیس ۲۰ روز کے بعد بند ہو جائے تو کیا حکم ہے

(سوال ۴۹) ایک عورت کو بچہ پیدا ہونے کے بعد دس ۱۰ یا بیس ۲۰ روز خون نفاس آیا اور پھر بند ہو گیا۔ تو کیا وہ عورت غسل کر کے اپنے شوہر سے ہمبستر ہو سکتی ہے؟

(الجواب) زیادہ سے زیادہ نفاس کی مدت چالیس روز ہیں اگر اس سے پہلے خون بند ہو جائے اور یہ پہلا بچہ ہے یا اس سے پہلے بچے ہوئے ہیں اور ابھی جتنے دن خون آیا ہے اس سے زیادہ خون نہیں آیا تھا تو اس صورت میں غسل کر کے نماز پڑھنا شروع کر دے اور ہمبستری بھی درست ہے۔ (۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نفاس والی عورت کی عادت مختلف ہو تو اس کا کیا حکم ہے

(سوال ۵۰) کسی عورت کو پہلی بار پینتیس ۳۵ دن دوسری بار بتیس ۳۲ دن اور تیسری بار تیس ۳۰ دن نفاس کا خون جاری رہا تو تیسری بار وہ عورت کب سے پاک ہے اور شوہر اس سے صحبت کب سے کر سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس صورت میں تیس ۳۰ دن کے بعد غسل کر کے نماز پڑھے رمضان ہو تو روزہ رکھے۔ لیکن صحبت مکروہ ہے ہاں بتیس ۳۲ دن کے بعد (جو اس کی عادت تھی) صحبت درست ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ ولو انقطع دما دون عادتها يكره قربانها حتىٰ يمضى عادتها وعليها ان تصلى وتصوم للاختياط هكذا فى التبيين (ج ۱ ص ۳۹ الفصل الرابع فى احكام الحيض والنفاس والا ستحاضة. فقط والله اعلم بالصواب.

---

(۱) لأن من اصله ان الدم اذا كان فى اربعين فالطهر المتخلل فيه لا يفصل طال الطهر أو قصر حتى لورأت ساعة دما واربعين الا ساعتين طهراً ثم ساعة دما كان الا ربعون فله نفاساً بحر الرائق تحت قوله ولا حد لا قله باب الحيض ص ۲۱۹.

(۲) ولا حد لا قله اى النفاس وذكر شيخ الاسلام فى مسبوطه اتفق اصحابنا على ان اقل النفاس ما يو جد فانها كما ولدت اذا رأت الدم ساعة ثم انقطع الدم عنها فانها تصوم وتصلى وكان مارأت نفاساً لا خلاف فى هذا بين اصحابنا بحر الرائق باب الحيض ج ۱ ص ۲۱۹.

حائضہ مستحاضہ جنب نفاسہ کے احکام

حائضہ سے صحبت کرنے کا کیا حکم ہے

(سوال ۵۱) ایک حدیث نظر سے گذری جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حائضہ سے صحبت کرے تو نصف دینار خیرات کرے (مشکوٰۃ) اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حالت حیض میں صحبت کرنی ہو تو نصف دینار خیرات کر کے کرے، لہذا اس کی وضاحت فرما کر ممنون کریں۔

(الجواب) آپ نے حدیث کا جو مطلب سمجھا کہ حالت حیض میں نصف دینار خیرات کر کے صحبت کر سکتے ہیں یہ بالکل غلط ہے، نصف دینار خیرات کرنا بطور فیس کے نہیں بلکہ بطور جرمانہ اور سزا کے ہے اور غضب خداوندی سے بچنے کے لئے ہے، کتب فقہ میں ہے کہ کوئی رمضان المبارک میں حالت صوم میں صحبت کرے تو کفارہ لازم ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ روزہ کی حالت میں صحبت کرنی ہو تو کفارہ دے کر کر سکتے ہیں، سب کو معلوم ہے کہ حالت حیض میں صحبت حرام ہے، گندی اور پلیدی ہے اور سخت گناہ کا کام ہے اس کی حرمت قرآن سے ثابت ہے، خدائے پاک فرماتے ہیں۔ **یسئلونک عن المحیض قل ھو اذیً فاعتزلو االنسآء فی المحیض ولا تقربوھن حتیٰ یطھرن** (یعنی) اے نبی ﷺ یہ لوگ آپ سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ گندی چیز ہے اور تم حالت حیض میں عورتوں سے دور رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں، ان سے صحبت نہ کرو (سورہ بقرہ) حدیث میں سخت ممانعت وارد ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی حائضہ کے پاس یا عورت کے دبر میں یا کاہن کے پاس آوے تو وہ دین محمد ﷺ کا منکر ہے (باب الحیض الفصل الثانی عن ابی ہریرۃ ص ۵۶)

کتب فقہ میں صریح حرمت وارد ہے " مالا بدمنہ " کے الفاظ پڑھئے " وجماع در حیض ونفاس حرام است (یعنی) حالت حیض ونفاس میں جماع (صحبت) حرام ہے (ص ۱۷) اتنا ہی نہیں بلکہ ناف سے گھٹنے تک اس کے جسم کو دیکھنا اور ہاتھ لگانا بھی درست نہیں ہے، اور فقہاء نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ " حلال سمجھ کر صحبت کرنا کفر ہے (فتح القدیر ج ا ص ۱۵) (۱) اگر کسی بدنصیب سے یہ گناہ کبیرہ سرزد ہو جائے تو بارگاہ خداوندی میں بقلب صمیم اور عجز وانکسار سے توبہ واستغفار واجب ہے، مزید براں حسب حیثیت صدقہ وخیرات کرے کہ قانون شکنی اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے غضب الٰہی جوش میں آجاتا ہے وہ صدقہ سے ٹل جاتا ہے، ایک حدیث میں ہے **عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا کان دما احمر فدینار وان کان دما اصفر فنصف دینار** (ترجمہ) جب دم سرخ (یعنی ابتدا میں) یہ گندہ کام ہو جائے تو ایک دینار صدقہ کرے اور زرد خون میں ہو جائے تو نصف دینار دے (ترمذی شریف ج ا ص ۲۰ باب ماجآء فی الکفارۃ فی ذلک)۔ نوٹ:۔ ایک دینار ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) قولہ ولا یأتیھا زوجھا ولو اتاھا مستحلاً کفر او عالما بالحرمۃ أتی کبیرۃ ووجبت التوبۃ ویتصدق بدینار او بنصفہ استحبابا الخ باب الحیض والاستحاضۃ

عورت حالت حیض میں وظائف واوراد پڑھ سکتی ہے.

(سوال ۵۲)عورت کے لئے حالت حیض میں نماز وتلاوت کی گنجائش نہیں مگر دیگر وظائف پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟

(الجواب) حالت حیض میں علاوہ نماز وتلاوت کےاورذکرواذکاراور درودوظائف جاری رکھ سکتی ہے یہ جائز ہے منع نہیں بلکہ اس کے لئے مستحب ہے کہ ہر نماز کے وقت وضو کر کے مصلے پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی مقدار سبحانک استغفر الله الذى لا اله الاهو الحى القيوم پڑھے تواس کے نامۂ اعمال میں ہزار رکعات لکھی جاتی ہیں اور ستر ہزار گناہ معاف ہوتے ہیں اور درجات بڑھ جاتے ہیں اور استغفار کے ہر لفظ پر ایک نور ملتا ہے اور جسم کے ہر رگ کے عوض حج وعمرہ لکھے جاتے ہیں۔(مجالس الابرار عربی ص ۵۶۷)(۱)

غیر مقلدین کے نزدیک ناپاک آدمی بغیر غسل کے قرآن شریف پکڑ سکتا ہے:

(سوال ۵۳) کیا غیر مقلدوں کے نزدیک ناپاک آدمی کے لئے بغیر غسل کے قرآن مجید کا اٹھانا اور ہاتھ لگانا جائز ہے؟

(الجواب)ہاں ان کے مذہبی پیشوا مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب اور مولانا نورالحسن خاں صاحب کی کتاب عرف الجادی میں ہے اگر چہ محدث راس مصحف جائز باشد (ص ۱۵) (دلیل الطالب علی ارجح المطالب ص ۲۵۲)

لڑکی حافظ ہوتے ہوئے بالغ ہوجائے آموختہ یاد رہے اس کی کوئی صورت ہے؟:

(سوال ۵۴) ایک لڑکی قرآن کریم کا حفظ کر رہی ہے وہ بالغہ ہوگئی اوراس کے ایام شروع ہوگئے۔اب اس کی وجہ سے ہر مہینے آٹھ دن کا ناغہ ہوتا ہے بقیہ دنوں میں وہ قرآن پڑھ سکتی ہے مگر پریشانی یہ ہے کہ حفظ پورا کرنے کے لئے بہت وقت لگے گا۔اور جب بیچ میں اتنے دن چھوٹ جاتے ہیں تو یاد کیا ہوا بھول جاتی ہے اور پھر دوبارہ یاد رکھنا پڑتا ہے تو ایسی کوئی صورت ہے کہ وہ اپنے حیض کے ایام میں تلاوت کر سکے تاکہ کم از کم پڑھا ہوا یاد رہے۔ جواب عنایت فرمائیں۔بینوا توجروا۔

(الجواب)ایام کے زمانہ میں مذکورہ عذر کی وجہ سے قرآن شریف کے تلاوت کی اجازت نہیں ہوسکتی، یاد کیا ہوا بھول نہ جائے۔اس کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔

(۱) کپڑے وغیرہ سے قرآن شریف کھول کر بیٹھے اور قلم وغیرہ کسی چیز سے ورق پلٹائے۔اور قرآن میں

---

(۱) اعمال نامہ میں ستر ہزار رکعات لکھنے الخ کی جو بات مفتی صاحب نے مجالس الابرار کے حوالے سے لکھی ہے یہ مجھے نہیں ملی رہا تسبیح وتحلیل کے مستحب ہونے کا مسئلہ تو مولانا محمد یوسف بنوری نے معارف السنن میں عمدۃ القاری کے حوالے سے اس پر نقش کیا ہے وكذلك مذهب الجمهور العلماء من السلف والخلف أنه ليس على الحائض وضؤ ولا تسبيح ولا ذكر فى اوقات الصلاة ولا فى غيرها وممن قال بهذا الاوزاعى والثورى وابو حنيفه واصحابه والشافعى كمافى شرح المهذب (۲. ۳۵۳)غير ان الحنفية قالوا باستحباب الوضوء لوقت كل صلاة والقعود على مصلاها مسبحة ومهللة وصحح فى الظهرية انهاتجلس مقدار اداء فرض الصلاة كيلا تنسى العادة كما فى البحر الرائق ۱. ۱۹۳. وان كان لا اصل له على هذا الوجه المخصوص قاله فى شرح المهذب (۲. ۳۵۴) قال الراقم وفيما قالوا نظر آخر وهو ان الحديث أنس اذا حاضت لم تصل ولم تصم يدل على انه ليس للمرأة أمر تكافينى هذا النقص فلو كان هناك شئى يجبر الوهن لمالطف ذلك التعبير وانظر عمدة (۲. ۱۳۲)معارف السنن باب ماجاء فى الحائض انها لا تقضى الصلاة ج ۱ ص ۴۴۲)

دیکھ کر دل دل میں پڑھے۔ زبان نہ ہلائے۔ (۱)

(۲) کوئی تلاوت کررہا ہوتو اس کے پاس بیٹھ جائے اور سنتی رہے۔ سننے سے بھی یاد ہو جاتا ہے یہ دونوں طریقے جائز ہیں۔ اور انشاء اللہ یاد کیا ہوا محفوظ رکھنے کے لئے کافی ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۹ شوال المکرم ۱۴۰۱ھ۔

جنابت کی حالت میں سونا:

(سوال ۵۵) ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے ایک شخص کے لڑکے لڑکیاں سیانے ہو گئے ہیں اور اس کا مکان بہت چھوٹا ہے تمام بچے اسی مکان میں رہتے ہیں ..... کبھی وہ اور اس کی اہلیہ مباشرت کرتے ہیں۔ مگر مکان کے تنگ اور بچوں کے بیدار ہو جانے کی وجہ سے شرم وحیاء لاحق ہونے کی بنا پر وہ رات کو غسل نہیں کرتے صرف تیمم پر اکتفاء کرتے ہیں اور صبح کو پہلی فرصت میں غسل کرتے ہیں تو یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟ یہ بھی خیال رہے کہ اگر اس طرح نہ کیا جائے تو صحبت اور مباشرت کی کوئی سبیل نہیں امید کہ جواب عنایت فرمائیں گے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) رات کو جماع کے بعد ظاہری نجاست دھو کر وضو کر کے سو جائے۔ (۲) مگر نماز فجر سے پہلے غسل کر کے نماز ادا کرنا ضروری ہے۔ نماز قضا کرنا جائز نہیں۔ ایسی حیاء شرم جائز نہیں جس کی وجہ سے فرض نماز قضا ہو جائے رات کو کسی وقت بھی غسل کر لیا جائے یا پھر دن کو جس وقت بچے نہ ہوں صحبت کا وقت نکال لیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ یکم محرم الحرام ۱۳۹۷ھ۔

(۱) ولا يكره النظر اليه اى القرآن لجنب وحائض ونفساء لأن الجنابة لاتحل العين درمختار على هامش شامی ج ۱ ص ۱۷۴۔

(۲) عن عائشة عن النبی صلی اللہ علیه وسلم انه كان يتوضأ قبل ان ينام وعن ابن عمر انه سئل النبی صلی اللہ علیه وسلم اينام احدنا وهو جنب قال نعم اذا توضأ ترمذی باب فی الجنب ينام قبل ان يغتسل ج ۱ ص ۳۲

ما یتعلق بالنجاسۃ و احکامھا

(سوال) جنبی آدمی اپنے ہاتھ سے کوئی چیز جیب میں رکھے تو اس کو دھونا ضروری ہے؟
(الجواب) حالت جنابت میں ہاتھ سے جیب میں رکھی ہوئی چیز کو دھونا ضروری نہیں ۔[1]
(سوال) عورت ریشمی کرتہ۔ازار،اوڑھنی،سر بند وغیرہ ریشمی کپڑے پہن کر نماز پڑھے تو کیا حکم ہے؟
(جواب) جائز ہے منع نہیں ۔[2]

غیر مسلم کے گھر میں گوبر سے لیپی ہوئی جگہ پر نماز پڑھنا:

(سوال ۵۶) میری ملازمت سرکاری ہے۔گاؤں گاؤں گھومنا پڑتا ہے۔بعض جگہوں پر مسجد یا مسلمانوں کے گھر گوبر سے لیپے ہوئے ہوتے ہیں تو ایسی جگہ پر مصلی بچھا کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟
(الجواب) گوبر سے لیپی ہوئی خشک جگہ پر پاک کپڑا بچھا کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ جائز ہے، نماز صحیح ہوجائے گی۔ وکذا الثواب اذا فرش علی النجاسۃ الیابسۃ فان کان رقیقاً یشف ما تحتہ او توجد منہ رائحۃ النجاسۃ علی تقدیر ان رائحۃ لا تجوز الصلوٰۃ علیہ وان کان غلیظاً بحیث لا یکون کذلک جازت(شامی ج ۱ ص ۶۱۲ باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا تحت قولہ مبسوط علی نجس الخ)فقط واللہ اعلم بالصواب.

شطرنجی کا ایک کونہ ناپاک ہے:

(سوال ۵۷) مکان کے دیوان خانے میں فرش (شطرنجی) بچھا رہتا ہے۔اس کے ایک کونے پر بچہ نے پیشاب کیا ہو تو دوسرے کونے پر کپڑا بچھا کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟
(الجواب)صورت مسئولہ میں فرش کے دوسرے پاک کونے پر کپڑا بچھائے یا نہ بچھائے، نماز بلاحرج کے ادا ہوجائے گی(قولہ ومکانہ) فلا تمنع النجاسۃ فی طرف البساط ولو صغیراً فی الا صح (شامی ج ۱ ص ۳۷۴ باب شروط الصلاۃ)فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مرغی ذبح کرکے بال چمڑا نکالنے کے لئے گرم پانی میں ڈالنا کیسا ہے:

(سوال ۵۸)ایک مسلم نے مرغی ذبح کی پھر اس میں سے خراب اشیاء نکال کر اس کو کھولتے ہوئے گرم پانی میں ڈال کر اس کے بال و پر صاف کئے تو یہ مرغی کھانا حلال ہے یا حرام؟

---

(۱) عن ابی ہریرۃ قال لقینی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا جنب فاخذ بیدی فمشیت معہ حتیٰ قعد فانسللت فاتیت الرجل فاغتسلت ثم جئت وھو قاعد فقال این کنت یاابا ہریرۃ فقلت لہ فقال سبحان اللہ ان المؤمن لا ینجس .مشکوۃ باب مخالطۃ الجنب وما یباح لہ ص ۴۹.
(۲) حرم للرجل لاللمراۃ لبس الحریر الا قدرِاربع اصابع یعنی یحرم علی الرجل لا علی المراۃ لبس الحریر بحرالرائق کتاب الکراھیۃ فصل فی اللبس ج ۸ ص ۱۸۹ ۔

نوٹ: ذبح کرنے کے بعد چمڑا اتارنے میں دیر ہوتی ہے اور گرم پانی میں ڈالنے سے فوراً نکالتے ہیں۔

(الجواب) ہاں! مرغی ذبح کرکے نجاست دور کرکے گرم پانی میں ڈالی جائے تو کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ نجاست اور غلاظت دور کئے بغیر کھولتے ہوئے گرم پانی میں کچھ وقت تک ڈالتے رکھنے سے مرغی ناپاک ہوجاتی ہے۔ مفتی بہ قول کے مطابق دھونے سے بھی پاک نہ ہوگی۔ طحطاوی میں ہے۔ وکذا دجاجة ملقاة حالة غلی للنتف قبل شقها (قوله کذا دجاجة الخ) قال فی الفتح ولو القیت دجاجة حال الغلیان فی الماء قبل ان یشق بطنها لنتف او کرش قبل الغسل لا یطهر ابداً الخ (طحطاوی ج ۱ ص ۲۴۹ باب الا نجاس)

نجس چیز میں جوش دی ہوئی چیز:

(سوال ۵۹) ہلدی کے ٹکڑے گائے بیل کے پیشاب میں یا گوبر میں ڈال کر جوش دے کر مٹی سے صاف کرکے دھوپ میں سکھائے جائیں تو پاک ہیں یا ناپاک؟

(الجواب) گوبر وغیرہ نجس چیز میں جوش دیئے ہوئے ہلدی کے ٹکڑے دھونے اور دھوپ میں رکھنے سے پاک نہ ہوں گے۔ حنطة طبخت فی خمر لا تطهر ابداً به یفتی (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۳۰۹ باب الا نجاس)

کاغذ پر بول و براز کرنا کیسا ہے:

(سوال ۶۰) بمبئی میں عام رواج ہے کہ والدہ چھوٹے بچوں کو کاغذ بچھا کر پیشاب پائخانہ کے لئے بٹھاتی ہیں تو اس پر پیشاب، پائخانہ کرانا جائز ہے یا نہیں؟ سادہ کاغذ پر بول و براز کرانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مذکور رواج غلط ہے، اس کا ترک ضروری ہے کاغذ لکھا ہوا ہو یا کورا بہرصورت اس پر پیشاب وغیرہ ممنوع ہے۔ کہ کاغذ حصول علم کا ذریعہ ہے اس بناء پر قابل احترام ہے۔ وکذا ورق الکتابة لصقالته وتقومه وله احترام ایضاً لکونه آلة لکتابة العلم و لذاء لله فی التتارخانیةبانّ تعظیمه من ادب الدین الخ۔

ترجمہ: یعنی جو حال درخت کے پتوں کا ہے وہی حال کاغذ کا ہے۔ یعنی کاغذ بھی پتوں کی طرح چکنا ہے۔ (نجاست دور نہ کرے گا بلکہ اور بھی پھیلا دے گا) اور قیمتی بھی ہے اور شریعت میں اس کی حرمت بھی ہے اس لئے کہ وہ علم کا آلہ ہے۔ (شامی ج ۱ ص ۳۱۵ فصل فی الاستنجاء) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گوبر سکھا کر جلایا جائے اور وہ راکھ بن جائے تو وہ راکھ پاک ہے یا ناپاک:

(سوال ۶۱) ہمارے یہاں گوبر کو سکھا کر جلاتے ہیں جب وہ جل کر راکھ بن جائے تو وہ پاک ہے یا ناپاک؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) گوبر جب جل کر راکھ ہوجائے تو اس کی حقیقت، ماہیت نام اور صفت وغیرہ سب بدل جاتا ہے۔ لہذا راکھ پاک سمجھی جائے گی۔ لا یکون نجسا رما دقذر (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۳۰۱ باب الانجاس) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گوبر کو مٹی کے گارے میں ضرورۃً ملانا جائز ہے یا نہیں:

(سوال ۶۲) دیہات میں عام طور پر غریب لوگ رہتے ہیں۔ مکان کا فرش کچا ہوتا ہے۔ پتھر بچھانے کی استطاعت نہیں ہوتی اس لئے مٹی کے گارے میں گوبر ملا کر لیپتے ہیں گوبر نہ ملایا جائے تو فرش پھٹ جاتا ہے۔ اس لئے گوبر ملایا جاسکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایسی صورت میں گوبر ملایا جاسکتا ہے کہ مجبوری ہے وفی البحر نقلاً عن التجنیس اذا نزح الماء النجس من البئر یکرہ ان یبل به الطین ویطین المسجد او ارضه بخلاف السرقین اذا جعل فی الطین لان فی ذلک ضرورۃً لانه لا یتهیأ الا بذلک انتھی (فتاوی خیریه ج ۱ ص ۳ کتاب الطھارۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صابون میں خنزیر کی چربی ہوتو وہ صابون پاک ہے یا ناپاک:

(سوال ۶۳) خنزیر کی چربی صابون میں پڑی ہو تو اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) خنزیر کی چربی صابون میں پڑنے کے بعد اس کی ذات اور حقیقت بدل جاتی ہے۔ نیز اس میں عموم بلوی بھی ہے اس لئے جائز الاستعمال ہے۔

ویطھر زیت نجس بجعله (صابوناً) به یفتیٰ للبلوی الخ (درمختار وعبارۃ المجتبیٰ جعل الدھن النجس فی صابون یفتی بطھارته لانه تغیر و التغییر یطھر عند محمد رحمه الله ویفتی به للبلوی اھ .(الی قوله) ثم رأیت فی شرح المنیة ما یؤید الاول حیث قال وعلیه یتفرع ما لو وقع انسان او کلب فی قدر الصابون فصار صابوناً یکون طاھراً لتبدل الحقیقة اھ ثم اعلم ان العلة عند محمد رحمه الله ھی التغیر و انقلاب الحقیقة و انه یفتی به للبلوی کما علم مما مر (درمختار وشامی ج ۱ ص ۲۹۱ باب الانجاس)

(لا) یکون نجساً (رمادقذر) (ولا ملح کان حماراً) او خنزیراً ولا قذر وقع فی بئر فصار حمأة لانقلاب العین به یفتیٰ (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۳۰۱ کتاب الطھارۃ باب الانجاس) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مقتدی کی قے سے امام کے کپڑے خراب ہوجائیں تو کیا حکم ہے:

(سوال ۶۴) کل مغرب کے نماز میں مقتدیوں میں سے ایک مقتدی کو جو بالکل امام کے پیچھے شریک جماعت تھا منہ بھر کر بہت تیزی سے قے ہوئی جس کی وجہ سے حالت نماز ہی میں امام صاحب کا کرتا، پیر، مصلی وغیرہ قے میں ملوث ہوگیا۔ کپڑے پر لگی ہوئی قے مقدار درہم سے زیادہ ہے۔ صورت مسئولہ میں نماز ہوگئی یا اعادہ کی ضرورت ہے؟ بینوا توجروا۔ ۲۹/۶/۹۶ھ

(الجواب) قے جو منہ بھر کر ہو وہ نجاست غلیظہ ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے (والقی ملٔ الفم ونجاستھا غلیظة

بالاتفاق ۱۵ ص ۸۹ باب الانجاس والطهارة عنها) بقدر درہم معاف ہے درہم سے زیادہ ہوتو نماز نہ ہوگی۔ نجاست دور کر کے دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی۔ جسم دار نجاست میں وزن کا اعتبار ہے۔ اور پتلی ہوتو مساحت (پھیلاؤ) کا اعتبار ہوگا۔ یعنی بقدر کف دست (ہتھیلی) معاف ہے اس سے زیادہ معاف نہیں۔ ہدایہ میں ہے۔ **وقدر الدرهم وما دونه من النجس المغلظ .الی قوله. جازت الصلوة معه وان زاد لم تجز .(ج ا ص ۵۸ باب الانجاس)**

مالابدمنہ میں ہے۔ مسئلہ نجاست غلیظ مقدار درہم یعنی مساحت عرض کف در رقیق ومقدار چہار نیم ماشہ در غلیظ عفواست۔ لیکن آب را فاسد کند (ص ۱۹ فصل در نجاسات) اور مقدار کف دست کی پہچان یہ ہے ہاتھ میں پانی لیا ئے پھر ہاتھ کو پھیلا دیا جائے ہتھیلی کی جتنی جگہ میں پانی بچ جائے وہ جگہ مقدار کف دست ہے۔ **(قوله وهو داخل مفاصل اصابع اليد) قال مثلاً مسكين وطريق معرفته ان تغرف الماء باليد ثم تبسط فما بقى من الماء فهو مقدار الكف (شامی ج ا ص ۲۹۳ باب الانجاس) فقط والله اعلم بالصواب.**

جو کاغذ استنجاء کے لئے تیار کیا جاتا ہے اس سے استنجاء کرنا جائز ہے یا نہیں:

(سوال ۶۵) کاغذ سے استنجاء کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے ملک میں استنجاء کے لئے خاص ایک قسم کا کاغذ تیار کیا جاتا ہے اس کا استعمال درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ کنیڈا

(الجواب) کاغذ سے استنجاء جائز نہیں اور جو کاغذ خاص استنجاء کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ اس کے استعمال کی بھی عام اجازت نہیں۔ ہاں بوقت مجبوری مثلاً ہوئی جہاز میں پانی نہ ملتا ہو اور وہاں انسان اس سے استنجاء کرنے پر مجبور ہو جاتا ہو تو ایسے وقت استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاوی رحیمیہ ج ۳ ص ۱۳ اردو۔[1]

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رقیق نجاست غلیظہ کی مقدار عفو اور معافی کا مطلب:

(سوال ۶۶) آپ کی تصنیف فتاوی رحیمیہ جلد چہارم ص ۲۶۳ ص ۲۶۴ پر مذی کا مسئلہ ہے،[2] اس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر مذی کم مقدار ہو تو دھونا واجب نہیں بہتر ہے، اور اگر زیادہ مقدار ہو تو دھونا ضروری ہو جاتا ہے تو میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ زیادہ مقدار اور کم مقدار کا کیسے اندازہ لگایا جائے کہ یہ کم مقدار ہے اور یہ زیادہ مقدار ہے اس کی صورت تحریر فرما کر بندہ کو ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا

(الجواب) مذی ایسی نجاست غلیظہ ہے جو بہنے والی ہے اور وہ نجاست غلیظہ جو بہنے والی ہو وہ مساحت کف یعنی ہتھیلی کے گڑھے کے برابر (ایک روپیہ کے سکہ کے برابر) معاف ہے، لہذا مذی مساحت کف کے بقدر یا اس سے کم ہو تو اسے کم مقدار کہا جائے گا اور اگر مساحت کف سے زیادہ ہو تو اسے کثیر مقدار کہا جائے گا، اس لئے کہ اگر مذی کپڑے پر

---

(۱) جدید ترتیب میں اسی باب میں، کاغذ پر بول وبراز کرنا کیسا ہے، کے عنوان سے دیکھیں ص ۵۲۔ از مرتب) رہا اس کاغذ کا مسئلہ جو استنجاء کرنے کے تیار کئے جاتے ہیں اس پر استنجاء بلا کسی کراہت کے ہر جگہ کر سکتے ہیں کیونکہ وہ لکھائی کے لئے نہیں اور نہ ہی اس پر لکھائی ہو سکتی ہے عرف عام میں اسے ٹشو پیپر کہتے ہیں .واذا كانت العلة فى الابيض كونه آلة للكتابة كما ذكرناه يوخذ منها عدم الكراهة فيما لا يصلح لها اذا كان قالعا للنجاسة غير متقوم كما قدمناه من جوازه بالخرق البوالى .شامى فصل فى الاستنجاء ج ا ص ۳۴۰.

(۲) جدید ترتیب میں نواقض الوضوء کے باب میں خروج مذی ناقض وضوء ہے کے عنوان سے دیکھئے۔ ص ۲۳ ج

لگی ہو اور پھیلاؤ میں مساحت کف سے کم ہے اور کسی وجہ سے اس کے ساتھ نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی، اعادہ (دہرانے) کی ضرورت نہیں۔ مراقی الفلاح میں ہے وعفی قدر الدرهم وزنا فی المتجسدة وهو عشرون قیر اطاومساحة فی المائعة وهو قدر مقعر الکف فذاک عفو من النجاسة المغلظة (مرقی الفلاح مع طحطاوی باب الانجاس والطهارة عنها ص ۸۴)

اور معافی کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ نماز پڑھ لی اور بعد میں اس قلیل نجاست کا علم ہوا تو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے اور نماز کے دوران اس نجاست کا علم ہوا اور نماز توڑنے میں جماعت فوت ہونے کا خوف ہو تو نماز نہ توڑے، اور اگر جماعت فوت ہونے کا خوف نہ ہو یا تنہا نماز پڑھ رہا ہو اور قضاء ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ نماز توڑ دے اور نجاست زائل کر کے نماز پڑھے، قضا ہونے کا اندیشہ ہو تو نماز نہ توڑے، معافی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دھونے کو ضروری نہ سمجھے بلکہ اولین فرصت میں اسے دھو لینا چاہئے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے (قوله وعفی قدر الدرهم) ای عفا الشارع عن ذلک والمراد عفا عن الفساد به والا فکراهة التحریم باقیة اجماعاً ان بلغت الدرهم وتنزیهاً ان لم تبلغ وفرعوا علی ذلک ما لو علم قلیل نجاسة علیه وهو فی الصلاة ففی الدرهم یجب قطع الصلوة وغسلها ولو خاف فوت الجماعة وفی الثانی یکون ذلک افضل مالم یخف فوت الجماعة بان لا یدرک جماعة اخری والا مضی علی صلوته لان الجماعة اقوی کما یمضی فی المسئلتین اذا خاف فوت الوقت لان التفویت حرام ولا مهرب من الکراهة الی الحرام افاده الحلبی وغیره (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۸۴ حواله بالا) فقط والله اعلم بالصواب.

چھوٹے بچے کی قے کا حکم:

(سوال ۶۷) چھوٹے شیر خوار بچے کی قے پاک ہے یا ناپاک؟ اگر ناپاک ہے تو غلیظہ ہے یا خفیفہ؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) چھوٹا شیر خوار بچہ یا بڑا آدمی اگر منہ بھر قے کرے تو وہ ناپاک ہے اور نجاست غلیظہ ہے کپڑے پر یا بدن پر لگ جائے تو دھونا ضروری ہے، البتہ اگر منہ بھر نہ ہو تھوڑی سی قے ہوئی جس سے وضو نہیں ٹوٹتا تو وہ ناپاک نہیں۔

مراقی الفلاح میں ہے۔ (ما ینقض الوضوء بخروجه من بدن الانسان) کالدم السائل والمنی والمذی والودی والاستحاضة والقئ مٔلءِ الفم ونجاستها غلیظة بالاتفاق لعدم معارض دلیل نجاستها عنده (مراقی الفلاح ص ۸۳ باب الانجاس) واما مالا ینقض کالقئ الذی لم یملأ الفم وما یسل من نحو الدم فطاهر علی الصحیح. (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۸۳)

بہشتی زیور میں ہے۔ مسئلہ:۔ چھوٹا بچہ جو دودھ ڈالتا ہے اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر منہ بھر نہ ہو تو نجس نہیں ہے اور جب منہ بھر ہو تو نجس ہے اگر بے دھوئے نماز پڑھے گی تو نماز نہ ہو گی، حاشیہ میں ہے وینقضه قئ ملأفاه من مرة او طعام او ماء اذا وصل الی معدته وان لم یستقر وهو نجس ومغلظ ولو من صبی ساعة ارضاعه وهو الصحیح. دربحذف ج ۱ ص ۱۴۳ (بهشتی زیور ص ۱۵ حصه اول وضو توڑنے والی

چیزوں کا بیان) فقط واللہ اعلم بالصواب.

دودھ پینے والے بچوں کے پیشاب کا حکم اور پیشاب سے نہ بچنے پر وعید:

(سوال ۶۸) ہمارے یہاں عورتوں میں مشہور ہے کہ چھوٹا بچہ جو صرف دودھ پیتا ہو غذا کھانا شروع نہ کی ہو وہ بچہ چاہے لڑکی ہو یا لڑکا اس کا پیشاب ناپاک نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ چھوٹے بچے اگر کپڑوں پر پیشاب کر دیتے ہیں تو بچہ کی ماں بہن وغیرہ اس کے دھونے کو ضروری نہیں سمجھتیں کیا یہ صحیح ہے، آپ مدلل اور مفصل وضاحت فرمائیں تا کہ یہاں لوگوں کو بتلا دیا جائے، بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ خیال بالکل غلط ہے ایسے شیر خوار بچہ (لڑکا ہو یا لڑکی) کا پیشاب ناپاک ہے، اور فقہاء نے اس کو نجاست غلیظہ میں شمار کیا ہے، لہذا اگر بچہ کپڑے پر پیشاب کر دے تو اس کا دھونا ضروری ہے اگر بدن پر لگ گیا ہو تو بدن پاک کرنا بھی ضروری ہے اگر کپڑا اور بدن پاک کئے بغیر نماز پڑھی جائے گی تو نماز صحیح نہ ہوگی لوٹانا ضروری ہوگا۔ درمختار میں ہے وعفی الشارع ...... (وعرض مقعر الکف ...... فی رقیق من المغلظة (و بول غیر ما کول ولو من صغیر لم یطعم) (قوله لم یطعم) بفتح الیاء ای لم یا کل فلا بدمن غسله (درمختار وشامی ص ۲۹۳، ص ۲۹۴ ج ۱ باب الانجاس) یعنی وہ نجاست غلیظہ جو بہنے والی ہو پھیلاؤ میں ہتھیلی کی مقدار (روپے کی مقدار) معاف ہے جیسے ...... اور غیر ماکول اللحم حیوان کا پیشاب اگر چہ ایسے چھوٹے بچے کا پیشاب ہو جس نے کھانا شروع نہ کیا ہو ...... (درمختار وشامی)

مراقی الفلاح میں ہے (فالغلیظة) ...... (وبول مالا یو کل) لحمه کالآدمی ولو رضیعاً (قوله ولو رضیعاً) لم یطعم سواء کان ذکرا اوانثی مراقی الفلاح علی هامش طحطاوی باب الا نجاس والطهارة عنها ص ۸۲. یعنی نجاست غلیظہ جیسے شراب ...... اور ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا جیسے آدمی کا پیشاب اگر چہ چھوٹے دودھ پیتے بچہ کا پیشاب ہو جو کھاتا نہیں ہے چاہے وہ لڑکا ہو یا لڑکی (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۸۳ باب الانجاس والطہارۃ عنہا)

عالمگیری میں ہے وکذلک (من النجاسة المغلظة) بول الصغیر والصغیرة اکلا اولا کذا فی الا ختیار شرح المختار یعنی چھوٹے لڑکے اور لڑکی کا پیشاب، اس نے کھانا شروع کیا ہو یا نہ کیا ہو نجاست غلیظہ ہے (عالمگیری ص ۴۸ ج ۱، الباب السابع فی النجاسات واحکامہا الفصل الثانی)

ہدایہ اولین میں ہے وقدر الدرهم وما دونه من النجس المغلظ کالدم والبول والخمر، حاشیہ میں ہے (قوله والبول ولو من صغیر لم یا کل، ملتقی الا بحر) یعنی نجاست غلیظہ (جو بہنے والی ہو پھیلاؤ میں) ایک درہم کی مقدار یا اس سے کم ہو تو معاف ہے جیسے خون پیشاب اور شراب، حاشیہ میں بحوالہ ملتقی الا بحر ہے، پیشاب چاہے ایسے چھوٹے بچہ کا ہو جو کھاتا نہ ہو (هدایه اولین باب النجاسة وتطهیرها ج ۱ ص ۵۸ حاشیه نمبر ۱۳)

مجمع الانہر میں ہے (والبول من حیوان لا یو کل) اوانسان (ولو من صغیر لم یا کل) (قوله

والبول ولو من صغیر لم یا کل) لا طلاق قوله صلی الله علیه وسلم استنزهوا عن البول ، الحدیث،
یعنی غیر ماکول اللحم حیوان یا انسان کا پیشاب (نجاست غلیظہ ہے اور دھونا ضروری ہے) چاہے ایسے بچہ کا ہو جو کھاتا نہ ہو
اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد استنزهوا عن البول (پیشاب سے بچو) مطلق ہے (ہر ایک کے پیشاب
کو شامل ہے۔) (مجمع الانهر شرح ملتقی الابحر. ج ۱ ص ۶۲ باب الانجاس)
بہشتی زیور میں ہے: مسئلہ: چھوٹے دودھ پیتے بچہ کا پیشاب، پاخانہ بھی نجاست غلیظہ ہے۔ (بہشتی زیور
ص ا حصہ دوم)

پیشاب سے بچنے کا بہت اہتمام کرنا چاہئے احادیث میں اس کی بہت تاکید آئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ قبر کا
عام عذاب پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے ہوتا ہے، ایک حدیث میں ہے عن ابن عباس رضی الله عنهما قال
قال رسول الله صلی الله علیه وسلم عامة عذاب القبر فی البول فاستنزهوا من البول ،رواه البزاز
والطبرانی فی الکبیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قبر کا
عام عذاب پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے لہذا پیشاب سے بچو (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۸۴ باب الاستنزاه من
البول والاحترازمنه لما فیه من العذاب)

حدیث میں ہے عن معاذ بن جبل عن النبی صلی الله علیه وسلم انه کان یستنزه من البول
ویامرا صحابه بذلک قال معاذ ان عامة عذاب القبر من البول . رواه الطبرانی فی الکبیر حضرت
معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ پیشاب سے بچتے تھے اور اپنے اصحاب کو بھی اس کا حکم فرماتے تھے
حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ قبر کا عام عذاب پیشاب ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ا ص ۸۵)

حدیث میں ہے: عن ابی امامة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اتقوا البول فانه اول
مایحاسب به العبد فی القبر رواه الطبرانی فی الکبیر حضرت ابوامامہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ
آپ نے ارشاد فرمایا، پیشاب سے بچو، قبر میں سب سے پہلے بندہ سے پیشاب کے متعلق حساب ہوگا۔ (مجمع الزوائد
ص ۸۵ ج ۱)

حدیث میں ہے عن میمونة بنت سعد رضی الله عنها انها قالت یا رسول الله افتنا مم عذاب
القبر قال من اثر البول ، رواه الطبرانی فی الکبیر حضرت میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول
اللہ ہمیں یہ بتلایئے کہ قبر کا عذاب کس چیز سے ہوگا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا پیشاب کے اثر (چھینٹوں) سے (مجمع
الزوائد ص ۸۵ ج ۱)

ترمذی شریف میں ہے عن ابن عباس رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم مر علی
قبرین فقال انهما یعذبان وما یعذبان فی کبیر اما هذا فکان لا یستتر من بوله واما هذا فکان یمشی
بالنمیمة. حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ دو قبروں کے پاس سے گذرے آپ
نے فرمایا کہ ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور ان کو بہت بڑی چیز کے بارے میں عذاب نہیں ہو رہا ہے، ان
میں سے ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا (ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۱ باب التشدید

فی البول) (مشکوۃ شریف ص ۴۲ باب آداب الخلاء)

قولہ وما یعذبآن فی کبیر . ان کو بڑی چیز کے بارے میں عذاب نہیں ہورہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں ایسی نہیں ہیں کہ ان سے بچنا بہت مشکل ہو آسانی بچ سکتے تھے، اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ چغل خوری اور پیشاب سے نہ بچنے کی دین میں اہمیت نہیں ہے اور یہ بڑا گناہ نہیں ہے، التعلیق الصبیح میں ہے قولہ وما یعذبان فی کبیر ای امر شاق علیہما قال اللہ تعالی وانہا لکبیرۃ الا علی الخاشعین ای شاقۃ والمعنی انہما یعذبان فیما لم یکبر علیہما ترکہ ولا یجوز ان یحمل علی ان الامر فی النمیمۃ وترک التنزہ عن البول لیس بکبیرفی حق الدین کذا فی شرح المصا بیح للتور بشتی (التعلیق الصبیح ص ۱۹۲، ص ۱۹۳ ج ۱) (مرقاۃ ص ۳۴۹ ج ۱ ملتانی)

پیشاب اور چغل خوری کی وجہ سے قبر میں عذاب ہوتا ہے اس میں کیا مناسبت ہے؟ اس کے متعلق التعلیق الصبیح میں بحوالہ فتح الباری شرح صحیح بخاری بڑی عمدہ بات لکھی ہے (لطیفۃ) ابدی بعضہم للجمع بین ہاتین الخصلتین مناسبۃ وھی ان البرزخ مقدمۃ للاخرۃ واول ما یقضی بہ یوم القیامۃ من حقوق اللہ تعالیٰ الصلوٰۃ ومن حقوق العباد الدماء ومفتاح الصلوٰۃ التطہیر من الحدث والخبث ومفتاح الدماء الغیبۃ والسعی بین الناس بالنمیمۃ ینشر الفتن التی یسفک بسببہا الدماء کذا فی فتح الباری فی باب النمیمۃ من الکبائر من ابواب الادب.

مذکورہ عبارت کا خلاصہ اور مطلب یہ ہے کہ عالم برزخ عالم آخرت کا مقدمہ ہے، (آخرت کی پہلی منزل ہے) اور قیامت کے دن حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز کا اور حقوق العباد میں خون (ناحق کسی کے خون بہانے) کا حساب اور فیصلہ ہوگا، اور نماز کی کنجی ناپاکی سے (نجاست حقیقی ہو یا نجاست حکمی) پاکی حاصل کرنا ہے (پاکی کے بغیر نماز نہیں ہوتی ہے تو تطہیر نماز کا مقدمہ ہے) اور ناحق قتل بہانے کا (عمومی) سبب غیبت اور لوگوں کے درمیان چغل خوری کرنا ہے (تو غیبت اور چغل خوری ناحق خون بہانے کا مقدمہ ہے) اس مناسبت سے قبر (عالم برزخ) میں ان دونوں چیزوں سے نہ بچنے پر عذاب ہوتا ہے (التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۳ ج ۱)

مجمع الزوائد کی ایک اور حدیث ملاحظہ ہو عن شفی بن ماتع الاصباحی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال اربعۃ یوذون اہل النار علی ما بہم من الاذی یسعون بین الحمیم والجحیم یدعون بالویل والثبور یقول اہل النار بعضہم لبعض ما بال ہو لاء قد آذونا علی ما بنا من الاذی قال فرجل مغلق علیہ تابوت من جمرو رجل یجرامعاء ہ ورجل یسیل فوہ قیحاً ودماً ورجل یاکل لحمۃ قال فیقال لصاحب التابوت ما بال الابعد قد آذانا علی ما بنا من الاذی قال فیقول ان الابعد مات وفی عنقہ اموال الناس ما یجد لہا قضا اووفاء ثم قال للذی یجر امعاء ہ مابال الابعد قد آذانا علی ما بنامن الاذی فقال ان الابعد کان لا یبالی این اصابہ البول منہ لا یغسلہ ثم قال یسیل فوہ قیحا ودماً ما بال الابعد قد آذانا علی ما بنامن الاذی فیقول ان الابعد کان یا کل لحم الناس رواہ الطبرانی.

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے:۔ حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جہنم میں چار قسم کے لوگ ہوں گے

دوسرے جہنمی ان سے پریشان ہوں گے اور ایک دوسرے سے کہتے ہوں گے کہ ہم خود تکلیف میں مبتلا ہیں انہوں نے اپنی ہائے پکار سے ہماری تکلیف میں اضافہ کر رکھا ہے، ان میں سے ایک شخص انگاروں کے تابوت میں بند ہوگا، اور ایک شخص اپنی آنتیں کھینچتے ہوئے چلتا ہوگا اور ایک شخص کے منہ سے خون اور پیپ بہہ رہا ہوگا، اور ایک شخص اپنا گوشت کھا رہا ہوگا، جو شخص انگاروں کے تابوت میں بند ہوگا اس کے اس عذاب کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذمہ لوگوں کے مال تھے (اور اسی حالت میں اس کا انتقال ہوگیا) اور اپنے پیچھے کچھ نہیں چھوڑا کہ جس سے لوگوں کا مال ادا کر دیا جاتا، اور جو شخص اپنی آنتیں کھینچ رہا ہوگا اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس کو پیشاب لگ جاتا تو اس کی پرواہ نہ کرتا اور نہ اسے دھوتا، اور جس کے منہ سے خون اور پیپ بہہ رہا ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کا گوشت کھاتا تھا۔ (باب الا ستنزاہ من البول والا حتراز منہ' لمافیہ من العذاب مجمع الزوائد ص ۸۴ ج ۱ ص ۸۵)

ان تمام احادیث کو مدنظر رکھا جائے اور پاکی کا پورا اہتمام کیا جائے پیشاب لگ جانے کو ہلکا سمجھنا اور اس کو دھونے کا اہتمام نہ کرنا بہت سخت گناہ ہے، استنجاء بھی اس طرح کیا جائے کہ پیشاب کے چھینٹیں نہ اڑیں اور قطرے بدن اور کپڑے پر نہ لگیں، قطرے بند ہونے کی جو تدبیریں ہیں مثلاً چلنا، کھنکھارنا، کلوخ (ڈھیلا) استعمال کرنا، تجربہ سے جو مفید معلوم ہوا سے اختیار کرے تاکہ دل بالکل مطمئن ہو جائے، غرض کہ اس سلسلہ میں بڑے اہتمام اور توجہ وفکر کی ضرورت ہے۔ اسے ہلکا ہرگز نہ سمجھا جائے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گوبر اور پاخانہ کا گیس پاک ہے یا ناپاک؟ اور اس پر کھانا پکانا کیسا ہے:

(سوال ۶۹) گوبر یا پاخانہ کے گیس پر کھانا پکانا کیسا ہے؟ اس گیس کو استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور یہ گیس پاک ہے یا ناپاک؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) گیس بن جانے میں ماہیت بدل جاتی ہے اور جب کہ اوپلے (چھانے) سے گوبر کی صورت میں جلا کر کھانا پکایا جاتا ہے تو اس میں (گیس میں) نادرست ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اور فقہاء کا انسانی پیٹ سے نکلنے والی ہوا (گیس) کو پاک کہنا اس گیس کے پاک ہونے کی واضح دلیل ہے، مراقی الفلاح میں ہے وانما قیدناہ من (نجس) لان الریح طاھر علی الصحیح والاستنجاء منہ بدعۃ (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۲۵ فصل فی الاستنجاء) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مرغی ذبح کر کے کتنی دیر تک کھولتے ہوئے پانی میں ڈالے رکھنے سے ناپاک ہوتی ہے:

(سوال ۷۰) محترم ومکرم حضرت مفتی صاحب مدظلہم بعد سلام مسنون! فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد چہارم ص ۵۲ میں آپ نے تحریر فرمایا ہے "مرغی ذبح کر کے نجاست اور غلاظت دور کئے بغیر کھولتے ہوئے گرم پانی میں کچھ وقت تک ڈالے رکھنے سے مرغی ناپاک ہو جاتی ہے، مفتی بہ قول کے مطابق دھونے سے بھی پاک نہ ہوگی، کچھ وقت سے کتنا مراد ہے؟ اس کی وضاحت فرمائیں بینوا توجروا۔

(الجواب) مرغی ذبح کر کے اس کی نجاست اور غلاظت دور کئے بغیر کھولتے ہوئے گرم پانی میں اتنی دیر ڈالے کہ گوشت گرم پانی کو جذب کر لے اور پانی کی گرمی کا اثر گوشت کے اندرونی حصہ تک پہنچ جائے (کہ نجاست کا

اثر گوشت میں آ جائے) تو وہ مرغی بالکل ناپاک ہوجائے گی اور اس کے پاک ہونے کی کوئی صورت نہ ہوگی اس کا کھانا بھی جائز نہ ہوگا، اور اگر پانی میں ڈال کر فوراً نکال لی اور پانی کی حرارت کا اثر صرف چمڑے تک پہنچا (اور اس کا اثر صرف یہ ہوا کہ مسامات کھل گئے اور پر آسانی سے نکل گئے) یا کھولتا ہوا پانی نہ ہو تو اس صورت میں تین مرتبہ دھو لینے سے مرغی پاک ہوجائے گی۔

مراقی الفلاح میں ہے وعلی هذا الدجاج المغلی قبل اخراج امعائها واما وضعها بقدر انحلال المسام لنتف ریشها فتطهر بالغسل ۔طحطاوی میں ہے:۔(قوله وعلی هذا الدجاج الخ) یعنی لو القیت دجاجة حال غلیان الماء قبل ان یشق بطنها لتنتف او کرش قبل ان یغسل ان وصل الماء الی حد الغلیان ومکثت بعد ذلک زمانا لا یقع فی مثله التشرب والدخول فی باطن اللحم لا تظهر ابداً الا عند ابی یوسف کما مرفی اللحم وان لم یصل الماء الی حد الغلیان او لم تترک فیه الا مقدار ما تصل الحرارة الی سطح الجلد لا نحلال مسام السطح عن الریش والصوف تطهر بالغسل ثلاثا کما حققه الکمال اه (مراقی الفلاح وطحطاوی ص ۸۶ باب الا نجاس والطهارة عنها)

عمدۃ الفقہ میں ہے، مرغی یا کوئی اور پرند پیٹ چاک کر کے اس کے الائش نکالنے سے پہلے پانی میں جوش دی جائے تو وہ کسی طرح پاک نہیں ہوسکتی (یہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے) حاشیہ میں ہے (۱) اسی پر فتویٰ ہے، احتیاطاً آلائش نکال کر اور خون دھو کر جوش دیا جائے (عمدۃ الفقہ ج ۱ص ۱۸۲ باب نجاستوں اور ان کے احکام کا بیان) احتیاط اس میں ہے کہ آلائش نکالنے اور خون دھونے کے بعد گرم پانی میں ڈالا جائے اس صورت میں کچھ شک وشبہ نہ ہوگا اور باقی صورتیں شبہ سے خالی نہیں، یہ تعین کرنا مشکل ہوگا کہ پانی کا اثر کہاں تک پہنچا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) جدید ترتیب کے مطابق، اسی باب میں، مرغی ذبح کر کے بال چھڑانے کے لئے گرم پانی میں ڈالنا کیسا ہے؟ کے عنوان سے دیکھے۔

باب المسح علی الخفین

نائلون کے موزوں پر مسح جائز ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۷) ہمارے یہاں عرب ممالک سے آئے ہوئے یونیورسٹی اور کالج کے طلباء نائلون کے موزوں پر مسح کرتے ہیں میں نے ان سے کہا کہ نائلون کے موزوں پر مسح درست نہیں تو وہ لوگ اس کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ ہمارے جوتے پاک ہیں ہم قالین پر چلتے ہیں پھر وضو کرتے وقت بار بار کیوں موزے اتاریں میں نے ان کو سمجھایا مگر تسلیم ہی نہیں کرتے ۔تو کیا نائلون کے موزوں پر مسح کرنا درست ہے؟ بینوا توجروا (از کنیڈا)

(الجواب) حدیث میں ہے (۱) عن المغيرة بن شعبة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مسح على الخفين فقلت يا رسول الله انسيت قال بل انت نسيت بهذا امرني ربي عزوجل (ابو دائود شريف ج ۱ ص ۲۳ باب المسح على الخفين)

(۲) عن المغيرة بن شعبه رضي الله عنه قال رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يمسح على الخفين علىٰ ظاهر هما . (ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۵ باب في المسح على الخفين ظاهر هما)

(۳) عن ابن عباس رضي الله عنهما قال اشهد ان النبي صلى الله عليه وسلم مسح على الخفين . (رواه البزار). (زجاجة المصابيح ج ۱ ص ۱۴۲ باب المسح على الخفين)

مذکورہ احادیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے خفین پر مسح کیا اور خفین کا اطلاق محدثین اور فقہاء کے یہاں چمڑے کے موزوں پر ہوتا ہے۔ كما لا يخفى علىٰ من ينظر كلام الفقهاء والمحدثين ۔ لہٰذا اگر چمڑے کے موزے ہوں تو ان پر بلا کسی اختلاف کے مسح کرنا جائز ہے اور اگر چمڑے کے موزے نہیں ہیں بلکہ سوت یا اون کے ہیں تو فقہاء کرام نے ایسے موزوں پر جواز مسح کے لئے یہ شرطیں تحریر فرمائی ہیں کہ وہ ایسے دبیز، موٹے اور مضبوط ہوں کہ صرف ان کو پہن کر تین میل چلنا ممکن ہو۔ دوسرے یہ کہ پنڈلی پر بغیر باندھے (کپڑے کے موٹا ہونے کی وجہ سے) قائم رہ سکیں ۔تیسرے یہ کہ اس میں پانی نہ چھنے اور جذب ہو کر پاؤں تک نہ پہنچے، سوت (کوٹن) یا اون کے ایسے موزے ہوں تو ان پر مسح کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ ایسے موزے چرمی (چمڑے) کے موزے کے حکم میں آجاتے ہیں ۔نائلون کے موزے اولاً تو دبیز نہیں ہوتے بلکہ بالکل رقیق اور پتلے ہوتے ہیں ان کو پہن کر تین میل چلنا مشکل ہے پھٹ جانے کا اندیشہ ہے اور اگر نہ بھی پھٹیں تب بھی اس میں یہ کمی ہے کہ اگر ان پر پانی ڈالا جائے تو پانی جذب ہو کر پاؤں تک پہنچ جاتا ہے اس لئے ایسے نائلون کے باریک موزوں پر مسح کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں ۔فتاویٰ قاضی خاں میں ہے وان كانا رقيقين غير منعلين لا يجوز المسح عليهما (قاضی خاں ج ۱ ص ۲۵ فصل في المسح على الخفين)

شرح نقایہ میں ہے۔ واجمعوا علىٰ انه لو كان منعلاً او مبطناً يجوز المسح عليه ولو كان من الكرباس لايجوز المسح عليه وان كان من الشعر فالصحيح ان كان صلباً مستمسكاً يمشي

معه فرسخاً او فراسخ یجوز (شرح نقایه ج ۱ ص ۲۹ فصل فی المسح علی الخفین والجبیرة وغیرهما)

صرف موزوں اور جوتوں کا پاک ہونا مسح کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی۔ موزوں کا پاک ہونا تو ہر حال میں ضروری ہے جس طرح کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے......... مگر مسح کے جواز کے لئے پاک ہونے کے ساتھ ایسے موزے ہونا ضروری ہیں جن پر شرعاً مسح جائز ہے اور وہ یا تو چمڑے کے موزے ہیں یا ایسے اونی سوتی موزے ہیں۔ جن میں مندرجہ بالا شرطیں پائی جاویں اور نائلون کے موزوں میں چونکہ وہ شرطیں نہیں پائی جاتیں اس لئے ان پر مسح جائز نہیں۔ اگر مسح کیا جائے گا تو مسح معتبر نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم ۹ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ۔

باب التیمم

ٹھنڈے پانی سے غسل کی طاقت نہ ہو تو تیمم کر کے نماز ادا کرے۔

(سوال ۴۲) سردی شدید ہے گرم پانی کے بغیر غسل نہیں کر سکتا۔ طاقت سے باہر ہے اور بیمار ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے اور گرم پانی کا انتظام نہیں ہو سکتا تو تیمم کر کے نماز ادا کرے یا دھوپ نکلنے پر غسل کر کے قضا پڑھے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس صورت میں تیمم کر کے نماز ادا کرے قضا نہ ہونے دے لیکن جب عذر جاتا رہے تو غسل کر لیوے۔ اعادۂ نماز کی حاجت نہیں۔ **ومن الاعذار (برد يخاف منه) بغلبة الظن (التلف) لبعض الا عضاء (او المرض)...... الى قوله واذا عدم الماء المسخن او ما يسخن به فى المصر فهى كا لبرية وما جعل عليكم فى الدين من حرج. (مراقى الفلاح مع طحطاوى ص ٦٦ باب التيمم) فقط (والله اعلم بالصواب.)**

بہشتی ثمر وزیور کے باب تیمم کے ایک مسئلہ پر ایک عالم کا اشکال اور اس کا جواب:

(سوال ۴۳) مسئلہ نمبر۱۔ اگر پانی ایک میل شرعی سے دور نہیں لیکن وقت بہت تنگ ہے۔ اگر پانی لینے جاوے تو وقت جاتا رہے گا تو بھی تیمم درست نہیں۔ پانی لاوے اور قضا پڑھے۔ اس کے بعد ایک مسئلہ چھوڑ کر ہے۔ مسئلہ نمبر۲ اگر آگے چل کر پانی ملنے کی امید ہے تو بہتر ہے کہ اول وقت نماز نہ پڑھے بلکہ پانی کا انتظار کرے۔ لیکن اتنی دیر نہ لگا دے کہ وقت مکروہ ہو جاوے اور اگر پانی کا انتظار نہ کیا اول ہی وقت نماز پڑھ لی تب بھی درست ہے۔ دونوں میں کچھ تضاد سا معلوم ہوتا ہے۔ پہلے مسئلہ میں قضا کرنے کا حکم اور دوسرے میں ادا مع تیمم۔ سمجھ میں بات نہیں آئی براہ کرم تشریح فرما دیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) دونوں مسئلوں میں تضاد نہیں ہے۔ پہلی صورت میں شرعی میل کے اندر پانی ہونا یقینی ہے تو تیمم کے جواز کی شرط مفقود ہے اس لئے اس صورت میں تیمم جائز نہیں صاحب ہدایہ نے تحریر فرمایا ہے۔ **والمعتبر المسافة دون خوف الفوت** یعنی تیمم کے جواز کے لئے معتبر یہ ہے کہ پانی ایک میل سے دور ہو نماز کے قضا ہونے کا خوف یہ علت نہیں (ص ۳۲ ہدایہ باب التیمم)

اور دوسری صورت میں صرف امید ہے۔ فافترقا۔ درمختار میں ہے **(ويجب) اى يفترض (طلبه) ولو برسوله...... الىٰ قوله...... (ان ظن) ظنا قوياً (قربه) دون ميل بامارة او اخبار عدل (والا) يغلب علىٰ ظنه قربه (لا) يجب بل يندب ان رجا والالا (درمختار مع الشامى ج ١ ص ٢٢٧، ص ٢٢٨ باب التيمم)** غایۃ الاوطار ترجمۂ درمختار میں ہے۔ اور واجب ہے یعنی فرض ہے تلاش کرنا پانی کا اگرچہ اپنا آدمی بھیج کر تلاش کرے۔ الیٰ قولہ۔ اگر گمان قوی ہو پانی کے پاس ہونے کا ایک میل سے کم کسی علامت سے یا ایک متقی آدمی کے خبر دینے سے اور اگر پانی کے پاس ہونے کا اس کو ظن غالب نہ ہو یعنی شک ہو یا غیر قوی ظن ہو تو تلاش واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اگر امید ہو نزدیکی کی۔ اور اگر امید نہ ہو تو تلاش مستحب بھی نہیں۔ اس عبارت سے واضح ہو جاتا ہے کہ بہشتی ثمر کے مسئلے صحیح ہیں۔ مزید وضاحت کے لئے ہدایہ کی عبارت ملاحظہ ہو۔ **كذا (اى لا يتيمم) اذا خاف فوت**

الوقت لو توضالم يتيمم ويتوضأ ويقضى ومافاته لا ن الفوت الى خلف وهو القضاء (ج ا ص ۳۸) ويستحب لعادم الماء وهو يرجوه ان يو خر الصلوٰة الىٰ اخر الوقت فان وجد الماء يتو ضاء والا يتيمم الخ باب التيمم (ج ا ص ۳۶)فقط واللہ اعلم بالصواب.

دوسرا شخص تیمّم کرائے تو درست ہے یا نہیں؟ اور نیت کون کرے:

(سوال ۴۷)شدید بیماری یا ایک ہاتھ یا دو ہاتھ شل ہو جانے کی وجہ سے خود تیمّم نہ کر سکتا ہو تو دوسرا شخص تیمّم کرا دے تو درست ہے یا نہیں؟ اور نیت کون کرے؟ بینوا تو جروا

(الجواب)مذکورہ لاچاری اور مجبوری کی صورت میں دوسرا شخص تیمّم کرا دے تو تیمّم ہو جائے گا مگر نیت معذور کو کرنا ہوگی تیمّم کرانے والے کی نیت کا اعتبار نہ ہوگا۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) مريض يممه غيره فالنية على المريض دون الميم كذا فى القنية فتاوىٰ عالمگيرى الباب الرابع فى التيمم ج ۱ ص ۲۶.

احکام المعذورین

معذور شخص بلا وضو نماز پڑھنا چاہے

(سوال ٧٥) ایک شخص بڑی تکلیف میں ہے، استنجاء کرنے میں بھی بڑی تکلیف ہے، بڑھاپا ہے اور اوٹے پرسے گر جانے کی وجہ سے زخم آ گئے ہیں، طہارت کے لئے پورا پورا اطمینان نہیں ہوتا، استنجے میں رانوں پر پانی گرتا ہے، اوپر سے وضو بھی نہیں ہوسکتا، کوئی وضو میں اعانت کرے تو تو ہی وضو ہوسکتا ہے، پانچوں وقت کسی کا حاضر رہنا بھی مشکل ہے، اس لئے کہ حالت غریبی کی ہے لہذا وضو میں بڑی تکلیف ہوتی ہے تو مذکورہ شخص نماز پڑھے یا نہیں؟ اور وضو کر کے ہی پڑھے یا تیمم سے پڑھ سکتا ہے۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں نماز ضرور پڑھے، نماز ساقط نہیں ہوتی، وضو کرانے والا موجود نہ ہو تو تیمم سے نماز پڑھے۔(١) اور اگر وضو کرنا ممکن ہو یا وضو کرانے والا موجود ہو تو وضو سے نماز پڑھے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اگر صاحب عذر کسی تدبیر اور علاج سے اس عذر کا انقطاع کر دے تو وہ معذور رہے گا یا نہیں

(سوال ٧٦) جس عورت کو پیشاب یا خون استحاضہ کے قطرات کا نزول رہتا ہو وہ کسی تدبیر سے خارج نہ ہونے دے۔ اور وضو کر کے نماز پڑھتی رہے تو اس کا وضو اور نماز درست ہوگی؟ اور یہ تدبیر حیض میں بھی کارگر ہوسکتی ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) وضو اور نماز صحیح ہو جائے گی۔ لیکن یہ تدبیر حیض میں کامیاب نہ ہوگی اور نماز پڑھنا درست نہ ہوگا۔ فتاویٰ خیریہ میں ہے۔ **سئل فی الحمصة التی توضع علی الکی ثم تربط بما یمنع السیلان هل یکون صاحبها صاحب عذرام لا ؟ (اجاب) لایکون صاحب عذر کما هو صریح کلام الخلاصة وغیره وصاحب الجرح لو منع الجرح من السیلان یخرج من ان یکون صاحب الجرح السائل فأ فاذان کل صاحب عذر اذا منع نزوله' بدواء او غیره خرج عن کونه صاحب عذر بخلاف الحائض (فتاویٰ خیریه ج ١ ص ٥ کتاب الطهارة ومطالبة، مطلب فی الحمصة علی الکی الخ)** خلاصہ یہ کہ اگر کوئی صاحب عذر کسی تدبیر اور علاج سے اس عذر کا انقطاع کر دے تو وہ شخص معذور نہ رہے گا۔ (فقط واللہ اعلم بالصواب)

معذور کا شرعی حکم:

(سوال ٧٧) ایک شخص اپنی زوجہ کو نماز پڑھنے کے لئے کہتا ہے لیکن اس کی عورت نماز نہیں پڑھتی۔ کہتی ہے کہ مجھ کو ہر وقت پیشاب کے قطرے ٹپکتے ہیں اس لئے اس خوف سے کہ کہیں ثواب کے بجائے عذاب کا سبب نہ بن جائے۔ میں اس حالت میں نماز نہیں پڑھوں گی، وہ شخص فکر مند ہے آپ سے دریافت کرنا ہے کہ اس عورت کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

---

(١) وشرطه ستة..... ففقد الماء قال فی الشامیة تحت قوله وفقد الماء ای ولو حکماً یشمل نحو المرض فافهم شامی باب التیمم ج ١ ص ٢٣٠

(الجواب) جب عورت کو ہر وقت پیشاب ٹپکتا ہے تو شرعاً یہ معذور ہے اس کو نماز معاف نہیں۔ بلکہ ہر نماز کے وقت جدید وضو کر کے اور کپڑے بدل کر فرض، واجب، سنت نفل نماز جتنی چاہے پڑھے۔ چاہے بحالت نماز پیشاب کا قطرہ ٹپک جائے۔ اور کپڑے پر بھی لگ جاوے معذور ہونے کی وجہ سے شرعاً معاف ہے۔ لہذا نماز نہ پڑھنے کا بہانا غلط ہے نماز معاف نہیں۔ وتتوضأ المستحاضة ومن به عذر کسلسل بول او استطلاق بطن لوقت کل فرض ویصلون به ما شاء وامن الفرائض والنوافل (نور الایضاح مع شرحه مراقی الفلاح ص ۲۹ باب الحیض والنفاس والاستحاضة) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

انسان کب معذور بنتا ہے اور کس وقت معذور نہیں رہتا اور اس کے شرعی احکام کیا ہیں

(سوال ۷۸) ایک شخص ہے اس کو پیشاب کے قطرے آتے رہتے ہیں۔ علاج بھی بہت کرایا مگر بے سود، اس کی وجہ سے وہ بہت پریشان رہتا ہے استنجاء میں بھی بہت وقت لگ جاتا ہے اس کے باوجود بھی شک وشبہ رہتا ہے۔ نماز کی حالت میں بھی قطرہ ٹپ جانے کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ شخص معذور ہوگا یا نہیں؟ اور اس کے لئے شریعت میں طہارت کے سلسلہ میں کچھ رخصت ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا (از بمبئی)

(الجواب) مسئلہ یہ ہے کہ کسی کو پیشاب کا قطرہ کم وبیش آتا رہتا ہے مگر نماز کا پورا وقت گھیرتا نہیں ہے اتنا وقت مل جاتا ہے کہ طہارت کی حالت میں نماز ادا کر سکے تو وہ معذور نہیں ہے۔ اس کو چاہئے کہ قطرہ رک جانے کا انتظار کرے پھر وضو کر کے نماز پڑھ لے اگر نماز پڑھتے ہوئے قطرہ آنے کا شبہ ہو جائے تو نماز توڑ کر وہ جگہ دیکھ لے اگر واقعی قطرہ ہے تو شرم گاہ پانی سے دھوئے اور وضو کر کے کپڑا بدل کر نماز پڑھے۔ اگر قطرہ آیا نہ ہوا ایسا ہی شبہ ہوا ہو تو آئندہ اس قسم کے شبہ کی پرواہ نہ کرے بلکہ وضو کرنے کے بعد میانی پر قدرے پانی چھڑک دے۔ شبہات سے بچنے کی یہ بھی ایک تدبیر اور علاج ہے۔ اور اگر قطرہ آتا رہتا ہے اور اتنا وقت بھی نہ ملے کہ طہارت کے ساتھ اس وقت کی نماز ادا کر سکے تو وہ معذور ہے۔ ولا یصیر معذوراً حتیٰ یستوعبه العذر وقتاً کاملاً لیس فیه انقطاع بقدر الوضوء والصلوٰة وهذا شرط ثبوته (نور الایضاح ص ۵۳ باب الحیض والنفاس والاستحاضة) ایسا معذور ہر نماز کے وقت وضو کر کے پاک کپڑا پہن کر فرض، واجب، سنت، نفل جو چاہے پڑھ سکتا ہے۔ جب تک اس نماز کا وقت باقی رہے گا۔ قطرہ آنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ (ہاں قطرہ کے علاوہ دوسرے نواقض سے وضو ٹوٹ جائے گا) وتتوضأ المستحاضة ومن به عذر کسلسل بول واستطلاق بطن لوقت کل فرض ویصلون به ما شاء وامن الفرائض والنوافل (نور الایضاح ایضاً) ایک وقت پورا ایسا گذر جانے کے بعد کہ طہارت سے نماز ادا کرنے کا موقع نہ ملے اور معذور ہونے کا حکم لگ جائے اس کے بعد دوسرے نمازوں کے اوقات میں پورا وقت قطرہ جاری رہنا شرط نہیں۔ کبھی کبھی قطرہ آ جانا بھی معذور بنے رہنے کے لئے کافی ہے۔ ہاں اگر نماز کا ایک وقت کامل (پورا) ایسا گذر جائے کہ اس میں ایک دفعہ بھی قطرہ نہ آوے تو اب وہ معذور نہ رہے گا۔ وشرط دوام العذر وجوده فی کل وقت بعد ذالک ولو مرة وشرط انقطاعه وخروج صاحبه عن کونه معذوراً خلو وقت کامل عنه (نور الایضاح ص ۵۴ ایضاً) فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۰ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ۔

معذور شرعی کسے کہتے ہیں

(سوال ۷۹) درباب نماز شرعی معذور کسے کہتے ہیں؟

(الجواب) نکسیر کا جاری رہنا، قطرہ کا آنا خروج ریح، دست کا ہونا، عورت کو دم استحاضہ کا آنا ناسور (یعنی وہ زخم جو ہمیشہ رستا رہتا ہے اور اچھا نہیں ہوتا) وغیرہ کا مریض نماز کے پورے وقت میں وضو کر کے نماز نہ پڑھ سکے تو عذر کے ختم ہونے تک معذور شمار ہوگا، اس کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت وضو کر لیا کرے جب تک وہ وقت رہے گا اس وضو سے جتنی نمازیں چاہے پڑھ سکتا ہے، البتہ جس بیماری میں مبتلا ہے اس کے سوا اگر کوئی اور بات ایسی پائی جاوے جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو وضو جاتا رہے گا ایسے ہی جب نماز کا وقت جاتا رہے تو بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے جیسے عصر کی نماز کے وقت کیا ہوا وضو غروب آفتاب سے جاتا رہے گا، ومن بہ عذر کسلس بول او استطلاق بطن و انفلات ریح ورعاف دائم وجرح لا یرقافهذ ایتو ضؤن لوقت کل فرض ویصلون به ای بوضوء هم فی الوقت ماشاؤ امن الفرائض والنوافل ویبطل وضوء المعذورین اذا لم یطراء ناقض غیر العذر (فان طرأ ولو کان نظیر عذره نقضه) بخروج الوقت کطلوع الشمس فی الفجر فقط (مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی ملخصاً ایضاً ص ۸۰) اس بیماری کے سبب کپڑا ناپاک ہوا ہو تو اگر ایسا ہو کہ نماز ختم کرنے سے پہلے ناپاکی لگنے کا گمان نہیں ہے تو اس کا دھوڈالنا واجب ہے، اگر ناپاکی لگنے کا گمان ہے تو دھونا واجب نہیں۔ فی البدائع یجب غسل الزائد عن الدرهم ان کان مفید ایان لا یصیبه مرة بعد اخری حتیٰ لو لم یغسل وصلی لا یجزیه وان لم یکن مفیداً لا یجب مادام العذر قائما وهو اختیار مشایخنا اه (طحطاوی ص ۸۱ ایضاً) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

پیشاب کے بعد قطرہ آنے کا یقین ہو تو ڈھیلہ سے استنجاء ضروری ہے:

(سوال ۸۰) پیشاب کے بعد استنجاء کے لئے ڈھیلہ نہ لیا جائے تو کپڑے پاک رہیں گے یا ناپاک؟ اسی طرح اس کی نماز اور وضو درست ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) پیشاب کا قطرہ آنے کا یقین ہونے کے باوجود ڈھیلہ نہ لیوے تو ایسی صورت میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔[1] ڈھیلے وغیرہ سے استنجاء کر کے اطمینان حاصل ہو جانے کے بعد وضو کر کے نماز پڑھے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بحالت عذر سیدھے ہاتھ سے استنجاء کرنا بلا کراہت جائز ہے:

(سوال ۸۱) ایک عورت کا بایاں ہاتھ پنجہ ہی سے ٹوٹ گیا ہے پٹا بندھا ہوا ہے۔ اس وجہ سے استنجا پاک کرنے کے وقت بائیں ہاتھ سے پانی ڈالا نہیں جا سکتا اس صورت میں شوہر یا بیٹی پانی ڈالے اور مریضہ اپنے سیدھے ہاتھ سے استنجا پاک کرے یا شوہر اور بیٹی اپنے ہاتھ سے دھودے دونوں صورتوں میں سے کون سی صورت اختیار کی جائے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بہتر ہے کہ عورت اپنے سیدھے ہاتھ سے استنجاء پاک کرے۔ شوہر یا بیٹی کے ہاتھ سے نہ دھلوائے۔ فان کان بیده الیسریٰ عذر یمنع من الا ستنجاء بها جاز الا ستنجاء بالیمنیٰ من غیر کراهة (فتاویٰ خیریه ص: ۵ کتاب الطهارة و مطالبه مطلب فی کیفیة الا ستجمار والتجمیر) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

[1] ولذا اقال الشرنبلالی یلزم الرجل الاستبرآء حتی یزول اثر البول ویطمئن قلبه وقال عبرت باللزوم لکونه اقویٰ من الواجب لأن هذا یفعت الجواز لفقونه فلا یصح له الشروع فی الوضو حتی یطمئن بزوال الرشح شامی فصل فی الا ستنجآء مطلب فی الفرق بین الا ستبرآء و الا ستنقاء والا ستنجآء ج ۱ ص ۳۴۴

کتاب الصلوٰۃ

"بے نمازی بہت بڑا گنہگار ہے":

(سوال ۸۲) اسلام میں نماز کے لئے کیا حکم ہے؟ آج پچھتر فیصدی مسلمان نماز نہیں پڑھتے، بے پروائی برتتے ہیں، ایسے مسلمانوں کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے؟

(الجواب) نماز اسلام کا عظیم الشان رکن اور عبادتوں میں مہتم بالشان عبادت ہے جو ایمان کے بعد تمام فرائض پر مقدم ہے، اسلام کا شعار ہے اور ایمان کی علامتوں میں سے عظیم الشان علامت ہے۔ بندے اور اس کے مالک کے درمیان واسطہ اور وسیلہ ہے جو بندے کو جہنم کے طبقہ اسفل السافلین میں جانے سے روکتا ہے (حجۃ اللہ البالغہ)

نماز ایسی دائی اور قائمی عبادت ہے کہ اس سے کسی بھی رسول کی شریعت خالی نہیں رہی ولم تخل عنها شريعة مرسل (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۳۲۵ کتاب الصلاة)

قرآن شریف اور حدیث شریف میں جگہ جگہ نماز کی سخت تاکید اور نہ پڑھنے پر سخت وعیدیں آئی ہیں، قرآن مجید میں ہے۔ حافظوا على الصلوات والصلوٰة الوسطىٰ وقوموا لِلّٰهِ قانتين پوری حفاظت کرو تمام نمازوں کی خصوصاً بیچ کی نماز کی اور کھڑے ہو خدا کے سامنے ادب سے (سورہ بقرہ) دوسری جگہ ارشاد ہے واقیموا الصلوٰة ولا تكونوا من المشركين. (نماز پڑھتے رہو اور مشرکین میں سے نہ بنو (سورہ روم) قرآن مجید میں خبر دی گئی ہے کہ جنتی دوزخیوں سے سوال کریں گے ما سلككم فی سقر؟ (کون سی چیز تمہیں دوزخ میں لے آئی؟) یعنی تم کیوں دوزخی بنے؟ قالوا (دوزخی جواب دیں گے) لم نک من المصلين (ہم نمازیوں میں سے نہ تھے) یعنی نماز نہ پڑھتے تھے (سورۂ المدثر)

رسول خدا ﷺ کا فرمان ہے کہ بين الرجل وبين الشرک والکفر ترک الصلوٰة (آدمی اور کفر وشرک میں فرق۔ نماز چھوڑنا ہے یعنی نماز کا ترک کرنا آدمی کو کفر وشرک سے ملا دیتا ہے۔ فرق باقی نہیں رکھتا۔
(مسلم شریف مشکوٰۃ کتاب الصلاۃ الفصل الاول)

ایک حدیث میں ہے کہ لكل شئى علم وعلم الايمان الصلوٰة (منية المصلى ص ۳ کتاب الصلوٰة) ہر چیز کی ایک علامت ہے (جس سے وہ پہچانی جاتی ہے) اور ایمان کی علامت نماز (پڑھنا ہے)

ایک اور حدیث میں ہے لا تتركوا الصلوٰة متعمد افمن تركها فقد خرج من الملة (خبردار! کبھی بھی جان بوجھ کر نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی وہ ملت (دین) سے نکل گیا (طبرانی)

ایک حدیث میں ہے ان اول مايحاسب به العبد يوم القيامة من عمله صلوته (ترجمہ) قیامت کے روز بندے کے اعمال میں سب سے پہلے جس کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے اگر نماز ٹھیک نکلی تو کامیاب ہوگا ورنہ نامراد ہوگا (ترمذی شریف)

دوسری حدیث میں ہے الصلوٰة عماد الدين فمن اقامها فقد اقام الدين ومن تركها فقد هدم

الـدیـن (نماز دین کا ستون ہے جس نے اسے قائم رکھا اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے اسے ڈھادیا اس نے اپنے دین کو ڈھادیا (مجالس الابرار ص ۳۰۳)

ایک اور حدیث میں ہے جو نمازی نہیں ہے اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں (بزاز وحاکم) آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو بے قاعدہ نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا اگر یہ شخص اسی حالت پر مرجاتا تو ملت محمد (ﷺ) پر نہ مرتا۔ **وقدروی انه علیه الصلوٰة والسلام رأی رجلاً یصلی وهو لا یتم رکوعه وینقرفی سجوده فقال لو مات هذا علی حالته هذا مات علی غیر ملة محمد صلی الله علیه وسلم (مجالس الابرار ص ۳۰۴)**

نیز آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے **من حافظ علیها کانت له نوراً و برهانا ونجاة یوم القیامة ومن لم یحافظ علیها لم تکن له نوراً و لا برهانا ولا نجاةً وکان یوم القیامة مع قارون و فرعون و هامان وابی بن خلف رواه احمد والدارمی والبیهقی (مشکوٰة ص ۵۸.۵۹ کتاب الصلاة)** جو شخص نماز کو اچھی طرح پوری پابندی سے ادا کرے گا تو نماز اس کے لئے قیامت کے روز نور اور (حساب کے وقت) حجت اور ذریعہ نجات بنے گی اور جو شخص نماز کی پابندی نہیں کرے گا تو اس کے پاس نہ نور ہوگا اور نہ اس کے پاس کوئی جنت ہوگی اور قیامت کے روز اس کا حشر قارون، فرعون، ہامان، اور اُبی بن خلف (رئیس المنافقین) کے ساتھ ہوگا (مشکوٰۃ)

آیات قرآنی اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز نہ پڑھنا مشرکانہ فعل اور کفار کا شعار ہے۔ چنانچہ صحابۂ کرام اور ائمہ مجتہدین کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ جان بوجھ کر ایک نماز کا بالقصد چھوڑ دینا کفر ہے اس جماعت میں سیدنا حضرت عمرؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت جابر بن عبد اللہؓ حضرت ابو درداءؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عبد الرحمان بن عوفؓ جیسے صحابہ کرام اور امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راھویہ، عبد اللہ بن مبارک، امام نخعی، حکم بن عتبہ، ابوایوب سختیانی، ابوداؤد طیالسی، ابوبکر بن شیب رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے ائمہ مجتہدین کو شمار کردیا گیا ہے ان کے علاوہ حضرت حماد بن زیدؒ مکحولؒ، امام شافعیؒ امام مالکؒ کے نزدیک ایک نماز کا تارک واجب القتل اور امام ابوحنیفہؒ اگرچہ قتل کا فتویٰ نہیں دیتے ہلکی سے ہلکی سزا تجویز کرتے ہیں مگر وہ سزا بھی یہ ہے کہ زدوکوب کیا جائے پھر جیل خانہ میں ڈال دیا جائے۔ یہاں تک کہ توبہ کرے یا اسی حالت میں مرجائے (تفسیر مظہری، مجالس الابرار وغیرہ)

حضرات صحابہ اور ائمہ مجتہدین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) جس طرح ترک صلوٰۃ کو ایسا گناہ عظیم فرماتے ہیں جس کی سزا قتل تک ہے ان کے نزدیک وقت پر نماز پڑھ لینا بھی اتنا ہی ضروری ہے بالقصد قضا کردینے کی بھی ان کے نزدیک کوئی گنجائش نہیں ہے۔ انتہا یہ کہ فقہ احناف میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر عورت کے بچہ ہو رہا ہو تو اگر بچہ کا سر باہر آگیا ہے، اور ادھر نماز کا وقت ختم ہو رہا ہے تو اس حالت میں بھی عورت پر لازم ہے کہ نماز پڑھے، وضو نہ کرسکتی ہو تو تیمم کرے، رکوع سجدہ ادا کرسکتی ہو تو اونچی جگہ پر بیٹھ جائے یا ہنڈیا جیسی کوئی چیز نیچے رکھ لے جس میں بچہ کا سر محفوظ ہوجائے اور بیٹھے بیٹھے اشارہ سے نماز پڑھ لے، قضا نہ کرے۔ چنانچہ نفع المفتی میں ہے: **الاستفسار . امرأة خرج رأس ولدها وخافت فوت الوقت ولا تقدر علی ان تصلی قائما او قاعداً کیف**

تصلی؟"الاستبشار" نصلی قاعدۃ ان قدرت علی ذلک وجعلت رأس ولدھا فی خرقۃ او حفرۃفان لم یستطع تومی ایماء ولا یباح لھا التاخیر (نفع المفتی ص ۹ وغیرہ)

اسی طرح اگر دریا میں مثلاً جہاز ٹوٹ گیا یا کسی طرح دریا میں گر گیا اور یہ ایک تختہ پر پڑ گیا جس سے جان بچی ہوئی ہے، اٹھ بیٹھ نہیں سکتا اور نماز کا وقت ختم ہو رہا ہے تو ویسے ہی پڑے پڑے ہاتھ پاؤں پانی میں ڈال کر وضو کرے اور نماز اشارہ سے پڑھ لے مگر ترک نہ کرے (جامع الرموز وغیرہ) وکذا من وقع فی البحر علی لوح وخاف خروج وقت الصلوٰۃ یدخل اعضا الوضوء فی الماء بنیۃ الوضوء ثم یصلی بالایماء ولا یترک الصلوٰۃ.

اسی طرح اگر معاذ اللہ کسی کے دونوں ہاتھ شل ہو جائیں اور اس کے ساتھ کوئی ایسا شخص موجود نہیں جو اس کو وضو یا تیمم کرائے تو جس طرح ممکن ہو اپنا منہ اور ہاتھ تیمم کی نیت سے دیوار پر ملے اور نماز پڑھے نماز کا ترک کرنا یا وقت سے موخر کرنا جائز نہیں ہے وکذا من ثلت یداہ ولم یکن معہ احد یو ضیہ او یتممہ یمسح وجھہ وذراعیہ علی الحائط بنیۃ التیمم ویصلی ولا یجوز لہ ترک الصلوٰۃ ولا تاخیر ھا عن وقتھا(مجالس الا برار ص ۲۰۲) افسوس۔اچھے خاصے تندرست مسلمان اذان سنتے ہیں اور بے پرواہ مسجد کے سامنے سے گذر جاتے ہیں۔آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ ظلم۔سراسر ظلم اور کفر ونفاق ہے کہ مؤذن کی ندا سنے اور اسے قبول نہ کرے (یعنی نماز کے لئے حاضر نہ ہوں) (احمد،طبرانی وغیرہ)

حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں اذا توانیتم فی الصلوٰۃ تقطعت صلاتکم بالحق عزو جل (الفتح الربانی) جب نماز میں سست بن جاؤ گے تو حق تعالیٰ سے جو تمہارا رشتہ ہے وہ بھی ٹوٹ جائے گا۔

بے شک نماز نہ پڑھنا بے حد سنگین گناہ ہے زواجر مکی میں ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک عورت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی یا نبی اللہ ،مجھ سے کبیرہ گناہ ہو گیا میں نے توبہ کی ہے آپ میرے لئے دعا فرمائیے کہ میری مغفرت ہو جائے۔آپ نے فرمایا کون سا گناہ ہو گیا؟عورت نے کہا زنا ہو گیا اور اس سے حمل رہ گیا اور بچہ پیدا ہوا اسے مار ڈالا۔یہ سن کر حضرت موسیٰ بہت غضبناک ہوئے اور فرمایا کہ یہاں سے نکل جا تیری نحوست کی وجہ سے آسمان سے آگ نازل ہو کر کہیں ہمیں جلا کر خاک نہ کر دے،عورت مایوس ہو کر وہاں سے چلی گئی۔حضرت جبرائیل تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ موسیٰ رب العالمین سوال کرتے ہیں کہ تمہارے نزدیک اس بدکار عورت سے بڑھ کر کوئی برا اور اس بڑے گناہ سے بڑھ کر کوئی برا کام نہیں؟فرمایا کہ اس سے بڑھ کر برا اور کون سا کام ہوگا؟ارشاد ہوا کہ جو شخص جان بوجھ کر نماز ترک کر دے وہ اس سے بھی زیادہ منحوس اور گنہگار ہے (زواجر مکی ج ۱ص ۱۰۸)

بے نمازی بھائی اور بہن غور کریں کہ وہ کتنے بڑے منحوس اور گنہگار یا رحمت خداوندی سے دور اور عند اللہ مبغوض ہیں۔مسلمانوں پر فرض ہے کہ پاک باز نمازی بنیں اور گھر والوں کو بھی سمجھا بجھا کر،ترغیب وترہیب سے جس طرح بھی ہو نمازی اور دیندار بنانے کی کوشش کریں اور بے نمازی ہونے کی نحوست سے بچیں اور بچائیں۔

فرمان خداوندی ہے یا ایھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا ۔اے ایمان والو! خودکواور اپنے گھر والوں کو (جہنم کی آگ سے بچاؤں) (سورۂ تحریم) حق تعالیٰ ہم تمام کو تاحیات پابند نماز بنائے رکھے اور ہماری نمازیں قبول فرمائے۔آمین ثم آمین۔

فتاویٰ رحیمیہ اردو ص ۶۸ ج۴ کے مسئلہ پر ایک مشہور مدرسہ کے شیخ الحدیث ومفتی صاحب کا اشکال اوراس کا جواب۔ اشکال اول:

(سوال ۸۳) فتاویٰ رحیمیہ جلد چہارم ص ۶۸ پر مسئلہ ہے ''انتہا یہ کہ فقہ احناف میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر عورت کے بچہ ہورہا ہوتو اگر بچہ کا سر باہر آ گیا ہے ادھر نماز کا وقت ختم ہورہا ہے تو اس حالت میں بھی عورت پر لازم ہے کہ نماز پڑھے۔وضو نہ کرسکتی ہوتو تیمّم کرکے رکوع نہ کرسکتی ہوتو بچہ کی حفاظت کرتے ہوئے بیٹھے بیٹھے اشارہ سے نماز پڑھ لے قضا نہ کرے الخ۔

یہ پورا مسئلہ پڑھا لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ بچہ کے سر کے ساتھ خون (دم نفاس) بھی ہوگا۔ پھر ایسی ناپاک حالت میں نماز پڑھنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) وباللہ التوفیق: یہ دم نفاس نہیں ہے دم نفاس کا حکم تب لگتا ہے کہ بچہ نصف یا نصف سے زائد نکل آیا ہو اس سے پہلے جو خون ہوگا وہ دم استحاضہ ہے۔ادھر نماز کا وقت ختم ہورہا ہے ایسی حالت میں نماز پڑھنے کا حکم ہے۔قضا کرنے کی اجازت نہیں ہے عورت معذور کے حکم میں ہے تو اس خون کے ہوتے ہوئے اگر بچہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہوتو نماز پڑھنا ضروری ہے۔ **والنفاس ھو الدم الخارج عقب الولادۃ اوخروج اکثر الولد** (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۸۰ باب الحیض والنفاس والاستحاضۃ) عالمگیری میں ہے۔ لو خرج اکثر الولد تکون نفساء والا لا ص ۳۷ ج ۱ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اشکال دوم:

(سوال ۸۴) یہ تو ٹھیک ہے کہ ابھی نفاس کا حکم نہیں لگا یا دم استحاضہ ہے مگر اشکال یہ ہے کہ یہ عورت معذور کے حکم میں کیسے ہوگئی؟ معذوری کا حکم تو اس وقت لگتا ہے کہ نماز کا پورا ایک وقت اس طرح گذر جائے کہ خون بہتا رہے اور اتنا بھی وقت نہ ملے کہ نماز بطہارت پڑھ سکے اور یہاں یہ بات نہیں۔یہ ظاہر ہے کہ نماز کے ابتدائی وقت میں معذور نہیں تھی (بلکہ ابتدائی وقت میں پاک تھی) عذر بعد میں پیش آیا ہے عذر سے پورا وقت گھرا نہیں ہے تو ایسی حالت میں پاک ہوئے بغیر نماز کیسے پڑھ سکتی ہے؟ یہ معذور نہیں ہے۔بینوا توجروا۔

(الجواب) وباللہ التوفیق۔موجودہ حالت میں عورت اپنے کو معذور ہی تصور کرے۔اور نماز پڑھے قضا کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔یہ مسئلہ دوسرا ہے کہ بعد کے وقت میں خون جاری نہ رہا تو معذور نہ ہوگی اور نماز کا اعادہ نہ کرے گی۔چنانچہ شامی میں ہے **ولو عرض بعد دخول وقت فرض انتظر الیٰ آخرہ فان لم ینقطع یتوضأ ویصلی ثم ان انقطع فی اثناء الوقت الثانی یعید تلک الصلوٰۃ وان استوعب الوقت**

الثانی لا یعید لثبوت العذر حینئذ من وقت العروض اھ معذور کے احکام بیان کر رہے ہیں۔فرماتے ہیں کہ اگر عذر فرض نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد پیش آیا تو آخری وقت تک انتظار کرے پھر اگر عذر منقطع نہ ہوا تو وضو کر کے نماز پڑھ لے۔اس کے بعد اگر دوسرے وقت میں منقطع ہوگیا تو اس نماز کا اعادہ کرے اور اگر عذر پورے دوسرے وقت میں باقی رہے تو اس نماز کا اعادہ نہ کرے کہ اس وقت وہ عذر متحقق ہوگیا (شامی ج۱ص ۲۸۱ مطلب فی احکام المعذور) حاملہ کی صورت بھی ایسی ہی ہے لہذا استحاضہ مانع عن الصلوٰۃ نہ ہوگا۔دم استحاضہ مستحاضہ کے حق میں گویا پاک ہے اس کے ہوتے ہوئے نماز پڑھ سکتی ہے یہ نہیں کہ حقیقۃً پاک ہے۔یا معاف ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نوٹ:۔اس کے بعد حضرت مفتی صاحب کو الحمد للہ تشفی ہوگئی اور کوئی اشکال نہیں فرمایا۔

مریض کو آپریشن کے بعد طہارت میں شبہ رہتا ہے تو نماز پڑھے یا نہ پڑھے:

(سوال ۸۵) زید کا پیشاب بند ہوگیا۔ڈاکٹر نے ناف کے اوپر سے آپریشن کر کے ربڑ کی نلی رکھ دی اس نلی سے پیشاب ہوتا ہے وہ نلی ہمیشہ پیٹ پر رہتی ہے اور اس میں پیشاب بھرا رہتا ہے۔نلی کے منہ کو تاگے سے بند کر دیا جاتا ہے۔جب پیشاب کرانا ہوتا ہے تو اس کے منہ کو کھول کر کرالیا جاتا ہے۔پھر تاگے سے بند کر دیا جاتا ہے تو ایسی حالت میں یہ شخص نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس حالت میں بھی نماز معاف نہیں۔پڑھنا ضروری ہے شبہ رہتا ہے تو بعد میں دھرالی جائے۔بیٹھ کر نہ پڑھ سکتا ہو تو لیٹے لیٹے اشارے سے پڑھے مگر چھوڑے نہیں۔(۱) فقط و اللہ اعلم بالصواب.

ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا:

(سوال ۸۶) ہوائی جہاز پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فتاویٰ رحیمیہ میں ہے" ہوائی جہاز میں نماز کا وقت آجائے تو نماز قضا نہ کرے پڑھ لیوے اور بعد میں اعادہ کر لیوے (ص ۲۹. ج۵) اعادہ بہتر ہے ضروری نہیں ہے،البتہ وہ لوگ جو ہوائی جہاز میں بکثرت سفر کرتے ہیں یا اس میں ملازمت کرتے ہیں بوجہ حرج عظیم ان کے لئے اعادہ کا حکم نہیں ہے،فقط واللہ اعلم۔

جہالت کی وجہ سے نمازی نے وضو ٹوٹ جانے کے بعد نماز جاری رکھی تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۸۷) دوران نماز ایک شخص کا وضو ٹوٹ گیا اسے اتنا تو معلوم تھا کہ خروج ریح سے وضو ٹوٹ جاتا ہے مگر نماز میں خروج ریح ہوجانے پر نماز توڑ کر وضو کر کے نماز پڑھنا چاہئے اسے اس بات کا علم نہ تھا بلکہ اس کا خیال یہ رہا کہ نماز جیسی اہم عبادت کو توڑنا نہ چاہئے اس لئے اسی حالت میں نماز پوری کی اور بعد میں وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ موجودہ صورت میں اس شخص کے ایمان و نکاح میں خلل آئے گا؟ بینوا توجروا۔

(۱) مریض تحته ثیاب نجس و کلما بسط شیئاً تنجس من ساعته صلی علی حاله و کذا لولم تنجس الا أنه یلحقه مشقة بتحریکه درمختار علی هامش شامی آخر صلاة المریض ج ۲ ص ۱۰۳

(الجواب) بحالت نماز وضو ٹوٹ جانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، ایسی حالت میں نماز جاری رکھنا سخت گناہ ہے، جہالت کی وجہ سے ایسا ہوا ہے اس لئے اور احکام (تجدید نکاح، تجدید ایمان) جاری نہ ہوں گے، توبہ و استغفار بکثرت کرتا رہے، فقط۔

قبر والے صحن کی چھت (سلیپ) پر نماز پڑھنا:

(سوال ۸۸) ہماری مسجد میں جماعت خانہ سے متصل صحن ہے، صحن میں ایک کنارے پر دو مزار (قبریں) ہیں، پورے صحن پر چھت (سلیپ) بنایا گیا ہے، اس چھت کے نیچے یہ دو قبریں بھی آ جاتی ہیں، سوال یہ ہے کہ اس چھت پر جس وقت نمازی زیادہ ہوں تو نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(جواب) صورت مسؤلہ میں چھت پر نماز پڑھ سکتے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اوقات الصلوۃ

موسم گرما میں ظہر کو دیر سے پڑھنا:

(سوال ۸۹) تھوڑی مدت سے بعض جگہوں پر نماز ظہر موسم گرما میں گرمی کے بہانے ہمیشہ کے وقت سے آدھ پون گھنٹہ دیر سے پڑھنے کا رواج ہوگیا ہے؟ پہلے گرمی ہو یا سردی، ظہر کا وقت ایک ہی رہتا تھا کیا اس وقت گرمی نہ پڑتی تھی یا اس وقت لوگوں کو گرمی محسوس نہ ہوتی تھی؟ آج کل تو مسجدوں میں برقی پنکھے بھی لگا دیئے گئے ہیں پھر بھی گرمی کا عذر پیش کر کے نماز ظہر دیر سے پڑھی جاتی ہے، تعجب تو یہ ہے کہ جمعہ میں گرمی کا عذر نہیں رہتا، نماز جمعہ اپنے وقت پر ہی پڑھی جاتی ہے اس کی کیا وجہ؟ بالتفصیل جواب عنایت کریں۔

(الجواب) ہمارے حنفی مذہب میں ظہر کی نماز موسم گرما میں ذرا تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے درمختار میں ہے **والمستحب تاخیر ظهر الصیف بحیث یمشی فی الظل** (یعنی) موسم گرما میں ظہر کو تاخیر سے پڑھنا مستحب ہے، اس طرح کہ دیواروں کے سائے میں چل سکیں۔''

شامی وغیرہ میں تاخیر کی حد ایک مثل ہے، یعنی ایک مثل سایہ ہونے سے پہلے نماز ظہر پڑھ لے، اس سے زیادہ تاخیر نہ کی جائے (**قوله بحیث یمشی فی الظل**) **عبارة البحر والنهر وغیرهما وحده ان یصلی قبل المثل وهی اولیٰ** (شامی ج ۱ ص ۳۴۰ کتاب الصلاۃ)

اس کی دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی مشہور روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا **اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوٰة فان شدة الحر من فیح جهنم** (بخاری شریف پ ۳ ج ۱ ص ۷۶ باب الابراد بالظهر فی شدة الحر) (ترجمہ)'' جب گرمی سخت ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو بے شک گرمی کی شدت جہنم کی جھوکا کے اثر سے ہے۔''

(۲) حضرت ابو سعید روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا **ابردوا بالظهر فان شدة الحر من فیح جهنم** (ترجمہ) ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو بے شک گرمی کی شدت جہنم کی جھوکار کے اثر سے ہے (بخاری شریف پ ۳ ج ۱ ص ۷۷ ایضا)

(۳) حضرت ابو ذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ'' ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے موذن نے ظہر کی اذان دینی چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا ابرد۔ وقت ٹھنڈا ہونے دو۔ تھوڑی دیر بعد پھر اذان دینی چاہی، آپ ﷺ نے پھر یہی فرمایا۔ ابرد۔ وقت ٹھنڈا ہونے دو یہاں تک ہم نے دیکھا کہ ٹیلوں کا سایہ پڑنے لگا ہے (جو لامحالہ ایک مثل ہو چکنے یا تقریباً ایک مثل پر پڑتا ہے) اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کی یہ حکمت ارشاد فرمائی (**ان شدة الحر من فیح جهنم فاذا اشتد الحر فابردوا بالصلوٰة**) بخاری شریف ص ۷۷ ایضا (ترجمہ) گرمی کی شدت جہنم کی جھوکار کا اثر ہوتا ہے۔ پس جب گرمی سخت ہو تو ٹھنڈے پڑے نماز پڑھو۔

حضرت ابو ذرؓ کی روایت کے بموجب اگر چہ یہ واقعہ سفر کا ہے مگر آنحضرت ﷺ نے تاخیر ظہر کی جو حکمت

بیان فرمائی ہے وہ سفر اور قیام دونوں صورتوں میں یکساں پائی جاتی ہے۔ان احادیث سے معلوم ہوا کہ موسم گرما میں نماز ظہر میں تاخیر افضل ہے روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضرات صحابہؓ دیواروں کے سایوں میں چل کر نماز ظہر کے لئے جاتے تھے (اس زمانے میں دیواریں چھوٹی تھیں)

رہا نماز جمعہ کا مسئلہ تو بعض فقہاءؒ ظہر پر قیاس کرتے ہوئے نماز جمعہ کو بھی گرمی میں تاخیر سے پڑھنے کے قائل ہیں، مگر حدیث میں لفظ ''ظہر'' ہے لفظ ''جمعہ'' نہیں ہے اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے مقدس صحابہؓ کا عمل بھی اس کی تائید میں نہیں ہے۔نیز نماز جمعہ بڑے مجمع سے پڑھی جاتی ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا عام طریقہ تھا کہ وہ جمعہ کے لئے سویرے سے چلے جاتے تھے اب بھی ایسا ہوتا ہے کہ لوگ صبح سے تیاری کرکے بہت جلد مسجد میں آکر بیٹھ جاتے ہیں، خطبوں اور نماز میں وقت بھی زیادہ لگتا ہے، اس لئے تاخیر میں بڑا حرج ہے، لہذا عام فقہا ظہر کی طرح جمعہ کی تاخیر کے قائل نہیں ہیں **وجمعة كظهر اصلاً واستحباباً في الزمانين** (درمختار) **(قوله واستحباباً في الزمانين) اى الشتاء والصيف ح لكن جزم في الا شباه من فن الا حكام انه لا يسن لها الا براد في جامع الفتاوىٰ لقارى الهداية قيل انه مشروع لا نها توا دى في وقت الظهر وتقوم مقامه وقال الجمهور ليس بمشروع لا نها تقام بجمع عظيم فتا خيرها مفض الى الحرج ولا كذلك الظهر وموافقة الخلف لا صله من كل وجه ليس بشرط ا ه** (شامی کتاب الصلاۃ ج ۱ ص ۳۴۰۔۳۴۱)

اصل یہی ہے کہ نماز میں تعجیل کرے۔فرمان خداوندی ہے **فاستبقوا الخيرات** (نیکی کے کاموں میں جلدی کرو) مگر جہاں پر شارع علیہ السلام نے تاخیر کا حکم دیا ہو وہاں پر تاخیر کرے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۹۸ کتاب الصلاۃ باب المواقیت) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

''رمضان المبارک میں نماز فجر ہمیشہ سے جلد پڑھنا''

(سوال ۹۰) رمضان میں رات کو لوگوں کی نیند پوری نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے سحری کے بعد فجر تک بیدار رہنا ان پر شاق گذرتا ہے، بعض تو گھر میں نماز پڑھ کر سو جاتے ہیں، اور بعض نماز کے وقت بیدار ہو جانے کے ارادے سے نماز پڑھے بغیر سو جاتے ہیں، بروقت آنکھ نہ کھلنے کی صورت میں ثواب جماعت سے محروم رہتے ہیں اور بعضوں کی تو نماز بھی قضا ہو جاتی ہے اگر صبح صادق کے بعد جلد جماعت کرلی جائے تو سب جماعت میں شریک ہو سکتے ہیں، ایسا کرنے میں کوئی حرج ہے؟

(الجواب) رمضان میں مذکورہ علت کی وجہ سے نماز فجر ہمیشہ کے وقت سے جلد پڑھ لی جائے تو کوئی حرج نہیں بلکہ اولیٰ ہے، سب لوگ شرکت فرماسکیں گے اور جماعت بڑی ہوگی۔اس کی تائید مندرجہ ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا کہ ہم نے رسول خدا ﷺ کے ساتھ سحری کھائی پھر صبح کی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، راوی نے دریافت کیا سحری اور نماز میں کتنا فاصلہ تھا؟ فرمایا کہ جتنی دیر میں پچاس آیتیں پڑھ سکیں، **عن زيد بن ثابت قال تسحرنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قمنا الى الصلوة قال قلت كم كان**

قدر ذلک قال قدر خمسین آیة (ترمذی شریف ج ۱ ص ۸۸ ابواب الصوم باب ماجآء فی تاخیر السحور)

پچاس آیات تو ایک اندازہ ہے، سحری کا وقت ختم ہوجانے کے بعد یعنی صبح صادق بعد پندرہ بیس منٹ ٹھہر کر نماز پڑھی جائے تو بہتر ہے، اتنا فاصلہ استنجا وغیرہ سے فراغت کے لئے کافی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جہاں وقت عشاء نہ ملے تو نماز عشاء ادا کرے یا نہیں:

(سوال ۹۱) لندن میں بائیسویں مئی سے اکیسویں جولائی تک (ان دو ماہ کی) رات صرف ساڑھے چار گھنٹے کی ہے۔ ان ایام میں غروب شفق نہیں ہوتا اب اس حال میں نماز عشاء کے متعلق کیا حکم ہے؟ کہ عشاء کا وقت غروب شفق کے بعد ہے۔ لہذا مذکورۂ ذیل باتوں کی تفصیل فرمائیں: (۱) جہاں وقت عشاء نہ ہو وہاں نماز عشاء فرض ہے (۲) اگر وہ فرض ہوتی ہو تو کب پڑھی جائے (۳) کیا طلوع آفتاب کے بعد قضا کرے اگر قضا ہو تو اس کا وقت مقرر کر کے یا اذان و جماعت پڑھے یا بغیر جماعت منفرداً منفرداً۔

(الجواب) ایسی جگہ جہاں غروب شفق سے پہلے یا غروب کے بعد فوراً فجر طلوع ہوتا ہے اور وقت عشاء نہ رہے تو وہاں کے باشندوں پر نماز عشاء فرض ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض فقہا کہتے ہیں کہ ان پر عشاء فرض نہیں اس دلیل سے کہ جب نماز عشاء کی فرضیت کا سبب موجود نہیں تو ان پر عشاء بھی فرض نہیں اس موسم میں وہ لوگ چار نماز کے مکلف ہیں جیسا کہ مقطوع الید آدمی پر وضو میں تین ہی فرض ہیں مگر بعض دوسرے فقہاء کہتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں پر نماز عشاء فرض ہے قول راجح اور واجب العمل یہی ہے۔ استدلالاً دلیل یہ ہے کہ خدا پاک نے سب جگہ کے لوگوں پر پنجگانہ نماز فرض کی ہے آپ ﷺ کی شریعت عام ہے کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ اعضاء وضو کے نہ ہونے اور سبب صلاۃ میں فرق ہے غور کرنے سے پتہ چلتا ہے فرضیت صلوٰۃ نفس الامر میں سبب خفی سے ثابت ہے، وقت تو اس کے لئے ظاہری سبب اور سبب خفی کے لئے بطور علامت ہے اس کو اصل اور حقیقی ماننا صحیح نہیں۔ لہذا ظاہری سبب نہ ہونے کی وجہ سے حقیقی اور اصلی سبب جو نفس الامری ہے وہ معدوم نہ ہوگا جس کے وجوب پر دوسرے دلائل بھی ہیں۔ حدیث معراج میں ہے کہ اولاً پچاس نمازیں فرض تھیں پھر کمی کرتے کرتے پانچ نمازیں رکھیں جس میں کوئی تصریح نہیں کہ یہ حکم فلاں ملک کے لئے ہے اور فلاں ملک کے لئے نہیں اور خدا تعالیٰ کو کائنات عالم کی جمیع اشیاء کا علم ہے۔ لہذا اس حکم سے کوئی جگہ مستثنیٰ نہیں۔ دجال والی حدیث میں ہے کہ ایک دن سال کے برابر ایک دن مہینہ کے برابر ایک دن ہفتہ کے برابر بڑا ہوگا۔ صحابۂ کرام نے دریافت کیا کہ آیا ان ایام میں بھی پانچ نمازیں کافی ہوں گی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا نہیں پانچ نمازیں کفایت نہیں کریں گی۔ ان ایام میں برس مہینے اور ہفتوں کی نمازیں اندازہ کر کے پڑھنی ہوں گی۔ یعنی چوبیس گھنٹہ میں پانچ نمازیں قدرے فاصلہ سے پڑھنی ہوں گی اس سے وضاحت ہوئی کہ ظاہری سبب قابل تسلیم نہیں حقیقی سبب قابل اعتبار ہے (فتح القدیر ج ۱ ص ۱۹۸۔۱۹۷ کتاب الصلاۃ باب المواقیت (فصل)) (رسائل الارکان ص ۵۸۔۵۷)

دارالعلوم کے سابق مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب فرماتے ہیں کہ بعض فقہاء کا تو یہی

مذہب ہے کہ وہاں عشاء کی نماز فرض نہیں چونکہ وہاں عشاء کا وقت نہیں ہوتا۔ جیسا کہ فتاویٰ محمدیہ میں مولوی سید اصغر حسین صاحب نے لکھا ہے مگر محققین فقہا جیسے ابن ھمام وغیرہ فرماتے ہیں کہ اگر چہ عشاء کا وقت وہاں نہیں آتا لیکن عشاء کی نماز وہاں بھی فرض ہے اور دلیل ان کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں پر پانچ وقت کی نماز فرض فرمائی ہے ان کو ہر جگہ اور ہر وقت پڑھنا چاہئے جیسا کہ حدیث دجال میں وارد ہے کہ ایک دن سال برابر کا ہوگا صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ نمازوں کی نسبت کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس دن میں سال بھر کی نمازیں پانچوں وقت کا اندازہ کر کے پڑھو یعنی ہر ایک چوبیس گھنٹے میں پانچ نمازیں ادا کرو (فتاویٰ دارالعلوم مکمل و مدلل ج ۲ ص ۶۱) (۲) جب عشاء کا وقت ملتا تھا اور نماز عشاء پڑھی جاتی تھی۔ مغرب بعد اتنے فاصلہ پر عشاء پڑھی جائے یا گرد و نواح جہاں عشاء کا وقت ہوتا ہے اور نماز عشاء اس کے وقت پر ادا ہوتی ہے تو اس حساب سے پڑھی جائے ایک صورت یہ بھی ہے کہ صبح صادق کے بعد عشاء اور وتر ادا کی جائے پھر فجر کے وقت میں فجر پڑھی جائے۔ درمختار میں ہے جس کو عشاء کا وقت نہ ملے وہ بھی عشاء اور وتر کا مکلف ہے یعنی عشاء اور وتر کی ادائیگی اس پر ضروری ہے وہ ان دونوں نمازوں کا اندازہ کر کے پڑھے یعنی جس موسم میں عشاء کا وقت ہوتا تھا اس وقت مغرب کے بعد جتنے فاصلہ سے عشاء کی نماز پڑھی جاتی تھی اتنے فاصلہ پر عشاء کی نماز ادا کی جائے یا اطراف کے شہروں اور ممالک میں جس وقت عشاء پڑھی جاتی ہے اس کے مطابق عمل کیا جائے اور عشاء اور وتر میں قضا کی نیت نہ کرے قضا نماز وہ ہے جس کا وقت ملے اور فوت ہو جائے، یہاں تو عشاء کا وقت ہی نہیں تو پھر قضاء کا مسئلہ کہاں رہا (درمختار کتاب الصلاۃ فی فاقد وقت العشاء کاھل بلغار مع الشامی ج ۱ ص ۳۳۶۔۳۳۵) (۳) طلوع آفتاب کے بعد بھی پڑھ سکتے ہیں مگر نماز فجر و عشاء میں ترتیب مشکل ہے، لہذا صبح صادق کے بعد نماز فجر سے قبل عشاء کے فرض، اذان، تکبیر اور جماعت کے ساتھ پڑھے۔ (جوہرہ ج ۱ ص ۴۴ کتاب الصلاۃ) وتر با جماعت صرف رمضان ہی میں ادا کئے جاتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

ظہر اور عصر کا وقت:

(سوال ۹۲) مسجد میں دو ٹائم ٹیبل ہیں۔ ایک میں جماعت عصر کا وقت چار بج کر تیس منٹ کا ہے اور دوسرے میں چار بج کر ۲۵ منٹ کا۔ اب اذان کب دی جائے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ یہاں پر چار بج کر تیس منٹ پر جماعت ہوتی ہے اور اذان چار بج کر پندرہ یا بیس منٹ پر ہوتی ہے تو صحیح وقت کیا ہے؟ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جس ٹائم ٹیبل (تقویم) میں چار بج کر تیس منٹ کا وقت بتلایا ہے وہ مفتیٰ بہ قول کے مطابق ہے احناف کا مسلک یہی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کہ سایہ اصلی (یعنی وہ سایہ جو ٹھیک استواء کے وقت ہوتا ہے) اس کے علاوہ جب ہر چیز کا سایہ دو چند (دو مثل) ہو جائے اس کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے اور اس سے پہلے یعنی دو مثل ہونے تک ظہر کا وقت رہتا ہے۔ مالا بدمنہ میں ہے۔ وروایتے مفتی بہ از امام اعظم آن ست کہ وقت ظہر باقی ماند تا آنکہ سایۂ چیز دو چندے آن شود سوائے سایۂ اصلی و بعد گذشتن وقت ظہر بر دو قول وقت عصر است (ص ۲۵ کتاب الصلاۃ)

مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحبؒ نے تعلیم الاسلام میں تحریر فرمایا ہے جب ہر چیز کا سایہ

اصلی سایہ کے علاوہ دومثل ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہوکر عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔(تعلیم الاسلام ج۲ص ۴۵) ماہ دسمبر میں سایہ اصلی ایک مثل کے قریب ہوتا ہے لہذا علاوہ اس کے دومثل سایہ ہونے کے بعد عصر کی اذان ہونی چاہئے اور فی الحال چار بج کر تیس منٹ کا وقت ہے اور اسی میں احتیاط ہے راندیر میں اسی پر عمل ہے، راندیر میں ماہ دسمبر میں اذان چار بج کر تیس منٹ پر اور چار بج کر ۴۵ منٹ پر جماعت ہوتی ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

مثلین سے پہلے عصر کی نماز پڑھی جاتی ہے:

(سوال ۹۳) محلّہ کا امام عصر کی نماز مثلین سے پہلے، اسی طرح عشاء کی نماز شفق ابیض کے غائب ہونے سے پہلے پڑھتا ہے تو مجھے کیا کرنا چاہئے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) دوسری مسجد میں جہاں صحیح وقت پر نماز پڑھی جاتی ہو جا کر پڑھنی چاہئے۔اگر یہ ممکن نہ ہو یا دشوار ہو تو امام کے ساتھ پڑھ لیں اور وقت آنے پر منفرداً اعادہ کرلیں۔ثم رائت فی آخر شرح المنية ناقلاً عن بعض الفتاوىٰ انه لو كان امام محلة يصلي العشاء قبل غياب الشفق الا بيض فالا فضل ان يصليها وحده بعد البياض .اهـ(ص ۳۷۲ ج ۱)(اعلاء السنن ص ۷ ج ۲) كتاب الصلاة باب المواقيت)والا ولى ماقلنا انه يصلي مع الا مام ثم يعيد ها ولا تكره اعاده العصر في هذ ه الصور ة لان الا ولى لم تصح عند الامام فيكون الفرض هي الثانية لم اره صريحاً ولكنه مقتضى القواعد.فقط و الله اعلم بالصواب.(اعلاء السنن ج۴ ص ۲۷۶باب مايفعل المأموم اذا أخر الامام الصلاة)

وقت عصر کی تفصیل:

(سوال ۹۴) ہماری مسجد میں دو ٹائم ٹیبل ہیں ایک میں نماز عصر کا وقت چار بج کر تیس (۳۰۔۴) منٹ ہے اور دوسرے میں چار بج کر پچیس (۲۵۔۴) منٹ ہے۔تو اذان کب دی جائے یہاں پر چار بج کر تیس (۳۰۔۴) منٹ پر جماعت ہوتی ہے۔اور اذان چار بج کر پندرہ یا بیس منٹ کو ہوتی ہے تو صحیح وقت کیا ہے؟

(الجواب) جس ٹائم ٹیبل میں چار بج کر تیس (۳۰۔۴) منٹ کا وقت ہے۔وہ مفتی بہ قول کی مطابق ہے۔حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ ظہر کا وقت ہر چیز کا سایہ علاوہ سایۂ اصلی کے دومثل ہونے تک رہتا ہے۔دومثل ہونے کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے،''مالا بدمنہ'' میں ہے۔وروایت مفتی بہ از امام اعظم آنست کہ وقت ظہر باقی ماندہ تا کہ سایۂ اصلی ہر چیز دو چندے آں شود سوائے سایۂ اصلی وبعد گذشتن وقت ظہر بر ہر دو قول وقت عصر است (ص ۲۵)

مفتی اعظم مولانا کفایت اللہؒ نے بھی تعلیم الاسلام میں اسی طرح تحریر فرمایا ہے۔

جب ہر چیز کا سایہ سایۂ اصلی کے علاوہ دومثل ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہوکر عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔(تعلیم الاسلام ص ۴۵ ج ۲)

وقت عشاء کی تفصیل:

(سوال ۹۵) اس موسم (ماہ جون) میں غروب آفتاب سات بج کر انیس (۱۹۔۷) منٹ پر ہے۔ اور شفق کا فاصلہ ایک گھنٹہ چونتیس (۳۴۔۱) منٹ کا ہے تو عشاء کی اذان کب دی جائے؟ ہمارے امام صاحب آٹھ بج کر پینتالیس (۴۵۔۸) منٹ کو اذان پڑھواتے ہیں اور جماعت نو بجے۔ تو کیا اذان وقت پر ہوتی ہے؟ ہم یہ کہتے ہیں کہ نماز وقت پر ہوتی ہے۔ اور اذان قبل از وقت۔ اذان آٹھ بج کر ترپن (۵۳۔۸) منٹ کے بعد ہونی چاہئے تو کیا ہمارا کہنا غلط ہے؟

(الجواب) آپ کی بات صحیح ہے۔ عشاء کا وقت غروب شفق کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ "شفق" سے کون سی شفق مراد ہے۔ احمر یا ابیض، اس میں اختلاف ہے۔ لغت عربی میں سرخی اور (سرخی کے بعد کی) سفیدی دونوں کو شفق کہتے ہیں۔ علامہ ابن الرشید تحریر فرماتے ہیں۔ **وسبب اختلافهم في هذه المسئلة اشتراك اسم الشفق في لسان العرب بانه كما ان الفجر بلسانهم فجران كذا لك الشفق شفقان احمر وابيض الخ.** (بداية المجتهد ص ۹۲ ج ۱)

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ وقت عشاء کے بارے میں شفق سے وہ سفیدی مراد لیتے ہیں۔ جو سرخی کے غائب ہونے کے بعد تھوڑی دیر رہتی ہے اور یہی راجح اور قابل عمل ہے۔ "کتاب الاختیار" میں ہے **الشفق البياض الذى بعد الحمرة** ترجمہ:۔ شفق وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد رہتی ہے (ص ۳۹ ج ۱ کتاب الصلاۃ) حدیث شریف میں ہے کہ حضرت انسؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ میں عشاء کب پڑھوں؟ تو آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:۔ **حين اسود الافق** ۔ ترجمہ:۔ جب افق یعنی آسمان کا کنارہ تاریک ہو جائے۔ اور مرفوع روایت میں ہے کہ **يصلى العشاء حين يسود الافق** ۔ یعنی آنحضرت ﷺ عشاء اس وقت ادا فرماتے تھے جب افق پر تاریکی چھا جاتی تھی ۔ (ابو داؤد ص ۶۳ ج ۱) (زجاجة المصابيح ص ۱۶۸ ج ۱ باب المواقيت)

اسی لئے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے شفق سے شفق ابیض مراد لی ہے۔ افق پر تاریکی سفیدی کے بعد چھاتی ہے نہ کہ سرخی کے بعد لہذا عشاء کی اذان بھی سفیدی (شفق) غائب ہونے کے بعد پڑھنی چاہئے۔ آپ کے امام صاحب کو اس سے اطمینان نہ ہو تو تعلیم الاسلام میں مولانا کفایت اللہ کا فتویٰ ملاحظہ فرمالیں۔ تعلیم الاسلام پر ہے۔

(سوال) نماز عشاء کا وقت کیا ہے؟

(الجواب) سفید شفق جاتے رہنے کے بعد عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے۔ (حصہ سوم)

عشاء کا وقت غروب آفتاب کے بعد کب شروع ہوتا ہے:

(سوال ۹۶) غروب آفتاب کے بعد کب تک شفق ابیض باقی رہتی ہے۔ اور کب سے عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے؟

(الجواب) یہ فاصلہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا، ماہ بماہ یا کچھ کچھ دنوں میں گھٹتا بڑھتا رہتا ہے لیکن یہ فاصلہ ایک گھنٹے اڑتیس (۳۸۔۱) منٹ سے زیادہ نہیں ہوتا اور ایک گھنٹہ اکیس (۲۱۔۱) منٹ سے کم نہیں ہوتا۔ ماہ جون میں یہ

فاصلہ ایک گھنٹہ اڑتیس (۳۸-۱) منٹ کا ہوتا ہے اور ستمبر میں سب سے کم۔ یعنی ایک گھنٹہ اکیس (۲۱-۱) منٹ کا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ نقشہ پیش کیا جاتا ہے جس کے مطابق عشاء کی نماز میں تغیر وتبدیل کریں۔ (محمد کفایت اللہ دہلی)

نقشہ

مہینے مع تاریخ	گھنٹہ	منٹ	مہینے مع تاریخ	گھنٹہ	منٹ
یکم جنوری	۱	۲۷	یکم جولائی	۱	۳۴
یکم فروری	۱	۲۴	یکم اگست	۱	۳۰
یکم مارچ	۱	۲۲	یکم ستمبر	۱	۲۵
یکم اپریل	۱	۲۳	اکیسویں ستمبر	۱	۲۱
یکم مئی	۱	۲۷	یکم اکتوبر	۱	۲۲
یکم جون	۱	۳۴	یکم نومبر	۱	۲۳
تیئسویں جون	۱	۳۸	یکم دسمبر	۱	۲۷
پچیسویں جون	۱	۳۷	اکتیسویں دسمبر	۱	۲۸

نوٹ:۔ جس ماہ کی جس تاریخ میں غروب آفتاب اور غروب شفق میں جس قدر فاصلہ رہتا ہے تقریباً اتنا ہی فاصلہ صبح صادق اور طلوع آفتاب میں بھی ہوتا ہے۔

''شامی'' میں ہے (**فائدہ) ذکر العلامة المرحوم الشیخ خلیل الکاملی فی حاشیتة علی رسالة الاسطر لاب لشیخ مشائخنا العلامة المحقق علی افندی الداغستانی ان التفاوت بین الفجرین و کذا بین الشفقین الا حمر والا بیض انما هم بثلث درج (ص ۳۳۲ ج ۱ کتاب الصلاة)** دوسری جگہ ہے (**تنبیه) قد منا قریباً ان التفاوت بین الشفقین بثلاث درج کما بین الفجرین فلیحفظ (شامی ص ۳۳۵ ج ۱ ایضاً) فقط واللہ اعلم بالصواب.**

نماز فجر کی جماعت اسفار میں افضل ہے:

(سوال ۹۷) فجر کی نماز میں لوگ کم آتے ہیں اور جس مسجد میں صبح صادق کے تھوڑی دیر بعد جماعت کا وقت مقرر ہے وہاں تو لوگ جماعت چھوڑ کر تنہا تنہا نماز پڑھتے ہیں اور جماعت کے ثواب سے محروم رہتے ہیں۔ اگر ملازم تجارت پیشہ لوگوں کا لحاظ کرتے ہوئے اخیری وقت جماعت کی جائے تو بہتر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صبح کی نماز غلس (اندھیرے) اور اسفار (اجالے) میں پڑھنا حدیث سے ثابت ہے۔ اسلام کے دور میں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے ان میں عبادت کا ذوق وشوق بے پناہ

تھا۔آنحضرت ﷺ کی معیت میں اکثر مسجد میں شب باشی کرتے ،عبادات سیکھتے ۔نوافل اور تہجد میں مشغول رہتے ان حضرات کے لئے غلس میں نماز پڑھنا آسان تھا (جیسا کہ ہمارے لئے رمضان المبارک میں نماز فجر جلد ادا کر لینے میں سہولت ہوتی ہے) کسی کی جماعت فوت ہونے کا اندیشہ نہ تھا ، پھر جب مسلمانوں کی کثرت ہوئی اور ان کے لئے صبح کی نماز تاخیر اور اسفار میں پڑھنے میں سہولت ہونے لگی اور اس وقت لوگوں کا جماعت میں شریک ہونا آسان ہونے لگا تو ان کی جماعت فوت نہ ہو جائے اس بنا پر حضور اکرم ﷺ اور صحابہ اسفار میں نماز پڑھنے لگے اور ساتھ ساتھ حضور اکرم ﷺ نے اس کی فضیلت بھی بیان فرمائی ہے۔ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ **اصبحوا بالصبح فانه اعظم الا جر**. یعنی نماز فجر خوب اجالے میں پڑھو اس میں بہت زیادہ اجر ہے (**ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۶۷ باب المواقیت باب وقت الصبح**) نیز حدیث میں ہے **اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر** ترجمہ: نماز اجالے میں پڑھو اس میں بڑا اجر و ثواب ہے۔(**ترمذی شریف ج ص ۴۰ باب ماجاء فی الاسفار بالفجر**) دیگر کتب احادیث میں بھی قریب قریب یہی الفاظ مبارکہ ہیں۔جیسے مسلم شریف ج ۱ ص ۲۲۳) نسائی شریف ج ۱ ص ۵۰ (ابن ماجہ ج ۱ ص ۴۹) ....(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۳۲) (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۲۱) (طحاوی شریف ج ۱ ص ۱۰۶) وغیرہ میں ملاحظہ ہو۔

اس لئے فقہاء رحمہم اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز اجالے میں ادا کی جائے۔یعنی طلوع آفتاب سے اس قدر پہلے شروع کی جائے کہ سنت کے مطابق (کم از کم چالیس پچاس آیات) پڑھ کر نماز پوری کر سکیں اور اگر نماز میں فساد آ جائے تو مسنون قرائت کے ساتھ نماز کا اعادہ کر سکیں۔(اس کے لئے پچیس ۲۵ تمیں ۳۰ منٹ کافی ہیں) یعنی طلوع آفتاب سے پچیس ۲۵ سے تمیں ۳۰ منٹ پہلے جماعت کا وقت مقرر کرنا مستحب ہے۔یہ اس لئے کہ صبح کا وقت سونے اور غفلت کا ہے۔غلس میں جماعت کرنے سے اکثر لوگوں کی جماعت فوت ہوگی۔اس لئے تاخیر افضل ہے مگر اس قدر تاخیر نہ ہو کہ سلام پھیرنے کے بعد اعادہ کا وقت نہ رہے۔''مالا بدمنہ'' میں ہے۔ودر روشنی روز خواندن صبح بحدیکہ بہ قراءت مسنونہ نماز ادا کند واگر فساد ظاہر شود باز بہ قراءت مسنونہ ادا کند مستحب است۔یعنی:۔صبح کی نماز اتنے اجالے میں پڑھنا مستحب ہے کہ..... مسنون قرائت سے ادا کرنے کے بعد اتنا وقت رہے کہ نماز فاسد ہو جائے۔تو دوبارہ مسنون قرأت کے ساتھ ادا کر سکے (مالا بدمنہ ص ۲۵) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تہجد کا وقت:

(**سوال ۹۸**) تہجد کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے؟

(**الجواب**) مختار مذہب یہ ہے کہ تہجد کا وقت نصف شب کے بعد شروع ہوتا ہے خواہ اس سے پہلے سویا ہو یا نہ سویا ہو (سونا شرط نہیں) ہاں سونے کے بعد اٹھ کر پڑھنا بہتر ہے۔فتاویٰ عزیزی میں ہے''اول وقت آں بعد از نصف شب است۔**سواء سبقه' النوم ام لا** (**ص ۵ کتاب الصلاۃ**) فقط (**و اللہ اعلم بالصواب**)

چاشت کی نماز کا وقت اور اس کی رکعتیں:

(**سوال ۹۹**) چاشت کی نماز کا وقت کیا ہے۔اور اس کی کتنی رکعتیں ہیں؟

(الجواب) چاشت کی نماز کا وقت آفتاب طلوع ہونے سے زوال تک ہے لیکن افضل اور مختار یہ ہے کہ ایک چوتھائی دن گذرنے کے بعد پڑھے مثلاً آج کل ۳۵-۶ پر طلوع آفتاب اور ۵۲-۶ پر غروب آفتاب ہے تو ۴۰-۹ سے زوال تک چاشت کی نماز پڑھ سکتے ہیں اس کی چار رکعتیں ہیں۔ دو رکعت بھی پڑھ سکتا ہے اور زیادہ پڑھنا چاہے تو بارہ رکعت بھی پڑھ سکتا ہے۔ درمختار میں ہے۔ **وندب اربع فصاعداً في الضحى من بعد الطلوع الى الزوال ووقتها المختار بعد ربع النهار وفي المنيه اقلها ركعته واكثر ها اثنا عشر ووسطها ثمان وهوافضلها كما في الذخائر لثبوته بفعله الخ.** (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۶۳۹ مطلب سنة الضحیٰ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲. جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۸. مارچ ۱۹۸۲ء۔

اشراق کی نماز کا وقت:

(سوال ۱۰۰) اشراق کی نماز کا وقت کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اشراق کی نماز کا وقت طلوع آفتاب کے بعد تقریباً بارہ پندرہ پر شروع ہو جاتا ہے۔ **اولها (عند طلوع الشمس الى آن ترتفع الشمس وتبيض قدر رمح او معين (طحطاوى على الفلاح ص ۱۰۶ فصل في الاوقات المكروهة)** فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۳. جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ۔

مجبوراً عصر کی نماز جماعت کے ساتھ ایک مثل پر پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۰۱) محترم المقام حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم۔ بعد سلام مسنون۔ امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ مندرجہ ذیل سوال کا جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

ہم لوگ سعودیہ عربیہ کے مقام جدہ میں بغرض ملازمت مقیم ہیں۔ ایک کمپنی میں کام کرتے ہیں۔ جس میں بہت سے لوگ ہندوستانی حنفی ہیں اور بہت سے لوگ یمنی بھی ہیں۔ کمپنی میں ایک مسجد بھی بنائی گئی ہے۔ اس مسجد میں یمنی حضرات بضد ہو کر عصر کی نماز ایک مثل پر جماعت کر کے پڑھتے ہیں ہم نے ان کو بہت سمجھایا کہ ہمارے اعتبار سے عصر کا وقت نہیں ہوتا مگر وہ لوگ نہیں مانتے اور ایک مثل پر ہی جماعت کر کے نماز پڑھتے ہیں ایسی حالت میں اگر حنفی ان کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جائیں اور نماز پڑھ لیں تو کیا حکم ہے؟ نماز ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عصر کا وقت ایک مثل سایہ سے شروع ہوتا ہے یا دو مثل سے اس میں اختلاف ہے۔ احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ ظہر کی نماز ایک مثل کے اندر پڑھ لی جائے اور عصر کی نماز دو مثل ہونے کے بعد ادا کی جائے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ **عن عبد الله بن رافع مولى ام سلمة زوج النبى صلى الله عليه وسلم انه سئل ابا هريرة عن وقت الصلوٰة فقال ابو هريرة انا اخبرك صل الظهر اذا كان ظلك مثلك والعصر اذا كان ظلك مثليك.** یعنی عبداللہ بن رافع مولیٰ ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے نماز کے اوقات کی بابت سوال کیا تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ میں تم کو بتلاتا ہوں ظہر کی نماز اس وقت پڑھو جب تمہارا سایہ تمہارے برابر ہو اور عصر کی نماز ایسے وقت ادا کرو جب تمہارا سایہ تم سے دو چند ہو (مؤطا امام مالک ص ۳ وقوت الصلوٰۃ)

اگر عصر کی نماز دومثل سے پہلے پڑھ لی جائے (جیسا کہ آپ کے یہاں ہوتا ہے) تو نماز مشتبہ ہوگی دومثل کے بعد پڑھنے میں شبہ نہ رہے گا بلکہ بالاتفاق ادا ہو جائے گی عبادت احتیاط لازم ہے۔ یہ حضرات دومثل سے پہلے ہی پڑھنے پر بضد ہوں تو دوسری مسجد میں جہاں احتیاط پر عمل ہوتا ہو چلے جائیں۔ اگر یہ ممکن نہ ہو یا دشوار تر ہو تو مجبوراً جماعت کے ساتھ نماز ادا کرلیں اور دومثل سایہ کے بعد تنہا تنہا اعادہ کرلیا کریں۔ **والا ولی ما قلنا انه یصلی مع الا مام ثم یعید ها ولا تکره اعادة العصر فی هذه الصورة لان الا ولیٰ لم تصح عند الا مام فیکون الفرض هی الثانیة لم اره صریحا ولکنه مقتضی القواعد (اعلاء السنن ج ۴ ص ۲۷۶ باب مایفعل المأموم اذا أخر الا مام الصلاة) فقط و الله اعلم بالصواب.**

مجبوری کے وقت ایک مثل سایہ کے بعد عصر کی نماز پڑھنا:

(سوال ۱۰۲) بس کا وقت ایسا ہے کہ اگر مذہب حنفی کے موافق عصر کی نماز پڑھی جائے تو بس چھوٹ جاتی ہے اور اگر یہ پڑھی جائے تو درمیان میں اتنا وقت نہیں ملتا کہ نماز پڑھی جا سکے ایسی پریشانی کے وقت امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک کے مطابق ایک مثل سایہ ہو جانے کے بعد عصر کی نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بس سے سفر کرنے میں مذکورہ پریشانی ہو تو ریل سے سفر کیا جائے اور اگر ریل سے بھی سفر کرنے میں یہ پریشانی اور الجھن پیش آتی ہو تو مجبوری کی وجہ سے ایک مثل سایہ کے بعد نماز پڑھ سکتا ہے اور یہ صاحبین رحمہما اللہ کا قول بھی ہے حوالہ بالا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز فجر میں اسفار:

(سوال ۱۰۳) فجر کی نماز کے لئے افضل وقت کون سا ہے، اسفار میں اولیٰ ہے یا غلس میں ہمارے یہاں صبح کی نماز خوب روشن ہونے پر ہوتی ہے، یعنی طلوع آفتاب سے پچیس تیس منٹ قبل نماز شروع ہوتی ہے، مگر ایک صاحب کا کہنا ہے کہ نماز فجر اسفار میں پڑھنا حدیث سے ثابت نہیں تو کیا نماز فجر اسفار میں خلاف سنت ہے، حدیث کی روشنی میں جواب دے کر ممنون فرماویں۔؟

(الجواب) صبح صادق ہوتے ہی فجر کا وقت شروع ہو کر طلوع آفتاب سے کچھ پہلے تک رہتا ہے، اس عرصہ میں کسی بھی وقت نماز پڑھنا درست ہے مگر اسفار یعنی خوب اجالا ہونے کے بعد نماز پڑھنا افضل و مستحب ہے، اس میں بڑا ثواب ہے اور یہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے، حدیث سے عدم ثبوت کا قائل حدیث سے ناواقف ہے۔

حدیث جبرائیل میں ہے کہ بار دیگر جبرائیل علیہ السلام نے فجر کی نماز اسفار میں پڑھائی **وصلی بی الفجر فاسفر (مشکوٰة ص ۵۹ باب المواقیت الفصل الا ول عن بریدة)**

احادیث سے فجر کی نماز غلس و اسفار میں پڑھنے کا ثبوت بھی ملتا ہے، چنانچہ ابتدائی دور نبوت میں نماز فجر کچھ اندھیرے میں پڑھی جاتی تھی کیونکہ وہ زمانہ شدت عمل کا تھا، صحابۂ کرام میں حدیث الاسلام ہونے کی وجہ سے حاضر باشی و شب بیداری کا جذبہ تھا، رات کا اکثر حصہ مسجد میں گزرتا ان کے لئے غلس میں نماز پڑھنا ہی سہل تھا جیسا کہ ماہ مبارک میں بعد تہجد و سحری صبح صادق ہوتے ہی نماز فجر پڑھنا آسان ہوا کرتا ہے، زیادہ تر خواتین بھی فجر کی نماز

میں آتی تھیں، ان کے حق میں پردہ کا لحاظ بھی اسی کا مقتضی تھا کہ نماز فجر غلس میں پڑھ لی جائے، پھر جب اشاعت اسلام عام ہوئی، مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی عام لوگوں کے لئے سہولت اسی میں تھی کہ نماز اسفار میں پڑھی جائے تاکہ جماعت کے ثواب سے کوئی محروم نہ رہے، اسی لئے حضور ﷺ نے ہدایت فرمائی۔

اصبحوا با لصبح فانه اعظم للاجر. ترجمہ:۔ نماز فجر اسفار میں پڑھو اس میں تمہارے لئے بڑا ثواب ہے۔ (ابوداؤد، باب وقت الصبح عن رافع بن خدیج ج ۱ ص ۶۱، نسائی ج ۱ ص ۹۴، ابن ماجہ ص ۴۹، طحاوی شریف ج ۱ ص ۱۰۶)

ترمذی شریف کے الفاظ یہ ہیں، اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر. ترجمہ:۔ نماز فجر خوب روشنی کی بعد پڑھو اس میں اجر عظیم ہے (ترمذی باب ماجآء فی الاسفار بالفجر ج ۱ ص ۲۲، مسند امام اعظم ج ۱ ص ۳۰۴) مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۱۵، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱ ص ۳۲۱۔ امام ترمذیؒ یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں " حدیث رافع بن خدیج حدیث حسن صحیح. رافع بن خدیج کی یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

مسلم شریف میں "فنور بالصبح" کے الفاظ ہیں (مسلم باب اوقات الصلوات الخمس ج ۱ ص ۲۲۳) اور حدیث شریف میں ہے عن عبد الله قال ما رأیت النبی صلی الله علیه وسلم صلی صلوٰة لغیر میقاتها الا صلوتین جمع بین المغرب والعشاء وصلی الفجر قبل میقاتها (بخاری باب متی یصلی الفجر مجمع ج ۱ ص ۲۲۸ پ ۷، مسلم ج ۱ ص ۴۱۷) ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو دو نماز کے علاوہ ہر نماز کو اس کے مقررہ وقت پر پڑھتے دیکھا ہے وہ دو نماز یہ ہیں (۱) مزدلفہ میں مغرب اور عشاء میں جمع بین الصلوتین کیا (۲) اور نماز فجر عام معمول کے خلاف غلس میں پڑھی۔

مذکورہ تمام احادیث اسفار میں نماز پڑھنے میں مؤید ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی احادیث ہیں جن سے نماز فجر اسفار میں پڑھنے کی افضلیت ثابت ہوتی ہے۔ اسی لئے فقہائے احناف فرماتے ہیں ویستحب الاسفار بالفجر لقوله علیه السلام اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر. (هدایه فصل فی الاوقات المستحبة ج ۱ ص ۶۱)

لہذا آپ حضرات کا اسفار میں نماز پڑھنا حدیث وسنت کے موافق ہے، حدیث کے خلاف یا بدعت نہیں۔ نیز فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز اجالے میں پڑھے یعنی طلوع آفتاب سے اتنا پہلے شروع کرے کہ مسنون قرأت (جس کی مقدار کم از کم ۴۰ سے ۴۵ آیات ہیں) پڑھ سکے اور اگر خدانخواستہ کسی وجہ سے نماز فاسد ہو تو دوبارہ قرأت مسنونہ سمیت لوٹا سکے، اس لحاظ سے ۲۵ سے ۳۰ منٹ کافی ہیں۔

پس طلوع آفتاب سے ۲۵ سے ۳۰ منٹ قبل جماعت کا قیام مستحب ہے چونکہ صبح کا وقت نیند اور غفلت کا وقت ہے نماز جلدی پڑھنے میں بہت سے لوگوں کی جماعت فوت ہونے کا اندیشہ ہے لہذا تاخیر ہی اولیٰ ہے مگر اس قدر تاخیر بھی نہ کرے کہ سلام پھیرنے کے بعد نماز دوبارہ پڑھنے کا وقت نہ رہے، مالا بدمنہ میں ہے" و در روشنی روز خواندن صبح بہ حدیکہ بقرأت مسنون نماز ادا کند و اگر فساد ظاہر شود باز بقرائت مسنون ادا کند مستحب است (مالا بدمنہ ص ۲۵) ترجمہ:۔ نماز فجر اس قدر اجالا ہونے کے بعد پڑھنا مستحب ہے کہ نماز قرأۃ مسنونہ سے پڑھنے کے بعد اتنا وقت رہے کہ اگر کسی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے تو مسنون قرأۃ کے ساتھ دوہرا سکے۔

لہذا آپ حضرات کا عمل حدیث وسنت کے مطابق ہے بدعت اور خلاف سنت نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اوقات ممنوعہ ومکروہ

عصر کے بعد تحیۃ الوضو یا کوئی نماز:

(سوال ۱۰۴) عصر اور مغرب کے درمیان تحیۃ الوضو پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) نہیں پڑھ سکتے۔ عصر اور مغرب کے درمیان نفل نماز پڑھنا مکروہ اور منع ہے۔[۱]

(سوال ۱۰۵) عصر اور مغرب کے درمیان کون سی نماز پڑھنا درست ہے؟

(الجواب) آفتاب کے زرد ہونے سے پہلے یعنی آفتاب کی تیزی باقی رہے وہاں تک فرض وواجب کی قضا پڑھ سکتے ہیں (لیکن تنہائی میں پڑھے لوگوں کے سامنے نہ پڑھے) نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت بھی جائز ہے۔ آفتاب کی تیزی ختم ہونے کے بعد یعنی آفتاب زرد ہونے کے بعد اجازت نہیں۔ ہاں اگر اس وقت جنازہ آیا یا سجدۂ تلاوت واجب ہوا تو کراہت کے ساتھ جائز ہے اگر اس دن عصر کی نماز نہ پڑھی ہو تو ایسی حالت میں بھی پڑھنا چاہئے (اگر چہ اتنی تاخیر سے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے) قضا نہ ہونے دے کیونکہ قضا کا گناہ بہت بڑا ہے۔[۲]

فقط و اللہ اعلم بالصواب.

صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان نفل نماز:

(سوال ۱۰۶) صبح صادق سے طلوع تک نفل پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) نہیں پڑھ سکتے اس وقت نفل نماز مکروہ اور منع ہے۔ طلوع کے بعد جب تک آفتاب ایک نیزہ بلند ہو کر تیزی نہ پکڑے اس وقت تک کسی نماز کی اجازت نہیں۔[۳]

فجر کی نماز فوت ہو جائے تو پہلے فرض پڑھے یا سنت:

(سوال ۱۰۷) فجر کی جماعت فوت ہوئی تو پہلے سنت پڑھ کر فرض پڑھے یا فقط فرض پڑھے اور سنت طلوع کے بعد پڑھے؟ اگر طلوع کے بعد فرض کی قضا کرے تو سنت پڑھے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر وقت میں گنجائش نہیں ہے تو سنتیں نہ پڑھے صرف فرض پڑھ لے۔ سنتوں کی قضا نہیں ہوتی۔ اگر چاہے تو بطور نفل طلوع آفتاب کے بعد جب اشراق کا وقت ہو جائے دو رکعت پڑھ لے۔ اگر فجر کی نماز قضا ہوگئی

---

(۱) وکرہ نفل قصداً ولو تحیۃ مسجد بعد صلاۃ فجر و صلاۃ عصر ولو المجموع عقبعرفۃ. درمختار علی ہامش شامی ج. ۱ ص ۳۷۵.

(۲) وکرہ تحریماً صلاۃ مطلقاً ولو قضاء او واجبۃ او نفلاً او علی جنازۃ وسجدۃ تلاوۃ وسہو مع الشروق واستوآء وغروب الا عصر یومہ وینعقد نفل بشروع فیہا وسجدۃ تلاوت وصلاۃ جنازہ تلیت الآیۃ فی کامل و حضرت الجنازۃ لو جوبہ کاملا فلا یتأدی ناقصاً در مختار علی ہامش شامی. ج ۱ ص ۳۷۰. ۳۷۴.

(۳) تسعۃ اوقات یکرہ فیہا النوافل وما فی معناہا لا الفرائض ... ومنہا ما بعد صلاۃ الفجر قبل طلوع الشمس فتاوی عالمگیری الفصل الثالث فی بیان الاوقات التی لا تجوز فیہا الصلاۃ ج. ۱ ص ۵۳.

اور اسی روز زوال سے پہلے قضا کرے تو پہلے سنت پڑھے پھر فرض۔ زوال کے بعد قضا کرے تو فقط فرض پڑھے۔ (۱)
فقط و اللہ اعلم بالصواب.

صبح صادق کے بعد نوافل پڑھنا:

(سوال ۱۰۸) ہماری مسجد کے بعض مصلی فجر کے فرض اور سنت سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو، پڑھتے ہیں تو ان کا یہ فعل از روئے شرع کیسا ہے؟ ان کو روکنے پر بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہم اپنی قضا پڑھتے ہیں۔ تو کیا قضا نماز پڑھنے کی اجازت ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مذہب حنفی میں صبح صادق کے بعد طلوع آفتاب تک فجر کی فرض و سنت، کے علاوہ تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو، وغیرہ نوافل پڑھنا جائز نہیں ہے۔ قضا نماز پڑھنا جائز ہے لیکن لوگوں سے چھپ کر پڑھی جائے۔ لوگوں کے سامنے پڑھنا ممنوع ہے۔ لہذا ان حضرات کو اگر اس وقت قضا نماز پڑھنا ہی ہے تو گھر میں پڑھیں مسجد میں لوگوں کے سامنے نہ پڑھیں، درمختار میں ہے (وکذا الحکم من کراهة نفل وواجب لعينه (بعد طلوع فجر سوى سنته لشغل الوقت به تقديرا الخ (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۳۴۹ کتاب الصلاة)فقط و اللہ اعلم بالصواب.

زوال سے کتنی دیر پہلے نماز موقوف کرنا چاہئے:

(سوال ۱۰۹) ہمارے گاؤں کے قریب ایک گاؤں ہے وہاں مسجد میں بورڈ پر لکھا ہوا رہتا ہے کہ نصف النہار سے زوال تک یعنی زوال سے قبل چالیس ۴۰ منٹ تک کوئی نماز نہیں پڑھ سکتے، یہ چالیس منٹ والی بات کہاں تک صحیح ہے؟ اسی طرح جمعہ کے دن بھی نصف النہار سے زوال تک کوئی نماز نہیں پڑھ سکتے، آپ اس کی وضاحت فرمادیں کہ کتنے منٹ تک نماز پڑھنا درست نہیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) قلم یا لکڑی کھڑی کر کے زوال کا وقت دیکھا جا سکتا ہے۔ زوال کے وقت سے آٹھ دس منٹ پہلے سے نماز موقوف کر دے اور آٹھ دس بعد تک موقوف رکھے بادلوں کے زمانہ میں زوال کا وقت معلوم کرنا دشوار ہے اس لئے تقویم کے حساب سے دس بارہ منٹ پہلے سے نماز پڑھنے سے رک جائے اور دس بارہ منٹ بعد تک رکا رہے اس میں احتیاط ہے اور یہ جو قول ہے کہ نصف نہار شرعی سے زوال تک نماز نہ پڑھی جائے۔ یہ مزید احتیاط پر مبنی ہے۔ شامی میں ہے۔ وفي شرح النقاية للبر جندی قد وقع في عبارات الفقهاء ان الوقت المكروه هو عند انتصاف النهار الىٰ ان تزول الشمس ولا يخفى ان زوال الشمس انما هو عقيب انتصاف النهار بلا فصل وفي هذا القدر من الزمان لا يمكن اداء صلاة فيه فلعل المراد انه لا تجوز الصلوٰة بحيث يقع جزء منها في هذا الزمان. او المراد بالنهار هو النهار الشرعي وهو من اول طلوع الصبح الى غروب الشمس وعلىٰ هذا يكون نصف النهار قبل الزوال

---

(۱) والسنن اذا فاتت عن وقتها لم يقضيهما الا ركعتي الفجر اذا فاتتامع الفرض يقضيهما بعد طلوع الشمس الى وقت الزوال ثم يسقط هكذا في محيط السرخسي وهو الصحيح هكذا في البحر الرائق فتاویٰ عالمگیری الباب التاسع في النوافل . ج ۱ ص ۱۱۲

بزمان یعتد به اھ (شامی ج ۱ ص ۳۴۴، ص ۳۴۵ کتاب الصلوٰۃ تحت قوله واستواء)
والثانی (عند استوائها) فی بطن السماء (الی ان تزول) ای تمیل الیٰ جهة المغرب (مراقی الفلاح)
(قوله والثانی عند استوائها) وعلامته ان یمتنع الظل عن القصر ولا یأخذ فی الطول واذا صادف انه شرع فی ذلک الوقت بفرض قضاء او قبله وقارن هذا الجزء اللطیف شیئاً من الصلوٰۃ قبل القعود قدر التشهد فسدت، (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۱۰۷ فصل فی الاوقات المکروهة) فقط واللّٰہ اعلم بالصواب. ۵ ذی قعدہ ۱۴۰۱ھ.

فجر کی نماز سے پہلے اور خطبہ کے وقت تحیۃ المسجد پڑھنا کیسا ہے:

(سوال ۱۱۰) فجر کی سنت مؤکدہ اور جمعہ سے قبل کی سنت گھر پر ادا کر کے مسجد جائے تو مسجد پہنچ کر تحیۃ المسجد ادا کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صبح صادق کے بعد صرف فجر کی دو سنت مؤکدہ پڑھ سکتے ہیں فجر کی نماز سے قبل اور نماز کے بعد نفل نماز مکروہ ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے: (ویکره التنفل بعد طلوع الفجر باکثر من سنته) قبل اداء الفرض لقوله صلی اللّٰه علیه وسلم لیبلغ شاهد کم غائبکم الا، لا صلوٰۃ بعد الصبح الا رکعتین ولیکون جمیع الوقت مشغولا بالفرض حکما ولذا تخفف قراء ۃ سنة الفجر ویکره التنفل (بعد صلاته) ای فرض الصبح (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۱۰۱ فصل فی الاوقات المکروهة) لہذا اگر فجر کی دو سنت گھر پر ادا کر لی ہوں تو اب مسجد پہنچ کر مستقلاً تحیۃ المسجد نہ پڑھی جائے فرض نماز ادا کرنا اس کے قائم مقام ہوجاتا ہے مراقی الفلاح میں ہے: (سنن تحیة المسجد رکعتین یصلیها فی غیر وقت مکروه بینهما (مراقی الفلاح) طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے (قوله فلذا خیره القدوری) ای لا ختلاف الآثار خیره القدوری وکذا خیره محمد بن الحسن بین ان یصلی رکعتین او اربعاً کما فی الفتح (طحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی تحیة المسجد وصلاة الضحی واحیآء اللیالی ص ۲۱۳) فقط واللّٰه اعلم .

(۱) فجر کی نماز کے بعد فجر کی سنت پڑھنا

(۲) فجر سے پہلے اور فجر کے بعد نیز عصر کے بعد قضا اور نوافل پڑھنا:

(سوال ۱۱۱) ایک شخص صبح کی نماز کے لئے مسجد گیا، جماعت کھڑی ہوگئی تھی وضو کر کے فارغ ہوا تو امام صاحب قعدہ میں تھے وہ شخص جماعت میں شریک ہوگیا، فجر کی سنت پڑھنے کا موقع نہ ملا تو جماعت کے بعد وہ فجر کی سنت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر فجر کے بعد نہ پڑھ سکتا ہو تو طلوع آفتاب کے بعد پڑھنا کیسا ہے؟ اسی طرح فجر و عصر کے بعد نوافل اور قضاء نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ حوالہ اور عبارت نقل فرما کر جواب عنایت فرمائیں تو بہت بہتر ہوگا۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) فجر کی سنت فجر کی نماز کے بعد پڑھنا سخت مکروہ ہے مراقی الفلاح میں ہے ویکره التنفل (بعد صلوته)

ای فرض الصبح (و) یکرہ التنفل (بعد صلاۃ) فرض (العصر) وان لم تتغیر الشمس لقولہ علیہ السلام لا صلوٰۃ بعد صلوٰۃ العصر حتی تغرب الشمس و لا صلوۃ بعد صلوۃ الفجر حتیٰ تطلع الشمس رواہ الشیخان. طحطاوی میں ہے (قولہ بعد صلوتہ) ای فرض الصبح ولو سنۃ سواء ترکھا بعذر او بدونہ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۰۱ فصل فی الا وقات المکروھۃ)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ صبح کی نماز کے بعد نفل نماز مکروہ ہے اگر چہ فجر کی سنت ہو اور عصر کی نماز کے بعد بھی نفل نماز مکروہ ہے اگر چہ آفتاب میں تغیر پیدا نہ ہوا ہو حدیث میں ہے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا عصر کی نماز کے بعد آفتاب غروب ہونے تک کوئی نماز نہیں ہے اور فجر کی نماز کے بعد آفتاب طلوع ہونے تک کوئی نماز نہیں، بخاری و مسلم نے اس کو روایت کیا ہے (مراقی الفلاح و طحطاوی)

طلوع آفتاب کے بعد سے زوال تک فجر کی سنت قضا کر لینا امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور بہتر ہے، اور اگر فجر کی سنت و فرض دونوں قضا ہو گئیں اور اسی روز زوال سے پہلے قضا کرے تو فرض اور سنت دونوں کی قضا کرے، زوال کے بعد قضا کرے تو اصح قول کے مطابق صرف فرض کی قضا کرے، درمختار میں ہے (و لا یقضیھا الا بطریق التبعیۃ لقضاء فرضھا قبل الزوال لا بعدہ) فی الاصح لورود الخبر بقضائھا فی الوقت المھمل بخلاف القیاس فغیرہ علیہ لایقاس۔ شامی میں ہے (قولہ و لا یقضیھا الا بطریق التبعیۃ الخ) ای لا یقضی سنۃ الفجر الا اذا فاتت مع الفجر فیقضیھا تبعا لقضائہ لو قبل الزوال واما اذا فاتت وحدھا فلا تقضی قبل طلوع الشمس بالاجماع لکراھۃ النفل بعد الصبح، واما بعد طلوع الشمس فکذلک عندھما وقال محمد رحمہ اللہ احب الی ان یقضیھا الی الزوال کما فی الدرر قیل ھذا قریب من الاتفاق لان قولہ احب الی دلیل علی انہ لو لم یفعل لا لوم علیہ وقالا لا یقضی وان قضی فلا بأس بہ کذا فی الخبازیہ (قولہ لورود الخبر) وھو ماروی انہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاھا مع الفرض غداۃ لیلۃ التعریس بعد ارتفاع الشمس کما رواہ مسلم فی حدیث طویل (شامی ص ۶۴۲ ج ۱ باب ادراک الفریضۃ) (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۴۶ باب ادراک الفریضۃ)

ترمذی شریف میں ایک روایت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما دخل علیھا بعد العصر الا صلی رکعتین" یعنی حضور اقدس ﷺ کا ہمیشہ کا معمول یہ تھا کہ عصر کے بعد جب مکان میں تشریف لاتے تو دو رکعت نماز پڑھتے (ترمذی شریف ص ۲۶ ج ۱ باب ماجاء فی الصلوٰۃ بعد العصر) ممکن ہے اس روایت سے کسی کو یہ اشکال ہو کہ اس روایت سے عصر کے بعد نفل پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے حالانکہ آپ مکروہ کہتے ہیں، جواب یہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت پر ان احادیث کو ترجیح دی جائے گی جن میں نہی وارد ہے کیونکہ وہ قولی احادیث ہیں اور یہ فعلی حدیث ہے اور قولی احادیث کو فعلی احادیث پر ترجیح ہوتی ہے۔ ایک جواب حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے دیا ہے۔

فالاولیٰ ان یقال انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان من خصوصیاتہ الصلوٰۃ بعد العصر و لا تجوز لغیرہ من الناس والبداھۃ تدل علی انھا من خصوصیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم لانھا لو لم

تکن من خصوصیاته لما زجر عمر رضی اللہ عنه الناس علی الصلوٰۃ بعد العصر و قد نقل عنه انه کان یضرب بالدرۃ علی الصلوٰۃ بعد العصر یعنی بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ عصر کے بعد نماز پڑھنا آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے دوسرے لوگوں کے لئے (یعنی امت کے لئے) جائز نہیں ہے اور بداہۃً بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ آپ ﷺ کی خصوصیت نہ ہوتی تو حضرت عمرؓ عصر کے بعد نماز پڑھنے والوں کو ہرگز نہ ڈانٹتے، حضرت عمرؓ سے یہاں تک مروی ہے کہ عصر کے بعد نماز پڑھنے والے کو درہ سے مارتے تھے (التقریر للترمذی ص ۹ مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی یہ رسالہ ترمذی شریف کے ساتھ طبع ہوا ہے)

قضاء نماز فرائض کے معنی میں ہے لہذا فجر کی نماز سے پہلے اور نماز کے بعد اور اسی طرح عصر کی نماز کے بعد قضا پڑھنا جائز ہے مگر لوگوں کے دیکھتے ہوئے نہ پڑھے، اپنے گناہ پر لوگوں کو گواہ بنانا ہے یا ان کو بدگمانی یا غلط فہمی میں مبتلا کرنا ہے۔

کبیری شرح منیہ میں ہے (واما الوقتان) الآخران من الخمسة (فانه یکره فیهما التطوع) فقط (ولا یکره فیهما الفرض) ای اللازم عملا. الی قوله. یعنی الفوائت وصلوٰۃ الجنازۃ وسجدۃ التلاوۃ ......(هما) ای الوقتان المذکوران (ما بعد طلوع الفجر الی ان ترتفع الشمس) فانه یکره فی هذا الوقت النوافل کلها (الا سنة الفجر) لما روی مسلم عن حفصة قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا طلع الفجر لا یصلی الا رکعتین خفیفتین وفی ابی داؤد والترمذی واللفظ له عن ابن عمر رضی اللہ عنه علیه السلام لا صلوٰۃ بعد الفجر الا سجدتین (ومابعد صلوٰۃ العصر الی غروب الشمس الخ) (کبیری شرح منیة ص ۲۳۸، ص ۲۳۹ الشرط الخامس)

الاختیار لتعلیل المختار میں ہے ویجوز ان یصلی فی هذین الوقتین الفوائت ویسجد للتلاوۃ ولا یصلی رکعتی الطواف، لان النهی لمعنی فی غیره وهو شغل جمیع الوقت بالفرض، اذ ثواب الفرض اعظم فلا یظهر النهی فی حق فرض مثله وظهر فی رکعتی الطواف لانه دونه (الاختیار لتعلیل المختار اوقات ص ۴۱ ج ۱) (هدایه اولین ص ۷۰) (درمختار مع رد المحتار ص ۳۴۹ ج ۱) فقط و اللہ اعلم بالصواب.

طلوع وغروب آفتاب کے وقت قرآن مجید کی تلاوت کا حکم:

(سوال ۱۱۲) ہمارے امام صاحب فرماتے ہیں کہ جس طرح طلوع وغروب آفتاب کے وقت نماز ممنوع ہے اسی طرح قرآن مجید پڑھنا بھی منع ہے، کیا یہ درست ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! طلوع وغروب اور استواء کے وقت قرآن شریف پڑھنا مکروہ اور ممنوع نہیں ہے بلا کراہت جائز ہے البتہ ان اوقات مکروہہ میں قرآن شریف پڑھنے کے بجائے درود شریف، تسبیح وغیرہ ذکر اللہ میں مشغول رہنا افضل اور اولیٰ ہے: الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیه وسلم فیها افضل من قرأۃ القرآن وکأنه لانها من ارکان الصلوٰۃ فالا ولی ترک ما کان رکنا لها (درمختار) (قوله فالا ولی) ای فالافضل لیوافق کلام البغیة فان مفاده انه لا کراهة اصلا لان ترک الفاضل لا کراهة فیه (شامی ۱/۳۴۷ کتاب الصلاۃ) فقط و اللہ اعلم بالصواب.

کتاب الاذان والاقامۃ

مؤذن کیسا ہونا چاہئے :

(سوال ۱۱۳) جاہل، داڑھی منڈے اور فاسق کو مؤذن بنانے میں کوئی حرج ہے؟

(الجواب) ''فتاویٰ عالمگیری'' میں ہے۔ وینبغی ان یکون المؤذن رجلا عاقلا صالحاً تقیا عالما بالسنۃ مؤذن عاقل (سمجھدار) نیک، پرہیزگار اور عالم بالسنہ ہونا چاہئے) آگے چل کر فرماتے ہیں:۔ ویکرہ اذان الفاسق (فاسق کی اذان مکروہ ہے) (ج ۱ ص ۵۳ الباب الثانی فی الاذان الفصل الاول فی صفۃ المؤذن)

لہذا جاہل۔ داڑھی منڈے۔ اور فاسق فاجر کو موذن نہ بنایا جائے۔ اذان پر نماز روزے کا دارومدار ہوتا ہے لہذا موذن ایسا ہونا چاہئے جو اوقات سے واقف ہو۔ عموماً اذان کے لئے اونچی جگہ جانا پڑتا ہے جہاں سے پردہ نشین خواتین پر نظر ڈالی جاسکتی ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ مؤذن محتاط متدین اور پرہیزگار ہو۔ آنحضرت کا ارشاد ہے:۔ لیؤذن لکم خیارکم (اذان وہ دیں جو اچھے اور نیک مانے جاتے ہیں (ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۹۴ باب من احق بالامامۃ عن ابن عباس)۔

(سوال ۱۱۴) (۱) مسجد کا مؤذن کیسا ہونا چاہئے؟

(سوال ۱۱۵) (۲) ایک مسجد میں ایک مؤذن بڑی مدت سے ہے مگر اس کی بعض عادتیں خلاف شریعت ہیں، وہ جواباز ہے، شراب بناتا ہے، سینما (گاہے گاہے) دیکھتا ہے، تو ایسے شخص کو مؤذن بنایا جائے یا نہیں؟ اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

(سوال ۱۱۶) (۳) نمبر دو میں بتلائی ہوئی چیزوں سے مسجد کے متولی واقف ہوں، پھر بھی اس مؤذن کی عادات کو مدنظر رکھ کر اس کو معزول نہ کریں تو اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

(الجواب) (۱) مسجد کا موذن پڑھا لکھا اور نماز اور اذان سے متعلق مسائل اور اوقات کا عالم اور دیندار، متقی اور بلند آواز والا (جہیر الصوت) ہونا چاہئے۔ (۱)

(۲) مذکورہ بالا عادات سے متصف مؤذن فاسق ہے اور فاسق کو مؤذن بنانا ممنوع ہے۔ ویکرہ اذان الفاسق (فاسق کی اذان مکروہ ہے) (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۵۳ الباب الثانی الفصل الاول فی صفۃ المؤذن)

(۳) مذکورہ مؤذن اگر صدق دل سے توبہ کر کے خراب عادتیں ترک کردینے کا نمازیوں کو یقین دلادے تو فبہا ورنہ اسے معزول کردینا ضروری ہے ورنہ متولی گنہگار ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) یستحب ان یکون المؤذن صالحا ای متقیالا امین فی الدین عالماً بالسنۃ فی الاذان وعالماً بدخول اوقات الصلاۃ لتصحیح العبادۃ باب الاذان مراقی الفلاح علی ہامش طحطاوی ص ۱۰۶۔

اذان کا جواب حاضرین مسجد پر واجب نہیں اس کی کیا وجہ

(سوال ۱۱۷) اذان اور اقامت کا جواب دینا سامع پر واجب ہے مگر جو شخص حاضر مسجد ہے اس پر اذان کا جواب دینا واجب نہیں ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

(الجواب) اذان و اقامت کا جواب مستحب ہے، بعض علماء جواب اذان کو واجب کہتے ہیں مگر زیادہ معتمد یہی ہے کہ اجابت فعلی (اذان سن کر مسجد کی طرف جانا) واجب ہے اور اجابت قولی (اذان سن کر منہ سے اس کا جواب دینا) مستحب ہے حاضرین مسجد کے لئے ایک ہی صورت ہے کہ منہ سے جواب دیں اور یہ مستحب ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(سوال ۱۱۸) گھر میں تنہا نماز پڑھے تو اقامت کہے یا نہیں؟

(الجواب) مکان میں منفرد کے لئے محلہ کی اقامت کافی ہے تاہم کہہ لے تو بہتر ہے۔[1] ہاں عورتوں کے لئے اقامت مکروہ ہے۔ نور الایضاح میں ہے و کرہ للنساء یعنی اور عورتوں کے لئے اذان و اقامت مکروہ ہے (ص ۶۱ باب الاذان) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کیا دوسرا شخص اقامت (تکبیر) کہہ سکتا ہے:

میں نے ایک استفتاء اور اس کا جواب دیکھا جو حسب ذیل ہے۔ مہربانی فرما کر آپ اس بارے میں فیصلہ فرمائیے:۔

(سوال ۱۱۹) صرف مغرب کی اذان اور اقامت کون کہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو اذان کہے وہی اقامت کہے۔ گذارش یہ ہے کہ مغرب کی اذان مؤذن صاحب اوپر اذان کی جگہ پر پڑھتے ہیں پھر ابھی وہ چھت سے صحن میں نہیں آتے کہ دوسرے صاحب تکبیر پڑھ دیتے ہیں اس طرح روزانہ ہوتا ہے یہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟ مذکورہ بالا فتویٰ کی رو سے مغرب کی تکبیر وہی کہے جس نے اذان پڑھی ہو۔ بنابریں احقر نے مؤذن صاحب سے مؤدبانہ گزارش کی کہ آپ خود چھت سے صحن میں آکر تکبیر پڑھیں تو بہت اچھا ہے مگر وہ نہیں مانتے اور ضد ہٹ دھرمی کرتے ہیں اور کہتے ہیں آپ اس مسجد میں نہ آیئے میں نے کہا کیوں؟ تو کہتے ہیں کہ میرے باپ کی مسجد ہے۔ اس طرح کہنا کیسا ہے، مؤذن صاحب کبھی اقامت نہیں کہتے ان کو یہ بھی کہا گیا ہے کہ دوسرے کو اذان کہنے دو تب وہ انکار کرتے ہیں۔ یہ مؤذن صاحب لاؤڈ اسپیکر پر زور سے اذان پڑھتے ہیں اور حرف مدہ ہو یا غیر مدہ آٹھ دس منٹ تک زور سے کھینچتے رہتے ہیں یہ آواز یہاں کی دوسری مساجد کی نماز ختم ہونے تک سنائی دیتی ہے جس بنا پر اماموں کی قرأت بھی سنائی نہیں دیتی اس طرح کھینچ کر اذان پڑھنا کیسا ہے؟

(الجواب) بے شک افضل یہی ہے کہ جو اذان کہے وہی اقامت کہے، اقامت کا حق مؤذن کو ہے البتہ مؤذن کی غیر حاضری میں یا اس کی اجازت سے کوئی دوسرا اقامت کہے تو بدون حرج اور بلا کراہت جائز ہے اس میں

---

(۱) ولا یکرہ ترکھما لمن یصلی فی المصر اذا وجد فی المحلة ولا فرق بین الواحد و الجماعة. فتاوی عالمگیری. الباب الثانی الفصل الاول فی صفة المؤذن

مغرب کی کوئی خصوصیت نہیں۔ حدیث شریف میں ہے آنحضرت ﷺ نے قبیلۂ صداء کے ایک صاحب کو جن کا نام زیاد بن حارث تھا، صبح کے وقت اذان پڑھنے کا حکم دیا۔ حضرت زیاد نے اذان پڑھی۔ جب تکبیر کا وقت ہوا تو حضرت بلالؓ نے تکبیر پڑھنے کا ارادہ کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ صدائی نے ...... (حضرت زیاد نے) اذان پڑھی تھی جو اذان پڑھیں وہی تکبیر پڑھیں۔ **ترمذی شریف ص ۲۸ ج ۱ باب ماجآء ان من اذن فھو یقیم** اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان پڑھنے والے ہی کو تکبیر پڑھنے کا حق ہے۔ لیکن یہ حق لازمی ہے یا استحبابی اور اختیاری اس کی تشریح دوسری حدیثوں سے ہوتی ہے۔ مثلاً ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حکم سے حضرت بلالؓ نے اذان پڑھی اور حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے تکبیر پڑھی۔ **شرح معنی الآثار ج ۱ ص ۸۵ باب الرجلین یؤ ذن احدھما ویقیم الآخر۔**

دوسری روایت میں ہے کہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ نے اذان پڑھی اور حضرت بلالؓ نے تکبیر کہی یا حضرت بلالؓ نے اذان پڑھی اور حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ نے تکبیر پڑھی۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۱۹ باب الاذان۔ اسی بناپر حنفی علماؤفقہاء رحمہم اللہ کا اجماع ہے کہ مؤذن دوسرے کی اقامت کہنے سے ناراض نہ ہو تو بلاکراہت جائز ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے افضل یہی ہے کہ جو اذان کہے وہی اقامت بھی کہے اگر کسی نے اذان دی اور دوسرے نے اقامت کہی اگر مؤذن حاضر نہ ہو تو بلاکراہت جائز ہے اگر حاضر ہو اور دوسرے کے اقامت سے ناراض ہوتا ہو تو مکروہ ہے اگر راضی ہو تو ہمارے نزدیک مکروہ نہیں **(فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۵۴ الباب الثانی فی الاذان الفصل الاول فی صفتہ واحوال المؤذن)** ہاں بلاعذر اس کو معمول بنالینا درست نہیں ہے۔ مغرب کا وقت تنگ ہوتا ہے مغرب کی اذان اور تکبیر میں صرف اتنا وقفہ ہونا چاہئے۔ جتنی دیر میں تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت پڑھی جاتی ہے (نور الایضاح وغیرہ) باقی اس معاملہ میں جس کے متعلق آپ نے استفتا کیا ہے معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ مؤذن صاحب لوجہ اللہ اذان پڑھتے ہیں۔ تنخواہ نہیں لیتے۔ خوش الحان اور بلند آواز ہونے کے ساتھ اذان نہایت درست پڑھتے ہیں مگر جسم بھاری ہے اور پاؤں میں عذر ہے جس کی وجہ سے چھت سے اتر کر جلد نہیں پہنچ سکتے اس لئے انہوں نے مغرب میں دوسرے کو اقامت کہنے کی اجازت دی ہے تا کہ تکبیر میں دیر نہ ہو۔ اگر یہ حقیقت ہے تو جھگڑنا غلط ہے۔ مؤذن پر لازم قرار دینا کہ وہی تکبیر بھی پڑھے یہ ایک قسم کی تعدی؟ بہرحال ان کا عذر ماننا چاہئے عذر نہ ہو تب بھی اس سے اذان و اقامت اور نماز میں کسی قسم کی کراہت نہیں آتی۔ پھر جھگڑنے اور تشدد کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ مسئلہ بتانے کے ذمہ دار ہیں جبراً منوانا اور عامل بنانا آپ کے ذمہ نہیں، بالخصوص فتنہ کا اندیشہ ہو تو سکوت بہتر ہے۔ موذن صاحب نے اگر یہ کہا ہے کہ مسجد میں مت آؤ میرے باپ کی مسجد ہے تو بے شک یہ خطا وار ہیں ان کو معذرت پیش کرنی چاہئے اور بارگاہ خداوندی میں توبہ کرنی چاہئے لیکن مؤذن صاحب نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ لاوڈ اسپیکر پر اذان دی جاتی ہے اس کی ناراضگی میں اول فول بکتے ہیں اور طوفان وفتنہ برپا کرتے ہیں اور غضبناک ہو کر مجھے کہتے ہیں کہ اذان کہہ کر تکبیر بھی پڑھو تو اذان دو میں نے کہا کہ میں اقامت نہیں کہوں گا تو مجھے کہا کہ کیا تیرے باپ کی مسجد ہے؟ یوں سوال کیا۔ میں نے بھی غصہ سے جواب دیا کہ ہاں میرے باپ کی مسجد ہے بس اس قدر گفتگو ہوئی ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو آپ بھی خطا وار ہیں آپ کو بھی معافی مانگنی چاہئے اور توبہ کرنی

چاہئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ دو گالی گلوچ کرنے والوں میں وبال اور ذمہ داری اس پر ہے جس نے پہل کی جب تک دوسرا شخص اس سے بڑھ نہ جائے (ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۹ ابواب السر والصلۃ باب ماجآء فی الشتم) دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ والدین کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کوئی اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا "آدمی کسی کے والدین کو گالی دے گا تو (جواب میں) وہ اس کے والدین کو گالی دے گا اس طرح اس نے اپنے والدین کو گالی دی، کیونکہ یہ اپنے والدین کے سب وشتم کا سبب بنا (ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۲ . ابواب البرو الصلة باب ماجآء فی عقوق الوالدين) اسی طرح مذکورہ صورت میں بدکلامی اور گستاخی کا سبب آپ ہی ہیں، لہذا آپ کو معافی مانگنی چاہئے اور توبہ کرنی چاہئے زمانہ بڑا نازک ہے معمولی باتوں میں لڑائی جھگڑا اچھا نہیں۔ خداء پاک آپ لوگوں میں اتفاق اور اخلاص پیدا فرمائے اور ایک دوسرے کو پست و ذلیل کرنے کی نازیبا حرکت سے باز آنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ۔ لاؤڈ اسپیکر کی اذان سے اور مساجد میں نمازیوں کو حرج ہوتا ہو تو ان کے متولی اور امام بیٹھ کر تصفیہ اور فیصلہ کر سکتے ہیں ۔ فتویٰ بازی سے معاملہ طول پکڑے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مغرب کی اذان واقامت میں وقفہ ہے یا نہیں :

(سوال ۱۲۰) مؤذن مغرب کی اذان چھت پر کہہ کر فوراً اتر آتا ہے اور تکبیر شروع کرتا ہے اس میں کوئی حرج ہے؟ اذان واقامت میں وقفہ کرنے کا حکم ہے یا نہیں؟

(الجواب) مغرب کی اذان ختم کر کے چھوٹی تین آیتیں پڑھیں۔ اتنی دیر بیٹھے (جیسا کہ دو خطبوں کے بیچ میں بیٹھتے ہیں) یا اس قدر کھڑا رہ کر اقامت کہے۔ چھت سے اترنے میں اتنا وقت ہو جاتا ہے۔ لہذا کوئی حرج نہیں ۔ تاہم وقفہ کر کے اقامت کہے تو بہتر ہے۔ وفی المغرب بسكتة قدر قراء ة ثلٰث آيات قصار او ثلث خطوٰة . یعنی مغرب میں اذان واقامت میں اس قدر وقفہ کرے کہ چھوٹی تین آیتیں پڑھ سکے یا تین قدم چل سکے۔ (نور الایضاح ص ۱۲ کتاب الصلاۃ باب الاذان) واللہ اعلم بالصواب۔

اقامت کے وقت ہاتھ باندھنا ثابت نہیں ہے:

(سوال ۱۲۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں۔ جب مؤذن تکبیر کہتا ہے تو بعض نمازی ہاتھ باندھ کر کھڑے رہتے ہیں اور اس کو اچھا سمجھتے ہیں اور اسی حالت میں تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے ہاتھ باندھتے ہیں تو اس طرح جماعت کی صف میں کھڑا رہنا سنت ہے یا مستحب؟ اگر یہ سنت یا مستحب نہ ہو تو اس پر عمل نہ کرنے والے کو بے وقوف، جاہل وغیرہ کہنا کیسا ہے؟ اور مستحب و مستحسن طریقہ کیا ہے؟

(الجواب) نماز شروع ہونے سے قبل قیام کی حالت میں جب صف لگائی جارہی ہو۔ اور قدم درست اور برابر کئے جارہے ہوں اس وقت ہاتھ باندھنا نہ مسنون ہے نہ مستحب۔ لہذا اس وقت ہاتھ باندھنے کو مسنون سمجھنا اور نہ باندھنے والے کو بے قوف جاہل کہنا غلط ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وقت سے پہلے اذان اور بعد وقت نماز کا حکم:

(سوال ۱۲۲) وقت سے پہلے اذان دی جائے اور وقت آنے کے بعد نماز پڑھی جائے تو اذان اور نماز کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) نماز اپنے وقت میں پڑھی ہو تو وہ ادا ہوگئی۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ فرق صرف یہ ہوا کہ نماز بلا اذان پڑھی گئی۔ مگر اس سے نماز کے صحیح ہونے میں فرق نہیں آتا۔ البتہ اذان نماز کے وقت سے پہلے کہنا درست نہیں۔ وقت آنے کے بعد اعادہ ضروری ہے۔ اذان سنت مؤکدہ اور دین کا شعار ہے۔ اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ ''فتح الباری'' میں ہے۔ **ان الا ذان شعار الا سلام وانہ لا یجوز ترکہ.** یعنی:۔ بے شک اذان اسلامی شعار ہے۔ اس کو چھوڑنا جائز نہیں (ص ٦١ ج ٢) ''فتح القدیر'' میں ہے۔ **لان الا ذان من اعلام الدین.** یعنی:۔ اذان دین کی علامت ہے۔ (ص ٩٣ ج ٢ باب الاذان تحت قولہ الاذان سنۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

داڑھی منڈا اذان واقامت کہے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۱۲۳) داڑھی منڈا اذان واقامت کہہ سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) داڑھی منڈا فاسق معلن ہے۔ (جس کا فسق ظاہر ہے۔ ''مالا بدمنہ'' میں ہے۔ ''تراشیدن ریش پیش از قبضہ حرام است یعنی:۔ اس سے پہلے کہ داڑھی ایک مٹھ کی مقدار ہو داڑھی تراشنا حرام ہے۔ (ص ١٣٠) فاسق کی اذان واقامت دیندار آدمی کی موجودگی میں مکروہ ہے۔ نور الایضاح میں ہے۔ **ویکرہ اقامۃ الفاسق واذانہ.** یعنی فاسق کی اذان واقامت مکروہ ہے (ص ٦٢ کتاب الصلاۃ باب الاذان) لہذا داڑھی منڈے کو اذان واقامت کا عہدہ دینا جائز نہیں مکروہ تحریمی ہے۔ ''جوہرہ نیرہ'' میں ہے۔ **ویکرہ ان یکون المؤذن فاسقاً.** یعنی فاسق کو مؤذن بنانا مکروہ ہے۔ (ج ا ص ٤٤ باب الاذان) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک مؤذن دو مسجد میں اذان دے سکتا ہے:

(سوال ۱۲۴) ہمارے یہاں دو مسجدیں۔ دونوں کے لئے علیحدہ مؤذن ہیں۔ مگر کبھی ایک مسجد کا مؤذن پندرہ دن کی چھٹی پر ہو تو دوسرا مؤذن اپنی مسجد میں اذان پڑھ کر دوسری مسجد میں اذان دیتا ہے۔ بعض اعتراض کرتے ہیں تو کیا ان کا اعتراض درست ہے؟

(الجواب) ہاں! ایک مؤذن دو مسجد میں اذان پڑھے یہ مکروہ ہے۔ لہذا دوسرے آدمی کا انتظام کیا جائے۔ **ویکرہ ان یؤذن فی مسجدین لانہ یکون داعیاً الی مالا یفعل (غنیۃ المستملی ص ٣٦١ ج ا باب الا ذان) فقط و اللہ اعلم بالصواب.**

مسجد کی مرمت کے وقت اذان کہاں سے دی جائے:

(سوال ۱۲۵) ہمارے محلہ میں ایک مسجد ہے اس کے جماعت خانہ کی چھت توڑ دی ہے اس مسجد میں اذان ونماز

نہیں پڑھی جاتی ۔ یہ مسجد بڑے بڑے سیلاب کے وقت بھی بند نہ ہوتی تھی صرف چھت توڑنے پر امام صاحب اذان واقامت کے لئے منع کرتے ہیں ۔ مسجد کے قریب میں نماز پڑھ سکیں اتنی جگہ ہے ۔ مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۷۱ء کو نماز عشاء کے بعد امام صاحب نے اعلان کیا تھا ۔ کہ آئندہ کل سے نہ جمعہ اور نہ دوسری نمازیں یہاں ہوں گی ۔ اور مسجد میں بورڈ بھی لگا دیا ہے ۔ تو آپ اس بارے میں وضاحت فرمائیں ۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں مسجد کے قریب ایسی جگہ ہے کہ وہاں نماز پڑھی جاسکتی ہے ۔ تو اس جگہ جماعت سے نماز پڑھی جائے اور اذان بھی اپنے وقت پر دی جائے ۔ تاکہ معذور جو مسجد میں نہیں آ سکتے ۔ (مثلاً مریض اور عورتیں) وہ گھروں میں اذان سن کر نماز ادا کریں ۔ اور جو معذور نہیں وہ نماز باجماعت ادا کریں ۔ ہاں! نماز جمعہ کے لئے جگہ ناکافی ہو تو دوسری مسجد میں ادا کی جائے ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

گھر میں منفرد اقامت کہے یا نہیں :

(سوال ۱۲۶) گھر میں تنہا نماز پڑھنے والا اقامت کہے یا نہیں؟

(الجواب) مکان میں تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے محلہ کی مسجد کی اقامت کافی ہے ۔ لیکن کہنا بہتر ہے ۔ مگر عورتوں کے لئے اقامت مکروہ ہے ۔ ''نور الایضاح'' میں ہے ۔ ''وکرہ للنساء ۔'' ترجمہ: ۔ اور عورتوں کے لئے اقامت مکروہ ہے ۔ باب الاذان (ص ۶۱) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

اعادۂ نماز کے لئے اقامت کہی جائے یا نہیں ۔ :

(سوال ۱۲۷) نماز عشاء میں امام کے سلام پھیرنے کے بعد معلوم ہوا کہ تین رکعت ہوئی ہیں ۔ چار رکعت نہیں ہوئی ۔ تو اب اقامت کہہ کر جماعت شروع کرے یا بلا اقامت؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں بلا تاخیر نماز شروع کرے تو اقامت کے اعادہ کی ضرورت نہیں، پہلی اقامت کافی ہے ۔ اور اگر تاخیر ہوگئی ہے تو اقامت دوبارہ کہے ۔ شامی میں ہے ۔ لان تکرارھا غیر مشروع اذا لم یقطعھا قاطع من کلام کثیر او عمل کثیر .(ص ۳۷۲ ج ۱ کتاب الصلاۃ باب الاذان) و اللہ اعلم بالصواب .

اذان کے وقت وضو کرنا کیسا ہے :

(سوال ۱۲۸) اذان ہو رہی ہو اس وقت وضوء کرنا کیسا ہے ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خاموش بیٹھ جاؤ اذان ہوجائے پھر وضوء کرو ۔ اسی طرح قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہو اور اذان کی آواز سنائی دے تو کیا ایسی صورت میں تلاوت بند کر کے اذان سننا ضروری ہے یا تلاوت جاری رکھی جائے ۔

(۲) امام کے ساتھ نماز پڑھتے وقت مقتدی سے کوئی غلطی ہوجائے تو کیا امام کے سلام پھیرتے وقت مقتدی کے لئے سجدہ سہو کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

(الجواب) وقت میں گنجائش ہو تو اذان کا جواب دے پھر وضوء کرنے میں مشغول ہو اگر وقت میں گنجائش نہ ہو تو

اذان کی حالت میں وضوء کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ مکان میں تلاوت کرتا ہو تو مستحب یہ ہے کہ اذان سنتے ہی تلاوت موقوف کرے مسجد میں تلاوت کرنے والے کو اختیار ہے بند کرے یا پڑھتا رہے۔[1]

(۲) اس صورت میں مقتدی سجدۂ سہو نہ کرے۔[2] ہاں! امام کے سلام کے بعد مسبوق مقتدی (باقی رہی ہوئی نماز کو پوری کرنے میں) کوئی ایسی غلطی کرے جو موجب سجدۂ سہو ہو تو سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گھر میں نماز پڑھے تو اقامت کہے یا نہیں :

(سوال ۱۲۹) گھر میں نماز پڑھے تو اقامت کہے یا نہیں؟

(الجواب) گھر میں نماز پڑھنے والے کے لئے مسجد کی اذان واقامت کافی ہے تاہم اقامت کہنا اچھا ہے۔ قال (فان صلی رجل فی بیته فاکتفی باذان الناس واقامتهم اجزاه) لماروی ان ابن مسعود رضی الله عنه صلی بعلقمة والا سود فی بیت فقیل له ألا تؤذن فقال اذان الحی یکفینا بخلاف المسافر فانه یکره له ترکهما وان کان وحده لان المکان الذی هو فیه لم یؤذن فیه لتلک الصلوٰة فاما هذا الموضع الذی فیه المقیم وقد اذن واقیم فیه .... لهذه الصلوٰة فله ان یترکها قال (وان اذن و اقام فهو حسن) لان المنفرد مندوب الیٰ ان یؤدی الصلوٰة علی هیئة الصلوٰة بالجماعة و لهذا کان الا فضل ان یجهر بالقراءة فی صلوٰة الجهر وکذلک ان اقام ولم یؤذن فهو حسن لان الا ذان لا علام الناس حتیٰ یجتمعوا وذلک غیر موجود ههنا والاقامة لا قامة الصلوٰة وهو یقیمها .(مبسوط سرخسی ص ۱۳۳ ج ۱) فقط و الله تعالیٰ اعلم بالصواب باب الاذان.

مؤذن کیسا ہونا چاہئے :

(سوال ۱۳۰) مؤذن کیسا ہونا چاہئے۔ ایسا شخص جو پابند شرع نہ ہو۔ صحیح تلفظ نہ کرسکتا ہو۔ اس کو مؤذن رکھ سکتے ہیں بینوا توجروا۔

(الجواب) مؤذن دیندار اور صالح ہونا چاہئے جو شخص پابند شرع نہ ہو۔ فاسق ہو اس کو مؤذن بنانا درست نہیں ہے خدا کے گھر کا مؤذن دیندار تعلیم یافتہ احکام دینیہ، خصوصاً اذان ونماز کے مسائل، سنن، اوقات نماز صبح کاذب وصبح صادق، زوال، سایۂ اصلی، ایک مثل، دومثل، شفق ابیض وغیرہ کا جاننے والا، بلند آواز، خوش الحان۔ اذان کے کلمات صحیح ادا کرنے والا ہونا چاہئے، حدیث شریف میں ہے۔ "لیؤذن لکم خیارکم "یعنی تم میں جو صالح ہو وہ اذان کہے۔ (ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۹۴ باب من احق بالامامة، عن ابن عباس) اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ وینبغی ان یکون المؤذن رجلاً عاقلاً صالحاً تقیاً عالماً بالسنة، یعنی مؤذن عاقل سمجھدار نیک، متقی

---

(۱) ولاینبغی ان یتکلم السامع فی خلال الاذان والا قامة ولا یشتغل بقراءة القرآن ولا بشی من الا عمال سوی الاجابة ولو کان فی القراءة ینبغی ان یقطع ویشتغل بالا ستماع والاجابة کذافی البدائع. عالمگیری الفصل الثانی فی کلمات الا ذان والا قامة وکیفیتها ج. ۱ ص ۵۷.

(۲) سهو المؤتم لا یوجب السجدة فتاوی عالمگیری الباب الثانی عشر فی سجده السهو ج. ۲ ص ۱۲۸.

اور طریقۂ سنت سے واقف ہونا چاہئے ج ا ص ۵۳ الباب الثانی فی الا ذان الفصل الأول فی صفتہ واحوال المؤذن۔ اور کبیری میں ہے وافاد ھذا ان الا ولیٰ ان یتولی العلماء الأذان لانہ' من باب الجماعۃ والدعاء الیھا فلا یفوض الیٰ غیرھم علیٰ مامر و فی الخلاصۃ عن واقعات الا وز جندی المؤذن اذا لم یکن عالما بالاوقات لا یستحق ثواب المؤذنین انتھیٰ (۳۹۲ باب الاذان) (نور الایضاح ص ۴۵ ایضاً) فی زمانناموذنوں میں یہ اوصاف مفقود ہیں، ارزاں اور کم سے کم تنخواہ والا مؤذن تلاش کیا جاتا ہے۔ خواہ اذان صحیح نہ پڑھ سکتا ہو۔ اذان کے کلمات کہیں۔ دراز کہیں مختصر کرکے اذان کی روح ہی کو فنا کر دیتا ہو جس کی وجہ سے اعادہ ضروری ہو جاتا ہے مثلاً اشھد کو اشد، حیَّ علی الصلوٰۃ کو حیّ للصلوٰۃ۔ حی علی الفلاح کو حی للفلاح اللہ کی جگہ آللہ، اکبر کی جگہ آکبر اور آکبار اور اسی طرح حی میں بڑی ح کی جگہ چھوٹی ہ پڑھا جاتا ہے اس طرح کی اور بھی بہت سی غلطیاں کی جاتی ہیں، امام وغیرہ جاننے والے حضرات بھی اصلاح نہیں کرتے، اماموں پر اس کی بڑی ذمہ داری ہے۔ اذان صرف اعلان ہی کا نام نہیں ہے بلکہ اذان عبادت بھی ہے۔ مہتم بالشان اسلامی شعار بھی ہے اس کو اسی کے شایان شان طریقہ سے ادا کیا جائے کہ اسلامی شان معلوم ہو اور سامعین کے قلوب متأثر اور متوجہ ہوں اور اس کی برکتیں ظاہر ہوں" ان الا ذان شعار الا سلام " (فتح الباری ج ا ص ۶۱ کتاب الاذان) اور فتح القدیر میں ہے (لان الاذان عن اعلام الدین باب الا ذان تحت قولہ الاذان سنۃ ج ۲ ص ۹۳) اذان دین کی علامتوں میں سے ہے۔ حق تعالیٰ متولیوں کو توفیق دے کہ اس کی اہمیت کو سمجھیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کھڑے کھڑے اقامت کا انتظار کرنا:

(سوال ۱۳۱) مصلی حضرات مسجد میں آکر بیٹھ نہیں جاتے کھڑے کھڑے اقامت کا انتظار کرتے ہیں اور باتوں میں لگ جاتے ہیں اس کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد دربارالٰہی ہے دینوی بادشاہوں کے دربار وباری الٰہی کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ خدا کے مقرب بندے مسجد میں قدم رکھنے سے گھبراتے اور کانپتے تھے۔ لیکن اب حالت یہ ہوگئی ہے کہ مسجد کو بازار کی طرح سمجھتے ہیں۔ کھڑے کھڑے اقامت کا انتظار کرتے ہیں باتوں میں مشغول رہتے ہیں، ثواب اور ملائکہ کی دعاؤں کے بجائے گناہ اور بددعا لے کر جاتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ فرشتے لوگوں کو مسجد میں باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر کہتے ہیں اسکت یا ولی اللہ (اے خدا کے ولی خاموش رہ) اگر سلسلہ کلام جاری رہتا ہے...... تو کہتے ہیں۔ اسکت یا بغیض اللہ (اے خدا کے دشمن خاموش ہوجا) اس کے بعد بھی سلسلہ کلام بند نہ ہو تو کہتے ہیں اسکت لعنۃ اللہ علیک (تجھ پر خدا کی لعنت خاموش ہوجا) (کتاب المدخل ص ۵۵ ج ۲)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ اذا دخل الرجل عند الا قامۃ یکرہ لہ' الا نتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قولہ' حی علی الفلاح یعنی اقامت کے وقت کوئی شخص مسجد میں آئے تو کھڑے کھڑے اقامت یا امام کا انتظار کرنا مکروہ ہے۔ اگر امام محراب کے پاس ہو تو حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے اور اگر

امام محراب سے دور ہو اور صفوں کے پیچھے سے مصلی پر جاتا ہو تو جس صف کے قریب امام پہنچے وہ صف کھڑی ہو جائے، اگر امام آگے کی جانب سے داخل ہو تو اسے دیکھ کر کھڑے ہو جائیں امام کو پیچھے چھوڑ کر کھڑے ہو جانا غلط طریقہ ہے (ج ا ص ۳۵۔ الباب الثانی فی الاذان الفصل الثانی فی کلمات الاذان و الا قامۃ و کیفیتھما)(شامی ج ا ص ۴۴۷)

خلاصہ یہ کہ جب مسجد میں آوے تو اگر مکروہ وقت نہ ہو تو تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو، پڑھے سنتوں کا وقت ہو تو سنتیں پڑھ کر جماعت کے انتظار میں بیٹھا رہے اور ذکر اللہ میں مشغول رہے۔ جس سے نماز میں خشوع و خضوع بھی نصیب ہوگا، ورنہ دنیوی خیالات میں بھٹکتا رہے گا جیسے ایک شاعر نے کہا ہے۔

ہاتھ باندھے کھڑے ہیں صف پر
سب اپنے خیال میں ہیں
امام مسجد سے کوئی پوچھے؟
نماز کس کو پڑھا رہا ہے

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اثناء تلاوت اذان شروع ہو جائے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۱۳۲) قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہو اور اس اثناء میں اذان شروع ہو جائی تو تلاوت کرتا رہے یا اذان کا جواب دے۔ بینوا تو جروا۔

(الجواب) مسجد میں ہو تو تلاوت جاری رکھنے کی اجازت ہے۔ مکان میں ہو تو تلاوت موقوف کر کے اذان کا جواب دینا چاہئے، البتہ دوسرے محلہ کی مسجد کی اذان ہو تو مکان میں بھی تلاوت جاری رکھنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ (واذا سمع المسنون منہ) ای الا ذان وھو مالالحن فیہ و لا تلحین (امسک) حتی عن التلاو ۃ لیجیب المؤذن ولو فی المسجد وھؤلاء فضل وفی الفوائد یمضی علیٰ قراء تہ ان کان فی المسجد وان کان فی بیتہ فکذلک ان لم یکن اذان مسجدہ (قولہ ان لم یکن اذان مسجدہ) ای فتندب اجابتہ (طحطاوی علی مراقی الفلاح) ص ۱۱۶ باب الاذان، ص ۱۷۰، ذکر و تسبیح ہر حال میں بند کر کے اذان کا جواب دیا جائے، مسجد میں ہو یا گھر میں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

متعدد مساجد میں اذان ہو تو کس کا جواب دیا جائے:

(سوال ۱۳۳) اپنے راندیر میں ... مساجد ہیں، یکے بعد دیگرے اذان ہوتی ہے تو کس مسجد کی اذان کا جواب دینا ضروری ہے؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) پہلی اذان کا جواب دینا ضروری ہے۔ باقی اذانوں کا جواب دینا افضل ہے۔ محلہ کی مسجد کی اذان ہو یا غیر محلہ کی۔ واذا تعدد الا ذان یجیب الا ول. (مراقی الفلاح ص ۳۹ باب الا ذان) مطلقاً سواء کان اذان مسجدہ ام لا لا نہ حیث سمع الا ذان فد بت لہ الا جابۃ ثم لا یتکرر علیہ فی

الاصح ذکرہ' الشهاب في شرح الشفاء (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۱۷ باب الاذان)فقط و الله اعلم بالصواب.

اقامت سے پہلے درود شریف پڑھنا:

(سوال ۱۳۴) اقامت سے پہلے درود شریف پڑھنا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں ۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) اقامت سے پہلے درود شریف سرّا پڑھنے کی اجازت ہے ۔شامی میں مستحب لکھا ہے ۔البتہ جہراً پڑھنے کا التزام مکروہ ہوگا۔ وعن المکروهات الصلوٰة على النبي صلى الله عليه وسلم في ابتداء الاقامة لانه بدعة (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۱۵ باب الاذان) ونص العلماء على استحبابها (ای استحباب الصلوٰة على النبي صلى الله عليه وسلم) في مواضع يوم الجمعة وليلتها ...... الیٰ قوله وعند الاقامة (شامی ص ۴۸۳ ج ۱ ص ۴۸۴)فقط و الله اعلم بالصواب.

درمیانی صف میں اقامت کہے تو اس کا کیا حکم ہے:

(سوال ۱۳۵) نمازی زیادہ ہوں تو اقامت کہاں کہے۔ صف اول میں یا درمیانی صف میں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نمازی کم ہوں اور صف اول میں تکبیر کہنے سے سب کو آواز پہنچتی ہو تو تکبیر (اقامت) صف اول میں کہنا بہتر ہے۔ ہاں اگر سب کو آواز نہ پہنچے اور درمیان کی کسی صف میں تکبیر کہی جائے کہ جس کی وجہ سے آگے پیچھے سب نمازی سن سکیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عندالاقامت امام کو آگاہ کرنے کے لئے مؤذن کھنکھارے تو کیسا ہے :

(سوال ۱۱۵۵) امام صاحب ،صف اول میں بیٹھے ہیں جماعت کھڑی ہونے کے وقت مؤذن صاحب کھنکھارتے ہیں اس وقت امام صاحب مصلی پر جاتے ہیں اس کے بعد موذن اقامت کہتے ہیں تو یہ طریقہ کیسا ہے ۔بینوا توجروا۔

(الجواب) جب امام صاحب صف اول میں بیٹھے ہوں تو کھنکھارنا فضول اور لغو ہے ہاں حجرہ میں ہوں تو جماعت کا وقت ہونے کی اطلاع دہی کے لئے کھنکھارے تو کوئی حرج نہیں ۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ٹیپ ریکارڈ سے دی ہوئی اذان صحیح ہے یا نہیں:

(سوال ۱۳۶) ٹیپ ریکارڈ میں اذان ٹیپ کرلی جائے اور ہر نماز کے وقت اس کو چالو کر دیں تو اس طرح ٹیپ میں دی ہوئی اذان صحیح ہے یا نہیں؟ اور اسی ٹیپ پر دی ہوئی اذان پر نماز پڑھی جائے تو وہ نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ٹیپ ریکارڈ سے اذان دی جائے گی تو وہ اذان معتبر نہیں ہوگی ۔(۱) پھر سے اذان دینا ضروری ہے اگر صحیح طریقہ سے دوبارہ اذان نہ دی گئی تو وہ نماز بغیر اذان کے پڑھی ہوئی شمار ہوگی ۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وجہ یہ ہے کہ اذان دینے والے کے لئے اہلیت شرط ہے وہ اوقات سے واقف ہو متورع ہو دین دار ہو یہ چیزیں ٹیپ ریکارڈ میں نہیں پائی جاتی۔

اقامت میں شہادتین وحیعلتین کے کلمات ایک ایک مرتبہ ثابت ہیں یا دو دو مرتبہ:

(سوال ۷ ۱۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں ''دوبئ'' میں بہت سے ہندوستانی و پاکستانی باشندے بسلسلۂ ملازمت مقیم ہیں۔ نماز کی ادائیگی کے لئے ایک عبادت خانہ بنا رکھا ہے۔ اقامت اسی طرح کہتے ہیں جس طرح ہمارے ہندوستان میں...... شہادتین اور حیعلتین دو دو مرتبہ کہتے ہیں۔ اس پر بعض عرب حضرات نکیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کلمات کو ایک ایک مرتبہ کہنا چاہئے، آپ اس کا جواب مع دلائل وحوالجات تحریر فرمائیں تاکہ ہم ان کو دکھا سکیں۔ بینوا توجروا۔ سید زبیر دوبئ۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً: اس میں اہل علم حضرات کا اختلاف ہے کہ اقامت میں شہادتین اور حیعلتین کے کلمات ایک ایک مرتبہ کہے جائیں یا دو دو مرتبہ۔ امام ابوحنیفہؒ امام سفیان ثوریؒ، ابن مبارکؒ اور اہل کوفہ کے نزدیک دو دو مرتبہ کہنا مسنون ہے اور یہ حدیث سے ثابت ہے بلا دلیل نہیں ہے۔ ہم مختصراً چند روایات ذکر کرتے ہیں۔ جس کو مفصل دیکھنا ہو کتب احادیث میں ملاحظہ کرے۔

امام ابوحنیفہؒ وغیرہ محدثین رحمہم اللہ کی اذان واقامت کے سلسلہ میں سب سے قوی اور اصل دلیل حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ کا وہ خواب والا قصہ ہے کہ جس سے اذان ثابت ہوئی ہے۔ انہوں نے خواب میں ایک فرشتہ کو اذان دیتے ہوئے دیکھا اور صبح حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر بیان کیا آپ نے ان کا خواب سن کر حضرت بلالؓ کو اس خواب کے موافق اذان دینے کا حکم فرمایا اور اس اعتبار سے یہ وحی حکمی ہے، خواب والی حدیث یہ ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ (یہ حدیث کی مشہور کتاب ہے۔ اس کے مصنف کا نام ابوبکر عبداللہ ہے۔ ان کی جلالت شان کے لئے یہ کافی ہے کہ آپ امام بخاری، امام مسلم، ابوداؤدؒ امام ابن ماجہ رحمہم اللہ کے اساتذہ میں سے ہیں، ۲۳۵ھ میں وفات پائی رحمہ اللہ) نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ قال حدثنا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان عبد اللہ بن زید الانصاری رضی اللہ عنہ جاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال. یارسول اللہ رأیت فی المنام کان رجلا قام وعلیہ بردان اخضران علی جذمۃ حائط فاذن مثنیٰ واقام مثنیٰ قعد قعدۃً قال فسمع ذلک بلال فقام فاذن مثنیٰ وقام مثنیٰ وقعد قعدۃً ...... الخ۔ یعنی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ ہم سے حضور اکرم ﷺ کے اصحاب نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاریؓ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے اور عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ) میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص دیوار پر کھڑا ہوا ہے اور دو سبز چادروں میں ہے اس شخص نے اذان کے کلمات کو دو دو بار ادا کیا، اور اقامت کے الفاظ بھی دو دو بار کہے اور اس کے بعد بیٹھ گیا، اس شخص کی اذان اور اقامت کو بلالؓ سن کر کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی اذان اور اقامت کے الفاظ بھی کہے اور بیٹھ گئے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۰۲ باقی)

اس حدیث کی سند کے متعلق علامہ محدث شیخ ابن دقیق العید نے ''امام'' میں فرمایا ہے وھذا رجالہ رجال

الصحیح وھو متصل علی مذھب الجماعۃ فی عدالۃ الصحابۃ وان جھالۃ اسماء ھم لا تضر. یعنی اس حدیث کے رجال بالکل صحیح ہیں اور یہ حدیث محدثین کے مذہب کی بنا پر صحابہ کے عادل ہونے کی وجہ سے متصل السند ہے۔ اور مروی عنہم صحابہ کے ناموں کا معلوم نہ ہونا مضر نہیں (آثار السنن ج ۱ ص ۵۲ باب الاذان للعلامہ نیموی)

وقال العلامہ ابن الترکمانی فی " الجوھر النقی " قال ابن جزم ھذا اسناد فی غایۃ الصحۃ. یعنی علامہ ابن ترکمانی نے "جوہر نقی" میں فرمایا ہے کہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ مذکورہ حدیث کی سند بالکل صحیح ہے (آثار السنن ج ۱ ص ۵۲ ایضاً)

اسی طرح اس حدیث کو بیہقی نے "خلافیات" میں ابو عمیس سے روایت کی ہے۔ عن ابی العمیس قال سمعت عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ بن زید الانصاری یحدث عن ابیہ عن جدہ انہ ٗ اری الاذان مثنیٰ مثنیٰ والاقامۃ مثنیٰ مثنیٰ وقال الحافظ فی الدرایۃ اسنادہ ٗ صحیح. یعنی ابو عمیس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہؓ سے سنا انہوں نے اپنے والد محمد سے اور انہوں نے اپنے والد عبداللہ بن زید انصاریؓ سے روایت کی ہے کہ ان کو خواب میں اذان اور اقامت دو دو مرتبہ کہتے ہوئے دکھائی گئی ہے، حافظ نے درایہ میں فرمایا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن ص ۵۲ جلد اول باب الاذان)

وروی الطحاوی عن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ قال اخبرنی اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ...... الخ. یعنی امام طحاویؒ نے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو حضور اکرم ﷺ کے اصحاب نے بیان کیا کہ عبداللہ بن زیدؓ نے خواب میں اذان دیکھی پھر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور اپنا خواب بیان کیا حضور اکرم ﷺ نے فرمایا (تم نے خواب میں اذان کے جو کلمات سنے ہیں وہ بلال کو سکھا دو، چنانچہ حضرت بلالؓ نے (اذان سیکھ کر) اذان دی، اور اذان کے کلمات دو دو مرتبہ کہے اور اقامت کے کلمات بھی دو دو مرتبہ کہے امام طحاویؒ فرماتے ہیں و اسنادہ صحیح یعنی اس حدیث کی سند صحیح ہے (طحاوی شریف ج ۱ ص ۸۰ کتاب الصلوٰۃ باب الاذان کیف ھو) اور پھر فرماتے ہیں ففی ھذا الاثر ان بلالاً رضی اللہ عنہ اذن بتعلیم عبداللہ بن زید بامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایاہ بذلک فاقام مثنیٰ مثنیٰ، یعنی اس اثر میں صراحۃً یہ بات ہے کہ حضرت بلالؓ نے حضور اکرم ﷺ کے حکم پر حضرت عبداللہ بن زید انصاریؓ سے اذان و اقامت سیکھی، پھر حضرت بلالؓ نے اذان و اقامت میں شہادتین و حیعلتین کے کلمات دو دو مرتبہ کہے (طحاوی شریف ج ۱ ص ۸۰ ایضاً)

دوسری دلیل!

قال عبد الرزاق سمعت الثوری واذن لنا بمنی فقال ...... الخ یعنی عبدالرزاق فرماتے ہیں میں نے منیٰ میں امام ثوریؒ کی اذان سنی، انہوں نے اذان اس طرح دی اللہ اکبر. اللہ اکبر، اشھد ان لا الہ الا اللہ. دو مرتبہ اشھد ان محمد اً رسول اللہ. دو مرتبہ پھر آخر تک اسی طرح اذان و اقامت دی جس طرح اوپر عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کی حدیث میں ذکر ہوا (مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۴۶۲ باب الاذان ایضاً)

تیسری دلیل:

اخبرنا عبدالرزاق قال اخبرنا معمر عن حماد عن ابراهيم عن الا سود يزيد ان بلا لاً كان يثنى الا ذان ويثنى الا قامة وانه كان يبدأبالتكبير ويختم بالكتبير ، ہم سے عبدالرزاق نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم کو معمر نے بیان کیا کہ حضرت بلالؓ اذان اور اقامۃ کے الفاظ دو دو مرتبہ کہا کرتے تھے اور اذان واقامت کی ابتدا بھی تکبیر سے کرتے اور اختتام بھی تکبیر سے کرتے۔ (مصنف عبدالرزاق ص۴۶۲ ج۱)

چوتھی دلیل:

اخبرنا عبدالرزاق عن الثورى أ بى معشر عن ابراهيم عن الأ سود عن بلال قال كان اذانه واقامته مرتين ۔اسود حضرت بلالؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی اذان اور اقامت کے کلمات دو دو تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ج۱ص۴۶۳ باب الاذان)

پانچویں دلیل:

روى الترمذى عن عبد الله بن زيد قال كان اذان رسول الله صلى الله عليه وسلم شفعاً شفعاً فى الا ذان والا قامة.

ترمذی نے حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی اذان و اقامت کے الفاظ دو دو تھے۔ (ترمذی شریف ص۲۷ ج۱ باب ماجآء فی ان الاقامۃ مثنیٰ مثنیٰ)

چھٹی دلیل:

عن الا سود بن يزيد عن بلال انه كان يثنى الا ذان ويثنى الا قامة. اسود بلالؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ یعنی حضرت بلالؓ اذان اور اقامت کے الفاظ دو دو مرتبہ کہتے تھے (طحاوی شریف ج۱ص۸۱ کتاب الصلوٰۃ باب الاذان کیف ھو)

ساتویں دلیل:

عن عبدالعزيز بن رفيع قال سمعت ابا محذورة رضى الله عنه يوذن مثنىٰ مثنىٰ ويقيم مثنىٰ مثنىٰ.

عبدالعزیز بن رفیع سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے ابو محذورہؓ کو اذان دیتے ہوئے سنا ہے۔ وہ اذان کے الفاظ دو دو مرتبہ کہتے تھے اور اقامت کے الفاظ بھی دو دو مرتبہ کہتے تھے (طحاوی شریف ص۸۱ ج۱ ایضاً)

آٹھویں دلیل:

عن مكحول ان ابن محيريز حدثه' ابو محذورة ان النبى صلى الله عليه وسلم علمه'

الاذان تسع عشرۃ کلمۃ واقامۃ سبع عشرۃ کلمۃ.
مکحول سے روایت ہے کہ ابن محیریزؒ نے ان کو حدیث بیان کی کہ انہوں نے ابومحذورۃ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اقامت کے سترہ ۱۷ کلمات سکھائے ہیں (اور سترہ ۱۷ کلمات اسی وقت ہوں گے جب شہادتین اور حیعلتین کے کلمات دو دو مرتبہ کہے جائیں۔ (طحاوی شریف ج ۱ ص ۸۱ ایضاً)

نویں دلیل:

عن ابراهیم قال کان ثوبان یؤذن مثنی ویقیم مثنیٰ ابراہیمؒ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ثوبانؓ اذان کے کلمے دو ۲ دو ۲ مرتبہ کہتے تھے اور اقامت کے کلمات بھی دو دو بار ادا کرتے تھے۔ (طحاوی شریف ج ۱ ص ۸۱ ایضاً)

خلاصۂ کلام یہ کہ ان احادیث وآثار کے پیش نظر حنفیہ کے نزدیک اقامت میں شہادتین وحیعلتین کے کلمات دو ۲ دو ۲ مرتبہ کہنا مسنون ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲۔ جمادی الثانی ۱۳۹۹ھ۔

فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم چھوٹ گیا:

(سوال ۱۳۸) اگر مؤذن فجر کی اذان میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کہنا بھول جائے تو اذان صحیح ہو جائے گی یا دوبارہ دینا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر اذان کے درمیان ہی یاد آ جائے تو جو کلمہ چھوٹ گیا ہے وہاں سے آخر تک کے کلمات کہہ کر اذان پوری کرے۔ اور اگر اذان پوری کرنے کے بعد یاد آئے تو غلطی درست کر کے آخر تک کلمات کا اعادہ کرے اگر کافی وقت گذر جائے تو دوبارہ اذان دینا ضروری نہیں۔ عالمگیری میں ہے۔ ویرتب بین کلمات الاذان والاقامۃ کما شرع کذا فی محیط السرخی، واذا قدم فی اذانہ اوفی اقامتہ بعض الکلمات علی بعض نحوان یقول اشھدان محمداً رسول اللہ قبل قولہ اشھد ان لا الہ الا اللہ فالافضل فی ھذا ان ما سبق علیٰ اوانہ لا یعتد بہ حتیٰ یعیدہ فی اذانہ وموضعہ وان مضیٰ علیٰ ذلک جازت صلوتھم کذا فی المحیط (عالمگیری ج ۱ ص ۳۴

(الفصل الثانی الباب الثانی فی الاذان الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامۃ وکیفیتھما) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

امام صاحب اذان دیتے ہوں تو اقامت کون کہے؟ کوئی دوسرا شخص اقامت کہے تو ان کی اجازت ضروری ہے یا نہیں:

(سوال ۱۳۹) کیا فرماتے ہیں۔ علمائے دین ذیل کے مسئلہ میں ہمارے محلّہ کی ایک مسجد میں مؤذن متعین نہیں ہے۔ اس وجہ سے اکثر امام صاحب ہی اذان دیتے ہیں۔ تکبیر کہنے کے لئے امام صاحب جس کو اجازت دیدے وہی تکبیر کہے یا ان کی اجازت کے بغیر کوئی بھی شخص تکبیر کہہ سکتا ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) افضل یہی ہے کہ جو اذان کہے وہی اقامت (تکبیر) کہے اقامت کا حق مؤذن کو ہے البتہ مؤذن کی

غیر حاضری میں یا اس کی اجازت سے کوئی دوسرا اقامت کہے تو بلا کراہت جائز ہے ۔والا فضل ان یکون المؤذن هو المقیم كذا في الكافي وان اذن رجل واقام اخر ان غاب الا ول جاز من غير كراهة وان كان حاضراً ويلحقه ' الوحشة باقامة غيره يكره وان رضى به لا يكره .(فتاوىٰ عالمگیری ج ا ص ۳۳ الباب الثاني في الا ذان الفصل الثاني في كلمات الاذان والا قامة و كيفيتهما)

آپ کے یہاں مؤذن متعین نہیں ہے امام صاحب ہی اذان بھی دیتے ہیں تو وہ جماعت کے وقت تکبیر کہہ کر مصلی پر پہنچ جائیں ۔والا حسن ان يكون المؤذن اماماً في الصلوة كذا في المعراج الدراية ، (عالمگیری ج ا ص ۳۳ ایضاً) یا ان کی اجازت سے کوئی دوسرا شخص تکبیر کہے ۔ان کی اجازت کے بغیر اگر دوسرا شخص اقامت کہے اور وہ اس کی اقامت سے ناراض ہوتے ہوں تو مکروہ ہے ۔(عالمگیری ا ج ص ۳۳ ایضاً) (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو) (فتاوی رحیمیہ ج ا ص ۲۰۱ ـ ۲۰۲ (جدید ترتیب میں اسی باب میں ، کیا دوسرا شخص اقامت (تکبیر) کہہ سکتا ہے کے عنوان سے دیکھئے ص ۹۱ ۔ از مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔۱۵ محرم الحرام ۱۴۰۱ھ ۔

اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں :

(سوال ۱۴۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں ۔جب جماعت کھڑی ہوتی ہے اور مکبر تکبیر کہنے لگتا ہے اس وقت مقتدیوں کو صفیں درست کرنے کے لئے کب کھڑا ہونا چاہئے؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ابتداء اقامت ہی سے کھڑے ہو کر صف درست کرنا چاہئے اور کچھ لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا چاہئے اور وہ لوگ اس پر بہت مصر ہیں ۔بلکہ بعض جگہ تو شروع سے کھڑے ہونے والوں پر لعن وطعن بھی کرتے ہیں آپ وضاحت فرمائیں ۔بینوا توجروا ۔

(الجواب) جب امام مصلی پر یا محراب کے قریب ہو اور مقتدی پہلے سے صف بندی کر کے بیٹھے ہوں ادھر ادھر منتشر نہ ہوں تو حی علی الفلاح کے وقت امام اور مقتدیوں کا کھڑا ہونا مستحب اور آداب میں سے ہے واجب اور تاکیدی سنت نہیں ہے ۔درمختار میں ہے ۔ولها آداب نماز کے کچھ آداب ہیں اور آگے آداب کا حکم بیان فرماتے ہیں ۔تركه' لا يوجب اساءةً ولا عتاباً كترك سنة الزوائد لكن فعله افضل. یعنی اس کا ترک نہ موجب کراہت ہے اور نہ عتاب کا باعث (یعنی اس کے چھوڑنے سے نہ گناہ ہوتا ہے اور نہ ملامت ہوتی ہے) جیسے سنن زوائد کو ترک کرنا ہاں اس کا کرنا ایک افضل فعل ہے (درمختار مع الشامی ج ا ص ۴۴۶ آداب الصلاۃ) لہذا اقامت شروع ہوتے ہی کھڑا ہو جانا جب کہ امام سامنے موجود ہو مکروہ نہیں ہے ۔البتہ امام سامنے موجود نہ ہو تو پہلے سے کھڑا ہونا مکروہ ہے بیٹھے ہوئے امام کا انتظار کریں ۔امام کو آگے سے آتا ہوا دیکھیں ۔تو امام کو دیکھتے ہی کھڑے ہو جائیں ۔اور اگر امام پیچھے سے داخل ہو تو جس صف کے پاس سے امام گذرے وہ صف کھڑی ہو جائے حدیث میں ہے ۔فلا تقوموا حتیٰ ترونی قد خرجت الیکم (جب تک مجھے نکل کر اپنی طرف آتا ہوا نہ دیکھو کھڑے مت ہوا کرو) اور ایک حدیث میں ہے ۔كان بلال يؤذن اذا دحضت الشمس فلا يقيم حتى يخرج النبي صلى الله عليه وسلم فاذا خرج الا مام اقام الصلوٰة حين يراه. یعنی

حضرت بلالؓ ظہر کی اذان اس وقت دیتے تھے جب زوال ہو جاتا۔ پھر اقامت اس وقت تک نہ کہتے تھے جب تک نبی کریم ﷺ مکان سے باہر نہ آجاتے۔ جب باہر تشریف لاتے تو اقامت کہتے تھے (مسلم شریف ص ۲۲۰ ج ا ص ۲۲۱ باب متیٰ یقوم الناس فی الصلوٰۃ)

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ اقامت اور مقتدیوں کے کھڑے ہونے کا مدار امام پر ہے۔ اسی بناء پر فقہائے کرام نے تصریح کی ہے۔ **لان القیام لا جل الصلوٰۃ ولا یمکن ادائها بدون الا مام فلم یکن القیام مفیداً ثم ان دخل الا مام من قدام الصفوف فکما رأ وه قاموا لانه کما دخل المسجد قام مقام الامامة وان دخل من وراء الصفوف فالصحیح انه کلما جاوز صفا قام ذلک الصف لانه صار بحال لو اقتدیٰ به جاز فصار فی حقهم کانه اخذ مکانه** یعنی اس لئے کہ قیام نماز ادا کرنے کے لئے ہے اور نماز ادا کرنا بدون امام کے ممکن نہیں لہذا قیام (بغیر امام کے) مفید نہ ہوگا۔ پھر اگر امام صفوں کے سامنے سے مسجد میں داخل ہو تو امام کو دیکھتے ہی سب کھڑے ہو جائیں کیونکہ امام مسجد میں داخل ہوتے ہی (گویا) امامت کی جگہ کھڑا ہو گیا۔ اور اگر امام صفوں کے پیچھے سے داخل ہو تو صحیح قول کی مطابق امام جس صف سے آگے بڑھتا جائے اس صف کے لوگ کھڑے ہوتے جائیں کیونکہ امام جس صف سے آگے بڑھ گیا، ان کے حق ایسی حالت پر ہو گیا کہ اگر اس کے پیچھے اقتداء کریں تو کر سکتے ہیں لہذا امام گویا کہ ان کے حق میں اپنی جگہ پر آ گیا۔ **(بدائع ج ا ص ۲۰۰ کتاب الصلاة فصل واما سننها)**

درمختار میں ہے **(والقیام) لامام ومؤتم (حین قیل حی علی الفلاح ان کان الا مام بقرب المحراب والا فیقوم کل صف ینتهی الیه الا مام علی الاظهر وان دخل من قدام قاموا حین یقع بصرهم علیه. الی قوله (وشروع الامام) فی الصلوٰة مذ قیل قد قامت الصلوٰة ولو اخرحتیٰ اتمها لا بأس به اجماعاً. انه الا صح** (درمختار) شامی میں ہے **(قوله انه الا صح)لان فیه محافظةً علی فضیلة متابعة المؤذن واعانة له علی الشروع مع الا مام (شامی ج ا ص ۴۴۷ آداب الصلاة)**

یعنی:۔ مستحب ہے کھڑا ہونا امام اور مقتدیوں کا جب کہ حی علی الفلاح کہا جائے اگر امام محراب کے قریب ہو۔ اور اگر امام محراب سے دور ہو اور صفوں کے پیچھے سے امام داخل ہو تو جس صف کے پاس سے امام گذرے وہ صف کھڑی ہو جائے اور اگر آگے سے مسجد میں داخل ہو تو اس کو دیکھتے ہی سب مقتدی کھڑے ہو جائیں اور جب قد قامت الصلوٰۃ کہا جائے تو مستحب ہے کہ امام نماز شروع کر دے اور اگر امام نماز شروع کرنے میں تاخیر کرے اور اقامت ختم ہونے پر نماز شروع کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں بلکہ تاخیر کرنا ہی زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ اس صورت میں اقامت کہنے والا بھی امام کے ساتھ نماز شروع کر سکے گا۔ (غایۃ الاوطار ج اص ۲۲۰، ۲۲۱ آداب الصلوٰۃ)

غور کیجئے! قد قامت الصلوٰۃ کے وقت امام اور مقتدیوں کا نماز شروع کر دینا مستحب اور آداب میں سے ہے لیکن اقامت کہنے والا امام کے ساتھ نماز شروع نہ کر سکے گا اس لئے اس کی رعایت کرتے ہوئے اقامت ختم ہونے کے بعد ہی نماز شروع کرنے کو زیادہ صحیح کہا گیا ہے۔ اسی طرح صفوں کو درست کرنے کی تاکید اور سیدھی نہ رکھنے پر جو وعیدیں ہیں ان کے پیش نظر شروع اقامت ہی سے کھڑا ہو جانا افضل بلکہ ضروری ہوگا حی علی الفلاح کے بعد کھڑے ہونے میں صفیں درست اور سیدھی نہیں ہو سکتیں۔ ٹیڑھی رہیں گی، نمازی آگے پیچھے ہوں گے۔ درمیان میں جگہ خالی رہ

جائے گی۔ اور وعید شدید کے مستحق ہوں گے۔

احادیث میں بہت تاکید کے ساتھ صفوں کی درستگی کا حکم کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے صفیں سیدھی رکھو، اپنے مونڈھوں کو برابر کرو اور آپس میں مل کر کھڑے ہو یا کرو درمیان میں خلاء (خالی جگہ) نہ چھوڑو، ورنہ شیطان بکری کے بچہ کی طرح تمہارے درمیان جگہ پا کر گھس جائے گا۔ (اور پھر دلوں میں وسوسہ ڈالے گا) ۔ ایک اور حدیث میں ہے ۔ صفیں سیدھی رکھا کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہرے بگاڑ دے گا۔ اور ایک حدیث میں ہے صفوں میں سیدھے کھڑے رہا کرو، آگے پیچھے نہ ہوا کرو۔ ورنہ تمہارے دل بدل جائیں گے۔ (اور...... آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی اور نااتفاقی پھیل جائے گی (مشکوٰۃ ص ۹۸ ص ۹۹ باب تصویۃ الصفوف الفصل الثالث عن ابن عمر مسلم شریف) خود حضور اکرم ﷺ صفوں کو درست فرمایا کرتے تھے۔ نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے **کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یسوی صفو فنا اذا قمنا الی الصلوۃ فاذا ستوینا کبر** ، یعنی جب ہم نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو رسول اکرم ﷺ ہماری صفیں درست فرماتے تھے اور جب ہم سیدھے ہو جاتے تھے تو تکبیر تحریمہ کہتے تھے۔ (ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف ص ۹۸ باب تصویۃ الصفوف الفصل الثانی)

خلفائے راشدین کا بھی یہی عمل تھا، ترمذی شریف میں ہے **روی عن عمر انہ کان یو کل رجلاً باقامۃ الصفوف ولا یکبر حتی یخبر ان الصفوف قد استوت وروی عن علی رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ انہما کانا یتعا ھدان ذلک ویقولان استووا.** یعنی حضرت عمرؓ نے صفیں درست کرنے کے لئے ایک شخص کو متعین کر دیا تھا اور جب تک آپ کو صفیں درست ہونے کی خبر نہ دی جاتی تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی روایت کر کے فرمایا ہے۔ کہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ بھی اس کا اہتمام کرتے تھے اور فرماتے تھے، سیدھے کھڑے رہو (ترمذی شریف ج ۱ ص ۳۱ باب ماجاء فی اقامۃ الصفوف)

الحاصل حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا محض آداب میں سے ہے۔ ترک کرنے میں کوئی کراہت نہیں۔ جب کہ صفوں کو درست رکھنے کی بہت تاکید ہے اور درست نہ رکھنے پر سخت وعیدیں ہیں لہذا کراہت اور ان وعیدوں سے بچنے کے لئے ابتداء اقامت ہی سے کھڑے ہو جانا افضل ہوگا۔ اور ابتداء اقامت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا کھڑا ہو جانا بھی ثابت ہے (پھر کیونکر اس کو مکروہ کہا جا سکتا ہے۔) مصنف عبدالرزاق میں ہے۔

عبدالرزاق عن ابن جریج قال اخبرنی ابن شہاب ان الناس کانوا ساعۃ یقول المؤذن اللہ اکبر ، اللہ اکبر ،یقیم الصلوٰۃ ،یقوم الناس الی الصلوٰۃ فلا یأ تی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقامہ یعدل الصفوف. ابن شہاب سے مروی ہے کہ جس وقت مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہتا تھا لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور حضور ﷺ کے تشریف لانے تک صفیں درست ہو جاتی تھیں۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۵۰۷ باب قیام الناس عند الاقامۃ) علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں **فقد ثبت عن الصحابۃ انہم کانوا یقومون اذ شرع المؤذن فی الاقامۃ۔** تحقیق کہ صحابہ سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ حضرات۔ جب مؤذن اقامت شروع کرتا اسی وقت کھڑے ہو جاتے تھے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۹۹)

یہ بھی قابل غور ہے کہ یہ طریقہ (حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا) زیادہ سے زیادہ آداب میں سے ہے اور آداب کا

حکم یہ ہے کہ اس کا ترک نہ موجب کراہت ہے نہ عتاب کا باعث بلکہ اس کا کرنا ایک افضل فعل ہے۔ اور اگر تھوڑی دیر کے لئے اسے سنت بھی مان لیا جائے اور صفوف کی درستگی کو بھی سنت کے درجہ میں رکھا جائے۔ تب بھی اس طریقہ کا ترک اولیٰ ہوگا۔ چنانچہ مجالس الابرار میں ہے۔ ولا وجہ لا شتغال سنۃ فیہ ترک سنۃ اخریٰ ۔ یعنی ایسی سنت ادا کرنے کی کوئی وجہ نہیں جس میں دوسری سنت کا ترک ہوتا ہو (مجالس الابرار ص ۲۱۴ مجلس نمبر ۳۲) حالانکہ صفوف کی درستگی زیادہ مؤکد بلکہ واجب ہے اس لئے اس کا لحاظ کرنا اس ادب کے مقابلہ میں زیادہ اہم اور ضروری ہوگا۔ نیز فقہ کا قاعدہ بھی ہے مکروہ کا ترک کرنا فعل مسنون پر عمل کرنے سے اہم ہے۔ **لان ترک المکروہ اھم من فعل المسنون** (کبیری ص ۳۵۶) **ترک المکروہ اولیٰ باد راک الفضیلۃ** ۔ فضیلت حاصل کرنے میں اگر کراہت پر عمل کرنا لازم آتا ہو تو اس کا ترک اولیٰ ہے۔ دیکھئے! وضو اور غسل میں غرغرہ سنت ہے مگر پانی حلق میں چلے جانے کے خوف سے غرغرہ ممنوع ہے اسی طرح سے وضو میں داڑھی کے بالوں کا خلال سنت ہے مگر حالت احرام میں بال ٹوٹ جانے کے خوف سے خلال مکروہ ہے۔ خطبہ کے وقت خطیب کی طرف منہ کر کے بیٹھنا مستحب ہے۔ لیکن صفوں کی درستگی کا خیال کرتے ہوئے قبلہ رو بیٹھنا اختیار کیا گیا ہے مجالس ابرار میں ہے **ویستحب للقوم ان یستقبلو االامام عند الخطبۃ لکن الرسم الان انھم یستقبلون القبلۃ للحرج فی تسویۃ الصفوف لکثرۃ الزحام** ، یعنی لوگوں کے لئے مستحب یہ ہے کہ خطبہ کے وقت خطیب کی طرف چہرہ کر کے بیٹھیں لیکن اس وقت کثرت ازدحام کی وجہ سے صفوں کی درستی میں حرج آتا ہے اس لئے قبلہ رو بیٹھتے ہیں۔ (مجالس الابرار ص ۲۹۶ مجلس نمبر ۴۹ صغیری ص ۲۸۱)

ساتھ ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ البحر الرائق میں حنفیہ کے مذہب کی تفصیل لکھتے ہوئے حیّ علی الفلاح کے وقت کھڑے ہونے کی یہ علت بیان فرمائی ہے۔ **(قولہ والقیام حین قیل حی علی الفلاح) لانہ' امر بہ فیستحب المسارعۃ الیہ** ۔ یعنی حی علے الفلاح پر کھڑا ہونا اس لئے افضل ہے کہ لفظ "**حی علی الفلاح**" (آؤ کامیابی کی طرف) میں کھڑے ہونے کا امر ہے اس لئے کھڑے ہونے کی طرف مسارعت کرنا چاہئے۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۳۰۴ باب صفۃ الصلاۃ)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیّ علی الفلاح پر کھڑا ہونا مستحب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس امر کے بعد بیٹھے رہنا خلاف ادب ہے نہ یہ کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا خلاف ادب ہے۔ کیونکہ پہلے کھڑے ہونے میں تو اور بھی زیادہ مسارعت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ طحطاوی علی الدر المختار میں ہے۔ **قولہ ، والقیام لا مام ومؤتم حین قیل حی علی الفلاح مسارعۃ لا متثال امرہ والظاھر انہ احتراز عن التا خیر لا التقدیم حتی لو قام اول الا قامۃ لابأس بہ وحرر** ، یعنی امام اور مقتدیوں کا حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے امتثال امر کی طرف مسارعت کرتے ہوئے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ اس میں احتراز ہے تاخیر سے نہ کہ تقدیم سے (یعنی مقصود یہ ہے کہ کھڑے ہونے میں حی علی الفلاح کہنے تک تاخیر کر سکتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلے کھڑے نہیں ہو سکتے اسی بنا پر علامہ طحطاوی اس کے بعد فرماتے ہیں) یہاں تک کہ اگر شروع اقامت ہی سے کھڑا ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۳۱ آداب الصلاۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مکان میں نماز پڑھنے والے کے لئے اذان واقامت کا حکم !:

(سوال ۱۴۱) مکان میں نماز پڑھنے والوں کی عادت ہے کہ اذان واقامت کہے بغیر ہی نماز فرض ادا کرتے ہیں۔ تو مسنون کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) گھر میں نماز پڑھنے والوں کے لئے اذان واقامت مسنون نہیں ہے مسجد کی اذان واقامت کافی ہے لہذا ترک کرنا مکروہ نہ ہوگا۔ **فلا یسن بھا اذا ادت فی البیوت لا نہ ' لایکرہ ترکھما لمصل فی بیتہ وکذا المصلی فی المسجد بعد صلوٰۃ الجماعۃ (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۸۱ باب الا ذان)** شامی میں ہے **لکن لا یکرہ ترکہ لمصل فی بیتہ فی المصر لان اذان الحی یکفیہ کما سیأتی(شامی ج ۱ ص ۳۵۷)فقط و اللہ اعلم بالصواب.**

اقامت کہنے کا افضل طریقہ کیا ہے:

(سوال ۱۴۲) ہمارے یہاں اقامت کہنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے کبھی امام کے پیچھے کھڑے ہوکر کہہ دی تو کبھی دائیں کنارے پر سے اور کبھی بائیں کنارے پر کھڑے ہوکر۔ اور یہ قصداً بلا عذر کرتے ہیں تو اقامت کا صحیح اور مسنون طریقہ کیا ہے تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) امام کے پیچھے محاذاۃ میں کھڑے ہوکر تکبیر کہنے کا تعامل ہے اس لئے یہی افضل ہوگا۔ البتہ حسب ضرورت وحسب موقع جس طرف اور جس موقع پر مکبر کھڑا ہوکر تکبیر کہے درست ہے، شرعی ضرورت کے بغیر ادھر ادھر کنارے پر کھڑے ہوکر تکبیر کہنے کی عادت خلاف اولیٰ ہوگی۔ مگر تکبیر قابل اعادہ نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

اقات کہنے میں مؤذن وغیرہ امام کے تابع ہیں :

(سوال ۱۴۳) ابھی امام فجر کی سنت پڑھ رہے تھے کہ مؤذن نے اقامت شروع کردی تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مؤذن اقامت کہنے کے لئے امام کے حکم یا اشارہ کا تابع ہے لہذا امام حاضر ہو تو جب تک وہ خود آگے نہ بڑھے یا اقامت کہنے کا حکم یا اشارہ یا مستعدی نہ بتلائے اقامت کہنے میں جلدی نہ کرنی چاہئے۔ مقتدیوں کا بھی امام کے آگے بڑھنے سے پہلے کھڑا ہوجانا مکروہ ہے۔ **وان لم یکن حاضراً یقوم کل صف بین ینتھی الیہ الا مام فی الاظھر(مراقی الفلاح) واذا اخذ المؤذن فی الا قامۃ ودخل رجل المسجد فانہ یقعد ولا ینتظر قائماً فانہ' مکروہ. (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۶۱ فصل من آداب** (ای الصلوٰۃ) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ مؤذن جب حضور ﷺ کو آتے ہوئے دیکھتا تو اس وقت اقامت شروع کرتا۔ (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۲۱۳) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اذان کے وقت باتیں کرنا:

(سوال ۱۴۴) اکثر لوگوں کی عام عادت ہو چکی ہے کہ اذان کا جواب دینا تو درکنار اس وقت دنیوی باتوں میں مشغول رہتے ہیں، اذان کی کوئی پرواہ نہیں کرتے، اس کے متعلق کوئی شرعی حکم اور وعید ہو تو بیان کیجئے؟

(الجواب) حدیث اور فقہ میں اس کی سخت وعید آئی ہے، اس سے احتراز ضروری ہے، اس کی عادت کر لینا ضعف ایمان کی دلیل ہے، رسم المفتی والسائل میں ہے۔ **ویکره الکلام والذهاب عند الا ذان کذا فی خزانة الروایات ناقلاً عن حاشیة السراجیة عن فتاویٰ الحجة وفیها عن الفتاویٰ الصوفیة اجمعوا علی ان یترک الکلام الدنیوی، وروی عن النبی صلی الله علیه واله وسلم من تکلم عند الاذان خیف علیه زوال الا یمان انتهیٰ قلت هذا الحدیث لم یثبت بسند یحتج به.** یعنی فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ اذان کے وقت دنیوی باتیں چھوڑ دی جائیں۔ حضور اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص اذان کے وقت بات چیت کرے تو اس کے ایمان کے زوال کا خوف ہے، یہ حدیث اگر چہ ایسی مضبوط نہیں ہے کہ اس سے استدلال کیا جائے (مگر فضائل اعمال میں چل سکتی ہے) (رسم المفتی والسائل ص ۶۶) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تکبیر کہاں کھڑے ہو کر کہنا افضل ہے:

(سوال ۱۴۵) اقامت کے وقت مکبر کا امام کے پیچھے کھڑا ہونا کیسا ہے؟ بعض اس کو افضل کہتے ہیں، بندہ کو اس کی دلیل مطلوب ہے، براہ کرم تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

(الجواب) امام کے پیچھے محاذاۃ میں کھڑے ہو کر تکبیر کہنے کا تعامل ہے اس لئے یہی افضل ہوگا جیسے تراویح کی بیس رکعت کے بعد اجتماعی دعا منقول نہیں ہے لیکن امت اور اکابر کا عمل کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے اور دعا مانگی جاتی ہے، علیٰ ہذا عیدین کی نماز کے بعد صراحۃً دعا کا ثبوت نہیں مگر تعامل ہی کی بنا پر دعا مانگی جاتی ہے، علیٰ ہذا عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر ثابت نہیں ہے مگر توارث کی بنا پر تکبیر کہنے کی اجازت دی ہے، بعض نے واجب تک کہہ دیا ہے۔ **ولا بأس به عقب العید لان المسلمین توارثوه فوجب اتباعهم وعلیه البلخیون (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۸۶) باب العیدین مطلب کلمة لابأس قد تستعمل فی المندوب.**

البتہ حسب ضرورت اور حسب موقع جس طرف اور جس موقعہ پر مکبر کھڑا ہو کر تکبیر کہے درست ہے، شرعی ضرورت کے بغیر ادھر ادھر کنارے پر کھڑے ہو کر تکبیر کہنے کی عادت خلاف اولیٰ ہے، مگر تکبیر قابل اعادہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جس نے نسبندی کرالی ہو اس کو مؤذن رکھنا:

(سوال ۱۴۶) ہماری مسجد کے مؤذن نے عرصہ ہوا اپنی نسبندی (خصی) کروالی تھی، موذن کا کہنا ہے کہ میر لاعلمی کی بنا پر اپنی نسبندی کروائی اس صورت میں ایسے مؤذن کا اذان دینا کیسا ہے؟ بینوا وجروا۔

(الجواب) خصی ہونا اولاد سے محرومی اور بیزاری اور کفران نعمت ہے یہ فعل نصاً حرام بھی ہے، حدیث میں ہے کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے معصیت سے بچنے اور دنیاداری سے بے فکر ہوکر خدا کی عبادت میں مشغول رہنے کے مقصد سے خصی ہونے کی خواہش ظاہر کی تو رسول اللہ ﷺ نے اجازت نہیں دی اور قرآن شریف کی آیت تلاوت فرمائی **یآیھا الذین امنوا لا تحرموا طیبات ما احلّ اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین** اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمہارے لئے حلال کی ہیں ان پاکیزہ چیزوں کو حرام مت کرو اور حدود سے آگے مت نکلو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے (**بخاری شریف ج ۲ ص ۷۵۹ باب مایکرہ من التبتل والخصآء**)

اس سے معلوم ہوا کہ خصی ہونا یعنی قطع نسل کا عمل بہ نص قرآنی حرام ہے اور حدود اللہ سے تجاوز ہے لہذا یہ عمل بالاتفاق حرام ہے (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری)۔

اور فقہاء نے بھی لکھا ہے **اما خصاء الادمی فحرام** . یعنی انسان کا خصی ہونا حرام ہے (درمختار مع الشامی ج۵ ص۳۴۲ کتاب الحظر والاباحۃ) (فتاویٰ عالمگیری ج۶ ص۲۳۷)

صورت مذکورہ میں موذن کی لاعلمی کا عذر مسموع نہ ہونا چاہئے فی زمانا خصی ہونے کی قباحت عام ہوچکی ہے، ہر ایک شخص اس سے واقف ہے لہذا یہ رضا اور رغبت خصی ہونا باعث صد نفرین ہے، مبدل فطرت ومغیر خلق اللہ بھی ہے اور عوام وخواص کی نظر میں بھی یہ عمل قابل مذمت ہے، لہذا ایسے مخدوش آدمی کو مؤذن کا عالی منصب عطا کرنا یا اس معزز منصب پر قائم رکھنا خالی از کراہت نہیں، مسجد کی صفائی کی خدمت سپرد کی جاسکتی ہے ہاں کسی وقت مؤذن نہ ہوتو اذان دے سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سینما دیکھنے اور قوالی سننے والے کی اذان واقامت:

(سوال ۱۴۷) ایک شخص نمازی ہے مگر سنیما بینی میں مبتلا ہے اور قوالی سننے کا بھی شوقین ہے، گاہے گاہے وہ اذان واقامت کہے تو کوئی حرج ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مصلیوں میں اس سے افضل اور پرہیز گار شخص اذان واقامت کہنے والا کوئی موجود ہے تو وہ اذان واقامت کہے اور اگر اس سے کوئی افضل موجود نہیں تو اس کی اذان واقامت جائز ہے۔ (۱) فقط۔

بلا اذن مؤذن اقامت:

(سوال ۱۴۸) بدون اذن مؤذن کوئی شخص اقامت کہہ سکتا ہے؟

(الجواب) مؤذن صاحب بروقت موجود نہ ہوں اور ان کے انتظار میں مصلیوں کا حرج ہوتو ان کی اجازت کے بغیر کوئی دوسرا شخص اقامت کہہ سکتا ہے۔ **اقام غیر من اذن بغیبتہ ای المؤذن لا یکرہ مطلقا** (شامی ج ۱ ص ۲۶۵ یہ حوالہ درمختار کا ہے باب الاذان) فقط۔

(۱) واذان امراۃ وخنثیٰ وفاسق ولو عالما لکنہ اولیٰ بامامۃ واذان من جاھل تقی قال فی الشامیۃ تحت قولہ من جاھل تقی ای حیث لم یوجد عالم تقی ، درمختار مع الشامی باب الاذان مطلب فی المؤذن اذا کان غیر محتسب فی أذانہ ج ۲ ص ۳۹۲.

فجر کی اذان بعد صبح صادق متصلاً:

(سوال ۱۴۹) ہمارے یہاں فجر کی اذان صبح صادق کے پانچ منٹ بعد ہوتی ہے جب کہ بعض لوگ صبح صادق سے دس منٹ بعد بھی اذان دینے میں کراہت سمجھتے ہیں، لہذا صبح صادق کے بعد اذان دینا کیسا ہے. اس کا جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جنتری اور گھڑی کے وقت میں فرق ہوسکتا ہے لہذ احتیاط کی جائے دس منٹ نہ سہی تو سات منٹ کے وقفہ سے اذان دینا اچھا ہے۔ شمسی تقویم میں حسب ذیل ہدایت لکھی ہے۔

یاد رہے کہ یہ ٹائم ٹیبل (جنتری) حساب سے تیار شدہ ہے، اس پر ایسا اعتماد کرنا کہ ایک منٹ کا بھی فرق نہ ہو مناسب نہیں، اس کا مدار صرف حساب پر ہونے کی وجہ سے غلطی کا امکان ہے۔ ایسے ہی گھڑی کے وقت میں بسا اوقات تقدیم و تاخیر کے سبب نماز و روزہ کی ادائیگی میں حسب ذیل احتیاط ضروری ہے۔

(۱) صبح صادق کے تحریر کردہ وقت سے دس منٹ قبل ہی سحری کا آخری وقت سمجھا جائے۔

(۲) صبح صادق کے ذکر کردہ وقت سے پانچ (بلکہ دس) منٹ بعد ہی فجر کی اذان دی جائے۔

(۳) طلوع آفتاب کے بتائے ہوئے وقت سے پانچ منٹ قبل ہی فجر کی نماز سے فارغ ہو جائے۔

(۴) عصر کا ابتدائی وقت لکھا ہے اس کے پانچ منٹ بعد اذان دی جائے۔

(۵) غروب کے ذکر کردہ وقت کے پانچ منٹ بعد ہی اذان دی جائے۔

(۶) عشاء کا ابتدائی وقت لکھا ہے اس سے پانچ (بلکہ دس) منٹ بعد اذان کہے۔ (شمسی تقویم)

صبح صادق ہوتے ہی اذان کہنا درست ہے مگر صبح صادق کی پہچان مشکل ہے اور ٹائم ٹیبل (جنتری کے حساب) میں بھی غلطی کا امکان ہے، گھڑیوں کے وقت میں بھی فرق ہوتا ہے لہذا صبح صادق کے لکھے ہوئے وقت سے دس منٹ پہلے سحری کھانا بند کردے، اور دس منٹ کے بعد فجر کی اذان کہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بوقت اقامت امام اور مقتدی کب کھڑے ہوں؟:

(سوال ۱۵۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں۔ فرض نماز کے لئے مکبر جب تکبیر کہنا شروع کرے اس وقت صفیں درست کرنے کے لئے مقتدی حضرات کو کب کھڑے ہونا چاہئے؟

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ مکبر جب تکبیر کہنا شروع کرے اسی وقت صفیں درست کرنے کے لئے کھڑے ہو جانا چاہئے، جبکہ بعض دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ "حی علی الصلوٰۃ" یا "حی علی الفلاح" کہا جاوے اس وقت کھڑا ہونا چاہئے۔ اس سلسلہ میں شرعی حکم مع حوالہ تحریر فرمادیں۔

(الجواب) حدیث وفقہ حنفی میں نماز کے لئے صفوف کی درستگی کی بے حد تاکید واہمیت وارد ہوئی ہے، اس پر نماز کا کمال موقوف ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ امام کو صف کے بیچ میں رکھو۔ عن ابی هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم توسطوا الامام (الحديث) رواه ابو داؤد (مشكوٰة ص ۹۹ باب تسوية الصفوف الفصل الاول)

دونوں طرف (دائیں بائیں) صف کا برابر ہونا ضروری ہے، ایک طرف کم دوسری طرف زیادہ ہونا مکروہ ہے، مصلی حضرات مل مل کر مونڈھا، مونڈھے کے محاذ میں رکھ کر اور ایک کا ٹخنہ دوسرے کے ٹخنہ کے مقابل کر کے کھڑے ہوں، اس طور پر کہ درمیان صف خلا نہ رہے، کیونکہ شیطان خالی جگہ دیکھ کر بکری کے بچہ کے مانند درمیان میں گھس کر مصلیوں کے دلوں میں وساوس ڈالتا ہے۔

صفیں سیدھی نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں مسخ کر دے گا اور دلوں میں فساد واختلاف پیدا ہو جائے گا، صفیں برابر نہ کرنے پر اس جیسی بہت سی خرابیاں کتب حدیث وفقہ میں مذکور ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا معمول صفوں کی درستگی کے بعد ہی نماز شروع فرمانے کا تھا عن النعمان بن بشير قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسوى صفوفنا اذا قمنا الى الصلوٰة فاذا استوينا كبرٰ رواه ابو داؤد (باب تسوية الصفوف الفصل الثانى مشكوٰة ص ۹۸) ایک مرتبہ ایک آدمی کا سینہ صف سے پیچھے نکلا ہوا آپ ﷺ نے دیکھ لیا اس پر آپ ﷺ نے فرمایا، اے اللہ کے بندو! اپنی صفیں سیدھی رکھو (یعنی آگے پیچھے نہ رہو) ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف ڈال دے گا۔

وفى حديث عن النعمان بن بشير خرج يوما فقام حتىٰ كا ديكبر فرأى رجلا باديا صدره من الصف فقال عباد الله لتسون صفوفكم اوليخافن الله بين وجوهكم (مسلم باب تسوية الصفوف واقامتها وفصل الاول الخ ص ۱۸۲ ج ۱) آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم لوگ اس طرف صف کیوں نہیں باندھتے جس طرح فرشتے خدا کے حضور میں باندھتے ہیں، حضرات صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ فرشتے اپنے پروردگار کے حضور میں کس طرح صف باندھتے ہیں، فرمایا: اگلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور صف میں مل کر (سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح) کھڑے ہوتے ہیں قال الا تصفون كما تصف الملائكة عندربها فقلنا يارسول الله وكيف تصف الملائكة عند ربها قال يتمون الصفوف الاول ويتراصون فى الصف (مسلم ايضاً ص ۱۸۱ ج ۱) نیز فرمایا، صف میں سیدھے کھڑے رہو آگے پیچھے نہ رہو ورنہ اس کی زد تمہارے دلوں پر پڑے گی استووا ولا تختلفوا فتختلف قلوبكم (باب التسوية الصفوف)

اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ صفوں کو برابر رکھا کرو کیونکہ صفوں کو برابر رکھنا نماز کی تکمیل میں سے ہے۔ عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم سووا صفوفكم فان تسوية الصفوف من تمام الصلوٰة (مسلم حواله بالا ج ۱ ص ۱۸۲)

نیز فرمایا ہے اپنی صفیں خوب ملی ہوئی رکھو یعنی آپس میں خوب مل کر کھڑے رہو) اور اپنے مونڈھوں کو محاذات میں رکھو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں شیطان کو تمہاری صفوں کی کشادگی میں چھوٹی بھیڑوں کی طرح گھستے دیکھتا ہوں۔

عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم رصوا صفو فكم وقاربوا بينها وحاذوا بالا عناق فوالذى نفسى بيده انى لا رى الشيطان يدخل من خلل الصف كانها الحذف (مشكوٰة باب تسوية الصفوف الفصل الثالث ص ۹۸، ابو داؤد ص ۹۷، ج ۱)

صفیں درست کرنے پر جو فضائل اور اس میں کوتاہی کرنے پر جیسی وعیدیں وارد ہوئی ہیں ایسی بوقت " حی علی الفلاح " کھڑے ہونے پر وارد نہیں ہوئی ہیں، پھر درستگی صفوف کی اہمیت نظر انداز کر کے " حی علی الفلاح " کے وقت ہی کھڑے ہونے پر اصرار کیوں کیا جارہا ہے؟ نیز امام اس کا پابند نہیں کہ اقامت سے قبل مصلیٰ پر آکر بیٹھے، آپ ﷺ اور حضرات صحابہؓ خلفائے راشدین اور ائمہ کرامؒ کے مبارک دور میں امام کا مصلی پر آکر اقامت سے پہلے بیٹھنے کا اہتمام والتزام نہیں تھا، ملاحظہ ہو۔

(۱) حضرت جابر ابن سمرہؓ کی روایت میں ہے۔ کان بلال یوذن اذا دحضت الشمس فلا یقیم حتی یخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاذا خرج اقام الصلوٰۃ حین یراہ (مسلم ص ۲۲۱ ج ۱ باب متیٰ یقوم الناس للصلوٰۃ) یعنی حضرت بلالؓ ظہر کی اذان زوال کے بعد دیتے پھر اقامت اس وقت تک نہیں کہتے جب تک آنحضرت ﷺ حجرہ شریف سے باہر نہ نکلتے جب آپ ﷺ باہر تشریف لاتے تب اقامت کہتے تھے۔

(۲) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ان الصلوٰۃ کانت تقام لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیاخذ الناس مصافھم قبل ان یقوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقامہ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۲۰ ج ۱)(۱) یعنی آپ ﷺ کی امامت میں نماز کی اقامت کہی جاتی تھی اور لوگ (یعنی حضرات صحابہؓ) آپ ﷺ کی تشریف آوری مصلی پر ہو اس سے پہلے ہی صف میں اپنی اپنی جگہ لے لیتے۔

(۳) حضرت ابوہریرہؓ سے ایک اور روایت منقول ہے کہ اقیمت الصلوٰۃ فقمنا فعدلنا الصفوف قبل ان یخرج الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسلم باب متیٰ یقوم الناس للصلوٰۃ ج ۱ ص ۲۲۰) یعنی ایک مرتبہ نماز قائم کی گئی ہم (صحابہؓ) کھڑے ہوگئے، آپ ﷺ کے ہماری طرف نکلنے سے پہلے ہم نے صفیں درست کرلیں۔

(۴) حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے کہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی (بخاری ج ۱ ص ۸۸، مسلم ج ۱ ص ۲۲۰ باب متی یقوم الناس للصلوٰۃ، مشکوٰۃ ص ۶۷) آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کے لئے اقامت کہی جائے تو تم کھڑے نہ ہو جب تک کہ مجھے اپنی طرف آتے دیکھ نہ لو۔

(۵) حضرت ابن شہاب زہریؒ سے مروی ہے کہ ان الناس کانوا ساعۃ یقول المؤذن اللہ اکبر، اللہ اکبر، یقیم الصلوٰۃ یقوم الناس الی الصلوٰۃ فلا یأتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقامہ حتی یعدل الصفوف (مصنف عبدالرزاق ص ۵۰۷ ج ۱ باب قیام الناس عند الاقامۃ) یعنی جب مکبر "اللہ اکبر" کہتا اس وقت لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے اور آپ ﷺ کی تشریف آوری تک صفیں درست ہوجاتی تھیں۔

(۶) حضرت عبداللہ ابن اوفیٰ فرماتے ہیں کہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال بلال قدقامت الصلوٰۃ نھض فکبر (مجمع الزوائد ۲/۵) باب ما یفعل اذا اقیمت الصلاۃ یعنی جب حضرت بلالؓ " قد قامت الصلوٰۃ " کہتے اس وقت آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہوتے تھے۔

(۱) یہ مسلم کا حوالہ ہے کاتب سے غلطی ہوئی ہے۔ دیکھئے مسلم باب متیٰ یقوم الناس للصلوٰۃ ج ۱ ص ۲۲۰)

ذکر کردہ احادیث (از اول تا پنجم) سے ثابت ہوتا ہے کہ تعامل صحابہ ابتدائے اقامت میں کھڑے ہوکر صفیں درست کرنے کا تھا اسی لئے حضرات فقہائے کرام ومحدثین عظام نے اس طریقہ کو مسنون کہا اور توارث بھی یہی ہے۔

غالباً حدیث نمبر ۶ کے پیش نظر فقہاء نے تحریر فرمایا ہے کہ "حی علی الصلوٰۃ" یا "حی علی الفلاح" یا "قد قامت الصلوٰۃ" کے وقت کھڑا ہونا نماز کے آداب میں سے ہے "ولہا آداب" یعنی نماز کے چند آداب ہیں، معاً ان آداب کا حکم شرعی بھی تحریر کردیا ہے۔ ترکہ لا یوجب اساءۃ ولا عتاباً (شامی ۱/۴۴۶ آداب الصلاۃ) (مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص ۱۵۱ آداب الصلوٰۃ) یعنی اس کے ترک کرنے سے نہ تو مکروہ تنزیہی کا ارتکاب ہوتا ہے نہ عتاب کا باعث ہے، محض ایک مستحب چیز ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب امام موجود ہو اس وقت ابتدائے اقامت میں کھڑے ہوکر صفیں درست کرنا مکروہ نہیں البتہ جب امام موجود نہ ہو تو کھڑے کھڑے امام کا انتظار مکروہ ہے، والظاہر انہ احتراز عن التاخیر لا التقدیم حتی لو قام اول الاقامۃ لابأس بہ (طحطاوی علی الدر المختار ۱/۱۳۳ ایضاً) واما اذالم یکن الامام فی المسجد فذھب الجمھور الی انھم لا یقومون حتی یروہ (فتح الباری ۲/۱۰۰)

(نماز کے آداب ومستحبات کے بارے میں فقہی اصول)

(۱) فقہاء نے تصریح کی ہے کہ تارک المستحب لا یلام (مستحب شئی کا ترک کرنے والا قابل ملامت نہیں)

(۲) ان المندوب ربما ینقلب مکروھا اذا خیف ان یرفع عن رتبتہ (بے شک مستحب شئی جب اپنی حد سے بڑھادی جائے یعنی اسے سنت اور لازم سمجھ لیا جائے تو وہ مکروہ بن جاتی ہے) (مجمع البحار ۲/۲۴۴، وفتح الباری شرح بخاری ۲/۲۸۱)

(۳) لان ترک المکروہ اھم من فعل المسنون (کبیری ص ۳۶۵ فروع) مکروہ کا ترک کرنا مسنون پر عمل کرنے کی بنسبت اہم ہے)

(۴) ترک المکروہ اولی من ادراک الفضیلۃ (حصول فضیلت کے لئے کسی مکروہ شئی کا ارتکاب لازم آتا ہو تو اس کا ترک اولیٰ ہے۔

فقہ کی کتب معتبرہ درمختار شامی وغیرہ میں ہے سجدۃ الشکر مستحبۃ بہ یفتی لکنھا تکرہ بعد الصلوٰۃ لان الجھلۃ یعتقد ونھا سنۃ اوواجبۃ وکل مباح یؤدی الیہ فمکروہ (شامی ۱/۷۳۱ مطلب فی سجدۃ الشکر) سجدۂ شکر مستحب ہے لیکن نماز کے بعد لوگوں کی موجودگی میں سجدۂ شکر مکروہ ہے کیونکہ ناواقف لوگ اسے مسنون یا واجب اعتقاد کرتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جس مباح یا مستحب شئی کو اپنے حدود سے بڑھا دیا جائے (یعنی مستحب کو مسنون اور واجب سمجھ لیا جائے تو) وہ مکروہ بن جاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مستحب کو مسنون سمجھنا اور اس کے تارک کو قابل ملامت سمجھنا اور برا بھلا کہنا جائز

نہیں بلکہ خود وہ کام قابل ترک ہے۔

مغرب کی اذان کے بعد اقامت سے پہلے دو رکعت پڑھنا مستحب ہے آنحضرت ﷺ نے تیسری بار فرمایا "لمن شاء" (یعنی جس کا جی چاہے پڑھے) اس کی وجہ خود راوی بیان فرماتے ہیں "کراھیۃ ان یتخذھا الناس سنۃ" یعنی آپ ﷺ کو یہ پسند نہ تھا کہ لوگ ان دو رکعتوں کو سنت سمجھ لیں (مشکوٰۃ ص ۱۰۴ باب السنن وفضائلھا الفصل الاول عن عبد اللہ ابن مغفل)

بعض علماء نے اپنے دور میں ایام بیض (ہر ماہ کی تیرہویں چودہویں، پندرہویں تاریخ) کے روزوں کے متعلق مکروہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے، کیونکہ ان کے زمانہ میں ایام بیض کے روزے رکھنے کا اس کثرت سے رواج ہو چکا تھا کہ اس بات کا خوف لاحق ہو گیا کہ لوگ واجب اور لازم سمجھنے لگیں گے حالانکہ ایام بیض کے روزے مستحب ہیں ان کی فضیلت بہت سی احادیث میں وارد ہوئی ہے۔

مجالس الابرار میں ہے وکل مباح ادی الی ھذا فھو مکروہ (مجلس نمبر ۵۰، ص ۲۹۰) ہر وہ مباح جسے سنت کا مرتبہ دیا جائے وہ مکروہ ہے) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں ہے۔ قال الطیبی ان من اصر علی امر مندوب وجعلہ عزما ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الا ضلال فکیف من اصر علی بدعۃ او منکر (جلد اول ص ۲۵۳) (غایۃ الاوطار ج ۱ ص ۲۲۰ و ص ۲۲۱) جو کوئی امر مندوب و مستحب پر مصر رہا اسے لابدی اعتقاد کر لیا اور رخصت پر عمل نہ کیا گویا اسے شیطان نے راہ ضلالت پر ڈال دیا، تو اگر کوئی آدمی بدعت یا ناجائز پر مصر ہے اس کے متعلق کیا خیال ہے؟

امام کے چار حالات اور ہر ایک کا حکم

(۱) امام صاحب عین اقامت کے وقت حجرے سے نکلیں تو مقتدیوں کو چاہئے کہ کھڑے ہو جاویں۔

(۲) امام صاحب پشت کی جانب سے آویں تو جس جس صف کے پاس سے امام کا گذر ہو وہ کھڑے ہوتے جاویں والا فیقوم کل صف ینتھی الیہ الامام (شامی آداب الصلاۃ ۱/۴۴۷)

(۳) امام کو آگے سے مسجد میں داخل ہوتا دیکھیں تو ان پر نظر پڑتے ہی سب کھڑے ہو جاویں وان دخل من قدام قاموا حین یقع بصر ھم علیہ (ایضاً)

(۴) اگر اتفاق سے امام محراب کے قریب ہو تو "حی علی الفلاح" کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے لازم نہیں اور "قد قامت الصلوٰۃ" کے وقت امام کا نماز شروع کرنا مستحب ہے اور اقامت پوری ہونے کے بعد نماز شروع کی جائے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ اجماعاً اولیٰ ہے وشروع الامام فی الصلوٰۃ مذ قیل قد قامت الصلوٰۃ ولو اخر حتی اتمھا لاباس بہ اجماعاً (قولہ لا بأس بہ اجماعاً) ای لان الخلاف فی الافضلیۃ فنفی البأس ای الشدۃ ثابت فی کلا القولین وان کان الفعل اولی فی احدھما (شامی ۱/۴۴۷) (طحطاوی علی الدر المختار ۱/۲۸۹ آداب الصلاۃ)

حاصل یہ کہ تنویر الابصار اور درمختار میں جہاں آداب کے ذیل میں "والقیام لا مام ومؤتم حین قیل

حی علی الفلاح" تحریر کیا ہے وہیں اس کا استحباب بھی تحریر کیا ہے کہ نظرہ الی موضع سجودہ حال قیامہ والی ظہر قدمیہ حال رکوعہ والی ارنبۃ انفہ حال سجودہ والی حجرہ حال قعودہ والی منکبہ الایمن والا یسر عن تسلیمۃ الاولی والثانیۃ (شامی ۱/۴۴۶ آداب الصلوٰۃ)
مستحب یہ ہے کہ (۱) مصلی قیام کے وقت سجدہ کی جگہ نظر رکھے (۲) رکوع میں ظاہر قدم پر (۳) سجدے میں ناک کے سرے پر (۴) قعدہ میں اپنی گود میں (۵) دائیں طرف سلام کے وقت داہنے کندھے پر اور بائیں طرف سلام کے وقت بائیں کندھے پر نظر رکھے، یہ آداب از راہ تواضع وانکساری ہیں، جب یہ تمام آداب زیر بحث مسئلہ قیام عند حی علی الفلاح کے مانند آداب ومستحبات میں سے ہیں جن سے خشوع وانکساری حاصل ہوتی ہے پھر اس پر عمل کے لئے کیوں زور نہیں دیا جاتا۔

امام طحاوی اور کرخی رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہما حضرات نے تصریح کی ہے کہ الظاھر انہ عند وجود مشغل فی ھذاہ المحلات لاینظر الیھا لانہ یضیع الخشوع الذی ھو اعلیٰ من المستحب (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۳۱ ایضاً) یعنی مذکورہ بالا (یعنی نماز میں جہاں نظر رکھنا مستحب ہے ان جگہوں میں سے کسی جگہ میں کوئی ایسا نقش ونگار ہو جسے دیکھ کر نماز میں توجہ تام نہ رہے اور خشوع وخضوع میں خلل واقع ہو تو پھر اس کا استحباب ختم ہو جاتا ہے کیونکہ خشوع وخضوع کی اہمیت بنسبت مستحب کے بہت زیادہ ہے۔

اور منجملہ آداب صلوٰۃ کے یہ بھی ہے کہ جب "قد قامت الصلوٰۃ" کہا جاوے اس وقت امام نماز شروع کردے اور اقامت کے اختتام پر نماز شروع کرے تب بھی مضائقہ نہیں بلکہ تاخیر ہی زیادہ صحیح ہے، اس لحاظ سے کہ مکبر بھی تکبیر اولیٰ میں امام کے ساتھ شرکت کر سکے گا۔ (قولہ انہ الاصح) لان فیہ محافظۃ علی فضیلۃ متابعۃ المؤذن واعانۃ لہ علی الشروع مع الامام (شامی ۱/۴۴۷ ایضاً) (غایۃ الاوطار ۱/۲۲۰، ۲۲۱) اس سے اندازہ لگائیے کہ محض مکبر کی رعایت میں "قدقامت الصلوٰۃ" پر نماز شروع نہ کرنے کا حکم ہے اور ایک مستحب کے ترک کو صحیح تر کہا جانے لگا تو پوری جماعت (جس میں بے شمار افراد ہو سکتے ہیں) کی صفوں کی درستگی (جس کی حدیث وفقہ میں بہت تاکید آئی ہے) کے خاطر امام کی موجودگی میں ابتدائے اقامت سے کھڑے ہو جاویں تو کس بنیاد پر اسے مکروہ کہا جا سکتا ہے؟ بلکہ از روئے حدیث وفقہ یہ عمل بہت ہی افضل واعلیٰ ہے اور تعامل صحابہ اس کا موید ہے۔ فتح الباری شرح بخاری میں ہے فقد ثبت عن الصحابۃ انھم کانوا یقومون اذا شرع المؤذن فی الاقامۃ (جلد ۲/۹۹ باب الجمعۃ) (مصنف عبدالرزاق ۱/۵۰۷) یعنی صحابہ کرام اس وقت کھڑے ہو جاتے تھے جب کہ موذن (مکبر) اقامت کہنا شروع کر دیتا۔

ایسے ہی بعض جاہل ائمہ نے یہ عادت بنالی ہے کہ بعد خطبۂ جمعہ کی مصلیٰ پر بیٹھ جاتے ہیں اس کے بعد اقامت کہی جاتی ہے، اور "حی علی الفلاح" کے وقت امام اور مقتدی سب کھڑے ہوتے ہیں اس فعل کا حدیث اور فقہ حنفی کی کسی بھی کتاب میں ثبوت نہیں یہ طریقہ بھی خلاف سنت اور واجب الترک ہے بلکہ حکم یہ ہے کہ بعد الخطبہ فوراً اقامت کہی جاوے اور امام کے مصلی پر پہنچتے تک اقامت پوری ہو جاوے، درمختار مع الشامی میں ہے (قولہ اقیمت) بحیث یتصل اول الاقامۃ بآخر الخطبۃ وتنتھی الاقامۃ بقیام الخطیب مقام الصلوٰۃ (جلد اول

ص ۷۷۰ باب الجمعة) یعنی خطیب کا خطبہ پورا ہوتے ہی متصلاً اقامت کہی جاوے بایں طور کہ خطیب (امام) کے مصلیٰ پر پہنچنے تک اقامت پوری ہو۔

مجالس الابرار میں ہے واذا فرغ من الخطبة وشرع المؤذن في الا قامة ينزل من المنبر ويصلي بالناس ركعتين (مجلس نمبر ۴۹،ص ۳۱۵) اور جب خطیب خطبہ سے فارغ ہوجائے اور مؤذن اقامت شروع کرے تو امام کو چاہئے کہ منبر سے اتر کر لوگوں کو (صلوٰۃ جمعہ کی) دورکعت پڑھاوے۔

صغیری (شرح منیۃ المصلی) میں ہے۔واذا فرغ من الخطبة اقاموا وصلى بهم الركعتين على ما هو المعروف (ص ۲۸۱) جب خطیب خطبہ سے فارغ ہوں اقامت کہی جائے اور امام لوگوں کو دورکعت پڑھائے، یہی طریقہ معروف ہے۔اور کبیری (شرح منیۃ المصلی) میں بھی ہے۔واذا فرغ من الخطبة اقاموا الصلوة وصلى بالناس ركعتين على ما هو المتوارث المعروف ص ۵۲۰ باب الجمعة (یعنی) اور جب خطیب خطبہ سے فارغ ہو تو نماز کے لئے اقامت کہی جائے اور (امام) لوگوں کو دورکعت پڑھاوے یہی متوارث و معروف ہے۔

(۱) قد قامت الصلوٰۃ کے وقت نماز شروع کرنا مستحب ہے لیکن مکبر کی رعایت کرتے ہوئے اس کو ترک کیا جاتا ہے۔

(۲) وضو و غسل میں غرغرہ سنت ہے مگر پانی حلق میں اتر جانے کے خوف سے روزہ دار کے لئے غرغرہ ممنوع ہے ومن فروع ذلک المبالغة فى المضمضة والا ستنشاق مسنونة وتكره للصائم (الا شباه والنظائر ص ۱۱۵)

(۳) اسی طرح ڈاڑھی کے بالوں کا خلال سنت ہے مگر حالت احرام میں بال ٹوٹ جانے کے خوف سے خلال مکروہ ہے،وتخليل الشعر سنة فى الطهارة يكره للمحرم (ايضاً)

ملاحظہ ہو مذکورہ تمام جگہوں میں کسی عارض کی وجہ سے مستحب کو چھوڑ دیا جاتا ہے بالکل اسی طرح " حی علی الفلاح" کے وقت کھڑے ہونے کے ادب کو صفوں کی درستی کا لحاظ کرتے ہوئے ترک کرنا اولیٰ کہا جائے گا، جیسا کہ خطبہ کے وقت خطیب کی طرف منہ کر کے بیٹھنا مستحب ہے، لیکن صفوں کی درستی کا خیال کرتے ہوئے قبلہ رو بیٹھنے کو اختیار کیا گیا ہے۔

مجالس الابرار میں ہے:ويستحب للقوم ان يستقبلوا الا مام عند الخطبة لكن الرسم الا ن انهم يستقبلون القبلة للحرج فى تسوية الصفوف لكثرة الزحام(مجلس نمبر ۴۹،ص ۳۱۵) یعنی قوم (حاضرین) کے لئے مستحب ہے کہ خطبہ کے وقت خطیب کی طرف منہ کر کے بیٹھیں لیکن اس وقت طریقہ یہ ہے کہ قبلہ رو بیٹھتے ہیں کہ مجمع بڑا ہونے کی وجہ سے صفوں کی درستگی میں حرج ہوتا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صفوں کی درستگی کے تاکیدی حکم کا لحاظ کرتے ہوئے امام اور مقتدیوں کا اقامت شروع ہوتے ہی کھڑے ہوجانا مکروہ نہیں البتہ امام جس وقت سامنے موجود نہ ہو اس وقت مقتدیوں کے لئے حکم ہے کہ کھڑے نہ ہوں بلکہ بیٹھے رہیں، نیز ایسے وقت کھڑے ہونا مکروہ ہے (شامی وغیرہ)

علاوہ ازیں مستحب شئی کو حدود سے بڑھا دینا اور اسے ضروری سمجھنا، اقامت کے شروع میں کھڑے ہونے والے کو ملامت کرنا، اس کو بدعقیدہ گردانا، بیٹھنے پر جبر کرنا مسجد سے باہر نکال دینا یہ سب کیسے جائز ہوسکتا ہے، فالى الله المشتكى.فقط والله اعلم بالصواب.

فتاویٰ رحیمیہ میں منقول ایک عبارت کی تحقیق:

(سوال ۱۵۱) مخدومنا المکرّم حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو۔

حضرت والا کی کتاب ''فتاویٰ رحیمیہ'' سے خوب خوب فائدہ اٹھاتا ہوں، تفصیلی جواب لکھنے میں حضرت کی کتاب سے کافی مدد ملتی ہے، میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت کے سایہ کو تادیر قائم فرمائے پوری امت مسلمہ کی طرف بہترین بدلہ عطا فرمائے اور خاتمہ بالخیر نصیب فرمائے آمین۔

ایک اہم بات عرض ہے کہ فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۲۰ ج ۴ نیز ص ۲۱۰ ج ۸ (جدید ترتیب کے مطابق اس بارے میں اقامت کے لئے مقتدی کب کھڑے ہوں کے عنوان سے دیکھئے ازمرتب) پر فتح الباری ج ۲ ص ۹۹ کے حوالہ سے ایک عبارت لکھی ہے '' **فقد ثبت عن الصحابة انهم كانوا يقومون اذا شرع المؤذن فى الاقامة** '' یہ عبارت فتح الباری میں کافی تلاش کی گئی لیکن نہیں مل رہی ہے، آپ سے عرض ہے کہ آپ رہنمائی فرماویں اور باب کے حوالہ کے ساتھ یہ عبارت تحریر فرماویں اور جس صفحہ پر یہ عبارت ہو مع باب اس کا حوالہ تحریر فرماویں، دعاؤں میں یاد رکھیں فقط والسلام۔

(الجواب) حامداً ومصلياً ومسلماً. محترم ومكرم مولانا مفتى صاحب دام مجده السامى. السلام عليكم ورحمة الله وبركاته، مزاج گرامى.

عرض اینکہ آپ کا خط موصول ہوا، فتاویٰ رحیمیہ میں فتح الباری کے حوالہ سے جو عبارت لکھی گئی ہے سوء اتفاق سے تلاش کے باجود فتح الباری میں وہ عبارت نہیں ملی، جس کا بے حد قلق ہے مگر اس عبارت کا مفہوم بالکل صحیح ہے اور جو بات لکھی گئی ہے وہ غلط نہیں ہے۔ جواب مرتب کرنے کے وقت مختلف کتابیں سامنے ہوتی ہیں، حوالہ نقل کرنے میں ممکن ہے ناقل سے خلط ملط اور تسامح ہو گیا ہوگا۔

عبارت کا مفہوم الحمد للہ بالکل صحیح ہے اور یہ مفہوم مصنف عبدالرزاق کی روایت سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے، مصنف عبدالرزاق کی روایت خود صاحب فتح الباری علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی نقل فرمائی ہے، مصنف عبدالرزاق کے اس صفحہ کی زیروکس کاپی ارسال خدمت ہے۔ روایت ملاحظہ ہو (یہ روایت فتاویٰ رحیمیہ ۴/ ۱۰۶ میں بھی ہے۔)

۱۹۴۲. عبدالرزاق عن ابن جريج قال: اخبرنى ابن شهاب ان الناس كانوا ساعة يقول المؤذن الله اكبر، الله اكبر، يقيم الصلوٰة يقوم الناس الى الصلوٰة، فلا يأتى النبى صلى الله عليه وسلم مقامه حتىٰ يعدل الصفوف. (مصنف عبدالرزاق باب قيام الناس عند الاقامة ص ۵۰۷ ج ۱ فتح البارى ص ۱۰۰ ج ۲)

ترجمہ:۔ ابن شہاب سے مروی ہے کہ جس وقت مؤذن اللہ اکبر کہتا تھا، لوگ (صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین) نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور حضور ﷺ کے تشریف لانے تک صفیں درست ہو جاتی تھیں۔

اس روایت میں غور کیجئے! فتاویٰ رحیمیہ میں پیش کردہ عبارت کا مفہوم اس روایت سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عبارت کا مفہوم بالکل صحیح ہے ہاں حوالہ نقل کرنے میں تسامح ہوا ہے۔

اور یہ بات دیگر علمائے کرام نے بھی تحریر فرمائی ہے۔

(۱)..... حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا ایک رسالہ ہے جس کا نام ہے ''اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں'' یہ رسالہ جواہر الفقہ مطبوعہ عارف کمپنی دیو بند میں ص ۳۰۹ تا ص ۳۲۴ جلد اول میں چھپا ہوا ہے، پورا رسالہ قابل مطالعہ ہے، اس میں ایک جگہ حضرت مفتی صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے۔

''ان سب روایات حدیث کے مجموعہ سے ایک بات قدر مشترک کے طور پر ثابت ہوئی کہ جب آنحضرت ﷺ پہلے سے مسجد میں تشریف فرما ہوتے بلکہ گھر ہی سے تشریف لاتے تھے تو آپ کو دیکھتے ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت شروع کرتے اور سب صحابہ کرام شروع اقامت سے کھڑے ہو کر تعدیل صفوف کرتے تھے، آپ نے اس کو کبھی منع نہیں فرمایا الخ (جواہر الفقہ ۱/ ۳۱۵)

(۲) عمدۃ الفقہ میں ہے۔'' اسی طرح صفیں سیدھی کرنے کے لئے پہلے سے کھڑا ہو جانا زیادہ مناسب ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی اسی طرح منقول ہے۔'' (عمدۃ الفقہ ۲/۱۰۲، از مولانا سید زوار حسین صاحبؒ، مطبوعہ کراچی)

(۳) احسن الفتاویٰ میں ہے:

''جملہ احادیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ قیام امام سے قبل قیام ناس مکروہ تنزیہی ہے، بہتر یہ ہے کہ قیام امام کے بعد قیام کیا جائے اور قیام امام کا اعلام ابتدائے اقامت (لفظ اللہ اکبر) سے ہوتا ہے اس لئے مقتدی اللہ اکبر کا لفظ سنتے ہی قیام کریں، اسی پر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تعامل تھا.....الخ۔

(احسن الفتاویٰ ص ۲۵۰ باب الاذان والاقامۃ، کامل مبوب مع حوادث الفتاویٰ، ناشر قرآن محل، کراچی، بہت تفصیلی جواب ہے، پورا جواب قابل مطالعہ ہے۔ واللہ اعلم۔

باب الامامۃ والجماعۃ

کیا ''جمع بین الصلوٰتین بلا عذر جائز ہے:

(سوال ۱۵۲) فروری ۱۹۶۰ء میں شائع شدہ (گجراتی) ماہنامے کے ص ۱۲ پر حسب ذیل عبارت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک ساتھ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں، لہذا تفصیل سے جواب دیں، مذکورہ شمارہ کی عبارت یہ ہے ''ایک مرتبہ ابن عباسؓ نے عصر کے بعد ہمارے سامنے تقریر کی، یہاں تک کرتے رہے کہ آفتاب غروب ہو گیا اور ستارے نکل آئے لوگوں نے الصلوٰۃ الصلوٰۃ کی آواز بلند کرنا شروع کیا، ایک تمیمی نے مسلسل الصلوٰۃ کہنا شروع کیا، ابن عباسؓ غضبناک ہوکر بول اٹھے تو مجھے سنت کی تعلیم دیتا ہے، میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ ﷺ ظہر، عصر اور مغرب وعشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھتے تھے، عبداللہ بن شقیق کے دل میں یہ بات کھٹکتی رہی انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا تو ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ ہاں صحیح ہے'' اس سے عوام میں عملی اور اعتقادی خرابی پیدا ہونے کا احتمال ہے!

(الجواب) مغرب کی نماز جلد پڑھنا مسنون ہے اور بغیر عذر شرعی کے تاخیر کرنا ممنوع ومکروہ ہے، حضرت سلمہؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز اس وقت پڑھ لیتے تھے جب آفتاب غروب ہو جاتا تھا۔ عن سلمة رضی الله عنه قال كنا نصلی مع النبی صلی الله عليه وسلم المغرب اذا تورات بالحجاب (بخاری شريف پ ۳ ج ۱ ص ۷۹ باب وقت المغرب)

اور آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ مغرب کی نماز اس وقت پڑھو جب کہ روزہ دار کو افطار حلال ہو جائے اور ستارے نکلنے سے پہلے پڑھو'' وعنه (ابی ایوب رضی الله عنه) قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم صلوا المغرب حين افطر الصائم مبادرة طلوع النجم رواه ابن ابی شيبة (زجاجة المصابيح ج ۱ ص ۱۷۴ باب تاخير الصلوة وتعجيلها)

نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا میری امت ہمیشہ بھلائی پر رہے گی یا فرمایا کہ فطرت (طریقہ اسلام) پر رہے گی جب تک نماز مغرب میں ستاروں کے پھیل جانے تک تاخیر نہیں کرے گی۔ عن مرثد بن عبد الله قال لما قدم علينا ابو ايوب غازياً وعقبة بن عامر يومئذ على مصر فاخّر المغرب فقام اليه ابو ايوب فقال له ماهذه الصلوٰة ياعقبة قال شغلنا قال اما سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول لا تزال امتی بخير او قال على الفطر ما لم يؤخروا المغرب الی ان تشتبک النجوم (ابو داؤد شريف ج ۱ ص ۶۲)(مشكوٰة ص ۶۱)(زجاجة المصابيح ج ۱ ص ۱۷۳ ايضاً)

اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ ظہر، عصر، مغرب، اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھتے تھے. حضرت ابن عباسؓ کی روایت جو سوال میں نقل کی گئی ہے اگر اس کی کوئی تاویل اور توجیہ نہ کی جائے تو قرآن پاک کی آیات اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک

روایت کے خلاف ہے۔ ترمذی شریف میں ہے۔ **عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من جمع بین الصلوتین من غیر عذر فقداتی بابا من ابواب الکبائر** (ترجمہ) حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص بلا کسی عذر کے جمع بین الصلوتین کرے تو اس نے کبائر میں سے ایک کبیرہ کا ارتکاب کیا۔ (ترمذی شریف ج۱ ص۲۶ باب ماجآء فی الجمع بین الصلوتین)

پس اگر سوال میں نقل کردہ قصہ سند کے لحاظ سے صحیح مان لیا جائے تو بالا جماع متروک العمل ہے۔ قرآن پاک کی آیتیں اور احادیث ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) ارشاد باری تعالیٰ ہے **ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتبا موقوتاً** (سورۂ نساء ع ۱۶) ہندوستان کے مشہور عالم اور مترجمین قرآن شریف کے امام حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ نماز ہے مسلمانوں پر وقت باندھا حکم یعنی ایسا فرض ہے جس کے اوقات محدود ہیں ان اوقات سے اسے نکال دینا درست نہیں۔

(۲) دوسرے مواقع پر ارشاد ہے **حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطیٰ**. تمام نمازوں کی پوری محافظت کرو، ان کو ان کے اوقات میں ادا کرو (جلالین شریف) خصوصاً درمیانی نماز (عصر کی نماز) سورۂ بقرہ ع ۳۲۔

جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نہایت صحیح سندوں سے ثابت ہے کہ جب بھی آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھی اپنے وقت ہی میں پڑھی صرف دو نمازیں جو عرفات اور مزدلفہ میں (زمانہ حج میں) پڑھی جاتی ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں کہ عرفات میں ظہر اور عصر اور مزدلفہ میں مغرب اور عشاء ساتھ ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ **عن عبد اللہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الصلوٰۃ لو قتھا الا بجمع وعرفات** (نسائی شریف ج ۱ ص ۱۷۱ کتاب الحج باب الجمع بین الظھر والعصر بعرفۃ) **وفی الصحیحین عن ابن مسعود والذی لا الہ غیرہ ماصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ قط الا لوقتھا الا صلوتین جمع بین الظھر والعصر بعرفۃ وبین المغرب والعشاء بجمع** (ج ۱ ص ۳۵۵ کتاب الصلاۃ قبیل باب الاذان) (شرح نقایہ ج ۱ ص ۵۴۔ ۵۳)

ایک واقعہ غزوۂ خندق کا ہے کہ دشمن چڑھ آئے، حفاظت کے لئے خندق کھودی گئی تھی تیروں کی بارش برس رہی تھی جس کی وجہ سے حضور ﷺ ظہر، عصر، مغرب وعشاء کی نماز بروقت نہ پڑھ سکے، جس کا اتنا صدمہ ہوا کہ خلاف عادت آپ ﷺ نے دشمنوں کے حق میں بددعا کی کہ خداء پاک ان کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے۔ (بخاری شریف ج۱ ص۸۳ باب من صلی بالناس جماعۃ بعد ذھاب الوقت)

عن علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یوم الخندق حبسو نا عن الصلوٰۃ الوسطی صلوۃ العصر ملأ اللہ بیو تھم وقبورھم نارا متفق علیہ (مشکوٰۃ ص ۶۳ باب تعجیل الصلوٰۃ) **عن عبد اللہ بن مسعود قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسم فحبسنا صلوٰۃ الظھر والعصر والمغرب والعشاء فاشتد ذلک علی فقلت فی نفسی نحن مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی سبیل اللہ فامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالا قامۃ فصلی بنا الظھر الخ** (نسائی

شریف ج ا ص ۵۵ باب الاذان الاکتفآء بالا قامة لکل صلوٰة)

آنحضرت ﷺ کو جنگ احد میں کتنی ایذائیں پہنچیں مگر بددعا نہ کی لیکن غزوۂ خندق کے موقع پر نمازیں وقت پر ادا نہ کر سکے۔ حافظوا علی الصلوات. پر عمل نہ ہو سکا اللہ کے فرائض کی ادائیگی میں تاخیر ہوئی یہ نا قابل برداشت تکلیف تھی جس کی وجہ سے بددعا کی تو پھر یہ قول کہ آنحضرت ﷺ ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی نمازیں بلاعذر کے ایک ساتھ پڑھتے تھے یہ کیونکر قابل تسلیم ہو سکتا ہے؟

رحمۃ للعالمین ﷺ کا ارشاد ہے تلک صلوٰة المنافق یجلس یرقب الشمس حتی اذا اصفر وکانت بین قرنی الشیطان قام فنقرار بعاً لا یذکر اللہ فیھا الا قلیلا (مشکوٰة ص ۶۰) (ترجمہ) یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا رہے آفتاب کا انتظار کرتا رہے جب آفتاب زرد پڑ جائے اور شیطان کے دو سینگوں کے بیچ میں پہنچ جائے (غروب ہونے لگے) تو چار ٹھونگیں مار لے۔ نہ یاد کرے خدا کو مگر تھوڑا سا (برائے نام کچھ خدا کو یاد کر لے)

نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میرے بعد تم پر ایسے سردار بنیں گے کہ نمازوں میں تاخیر کریں گے تمہیں اپنی نمازوں کا ثواب ملتا ہے گا مگر ان سرداروں کے حق میں یہ وبال ہوں گی۔ عن قبیصة بن وقاص قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون علیکم امراء من بعدی یؤخرون الصلوٰة فھی لکم وھی علیھم فصلوا معھم ماصلوا القبلة .رواہ ابو داؤد(مشکوٰة ص ۶۲ باب تعجیل الصلوٰة الفصل الثالث)

غور فرمائیے وقت مسنون سے ہٹی ہوئی نماز کو آنحضرت ﷺ منافق کی نماز فرما رہے ہیں تاخیر کرنے والے امراء اور سرداروں کو وبال کی خبر دے رہے ہیں تو ان کا کیا حکم ہوگا جو پورا وقت ختم کر کے قضا کر دیں۔ اس کے علاوہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت پہلے گذر چکی ہے جس میں بلا عذر جمع بین الصلوٰتین کو کبیرہ کا ایک باب فرمایا گیا ہے ایسے ہی سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ایک فرمان حضرت امام محمدؒ نے موطا میں نقل کیا ہے۔ انہ کتب فی الآفاق ینھا ھم ان یجمعوا بین الصلوتین ویخبر ھم ان الجمع بین الصلوتین فی وقت واحد کبیرة من الکبائر (جمع بین الصلاتین فی السفر والمطر ص ۱۰۳) (ترجمہ) حضرت عمر بن الخطابؓ نے تمام اطراف میں (صوبوں میں) فرمان بھیج کر جمع بین الصلوٰتین سے ممانعت کر دی تھی اس فرمان میں یہ بھی خبر دے دی تھی کہ ایک وقت میں دو نمازوں کا جمع کرنا کبائر میں سے ایک کبیرہ ہے۔

اس فرمان میں اگرچہ آنحضرت ﷺ کا ذکر مبارک نہیں ہے مگر خبر دینے کا مطلب یہی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے لسان نبوت سے یہ سنا تھا اس کی خبر دی تھی۔ بہر حال جمع تاخیر یعنی یہ صورت کہ بلا کسی عذر کے ظہر کی نماز ٹلا دیں اور عصر کے وقت ظہر کی قضا اور عصر کی ادا پڑھیں بلا عذر یہ ناجائز ہے ایسے ہی حج کے موقعہ پر یوم عرفہ (۹ ذی الحجہ) کے علاوہ باقی تمام سال میں عصر کی نماز کو مقدم کر کے ظہر کے وقت میں پڑھنا یہ بھی ناجائز ہے۔ اس کو جمع تقدیم کہتے ہیں البتہ ایک اور شکل ہے جس کو جمع صوری یا جمع فعلی کہا جاتا ہے اور جن احادیث اور روایات میں جمع کا تذکرہ آیا ہے اس سے یہی جمع مراد ہے یعنی ظہر کو موخر کر کے آخر وقت میں پڑھیں اور فوراً ہی عصر کا وقت ہو جائے تو عصر کی نماز پڑھ لیں۔ مثلاً سفر میں یہ مشکل ہے کہ ظہر کی نماز مستحب وقت پر پڑھیں تو شریعت نے یہ سہولت دی ہے کہ سفر جاری رکھیں اور ظہر کا وقت ختم ہونے لگے تو منزل کر کے ظہر کی نماز پڑھ لیں۔ پھر عصر کا وقت ہو جائے تو فوراً ہی عصر بھی پڑھ

لیں ،ایسے ہی مغرب کو آخر وقت میں اور عشاء کو اول وقت میں پڑھ لیں ۔(اس کے علاوہ دوسری نمازوں کو مثلاً عصر کو مغرب کے ساتھ اور عشاء کو فجر کے ساتھ اور فجر کو ظہر کے ساتھ جمع کر کے پڑھنے کی اجازت نہیں ہے) الغرض حنفی مذہب میں فقط حج کے موسم میں بعض شرائط کے ساتھ عرفات میں ظہر وعصر اور مزدلفہ میں مغرب وعشاء جمع کر کے (ایک ساتھ) پڑھنے کا (بطور جمع حقیقی) حکم ہے، اس کے علاوہ دو فرض نمازوں کو ایک ہی وقت میں بطور جمع حقیقی یا بطور جمع تقدیم پڑھنا جائز نہیں ہے ''درمختار'' میں ہے ۔**ولا جمع بین فرضین فی وقت بعذر سفر ومطر** (سفر اور بارش کے عذر کی وجہ سے (بھی) دو فرض نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا جائز نہیں ہے) (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۳۵۴ کتاب الصلاۃ قبیل باب الاذان)

جمع صوری (جو مسلک احناف ہے) اس کی تائید متعدد احادیث سے ہوتی ہے ۔مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اہلیہ محترمہ صفیہ کے شدت مرض کی اطلاع دی گئی وہ روانہ ہوئے، مغرب کا وقت ہوا، ان کے فرزند رشید سالم رضی اللہ عنہ نے کہا الصلوٰۃ ۔نماز پڑھ لیجئے ۔حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا چلتے رہو ۔حضرت سالم کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر بعد پھر میں نے کہا نماز پڑھ لیجئے ۔پھر یہی جواب دیا یہاں تک کہ ہم نے دو تین میل طے کر لئے تب حضرت ابن عمر نے منزل کی ۔مغرب کی نماز پڑھی ۔پھر فرمایا میں نے آنحضرت ﷺ کو ایسا ہی دیکھا ہے ۔جب سفر میں جلدی ہوتی تھی تو آپ اندھیرا ہو جانے پر مغرب کی تین رکعتیں پڑھتے تھے، پھر کچھ دیر توقف فرماتے تھے، پھر عشاء کی دو رکعتیں پڑھتے تھے ۔**بخاری شریف باب یصلی المغرب ثلثا فی السفر ص ۱۴۸ وبمثلہ عن نافع ابو داؤد شریف ص ۱۷۷ و ص ۱۷۸ ونسائی شریف ج ۱ ص ۱۵۲ .**

ایسے ہی حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ وہ جب سفر میں دو نمازیں ایک ساتھ پڑھنا چاہتے تو ظہر کو اخیر وقت تک مؤخر کرتے اور عصر کو اول وقت میں پڑھ لیتے اور مغرب کو اخیر وقت تک مؤخر کر کے پڑھتے اور عشاء اول وقت میں ادا فرماتے اور فرماتے کہ آنحضرت ﷺ سفر میں اسی طرح جمع بین الصلوتین کیا کرتے تھے ۔**وعن انس انہ کان اذا اراد ان یجمع بین الصلوتین فی السفر اخر الظھر الی اخر وقتھا وصلاھا وصلی العصر فی اول وقتھا ویصلی المغرب فی اخر وقتھا ویصلی العشاء فی اول وقتھا یقول ھکذا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجمع بین الصلوتین فی السفر (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۰۶ باب الجمع بین الصلاتین فی السفر)**

سیدنا حضرت علیؓ سے بھی یہی روایت ہے کہ سفر میں غروب آفتاب کے بعد بھی چلتے رہتے یہاں تک کہ اندھیرا چھانے لگتا تب سواری سے اترتے اور مغرب پڑھتے پھر کھانا منگواتے کھانا کھاتے (اتنی دیر میں لامحالہ عشاء کا وقت ہو جاتا) پھر عشاء پڑھتے اور سفر شروع کرتے ۔اور فرماتے آنحضرت ﷺ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے ۔**قال ابن المثنی قال اخبرنی عبد اللہ بن محمد بن عمر بن علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب عن ابیہ عن جدہ ان علیا کان اذا سافر صار بعد ما تغرب الشمس حتیٰ تکاد ان تظلم ثم ینزل فیصلی المغرب ثم یدعو بعشائہ فیتعشی ثم یصلی العشاء ثم یرتحل ویقول ھکذا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنع (ابو داؤد ج ۱ ص ۱۸۱ باب متی یتیم المسافر)**

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے سفر میں ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ ظہر اور عصر کی نمازوں کو اس طرح جمع کیا کرتے تھے کہ ظہر کو ظہر کے آخر وقت میں پڑھتے اور عصر کو عصر کے اول وقت میں اور سفر شروع کر دیتے پھر مغرب کو مغرب کے آخر وقت میں ایسے وقت پڑھتے کہ شفق غائب نہ ہوا ہوتا۔ یعنی غروب آفتاب کے بعد مغرب کی جانب جو روشنی باقی رہتی ہے ابھی وہ ختم نہ ہوئی ہوتی تو مغرب کی نماز پڑھتے اور جیسے ہی وہ روشنی غائب ہو جاتی تو عشاء کی اول وقت میں عشاء پڑھ لیتے۔ **وعن معاذ بن جبل قال خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوه تبوک فجعل يجمع بين الظهر والعصر يصلي الظهر في اخرو قتها ويصلي العصر في اول وقتها ثم يسيرويصلي المغرب في اخر وقتها مالم يغب الشفق ويصلي العشاء في اول وقتها حين يغيب الشفق الخ(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۰۶ باب الجمع بين الصلاتين في السفر)**

یہی مطلب ہے حضرت ابن عباسؓ کی روایت کا جو نسائی شریف میں ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ مدینہ طیبہ میں آٹھ رکعت ایک ساتھ (ظہر، عصر) اور سات رکعات ایک ساتھ (مغرب عشاء) اس طرح پڑھی کہ ظہر کو تاخیر سے اور عصر کو تعجیل سے نیز مغرب کو تاخیر سے اور عشاء کو تعجیل سے پڑھا۔ **عن بن عباس قال صليت مع النبي صلى الله عليه وسلم بالمدينة ثما نياً جميعاً وسبعاً جميعاً آخر الظهر وعجل العصر وآخر المغرب وعجل العشاء(نسائي شريف ج ۱ ص ۵۳ باب الوقت الذى يجمع فيه المقيم)**

ان تمام روایات سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ جمع حقیقی یا جمع تقدیم نہیں بلکہ جمع صوری کیا کرتے تھے۔ پھر جو روایتیں اس کے خلاف معلوم ہوں ان کی یہی تاویل کرنی ضروری ہے تاکہ قرآن پاک کی آیات اور احادیث صحیحہ سے مطابقت ہو جائے اور اختلاف کی شکل باقی نہ رہے علامہ قاضی شوکانی تحریر فرماتے ہیں۔ **فوجب المصير الیٰ ذلک** (جمع صوری کی طرف رجوع واجب ہے کہ دلیل سے یہی ثابت ہوتا ہے) (نیل الاوطار ج ۳ ص ۹۳)

امامت کے لئے احق کون

(سوال ۱۵۳) امامت کے لئے احق کون ہے؟ سید جاہل اور بے عمل ہو اور غیر سید عالم دین اور باعمل ہو تو ان دونوں میں امامت کا کون زیادہ حق دار ہے؟

(الجواب) امام عاقل، بالغ، صحیح العقیدہ، نماز سے متعلق احکام و مسائل سے واقف صحیح طریقہ سے پڑھنے والا، دیندار ہونا چاہئے، حدیث شریف میں ہے کہ اگر تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہاری نماز درجہ مقبولیت کو پہنچے تو تم میں جو بہتر اور نیک ہو وہ تمہاری امامت کرے کہ وہ تمہارے اور تمہارے پروردگار کے مابین قاصد ہے۔ **ان سر کم ان تقبل صلوتكم فليؤمكم علمائكم فانهم وفد كم فيما بينكم وبين ربكم رواه الطبراني وفي رواية الحاكم فليؤمكم خياركم وسكت عنه (شرح نقايه ج ۱ ص ۸۶ كتاب الصلوٰة فصل اول باب الامامة)** دوسری حدیث میں ہے کہ تم میں جو سب سے بہتر ہو اس کو اپنا امام بناؤ کیونکہ وہ تمہارے

پروردگار کے درمیان ایلچی ہے۔(حوالہ مذکورہ)

فقہ کی مشہور کتاب نورالایضاح میں ہے۔ **فالا علم احق بالأ مامة ثم الا قرأ ثم الا ورع ثم الا سن ثم الا حسن خلقا ثم الا حسن وجها ثم الا شرف نسباً ثم ا لاحسن صوتاً ثم الانظف ثوبا**(ص ۸۳. ۸۲ **باب الامامة فصل فی الاحق بالامامة**) (امامت کا زیادہ حق دار وہ ہے جو دین کی امور کا زیادہ جاننے والا (خصوصاً نماز سے متعلق مسائل سے سب سے زیادہ واقف) ہو، پھر وہ جو تجوید سے پڑھنے میں زیادہ ماہر ہو، پھر جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو، پھر وہ جو عمر میں بڑا ہو، پھر وہ جو اچھے اخلاق والا ہو، پھر وہ جو خوبصورت باوجاہت ہو پھر وہ جو نسباً زیادہ شریف ہو پھر وہ جس کی آواز اچھی ہو، پھر وہ جو زیادہ پاکیزہ کپڑے پہنتا ہو")۔

الغرض جو شخص اس ترتیب کے بموجب ان اوصاف میں بڑھا ہوا ہوگا وہ دوسرے کے مقابلہ میں امامت کا زیادہ حق دار ہوگا اعلیٰ اور مستحق کو چھوڑ کر ادنیٰ کو امام بنانا غلط ہے۔ حدیث میں ہے **اذا أم الرجل القوم وفیهم من هو خیر منه لم یزالوا فی سفال** (فتاوی ابن تیمیہ ج ۱ ص ۱۰۸) جب قوم کی امامت ایسا شخص کرے کہ اس کے پیچھے بہتر شخص موجود ہے تو وہ قوم ہمیشہ پستی میں رہے گی (کہ قابل قدر کی قدر نہیں کر رہی)۔

دوسری ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی جماعت میں کسی کام کی ذمہ داری کسی شخص کے سپرد کر دے اور اس جماعت میں ایسا شخص موجود ہو جو اس سے زیادہ اللہ کی رضامندی حاصل کرنے والا اور اللہ کے احکام کی زیادہ تعمیل کرنے والا ہے تو اس نے (اس غلط انتخاب سے) اللہ سے خیانت کی رسول خدا ﷺ سے خیانت کی نیز تمام مسلمانوں سے خیانت کی **من قلدر جلا علی عصا بة وهویجد فی تلک العصابة من هو ارضی لله فقد خان الله وخان رسوله وخان المؤمنین**(فتاوی ابن تیمیہ ج ۱ ص ۱۰۸) جو سید مسائل نماز سے واقف نہ ہو قرآن شریف بھی صحیح نہ پڑھتا ہو۔ وہ عالم قاری دیندار غیر سید کے مقابلہ میں امامت کا حق دار نہیں ہے۔ سید السادات آقاء دوجہان ﷺ کا ارشاد ہے۔ **من بطأ به عمله لم یسرع به نسبه** (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۱۵۷) جس کا عمل اس کو پیچھے ڈال دے اس کا نسب اس کو آگے نہیں بڑھا سکتا۔ ہاں علم و عمل کے ساتھ شرافت نسبی بھی ہو تو نور علیٰ نور۔ سونے پر سہاگہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چند روز بعد فرض لوٹانے پڑے تو جماعت سے پڑھے یا بغیر جماعت کے؟ اور کیا جماعت کا ثواب ملے گا

(سوال ۱۵۴) بعض آدمیوں نے نماز فجر ایک امام کے پیچھے ادا کی اس کے بعد نماز ظہر میں یا دوسرے دن کسی نماز کے وقت اس امام نے اعلان کیا کہ جس نے بھی میرے پیچھے فلاں دن کی فجر کی نماز پڑھی ہو وہ اپنی نماز قضا کر لے، اس لئے کہ شرعی عذر کی وجہ سے اس نماز میں پاکی کی حالت میں نہیں تھا، تو اس فجر کی قضا جماعت سے ادا کی جائے یا الگ الگ پڑھ لی جائے؟ اور اگر الگ الگ پڑھی گئی تو جس جماعت سے اولاً پڑھی تھی اور نماز نہ ہوئی تھی اس جماعت کا اجر ملے گا یا نہیں؟

(الجواب) اگر اس وقت امام کو یاد آ جاتا تو عذر دور کرنے کے بعد اسی جگہ اذان واقامت کے بغیر جماعت سے

نماز ادا کر لی جاتی ، بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نماز کے لئے تکبیر کہی گئی صفیں ٹھیک کر لی گئیں ۔آنحضرت ﷺ (حجرۂ مبارکہ سے) باہر تشریف لائے ۔جب آپ مصلے پر تشریف فرما ہوئے تو یاد آیا کہ آپ کو جنابت ہوگئی تھی ۔ہم سے فرمایا ۔اپنی جگہ پر قائم رہو (ابوداؤد شریف کی روایت کے الفاظ ہیں کہ شروع کر دینے کے بعد یاد آیا) پھر آپ واپس تشریف لے گئے ۔غسل کیا ۔پھر ابھی سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا کہ تشریف لا کر تکبیر تحریمہ کہی اور ہم نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی ۔**عن ابی هريرة قال اقيمت الصلوٰة وعدلت الصفوف قياماً فخرج الينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما قام ومصلاه ذكر انه جنب فقال لنا مكانكم ثم رجع فاغتسل ثم خرج الينا ورأسه يقطر فكبر فصلينا معه (بخاری شريف پ ۲ ج ۱ ص ۱ ۴باب اذا ذكر في المسجد أنه جنب خرج كما هو ولا يتيمم)(وفي رواية ابي داؤد قال فكبر ثم او ماء الى القوم ان اجلسوا فذهب فاغتسل (ابو داؤد ج ۱ ص ۳۵باب في الجنب يصلي بالقوم وهو ناس)**

لیکن نماز کا وقت ختم ہو جانے اور نمازیوں کے منتشر ہو جانے کے بعد یاد آئے تو تمام نمازیوں کو جمع کر کے جماعت سے نماز قضا کرنے کا اہتمام ضروری نہیں ہے ،جس کو جب یاد آئے اور خبر ہو اسی وقت (اگر وقت مکروہ نہ ہو تو) نماز قضاء کر لے ،ایسا ایک واقعہ حضرت علیؓ کے زمانے میں وقوع پذیر ہوا تھا "مراقی الفلاح" میں ہے ۔ **وعلى رضى الله عنه صلى بالناس ثم تبين له انه كان محدثا فاعاد وامرهم ان يعيدوا (ص ۵۷)** حضرت علیؓ نے لوگوں کو نماز پڑھائی پھر آپ کو معلوم ہوا کہ آپ محدث تھے (وضو نہیں تھا) تو آپ نے نماز دہرائی اور لوگوں کو حکم دیا کہ نماز دہرالیں (ص ۵۷ کتاب الطہارۃ)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے ایک جماعت نے اپنے وقت پر مسجد میں نماز جماعت سے پڑھی پھر وقت ہی میں معلوم ہو گیا کہ نماز فاسد ہوئی ہے تو اسی وقت اسی مسجد میں جماعت سے نماز پڑھ لیں ۔اذان اور اقامت نہ لوٹائیں اور اگر وقت کے بعد پڑھیں تو اس مسجد میں نہیں کسی دوسری جگہ بغیر اذان اور تکبیر کے پڑھیں ۔ **قوم ذكروا فساد صلوٰة صلوها في المسجد في الوقت قضوها بجماعة فيه ولا يعيدون الاذان ولا الاقامة وان قضوها بعد الوقت قضوها في غير ذلك المسجد بلا اذان واقامة (فتاوىٰ عالمگيری ج ۱ ص ۵۵ الباب الثانی فی الاذان الفصل الاول فی صفته واحوال المؤذن)**

صورت مسئولہ میں از روئے حدیث نمازی جماعت کے ثواب سے محروم نہیں رہیں گے ۔حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اچھی طرح وضو کر کے مسجد میں گیا مگر جماعت نہیں ملی تو خداء پاک اسے جماعت سے نماز پڑھنے والے کے برابر ثواب عنایت فرمائیں گے اور جماعت والوں کے ثواب میں کوئی کمی (کٹوتی) نہیں ہوگی ۔ **عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من توضأ فاحسن وضوءه ثم راح فوجد الناس قد صلوا اعطاه الله مثل اجر من صلاها وحضرها لاينقص ذلك من اجورهم شيئاً رواه ابو داؤد والنسائی(مشكوٰة شريف ص ۱۰۲ باب ماعلى الماموم من المتابعة وحكم المسبوق)**

نور الایضاح میں ہے ۔ اذا انقطع عن الجماعة لعذر من اعذارها المبيحة للتخلف يحصل

له ثوابها(ص ۸۲ باب الا مامة) عذر کی وجہ سے جماعت میں شریک نہ ہو سکا تو اس کو جماعت کا ثواب ملے گا۔

امام کے لئے امامت کی نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۵۵) امام کے لئے امامت کی یعنی اپنے امام ہونے کی نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

(الجواب) امام کے لئے امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے، ہاں! مقتدی کے لئے ضروری ہے کہ امام کی اقتداء کی نیت کرے (قوله وینوی المقتدی) اما الا مام فلا یحتاج الی نیةالا مام (شامی ج ا ص ۳۹۰ صفة الصلاة)

حنفی امام شافعی مقتدیوں کی کس طرح امامت کرے:

(سوال ۱۵۶) میں حنفی المذہب ہوں، شافعی المذہب کے مکتب میں پڑھاتا ہوں کبھی کبھی جہری نماز پڑھاتا ہوں تو اگر میں شافعی المذہب مقتدیوں کا لحاظ کرکے سورۂ فاتحہ کے بعد اتنی دیر خاموش رہوں جتنی دیر میں وہ لوگ جلدی سے سورہ فاتحہ پڑھ لیں، پھر دوسری سورت شروع کروں تو اس میں کوئی حرج ہے؟

(الجواب) حنفی امام کے لئے اس طرح (سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملانے میں) تاخیر جائز نہیں ہے، ممنوع ہے، نماز ناقص اور واجب الاعادہ ہوگی یعنی دوبارہ پڑھنی پڑے گی، سجدۂ سہو بھی کافی نہ ہوگا اس لئے کہ صورت مسئولہ میں قصداً تاخیر کی گئی ہے، یہ سہو نہیں ہے کیونکہ جان بوجھ کر کیا ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

امام کس طرح نیت کرے:

(سوال ۱۵۷) امام صاحب جب نماز کے لئے کھڑے ہوں تو کس طرح نیت کریں؟

(الجواب) اس طرح نیت کریں (۱) میں خالص خدا کے لئے نماز پڑھتا ہوں (۲) فرض نماز پڑھتا ہوں (واجب وغیرہ ہو تو اس کا خیال کرے (۳) جس وقت کی نماز ہو (ظہر یا عصر) اس کا تصور کرے۔ و کفی مطلق نیة الصلوٰة لنفل وسنةوتراویح ولا بد من التعیین عند النیة الفرض ولو قضاءً وواجب دون عدد رکعاته وینوی المقتدی المتابعة(تنویر الا بصار)

امام کو امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ تنہا نماز پڑھنے والے کے پیچھے کوئی نیت باندھ لے تو اس کی امامت اور اس کی اقتداء صحیح ہے لیکن جب کوئی شخص پیچھے نیت باندھ رہا ہے تو اس کو امامت کی نیت کر لینی چاہئے تاکہ امامت کا ثواب مل جائے۔ ہاں! مقتدی کے لئے اقتدا کی نیت کرنا ضروری ہے۔ والا مام ینوی صلوته فقط ولا یشترط لصحة الا قتداء نیة امامة المقتدی بل لنیل الثواب عند اقتداء احد به لا قبله(درمختار مع شامی ج ا ص ۳۹۴ باب شروط الصلاة) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) فلا سجود فی العمد قیل الا اربع ترک قعدة الا ولی وصلاته فیه علی النبی صلی اللہ علیه وسلم وتفکره عمداً حتی شغله عن رکن، درمختار علی هامش شامی سجود السهو ج ۲ ص ۸۰.

حنفی مقتدی عید کی نماز شافعی کے پیچھے کیونکر پڑھے:

(سوال ۱۵۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حنفی مقتدی شافعی امام کے پیچھے عید کی نماز پڑھتا ہے، امام اپنے مذہب کے مطابق رکعت اولیٰ میں سات اور رکعت ثانیہ میں پانچ تکبیریں پڑھتا ہے، حالانکہ حنفی مذہب میں دونوں رکعتوں کی مل کر کل چھ تکبیریں ہیں تو ایسی صورت میں حنفی مقتدی، شافعی مذہب کے مطابق بارہ تکبیریں کہے یا تین تین تکبیریں پڑھ کر خاموش رہے؟

(الجواب) حنفی مقتدی، شافعی امام کے پیچھے نماز عید ادا کرے تو اسے تکبیرات عید میں شافعی امام کی اقتداء کرنی چاہئے۔ **ولو زاد تابعه الی ستةعشر لانه ماثور (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۸۰۷ مطلب تحت طاعة الا مام فیما لیس معصیة) فقط و الله اعلم بالصواب.**

ذاتی مخالفت کی بنا پر صالح امام کی علیحدگی:

(سوال ۱۵۹) امام عالم باعمل اور متبع سنت ہے مگر بعض مصلی ذاتی عداوت اور اختلافات کی وجہ سے مخالفت کرتے ہیں اور امام کو معزول کرنے کی کوشش میں ہیں تو متولی کے لئے ان لوگوں کی فریاد پر امام کو معزول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب امام خطا کار نہیں تو مخالفین کی شکایت پر امام کو معزول کرنا جائز نہیں ہے، ذاتی عداوت اور اختلاف کی وجہ سے امام کو الگ کرنے والے خود ظالم و مجرم ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

امام ظہر کی سنتیں پڑھے بغیر فرض پڑھا سکتا ہے:

(سوال ۱۶۰) امام صاحب ظہر میں دیر سے آئے، جماعت کا وقت ہو گیا، چار رکعت سنت پڑھ کر نماز پڑھاتے ہیں تو لوگ کڑھن محسوس کرتے ہیں، انتظار نہیں کرنا چاہتے، تو امام صاحب فرض سے پہلے کی سنتیں پڑھے بغیر نماز پڑھائیں تو جائز ہے، یا نماز مکروہ ہوگی؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں امام سنتیں پڑھے بغیر فرض نماز پڑھا سکتا ہے، نماز مکروہ نہ ہوگی، فرض کے بعد دو رکعت سنت پڑھ کر فوت شدہ سنتیں پڑھ لی جائیں، حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ اگر ظہر سے پہلے چار سنتیں نہیں پڑھ سکتے تھے تو بعد میں پڑھ لیا کرتے تھے (اور ظاہر ہے آنحضرت ﷺ ہی امام ہوا کرتے تھے) **عن عائشة ان النبی صلی الله علیه وسلم کان اذا لم یصل اربعا قبل الظهر صلاهن بعدها (ترمذی ج ۱ ص ۵۷ باب ماجآء فی الرکعتین قبل الظهر ورکعتین بعدها) فقط و الله اعلم بالصواب.**

مرد عورت کے ساتھ جماعت کر سکتا ہے یا نہیں:

(سوال ۱۶۱) جماعت فوت ہونے پر مکان پر عورت کی ساتھ جماعت سے نماز پڑھے تو صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) ہاں عورت کے ساتھ جماعت کر سکتے ہیں مگر عورت مرد کے ساتھ کھڑی نہ رہے پیچھے رہے اگر عورت مرد کے ساتھ کھڑی رہے گی تو دونوں کی نماز نہ ہوگی۔ شامی میں ہے۔ المرأة اذا صلت مع زوجها فی بیتها فی البیت ان کان قدمها بحذاء قدم الزوج لا تجوز بالجماعة (ج ۱ ص ۵۳۵ باب الامامة) فقط و الله اعلم بالصواب.

نماز باجماعت پڑھنے میں عذر پیش آتا ہے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۱۶۲) ایک آدمی وضو کر کے فوراً نماز مکان میں پڑھے تو عذر پیش نہیں ہوتا اور وضو کر کے مسجد جا کر باجماعت نماز پڑھے تو عذر پیش آتا ہے، یعنی وضو ٹوٹ جاتا ہے تو ایسی صورت میں باجماعت نماز پڑھنا ضروری ہے یا گھر میں پڑھے؟

(الجواب) مذکورہ صورت میں نماز گھر میں پڑھے (نفع المفتی والسائل ص ۹۴) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فتاویٰ رحیمیہ گجراتی کے ایک جواب کے متعلق سوال اور اس کا توضیحی جواب

(سوال ۱۶۳) ذیل کے مسئلہ کا جواب بحوالہ کتب متندبہ تفصیل بیان فرمائیں۔ فتاویٰ رحیمیہ گجراتی (ج ۱ ص ۸۶ فتویٰ نمبر ۵۶) کے تحت سوال کا جو جواب ہے وہ دوسری کتاب کے جواب سے متعارض ہے اس میں صحیح کون سا اور غلط کون سا؟ دونوں کتابوں کے سوال جواب ذیل میں تحریر ہیں فتاویٰ رحیمیہ کے سوال و جواب!

(سوال ۱۶۴) امام سے سہواً واجب چھوٹ گیا اور سجدہ سہو بھی نہیں کیا۔ جس کی بنا پر نماز کا اعادہ کیا تو جو نمازی پہلی جماعت میں شریک نہ تھا وہ اس جماعت میں شامل ہو جائے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) نماز صحیح نہیں پھر پڑھنی ہوگی کہ امام کی یہ دوسری نماز مستقل نماز نہیں تکمیل صلوٰۃ کے لئے ہے۔ لہذا مستقل فرض پڑھنے والے) کی اقتداء ایسے امام کے پیچھے صحیح نہیں۔

دوسری کتاب میں ہے کہ۔

(سوال ۱۶۵) امام سے واجب سہواً فوت ہو گیا۔ پھر سجدۂ سہو بھی بھول سے چھوٹ گیا سلام کے بعد نماز کا اعادہ کرتے وقت ایک آدمی جو شریک جماعت نہ تھا وہ شامل ہو گیا تو اس کی فرض نماز ادا ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) فقہ کی کتاب درمختار سے معلوم ہوتا ہے کہ آنے والے کی فرض نماز ادا ہوگئی۔ یہ دونوں مسئلے ایک ہی ہیں مگر جواب میں تعارض ہے۔ اب کس پر عمل کیا جائے، رہبری فرمائیں۔

(الجواب) الحمد للہ فتاویٰ رحیمیہ کا جواب صحیح اور مختار قول کے مطابق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو نماز پہلے پڑھی تھی وہ بیکار نہیں گئی۔ وہ اس درجہ میں قائم رہی کہ فرض ساقط ہو گیا کیونکہ اس نماز کے سارے ارکان ادا ہو گئے۔ صرف ایک واجب رہ گیا تھا اس کے فوت ہونے سے نماز میں جو کمی رہی ہے اس کی تکمیل کے لئے اعادہ کا حکم ہے یہ اعادہ کردہ نماز بمنزلۂ سجدۂ سہو ہے جس طرح سجدۂ سہو سے کمی و نقص دور ہوتا ہے اسی طرح نماز کے اعادہ سے بھی نماز کی تکمیل ہوتی ہے یہ (اعادہ کردہ) نماز اصل اور مستقبل فرض نماز نہیں ہے۔ لہذا جو شخص پہلی نماز یعنی جماعت اول میں شامل نہ ہو وہ اگر اس دوسری میں شریک ہوگا تو اس کا فرض رہ جائے گا یعنی اس کی اصل نماز ادا نہ ہوگی۔ والمختار ان

المعادة لترک الواجب نفل جابر والفرض سقط بالا ولیٰ (طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ص ۱۴۴ باب الامامة) ہاں البتہ اگر نماز میں کوئی فرض چھوٹ جائے تو نماز فاسد اور باطل ہوتی ہے سجدۂ سہو سے اس کی اصلاح نہیں ہوتی اس کو از سر نو پڑھنا پڑتا ہے اور یہ دوسری نماز بھی فرض اور اصل و مستقل ہی ہوتی ہے لہذا اس میں وہ بھی شامل ہوسکتا ہے جس نے پہلی نماز نہ پڑھی ہو اور اپنا اصل فرض پڑھ رہا ہو (باب صفة الصلاة درمختار مع الشامی ج ا ص ۴۲۶)(فتح القدیر ج ا ص ۲۹۲)(الدر المنتقیٰ شرح الملتقیٰ ج ا ص ۸۸) و الله تعالی اعلم بالصواب.

امام نے لفظ ''السلام'' کہا اور اس کی اقتدا کی تو وہ صحیح ہے؟:

(سوال ۱۶۶) امام نے نماز ختم کی پہلا سلام پھیرتے ہوئے ابھی ''السلام'' کا لفظ بولا ''علیکم'' نہیں بولا اور کسی نے اقتداء کی اس کی یہ اقتداء صحیح ہوئی یا نہیں؟

(الجواب) مذکورہ بالا اقتداء معتبر نہیں ہے، دوبارہ تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرے، قال فی التجنیس الا مام اذا فرغ من صلوته فلما قال السلام جاء رجل واقتدی به قبل ان یقول علیکم لا یصیر داخلافی الصلوٰة لان هذا سلام (شامی ج ا ص ۲۳۶) فقط. و الله اعلم بالصواب.

اسلام میں جماعت کی اہمیت:

(سوال ۱۶۷) باجماعت نماز کا کیا حکم ہے؟ اکثریت نماز سے غافل ہے۔ جو پڑھتے ہیں وہ جماعت کا اہتمام نہیں کرتے اکثر گھروں میں پڑھ لیتے ہیں، جماعت کی پابندی اور مسجد کی حاضری کو خاص اہمیت نہیں دیتے، اس کے متعلق قرآن و حدیث اور کتب معتبرہ فقہیہ کے حوالوں سے تفصیل کریں۔

(الجواب) شریعت میں باجماعت نماز ادا کرنے کی بڑی فضیلت اور بڑی سخت تاکید آئی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ وارکعوا مع الراکعین. (سورۂ بقرہ پ۱ ع۵) نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو (یعنی جماعت سے نماز ادا کرو) ای صلوا مع المصلین (جلالین پ۷)(تفسیر کبیر ج ا ص ۴۹۴) ای فی جماعتهم (بیضاوی ج ا ص ۱۷) وصلوها مع المصلین لا منفردین (تفسیر کشاف ج ا ص ۵۳)(تفسیر مدارک ج ا ص ۱۱۲) ای صلوا بالجماعة (تفسیر مهائمی ج ا ص ۴۲)

اور فرمان نبوی ﷺ ہے۔ صلوة الجماعة تفضل صلوة الفذ بسبع وعشرین درجة. (ترجمہ) جماعت کی نماز اکیلے کی نماز سے ستائیس درجہ بڑھ جاتی ہے اور افضل ہوجاتی ہے. (صحیح البخاری ج ا ص ۸۹ پ۳ باب فضل صلوة الجماعة)(صحیح المسلم ج ا ص ۱۳۱)(جامع ترمذی ج ا ص ۳۰) خاتم الانبیاء رحمۃ للعالمین ﷺ کا ارشاد ہے۔ ان صلوٰة الرجل مع الرجل از کی من صلوته وحده وصلوته مع الرجلین از کی من صلوته مع الرجل وما کثر فهو احب الی الله عزو جل (ترجمہ) اکیلے نماز پڑھنے سے ایک کے ساتھ مل کر پڑھنا بہتر ہے اور دو کے ساتھ اس سے زیادہ افضل ہے اور جتنی

زیادتی ہوتی رہے وہ اللہ کے یہاں زیادہ محبوب ہے۔ (ابوداؤد شریف باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ ج ۱ ص ۸۹)

اور فرمان نبوی ہے۔ من شهد العشاء في جماعة كان له كقيام نصف ليلة ومن صلى العشاء والفجر في جماعة كان له كقيام ليلة (ترجمہ) جو شخص عشاء کے وقت جماعت میں حاضر ہوا اس کو آدھی رات عبادت کرنے کا ثواب مل گیا اور جو شخص عشاء اور فجر دونوں نمازوں کی جماعت میں حاضر رہا تو اس کو پوری رات عبادت کرنے کا ثواب مل گیا (ترمذی شریف باب ماجآء فی فضل العشآء والفجر فی الجماعۃ ج ۱ ص ۳۰)

اسی لئے آنحضرت ﷺ نے کبھی بھی جماعت ترک نہیں کی، حالت مرض میں چلنا دوبھر تھا پھر بھی دو آدمیوں کے سہارے (ایسی حالت میں کہ قدم مبارک زمین پر گھسٹ رہے تھے) مسجد میں تشریف لائے اور جماعت سے نماز ادا فرمائی۔

ایک مرتبہ رحمت عالم ﷺ نے یہاں تک فرمادیا کہ میں نے ارادہ کیا کہ میں مؤذن سے کہہ دوں کہ وہ تکبیر کہیں پھر کسی کو کہہ دوں کہ نماز پڑھا دیں اور میں خود آگ کا انگارا لوں اور اس کا مکان جلادوں جو اب تک نماز کے لئے گھر سے نہ نکلا ہو۔ لقد هممت ان امر المؤذن فيقيم ثم امر رجلا يوم الناس ثم اخذ شعلا من نار فاحرق على من لا يخرج الى الصلوٰة بعد (بخاری شریف باب وجوب صلوٰۃ الجماعۃ ج ۱ ص ۳۰) (مسلم شریف ج ۱ ص ۲۳۲) (واللفظ للبخاری) آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ کسی بستی یا جنگل میں صرف تین آدمی رہتے ہوں اور وہ جماعت سے نماز نہ پڑھتے ہوں تو ان پر شیطان غالب ہو جائے گا لہٰذا جماعت سے نماز پڑھنا اپنے اوپر لازم کرلو۔ ما من ثلثة في قرية ولا بدو ولا تقام فيهم الصلوٰة الا قد استحوذ عليهم الشيطان فعليك بالجماعة (ابوداؤد شریف باب التشدید فی ترک الجماعۃ ج ۱ ص ۸۸) (وفی روایة فعليكم بالجماعة (نسائی شریف ج ۱ ص ۷۴)

سید الانبیاء علیہم السلام کا ارشاد ہے کہ جو شخص اذان سنے اور عذر نہ ہونے کے باوجود مسجد میں حاضری نہ دے تو اس کی اکیلے پڑھی ہوئی نماز قبول نہ ہوگی (اگرچہ ضابطہ کی خانہ پری ہو جائے گی جس سے فرض ساقط ہو جائے گا) صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دریافت کیا۔ عذر کیا؟ فرمایا (جان۔ مال آبرو کا) خوف یا مرض۔ من سمع المنادى فلم يمنعه من اتباعه عذر قالوا وما العذر قال خوف او مرض لم تقبل منه الصلوٰة التى صلى (ابوداؤد ایضاً ج ۱ ص ۸۸)

ارشاد ہوا! جماعت ترک کرنا چھوڑ دو ورنہ خدائے پاک دلوں پر مہر لگادے گا اور تم ان میں سے ہو جاؤ گے جن کو اللہ تعالیٰ نے غافل قرار دیا ہے (ابن ماجہ مصری ص ۲۶۰) نیز ارشاد ہوا آدمی کی کان گرم کئے ہوئے رانگ سے بھر جائیں (بہرے ہو جائیں) یہ بہتر ہے اس سے کہ اذان سنے اور اذان کی پکار کو قبول نہ کرے۔ (کتاب الصلوٰۃ لابن القیم)

ایک حدیث میں تین قسم کے آدمیوں پر خدا کی لعنت آئی ہے جن میں سے ایک وہ ہے جو اذان سنے اور مسجد میں حاضر نہ ہو۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ الجفاء كل الجفاء والكفر والنفاق من سمع منادى الله تعالىٰ ينادى بالصلوٰة ويدعو الى الفلاح فلا يجيبه (جامع الصغیر ج ۱ ص ۱۲۱) (مجمع الزوائد

باب اجابۃ المؤذن وما یقول عند الاذان والاقامۃ ج ۱ ص ۱۵۸) (ترجمہ) سراسر ظلم اور کفر ونفاق ہے کہ اللہ کے منادی کو سنے کہ نماز کے لئے پکار رہا ہے۔ فلاح (اور ابدی کامیابی) کے لئے دعوت دے رہا ہے پھر بھی لبیک نہ کہے اور اس کی پکار کا جواب نہ دے۔ بخاری شریف مسلم شریف اور ترمذی شریف کی ایک حدیث پہلے گذر چکی ہے اسی مضمون کی حدیث ابوداؤد شریف میں ہے۔ لقد هممت ان امر فتيتي فيجمعوا الي حزما من حطب ثم اتي قوما يصلون في بيوتهم ليست بهم علة فاحرقها عليهم بے شک میرا جی چاہتا ہے کہ جوانوں کو حکم دوں کہ لکڑیاں جمع کریں پھر ان کے یہاں پہنچوں جو بلا عذر اپنے گھروں میں نماز پڑھتے ہیں انہیں مع گھروں کے جلا دوں (ابوداؤد باب التشدید فی ترک الجماعۃ ج ۱ ص ۸۸) ترمذی۔

تنبیہ:

رحمت عالم ﷺ آگ لگا دینے کی سزا ان کے لئے تجویز فرماتے ہیں جو نماز تو پڑھتے ہیں مگر مسجد میں نہیں آتے گھر میں پڑھتے ہیں۔ اب غور فرمائیے اور سبق لیجئے کہ ان کی سزا کیا ہوگی جو معاذ اللہ نماز ہی نہیں پڑھتے۔

بے نمازی بھائیوں اور بہنو! غور کرو سوچو اور پابند نماز بن کر اپنی نجات کا سامان کرلو، قیامت میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔

جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے کسی صحابی کو نماز باجماعت سے غائب نہیں پایا، جماعت سے وہی شخص غیر حاضر رہتا تھا جو کھلا منافق ہوتا تھا بیمار بھی دو آدمیوں کے سہارے جماعت میں شریک ہوتا تھا، آنحضرت ﷺ نے ہمیں ہدایت اور نجات کی جو راہیں بتلائی ہیں ان میں اذان سنکر مسجد میں جماعت سے نماز ادا کرنا بھی ہے اور فرمایا کہ جس مسلمان کو کل (قیامت کے روز) خدا پاک سے ملنا ہو وہ پانچوں نمازیں جماعت سے ادا کرے اس لئے کہ خدا پاک نے تمہارے نبی کو ہدایت کے جو طریقے تعلیم فرمائے ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ اگر تم منافق کی طرح اپنے گھروں میں نماز پڑھتے رہے تو یقیناً تم نے اپنے نبی کا طریقہ چھوڑ دیا اور جب تم نے اپنے نبی کا طریقہ چھوڑ دیا تو یقیناً تم گمراہ ہو گئے۔ (مسلم شریف باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ وبیان التشدید الخ ج ۱ ص ۲۳۲) (نسائی شریف ج ۱ ص ۷۵)

اسی لئے حاکم مکہ حضرت عتاب بن اسیدؓ نے آنحضرت ﷺ کی خبر وفات سن کر اہل مکہ کو جمع کر کے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا "اگر کسی کے متعلق مجھے معلوم ہوا کہ مسجد میں آ کر جماعت سے نماز نہیں پڑھتا تو خدا کی قسم! میں اس کی گردن اڑا دوں گا" (کتاب الصلوٰۃ لابن القیم۔)

حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں۔" و الله ما اعرف من امر محمد صلى الله عليه وسلم شيئاً الا انهم يصلون جميعاً " خدا کی قسم حضرت محمد ﷺ کی امت کے لئے نماز باجماعت سے زیادہ اہم کوئی چیز مجھے معلوم نہیں (بخاری شریف باب فضل صلوٰۃ الفجر فی جماعۃ ج ۱ ص ۹۰) بے شک نماز باجماعت کی بہت تاکید آئی ہے اور اس میں کئی خوبیاں اور فوائد ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں "اس امت کو قائم کرنے سے اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کا بول بالا ہو اور روئے زمین پر دین اسلام سے اعلیٰ اور کوئی دین نہ پایا جائے اور یہ بات

اسی وقت متصور ہوسکتی ہے کہ اس کا یہ دستور ہو کہ اس عبادت کے لئے جو دین کا سب سے بڑا شعار اور عبادات میں سب سے مشہور عبادت ہے۔ ہر خاص و عام، شہری و دیہاتی اور چھوٹا و بڑا سب مجتمع ہوا کریں، اسی سبب سے عنایت شرعیہ جمعہ اور جماعات کے مقرر کرنے اور ان میں رغبت دلانے اور ان کے ترک سے سخت ممانعت کرنے کی طرف متوجہ ہوئی۔

مراد الله من نصب هذه الا مة ان تكون كلمة الله هي العليا و ان لايكون في الارض دين اعلىٰ من الا سلام و لا يتصور ذلك الابان يكون سنتهم ان يجتمع خاصتهم و عامتهم و حاضر هم و بادهم و صغير هم و كبير هم لما هو اعظم شعائره و اشهر طاعاته فلهذه المعاني انصرفت العناية الشريعية الى شرع الجمعة و الجماعات الخ. (حجة الله البالغة ج ۱ ص ۸۸)

ایک امریکی ماہر اجتماعیات و نفسیات مسٹر ہینی سنس اپنی کتاب ''ایموشن آف دی بیسنز سیویلزیشن ۲۷۵'' پر رقم طراز ہے کہ ''تمام مورخین کہتے ہیں کہ اسلام کو جو حیرت انگیز کامیابی دنیا کو مسخر کرنے میں ہوئی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنے دائرے میں زبردست اتفاق و اتحاد پیدا کر دیا تھا مگر خود یہ معجزہ کیونکر ممکن ہوا اس کو کوئی حل نہ کر سکا، اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اس کا بڑا اور نہایت مؤثر ذریعہ نماز (باجماعت) تھی ہر روز پنجوقتہ نمازیں مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں چاہے جنگل و بیابان میں ہوں، محمد (ﷺ) پہلے شخص ہیں جنہوں نے اتفاق پیدا کرنے اور متحد بننے کے لئے باجماعت نماز کی حیرت انگیز طاقت کا احساس کیا اور اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں کہ اسلام کی طاقت پنجوقتہ نماز (باجماعت) کی سخت پابندی کا ثمرہ ہے۔''

الحاصل شریعت میں نماز باجماعت بے حد ضروری اور مہتم بالشان مسئلہ ہے، اسلام اور اہل اسلام کی شان و شوکت بڑھانے والی اور انہیں بلند و بالا مقام اور درجۂ کمال پر پہنچانے والی چیز ہے، جماعت سے نماز پڑھنا واجب کے حکم میں ہے، اتنا ہی نہیں بلکہ نماز باجماعت عظیم الشان اسلامی شعار اور دین اسلام کی بڑی علامات اور اس کی خصوصیات میں ہے جو کسی بھی دین میں نہ تھی، اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جب اذان سنتے تھے تو دوکانیں چھوڑ کر مسجد میں چلے جاتے۔ اس لئے ترک جماعت کی عادت بنا لینے والا سخت گنہگار اور فاسق مردود الشہادت ہے پڑوسی اگر تنبیہ اور اصلاح کی کوشش نہیں کریں گے تو وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ **ان تاركها من غير عذر يعزر و ترد شهادته و يأثم الجيران بالسكوت عنه** (كبيری ص ۴۷۵ فصل في الا مامة و فيها مباحث)

اگر کسی جگہ کے مسلمان اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لینے پر اکتفا کرتے ہوئے جماعت سے نماز پڑھنا چھوڑ دیں تو ان سے بذریعہ اسلحہ جہاد کرنا واجب ہے۔ **حتیٰ لو تركها اهل بلدة يجب قتالهم بالسلاح** (مجالس الابرار م ۴۵ ص ۳۱۸) (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۷۳) (کتاب الصلوٰۃ ابن قیم ص ۱۰۵)

پہلے زمانہ کے بزرگ ایک وقت کی جماعت فوت ہو جانے کو اتنی عظیم الشان دینی مصیبت سمجھتے تھے کہ سات دن تک ماتم اور سوگ کرتے تھے اور تکبیر اولیٰ فوت ہوتی تو تین دن تک ماتم کرتے تھے۔ (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۵۵)

روایت ہے کہ میمون بن مہران مسجد میں آئے تو لوگوں نے کہا کہ جماعت ہو گئی تو آپ نے **انا لله و انا اليه راجعون** پڑھ کر فرمایا مجھے اس جماعت کی نماز حکومت عراق سے زیادہ محبوب ہے (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۵۴)

لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ پانچوں وقت کی نمازیں جماعت سے ہی ادا کریں اور تکبیر اولیٰ کا ثواب ترک

نہ کریں۔ اور صف اول میں امام سے قریب تر ہونے کی کوشش کریں، پہلی صف دوسری سے افضل ہے اور دوسری تیسری سے اسی طرح اخیر تک۔

حدیث شریف میں ہے کہ خدا پاک جب جماعت پر رحمت نازل فرماتے ہیں تو امام سے ابتدا فرماتے ہیں پھر اس پر جو امام کے پیچھے پہلی صف میں ہو پھر اس کی دائیں طرف پھر بائیں طرف اسی طرح دوسری صفوں پر۔

اور حدیث میں ہے۔'' اس کے لئے جو امام کے مقابل (سیدھ میں) پیچھے ہوتا ہے سو ۱۰۰ نمازیں لکھی جاتی ہیں اور اس کے لئے جو دائنی طرف ہو پچھتر نمازیں اور اس کے لئے جو بائیں طرف ہو پچاس نمازیں اور اس کے لئے جو اور صفوں میں ہو پچیس نمازیں'' (مجالس الابرار م ۵۴ ص ۳۱۹)

خداء پاک ہر مسلمان کو نماز با جماعت کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین۔ **وصلی اللہ علی خاتم النبیین وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین والملائکۃ المقربین وعلی سائر عباد اللہ الصالحین وعلینا معھم برحمتک یا ارحم الراحمین.**

عالم کی خاطر جماعت میں تاخیر کرنا کیسا ہے:

(سوال ۱۶۸) کسی عالم کی خاطر جماعت کو ہمیشہ کے وقت سے مؤخر کرنا جائز ہے۔

(جواب) عالم اور نیک آدمی کی خاطر کسی وقت کچھ دیر کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ **فالحاصل ان التاخیر القلیل لاعانۃ اھل الخیر غیر مکروہ (شامی ج ۱ ص ۴۶۲ مطلب فی اطالۃ الرکوع للجائی)**

جماعت ثانیہ کا حکم:

(سوال ۱۶۹) تبلیغی جماعت ایک بستی میں ایسے وقت پہنچی کہ جماعت ہو چکی تھی تو ان کے لئے جماعت ثانیہ کرنا بہتر ہے یا فرادیٰ مع اذان و اقامت یا بلا اذان و اقامت ادا کرنا بہتر ہے؟

(الجواب) اس صورت میں فرادیٰ بلا اذان و اقامت نماز ادا کی جائے کہ مسجد میں جماعت ثانیہ مکروہ ہے۔ **قال (واذادخل القوم مسجدا قد صلی فیہ اھلہ کرھت لھم ان یصلوا جماعتہ باذان واقامۃ ولکنھم یصلون وحداناً بغیر اذان ولا اقامۃ) لحدیث الحسن قال کانت الصحابۃ اذا فاتتھم الجماعۃ فمنھم من اتبع الجماعات ومنھم من صلی فی مسجدہ بغیر اذان ولا اقامۃ الخ (مبسوط للسرخسی ص ۱۳۵ ج ۱ باب الاذان) واللہ اعلم بالصواب.**

گھر میں اپنی عورت کے ساتھ نماز با جماعت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(سوال ۱۷۰) مسجد میں جماعت نہ ملے تو گھر میں عورت کے ساتھ جماعت کر کے نماز پڑھے یا تنہا پڑھے؟

(الجواب) مسجد میں جماعت ہو گئی یا شرعی عذر کی بناء پر مسجد میں نہ جا سکے تو گھر میں بیوی، والدہ، بہن وغیرہا کے ساتھ نماز با جماعت ادا کرنا بہتر ہے۔ ایک عورت ہو تب بھی پیچھے کھڑی رہے، مرد کی طرح برابر میں کھڑی ہو جائے گی تو نماز نہ ہوگی۔ مگر یہ بھی یاد رکھئے کہ بلا عذر شرعی گھر میں نماز پڑھنے کی عادت بنانا گناہ ہے۔ عادت

بنانے والا سخت گنہگار ہے۔اور بروئے حدیث منافق کہلانے کا مستحق ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ **ولقد رأیتنا ما یتخلف عن الصلوٰۃ الا منافق قد علم نفاقه او مریض ان کان المریض لیمشی بین رجلین حتیٰ یاتی الصلوٰۃ** . یعنی:۔میں نے یہ حالت دیکھی ہے کہ صرف وہی شخص جماعت سے پیچھے رہ جاتا تھا جو ایسا منافق ہوتا تھا جس کا نفاق سب کو معلوم ہوتا تھا۔ یا یہ کہ ایسا بیمار ہو جو دو آدمیوں کے سہارے بھی مسجد میں نہ پہنچ سکے۔(مشکوٰۃ شریف باب الجماعۃ ص ۹۶)

پھر آپؐ نے فرمایا۔ **ولو انکم صلیتم فی بیوتکم کما یصلی حذا المتخلف فی بیته لترکتم سنة نبیکم ولو ترکتم سنة نبیکم لضللتم** . یعنی:۔جس طرح یہ پس ماندہ اور پیچھے رہنے والا اپنے گھر میں نماز پڑھ لیتا ہے اگر تم بھی اسی طرح گھروں میں نماز پڑھنے لگو تو بے شک تم اپنے نبی کا طریقہ چھوڑ دو گے . . اور اگر تم نے اپنے نبی ﷺ کا طریقہ چھوڑ دیا تو بلاشبہ گمراہ ہو گئے۔(مشکوٰۃ باب الجماعۃ ص ۹۷)

مسئلہ میں ایک مفتی صاحب کا اشکال اور اس کا جواب:

(استفتاء ۱۷۱) فتاویٰ رحیمیہ جلد اول ص ۲۰۵ پر ہے (جدید ترتیب میں اسی باب کے اندر بعنوان امام نے لفظ سلام کہا اور اس کی اقتداء کی تو وہ صحیح ہے ۱۲ از مرتب) دوبارہ تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرے الخ۔'' اس جزئیہ سے یہ معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ شرکت صحیح نہیں ہوئی لیکن دوبارہ تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرنے کی کیا حاجت ہے؟ نماز کے لئے تکبیر تحریمہ تو کہی جا چکی ہے۔اور نماز شروع ہو چکی ہے۔صرف اس قدر بات ہے کہ امام کے ساتھ شرکت نہیں ہوئی۔اس لئے غور فرمائیں اور ترمیم کی ضرورت ہو تو اصلاح کر دی جائے۔

(الجواب) بعد سلام مسنون توجہ دلانے کا شکریہ! مسئلہ میں اصلاح کی ضرورت نہیں ہے۔''شامی'' میں ہے۔ **وافاد انه کما لا یصح اقتداؤہ لا یصیر شارعاً فی صلاۃ نفسه ایضاً وھو الا صح** (یعنی جب اقتدا صحیح نہیں ہوئی تو اس کی اپنی نماز کا آغاز بھی نہیں ہوا۔ اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے اپنی نماز شروع کر دی۔) (آداب الصلاۃ ص ۴۴۸ ج ۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جماعت ہونے کی حالت میں فجر کی سنت کا حکم:

(سوال ۱۷۲) نماز فجر کے لئے آدمی مسجد پہنچا مگر جماعت شروع ہو چکی تو سنت پڑھے یا جماعت میں شامل ہو جائے؟

(الجواب) ایک رکعت ملنے کی توقع ہو تو سنت پڑھے پھر جماعت میں شامل ہو۔بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ قعدہ مل جاتا ہو تب بھی سنت نہ چھوڑے لیکن سنت گھر نزدیک ہو تو گھر آ کر پڑھے۔ یا مسجد سے خارج دروازے پر پڑھے۔اگر دروازہ پر جگہ نہ ہو تو مسجد کے دوسرے حصہ میں سنت ادا کرے یعنی جماعت خانہ میں جماعت ہو رہی ہو تو صحن میں پڑھی اگر صحن میں جماعت ہو رہی ہو تو جماعت خانہ میں یا حوض پر پڑھے اگر مسجد کا ایک ہی حصہ ہو تو اس حصہ میں ستون وغیرہ کی آڑ میں ادا کرے۔اگر ستون وغیرہ کی آڑ نہ ہو تو سنت چھوڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے۔اس لئے کہ صف کے ساتھ یا صف کے پیچھے بغیر آڑ کے سنت پڑھنی مکروہ ہے۔''درمختار'' میں ہے۔بل

یصلیها عند باب المسجد ان وجد مکاناً والا ترکها لان ترک المکروه مقدم علی فعل السنة ۔اور ''شامی'' میں ہے ۔فان لم یکن علی باب المسجد موضع للصلوٰة یصلیها (قوله عند باب المسجد) ای، خارج المسجد کما صرح به القهستانی وقال فی العنایة لانه لو صلا هافی المسجد کان متنفلاً فیه عند اشتغال الا مام بالفریضة وهو مکروه فان لم یکن علی باب المسجد موضع للصلوٰة یصلیها فی المسجد خلف ساریة من سواری المسجد. واشدها کراهة ان یصلیها مخالطاً للصف مخالفاً للجماعة والذی یلی ذلک خلف الصف من غیر حائل الخ .(شامی السنن والنوافل ص ۶۷۱ ج ۱)فقط و الله اعلم بالصواب .

محلّہ کی مسجد میں جماعت چھوٹ گئی تو جماعت کے لئے دوسری مسجد میں جانا ضروری ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۷۳) محلّہ کی مسجد میں جماعت ہوگئی تو دوسرے محلّہ کی مسجد میں جماعت حاصل کرنے کے لئے جانا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد پہنچ کر معلوم ہوا کہ جماعت ہو چکی ہے تو دوسری مسجد میں جماعت کی تلاش میں جانا واجب نہیں ہے۔ جانا چاہے تو جا سکتا ہے منع نہیں ہے۔ واتفقوا علی انها ان فاتت فی مسجد فلا یجب طلبها فی مسجد اخر (رسائل الارکان ص ۵۵ فصل فی المواقیت) فقط و الله اعلم بالصواب .

نماز تہجد کی جماعت کا حکم:

(سوال ۱۷۴) ماہ رمضان المبارک میں بعض امام حنفی المذہب ہوتے ہوئے تہجد کی نماز بڑی جماعت کے ساتھ اہتمام سے ادا کرتے ہیں اور اس کو بڑی فضیلت سمجھتے ہیں۔ اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) و باللہ التوفیق: تہجد کی نماز رمضان یا غیر رمضان میں باجماعت پڑھنے کا اہتمام آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام سے منقول نہیں ہے۔ ماہ مبارک میں آنحضرت ﷺ کا معمول اعتکاف کا تھا لیکن آپ ﷺ نے صحابۂ کرام کے ساتھ تہجد باجماعت پڑھی ہو یہ ثابت نہیں اس لئے فقہاء کرام لکھتے ہیں ۔کہ تہجد وغیرہ نفل نماز باجماعت پڑھنا مکروہ ہے۔ بلا تداعی ایک دو مقتدیوں کے ساتھ مکروہ نہیں ہے یہ حدیث سے ثابت ہے اس سے زیادہ کا ثبوت وارد نہیں ۔لہذا فقہاء لکھتے ہیں کہ امام کے ساتھ تین مقتدی ہونے میں اختلاف ہے اور چار یا اس سے زیادہ مقتدی ہوں تو بالاجماع مکروہ ہے۔ یکره ذلک علیٰ سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد (درمختار) (قوله اربعة بواحد) اما اقتداء واحد بواحد او اثنین بواحد فلا یکره وثلاثة بواحد فیه خلاف (السنن والنوافل مطلب فی کراهیة الا قتدآء علی سبیل التداعی الخ درمختار مع الشامی ص ۶۶۴ ج ۱)

انوار الباری شرح صحیح بخاری میں حضرت علامہ محدث انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کے شاگرد رشید مولانا

سید احمد رضا بجنوری صاحب دامت فیوضہم تحریر فرماتے ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ نوافل کی جماعت مکروہ ہے بجز رمضان کے اور اس سے مراد سنن تراویح ہیں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ فقہاء کی اس عبارت سے جس نے مطلق نوافل رمضان سمجھا غلطی کی لہذا تہجد کی جماعت تین سے زیادہ کی رمضان میں مکروہ ہوگی۔ (انوار الباری ج ۱ ص ۱۹۱۷ حاشیہ) صاحب بدائع الصنائع بھی قیام رمضان سے مراد تراویح لیتے ہیں۔ تہجد مراد نہیں لیتے۔ (بدائع ج۔۱ ص ۲۸۰)(۱)

اور شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ نے تو وضاحت کی ہے۔ **ان الجماعة لو كانت مستحبةً فى حق النوافل لفعله المجتهدون القائمون بالليل لان كل صلوٰة جوزت علىٰ وجه الانفراد وبالجماعة كانت الجماعة فيها افضل ولم ينقل اداؤها بالجماعة فى عصره صلى الله عليه وسلم ولا فى زمن الصحابة رضوان الله عليهم اجمعين ولا فى زمن غيرهم من التابعين وفالقول بها مخالف للامة اجمع وهذا باطل** . یعنی! اگر نوافل با جماعت مستحب ہوتی تو تمام قائم اللیل تہجد گذار مجتہدین کا اس پر عمل ہوتا کہ وہ نماز جو تنہا اور با جماعت دونوں طریقہ سے ادا کرنا جائز ہے اس کو با جماعت ادا کرنا افضل ہے۔ حالانکہ نوافل (تہجد وغیرہ) با جماعت ادا کرنا نہ تو آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں منقول ہے نہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں نہ تابعین وغیرہم کے زمانہ میں۔ لہذا یہ قول (کہ تراویح کی طرح تہجد وغیرہ دوسری نوافل رمضان المبارک میں بلا کراہت جائز ہے (یہ قول) تمام فقہاء کے خلاف ہے اور باطل ہے (مبسوط سرخسی کتاب التراویح فی بحث رکعات التراویح ج ۲ ص ۱۴۴)

نوٹ:۔ مزید تفصیل اور حوالجات کے لئے ملاحظہ ہو۔ فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۱۷۷، ج ۱ ص ۱۷۸، ص ۱۷۹) (جدید ترتیب میں نوافل کے باب میں، تہجد با جماعت کا حکم، کے عنوان سے دیکھئے۔ مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

امام کی ذمہ داریاں کیا ہیں اور اس کی تنخواہ کتنی ہونی چاہئے:

(سوال ۱۷۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اس امام مسجد سے امامت کے علاوہ جھاڑو دلانا، نالیاں صاف کرانا، اذان دینا اور اس کے علاوہ چھوٹے موٹے کام لئے جاتے ہیں اور تنخواہ صرف امامت کی دی جاتی ہے۔ کیا اتنی قلیل تنخواہ کے عوض اتنے سارے کام لینا جائز ہے؟ شرعاً امام کی ذمہ داریاں کیا کیا ہیں؟ اور ائمہ مساجد کی تنخواہ شرعاً کتنی ہونی چاہئے؟ اور جو تنخواہ کا معیار ہے اس سے کم دینے پر متولی اور اہل محلہ گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا بالدلیل تو جروا عند الکریم (از احمد آباد)

(الجواب) اقول باللہ التوفیق۔ حدیث شریف میں ہے۔ **اعطوا الاجير قبل ان يجف عرقه (ابن ماجه مشكوٰة شريف ص ۲۵۸ باب الاجارة)** یعنی مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا قیامت کے روز جن تین آدمیوں کے خلاف میں مدعی ہوں گا ان میں سے ایک

(۱) ويكره تاخير العشآء الى نصف الليل فكذا تاخيرها (اى التراويح) والصحيح انه لا يكره لانها قيام الليل وقيام الليل فى آخر الليل افضل .فصل فى مقدار التراويح.)

"رجل استاجر اجیراً فاستوفی منہ ولم یعطہ اجرہ" وہ شخص ہے جو کسی کو مزدور رکھے اور اس سے پورا کام لے لے مگر مزدوری پوری نہ دے (بخاری شریف، بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۸ ایضاً)

مزدوری پوری نہ دینے کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں کہ اس کی مزدوری مار لے اور پوری نہ دے بلکہ اس سے میں یہ بھی شامل ہے کہ جتنی اجرت اس کام کی ملنی چاہئے اتنی نہ دے اور اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھائے کہ کم سے کم اجرت پر کام لے لے۔ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے تصریح کی ہے۔ ویعطی بقدر الحاجۃ و الفقہ و الفضل فان قصر کان اللہ علیہ حسیباً۔ یعنی متولی اور مدرسہ کے مہتمم کو لازم ہے کہ خادمان مساجد و مدارس کو ان کی حاجت کے مطابق اور ان کی علمی قابلیت اور تقویٰ وصلاح کو ملحوظ رکھتے ہوئے وظیفہ و مشاہرہ (تنخواہ) دیتے رہیں۔ باوجود گنجائش کے کم دینا بری بات ہے۔ اور متولی و مہتمم خدا کے جواب دہ ہوں گے۔۔۔۔۔ درمختار میں ہے۔ ویعطیٰ بقدر الحاجۃ والفقہ والفضل فان قصر کان اللہ علیہ حسیباً زیلعی وفی الحاوی المراد بالحافظ فی حدیث لحافظ القرآن مائتا درھم ھو المفتی الیوم (درمختار مع الشامی) (قولہ ویعطی بقدر الحاجۃ) الذی فی الزیلعی ھکذا ویجب علی الا مام ان یتقی اللہ تعالیٰ ویصرف الی کل مستحق قدر حاجتہ من غیر زیادۃ فان قصر کان اللہ علیہ حسیباً اہ وفی البحر عن القنیۃ کان ابو بکر رضی اللہ عنہ یستوی فی العطاء من بیت المال وکان عمر رضی اللہ عنہ یعطیھم علی قدر الحاجۃ والفقہ والفضل والا خذ بھذا فی زماننا احسن فنعتبر الا مور الثلثۃ اہ ای فلہ' ان یعطی الا حوج اکثر من غیر الا حوج وکذا الا فقہ والا فضل والافلا فائدۃ فی ذکر ھما ویؤیدہ' ان عمر رضی اللہ عنہ کان یعطی من کان لہ' زیادۃ فضیلۃ من علم او نسب اونحو ذلک اکثر من غیرہ وفی البحر ایضا عن المحیط والرأ ی الی الا مام من تفضیل و تسویۃ من غیر ذلک ان یمیل الی ھویٰ وفیہ عن القنیۃ وللامام الخیار فی المنع والا عطاء فی الحکم اہ (درمختار والشامی ج ۳ ص ۳۸۹ کتاب الوقف) (شامی ج ۲ ص ۷۸)

صرف امامت کی تنخواہ دے کر امام پر اذان کی بھی ذمہ داری ڈالنا اور ان سے جھاڑو دینے اور نالیاں صاف کرنے وغیرہ امور کی خدمت لینا ظلم شدید اور توہین ہے۔ فرمان نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے اکرموا حملۃ القرآن فمن اکرمھم فقد اکرمنی۔ حاملین قرآن (حفاظ وقراء وعلماء کرام) کی تعظیم کرو۔ بے شک جس نے ان کی تکریم کی اس نے میری تکریم کی (الجامع الصغیر للامام الحافظ السیوطیؒ ج ۱ ص ۱۴۵) ایک اور حدیث میں ہے۔ حامل القرآن رایۃ الاسلام ومن اکرمہ فقد اکرم اللہ ومن اھانہ فعلیہ لعنۃ اللہ ، ترجمہ حاملین قرآن اسلام کے علمبردار ہیں اور اسلام کا جھنڈا اٹھانے والے ہیں۔ جس نے ان کی تعظیم کی اس نے اللہ کی تعظیم کی اور جس نے ان کی تذلیل کی اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ (الجامع الصغیر للسیوطیؒ ج ۱ ص ۱۴۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۷ھ۔

نو وارد عالم وقاری سے معین امام اولیٰ بالامامۃ ہے!:

(سوال ۱۷۶) ہماری مسجد میں امام متعین ہیں لیکن کبھی کبھی ان سے اچھے عالم اور قاری آ جاتے ہیں تو اس وقت

امامت کا احق کون ہے؟ معین امام یا نو وارد عالم وقاری؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) دوسرا شخص امام معین سے علم وقراءۃ میں بڑھ کر ہو تب بھی معین امام ہی افضل اور اولیٰ بالامامۃ ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے۔ **واعلم ان صاحب البیت ومثله ' امام المسجد الراتب اولیٰ بالا مامة من غیره مطلقاً الخ. (قوله مطلقاً) ای وان غیره من الحاضرین من هو اعلم واقرأ منه** . یعنی جان لو کہ گھر کا مالک اور اسی طرح مسجد کا امام معین، امامت کے واسطے بہتر ہے دوسرے لوگوں سے ہر حال میں۔ گو دوسرا شخص اس سے اچھا عالم اور بہتر قاری ہو۔ (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۵۲۲ باب الامامۃ) بذل المجہود شرح ابوداؤد میں ہے۔ **ولا یؤم الرجل (بصیغة المجهول) فی بیته ولا سلطانه ای محل ولایته اوفی حل یکون فی حکمه ولذلک کان ابن عمر رضی الله عنه یصلی خلف الحجام وتحریره' ان الجماعة شرعت لا جتماع المؤمنین علی الطاعة وتألفهم وتوادهم فاذا ام الرجل الرجل فی سلطانه افضیٰ الی توهین امر السلطنة خلع ربقته الطاعة وکذا اذآ امه' فی قومه واهله ادی ذلک الی التباعد والتقاطع فلا یتقدم رجل علی ذی السلطنة لا سیما فی الا عیاد والجمعات ولا علی امام الحی ورب البیت الا بالاذان نقله القاری عن الطیبی الخ(بذل المجهود ج ۱ ص ۳۲۶ باب من احق بالا مامة)** لہذا یہ دستور صحیح نہیں ہے کہ امام کو مجبور کیا جائے کہ نو وارد سے امامت کرائے اور اسی طرح نو وارد عالم اور قاری کو بھی لازم ہے کہ سبقت نہ کرے تاوقت یہ کہ امام از خود چاہے اور اس سے رضا مند ہو۔ اور خود امام بن کر نماز پڑھانے کے بجائے اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا افضل سمجھے تو نو وارد سے امامت کرا لینے میں گنجائش ہے فقط واللہ اعلم۔

مسجد کا امام بدعقیدہ، بدعتی ہو اس لئے صحیح العقیدہ لوگ گھر میں نماز با جماعت ادا کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ اور جماعت کا ثواب ملے گا یا نہیں:

(سوال ۱۷۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ذیل کے مسئلہ میں۔

ہمارے یہاں اہل سنت والجماعت کے لوگ بدعتی امام کے پیچھے تقریباً آٹھ مہینے سے نماز نہیں پڑھتے ہیں اور ایک گھر میں اپنی الگ جماعت کرتے ہیں اور نماز جمعہ ایک الگ مکان میں ادا کرتے ہیں، مسجد میں امام کے پیچھے اس لئے نماز نہیں پڑھتے کہ اس امام کے عقائد کفر تک پہنچے ہوئے ہیں اور اس امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کا فتویٰ بھی ہے جو ہم نے دیو بند اور راندیر سے منگایا تھا اب سوال یہ ہے کہ آگے رمضان المبارک آ رہا ہے۔ اور صحیح العقیدہ مسلمان رمضان المبارک میں تراویح اور پنج وقتہ نماز مسجد میں با جماعت ادا کرنا چاہتے ہیں تو اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ جماعت خانہ چھوڑ کر باہر صحن میں یا حوض پر یا مسجد کی چھت پر دوسری جماعت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ نماز جمعہ کے متعلق کیا حکم ہے۔ کیا دوسرا خطبہ اور جماعت الگ کر سکتے ہیں؟ جواب ارسال فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جزائے خیر عطا فرمائے۔ فقط والسلام۔

(الجواب) جب کہ امام مذکور کے عقائد کفر کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں تو اس کی امامت جائز نہیں اور اس کے پیچھے

نماز صحیح نہ ہوگی۔اور ایسے بدعقیدہ امام کی اقتداء میں جو جماعت ہوگی اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہ ہوگا وہ کالعدم ہے۔ لہذا اس کے بعد اہل حق کا اس مسجد میں جماعت سے نماز ادا کرنا جماعت ثانیہ کے حکم میں نہ ہوگا۔ چھت پر بھی مجبوری کی حالت میں جماعت ہوسکتی ہے۔(۱)

لیکن چونکہ فتنہ وفساد کا ڈر ہے اور ٹکراؤ کا اندیشہ ہے اس لئے اس وقت جہاں نماز پڑھ رہے ہیں رمضان المبارک میں بھی وہیں پڑھیں تو بہتر ہے۔علیحدگی جب نفسانیت کی وجہ سے نہیں ہے تو انشاء اللہ العزیز پورا ثواب ملے گا۔آنحضرت ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ ایک عرصہ تک گھر میں نماز ادا فرمائی ہے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے تو مسلمانوں کو قوت حاصل ہوئی اور پھر علی الاعلان مسجد حرام میں نماز ہونے لگی۔اسی طرح پروردگار عالم آپ لوگوں کے لئے کوئی ایسی صورت پیدا فرمادے گا انشاء اللہ۔ ناامید نہ ہونے۔ اللہ سے دعا کیجئے اور صبر واستقلال سے کام کیجئے حق تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

امام ومؤذن کو ہر وقت مسجد میں حاضر رہنے کا پابند بنانا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۷۸) امام مؤذن کو مقید کردینا کہ چوبیس ۲۴ گھنٹے آپ کو مسجد میں حاضری دینا ہوگی۔یہ حکمرانی کس حد تک جائز ہے؟

(الجواب) امام یا مؤذن کا متولی سے معاہدہ ہو تو اس کے مطابق عمل کرنا ہوگا اگر معاہدہ نہیں ہوا ہے تو ایسی پابندی ظلم وزیادتی ہے اور ناجائز ہے۔فقط واللہ اعلم ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ۔

ایک حنفی امام نے غیر مقلد کے پیچھے عصر کی جماعت میں نفل کی نیت سے شرکت کی پھر اپنی مسجد میں نماز پڑھائی تو کیا حکم ہے؟

(سوال ۱۷۹) ایک حنفی شخص نے غیر مقلدوں کی مسجد میں ایک غیر مقلد کے پیچھے عصر کی نماز میں بقول ان کے نفل کی نیت سے اقتداء کر کے نماز پڑھی پھر دو مثل کے بعد حنفیوں کی مسجد میں انہوں نے عصر کی نماز پڑھائی۔ بعد میں بعض مقتدیوں کو اشتباہ ہوگیا اور کہنے لگے جب انہوں نے عصر کی نماز غیر مقلدوں کی مسجد میں ادا کرلی تھی تو پھر ان کے پیچھے ہماری نماز صحیح نہ ہوگی امام صاحب کہتے ہیں کہ میں نے وہاں نفل کی نیت سے اقتداء کی تھی تو میری عصر کی نماز باقی رہی اور یہاں فرض کی نیت کر کے نماز پڑھائی ہے اس لئے نماز صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں۔ بہر حال بعض مقتدیوں کو شک وشبہ ہے جواب مرحمت فرمائیں۔بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں حنفی امام نے نفل کی نیت سے غیر مقلد کی اقتداء کی ہے لہذا ان کی فرض نماز ادا نہ ہوئی بنابریں وہ عصر کی نماز پڑھا سکتے ہیں مگر ان کے اس فعل سے لوگ شک وشبہ میں پڑجائیں گے اور بدگمانی پیدا ہوگی اس لئے ایسے موقعہ پر مناسب یہ تھا کہ کسی اور کو امام بنادیتے اور خود مقتدی بن کر نماز پڑھتے جس بنا پر لوگ

---

(۱) او مبتدع ای صاحب بدعة وهی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعانده . لایکفر بها وان یکفر فلا یصح الاقتداء به اصلاً فلیحفظ .درمختار علی هامش شامی باب الامامة ج. ۱ ص ۵۲۰ . ۵۲۱ .

بدگمانی سے محفوظ رہتے ، حاصل یہ کہ اگر حنفی امام نے غیر مقلد کے پیچھے نفل نماز کی نیت سے شرکت کی ہو تو ان کی اقتداء میں جن لوگوں نے عصر کی نماز ادا کی ہے ان کی نماز صحیح ہو جائے گی اور اگر انہوں نے فرض نماز کی نیت سے اقتداء کی ہو تو ان کی اقتداء میں جو نماز پڑھی گئی ہے وہ مشتبہ ہوگی اور اس کا اعادہ کر لینا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

امام رکوع وسجدے میں کتنی بار تسبیح پڑھے:

(سوال ۱۸۰) امام کو رکوع اور سجدے میں کتنی بار تسبیح پڑھنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مستحب یہ ہے کہ امام پانچ بار تسبیح پڑھے اگر تین بار کہے تو اس طرح کہے کہ مقتدیوں کو تین بار تسبیح کہنے کا موقع میسر آئے۔ **ونقل فی الحلیه عن عبد الله بن المبارک واسحاق وابراهیم والثوری انه یستحب لأمام ان یسبح خمس تسبیحات لیدرک من خلفه الثلاث ۱۵ (شامی ج ۱ ص ۶۲۴ مطلب فی اطالة الرکوع للجائی) فقط والله اعلم بالصواب. ۳ ذی قعده ۱۴۰۱ھ.**

اگر امام کو حدث لاحق ہو جائے تو خلیفہ کس طرح بنائے؟:

(سوال ۱۸۱) اگر امام صاحب کو نماز میں حدث لاحق ہو جائے یعنی ان کا وضو نوٹ جائے تو کس طرح دوسرے کو اشارہ کر کے آگے بڑھائے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر امام کو حدث لاحق ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ...... کسی کو خلیفہ بنادے، مدرک کو خلیفہ بنانا بہتر ہے اور اگر مسبوق کو خلیفہ بنایا تو بھی جائز ہے۔ اور خلیفہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ جھکا ہوا پیچھے کو ہٹے اور ناک پر ہاتھ رکھ لے تاکہ اوروں کو یہ گمان ہو کہ نکسیر پھوٹی ہے اور پہلی صف میں سے کسی کو اشارے سے یا اس کا کپڑا پکڑ کر کھینچ کر خلیفہ بنادے۔ زبان سے کچھ نہ کہے اگر کلام کر کے خلفیہ بنایا تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔(۱) خلیفہ بنانے کے مسائل بہت باریک ہیں اور اس قسم کے مسائل سے (جن کی پوری تفصیل کتب فقہ میں درج ہے) آج کل امام بھی واقف نہیں ہوتے تو مقتدی کیا واقف ہوں گے۔ نماز برباد کر دیں گے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ نماز قطع کر دے اور وضو کر کے نماز از سر نو پڑھیں۔ فقط واللہ اعلم۔

فجر کی جماعت شروع ہو جائے تو سنت پڑھے یا نہیں:

(سوال ۱۸۲) نماز فجر کی جماعت شروع ہونے کے بعد سنت پڑھے یا نہیں؟ سنت نہ پڑھ سکا ہو تو نماز کے بعد فوراً پڑھے یا طلوع آفتاب کے بعد پڑھے؟ بہتر کیا ہے؟

(الجواب) سنت فجر کی بڑی فضیلت اور تاکید ہے اور جماعت کی بھی بڑی فضیلت اور تاکید ہے اور ترک پر وعید بھی ہے۔ لہذا کوشش کرے کہ دونوں فضیلتیں میسر آجائیں، پس اگر ایک رکعت یا قعدہ بھی ملنے کی توقع ہو تب بھی

---

(۱) استخلف ای جازله' ذلک ولو فی جنازة باشارة اوجرلمحراب ولو لمسبوق وبشیر باصبع لبقاء رکعة وباصبعین لرکعتین قال فی الشامیة تحت قوله' باشارة متعلق بمحذوف قال فی الفتح والسنة ان یفعله' یحدو دب الظهر آخذا بانفه یوهم أنه رعف درمختار مع الشامی باب الاستخلاف ج ۱ ص ۲۰۱.

سنت نہ چھوڑے (خارج مسجد حوض کے تحت پر یا صحن میں اور اگر جماعت صحن میں ہوتی ہو تو جماعت خانہ میں پڑھ لے۔ غرض کہ حسب امکان جماعت سے دور آڑ میں پڑھ لے صف کے پیچھے لوگ قریب میں نماز پڑھتے ہیں یہ مکروہ ہے) اگر جماعت کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو سنت ترک کر کے جماعت میں شریک ہو جائے اور آفتاب کے طلوع ہونے کے بعد سنتیں پڑھ لے تو بہتر ہے ضروری نہیں مگر طلوع آفتاب سے پہلے سخت منع ہے۔ (الاشباہ والنظائر مع شرح حموی ص ۱۹۴) (شامی ج ۱ ص ۶۷۱۔ ۳۵۱ باب ادراک الفریضۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تبلیغی اجتماع کے موقعہ پر نماز باجماعت کس طرح ادا کی جائے :

(سوال ۱۸۳) مسجد کی قبلہ جہت کی کشادہ جگہ میں اجتماع کے موقعہ پر نماز باجماعت کا انتظام کرنے کا ارادہ ہے لیکن اس صورت میں نمازی امام سے آگے ہو جاتے ہیں اس مجبوری کی حالت میں کیا کریں؟ کیا مسجد میں دوبارہ جماعت کر سکتے ہیں یا پنڈال میں جماعت کریں؟ اگر پنڈال میں جماعت کریں تو مسجد کی اذان کافی ہے یا دوسری اذان ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) پہلے مسجد میں اور مسجد کے باہر امام کے پیچھے جتنے لوگ نماز پڑھ سکیں وہ پڑھ لیں باقی لوگ پنڈال میں جماعت کریں، پنڈال قریب ہے اس لئے مسجد کی اذان کافی ہے، ہاں اقامت کہہ لیں تو بہتر ہے۔[1] مقتدی امام سے آگے ہو تو نماز نہ ہوگی ، فقط و اللہ اعلم بالصواب .

مسجد کی چھت پر جماعت کرنا:

(سوال ۱۸۴) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جب سے ماہ رمضان المبارک موسم گرما میں آنے لگا ہے ضلع بھروچ میں متعدد جگہ تراویح اور بعض جگہ تو عشاء کی جماعت بھی مسجد کی چھت (دھابہ) پر ہوتی ہے ابھی ایک صاحب نے راندیر سے فتویٰ منگوایا تو کراہت کا حکم آیا جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے، اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

(استفتاء ۱۸۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہماری طرف گرمیوں میں گرمی کی شدت کی وجہ سے تراویح کی جماعت اور کہیں کہیں عشاء کی جماعت بھی مسجد کے دھابہ پر ہوتی ہے. جماعت خانہ میں نہیں پڑھتے تو اس میں کوئی قباحت ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) گرمی کی شدت کی وجہ سے دھابہ پر جماعت کرنا مکروہ ہے اگر نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے نیچے جگہ نہ ہو تو زائد نمازی اوپر جا سکتے ہیں ، اس صورت میں کراہت نہ ہوگی کیونکہ مجبوری ہے ، نصاب الاحتساب میں ہے۔ **ویکرہ الصلوۃ فوق الکعبۃ و کذا الصعود علی سطح المسجد الا لحاجۃ اصلاح ونحوہ وکذا الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولهذا اذا اشتد الحریکرہ ان یصلوا بجماعۃ فوق السطح الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لایکرہ الصعود علی سطحہ للضرورۃ واما شدۃ**

---

(۱) بخلاف المصلی ولو بجماعۃ فی بیتہ بمصر او قریۃ لها مسجد فلا یکرہ ترکهما اذ اذان الحی یکفیہ. درمختار علی هامش شامی باب الاذان ج ۱ ص ۳۹۵.

البحر فلانها لا توجب الضرورة وانما يحصل به زيادة المشقة وبها يزداد الاجر كله من المحيط وغيره (الباب الخامس عشر في ما يحتسب في المسجد. قلمی ص ۳۲) اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ الصعود على سطح كل مسجد مكروه ولهذا اذا اشتد الحريكره ان يصلوا بالجماعة فوقه الا اذا ضاق المسجد فحينئذ لا يكره الصعود على سطحه للضرورة كذا في الغرائب كتاب الكراهية الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة الخ (ج۵ ص ۳۲۲) اسی طرح مجموعه فتاویٰ سعدیه ص ۱۴۸ اور نفع المفتي والسائل ص ۱۳۱ اورامداد الفتاویٰ مطبوعہ کراچی ج اص ۲۷۶ میں بھی ہے۔ صحن مسجد میں جماعت کی جاسکتی ہے اگر کسی جگہ صحن داخل مسجد نہ ہو مسجد سے خارج ہو تو بانی مسجد اور اگر وہ نہ ہو تو مسلم جماعت کے جملہ افراد متفق ہو کر اس جگہ کو داخل مسجد ٹھیرا سکتے ہیں۔ اس طرح وہ جگہ داخل مسجد ہو جائے گی، اور وہاں نماز پڑھنے کا ثواب مسجد میں پڑھنے کے برابر ہوگا۔ فقط و الله اعلم بالصواب ۔ کتبہ السید عبدالرحیم لاجپوری غفر اللہ لہ ولوالدیہ راندیر ۱۵۔ رجب المرجب ۷۴ھ۔

الجواب صحیح (مولانا مفتی) سید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند ۲۷۔۷۔۷۴/ ۸ نزیل سوت گجرات۔

الجواب صحیح (مولانا مفتی) سعید احمد غفرلہ مفتی مظاہر علوم سہارنپور ۲۰۔ شعبان ۷۴ھ۔

کیا حضور اقدس ﷺ کے مبارک زمانہ میں عورتیں مسجد جاتی تھیں فی زمانناعورتوں کا مسجد جانا کیسا ہے

(سوال ۱۸۶) عورتیں پنجوقتہ نماز، جمعہ اور عیدین کے لئے جاسکتی ہیں یا نہیں؟ امید ہے کہ مدلل جواب مرحمت فرمائیں گے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے مبارک زمانہ میں عورتیں مسجد جاتی تھیں، کیا یہ صحیح ہے؟ مدلل جواب تحریر فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) زمانہ مبارکہ میں عورتوں کو مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت تھی، وہ زمانہ خیر القرون کا تھا فتنوں سے محفوظ تھا رسول مقبول ﷺ بہ نفس نفیس تشریف فرما تھے، وحی نازل ہوتی تھی، نئے نئے احکام آتے تھے، نئے مسلمان تھے نماز وغیرہ کے مسائل سیکھنے کی ضرورت تھی اور سب سے بڑھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوتا تھا، ان تمام باتوں کے باوجود عورتیں نماز باجماعت پڑھنے کی مکلف نہیں تھیں صرف اجازت تھی اور افضل یہی تھا کہ عورتیں مکانوں میں چھپ کر اور تاریک تر کمرے میں (جہاں اجنبی مردوں کی بالکل نظر نہ پڑسکے) نماز پڑھیں اس کی بین دلیل حضرت ام حمید ساعدی رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۵۹ جلد نمبر ۶ (اس سلسلہ کا ایک تفصیلی فتویٰ احقر کے فتاویٰ رحیمیہ ص ۵۶ تا ص ۱۷۵ جلد ششم میں شائع ہو چکا ہے وہ ضرور ملاحظہ کیا جائے)

بعد کے زمانہ میں عورتوں میں کچھ آزادی اور خرابی رونما ہوئی تو حضرت عمر فاروقؓ نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکا، حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس سے اتفاق کیا، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فقیہانہ جواب دیا۔ لو ادرک رسول الله صلى الله عليه وسلم ما احدثت النساء

لمنعهن المسجد كما منعت نسآء بني اسرائيل. اگر رسول اللہ ﷺ عورتوں کی یہ حالت دیکھتے تو ان کو مسجد آنے سے ضرور روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجد آنے سے ممانعت کردی گئی تھی (باب خروج النسآء الی المساجد باللیل والغلس بخاری شریف ص ۱۲۰ ج ۱) (مسلم شریف ص ۱۸۳ ج ۱) (زجاجۃ المصابیح ص ۳۱۳ ج ۱)

عنایہ شرح ہدایہ میں ہے۔ ولقد نهى عمر رضى الله عنه النساء عن الخروج الى المساجد فشكون الى عائشة رضى الله عنها فقالت لو علم النبى صلى الله عليه وسلم ماعلمه عمر رضى الله عنه ماأذن لكن فى الخروج فاحتج به علماء نا ومنعوا الشواب عن الخروج مطلقاً.

یعنی حضرت عمرؓ نے عورتوں کو مسجد آنے سے منع فرمایا تو عورتوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی شکایت کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، حضرت عمرؓ کو جن امور کا علم ہوا اگر حضور اقدس ﷺ کے سامنے یہ امور ظاہر ہوتے تو تم کو (برائے نماز) نکلنے کی اجازت مرحمت نہ فرماتے، ہمارے علماء نے اسی سے استدلال کیا ہے اور نوجوان عورتوں کو مطلقاً نکلنے سے منع فرمایا۔ (عنایۃ شرح ہدایہ ص ۳۶۵ ج ۱ مع فتح القدیر، باب الامامۃ)

بدائع الصنائع میں ہے۔ ولا يباح للشواب منهن الخروج الى الجماعات بدليل ماروى عن عمر رضى الله عنه انه نهى الشواب عن الخروج و لان خروجهن الى الجماعة سبب للفتنة والفتنة حرام وما ادىٰ الى الحرام فهو حرام ترجمہ:۔ جوان عورتوں کو جماعت میں شریک ہونے کے لئے نکلنا مباح نہیں ہے اس روایت کے پیش نظر جو حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے جوان عورتوں کو نکلنے سے منع فرمادیا تھا اور اس وجہ سے کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے اور فتنہ حرام ہے اور جو چیز حرام تک پہنچائے وہ بھی حرام ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۵۷، فصل فى بيان من يصلح للامامة فى الجملة)

عینی شرح بخاری میں ہے۔ وكان ابن عمر رضى الله عنهما يقوم يحصب النساء يوم الجمعة يخرجهن من المسجد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ کے روز کھڑے ہوکر عورتوں کو کنکریاں مار کر مسجد سے نکال دیتے۔ (باب خروج النسآء الی المساجد باللیل والغلس عینی شرح بخاری ص ۲۲۸ ج ۳)

اسی طرح فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جمعہ کے روز عورتوں کو مسجد سے نکال دیتے اور فرماتے اپنے گھر جاؤ تمہارے گھر تمہارے لئے بہتر ہیں۔ عن ابى عمرو الشيبانى انه رأى عبد الله يخرج النساء من المسجد يوم الجمعة و يقول اخرجن الى بيوتكن خير لكن رواه الطبرنى فى الكبير باسناد لابأس به (الترغيب والترهيب ص ۱۹۰ ج ۱)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:۔ (۱) حدثنا ابو بكر قال حدثنا جرير عن منصور عن ابراهيم قال يكره خروج النساء فى العيدين ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ عیدین میں عورتوں کا نکلنا مکروہ ہے (باب من کرہ خروج النسآء الی العید مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۸۳ ج ۲)۔

(۲) حدثنا وكيع عن سفيان عن عبد الله بن جابر عن نافع عن ابن عمر رضى الله عنه انه كان لا يخرج نساءه فى العيدين حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے گھر کی مستورات کو عیدین کی (نماز کے لئے) نہیں نکالتے تھے (حوالۂ بالا)۔

(۳)حدثنا ابو اسامة عن هشام بن عروة عن ابيه انه كان لا يدع امرأة من اهله تخرج الى فطر ولا الى الاضحیٰ ہشام اپنے والد عروہ کا عمل بیان کرتے ہیں کہ آپ اپنے گھر کی کسی عورت کو (عیدگاہ) نہیں جانے دیتے تھے (حوالۂ بالا)

(۴)حدثنا ابو داؤد عن قرة قال حدثنا عبدالرحمن بن القاسم قال كان القاسم اشدشئی علی العواتق لا یدعهن یخرجن فی الفطر والاضحی عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ ان کے والد (حضرت قاسم) عورتوں کو عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نماز کے لئے نہیں جانے دیتے تھے اور اس سلسلہ میں ان کا رویہ بڑا سخت تھا۔ (حوالۂ بالا)

(۵)حدثنا وکیع بن حسن بن صالح عن منصور عن ابراهيم قال كره للشابة ان تخرج الى العيدين . ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ عیدین (کی نماز کے لئے) جوان عورت کا نکلنا مکروہ ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۸۳ ج ۲ من کرہ خروج النساء الی العیدین) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اگلی صف میں خالی جگہ ہو تو صف چیر کر یا نمازیوں کے سامنے سے گذر کر خالی جگہ پر کرنا:

(سوال ۱۸۷) پہلی صف میں ایک آدمی کھڑا رہ سکے اتنی جگہ خالی ہے مگر دوسری صف میں نمازی کھڑے ہیں تو ان کے آگے سے گذر کر پہلی صف کی خالی جگہ پر کرنا اور وہاں پہنچ کر کھڑا ہونا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(جواب) اگلی صف پوری کر کے پچھلی صف بنانا چاہئے، صف میں خالی جگہ نہ چھوڑنا چاہئے، شامی میں حدیث نقل کی ہے قال علیه الصلوٰة والسلام توسطوا الامام وسدوا الخلل، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا امام کو درمیان میں رکھو (یعنی اس کے دائیں بائیں اس طرح صف بناؤ کہ امام درمیان میں رہے) اور خالی جگہ پر کرو (شامی ص ۵۳۱ ج ۱ باب الامامۃ) اگلی صف میں جگہ ہوتے ہوئے پیچھے کھڑا ہونا ان لوگوں کی کوتاہی ہے اس لئے نو وارد کا خالی جگہ پر کرنے کے لئے پچھلی صف والوں کے سامنے سے گذرنا یا صف چیر کر وہاں جا کر کھڑا ہونا جائز ہے۔

مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ الا ان یجد الداخل فرجة فی الصف الاول فله ان یمر بین یدی الصف الثانی لتقصیر اهل الصف الثانی ذکره الطیبی. (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۲۴۰ ج ۲ ملتانی، باب السترہ.) درمختار میں ہے۔ ولو وجد فرجة فی الاول لا الثانی له خرق الثانی لتقصیر هم وفی الحدیث من سدد فرجة غفر له' شامی میں ہے (قوله لتقصیر هم) یفید ان الکلام فیما اذا شرعوا وفی القنیة قام فی آخر صف وبینه وبین الصفوف مواضع خالیة فللداخل ان یمر بین یدیه لیصل الصفوف لانه اسقط حرمة نفسه فلا یأثم المار بین یدیه دل علیه مافی الفردوس عن ابن عباس رضی الله عنه ، عنه صلی الله علیه وسلم من نظر الیٰ فرجة فی صف فلیسدها نفسه فان لم یفعل فمر مار فلیتخط علی رقبته فانه لا حرمة له' ای فلیتخط المار علی رقبة من لم یسد الفرجة اه (درمختار و شامی ص ۵۳۳ ج ۱ ، باب الامامة مطلب فی الکلام علی الصف الاول)

غایۃ الاوطار ترجمہ اردو درمختار میں ہے۔ ولو وجد فرجة فی الاول لا الثانی له خرق الثانی

لتقصیر هم اور اگر نمازی اول صف میں فرجہ پاوے۔ دوسری میں تو اس کو جائز ہے چیرنا دوسری صف کا بہ سبب قصور کرنے دوسری صف والوں کے یعنی جب کوئی شخص نماز میں داخل ہونا چاہے اور اگلی صفوں میں جگہ دیکھے تو پچھلی والوں کے سامنے گویا ان کو چیر کر اس جگہ میں جا کھڑا ہو کیونکہ پچھلی صف والوں کا قصور ہے کہ انہوں نے جگہ کو نہ بھرا اس لئے ان کو چیرنا یا ان کی نماز کے آگے کو گذرنا کچھ مضائقہ نہیں اس لئے کہ حدیث میں وارد ہے کہ جب کوئی شخص فرجہ دیکھے تو اس کو خود بند کر دے اور اگر نہ بند کرے تو دوسرا شخص اس کی گردن پر ہو کر چلا جاوے کہ اس کی کچھ تعظیم نہیں رہی۔ اخرجه فی الفردوس عن ابن عباس وفی الحدیث من سد فرجة غفر له. اور حدیث میں ہے کہ جو شخص فرجہ بند کرے اس کی مغفرت ہوگی۔ (غایۃ الاوطار ص ۲۶۵ ج ۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کسی عالم یا بزرگ کو صف میں اپنی جگہ دینا:

(سوال ۱۸۸) جماعت کھڑی ہوئی ایک شخص پہلی صف میں ہے ایک عالم تشریف لائے، عالم کو دیکھ کر اس شخص نے ان کو پہلی صف میں اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود دوسری صف میں کھڑا ہوا تو اس طرح کرنا درست ہے؟ حالانکہ پہلی صف کی تو بہت فضیلت ہے! بینوا توجروا۔

(الجواب) اہل علم کی تعظیم کے خاطر خود پیچھے ہٹ کر ان کو پہلی صف میں جگہ دینا بلا کراہت درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ اس کا یہ فعل مناسب ہے، شامی میں ہے۔ وفی حاشیة الاشباه للحموی عن المضمرات عن النصاب وان سبق احد الی الصف الاول فدخل رجل اکبر منه سناً او اهل علم ینبغی ان یتأخر و یقدمه تعظیماً له اه فهذا یفید جواز الایثار بالقرب بلا کراهة خلافا للشافعیة ... ونقل العلامة البیری فروعا تدل علی عدم الکراهة ویدل علیه قوله تعالیٰ ویؤثرون علیٰ انفسهم ولو کان بهم خصاصة الخ (شامی ص ۵۳۲ ج ۱) باب الامامة، مطلب فی جواز الایثار بالقرب) فقط و الله اعلم بالصواب۔

بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے لئے پہلی صف میں نماز پڑھنا کیسا ہے:

(سوال ۱۸۹) ہماری مسجد میں ایک دو نمازی معذور، ہیں کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے وہ اگر پہلی صف میں مؤذن (مکبر) کے پاس بیٹھ کر نماز ادا کرتے ہیں تو کافی جگہ روکتے ہیں، صف کے درمیان کافی خلا رہتا ہے اور دوسرے مصلیوں کو تکلیف بھی ہوتی ہے اگر یہ لوگ صف کے کنارے بیٹھ کر یا دوسری تیسری صف میں نماز ادا کریں تو ان کو جماعت کا ثواب ملے گا؟ اور ایسے لوگوں کے لئے کس جگہ نماز ادا کرنا بہتر ہے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں ایسے لوگوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ آخری صف میں یا جہاں کنارے پر جگہ ہو وہاں نماز ادا کریں، انشاء اللہ ان کو جماعت اور صف اول کا ثواب ملے گا۔ شامی میں ہے (تنبیہ) قال فی المعراج الافضل ان یقف فی الصف الآخر اذا خاف ایذاء احد قال علیه الصلوٰة والسلام من ترک الصف الاول مخافة ان یؤذی مسلماً اضعف له اجر الصف الاول وبه اخذ ابو حنیفة ومحمدؒ (شامی ص ۵۳۲ ج ۱، باب الامامة)

یعنی: اپنی ذات سے کسی کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ آخری صف میں کھڑا ہو، حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا جو کسی مسلمان کو تکلیف پہنچنے کے اندیشہ سے پہلی صف ترک کردے تو اسے پہلی صف کا دوگنا اجر دیا جائے گا امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ نے اسے اختیار فرمایا ہے (شامی ص ۵۳۲ ج ۱ باب الامامۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورت کے لئے حرم شریف میں جماعت سے نماز پڑھنا کیسا ہے :

(سوال ۱۹۰) عورتیں حج وعمرہ کے لئے جاتی ہیں وہاں ان کے لئے حرم شریف میں جاکر نماز باجماعت ادا کرنا افضل ہے یا اپنی قیام گاہ میں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عورتیں نماز کے لئے مسجد جاسکتی ہیں یا نہیں؟ اس کی متعلق تفصیلی جواب فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد پنجم ص ۵۹ تا ص ۷۱ (جدید ترتیب میں، کتاب العیدین میں، عورتوں کا مسجد وعیدگاہ میں جانا کیسا ہے ص ۱۵۶ کے عنوان سے دیکھئے۔ مرتب) پر موجود ہے اسے بغور ملاحظہ فرمائیں، اس جواب میں حضرت امام حمید ساعدی رضی اللہ عنہا کی حدیث بہت ہی زیادہ قابل غور ہے، اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ **عن ام حمید امرأة ابی حمید الساعدی رضی اللہ عنہا انہا جاء ت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ انی قد احب الصلوٰة معک قال قد علمت انک تحبین الصلوٰة معی وصلوتک فی بیتک خیر من صلوتک فی حجرتک وصلوتک فی حجرتک خیر من صلوتک فی دارک وصلوتک فی دارک خیر من صلوتک فی مسجد قومک وصلوتک فی مسجد قومک خیر من صلاتک فی مسجدی قال فامرت فبنی لہا مسجد فی اقصی شیئ من بیتہا واظلمہ وکانت تصلی فیہ حتیٰ لقیت اللہ عزوجل رواہ احمد وابن خزیمة وابن حبان فی صحیحہما.**

ترجمہ:۔ حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا نے بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا شوق بہت اچھا ہے (اور دینی جذبہ ہے) مگر تمہاری نماز اندرونی کوٹھی میں کمرہ کی نماز سے بہتر ہے، اور کمرہ کی نماز گھر کے احاطہ کی نماز سے بہتر ہے اور گھر کے احاطہ کی نماز محلہ کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے، اور محلہ کی مسجد کی نماز میری مسجد (یعنی مسجد نبوی) کی نماز سے بہتر ہے، چنانچہ حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا نے فرمائش کر کے اپنے کمرے (کوٹھے) کے آخری کونے میں جہاں سب سے زیادہ اندھیرا رہتا تھا مسجد (نماز پڑھنے کی جگہ) بنوائی وہیں نماز پڑھا کرتی تھیں یہاں تک کہ ان کا وصال ہو گیا اور اپنے خدا کے حضور میں حاضر ہوئیں (الترغیب والترہیب ص ۱۷۸ ج ۱، بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ص ۶۴ ۱۴۴ ج ۴)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کے لئے اپنے گھر (قیام گاہ) ہی میں نماز پڑھنا بہتر ہے چاہے وہ محلہ کی مسجد ہو یا حرم شریف (مذکورہ حدیث تو خاص مسجد نبوی علی صاحبہا الف الف تحیہ وسلام سے متعلق ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کے متعلق درخواست تھی) لہذا عورتوں کی لئے بہتر یہی ہے کہ خاص نماز کے ارادہ سے مسجد نہ جائیں چاہے حرم شریف ہو۔

البتہ عورت اگر طواف کے ارادہ سے یا روضۂ پاک (علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام) پر صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے لئے حرم شریف میں حاضر ہوئی ہو اور نماز کی تیاری ہونے لگے تو وہاں عورتوں کے ساتھ نماز پڑھ لے، مردوں کے ساتھ ہرگز کھڑی نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

امام سے مقتدی ناراض ہوں تو امام امامت چھوڑ دے یا امامت پر قائم رہے؟:

(سوال ۱۹۱) ہماری مسجد میں امام صاحب آٹھ سال سے امامت کرا رہے ہیں مصلی ان سے خوش تھے مگر ابھی ایک دو باتیں پیش آ گئیں جس کی وجہ سے بعض مصلی ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے کراہت کرتے ہیں (۱) مسجد کا اصول یہ ہے کہ مسجد کی دکان مسجد کے خدام کو کرایہ پر نہیں دی جاتی امام صاحب نے ایک دوکان دو تین سال سے ایک شخص کے نام سے لی اور مسجد کے ذمہ داروں کو نہیں بتایا اس کے بعد مسجد والوں کو معلوم ہوا تو تحقیق کی. انہوں نے صاف انکار کر دیا جب اس شخص سے پوچھا گیا تو اس نے جو بات سچ تھی وہ بتلا دی کہ دوکان امام صاحب کی ہے انہوں نے میرے نام سے لی ہے۔

(۲) انہوں نے ایک مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کیا اور مسجد میں مدرسہ کے لئے چندہ جمع کرنا شروع کیا، ایک جگہ خریدنے کا بھی پروگرام تھا مگر برائے مدرسہ جگہ نہ خرید سکے جو چندہ ہوا وہ رقم اپنے اکاؤنٹ میں جمع کی، ایک موقع پر مسجد کی کمیٹی کے سکریٹری نے ان سے حساب طلب کیا تو چار پانچ ماہ تک ٹالتے رہے، سکریٹری نے دوبارہ مطالبہ کیا تو ایک خط کے ذریعہ جواب دیا "یہ مدرسہ میرا ذاتی ہے، آپ کو اس کا حساب مانگنے کا کوئی حق نہیں ہے۔" جس کی وجہ سے مسجد میں بڑا انتشار رہا، اور بعض مصلی ان کی اقتدا میں نماز پڑھنے کے لئے تیار نہیں، تو ان کی اقتداء میں نماز کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حدیث میں ہے۔ **عن ابی امامة رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم ثلاثة لا تجاوز صلوتهم اذانهم العبد الآبق حتی یرجع وامرأة باتت وزوجها علیها ساخط امام قوم وهم له کارهون .** رواہ الترمذی یعنی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین آدمیوں کی نماز ان کے کان سے بھی آگے تجاوز نہیں کرتی (یعنی قبول نہیں ہوتی) (۱) بھاگا ہوا غلام یہاں تک کہ واپس آ جائے (۲) عورت اس حال میں رات گذارے کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہو (۳) اور وہ امام کہ لوگ اس سے ناراض ہوں، ترمذی (مشکوٰۃ شریف باب الامامۃ ص ۱۰۰) دوسری حدیث میں ہے۔ **عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ثلثة لا تقبل لهم صلوتهم من تقدم قوما وهو له کارهون الخ** یعنی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین شخصوں کی نماز مقبول نہیں (۱) جو کسی قوم کی امامت کرے اور لوگ اسے پسند نہ کرتے ہوں الخ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۰ ایضاً)

فقہ کی مشہور کتاب درمختار میں ہے۔ **ولو ام قوماً وهم له کارهون لفساد فیه اولا نهم احق بالامامة منه کره له ذلک تحریما لحدیث ابی داؤد لا یقبل اللہ صلوٰة من تقدم قوما وهم له کارهون وان هو احق لا والکراهة علیهم** یعنی اگر کوئی شخص امامت کرتا ہے اور نمازی اس سے کراہیت کرتے

ہیں (اسے پسند نہیں کرتے) تو اگر اس کراہیت اور ناگواری کا سبب یہ ہے کہ امام میں کوئی خرابی ہے یا یہ لوگ امامت کے اس سے زیادہ مستحق ہیں وہ ان سے کم درجہ رکھتا ہے تو اس کو امامت کرنا مکروہ تحریمی ہے، چنانچہ ابوداؤد شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتے جو امامت کرے اور لوگ اس سے کراہیت کرتے ہوں، اور اگر واقعہ یہ ہے کہ امام ہی سب ہی سے زیادہ امامت کا حقدار ہے (عالم وفاضل اور متقی ہے) اور لوگ اس سے کراہیت کرتے ہیں تو اس کراہیت کا وبال نمازیوں پر ہوگا (درمختار مع شامی باب الامامۃ ص ۵۲۲ ج ۱) (فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۱۶۴ ......۱۶۵ ج ۱ ص ۱۶۴، ۱۶۵) (جدید ترتیب میں **من یصلح اماماً لغیرہ**، میں فاسق وفاجر اور بدعتی کی امامت کا کیا حکم ہے، کے عنوان سے دیکھئے ص ۱۴۳ مرتب)

صورت مسئولہ میں بعض مصلی امام سے ناراض ہیں، ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے کراہیت کرتے ہیں، سوال سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی ناراضگی بلا وجہ نہیں ہے، انہوں نے جھوٹ بولا اور غلط معاملہ کیا اور عرصہ تک اس غلط چیز کو چلاتے رہے اور مسجد میں مدرسہ کے نام سے چندہ کیا اور بعد میں اس چندہ کا حساب نہیں دیا اور یہ کہا کہ یہ ''میرا ذاتی معاملہ ہے'' آپ کو حساب مانگنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ قابل قبول نہیں ہے، چندہ مدرسہ کے نام سے کیا گیا ہے اس لئے امانت داری کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کا حساب بالکل صاف رکھنا چاہئے تھا، حساب نہ رکھنا اس سے لوگوں کو یقیناً چندہ کرنے والے کے متعلق خیانت کا خیال پیدا ہوگا اور مصلیوں میں انتشار ہوگا لہذا ایسے شخص کو امامت جیسے اہم منصب پر قائم رکھنا موجب فتنہ ہوسکتا ہے، امامت بہت عظیم منصب ہے ایسا شخص اس اہم منصب کے قابل نہیں امامت کرانا ان کے لئے مکروہ تحریمی ہے، لہذا ان کو از خود مستعفی ہوجانا چاہئے، امامت کتنا عظیم منصب ہے اور امام کو کتنا محتاط ہونا چاہئے اس کا اندازہ اس حدیث سے لگائیے۔

ابوداؤد شریف میں ہے:۔ ایک شخص نے کچھ لوگوں کی امامت کی، اسے تھوک آیا تو قبلہ کی جانب تھوک دیا آنحضرت ﷺ دیکھ رہے تھے جب نماز سے فارغ ہوگیا تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں سے آنحضرت ﷺ نے فرمادیا کہ یہ شخص آئندہ تمہاری امامت نہ کرے، اس کے بعد اس شخص نے نماز پڑھانے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے اسے روک دیا اور بتادیا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے، یہ شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس واقعہ کا تذکرہ کیا رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہاں میں نے کہا تھا، راوی بیان کرتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تم نے اللہ کو اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی تھی۔ **ان رجلاً ام قوماً فبصق فی القبلة ورسول الله صلی الله علیه وسلم ینظر فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم حین فرغ لا یصلی بکم فاراد بعد ذلک ان یصلی لهم فمنعوه واخبروه بقول رسول الله صلی الله علیه وسلم فذکر ذلک لرسول الله صلی الله علیه وسلم فقال نعم وحسبت انه قال انک اذیت الله ورسوله صلی الله علیه وسلم** (ابوداؤد شریف باب کراهیة البزاق فی المسجد ج ۱ ص ۷۶) (فتاویٰ رحیمیه ج ۱ ص ۱۶۴) **فقط والله اعلم بالصواب**۔ جدید ترتیب میں ص ۱۴۴ مصحح۔

مسجد میں جماعت ثانیہ کی عادت بنالینا:

(سوال ۱۹۲) ہماری مسجد میں جماعت ہوجانے کے بعد آس پاس کے دوکاندار اکثر جماعت ثانیہ کرتے ہیں ان کا یہ عمل کیسا ہے؟ تنہا تنہا نماز پڑھنا بہتر ہے یا جماعت ثانیہ کرکے، آپ مفصل جواب عنایت فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) اسلام میں نماز با جماعت ادا کرنے کی بڑی فضیلت اور بہت تاکید آئی ہے، ارشاد خداوندی ہے واركعوا مع الراكعين (سورۂ بقرہ) نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو۔ (یعنی جماعت سے نماز ادا کرو) ای صلوا مع المصلين (جلالین) اور فرمان نبوی ﷺ ہے صلوٰة الجماعة تفضل صلوٰة الفذ بسبع وعشرين درجة. یعنی جماعت کی نماز اکیلے کی نماز سے ستائیس درجہ بڑھ جاتی ہے اور افضل ہوجاتی ہے (صحیح بخاری باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ ص ۸۹ ج ۱ پ ۳) (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۱) (جامع ترمذی ج ۱ ص ۲۰)

سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے جو شخص اذان سنے اور عذر نہ ہونے کے باوجود مسجد میں حاضری نہ دے سکے تو اس کی اکیلی پڑھی ہوئی نماز قبول نہ ہوگی (اگر چہ ضابطہ کی خانہ پری ہوجائے گی اور فریضہ ساقط ہوجائے گا) صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دریافت کیا عذر کیا؟ فرمایا (جان مال، آبرو کا) خوف یا مرض۔ من سمع المنادى فلم يمنعه من اتباعه عذر قالوا وما العذر قال خوف او مرض لم تقبل منه الصلوٰة التى صلى (باب التشديد فى ترك الجماعة ابو داؤد شريف ص ۸۸ ج ۱)

نیز ارشاد فرمایا، جماعت ترک کرنا چھوڑ دو، ورنہ خدائے پاک دلوں پر مہر لگادے گا اور تم ان میں سے ہوجاؤ گے جن کو اللہ نے غافل قرار دیا ہے۔ (ابن ماجہ مصری ص ۲۶۰) نیز ارشاد ہوا، آدمی کے کان گرم کئے ہوئے رانگ سے بھر جائیں (یعنی بہرے ہوجائیں) یہ بہتر ہے اس سے کہ اذان سنے اور اذان کی پکار کو قبول نہ کرے (کتاب الصلوٰۃ لابن القیم)

ایک حدیث میں تین قسم کے آدمیوں پر اللہ کی لعنت آئی ہے جن میں سے ایک وہ ہے جو اذان سنے اور مسجد میں حاضر نہ ہو، آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔ الجفاء كل الجفاء والكفر والنفاق من سمع منادى الله تعالىٰ ينادى بالصلوة ويدعوا الى الفلاح فلا يجيبه (جامع الصغير ج ۱ ص ۱۲۱ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۵۸ باب اجابة المؤذن ومايقول عند الاذان والاقامة)

ترجمہ:۔ سراسر ظلم اور کفر ونفاق ہے کہ اللہ کے منادی کو سنے کہ نماز کے لئے پکار رہا ہے فلاح (اور ابدی کامیابی) کے لئے دعوت دے رہا ہے پھر بھی لبیک نہ کہے اور اس کی پکار کا جواب نہ دے۔

ابوداؤد شریف میں ایک حدیث ہے۔ لقد هممت ان امر فتيتى فيجمعوا الى حزماً من حطب ثم اتى قوماً يصلون فى بيوتهم ليست بهم علة فاحرقها عليهم بے شک میرا جی چاہتا ہے کہ جوانوں کو حکم دوں کہ وہ سوختہ جمع کریں پھر میں جاؤں ان لوگوں کے پاس جو بلا عذر اپنے گھروں میں نماز پڑھتے ہیں اور انہیں مع گھر کے جلادوں (ابوداؤد شریف باب التشدید فی ترک الجماعۃ ج ۱ ص ۸۸)

تنبیہ:

رحمت عالم ﷺ آگ لگا دینے کی سزا ان کے لئے تجویز فرماتے ہیں جو نماز تو پڑھتے ہیں مگر مسجد میں نہیں آتے گھر میں پڑھتے ہیں، اب غور فرمائیے اور سبق لیجئے کہ ان کی سزا کیا ہوگی جو معاذ اللہ نماز ہی نہیں پڑھتے (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاوی رحیمیہ ص ۲۰۹ تا ص ۲۱۴ جلد اول اردو) (جدید ترتیب کے اسی باب میں اسلام میں جماعت کی اہمیت کی عنوان سے دیکھئے۔ مرتب)

مندرجہ بالا آیت قرآنی اور احادیث مبارکہ سے جماعت کی اہمیت تاکید اور فضیلت ثابت ہوتی ہے لہذا شرعی عذر کے بغیر جماعت ترک نہ کرنا چاہئے اور جماعت چھوڑنے کی عادت بنالینا تو سنگین گناہ اور بہت ہی خطرناک چیز ہے اگر کسی وقت کسی شرعی عذر کی وجہ سے با جماعت نماز پڑھنے کا شوق ہو تو گھر جا کر اہل خانہ کے ہمراہ جماعت کرے۔

صورت مسئولہ میں مسجد میں جماعت ثانیہ کا جو طریقہ سوال میں درج ہے وہ بالکل غلط اور گناہ ہے اس طریقہ کو فوراً ہی بند کردینا چاہئے لوگوں کے دلوں میں سے جماعت اولیٰ کی اہمیت اور عظمت نکلے گی اور تقلیل جماعت کا سبب ہوگی اور اس کے ذمہ دار دوسری جماعت کرنے والے ہوں گے، اگر جماعت چھوٹ جانے کی وجہ سے مسجد میں نماز ادا کرے تو تنہا تنہا پڑھنا بہتر ہے، مسجد میں جماعت ثانیہ کے متعلق فتاوی رحیمیہ جلد چہارم میں ایک سوال وجواب ہے اسے یہاں نقل کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(سوال ۱۶۹) تبلیغی جماعت ایک بستی میں ایسے وقت پہنچی کہ جماعت ہو چکی تھی تو ان کے لئے جماعت ثانیہ کرنا بہتر ہے یا فرادیٰ مع اذان واقامت یا بلا اذان واقامت ادا کرنا بہتر ہے؟

(الجواب) اس صورت میں فرادیٰ بلا اذان واقامت نماز ادا کی جائے کہ مسجد میں جماعت ثانیہ مکروہ ہے۔ قال (واذا دخل القوم مسجداً قد صلی فیہ اهله کرهت لهم ان یصلو اجماعة باذان واقامة ولکنهم یصلون وحداناً بغیر اذان ولا اقامة) لحدیث الحسن قال کانت الصحابة اذا فاتتهم الجماعة فمنهم من اتبع الجماعات ومنهم من صلی فی مسجده بغیر اذان ولا اقامة الخ (مبسوط للسرخسی ص ۱۳۵ ج ۱ باب الاذان) (فتاوی رحیمیه ص ۱۲۴ ج ۴)

درمختار میں ہے (او) مصل (فی مسجد بعد صلوة جماعة فیه) بل یکره فعلهما وتکرار الجماعة . شامی ہے۔ (قوله تکرار الجماعة) لما روی عبدالرحمن ابن ابی بکر عن ابیه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم خرج من بیته لیصلح بین الانصار فرجع وقد صلی فی المسجد بجامعة، فدخل رسول الله صلی الله علیه وسلم فی منزل بعض اهله فجمع اهله فصلی بهم جماعة ولو لم یکره تکرار الجماعة فی المسجد لصلی فیه وروی عن انس ان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم کانوا اذا فاتتهم الجماعة فی المسجد صلوا فی المسجد فرادی ولان التکرار یؤدی الیٰ تقلیل الجماعة لان الناس اذا علموا انهم تفوتهم الجماعة یتعجلون فتکثر والا تاخروا اه بدائع وحینئذ فلو دخل جماعة المسجد بعد ما صلی اهله فیه فانهم یصلون وحداناً وهو ظاهر الروایة ظهیریة ...... الخ (شامی ص ۳۶۷ ج ۱، باب الاذان. نیز ص ۵۱۶ ج ۱، باب الامامة.)

بہشتی گوہر میں ہے: تنبیہ ہر چند کہ بعض لوگوں کا عمل امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے لیکن امام صاحب کا قول دلیل سے بھی قوی ہے اور اس وقت دینیات میں اور خصوص امر جماعت میں جو تہاون اور تکاسل ہو رہا ہے اس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ باوجود تبدیل ہیئت کراہت پر فتویٰ دیا جائے ورنہ لوگ قصداً جماعت اولیٰ کو ترک کریں گے کہ ہم اپنی دوسری کرلیں گے (بہشتی گوہر ص ۶۳ جماعت کے احکام) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صفیں درست کرانا کس کی ذمہ داری ہے؟ امام کی یا مؤذن کی:

(سوال ۱۹۴) کیا مؤذن پر یہ ذمہ داری ڈالنا صحیح ہے کہ وہ تکبیر شروع کرنے سے پہلے تین مرتبہ بآواز بلند یہ کہا کرے صاحبو! صفیں درست کرلیجئے" بینوا توجروا۔

(الجواب) اقامت کا مقصد ہی حاضرین کو متوجہ اور مطلع کرنا ہے کہ اپنے اپنے انفرادی عمل چھوڑ کر جماعت میں شریک ہونے کی تیاری اور صف بندی شروع کردیں۔ لہٰذا مؤذن کو سوال میں درج شدہ جملہ کہنے کے لئے پابند بنانا غیر ضروری ہے، صفوں کی درستگی میں اگر خلل ہو تو امام کی ذمہ داری ہے کہ صفیں درست کرائے، یہ مؤذن کی ذمہ داری نہیں پچھلی صفوں کو درست کرنے کے لئے اگر کسی شخص کو مقرر کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو امام کسی کو بھی مقرر کرسکتا ہے اور صفوں کی درستگی تک نماز شروع کرنے میں تاخیر کرسکتا ہے۔

ترمذی شریف میں ہے۔ روی عن عمر رضی اللہ عنہ انہ کان یؤکل رجلاً باقامۃ الصفوف ولا یکبر حتی یخبر ان الصفوف قد استوت وروی عن علی رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ انہما کانا یتعاھدان ذلک ویقولان استووا . یعنی حضرت عمرؓ نے صفیں درست کرنے کے لئے ایک شخص کو مقرر کیا تھا اور جب تک آپ کو صفیں درست ہونے کی خبر نہ دی جاتی آپ تکبیر تحریمہ نہ کہتے، حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا بھی یہی معمول تھا اور فرماتے استووا سیدھے کھڑے رہو (ترمذی شریف ص ۳۱ ج ۱، باب ماجاء فی اقامۃ الصفوف)

مؤطا امام مالک میں روایت ہے: مالک عن ابی النضر مولی عمر بن عبید اللہ عن مالک بن ابی عامر ان عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کان یقول فی خطبتہ قل ما یدع ذلک اذا خطب، اذا قام الامام یخطب یوم الجمعۃ فاستمعوا وانصتوا فان للمنصت الذی لا یسمع من الحظ مثل ما للمنصت السامع فاذا قامت الصلوۃ فاعدلوا الصفوف وحاذوا بالمناکب فان اعتدال الصفوف من تمام الصلوۃ ثم لایکبر حتی یأتیہ رجال قدو کلھم بتسویۃ الصفوف فیخبرو نہ ان قد استوت فیکبر . یعنی حضرت عثمانؓ اکثر اپنے خطبہ میں ارشاد فرماتے "جب امام جمعہ کے دن خطبہ دے تو غور سے سنو اور خاموش رہو جس کو خطبہ سنائی نہ دے اور وہ خاموش رہے تو اسے خطبہ سننے والے کے مثل ثواب ملتا ہے جب نماز کھڑی ہوجائے تو صفیں درست کرو اور کندھے برابر رکھو (یعنی کوئی بلند جگہ کھڑا نہ رہے بلکہ برابر جگہ پر کھڑا رہے تاکہ کندھے برابر رہیں) صفوں کی درستگی نماز کی تمامی میں سے ہے ثم لا یکبر:۔ آپ نے جن لوگوں کو صفیں درست کرنے کے لئے مقرر کر رکھا تھا جب وہ آپ کو صفیں درست ہونے کی اطلاع دیتے اس وقت آپ تکبیر تحریمہ کہتے (مؤطا امام مالک ص ۳۶ ماجاء فی انصات یوم الجمعۃ والامام یخطب)

درمختار میں ہے۔ (ویصف) ای یصفھم الامام بان یأمرھم بذلک قال الشمنی وینبغی ان

یأمرھم بان یتراصوا ویسدوا الخلل ویسووا منا کبھم (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۵۳۱ باب الامامۃ) غایۃ الاوطار میں ہے ویصف ...... اور صف باندھیں یعنی مقتدیوں کی صف کروائے، امام اس طرح کہ ان کو حکم کرے صف باندھنے کا، شمنی نے کہا امام کو چاہئے کہ مقتدیوں کو امر کرے کہ ایک دوسرے سے ملے رہیں اور دو شخصوں کے بیچ کی جگہ کو بند کریں اور اپنے شانوں کو برابر رکھیں (غایۃ الاوطار۔ ج ۱ ص ۲۶۴ واللہ اعلم)

عیدگاہ میں جماعت ثانیہ کا کیا حکم ہے؟

(سوال ۱۹۵) ہمارے یہاں قدیم زمانہ سے عیدگاہ میں سب مل کر ایک ساتھ ہی عیدین کی نماز ادا کرتے تھے مگر چند برسوں سے چند بدعتی ایک دوسری جماعت بنا کر اپنے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے ضد کر رہے ہیں تو کیا عیدگاہ میں ثانی جماعت کر سکتے ہیں؟ اگر بالفرض کر لی جائے تو کیا خطبہ ایک ہی ہوگا یا الگ الگ؟ بینوا، توجروا۔

(الجواب) جس مسجد میں ایک بار محلہ کے لوگوں نے اپنے وقت پر نماز پڑھ لی ہو اس مسجد میں دوسری جماعت (جماعت ثانیہ) کی شرعاً اجازت نہیں۔ [1] اسی طرح عیدگاہ کا بھی یہی حکم ہے۔ اہل بدعت دوسری جماعت کرنا چاہتے ہیں تو بااثر اور ذمہ دار حضرات پر لازم ہے کہ ان کو سمجھائیں اور جماعت ثانیہ کرنے سے روکیں، اگر فتنہ کا ڈر ہو تو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے، اس کا وبال اور گناہ ان کے سر ہوگا۔ اہل حق نماز باجماعت ادا کریں اور اس کے بعد فوراً خطبہ ہو جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قابل اعادہ نماز کی جماعت میں نئے مقتدی شامل ہوئے تو ان کی نماز ہوئی یا نہیں؟

(سوال ۱۹۶) ہماری مسجد میں کل عشاء کی آخری رکعت میں امام صاحب نے غلطی سے تین سجدے کر لئے، ان کو معلوم نہیں تھا کہ مجھ سے تین سجدے ہو گئے اس لئے سجدۂ سہو نہیں کیا نماز پوری ہونے کے بعد مقتدیوں نے توجہ دلائی، امام صاحب کو بھی خیال آ گیا کہ تین سجدے ہو گئے ہیں، امام صاحب نے فوراً دوسری جماعت کی، جن مقتدیوں کی رکعتیں گئی تھیں وہ اپنی توڑ کر دوسری جماعت میں شامل ہو گئے، اسی طرح کچھ نئے مقتدی بھی دوسری جماعت میں شریک ہو گئے، ان لوگوں کی نماز درست ہے یا اعادہ ضروری ہے، جواب عنایت فرمائیں، بینوا توجروا؟۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں عشاء کی آخری رکعت میں تین سجدے کرنے کی وجہ سے چوتھی رکعت کے قعدہ میں تاخیر ہوئی، سجدہ سہو کر لیا جاتا تو نماز مکمل ہو جاتی مگر سجدہ سہو نہیں کیا گیا اور بعد میں نماز کا باجماعت اعادہ کیا گیا تو مذکورہ صورت میں فریضہ پہلی نماز سے ادا ہو گیا ہے، البتہ سجدۂ سہو نہ کرنے کی وجہ سے جو کمی رہ گئی تھی دوسری جماعت سے اس کی تلافی ہو گئی، دوسری جماعت مستقل فریضہ نہیں ہے، پہلی نماز کی تکمیل کے لئے ہے، لہٰذا وہ مقتدی جن کا فریضہ مکمل طور پر باقی ہے وہ اس جماعت میں شریک نہیں ہو سکتے، اگر شریک ہوں گے تو ان کی نماز ادا نہ ہوگی۔ [2] اعادہ لازم ہوگا، اس لئے صورت مسئولہ میں جو مقتدی اپنی نماز توڑ کر دوسری جماعت میں شریک

---

(۱) ویکرہ تکرار الجماعۃ بأذان واقامۃ فی مسجد محلۃ لا فی مسجد طریق او مسجد لا امام لہ ولا مؤذن درمختار علی ھامش شامی باب الامامۃ ج ۱ ص ۵۵۲۔

(۲) وکذا کل صلاۃ أدیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا والمختار أنہ جابر للأول درمختار علی ھامش شامی مطلب کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا ج ۱ ص ۴۵۷۔

ہوئے یا جو نئے مقتدی دوسری جماعت میں شامل ہوئے ان کی نماز ادا نہیں ہوئی ان پر اعادہ ضروری ہے اور جو مقتدی پہلی جماعت میں پہلی رکعت سے آخر تک امام کے ساتھ شریک رہے ان کی اور امام کی نماز صحیح ہوگئی، ان پر اعادہ نہیں ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

امام کے لئے وقت پر حاضری ضروری ہے:

(سوال ۱۹۷) ہمارے امام صاحب عشاء کی نماز میں عام طور پر دیر سے آتے ہیں، گاہے گاہے غیر حاضر بھی رہتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ میرا کھانا عین نماز کے وقت آتا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ جب کھانا سامنے آجاوے تو اولاً کھانا کھا کر فارغ ہوجائے پھر نماز پڑھو کیا یہ عذر ٹھیک ہے؟

(الجواب) امام اس حکم سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس صورت میں مصلیوں کو انتظار کی زحمت و پریشانی ہوگی اور نماز میں تاخیر ہوگی، لہذا امام کو وقت کا اہتمام چاہئے البتہ اس مسجد میں نائب امام ہے تو پھر حرج نہیں مگر اس طرح تاخیر کی عادت بنالینا مناسب نہیں، امام ہو یا مقتدی کھانا کھا کر جلدی فارغ ہوجائے، یا کھانے کا وقت بدل دے۔ فقط و اللہ اعلم بالصواب۔

جماعت ثانیہ کا حکم:

(سوال ۱۹۸) محراب سے ہٹ کر مسجد کے گوشہ میں جماعت ثانیہ کرنے میں کوئی حرج ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جماعت خانہ میں جماعت ثانیہ کا رواج جماعت اولیٰ پر اثر انداز ہوتا ہی ہے لہذا جماعت ثانیہ کراہت سے خالی نہیں۔

اگر کبھی کسی قوی عذر کی وجہ سے جماعت فوت ہوجاوے تو گھر میں یا مسجد شرعی سے باہر (فنائے مسجد میں) جماعت کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں مگر اس کی عادت نہ کرلی جائے۔ او مصل فی مسجد بعد صلاة جماعة فيه بل يكره فعلهما وتكرار الجماعة (درمختار) قال الشامی روی عن عبدالرحمن بن ابی بكر عن ابيه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج من بيته ليصلح بين الا نصار فرجع وقد صلى فی المسجد بجماعة فدخل رسول الله صلى الله عليه وسلم فی منزل بعض اهله فصلى بهم جماعة (الى قوله) وعن ابی يوسف اذا لم تكن على الهيئة الاولى لا تكره والا تكره وهو الصحيح وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة كذا فی البزازيه (شامی ج ۱ ص ۳۶۷، باب الاذان) فقط و الله اعلم بالصواب.

متعین امام کی موجودگی میں داڑھی منڈے ٹرسٹی کا نماز پڑھانا۔ کیا دعوت اسلام کی ضرورت کے پیش نظر داڑھی منڈانے کی اجازت ہے:

(سوال ۱۹۹) (۱) ایک ادارہ ہے جس میں اسماعیلی آغاخانی خوجہ کے بچے ہیں جن کو دین اور دنیا دونوں کی تعلیم دی جاتی ہے، پنج وقتہ نماز باجماعت ہوتی ہے اور امامت ایک قاری صاحب کرتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ کچھ

دنوں سے ادارہ والوں نے یہ کہا کہ جب ٹرسٹی حضرات اوقات نماز میں حاضر ہوں تو ان کو امامت کے لئے آگے بڑھایا جائے، حال یہ ہے کہ امامت کرنے والا داڑھی منڈاتا ہے تو کیا علماء وقراء صاحبان کی موجودگی میں بے ریش آدمی کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں، اگر ہوگی تو مکروہ تنزیہی یا تحریمی، نیز اگر نماز نہیں ہوگی تو کیا صرف علماء کی نہیں ہوگی یا عوام کی بھی؟

دوسری بات یہ کہ مذکور امام خوجہ میں تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کا کام کرتا ہے اگر وہ آدمی داڑھی رکھ لے تو خوجوں میں تبلیغ کا کام نہیں کرسکتا، مذکورہ شخص کہتا ہے کہ میرے پیچھے بلا کراہت نماز درست ہوجاتی ہے، چونکہ میں تبلیغ کا کام کرتا ہوں اگر آپ کی جگہ فلاں فلاں علماء ہوتے تو ہم لوگوں کو نماز پڑھانے کے اجازت دیتے، ایسے حالات میں عام لوگ ٹرسٹیوں کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہیں؟

(۲) فاسق کی لغوی واصطلاحی تعریف، نیز فاسق کی سزا قرآن وحدیث میں کیا ہے؟ نیز فاسق کی قسمیں ہیں یا نہیں؟

(۳،۴) میں ایک آغا خوانی خوجہ ہوں کسی مولانا کی تقریر سن کر ایمان لایا اور آغا خان کو خدا کہنا چھوڑ دیا، اب میں نے سوچا کہ ہماری قوم کے لوگوں کو بھی دوزخ کے عذاب سے بچایا جائے، چنانچہ میں نے دعوت کا کام شروع کیا، خوجہ لوگوں کے بہت سے عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ داڑھی رکھنے والا بالکل گھٹیا ہے، اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں، اگر میں داڑھی رکھ لوں تو نئے خوجوں کو دعوت نہیں دے سکتا، اب سوال یہ ہے کہ ایسی حالت میں شریعت مجھے داڑھی منڈانے کی اجازت دیتی ہے یا نہیں، نیز اگر میں داڑھی نہ رکھوں تو کیا خدا کے یہاں عذاب کا مستحق ہوؤں گا؟ یا اللہ مجھے دعوت ایمان کی برکت سے چھوڑ دے گا، مجھے افسوس ہے ہندوستان کے علماء کرام پر، تبلیغی جماعت پر، جماعت اسلامی پر غیر مقلدین پر کیونکہ کوئی بھی جماعت آج کی تاریخ میں ہماری قوم (خوجہ اسماعیلی آغا خانی) کو ایمان کی دعوت نہیں دیتے جب کہ ہماری قوم کے لوگوں کا نام ہے صدرالدین، بدرالدین محمد مبارک وغیرہ، جب کہ ہماری قوم روزہ کی منکر ہے نماز کی منکر ہے، زکوٰۃ کی منکر ہے، ایسے نازک وقت میں ہمارے چند دوستوں نے ہماری قوم میں تبلیغ کا کام شروع کیا، الحمد اللہ فائدہ ہے، لیکن علماء کرام ہم پر فاسق کا فتویٰ لگاتے ہیں صرف داڑھی نہ رکھنے کی وجہ سے، تو فاسق کا اطلاق ہم پر ہوتا ہے یا نہیں؟ کیا فاسق کہنے والوں پر خدا کی لعنت نہ ہوگی۔

(۵) تبلیغ دین کی غرض سے ہم نے ایک ادارہ کھولا ہے، جس میں آغا خانی بچوں کو لاکر دین واسلام کی تعلیم دیتے ہیں ان بچوں کو تعلیم دے کر ان سے تبلیغ ودعوت دین کا کام لینا ہے، اور ہماری قوم داڑھی والے کی بات نہیں مانتی، تو ان بچوں سے داڑھی نہ رکھوا کر دین کا کام لے سکتے ہیں؟ ان بچوں کا داڑھی نہ رکھنا کیسا ہے؟ بینوا، توجروا۔

(الجواب ۱ . ۲) امامت کا منصب بہت عظیم ہے، امام کے لئے بہت احتیاط کی ضرورت ہے، امام متبع سنت اور پابند شریعت ہونا چاہئے، شریعت میں داڑھی کی بہت ہی اہمیت ہے، تمام انبیاء علیہم السلام کی متفقہ سنت ہے، حضور اقدس ﷺ کا دائمی عمل ہے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی امت کو داڑھی رکھنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے لہذا مردوں کے لئے داڑھی رکھنا واجب اور ضروری ہے اور اس کی مقدار شرعی ایک قبضہ (ایک مشت) ہے اور داڑھی منڈانا حرام اور گناہ کبیرہ اور موجب فسق ہے اس پر امت کا اجماع ہے دلائل وحوالہ جات کے لئے ملاحظہ ہو

فتاوی رحیمیہ اردو ج ۶ ص ۲۳۶ تا ص ۲۵۰ (جدید ترتیب، کتاب الحظر والا باحۃ بالوں کے احکام، میں داڑھی کا وجوب اور ملازمت کی وجہ سے اس کا منڈانا، کے عنوان سے دیکھئے۔ص ۱۰۵، ج ۱۰، از مرتب) نیز جلد ۲ از ص ۳۹۸ تا ص ۴۰۶ (جدید ترتیب، ایمان وعقائد میں ڈاڑھی پر تنقید کا حکم، کے عنوان سے دیکھئے۔ مرتب)

لہذا متبع سنت حضرات اور خاص کر مقرر امام کی موجودگی میں ایسے شخص کا جو داڑھی منڈاتا ہو نماز پڑھانا مکروہ تحریمی ہے، اور یہ کراہت سب کے حق میں ہے، علماء ہوں یا عوام حدیث میں ہے **وقد ورد عن ابن عمر مرفوعاً اجعلوا ائمتکم خیارکم فانهم وفد کم فیما بینکم وبین ربکم وفی روایة ان سرکم ان تقبل صلوتکم فلیؤمکم علماء کم فانهم وفد کم فیما بینکم وبین ربکم .** اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری نماز درجۂ قبولیت کو پہنچے تو جو تم میں زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو وہ تمہارا امام بنے کہ امام تمہارے اور تمارے رب کے درمیان بطور قاصد ہے (شرح نقایہ باب ملامۃ تحت قولہ ثم الامین الخ ج ۱ ص ۸۶ بحوالہ فتاوی رحیمیہ ج ۱ ص ۱۷۵) کبیری میں ہے۔ **لو قدموا فاسقا یأ ثمون** ، اگر فاسق کو امام بنائیں گے تو گنہگار ہوں گے (کبیری ص ۴۷۹ بحوالہ فتاوی رحیمیہ ج ۱ ص ۱۷۵، باب من یصح اماما لغیرہ میں، فاسق کی امامت، کے عنوان سے دیکھئے) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاوی رحیمیہ ج ۴ ص ۱۷۳، نیز ج ۷ ص ۱۹۱ تا ص ۱۹۴، نیز یہ بھی ذہن میں رہے کہ امام معین ہی امامت کے لئے افضل اور اولیٰ ہوتا ہے، یہ اسی کا حق ہے، اگر اتفاق سے حاضرین میں اس سے بہتر کوئی شخص ہو تب بھی معین امام امامت کے لئے بہتر ہے، درمختار میں ہے **واعلم ان صاحب البیت و مثله امام المسجد الراتب اولیٰ بالا مامة من غیرہ مطلقاً (درمختار) (قوله مطلقاً)ای وان غیرہ من الحاضرین من هو اعلم واقرأ منه (شامی باب الا مامة ج ۱ ص ۵۲۲، بحواله فتاوی رحیمیه ج ۴ ص ۳۵۵)** (جدید ترتیب میں نو وارد عالم وقاری سے متعین امام اولی بالامامت ہے کے عنوان سے دیکھئے ص ۱۳۸۔ مرتب) پورا فتوی ملاحظہ فرمائیں، لہذا صورت مسئولہ میں جو معین امام ہے انہیں کی اقتداء میں نماز ادا کرنا چاہئے، ٹرسٹی حضرات کا امامت کرنا بالکل مناسب نہیں ہے، یہ شرعی اصول ہے اس میں کسی کی توہین مقصود نہیں ہوتی بلکہ مسئلہ کا اظہار اور اس کے مطابق عمل کرنا مقصود ہوتا ہے، لہذا ٹرسٹی حضرات کو ناگواری نہیں محسوس کرنا چاہئے، اور پوری بشاشت اور شرح صدر اور خوشی سے معین امام ہی کی اقتداء میں نماز ادا کرنا چاہئے، سوال میں جو بات لکھی ہے کہ فلاں فلاں حضرات ہمیں نماز پڑھانے کی اجازت دے دیتے، ایسی رائے قائم کرنا صحیح نہیں ہے اور اگر کوئی اجازت بھی دے دے تو وہ حجت نہیں ہوسکتا۔

(**الجواب ۳، ۴، ۵**) اللہ رب العزت نے محض اپنے فضل سے ایمان اور ہدایت سے نوازا، اللہ مبارک کرے اور ایمان وہدایت پر استقامت اور حسن خاتمہ کی دولت سے ہم سب کو نوازے آمین **بحرمة النبی الامی، صلی اللہ علیه وسلم.** حقیقت میں ایمان وہدایت سے بڑھ کر کوئی نعمت اور دولت نہیں اس پر ہم اللہ کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے۔

ماشاء اللہ اپنی قوم میں تبلیغ کا جذبہ بہت ہی اعلیٰ اور تقلید کے قابل ہے، اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے مدد فرمائے اور ہدایت کا ذریعہ بنائے، لوگوں کو ایمان کی بیش بہا دولت عطا فرمائے، آمین۔

اسلام قبول کرنے کے بعد ہمیں پورا پورا اسلام میں داخل ہونا ہے **یایها الذین امنوا ادخلوا فی السلم**

کافۃ ،اے ایمان والواسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ،ظاہراً باطناً اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔
۔اور ہر عمل سے مقصود رضائے الٰہی ہے،ایمان کی دعوت پیش کرنا یہ ہماری ذمہ داری ہے اس کے بعد دلوں میں ہدایت اور ایمان ڈالنا ہمارے بس کی بات نہیں، یہ اللہ عزوجل کی قدرت میں ہے،حضور اقدس ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا **لیس علیک هداهم ولکن الله یهدی من یشاء** ترجمہ:ان کافروں کو ہدایت پر لے آنا کچھ آپ کے ذمہ (فرض واجب نہیں) لیکن خدا تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت پر لے آوے (قرآن مجید،پ نمبر ۳ سورۂ بقرہ) اس لئے ہمارا کام شریعت وسنت کی اتباع کرنا اور لوگوں کو **امر بالمعروف ،نهی عن المنکر** اور ایمان کی دعوت دینا ہے جیسا کہ جواب نمبر ا،نمبر ۲ میں عرض کیا گیا،اسلام میں داڑھی کی بہت ہی اہمیت ہے اس لئے یہ مبارک سنت ہمارے چہرے پر ہونی ہی چاہئے،سوال میں جو بات لکھی ہے اس کی وجہ سے داڑھی منڈانے کی اجازت نہ ہوگی،سنت پر عمل کرنے کی نیت سے داڑھی رکھیں انشاء اللہ اس کی برکت سے اچھے ہی نتائج برآمد ہوں گے،دلوں کا مائل کرنا اللہ کی قدرت میں ہے وہ ہی تمام انسانوں کے دلوں کا مالک ہے، اللہ تعالیٰ سے صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر اور موقعہ بموقعہ دعا کرتے رہیں اور اپنے طور پر پوری طرح شریعت کے مطابق عمل کر کے دعوت کے کام میں لگے رہئے نتائج کی فکر نہ کیجئے،نتائج اللہ کی مشیت وقدرت پر چھوڑ دیجئے ہمارا جذبہ نیک ہونا چاہئے،سنت کے مطابق ہماری زندگی ہونی چاہئے، حضور اقدس ﷺ کے مبارک اخلاق ہمارے اندر ہونے چاہئے اور لگن ومحنت سے کام میں لگے رہنا چاہئے، اللہ عزوجل سے دعا کرتے اور مدد کی درخواست کرتے رہنا چاہئے، اللہ تعالیٰ خوب خوب کامیابی عطا فرمائے،اپنی رضا مندی نصیب فرمائے۔پوری امت کو ہدایت اور ایمان سے مالا مال فرمائے،آمین **بحرمة النبی الامی صلی الله علیه وآله وصحبه وسلم ، فقط و الله تعالیٰ اعلم بالصواب.وهو الهادی الی الصراط المستقیم.**

(نوٹ) خود بھی اس مبارک سنت اور نورانی سنت پر عمل کریں اور آپ کے ادارہ میں جو بچے تعلیم میں مشغول ہیں ان کو بھی اس پر آمادہ کریں،انکار نہ کریں اللہ پاک ہم سب سے راضی ہوجائے،اپنے رضا مندی والے کام ہم سے لے کر اپنی رضا مندی نصیب فرمائے،اپنے غضب وقہر وعذاب سے محفوظ رکھے آمین،بحرمۃ النبی الامی صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نسوانی مدرسہ میں طالبات کا باجماعت نماز ادا کرنا جب کہ مسجد شرعی موجود ہو:

(سوال ۲۰۰) ایک مدرسہ کے احاطہ میں طلبہ کے لئے شرعی مسجد بنائی گئی تھی مگر فی الحال اس مدرسہ کو طالبات کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے اب وہاں صرف طالبات مقیم ہیں،اس مسجد میں مدرسہ کے دو تین ذمہ دار حضرات نماز باجماعت ادا کریں اور تمام طالبات مسجد کی بالائی منزل میں اقتداء کر کے جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں تو یہ طریقہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عورتوں کے حق میں جماعت نہ مطلوب ہے [1]،نہ وہ اس کی ماموراور مکلف ہیں ان کو تو فرادی فرادی (تنہا تنہا) ہی نماز ادا کرنے کی عادت ڈالنا چاہئے۔لہذا صورت مسئولہ میں طالبات فرادیٰ فرادیٰ ہی نماز ادا کریں

(۱) ویکرہ تحریماً جماعة النساء ولو فی التراویح درمختار علی هامش درمختار باب الامامة ج ۱ ص ۵۶۵.

،مسجد آباد رہے، وقت پر اذان بھی ہو اور جماعت بھی ہو اس مقصد سے کم از کم دو تین ذمہ دار حضرات پردہ کے اہتمام کے ساتھ مسجد میں نماز باجماعت ادا کرلیں، اگر وقت میں زیادہ گنجائش نہ ہو تو وہاں صرف فرض ادا کرلیں اور سنت اپنے مقام (کمرہ) میں ادا کرلیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غیر مقلد، جماعت کی نماز میں اپنا ٹخنہ قریبی نمازی کے ٹخنہ سے ملانا ضروری سمجھتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟ اور اس کا کیا مطلب ہے :

(سوال ۲۰۱) بخدمت اقدس حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

بعد سلام مسنون گذارش ہے کہ مندرجہ ذیل سوال کا تحقیقی جواب مطلوب ہے امید ہے کہ آپ تشفی بخش مدلل جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔

استفتاء:

ریاض الصالحین میں باب فضل الصف الاول والامر باتمام الصفوف میں حدیث نمبر ۱۹۵ میں یوں کلمات ہیں **وفي رواية للبخاري وكان احدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه.** روایت کے ان کلمات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نماز میں ایک نمازی کے قدم دوسرے نمازی کے قدم کے ساتھ کھڑے ہونے کی حالت میں (حالت قیام میں) ملے ہوئے ہونے چاہئے، جیسا کہ اہل حدیث کہتے ہیں۔

یہاں امریکہ کنیڈا میں تمام احناف کی مساجد میں یہ اہل حدیث حضرات بڑی تعداد میں نماز ادا کرتے ہیں اور صف سیدھی کرنے کے مسئلہ میں مذکورہ بخاری شریف کی حدیث سے بحث بھی کرتے ہیں۔

جناب والا کی خدمت اقدس میں مؤدبانہ گذارش ہے کہ اس حدیث پاک کا احناف کے یہاں کیا جواب ہے، نماز کی حالت میں صف میں ایک آدمی دوسرے قریب والے ساتھی کے ساتھ پاؤں کی انگلیاں ملا کر صف کو درست کرے گا؟ یا کندھے سے کندھا ملائے جیسے احناف کا مسئلہ ہے، تفصیل سے اس کی تحقیق اور دلائل قلم بند فرمائیں، جزاکم اللہ بینوا توجروا (کنیڈا)

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً، وھو الموافق: احادیث مبارکہ میں صفیں سیدھی اور درست کرنے کی از حد تاکید آئی ہے۔

ایک حدیث میں ہے۔

عن انس رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه سلم رصوا صفوفكم وقاربوا بينها وحاذوا بالا عناق فوا لذى نفسي بيده انى لأرى الشيطان يد خل من خلل الصف كانها الحذف رواه ابوداؤد.(مشكوة شريف ص ٩٨ باب تسوية الصفوف)

ترجمہ:۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنے صفوں کو درست کرو، اور قریب قریب ہوکر کھڑے رہو اور کندھا کندھے کے محاذ میں رکھو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے شیطان کو

دیکھتا ہوں کہ وہ بکری کے بچہ کی طرح صفوں کے درمیان خالی جگہوں میں گھس جاتا ہے۔

(۲)عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سووا صفو فکم فان تسویۃ الصفوف من اقامۃ الصلوٰۃ متفق علیہ. (ایضاً مشکوٰۃ شریف ص ۹۸)

ترجمہ:۔حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لوگو! نماز میں صفیں درست کیا کرو اس لئے کہ صفوں کا سیدھا اور درست رکھنا اقامت صلوٰۃ میں سے ہے، یعنی نماز اچھی طرح ادا کرنے کا ایک جزو ہے۔

(۳)عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسوی صفوفنا ..... ثم خرج یوماً حتی کاد ان یکبر فرأی رجلاً بادیاً صدرہ من الصف فقال عباد اللہ لتسون صفوفکم او لیخالفن اللہ بین وجوھکم، رواہ مسلم .(ایضاًمشکوٰۃ شریف ص ۹۸)

ترجمہ:۔حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو درست فرمایا کرتے تھے.....ایک دن آپ ﷺ تشریف لائے (اور) قریب تھا کہ آپ تکبیر کہیں کہ ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صف سے اپنا سینہ باہر نکالے ہوئے ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کے بندو! تم اپنی صفیں سیدھی رکھا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو بگاڑ دے گا۔

(۴)عن انس رضی اللہ عنہ اقیمت الصلوٰۃ فاقبل علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوجھہ فقال اقیموا صفوفکم وتراصوا فانی اراکم من وراء ظھری رواہ البخاری (مشکوٰۃ ص ۹۸)

ترجمہ:۔حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) نماز کھڑی ہوئی، رسول اللہ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے، آپ نے ارشاد فرمایا اپنی صفیں درست کرو اور مل کر کھڑے رہو میں تم کو اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

(۵)عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل ولینوا بایدی اخوانکم ولا تذروا فرجات الشیطان ومن وصل صفاً وصلہ اللہ ومن قطع صفاًقطعہ اللہ، رواہ ابو داؤد(ایضاً مشکوٰۃ شریف ص ۹۹)

ترجمہ:۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صفیں سیدھی کرو اور کندھا کندھے کے محاذ میں رکھو اور صفوں میں جو خالی جگہ ہو اسے پر کرو اور اپنے بھائیوں کے لئے نرم ہو جاؤ اور شیطان کے لئے درمیان میں فرجہ (خالی جگہ) مت چھوڑو اور جس نے صف ملائی (یعنی خالی جگہ پر کر دی اور وہاں کھڑا رہا) اللہ تعالیٰ اس کو (اپنے فضل اور رحمت کے ساتھ) ملائے گا اور جو شخص صف توڑے گا، اللہ تعالیٰ اس کو (مقام قرب سے) دور ڈال دے گا (مظاہر حق ص ۳۵۸، ص ۳۵۹ ج ۱)

(۶)عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توسطوا الامام وسدو الخلل رواہ ابو داؤد(مشکوٰۃشریف ص ۹۹ ایضاً)

ترجمہ:۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا امام کو درمیان میں رکھو اور صفوں میں جو خالی جگہ ہو اسے پر کرو۔

مندرجہ بالا احادیث کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں، ان تمام سے بہت تاکید کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ صفیں استوار ہونا چاہئے، سب مقتدی قریب قریب مل مل کر کھڑے ہوں، درمیان میں خالی جگہ نہ چھوڑیں، آگے پیچھے کھڑے نہ ہوں، حضور اقدس ﷺ قولاً بھی صفیں سیدھی اور درست کرنے کی تاکید فرماتے اور عملاً بھی درست فرماتے تھے، حضور اقدس ﷺ کی اس تاکید اور اہتمام کا اثر اور نتیجہ تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اہتمام سے صفیں درست فرمایا کرتے تھے۔

سوال میں ریاض الصالحین کے حوالہ سے روایت نقل کی گئی ہے " وفی روایة للبخاری وکان احدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه " اس روایت کے متعلق عرض ہے کہ یہ روایت اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں ہے، نیز یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہ الفاظ " وکان احدنا ... "الخ حضور اقدس ﷺ کے نہیں ہیں راوی کے الفاظ ہیں علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اور حافظ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے کما سیجئی، اس لئے ایسا باور کرنا اور باور کرانا کہ یہ حدیث مرفوع ہے اور حضور اقدس ﷺ کا حکم ہے غلط ہوگا اور دھوکا سمجھا جائے گا۔ اس روایت کا مقصد صفوں کی درستگی اور سیدھار کھنے اور مل مل کر کھڑے ہونے میں جو اہتمام اور مبالغہ ہوتا تھا اس کو بیان کرنا ہے راوی فرماتے ہیں کہ ہم صف میں مل مل کر اور بالکل سیدھے کھڑے ہوتے تھے کہ گویا ہم میں سے ہر ایک کے قدم دوسرے کے قدم سے اور کندھا کندھے سے ملا ہوا ہوتا تھا، درمیان میں خالی جگہ بالکل نہیں چھوڑتے تھے، ریاض الصالحین میں یہ روایت بخاری شریف کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے، بخاری شریف کے مشہور شارح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

باب الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی الصف . عن انس رضی اللہ عنه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال اقیموا صفوفکم فانی اراکم من وراء ظهری وکان احد نا یلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه .المراد بذلک المبالغة فی تعدیل الصف وسد خلله وقدورد الا مر بسد خلل الصف والترغیب فیه ...... الیٰ قوله . (قوله عن انس) رواه سعید بن منصور عن هشیم فصرح فیه بتحدیث انس لحمید ومنه الزیادة التی فی آخره وهی قوله ،وکان احدنا الخ، وصرح بانها من قول انس .(فتح الباری شرح صحیح البخاری ۲/ ۲۱۱)

علامہ بدرالدین عینیؒ عمدۃ القاری شرح بخاری میں تحریر فرماتے ہیں۔

"باب الصاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم " ای هذا باب فی بیان الصاق المنکب بالمنکب الی آخره واشار بهذا الی المبالغة فی تعدیل الصفوف وسد الخلل، (قوله کعبه بکعب صاحبه ای یلزق کعبه بکعب صاحبه الذی بحذائه، ورواه سعید بن منصور عن هشیم فصرح فیه بتحدیث انس لحمید وفیه الزیادة التی فی آخره وهی قوله وکان احدنا الی آخره وصرح بانهامن قول انس ، واخرجه الا سماعیلی من روایة معمر عن حمید بلفظ قال انس فلقد رأیت احدنا الیٰ آخره (عمدة القاری۵ /۲۵۹ ،ص ۲۶۰)(عمدة القاری شرح بخاری۵ /۲۵۹ ،۲۶۰)

مذکورہ دونوں صحیح بخاری کے شارح کی عبارتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ روایت کا مطلب وہی ہے جو اوپر ہم

نے بیان کیا ہے، اس روایت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نمازی اپنے پیروں کو تکلف کے ساتھ چوڑے کر کے قریب والے مقتدی کے ساتھ اپنے قدم ملادے، اس طرح کھڑے رہنے سے انسان کی صورت محمودہ بھی خراب معلوم ہوتی ہے اور یہ صورت نماز میں خشوع وخضوع وتذلل کے بھی خلاف ہے، لہٰذا تکلف کر کے قصداً وارادۃً پیر چوڑے کر کے کھڑا ہونا کسی حالت میں روایت کا مقصود نہیں ہوسکتا۔

معارف السنن شرح سنن ترمذی میں ہے: واما فی صحیح البخاری " من (باب الزاق المنکب بالمنکب)...... وفیه قال النعمان بن بشیر: رأیت الرجل منا یلزق کعبه بکعب صاحبه . ووصله ابوداؤد فی "سننه" من حدیث ابی القاسم الجدلی عن نعمان بن بشیر وصححه ابن خزیمة کما فی " الفتح" واخرجه ابن حبان فی " صحیحه" کما فی العمدة، فزعمه بعض الناس انه علی الحقیقة ولیس الا مر کذالک بل المراد بذلک مبالغة الراوی فی تعدیل الصف وسد الخلل کما فی " الفتح" (۲ . ۱۶۲) والعمدة (۲ . ۲۹۴) وهذا یرد علی الذین یدعون العمل بالسنة ویزعمون التمسک بالا حادیث فی بلادنا حیث یجتهدون فی الزاق کعابهم بکعاب القائمین فی الصف ویفرجون جدًا لتفریج بین قدمیهم مایؤدی الیٰ تکلف وتصنع ویبدلون الا وضاع الطبیعیة ویشوهون الهیئة الملائمة للخشوع وارادوا ان یسدوا الخلل والفرج بین المقتدین فابقوا خللاً وفرجة واسعتین قدمیهم ولم یدرواان هذا اقبح من ذلک وقد وقعوافیه لعدم تنبههم للغرض ولجمودهم بظاهر الالفاظ وقبائح ذلک لاتخفی ویعلم زلک من درس مذهب الظاهریة......الی قوله. واما الفصل بین القدمین فالحق عدم التحدید فی ذلک ، وانما الا نسب بحال المصلی مایکون اقرب الی الخشوع واوفق بموضوع التذلل ، وفی " سنن النسائی" (۱ . ۱۴۲) (باب الصف بین القدمین فی الصلوٰة) ان عبد الله رأی رجلاً یصلی قدصف بین قدمیه فقال: اخطأ السنة ولو راوح بینهما کان اعجب الیّ والصف هنا هو الوصل بین القدمین والمراوحة فی الا صل هو الاعتماد علیٰ احدهما تارةً وبالا خری تارةً کما فی حدیث وفد ثقیف فی "سنن ابی داؤد" حتی یراوح بین رجلیه من طول القیام " ولکن فی التفریج قلیلاً ایضا مراوحة ولعلهٗ هو المراد بالمراوحة هنا وبالجملة ثبت من هذا عدم التفریج الکثیر بین القدمین ثم لم ینکر ابن مسعود الوصل فقط بل عدم المراوحة ، ولعل الغرض هو الا نکار علی المبالغة فی الزاق قدمه بقدمه ، فالسنة ان لا یفرج المصلی بین قدمیه جداً ولا یصل جداً بل بین التفریج والوصل فاذا لم یکن التفریج کثیراً لم یکن الزاق کعب المصلی بکعب اخر فاذن تکون روایة الالزاق محمولة علی ماذکره البدرو الشهاب وهذا الذی یعینه الشیخ رحمه الله فی هذا الباب و الله اعلم بالصواب......الخ (معارف السنن ۲/۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹. تالیف علامة العصر المحدث الکبیر الشیخ محمد یوسف الحسینی رحمه الله)

انوار الباری شرح بخاری (مجموعۂ افادات محدث عصر، حافظ حدیث، علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ) میں

ہے: باب الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم ۔ یہ الزاق المکب عنوان جو بخاری میں ہے، ترمذی وغیرہ میں نہیں ہے،
حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ فقہائے اربعہ اور جمہور کے یہاں الزاق سے مراد یہ ہے کہ درمیان میں فرجہ نہ
ہو اور اس کو صرف غیر مقلدوں نے حقیقت پر محمول کیا ہے اور وہ نماز جماعت میں اس کا بڑا اہتمام کرتے ہیں اور اس
طرح تکلف کر کے اپنے دونوں پیروں کے درمیان اتنا فصل کر کے کھڑے ہوتے ہیں کہ دوسرے قریبی نمازی کے
قدموں سے مل جائیں، اس طرح وہ تکلف اور تصنع کر کے اوضاع طبعیہ اور ہیئت وصورت مناسبہ محمودہ کو بگاڑ دیتے ہیں
جو نماز کے ظاہری حسن وحالت خشوع کے بھی خلاف ہوتا ہے، اس کو وہ لوگ تمسک بالسنہ کا نام دیتے ہیں، جب کہ
اصحاب مذاہب اربعہ اور متقدمین کے یہاں اس طرح کا معمول نہیں تھا، اور تعامل سلف وتوارث بہت بڑی حجت ہے
اور وہ الزاق کا مطلب صرف ٹخنوں اور مونڈھوں کی برابری اور قرب کو سمجھتے تھے تاکہ صف سیدھی ہو اور دو نمازیوں کے
درمیان خالی جگہ نہ رہے۔

رہا یہ کہ خود نمازی اپنے دونوں قدموں کے درمیان کتنا فاصلہ کرے یہ نمازی کے حال پر ہے کہ وہ سہولت
کے ساتھ بلا تصنع وتکلف کے اس طرح کھڑا ہو جس سے خشوع وتذلل ظاہر ہو، نسائی باب الصفف بین قدمیہ میں ہے کہ
حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز میں دونوں قدم ملا کر کھڑا ہے، فرمایا اس نے سنت کو چھوڑ دیا
اگر یہ مراوحہ کرتا تو مجھے اچھا لگتا کہ دونوں پیروں میں کچھ فاصلہ کر کے آرام واطمینان کے ساتھ کھڑا ہوتا لہٰذا سنت یہ
معلوم ہوئی کہ نہ دونوں پاؤں ملا کر کھڑا ہو، اور نہ بہت چوڑا کر کے کھڑا ہو۔

حافظ نے فتح الباری ج ۲ ص ۱۴۴ میں لکھا ہے کہ حدیث الباب میں الزاق سے مقصود تعدیل صف وسد
الخلل کے لئے مبالغہ ہے چنانچہ دوسری احادیث میں ہے کہ صفوں کو سیدھا کرو اور مونڈھوں کو ایک سیدھ میں رکھو،
درمیان میں جگہ نہ چھوڑو کہ شیطان دراندازی کرے عمدہ ج ۲ ص ۹۴ ۷ طبع استنبول میں بھی یہی مضمون ہے، غرض دوسری
سب احادیث میں چونکہ حکم نبوی صرف تعدیل صف اور سد الخلل ہی کا ہے اس لئے شارحین حدیث نے الزاق کو راوی
کے مبالغہ پر محمول کیا ہے، چونکہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الزاق کا حکم نہیں فرمایا اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
نے معتدل طریقہ نماز میں کھڑے ہونے کا متعین فرمادیا جو منفرد ومقتدی دونوں کے لئے یکساں ہے الخ (انوار الباری
ص ۱۸۰، ص ۱۸۱ جلد نمبر ۳ قسط نمبر ۱۵ مؤلفہ مولانا سید احمد رضا بجنوری مدظلہم فاضل دیوبند)

معارف مدنیہ (تقریر ترمذی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) میں ہے۔

تیسری بحث:

نعمان: کی روایت میں جو یہ الفاظ گذرے ہیں کہ آدمی اپنا مونڈھا دوسرے کے مونڈھے سے گھٹنا دوسرے کے گھٹنے
سے اور ٹخنا دوسرے کے ٹخنے سے ملا لیتا تھا (ابوداؤد) اس سے اہل حدیث حضرات یہ ثابت کرتے ہیں کہ ہر ایک کو اپنا
ٹخنا دوسرے کے ٹخنے سے ضرور ملا لینا چاہئے، اور اس پر بہت شدت اور مبالغہ سے عمل کرتے ہیں، خواہ اس کی وجہ سے

اپنے دونوں قدموں کے درمیان کتنا ہی فاصلہ کیوں نہ ہو جائے، لیکن یہ بات حدیث کے مقصد کے بالکل خلاف ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ علامہ عینیؒ و دیگر محققین کہتے ہیں کہ حدیث میں ٹخنوں سے ٹخنہ کا حقیقتاً ملا لینا مراد نہیں ہے بلکہ صفوں کا زیادہ سے زیادہ سیدھا کرنا اور بیچ میں خالی جگہ نہ چھوڑنا مقصود ہے یعنی ہر ایک کے قدم اور ٹخنے دوسرے سے اتنے متصل اور محاذی (برابر) ہونے چاہئیں کہ گویا ایک دوسرے سے چپکے ہوئے ہیں خواہ حقیقتاً ملے ہوئے ہوں یا نہ ہوں، اس توجیہ کے کئی قرآئن ہیں، اول محققین نے حضرت نعمانؓ کی روایت کے یہی معنی سمجھے ہیں، دوسرے حقیقی معنی پر عمل بہت دشوار ہے اور تکلف سے خالی نہیں اور یہ نماز کے خشوع میں خلل ڈالنے والا ہے، تیسرے، دوسری احادیث دیکھنے سے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مراد خود واضح ہو جاتی ہے، ان احادیث میں الفاظ یہ ہیں (بیچ کی جگہ کو پر کرو، شیطان کے لئے بیچ میں خالی جگہ مت چھوڑو، صفوں کو ملاؤ اور سیدھی رکھو) (او **کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام**) ان الفاظ سے جو مقصد ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ صفیں خوب ملی ہوئی اور برابر ہونی چاہئے اور ان میں فاصلہ نہ ہونا چاہئے۔ یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ ایک ٹخنا دوسرے ٹخنے سے ضرور ملا ہوا ہونا چاہئے اور ان میں ذرہ برابر فاصلہ نہ ہونا چاہئے، چوتھے، صف میں ایک دوسرے سے مل کر کھڑا ہو تو چاہے ٹخنے الگ الگ ہیں تب بھی وہ صف متصل مانی جاتی ہے اس لئے ٹخنوں کے اتصال پر صف کا اتصال موقوف نہیں، پانچویں۔ ٹخنے ملے ہوئے ہوں تب بھی ٹخنوں سے اوپر پنڈلی کا باریک حصہ الگ الگ ہی رہتا ہے، لہذا ٹخنے ملانے والوں کو اس کے ملانے کی بھی کوئی سبیل نکالنی چاہئے، اور اگر دشوار ہونے کی بنا پر اس باریک حصہ کی ملانے کو مستثنیٰ قرار دیا جائے تو یہی علت ٹخنوں میں بھی پائی جاتی ہے، لہذا ان کو بھی مستثنیٰ ماننا پڑے گا۔ چھٹے، اگر الزاق کے حقیقی معنی لینے ضروری ہیں تو حدیث میں لفظ تراصو آیا ہے اس کے بھی حقیقی معنی لینے ہوں گی جو یہ ہیں (سیسہ کی دیوار کی طرح متصل ہو جایا کرو) لہذا نمازیوں کے جسموں میں نیچے سے اوپر تک کہیں ذرا سا بھی فرجہ (خالی جگہ) نہ رہنا چاہئے، اس لئے ٹخنوں کے علاوہ دوسرے حصوں کو ملانے کی بھی کوشش کرنی چاہئے مثلاً پنڈلی اور کوکھ کے درمیان بھی فاصلہ نہ رہنا چاہئے، اگر کہا جائے کہ یہ دشوار ہے اس لئے معنی حقیقی مراد نہیں تو یہی جواب ٹخنوں کو ملانے کا بھی ہے، ساتویں۔ دوسرے کے قدم سے اپنے قدم ملانے میں نمازی کے اپنے پیروں کے درمیان بہت فاصلہ ہو جاتا ہے جو نماز کی ہیئت اور خشوع وخضوع کے خلاف ہے اور کسی حدیث سے کہیں اپنے قدموں میں اتنا فاصلہ کرنے کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ اس کے خلاف یہ ثابت ہوتا ہے کہ قدموں میں زیادہ فاصلہ نہ ہونا چاہئے، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ ثابت ہے کہ وہ نہ ایک قدم کو دوسرے سے زیادہ دور رکھتے تھے نہ بالکل ملا دیتے تھے بلکہ اس کے درمیان رکھتے تھے نہ زیادہ قریب نہ زیادہ دور (لامع الدراری) علامہ شامیؒ اور صاحب سعایہ کہتے ہیں کہ محققین کے نزدیک قدمین میں چار انگلی کی مقدار فاصلہ ہونا چاہئے کیونکہ یہ اقرب الی الخشوع ہے، بعض شوافع کا بھی یہی قول ہے، دوسرا قول ان کا یہ ہے کہ ایک بالشت کا فاصلہ ہونا چاہئے۔ آٹھویں۔ لوگوں کے قد وقامت میں فرق ہونے کی وجہ سے منکب (مونڈھے) کا منکب سے حقیقتاً ملانا بسا اوقات ناممکن ہوتا ہے اس لئے مجازی معنی یعنی شدت اتصال مراد لینا پڑے گا یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ کعبین (ٹخنوں) میں بھی یہی مراد ہے۔ نویں، انفراد (تنہا پڑھنے) کی

حالت میں اور جماعت کے ساتھ پڑھنے کی حالت میں کوئی ٹانگیں چیر کر نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو جائے تو یہ ادب کے خلاف سمجھا جائے گا لہٰذا یہی حکم جماعت کی حالت میں بھی ہونا چاہئے ،دسویں۔روایات کا مفہوم متعین کرنے میں امت کے تعامل (عمل متواتر) کو بڑا دخل ہوتا ہے بہت سے مسائل میں تعامل سے ہی مراد متعین ہوتی ہے اس لئے یہاں بھی تعامل کو دیکھنا ہوگا ،ائمہ اربعہ میں سے بعض نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا آخری دور اور باقی نے تابعین اور تبع تابعین کا دور دیکھا ہے اور اس زمانہ کے تعامل کا مشاہدہ کیا ہے ان کے بعد ان کے تلامذہ اور تبعین قرناً بعد قرن ان کے طرز عمل کو دیکھتے اور اس پر عمل کرتے چلے آئے ہیں ،یہاں تک کہ ہمارا دور آ گیا ،ہمارے دور تک امت کے اکثر حصہ کا عمل ٹخنوں کو ٹخنوں سے ملا دینے کے خلاف ہے اس لئے تعامل کی روشنی میں نعمان بن بشیرؓ کی روایت کا مفہوم یہی متعین ہوتا ہے کہ اس سے مراد صف کا برابر اور متصل ہونا ہے اس لئے ظاہری حضرات کا مدعا اس سے کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔(معارف مدنیہ ص ۹۸ ص ۹۹ حصہ چہارم ،صفوں کو سیدھا کرنے کا بیان)۔

فقط واللہ اعلم بالصواب

(۱) اگلی صفوف والوں کو ختم جماعت کے بعد سہولت ہو اس غرض سے پچھلی تمام صفوف میں پہلے سے دو ،دو تین تین آدمیوں کو کھڑا رکھنا (۲) انتظامیہ کی طرف سے مسجد میں کرسیوں کا نظم جس کے نتیجہ میں غیر معذور بھی کرسیاں استعمال کرنے لگے:

(سوال ۲۰۲) اس مسجد کے اندر الحمد اللہ مصلی بہت زیادہ ہوتے ہیں لیکن جماعت میں جو لوگ دیر سے پہنچتے ہیں جن کی پنچھ رکعتیں چھوٹ گئی ہوں وہ امام صاحب کے سلام پھیرنے کے بعد پوری کرتے ہیں تو آگے والے کو اس کی نماز پوری کرنے تک ٹھہرنا پڑتا ہے ،تو ان کو جلدی نکلنے کی سہولت کے لئے جب نماز کھڑی ہوتی ہے تو آگے کی چند صفوں کو چھوڑ کر پیچھے کی صفوں میں امام صاحب کے پیچھے ہر صف میں پہلے سے دو دو ،تین تین آدمیوں کو کھڑے کر دیئے جاتے ہیں تاکہ نماز بعد کے آگے والوں کو نکلنے کے لئے بیچ میں راستہ مل سکے نماز کے ختم ہونے تک پیچھے کی تمام صفیں بھر جاتی ہیں ،تو آیا پہلی سے بیچ صف میں اس طرح لوگوں کو کھڑا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اسی مسجد کے اندر ایک چیز یہ ہے کہ ہر نماز میں پیچھے کی صف میں چند کرسیاں رکھ دی جاتی ہیں اور جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے لئے قریب پچاس ساٹھ کرسیاں رکھ دی جاتی ہیں ،اور یہ انتظام اراکین مسجد کی طرف سے کیا جاتا ہے ،اب اس میں بعض معذورین کے ساتھ اکثر ایسے لوگ کرسیوں پر بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں جو نماز میں اچھی طرح کھڑے ہو سکتے ہیں ،اراکین کا یہ انتظام گویا کہ لوگوں کو دعوت دے رہا ہے کرسیوں پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کے لئے ،تو آیا اس طریقہ سے پہلے سے کرسیوں کا انتظام کرنا اور ایسے ویسے بہانے بنا کر کرسیوں پر نماز پڑھنا کیسا ہے ،امید ہے کہ تفصیلی جواب دے کر ممنون مشکور فرمائیں گے۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً. وھو الموفق.

(۱) سوال میں جو صورت لکھی ہے یہ خلاف سنت اور سخت مکروہ تحریمی ہے اور صف بندی کے اصول وطریقہ کے بالکل خلاف ہے. صف بندی کا مسنون اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے اگلی صف کو مکمل کیا جائے، سب مل کر کھڑے ہوں درمیان میں خالی جگہ نہ چھوڑیں، اس کے بعد دوسری صف شروع ہو، دوسری صف مکمل ہونے کے بعد تیسری پھر چوتھی پھر پانچویں۔الخ حدیث میں ہے۔

(۱) عن جابر بن سمرة رضی الله عنه فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم الا تصفون کما تصف الملآئکة عند ربها فقلنا یارسول الله وکیف تصف الملائکة عندربها قال یتمون الصفوف الاولی ویتواصون فی الصف ، رواہ مسلم. (مشکوٰۃ شریف ص ۹۸ باب تسویة الصفوف)

حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم (نماز میں) اس طرح صف کیوں نہیں بناتے جس طرح ملائکہ اپنے رب کے نزدیک صف بناتے ہیں، ہم نے عرض کیا یارسول اللہ فرشتے اپنے رب کے نزدیک کس طرح صف بناتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا اگلی صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صفوں میں خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے والمعنی لا یشرعون فی صف حتیٰ یکمل الذی قبله . یعنی ملائکہ دوسری صف اس وقت تک شروع نہیں کرتے جب تک اس سے اگلی صف مکمل نہ ہوجائے۔

(مرقاۃ ص ۷۰ ج ۳ مطبوعہ ملتان)

(۲) عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اتمو االصف المقدم ثم الذی یلیه فما کان من نقص فلیکن فی الصف المؤخر (مشکوٰۃ شریف ص ۹۸ ایضاً)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لوگو پہلے اگلی صف پوری کیا کرو پھر اس کے قریب والی تاکہ جو کمی رہے وہ آخری صف میں رہے۔

اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ اگلی صف مکمل کرنے کے بعد ہی پچھلی صف شروع کرنا چاہئے۔

(۳) عبدالرزاق عن الثوری عن عمر بن قیس وحماد او احدھما عن ابراھیم انه کان یکرہ ان یقوم الرجل فی الصف الثانی حتی یتم الصف الاول ویکرہ ان یقوم فی الصف الثالث حتی یتم الصف الثانی والامام ینبغی ان یأمرھم بذلک (مصنف عبدالرزاق ص ۵۵ ج ۲)

ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ آپ پہلی صف مکمل ہونے سے پہلے دوسری صف کے قیام کو مکروہ سمجھتے تھے، اسی طرح دوسری صف مکمل ہونے سے پہلے تیسری صف کے قیام کو مکروہ فرماتے تھے اور امام کے لئے مناسب ہے کہ مقتدیوں کو اس طرح صف بنانے کا حکم کرے (کہ اگلی صف مکمل ہونے سے قبل دوسری صف شروع نہ کریں)۔

(۴) عن البراء بن عازب قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ان الله وملٰئکته یصلون علی الذین یلون الصفوف الاولیٰ وما من خطوة احب الی الله من خطوة یمشیها یصل بها صفاً ، رواہ ابوداؤد، (مشکوٰۃ شریف ص ۹۸ باب تسویة الصفوف)

حضرت براء عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان لوگوں پر جو اگلی صفوں کے قریب ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کو وہ قدم سب سے زیادہ محبوب ہے کہ صف ملانے کے لئے چلے (یعنی اگر اگلی صف میں جگہ خالی ہو تو اس کو پر کرنے کے لئے وہاں جا کر کھڑا ہو۔

(۵) عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب و سدوا الخلل ولينوا بايدى اخوانكم ولا تذروا فرجات الشيطان ، ومن وصل صفاً وصله الله ومن قطع صفاً قطعه الله، رواه ابو داؤد. (مشكوٰة شريف ص ۹۸ باب تسوية الصفوف)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا صفوں کو سیدھا کرو اور کندھا کندھے کے برابر (محاذ میں) رکھو (یعنی آگے پیچھے ہو کر کھڑے نہ رہو) اور صفوں میں جو خالی جگہ ہو اسے پر کرو اور شیطان کے لئے درمیان میں فرجہ (خالی جگہ) مت چھوڑو اور جس نے صف ملائی (یعنی خالی جگہ میں جا کر کھڑا رہا) اس کو اللہ تعالیٰ (اپنے فضل و رحمت سے) ملائے گا اور جو شخص صف توڑے گا اللہ تعالیٰ اس کو (مقام قرب سے) دور ڈال دے گا۔

فقہ کی مشہور کتاب درمختار میں ہے۔ **وقدمنا كراهية القيام في صف خلف صف فيه فرجة للنهي،** یعنی اگلی صف میں جگہ ہوتے ہوئے پچھلی صف میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ (درمختار مع ردالمحتار ص ۶۰۵ ج ۱ مکروہات الصلوٰۃ)

صورت مسئولہ میں جو لوگ شروع سے مسجد میں حاضر ہوں اور پھر ان کو اگلی صفوں کے بجائے پچھلی صفوں میں دو دو تین تین کر کے کھڑا کرنا، ان کو کتنی بڑی فضیلت سے محروم کرنا اور مکروہ کا ارتکاب کروانا ہے اور کیسی بھونڈی صورت ہے، لہذا سوال میں جو طریقہ درج ہے اس کو فوراً بند کیا جائے، یہ بہت سخت مکروہ تحریمی ہے۔ اگلی صف والوں کو پچھلی صف والے نمازیوں کے نماز پورا کرنے کے انتظار میں اگر تھوڑی دیر ٹھہرنا پڑے تو اس میں کیا حرج ہے، افسوس دنیوی مشاغل میں گھنٹوں گذر جاتے ہیں اور وقت گذرنے کا خیال تک نہیں آتا اور مسجد میں تھوڑی دیر ٹھہرنا گراں گذرتا ہے اور ان کی سہولت کے لئے اتنے سخت مکروہ کام کا ارتکاب کیا جاتا ہے بہت ہی قابل افسوس اور لائق ترک ہے، نماز اور نمازیوں کے احترام میں اگر اگلی صف والے مسجد میں اپنی جگہ ٹھہریں گے تو انشاء اللہ اجر و ثواب کے حق دار ہوں گے اور فرشتوں کی دعاؤں کے مستحق بنیں گے، حدیث میں ہے۔ **عن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوٰة الرجل فى الجماعة تضعف على صلوته فى بيته وفى سوقه خمسا وعشرين ضعفاً وذلك انه اذا توضأ فاحسن الوضوء ثم خرج الى المسجد لا يخرجه الا الصلوٰة لم يخط خطوةً الا رفعت له بها درجة وحط عنه بها خطيئة فاذا صلى لم تزل الملئكة تصلى عليه مادام فى مصلاه اللهم صل عليه اللهم ارحمه ولا يزال احدكم فى صلوة ما انتظر الصلوٰة، وفى رواية قال اذا دخل المسجد كانت الصلوٰة تحبسه وزاد فى دعاء الملائكة اللهم اغفر له اللهم تب عليه مالم يو ذفيه احداً مالم يحدث فيه متفق عليه .**

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مرد کا نماز باجماعت پڑھنا اپنے گھر اور بازار میں نماز پڑھنے سے پچیس درجہ زیادہ ثواب رکھتا ہے، جو شخص اچھی طرح وضو کر کے مسجد جاتا ہے اور اس کے جانے

کا مقصد صرف نماز پڑھنا ہوتا ہے تو یہ شخص جو قدم رکھتا ہے اس پر ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے، جب یہ شخص نماز پڑھتا ہے تو فرشتے اس کے لئے دعاء کرتے ہیں جب تک اپنی نماز کی جگہ بیٹھا رہتا ہے (فرشتوں کی دعا یہ ہے) اے اللہ اس پر رحمت نازل فرما، اے اللہ اس پر رحم فرما، اور اگر دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھتا ہے تو اس زمانہ میں اس کو نماز ہی کا ثواب ملتا ہے، اور ایک روایت میں فرشتوں کی دعا میں یہ اضافہ ہے، اے اللہ اس کی مغفرت فرما اے اللہ اس کی توبہ قبول فرما جب تک کہ کسی مسلمان کو (اپنی زبان یا ہاتھ سے) ایذا نہ دے اور جب تک کہ اس کا وضو نہ ٹوٹے، بخاری شریف، مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۶۸ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

(الجواب ۲) جو لوگ حقیقت میں معذور ہوں اور کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتے ہوں وہ کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں ایسے معذورین اپنے طور پر کرسی کا انتظام کریں، یہ ذمہ داری خود ان کی ہے مسجد کے متولی اور خدام کی ذمہ داری نہیں ہے، پہلے سے کرسیاں رکھ دینے سے غیر معذورین بھی اس پر نماز پڑھیں گے اور ان کی نماز صحیح نہ ہوگی، لہذا یہ طریقہ مناسب نہیں ہے قابل ترک ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۲۔ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ۔

افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کا امامت کرنا خصوصاً جب کہ افضل امامت پر آمادہ نہ ہو:

(سوال ۲۰۳) ہمارے یہاں امامت کرنے کے لئے کوئی عالم موجود نہیں، نہ ہی کوئی حافظ ہے اس لئے ایک صاحب خوش دلی کے ساتھ اور بغیر کسی زبردستی کے امامت کا کام سنبھال رہے ہیں، اس خیال سے کہ جب کوئی عالم آدمی ملے گا تو اس کو یہ کام سپرد کردوں گا، اور اس خیال سے بھی کہ کہیں مسجد ویران نہ ہو جائے، اور امامت پر کوئی وظیفہ نہیں لیتے ہیں، اور ان کے لئے علاوہ کوئی اور امامت کرانے کے لئے تیار نہیں، مگر لوگ اس بیچارے کی غیبت کرتے ہیں اور اس کے کچھ اوصاف کو مدنظر رکھتے ہوئے یوں کہتے ہیں کہ اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، وہ اوصاف یہ ہیں۔

(۱) داڑھی نہیں رکھتے (۲) ان کی ایک دکان ہے جس میں کتابیں اور تصویریں فروخت ہوتی ہیں (۳) یہ جب سجدہ سے اٹھتے ہیں تو کسی عذر کی وجہ سے اپنا پاؤں زمین سے الگ کر لیتے ہیں (ان کے پاس سینما دکھانے کا ایک مشین ہے، جس میں وہ کبھی کبھی لوگوں کو سینما دکھاتے ہیں۔

تو کیا یہ بہتر نہیں کہ ایسا آدمی نماز پڑھائے؟ جب کہ اس کے علاوہ اونچے درجہ کے لوگ موجود ہیں، لیکن نماز پڑھانا بالکل نہیں چاہتے۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً، افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو امامت کا اعلیٰ منصب سپرد کرنا ممنوع ہے، حدیث میں ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری نماز قبول ہو جائے تو چاہئے کہ تمہارے امامت تمہاری نیک لوگ کریں، ایک حدیث میں ہے کہ اگر تم کو پسند ہو کہ تمہاری نماز قبولیت کا درجہ حاصل کر لے تو چاہئے کہ جو تم میں سب سے زیادہ نیک اور دیندار ہیں وہ تمہارے امام بنیں، کیونکہ امام تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان سفیر ہیں (شرح النقایہ ج ا ص ۸۶ باب الامامۃ تحت قولہ ثم الاسن)

ایک حدیث میں ہے: اذا ام الرجل وفیھم من ھو خیر منہ لم یزالوا فی سفال (ترجمہ) یعنی

جب کسی قوم کی امامت ایسا شخص کرے کہ اس کے پیچھے اس سے افضل شخص موجود ہے تو وہ قوم ہمیشہ پستی میں رہے گی۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج اص ۱۰۸)

ایک حدیث میں ہے:۔ **لا یؤم فاجر مؤمناً الا ان یقهره بسلطان یخاف سیفه وسوطه** یعنی فاسق وفاجر شخص کسی مومن شخص کی امامت نہ کرے یہ اور بات ہے کہ اس کو اس عہدے پر کسی ایسے حاکم (ذی اقتدار) کی طرف سے مقرر کیا جائے جس کی تلوار اور کوڑے کا اس کو اندیشہ ہو (سنن ابن ماجہ ج اص ۱۰۸)

لہذا ایسے شخص کو امام بنانا جو داڑھی منڈاتا ہو، تصویریں فروخت کرتا ہو، سینما دیکھنے کا مشغلہ رکھتا ہو ناجائز ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی، **لو قدموا فاسقاً یأثمون** یعنی اگر فاسق کو آگے کریں گے، امام بنائیں گے تو گنہگار ہوں گے (کبیری ص ۴۷۹)۔

اور اگر اس کے سوا کوئی دوسرا نماز پڑھانے والا نہ ہو تو جب تک دوسرا انتظام نہ ہو مجبوراً اس کے پیچھے نماز پڑھ لینا اولیٰ ہے۔ **فان امکن الصلوٰة خلف غیرهم فهو افضل والا فالا قتداء اولیٰ من الا نفراد** (شامی ج اص ۵۲۳ باب الامامۃ) مجبوری کی صورت میں کراہت لازم نہیں آئے گی، لیکن جو لوگ امامت کے اہل ہیں اور آگے نہیں بڑھتے ان سے ضرور باز پرس ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عذر کی وجہ سے امام کا بیٹھ کر نماز پڑھانا:

(سوال ۲۰۴) کیا حنفی مسلک کی رو سے امام کو بیٹھ کر امامت کے فرائض انجام دینا جائز ہے؟ خواہ نماز تراویح ہو یا پنج وقتہ؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ امام مرض کی وجہ سے بیٹھ کر امامت کے فرائض انجام دے تو جائز ہے، (۱) **ویجوز اقتداء القائم بالقاعد لمرض عند الشیخین (الیٰ قوله) وجه مذهبنا ان رسول الله صلی الله علیه وسلم ام فی مرض موته فصلیٰ قاعداً وصلی الناس خلفه قیاماً الخ وهذا متاخر عن الا ول فیکون نا سخاً** (رسائل الارکان ص ۱۰۳) **فقط والله اعلم بالصواب.**

(۱) اس مسئلہ میں امام محمد اور امام مالک رحمہما اللہ کا اختلاف ہے، اس لئے ایسے معذور شخص کو مستقل امام نہیں بنانا چاہئے ۱۲ ''سعید احمد پالن پوری''

صلوٰۃ من یصلح اماماً لغیرہ

سجدہ سہو نہ کرنے کی وجہ سے دوبارہ پڑھی ہوئی نماز میں شریک ہونے والے نئے مصلی کا حکم:

(سوال ۲۰۵) امام نے سہواً کوئی واجب ترک کر دیا اور سجدۂ سہو بھی نہیں کیا، بنابریں نماز لوٹائی پڑھی تو جو شخص پہلی جماعت میں شامل نہ ہو وہ دوسری جماعت میں شامل ہو جائے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) نماز صحیح نہیں ہوگی، دوبارہ پڑھنا پڑے گی۔ اس لئے کہ امام کی یہ دوسری نماز مستقل فرض نہیں ہے، تکمیل فرض کے لئے ہے، لہٰذا مستقل فرض پڑھنے والے کی اقتداء ایسے امام کے پیچھے صحیح نہیں ہے۔(۱)
فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایسے تعلیم یافتہ کی امامت جو حروف کو صحیح مخارج سے ادا نہ کرے:

(سوال ۲۰۶) ایک اچھا پڑھا لکھا شخص مسجد میں نماز پڑھاتا ہے۔ قدرتی مرض اور عذر کی وجہ سے بعض حروف کی ادائیگی نہیں ہوتی۔ اصل حرف کی جگہ دوسرا حرف سنائی دیتا ہے مثلاً ''س'' کی جگہ ''ث'' وغیرہ معلوم ہوتی ہے۔ جدو جہد اور دعا و دوا کے باوجود فرق معلوم نہیں ہوتا لہٰذا بعض نمازی کہتے ہیں کہ امام غلط پڑھتا ہے اس لئے نماز نہیں ہوتی اور بعض کہتے ہیں کہ نماز صحیح ہو جاتی ہے تو اس مسئلہ کی تفصیل کریں۔

(الجواب) اس میں اختلاف ہے کہ ایسا شخص جس کی زبان سے ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف ادا ہوتا ہو وہ امامت کے لائق ہے یا نہیں؟ احوط اور مفتیٰ بہ یہ ہے کہ ایسے معذور شخص کی امامت غیر معذور کے حق میں صحیح نہیں ہے۔ ''نور الایضاح'' میں صحت امامت کی چھ شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ امام الثغ نہ ہو وشروط صحة الامامة للرجال الاصحاء ستة اشياء الاسلام والبلوغ والعقل والذكورة والقرأة والسلامة من الأعذار كالرعاف والفأفأة والتمتمه واللثغ (نور الایضاح ص ۸۰ باب الامامة)

لہٰذا شخص مذکور امامت کے لائق نہیں ہے اور ''فتاویٰ خیریہ'' میں الثغ (جیسے معذور) شخص کی امامت غیر الثغ (غیر معذور) کے لئے صحیح نہ ہونے کی صراحت موجود ہے والراجح المفتى به عدم صحة امامة الا لثغ لغيره ممن ليس به لثغة (راجح اور مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ الثغ کی امامت غیر الثغ کے لئے صحیح نہیں ہے (ج ۱ ص ۱۰ کتاب الصلاة و مطالبه' مطلب فيما اذا اقتدىٰ غير الألثغ بالالثغ الخ) ''فتاویٰ اسعدیہ'' میں بھی یہی ہے وقال في المجتبى والصحيح عدم الصحة كما في البحر الرائق اه (ج ۱ ص ۱۰)

لہٰذا ضد نہ کی جائے نماز جیسی اہم عبادت میں احتیاط کی ضرورت ہے، ہاں! جن الفاظ کو ادا نہیں کر پاتا ان الفاظ کے علاوہ کی سورتیں اور آیتیں پڑھے تو مقتدیوں کی نماز میں کوئی حرج نہیں ہے، یعنی سورۂ فاتحہ اور جو سورۃ یا آیات

(۱) وكذاكل صلاة اديت مع كراهة التحريم تجب اعادتها والمختار أنه جابر للاول قال في الشامية تحت قوله والمختار أنه اى الفعل الثاني جابر للاول بمنزلة الخبر بسجود السهو وبالا ول يخرج عن العهدة وان كان على وجه الكراهة درمختار مع الشامي مطلب كل صلاة اديت مع كراهة التحريم تجب اعادتها ج ۱ ص ۴۵۷.

پڑھی جائیں ان میں وہ الفاظ (حروف) نہ ہوں جو ادا نہیں ہوسکتے تو مقتدیوں کی نماز بھی صحیح ہو جائے گی
ولا تصح صلوته اذا امکنه الا قتداء بمن یحسنه او ترک جهده او وجد قدر الفرض مما لا لثغ فیه (درمختار)(قوله او وجد قدر الفرض الخ) ای وصلی غیر مؤتم ولم یقرأه' والا صحت وفی الو لو اجیة ان کان یمکنه ان یتخذ من القران ایات لیس فیها تلک الحروف یتخذ الا فاتحة الکتاب فانه لا یدع قرأ تهافی الصلوة اه (شامی ج ا ص ۵۴۵ باب الامامة مطلب فی الا لثغ)فقط واللہ اعلم بالصواب.

فاسق وفاجر اور بدعتی کی امامت کا کیا حکم ہے؟

(سوال ۲۰۷) ہمارے یہاں کے امام صاحب فاسق وفاجر ہیں، ان میں دینداری نہیں ہے، خلاف شریعت اعمال کے مرتکب ہیں تو ان کے پیچھے ہماری نماز صحیح ہے یا نہیں؟ ان کے پیچھے ہم نماز پڑھیں یا نہیں۔ بعض مصلی اسی وجہ سے ان کے پیچھے پڑھنے کے لئے راضی نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں ان سے نفرت ہے، پھر بھی متولی اسے معزول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ جو شخص بدعتی ہو اور مشرکانہ عقائد رکھتا ہو اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟ ایسے شخص کو امام بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) امام کا صحیح العقیدہ اور نماز سے متعلق مسائل سے واقف ہونا، صحیح قرائت پڑھنے والا دیندار اور ظاہری گناہوں اور برائیوں سے پاک ہونا ضروری ہے الأولیٰ الا مامة اعلمهم باحکام الصلوٰة کذا فی المضمرات وهو الظاهر هکذافی البحر الرائق هذا اذا علم من القرأة قدر ما تقوم به سنة القراء ة هکذافی التبیین :. ولم یطعن فی دینه کذا فی الکفایة وهکذا فی النهایة ویجتنب الفواحش الظاهرة (فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۸۳ الفصل الثانی فی بیان من هو أحق الامامة)

فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے فاسق وہ ہے جو کبائر کا مرتکب ہو یا صغائر کا عادی ہو فالعدم ما اجتنب الثلاثة والفاسق من فعل کبیرة او اصر علی صغیرة (شامی ج۴ ص ۵۳۱ باب الامامة) لہذا فاسق فاجر کو امام بنانا گناہ ہے۔ حدیث میں ہے لا یؤم فاجر مؤمناً (ابن ماجه ص ۷۷) (فاجر شخص کسی مومن کی امامت نہ کرے) اور ''کبیری'' میں ہے لو قدموا فاسقاً یأثمون (ص ۴۷۹ فصل فی الا مامة) اور اگر فاسق [illegible] بنائیں گے تو گنہگار ہوں گے) اس لئے کہ فاسق اپنے دین کا ہی اہتمام نہیں کرتا (تو نماز جیسی عظیم الشان [illegible] کے متعلق اس کا اعتبار کیونکر ہو) نیز اسے امامت کا منصب دینے میں اس کی تعظیم لازم آتی ہے حالانکہ شریعت میں اس کی اہانت واجب ہے) واما الفاسق فقد عللوا کراهة تقدیمه بانه لا یهتم لا مر دینه وبان تقدیمه للأمامة تعظیمه' وقد وجب علیهم اهانته شرعا (شامی ج ا ص ۵۲۳ باب الا مامة)

لہذا مخالف شریعت، واجب الاہانت امام کو معزول کردینا ضروری ہے۔

ابوداؤد شریف میں ہے۔ ایک شخص نے کچھ لوگوں کی امامت کی اسے تھوک آیا تو قبلہ کی جانب تھوک دیا۔ آنحضرت ﷺ یہ دیکھ رہے تھے جب نماز سے فارغ ہوگیا تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں سے آنحضرت ﷺ نے فرمادیا کہ یہ شخص آئندہ تمہاری امامت نہ کرے اس کے بعد اس شخص نے نماز پڑھانے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے

اسے روک دیا اور بتادیا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے۔ یہ شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ہاں میں نے کہا تھا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تم نے اللہ کو اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی تھی۔ ان رجلاً ام قوماً فبصق فی القبلة ورسول الله صلی الله علیه وسلم ینظر فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم حین فرغ لا یصلی بکم فارا د بعد ذلک ان یصلی لهم فمنعوه واخبروه بقول رسول الله صلی الله علیه وسلم فذکر ذلک لرسول الله صلی الله علیه وسلم فقال نعم وحسبت انه قال انک اذیت الله ورسوله صلی الله علیه وسلم (ابوداؤد ج ۱ ص ۷۲ باب فی کراهیة البزاق فی المسجد)

فقہ کی مشہور کتاب ''درمختار'' میں ہے کہ اگر کوئی شخص امامت کرتا ہے اور نمازی اس سے کراہیت کرتے ہیں (اسے پسند نہیں کرتے) تو اگر اس کراہیت اور ناگواری کا سبب یہ ہے کہ امام میں کوئی خرابی ہے یا یہ لوگ اس سے زیادہ امامت کے مستحق ہیں وہ ان سے کم درجہ رکھتا ہے تو اس کو امامت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ چنانچہ ابوداؤد شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتے جو امامت کرے اور لوگ اس سے کراہیت کرتے ہوں۔ اور اگر واقعہ یہ ہے کہ یہ امام ہی سب سے زیادہ امامت کا حق دار ہے (عالم و فاضل اور متقی ہے) اور لوگ کراہیت کرتے ہیں تو اس کراہیت کا وبال نمازیوں پر ہوگا۔ ولو ام قوم وهم له کارهون ان الکراهة لفسادفیه اولانهم احق بالامامة منه کره له ذلک تحریماً لحدیث ابی داؤد لا یقبل الله صلوة من تقدم قوما وهم له کارهون وان هو احق لا والکراهة علیهم (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۵۲۲ باب الامامة)

احادیث مذکورہ اور فقہی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ فاسق شخص امامت کے لائق نہیں اس کی اقتداء میں نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے لہٰذا ایسے امام کو بلا تاخیر کے معزول کر دینا لازم ہے اگر معزول نہ کیا جائے تو آپ دوسری مسجد میں چلے جائیں، دوسری مسجد نہ ہو تو مجبوراً اس کے پیچھے پڑھ لیں کہ تنہا نماز پڑھنے سے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا اولیٰ ہے فان امکن الصلوة خلف غیرهم فهو افضل والا فالأ قتداء اولیٰ من الانفراد (شامی ج ۱ ص ۵۲۳ باب الا مامة) واذا تعذر منعه (ای الفاسق) ینتقل عنه الی غیر مسجده للجمعة وغیرها وان لم یقم الجمعة الا هو یصلی معه (مراقی الفلاح ص ۵۸ فصل فی الا حق بالا مامة) فاذا امکن الصلوة خلف عدل مستقیم السیرة فینبغی ان یصلی خلفه فلا یصلی خلف من ظهر فجوره لغیر حاجة (فتاوی ابن تیمیه ج ۱ ص ۱۰۶) مجبوری کی حالت میں کراہت لازم نہیں آئے گی، ساری ذمہ داری امام اور اس کے متعین کرنے والے اور اسے برداشت کرنے والوں پر ہوگی۔ بدعتی امام کا بھی یہی حکم ہے حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت ابن عمرؓ ایک مسجد میں گئے وہاں ظہر کی اذان ہو چکی تھی نمازیوں کا انتظار تھا کہ موذن نے تثویب کہی۔ یعنی الصلوة الصلوة پکارا تا کہ نمازی آجائیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فوراً فرمایا ہمیں اس بدعتی کے پاس سے نکالو۔ چنانچہ حضرت موصوف اس مسجد سے چلے آئے وہاں نماز نہیں پڑھی (ترمذی شریف ج ۱ ص ۲۸ باب ماجآء فی التثویب فی الفجر. الاعتصام ج ۱ ص ۱۶۴) اور اگر بدعتی کی بدعت اور بداعتقادی مفضی الی الکفر ہو تو پھر اس کی امامت کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حنفی مقتدی کی نماز مالکی، حنبلی امام کے پیچھے:

(سوال ۲۰۸) حنفی مقتدی کی نماز، مالک حنبلی امام کے پیچھے صحیح ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) مالکی، شافعی وغیرہ امام طہارت وغیرہ خاص مسائل میں جن پر حنفی مقتدی کی نماز کی صحت کا دارومدار ہے رعایت کرتا ہے تو بلا کراہت اس کی اقتداء جائز ہے اور اگر عدم رعایت کا یقین ہے تو اقتداء درست نہیں ہے اور اگر شک ہے تو مکروہ تنزیہی ہے۔ ان الا قتداء بالشافعی علی ثلثة اقسام الا ول ان یعلم منه الاحتیاط فی مذهب الحنفی فلا کراهة فی الا قتداء به الثانی ان یعلم منه عدمه فلا صحة لکن اختلفوا هل یشترک ان یعلم منه عدمه فی خصوص مایقتدی به او فی الجملة صحح فی النهایة الا ول وغیره اختار الثانی وفی فتاوی الزاهدی اذا رآه احتجم ثم غاب فالاصح انه یصح الا قتداء به لأ نه یجوز ان یتو ضأ احتیاطا وحسن الظن به اولیٰ الثالث ان لایعلم شیئا فالکراهة ولا خصوصیة لمذهب الشافعی بل اذا صلی حنفی خلف مخالف لمذهبه فالحکم کذلک (بحر الرائق ج ۲ ص ۴۷، ۴۶ باب الوتر والنوافل)......ومخالف کشافعی لکن فی وتر البحران تیقن المراعاة لم یکره او عد مها لم یصح وان شک کره (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۵۲۶ باب الامامة)(طحطاوی ج ۱ ص ۲۴۵)فقط والله اعلم بالصواب .

سیدنا حضرت عثمانؓ سے باغی کی امامت:

(سوال ۲۰۹) ہماری کتاب فقہ میں ہے کہ فاسق یا بدعتی کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز دہرانی ضروری ہے، حالانکہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بغاوت ہوئی اور حضرات صحابہؓ نے باغیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کے متعلق آپ سے پوچھا تو آپؓ نے اجازت دی، پڑھی ہو تو دہرانے کا حکم نہ دیا، باغیوں سے بڑھ کر فاسق کون ہوسکتا ہے؟ باغی بھی ایسے کہ خلیفۂ برحق امیر المؤمنین، داماد رسول ﷺ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ان کے سامنے بغاوت کرنے والے تھے۔

(الجواب) راجح اور مفتی بہ قول یہ ہے کہ فاسق اور بدعتی کے پیچھے جس کی بداعتقادی حد کفر تک نہ پہنچی ہو، پڑھی ہوئی نماز دہرانی ضروری نہیں ہے (شامی ج ا ص ۵۲۵) مجبوراً پڑھنا پڑے تو مکروہ نہیں ہے هذا ان وجد غیرهم والا فلا کراهة(درمختار مع شامی ج ۱ ص ۵۲۵ باب الا مامة)(رسائل الا رکان ص ۹۸)فقط والله اعلم بالصواب .

جلسۂ استراحت کرنے والے کے پیچھے حنفی کی نماز:

(سوال ۲۱۰) جلسہ استراحت کرنے والے کے پیچھے حنفی مقتدی کی نماز ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) جلسۂ استراحت کرنے والے کی نماز میں دوسری کوئی خرابی نہ ہو کوئی اور واجب نہ چھوٹتا ہو تو نماز پڑھنا جائز ہے، نماز ہو جائے گی والثانی الجلسة الخفیفة قال شمس الا ئمة الحلوانی الخلاف فی

الافضل حتی لو فعل کما هو مذهبنا لاباس به عند الشافعی ولو فعل کما هو مذهبه لا بأس به عندنا (شامی ج ۱ ص ۴۷۳ فصل قبیل مطلب مهم فی عقد الا صابع عند التشهد)فقط واللہ اعلم بالصواب

فاسق کی امامت:

(سوال ۲۱۱)امام صاحب بدکاری میں مبتلا ہیں ۔نوبت یہاں تک پہنچی کہ حمل رہ گیااور اس بدکارہ سے شادی کرلی اور چار ماہ میں اس حمل سے بچہ پیدا ہوا،اسی طرح داڑھی ایک انچ کی رکھتے ہیں ایسے امام کے پیچھے نماز صحیح ہے یا نہیں؟عوام میں اختلاف ہوگیا ہے،نزاع کا اندیشہ ہے،جلد جواب دیں۔

(الجواب)امام متقی ، پرہیزگار ظاہر میں گناہ اور برائی سے پاک ہونا چاہئے ،حدیث شریف میں ہے۔وقدورد عن ابن عمر مرفوعاً اجعلوا ائمتکم خیارکم فانهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم .رواه البیهقی بسند ضعیف وفی روایة ان سرکم ان تقبل صلوتکم فلیؤمکم علمائکم فانهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم. رواه الطبرانی وفی روایة الحاکم فلیؤمکم خیارکم وسکت عنه اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری نماز درجہ قبولیت کو پہنچے تو تم میں جو زیادہ متقی ہو پرہیزگار ہو وہ تمہارا امام بنے کہ امام تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان بطور قاصد ہے (شرح نقایہ ج ۱ ص ۸۶ باب الامامۃ تحت قولہ ثم الامین)زانی کبیرہ کا مرتکب فاسق وفاجر ہے،وہ قابل امامت نہیں ۔حدیث شریف میں ہے لا یؤم فاجر مومناً یعنی فاسق وفاجر کسی مومن کا امام نہ بنے (ابن ماجہ)ایسے امام کے پیچھے نماز مکروہ اور اس کو امام بنانا گناہ ہے۔کبیری میں ہے لو قدموا فاسقاً یأثمون یعنی اگر فاسق کو امام بنائیں گے تو گنہگار ہوں گے (ص ۴۷۹ کبیری فصل فی الامامۃ)داڑھی ایک مشت رکھنا ضروری ہے شارح مشکوٰۃ حضرت شاہ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں :۔ وگذاشتن آں بقدر قبضہ واجب است یعنی ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے،مسنون اس لئے کہتے ہیں کہ دینی دستور اور تمام انبیاء کی سنت یعنی ان کا طریقہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۸۸) یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا درجہ بھی سنت کا ہے جس کے ترک پر گناہ نہ ہو بلکہ اس کا ترک کرنا اور مسلسل ترک کرتے رہنا گناہ کبیرہ ہے۔حضرت مولانا ثناء اللہ محدث پانی پتی فرماتے ہیں ،تراشیدن ریش بیش از قبضہ حرام است ۔ مالا بدمنہ ص ۱۳۰۔لہذا داڑھی منڈوانا یا اتنی کتروانا کہ ایک مٹھی سے کم رہ جائے حرام ہے ۔اس لحاظ سے بھی یہ امام فاسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ ہے۔(ہدایہ ج ۱ ص ۱۰۱ باب الامامۃ)لہذا ایسے فاسق وبدکار امام کو معزول کرنا ضروری ہے،متولی ایسے امام کو علیحدہ نہ کرے تو دوسری مسجد میں نماز پڑھے کوئی اور مسجد نہ ہو تو مجبوراً اس کے پیچھے نماز پڑھ لے کیونکہ جماعت کا ترک کرنا بھی درست نہیں ہے، جماعت کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے،علماء نے جماعت سے نماز پڑھنے کو واجب بھی کہا ہے لہذا جماعت ترک نہ کرے البتہ اس امام کو علیحدہ کرانے کی کوشش کرتا رہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جھوٹی قسم کھانے والے کی امامت مکروہ ہے:

(سوال ۲۱۲)ایک شخص نے دیوان (کورٹ)میں خدا کی قسم کھا کر جھوٹی گواہی دی ہے۔اس پر کیا کفارہ ہے؟

اور اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) جھوٹی قسم کھانے والا مرتکب کبیرہ ہے اس کے لئے کفارہ بھی ناکافی ہے۔ دائما بارگاہ خداوندی میں توبہ واستغفار کرتا رہے اور اپنے گناہ کی معافی طلب کرتا رہے۔[۱] اس کو امام نہ بنایا جائے اس کی امامت مکروہ ہے۔ **فقط واللہ اعلم بالصواب.**

خنثیٰ کے پیچھے نماز:

(سوال ۲۱۳) علمائے دین ان مسائل میں کیا فرماتے ہیں:۔ (۱) خنثیٰ کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ (۲) نامرد کے پیچھے جو عورت کے قابل نہ ہو نماز جائز ہے یا نہیں؟ (۳) موقع بہ موقع لڑکوں سے برے کام کے لئے کہے تو اس کی امامت کیسی ہے؟ (۴) بار بار کہنے کے باوجود جو شخص نماز میں کھنکارے اور قرأت پڑھتے ڈکارے اس کے لئے کیا حکم ہے؟ (۵) کوئی بھی بات پوچھنے سے جان کر جھوٹ بولے حالانکہ دوسروں نے دیکھا ہے، یا یہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں، ایسے شخص کی امامت میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

(الجواب) اگر مذکورہ باتیں پایۂ ثبوت کو پہنچ جائیں تو اس کی امامت بلاشبہ مکروہ ہے اور اگر واقعۃً یہ شخص خنثیٰ ہے تب اس کی اقتدا درست ہی نہیں بلا وجہ شرعی کسی کو متہم کرنا بڑا گناہ ہے کھنکارنا اگر عذر سے ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے گلا صاف کرنے اور بلغم ہٹانے کی غرض سے کھنکار نادرست ہے اس سے نماز مکروہ نہیں ہوتی۔ **لانہ یفعلہ لاصلاح القرأۃ فیکون من القرأۃ معنی کالمشی للبناء فانہ وان لم یکن من الصلوٰۃ لکنہ لاصلاحھا فصار منہ معنی شرح المنیۃ عن الکفایہ الخ (شامی ج ۱ ص ۵۷۸ باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا بعد مطلب المواضع التی یکرہ فیھا رد السلام)** اور گاہے مجبوراً ڈکار آ جائے تو اس میں بھی کوئی برائی نہیں جو باتیں کراہت کی ہیں اگر اس سے تائب ہو جائے اور چھوڑ دینے کا وعدہ کرلے تو اس کی امامت بلا کراہت جائز ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم.**

(سوال ۲۱۴) ایک محلہ کی مسجد میں تراویح کی آٹھ رکعت کے بعد بہت کم نمازی رہ جاتے ہیں ایسی صورت میں ان نمازیوں کو دوسرے محلہ میں جا کر بقیہ بارہ رکعت ادا کرنی چاہئیں، یا اسی مسجد میں ادا کریں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اسی مسجد میں بقیہ بارہ رکعات بھی باجماعت ادا کرنی چاہئے **وھل المراد انھا سنۃ کفایۃ لاھل کل مسجد من البلد او مسجد واحد منھا او من المحلۃ ظاھر کلام الشارح الاول واستظھرہ الثانی ویظھرلی الثالث لقول المنیۃ حتی لو ترک اھل محلۃ. کلھم الجماعۃ فقد ترکوا السنۃ واساء وا (شامی ج ۱ ص ۶۶۰ مبحث صلاۃ التراویح) واللہ تعالیٰ اعلم.**

امام کی قراءت میں صفائی نہ ہو تو اقتداء صحیح ہے یا نہیں:

(سوال ۲۱۵) ایک صاحب نماز پڑھاتے ہیں قرأت میں غلطیاں کرتے ہیں حروف صحیح نہیں ادا ہوتے، قرأت

---

(۱) یمین غموس. قولہ فھذہ الیمین یاثم بھا صاحبھا لقولہ علیہ السلام من حلف باللہ کاذبا ادخلہ اللہ النار. قال علیہ السلام ثلث من الکبار الیمین الغموس الخ جوھرۃ النیرۃ کتاب الایمان ج ۲ ص ۲۸۷.

صاف نہیں حتیٰ کہ نمازیوں کو سمجھ نہیں پڑتی۔ اسی طرح عشاء میں اختصار اور عصر میں طول کرتے ہیں تو ایسے امام کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟ اور لوگوں کے منع کرنے کے باوجود امامت کرے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب امام کی قرأت صاف اور صحیح نہیں ہے اور مقتدیوں کو سمجھ میں نہیں آتا تو ان کے لئے امامت کرنا درست نہیں، مقتدیوں کو چاہئے کہ کسی ایسے امام کا انتظام کریں جو قرآن شریف صاف اور صحیح پڑھے۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

داڑھی منڈے کی امامت اور شرعی داڑھی کی حد:

(سوال ۲۱۶) داڑھی منڈوانا اور کتروانا کیسا ہے؟ ایسا شخص فاسق ہے یا نہیں؟ اس کی امامت مکروہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) داڑھی منڈوانا اور شرعی حد سے آگے کتروانا ناجائز اور حرام ہے۔ اس کا مرتکب فاسق و مردود الشہادۃ ہے۔ اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے "مالا بدمنہ" میں ہے۔ تراشیدن ریش پیش از قبضہ حرام است (ص ۱۳۰) اور درمختار میں ہے۔ **اذا کانت بقدر المسنون وھو القبضۃ (الیٰ قولہ) وھی دون ذلک کما یفعلہ بعض المغاربۃ و مخنثۃ الرجال فلم یبح احد واخذ کلھا فعل ھنود الھند و مجوس الاعاجم.** فتح یعنی۔ ایک مشت سے کم کرنا جیسا کہ بعض مغربی مسلمان اور مخنث مرد کرنے لگے ہیں۔ کسی نے اس کو جائز نہیں کہا (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۱۵۵) اور اسی میں دوسری جگہ ہے۔ **یحرم علی الرجل قطع لحیۃ.** یعنی مرد کے لئے دوسرے کی داڑھی قطع کرنا حرام ہے (ج ۵ ص ۳۵۹ باب مایفسد الصوم ومالا یفسد)

کیا امامت کے لئے ذات پات کا لحاظ ہے؟:

(سوال ۲۱۷) ہمارے یہاں مسجد نہیں ہے صرف مدرسہ ہے مسجد کی تعمیر کا کام جاری ہے اس مدرسہ کا مدرس امامت کرتا ہے وہ ذات کا فقیر ہے (مانگ کر کھانے والوں میں سے ہے) بعض کہتے ہیں کہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا قطعی طور پر حرام ہے۔ وہ چند آدمیوں کے یہاں سے روٹی مانگ لاتا ہے۔ میت کو غسل بھی دیتا ہے۔ مذکورہ بالا صورت میں امام کی اقتدا کرنے میں کوئی حرج ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) امامت کے لئے ذات پات کا کوئی لحاظ نہیں، افضلیت کا لحاظ ہے۔ اور یہ کہ جماعت میں کمی نہ آئے اور نمازی منتشر نہ ہوں۔ پس نمازیوں میں جو افضل ہو وہ امامت کا حقدار ہے۔ تاکہ نماز صحیح اور کامل ادا ہو جائے اور مقتدی زیادہ سے زیادہ نماز میں شریک ہوں۔ پس کسی ایسی قوم کا آدمی جس کو لوگ ذلیل اور رذیل سمجھتے ہیں اگر علم و تقویٰ میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔ اور اس بناء پر لوگ اس کا ادب کرتے ہیں تو بلاشبہ اس کے پیچھے نماز درست ہے۔ کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں۔ البتہ اگر اس کے افعال ایسے ہیں۔ جن کی بناء پر وہ لوگوں کی نگاہ میں ذلیل اور بے وقعت ہے تو اس بناء پر اس کو امام بنانا مکروہ ہے کہ لوگ جب اس کی عزت اور وقعت نہیں کرتے، تو اس کے

---

(۱) ولا یجوز امامۃ الثغ الذی لا یقدر علی التکلم ببعض الحروف الا لمثلہ اذا لم یکن فی القوم من یقدر علی التکلم بتلک الحروف الخ فتاویٰ عالمگیری باب الامامۃ الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماما لغیرہ ج ۱ ص ۸۴.

پیچھے نماز پڑھنا ہی پسند نہیں کریں گے۔ اور جماعت میں کمی ہو جائے گی۔

''فتاویٰ عالمگیری'' میں ہے۔ لان المقصود کثرۃ الجماعۃ ورغبۃ الناس فیہ اکثر۔

ترجمہ:۔ افضل کو امام بنانے میں یہ بھی مصلحت ہے کہ لوگ اس کو پسند کر کے شرکت کریں گے اور جماعت بڑھے گی (ص ۸۳ ج ۱ الباب الخامس فی الامامۃ الفصل الاول فی الجماعۃ) امام افضل وہ ہے جو شرعی احکام سے سب سے زیادہ واقف ہو۔ قرآن مجید تجوید وصحت کے ساتھ پڑھتا ہو، پرہیز گار ہو، صحیح العقیدہ اور اعلیٰ حسب والا ہو، حسین وجمیل اور معمر ہو، نسبی شرافت، خوش اخلاق اور پاکیزہ لباس والا، امامت کا زیادہ حق دار ہے کہ لوگ رغبت سے اس کی اقتداء کریں اور جماعت بڑی ہو۔ حدیث شریف میں ہے۔ کہ وفی روایۃ ان سرکم ان تقبل صلوتکم فلیؤمکم علمائکم فانھم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم. رواہ الطبرانی وفی روایۃ الحاکم فلیؤ مکم خیارکم ۔ یعنی اگر تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہاری نمازیں عنداللہ مقبول ہوں تو چاہئے کہ علماء اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جو تم میں سب سے زیادہ نیک ہوں وہ تمہاری امامت کریں کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان قاصد ہیں۔ (شرح نقایہ ص ۸۶ ج ۱ باب الامامۃ تحت قولہ ثم الاسن)

''تکمیل الایمان'' میں ہے ''نعم اگر مردے صالح ومتقی برائے امامت پیدا شود بہتر والا ہر کہ باشد نماز باجماعت باید گذارد۔ وہر چند کہ فاسق بود بشرط یہ کہ فسق وفجور وے منجر بکفر نہ گردد وعلم باحکام وارکان نماز وقدر مایجوز بہ الصلوٰۃ از قرآنی یاد داشتہ باشد (تکمیل الایمان فارسی ص ۸۷)

لہٰذا افضل کو امام بنایا جائے اور اس سے ایسا کام نہ لیا جائے جس سے لوگ اسے حقیر سمجھیں۔ ہاں اگر کسی جگہ افضل امام نہ ہو، فاسق ہو تو جماعت نہ چھوڑے۔ جماعت کی فضیلت اور اہمیت کے پیش نظر تنہا پڑھنے سے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا بہتر ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

امام سینما بینی کا عادی ہو تو ایسے امام کی امامت کا کیا حکم ہے :

(سوال ۲۱۸) ایک حافظ صاحب سینما اور ناٹک دیکھتے ہیں اور ناچ گانے کے بہت شوقین ہیں تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(الجواب) جو شخص سینما دیکھتا ہو اور ناچ گانے کی محفلوں میں شرکت کرتا ہو ایسا شخص منصب امامت کے قابل نہیں ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ اگر توبہ نہ کرے اور امامت بھی نہ چھوڑے تو دوسری مسجد میں نماز پڑھنی چاہئے۔ اگر دوسری مسجد نہ ہو تو تنہا پڑھنے کے بجائے اسی امام کے پیچھے پڑھ لے اس لئے کہ جماعت کی اہمیت اور تاکید بہت زیادہ ہے۔ وفی النھر عن المحیط صلی خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعۃ (قولہ نال فضل الجماعۃ) افاد ان الصلوٰۃ خلفھما اولیٰ من الانفراد (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۵۲۵ باب الامامۃ) واللہ اعلم بالصواب.

جذامی وابرص کی امامت اور ان کے لئے جماعت کا حکم:

(سوال ۲۱۹) اگر جذامی جماعت سے نماز ادا کرنا چاہے اور لوگ اس سے نفرت کرتے ہوں ایسی مجبوری کی

حالت میں اس کا اپنے مکان میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ترک جماعت کا گناہ کس کے ذمہ ہوگا۔ اور اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟ اگر ابرص یعنی سفید داغ والا امامت کرتا ہے تو اس کی اقتداء کی جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جذام بہت ہی گندہ اور خطرناک مرض ہے (اللہ محفوظ رکھے) گھر والے بھی دور رہتے ہیں۔ اس لئے مسجد میں آنے کی اجازت نہیں ہے کہ لوگ گھن کریں گے کوئی بھی پاس کھڑا نہ رہے گا۔ اس کو امام بنانا بھی مکروہ ہے۔ برص (یعنی سفید داغ) بدن میں پھیل گیا ہو تو اس سے بھی لوگ گھن کرتے ہیں لہذا اس کی امامت بھی مکروہ ہے۔ **ویمنع منہ ای المسجد وکذا کل مؤذی (درمختار) وکذا القصاب والسماک والمجذوم والا برص اولی بالالحاق (شامی ج ۱ ص ۶۱۹ تحت مطلب احکام المساجد. فقط واللہ اعلم بالصواب.**

بدعتی اور علماءحقہ کو برا کہنے والے کی امامت:

(سوال ۲۲۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں...... ہماری کالونی میں جو سابق پیش امام تھے وہ اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے ان کے خطبات اور وعظ میں بہت حد تک شرک اور بدعت کی رسموں کو چھڑانا اور سنت نبوی ﷺ کو جاری کرنے کی جدو جہد تھی۔ یہاں پر کچھ بریلوی عقائد والے بھی رہتے ہیں ان کو پیش امام کے ان وعظوں سے دشمنی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بریلوی علماء کا وعظ رکھا۔ انہوں نے حسب عادت دیو بندی علمائے حقہ کے خلاف اس قدر زہر اگلا کہ یہاں دو فرقے ہو گئے اور امام صاحب کے خلاف بھی منگنیں کرنے لگے۔ بالآخر امام صاحب نے مجبور ہو کر استعفیٰ دے دیا اس کے بعد بدعتی خیال کے لوگوں کی کوششوں سے ایک بدعتی امام کا تقرر ہوا اور انہوں نے اپنے بیانات میں دیو بندی علماء حقہ کے خلاف بدگوئی اور دروغ بیانی شروع کر دی جس کی وجہ سے اہل حق...... نے ان کے پیچھے نماز پڑھنا بند کر دیا۔ چونکہ ناچیز کو نماز با جماعت میں خاص لطف آتا ہے اس لئے ابھی تک بادل ناخواستہ اس امام کے پیچھے پڑھتا ہوں۔ دوسری مساجد بہت دور ہیں۔ بندہ اس وجہ سے از حد پریشان ہے گھر پر نماز پڑھنے کی وجہ سے ناکارہ کوستی کی وجہ سے نماز قضا ہو جانے کا ڈر رہتا ہے میں کیا کروں آپ جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ (از بمبئی)

(الجواب) یہ شخص فاسق ہے اس کو امام مقرر کرنا جائز نہیں۔ اگر پہلے سے امام ہو اور اس کو نکالنے میں فتنہ کا ڈر ہو اور دوسری مسجد نہ ہو اگر ہو تو بہت دور ہونے کی وجہ سے پنج وقتہ حاضری دینا مشکل ہو تو مجبوراً اس امام کے پیچھے نماز پڑھے۔ تنہا پڑھنے سے ایسے امام کے پیچھے پڑھنا افضل ہے کہ جماعت کی بہت ہی اہمیت ہے۔ خرابی کی ذمہ داری امام پر اور اس کو مقرر کرنے والوں پر رہے گی۔ **وفی النھر عن المحیط صلی خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعۃ (قولہ نال فضل الجماعۃ) افاد ان الصلوٰۃ خلفھما اولیٰ من الانفراد (درمختار والشامی ج ۱ ص ۵۲۵ باب الامامۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب.**

قرآن شریف لحن جلی سے پڑھنے والے کی امامت:

(سوال ۲۲۱) کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ ہماری مسجد کے امام صاحب نماز میں کئی مرتبہ ذال

کی جگہ ظاز کو ج اور ذال پڑھتے ہیں اور اسی طرح کئی حرفوں کو گھٹا بڑھا کر پڑھتے ہیں مثلاً فلینظر کو فلینظور اور یومئذ کو یومئیذ اور ثم کو ثما اور لیکون کو لیکونا پڑھتے ہیں۔ ان کی زبان صاف اور اچھی ہے۔ سند یافتہ ہیں۔ اگر تجوید کے مطابق پڑھنا چاہیں تو پڑھ سکتے ہیں؟ مگر پہلے سے یہ عادت ہوگئی ہے۔ تو ان کی امامت میں ہماری نماز درست ہو جائے گی؟ بینواتو جروا۔

(الجواب) جمال القرآن میں ہے تجوید کے خلاف قرآن پڑھنا یا غلط پڑھنا یا بے قاعدہ پڑھنا لحن کہلاتا ہے اور یہ (لحن) دو قسم کا ہے ایک یہ کہ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف...... پڑھ دیا جیسے الحمد کی جگہ الھمد پڑھ دیا ث کی جگہ س پڑھ دیا بڑی ح کی جگہ چھوٹی ہ پڑھ دی یا ذال کی جگہ زاء پڑھ دیا ص کی جگہ س پڑھ دیا ان غلطیوں کو لحن جلی کہتے ہیں اور یہ حرام ہے بعض جگہ اس سے معنی بگڑ کر نماز بھی جاتی رہتی ہے۔ (جمال القرآن)

لہذا اس طرح پڑھنے والا امامت کے لائق نہیں ہے اسے لازم ہے کہ پہلے قرآن صحیح پڑھنا سیکھے تب امامت کرائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جس نے نسبندی کرائی ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے :

(سوال ۲۲۲) جو لوگ از راہ رغبت نسبندی کرا کر خصی بن جاتے ہیں ان کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے یا نہیں؟ بینواتو جروا۔

(الجواب) خصی اور ہجڑے کو امام بنانا جائز نہیں۔ نماز مکروہ ہوتی ہے۔ ویکرہ استخدام الخصیان لان الرغبة فی استخدامهم حث علی هذا الصنیع ومثلة محرّمة. یعنی خصی لوگوں سے خدمت لینا مکروہ ہے کہ ایسے لوگوں سے خدمت لینے میں اس فعل شنیع کا دروازہ کھولنا ہے حالانکہ یہ حرکت مثلہ محرمہ ہے مثلہ یعنی اعضاء بدن کی اصلی خلقت سے بگاڑنا۔ اور یہ حرام ہے۔ ھدایہ اخیرین کتاب الکراھیة فصل فی البیع ج۴ ص ۴۷۴. فقط واللہ اعلم بالصواب.

امام کی زبان میں لکنت کی وجہ سے الحمد کے شروع میں اُاُاُ ہو جاتا ہے :

(سوال ۲۲۳) احقر امام مسجد ہے کچھ مدت سے میری زبان میں لکنت آگئی ہے اور وہ بھی صرف ایک لفظ الحمد للہ کے الف لام پر۔ مثلاً تکبیر تحریمہ کے بعد ثنا پڑھ کر جب سورۂ فاتحہ شروع کرتا ہوں تو اُاُاُ ہو کر ہمزہ کی تکرار ہو جاتی ہے کچھ دیر کے بعد الحمد للہ کا تلفظ ہوتا ہے۔ اس کے بعد باقی سورت اور قرآن پاک کی آیات یا جو بھی سورت پڑھتا ہوں اچھی طرح پڑھ لیتا ہوں اس صورت میں نماز میں کراہت ہوگی یا نہیں؟ اگر الحمد کے شروع میں جہری نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو جھراً شروع کرتا ہوں تو کسی قسم کی تکلیف ولکنت وتکرار کے بغیر اچھی طرح پڑھا جاتا ہے تو اس مجبوری کی وجہ سے بسم اللہ کا جہراً پڑھنا کیسا ہے؟ اگر پڑھ لوں تو نماز میں کوئی کراہت تو نہیں؟ نیز رمضان المبارک میں تراویح کا مسئلہ یہ ہے کہ حافظ کو اجرت دے کر سننا سنانا دونوں منع ہے ایسی صورت میں اگر احقر ختم قرآن کی تراویح پڑھا دے تو تراویح کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے جھراً بسم اللہ الرحمن الرحیم O پڑھ لوں تو پڑھ سکتا ہوں یا نہیں؟ میں بھی حنفی المسلک ہوں اور مقتدی...... بھی حنفی ہیں۔ (بینواتو جروا)

(الجواب) صورت مسئولہ میں راجح اور احوط یہی ہے کہ آپ کی امامت میں نماز صحیح نہ ہوگی۔ قابل اعادہ ہوگی۔ وتکرہ امامۃ الفافاء...... الی قولہ...... ولکن الا حوط عدم الصحۃ (شامی ج ا ص ۵۴۴ باب الا مامۃ مطلب فی الثغ) اور الفافاء سے اُ اُ اُ زیادہ قبیح اور لحن جلی ہے۔ زیادہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ص ۱۵۳، ص ۱۵۴ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں ایسے تعلیم یافتہ کی امامت جو حروف کو صحیح مخارج سے ادا نہ کرے کے عنوان سے دیکھیں۔ از مرتب) اس لئے آپ نماز پڑھانے کی جرأت نہ فرماویں۔ تراویح کے لئے حافظ نہ ملے تو الم ترکیف سے پڑھانے کا انتظام کرلیا جائے۔ بسم اللہ کا جہر خلاف سنت اور بدعت ہے ترمذی شریف میں ہے عن ابن عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ قال سمعنی ابی وانا فی الصلوٰۃ اقول بسم اللہ الرحمن الرحیم فقال ای بنی محدث ایاک والحدث...... الخ عبداللہ بن مغفلؓ کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ میں نے نماز میں بلند آواز سے بسم اللہ پڑھی میرے والد نے سن لیا تو فوراً تنبیہ فرمائی بیٹا یہ بدعت ہے، بدعت سے الگ رہو (ترمذی شریف ج ا ص ۳۳ باب ماجآء فی ترک الجہر بسم اللہ الرحمن الرحیم) لہذا صورت مذکورہ میں اس کی بھی اجازت نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جو شخص قرآن کے مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھے اس کی امامت کا حکم!:

(سوال ۲۲۴) جس کا عقیدہ یہ ہو کہ قرآن مخلوق ہے اس کی امامت درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایسے مبتدع کی اقتداء میں نماز پڑھنا درست نہیں وامامۃ المبتدع ای صاحب الھویٰ الذی لا یکفر بہ صاحبہ فلا یجوز امامۃ الرافضی و الجہمی والقدری والمشبھۃ ومن یقول بخلق القران : .الخ عینی شرح کنز الدقائق (باب الامامۃ ج ا ص ۳۸). فقط واللہ اعلم بالصواب.

نائی (حجام) کی امامت:

(سوال ۲۲۵) میں دھرم پور میں مؤذن ہوں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ حجامت کا کام کرتا ہوں۔ اور کبھی کبھی امام صاحب کی غیر موجودگی میں نماز بھی پڑھاتا ہوں۔ بعض لوگوں کا اعتراض یہ ہے کہ حجامت کا پیشہ ہے اس لئے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے۔ خاص کر جب کہ لوگوں کی داڑھی مونڈتا ہو! کیا واقعی میرے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے ۔بینوا توجروا۔

(الجواب) حجام (نائی۔ بال کاٹنے والا) اگر نماز وغیرہ کے مسائل کا علم رکھتا ہو اور ساتھ ساتھ دیندار بھی ہو تو امام بن سکتا ہے لیکن اگر وہ لوگوں کی داڑھی مونڈتا ہو تو وہ فاسق ہوگا اور اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔ (۱) اور اگر وہ جاہل ہو اور دیندار بھی نہ ہو اور حجامت کا پیشہ کرتا ہو اور اس وجہ سے لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے نفرت کرتے ہوں تو اس کو نماز نہیں پڑھانا چاہئے۔ لیکن اگر امام کی غیر موجودگی میں کوئی شخص اس سے افضل نہ ہو تو مجبوراً اس وقت اس شخص کے پیچھے نماز پڑھنا تنہا نماز پڑھنے سے بہتر ہے اس لئے کہ جماعت کی اہمیت اور تاکید بہت زیادہ ہے ۔ (فقط واللہ اعلم بالصواب)

---

(۱) قولہ فاسق من الفسق وھو الخروج عن الا ستقامۃ ولعل المراد بہ من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی واکل الربا ونحوذلک .شامی باب الامامۃ ج ا ص ۵۲۰.

شادی شدہ امام ایک سال تک گھر نہ جائیں تو ان کی امامت صحیح ہے یا نہیں :

(سوال ۲۲۶) ہمارے یہاں امام صاحب ڈھائی برس سے امامت کر رہے ہیں اور ان کی شادی کو تین برس ہوئے ہیں ایک سال سے وہ گھر نہیں گئے ۔ کچھ ان پڑھ لوگ کہتے ہیں کہ جو شادی شدہ امام چار ماہ تک گھر نہ جائے اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی ۔ اس کی وجہ سے یہاں تنازع ہو رہا ہے ۔ جواب سے نوازیں ۔ بینوا توجروا ۔

(الجواب) شادی شدہ مرد اپنی عورت کی اجازت اور رضامندی کے بغیر چار ماہ سے زیادہ مدت دور نہ رہے ۔ ویجب ان لا یبلغ له، مدة الا یلاء الا بر ضاها وطیب نفسها به الخ (شامی ج ۲ ص ۵۴۷ باب الا مامة مطلب فی الا لثغ) امام کی بیوی نے اجازت دی ہوگی اور ملازمت کی وجہ سے دور رہنے پر رضامند ہوگی ۔ لہٰذا ان کے پیچھے نماز صحیح ہونے میں شبہ نہ کرنا چاہئے ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

جس شخص کی منکوحہ بے پردہ پھرے اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے ؟ :

(سوال ۲۲۷) ہماری بستی کی جامع مسجد میں طویل عرصہ سے ایک عالم حافظ، قاری منصب امامت پر فائز ہیں اور موصوف شرع کے مکمل پابند اور نیک اخلاق ہیں ۔ کسی شخص نے اپنا نام ظاہر کئے بغیر خط محلہ کی جماعت (کمیٹی) کے نام سے امام صاحب کو پہنچایا کہ آپ کی اہلیہ پردہ میں نہیں لہٰذا فتاویٰ رشیدیہ اور حضرت مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری مدظلہ کے جواب کے مطابق آپ کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے ۔ لہٰذا آپ لوگوں کی نماز برباد نہ کریں یا تو اپنی اہلیہ کو پردہ میں بٹھادیں یا ملازمت سے سبکدوش ہو جائیں ۔

سوال یہ ہے کہ خط لکھنے والا کوئی بھی ہو اور اس سے اس کی اچھی بری جو بھی نیت ہو وہ تو اللہ بہتر جاننے والا ہے لیکن اس طرح غائب رہ کر ان کا یہ اقدام مسجد میں فتنہ کا باعث ضرور ہوتا ہے لکھنے والا خود بھی جانتا ہوگا کہ امام کی اہلیہ ایک شریف گھرانے کی لڑکی ہے ۔ اور بذات خود شرع کی پابند ہے ۔ گھر کے باہر گھومتی پھرتی نہیں والدین یا بچوں کی ضرورت کی وجہ سے بقدر ضرورت گھر سے باہر اس طرح نکلتی ہے کہ سر سے پیر تک لباس میں ملبوس ہوتی ہے ۔ ہاں ماحول نہ ہونے کی وجہ سے معروف برقع کی عادی نہیں آپ جواب عنایت فرمائیں کہ ایسی صورت میں مذکورہ امام کے پیچھے نماز مکروہ ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

(الجواب) امام صاحب کی اہلیہ منہ اور چہرہ کھلا رکھ کر باہر نکلتی ہے تو یہ شرعی پردہ کے منافی ہے امام صاحب کو لازم ہے کہ شرعی پردہ کرائیں ورنہ نماز مکروہ ہوگی ۔ جب کہ عورت اپنا منہ اور چہرہ کھلا رکھ کر باہر نکلے گی تو نامحرم کی نظر اس پر پڑے گی جو از روئے حدیث ایک زہر آلود تیر ہے کہ بغیر ہلاکت کے چارہ نہیں اور فرمان نبوی ﷺ ہے ۔ لعن الله الناظر والمنظور الیه یعنی اللہ کی لعنت ہے دیکھنے والے پر اور اس پر بھی جس کو دیکھا جائے ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۰ . کتاب النکاح باب النظر الی المخطوبة وبیان العورات) ایک اور حدیث میں ہے کہ عورت سامنے سے آتی ہے تو شیطان کی صورت میں آتی ہے اور پیچھے سے جاتی ہے تو شیطان کی صورت میں ہوتی ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۸ ۔ ایضاً) مطلب یہ کہ جیسے شیطان وسوسہ ڈالتا ہے ویسے ہی عورت کا دیکھنا باعث وسوسہ اور موجب فساد ہوتا ہے اور حدیث میں ہے ۔ المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها

الشیطان. عورت ستر (چھپانے کی چیز) ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے (اور گناہ میں مبتلا کرنے کی تدبیریں سوچتا ہے) اور حدیث میں ہے آنکھیں (زنا کرتی ہیں) کہ ان کا زنا نامحرم کو دیکھنا ہے اور کان (زنا کرتے ہیں) کہ ان کا زنا نامحرم کی بات سننا ہے اور زبان زنا کرتی ہے کہ اس کا زنا نامحرم کے ساتھ بولنا ہے اور ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں کہ ان کا زنا نامحرم کو چھونا ہے۔ (مسلم شریف ج ۴ ص ۳۳۶ کتاب القدر باب قدر علی ابن ادم حظہ من الزنا وغیرہ) جب عورت بے پردہ پھرے گی تو یہ سارے منکرات پیش آئیں گے۔ اور قدم قدم پر خود بھی گنہگار ہوگی۔ اور دوسروں کو بھی گناہ میں مبتلا کرے گی جب ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کے لئے یہ حکم ہے۔ **وقرن فی بیوتکن** (اور اپنے گھروں میں جمی رہو) اور طبعی وشرعی ضرورت کی وجہ سے نکلنا پڑے تو حکم ہے **یدنین علیھن من جلابیبھن** (سرسے نیچی کرلیا کریں اپنے (چہرے کے اوپر) (اپنی چادریں) تو عام عورتوں کو کھلے منہ بے پردہ پھرنے کی اجازت کس طرح ہوگی؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ عورتوں کے لئے سب سے بہتر بات کیا ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ نہ وہ مردوں کو دیکھیں نہ مردان کو دیکھیں، آنحضرت ﷺ نے اس جواب کو بہت پسند فرمایا اور دعائیں دیں۔ (مسند بزاز، دارقطنی)

حکیم الامت حضرت تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ جوان عورت کو غیر محرم کے سامنے منہ کھولنا درست نہیں۔ نہ ایسی جگہ کھڑی ہو۔ جہاں کوئی دوسرا دیکھ سکے الخ۔ (بہشتی زیور ج ۳ ص ۷۵)۔

فتاویٰ دار العلوم میں ہے:۔

(سوال) جس شخص کی منکوحہ بے حجاب پھرے اور خاوند اس کو ہدایت نہ کرے نہ طلاق دے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے مع الکراہت۔ اس لئے اگر کوئی اس سے اچھا دیندار امامت کے لئے مل جائے تو بہتر ہے فقط محمد شفیع غفرلہٗ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص ۱۳۵ حصہ اول ودوم) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۷ شوال المکرم ۱۳۹۹ھ۔

جس کی منکوحہ بے پردہ ہو اس کو امام بنانا اور ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا بہتر ہے یا تنہا پڑھنا بہتر ہے؟:

(سوال ۲۲۸) ایک امام حافظ مولوی ہیں لیکن ان کی اہلیہ بے پردہ باہر جاتی ہے اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اگر کوئی شخص اس امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے بجائے تنہا پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے، مگر تنہا پڑھنے کی نسبت جماعت سے پڑھنا بہتر ہے۔ [1]

فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۷ شوال المکرم ۱۳۹۹ھ۔

(۱) ولـذا کـره امامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين فتجب اهانته شرعاً فلا يعظم بتقديمه للامامة مراقی الفلاح علی الطحطاوی باب الامامة ص ۱۶۵۔

بدکار آدمی کو امام بنانا:

(سوال ۲۲۹) اگر امام صاحب غیر حاضر ہوں اور دوسرا ایک شخص جو سینما دیکھتا ہو یا گانے سنتا ہو یا زنا کرتا ہو وغیرہ وغیرہ اس کو امام بنانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بدکار آدمی کو امام نہ بنایا جائے۔ نماز مکروہ ہوگی۔ حوالہ بالا فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۷۔ شوال المکرّم ۱۳۹۹ھ۔

نابینا اور جس کی بینائی کمزور ہو اس کی امامت:

(سوال ۲۳۰) راندیر کے ایک حافظ وقاری سورت کی ایک مسجد میں تقریباً چھ ماہ سے امامت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں اور وہ اس مسجد میں کئی سال متواتر رمضان المبارک میں تراویح بھی پڑھا چکے ہیں۔ منصب امامت کی تقرری کے وقت جملہ ساکنان محلّہ اور مصلیان مسجد راضی تھے اور پوری رضا مندی اور شرح صدر کے ساتھ قاری صاحب کو امام بنایا۔ مگر گذشتہ ماہ سے بعض مصلیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ قاری صاحب معذور ہیں ان کی آنکھیں کمزور ہیں اور بینائی بہت کم ہے ساتھ ہی ان پر بہتان لگا کر فیصلہ کر لیا کہ ایسے شخص کی امامت کراہت سے خالی نہیں نیز ایک کاغذ پر اپنے ہم خیال مصلیوں سے دستخط لے کر مسجد کے متولی کو کاغذ دیا اور تحریری مطالبہ کیا کہ موجودہ امام معذور ہے اس لئے اس کو ہٹا کر صحیح اور غیر معذور امام کو معین کیا جائے۔ حالانکہ حافظ صاحب مستند قاری اور جید حافظ ہیں۔ رہا بینائی کا معاملہ تو وہ ایسے معذور نہیں ہیں کہ نقل وحرکت اور آمد ورفت میں غیر کے محتاج ہوں انہوں نے قرآن کریم کا حفظ جامعہ حسینیہ راندیر میں کیا اور انہی میں برسوں تجوید کی خدمت بھی انجام دی۔ اتنا خیال رہے کہ جن مصلیوں نے ان کو ہٹانے کا بیڑہ اٹھایا ہے ان کا مشیر کار اور قائد علوم دینیہ اور مسائل شرعیہ کا عالم نہیں ہے اس کا شیوہ بن چکا ہے کہ امام سے اپنی بات منوائے خواہ خلاف شریعت ہو اگر امام اس کی بات نہ مانے تو اس کے خلاف محاذ قائم کر کے تجسس اور عیب جوئی کر کے اسے برطرف کرا دے۔ اس سلسلہ میں چند امور دریافت طلب ہیں۔ (۱) کیا ضعف بصارت امامت کے لئے مانع ہوسکتی ہے؟

(۲) امام پر بہتان اور فرضی فرد جرم عائد کر کے اسے منصب امامت سے معزول کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔ (از سورت)

(الجواب) عام طور پر نابینا...... (اندھا) اور جس کو رات دن میں کم نظر آتا ہے نقل وحرکت اور دوسری ضروریات میں دوسرے شخص کا محتاج ہوتا ہے اور طہارت کے بارے میں اس کی حالت مشتبہ رہتی ہے اس لئے فقہاء کرام نے ایسے نابینا کی امامت کو جو غیر محتاط ہو اور نجاست سے نہ بچتا ہو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے۔ لیکن یہ حکم عام نہیں ہے بلکہ غیر محتاط کے ساتھ مختص ہے۔ لہذا جو نابینا محتاط ہو اور نجاست سے بچنے کا پورا اہتمام کرتا ہو پاک صاف اور ستھرا رہتا ہو اس کی امامت کو بلا کراہت جائز لکھا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غزوۂ تبوک میں تشریف لے جانے کے موقع پر حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ کو جو نابینا تھے مسجد نبوی میں نماز پڑھانے کے لئے اپنا قائم مقام بنایا تھا۔ (طبرانی فی الکبیر وابو یعلی وابوداؤد از انس بحوالہ الجواب المتین

ص ۱۱) اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمیرؓ باوجود نابینا ہونے کے بنی خطمہ کی امام تھے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانہ میں بنی خطمہ کا امام تھا حالانکہ میں نابینا تھا (ابوداؤد وطبرانی فی الکبیر بحوالہ الجواب المتین ص ۱۲) رسائل الارکان میں ہے۔ ویکره امامة الا عمی لان فی تطهیره شبهة لما لا یبصر موضع النجاسات ولا مواقعها فی الثوب ولا یغسلها بالمبالغة واما اذا کان اعمی مقتدی القوم فی الدین ویکون عین بصیرته مفتوحة ویکون مجمعاً للعلم والفضائل فلا یکره الا قتداء به لان احتیاطه یزید بکثیر علی احتیاط عوام اهل البصر وقد نقل الشیخ عبدالحق عن بعض شروح الکنز نقلاً عن المبسوط عدم کراهة امامة الأعمیٰ اذا کان مقتدی ذاورع وقد جعل رسول الله صلی الله علیه وسلم عبدالله ابن ام مکتوب یؤ م الناس وهو اعمیٰ رواه ابو داؤد. (رسائل الارکان ص ۹۸ باب من یکره امامة)

صورت مسئولہ میں جب کہ راندیر کے حافظ وقاری صاحب ایسے معذور نہیں ہیں کہ نقل وحرکت آمدورفت اور اپنی ضروریات میں غیر کے محتاج ہوں۔ برسوں سے تراویح پڑھاتے ہیں اور مذکور مسجد میں بھی کئی سال تراویح پڑھا چکے ہیں اور اسی بنا پر اہل محلّہ نے متفقہ طور پر ان کو اپنا امام منتخب کیا ہے اور کوئی شرعی قباحت بھی نہیں پائی جاتی تو محض ذاتی عناد اور ضد کی بنا پر امامت سے معزول کرنے کا مطالبہ کرنا موجب ظلم اور توہین ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۷ شعبان المعظم ۱۴۰۰ھ۔

غیر مقلد امام کے پیچھے نماز پڑھنا:

(سوال ۲۳۱) غیر مقلد امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ہمارے یہاں بعض حنفی غیر مقلدوں کی مسجد میں جا کر نماز پڑھتے ہیں ان کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مقلدین وغیر مقلدین میں بہت سے اصول وفروعی اختلاف ہیں مثلاً یہ لوگ صحابہ کو معیار حق نہیں مانتے۔ ائمہ اربعہ پر سب وشتم کرتے ہیں اور ان کی تقلید کو جس کے وجوب پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اس کو بدعت بلکہ بعض تو شرک تک کہہ دیتے ہیں اور اسی طرح بہت سے اجماعی مسائل کے منکر ہیں، بیس رکعت تراویح کو بدعت عمری کہتے ہیں۔ وقوع طلاق ثلثہ کو قرآن وحدیث کے خلاف کہتے ہیں۔ جمعہ کی اذان اول کو بدعت عثمانی کہتے ہیں۔ اور بعض تو چار سے زائد عورتوں سے نکاح کو جائز کہتے ہیں، متعہ کے جواز کے قائل ہیں اس لئے ہمارے اکابرین فرماتے ہیں کہ حتی الوسع ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اور نماز جیسی اہم عبادت کو مشتبہ طور پر ادا کرنا کس طرح مناسب ہوسکتا ہے؟ اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ان کے پیچھے نماز پڑھ لی تو احتیاطاً بعد میں اعادہ کرلے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

(سوال) غیر مقلد کے پیچھے حنفی کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں اور کیسی ہوتی ہے؟

(الجواب) غیر مقلد بہت طرح کے ہیں، بعض ایسے ہیں کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا خلاف احتیاط یا مکروہ یا باطل ہے چونکہ پورا حال معلوم ہونا فی الفور مشکل ہے اس لئے احتیاط یہی ہے کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ فقط

واللہ اعلم (امداد الفتاویٰ ج ا ص ۲۳۶ مطبوعہ پاکستان)
آپ کا ایک اور فتویٰ جو عربی میں ہے اور حاشیہ میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے وہ ملاحظہ ہو۔ خلاصۂ سوال:۔ حنفی کا غیر مقلد امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
ترجمہ جواب:۔ مبسملاً و حامداً و مصلیاً۔ میرے نزدیک مسئلہ میں تفصیل ہے کیونکہ غیر مقلد بہت طرح کے ہیں۔ بعضے ایسے ہیں کہ ان کا اختلاف مقلدین کے ساتھ صرف مسائل اجتہادیہ میں ہے ان کی اقتداء کا حکم وہی ہے جو حنفی کے لئے شافعی امام کی اقتداء کا ہے یعنی اگر وہ نماز میں خلافیات کی رعایت کرے تو بالاتفاق اقتداء جائز ہے ورنہ جواز اقتداء میں اختلاف ہے اور جمہور کا فتویٰ عدم جواز کا ہے کیونکہ نماز کے معاملہ میں احتیاط ضروری ہے اور بعضے غیر مقلدین ایسے ہیں کہ ان کا اختلاف مقلدین کے ساتھ ان مسائل میں ہے جو سنت والجماعت کے نزدیک اجماعی ہیں جیسے چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح جائز قرار دینا، متعہ جائز قرار دینا اور سلف صالحین کے لئے سب وشتم (گالی گلوچ) روا رکھنا و امثال ذالک ایسے لوگوں کا حکم بدعتی امام کے حکم کے مانند ہے یعنی بغیر کسی مجبوری کے ان کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور کسی مجبوری کے وقت مکروہ تنزیہی ہے اور جن غیر مقلدین کا حال مشتبہ ہو (اگر فتنہ کا ڈر ہو تو) اولیٰ یہ ہے کہ ان کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے تاکہ کوئی فتنہ نہ اٹھے اور بعد میں اعادہ کرلے تاکہ احتیاط پر عمل ہو جائے لیکن اگر فتنہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں ہے تو ان کے پیچھے نماز نہ پڑھے تاکہ مسلمانوں کو دھوکا نہ ہو اور وہ دین متین کے بارے میں بے باک نہ ہو جائیں۔
واللہ اعلم (امداد الفتاویٰ ج ا ص ۳۸۵، ص ۳۸۶ ترتیب جدید بحاشیہ جدیدہ مفتی سعید احمد پالنپوری مطبوعہ ادارۂ تالیفات اولیاء دیوبند)

دار العلوم دیوبند کے مفتیٔ اعظم، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کا فتویٰ۔

(سوال) جس شخص کا عقیدہ حسب ذیل ہو اس کو امام بنانا کیسا ہے، تقلید ناجائز اور بدعت ہے مرزائی اور مرزا مسلمان ہیں۔ مقلدوں کا مذہب قرآن میں نہیں۔ ایسے شخص کو امام بنانا اور ترجمۂ قرآن شریف اس سے پڑھنا کیسا ہے؟
(الجواب) ایسے شخص کو امام بنانا جس کے عقائد سوال میں درج کئے ہیں درست نہیں ہے اور اس سے ترجمۂ قرآن شریف بھی نہ پڑھنا چاہئے۔ فقط۔ (فتاویٰ دار العلوم مدلل و مکمل ص ۱۰۶ جلد ثالث)

آپ کا دوسرا فتویٰ۔

(سوال) زید غیر مقلد۔ تقلید ائمۂ اربعہ کو کفر و شرک بتلاتا ہے زید کا کہنا صحیح ہے یا غلط اور اس کے پیچھے نماز صحیح ہے یا غلط؟
(الجواب) قول اس غیر مقلد کا غلط ہے اور گمراہی و خطاء ظاہر ہے ایسے غیر مقلد کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہے۔ فقط حاشیہ میں ہے۔ ایسا شخص فاسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے ارشاد نبوی ہے۔ **سباب المسلم فسوق وقتاله كفر (مشكوٰة) اما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمة لانه لا يهتم لا مر دينه وبان في تقديمه للامامة تعظيمه، وقد وجب عليهم اهانته شرعاً الخ بل مشى في شرح المنية على**

ان کراهة تقديمه كراهة تحريم (رد المحتار ج ۱ ص ۵۲۳ باب الامامة)فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومكمل ج ۳ ص ۲۵۷، فقط والله اعلم بالصواب.

جس کے داڑھی نہ نکلی ہواس کوامام بنانا:

(سوال ۲۳۲) میری عمر۲۵سال کی ہے حافظ قرآن ہوں مگرابھی تک داڑھی نہیں نکلی ہےایک جگہ امامت کرنا چاہتا ہوں بعض لوگ داڑھی نہ ہونے کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں کہ تمہارے پیچھے سن رسیدہ لوگ نماز نہیں پڑھ سکتے ،کیاان کا یہ قول صحیح ہے؟ میں امامت کراسکتا ہوں یانہیں؟ بینواتوجروا۔

(الجواب) آپ نماز کے صحیح وفاسد ہونے کے مسائل سے واقف ہوں ۔قرآن مجید صحیح اورتجوید کیساتھ پڑھتے ہوں اورآپ کی دینداری پرلوگوں کوشک وشبہ نہ ہوصرف داڑھی نہ نکلنے کی وجہ سے امامت کے لائق نہ سمجھتے ہوں تو ان کا خیال مناسب نہیں ،البتہ کسی کی عمرکم ہواور خوبصورت ہواوراس کونگاہ شہوت سے لوگوں کے دیکھنے کا احتمال ہو جس کی وجہ سے لوگ اس کی امامت کوناپسند کرتے ہوں تواس کی امامت مکروہ ہوگی ۔شامی میں ہے۔قوله و كذا تكره خلف امرد) الظاهر انها تنزيهية ايضاً والظاهر ايضاً كما قال الرحمتى ان المرادبه الصبيح الوجه لانه محل الفتنة . الى قوله. وفى حاشية المدنى عن الفتاوىٰ العفيفة سئل العلامة الشيخ عبدالرحمن بن عيسىٰ المرشدى عن شخص بلغ من السن عشرين سنةً وتجاوز حد الا نبات ولم ينبت عذاره فهل يخرج بذلك عن حدا لا مردية . الى قوله.فاجاب بالجواز من غير كراهة و ناهيک به قدوة والله اعلم وكذالک سئل عنها المفتى محمد تاج الدين القلعى فأ جاب كذلک ۵ھ(شامیؔ ج ۱ ص ۵۲۵ باب الا مامة مطلب فى امامة الامرد) فقط والله اعلم بالصواب.

امام کی بیوی بدکردارہومگروہ اپنی بری حرکتوں سے توبہ کرلے توایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے:

(سوال ۲۳۳) ہمارے یہاں پانچ برس سے ایک عالم امام ہیں بظاہر دیندار ہیں اورآج تک ان سے کوئی نازیبا حرکت صادر نہیں ہوئی ۔ چند دن ہوئے لوگوں کومعلوم ہوا کہ ان کی زوجہ بداخلاق ہےاوراس کا غیرمرد کے ساتھ ناجائز تعلق ہےاورشریعت کے حدود پار کر کے زنا کی بھی مرتکب ہوئی ہے۔امام صاحب کو جب اس کی اطلاع ہوئی تواس پرسخت ناراض ہوئے اوراس کی اس حرکت پراظہارنفرت کیااوراس کوطلاق تک دینے کا ارادہ کرلیا۔ بعد میں عورت کوبھی اپنی اس حرکت پرندامت ہوئی اس نے سچی توبہ کی اوراپنے شوہر سے بدل وجان معافی مانگی اور عہد کیا کہ آئندہ اس قسم کی حرکت ہرگزنہیں کروں گی ۔اس کے بعد امام صاحب نے اس کوطلاق نہیں دی اورابھی اسی کے ساتھ رہتے ہیں اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح ہے یانہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ امام فاسق ہےاس لئے نماز صحیح نہیں ۔اوربعض کہتے ہیں کہ نماز صحیح ہوگی اس لئے کہ یہ نازیبا حرکت امام نےنہیں کی ہے بلکہ وہ اس پرناراض بھی ہوئے ہیں۔کس کی بات صحیح ہے؟

(الجواب) جب امام صاحب عورت کے اس گناہ میں شامل اور معاون نہیں بلکہ اس سے بالکل بے خبر تھے اور جب اس کی اطلاع ہوئی تو سخت ناراض اور غصہ ہوئے اور جب تک عورت نے توبہ نہیں کی اس سے تعلقات قطع کر دیئے اور طلاق تک دینے کا ارادہ کرلیا تو ان کو گنہگار اور فاسق کہنا صحیح نہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔ولا تزروازرۃ وزر اخری. اور کوئی دوسرے (کے گناہ کا) بوجھ نہ اٹھائے گا۔ (سورۂ فاطر پ۲۲) اس لئے ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں کسی قسم کا حرج نہیں اور شوہر پر بدکار وفاجرہ عورت کو فوراً طلاق دینا ضروری نہیں۔ ہاں جب یقین ہو جائے کہ عورت زناکاری وبدکاری سے باز نہیں آئے گی اور ایک دوسرے کے حقوق پامال ہوں گے تو پھر ایسی عورت کو طلاق دے کر علیحدہ کر دینا چاہئے۔ درمختار میں ہے۔ لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ ولا علیھا تسریح الفاجر الا اذا خافا ان لا یقیما حدود اللہ فلا بأس ان یتفرقا (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۴۰۲ کتاب النکاح) فقط واللہ اعلم بالصواب.

امام نے بری حرکت کی پھر اس نے توبہ کرلی تو اب اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۳۳) ہمارے گاؤں میں ایک حافظ صاحب امام تھے سوء اتفاق سے ان کا ایک لڑکی سے تعلق ہو گیا۔ لڑکی مسجد میں ان کے پاس آتی جاتی تھی۔ لوگوں کو اور مسجد کے متولی کو اس کی خبر ہو گئی۔ انہوں نے امام...... سے اس کے متعلق دریافت کیا تو امام ﷺ نے اقرار کرلیا۔ پھر متولی نے ان کو امامت سے علیحدہ کر دیا۔ اس کے بعد امام...... نے اپنی اس حرکت سے توبہ کر لی اور دوسری جگہ شادی کر لی۔ اب وہ حافظ صاحب دوسرے محلہ کی مسجد میں امامت کرنا چاہتے ہیں۔ کیا ان کی امامت درست ہے؟ اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) امام نے یہ حرکت بڑی نازیبا کی کہ اجنبی اور پرائی عورت سے ناجائز تعلق قائم کیا۔ یہ حرکت ان کے منصب کے اعتبار سے بہت ہی خراب ہے جب تک اس حرکت سے باز نہ آجائے اور صدق دل سے توبہ نہ کرے اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے البتہ اگر وہ اپنا جرم کا اعتراف کر کے سچے دل سے توبہ کرلے اور نمازیوں کو اس کی توبہ کا یقین ہو جائے تو پھر وہ امامت کرسکتا ہے۔ جب انسان صدق دل سے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ حدیث میں ہے۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ. لہذا توبہ کرنے کے بعد اس کو فاسق اور گنہگار سمجھنا صحیح نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مراہقہ اور بالغہ لڑکیوں کو بلاحجاب پڑھانا درست ہے یا نہیں؟ اور جو شخص ایسی لڑکی کو پڑھائے اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے:

(سوال ۲۳۴) اگر کوئی شخص پندرہ سولہ سالہ لڑکیوں کو قرآن کی تعلیم دے۔ جب کہ یہ لڑکیاں اس کے لئے نامحرم ہیں۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ اور ایسے امام کے پیچھے پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا (از رنگون)

(الجواب) مراہقہ اور بالغہ لڑکیوں کو بلاحجاب پڑھانا درست نہیں، پردہ کا اہتمام ہو اور خلوت نہ ہو تو گنجائش ہے مگر خلاف احتیاط ہے لہذا محرم یا عورت ہی سے پڑھایا جائے۔ مسئلہ معلوم ہونے کے بعد بھی احتیاط نہ کرے تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کراہت سے خالی نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۹ شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ۔

کہنی تک کٹے ہوئے ہاتھ والے حافظ قرآن کے پیچھے تراویح:

(سوال ۲۳۵) ایک حافظ قرآن کا ایک ہاتھ کہنی کے پاس سے کٹ گیا ہے ایسے امام کے پیچھے تراویح مکروہ ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(جواب) ایسے امام کے پیچھے تراویح پڑھنا جائز ہے مکروہ نہیں۔(۱) واللہ اعلم بالصواب۔

نابالغ حفاظ قرآن پختہ کرنے کے لئے نوافل باجماعت ادا کریں اور اصلاح کے لئے کوئی بالغ اس کی اقتداء کرے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۳۶) چند نابالغ حفاظ ہیں وہ رات کو نوافل میں قرآن سنانا چاہتے ہیں تو کیا ایسے نابالغ امام کی بغرض اصلاح اقتداء کرسکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نفل نماز اور تہجد میں احناف کے نزدیک جماعت مکروہ ہے امام کے پیچھے دو مقتدی ہوں تو مکروہ نہیں تین میں اختلاف ہے اور چار مقتدی ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے یہ حکم جماعت کا ہے۔ رہا نابالغ حافظ کی اقتدا تو تراویح اور نوافل میں بھی درست نہیں۔ **وامامة الصبی العاقل فی التراویح والنوافل المطلقةیجوز عند بعضهم ولا یجوز عند عامتهم کذا فی محیط السرخسی.(عالمگیری ج ۱ ص ۷۴ باب الامامة الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماماً لغیره)(کبیری ص ۴۹۰)**

البتہ اگر وہ اپنا قرآن پختہ کرنے اور تراویح پڑھانے کی عادت ڈالنے کے لئے نفل نماز میں قرآن سنائے تو لقمہ دینے کے لئے ایک حافظ اگر ایک کافی نہ ہو تو دو حافظ تعلیماً اقتداء کرسکتے ہیں، فضیلت حاصل کرنے کی غرض سے اقتداء جائز نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فیشن پرست حافظ کو تراویح میں امام بنانا کیسا ہے :

(سوال ۲۳۷) ہمارے یہاں ''دمن'' میں ایک نوجوان لڑکا حافظ قرآن ہے۔ داڑھی بھی ہے مگر اس کا لباس فیشنی بیل بوٹم وغیرہ ہے، سر پر لمبے غیر شرعی ہپی بال ہیں۔ اور برہنہ سر گھومتا ہے۔ نماز کا پابند نہیں ہے۔ اس کا دو برس سے یہاں قیام ہے مگر کبھی نہ دینی مجالس میں شرکت کرتا ہے نہ قبرستان میں تدفین کے وقت نظر آتا ہے۔ تراویح میں ایسے شخص کا امام بنانا کیسا ہے؟ بعض لوگ اس کی موافقت کرتے ہیں کہ تراویح پڑھانے کے وقت وہ شرعی لباس کرتا، پائجامہ پہن لیتا ہے۔ تو پھر کیا اعتراض ہے۔ آپ مفصل تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ لباس فیشن ہے اور اس کو فساق وفجار نے اختیار کیا ہے، علامہ جوزی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔ **ولا یخفی علی عاقل ان کشف الرأس مستبح وفیه اسقاط مروة وترک ادب وانما یقع فی المناسک تعبداًللہ تعالیٰ وذلالة** . اور عاقل پر پوشیدہ نہیں ہے کہ..... سر کھولنا قبیح ہے اور مروۃ ختم کرتا ہے۔

---

(۱) قوله ومفلوج وأبرص شاع برصه وكذلك أعرج يقوم ببعض قدمه فالا قتداء بغيره اولىٰ تاتر خانيه وكذلك اجزم برجندى ومجبوب و حاقن ومن له يد واحدة فتاوىٰ الصوفية عن التحفية والظاهر ان العلة النفرة الخ شامى باب الامامة مطلب فى امامة الامرد ج ۱ ص ۵۶۲.

اور ادب اور شریفانہ تہذیب کے خلاف ہے۔ شریعت میں صرف احرام حج میں سرکھلا رکھنے کا حکم ہے۔ جس کا مقصد صرف تعبد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی نیازمندی اور اپنی بندگی کا اظہار کرنا ہے۔ (تلبیس ابلیس ص ۳۷۳)

پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔ ویکرہ کشف الرأس بین الناس ۔لوگوں کے درمیان سر کھولنا مکروہ ہے۔ (غنیۃ الطالبین ج۔۱ص ۱۳)

آپ ﷺ کا پسندیدہ طریقہ چھوڑ کر فساق و فجار کے طریقوں کو اختیار کرنا بالخصوص حافظ قرآن اور امام کے لئے از حد افسوسناک ہے۔ بعض نوجوان کالج وغیرہ کے ماحول کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کی سنت کو چھوڑنے پر مصر رہتے ہیں۔ یہ ماحول سے متاثر ہونے کی علامت ہے دیکھئے حضور اکرم ﷺ کے صحابی حضرت حذیفہؓ سفر میں تھے، کھانا تناول کرنے کے درمیان آپ کے ہاتھ سے لقمہ گر پڑا آپ نے اسے اٹھا کر کھالیا خادم نے آہستہ سے کہا آپ ایسا نہ کریں مقامی لوگ اسے عیب سمجھتے ہیں۔ حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا أاترک سنۃ حبیبی صلی اللہ علیہ وسلم لھولآء الحمقاء کیا ان احمقوں اور بے وقوفوں کی وجہ سے اپنے حبیب ﷺ کی سنت کو چھوڑ دوں؟

آیت قرآنی فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک الخ کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادقؒ سے مروی ہے کہ اگر کوئی قوم خدا کی عبادت کرے اور نماز روزہ، حج و زکوٰۃ سب کچھ بجالاوے مگر آنحضرت ﷺ کے کسی عمل کے بارے میں بطور اعتراض یہ کہے کہ آپ ﷺ نے یہ کیوں کیا؟ یا آپ کے کسی حکم کے متعلق دل میں تنگی محسوس کرے تو صوم و صلوٰۃ وغیرہ اعمال ہونے کے باوجود وہ کافر و مشرک کے حکم میں ہے۔ (روح المعانی ج۵ص ۶۵)

ایک مرتبہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ حدیث بیان فرمارہے تھے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب الدباء حضور اکرم ﷺ کدو کو پسند فرماتے تھے ایک شاگرد فوراً بول اٹھا مگر میں تو پسند نہیں کرتا امام ابو یوسفؒ نے تلوار نکال کر کہا توبہ کر ورنہ قتل کر ڈالوں گا (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۳ ص ۶۲ مطبوعہ ملتان، باب الجماعۃ و فضلھا)

خلاصہ یہ کہ اگر حافظ اپنی ان قبیح عادتوں کے ترک کر دینے کا عہد کرے تو اس کو امام تراویح بنایا جا سکتا ہے اور اگر انکار کرے تو پھر ایسا شخص امامت کے منصب کے لائق نہیں اور اس وجہ سے نمازی اگر اس سے ناراض ہوں تو ان کی ناراضگی حق ہوگی حدیث میں ہے کہ شرعی سبب سے اگر مصلی امام سے ناراض ہوں تو ایسے امام کے پیچھے نماز مقبول نہیں ہوتی۔ درمختار میں ہے (ولو ام قوما وھم لہ کارھون)ان الکراھۃ (لفساد فیہ او لانھم احق بالامامۃ منہ کرہ) لہ' ذلک تحریماً لحدیث ابی داؤد ج ۱ ص [illegible] لایقبل اللہ منھم صلاۃ من تقدم قوما وھم لہ کارھون (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۵۲۲ باب الامامۃ)

ابوداؤد شریف میں ہے۔ ان رجلاً ام قوماً فبصق فی القبلۃ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینظر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین فرغ لا یصلی لکم فاراد بعد ذالک ان یصلی لھم فمنعوہ واخبروہ بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکر ذالک لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال نعم وحسبت انہ' قال انک آذیت اللہ ورسولہ' صلی اللہ علیہ وسلم ۔ یعنی ایک شخص نے امامت کرائی اور (نماز میں) قبلہ کی طرف تھوکا، رسول اللہ ﷺ یہ دیکھ رہے تھے جب وہ فارغ ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ شخص تم لوگوں کو نماز نہ پڑھائے ،اس کے بعد (دوسرے وقت) نماز پڑھانے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے ان کو

روک دی اور حضور ﷺ کا فرمان سنایا۔ انہوں نے یہ بات حضور اکرم ﷺ سے جا کر کہی (کہ لوگ نماز پڑھانے نہیں دیتے اور کہہ رہے ہیں کہ آپ نے منع فرمایا ہے) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ہاں (میں نے منع کیا ہے) راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم نے (قبلہ کی طرف تھوک کر) اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دی ہے (ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۶۷ باب الکراھیۃ البزاق فی المسجد)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام کو شرعی احکام کا پابند ہونا چاہئے اور سنت کے مطابق زندگی گذارنے کا عادی ہونا چاہئے لہذا اگر حافظ صاحب اپنی طرز زندگی بدلنے پر تیار ہوں تو ان کو امام بنایا جائے ورنہ امام کا مقدس منصب ان کو سپرد نہ کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خصی اور ہجڑے کے پیچھے نماز کیوں مکروہ ہے جب کہ وہ کلمہ گو ہے:

(سوال ۲۳۸) فتاویٰ رحیمیہ جلد چہارم میں سوال نمبر ۱۲۱۳ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، جس نے نسبندی کرائی ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے، کے عنوان سے دیکھیں ص ۔۔ مرتب) کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا ہے ''خصی اور ہجڑے کو امام بنانا جائز نہیں، نماز مکروہ ہوتی ہے'' جو نسبندی کرا رہا ہے چاہے وہ اپنی مرضی سے کرا رہا ہو مگر وہ کلمہ گو تو ہے)۔ اس کا ایمان تو صحیح ہے، پھر بھی اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہوتی ہے، یہ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے، جواب دے کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) آپ کے اشکال کا جواب اسی جگہ موجود ہے، یہ حرکت مثلہ محرمہ ہے۔ مثلہ یعنی اعضاء بدن کو اصلی خلقت سے بگاڑنا اور یہ حرام ہے۔ ہر کلمہ گو کی امامت درست ہو یہ ضروری نہیں ہے۔ عورت بھی کلمہ گو ہے مگر اس کی امامت درست نہیں ہے نابالغ بھی کلمہ گو ہے لیکن اس کی امامت جائز نہیں ہے، بدکار، زناکار فاسق و فاجر بھی کلمہ گو ہے مگر ایسے شخص کو امام بنانے کی شرعاً اجازت نہیں، اسی طرح از راہ رغبت (اپنی مرضی سے) خصی بننے والے کو ''امامت'' کا اعلیٰ منصب عطا کرنا درست نہیں ہے کہ خصی ہونا حرام ہے ملاحظہ ہو (فتاویٰ رحیمیہ جلد دوم ص ۲۳۶) (جدید ترتیب کے مطابق حظر و اباحۃ میں برتھ کنٹرول کے لئے مجبور کیا جائے تو کیا علاج؟ کے عنوان سے دیکھیں ص ۔۔ مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۲ شوال المکرم ۱۴۰۳ھ۔

غیر شادی شدہ کی امامت:

(سوال ۲۳۹) بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس کا نکاح نہ ہوا ہو اس کی امامت جائز نہیں، جبکہ امام صاحب یوں کہتے ہیں کہ میں علم دین حاصل کر رہا ہوں فارغ ہونے کے بعد نکاح کروں گا، کس کی بات صحیح ہے؟ غیر شادی شدہ شخص امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) امامت صحیح ہونے کے لئے امام کا شادی شدہ ہونا شرط نہیں ہے جب کہ پاک بازی کی زندگی گذار رہا ہے اور علم دین حاصل کرنے میں مشغول ہے، اور تعلیم پوری کر کے شادی کے لئے کہتا ہو تو کیا برا ہے؟ جو لوگ خواہ مخواہ پیچھے پڑے ہیں اور امامت کو ناجائز قرار دیتے ہیں وہ زیادتی کر رہے ہیں، اگر ابھی شادی ہو گئی اور تعلیم رک گئی تو اس کے حق میں کتنا بڑا نقصان ہوگا، البتہ اگر تعلیم پوری ہونے کی مدت میں گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو

مقتدیوں کو چاہئے کہ شادی کا انتظام کردیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شافعی امام وتر دو سلام سے ادا کرے تو حنفی اس کی اقتداء کرسکتا ہے یا نہیں :

(سوال ۲۴۰) رمضان المبارک میں تراویح کے بعد وتر بعد جماعت ادا کی جاتی ہے، ہمارے یہاں زیادہ تر شافعی مسجدیں ہیں وہ لوگ اپنی وتر دو سلام سے ادا کرتے ہیں، کیا حنفی حضرات شافعی امام کے پیچھے دو سلام سے وتر ادا کرسکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صحیح قول یہ ہے کہ اگر شافعی امام وتر دو سلام سے ادا کرے تو حنفی مقتدی اس کی اقتداء نہ کرے اسی میں احتیاط ہے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے **وان لا یقطع وترہ بسلام علی الصحیح (طحطاوی ص ۱۲۰ باب الوتر)**

درمختار میں ہے **(وصح الاقتداء فیہ (ای فی الوتر) بشافعی لم یفصلہ بسلام) لا ان فصلہ(علی الا صح) (درمختار ج ۱ ص ۶۲۵ باب الوتر والنوافل)فقط واللہ اعلم بالصواب.**

بدعتی کی امامت کا حکم :

(سوال ۲۴۱) ہمارے محلہ کی مسجد کے امام صاحب بدعتی ہیں اور دوسری مسجد جہاں صحیح العقیدہ امام ہیں وہ بہت دور ہے وہاں جانا مشکل ہوتا ہے تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ جماعت چھوڑنے پر دل مائل نہیں ہوتا، میرے ایک دوست کہتے ہیں کہ اس کے پیچھے نماز پڑھ کر تنہا اس نماز کا اعادہ کرلیا کرو، شرعی حکم کیا ہے؟ وضاحت فرمائیں بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر یقین کے ساتھ اس بات کا علم ہو کہ امام کے عقائد کافرانہ اور مشرکانہ ہیں وہ بدعقیدہ ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اور اگر یقین کے ساتھ اس بات کا علم نہ ہو تو پھر اگر دوسری مسجد بہت دور ہو اور وہاں پنج وقتہ حاضری دینا مشکل ہو تو مجبوراً ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ لے، تنہا پڑھنے سے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا بہتر ہے کہ جماعت کی بہت اہمیت ہے، ایسے بدعتی شخص کو امام بنانے کی جو خرابی اور کراہیت ہے اس کی ذمہ داری امام اور اس کو مقرر کرنے والوں اور جماعت کرنے والوں پر ہوگی، اور جماعت سے نماز پڑھنے کے بعد نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں، فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ **یجوز الصلوٰۃ خلف صاحب الھویٰ وبدعۃ ولا یجوز خلف الرافضی والجھمی والقدری والمشبھۃ ومن یقول بخلق القرآن وحاصلہ ان کان ھوی لا نکفر بہ صاحبہ یجوز الصلوٰۃ خلفہ مع الکراھۃ والا فلا ھکذا فی التبیین ، والخلاصۃ وھو الصحیح ھکذا فی البدائع (فتاویٰ عالمگیری ص ۵۲ باب ۵ فی الا مامۃفصل نمبر ۳)**

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:۔ اگر بدعتی کی بدعت اور بداعتقادی مفضی الی الکفر ہو تو پھر اس کی امامت کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے (فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۱۶۵) (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، فاسق وفاجر اور بدعتی کی امامت کا کیا حکم ہے، کے عنوان سے دیکھیں ۔ مرتب)

درمختار میں ہے: (ویکرہ)...... (ومبتدع ای صاحب ھوی...... (لایکفربھا)(وان کفر

بھا) کقولہ ان اللہ تعالیٰ جسم کا لا جسام وانکارہ صحبۃ الصدیق (فلا یصح الا قتداء بہ اصلا) فلیحفظ...... وفی النھر عن المحیط صلی خلف فاسق اومبتدع نال فضل الجماعۃ (درمختار) شامی میں ہے (قولہ' نال فضل الجماعۃ)افادان الصلوۃ خلفھما اولیٰ من الا نفراد لکن لا ینال کما ینال خلف تقی ورع لحدیث من صلی خلف عالم تقی فکا نما صلی خلف نبی (درمختار والشامی ص ۵۲۳، ص ۵۲۴، ص ۵۲۷ ج اول باب الا مامۃ) (فتاوی رحیمیہ اردو ص ۳۴۹ ص ۳۵۰ ج ۴ (اسی باب میں، بدعتی اور علماء حقہ کو برا کہنے والے کی امامت، کے عنوان سے دیکھیں ۱۲ مرتب)

ہدایہ اولین میں ہے۔ویکرہ تقدیم العبد...... والفاسق لانہ لا یھتم لا مر دینہ وان تقدموا جاز لقولہ علیہ السلام صلوا خلف کل برو فاجر (ھدایۃ اولین ص ۱۰۱ ج۱ باب الا مامۃ) فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

(سوال) جو شخص رسول اللہ ﷺ کو غیب دان جانے اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

(الجواب)...... جو شخص رسول اللہ ﷺ کو علم غیب جو خاصۂ حق تعالیٰ ہے ثابت کرتا ہو اس کے پیچھے نماز نادرست ہے (حاشیہ میں ہے لا نہ کفر فلا یصح الا قتداء بہ اصلاً، کذافی الدر المختار (فتاوی رشیدیہ ص ۴۸ حصہ سوم مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ سنہری مسجد دھلی)فقط واللہ اعلم بالصواب.

داڑھی خشخشی کرانے والے کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے :

(سوال ۲۴۲) زید امامت کرتا ہے، وہ اپنی ڈارھی کترواتا ہے اور داڑھی ایک مشت سے کم ہے ایسے شخص کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟! امام صاحب کو توجہ دلائی گئی مگر وہ دھیان نہیں دیتے داڑھی کتنی رکھنا مسنون ہے اسے تفصیل سے بیان فرمائیں تاکہ بات پوری طرح منقح ہو جائے بینوتو جروا۔

(الجواب) مردوں کے لئے داڑھی رکھنا واجب ہے، یہ داڑھی رکھنا اسلامی اور قومی شعار ہے، تمام انبیاء علیہم السلام کی متفقہ سنت مستمرہ ہے احادیث میں بہت ہی تاکید بیان کی گئی ہے، ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ جلد ششم ص ۲۳۶ (ایمان وعقائد میں، داڑھی کا وجوب اور ملازمت کی وجہ سے اس کا منڈانا، کے عنوان سے دیکھیں ۱۰۵ ۱۲ مرتب) اور داڑھی کی مقدار شرعی ایک قبضہ یعنی ایک مشت ہے' امام محمدؒ کتاب الآ ثار میں تحریر فرماتے ہیں: والسنۃ فیھا القبضۃ وھو ان یقبض الرجل لحیتہ فما زاد منھا علی قبضۃ قطعہ داڑھی کی مقدار مسنونہ ایک قبضہ ہے اور وہ ایں طرح کہ داڑھی مٹھی میں لے لے اور جو زائد ہو اسے کاٹ دے (کتاب الآ ثار فتاویٰ رحیمیہ ج ۴ ص ۱۷۷

درمختار میں ہے ولا بأس باخذ اطراف اللحیۃ والسنۃ فیھا القبضۃ شامی میں ہے (قولہ والسنۃ فیھا القبضۃ)وھو ان یقبض الرجل لحیتہ فما زاد منھا علی قبضۃ قطعہ کذا ذکر محمد فی کتاب الآثار عن الا مام قال وبہ ناخذ محیط اھ یعنی داڑھی میں مقدار مسنون ایک مشت ہے لہذا جو حصہ ایک مشت سے زائد ہو اسے کاٹ دے یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے (درمختار وشامی ج ۵ ص ۳۵۹ کتاب الحظر والاباحۃ) دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں واما الا خذمنھا وھی دون ذلک کما یفعلہ بعض المغاربہ ومخنثۃ الرجال

فلم یبحه احد واخذ کلها فعل هنود الهند ومجوس الاعاجم (درمختار وشامی ص ۱۵۵ ج ۲)
غایۃ الاوطار ترجمۂ اردو درمختار میں ہے: اور داڑھی میں سے لینا اس حال میں کہ وہ مشت سے کم رہ جائے جیسا کہ بعض مغربی اور مخنث کرتے ہیں پس اس کو کسی نے مباح نہیں کیا اور کل کو منڈانا ہند کے کفار کا فعل ہے اور عجم کے مجوسیوں کا طریقہ ہے (**غایة الاوطار ج ۱ ص ۵۲۴ باب مایفسد الصوم وما لا یفسده**)
فیض الباری شرح بخاری میں ہے: **واما قطع مادون ذلک فحرام اجماعاً بین الائمة رحمهم الله** . یعنی داڑھی اس طرح کاٹنا کہ قبضہ سے کم رہ جائے باتفاق ائمہ حرام ہے (**فیض الباری شرح بخاری ص ۳۸۰ ج ۴ فیما یصلح اماما لغیره**) نصاب الاحتساب میں ہے: **مسئلة هل یجوز حلق اللحیة کما یفعله الجوالقیون؟**
(الجواب) لایجوز ذکره فی کراهیة التجنیس والمزید وفی جنایات الهدایة وقال علیه السلام احفوا الشوارب واعفوا اللُحی ای قصوا الشوارب واترکوا اللحیٰ ولا تحلقوها ولا تقطعوها ولا تنقصوها فی القدر المسنون وهی القبضة .
ترجمہ: داڑھی منڈانا جائز ہے یا نہیں۔
(الجواب) التجنیس والمزید کی کتاب الکراہیۃ اور ہدایہ کے باب الجنایات میں مذکور ہے کہ (داڑھی منڈانا) جائز نہیں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنی مونچھوں کو چھوٹا کرو اور داڑھیوں کو گھنی کرو اور اسے اپنے حال پر چھوڑ دو اور مقدار مسنون سے کم نہ کرو اور وہ ایک قبضہ ہے (نصاب الاحتساب ص ۱۴، ص ۱۵ باب نمبر ۶ قلمی) مالا بدمنہ میں ہے:۔
تراشیدن ریش پیش از قبضہ حرام است یعنی داڑھی منڈانا اور ایک قبضہ سے کم رکھنا حرام ہے (مالا بدمنہ ص ۱۳۰)
مندرجہ بالا تمام حوالے فتاوی رحیمیہ سے ماخوذ ہیں، مزید حوالے فتاوی رحیمیہ ص ۲۳۶ تا ص ۲۵۰ ایضاً جلد ششم میں ملاحظہ فرمائیں۔ جدید ترتیب میں "ایمان و عقائد" میں داڑھی کا وجوب اور ملازمت کی وجہ سے اس کا منڈانا" کے عنوان سے ص ۱۵۰ دیکھئے۔
ان روایات واقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ داڑھی رکھنا واجب ہے اور ایک مشت سنت مؤکدہ ہے اس سے کم کرنا مکروہ تحریمی ہے اور یہ فعل موجب فسق ہے، فتاوی دارالعلوم میں ہے، ایک قبضہ (مٹھی) داڑھی رکھنا سنت ہے، اس سے چھوٹی کرانا داڑھی کٹانے کے حکم میں ہے اور یہ حرام ہے۔ (فتاوی دارالعلوم ج ۳ ص ۱۲۸ مدلل مکمل)
امامت کا منصب بہت عظیم ہے داڑھی جیسی عظیم الشان سنت کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا اور مقدار مسنونہ کی رعایت نہ کرنا منصب امامت کے بالکل خلاف ہے، داڑھی مونڈنا یا خشخشی کرنا علانیہ فسق کی علامت ہے، ایسا شخص فاسق اور معلن ہے اس لئے امام صاحب پر لازم ہے کہ اپنی اس حرکت سے توبہ کریں اور مقدار مسنونہ کے مطابق داڑھی رکھیں، اگر وہ اپنی اس حرکت کو نہ چھوڑیں تو ان کی امامت مکروہ ہے ایسے شخص کو امامت کے عظیم منصب پر قائم نہ رکھا جائے معزول کردیا جائے، شامی میں ہے:
واما الفاسق فقد عللوا کراهة تقدیمه بانه لا یهتم لا مر دینه وبان فی تقدیمه للامامة تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعا (شامی ص ۵۲۳، ص ۵۶۱ ج ۱ باب الامامة) یعنی فاسق کو نماز میں امام نہ بنانے کی علت (دلیل) علمائے نے یہ بیان کی ہے کہ وہ اپنے دینی امور کا اہتمام نہیں کرتا، اور ایسے شخص

کو امام بنانے میں اس کی تعظیم لازم آتی ہے۔حالانکہ شرعاً وہ اہانت کے قابل ہے۔(شامی ص ۵۲۳ جلد اول)
فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:۔امام متقی پرہیزگار ظاہر میں گناہ اور برائی سے پاک ہونا چاہئے حدیث شریف میں ہے۔ **وقدورد عن ابن عمر رضي الله عنه مرفوعاً اجعلوا ائمتكم خياركم فانهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم رواه البيهقي بسند ضعيف وفي رواية ان سركم ان تقبل صلوتكم فليئومكم علمائكم فانهم وفدكم ، فيما بينكم وبين ربكم رواه الطبراني وفي رواية الحاكم فليؤمكم خياركم وسكت عنه** . اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری نماز درجۂ مقبولیت کو پہنچے تو تم میں جو زیادہ متقی و پرہیزگار ہو وہ تمہارا امام بنے کہ امام تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان بطور قاصد ہے(شرح نقایہ ج ۱ ص ۸۶)الی قولہ،حدیث شریف میں ہے **لا يؤم فاجر مؤمنا** یعنی فاسق وفاجر کسی مؤمن کا امام نہ بنے(ابن ماجہ)ایسے امام کے پیچھے نماز مکروہ ہے اور اس کو امام بنانا گناہ ہے۔کبیری میں ہے **لو قدموا فاسقا ياثمون** یعنی اگر فاسق کو امام بنائیں تو گنہگار ہوں گے(کبیری ص ۴۷۹)داڑھی ایک مشت رکھنا ضروری ہے،شارح مشکوۃ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں''وگذاشتن آں بقدر قبضہ واجب است یعنی ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۸۸)

قاضی ثناء اللہ محدث پانی پتی فرماتے ہیں''تراشیدن ریش بیش از قبضہ حرام است(مالا بد منہ ص ۱۳۰)لہذا داڑھی منڈوانا اتنی کتروانا کہ ایک مٹھی سے کم رہ جائے حرام ہے۔''اس لحاظ سے بھی یہ امام فاسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ ہے(ہدایہ اولین ج ۱ ص ۱۰۱)لہذا ایسے فاسق (بدکار) امام کو معزول کرنا ضروری ہے متولی ایسے امام کو علیحدہ نہ کرے تو دوسری مسجد میں نماز پڑھے،کوئی اور مسجد نہ ہو تو مجبوراً اس کے پیچھے نماز پڑھ لے،(حدیث میں ہے **صلوا خلف كل بر وفاجر ، هدايه اولين ج ۱ ص ۱۰۱**) کیونکہ جماعت کا ترک کرنا بھی درست نہیں ہے۔ جماعت کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے،علماء نے جماعت سے نماز پڑھنے کو واجب بھی کہا ہے،لہذا جماعت ترک نہ کرے،البتہ اس امام کو علیحدہ کرنے کی کوشش کرتا رہے(فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۷۵،ص ۱۷۶)(اسی باب میں،فاسق کی امامت کے عنوان سے دیکھیں۔ صحیح مرتب)

فتاویٰ دار العلوم میں ہے۔

(سوال ۸۳۳)زید کی داڑھی کٹی ہوئی ہے بمقدار ایک دو انگل کے باقی ہے پوری چار انگل نہیں ہے اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب)درمختار میں ہے کہ چار انگشت سے کم داڑھی کا قطع کرانا حرام ہے، **واما قطعها وهي دونها فلم يبحه احد** ،اور نیز درمختار میں ہے **ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته** پس شخص مذکور کے پیچھے نماز مکروہ ہے اگرچہ **بحكم صلوا خلف كل برو فاجر** اس کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے لیکن ایسے شخص کو امام بنانا نہ چاہئے **لان في امامته تعظيمه وتعظيم الفاسق حرام ، شامي فقط** (فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ج ۳ ص ۱۸۱، باب الامامۃ) فقط۔واللہ اعلم بالصواب۔

امام مسجد کا کرکٹ کھیلنا اور اس سے دلچسپی رکھنا کیسا ہے :

(سوال ۲۴۳) ایک امام صاحب کو کرکٹ کھیلنے کا بہت شوق ہے اور کافی انہماک رکھتے ہیں، میچ کی کومینٹری بڑے اہتمام سے سنتے ہیں، ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے بحوالۂ کتب جواب مرحمت فرمائیں بینوا توجروا۔

(الجواب) درمختار میں ہے (و) کرہ (کل لھو) لقوله عليه السلام كل لهو المسلم حرام الا ثلاثة ملاعبته اهله وتاديبه لفرسه ومنا ضلة بقوسه (درمختار) شامی میں ہے (قوله وكره كل لهو) اى كل لعب وعبث الى قوله. والتصفيق وضرب الاوتار..... فانها كلهامكروهة لا نهازى الكفار (درمختار وشامی ج ۵ ص ۳۴۷، ص ۳۴۸ كتاب الحظر والا باحة، فصل فى البيع)

شامی میں ایک اور جگہ ہے وفى القهستاني عن الملتقط من لعب بالصولجان يريد الفروسية يجوز وعن الجو اهر قد جاء الا ثرفى رخصة المصارعة لتحصيل القدرة على المقاتلة دون التلهى فانه مكروه (شامی ج ۵ ص ۳۵۵ كتاب الحظر والا باحة فصل فى البيع)

ہدایہ اخیرین میں ہے ويكره اللعب بالشطر بج والنرد والاربعة عشرو كل لهو لانه ان قامرها فالميسر حرام بالنص وهو اسم لكل قماروان لم يقامربها فهو عبث ولهو وقال عليه الصلوٰة والسلام لهو المومن باطل الا الثلاث تاديبه لفرسه ومنا ضلته عن قوسه وملا عبته مع اهله..... ثم ان قامربه (اى بالشطرنج) تسقط عدالته وان لم يقامر الا تسقط لانه متاؤل فيه (هدايه اخيرين ص ۴۵۹ كتاب الكراهية فصل فى البيع)

خلاصۃ التفاسیر میں ہے۔ کھیل سے اگر وہ سب امور مراد لئے جائیں جو محض دل خوش کرنے کے لئے ہوتے ہیں اور ان میں کوئی دینی یا دنیوی نفع نہیں تو حرام باعتبار اضاعت وقت کے ہے اور یہ حرام بجائے ترک اولیٰ کے ہے اور اگر وہ کھیل مراد لئے جائیں جن میں جوا یا کسی اور قسم کی شرعی ممانعت ہو یا ایسی محویت غالب ہو کہ آدمی تدبیر معاش وفکر سے بے پرواہ یا معطل رہے جس طرح کنکو دیا کبوتر وغیرہ میں آدمی محو اور خود فراموش ہو جاتا ہے تو ان کے حرام یا مکروہ ہونے میں کچھ تردد نہیں۔ (خلاصۃ التفاسیر ص ۱۵۶ ص ۱۵۷ ج ۱)

نیز فرماتے ہیں :۔ ہر ایسا کھیل جس میں ہار جیت ہو قمار میں داخل ہے، اور نص قرآن سے حرام ہے (خلاصة التفاسير ص ۱۵۶ ج ۱ تحت الآية يسئلونك عن الخمر والميسر پ ۲)

مذکورہ حوالوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایسے کھیل جن میں قمار (جوا) کی صورت ہو وہ بالکل حرام ہیں جیسا کہ ہدایہ اخیرین اور خلاصۃ التفاسیر کی عبارت سے واضح ہوتا ہے (۲) ایسا کھیل جس میں کوئی دینی دنیوی نفع نہیں ہے وہ بھی اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اس میں قیمتی وقت کو ضائع کرنا ہے جیسا کہ خلاصۃ التفاسیر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے (۳) اور ایسا کھیل جس میں قمار نہ ہو اور اس میں دینی یا دنیوی نفع ہو اس کی گنجائش ہے جیسا کہ قہستانی کی عبارت سے جسے شامی نے نقل کیا ہے مفہوم ہوتا ہے لیکن یہ گنجائش اس شرط کے ساتھ ہے کہ اس میں کوئی ناجائز اور خلاف شرع

امر نہ ہو چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔(ب) جس کھیل سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ معتد بہا مقصود ہو وہ جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی امر خلاف شرع ملا ہوا نہ ہو اور منجملہ امور خلاف شرع کی تشبہ بالکفار بھی ہے (ج) جس کھیل سے کوئی فائدہ دینی یا دنیوی مقصود ہو لیکن اس میں کوئی ناجائز اور خلاف شرع امر مل جائے تو وہ بھی ناجائز ہو جاتا ہے جیسے تیراندازی گھوڑ دوڑ وغیرہ جب کہ اس میں قمار کی صورت پیدا ہو جائے دونوں طرف سے کچھ مال کی شرط لگائی جائے تو وہ بھی ناجائز ہو جاتی ہے۔(فتاویٰ دارالعلوم قدیم جلد ۷،۸ ص ۲۸۵ امداد المفتیین)

موجودہ زمانہ میں کرکٹ ایک ایسا کھیل بن گیا ہے کہ عموماً اس میں خلاف شرع امور پائے جاتے ہیں، نمازوں کا قضاء کر دینا اس پر ہار جیت اور قمار کھیلنا فجار فساق اور غافل قسم کے لوگوں کا اسے اختیار کرنا غفلت کی حد یہ ہو چکی ہے کہ دن تو دن اب تو راتوں میں بھی اس میں انہماک رہتا ہے کرکٹ کے میچ کے وقت نوجوان لڑکیوں اور عورتوں کا میدان میں جمع ہونا اور نہ معلوم کون کون سی اخلاقی اور شرعی خرابیاں اس میں آ چکی ہیں، اور تجربہ ہے کہ جس قدر اس کا شوق اور انہماک بڑھتا ہے غفلت میں اسی قدر اضافہ ہوتا رہتا ہے، رات دن بس اسی کی فکر سوار رہتی ہے، حتیٰ کہ مسجد میں آنے کے بعد وضو کرتے ہوئے، وضو سے فارغ ہو کر اور بہت سے شوقین تو جماعت خانہ میں بھی اسی کے چرچے میں مشغول رہتے ہیں، حد یہ ہے کہ اگر کسی موقع پر رمضان المبارک میں تراویح کے وقت میچ کی کومنٹری آ رہی ہو تو اس کے بہت سے شوقین تو اس پر تراویح قربان کرتے ہیں اور جو شوقین مسجد میں آتے ہیں ان کی توجہ اور دھیان بس اسی طرف، ترویحوں میں تسبیح پڑھنے کی بجائے یہی فکر سوار رہتی ہے کہ میچ کا حال معلوم کیا جائے، ہار جیت پر پٹاخے پھوڑے جاتے ہیں جس میں غیر قوم سے مشابہت کے ساتھ ساتھ اضاعت مال بھی ہے اور بسا اوقات یہ حرکت قومی فساد کا سبب بھی بن جاتی ہے اور مسلمانوں کا جانی و مالی نقصان بھی ہوتا ہے، ان تمام حالات کو دیکھتے ہوئے ایسے کھیل کو اب کس طرح جائز کہا جا سکتا ہے؟ چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

آج کل چونکہ عموماً یہ شرائط (جن کا بیان فتاویٰ دارالعلوم کے حوالہ سے مذکور ہوا) موجودہ کھیلوں (ٹینس، فٹ بال، کرکٹ) میں موجود نہیں اس لئے ناجائز کہا جاتا ہے الخ (فتاویٰ دارالعلوم قدیم ص ۲۸۵ ج ۷،۸ امداد المفتیین)

لہٰذا ایسا شخص جو امامت کے عظیم منصب پر فائز ہو اس کو اس قسم کے بدنام اور بیکار لغو کھیل میں مشغول ہونا اس سے دلچسپی رکھنا کومینٹری سننا قطعاً اس کے شایان شان نہیں غافلوں کے ساتھ تشبیہ بھی لازم آتا ہے اور لوگوں کی نظروں میں امام کا وقار بھی کم ہو جاتا ہے، اگر ورزش اور بدن کی تقویت مقصود ہو تو دوسرے جائز طریقے اختیار کئے جائیں، اگر کوئی شخص کرکٹ میں اس قدر منہمک رہتا ہو کہ نماز قضاء ہو جائے اور جماعت فوت ہوتی ہو تو پھر ایسا کھیل بالکل ناجائز اور موجب فسق ہوگا اور ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہوگا، کبیری میں ہے **وفیہ اشارۃ الی انھم لوقدموا فاسقا یا ثمون بناء علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم (کبیری ص ۴۷۹ فصل فی الامامۃ)**

وقت خدا تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اس کی جتنی قدر کی جائے کم ہے ایسے بیکار اور لغو کھیل میں مشغول ہونے یا کومنٹری سننے سے آخرت کا کون سا فائدہ ہوگا؟ بلکہ خسارہ ہی خسارہ ہے، اللہ کے ذکر سے غافل کرنے والی چیز ہے اور جو چیز انسان کو اللہ سے اور اس کے مقصد حیات سے غافل کر دے وہ منحوس اور بیکار ہے، حدیث میں ہے مسن

حسن اسلام المرء تركه مالا يعنيه .

ترجمہ:۔انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ اس بات کو چھوڑ دے جس سے اس کو کوئی فائدہ مقصود نہ ہو۔(ترمذی شریف ص ۵۵ ج ۲ باب ماجاء من تکلم بالکلمۃ لیضحک الناس)

قیامت کے روز عمر اور خاص کر اپنی جوانی کے زمانہ کا حساب دینا ہوگا کہ اسے کن کاموں میں خرچ کیا،

حدیث میں ہے عن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تزول قدما ابن آدم یوم القیمة من عند ربه حتی یسأل عن خمس عن عمره فیما افناه وعن شبابه فیما ابلاه وعن ماله من این اکتسبه وفیما انفقه وما ذا عمل فیما علم.

ترجمہ:۔حضرت ابن مسعودؓ نبی کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ابن آدم کے دونوں قدم قیامت کے دن اپنے رب کے پاس سے نہیں ہٹ سکیں گے جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال نہ ہو(۱)اس کی عمر کے متعلق کہ کن کاموں میں اسے ختم کی (۲)اس کی جوانی کے متعلق کہ کن مشغلوں میں اسے خرچ کی (۳)اس کے مال کے متعلق کہ کہاں سے مال حاصل کیا (۴)اور کن کاموں میں مال خرچ کیا (۵)اور اپنے علم پر کتنا عمل کیا (ترمذی شریف ج ۲ ص ۶۴ باب ماجاء فی شان الحساب والقصاص)

لہذا جو وقت ملا ہے اسے بہت بڑا قیمتی سرمایہ سمجھے اور بڑی ذمہ داری اور فکر کے ساتھ موت اور آخرت کی تیاری میں خرچ کرے، بیکار اور لغو کاموں میں ضائع نہ کرے۔شیخ سعدیؒ نے بڑے پتے کی بات کہی ہے

جز یاد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است
جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است

یاد الٰہی کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول ہونا عمر ضائع کرنا ہے، عشق الٰہی کے سوا جو کچھ کیا جائے بیکار ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

پٹی پر مسح کرنے والے کی امامت:

(سوال ۲۴۴)ایک شخص کی انگلی کٹ گئی زخم بہت گہرا ہے اس وجہ سے پٹی باندھ رکھی ہے، وضو میں اسے کھول کر دھونا مضر ہے بایں وجہ وہ پٹی پر مسح کرتا ہے اور وہ شخص امام بھی ہے تو پٹی پر مسح کرنے کی حالت میں امامت کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب)صورت مسئولہ میں شرعی عذر کی وجہ سے پٹی باندھی ہو اور اس میں سے خون نہ بہتا ہو اور اس پر مسح کر رہا ہو تو وہ امامت کر سکتا ہے۔فتاویٰ عالمگیری میں ہے ویجوز اقتداء الغاسل بما سح الخف وبالماسح علی الجبیرة وکذا اما مة المفتصد لغیره اذا کان یا من خروج الدم (فتاویٰ عالمگیری ص ۸۴ ج ۱ فصل فی من یصلح اماماً لغیره) مراقی الفلاح میں ہے وصح اقتداء (غاسل بما سح) علی الخف او جبیرة او خرقة قرحة لا یسیل منها شیئی (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۱۶۱ باب الامامة فقط واللہ اعلم بالصواب.

بیٹا شرعی حلالہ کے بغیر بیوی کو اپنے ساتھ رکھے تو اس کے والد کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے:

(سوال ۲۴۵) ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی اور اس وقت وہ مطلقہ بیوی کے ساتھ رہتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ میں نے حلالہ کرالیا ہے لیکن اس کے والد کو اس پر بالکل یقین نہیں ہے اس کے والد اس کے اس فعل سے سخت ناراض ہیں اور اس کو عورت سے جدا ہونے کو کہتے ہیں لیکن وہ نہیں مانتا، اب ایسے لڑکے کے باپ کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں، اس کا باپ اذان دے سکتا ہے یا نہیں مکتب کے بچوں کو پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

(الجواب) باپ حقیقۃً اپنے بیٹے کی اس حرکت پر ناراض ہو تو بیٹے کی وجہ سے باپ کو مطعون کرنا اور اس کا ذمہ دار قرار دینا صحیح نہیں ہے، قرآن مجید میں ہے و لا تزر وازرۃ وزر اخری، ترجمہ:۔ اور کوئی دوسرے کا بوجھ (گناہ کا) نہ اٹھاوے گا، (قرآن مجید سورۂ فاطر پ ۲۲) لہذا صورت مسئولہ میں والد کے پیچھے نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، اسی طرح اذان دینا اور مکتب میں بچوں کو پڑھانا بھی جائز ہے، البتہ صورت مذکورہ میں جب والد کو حلالہ کے سلسلہ میں اپنے بیٹے کی بات پر یقین نہیں ہے تو ان پر لازم ہے کہ بیٹے کو اپنی بیوی سے علیٰحدہ ہونے کے لئے کہیں اور اس کے لئے پوری کوشش کریں، اور شرعی حلالہ کے بغیر عورت کو رکھنے کی مخالفت کریں، اگر بیٹا اپنے والد کی بات ماننے کے لئے تیار نہ ہو اور بلا حلالہ ہی بیوی کو اپنے ساتھ رکھنے پر مصر ہو تو ایسے لڑکے کو اپنے سے علیٰحدہ کردیں یا خود علیٰحدہ ہو جائیں، اگر باپ لڑکے کو علیٰحدہ کرنے پر تیار نہ ہو تو اس صورت میں باپ کی امامت مشتبہ ہوگی اور مقتدی ان کو منصب امامت سے علیٰحدہ کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۴۔ ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ۔

فاسق اور بدعتی کی امامت:

(سوال ۲۴۶) ہمارے یہاں کی مسجد کے پیش امام بدعتی ہیں، ازار ٹخنوں سے نیچے اور انگریزی بال رکھتے ہیں، احکام امامت وقرأت سے ناآشنا ہیں اور داڑھی کترواتے ہیں اس امام کو منصب امامت سے برطرف کرنے پر ہم قادر نہیں کیونکہ مسجد کے ٹرسٹی ہماری ایک بات بھی سننے کے لئے تیار نہیں، تو کیا ایسے امام کی اقتداء میں ہماری نماز درست ہے؟ اگر ہم مدرسہ کے حجرے میں علیحدہ با جماعت نماز پڑھیں تو کوئی حرج ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فاسق و بدعتی کو امام بنانا ناجائز ہے، ایسے امام کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، **واما الفاسق فقد عللوا كراهة تقدمه بانه لا يهتم لا مر دينه وبان في تقديمه للامامة تعظيمه وقد وجب عليهم اهانته شرعاً ولا يخفى انه اذا كان اعلم من غيره لا تزول العلة فانه لا يؤمن ان يصلى بهم بغير طهارة فهو كالمبتدع فكره امامة بكل حال بل مشى فى شرح المنية على ان كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا** (شامی باب الامامۃ ج ۱ ص ۵۹) بلکہ فاسق کے مقابل بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے میں اعلیٰ درجہ کی کراہت ہے کیونکہ فاسق گناہ کو گناہ سمجھ کر کرتا ہے اور خود کو گنہگار تصور کرتا ہے جس کی وجہ سے

توبہ کی امید کی جا سکتی ہے جب کہ بدعتی معاصی (یعنی وہ بدعات جو طریقہ سنت کے خلاف ایجاد کی جاتی ہیں) کو عبادت اور کار ثواب جان کر کرتا ہے جس کے سبب وہ توبہ سے محروم رہتا ہے، حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ابلیس کو بدعت تمام معاصی سے زیادہ تر مرغوب ہے اس واسطے کہ معاصی سے تو توبہ ہو سکتی ہے کہ میں بڑا خطاوار ہوں تو اس سے توبہ واستغفار کی امید ہے اور بدعتی تو یہ جانتا ہے کہ میں عبادت کرتا ہوں اور طاعت میں ہوں تو یہ شخص نہ توبہ کرے گا اور نہ استغفار۔

روی عن سفیان الثوری انہ کان یقول البدعۃ احب الی ابلیس من کل المعاصی لان المعاصی یتاب عنھا والبدعۃ لایتاب عنھا وسبب ذلک ان صاحب المعاصی یعلم بکونہ مرتکب المعاصی فیرجی لہ التوبۃ والا ستغفار واما صاحب البدعۃفیعتقد انہ فی طاعۃ و عبادۃ ولا یتوب ولا یستغفر .(مجالس الا برار المجلس الثامن عشر ص ۱۳۸)

اگر ایسے امام کے علاوہ اور کوئی پابند شرع نہ ہو یا اس کو برطرف کرنے کی قدرت نہ ہو تو مجبوری کے پیش نظر نماز مکروہ نہیں۔ ھذا ان وجد غیرھم والا فلا کراھۃ (قولہ ھذا) ای ماذکر من کراھۃ امامۃالمذکورین .(شامی ج ۱ ص ۵۲۵ باب الا مامۃ) اور اس کی ذمہ داری امام اور اس کے مقرر کرنے والوں پر ہے، لہذا مسجد چھوڑ کر مدرسہ کے مکان میں علیحدہ جماعت کرنے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

امام کا لباس کیسا ہونا چاہئے:

(سوال ۲۴۷) مغربی طرز کا لباس (شرٹ پتلون) پہننے والے امام کے پیچھے نماز ہوگی؟

(الجواب) نماز تو ہو جائے گی مگر کراہت سے خالی نہیں، ایسی تنگ و چست لباس میں بوقت رکوع وسجدہ اعضائے مستورہ کی ضخامت وساخت اور ہیئت کذائی صاف طور پر نمایاں ہوتی ہے، نیز کفار و فجار کی مشابہت اختیار کرتے ہوئے عوام الناس کا مرغوب لباس پہننے کی سعی لا حاصل امام کے شایان شان نہیں ہے۔

مالا بدمنہ میں ہے۔ وتشبہ بکفار وفساق حرام است (۱۲۴) مسلمان کے لئے کافروں وفاسقوں کے ساتھ تشبہ حرام ہے۔

حدیث شریف میں ہے، نبی کریم ﷺ نے ایک امام کو قبلہ کی طرف تھوکتے ہوئے دیکھا تو مصلیوں کو ہدایت فرمائی کہ آئندہ وہ امامت نہ کرے عن ابی سھلۃ السائب بن خلاد قال احمد :من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم : ان رجلا ام قوماً فبصق فی القبلۃ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینظر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین فرغ لا یصلی لکم (الحدیث)ابو داؤد ج ۱ ص ۶۹ باب الکراھیۃ البزاق فی المسجد)

لہذا امام کو چاہئے کہ مروجہ لباس ترک کر کے علماء وصلحاء کا لباس اختیار کرے، ایک عربی شاعر نے خوب کہا ہے

فتشبھوا ان لم تکونوا مثلھم
ان التشبہ بالکرام فلاح

یعنی نیک لوگوں کی مشابہت اختیار کرو چاہے تم ویسے نہ ہو، کیونکہ حقیقت میں صلحاء سے تشبہ کرنے میں (یعنی ان جیسے اعمال اور وضع قطع ولباس اختیار کرنے میں) دینی ودنیوی فلاح مضمر ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فلم دیکھنے والے کی امامت تراویح میں:

(سوال ۲۴۸) جو حفاظ کرام سینما بینی کرتے ہیں ان کی امامت تراویح میں جائز ہے؟ ان کے پیچھے تراویح ہوگی یا نہیں؟ باحوالہ تحریر فرمائیں۔

(الجواب) مذکورہ حافظ کے پیچھے تراویح درست ہو جاوے گی، اعادہ کی ضرورت نہیں مگر جو فضیلت متقی و پرہیزگار امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی ہے وہ حاصل نہ ہوگی لہذا جب تک سچی و پکی توبہ نہ کرے ایسے شخص کو امامت کے مقدس منصب پر مقرر نہ کیا جائے۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

داڑھی کتروانے والے تصویر کھنچوانے والے حافظ کی امامت تراویح میں:

(سوال ۲۴۹) ایک حافظ قرآن پورا سال داڑھی کترواتا ہے (پانچ سال سے اس کا یہ معمول ہے) برائے نام (خشخشی) داڑھی ہے علی الاعلان بطیب خاطر تصویر کھنچواتا ہے، غیر محرم عورتوں کے ساتھ تفریح کے لئے جاتا ہے بوقت کھیل کو دنیکر پہنتا ہے، مذکورہ بالا امور کا مرتکب حافظ قرآن تراویح پڑھا سکتا ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ منصب امامت نہایت ہی اعلیٰ منصب ہے امام کے لئے بہت احتیاط درکار ہے، امام متقی و پرہیزگار پابند شرع ہونا چاہئے، صورت مسئولہ میں سوال میں ذکر کردہ امور واقعتاً درست ہوں تو ایسے حافظ قرآن کو چاہئے کہ اپنی حرکات (مذکورہ فی السوال) سے سچے دل سے توبہ کرے اور خلاف شرع امور ترک کر دے اس کے بعد تراویح وغیرہ کا امام بنے، اگر اپنی عادت سے توبہ نہ کی اور اس پر برقرار رہا تو ایسے شخص کی امامت مکروہ تحریمی ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ گجراتی جلد اول ص ۱۱۳، ص ۱۱۴ اور فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد نمبر ۷ از ص ۱۷۱ تا ص ۳۷۵ (اسی باب میں، داڑھی خشخشی کرانے والے کو امام بنانا الخ کے عنوان سے دیکھیں ص ۱۹۱۔ مرتب) اور جلد اول از ص ۱۵۹ تا ص ۱۶۵ (اسی باب میں، فاسق وفاجر اور بدعتی کی امامت کا کیا حکم ہے کے عنوان سے دیکھیں ص ۱۷۔ مرتب)

فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ۔

درمیان نماز اختلال عقل کا دورہ پڑنا اور ایسے آدمی کی امامت:

(سوال ۲۵۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کو دماغی مرض اس قسم کا ہے، کبھی کبھی عقل مختل ہو جاتی ہے اور چند منٹ بے عقلی کی اور غیر ارادی حرکت کرتے ہیں مثلاً نماز پڑھ رہے ہیں تو ادھر ادھر دیکھتے ہیں، کبھی کھڑے ہو جاتے ہیں اگر قعدہ میں ہوں اور دورہ پڑ جائے تو پاؤں لمبے کر دیتے ہیں۔ دورہ دس پندرہ روز بعد

---

(۱) وصلی خلف مبتدع او فاسق فهو محرز ثواب الجماعة لكن لاينال مثل ما ينال خلف تقي كذا في الخلاصة فتاوى عالمگيري باب الامامة الفصل الثالث في بيان من يصلح اماما لغيره ج ۱ ص ۸۴.

کبھی اس سے زیادہ عرصہ بعد پڑتا ہے، غرض کہ مہینہ میں ایک یا دو مرتبہ دورہ پڑتا ہے، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟ اور اگر حالت نماز میں دورہ پڑے تو کیا حکم ہے؟ کیا نماز فاسد ہو جائے گی؟ اور دوبارہ جماعت کرنی پڑے گی یا مقتدی جو پہلی صف میں سے وہ آگے بڑھ کر امامت کر کے بقیہ نماز پوری کرا سکتا ہے، دورہ دو تین منٹ ہی رہتا ہے پھر ہوش وحواس بحال ہو جاتے ہیں بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً ایسے امام کے پیچھے افاقہ کی حالت میں پڑھی ہوئی نماز صحیح ہے، لیکن جس نماز میں جنون طاری ہو جائے گا وہ فاسد ہو جائے گی، درمختار میں ہے **بقی من المفسدات الی قوله وجنون.** (باب مایفسد الصلاة وما یکرہ فیها درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۵۸۹) مقتدی آگے بڑھ کر نماز پوری نہیں کرا سکتا، دوبارہ پڑھنی پڑے گی، درمختار میں ہے **ولا نادر وجود (قوله ولا نادر وجود) خرج نحو القهقهة والا غماء**(شامی ایضاً ج ۱/ص ۵۶۱) لہٰذا ایسے شخص کو چاہئے کہ تا صحت عہدۂ امامت سے دستبردار ہو جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۹ ذی قعدہ ص ۱۳۸۰ھ۔

خلاف سنت داڑھی رکھنے والے حافظ کی امامت (حضرت مولانا مفتی ولی حسن رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ اور حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری مدظلہم العالی کی تصدیق:

(سوال ۲۵۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں (۱) داڑھی کترے حافظ کے پیچھے نماز خواہ تراویح ہو کیا حکم ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ داڑھی کی خاص اہمیت نہیں۔

(۲) بعض مساجد میں انتظامیہ کی طرف سے ایسے حفاظ کو تراویح کی اجازت دی جاتی ہے، کیا انتظامیہ پر کسی قسم کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟

(الجواب) (۱) بصورت مسئولہ داڑھی رکھنا واجب ہے، داڑھی منڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا ناجائز وحرام ہے، داڑھی کترا حافظ بے شک فاسق وفاجر ہے، جب تک کہ اس فعل سے توبہ نہ کرے، نیز مکروہ تحریمی پر عمل کرنا عملاً حرام ہے، جو شخص داڑھی ایک مشت سے کم کراتا ہو اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، داڑھی ایک مشت رکھنے پر چاروں مذاہب کا اتفاق ہے، شامی، فتاویٰ عالمگیری اور فقہ کی دوسری کتابوں میں یہ مسئلہ مذکور ہے، عالمگیری کی عبارت ہے **والقصر سنة فيها وهو ان يقبض الرجل لحيته فان زاد منها على قبضه قطعه، ذكره محمد** كتاب الكراهية الباب التاسع فى الختان والحصاء الخ ج ۵ ص ۳۵۸.

(۲) اس فعل قبیح کے ارتکاب میں انتظامیہ برابر کی شریک ہوگی، نیز تواریخ میں لکھا ہے کہ جب کسریٰ شاہ ایران نے حضور ﷺ کا مکتوب گرامی پھاڑ کر اپنے ماتحت گورنر باذان کو لکھا کہ دو آدمی حضور ﷺ کے پاس بھیجو وہ جا کر حضور ﷺ کو میرے پاس بھیج دیں باذان کے جب دو آدمی حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو ان دونوں کی ڈاڑھیاں مونڈی ہوئی تھیں اور بڑی بڑی مونچھیں تھیں۔

وكان على زى الفرس من حلق لحاهم واعفاء شواربهم فكره صلى الله عليه وسلم النظر اليهما وقال ويلكما من امركما بهذا؟ قال امرنا ربنا يعنيان كسرى فقال رسول الله صلى الله عليه

وسلم ولکن ربی قد امرنی باعفاء لحیتی وقص شاربی ۔ان دونوں مجوسیوں کی فیشن کے مطابق داڑھیاں مونڈی ہوئی تھیں اور بڑی بڑی مونچھیں تھیں تو حضور علیہ السلام کو ان کی یہ مکروہ شکل بہت ہی ناپسند آئی اور آپ ﷺ نے فرمایا تم پر ہلاکت ہو تم کو کس نے یہ مکروہ شکل بنانے کا حکم دیا ہے انہوں نے کہا ہمارے رب کسریٰ نے، حضور ﷺ نے فرمایا لیکن میرے رب نے مجھے داڑھی رکھنے اور مونچھیں کٹوانے کا حکم دیا ہے۔

غور کیجئے وہ دونوں مہمان تھے، کافر تھے، ہمارے مذہب کے پابند ہی نہ تھے مگر چونکہ ان کی یہ بری صورت فطرت سلیمہ کے خلاف تھی، اور شیطان لعین کے حکم کے مطابق تھی اس لئے حضور ﷺ کو ان کی یہ مکروہ شکل دیکھنی گوارہ نہ ہوسکی، ان سے منہ موڑ لیا اور ان کو بد دعائیہ جملہ فرمایا کہ تم پہ ہلاکت ہو، ساتھ ہی یہ بھی تصریح فرمادی کہ میرے رب تعالیٰ نے تو مجھے پوری داڑھی رکھنے اور مونچھیں کٹانے کا حکم فرمایا ہے گویا جو داڑھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور جس کا اس نے حکم دیا ہے اس کی مقدار وہ ہے جو حضور ﷺ نے خود رکھ کر بتائی کہ سینۂ مبارک بھر دیتی تھی، پس آپ کے محب امتیوں کو غور کرنا چاہئے کہ جو لوگ ان مجوسیوں کی اتباع کر کے روزانہ داڑھیاں منڈاتے ہیں اور ان کے یہ اعمال روزانہ فرشتے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تو حضور ﷺ کو یہ حرکات دیکھ کر کتنا دکھ ہوگا اور میدان قیامت میں حضور ﷺ کے امتی ایسی مکروہ صورت میں حضور ﷺ کے سامنے پیش ہوں تو اس وقت اگر حضور ﷺ ان سے منہ موڑ لیں تو کتنا بڑا خسارہ ہے۔

کتبہ ولی حسن، دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔
۲۱ جمادی الثانی ۱۴۰۵ھ (از ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ماہ ستمبر ۱۹۹۵ء ص ۴۶ تا ص ۴۸)

تصدیق

من اجاب فقد اصاب: اس مبارک اور نورانی سنت پر جس کی احادیث مبارکہ میں بہت تاکید آئی ہے، حفاظ کرام کو بڑی عظمت سے عمل کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ نے حفظ قرآن کی عظیم نعمت عطا فرمائی ہے، اس کے بعد داڑھی نہ رکھنا یا خلاف سنت رکھنا بہت ہی شرمناک اور اس نعمت عظمیٰ کی بڑی ناقدری ہے، اور اپنے اسی طرز عمل سے رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک کو تکلیف پہنچانا ہے، جلد از جلد اس سے توبہ کرنا چاہئے۔

مندرجہ ذیل واقعہ قابل عبرت ہے اس سے عبرت حاصل کریں۔

مرزا بیدل شاعر کا واقعہ:

ہندوستان میں ایک فارسی شاعر مرزا بیدل تھے، فارسی نعتیہ کلام بہت اونچا اور معیاری ہوتا تھا، اور ان کا بڑا چرچا اور شہرت تھی، ایران سے ایک شخص ان کے نعتیہ کلام سے متاثر ہو کر ان کی ملاقات کے اشتیاق میں ہندوستان آئے، مرزا بیدل سے ملاقات ہوئی، اتفاق سے وہ اس وقت داڑھی مونڈ رہے تھے، ایرانی مسافر کو بڑا تعجب ہوا، دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا کہ ایسا بلند اور عشق رسول میں ڈوبا ہوا کلام اور یہ عمل؟ اس نے بڑے افسوس اور دکھ سے کہا ''آغا ریش می تراشی'' جناب والا! داڑھی تراش رہے ہو؟ مرزا بیدل نے کہا! دل کسے نمی تراشم، ہاں لیکن کسی کا دل نہیں چھیل رہا ہوں (کسی کا دل دکھانا بڑا گناہ ہے) ایرانی مسافر نے برجستہ کہا ارے! دل رسول می تراشی۔ ہاں آپ رسول ﷺ کا

دل چھیل رہے ہو، اس جملہ سے مرزا بیدل کو چوٹ لگ گئی اور ہمیشہ کے لئے اپنی اس بدعملی سے توبہ کرلی اور قاآنی سے کہا

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی
مرا با جان جان ہمراز کردی

اللہ تعالیٰ آپ کو جزاءِ خیر عطا فرمائے کہ آپ نے میرے دل کی آنکھ کھول دی اور مجھے میرے محبوب یعنی اللہ تعالیٰ سے ملا دیا، اللہ تعالیٰ تمام حفاظ کرام اور مسلمانوں کو اس اہم اور نورانی سنت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔ احقر الانام سید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہ، ۳۰ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ۔

حرام آمدنی والے کے گھر کھانے پینے والے امام کی امامت کا حکم:

(سوال ۲۵۲) ہمارے یہاں ایک شخص کا شراب کا کاروبار ہے اور کوئی حلال کمائی نہیں ہے، دوسرا کوئی کاروبار نہیں ہے اور ان کے یہاں ایک شخص کھاتا پیتا اور رہتا ہے، ان کا رشتہ دار بھی ہے ایسے شخص کی امامت جائز ہے یا ناجائز؟ اس کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ جس آدمی کا شراب کا کاروبار ہے اور کوئی حلال کمائی نہیں تو اس کے یہاں کی دعوت قبول کرنا اور کھانا پینا جائز نہیں ہے۔[1] جو شخص اس بات کو جانتے ہوئے اس کے یہاں رہتا ہے کھاتا پیتا ہے اس کو امام بنانا جائز نہیں ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے، لیکن اگر اس سے اچھا امام نہ ہو یا اس کے ہٹانے میں فساد کا اندیشہ ہو تو مکروہ نہیں ہے اور تنہا پڑھنے سے اس کے پیچھے پڑھنا بہتر ہے کہ جماعت کی بڑی اہمیت ہے اس کی ذمہ داری ان لوگوں پر ہے جو ایسے امام کی حمایت کرتے ہیں۔[2] (درمختار، شامی) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فیشن والے بال کٹانے والے امام کی امامت مکروہ ہونے کی دلیل:

(سوال ۲۵۳) آپ نے اماموں اور فیشنبل بال کی سرخی سے جو فتویٰ شائع کیا ہے اس میں آپ نے ایسے بال رکھنے والے کی امامت مکروہ قرار دی ہے تو یہ کس کتاب کے حوالہ سے ثابت ہوتا ہے؟۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ انگلش کٹ یعنی انگریزی وضع اور ہیئت کے بال کٹوانا تشبہ بالنصاریٰ و تشبہ بالفساق کی وجہ سے ممنوع و مکروہ تحریمی ہے (من تشبه بقوم فهو منهم، الحديث. ليس منا من تشبه بغيرنا لا تشبهوا باليهود والنصارىٰ الخ الحديث) مسلم را تشبہ بہ کفار وفساق حرام است (مالا بد منہ ص ۱۳۱)، حدیث میں ہے کہ حضرت انسؓ نے ایک لڑکے کے سر پر یہودی طرز کے بال دیکھے تو فرمایا احلقوا هذين او قصوهما فان هذا زى اليهود (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۲۵ كتاب الترجل باب ماجآء فى الرخصة (اى فى الذوائب)

---

(۱) اهدى الى رجل شيئاً او اضافه ان كان غالب ماله من الحلال فلا باس به الا ان يعلم بانه حرام فان كان الغالب هو الحرام ينبغى ان لا يقبل الهدية ولا ياكل الطعام الخ فتاوىٰ عالمگيرى الباب الثانى عشر فى الهدايات والضيافات ج ۵ ص ۳۴۲

(۲) وفاسق واعمىٰ ونحوه الاعشىٰ نهر الا ان يكون غير الفاسق اعلم القوم فهو اولىٰ، باب الامامة ج ۱ ص ۵۲۰

لہٰذا اس پر مداومت ومواظبت کرنے والا فاسق ہے اور فاسق کی امامت بالیقین مکروہ ہے ویکرہ تقدیم الفاسق ایضاً لتساھله فی الامور الدینیة الخ (کبیری ص ۵۱۳) یہ وضع قزع ممنوعہ میں بھی داخل ہے، جو موجب کراہت ہے، ان النبی صلی الله علیه وسلم رأی صبیا قد حلق بعض راسه وترک بعضه فیھا ھم عن ذلک وقال احلقوا کله او اترکوا کله، رواہ مسلم (مشکوۃ ص ۳۸۰ کتاب الترجل الفصل الاول) اور فتاوی عالمگیری میں ہے: وعن ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ یکرہ ان یحلق قفاہ الا عن الحجامة کذافی الینا بیع یعنی امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ قفا یعنی گدی کے بال منڈوانا مکروہ تحریمی ہے۔ (ج ۵ ص ۳۵۷ کتاب الکراھیۃ الباب التاسع عشر فی الختان والخصآء الخ)

فی زماننا طلبہ میں گدی کے بال منڈانے کا رواج چل پڑا ہے، جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، حالانکہ یہ وضع معصیت اور مکروہ تحریمی ہے اور اس پر مداومت کرنے والے کی امامت افضل کی موجودگی میں بالاتفاق مکروہ ہے۔

کراہت کی تیسری وجہ امام کی اس وضع کو نمازیوں کا ناپسند کرنا اور دل میں نفرت پیدا ہونا ہے (جب ہی تو اپنے امام کے لئے نمازیوں نے یہ سوال اٹھایا ہے) ویکرہ للامام ان یؤم قوما وھم له کارھون بخصلة ای بسبب خصلة توجب الکراھة لو کان فیھم من ھو اولیٰ بالامامة (کبیری ص ۳۵۰) ان چیزوں کو معمولی اور حقیر نہ سمجھا جائے کہ القلیل یجری الی الکثیر) قلیل کثیر کی طرف کھینچ لے جاتا ہے، اور حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں ایا کم ومحقرات الذنوب (چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بہت بچتے رہو)

یہ بھی سوچنا چاہئے کہ اہل علم اور ائمہ مساجد مکروہات ومشتبہات میں مبتلا ہو گئے تو عوام کا کیا ہوگا؟ اور ان کی نگاہوں میں ان کی کیا وقعت رہ جائے گی؟ منصب امامت بہت اعلیٰ ہے، امام صالح بزرگ اور حاضرین میں سب سے افضل مشتبہ چیزوں سے بچنے والا ہونا چاہئے، امام کے متعلق کتب فقہ میں ہے: ثم الاورع ای اکثر اتقاء للشبھات پھر امام زیادہ احتیاط والا اور مشتبہات سے بہت بچنے والا ہونا چاہئے ولو قدموا غیر الاولیٰ اساؤا درمختار علی ہامش شامی باب الامامۃ ج ۱ ص ۵۵۷، اگر غیر اولیٰ کو امام بنائیں گے تو برا کریں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صحت اقتداء کے لئے اتصال صفوف ضروری ہے:

(سوال ۲۵۴) ہماری جامع مسجد کا نقشہ حسب ذیل ہے:۔ جماعت خانہ (یعنی مسجد شتوی) کے بعد بجانب شرق برآمدہ ہے اس میں ایک دو صف ہو سکتی ہیں اس کے بعد متصلاً کچھ نشیب میں اچھا خاصا میدان اور صحن ہے مگر یہ حصہ مسجد شرعی سے خارج ہے فناء مسجد کی تعریف اس پر صادق آتی ہے اس صحن کے سرے پر دہ زردہ حوض ہے۔ اس کے درے کچھ بلندی پر چبوترہ واقع ہے جو مسافروں کی آرام گاہ ہے یہاں پر دو صفیں ہو سکتی ہیں۔ جمعہ وعیدین اور تبلیغی اجتماعات کے موقع پر اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔ امام صاحب نے فرمایا تھا کہ دہ دردہ حوض حائل ہے یہ مانع اقتداء ہے اگر حوض کے یمیناً وشمالاً نمازیوں کی صفیں قائم ہوں تب تو بوجہ اتصال صفوف چبوترہ والے نمازیوں کی اقتداء صحیح ہو جائے گی ورنہ صحیح نہ ہوگی۔ جب بارش ہو رہی ہو تو صفیں نہیں ہو سکتیں۔ ایک مولوی صاحب نے فرمایا

کہ حوض کے اردگرد صفوں کا ہونا ضروری نہیں اس لئے کہ احاطۂ مسجد کی تمام جگہ فناء مسجد وغیرہ مکان متحد ہے (ایک جگہ ہے اس لئے کسی جگہ سے بھی اقتداء ہوسکتی ہے جتنا بھی خلاء اور فاصلہ ہو اور بڑا حوض ہو وہ بھی مانع اقتداء نہیں ہوسکتا۔ اتصال وانقطاع صفوف کا مسئلہ احاطۂ مسجد سے خارج جگہ کا ہے لہذا صفوں کا اتصال ہو یا نہ ہو ہر حال میں چبوترہ والے نمازیوں کی اقتداء درست ہے۔ اس وجہ سے نمازیوں میں اختلاف پڑ گیا ہے آپ کے فیصلہ پر اختلاف دور ہوسکتا ہے۔ تفصیل سے سمجھایا جائے۔ بینوا توجروا۔ (از سورت)

(الجواب) صحت اقتداء کے لئے امام ومقتدی کے مکان کا متحد ہونا شرط ہے خواہ حقیقتاً متحد ہو یا حکماً۔ مسجد شتوی (جماعت خانہ) اور مسجد صیفی (صحن داخل مسجد) اور فناء مسجد (مصالح مسجد کی کھلی جگہ) یہ تمام جگہ باب اقتداء میں متحد ہے بناءً علیہ امام اور مقتدی اور دوسری صفوں کے درمیان دوصفوں سے زائد خلاء اور فاصلہ ہو تب بھی مانع اقتداء نہیں ہے یعنی زیادہ فاصلہ اور خلا ہوتے ہوئے بھی اقتداء صحیح ہو جاتی ہے لیکن امام ومقتدی کی جگہ کے متحد نہ رہنے کے اور اقتداء کے صحیح نہ ہونے کے چند وجوہات اور بھی ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ امام ومقتدی کے درمیان ایسی دیوار حائل ہو جس کی وجہ سے امام کی نقل وحرکت مقتدی پر مشتبہ ہے **و لا حائط یتشبه معه بانتقال الامام**. یعنی نہ تو کوئی دیوار حائل ہو جس کی وجہ سے امام کی نقل وحرکت مقتدی پر مشتبہ رہے۔ (نور الایضاح ص ۸۱ باب الامامۃ)

دوسری وجہ یہ ہے کہ امام اور مقتدی کے بیچ میں راستہ (شارع عام) اس قدر وسیع ہو جس میں سے بیل گاڑی وغیرہ گذر سکے (اگرچہ نماز کے وقت لوگوں کی آمد ورفت بند ہو) **و لا طریق تمر فیه العجلة**. یعنی امام ومقتدی کے درمیان ایسا کشادہ راستہ ہو جہاں سے بیل گاڑی وغیرہ سواری گذر سکے (اگر راستہ میں صفیں قائم ہو جائیں تو اب راستہ مانع اقتداء نہ ہوگا) (نور الایضاح ص ۸۱ ایضاً) زاد الفقیر میں ہے۔ **و لا من بینه وبین الامام طریق واسع وهو ما تمر فیه العجلة ص ۵۳**)

تیسری وجہ یہ ہے کہ امام ومقتدی (مردوں) کے درمیان عورتوں کی صف قائم ہو **وان لا یفصل بین الامام والماموم صف من النساء** یعنی نہ تو امام اور مردوں کی صف کے درمیان عورتوں کی صف حائل ہو۔ (نور الا یضاح ص ۸۱ ایضاً) (الاختیار تعلیل المختار ج ۱ ص ۵۹)

چوتھی وجہ یہ ہے کہ امام ومقتدی کے درمیان ایسی وسیع نہر ہو جس میں سے چھوٹی کشتی گذر سکے (اس میں پانی جاری ہو یا نہ ہو) **وان لا یفصل نهر یمر فیه الزورق**۔ یعنی نہ تو امام ومقتدی کے بیچ میں ایسی نہر ہو جس میں کشتی چل سکے۔ (نور الا یضاح ص ۸۱ ایضاً) **ویمنع الا قتداء حیلولة نهر یسع الزورق**. (زاد الفقیر ص ۵۳)

حضرت عمرؓ سے مرفوعاً اور موقوفاً روایت ہے کہ جس مقتدی اور امام کے درمیان نہر یا راستہ یا عورتوں کی صف ہو اس کی نماز صحیح نہیں۔ مصنف ابن عبدالرزاق میں ہے عبدالرزاق...... **عن عمر بن الخطابؓ انه قال، فی الرجل یصلی بصلاۃ الا مام قال: اذا کان بینهما نهر، اوطریق، او جدار فلا یأتم به**. (مصنف ابن عبدالزاق ج ۳ ص ۸۱) قلائد الا زهار علی کتاب الآثار ج ۲ ص ۱۴۱) (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۴۴) (مراقی الفلاح ص ۵۶) (حاشیہ الا ختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص ۵۹) (وغیرہ)

مانع اقتداء کے بارے میں شرعی حوض کا بھی یہی حکم ہے اور مسجد کا حوض بھی اس حکم میں شامل ہے مسجد کا حوض

اس حکم سے مستثنیٰ نہیں ہے تو فناء مسجد کا حوض کیسے مستثنیٰ ہوگا۔ درمختار میں ہے (اونهر تجری فیه السفن) ولو زورقا ولوفی المسجد. یعنی جس نہر میں کشتی چل سکتی ہو مانع اقتداء ہے۔ اگر چہ وہ (کشتی) صغیر ہو اور اگر چہ (نہر یا حوض) مسجد میں ہو۔ اور شامی میں ہے۔ واما البرکة اوالحوض. الی قوله. ان الحوض الکبیر المذکور فی کتاب الطهارة یمنع ای مالم تتصل الصفوف حوله' کما یأتی (ترجمہ) تالاب یا بڑا حوض (شرعی دہ در دہ حوض) درمیان میں ہو اور صفیں متصل نہ ہوں تو مانع اقتداء ہے۔ (شامی ج ۱ ص ۵۴۷ باب الامامۃ) غایۃ الاوطار ترجمہ دُرمختار میں ہے مانع اقتداء ہے نہر جس میں کشتیاں چل سکیں اگر چہ چھوٹی کشتی یعنی ڈونگی (ہوڑی) ہو اگر چہ نہر مسجد میں ہو (یہی حکم حوض دہ در دہ کا بھی ہے) غایۃ الاوطار ج ۱ ص ۲۷۲ باب الامامۃ)

اور طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔ ویمنع نهر ولو کان فی المسجد کالطریق کما فی الدرر (ص ۱۷۰ باب الامامة)

کبیری اور صغیری میں ہے۔ ولو کان بین الامام والمقتدی فی الجامع اوغیره نهر فان کان صغیراً لا یمنع وان کان کبیراً یمنع (کبیری ص ۲۸۸) (صغیری ص ۲۶۸ باب الامامة)

حضرت مولانا شاہ سید زوار حسین صاحب پاکستانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں مسجد یا میدان میں اگر امام اور مقتدی کے درمیان یا دوسری صفوں کے درمیان پانی کا چشمہ یا حوض یا کوئی اور ایسا ہی حائل یا خالی جگہ ہے تو اگر وہ دہ در دہ (یعنی شرعی حوض) ہے تو اقتدا کا مانع ہے جب کہ اس کے ارد گرد لوگ کھڑے ہو کر صفیں متصل نہ ہوگئی ہوں اور اگر اس حوض وغیرہ کے ارد گرد یعنی دائیں بائیں لوگ کھڑے ہو کر صفیں ہو جائیں تو اس کے بعد والوں کی نماز درست ہو جائے گی اور اگر وہ حوض وغیرہ چھوٹا یعنی دہ در دہ سے کم ہو تو مانع اقتدا نہیں خواہ اس کے دائیں بائیں لوگ کھڑے نہ ہوئے ہوں (عمدۃ الفقہ ص ۱۹۶)

حضرت مولانا ابوالقاسم دلاوری پاکستانی تحریر فرماتے ہیں۔

''مسجد کا دہ در دہ حوض امام اور مقتدیوں میں حائل ہو تو اقتداء صحیح نہیں بجز اس صورت کے کہ حوض کے گرد صفیں برابر متصل ہوں اور اگر حوض اس سے چھوٹا ہو تو اقتداء صحیح ہے الحاصل امام صاحب کی تحقیق صحیح اور قابل عمل ہے، مولوی صاحب کا فتویٰ صحیح نہیں۔ فقط عماد الدین ص ۲۲۴۔

باب صفة الصلوٰة

سجدہ اور قعدہ میں ہاتھ کی انگلیاں کس طرح رکھے:

(سوال ۱) قعدۂ اولیٰ اور سجدہ میں ہاتھ کی انگلیاں کھلی رکھے یا بند۔

(الجواب) مردوں کے لئے رکوع میں دونوں ہاتھ کی انگلیاں کھول کر اور ان کو چھیدی کر کے گھٹنے پکڑنا مسنون ہے۔ سجدہ میں اپنے دونوں ہاتھ کی انگلیاں ملا کر زمین پر اس طرح رکھے کہ انگلیوں کے سر قبلہ کی طرف رہیں ان دونوں حالتوں کے علاوہ انگلیوں کو حسب عادت رکھے نہ کھولے نہ بند کرے ضاقا اصابع یدیہ (درمختار) ای ملصقا جنبات بعضها ببعض (فهها) ولا يندب الضم الا هنا ولا التفريج الا في الركوع كما في الزيلعي وغيره (شامی ج ۱ ص ۴۶۵ فصل (واذا اراد الشروع فی الصلاۃ)) فقط واللہ اعلم۔

کم سن بچہ بالغوں کی صف میں کب کھڑا رہے اور کب کھڑا نہ رہے:

(سوال ۲) کم سن نابالغ لڑکا نماز پڑھتا ہے نماز عشاء میں اور لڑکے حاضر نہیں ہوتے تو یہ لڑکا بالغوں کی صف میں کھڑا رہ سکتا ہے کہ پیچھے تنہا کھڑا رہے؟

(الجواب) ایک سے زائد بچے ہوں تو ان کی علیحدہ صف بنائی جائے، بالغوں کی صف میں کھڑا رہنا مکروہ ہے۔ اگر ایک ہی لڑکا ہو تو پیچھے تنہا کھڑا نہ رہے مردوں کے ساتھ شامل ہو جائے بحرالرائق میں ہے ان الصبی الواحد لا یقوم منفرداً عن صف الرجال بل یدخل فی صفهم. یعنی ایک لڑکا ہو تو مردوں کی صف چھوڑ کر تنہا کھڑا نہ رہے بلکہ مردوں کی صف میں جا ملے (ج ۱ ص ۳۵۳ باب الامامۃ) اور درمختار میں ہے فلو واحد ادخل فی الصف. یعنی اگر ایک لڑکا ہو تو مردوں کی صف میں شامل کیا جائے (شامی ج ۱ ص ۵۳۴ باب الامامة مطلب فی کلام علی الصف الاول) صورت مسئولہ میں جب لڑکا ایک ہی ہے اور سمجھدار ہے تو اس کو بالغوں کی صف میں لے لیا جائے ۔فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آنکھ میں موتیا ہو تو نماز کا کیا حکم ہے؟

(سوال ۳) آنکھ میں موتیا ہے۔ آپریشن کرانا ضروری ہے ورنہ آنکھ چلی جائے گی۔ دریافت طلب یہ ہے کہ آپریشن کے وقت بعض دن اشارہ سے بھی نماز پڑھنے کی ڈاکٹر کی اجازت نہیں ہوتی۔ تو آپریشن کرائے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں معذوری ہے آپریشن کرائے، سر کے اشارہ سے نماز پڑھی جاتی ہو تو قضا کی اجازت نہیں اور اگر سر کے اشارے سے نماز پڑھنے میں نقصان ہوتا ہو تو ایسی مجبوری کی صورت میں نماز کی قضا کی اجازت ہے[1]

فقط واللہ اعلم بالصواب.

---

(۱) وان تعذر القعود ولو حكماً اوما مستلقيا على ظهره درمختار على هامش شامى صلاة المريض ج ۲ ص ۹۹۰

پیشاب ٹپکتا ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنی چاہئے؟

(سوال ۴) ایک آدمی کھڑے کھڑے نماز پڑھے تو پیشاب کے قطرے ٹپکتے ہیں۔ اور بیٹھنے میں یہ چیز نہیں ہے تو یہ آدمی کھڑے کھڑے نماز پڑھے یا بیٹھ کر؟

(الجواب) ایسا آدمی بیٹھ کر نماز پڑھے (فتاویٰ سراجیہ ص ۱۹) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(سوال ۵) کھڑے کھڑے یا بیٹھے بیٹھے نماز پڑھے تو قطرے ٹپکتے ہیں اور چت لیٹ کر سونے میں یہ عذر نہیں ہے تو نماز کس طرح پڑھے؟

(الجواب) اس صورت میں سوتے سوتے اشارہ سے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔ کھڑے کھڑے نماز پڑھے (نفع المفتی والسائل ص ۹۸) فقط۔

صف میں جگہ نہ ہو تو پیچھے کہاں کھڑا ہو؟:

(سوال ۶) صف میں جگہ نہ ہو تو پیچھے کہاں کھڑا ہو؟ درمیان میں یا کونے پر؟

(الجواب) صف میں جگہ نہ ہو تو امام رکوع کرے وہاں تک انتظار کرے اگر کوئی دوسرا شخص آ جائے تو اس کے ہمراہ امام کی سیدھ میں صف کے پیچھے کھڑا ہو جائے اگر کوئی نہ آئے تو اکیلا ہی وہاں کھڑا ہو جائے۔ ومتی استوی جانباه يقوم عن يمن الا مام ان امكنه و ان وجد في الصف فرجة سدها والا انتظر حتى يجيى آخر فيقفان خلفه وان لم يجئ حتى يركع الامام يختار اعلم الناس بهذه المسائل فيجذ به ويقفان خلفه ولو لم يجد عالماً يقف خلف الصف بحذاء الا مام للضرورة (شامی ج ۱ ص ۵۳۱) ومن اتى الجماعة يكره له القيام خلف الصف وحده متى وجد في الصف فرجة وان لم يو جد في الصف فرجة ينتظر الى الركوع فان جاء واحدا يقوم احدهما في جنب الا خر بحذاء الا مام والا يجذب واحداً من الصف الى نفسه فيقف في جنبه لكن الاولىٰ في زماننا القيام وحده بحذاء الا مام لغلبة الجهل على الناس فلو جوا حدا يفسد الصلوٰة (مجالس الا برار م ۵۴ ص ۳۲۰) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مریض آدمی کا بیٹھ کر نماز پڑھنا:

(سوال ۷) بیمار آدمی مسجد میں آکر باجماعت نماز پڑھتا ہے مگر بیٹھ کر پڑھتا ہے۔ اس کا کیا حکم ہے۔ آیا جائز ہے یا ناجائز؟

(الجواب) جو مریض قیام سے عاجز ہے یعنی اگر قیام کرے تو گر جانے یا مرض کے بڑھ جانے یا جلد اچھا نہ ہونے کا اندیشہ ہو یا بے حد تکلیف ہوتی ہو اس کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ لیکن اگر کھڑے رہنے کی استطاعت ہے تو بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اگر تھوڑی دیر کھڑا رہ سکتا ہو تو اتنی دیر کھڑا رہے یہاں تک کہ اگر کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کہنے کی طاقت ہو تو تکبیر تحریمہ کھڑا ہو کر کہے پھر بیٹھ جائے بعض مریض کھڑے ہوتے ہیں پھر بھی بیٹھ کر تکبیر تحریمہ کہتے

ہیں، یہ جائز نہیں ہے "درمختار" میں ہے۔ وان قدر علی بعض القیام ولو متکئا علی عصا او حائط قام لزوما بقدرما یقدرو لوقدر اٰیۃ او تکبیرۃ علی المذھب لان البعض معتبر بالکل (درمختار) (قولہ علی المذھب) فی شرح الحلوانی نقلا عن الھندوانی لو قدر علی بعض القیام دون تمامہ او کان یقدر علی القیام لبعض القراۃ دون تمامھا یومر بان یکبر قائما ویقرأ ما قدر علیہ ثم یقعد ان عجزو ھو المذھب الصحیح لا یروی خلافہ عن اصحابنا ولو ترک ھذا خفت ان لا تجوز صلوتہ(شامی ج ۱ ص ۱۰۷ باب صلاۃ المریض)فقط واللّٰہ اعلم بالصواب.

تکبیر تحریمہ اور رکوع اور سجدہ میں جانے کی تکبیر کب کہی جائے:

(سوال ۸) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ تکبیر تحریمہ کب کہے ہاتھ باندھنے سے پہلے یا ہاتھ باندھ کر (۱) اگر امام صاحب کان تک ہاتھ اٹھانے کے بعد جب ناف تک پہنچے اس وقت تکبیر تحریمہ کہے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ (۲) اگر امام صاحب کا ہاتھ ناف تک پہنچے اس وقت تکبیر کا ایک جزء کہے اور ہاتھ باندھنے کے بعد دوسرا جز تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں (۳) غرض کہ تکبیر تحریمہ کب شروع کرے اور کب ختم کرے (۴) رکوع وسجود کی تکبیرات کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ (۵) اگر امام نماز میں تکبیرات خلاف سنت کہے تو شرعی حکم کیا ہے؟

(الجواب) تکبیر تحریمہ یا تکبیر اولیٰ اور رفع یدین کے بارے میں تین قول ہیں (۱) پہلے رفع یدین کرے یعنی دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر تکبیر (اللہ اکبر) شروع کرے اور تکبیر ختم ہوتے ہی ہاتھ باندھ لے (۲) تکبیر اور رفع یدین دونوں ایک ساتھ شروع کرے اور ایک ساتھ ختم کرے (۳) پہلے تکبیر شروع کر کے فوراً ہاتھ اٹھا کر ایک ساتھ ختم کر دے (بحر الرائق ج ۱ ص ۳۰۵ فصل واذا اراد الدخول فی الصلاۃ الخ۔ درمختار مع الشامی صفت صلاۃ ج ۱ ص ۴۶۵)

مذکورہ تینوں صورتوں میں سے پہلی اور دوسری صورت افضل ہے تیسری صورت بھی جائز ہے مگر معمول بہا نہیں ہے (ہدایہ ج ۱ ص ۸۴ باب صفۃ الصلاۃ) (شامی وغیرہ بحر الرائق)

اور جوہرہ میں ہے۔ اصح یہ ہے کہ اولاً نمازی دونوں ہاتھ اٹھائے جب دونوں ہاتھ کان کے محاذات میں پہنچ کر قرار پکڑیں تب تکبیر شروع کرے۔ (جوہرہ ج ۱ ص ۴۹ باب صفۃ الصلاۃ)

صورت مسئولہ میں نماز ہوگئی لیکن ہاتھ باندھنے تک تکبیر کو موخر کرنے کی عادت غلط اور مکروہ ہے یہ ثنا پڑھنے کا محل ہے نہ تکبیر کہنے کا، تکبیر ہاتھ باندھنے تک ختم ہو جانی چاہئے۔ ہاتھ باندھنے تک مؤخر کرنے میں یہ بھی خرابی ہے کہ اونچا سننے والا اور بہرا مقتدی امام کی رفع یدین کو دیکھ کر تکبیر تحریمہ کہے گا تو امام سے پہلے تکبیر کہنے کی بنا پر اس کی اقتداء اور نماز صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر تکبیر کا پہلا لفظ "اللہ" کہنے میں مقتدی سبقت کرے یا لفظ اللہ امام کے ساتھ شروع کرے مگر لفظ "اکبر" امام کے ختم کرنے سے پہلے ختم کر دے تب بھی اقتداء صحیح نہ ہوگی (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۴۴۸ حوالہ بالا) لہٰذا امام کو یہ عادت ترک کرنی چاہئے۔ فقط واللّٰہ اعلم بالصواب۔

(الجواب ۲) رکوع وسجود کی تکبیرات کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ رکوع کے لئے جھکنے کے ساتھ تکبیر شروع کرے اور (رکوع میں پہنچتے ہی) ختم کرے اسی طرح سجدہ میں جاتے وقت بھی تکبیر شروع کرے اور (سجدہ میں پہنچتے ہی) ختم

کرے رکوع وسجود میں پہنچ کر تکبیر کہنا خلاف سنت اور مکروہ ہے اور دو طرح کی کراہت لازم آتی ہے۔ ایک کراہت ترک محل کی کیونکہ یہ تکبیریں تکبیرات انتقال کہلاتی ہیں رکوع اور سجدہ کی طرف منتقل ہونے یعنی رکوع کے لئے جھکنے اور سجدہ میں جانے کے وقت ان کو کہنا چاہئے تھا یہ ان کا محل تھا جس کو ترک کردیا۔ دوسری کراہت، اداء بے محل کی۔ یعنی جس وقت تکبیر کہہ رہا ہے وہ سبحان ربی العظیم یا سبحان ربی الا علیٰ کہنے کا وقت تھا تکبیر کا وقت نہیں تھا اس وقت تکبیر بے محل ہے۔ منیۃ المصلی ص ۸۸، ص ۹۴ وکبیری میں ہے[۱] مختصر کہ امام کا یہ عمل خلاف سنت ہے۔ انہیں سنت کے مطابق عمل کرنا لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب.

تکبیر تحریمہ، رفع یدین اور تکبیرات انتقالات کا صحیح طریقہ:

(سوال ۹) کیا فرماتے ہیں۔ علمائے کرام اس بارے میں کہ تکبیر تحریمہ جو فرض ہے اس کو ہاتھ باندھنے سے پہلے کہے یا ہاتھ باندھنے کے بعد۔

(۱) اگر کوئی امام کان تک ہاتھ اٹھا لینے کے بعد یا ناف تک ہاتھ لانے کے بعد تکبیر تحریمہ کہے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

(۲) اگر امام ناف تک ہاتھ لانے کے بعد تکبیر شروع کرے اور ہاتھ باندھنے کے بعد تکبیر پوری کرے۔ تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

(۳) نماز کے لئے تکبیر تحریمہ کا آغاز کب کرے اور تکبیر پوری کب کرے؟

(۴) رکوع اور سجدہ کی تکبیرات کا صحیح وقت کون سا ہے؟ اور صحیح طریقہ کیا ہے؟

(۵) اگر امام ہر نماز میں تکبیرات خلاف سنت کہے تو شرعی حکم کیا ہے؟

(الالجواب) تکبیر تحریمہ یعنی تکبیر اولیٰ اور رفع یدین کے بارے میں تین قول ہیں۔

(۱) پہلے رفع یدین کرے یعنی دونوں ہاتھ کان تک اٹھا کر تکبیر شروع کرے اور تکبیر ختم ہونے پر دونوں ہاتھ باندھ لے۔

(۲) تکبیر اور رفع یدین دونوں ساتھ ساتھ شروع کرے اور دونوں ساتھ ساتھ ختم کرے۔

(۳) پہلے تکبیر شروع کرکے ہاتھ اٹھا کر ساتھ ساتھ ختم کرے۔ وفیہ ثلثۃ اقوال۔

القول الا ول: انہ یرفع مقارنا للتکبیر وهو المروی عن ابی یوسف قولا وعن الطحاوی فعلاً واختارہ شیخ الا سلام وقاضی خاں وصاحب الخلاصۃ والخفقد والبدائع والحیط حتی قال البقالی ہذا قول اصحابنا جمیعاً ویشهد له المروی عنه صلی اللہ علیه وعلم انه کان یکبر عند کل خفض ورفع وما رواہ ابو داؤد انه صلی اللہ علیه وسلم کان یرفع یدبه مع التکبیر وفسر قاضی خاں المقارنۃ بان تکون بداء ته عند بدأته وختمه عند ختمه.

---

(۱) وینبغی ان یکون ابتدآء التکبیر عند اول الخرو والفراغ منه عند الا ستوآء راکعاً وقال بعضهم یکبر قائما ثم یرکع...... وهذا یستلزم تاخیر التکبیر الی ان یصل الی الر کوع ولیس بشی والقول الا ول وهو المقارنۃ اصح الا قوال صفۃ الصلاۃ ص۳۴۵)

القول الثانی: وقته قبل التکبیر و نسبه فی للمجمع الی ابی حنیفة رحمه الله و محمد رحمه الله و فی غایة البیان الیٰ عامة علماً بنا و فی المبسوط الیٰ اکثر مشائخنا و صححه فی الهدایة و یشهد له ما فی الصحیحین عن ابن عمر قال کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه حتیٰ یکونا حذاء منکبیه ثم کبر .

القول الثالث: وقته بعد التکبیر فیکبر اولاً ثم یرفع یدیه و یشهد له ما فی صحیح المسلم انه کان اذا صلی کبر ثم رفع یدیه (بحر الرائق فصل اذا اراد الدخول فی الصلاة الخ. ۳۰۵ ج ۱ درمختار مع الشامی صفت صلاة ص ۴۶۵ ج ۱)

مذکورہ صورثلثہ میں پہلی دوسری صورت افضل ہے ۔تیسری صورت بھی جائز ہے ۔لیکن معمول بہا نہیں ہے۔والا صح انه یرفع یدیه اولاً ثم یکبر لان فعله نفی الکبریاء عن غیر الله والنفی مقدم علی الایجاب). (هدایه ص ۲۸ صفة الصلاة ج ۱ شامی . بحر الرائق)

''جوہرۃ'' میں ہے اصح یہ ہے کہ اولاً نمازی دونوں ہاتھ اٹھائے جب ہاتھ کان ۔کے برابر پہنچ جائے تب تکبیر شروع کرے۔ والا صح انه یرفع اولاً فاذا ستقر تافی موضع المحاذاة کبر (جوهره ص ۴۹ ج ۱ باب صفة الصلوٰة)

صورت مسئولہ میں نماز صحیح ہوگی لیکن ہاتھ باندھنے تک تکبیر میں تاخیر کرنا ۔یعنی ہاتھ باندھ کر تکبیر کہنے کی عادت کرلینا غلط اور مکروہ ہے۔ یہ وقت ہے ثناء پڑھنے کا ۔نہ کہ تکبیر کہنے کا۔تکبیر ہاتھ باندھنے پر ختم کردی جائے ۔ہاتھ باندھنے تک تاخیر کرنے میں دوسری خرابی یہ ہے کہ کم سننے والا اور بہرا مقتدی،امام کو ہاتھ اٹھاتے دیکھ کر تکبیر تحریمہ کہے گا،تو امام سے پہلے تکبیر کہنے کی وجہ سے اس کی اقتداء اور نماز صحیح نہ ہوگی ۔اگر لفظ اللہ کہنے میں مقتدی پہل کرے بلکہ لفظ اللہ امام کے ساتھ شروع کرے لیکن لفظ اکبر کو امام کے ختم کرنے سے پہلے مقتدی ختم کردے تب بھی اقتداء درست نہ ہوگی۔

فلو قال الله مع الامام و کبر قبله (ای قبل فراغه) لم یصح (درمختار مع الشامی ص ۴۴۸ ج ۱ صفة الصلاة فصل اذا اراد الخ) لہٰذا امام کو چاہئے کہ یہ عادت ترک کردے۔

رکوع اور سجدے کی تکبیرات کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ رکوع میں جاتے وقت تکبیر بھی ساتھ ساتھ شروع کردے اور ساتھ ساتھ ختم کرے ۔اسی طرح سجدہ میں جاتے وقت بھی تکبیر ساتھ ساتھ شروع کرے اور ساتھ ہی ختم کرے ۔رکوع وسجدہ میں پہنچنے کے بعد تکبیر کہنا سنت کے خلاف ہے اور اس میں دو۲ کراہتیں بھی لازم آتی ہیں ۔ایک کراہت تکبیر کے وقت کو ضائع کرنے کی اور دوسری کراہت بے وقت تکبیر کہنے کی ۔کیونکہ یہ وقت رکوع وسجدے کی تسبیح پڑھنے کا ہے تکبیر کہنے کا نہیں۔

فلما فرغ من القراءة یخیر راکعا مکبرا و ینبغی ان یکون ابتداء تکبیره عند اول الخرور والفراغ منه عند الاستواء وقال بعضهم اذا اتم القراءة ح حالة الخرور لاباس به بعد ان یکون مابقی من القراءة حرفاً او کلمة والاول اصح (منیة المصلی ص ۸۸ صفة الصلاة)

وفی موضع آخر وان یاتی بالا ذکار المشروعۃ فی الا نتقالات بعد تمام الا نتقال وفیہ کراھتان تکرھا عن موضعہ وتحصیلھا فی غیر موضع (ص ۹۴ کبیری ص ۳۴۵ صفۃ الصلوٰۃ)

نمازوں میں رکوع وسجود کی تسبیحات زور سے پڑھے یا آہستہ؟

(سوال ۱۰) بعض آدمیوں کی عادت ہے کہ فرض۔سنت۔وغیرہ نمازوں میں ثناء۔اور رکوع وسجود کی تسبیحات اور تکبیرات انتقالات اور تشہد، درود شریف، اور نماز کے بعد دعاء اور وظیفہ وغیرہ زور سے پڑھتے ہیں کہ قریب نماز پڑھنے والے کو حرج ہوتا ہے اور نماز میں غلطی ہوتی ہے۔خشوع اور خضوع فوت ہوتا ہے۔تو اس قدر زور سے پڑھنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

(الجواب) فرض وغیرہ میں ثنا، اور رکوع وسجود کی تسبیحات وغیرہ یا تلاوت قرآن مجید، ذکر اور اوراد اور وظیفہ وغیرہ اس قدر زور سے پڑھنا کہ دوسروں کی توجہ بٹے، نماز پڑھنے والوں کو خلجان ہو وہ بھول جائیں یا ان کے خشوع وخضوع میں یا اعتکاف کرنے والوں کی یکسوئی میں فرق آئے، سونے والوں کی نیند میں خلل پڑے (اس طرح پڑھنا) درست نہیں۔ گناہ کا موجب ہے۔لہذا ایسی عادت چھوڑ دینی چاہئے۔

وفی حاشیۃ الحموی عن الا مام الشعرانی انی اجمع العلماء سلفاً وخلفا علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرھا الا ان یشوش جھرھم علی نائم او مصلی او قاری، الخ (شامی ص ۶۱۸ ج ۱ احکام المسجد مطلب فی رفع الصوت بالذکر۔)

وقد ذکر الشیخ عبدالوھاب الشعرانی نی کتابہ المسمی "بیان ذکر الذاکر للمذکور والشاکر للمشکور۔" مانصہ واجمع العلماء سلفاً وخلفاً علی استحباب ذکر اللہ تعالیٰ جماعۃ فی المساجد و غیرھا من غیر نکیر الا ان یشوش جھر ھم بالذکر علی نائم او مصلی اوقاری کما ھو مقرر فی کتب الفقہ (الا شباہ والنظائر مع شرح الحموی ص ۵۲۰) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ باندھے یا چھوڑے

(سوال ۱۱) تکبیر تحریمہ کی وقت دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر باندھے یا چھوڑ کر پھر باندھے صحیح طریقہ کیا ہے؟

(الجواب) تکبیر تحریمہ کے بعد اور وتر میں دعائے قنوت سے، اسی طرح نماز عید کی پہلی رکعت میں تیسری تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھا کر باندھ لئے جائیں۔ہاتھ چھوڑ کر پھر باندھنا کسی سے ثابت نہیں اختلاف اس بات میں ہے کہ ثناء اور قراءت پڑھنے کی حالت میں ہاتھ باندھے یا چھوڑے رکھے۔امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک باندھنے کا حکم ہے۔(کیونکہ وہ ہاتھ باندھنے کو قیام کی سنت قرار دیتے ہیں اور امام محمدؒ کے نزدیک ثناء کے وقت چھوڑنے کا حکم ہے ان کے نزدیک ہاتھ باندھنا قراءت کے آداب میں سے ہے۔اذا اراد الرجل الدخول فی الصلوٰۃ اخرج کفیہ من کمیہ ثم رفعھما حذاء اذنیہ ثم کبر بلا سد ناویا ثم وضع یمینہ علی یسارہ تحت سرتہ عقب التحریمۃ بلا مھلۃ مستفتحا۔ یعنی:۔جب مرد نماز شروع کرنے کا ارادہ کرے تو اپنی ہتھیلیاں آستین سے نکالے

پھر ان کو کانوں کے مقابل اٹھائے پھر تکبیر کہے بلا مد کے، نیت کرتے ہوئے پھر داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔ تحریمہ کے بعد بلا تاخیر کے ثناء پڑھتے ہوئے (نور الایضاح ص ۷۶ فصل فی کیفیۃ ترکیب الصلوٰۃ)

اور ''مراقی الفلاح'' میں ہے (تحت سرة عقب التحريمة بلامهلة) لانه سنة القيام في ظاهر المذهب وعند محمد سنة القراءة فيرسل حال الثناء وعندهما يعتمد في كل قيام فيه ذكر مسنون كحالة الثناء والقنوت وصلوة الجنازة ويرسل بين تكبيرات العيدين اذليس فيه ذكر مسنون ص ۵۲ ايضاً)

فالا عتماد سنة القيام عند هما حتى لا يرسل حالة الثناء وعند محمد رحمه الله سنة القراءة حتى انه يرسل حالة قراة الثناء الخ (الجو هرة النيره ص ۵۰ ج ۱ باب صفة الصلاة) فقط والله اعلم بالصواب.

بعد نماز گوشۂ مصلیٰ کو لپیٹنا چہ حکم دارد؟:

(سوال ۱۲) نماز پڑھنے کے بعد مصلے کا ایک کونہ لپیٹ لیتے ہیں۔ ورنہ شیطان اس پر نماز پڑھتا ہے۔ یہ اعتقاد کیسا ہے؟

(الجواب) مذکور رواج کی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ اعتقاد بالکل غلط ہے۔ فقط۔

قبلہ کی جانب پاؤں کر کے سونا:

(سوال ۱۳) ہمارے ہاں ایک مسلم برادر قبلہ کی طرف پاؤں پھیلا کر سوتا ہے۔ ہم نے ان سے کہا کہ قبلہ جہت پیر کر کے سونا گناہ ہے اس نے کہا کہ اپنے پیغمبر بھی سوتے تھے اور سونا گناہ نہیں ہے۔ اور کہتا ہے کہ گاؤں کے مشرقی جانب میں قبرستان ہو تو میت کو کیسے لے جاتے ہیں؟ ایسی دلیل پیش کرتا ہے بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) بجانب قبلہ پیر پھیلا کر سونا مکروہ تحریمی قریب حرام ہے۔ جو شخص جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے وہ فاسق اور مردود الشہادۃ ہے یعنی شرعاً اس کی گواہی مردود اور نامقبول ہے (شامی ج ۱)[1] جاہل، ضدی شخص دینی بحث اور سوال و جواب کے قابل نہیں ہے فقط واللہ اعلم بالصواب.

انتظار صلوٰۃ کی فضیلت:

(سوال ۱۴) حدیث شریف میں ہے کہ آدمی جب تک نماز کے انتظار میں بیٹھتا ہے اس کا یہ وقت نماز میں گنا ہوا شمار ہوتا ہے تو اس کے لئے باوضو رہنا ضروری ہے یا بے وضوء بھی اسی قدر ثواب ہے؟

---

(۱) مدر جليه في نوم او غيرها اى عمداً لأنه اساءة ادب قال في الشامية تحت قوله لأنه اساءة ادب افادان الكراهة تنزيهه لكن قد مناعن الرحمة في باب الا ستنجاء انه سيأتى أنه يمد الرجل اليها ترد شهادته قال وهذا يقتضى التحريم فليحرر، درمختار مع الشامي ج ۱ ص ۶۱۳ مطلب في مكروهات الصلاة)

(الجواب) مذکورہ فضیلت کے لئے باوضو رہنا ضروری ہے۔ وضوء نہ ہو تو نماز کا انتظار نہیں سمجھا جائے گا۔ وقد صرح النبی صلی اللہ علیہ وسلم او لوح ان من المرجحات انہ اذا توضأ فاحسن وضوءہ ثم توجہ الی المسجد لاینھضہ الا الصلوٰۃ کان مشیہ فی حکم الصلوٰۃ و خطواتہ مکفرات للذنوبہ.

ترجمہ:۔ اور نبی کریم ﷺ نے صراحتہً یا اشارۃً فرمایا کہ فضیلت نماز کو بڑھانے والی باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ جب کوئی شخص وضوء کرے اور وضوء اچھی طرح کرے (یعنی وضوء کے آداب مثلاً قبلہ رو بیٹھنا۔ دنیا کی باتیں نہ کرنا۔ مسنون طرح پر مسواک کرنا وغیرہ کا خیال رکھے اور ان کو پورا کرے) پھر مسجد کی طرف روانہ ہو۔ اور اس کا محرک صرف نماز ہی ہو تو اس کا چلنا نماز کے حکم میں ہوگا۔ اور اس کے قدم گناہوں کے کفارہ کرنے والے ہوں گے (ہر قدم پر گناہ معاف ہوگا۔ فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ص ۸۸ ج ۲)

شروع کی ہوئی نماز تکبیر ہونے پر توڑے یا نہیں؟:

(سوال ۱۵) مسجد میں نماز ہو جانے کے خیال سے گھر میں نماز شروع کی۔ پھر مسجد کی اقامت سنی تو نماز پوری کرے یا توڑ کر جماعت میں شریک ہو جائے۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں نماز پوری کرے۔ "خلاصۃ الفتاویٰ" میں ہے۔ ولو افتتح الصلوٰۃ فی منزلہ ثم سمع الا قامۃ فی مسجد آخر اوفی مسجدہ یتم الصلوٰۃ.

ترجمہ:۔ اگر مکان میں نماز شروع کی۔ پھر دوسری مسجد یا محلہ کی مسجد کی اقامت سنی تو نماز پوری کرے (ص ۲۲۹ ج ۱ الفصل السادس والعشرون فی المسجد وما یتصل بہ) فقط واللہ اعلم بالصواب.

نماز کے سلام میں وبرکاتہ کا اضافہ:

(سوال ۱۶) نماز کے سلام میں ورحمۃ اللہ کے بعد وبرکاتہ کا اضافہ کیا جائے تو کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) وبرکاتہ کا اضافہ متروک العمل ہے (قولہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ) لم یقل وبرکاتہ کما فی الھدایۃ الا ختلاف فیہ قال المظھر فی شرح المصابیح لفظ برکاتہ لم یرد فی سلام الصلوٰۃ وفی السراج وانہ لا یقول وبرکاتہ وصرح فی النووی بانہ بدعۃ ولیس فیہ شیئی ثابت ولکن یردہ ما فی الحاوی القلسی من انہ مروی وایضاً قال امیر الحاج رد النووی بانھا جاء ت فی سنن ابی داؤد من حدیث وائل بن حجر باسناد صحیح (حاشیۃ الدرر علی الغرر (ج ۱ ص ۶۲)

قائلاً السلام علیکم ورحمۃ اللہ ھو السنۃ و درح الحدادی علیکم السلام (و) انہ (لا یقول) ھنا (وبرکاتہ) وجعلہ النووی بدعۃ وردہ الحلبی وفی الحاوی انہ حسن (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۴۹۱ مطلب فی وقت ادراک فضیلۃ الافتتاح) فقط واللہ اعلم بالصواب.

بیٹھ کر نماز پڑھی جائے تو رکوع کا صحیح طریقہ کیا ہے :

(سوال ۱۷) جب کوئی بیٹھ کر نماز پڑھے تو رکوع کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مستحب اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ پیٹھ کو اتنی جھکائی جائے کہ پیشانی گھٹنوں کے مقابل ہو جائے۔ سرین اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ نفع المفتی والسائل میں ہے الا ستفسار صلی النفل قاعدً فکیف یرکع فیه، الاستبشار . الرکوع یتم بانحناء الظهر لکن المستحب ان یرکع بحیث یحاذی جبهته قدام رکبتیه نقله الشامی عن حاشیة الفتال عن البرجندی(ص ۷۶)ولو کان یصلی قاعداًینبغی ان یخفف جبتهه' قدام رکبته لیحصل الرکوع(شامی ج ا ص ۴۱۶ مطلب الرکن الا صلی والرکن الزاید)تحت بحث الرکوع والسجود .فقط واللہ اعلم بالصواب .

قومہ اور جلسہ میں دعاؤں کا حکم :

(سوال ۱۸) قومہ اور جلسہ میں امام اور مقتدی دعاء پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مقتدی رکوع سے سر اٹھانے کے بعد سیدھا کھڑا ہو کر (قومہ میں) ربنا لک الحمد کے بعد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ کہہ سکتا ہے۔ جب کہ وقت مل جائے امام سے پیچھے رہنا لازم نہ آتا ہو، اسی طرح دونوں سجدوں کے درمیان (جلسہ میں) اللّٰھم اغفرلی کہے اور وقت مل جاتا ہو تو وارحمنی واهدنی وعافنی وارزقنی بھی کہہ سکتا ہے ممنوع نہیں ہے۔(قوله لیس بینهما ذکر مسنون)قال ابو یوسف سألت الا مام ایقول الرجل اذا رفع رأسه من الرکوع والسجود اللهم قال یقول ربنا لک الحمد وسکت ولقد احسن فی الجواب اذلم یته عن الا ستغفار .نهر وغیره .اقول بل فیه اشارة الی انه غیر مکروه اذ لو کان مکروهاً لنهی عنه کماینهیٰ عن القرأة فی الرکوع والسجود وعدم کونه مسنوناً لا ینا فی الجواز کالتسمیة بین الفاتحة والسورة بل ینبغی ان یندب الدعاء بالمغفرة بین السجدتین خروجاً من خلاف الا مام احمد رحمه اللہ الخ(ج ا ص ۴۷۲ باب صفة الصلاة)(قوله محمول علی النفل)وصرح به فی الحلیة فی الوارد فی القومة والجلسة وقال علی انه ان ثبت فی المکتوبة فلیکن فی حالة الا نفراد او الجماعة والمامون محصورون لا یتثقلون بذلک کما نص علیه الشافعیة ولا ضرر فی التزامه وان لم یصرح به مشائخنا فان القواعد الشرعیة لو تنبؤ عنه کیف والصلوٰة والتسبیح والتکبیر والقرائة کما ثبت فی السنة اھ(شامی ج ا ص ۴۷۲، ص ۴۷۳ ایضاً) غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار میں ہے۔ شامی نے حلیہ سے نقل کیا کہ ان دعاؤں کے التزام سے کچھ ضرر بھی نہیں۔ گو مشائخ نے اس کی تصریح نہیں کی۔ اس لئے کہ قواعد شرعیہ التزام مذکور کے مخالف نہیں۔ اور قراءت اور تسبیح اور تکبیر فرضوں اور نفلوں میں یکساں ہی ہیں تو یہ دعائیں اگر یکساں ہوں تو کیا حرج ہے۔(غایۃ الاوطار ج ا ص ۲۳۵ ایضاً) البتہ حضور اکرم ﷺ کی ہدایت من ام قوماً فلیخفف فان فیهم المریض والکبیر و ذا الحاجة (او کما قال علیه الصلوٰة والسلام) کا لحاظ کرتے

ہوئے مقتدیوں کے لئے زحمت اور مشقت کا سبب نہ بنے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مقتدی کے بیٹھنے کے بعد امام نے سلام پھیر دیا تو وہ التحیات پڑھے یا نہیں

(سوال ۱۹)مقتدی نے تکبیر تحریمہ کہا اور امام نے سلام پھیر دیا تو اب اسے بیٹھ کر کھڑے ہونا چاہئے یا کھڑے کھڑے ہی قراءت شروع کردے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر مقتدی کے بیٹھتے ہی سلام پھر دیا تو التحیات پڑھنا چاہئے۔یا بغیر پڑھے ہی کھڑا ہو جائے۔بینوا توجروا۔

(الجواب)مسبوق نے تکبیر تحریمہ کہی اس کے بعد امام نے سلام پھیر دیا تو یہ شخص جماعت میں شامل ہوگیا۔اپنی نماز شروع کرے قعدہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر امام نے السلام کا لفظ کہا ابھی علیکم کا لفظ کہنے نہیں پایا تھا کہ مسبوق نے تکبیر تحریمہ کہی اور قعدہ میں بیٹھا تھا کہ امام نے سلام پھیر دیا تو اس کو تشہد پڑھ کر کھڑا ہونا چاہئے۔اگر تشہد پڑھے بغیر ہی کھڑا ہوگیا تب بھی نماز درست ہے۔شامی میں ہے۔قال فی التجنیس الا مام اذا فرغ من صلاته فلما قال السلام جاء رجل واقتدیٰ به قبل ان یقول علیکم لا یصیر داخلاً فی صلاته لان هذا سلام (باب صفة الصلا ة شامی ج ۱ ص ۴۳۶ وفتاوی رحیمیه ج ۱ ص ۲۰۵) شامی میں دوسری جگہ ہے ۔وشمل باطلاقه مالو ا قتدیٰ به فی اثناء التشهد الا ول او الا خیر فحین قعد قام امامه او سلم ومقتضاه انه یتم التشهد ثم یقول ولم اراه' صریحاً ثم رأیته' فی الذخیرة ناقلاًعن ابی اللیث المختار عند ی انه' یتم التشهدو ان لم یفعل اجزاه' ولله الحمد (شامی ج ۱ ص ۴۶۳ صفةالصلاة(بعد) مطلب فی اطالة الر کو ع لجائی)فقط و اللہ اعلم بالصواب:

سورۂ فاتحہ کے شروع میں،اور سورۂ فاتحہ وسورت کے درمیان تعوذ وتسمیہ پڑھے یا نہ پڑھے

(سوال ۲۰) پہلی رکعت میں ثناء پڑھنے کے بعد سورۂ فاتحہ کے شروع میں اور اسی طرح ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے شروع میں تعوذ اور تسمیہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟اور سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) پہلی رکعت میں (منفرد اور امام کے لئے) ثناء کے بعد اعوذ باللہ اور بسم اللہ دونوں پڑھنا مسنون ہے۔ اور بقیہ رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے شروع میں صرف بسم اللہ پڑھے۔ویسن التعوذ للقراء ة وتسن التسمیة اول کل رکعة قبل الفاتحة لانه صلی اللہعلیه وسلم کان یفتتح صلاته بسم الله الرحمن الرحیم (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۱۵۱) سمی سراً فی اول کل رکعة(درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۴۵۷(قیل)مطلب لفظة الفتویٰ آکد وابلغ من لفظ المختار) درمختار میں دوسری جگہ ہے۔(والرکعة الثانیة کالا ولی) فیما مر (غیر انه' لا یأتی بثناء ولا تعوذ فیها) اذ لم یشر عا الا مرةً (درمختار مع الشامیة ج ۱ ص

۴۷۳ صفة الصلاة)

سورۂ فاتحہ وسورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا بہتر ہے۔شامی میں ہے۔ان سمی بین الفاتحة والسورة المقروئة سراً وجهراً كان حسناً عندا بى حنيفة رحمه الله، یعنی سورۂ فاتحہ اور سورت زور سے پڑھی یا آہستہ اس کے درمیان امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بسم اللہ پڑھ لینا بہتر ہے (شامی ج ۱ ص ۴۵۸ مطلب قرأة البسملة بين الفاتحة والسورة حسن)فقط واللہ اعلم بالصواب .

زبان سے غلط نیت نکل گئی تو کیا حکم ہے :

(سوال ۲۱)نماز شروع کرنے کے بعد یاد آیا کہ زبان سے بجائے عصر کے فرض کے ظہر کا فرض نکل گیا تھا تو اب نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب)دل میں عصر کی نیت تھی مگر زبان سے ظہر کا لفظ نکل گیا تو مضائقہ نہیں نماز ہو جائے گی۔درمختار میں ہے۔ والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للارادة فلا عبرة للذكر باللسان ان خالف القلب لانه كلام لانية(درمختار)قوله' ان خالف القلب) فلو قصد الظهر وتلفظ بالعصر سهواً اجزاه كما فى الزاهدى قهستانى (درمختار مع الشامى ج ا ص ۳۸۵، ۳۸۶ باب شروط الصلاة بحث النية)فقط واللہ اعلم بالصواب .

نماز شروع کرنے کے بعد یاد آیا کہ غلط نیت کی ہے تو کیا نماز میں نیت درست کر سکتا ہے؟:

(سوال ۲۲)نماز شروع کرنے کے بعد یاد آیا کہ بجائے عصر کے فرض کے ظہر کے فرض کی یا اسی طرح سنت کی نیت کی ہے تو اب نماز توڑ کر پھر تکبیر تحریمہ کہے یا نماز میں ہی نیت بدل دے۔اگر نماز میں ہی نیت بدل سکتا ہو تو کب تک بدلنے کا اختیار ہے رکوع کے بعد بھی بدل سکتا ہے؟ بینوا توجروا (حیدرآباد)

(الجواب)بلانیت ہی نماز شروع کردی پھر یاد آیا کہ نیت نہیں کی ہے یا غلط نیت کی مثلاً عصر کی جگہ ظہر کی نیت کر لی تو اب نیت کا وقت جاتا رہا۔نماز شروع کرنے کے بعد نیت کا اعتبار نہیں از سر نو نیت کرنے کے بعد تکبیر تحریمہ کہے،ولا عبرة بنية متاخرة عنها على المذهب(قوله ولا عبرة بنية متاخرة) لان الجزء الخالى عن النية لا يقع عبادة فلا يبنى الباقى عليه الخ(درمختار مع الشامى ج ا ص ۳۸۷ ايضاً)فقط واللہ اعلم بالصواب.

ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا:

(سوال ۲۳)ایک شخص بذریعہ ہوائی جہاز حج کے لئے گیا انہوں نے عصر کی اور مغرب کی نماز ہوائی جہاز میں پڑھی۔ کیا یہ بات صحیح ہے کہ جس چیز پر نماز پڑھتے ہوں اس کا زمین کی سطح سے لگا ہوا ہونا ضروری ہے؟ اس لئے عصر اور مغرب کی نماز قضا کرنا ہوگی جواب مرحمت فرمائیں۔بینوا توجروا۔

(الجواب)ہوائی جہاز میں نماز کا وقت آجائے تو نماز قضا نہ کرے پڑھ لیوے اور بعد میں اعادہ کر لیوے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سجدہ میں صرف پیر کا انگوٹھا زمین پر رکھا انگلیاں نہ رکھیں تو سجدہ معتبر ہوگا یا نہیں :

(سوال ۲۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص نماز میں سجدے کی حالت میں اپنے پیر کی انگلیاں زمین کو نہ لگاتا ہو۔ صرف انگوٹھا ہی رکھتا ہو تو اس شخص کا یہ فعل کیسا ہے۔ سجدہ ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سجدہ میں فقط پیر کا انگوٹھا زمین پر رکھا رہنے سے نماز ہو جائے گی مگر صرف انگوٹھا رکھنے پر اکتفار کرنا اور دوسری انگلیوں کو اٹھائے رکھنا خلاف سنت ہے اس لئے مکروہ ہے۔ سنت یہ ہے کہ دونوں قدموں کی انگلیاں زمین پر لگی رہیں اور انگلیوں کا رخ قبلہ کی جانب ہو۔ ووضع اصبع واحدۃ منهما شرط (درمختار) وافاد انه' لو لم يضع شيئاً من القدمين لم يصح السجود الخ (شامی ج ا ص ۴۱۶ بحث الركوع والسجود) والمراد بوضع القدمين علىٰ ما ذكر في الخلاصة وضع اصابعهما والمراد بوضع الاصابع توجيههما نحو القبلة ليكون الاعتماد عليها حتىٰ لو وضع ظهر القدمين ولم يوجهه اصابعهما او احدهما نحو القبلة لا يصح سجوده' وهذا مما يجب حفظه واكثر الناس عنه غافلون (مجالس الابرار ص ۳۱۵ مجلس نمبر ۵۳) فقط واللہ اعلم بالصواب ۳ ذیقعدہ ۱۴۰۱ھ۔

حالت قیام میں تکبیر تحریمہ کہی پھر بلاتوقف رکوع میں چلا گیا تو کیا حکم ہے :

(سوال ۲۵) مقتدی نے بحالت قیام تکبیر کہی اس کے بعد بلاتوقف رکوع میں چلا گیا اور امام کو رکوع میں پالیا تو اس قدر قیام سے (قیام کا) فرض متحقق ہو جائے گا؟ یا تکبیر کے بعد توقف کرنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بحالت قیام تکبیر کہنے کی مقدار قیام کافی ہے۔ مجالس ابرار میں ہے:۔

حتى لو كبر قائما ولم يقف يمير موديا فرضى التكبير والقيام جميعاً ولا يلزمه توقف بعده' قائما لان قدرما وجد من القيام يكفيه.

ترجمہ یہاں تک کہ اگر تکبیر کھڑے کھڑے کہی اور پھر توقف نہ کیا تو قیام اور تکبیر دونوں کا فرض (اتنی مقدار کھڑے رہنے سے) ادا کر چکا، بعد اس کے قیام میں توقف کرنا اس کو لازم نہیں اس لئے کہ جس قدر قیام پایا گیا وہی کافی ہے۔ (مجالس ابرار ص ۳۰۷، ص ۳۰۸ مجلس نمبر ۵۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ناقص العقل شخص کون سی صف میں کھڑا ہو :

(سوال ۲۶) ایک لڑکا ہے جو بالغ ہے لیکن وہ پاگل جیسا ہے اور نماز میں سکون کے ساتھ کھڑا نہیں رہتا۔ پاگلوں کی طرح ادھر ادھر دیکھتا رہتا ہے۔ اور پاکی ناپاکی کا بھی خیال نہیں رکھتا۔ لیکن اس کے باوجود وہ پہلی صف میں کھڑا ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے دوسرے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے تو اس لڑکے کو پہلی یا دوسری صف میں کھڑا رکھا جا سکتا ہے؟ اور اگر وہ کھڑا ہو جائے تو اس کو پیچھے کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جو بالغ لڑکا پاگل کی طرح ہو، نماز کی عظمت نہ سمجھتا ہو، پاکی ناپاکی کا خیال نہ کرتا ہو اور نماز میں بیجا حرکتیں [illegible] جس کی وجہ سے نمازیوں کو تشویش ہوتی ہو تو اس کو بالغوں کی صف میں کھڑا ہونے سے روکا جائے اگر کھڑا ہو گیا تو

اس کو پیچھے کیا جاسکتا ہے۔فقہاء نے ایسے شخص کو بچے کے حکم میں داخل کیا ہے۔(قولہ او معتوہ) هو الناقص العقل وقیل المدهوش من غیرجنون کذافی المغرب وقد جعلوه فی حکم الصبی.(شامی ج ۱ ص ۵۴۱ باب الامامة)فقط و اللہ اعلم بالصواب.

صف اول کس کو کہتے ہیں

(سوال ۲۷)صف اول کس کو کہتے ہیں اگر جگہ کی تنگی کی وجہ سے ایک صف آگے بڑھادی جائے اور وہ منبر کی وجہ سے منقطع ہوجائے۔اور مقتدی امام کے قریب اغل بغل کھڑے ہوں تو یہ صف۔صف اول ہوگی یا اس کے پیچھے والی صف،صف اول ہوگی۔اور پہلی صف باطل ہوگی۔اور جگہ کی تنگی کے وقت اس طرح صف بنانا درست ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

(الجواب)صف اول وہ ہے جو امام کے قریب ہو۔مؤذن اقامت کے لئے امام کے پیچھے کھڑا ہوتا ہے۔اس کے ساتھ مصلیوں کی جو صف ہے وہ صف اول ہے اگر یہ صف آگے بڑھ کر امام کے قریب ہوجائے اس وقت بھی وہ صف اول شمار ہوگی۔پیچھے جماعت خانہ اور صحن میں اور اوپر بھی جگہ نہ ہو تو نمازیوں کو امام کے قریب ہوجانا بلا کراہت درست ہے۔جگہ ہوتے ہوئے امام کے ساتھ صف بنالینا مکروہ تحریمی ہے۔الزائد یقف خلفه فلو توسط اثنتین کره تنزیها وتحریماً لو اکثرالخ (درمختار)قوله وتحریماً لو اکثر)فاذا تقدم الامام امام الصف واجب کما افاده فی الهدایة والفتح. یعنی ایک سے زائد مقتدی ہوں تو وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔لہذا اگر دو مقتدی ہوں اور امام ان کے درمیان کھڑا رہا تو مکروہ تنزیہی ہے اور اگر دو سے زائد ہوں تو مکروہ تحریمی ہے۔(درمختار والشامی ج ۱ ص ۵۳۱ هل الاساءة دون الکراهة أو افحش منها) نیز مقتدیوں کے امام کے ساتھ کھڑے ہونے میں جماعت نساء کے ساتھ بھی مشابہت لازم آتی ہے یہ بھی ایک وجہ کراہت ہے۔

صف اول کے سلسلہ میں جو لکھا گیا ہے شامی کی عبارت سے اس کی تائید ہوتی ہے ملاحظہ ہو۔ویعلم منه بالاولیٰ ان مثل مقصورةدمشق التی هی فی وسط المسجد خارج الحائط القبلی یکون الصف الاول فیها ما یلی الامام فی داخلها وما اتصل به من طرفیها خارجاً من اول الجدار الی أخره فلا ینقطع الصف ببناء ها کما لا ینقطع بالمنبر الذی هو داخلها فیما یظهر الخ (شامی ج ۱ ص ۵۳۲ مطلب فی الکلام علی الصف الاول تحت مطلب فی الکلام علی الصف الاول، باب الامامة) فقط و اللہ اعلم بالصواب .

ایک یا ایک سے زائد مقتدی ہوں اور ان میں عورت بھی ہو تو ان کی صف بنانے کی کیا صورت ہوگی؟:

(سوال ۲۸)کبھی صرف ایک مقتدی ہو یا صرف نابالغ بچہ ہو۔یا صرف ایک عورت ہو۔یا ایک سے زیادہ مقتدی ہوں جن میں کچھ بچے کچھ عورتیں بھی ہوں تو صف کس طرح بنائی جائے؟مفصل و مدلل تحریر فرمائیں۔

(الجواب) ایک مقتدی ہو تو اسے امام کی داہنی طرف محاذ میں قدرے پیچھے کھڑا رہنا چاہئے۔ ویقف الواحد محاذ یا لیمین امامه (درمختار ج ۱ ص ۵۲۹، ص ۵۳۰) اگر بائیں طرف کھڑا رہا تو مکروہ تنزیہی ہے فلو وقف عن یساره کره اتفاقاً (درمختار ج ۱ ص ۵۳۰ ایضاً) الظاهر ان الکراهة تنزیهیة لتعلیلها فی الهدایة وغیرها بمخالفة السنة ولقوله فی الکافی جاز و اساء الخ (شامی ج ۱ ص ۵۳۰ ایضاً) اسی طرح اگر ایک مقتدی ہو اور پیچھے کھڑا رہا تو مکروہ تنزیہی ہے بوجہ خلاف سنت ہونے کے (وکذا) یکره (خلفه علی الا صح) لمخالفة السنة (درمختار ج ۱ ص ۵۳۰) اور اگر صرف ایک نابالغ لڑکا ہو تو امام کی سیدھی طرف محاذ میں یعنی امام کے برابر قدرے پیچھے کھڑا ہو جائے۔ ویقف الواحد ولو صبیاً.....محاذیاً (لیمین) امامه علی المذهب (درمختار ج ۱ ص ۵۳۰ ایضاً) اور اگر مقتدی صرف ایک عورت ہو تو وہ امام کے پیچھے کھڑی ہو۔ اماالو حدة فتتأ خر (درمختار ج ۱ ص ۵۳۰ ایضاً) اور اگر ایک عورت اور ایک مرد ہو تو مرد کو امام اپنے برابر کھڑا کرے اور عورت کو پیچھے کھڑا رکھے (قوله اماالواحدة فتتأخر) فلو کان معه رجل ایضاً یقیمه عن یمینه و المرأة خلفهما (شامی ج ۱ ص ۵۳ ایضاً) حتیٰ لو کان خلفه رجل واحد وامرأة یقوم الرجل بحذائه کما لو لم یکن معه امرأة (عینی شرح کنز الاقائق باب الا مامۃ ج ۱ ص ۳۹) اور اگر امام کے ساتھ دو مرد اور ایک عورت ہو تو دونوں مرد پیچھے کھڑے رہیں اور عورت ان دونوں کے پیچھے۔ ولو رجلان یقیمهما خلفه والمرأة خلفهما (شامی ج ۱ ص ۵۳۰ ایضاً) اگر ایک سے زائد دو مقتدی بجائے پیچھے کھڑے رہنے کے امام کی دونوں طرف محاذ میں کھڑے ہو گئے تو مکروہ تنزیہی ہے اور اگر دو مقتدیوں سے زائد ہوں تو مکروہ تحریمی ہے والزائد یقف خلفه فلو توسط اثنین کره تنزیها وتحریما لو اکثر (در مختار، ج ۱ ص ۵۳۹ ایضاً) اگر ایک مقتدی امام کے برابر کھڑا ہو اور امام کے پیچھے جماعت ہو تو مکروہ ہے بالاتفاق یہ کراہت مقتدی کے حق میں ہے نہ کہ امام کے حق میں۔ ولو قام واحد بجنب الامام وخلفه صف کره اجماعاً الخ (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۵۳۱) فقط واللہ اعلم۔

قنوت نازلہ میں ہاتھ باندھے جائیں یا نہ باندھے جائیں

(سوال ۲۹) قنوت نازلہ میں ہاتھ باندھنا چاہئے یا چھوڑے رکھے، دونوں میں راجح کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ہاتھ باندھنا قوی اور راجح ہے اس لئے کہ ہر اس قیام میں جس میں ذکر مسنون ہے شیخین کے نزدیک ہاتھ باندھنا سنت ہے، اس لئے ثنا، پڑھتے وقت قنوت وتر میں، صلوٰۃ جنازہ میں اسی طرح قنوت نازلہ میں بھی ہاتھ باندھنا چاہئے، اگر کوئی چھوڑے رکھے تو اس سے جھگڑنا نہیں چاہئے، الجوہرۃ النیرہ میں ہے۔ قال فی الهدایة الاصل ان کل قیام فیه ذکر مسنون یعتمد فیه وما لا فلاهو المصحیح فیعتمد فی حالة القنوت وصلاة الجنازة ویرسل فی القومة من الرکوع وبین تکبیرات العید (الجوهرة النیرة ج ۱ ص ۵۰ صفة الصلاة)

مراقی الفلاح میں ہے:۔ وعندهما یعتمد فی کل قیام فیه ذکر مسنون کحالة الثناء

والقنوت وصلاۃ الجنازۃ ویرسل بین تکبیرات العیدین اذلیس فیه ذکر مسنون (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۱۵۳ فصل فی کیفیة ترکیب افعال الصلوۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب.

مرد اور عورت کے رکوع میں فرق:

(سوال ۳۰) بعد سلام مسنون! عرض ہے کہ مرد اور عورت کے رکوع میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ اگر فرق ہے تو بالتفصیل کتابوں کے حوالہ کے ساتھ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مرد اور عورت کے رکوع میں چند باتوں میں فرق ہے (۱) یہ کہ مرد رکوع میں اتنا جھکے کہ سر پیٹھ اور سرین برابر ہو جائیں، اور عورت تھوڑی مقدار جھکے یعنی صرف اس قدر کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں، پیٹھ سیدھی نہ کرے (۲) یہ کہ مرد گھٹنے پر انگلیاں کھلی رکھے اور ہاتھ پر زور دیتے ہوئے مضبوطی کے ساتھ گھٹنوں کو پکڑے اور عورت انگلیاں ملا کر ہاتھ گھٹنوں پر رکھ دے اور ہاتھ پر زور نہ دے اور پاؤں جھکے ہوئے رکھے، مردوں کی طرح خوب سیدھی نہ کرے (۳) یہ کہ مرد اپنے بازوؤں کو پہلو سے بالکل الگ رکھے اور کھل کر رکوع کرے اور عورت اپنے بازوؤں کو پہلو سے خوب ملائے اور جتنا ہو سکے سکڑ کر رکوع کرے شامی میں ہے قال فی المعراج وفی المجتبیٰ هذا کله فی حق الرجل اما المرأة فتنحنی فی الرکوع یسیراً ولا تفرج ولکن تضم وتضع یدیها علی رکبتیها وضعاً وتحنی رکبتیها ولا تجافی عضدیها لان ذلک استرلها (امی ج ۱ ص ۴۶۱ فصل فی تالیف الصلوٰۃ)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے ویعتمد بیدیه علی رکبتیه کذا فی الهدایة وهو الصحیح هکذا فی البدائع ویفرج بین اصابعه ولا یندب الی التفریج الا فی هذه الحالة ولا الی الضم الا فی حالة السجود وفیما وراء ذلک یترک علی العادة کذا فی الهدایة ویبسط ظهره حتی لو وضع علیٰ ظهره قدح من ماء لا ستقر ولا ینکس رأسه ولا یرفع یعنی یسوی رأسه بعجزه کذا فی الخلاصة ویکره ان یحنی رکبتیه شبه القوس والمراه تحنی فی الرکوع یسیراً ولا تعتمد ولاتفرج اصابعها ولکن تضم یدیها وتضع علی رکبتیها وضعاً وتحنی رکبتیها ولا تجافی عضدیها کذا فی الزاهدی (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۴۶ کتاب الصلوۃ. الفصل الثالث فی سنن الصلوۃو آدابها وکیفیتها) فقط واللہ اعلم بالصواب.

تشہد میں اشارہ کے بعد انگلی زانو پر رکھ دے یا کھڑی رکھے:

(سوال ۳۱) تشہد میں شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنے کے بعد شہادت کی انگلی زانو پر رکھ دینی چاہئے یا زانو سے کھڑی رکھنا چاہئے؟ یہاں اس بارے میں اختلاف ہو گیا ہے، لہذا حوالجات کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں تو عین کرم ہوگا، بینوا توجروا۔ (انگلینڈ)

(الجواب) قوی یہ ہے کہ تشہد میں کلمہ کے موقع پر داہنے ہاتھ کے اخیر کی دونوں چھوٹی انگلیوں کو بند کرے اور بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر لا الہ پر کلمہ کی انگلی اٹھائے اور الا اللہ پر رکھ دے یعنی چھوڑ دے اور یہ حالت (یعنی حلقہ) آخر

تک باقی رکھے، یہی صورت اولیٰ ہے۔ شامی کی عبارت ملاحظہ ہو وفی المحیط انها (ای الا شارة) سنة یرفعها عند النفی ویضعها عند الا ثبات وهو قول ابی حنیفة رحمه الله ومحمد رحمه الله وکثرت به الآثار والا خبار فالعمل به اولیٰ فهو وصریح فی ان المفتی به هو الا شارة بالمسبحة .ولذا قال فی منیة المصلی فان اشار یعقد الخنصر والبنصر و یحلق الوسطی بالا بهام ویقیم السبابة..... وصحح فی شرح الهدایة انه یشیر و کذا فی الملتقط وغیره وصفتها ان یحلق من یده الیمنی عند الشهادة الا بهام والوسطیٰ ویقبض الخنصر والبنصر ویشیر بالمسبحة..... الخ(شامی ج ۱ ص ۴۷۵ تحت مطلب مهم فی عقد الا صابع عند التشهد)

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعلیم الاسلام میں تحریر فرماتے ہیں۔

"جب اشہد ان لا الہ پر پہنچو تو سیدھے ہاتھ کی انگوٹھے اور بیچ کی انگلی سے حلقہ باندھ لو اور چھنگلیا اور اس کے پاس والی انگلی کو بند کر لو اور کلمہ کی انگلی اٹھا کر اشارہ کرو لا الہ پر اٹھاؤ اور الا اللہ پر جھکا دو اور اسی طرح اخیر تک حلقہ باندھے رکھو۔ (تعلیم الاسلام ص ۶۰ حصہ سوم، نماز پڑھنے کی پوری ترکیب)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں' اور جب کلمہ پر پہنچے تو بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر لا الہ کہنے کے وقت انگلی اٹھاوے اور الا اللہ کہنے کے وقت جھکا دے مگر عقد وحلقہ کی ہیئت کو آخر نماز تک باقی رکھے (بہشتی زیور ص ۱۹ حصہ دوم، فرض نماز پڑھنے کے طریقہ کا بیان)

عمدۃ الفقہ میں ہے:۔ اور جب اشهد ان لا اله الا الله پر پہنچے تو شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی سے حلقہ باندھ لے اور چھنگلیا اور اس کے آس پاس کی انگلی کو بند کرے اور کلمہ کی انگلی اٹھا کر اشارہ کرے لا الہ پر انگلی اٹھائے اور الا اللہ پر جھکا دے اور پھر اخیر قعدہ تک اس طرح حلقہ باندھے رکھے۔ (عمدۃ الفقہ ج ۲ ص ۱۱ نماز کی پوری ترکیب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تکبیر تحریمہ میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے کا حدیث سے ثبوت:

(سوال ۳۲) احناف نماز کی تکبیر تحریمہ میں کانوں تک ہاتھ اٹھاتے ہیں، اس کے لئے کون سی حدیث ہے؟ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ احناف کے پاس حدیث نہیں ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مشکوٰۃ شریف میں ہے عن مالک بن الحویرث رضی الله عنه قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا کبر رفع یدیه حتیٰ یحاذی بهما اذنیه الخ وفی روایة حتی یحاذی بهما فروع اذنیه متفق علیه (مشکوٰة شریف ص ۷۵ باب صفة الصلوٰة) حضرت مالک بن حویرثؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تو اٹھاتے اپنے دونوں ہاتھ یہاں تک کہ اپنے دونوں کانوں کے برابر کرتے (باب صفۃ الصلاۃ مشکوٰۃ شریف ص ۷۵)

نیز مشکوٰۃ شریف میں ہے عن وائل بن حجر انه ابصر النبی صلی الله علیه وسلم حین قام الی الصلوٰة رفع یدیه حتی کانتا بحیال منکبیه وحاذی ابهامیه اذنیه ثم کبر (رواه ابو داؤد) وفی روایة

لہ یرفع ابھا میہ الی شحمۃ اذنیہ) حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے نبی ﷺ کو نماز کے لئے کھڑا ہونے کے وقت دیکھا کہ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں کندھوں کے مقابل اٹھائے ، اور اپنے دونوں انگوٹھوں کو اپنے دونوں کانوں کے لو کے برابر فرمادیا (ابوداؤد) اور ایک روایت میں ہے کہ اپنے دونوں انگوٹھوں کو اپنے دونوں کانوں کے لو (نرمہ گوش) کے برابر کیا (مشکوٰۃ شریف ص ۷۶ باب صفۃ الصلوٰۃ)

زجاجۃ المصابیح میں ہے عن عبدالجبار بن وائل عن ابیہ انہ رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ حتی تکاد ابھا ماہ تحاذی شحمۃ اذنیہ ، رواہ النسائی ولا بی داؤد وروی الحاکم فی المستدرک والدار قطنی والبیھقی فی سننہ عن انس نحوہ وقال الحاکم اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین ولا اعلم لہ علۃ وفی روایۃ لا بی داؤد والنسائی والطبرانی والدار قطنی ومسلم عن وائل بن حجر قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ حیال اذنیہ (زجاجۃ المصابیح ،ص ۲۲۷ ج ۱ ، باب صفۃ الصلوٰۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب.

نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا ثبوت:

(سوال ۳۳) احناف ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے ہیں، اس کے لئے کون سی حدیث ہے؟ غیر مقلدین اعتراض کرتے ہیں کہ احناف حدیث کے خلاف کرتے ہیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) مولانا نواب قطب الدین محدث دہلوی رحمہ اللہ (مؤلف مظاہر حق شرح مشکوٰۃ شریف) نظام الاسلام میں تحریر فرماتے ہیں۔ تیسیر الوصول کے ۲۱۶ صفحہ میں حدیث ہے عن ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ ان علیاً قال السنۃ وضع الکف فی الصلوٰۃ وان یضعھا تحت السرۃ اخرجہ رزین حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ رکھنا سنت ہے، اور احمد اور ابوداؤد اور دارقطنی اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا السنۃ وضع الکف علی الکف تحت السرۃ یعنی ناف کے نیچے ہاتھ کو ہاتھ کے اوپر رکھنا سنت ہے، ہدایہ، بحر الرائق، کفایہ، عنایہ، نہایہ، اور کافی میں بھی اسی مضمون کی حدیث ہے، صرف لفظ میں اختلاف ہے اور معنی میں اتفاق، اور بحر الرائق میں ہے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ثلث من سنن المرسلین وذکر من جملتھا وضع الیمنیٰ علی الشمال تحت السرۃ یعنی نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا تین چیزیں پیغمبروں کی سنت ہے اور ان تینوں میں سے ایک یہ ہے کہ ناف کے نیچے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا (نظام الاسلام ص ۲۶) یہ رسالہ حضرتؒ کے رسالے توفیر الحق اور تنبیہ الضالین کے ساتھ چھپا ہوا ہے، حدیث کے ترجمہ میں معمولی تغیر کیا گیا ہے)

زجاجۃ المصابیح میں ہے:۔ عن علقمۃ بن وائل بن حجر عن ابیہ قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوٰۃ تحت السرۃ رواہ ابن ابی شیبۃ وفی عمدۃ الرعایۃ سندہ جید وروا تہ کلھم ثقات کذا قال الحافظ قاسم بن قطلوبغا والشیخ عابد السندی وقال العلامۃ ابو الطیب المدنی ھذا حدیث قوی من حیث السند.(زجاجۃ المصابیح ص ۲۳۲ باب صفۃ الصلاۃ جلد اول)

نورالمصابیح ترجمہ زجاجۃ المصابیح میں ہے۔ علقمۃ بن وائل بن حجرؒ اپنے والد وائلؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد وائلؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نماز میں سیدھے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے ہیں، اس کی روایت ابن ابی شیبہ نے کی ہے اور عمدۃ الرعایۃ میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند جید ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں حافظ قاسم ابن قطلو بغا اور شیخ عابد سندی نے بھی اسی طرح کہا ہے اور علامہ ابوالطیب المدنی نے کہا ہے کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے قوی ہے (نورالمصابیح ترجمہ زجاجۃ المصابیح ج ۲، ج ا ص ۲۲۲)

نیز زجاجۃ المصابیح میں ہے **عن علی قال من السنة وضع الكف على الكف فی الصلوٰة تحت السرة رواه ابو داؤد واحمد وابن ابی شيبة والدار قطنی والبيهقی (زجاة المصابيح ج ۱ ص ۲۳۳ ايضاً)**

یعنی حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: نماز میں ناف کے نیچے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھنا سنت ہے اس کی روایت ابوداؤد وامام احمد اور ابن ابی شیبہ دارقطنی اور بیہقی نے کی ہے۔ (نورالمصابیح ص ۲۲۲ ج ا، ج ۲)

نیز زجاجۃ المصابیح میں ہے **عن ابراهيم النخعی انه كان يضع يده اليمنى على يده اليسرىٰ تحت السرة رواه محمد فی الآثار (زجاجة المصابيح ص ۲۳۳ ج ۱ باب صفة الصلاة)**

یعنی: ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ نماز میں ناف کے نیچے اپنے سیدھے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا کرتے تھے، اس کی روایت امام محمدؒ نے لا ثار میں کی ہے۔ (نورالمصابیح ص ۲۲۲ حصہ دوم، جلد اول)) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غیر مقلدین کا دعویٰ کہ حنفیوں کی نماز نہیں ہوتی کیونکہ وہ سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے:

(سوال ۳۴) غیر مقلدین کا یہ دعویٰ ہے کہ مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا لازم اور ضروری ہے اس کے بغیر اس کی نماز صحیح نہیں ہوتی، کیا ان کا یہ دعویٰ صحیح ہے؟ وضاحت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) غیر مقلدین کا یہ دعویٰ کہ جہری نماز میں بلاقراءۃ فاتحہ مقتدی کی نماز نہیں ہوتی باطل اور اکارت ہے، یہ دعویٰ قطعاً غلط ہے، چنانچہ مشہور محدث اور فقیہ حضرت شیخ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی ۶۲۰ھ جو محبوب سبحانی حضرت شیخ سیدنا عبدالقادر جیلانی ۵۶۱ھ کے شاگرد رشید ہیں اپنی مشہور کتاب المغنی ص ۶۴ ج ۱ میں ارقام فرماتے ہیں۔

ماسمعنا احداً من اهل الا سلام يقول اذا جهر الا مام بالقراء ة فلا تجزیٔ صلوٰة من خلفه اذا لم يقرأ وقال هذا النبی صلى الله عليه وسلم واصحابه والتابعون، وهذا مالک فی اهل الحجاز، وهذا الثوری فی اهل العراق، وهذا الا وزاعی فی اهل الشام وهذا الليث فی اهل مصر ماقالوا لرجل صلى خلف الا مام ولم يقرأ صلا ته باطلة. (المغنی ص ۵۶۴ ج ۱ مكروهات الصلاة)

یعنی: امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ ہم نے اہل اسلام میں سے کسی سے یہ نہیں سنا جو یہ کہتا ہو کہ جب امام جہر سے پڑھتا ہو اور مقتدی نے اس کے پیچھے قراءت نہ کی ہو تو مقتدی کی نماز باطل ہوگی، چنانچہ رسول مقبول ﷺ اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم وتابعین رحمہم اللہ اور اہل حجاز میں امام ملکؒ اور اہل عراق میں سفیان ثوریؒ اہل شام

میں امام اوزاعیؒ اہل مصر میں امام لیث بن سعدؒ جیسے جلیل القدر محدثین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ جس نے امام کے پیچھے قراءت نہ کی اس کی نماز باطل ہوگی۔ (فقط واللہ اعلم بالصواب۔)

قراءت خلف الامام کے متعلق تشفی بخش جواب:

(سوال ۳۵) غیر مقلدین قرأت خلف الامام کو فرض قرار دیتے ہیں، اور بخاری و مسلم کی روایت **لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب** پیش کر کے عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ احناف حدیث کے سراسر خلاف کرتے ہیں. عوام میں کچھ لوگوں کو تذبذب ہوگیا ہے اور وہ بھی کہنے لگے ہیں کہ جب بخاری و مسلم کی یہ روایت ہے تو اس کے خلاف عمل نہ کرنا چاہئے، آپ سے درخواست ہے کہ احادیث کی روشنی میں تفصیلی جواب تحریر فرمائیں، خاص طور پر حنفیہ کے دلائل قلم بند فرمائیں اور احناف ان احادیث کے متعلق کیا کہتے ہیں تحریر فرمائیں، آپ کی بڑی عنایات ہوں گی، آپ کا جواب انشاء اللہ ہمارے لئے بڑی رہنمائی کا سبب ہوگا اور انشاء اللہ عوام کی غلط فہمی دور ہوگی، بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ مسئلہ اختلافی اور معرکۃ الآ راء ہے، صرف ایک حدیث کا ٹکڑا پیش کر دینے سے دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا. اس کے متعلق تمام روایات پر نظر کر کے فیصلہ کرنا ہوگا۔ مذکورہ حدیث میں لاصلوٰۃ سے مراد منفرد کی نماز ہے (جو امام پر بھی صادق آتا ہے) مقتدی اس میں شامل نہیں، اس دعویٰ پر کہ لاصلوٰۃ، صلوٰۃ مقتدی کو شامل نہیں مشہور محدث و مجتہد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بیان جو ترمذی شریف میں مذکور ہے روز روشن کی طرح واضح ثبوت ہے صحیح ترمذی شریف کی عبارت یہ ہے۔

واما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ' واحتج بحدیث جابر بن عبد اللہ حیث قال من صلی رکعۃ لم یقرا فیھا بام القران فلم یصل الا ان یکون وراء الا مام قال احمد فھذا رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم تاول قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ان ھذا اذا کان وحدہ' ...... حدثنا اسحق بن موسیٰ الا نصاری نامعن نا مالک عن ابی نعیم وھب بن کیسان انہ سمع جابر بن عبد اللہ یقول من صلی رکعۃ لم یرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام ھذا حدیث حسن صحیح(ترمذی شریف ج ۱ ص ۴۲ باب ماجاء فی ترک القراءۃ)

یعنی: امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ فرمان نبوی ﷺ **" لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحہ الکتاب "** سے مراد منفرد ہے (مقتدی اس میں شامل نہیں) اور امام احمدؒ نے اپنے اس قول پر حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث سے استدلال فرمایا ہے، حضرت جابرؓ نے فرمایا جس شخص نے ایک رکعت میں بھی سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اس نے نماز نہیں پڑھی مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو، امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ ایک صحابی رسول ہیں (ﷺ) جنہوں نے نبی ﷺ کے قول مبارک **"لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب"** کا مطلب بیان کیا ہے کہ مذکورہ حدیث اس شخص کے متعلق ہے جو اکیلا نماز پڑھ رہا ہو (ترمذی شریف ص ۴۲ ج ۱)

حضرت جابرؓ کی یہ روایت موقوف ہے، امام طحاویؒ نے یہ حدیث مرفوع بھی روایت کی ہے، طحاوی شریف

میں ہے۔ حدثنا بحر بن نصر قال حدثنا یحیی بن سلام قال ثنا مالک عن وھب بن کیسان عن جابر بن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من صلی رکعۃ فلم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الا وراء الامام (طحاوی شریف ص ۱۰۷ ج ۱، باب القراءۃ خلف الامام)

امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں سفیان بن عیینہ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں" لمن یصلی وحدہ" یعنی یہ حدیث اس شخص کے حق میں ہے جو اکیلا نماز پڑھ رہا ہو (مقتدی کے حق میں نہیں ہے) ابوداؤد شریف میں ہے۔

حدثنا قتیبۃ بن سعید وابن السرح قال نا سفیان عن الزھری عن محمود بن الربیع عن عبادۃ بن الصامت یبلغ بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعداً قال سفیان لمن یصلی وحدہ (ابو داؤد شریف ص ۱۲۶ ج ۱، باب من ترک القراءۃ فی صلوتہ)

حنفیہ کا مذہب قرآن، احادیث اور آثار صحابہ وتابعین سے ثابت ہے، قرآن مجید میں ہے واذا قریٔ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون۔

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے (قرآن مجید پ ۹ سورۂ اعراف آیت نمبر ۲۰۴)

رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت فرض نماز کے بارے میں نازل ہوئی، تفسیر ابن کثیر میں ہے: وقال علی بن طلحۃ عن ابن عباس فی الایۃ قولہ (واذا قریٔ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا) یعنی فی الصلوٰۃ المفروضۃ وکذا روی عن عبد اللہ بن مغفل (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۲۳ سورہ اعراف)

نیز تفسیر ابن کثیر میں ہے:۔ وکذا قال سفیان الثوری عن ابی ھاشم اسمٰعیل بن کثیر عن مجاھد فی قولہ (واذا قریٔ القران فاستمعوا لہ وانصتوا) قال فی الصلوٰۃ وکذا رواہ غیر واحد عن مجاھد۔ الیٰ قولہ۔ وکذا قال سعید بن جبیر والضحاک وابراھیم النخعی وقتادۃ والشعبی والسدی وعبدالرحمان بن زید بن اسلم ان المراد بذلک فی الصلوٰۃ۔ یعنی اسی طرح سفیان ثوری نے اسمٰعیل بن کثیر سے اور انہوں نے مجاہد سے اللہ کے قول مبارک واذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کے متعلق روایت کیا ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے اور بہت سے حضرات نے مجاہد سے اسی طرح روایت کی ہے، الی قولہ۔ اور اسی طرح سعید بن جبیر، ضحاک، ابراہیم نخعی، قتادہ، شعبی، سدی، اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے فرمایا کہ اس سے مراد نماز ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۶۲۳ ج ۳)

معالم التنزیل (تفسیر امام بغوی) میں ہے روی زید بن اسلم عن ابیہ عن ابی ھریرۃ قال نزلت ھذہ الایۃ فی رفع الاصوات وھم خلف رسول اللہ ﷺ فی الصلوٰۃ۔ الی قولہ۔ وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ انہ سمع ناسا یقرؤن مع الامام فلما انصرف قال اما ان لکم ان تفقھوا (واذا قریٔ

القرآن فاستمعوا له وانصتوا) كما امركم الله، وهذا قول الحسن والزهري والنخعي ان الاٰية في القراءة في الصلوٰة. حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز میں (قراءت کرنے کی وجہ سے) لوگوں کی آواز بلند ہوتی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ الیٰ قولہ۔ ابن مسعودؓ نے لوگوں کو امام کے ساتھ قرأت کرتے ہوئے سنا جب نماز سے فارغ ہوگئے تو آپ نے فرمایا، کیا ابھی یہ وقت نہیں آیا کہ تم واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کو سمجھو۔ حسن، زہری، اور نخعی فرماتے ہیں کہ یہ آیت نماز میں قرأت کے متعلق ہے۔ (تفسیر معالم التنزیل مع ابن کثیر ص ۶۲۳ ج ۳)

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں **اجمع الناس على ان هذه الاية في الصلوٰة** سب لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے (المغنی ص ۶۰۱ ج ۱ اقراءۃ الماموم خلف الامام، مکروہات الصلوٰۃ)

امام زید بن اسلم اور ابوالعالیہ فرماتے ہیں **كانوا يقرؤن خلف الامام فنزلت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون.** یعنی بعض لوگ امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی، واذا قرئ القرآن الخ (المغنی والشرح الکبیر ص ۶۰۱ مصری مکروہات الصلاۃ)

تفسیر ابن کثیر میں ایک اور روایت ہے۔ **عن بشير بن جابر رضي الله عنه قال صلى ابن مسعود رضي الله عنه فسمع ناساً يقرؤن مع الامام فلما انصرف قال اما آن لكم ان تفقهوا ما آن لكم ان تعقلوا (واذا قرئ القران فاستمعوا له وانصتوا) كما امركم الله.** حضرت بشیر بن جابرؓ فرماتے ہیں کہ ابن مسعودؓ نے نماز پڑھائی تو انہوں نے محسوس کیا کہ بعض لوگ امام کے ساتھ قرائت کرتے ہیں، نماز کے بعد آپ نے ان لوگوں سے فرمایا اللہ کا حکم ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو، اس کے باوجود تم اس بات کو نہیں سمجھتے، کیا اب بھی تمہارے سمجھنے کا وقت نہیں آیا (تفسیر ابن کثیر ص ۶۲۳ ج ۳)

الاختیار لتعلیل المختار میں ہے **(وان كان ماموناً لا يقرأ) لقوله تعالىٰ واذا قرئ القران فاستمعوا له وانصتوا...... قال ابن عباس وابو هريرة رضي الله عنهما وجماعة من المفسرين : نزلت في الصلوٰة خاصة حين كانوا يقرؤن خلفه عليه الصلوة والسلام** یعنی: اگر مقتدی ہو تو قراءت نہ کرے اللہ کے فرمان **واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا** کی وجہ سے، حضرت ابن عباسؓ حضرت ابو ہریرہؓ اور مفسرین کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب کہ لوگ حضور اقدس ﷺ کے پیچھے قراءت کرتے تھے (الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص ۵۲)

زجاجۃ المصابیح ص ۲۴۱ ج ۱ پر بھی متعدد روایتیں اس مضمون کی نقل کی گئی ہیں اس تفصیل سے یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی کہ مذکورہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے لہذا جب امام قرأت کر رہا ہو (جہری نماز ہو یا سری) تو اس وقت مقتدیوں پر لازم ہے کہ خاموش رہیں اور غور سے سنیں کیونکہ قرآن میں دو حکم ہیں ایک استمعوا (امام کی قراءت سنو) یہ تو جہری نماز کے ساتھ خاص ہے، دوسرا حکم ہے انصتوا (امام کی قرأت کے وقت خاموش رہو) یہ جہری اور سری دونوں نمازوں کو شامل ہے۔

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: وحاصل الا ستدل بالاية ان المطلوب امران: الاستماع والسكوت فيعمل بكل منهما والاول يخص الجهرية ، والثاني لا فيجری علی اطلاقه فيجب السكوت عند القراءة مطلقاً ، وهذا بناء على ان ورود الاية فی القراءة فی الصلوٰة (فتح القدير مع عنايه ج ۱ ص ۳۴۲ فصل فی القراءة)

احادیث مبارکہ

(۱) عن ابی موسی الاشعری بروایة جریر عن سلیمان التیمی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبنا فبین لنا سنتنا وعلمنا صلوتنا فقال اذا صلیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیؤ مکم احدکم فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا واذا قال غیر المغضوب علیهم ولا الضآلین فقولوا آمین الخ .(مسلم شریف ص ۱۷۴ ج ۱ ، باب التشهد فی الصلوٰة)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا ہمیں سنت سکھائی اور نماز پڑھنے کا طریقہ بتاتے ہوئے فرمایا جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنی صفوں کو سیدھی کرلیا کرو پھر تم میں سے کوئی ایک امامت کرائے جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو خاموش رہو اور جب وہ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔

امام مسلم رحمہ اللہ کے ایک شاگرد نے سوال کیا کہ اس حدیث میں اذا قریٔ فانصتوا کا اضافہ صحیح ہے؟ یہ اضافہ سلیمان تیمی نے کیا ہے، دوسروں کی روایت میں یہ جملہ نہیں، تو امام مسلمؒ نے جواب دیا" تريد احفظ من سليمان ؟" کیا تم سلیمان سے بڑھ کر حدیث کا حافظ چاہتے ہو؟ یعنی وہ کامل الحفظ تام الضبط ہے، اس کا تفرد مضر نہیں (مسلم شریف ص ۱۷۴ ج ۱)

حقیقت یہ ہے کہ سلیمان تیمی کی متابعت وموافقت کرنے والے دوسرے حفاظ وثقات موجود ہیں، چنانچہ مولانا ظفر احمد تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "صحیح ابوعوانہ میں اس حدیث کو عبداللہ بن رشید سے ابوعبیدہ (مجاعہ بن زبیر عتکی) سے قتادہ سے یونس بن جبیر سے حطان بن عبداللہ رقاشی سے، ابوموسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو اور جب غیر المغضوب علیهم ولا الضالین کہے تو آمین کہو، اس میں سلیمان تیمی کی متابعت ابوعبیدہ نے کی ہے وہ بھی قتادہ سے سلیمان تیمی کی طرح اذا قرأ الا مام فانصتوا روایت کررہا ہے اور ابوعبیدہ ثقہ ہے انساب سمعانی میں عبداللہ بن رشید اور ابوعبیدہ دونوں کو مستقیم الحدیث کہا ہے، دارقطنی نے بھی اپنی سنن میں اس حدیث کو روایت کیا ہے، ان کی سند میں عمر بن عامر اور سعید بن ابی عروبہ نے قتادہ سے سلیمان تیمی کی طرح واذا قرأ فانصتوا روایت کیا ہے، عمر بن عامر امام مسلم کے راویوں میں سے ہے اسی طرح اس کا شاگرد وسالم بن نوح رجال مسلم میں سے ہے امام مسلم اور ابن خزیمہ اور ابن حبان اپنی صحیح میں اس سے روایت کرتے ہیں پس بعض محدثین کا یہ کہنا کہ قتادہ کے شاگردوں میں سے صرف سلیمان تیمی نے اس حدیث میں اذا قرأ الا مام فانصتوا زیادہ کیا ہے غلط ہے، قتادہ کے تین شاگردوں نے جو ثقہ ہیں سلیمان تیمی کی موافقت کی ہے۔ (فاتحہ

الکلام فی القراءۃ خلف الامام ص ۲۴، ص ۲۵)

(۲) نسائی شریف۔ میں ہے۔

تاویل قوله عزوجل واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون ، عن ابی صالح عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرأ فانصتوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لك الحمد (باب تاويل واذا قرئ القرآن نسائی شريف ص ۹۳ ج ۱ (باب القراءة فی الصلوٰة مشكوٰة شريف ص ۸۱).

یعنی: ارشادِ خداوندی واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون کی تاویل حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اتباع (اقتداء) کی جائے پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو خاموش رہو اور جب سمع الله لمن حمده کہے تو اللهم ربنا لك الحمد کہو۔

(۳) ابن ماجہ میں ہے۔

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرأ فانصتوا واذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين واذا ركع فاركعوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لك الحمد (ابن ماجه شريف ص ۶۱ باب اذا قرأ الامام فانصتوا)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ غیر المغضوب عليهم ولا الضالين کہے تو تم آمین کہو، اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سمع الله لمن حمده کہے تب تم اللهم ربنا لك الحمد کہو۔

نسائی اور ابن ماجہ کی مذکورہ حدیث ابو ہریرہ صحیح ہے، امام مسلم رحمہ اللہ کے ایک شاگرد ابو بکر نے امام مسلم سے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا یہ میرے نزدیک صحیح ہے، مسلم شریف میں ہے، فقال له ابو بكر فحديث ابی هريرة فقال هو صحيح يعنی واذا قرئ فانصتوا فقال هو عندی صحيح (مسلم شريف ج ۱ ص ۱۷۴ باب التشهد فی الصلوٰة)

اس حدیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے کچھ پڑھنا نہیں چاہئے اسے خاموش رہنا چاہئے، نیز مذکورہ حدیث سے قرآن مجید کی آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کی تشریح بھی ہو جاتی ہے کہ اس آیت کا تعلق نماز سے ہے۔

(۴) ترمذی شریف میں ہے۔

حدثنا اسحق بن موسى الانصاری نا معن نا مالک عن ابی نعيم وهب بن كيسان انه سمع جابر بن عبد الله يقول من صلى ركعة لم يقرأ فيها بام القرآن فلم يصل الا ان يكون وراء

الامام ھذاحدیث حسن صحیح .(ترمذی شریف ج ۱ ص ۴۲ باب ماجاء فی ترک القراءۃ خلف الا مام)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں جس نے کوئی رکعت بغیر سورۂ فاتحہ کے پڑھی اس نے نماز نہیں پڑھی الا یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو، امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۵) امام طحاوی رحمہ اللہ نے یہ حدیث معانی الآ ثار میں مرفوعاً روایت کی ہے۔

حدثنا بحر بن نصر قال حدثنا یحیی بن سلام قال ثنا مالک عن وھب بن کیسان عن جابر بن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من صلی رکعۃ فلم یقرأ فیھا بام القران فلم یصل الا وراء الامام.

حضرت جابرؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کوئی رکعت پڑھی اور اس میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو اس نے نماز نہیں پڑھی مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ (طحاوی شریف ص ۱۰۷ ج ا باب القرآۃ خلف الامام)

ان دونوں حدیثوں سے خاص طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا مقتدی کے ذمہ واجب نہیں ہے۔

(۶) مؤطا امام مالک میں ہے۔

مالک عن نافع عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کان اذا سئل ھل یقرء احد خلف الامام قال اذا صلی احد کم خلف الا مام فحسبہ' قراء ۃ الا مام واذا صلی وحدہ فلیقرأ قال وکان عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ لا یقرأ خلف الا مام (مؤطاامام مالک ص ۲۹)

نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب سوال کیا جاتا کیا کوئی امام کے پیچھے قراءت کرسکتا ہے؟ تو آپ فرماتے جب تم میں سے کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت اس کو کافی ہے (جس طرح امام کا سترہ تمام مقتدیوں کے لئے کافی ہوجاتا ہے اور جب تنہا پڑھے تو قرأت کرے، خود عبد اللہ ابن عمر بھی امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے،

زجاجۃ المصابیح میں ہے: **وقال العینی وکان ابن عمر رضی اللہ عنہ لا یقرأ خلف الا مام وکان اعظم الناس اقتداء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، انتھی** علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ ابن عمرؓ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے اور آپ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں سب سے بڑھ کر تھے (زجاجۃ المصابیح ص ۲۵۱ ج ا باب القراۃ فی الصلوٰۃ)

(۷) ابن ماجہ میں ہے۔ **حدثنا علی بن محمد ......عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان لہ امام فقراء ۃ الا مام لہ قرائۃ (ابن ماجہ ص ۶۱ باب اذا قرء الامام فانصتوا)**

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قرأت اس کی

قرأت ہے (یعنی امام کی قرأت اس کے لئے کافی ہے)

(۸) مسند امام اعظم میں ہے: **ابو حنیفة عن موسی عن عبد اللّٰہ بن شداد عن جابر بن عبد اللّٰہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال من کان له امام فقراءۃ الا مام له قرائة (مسند امام اعظم ص ۱۳۳ مترجم)**

جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کا کوئی امام ہو (یعنی نماز باجماعت پڑھ رہا ہو) تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔

(۹) مؤطا امام محمد میں ہے: ۔**قال محمد اخبرنا ابو حنیفة قال حدثنا ابو الحسن موسی بن ابی عائشة عن عبد اللّٰہ بن شداد بن الهاد عن جابر بن عبداللّٰہ عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم انه قال من صلی خلف الا مام فان قراءۃ الا مام له قراءۃ (موطا امام محمد ص ۷۷ باب القرأۃ فی الصلوٰۃ خلف الا مام)**

امام محمدؒ فرماتے ہیں امام ابوحنیفہؒ نے ابوالحسن موسیٰ بن ابی عائشہ سے انہوں نے عبداللہ بن شداد بن الہاد سے انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کے لئے قرأت ہے۔

(۱۰) زجاجۃ المصابیح میں ہے: **عن جابر بن عبد اللّٰہ عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم انه قال من صلی خلف الا مام فان قراءۃ الا مام له قرأۃ. رواہ محمد، والدار قطنی والبیهقی عن امامنا ابی حنیفة وهو احسن طرقه حکم علیه ابن الهما بانه صحیح علی شرط الشیخین وقال العینی هو حدیث صحیح اما ابو حنیفة فابو حنیفة وموسیٰ بن عائشة الکوفی من الثقات الا ثبات من رجال الصحیحین وعبد اللّٰہ بن شداد من کبار الشامین وثقا تهم وهو حدیث صحیح، انتهیٰ. (باب القرأۃ فی الصلوٰۃ زجاجة المصابیح ص ۲۴۸، ص ۲۴۹)**

حضرت جابرؓ نبی ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے امام محمدؒ، دار قطنی اور بیہقی نے ہمارے امام ابوحنیفہؒ سے اسے روایت کیا ہے اور اس حدیث کی سند سب سے احسن ہے اور اس کے متعلق علامہ امام ابن الہمام نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے موافق ہے اور علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے، ابوحنیفہ تو ابوحنیفہ ہی ہیں۔ ان کا کیا کہنا، اور موسیٰ بن عائشہ نہ صرف ثقہ اور معتبر ہیں بلکہ بخاری اور مسلم کے راویوں میں سے ہیں اور عبداللہ بن شداد شام کے بڑے محدث اور ثقہ ہیں اور اس سند کی مذکورہ تحقیق سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(۱۱) مؤطا امام محمد میں ایک اور روایت ہے۔

قال محمد اخبر نا اسرائیل حدثنی موسیٰ بن ابی عائشة عن عبد اللّٰہ بن شداد بن الهاد قال ام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی العصر قال فقرأ رجل خلفه فغمزہ الذی یلیه فلما ان صلی قال لم غمز تنی قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قد امک فکرهت ان تقرأ خلفه

فسمعہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان له امام فان قرأته له قرأة (مؤطا امام محمد ص ۸۷،ص ۹۷ باب القرأة فی الصلوۃ خلف الا مام)

یعنی: عبداللہ بن شداد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی ایک شخص نے آپ کے پیچھے قرأت کی ان کے پاس والے شخص نے انہیں ہاتھ لگا کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا نماز کے بعد اس شخص نے کہا تم نے مجھے خاموش رہنے کے لئے کیوں اشارہ کیا انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ تمہارے آگے ہیں اس لئے میں نے اس کو ناپسند سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تم قرأت کرو یہ گفتگو سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کا کوئی امام ہو تو بے شک اس (امام) کا قرأت کرنا اس (مقتدی) کا قرأت کرنا ہے۔

(۱۲) کتاب الآثار میں ہے۔ محمد قال اخبرنا ابو حنیفة قال حدثنا ابو الحسن موسی بن ابی عائشة عن عبد اللہ بن شداد بن الهاد عن جابر بن عبد اللہ الانصاری قال صلی رسول اللہ ﷺ ورجل یقرأ خلفه فجعل رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینهاه عن القرائة فی الصلوۃ فقال اتنهانی عن القراءة خلف نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتنازعا حتی ذکر ذلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صلی خلف الا مام فان قراءة الا مام له قراءة قال محمد وبه نأخذ وهو قول ابی حنیفة (کتاب الآثار ص ۲۳ باب القرأة خلف الامام)

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی اور ایک شخص آپ کے پیچھے قرأت کرتا تھا تو نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی اس کو نماز میں قرأت کرنے سے روکنے لگے اس نے کہا تم مجھ کو نبی ﷺ کی پیچھے قرأت کرنے سے روکتے ہو، دونوں کے درمیان اس سلسلہ میں نزاع ہونے لگا یہاں تک کہ اس بات کا تذکرہ نبی ﷺ سے کیا گیا تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت اس کے لئے قرأت ہے، امام محمدؒ فرماتے ہیں اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

(۱۳) زجاجۃ المصابیح میں ہے: عن علی رضی اللہ عنه قال سئل رجل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقرأ خلف الا مام او انصت قال لا بل انصت فانه یکفیک رواه البیهقی.(زجاجة المصابیح ص ۲۵۰ ج ۱ باب القرأة فی الصلوٰة)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا میں امام کے پیچھے قراءت کروں یا خاموش رہوں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا قراءت مت کرو بلکہ خاموش رہو کیونکہ وہ (امام کی قرائت) تمہارے لئے کافی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہارے لئے امام کی قراءت کافی ہے سری نماز ہو جہری۔

(۱۴) زجاجۃ المصابیح میں ہے۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتکفیک قرأة الا مام خافت او جهر رواه الدار قطنی (زجاجة المصابیح ج ۱ ص ۲۵۰ باب القرائة فی الصلاة)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہارے لئے امام کی

قرائت کافی ہے سری نماز ہو جہری۔

(۱۵) مسلم شریف میں ہے: حدثنا قتیبة بن سعید قال نا یعقوب یعنی ابن عبدالرحمن عن سهیل عن ابیه عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اذا قال القاری غیر المغضوب علیهم ولا الضآلین فقال من خلفه آمین فوافق قوله قول اهل السمآء غفرله ما تقدم من ذنبه (مسلم شریف ج ۱ ص ۱۷۶ باب التسمیع والتحمید والتامین)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب قرآن پڑھنے والا غیر المغضوب علیهم ولا الضالین کہے، پس جو لوگ اس کے پیچھے ہیں (یعنی مقتدی) وہ آمین کہیں، پس جس کی آمین آسمان والوں (یعنی فرشتوں) کی آمین کے موافق ہوگی اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

یہ حدیث نماز باجماعت سے متعلق ہے اور اس حدیث میں قرآن پڑھنے والے کا اطلاق صرف امام پر کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرأت کرنا صرف امام کی ذمہ داری ہے اگر مقتدی پر بھی قرأت لازم ہوتی تو امام کی تخصیص نہ کی جاتی، نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ صرف امام پڑھے گا، اسی لئے ارشاد فرمایا کہ جب قرآن پڑھنے والا یعنی امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو مقتدی آمین کہیں۔

(۱۶) بخاری شریف میں بھی یہ روایت ہے۔

حدثنا علی بن عبد اللہ قال حدثنا سفیان قال الزهری حدثناه عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا امن القاری فامنوا فان الملائکة تؤمن فمن وافق تامینه تامین الملئکة غفرله ما تقدم من ذنبه (بخاری شریف ج ۲ ص ۹۴۷ کتاب الدعوات، باب التامین)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب قاری (یعنی امام) آمین کہے، تو تم بھی آمین کہو، پس بے شک ملائکہ بھی آمین کہتے ہیں پس جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو جاتی ہے تو اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

اس حدیث میں بھی قاری سے مراد امام ہی ہے، معلوم ہوا کہ امام ہی قراءت کرے گا اور مقتدی خاموش رہیں گے، اگر مقتدی پر بھی قرأت ہوتی تو ارشاد یوں ہوتا جب تم ولا الضالین کہو تو اس کے بعد آمین کہو۔

اس کے علاوہ متعدد جلیل القدر صحابہ و تابعین کے اقوال حنفیہ کی تائید میں ہیں چند یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

آثار صحابہ و تابعین

مصنف عبدالرزاق میں ہے۔

عبدالرزاق عن معمر قال ..... واخبرنی موسیٰ بن عقبة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم وابو بکر و عمر و عثمان کانوا ینهون عن القراءة خلف الا مام (مصنف عبدالرزاق ص ۱۳۹ ج ۲)

(باب القراءة خلف الامام)

موسیٰ بن عقبہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ابوبکر، عمر، اور عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین امام کے پیچھے قرأت سے منع کرتے تھے۔ (زجاجۃ المصابیح ص ۲۵۰ ج ۱)

مصنف عبدالرزاق میں ہے۔

عبدالرزاق عن ابن عینیة عن ابی اسحاق الشیبانی عن رجل قال: عهد عمر بن الخطاب ان لا تقرأ وامع الامام (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۳۸ رجاجة المصابیح ص ۲۵۱ ج ۱ باب القراة فی الصلوٰة)

ایک شخص نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے ہم سے عہد لیا کہ ہم امام کے ساتھ قراءت نہ کریں۔

حضرت علیؓ کے آثار:

طحاوی شریف میں ہے حدثنا فهد ..... قال سمعت ابی لیلیٰ قال قال علی رضی اللہ عنه من قرأ خلف الامام فلیس علی الفطرة (طحاوی شریف ص ۱۰۷ ج ۱)

حضرت علیؓ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرتا ہے وہ فطرت پر نہیں ہے۔ (زجاجۃ المصابیح ص ۱۵۱ ج ۱)

مصنف عبدالرزاق میں ہے عبدالرزاق عن الحسن ..... عن عبد اللہ بن ابی لیلیٰ قال: سمعت علیاً یقول: من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرة.

حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے اس نے فطرت کے خلاف کیا۔ (باب القرأة خلف الامام مصنف عبدالرزاق ص ۱۳۷ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے آثار:

مصنف عبدالرزاق میں ہے: عبدالرزاق عن منصور عن ابی وائل قال: جاء رجل الیٰ عبداللہ فقال: یا ابا عبدالرحمن! اقرأ خلف الامام؟ قال انصت للقرآن فان فی الصلاة شغلاً وسیکفیک ذلک الامام (باب القرأة خلف الامام مصنف عبدالرزاق ص ۱۳۸ ج ۲)(موطا امام محمد ص ۷۸)

ابووائل سے روایت ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں امام کے پیچھے قرأت کرلیا کروں؟ فرمایا قرآن کے لئے خاموش رہو کیونکہ نماز میں دوسرا شغل ہے (یعنی قرآن کے اوامر ونواہی اور وعدہ وعید پر غور کرنا) اور تم کو قرأت کے بارے میں امام کافی ہے۔

مؤطا امام محمد میں ہے۔ قال محمد اخبرنا محمد بن ابان بن صالح القرشی عن حماد عن ابراهیم النخعی عن علقمة بن قیس ان عبد اللہ بن مسعود کان لا یقرأ خلف الامام فیما یجهر فیه وفیما یخافت فیه فی الاولیین ولا فی الاخریین واذا صلی وحده قرأ فی الاولیین بفاتحة الکتاب وسورة ولم یقرأ فی الاخریین شیئا (باب القرأة خلف الامام) مؤطا امام محمد ص ۷۸)

علقمہ بن قیس سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے تھے نہ جہری نماز میں نہ سری نماز میں نہ پہلی دو رکعتوں میں نہ آخری دو رکعتوں میں، اور جب تنہا نماز پڑھتے تو پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا اثر:

عن ابی حمزة قال قلت لابن عباس اقرأ والامام بین یدی فقال : لا .طحاوی شریف ص ۱۰۸ ج ۱ باب القرأة خلف الا مام)

ابوحمزہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے ابن عباسؓ سے عرض کیا امام میرے آگے (قرأت کرتا ہو اس وقت میں قراءت کروں؟ آپ نے فرمایا نہیں (قراءت مت کرو)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر:

عبدالرزاق عن هشام بن حسان عن انس بن سیرین قال سئالت ابن عمر اقرأ مع الا مام فقال انک لضخم البطن قراۃ الا مام (مصنف عبدالرزاق ص ۱۴۰ ج ۲)

ابن سیرین کہتے ہیں میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا، میں امام کے پیچھے قرأت کیا کروں؟ فرمایا تو تو بڑے پیٹ کا معلوم ہوتا ہے (تجھے) امام کی قرأت (کافی ہے)

(۲) عبد الرزاق قال اخبرنا داؤ د بن قیس عن زید بن اسلم عن ابن عمر کان ینهیٰ عن القرأة خلف الا مام (مصنف عبدالرزاق ص ۱۴۰ ج ۲ باب القرأة خلف الامام)

زید بن اسلم سے روایت ہے کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع فرماتے تھے۔

(۳) مؤطا امام محمد میں ہے. قال محمد اخبر نا عبید اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب عن نافع عن ابن عمر قال من صلی خلف الا مام کفته قرأ ته (مؤطا امام محمد ص ۷۶ ایضاً)

نافع، ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے اس کے لئے امام کی قرأت کافی ہے۔

(۴) قال محمد اخبرنا عبدالرحمن بن عبد اللہ المسعودی اخبرنی انس بن سیرین عن ابن عمر رضی اللہ عنه انه سائل عن القرأة خلف الا مام قال تکفیک قرأ ة الا مام (موطأ امام محمد ص ۷۷ ایضاً)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے قرأت خلف الامام کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا تمہارے لئے امام کی قرأت کافی ہے۔

حضرت زید بن ثابتؓ کا اثر:

عن عطاء بن یسار انه سأل زیداً عن القراء ة مع الامام فقال لا قراء ة مع الامام فی شئ رواه مسلم فی باب سجود التلاوة (زجاجة المصابیح ج۱ ص ۲۵۱ باب القرأة فی الصلوٰة)(مسلم شریف ص ۲۱۵ ج۱)

عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ انہوں نے زید بن ثابتؓ سے امام کے ساتھ قرأت کرنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا امام کے ساتھ کسی حالت میں بھی قرأت نہیں، یہ روایت امام مسلم نے اپنی صحیح میں باب سجود التلاوة میں نقل فرمائی ہے۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے:۔ اخبرنا عبدالرزاق قال عن الثوری عن ابن ذکوان عن زید بن ثابت وابن عمر کان لا یقرأن خلف الامام.(مصنف عبدالرزاق ص ۱۴۰ ج۱)

امام ثوری ابن ذکوان سے روایت کرتے ہیں کہ زید بن ثابتؓ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔

طحاوی شریف میں ہے:۔عن عطاء بن یسار عن زید بن ثابت سمعه یقول لا تقرأ خلف الا مام فی شئی من الصلوات (طحاوی شریف ص ۱۰۸ ج۱ باب القرأة خلف الامام)

عطاء بن یسار نے زید بن ثابتؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ امام کے پیچھے کسی بھی نماز میں قرأت مت کیا کرو۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کا اثر:

عن جابر قال لا یقرء خلف الا مام لاان جهر و لا ان خافت ، رواه ابن ابی شیبه فی مصنفه.(زجاجة المصا بیح باب القراة فی الصلوٰة ص ۲۵۱ ج۱)

حضرت جابرؓ نے فرمایا امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے نہ جہری نماز میں، نہ سری نماز میں۔

عن عبید اللّٰہبن مقسم انه سأل عبد اللّٰہبن عمرو زید بن ثابت وجابر بن عبداللہ فقالوا لا تقرؤا خلف الا مام فی شئی من الصلوات (طحاوی شریف ج ۱ ص ۱۰۷)

عبید اللہ بن مقسم نے عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے (قرأت خلف الامام کے متعلق دریافت کیا) ان تمام حضرات نے فرمایا تم امام کے پیچھے کسی بھی نماز میں قراءت مت کرو۔

عبدالرزاق عن داؤد بن قیس عن عبید اللّٰہبن مقسم قال : سئلت جابر بن عبد اللّٰہاتقرآء خلف الا مام فی الظهر والعصر شیئاً ؟فقال لا (باب القرأة خلف الا مام مصنف عبدالرزاق ص ۱۴۱ ج۲)

عبید اللہ بن مقسم فرماتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے دریافت کیا، آپ ظہر اور عصر میں امام کے پیچھے قراءت کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا نہیں۔

علقمہ بن قیس کا اثر:

قال محمد اخبرنا بکیر بن عامر حدثنا ابراھیم النخعی عن علقمة بن قیس قال لان اعض علی جمرة احب الی من ان اقرء خلف الا مام(مؤطا امام محمد ص ۷۸)(باب القراء ة فی الصلوة خلف الا مام)

ابراہیم نخعی علقمہ بن قیس سے روایت کرتے ہیں علقمہ نے فرمایا میں دانتوں سے مضبوطی کے ساتھ انگارے تھامے رہوں یہ مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں امام کے پیچھے قراءت کروں۔

کتاب الآثار میں ہے:۔ محمد قال اخبر نا ابو حنیفة قال حدثنا حماد عن ابراھیم قال ما قرء علقمة بن قیس قط فیما یجھرو لا فیما لا یجھر فیه و لا فی الرکعتین الا خریین ام القران و لا غیر ھا خلف الا مام(کتاب الآثار ص ۲۲ باب القراء ة خلف الا مام)

امام ابوحنیفہ نے حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ علقمہ بن قیس نے کبھی امام کے پیچھے قراءت نہیں کی نہ جہری نماز میں نہ سری نماز میں، نہ سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے نہ اور کوئی سورت۔

محمد بن سیرینؒ کا اثر:۔

حدثنا الثقفی عن محمد قال لا اعلم القراء ة خلف الا مام من السنة (مصنف ابن ابی شیبه ج ۱ ص ۳۷۷ من کره القرأ ة خلف الا مام)

محمد بن سیرین سے روایت ہے انہوں نے فرمایا میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کو مسنون نہیں سمجھتا۔

سوید بن غفلہ کا اثر:

حدثنا الفضل عن زھیر عن الولید بن قیس قال سألت سوید بن غفلة اقرأ خلف الا مام فی الظھر و العصر فقال لا (مصنف ابن ابی شیبه ص ۳۷۷ ج ۱ من کره القراء ة خلف الامام)

فضل زہیر سے وہ ولید بن قیس سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا میں نے سوید بن غفلہ سے (جو بڑے درجہ کے تابعی ہیں اور بعض نے ان کو صحابی بھی کہا ہے) دریافت کیا میں ظہر وعصر میں امام کے پیچھے قرأت کرلیا کروں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔

ابراہیم نخعی کا اثر:

قال محمد اخبر نا اسرائیل بن یونس حدثنا منصورعن ابراھیم قال ان اول من قرأ خلف الامام رجل اتھم (مؤطا امام محمدؒ ص ۷۸ باب القرأة خلف الا مام)

منصور ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے امام کے پیچھے سب سے پہلے قرأت کی وہ دین میں متہم تھا۔

مولانا ظفر احمد تھانوی تحریر فرماتے ہیں: ف۔ ابراہیم نخعی فقہاء کوفہ میں سے ہیں بظاہر مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ میں سب سے پہلے جس شخص نے قرأت خلف الامام شروع کی وہ متہم تھا ممکن ہے کوئی خارجی یا قدری ہو، اس سے پہلے اہل کوفہ کا عمل عبداللہ بن مسعود کے موافق تھا کہ وہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے تھے، ابراہیم نخعی کا یہ مطلب نہیں کہ مکہ اور حجاز میں بھی قرأت خلف الامام کرنے والمبتدع یا متہم تھا (فاتحۃ الکلام فی القراءۃ خلف الامام ص ۴۱ ص ۴۲)

ان کے علاوہ اور بھی روایات ہیں جن کو ہم نے مصلحتا چھوڑ دیا۔

زجاجۃ المصابیح میں ہے۔ قال الشیخ ابن الھمام وغیرہ ان المامور بہ اثنان الا ستماع و الانصات فالا ول فی الجھریۃ والثانی فی السریۃ فالمعنی اذ قرئ القرآن فاستمعوا لہ ان جھر بہ وانصتوا واسکتوا ان اسربہ انتھی وبہ اخذ اما منا ابو حنیفہ واصحابہ وقال بہ جابر بن عبد اللہ وزید بن ثابت وعلی بن ابی طالب ، وعمر بن الخطاب وعبد اللہ بن مسعود علی ما ھو الا رجح فی الروایۃ عنھما ،وسفیان الثوری وسفیان بن عیینۃ وابن ابی لیلیٰ والحسن بن صالح بن حیی وابراھیم النخعی واصحاب ابن مسعود وغیرھم من مشاھیر الصحابۃ والتابعین کذا ذکرہ ابن عبدالبر فی الا ستذکار والتمھید وقال العینی وقد روی منع القراۃ عن ثمانین نفرا من کبار الصحابۃ منھم المرتضی و العبادلۃ الثلاثۃ واسا میھم عند اھل الحدیث وقیل تجاوز عدد من افتی فی ذلک الزمان عن الثمانین فکان اتفاقھم بمنزلۃ الاجماع وذکر الشیخ الامام عبد اللہ بن یعقوب الحارثی السبذمونی فی کتاب کشف الا سرار عن عبد اللہ بن زید بن اسلم عن ابیہ قال عشرۃ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینھون عن القراءۃ خلف الا مام اشد النھی ابو بکر الصدیق وعمر بن الخطاب وعثمان بن عفان وعلی بن ابی طالب وعبدالرحمن بن عوف وسعد بن ابی وقاص وعبد اللہ بن مسعود و زید بن ثابت وعبد اللہ بن عمرو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنھم الخ(باب القراۃ فی الصلاۃ زجاجۃ المصابیح ص ۲۴۲ ج ۱).

ترجمہ: شیخ ابن ہمام اور دیگر فقہاء فرماتے ہیں کہ نماز میں مقتدی کو قرأت کے متعلق دو حکم ہیں ایک استماع یعنی کان لگا کر سننا اور دوسرا حکم انصات یعنی چپ رہنا پہلا حکم (یعنی استماع) جہری نمازوں سے متعلق ہے اور دوسرا حکم (یعنی انصات) سری نمازوں سے متعلق ہے، پس آیت کے معنی یہ ہیں، اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو خوب غور سے سنو، اگر جہر سے پڑھ رہا ہو، اور خاموش (چپ) رہو اگر آہستہ پڑھے۔ ہمارے امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے شاگردوں نے اسی کو اختیار فرمایا ہے (کہ مقتدی یا غور سے سنے یا خاموش رہے خود قرأت خلف الامام نہ کرے) اور حضرت جابر بن عبداللہ زید بن ثابت) اور حضرت علی بن ابو طالبؓ کا بھی یہی قول ہے اور حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جو راجح روایت آئی ہے وہ بھی یہی ہے نیز سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، ابن ابی لیلیٰ، حسن بن صالح بن حیی، ابراہیم نخعی اور عبداللہ بن مسعودؓ کے جملہ شاگرد اور ان سب کے سوا مشہور صحابہ و تابعین ہیں وہ سب قرأت خلف الامام کی ممانعت کے قائل ہیں ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے استذکار اور تمہید میں اسی طرح بیان فرمایا ہے، علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرأت خلف الامام کی ممانعت اسی ۸۰ جلیل القدر صحابہ سے مروی ہے جن میں حضرت علی مرتضیٰ.

عبادلۂ ثلاثہ یعنی عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم ہیں اور ان اسی ۸۰ صحابہ کے اسماء محدثین کے پاس محفوظ ہیں، اور منقول ہے کہ قراءت خلف الامام کی ممانعت کے متعلق ہی اس زمانہ میں فتویٰ دینے والوں کی تعداد اسی ۸۰ سے متجاوز تھی اور ان سب حضرات کا قراءت خلف الامام کی ممانعت پر اتفاق کر لینا اجماع کی طرح ہے اور شیخ امام عبداللہ بن یعقوب حارثی اسبذمونی نے کتاب کشف الاسرار میں عبداللہ بن زید اسلمؒ سے نقل کیا ہے وہ اپنے والد (زید بن اسلمؒ) سے روایت کرتے ہیں، آپ نے (یعنی زید بن اسلمؒ) فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں دس صحابہ قراءت خلف الامام سے بہت سختی کے ساتھ منع کرتے تھے وہ دس صحابہ یہ ہیں حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر بن الخطاب حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم۔

الاختیار لتعلیل المختار میں ہے: وان کان ماموما لا یقرأ لقوله تعالیٰ واذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا، قال ابن عباس وابو هريرة رضى الله عنهما وجماعة من المفسرين نزلت فى الصلوٰة خاصة حين كانوا يقرؤن خلفه عليه الصلوٰة والسلام وعن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما جعل الامام ليؤتم به فاذا قرء فانصتوا، وقال صلى الله عليه سلم من كان ماموما فقرأة الامام له قرأة، وروى الشعبى عن النبى صلى الله عليه وسلم لا قرأة خلف الامام (الاختيار لتعليل المختار ص ۵۰ ج ۱)

اور اگر مقتدی ہو تو قراءت نہ کرے، اللہ تعالیٰ کے فرمان واذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا کی وجہ سے، حضرت ابن عباسؓ حضرت ابوہریرہؓ اور مفسرین کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ لوگ حضور اقدس ﷺ کے پیچھے قراءت کرتے تھے، اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو، اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص مقتدی ہو تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے اور شعبی نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے کہ امام کے پیچھے قراءت نہیں ہے۔

رسائل الارکان میں ہے: وليس على المقتدى قراءة ويكفيه قرأة امامه عندنا وعند الامامين احمد رحمه الله ومالك رحمه الله الى قوله. وحجتنا ماروى جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كان له امام فقراءة الامام له قراءة هذا حديث صحيح رواه الامام ابو حنيفة وقد ذكر الامام محمد فى الموطا ان اخبره ذكر السند، وابن عدى بسنده عن ابى حنيفة وحكم بصحته ابن الجوزى وقد اطال الكلام ههنا فى فتح القدير وذكر اسانيد هذا الحديث وبين صحة سندين متصلين الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وسند ابى حنيفة اصح وقد ثبت عن اكابر الصحابة مثل مذهبنا..... الخ.

مقتدی پر قراءت نہیں ہے ہمارے نزدیک اور امام احمدؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک امام کی قراءت اس کے لئے

کافی ہے۔الی قولہ۔ ہماری دلیل حضرت جابرؓ کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس کا امام ہو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے، یہ حدیث صحیح ہے امام ابوحنیفہؒ نے اسے روایت کیا ہے اور امام محمدؒ نے مؤطا میں بیان کیا ہے۔ کہ امام ابوحنیفہؒ نے یہ روایت انہیں بیان کی اور ابن عدی نے اپنی سند سے امام ابوحنیفہؒ سے یہ روایت نقل کی ہے اور ابن جوزیؒ نے اس کی صحت کا حکم لگایا ہے فتح القدیر میں اس موقع پر بہت تفصیلی کلام کیا ہے اور اس حدیث کی سندیں بیان کیں اور اور رسول اللہ ﷺ تک دونوں متصل سند کی صحت بیان کی اور امام ابوحنیفہؒ کی سند اصح ہے اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہمارے مذہب کے مانند ثابت ہے۔.....الخ۔

حافظ ابن تیمیہ کو غیر مقلدین اپنا امام مانتے ہیں، ارقام فرماتے ہیں۔

فالنزاع من الطرفين لكن الذين ينهون عن القراء ة خلف الا مام جمهور السلف والخلف ومعهم الكتاب والسنة الصحيحة والذين او جبو ها على الما موم فحديثهم ضعفه ائمة.(تنوع العبادات ص ٨٦)

مسئلہ زیر بحث میں نزاع طرفین سے ہے لیکن جو لوگ امام کے پیچھے قرأت سے منع کرتے ہیں وہ جمہور السلف والخلف ہیں اور اور ان کے ساتھ کتاب اللہ وسنت صحیحہ ہے اور جو لوگ امام کے پیچھے مقتدیوں کیلئے قرأت کو واجب قرار دیتے ہیں ان کی حدیث کو ائمۂ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔

تفسیر حقانی میں ہے جب امام قرآن آواز سے پڑھے تو مقتدیوں کے لئے سکوت کر کے سننے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی، چنانچہ ترمذی نے ابو ہریرۃؓ سے روایت کی ہے کہ ایک بار آنحضرت ﷺ نماز جہری پڑھا رہے تھے، فارغ ہوکر پوچھا کہ کیا کسی نے میرے ساتھ پڑھا تھا کہا ہاں یا رسول اللہ، آپ ﷺ نے فرمایا میں بھی کہتا تھا کہ مجھ سے کوئی قرآن میں جھگڑ رہا ہے اس وقت سے لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ صلوٰۃ جہریہ میں پڑھنے سے رک گئے، اس حدیث کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے اور یہی مضمون ابن مسعودؓ و عمران بن حصینؓ و جابر بن عبداللہؓ سے منقول ہے، اور اسی طرح مسلم نے ایک حدیث روایت کی ہے **انما جعل الا مام الخ** جس کے اخیر میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ بھی منقول ہے **اذا قرء فانصتوا** کہ جب امام پڑھے تو مقتدیوں کو چپ چاپ رہنا چاہئے، اور اسی طرح ترمذی نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی کہ جو نماز میں الحمد نہ پڑھے گا اس کی نماز نہ ہوگی مگر جب کہ امام کے پیچھے ہو اس حدیث کو بھی ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے اور اسی حدیث کو امام طحاوی نے مرفوعاً روایت کیا ہے اور احمد اور مالک نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور دیگر محدثین نے بھی اور اسی مضمون کی اور بہت سی احادیث امام محمد وابوبکر بن شیبہ وغیرہ نے روایت کی ہیں۔لہٰذا اس آیت اور ان احادیث پر لحاظ کر کے امام ابوحنیفہؒ امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے بلکہ سننے اور سکوت کرنے کا حکم دیتے ہیں، اور صحابہ میں عبداللہ بن مسعودؓ و جابر بن عبداللہ اور ابن عمرؓ وغیرہم بھی امام کے پیچھے الحمد نہیں پڑھتے تھے، امام شافعی اور بعض محدثین آیت اور احادیث مذکورہ کو مخصوص کر کے امام کے پیچھے صرف الحمد پڑھنے کی تاکید کرتے ہیں نہ اس طرح سے کہ امام بھی پڑھے اور وہ بھی پڑھے بلکہ جب امام سکتہ کرے تو پڑھے، ترمذی کہتے ہیں کہ **اختار اصحاب الحديث ان لا يقرء الرجل اذا جهر الا مام بالقرأة وقالوا يتبع سكتات الا مام** اور دلیل ان کی حدیث ابو ہریرہ ہے کہ **من صلى صلوة لم يقر**

فیھا بام القرآن فھی خداج غیر تمام کہ جو نماز میں الحمد نہ پڑھے گا اس کی نماز ناقص ہوگی، مگر محدثین خصوصاً امام احمدؒ نے جو امام حدیث ہیں اس حدیث کو حالت انفراد پر محمول کیا ہے یعنی الحمد کا پڑھنا جو ضروری ہے تو اس حالت میں ہے کہ جب اکیلا ہو امام کے پیچھے نہیں چنانچہ ترمذی کہتے ہیں واما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ واحتج بحدیث جابر بن عبد اللہ حیث قال من صلی رکعۃ لم یقرء فیھا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام . بس جب امام المحدثین کے نزدیک اس حدیث کے کہ جس سے الحمد پڑھنا ضروری ثابت کیا جاتا ہے یہ معنی ہوئے تو پھر اس سے آیت کو خاص کرنا جو بقول بیہقی بالاجماع نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے محض تکلف ہے اور اس آیت مکیہ کو سکوت بوقت خطبہ پر محمول کرنا جو مدینہ میں آکر مشروع ہوا اور بھی تکلف ہے، نظر بریں آیت جماعت میں مقتدی کو سکوت کرنا اور دل سے قرآن سننا چاہئے (تفسیر حقانی ص۱۸۲ ص۱۸۳ ج۴ پارہ نمبر ۹ سورۂ اعراف، رکوع نمبر ۱۳)

شیخ الاسلام حضرت العلامہ مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ فرماتے ہیں، حنفیہ کی ایک دلیل یہ ہے کہ قیاس صحیح کئی وجوہ سے ان کی تائید کرتا ہے، اول تو یہ کو مقتدی پر قرأت خلف الامام کا وجوب صراحۃً کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا حالانکہ یہ معاملہ نہایت کثیر الوقوع اور اہم ہے ایسے معاملہ میں قرأت کے وجوب کا صریح حکم نہ ہونا خود اس بات کی دلیل ہے کہ مقتدی کے ذمہ قرأت واجب نہیں ہے، دوسرے یہ کہ مقتدی کے ذمہ قرأت ہوتی تو اس کا کوئی موقع ومحل متعین ہوتا مثلاً امام کو حکم ہوتا کہ وہ قرائت فاتحہ کے بعد یا اس کی آیتوں پر وقف کے بعد اتنا سکتہ کیا کرے کہ اس میں مقتدی قرأت کرلیا کریں لیکن ایسا حکم کہیں نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی کے ذمہ قرأت نہیں ہے، ورنہ جب مستحبات جیسے ربنا لک الحمد اور آمین کہنے کا موقع ومحل متعین کردیا گیا ہے تو الحمد پڑھنے کا کیوں نہ متعین کیا جاتا جو فرض ہے.....الخ (معارف مدینہ ص۱۰۶ حصہ پنجم)

(۱) حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ابتداء جواب میں امام سفیان بن عیینہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے حوالہ سے عرض کیا گیا ہے کہ یہ حدیث مقتدی کو شامل نہیں ہے، لہٰذا اس حدیث میں عمومیت نہیں ہے اور اگر اس روایت کو عموم پر رکھا جائے تو روایات میں تعارض ہوگا" الا ان یکون وراء الامام اور من کان لہ امام فقراء ۃ الامام لہ قراء ۃ " کا کیا محمل ہوگا؟ ان احادیث کا ترک لازم ہوگا، اس کے برعکس احناف کا جو مسلک ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو روایات میں تعارض نہ ہوگا اور ہر ایک کا محمل متعین ہوجائے گا کہ حدیث عبادہ منفرد اور امام کے حق میں ہے اور دیگر احادیث مقتدی کے حق میں۔

(۲) مدرک رکوع (یعنی وہ شخص جو امام کو رکوع میں پائے) کے متعلق جمہور صحابہ اور تمام ائمہ فرماتے ہیں کہ اس کو وہ رکعت مل گئی اور یہ بات حدیث سے بھی ثابت ہوتی ہے، چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث ہے عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جئتم الی الصلوٰۃ ونحن سجود فاسجدوا و لا تعدوہ شیئا ومن ادرک رکعۃ (ای رکوعا مع الامام) فقد ادرک الصلوٰۃ رواہ ابو داؤد، یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم نماز کے لئے آؤ اور ہم سجدہ میں ہوں تو تم سجدہ کرو اور اس سجدہ کو شمار مت کرو اور جو شخص (امام کے ساتھ) رکوع پالے تو اس نے وہ رکعت پالی، ابوداؤد (مشکوٰۃ

شریف ص ۱۰۲ ا باب ماعلی الماموم) حالانکہ مدرک رکوع سورۂ فاتحہ نہیں پڑھ سکا، جو لوگ قرأت فاتحہ کو فرض کہتے ہیں ان کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ اسے رکعت مل گئی اگر چہ سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی، نہ کہنا کہ رکوع ملنے سے رکعت کامل جانا صرف ان لوگوں کا قول ہے جو قرأت خلف الامام کی قائل نہیں ہیں مگر مذکورہ حدیث مرفوع کے پیش نظر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ بات حدیث مرفوع سے ثابت ہے اس لئے یہ قول قابل قبول نہیں ہوسکتا خواہ یہ کسی کا قول ہو۔

(۳) غیر مقلدین لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب سے استدلال کر کے مقتدی پر بھی سورۂ فاتحہ پڑھنے کو فرض قرار دیتے ہیں مگر اس حدیث میں فصاعداً کی زیادتی بھی مروی ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص سورۂ فاتحہ اور کچھ زیادہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں (مسلم شریف ص ۱۶۹ ج ا باب وجوب قراءۃ الفاتحہ) (مشکوٰۃ شریف ص ۷۸ باب القراءت فی الصلوٰۃ) بعض محدثین فرماتے ہیں کہ فصاعداً کی زیادتی میں معمر متفرد ہے، مگر یہ بات صحیح نہیں متابعت و موافقت کرنے والے دیگر ثقات موجود ہیں" حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں،، اس پر بعض محدثین کا یہ کہنا کہ لفظ فصاعداً کو صرف معمر نے تنہا زیادہ کیا ہے درست نہیں ہے کیونکہ ابوداؤد کی سند میں سفیان بن عینیہ نے بھی معمر کی موافقت کی ہے وہ بھی زہری سے معمر کی طرح روایت کرتے اور فصاعداً بڑھاتے ہیں پھر صالح (بن کیسان) اور امام اوزاعی اور عبدالرحمٰن بن اسحاق وغیرہ جیسے ثقات نے بھی زہری سے اسی طرح روایت کیا ہے جیسا عمر نے بیان کیا ہے۔ (فاتحۃ الکلام فی القراءۃ خلف الامام ص ۵۱) اور اس کی (لفظ فصاعدا کی) تائید دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ ابوداؤد شریف میں ہے **عن ابی سعید قال امرنا ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب وما تیسر** یعنی رسول اللہ ﷺ نے ہم کو سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ جو آسان ہو پڑھنے کا حکم دیا، اور ایک روایت میں اس طرح ہے **الا بقراءۃ فاتحۃ الکتاب فما زاد** نماز نہیں ہوتی ہے مگر سورۂ فاتحہ اور کچھ زیادہ پڑھنے کے ساتھ (ابوداؤد شریف ص ۱۲۵ ج ا) (**باب من ترک القراءۃ فی الصلوٰۃ**) اور اس کی تائید مندرجہ ذیل روایات سے بھی ہوتی ہے۔

ابوداؤد شریف میں ہے **عن ابی سعید قال امرنا ان نقرء بفاتحۃ الکتاب وما تیسر**، ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ہم کو سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ جو آسان ہو پڑھنے کا حکم دیا گیا دوسری روایت میں اس طرح ہے **عن ابی ھریرہ قال امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان انادی انہ لا صلوٰۃ الا بقراءۃ فاتحۃ الکتاب فما زاد**، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں اعلان کروں کہ نماز نہیں ہوتی ہے مگر سورۂ فاتحہ اور کچھ زیادہ پڑھنے کے ساتھ (ابوداؤد شریف ص ۱۲۵ ج ا، باب من ترک القرأۃ فی صلاتہ) ابن ماجہ شریف میں روایت ہے **عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ فی کل رکعۃ الحمد وسورۃ فی فریضۃ او غیرھا** ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس شخص کی نماز نہیں جو فرض یا غیر فرض میں الحمد اور سورت نہ پڑھے (ابن ماجہ شریف ص ۶۱، باب القراءۃ خلف الامام)

ان روایات کے پیش نظر مقتدی پر سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ سورت یا ایک دو آیتیں پڑھنا بھی فرض قرار دینا چاہئے، حالانکہ وہ اس کے قائل نہیں، کیا وجہ ہے کہ حدیث کے ایک جز کو لیا گیا اور دوسرے جزء کو بلا کسی دلیل کے ترک

کر دیا گیا؟ اس سے تو احناف کا مدعا ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث مقتدی کے بارے میں ہے ہی نہیں بلکہ امام اور منفرد کے حق میں ہے کہ ان پر سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ ایک سورت یا دو تین آیتیں پڑھنا واجب ہے۔

الحاصل: مقتدیوں کے ذمہ قراءت فاتحہ کے لزوم اور وجوب کا دعویٰ صحیح نہیں ہے امام کی قرأت، مقتدیوں کی قرأت ہے خواہ جہری نماز ہو یا سری، جیسا کہ امام کا سترہ مقتدیوں کا سترہ ہے حدیث الامام ضامن (ابن ماجہ ص ۷۰) بھی اس کی موید ہے کہ ضمانت وجوب حق پر دال ہے اور ظاہر ہے کہ ادائے حق ضمانت سے اصل مدیون بری ہو جاتا ہے، لہذا حنفیوں کی نماز نہ ہونے کا زعم قطعاً غلط ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ آپ مقتدی کے لئے ہر نماز میں چاہے وہ جہری ہو یا سری قرأت خلف الامام کو واجب اور ضروری قرار دیتے ہیں مگر آپ کی آخری تصنیفات میں کتاب الام جو بہت مشہور کتاب ہے اس میں آپ نے جو تحریر فرمایا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(قال الشافعی) فواجب علی من صلی منفرداً واماماً ان یقرء بام القرآن فی کل رکعة لا یجزیه غیرها واحب ان یقرء معها شیئاً آیة او اکثر وساذکر الماموم انشاء الله (کتاب الام ص ۹۳ ج ۱)

سو منفرد اور امام پر واجب ہے کہ وہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھیں اس کے سوا کوئی اور سورت کفایت نہیں کر سکتی اور میں اس کو بھی زیادہ پسند کرتا ہوں کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھیں ایک آیت ہو یا اس سے زیادہ اور میں مقتدی کا حکم آگے بیان کروں گا انشاء اللہ۔

اس عبارت میں امام شافعیؒ امام اور منفرد کی تشریح کرتے ہوئے ان کا فریضہ بتلاتے ہیں کہ ان کو نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے اور مقتدی کا وظیفہ کیا ہے اس کے متعلق فرمایا کہ میں خود انشاء اللہ العزیز اس کا حکم بیان کروں گا، چنانچہ جلد سابع میں تحریر فرمایا ہے۔

ونحن نقول کل صلوٰة صلیت خلف الامام والامام یقرء قراءةً لا یسمع فیها قرأ فیها...... (کتاب الام ص ۱۵۳ ج ۷)

اور ہم کہتے ہیں کہ ہر وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے اور امام ایسی قرأت کرتا ہو جو سنی نہ جاتی ہو (یعنی سری نماز ہو) تو مقتدی ایسی نماز میں قرأت کرے۔

امام شافعی ﷺ کی یہ عبارت اس بات کو واشگاف کرتی ہے کہ مقتدی کو جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا درست نہیں ہے اور نہ واجب ہے بلکہ مقتدی صرف ان نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھ سکتا ہے جس میں امام کی قراءت کی آواز نہ سنی جا سکتی ہو اور وہ سری نماز ہو، اسی لئے انہوں نے **قراءة لا یسمع** ارشاد فرما کر جہری اور سری نمازوں میں مقتدی کا وظیفہ متعین کر دیا ہے۔

مندرجۂ بالا جواب کی تکمیل کے بعد حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس سرہٗ کے مضمون پر نظر پڑی، حضرت مرحوم نے بہت عمدہ اور تشفی بخش مضمون تحریر فرمایا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ مضمون بھی قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا جائے، اس مضمون سے مذکورہ مسئلہ سمجھنے میں مزید مدد ملے گی، ابتداء میں ارادہ تو یہ تھا کہ مختصراً

کچھ لکھ دیا جائے مگر جواب کچھ طویل ہو گیا اور اس مضمون سے مزید طوالت کا اندیشہ ہے مگر مفید ہونے کے خیال سے نقل کیا جاتا ہے، اگر پہلے سے اس پر نظر پڑتی تو مختصر جواب کے بعد اسی مضمون پر اکتفا کیا جاتا۔ ملاحظہ ہو۔

امام ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ جہری اور سری دونوں قسم کی نمازوں کا حکم یکساں ہے مقتدی کے لئے کسی نماز میں بھی قرأت جائز نہیں، امام مالک اور امام احمد نے جو جہری اور سری نمازوں کے حکم میں تفریق کی وہ ان کا اجتہاد ہے باقی آیت قرآنیہ یعنی واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا جہریہ اور سریہ دونوں کو شامل ہے، جیسا کہ واضح ہو چکا ہے اور علی ہذا احادیث میں بھی قرآن کی طرح ہے سب جگہ استماع اور انصات کا عام حکم آیا ہے ارشاد نبوی میں کسی جگہ جہری اور سری کا فرق ظاہر نہیں ہوتا، فرق واقعہ کا ہے کسی جگہ مقتدی کے پڑھنے کا واقعہ فجر کی نماز میں پیش آیا اور کسی جگہ ظہر میں پیش آیا اور سب جگہ آپ نے مقتدی کی قرأت پر باز پرس کی اور ناگواری کا اظہار فرمایا، کسی جگہ ناگواری کا اظہار منازعت کے لفظ سے فرمایا اور کسی جگہ مخالجت کے لفظ سے فرمایا ہر جگہ مطلقاً مقتدی کا امام کے پیچھے پڑھنا ناگواری اور باز پرس کا سبب بنا جہر اور سر کا اس میں کوئی دخل نہیں، اور اسی طرح کا ایک واقعہ عصر کی نماز میں پیش آیا کہ آنحضرت ﷺ عصر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک شخص نے آپ کے پیچھے قراءت کی ایک شخص نے جو اس کے پاس تھا اس کو اشارہ کیا کہ خاموش ہو، پس جب وہ نماز پڑھ چکا تو اس نے کہا کہ تم نے مجھے کیوں ٹوکا تھا اور مجھ کو اشارہ سے کیوں منع کیا تھا، تو اس ٹوکنے والے نے پیچھے پڑھنے والے سے کہا کان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد امك فكرهت ان تقرأ خلفه فسمعه النبي صلى الله عليه وسلم قال من كان له امام فان قراء ته له قراء ة مؤطا امام محمد ص ۹۸، یعنی اس منع کرنے والے نے کہا جب کہ رسول خدا ﷺ تیرے سامنے اور آگے امامت فرما رہے تھے پس میں نے مکروہ جانا کہ تو آنحضرت کے پیچھے کچھ پڑھے، پس آنحضرت ﷺ نے ان کی یہ گفتگو سن لی، سن کر یہ فرمایا جس کے لئے امام ہو پس تحقیق امام کی قرأت اس کی قرأت ہے، دیکھو مؤطا امام محمدؒ ص ۹۸ و کتاب الآثار لامام محمدؒ۔

مطلب یہ ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے مقتدی کو علیحدہ قراءت کی ضرورت نہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے اولم يكفهم انا انزلنا عليك الكتب. یعنی قرآن کریم اللہ کی کتاب ہدایت کے لئے کافی ہے، اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسری کتاب کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں، پس اس حدیث میں امام کے پیچھے پڑھنے کی کراہت اور ناگواری اور ناپسندیدگی کو آپ نے بعنوان کفایت ذکر فرمایا اور جس شخص نے امام کے پیچھے پڑھنے والے کو منع کیا تھا آنحضرت ﷺ نے اس کی تصدیق اور تائید فرمائی اور یہ واقعہ عصر کا ہے یعنی سری نماز کا ہے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا مطلقاً مقتدی کا امام کے پیچھے پڑھنا ناگوار اور ناپسند تھا، الغرض یہ واقعہ کبھی فجر کی نماز میں پیش آیا اور کبھی ظہر میں اور عصر میں اور ہر جگہ اور ہر موقع پر آپ نے کراہیت اور ناگواری کا اظہار فرمایا اس لئے امام ابوحنیفہؒ نے یہ ارشاد فرمایا کہ نہ جہری نماز میں قرأت خلف الامام ہے اور نہ سری میں۔

یہ جابرؓ بن عبداللہ کی حدیث کا مضمون تھا جو بلاشبہ صحیح ہے اور اسی کے ہم معنی ابو الدرداءؓ کی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ما ارى الامام اذا قرأ الا كان كافياً ، رواه الطبراني واسناده حسن ، میں نہیں جانتا کہ جب امام قرأت کرے مگر یہ کہ وہ مقتدی کے لئے بھی کافی اور وافی ہے۔

خلفاء راشدین:

امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں امام المغازی موسیٰ بن عقبہ سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق، اور عمر فاروق اور عثمان غنی امام کے پیچھے قرائت کرنے سے منع کیا کرتے تھے (عمدۃ القاری) حافظ عینی فرماتے ہیں کہ یہ مرسل صحیح ہے اور عبدالرزاق کا سماع موسیٰ بن عقبہ سے ممکن ہے۔

فاروق اعظمؓ:

امام محمد بن حسن مؤطا ص ۹۸ میں فرماتے ہیں۔

ان عمر بن الخطاب قال لیت فی فم الذی یقرٔ خلف الا مام حجراً.

فاروق اعظمؓ کا یہ ارشاد ہے کہ کاش اس شخص کے منہ میں پتھر ہو جو امام کے پیچھے قرأت کرے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ:

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ **من قرأ خلف الامام فقد اخطاء الفطرۃ** جس نے امام کے پیچھے قرائت کی وہ فطرت سے چوک گیا یعنی قرأت خلف الامام خلاف فطرت فعل ہے۔

اب ہم اس بیان کو ختم کرتے ہیں، ہم نے صرف تحقیق پر اکتفاء کیا اور روایات کی جرح وتعدیل سے کنارہ کشی کی اس لئے کہ اس کا محل کتب حدیث وفقہ ہیں، امید ہے کہ تشفی قلب کے لئے یہ تحریر کافی ہوگی۔

لطائف ومعارف:

امام نسائی نے اپنی سنن میں اس عنوان سے ایک ترجمہ قائم کیا **تاویل قولہ عزوجل واذا قریٔ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون، اخبرنا الجارود عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما جعل الامام لیؤ تم بہ فاذا کبر فکبر واواذا قرء فانصتوا واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا لک الحمد** امام نسائی کا عنوان باب میں آیت قرآنی کو نقل کر کے اس کے تحت اس حدیث کو ذکر کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے اور ظاہر ہے کہ اس حدیث سے مقتدی ہی کا حکم بیان کرنا ہے اور حدیث کا آغاز ہی **انما جعل الامام لیوتم بہ** سے ہوا ہے معلوم ہوا کہ آیت قرآنی **اذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا** سے مقتدی کا حکم بیان کرنا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی پر مطلقاً استماع اور انصات واجب اور لازم ہے، مقتدی کو امام کے پیچھے اپنی قرأت جائز نہیں اور یہ حکم عام ہے سورت کے ساتھ مقید نہیں۔

نکتہ:

آیت اعراف (یعنی **واذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون**) اور حدیث انصات میں ایک لطیف فرق ہے، وہ یہ کہ حدیث انصات سے مقصود فقط امامت اور اقتداء کے احکام کو بتلانا ہے اور

آیت اعراف میں اصل مقصود قرأت قرآن کے حکم کو بتلانا ہے اس لئے آیت اعراف میں دو حکم ذکر فرمائے ایک استماع کا، اور ایک انصات کا اس لئے کہ قراءت قرآن کبھی جہراً ہوتی ہے اور کبھی سراً اس لئے جہری قرأت کے متعلق استماع کا حکم دیا گیا اور سری قرأت کے متعلق انصات کا حکم دیا گیا کہ اگر امام جہراً قرأت کر رہا ہو اور تم اس کی قراءت کو سن رہے ہو تو اس وقت تو تمہارے لئے حکم یہ ہے فاستمعوا لہ یعنی امام کی قرأت کو پوری توجہ اور التفات سے سنو، اور اگر امام سراً قرأت کر رہا ہو اور تمہیں اس کی قرأت سنائی نہ دے رہی ہو تو اس وقت تمہارے لئے انصتوا کا حکم ہے یعنی خاموش رہو۔ غرض یہ کہ آیت میں قرأت قرآن کا حکم بیان کرنا مقصود ہے اس لئے اس کے متعلق دو حکم بیان فرمائے، جہاں امام کی قراءت کا علم ہو وہاں حکم استماع کا ہے اور جہاں امام کی قرأت کا علم نہ ہو وہاں حکم انصات کا ہے، اور حدیث مذکور میں اصل مقصود امام اور مقتدی کا حکم بیان کرنا ہے اس لئے مقتدی کے متعلق صرف ایک حکم انصات یعنی سکوت کا ذکر فرمایا کہ مقتدی پر مقتدی ہونے کی حیثیت سے ہر حال میں انصات یعنی سکوت واجب ہے اور اس میں امام کے جہر یا عدم جہر کو اور مقتدی کے استماع یا عدم استماع کو کوئی دخل نہیں اس لئے حدیث میں صرف ایک حکم یعنی انصات وسکوت پر اکتفاء فرمایا استماع کا حکم ذکر نہیں فرمایا اس لئے کہ حدیث میں مقصود قرائت کا حکم بیان کرنا نہیں بلکہ فقط مقتدی کا فریضہ بتلانا مقصود ہے کہ مقتدی کا فرض یہ ہے کہ امام کے پیچھے بالکل خاموش کھڑا رہے اسی بناء پر جس قدر حدیثیں اقتداء کے احکام کے بارے میں آتی ہیں سب جگہ صرف فانصتوا ہی کا لفظ آیا ہے جو جہری اور سری دونوں نمازوں کو شامل ہے۔

اور ابتداء مشروعیت امامت سے لے کر وفات نبوی تک کسی وقت بھی مقتدی پر قرائت فرض نہیں ہوئی بلکہ سنت یہ رہی کہ امام قراءت کرتا اور مقتدی سنتے اور خاموش رہتے لیلۃ الاسراء میں نبی اکرم ﷺ جب مسجد اقصیٰ پہنچے تو حضرت انبیاء مرسلین اور ملائکہ مقربین آپ ﷺ کے انتظار میں مسجد اقصیٰ میں جمع تھے، جبرائیل کے حکم سے آپ ﷺ امامت کے لئے آگے بڑھے آپ ﷺ نے امامت فرمائی اور قرأت قرآن کی اور انبیاء کرام اور ملائکہ عظام نے آپ کی اقتداء کی، سب نے آپ کی قراءت کو سنا کسی ایک نبی یا فرشتہ نے آپ کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھی، شب معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں اس کے بعد سے امامت اور اقتداء کے سلسلہ کا آغاز ہوا، ہمیشہ طریقہ یہی رہا کہ امام پڑھتا اور مقتدی سنتے یہاں تک کہ جب بعض لوگوں نے اتفاقاً محض اپنی رائے سے آپ کے پیچھے قرأت کر ڈالی تو اس پر سورۂ اعراف کی یہ آیت واذا قری القران فاستمعوا لہ وانصتوا نازل ہوئی جس سے مقصود ہی قرأت خلف الامام کی ممانعت تھی کہ مقتدی پر استماع اور انصات واجب ہے مقتدی کے لئے امام کے پیچھے قرأت کرنا ہرگز جائز نہیں، اکابر صحابہ میں سے کسی نے بھی آپ کے پیچھے فاتحہ یا سورت کی قرأت کی تو آپ نے نماز سے فارغ ہو کر ان سے باز پرس کی اور یہ فرمایا لعلکم تقرؤن خلف امامکم معلوم ہوا کہ یہ قرأت نہ آپ کی اجازت اور حکم سے تھی اور نہ آپ کو اس کی خبر تھی اور قرأت خلف الامام پر تنبیہ کے لئے یہ آیت نازل ہوئی واذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا جس میں مطلقاً قرأت قرآن کے وقت استماع اور انصات کا حکم دیا گیا اور اس حکم کو مقید بسورت نہیں فرمایا۔

اور علی ہذا مرض الوفات میں اس طرح پیش آیا کہ آپ کے حکم سے ابوبکرؓ مسجد نبوی میں امامت کر رہے تھے اور صبح کی نماز پڑھا رہے تھے تو آنحضرت ﷺ نے اپنے مرض میں کچھ تخفیف محسوس کی تو مسجد میں تشریف لے آئے صدیق اکبرؓ پیچھے ہٹ گئے اور آنحضرت ﷺ امام ہو گئے مسند احمد ص ۲۳۲ ج ۱، اور سنن دارقطنی ص ۱۵۳ میں

ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسی جگہ سے قرأت شروع کی جہاں ابوبکر صدیق پہنچ چکے تھے اور ابو بکر صدیق اس وقت سورت پڑھ رہے تھے۔

پس آنحضرت ﷺ نے اپنی اس آخری نماز میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی، اور جتنی مقدار قراءت اور سوۂ فاتحہ آپ سے اس نماز میں رہ گئی تھی آپ نے اس کا اعادہ نہیں فرمایا جس کی وجہ سے سوائے اس کے کچھ نہیں ہوسکتی کہ ابوبکر صدیق اس نماز میں ابتداء سے امام تھے اور وہ سورۂ فاتحہ پڑھ چکے تھے ان کی قرأت سب کے لئے کافی ہوگئی۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے من کان له امام فقراء ة الا مام له قراء ة یعنی امام کی قرأت حکماً مقتدی کی قراءت ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت کی نظر میں قرأت کی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی اور ایک حکمی، نماز میں امام کی قرأت حقیقی ہے اور مقتدی کی قرأت حکمی ہے۔

اور آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد لا صلوٰة لمن لم یقرأ بفا تحة الکتاب بالفرض اگر عام ہے اور امام اور مقتدی دونوں کو شامل ہے تو اس حدیث میں قرأت فاتحہ بھی عام ہے خواہ حقیقۃً ہو یا حکماً پس جو مقتدی بحکم خداوندی امام کے پیچھے استماع اور انصات میں مشغول ہے وہی مقتدی حسب ارشاد نبوی حکماً قراءت بھی کررہا ہے من کان له امام فقراء ة الا مام له قراء ة ، اور یہ مقتدی بحالت استماع وانصات امام کے پیچھے فاتحۃ الکتاب کی بھی قرأت کر رہا ہے اور اس کی یہ حکمی قرأت زیر پردۂ استماع وانصات مستور ہے اور اس طرح مقتدی بیک وقت حکم خداوندی استماع و انصات، اور لا صلوٰة لمن لم یقرٔ بفاتحة الکتاب پر عمل کررہا ہے، اور جو شخص امام کے پیچھے قرائت کررہا ہے وہ حکم خداوندی استماع وانصات کے بھی خلاف کررہا ہے اور جس منازعت اور مخالجت سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے اس کا مرتکب ہورہا ہے، قرأت خلف الامام کرنے والا بیک وقت حکم خدا اور رسول کے حکم کے خلاف کررہا ہے، خوب سمجھ لو کہ وہ بجائے استماع و انصات کے امام کی منازعت و مخالجت میں مشغول ہے جس سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے اگر آپ نے کسی وقت مقتدی کو قراءت کا حکم دیا ہوتا تو آپ کبھی بھی باز پرس نہ فرماتے۔

نکتہ دیگر:

نماز میں قرأت قرآن سے مقصود یا تو احکام خداوندی کا سننا ہے یا مناجات خداوندی مقصود ہے اگر اول مقصود ہے تو امام حق تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ ہے کہ وہ احکام خداوندی کو پہنچادے۔ اور اگر مقصود مناجات اور استدعاء نیاز ہے تو امام قوم کی طرف سے وکیل ہے کہ سب مقتدیوں کی طرف سے بارگاہ خداوندی میں استدعاء نیاز پیش کررہا ہے، اور ظاہر ہے کہ خلافت اور وکالت کا فریضہ ایک ہی شخص ادا کرسکتا ہے اس لئے قرأت کا فریضہ ایک امام ہی ادا کرے گا اور مقتدی اس کی قرأت پر آمین کہیں گے، باقی رہے آداب عبودیت سو وہ سب پر لازم ہوں گے، مثلاً رکوع اور سجود اور تسبیح وتحمید یہ سب بارگاہ خداوندی اور عبادت کے آداب ہیں یہ سب کو بجالانے ہوں گے اس میں وکالت اور نیابت جاری نہیں ہوسکتی اس لئے کہ ان آداب سے مقصود تعظیم خداوندی ہے اور تعظیم خداوندی سب پر لازم ہے، سورۂ فاتحہ جو کہ ایک عریضۂ نیاز ہے جو صراط مستقیم کی ہدایت کے استدعا پر مشتمل ہے، اور عرض مطلب میں توکیل جاری

ہوسکتی ہے، کیونکہ عریضہ کیاز سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ مقصود اور مراد مخاطب کے سامنے پیش کردیا جائے اور ایک جماعت کی طرف سے عرض مدعا کے لئے ایک شخص کافی ہے اور وہ امام ہے۔

۴:۔ نصوص میں غور وفکر سے یہ نظر آتا ہے کہ نماز جماعت درحقیقت ایک ہی نماز ہے جس کے ساتھ امام موصوف بالذات ہے اور مقتدی موصوف بالعرض ہیں جیسا کہ حدیث **الامام ضامن** اس پر شاہد ہے کہ امام کی نماز مقتدیوں کی نمازوں کو متضمن اور شامل ہے اسی وجہ سے اگر امام کی نماز فاسد ہوجائے تو مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہوجاتی ہے اور مقتدی کی نماز کے فاسد ہوجانے سے امام کی نماز فاسد نہیں ہوتی، امام کا سترہ مقتدیوں کے لئے کافی ہے، رکوع وسجود میں مقتدیوں کے لئے امام سے تقدیم وتاخیر ممنوع ہے، یہ تمام احکام اس امر کے شاہد ہیں کہ اصل مصلی امام ہے، اور مقتدی امام سے مستفیض اور مستفید ہیں اصل عبادت یعنی نماز ایک ہے جس کے ساتھ امام موصوف بالذات ہے اور مقتدی موصوف بالعرض ہیں۔

اور قرآن اور احادیث میں جماعت کی نماز کو ایک ہی نماز قرار دیا گیا ہے **کما قال تعالیٰ اذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ** اور حدیث میں ہے **اذا اتیتم الصلوٰۃ فلا تأتوھا وانتم تسعون** سب جگہ لفظ صلوٰۃ مفرد لایا گیا ہے، معلوم ہوا کہ صلاۃ جماعت واحد ہے اور مقتدی اس شئی واحد پر حاضر ہونے والے ہیں۔

پس اگر ہر مقتدی نماز میں اپنی اپنی قرأت کرے تو صلوٰۃ جماعت، صلوٰۃ واحدہ نہ رہے گی بلکہ **صلوات متعددہ فی مکان واحد** کا مجموعہ ہوئی، یعنی چند آدمیوں نے ایک جگہ جمع ہوکر اپنی اپنی علیحدہ علیحدہ نماز ادا کی ہے، نماز جماعت اور تنہا نماز میں درحقیقت کوئی فرق نہ رہا، نماز جماعت کا حاصل ومحصول صرف اتنا رہا کہ چند لوگوں نے ایک جگہ جمع ہوکر اپنی اپنی نماز ادا کرلی جس کو ذوق سلیم قبول نہیں کرتا۔

صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباس سے **ولا تجھر بصلوتک ولا تخافت بھا وابتغ بین ذلک سبیلاً** کی تفسیر اور شان نزول میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ مکہ مکرمہ میں چھپے ہوئے تھے یعنی پوشیدہ طور پر تبلیغ کرتے تھے، جب آپ اپنے اصحاب کو نماز پڑھاتے تو بلند آواز سے قرأت قرآن کرتے تو مشرکین قرآن کو سن کر، قرآن کو اور قرآن کے نازل کرنے والے سب کو برا کہتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی کو یہ حکم دیا کہ آپ اپنی قراءت میں اتنا جہر نہ کیجئے کہ مشرکین سن کر اس کو برا کہیں اور نہ اتنا آہستہ پڑھئے کہ اپنے ساتھیوں کو بھی نہ سنا سکیں، اس کے درمیان کا راستہ اختیار کیجئے یعنی اتنی آواز سے قرأت کریں کہ مقتدی سن سکیں، معلوم ہوا کہ امام کا کام مقتدیوں کو سنانے کا ہے اور مقتدیوں کا کام امام کی قرأت سننے کا ہے نہ کہ خود پڑھنے کا۔

حدیث عبادہؓ کا جواب:

امام شافعی کی سب سے قوی اور صحیح دلیل حدیث عبادہ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں **لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب** ، رواہ البخاری ومسلم جو شخص نماز میں فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔

(**الجواب**) امام شافعی کے اس استدلال کا امام ابوحنیفہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں صراحۃ مقتدی کا کوئی ذکر نہیں، محض کلمہ من کے عموم سے استدلال ہے اور سورۂ اعراف کی یہ آیت **واذا قرئ القران فاستمعوا لہ**

وانصتوا خاص مقتدی کے حق میں نازل ہوئی جن مقتدیوں نے آپ کے پیچھے لاعلمی اور غلط فہمی سے فاتحہ یا سورت پڑھ لی تھی انہیں کی زجر اور تنبیہ کے لئے یہ آیت نازل ہوئی، اور امام شافعیؒ کے نزدیک کتاب اللہ کے عموم کی تخصیص خبر واحد سے جائز ہے تو خبر واحد کے عموم کی تخصیص کتاب اللہ کے خصوص کے ذریعہ بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگی اور احادیث صحیحہ میں جو خاص مقتدی کے حق میں وارد ہوئیں ان میں سے ایک حدیث مشہور یہ ہے من کان له امام فقراء ة الامام له قراء ة یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو امام کی قرأت ہی اس کی قرأت ہے مقتدی کو علیحدہ قرأت کی ضرورت نہیں اور یہ حدیث مؤطا امام محمد میں دو سندوں سے مروی ہے ایک سند میں خود امام ابوحنیفہ اس کے راوی ہیں اور حافظ عینی اور شیخ ابن ہمام نے نہایت مفصل طریقہ سے اس حدیث کا شرط بخاری و مسلم پر صحیح ہونا ثابت کر دیا ہے جس کو عمدۃ القاری اور فتح القدیر میں دیکھ لیا جائے، پس معلوم ہوا کہ حدیث عبادہ مقتدی کے حق میں نہیں بلکہ امام اور منفرد کے حق میں ہے، امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں امام شافعیؒ کے استاذ سفیان بن عیینہؒ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں لمن یصلی وحدہ یعنی یہ حدیث اس شخص کے حق میں ہے جو اکیلا نماز پڑھتا ہو، مقتدی کے حق میں نہیں، اور علیٰ ہذا امام ترمذیؒ حضرت جابرؓ سے ناقل ہیں کہ جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہ ہوگی مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو، امام ترمذی اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ (جو امام بخاریؒ کے استاذ ہیں) یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مقتدی کے حق میں نہیں بلکہ اس شخص کے حق میں ہے جو خود نماز پڑھ رہا ہو (یا دوسروں کو پڑھا رہا ہو) اور امام احمد نے اپنے اس قول پر حدیث جابرؓ سے استدلال کیا ہے اور یہ فرمایا کہ دیکھو جابرؓ ایک مرد ہیں اصحاب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں سے انہوں نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان کیا کہ اگر امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو سورۂ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے نہیں سنا کہ جب امام قرأت کرے تو مقتدیوں کی نماز بغیر قراءت کے صحیح نہ ہوگی چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ اور تابعین اور اہل حجاز میں امام مالک اور اہل عراق میں سفیان ثوری اور اہل شام میں اوزاعی اور اہل مصر میں لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ان ائمہ دین میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ جب امام قراءت کر رہا ہو اور مقتدی اس کے پیچھے قرائت نہ کرے تو اس کی نماز باطل ہے، دیکھو مغنی ابن قدامہ ص ۶۰۶ ج ۱۔ حضرات اہل علم اس مقام کی تحقیق کے لئے فتاویٰ ابن تیمیہ از ص ۱۴۱ تا ص ۱۵۰ ج ۲ دیکھیں۔

معلوم ہوا کہ جہری نماز میں مقتدی پر قرائت خلف الامام کے وجوب کا صحابہ اور تابعین اور سلف الصالحین میں سے کوئی قائل نہیں اس لئے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے قرائت خلف الامام کے بارے میں تشدد کیا کہ مقتدی پر قراءت کو واجب قرار دیا، حالانکہ سلف میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ مقتدی پر قرأت فرض ہے اور حافظ ابن تیمیہ نے نہایت شد و مد سے جہری نماز میں قراءت خلف الامام کا ناجائز اور حرام ہونا دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے بیان کیا خاص کر (ہمارے) زمانہ کے مدعیان بالحدیث پر لازم ہے کہ فتاویٰ ابن تیمیہ کو ضرور دیکھیں کہ جو حنفیہ اور مالکیہ اور حنابلہ کی نمازوں کے باطل ہونے کا جہراً و سراً فتویٰ دیتے ہیں۔

خلاصۂ کلام

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب نہایت درجہ قوی ہے جو آیات قرآنیہ اور ان احادیث صحیحہ اور صریحہ سے ثابت ہے کہ جو خاص مقتدیوں کے بارے میں وارد ہوئی ہیں حضرات اہل علم اور مدرسین شروح ہدایہ اور شروح بخاری کی مراجعت کریں اور اس ناچیز کی شرح مشکوٰۃ اور شرح بخاری کو دیکھیں انشاء اللہ ثم انشاء اللہ قلب کو سکون اور اطمینان ہو جائے گا اور ارباب ذوق پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ امام اعظم کا مسلک عین عقل اور فطرت کے مطابق ہے (معارف القرآن از ص ۱۹۱ تا ص ۱۹۷ ج ۵ مکتبہ عثمانیہ پاکستان) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رفع یدین اور آمین بالجہر:

(سوال ۳۶) فقیہ النفس حضرت اقدس مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری صاحب مدظلہم العالی و متع اللہ المسلمین بطول بقائھم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کے فتاوی رحیمیہ جلد چہارم ص ۱۲۹ تا ص ۲۴۷ (جدید ترتیب میں ایمان وعقائد کے باب میں دیکھ لیا جائے ۱۴۲ تا ۱ ازمرتب) پر تقلید سے متعلق بہت ہی فاضلانہ اور محققانہ جواب ہے تقلید کی حقیقت اور اس کی ضرورت واشگاف ہوئی اور تقلید سے متعلق جو شبہات پیش کئے جاتے ہیں ان کے جواب بھی بہت عمدہ اور تسلی بخش ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، البتہ سوال میں رفع یدین اور آمین بالجہر کا بھی تذکرہ ہے اور ہدایہ کا حوالہ بھی دیا ہے مگر آپ کے جواب میں اس کے متعلق کوئی وضاحت نہیں ہے اگر ان دونوں مسئلوں پر بھی روشنی ڈالتے تو ہمارے لئے بڑی رہنمائی ہوتی، سوال میں ہدایہ کا حوالہ دیا ہے کیا درحقیقت ہدایہ میں اسی طرح ہے؟ امید ہے کہ آپ اس کے متعلق بھی حقیقت کو واشگاف فرمائیں گے، بینوا توجروا۔ (از حیدرآباد)

(الجواب) آپ کا سوال موصول ہوا، اللہ کا کرم اور احسان ہے کہ اسی کی توفیق اور مدد سے تقلید سے متعلق جواب مرتب ہوا للہ الحمد والشکر آپ نے جس بات کی طرف توجہ دلائی ہے اس پر صمیم قلب سے شکریہ جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

پہلے ہم انشاء اللہ ہدایہ کی اصل عبارت پیش کر کے اس کی توجیہ اور دونوں مسئلوں سے متعلق مختصر تحقیق پیش کریں گے اس سے انشاء اللہ مسلک حنفی کے دلائل بھی سامنے آئیں گے، اس کے بعد دونوں مسئلوں سے متعلق کچھ احادیث پیش کریں گے۔

مستفتی نے سوال میں تحریر کیا ہے نماز میں رفع یدین کرنا نبی ﷺ اور خلفاء راشدین کی سنت سے ثابت ہے اور یہ مسئلہ حنفی مذہب کی کتاب ہدایہ جلد اول ص ۳۷۹ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آخر تک رفع یدین کیا ہے اور آمین بالجہر کا مسئلہ بھی ہدایہ جلد اول ص ۳۶۲ میں موجود ہے، مستفتی نے یہ دو حوالے پیش کر کے یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں رفع یدین اور آمین بالجہر کو سنت لکھا ہے حالانکہ سوال میں جن صفحات کا حوالہ دیا گیا ہے اس صفحہ پر یا اس کے آگے پیچھے کہیں اس کا بیان ہی نہیں ہے لہٰذا اس بات کو صاحب ہدایہ کی طرف

منسوب کرنا قطعاً غلط ہے، افتراء اور جھوٹ ہے اور لوگوں کو دھوکہ دینا ہے۔

رفع یدین سے متعلق ہدایہ کی عبارت ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں ولا یرفع یدیہ الا فی تکبیرۃ الا ولی خلافا للشافعی رحمہ اللہ فی رکوع وفی الرفع منہ لقولہ علیہ السلام لا ترفع الا یدی الا فی سبع مواطن تکبیرۃ الا فتتاح وتکبیرۃ القنوت وتکبیرات العیدین وذکر الا ربع فی الحج والذی یروی من الرفع محمول علی الا بتداء کذا نقل عن ابن الزبیر .(ہدایہ اولین ص ۹۲،ص ۹۳ باب صفۃ الصلوۃ)

ترجمہ ومطلب:

اپنے دونوں ہاتھوں کو تکبیر افتتاح (یعنی تکبیر تحریمہ) کے علاوہ کسی اور موقع پر نہ اٹھائے۔ امام شافعیؒ کے خلاف، امام شافعیؒ کے نزدیک رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے بھی رفع یدین کرے، ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا لا ترفع الا یدی ...... سات مقامات کے علاوہ کسی اور جگہ رفع یدین نہ کیا جائے نمبر ا تکبیر افتتاح کے وقت نمبر ۲ دعا قنوت پڑھنے کے لئے تکبیر کہنے کے وقت نمبر ۳ عیدین کی زائد تکبیرات کہنے کے وقت اور بقیہ چار مقام حج میں ہیں اور رفع یدین سے متعلق جو مروی ہے، وہ ابتدائے اسلام پر محمول ہے (یعنی ابتدا اسلام میں یہ عمل باقی رائج تھا پھر متروک ہو گیا) حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے یہی منقول ہے۔ حاشیہ میں ہے فان عبد اللہ بن الزبیر رأی رجلا یصلی فی المسجد الحرام کان یرفع یدیہ عند الرکوع وعند رفع الرأس منہ فلما فرغ من صلاتہ قال لا تفعل فان ھذا شئی فعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم ترک یعنی عبد اللہ بن زبیرؓ نے مسجد حرام میں ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ وہ رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرتا ہے جب وہ نماز سے فارغ ہو گیا تو آپ نے اس سے فرمایا لا تفعل تم رفع یدین مت کرو، نبی کریم ﷺ نے پہلے رفع یدین کیا پھر ترک فرمادیا (حاشیہ نمبر ۲ ہدایہ اولین ص ۹۳) بلند آمین بالجہر سے متعلق ہدایہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں۔ فرماتے ہیں واذا قال الا مام ولا الضالین قال امین ویقولھا المؤتم الی قولہ ویخفونھا لما روینا من حدیث ابن مسعود ولا نہ دعاء فیکون مبناہ علی الا خفاء (ہدایہ اولین ص ۸۰ باب صفۃ الصلوۃ) یعنی: جب امام ولا الضالین کہے تو وہ آمین کہے اور مقتدی بھی آمین کہیں اور تمام حضرات آمین آہستہ کہیں جیسا کہ ابن مسعودؓ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے (حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث صاحب ہدایہ نے اسی صفحہ پر اوپر نقل فرمائی ہے لقول ابن مسعود اربع یخفیھن الا مام وذکر من جملتھا التعوذ والتسمیہ وآمین. یعنی ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ چار چیزوں کو امام مخفی آواز سے کہے اور ان چار میں تعوذ تسمیہ اور آمین کا ذکر فرمایا ولا نہ دعاء، اور دلیل عقلی یہ ہے کہ آمین دعا ہے اور دعا کا مبنی اخفاء ہے (کہ دعا آہستہ آواز سے مانگنی چاہئے) (ہدایہ اولین ص ۸۷ باب صفۃ الصلوٰۃ)

ناظرین رفع یدین اور آمین بالجہر کے متعلق صاحب ہدایہ کی عبارت اور ان کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیں، سوال میں جو بات ان کی طرف منسوب کی گئی ہے ہدایہ میں اس چیز کا نام ونشان بھی نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس ثابت ہوتا ہے لہذا یہی کہا جائے گا کہ یہ صاحب ہدایہ پر بہتان ہے، سبحانک ھذا بھتان عظیم۔

اب ہم مختصراً ہر دو مسائل کی مزید تحقیق پیش کرتے ہیں۔

رفع یدین:

سکون وخشوع نماز کی روح ہے چنانچہ رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہے اسکنوا فی الصلوٰۃ نماز میں سکون اختیار کرو (مسلم شریف ص ۱۸۱ ج ۱ باب الا مر بالسکون فی الصلوٰۃ والنھی عن الا شارۃ الخ) لہذا جس قدر نماز کے اندر سکون کا لحاظ ہوگا اسی قدر نماز مقبول ہوگی۔ ابتداء اسلام میں بعض ایسے امور جو سکون کے خلاف تھے وہ نماز میں مشروع تھے مثلاً نماز میں ہاتھ اٹھا کر سلام کرنا، سلام کا جواب دینا، نماز میں بات چیت کر لینا، نماز میں گردن پھرا کر ادھر ادھر دیکھ لینا مگر بعد میں یہ امور بتدریج منسوخ ہوگئے، یہی حال رفع یدین کا ہے، رسول مقبول ﷺ سے تکبیر تحریمہ کے علاوہ رکوع میں جاتی ہوئے رکوع سے اٹھتے وقت سجدہ کرتے وقت سجدے سے اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے وقت بھی رفع یدین کرنا ثابت ہے، چنانچہ نسائی شریف میں حدیث ہے۔ عن مالک بن الحویرث ان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا دخل فی الصلوٰۃ یعنی رفع یدہ واذا رکع فعل مثل ذلک واذا رفع راسہ من الرکوع فعل مثل ذلک واذا رفع راسہ من السجود فعل مثل ذلک کلہ یعنی رفع یدیہ (نسائی شریف ج ۱ ص ۱۱۴)

طحاوی شریف میں ہے:۔ حدثنا ابن ابی داؤد...... عن الا عرج عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوٰۃ وحین یرکع وحین یسجد (طحاوی شریف ص ۱۰۹ ج ۱ باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا)

نیز ایک حدیث میں ہے قال ابو حمید انا اعلمکم بصلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... فاذا قام من الرکعتین کبر ورفع یدیہ حتی یحاذی بھما منکبیہ الخ (طحاوی شریف ص ۱۰۹ ایضاً)

مگر رفتہ رفتہ قبل وبعد سجدہ اور تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے کے وقت رفع یدین متروک ہوگیا جس کو مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں اسی طرح رکوع میں جاتے اور اٹھتے وقت بھی رفع یدین متروک ہوگیا (یعنی اس پر عمل نہ رہا) صرف تکبیر تحریمہ کے وقت باقی رہا۔

رفع یدین سے متعلق احناف کا جو مسلک ہے وہ احادیث کے خلاف نہیں ہے مذہب حنفی کے موافق بہت سی احادیث ہیں، ملاحظہ فرمائیں ترمذی شریف میں ہے۔

حدثنا ھناد...... عن علقمۃ قال قال عبد اللہ بن مسعود الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی فلم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ ، وفی الباب عن البراء بن عازب قال ابو عیسیٰ حدیث ابن مسعود حدیث حسن وبہ یقول غیر واحد من اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین وھو قول سفیان واھل الکوفۃ (ترمذی شریف ص ۳۵ ج ۱ باب رفع الیدین عند الرکوع)

ترجمہ:۔ علقمہ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں تم کو رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ

پڑھاؤں؟ چنانچہ آپ نے نماز پڑھائی اور صرف اول بار یعنی تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کیا، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اس مضمون کی حدیث حضرت براء بن عازبؓ سے بھی مروی ہے اور اسی کے قائل ہیں بہت سے اہل علم اصحاب نبی ﷺ اور تابعین میں سے اور یہی قول سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا ہے۔

حضرت براء ابن عازبؓ کی حدیث ابوداؤد نے روایت کی ہے۔

حدثنا محمد بن الصباح ...... عن البراء (بن عازب) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ الی قریب من اذنیہ ثم لا یعود. (ابو داؤد شریف ص ۱۱٦ ج ۱ مجتبائی باب من لم یذکر الرفع عند الرفع)

ترجمہ: حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو کانوں کے قریب تک ہاتھ اٹھاتے (رفع یدین کرتے) اور پھر نہ کرتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آنحضور ﷺ کے رازدار جلوت وخلوت کے ساتھی اور نماز میں بھی حضور ﷺ کے قریب رہتے تھے حضور ﷺ کے افعال کی جس قدر آپ کو اطلاع ہوسکتی تھی وہ ظاہر ہے خصوصاً نماز کے افعال اور نماز کا طریقہ کہ آپ پیچھے ہی کھڑے رہتے تھے اس لئے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی حدیث اس بارے میں بہت قوی حجت ہونی چاہئے۔

امام طحاویؒ نے حضرت علیؓ کا عمل نقل فرمایا ہے۔

فان ابا بکرۃ قد حدثنا قال حدثنا ابو احمد ...... عن ابیہ ان علیا رضی اللہ عنہ کان یرفع فی اول تکبیرۃ من الصلوٰۃ ثم لا یرفع بعدہ (باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا طحاوی شریف ص ۱۱۰).

ترجمہ حضرت علیؓ نماز کی پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

موطا امام محمد میں ہے **قال محمد اخبر ابو بکر بن عبد اللہ النھشلی عن عاصم بن کلیب الجرمی عن ابیہ وکان من اصحاب علی ان علیا بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ کان یرفع یدیہ فی التکبیرۃ الاولیٰ التی یفتتح بھا الصلوٰۃ ثم لا یرفعھما فی شی من الصلوٰۃ (مؤطا امام محمد ص ۷۳، ص ۷۴ باب افتتاح الصلوٰۃ)**

حضرت علیؓ سے رفع یدین کی حدیث منقول ہے انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہوگا، پھر حضرت علیؓ نے حضور ﷺ کے بعد رفع یدین ترک کر دیا، یہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ حضرت علیؓ کے نزدیک رفع یدین کا منسوخ ہونا ثابت ہو (ورنہ حضرت علیؓ رفع یدین ترک نہ فرماتے اور اپنی روایت کے خلاف عمل نہ کرتے۔)

امام طحاویؒ فرماتے ہیں **فان علیاً لم یکن لیری النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرفع ثم یترک ھو الرفع بعدہ' الا وقد ثبت عندہ نسخ الرفع فحدیث علی رضی اللہ عنہ اذا صح ففیہ اکثر الحجہ لقول من لایری الرفع (طحاوی شریف حوالہ بالا ص ۱۱۰)**

حضرت عمرؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے، چنانچہ طحاوی شریف میں ہے۔

وقد روی مثل ذلک ایضا عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کما حدثنا ابن ابی داؤد قال ثنا الحمانی قال حدثنا یحیی بن ادم ..... عن الاسود قال رأیت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لایعود ، یعنی: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بھی ترک رفع مروی ہے اسود فرماتے ہیں ۔ میں نے عمر بن خطابؓ کو پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا پھر اس کے بعد ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، امام طحاویؒ فرماتے ہیں وھو حدیث صحیح یہ حدیث صحیح ہے (حوالہ بالا طحاوی شریف ص ۱۱۱)

قال ثناء ابو بکر بن عیاش عن حصین عن مجاھد قال صلیت خلف بن عمر رضی اللہ عنہ فلم یکن یرفع یدیہ الا فی الکتبیرۃ الاولی من الصلوۃ. یعنی مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ صرف پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے، اس کے بعد امام طحاوی فرماتے ہیں۔

فھذا ابن عمر قد رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرفع ثم قد ترک ھو الرفع بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا یکون الا وقد ثبت عندہ نسخ ما قد رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعلہ وقامت الحجۃ علیہ بذلک (طحاوی شریف ص ۱۱۰)

زجاجۃ المصابیح میں ہے۔ عن عبدالعزیز بن حکیم قال رأیت ابن عمر یرفع یدیہ حذاء اذنیہ فی اول تکبیرۃ افتتاح الصلوۃ ولم یرفعھما فیما سوی ذلک رواہ محمد ، یعنی عبدالعزیز بن حکیم فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ کو تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں کانوں کے مقابل ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا اور اس کے علاوہ کسی اور موقع پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے (زجاجۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۲۸) (مؤطا امام محمد ص ۹۳ باب افتتاح الصلوٰۃ)

رفع یدین سے متعلق امام اوزاعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا مناظرہ

زجاجۃ المصابیح میں ہے۔

وفی مسند امامنا ابی حنیفۃ عن سفیان بن عیینۃ قال اجتمع ابو حنیفۃ والاوزاعی فی دارالحناطین بمکۃ فقال الاوزاعی لابی حنیفۃ ما بالکم لا ترفعون ایدیکم فی الصلوٰۃ عند الرکوع وعند الرفع منہ فقال ابوحنیفۃ لاجل انہ لم یصح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہ شیٔ قال کیف لا یصح وقد حدثنی الزھری عن سالم عن ابیہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوۃ وعند الرکوع وعند الرفع منہ، فقال لہ ابو حنیفۃ وحدثنا حماد عن ابراھیم عن علقمۃ والاسود عن ابن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یرفع یدیہ الا عند افتتاح الصلوٰۃ ولا یعود لشئی من ذلک، فقال الاوزاعی احدثک عن الزھری عن سالم عن ابیہ وتقول حدثنی حماد عن ابراھیم فقال لہ ابو حنیفۃ کان حماد افقہ من الزھری وکان ابراھیم افقہ من سالم وعلقمۃ لیس بدون ابن عمر رضی اللہ عنہ فی الفقہ وان کانت لابن عمر رضی اللہ عنہ صحبۃ ولہ فضل صحبۃ فالاسود لہ فضل کثیر وعبد اللہ ھو عبد اللہ فسکت الاوزاعی. (باب صفۃ الصلاۃ زجاجۃ المصابیح ص ۲۲۹ ج ۱) (نور المصابیح ترجمہ زجاجۃ

المصابیح ص ۲۱۱ ص ۲۱۲ حصۂ دوم جلد اول)

نور المصابیح ترجمہ زجاجۃ المصابیح میں ہے۔ سفیان بن عیینہ سے روایت ہے سفیان کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ کی دار الحناطین (گیہوں کی منڈی) میں امام ابو حنیفہ اور امام اوزاعی رحمہما اللہ اکٹھے ہوئے، اس وقت امام اوزاعی نے امام ابوحنیفہؒ سے کہا کہ آپ لوگ نماز میں رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت کس وجہ سے رفع یدین نہیں کرتے، امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ ہم اس وجہ سے رفع یدین نہیں کرتے کہ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح روایت ثابت نہیں ہوئی ہے امام اوزاعی نے فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ زہری نے مجھ سے حدیث بیان کی ہے اور زہری سالم سے روایت کرتے ہیں اور ابن عمرؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ جب نماز شروع کرتے تو (تکبیر تحریمہ کے لئے) دونوں ہاتھوں کو اٹھایا کرتے تھے اور رکوع کو جاتے وقت رفع یدین کرتے اور رکوع سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے (امام اوزاعی کے جواب میں) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حدیث بیان کی ہے ہم سے حماد نے اور حماد بیان کرتے ہیں ابراہیم سے اور ابراہیم روایت کرتے ہیں علقمہ اور اسود سے اور یہ دونوں ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ شروع نماز میں تو (تکبیر تحریمہ کے لئے) ہاتھ اٹھاتے تھے (پھر باقی نماز میں) رفع یدین کا اعادہ نہیں کرتے تھے امام اوزاعیؒ نے کہا میں آپ کو حدیث سنا رہا ہوں زہری سے اور زہری روایت کرتے ہیں سالم سے اور سالم روایت کرتے ہیں اپنے والد ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور آپ (اس کے بالمقابل) کہتے ہیں کہ حدیث بیان کی حماد نے اور وہ روایت کرتے ہیں ابراہیم سے، امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ حماد زہری سے زیادہ فقیہ ہیں اور ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اور علقمہ فقہ میں ابن عمرؓ سے کم نہ تھے اگر چہ ابن عمرؓ کو رسول اللہ ﷺ کا شرف صحبت حاصل ہے اور ان کے لئے صحابی ہونے کی فضیلت ہے اب رہے تو اسود تو ان کے لئے بھی بہت سے فضائل ہیں اور عبداللہ بن مسعود تو عبداللہ بن مسعود ہی ہیں ان کا کیا کہنا یہ سن کر امام اوزاعی نے سکوت اختیار فرمایا (اس کی روایت سفیان بن عیینہ نے ہمارے امام ابوحنیفہ کی مسند میں کی ہے)

رفع یدین نہ کرنے کے متعلق غیر مقلدین کے پیشوا مولانا ثناء اللہ امرتسری کا بیان

''جیسا کہ ہمارا مذہب ہے رفع یدین ایک مستحب امر ہے جس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے سے نماز کی صحت میں کوئی خلل نہیں آتا۔'' (اہل حدیث کا مذہب ص ۷۹ از مولانا ثناء اللہ امرتسری)

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو ایک قطرۂ خوں نہ نکلا

مذکورہ بیان سے واضح ہوا کہ بقول مولانا ثناء اللہ صاحب رفع یدین ایک مستحب امر ہے نہ کرنے پر نماز کی صحت میں کوئی خلل نہیں آتا لہٰذا غیر مقلدین کو اس کو معرکۃ الآراء مسئلہ بنالینا اور احناف کے خلاف طعن و تشنیع کرنا کہ یہ لوگ احادیث کے خلاف کرتے ہیں (حالانکہ احناف کا عمل احادیث کے موافق ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا) یہ طعن بالکل بے اصل اور معاندانہ ہے اور خواہ مخواہ عوام الناس کو ورغلانا ہے۔

آمین بالجہر:

ابتداء اسلام میں آنحضور ﷺ تعلیم صرف قولاً ہی نہیں عملاً بھی دیا کرتے تھے اس کی کئی نظیریں ہیں مثلاً نماز جنازہ میں جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں ظاہر ہے کہ ان کا خفیہ پڑھنا ہی مشروع ہے تاہم یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضور ﷺ کبھی تعلیم کی غرض سے جہراً بھی پڑھ دیتے تھے، چنانچہ مسلم شریف میں ہے حدثنی هارون بن سعید ... یقول سمعت عوف بن مالک یقول صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی جنازۃ فحفظت من دعائه وهو یقول اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه ..... الخ یعنی عوف بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی اور آپ نے نماز جو دعا پڑھی وہ میں نے یاد کرلی دعا یہ ہے اللھم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واکرم نزله ووسع مدخله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطایا کمانقیت الثوب الآبیض من الدنس وابدله دارا خیراً من داره واهلاً خیراً من اهله وزوجاً خیراً من زوجه وادخله الجنة واعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار ۔(مسلم شریف ج ۱ ص ۳۱۱ کتاب الجنائز)

اسی طرح ظہر وعصر میں قرأت سراً پڑھی جاتی ہے مگر گاہے آنحضرت ﷺ ایک آدھ آیت جہراً بھی پڑھ دیا کرتے تھے تاکہ مقتدیوں کو معلوم ہوجائے کہ آپ نے کون سی سورت پڑھی (مشکوٰۃ شریف ص ۷۹ باب القرأۃ فی الصلوٰۃ)

الغرض اس کی بہت سی نظیریں مل سکتی ہیں۔ اسی طرح آغاز اسلام میں حضور اکرم ﷺ بغرض تعلیم امین جہراً کہتے تھے۔

معارف السنن میں ہے:۔ قال الشیخ رحمه الله: وقد یجاب عن الجهربانه کان للتعلیم ... الی قوله.... قال الشیخ: ویؤیده ماأخرجه الحافظ ابو بشر الدولابی فی کتاب "الا سماء والکنی" (۱.۱۹۷) من حدیث وائل وفیه: وقرء غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فقال آمین، یمدبها صوته ماأراه الا لیعلمنا فهذا القول منه صریح فی انه ارادان یعلمهم سنة التامین۔

یعنی شیخ انور شاہ کشمیریؒ قدس سرہ فرماتے ہیں: جہراً آمین کہنے کے متعلق ایک جواب یہ ہے کہ یہ بغرض تعلیم تھا اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو حافظ ابو بشر دولابی نے کتاب "الا سماء والکنی" میں ج ۱ ص ۱۹۷ باب ماجآء فی التامین پر حضرت وائل سے روایت کی ہے، اس روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے غیر المغضوب علیهم ولا الضالین پڑھ کر آمین کہی اور آواز کو بلند کیا میرا گمان یہ ہے کہ حضور اکرمؐ نے ہم کو تعلیم دینے کی غرض سے بلند آواز سے آمین کہی (معارف السنن شرح ترمذی باب ماجآء فی التامین ص ۴۰۶ ج ۲، از محدث کبیر مولانا یوسف بنوری)

معلوم ہوا کہ آمین کو جہراً کہنا امت کی تعلیم کے لئے تھا، اور جب امت کو تعلیم ہوگئی تو حضور ﷺ نے سراً کہنا شروع کردیا، چنانچہ شعبہ کی روایت ہے جسے ترمذی وغیرہ نے روایت کی ہے۔

روی شعبة هذا الحديث عن سلمة بن كهيل عن حجر ابی العنبس عن علقمة بن وائل عن ابيه ان النبی صلی اللہ عليه وسلم قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقال آمين وخفض بها صوته.

ترجمہ:۔شعبہ نے اس حدیث کو سلمہ بن کہیل سے روایت کیا ہے......علقمہ اپنے والد حضرت وائلؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے غير المغضوب عليهم ولا الضالين پڑھ کر پست آواز سے آمین کہی (ترمذی شریف ج ۱ ص ۳۴ ،باب ماجاء فی التامين)

زجاجۃ المصابیح میں ہے عن علقمة بن وائل عن ابيه انه صلی مع النبی صلی اللہ عليه وسلم فلما بلغ غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال آمين و خفض بها صوته رواه الحاكم وقال صحيح الا سناد ولم يخرجاه۔

یعنی علقمہ بن وائلؒ اپنے والد وائلؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی ہے جب رسول اللہ ﷺ غير المغضوب عليهم ولا الضالين پر پہنچے تو آپ نے آہستہ آمین کہی اس کی روایت حاکم نے کی ہے اور حاکم نے اس روایت کے متعلق فرمایا ہے صحیح الاسناد، اس کی سند صحیح ہے (بخاری ومسلم کی شرط کے مطابق ہے مگر) بخاری ومسلم نے اس کی تخریج نہیں کی۔(زجاجة المصابيح ص ۲۵۸ ج ۱ باب القرأة فی الصلوة)

نیز زجاجۃ المصابیح میں ہے وعنه عن ابيه انه صلی مع النبی صلی اللہ عليه وسلم فلما بلغ غير المغضوب عليهم والا الضالين قال امين واخفی بها صوته روه احمد وابو داؤد الطيالسی وابو يعلی والطبرانی والدارقطنی یعنی علقمہ اپنے والد حضرت وائلؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، جب رسول اللہ ﷺ غير المغضوب عليهم و لا الضالين پر پہنچے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آہستہ آمین کہی، یہ حدیث امام احمد ابوداؤد طیالسی، ابویعلی، طبرانی اور دارقطنی نے روایت کی ہے (زجاجۃ المصابیح ص ۲۵۸ ج ۱ ایضاً)

نیز زجاجۃ المصابیح میں ہے:وعن ابی وائل قال لم يكن عمرو علی رضی اللہ عنهما يجهران ببسم اللہ الرحمن الرحيم ولا بآمين رواه الطبرانی فی تهذيب الآثار:. یعنی حضرت ابو وائلؒ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ و حضرت علی رضی اللہ عنہما (نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے) بسم اللہ الرحمن الرحيم جہر سے نہیں پڑھتے تھے اور (سورۂ فاتحہ کے بعد) آمین بھی جہر سے نہیں کہتے تھے اس کی روایت طبرانی نے تہذیب الآثار میں کی ہے (زجاجۃ المصابیح ص ۲۵۹ جلد اول ایضاً)

اس اثر کو امام طحاویؒ نے بھی معانی الآثار میں بیان کیا ہے حدثنا سليمان بن شعيب قال حدثنا علی بن معبد قال حدثنا ابو بكر بن عياش عن ابی سعيد عن ابی وائل قال كان عمرو علی لايجهران ببسم اللہ الرحمن الرحيم ولا بالتعوذ ولا بالتامين۔

حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ بسم اللہ الرحمن الرحيم اعوذ باللہ اور آمین زور سے نہیں پڑھتے تھے

(معانی الآثار المعروف بہ طحاوی ص ۹۹ باب قراءۃ بسم اللہ الرحمن فی الصلوۃ)

مصنف عبدالرزاق میں ہے عبدالرزاق عن الثوری عن منصور عن ابراھیم قال خمس یخفیھن سبحانک اللھم وبحمدک والتعوذ بسم اللہ الرحمن الرحیم وآمین واللھم ربنا ولک الحمد. ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ پانچ چیزیں (امام کو) آہستہ آواز سے کہنی چاہئیں سبحانک اللھم وبحمدک اعوذ باللہ، بسم اللہ الرحمن الرحیم اور اللھم ربنا ولک الحمد (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۸۷)۔

نیز مصنف عبدالرزاق میں ہے۔ عبدالرزاق عن معمر والثوری عن منصور عن ابراہیم انہ کان یسر آمین، ابراہیم نخعی آمین آہستہ آواز سے کہتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۹۶ ج ۲)

محدث کبیر علامہ یوسف بنوری "معارف السنن" میں تحریر فرماتے ہیں:۔ عن ابراھیم قال قال عمر رضی اللہ عنہ اربع یخفیھن الامام، التعوذ وبسم اللہ الرحمن الرحیم وآمین واللھم ربنا ولک الحمد (ابن جریر) فتخلص ان اخفاء التامین ھو مذھب عمرو علی وعبد اللہ وابراھیم النخعی وجمھور الصحابۃ والتابعین وسائر اھل الکوفۃ.

یعنی ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا امام چار چیزیں آہستہ آواز سے کہے اعوذ باللہ، بسم اللہ الرحمن الرحیم آمین اور اللھم ربنا ولک الحمد، (ابن جریر) خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آمین آہستہ آواز سے کہنا یہ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت عبداللہؓ ابراہیم نخعی، جمہور صحابہ وتابعینؒ اور تمام اہل کوفہ کا مذہب ہے۔ (معارف السنن شرح ترمذی ص ۴۱۳، ج ۲ باب ماجاء فی التامین)

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کی تحقیق

خلفاء راشدین واکابر صحابہ کا عمل (آمین کے) اخفاء ہی کا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ سے اخفاء ہی منقول ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ کا طریقہ بھی یہی تھا ورنہ یہ جلیل القدر صحابہ آپ کے خلاف کیسے کر سکتے تھے، (معارف مدنیہ ص ۳۳ حصہ پنجم)

نیز معارف مدنیہ میں ہے (شعبہ اور سفیان والی روایت کی جمع کی) ایک صورت تو وہ ہے جو پہلے گذری دوسری یہ کہ جہر بیان جواز کے لئے تھا تیسرے تعلیم امت کے لئے تھا، چوتھے ابتدا میں تھا اس کے بعد نہیں رہا اس کا قرینہ یہ ہے کہ طبرانی میں "انہ امن ثلاث مرات" یعنی آپ نے زور سے آمین تین مرتبہ کہی ہے، نیز ابوبشر دولابی نے "الاسماء والکنی" میں حضرت وائل سے ہی روایت کیا ہے حضور ﷺ نے آمین زور سے جو کہی یہ ہمارے سکھانے کے لئے تھی اس سے زیادہ واضح قرینہ اور کیا ہوسکتا ہے اس بات کا کہ اصل سنت اخفاء ہے اور جہر عارضی تھا جیسا کہ سبحانک اللھم یا التحیات وغیرہ بعض اوقات زور سے پڑھی جاتی تھیں تعلیم امت کے لئے، ایسا ہی یہ بھی ہے، تیسرے یہ کہ ابوداؤد میں ہے حضرت وائلؓ حضور ﷺ کی خدمت میں دو مرتبہ حاضر ہوئے ایک مرتبہ آمین بالجہر سنا اور دوسری مرتبہ بالاخفاء لہذا دونوں کو روایت کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ جہر ابتدا میں تھا بعد میں اخفاء ہو گیا ورنہ

حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما جہر کو نہ چھوڑتے ۔ یہ صورتیں جمع اور تطبیق کی ہیں الخ (معارف مدنیہ حصہ پنجم ص ۳۲)

آہستہ آمین کہنے کی ایک اور دلیل :

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آمین سورۂ فاتحہ یا قرآن کا جز نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن میں آمین کو لکھا نہیں جاتا آمین دعا ہے اور دعا مخفی اور آہستہ آواز سے ہونی چاہئے قرآن میں ہے **ادعوا ربکم تضرعا وخفية** اپنے رب کو عاجزی وآہستگی سے پکارو، اس آیت کریمہ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ آمین سراً کہنا چاہئے ۔

زجاجۃ المصابیح میں ہے **وبالقياس على سائر الاذكار والا دعية ولان امين ليس من القرآن اجماعاًفلا ينبغي ان يكون على صوت القرآن وبا خفا نها يقع التمييز بين القرآن وغيره فانه اذا جهر بها مع الجهر بالفاتحة يلبس انها من القرآن كمانه لا يجوز كتابته في المصحف ولهذا اجمعو على اخفاء التعوذ لكونه ليس من القرآن (زجاجة المصا بيح حاشيه ج ا ص ۲۵۸ باب القرآة في الصلوة)**

نور المصابیح میں ہے : عقلی دلائل سے بھی آمین کا آہستہ کہنا اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ امین بھی نماز میں پڑھی جانے والی دعاؤں اور اذکار میں سے ہے جس طرح نماز کی دوسری دعاؤں اور اذکار کو آہستہ پڑھتے ہیں اسی طرح آمین کو بھی آہستہ پڑھنا چاہئے آمین کو آہستہ پڑھنے کی ایک اور عقلی دلیل یہ بھی ہے کہ تعوذ کی طرح آمین بھی قرآن کا جز نہیں ہے اگر آمین قرآن کا جزء ہوتا تو اس کو قرآن میں لکھا جاتا، آمین کے جہر اور سر کے متعلق ترمذی نے دو روایتیں بیان کی ہیں اور دونوں روایتیں حضرت وائلؓ ہی سے مروی ہیں، سفیان جہراً کہنے کی روایت کرتے ہیں ۔ اور شعبہ سراً کی روایت کرتے ہیں ۔

چونکہ تعوذ اور آمین دونوں قرآن میں نہیں لکھے جاتے اس لئے ثابت ہوا کہ یہ دونوں قرآن کے جز نہیں ہیں اور جو قرآن کا جز نہ ہو اس کو آہستہ پڑھا جاتا ہے اسی لئے تعوذ کی طرح آمین کو بھی آہستہ پڑھنا چاہئے (یہ **مضمون مرقاة بنا یہ اور التعلیق الحسن سے ماخوذ ہے)(نور المصا بیح ترجمہ زجاجۃ المصا بیح ص ۳۰۳ حصہ دوم، جلد اول)**

شعبہ والی روایت پر امام ترمذی نے چند شبہات پیش فرمائے ہیں، آپ تحریر فرماتے ہیں **واخطأ شعبة مواضع من هذا الحديث فقال من حجرابى العنبس انما هو حجربن العنبس ويكنى ابا السكن وزاد فيه عن علقمة بن وائل وليس فيه علقمة وانما هو حجر بن العنبس عن وائل ......الخ.**

یعنی شعبہ نے اس حدیث میں چند غلطیاں کی ہیں (۱) شعبہ نے اپنی روایات میں حجر ابو العنبس کہا ہے حالانکہ حجر ابن العنبس ہے (۲) شعبہ نے ان کی کنیت ابو العنبس بیان کی ہے حالانکہ ان کی کنیت ابو السکن ہے (۳) شعبہ نے اپنی روایت میں علقمہ کی زیادتی کی ہے، حالانکہ اس روایت میں علقمہ نہیں ہیں الخ (**ترمذی شریف ج ا ص ۳۴ باب ماجآء في التامين)**

جواب یہ ہے کہ حجر کے باپ اور بیٹے دونوں کا نام عنبس ہے یہ بات گو ہندوستان میں معیوب ہے لیکن عرب میں پسندیدہ اور بکثرت رائج تھی (معارف مدنیہ ۳۱ ج ۵ باب القرأۃ فی الصلوٰۃ) لہذا جس طرح حجر بن العنبس صحیح ہے اسی طرح حجر ابو العنبس بھی صحیح ہے۔

(۲) حجر کی کنیت ابو السکن بھی تھی اور ابو العنبس بھی ایک شخص کی دو کنیت ہونے میں کوئی اعتراض کی بات نہیں (معارف مدنیہ)

(۳) حجر نے علقمہ اور وائل دونوں سے سنا ہے چنانچہ ابوداؤد طیالسی میں تصریح ہے کہ حجر نے کہا ہے کہ میں نے دونوں سے سنا ہے (معارف مدنیہ ص ۳۱ حصہ پنجم)

زجاجۃ المصابیح میں ہے **وحجر اسم بیه عنبس و کنیته ککنیة ابیه ابو العنبس ولا مانع من ان یکون له کنیة اخری ابو السکن لانه یکون لشخص واحد کنیتان وبهذا جزم ابن حبان فی کتاب الثقات وزاد فیه علقمة لا یضر لان الزیادة کان من الثقة مقبولة ولا سیما من قبل شعبة (زجاجة المصابیح ج ۱ ص ۲۵۷ باب القرأة فی الصلوٰة)**

شعبہ کی روایت کی وجوہ ترجیح:

معارف مدنیہ میں ہے علاوہ ازیں سفیان مدلس ہیں اور مدلس کی روایت معنعن میں تدلیس کا امکان وشائبہ ہوتا ہے، یہ روایت ایسی ہی ہے اس لئے شائبہ تدلیس موجود ہے اس کے برخلاف شعبہ کی روایت اس کمزوری سے پاک ہے، کیونکہ شعبہ مدلس نہیں تھے نیز ان کی روایت مسلسل بالتحدیث ہے، جب کہ سفیان کی روایت معنعن ہے، یہ شعبہ کی روایت کی وجہ ترجیح ہے علاوہ ازیں سفیان اور شعبہؒ کے بارے میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

ان میں قول راجح یہ ہے کہ شعبہ احادیث کے متون اور رجال کے حفظ میں بڑھے ہوئے ہیں اور سفیان صاحب ابواب ہیں یعنی فقہ میں بڑھے ہوئے ہیں، یحیی بن سعید قطان، حماد بن سلمہ، احمد بن حنبل ابوداؤد وغیرہ کے اقوال کا خلاصہ یہی ہے خود سفیان کہتے ہیں کہ شعبہ امیر المومنین فی الحدیث ہیں چونکہ یہ بحث احادیث کی عبارت اور رجال سے تعلق رکھتی ہے اس لئے شعبہ کی روایت قابل ترجیح ہوگی یہ شعبہ کی دوسری وجہ ترجیح ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ شعبہ خود فرماتے ہیں کہ جس کسی سے میں نے روایت کی ہے اس کے پاس ایک سے زائد مرتبہ گیا ہوں اور جس سے میں نے دس روایتیں سنی ہیں اس کے پاس دس سے زائد مرتبہ حاضر ہوا ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ شعبہ ایک ایک روایت کو کئی کئی بار سن کر یاد کرتے تھے تاکہ غلطی کا امکان باقی نہ رہے یہ بات سفیان میں نہیں تھی اس لئے شعبہ کی روایت لائق ترجیح ہے، چوتھے سفیان کا مسلک خود ان کی روایت کے خلاف ہے اس سے ثابت ہوا کہ وہ خود اپنی روایت کو قابل عمل نہ سمجھتے تھے یہ شعبہ کی روایت کی چوتھی وجہ ترجیح ہے (معارف مدنیہ ص ۳۲ حصہ پنجم) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سجدہ میں جانے کا مسنون طریقہ:

(سوال ۳۷) نماز میں سجدہ کے وقت پہلے ہاتھ رکھے بعد میں گھٹنے رکھے تو یہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر کوئی عذر نہ ہو تو سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے گھٹنے رکھے، پھر دونوں ہاتھ رکھے یہ سنت طریقہ ہے، بلا عذر

اس کے خلاف کرنا مکروہ ہے، البتہ اگر عذر ہو جیسے بڑھاپا ہو یا بدن بھاری ہو اور پہلے گھٹنے رکھنے میں تکلیف ہو تو اس صورت میں پہلے ہاتھ رکھنے میں مضائقہ نہیں۔ مراقی الفلاح میں ہے (ثم کبر) کل مصل خاراً للسجود (ثم وضع رکبتیہ ثم یدیہ) ان لم یکن بہ عذر یمنعہ من ھذہ الصفۃ (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۱۵۴ فصل فی کیفیۃ ترکیب الصلوٰۃ) عمدۃ الفقہ میں ہے: سجدہ میں جاتے وقت پہلے زمین پر وہ اعضاء رکھے جو زمین سے قریب ہیں پھر اس کے بعد والے علی الترتیب رکھے، پس پہلے دونوں گھٹنے رکھے پھر دونوں ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی رکھے اور پیشانی کا اکثر حصہ لگا دے کیونکہ یہ واجب ہے اور اس طرح رکھے کہ اچھی طرح قرار پکڑے۔ الی قولہ۔ یہ اس وقت ہے جب کہ کوئی عذر نہ ہو، لیکن اگر کوئی عذر ہو مثلاً..... عمر زیادہ ہو جانے کی وجہ سے پہلے گھٹنے نہیں رکھ سکتا تو دونوں ہاتھ کو گھٹنے سے پہلے رکھ لے، اگر عذر کی وجہ سے دونوں ایک ساتھ زمین پر نہیں رکھ سکتا تو دائیں ہاتھ و گھٹنے کو بائیں پر مقدم کرے (عمدۃ الفقہ ص ۱۱۰ ج ۲)

سجدہ کرنے کا مسنون طریقہ:

(سوال ۳۸) بہت سے نمازی سجدہ میں کہنیاں اور کلائیاں زمین پر بچھا دیتے ہیں کیا اس نماز میں کراہت ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مرد کے لئے سجدہ کا مسنون اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ اپنے بازوؤں کو اپنے پہلو (پسلیوں) سے جدا رکھے، لیکن جماعت کے اندر بازوؤں کو پہلو سے ملا ہو رکھے (کہ دیگر مقتدیوں کو تکلیف نہ ہو) کہنیوں کو زمین پر نہ بچھائے بلکہ زمین سے اٹھا ہوا رکھے پیٹ کو رانوں سے جدا رکھے اور سجدہ میں دونوں ہاتھ کانوں کے مقابل رکھے (سینے کے مقابل نہ رکھے) یعنی چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان اور انگوٹھے کانوں کی لو کے مقابل رہیں، ہاتھوں کی انگلیاں بالکل ملا کر رکھیں تاکہ سب کے سرے قبلہ رخ ہیں، اور دونوں پاؤں کی انگلیاں بھی زمین پر اس طرح رکھے کہ ان کے سرے قبلہ رخ رہیں (عمدۃ الفقہ ص ۱۱۰ ج ۲)

مرد اگر کہنیاں زمین پر بچھائے تو مکروہ تحریمی ہے، شامی میں ہے (قولہ افتراش الرجل ذراعیہ الخ) ای بسطھما فی حالۃ السجود وقید بالرجل اتباعاً للحدیث المار آنفاً ولان المرأۃ تفترش قال فی البحر قیل وانما نھی عن ذلک لانھا صفۃ الکسلان والتھاون بحالہ مع ما فیہ من التشبہ بالسباع والکلاب، والظاھر انھا تحریمۃ للنھی المذکور من غیر صارف آہ (شامی ج ۲ ص ۶۰۲ مکروھات الصلوٰۃ)

عمدۃ الفقہ میں ہے۔ مردوں کا سجدہ کی حالت میں دونوں باہیں زمین پر بچھانا مکروہ تحریمی ہے۔ (عمدۃ الفقہ ص ۷۰ ج ۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مرد اور عورت کی نماز میں کہاں کہاں فرق ہے:

(سوال ۳۹) بعض عورتیں مردوں کی طرح رکوع وسجدہ وقعدہ کرتی ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ امید ہے کہ وضاحت کے ساتھ

جواب مرحمت فرمائیں ۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جو عورتیں مردوں کی طرح رکوع ، سجدہ ، قعدہ کرتی ہیں یہ غلط ہے ، مرد و عورت کی نماز میں چند چیزوں کے اندر فرق ہے اور وہ یہ ہیں (۱) تکبیر تحریمہ کے وقت مرد کانوں تک ہاتھ اٹھائیں ، عورتیں صرف کندھوں تک ، کنز الدقائق میں ہے واذا اراد الدخول فی الصلاۃ کبر و رفع یدیہ حذاء اذنیہ (کنز مع بحر ج ۱ ص ۳۰۵ فصل ، واذا اراد الدخول الخ) مراقی الفلاح میں ہے (اذا اراد الرجل الدخول فی الصلوۃ) ای صلاۃ کانت (اخرج کفیہ من کمیہ) بخلاف المرأۃ ... (ثم رفعھما حذاء اذنیہ) حتی یحاذی بابھامیہ شحمتی اذنیہ ولا یفرج اصابعہ ولا یضمھا واذا کان بہ عذر یرفع بقدر الامکان والمرأۃ الحرۃ حذو منکبیھا (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۱۵۲ فصل فی کیفیۃ ترکیب الصلوۃ)

(۲) مرد ناف کے نیچے ہاتھ باندھیں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کے گٹے پر اس طرح رکھے کہ داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر بائیں ہاتھ کا گٹا پکڑے اور باقی تین انگلیاں بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھے اور بائیں ہاتھ کی تمام انگلیاں داہنے ہاتھ کی کلائی کے نیچے رکھے نیچے کی طرف لٹکی ہوئی نہ رہیں ، اور عورت سینہ پر ہاتھ رکھے اس طرح کہ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رکھ دے حلقہ نہ بنائے ، درمختار میں ہے (ووضع) الرجل (یمینہ علی یسارہ تحت سرتہ آخذ ارسغھا بخنصرہ وابھامہ) ھو المختار وتضع المرأۃ والخنثی الکف علی الکف تحت ثدیھا (درمختار مع شامی فصل واذا اراد الشروع الخ ص ۴۵۴ جلد اول)

(۳) رکوع کا فرق مرد رکوع میں اتنا جھکے کہ سر ، پیٹھ اور سرین برابر ہو جائیں اور عورت تھوڑا سا جھکے یعنی صرف اس قدر کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں پیٹھ سیدھی نہ کرے (۴) مرد گھٹنے پر انگلیاں کھلی رکھے اور ہاتھ پر زور دیتے ہوئے مضبوطی کے ساتھ گھٹنوں کو پکڑے اور عورت اپنی انگلیاں ملا کر گھٹنوں پر رکھ دے اور ہاتھ پر زور نہ دے اور پاؤں قدرے جھکے ہوئے رکھے مردوں کی طرح خوب سیدھے نہ کرے ، مرد اپنے بازوں کو پہلو سے الگ رکھے اور کھل کر رکوع کرے اور عورت اپنے بازو کو پہلو سے خوب ملائے اور دونوں پاؤں کے ٹخنے ملا دیوے اور جتنا ہو سکے سکڑ کر رکوع کرے ، درمختار میں ہے ثم یکبر للرکوع ... (ویضع یدیہ) معتمداً بھما (علی رکبتیہ ویفرج اصابعہ) للتمکن ویسن ان یلصق کعبیہ وینصب ساقیہ (ویبسط ظھرہ) ویسوی ظھرہ بعجزہ (غیر رافع ولا منکس راسہ) شامی میں ہے قال فی المعراج وفی المجتبی ھذا کلہ فی حق الرجل اما المرأۃ فتنحنی فی الرکوع یسیراً ولا تفرج ولکن تضم وتضع یدیھا علی رکبتیھا وضعاً وتحنی رکبتیھا ولا تجافی عضدیھا لان ذلک استرلھا (درمختار وشامی ج ۱ ص ۴۶۰ ، ۴۶۱ ایضاً)

(۵) سجدہ کا فرق :

مرد سجدہ کی حالت میں پیٹ کو رانوں سے ، بازو کو بغل سے جدا رکھے اور کہنیاں اور کلائی زمین سے علیحدہ (اٹھی ہوئی) رکھے اور عورتیں پیٹ رانوں سے اور بازوؤں کو بغل سے ملا ہوا رکھیں اور کہنیاں اور کلائیاں زمین پر بچھا کر

سجدہ کریں۔ نیز مرد سجدہ میں دونوں پاؤں کھڑے رکھ کر انگلیاں قبلہ رخ رکھے عورتیں پاؤں کھڑا نہ کریں بلکہ دونوں پاؤں داہنی طرف نکال دیں اور خوب سمٹ کر سجدہ کریں اور دونوں ہاتھ کی انگلیاں ملا کر قبلہ رخ رکھیں کنز الدقائق میں ہے وابدی ضبعیہ وجا فی بطنہ عن فخذیہ ووجہ اصابع رجلیہ نحو القبلۃ وسبح فیہ ثلاثاً والمرأۃ تنخفض وتلزق بطنھا بفخذیھا (قولہ والمرأۃ تنخفض وتلزق بطنھا بفخدیھا) لانہ استرلھا فانھا عورۃ مستورۃ ویدل علیہ مارواہ ابو داؤد فی مراسیلہ انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام مر علی امرأتین تصلیان فقال اذاسجدتما فضما بعد اللحم الی الارض فان المرأۃ لیست فی ذلک کا لرجل (بحر الرائق فصل واذا اراد الدخول الخ ص ۳۲۰، ۳۲۱ ج ۱) ویزادعلی العشرۃ انھا لا تنصب اصابع القد مین (بحر الرائق ص ۳۲۱ ایضاً)

(۲) جلسہ وقعدہ کا فرق:

مرد جلسہ وقعدہ میں اپنا داہنا پیر کھڑا کر کے اس کی انگلیاں قبلہ رخ کرے اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جاوے، دونوں ہاتھ زانو پر اس طرح رکھے کہ انگلیاں قبلہ رخ رہیں نیچے کی طرف نہ ہو جائیں اور عورتیں اپنے دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر بائیں سرین پر بیٹھیں واذا فرغ من سجدتی الرکعۃ الثانیۃ افترش رجلہ الیسری فجلس علیھا ونصب یمناہ ووجھہ اصابعہ نحو القبلۃ ووضع یدیہ علیٰ فخذیہ وبسط اصا بعہ وھی تتورک (کنز الدقائق مع بحر ج ۱ ص ۳۲۳ ایضاً) بحر الرائق میں ہے وذکرا لشارح ان المرأۃ تخالف الرجل فی عشر خصال ترفع یدیھا الیٰ منکبھا وتضع یمینھا علی شمالھا تحت ثدیھا ولا تجافی بطنھا عن فخذیھا وتضع یدیھا علی فخذ یھا تبلغ رؤس اصا بعھا رکبتیھا ولا تفتح ابطیھا فی السجود وتجلس متور کۃفی التشھد ولا تفرج اصابعھا فی الرکوع ولا تؤ م الرجل وتکرہ جمٰاعتھن وتقوم الا مام وسطھن اہ ویزاد علی العشر انھا لا تنصب اصابع القدمین کما ذکرہ فی المجتبیٰ ولا یستحب فی حقھا الا سفار بالفجر کما قدمناہ فی محلہ ولا یستحب فی حقھا الجھر بالقرأۃ فی الصلوٰۃ الجھریۃ بل قدمناہ فی شروط الصلوٰۃ انہ لو قیل بالفساد اذا جھرت لامکن علی القول بان صوتھا عورۃ والتتبع یقتضی اکثر من ھذا فالا حسن عدم الحصر (بحر الرائق ص ۳۲۱ ج ۱ ایضاً)

نوٹ:۔

عورتیں مسنون طریقہ کے مطابق سجدہ کرسکیں اس کے لئے مناسب صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ رکوع سے سجدہ میں جاتے ہوئے زمین کا سہارا لے کر اپنے دونوں پاؤں داہنی طرف نکال دیں اور فوراً سجدہ کریں، عورتوں میں سجدہ کا یہی طریقہ چلا آرہا ہے مسنون طریقہ کے مطابق سجدہ کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کرنا معین ہے لہذا اسے بدعت نہیں کہا جاسکتا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قعدہ میں سیدھا پاؤں کھڑا نہ رکھ سکے یا بلا عذر اس کی عادت بنالے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۴۰) ہمارے امام صاحب کے پیر میں چوٹ لگ گئی اس کی وجہ سے جب وہ قعدہ میں بیٹھتے ہیں تو سیدھا پاؤں کھڑا رکھ کر انگلیاں قبلہ رخ میں نہیں رکھ پاتے تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ کیا نماز میں کوئی کراہت پیدا ہوگی۔ اسی طرح جب وہ تقریر کرتے ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا اس وجہ سے بھی لوگ نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے تو ان کی امامت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مرد کے لئے قعدہ میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اور دایاں پاؤں کھڑا کرے اور دائیں پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھے، بلا عذر مسنون طریقہ کے خلاف بیٹھنا مکروہ ہے، البتہ عذر کی وجہ سے اس طرح نہ بیٹھ سکے تو کراہت نہیں۔ ویسن (افتراش) الرجل (رجله اليسرىٰ ونصب اليمنى) وتوجيه اصابعها نحوا لقبلة كما ورد عن ابن عمر رضى الله عنهما (مراقى الفلاح مع طحطاوى ص ۱۴۶ سنن الصلوٰة) مکروہات الصلوٰۃ میں ہے: (والتربع بلا عذر) لترك سنة القعود قوله بلا عذر) اما بالعذر فلا كراهة لان العذر يبيح ترك الوجب فاولى السنة (قوله لترك السنة القعود)(هذا يفيد انه مكروه تنزيها افاده الشرح. (مراقى الفلاح مع طحطاوى ص ۱۹۲)

صورت مسئولہ میں اگر آپ کے امام صاحب کسی عذر کی وجہ سے سنت طریقہ کے مطابق نہ بیٹھ سکیں تو نماز میں کوئی کراہت پیدا نہ ہوگی ان کے پیچھے نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے البتہ اگر بلا عذر اس طرح بیٹھتے ہوں اور اس کی عادت بنالی ہو تو اس طرح بیٹھنا مکروہ ہوگا، ان کو چاہئے کہ اپنی اصلاح کرلیں اور سنت طریقہ اختیار کریں۔ تقریر کرنا اور تعلیم کرنا ان پر لازم اور ضروری نہیں ہے اور اس مقصد کے لئے ان کا تقرر بھی نہیں کیا گیا ہے، اگر وہ نماز میں قرآن مجید تجوید کے مطابق صحیح صحیح پڑھتے ہوں اور سنت طریقہ کے مطابق نماز پڑھاتے ہوں تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

نماز کا سلام پھیرنے میں "السلام علیکم" کے بجائے "سلام علیکم" کہنا کیسا ہے؟:

(سوال ۴۱) بعض امام سلام پھیرنے کے وقت "السلام علیکم" کے بجائے "سلام علیکم" (الف لام کے بغیر) کہتے ہیں اس طرح کہنا کیسا ہے؟ کیا اس میں کوئی کراہت ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مصلی کے لئے (امام ہو یا منفرد) سنت طریقہ یہ ہے کہ کمال اور صاف طریقہ سے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہے، اگر "السلام علیکم" کے بجائے "سلام علیکم" کہے گا تو سنت کے خلاف اور مکروہ ہوگا، شامی میں ہے (قوله هو السنة) قال فى البحر وهو على وجه الا كمل ان يقول السلام عليكم ورحمة الله مرتين فان قال السلام عليكم او السلام او سلام عليكم اوعليكم السلام اجزاه وكان تاركاً للسنة وصرح فى السراج بكراهة الا خيراه قلت تصريحه بذلك لا ينافى كراهة غيره مما خالف السنة (شامى ص ۴۹۱ ج ۱ فصل فى بيان تاليف الصلوٰة) فقط والله اعلم بالصواب

مقتدی تشہد پورا کرے یا امام کا اتباع کرے:

(سوال ۴۲) امام قعدۂ اولیٰ میں تشہد پڑھ کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا، درانحالیکہ مقتدی تشہد سے فارغ نہیں ہوا، تو کیا وہ امام کا اتباع کرے گا یا تشہد پورا کرے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حتی الامکان مقتدی تشہد پورا کرنے کے بعد کھڑا ہو، امام کے اتباع (یعنی تشہد پورا کئے بغیر کھڑے ہونے) کی صورت میں بھی نماز ہو جائے گی۔

مجالس الابرار میں ہے۔ واما لو قام الامام من القعدة الاولی الی الرکعة الثالثة قبل ان یتم المقتدی التشهد فانه یتمه ثم یقوم وان قام قبل ان یتمه یجوز (مجلس ۴ ص ۲۴۲، ص ۲۴۳) فقط واللہ اعلم بالصواب.

اللہ اکبر میں لفظ اللہ یا اکبر کے ہمزہ یا با پر مد کرے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۴۳) بعض لوگ بلکہ بعض امام بھی اللہ اکبر میں اللہ کے ہمزہ کو کھینچ کر پڑھتے ہیں اور بعض اکبر کے ہمزہ پر مد کر کے پڑھتے ہیں اور بعض اکبر کے باء کو کھینچ کر پڑھتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) اللہ اکبر اس طرح کہنا چاہئے کہ اللہ کے ہمزہ پر مد نہ کرے اور اس طریقہ پر نہ پڑھے آللہ، اور نہ اس طرح پڑھے کہ ہمزہ اور لام کے درمیان الف ممالہ کی آواز پیدا ہو جائے یعنی ہمزہ کو اس طرح کھینچ کر پڑھے کہ ہمزہ دراز ہو کر لام سے ملے جس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آللہ۔ بلکہ بلا تاخیر ہمزہ کو لام جلالہ سے ملانا چاہئے یہ سننے سے تعلق رکھتا ہے۔

اسی طرح اکبر کے ہمزہ پر بھی مد نہ کرے اور اس طرح نہ پڑھے، آکبر۔ اور نہ اس طرح پڑھے کہ ہمزہ اور کاف کے درمیان الف ممالہ کی آواز ظاہر ہو یعنی ہمزہ کو اس طرح کھینچ کر پڑھے کہ ہمزہ کاف سے قدرتاخیر سے ملے جس کی صورت یہ ہو سکتی ہے۔ آکبر۔ بلا تاخیر ہمزہ کاف سے ملانا چاہئے، یہ بھی سننے سے تعلق رکھتا ہے۔

اسی طرح اکبر کے باء پر بھی مد نہ کرے اور اس طرح سے نہ پڑھے۔ اکبار، اور نہ اس طرح پڑھے کہ باء اور راء کے درمیان الف ممالہ کی آواز پیدا ہو جائے، یعنی باء کو اس طرح کھینچ کر پڑھے کہ باء راء سے قدرے تاخیر سے ملے جس کی صورت یہ ہو سکتی ہے، اکب......ر، بلا تاخیر باء کو راء سے ملانا چاہئے، یہ بھی سننے سے تعلق رکھتا ہے۔

ان تین جگہوں میں سے کسی بھی جگہ مد کرے گا یا دراز کر کے پڑھے گا تو بہت سخت غلطی ہوگی، اگر یہ غلطی تکبیر تحریمہ میں کی تو سرے سے نماز ہی میں داخل نہ ہوگا، اور اگر تکبیرات انتقالات میں یہ غلطی کی تو نماز فاسد ہو جائے گی، لہذا اماموں کو چاہئے کہ اس کا بہت خیال رکھیں اور بار بار مشق کر کے توجہ کے ساتھ اپنی غلطی کی اصلاح کر لیں۔

مجالس الابرار میں ہے: وهو ست الاولیٰ تکبرة الافتتاح لا یدخل فی الصلوٰة الا بها وهی ان یقول من یرید الدخول فی الصلوٰة اللہ اکبر بلا ادخال مد فی همزة اللہ وهمزة اکبر فان وقع المد فی احد الهمزتین لا یصیر داخلا فی الصلوٰة بل تفسد لو وقع فی اثنائها ولو تعمده یکفر لانه یصیر استفهاما ومقتضاه الشک فی کبریاء اللہ . الی قوله. ولو وقع المد فی باء اکبر بان یقول

اکبار بزیادۃ الالف الممال بین الباء والراء لا یصیر داخلاً فی الصلوٰۃ وتفسد لو وقع فی اثنا ئہا۔

ترجمہ:۔ اور فرائض چھ ہیں: اول تکبیر افتتاح ہے اور بدون اس کے نماز شروع نہیں ہوتی اور وہ یہ ہے کہ جو شخص نماز شروع کرنے کا ارادہ کرے تو اللہ اکبر اس طرح کہے کہ اللہ کے ہمزہ اور اکبر کے ہمزہ اور ب پر مد نہ کرے۔ کیونکہ اگر دونوں ہمزہ میں سے ایک پر مد ہو جائے گا تو نماز میں داخل نہ ہوگا بلکہ اگر نماز میں بیچ کی تکبیروں میں آ جائے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر قصداً مد کھینچے گا تو کافر ہو جائے گا، اس لئے کہ یہ استفہام ہو جائے گا اور اس کا مقتضیٰ اللہ کی بڑائی میں شک ہے۔ الی قولہ۔ اور اگر مد اکبر کی باء پر واقع ہو کہ اکبر کی باء اور راء کے درمیان الف ممالہ زیادہ کر کے ''اکبار'' پڑھے تو۔ (تکبیر تحریمہ صحیح نہ ہوگی اور) نماز میں داخل نہ ہوگا اور نماز کے درمیان (تکبیرات انتقالات) اس طرح پڑھے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ (مجالس الابرار ص ۳۰۶ مجلس نمبر ۵۲)

زادالفقیر میں ہے۔ ولو مد بھمزۃ الجلالۃ او اکبر او باءہ لم یصر شارعاً (زاد الفقیر ص ۳۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باب القراءة وزلة القاری

امام قرأت کتنے زور سے پڑھے:

(سوال ۴۴) ایک شخص قرآن مجید کی تفسیر بیان کرتا ہے۔ پندرھویں پارہ میں سورۂ بنی اسرائیل میں ہے ولا تجهر بصلوتک ولا تخافت بها وابتغ بين ذلک سبيلا تفسیر یہ ہے کہ اپنی نماز میں نہ زور سے پڑھو نہ آہستہ میانہ روی اختیار کرو، تو کیا یہ حکم امام پر بھی منطبق ہوتا ہے؟ وہ شخص کہتا ہے کہ امام اتنے زور سے پڑھے کہ آواز جماعت خانے سے باہر نہ جانی چاہئے تو کیا اس شخص کا یہ کہنا صحیح ہے؟

(الجواب) قرآن مجید کا ترجمہ دیکھ کر احکام بیان کرنا اور امام کے لئے فتویٰ دینا صحیح نہیں ہے آیت کریمہ وابتغ بین ذلک سبیلا (میانہ روی اختیار کرو) کی یہ حد مقرر کرلینا کہ آواز جماعت خانہ سے باہر نہ جانی چاہئے یہ صحیح نہیں ہے اس کی جو حد فقہاء نے بیان کی ہے وہ صحیح ہے، درمختار اور شامی میں ہے ویجهر الامام حتما بحسب الجماعة فان زاد عليه اساء ردمختار (قوله فان زاد عليه اساء) وفي الزاهدي عن ابي جعفر لو زاد على الحاجة فهو افضل الا اذا اجهد نفسه او اذى غيره قهستاني (شامی ج ۱ ص ۴۹۰ فصل فی القرأة)

آیت مذکورہ کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ نہ تو تمام نمازوں میں زور سے پڑھو نہ تمام نمازوں میں آہستہ پڑھو، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں میں زور سے پڑھو قولہ۔ (يجهر الامام وجوباً)

للمواظبة من النبى صلى الله عليه وسلم وكان صلى الله عليه وسلم يجهر بالقران فى الصلوة كلها ابتداءً كما سيذكره الشراح وكان المشركون يؤذونه ويسبون من انزله ومن انزل عليه فانزل الله تعالىٰ ولا تجهر بصلوتک ولا تخافت بها اى لا تجهر بها كلها ولا تخافت بها كلها وابتغ بين ذلک سبيلا بان تجهر بصلوتک الليل و تخافت بصلوتک النهار فكان يخافت بعد ذلک فى صلوة الظهر والعصر الخ. (طحطاوى على در مختار ج ۱ ص ۲۶۳ ايضاً)

"بعض کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ نہ سب نمازوں کو محض آواز سے پڑھو جیسا کہ صبح و مغرب و عشاء کی نماز کیونکہ ان وقتوں میں مشرکین اپنے کاروبار میں مصروف یا سونے کھانے میں مشغول رہتے ہیں نہ سب کو ظاہر کرکے جیسا کہ ظہر و عصر کی نماز پس بعض کو پکار کر بعض کو آہستہ سے پڑھو (تفسیر حقانی ج ۵ ص ۹۶ سورۃ بنی اسرائیل تفسیر ولا تجهر بصلوتک الخ) فقط والله اعلم بالصواب.

تنوین کے بعد "الف۔لام" آنے سے قرأت میں پیدا ہونے والی صورتیں

(سوال ۴۵) ایک اہم مسئلہ اور اس کے اصول و ضوابط سوال و جواب کی شکل میں دیکھے ہیں ان کی تحقیق کی ضرورت ہے۔ مسئلہ اور قانون یہ ہے:۔

"سوال ہمارے امام صاحب جہری نماز میں قل هو الله احد الله الصمد (احد کی دال پر وقف کرنے کے) بجائے قل هو الله احدن الله الصمد (دال کی تنوین کو نون سے بدل کر اس کے نیچے کسرہ) پڑھتے ہیں۔

(الجواب) کسی آیت یا فقرے کا آخری حرف منون ہو (اس کے اوپر دو پیش یا دو زبر یا اس کے نیچے دو زیر ہوں) اور اس کے بعد والی آیت یا جملے کا پہلا حرف ''ال'' سے شروع ہوتا ہو وہاں اس کے آخری حرف کو اس کے پہلے حرف سے ملا کر پڑھنے کی صورت میں تنوین کے بجائے نون پڑھی جاتی ہے۔

سوال میں مذکورہ صورت بھی ایسی ہی ہے کہ ''احد'' کی ''دال'' پر دو پیش ہیں اور اس کے بعد آنے والا حرف اللہ ''ال'' (الف۔لام) سے شروع ہوتا ہے۔لہذا ''احد'' پر آیت نہ کر کے دونوں کو ملا کر پڑھا جائے تو اوپر معلوم ہو چکا اس کے مطابق ''نون'' پڑھا جاتا ہے اس لئے تمہارے امام صاحب ''احد'' پر آیت نہ کرتے ہوئے اس کے بعد والے ''اللہ'' کے ساتھ ملا کر اَحَدُ نِ اللّٰہُ الصَّمَدُ پڑھتے ہیں وہ غلط نہیں قرأت کے قانون کے مطابق ہے اور بالکل صحیح ہے۔''

مذکورہ مسئلہ اور قانون بیان کیا گیا ہے وہ صحیح ہے یا غلط؟ تفصیل سے جواب دیں تا کہ اطمینان ہو جائے؟

(الجواب) یہ تو صحیح ہے کہ امام جس طرح پڑھتا ہے وہ صحیح ہے، غلط نہیں، مگر جو قاعدہ اور قانون بیان کیا گیا ہے کہ ''تنوین کے بعد والی آیت کا پہلا حرف ''ال'' سے شروع ہوتا ہے تو ملا کر پڑھنے کی صورت میں تنوین کے بجائے نون پڑھی جاتی ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ غلط ہے، بعض جگہوں پر اس طرح ہونے سے اسے کلیہ سمجھنا یا قرار دینا صحیح نہیں ہے یہ تو جتنے کالے اتنے جامن سمجھ لینے کے مترادف ہے۔قرآن شریف میں ہے (۱) مُخْتَلِفًا اَلْوَانُہٗ (سورہ نحل رکوع نمبر ۲ (۲) مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُہٗ (سورۂ نحل رکوع ۹ (۳) مُخْتَلِفًا اَلْوَانُھَا (۴) مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُھَا (۵) مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُہٗ (سورہ فتح رکوع ۴ (۶) مُخْتَلِفًا اَلْوَانُہٗ (سورۂ زمر رکوع ۲)

مذکورہ مثالوں میں تنوین کے بعد ''اَلْوَانُہٗ'' اور ''اَلْوَانُھَا'' ہے اس لئے تنوین کے بعد کا حرف الف۔لام (ال) سے شروع ہوتا ہے مگر یہاں پر ملا کر پڑھنے کی صورت میں تنوین کے بجائے نون نہیں پڑھی جاتی یعنی مُخْتَلِفُ نِ الْوَانُھَا پڑھنا جائز نہیں ہے، پڑھے گا تو لحن جلی لازم آئے گا جو حرام ہے، اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل دوسرے رکوع میں ہے (۷) وَکُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰہُ یہاں بھی تنوین کے بعد کا حرف ''ال'' سے شروع ہوتا ہے مگر تنوین کے بجائے نون نہیں پڑھا جاتا۔یعنی اِنْسَانِ نِ الْزَمْنٰہُ پڑھنا جائز نہیں ہے، پڑھے گا تو لحن جلی لازم آئے گی، اور سورۂ ق دوسرے رکوع میں ہے (۸) عَتِیْدٌ اَلْقِیَا یہاں پر بھی تنوین کے بعد والا حرف ''ال'' سے شروع ہوتا ہے مگر تنوین کے بجائے نون نہیں پڑھا جاتا یعنی عَتِیْدُ نِ الْقِیَا پڑھنا جائز نہیں ہے پڑھے گا تو گنہگار ہوگا اور سورۂ طور پہلے رکوع میں ہے (۹) بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِھِمْ یہاں بھی تنوین کے بعد والا حرف ''ال'' سے شروع ہوتا ہے مگر تنوین کے بجائے نون نہیں پڑھا جاتا یعنی بِاِیْمَانِ نِ الْحَقْنَا بِھِمْ نہیں پڑھا جا سکتا، پڑھے گا تو لحن جلی لازم آئے گا اور گنہگار ہوگا، اور سورہ نبا پہلے رکوع میں ہے (۱۰) جَنّٰتٍ اَلْفَافًا یہاں پر تنوین کے بعد والا حرف ''ال'' سے شروع ہونے کے باوجود تنوین کے بجائے نون نہیں پڑھا جاتا یعنی'' جَنّٰتِ نِ الْفَافًا پڑھنا جائز نہیں، پڑھے گا تو لحن جلی لازم آئے گا۔

نیز تنوین کو نون سے بدلنے کے لئے ''ال'' پر منحصر اور موقوف رکھنے میں دوسری خرابی یہ ہے کہ ''تنوین'' کو ''نون'' سے بدلنے کی قرآن وحدیث میں بے حد مثالیں ہیں۔

مثلاً:۔

''اب'' کی مثال	عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ	(سورۂ توبہ)
	رَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا	(سورۂ حدید)
	نُوْحُ نِ ابْنَهٗ	(سورۂ ھود)
''ات'' کی مثال	شَيْئًا نِ اتَّخَذَهَا	(سورۂ جاثیہ)
''اج'' کی مثال	خَبِيْثَةِ نِ اجْتُثَّتْ	(سورۂ ابراہیم)
''اد'' کی مثال	مُنِيْبِ نِ ادْخُلُوْهَا	(سورۂ ق)
	بِرَحْمَةٍ نِ ادْخُلُوْا	(سورۂ اعراف)
''اذ'' کی مثال	طُوًى نِ اذْهَبْ	(سورۂ النازعات)
''ار'' کی مثال	عَذَابٍ نِ ارْكُضْ	(سورۂ ص)
''از'' کی مثال	فِيْ زُجَاجَةٍ نِ الزُّجَاجَةُ	(سورۂ نور)
''اس'' ''اس'' کی مثال	اَهْلَ قَرْيَةٍ نِ اسْتَطْعَمَا	(سورۂ کہف)
	بِغُلٰمٍ نِ اسْمُهٗ	(سورۂ مریم)
	شَيْئًا نِ السَّمَآءُ	(سورۂ المزمل)
	يَوْمَئِذٍ نِ السَّلَمَ	(سورۂ نحل)
''اش'' کی مثال	كَرَمَادٍ نِ اشْتَدَّتْ	(سورۂ ابراہیم)
''اص'' کی مثال	ابوبکرِ نِ الصّدیق	(حدیث شریف)
''اط'' کی مثال	خَيْرُ نِ اطْمَاَنَّ بِهٖ	(سورۂ حج)
''اع'' کی مثال	عَلِيْمُ نِ اعْلَمُوْ	(سورۂ مائدہ)
''اع'' کی مثال	وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ نِ اعْمَلُوْا	(سورۂ سبا)
''اف'' کی مثال	اِلَّآ اِفْكُ نِ افْتَرٰهُ	(سورۂ الفرقان)
''اق'' کی مثال	مُبِيْنَ نِ اقْتُلُوْا	(سورۂ یوسف)
''ان'' کی مثال	فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ	سورۂ حج
〃	ثَلٰثَةٌ نِ انْتَهُوْا	(سورۂ نساء)
〃	حَكِيْمٌ نِ انْفِرُوْا	(سورۂ براءۃ)
〃	لَهْوَ نِ انْفَضُّوْا	(سورۂ جمعہ)
''اھ'' کی مثال	خَيْرُ نِ اهْبِطُوْا	(سورۂ بقرہ)

وغیرہ وغیرہ بے حد مثالیں ایسی ہیں کہ تنوین کے بعد والا حرف ''ال'' سے شروع نہیں ہوتا پھر بھی تنوین کے بجائے قانو نانون پڑھا جاتا ہے لہذا ''ال'' پر دارومدار رکھنا غلط ہے۔

اصل قاعدہ اور قانون یہ ہے کہ جس لفظ کے اخیر حرف کو تنوین (دوزبر دو پیش دوزیر) ہو اور اس کے بعد والی

آیت یا جملے کا پہلا حرف ہمزہ وصلی ہو تو اس کو ملا کر پڑھنے کی صورت میں ہمزہ وصلی حذف ہو جاتا ہے (پڑھا نہیں جاتا) اور ''تنوین'' ''نون'' سے بدل جاتی ہے یعنی تنوین کی ایک حرکت پڑھی جاتی ہے اور دوسری حرکت نون میں آجاتی ہے جسے نون قطنی کہا جاتا ہے قرآن مجید میں ایسی جگہ پر آسانی کے لئے چھوٹا سا ان نون لکھ دیا جاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

فجر میں قرأت کی مقدار:

(سوال ۴۶) امام صاحب سورۂ ملک اور سورۂ یٰسٓ حفظ ہونے کے باوجود نماز فجر میں (۱) والضحیٰ واللیل۔ (۲) الم نشرح (۳) والتین والزیتون اور (۴) سورۂ جمعہ کا اخیری رکوع پڑھتے ہیں جس کی وجہ سے بعض نمازیوں کی سنتیں فوت ہو جانے کا خوف رہتا ہے تو اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

(الجواب) نماز صبح میں امام کو اتنی مختصر قرأت کی عادت بنالینا خلاف سنت اور مکروہ ہے، کوئی خاص عذر نہ ہو تو امام اور ایسے ہی منفرد نماز صبح میں طوال مفصل یعنی سورۂ حجرات سے لے کر سورۂ بروج تک کی سورتوں میں سے ایک ایک سورۃ ایک ایک رکعت میں پڑھے یہ مسنون اور مستحب ہے یا کسی اور جگہ سے درمیانی درجہ کی کم سے کم چالیس آیتیں پڑھیں یہ کم سے کم ہے متوسط درجہ پر ہے کہ پچاس آیتوں سے ساٹھ تک اور اس سے بہتر یہ ہے کہ سو آیتوں تک پڑھیں۔ اس سلسلہ میں امام اور مقتدیوں کی ہمت اور شوق کا لحاظ رکھنا چاہئے البتہ وقت کی تنگی یا کسی اور ضرورت اور عذر کی بناء پر قرأت مختصر کرنی پڑے تو مضائقہ نہیں ہے جائز ہے۔ وان لم یخف فوت الوقت فالسنة فی حقه ان یقرأ فی صلوة الفجر فی الرکعتین باربعین اية وسطا والادنی 'او خمسین اوستین اية وهو الأوسط والا علی الزيادة علی الستين الی المائة ففی صحيح مسلم من حديث جابر رضی الله عنه انه عليه السلام كان يقرأ فی الفجر بقاف و نحوها وفی الصحيحين عن ابی بريدة كان عليه السلام يقرأ فی الفجر ما بين ستين الی المائة الخ (کبیری ص ۳۰۳) (شامی ج ۱ ص ۵۰۴ فصل فی القرأة)

منفرد کی اقتداء کی جائے تو وہ جہراً قرأت کرے یا سراً؟:

(سوال ۴۷) ٹرین پکڑنے کی جلدی تھی، اس لئے اسٹیشن کی مسجد میں میں نے جماعت سے پہلے نماز صبح شروع کی، سورہ فاتحہ پڑھی اتنے میں دو چار مصلی میری اقتدا کرتے ہوئے میرے ساتھ نماز میں شریک ہو گئے تو اس سورت میں میرے لئے سورت زور سے پڑھنا چاہئے تھا یا آہستہ سے؟ سورۂ فاتحہ تو میں نے آہستہ سے پڑھی تھی۔

(الجواب) صورت مذکورہ میں اگر آپ امامت کی نیت کرلیں تو سورت زور سے پڑھنا ضروری ہے ورنہ نہیں۔ ''کبیری'' میں ہے شرع منفرداً فی صلوة جهرية فقرأ الفاتحة مخافة ثم اقتدی به جماعة يجهر بالسورة ان قصد الأمامة والا فلا اذا لا يلزمه ما لم يلتزمه (ص ۵۷۴) فقط والله اعلم بالصواب.

سورۂ فاتحہ اور سورۃ کے بیچ میں بسم اللہ:

(سوال ۴۸) سورۂ فاتحہ ختم کر کے سورۃ پڑھے تو بسم اللہ پڑھے یا نہیں؟

(الجواب) ہاں آہستہ سے بسم اللہ پڑھے۔ شامی میں ہے ان سمی بین الفاتحہ والسورۃ المقروٗۃ سراً او جھراً کان حسناً عند ابی حنیفہ. (یعنی) سورہ فاتحہ اور سورہ زور سے پڑھے یا آہستہ اس کے درمیان بسم اللہ پڑھنا بہتر ہے (ج ۱ ص ۴۵۸ آداب الصلاۃ مطلب قراۃ البسملۃ بین الفاتحۃ والسورۃ حسن) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک ہی سورہ کی قرأت دو رکعت میں:

(سوال ۴۹) دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورۃ پڑھے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) فرض نماز میں بدون عذر ضرورت دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورۃ کی قرأت خلاف اولیٰ اور مکروہ تنزیہی ہے نسیاناً پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں۔ البتہ نوافل میں بلا کراہت جائز ہے۔ ردالمحتار ج۱ ص ۵۱۰)(۱) ابوداؤد شریف میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز فجر کی دونوں رکعتوں میں سورہ زلزال پڑھی ج۱ ص ۱۲۵۔ علماء نے اس کو ضرورت اور بیان جواز پر محمول کیا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ صبح کی نماز میں طویل قرأت فرمایا کرتے تھے پس جس طرح کسی ضرورت یا بیان جواز کے لئے قرأت مختصر فرمائی ایسے ہی ایک ہی سورت کو دوبارہ پڑھنے کا مقصد بیان جواز تھا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قرأت میں الینا کی جگہ علینا پڑھے:

(سوال ۵۰) امام نے نماز جمعہ میں دوسری رکعت میں سورۂ غاشیہ پڑھی ان الینا ایا بھم. ثم ان علینا حسابھم کی جگہ ان علینا ایابھم ثم ان علینا حسابھم. پڑھا تو نماز صحیح ہے یا واجب الاعادہ ہے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں نماز ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں۔(۲) فقط واللہ اعلم بالصواب

سورۃ کے آخری حروف کو رکوع کی تکبیر کے ساتھ پڑھے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۵۱) نماز میں سورۂ کوثر اور سورۂ اخلاص کے آخری حرف کو رکوع کی تکبیر کے ساتھ ملا لے یعنی سورۂ کوثر میں " ھو الابتر اللہ اکبر " اور سورۂ اخلاص میں " کفواً احد اللہ اکبر " پڑھ کر رکوع کرے تو نماز میں کوئی خرابی پیدا ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) جہاں سورۃ کا آخری حرف اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا ہو وہاں تکبیر کے ساتھ ملا سکتے ہیں اور جہاں ایسا نہ ہو وہاں وصل نہ کیا جائے۔ لہٰذا " کفواً احد اللہ اکبر " پڑھنے میں کوئی حرج نہیں مگر " ھو الابتر اللہ اکبر " نہ پڑھنا چاہئے " ھو الابتر " پر وقف کر کے رکوع کی تکبیر کہے، اذا فرغت من القراۃ وترید ان تکبر للرکوع ان

---

(۱) قولہ لأباس ان یقرء سورۃ الخ افادانہ یکرہ تنزیھاً و علیہ یحمل جزم القنیۃ بالکراھۃ ویحمل فعلہ علیہ الصلوٰۃ والسلام علی بیان الجواز ھذا اذلم یضطر فان اضطر بأن قرء فی الاولیٰ قل اعوذ برب الناس اعادھا فی الثانیۃ الخ فصل فی القراءۃ.

(۲) ومنھا الخطافی التقدیم والتاخیر ان قدم کلمۃ علی کلمۃ او اخر ان لم یتغیر المعنی لا تفسد نحو ان قرء لھم فیھا زفیر و شھیق وقدم الشھیق ھکذا فی الخلاصۃ فتاوی عالمگیری الفصل الخامس فی زلۃ القاری ج ۱ ص ۸۹.

کان الختم بالثناء فالوصل بالله اکبر اولی ولو لم یکن بالثناء فالفصل اولیٰ کقوله تعالیٰ ان شانئک هو الابتر . هکذا فی التتار خانیة (عالمگیری ج ۱ ص ۸۱ الفصل الخامس فی زلة القاری)

تعوذ اور سورۃ میں وصل کہاں کرے اور فصل کہاں:

(سوال ۵۲) قرأت شروع کرتے وقت تعوذ اور سورۃ میں وصل کرے تو کیا حکم ہے۔

(الجواب) اس طرح قرأت کرنا جائز ہے کوئی حرج نہیں لیکن کس موقع پر وصل اور کس جگہ فصل کرنا چاہئے اس قاعدہ سے واقف ہونا ضروری ہے ورنہ غلطی کرے گا اور گنہگار ہوگا۔

فائدہ:

جب سورت سے قرأۃ کا آغاز ہو تو یہ چار صورتیں جائز ہیں: (۱) فصل کل۔ یعنی "اعوذ بالله" پڑھ کر وقف کرے پھر بسم اللہ پڑھ کر وقف کرے اس کے بعد سورت شروع کرے (۲) وصل کل یعنی تعوذ کو تسمیہ کی ساتھ اور تسمیہ کو سورت کے ساتھ ملائے۔ چنانچہ اعوذ بالله من الشیطان الرجیم بسم الله الرحمن الرحیم کھیعص (۳) فصل اول وصل ثانی یعنی اعوذ پڑھ کر وقف کرے پھر بسم اللہ کو سورت کے ساتھ ملا کر قرأت کرے (۴) وصل اول فیصل ثانی۔ یعنی تعوذ کو تسمیہ کے ساتھ ملا کر قرأت کرے اور بسم اللہ پڑھ کر وقف کرے اور اس کے بعد سورت شروع کرے (ہدیۃ الوحید وغیرہ)

ایاک نستعین میں الف حذف کرے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۵۳) قرأت میں وایاک نستعین کی جگہ ویاک نستعین یعنی واؤ کے بعد الف کا اظہار نہ ہو تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) ویاک بدون الف کے پڑھنے سے نماز ہو جائے گی مگر اس طرح قرأت کرنا غلط ہے صحیح پڑھنے کی کوشش کی جائے ویاک نعبدبواومکان الهمزة الخ (زاد الفقیر ص ۴۲) فقط . والله اعلم بالصواب

قرأت میں پیش کی جگہ زبر پڑھے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۵۴/الف) سورۂ روم کے آخری رکوع کی پہلی آیت میں لفظ ضعف تین مرتبہ آیا ہے اس کے ضاد پر پیش کی جگہ زبر پڑھے تو صحیح ہے یا نہیں؟

() پیش اور زبر دونوں پڑھنا صحیح ہے زبر پڑھنے سے نماز میں کچھ خرابی نہ آئے گی۔[1] فقط والله اعلم بالصواب.

(سوال) میں نماز عشاء پڑھا تا تھا۔ سورہ واللیل پڑھی جس میں فسنیسره للعسری کی جگہ للیسری پڑھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) الضَعف والضُعف خلاف القوة وقیل الضعف بالضم ، فی الجسد والضعف بالفتح فی الرأی والعقل وقیل هما جائز ان فی کل وجه لسان العرب باب الضاد ج ۸ ص ۴۲ .

(الجواب ۵۴/ب)صورت مسئولہ میں و کذب بالحسنی کو فسنیسرہ للسیری کے ساتھ وصل کرکے ایک ہی سانس میں پڑھا ہو تو نماز فاسد ہے اوراعادہ ضروری ہے۔قاضی خان میں ہے۔وان کانت مخالفۃ کما لو قرء وعداً علینا انا کنا غافلین مکان فاعلین (الی قولہ) والصحیح ھو الفساد لانہ اخبر بخلاف ما اخبر اللہ بہ (ج ا ص ۷۳ فصل فی قرأۃ القرآن خطأ وفی الاحکام المتعلقۃ بالقرأۃ)وان تغیر المعنیٰ بان قرء ان الابرار لفی حجیم وان الفجار لفی نعیم (الی قولہ)تفسد صلاتہ لانہ اخبر بخلاف ما اخبر اللہ بہ (ج ا ص ۷۴ ایضاً) اوراگروکذب بالحسنٰی پروقف کرکے یعنی آیت کرکے سانس توڑ کر دوسرے سانس پر فسنیسرہ للیسرٰی سے ابتدا کی ہو تو نماز فاسد نہیں۔قاضی خان میں ہے۔وان ذکر ایۃ مکان ایۃ ان وقف علی الاولیٰ وقفاً تاماً وابتدء بالثانیۃ لا تفسد کذا لو قرء ان الذین امنوا وعملوا الصلحت وقف ثم قرء اولئک ھم شر البریۃ (لاتفسد)ج ا ص ۷۴ ایضاً)واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ:

(سوال ۵۵)ایک شخص کا کہنا ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھے دوسری تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھے۔جو پڑھتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

(الجواب)یہ بات صحیح نہیں بلکہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ آہستہ پڑھنی چاہئے،دوسری تیسری اور چوتھی رکعت میں بسم اللہ پڑھنے کی ممانعت نہیں سمیٰ سراً فی اول کل رکعۃ.یعنی ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ آہستہ سے پڑھے۔(درمختار مع الشامی ج ا ص ۴۵۷ فصل واذا اراد الشروع فی الصلاۃ الخ)فقط واللہ اعلم بالصواب

صلوٰۃ کسوف میں قرأت آہستہ ہونی چاہئے یا زور سے؟:

(سوال ۵۶)سورج گرہن کی جو دو رکعت با جماعت پڑھی جاتی ہے اس میں قرأت زور سے پڑھی جائے یا آہستہ؟

(الجواب)آہستہ پڑھی جائے"فتاویٰ سراجیہ"میں ہے ویخافت فیھا بالقرأۃ (ص ۲۱) فقط .واللہ اعلم بالصواب۔

نماز میں سورتوں کو خلاف ترتیب پڑھنا:

(سوال ۵۷)امام نے پہلی رکعت میں سورۂ کافرون پڑھی اوردوسری رکعت میں سورۂ کوثر یا سورہ صیف پڑھی تو اس طرح قرآن کی ترتیب کے خلاف پڑھنے سے نماز درست ہوگی یا نہیں؟

(الجواب)ترتیب سور واجبات تلاوت میں سے ہے واجبات نماز سے نہیں لہذا اس طرح پڑھنے سے سجدۂ سہو نہیں ہاں عمداً اس طرح پڑھنا مکروہ ہے نسیاناً پڑھے تو مکروہ بھی نہیں(درمختار)شامی ج ا ص ۵۱۰)(۱)

---

(۱) وان یقرء منکو ساً بان یقرأ فی الثانیۃ سورۃ اعلیٰ فماقرأ فی الاولیٰ لأن ترتیب السور من واجبات التلاوۃ(فصل فی القراۃ)

قرأت میں ایک سورت کا فاصلہ:

(سوال ۵۸) پہلی رکعت میں سورۂ کوثر اور دوسری میں سورۂ نصر پڑھنے سے نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ درمیان میں ایک چھوٹی سی سورت چھوٹ گئی ہے اب سجدۂ سہو سے کراہت دور ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) عمداً اس طرح پڑھنا منع ہے البتہ نفل میں گنجائش ہے کہ لیکن اس طرح پڑھنے سے سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں (درمختار شامی)(۱) ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

قرأت میں ''الینا'' کی جگہ ''علینا'' پڑھے تو نماز ہوئی یا نہیں؟:

(سوال ۵۹) ہمارے امام صاحب نے نماز جمعہ کی دوسری رکعت میں ''سورۂ غاشیہ'' پڑھی اور اس میں ان علینا بھم ثم ان علینا حسابھم کے بجائے ان علینا ایا بھم ثم ان علینا حسابھم ۔ پڑھا تو نماز ہوئی یا اعادہ کرے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں نماز ہوگئی ۔ اعادہ کی ضرورت نہیں ۔(۲) فقط واللہ اعلم بالصواب

امام کو بلا ضرورت لقمہ دینا:

(سوال ۶۰) وسیق الذین کفروا کا رکوع پہلی رکعت میں امام پڑھ رہا تھا بھول سے قیل ادخلوا ابواب جھنم چھوڑ کر وسیق الذین اتقوا شروع کرنا ہی تھا ۔ کہ پیچھے سے زید قیل ادخلوا کا لقمہ دینے لگا ۔ نماز کے بعد امام صاحب نے کہا ۔ لقمہ دینے کی ضرورت نہیں تھی ۔ زید کا کہنا ہے کہ لقمہ دینا ضروری ہے کیونکہ مضمون پورا کرنا ہی چاہئے ۔ پھر دوسرے مضمون کو شروع کرنا چاہئے ۔ دلیل میں ورتل القران ترتیلا پیش کرتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟ اور مضمون پورا نہ ہونے سے جب کہ تراویح میں ختم قرآن شریف کا نہ ہو لقمہ دینا ضروری ہے؟ بینوا توجروا ۔ (قاسم غنی عنہ از افریقہ)

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب کہ امام نے آگے کی آیت پڑھنا شروع کردی تھی تو لقمہ دینے کی حاجت نہیں تھی ۔ فقہاء رحمہم اللہ نے اس صورت میں فساد نماز کا حکم لگایا ہے کہ یہ بلا حاجت تلقین ہے ۔ ولو کان الا مام انتقل الیٰ آیة آخری تفسد صلوٰة الفاتح وتفسد صلوٰة الا مام لو اخذ لقوله لو جود التلقین والتلقن من غیر ضرورة ۔ یعنی: ۔ اگر امام دوسری آیت کی طرف منتقل ہوگیا ۔ یعنی دوسری آیت پڑھنے لگا اس کے بعد مقتدی نے امام کو لقمہ دیا (یعنی جو آیت چھوٹ گئی تھی ۔ وہ بتلائی) تو لقمہ دینے والے مقتدی کی نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر امام نے اس کا لقمہ لے لیا ۔ تو اس کی نماز بھی فاسد ہوجائے گی (اور جب امام کی نماز فاسد ہوگئی تو سب کی نماز فاسد ہوگی) اس لئے کہ مقتدی کا تلقین کرنا اور امام کا لقمہ لینا بلا حاجت پایا گیا ۔ (ہدایہ ص ۱۱۶ ج ا باب ما یفسد الصلوٰة وما یکرہ فیھا)

---

(۱) ویکرہ الفصل بسورة قصیرة اما بسورة طویلة بحیث یلزم منه اطالة الرکعة الثانیة اطالة کثیرة فلا یکرہ ص ۵۱۰ ایضاً)

(۲) ومنھا الخطاء فی التقدیم والتاخیران قدم کلمة علی کلمة او اخر ان لم تغیر المعنی لا تفسد نحوان قرأ لھم فیھا خیرو شھیق وقدم الشھیق ھکذا فی الخلاصة فتاویٰ ھندیه ص ۸ الفصل الخامس فی زلة القاری.

لیکن صحیح یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی ۔ہاں! باحاجت لقمہ دینا مکروہ ہوگا ۔بخلاف فتحه علی امامه فانه لا یفسد مطلقا لفاتح وآخذ بکل حال الخ (درمختار) (قوله بکل حال) ای سواء قراء الا مام قدر ما تجوزبه الصلوٰة ام لا انتقل الیٰ آیة اخری ام لا تکرر الفتح ام لا هو الا صح نهر یعنی مقتدی کا اپنے امام کولقمہ دینا مفسد صلوٰۃ نہیں نہ لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہوتی ہے ۔نہ لقمہ لینے والے امام کی چاہے امام اس قدر پڑھ چکا ہوجس سے نماز درست ہو جاتی ہے یا کم پڑھا ہو ۔دوسری آیت کی طرف منتقل ہوا ہو یا نہ ہوا ہو ۔یا مکرر لقمہ دیا ہو بہرصورت نماز فاسد نہ ہوگی (شامی ج ۱ ص ۵۸۲ باب مایفسد الصلوٰة وما یکره فیها)

کتب فقہ میں یہ بھی تصریح ہے کہ مقتدی عجلت نہ کرے یعنی (بھولتے ہی) فوراً لقمہ نہ دے کہ لقمہ دینے کی ظاہری صورت تعلیم وتعلم کی ہے ۔جو بلاضرورت خالی از کراہت نہیں ۔امام کو بھی ہدایت دی گئی ہے کہ مقتدیوں کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کرے کہ ایک آیت یا جملہ کو بار بار دہراتا رہے یا خاموش کھڑا رہے (اس صورت میں مقتدی لامحالہ لقمہ دے گا) بلکہ اگر بقدر واجب (وفی روایۃ بقدر مستحب) قراءت کر چکا ہو تو رکوع کرے یا مابعد کی آیت پڑھنا شروع کردے۔

وینبغی للمقتدی ان لا یعجل بالفتح وللامام ان لایلجئهم الیه بل یرکع اذا جاء اوانه او ینتقل الیٰ اٰیة اخریٰ (هدایه باب مایفسد الصلوٰة وما یکره فیها ص ۱۱۲ ج ۱) ''شامی'' میں ہے ۔(تتمہ)

ویکره ان یفتح من ساعته کمایکره للامام ان یلجئه الیه بل ینتقل الیٰ آیة اخریٰ لا یلزم من وصلها مایفسد الصلوٰة اوالیٰ سورة اخر او یرکع اذا قرأ قدر الفرض کما جزم به الزیلعی غیره وفی روایة قدر المستحب کما رجحه الکمال بانه الظاهر من الدلیل واقره فی البحر والنهر ونازعه فی شرح المنیة ورجح قدر الواجب لشدة تاکده (ج ۱ ص ۵۸۲ باب ما یفسد الصلاةوما یکره فیها)

الحاصل مذکورہ صورت میں لقمہ دینے کی حاجت نہیں تھی بلا حاجت لقمہ دیا گیا ۔آیت چھوٹ جانے سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی ۔ورتل القرآن ترتیلا کی آیت سے لقمہ کی ضرورت پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے ۔فقط اللہ اعلم بالصواب ۔

نماز میں اواخر سورۂ بقرہ اور قل ھو اللہ کی قراءت:

(سوال ۶۱) ہمارے امام صاحب کبھی کبھی مغرب کی پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص یا سورہ کافرون یا سورہ نصر وغیرہ تلاوت کرتے ہیں تو کوئی حرج تو نہیں ہے اور نماز مکروہ ہوتی ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں بلا کراہت نماز صحیح ہے لو قرأ آمن الرسول فی رکعة وقل هو الله احد فی رکعة لا یکره (فتاویٰ عالمگیری ص ۷۸ الفصل الرابع فی القرأة) فقط والله اعلم بالصواب ۔

نماز میں وانحر کی جگہ وانہر پڑھا:

(سوال ۶۲) کیا وانحر کی جگہ کوئی آدمی وانہر پڑھے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔اگر فاسد ہو جائے گی تو کیوں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔فصل لربک وانحر قرء وانہر تفسد صلاتہ.(ص ۷۱ ج ۱ فصل فی قرأۃ القرآن خطاء وفی الاحکام المتعلقۃ بالقرأۃ) اس لئے کہ معنی میں نمایاں تبدیلی ہو جاتی ہے۔لو قرأ فصل لربک وانہر مکان الحاء تفسد صلاتہ وذلک لبعد المعنی علی ماھورأی المتقدمین (کبیری ص ۴۵۲ فصل فی بیان احکام زلۃ القاری)اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ متقدمین کے نزدیک نماز فاسد ہوگی اور لوٹانا ضروری ہوگا البتہ علماء متاخرین کے نزدیک بوجہ عموم بلوی نماز فاسد نہ ہوگی۔فقط واللہ اعلم بالصواب

امام قراءت شروع کر چکا ہو تو مقتدی ثناء نہ پڑھے:

(سوال ۶۳) میں عشاء کی نماز میں اس وقت داخل ہوا جب امام صاحب نے قرأت شروع کردی تھی۔اب میں ثناء کب پڑھوں؟ رکوع میں یا سجدہ میں؟ یا اسی وقت؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) امام نے قراءت شروع کردی تو اب مقتدی ثناء نہ پڑھے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب

صحت وقف کی ایک شرط تابید بھی ہے:

(سوال ۶۴) حامداً ومصلیاً۔کیا فرماتے ہیں۔علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ حاجی عبدالمجید نے اپنی زمین ذریعہ تحریر دستاویز رجسٹری (جس کی نقل ذیل میں درج ہے) ۱۴؍۱۱ اگست ۱۹۳۶ء کو ایک مدرسہ کو دیا۔اس وقت زمین مذکور پر حاجی عبدالمجید کا قبضہ ہے۔دریں حالت تحریر دستاویز مذکور کو وقف نامہ سمجھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر یہ تحریر وقف نامہ نہیں ہے تو زمین مذکور کی کیا حیثیت ہوگی؟ (عبدالمجید شاہ گنج ضلع جون پور) نقل دستاویز رجسٹری ۱۴؍۱۱ اگست ۱۹۳۶ء۔

شیخ عبدالمجید ولد حاجی حافظ شیخ محمد مرحوم ساکن قصبہ شاہ گنج پرگنہ اونگلی۔ڈاک خانہ۔شاہ گنج ضلع جون پور۔

چوں مقر قطعہ احاطہ موقوعہ کوڑیا شاہ گنج پرگنہ اونگلی کے مستقل مالک ہیں جس پر مقر بہ نفاذ جمیع حقوق مالکانہ قابض ودخیل ہیں اور علاوہ مقر کے کوئی دوسرا شریک سہیم جائداد مفصلہ میں نہیں ہے اور مقر ہر طور اس کے فصل کرنے کے مجاز ہیں۔قصبہ شاہ گنج میں ایک مدرسہ موسومہ بدرالاسلام واسطے تعلیم دینی وغیرہ قائم وجاری ہے۔جس کے لئے عمارت ودرس گاہ کی سخت ضرورت ہے۔لہذا مقر کی دلی خواہش ہوئی کہ بنظر ثواب عقبیٰ مقر جائداد مفصلہ ذیل کو اغراض مدرسہ کے لئے دے دیویں۔لہذا مقر بحالت صحت ذات ودنیات عقل بدرستی وحواس بلا جبر واکراہ رضائے رغبت اپنے بلا تحریک وترغیب دیگرے ذریعہ تحریر تملیک نامہ شرائط ذیل کے پابند ہوتے ہیں اور حسب ذیل اقرار کرتے ہیں۔

---

(۱) أنہ اذا ادرک الامام فی القرأۃ فی الرکعۃ التی یجہر فیہا لا یاتی بالثنآء کذافی الخلاصۃ فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۹۰ الفصل السادس فیما یتابع الامام وفیما لا یتابعہ.

(الف) ہتھر زمین احاطۂ مفصلہ ذیل مالیتی ایک سو روپیہ کو مدرسہ اسلامیہ موسومہ بدر الاسلام کو دوام کے لئے دے دیا ہے۔ کارکنان و منتظمین مدرسہ کو اختیار ہے کہ احاطۂ مصرحہ ذیل میں درس گاہ خواہ عمارت تعمیر کریں اور دار الاقامہ تیار کراویں یا مدرسہ کے واسطے بطریق مناسب استعمال کریں۔

(ب) تا قیام مدرسہ مذکور کو مصرحہ ذیل ملکیت مدرسہ کی رہے گی۔ اگر خدانخواستہ کسی وقت مدرسہ قائم نہ رہے تو اس حالت میں جائداد مذکور مصرحہ ذیل ہتھر خواہ ورثائے ہتھر کی طرف عود کر جائے گی۔ اگر ہتھر زندہ رہے تو ہتھر ......کو، ورنہ ورثائے ہتھر کو حق مقابلت ہو جائے گا۔

(ج) تا قیام مدرسہ ہتھر خواہ ورثائے ہتھر کو احاطۂ مذکور کو واپس لینے یا قبضہ کرنے کا استحقاق نہیں ہوگا۔

(د) لہذا ہتھر نے تملیک نامہ ہذا لکھ دیا کہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے (المرقوم ۱۴ اگست ۱۹۳۶ء)

(الجواب) یہ وقف صحیح نہیں ہوا۔ اس لئے کہ صحت وقف کی ایک شرط تابید اور بقاء بھی ہے۔ یعنی اس کی آخری جہت قربۃ ایسی ہو کہ منقطع نہ ہو اور مسلمان اس سے ہمیشہ فیضیاب ہوتے رہیں۔ اس کے برخلاف وقف نامہ میں تصریح ہے کہ مدرسہ قائم نہ رہے تو جائداد موقوفہ واقف یا ورثائے واقف کی طرف عود کر جائے گی۔ لہذا انقطاع لازم آیا اور وقف تام نہیں ہوا۔ **ولا یتم الوقف عند ابی حنیفة و محمد حتیٰ یجعل اخرہ بجهة لا تنقطع ابداً الخ (هدایه ص ۶۱۹ کتاب الوقف)**

اور امداد الفتاویٰ میں ہے۔ لیکن شرط صحت وقف آنست کہ آخر جہۃ قربت غیر منقطعہ نہ باشد (ص ۵۲۵ ج ۲) غالباً اسی وجہ سے مذکور زمین آج تک (۳۶ سال ہوتے ہیں) مالک کے تصرف میں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فرض قراءت کی ادنیٰ مقدار کتنی ہے؟:

(سوال ۶۵) نماز میں فرض قراءت کی کم از کم مقدار کیا ہے کہ جس کے پڑھنے سے قراءت کا فرض ساقط ہو جاتا ہے بینوا توجروا۔

(الجواب) مجالس الابرار میں ہے کہ کم از کم قراءت کہ جس سے فرض ساقط ہو جائے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک آیت ہے۔ اگر چہ سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہو جیسے الحمد للہ رب العلمین یا چھوٹے دو کلموں سے مرکب ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ثم نظر یا کئی کلمات سے مرکب ہو فقتل کیف قدر۔ لیکن اسی پر اکتفا کرنے والا واجب کے ترک کی وجہ سے گنہگار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ خاص سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اور اس کے ساتھ کسی سورت کا ملانا یا تین آیتوں کا ملانا بھی واجب ہے اگر قصداً پوری سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو فرض قراءت ہو جانے کی وجہ سے نماز کی فرضیت ذمہ سے ساقط ہو جائے گی مگر ترک واجب کی وجہ سے نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ اسی طرح سورت نہیں ملائی تو ترک واجب لازم آیا لہذا نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔ اگر بھول سے یہ واجب ترک ہوا تو سجدہ سہو کرنے سے نماز صحیح ہو جائے گی۔ اگر آیت ایک ہی کلمہ کی ہو جیسے مدھآمتن یا ایک ہی حرف کی ہو جیسے صٓ۔ قٓ اور نٓ تو اس میں اختلاف ہے کہ فرض ساقط ہوا کہ

نہیں اصح یہ ہے کہ ابو حنیفہ کے نزدیک فرض ساقط نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی بڑی آیت جیسے آیت الکرسی یا آیت مداینت کا نصف ایک رکعت میں اور نصف دوسری رکعت میں پڑھی تو اس میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک جائز نہیں کہ پوری آیت نہیں پڑھی گئی۔ مگر عام فقہاء رحمہم اللہ جائز کہتے ہیں اس واسطے کہ ان آیتوں (آیۃ الکرسی، آیۃ مداینت) کا نصف چھوٹی تین آیتوں سے زیادہ یا برابر ہو جاتا ہے اور صاحبین کے نزدیک کم سے کم قراءت جس سے فرض ساقط ہو جائے۔ چھوٹی تین آیتیں ہیں یا ایک بڑی آیت ہو جو تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہو تب بھی فرض ساقط ہو جائے گا۔ اس لئے کہ قرآن معجز ہے اور کم از کم جس میں اعجاز واقع ہوا ایک سورت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''اس جیسی کوئی سورت لاؤ'' اور سورتوں میں سب سے چھوٹی سورت، سورۂ کوثر ہے اور وہ تین آیات ہیں۔ وادنی ما یجزی منها عند ابی حنیفة آية ان كانت من الفاتحة او كانت قصيرةً مركبةً من كلمتين كقوله تعالى ثم نظر او من كلمات كقوله تعالىٰ فقتل كيف قدر، والمكتفىٰ بها مسيئ لا قراءة الفاتحة وضمّ سورة او ثلث ايات اليها واجب وفي الا كتفاء بها ترك الواجب واما لو كانت كلمةً واحدةً كمدهامتن او حرفاً واحداً كـ صٓ و قٓ ونٓ فقد اختلف فيه والاصح انه لا يجوز عنده' ولو قرأ نصف اية طويلة كآية الكرسي واية المداينة في ركعة ونصفها في ركعة اخرىٰ اختلفوا فيه قال بعضهم لا تجوز لانه لم يقراء اية تامة في كل ركعة وقال عامتهم تجوز لا ن بعض هذه الا يات يزيد على ثلث ايات قصار او تعدلها فلا تكون ادنى من اية، وعندهما ادنى ما يجزى منها ثلث ايات قصار او ايت طويلة تقوم مقامها لان القرآن معجز و ادنىٰ ما يقع الاعجاز سورة لقول تعالىٰ فأتو بسورة من مثله واقل السور قسورة كوثر وهي ثلث ايات (مجالس الا برار ص ۳۰۸، ص ۳۰۹ مجلس نمبر ۵۲) فقط والله اعلم بالصواب

فاذا هم بالساهره کی جگہ بالساحرۃ پڑھ دیا!

(سوال ۲۲) کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ امام صاحب نے سورۂ والنازعات کے اندر فاذا هم بالساهرة کی با ، ہوز کو حاء حطی قصداً پڑھا۔ یعنی امام صاحب کو یاد ہی حاء حطی ہے۔ تو نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) لفظ بالساهرۃ کی جگہ بالساحرۃ پڑھا گیا ہے جس سے معنی میں تغیر فاحش لازم آتا ہے اور لفظ بالساحرۃ قرآن میں کسی جگہ موجود بھی نہیں ہے اور قصداً پڑھا گیا ہے، اور پڑھنے والا اہل علم میں سے ہے۔ لہذا نماز نہ ہوگی۔ اعادہ ضروری ہے وفي الخانية والخلاصة الا صل فيها اذا ذكر حرفاً مكان حرف وغير المعنى ان امكن الفصل بينهما بلا مشقة تفسد والا يمكن لا بمشقة كا لظاء مع الضاد المعجمتين والصاد مع السين المهملتين والطاء مع التاء قال اكثر هم لا تفسد. وفي خزانة الا كمل قال قاضي ابو عاصم ان تعمد ذالك تفسد وان جرى على لسانه اولا يعرف التمييز لا تفسد هو المختار حلية وفي البزازية وهو اعدل الا قاويل وهو المختار (شامي ج ۱ ص ۵۹۲ باب ما يفسد الصلاة وما

یکرہ فیما)فقط و اللہ اعلم بالصواب.

مزید وضاحت کے لئے حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کے دو فتوی ملاحظہ ہوں۔

(۱) قاف کو کاف سے بدل دیا تو کیا نماز فاسد ہوگئی:

(سوال ۶۷) سورۂ والطارق میں امام نے لقول فصل میں ق، ک پڑھ دیا، اور یہ شخص صحیح پڑھنے پر قادر ہے تو نماز فاسد ہوئی اور اعادہ واجب ہے یا نہیں؟

(الجواب) ایسی صورت میں اس نماز کا اعادہ ضروری ہے کیونکہ باوجود قدرت کے ایسی غلطی سے نماز نہیں ہوتی۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم مدلل و مکمل ج ۴ ۷۶)

(۲) دھاقاً کی جگہ دحاقاً پڑھ دے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۶۸) نماز میں اگر کسی نے اپنے غلط خیال کے بھروسہ پر بجائے دھاقاً، دحاقاً پڑھ دیا تو نماز ہو جائے گی یا واجب الاعادہ ہوگی؟

(الجواب) دھاقاً کی جگہ دحاقاً بائے حطی سے پڑھنا بظاہر حسب قواعد مفسد صلوٰۃ ہے۔ کیونکہ معنی بدل جاتے ہیں۔ لہذا نماز نہیں ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ دار العلوم مدلل و مکمل ج ۴ ص ۷۹)

غلط پڑھنے کے بعد صحیح کرے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۶۹) اگر نماز میں تین آیتیں پڑھنے کے بعد فحش غلطی کی لیکن پھر اس کو صحیح کر لیا تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ بینو توجروا۔

(الجواب) قراءت میں ایسی غلطی ہوئی جس سے فساد صلوٰۃ لازم آتا ہے لیکن پھر اس کی تصحیح کر لی تو نماز صحیح ہوگئی۔ اگر غلطی کی اصلاح نہیں کی تو نماز نہیں ہوئی اعادہ ضروری ہے۔ ذکر فی الفوائد قرء فی الصلاۃ بخطاء فاحش ثم رجع وقرء صحیحا قال عندی صلاتہ جائزۃ و کذلک الا عراب، فتاویٰ ج ۱ ص ۸۲ الفصل الخامس فی زلۃ القاری. فقط واللہ اعلم بالصواب

قراءت میں چند آیات چھوٹ جائیں تو کیا حکم ہے:

(سوال ۷۰) یہاں امام صاحب نے صبح کی نماز میں سورۂ منافقون شروع کی اور بیچ میں واذا رائیتھم تعجبک الآیۃ چھوڑ دیا اور اس کے بعد لن یغفر اللہ. الآیۃ چھوڑ دی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس صورت میں نماز ہوگئی۔ سجدۂ واجب نہیں ہوا۔[1] فقط واللہ اعلم.

---

(۱) وذکر ایۃ مکان آیۃ ان وقف وقفا تا ماثم ابتداء بایۃ اخری أو ببعض آیۃ لا تفسد کما لو قرأ والعصر ان الا نسان ثم قال ان الا برار لفی نعیم الخ فتاویٰ عالمگیری ص ۸۰ زلۃ القاری.

سورۂ غاشیۃ میں ''الا من تولی و کفر پروقف کرے یا وصل؟:

(سوال ۷۱) ہمارے یہاں امام صاحب سورۂ غاشیہ میں " الا من تولی و کفر " پر وقف نہیں کرتے ہمیشہ وصل کر کے پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وصل نہ کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) وقف کرے یا وصل کر کے پڑھے دونوں صحیح ہیں۔ وصل نہ کرنے کی صورت میں فساد صلوٰۃ کا فتویٰ صحیح نہیں ہے۔(۱) فقط اللہ اعلم بالصواب.

احد عشر کی جگہ عشر پڑھا:

(سوال ۷۲) امام صاحب نے سورۂ یوسف کے پہلے رکوع میں احد عشر کی جگہ ''عشر'' پڑھا ''احد'' چھوٹ گیا تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز فاسد تو نہ ہوگی مگر احوط یہ ہے کہ اعادہ کرلیا جاوے۔(۲) فقط واللہ اعلم بالصواب

قراءت میں تعلمون کی جگہ تعملون پڑھا تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۷۳) ہمارے امام صاحب نے نماز جمعہ میں سورۂ جمعہ میں '' تعلمون '' کی جگہ '' تعملون '' پڑھا تو نماز صحیح ہے یا اعادہ ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قراءت میں فحش غلطی کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے:

(سوال ۷۴) سورۂ یوسف میں ان کانت قمیصہ قد من قبل فکذبت وھو من الصادقین میں قُبل کی جگہ دبر پڑھا، فکذبت کی جگہ فصدقت اور الصادقین کی جگہ الکاذبین پڑھا تو نماز صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس قسم کی غلطی سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ والصحیح ھو الفساد لانہ اخبر، بخلاف ما اخبر اللہ تعالیٰ (قاضی خان ج ۱ ص ۷۳) فقط واللہ اعلم بالصواب

سورۂ فاتحہ کے بعد ضم سورۃ واجب ہے اور اس واجب قراءت کی ادنیٰ مقدار کتنی ہے:

(سوال ۷۵) سورۂ فاتحہ کے بعد ایک آیت کی تلاوت سے اگر وہ بڑی ہو تو وجوب ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ اگر وہ آیت بڑی ہو اور اس کی آدھی آیت پڑھے تو نماز صحیح ہوگی؟ وجوب ادا ہو جانے اس کی کم سے کم مقدار کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) اذا وقف فی غیر موضع الوقف او ابتدأ فی غیر موضع الا بتداء ان لم یتغیر بہ تغیراً فاحشاً ان یقرء ان الذین امنوا وعملوا الصالحات ووقف ثم ابتداء بقولہ واولئک ھم خیر البریۃ لا تفسد بالا جماع بین علمائنا ھکذا فی المحیط وکذا ان وصل فی غیر موضع الوصل الخ فتاوی عالمگیری .زلۃ القاری.

(۲) قولہ أو نقص کلمۃ کذا فی بعض النسخ ولم یمثل لہ الشارح قال فی شرح المنیۃ وان ترک کلمۃ من آیۃ فان لم یغیر المعنی مثل وجزاء سیئۃ مثلھا بترک السیئۃ الثانیۃ لا تفسد وان غیرت مثل فما لھم یؤمنون بترک لا فانہ یفسد الخ شامی ج ۱ ص ۵۹۱ زلۃ القاری.

(الجواب) سورۂ فاتحہ کے بعد ایک چھوٹی سورہ مثل سورۂ کوثر کے یا اس کے قائم مقام تین چھوٹی آیتیں جیسے ثم نظر O ثم عبس وبسر O ثم ادبر واستکبر O یا ایک بڑی آیت یا ایسی دو آیتیں پڑھنا جو چھوٹی تین آیتوں کے برابر ہوں، واجب ہے۔ بڑی آیت کا جز جو چھوٹی تین آیتوں کے برابر ہو پڑھے تب بھی وجوب ادا ہو جائے گا۔

والثانی ضم سورة قصيرة اوثلاث ايات قصار (مراقی الفلاح) قدر اقصر سورة اية طويلة تعدل ثلاث ايات قصار (طحاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۴۴)

درمختار میں ہے (وضم) اقصر (سورة) كالكوثر اوما قام مقامها وهم ثلاث ايات قصار نحوثم نظر ثم عبس و بسر ثم ادبرواستكبر وكذا لو كانت الآية او الآيتان تعدل ثلاثا قصاراً ذكره الحلبی (قوله تعدل ثلاثاً قصاراً) ای مثل ثم نظر الخ وهم ثلاثون حرفاً فلو قرأ آية طويلة قدر ثلاثين حرفاً يكون قداتى بقدر ثلاث آيات الخ (شامی ج ۱ ص ۴۲۷ صفة الصلاة) دوسری جگہ ہے۔

ولو قرأ اية طويلة فی الركعتين فالا صح الصحة اتفاقاً لا نه يزيد علی ثلاث ايات قصار قاله الحلبی (درمختار) وفی الشامی وفی التتار خانية والمعراج وغيرهما قرأ اية طويلة كاية الكرسی او المداينة البعض فی ركعة والبعض فی ركعة اختلفوا فيه علی قول ابی حنيفة رحمه الله قيل لا يجوز لانه ماقرأ اية تامةً فی كل ركعة وعامتهم علی انه يجوز لان بعض هذا الآيات يزيد علی ثلاث قصار او يعدلها فلا تكون قرائته اقل من ثلاث آيات اه لكن التعديل الاخير ربما يفيد اعتبار العدد فی الكلمات او الحروف ويفيده قولهم لو قراء آية تعدل اقصر سورة جاز وفی بعض العبارات تعدل ثلاثاً قصاراً ای كقوله ثم نظر ثم عبس وبسر ثم ادبر و استكبر وقدرها من حيث الكلمات عشر ومن حيث الحروف ثلاثون فلو قرأ الله لا اله الا هو الحی القيوم لا تأخذه سنة ونوم يبلغ مقدار هذا الا يات الثلاث فعلی ما قلنا لو اقتصر علی هذا المقدار فی كل ركعة كفی عن الواجب ولم اومن تعرض لشئ من ذلك فليتا مل (درمختار والشامی ج ۱ ص ۵۰۲ فصل فی القرأة) فقط و الله اعلم بالصواب.

امام کی قراءت میں کوئی حرف سنائی نہ دے تو کیا نماز میں نقص پیدا ہوگا؟:

(سوال ۷۲) امام صاحب سورۂ فلق اور ناس پڑھتے ہیں تو قل اعوذ کی ''ذال'' مقتدیوں کو سنائی نہیں دیتی اس پر امام کو متنبہ کیا گیا تو وہ کہتے ہیں کہ میں صحیح پڑھتا ہوں تو اس سے نماز میں کوئی خلل پیدا ہوتا ہے؟

(الجواب) امام صاحب ''ذال'' ادا کرتے ہوں مگر مقتدیوں کو سنائی نہ دے تو اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ البتہ حذف ہو جانے میں لحن جلی لازم آئے گا اس لئے ظاہر کر کے پڑھنے کی سعی لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۹ شوال ۱۴۰۱ھ۔

فرض نماز میں ایک سانس میں سورہ فاتحہ پڑھنے کی عادت بنالینا:

(سوال ۷۷) ایک طویل مدت سے میں امام ہوں، اور میری عادت یہ ہے کہ میں فرض نمازوں میں پوری سورہ فاتحہ ایک سانس میں پڑھتا ہوں، اس پر بعض حضرات کو اعتراض ہے اور وہ اسے اچھا نہیں سمجھتے کیا میری یہ عادت قابل اعتراض اور واجب الترک ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداومصلیاومسلماً۔ فرض نمازوں میں امام کا ایک سانس میں الحمد شریف پڑھنا کوئی کمال اور خوبی کی بات نہیں ہے، اور اس کی عادت کر لینا ناپسندیدہ ہے اور کراہت تنزیہی سے خالی نہیں، لہذا جو حضرات اعتراض کرتے ہیں اور اچھا نہیں سمجھتے وہ بجا ہے ترتیلاً اور معانی میں تدبر کرتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

''بندہ جب نماز میں الحمد للہ رب العالمین پڑھتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے حمدنی عبدی (میرے بندے نے میری تعریف کی) پھر الرحمن الرحیم پڑھتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے اثنی علی عبدی (میرے بندے نے میری ثنا کی) پھر جب مالک یوم الدین پڑھتا ہے تو باری تعالیٰ کی طرف سے جواب ملتا ہے مجدنی عبدی (میرے بندے نے میری تعریف میری بزرگی بیان کی، پھر ایاک نعبد وایاک نستعین پڑھتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں ھذا بینی وبین عبدی (یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو وہ طلب کرے) پھر پڑھتا ہے اھدنا الصراط المستقیم الخ تو فرماتے ہیں کہ یہ بندہ کی خاص حاجتیں ہیں اور میں اپنے بندہ کو جو کچھ مانگتا ہے دوں گا۔

مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث ہے ملاحظہ ہو۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ......انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تعالیٰ قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی نصفین ولعبدی ماسال فاذا قال الحمد للہ رب العالمین قال اللہ تعالیٰ حمد نی عبدی واذا قال الرحمن الرحیم قال اللہ تعالیٰ اثنی علی عبدی واذا قال مالک یوم الدین قال مجدنی عبدی واذا قال ایاک نعبدو ایاک نستعین قال ھذا بینی وبین عبدی ولعبدی ما سأل فاذا قال اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین قال ھذا لعبدی ولعبدی ماسال رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۷۸، ص ۷۹ باب القراۃ فی الصلوٰۃ)

نیز ترمذی شریف میں حدیث ہے عن ام سلمۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقطع قرأتہ یقرء الحمد للہ رب العالمین ثم یقف الرحمن الرحیم ثم یقف وکان یقرء ھا ملک یوم الدین ھذا حدیث غریب وبہ یقرء ابو عبیدۃ ویختارہ (ترمذی شریف ص ۱۱۶ ج ۲، ابواب القراءۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

''ایک استفتاء آیا کہ ایک صاحب امام ہیں وہ ایاک نستعین پر وقف نہیں کرتے بلکہ اس کے نون کو اھدنا

ن ہاے ملاکر (نهدنا الصراط المستقيم) پڑھتے ہیں، نوبت یہاں تک پہنچی کہ فوجداری ہوگئی۔'' میں نے لکھا کہ اس طرح پڑھنا جائز تو ہے مگر جب کہ سب سمجھدار ہوں ورنہ ایسے امام کو معزول کردو جو بضد ہوکر) فتنہ بپا کرے اور موقع محل نہ سمجھے یہ کم حوصلہ لوگوں کی باتیں ہیں، اپنی علمی لیاقت جتلانے کے لئے نئے نئے کام کرتے ہیں، یہاں سے ایک طالب علم پڑھ کر لوہاری میں گئے وہ بھی احدن الله الصمد پڑھتے تھے، لوگوں نے نکال باہر کیا (کلمۃ الحق ص ۱۶۸ قسط ہشتم)

الحاصل فرض نماز میں ایک سانس میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی عادت قابل ترک ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۱ جمادی الاخری ۱۴۱۰ھ۔

نماز میں قراءت کی مقدار مسنون:

(سوال ۸۷) امام کو فرض نماز میں کتنی مقدار میں قرأت پڑھنا چاہئے؟ اس کے لئے مسنون طریقہ کیا ہے؟ ہمارے امام صاحب ہر نماز میں (مغرب، یا عشاء یا فجر) بالکل ہی مختصر قرأت اور جلدی جلدی پڑھتے ہیں مثلاً سورۂ نصر، سورۂ تکاثر، سورۂ فیل، سورۂ کوثر، سورۂ الناس، رکوع سجدہ بھی نہایت عجلت کے ساتھ کرتے ہیں، اگر ان کو کچھ کہا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ مختصر نماز پڑھاؤ۔ آپ اس مسئلہ پر مفصل دلائل کے ساتھ روشنی ڈال کر رہنمائی فرمائیں، نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ طوال مفصل اوساط مفصل، قصار مفصل کا کوئی حدیث سے ثبوت ہے اگر ثبوت ہو تو وہ بھی ضرور تحریر کریں بینوا توجروا

(الجواب) بے شک حدیث میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی امامت کرے تو مختصر اور ہلکی نماز پڑھائے کہ جماعت میں بیمار ضعیف اور بڑی عمر کے لوگ بھی ہوتے ہیں عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم اذا صلی احدكم للناس فليخفف فان فيهم السقيم والضعيف والكبير واذا صلی احدكم لنفسه فليطول ماشاء متفق عليه (مشكوة شريف ص ۱۰۱ باب الا مامة) ایک اور روایت میں ہے فايا كم ماصلی بالناس فليتجوز فان فيهم الضعيف والكبير وذا الحاجة متفق عليه یعنی تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو مختصر نماز پڑھائے کہ نمازیوں میں ضعیف بڑی عمر والے اور ضرورت مند لوگ (بھی) ہوتے ہیں (مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۱ ایضاً)

لیکن اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ قرأت کی جو مسنون مقدار ہے عام حالات میں (یعنی امن کی حالت میں، کوئی ہنگامی صورت نہ ہو) اس مقدار مسنونہ سے بھی کم کردی جائے یا رکوع یا سجود کا جو مسنون طریقہ ہے اور تعدیل ارکان جس کی احادیث میں بہت ہی تاکید آئی ہیں اسے چھوڑ دیا جائے، حدیث میں ہے عن جابر رضی الله عنه قال كان معاذ بن جبل يصلی مع النبی صلی الله عليه وسلم يأتی فيوم قومه فصلی ليلة مع النبی صلی الله عليه وسم العشاء ثم اتی قومه فامهم فافتتح بسورة البقرة فانحرف رجل فسلم ثم صلی وحده وان صرف فقالوا له انا فقت يا فلان قال لا والله لا تين رسول الله صلی الله عليه وسلم فقال يا رسول الله انا اصحاب نواضح نعمل بالنهار وان معاذ صلی معك العشاء ثم اتی قومه فافتتح

بسورۃ البقرۃ فاقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی معاذ فقال یا معاذ افتان انت اقرأ والشمس وضحھا واللیل اذا یغشی وسبح اسم ربک الاعلیٰ متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف ص ۷۹ باب القرأۃ فی الصلوٰۃ)

حدیث کا خلاصہ یہ ہے۔ حضرت معاذؓ نے ایک مرتبہ عشاء کی نماز میں امامت کی اور سورۂ بقرہ پڑھنا شروع کی تو ایک شخص جماعت سے علیحدہ ہو گئے اور تنہا نماز پڑھ کر چلے گئے، صحابہؓ نے ان سے کہا کہ کیا تم منافق تو نہیں ہو گئے؟ انہوں نے کہا واللہ میں منافق نہیں ہوا، اور میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ بات کہوں گا، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) ہم اونٹ والے ہیں (باغات اور کھیتوں کو سیراب کے لئے) پانی کھینچتے ہیں اور دن بھر محنت کرتے ہیں، حضرت معاذؓ نے عشاء کی نماز میں سورۂ بقرہ پڑھنا شروع کیا، رسول اللہ ﷺ حضرت معاذ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے معاذ کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہو والشمس وضحھا اور والضحیٰ اور واللیل اور سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھو۔ (مشکوٰۃ شریف)

اس حدیث میں غور کیجئے باوجود اس کے کہ حضرت معاذ کے مقتدیوں میں تھکے ماندے لوگ تھے اور حضور اکرم ﷺ سے طویل قرأت پڑھنے کی شکایت کی گئی تھی اس موقع پر آپ نے والشمس وضحہا وغیرہ سورتیں پڑھنے کی ہدایت فرمائی اور وہ عشاء کی نماز کا واقعہ ہے لہذا عشاء میں کم از کم اتنی مقدار پڑھنا مسنون ہوگا۔

نیز حدیث میں ہے عن سلیمان بن یسار عن ابی ھریرۃ قال ما صلیت وراء احداشبہ صلوٰۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فلان قال سلیمان صلیت خلفہ فکان یطیل الرکعتن الاولیین من الظھر ریخفف الاخریین ویخفف العصر ویقرأ فی المغرب بقصار المفصل ویقرأ فی العشاء بوسط المفصل ویقرأ فی الصبح بطوال المفصل رواہ النسائی (مشکوٰۃ شریف ص ۸۰، ۸۱ باب القرائۃ فی الصلوٰۃ) یعنی سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا میں نے فلاں شخص کے پیچھے نماز پڑھی ان کی نماز حضور اکرم ﷺ کی نماز کے بہت مشابہ ہے (فلاں سے مراد حضرت علیؓ یا کوئی مدینہ کے حاکم ہیں مظاہر حق ج ۱ ص ۲۸۶) سلیمان بن یسار فرماتے ہیں میں نے ان کے پیچھے نماز پڑھی وہ ظہر کی پہلی دو رکعتوں کو لمبی اور آخری دو رکعتوں کو مختصر (چھوٹی پڑھاتے تھے اور عصر کی نماز مختصر پڑھاتے تھے اور مغرب میں قصار مفصل اور عشاء میں اوساط مفصل اور فجر میں طوال مفصل پڑھاتے تھے (مشکوٰۃ شریف ص ۸۰)

فقہاء رحمہم اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ حالۃ الاضطرار فی الحضر وھو ضیق الوقت اوالخوف علی نفس او مال ان یقرء قدر مالا یفوتہ الوقت اوالامن ھکذا فی الزاھدی. الی قولہ. وسنتھا فی الحضر ان یقرء فی الفجر باربعین او خمسین آیۃ سوی فاتحۃ الکتاب وفی الظھر ذکر فی الجامع الصغیر مثل الفجر وذکر فی الاصل او دونہ وفی العصر والعشاء فی الرکعتین عشرین آیۃ سوی فاتحۃ الکتاب وفی المغرب یقرء فی کل رکعۃ سورۃ قصیرۃ ھکذا فی المحیط واستحسنوا فی الحضر طوال المفصل فی الفجر والظھر واوساطہ فی العصر والعشاء وقصارہ فی المغرب کذا فی

الوقاية، وطوال المفصل من الحجرات الى البروج والاوساط من سورة البروج الىٰ لم يكن والقصار من سورة لم يكن الى الاخر هكذا فى المحيط والوقاية ومنية المصلى (عالمگیری ص ۷۸ ج ۱، کتاب الصلوۃ باب نمبر ۴ فصل فی القراءۃ)

عمدۃ الفقہ میں ہے (جسے مذکورہ عبارت کا خلاصہ کہا جا سکتا ہے (۱) حضر میں یعنی جب کہ سفر میں نہ ہو اور اطمینان کی حالت میں ہو، کسی قسم کا اضطرار نہ ہو تو سنت یہ ہے کہ فجر کی نماز کی دونوں رکعتوں میں الحمد کے سواء چالیس یا پچاس آیتیں پڑھے اور ایک روایت میں ہے کہ ساٹھ سے سوتک پڑھے، ظہر کی دونوں رکعتوں میں بھی فجر کی مثل یا اس سے کم پڑھے، عصر اور عشاء کی دونوں رکعتوں میں الحمد کے سوا پندرہ اور بیس آیتیں پڑھے اور مغرب کی ہر رکعت (یعنی پہلی دو رکعتوں) میں پانچ آیتیں یا کوئی چھوٹی سورت پڑھے اور مستحسن و مستحب یہ ہے کہ حضر میں فجر اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل پڑھے اور وہ سورہ حجرات سے سورۂ بروج تک کی سورتیں ہیں (سورۂ بروج اس میں شامل ہے) عشاء اور عصر میں اوساط مفصل پڑھے اور وہ سورہ والطارق سے لم یکن تک ہے اور مغرب میں قصار مفصل یعنی چھوٹی سورتیں پڑھے اور وہ اذازلزلت سے آخر قرآن یعنی والناس تک رہیں۔ مفصلات کا پڑھنا الگ سنت ہے اور مقدار معین یعنی آیتوں کی تعداد کے لحاظ سے جو اوپر مذکور ہوئی پڑھنا الگ ہے، حسب موقع جس پر چاہے عمل کرے لیکن مفصلات کا اختیار کرنا مستحسن ہے (۲) اگر حضر میں اضطرار ہو اور وہ یہ ہے کہ وقت تنگ ہو یا اپنی جان و مال کا خوف ہو تو سنت یہ ہے کہ اس قدر پڑھ لے جس سے وقت اور امن فوت نہ ہو جائے (عمدۃ الفقہ ج ۲ ص ۱۱۶)

درمختار میں ہے وفى الضرورة بقدر الحال (و) يسن (فى الحضر) لا مام ومنفرد ذكره الحلبى والناس عنه غافلون (طوال المفصل) من الحجرات الى اخر البروج (فى الفجر و الظهر) منها الىٰ اخر لم يكن (اوساطه فى العصر والعشاء) باقيه (قصاره فى المغرب) اى فى كل ركعة سورة مما ذكره الحلبى (درمختار مع شامى ص ۵۰۳ ص ۵۰۴ باب القراءة)

شامی میں ہے لتائيده بالا ثر الوارد عن عمر رضى الله عنه انه كتب الى ابى موسى الاشعرى ان اقرأ فى الفجر والظهر بطوال المفصل وفى العصر والعشاء باوساط المفصل وفى المغرب بقصار المفصل قال فى الكافى وهو كالمروى عن النبى صلى الله عليه وسلم لان المقادير لا تعرف الا سماعاً (شامى ج ۱ ص ۵۰۵ فصل فى القراءة فى الصلوة)

غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار میں ہے:۔ اور مسنون ہے کہ پڑھے ضرورت میں بقدر گنجائش حال کے مثلاً اگر وقت تنگ ہو کہ قراءت مسنون پڑھنے سے نماز قضاء ہوتی ہے تو اتنی قرأت پڑھے جس سے نماز کامل ہو جائے اور یہی حال ہے اگر خوف جان یا مال کا ہو، کذا فی الطحطاوی۔

ویُسن : اور مسنون ہے حضر میں یعنی مقام کرنے کی صورت میں امام اور منفرد کو پڑھنا طوال مفصل کا جو سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک ہیں فجر اور ظہر کی نماز میں امام اور منفرد دونوں کے لئے مسنون ہونے کو حلبی نے ذکر کیا ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں یعنی ان کو خبر نہیں کہ منفرد کے حق میں قرأۃ مسنون امام کے مثل ہے۔ الی قولہ۔ اور سورۂ بروج سے آخر لم یکن تک اوساط مفصل نماز عصر اور عشاء میں پڑھنا مسنون ہے، اور باقی مفصل صورتیں یعنی لم یکن سے

آخر قرآن تک قصار مفصل مغرب میں پڑھنا مسنون ہے اس طرح کی قرأت کا مسنون ہونا اثر سے ثابت ہے یعنی حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعری کو نامہ لکھا کہ فجر اور ظہر میں طوال مفصل پڑھا کرو اور عصر اور عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل کذافی الشامی (غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار ص ۲۵۱ فصل فی القراءۃ باب صفۃ الصلوٰۃ)

قوم کی سستی کی وجہ سے قرأت کی مقدار مسنونہ سے کم کرے یا نہ کرے اس کے متعلق علامہ شامیؒ نے بڑی عمدہ بحث کی ہے، درمختار میں ہے **وفی الشرنبلالیۃ ظاهر حديث معاذ انه لا يزيد على صلوٰة اضعفهم مطلقا ولذا قال الكمال الا لضرورة وصح انه عليه الصلوة والسلام قرأ بالمعوذتين في الفجر حين سمع بكاء صبي .(درمختار)**

شامی میں ہے **(قوله وفي الشرنبلالية)مقابل لقوله زائداً على قدر السنة وحاصله انه يقرأ بقدر حال القوم مطلقاً اى دون القدر المسنون وفيه نظر اما او لا فلا نه مخالف للمنقول عن السراج والمضمرات كما مرو اما ثانياً فلان القدر المسنون لا يزيد على صلوة اضعفهم لانه كان يفعله صلى الله عليه وسلم مع علمه بانه يقتدى به الضعيف والسقيم ولايتركه الا وقت الضرورة واماثا لثاً فلان قراءة معاذ لما شكاه قومه الى النبي صلى الله عليه وسلم وقال افتان انت يامعاذ انما كانت زائدة على القدر المسنون قال الكمال في الفتح وقد بحثنا ان التطويل هو الزيادة على القراءة المسنونة فانه صلى الله عليه وسلم نهى عنه ...... الى قوله ...... فقد ظهر من كلامه . انه لا ينقص عن المسنون الا بضرورة كقراته بالمعوذتين لبكاء الصبي وظهرمن حديث معاذانه لا ينقص عن المسنون لضعف الجماعة لانه لم يعين له دون المسنون في صلوة العشاء بل نهاه عن الزيادة عليه مع تحقق العذر في قومه فما استظهره الشرنبلالي من الحديث وحمل عليه كلام الكمال غير ظاهر (شامي ج ۱ ص ۵۲۸ باب الامامة)**

غایۃ الاوطار میں ہے (اس میں علامہ شامی کی مذکورہ تحقیق کا خلاصہ ہے) "**وفی الشرنبلالیۃ**" اور شرنبلالیہ میں ہے کہ ظاہر حدیث معاذؓ کا یہ ہے کہ امام نہ زیادہ کرے قرأت کو ضعیف ترین مقتدی کی نماز سے مطلقاً یعنی اگر چہ قرائت مسنون سے کم ہو اور اسی وجہ سے کمال الدین نے فتح القدیر میں کہا ہے کہ قدر مسنون سے کم نہ کرے مگر ضرورت کی جہت سے مراد حدیث معاذ سے حدیث مسلم کی ہے کہ حضرت معاذؓ نے سورۂ بقرہ عشاء کی نماز میں شروع کی تو ایک مقتدی نے سلام پھیر کر تنہا نماز پڑھی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت معاذ کی شکایت کی تو آپ نے ان کو فرمایا کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہو جب امامت کرو تو والشمس وضحها وسبح اسم اور اقراء اور والیل پڑھا کرو، شامی نے کہا کہ شرنبلالی نے جو اس حدیث سے یہ نکالا کہ ضعیف تر مقتدی کی نماز سے زیادہ نہ کرے گو قدر مسنون سے کم ہو جائے یہ بات اس سے نہیں نکلتی بلکہ یہ نکلتا ہے کہ مقدار مسنون سے زائد نہ پڑھے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ کو فرمایا کہ سورہ شمس اور والیل وغیرہ پڑھا کرے جو عشاء میں مسنون ہیں باوجود یہ کہ حضرت معاذ کی قوم کا عذر ثابت تھا اور یہی مطلب علامہ کمال الدین (صاحب فتح القدیر) کی عبارت کا ہے کہ مقدار مسنون سے کم نہ کریں مگر ضرورت کی وجہ سے نہ یہ کہ ضعیف کی رعایت کرے اگر چہ قدر مسنون سے کم ہو جاوے

جیسا شرنبلالی نے سمجھا ہے **وصح انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قرأ بالمعوذتین فی الفجر حین سمع بکاء صبی** اور صحیح ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فجر کی نماز میں معوذتین پڑھیں جب کہ ایک بچہ کا رونا سنا نماز فجر میں طوال مفصل کا پڑھنا مسنون ہے مگر آنحضرت ﷺ نے ایک بار معوذتین پڑھیں سلام کے بعد لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے اختصار فرمایا ارشاد ہوا کہ میں نے ایک بچہ کا رونا سنا تو ڈرا کہ کہیں اس کی ماں نہ گھبراوے، اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت مقدار مسنون سے کم کرنا امام کو شایان ہے (غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار ص ۲۶۲ ص ۲۶۳ ج ۱، باب الامامۃ)

لہذا صورت مسئولہ میں عام حالات میں امام صاحب کو قرأت کی مقدار مسنونہ کا خیال رکھنا چاہئے ہر نماز میں اتنی چھوٹی سورتیں پڑھنا جو سوال میں مذکور ہیں خلاف سنت ہوگا اور کاہلی ہوگی اور حدیث کا غلط سہارا لینا ہوگا اور فی الجملہ منافقین کی خصلت کے ساتھ مشابہت لازم آئے گی، قرآن میں ہے **واذا قاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالی یراء ون الناس ولایذکرون اللہ الا قلیلاً۔**

ترجمہ:۔ اور جب منافقین نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں صرف آدمیوں کو دکھلاتے ہیں اور اللہ کا ذکر بھی نہیں کرتے مگر بہت ہی مختصر (قرآن مجید پارہ نمبر ۵ آخری رکوع ترجمہ حضرت تھانویؒ) البتہ مغرب میں یہ سورتیں پڑھنا سنت کے مطابق ہوگا یا کوئی خاص ضرورت کے وقت (جیسے کہ وقت تنگ ہویا کوئی خوف کی حالت ہو جیسے محلہ میں آگ لگ گئی ہو وغیرہ) حالت کے مطابق قرأت پڑھے تو یہ صورت مستثنیٰ ہے جیسا کہ عالمگیری وغیرہ کی عبارت سے واضح ہے۔

اسی طرح رکوع اور سجدہ قومہ اور جلسہ بھی اطمینان کے ساتھ سنت طریقہ کے مطابق کرنا چاہئے احادیث میں اس کی بہت ہی تاکید آئی ہے، ایک حدیث میں ہے **عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رجلاً دخل المسجد و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالس فی ناحیۃ المسجد فصلی ثم جاء فسلم ...... الخ** یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک طرف مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آئے، اور انہوں نے نماز پڑھی پھر وہ آپ کے پاس آئے اور سلام کیا، آپ ﷺ نے فرمایا **وعلیک السلام ارجع فصل فانک لم تصل** **وعلیک السلام** واپس جاؤ، نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی، دو یا تین مرتبہ ایسا ہی ہوا تیسری یا چوتھی مرتبہ میں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) میں تو اس سے بہتر نماز نہیں پڑھ سکتا آپ مجھے نماز پڑھنی سکھا دیجئے، فرمایا جب تم نماز کے لئے اٹھو تو پہلے اچھی طرح وضو کرو پھر قبلہ رخ کھڑے ہو جاؤ، پھر اللہ اکبر کہو پھر قرآن جو تمہیں یاد ہے جتنا آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو پھر جھکو اور اطمینان سے رکوع کرو پھر رکوع سے اٹھو یہاں تک کہ اطمینان سے سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر سجدہ میں جاؤ اور اطمینان

سے سجدہ کرو پھر سجدہ سے اٹھو اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ پھر اسی طرح اطمینان سے (دوسرا) سجدہ کرو پھر پوری نماز میں اسی طرح اطمینان کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر ہر ایک رکن ادا کرو (مشکوٰۃ شریف ص ۷۵ باب صفۃ الصلوٰۃ) (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۳۹ ص ۱۴۰ ج ۵)

نیز ایک اور حدیث میں ہے **عن ابی قتادۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ**

وسلم اسوء الناس سرقة الذی یسرق من صلوته قالوا یا رسول اللہ و کیف یسرق من صلوته قال لا یتم رکوعها ولا سجودها رواہ احمد یعنی حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بدتر اور سب سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ نماز میں کس طرح چراتا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نماز میں چوری یہ ہے کہ رکوع وسجود کو ٹھیک طور پر ادا نہیں کرتا (مشکوٰۃ شریف ص ۸۳ باب السجود وفضلہ)

اس کے متعلق ایک تفصیلی فتویٰ فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم ص ۱۴۱ تا ص ۱۴۲ اردو میں شائع ہوا ہے وہ ضرور ملاحظہ فرمایا جائے۔ (جدید ترتیب کے مطابق صفۃ الصلاۃ میں قومہ اور جلسہ اطمینان سے کرنے کے عنوان کے تحت دیکھیں ص ۱۳۰ مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جہری نماز میں امام کا کس قدر زور سے پڑھنا ضروری ہے؟:

(سوال ۷۹) ہمارے امام صاحب بہت پست آواز سے قرأت کرتے ہیں پہلی صف والے بھی بہت غور سے سنیں تب بھی ان کو سنائی نہیں دیتا تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) امام بلند آواز خوش الحان تجوید کے مطابق صحیح صحیح قرأت کرنے والا ہونا چاہئے جو اس قدر بلند آواز سے پڑھے کہ تمام مصلی یا جماعت کا اکثر حصہ ان کی آواز سن سکے اور اگر امام صاحب کی آواز اتنی پست ہو کہ تمام یا اکثر مصلی ان کی آواز نہ سن سکیں تو کم از کم اگر پہلی صف کے آس پاس کے مصلی ان کی آواز سن سکتے ہوں تو نماز ہو جائے گی مگر ایسے پست آواز والے کو امام بنانے کی کوشش نہ کی جائے۔

درمختار میں ہے وادنی (الجهر اسماع غیرہ و) ادنی (المخافتة اسماع نفسه) ومن یقربه فلو سمع رجل او رجلان فلیس بجهر والجهر ان یسمع الکل خلاصة (درمختار مع شامی ص ۴۹۸ ج اول فصل فی القراءة)

غایۃ الاوطار میں ہے وادنی الجهر اسماع غیرہ وادنی المخافتة اسماع نفسه ومن بقربه اور ادنی درجہ جہر کا سنانا غیر کا ہے یعنی جو اس کے قریب نہ ہو کذا فی الشامی اور ادنی درجہ آہستگی کا سنانا ہے اپنے آپ کو، خلاصہ پھر اگر ایک یا دو آدمیوں نے قرأت کو سنا تو جہر نہ ہوگا، جہر یہ ہے کہ سب سنیں کذا فی الخلاصہ) قہستانی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر جماعت بہت ہو اور سب کو آواز نہ پہنچے تو چاہئے کہ جہر نہ ہو، شامی نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ کل سے مراد کل آدمی صف اول کے ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ جواب ناتمام ہے کیونکہ صف اول بھی بعض اوقات اتنی طویل ہوتی ہے کہ کل صف میں آواز نہیں پہنچتی تو بہتر یہ ہے کہ کل سے مراد گردو پیش کے سب آدمی لئے جائیں جو نہ بہت دور ہوں نہ نزدیک یا یہ کہ کل سے مراد جمع ہو یعنی بہت سے لوگ سنیں نہ صرف ایک یا دو۔ (غایۃ الاوطار ص ۲۴۹ ج اول) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سری قراءت کا درجہ.

(سوال ۸۰) سری نماز میں قرأت کس طرح پڑھنا چاہئے، تصحیح حروف کافی ہے یا کسی قدر آواز ہونا ضروری ہے؟ بینو

تو جر واب

(الجواب) احوط قول یہ ہے کہ اس طرح پڑھے کہ اپنی آواز خود سن سکے، یہ ہندوانی کا قول ہے بہت سے محققین نے اسے اختیار کیا ہے اور شامی میں اسی کو اصح کہا ہے، دوسرا قول امام کرخیؒ کا ہے کہ صرف تصحیح حروف کافی ہے، اگر اس کے مطابق بھی عمل کرلیا جائے تو نماز ہو جائے گی، پہلے قول پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے، احتیاط اسی میں ہے۔ (۱) امداد الفتاویٰ میں ہے۔

درجۂ ادنیٰ قراءت سریہ:

(سوال ۸۱) نماز میں قرأت کو قاری نہ سنے تو نماز نہیں ہوتی بہشتی زیور میں لکھا ہے، اس کا کیا مطلب ہے اکثر نمازی اپنے پڑھنے کو بوجہ شور وغل کے نہیں سن سکتا یا بہرا ہے کیونکہ ہر چیز کے دو درجہ ہیں ایک اعلیٰ اور ایک ادنیٰ مثلاً جہر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ قاری کی قرأت کو دور کے لوگ بھی سن لیں اور ادنیٰ یہ کہ قریب جو کھڑا ہے وہ سن سکے اور سری قراءۃ کا اعلیٰ درجہ ہے یہ ہے کہ قاری کی قرأت قاری ہی سنے اور دوسرا نہ سنے اگرچہ برابر کھڑا ہو، اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ قاری کی زبان اور حلق کو حرکت ہو اور قاری خود نہ سنے مگر قلبی دھیان رہے کہ میں پڑھ رہا ہوں، چونکہ حنفیہ کرام کے یہاں جن نمازوں میں جہر نہیں ہے بہت آہستہ پڑھنا اولیٰ ہے وہ کون سا درجہ ہے ادنیٰ یا اعلیٰ اور اس طرح سے نمازی کے حلق اور زبان کو حرکت ہو اور کان نہ سنے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

(الجواب) في الدر المختار فصل القرائة وادنیٰ الجهر اسماع غيره وادنى المخافة سماع نفسه. اور ردالمحتار میں اس قول کو ہندوانی کی طرف منسوب کر کے اصح وارجح کہا ہے اور چونکہ اس میں احتیاط تھی لہذا بہشتی زیور کے مؤلف نے اسی کو اختیار کیا، اور ایک قول کرخی کا ہے صرف تصحیح حروف کافی ہے گو خود بھی نہ سنے اور بعض نے اس کی بھی تصحیح کی ہے، کذا فی رد المحتار پس احوط تو ہندوانی کا قول ہے باقی نماز کرخی کے قول پر عمل کرنے والے کی بھی ہو جاوے گی واللہ اعلم (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۳۵ جدید مطبوعہ دیوبند)

مندرجہ بالا جواب سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز کی صحت کے لئے کم از کم تصحیح حروف ضروری ہے اس سے کم درجہ کی محض تصوری قرأت یعنی سورۂ فاتحہ وغیرہ کا صرف تصور کرلے اور دل میں پڑھ لے زبان اور ہونٹوں کو بالکل حرکت نہ ہو اس سے نماز صحیح نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

---

(۱) قوله وادنى الجهر اسماع غيره الخ اعلم انهم اختلفوا في حد وجود القرأة على ثلاثة اقوال فشرط الهندواني والفضلي لو جودها خروج صوت ليصلى الى اذنه وبه قال الشافعي وشرط بشر المرسي واحمد خروج الصوت من الفم وان لم يصل الى اذنه لكن يشترط كونه مسموعاً في الجملة حتى لو ادنى صماخه الىٰ فيه يسمع ولم يشترط الكرخي وابو بكر البلخي السماع واكتفيا بتصحيح الحروف واختارشيخ الاسلام وقاضي خان وصاحب المحيط والحلواني قول الهندواني وكذا في معراج الدراية ونقل في المجتبى عن الهندواني لايجز به مالم تسمع اذناه ومن بقربه ..... وذكر ان كلا من قولي الهندواني والكرخي مصححان وان ماقاله الهندواني أصح وأرجح لاعتماد اكثر علمائه عليه شامي فصل في القراة ج ۱ ص ۵۳۴.

افضل یہ ہے کہ امام سورۂ فاتحہ ترتیلاً پڑھے:

(سوال ۸۲) تفسیر ہدایت القرآن تالیف حضرت مولانا سعید احمد پالنپوری پارہ نمبر۱۴ سورۂ الحجر کی آیت نمبر ۸۷ سبعاً من المثانی کے بابت فرمایا: حضور ﷺ سورۂ فاتحہ کو سات وقفوں کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، اس سے متعلق ترمذی شریف کی حدیث" حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آیتیں الگ الگ پڑھ کر لوگوں کو بتلائیں کہ اس طرح حضور ﷺ ہر آیت کو الگ الگ کر کے پڑھتے تھے۔

سوال یہ ہے کہ اگر کوئی امام اس طرح الگ الگ کر کے نہ پڑھے بلکہ پوری سورت دو تین وقفوں سے پڑھ لے تو کس درجہ کی غلطی ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) افضل یہی ہے کہ سورۂ فاتحہ ترتیلاً پڑھی جائے، امام، عوام اور تخفیف کا لحاظ کرتے ہوئے کبھی کبھی دو تین سانس میں پڑھے تو مضائقہ نہیں لیکن اس کی عادت نہ بنائے،(۱) حدیث میں ہے من ام قوماً فلیخفف الخ. مشکوٰۃ ص ۱۰۱ باب الا مامۃ. تراویح میں بھی سورۂ فاتحہ اسی طرح پڑھے لیکن تراویح میں تخفیف اور عوام کا لحاظ کرتے ہوئے سورۂ فاتحہ کو دو تین سانس میں پڑھنے کی اجازت ہوگی بشرطیکہ صاف صاف پڑھے کہ مقتدی سمجھ سکیں لحن جلی اور لحن خفی کا ارتکاب نہ کرے۔ سورۂ فاتحہ کے بعد کی قرأت بھی ترتیلا پڑھے اور حدراً بھی پڑھ سکتا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ لحن جلی اور لحن خفی کا ارتکاب لازم نہ آئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مدمنفصل کا کیا حکم ہے؟ اس میں قصر جائز ہے یا نہیں؟:

(سوال ۸۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک امام صاحب ہمیشہ نماز میں جب جہری قرأت پڑھتے ہیں تو اس میں مدمنفصل پر قصر کرتے ہیں تو فن تجوید کے قاعدہ کے موافق بروایت حفص قصر جائز ہے یا نہیں؟ اگر بالفرض جائز ہے تو طول یا توسط اولیٰ ہے یا قصر اولیٰ ہے اس لئے کہ بہت سے مدرسہ کے طلبہ نماز میں شامل ہوتے ہیں تو وہ بھی اس کے عادی ہو جائیں گے تو امام صاحب کو قصر کی عادت بنالینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مدمنفصل جائز کی مقدار ۳ یا ۴ الف ہے اور قصر بھی جائز ہے کوئی ایک مقدار لازم اور ضروری نہیں ہے تینوں طرح پڑھ سکتے ہیں، لہٰذا امام بھی تینوں پر عمل کرے، گاہے طول، گاہے توسط، گاہے قصر، ہمیشہ قصر نہ کرے تاکہ طلبہ کو عجیب سا معلوم نہ ہو اور مسئلہ سے بھی واقف ہو جائیں، امام نماز میں خلط ملط نہ کرے جو مقدار شروع سے اختیار کرے آخر تک اسے نبھائے۔ جزری میں ہے۔

والمد لازم وواجب اتیٰ
رجائز وھو وقصر ثبتا
وجائز اذا اتی منفصلا
او عرض السکون وقفا مسجلاً

---

(۱) وفی الحجۃ یقرأ فی الفرض بالترسل حرفاً حرفاً وفی التراویح بین بین الخ درمختار علی ھامش شامی فصل فی القراۃ ج ۱ ص ۵۴۱ ج.

مد کی تیسری قسم مد جائز ہے کہ اس میں مد اور قصر دونوں درست ہے الخ (شرح جزری ص ۵۸) تجوید مبتدی میں ہے (۴) مد جائز (یا) منفصل: حروف مدہ کے بعد اگر ہمزہ دوسرے کلمہ میں ہو تو وہاں مد کرنا چاہئے جیسے قالوا اٰمنّا مقدار اس کی تین یا چار الف ہے اور قصر بھی جائز ہے۔ (شرح ہندی جزری) (تجوید مبتدی ص ۱۹) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فرض نماز میں امام کو لقمہ دینے کی توقیت:

(سوال ۸۴) بعض مرتبہ فرض نماز میں امام پر نسیان طاری ہوتا ہے، اس وقت مقتدی لقمہ دے سکتا ہے؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ فرض نماز میں امام کا ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھ لینے کے بعد کسی کا لقمہ قبول کر لینا نماز کو فاسد کر دے گا، اس مسئلہ کے متعلق تفصیل درکار ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) امام سے فرض نماز میں قرأت میں بھولنے یا متشابہات وغیرہ کی وجہ سے غلطی ہو جاوے تو دیکھا جائے گا اگر یہ چوک سورۂ فاتحہ اور ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھ لینے کے بعد ہوئی تو رکوع کرے، مقتدی کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کیا جائے اور مقتدی کو بھی چاہئے کہ عجلت سے کام نہ لے لیکن اس کے باوجود کسی مقتدی نے لقمہ دے دیا اور امام نے لقمہ قبول کر لیا تو صحیح قول کے بموجب نماز درست ہو جائے گی فاسد نہیں ہوگی۔ درمختار میں ہے بخلاف فتحہ علی امامہ فانہ لا یفسد مطلقا لفاتح و آخذ بکل حال (قولہ بکل حال) ای سواء قرأ الامام قدر ما تجوزبہ الصلاۃ ام لا انتقل الیٰ آیۃ اخری ام لا تکرر الفتح ام لا ھو الا صح نھر (درمختار مع الشامی باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا ج ۱ ص ۵۸۲) یعنی مقتدی اپنے امام کو لقمہ دے تو نہ امام کی نماز فاسد ہوگی اور نہ مقتدی کی چاہے امام بقدر ضرورت (فرض و واجب) قرأت کر چکا ہو یا نہ کئے ہو، لیکن حضرات فقہاء رحمۃ اللہ علیہم نے تصریح فرمائی ہے کہ مقتدی درباب لقمہ جلدی نہ کرے، کیونکہ لقمہ دینا تعلیم و تعلم کی ایک ظاہری صورت ہے جو بلا ضرورت مکروہ ہے، امام کو خصوصی ہدایت دی گئی ہے کہ مقتدی کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کریں بایں طور کہ ایک آیت یا کلمہ بار بار پڑھتا رہے یا خاموش کھڑا رہے جس سے مقتدی لقمہ دینے پر مجبور ہو، اگر بقدر واجب (ایک روایت کے مطابق بقدر مستحب) قرأت کر چکا ہے تو رکوع کر لے یا اگلی آیت یا سورت پڑھنا شروع کر دے۔

وینبغی للمقتدی ان لا یعجل بالفتح وللامام ان لا یلجئھم الیہ بل یر کع اذا جاء اوانہ اوینتقل الیٰ آیۃ اخری (ھدایہ ج ۱ ص ۱۱۶ باب ما یفسد الصلوۃ وما یکرہ فیھا) وکذا فی فتاویٰ ھندیہ ج ۱ ص ۶۳) فقط واللہ اعلم بالصواب

نماز میں قرأت کی غلطی درست کرلی:

(سوال ۸۵) امام صاحب نے قرأت میں ایسی فاحش غلطی کی جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے مگر مقتدیوں میں سے کسی نے فوراً لقمہ دیا اور غلطی درست کر لی ایسی صورت میں نماز ہوگئی یا اعادہ ضروری ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب قرأت کی غلطی بذات خود درست کر لے یا مقتدی کے لقمہ دینے سے درست کر لے تو حرج اور عموم بلویٰ کے پیش نظر نماز صحیح ہونے کا فتویٰ دیا جائے گا۔

ذکر فی الفوائد لو قرأ فی الصلوٰۃ بخطأ فاحش ثم رجع وقرأ صحیحا قال عندی صلوتہ جائزۃ (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۸۳ الفصل الخامس فی زلۃ القاری)(فتاوی الفتح الرحمانی ج ۱ ص ۱۶۳)(مجموعہ فتاوی سعدیۃ ص ۵۲)(فتاویٰ عماد الدین ص ۱۶۴)(امداد الفقہ ج ۲ ص ۱۳۰)فقط واللہ اعلم بالصواب

ایک امام صاحب کی تکبیر تحریمہ اور دیگر تکبیرات میں ھا۔کی آواز نکلنا:

(سوال ۸۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ امام صاحب سے نماز پڑھانے میں تکبیر تحریمہ اور تکبیرات انتقالیہ میں اللہ ھا کبر نکلتا ہے اور رکوع سے اٹھتے وقت سمع اللہ لمن حمدہ میں بھی ہا نکلتا ہے یعنی سمع اللہ ھلمن حمدہ پڑھا جاتا ہے اور بعض وقت قرأت میں بھی ہا کی آمیزش ہو جاتی ہے، اور اسی طرح السلام علیکم پڑھا جاتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ امام صاحب کے گلے میں تکلیف ہے اور یہ تکلیف دائمی ہے اور لا علاج ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسے امام کو نماز پڑھانا چاہئے، اور اس طرح پڑھانے میں کوئی کراہت تو نہیں آتی، ہمارے یہاں اس کا بہت چرچا ہو رہا ہے، برائے کرم مفصل جواب عطا فرمائیں۔

(الجواب) آپ کا سوال ملا، آپ کی مسجد کے امام صاحب نے نماز ٹیپ کر کے سنانے کی بات ہوئی چنانچہ وہ صبح (فجر) کی نماز ٹیپ کر کے لائے اور اسے احقر نے سنا اور ان سے زبانی پڑھوا کر بھی سنا مجھے تو ان کی نماز میں کوئی ایسی بات معلوم نہیں ہوئی جس کی وجہ سے نماز مکروہ یا فاسد معلوم ہوتی ہو، لہٰذا ان کی امامت میں شک وشبہ نہ کیا جائے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک امام کے حالات اور ان کی امامت کا حکم:

(سوال ۸۷) ہمارے محلّہ کے امام صاحب سے محلے کے اکثر لوگ یعنی ۹۰ فیصد مصلی ناراض ہیں، ناراضگی کی وجوہات یہ ہیں (۱) حسد کی وجہ سے امام صاحب غیر مسلم سے جادو کراتے ہیں جادو اپنی بیوی کے اوپر بھی اسی ہندو سے کرایا تھا، یہ بات جادو کرنے والے نے پروف (دلائل) کے ساتھ تسلیم کر لی ہے کہ اسی امام صاحب نے ایک بھائی پر اور ان کی بیوی پر مجھ سے جادو کا عمل کرایا ہے، اسی بنا پر بیوی کو پتہ چل جانے پر گھر بیٹھی ہے، اور طلاق مانگ رہی ہے (۲) یہ امام صاحب مالدار ہیں ان کے پاس مکان (فلیٹ) زمین اور بہت سی رقم ہے، اس کے باوجود زکوٰۃ، صدقہ، فطرہ اور بیاج مانگتے ہیں اور لیتے ہیں اور گھر کی ضروریات نئی کپڑے (بغیر سلے ہوئے) محلے والوں سے مانگتے رہتے ہیں مگر کسی بھی چیز کا اور کپڑوں کا استعمال نہیں کرتے اور ہمیشہ پرانے اور گندے کپڑوں سے نماز پڑھاتے ہیں، غریبی کا ہمیشہ ڈھونگ رچا کر گھومتے ہیں (۳) مسجد کے جماعت خانہ میں لنگی پہن کر سوتے ہیں جو لنگی اوپر تک اٹھ جاتی ہے مگر ان کو نیند میں خیال نہیں رہتا، محلے والے بار بار اس بارے میں اعتراض کرتے ہوئے ان سے کہتے ہیں مگر نہیں مانتے (۴) مسجد میں جماعت خانہ میں نماز کے وقت بیٹھے بیٹھے سو جاتے ہیں اور خراٹے بھرتے ہیں، کبھی کبھی تو نماز پڑھاتے ہوئے قعدہ میں سو جاتے ہیں، قعدہ میں بہت دیر ہونے پر مصلی وغیرہ حضرات کے کھانسنے پر نماز کا سلام پھیرتے ہیں ۔(۵) بہت سی مرتبہ گالیاں بولتے ہیں (۶) محلے میں کئی مرتبہ کھڑے ہو کر نامحرم عورتوں کو دیکھتے ہیں اور ان سے بات

چیت بھی کرتے ہیں (۷) جب کرکٹ میچ ہوتا ہے تو مسجد کے آس پاس کے مکانات میں جاکر ٹی وی پر میچ دیکھتے ہیں اورغزل شاعری، قوالی کا پروگرام ہوتا ہے اس میں شریک ہوتے ہیں، شریعت کے مطابق امام صاحب کو جس طرح رہنا چاہئے اس طرح نہیں رہتے، اکثر جان بوجھ کر بیمار ہوجانے کا ڈھونگ کرتے ہیں، کیا ایسے امام صاحب کی امامت میں نماز ہوجاتی ہے۔

(الجواب) اسلام میں منصب امامت کی بہت ہی اہمیت ہے، یہ منصب بہت باعزت باوقار اور باعظمت دینی اہم شعبہ ہے، یہ مصلّٰی رسول اللہ ﷺ کا مصلّٰی ہے، امام نائب رسول ہوتا ہے، امام مقتدیوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایلچی اور قاصد ہوتا ہے اس لئے جو سب سے بہتر ہو اسے امام بنانا چاہئے، حدیث شریف میں ہے اگر تمہیں یہ پسند ہو کہ تمہاری نماز درجہ قبولیت کو پہنچے تو تم میں جو نیک اور بہتر ہو وہ تمہاری امامت کرے کہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان ایلچی ہے ان سرکم ان تقبل صلوتکم فلیؤ مکم، خیارکم وسکت عنہ (شرح نقایہ ۸۲/۱ بحوالہ فتاوی رحیمیہ ۱۲۴/۴) فقہ کی مشہور کتاب نورالایضاح میں ہے فالاعلم احق بالا مامۃ ثم الا قراء ثم الا ورع ثم الا سن ثم الا حسن خلقاً ثم الا حسن وجھاثم الا شرف نسباً ثم الا حسن صوتاً ثم الا نظف ثوباً (نور الا یضاح ص ۸۳، ۸۴. بحوالہ فتاوی رحیمیہ) امامت کا حق دار وہ ہے جو دین کے امور کا زیادہ جاننے والا ہو (خصوصاً نماز کے مسائل کا زیادہ جاننے والا ہو) پھر وہ شخص جو قرآن شریف تجوید سے پڑھنے میں زیادہ ماہر ہو پھر جو زیادہ متقی اور پرہیز گار ہو پھر وہ جو عمر میں زیادہ بڑا ہو، پھر وہ جو اچھے اخلاق والا ہو پھر وہ جو خوبصورت اور باوجاہت ہو پھر وہ جو نسب کے اعتبار سے زیادہ شریف ہو پھر وہ جس کی آواز اچھی ہو، پھر وہ جو زیادہ پاکیزہ کپڑے پہنتا ہو (نورالایضاح)

لہذا امام کے لئے ضروری ہے کہ صحیح العقائد نیک متقی، نماز کے مسائل سے واقف دیندار اور ظاہری گناہوں سے پاک وصاف ہو۔ الاولیٰ بالاما مۃ اعلمھم باحکام الصلوٰۃ...... الیٰ...... ویجتنب الفواحش الظاھرۃ (عالمگیری ۸۳/۱) بحوالہ فتاوی رحیمیہ ۱۷۰/۴) فاسق وفاجر کو امام نہ بنانا چاہئے، حدیث میں ہے لا یؤم فاجر مومناً فاجر شخص مومن کی امامت نہ کرے (ابن ماجہ ص ۵۵) بحوالہ فتاوی رحیمیہ ۱۷۰/۴) (کبیری میں ہے۔ لوقدموا فاسقا یا ثمون. اگر فاسق کو امام بنائیں گے تو گناہ گار ہوں گے۔ (کبیری ص ۴۹۷ بحوالہ فتاوی رحیمیہ ۱۷۰/۴) مندرجہ بالا حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ امام کو بہت ہی زیادہ محتاط متقی اور پرہیز گار ہونا چاہئے، سوال میں امام سے متعلق جو باتیں لکھی گئی ہیں اگر درحقیقت وہ تمام باتیں بالکل صحیح ہو، ان پر الزام نہ ہو تو ایسے شخص کی امامت مکروہ تحریمی ہے اور امامت کے منصب کے ہرگز لائق نہیں، برطرف کردینے کے قابل ہے، برطرف کردینے کا جو حکم لگا یا ہے حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، حدیث میں ہے، ابوداؤد شریف کی روایت ہے، ایک شخص نے کچھ لوگوں کی امامت کی اسے تھوک آیا تو قبلہ کی جانب تھوک دیا آنحضرت ﷺ یہ دیکھ رہے تھے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں سے آپ ﷺ نے فرمادیا کہ یہ شخص آئندہ تمہاری امامت نہ کرے، اس کے بعد اس شخص نے نماز پڑھانے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے اسے روک دیا اور بتادیا کہ آپ ﷺ نے اس کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے۔ یہ شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس واقعہ کا تذکرہ کیا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا" ہاں میں نے کہا تھا"...... راوی کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ تم نے اللہ کو اور اس کے رسول کو

اذیت پہنچائی تھی...... ان رجلاً ام قوماً فبصق فی القبلة و رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ینظر فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم حین فرغ لا یصلی بکم فاراد بعد ذلک ان یصلی بھم فمنعوہ واخبرو بقول رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فذکر ذلک رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال نعم وحسبت انه قال انک آذیت اللہ ورسوله صلی اللہ علیہ وسلم .(ابوداؤد شریف ص ۷۶ ج ۱ ، باب فی کراهة البزاق فی المسجد)فقط واللہ اعلم بالصواب .

قراءت میں رکاوٹ پیش آنے پر امام رکوع کب کرے؟

بقدر واجب یا بقدر مستحب قرأت کے بعد؟:

(سوال ۸۸)فجر کی نماز میں پہلی رکعت کی قراءت میں سترہویں پارے کی کچھ آیتیں پڑھ کر امام رک گیا، دوسری مرتبہ ایک آیت لوٹائی مگر یاد نہ آئی تو سورۂ اعلیٰ پارۂ عم سے پڑھی بعدہٗ دوسری رکعت میں اس کے بعد والی سورت پڑھی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ پہلی رکعت کی آیت اتنی ہوگئی تھی کہ نماز ہوجائے یعنی بقدر واجب پڑھی تھی، اس کے باوجود سورۂ اعلیٰ پڑھی تو یہ قابل اعتراض ہے یا نہیں؟ اس سے نماز میں کوئی خرابی آئی یا نہیں؟ بعض مقتدی کہتے ہیں کہ نماز ہوجائے اتنی قراءت ہوگئی تھی تو پھر سورۂ اعلیٰ کیوں پڑھی؟ امام صاحب فرماتے ہیں کہ قرأت کم ہونے کی وجہ سے ایسا کیا، اگر ایسا نہ کیا ہوتا تو دوسری رکعت میں بھی اتنی ہی قراءت کرنی پڑتی، اگر دوسری رکعت میں قراءت لمبی کی جاتی تو مستحب کے خلاف ہوتا مگر مقتدیوں کو اطمینان نہیں ہوا، لہٰذا بحوالہ کتاب جواب مرحمت فرمایا جائے کہ امام صاحب نے جو کیا صحیح کیا یا غلط کیا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب)صورت مسئولہ میں امام صاحب نے جو کیا صحیح ہے، غلط نہیں ہے، نماز بلا کراہت ادا ہوگئی، اعتراض بیجا ہے ،بقدر حاجت قرأت پڑھ لی ہو تو رکوع کرے اس سے مراد بقدر واجب ہی نہیں ہے بلکہ بقدر مسنون اور مقدار مستحب بھی ہے، چنانچہ فقہاءؒ فرماتے ہیں بل ینتقل الیٰ آیة اخری او یرکع ان قرأ القدر المستحب وقیل قدر الفرض والاول هو الظاهر (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۹۵ باب ما یفسد الصلاة) او یرکع ان قرأ قدر الفرض کما جزم به الزیلعی وغیره وفی روایة قدر المستحب کما رجح الکامل بانه الظاهر من الدلیل الخ (شامی ص ۵۸۲ ج ۱ باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها)(بہشتی زیور ج ۱ ص ۲۷)اور علم الفقہ ج ۲ ص ۱۱۱ میں بھی بقدر مسنون والے قول کو اختیار کیا گیا ہے، ملاحظہ کرلیں۔ البحر الرائق میں ہے: واختلفت الروایة فی وقت اوان الرکوع ففی بعضھا اعتبر اوانه المستحب وفی بعضھا اعتبر فرض القراءة یعنی اذا قرأ مقدار ما تجوز به الصلوٰة رکع کذا فی السراج الوهاج (ج ۲ ص ۶ ایضاً) عمدة الرعایة علی شرح الوقایة میں ہے: بل یرکع ان کان قرأما تجو به الصلوٰة او ینتقل الیٰ ایة اخریٰ(ج ۱ ص ۱۹۱ ایضاً)فتح القدیر میں ھے : قال بعضھم ینبغی ان لا یلجئھم الیه بل ینتقل الیٰ آیة اخری او یرکع اذا قرأ المستحب صرفا للصلوٰة عن الزوائد هذا هو الظاهر من جهة الدلیل(ج ۱ ص۲۹۰ ایضاً)فقط واللہ اعلم بالصواب ۱۴ ، صفر ۱۳۸۰ھ

اللہ اکبر کی باء کو کھینچ کر پڑھنے والے امام کے پیچھے پڑھی ہوئی نمازوں کا لوٹانا ضروری ہے:

(سوال ۸۹) امام صاحب اللہ اکبر کی باء کو کھینچتے ہیں، ابھی معلوم ہوا کہ نماز نہیں ہوتی، یہ امام صاحب ایک سال سے نماز پڑھاتے ہیں اب ہم اپنی نمازیں کب سے لوٹائیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً، زیادہ صحیح یہ ہے کہ اکبر کی ب کو بڑھا کر پڑھنے والا نماز کا شروع کرنے والا نماز کا شروع کرنے والا نہ ہوگا۔ ولو مد بهمزة الجلالة او اكبر او بائه لم يصر شارعاً (زاد الفقير ص ۳۰) وان قال الله اكبار باد خال الف بين الباء والراء لا يصير شارعاً وان قال ذلك في خلال الصلوٰة تفسد صلوته قيل لانه اسم من اسماء الشيطان وقيل لانه جمع كبر بالتحريك وهو الطبل وقيل يصير شارعاً ولا تفسد صلوته لانه اشباع والاول اصح (كبيرى شرح منيه ص ۲۵۷ مفسدات صلوٰة)

لہٰذا اس طرح پڑھنے والے امام کی اقتداء میں جتنی نمازیں ادا کی گئیں وہ سب ہی قابل اعادہ ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۶ رجب ۱۳۸۸ھ۔

امام نے ضرب اللہ مثلاً للذین آمنوا امرأة نوح وامرأة لوط پڑھا تو نماز لوٹانی پڑے گی:

(سوال ۹۰) ہمارے یہاں ایک شخص نے دو رکعت نماز پڑھائی جس میں انہوں نے ضرب اللہ مثلاً للذین کفروا امرأة نوح وامرأة لوط کے بجائے ضرب الله مثلا للذين امنوا امرأة نوح وامرأة لوط پڑھا اور یہ صورت تین آیات کے بعد واقع ہوئی، تو اب یہ نماز درست ہوئی یا نہیں اور کیا اعادہ واجب ہے؟ فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلياً ومسلماً: صورت مسئولہ میں اگر چہ مذکور غلطی تین آیت پڑھ لینے کے بعد واقع ہوئی ہے نماز فاسد ہوگی وان تغير المعنى بان قرأ ان الابرار لفي جحيم وان الفجار لفي نعيم، او قرأ ان الذين امنوا وعملوا الصلحت اولئك هم شرالبرية، او قرأ وجوه يومئذ عليها غبرة اولئك هم المؤمنون حقا، تفسد صلوته لان الخبر بخلاف ما اخبر الله تعالىٰ به (فتاویٰ قاضی خان فصل فی القرأة القرآن خطأ الخ ج ۱ ص ۷۴)

لہٰذا نماز دوبارہ پڑھی جائے اور اگر نماز میں اسی وقت اصلاح کر لی جاتی تو نماز درست ہو جاتی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

امام نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھادی تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۹۱) میں نے ایک دن فجر کی نماز پڑھائی بعد میں معلوم ہوا کہ میں جنبی تھا اور مجھے غسل کی حاجت تھی تو میری اور مقتدیوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟ مجھے اس وقت یہ بھی یاد نہیں کہ اس دن کون کون مصلی تھے میں پریشان ہوں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ رہنمائی فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں امام اور مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی۔ دوبارہ پڑھنا ضروری ہے امام کو چاہئے کہ مقتدیوں کو تنہا تنہا خبر کر دے یا نماز کے وقت اعلان کر دے کہ فلاں دن فجر کی نماز میں جو جو حضرات تھے وہ اپنی نماز کا اعادہ کر

نہیں جن مقتدیوں کو اس کی اطلاع نہ ہو سکے وہ معذور ہیں ۔ درمختار میں ہے ۔ (واذا ظهر حدث امامه) وكذا كل مفسد في رأى مقتد (بطلت فيلزم اعادتها) لتضمنها صلوة المؤتم صحةً وفساداً كما يلزم الامام اخبار القوم اذا امهم وهو محدث او جنب الخ (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۵۵۴ باب الامامة) فقط والله اعلم بالصواب

نماز میں میں آستین چڑھانا:

(سوال ۹۲) ایک شخص کی یہ عادت ہے کہ بحالت نماز دونوں ہاتھوں کی آستین گرمی کی وجہ سے اوپر چڑھالیتا ہے تو اس سے نماز میں نقص آئے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز میں دونوں ہاتھوں کی آستین اوپر چڑھانا یہ عمل کثیر ہے اس وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے ۔ لہٰذا ایسی حرکت سے احتراز لازم ہے ۔ ''شامی'' میں ہے اما لو شمر وهو فيها تفسد لا نه عمل كثير ۔ یعنی آستین چڑھی ہوئی حالت میں نماز شروع کرنا مکروہ ہے ۔ لیکن اگر نماز پڑھنے کی حالت میں آستین چڑھائے گا تو عمل کثیر ہونے کی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے گی ۔ (مکروہات الصلاۃ ج ۱ ص ۵۹۹)

وضو کے لئے یا اور کسی سبب سے آستین چڑھائی ہوں تو اتار لیوے پھر نماز شروع کرے اگر آستین چڑھی ہوئی حالت میں امام کے ساتھ رکعت پالینے کے شوق میں نماز میں داخل ہو جائے تو بہتر یہ ہے کہ آہستہ آہستہ اور تھوڑی تھوڑی اتار لیویں کہ جس سے عمل کثیر لازم نہ آوے آستین چڑھی ہوئی رکھ کر نماز پڑھنا یا آدھی آستین والا قمیص پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے ۔ (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۵۹۹ ایضاً میں ہے ۔ ومثله ما لو شمر للوضوء ثم عجل لادراك الركعة مع الامام واذا دخل في الصلوة كذلك وقلنا بالكراهة فهل الافضل ارخاء كميه فيها بعمل قليل اوتركهما لم اره والاظهر الاول اه. فقط والله اعلم بالصواب

چار رکعت والی نماز میں تین رکعت پر سلام پھیر دیا اور بات کر لی تو!:

(سوال ۹۳) یہاں پر امام صاحب نے ظہر کی نماز میں چار رکعت کے بجائے تین رکعت پر سلام پھیر دیا مقتدیوں نے کہا کہ تین ہی رکعتیں ہوئی ہیں اس لئے نماز پھر سے پڑھائیے لیکن امام صاحب نے کہا کہ ''ایک رکعت پڑھ لیں گے تو نماز ہو جائے گی'' اور اس کے بعد امام صاحب نے ایک رکعت پڑھا کر سجدۂ سہو کر کے نماز ختم کی تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ نیز چوتھی رکعت میں ایک شخص جماعت میں شریک ہوا تو اس کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب کہ امام صاحب نے تین رکعت پر سلام پھیر کر بات کی کہ ''ایک رکعت پڑھ لیں گے تو نماز ہو جائے گی'' اس سے نماز سے خارج ہو گئے اور پڑھی ہوئی تین رکعتیں باطل ہو گئیں، بعد میں ایک رکعت پڑھ کر سجدۂ سہو کرنے سے بھی نماز نہ ہوگی ۔ دوبارہ چار رکعتیں پڑھنا ضروری ہے ۔ اور جو شخص چوتھی رکعت میں شریک ہوا تھا اس کی بھی نماز صحیح نہیں ہوئی (يفسدها التكلم) هو النطق بحرفين او حرف (درمختار) (قوله يفسدها التكلم) اى يفسد الصلوة (شامی ج ۱ ص ۵۷۴ باب ما يفسد الصلاة الخ) فقط والله اعلم بالصواب

لفظ اللہ اکبر میں باء اور راء کے درمیان الف کا اضافہ کرنا:

(سوال ۹۴) ہمارے امام صاحب اللہ اکبر کی باء پر مد کرتے ہیں یعنی کھینچ کر اور بڑھا کر پڑھتے ہیں۔ تمام تکبیرات انتقالات میں اسی طرح پڑھتے ہیں تو نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اصح یہ ہے کہ اکبر کی باء اور راء کی درمیان الف ممالہ زیادہ کرکے ''اکبار'' پڑھے گا تو تکبیر تحریمہ صحیح نہ ہوگی اور نماز میں داخل نہ ہوگا۔ اور اگر تکبیر تحریمہ صحیح ادا کی مگر تکبیر انتقالات میں مذکورہ طریقہ سے الف ممالہ کے اضافہ کے ساتھ تکبیر کہے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ ولو وقع المد فی باء اکبر بان یقول اکبار بزیادۃ الالف الممال بین الباء والراء لایصیر داخلاً فی الصلوۃ وتفسد لو وقع فی اثناء ھا (مجالس الابرار ص ۳۰۷ مجلس نمبر ۵۲) جہالت کا عذر قبول نہ ہوگا۔ لان مثل ھذا الجھل لایصلح ان یکون عذرا حوالہ بالا اور زادالفقیر میں ہے ولو مد بھمزۃ الجلالۃ او اکبر او باء ہ لم یصر شارعاً (ص ۳) فقط واللہ اعلم بالصواب.

مقتدی کا ارکان میں امام سے آگے بڑھنا:

(سوال ۹۵) مقتدی امام سے پہلے سجدہ کرے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر مقتدی نے امام سے پہلے سجدہ کیا اور سجدہ میں امام اس کے ساتھ شریک نہ ہوا بلکہ مقتدی نے امام کے سجدہ میں آنے سے پہلے ہی سجدہ سے سر اٹھا لیا اور پھر دوبارہ (امام کے ساتھ یا امام کے بعد) سجدہ نہیں کیا تو مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ (ویفسدھا مسابقۃ المقتدی برکن لم یشارکہ فیہ امامہ) کما لو رکع ورفع راسہ قبل الامام ولم یعدہ معہ او بعدہ' (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۱۸۵ باب ما یفسد الصلاۃ)

اور اگر امام کے ساتھ سجدہ میں شریک ہو گیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی مگر مقتدی کا یہ فعل حرام اور موجب گناہ ہے، احادیث میں اس پر سخت وعید اور ممانعت آئی ہے، ایک حدیث میں ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ایھا الناس انی امامکم فلا تسبقونی بالرکوع ولا بالسجود ولا بالقیام ولا بالانصراف الخ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اے لوگو میں تمہارا امام ہوں تم لوگ رکوع، سجدہ، قیام اور انصراف (واپس لوٹنے) میں مجھ سے آگے مت بڑھو (رواہ مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۰۱ باب ما علی الماموم) اور ایک حدیث میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما یخشی الذی یرفع راسہ قبل الامام ان یحول اللہ راسہ راس حمار متفق علیہ.

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ شخص جو اپنا سر امام سے پہلے اٹھا لیتا ہے کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سر بنا دیں (مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۲ باب ما علی الماموم)

محدثین نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کا چہرہ گدھے جیسا بنا دے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی سمجھ گدھے جیسی بنا دے گا، علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ حدیث اپنی حقیقت پر محمول ہو اور اس وقت مسخ سے مراد مسخ خاص ہوگا اور اس شریعت میں جو مسخ ممتنع ہے وہ وہ مسخ ہے جو عام ہو اور اس کی

تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ ایک شخص حدیث کی تحصیل کے لئے دمشق کے ایک مشہور شخص کی خدمت میں پہنچا وہاں پہنچ کر ان سے حدیث حاصل کی لیکن وہ شیخ ہمیشہ درمیان میں پردہ رکھتے تھے، اپنا چہرہ کبھی نہیں دکھاتے تھے۔ جب ایک زمانہ گذر گیا اور طالب علم کا شوق دیکھا تو ایک مرتبہ پردہ ہٹا دیا، طالب علم نے دیکھا کہ شیخ کا چہرہ گدھے کی طرح ہے۔ شیخ نے فرمایا۔ یابنی أن تسبق الا مام فانی لما مر بی فی الحدیث استبعدت وقوعه فسبقت الا مام فصار وجهی کما تری. اے میرے بیٹے تم امام سے ارکان میں آگے بڑھنے سے بچو، جب میں نے یہ حدیث سنی تھی تو میں نے اس کے وقوع کو بعید سمجھا تھا اور میں نے امام سے سبقت کی اس کی وجہ سے میرے چہرہ کی یہ حالت ہوگئی جو تم دیکھ رہے ہو (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۹۸ باب ماعلی الماموم)

اسی بنا پر مالا بدمنہ میں ہے۔ وتقدیم مقتدی ازامام درارکان حرام است. یعنی ارکان میں مقتدی کا امام سے آگے بڑھنا حرام ہے (مالا بدمنہ ص ۳۹) فقط واللہ اعلم۔

''نماز میں امام کے بقدر واجب پڑھ لینے کے بعد مقتدی نے لقمہ دیا تو کیا حکم ہے''

(سوال ۹۶) نماز میں امام صاحب قرأت پڑھتے پڑھتے بھول گئے، بقدر واجب پڑھ چکے تھے پھر بھی پیچھے سے مقتدی نے لقمہ دیا، امام نے لقمہ قبول کر لیا اور نماز ختم کی تو نماز صحیح ہوئی یا فاسد؟ لوٹانا واجب ہے یا نہیں؟

(الجواب) امام قرأت پڑھتے وقت بھول جائے یا رک جائے تو لقمہ دینے میں جلدی نہ کرے، بھول ہوتے ہی لقمہ دینا اور بول اٹھنا مکروہ اور ممنوع ہے، امام کو بھی چاہئے کہ کسی کے بتلانے کی (لقمہ دینے کی) راہ نہ دیکھے، بقدر ضرورت قرأت کر چکا ہو تو رکوع کرلے اور دوسری جگہ سے پڑھنا شروع کردے، خاموش کھڑا رہ کر اور ایک ہی لفظ کو مکرر پڑھ کر مقتدی کو لقمہ دینے کے لئے مجبور کرنا غلط ہے، پھر بھی صحیح یہ ہے کہ امام کو لقمہ دینے سے اور امام کے لقمہ قبول کر لینے سے کسی کی بھی نماز فاسد یا واجب الاعادہ نہیں ہوتی۔ والصحیح انها لا تفسد صلوٰۃ الفاتح بکل حال ولا صلوٰۃ الأمام لو اخذ منه علی الصحیح الخ (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۹۹ الباب السابع فیما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیها) فقط واللہ اعلم بالصواب.

امام نے سہواً سورۂ فاتحہ یا سورت چھوڑ دی اور رکوع سے اٹھنے کے بعد پڑھی:

(سوال ۹۷) فرض یا واجب نماز میں امام سورۂ فاتحہ یا سورت پڑھنا بھول گیا رکوع میں یاد آیا تو کھڑے ہو کر قرأت پڑھی تو اب دوبارہ رکوع کیا جائے یا نہیں؟ اور سجدہ سہو کر لینے سے نماز صحیح ہو جائے گی؟ اگر دوبارہ رکوع کا اور بعد میں آنے والے نمازی نے اس رکوع میں امام کے ساتھ شرکت فرمائی تو اس نے وہ رکعت پائی ایسا سمجھا جائے گا؟

(الجواب) صورت مذکورہ میں قرأت کے بعد رکوع کرنا ضروری ہے، نہ کرے گا تو نماز باطل ہوگی، رکوع کر کے اخیر میں سجدۂ سہو کر لینے سے نماز صحیح ہو جائے گی، رکوع میں شامل ہونے والے مقتدی کی یہ رکعت معتبر ہے، دہرانے کی حاجت نہیں ہے لو تذکر الفاتحه او السورۃ حیث یعود وینقض رکوعه لان بعوده صارت قرأت الکل فرضاً والترتیب بین القرأۃ والرکوع فرض فارتفض رکوعه فلو لم یرکع بطلت ولو رکع ادرکه رجل فی الرکوع الثانی کان مدرکاً ذلک الرکعة الخ (شامی ج ۱ ص ۶۳۷ باب الوتر

والنوفل)فقط واللہ اعلم بالصواب.

دعاءقنوت بھول جانا اور رکوع کے بعد پڑھنا:

(سوال ۹۸)امام نے وتر میں دعائے قنوت سہواً ترک کر کے رکوع کیا، یاد آنے پر دوبارہ کھڑے ہو کر دعائے قنوت پڑھی مگر دوبارہ رکوع نہیں کیا بلکہ سیدھا سجدہ میں چلا گیا اور سہو کا سجدہ کر کے نماز ختم کی وہ ادا ہوئی یا نہیں؟ اگر امام دوبارہ رکوع کرے اور بعد میں آنے والا نمازی اس رکوع میں شامل ہو جائے تو وہ اس رکعت میں شامل ہونے والا سمجھا جائے گا یا نہیں؟

(الجواب)نماز صحیح ہوگئی، دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھنے سے رکوع باطل نہیں ہوتا، مگر رکوع میں جانے کے بعد دعائے قنوت کے لئے کھڑا ہونا غلط ہے، ایسا کرنے کی ضرورت نہیں. دعائے قنوت فوت ہوگئی ہے تو اس کے لئے سجدہ سہو کافی ہے، دوسرے رکوع میں شریک ہونے والے کو رکعت نہیں ملی۔ ولو نسیه ای القنوت ثم تذكره في الركوع لا يقنت فيه لفوات محله ولا يعود الى القيام في الا صح لان فيه رفض الفرض للواجب فان عاداليه وقنت ولم يعد الركوع لم تفسد صلوته لكون ركوعه بعد قرأة تامة و سجد للسهو قنت اولا لزواله عن محله (درمختار شامی ج ۲ ص ۶۲۷.۶۲۶ باب الوتر و النوافل) وكما لو سها عن القنوت فركع فانه لو عاد وقنت لا تفسد على الا صح (فتح القدير ج ۱ ص ۱۰۱)فقط واللہ اعلم بالصواب.

قعدۂ اولیٰ سہواً چھوٹ گیا پھر کھڑا ہو جانے کے بعد لوٹا:

(سوال ۹۹)تین یا چار رکعت والی فرض یا واجب نماز میں قعدۂ اولیٰ سہواً چھوٹ جائے اور سیدھے کھڑے ہو جانے کے بعد قیام (کہ جو فرض ہے) ترک کر کے قعدہ (جو واجب ہے) میں بیٹھے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

(الجواب)قعدۂ اولیٰ چھوڑ کر سیدھا کھڑا ہو جائے۔ یا سیدھے کھڑے ہونے کے قریب ہو جائے پھر التحیات پڑھنے کے لئے بیٹھے اس سے فرض ترک کر کے واجب کی طرف لوٹنا لازم نہیں آتا، مگر ادائیگی فرض میں تاخیر لازم آتی ہے۔ جس کا تدارک سجدۂ سہو سے ہو جاتا ہے لہٰذا راجح اور حق یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی، سجدہ سہو کرنا پڑے گا البتہ ایسا کرنا نہیں چاہئے۔ قصداً ایسا کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ ثم لو عاد في موضع وجوب عدمه اختلفوا في فساد صلواته فصحح الشارح الفسادلتكامل الجناية برفض الفرض بعد الشروع فيه لأ جل ما ليس بفرض وفي المبتغي بالغين المعجمة انه غلط لأنه ليس بترك وانما هو تا خير كما لوسها عن السورة فركع فانه يرفع الركوع ويعود الى القيام ويقرأ لا جل الواجب (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۰۱ باب سجود السهو)(قوله كما سيجئی) ای فی باب سجود السهولكنه رجع هناك عدم الفساد الخ(باب الوتر والنوافل شامی ج ۱ ص ۶۲۳)فلو عاد الى القعود بعد ذلك تفسد صلاته لرفض الفرض لما ليس بفرض وصححه الزيلعي وقيل لاتفسد لكنه يكون مسيئاً ويسجد لتأ خير الواجب وهو الا شبه كما حققه الكمال وهو الحق بحر (درمختا مع شامی باب سجود

السھو ج ۱ ص ۶۹۷)(ایضاً فتح القدیر ج ۱ ص ۴۴۵)فقط واللہ اعلم بالصواب

سلام پھیرنے میں بھول سے دیر ہوجائے:

(سوال ۱۰۰) نماز کے قعدہ اخیرہ میں تشہد درود اور دعا پڑھ کر سلام نہیں پھیرا، اس خیال سے بیٹھا رہا کہ سلام پھیر چکا ہوں بعد میں یاد آیا کہ سلام نہیں پھیرا، یاد آتے ہی فوراً سلام پھیر دیا درمیان میں مخالف نماز کوئی عمل نہیں کیا ہے تو میری یہ نماز صحیح ہوگئی یا واجب الاعادہ ہے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں سجدۂ سہو کرنا چاہئے تھا، کیا ہوتا تو نماز صحیح ہوجاتی، سجدۂ سہو نہیں کیا اس لئے نماز واجب الاعادہ ہے"زادالفقیر" میں ہے وکذا لو آخر السلام بان ظن انہ سلم واستمر قاعداً ثم علم انہ لم یسلم فسلم (ص ۲۴)فقط واللہ اعلم بالصواب

نماز پڑھنے میں اندھا آجائے تو اس کو روکے یا نہیں کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۰۱) رکوع سے اٹھتے وقت اندھا سامنے آجائے اس کو ہاتھ سے ہٹایا جائے تو نماز میں کچھ خلل واقع ہوگا؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں اندھے کو روکنے میں عمل کثیر نہیں ہوا ہے لہذا نماز ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں (طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ص ۲۱۵)[1] فقط واللہ اعلم بالصواب

بحالت صلوٰۃ گلے میں شیرینی (مٹھاس) ہو تو نماز میں کوئی خرابی آئے گی یا نہیں؟:

(سوال ۱۰۲) سنت فجر گھر پڑھ کر خمیرہ کھایا بعد میں مسجد پہنچا اور جماعت میں شریک ہوگیا کلی کرنا یاد نہ رہا، نماز میں گلے میں خمیرہ کی شیرینی محسوس ہوتی تھی تو نماز ہوئی یا نہیں؟

(الجواب) جب خمیرہ منہ میں نہیں صرف مٹھاس ہی ہے تو نماز میں کوئی خرابی یا فساد نہیں، بدوں حرج کے ادا ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں۔ شامی میں ہے ولو اکل شیئاً من الحلاوۃ وابتلع عینھا ودخل فی الصلوۃ فوجد حلاوتھا فی فیہ وابتلعھا لا تفسد الصلوٰۃ. یعنی۔ کوئی میٹھی چیز کھائی اور اس کو نگل لیا پھر نماز میں داخل ہوگیا (نماز کی نیت باندھ لی) اب اس کی مٹھاس منہ میں پائی اور اس کو نگل لیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی(شامی ج ص ۵۸۳ باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا)فقط واللہ اعلم بالصواب.

لڑکوں کی صف کے آگے سے گزرنا جائز ہے:

(سوال ۱۰۳) لڑکوں کی صف بڑی ہے۔ بڑے آدمی کو اگلی صف میں شرکت کرنی ہے تو یہ لوگ لڑکوں کے آگے سے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) جب اگلی صف میں جگہ ہو تو اس کو پر کرنے کے لئے لڑکوں کی صف کے سامنے سے گزرنا پڑے تو اس میں

---

(۱) او مر مافی موضع مسجودہ لا تفسد الخ فصل فیما لا یفسد الصلاۃ مرقاۃ ج ۱ ص ۲۸۹)

حرج نہیں جائز ہے۔(۱)۔

(سوال ۱۰۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ایک شخص نے مغرب کی نماز میں امام کے ساتھ ایک رکعت پائی، پھر امام کے سلام کے بعد دو رکعتیں پوری کر کے آخر میں قعدہ کیا ایک رکعت کے بعد قعدہ نہیں کیا جیسا کہ عام قاعدہ ہے تو اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں ایک رکعت کے بعد قعدہ کرنا چاہئے تھا (ویقضی اول صلاته فی حق قرأة واخرها فی حق تشهد فمدرک رکعة من غیر فجر یاتی برکعتین بفاتحة وسورة وتشهد بینهما (درمختار باب الا مامة)

لیکن اگر کسی نے پہلی رکعت کے بعد قعدہ نہ کیا آخر میں کیا سجدۂ سہو بھی نہیں کیا تو استحساناً نماز ادا ہو جانے کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ ومن جملتها ما اشرنا الیه انه یقضیٰ اول صلاته فی حق القرأة واخرها فی حق القعدة حتیٰ لو ادرک مع الا مام رکعة من المغرب فانه یقرأ فی الرکعتین الفاتحة والسورة ویقعد فی اولهما لا نها ثانیة ولو لم یقعد جاز استحساناً لا قیاساً ولم یلزمه سجود السهود لو سهواً لکونها اولیٰ من وجه (کبیری شرح منیه ص ۴۴۰ صفة صلاة) وان ادرک مع الا مام رکعة من المغرب یقرأ فی الرکعتین اللتین سبق بهما السورة مع الفاتحة ویقعد فی اولهما لا نه یقضیٰ اول صلاته فی حق القرأة واخرها فی حق القعدة ولکن لو لم یقعد فیها سهواً لا یلزمه سجود السهود لکو نها اولیٰ من وجه (صغیری ص ۲۴۰۔ ۲۴۱ ایضاً) (قوء وتشهد بینهما) قال فی شرح المنیه ولو لم یقعد جاز استحساناً لا قیاساً ولم یلزمه سجود السهود لکون الرکعة اولیٰ من وجه الخ (شامی باب الا مامة ج ۱ ص ۵۵۸) اس کی تائید مندرجہ ذیل روایت سے ہوتی ہے۔ عن ابن مسعودؓ ان جندباً ومسروقا ادرکا رکعة یعنی عن صلاة المغرب فقرأ جندب ولم یقرأ مسروق خلف الا مام فلما سلم الا مام قاما یقضیان فجلس مسرق فی الثانیة والثالثة وقام جندب فی الثانیة ولم یجلس فلما انصرف تذکر اذلک فاتیا ابن مسعود فقال کل قد اصاب اوقال کل قد احسن واصنع کمایصنع مسروق رواه الطبرانی فی الکبیر با سانید بعضها ساقط منه رجل وفی هذا الطریق جابر النخعی والا کثر علی تضعیفه (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۲) حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ محدث دیوبندی نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ محمدیؐ میں ہے:۔

''فتویٰ سیدنا ابن مسعودؓ'' استفتاء۔ ہم دونوں نے مغرب کی نماز میں امام کے ساتھ ایک رکعت پائی تھی، امام کے سلام کے بعد ہم دونوں اپنی فوت شدہ رکعتوں کو ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ مسروق ایک رکعت پڑھ کر التحیات پڑھنے کے لئے بیٹھے (اور پھر ایک رکعت کے بعد دوسری مرتبہ التحیات پڑھ کر تمام کی) لیکن جندب صرف اخیری رکعت پڑھ کر بیٹھے اب فرمائیے کہ کس کا فعل درست تھا؟

(۱) وفی القنية قام فی آخر صف وبینه وبین الصفوف مواضع خالیة فللداخل ان یمربین یدیه لیصل الصفوف لأ نه سقط حرمة نفسه فلا تاثم المار بینٔ یدیه الخ شامی باب الا مامة مطلب فی الکلام علی الصف الا ول ج۔ ۱ ص ۵۳۳۔

(الجواب) تم دونوں نے بہتر کیا (یعنی نماز دونوں کی ادا ہوئی) لیکن میں اسے پسند کرتا ہوں کہ مسروق کے مانند نماز پڑھو (یعنی ایک رکعت کے بعد التحیات پڑھوں)

شرح:

دو رکعت کے بعد چونکہ بیٹھنا واجب ہے لہذا ایک رکعت امام کے ساتھ اور ایک تنہا پڑھ لینے کے بعد التحیات کے لئے بیٹھ جائے لیکن اگر ایک رکعت تنہا ادا کرنے کے بعد نہ بیٹھا بلکہ صرف اخیر ہی میں بیٹھا جیسا کہ صورت مسئولہ میں جندب نے کیا تھا تب بھی نماز ادا ہو جائے گی اور سجدۂ سہو لازم نہ ہوگا (فتاوی محمدی ص ۸۷) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تعداد رکعت میں شک ہو جائے:

(سوال ۱۰۵) امام کو نماز میں شبہ ہوا کہ پہلی رکعت ہے یا دوسری، ایسے موقع پر امام کا مقتدیوں کی طرف خیال کرنا کہ اگر مقتدی کھڑا ہو تو امام بھی کھڑا ہو اور مقتدی بیٹھ جائے تو امام بھی بیٹھ جائے۔ اس طرح اپنی غلطی کی اصلاح کرے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) نماز درست ہو جائے گی اعادہ یا سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں (فتاوی عالمگیریہ ج ۱ ص ۶۹۷)

قعدۂ اخیرہ میں امام فوت ہو گیا تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۰۶) قعدۂ اخیرہ میں امام فوت ہو گیا تو مقتدیوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس صورت میں نماز باطل ہو جائے گی دوبارہ پڑھنی ہوگی۔

بقی من المفسدات ارتداد بقلبه وموت (درمختار) (قوله موت) اقول تظهر ثمرته في الامام لو مات بعد القعدة الاخيرة بطلت صلوة المقتدين به فيلزمهم استينا فها لبطلان الصلوة بالموت بعد القعدة قد ذكر الشنبلالي من جملة المسائل التي زادها لخ (شامي ص ۵۸۸ ج ۱ باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها) فقط والله اعلم بالصواب.

نماز شروع ہونے کے بعد کسی کے توجہ دلانے پر مکبر کا تکبیر کہنا:

(سوال ۱۰۷) جس وقت نماز شروع ہوئی اس وقت مکبر کی ضرورت نہیں تھی، اس لئے مکبر نے تکبیر نہیں کہی ایک رکعت ہونے کے بعد کسی نے پیچھے سے کہا کہ امام صاحب کی آواز نہیں آ رہی ہے اس پر کوئی آدمی تکبیر کہنا شروع کر دے تو جو لوگ مکبر کی تکبیر پر رکوع سجدہ کریں ان کی نماز ہوگی یا نہیں؟ ہمارے یہاں بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس طرح سے نماز فاسد ہو جاتی ہے تو یہ صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کسی نے کہا ''آواز نہیں آ رہی ہے'' اس پر کسی شخص کو خیال آیا کہ واقعی مکبر کی ضرورت ہے اور اپنے اس خیال پر تکبیر کہنا شروع کر دے تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی کہ وہ اپنے خیال پر عمل کر رہا ہے کہ جس طرح باہر سے کوئی

شخص نمازی کو لقمہ دے اور نمازی کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور اپنی یاد پر اصلاح کر لے تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

نماز ظہر میں چوتھی رکعت پر قعدہ نہ کرے اور پانچ رکعت پڑھ لے:

(سوال ۱۰۸) ہمارے یہاں امام صاحب نے نماز ظہر میں دو رکعت تو ٹھیک پڑھی پھر تیسری رکعت میں امام صاحب قعدہ میں بیٹھے لیکن کسی نے بھی لقمہ نہیں دیا۔ امام صاحب التحیات پوری کر کے چوتھی رکعت کے لئے کھڑے ہوئے اور چوتھی رکعت کے بعد قعدہ کئے بغیر پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہو گئے پانچویں رکعت پوری کر کے قعدہ کیا اور سلام پھیر کر نماز پوری کی تو مقتدیوں نے کہا کہ امام صاحب پانچ رکعت ہوئی ہیں نماز لوٹائیے۔ تو امام صاحب نے کہا کہ سجدۂ سہو کیا ہے اس لئے دہرانے کی ضرورت نہیں اور مزید کہا کہ سجدہ سہو بھی نہ کیا ہوتا تب بھی نماز ہو جاتی کہ بجائے چار رکعت کے پانچ رکعت پڑھی ہیں کیا نماز ہوئی یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں فرض ظہر ادا نہیں ہوا۔ اعادہ ضروری ہے۔ چوتھی رکعت کے بعد قعدہ فرض تھا اس صورت میں سجدۂ سہو کافی نہیں ہے۔(۱) البتہ اگر چوتھی رکعت کے بعد قعدہ کر لیا ہوتا، پھر کھڑے ہو کر پانچویں رکعت پڑھتے یا پانچویں رکعت میں کھڑے ہو گئے تھے تو سجدہ سے پہلے بیٹھ جاتے تو ان صورتوں میں سجدہ سہو کافی ہو سکتا تھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

جمائی لیتے ہوئے آواز نکلی اور ایک دو حرف ظاہر ہو جاویں تو کیا اس سے نماز فاسد ہوگی؟:

(سوال ۱۰۹) نماز میں ایک شخص نے جمائی (جسے گجراتی میں بگاسا، اباسا کہتے ہیں) لی اور جمائی لیتے وقت آواز نکلے جس سے ایک دو حرف ظاہر ہو جاویں تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مجبوری کی وجہ سے جمائی لی ہو اور احتیاط کرتا ہو کہ آواز نہ نکلے تو معاف ہے اور اگر اس میں احتیاط نہ کرتا ہو اور بے احتیاطی کی وجہ سے آواز نکلے اور حروف پیدا ہوں تو نماز فاسد ہو جائے گی ۔ (عمدۃ الفقہ ص۲۵۲ ج ۲)

درمختار میں ہے:۔ یفسدها ..... (والتنحنح) بحرفين (بلا عذر) اما به بان نشأمن طبعه فلا (او) بلا (غرض) صحيح فلو لتحسين صوته او ليهتدى امامه او للاعلامه انه في الصلوٰة فلا فساد على الصحيح (درمختار ج ۱ ص ۵۷۸ باب ما يفسد الصلوٰة وما يكره فيها) فقط والله اعلم بالصواب

تدارک زلۃ کی صورت میں صحت صلوٰۃ وعدم فساد کا حکم:

(سوال ۱۱۰) تدارک زلت کے بعد صحت صلوٰۃ وعدم صحت کے متعلق فقہائے کرام کی دو رائیں ہیں۔

پہلی رائے:۔

تدارک سے بھی نماز فاسد رہے گی اور واجب الاعادہ ہے۔ وہبانیہ میں ہے۔

---

(۱) والقعدة الاخيرة فرض في الفرض والتطوع حتى لو صلى ركعتين ولم يقعدفي آخر هما وقام وذهب تفسد صلاته كذا في الخلاصة الباب الرابع في صفة الصلاة الفصل الاول في فرائض الصلاة

وان لحن القاری واصلح بعدہ
اذا غیر المعنی .الفساد مقرر

فتاویٰ کاملیہ ص ۱۳ پر ہے۔سئلت عمن لحن فی الصلوٰۃ لحناً یغیر المعنی ثم اعاد ما لحن فیھا ، صحیحاً ھل تفسد صلاتہ.

(فالجواب)ان صلاتہ تفسد بذلک وان اعاد وقد اشار الی ذلک صاحب الوھبانیہ بقولہ وانی لحن الخ قال شارحھا الشر نبلالی: صورتھا: المصلی اذا لحن فی قراء تہ لحناً یغیر المعنی کفتح لام " الضالین" لا تجوز صلاتہ وان اعاد بعد ھا علی الصواب. واللّٰہ اعلم اھ.

قاضی خان کے مندرجہ ذیل جزئیہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

ان اواداں یقرء کلمۃً فجری علی لسانہ شطر کلمۃ اخری فرجع وقرأ الأولیٰ او رکع ولم یتم الشطر ان قرأ شطراً من کلمۃ لوأتمھا لا تفسد صلاتہ بشطرھا وللشطر حکم الکل ھو الصحیح اھ (فتاویٰ قاضی خان بر حاشیہ عالمگیری مطبوعہ امیر یہ مصر ۱/۱۵۳ .فی فصل قراء ۃ القرآن خطأ وفی الا حکام المتعلقۃ بالقراء ۃ)

دوسری رائے:

تدارک سے فساد مرتفع ہوجائے گا اور نماز صحیح ہوگی (طحطاوی علی الدر المختار ۱/۲۶۷ فی زلۃ القاری) میں ہے۔وفی المضمرات: قرء فی الصلوٰۃ بخطأ فاحش ثم اعاد وقرء صحیحھا فصلا تہ جائزۃ الخ امداد الفتاویٰ جلد اول ص ۱۶۸ مطبوعہ کراچی میں بھی صحت صلوٰۃ کو اختیار کیا گیا ہے اور عالمگیریہ کے جزئیہ سے۔اور حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ (مفتی اول دارالعلوم دیو بند) کی رائے سے استدلال کیا گیا ہے۔فتاویٰ دارالعلوم طبع قدیم (اول و دوم ص ۲۳۱ امداد المفتین) میں بھی صحت صلوٰۃ کا حکم ہے وہاں سائل نے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی رائے عدم صحت پیش کیا ہے۔حضرت مجیب نے اس رائے کو استحباب اعادہ یا احتیاط پر محمول کیا ہے۔

حضرت والا کی اس سلسلہ میں کیا رائے ہے۔مدلل ارقام فرمائیں۔والسلام۔

سائل (مولانا) سعید احمد پالن پوری۔دارالعلوم اشرفیہ (سورت) ۲۰ مئی ۱۹۷۳ء۔

(الجواب) اس قسم کی غلطی اور لغزشوں سے احتراز ناممکن ہے۔خصوصاً تراویح میں اگر اصلاح کے بعد بھی فساد کا حکم قائم رکھا گیا تو نا قابل برداشت تنگی لازم آئے گی۔لہٰذا دفعاً للحرج اور عموم بلویٰ کے پیش نظر مفتی کو صحت صلوٰۃ کا قول اختیار کرنا چاہئے۔ذکر فی الفوائد لو قرأ فی الصلوٰۃ بخطأ فاحش ثم رجع وقرأ صحیحاً قال عندی فصلوتہ جائزۃ (فتاویٰ عالمگیری ص ۵۱ ج ۱)

مسئلہ:

ان الصلوٰۃ اذا جازت من وجوہ فسدت من وجہ یحکم بالفساد احتیاطاً الا فی باب

القراءة لان للناس عموم البلویٰ کذا فی " الظهیریه."

ذکر فی الفوائد:

لو قرٲ فی الصلوٰۃ بخطأ فاحش ثم رجع وقراء صحیحاً قال عندی صلوته جائزة انتهیٰ.(الفتح الرحمانی فی فتاویٰ السید ثابت ابی المعانی الا ستاذ الفقیه المحدث مولانا الشیخ حامد مرزا الفرغانی النمنکانی نزیل المدینة المنورة ص ۱۶۳)

اور مجموعہ فتاویٰ سعدیہ میں ہے:۔

(سوال) شخصے درنماز. تصلی ناراً حامیة فی جنة عالیة تسقیٰ من عین انیه۔خواندہ نماز صحیح شد یانہ؟

(الجواب) نماز صحیح شد فی المضمرات ذکر فی الفوائد ولو قرأ فی الصلوٰۃ بخطأ فاحش ثم رجع وقرأ صحیحاً قال عندی صلوته جائزة. انتهیٰ (ص ۵۲)

(سوال) قراءت میں امام نے ایسی غلطی کی۔جس سے معنی بدل گئے۔لیکن مقتدی کے بتلانے سے غلطی درست ہوگئی تو نماز ہوگئی یا نہیں؟

(الجواب) جب مقتدی کے بتلانے سے صحیح پڑھ لیا تو نماز ہوگئی۔(کتاب عمادالدین مرتبہ مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری ص ۱۶۳ پاکستان)

اگر کسی نے قراءت میں کھلی ہوئی غلطی کی۔پھر لوٹا کر صحیح پڑھا تو اس کی نماز جائز اور درست ہے۔[1] (عمدۃ الفقہ مولفہ حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب مدظلہ ص ۱۳۰ ج ۲ پاکستان) فقط۔واللہ اعلم بالصواب.

پیشاب کی شیشی جیب میں رکھ کر نماز پڑھ لی تو نماز ہوگی یا نہیں؟:

(سوال ۱۱۱) ایک شخص کی جیب میں ایک شیشی تھی جس میں پیشاب تھا ٹیسٹ کرانے کے لئے لے جارہا تھا، نماز کا وقت آ گیا اور اس نے بھول سے جیب میں شیشی ہونے کی حالت میں نماز پڑھ لی، شیشی بالکل بند تھی تو نماز ہوگئی یا لوٹانا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں نماز نہیں ہوئی واجب الاعادہ ہے، یہ حامل نجاست ہے۔او یعد حاملاله' (ای الخبث ، النجاسة)(درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۳۷۳، باب شروط الصلوٰۃ)

عمدۃ الفقہ میں ہے:(۵) اگر وہ نجاست اپنے معدن سے الگ ہو تو خواہ وہ کسی چیز میں بند ہو نماز کی مانع ہوگی ، پس اگر کسی شخص نے اس حال میں نماز پڑھی کہ اس کی آستین یا جیب میں ایک شیشی ہے جس میں شراب یا پیشاب ہے تو نماز جائز نہ ہوگی خواہ وہ بھری ہوئی ہو یا نہ ہو اور اگر چہ اس شیشی کا منہ بند ہو، کیونکہ وہ شراب یا پیشاب اپنے معدن (جائے پیدائش) میں نہیں ہے (عمدۃ الفقہ ص ۴۶ ج ۲ فقط واللہ اعلم۔

---

(۱) ذکر فی الفوائد لو قرء فی الصلاة بخطا فاحش ثم رجع وقرء صحیحا قال عندی صلاته جائزة فی وکذلک اعراب فتاویٰ عالمگیری الباب الخامس فی زلة القاری ج ۱ ص ۸۴.

بلاتحری نماز پڑھنے کے بعد قبلہ پر مطلع ہونا:

(سوال ۱۱۲) مطبوعہ مجتبائی بہشتی زیور حصہ دوم ص ۷ اقبلہ طرف منہ کرنے کے بیان میں اور بہشتی ثمر حصہ اول ص ۶۶ وص ۶۷ نماز کی شرطوں کے بیان میں ہے کہ ''اگر کسی ایسی جگہ ہے کہ قبلہ معلوم نہیں ہوتا کدھر ہے اور نہ وہاں کوئی ایسا آدمی ہے جس سے پوچھ سکے تو اپنے دل میں سوچے جدھر دل گواہی دے اس طرح پڑھ لیوے اگر بے سوچے پڑھ لیوے گی تو نماز نہ ہوگی، اگر بعد میں معلوم ہو جائے کہ ٹھیک قبلہ ہی کی طرف پڑھی ہے تب بھی نماز نہیں ہوئی۔''

لیکن اختری بہشتی زیور عکسی میں ہے کہ ''لیکن اگر بعد میں معلوم ہو جائے کہ ٹھیک قبلہ ہی کی طرف پڑھی ہے تو نماز ہو جائے گی (حصہ ج ۲ ص ۱۶)

سوال یہ ہے کہ بہشتی زیور مطبوعہ مجتبائی اور بہشتی ثمر میں جو ہے کہ ''نماز نہیں ہوئی، اور اختری بہشتی زیور میں جو ہے کہ ''نماز ہو جائے گی'' ان دونوں مسئلوں میں صحیح کیا ہے، حوالہ سمیت جواب دے کر ممنون کریں۔

(الجواب) اختری بہشتی زیور عکسی میں جو لکھا ہے وہ صحیح ہے، نورالایضاح میں ہے **وان شرع بلا تحر فعلم بعد فراغہ انہ اصاب صحت وان علم باصابتہ فیھا فسدت (نور الایضاح ص ۶۹ باب شروط الصلوٰۃ وارکانھا)(درمختار مع الشامی جلد نمبر ۱ ص ۴۰۵ باب شروط الصلاۃ)**

ترجمہ:۔ اور اگر بلا تحری (سوچے سمجھے بغیر) نماز شروع کر دی پھر بعد فراغت نماز معلوم ہوا کہ ٹھیک قبلہ رخ نماز پڑھی ہے تو نماز صحیح ہوگئی، اور دوران نماز علم ہوا کہ ٹھیک قبلہ رخ نماز پڑھ رہا ہوں تو نماز فاسد ہو جائے گی (جیسا کہ متیمم درمیان نماز پانی پر قادر ہو تو نماز ٹوٹ جاتی ہے) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کھانے کے بعد بلا کلی کئے نماز:

(سوال ۱۱۳) فجر کی سنت کے بعد خمیرہ کھا کر مسجد نماز پڑھنے گیا، کلی کرنا بھول گیا اور نماز میں شامل ہو گیا، حالت نماز میں خمیرہ کی مٹھاس کا اثر گلے میں محسوس ہوا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

(الجواب) جب منہ میں خمیرہ نہیں صرف مٹھاس کا اثر ہے تو اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آئی بلا تردد نماز صحیح ہوگئی، اعادہ کی ضرورت نہیں، شامی میں ہے۔ **ولو اکل شیئاً من الحلاوۃ وابتلع عینھا فدخل فی الصلوٰۃ فوجد حلاوتھا فی فیہ وابتلعھا لا تفسد صلاتہ** . یعنی میٹھی شئی کھا کر حلق میں اتار دی درانحالیکہ منہ میں مٹھاس کا اثر ابھی باقی ہے اس کے نگل لینے سے نماز میں فساد نہیں آئے گا۔ **(شامی ج ۱ ص ۵۸۳ باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا) فقط واللہ اعلم بالصواب.**

حالت نماز میں بچہ نے ماں کا دودھ پی لیا:

(سوال ۱۱۴) عورت نماز پڑھ رہی تھی جب قعدہ میں بیٹھی تو بچہ نے اس عورت کا پستان منہ میں لے لیا اور چوسنے لگا، اس سے نماز میں کوئی خرابی آئے گی؟

(الجواب) صرف پستان منہ میں لینے سے نماز میں فساد نہیں آتا، البتہ اگر دودھ پیا ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی، فتاویٰ

عالمگیری میں ہے،صبی مص ثدی امرأة مصلیة ان خرج اللبن فسدت والا فلا لانه متی خرج اللبن یکون ارضاعا وبدونه لا کذا فی محیط السرخسی (ج ۱ ص ۱۰۴ باب ما یفسد الصلاۃ وما یکره فیها فصل فی الاستخلاف)فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خوش الحانی سے نماز میں گریہ طاری ہونا:

(سوال ۱۱۵) امام کی قرأت سننے سے نماز میں بآواز گریہ طاری ہو تو نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اللہ تعالیٰ کے خوف اور جہنم کے تذکرہ سے نماز میں رونا آوے اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ لا تفسد بحصولها من ذکر جنة او نارا تفاقاً لدلالتها علی الخشوع ای الخوف من اللہ تعالی الواحد القهار (طحطاوی ص ۱۷۸ باب مایفسد الصلاۃ) ہاں صرف خوش الحانی کے سبب رونا آوے تو نماز میں فساد آئے گا۔ فلو اعجبته قراءة الامام فجعل یبکی ویقول بلی او نعم او آری لا تفسد سراجیه لدلالته علی الخشوع قال الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ افاد انه لو کان استلذاذا بحسن النغمة یکون مفسدا (شامی ج ۱ ص ۶۱۹ و ص ۶۲۰ باب مایفسد الصلاۃ وما یکره فیها)فقط واللہ اعلم بالصواب

عشاء کی نماز میں آخری قعدہ نہیں کیا، اور چھ رکعت نماز پڑھادی تو فرض نماز ادا ہوئی یا نہیں؟:

(سوال ۱۱۶) عشاء کی نماز میں امام صاحب چار رکعت پڑھا کر بغیر قعدہ کئے کھڑے ہوگئے، مقتدیوں نے لقمہ دیا، پھر بھی نہیں بیٹھے اور چھٹی رکعت پڑھ کر بیٹھے، سجدہ سہو کیا، اور سلام پھیرا۔ کیا نماز فرض عشاء صحیح ہوگئی؟

(الجواب) نماز عشاء میں پہلا قعدہ واجب ہے اس کے چھوٹ جانے پر سجدہ سہو کر لینے سے نماز ادا ہو جاتی ہے، لیکن دوسرا قعدہ فرض ہے، اس کے چھوٹ جانے پر سجدۂ سہو کافی نہیں ہوتا، لہٰذا صورت مسئولہ میں نماز عشاء نہیں ہوئی، دوبارہ پڑھنا ضروری ہے، یہ چھ رکعتیں نفل ہو گئیں۔[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۸ ذی قعدہ ۱۳۷۹ھ۔

حالت نماز میں امام صاحب کے حلق میں مکھی اتر گئی اس کا حکم:

(سوال ۱۱۷) دوران نماز امام صاحب کے حلق میں مکھی اتر جائے اور باوجود کھنکھارنے کے نہ نکلے اور حلق سے نیچے اتر جائے تو اس صورت میں نماز صحیح ہو جائے گی یا اعادہ ضروری ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً: صورت مسئولہ میں نماز صحیح ہو جائے گی اعادہ ضروری نہیں ولو اکل ما بین اسنانه لا تفسد لانه لایمکن الاحتراز عنه ولهذا لا یبطل به الصوم الخ (عینی شرح باب ما یفسد الصلاۃ وما یکره فیها کنز۔ ج ۱ ص ۴۳)

---

(۱) سہواً عن القعود الاول من الفرض ولو عملیا اما نفل فیعود مالم یقید بالسجدة ثم تذکر عاد الیه ..... مالم فیستقم قائما فی ظاهر الروایة وهو الاصح والا ای وان استقاما قائمالا یعود لا شتغا له بفرض القیام وسجد للسهو ..... ولو سهاً عن القعود الاخیر قیلها سجدة عامدا او ناسیاً اوساهیا او خطأ تحول فرضه نفلا برفعه الجبهة عند محمد وبه یفتی درمختار علی هامش شامی ج ۱ ص ۶۹۷۔ ۶۹۹ باب سجود السهو۔

او دخل حلقه ای حلق الصائم ذباب او غبار وهو ای والحال انه ذاکر لصومه لعدم استطاعة الامتناع عنه فاشبه الدخان الخ .(عنی شرح کنز باب مایفسد الصوم وما لا یفسده ج ۱ ص ۸۴)

اس سے معلوم ہوا کہ بحالت نماز یا بحالت صوم مکھی بلا ارادہ حلق میں چلی گئی تو مفسد نہیں ہے، اس سے احتراز مشکل ہے۔ اور یہ مثل غبار ودخان کے ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۶ جمادی الثانیہ ۱۳۸۵ھ۔

نماز کی حالت میں وساوس آئیں ان کا علاج:

(سوال ۱۱۸) آج کل عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ جتنے لوگ بھی نماز پڑھنے کے لئے آتے ہیں ان کے دماغ میں قسم قسم کے خیالات آتے ہیں، اور بعض ایسے بھی ہیں کہ جو ان کو دور کرنے کی بہت کوشش کرتے ہیں مگر ناکام ہوتے ہیں، تو ان کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ خطرات کا دل میں آنا انسانی اختیار سے باہر ہے، لہذا اس سے نماز میں کچھ نقصان نہیں آتا، البتہ خطرہ کو خود قائم کرنا اور دل میں لانا اور اس سے دلچسپی لینا بیشک برا ہے، ایک صحابیؓ نے آنحضرت سے اس کی شکایت کی تھی تو فرمایا کہ تم ان خطرات کی طرف مطلق التفات نہ کرو اور اپنی نماز میں لگے رہو، لہذا اگر خطرہ آجائے تو اس کی طرف توجہ نہ کی جائے بلکہ نماز میں قرأت اور تصحیح حروف کی طرف اپنی توجہ منعطف کرے، خطرہ کی وجہ سے اپنی نماز کو بیکار سمجھے اور چھوڑ

بیٹھے تو شیطان اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا: حضرت عثمان بن ابی العاصؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا یا رسول اللہ! شیطان نماز میں آکر مجھے حائل ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ پڑھنے میں بھی شک ڈال دیتا ہے، ایسے موقع پر کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس شیطان کا نام "خنزب" ہے تم جانو کہ وہ آ گیا ہے تو خدا سے پناہ چاہو اور تین مرتبہ بائیں طرف یعنی قلب کی جانب تھتکارو، حضرت عثمان بن ابی العاصؓ نے فرمایا کہ میں نے ایسا کیا تو الحمد للہ اس عمل کی برکت سے حق تعالیٰ نے اس وسوسہ کو دفع کیا۔

وعن عثمان بن ابی العاص ؓقال قلت یا رسول الله ان الشیطان قد حال بینی وبین صلوتی وبین قرأتی یلبسها علی فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ذاک شیطان یقال له خنزب فاذا احسسته فتعوذ بالله منه واتفل علی یسارک ثلاثا ففعلت ذلک فاذهبه الله عنی رواه مسلم (مشکوٰة ص ۱۹ باب الوسوسة)

لاحول ولا قوة الا بالله العظیم پڑھتے رہئے، اس سے بھی وسوسے دفع ہوں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ۔

نماز کے لئے جگانا:

(سوال ۱۱۹) ہمارے محلہ میں لوگ رات کو دیر سے سونے کی وجہ سے صبح کو فجر کی جماعت میں شامل نہیں ہوتے اس لئے ہمارے یہاں صبح کی اذان کے بعد چند آدمی محلہ میں گشت لگا کر لوگوں کو جگاتے ہیں اور نماز کی طرف بلاتے ہیں

اس طرح جماعت میں تقریباً سو ۱۰۰ آدمی شریک ہوجاتے ہیں۔ اگر اس طرح بیدار نہ کیا جائے تو پچیس ۲۵ سے تیس ۳۰ آدمی ہوتے ہیں۔ چند لوگ کہتے ہیں کہ لوگوں کو اس طرح نماز کے لئے اٹھانا گناہ ہے تو شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور اٹھنے والے لوگ اس سے راضی ہیں آپ مع حوالجات تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ از سورت۔

(الجواب) اصل حکم یہی ہے کہ تثویب (اذان کے بعد اعلان) مکروہ ہے کہ اذان کافی ہے۔ اذان کے بعد اعلان کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ اس سے اذان کی اہمیت کم ہوجاتی ہے۔ مگر افسوس کہ خدائی بلاوہ "**حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح**" کی مسلمان پرواہ نہیں کرتے اس لئے بعض علماء نے غافلوں کی تنبیہ کے لئے اجازت دی ہے۔ مجالس الابرار میں ہے۔

ولظهور التواني في الا مور الدينية استحسن المتأ خرون التثويب بين الا ذان والا قامة في الصلوات كلها سوى المغرب وهذا العود الى الا علام بعد الا علام بحسب ما تعارفه كل قوم لانه مبالغة في الا علام فلا يحصل ذلك الابما يتعارفونه ، (مجالس الا برار ص ٢٨٧ مجلس ص ٤٨) کبیری میں ہے۔ **واستحسن المتأ خرون التثويب وهو العود الى الا علام بعد الا علام بحسب ما تعأ رفه كل قوم لظهور التواني في الا مور الدينية (ص ٣٦١) (نور الا يضاح ص ٦٢ باب الأذان) (شامي ج ١ ص ٣٦١، ص ٣٦٢ ايضاً)** بلا شبہ صبح کا وقت غفلت کا وقت ہے غافلوں کو بیدار کرنے اور نماز با جماعت کا عادی بنانے کے لئے باہمت لوگ جگانے کے لئے نکلتے ہوں تو ان کو روکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب تک ضرورت ہو یہ عمل جاری رکھا جاسکتا ہے۔ مگر کام سلیقہ سے ہونا چاہئے۔ تماشہ نہ بنالیا جائے اور باعث ایذاء مسلمین نہ ہو، مستورات اور معذورین، مکانوں میں نماز اور ذکر اللہ میں مشغول ہوں تو ان کا لحاظ رکھا جائے۔ لوگوں کو چاہئے کہ غافلین میں اپنا شمار نہ کرائیں۔ اور لوگوں کو اٹھانے کی زحمت سے بچائیں۔ شیخ سعدیؒ نے خوب کہا ہے

گفتم ایں شرط آدمیت نیست
مرغ تسبیح خواں و من خاموش

یعنی یہ مروت سے بہت بعید ہے کہ جنگل کے چرندو پرند تو یاد خدا میں مشغول ہوں اور میں (انسان اور مسلمان ہوکر...... اللہ ورسول ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہوئے) غافل پڑا رہوں

خیرے کن اے فلاں وغنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ برآید کہ فلاں نماند

(بس اے شخص نیکی میں مشغول رہ اور زندگی کو غنیمت جان اس سے پہلے کہ (گلی کوچوں میں تمہارے لئے) اعلان ہو کہ فلاں مرگیا (گلستان) فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۷ھ۔

تہجد پڑھنے والے کی لوگ اقتداء کرلیں تو کراہت کے ذمہ دار کون ہیں؟:

(سوال ۱۲۰) امام صاحب حافظ قرآن ہیں۔ اعتکاف میں بیٹھتے ہیں اس وقت تہجد میں تین سپارے پڑھتے ہیں اور دوسرے دو معتکف مقتدی ہوتے ہیں مگر کبھی کبھی دوسرے اور لوگ بھی شریک ہوجاتے ہیں تو کوئی حرج تو نہیں؟ اگر

ہے تو اس کے ذمہ دار کون ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر امام صاحب کی صراحتہً یا کنایۃً یا اشارۃً اجازت کے بغیر لوگ شریک ہوگئے۔ تو کراہت کے وہ ذمہ دار ہیں لیکن امام صاحب کو چاہئے کہ مسئلہ بتلا کر شریک ہونے سے روک دیں ورنہ امام صاحب کراہت کی ذمہ داری سے سبکدوش نہ ہوں گے ولو اقتدیٰ به واحد او اثنان ثم جاء ت جماعة اقتدوا به قال الر حمتي ينبغي ان تكون الكراهة على المتاخرين. یعنی نفل پڑھنے والے کی ایک دو آدمیوں نے اقتداء کی پھر دوسرے لوگ شریک ہوگئے تو علامہ رحمتی فرماتے ہیں کہ کراہت کے ذمہ دار پیچھے آنے والے ہیں۔ (شامی ج ۱ ص ۶۶۴ مطلب كراهة الا قتدآء في النفل على سبيل التداعي وفي صلاة الرغائب) فقط والله اعلم بالصواب.

ایک مقتدی کو بائیں طرف یا پیچھے کھڑا رکھے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۲۱) اگر مقتدی ایک ہو تو اسے داہنی طرف کھڑا رکھنے کے بجائے پیچھے کھڑا کرے یا بائیں طرف تو نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز تو ہو جائے گی مگر خلاف سنت ہونے کی وجہ سے اساءت کا مرتکب ہوگا۔ حتیٰ لو صلی فی يساره او خلفه جاز و يكون مسيئاً لمخالفة السنة (عيني شرح كنز الدقائق ج ۱ ص ۳۹ باب الا مامة) فقط والله اعلم بالصواب.

زبردستی صف اول میں جگہ کرنا:

(سوال ۱۲۲) زید اذان ہوتے ہی مسجد میں حاضر ہو کر صف اول میں بیٹھ جاتا ہے۔ اور بکر مسجد میں آکر آخری صف میں بیٹھتا ہے۔ اور اقامت کے وقت جب زید وغیرہ صف بندی کرتے ہیں تو بکر آخری صف سے تمام صفوں کو چیرتے ہوئے پہلی صف میں زید کی بغل میں زبردستی داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ زید اس کو کہتا ہے کہ یہ حرکت نازیبا اور خلاف شریعت ہے اگر تمہیں پہلی ہی صف کی فضیلت حاصل کرنا ہے تو پہلے ہی آکر بیٹھ جانا چاہئے مگر بکر نہیں مانتا تو بکر کا یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب نمازی مسجد میں نماز پڑھنے کے ارادے سے جائے تو شروع ہی سے پہلی صف میں یا جہاں جگہ ملے بیٹھے۔ آگے کی صفوں میں جگہ ہوتے ہوئے پیچھے بیٹھنا اور بعد میں دھکے بازی کرکے پہلی صف میں گھس جانا نمازیوں کو ایذا پہنچانا ہے اور یہ حرکت نازیبا اور سخت مکروہ ہے۔ [1] فقط والله اعلم بالصواب

مقتدی امام سے پہلے سلام پھیر دے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۲۳) کوئی شخص امام سے پہلے سلام پھیر دے تو نماز ہوگئی یا ناقص واجب الاداء ہوئی؟ یا پھر امام کے ساتھ

---

(۱) قال في المعراج الا فضل ان يقف في الصف الآخر اذا خاف ايذاء احد قال عليه الصلاة والسلام من ترک الصف الاول مخافة ان يؤذی مسلما اضعف له اجر صف الاول وبه اخذ ابو حنيفة و محمد شامی مطلب فی الكلام علی الصف الاول ج ۱ ص ۵۳۲.

دوبارہ سلام پھیرے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بلاعذر شرعی مقتدی امام سے پہلے سلام پھیر دے تو اگر چہ نماز ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی اسے چاہئے کہ امام کے ساتھ نماز پوری کرے اور امام کے ساتھ دوبارہ سلام پھیرے۔ درمختار میں ہے۔ ولو اتمہ' قبل امامہ فتکلم جازو کرہ (ولہ ولو اتمہ') ای لو أتم الموتم التشهد باء ن اسرع فیہ وفرغ منہ قبل اتمامہ فاتی بما یخرجہ من الصلوۃ کسلام او کلام اوقیام جاز ای صحت صلاتہ لحصولہ بعد تمام الا رکان لا ن الا مام وان لم یکن اتم التشهد لکنہ' قعدہ قدرہ' لان المفرض من القعدۃ قدر اسرع ما یکون من قرائۃ التشهد وقد حصل وانما کرہ للمو تم ذلک لترکہ متابعۃ الا مام بلا عذر فلو بہ کخوف حدث او خروج وقت جمعۃ او مرور ماربین یدیہ فلا کراھۃ.(درمختار مع الشامی ج ا ص ۴۹۰ قبیل مطلب فی وقت ادراک فضیلۃ الا فتتاح آداب الصلوۃ)فقط واللہ اعلم بالصواب

نمازیوں کی صف اول کے آگے بڑھانے پر اشکال اور اسکا جواب!:

(سوال ۱۲۴) مکرم ومحترم مخدوم عالی جناب حضرت مفتی صاحب زیدت معالیہ۔السلام علیکم ورحمۃاللہ وبرکاتہ'.

عرصہ دراز سے آنمحترم کی خیروخیریت سے لاعلم ہوں۔اس وقت ایک ضروری امر درپیش ہے وہ یہ کہ آپ کی مرتبہ فتاوی رحیمیہ ج ۳ ص ۴۵ پر یہ مسئلہ بایں صورت مرقوم ہے ''البتہ اگر پیچھے جماعت خانہ میں یا برآمدہ یا صحن میں بھی جگہ نہ ہو اگر ہو تو بارش یا شدید دھوپ کی وجہ سے کھڑا رہنا دشوار ہو تو پھر کراہت نہیں ہے۔''

ہمارے شہر میں اس ضرورۃً جواز کے مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے امید ہے کہ آنجناب مندرجہ بالا مسئلہ کا حوالہ تحریر فرمائیں گے۔فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) معظمی ومحترمی جناب مولانا صاحب دامت برکاتہم۔سلام مسنون! گرامی نامہ موصول شدہ کاشف احوال ہوا (جزاکم اللہ تعالیٰ) حق تعالیٰ جناب کو تادم حیات خدمت دین میں مشغول رکھے اور قبول فرما کر نجات کا ذریعہ بنادے۔آمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم.

جناب کے اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ جواز بلا کراہت کا حکم کسی نص کے معارض نہیں ہے۔بلکہ نصوص قرآنی اور قواعد فقہیہ کے عین مطابق ہے، قولہ تعالیٰ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر. یعنی اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے دشواری منظور نہیں ہے (سورۂ بقرہ) وقولہ تعالیٰ ما جعل اللہ علیکم فی الدین من حرج یعنی اللہ تعالیٰ نے دین کی معاملہ میں تمہارے اوپر تنگی نہیں رکھی۔

(سورۂ حج پ ۱۷) (الضرورات تبیح المحظورات) حاجت ممنوع چیزوں کو جائز کر دیتی ہے)(الاشباہ والنظائر ص ۱۰۸ حصہ قواعد) المشقۃ تجلب التیسیر (سختی سے آسانی ہو جاتی ہے)(الاشباہ) اور نصاب الاحتساب میں ہے. ویکرہ الصلوۃ فوق الکعبۃ وکذا الصعود علی سطح المسجد الا لحاجۃ اصلاح ونحوہ وکذا الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولھذا اذا اشتد

الحر یکرہ ان یصلوا با لجماعۃ فوق السطح الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لا یکرہ الصعود علیٰ سطحہ للضرورۃ الخ.

یعنی محیط میں ہے کہ کعبہ شریف کے اوپر اور مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا (بے ادبی اور بے حرمتی کی وجہ سے) مکروہ ہے۔ہاں اگر تعمیر اور مرمت کی ضرورت کی وجہ سے چڑھنا ہو تو مکروہ نہیں ہے۔اسی طرح کوئی بھی مسجد ہو اس کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے اور اسی بنا پر یہ بھی مکروہ ہے کہ گرمی کی شدت کی وجہ سے چھت پر جماعت کریں مگر یہ کہ مسجد میں نمازیوں کی گنجائش نہ رہے تو پھر مکروہ نہ ہوگا۔(نصاب الاحتساب قلمی باب نمبر۱۵،ص ۳۲)

اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔ الصعود علیٰ سطح کل مسجد مکروہ ولھذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوابالجماعۃ فوقہ الا اذا ضاق المسجد حینئذ لا یکرہ الصعود علی سطحہ للضرورۃ کذا فی الغرائب (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۳۲ کتاب الکراھیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلۃ والمصحف الخ)

علیٰ ھذا۔مصلیوں پر نماز پڑھنے کی جگہ تنگ ہو جائے تو ضرورۃً صف اول کا آگے بڑھالینا بلا کراہت درست ہوگا۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔۲۱ شوال المکرم ۱۴۰۱ھ۔

نماز میں عمامہ باندھنا:

(سوال ۱۲۵) ہمارے یہاں امام صاحب اکثر بلا عمامہ نماز پڑھاتے ہیں کیا اس طرح نماز پڑھنا صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) امام صاحب کے لباس میں عمامہ شامل ہو۔یعنی بغیر عمامہ باندھے بازار و مجالس میں نہ جاتے ہوں تو ایسے امام صاحب کا بغیر عمامہ باندھے نماز پڑھانا مکروہ تنزیہی ہے۔اور جن کے لباس میں عمامہ شامل نہ ہو ان کے لئے مکروہ نہیں۔عمامہ باندھ کر نماز پڑھانا مستحب ہے۔لیکن کبھی کبھی نہ باندھا جائے تا کہ عوام اس کو لازم اور ضروری نہ سمجھ لیں[1] فقط اللہ اعلم بالصواب.

نماز میں داڑھی اور کپڑوں سے کھیلنا:

(سوال ۱۲۶) امام صاحب نماز پڑھاتے ہیں لیکن نماز شروع کرنے کے بعد اپنا ہاتھ داڑھی اور منہ پر پھیرتے رہتے ہیں اور بار بار اپنا کرتہ درست کرتے رہتے ہیں رکوع سے اٹھ کر پائجامہ کھینچ کر سجدہ میں جاتے ہیں نماز میں ان حرکتوں کا کرنا کیسا ہے؟ نماز مکروہ ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) امام کو ایسی فضول حرکتوں سے احتراز کرنا چاہئے ان سے نماز مکروہ ہوتی ہے۔اور عمل کثیر ہو کر نماز کے فساد کی بھی نوبت آجاتی ہے۔لہٰذا ایسے افعال عبث سے امام اور نمازیوں کو بچنا ضروری ہے۔ویکرہ ایضاً ان یکف ثوبہ وھو فی الصلوٰۃ بعمل قلیل بان یرفع من بین یدیہ او من خلفہ عند السجود

---

(۱) والمستحب للرجل ان یصلی فی ثلاثۃ اثواب ، قمیص و ازار وعمامہ فتاوی تتارخانیۃ مایکرہ للمصلی وما لایکرہ ج ۱ ص ۵۶۷.

(کبیری ص ۳۳۷ مکروھات صلوٰۃ)فقط واللہ اعلم بالصواب.

تہبند(لنگی)پہن کرخطبہ دیناونماز پڑھانا:

(سوال ۱۲۷)ایک شخص مسجد میں امامت کرتے ہیں ان کو کسی شخص نے کہا کہ جمعہ کا خطبہ منبر پر تہبند پہن کر نہیں پڑھ سکتے تو شریعت محمدی کا کیا حکم ہے؟ لنگی باندھ کر خطبہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اوراسی طرح نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب)جس لباس میں باہر نکلنا بازار جانا شادی غمی کی مجالس میں شرکت کرنا پسند نہ کرتا ہو۔ معیوب سمجھتا ہو اس لباس کو پہن کر نماز پڑھنا پڑھانا مکروہ ہے (وصلاته في ثياب بذلة) يلبسها في بيته .وفي الشامي . قال في البحر وفسرهافي شرح الوقاية بما يلبسه في بيته ولا يذهب به الى الا كابر والظاهر ان الكراهة تنزيهية ا ه (درمختار شامی ج ۱ ص ۵۹۹ مطلب مکروهات الصلاة)فقط واللہ اعلم بالصواب.

قبرستان کی مسجد میں جماعت کرنا:

(سوال ۱۲۸)قبرستان کے بیچ میں مسجد ہو تو اس میں پنج وقتہ نماز کی جماعت جائز ہے یا نہیں؟ اوراسی طرح ایسی مسجد میں نماز مکروہ ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب)مسجد کی چہار دیواری کے اندر نماز پڑھنے سے قبریں نمازی کے سامنے اور یمیناً وشمالاً نہ ہوں گی اس لئے نماز بلا کراہت درست ہے۔ کبیری میں ہے۔ ویکره ان تكون قبلة المسجد الى المخرج او الى الحمام او الى قبر لان فيه ترك تعظيم المسجد وفي الخلاصة هذا اذا لم يكن بين يدى المصلي وبين هذا الموضع حائل كالحائط وان كان حائطاً لايكره(ص ۳۵۳ مکروهات صلاة)فقط واللہ اعلم بالصواب.

غصب کردہ زمین میں نماز کا حکم:

(سوال) ایک غصب کردہ زمین ہے ایک دو دن کیلئے اس پر نماز پڑھنے کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) غصب کی ہوئی زمین میں نماز ہو جاتی ہے۔ مگر جانتے ہوئے بدون مجبوری اس جگہ نماز پڑھنا کراہت سے خالی نہیں۔ اس لئے مالک سے اجازت حاصل کرلی جائے۔ الصلوٰة في ارض مغصوبة جائزة ولكن يعاقب بظلم فما كان بينه وبين الله يثاب وما كان بينه وبين العباد يعاقب كذا في مختار الفتاوىٰ وفتاوىٰ عالمگیری. ج ا ص ۱۰۹ .الفصل الثاني فيمايكره ومالايكره. وطحطاوى ص ۲۰۹ فصل في المكروهات. فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز میں وسوسہ دور کرنے کیلئے بار بار اعوذ باللہ الخ پڑھنا۔

(سوال ۱۲۹)ہمارے امام صاحب کہتے ہیں نماز میں (خواہ وہ سری ہو یا جہری) جب وسوسہ آئے تو بار بار اعوذ

بـالله من الشيطن الرجيم پڑھنے سے وسوسہ دور ہوجائے گا۔ تو اس طرح اعوذ بالله الخ پڑھنے سے نماز میں خلل آئے گا یا نہیں؟ اور امام صاحب کی ہدایت درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز میں وسوسہ دفع کرنے کے لئے بار بار اعوذ بـالله الخ پڑھنے کی ہدایت صحیح نہیں ہے۔ اگرچہ نماز فاسد ہونے میں فقہاء کا اتفاق نہیں ہے مگر کراہت سے خالی نہیں۔ ولو حوقل لدفع الوسوسة ان لا مور الدنيا تفسد لا لا مور الا خرة درمختار ج ۱ ص ۵۸۱ باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها) (یعنی اگر نمازی نے لاحول ولا قوة الخ پڑھا تو اگر دنیوی امور کے لئے وسوسہ ہے تو نماز فاسد ہوگی اور اگر امور آخرت کے لئے ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی) ولو تعوذ لدفع الوسوسة لا تفسد مطلقاً (الى قوله) ولو تعوذ لدفع الوسوسة لا تفسد مطلقاً نظر اذ لا فرق بينها وبين الحوقلة فليستأ مل (طحطاوى على الدر المختار ج ۱ ص ۲۶۴ باب ما يفسد الصلوٰة ويكره فيها) فقط والله اعلم بالصواب .

سنت مؤکدہ ادا کرنے کے بعد دنیوی باتوں میں مشغول ہونا!:

(سوال ۱۳۰) ظہر اور فجر کے وقت سنت مؤکدہ ادا کرنے کے بعد فرض پڑھنے سے پہلے دنیوی باتوں میں مشغول ہونے سے سنت باطل ہوتی ہے؟ یا ثواب میں کمی آتی ہے صحیح کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بعض فقہا تحریر فرماتے ہیں کہ سنت وفرض کے درمیان دنیوی باتوں میں مشغول ہونے سے سنت باطل ہوجاتی ہے۔ مگر اقویٰ یہی ہے کہ سنت کا بطلان نہیں ہوتا۔ البتہ ثواب کم ہوجاتا ہے۔ درمختار میں ہے۔ ولو تكلم بين السنة والفرض لا يسقطها ولكن ينقص ثوابها وقيل تسقطها (ج ۱ ص ۶۳۶ مطلب فى تحية المسجد) یعنی سنت وفرض کے درمیان دنیوی باتیں کرے گا تو سنت باطل نہ ہوگی۔ مگر ثواب کم ہوجاتا ہے۔ اور قول ضعیف یہ بھی ہے کہ سنت باطل ہوجائے گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز میں سر سے ٹوپی گر جائے تو کیا کرے:

(سوال ۱۳۱) نماز کی نیت باندھ لی اور اس کے بعد حالت قیام میں سر پر سے کسی طرح ٹوپی گر گئی تو کیا حکم ہے؟ اس کو اٹھا کر پہن لی جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز میں قیام یا رکوع کی حالت میں گری ہوئی ٹوپی اٹھا کر پہننا جائز نہیں ہے۔ عمل کثیر شمار ہوگا۔ جس کی وجہ سے نماز ٹوٹ جائے گی۔ البتہ حالت سجدہ میں سر کے سامنے گری ہوئی ٹوپی عمل قلیل کے ساتھ مثلاً ایک ہاتھ سے لے کر پہن لی تو اجازت ہے بلکہ افضل ہے۔ اس سے نماز میں خرابی نہیں آئے گی۔ ولو سقطت قلنسوة فاعادتها افضل الا اذا احتاجت لتكوير او عمل كثير (درمختار مع الشامى ج ۱ ص ۶۰۰ باب ما يفسد الصلوٰة وما يكره فيها) فقط والله اعلم بالصواب .

نماز میں بلند آواز سے یا اللہ کہنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۳۲) ایک شخص کی عادت ہے کہ نماز میں زور زور سے ''یا اللہ'' بولتا ہے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ عادت مکروہ اور واجب الترک ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب.

سجدہ سے قعدہ میں بیٹھتے وقت زمین پر سے سیدھا پیر اٹھ جائے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۳۳) ہمارے یہاں ایک حافظ صاحب ہیں ایک دو نمازیں بھی پڑھاتے ہیں۔ جب وہ سجدہ سے اٹھ کر قعدہ میں بیٹھتے ہیں تو اس وقت ان کا سیدھا پیر زمین سے اٹھ جاتا ہے تو نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سجدہ سے اٹھ کر قعدہ میں بیٹھتے وقت سیدھا پیر زمین پر سے اٹھ جاتا ہے اس سے نماز فاسد نہ ہوگی لیکن ایسی عادت کر لینا مکروہ ہے۔[2] فقط واللہ اعلم بالصواب

ایک پیر پر وزن دے کر دوسرے پیر کو ڈھیلا کر کے کھڑا رہنا:

(سوال ۱۳۴) ہمارے امام صاحب جب قیام کرتے ہیں تو اپنا پورا وزن ایک پاؤں پر دے کر دوسرے پاؤں کو لنگڑے کی طرح رکھتے ہیں۔ امام صاحب کو اس طرف توجہ دلائی گئی مگر وہ یہ عادت ترک نہیں کرتے تو شرعاً کیا اس کا یہ حکم ہے۔ اس سے نماز میں کراہت آتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز میں کبھی ایک پیر پر وزن دے کر اور کبھی دوسرے پیر پر وزن دے کر کھڑا رہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ درست ہے۔ البتہ ایک پیر پر پورا وزن دے کر دوسرے پیر کو بالکل ڈھیلا چھوڑ دے کہ وہ تھوڑا ٹیڑھا ہو جائے (جس طرح گھوڑا ایک پیر پر وزن دے کر دوسرے پیر کو ٹیڑھا کر کے کھڑا رہتا ہے) تو یہ مکروہ ہے۔ ویکرہ القیام علی احد القدمین فی الصلوٰۃ بلا عذر (باب صفۃ الصلاۃ بحث القیام شامی ج ۱ ص ۴۱۴) فقط واللہ اعلم بالصواب.

سجدہ میں جاتے ہوئے پائجامے کو اوپر کھینچنا اور سجدہ سے اٹھنے کے بعد دامن کو نیچے کرنا!:

(سوال ۱۳۵) اگر کوئی شخص سجدہ میں جاتے وقت اپنے پائجامے کو اوپر کھینچتا ہے اور سجدہ سے اٹھنے کے بعد اپنے قمیص کے پیچھے کے دامن کو نیچے کرتا ہے تو اس فعل سے نماز میں کچھ نقصان ہوتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایسی حرکت اور عادت یقیناً مکروہ ہے اور بعید نہیں کہ فعل کثیر ہو کر مفسد صلوٰۃ ہو جائے۔ لہذا اس عادت سے احتراز لازم ہے۔[3] فقط واللہ اعلم بالصواب.

---

(۱) المصلی اذا مر بآیۃ فیها ذکر النار او ذکر الموت فوقف عندها وتعوذ من النار واستغفر او مر بآیۃ فیها ذکر الرحمۃ فوقف عندها او سئل اللہ الرحمۃ فها هنا ثلاث مسائل مسئالۃ المنفرد والجواب فیها انہ ان کان فی التوطع فهو حسن وان کان فی الفرائض یکرہ الخ فتاویٰ تاتارخانیہ، الفصل الرابع فی بیان مایکرہ للمصلی ان یفعل فی صلاتہ وما لا یکرہ ج ۱ ص ۵۶۵.

(۲) ولو سجدو لم یضع قدمیہ علی الارض لا یجوز ولو وضع احدهما جاز مع الکراهۃ ان کان بغیر عذر کذا فی شرح منیۃ المصلی لابن امیر الحاج فتاویٰ عالمگیری الباب الرابع فی صفۃ الصلاۃ ج ۱ ص ۷۰.

(۳) یکرہ للمصلی ان یعبث بثوبہ او لحیتہ او جسدہ وان یکف ثوبۃ بان یرفع ثوبہ من بین یدیہ او من خلفہ اذا اراد السجود کذافی المعراج الدرایۃ فتاویٰ عالمگیری الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلاۃ وما لا یکرہ ج ۱ ص ۱۰۵.

اذان ہو جانے کے بعد نماز پڑھے بغیر مسجد سے نکلنا:

(سوال ۱۳۶) اذان ہو جانے کے بعد نماز پڑھے بغیر مسجد سے نکل جانا مکروہ ہے، یہ کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی؟

(الجواب) اذان ہو جانے کے بعد یعنی نماز کا وقت ہو چکنے کے بعد نماز پڑھے بغیر بلا عذر شرعی کے مسجد سے نکل جانا مکروہ تحریمی ہے، جماعت کے وقت واپس آنے کا ارادہ ہے تو مکروہ نہیں ہے **وکرہ تحریماً للنھی خروج من لم یصل من مسجد اذن فیه جری علی الغالب والمراد دخول الوقت اذن فیه اولا الا لمن ینتظم به امر جماعة اخری اوکان الخروج لمسجد حیه ولم یصلوا فیه اولأستاذه لدرسه اولسماع الوعظ او لحاجة ومن عزمه ان یعود (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۶۲۹.۶۲۸ مطلب فی کراھة الخروج من المسجد بعد الاذان)**

حدیث شریف میں ہے جو شخص مسجد میں اذان سن کر بلا ضرورت کے چلا گیا اور واپس آنے کا ارادہ بھی نہیں ہے تو وہ منافق ہے **عن عثمان قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من ادرکه الا ذان فی المسجد ثم خرج لم یخرج لحاجة وھو لا یرید الرجعة فھو منافق (ابن ماجه ص ۵۴ باب اذا اذن وانت فی المسجد فلا تخرج) فقط والله اعلم بالصواب.**

عورتوں کا مسجد میں آ کر نماز پڑھنا:

(سوال ۱۳۷) بعض جگہوں پر متولی، امام، عالم یا مسلمان مسجد میں عورتوں کے لئے فرض یا تراویح کی جماعت کا انتظام کرتے ہیں اور بعض اوقات رات کو یا دن کو محرم کے ساتھ یا بلا محرم کے دور دراز سے عورتیں مسجد میں آ کر جماعت سے الگ جگہ میں نماز پڑھتی ہیں وہ استدلال کرتے ہیں کہ مکہ میں مسجد حرام میں عورتیں اور مرد ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے زمانے میں عورتیں مسجد میں جماعت سے نماز پڑھتی تھی مذکورہ حقیقت صحیح ہے تو کیوں نہیں آتیں؟ بحوالۂ کتب جواب عنایت کریں۔

(الجواب) عورتوں کے لئے جہاں تک ممکن ہو، مخفی مقام پر اور چھپ کر نماز پڑھنے میں زیادہ فضیلت اور ثواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک خاتون بیت (کمرہ) میں نماز پڑھے یہ صحن کی نماز سے بہتر ہے اور کمرہ کے اندر چھوٹی کوٹھری (بخاری) میں نماز پڑھے یہ کمرہ کی نماز سے بہتر ہے۔ **عن النبی صلی الله علیه وسلم قال صلوٰة المرأة فی بیتھا افضل من صلوتھا فی حجرتھا وصلوتھا فی مخدعھا افضل من صلوتھا فی بیتھا (ابو داؤد ج ۱ ص ۹۱ کتاب الصلاة باب ماجآء فی خروج النسآء الی المساجد)**

ایک حدیث میں ہے کہ عورتوں کو جماعت سے نماز پڑھنے کے بجائے اکیلے نماز پڑھنے میں پچیس درجہ زیادہ ثواب ملتا ہے۔ (مسند الفردوس)

بے شک آنحضرت ﷺ کے دور مبارک میں خواتین کو مسجد میں حاضر ہونے اور نماز پڑھنے کی اجازت تھی۔ کیونکہ خود رحمۃ للعالمین ﷺ موجود تھے، تعلیمات کا سلسلہ جاری تھا۔ احکام نازل ہو رہے تھے۔ وہ دور مقدس تھا جس کو خیر القرون فرمایا گیا ہے۔ یہ دور ختم ہونے لگا تو خرابیاں پیدا ہونے لگیں چنانچہ حضرت عمرؓ نے عورتوں کو مسجد میں جانے

نے منع فرمایا اس کی شکایت حضرت عائشہ سے کی گئی تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اگر آنحضرت ﷺ یہ حالت دیکھتے جو حضرت عمر نے دیکھی ہے تو عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دیتے۔ ان عائشہ رضی اللہ عنہا زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد کما منعه نساء بنی اسرائیل (ابو داؤد ج ۱ ص ۹۱ باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد)

ان وجوہات کی بنا پر حضرات فقہاء کرام نے بھی فتویٰ دیا کہ عورتوں کو مسجد میں جانا مکروہ ہے خواہ پنجوقتہ نمازوں کی جماعت کے لئے جائیں یا جمعہ اور عید کی نماز کے لئے یا مجلس وعظ میں شرکت کرنے کے لئے ویکرہ حضورھن الجماعة ولو لجمعة وعید ووعظ مطلقا ولو عجوز الیلا علی المذهب المفتی به لفساد الزمان (درمختار مع طحطاوی ج ۱ ص ۳۸۴ باب الامامة ۲۸۳)

یہ حکم عام ہے، حرم شریف ہو یا مسجد نبوی ہو، ہندوستان ہو یا عربستان سب کے لئے یہی حکم ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

امام مقتدیوں سے کتنی بلندی پر کھڑا رہ سکتا ہے؟:

(سوال ۱۳۸) امام مقتدیوں سے کتنی بلندی پر کھڑا رہے تو وہ مکروہ ہے؟ بلندی کی کم از کم حد کتنی؟

(الجواب) بلندی کی کم از کم مقدار اور حد کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہے اس لئے کہ اس کے متعلق جو احادیث آئی ہیں ان میں مقدار کی تصریح نہیں ہے، حدیث میں ہے آنحضرت ﷺ نے امام کو مقتدی سے بلند جگہ پر کھڑے رہنے سے ممانعت فرمائی۔ روی الحاکم مرفوعا نهی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان یقوم الامام فوقا و یبقی الناس خلفه الخ (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۳۱ مکروهات الصلوۃ) (شامی ج ۱ ص ۲۰۴ ایضا) (عینی شرح هدایه ج ۱ ص ۸۰۵ ایضا)

اور ابو داؤد شریف میں روایت ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ نے مدائن میں نماز پڑھائی تو مقتدیوں سے بلندی پر کھڑے رہے حضرت حذیفہؓ یہ دیکھ کر آگے بڑھے اور ہاتھ پکڑ کر نیچے کھینچ لائے نماز کے بعد فرمایا کیا آپ نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ " اذا ام الرجل القوم فلا یقم فی مکان ارفع من مقامهم او نحو ذلک قال عمار لذلک اتبعتک حین اخذت علی یدی (ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۹۵ باب الامام لقوم مکانا ارفع منهم)

(ترجمہ) جب کوئی شخص کسی جماعت کی امامت کرے تو ایسی جگہ نہ کھڑا ہو جو جماعت کی جگہ سے بلند ہو۔ حضرت عمار نے فرمایا اسی لئے تو میں نے یہ کیا کہ جب آپ نے میرا ہاتھ پکڑا میں نے آپ کی تعمیل کر دی۔

ان دونوں روایتوں میں بلندی کی کوئی حد اور مقدار مذکور نہیں ہے، اس لئے اختلاف ہونا قدرتی ہے لہذا مقدار کے متعلق کئی قول ہیں جن میں دو قول معتبر سمجھے گئے ہیں۔

(۱) ایک ذراع یعنی ایک ہاتھ کی مقدار بلندی ممنوع و مکروہ ہے۔ اس سے کم مکروہ نہیں ہے، دلیل یہ ہے کہ

نمازی کے لئے سترہ کی بلندی کی مقدار کم از کم ایک ذراع (ہاتھ) مانی گئی ہے اس پر قیاس کر کے جگہ کی بلندی بھی ایک ہاتھ ماننی چاہئے کہ بمقدار سترہ بلندی مکروہ ہے اس سے کم مکروہ نہیں۔

(۲) اتنی بلندی پر کھڑا ہونا مکروہ ہے کہ نمایاں طور پر امام مقتدیوں سے ممتاز اور الگ معلوم ہوتا ہو دلیل یہ ہے کہ احادیث میں مطلق بلندی ممنوع ہے لہذا جس صورت میں امام مقتدی سے بلندی میں ممتاز اور نمایاں طور پر جدا معلوم ہوتا ہو اتنی بلندی مکروہ اور ممنوع ہونی چاہئے اور جیسے جیسے یہ بلندی بڑھتی جائے گی کراہت میں زیادتی ہوتی جائے گی۔صاحب بدائع وغیرہ فقہاء نے اسی قول کی تائید کی ہے اور اسے ظاہر روایت بتلایا ہے۔(البدائع والصنائع ج ۱ ص ۲۸۱)[1] شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ نے یہی قول اختیار کیا ہے (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۶۰ فصل ویکرہ للمصلی) اور زادالفقیر میں تحریر فرماتے ہیں۔وقیامه علی مکان مرتفع وهو ما یقع به التمیز ظاهراً وحده (یعنی) (مکروہ ہے) اکیلے امام کا اتنی بلند جگہ پر کھڑا رہنا جو ظاہراً ممتاز معلوم ہو اور صاف طور پر الگ دکھائی دے (ص۵۰)

''بحر الرائق'' میں ہے کہ ظاہر روایت اور اطلاق حدیث کے بموجب عمل کرنا بہتر ہے فالحاصل ان التصحیح قد اختلف والا ولی العمل بظاهر الروایة واطلاق الحدیث (ص ۲۶ ج ۲)

علامہ طحطاویؒ اور علامہ شامیؒ نے بھی دوسرے قول کی تائید اور موافقت فرمائی ہے (قوله وهو الا وجه) وهو ظاهر الروایة والروایات قد اختلفت فی المقدار الا خذ بظاهر الروایة اولیٰ (طحطاوی ج ۱ ص ۳۴۱ مکروهات صلاة)(قوله وقیل الخ) هو ظاهر الروایة کما فی البدائع الخ (شامی ایضا ج ۱ ص ۶۰۵) فقط والله اعلم بالصواب.

اکیلا امام اونچے مقام پر کھڑا ہو:

(سوال ۱۳۹) اکیلا امام تو انچ اونچی جگہ (برآمدہ) پر کھڑا رہ کر نماز پڑھائے اور مصلی نیچے (صحن میں) ہیں تو کیا حکم ہے؟ مصلیوں کا ازدہام وغیرہ شرعی عذر کچھ نہیں ہے۔

(الجواب) بغیر عذر شرعی کے امام کا اس طرح نو انچ بلند جگہ پر کھڑے رہ کر نماز پڑھنا اہل کتاب سے مشابہت کی وجہ سے (کہ وہ لوگ اپنے امام کی جگہ بلند رکھتے ہیں) مکروہ ہے۔ ہاں اگر امام کے پیچھے اس اونچی جگہ پر کچھ نمازیوں کی صف ہوگی تو کراہت نہیں ہے ویکره ایضا ان ینفرد الا مام عن القوم فی مکان اعلیٰ من مکان القوم اذا لم یکن بعض القوم معه لان فیه التشبیه باهل الکتاب علی ما تقدم انهم یخصون اما مهم بالمکان المرتفع ولذا اذا کان بعض القوم مع الا مام لا یکره لزوال التشبیه بزوال التخصیص (مکروهات صلوٰة کبیری ص ۳۴۸)

---

(۱) یکره سواء کان المکان قدر قامة الرجل اودون ذلک فی ظاهر الروایة ...... والصحیح جواب ظاهر الروایة الخ (بدائع ما یستحب فیها وما یکره)

متفرق مسائل:

(سوال ۱۴۰) (۱) نماز میں بعض لوگ قعدہ کی حالت میں بائیں پاؤں بچھا کر اس پر دائیں پاؤں کی پشت رکھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ یعنی بائیں پاؤں کا تلوا اور دائیں پاؤں کی پشت ملا کر بیٹھ جاتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں اور اس کی اصل کہاں سے ہے؟ (۲) حنبلی مذہب کا امام مسافر قصر نہیں کرتا اس کے پیچھے مقیم حنفی کی نماز درست ہوگی بلا کراہت یا باکراہت؟ (۳) زید کا کہنا ہے کہ مسافر کے قصر کرنے میں تمام مذاہب برابر ہیں یعنی چاروں مذہب میں قصر ضروری ہے شرعی مسافر کو قصر کرنا ضروری ہے، یہ صحیح ہے یا نہیں؟ امام احمد بن حنبل کے نزدیک قصر ہے یا نہیں؟ (۴) مالدار شخص اپنے تین یا چار یا پانچ بیٹوں یعنی لڑکوں میں سے منتخب کر کے اپنی حیاتی میں تمام مال یا نصف مال یا ثلث حصہ مال کا ہدیہ بخشش دے سکتا ہے؟ اگر دیوے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) یہ طریقہ خلاف سنت اور مکروہ ہے نماز کے قعدہ میں مرد کے لئے بیٹھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اپنے بائیں پیر کو بچھائے اور اس پر بیٹھ جائے اور داہنے پیر کو کھڑا کرے اور اس کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رکھے واذا فرغ الرجل من سجدتي الركعة الثانيه افترش رجله اليسرى وجلس عليها ونصب يمناه ووجه اصابعها نحو القبلة (نور الایضاح ص ۷۹) وبعد فراغه من سجدتي الركعة الثانية يفترش الرجل رجله اليسرى فيجعلها بين اليتيه ويجلس عليها وينصب رجله اليمنىٰ ويوجه اصابعه في المنصوبة نحو القبلة هو السنة الخ (درمختار) قوله (هو السنة) فلو تورك او تربع فقد خالف السنة (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۲۸ فصل اذا اراد الشروع في الصلاة الخ) ردالمحتار (ج ۱ ص ۴۷۴ ایضاً) اگر عذر کی وجہ سے اس طرح نہ بیٹھ سکے تو جس طرح بن پڑے بیٹھے اور کوشش کرے کہ ہیئت مسنونہ کے قریب تر ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) جو مسافر امام قصر نہ کرے اس کے پیچھے حنفی مقیم کی نماز صحیح نہ ہوگی عرفات میں حنبلی امام مقیم ہونے کے باوجود قصر کرتا ہے اس کے پیچھے حنفی مقتدی کی نماز ادا نہ ہوگی خواہ مقیم ہو یا مسافر واطلق الا مام فشمل المقيم والمسافر لكن لو كان مقيما كا مام مكة صلى بهم صلوٰة المقيمين ولا يجوز له القصر ولا للحجاج الاقتداء به قال الا مام الحلواني كان الا مام النسفي يقول العجب من اهل الموقف يتابعون امام مكة في القصر فاني يستجاب لهم او يرجى لهم الخير وصلاتهم غير جائزة قال شمس الائمة كنت مع اهل الموقف فاعتزلت وصليت كل صلوٰة في وقتها واوصيت بذلك اصحابي وقد سمعنا انه يتكلف ويخرج مسيرة سفر ثم ياتي عرفات فلو كان هكذا فالقصر جائزاً فيجب الاحتياط اه ملخصاً من التتار خانية عن المحيط (شامي جلد دوم ص ۲۳۸ صلاة مسافر)

ایک تائیدی فتویٰ ملاحظہ ہو!

مسئلہ:۔

”مقیم شخص کو قصر کرنا جائز نہیں، خواہ مقتدی ہو یا امام اور اگر مقیم امام ہو اور قصر کرے تو اس کی اقتداء نہ مسافر کو جائز ہے نہ مقیم کو، اگر کوئی امام مقیم قصر کرے گا تو امام اور مقتدی دونوں کی نماز نہ ہوگی“ ”معلم الحجاج“ ص ۲۷ امؤلف

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے اس کے حاشیہ میں پوری وضاحت ملاحظہ ہو۔

(۳) مسافر کے لئے قصر جائز ہونے میں سب اماموں کا اتفاق ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ قصر عزیمت (واجب) ہے یا رخصت؟ حضرت امام ابوحنیفہ عزیمت کے قائل ہیں اور حضرت امام شافعی وغیرہ رخصت کہتے ہیں۔ اتفقوا علی جواز القصر فی السفر واختلفوا ہل ہو رخصۃ او عزیمۃ؟ فقال ابو حنیفۃ ہو عزیمۃ وشدد فیہ وقال مالک والشافعی واحمد ہو رخصۃ فی السفر الجائز وحکی عن داؤد انہ لا یجوز الا فی سفر واجب. وعنہ ایضا انہ یختص بالخوف ولا یجوز القصر فی سفر المعصیۃ ولا الترخص برخص السفر عند مالک والشافعی واحمد وقال ابو حنیفہ یجوز ذلک (رحمۃ الائمۃ فی اختلاف الائمۃ ص ۵۳ بدایہ المجتہد ج ۱ ص ۱۲۱) و اللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) شرعی مصلحت سے ایک وارث کو زیادہ یا کل مال دے دیا جب کہ دیگر ورثاء کو بلا وجہ شرعی کم دینا یا نقصان پہنچانا یا محروم کرنا مقصود نہ ہو تو امید ہے کہ گناہ نہ ہوگا۔ انما الاعمال بالنیات الحدیث۔ ورنہ مستوجب عقاب شدید ہوگا۔ حدیث میں ہے ان الرجل لیعمل والمرأۃ بطاعۃ اللہ ستین سنۃ ثم یحضر ہما الموت فیضار ان فی الوصیۃ فتجب لہما النار۔ یعنی بعض مرد یا عورت ساٹھ سال تک (یعنی پوری عمر) خدا تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں مشغول رہتے ہیں لیکن مرنے کے وقت وصیت وغیرہ کے ذریعہ وارثوں کو نقصان پہنچاجاتے ہیں ایسے لوگ دوزخ میں جائیں گے (معاذ اللہ) (مشکوٰۃ ص ۲۶۵ باب الوصایا الفصل الثانی) لہذا بلا وجہ شرعی بعض کو زیادہ اور بعض کو کم دے کر اپنی عاقبت خراب نہ کریں۔ ارشاد خداوندی ابائکم وابناء کم لا تدرون ایہم اقرب لکم نفعا یعنی تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم کو نہیں معلوم کون زیادہ تمہیں فائدہ پہنچائیں گے (اس کا صحیح علم تو خدا ہی کو ہے) سورۃ النساء۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(سوال ۱۴۱) سونا چاندی کے زیورات اور گھڑی پہن کر نماز پڑھے تو کیا حکم ہے۔

(الجواب) مردوں کے لئے نماز وغیر نماز میں سونے چاندی کا استعمال ناجائز اور حرام ہے صرف ساڑھے چار ماشہ چاندی کی انگوٹھی پہننے کی گنجائش ہے، سونے کی ناجائز ہے، سونا، چاندی اور اس سے بنے ہوئے زیورات اور روپے اور سکے جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے میں حرج نہیں جائز ہے اگر گھڑی میں ایک دو پرزے چاندی کے ہوں اور بقیہ پرزے دوسری دھات کے ہوں تو حرج نہیں۔

(سوال ۱۴۲) روپے اور پوسٹ کارڈ تصویر والے جیب میں رکھ کر نماز پڑھے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) روپے، نوٹ اور پوسٹ کارڈ پر تصویر ہوتی ہے اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی ہے، جیب میں رکھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں۔

سر پر رومال لپیٹ کر نماز پڑھنا کیسا ہے:

(سوال ۱۴۳) ایسا رومال لپیٹ کر نماز پڑھے کہ جس میں سر کا درمیانی حصہ کھلا رہے تو کیا نماز صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) ٹوپی پہننی چاہئے نماز کے وقت اس طرح سر پر رومال لپیٹنا مکروہ اور منع ہے فتاویٰ قاضی خان میں ہے

ویکرہ الاعتجار وھو ان یشد راسہ بالمندیل ویترک وسط راسہ یعنی سر پر رومال اس طرح لپیٹنا کہ درمیانی حصہ سر کا کھلا رہے یہ مکروہ ہے (ج ۱ ص ۷۵ باب الحدث فی الصلاۃ وما یکرہ فیھا وما لا یکرہ) فقط واللہ اعلم بالصواب

تکبیر تحریمہ یا رکوع میں شریک ہونے کے لئے دوڑنے کا حکم:

(سوال ۱۴۴) نمازی حضرات وضو میں مشغول ہوں اتنے میں تکبیر شروع ہو جائے تو اس کے حصول کے لئے دوڑتے ہیں تو اس طرح دوڑنا ضروری ہے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں جلدی کرے دوڑے نہیں، میانہ روی اختیار کرے دوڑنا منع ہے حدیث شریف میں ہے کہ جب تم اقامت سنو تو نماز کے لئے اطمینان اور وقار سے چلو، دوڑو مت۔ (بخاری شریف پ ۳ ص ۸۸ کتاب الاذان باب ما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا) ایک حدیث میں ہے کہ نماز کے قصد سے نکلنا نماز کے حکم میں ہے (مسلم شریف) اسی بنا پر مستحب ہے کہ اثنائے راہ میں حتی الامکان ایسی حرکت نہ کرے جو ہیئت صلوٰۃ کے منافی ہو (شرح مسلم نووی ج ۱ ص ۲۲۰ باب استحباب اتیان الصلوٰۃ بوقار وسکینۃ والنھی عن اتیانھا سعیا) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رکعت اور رکوع حاصل کرنے کے لئے دوڑنا:

(سوال ۱۴۵) امام صاحب رکوع کریں اس وقت لوگ رکوع کی شرکت کے لئے دوڑتے ہیں جس سے دوسرے نمازیوں کو خلل ہوتا ہے تو اس طرح دوڑنا شرعاً کیسا ہے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں دوڑے نہیں، دوڑنا منع ہے خواہ رکوع نہ ملے۔ حدیث میں ہے کہ نماز کے لئے دوڑتے ہوئے نہ آؤ اطمینان کے ساتھ چل کر آؤ۔ رکعت فوت ہو جائے اس کو بعد میں ادا کرلو (مسلم شریف ج ا ص ۲۲۰ ایضا) اس کے علاوہ یہ بھی خیال رہے کہ مسجد میں دوڑنا مسجد کے احترام کے خلاف ہے خصوصاً جب کہ نمازیوں کو بھی تشویش ہو، جس سے اجتناب ضروری ہے۔ ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت فاروق اعظمؓ نماز میں تھے، پیچھے سے ایک آدمی آیا اس کے پاس جو سامان تھا اس کو پھینک کر نماز میں شریک ہو گیا، حضرت فاروق اعظمؓ نے نماز سے فارغ ہو کر اس کو سزا دی کہ تو نے نمازیوں کو تشویش میں ڈال دیا (کتاب الاعصام) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حنفی امام شافعی مقتدی کی آمین ختم ہونے تک رکا رہے:

(سوال ۱۴۶) ہمارے اس چیپاٹا میں ہندی، افریقی دو قسم کی بستی ہے، ہندی مسلمان تو تمام حنفی ہیں مگر افریقی مسلمان تمام شافعی ہیں وہ لوگ ہر جمعہ کو صلوٰۃ جمعہ ادا کرنے ہماری حنفی مسجد میں آتے ہیں اور حنفی امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، اب سورہ فاتحہ ختم ہوتے ہیں آمین اور بسم اللہ الخ جلدی سے پڑھ کر امام دوسری سورۃ شروع کر دیتے ہیں مگر شافعی لوگ زور سے آمین پکارتے ہیں اور کھینچ کر پکارتے ہیں، لہذا امام کو اس وقت ان کی امین کہنے تک رکنا چاہئے پھر فوراً دوسری سورۃ شروع کرے۔ واضح طور پر آپ جواب عنایت فرمائیں بڑا کرم ہوگا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں شافعی المذہب مقتدیوں کی آمین ختم ہونے تک حنفی امام رک سکتا ہے اس میں کراہت نہیں ہے امام بھی اطمینان سے آمین کہے تاکہ زیادہ وقفہ معلوم نہ ہو۔[1] فقط و اللہ اعلم۔

رکعت فوت ہوجانے کے خوف سے صف سے دور رہ کر تکبیر تحریمہ کہہ ڈالے:

(سوال ۱۴۷) امام رکوع میں ہو اب اگر بعد میں آنے والا شخص صف تک پہنچ کر نماز شروع کرتا ہے تو امام کو رکوع میں پا نہیں سکتا، اور رکعت فوت ہوجاتی ہے، تو ایسی صورت میں صف سے دور کھڑے رہ کر تحریمہ باندھ لے تو کوئی حرج ہے؟

(الجواب) صف میں جگہ ہونے کے باوجود صف سے دور الگ کھڑے رہنا مکروہ ہے۔ صف تک پہنچ کر نماز شروع کرے، چاہے رکعت فوت ہوجائے، اس لئے کہ فضیلت حاصل کرنے کی بہ نسبت مکروہ سے بچنا اولیٰ ہے۔ **ان کان بحیث لو قام وراء الصف وحدہ یدرکھا ولو مشیٰ الی الصف لا یدرکھا انہ یمشی الی الصف ولا یقف وحدہ ان کان فی الصف فرجۃ لکراھۃ وترک المکروہ اولی من ادرک الفضیلۃ (کبیری ص ۵۷۵ ادراک الفریضۃ) فقط و اللہ اعلم بالصواب۔**

نماز کے لئے عورتوں کا مسجد میں جانا:

(سوال ۱۴۸) عورتوں کو برقع اوڑھ کر مسجد میں نماز کے لئے جانا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت تھی اور ساتھ ہی یہ ارشاد بھی تھا کہ "**بیوتھن خیر لھن**" یعنی ان کے گھر ان کے لئے مسجد سے بہتر ہیں (**مشکوٰۃ ص ۹۶ باب الجماعۃ وفضلھا**) ام حمید ایک جان نثار خاتون نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے کا شوق ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ٹھیک کہتی ہو لیکن تمہارے لئے بند کوٹھری میں نماز پڑھنا صحن کی نماز سے بہتر ہے اور صحن کی نماز برآمدہ کی نماز سے بہتر ہے اور محلّہ کی مسجد کی نماز ہماری مسجد (مسجد نبوی) میں آکر پڑھنے سے بہتر ہے۔ اس کے بعد ام حمید نے نماز کے لئے اندھیری کوٹھری متعین کرلی اور وفات تک وہیں نماز پڑھتی رہیں مسجد میں نہیں گئیں (ترغیب ج۱ص۱۸۰)

جب حضرت عمرؓ کا دور آیا اور عورتوں کی حالت میں تبدیلی (عمدہ پوشاک، زیب و زینت اور خوشبو کا استعمال وغیرہ) دیکھ کر آپ نے ان عورتوں کو جو مسجد میں آتی تھیں، روک دیا تو تمام صحابہ کرام نے اس بات کو پسند فرمایا کسی نے خلاف نہیں کیا۔ البتہ بعض عورتوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اس کی شکایت کی تو حضرت صدیقہؓ نے بھی فیصلہ فاروقی سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا "اگر حضور اکرم ﷺ ان چیزوں کو دیکھتے جو اب عورتوں میں نظر آتی ہیں تو آنحضرت ﷺ بھی ضرور عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع فرماتے (**صحیح بخاری شریف ج ۱ ص ۱۲۰ باب خروج النسآء الی المساجد باللیل والغلس**) (**مسلم شریف ج ۱ ص ۱۸۳ باب خروج**

---

(۱) قولہ وکونھن سرا، جعل سرا خبر الکون المحذوف لیفیدان الا سرار بھا سنۃ اخریٰ فعلی ھذا سنیۃ الا یتان بھاتحصل ولو مع الجھر بھا ط عن ابی السعود، شامی سنن الصلاۃ ج۱ ص ۴۴۴۔

النسآء الی المساجد الخ) حضرت عمرؓ جمعہ کے روز کھڑے ہوکر عورتوں کو کنکریاں مارتے اوران کو مسجد سے نکالتے (عینی شرح بخاری) یہ اس دور کی بات ہے جب کہ اکثر عورتوں میں شرم وحیا اور تقویٰ و پرہیز گاری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور مردوں میں اکثریت نیکو کار تھی۔ فیض و برکات کے حصول کا زریں موقع تھا اور مسجد نبوی کی فضیلت اور نماز بجماعت ادا کرنے کی شریعت میں سخت تاکید تھی باوجود اس کے عورتیں مسجد کی حاضری سے روک دی گئیں تو دور حاضرہ میں کیا حکم ہونا چاہئے۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

بناءعلیہ فقہاء رحمہم اللہ نے فرمایا۔ درمختار میں ہے **ویکره حضور هن الجماعة ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقا ولو عجوز اليلا على المذهب المفتى به لفساد الزمان (درمختار)(مع الشامی ج ۱ ص ۵۲۹ باب الامامة)** اور مکروہ ہے عورتوں کو جماعت میں شریک ہونا، چاہئے جمعہ اور عیدین ہو یا مجلس وعظ ہو۔ چاہے وہ عمر رسیدہ ہو چاہے جوان رات ہو یا دن زمانہ کی خرابیوں کی وجہ سے مفتی بہ مذہب یہی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کھلی کہنی نماز پڑھنا:

(سوال ۱۴۹) کہنی تک آستینیں چڑھا کر نماز پڑھنے سے کوئی خرابی تو نہیں؟

(الجواب) ہاں مکروہ ہے۔ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے۔ **ولو صل رافعا كمه الى المرفقين يكره**۔ ترجمہ۔ دونوں آستینوں کو کہنی تک چڑھا کر نماز پڑھنی مکروہ ہے۔ ج ا ص ۵۸۔

نماز میں کھنکارنا:

(سوال ۱۵۰) نماز میں کھنکارنے سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

(الجواب) بلاضرورت کھنکارنا مکروہ ہے۔ اگر ضرورت ہو مثلاً آواز بند ہوگئی۔ سانس رک گیا۔ یا پڑھنا مشکل ہوگیا تو کھنکارنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ آواز درست کرسکتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ کھنکار کی آواز کے ساتھ کوئی حرف نہ نکلے۔ اگر کھنکار یا کھانسی کے ساتھ بلا اضطرار دو حرف بھی ادا ہوگئے مثلاً اح کی آواز نکلی تو نماز نہیں ہوگی۔ البتہ اضطرار کی حالت مستثنیٰ ہے۔ مثلاً طبیعت پر دباؤ ایسا پڑا کہ اح جیسا لفظ ادا ہوگیا تب نماز فاسد نہیں ہوگی **قال فی الدر المختار والتنحنح بحرفين بلا عذر امابه بان نشاء من طبعه فلا او بلا غرض صحيح الخ. على هامش شامی باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها ج. ا ص ۵۷۸.**

نماز عشاء سے پہلے سونا کیسا ہے؟

(سوال ۱۵۱) نماز عشاء سے پہلے سونے میں کوئی حرج تو نہیں؟

(الجواب) نماز عشاء کا وقت گذر جانے یا جماعت فوت ہونے کا خوف ہو تو سونا مکروہ ہے۔ اگر کسی غرض سے سونا پڑے اور کسی شخص کو تاکید کردے کہ وقت پر بیدار کردے تو مکروہ نہیں ہے۔ **وقال الطحاوی انما كره النوم**

فبلها لمن خشی علیه فوت وقتها او فوت الجماعة فیها واما من وکل نفسه الیٰ من یوقظه فیباح له النوم (شامی ج ۱ ص ۳۴۱ کتاب الصلوٰۃ)

بحالت سجدہ پیشانی پر مٹی لگ جائے؟:

(سوال ۱۵۲) بحالت سجدہ پیشانی پر مٹی لگے تو اس کو صاف کرے یا نہیں؟ ایک شخص کہتا ہے کہ یہ برکتی چیز ہے اس کو صاف نہیں کرنا چاہئے۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

(الجواب) پیشانی پر لگی ہوئی مٹی کو سجدہ میں صاف کرنا مکروہ ہے۔ نماز کے بعد پونچھنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ صاف کرنا بہتر ہے کہ اس میں ریا و نمود کا اندیشہ نہیں۔ (شرح وقایہ ج ۱ ص ۹۴ مکروہات صلوٰۃ)

صف اول میں جگہ ہونے کے باوجود صف ثانی میں کھڑا رہنا:

(سوال ۱۵۳) نماز تراویح میں پہلی صف میں جگہ ہوتے ہوئے بھی دوسری صف میں کھڑا رہے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) پہلی صف میں جگہ ہونے کی صورت میں دوسری صف میں کھڑا رہنا مکروہ ہے اور منع ہے۔ صف اولیٰ پر ہو جانے تو صف ثانی میں کھڑا رہے۔[1] فقط واللہ اعلم۔

سنتیں ادا کرنے کے بعد دنیوی باتیں:

(سوال ۱۵۴) فجر وظہر میں سنت مؤکدہ کے بعد دنیوی باتوں میں مشغول ہونے سے سنن باطل ہوتی ہیں یا ثواب؟

(الجواب) بعض فقہاء کے نزدیک فرض اور سنن مؤکدہ کے درمیان دنیوی باتوں سے سنتیں باطل ہو جاتی ہیں مگر قوی یہی ہے کہ سنتیں باطل نہ ہوں گی البتہ ثواب کم ہو جائے گا۔ ولو تکلم بین السنة والفرض لا یسقطها ولکن ینقص ثوابها (شامی ج ۱ ص ۶۳۲ باب الوتر والنوافل)

نماز میں کھنکارے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۵۵) بلغم وغیرہ دفع کرنے اور نماز میں گلا صاف کرنے کے لئے امام کھنکھارے تو نماز ٹوٹ جائے گی یا نہیں؟ جہری نماز یا سری نماز اسی طرح امام یا غیر امام کی کوئی شرط ہے یا نہیں؟

(الجواب) امام اور غیر امام، مقتدی یا منفرد، جہری نماز یا سری نماز میں گلا صاف کرنے اور بلغم دفع کرنے اور آواز کی صفائی کے لئے کھنکھارے تو نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔ البتہ بلا ضرورت و بدون مقتضائے طبیعت کھنکارے (جیسا کہ لوگوں کی عادت ہے) اور اس سے دو حرف والا لفظ جیسے اح اح صادر ہو جاوے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ "درمختار" میں ہے۔ اور نماز میں بلا عذر دو لفظ سے کھنکھارنا جیسا کہ اح اح کرنا مفسد صلوٰۃ ہے۔ ہاں اگر یہ عذر کی وجہ سے ہو جیسا کہ آواز کی صفائی اور درستگی کے لئے کھنکھارے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ والتنحنح بحرفین (بلا عذر) امابه بان نشأ من

---

(۱) کقیامه فی صف خلف صف فیه فرجة قلت بالکراهة ایضا صرح الشافعیة قوله کقیامه فی صف الخ هل الکراهة فیه تنزیهیة او تحریمیة ویرشد الی الثانی قوله علیه الصلاة والسلام: ومن قطعه قطعه الله .الخ مطلب فی الکلام علی الصف الاول

طبعہ فلا (او) بلا (غرض) صحیح فلو لتحسین صوتہ او لیھتدی امامہ او للاعلام انہ فی الصلاۃ فلا فساد علی الصحیح در المختار مع الشامی ج ۱ ص ۵۷۸ باب مایفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا) فقط و اللہ اعلم بالصواب .

نمازی کے آگے سے گذرنے والے کے لئے کیا وعید ہے؟:

(سوال ۱۵۶) نماز کے آگے گذرنے سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟ اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

(الجواب) نماز فاسد نہ ہوگی اور اعادہ بھی نہیں۔ہاں مخل خشوع ہے، اور اس سے نمازی کی توجہ منتشر ہو جاتی ہے جس بناء پر گذرنے والا گنہگار ہے۔حدیث میں اس کو شیطان سے تعبیر کیا گیا ہے حدیث شریف میں ہے۔ **وعن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی احد کم الی شیئی یسترہ من الناس فاراداحد ان یجتاز بین یدیہ فلید فعہ فان ابیٰ فلیقا تلہ فانما ھو الشیطان ھذا لفظ البخاری و لمسلم معناہ .(مشکوٰۃ شریف ص ۷۴ باب السترۃ)** یعنی جب کوئی شخص کسی ایسی چیز کے سامنے نماز پڑھ رہا ہے جو اس کے لئے سترہ کا کام دے رہی ہے۔اب کوئی شخص اس کے سامنے سے گذرنا چاہے تو یہ اس کو ہٹادے۔(ایک ہاتھ سے دھکیل دے) اگر نہ مانے تو اس کو مار بھی سکتا ہے۔کیونکہ وہ تو شیطان ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز عشاء اور تراویح مسجد کی چھت پر ادا کی جائے تو صحیح ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۵۷) ہمارے یہاں موسم گرما میں نماز عشاء اور تراویح وغیرہ مسجد کی چھت پر پڑھی جاتی ہے۔جماعت خانہ میں نہیں پڑھی جاتی۔تو کوئی حرج تو نہیں؟

(الجواب) گرمی کی وجہ سے مسجد کے جماعت خانہ اور صحن مسجد کو چھوڑ کر چھت پر عشاء اور تراویح وغیرہ کی جماعت کرنا مکروہ ہے۔ہاں! جن کو جماعت خانہ اور صحن میں جگہ نہ ملے اگر وہ چھت پر جا کر نماز پڑھیں تو بلا کراہت جائز ہے کہ یہ مجبوری ہے"نصاب الاحتساب" میں ہے۔ **ویکرہ الصلاۃ فوق الکعبۃ و کذا العصود علی سطح المسجد الا لحاجۃ اصلاح ونحوہ و کذا الصعود علیٰ کل مسجد مکروہ و لھذا اذا شتد الحر فیکرہ ان یصلوا الجماعۃ فوق السطح الا اذا ضاق المسجد فح لا یکرہ الصعود علی سطحہ للضرورۃ و اما شدۃ الحر فلا نھا لا توجب الضرورۃ وانما یحصل بہ زیادۃ المشقۃ وبھا یزداد الا جر کلہ من المحیط وغیرہ .** یعنی:۔محیط میں ہے کہ کعبہ شریف کے اوپر اور مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا (بے ادبی اور بے حرمتی کی وجہ سے) مکروہ ہے۔ہاں! اگر تعمیر و مرمت کی ضرورت سے چڑھنا ہو تو مکروہ نہیں۔اسی طرح کوئی بھی مسجد ہو اس کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے اور اس بناء پر یہ بھی مکروہ ہے کہ جب گرمی شدید ہو تو چھت پر جماعت کریں۔مگر یہ کہ مسجد میں گنجائش نہ رہے تو اس مجبوری کی وجہ سے مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ نہ ہوگا۔بہر حال گرمی کی شدت ضرورت اور مجبوری نہیں پیدا کرتی۔کیونکہ اس سے یہی ہوتا ہے کہ مشقت بڑھ جاتی ہے اور مشقت بڑھتی ہے تو اجر و ثواب بھی بڑھ جاتا ہے۔(اس کو مجبوری نہیں کہا جاتا) (نصاب الاحتساب ص ۳۲ باب ۱۵ قلمی)

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔**الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ و لھذا اذاشتد الحر**

یکرہ ان یصلوا بالجماعة فوقه الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لا یکرہ الصعود علی سطحه للضرورة کذا فی الغرائب۔ یعنی:۔تمام مساجد کی چھتوں پر چڑھنا مکروہ ہے اس لئے سخت گرمی میں چھت پر چڑھ کر جماعت کرنا مکروہ ہے۔ہاں! اگر مسجد تنگ ہو اور نمازیوں کے لئے وسعت نہ ہو تو ضرورۃً باقی لوگوں کا اوپر چڑھنا مکروہ نہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۳۲۲ ج ۵ کتاب الکراهة الباب الخامس فی اداب المسجد والقبلة الخ)

''کبیری'' میں ہے۔وکذا لو صلی علی السطح من شدة الحر ای یکرہ لقوله تعالیٰ قل نار جهنم اشد حراً لو کانوا یفقهون۔انتهی وفی القنیه امام یصلی التراویح علی سطح المسجد اختلف فی کراهته والاولی ان وللاعلی فیه عند العذر فکیف بغیره۔(کبیری ص ۳۹۲ مکروهات صلاة)

''شامی'' میں ہے۔ثم رایت القهستانی نقل عن المفید کراهة الصعود علی سطح المسجد الخ ویلزمه کراهة الصلوٰة ایضاً فوقه فلیتأمل۔(ص ۶۱۴ مطلب فی احکام المسجد ج ۱) (مجموعه فتاویٰ سعدیه ص ۱۴۸ نفع المفتی والسائل ص ۱۲۱) مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ فرمائیے۔

گرمی میں صحن مسجد میں نماز باجماعت بدون حرج کے صحیح ہے۔اگر کسی جگہ صحن داخل مسجد نہ ہو مسجد سے خارج ہو تو بانی مسجد اور اگر وہ نہ ہو تو جماعت کے لوگ متفق ہو کر داخل مسجد کی نیت کر لیں تو داخل ہو جائے گا اور اس پر مسجد کے جملہ احکام جاری ہوں گے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز میں اواخر سورۂ بقرہ اور قل ھو اللہ کی قراءت:

(سوال ۱۵۸) ہمارے امام صاحب کبھی کبھی مغرب کی پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ کی آخری دو۲ آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص، یا سورۂ کافرون یا سورۂ نصر وغیرہ تلاوت کرتے ہیں تو کوئی حرج تو نہیں؟ اور نماز مکروہ ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں بلا کراہت نماز صحیح ہے۔'' لو قرأ آمن الرسول فی رکعة وقل هو الله احد فی رکعة لا یکرہ (فتاویٰ عالمگیری ص ۸۷ ج ۱ الباب الرابع فی القرأة) فقط و الله اعلم بالصواب۔

دوسرا سلام امام کے سلام سے پہلے پھیر دیا:

(سوال ۱۵۹) عید کی نماز میں امام نے پہلا سلام پھیرا تو اس کے ساتھ سب مقتدیوں نے بھی سلام پھیرا لیکن دوسرے سلام پھیرنے میں امام نے تاخیر کی، تو مقتدیوں نے اس خیال سے کہ امام نے دوسرا سلام پھیر دیا ہوگا، امام سے پہلے سلام پھیر دیا۔اس کے بعد امام نے دوسرا سلام پھیرا تو مقتدیوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں مقتدیوں نے برا کیا مگر نماز صحیح ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں تذکرۃ الرشید میں یہ مسئلہ ہے مگر وہ صحیح نہیں ہے۔تذکرۃ الخلیل میں یہ مسئلہ صحیح لکھا گیا ہے۔ملاحظہ ہو ص ۲۰۷۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وتنقطع التحريمة بتسليمة واحدة برهان وقد مر في التاتارخانيه ماشرع في الصلاة مثنى فللواحد حكم المثنى فيحصل التحليل بسلام واحد كما يحصل بالمثنى يتقيد الركعة بسجدة واحدة كما تتقيد بالسجدتين ، درمختار على هامش شامي فصل اذا اراد الشروع في الصلاة ج ١ ص ٤٩٠.

آستین چڑھائے ہوئے نماز پڑھنے کا حکم:

(سوال ۱۶۰) آستین کھلی رکھ کر شرٹ پہن کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج ہے؟
(الجواب) کہنی تک آستین چڑھا کر نماز پڑھنا اور کہنی تک نیم آستین والے قمیص وغیرہ فیشن ایبل لباس پہن کر نماز پڑھنا منع ہے۔ اس سے نماز مکروہ ہوتی ہے۔ فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ وضو کرتے وقت آستین چڑھائی ہوئی ہو اور جماعت میں شرکت کرنے کے لئے جلدی میں آستین چڑھی رہی ہوں تو نماز میں ایک ہاتھ سے آہستہ آہستہ اتار دے۔ اس طرح نہ اتارے کہ عمل کثیر ہو جائے، یعنی دونوں ہاتھ استعمال کرے کہ جس سے معلوم ہو کہ نماز نہیں پڑھ رہا ہے تو اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی۔ یہ بھی خیال رکھئے کہ گرمی اور پسینہ کی وجہ سے نماز کی حالت میں آستین چڑھانا عمل کثیر ہے اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اما لو شمر وهو فيها تفسد لانه عمل كثير (شامی ج ۱ ص ۵۹۹ مطلب فی مکروهات الصلاة)

قومہ اور جلسہ اطمینان سے کرے:

(سوال ۱۶۱) ہمارے امام صاحب رکوع کے بعد قومہ میں سیدھے کھڑے ہوئے بغیر سجدہ میں چلے جاتے ہیں اور سمع الله لمن حمده کے ساتھ ہی اللہ اکبر کہتے ہیں درمیان میں ذرا نہیں ٹھیرتے نہ سانس توڑتے ہیں۔ اسی طرح سجدہ کے بعد جلسہ کی حالت میں، اور یہی حالت ہے سجدہ میں جانے اور سجدہ سے اٹھنے کی تکبیرات کی، ان تکبیرات میں وقفہ نہیں کرتے، ان کو دیکھ کر مقتدی بھی ایسا ہی کرتے ہیں لہذا تفصیلی جواب مطلوب ہے۔ بینوا توجروا۔
(الجواب) اس طرح عادت کر لینا غلط ہے نماز مکروہ ہوتی ہے اور قابل اعادہ ہو جاتی ہے۔ قومہ اور جلسہ کو اطمینان سے ادا کرنا ضروری ہے۔ (ويقوم مستوياً) لما مر من انه سنة او واجب او فرض (ثم يكبر) مع الخرور (ويسجد واضعا) (ركبتيه) (درمختار) (قوله ثم يكبر)

اتى بثم للاشعار بالا طمينان فانه سنة او واجب على ما اختاره الكمال (قوله مع الخرور) بان يكون ابتداء التكبير عند ابتداء الخرور وانتهاؤه عند انتهائه شرح المنية ويخر للسجود قائما مستوياً (درمختار مع الشامی ص ۴۶۵، ۴۶۶ ج ۱ فصل اذا اراد الشروع فی الصلاة الخ)

(ويسجد بين السجدتين مطمئناً) (درمختار) (وقوله مطمئنا) اى بقدر تسبيحة كما فى متن الدرر والسراج (درمختار مع الشامی ص ۴۷۲ ج ۱)

ان عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہو۔ کیونکہ یہ قومہ سنت ہے۔ اور اس کو واجب اور فرض بھی کہا گیا ہے پھر زمین کی طرف جھکتے ہوئے اللہ اکبر کہے اور دونوں گھٹنے زمین پر رکھے۔ عبارت میں لفظ ثم آیا ہے۔ جس کا مطلب یہی ہے کہ وقفہ کے ساتھ ٹھیر کر سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیر کہتے ہوئے جھکنا شروع کریں یہ تکبیر اس وقت ختم ہو جب جھکنا ختم ہو (اور پیشانی زمین پر رکھی جائے) پھر دونوں سجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھے۔ یعنی اتنی دیر بیٹھے کہ سبحان اللہ کہا جا سکے۔ آنحضرت ﷺ کے قومہ اور جلسہ کا طریقہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس طرح بیان فرماتی ہیں۔ کہ جب رکوع سے اپنا سر مبارک اٹھاتے تو اطمینان سے سیدھے کھڑے ہوتے پھر سجدہ میں

جاتے۔ اسی طرح سجدہ کے بعد سر مبارک اٹھا کر برابر سیدھے بیٹھ جاتے تب دوسرا سجدہ فرماتے (مشکوٰۃ شریف ص ۷۵ باب صفۃ الصلوٰۃ)

اسی طرح حضرت ابوحمید ساعدیؓ آنحضرت ﷺ کے قومہ کا طریقہ بیان فرماتے ہیں فاذا رفع راسہ استوی حتی یعود کل فقار مکانہ یعنی:۔ جب آنحضرت ﷺ رکوع سے اپنا سر مبارک اٹھاتے تو برابر سیدھے کھڑے ہوجاتے۔ یہاں تک کہ مبارک کا ہر ایک جوڑ اپنی جگہ ٹھہر جاتا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۷۵ ایضاً)

۔ آنحضرت ﷺ کی نماز کے مطابق اپنی نماز ہونی ضروری ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے صلو اکما رأیتمو نی اصلی ۔ترجمہ:۔ مجھے جس طرح نماز پڑھتے دیکھ رہے ہو اسی طرح تم نماز پڑھو۔ بناءعلیہ اگر ہم خود اپنی نماز آنحضرت ﷺ کی نماز کے مطابق ادا کرنے کی کوشش نہ کریں۔ اور خلاف سنت نماز پڑھیں تو نماز مقبول نہ ہوگی اور قابل اعادہ ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ ایک طرف مسجد میں تشریف فرما تھے۔ ایک شخص آیا اور اس نے نماز پڑھی پھر وہ آپ کے پاس آیا سلام کیا۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا۔" وعلیک السلام ارجع فصل فانک لم تصل ." یعنی:۔ وعلیک السلام واپس جاؤ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ واپس ہوا نماز پڑھی پھر آیا سلام کیا۔ آپ (ﷺ) نے یہی فرمایا۔ جاؤ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی۔ دو یا تین مرتبہ ایسا ہی ہوا، تیسری یا چوتھی مرتبہ میں اس نے عرض کیا۔ یارسول اللہ (ﷺ) میں تو اس سے بہتر نماز نہیں پڑھ سکتا۔ آپ ﷺ مجھے نماز پڑھنی سکھا دیجئے۔ فرمایا۔ جب تم نماز کے لئے اٹھو تو پہلے اچھی طرح وضوء کرو پھر قبلہ رخ کھڑے ہو جاؤ پھر اللہ اکبر کہو۔ پھر قرآن جو تمہیں یاد ہے جتنا آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو پھر جھکو اور اطمینان سے رکوع کرو پھر رکوع سے اٹھو یہاں تک کہ اطمینان سے سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر سجدہ میں جاؤ اور اطمینان سے سجدہ کرو پھر سجدہ سے اٹھو اور اطمینان سے بیٹھ جاؤ پھر اسی طرح اطمینان سے (دوسرا) سجدہ کرو پھر پوری نماز میں اس طرح اطمینان کے ساتھ ٹھیر ٹھیر کر ہر ایک رکن کو ادا کرو۔ (مشکوٰۃ شریف باب صفۃ الصلوٰۃ ص ۷۶۔)

فقہ اور حدیث کی ان تصریحات کو دیکھئے ان میں بار بار اطمینان کی ہدایت کی گئی ہے۔ آپ کے امام صاحب اگر اطمینان کے ساتھ ٹھیر ٹھیر کر رکوع، سجدہ، قومہ وجلسہ نہیں کرتے سمع اللہ لمن حمدہ اور اللہ اکبر لگاتار کہتے رہتے ہیں تو حدیث اور فقہ کی تصریحات کے خلاف کرتے ہیں۔ جو سراسر بےادبی اور مکروہ ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مخبر صادق ﷺ نے فرمایا اسوء الناس سرقة الذی یسرق من صلوته قالوا یا رسول اللہ کیف یسرق من صلوته قال لایتم رکوعها و سجودها رواه احمد (مشکوٰۃ شریف ص ۸۳ باب الرکوع الفصل الثالث) یعنی بدتر اور سب سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ نماز کس طرح چراتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نماز میں چوری یہ ہے کہ رکوع وسجود کو ٹھیک طور پر ادا نہیں کرتا۔ پھر ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز کی طرف نہیں دیکھتا جو رکوع وسجود میں اپنی پیٹھ کو ثابت نہیں رکھتا۔ (نہیں ٹھیراتا) آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ رکوع وسجود پورا ادا نہیں کر رہا تھا۔ تو فرمایا۔ اما تخاف لو مت علی ذلک لمت علی غیر دین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم مشکوٰۃ باب الرکوع الفصل الثالث ص ۸۳) (تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا کہ اگر تو اسی عادت پر مر گیا تو دین محمد

پر تیری موت نہ ہوگی)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کی نماز پوری نماز نہیں ہوتی جب تک کہ رکوع کے بعد سیدھا کھڑا نہ ہو اور اپنی پیٹھ ٹھیک نہ رکھے (نہ ٹھہرائے) اور ہر ایک عضو اپنی اپنی جگہ پر قرار نہ پکڑے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کے وقت اپنی پیٹھ درست نہیں کرتا اور ثابت نہیں رکھتا اس کی نماز پوری نہیں ہوتی ایضاً الفصل الثانی ۔حضرت رسالت مآب ﷺ ایک نمازی کے پاس سے گذرے۔ دیکھا کہ تکبیر وارکان اور قومہ وجلسہ بخوبی ادا نہیں کرتا۔ تو فرمایا کہ اگر تو اسی عادت پر مر گیا تو قیامت کے دن میری امت میں نہ اٹھے گا۔ (اگر تو بریں میری روز قیامت از امتان من نہ انہ گویند)

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا ہے۔ کہ ایک شخص ساٹھ سال تک نماز پڑھتا رہتا ہے اور اس کی ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ ایسا وہ شخص ہے جو رکوع وسجود کو بخوبی ادا نہیں کرتا۔

لکھتے ہیں کہ زید بن وہب نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہا ہے اور رکوع وسجود بخوبی ادا نہیں کرتا۔ اس مرد کو بلایا۔ اور اس سے پوچھا کہ تو کب سے اس طرح کی نماز پڑھ رہا ہے۔ اس نے کہا چالیس برس سے فرمایا کہ اس چالیس سال کے عرصہ میں تیری کوئی نماز نہیں ہوئی۔ اگر تو مر گیا تو نبی کریم ﷺ کے طریقہ پر نہ مرے گا۔

منقول ہے کہ جب بندۂ مومن نماز کو اچھی طرح ادا کرتا ہے۔ اور اس کے رکوع وسجود کو بخوبی بجالاتا ہے اس کی نماز بشاش اور نورانی ہوتی ہے۔ فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں۔ وہ نماز اپنے نمازی کے لئے دعا کرتی ہے اور کہتی ہے۔ حفظک اللہ سبحانہ کما حفظتنی ۔ (اللہ تعالیٰ تیری حفاظت کرے جس طرح تو نے میری حفاظت کی) اور اگر نماز کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا (اور اس کے رکوع وسجود قومہ وجلسہ کو بجا نہیں لاتا) وہ نماز سیاہ رہتی ہے۔ فرشتوں کو اس نماز سے کراہت آتی ہے۔ اور اس کو آسمان پر نہیں لے جاتے اور وہ نماز اس نمازی پر بددعا کرتی ہے۔ اور کہتی ہے۔ ضیعک اللہ کما ضیعتنی (اللہ تعالیٰ تجھے ضائع کرے جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا۔ (اللہ تعالیٰ تیرا ناس مارے جیسا تو نے میرا ناس مارا) مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی ۔ مکتوب ۶۹ جلد دوم ص ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

پہلی صف کا امام کے برابر کھڑا ہونا:

(سوال ۱۶۲) ہمارے یہاں جب تبلیغی جماعت آتی ہے تو اس وقت اگلی صف آگے بڑھا دی جاتی ہے اور مقتدی امام سے تھوڑے ہی پیچھے ہوتے ہیں۔ امام کے پیچھے والے مقتدی کو سجدہ کی جگہ نہیں ملتی (اس لئے وہ جگہ خالی رہتی ہے) اس لئے کہ امام تھوڑا سا آگے ہوتا ہے تو کیا اس طرح کرنے میں کوئی قباحت تو نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایک مقتدی ہو تو امام کے برابر کھڑا ہو۔ دو مقتدی ہوں تو امام کے برابر کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے اور دو سے زائد ہوں تو امام کے برابر کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے۔ والزائد یقف خلفه فلو توسط اثنين كره تنزيها وتحريما لو اكثر (درمختار) (قوله تحريما لو اكثر) افاد ان تقدم الامام امام الصف واجب كما افاده في الهداية والفتح (شامي ص ۵۳۱ ج ۱ باب الامامة مطلب هل الاساءة دون الكراهة او

افحش منها)

لہذا صورت مسئولہ میں پہلی صف کا آگے بڑھ جانا اس طرح پر کہ مقتدی امام کے پیچھے نہ رہیں مکروہ تحریمی ہے۔ البتہ اگر پیچھے جماعت خانہ میں یا برآمدہ اور صحن میں بھی جگہ نہ ہو، اگر ہو تو بارش یا شدید دھوپ کی وجہ سے کھڑا رہنا دشوار ہو تو پھر کراہت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کھلے سر نماز پڑھنا:

(سوال ۱۶۳) سر کھلا رکھ کر نماز پڑھنا اسلام میں جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کھلے سر پھرنا آج کل فیشن ہو گیا ہے اور اس کو فساق و فجار نے اختیار کیا ہے، اور یہ بہت قبیح ہے، علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں **ولا یخفی علی عاقل ان کشف الراس مستقبح وفیه اسقاط مرؤة وترک ادب.** عاقل پر پوشیدہ نہیں ہے کہ سر کھولنا قبیح ہے اور مروۃ کو ختم کرنا ہے اور ادب و شریفانہ تہذیب کے خلاف ہے۔ (تلبیس ابلیس ص ۲۲۲)

قطب ربانی محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں **ویکره کشف الرأس بین الناس.** لوگوں کے درمیان سر کھولنا مکروہ ہے۔ (غنیۃ الطالبین ج ۱ ص ۱۳)

مالا بد منہ میں ہے۔ مرد را تشبہ بزناں و زن را تشبہ بمرداں، و مسلم را تشبہ بکفار و فساق حرام است۔ مردوں کو عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنا اور مسلمان کو کفار و فساق کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے۔ (مالا بد منہ ص ۱۳۱)

جب خارج نماز یہ حکم ہے تو اس حالت میں نماز پڑھنا بطریق اولیٰ مکروہ ہوگا درمختار میں ہے **(وصلاته حاسراً ای کاشفاً (رأسه للتکاسل)** الخ اور مکروہ ہے کاہلی اور بے اعتنائی کی بنا پر کھلے سر نماز پڑھنا الخ (درمختار ج ۱ ص ۵۹۸ مکروہات الصلاۃ مطلب فی الخشوع) فقط واللہ اعلم۔

سورتوں کو خلاف ترتیب پڑھنے پر نماز کا اعادہ کرنا اور دوسری جماعت میں نئے مقتدیوں کا شامل ہونا:

(سوال ۱۶۴) ایک شخص نے مغرب کی نماز پڑھائی، پہلی رکعت میں **قل اعوذ برب الفلق** اور دوسری رکعت میں **اذا جاء نصر الله والفتح** پڑھی، نیز پہلی رکعت کے رکوع سے اٹھتے وقت بجائے **سمع الله لمن حمده** کے اللہ اکبر کہا، نماز پوری ہونے کے بعد لوگوں نے کہا کہ نماز نہیں ہوئی۔ دوبارہ پڑھنا ہوگی چنانچہ دوسری جماعت کی گئی اور اس میں وہ لوگ بھی شامل ہوئے جو پہلی جماعت میں شریک نہیں تھے تو کیا پہلی جماعت صحیح ہوئی یا نہیں؟ اگر وہ صحیح ہے تو دوسری جماعت میں جو لوگ شریک ہوئے ان کی فرض نماز کا کیا ہوگا۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز میں اس طرح (خلاف ترتیب) سہواً پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا، اس لئے کہ سورتوں کو ترتیب سے پڑھنا واجبات تلاوت میں سے ہے۔ واجبات نماز میں سے نہیں ہے **(قوله لترک واجب) ای من**

واجبات الصلوٰۃ الا صلیة فخرج واجب ترتیب التلاوۃ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۶۷ باب سجود السھو) والرابع سببه ترک واجب من واجب الصلوٰۃ الا صلیة سھواً وھو المراد بقوله ترک واجب لا کل واجب بدلیل ماسنذکرہ من انه لو ترک ترتیب السور لا یلزمه شیء مع کونه واجباً (البحرالرائق ج ۲ ص ۹۳ باب سجود السھو) وفی التجنیس لو قرأ سورۃ ثم قرأ فی الثانیة سورۃ قبلھا ساھیاً لا یجب علیه السجود لان مراعاۃ ترتیب السور من واجبات نظم القرآن لا من واجبات الصلوٰۃ فترکھا لا یوجب سجود السھو (البحرالرائق ج ۲ ص ۹۴) درمختار میں ہے ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وان یقرأ منکوساً (قوله بان یقرأ منکوسا) بان یقرأ فی الثانیة سورۃ اعلی مما قرأ فی الا ولی لان ترتیب السور فی القرأۃ من واجبات التلاوۃ (قوله ثم ذکر یتم) افادان التنکیس او الفصل بالقصیرۃ انما یکرہ اذا کان عن قصد فلو سھواً فلا کما فی شرح المنیة یعنی مکروہ ہے چھوٹی سورت کا فصل کرنا اور قرآن الٹا پڑھنا مثلاً پہلی رکعت میں سورۂ اخلاص اور دوسری میں سورۂ تبت پڑھے وجہ کراہت یہ ہے کہ سورتوں کو ترتیب سے پڑھنا واجبات تلاوت میں سے ہے لیکن یہ کراہت اس وقت ہے جب کہ قصداً چھوٹی سورت کو چھوڑ کر اس کے بعد والی پڑھے یا خلاف ترتیب پڑھے، لہٰذا اگر سہواً چھوٹی سورت کا فاصلہ ہو جائے یا ترتیب کے خلاف پڑھ لے تو مکروہ نہیں۔ (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۵۰۱ قبیل باب الامامة)

رکوع سے اٹھتے وقت سمع اللہ لمن حمدہ، کہنا مسنون ہے واجب نہیں ہے لہٰذا اس کے ترک سے بھی سجدۂ سہو لازم نہ ہوگا، البتہ قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے، سہواً مکروہ بھی نہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں نماز درست ہوگئی اعادہ واجب نہیں تھا، لہٰذا دوسری جماعت میں جو نو وارد نمازی شامل ہوئے ان کی نماز نہیں ہوئی، ان کو دوبارہ پڑھنا ضروری ہے، اس موقعہ پر فتاویٰ رحیمیہ جلد اول ج ۴ ص ۱۶۹ نیز ج ۴ ص ۱۲۹ بھی دیکھ لیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

امام صاحب کا عذر کی وجہ سے سجدہ میں جاتے وقت زمین پر ہاتھ ٹیکنا:

(سوال ۱۶۵) ہماری مسجد کے امام صاحب کے پیر میں سخت درد ہے اس لئے جب وہ سجدہ میں جاتے ہیں تو زمین پر ہاتھ ٹیک دیتے ہیں تو وہ امامت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) امام صاحب عذر کی وجہ سے سجدہ میں جاتے وقت پہلے ہاتھ رکھتے ہیں تو یہ مکروہ نہیں ہے، بلا عذر پہلے ہاتھ رکھنا مکروہ ہے۔ (ثم وضع) (رکبتیه ثم یدیه) ان لم یکن به عذر یمنعه من ھذہ الصفة (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۱۵۴ فصل فی کیفیة ترکیب افعال الصلاۃ) واللہ اعلم بالصواب۔

نماز میں آنکھیں بند کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۶۶) فرض نماز میں مقتدی امام کی قرأت کے وقت یا خود امام قرأت کے وقت آنکھ بند کرے اور آنکھ بند کرنے سے خشوع وخضوع پیدا ہوتا ہو تو اس صورت میں آنکھیں بند کرنا کیسا ہے؟

(الجواب) بلا کسی ضرورت ومصلحت نماز میں آنکھ بند رکھنا مکروہ ہے البتہ اگر سامنے کوئی ایسی چیز ہو جو خشوع وخضوع

میں خلل انداز ہوتی ہو یا آنکھیں بند کرنے سے خشوع وخضوع پیدا ہوتا ہو یا کمال خشوع کے لئے معین ہو تو پھر مکروہ نہیں مراقی الفلاح میں ہے (ویکره) (تغميض عينيه) الا لمصلحة لقوله صلى الله عليه وسلم اذا قام احد كم في الصلوٰة فلا يغمض عينيه لانه يفوت النظر للمحل المندوب ولكل عضو وطرف حظ من العباده وبروية ما يفوت الخشوع ويفرق الخاطر ربما يكون التغميض اولى من النظر.

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔ قوله (الا لمصلحة) كما اذا غمضها لرؤية ما يمنع خشوعه، نهر، اوكمال خشوعه، در. او قصد قطع النظر عن الا غيار والتوجه الى جانب الملک الغفار، مجمع الانهر. (قوله فلا يغمض عينيه) ظاهره التحريم قال فى بحر وينبغى ان تكون الكراهة تنزيهية اذا كان لغير ضرورية ولا مصلحة اه (طحطاوى على مراقى الفلاح ص ۱۹۴، ص ۱۹۵، فصل فى المكروهات)

درمختار میں ہے (وتغميض عينيه) للنهى الا لكمال الخشوع ،شامی میں ہے، (قوله للنهى) اى فى حديث اذا قام احد كم فى الصلوٰة فلا يغمض عينيه رواه ابن عدى الا ان فى سنده من ضعف وعلل. فى البدائع بان السنة ان يرى ببصره الى موضع سجوده وفى التغميض تركها ثم الظاهر ان الكراهة تنزيهة كذا فى الحلية والبحر وكانه لان علة النهى ما مر عن البدائع وهى الصارف له عن التحريم (قوله الا لكمال الخشوع) بان خاف فوت الخشوع بسبب رؤية ما يفرق الخاطر فلا يكره بل قال بعض العلماء انه الا ولى وليس ببعيد حليه وبحر (درمختاروشامى ص ۶۰۳ ج ۱ ص ۶۰۴ مكروهات الصلوٰة)

غایۃ الاوطار میں ہے وتغميض عينيه للنهى لكمال الخشوع اورمکروہ تنزیہی ہے كذا فى البحر بند کرنا اپنی آنکھوں کا بسبب نہی کے مگر کمال خشوع کے لئے بند کرنا مکروہ نہیں نہی کی حدیث کو ابن عدی نے بسند ضعیف روایت کیا ہے اور بدائع میں وجہ کراہت یہ مذکور کی ہے کہ سجدہ گاہ کا تاکنا (نظر رکھنا) مسنون ہے اور آنکھوں کے بند کرنے سے یہ سنت متروک ہو جاتی ہے تو اس لئے حلیہ اور بحرالرائق میں کراہت کو تنزیہی کہا (كذا فى الشامى بتصرف (غاية الا وطار ترجمه درمختار ج ۱ ص ۳۰۱)

علم الفقہ میں ہے: (۲۲) حالت نماز میں آنکھوں کا بند کر لینا مکروہ تنزیہی ہے ہاں اگر آنکھ بند کر لینے سے خشوع زیادہ ہوتا ہو تو مکروہ نہیں بلکہ بہتر ہے (درمختار وغیرہ) (علم الفقه ج۲ ص ۱۱۸ مكروهات نماز) فقط و الله اعلم بالصواب.

نماز میں آستین اتار سکتا ہے یا نہیں:

(سوال ۱۶۷) ایک شخص نے وضو کیا، رکعت فوت ہو جانے کے خوف سے جلدی جلدی جماعت میں شامل ہو گیا اور بنیاں کھلی رہ گئیں، جماعت میں شامل ہونے کے بعد نماز میں وہ شخص اپنی آستین اتارے یا آستین چڑھے ہوئے ہونے کی حالت میں نماز پوری کرے افضل کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) افضل یہ ہے کہ عمل قلیل سے اپنی آستین اتارے ایسی صورت اختیار نہ کرے کہ عمل کثیر ہو جائے، اس کی صورت یہ ہے کچھ رکوع میں کچھ قومہ میں کچھ سجدہ میں کچھ جلسہ میں، اس طرح موقع بموقع عمل قلیل سے دونوں آستین اتارلے شامی میں ہے ومثلہ مالو شمر للوضوء ثم عجل لا دراک الرکعة مع الا مام واذا دخل فی الصلوٰۃ کذلک وقلنا بالکراھة فھل الا فضل ارخاء کمیه فیھا بعمل قلیل او ترکھما لم اراہ و الاظھر الاول بدلیل قوله الاتی ولو سقطت قلنسوته فاعادتھا افضل تأمل ھذا وقید الکراھة فی الخلاصة والمنیة بان یکون رافعاً کمیه الی المرفقین وظاھرہ انه لا یکرہ الی ما دونھما (شامی ص ۵۹۹ ج ۱) مطلب مکروھات الصلوٰۃ تحت قوله کمشمر کم او دیل) فقط و اللہ اعلم بالصواب .

مردوں کا ٹخنوں سے نیچے لباس پہننا اور اس حالت میں نماز پڑھنا کیا حکم رکھتا ہے :

(سوال ۱۶۸) ٹخنوں سے نیچے ازار، لنگی پہننا کیسا ہے؟ جائز ہے یا حرام ہے؟ بہت سے لوگ نماز کے وقت ازار کو موڑ کر ٹخنوں سے اوپر کر لیتے ہیں، کیا نماز میں ازار کو ٹخنوں سے اوپر کرنا ضروری ہے؟ اگر ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکے ہوئے ہونے کی حالت میں نماز پڑھے تو کیا حکم ہے؟ کیا نماز کا اعادہ کرنا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ٹخنوں سے نیچے پانجامہ (ازار) لٹکا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ ابوداؤد شریف میں حدیث ہے۔

حدثنا موسی بن اسمعیل ... عن عطاء بن یسار عن ابی ھریرة قال بینما رجل یصلی مسبلا ازارہ اذقال له رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذھب فتوضأ فذھب فتوضأ ثم جاء، ثم قال اذھب فتوضأ فذھب فتوضأ ثم جاء فقال له رجل یا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم مالک امرته ان یتوضاء قال انه کان یصلی وھو مسبل ازارہ' وان اللہ جل ذکرہ لا یقبل صلوٰۃ رجل مسبل ازارہ'. (ابو داؤد شریف ص ۱۰۰ جلد اول باب الا سبال فی الصلوٰۃ)

ترجمہ:۔ عطاء بن یسار حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنی ازار ٹخنوں سے نیچی لٹکائے ہونے کی حالت میں نماز پڑھ رہا تھا رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا جاؤ دوبارہ وضو کر کے آؤ، وہ شخص وضو کر کے آیا چنانچہ وہ شخص گیا اور وضو کر کے حاضر ہوا پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جاؤ وضو کر کے آؤ، وہ شخص گیا اور وضو کر کے آیا، ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا آپ نے اسے وضو کرنے کا حکم کیوں فرمایا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ اپنی ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکائے ہونے کی حالت میں نماز پڑھ رہا تھا اور اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتے جو اپنی ازار ٹخنوں کے نیچے لٹکاتے ہوئے ہو۔

ایک اور حدیث میں ہے۔

حدثنا زید بن اخزم ... عن ابن مسعود قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول من اسبل ازارہ فی صلوته خیلاء (ای تکبراً) فلیس من اللہ جل ذکرہ فی حل ولا حرام، (ابو

داؤد شریف ص ۱۰۰ جلد اول باب الاسبال فی الصلوۃ)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جو شخص از راہ تکبر نماز میں اپنی ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکائے ہوئے ہو تو اللہ کی طرف سے نہ اس کے لئے جنت حلال ہوگی نہ اس پر جہنم حرام ہوگی۔

مردوں کے لئے ازار وغیرہ سے متعلق شرعی حکم یہ ہے کہ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو افضل صورت یہ ہے کہ نصف پنڈلی تک ہو، اگر اس سے نیچے ہو تو پیش از بیش ٹخنوں سے اوپر تک ہو، از راہ کبر ٹخنوں سے نیچے لباس پہننا سخت حرام ہے، احادیث میں اس پر شدید وعید آئی ہے۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

(۱) عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ازارۃ المؤمن الی انصاف ساقیہ لا جناح علیہ فیما بینہ وبین الکعبین ما اسفل من ذلک ففی النار قال ذلک ثلث مرات ولا ینظر اللہ یوم القیمۃ الی من جر ازارہ بطراً رواہ ابو داؤد وابن ماجہ (مشکوۃ شریف ص ۳۷۴ کتاب اللباس ،فصل نمبر ۲)

ترجمہ۔ حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا مؤمن کی ازار نصف پنڈلی تک ہے، اور اس سے نیچے دونوں ٹخنوں کے اوپر تک ہو تو اس میں کوئی حرج (گناہ) نہیں اور ازار کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہوگا تو وہ جہنم میں ہوگا، آپ ﷺ نے یہ جملہ تین بار ارشاد فرمایا اور فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (نظر رحمت سے) اس شخص کو نہیں دیکھے گا جو اپنی ازار تکبر کے مارے لٹکائے۔

(۲) عن ابی هریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اسفل من الکعبین من الازار فھو فی النار، رواہ البخاری (مشکوۃ شریف ص ۳۷۳ کتاب اللباس)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ازار کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم میں ہوگا۔ (بخاری، مشکوۃ)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ٹخنے سے نیچے قدم کے جتنے حصے پر ازار لٹکتی ہے وہ حصہ دوزخ میں جلے گا (مظاہر حق ص ۴۹۴ ج ۳ ملخص)

(۳) عن ابی هریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ینظر اللہ یوم القیمۃ الی من جر ازارہ بطراً متفق علیہ (بخاری و مسلم) (مشکوۃ شریف ص ۳۷۳ کتاب اللباس)

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (نظر رحمت) اس شخص پر نہیں کرے گا جو اپنی ازار از راہ تکبر ٹخنوں سے نیچے دراز کرے (یعنی لٹکائے)

(۴) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من جر ازارہ خیلاء، لم ینظر اللہ یوم القیمۃ متفق علیہ. (مشکوۃ شریف ص ۳۷۳ ایضاً)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنی ازار تکبر سے کھینچے (یعنی ٹخنوں سے نیچے لٹکائے) اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے دن (نظر رحمت سے) نہیں

دیکھے گا۔

(۵)عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینما رجل یجر ازارہ من الخیلاء خسف بہ فہو یتجلجل فی الارض الی یوم القیمۃ رواہ البخاری (مشکوۃ شریف ص ۳۷۳ ایضاً)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک شخص تکبر کی وجہ سے اپنی تہ بند کو لٹکا کر زمین سے کھینچ کر چلا کرتا تھا، اس کو دھنسا دیا گیا وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔

(۶)حدثنا حفص بن عمر......عن ابی ذر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ثلثۃ لا یکلمہم اللہ ولا ینظر الیہم یوم القیمۃ ولا یزکیہم ولہم عذاب الیم قلت من ہم یا رسول اللہ فقد خابوا وخسروا فاعادہا ثلثاً قلت من ہم یا رسول اللہ خابوا او خسروا قال المسبل والمنان والمنفق سلعتہ بالحلف الکاذب او الفاجر (شک الراوی)(ابو داؤد شریف ص ۲۱۰ جلد ثانی، کتاب اللباس باب ماجاء فی اسبال الازار)

ترجمہ:۔ حضرت ابوذرؓ نبی کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین قسم کے شخص ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ ان سے بات کرے گا نہ ان کی طرف قیامت کے دن (رحمت و رعایۃ) کی نظر سے دیکھے گا اور نہ ان کا تزکیہ فرمائے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا، میں نے عرض کیا اللہ کے رسول یہ کون لوگ ہیں وہ تو یقیناً ناکام ہوگئے اور خسارہ میں پڑ گئے، آپ ﷺ نے یہ جملہ تین مرتبہ دہرایا میں نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں وہ تو ناکام ہوگئے اور خسران میں پڑ گئے! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا (۱) (ازار) ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا (۲) احسان جتانے والا (۳) جھوٹی قسم کھا کر اپنا سامان بیچنے والا۔

ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانا اللہ تعالیٰ کو اس قدر ناپسند ہے کہ لیلۃ البراءۃ (شب برات نصف شعبان کی رات) میں بھی ایسا شخص اللہ کی رحمت اور مغفرت سے محروم رہتا ہے، چنانچہ مظاہر حق میں حدیث نقل کی ہے۔

''اور ایک روایت میں آیا ہے کہ شعبان کی پندرہویں شب میں سب بخشے جاتے ہیں مگر عاق (والدین کی نافرمانی کرنے والا) اور مدمن خمر (ہمیشہ شراب پینے والا) اور مسبل ازار (ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانے والا) نہیں بخشے جاتے (مظاہر حق ص ۴۹۵ ج ۳ کتاب اللباس)

الجواھر الزواھر ترجمہ البصائر میں ہے اور (رسول اللہ ﷺ نے) فرمایا آج شب بنوکلب کی بکریوں کے صوف اور بالوں کی مقدار خدا کی رہائی دیئے دوزخی چھوٹیں گے البتہ جو مشرک ہوگا اور جو کینہ ور ہوگا اور جو رشتہ ناطہ کے حقوق نہ سمجھے گا اور جو ٹخنہ سے نیچے کپڑا لٹکا ہوا پہنے گا اور جو والدین کا نافرمان ہوگا اور جو شراب خوری کا خوگر ہوگا اس کی طرف نگاہ رحمت نہ فرمائے گا (الجواہر الزواہر ص ۲۵۱ بیسویں بصیرت)

مذکورہ روایات میں غور کیجئے ٹخنوں سے نیچے ازار، پائجامہ لٹکانے پر کتنی سخت وعید ہے، ان روایات کے پیش نظر کوئی مؤمن اس بات کی ہمت نہیں کر سکتا کہ وہ اپنی ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکائے اور یہ فعل عموماً از راہ کبر اور غیروں کے تشبہ سے ہوتا ہے، جب شرعی حکم یہ ہے کہ لباس ٹخنوں سے نیچے نہ ہو تو اس میں غفلت اور لاپرواہی نہ ہونی چاہئے، لہذا

یوں کہنا کہ ہمارا یہ فعل از راہ تکبر نہیں ہے بے خیالی میں ہو جاتا ہے مسموع نہ ہوگا نیز دیکھنے والوں کو ایسے شخص سے بدظنی پیدا ہوتی ہے تو ایسی ہیئت کیوں اختیار کی جائے کہ جس کی وجہ سے لوگوں کو بدظنی پیدا ہو۔

عدۃ الآثام میں ہے۔

مردوں کو ٹخنوں سے نیچے پائجامہ یا تہبند پہننے کی ممانعت:

چونکہ آنحضرت ﷺ نے مردوں کے لئے صاف طریق سے فرمادیا ہے کہ **ما اسفل من الکعبین ففی النار (بخاری شریف)** یعنی جو کوئی مرد کہ ٹخنوں سے نیچا پائجامہ پہنے گا وہ دوزخ میں ہوگا لہذا مردوں کو ایسا نیچا پائجامہ یا تہ بند پہننا قطعی حرام ہے۔ بعض احادیث میں فخریہ پہننے کی جو قید مذکور ہے اول تو وہ قید احترازی نہیں ہے اتفاقی ہے جیسا کہ علمائے محدثین کے اقوال سے صاف ظاہر ہے دوسرے اگر اس میں فخر کا لگاؤ نہیں ہے تو کیا وجہ ہے کہ ٹخنوں سے اونچا پائجامہ پہننے میں عار آتی ہے یا ایسے پہننے والوں کو نظر حقارت سے کیوں دیکھتے ہیں اور اس بابت ان سے مسخرکہ بھی کرتے ہیں جو کفر ہی ہے کہ مسائل شرعیہ پر مسخرکہ اڑانا صریح کفر ہے غرض کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری خرابی ضمیر ہی کی خرابی سے ہے ورنہ احکام شریعت کی بجا آوری کچھ مشکل نہ تھی (**عدۃ الآثام معروف بہ احکام الاعضاء ص ۱۵۷، ۱۵۸** مؤلفہ مولوی محمد یاور حسین حنفی گوپاموی، مطبع نول کشور لکھنؤ)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ **تقصیر الثیاب سنۃ و اسبال الازار و القمیص بدعۃ ینبغی ان یکون الازار فوق الکعبین الی نصف الساق وھذا فی حق الرجال واما النساء فیرخین ازار ھن اسفل من ازار الرجال یستتر ظھر قدمھن اسبال الرجل ازارہ اسفل من الکعبین ان لم یکن للخیلاء ففیہ کراھۃ تنزیہ کذا فی الغرائب** (فتاویٰ عالمگیری ص ۳۳۳ ج ۵ کتاب الکراھیۃ، الباب التاسع)

اس لئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ ٹخنوں سے اوپر ازار یا پائجامہ پہنیں اور یہ حکم صرف نماز کے لئے نہیں ہے بلکہ ہر وقت اس پر عمل کرنا لازم اور ضروری ہے گو کہ نماز کے وقت عمل نہ کرنے کا گناہ نسبۃً زیادہ ہوگا اور اگر یہ فعل از راہ تکبر ہے تو اس حالت میں نماز بھی مکروہ تحریمی ہوگی، ثواب سے محروم رہے گی۔

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے:۔

(**سوال**) نماز میں ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہننا کیسا ہے؟

(**الجواب**) نماز میں ٹخنوں سے نیچے پائجامہ لٹکا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، ثواب سے محروم رہے گا، نماز کے علاوہ بھی ٹخنوں سے اوپر رکھنا ضروری ہے، حدیث میں ایسے شخص کے لئے بہت وعید آئی ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۲۷ ج ۴ مدلل ومکمل) فقط واللہ اعلم۔

بحالت نماز لکھی ہوئی چیز پڑھ لے تو کیا حکم ہے؟:

(**سوال ۱۶۹**) اگر مسجد میں قبلہ والی دیوار پر کچھ لکھا ہو مثلاً ''مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا منع ہے'' یا کوئی آیت یا حدیث لکھی ہو اس کو کسی نے نماز کے دوران دل سے پڑھ کر سمجھ لیا تو کیا ایسی مکتوب چیز کے ماحصل اور مفہوم کو سمجھ لینے سے نماز فاسد ہو جائے گی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قصداًوارادۃً دل سے پڑھنا اور سمجھنا مکروہ ہے البتہ نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر پڑھنے میں زبان کو حرکت ہوئی تو یہ تلفظ ہوا اس سے نماز فاسد ہو جائے گی اور بلا قصد وارادہ اتفاقاً نظر پڑ جائے تو معاف ہے مکروہ نہیں مگر نظر جمائے نہ رکھے، درمختار میں ہے۔(ولا یفسدها نظره الی مکتوب وفهمه) ولو مستفهما وان کره (درمختار) شامی میں ہے(قوله ولو مستفهما) اشاربه الی نفی ما قیل انه لو مستفهما تفسد عند محمد قال فی البحر والصحیح عدمه اتفاقاً لعدم الفعل منه... الخ (قوله وان کره) ای لا شتغاله بما لیس من اعمال الصلوٰة واما لو وقع علیه نظره بلا قصد وفهمه فلا یکره (درمختار و شامی ص ۵۹۳ ج ۱، باب مایفسد الصلوٰة وما یکره فیها)

مراقی الفلاح میں ہے (لو نظر المصلی الی مکتوب وفهمه) سواء کان قرانا اوغیره قصد الاستفهام اولا أساء الادب ولم تفسد صلاته لعدم النطق، بالکلام. طحطاوی میں ہے۔(قوله لو نظر المصلی الیٰ مکتوب الخ) وجه عدم الفساد انه انما یتحقق بالقراء ة وبالنظرو الفهم لم تحصل والیه اشار المؤلف بقوله لعدم النطق (قوله قصد الاستفهام) بهذا علم ان ترک الخشوع لا یخل بالصحة بل بالکمال ولذ اقال فی الخانیة والخلاصة اذا تفکر فی الصلوٰة فتذکر شعراً او خطبة فقرأها بقلبه ولم یتکلم بلسانه لا تفسد صلاته کما فی البحر (قوله اساء الادب) لان فیه اشتغالاً عن الصلوٰة وظاهره ان الکراهة تنزیهیة وهذا انما یکون بالقصد واما لو وقع نظره علیه من غیرقصدو فهمه فلا یکره (مراقی الفلاح وطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۱۸۷ فصل فی ما لا یفسد الصلوٰة)فقط و الله اعلم بالصواب .

نماز میں اپنے بدن اور کپڑوں سے کھیلنا:

(سوال ۱۷۰) نماز میں اپنے جسم پر بلاضرورت ہاتھ پھیرتا رہے، کپڑوں کو درست کرتا رہے تو یہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز نہایت خشوع وخضوع اور توجہ کے ساتھ پڑھنا چاہئے، بلاضرورت بدن کھجانا، بدن پر ہاتھ پھیرتے رہنا مکروہ تحریمی ہے۔درمختار میں ہے (وعبثه به) ای بثوبه (وبجسده) للنهیٰ الا لحاجة ولا باس به خارج صلاة ، شامی میں ہے(قوله للنهی) وهو ما اخرجه القضاعی عنه صلی الله علیه وسلم ان الله کره ثلاثا العبث فی الصلوٰة والرفث فی الصیام والضحک فی المقابر و هی کراهة تحریم کما فی البحر یعنی بلا ضرورت اپنے کپڑے اور بدن سے کھیلنا مکروہ ہے، حدیث میں اس پر نہی وارد ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تین چیزوں کو پسند نہیں فرماتے (۱) نماز میں کھیلنا (۲) روزے میں گالی گلوچ کرنا (۳) قبرستان میں ہنسنا، اور یہ افعال مکروہ تحریمی ہیں بحر میں اس کی صراحت ہے (درمختار وشامی ص ۵۹۹ ج ۱ مکروہات الصلوٰۃ) فقط واللہ اعلم۔

فرض نماز کے بعد امام سنت ونوافل اسی جگہ پڑھے تو کیسا ہے؟:

(سوال ۱۷۱) امام فرض نماز پڑھانے کے بعد سنت اور نفل اسی جگہ پڑھے تو کیسا ہے؟

(الجواب) مناسب یہ ہے کہ امام مصلّی سے ہٹ کر دوسری جگہ سنت اور نفل پڑھے اسی جگہ پڑھنے کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، البتہ ہٹ کر پڑھنے کی جگہ نہ ہو تو مجبوری ہے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:۔ **ویکره للامام ان یصلی فی مکانه الذی صلی فیه الفرض کما فی البحر والکافی (طحطاوی ص ۱۰۳ قبیل باب الاذان تحت قوله الا سنة الفجر) فقط واللہ اعلم بالصواب.**

کھلے سر نماز پڑھنا:

(سوال ۱۷۲) دن بدن آزاد خیال لوگوں نے کھلے سر نماز پڑھنے کو فیشن بنالیا ہے، اس کا کیا حکم ہے تحریر فرمادیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) سر چھپانا، ٹوپی پہننا اسلامی لباس میں داخل ہے اس کی خاص فضیلت واہمیت آئی ہے، کھلے سر لوگوں کے سامنے آنا جانا، بے ادبی اور بے حیائی ہے، آپ ﷺ اور حضرات صحابہ تابعین وسلف صالحین مشائخ ومحدثین اور ائمہ دین کی یہ عادت نہ تھی، بلکہ یہ تو یہود ونصاریٰ اور غیروں کی پیروی ہے حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔ **ویکره کشف راسه بین الناس.** یعنی لوگوں کے سامنے کھلے سر پھرنا مکروہ ہے۔ (غنیۃ الطالبین ج ۱ ص ۱۳)

تلبیس ابلیس میں امام ابن جوزی رقم طراز ہیں۔ **(ولا یخفی علی عاقل ان کشف الرأس مستقبح وفیه اسقاط مروة وترک ادب وانما یقع فی المناسک تعبد الله دلالة ص ۳۷۳)**

عقلمند پر یہ بات مخفی نہیں کہ کھلے سر لوگوں کے سامنے پھرنا معیوب ہے اور اس میں اسقاط مروت وترک ادب ہے صرف احرام کی حالت میں اظہار عبدیت وعاجزی کے مدنظر سر کو کھلا رکھنے کا حکم ہے نہ کہ بطور فیشن کے، جب کھلے سر لوگوں کے سامنے آنا اور پھرنا مکروہ وبے ادبی سمجھا جاتا ہے تو پھر نماز جیسی عظیم الشان عبادت کھلے سر پڑھنے میں کس قدر خرابی اور بے ادبی لازم آئے گی؟ بڑوں کو کھلے سر گھومتے اور نماز پڑھتے چھوٹے بچے دیکھ کر وہ بھی ان کی نقالی کریں گے اور اس برائی کا سبب بڑے ہوں گے، حدیث شریف میں ہے۔

ومن سن فی الاسلام سنة سیئة کان علیه وزرها ووزر من عمل بها من بعد من غیر ان ینقص من اوزارهم شئی (مشکوٰۃ ص ۳۳ کتاب العلم)

یعنی جس نے برا طریقہ جاری کیا اس پر اس کا گناہ ہے اور جس نے بعد میں اس پر عمل کیا اس کا بھی گناہ ہے بغیر اس کے کہ بعد والے کے گناہ میں کمی ہو، درمختار میں ہے۔ کہ کسل کے سبب کھلے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور شامی میں ہے، علمائے کرام سے منقول ہے کہ گرمی کے سبب بھی کھلے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

و(تکره صلاته حاسرا ای کاشفا رأسه للتکاسل (درمختار) عن بعض المشایخ انه لاجل الحرارة والتخفیف مکروه (شامی ج ۱ ص ۶۰۰ مکروهات الصلاة مطلب فی الخشوع)

نیز فقہاء نے تصریح کی ہے کہ کاہلی کے سبب کھلے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے، حتی کہ حالت نماز میں اگر ٹوپی گر جائے تو عمل کثیر کا ارتکاب کئے بغیر پہننے کا حکم ہے۔ **ولو سقطت قلنسوته فاعادتها افضل الا اذا احتاجت**

لتکریر او عمل کثیر (ایضاً ص ۴۰۰) لہذا کھلے سر نماز پڑھنے کا فیشن قابل ترک اور فساق کا فعل ہے، اللہ تعالیٰ نوجوان طبقہ کو اچھے کاموں کی توفیق عنایت فرما کر اس نازیبا طریقہ سے باز رکھے آمین فقط واللہ اعلم بالصواب۔

محراب میں امام کا قیام کب مکروہ ہے:

(سوال ۱۷۳) امام صاحب مسجد کی محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھائے تو کوئی حرج ہے؟

(الجواب) امام صاحب محراب میں اس طرح کھڑے ہوں کہ دونوں قدم داخل محراب ہوں تو مکروہ ہے، البتہ قدمین خارج محراب ہوں تو مکروہ نہیں، نمازیوں کے ازدحام اور جگہ کی تنگی کے سبب مجبوراً اندرون محراب قیام کی نوبت آوے تو مکروہ نہیں۔

ویکرہ قیام الامام بجملته فی المحراب لا قیامه خارجه وسجوده فیه (الیٰ قوله) واذا ضاق المکان فلا کراهة (مراقی الفلاح بهامش الطحطاوی ص ۱۹۸ فصل فی المکروهات الصلاة) فقط و الله اعلم بالصواب.

نماز میں امام کی مکروہ حرکتیں:

(سوال ۱۷۴) ایک امام صاحب ہاتھ باندھنے کے بعد بار بار ہاتھ داڑھی اور منہ پر پھیرتے ہیں اور بار بار قمیص کھینچتے ہیں، ایسے ہی رکوع میں ازار کے پائینچے درست کر کے پھر سجدہ کرتے ہیں نماز میں ایسی حرکات کے مرتکب کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) امام یا غیر امام کو ایسی فضول حرکتوں سے اجتناب چاہئے، اس سے نماز مکروہ ہوتی ہے اور کبھی عمل کثیر ہو کر فساد نماز کی نوبت آجاتی ہے، لہذا ایسے عبث فعل سے امام اور مصلیوں کو بچنا چاہئے۔ **ویکره ایضا ان یکف ثوبه، وهو فی الصلوٰة بعمل قلیل بان یرفعه من بین یدیه او من خلفه عند السجود او یده فیها وهو مکفوف کما اذا دخل وهو مشمر الکم والذیل وان یرفعه کیلا یتترب الخ (کبیری ص ۳۴۷)...... فقط و الله اعلم بالصواب.**

مسبوق لاحق مدرک

حرم شریف میں بوقت ازدحام مسبوق کے لئے کیا حکم ہے

(سوال ۱۷۵) حرم شریف میں حجاج کو اکثر مرتبہ ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ دروازے میں جہاں سے لوگوں کی آمد و رفت ہے نماز کے لئے جگہ نصیب ہوتی ہے اور گاہ بگاہ ایک دو رکعتیں امام کے ساتھ نہیں ملتیں تو امام کے سلام کے بعد اٹھ کر پڑھنا دشوار ہوتا ہے۔ خصوصاً عصر کے وقت چونکہ اس کے بعد سنن نہیں ہیں اس لئے لوگ باہر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں اور اتنی ساری بھیڑ ہو جاتی ہے کہ سجدہ کرنا دوبھر ہو جاتا ہے بلکہ بڑا پڑی میں کھڑے رہنا دشوار ہو جاتا ہے ایسے حالات میں مسبوق امام کے سلام پھرانے سے اول کھڑا ہو کر اپنی فوت شدہ رکعتیں جلدی سے پڑھ کر امام کے سلام کے بعد لوگوں کے اٹھنے سے پہلے فارغ ہو جانے تو نماز صحیح ہو جائے گی۔ یا نہیں؟

(الجواب) ایسے حالات میں جب کہ فوت شدہ رکعتیں پڑھنے کا امکان نہ ہو تو امام کے ہمراہ قعدہ اخیرہ میں مقدار تشہد بیٹھ کر کھڑا ہو جائے اور اپنی فوت شدہ رکعتیں جلدی سے ادا کر لے، نماز صحیح ہو جائے گی۔ کبیری شرح منیہ میں ہے او یخاف مرور الناس بین یدیہ ونحو ذلک فلا یکرہ ح ان یقوم قبل سلامہ بعد قعودہ قدر التشہد ولا یقوم قبل قعودہ قدر التشہد اصلا (مفسدات صلاۃ ص ۴۳۹) (ترجمہ) خطرہ ہے کہ لوگ اس کے سامنے سے گذریں گے یا اس طرح کا کوئی اور خدشہ ہے تو اس وقت یہ بات مکروہ نہیں ہے کہ امام جب قعدہ اخیرہ میں التحیات پڑھنے کی مقدار بیٹھ چکے یعنی اتنی دیر گذر جائے جتنی دیر میں التحیات پڑھی جا سکتی ہے تو وہ (مقتدی) کھڑا ہو جائے مگر اس کا پورا خیال رکھے کہ اس سے پہلے (یعنی جتنی دیر میں التحیات پڑھی جاتی ہے اس سے پہلے) ہرگز کھڑا نہ ہو۔

مغرب کی ایک رکعت ملے تو بقیہ رکعات کس طرح ادا کرے:

(سوال ۱۷۶) مغرب کی آخری رکعت میں شرکت کی یعنی ایک رکعت ملی امام کے سلام کے بعد ایک رکعت ادا کر کے قعدہ کیا کہ امام کے ساتھ پڑھی ہوئی رکعت ملا کر دو رکعتیں ہوئی تھیں لیکن میرے ساتھی نے (جس کو آخری رکعت ملی تھی) ایک رکعت ادا کر کے قعدہ نہیں کیا بلکہ دو رکعت پڑھ کر قعدہ کیا اور مزید اینکہ سجدۂ سہو بھی نہیں کیا تو اس کی نماز ہوئی یا نہیں، کیا واجب الاعادہ ہے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں ایک رکعت کے بعد قعدہ کرنا بہتر تھا آپ نے درست کیا۔ آپ کے ساتھی نے دو رکعت کے بعد قعدہ کیا ہے تاہم اس کی نماز ہو گئی ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں اس صورت میں سجدۂ سہو بھی استحساناً لازم نہیں ہے لو ادرک مع الامام رکعۃ من المغرب فانہ یقرأ فی الرکعتین الفاتحہ والسورۃ ویقعد فی اولھما لا نھا ثنائیۃ ولو لم یقعد جاز الخ (کبیری ص ۴۴۱ مفسدات صلاۃ صغیری ص ۲۴۱ شامی ج ۱ ص ۵۵۸ قبیل باب الاستخلاف فتاویٰ محمدی ص ۸۷)

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ابن مسعودؓ کے روبرو پیش ہوا تھا تو آپ نے فتویٰ دیا تھا کہ دونوں (مسروق و جندب) کی نماز ہو گئی مگر مجھے یہ پسند ہے کہ مسروق کی سی نماز پڑھوں یعنی ایک رکعت ادا کر کے قعدہ کروں (مجمع

الزوائد ج ۱ ص ۱۷۲)قال فی شرح المنیة ولولم یقعد جاز استحساناً لا قیاساً ولو یلزمه سجود السهو لکون الرکعة اولیٰ من وجهه(شامی ج ۱ ص ۵۵۸ ایضاً)فقط و اللہ اعلم بالصواب .

مسبوق کے تحریمہ کہتے ہی امام نے سلام پھیر دیا:

(سوال ۱۷۷)مسبوق نے تکبیر تحریمہ کہی اور امام نے سلام پھیرا یعنی قعدہ میں امام کے ساتھ شریک نہیں ہوا، لہٰذا ای ہے تو تکبیر تحریمہ دوبارہ کہے یا وہی کافی ہے۔

(الجواب)امام کے سلام پھیرنے سے پہلے تکبیر تحریمہ کہہ دی ہے تو جماعت میں شامل ہونے والا شمار ہوگا تکبیر تحریمہ دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔[1] فقط و اللہ اعلم بالصواب .

کیا مسبوق امام کے ساتھ سلام پھیر سکتا ہے:

(سوال ۱۷۸)مسبوق آدمی سجدۂ سہو کا سلام پھیرنے میں امام کی متابعت کرے یا نہیں؟

(الجواب)مسبوق جس کو اپنی بقیہ نماز ابھی پوری کرنی ہے وہ سجدۂ سہو میں تو امام کی اتباع کرے مگر سلام نہ پھیرے (شامی ج ۱ ص ۶۹۶ باب سجود السہو)فقط واللہ اعلم بالصواب۔

امام جب قعدۂ اخیرہ میں بیٹھے تو مسبوق امام کے ساتھ درود، دعا پڑھے یا نہیں :

(سوال ۱۷۹)ایک شخص کی دو رکعت چھوٹ گئیں۔امام صاحب قعدۂ اخیرہ میں بیٹھیں اور تشہد۔درود و دعا پڑھیں۔تو یہ مسبوق کیا پڑھے؟التحیات اور درود وغیرہ پڑھے یا خاموش بیٹھے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب)مسبوق امام کے ساتھ قعدۂ اخیرہ میں التحیات (تشہد)اس طرح آہستہ آہستہ پڑھے کہ امام کے سلام کے ساتھ ساتھ اس کا التحیات ختم ہو۔یا اشهد ان لا الٰہ الا اللہ مکرر سہ کرر پڑھتا رہے۔درمختار میں ہے۔واما المسبوق فیترسل لیفرغ عند سلام امامه وقیل یتم وقیل یکرر کلمة الشهادة (درمختار) قوله فیترسل) ای یتمهل وهذا ما صححه فی الخانیة وشرح المنیة فی بحث المسبوق من باب السهو باقی الا قوال مصحح ایضاً قال فی البحر وینبغی الا فتاء بما فی الخانیة کما لا یخفی ولعل وجهه کما فی النهر انه یقضی اخر صلاته فی حق التشهد ویاتی فیه بالصلوٰة و الدعاء وهذا لیس اخراً الخ (درمختار و الشامی ج ۱ ص ۴۷۷ فصل فی بیان تالیف الصلوٰة الخ) فقط و اللہ اعلم بالصواب.

رکوع میں جھکتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہی تو کیا حکم ہے :

(سوال ۱۸۰)مقتدی نے تکبیر تحریمہ بحالت قیام توقف کر کے نہیں کہی بلکہ جھکتے ہوئے اور رکوع میں جاتے ہوئے کہہ کر،امام کو رکوع میں پالیا تو یہ اقتدا صحیح ہوگی اور رکعت معتبر ہوگی یا نہیں؟

(۱) قوله وتنقضی قدوة بالاول ای بالسلام الا ول قال فی التجنیس الا مام اذا فرغ من صلاته فلما قال السلام جاء رجل واقتدیٰ به قبل ان یقول علیکم لا یصیر داخلا فی صلاته لان هذا سلام الا تری أنه لو اراد ان یسلم علی أحد فی صلاته ساهیا فقال السلام ثم علم فسکت تفسد صلاته شامی ۱۰ اجابات الصلاة ج ۱ ص ۴۳۶

(الجواب) صورت مسئولہ میں تکبیر بحالت قیام نہیں کہی بلکہ جھکتے ہوئے کہی ہے اس لئے نماز میں داخل نہ ہوا، جب نماز میں داخل ہونا صحیح نہ ہوا تو رکعت کیسے معتبر ہوگی بلکہ نماز ہی صحیح نہ ہوگی۔ چنانچہ مجالس ابرار میں ہے۔ ومحل التکبیر القیام المحض حتی لو ادرک الامام فی الرکوع وکبر حال الانحطاط لا یصیر داخلا فی الصلوٰۃ لان شرط الدخول فیھا وقوع التکبیر فی محض القیام ولو قال فی القیام اللہ وفی الرکوع اکبر لا یصیر داخلا.

ترجمہ:۔ اور تکبیر کا موقع قیام ہے (یعنی حالت قیام میں پوری تکبیر کہنا چاہئے) اسی بنا پر اگر امام کو رکوع میں پایا، جھکتے ہوئے تکبیر کہی تو نماز میں داخل نہ ہوگا۔ اس لئے کہ نماز میں داخل ہونے کی شرط تکبیر کا حالت قیام میں کہنا ہے لہذا اگر قیام میں ''اللہ'' کہا اور رکوع میں ''اکبر'' تو نماز میں داخل نہ ہوگا۔ (مجالس ابرار ص ۲۰۷ مجلس نمبر ۵۲ کبیری ص ۲۷۷) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

چار رکعت والی فرض نماز میں امام کے ساتھ ایک رکعت ملے تو چھوٹی ہوئی رکعتیں کس طرح ادا کرے:

(سوال ۱۸۱) تین رکعت پوری ہونے کے بعد ایک مقتدی امام کے پیچھے نماز میں شامل ہوا وہ مقتدی امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی چھوٹی ہوئی تین رکعتیں کس طرح ادا کرے گا؟ یعنی کس کس رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت ملائے گا؟ اور کون سی رکعت پر قعدہ کرے گا؟ مع حوالہ جواب عنایت کریں یہاں اس سلسلہ میں اختلاف ہو رہا ہے؟ بینوا توجروا (از جدہ)

(الجواب) اس صورت میں امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہو کر ثنا پڑھے پھر اعوذ اور بسم اللہ پڑھ کر سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھے اور رکوع وسجدہ کر کے قعدہ کرے دوسری رکعت میں بھی سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھے۔ مگر اس رکعت کے بعد قعدہ نہ کرے اور تیسری رکعت میں فقط سورۂ فاتحہ پڑھے اور پھر دستور کے موافق قعدۂ اخیرہ کر کے نماز پوری کرے۔ درمختار میں ہے۔ ویقضی اول صلوتہ فی حق قراءۃ واخرھا فی حق تشھد فمدرک رکعۃ من غیر فجر یاتی برکعتین بفاتحۃ وسورۃ وتشھد بینھما برابعۃ الرباعی بفاتحۃ فقط. (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۵۵۸ باب الامامۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب.

مغرب کی نماز میں دو رکعت چھوٹ گئیں تو بعد میں کس طرح ادا کرے:

(سوال ۱۸۲) مغرب کی نماز میں دو رکعت چھوٹ گئیں تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد کس طرح ادا کرے۔ مع حوالہ جواب عنایت کریں۔ یہاں اختلاف ہو رہا ہے۔ بینوا توجروا۔ (از جدہ)

(الجواب) صورت مسئولہ میں امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو اور پہلی رکعت میں ثناء، تعوذ، تسمیہ پڑھ کر سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھ کر رکوع وسجدہ کر کے قعدہ کرے پھر دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورت ملا کر نماز پوری کرے۔ یہ عام قاعدہ ہے۔ مگر حدیث ابن مسعودؓ کی وجہ سے بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر دو رکعت کر کے قعدہ کرے گا تب بھی اس

پر سجدۂ سہو یا نماز کا اعادہ لازم نہ ہوگا۔(مجمع الزوائد ج ا ص ۱۷۶) کبیری میں ہے لو ادرک مع الامام رکعۃ من المغرب فانہ یقرء فی الرکعتین الفاتحۃ والسورۃ ویقعد فی اولھما لانھا ثنائیۃ ولو لم یقعد جاز استحساناً لا قیاساً ولم یلزمہ سجود السھو (کبیری ص ۵۵۸) شامی میں ہے(قولہ وتشھد بینھما) قال فی شرح المنیۃ ولو لم یقعد جاز استحساناً لا قیاساً ولم یلزمہ سجود السھو لکون الرکعۃ اولیٰ من وجہ اھ (شامی ج ا ص ۵۵۸ باب الامامۃ) فقط و اللہ اعلم بالصواب.

فتاویٰ رحیمیہ کے ایک فتوی پر اشکال اور اس کا جواب:

(سوال ۱۸۳) فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد پنجم ص ۱۵۳ پر فتویٰ ہے کہ مسبوق نے تکبیر تحریمہ کہی اور امام نے سلام پھیرا یعنی قعدہ میں امام کے ساتھ شریک نہیں ہوا، کھڑا ہی ہے تو تکبیر تحریمہ دوبارہ کہے یا وہی کافی ہے؟

(الجواب)"امام کے سلام پھیرنے سے پہلے تکبیر تحریمہ کہہ دی ہے تو جماعت میں شامل ہونے والا شمار ہوگا تکبیر تحریمہ دہرانے کی ضرورت نہیں ہے"،اس جواب پر بعض مفتیان کرام کو اشکال ہے کہ جب اس شخص نے قعدہ میں شرکت نہیں کی تو اقتدا کیسے صحیح ہوگی؟ اس کا کیا جواب ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب مسبوق نے امام کے سلام سے پہلے اقتداء کی نیت سے تکبیر تحریمہ کہہ دی تو وہ حرمت صلوٰۃ میں داخل ہوگیا اور اقتدا صحیح ہوگئی، صحت اقتداء کے لئے اتنی شرکت کافی ہے، قعدہ میں شرکت شرط نہیں، البتہ اگر لفظ سلام کہنے کے بعد تکبیر تحریمہ کہی ہو تو اقتدا صحیح نہ ہوگی، شامی میں ہے۔(قولہ وتنتھی قدوۃ بالاول) ای بالسلام الاول قال فی التجنیس الامام اذا فرغ من صلوتہ فلما قال السلام جاء رجل واقتدیٰ بہ قبل ان یقول علیکم لا یصیر داخلاً فی صلاتہ لان ھذا سلام الخ(شامی ج ا ص ۴۳۶ واجبات الصلاۃ) اس سے معلوم ہوا کہ پہلی صورت میں اقتداء صحیح ہے صحت اقتداء کے لئے ادنیٰ مشارکت کافی ہے، صغیری میں ہے وفی الذخیرۃ قال وان سوی ظھرہ فی الرکوع یعنی حال کون الامام راکعاً صار مدرکاً تلک الرکعۃ قدر علی التسبیح اولم یقدر ای لا تشترط المشارکۃ قدر التسبیحۃ وھذا ھو الاصح لان الشرط المشارکۃ فی جزء من الرکن وان قل وادناہ ان ینتھی الی حد الرکوع قبل ان یخرج الامام عن حد الرکوع الخ (صغیری ص ۱۲۵، ص ۱۲۶)

اس کی تائید میں دو فتاویٰ پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ کا فتویٰ

(سوال) مقتدی بہ نیت اقتدا صرف تکبیر تحریمہ ہی کہنے پایا تھا کہ امام نے سلام پھیر دیا تو کیا مقتدی اس تحریمہ سے اپنی نماز پوری کرے یا بار دگر انفرادی نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرے۔

(الجواب) اگر سلام سے پہلے مقتدی نے تکبیر تحریمہ ختم کرلی تھی تو وہ نماز میں شریک ہوگیا اور اسی نماز کو پوری کرلے۔(کفایت المفتی ج ۳ ص ۹۸)

(۲) حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب سابق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

(سوال) زید نے تکبیر تحریمہ کہی اور امام نے سلام پھیر دیا اور زید نے امام کی شرکت قعود میں بالکل نہیں کی تو اب زید کو دوبارہ تکبیر تحریمہ کہنی چاہئے یا اول ہی تکبیر تحریمہ کافی ہے؟

(الجواب) پوری تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر امام کے سلام پھیرنے سے پہلے کہہ چکا ہے تو وہ شریک جماعت ہو گیا، اب اس کو دوبارہ تکبیر کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ قال فی الحلبة عند قول المنية ولا دخول فی الصلوٰة الا بتكبير الا فتتاح (شامی) (فتاوی دارالعلوم مدلل ومکمل جلد ثالث باب الجماعت ص ۲۹) فقط واللہ اعلم

فتاویٰ رحیمیہ ج۵ ص ۱۵۲ کے فتویٰ کی تائید میں مزید دو فتوے۔

(سوال ۱۸۴) فتاویٰ رحیمیہ اردو ص ۱۵۳ جلد پنجم پر جو فتویٰ ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے۔ مسبوق نے امام کے سلام پھیرنے سے پہلے تکبیر تحریمہ کہی اور بیٹھنے نہ پایا تھا کہ امام نے سلام پھیر دیا تو اس کی اقتداء صحیح ہو گئی اور وہ جماعت میں شامل ہو گیا، تکبیر تحریمہ دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، اس فتویٰ پر بعض اہل علم حضرت کو اشکال ہے، فتاویٰ رحیمیہ جلد پنجم ص ۱۵۵-۱۵۶ میں اس کا جواب دیتے ہوئے فتاویٰ رحیمیہ کی تائید میں مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندیؒ کا فتویٰ پیش کیا ہے، اس کے بعد مزید دو فتوے نظر سے گذرے وہ یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔ ان دونوں فتاویٰ سے بھی صراحۃً فتاویٰ رحیمیہ کے فتویٰ کی تائید ہوتی ہے۔ والحمد للہ علی ذلک۔

(الجواب) ان میں سے ایک فتویٰ امداد الاحکام میں ہے (امداد الاحکام یہ امداد الفتاویٰ کا تکملہ ہے، اس میں حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ عثمانی اور حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ کے فتاویٰ درج ہیں جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے زیر نگرانی لکھے گئے ہیں، مکتبہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۵ پاکستان ۱۴۰۰ھ میں شائع ہوا ہے)

ایک مسبوق کو دیکھ کر دوسرا مسبوق اپنی فوت شدہ رکعتیں یاد کرے تو کیا حکم ہے؟

(سوال ۱۸۵) دو آدمی ایک ساتھ جماعت میں شریک ہوئے، امام کے سلام کے بعد اپنی فوت شدہ رکعتیں پڑھتے میں ایک کو شک ہوا کہ کتنی رکعتیں فوت ہوئی ہیں؟ تو اس نے اپنے ساتھی کو دیکھ کر اس کے مانند اپنی نماز ختم کی تو نماز صحیح ہوئی یا دہرانی پڑے گی۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں نماز صحیح ہو گئی، دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، ہاں اگر اس نے ساتھی کی امام کی حیثیت سے اقتداء کی ہے تو نماز نہ ہوگی، نعم لونسی أحد المسبوقين فقضى ملاحظا للآخر بالا قتداء صح، درمختار مع شامی ج۱ ص ۵۵۸ باب الامامة فقط واللہ اعلم۔

حکم اقتداء مسبوق بوقت سلام امام:

(سوال ۱۸۶) اگر مسبوق نمازی جماعت میں ایسے وقت آکے ملے کہ وہ امام کے سلام پھیرنے سے پہلے صرف

نیت ہی باندھتے پایا یا قعدہ میں ملنے کے لئے کچھ تھوڑی ہی جھکا تھا مگر قعدہ نہ مل سکا اور امام نے سلام پھیر دیا، تو یہ فرمائیے کہ وہ مسبوق نمازی جماعت میں شامل ہوا یا نہیں؟ اگر جماعت میں شامل ہوا نہیں تو اسی نیت سے اپنی نماز فردا پوری کرے، یا پھر سے علیحدہ نماز کی نیت کرے؟

(الجواب) قال فی الدر لو کبر قائما فرکع ولم یقف صح لان ما اتی به الی ان یبلغ الرکوع یکفیه قنیة ص ۲۶۳ ج ۱ وفی الشرنبلالیة والثانی من شروط صحة التحریمة الاتیان بالتحریمة قائمة او منحنیاً قلیلاً قبل وجود انحنائه بما هو اقرب للرکوع قال فی البرهان لو ادرک الامام راکعا فحنی ظهره ثم کبر ان کان الی القیام اقرب صح الشروع ولو اراد به تکبیر الرکوع وتلغویته لان مدرک الامام فی الرکوع لا یحتاج الی تکبیر مرتین خلافاً لبعضهم وان کان الی الرکوع اقرب لا یصح التحریمة ا ہ (ص ۱۳۷) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے لئے بقدر اللہ اکبر قیام کافی ہے، زیادہ کی ضرورت اس وقت ہے جب کہ مصلی پر تحریمہ کے بعد قیام بھی فرض ہو، صرف صحت تحریمہ کے لئے ادراک رکوع وغیرہ میں قیام زائد علی قدر اللہ اکبر لازم نہیں، پس اگر سلام امام سے پہلے نیت صلوٰۃ کے بعد اللہ اکبر کہہ لے تو اقتداء صحیح ہوگئی، تو جھکنے بھی نہ پایا ہو، بیٹھنے بھی نہ پایا ہو اور اللہ اکبر کے بعد وقفہ بھی نہ ہوا ہو۔ واللہ اعلم ۲۲ صفر ۴۶ھ۔ (امداد الاحکام ص ۳۵۷، ج ۱ ص ۲۵۸)

دوسرا فتویٰ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم پاکستان کا ہے۔

مقتدی کے بیٹھنے سے پہلے امام نے سلام پھیر دیا:

(سوال ۱۸۷) ایک شخص تکبیر تحریمہ کہہ کر امام کے ساتھ شریک ہوا کہ امام قعدۂ اخیرہ میں ہے مقتدی بیٹھنے نہیں پایا کہ امام نے سلام پھیر لیا، کیا اس کی اقتداء صحیح ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) باسم ملہم بالصواب۔ اقتداء صحیح ہوگئی قال فی شرح التنویر وتنقضی قدوة بالاول قبل علیکم علی المشهور عندنا وعلیه الشافعیة (ردالمحتار ج ۱ ص ۴۳۶) فقط و الله اعلم بالصواب۔
۲ رجب ۸۴ ھ (احسن الفتاویٰ جدید ج ۳ ص ۲۷۰ باب الامامة والجماعة)

مسبوق کے لئے ثناء تعوذ اور تسمیہ کا حکم:

(سوال ۱۸۸) مسبوق جب اپنی چھوٹی ہوئی رکعتیں ادا کرنے کے لئے کھڑا ہو تو اسے ثناء تعوذ اور تسمیہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسبوق جب اپنی فوت شدہ رکعتیں ادا کرنے کے لئے کھڑا ہو تو اسے ثناء، تعوذ اور تسمیہ پڑھنا چاہئے، درمختار میں ہے (والمسبوق من سبقه الامام بها او ببعضها وهو منفرد) حتی یثنی ویتعوذ ویقرأ وان قرأ مع الامام لعدم الاعتداد بها لکراهتها مفتاح السعادة (قوله حتی یثنی) تفریع علی قوله منفرد فیما یقضیه بعد فراغ امامه فیأتی بالثناء والتعوذ لانه للقراءة ویقرأ لانه یقضی اول صلاته فی حق القراءة کما یأتی حتی لو ترک القراءة فسدت (درمختار و شامی باب الامامة ج ۱ ص ۵۵۷، ۵۵۸) فقط و الله اعلم بالصواب۔

صلوۃ المریض

بیمار آدمی فرض نماز بیٹھ کر کب پڑھ سکتا ہے؟:

(سوال ۱۸۹) آدمی بیمار رہتا ہے لیکن نماز کے لئے پیادہ چل کر آتا ہے اور بیٹھ کر نماز با جماعت ادا کرتا ہے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) فرض اور واجب نماز میں قیام فرض ہے۔ پوری رکعت کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا ہو تو تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہیں۔ سہارے کے بغیر کھڑے نہ ہوسکیں تو دیوار یا عصا کا سہارا بھی لے لیں۔ اپنے خادم کا سہارا لے سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر ایک آیت ہی کسی طرح کھڑے ہو کر پڑھ سکتے ہیں تو اتنی مقدار ضرور کھڑے ہوں۔ اتنی بھی طاقت نہ ہو یا خطرہ ہو کہ مرض میں شدت ہو جائے گی۔ تو بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہوگی۔ اسی طرح بیٹھنے کے متعلق بھی ہے۔ تکیہ لگا کر یا کسی صورت سے بھی بیٹھ سکتے ہے تو لیٹ کر نماز نہیں ہوگی۔ جب بیٹھ کر پڑھنے کی کوئی صورت نہ رہے تب لیٹ کر پڑھ سکتے ہیں۔ فرض، واجب اور صبح کی سنتوں کا بھی یہی حکم ہے۔ البتہ نفل بلا عذر بھی بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں لیکن نصف اجر ملے گا۔ **قال في الدر وان قدر علىٰ بعض القيام (و لو متكا على عصا او حائطاً)(قام) لزوما بقدر ما يقدرولو قدر آية او تكبير ة على المذهب لان البعض معتبر بالكل (درمختار)(وقوله على المذهب)في شرح الحلوان نقلاً من الهند وانى لو قدر على بعض القيام دون تمامه او كان يقدر على القيام بعض القراء ة دون تمام يو مر بان يكبر قائماً ويقرٔ ما قدر عليه ثم يقعد ان عجز وهم المذهب الصحيح لايروىٰ خلافه عن اصحابنا ولو ترك هذا خفت ان لا تجوز صلاته . وفى شرح القاضي فان عجز عن القيام مستوياً فلم يقوم متكئاً لا يجزيه الا ذلك وكذا لو عجز عن القعود مستوياً قالوا يقعد متكا لا يجزيه الا ذلك فقال عن شرح التمر تاشي ونحوه فى العناية بزيادة وكذلك لو قد ران يعتمد على عصا ا ركان له خادم لو اتكأ عليه قدر على القيام ا ه .(درمختار مع الشامى ص ٧١٠ ج ا باب صلوٰة المريض)فقط و الله اعلم بالصواب .وفيه ايضاً.....قوله اى الفريضه اراد بها ما يشتمل الواجب كالوترو ما فى حكمه كسنة الفجر (ردالمختار باب صلوٰة المريض)**

بیمار شخص نماز میں کھڑا نہیں رہ سکتا الگ نماز پڑھے تو کس صورت میں قیام کر سکتا ہے؟ اس کے لئے کیا حکم ہے:

(سوال ۱۹۰) بیمار گھر میں کھڑا کھڑا نماز پڑھ سکتا ہے لیکن مسجد میں نماز با جماعت کے لئے جائے تو کھڑے رہنے کی طاقت نہیں رہتی بیٹھ کر پڑھنی پڑتی ہے تو وہ کیا کرے؟ گھر میں کھڑے کھڑے پڑھے یا مسجد میں جا کر نماز با جماعت بیٹھ کر پڑھے؟

(الجواب) اس کے لئے ضروری ہے کہ گھر میں کھڑا ہوکر نماز پڑھے قیام فرض ہے۔ جماعت کے لئے فرض ترک کرنے کی اجازت نہیں۔ گھر میں گھر والوں کے ساتھ جماعت کا انتظام ہو جائے تو بہتر ہے۔[1] فقط واللہ اعلم۔

مریض کے لئے تکیہ اونچا کیا گیا اور اس نے اس پر سجدہ کیا تو کیا حکم ہے:

(سوال ۱۹۱) مریض اشارے سے رکوع سجود کرتا ہے اگر اس کے لئے تکیہ رکھ دیا جائے اور اس پر وہ سجدہ کرے تو نماز ہوگی یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ تکیہ پر سجدہ کرنے سے نماز نہیں ہوتی کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اشارہ سے جتنا جھک سکتا ہوا تنا سر جھکانا ضروری ہے اگر اسی مقدار پر تکیہ ہو تو نماز درست ہو جائے گی اور اگر تکیہ اس سے اونچا ہے تو جھکنا پورا نہیں پایا گیا تکیہ مخل اور مانع ہوا تو نماز درست نہ ہوگی وان لم يستطع الركوع والسجود يومى براسه قاعداً ويجعل سجوده اخفض من ركوعه ليتحقق الفرق بينهما ولا يرفع اليه شيئى يسجد عليه ان كان خفض رأسه يصح ويكون صلاته بالايماء والا فلا . (مجالس الابرار م ۵۲ ص ۳۰۸) فقط و الله اعلم بالصواب .

مریض اور مریضہ کی نماز بحالت نجاست:

(سوال ۱۹۲) بیمار جو بستر پر ہو چلنے پھرنے سے معذور ہو اس کا جسم اور کپڑے پاک نہ رہتے ہوں، کیا وہ ایسی ناپاکی کے ساتھ بستر پر نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ ہر نماز کے لئے پاکی حاصل کرنا مشکل ہے، اس میں کوئی گنجائش ہو تو تحریر فرمائیں؟ نیز کبھی ایسا ہوتا ہے کہ استنجاء نہ خود کرنے کی طاقت ہوتی ہے اور نہ کوئی استنجاء کرانے والا ہوتا ہے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔ (از حیدرآباد)

(الجواب) جسم اور کپڑے اور بستر پاک کرنے کی صورت نہ ہو تو ایسی بیماری کی حالت میں بھی نماز ادا کرے چھوڑے نہیں، انشاء اللہ ادا ہو جائے گی، اسی طرح اگر ایسا شخص جس کے لئے ستر دیکھنا جائز ہو موجود نہیں ہے اور خود استنجاء کرنے سے بالکل عاجز ہے تو ایسے وقت استنجاء ساقط ہو جاتا ہے، اسی حالت میں نماز پڑھے، نماز قضاء نہ کرے۔

درمختار میں ہے مريض تحته ثياب نجسة و كلما بسط شيئاً تنجس من ساعته صلى على حاله و كذا لو لم يتنجس الا ان يلحقه مشقة بتحريكه (درمختار ج ۱ ص ۵۱۷ باب صلوٰة المريض) دوسری جگہ ہے و كذا مريض لا يبسط ثوبا الا تنجس فوراً له تركه (درمختار) شامی میں ہے (وقوله و كذا مريض الخ) فى الخلاصة مريض مجروح تحته ثياب نجسة ان كان بحال لايبسط تحته شيئى الا تنجس من ساعته له ان يصلى على حاله و كذا لو لم يتنجس الثانى الا ان يز داد مرضه له ان يصلى فيه (در مختار مع الشامى ج ۱ ص ۲۸۳ كتاب الطهارت مطلب فى احكام المعذور)

(۱) ولو اضعفه عن القيام الخروج للجماعة صلى فى بيته قائما به يفتى خلافاً للاشباه قال فى الشامية تحت قوله به يفتى وجهه ان القيام فرض بخلاف الجماعة وبه قال مالك والشافعى خلافا لا حمد بناء على ان الجماعة فرض عنده الخ درمختار مع الشامى باب صفة الصلاة ج ۱ ص ۳۱۵.

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے (فرع) فی الخانیة مریض عجز عن الا ستنجاء ولم یکن له من یحل له جماعه' سقط عنه الا ستنجاء لا نه لا یحل مس فرجه الا لذلک و اللہ اعلم (طحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی الا ستنجآء ص ۲۷)

بہشتی زیور میں ہے۔ مسئلہ نمبر۱۳۔ فالج گرا اور اسی بیماری ہوگئی کہ پانی سے استنجا نہیں کر سکتی تو کپڑے یا ڈھیلے سے پونچھ ڈالا کرے۔ اور اسی طرح نماز پڑھے، اگر خود تیمم نہ کر سکے تو کوئی دوسرا تیمم کرا دے، اور اگر ڈھیلے یا کپڑے سے پونچھنے کی بھی طاقت نہیں تو بھی نماز قضاء نہ کرے اسی طرح نماز پڑھے، کسی اور کو اس کے بدن کا دیکھنا اور پونچھنا درست نہیں، نہ ماں نہ باپ نہ لڑکا نہ لڑکی، البتہ بیوی کو اپنے میاں اور میاں کو اپنی بیوی کا بدن دیکھنا درست ہے، اس کے سوا کسی اور کو درست نہیں۔ (بہشتی زیور ص ۵۴ ص ۵۵ حصہ دوسرا، بیمار کی نماز کا بیان) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سجدہ کرنے میں قطرہ آتا ہو تو نماز کس طرح پڑھے:

(سوال ۱۹۳) ایک عورت کی عمر ساٹھ برس ہے اسے قطرہ کا عارضہ ہے جب وہ نماز میں سجدہ میں ہوتی ہے تو دو تین قطرے پیشاب ہو جاتا ہے اور اگر بیٹھ کر پڑھتی ہے تو قطرہ نہیں آتا ہے تو وہ کس طرح نماز پڑھے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں قیام اور رکوع میں قطرہ نہ آتا ہو تو کھڑے ہو کر نماز شروع کرے اور رکوع بھی کرے اور سجدہ کھڑے کھڑے اشارہ سے کرے (شامی ص ۱۰۷ ج ۱)[1] یا بیٹھ جائے اور اشارہ سے سجدہ کرے، اور یہ بھی جائز ہے کہ بیٹھ کر پوری نماز اشارہ سے ادا کرے، اور فقہاء نے اس کو (بیٹھ کر اشارہ کر کے نماز پڑھنے کو کھڑے ہو کر پڑھنے کی بہ نسبت) افضل کہا ہے، سجدہ کا اشارہ رکوع کی بہ نسبت زیادہ جھکا ہوا ہو ملتقی الابحر میں ہے (وان قدر علی القیام وعجز عن الرکوع والسجود) اوعن السجود فقط (یؤمی قاعداً وھو افضل من الا یماء قائماً) لا ن القعود اقرب الی السجود وھو المقصود (ملتقی الا بحر) مجمع الا نھر میں ہے (قولہ وان قدر علی القیام وعجز عن الرکوع والسجود یؤمی قاعداً) لان رکنیة القیام لکونه وسیلة الی السجود الذی ھو نھایة التعظیم فسقط الوسیلة لسقوط الا صل (وھو) ای الا یماء قاعدا (افضل من الایماء قائماً) لکون رأسه فیه اقرب الی الارض قال شیخ الا سلام یؤمی للرکوع قائماً والسجود قاعداً وقال زفرو الشافعی یصلی قائما بالا یماء کذا فی التبیین (مجمع الا نھر شرح ملتقی الا بحر ص ۱۵۴، ص ۱۵۵، باب صلوٰۃ المریض)

مراقی الفلاح میں ہے (وان تعذر الرکوع والسجود) وقدر علی القعود لو مستنداً (صلی قاعداً بالا یماء) للرکوع والسجود برأسه ولایجزیه مضطجعا (وجعل ایماءه لا) براسه (للسجود اخفض من ایماءه) براسه (للرکوع) وکذا لو عجز عن السجود وقدر علی الرکوع یؤمی بھما لان النبی صلی اللہ علیه وسلم عاد مریضاً فرأه یصلی علی وسادة فاخذھا فرمی بھا

---

[1] وفی الذخیرة رجل بحلقه خراج ان سجد سال وھو قادر علی الرکوع والقیام والقرأة یصلی قاعداً یؤمی ولو صلی قائما برکوع وقعد او ما بالسجود واجزأه والا ول لم یشرعا قربة بنفسھا بل لیکونا وسیلتین الی السجود، باب صلاة المریض)

فاخذ عوداً ليصلى عليه فرمى به و قال صلى على الارض ان استطعت والا فاوم ايماء ً واجعل سجودک اخفض من رکوعک.

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے (قوله صلى قاعداً بالايماء) او قائما به والاول افضل لانه اشبه بالسجود لكونه اقرب الى الارض وهو المقصود كذا فى التبيين وفى البحر ظاهر المذهب جواز الا يماء قائما او قاعدا كما لا يخفى اه قال الحلبى لو قيل ان الا يماء قائما هو الا فضل خروجاً من الخلاف يعنى خلاف من يشترط القيام عند القدرة عليه لكان موجها (قوله وكذا لو عجز عن السجود الخ) قال فى الفتح رجل بحلقه جراح لا يقدر على السجود ويقدر على غيره من الا فعال يصلى قاعدا بالا يماء ولو قام وقرأ وركع ثم قعدو أو ما للسجود جاز والاول اولىٰ (طحطاوى على مراقى الفلاح ص ۲۳۵ باب صلاة المريض)

درمختار میں ہے :۔(ومنها القيام)..... (فى فرض)..... (لقادرعليه) وعلى السجود فلو قدر عليه دون السجود ندب ايماء ه قاعداً وكذا من يسيل جرحه لو سجد وقديتحتم القعود كمن يسيل جرحه اذا قام او يسلس بوله　　الخ (درمختار) شامی میں ہے (قوله فلو قدر عليه) اى على القيام وحده او مع الركوع كما فى المنية (قوله ندب ايماء ه قاعداً) اى لقربه من السجود وجاز ايماءه قائماً كما فى البحر　　الخ (قوله وكذا) اى يندب ايماء ه قاعداً مع جواز ايمائه قائما لعجزه عن السجود حكماً لا نه لو سجد لزمه فوات الطهارة بلا خلف واو مأ كان الا يماء خلفاً عن السجود (درمختار و شامى ص ۴۱۴،ص ۴۱۵ ج ۱، باب صفة الصلوة) غایۃ الاوطار میں ہے لقادرعلیہ وعلی السجو دقیام فرض ہے اس شخص پر جوقادر ہو قیام پر اور سجدہ پر فلو قدر عليه دون السجود ندب ايماء ه قائماً پھر اگر صرف قیام پر قادر ہو نہ سجدہ پر تو مستحب ہے اشارہ سے پڑھنا بیٹھ کر اس لئے کہ قیام ذریعہ ہے سجدہ کا جب اصل پر قدرت نہیں تو ذریعہ کو بھی ترک کرے طحطاوی نے کہا کہ اس مسئلہ میں اشارہ سے کھڑے ہو کر پڑھنا بھی جائز ہے وكذا من يسيل جرحه لو سجد اوراسی طرح اشارہ سے بیٹھ کر پڑھنا مستحب ہے اس شخص کو کہ اگر سجدہ کرے تو اس کا زخم بہنے لگے کیونکہ یہ شخص بھی گویا سجدہ سے عاجز ہے اس لئے کہ سجدہ کرنے سے وضو ٹوٹتا ہے تو جب سجدہ ساقط ہوا تو قیام بھی ساقط ہوا۔ کذا فی الحلبی (غایۃ الاوطار ص ۲۰۶ ج ۱ ص ۲۰۷)

درمختار میں ایک اور مقام پر ہے (وان تعذرا) ليس تعذرهما بل تعذر السجود كاف (لا القيام اومأ قاعداً) وهو افضل من الا يماء قائماً لقربه من الارض (ويجعل سجوده اخفض من ركوعه) لزوماً (درمختار) شامی میں ہے (قوله او ما قاعداً) لان ركنية القيام للتوصل الى السجود فلا يجب دونه وهذا اولىٰ من قول بعضهم صلى قاعدا اذا يفترض عليه ان يقوم للقرأ ة فاذا جآء اوان الركوع والسجود اومأ قاعداً كذا فى النهر اقول التعبير يصلى قاعداً هو ما فى الهداية والقدورى وغيرهما واما ما ذكره من افتراض القيام فلم اره لغيره فيما عندى من كتب المذهب بل كلهم متفقون على التعليل بان القيام سقط لانه وسيلة الى السجود بل صرح فى الحلية بان هذه

المسئلة من المسائل التي سقط فيه وجوب القيام مع انتفاء العجز الحقيقي والحكمي اه ويلزم على ما قاله انه لو عجز عن السجود فقط ان يركع قائماً وهو خلاف المنصوص كما علمته آنفا نعم ذكر القهستاني عن الزاهدي انه يومي للركوع قائما وللسجود جالساً ولو عكس لم يجز على الا صح اه وجزم به الولوالجي لكن ذكر ذلك في النهر وقال الا ان المذهب الا طلاق اه اي يؤمي قاعدا او قائما فيهما فالظاهر ان ما ذكره هنا سهو فتنبه له (درمختار وشامي ص ۱۰۱ ج ۱، باب صلوة المريض)

غایۃ الاوطار میں ہے وان تعذرا ويجعل سجوده اخفض من ركوعه اگر رکوع اور سجدہ دونوں نہ ہوسکیں تو اشارہ کرے بیٹھ کر اور بیٹھ کر اشارہ سے پڑھنا افضل ہے کھڑے ہوکر اشارہ کرنے سے بسبب قریب ہونے بیٹھے ہوئے کے اشارہ کے زمین سے یعنی مشابہت سجدہ کی اس صورت میں زیادہ ہے اور کرے اپنے سجدہ کو زیادہ پست بہ نسبت رکوع کے بطور لزوم کے یعنی بدون اس کے سجدہ جائز نہ ہوگا۔ شارح نے کہا کہ رکوع اور سجدہ دونوں کا متعذر ہونا شرط نہیں بلکہ سجدہ کا نہ ہوسکنا اشارہ کے لئے کافی ہے نہ قیام کا متعذر ہونا۔ الخ (غاية الا وطار ص ۳۴۲ ج ۱)

فقط و اللہ اعلم بالصواب.

آنکھ کے آپریشن کے بعد نماز پڑھنے کا طریقہ:

(سوال ۱۹۴) میری آنکھ کا آپریشن ہوا ہے، رکوع وسجدہ کے لئے گردن جھکاتا ہوں تو آنکھوں میں ناقابل برداشت تکلیف ہوتی ہے اور درد ہوتا ہے آنکھ سرخ ہو جاتی ہے، ایسی حالت میں رکوع وسجدہ کا میرے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں اگر واقعی رکوع وسجدہ کرنے پر آنکھوں میں ناقابل برداشت تکلیف ہوتی ہو یا آنکھوں کو نقصان ہوتا ہو تو ایسی صورت میں بیٹھ کر نماز ادا کر سکتے ہیں، رکوع اور سجدہ سر کے اشارے سے کریں، سجدہ کا اشارہ رکوع کی بہ نسبت زیادہ جھکا ہوا ہونا چاہئے۔ مراقی الفلاح میں ہے وان تعسر كل القيام بوجود الم شديد صلى قاعدا بركوع وسجود (قوله بوجود الم شديد) كدوران رأس ووجع ضرس او شقيقة او رمد كما في القهستاني (طحطاوي على مراقي الفلاح) اس کے بعد فرماتے ہیں (وان تعذر الركوع والسجود) وقدر على الركوع ولو مستنداً (صلى قاعداً بالا يماء) للركوع والسجود براء سه ولا يجزيه مضطجعا (وجعل ايماء ه) برأسه (للسجود اخفض من ايمائه) برائسه (للركوع) (مراقي الفلاح مع طحطاوي ص ۲۳۵ باب صلوٰة المريض). فقط و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

مؤذن کا معذوری کی وجہ سے اپنے لئے مصلی بچھانے پر اصرار کرنا:

(سوال ۱۹۵) ہمارے مؤذن صاحب کو پاؤں میں کچھ تکلیف ہے جس کی وجہ سے وہ قعدہ میں داہنا پاؤں بچھا کر نہیں بیٹھ سکتے، وہ پیر پھیلا کر اس طرح بیٹھتے ہیں کہ کافی جگہ رک جاتی ہے اور دوسرے مصلیوں کو تکلیف ہوتی ہے، اس وجہ سے وہ امام صاحب کے پیچھے علیحدہ مصلی بچھانا چاہتے ہیں تاکہ لوگ مصلی کی پوری جگہ ان کے لئے چھوڑ دیں مگر اس

صورت میں صف کے درمیان خلاء رہتا ہے، صفوں میں اتصال نہیں ہوتا تو مؤذن صاحب کے لئے علیحدہ مصلی بچھانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) احادیث میں صفیں سیدھی اور درست کرنے کی بہت ہی تاکید آئی ہے، ایک حدیث میں ہے۔

عن انس رضی اللّٰہ عنه قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم رصوا صفوفکم وقار بوا بینها و حاذوا بالا عناق فوا لذی نفسی بیده انی لا ری الشیطان یدخل من خلل الصف کانها الحذف رواه ابو دائود. (مشکوٰۃ شریف ص ۹۸ باب تسویة الصفوف)

ترجمہ:۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنی صفوں کو درست کرو اور قریب قریب ہو کر کھڑے رہو اور کندھا کندھے کے برابر (محاذ میں) رکھو (یعنی کوئی بلند جگہ پر کھڑا نہ رہے بلکہ برابر جگہ پر کھڑے رہو تا کہ کندھے برابر رہیں) **بان لا یقف احدکم فی کان ارفع من مکان آخر ولا عبرة بالاعناق انفسها اذلیس علی الطویل ان یجعل عنقه محاذیاً لعنق القصیر (التعلیق الصبیح ۲/۴۵)**

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ بکری کے بچہ کی طرح صفوں کے درمیان خالی جگہوں میں گھس جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

(۲) عن ابی مسعود الا نصاری رضی اللّٰہ عنه قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یمسح منا کبنا فی الصلوٰة ویقول استوا ولا تختلفوا فتختلف قلو بکم. الی. قال ابو مسعود فانتم الیوم اشد اختلافاً رواه مسلم. (مشکوٰۃ شریف ص ۹۸ باب تسویة الصفوف)

(۲) حضرت ابو مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جماعت کھڑی ہونے کے وقت ہمارے کندھوں پر ہاتھ پھیرتے تھے اور فرماتے تھے'' سیدھے کھڑے رہو ورنہ تمہارے دل باہم مختلف ہو جائیں گے (اور اس کی وجہ سے آپس میں اختلاف پیدا ہوگا)۔ الی قولہ۔ راوی حدیث فرماتے ہیں'' آج (اسی وجہ سے) تمہارے آپس میں شدید اختلاف ہے۔

(۳) عن النعمان بن بشیر رضی اللّٰہ عنه قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یسوی صفوفنا...... ثم خرج یوماً حتی کا دان یکبر فرأی رجلاً بادیاً صدره من الصف فقال عباد اللّٰہ لتسون صفوفکم او لیخا لفن اللّٰہ بین وجو هکم رواه مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۹۸ ایضاً)

(۳) حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو درست فرمایا کرتے تھے..... ایک دن آپ ﷺ تشریف لائے (اور) قریب تھا کہ آپ تکبیر کہیں کہ ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صف سے اپنا سینہ باہر نکالے ہوئے ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا'' اللہ کے بندو! تم اپنی صفوں کو سیدھی رکھا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو ایک دوسرے کے مخالف کر دے گا (یعنی تم میں پھوٹ پڑ جائے گی)

(۴) عن انس رضی اللّٰہ عنه قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم سووا صفو فکم فان تسویة الصفوف من اقامة الصلوٰة متفق علیه. (بخاری شریف، مسلم شریف) (ایضاً مشکوٰۃ شریف ص ۹۸)

(۴) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لوگو! نماز میں صفوں کو درست کیا کرو۔ کیونکہ صفوں کا سیدھا اور درست رکھنا ''اقامت صلوٰۃ'' میں سے ہے۔ (یعنی اچھی طرح نماز ادا کرنے کا ایک جزء ہے)

ان کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں، مذکورہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ صفیں بالکل سیدھی ہونا ضروری ہے۔ نمازی آگے پیچھے نہ ہوں، درمیان میں جگہ خالی نہ رہے۔

صورت مسئولہ میں مؤذن صاحب اگر حقیقت میں معذور ہوں، ان کے پیروں میں ایسی تکلیف ہو کہ جس کی وجہ سے وہ دوسرے مقتدیوں کی طرح مسنون طریقہ کے مطابق نہ بیٹھ سکتے ہوں، پیر پھیلا کر بیٹھنے کی وجہ سے درمیان میں جگہ خالی رہتی ہو تو ایسی صورت میں مؤذن صاحب صف کے ایک کنارے پر یا آخری صف میں کھڑے رہیں وہاں کھڑے رہنے سے بھی انشاء اللہ ان کو صف اول کا ثواب ملے گا، شامی میں ہے (تنبیہ) قال فی المعراج الافضل ان یقف فی الصف الآخر اذا خاف ایذاء احد قال علیہ الصلوٰۃ والسلام من ترک الصف الاول مخافۃ ان یؤذی مسلما اضعف لہ اجر الصف الاول وبہ اخذ ابو حنیفۃ (شامی ص ۵۳۲ ج ۱، باب الامامۃ)

اس صورت میں مؤذن صاحب اقامت کے لئے کسی دوسرے شخص کو اجازت دے دیں یا جس جگہ مؤذن صاحب کھڑے ہوں اس جگہ سے بھی مذکورہ مجبوری کی وجہ سے اقامت کہہ سکتے ہیں، یا امام صاحب خود اقامت کہہ کر اپنے مصلی پر جا کر نماز پڑھائیں، موذن صاحب کے لئے مستقلاً مصلیٰ بچھانے کی وجہ سے اگر درمیان میں جگہ خالی رہتی ہو صفوں میں اتصال نہ رہتا ہو تو کراہت سے خالی نہ ہوگا اور احادیث میں صفیں درست کرنے کی جو تاکید آئی ہے اس پر عمل کرنے کے لئے رکاوٹ بنے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رکوع وسجدہ کرنے سے ریح خارج ہو جاتی ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے:

(سوال ۱۹۶) مجھے سخت ریاحی تکلیف ہے نماز میں جب رکوع اور سجدہ میں جانا ہوتا ہے اور پیٹ پر دباؤ پڑتا ہے تو پیٹ پر دباؤ کی وجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، میں نماز کس طرح ادا کروں اس کی بڑی فکر رہتی ہے، احقر کی رہنمائی فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) پیٹ پر دباؤ آنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو آپ اس طرح نماز ادا کریں کہ پیٹ پر دباؤ نہ آئے اور وضو کی حفاظت ہو سکے، اگر رکوع اور سجدہ کرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہو تو آپ بیٹھ کر رکوع وسجدہ کا اشارہ کر کے نماز ادا کریں سجدہ کا اشارہ رکوع کی بہ نسبت زیادہ جھکا ہوا ہو۔

درمختار میں ہے (ومنھا القیام) ... (فی فرض) ... (لقادر علیہ) و علی السجود فلو قدر علیہ دون السجود ندب ایماؤہ قاعداً و کذا من یسیل جرحہ لو سجد وقد یتحتم القعود کمن یسیل جرحہ اذا قام او یسلس بولہ ... الخ (درمختار مع ردالمحتار ج ۱ ص ۴۱۵، باب صفۃ الصلوٰۃ)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے قال فی الفتح رجل بحلقہ جراح لا یقدر علی السجود

ویقدر علی غیرہ من الا فعال یصلی قاعداً بالا یماء ولو قام وقرأ ورکع ثم قعدواوما للسجود جازو الا ول اولیٰ (ص ۲۳۵ باب صلوٰۃ المریض)فقط و اللہ اعلم .

بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کا بوقت رکوع زیادہ جھکنا:

(سوال ۱۹۷)اگر بیٹھ کر نفل نماز پڑھتے ہوئے رکوع میں اتنا جھک جائے کہ سجدہ کے قریب ہو جائے تو رکوع صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور نماز کیسی ہوگی! میرے رکوع میں زیادہ جھکنے کی وجہ سے ایک شخص کو اعتراض ہے۔

(الجواب)حامداً ومصلیاً ومسلماً بیٹھ کر نماز پڑھنے والا شخص رکوع اس طریقہ سے کرے کہ پیشانی اس کے دونوں زانوؤں کے مقابل آ جائے۔ ولو کان یصلی قاعدا ینبغی ان یحاذی جبهته قدام رکبته لیصل الرکوع اھ (شامی ج ۱ ص ۴۱۶ باب صفة الصلاة)

اگر اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ جھکا جائے تب بھی رکوع صحیح اور نماز درست ہو جائے گی مگر قانون رکوع وہی ہے جو مذکور ہوا، شامی میں ہے قلت ولعله محمول علی تمام الرکوع والا فقد علمت حصوله باصول طأ طأ ۃ الرأ س ای مع انحناء الظهر (ایضاً)فقط و اللہ اعلم بالصواب ۹۰ محرم الحرام ۱۳۸۰ھ۔

باب ما یتعلق بالسفر و المسافر

امام اور مقتدی مسافر یا مقیم:

(سوال ۱۹۸) اگر مسافر نے مقیم کی اقتدا میں قصر ہی پڑھی تو مسافر کی نماز ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) مسافر مقیم امام کی اقتداء کرے تو پوری پڑھے قصر کرے گا تو نماز نہیں ہوگی۔ (۱)

(سوال ۱۹۹) اگر امام مسافر تھا اور مقتدی مقیم تھا امام نے قصر کیا پھر مقتدی اپنی نماز پوری کرنے کھڑے ہوئے تو باقی رکعت میں فاتحہ وسورۃ پڑھنا ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) مقیم شخص مسافر امام کے سلام کے بعد اپنی باقی رکعتوں میں نہ سورۃ پڑھے نہ فاتحہ۔ (۲)

سفر میں سنت مؤکدہ کا حکم

(سوال ۲۰۰) فرض نماز کے علاوہ سنت موکدہ اور غیر موکدہ ونوافل میں قصر ہے یا نہیں؟ تشریح فرمائیں۔

(الجواب) سنن ونوافل میں قصر کا حکم نہیں ہے۔ (۳)

(سوال ۲۰۱) سفر میں سنتوں کا کیا حکم ہے؟ پڑھے یا چھوڑ دے؟

(الجواب) سنتوں کے لئے قصر کا حکم نہیں ہے۔ اتنی سہولت ہے کہ جاری سفر میں جب کہ اطمینان نہیں ہوتا ساتھیوں کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔ اس وقت سنت چھوڑ دے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اور منزل پر جب کہ اطمینان ہوتا ہے ترک نہ کرنا چاہئے **الفعل افضل حالة النزول و الترک حالة السیر (کبیری ص ۵۰۶ فصل فی صلوٰة المسافر)**

(سوال ۲۰۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید حج بیت اللہ کا ارادہ رکھتا ہے اور اپنے گھر سے یہی نیت کرے کہ مکہ شریف میں دو ماہ قیام کروں گا تو اس صورت میں زید کو راستہ میں نماز قصر کرنی ہوگی یا پوری؟

(الجواب) جو شخص مسیرة ثلاثہ ایام (تقریباً ۴۸ میل) کے قصد سے نکلے وہ شرعی مسافر ہے اسے راہ میں قصر لازم ہے جب تک کسی ایک جگہ پندرہ روز قیام کی نیت سے ٹھیر نہ جائے قصر کرتا رہے لہذا دو ماہ مکہ معظمہ میں قیام کی نیت سے جانے والا ہندوستانی حاجی بھی راستہ میں قصر ہی کرے گا فقط۔ (۴) **و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.**

نماز قصر کرنے کے لئے کتنی مسافرت شرط ہے:

(سوال ۲۰۳) میں اپنے والد صاحب کے ساتھ بانسوٹ میں مقیم رہا۔ ملازمت کی مدت میں جمبوسر ڈیڑھ برس بھی

---

(۱) وفی شرح الطحاوی ، ولوان المسافر سلم علی رأس الرکعتین بعد ما اقتدیٰ بالا مام او افسد علی نفسه صلاته بالکلام أو غیر ذلک لا یجب علیه قضآء الرکعتین الخ فتاوی تاتار خانیة فی صلاة السفر.

(۲) وان صلی المسافر بالمقمین رکعتین مسلم واتم المقیمون صلاتهم کذا فی الهدایة. صارو امنفردین کالمسبوق الا انهم لا یقرؤن فی الأ صح هکذا فی التبیین. فتاویٰ هندیه صلاة المسافر ج ۱ ص ۱۴۲.

(۳) ولا قصر فی السنن کذا فی المحیط ، ایضا.

(۴) من خرج من عمارة موضع اقامة قاصدا مسیرة ثلاثة ایام ولیا لیها ..... بالسیر الوسط مع الا ستراحات المعتادة صلی الرباعی رکعتین وجوبا درمختار [illegible] المحتار صلاة المسافر ص ۷۳۲،۷۳۵

ٹھیرتا ہوں۔ جمبوسر سے بانسوٹ تقریباً اڑتالیس میل دور ہے تو اثنائے راہ میں قصر ہے یا نہیں؟

(الجواب) جب بانسوٹ سے جمبوسر اڑتالیس میل پر واقع ہے تو جب جمبوسر کے قصد سے نکلے تو بانسوٹ کی فناء (آبادی) چھوڑنے کے بعد مسافر ہو جائے گا اور قصر لازم ہو جائے گا۔ حوالہ بالا۔

(سوال ۱۷۴) دریافت ہے کہ چھ سات دن قیام کرتا ہوں پھر چلا جاتا ہوں تو بانسوٹ میں قصر کروں یا نہ کروں کل بانسوٹ سے چھ سات میل پر واقع ایک گاؤں گیا تھا وہاں میں نے قصر کیا اور امامت کرائی تو نماز صحیح ہوگئی یا اعادہ ضروری ہے؟

(الجواب) جب بانسوٹ وطن اصلی ہے تو قصر کا حکم نہیں [1] اور بانسوٹ سے چھ سات میل کی مسافت سے بھی قصر صحیح نہیں ہے۔ کرے گا تو گنہگار ہوگا اور قصر پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ ضروری ہوگا۔ چار رکعت والی نماز کی امامت کی ہو تو اعادہ واجب ہے مقتدیوں پر نماز کا اعادہ ہے۔ مسئلہ جانے بغیر امامت کرنا غلط ہے۔ امامت کی بڑی ذمہ داری ہے۔ غلطی کی خدا سے معافی طلب کرے۔ خدائے پاک معاف فرمانے والے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نیت اقامت کی صحت کے لئے ایک ہی جگہ کی تعیین شرط ہے:

(سوال ۲۰۴) ایک مولوی دوست مدینہ سے تیسری ذی الحجہ کو مکہ تشریف لائے۔ وہ بیسویں ذی الحجہ کو اسٹیمر سے وطن آنے والے تھے اس بنا پر یہاں سولہ سترہ دن قیام کرنے والے تھے اس لئے نماز پوری پڑھتے تھے۔ منیٰ عرفات اور مزدلفہ میں بھی امام بن کر نماز پوری پڑھائی۔ لیکن ایک مولوی صاحب سے گفتگو کر کے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب مقیم نہیں ہو سکتے۔ وجہ دریافت کی تو جواب دیا کہ میں نے ایک اردو کی کتاب میں دیکھا ہے لیکن وجہ نہ بتا سکے۔ جب پندرہ دن سے زیادہ کی نیت کی ہے تو اتمام نہ کرے کیا وجہ ہے؟ قصر کیوں کرے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں مولوی صاحب مسافر ہیں مقیم نہیں ہیں کہ مقیم ہونے کے لئے ایک ہی جگہ پندرہ دن کی اقامت کی نیت ضروری ہے اس صورت میں کہ منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں پانچ سات دن رہنا ہوگا یہ مقامات مکہ معظمہ سے اتنے فاصلہ پر ہیں کہ ایک جگہ کی اذان دوسری جگہ نہیں سنی جاتی لہذا ان کو الگ الگ مقام مانا جاتا ہے۔ یہ صاحب منیٰ وغیرہ میں پانچ چھ دن قیام کریں گے تو مکہ میں قیام کے لئے صرف گیارہ یا بارہ دن رہ جائیں گے۔ گیارہ بارہ دن کے قیام سے مقیم نہیں ہوتا لہذا وہ مسافر ہی ہیں۔ چار رکعت نہ پڑھ سکتے ہیں نہ پڑھا سکتے ہیں۔ [2] اگر چار رکعت پڑھیں تو اگرچہ نماز ہو جائے گی مگر اس کا اعادہ ضروری ہوگا اور قصداً یہ بے ضابطگی موجب گناہ ہوگی البتہ اگر بھول کر چار رکعت پڑھ لیں تو سجدہ سہو کافی ہوگا۔ (ردالمحتار ج ا ص ۶۳۸ باب صلاۃ المسافر) لیکن مقتدی مقیم کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ اس امام کی تیسری اور چوتھی رکعت نفل ہوگی۔ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض کی ادائیگی نہیں ہوتی۔ لانه اقتداء المفترض بالمتنفل ردالمحتار ج ا ص ۷۴۱ ایضاً) فقط و الله تعالیٰ اعلم بالصواب.

---

(۱) وبطل وطن الاصلي بالوطن الاصلي اذا انتقل عن الاول باهله وما اذا لم ينتقل باهله ولكنه استحدث اهلاً ببلدة احرى فلا يبطل وطنه الاول فيتم فيهما ولا يبطل وطن الاصلي بانشاء السفر فتاوىٰ هنديه صلاة المسافر ج ا ص ۱۴۲

(۲) قوله لا بمكة ومنى اى لو نوى الاقامة بمكة خمسة عشر يوماً فانه لا يتم الصلاة لأن الاقامة لا تكون في المكانين وذكر في كتاب المناسك ان الحاج اذا دخل مكة في ايام العشر ونوى الاقامة نصف شهر لا يصح لأنه لا بد له من [illegible] العرفات فلا يتحقق الشرط بحر الرائق [illegible] ج۲ ص ۱۳۲.

چھوٹا بڑا راستہ:

(سوال ۲۰۵) میرے گاؤں سے ایک عزیز کا مکان بیل گاڑی کی راہ سے چالیس میل دور واقع ہے اور ریل گاڑی کی راہ سے بچاس میل دور ہے ایک دو دن قیام کرتا ہوں تو نماز کا قصر لازم ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں ریل گاڑی کے راستہ سے سفر کرے تو قصر کرنا ضروری ہے اور اگر بیل گاڑی کی راہ سے جائے تو قصر کا حکم نہیں۔ کہ تین منزل سے کم فاصلہ میں قصر کا حکم نہیں۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۷۳۰)[1] و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

سفر کے احکام کب جاری ہوں گے:

(سوال ۲۰۶) بہشتی زیور ج ۲ ص ۴۷ پر مسافر کی نماز کے قصر کرنے کے پہلے مسئلہ میں تحریر ہے کہ ایک یا دو منزل تک سفر کا حکم نہیں ہے تو دریافت یہ ہے کہ کیا تیسری منزل کی آغاز ہی سے ہے یعنی ۳۳ میل سے سفر کا حکم ہے کہ میں ۳۳ سے ۴۷ میل کا سفر کرتا ہوں اور کبھی ۴۸ میل کا تو سفر کا حکم کب ہے؟

(الجواب) جس جگہ کا قصد ہے وہ ۴۸ میل پر واقع نہ ہو تو سفر کا حکم نہیں۔ جب ۴۸ میل یا اس سے زیادہ مسافت کا قصد ہو تو شرعی مسافر ہے اور آبادی چھوڑنے پر سفر کے احکام جاری ہوں گے۔[2] فقط و اللہ اعلم بالصواب.

نصف مسافت سے واپس ہوجائے:

(سوال ۲۰۷) سفر میں گیا مگر تین منزل نہ پہنچا کہ واپسی ہوئی تو اثنائے سفر قصر کرے یا نہ کرے؟

(الجواب) اس صورت میں قصر نہیں کرے گا کیونکہ جب تین منزل سے پہلے واپس ہوگیا تو مسافر نہ رہا۔[3] فقط و اللہ اعلم بالصواب.

قصر کب کرے اور کب نہ کرے:

(سوال ۲۰۸) میرا وطن بھروچ ہے مگر ملازمت بمبئی میں ہے بمبئی سے پندرھویں چاند کو بھروچ پہنچا تین دن بمبئی میں رہا یہاں بارہ دن قیام کر کے عید کی تعطیل میں بھروچ جاتا ہے تو قیام بمبئی کے بارہ دن میں نماز قصر کروں یا اتمام؟

(الجواب) اس صورت میں بارہ دن کے قیام کا عزم ہے تو قصر کا حکم لاحق ہوگا۔ پوری نماز نہیں پڑھے گا۔[4] فقط و اللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ولو لموضع طریقان احدھما مدۃ السفر والآخر اقل قصر فی الاول لا الثانی،

(۲) قولہ ومن جاوز بیوت مصرہ مریدا سیرا وسطا ثلاثۃ أیام فی برأ وبحراؤ جبل قصر فرض الرباعی بیان للموضع الذی یبدأ فیہ القصر و لشرط القصر و مدتہ وحکمہ بحر الرائق. باب المسافر ج ۲ ص ۱۲۸.

(۳) لکن المذکور فی الشرح أنہ یتم اذا سار اقل بمجرد العزم علی الرجوع وان لم یدخل مصرہ لانہ نقض للسفر قبل الاستحکام ایضا ص ۱۳۱.

(۴) اگر بمبئی میں دوران ملازمت کسی بھی وقت پندرہ دن قیام کی نوبت آئی ہو تو ایسی صورت میں بمبئی وطن اقامت بن چکا ہے جب تک وطن اقامت کو ترک نہیں کرے گا پوری نماز پڑھے گا فقط و اللہ اعلم بالصواب. کوطن الاقامۃ تبقی ببقاء الثقل وان أقام بموضع آخر بحر الرائق باب المسافر ص ۱۳۶.

اصلی وطن پہنچنے سے اتمام کا کیا حکم ہے :

(سوال ۲۰۹) جمبوسر میرا وطن ہے، تجارت کے لئے بمبئی میں قیام پذیر ہوں، شادی غمی کے موقعوں پر جمبوسر دو چار دن کے لئے جاتا ہوں اور وہاں سے پانچ سات میل دور کے گاؤں میں اپنے خویش و اقارب کے پاس جاتا ہوں تو یہاں نماز اتمام ادا کروں یا قصر۔

(الجواب) آپ پوری نماز پڑھیں۔ جمبوسر آپ کا وطن اصلی ہے۔ وطن اصلی میں قصر نہیں ہوتا۔ جیسے ہی کوئی مسافر وطن اصلی میں پہنچ جاتا ہے مقیم بن جاتا ہے۔[1] اب پانچ سات میل کی مسافت پر قصر نہیں[2] البتہ اگر شرعی حد کے بموجب مسافت کے ارادہ سے روانہ ہو گئے تو حدود شہر سے نکلنے کے بعد قصر کرنا ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وطن اقامت سے وطن اصلی میں آئے تو اثناء راہ قصر ہے یا اتمام :

(سوال ۲۱۰) میں وطن سے تقریباً ایک سو تیس میل دوری پر ملازمت کرتا ہوں جب وطن پہنچتا ہوں تب مجھے اثناء راہ دو نمازیں پڑھنی پڑھتی ہیں۔ وطن میں تو قصر نہیں راستہ میں قصر کروں یا نہ کروں؟ بعض قصر کا حکم دیتے ہیں اور بعض اتمام کا۔ لہذا بالتفصیل جواب دیں۔

(الجواب) اس صورت میں وطن آتے جاتے وقت راستہ میں قصر کرنا ضروری ہے۔ نور الایضاح میں ہے: ولا یزال یقصر حتیٰ یدخل مصرہ او ینوی اقامۃ نصف شہر ببلد او قریۃ. ترجمہ:۔ یعنی جب تک اپنے شہر میں داخل ہو یا کسی دوسرے شہر یا گاؤں میں پندرہ دن ٹھیرنے کی نیت کرے اس وقت تک قصر کرتا رہے گا۔ باب صلوٰۃ المسافر (ص ۱۰۸)

وطن اصلی، وطن اقامت اور شرعی سفر کی تحقیق:

(سوال ۲۱۱) میں پریج ضلع بھروچ کا رہنے والا ہوں۔ والدین وغیرہ وہاں ہیں فی الحال سون گڑھ ضلع سورت میں ملازم ہوں جو میرے وطن سے سو ۱۰۰ میل پر واقع ہے یہاں دو ۲ برس تک قیام کا ارادہ ہے، مکان کرایہ کا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ملازمت کے سلسلہ میں ضلع کے بعض مقامات میں سرکاری کام سے جاتا ہوں۔ اڑتالیس (۴۸) میل سے زیادہ سفر طے کرنا پڑتا ہے پھر سون گڑھ واپس آ کر دوبارہ جاتا ہوں تو اس درمیان میں دو چار دن کی نماز قصر کروں تو صحیح ہے یا نہیں؟ مثلاً ۲۰ جون ۱۹۶۸ء کو سورت کا ارادہ ہے تاریخ ۲۲ سے ۲۵ کے درمیانی ایام میں نماز قصر کروں تو صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب کہ آپ نے پریج چھوڑ کر سون گڑھ کو وطن اصلی نہیں بنایا تو آپ کا وطن اصلی پریج ہے اور سون گڑھ وطن اقامت ہے۔ "نور الایضاح" میں ہے۔ الوطن الاصلی ھو الذی ولد فیہ او

---

(۱) حتیٰ یدخل مصرہ او نوی الا قامۃ نصف شہر بلداً وقریۃ ای قصر الی غایۃ دخول المصر او نیۃ الا قامۃ فی موضع صالح للمدۃ المذکورۃ فلا یقصر ، بحر الرائق باب المسافر ج ۲ ص ۱۳۱

(۲) وذکر الاسبیجابی المقیم اذا قصد مصرا من الا مصار وھو مادون سیرۃ ثلاثۃ ایام لا یکون مسافراً ایضاً ج ۲ ص ۱۲۹

تزوج اولم يتزوج وقصد التعيش لا الار تحال عنه ووطن الا قامة موضع نوى الا قامة فيه نصف شهر فما فوقه.

ترجمہ:۔ یعنی وطن اصلی وہ ہے جہاں پیدا ہوا ہو یا جہاں شادی کی ہو یا جہاں زندگی بسر کرنے کا قصد کرلیا ہو اور وہاں سے چلے جانے کا ارادہ نہ ہو۔ اور وطن اقامت وہ جگہ ہے جہاں آدھا مہینہ یا اس سے زیادہ مدت قیام کرنے کا ارادہ ہو (ص ۱۰۹ ... ایضاً اعزازیہ) لہذا جب تم نے سون گڑھ سے اتنی مسافت کا قصد کیا جس پر قصر لازم ہو جاتا ہے تو تم شرعی مسافر ہو گئے اور جب تک کسی مقام پر پندرہ روز قیام کا ارادہ نہ کرو مسافر ہی رہو گے۔ اب اگر سون گڑھ واپس آئے تو اگر پندرہ روز قیام کا ارادہ نہیں ہے تو یہاں بھی مسافر بھی رہو گے اور نماز میں قصر کرنا ہوگا۔ (۱)

''فتاویٰ عالمگیری'' میں ہے۔ ولا يزال على حكم السفر حتى ينوى الا قامة فى بلدةٍ قرية خمس عشر يوماً او اكثر الباب الخامس عشر افى صلاة المسافر ج ۱ ص ۱۳۹ یعنی جب تک کسی شہر یا قریہ میں پندرہ یوم یا اس سے زیادہ مدت تک اقامت کی نیت نہ کرے اس وقت تک مسافر رہے گا۔

مسافر نے ظہر کی چار رکعت پڑھی:

(سوال ۲۱۲) مسافر نے دو۲ رکعت ظہر کی جگہ چار ادا کی تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) عمداً چار رکعت پڑھنے والا گنہگار ہوگا اور نماز کا اعادہ ضروری ہے۔ اگرچہ سجدۂ سہو بھی کرلیا ہو۔ اس لئے کہ عمداً کی صورت میں سجدہ سہو کافی نہیں ہوتا اور اگر بھول سے چار رکعت پڑھی ہیں تو سجدۂ سہو کرنے سے دو۲ رکعت فرض اور دو۲ رکعت نفل ہوں گی۔ بشرطیکہ دو۲ رکعت کے بعد قعدہ کیا ہو۔ ورنہ فرض باطل ہو جائے گا۔ اور یہ چار رکعت نفل ہوں گی۔ اس صورت میں سجدہ سہو بھی کرے۔ ''مالا بد منہ'' میں ہے۔ ''آں شخص فرض چہارگانہ را دوگانہ گذارد و اگر چہار رکعت کرد پس اگر بر دو رکعت قعدہ کردہ نماز ادا شود و دو۲ رکعت فرض و دو۲ رکعت نفل شود و بسبب آمیزش نفل با فرض بزہ کار باشد و اگر سہواً این چنیں کرد بسبب تاخیر سلام سجدۂ سہو کند۔ و اگر بر دو رکعت ننشستہ است فرض او تباہ باشد و ہر چہار رکعت نفل شد و سجدۂ سہو کند۔ (ص ۵۳) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسافر نماز پوری پڑھے تو اعادہ ہے:

(سوال ۲۱۳) اگر مسافر بجائے قصر کے نماز پوری پڑھے تو کیا اعادہ ہے؟ سجدۂ سہو کرنے یا نہ کرنے سے کچھ فرق ہوگا؟

(الجواب) مسافر کے لئے اصل فرض دو رکعت ہی ہیں چار رکعت کی دو۲ رکعت نہیں ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہ سند صحیح روایت ہے کہ اولاً دو رکعت فرض ہوئی تھی۔ پھر قیام کی حالت میں دو رکعت بڑھا کر چار رکعت فرض کر دی گئیں اور سفر کی حالت میں دو رکعت بدستور قائم رہیں۔ یہ دو رکعت بظاہر تخفیف معلوم ہوتی ہیں۔ اور اس بناء پر

---

(۱) جب سون گڑھ میں ایک مرتبہ پندرہ دن قیام کرلیا تو وہ وطن اقامت بن چکا ہے جب تک اس کو ختم کر کے کسی اور جگہ نہیں جائے گا تو وہ وطن اقامت ہی رہے گا لهذا جب سون میں داخل ہو جائے اگرچہ پندرہ دن سے کم رہنے کا ارادہ ہو مسافر نہیں رہے گا مکمل نماز پڑھے گا۔ کوطن الا قامة يبقى ببقآء الثقل وان اقام بموضع آخر بحر الرائق. باب المسافر ج ۲ ص ۱۳۶ مرتب.

قصر کو رخصت اور رعایت کہا جاتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اصل یہی ہے۔ پس جس طرح فجر کی دو رکعت کی بجائے چار رکعت پڑھنا غلط ہے۔ اسی طرح مسافر کے لئے ظہر۔ عصر اور عشاء کی دو۲ رکعت کے بجائے قصداً چار رکعت پڑھنا مکروہ تحریمی اور گناہ کا باعث ہے۔ جس کا اعادہ ضروری ہے۔ سجدۂ سہو کافی نہیں ہے۔ البتہ اگر سہواً پڑھے تو گنہگار نہ ہوگا۔ اور سجدۂ سہو کرنے سے نماز صحیح ہو جائے گی۔ بشرطیکہ دوسری رکعت پر قعدہ کیا ہو اگر دو رکعت کے بعد قعدہ نہ کیا ہو تو فرض باطل ہو جائے گا۔ اور چار رکعت نفل ہوگی۔ اس صورت میں سجدۂ سہو بھی کرنا ہوگا۔ "مالا بد منہ" میں ہے۔ اگر چہار رکعت کرو پس اگر بر دو رکعت قعدہ کردہ، نماز ادا شود و دو۲ رکعت فرض و دو رکعت نفل شود و بہ سبب آمیزش نفل با فرض بزہ کار (گنہگار) باشد و اگر سہواً ایں چنیں کرد بسبب تاخیر سلام سجدۂ سہو کند و اگر بر دو رکعت نہ نشستہ است فرض او تباہ باشد و بر چہار رکعت نفل شد و سجدۂ سہو کند۔ یعنی:۔ اگر چار رکعت پڑھی تو اگر دوسری رکعت پر قعدہ کر لیا تو دو رکعت فرض اور دو رکعت نفل ہوں گی۔ اور فرض کے ساتھ نفل شامل کرنے کی وجہ سے گنہگار رہوگا۔ اور اگر سہواً ایسا کیا تو سلام میں تاخیر کرنے کی وجہ سے سجدۂ سہو کرے اور اگر دوسری رکعت پر قعدہ نہ کیا ہو تو فرض باطل ہو گئے اور یہ چاروں رکعتیں نفل ہوں گی۔ اور سجدۂ سہو کرنا ہوگا (ص ۵۳) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وطن اقامت سفر سے باطل ہو جاتا ہے:

(سوال ۲۱۴) مجھے تسلیم ہے کہ وطن اقامت (سون گڑھ) سے جب شرعی سفر کا قصد کر کے باہر جاتا ہوں اس وقت میرا وطن باطل ہو جاتا ہے۔ اس لئے واپسی پر سون گڑھ میں اقامت کی نیت نہ کرو وہاں تک میرے لئے سون گڑھ وطن اقامت نہ ہوگا۔ کہ اس کو سفر کر کے باطل کر دیا ہے۔ جس کی بناء پر قصر کرتا ہوں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس طرح پر قصر کرنا غلط ہے۔ جس سے شبہ ہوا۔ تین منزل سے زیادہ دور کی مسافت میں نماز قصر کی جاتی ہے آیا یہ فرض ہے یا واجب؟

(الجواب) تمہارا فعل صحیح ہے۔(۱) "نور الایضاح" میں ہے۔ "**ویبطل الاقامة بمثله وبالسفر و بالاصلی.**" ترجمہ:۔ وطن اقامت اپنے مثل یعنی وطن اقامت سے باطل ہو جاتا ہے اور شرعی سفر سے اور وطن اصلی سے بھی۔ (ص ۱۰۹) مسافر کے لئے حکم شرعی ہے اور واجب ہے۔ "فتاویٰ عالمگیری" میں ہے۔ **والقصر واجب، عندنا.** ترجمہ:۔ ہمارے نزدیک قصر کرنا واجب (ص ۱۳۹ ج ۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وطن اصلی وطن اقامت سے باطل نہیں ہوتا:

(سوال ۲۱۵) میں اپنے وطن پرتیج کی حد میں پہنچنے کے بعد نماز قصر نہیں کرتا۔ تو یہ صحیح ہے یا نہیں۔ ایک مولوی صاحب استدلال کرتے ہیں۔ "**وطن اصلی به وطن اقامت باطل شود**" تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وطن اصلی میں قصر کرنا پڑے گا۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور اکرم ﷺ مکہ حج کیلئے تشریف لے جاتے تھے اس وقت قصر فرماتے تھے

---

(۱) یہ سوال درحقیقت اس سوال کا تتمہ ہے جو اس سے پہلے بعنوان وطن اصلی وطن اقامت اور شرعی سفر کی تحقیق سے گذرا ہے یہ جواب اس صورت میں درست ہوگا جب نوکری چھوڑ کر کسی اور جگہ سفر کرے اگر کسی کام کے سلسلے میں مسافت سفر پر کسی اور جگہ جاتا ہے اور دوبارہ سون آجاتا ہے تو وطن اقامت ختم نہیں ہوگا اس کی دلیل اگلا سوال جس میں اس کو وہ (یعنی سائل) وطن اقامت قرار دے رہا ہے۔ اس کی وضاحت پہلے سوال میں ہو چکی ہے۔ مرتب۔

حالانکہ مکہ مکرمہ آنحضرت ﷺ کا وطن اصلی ہے۔

(الجواب) بے شک آپ کا وطن اصلی ہے لہذا آبادی میں داخل ہوتے ہی آپ مقیم ہو گئے چاہے قیام کا قصد ہو یا نہ ہو۔ اب قصر کا حکم ختم ہو گیا۔ لہذا آپ کا قصر نہ کرنا صحیح ہے۔ مولوی صاحب کی دلیل " **وطن اصلی به وطن اقامت باطل شود** " غلط ہے۔ صحیح یہ ہے وطن اصلی باطل شود بہ وطن اصلی۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وطن اصلی جب باطل ہوتا ہے جب اس کو ترک کر کے اس کے بجائے دوسرے کسی مقام کو وطن اصلی بنا لے۔ وطن اصلی سفر سے اور وطن اقامت سے باطل نہیں ہوتا۔ (مالا بد منہ ص ۵۴) اور اگر پہلے وطن کو ترک نہیں کیا اور کاروبار کے سلسلہ میں کسی دوسری جگہ اس طرح ٹھیر گیا کہ اب وہیں زندگی گذارنے کا ارادہ ہے تو اس صورت میں وطن قدیم ہی وطن اصلی رہا اور یہ دوسرا مقام بھی وطن اصلی کے حکم میں ہو گیا۔ جہاں زندگی گذارنے کا ارادہ ہے۔ باقی یہ دلیل کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ معظمہ میں وطن اصلی ہونے کے باوجود قصر کیا یہ قطعاً غلط ہے۔ بلکہ شرعی مسافر ہونے کی وجہ سے قصر فرمایا۔

...... ان مولوی صاحب نے ہجرت کے معنی پر توجہ نہیں فرمائی۔ ہجرت کا مطلب ہی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ معظمہ کی وطنیت ترک فرمادی تھی۔ مکہ معظمہ میں دوبارہ قیام کا ارادہ تو درکنار آپ یہ بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے کہ کسی مہاجر کی وفات مکہ معظمہ میں ہو۔ حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ مہاجر تھے وہ مکہ معظمہ میں کسی ضرورت سے تشریف لائے تھے وہاں ان کی وفات ہو گئی تو آنحضرت ﷺ افسوس کیا کرتے تھے (بخاری شریف ص ۵۶۰)(۱)

جو مہاجر حج کے لئے آتے تھے ان کے لئے آپ کی ہدایت یہ تھی کہ آخری طواف کے بعد تین دن سے زیادہ قیام نہ کریں۔ (بخاری شریف ص ۵۶۰)(۲) **فقط و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب .**

وطن اقامت سفر سے باطل ہو جاتا ہے:

(سوال ۲۱۶) ایک آدمی انڈیا سے مدرس بن کر ری یونین کے ایک گاؤں میں آئے ہیں اور یہ مدرس یہاں چار برس سے ہیں۔ اب وہ پچاس ساٹھ میل کا سفر کر کے سینٹ ڈینس (SAINT DENIS.) گاؤں میں پہنچے ہیں اور وہاں دو چار دن مسافر کی حیثیت سے رہتے ہیں۔ پھر وہاں سے دو چار مہمانوں کو لے کر اپنے گاؤں میں آتے ہیں۔ لیکن انہوں نے سینٹ ڈینس سے نکلتے وقت یہ ارادہ کیا تھا کہ اپنے گاؤں دو۲ دن مہمانوں کے ساتھ رہیں گے۔ دو چار دن گاؤں کے قرب و جوار میں مہمانوں کے ساتھ دورہ کریں گے تو یہ مدرس سینٹ ڈینس سے ایسے ارادہ سے نکلے ہیں تو اپنے گاؤں میں جا کر وہ مسافر ہیں یا مقیم ہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ اطراف میں پھرنے کا قصد ہے۔ اس لئے وہ مسافر ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ تین سال کی پروانگی سے آئے ہیں اس لئے یہ گاؤں ان کا وطن ہے۔ تو صحیح کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں مدرس صاحب مقام ملازمت سے پچاس ساٹھ میل کی مسافت کے ارادے سے نکلے ہیں تو وہ شرعی مسافر بن گئے اور وطن اقامت باطل ہو گیا۔ "مالا بدمنہ" میں ہے۔ " وطن اقامت ہم بوطن اقامت باطل شود وہم بہ بوطن اصلی وہم بہ سفر . ترجمہ: وطن اقامت وطن اقامت سے باطل ہو جاتا ہے۔ اور وطن اصل اور سفر

---

(۱) اللهم مض لأصحابي هجر تهم ولا ترد على اعقابهم لكن البأس سعد بن خولة يرثي له رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يتوفي بمكة باب قول النبي صلى الله عليه وسلم اللهم امض لأصحابي هجرتهم ومرثيه لمن مات بمكة)

(۲) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلث للمهاجرين بعد لصدر ، باب الاقامة المهاجر بمكة بعد قضآء نسكه)

سے بھی (وطن اقامت) باطل ہو جاتا ہے (ص ۵۴) اب واپس آنے کے بعد اس گاؤں میں پندرہ دن قیام کا ارادہ نہ ہو اور اس اثناء میں دوسری جگہ جا کر ایک دو دن قیام کا ارادہ بھی ہو جیسا کہ سوال میں ہے تو مقیم نہ ہوں گے مسافر ہی مانے جائیں گے اور نماز میں قصر کرنا ہوگا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

وطن اصلی میں داخل ہوتے ہی مقیم ہو جائے گا:

(سوال ۲۱۷) گودھرا سے سورت جانا ہوا۔ (تقریباً سوا سو میل) پراسی روز سورت سے گودھرا ہوتے ہوئے لوناواڑہ جانا تھا (جو تقریباً گودھرا سے ۳۵ میل دور ہے) تو ظہر و عصر لوناواڑہ میں قصر کرنا چاہئے تھا یا تمام؟ چونکہ گودھرا کی بستی سے ہم بہ نیت سفر گذرے تھے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں اگر گودھرا آپ کا وطن اقامت ہو تو لوناواڑہ میں ظہر و عصر قصر کرنا لازم تھا۔ اور اگر گودھرا وطن اصلی ہو تو گودھرا میں داخل ہوتے ہی مقیم ہو گئے چاہے نیت سفر ہی کی ہے اب گودھرا سے لوناواڑہ کے سفر سے آپ شرعی مسافر نہیں ہوئے۔ لہذا نماز پوری پڑھنی ضروری ہے۔

الثانی ان یدخل وطن الا صلی ولو بنیة السفر فیتم حتی لو خرج عنه فتذکر حاجة قبل ان یسیر ثلثة ایام ترجع لها لزمه الا تمام من حین توجه راجعاً .(زاد الفقیر ص ۱۲۹) فقط و اللہ اعلم بالصواب .

مقیم، مسافر امام کی اقتداء کرے تو قراءت کا کیا حکم ہے:

(سوال ۲۱۸) مقیم، مسافر امام کی اقتداء میں ظہر۔ عصر اور عشاء کی نمازیں ادا کرے تو امام کے سلام کے بعد دو رکعتیں کس طرح ادا کرے؟ یعنی قراءت پڑھے یا بلا قراءت ادا کرے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس صورت میں بلا قراءت ہی دو رکعت ادا کرے۔ ولا یقرء المقیم فیما یتم .(زاد الفقیر ص ۷۰) فقط و اللہ اعلم بالصواب.

حالت سفر میں سنتوں کا حکم:

(سوال ۲۱۹) چند روز ہوئے ریل گاڑی میں مغرب کی نماز جماعت سے پڑھی، اس کے بعد میں نے سنت اور نفل پڑھی، اس لئے کہ سہولت تھی مگر میرے ساتھیوں نے نہیں پڑھی اور کہا کہ سفر میں سنت نفل کے درجہ میں ہے اور نفل پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ بحالت سفر صرف فرض نمازوں میں قصر ہے باقی سنت اور نفل اگر موقع ہو تو پوری پڑھنی چاہئے، آپ تحریر فرمائیں کہ سفر میں سنت و نوافل کا کیا حکم ہے؟ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (از بمبئی)

---

(۱) حضرت مفتی صاحب سے سبقت قلمی ہوئی ہے یہ مدرس جب تک رے یونین کے گاؤں میں مدرس بن کر رہے گا، وطن اقامت ہی کہا جائے گا، رے یونین کے گاؤں سے کسی اور جگہ جو مدت سفر پر ہو کسی غرض سے جائے اور دوبارہ رے یونین کے گاؤں آئے تو چونکہ وطن اقامت میں پہنچا ہے اگرچہ پندرہ دن سے کم کے لئے ہو۔ مسافر نہیں رہے گا مکمل نماز پڑھے کالملاح فی البحر کو طن الاقامة یبقی ببقاء الثقل وان اقام بموضع آخر باب المسافر ۱۳۶/۲ ہاں رے یونین کے گاؤں سے نوکری چھوڑ کر کسی اور جگہ چلا جائے تو ختم ہو جائے گا۔

(الجواب) وباللہ التوفیق ۔سنتوں میں قصر نہیں ہے، اطمینان کی حالت ہو، جلدی نہ ہو، ساتھیوں سے الگ ہو جانے کا ڈر نہ ہو، اور ساتھیوں کو انتظار کرنے کی زحمت بھی نہ ہو تو مؤکدہ سنتیں خصوصاً فجر کی اور مغرب کے بعد کی سنت نہ چھوڑے، ہاں اگر اطمینان نہ ہو تو نہ پڑھے۔ بعض کے نزدیک اطمینان ہو تب بھی مؤکدہ سنتیں ترک کرنا جائز ہے لیکن مختار یہ ہے کہ نہ چھوڑے، ولا قصر فی السنة کذا فی محیط السرخسی و بعضهم جوزوا للمسافرین ترک السنة والمختار انه لا یأتی بها فی حال الخوف ویأتی بها فی حال القرار والا من هکذا فی وجیز الکردری (فتاویٰ عالمگیری ج ص ۸۹) (ویأتی) المسافر (بالسنن) ان کان (فی حال امن وقرار والا) بان کان فی خوف وفرار (لا) یأتی بها هو المختار الخ (درمختار مع الشامی ج ا ص ۷۴۲ باب صلاۃ المسافر) والا فضل ان یأتی بسائر السنن الا حال السیر کذا قالوا (رسائل الارکان ص ۱۴۴ ایضاً) فقط و اللہ اعلم بالصواب .

مسافت شرعی سے پہلے ہی واپسی کا ارادہ کرلیا:

(سوال ۲۲۰) سورت سے بمبئی جانے کے ارادہ سے نکلا ابھی نوساری ہی تک (تقریباً تیس میل) گیا تھا کہ واپسی کا ارادہ ہو گیا تو اب یہ شخص مسافر رہا یا مقیم بن گیا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسافت سفر شرعی (۷۷ کلومیٹر اور ۲۴۷ میٹر) طے کرنے سے پہلے ہی سفر موقوف کر کے واپسی کا ارادہ کرلیا یا اس جگہ پندرہ روز قیام کی نیت کرلی تو اب وہ مسافر نہیں رہا، نماز پوری پڑھے، سفر مستحکم نہ ہونے کی وجہ سے قصر جائز نہیں۔ اما اذا لم یسر ثلثة ایام فعزم علی الرجوع او نوی الا قامة یصیر مقیماً وان کان فی المفازة (فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۸۹ الباب الخامس عشر فی صلاۃ المسافر) زادالفقیر میں ہے ۔حتی لو خرج عنه (ای الوطن الا صلی) فتذکر حاجته قبل ان یسیر ثلثة ایام فرجع لها لزمه ا الاتمام من حین توجه راجعاً (زاد الفقیر ص ۱۶۸)

اور اگر مسافت سفر طے کر لینے کے بعد واپس ہوا تو وہ مسافر ہی رہے گا تاوقتیکہ وطن نہ پہنچ جائے یا کسی جگہ پندرہ روز رہنے کی نیت نہ کرے (حتی یدخل موضع مقامه) ان سار مدة السفر والا فیتم بمجرد نیة العود لعدم استحکام السفر (درمختار مع الشامی ج ا ص ۷۳۲ باب صلاۃ المسافر)

ولا یزال علی حکم السفر حتی ینوی الا قامة فی بلدة او قریة خمسة عشر ماً او اکثر کذا فی الهدایة هذا اذا سار ثلاثة ایام اما اذا لم یسر الخ (فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۳۹ الباب الخامس عشر فی صلاۃ المسافر) اور " غایة الا وطار ترجمه درمختار" میں ہے۔صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ ایک شخص بارادۂ سفر چار منزل کے اپنے شہر سے نکلا، اور دو منزل جا کر پھرنے کی نیت کی تو اس صورت میں اسی وقت سے نماز پوری پڑھے اور اگر تین منزل جا کر پھرے تو اپنے شہر میں آنے تک قصر کرے، شامی نے کہا ہے کہ جیسے ابتدا قصر کے لئے شہر سے نکلنا شرط ہے ویسے ہی بقاء قصر کے لئے مدت سفر کا پورا ہو جانا شرط ہے (غایۃ الاوطار ص ۳۶۱ ج ا) (ہدایہ اولین ص ۱۴۶) فقط واللہ اعلم ۔

وطن اقامت صرف نیت سفر سے باطل نہیں ہوتا:

(سوال ۲۲۱) سورت سے بمبئی بیس روز قیام کے ارادہ سے گیا اور وہاں پہنچ کر بھی پندرہ روز سے زیادہ اقامت کی نیت کر لی مگر ہفتہ عشرہ ہی میں کام پورا ہو گیا اور واپسی کی نیت کر لی تو روانگی سے پہلے بمبئی میں جو نماز پڑھے (مثلاً ظہر عصر) تو قصر کرے یا پوری پڑھے؟ بینوا توجروا۔ از سورت۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً:۔ یہ شخص مقیم ہو گیا تھا اور بمبئی وطن اقامت بن چکا تھا، اس لئے صرف نیت بدلنے سے وطن اقامت باطل نہ ہوگا، تاوقتیکہ سفر شروع کر کے مسافر شرعی نہ بن جائے، یعنی بمبئی کی آبادی سے باہر نہ ہو جائے آبادی چھوڑنے کے بعد سفر کے احکام لاحق ہوں گے (ویبطل وطن الا قامة بمثله و) بانشاء السفر (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۴۳ باب صلاة المسافر) ہدایہ میں ہے ولهذا يصير المسافر مقيما بمجرد النية ولا يصير المقيم مسافراً بالنية الا بالسفر (هدايه اولين ج ۱ ص ۱۶۷ كتاب الزكوة) بخلاف المقيم حيث لا يصير مسافراً بالنية لان السفر انشاء الفعل فلا يصير فاعلاً بالنية (الاختيار) (شرح المختار ج ۱ ص ۸۰ صلاة المسافر) فقط و الله اعلم بالصواب

دوسرا وطن اقامت مسافت شرعی پر نہ ہو تو پہلا وطن اقامت باطل ہوگا یا نہیں:

(سوال ۲۲۲) احقر کا وطن سورت ہے، دیوبند بغرض تعلیم پورے سال مقیم رہا، پھر رمضان المبارک کا پورا مہینہ سہارنپور میں حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کی خدمت اقدس میں گذارا، اس کے بعد یکم شوال کو دیوبند پہنچا اور یہاں دو تین روز رہ کر سورت سفر کا ارادہ ہے، تو سوال یہ ہے میں دیوبند میں اتمام کروں یا قصر؟ منشاء سوال یہ ہے کہ وطن اقامت، وطن اقامت سے باطل ہو جاتا ہے تو ان کے درمیان مسافت سفر ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

نوٹ:۔ دیوبند اور سہارنپور کے درمیان مسافت سفر شرعی نہیں ہے ۱۲۔

(الجواب) وطن اقامت، وطن اقامت سے باطل ہو جاتا ہے چاہے ان دونوں کے درمیان مسافت شرعی ہو یا نہ ہو، لہذا جب آپ یکم شوال کو دیوبند پہنچے اور دو تین روز قیام کر کے سورت سفر کا ارادہ ہے تو آپ مسافر ہیں (اس لئے کہ دیوبند وطن اقامت باطل ہو چکا ہے) نماز قصر پڑھتے رہیں۔ ویبطل وطن الا قامة بمثله (قوله بمثله) ای سواء كان بينهما مسيرة سفر اولا. قهستانی (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۴۳ باب صلاة المسافر) (الجوهرة النيرة ج ۱ ص ۸۸ ايضاً) فقط و الله اعلم بالصواب.

قیدی نماز کب قصر کرے:

(سوال ۲۲۳) بعد سلام مسنون! احقر کے بڑے بھائی کو حکومت وقت نے ''میسا'' کے تحت جیل میں بند کر دیا ہے اور ان کے ساتھ پچاس ساٹھ مسلمان بھی ہیں، ان کی حالت یہ ہے کہ تھوڑے تھوڑے دنوں کے بعد ایک جیل سے دوسری جیل میں منتقل کر دیا جاتا ہے اور یہ بھی کچھ معلوم نہیں کہ ان کو کب رہا کیا جائے گا تو ایسی حالت میں وہ مسافر ہیں یا نہیں؟ اگر کبھی یہ ظن غالب ہو جائے کہ ایک جگہ ہم کو پندرہ یا پندرہ دن سے زیادہ رکھا جائے گا تو اس وقت وہ مسافر ہیں

یا مقیم؟ اگر اس وقت وہ شرعی اعتبار سے مسافر ہوں اور انہوں نے نماز میں قصر نہیں کیا تو ان نمازوں کی قضا لازم ہے یا نہیں؟ اور جیل میں بعض قیدی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی قید کی مدت متعین ہوتی ہے اور جیل متعین ہوتا ہے تو وہ نماز پوری پڑھیں یا قصر کریں؟ اور قصر کن نمازوں میں ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قیدی کو اگر اڑتالیس میل یا اس سے دور لے جایا گیا تو اس پر قصر لازم ہے ورنہ نماز پوری پڑھے، قصر لازم ہونے کے باوجود غلطی سے نماز پوری پڑھ لی اور دو رکعت پر قعدہ کیا ہے تو فرض ادا ہو گیا مگر سجدۂ سہو لازم ہے اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز کا اعادہ ضروری ہے اور اگر قعدہ کرنا بھول گیا تو سرے سے نماز ہی نہ ہوگی۔ جیلر نے اگر مدت قید پندرہ یا پندرہ روز سے زیادہ متعین کر دی ہو کہ اب تم کو یہاں پورے پندرہ روز رہنا ہے تو نماز پوری پڑھے ورنہ قصر کرے، اپنے گمان کا کچھ اعتبار نہیں، ظہر، عصر اور عشاء کی فرض نمازوں میں قصر واجب ہے، فجر، مغرب اور نماز وتر میں قصر نہیں ہے اور اسی طرح سنن میں بھی قصر نہیں ہے۔

ویشترط الصحة نیة السفر ثلاثة اشیاء الاستقلال بالحکم الخ (قوله الاستقلال بالحکم) ای الانفراد بحکم نفسه بحیث لا یکون تابعاً لغیره فی حکمه (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۴۶ باب صلاة المسافر) اور صاحب مراقی الفلاح نے ''تابع'' میں اسیر (قیدی) کو شمار کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ **والتابع کالمرأة مع زوجها الی قوله . والاسیر (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۲۴۶ ایضاً) فیقتصر المسافر الفرض الرباعی فلا قصر للثنائی والثلاثی ولا للوتر ولا فی السنن (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۲۴۵ ایضاً) فقط واللہ اعلم بالصواب .**

وطن اصلی متعدد ہو سکتے ہیں یا نہیں:

(سوال ۲۲۴) احقر کا وطن اصلی راندیر ہے، اس کی بعد بمبئی مستقل قیام کے ارادے سے راندیر سے منتقل ہوا اور اب آج کل حیدرآباد کاروبار کے سلسلے میں مقیم ہوں، اب اگر میں بمبئی دو چار روز قیام کی ارادے سے جاؤں تو نماز قصر پڑھوں یا پوری؟ اسی طرح احقر کی اہلیہ جن کا وطن اصلی راندیر ہے اور میرے ہمراہ یہی حیدرآباد میں مقیم ہیں وہ اگر راندیر جائیں تو کیا کریں؟ وطن اصلی دو ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) راندیر کے وطن اصلی ہونے میں کوئی کلام نہیں، اب اگر اسے بالکل چھوڑ دیا ہو اور کوئی تعلق نہ رہا ہو اور حیدرآباد کو ہمیشہ رہنے کی غرض سے وطن اصلی بنالیا ہو تو راندیر وطن اصلی باطل ہو گیا اور جب بھی راندیر بطور مہمان یا کسی ضرورت سے آنا ہو اور پندرہ روز سے کم رہنے کا ارادہ ہو تو قصر لازم ہے ورنہ نماز پوری پڑھنا ہوگی، بمبئی کا بھی یہی حکم ہے، اور اگر راندیر کو وطن اصلی قائم رکھتے ہوئے حیدرآباد یا بمبئی کو ہمیشہ رہنے کی نیت سے وطن اصلی بنالیا ہو تو دونوں مقام (راندیر اور بمبئی یا راندیر اور حیدرآباد) وطن اصلی ہوں گے، وطن اصلی متعدد ہو سکتے ہیں اور اگر ہمیشہ رہنے کی غرض سے حیدرآباد یا بمبئی کو وطن اصلی نہیں بنایا ہے اور راندیر سے تعلقات ختم نہیں کئے ہیں تو راندیر وطن اصلی ہے اور حیدرآباد

اور بمبئی وطن اقامت۔ جو حکم آپ کے لئے ہے وہی آپ کی اہلیہ کے لئے بھی ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

وطن اقامت سفر شرعی سے باطل ہوجاتا ہے:

(سوال ۲۲۵) میرا وطن اصلی کفلیتہ ہے، بوڈھان ضلع سورت میں ملازمت کرتا ہوں، ایک مرتبہ میں بوڈھان سے بارڈولی جانے کے ارادہ سے نکلا اور یہ بوڈھان سے تقریباً ۵۰۔۶۰ میل دور ہے پہلے سورت آیا (کہ سورت ہوتے ہوئے جانے کا ارادہ تھا) پھر بارڈولی گیا، وہاں اپنا کام کر کے سورت ہوتا ہوا بوڈھان پہنچا۔ بوڈھان میں دوتین دن قیام کر کے پھر سورت جانے کا ارادہ ہے، اس مرتبہ بوڈھان میں قیام کے دوران نمازوں میں قصر کروں یا اتمام؟ میرا گمان یہ ہے کہ مجھے نمازوں میں قصر کرنا چاہئے، اس لئے کہ بوڈھان میرا وطن اقامت ہے اور وطن اقامت سفر شرعی سے باطل ہوجاتا ہے مگر میرے ایک ساتھی کہتے ہیں کہ اتمام کرنا چاہئے، آپ جواب عنایت فرمائیں کہ میں کیا کروں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب آپ مقام ملازمت (بوڈھان ضلع سورت) سے پچاس ساٹھ میل کے ارادہ سے نکل گئے تو شرعی مسافر بن گئے اور آپ کا وطن اقامت اس سفر سے باطل ہوگیا، مراقی الفلاح میں ہے۔ **و یبطل وطن الا قامة بمثله ویبطل ایضاً بانشاء السفر وبا لعود للوطن الا صلی** (ص ۲۴۹) ''مالابدمنہ'' میں ہے ۔ وطن اقامت ہم بوطن اقامت باطل شود وہم بوطن اصلی وہم بہ سفر (مالابدمنہ ص ۵۴)

اب بوڈھان واپس پہنچنے کے بعد پندرہ دن قیام کا ارادہ نہ ہو اور اس درمیان دوسری جگہ جانے کا ارادہ ہو جیسا کہ سوال میں مذکورہ ہے تو آپ مسافر رہیں گے اور نماز میں قصر کرنا ہوگا[2] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ جلد پنجم ص ۱۷۱، ص ۱۷۲ اردو فقط واللہ اعلم۔

محض کسی جگہ شادی کرنے سے وہ جگہ وطن اصلی بن جاتی ہے :

(سوال ۲۲۶) ایک شخص نے ایک جگہ شادی کی اور ابھی وہ دوسری جگہ رہتا ہے جو اس کی سسرال سے مسافت شرعی پر ہے، یہ شخص گاہے گاہے اپنی سسرال جاتا ہے، جب یہ سسرال جائے تو نماز میں قصر کرے یا اتمام؟ اسی طرح شادی کے بعد عورت اپنی سسرال میں کیا کرے؟ اور اپنے میکہ جائے تو کیا کرے؟ اتمام یا قصر؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) شادی کے بعد دلہن رخصت ہوکر شوہر کے گھر آئے اور وہاں مستقل قیام کرلے تو نماز پوری پڑھے، اسی طرح ماں باپ کے یہاں جائے تب بھی اتمام کرے جب کہ اس نے میکہ کو بالکل نہ چھوڑا ہو، اور شوہر سسرال جائے تو قصر کرے ہاں بیوی کے ساتھ سسرال میں رہنا اختیار کرلے تو نماز پوری پڑھے، فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔ المسافر

....

(۱) وطن الا صلی ھو وطن الا نسان فی بلدتصو بلدة أخری أخذھا داراً و توطن بھا مع اھلہ وولدہ ولیس من قصدہ الا رتحال عنھا بل التیعش بھا وھذا الوطن یبطل بمثلہ لا غیرھو ان یتطو طن فی بلدة أخری و ینقل الا ھل الیھا فیخرج الاول من ان یکون وطناً اصلیا حتی لو دخلہ مسا فرا لا یتم قید نا بکونہ انتقل عن الا ول باھلہ لأ نہ لو لم ینتقل بھم ولکنہ استحدث اھلا فی بلدة أخری فالاول لم یبطل ویتم فیھا الخ بحر الحرائق با ب المسافر ج ۲ ص ۱۳۶ وتعتبر نیة الاقامة والسفر من الا صل کالزوج والمولیٰ والامیر دون التبع کالمرأة والعبد والجندی. مراقی الفلاح علی حاشیہ طحطاوی باب صلاة المسافر ص ۲۳۱.

(۲) اتمام کرے گا وضاحت پہلے ہوچکی ہے۔ مرتب

اذا جاوز عمران مصره (الی قوله) ان کان ذلک وطناً اصلیا بان کان مولده و سکن فیه او لم یکن مولده ولکنه تاهل به وجعله داراً (ج ۱ ص ۷۸ باب صلاة المسافر)

اس عبارت میں کان مولده کے بعد وسکن فیه کی قید ہے اور تاهل به کے ساتھ وجعله داراً کا اضافہ ہے، اس کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

مسافر نے غلطی سے چار رکعت پڑھادیں:

(سوال ۲۲۷) کرزی سے ایک مولوی صاحب ہمارے یہاں احمد آباد آتے رہتے ہیں اور وقتاً فوقتاً نماز بھی پڑھاتے ہیں، ایک مرتبہ سورت اور بمبئی کے سفر کے ارادے سے احمد آباد پہنچے اور سابق عادت کے موافق آپ نے امامت کی اور چار رکعت پڑھائیں، قعدۂ اخیرہ میں ان کو اپنا مسافر شرعی ہونا یاد آگیا تو سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کی تو کیا مقیم مقتدیوں کی نماز صحیح ہوگئی یا ان پر نماز کا اعادہ ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مولوی صاحب اور مسافر مقتدیوں کی نماز صحیح ہوگئی، لیکن مقیم مقتدیوں کی نماز صحیح نہیں ہوئی، اس لئے کہ پچھلی دو رکعتیں مسافر امام کے حق میں نفل تھیں اور مقیم مقتدیوں کے حق میں فرض، اور یہ قاعدہ ہے کہ متنفل (نفل پڑھنے والے) کے پیچھے مفترض (فرض پڑھنے والے) کی اقتداء صحیح نہیں، شامی میں ہے۔ (قوله لم یصر مقیماً) فلو اتم المقیمون صلاتهم معه فسدت لانه اقتداء المفترض بالمتنفل ظهيرية (شامی ج ۱ ص ۷۴۱ باب صلوٰة المسافر) فقط و الله اعلم بالصواب.

سوال میں درج شدہ مختلف صورتوں کا حکم:

(سوال ۲۲۸) میں بلساڑ کا باشندہ ہوں، کاروبار بمبئی میں ہے، اس لئے بمبئی میں ایک کمرہ کرایہ پر لے رکھا ہے، پیر سے لے کر جمعہ تک پانچ دن بمبئی میں رہتا ہوں، سنیچر اور اتوار کے دن اپنے وطن بلساڑ میں گذارتا ہوں، اب سوال یہ ہے۔

(۱) پیر سے جمعہ تک بمبئی میں قیام کے دوران جماعت اکثر فوت ہوجاتی ہے، اس لئے تنہا کمرہ پر نماز ادا کرتا ہوں، تو نمازوں میں قصر کروں یا اتمام؟

(۲) سنیچر کے روز جب گھر آتا ہوں تو راستہ میں قصر کروں یا اتمام؟

(۳) سنیچر اور اتوار کے روز میں اپنے گھر (وطن) میں رہتا ہوں مجھے یہاں قصر کرنا ہے یا اتمام؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) پہلی اور دوسری صورت میں آپ نمازوں میں قصر کریں کہ آپ مسافر ہیں اور تیسری صورت میں نماز پوری پڑھیں کہ بلساڑ آپ کا وطن اصلی ہے اور وطن اصلی میں داخل ہوتے ہی آدمی مقیم ہوجاتا ہے، اس لئے اتمام ضروری ہے۔[1] فقط و الله اعلم بالصواب.

---

(۱) واذا دخل المسافر مصره اتم الصلاة وان لم ینو المقام فیه سواء دخل بنیة الاجتیاز او دخله لقضاء حاجة لان مصره متعین للاقامة فلا یحتاج الی النیة جوهرة النیرة ج ۱ ص ۱۰۴ باب صلاة المسافر

روزانہ ملازمت کے سلسلے میں پچاس میل جائے تو مسافر ہوگا

(سوال ۲۲۹) میں سرکاری روڈویز میں ملازم ہوں، ایس، ٹی بس ڈپو، میرے وطن اصلی سے پچاس میل دور ہے، میں روزانہ اپ ڈاؤن (آمدورفت) کرتا ہوں، جب میں اپنی ملازمت کی جگہ پہنچوں تو نمازوں میں قصر کروں یا پوری پڑھوں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں وطن اصلی میں نماز پوری پڑھے اور جب وطن سے اڑتالیس میل دور جانے کے ارادہ سے نکلے تو راستہ میں (آتے جاتے ہوئے) اور وہاں پہنچ کر بھی قصر کرے۔[1] فقط و اللہ اعلم بالصواب.

ٹرک ڈرائیور کب مسافر بنے گا

(سوال ۲۳۰) ایک شخص ٹرک ڈرائیور ہے وہ ہمیشہ ٹرک لے کر ایک شہر سے دوسرے شہر، دوسرے شہر سے تیسرے شہر جاتا رہتا ہے اور کسی بھی جگہ ایک دودن سے زیادہ قیام نہیں کرتا وہ شخص اس حالت میں نمازوں میں قصر کرے یا پوری پڑھے؟ اسی طرح جو لوگ ہوائی جہاز یا پانی کے جہاز میں کام کرتے ہیں اور ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں وہ مسافر شرعی ہیں یا نہیں؟ ان کے لئے نمازوں کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ٹرک ڈرائیور اپنے وطن اصلی سے کم از کم اڑتالیس میل جانے کے ارادہ سے نکلے تو وہ مسافر شرعی ہے اور اس پر قصر ضروری ہے، جب واپس اپنے وطن اصلی آجائے یا کسی جگہ پندرہ دن قیام کا ارادہ کرے اس وقت وہ مقیم ہوجائے گا اور نمازیں پوری پڑھے گا، اسی طرح جو لوگ اسٹیمر یا ہوائی جہاز میں ملازمت کرتے ہیں اگر وطن اصلی سے اڑتالیس ۴۸ میل دور جانے کی نیت ہوتی ہو تو وہ بھی مسافر شرعی ہیں، ان پر بھی قصر ضروری ہے۔[2] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسافر مقیم کے پیچھے قضا نماز میں اقتداء کیوں نہیں کرسکتا

(سوال ۲۳۱) نورالایضاح میں ہے کہ مسافر کی اقتداء مقیم کے پیچھے وقت کے بعد جائز نہیں ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسافر کی نماز میں وقت کے اندر تبدیلی کی صلاحیت ہے مثلاً اقامت کی نیت کرلے تو بجائے دو کے چار پڑھے گا، اسی طرح مقیم کی اقتداء کرلے تو امام کی متابعت میں چار پڑھنا ضروری ہوگا، لیکن وقت ختم ہوجانے پر دو رکعت متعین ہوجاتی ہیں اس لئے مقیم ہونے کے بعد بھی دو رکعت ہی قضا کرے گا، لہذا وہ مقیم کی اقتدا نہیں کرسکتا کیونکہ امام کا قعدۂ اولیٰ فرض نہیں ہے، جب کہ مسافر مقتدی کے حق میں قعدہ اولیٰ فرض ہے، ہدایہ میں ہے۔ وان اقتدیٰ المسافر بالمقیم فی الوقت اتم اربعاً لانہ یتغیر فرضہ الیٰ اربع للتبعیۃ کما یتغیر بنیۃ الاقامۃ لا تصال المغیر بالسبب وھو الوقت وان دخل معہ فی فائتۃ لم تجزہ لانہ لا یتغیر بعد الوقت

---

(۱) ولا یزال حکم السفر حتی ینوی الاقامۃ فی بلدۃ او قریۃ خمسۃ عشر یوماً او اکثر کذافی الھدایۃ فتاویٰ عالمگیری صلاۃ المسافر ج ۱ ص ۱۳۹.

(۲) حوالہ بالا

لانقضاء السبب كما لايتغير بنية الا قامة فيكون اقتداء المفترض بالمتنفل فى حق القعدة او القراء ة (هدايه اولين ص ۱۴۶ .ص ۱۴۷ باب صلوٰة المسافر) فقط و الله اعلم بالصواب. ۷ رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ.

مسافر نے مقیم کے پیچھے نماز ادا کی پھر معلوم ہوا کہ وہ فاسد ہوگئی تھی، تو اب کیا کرے؟:

(سوال ۲۳۲) ایک مسافر نے سفر میں مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ نماز فاسد ہوگئی تھی اب وہ مسافر وہ نماز تنہا ادا کرتا ہے تو دو رکعت پڑھے یا چار؟ یعنی قصر کرے یا اتمام؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر کوئی ایسی بات پیش آئی ہو جس کی وجہ سے نماز باطل ہوگئی ہو اور سجدۂ سہو سے بھی اس کی تلافی نہ ہوسکتی ہو (مثلاً کوئی رکن چھوٹ گیا ہو) تو بعد میں دو رکعت پڑھے گا کیونکہ پہلی نماز سے فریضہ ہی ادا نہیں ہوا، پس متابعت امام بھی باقی نہ رہی۔ وان اقتدیٰ مسافر بمقيم اتم اربعاً وان افسده يصلى ركعتين الخ (فتاوىٰ عالمگيرى ج ۱ ص ۱۴۲ فى صلاة المسافر)

عمدۃ الفقہ میں ہے۔ مسافر کی اقتداء مقیم کے پیچھے وقت کے اندر درست ہے پس اگر مسافر نے وقت کے اندر مقیم امام کی اقتدا کی تو چار رکعتیں پوری پڑھے بوجہ متابعت امام اور اگر اس کو فاسد کر دیا یا کسی وجہ سے فاسد ہوگئی تو اب اگر اکیلا پڑھے یا کسی مسافر کی اقتدا کرے تو دو رکعتیں پڑھے، کیونکہ جس وجہ سے وہ چار لازم ہوئی تھیں وہ وجہ زائل ہوگئی اور اگر پھر مقیم کی اقتداء کی تو چار پڑھے (عمدۃ الفقہ ج ۲ ص ۴۲۲ مصنفہ حضرت مولانا شاہ زوار حسین رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً، مطبوعہ کراچی)

اور اگر فساد ایسا ہے جس کی تلافی سجدۂ سہو سے ہوسکتی ہے تو ایسی نماز سے فریضہ ادا ہو جاتا ہے، البتہ واجب چھوٹنے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے اور سجدہ نہ کرنے کی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے، لہٰذا اگر ایسی صورت ہے تو بعد میں چار رکعت پڑھے گا کیونکہ فریضہ پہلی نماز سے ادا ہو چکا ہے یہ دوسری نماز اس کی تکمیل کے لئے ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

آبادی بڑھ گئی تو مسافر کس جگہ سے بنے گا:

(سوال ۲۳۳) آج کل شہر اتنے وسیع ہو گئے ہیں کہ بہت سی بستیاں اور گاؤں جو پہلے الگ تھے اب شہر سے ملحق ہو کر شہر کا ایک حصہ بن گئے ہیں مثال کے طور پر دہلی اور بمبئی اور دیگر شہر، البتہ پورا شہر مختلف محلوں حلقوں اور کالونیوں پر مشتمل ہوتا ہے جن کے نام جدا جدا ہوتے ہیں اب سفر میں جانے والا شخص اپنے محلّہ یا حلقہ کے حدود سے نکل کر مسافر بنے گا یا شہر دہلی کے حدود سے نکل کر مسافر بنے گا؟

اگر مسافرت شہر دہلی کے حدود سے نکل جانے پر شروع ہوتی ہے تو مزید ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شہر دہلی کی آبادی دوسرے شہر غازی آباد کی آبادی سے ملی ہوئی ہے آبادی کا تو تسلسل ہے مگر آبادی کا نام حتیٰ کہ ضلع اور صوبہ بھی بدل جاتا ہے، اب شہر دہلی کی حد کہاں تک مانی جائے جہاں تک سرکاری اعتبار سے اس کی حد ہے یا جہاں تک آبادی کا تسلسل ہے؟ بینوا توجروا

(الجواب) وطن اصلی یا وطن اقامت کی آبادی سے باہر ہوجانے پر شرعی مسافر کا اطلاق ہوگا دوسری آبادی اگر چہ متصل ہو مگر وہ دوسری آبادی ہے، دونوں کے نام الگ ہیں، حکومت اور کارپوریشن (یعنی میونسپلٹی۔ نگر پالیکا) نے دونوں آبادیوں کے حدود الگ الگ مقرر کئے ہیں اس لئے وہ دونوں دو مستقل آبادیاں (یعنی شہر) شمار ہوں گی اور شرعی مسافر کا اطلاق اس وقت ہوگا جب کہ اپنی آبادی (یعنی شہر) کے حدود سے تجاوز کر جائے، اور اگر متصل ہونے کی وجہ سے کارپوریشن نے دونوں کو ایک کر دیا ہو تو اب وہ آبادی شہر کا محلہ ہے اور وہ محلہ شہر کا جزء ہے لہذا اب اس سے تجاوز ہونے پر مسافرت کے احکام جاری ہوں گے۔

شامی میں ہے۔ **واشار الی انه یشترط مفارقة ما کان من توابع موضع الا قامة کربض المصر وهو ما حول المدینة من بیوت ومساکن فانه فی حکم المصر وکذا القریٰ المتصلة بالربض فی الصحیح (شامی ج ۱ ص ۷۳۲ باب صلوة المسافر)**

مراقی الفلاح میں ہے۔ **ویشترط ان یکون قد (جاوز ایضا ما اتصل به) ای بمقامه (من فنائه) کما یشترط مجاوزة ربضه وهو ما حول المدینة من بیوت ومساکن فانه فی حکم المصر یشترط مجاوزتها فی الصحیح. (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۲۳۰ باب صلاة المسافر)**

شرعی مسافر کب ہوگا؟:

(سوال ۲۳۴) ایک مولانا صاحب وطن اصلی سے ستر اسی میل کے مسافت پر ملازمت کرتے ہیں، گویا جائے ملازمت ان کا وطن اقامت ہے، اب یہ مولانا صاحب اپنی جائے ملازمت (یعنی وطن اقامت) سے پچیس تیس میل یعنی شرعی مسافت سے کم کا سفر کریں تو وہ اپنے وطن اصلی کے حساب سے شرعی مسافر ہوجاتے ہیں لیکن وطن اقامت کے اعتبار سے مسافر نہیں ہوتے، سوال یہ ہے کہ سفر کہاں سے شمار ہوگا، وطن اصلی سے یا وطن اقامت سے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں وطن اقامت سے سفر شروع ہوگا تو وہ مسافر نہ ہوگا کیونکہ مسافت شرعی نہیں پائی گئی (۱) اور اگر وطن اصلی سے سفر کی ابتداء ہو تو مسافت شرعی کے سبب مسافر شمار ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ڈرائیور، کنڈکٹر اتمام کریں یا قصر:

(سوال ۲۳۵) میں سرکاری بس میں کنڈکٹری کرتا ہوں، مڈھی (ایک بستی کا نام ہے) واںکانیر سے تقریباً بائیس کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے وہاں جا کر سوسوا سو کلومیٹر کی مسافت پر آنا جانا ہوتا ہے، اس کے بعد رات دیہاتوں میں گزارنا پڑتا ہے، ایک مرتبہ مڈھی سے ملازمت پر نکل چکنے کے بعد ایک دو دن کے بعد مڈھی آنا ہوتا ہے تو کیا میں فرض نماز پوری پڑھوں یا قصر کروں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب آپ واںکانیر سے بقصد ملازمت مڈھی، پھر وہاں سے سو یا سوا سو کلومیٹر کے سفر کے ارادے سے نکلتے ہیں اسی وقت سے شرعی مسافر شمار ہوں گے اور حکم قصر عائد ہوگا **یقصر الفرض الرباعی من**

---

(۱) من خرج من عمارة موضع اقامته. قاصداً ولو کافراً ومن طاف الدنیا بلاقصد لم یقصر مسیرة ثلاثة ایام ولیالیها ... صلی الفرض الرباعی رکعتین الخ. (درمختار مع الشامی . باب صلوة المسافر. ج: ۱ ص: ۷۳۲-۷۳۴)

نوی السفر ولو کان عاصیا بسفرہ اذا جاوز بیوت مقامہ وجاوز ایضا ما اتصل بہ من فنائہ(نور الایضاح ص ۱۰۲ باب صلاۃ المسافر)وطن اصلی وانکار نیر ہے تو وہاں پہنچتے ہی مقیم بن جائیں گے اور اتمام ضروری ہے، اگر نڈیمی یا کسی اور جگہ میں پندرہ دن یا زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرلی ہے تو مقیم بن جائیں گے ولا یزال یقصر حتی یدخل مصرہ او ینوی اقامتہ نصف شہر ببلد او قریۃ (ایضاً ص ۱۰۳ ایضاً) اور وہ جگہ وطن اقامت کہی جائے گی، وہاں سے سفر شرعی کرنے تک اس جگہ اتمام ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

(۱) مقیم کی اقتداء میں مسافر کا قصر کرنا (۲) مقیم مقتدی، مسافر امام کے سلام کے بعد بقیہ رکعات میں قراءت کرے یا نہ کرے

(سوال ۲۳۶)(۱) اگر مسافر نے مقیم کی اقتداء میں قصر پڑھی تو مسافر کی نماز ہوگی یا نہیں؟

(الجواب)(۱) حامداً ومصلیاً ومسلماً، مسافر مقیم امام کی اقتداء کرے تو پوری پڑھے قصر کرے گا تو نماز نہ ہوگی۔(۱) **فقط.**

(۲) اگر امام مسافر تھا اور مقتدی مقیم تھے، امام نے قصر کی، پھر مقتدی حضرات اپنی نماز پوری کرنے کھڑے ہوئے تو باقی رکعات میں فاتحہ اور سورت پڑھنا ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) مقیم مقتدی، مسافر امام کے سلام کے بعد اپنی باقی رکعتوں میں نہ سورۂ فاتحہ پڑھے نہ ضم سورہ کرے۔ (فاذا قام) المقیم (الی الا تمام لا یقرأ ...... (فی الا صح) للانہ کاللاحق (در مختار) (قولہ فاذا قام المقیم الخ) ای بعد سلام الا مام المسافر الخ (ردالمحتار ج ۱ ص ۷۴۰ باب صلوٰۃ المسافر) **فقط و اللہ اعلم بالصواب .**

حنبلی مسافر امام قصر نہیں کرتا تو حنفی مقیم مقتدی کی نماز ہوئی یا نہیں

(سوال ۲۳۷) حنبلی مذہب کا امام مسافر قصر نہیں کرتا اس کے پیچھے مقیم حنفی کی نماز درست ہوگی؟ بلا کراہت؟ یا با کراہت؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ جو مسافر امام قصر نہ کرے اس کے پیچھے حنفی مقیم کی نماز صحیح نہ ہوگی، عرفات میں حنبلی امام مقیم ہونے کے باوجود قصر کرتا ہو تو اس کے پیچھے حنفی مقتدی کی نماز ادا نہ ہوگی، خواہ مقیم ہو یا مسافر (شامی ص ۲۳۸ کتاب الحج ج ۲، فتاویٰ رحیمیہ ص ۸۹، ص ۹۰ ج ۸) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وان اقتدی مسافر بمقیم اتم اربعاً وان افسدہ یصلی رکعتین الخ فتاوی عالمگیری صلاۃ المسافر ج ۱ ص ۱۴۲.

سجدۃ السہو

سورۂ فاتحہ مکرر پڑھ لی تو کیا حکم ہے؟

(سوال ۲۳۸) نماز میں سورۂ فاتحہ بھول سے مکرر پڑھ لے تو سجدۂ سہو لازم ہے یا نہیں؟

(الجواب) سورۂ فاتحہ بھول کر دوبار مسلسل پڑھ لینے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے اس لئے کہ سورت ملانے میں تاخیر ہوئی، اگر سورت پڑھ لینے کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھی تو سجدۂ سہو لازم نہیں ہے ''زاد الفقیر'' میں ہے **فلو قرأ الفاتحة ثم السورة ثم الفاتحه فلا سجود علیه** (ص ۶۳) (یعنی) اگر سورہ فاتحہ پڑھی اس کے بعد سورت پڑھی پھر سورہ فاتحہ پڑھی تو سجدۂ سہو نہیں ہے لیکن اگر فرض نماز کی اخیری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ مکرر پڑھ لے تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا ''زاد الفقیر'' میں ہے **وکذا قرأة الفاتحة مرتین متوالین فی رکعة من الأولین اما اذا کررها فی الاخریین فلا یجب** (ص ۶۳) **فقط و اللہ اعلم بالصواب.**

فرض نماز کی چوتھی رکعت میں فاتحہ کے ساتھ سورۃ

(سوال ۲۳۹) ثلاثی و رباعی نماز میں تیسری چوتھی رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ پڑھ لی تو سجدۂ سہو لازم ہے یا نہیں؟

(الجواب) مذکورہ صورت میں سجدۂ سہو لازم نہیں۔ **وهل یکره فی الا خریین المختار لا (درمختار) قوله المختار لا ای لا یکره تحریماً بل تنزیهاً لا نه خلاف السنة قال فی المنیة وشرحها (الیٰ قوله) وفی اظهر الروایات لا یجب لان القراۃ فیهما مشروعة من غیر تقدیر والا قتصار علی الفاتحة مسنون لا واجب (شامی ج ۱ ص ۴۲۷ باب صفة الصلوة قبیل مطلب کل شفع من النفل صلاۃ)فقط و اللہ اعلم بالصواب.**

جمعہ کی چار رکعات سنت کے قعدۂ اولیٰ میں درود شریف پڑھنا کیسا ہے:

(سوال ۲۴۰) ظہر اور جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد کی چار رکعات سنت مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں درود شریف پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) مذکورہ سنن کے قعدۂ اولیٰ میں درود شریف نہ پڑھے غلطی سے پڑھ لیوے تو سجدۂ سہو کرے۔ ہاں جمعہ کے بعد کی چار رکعت کے قعدہ اولیٰ میں درود شریف پڑھ لینے سے سجدۂ سہو کا واجب ہونا مسلم نہیں۔ علامہ شامی وغیرہ علمائے محققین کا اس میں اختلاف ہے۔ (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۶۳۳)(۱) **فقط و اللہ اعلم بالصواب.**

---

(۱) **ولا یصلی علی النبی صلی اللہ علیه وسلم فی القعدۃ الاولیٰ فی الاربع قبل الظهر والجمعة وبعدها ولو صلی ناسیا فعلیه السهو وقیل لا شمسی ولا یستفتح اذا قام الی الثالثة منها لا نها لتأکدها اشبهت الفریضة وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی قال فی الشامیة تحت قوله وقیل لا الخ قال فی البحر و لا یخفی ما فیه والظاهر الا ول زاد فی المنح ومن ثم عولنا علیه وحکینا مافی القنیة . اباب الوتر و النوافل)**

سنت غیر مؤکدہ اور نوافل کے قعدۂ اولیٰ میں درود شریف پڑھ سکتے ہیں:

(سوال ۲۴۱) عصر اور عشاء کی فرض نماز سے پہلے چار رکعات نماز سنت غیر موکدہ ہے اس کے قعدۂ اولیٰ میں درود شریف پڑھ لیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) نماز عصر و عشاء کے فرض سے پہلے چار رکعت سنت غیر موکدہ اور دوسری چار رکعت نفل نماز کے بعد قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود شریف وغیرہ پڑھ سکتے ہیں اس سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ درمختار میں ہے۔ وفی البواقی من ذوات الا ربع یصلی ترجمہ۔ ظہر اور جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد کی چار رکعت سنت موکدہ کے سواء دوسری چار رکعت سنت غیر موکدہ اور چار رکعت نوافل کے قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود شریف وغیرہ اور تیسری رکعت کے شروع میں ثناء وتعوذ بھی پڑھ سکتے ہیں (درمختار مع الشامی ج ا ص ۶۳۴ ایضاً۔ فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۱۱۳)[1] فقط و اللہ اعلم بالصواب۔

بجائے فاتحہ التحیات:

(سوال ۲۴۲) اگر بجائے فاتحہ کے التحیات یا بجائے التحیات کے سورۂ فاتحہ پڑھ لی جائے تو سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) ہاں دونوں صورتوں میں بوجہ ترک واجب سجدۂ سہو واجب ہوگا۔[2] فقط و اللہ اعلم بالصواب۔

صلوٰۃ التسبیح میں تسبیح کم وبیش ہوجائے:

(سوال ۲۴۳) صلوٰۃ التسبیح میں کبھی سبحان اللہ الخ تعداد سے زیادہ یا کم پڑھا جائے تو سجدۂ سہو ہے یا نہیں؟ اور سجدہ کرے تو اس میں سبحان اللہ پڑھے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں۔ چھوٹی ہوئی تسبیح دوسرے رکن میں پڑھے لیکن رکوع میں اگر تسبیح رہ گئی ہے تو قومہ میں نہ پڑھے بلکہ پہلے سجدہ میں پڑھے اسی طرح سجدہ کی فوت شدہ تسبیح جلسہ میں نہیں بلکہ دوسرے سجدہ میں پڑھے کیونکہ قومہ اور جلسہ مختصر رکن ہیں ان میں پڑھے گا تو طوالت ہوجائے گی جو ان کی وضع کے خلاف ہے۔ ہر رکعت میں پچھتر تسبیح ہونی چاہئے اس سے کم نہ ہونی چاہئے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے شامی باب الوتر و النوافل مطلب فی صلاۃ التسبیح۔

اگر امام قرأت میں غلطی کرے تو سجدۂ سہو ہے یا نہیں:

(سوال ۲۴۴) امام نے تین آیت سے پہلے ہی غلطی کی اور مقتدیوں کے لقمہ دینے سے پہلے ہی اپنی غلطی کی اصلاح کرکے نماز ادا کی تو ایسی حالت میں سجدہ سہو کرنا لازم ہوگا یا نہیں۔

---

(۱) وفی الاربع قبل الظهر والجمعة وبعدها لا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القعدة الاولی ولا یستفتح اذا قام الی الثالثة بخلاف سائر ذوات الاربع من النوافل کذا فی الذاهدی. الباب التاسع فی النوافل)

(۲) واذا قرء الفاتحة مکان التشهد فعلیه السهو وکذلک اذا قرء الفاتحة ثم التشهد کان علیه السهو فتاوی عالمگیری الباب الثانی عشر فی سجود السهو ج ۱ ص ۱۲۷ ۔

(الجواب) اس صورت میں سجدۂ سہو لازم نہیں ہے نماز درست ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(سوال ۲۴۴) جیسا کہ پہلے سوال میں عرض کیا گیا امام سے غلطی ہوئی۔ مقتدیوں نے لقمہ دیا۔ امام نے لقمہ لیا۔ پھر قرأت ختم کر کے رکوع کیا تو کیا اس حالت میں سجدۂ سہو لازم ہوگا۔

(الجواب) اس صورت میں بھی سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا نماز صحیح ہے۔(۲) فقط و اللہ اعلم بالصواب۔

سجدۂ سہو دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد:

(سوال ۲۴۵) نماز میں سجدۂ سہو واجب ہوا وہ یاد نہ رہا اور دونوں جانب سلام پھیرنے کے بعد یاد آیا تو اسی وقت سجدۂ سہو کر کے التحیات و درود و دعا پڑھ کر نماز ختم کی تو نماز صحیح ہوئی یا اعادہ کرے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں نماز صحیح ہوئی اعادہ کی ضرورت نہیں۔(۳)

اگر سلام پھیرنے میں سہو ہو جائے:

(سوال ۲۴۶) مصلی نے بجائے داہنی جانب کے بائیں جانب سلام پھیر دیا تو اب داہنی جانب سلام پھیر کر دوبارہ بائیں جانب پھیرے یا نہیں؟ اور سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) فقط داہنی جانب سلام پھیر لے بائیں جانب سلام پھیرنے کی حاجت نہیں اور نہ سجدۂ سہو کی ضرورت ہے نماز صحیح ہے (جوہرہ ج ۱ ص ۵۵)(۴)

چار رکعت والی فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت میں فاتحہ کے ساتھ سورۃ ملائے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۲۴۷) چار رکعت والی فرض نماز میں تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورۃ پڑھے تو سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) مذکورہ صورت میں سجدۂ سہو لازم نہیں ہے۔ وهل يكره في الا خريين المختار لا (درمختار) (قوله المختار لا) اى لايكره تحريماً بل تنزيهاً لا نه خلاف السنة قال في المنية وشرحها فأن ضم السورة الى الفاتحة ساهيا يجب عليه سجد تا السهو في قول ابي يوسف لتأ خير الركوع عن محله وفي اظهر الروايات لا يجب لان القراء ة فيهما مشروعة من غير تقدير والاقتصار على الفاتحة مسنون لا واجب اه وفي البحر فخر الاسلام ان السورة مشروعة في الا خريين نفلا وفي الذخيرة انه المختار وفي المحيط وهو الاصح اه والظاهر ان المراد بقوله نفلاً الجواز والمشروعية بمعنى عدم الحرمة فلا ينافي كونه خلاف الا ولىٰ كما افاده في الحلية (درمختار مع الشامي ج ۱ ص ۴۲۷ باب صفة الصلاة قبيل مطلب كل شفع من النفل صلاة) فقط و اللہ اعلم بالصواب .

---

(۱) ذكر في الفوائد لو قرء في الصلاة بخطأ فاحش ثم رجع وقرء صحيحاً قال عندى صلاته جائزة وكذلك الا عراب فتاوىٰ عالمگیری الفصل الخامس فی زلۃ القاری ج ۱ ص ۸۲.

(۲) بخلاف فتحه على امامه فانه لا يفسد مطلقا لفاتح أخذ بكل حال قال في الشامية تحت قوله بكل حال اى سواء قرء الامام قدر ما تجوز به الصلوة ام لا شامي باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها ج ۱ ص ۵۸۲.

(۳) سلام من عليه السجود السهو يخرجه من الصلاة خروجا مؤ قوفا ان سجد عاد اليه والا لا ..... ويسجد للسهو ولو مع سلامه ناويا للقطع..... مالم يحول عن القبلة او يتكلم در مختار على هامش شامي باب سجود السهو ج ۱ ص ۷۰۴.

(۴) وسلم اولا عن يساره ناسيا او ذاكر اسلم عن يمينه وليس عليه ان يعيد عن يساره وليس عليه سهو ه باب صفة الصلاة)

سجدۂ سہو میں بجائے دو سجدے کے ایک سجدہ کرے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۴۸) امام صاحب کو صبح کی نماز میں سہو ہوا بعد میں امام صاحب نے اصول کے مطابق سجدۂ سہو کیا۔ لیکن سہو کا ایک ہی سجدہ کیا۔ تشہد، درود شریف اور دعا، پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ کیا یہ نماز ہوئی یا نہیں؟ یا کیسی ہوئی؟ بحوالہ کتب جواب ارسال فرمائیں!

(الجواب) سجدہ سہو کے لئے دو سجدے واجب ہیں ایک سجدہ کافی نہیں ہے۔ لہٰذا نماز قابل اعادہ ہے۔ یجب سجدتان باب سجود السهو (نور الایضاح ص ۱۱۵) (سجدتان) لانه صلی الله علیه وسلم سجد سجدتين لسهو وهو جالس بعد التسليم وعمل به الاكابر من الصحابة والتابعين (مراقی الفلاح ص ۹۳ ایضاً) یسجد للسهو فی الزیادة والنقصان سجدتين بعد السلام (الی قوله) ولنا قوله علیه السلام لكل سهو سجدتان بعد السلام (هدایه ص ۱۳۶ ج ۱ ایضاً) فقط و الله اعلم بالصواب.

مسبوق بھول سے امام کے ساتھ سلام پھیر دے:

(سوال ۲۴۹) میری عصر کی پہلی رکعت چلی گئی اور چوتھی رکعت پر جب امام نے سلام پھیر دیا تو میں نے بھی بھول سے دونوں طرف سلام پھیر دیا۔ پھر یاد آیا کہ ایک رکعت چلی گئی ہے۔ اب میں نے وہ چھوٹی ہوئی رکعت ادا کی۔ تو مجھ پر سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ یا نہیں۔ اگر لازم ہوگا تو کیوں؟ اور لازم نہ ہوگا تو کیوں؟ اگر ایک طرف سلام پھیرا ہے تو کیا صورت نکلے گی۔ اور کیا اس صورت میں بھی سجدۂ سہو لازم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) غلطی سے ایک طرف یا دونوں طرف سلام پھیر دیا۔ تو اگر امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس نے سلام پھیرا ہے تو سجدۂ سہو لازم ہے (اس لئے کہ بحالت انفراد سلام پھیرا ہے) ورنہ لازم نہیں (اس لئے کہ مقتدی ہے اور مقتدی پر اس کی غلطی سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا) ولو سلم ساهياً ان بعد امامه لزمه السهو والا لا (درمختار) (قوله لزمه السهو) لانه منفرد فی هذه الحالة ح (قوله والا لا) ای وان سلم معه اوقبله لا يلزمه لانه مقتدفی هاتين الحالتين ح وفی شرح المنية عن المحيط ان سلم فی الاول مقارناً لسلامه فلا سهو عليه لانه مقتد به وبعده يلزم لانه منفرد اه (شامی ص ۵۶۰ ج ۱ آخر باب الامامة)

اکثر یہ ہوتا ہے کہ امام کے سلام کے بعد ہی مقتدی سلام پھیرتا ہے اور اس صورت میں سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فرض کی تیسری یا چوتھی رکعت میں سورۃ ملالی تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۵۰) ایک شخص فرض نماز میں تیسری یا چوتھی رکعت میں کوئی سورت پڑھ لیتا ہے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فرض نماز کی تیسری یا چوتھی رکعت میں یا دونوں رکعتوں میں غلطی سے سورت ملالی تو نماز صحیح ہو جائے گی، سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں ہے۔

(وضم (قصر سورة فی الا ولین من الفرض)وهل یکره فی الا خر یین المختار لا (درمختار)قوله' المختار لا) قال فی المنیة وشرحها فان ضم السورة الی الفاتحة ساهیاً یجب علیه سجدتا السهو فی قول ابی یوسفؒ لتا خیر الرکوع عن محله وفی اظهر الروایات لا یجب لان القراءة فیهما مشروعة من غیر تقدیر والا قتصار علی الفاتحة مسنون لا واجب اه (شامی) ج ۱ ص ۴۲۷)باب صفة الصلوٰة)فقط و الله اعلم بالصواب ۹ ذی قعدی ۱۴۰۱ھ۔

جہری نماز میں سراً اور سری نماز میں جہراً پڑھا تو سجدۂ سہو لازم ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۵۱)امام نے بھول سے جہری نماز میں سراً قرأت کی اور سری نماز میں جہراً پڑھا تو سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟ اگر لازم ہوگا تو کتنی مقدار پڑھنے سے لازم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سری نماز میں جهراً یا جهری نمازمیں سراً بقدر ما تجوزبه الصلوٰة (یعنی بقدر تین چھوٹی آیت) پڑھا تو سجدۂ سہو لازم ہوگا، اس سے کم میں لازم نہیں معاف ہے کہ بچنا مشکل ہے۔ والمعتبر فی ذلک مقدار ما تجوزبه الصلوٰة علی الا ختلاف لان مادون ذلک قلیل لا یمکن الا حترازعنه (الا ختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص ۷۳ باب سجود السهو)وان جهر بعض القراءة فی السریة اواخفاء ها الامام فی الجهریة فان کان الجهر والا خفاء اقل مما تجوزبه فهو معفو معسر الا حتراز عنه (رسائل الا رکان ص ۹۳ ایضاً)فقط و الله اعلم بالصواب .

نماز میں سورۂ فاتحہ بتمامہا واجب:

(سوال ۲۵۲)مخدوم حضرت مفتی صاحب مدظلکم السلام علیکم۔نماز میں سورۂ فاتحہ کی قرأت واجب ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر کوئی آیت پوری یا جزواً آیت پڑھنے سے رہ گئی تو شرعی حکم کیا ہے؟ اس کو ترک واجب کہیں گے یا نہیں؟ اور پھر سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ازسورت۔

(الجواب) مسئلہ اختلافی ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سورہ فاتحہ بتمامہا (پوری) واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک نصف سے زائد پڑھنا وجوب کی ادائیگی کے لئے کافی ہے باقی حصہ چھوٹ جانے سے سجدہ سہو لازم نہ ہوگا، امام صاحب کا قول قوی اور احوط ہے، پس فاتحہ کا کوئی حصہ اور جزو چھوٹ جانے پر سجدۂ سہو لازم قرار دیا جائے گا قراءة فاتحة الکتاب فیسجد للسهو بترک اکثرها لا اقلها لکن فی المجتبیٰ یسجدبترک اية منها وهو اولیٰ قلت وعلیه فکل اية واجبة (درمختار) (قوله بترک اکثرها) یفید ان الواجب الا کثرولا یعری عن تأمل بحرو فی القهستانی انها بتما مها واجبة عنده واما عند هما فاکثر ها ولا یجب السهو بنسیان الباقی کما فی الزاهدی فکلام الشارح جار علی قولهما (طحطاوی علی الدرالمختار ج ۱ ص ۲۰ ۳باب صفة الصلاة). (قوله وعلیه)ای بناء علی ما فی المجتبیٰ فکل اية واجبة وفیه نظر لان الظاهران ما فی المجتبیٰ مبنی علی قول الا مام بانها بتما مها واجبة وذکر الآیة تمثیلا لا تقییداً اذ ابترک شیئی منها آیت اواقل ولو حرفاً لایکون آتیا بکلها الذی هو الواجب کماان الواجب

ضم ثلاث آیات فلو قرأ دونها کان تار کاً للواجب افاده الرحمتی (شامی ج ۱ ص ۴۲۶ ایضاًمطلب فی واجبات الصلاۃ). (قوله قرائۃ الفاتحه)قالوا بترک اکثرها یسجدللسهو لا ان ترک اقلها ولم ارما اذا ترک النصف نهر لکن فی المجتبی . یسجد بترک آیۃ منها وهو اولیٰ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۴۴ وفصل فی واجبات الصلوۃ)فقط و الله اعلم بالصواب .

سوۂ فاتحہ سے پہلے سورت پڑھنا شروع کردی:

(سوال ۲۵۳)سورۂ فاتحہ سے پہلے سورت پڑھنا شروع کردی پھر یاد آیا کہ پہلے سورہ فاتحہ پڑھنی چاہئے تھی تو اب کیا کرے؟اس صورت میں سورت چھوڑ کر سورہ فاتحہ پڑھے اور پھر سورت پڑھے؟یا سورت پڑھ کر سورۂ فاتحہ پڑھے؟اور مذکورہ صورت میں سجدۂ سہولازم ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سورت چھوڑ کر سورۂ فاتحہ پڑھے پھر سورت پڑھے اگر فاتحہ سے پہلے سورت کی ایک آیت پڑھ لی تھی تو سجدۂ سہولازم ہوگا، کیونکہ قرائت میں رکن کی مقدار ایک آیت پڑھنا ہے اور یہ موجب تاخیر ہے۔اور اگر ایک آیت سے کم پڑھا ہے تو سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا کہ سورۂ فاتحہ پڑھنے میں اتنی تاخیر معاف ہے۔وان قرأ السورۃ قبل الفاتحۃ اوبعضها ثم تذکر یعود الی الفاتحۃ ثم یقرء السورۃ ویسجد للسهو لان الترتیب بین الفاتحۃ والسورۃ لازم (رسائل الارکان ص ۹۳)

لان الظاهر ان العلة هی تاخیر الا بتداء بالفاتحۃ والتاخیر الیسیرو هو دون رکن معفو عنه تامل (الی قوله) وان غیر واحد من المشائخ قدر ها بمقداراداء رکن (شامی ص ۴۲۹ باب صفۃ الصلاۃ مطلب فی واجبات الصلاۃ)فقط و الله اعلم بالصواب .

سلام پھیرنے سے پہلے سجدۂ سہو کیا:

(سوال ۲۵۴)امام صاحب مغرب کی دوسری رکعت کے بعد قعدہ کرنے کے بجائے تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوگئے قیام کے قریب ہوتے تھے کہ مقتدی نے لقمہ دیا تو بیٹھ گئے اور آخر میں سجدۂ سہو کیا مگر ایک طرف سلام پھیرے بغیر کیا تو نماز کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں سجدہ سہو واجب ہوگیا،سجدۂ سہو سے پہلے ایک طرف سلام پھیرنا چاہئے،اگر نہ پھیرا تو اس سے کراہت تنزیہی لازم آئے گی مگر نماز ہوجائے گی ،اعادہ ضروری نہیں۔ ولو سجد قبل السلام جازو کرہ تنزیها(درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۶۹۱ باب سجود السهو)فقط و الله اعلم بالصواب .

امام سورۂ فاتحہ کے بعد سوچتا رہے:

(سوال ۲۵۵)بعض مرتبہ امام صاحب سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد سورت ملانے سے قبل تھوڑی دیر سوچتے ہیں تو اس نماز میں کچھ نقص آئے گا یا نہیں؟اور سجدۂ سہولازم ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سورۂ فاتحہ ختم کرنے کے بعد آمین کہنے اور سورت سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کے علاوہ اگر

ایک رکن کی ادائیگی کی مقدار یعنی تین مرتبہ سبحان اللہ کہا جاسکے اتنی دیر خاموش رہے اور سوچتا رہے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا سجدۂ سہو نہ کیا ہو تو نماز کا اعادہ کرے اور اگر اس سے کم وقفہ ہو تو کچھ لازم نہیں۔ (واعلم انه اذا شغله ذلک الشک فتفکر (قدراداء رکن ولم یشتغل حالة الشک) بقرأة ولا تسبیع)(وجب علیه سجود السهو) (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۰۶ باب سجود السهو) فقط و الله اعلم بالصواب.

سلام پھیرنے میں تاخیر ہوجائے تو سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۵۶) امام صاحب مغرب کی نماز کے قعدۂ اخیرہ میں التحیات، درود شریف و دعا پڑھ رہے تھے، اتنے میں ایک مقتدی نے قعدۂ اولیٰ سمجھ کر لقمہ دے دیا، یعنی سبحان اللہ کہا تو امام صاحب کھڑے ہوگئے لیکن جب دوسرے مقتدیوں نے اللہ اکبر کہا تو امام صاحب فوراً بیٹھ گئے اور نماز پوری کی اور سجدۂ سہو نہیں کیا، لیکن بعد میں بہشتی زیور حصہ دوم مسئلہ نمبر ۱۹ کو دیکھ کر نماز کا اعادہ کیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ امام نے دعا نصف سے زائد پڑھ لی تھی تو سجدۂ سہو کرنا پڑے گا؟ یہاں بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں تھی اس لئے کہ تمام فرائض ادا ہو چکے ہیں اور مذکورہ کتاب کے موافق عمدۃ الفقہ اور بہشتی ثمر میں بھی لکھا ہے، لیکن ہم کو اس بارے میں شرح صدر نہیں ہوتا لہذا آپ مفصل جواب تحریر فرمائیں اور ہمارے شبہ کو زائل فرمائیں۔ جزاکم الله خیر الجزاء بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں پہلی نماز ناقص ادا ہوئی تھی، اس لئے کہ سلام میں تاخیر ہوگئی تھی اور سلام واجبات صلوٰۃ میں سے ہے اور تاخیر واجب سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے، لہذا سجدۂ سہو کرنا ضروری تھا، سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز کا اعادہ ضروری ہے درمختار میں ہے۔ ویسجد للسهو فی الصورتین لنقصان فرضه بتاخیر السلام فی الاولیٰ وترکه فی الثانیة (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۰۱ باب سجود السهو) عالمگیری میں ہے۔ رجل صلی الظهر خمساً وقعد فی الرابعة قدر التشهد ان تذکر قبل ان یقید الخامسة بالسجدة انها الخامسه عادالی القعدة وسلم کذا فی المحیط ویسجد للسهو کذا فی السراج الوهاج (عالمگیری ج ۱ ص ۸۲ الباب الثانی عشر فی سجود السهو) فقط و الله اعلم بالصواب.

سورۂ فاتحہ اور چند آیات پڑھنے کے بعد پھر سورۂ فاتحہ پڑھے:

(سوال ۲۵۷) ہماری مسجد کے امام نے عشاء کی نماز میں سورۂ فاتحہ اور تقریباً چھ آیتیں تلاوت کرلیں اس کے بعد ان کو ظن غالب یہ ہوا کہ میں نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی، اس لئے انہوں نے سورۂ فاتحہ دوبارہ پڑھی اور پھر اس کے بعد سورۃ تلاوت کی۔ پہلی مرتبہ ان کو سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے کا گمان غالب تھا حالانکہ حقیقت میں انہوں نے پڑھی تھی، تو گویا انہوں نے دو مرتبہ سورۂ فاتحہ اور دو مرتبہ سورۃ تلاوت کی تو اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو کیوں؟ اور اگر واجب نہ ہوگا تو کس وجہ سے؟ بالتفصیل جواب تحریر فرمائیں۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً: سورۂ فاتحہ پوری پڑھنے کے بعد جب سورت کی چھ آیتیں بھی پڑھ لی تھیں تو اب سورۂ فاتحہ اور سورۃ کو دوبارہ پڑھنے کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم نہیں آیا، کیونکہ متوالیاً تکرار فاتحہ سے سورۃ ملانے میں تاخیر لازم آتی ہے اور سورۂ فاتحہ کے بعد متصلاً سورت ملانا واجب ہے، اس وجہ سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے اور صورت مسئولہ میں تکرار

فاتحہ متوالیاً نہیں ہے اس لئے سجدۂ سہو واجب نہیں۔ ولو قرأها فی رکعة من الا ولیین مرتین وجب سجود السهو لتاخیر الواجب وهو السورة کما فی الذخیرة الخ (شامی ج ۱ ص ۴۲۹ باب صفة الصلاة مطلب فی واجبات الصلاة) فلو قرأ الفاتحة مرتین قبل السورة وجب سجود السهو لتاخیر السورة (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۳۲۱) وکرر الفاتحة فی رکعة من الا ولیین متوالیاً (الی قوله یجب علیه سجود السهو لدزوم تاخیر الواجب وهو السورة (الی قوله) ولو قرء الفاتحة ثم السورة ثم الفاتحة لا یلزمه السهو وقیل یلزمه (ایضاً کبری ص ۴۳۳) ولو قرأ لفاتحة مرتین فی الا ولیین فعلیه السهو لا نه اخر السورة ولو قرأ فیهما الفاتحة ثم السورة ثم الفاتحة ساهیا لم یجب علیه سهو وصار کانه قرأ سورةً طویلةً (الجوهرة باب صفة الصلاة النیرة ج ۱ ص ۷۷)

ان عبارات سے صاف طور پر واضح ہوگیا کہ مذکورہ صورت میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب وعلمہ، اتم واحکم۔

تشہد کا کچھ حصہ چھوٹ جائے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۵۸) قعدۂ اولیٰ میں یا قاعدۂ ثانیہ میں تشہد کا کچھ حصہ پڑھنے سے رہ گیا تو سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) تشہد کل واجب ہے، اکثر یا بعض حصہ چھوٹ جانے سے بھی سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے۔ ولو ترک التشهد فی القعدتین اوبعضه لزمه السجود فی ظاهر الروایة لا نه ذکر واحد منظوم فترک بعضه کترک کله (طحطاری علی مراقی الفلاح ص ۲۶۷ فصل فی بیان واجب الصلاة) فقط و الله اعلم بالصواب.

سورۂ فاتحہ مالک یوم الدین تک پڑھ کر دوبارہ پڑھے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۵۹) امام نے مالک یوم الدین تک پڑھ کر دوبارہ الحمد للہ پڑھی تو اس صورت میں سجدۂ سہو ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ ایک آیت بھی دوبارہ پڑھے تب بھی سجدۂ سہو واجب ہے اور بکر کہتا ہے کہ آدھی سورت سے زیادہ پڑھنے کے بعد دوبارہ سورۂ فاتحہ پوری پڑھے تو سجدۂ سہو واجب ہے، آپ فیصلہ فرمائیں کہ صحیح کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) صحیح یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کی ایک آیت بھی سہواً چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو واجب ہے، اور سورۂ فاتحہ کی تکرار سے یا آدھی سے زیادہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر اعادہ کرنے سے سجدۂ سہو واجب ہے، مذکورہ صورت میں مالک یوم الدین تک پڑھ کر سہواً دوبارہ اعادہ کرنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں، (۱) یہ حکم ان رکعتوں کا ہے جس میں سورۂ فاتحہ واجب ہے، ہاں جن رکعتوں میں سورۂ فاتحہ واجب نہیں ہے ان کا یہ حکم نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ولو قرء الفاتحة الا حرفا اوقرء اکثرها ثم عاد ساهیا فهو بمنزلة ما لو قرأها مرتین کذا فی الظهیریة فتاوی عالمگیری الباب الثانی عشر فی سجود السهو

(۲) مغرب کی تیسری رکعت اور چار رکعت والے فرائض کی آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ واجب نہیں ہے، ان رکعتوں میں سورۂ فاتحہ مکرر پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا۔ قال فی شرح المنیه وقیل بالاولیین لان الاقتصار علی مرة فی الاخرین لیس بواجب حتی لا یلزمه سجود السهو بتکرار الفاتحة فیهما سهواً الخ (شامی ج ۱ ص ۴۳۰ واجبات الصلاة)

سجدۂ سہو کے وجوب میں تمام نمازیں برابر ہیں؟:

(سوال ۲۶۰) امام تراویح دو رکعت کے بعد قعدہ کرنے کے بجائے کھڑا ہو گیا لقمہ دینے سے بیٹھ گیا مگر سجدۂ سہو نہ کیا، دریافت کرنے پر کہا چونکہ تراویح سنت ہے اس میں سجدۂ سہو کرنے کی یا نماز دہرانے کی ضرورت نہیں تو کیا نماز تراویح میں امام سے کوئی غلطی موجب سجدۂ سہو ہو جائے تو سجدۂ سہو کرنے کی ضرورت نہ ہوگی؟ اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز دہرانے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) امام تراویح کا یہ کہنا کہ چونکہ "تراویح سنت ہے اس میں سجدۂ سہو کرنے یا نماز دہرانے کی ضرورت نہیں" یہ صحیح نہیں ہے۔ نماز فرض ہو یا واجب سنت ہو یا نفل تمام نمازوں میں سجدۂ سہو کا حکم یکساں ہے، البتہ نماز عیدا اور جمعہ میں جب کہ مجمع بہت زیادہ ہو اور سجدۂ سہو کرنے سے نمازیوں میں انتشار پیدا ہو جائے اور تشویش میں پڑ جائیں اور نماز خراب کرلیں تو ایسی صورت میں سجدۂ سہو معاف ہو جاتا ہے اسی طرح اگر کسی جگہ تراویح میں بھی مجمع کثیر ہو اور سجدہ کرنے سے نمازیوں میں انتشار اور نماز میں فساد کا قوی اندیشہ ہو تو سجدۂ سہو ساقط ہو جائے گا اور نماز کے اعادہ کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ والسہو فی صلوۃ العید والجمعة والمکتوبة والتطوع سواء. والمختار عند المتاخرين علمه فی الا ولیین لدفع الفتنة (درمختار)(قوله عدمه فی الا ولیین) الظاهر ان الجمع الکثیر فیما سواهما کذلک کمابحثه بعضهم ط وکذا بحثه الرحمتي وقال خصوصاً فی زماننا وفی جمعة حاشیة ابی السعود عن العزمیة انه لیس المراد عدم جوازه بل الا ولی ترکه لئلا یقع الناس فی فتنة اه (قوله وبه جزم فی الدرر) لکنه قیده محشیها الوافی بما اذا حضر جمع کثیر والا فلا داعی الی الترک ط (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۰۵ باب سجود السهو)(طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۳۰۰ ایضاً)فقط و الله اعلم بالصواب.

سجدۂ سہو میں مسبوق امام کے ساتھ سلام پھیر دے تو کیا حکم ہے

(سوال ۲۶۱) محترم مفتی صاحب سلام مسنون! آپ کے فتاوی رحیمیہ ج ۱ ص ۲۴۷ (جدید ترتیب کے مطابق، مسبوق مدرک لاحق کے احکام میں، کیا مسبوق امام کے ساتھ سلام پھیر سکتا ہے، کے عنوان کے تحت دیکھیں ص ۱۵۳ ج ۵۔ مرتب) اردو میں یہ فتویٰ ہے۔ مسبوق سجدۂ سہو کرنے میں امام کی متابعت کرے مگر سلام نہ پھیرے۔ سوال یہ ہے کہ اگر مسبوق امام کے ساتھ سلام پھیر دے تو اس مسبوق کو اپنی نماز کے آخر میں سجدۂ سہو کرنا ہوگا یا اس کی نماز فاسد ہو جائے گی؟ ہمارے یہاں یہ واقعہ پیش آیا ہے اور بعض حضرات یہ کہہ رہے ہیں کہ اس کی نماز فاسد ہوگئی آپ بحوالہ جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ از سورت۔

(الجواب) مسبوق سجدۂ سہو میں تو امام کی متابعت کرے گا مگر اس کے ساتھ سلام نہ پھیرے گا، اگر مقتدی نے یہ بات یاد ہوتے ہوئے کہ میری نماز باقی ہے سلام پھیر دیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی (۱) اور اگر سہواً (بھول سے) سلام

---

(۱) یہ مسئلہ خاص طور پر یاد رکھنا ضروری ہے بعض لوگ مسئلہ نہیں جانتے اور یہ گمان کر کے امام کے ساتھ سلام پھیر دیتے ہیں کہ ان کو بھی سلام پھیرنا چاہئے ایسے لوگوں کی نماز فاسد ہو جاتی ہے از سر نو نماز پڑھنا ضروری ہے اور گذشتہ زمانہ میں مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے ایسا ہو چکا ہے تو ان کا اندازہ کر کے قضا کرنا ضروری ہے ولو سلم علی ظن ان علیه ان یسلم فهو سلام عمداً یمنع البناء (کبیری ص: ۴۶۵ مصری)

پھیر دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور سجدۂ سہو بھی لازم نہ ہوگا کیونکہ وہ اس وقت مقتدی ہے اور مقتدی پر اس کی غلطی سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا۔ بدائع میں ہے ثم المسبوق انما یتا بع الا مام فی السھود ون السلام بل ینتظر الا مام حتی یسلم فیسجد فیتا بعه فی سجود السھو لا فی سلامه وان سلم فان کان عامداً تفسد صلاته وان کان ساھیاً لا تفسد ولا سھو علیه لانه مقتد وسھو المقتدی باطل فاذا سلم الا مام للسھو یتابعه فی السجود ویتا بعه فی التشھد (بدائع الصنائع ص ۱۷۶ فصل فی بیان من یجب علیه سجود السھو ومن لا یجب) فقط و الله اعلم بالصواب .

مسبوق نے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا تو؟

(سوال ۲۶۲) ایک شخص کی ظہر کی دو رکعتیں چلی گئیں چوتھی رکعت پر امام نے جب نماز سے نکلنے کے لئے سلام پھیرا تو اس شخص (مسبوق) نے بھول سے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا، پھر اس کو یاد آیا کہ میری دو رکعتیں چلی گئی ہیں فوراً کھڑا ہو گیا اور اپنی فوت شدہ رکعتیں ادا کیں اب اس پر آخر میں سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب امام نماز ختم کرنے کے لئے سلام پھیرے تو مسبوق کو امام کے ساتھ سلام پھیرنا نہیں چاہئے۔ ولا یسلم اذا سلم الا مام (ای للخروج عن الصلوٰۃ) لان ھذا السلام للخروج عن الصلوٰۃ وقد بقی علیه ارکان الصلوٰۃ (بدائع ج ۱ ص ۱۷۶)

اگر غلطی سے سلام پھیر دیا تو اگر امام کے سلام پھیرنے کے بعد سلام پھیرا ہے تو سجدۂ سہو لازم ہے (کہ بحالت انفراد سلام پھیرا ہے) ورنہ لازم نہیں (اس لئے کہ وہ مقتدی ہے اور مقتدی پر اس کی غلطی سے سجدہ سہو لازم نہیں ہوتا) بدائع میں ہے۔ ولا یسلم اذا سلم الا مام (ای للخروج عن الصلوٰۃ) لا ن ھذا السلام للخروج عن الصلوٰۃ وقد بقی علیه ارکان الصلوٰۃ فاذا سلم مع الا مام فان کان ذاکراً لما علیه من القضاء فسدت صلوته لا نه سلام عمد وان لم یکن ذاکراً له (ای لما علیه من القضاء) لا تفسد لانه سلام سھو فلم یخرجه عن الصلوٰۃ وھل یلزمه سجود السھو لا جل سلامه ینظر ان سلم قبل تسلیم الامام اوسلم معه لا یلزمه لان سھوه سھو المقتدی وسھو المقتدی متعطل وان سلم بعد تسلیم الا مام لزمه لان سھوه سھو المنفرد فیقضی ما فاته ثم یسجد للسھو فی اخر صلاته (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۷۶ ایضاً) (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۵۲۰ آخر باب الامامة)

اکثر یہ ہوتا ہے کہ امام کے بعد ہی مقتدی سلام پھیرتا ہے، اور اس صورت میں سجدۂ سہو لازم ہوگا، امام سے پہلے یا امام کے ساتھ ساتھ سلام پھیرنا بہت ہی نادر ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رکوع چھوٹ گیا یا صرف ایک سجدہ کیا تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۶۳) کوئی شخص رکوع کے بجائے سجدہ میں چلا گیا یا سہواً صرف ایک سجدہ کر کے کھڑا ہو گیا تو اس صورت میں نماز کی اصلاح کی کوئی صورت ہے؟ بینوا توجروا۔ (حیدرآباد)

(الجواب) نماز کے اندر اندر فوت شدہ رکوع اور سجدہ کو ادا کرلے اور پھر آخر میں سجدۂ سہو کرے تو نماز کی اصلاح ہو جائے گی ومنها رعاية الترتيب في فعل مكرر فلو ترك سجدة من ركعة فتذكرها في آخر الصلوٰة سجدها وسجد للسهو لترك الترتيب وليس عليه اعادة ما قبلها ولو قدم الركوع على القراءة لزمه السجود لكن لا يعتد بالركوع فيفرض اعادته بعد القرائة كذا في البحر الرائق (عالمگیری ج ۱ ص ۸۱ كتاب الصلوٰة الباب الثاني عشر في سجود السهو) فقط والله اعلم بالصواب. ۱۲ شوال المکرم ۱۳۹۹ھ.

قرأت میں تکرار کرے تو سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں:

(سوال ۲۶۴) قراءت میں تکرار کرے جیسے حفاظ تراویح میں کسی آیت پر آگے کی آیت یاد نہ آنے پر کرتے ہیں تو سجدۂ سہو لازم ہے؟ اگر یہ تکرار تین آیتیں ہو جانے کے بعد کرے یا اس سے پہلے کرے دونوں کا ایک ہی حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس صورت میں سجدہ سہو لازم نہیں، اگر چہ یہ تکرار تین آیات پڑھنے کے بعد کرے یا اس سے پہلے کرے، دونوں صورتوں میں سجدۂ سہو لازم نہیں۔ فقط اللہ علم بالصواب ۲۷ جمادی الاول ۱۴۰۰ھ۔

امام قعدۂ اولیٰ یا قعدۂ اخیرہ چھوڑ کر کھڑا ہونے لگا اور مقتدی کے لقمہ دینے سے بیٹھ گیا تو؟:

(سوال ۲۶۵) چوتھی رکعت میں التحیات پڑھ کر امام اٹھ رہا تھا کہ لقمہ دینے سے بیٹھ گیا یا قاعدۂ اولیٰ چھوڑ کر امام سجدہ سے قیام کو جا رہا تھا کہ لقمہ دینے سے بیٹھ گیا تو ہر دو صورت میں سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں؟ (حیدرآباد)

(الجواب) آخری قعدہ کر کے اگر امام پورا کھڑا نہیں ہوا تھا بلکہ بیٹھنے کے قریب تھا اور لقمہ دینے سے بیٹھ گیا تو سجدۂ سہو واجب نہیں، قعدۂ اولیٰ کا بھی یہی حکم ہے کہ بیٹھنے کے قریب ہو تو سجدۂ سہو واجب نہیں، اور اگر اوپر کھڑا ہو گیا یا کھڑے ہونے کے قریب ہو گیا تو سجدۂ سہو لازم ہے۔ ومن سهى عن القعدة الاولىٰ ثم تذكر وهو الى حالة القعود اقرب عاد وقعد وتشهد لان ما يقرب من الشيئي يا خذ حكمه ثم قيل يسجد للسهو للتاخير والاصح انه لا يسجد كما اذا لم يقم ولو كان الى القيام اقرب لم يعد لانه كا لقائم معنىً ويسجد للسهو لا نه ترك الواجب وان سهىٰ عن القعدة الا خيرة حتى قام الى الخامسة رجع الى القعدة مالم يسجد لان فيه اصلاح صلاته. (هدايه اولين ص ۱۳۹ باب سجود السهو) فقط والله اعلم بالصواب.

غلطی سے پہلے بائیں طرف سلام پھیر دیا:

(سوال ۲۶۶) کسی نے بھول سے پہلے بائیں طرف سلام پھیر دیا بعد میں سیدھی جانب تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز ہوجائے گی اور دوبارہ بائیں طرف سلام پھیرنا اس پر لازم نہیں ولو سلم اولاً عن یسارہ ناسیاً او ذاکراً یسلم عن یمینہ ولیس علیہ ان یعیدہ عن یسارہ ولیس علیہ سہو اذا فعلہ ناسیاً (الجوہرۃ النیرۃ ج ۱ ص ۵۵ باب صفۃ الصلاۃ) فقط و اللہ اعلم بالصواب .

عیدین وجمعہ کی نماز میں سجدہ سہو کس وقت ساقط ہوتا ہے؟:

(سوال ۲۶۷) عید کی نماز میں تکبیر زائدہ واجب ترک ہوجائے یا اور کوئی موجب سجدۂ سہو غلطی ہوجائے تو سجدۂ سہو کیا جائے یا نماز دہرائی جائے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عیدین کی نماز میں اسی طرح جمعہ وغیرہ میں مجمع کثیر ہو جس کی وجہ سے سجدۂ سہو کرنے سے انتشار ہونے اور لوگوں کی نماز خراب ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو سجدۂ سہو ساقط ہوجاتا ہے اور حرج عظیم کی وجہ سے اعادہ بھی معاف ہوجاتا ہے۔(ولا یاتی الامام بسجود السہو فی الجمعۃ والعیدین) دفعا للفتنۃ بکثرۃ الجماعۃ وبطلان صلاۃ من یری لزوم المتابعۃ وفساد الصلوۃ بترکہ (مراقی الفلاح ص ۹۴) (قولہ بکثرۃ الجماعۃ) واخذ العلامۃ الوانی من ھذہ السببیۃ ان علم السجود مقید بما اذا حضر جمع کثیر اما اذا لم یحضروا فالظاھر السجود لعدم الداعی الی الترک وھو التشویش (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۷۰ باب سجود السہو) (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۰۵ باب سجود السہو) فقط و اللہ اعلم بالصواب .

سجدۂ سہو کے بعد تشہد پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۶۸) سجدۂ سہو کے بعد التحیات پڑھے یا درود شریف دعا پڑھنا کافی ہے؟ اگر التحیات نہ پڑھے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سجدۂ سہو کے بعد التحیات (تشہد) پڑھنا ضروری ہے اگر التحیات نہ پڑھے تو نماز صحیح ہوجائے گی مگر واجب کا تارک ہوگا لہذا نماز واجب الاعادہ ہوگی، درمختار میں ہے (ویجب ایضا) تشہد وسلام لان سجود السہو یرفع التشہد (قولہ یرفع التشہد) ای قراء تہ حتی لو سلم بمجرد رفعہ من سجدتی السہو صحت صلاتہ ویکون تارکاً للواجب وکذا یرفع السلام امداد (درمختار شامی ج ۱ ص ۶۹۲، باب سجود السہو) (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۲۵۰ باب سجود السہو) (عمدۃ الفقہ ص ۳۶۱ ج ۲). فقط و اللہ اعلم بالصواب .

مغرب یا عشاء کی آخری رکعتوں میں امام نے سورۂ فاتحہ جہراً پڑھ لی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں

(سوال ۲۶۹) محترم المقام حضرت مفتی صاحب دامت فیضہم، بعد سلام مسنون! مزاج گرامی! عرض ہے کہ آپ کے فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۲۴۷ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب کے آخر میں، فرض کی آخری دو رکعتوں میں قرآت بالجہر کے عنوان سے دیکھئے ص۱۹۶ مرتب) میں ایک فتویٰ ہے کہ فرض کی آخری دو رکعت میں جہراً قرأت کی تو سجدۂ سہو واجب ہوا، بحر الرائق اور طحطاوی کا حوالہ ہے براہ کرم عبارت کتب بالا نقل فرما کر ممنون فرمائیں، غور طلب یہ ہے کہ فرض کی آخری دو رکعت میں جب قرأۃ کا درجہ ہی مسنونیت کا ہے تو جہراً پڑھنے سے سجدۂ سہو کیسے واجب ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فرض کی آخری ایک یا دو رکعت میں صحیح قول کے مطابق سورۂ فاتحہ پڑھنا مسنون ہے مگر ان رکعتوں میں بالاتفاق امام کے لئے سراً قرأت کرنا واجب ہے لہذا اگر امام جہراً قرأت کرے گا تو ترک واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا طحطاوی علی الدر المختار میں ہے۔(والجهر) للامام (والا سرار) للكل (فيما يجهر) فيه ويسر (درمختار)(قوله والا سرار للكل) اى للامام اتفاقاً ومنفرد على الاصح (بحر)(قوله ويسر) اى فيما يسر فيه وهو صلوة الظهر والعصر والثالثة من المغرب والا خريان من العشاء وصلوٰة الكسوف والا ستسقاء (طحطاوى على الدر المختار ج ا ص ۲۴۴ واجبات الصلاة)

بحر الرائق میں ہے (قوله والجهرو الا سرار فيما يجهر ويسر) فالحاصل ان الا خفاء فى صلوة المخافتة واجب على المصلى اما ماً كان او منفرداً وهى صلوة الظهروالعصر والركعة الثالثة من المغرب والاخريان من صلوة العشاء وصلوة الكسوف والا ستسقاء وهو واجب على الا مام اتفاقاً وعلى المنفرد على الا صح الخ (بحر الرائق ج ا ص ۳۰۲ واجبات الصلوة)

مراقی الفلاح میں ہے(ويجب الا سرار) فى جميع ركعات(الظهر والعصر) ولو فى جمعهما بعرفة (و) الا سرار (فيما بعد اولى العشاء ين) الثالثة من المغرب وهى والرابعة من العشاء.(مراقى الفلاح مع حاشية طحطاوى ص ۱۳۸ واجبات الصلوٰة)

وتسن (قرائة الفاتحة فيما بعد الا ولين) فى الصحيح وروى عن الا مام وجو بها وروى التخيير بين قراءة الفاتحة والتسبيح والسكوت.

طحطاوی میں ہے (قوله وتسن قرائة الفاتحة فيما بعد الا ولين)يشمل الثلاثى والرباعى (قوله فى الصحيح) هو ظاهر الرواية كما فى الحلبى (مراقى الفلاح وطحطاوى على مراقى ص ۱۴۷ سنن الصلوة) فقط و الله اعلم بالصواب .

کیا مسبوق تراویح میں سجدۂ سہو کرے گا۔

(سوال ۲۷۰) تراویح کی پہلی رکعت میں حافظ صاحب کے سہو کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوا اس کے بعد دوسری

رکعت میں ایک شخص نے اقتداء کی آیا یہ نووارد سجدۂ سہو کرے گا یا نہیں؟ امام صاحب کا کہنا ہے چونکہ حافظ صاحب سے سہو پہلے ہوا اور اقتداء بعد میں (یعنی دوسری رکعت میں) کی ہے، لہٰذا اس نووارد پر سجدۂ سہو نہیں؟، اس مسئلہ کو مدلل تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) وہ مقتدی مسبوق ہے اور مسبوق کا حکم یہ ہے کہ امام کے اتباع میں سجدۂ سہو کرے اگرچہ سہو اس کے اقتداء کرنے سے پہلے ہوا ہو، درمختار میں ہے **والمسبوق یسجد مع امامه مطلقاً سواء کان السهو قبل الا قتداء او بعده** (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۶۹۲ باب سجود السهو) یعنی مسبوق (جو امام کے ساتھ ایک رکعت کے بعد شریک ہوا ہو) امام کے ساتھ سجدۂ سہو کرے گا، چاہے امام سے سہو مسبوق کے اقتداء سے پہلے ہوا ہو یا بعد میں۔ البتہ مسبوق سلام پھیرنے میں امام کی اتباع نہ کرے، سلام پھیرے بغیر سجدۂ سہو کرے۔ اس کا ضرور خیال رکھے، اگر مسبوق نے یہ بات یاد رکھتے ہوئے کہ میری نماز باقی ہے امام صاحب کے ساتھ سلام پھیر دیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر سہواً سلام پھیرا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور سجدۂ سہو بھی لازم نہ ہوگا کیونکہ وہ اس وقت مقتدی ہے اور مقتدی پر اس کی غلطی سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا۔ (**بدائع ج ۱ ص ۱۷۶ فصل فی بیان من یجب علیه السهو ومن لا یجب علیه** (فتاوی رحیمیه ج۵ ص ۱۹۱، ۱۹۲) **فقط و الله اعلم بالصواب**.

مقتدی کے سہو سے سجدۂ سہو:

(سوال ۱۷۱) امام کی اقتدا کی حالت میں مقتدی سے سہو ہو جائے تو کیا بوقت سلام امام و مقتدی پر سجدۂ سہو ضروری ہے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں مقتدی سجدۂ سہو نہ کرے البتہ اگر امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق سے فوت شدہ نماز کی ادائیگی میں سہو ہو جائے تو سجدۂ سہو ضروری ہے **وسهو المؤتم لا یوجب السجود علی الامام لا نه متبوع لا تابع ولا علیه ای ولا علی المؤتم الخ** (کبیری) (ص۴۳۷ **فصل فی بیان من تجب علیه السهو ومن لا یجب علیه**) **وان سهی فی ما یقضی بعد فراغ الا مام یسجد السهو ایضاً**. (ایضاً ص ۴۳۸)

سجدۂ سہو بھول سے ایک ہی کیا تو نماز کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں:

(سوال ۱۷۲) امام صاحب سے سہو ہونے پر سجدۂ سہو کیا لیکن سجدۂ سہو صرف ایک کیا، نماز کا وقت گذر جانے پر خیال آیا کہ سجدۂ سہو بھی سہواً ایک ہی کیا ہے تو اب نماز کا اعادہ کس طرح کیا جائے، آیا ان مقتدیوں کو جمع کر کے نماز پڑھی جائے یا فرداً فرداً پڑھی جائے؟ مقتدیوں کو جمع کرنا ممکن ہے، اگر اعادہ نماز کی ضرورت نہ ہو تو بھی تحریر فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ سجدۂ سہو میں دو سجدے کرنا واجب ہے لہٰذا ایک سجدہ رہ جانے سے نماز ناقص اور واجب الاعادہ ہوئی ہے، **یجب سجدتان الخ باب سجود السهو** (نور الایضاح ص ۱۱۵) **وان النقص اذا دخل فی صلوة الا مام ولم یجبر و جبت الا عادة علی المقتدی ایضاً** (شامی ۱ /۴۲۵ باب

صفة الصلاة مطلب کل صلاة ادیت مع الکراهة التحریم تجب اعادتها) ایسی صورت میں نمازی منتشر ہونے سے پہلے یاد آ جائے تو نماز کا اعادہ با جماعت ضروری ہے، منتشر ہونے کے بعد سب کو جمع کرنا ضروری نہیں، فرادیٰ فرادیٰ ادا کر لینا کافی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

امام وتر کی تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو کر خاموش رہا تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۷۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ امام نماز وتر کی تیسری رکعت میں کھڑے ہونے کے بعد خاموش رہا، مقتدی نے الحمد کے بعد لقمہ دیا، پھر امام نے فوراً الحمد للہ کے بعد سورۃ ملا کر دعا قنوت پڑھ لی اور نماز ترتیب سے ختم کی، صرف خاموش ہونے سے سجدۂ سہو کرنا ہوگا؟ اگر سجدۂ سہو نہیں کیا تو نماز ہو گئی یا نہیں؟ یا نماز وتر دوبارہ پڑھنی چاہئے۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ تین دفعہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار خاموش رہنے کے بعد الحمد پڑھی ہے تو سجدہ سہو لازم ہے، اگر سجدہ سہو نہ کیا تو نماز قابل اعادہ ہے۔

واعلم انه اذا شغله ذلک الشک فتفکر قدر اداء رکن ولم یشتغل حالة الشک بقرائة ولا تسبیح ذکره فی الذخیرة وجب علیه سجود السهو. (باب سجود السهو درمختار ج ۱ ص ۷۰۶)

امام خاموش نہیں رہا بلکہ سورۂ فاتحہ سراً پڑھنے لگا تو اگر بقدر تین آیت پڑھنے کے پھر جہراً پڑھا تو سجدہ سہو لازم ہے۔ والجهر فیما یخافت فیه و عکسه بقدر ما تجوز به الصلوٰة (درمختار ج ۱ ص ۶۹۴) . فقط و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

فرض کی آخری دو رکعتوں میں قرأت بالجہر:

(سوال ۲۷۴) مغرب اور عشاء کی تیسری اور چوتھی رکعت میں امام قرأت بالجہر سہواً کرے تو سجدۂ سہو کرنا ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) ہاں سجدۂ سہو کرنا واجب ہے (طحطاوی ج ۱ ص ۲۴۴) [1] بحر الرائق واجبات الصلوٰۃ ص ۳۵۲ ج ۱ ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ومنها جهر الامام فیما یجهر فیه والا سرار فی محله مطلقاً واختلف فی القدر الموجب للسهو والا صح انه قدر ما تجوز به الصلاة فی الفصلین ، باب سجود السهو واجبات الصلاة)

سجدہ تلاوت

آیت سجدہ کو مکرر پڑھنا:

(سوال ۲۷۵) رمضان المبارک میں حفاظ، قرآن کا دور کرتے ہیں۔ایک پڑھتا ہے اور دوسرے حفاظ اور حاضرین سنتے ہیں۔اس طرح آیت سجدہ بار بار پڑھنے اور سننے میں آتی ہے تو سجدہ ایک ہی کیا جائے یا جتنی بار آیت پڑھی اور سنی جائے اتنی دفعہ سجدہ کرے؟

(الجواب) آیت سجدہ اگر ایک ہی مجلس میں مکرر پڑھی جائے تب بھی ایک سجدہ واجب ہوتا ہے۔صورت مسئول عنہا میں ایک ہی سجدہ کرے کیونکہ آیت اور مجلس ایک ہی ہے (شامی ج ۲ ص ۷۲۶)[1] (بحر الرائق ج ۲ ص ۱۲۵ ایضاً)

آیت سجدہ سن کر بجائے سجدہ کے رکوع میں چلا جائے:

(سوال ۲۷۶) نماز تراویح میں امام نے آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ میں گیا مگر مقتدی رکوع سمجھ کر رکوع میں گیا تو اس کی نماز اور سجدہ ادا ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں مقتدی کو چاہئے کہ رکوع چھوڑ کر سجدہ میں چلا جائے۔اگر رکوع کر کے پھر سجدہ میں گیا تو نماز صحیح ہوجائے گی اور سجدۂ تلاوت بھی ادا ہوجائے گا (درمختار شامی ج ۱ ص ۷۲۴)[2]

نماز میں سجدۂ تلاوت کے بعد دوبارہ آیات سجدہ پڑھ لے:

(سوال ۲۷۷) حافظ صاحب نے تراویح میں سجدۂ تلاوت ادا کرنے کے بعد کھڑے ہو کر بجائے اگلی آیت کے وہی آیت سجدہ دوبارہ پڑھ لی سجدہ تلاوت کے اعادہ کا حکم ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں پہلا سجدہ کافی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں اور سجدہ سہو بھی نہیں (عالمگیری ج ۱ ص ۱۲۵)[3]

چند حفاظ باہم آیت سجدہ کی تلاوت وسماعت کریں تو کتنے سجدے کریں:

(سوال ۲۷۸) ماہ رمضان میں حفاظ کرام دور سناتے ہیں ایک پڑھتا ہے دوسرے سنتے ہیں اسی طرح یکے بعد دیگرے سب پڑھتے ہیں اگر آیت سجدہ کی تلاوت ہو تو سب پر ایک ہی سجدہ ہے یا جس قدر حفاظ ہیں اسی قدر سجدے ہوں گے اور اسی طرح جتنی بار سماعت ہوتی ہو اسی کا سجدہ ہے؟ شرعی حکم کی وضاحت فرمائیں؟

(الجواب) اگر ایک ہی مجلس میں اس طرح تلاوت ہوتی ہو اور آیت سجدہ بھی ایک ہی ہو تو ایک ہی سجدہ واجب ہے کہ

---

(۱) قوله ولو كررها في مجلسين تكررت الاصل انه لا يتكرر
ا جوب الا بأحد امور الثلاثة اختلاف التلاوت او السماع او المجلس ...... مالم يكن للمكانين حكم الواحد كمسجد والبيت والسفينة الخ باب سجود التلاوة)

(۲) وتؤدى بسجودها كذلك اى على الفور وان لم ينوبالا جماع ولو نواها في ركوعه ولم ينوها المؤتم لم تجزه ويسجد اذا سلم الامام ويعيد القعدة ولو تركها فسدت صلاته باب سجود التلاوة)

(۳) ولو تلاها في ركعة فسجدها ثم اعادها في تلك الركعة لا تجب الثانية كذا في محيط السرخسي الباب الثالث عشر في سجود التلاوة)

آیت سجدہ اور مجلس متحد ہے یعنی آیت بھی ایک ہے اور مجلس بھی ایک ہے (شامی ج ۱ ص ۷۲۶ حوالہ بالا بحر الرائق ج ۲ ص ۱۲۵ باب سجود التلاوۃ) فقط و اللہ اعلم بالصواب .

تراویح میں سجدۂ تلاوت کا اعلان کرے یا نہیں:

(سوال ۲۷۹) تراویح میں سجدۂ تلاوت کا اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں رکعت میں سجدہ ہے اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(الجواب) خیر القرون میں عرب وعجم میں کثیر تعداد میں جہلاء اور نومسلم ہونے کے باوجود سلف صالحین سے اعلان ہذا ثابت نہیں حالانکہ وہ اسلامی اعمال کی تبلیغ میں نہایت چست اور عبادات کی درستگی کے بڑے حریص تھے۔ فقہاء نے بھی اسطرح کے اعلان کی ہدایت نہیں کی ہے اگر ضرورت ہوتی تو ضرور تاکید فرماتے جیسے کہ مسافر امام کو خصوصی طور پر تاکید فرمائی ہے کہ نمازیوں کو اپنے مسافر ہونے کی اطلاع دے دے چاہے نماز سے پہلے ہو یا بعد میں کہ ''میں مسافر ہوں '' کیونکہ یہاں ضرورت ہے لیکن سجدۂ تلاوت میں عام طور پر ایسی ضرورت نہیں ہوتی اور اگر بلاضرورت یہ طریقہ جاری رہا تو قوی اندیشہ ہے کہ جس طرح بعض شہروں کا رواج ہے کہ نماز جمعہ کے وقت اعلان کیا جاتا ہے۔ الصلوٰۃ سنۃ قبل الجمعۃ ۔ یا۔ یہ کہا جاتا ہے انصتوا رحمکم اللہ اور دوسرا اعلان سنت یا فعل حسن سمجھا جاتا ہے اسی طرح سجدہ تلاوت کا یہ اعلان بھی ضروری اور بہت ممکن ہے سنت سمجھا جانے لگے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ مباح چیز کو ضروری سمجھنے سے دیگر خرابی کے سوا اس بات کا بھی احتمال ہے کہ مباح کو مسنون سمجھ لیا جائے اور غیر مسنون کو مسنون سمجھ لینا تحریف دین ہے (ازالۃ الخفاء مجلس نمبر الفصل نمبر ۵) البتہ اگر مجمع کثیر ہو جیسا کہ بڑے شہروں میں ہوتا ہے کہ صفیں دور تک ہوتی ہیں۔ کچھ صفیں بالائی منزل میں بھی ہوتی ہیں اور وہاں مغالطہ کا قوی احتمال رہتا ہے کہ لوگوں کو سجدۂ تلاوت کا پتہ نہ چلے اور سجدہ کے بجائے رکوع کرنے لگیں تو ایسے موقع پر بے شک بموجب " الضرورات تبیح المحذورات"۔ اعلان کی اجازت دی جاسکتی ہے مگر ہر جگہ کا یہ حکم نہیں ہے۔ ہمارے یہاں اس کی (اعلان کی) ضرورت نہیں میرا اپنا برسوں کا تجربہ ہے لہذا اس کا ترک ضروری اور اس کی پابندی غلط ہے۔

مقتدی کے لقمہ دینے سے امام آیت سجدہ پڑھے تو سجدۂ تلاوت ایک ہے یا دو؟

(سوال ۲۸۰) ایک صاحب پوچھتے ہیں کہ امام صاحب سجدہ کی آیت بھول گئے۔ مقتدی نے لقمہ دیا اور امام نے آیت پڑھی تو ایک سجدۂ تلاوت ہے یا دو سجدے؟

(الجواب) امام صاحب سجدہ کی آیت بھول گئے اور مقتدی نے پڑھ کر لقمہ دیا ہے اور امام نے وہ آیت پڑھ کر سجدہ کیا تو یہ سجدہ کافی ہے۔ اس صورت میں دو سجدے واجب نہیں ہیں۔ (۱) فقط.

---

(۱) اذا تلا الامام آیۃ لسجدۃ سجدھا و سجد الماموم ..... فان تلا الماموم لم یلزم الامام ولا المؤتم السجود لا فی الصلاۃ ولا بعد الفراغ منھا ، فتاویٰ عالمگیری سجود التلاوۃ ج ۱ ص ۱۳۳ .

سورۂ ص میں سجدۂ تلاوت کی آیت کون سی ہے؟:

(سوال ۲۸۱) سورۂ ص میں سجدۂ تلاوت " اناب " پر ہے یا " حسن مآب " پر؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) محقق قول کی بنا پر اولیٰ یہ ہے کہ " حسن مآب " پر سجدۂ تلاوت کیا جائے۔ شامی میں ہے:۔ وفی ص عند حسن مآب وھو اولیٰ من قول الزیلعی عندو آناب (ج ا ص ۷۱۶ باب سجود التلاوۃ) علم الفقہ میں ہے (۱۰) سورۂ ص کے دوسرے رکوع میں یہ آیت وخر راکعاً واناب فغفر نالہ' ذلک وان لہ' عندنا لزلفی وحسن مآب ۔ اس آیت میں " وحسن مآب " کے لفظ پر سجدہ ہے بعض علماء کے نزدیک " اناب " کے لفظ پر ہے مگر یہ قول محقق نہیں (درمختار) (علم الفقہ ص ۱۹۵ حصہ دوم) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سجدہ کی ایک آیت دو رکعتوں میں پڑھی تو کتنے سجدے واجب ہوں گے:

(سوال ۲۸۲) تراویح میں امام نے پہلی رکعت میں سجدہ کی آیت تلاوت کی اور سجدہ کی اتفاقاً دوسری رکعت میں اسی آیت سجدہ کو دہرایا تو پہلا سجدہ کافی ہے یا دوسرا لازم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) پہلا سجدہ کافی ہوجائے گا، بدائع الصنائع میں ہے: واما اذا کرر التلاوۃ فی رکعتین ان یکفیہ سجدۃ واحدۃ وھو قول ابی یوسف الاخیر وفی الاستحسان یلزمہ' لکل تلاوۃ سجدۃ وھو قول ابی یوسف رحمہ اللہ الاول وھو قول محمد وھذا من المسائل الثلاث التی رجع فیھا ابو یوسف رحمہ اللہ عن الاستحسان الی القیاس الخ (ص ۱۸۲ فصل سبب وجوب السجدۃ جلد اول) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کے بعد تین آیتیں پڑھ کر سجدہ کرنا!:

(سوال ۲۸۳) نماز میں سجدۂ تلاوت کی آیت پڑھ کر فوراً سجدہ نہیں کیا تین آیت کے بعد کیا تو ادا ہوا؟ یا سجدۂ سہو کرنا ہوگا؟ یا نماز واجب الاعادہ ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی جائے تو فوراً سجدہ کرنا واجب ہے۔ اگر تین آیتوں سے زیادہ پڑھنے کے بعد سجدہ کیا گیا تو قضا شمار ہوگا اور تاخیر کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ علی المذھب المختار۔ سجدۂ سہو نہ کیا گیا تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ جو سجدۂ تلاوت نماز میں واجب ہوا ہو وہ سلام پھیرنے سے پہلے بلکہ سلام پھیرنے کے بعد جب تک کوئی حرکت منافی نماز نہ کی ہو۔ سجدہ کر لینا چاہئے۔ اس کے بعد بجز توبہ واستغفار کے معافی کی کوئی صورت نہیں۔

درمختار میں ہے۔ فعلی الفور لصیرو تھا جزء' امنھا ویأ ثم بتاخیر ھا ویقضیھا ما دام فی حرمۃ الصلوۃ ولو بعد السلام ۔ وفی الشامی (قولہ فعلی الفور) ای فان کانت صلوتیۃً فعلی الفور ثم تفسیر الفور عدم طویل المدۃ بین التلاوۃ والسجدۃ بقراءۃ اکثر من آیتیں او ثلاث علی ماسیأتی حلیہ ۔

(قولہ ویاثم بتاخیرھا) لانھا وجبت بما ھو عن افعال الصلوٰۃ وھو القرائۃ وصارت من اجزائھا فوجب اداؤھا مضیقاً کما فی البدائع ولذاکانت المختاروجوب سجود السھو لو تذکرھا بعد محلھا کما قدمناہ فی بابہ عند قولہ لترک واجب صارت کما لو اخرت السجدۃ الصلبیۃ عن محلھا فانھا تکون قضاء ومثلہ ما لواخر القراءۃ الی الاخریین علی القول بوجوبھا فی الاولیین وھو المعتمد. اما علی القول بعدمہ فیھما فھی اداء فی الاخریین کما حققناہ فی واجبات الصلوٰۃ فافھم.(درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۳۳ باب سجود السھو) (وھکذا فی المراقی الفلاح وحاشیۃ الطحطاوی ص ۲۶۷)

وفی عالمگیریہ: وفی الغیاثیہ واداء ھا لیس علی الفور حتیٰ لو اداھا فی ای وقت کان مودیاً قاضیاً کذا فی التاتارخانیۃ ھذا فی غیر الصلاتیۃ اما الصلوتیۃ اذا اخرھا حتی طالت القرائۃ تصیر قضاءً ویاثم ھکذا فی البحر الرائق ج ۱ ص ۸۶.۸۷ الباب العاشر فی سجوٗ التلاوۃ)

وفی موضع اخر:.وفی الولو الجیۃ المصلی اذا تلا آیۃ السجدۃ ونسی ان یسجد لھاثم ذکرھا وسجد ووجب علیہ سجود السھو لانہ تارک للوصل وھو واجب وقیل لا سھو علیہ والاول الاصح کذا فی التاتارخانیہ(عالمگیری ج ۱ ص ۸۱ الباب الثانی عشر فی سجود السھو)

مالابدمنہ میں ہے:۔سجدۂ تلاوت کہ درنماز واجب شدہ بعدنماز قضانہ شودص ۷۱فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رکوع اور سجدے میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرے تو کیسا ہے :

(سوال ۲۸۴) حافظ صاحب نے تراویح میں سورۂ اعراف کی آیت سجدہ پڑھ کر رکوع کیا اور سجدۂ تلاوت نہیں کیا۔ نماز کے بعد دریافت کرنے پر حافظ صاحب نے کہا کہ رکوع میں یا سجدہ میں سجدۂ تلاوت کی نیت کر لی جائے تو سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟ سجدہ ادا ہو جائے گا۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز میں سجدۂ تلاوت ادا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آیت سجدہ پڑھ کر فوراً نماز کا رکوع کرے (جیسا کہ صورت مسئولہ میں ہوا ہے) یا دو تین چھوٹی آیتیں پڑھ کر نماز کا رکوع کرے اور اس میں سجدۂ تلاوت کی نیت کر لے تو سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے۔ اگر رکوع میں نیت نہیں کی تو نماز کے سجدہ میں سجدۂ تلاوت ادا ہو جائے گا خواہ سجدہ کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو، لیکن اگر امام نے رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کی اور مقتدیوں نے نہیں کی تو ان کا سجدہ ادا نہ ہوگا۔ لہذا ایسی صورت میں امام کو چاہئے کہ رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت نہ کرے نماز کے سجدہ میں سب کا سجدۂ تلاوت ادا ہو جائے گا۔ وتؤدیٰ برکوع صلوٰۃ اذا کان الرکوع علی الفورمن قراءۃ ایۃ) او ایتین وکذا الثلاث علی الظاھر کما فی البحر (ان نواہ) ای کون الرکوع لسجود التلاوۃ علی الراجع (وتو وی بسجودھا کذلک) ای علی الفور (وان لم ینو) بالاجماع ولو نواھا فی رکوعہ ولم ینو المؤتم لم تجزہ .(قولہ لم تجزہ) ای لم تجزئیۃ الا مام المؤتم ولا تندرج فی سجودہ اوان نواھا الموتم فیہ لانہ' لما نواھا الامام فی رکوعہ تعین لھا . افادہٗ ح ھذا الخ(درمختار مع الشامی ج۱،

ص ۲۳، ۷۲۷، ج ۱ ص ۲۴ ۷باب سجود التلاوۃ)

صورت مذکورہ میں امام کے ساتھ مقتدیوں نے بھی رکوع میں سجدۂ تلاوت ادا کرنے کی نیت کی ہوگی تو سب کا سجدہ تلاوت ادا ہوجائے گا۔اور اگر مقتدیوں نے نیت نہیں کی ہو اور امام نے کرلی ہوتو مقتدیوں کا سجدہ تلاوت ادا نہ ہوگا۔اور اگر امام نے رکوع میں نیت نہیں کی تھی تو نماز کے سجدہ میں کوئی نیت کرے یا نہ کرے سب کا سجدہ ادا ہوجائے گا۔(بشرطیکہ تین آیتوں سے کم پڑھا ہو)

مسئلہ سے لوگ واقف نہیں ہوتے اس لئے بہتر یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت مستقل ادا کیا جائے۔نماز کے رکوع اور سجدہ میں ادا کر کے لوگوں کو تشویش میں نہ ڈالے۔مسئلہ پر عمل کرانا ہوتو نمازیوں کو پہلے سے مسئلہ سمجھا وے پھر عمل کرے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سجدۂ تلاوت کرنے کے بعد کھڑے ہوکر ایک دو آیتیں پڑھ کر رکوع کرنا بہتر ہے:

(سوال ۲۸۵) کیا فرماتے علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام صاحب نے مغرب کی نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد قصداً سورۂ علق۔(اقرأ باسم ربک) تلاوت کی تکبیر کہہ کر فوراً رکوع کیا،اور مدعی ہیں کہ میرا یہ فعل عین سنت کے مطابق ہے۔تو سوال یہ ہے کہ ان کا یہ دعویٰ اور طرز عمل حدیث وسنت کے مطابق ہے؟تفصیل سے جواب مرحمت فرما کر مشکور فرمائیں۔فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) جب کہ امام صاحب دعویٰ کرتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت کے بعد بلا کچھ پڑھے رکوع کرلینا سنت کے مطابق ہے تو اس کی دلیل پیش کرنا ان کے ذمہ ہے محض دعویٰ کافی نہیں ہے۔فقہاء کے نزدیک دوتین آیتیں پڑھے بغیر رکوع کرلینا کراہت سے خالی نہیں ہے۔اگرچہ نماز ہوجاتی ہے۔ولو كانت تختم السورة فالا فضل ان يركع بها ولو سجدو لم يركع فلا بد ان يقرء شيئاً من السورة الا خرىٰ بعد ما رفع راسه' من السجود ولو رفع ولم يقرء شيئاً جاز(عا لمگیری ج ۱ ص ۱۳۳ الباب الثالث عشر في سجود التلاوة)

وحاصله على ما ذكره الفقهاء كما في البدائع ملخصاً ان المتلوة خارج الصلوٰة تو دى على نعت سجدات الصلوٰة والمتلوة في الصلوٰة الا فضل ان يسجد لها ثم اذا سجد وقام يكره له ان يركع كما رفع سواء كان آية السجدة في وسط السورة از عند ختمها وبقى بعدها الى الختم قدر آيتين او ثلاث فينبغي ان يقرء ثم يركع فينتظر ان كانت الآية في الوسط فانه ينبغي ان يختمها ثم يركع وان كانت عند الختم فينبغي ان يقرء ايات من سورة اخرىٰ ثم ا ه (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۲۲، ۱۲۳ باب سجود التلاوة)فقط و الله اعلم بالصواب وعلمه اتم واحكم.

سجدۂ تلاوت کے ایک آیت کی تکرار کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم:

(سوال ۱۲۸۱) مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں۔

(۱) امام نے سورہ الم سجدہ تلاوت کی اور سجدہ کیا پھر اسی جگہ نماز فجر میں اسی سورت کو پڑھا تو اس کے ذمہ سجدہ تلاوت ہے یا پہلے کیا ہوا سجدہ کافی ہے کہ جگہ بدلی نہیں ہے۔

(۲) خارج صلوٰۃ آیت سجدہ تلاوت کی اور سجدۂ تلاوت نہ کیا، نماز میں اسی آیت کو پڑھا اور نماز میں سجدۂ تلاوت کرلیا تو یہ ایک سجدہ کافی ہے۔ یا خارج صلوٰۃ جو ایک آیت سجدہ تلاوت کی تھی اس کے لئے دوسرا سجدہ کرنا پڑے گا؟

(۳) نماز میں سجدۂ تلاوت کی آیت پڑھی اور نماز ہی میں سجدۂ تلاوت کرلیا۔ پھر نماز کے بعد اسی جگہ وہی آیت سجدہ تلاوت کی تو دوسرا سجدہ لازم ہوگا یا نہیں؟ امید ہے کہ تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں گی۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) صورت مذکورہ میں دوسرا سجدہ لازم ہوگا۔ امام اور اس کے ساتھ مقتدیوں کو سجدۂ تلات کرنا ضروری ہوگا ۔ اذا کرر اية السجدة فی مکان متحد کفته واحدة الا فی مسئلة اذا قرأها خارج الصلوٰة وسجدلها ثم اعادها فی مکانه فی الصلوٰة فانه تلزمه اخریٰ. یعنی ایک ہی مجلس میں آیت سجدہ مکرر پڑھے تو ایک سجدہ کافی ہے مگر اس مسئلہ میں کہ نماز کے باہر سجدہ تلاوت کی آیت پڑھی پھر اسی جگہ نماز پڑھی اور وہی آیت سجدہ تلاوت کی تو اس کو دوسرا سجدہ لازم ہوگا (الا شباه والنظائر ص ۱۹۱ الفن الثانی) مراقی الفلاح میں ہے (ولو تلا اية (خارج الصلوٰة فسجد) لها (ثم) دخل فی الصلوٰة و (اعاد) تلاوتها (فیها) ای فی الصلوٰة فی مجلسه (سجد) سجدةً (اخریٰ) لعدم تبعیتها للخارجیة لقوة الصلویة الخ (مراقی الفلاح مع حاشیة طحطاوی ص ۲۸۶ باب سجود التلاوت) (مالا بد منه ص ۷۱)

(۲) نماز میں جو سجدہ کیا وہ کافی ہے۔ دوسرا لازم نہیں (وان لم یسجد اولاً) حین تلا او سمع خارج الصلوٰة (کفته) سجدة (واحدة) وهی الصلوٰتیة عن التلاوتین لقوتها فی ظاهر الروایة (مراقی الفلاح ص ۲۸۶ ایضاً) (مالا بد منه ص ۷۱) مگر سجدہ کرلینے میں احتیاط ہے۔ چنانچہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے (قوله فی ظاهر الروایة) وفی روایة النوادر یسجد للاول اذا فرغ من الصلوٰة لان السابق لا یکون تبعاً للاحق ولان المکان قد تبدل بالا شتغال بالصلوٰة فصار کما لو تبدل بعمل اخر. وجه الظاهر . ان الدخول فی الصلوٰة فصار کما لو تبدل بعمل اخر .وجه الظاهر . ان الدخول فی الصلوٰة عمل قلیل وبمثله لا یختلف المجلس کذا فی الشرح (ص ۲۸۶ ایضاً)

(۳) ظاہر روایت یہ ہے کہ دوسرا سجدہ لازم ہوگا۔ وکذا لو سجد فی الصلوٰة ثم اعادها بعد سلامه یسجد اخریٰ فی ظاهر الروایة لعدم بقاء الصلویة حکماً (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۲۸۶ ایضاً) فقط و الله اعلم بالصواب .

سورۂ ص میں اناب پر سجدہ کیا تو کیا حکم ہے :

(سوال ۲۸۶) ہمارے یہاں گذشتہ کل تراویح میں سورۂ ص میں اناب پر سجدۂ تلاوت ہوا۔ ایک بڑی عمر کے حافظ صاحب کہہ رہے ہے کہ سجدہ "مآب" پر کرنا چاہئے لہٰذا اس رکوع کا اعادہ کرو، اور دوبارہ سجدہ کرو۔ ورنہ ایک سجدہ رہ جائے گا ۔ آپ تحریر فرمائیں کہ کیا اعادہ ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بہتر یہ ہے کہ سورۂ ص میں سجدۂ تلاوت "حسن مآب" پر کیا جائے، "اناب" پر سجدہ کرنا خلاف احتیاط ہے ۔ شامی میں ہے وفی ص عند وحسن مآب وهو اولیٰ من قول الزیلعی عندو اناب (شامی ج ۱ ص

۱۷ ۱ ے باب سجود التلاوة) صورت مسئولہ میں انا ب پر سجدہ کیا گیا ہے یہ خلاف احتیاط ہوا۔ لیکن اعادہ کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ۔

دو رکعت پوری کر کے دوسری نماز میں وہی سجدۂ تلاوت کی آیت پڑھی جو پہلی دو رکعت میں پڑھی تو دوسرا سجدہ واجب ہوگا یا نہیں :

(سوال ۲۸۷) تراویح میں امام نے دو رکعت کی نیت باندھی پہلی یا دوسری رکعت میں سجدۂ تلاوت کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا اور دو رکعت پوری کی، پھر دوسری دو رکعت کی نیت باندھی اور سہواً وہی سجدۂ تلاوت کی آیت پڑھی۔ لیکن سجدہ نہیں کیا نماز کے بعد ایک مقتدی کے استفتاء پر امام صاحب نے فرمایا کہ پہلی نماز کا سجدۂ تلاوت دوسری نماز کے لئے کافی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ امام صاحب کا فرمان صحیح ہے یا دوسری نماز میں مستقل سجدہ کرنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس صورت میں دوسرا سجدہ کرنا ہوگا۔ تکبیر تحریمہ کہہ کر دوسری نماز شروع کرنے سے حکماً مجلس بدل جاتی ہے۔ ولان المکان قد تبدل بالا شتغال بالصلوٰة فصار کما لو تبدل بعمل اخر (مراقی الفلاح ص ۲۸۶ ایضاً) نیز مراقی الفلاح میں ہے وکذا لو سجد فی الصلوٰة ثم اعادها بعد سلامه یسجد اخری فی ظاهر الروایة لعدم بقاء الصلوٰتیة حکماً، یعنی نماز میں سجدۂ تلاوت کی آیت تلاوت کر کے سجدہ کیا۔ پھر وہی آیت سلام پھیرنے کے بعد دوبارہ پڑھی تو ظاہری روایت کے مطابق دوسرا سجدہ کرے نماز میں جو سجدہ کیا تھا وہ حکماً بھی باقی نہ رہا (مراقی الفلاح ص ۲۸۶ ایضاً) فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۹ شعبان المعظم ۱۴۰۰ھ۔

سجدہ کی آیت کا ترجمہ پڑھے تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا :

(سوال ۲۸۸) سجدۂ تلاوت آیت سجدہ پڑھنے یا سننے سے واجب ہوتا ہے لیکن اگر کوئی شخص آیت سجدہ کا ترجمہ پڑھے تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) واجب ہوگا اس لئے کہ ترجمہ اسی آیت کا مفہوم ہے نور الایضاح میں ہے۔ ویجب علی من تلا آیة ولو بالفارسیة (قوله ولو بالفارسیة) اتفاقاً فهم اولم یفهم لکونها قرآناً من وجه (باب سجود التلاوة مراقی الفلاح ص ۹۶) فقط و الله اعلم بالصواب۔

سجدۂ تلاوت کے بجائے فدیہ دیا جا سکتا ہے:

(سوال ۲۸۹) ایک حافظ صاحب آج سے پندرہ بیس سال قبل بمبئی آتے جاتے گاڑی میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہتے تھے مگر تقریباً ایک سو کے قریب قریب سجدۂ تلاوت ذمہ میں باقی رہ گئے ہیں، اب وہ حافظ صاحب بیمار ہیں چل پھر نہیں سکتے، اتنے سجدے کرنا ان کے بس کی بات نہیں تو اب وہ حافظ صاحب کیا کریں بطور فدیہ گیہوں دے دیں تو کیا ذمہ داری ختم ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ریل گاڑی میں سجدہ کی آیت پڑھی گئی مگر سجدہ کا موقعہ نہیں تھا، اس لئے بہت سے سجدۂ تلاوت رہ گئے اپنے مقام پر پہنچ کر کر لینا ضروری تھا تاخیر کے لئے توبہ استغفار ضروری ہے اور اب جب کہ سجدہ کرنے سے معذوری ہے تو جس طرح نماز کا سجدہ اشارہ سے کرتے ہیں۔ یعنی جتنا جھک سکنے کی طاقت ہو اتنا جھک کر سجدہ ادا کیا جاتا ہے، اسی طرح اشارہ سے سجدۂ تلاوت ادا کر لئے جائیں تو ادا ہو جائیں گے، اس کے بجائے فدیہ دینا کافی نہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سجدۂ تلاوت:

(سوال ۲۹۰) امام نے آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ نہ کیا تو مقتدی کرے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں مقتدی بھی امام کی اتباع میں سجدہ نہ کرے۔ [1] فقط واللہ اعلم۔

آیت سجدہ سے قبل سجدہ:

(سوال ۲۹۱) حافظ صاحب نے سجدہ والی آیت پڑھنے سے قبل ہی سجدہ کر دیا تو کیا نماز میں خلل واقع ہوگا؟

(الجواب) جی ہاں خلل واقع ہوگا اور اس کی تلافی سجدۂ سہو کرنے سے ہو جائے گی۔ **ویجب سجدتان بتشهد وتسليم لترك واجب بتقديم او تأخير اوزيادة او نقص (مراقی الفلاح مع الطحطاوی مختصرا ص ۲۵۰ باب سجود التلاوة) فقط و الله اعلم بالصواب .**

(۱) آیت سجدہ پڑھے بغیر نماز میں سجدۂ تلاوت کر لیا (۲) آیت سجدہ پڑھ کر بھی نماز میں سجدۂ تلاوت نہیں کیا:

(سوال ۲۹۲) تراویح کی نماز میں امام صاحب نے سورۂ علق پڑھی اور آیت سجدہ باقی رکھ کر سجدۂ تلاوت کر لیا اور حسب قاعدہ نماز ختم کر دی تو یہ نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ اور ان دونوں رکعتوں کا شمار تراویح میں ہوگا یا نہیں؟

(ب) دوسری دو رکعتوں میں آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ نہیں کیا، اس کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! جب کہ آیت سجدہ پڑھی نہیں گئی تو سجدہ بھی واجب نہیں ہوا اس لئے جو سجدہ کیا گیا وہ فضول اور بے موقع ہوا ہے، لیکن اس سے نماز فاسد نہ ہوگی اور ان دو رکعتوں کا شمار تراویح میں ہوگا۔ واگر در نماز سجدہ کند ادانہ باشد لیکن نماز باطل نہ شود (مالا بد منہ ص ۷۱)

(ب) دوسرے دوگانہ میں سجدۂ تلاوت واجب ہوا ہے اور نماز ہی کے اندر اس کا ادا کرنا ضروری تھا مگر نماز میں ادا کرنے سے رہ گیا اس لئے ساقط ہو گیا خارج نماز میں قضا نہیں کیا جا سکتا، اگر قصداً ترک کیا جائے تو آدمی سخت گنہگار ہوتا ہے **واذا تلاها في الصلوة سجدها فيها لا خارجها لما مر في البدائع واذالم يسجد اثم فلتزمه التوبة (درمختار)(قوله واذا لم يسجد اثم) افادانه لا يقضيها قال في شرح المنية و كل**

---

(۱) لان الامام لو لم يسجد لا يسجد المأموم وان سمعها لأنه ان سجدها في الصلاة وحده صار مخالف امامه، باب سجود التلاوة ج ۱ ص ۱۱۲.

سجدة وجبت فی الصلوة ولم تؤدفیھا سقطت ای لم یبق السجود لھا مشروعاً لفوات محلہ اھ(شامی ج ۱ ص ۷۲۲باب سجود التلاوة)

اگر صورت مذکورہ میں امام نے سجدہ کی آیت کے بعد دو یا تین آیتوں سے زائد نہیں پڑھا تھا اور رکوع کر لیا تھا اور اس میں امام اور مقتدیوں نے سجدۂ تلات ادا کرنے کی نیت بھی کر لی ہو تو سب کا سجدہ ادا ہو گیا اگر امام نے رکوع میں سجدہ کرنے کی نیت نہیں کی تو پھر سجدہ میں بلا نیت بھی سب کا سجدہ ادا ہو جائے گا۔ لیکن اگر تین آیتوں سے زائد پڑھنے کے بعد رکوع کیا ہے تو سجدۂ تلاوت ادا نہیں ہوا لہذا اس خطائی خدا سے معافی چاہے(قولہ نعم لو رکع وسجد لھا ای للصلوة فوراً ناب ای سجود المقتدی عن سجود التلاوة بلا نیة تبع السجود امامہ (شامی ج ۱ ص ۷۲۴ ایضاً) فقط و اللہ اعلم بالصواب.

ایک ہی مجلس میں استاذ کے مختلف طلبہ سے ایک آیت سجدہ سننے سے ایک سجدہ واجب ہوگا:

(سوال ۲۹۳)ایک مدرس طلبہ کو قرآن مجید کی تعلیم دیتا ہے جماعت بندی کی وجہ سے پوری جماعت اپنے استاذ کو ایک ہی سبق سناتی ہے سبق میں بعض مرتبہ سجدۂ تلاوت کی آیت بھی ہوتی ہے ہر طالب علم اپنی اپنی باری پر وہ آیت پڑھتا ہے اور استاذ اپنی جگہ بیٹھا ہوا ہے اور سب کا سبق سنتا ہے۔ مذکورہ صورت میں استاذ پر اور اسی طرح جماعت میں جو نابالغ بچے ہیں ان پر ایک سجدہ واجب ہوگا یا جتنی مرتبہ آیت پڑھی گئی ہے اتنے سجدے واجب ہوں گے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں استاذ کے لئے اور بالغ طلبہ کے لئے ایک سجدہ کافی ہوگا، شامی میں ہے۔ واشار الی انہ متی اتحد الایة والمجلس لا یتکرر الوجوب وان اجتمعت التلاوة والسماع ولو من جماعة (شامی ج ۱ ص ۷۲۲ تحت قولہ بشرط اتحاد الایة والمجلس باب سجود التلاوة ، فتاویٰ رحیمیہ ج ۵ ص ۱۹۸) فقط و اللہ اعلم بالصواب .

باب قضاء الفوائت

کیا آنحضور ﷺ کی نماز کبھی قضا ہوئی تھی :

(سوال ۲۹۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عالم نے وعظ میں فرمایا کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی آنکھ مبارک نہ کھلی جس کی وجہ سے آپ کی نماز قضا ہوگئی اور جب سورج کی کرنیں نبی کریم ﷺ کے چہرۂ انور پر پڑیں تو بیدار ہوئے اور قضا نماز ادا فرمائی ،کیا یہ واقعہ صحیح ہے؟ ہماری دانست میں حضور ﷺ سے ایسے چوک نہیں ہوسکتی ، اگر واقعہ صحیح ہے تو حوالہ دے کر اس کی وجوہات مفصل ارقام فرمائیں ،اس کی وجہ سے ہمارے یہاں نزاع ہو رہا ہے۔؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) وبا لله التوفیق: بے شک ایسا واقعہ پیش آیا ہے کہ آنحضور ﷺ کی نماز آنکھ نہ کھلنے کی وجہ سے قضا ہوگئی ،آپ ﷺ بشر اور مخلوق ہیں، خالق نہیں ہیں اور نیند نہ آنا صرف خدا کی ہی صفت ہے لا تاخذہ سنة ولا نوم یعنی نہ تو اس کو (خدا کو) اونگھ دبا سکے نہ نیند (سورۂ بقرہ)

مذکورہ واقعہ سے شان نبوت پر ذرہ برابر حرف نہیں آتا حضور ﷺ نے معاذ اللہ سستی ،غفلت یا بے پرواہی نہیں کی تھی ،واقعہ یہ ہے کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ہمراہ سفر میں تھے ،اخیر رات میں ایک منزل پر قیام فرمایا بہت تھکے ہوئے تھے ،اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا ہم کو بیدار کرنے کی ذمہ داری کون لیتا ہے؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں لیتا ہوں ،حضرت بلالؓ کو نماز کے وقت بیدار کرنے کا ذمہ دار بنا کر تھوڑی دیر آرام کی غرض سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم لیٹ گئے ،باوجود اس کے کہ حضرت بلالؓ نے بیدار رہنے کی امکانی کوشش کی مگر آپ کی بھی آنکھ لگ گئی اور نتیجۃً سب کی نماز قضا ہوگی ،اس واقعہ میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں قضا نماز ادا کرنا اور اس کے ادا کرنے کا طریقہ اور اس کا عملی نمونہ امت کے سامنے پیش کرنا ، چنانچہ آپ ﷺ نے اذان ،اقامت اور جماعت کے ساتھ نماز ادا فرمائی اور صحابہ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا ،یا ایھا الناس ان الله قبض ارواحنا ولو شاء لردھا الینا فی حین غیر ھذا...... الخ یعنی اے لوگو! اللہ نے ہماری روحیں قبض کر لی تھیں اگر وہ چاہتا تو طلوع آفتاب سے پہلے (نماز کے وقت پر) ہماری روحیں لوٹا دیتا اور ہم بیدار ہو جاتے ، جب تم میں سے کوئی سو رہے یا نماز پڑھنا بھول جائے تو اس کو لازم ہے کہ نماز پڑھ لے ،جس طرح (ادا نماز) پڑھا کرتا تھا ،یہ پوری حدیث مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن زید بن اسلم قال عرس رسول الله صلی الله علیه وسلم لیلةً و وکل بلالاً ان یوقظھم للصلوٰۃ فرقد بلال رقدوا......الخ .(مشکوٰۃ شریف ص ۶۷ قبیل باب المساجد)(۱)

---

(۱) جب آنحضرت ﷺ غزوہ خیبر سے واپس ہوئے تو راستے میں یہ واقعہ پیش آیا ،یہ واقعہ لیلۃ التعریس کے نام سے مشہور ہے مشکوٰۃ ص ۶۷ (ایضاً)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مخلوق ہر امر میں خدا کی محتاج ہے، کوئی اس کے امر کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قضا نماز باقی ہو اور جماعت کھڑی ہو جائے تو کیا کرے

(سوال ۲۹۵) ظہر کی نماز نہیں پڑھی اور عصر کی جماعت شروع ہو چکی تو پہلے ظہر کی نماز پڑھے یا عصر کی نماز میں شریک ہو جائے؟ ضروری کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر یہ شخص صاحب ترتیب ہے(۱) تو اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ظہر کی نماز پڑھے، اور اگر صاحب ترتیب نہیں ہے تو پہلے عصر کی نماز با جماعت ادا کرلے پھر ظہر کی قضا پڑھے، لو خاف فوت الجماعة الحاضرة قبل قضاء الفائتة فان كان صاحب الترتيب قضى وان لم يكن فهل يقضي ليكون الاداء بحسب ما وجب الى قوله . ام يقتدى لاحرار فضيلة الجماعة مع جواز تاخير القضاء وامكان تلافيه قال الخير الرملي لم اراه ثم نقل عن الشافعية اختلاف الترجيح فيه واستظهر الثاني قلت ووجهه ظاهر لان الجماعة واجبة عندنا او في حكم الواجب ولذا يترك لاجلها سنة الفجر التي قيل عندنا بوجوبها الخ (شامي ج ۱ ص ۶۶۵ باب ادراك الفريضه) فقط و الله اعلم بالصواب .

جماعت میں شریک ہونے کے بعد قضا نماز یاد آئے:

(سوال ۲۹۶) ایک شخص جماعت میں شریک ہو گیا پھر اس کو نماز میں یاد آیا اس نے اس سے پہلے کی نماز نہیں پڑھی ہے تو اب وہ کیا کرے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز با جماعت پوری کر کے قضا نماز پڑھے پھر اس نماز کو جو امام کے ساتھ پڑھی ہے لوٹالے، اگر یہ شخص صاحب ترتیب ہے، ورنہ ضرورت نہیں، مؤطا امام محمد میں ہے۔ اخبرنا مالك حدثنا نافع عن ابن عمر انه كان يقول من نسى صلوة من صلوته فلم ى ذكرها الاهو مع الامام فاذا سلم الامام فليصل صلوته التي نسى ثم ليصل بعدها الصلوة الاخرى (اى التى صلاها مع الامام) قال محمد وبهذا نا' خذ. الخ (مؤطا امام محمد ص ۱۰۵ باب الرجل يصلي فيذكر ان عليه الصلوة فائتة) (فتاوىٰ محمدى ص ۸۸) فقط و الله اعلم.

(۱) سوال میں مذکورہ صورت میں مریض پر نمازوں کی قضا لازم ہے یا نہیں

(۲) زندگی میں نمازوں کا فدیہ دینا کیسا ہے؟:

(سوال ۔ ۲۹۷) دریافت طلب امر یہ ہے کہ مریض لقوہ (فالج) جس میں عام طور پر دماغ زیادہ متأثر ہوتا ہے اطباء اور ڈاکٹر بھی یہی کہتے ہیں کہ اس کا تعلق دماغ کی رگوں اور پٹھوں سے ہوتا ہے اس میں مریض کا احساس اور شعور کافی مجروح ہوتا ہے بالکل احساس اور شعور فنا ہو جاتا ہو ایسا بھی نہیں بعض مرتبہ بات سمجھ لیتا ہے، دوسرے انسان کو پہچان

(۱) صاحب ترتیب وہ شخص ہے جس کے ذمہ بلوغ سے اب تک چھ نمازیں قضا نہ ہوں۔ (کفایۃ المفتی ص ۳۳۹ ج ۳، امداد الفتاویٰ ص ۵۰۶ ج ۱۔

طرف دھیان جاتا ہے کبھی بالکل نہیں جاتا، نماز پڑھنے میں رکعتوں کا شمار بھی گاہے یاد نہیں رہتا، تو اس شخص پر نماز فرض ہوگی یا نہیں؟ اور زندگی میں فدیہ دینا صحیح ہوگا یا نہیں؟ وضاحت کے ساتھ مدلل تحریر فرمائیں، مفروضہ مسئلہ نہیں پیش آمدہ شکل ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر ایک دن رات سے زیادہ وقت اس طرح گذرے کہ بالکل شعور اور احساس نہ ہو بالفاظ دیگر مسلسل بے ہوشی طاری رہے تو نماز ساقط ہو جائے گی ورنہ ساقط نہ ہوگی وقت ملنے پر نمازیں ادا کرلیا کرے، اس صورت میں اگر قضاء نہ پڑھ سکے تو فدیہ کی وصیت کرے زندگی میں فدیہ دینا صحیح نہیں ہے، اگر اکثر وقت بے ہوشی طاری رہتی ہے اور گاہے افاقہ ہو جاتا ہو اگر افاقہ کا وقت مقرر ہو مثلاً صبح کے وقت افاقہ ہو جاتا ہے اور اس کے بعد بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے تو اس افاقہ کا اعتبار ہوگا، اس سے قبل اگر بے ہوشی ایک رات دن سے کم ہے تو بے ہوشی کا حکم باطل ہو جائے گا اور نمازوں کی قضا لازم ہوگی، اور اگر افاقہ کا وقت مقرر نہ ہو دن میں کسی بھی وقت افاقہ ہو جاتا ہو تو اس افاقہ کا اعتبار نہیں یعنی یہ بے ہوشی متصل اور لگاتار سمجھی جائے گی، اور اگر اکثر وقت ہوش وحواس قائم رہتے ہوں گاہے بے ہوشی اور بے شعوری طاری ہوتی ہو اور یہ سلسلہ رہتا ہو تو اس کا حکم ظاہر ہے نماز ساقط نہ ہوگی، اگر رکعتوں کا شمار یاد نہ رہتا ہو اور کوئی شخص اس کو بتلاتا جائے اور وہ پڑھ لے تو یہ بھی جائز ہے۔

درمختار میں ہے (ومن جن او غمی علیه) و لو بفزع من سبع او آدمی (یوماً ولیلةً قضی الخمس وان زادت وقت صلوٰة) سادسة (لا) للحرج ولو افاق فی المدة فان لا فاقته وقت معلوم قضیٰ والا لا (درمختار).

ردالمحتار میں ہے (قوله ان لا فاقة وقت معلوم) مثل ان یخف عنه المرض عند الصبح مثلاً فیفیق قلیلاً ثم یعاوده فیغمی علیه تعتبر هذه الا فاقه فیبطل ما قبلها من حکم الاغماء اذا کان اقل من یوم ولیلة وان لم یکن لا فاقته وقت معلوم لکنه یفیق بغتة فیتکلم بکلام الا صحاء ثم یغمی علیه فلا عبرة بهذه الا فاقة ح عن البر . (ردالمحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۷۱۴ باب صلوٰة المریض)

غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار میں ہے: ومن جن . الیٰ قوله . وقت معلوم قضی والا لا . اور جو شخص مجنون ہوا یا بے ہوش ہوا اگر چہ کسی درندہ یا آدمی کے خوف سے بے ہوش ہوا ہو ایک دن رات تو وہ پانچ نمازیں قضا پڑھے اور اگر بڑھ جائے بے ہوشی وقت چھٹی نماز کا تو قضا نہ پڑھے، بسبب حرج کے اور اگر دن رات میں اس کو افاقہ ہو جاتا ہو تو اگر افاقہ کا وقت متعین ہو تب قضا پڑھے ورنہ قضا نہ پڑھے، مثلاً دن رات بے ہوش رہتا ہے مگر صبح کو ہوش میں آتا ہے تو اول کی بے ہوشی بے کار ہوگی اور قضا پڑھنی پڑے گی اور اگر وقت ہوش کا معین نہیں یکا یک ہوش میں آجاتا ہے تو اس ہوش کا اعتبار نہیں، کذا فی الطحطاوی (غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار ص ۳۴۸، ص ۳۴۹ ج ۱۔)

بحرالرائق میں ہے (قوله ومن جن او اغمی علیه خمس صلوات قضی ولو اکثر لا) وهذا استحسان والقیاس ان لا قضاء علیه اذا استوعب الا غماء وقت صلوة کاملة لتحقق العجز وجه الا ستحسان ان المدة اذا طالت کثرت الفوائت فیحرج فی الا داء واذا قصرت قلت فلا حرج والکثیر ان یزید علی یوم ولیلة لانه ید خل فی حد التکرار والجنون کالا غماء علی الصحیح اه

(بحر الرائق ص ۱۱۷ ج ۲ باب صلوٰة المريض)

بدائع میں ہے:۔ واما المغمیٰ عليه فان آغمی عليه يوماً وليلة او ا قل يجب عليه القضاء لانعدام الحرج وان زاد على يوم وليلة لا قضاء عليه لا نه يحرج في القضاء لدخول العبادة في حد التكرار، وكذا المريض العاجز عن الا يماء اذا فاتته صلوات ثم برأفان كان اقل من يوم وليلة او يوماً وليلةً قضاهٗ وان كان اكثر لا قضاء عليه لما قلنا في المغمیٰ عليه الخ.(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۴۶ فصل واما حكم هذه الصلوات الخ)(هدايه اولين ص ۱۴۲ باب صلوة المريض)

شامی میں ہے:۔ (تتمه)في البحر عن القنية ولا فدية في الصلوات حالة الحيوة بخلاف الصوم اه (شامی ص ۷۱۲ ج ۱ باب صلوٰة المريض)

علم الفقہ میں ہے: اگر کوئی مریض سر سے اشارہ بھی نہ کرسکتا ہوتو اس کو چاہئے کہ نماز اس وقت نہ پڑھے، بعد صحت کے اس کی قضا پڑھ لے پھر اگر یہی حالت اس کی پانچ نمازوں سے زیادہ تک رہے تو اس پر ان نمازوں کی قضا بھی نہیں جیسا کہ قضاء کے بیان میں گذر چکا۔

اگر مریض کو رکعتوں کا شمار یاد نہ رہتا ہوتو اس پر بھی اس وقت کی نماز ادا کرنا ضروری نہیں بلکہ بعد صحت کے ان کی قضاء پڑھ لے، ہاں اگر کوئی شخص اس کو بتلاتا جاوے اور وہ پڑھ لے تو جائز ہے، یہی حکم ہے اس شخص کا ہے جو زیادہ بڑھاپے کے سبب مخبوط العقل ہوگیا ہو یعنی دوسرے شخص کے بتلانے سے اس کی نماز درست ہوجائے گی اور اگر کوئی بتلانے والا نہ ملے تو وہ اپنی غالب رائے پر عمل کرے (نفع المفتی) (علم الفقہ ج ۲ ص ۱۴۰، مریض اور معذور کی نماز)۔

بیمار شخص جو پاکی کے اہتمام سے قاصر ہو اس سے متعلق ایک فتویٰ "فتاویٰ رحیمیہ ص ۴۱۵، ج ۶ ص ۴۱۶۔ پر ہے اسے بھی ضرور ملاحظہ فرمالیں (جدید ترتیب کے مطابق باب صلوٰۃ مریض اور مریضہ کی نماز بحالت نجاست کے عنوان سے، دیکھیں صفحہ .... مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بلا عذر نماز قضا کرنا:

(سوال ۲۹۸) ایک شخص نمازی تو ہے مگر وقت کی پابندی نہیں کرتا، کیا پھر بھی وہ فاسق و گنہگار ہے؟

(الجواب) شریعت میں نماز کی بہت ہی تاکید ہے مقررہ وقت پر اس کا ادا کرنا ضروری ہے، باری تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ان الصلوٰة كانت على المؤمنين كتابا مو قوتا.

ترجمہ:۔ بے شک نماز مسلمانوں پر فرض ہے اپنے مقررہ وقتوں میں (نساء) لہذا بلا عذر شرعی نماز کو وقت سے ٹال کر پڑھنے والا سخت گنہگار اور فاسق ہے۔

حضرات صحابہ میں سے بعض جیسے حضرت عمرؓ حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت ابوداؤدؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ تو تارک نماز کو کافر ہی مانتے ہیں۔

اختلف العلماء فی کفر تارکها عمدافذهب جماعة من الصحابة و من بعدهم الى الكفر

اما الصحابة فمنهم عمرو وعبد الله بن مسعود و عبد الله بن عباس ومعاذ بن جبل و جابر بن عبد الله وابو الدرداء وابو هريرة وعبدالرحمن بن عوف(مجالس الا برار. مجلس ۵۱/۳۲۱)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس نے نماز پڑھی اتنی کہ اس کا وقت نکل گیا پھر قضا کی تو دوزخ میں کئی حقبہ عذاب کیا جاوے گا اور حقبہ اسی برس کا ہوتا ہے روی انه علیه السلام قال من ترک الصلوة حتی مضی وقتها ثم قضی عذب فی النار حقبا والحقب ثما نو ن سنة .ایضاً ص ۳۲۰)

اسی لئے فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ بوقت ولادت حاملہ عورت کے بچے کا سر نکل چکا ہو اور اس وقت نماز کا وقت تنگ ہونے لگے تو ایسی حالت میں بھی نماز معاف نہیں وضو نہ کر سکتی ہو تو تیمم کرے بچے کی حفاظت کے ساتھ نماز پڑھے، نماز قضا کرنے کی اجازت نہیں۔

اور ایسے ہی جو سمندر کے اندر تختے پر ہو تب بھی نماز معاف نہیں، اعضاء وضو کو پانی سے تر کر کے اشارہ سے نماز پڑھ لے، نماز قضاء کرنے کی اجازت نہیں۔

ایسے ہی جس کے دونوں ہاتھ پاؤں سن ہو چکے ہوں اور اس کے پاس کوئی ایسا آدمی نہ ہو جو وضو یا تیمم کروائے تو اپنا منہ اور ہاتھ کہنیوں تک تیمم کی نیت سے دیوار پر مل لے اور نماز پڑھے، قضا کرنے کی اجازت نہیں، ذکر فی الذخیرة ان امرأة اذا خرج رأس ولدها وخافت وقت الصلوة تتوضأ ان قدرت والا تتیم (الی قوله) وکذا من وقع فی البحر علی لوح وخاف خروج وقت الصلوة ید خل اعضا الوضوء فی الماء بنیة الوضوء ثم یصلی بالا یماء ولا یترک الصلوة وکذا من شلت یداه ولیس معه احد یوضیه او یتممه یمسح وجهه وذراعیه علی الحائط بنیة التیمم ویصلی ولا یجوز له ترک الصلوة ولا تاخیرها عن وقتها (ایضاً ص ۳۲۰) بعض فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ جو جانتا ہے کہ جب وہ حج کے لئے جاوے گا تو اس کی ایک نماز فوت ہوگی تو اس کو حج کے لئے جانا حرام ہے مرد ہو یا عورت، اس واسطے کہ جس کی ایک نماز قضا ہوتی ہے تو اس کا عوض ستر حج سے کم میں نہیں ہوتا۔

ومن علم انه اذا خرج الی الحج تفوته صلوة واحدة یحرم علیه الحج رجلا کان او امرأة لان من یترک صلوة واحدة لا یکفرها اقل من سبعین حجة (مجالس الا برار، مجلس ۲۰ ص ۱۵۳ و ص ۱۵۴.

اس سے نماز کو بروقت پڑھنے کی اہمیت معلوم ہو سکتی ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیمار کی نماز کی قضا اور فدیہ:

(سوال ۲۹۹) بیمار آدمی کی نماز قضا ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) بیمار شخص جب کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو بیٹھے بیٹھے رکوع وسجدہ سمیت نماز پڑھے، اگر رکوع وسجدہ کرنے کی بھی قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر رکوع اور سجدہ کے اشارے سے نماز پڑھے، اگر بیٹھے بیٹھے بھی نماز ادا کرنے کی بھی طاقت نہ ہو تو چت لیٹ کر گھٹنے کھڑے رکھے یا کروٹ پر لیٹ کر سر کے نیچے تکیہ رکھ دے پھر سر کے اشارے سے رکوع

وسجدہ کرکے نماز پڑھے، اگر سر کے اشارے سے رکوع، سجدہ کرنے کی طاقت نہ ہوتو نماز نہ پڑھے۔ اذا تعذر على المريض كل القيام صلى قاعداً بركوع وسجود وان تعذر الركوع والسجود صلى قاعد ابالايماء وان تعسر القعود اوما مستلقيا او على جنبه والاول اولیٰ ويجعل تحت راسه وسادة ليصير وجهه الى القبلة لا السمآء وينبغي نصب ركبتيه ان قدر حتى لا يمد هما الى القبلة وان تعذر الايماء اخرت عنه مادام يفهم الخطاب .(نور الايضاح ملخصاً ص ۱۰۴ بابٌ صلوٰة المريض وص ۱۰۵)

پھر پانچ نماز تک یہی حالت رہی اور اچھا ہو جاوے تو قضا پڑھنا واجب ہے اور اگر اسی حالت میں انتقال ہو جاوے تو قضا ضروری نہیں اور فدیہ کی وصیت بھی واجب نہیں، فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ وان مات من ذلك المرض لا شئي عليه ولا يلزمه فدية، كذا في المحيط (ج ۱ ص ۱۳۷ الباب الرابع عشر في صلاة المريض)

اگر پانچ نماز سے زیادہ یہی حالت رہے تو قضا نہیں ہے، معاف ہے، اسی طرح اگر پانچ نماز کے وقت سے زائد مجنون یا بے ہوش رہے تب بھی ان اوقات کی نمازوں کی قضا اور فدیہ نہیں وہ معاف ہیں ومن جن او اغمي عليه خمس صلوات قضى ولو اكثر لا .(نور الايضاح ص ۱۰۵ او ص ۱۰۶ باب صلوٰة المريض) فقط و الله اعلم بالصواب .

نوافل وسنن

ظہر کی جماعت کھڑی ہونے کی وجہ سے سنت کی دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو بعد میں کتنی رکعت سنت ادا کرنا چاہئے :

(سوال ۳۰۱) ظہر سے قبل کی چار رکعت سنت پڑھنا شروع کی ظہر کی جماعت کھڑی ہوجانے کی وجہ سے دو رکعت پر سلام پھیر دیا اور جماعت میں شامل ہوگیا۔ بعد میں دو رکعت پڑھنا کافی ہے یا چار رکعت پڑھنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں چار رکعت سنت مؤکدہ ادا کرنا ضروری ہے دو رکعت کافی نہیں۔ اس لئے کہ یہ چار رکعت بیک سلام مسنون ہے۔ درمختار میں ہے (وسن) مؤکداً (اربع قبل الظهر) اربع قبل الجمعة واربع (بعدها بتسليمة) فلو بتسليمتن لم تنب عن السنة (درمختار مع الشامي ج ۱ ص ۶۳۰ باب الوتر والنوافل مطلب في السنن والنوافل) فقط و الله اعلم بالصواب

ظہر کی سنتیں شروع کی اور جماعت کھڑی ہوجائے تو کیا کرے :

(سوال ۳۰۱) ایک آدمی نے ظہر کی سنت کے لئے نیت باندھی اس کے بعد جماعت کھڑی ہوگئی تو دو رکعت پر ہی سلام پھیر دیا۔ اب جماعت کے بعد صرف دو رکعت پڑھنا کافی ہے یا پوری چار رکعت پڑھنا ضروری ہے؟ نیز ایسی صورت حال میں دو رکعت پر سلام پھیر دینا بہتر ہے یا چار رکعت پوری کر لینا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں بعد میں چار رکعت سنت مؤکدہ پڑھنا ضروری ہے۔ دو رکعت کافی نہیں۔ اور مذکورہ صورت میں دو رکعت پر سلام پھیرنے کی ضرورت نہ تھی چار رکعت پوری کر لیتے تو اچھا ہوتا اور یہی راجح قول ہے، اگرچہ دو رکعت پر سلام پھیرنا بھی درست ہے۔ درمختار میں ہے (والشارع في نفل لا يقطع مطلقاً) ويتمه ركعتين (وكذا سنة الظهر) وسنة (الجمعة اذا اقيمت او خطب الا مام) يتمها اربعاً (على) القول (الراجح) لا نها صلوٰة واحدة وليس القطع للاكمال بل للأبطال خلافاً لما رجحه الكمال (درمختار مع الشامي ج ۱ ص ۶۶۸ باب ادراك الجماعة)

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:۔

(سوال) متعلق سنن ظہر (۵۲۴)

(الجواب) ظہر کی سنتیں جو فرض شروع ہونے سے پہلے پڑھ رہا تھا اگر درمیان میں فرض شروع ہوجائیں تو سنتیں پوری کرکے سلام پھیرے اور فرض میں شامل ہوجائے لیکن اگر دو رکعت پر سلام پھیر کر فرض میں شریک ہوجائے اور پھر چاروں رکعتیں فرض کے بعد ادا کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ پہلی صورت بہتر ہے (مولانا مفتی) کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔ (کفایت المفتی ج ۳ ص ۲۷۲)

بہشتی ثمر میں ہے۔ مسئلہ۔ظہر اور جمعہ کی سنت مؤکدہ اگر شروع کر چکا تھا اور فرض ہونے لگے تو راجح یہ ہے کہ اس کو پوری کرے۔ (بہشتی ثمر ص ۱۳۴ حصہ اول) فقط واللہ اعلم بالصواب

شبینہ یعنی ایک رات میں قرآن ختم کرنا کیسا ہے :

(سوال ۳۰۲) بعد سلام مسنون اینکہ ہم نوجوانان ننذربار شبینہ کرنا چاہتے ہیں اس کی ترکیب کیا ہے؟ یعنی قرآن پاک ایک رات میں ختم کیا جائے یا تین راتوں میں؟ اور کتنی رکعتوں میں ختم کیا جائے؟ بیس رکعتوں میں یا اس سے زائد رکعتوں میں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس زمانہ میں شبینہ مروجہ کراہت اور مفاسد سے خالی نہیں ہے ایک خرابی تو یہ ہے کہ نفل یا جماعت میں قرآن پڑھا جاتا ہے حالانکہ نفل باجماعت (اگر دو تین مقتدیوں سے زائد ہوں تو) مکروہ تحریمی ہے ۔مجالس ابرار میں ہے۔ واما لو اقتدیٰ واحدا واثنان بواحد فلا یکرہ وفی الثلاثة اختلاف وفی الا ربعة یکرہ اتفاقاً (مجالس الا برار ص ۱۳۹ مجلس نمبر ۱۹ (ھکذا فی الدر المختار و ردالمحتار ج ا ص ۶۱۲ باب الوتر والنوافل مطلب فی کراھیة الا قتداء فی النفل علیٰ سبیل التداعی الخ و ج ا ص ۶۶۳ و ۶۶۴ باب الا مامة)(کبیری ص ۳۸۹ فصل فی النوافل).

البتہ تراویح میں درست ہے بشرطیکہ قرآن صاف اور صحت کے ساتھ پڑھا جاوے اور شہرت مقصود نہ ہو اور مقتدی سست نہ ہوں(۱) اگر کچھ بیٹھے رہیں اور باتیں کرتے رہیں اور کھانے پینے کے انتظام میں لگے رہیں اور نتیجۃً ان کی تراویح بھی فوت ہو جائے تو جائز نہ ہوگا اس زمانے میں ایسے حفاظ کہاں ہیں؟ جو پورا قرآن صاف اور صحت کے ساتھ ایک رات میں ختم کریں یعلمون تعلمون کے سوا کچھ سمجھ میں نہیں آئے گا لہذا اس قسم کے حفاظ کا تین روز سے کم میں قرآن ختم کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

صلوٰۃ التسبیح کا طریقہ، اس کی فضیلت اور اس کے متعلق مسائل !!:

(سوال ۳۰۳) (ا) صلوٰۃ التسبیح کی کیا فضیلت ہے؟ (۲) الف، اس نماز کے پڑھنے کا کیا طریقہ ہے؟ ب) اس نماز کا کوئی وقت معین ہے یا نہیں؟ (ج) اس کی تسبیح کس طرح گنی جائیں؟ (د) اگر کسی جگہ تسبیح پڑھنا بھول جائے یا کمی ہو جائے تو اس کی قضا کس طرح کی جائے؟ مفصل تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے یہ نماز اپنے محترم چچا صاحب حضرت عباسؓ کو سکھائی اور فرمایا کہ آپ اس کو پڑھو گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے، پچھلے، قدیم جدید نئے پرانے ، دانستہ نادانستہ، چھوٹے بڑے، خفیہ علانیہ سب گناہ معاف کر دے گا۔ (مشکوٰۃ شریف)(۲) اس فضیلت کے پیش نظر عمر بھر میں کم از کم ایک مرتبہ تو یہ نماز

---

(۱) ویکرہ للمقتدی ان یقعد فی التراویح فاذا أراد الا مام ان یرکع یقوم و کذا اذا غلبة النوم یکرہ ان یصلی مع القوم الخ فتاویٰ عالمگیری ،فصل فی التراویح ج ا ص ۱۱۹ .

(۲) عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال للعباس بن مطلب یا عباس یا عماہ الا اعطیک لا امنحک الا اخبرک الا افعل بک عشر خصال اذا انت فعلت ذلک غفر اللہ لک ذنبک اولہ واخرہ قدیمہ وجدیدہ خطاءہ وعمدہ صغیرہ وکبیرہ سرۃ وعلانیة الخ صلوٰۃ التسبیح ص ۱۱۷)

پڑھنی چاہئے۔

(۲)(الف) اس نماز کے پڑھنے کے دو طریقے احادیث سے ثابت ہیں۔ (پہلا طریقہ) چار رکعت کی نیت کی جائے اور الحمد و سورۃ کے بعد رکوع سے پہلے پندرہ مرتبہ یہ کلمات **سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر** ، پڑھیں اور بعض روایت کے موافق **و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** بھی ملا لینا چاہئے۔ پھر رکوع میں رکوع کی تسبیح کے بعد وہی کلمات دس ۱۰ مرتبہ، پھر رکوع سے اٹھ کر قومہ میں دس مرتبہ پھر سجدہ میں سجدہ کی تسبیح کے بعد دس مرتبہ پھر سجدہ سے اٹھ کر جلسہ میں دس ۱۰ مرتبہ پھر دوسرے سجدہ میں سجدہ کی تسبیح کے بعد دس ۱۰ مرتبہ پھر دوسرے سجدہ سے اٹھ کر بیٹھ جائیں اور دس مرتبہ پڑھیں۔ اس طرح ہر رکعت میں پچھتر ۷۵ تسبیح ہوئیں اسی طرح باقی رکعتوں میں پڑھیں پہلے اور دوسرے قعدہ میں التحیات سے پہلے تسبیح پڑھی جائے اس طرح کل تسبیحات تین سو ۳۰۰ ہو جائے گی۔

(دوسرا طریقہ) یہ ہے کہ پہلی رکعت میں ثناء (**سبحانک اللّٰھم الخ**) پڑھنے کے بعد قراءت سے پہلے پندرہ مرتبہ یہ کلمات پڑھے۔ پھر قراءت کے بعد رکوع سے پہلے دس ۱۰ مرتبہ۔ پھر رکوع میں (رکوع کی تسبیح کے بعد) ۱۰ دس مرتبہ پھر رکوع سے اٹھ کر (قومہ) میں دس مرتبہ پھر سجدہ میں (سجدہ کی تسبیح کے بعد) دس ۱۰ مرتبہ پڑھے اس دوسری ترتیب میں دوسرے سجدہ کے بعد تسبیح پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، اس طرح ایک رکعت میں پچھتر ۷۵ تسبیح کا عدد پورا ہو جائے گا۔ اور جب دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو تو پہلے پندرہ ۱۵ مرتبہ یہ تسبیح پڑھے پھر قرأت کے بعد رکوع سے پہلے دس مرتبہ اس طرح چار رکعتیں پوری کرے۔ ان دونوں طریقوں میں سے پہلا طریقہ از روئے سند زیادہ قوی ہے۔ مگر دونوں طریقے صحیح اور قابل عمل ہیں جو طریقہ آسان معلوم ہو اس کو اختیار کیا جائے۔ اور یہ بھی مناسب ہے کہ کبھی اس طریقہ سے اور کبھی اس طریقہ سے پڑھا جائے کیونکہ دونوں صورتیں روایات حدیث اور تعامل سلف سے منقول و ماثور ہیں اور اس صلوٰۃ التسبیح میں قراءت فاتحہ کے بعد اختیار ہے کہ جو سورت بھی چاہے پڑھے۔ بعض روایات میں سورۂ **اذا زلزلت** اور **عادیات** اور **اذا جآء نصر اللہ** اور **قل ھو اللہ احد** منقول ہے۔ اور بعض روایات میں **الھکم التکاثر**، **سورۂ عصر**، **سورۂ کافرون**، اور **سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ)** وارد ہوا ہے۔ (شامی ج ۱ ص ۶۴۳)(۱)

(ب) اس نماز کا کوئی وقت معین نہیں ہے۔ اوقات مکروہہ کے علاوہ باقی دن رات کے تمام اوقات میں پڑھنا جائز ہے۔ البتہ زوال کے بعد پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ پھر دن میں کسی وقت پھر رات میں۔ (شامی ج ۱ ص ۶۴۳) (۲) (فضائل ذکر)

---

(۱) وھی اربع بتسلیمۃ او تسلمتین یقول فیھا ثلثمائۃ مرۃ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ و اللہ اکبر وفی روایۃ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ یقول ذلک فی کل رکعۃ خمسۃ وسبعین مرۃ فبعد الثناء خمسۃ عشر ثم بعد القرأۃ وفی رکوعہ و الرفع منہ وکل من السجدتین فی الجلسۃ بینھما عشراً عشراً بعد تسبیح الرکوع والسجود وھذہ الکفیہ ھی التی رواھا الترمذی فی جامعہ عن عبد اللہ بن مبارک احد اصحاب أبی حنیفہ . الروایۃ الثانیۃ ان یقتصر فی القیام علی خمسۃ عشر مرۃ بعد القرأۃ والعشرۃ الباقیۃ یأتی بھا بعد من الرفع من السجدۃ الثانیۃ واقتصر علیھا فی الھاوی القدسی والحلیۃ والبحر وحدیث اشھر لکن قال فی شرح المنیۃ ان الصفۃ التی ذکرھا ابن مبارک ھی التی ذکرھا فی مختصر البحر وھی موافقۃ لمذھبنا لعدم الاحتیاج فیھا الی جلسۃ الاستراحۃ اذھی مکروھۃ عندنا باب الوتر و النوافل مطلب فی صلاۃ التسبیح)

(۲) یفعلھا فی کل وقت لا کراھیۃ. باب الوتر و النوافل مطلب فی صلوۃ التسبیح)

(ج) ان تسبیحوں کو زبان سے ہرگز نہ گنے۔ زبان سے گننے سے نماز ٹوٹ جائے گی۔ انگلیوں کو بند کر کے گننا اور تسبیح ہاتھ میں رکھ کر گننا جائز ہے مع الکراہت۔ بہتر یہ ہے کہ انگلیاں جس طرح اپنی جگہ پر ہیں ویسی ہی رہیں اور ہر ہر تسبیح پر ایک ایک انگلی کو اس جگہ دباتا رہے (فضائل ذکر، غایۃ الاوطار، شامی)[1]

(د) اگر کسی جگہ تسبیح پڑھنا بھول جائے یا مقررہ عدد سے کم پڑھے تو دوسرے رکن میں اس کو پورا کرے۔ البتہ اس تسبیح کی قضا رکوع سے اٹھ کر قومہ میں اور دو سجدوں کے درمیان جلسہ میں نہ کرے کہ چھوٹا رکن میں ہے۔ ان کے بعد جو رکن ہے اس میں چھوٹی ہوئی تسبیح بھی پڑھ لے۔ مثلاً رکوع میں بھول گیا تو پہلے سجدہ میں پڑھ لے اسی طرح پہلے سجدہ کی دوسرے سجدہ میں اور دوسرے سجدہ کی دوسری رکعت میں قیام کی تسبیح کے ساتھ پڑھ لے اور اگر رہ جائے تو آخری قعدہ میں التحیات سے پہلے پڑھ لے[2] (**فضائل ذکر ، نجات المسلمین ، غایۃ الا وطار**) غرض کہ تسبیحات کی تعداد (تین سو ۳۰۰) پوری ہونی چاہئے اور قصداً زیادہ نہ کرنا چاہئے ورنہ بعض علماء کی قول کے موافق اس نماز کا جو خاص ثواب ہے وہ فوت ہو جاتا ہے اور اگر سہواً بلا قصد زیادہ پڑھی گئی تو کوئی مضائقہ نہیں۔ (نجات المسلمین) اگر صلوٰۃ التسبیح میں کوئی سہو ہو جائے تو سجدۂ سہو میں صلوٰۃ التسبیح کی تسبیح نہ پڑھی جائے اس لئے کہ اس نماز کی کل تسبیحات تین سو ہیں وہ چار رکعتوں میں پوری ہو چکیں (ترمذی، شامی) ہاں اگر اس تعداد میں کمی رہی ہو تو سجدۂ سہو میں پڑھ لے۔ (فضائل ذکر) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تسبیح میں کمی ہو گئی تو سجدۂ سہو سے تلافی ہو گی یا نہیں:

(**سوال ۳۰۴**) صلوٰۃ التسبیح پوری پڑھ لینے کی بعد معلوم ہوا کہ تسبیحات تین سو سے کم پڑھی گئی ہیں تو کیا سجدۂ سہو کرنے سے تلافی ہو جائے گی؟ اگر اس سے تلافی نہ ہو تو تلافی کی صورت کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(**الجواب**) اگر نماز پوری کرنے کے بعد یاد آیا کہ تسبیحات کم پڑھی گئی ہیں تو اس کی وجہ سے اس پر سجدۂ سہو لازم نہیں آتا۔ کیونکہ سجدۂ سہو ترک واجب پر مرتب ہوتا ہے۔ اور تسبیحات واجب نہیں۔ اس صورت میں یہ نماز مطلق نفل ہو گئی۔ صلوٰۃ التسبیح کا ثواب حاصل نہ ہوگا۔ (نجات المسلمین از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔[3]

تحیۃ المسجد کا کیا حکم ہے:

(**سوال ۳۰۵**) جس مسجد میں ہم نماز پڑھتے رہتے ہیں اس میں بار بار آمد ورفت میں پنجوقتہ نماز کے وقت اولاً تحیۃ المسجد پڑھ سکتے ہیں؟ نماز (جماعت) ہونے کو تقریباً سات منٹ دیر ہو تو سنن سے قبل اسے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

---

(۱) وفی القنیۃ لا یعد التسبیحات بالاصابع ان کلدر ان یحفظ بالقلب والا یغمز الاصابع.

(۲) قال الملا علی فی شرح المشکاۃ مفهومه أنه ان سها ونقص عدد امن محل معین یاتی به فی محل آخر تکملة للعدد المطلوب اه قلت واستفیدا نه لیس له الرجوع الی المحل الذی سها فیه وهو ظاهر وینبغی کما قال بعض الشافعیة یأتی بما ترک فیما یلیه ان کان غیر قصیر فتسبیح الاعتدال یاتی به فی السجود اما تسبیح الرکوع فیاتی به فی السجود ایضا لا فی الاعتدال لأنه قصیر قلت وکذا تسبیح السجدة الاولی یاتی به فی الثانیة لا فی الجلسة لأن تطویلها غیر مشروع عند نا علی ما مر فی الأجبات . ایضا.

(۳) حواله بالا.

(الجواب) وقت مکروہ نہ ہو تو پڑھی جا سکتی ہے، جماعت شروع ہونے سے پہلے فراغت ہو سکتی ہے تو پڑھے ورنہ ترک کر دے، مسجد میں بار بار جانے والے کے لئے ایک مرتبہ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ لینا کافی ہے، ہر مرتبہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تحیۃ الوضو پڑھنے سے قبل بیٹھنا کیسا ہے :

(سوال ۳۰۶) بعض نمازی مسجد میں آکر پہلے بیٹھ جاتے ہیں پھر کھڑے ہو کر نماز تحیۃ الوضوء وغیرہ پڑھتے ہیں تو کیا اولاً بیٹھنا مسنون ہے؟

(الجواب) مسجد کے آداب میں سے یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہونے والا شخص بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ لے۔ اولاً بیٹھ جانا مسنون نہیں ہے بلکہ خلاف سنت ہے (ہاں کسی عذر کی وجہ سے بیٹھنا پڑے تو مضائقہ نہیں) حدیث میں ہے اذا دخل احدکم المسجد فلیر کع رکعتین قبل ان یجلس (صحاح ستة مشکوٰة باب المساجد مواضع الصلاة الفصل الاول) ''تم میں سے جب کوئی مسجد میں آئے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھ لے فقط۔ اللہ اعلم بالصواب۔

(سوال ۳۰۷) مسجد محلہ میں نماز فجر پڑھے اور دوسری مسجد میں قرآن کی تفسیر سننے کے لئے جائے اور وہاں اشراق پڑھے تو اشراق کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ یا جہاں نماز پڑھی ہو وہاں نماز اشراق پڑھنا ضروری ہے؟ اگر مسجد میں سے گھر گرم پانی سے وضو کے لئے جائے اور گھر میں نماز اشراق ادا کرے تو ثواب ملے گا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ان دونوں صورتوں میں نماز اشراق کا ثواب ملے گا کہ اشراق تک ذکر اللہ میں مشغول رہے۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:۔ ای استمر فی مکانه و مسجده الذی صلی فیه فلا ینا فیه القیام لطواف او لطلب علم او جلس وعظ فی المسجد بل لو رجع الی بیته واستمر علی الذکر حتی تطلع الشمس ثم صلی رکعتین. یعنی اشراق تک ذکر اللہ میں مشغول رہ کر نماز اشراق پڑھنے والا ثواب کا حق دار ہے چاہے وہیں بیٹھا رہے۔ یا اگر مسجد حرام میں ہے تو خانہ کعبہ کا طواف کر لے یا کسی حلقہ درس یا مجلس وعظ میں شریک ہو جائے بلکہ اگر اپنے گھر چلا جائے اور اشراق کے وقت تک ذکر (تلاوت یا تسبیح) میں مصروف رہے اور پھر نوافل اشراق پڑھ لے تب بھی اس ثواب کا مستحق ہے۔ مرقاة شرح مشکوٰة باب الذکر بعد الصلوة الفصل الثانی ج ۲ ص ۳۶۵ مطبوعه مطبع مداديه ملتان)(۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تہجد باجماعت کا حکم

(سوال ۳۰۸) نماز تہجد باجماعت پڑھے یا تنہا۔ بحوالہ کتب جواب تحریر فرمائیں۔

(الجواب) نماز تہجد علیحدہ علیحدہ (تنہا تنہا بلا جماعت) ادا کرے باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے، اگر کبھی کبھار دو تین آدمی

---

(۱) ان اصحابنا یکرهو نها فی الا وقات المکروهة تقدیما لعموم الحاظر علی عموم المبیح ...... قوله وتکفیه لکل یوم مرةای اذا تکرر دخوله لعذر. شامی، باب الوتر والنوافل مطلب فی تحیة المسجد ج ۱ ص ۶۳۵، ۶۳۶.
(۲) حوالہ آگے بعنوان، نماز اشراق کے لئے تعیین مکان شرط ہے؟ کے تحت آرہا ہے۔

جو بغیر بلائے اور بلا کسی اہتمام کے جمع ہوں وہ جماعت سے پڑھ لیں تو مکروہ نہیں، امام کے سوا دو آدمی ہوں تو بالاتفاق مکروہ نہیں، تین ہوں تو اختلاف ہے، چار ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔

یکرہ ذلک علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد (درمختار) (قوله علی سبیل التداعی) هوان یدعو بعضهم بعضاً کما فی المغرب وفسره الوافی بالکثرة و هو لازم معناه (قوله اربعة بواحد) اما اقتداء واحد بواحداواثنین بواحد فلا یکره وثلاثة بواحد فیه خلاف بحرعن الکافی (باب الوتر والنوافل مطلب فی کراهة الاقتداء فی النفل علی سبیل التداعی الخ شامی ج ۱ ص ۶۶۴)

اور مجموعہ فتاویٰ سعدیہ میں ہے:۔

(الجواب) جماعت در نماز تہجد بتداعی مکروہ است وبغیر تداعی کہ اتفاقاً یک دو کس یا سہ کس اقتدیٰ متہجد نمایند مکروہ نیست التداعی بان یقتدی اربعة بواحد کما فی الدرو کذا فی الدر المختار۔ فاضل چلپی در حاشیہ شرح وقایہ می آرد الجماعة فی التهجد الذی هی نافلة بدعة قطعاً۔ یعنی لوگوں کو بلا کر تہجد کی نماز میں جماعت کرنا مکروہ ہے۔ اور بلا تداعی یعنی بلاوے کے بغیر ایک دو آدمی یا تین آدمی اتفاقاً تہجد پڑھنے والے کی اقتدا کریں تو مکروہ نہیں فاضل چلپی حاشیہ شرح وقایہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ نماز تہجد با جماعت قطعاً بدعت ہے (مجموعہ فتاویٰ سعدیہ ص ۷۲۔۷۳)

اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''افسوس ہزار افسوس!! بعضے از بدعتہا کو در سلاسل دیگر اصلاً موجود نیست دریں طریقہ علیہ احداث نمودہ اندو نماز تہجد را بجماعت میگزارند اطراف و جوانب در آں وقت مردم از برائے نماز تہجد جمع می گردند و بجمعیت تمام ادا می نمایند وایں عمل مکروہ است بکراہت تحریمی، جمعے از فقہا کہ تداعی شرط کراہت داشتہ اند جواز جماعت نفل را مقید بناحیہ مسجد ساختہ زیادہ از سہ کس را بالاتفاق مکروہ گفتہ اند۔ یعنی افسوس صد افسوس کہ جن بدعتوں کا دوسرے سلسلوں میں نام و نشان تک نہیں پایا جاتا وہ اس طریقہ علیہ (مشائخ نقشبندیہ) میں نمودار ہوگئی ہیں۔ نماز تہجد کو جماعت سے ادا کرتے ہیں اور گردو نواح سے اس وقت لوگ تہجد کے واسطے جمع ہوجاتے ہیں اور بڑی جمعیت سے ادا کرتے ہیں اور یہ عمل مکروہ ہے بکراہت تحریمی۔ حضرت فقہاء کی ایک جماعت جن کے نزدیک تداعی (یعنی ایک دوسرے کو بلانا) کراہت کی شرط ہے ان کے نزدیک جواز جماعت کے لئے یہ قید ہے کہ وہ مسجد کے کونے میں ہو تین آدمیوں سے زیادہ کی جماعت کو بالاتفاق مکروہ کہا ہے (مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوب ۱۳۱ ص ۱۴۴) البتہ بعض علماء کے نزدیک ماہ رمضان کا تہجد اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ لیکن اکثر و بیشتر علماء محققین ان سے متفق نہیں۔ چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:۔

(سوال) نوافل کو با جماعت ادا کرنا اور بالخصوص رمضان میں تہجد اور اوابین کو جماعت سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) جماعت نوافل کی سوائے ان مواقع کے کہ حدیث سے ثابت ہیں مکروہ تحریمہ ہے فقہ میں لکھا ہے اگر تداعی ہو اور مراد تداعی سے چار آدمی مقتدی کا ہونا ہے۔ پس جماعت صلوٰۃ کسوف، تراویح، استسقاء کی درست اور باقی سب مکروہ ہے۔ کذا فی کتب الفقہ۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد اول ص ۴۷)

دوسرا فتویٰ

مسئلہ:بعض قصبات میں رواج ہے کہ رمضان شریف میں بعض حفاظ نماز تہجد میں باہم قرآن شریف سنتے سناتے ہیں اور دو چار آدمی اور بھی جماعت میں شریک ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے گھر جا کر جگاتے ہیں اور کسی روز بے اطلاع سب مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں، سو یہ جماعت درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) نوافل کی جماعت تہجد ہو یا غیر تہجد سوائے تراویح و کسوف واستسقاء کے اگر چار مقتدی ہوں تو حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے خواہ خود جمع ہوں خواہ بطلب آویں اور تین میں خلاف ہے اور دو میں کراہت نہیں۔ کذافی کتب الفقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم (جلد دوم ص ۵۵)

تہجد کی دو رکعت ادا کرنے میں اذان ہو جائے:

(سوال ۳۰۹) مجھے تہجد کا شوق ہے۔ ایک دن تہجد کی دو رکعت کی نیت کی اسی اثناء میں اذان ہوئی میں نے دو رکعت پوری کی تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ اذان بروقت ہوئی ہے اور دو رکعت جو پڑھی گئی ہے وہ صبح صادق کے بعد ادا ہوئی ہے اب سنت فجر پڑھی جائے یا نہیں؟ اس سوچ میں جماعت کھڑی ہوگئی اور سنت پڑھے بغیر جماعت میں شامل ہوگیا تو اب کیا کروں سنت فجر کی قضا ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب یقین ہے کہ دو رکعت صبح صادق کے بعد ادا کی گئی ہے تو یہ دو رکعت سنت فجر کے قائم مقام ہوگئی یعنی سنت فجر پڑھنے کی ضرورت نہیں (منیہ ص ۹۸ کبیری ص ۳۸۵ شامی ج ۱ ص ۳۸۸)[1] فقط و اللہ اعلم بالصواب.

نفل نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے یا حرم شریف میں یا مسجد نبوی میں:

(سوال ۳۱۰) نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے یا حرم شریف میں یا مسجد نبوی میں؟ حاجی نفل کہاں پڑھے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے مگر حاجی کے لئے بیت اللہ اور مسجد نبوی میں نفل پڑھنا افضل ہے کہ ان کو یہ موقع میسر نہ ہوگا۔ ''مرقاۃ شرح مشکوٰۃ'' میں ہے۔ والظاهر ان الكعبة والروضة الشريفة تستثنيان للغرباء لعدم حصولهما في مواضع آخر فتغتنم الصلوٰة فيهما قياساً على ما قاله ائمتنا ان الطواف للغرباء افضل من الصلوٰة النافلة. و الله تعالیٰ اعلم .

یعنی۔ مسجد میں نوافل پڑھنے کے مقابلہ میں گھر میں نوافل پڑھنا افضل ہے۔ لیکن باہر والوں کے لئے (حاجیوں کے لئے) مکہ مکرمہ اور روضۂ شریفہ اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ اور جگہ ان کو یہ حرم میسر نہیں آسکتے۔ پس ان غریب الوطنوں کو چاہئے کہ ان مقدس حرموں میں نماز ادا کرنے کو غنیمت سمجھیں۔ یہ ایسے ہی ہے کہ حضرات ائمہ مجتہدین کا ارشاد ہے کہ باہر والوں کے لئے جو مکہ مکرمہ میں پردیسی ہیں۔ خانہ کعبہ کا نفلی طواف نفلی نماز سے افضل ہے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ طبع ملتان ج ۳ ص ۱۸۶) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) قوله وسنة ولو سنة فجر حتى لو تهجد بركعتين ثم تبين انها بعد الفجر نا ئبا عن السنة باب شروط الصلاة)

عشاء سے پہلے چار رکعت سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ :

(سوال ۳۱۱) عشاء سے پہلے چار رکعت سنت کا ثبوت حدیث سے ہے یا بے اصل ہے؟
(الجواب) نماز عشاء سے پہلے چار رکعت سنت غیر مؤکدہ مستحب ہے۔۔۔۔ حدیث وتعامل سلف صالحین سے ثابت ہے بے اصل نہیں ہے۔ "مظاہر حق" میں ہے۔ اور فرمایا آنحضرت ﷺ نے کہ جو کوئی نماز عشاء سے پہلے چار رکعت پڑھے گویا اس نے تہجد پڑھی اس رات، اور جو کوئی بعد عشاء، چار رکعت پڑھے گویا اس نے چار رکعت شب قدر میں پڑھی ۔ رواہ سعید بن منصور وفی سنة ع ح وبرهان شرح مواهب الرحمان ۔ (مظاہر حق ص۳۸۱ ج۱)

وندب اربع قبل العشاء لماروی عن عائشة رضی الله عنها انه علیه السلام کان یصلی قبل العشاء اربعاً ثم یصلی بعدها اربعاً ثم یضطجع (مراقی الفلاح فصل فی بیان النوافل ص ۷۵)

وعن عائشة انه علیه الصلوة والسلام کان یصلی قبل العشاء اربعاًثم یصلی بعدها اربعاً ثم یضطجع (الاختیار شرح الختارباب الوتروا لنوافل ص۶۶ ج ۱) واما الاربع قبل العشاء فلیست بسنة لعدم المواظبة فکانت مستحبة الخ (عینی شرح کنز باب الوتر و النوافل ص ۴۷ ج ۱) وبہ روایت بعد نماز مغرب بست رکعت آمدہ، وپیش از عشاء چہار رکعت مستحب است (مالا بدمنہ ص۶۹) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز تہجد کا صحیح وقت :

(سوال ۳۱۲) تہجد کی نماز کا صحیح وقت کون سا ہے؟
(الجواب) تہجد کی نماز کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سے صبح صادق تک ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحاح میں روایت موجود ہے کہ حضرت اقدس ﷺ نے نماز تہجد ابتدائی شب میں بھی، نصف شب میں بھی اور آخری شب میں بھی پڑھی ہے مگر آخر زندگی میں زیادہ تر آخری شب میں پڑھنا ہوتا تھا۔ رات کا حصہ جتنا بھی مؤخر ہوتا جاتا ہے اتنی ہی رحمتیں اور برکتیں زیادہ ہوتی ہیں اور سدس آخر (رات کا آخری چھٹا حصہ) تمام حصوں سے زیادہ افضل ہوتا ہے۔

تہجد (لفظ) ترک ہجود یعنی ترک نوم سے مشتق ہے۔ یعنی سونے کے اوقات! اور عشاء کے بعد تمام اوقات تہجد کے ہی اوقات ہیں! (مکتوبات شیخ الاسلام نمبر ۷۷ ص ۲۰۲)

فرض نماز ذمہ باقی رکھ کر نوافل میں مشغول ہونا :

(سوال ۳۱۳) اگر کسی کے ذمہ فرض نماز چند سال کی ادا کرنا باقی ہو اور وہ شخص فرض نماز ادا نہ کرتا ہو بلکہ نوافل پڑھتا ہو تو اس کو نفل نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
(الجواب) فرائض مانند اصل (جڑ بنیاد) کے ہیں اور نوافل مثل شاخوں کے، جس طرح شاخیں بدون اصل (جڑ) کے قائم نہیں رہ سکتیں، نوافل بھی بلا فرائض کے بے سہارا اور بے حقیقت ہیں اور جس طرح شاخوں سے جڑ کو رونق حاصل ہوتی ہے نوافل بھی فرائض کے ساتھ نور علی نور کے درجہ میں ہیں۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے۔ وما تقرب الی عبدی شئی احب الیّ مما افترضت علیه ومایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی ۔الخ

الخ (یعنی) اور میرا بندہ میری پسندیدہ چیزوں (عملوں) میں سے کسی بھی چیز (عمل) کے ذریعہ مجھ سے اس قدر قریب نہیں ہوتا جس قدر ان چیزوں کی ادائیگی کے ذریعہ قریب ہوتا ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہیں اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مجھے محبوب ہو جاتا ہے اور جب وہ میرا محبوب بن جاتا ہے تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کا سول پورا کر دوں اور جو مانگے اسے دے دوں اور اگر مجھ سے پناہ طلب کرے تو اسے (آفات وبلیات سے) پناہ دے دوں۔ (بخاری شریف)

اگر فرائض کی کمی ہوگی اور ان میں کچھ قصور ہوگا تو نوافل کے ذریعہ پوری کی جائے گی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے **فان انتقص من فریضۃ شیئی قال الرب تبارک وتعالیٰ انظروا ھل لعبدی من تطوع فیکمل بھا ما انتقص من الفریضۃ ثم یکون سائر عملہ کذلک** (یعنی) اگر کسی بندہ کے فریضہ نماز میں کمی ہوئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے دیکھو! میرے بندہ کے پاس نوافل بھی ہیں؟ اگر ہوں گے تو ان کے ذریعہ فرض نمازوں کی کمی پوری کر دی جائیں گی۔ پھر اس کے بعد باقی اعمال روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کا بھی اسی طریقہ پر حساب ہوگا یعنی فرضوں کی کمی اور خامی نفلی چیزوں سے پوری کی جائے گی (مشکوٰۃ) بہر حال سب سے زیادہ حق تعالیٰ کا قرب اور نزدیکی بندہ کو فرائض کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے، نوافل دوسرے درجہ میں ہیں اور فرائض کے ساتھ مفید ہوں گے، بلا فرائض کے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:۔

نوافل را در جنب فرائض ہیچ اعتبار نیست ادائے فرضے از فرائض در وقتے از اوقات بہ از ادائے نوافل ہزار سالہ است اگر چہ بنیت خالص ادا شود، ہر نفلیکہ باشد از صلوٰۃ وصوم وفکر وذکر وامثال لہٰذا الخ یعنی:۔ وہ عمل جس سے بارگاہ الٰہی میں قرب حاصل ہوتا ہے فرض ہیں یا نفل، فرضوں کے مقابلہ میں نفلوں کا کچھ اعتبار نہیں ایک فرض کا ادا کرنا ہزار سالہ نفلوں کے ادا کرنے سے بہتر ہے اگر چہ وہ ہزار سالہ نفل خالص نیت سے ادا کیے جائیں خواہ نوافل از قسم روزہ و ذکر و فکر وغیرہ ہوں۔

حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ تمام شب جاگے اور صبح کی نماز باجماعت چھوٹ جائے اس سے بہتر ہے کہ تمام شب سوئے اور فجر کی نماز باجماعت ادا کرے۔

زکوٰۃ کی نیت سے ایک دانگ (۲ رتی) کا دینا بہتر ہے اس سونے کے پہاڑ سے جو بطریق صدقہ نافلہ دیا گیا ہے۔ (مکتوبات امام ربانی ج ا ص ۳۶) حضرت امام ربانی مزید فرماتے ہیں:۔

درادائے فرض اہتمام تمام باید نمودہ ودر حل وحرمت احتیاط باید فرمود، وعبادات نافلہ در جنب عبادات فرائض کا **لمطروح فی الطریق** اندو از اعتبار ساقط اندا کثر مردم این وقت در ترویج نوافل اندو در تخریب فرائض در ایتان نوافل عبادات اہتمام در انند وفرائض را خوار و بے اعتبار شمرند الخ۔ یعنی خاص کر ادائے فرض اور حل وحرمت میں بڑی احتیاط بجالانی چاہئے اور عبادات فرائض کے مقابلہ میں عبادات نوافل ایسے ہیں جیسے راستے کی گری پڑی چیز جس کی کوئی عظمت نہیں ہوتی (مگر) اس زمانہ میں اکثر لوگ نفلوں کو رواج دیتے ہیں اور فرائض کو خوار اور بے اعتبار جانتے

ہیں۔(مکتوبات ج ۲ ص ۱۵۴)

لہذا جس کے ذمہ فرض نمازوں کی قضا ہے ان کو لازم ہے کہ اس کی ادائیگی کی فکر کریں اور نفلوں کے بجائے قضا نمازیں پڑھ لیا کریں کہ قیامت میں فرضوں کے بارے میں سوال ہوگا ہاں فرضوں کی کامل مکمل ادائیگی کرتے ہوئے جس قدر بھی نوافل ادا کئے جائیں بہتر ہوگا، جو لوگ فرض کے ساتھ نوافل پڑھتے رہتے ہیں۔ اللہ پاک کی بارگاہ میں نزدیک ہوجاتے ہیں اور ان کی طبائع و اعضاء و جوارح ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان وغیرہ نیکیوں سے مانوس ہوجاتے ہیں اور گناہ کے کام چھوٹتے چلے جاتے ہیں۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے نامہ اعمال میں فرائض کے ساتھ نوافل کا بھی ذخیرہ ہے۔ جس طرح نوافل بلا فرائض مقبول نہیں اسی طرح فرائض میں سے بعض کا ادا کر لینا کافی نہیں ہے تاوقتیکہ سب ہی کو ادا کرے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے:۔

اربع فرضھن اللہ فی الاسلام فمن جاء بثلاث لم یغنین عنہ شیئاً حتی یاتی بھن جمیعا الصلوٰۃ والزکوٰۃ وصیام رمضان وحج البیت ۔ یعنی چار چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام میں فرض قرار دیا ہے جو شخص ان چار میں سے تین ادا کرے وہ اس کے لئے کچھ مفید نہیں ہوسکتیں تاوقتیکہ سب نہ کرے نماز اور زکوٰۃ اور صوم رمضان اور حج بیت اللہ (مسند احمد) یہ اس لئے کہ جس مسلمان پر حق تعالیٰ نے جتنی چیزیں فرض کی ہیں ان فرضوں پر اسلام کا قصر (محل) قائم ہے۔ ان فرضوں میں سے ایک بھی چھوڑ دینے سے دین کا محل خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ جس طرح محل کے بعض ستون گر جانے سے دوسرے ستون بھی متزلزل ہوجاتے ہیں اس لئے حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا **من لم یزک فلا صلوٰۃ لہ** یعنی جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے اس کی نماز قبول نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز اشراق کے لئے تعیین مکان شرط ہے:

(سوال ۲۱۴) مسجد محلہ صبح کی نماز پڑھے اور تفسیر قرآن کی سماعت کی غرض سے دوسری مسجد میں جائے اور وہاں نماز اشراق پڑھے تو نماز اشراق کا اجر و ثواب ملے گا یا نہیں؟ کیا فرض نماز پڑھ کر اسی جگہ پر اشراق پڑھنا ضروری ہے؟ اگر مسجد سے مکان پر استنجا کے لئے یا گرم پانی سے وضو کرنے کے لئے جائے اور مکان ہی میں اشراق ادا کرے تو اجر و ثواب کا حقدار ہے یا نہیں؟

(الجواب) نماز اشراق کی پوری فضیلت اور مکمل ثواب کا وہ شخص مستحق ہے جو نماز فجر مسجد میں باجماعت ادا کرے یا بوجہ معذوری گھر میں پڑھے اور اسی جگہ بیٹھا رہے اور ذکر الٰہی میں مشغول رہے پھر وقت مکروہ نکل جانے کے بعد دو۲ رکعت یا چار رکعت صلوٰۃ الضحیٰ ادا کرے۔ اور وہ شخص جو تفسیر قرآن سننے کے لئے دوسری مسجد میں جائے اور وقت ہونے پر اشراق کی نماز پڑھ لے وہ بھی اشراق کی فضیلت پائے گا مگر نسبۃً کم۔ اسی طرح وہ شخص بھی جو طبعی عذر (استنجا یا وضو کی ضرورت) کی وجہ سے گھر جانے پر مجبور ہوا ہے اور حاجت سے فراغت پا کر دنیوی کام میں مشغول ہونے سے پہلے نماز پڑھتا ہے وہ بھی اشراق کے ثواب سے محروم نہ ہوگا۔ اور اس آمد و رفت کو مسجد میں ٹھہرے رہنے کا درجہ دیا جائے گا۔ اور جس طرح معتکف کے لئے طبعی حاجت کی بناء پر خروج مسجد منافی اعتکاف نہیں ہے اس کے لئے بھی منافی نہ ہونا

جائے۔

(قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من صلی الفجر فی جماعة ثم قعدیذکر الله) ای استمر فی مکانه ومسجده الذی صلی فیه فلا ینا فیه القیام لطواف او لطلب علم او مجلس وعظ فی المسجد بل وکذا لورجع الیٰ بیته واستمر علی الذکر (حتی تطلع الشمس ثم صلی رکعتین)(مرقاة باب الذکر بعد الصلوٰة مطبوعه ملتانی ص ۳۶۵ ج ۲)

(قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من قعد) ای استمر (فی مصلاه) من المسجد البیت مشتغلاً بالذکر او الفکر او مفید اللعلم او مستفیداً اوطائفاً بالبیت (مرقاة ج ۳ ص ۲۰۳ باب صلوٰة الضحیٰ الفصل الثانی ملتانی)

مخفی نماند کہ قعود در جائے نماز شرط کرد ای اگر برخیزد وبجائے دیگر بہ نشیند ایں ثواب برآں مرتب نگردد چنانچہ ظاہر فحوای کلام است۔ اما اگر برخاستن ودر جائے دیگر نشستن برائے دفع ریا وحفظ حضور بود از باب تکمیل وتتمیم تواند بودہ حکم تکلم بخیر دارد وبعض محققین گفتہ اند کہ ثواب ذکر وخلوت باقی است اما شاید کہ آنچہ ثواب مصابرت وجزائے مرابطت ست مخصوص بقعود در مصلا باشد۔ زشرح سفر السعادة ص ۱۵۹)(اشعة اللمعات ص ۴۲۳ ج ۱ باب الذکر بعد الصلوٰة اشعة اللمعات ص ۵۵۳ ج ۱)

ف:۔ پھر بیٹھے یاد کرے اللہ کو یعنی ہمیشہ ذکر میں رہے بیچ جگہ نماز اپنی کے اور مسجد اپنی کے کہ جس میں نماز پڑھی ہے۔ پس نہیں منافی ہے اٹھنا اسے طواف کے یا طلب علم کے یا مجلس وعظ کے مسجد میں اور اسی طرح اگر گھر میں چلا جاوے اور ذکر کرتا رہے اس کا بھی یہی ثواب ہوگا۔ اور آفتاب نکلنے کے بعد پھر نماز پڑھے۔ یعنی بعد بلند ہونے آفتاب کے، بقدر نیزے کے نماز پڑھے کہ وقت کراہت کا جاتا رہے اور اس نماز کو اشراق کہتے ہیں الخ۔ (مظاهر حق کتاب الصلوٰة باب الذکر بعد الصلوٰة ج ۱ ص ۳۲۰)

دوسری جگہ ہے۔

ف:۔ جو شخص بیٹھا رہے الخ ملا علی قاری کی شرح سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مراد یہ ہے۔ کہ ہمیشہ مشغول رہے ذکر وفکر میں اور نیک کاموں میں مثل سیکھنے سکھانے علم کے اور وعظ اور نصیحت کے اور طواف کرنے بیت اللہ کے بعد فارغ ہونے کے نماز صبح سے یہاں تک کہ پڑھے دو رکعت ضحیٰ کی خواہ مسجد میں اور اس کے مابین سوائے کلام نیک کے نہ کرے تو بخشے جاتے ہیں صغیرہ گناہ اور احتمال ہے کہ کبیرہ بھی بخشے جاویں۔ انتھی۔ پس ان کی تقریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جو فرمایا کہ بیٹھا رہے نماز کی جگہ یہ بطور تمثیل کے فرمایا ہے اور مراد مشغول رہنا ذکر اللہ اور اچھے کاموں میں ہے اور حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ مراد ضحیٰ سے نماز اشراق کی ہے۔ اور حدیثوں میں ضحیٰ سے احتمال اشراق اور چاشت دونوں کا ہے۔ اور ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ثواب جب ہوتا ہے کہ نماز ہی کی جگہ بیٹھا رہے اور اگر خلوت میں جا کر مشغول عبادت میں ہو یہ ثواب نہیں پائے گا۔ اور بیچ وصیتوں مشائخ کے مذکور ہے کہ اگر ڈر پریشانی کا ہو یا ریا راہ پاوے، خلوت میں جاوے۔ اور مشغول ہوئے۔ اور لکھا ہے علماء نے کہ اس وقت میں قبلہ رخ بیٹھنے کو ہاتھ سے نہ دیوے۔ اور اگر نیند آوے دفع کرے۔ (مظاهر حق. کتاب الصلوٰة باب الضحیٰ ص ۴۲۶ ج ۱)

سنت پڑھے بغیر فرض شروع کر دے تو کیا حکم ہے :

(سوال ۳۱۵) فجر کے فرض شروع کرتے وقت یاد آ گیا۔ کہ سنت نہیں پڑھی ہے۔ایسی حالت میں فرض توڑ کر سنت نماز پڑھے یا نہیں؟

(الجواب) نہیں! سنت کے لئے فرض نہ توڑے۔ ولو ذکر فی الفجرانه لم یصل رکعتی الفجر لم یقطع. کیسی فرض نماز میں یاد کیا کہ سنت پڑھی نہیں ہے تو سنت کے لئے فرض نہ توڑے (بحر الرائق ص ۴۸ ج ۲ باب الوترو النوافل) فقط و الله اعلم بالصواب .

وتر کے بعد کی نفل کھڑے ہو کر پڑھے یا بیٹھ کر:

(سوال ۳۱۶) وتر کے بعد کی دو رکعت نفل کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے یا بیٹھ کر؟ حضور اکرم ﷺ کا عمل کیا تھا؟ آپ ﷺ کھڑے ہو کر پڑھتے تھے یا بیٹھ کر ادا فرماتے تھے؟ مستند کتابوں کے حوالہ سے جواب مرحمت فرمائیں۔

(الجواب) وتر کے بعد کی دو رکعت نفل کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ بیٹھ کر نفل پڑھنے والے کے لئے نصف ثواب ہے اور آنحضرت ﷺ سے دونوں طریقے ثابت ہیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ کو بیٹھ کر پڑھنے میں پورا اجر و ثواب ملتا تھا یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی۔ کیونکہ اس میں بھی امت کی تعلیم تھی کہ کھڑا ہونا فرض نہیں ہے امت کو تعلیم دینا نبوت کے واجبات میں سے ہے۔ پس آپ ﷺ کے بیٹھ کر نفل پڑھنے میں بھی واجب کی ادائیگی ہے۔ جس کا ثواب نفل سے زیادہ ہوتا ہے۔ قال ابن حجر و من خصائصه علیه السلام ان ثواب تطوعه جالسا الخ (مرقاۃ المفاتیح ملتانی ص ۱۲۷ ج ۳ باب الوتر) اجر غیر النبی صلی الله علیه وسلم علی النصف الا بعذر. (درمختار ص ۶۵۳ ج ۱ باب الوترو النوافل) (قوله اجر غیر النبی صلی الله عیه وسلم) اما النبی صلی الله علیه وسلم فمن خصائصه ان نافلته قاعداً مع القدرة علی القیام کنا فلته قائماً ففی صحیح مسلم من عبد الله بن عمرو قلت حدثت یا رسول الله انک قلت صلاۃ الرجل قاعداً علی نصف الصلاۃ وانت تصلی قاعداً قال اجل ولکنی لست کا حد منکم بحر ملخصاً ای لانه تشریع لبیان الجواز دهو واجب علیه .(شامی ص ۶۵۳ ج ۱ ایضاً)

البتہ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ اگر کوئی متبع سنت وتر کے بعد کی دو رکعت گاہے گاہے اس نیت سے بیٹھ کر پڑھے کہ آنحضرت ﷺ بیٹھ کر ادا فرماتے تھے میں بھی اتباعاً بیٹھ کر پڑھوں، تو عجب نہیں کہ اس کو اس کی نیت کے مطابق پورا اجر و ثواب ملے۔ چنانچہ "مالا بدمنہ" میں ہے۔ وبعد وتر دو رکعت نشستہ خواندن مستحب است۔ (ص ۶۱)

لیکن از روئے حدیث تو کھڑے ہو کر پڑھنے والا پورے ثواب کا اور بیٹھ کر پڑھنے والا نصف ثواب کا حق دار ہے۔ فقط و الله اعلم بالصواب.

نماز عصر سے پہلے نفل نماز کا ثواب:

(سوال ۳۱۷) نماز عصر سے پہلے دو ۲ رکعت یا چار رکعت نفل نماز کا ثبوت ہے یا نہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ بلا دلیل

ہے۔

(الجواب) عصر کی نماز سے پہلے چار رکعت یا دو رکعت نماز مستحب ہے۔روایات سے ثابت ہے بلادلیل نہیں ہے۔" مالابدمنہ" میں ہے۔وپیش از نماز عصر دو رکعت یا چہار رکعت مستحب است (ص ۶۰) اور "شرح نقایہ" میں ہے وحبب ای ندب الا ربع قبل العصر لما روی ابو داؤد والترمذی وقال حدیث حسن عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم رحم الله امرءً ا صلی قبل العصر اربعاً وبقول علی کان علیه السلام یصلی قبل العصر رکعتین رواه ابوداؤد ورواه الترمذی واحمد وقال اربعاً. ولما رواه الطبرانی بسند حسن عن ابن عمر رضی الله عنه ومن صلی قبل العصر اربعاً حرمه الله علی النار وحبب قبل العشاء وبعده' الخ (شرح نقایه ص ۱۰۰ باب الوتر والنوافل) واما العصر فلیس فیه سنة مؤکدة الا ان لمندوب ان یصلی قبلها اربع رکعات او رکعتین لما روی ابن عمر رضی الله عنه قال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال رحم الله امرء صلی قبل العصر اربعاً وعن امیر المؤمنین علی کرم الله وجهه قال کان یصلی رسول الله صلی الله علیه وسلم قبل العصر رکعتین رواهما ابو دائود وان شاء صلاهما بتسلیمتین لما عن امیر المؤمنین علی کرم الله وجهه' قال کان النبی صلی الله علیه وسلم یصلی قبل العصر اربع رکعات یفصل بینهن بالتسلیم علی الملائکة المقربین ومن تابعهم من المسلمین والمؤمنین رواه الترمذی وقال الفقهاء المندوب ان یصلی قبل العشاء اربع رکعات وسمعت مطلع الا سرار الا لهیة مجمع العلوم . العقلیة والنقلیةابی قدس سره یقول لم یوجد ذکر هذه الا ربع فی کتب الحدیث ولکن کان هو رحمه الله مواظباً علیها حتی مات رحمه الله تعالیٰ(رسائل الا رکان ص ۱۳۳ ،ص ۱۳۴ ایضاً) فقط و الله اعلم بالصواب .

عصر اور عشاء سے قبل کتنی رکعتیں پڑھنی چاہئے؟:

(سوال ۳۱۸) عصر اور عشاء سے قبل سنت شروع کی اور جماعت کھڑی ہو جانے کی وجہ سے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو سنت ادا ہوگی یا نہیں؟ عصر اور عشاء سے قبل چار رکعت سنت ہیں یا دو رکعت پڑھنا بھی کافی ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر موقع ہو تو چار رکعت پڑھے،اور اگر موقع نہ ہو یا کوئی عذر ہو تو دو رکعت پڑھ لینا بھی کافی ہے،عصر اور عشاء سے قبل چار رکعت یا دو رکعت دونوں پڑھ سکتا ہے،درمختار میں ہے (ویستحب اربع قبل العصر وقبل العشاء وبعدها بتسلیمة) وان شاء رکعتین (درمختار) شامی میں ہے (قوله ویستحب اربع قبل العصر) لم یجعل للعصر سنة راتبة لانه لم یذکر فی حدیث عائشة المار بحر ، قال فی الا مداد وخیر محمد بن الحسن والقدوری المصلیؒ ان یصلی اربعاً او رکعتین قبل العصر لا ختلاف الآثار (قوله وان شاء رکعتین) کذا عبر فی منیة المصلی وفی الامداد عن الا ختیار یستحب ان یصلی قبل العشاء اربعاً وقیل رکعتین وبعدها اربع وقیل رکعتین اه والظاهر ان الرکعتین ...... المذکور تین غیر

السوکد تیں (شامی ج ۱ ص ۶۳۰، ص ۶۳۱ مطلب فی السنن والنوافل)

مراقی الفلاح میں ہے:(وندب) ای استحب (اربع) رکعات(قبل) صلوٰۃ (العصر) لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی اربع رکعات قبل العصرلم تمسہ النار وورد انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی رکعتین وور دار بعا فلذاخیرہ القدوری منھما اربعاً الخ (درمختار وشامی ج ۱ ص ۶۳۰ مطلب فی السنن والنوافل)

عمدۃ الفقہ میں ہے: چار رکعت والی سنت مؤکدہ (یعنی ظہر وجمعہ سے قبل اور جمعہ کے بعد والی سنتوں) کو ایک سلام سے ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ یعنی چاروں پڑھ کر چوتھی رکعت کے بعد سلام پھیرے اگر ان کو دو سلاموں سے ادا کیا یعنی (دو رکعت پر سلام پھیرا) تو وہ ان سنتوں کی جگہ ادا نہ ہوں گی اس لئے دوبارہ ایک سلام سے ادا کرے (عمدۃ الفقہ ص ۲۹۷ ج ۲ ص ۲۹۸۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نوٹ:۔ظہر سے قبل سنت شروع کردی ہو اور جماعت کھڑی ہو جائے تو بہتر یہ ہے کہ چار رکعت پوری پڑھ کر سلام پھیرے ۔

ظہر اور جمعہ سے قبل کی چار رکعت سنت ایک سلام سے یا دو سلام سے :

(سوال ۳۱۹) ظہر سے قبل چار رکعت سنت مؤکدہ ایک سلام سے پڑھنا ضروری ہے یا دو سلام سے بھی پڑھ سکتے ہیں؟ سنت شروع کی اور جماعت کھڑی ہو جانے کی وجہ سے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو بعد میں دو رکعت پڑھنا کافی ہے یا چار رکعت پڑھے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ظہر سے قبل جو چار رکعت سنت مؤکدہ ہیں ان کو ایک سلام کے ساتھ پڑھنا ہے، اگر دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو یہ سنت شمار نہ ہوگی بعد میں چار رکعت ایک سلام سے پڑھے...... (واربع قبل الظھر . الی قولہ (بتسلیمۃ) لتعلقہ بقولہ واربع وقال الزیلعی حتی لو صلاھا بتسلیمتین لا یعتدبھا عن السنۃ اہ (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۲۱۳ فصل فی بیان النوافل)

درمختار میں ہے:(واربع قبل الظھرو) اربع قبل(الجمعۃ و) اربع بعدھا بتسلیمۃ) فلو بتسلیمتین لم تنب عن السنۃ ، شامی میں ہے۔(قولہ بتسلیمۃ) ...... وعن ابی ایوب کان یصلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد الزوال اربع رکعات فقلت ما ھذہ الصلوٰۃ التی تدا وم علیھا فقال ھذہ ساعۃ تفتح ابواب السمآء فیھافاحب ان یصعد لی فیھا عمل صالح فقلت أ فی کلھن قرأۃ قال نعم فقلت بتسلیمۃ واحدۃ ام بتسلیمتین فقال بتسلیمۃ واحدۃ رواہ الطحاوی وابو داؤد والترمذی وابن ماجۃ من غیر فصل بین الجمعۃ والظھر فیکون سنۃ کل واحد منھما اربعاً الخ (درمختار وشامی ج ۱ ص ۶۳۰ مطلب فی السنن والنوافل)

عمدۃ الفقہ میں ہے: چار رکعت والی سنت مؤکدہ (یعنی ظہر وجمعہ سے قبل اور جمعہ کے بعد والی سنتوں) کو ایک سلام سے ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے یعنی چاروں پڑھ کر چوتھی رکعت کے بعد سلام پھیرے اگر ان کو دو سلاموں سے

ادا کیا یعنی دو دو رکعت پر سلام پھیرا تو ان سنتوں کی جگہ ادا نہ ہوں گی اس لئے دوبارہ ایک سلام سے ادا کرے (عمدۃ الفقہ ص ۲۹۷ ج ۲ ص ۲۹۸۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نوٹ:۔ ظہر سے قبل سنت شروع کردی ہو اور جماعت کھڑی ہو جائے تو بہتر یہ ہے کہ چار رکعت پوری پڑھ کر سلام پھیرے (ملاحظہ ہو فتاوی رحیمیہ ج ۵ ص ۳۱۵، ص ۳۱۶)

نوافل کی چار رکعت میں دو رکعت پر تشہد کے بعد درود و دعا پڑھنے کی گنجائش:

(سوال ۳۲۰) چار رکعت نفل میں دو رکعت پر تشہد کے بعد درود شریف ودعا اور تیسری رکعت میں ثناء اور تعوذ پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) پڑھ سکتے ہیں۔ مراقی الفلاح میں ہے (بخلاف) الرباعیات (المندوبة) فیستفتح ویتعوذ ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ابتداء کل شفع منها وقال فی شرح المنیة مسئلة الاستفتاح ونحوه لیست مرویة من الائمة وانما هی اختیار بعض المتاخرین (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۲۱۴، فصل فی النوافل)

درمختار میں ہے (وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللہ علیه وسلم (ویستفتح) ویتعوذ ولو نذر لان کل شفع صلوٰة (وقیل) لایأتی فی الکل و صححه فی القنیة. شامی میں ہے (قوله وقیل لا الخ) قال فی البحر ولا یخفیٰ ما فیه و الظاهر الاول زاد فی المنح ومن ثم عولنا علیه وحکینا ما فی القنیة بقیل، نیز شامی میں ہے فیقال هنا ایضاً لا یصلی ولا یستفتح ولا یتعوذ لو قرعه فی فسط الصلوٰة لان الاصل کون الکل صلاة واحدة للاتصال واتحاد التحریمة ومسئلة الاستفتاح ونحوه لیست مرویة عن المتقدمین وانما هی علی اختیار بعض المتأخرین الخ (درمختار، وشامی ص ۶۳۳، باب الوتر والنوافل)(عمدة الفقه ص ۳۱۰، ص ۳۱۱ ج ۱)فقط و الله اعلم.

تہجد کے لئے جس کی آنکھ نہ کھلتی ہو اس کا عشاء کے بعد چار رکعت بہ نیت تہجد پڑھنا:

(سوال ۳۲۱) ایک شخص کو تہجد کا شوق ہے مگر تہجد کے وقت عموماً آنکھ نہیں کھلتی کبھی اٹھ بھی جاتا ہے، اگر یہ شخص تہجد کی نیت سے عشاء کے بعد دو چار رکعت پڑھ لے تو کیا اسے تہجد کا ثواب ملے گا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں اگر وہ شخص عشاء کی نماز کے بعد دو رکعت سنت پڑھ کر چند رکعت نفل پڑھ لے تو انشاء اللہ تہجد کی سنت ادا ہو جائے گی۔

شامی میں ہے: وما کان صلوة العشاء فهو من اللیل وهذا یفید ان هذه السنة تحصل بالتنفل بعد صلوة العشاء فهو من اللیل وهذا یفید ان هذه السنة تحصل بالتنفل بعد صلوة العشاء قبل النوم اه (شامی ج ۱ ص ۶۴۰ باب الوتر والنوافل مطلب فی صلوة اللیل)

مراقی الفلاح میں ہے: (و) ندب اربع (بعده) ای بعد العشاء لما روینا ولقوله صلی اللہ علیه

وسلم من صلی قبل الظهر اربعا کان کانما تهجد من لیلته ومن صلاهن بعد صلوة العشاء کان کمثلهن من لیلة القدر (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۲۱۳ باب الوتر فصل فی بیان النوافل) فقط و الله اعلم بالصواب.

تہجد پڑھنے کے دوران کسی کے دیکھ لینے سے خوش ہونا کیا حکم رکھتا ہے؟:

(سوال ۳۲۲) ایک شخص تہجد پڑھتا ہے، اثنائے صلوٰۃ کوئی شخص آ جائے اور نمازی کے دل میں یہ بات گذرے کہ وہ آدمی کہے گا کہ فلاں بڑا نمازی ہے اور اس شخص کے آنے سے یہ نمازی رکوع وسجدہ بھی اچھی طرح ادا کرتا ہے، لیکن پھر دل میں آتا ہے کہ یہ ریا کاری ہو رہی ہے تو اس عبادت کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) تہجد کی نماز پر کسی کے اطلاع ہونے پر اس لئے خوشی ہو کہ یہ مجھ کو بڑا نمازی سمجھے گا اور اس کے دل میں میری عظمت ہوگی شیطانی وسوسہ ہے اس سے اپنے قلب کو پاک کرنا چاہئے اور کسی کے دیکھنے پر رکوع سجدہ لمبا کرنا اور اچھی طرح ادا کرنا ریا کاری اور اس کے ثواب سے محرومی ہے اور قابل مواخذہ ہے، اعاذنا الله مذکورہ صورت تو ریا کاری میں داخل ہے، البتہ اگر دل میں خوشی صرف اس وجہ سے ہو کہ مجھ کو دیکھ کر اس کو بھی عمل کی توفیق ہوگی اور وہ عمل کرے گا تو مجھے بھی ثواب ملے گا یا خوشی طبعا ہو کہ بفضلہ تعالیٰ مجھے عمل کی توفیق ملی اور اس نے اچھی حالت میں مجھے دیکھا او یہ شخص میرے عمل پر گواہ ہوگا تو یہ صورت ریا کاری میں داخل نہ ہوگی۔

مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث ہے: عن ابی هريرة قال قلت یارسول الله صلی الله علیه وسلم انا فی بیتی فی مصلای اذ دخل علی رجل فاعجبنی الحال التی رأنی علیها فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم رحمک الله یا ابا هریرة لک اجران اجرا لسر واجر العلانیه ، رواه الترمذی (مشکوة شریف ص ۴۵۴ باب الریاء والسمعة)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) میں نے عرض کیا یارسول الله میں اپنے گھر میں مصلی پر (نماز پڑھ رہا تھا) کہ اس وقت اچانک میرے پاس ایک شخص آیا مجھے اس بات سے خوشی ہوئی کہ اس نے مجھے نماز پڑھنے کی حالت میں دیکھا (تو کیا اس وقت میرا خوش ہونا ریا میں شمار ہوگا یا نہیں؟) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابوہریرہ! تم پر اللہ کی رحمت ہو تم دو ثواب کے مستحق ہوئے ایک پوشیدہ کا اور ایک ظاہر ہونے کا۔

حاشیہ مرقاۃ کے حوالے سے نقل فرمایا ہے:۔ قوله فاعجبنی الحال الخ قیل معناه فاعجبه رجاء ان یعمل من راٰه بمثل عمله فیکون له مثل اجره والا ظهر ان اعجابه بحسب اصل الطبع المطابق للشرع من انه یعجبه ان یراه احد علی حالة حسنة ویکره ان یراه علیٰ حالة قبیحة مع قطع النظر ان یکون ذلک العمل سطمحاً للرؤیا ومطمحاً للسمعة فیکون من قبیل قوله صلی الله علیه وسلم من سرته حسنته وساته سیئته فهو مؤ من ۱۲ مرقاة (مشکوة شریف ص ۴۵۴، حاشیه نمبر ۸)

مظاہر حق جدید میں ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ جو اس بات سے خوش ہوئے کہ اس شخص نے ان کو نماز کی حالت میں دیکھا تو اس کا سبب حضرت ابوہریرہ کا یہ پاکیزہ جذبہ تھا کہ مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھ کر اس میں

بھی اس وقت کی نماز کے تعلق سے میری اتباع کا داعیہ پیدا ہوگا اور یہ شخص بھی اسی طرح نماز پڑھے گا جس طرح میں پڑھ رہا ہوں، یا ان کی خوشی کا سبب یہ تھا کہ ان کی حالت نماز گویا ایک شخص کے سامنے نیکی کے راستہ کے اظہار و اعلان کا باعث بنی اور اس شخص کو اس وقت کی نماز کی طرف راغب کرنے کا ذریعہ بنی اور جیسا کہ فرمایا گیا ہے **من سن سنة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها** انہیں بجا طور پر یہ خوش کن توقع ہوئی کہ جب یہ شخص نماز پڑھ لے گا تو اس کی نماز کا مجھے بھی ثواب ملے گا، لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس موقع پر حضرت ابو ہریرہؓ کا خوش ہونا اس طبعی خواہش کی تکمیل کے تئیں تھا جو شریعت کی نظر میں بھی پسندیدہ ہے، یعنی ہر انسان کی یہ طبعی خواہش ہوتی ہے کہ جب اس کو کوئی دیکھے تو وہ اچھی حالت میں ہو، کوئی بھی شخص یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ بری حالت میں دیکھا جائے اور ظاہر ہے کہ اس طبعی خواہش کی بنیاد ریا و سمعہ پر نہیں ہوتی بلکہ قلب سلیم کے تقاصہ اور پاکیزگی خیال پر ہوتی ہے پس یہ بات اس ارشاد نبوی ﷺ کے عین مطابق ہے **من سرته' حسنته' وساء ته' سيئته' فهو مؤمن.** نیز حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **قل بفضل الله وبرحمته فبذلك فليفرحوا هو خير مما يجمعون.** لہٰذا مؤمن کی شان ہی یہ ہے کہ وہ نیک اعمال و احوال کی توفیق حاصل ہونے پر خوش ہوتا ہے، ایک بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا خوش ہونا اس احساس شکر کے طور پر تھا کہ بارے اس شخص کے ذریعہ مسلمانوں کے درمیان عبادت و توفیق کے ساتھ متعارف ہوا اور ایک نمازی کے طور پر جانا پہچانا گیا، ان لوگوں کے زمرہ میں شمار ہونے کا موقع نصیب ہوا جو نماز جیسی اہم عبادت اور اسلام کے سب سے بڑے رکن کو قائم کرتے ہیں، اور ایک مسلمان اس بات کا گواہ بنا، یہ قول حدیث کے ان الفاظ اجر السر واجر العلانية کے مفہوم سے زیادہ قریب ہے (مظاہر حق جدید ص ۱۶۶ جلد نمبر ۲، ریا کا بیان)

شامی میں ہے: **(قوله من صلى او تصدق الخ) اعلم ان اخلاص العبادة لله تعالىٰ واجب والريا فيها وهو ان يريد بها غير وجه الله تعالىٰ حرام بالاجماع للنصوص القطعية وقد سمى عليه الصلوٰة والسلام الرياء الشرك الاصغر ...... الىٰ قوله ...... وقال العلامة العينى فى شرح البخارى الاخلاص فى الطاعة ترك الرياء ومعدنه القلب اه وهذه النية لتحصيل الثواب لا لصحة العمل. الىٰ. وكذا لوصلى مرائياً لكن الرياء تارةً يكون فى اصل العبادة وتارة يكون فى وصفها والاول هو الرياء المحيط للثواب من اصله كما اذا صلى لاجل الناس ولو لا هم ما صلى واما لو عرض له ذلك فى اثناء ها فهو لغو لانه لم يصل لاجلهم بل صلاتهم كانت خالصة لله تعالىٰ والجزء الذى عرض له فيه الريا بعض تلك الصلوٰة الخالصة نعم ان زاد فى تحسينها بعد ذلك رجع الى القسم الثانى فيسقط ثواب التحسين بدليل ماروى عن الامام عن الامام فيمن أطال الركوع لادراك الجائى لا للقربة حيث قال اخاف عليه امراً عظيماً اى الشرك الخفى كما قاله بعض المحققين الخ (شامى ج ۵ ص ۳۷۵، كتاب الحظر والاباحة، فصل فى البيع) فقط والله اعلم بالصواب.**

صلوۃ الوتر

امام نے وتر میں قنوت نہیں پڑھی اور رکوع میں چلے گئے۔ اور مقتدیوں میں سے بعض نے رکوع کیا بعض نے نہ کیا تو کیا حکم ہے :

(سوال ۳۲۳) امام صاحب نے وتر کی تیسری رکعت میں بدون دعائے قنوت پڑھے رکوع کیا مقتدیوں نے لقمہ دیا پھر بھی امام صاحب رکوع میں رہے۔ اور تذبذب میں رہے جس بناء پر رکوع میں زیادہ تاخیر ہوئی اس کے بعد امام نے سجدہ سہو کر کے نماز پوری کی، بعض مقتدیوں نے نہ رکوع کیا اور نہ دعائے قنوت پڑھی کہ وہ بھی تذبذب میں رہے اور نماز پوری کی۔ اور بعض مقتدیوں نے دعائے قنوت نہ پڑھی لیکن رکوع کیا تو اس صورت میں کن مقتدیوں کی نماز صحیح ہوئی اور کن مقتدیوں کی صحیح نہیں ہوئی ؟ اور سب کی نماز فاسد ہوگئی تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس صورت میں امام کی نماز صحیح ہوئی۔ اور جس نے امام کے ساتھ یا امام کے رکوع کرنے کے بعد رکوع کیا ان کی نماز بھی ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن جن مقتدیوں نے رکوع نہیں کیا ان کی نماز فرض کے ترک ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہوئی۔ اعادہ ضروری ہے۔ قنوت کے لئے رکوع سے قیام کی طرف لوٹنے کی ضرورت نہیں، دعائے قنوت سہواً چھوٹنے پر سجدۂ سہو سے تلافی ہوجاتی ہے۔ دعائے قنوت سہواً چھوٹنے کی چار صورتیں ہیں (۱) رکوع میں دعائے قنوت پڑھ لی (۲) رکوع چھوڑ کر قیام کی طرف عود کی اور دعائے قنوت پڑھ کر دوبارہ رکوع کیا (۳) دوبارہ رکوع نہیں کیا (۴) دعائے قنوت نہ رکوع میں پڑھی نہ رکوع کے بعد کھڑے ہوکر پڑھی ان چاروں میں سجدۂ سہو کرے تو نماز ہوجائے گی، درمختار میں ہے۔ **ولو نسیه ای القنوت ثم تذکره' فی الرکوع لا یقنت فیه لفوات محله ولا یعود الی القیام فی الا صح الا نه فیه رفض الفرض للواجب فان عادالیه وقنت ولم یعد الرکوع لم تفسد صلوته لکون رکوعه بعد قرائة تامة وسجد للسهو قنت او لا لزوال محله (درمختار مع الشامی ج ا ص ۶۲۷ باب الوترو النوافل) (فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۱۱۱) فقط و الله اعلم بالصواب .**

غیر رمضان میں وتر باجماعت ادا کرنا کیسا ہے :

(سوال ۳۲۴) غیر رمضان میں وتر باجماعت ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) وتر کی جماعت غیر رمضان میں مکروہ تحریمی ہے۔ کبیری میں ہے **ولا یصلی الوتر بجماعةالا فی شهر رمضان ومعناه الکراهة دون عدم الجواز لانه ، نفل من وجه ولا نهٗ لم ینقل عن النبی صلی الله علیه وسلم ولا عن احد من الصحابة فتکون بدعةً مکروهةً .(کبیری ص ۴۳۰ الباب الثامن فی صلاة الوتر) فقط الله اعلم بالصواب ۔**

وتر کی نماز میں امام صاحب سہواً قعدۂ اولیٰ چھوڑ کر کھڑے ہو گئے پھر لقمہ دینے سے قعدہ کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی یہی مفتیٰ بہ قول ہے

(سوال ۳۲۵) زید وتر کی نماز رمضان میں پڑھا رہا تھا۔ اس نے قعدۂ اولیٰ سہواً ترک کر دیا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد مقتدیوں کے لقمہ دینے سے واپس قعدہ کی طرف لوٹا، تو یہ فرض سے واجب کی طرف لوٹنا اب اس کی نماز سجدۂ سہو کرنے سے صحیح ہوگی یا نہیں؟ اگر صحیح نہیں ہوئی تو کیوں؟ اور اگر صحیح ہوگئی جیسا کہ آپ کے فتاویٰ رحیمیہ ج ا ص ۱۱۱ اردو میں ہے'' کہ نماز صحیح ہو جائے گی لیکن برا کام کرنے والا ہوگا۔ اس لئے کہ یہ فرض سے واجب کی طرف لوٹنا نہیں ہے بلکہ تدارک کے لئے ہے'' یہ بجا آپ نے فتاویٰ رحیمیہ میں تحریر فرمائی ہے۔ لیکن فتاویٰ عالمگیری اردو کی اس عبارت سے اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے۔ ''وتر کا حکم حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک وہی ہے جو نوافل کا ہے (نوافل کا حکم ان کے نزدیک یہ ہے کہ اگر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا ہو تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے) اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں بھی قیاس اور استحسان ہے۔ اور استحسان یہ ہے کہ اس میں نماز نہیں ہوتی اور قیاس یہ ہے کہ (قعدہ کی طرف لوٹ آنے سے) نماز فاسد ہو جاتی ہے اور یہی مختار ہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۵ اردو ترجمہ)

اب آنحضور کی خدمت میں عرض ہے کہ عالمگیری میں فساد کو مختار لکھا ہے۔ اور آپ نے عدم فساد لکھا ہے۔ تو مفتیٰ بہ قول کیا ہے تحریر فرمائیں تاکہ ہمارا اشکال دور ہو۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسئلہ مختلف فیہ ہے: راجح یہ ہے کہ قیام سے قعود کی طرف لوٹنے والے کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ مگر آدمی خطا وار ہوگا۔ فلو عاد الی القعود بعد ذلک تفسد صلوته لرفض الفرض لما لیس بفرض وصححه الزیلعی وقیل لا تفسد لکنه' یکون مسیئاً ویسجد لتاخیر واجب وھو الا شبه کماحققه الکمال ھو الحق (درمختار وشامی باب سجود السھو ج ا ص ۶۹۷) (فتح القدیر ج ا ص ۴۴۵ ایضاً) (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۲۷۱ ایضاً) فقط و اللہ اعلم بالصواب۔

وتر کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ دوسری میں سورۂ کافرون تیسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھنا مستحب ہے، مگر مداومت نہ کی جائے!:

(سوال ۳۲۶) کبیری شرح منیہ میں لکھا ہے کہ وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم اور دوسری رکعت میں قل یا ایھا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھنا مستحب ہے جیسا کہ حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ثابت ہے۔ اور تعلیم الاسلام حصہ چہارم میں بھی حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے یہی تحریر فرمایا ہے اس لئے اگر کوئی شخص مسئلہ سے پورا واقف ہو اور اس مستحب پر ہمیشہ عمل کرے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟ دیگر رمضان المبارک میں وتر جب کہ جماعت کے ساتھ پڑھی جائے تو امام مسئلہ کے ہر پہلو کو مقتدیوں کو بتلادے اور پھر اس پر عمل کرے۔ یعنی رمضان المبارک کے پورے مہینے میں انہی سورتوں کو وتر میں پڑھے تو پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ کیا رسول اللہ ﷺ سے وتر میں اس کے علاوہ دوسری سورتیں پڑھنا بھی ثابت ہے فقط والسلام۔

بینوا توجروا۔

(الجواب) وتر کی پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ دوسری میں کافرون، تیسری میں سورۂ اخلاص پڑھنا مسنون و مستحب ہے حضور اکرم ﷺ سے اس طرح پڑھنا ثابت ہے۔ لیکن آپ نے اس پر مواظبت نہیں فرمائی۔ لہذا مواظبت کرنا زیادتی ہے اور اس سے ایہام وجوب وہجران الباقی لازم آتا ہے۔ شامی میں ہے۔ (قوله بل يندب قراء تهما احياناً) قال في جامع الفتاوى وهذا اذا صلى الوتر بجماعة و ان صلى وحده يقرء كيف يشاء اه . الى قوله . ومقتضاه اختصاص الكراهة بالا مام ونازعه في البحر بان هذا مبنى على ان العلة ايهام التفصيل. والتعيين اما على ما علل به المشائخ ميں هجر الباقي فلا فرق في كراهة المداومة بين المنفرد و الامام والسنة والفرض فتكره المداومة مطلقاً لما صرح به في غاية البيان من كراهة المواظبة على قرائة السور الثلاث في الوتر اعم من كونه في رمضان اماماً او لا . الى قوله . وايضا ذكر في وتر البحر عن النهاية ج انه لا ينبغي ان يقرء سورة متعينة على الدوام لئلا يظن بعض الناس انه واجب اه (شامي ج ۱ ص ۵۰۸ باب الامامة) اور دوسری جگہ باب الوتر میں تحریر فرماتے ہیں۔ (قوله والسنة السور الثلاث) اى الا على والكافرون والا خلاص لكن في النهاية ان لتعيين على الدوام يفضى الى اعتقاد بعض الناس انه واجب وهو لا يجوز فلو قرأ بما ورد به الآثار احياناً بلا مواظبة يكون حسناً بحر الخ (شامي ج ۱ ص ۶۲۳ باب الوتر والنوافل)

وتر کی تینوں رکعتوں میں دوسری سورتیں پڑھنا بھی مسنون ہے۔ چنانچہ پہلی رکعت میں۔ اذا زلزلت الارض دوسری میں انا اعطينك الكوثر تیسری میں قل هو الله احد. عمدة الرعاية على شرح الوقايه میں ہے۔ قوله وسورة آئ سورة شاء . الى قوله . وورد ايضاً انه كان يقرء في الا ولى سبح اسم وفي الثانية قل يا ايها الكافرون وفي الثالثة قل هو الله احد ذكره الترمذى وورد ايضاً انه كان يقرء في الاولى الهكم التكاثر وانا انزلناه في ليلة القدر واذا زلزلت وفي الثانية والعصر واذا جاء نصر الله وانا اعطيناك الكوثر وفي الثالثة قل يا ايها الكافرون وتبت وقل هو الله احد ، اخرجه احمد وغيره الخ (عمدة الرعاية حاشيه نمبر ۳ ص ۲۰۰ باب الوتر) فقط والله اعلم بالصواب ۲۵ رمضان المبارك ۱۳۹۸ھ۔

تہجد گذار کے لئے بھی رمضان المبارک میں وتر جماعت سے ادا کرنا افضل ہے:

(سوال ۳۲۷) رمضان المبارک میں نماز تراویح با جماعت کا ثبوت تحریر فرما کر اس بات کی وضاحت فرمائیں کہ ایک آدمی رات کے آخری نورانی حصہ میں تہجد پڑھتا ہے تو اسے وتر تراویح کے بعد جماعت کے ساتھ پڑھنا چاہئے یا جماعت چھوڑ دے اور وتر کو حدیث کے موافق رات کی اخیری نماز بناتے ہوئے تہجد سے فراغت کے بعد پڑھے۔ دونوں میں افضل کیا ہے۔ بینوا توجروا۔ (از لندن)

(الجواب) رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح با جماعت کا ثبوت فتاویٰ رحیمیہ جلد اول، اردو، انگریزی، اور

گجراتی میں مفصل بیان کیا گیا ہے ۔(جدید ترتیب میں تراویح کے لئے مستقل باب ہے اسی میں دیکھ لیا جائے ۔مرتب)

اختصاراً یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے دوراتیں بیس ۲۰ رکعت تراویح اور وتر باجماعت صحابہؓ کو پڑھائیں پھر تراویح فرض ہوجانے کے خوف سے ترک کردیں ۔حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام رافعیؒ کے واسطے سے نقل کیا ہے ۔ انہ' صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالناس عشرین رکعۃ' لیلتین فلما کان فی اللیلۃ الثالثۃ اجتمع الناس فلم یخرج الیھم ثم قال من الغدانی خشیت ان تفرض علیکم فلا تطیقونھا .

حافظ ابن حجرؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ۔ متفق علی صحتہ اس کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے (تلخیص الحبیر ج ا ص ۱۱۹)

حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں حضرت ابی ابن کعبؓ صحابہ وغیرہ کو بیس ۲۰ رکعت تراویح باجماعت پڑھاتے تھے اس وقت سے لے کر آج تک تمام اسلام واخلاف کا تعامل تراویح اور وتر رمضان المبارک میں باجماعت ادا کرنے کا رہا ہے لہذا تہجد گذار شخص کے لئے بھی افضل یہی ہے کہ وتر باجماعت ادا کرے ۔ جماعت نہ چھوڑے وصلوتہ مع الجماعۃ فی رمضان افضل من ادائہ منفرداً اخر اللیل فی اختیار قاضی خاں قال ھو الصحیح وصحح غیرہ خلفہ (نور الا یضاح ص ۱۰۰ باب الوتر)

مراقی الفلاح میں ہے لانہ' لما جازت الجماعۃ کانت افضل ولان عمر رضی اللہ عنہ کان یؤمھم فی الوتر (الیٰ قولہ) وفی الفتح والبرھان ما یفید ان قول قاضی خان ارجح لانہ' صلی اللہ علی وسلم او تر بھم فیہ ثم بین عذر الترک و ھو خشیۃ ان یکتب علینا قیام رمضان و کذا الخلفاء الراشدون صلوہ بالجماعۃ (مراقی الفلاح شرح نور الا یضاح ص ۷۴ ایضاً)فقط و اللہ اعلم بالصواب .

"وتر پڑھ لینے کے بعد معلوم ہوا کہ تراویح کی دو رکعتیں واجب الاعادہ ہیں تو کیا حکم ہے":

(سوال ۳۲۸) رمضان المبارک میں تراویح کی بیس رکعت کی ادائیگی کے بعد وتر پڑھے بعد میں معلوم ہوا کہ تراویح کی دو رکعت میں غلطی ہونے کی وجہ سے وہ واجب الاعادہ ہیں، لہذا وہ رکعت دوہرائی اور اس خیال سے کہ وتر کی نماز تراویح کی بیس رکعات کی ادائیگی کے بعد ہی پڑھی جاسکتی ہے لہذا وتر کی پڑھی ہوئی نماز صحیح اور معتبر نہیں ہے دوبارہ وتر جماعت سے پڑھی تو یہ ٹھیک ہوا یا نہیں؟

(الجواب) پہلے پڑھی ہوئی نماز صحیح اور معتبر تھی، دہرانے کی ضرورت نہ تھی، دہرائی ٹھیک نہیں ہوا۔نور الایضاح میں ہے ویصح تقدیم الوتر علی التراویح وتاخیرہ عنھا (یعنی) وتر کو تراویح سے پہلے پڑھنا بھی صحیح ہے اور بعد میں پڑھنا بھی صحیح ہے (فصل فی التراویح ص ۱۰۵) لہذا تراویح کی بیس رکعت سے پہلے پڑھے ہوئے وتر معتبر اور صحیح ہیں ۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وتر کی تیسری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوا وہ دوبارہ دعائے قنوت پڑھے یا نہیں؟:

(سوال ۳۲۹) رمضان شریف میں وتر کی تیسری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوا۔ وہ شخص فوت شدہ رکعتوں کی ادائیگی کے وقت دعائے قنوت دوبارہ پڑھے یا نہیں؟

(الجواب) جس کو امام کے ساتھ تیسری رکعت ملی یعنی تیسری رکعت کے قیام یا رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہوا اس کے لئے فوت شدہ باقی رکعتیں ادا کرتے وقت دوبارہ دعائے قنوت پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے ولو ادرک الامام فی رکوع الثالثہ من الوتر کان مدرکا للقنوت فلا یأتی به فیما سبق به (نور الایضاح ص ۱۰۰ ۹۹ باب الوتر) واما المسبوق فیقنت مع امامه فقط ویصیر مدرکاً بادراک رکوع الثالثه (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۶۲۸ باب الوتر والنوافل قبیل مطلب فی القنوت النازله) فقط و الله اعلم بالصواب .

رمضان میں جو عشاء پڑھائے کیا ضروری ہے کہ وہی وتر پڑھائے؟:

(سوال ۳۳۰) رمضان شریف میں جو امام نماز عشاء پڑھائے وہی وتر پڑھائے کیا دوسرا وتر با جماعت نہیں پڑھا سکتا؟

(الجواب) جو فرض پڑھائے وہی وتر بھی پڑھائے یہ بہتر ہے ضروری نہیں۔ امام راضی ہو تو دوسرا آدمی بھی وتر پڑھا سکتا ہے۔ لیکن بلا وجہ اس کی عادت بھی نہ بنالینی چاہئے۔[1] فقط و الله اعلم بالصواب .

تہجد گذار وتر با جماعت پڑھے:

(سوال ۳۳۱) تہجد پڑھنے والا رمضان میں وتر تہجد کے بعد پڑھے یا جماعت کے ساتھ؟ افضل کیا ہے؟

(الجواب) تہجد گذار کے لئے بھی افضل یہی ہے کہ رمضان میں وتر با جماعت پڑھے۔ ''نور الایضاح'' میں ہے۔ وصلوته مع الجماعة فی رمضان افضل من ادائه منفرداً اخر اللیل فی اختیار قاضی خان قال هو الصحیح وصحح غیره خلافه (ص ۱۰۰ باب الوتر) (هو الصحیح) لانه لما جازت الجماعة كانت افضل ولان عمر رضی الله عنه كان یؤمهم فی الوتر (مراقی الفلاح ص ۲۴۷ ایضاً) فقط و الله اعلم بالصواب .

عشاء کی نماز فاسد ہونے یا بلا وضو پڑھنے کی وجہ سے دوبارہ پڑھی گئی تو وتر کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں

(سوال ۳۳۲) ہماری مسجد میں امام صاحب عشاء اور وتر کی نماز پڑھاتے ہیں، تراویح کے لئے حافظ الگ ہیں امام صاحب کے پیچھے عشاء اور وتر ادا کی مگر صبح عشاء کا فساد معلوم ہوا، تو اس صورت میں وتر کا اعادہ بھی ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) واذا جازت التراویح بامامین علی هذا الوجه جاز ان یصلی الفریضة احدهما ویصلی التراویح الآخر وقد كان عمر رضی الله تعالیٰ عنه یؤمهم فی الفریضة والوتر وكان ابی یؤمهم فی التراویح كذا فی السراج الوهاج (فتاویٰ عالمگیری فصل فی التراویح ص ۱۱۶).

(الجواب) صورت مسئولہ میں وتر کا اعادہ ضروری نہیں، مالابدمنہ میں ہے، مسئلہ: اگر عشاء بفراموشی بے وضو خواند وسنت ووتر باوضو خواند، ہمراہ عشاء سنت باز خواند واعادۂ وتر نہ کند ونزد صاحبین وتر راہم اعادہ کند۔ یعنی غلطی سے عشاء کی نماز بے وضو اور سنت ووتر باوضو پڑھی تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک عشاء کے ساتھ ساتھ سنت کا بھی اعادہ کرے اور وتر کا اعادہ نہ کرے اور صاحبینؒ کے نزدیک وتر کا بھی اعادہ کرے۔ (مالابدمنہ ص ۴۶) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز وتر میں مسنون قرأت:

(سوال ۳۳۳) فتوی رحیمیہ ص ۲۲۱، ص ۲۳۲ جلد ۵ میں آپ نے وتر کی نماز میں مشہور مسنون قرأت (پہلی رکعت میں سورۂ اعلی دوسری میں سورۂ کافرون تیسری میں سورۂ اخلاص) کے علاوہ دوسری مسنون سورتیں بھی عمدۃ الرعایہ کے حوالہ سے تحریر فرمائی ہیں، مگر عمدۃ الرعایہ کی عبارت اچھی طرح سمجھ میں نہ آسکی آپ اس کی وضاحت فرمائیں، جزاکم اللہ۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) عمدۃ الرعایہ میں ہے وورد ایضاً انہ کان یقرء فی الا ولیٰ الھکم التکا ثر، وانا انزلناہ فی لیلۃ القدر، واذا زلزلت وفی الثانیۃ والعصر واذا جاء نصر اللہ وانا اعطیناک الکوثر وفی الثالثۃ قل یا یھا الکافرون وتبت ید اوقل ھو اللہ احد اخرجہ احمدوغیرہٖ الخ. (عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح الوقایۃ باب الوتر)

اس عبارت میں وتر کی مسنون قرأت کی تین صورتیں بیان فرمائی ہیں۔

پہلی صورت:

پہلی رکعت میں سورۂ الھٰکم التکاثر، دوسری رکعت میں والعصر، تیسری رکعت میں قل یا یھا الکافرون۔

دوسری صورت:

پہلی رکعت میں انا انزلناہ فی لیلۃ القدر، دوسری رکعت میں اذا جاء نصر اللہ تیسری رکعت میں تبت یدا ابی لھب.

تیسری صورت:

پہلی رکعت میں اذا زلزلت، دوسری رکعت میں انا اعطیناک الکوثر اور تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد، پڑھے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وتر باجماعت:

(سوال ۳۳۴) ایک بجے چاند کی اطلاع پہنچنے پر تراویح اور وتر باجماعت پڑھی، حالانکہ عشاء کی نماز کے ساتھ وتر تنہا پڑھ چکے تھے تو کیا وتر دوسری مرتبہ باجماعت پڑھنا ضروری ہے یا پہلے پڑھی ہوئی کافی ہے؟

(الجواب) جولوگ وتر پڑھ چکے تھے ان کو اب جماعت کے ساتھ پڑھنے کی ضرورت نہیں، البتہ جنہوں نے وتر نہیں پڑھی تھی ان میں سے کوئی ایک امام بن کر جماعت سے پڑھا سکتا ہے۔(۱) فقط و الله اعلم بالصواب .

وتر کی دعا یاد نہ ہو:

(سوال ۳۳۵) جسے دعاء قنوت یاد نہ ہو وہ وتر میں کیا پڑھے۔

(الجواب) دعائے قنوت یاد کرنے کی سعی جاری رکھے یاد ہونے تک اللّٰھم اغفرلی تین مرتبہ پڑھ لے یہ بھی یاد نہ ہو تو تین دفعہ یارب پڑھے ومن لا یحسن دعاء القنوت المتقدم قال الفقیه ابو اللیث رحمه الله تعالیٰ یقول اللهم اغفرلی ویکررها ثلاث مرات (الی قوله) اویقول یا رب یارب یارب ثلاثا ذکره الصدر الشهید (مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص ۲۱۰، باب الوتر رد المحتار ج ۱/ص ۶۲۴.) فقط و الله اعلم بالصواب .

دعائے قنوت کے ساتھ درود پڑھنا:

(سوال ۳۳۶) ایک شخص کہتا ہے کہ وتر میں دعائے قنوت کے بعد درود شریف پڑھنا مستحب ہے کیا یہ صحیح ہے؟

(الجواب) جی ہاں نماز وتر میں دعائے قنوت پوری کر کے اللهم صلی علیٰ محمد وعلیٰ ال محمد پڑھنا مستحب ہے، ویصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم به یفتی .(درمختار مع الشامی باب الوتر والنوافل ج ۱ ص /۶۲۳) فقط و الله اعلم بالصواب.

مقتدی دعاء قنوت پوری کرے یا نہیں:

(سوال ۳۳۷) مقتدی نے دعاء قنوت پوری نہیں پڑھی تھی کہ امام نے رکوع کر دیا تو اب مقتدی کیا کرے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں مقتدی امام کا اتباع کرے، جتنی مقدار دعاء قنوت کی پڑھی ہے وہ کافی ہے۔

ولو رکع الامام قبل فراغ المقتدی من قرائة القنوت اوقبل شروعه فیه وخاف فوت الرکوع مع الامام تابع امامه (باب الوتر طحطاوی ص ۲۱۱) فقط و الله اعلم بالصواب .

دعائے قنوت چھوٹ گئی:

(سوال ۳۳۸) مقتدی نے ابھی دعائے قنوت شروع نہیں کی تھی اتنے میں امام رکوع میں چلا گیا تو مقتدی کیا کرے؟

(الجواب) مقتدی نے ابھی دعائے قنوت شروع نہیں کی تھی اور امام نے رکوع کر دیا یا امام نے دعائے قنوت بھول کر رکوع کر دیا ایسی صورت میں اگر مقتدی دعائے قنوت پڑھ کر امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو سکتا ہو تو پڑھ لے اور اگر شریک نہ ہو سکتا ہو تو چھوڑ دے۔

ایضاً ولو ترک الامام القنوت یأتی به المؤتم ان امکنه مشارکة الامام فی الرکوع

---

(۱) وصلوته مع الجماعة فی رمضان افضل من ادائه منفرداً آخر اللیل فی اختیار قاضی خان قال هذا الصحیح وصحح غیره خلافه' نور الایضاح باب الوتر ص ۹۳.

لجمعه بين الواجبين بحسب الامكان وان كان لا يمكنه المشاركة تابعه لان متابعته اولیٰ (طحطاوی ص ۲۱۱) فقط و الله اعلم بالصواب .

وتر میں دعائے قنوت پڑھنا بھول گیا:

(سوال ۳۳۹) امام نے وتر میں دعائے قنوت ترک کر کے رکوع کر دیا تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سجدہ سہو کر لینے سے نماز صحیح ہو جاوے گی، رکوع یا قومہ میں دعائے قنوت کا پڑھنا ممنوع ہے اگر پڑھے گا تب بھی سجدہ سہو کرنا ہوگا، اگر امام رکوع میں سے دعائے قنوت کے لئے کھڑا ہوا اور دعائے قنوت پڑھ کر پھر رکوع کرے تو یہ دوسرا رکوع لغو ہوگا (کیونکہ پہلا رکوع صحیح ہو گیا تھا) لہٰذا جس مسبوق نے اس دوسرے رکوع میں امام کی اقتداء کی تو اس کے حق میں یہ رکعت شمار نہ ہوگی۔

(ولو نسيه) اى القنوت (ثم تذكر في الركوع لا يقنت) فيه لفوات محله (ولا يعود الى القيام) في الاصح لان فيه رفض الفرض للواجب (فان عاد اليه وقنت ولم يعد الركوع لم تفسد صلوته) لكون ركوعه بعد قراءة تامة (وسجد للسهو (درمختار)

وفي الشامية حتى لو عاد وقنت ثم ركع فاقتدى به رجل لم يدرك الركعة لان هذا الركوع لغو (شامی ج ۱/۶۲۷، باب الوتر و النوافل. فقط و الله اعلم بالصواب .

تمت بالخير ويتلوه الجزء السادس

متفرقات صلوٰۃ

قنوت نازلہ کس کس نماز میں پڑھے:

(سوال ۱) قنوت نازلہ صرف فجر کی نماز میں پڑھے یا مغرب وعشاء میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ نماز جمعہ میں پڑھے یا نہیں؟

(الجواب) امام طحاوی وغیرہ محققین علماء قنوت نازلہ کو نماز فجر کے ساتھ مخصوص مانتے ہیں۔ شامی میں ہے۔ ان قنوت النازلة عندنا مختص بصلوة الفجر دون غير ها من الصلوة الجهرية او السرية یعنی ہمارے نزدیک قنوت نازلہ نماز فجر کے ساتھ خاص ہے اس کی سوا دوسری نماز میں نہیں۔ سری نماز ہو یا جہری (ج اص ۶۲۸ باب مطلب فی قنوت النازلۃ) بعض علماء جہری نماز میں یعنی فجر ومغرب اور عشاء، اور نماز جمعہ میں پڑھنے کے بھی قائل ہیں لہذا حسب حال پڑھ سکتے ہیں منع نہیں۔ فقط۔

بوقت ولادت نماز کا فرض ہونا:

(سوال ۲) ایک مولوی صاحب نے تقریر میں مسئلہ بیان کیا کہ عورت کے بچہ پیدا ہو رہا ہے سر نکلا اور اذان کی آواز سنی تو اس پر نماز پڑھنا ضروری ہے گڑھا کھود کر سر اس میں رکھ کر نماز پڑھے کیا اس صورت میں نماز پڑھنی جائز ہے؟ کیا مولوی صاحب کا بیان کردہ مسئلہ درست ہے؟

(الجواب) مولوی صاحب نے نماز کی اہمیت بتائی ہے وہ صحیح ہے اسلام میں نماز پڑھنے کا بڑا مرتبہ ہے۔ بچہ سات برس کا ہو جائے تو نماز کی تاکید کا حکم ہے دس برس ہو جانے پر نماز نہ پڑھے تو مار کر پڑھنے کا حکم ہے اگرچہ وہ نابالغ ہوتا ہے اور نماز اس پر فرض نہیں ہوتی۔ بالغ جس کے ہوش وحواس صحیح ہوں بیماری سے اس پر غشی چھائی ہوئی نہ ہو یا مجنون اور پاگل نہ ہو جن عورتوں کو حیض ونفاس نہ ہو ان کے لئے نماز معاف نہیں بلکہ مؤخر کرنے کی اور قضا کرنے کی بھی اجازت نہیں وضو نہ کر سکے تو تیمم کر کے نماز پڑھے، کھڑا نہ رہ سکے تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھنے کی سکت نہ ہو تو لیٹ کر سر کے اشارے سے نماز ادا کرے نماز نہ چھوڑے۔ اس حالت میں بھی معاف نہیں حتی کہ جو شخص دریا میں تختہ پر پڑا ہوا ور نماز کے وقت کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اعضاء وضو پانی میں داخل کرے اور نماز اشارہ سے پڑھے نماز نہ چھوڑے اسی طرح جس آدمی کے دونوں ہاتھ شل ہو جائیں اور وضو وتیمم نہ کر سکے تو جس طرح ممکن ہو اپنا منہ اور دونوں ہاتھ بہ نیت تیمم دیوار پر گھس کر نماز پڑھے اس کو مؤخر کرنے اور ترک کرنے کی اجازت نہیں۔ (مجالس الابرار عربی ص ۳۰۲) اسی اہمیت کے سلسلہ میں یہ مسئلہ بھی بیان کیا جا سکتا ہے جو مولوی صاحب نے تقریر میں ارشاد فرمایا ہے اگر بچہ پیدا ہو رہا ہو اور سر باہر آ گیا ہو اور نماز کا وقت ختم ہو جانے کا خوف ہو تو ہو سکے تو وضو کرے ورنہ تیمم کر کے بچہ کو تحفظ کرتے ہوئے بیٹھ کر رکوع سجود نہ کر سکے تو اشارے سے نماز ادا کرے تاخیر کی اجازت نہیں ہے۔ اگر نماز مؤخر کر دے گی تو گنہگار ہوگی۔ ولو لم تصل تكن عاصية لو بها (اگر نماز نہ پڑھے گی تو اپنے رب کی نافرمان ہوگی۔ طحطاوی علی الدر المختار ج اص ۱۳۱ احکام النفاس) اب یہ بچہ کس طرح محفوظ رہے، اس کی صورت یہ بتائی گئی ہے کہ مثلاً پتیلی یا ہنڈیا رکھ لے یا کوئی

گر جاتا ہو تو بچہ کو اس طرف کر دے وغیرہ کہ بچہ کی حفاظت اور نماز بن پڑے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز اور خطبہ کے لئے آلہ مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کا استعمال:

(سوال ۳) ایک مسجد بہت بڑی اور مصلی بھی بہت ہوتے ہیں، یہاں تک کہ مسجد کا جماعت خانہ بھر جانے کے بعد باہر صحن پر ہو جانے کے باوجود نمازی بچ رہتے ہیں، ایسی مسجد کے لئے امام کی قرأت سننے کے واسطے لاؤڈ اسپیکر سے آواز پہنچانا کیسا ہے؟ اور نماز کے اعلان کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کیا جا سکتا ہے؟

(الجواب) (الف) لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ جو آواز دور کے مصلیوں تک پہنچتی ہے وہ امام کی اصلی آواز ہے یا (صدائے گنبد کے مانند) نقلی دوسری آواز ہے، اس میں سائنسدان مختلف ہیں نقلی آواز ہے تو اس پر اقتداء صحیح نہیں ہے اس لئے کہ صحت اقتداء کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ جس کی آواز پر اقتداء کا مدار ہے وہ مکلف ہو، ورنہ جس نے اس آواز کی اقتداء کی ہے اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔ اعلم ان الامام اذا کبر للافتتاح لا بد لصحة صلوته من قصده بالتکبیر الاحرام والا فلا صلوة له اذا قصد الاعلام فقط فان جمع بين الامرين فحسن وكذا المبلغ اذا قصد به التبليغ فقط خاليا عن الاحرام فلا صلوة له ولا لمن يصلي بتبليغه في هذه الحالة لانه اقتدأ بمن لم يدخل في الصلوة. طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۰۸ باب صفة الصلاة من الصلاة)

(ب) اور اگر لاؤڈ اسپیکر کی آواز گنبد کی آواز کی طرح نقلی نہیں ہے، امام کی اصلی آواز ہے تو اس صورت میں بھی لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی اجازت نہیں دی جا سکتی کیونکہ یہ اس سادگی اور بے تکلفی کے خلاف ہے جو اسلامی عبادات کی خصوصیت ہے اور ظاہر ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال میں سراسر تکلف ہے، حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ عبادتوں میں تشدد اور تکلف من جملہ اسباب تحریف دین ہے اور یہی بیماری ہے جس میں یہود و نصاری کے راہب مبتلا ہوئے تھے۔ رحجة الله البالغه)

(ج) اس کے علاوہ بہت زور و قال قیل ہوتے ہیں۔ خشوع نماز کی جان ہے لاؤڈ اسپیکر کا تماشا اس خشوع میں خلل انداز ہوتا ہے، نماز کی اس روح کے پیش نظر زیادہ چیخ کر پڑھنے سے منع فرمایا گیا ہے اور اعتدال کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ ولا تجهر بصلوتک ولا تخافت بها وابتغ بين ذلک سبيلا (بنی اسرائیل) (اور اپنی جہری نماز میں نہ تو بہت زور سے پڑھئے اور نہ بالکل آہستہ اور دونوں کے درمیان ایک طریقہ اختیار کر لو) (بیان القرآن ج ۲ ص ۲۰۰) اس آیت کی تفسیر میں حضرت فرماتے ہیں کہ درمیانی آواز سے پڑھئے کیونکہ بہت زور سے پڑھنے سے خشوع قلب میں خلل آتا ہے۔

(د) بات یہ ہے کہ مشاہدہ ہے کہ بجلی اکثر چلی جاتی ہے یا خود مشین میں خرابی آ جاتی ہے تو انتشار پیدا ہوتا ہے بالخصوص پچھلی صف والوں اور امام سے دور رہنے والوں کو نماز بھی نہیں ہوتی، انتشار نماز کا خطرہ خود موجب کراہت ہے۔

---

(۱) ومنها التشدد وحقيقة اختيار عبادات شاقة لم يأمربها الشارع كدوام للصيام والقيام والتبتل وترک التزوج وان يلتزم السنن والاداب كالتزام الواجبات وهو حديث نهى النبي صلى الله عليه وسلم عبدالله بن عمرو وعثمان بن مظعون عما قصدا من العبادات الشاقة وهو قوله صلى الله عليه وسلم لن يشاد الدين أحد الا غلبه فاذا صار ها المتعمق أو المتشدد معلم قوم ورئيسهم ظنوا ان هذا داء رهبان اليهود والنصارى باب احكام الدين من التحريف ج ۱ ص ۳۴۹

(۵) شریعت کی اصول ہے کہ فائدہ حاصل کرنے کی بہ نسبت ،خرابی کو دور کرنا اور اس سے احتراز مقدم ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے وھی درء المفاسد اولیٰ من جلب المصالح فاذا تعارضت مفسدۃ ومصلحۃ قدم دفع المفسدۃ غالبا لان اعتناء الشرع بالمنہیات اشد من اعتناء ہ بالمأمورات (ص ۱۱۴ حصہ قواعد القاعدہ الخامسۃ الضرریزال) (یعنی) فائدہ حاصل کرنے کی بہ نسبت خرابیوں کا دور کرنا مقدم ہے پس جب مفسدہ اور مصلحت کا تعارض ہوتو عام طور پر مفسدہ کو مصلحت پر مقدم کیا جائے گا اور ترک کر دینے کا حکم دیا جائے گا کیونکہ شرعیات میں مامورات کی بہ نسبت منہیات سے احتراز کا زیادہ اہتمام اور تاکید ہے۔

دیکھئے وضو اور غسل میں غرغرہ سنت ہے، مگر پانی گلے میں اتر جانے کے خوف سے روزہ دار کے لئے ممنوع ہے،اسی طرح داڑھی کے بالوں کا خلال سنت ہے مگر حالت احرام میں بال ٹوٹ جانے کے ڈر سے مکروہ ہے۔

الحاصل نماز میں امام کے لئے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال میں فائدہ کی بہ نسبت خرابی کا پلہ بھاری ۔ ۔ ناب ہے لہذا شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے اس لئے کہ نماز کی صحت اور تکمیل امام کی قرأت سننے پر موقوف نہیں ہے اور تکبیرات انتقال سننے کی ضرورت جن پر اقتداء اور رکوع وسجود کا مدار ہے وہ مکبرین کے انتظام سے پوری ہو جاتی ہے ،رہا نماز میں دل لگنے کا مسئلہ تو کیا مغرب کی اخیری رکعت میں اور عشاء کی تیسری اور چوتھی رکعتوں اور ظہر وعصر کی چاروں رکعتوں میں قرأت سنائی دیتی ہے؟ ارشاد خداوندی ہے و اذا قرء القران فاستمعوا لہ وانصتوا. جب قرآن شریف پڑھا جائے تو کان لگاؤ اور خاموش رہو۔ یعنی یہ حکم نہیں ہے کہ امام کی قرأت ضرور سنو بلکہ حکم یہ ہے کہ کان لگالو آواز آئے یا نہ آئے کان لگانے کا ثواب مل جائے گا۔ بہر حال عبادات خصوصاً نماز کی ادائیگی میں سلف صالحین کے طریقہ کی اتباع لازم ہے اور اسی میں دین و دنیا کی کامیابی اور مذکورہ بالا مفاسد سے نجات ہے۔

خطبہ میں بھی اس کا استعمال مناسب نہیں ہے، خطبہ کی شان کے خلاف ہے اور کبھی بگڑ جانے کی صورت میں حاضرین میں انتشار اور تشویش پیدا ہو جانے کا باعث ہو سکتا ہے ،لہذا عدم استعمال ہی اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قنوت نازلہ کے متعلق تفصیل:

(سوال ۴) قنوت نازلہ پڑھنے کے متعلق اختلاف نہیں ہے مگر نماز میں پڑھنے کو کہا جاتا ہے اس لئے لوگوں کو شبہ ہوتا ہے ،نماز میں خلل تو نہیں آئے گا؟ یہ بتائیں کہ کن حالات میں پڑھی جائے؟ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نے کس طرح نماز میں دعا مانگی ہے؟ بحوالہ کتب بتائیں،؟ وہ دعا کونسی کتاب میں ملے گی؟ اکیلا شخص پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ یا جماعت شرط ہے؟ عورتیں پڑھ سکتی ہیں یا مردوں کے لئے ہی یہ حکم ہے؟

(الجواب) جب قومی ملی یا اجتماعی طور پر کوئی مصیبت درپیش ہو۔ مثلاً دشمن چڑھ آیا ہو یا طاعون یا ہیضہ کی وبا پھیل جائے جس سے لوگ مضطرب اور پریشان ہوں تو قنوت نازلہ پڑھی جاسکتی ہے تا آنکہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو دور کردے۔

طریقہ:

نماز فجر کی دوسری رکعت کے آخر میں جب رکوع سے اٹھیں تو قومہ میں یہ دعا پڑھی جائے ۔ہاتھ باندھنا ضروری نہیں ہے ہاتھ چھوڑے بھی جاسکتے ہیں یہی طریقہ عام طور پر رائج ہے اس میں تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے

۔آواز میں خشوع ہو۔قرأت کی آواز سے کم ہو۔مقتدی موقع بموقع آہستہ آہستہ آمین کہتے رہیں اور دعا کے الفاظ پر دوں تو آہستہ آہستہ ادا کرتے رہیں۔آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایسے مواقع پر قنوت نازلہ پڑھی ہے۔فقہاء کرام نے اس کو سنت قرار دیا ہے۔صحیح احادیث سے ثابت ہے۔فقہ کی معتبر کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔لہذا بحث وانکار اور شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔(۱)

اس کی ابتداء بیر معونہ کے واقعہ کے بعد سے ہوئی۔جس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چھوٹوں کے اصرار پر ستر ۷۰ صحابہ کرام کو نجد کی جانب تبلیغ اور تعلیم کے لئے بھیجا تھا۔یہ منتخب حضرات تھے۔قرآن پاک کے حافظ تھے اسی لئے ان کو قراء کہا جاتا تھا۔اوقات شب میں تلاوت کیا کرتے تھے اور دن کو لکڑیاں چن کر بسر اوقات کرتے۔راستہ میں کچھ قبائل نے بیر معونہ مقام پر گھیر لیا اور سب کو شہید کر دیا۔صرف ایک صحابی جو زخمی ہو کر لاشوں کے نیچے دب گئے تھے پھر ان کو ہوش آ گیا۔وہ بچ گئے تھے۔انہوں نے آکر آنحضرت ﷺ کو اس حادثہ کی خبر دی۔آنحضرت ﷺ کو اتنا صدمہ ہوا کہ اور کسی حادثہ پر اتنا صدمہ نہیں ہوا تھا۔وہ قبائل جو وحشیانہ جرم کے مرتکب ہوئے تھے ان کے لئے آپ ﷺ نے بد دعا کی اور ایک مہینہ تک نماز صبح میں رکوع کے بعد قنوت نازلہ پڑھتے رہے۔رعل، ذکوان،عصیہ،بنولحیان وہ قبائل ہیں جو اس جرم میں پیش پیش تھے (بخاری شریف ص ۵۸۶ کتاب المغازی باب غزوۃ الرجیع ورعل وذکوان وبیر معونہ الخ) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ دعاء قنوت پڑھنے کا یہ پہلا موقع تھا۔اس سے پہلے کبھی نہیں پڑھی تھی۔عن انس وذلک بدء القنوت وما کنا نقنت ایضاً.

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفاء پر جب کوئی حادثہ پیش آتا تھا تو رکوع کے بعد یا رکوع سے پہلے مسلمانوں کے لئے دعا اور کفار کے حق میں بد دعا کیا کرتے تھے اور اس کو کبھی نہیں چھوڑا۔یعنی جب کوئی سخت مصیبت پیش آئی تو قنوت نازلہ ضرور پڑھی۔وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وخلفاءه اذانابهم امر دعوا للمسلمین وعلی الکافرین بعد الرکوع اوقبله ولم یترکوه بمعنی عدم القول عند النائبة (حجة الله البالغة ج ۲ ص ۴۵ اذکار الصلاة وهیئاتها المندوب الیها قنوت الصبح)

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ "مسیلمہ کذاب سے جب جنگ ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نماز میں دعائے قنوت پڑھی۔حضرت عمرؓ نے اہل کتاب سے مقابلہ کے وقت دعائے قنوت پڑھی حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کی جنگ کے وقت دونوں نے دعائے قنوت پڑھی واما المروی عن الصحابة فنوعان احدهما قنوت عند النوازل کقنوت الصدیق رضی الله عنه فی محاربة الصحابة لمسیلمة وعند محاربة اهل الکتاب وکذالک قنوت عمرو قنوت علی عند محاربته لمعاویة واهل الشام(زاد المعاد ج ۱ ص ۷۵ قبیل ،فصل فی هدیة صلی الله علیه وسلم فی سجود السهو)

---

(۱) قوله فیقنت الامام فی الجهریة یوافقه ما فی البحر و الشرنبلالیة عن شرح النقایة عن الغایة وان نزل بالمسلمین نازلة قنت الامام فی صلاة الجهر وهو قول الثوری واحمد وکذا مافی شرح الشیخ اسمعیل عن النهایة اذا وقعت نازلة قنت الامام فی الصلاة الجهریة لکن فی الاشباه عن الغایة قنت فی صلاة الفجر ویؤیده ما فی شرح المنیة حیث قال لعدم کلام فتکون شرعیة ای شرعیة القنوت فی النوافل مستمر وهو محمل قنوت من قنت من الصحابة بعد وفاته علیه الصلاة والسلام وهو مذهبنا وعلیه الجمهور هل القنوت هنا قبل الرکوع ام بعده لم اره والذی یظهر لی ان المقتدی یتبع امامه اذا جهر فیؤمن وانه یقنت بعد الرکوع لا قبله . شامی باب الوتر والنوافل مطلب فی قنوت النازلة ج ۱ ص ۶۲۸

قنوت نازلہ کا حکم عام ہے مرد، عورت، امام، منفرد ہر ایک کو شامل ہے، جماعت کی قید اور مردوں کی تخصیص اور منفرد یا عورتوں کے لئے ممانعت کی صریح اور صحیح دلیل منقول نہیں ہے، قنت الامام اس کے لئے کامل دلیل نہیں ہے (حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ کا بھی یہی نظریہ ہے) لہذا منفرد اور عورتیں اپنی نماز میں دعائے قنوت پڑھ سکتی ہیں، مگر عورتیں زور سے نہ پڑھیں۔

صبح کی نماز کے علاوہ دوسری جہری نمازوں (مغرب وعشاء) میں قنوت پڑھنے کے متعلق فقہائے احناف میں اختلاف ہے، لہذا پڑھنے یا نہ پڑھنے پر کسی کو مجبور کرنا اور جنگ وجدال مناسب نہیں ہے۔ (اصح السیر) زجاجۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۶۰، ۲۵۹ باب القنوت)(طحطاوی علی الدر المختار باب الوتر و النوافل قنوت للناز لۃ ج ۱ ص ۲۴۴) (شامی ج ۱ ص ۶۲۸ ایضاً

دعائے قنوت ایک مقرر نہیں ہے، وقت اور موقعہ کے مطابق ادعیہ ماثورہ میں سے مناسب دعا پڑھ سکتے ہیں ۔ ذیل کی دعا زیادہ مناسب ہے۔

اَللّٰھُمَّ انْصُرِ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَانْجِزْ وَعْدَکَ وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَللّٰھُمَّ اَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِھِمْ وَانْصُرْھُمْ عَلٰی عَدُوِّکَ وَعَدُوِّھِمْ اَللّٰھُمَّ اَھْلِکِ الْکَفَرَۃَ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِکَ وَیُکَذِّبُوْنَ رُسُلَکَ وَیُقَاتِلُوْنَ اَوْلِیَآءَکَ اَللّٰھُمَّ خَالِفْ بَیْنَ کَلِمَتِھِمْ وَزَلْزِلْ اَقْدَامَھُمْ اَللّٰھُمَّ شَتِّتْ شَمْلَھُمْ وَفَرِّقْ جَمْعَھُمْ وَخَرِّبْ بِلَادَھُمْ اَللّٰھُمَّ اَلْقِ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الرُّعْبَ اَللّٰھُمَّ خُذْھُمْ اَخْذَ عَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ اَللّٰھُمَّ اَنْزِلْ بِھِمْ بَاْسَکَ الَّذِیْ لَا تَرُدُّہٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ۔

نوٹ:۔ کسی بڑے عالم کے پاس دعا پڑھ کر تصحیح کر لیں تا کہ زبر زیر کی غلطی نہ رہے۔ فقط۔

سودی رقم سے بنائے ہوئے گھر میں نماز ادا ہوگی یا نہیں؟:

(سوال ۵) یہاں انگلینڈ میں اکثر آدمیوں کے پاس ذاتی مکانات ہیں اور تقریباً ہر مکان سوسائیٹی کے پاس سے سود پر رقم قرض لے کر خریدا ہے تو اب اس میں نماز ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

(الجواب) وہاں کے اصول کے مطابق سوسائٹی سے سود پر قرض لے کر بنائے ہوئے مکانوں میں نماز پڑھنے سے نماز ادا ہو جائے گی۔ شک وشبہ سے خالی جگہ ہو تو اولیٰ ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

آلۂ مکبر الصوت میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟:

(سوال ۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں پر (برما میں) بعض مسجدوں میں نماز کے اندر آلۂ مکبر الصوت کا استعمال کیا جاتا ہے۔ بسا اوقات اس کی بھدی اور کریہہ آواز سے شور وغل ہوتا ہے اور نمازی حضرات کو تکلیف پہنچتی ہے۔ خشوع وخضوع میں خلل ہوتا ہے۔ لہذا اس کے متعلق مدلل ومفصل فتویٰ کی ضرورت ہے۔

(۱) ... جائز ذریعہ سے مکان مل جاتا ہو تو ایسی صورت میں نماز مذکورہ گھروں میں مکروہ ہوگی اگر جائز ذریعہ سے نہیں ملتا تو مکروہ نہ ہوگی، کذا فی باشیاء المحرمۃ عند عدم الشفاء فی اشیاء المبیحۃ.

کہ اس کو بصورت مذکورہ میں طبع کرا کے مساجد میں رکھا جائے! بینوا توجروا۔ مستفتی۔ یونس آ بوٹ (از رنگون)

(الجواب) آلہ مکبر الصوت کے ذریعہ امام کی آواز مقتدیوں کو پہنچائی جاتی ہے۔ وہ امام کی اصلی آواز ہے یا صدائے بازگشت کی طرح نقلی ہے اس میں ہنوز اختلاف ہے۔ جو علماء نقلی آواز فرماتے ہیں وہ نماز کے فساد کے قائل ہیں اور جن کے نزدیک نقلی نہیں ہے وہ فساد صلوٰۃ کا حکم تو نہیں لگاتے مگر اس آلہ پر نماز ادا کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ بلکہ ممنوع قرار دیتے ہیں اور یہی اصح اور احوط اور الیق عمل ہے۔ نماز افضل العبادات ہے۔ اس میں بڑے احتیاط کی ضرورت ہے۔ لہٰذا آلہ مکبر الصوت کا استعمال نماز کی شان کے مناسب نہیں ہے۔ فتاویٰ شامی میں ہے۔ فـــــي المبسوط السرخسي الا خذ بالا حتياط في العبادت واجب! یعنی کتاب مبسوط سرخسی میں ہے کہ عبادات کے بارے میں احتیاط کو اختیار کرنا واجب ہے۔ (ص ۱۰۶ ج ۲ باب صدقۃ الفطر) آج کل لوگوں کی بالخصوص نوجوانوں کی طبیعتیں فیشن پرست بن گئی ہے۔ عبادتوں میں لاؤڈ اسپیکر کی نمائش نہ ہو۔ تو انہیں لطف نہیں آتا۔ حقیقت فنا ہو جانے کی کچھ پرواہ نہیں خشوع اور خضوع نماز کی جان ہے لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے حضور قلب میں ضرور خلل آتا ہے۔ ایک یہ بھی خرابی ہے کہ حاجت سے بہت زیادہ جہر پایا جاتا ہے۔ حالانکہ قراءت اور تکبیر انتقالات کے جہر میں بھی اعتدال کا حکم ہے حاجت سے زائد کو فقہائے کرام رحمہم اللہ علیہم نے مکروہ لکھا ہے۔

(قوله بقدر حاجة الا علام الخ) وان زاد كره (درمختار باب صفة الصلاة مطلب في التبليغ خلف الا مام. طحطاوي ص ۳۲۸ ج ۱ و شامي ص ۴۴۳ ج ۱) ويجهر الا مام وجوبا بحسب الجماعة فان زاد عليه اساء! درمختار مع الشامي ج ۱ ص ۴۹۷ فصل في القرأة) اس کا عام رواج ہو گیا تو امام کی آواز پہنچ جانے پر بھی اس کا استعمال ہوتا رہے گا (عوام کا حدود میں رہنا عادۃً محال ہے) اور اس صورت کا ناجائز اور بدعت مکروہ ہونا ظاہر ہے۔ فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ امام کی تکبیروں کی آواز مقتدیوں تک پہنچ رہی ہو تو مکبرین کا تقرر یعنی تکبیر کہنے کے لئے لوگوں کو کھڑا کر دینا مکروہ اور بدعت ہے۔ چاروں اماموں کا یہی مسلک ہے۔ "ردالمحتار" میں ہے۔ **واعلم ان التبليغ عند عدم الحاجة اليه بان بلغهم صوت الامام مكروه وفي السيرة الحلبية اتفق الا ئمة الا ربعة على ان التبليغ حينئذ بدعة منكرة اى مكروهة (شامي ص ۴۴۴ ج ۱ باب صفة الصلاة مطلب في التبليغ خلف الامام)** لہٰذا ائمہ مساجد کو لازم ہے کہ نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال سے قطعی احتراز کریں واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر السید عبدالرحیم اولاجپوری غفرلہ اللہ ولوالدیہ (راندیر سورت) احقر کی یہ تحقیق ہند و پاک کے بے مثال و ممتاز ترین مفتیان کرام کی تحقیق کے مطابق ہے۔ میری تنہا تحقیق نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(۱) فقیہ امت مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ کا فتویٰ!

"لاؤڈ اسپیکر کا خطبہ جمعہ و عیدین میں استعمال کرنا جائز ہے۔ مگر امام کی قرأت کو بلند کرنے کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔"! (رسالہ لاؤڈ اسپیکر کا مسئلہ ص ۴)

(۲) حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب مدظلہ

سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

''جہاں تک احتیاط کا تقاضا ہے پرانے طریقے پر نماز پڑھی، پڑھائی جائے۔ اور لاؤڈ اسپیکر کا نماز میں استعمال نہ کیا جائے۔ اختلاف بھی ہے۔ ایک جماعت لاؤڈ اسپیکر پر پڑھی ہوئی نماز کو نادرست کہتی ہے۔ اس لئے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز جیسی اہم عبادت کو اس طریقے سے ادا کیا جائے کہ ہر مکتب خیال کے علمائے کے نزدیک نماز صحیح اور درست ہو جائے اور وہ پرانے طریقے پر، کہ جب مجمع زیادہ ہو تو مکبرین کے ذریعہ تکبیرات امام مقتدیوں کو پہنچائی جائیں۔'' (۲۳ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ۔

(۳) حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب رحمہ اللہ

مفتی اعظم مظاہر علوم سہارنپور کا فتویٰ

''یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ بعض علماء اس نماز کو فاسد کہتے ہیں اور بعض درست کہتے ہیں۔ احوط یہی ہے کہ اس کو نماز میں ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔'' (۴ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ۔)

(۴) حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی صاحب مدظلہ دامت برکاتہم

صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

''لاؤڈ اسپیکر کو نماز میں استعمال نہ کیا جائے۔ امام کو چاہئے کہ اس کو روک دے۔'' (ماہنامہ ''نظام'' کانپوری ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ۔

(۵) حضرت مولانا مفتی سید محمد میاں صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث وصدر مفتی مدرسہ امینیہ دہلی کا فتویٰ

(الجواب) کچھ علماء تو لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو جائز ہی نہیں کہتے۔ ان کی تحقیق کے بموجب ان مقتدیوں کی نماز ہی نہیں ہوتی جو صرف لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر رکوع کریں اور امام کی اصلی آواز ان کو نہ پہنچے۔ اور جو حضرات جائز قرار دیتے ہیں وہ بھی اس کو پسندیدہ اور بہتر نہیں مانتے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک ایجاد جدید ہے۔ سلف صالح کی سنت سے ناآشنا ضروریات اور لوازم سے خارج ہے، آداب نماز کے لحاظ سے قطعاً زائد بلکہ بعض آداب مثلاً خشوع وخضوع کے منافی۔ لہذا اس کا استعمال نہ کرنا بہتر ہے۔ (روزنامہ الجمعیۃ ۷ نومبر ۱۹۷۱ء۔

(۶) حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب مدظلہ مفتی مظاہر علوم سہارنپور کا فتویٰ

اس آلہ کا استعمال نماز میں جائز نہیں۔ اور چونکہ علماء کی ایک جماعت کی تحقیق یہ ہے کہ اس آلہ پر نماز فاسد ہو جاتی ہے (فاسد نہیں ہوتی) مگر ابھی تک یہ مسئلہ اتفاقی نہیں ہے۔ ایسی صورت میں قطعی طور پر نماز کے فساد کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ مگر نماز اہم عبادات سے ہے اور اس میں بڑے احتیاط کی ضرورت ہے۔ ملک العلماء "بدائع" میں لکھتے ہیں۔ "ان الصلوٰۃ اذا ترددت بین الجواز والفساد کان الحکم بالفساد اولیٰ وان کان للجواز وجوہ وللفساد وجہ واحد لان الوجوب کان ثابتا بالیقین فلا یسقط بالشک. اس لئے حتی الوسع اس پر نماز ادا نہ کی جائے (۵ محرم الحرام ۱۳۸۸ھ)۔

(۷) (۱) الجواب صحیح (حضرت مولانا مفتی) مظفر حسین صاحب مدظلہ

(مفتی مظاہر علوم سہارنپور)

(۲) الجواب صحیح مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب

مفتی مظاہر علوم سہارنپور (۷ محرم الحرام ۱۳۸۸ھ)

(۸) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ مفتی اعظم پاکستان کا فتویٰ

"نماز میں آلہ مکبر الصوت کے استعمال پر احقر کی اخیری رائے یہ ہے کہ اس کے مفاسد اس کی مصلحت سے بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے نماز میں اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ اور ترک ومنع ہی کا فتویٰ دینا چاہئے۔" (آلہ مکبر الصوت کے شرعی احکام) واللہ اعلم بالصواب۔

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے متعلق سہارن پور کا ایک تازہ فتویٰ:

(سوال ۷) کیا فرماتے ہیں حضرات مفتیان عظام وعلمائے دین مندرجہ ذیل مسئلہ میں: ہمارے یہاں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال بہت عام ہوتا جا رہا ہے حتیٰ کہ چھوٹی چھوٹی مساجد میں بھی اس کے استعمال کا رواج ہو رہا ہے اب دریافت طلب چند امور ہیں۔

(۱) بڑی مساجد میں نمازیوں کی کثرت اور ہجوم کے وقت اس آلہ کے استعمال کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟

(۲) آخری صفوں کے مقتدیوں کا امام کی آواز سننا شرعاً ضروری ہے یا مستحب ہے یا اولیٰ ہے کہ امام کی قرأت کی آواز ان تک پہنچے؟

(۳) اگر نمازیوں کو جماعت کی نماز میں قرأت کی آواز سنے بغیر دلجمعی حاصل نہیں ہوتی تو ایسی صورت میں اس آلہ کے استعمال کی شرعاً ضرورت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً:۔ (۱) نماز میں اس آلہ کے استعمال کرنے میں متعدد مفاسد ہیں، جن کی بناء پر اس آلہ کا استعمال

نمازیوں میں درست و مناسب نہیں اس سے اجتناب کرنا چاہئے، سادہ اور مسنون طریقہ کے موافق بڑی جماعتوں میں مکبرین کے ذریعہ تکبیرات انتقالیہ کی آواز کو آخری صفوں تک پہنچایا جائے۔ یہ طریقہ مفاسد سے پاک ہے۔ البتہ مکبرین کا انتظام عمدہ طریقہ پر کیا جائے (مفاسد کی تفصیل رسالہ۔)''آلات جدیدہ کے شرعی احکام'' میں ملاحظہ فرمالیں۔

(۲) آخری صفوں کے نمازیوں کو امام کی قرأت کا پہنچانا نہ ضروری ہے۔ نہ امام کے ذمہ لازم ہے بلکہ امام کو اپنی متوسط طاقت کے مطابق آواز بلند کرنے کا حکم ہے۔ طاقت سے زیادہ جہر کرنے والے امام کو اسائت کا مرتکب قرار دیا گیا ہے۔

(۳) ایسی صورت میں بھی اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ فقط

(کتبہ حضرت مولانا مفتی) یحییٰ غفرلہ مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔ ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ۔ الجواب صحیح (حضرت مولانا مفتی) مظفر حسین ۲۴۔۹۲/۹ھ۔ (فتویٰ نمبر ۱۱۳۶)

حضرت مفتی صاحب دامت فیوضہم کا جواب صحیح اور قواعد اصول کے عین مطابق اور ضروری العمل ہے نماز افضل عبادات ہے سلف صالحین کے طریقہ کے مطابق بلا تکلف و بلا تصنع ادا کرنا چاہئے۔ علیکم بمذهب السلف الصالح امشوا في الجادة المستقيمة . لا تشبيه ولا تعطيل، بل اتباعاً لسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم . من غير تكلف، ولا تطبع ولا تشدد ولا تمشدق، ولا تمعقل يسعكم من كان قبلكم یعنی لازم پکڑو سلف صالحین کی مذہب کو، چلو راہ مستقیم پر جس میں نہ تشبیہ ہو نہ تعطیل بلکہ اتباع ہو جناب رسول اللہ ﷺ کی سنت کا بلا تکلف، بلا تصنع بلا تشدد اور لسانی اور عقل کے گھوڑے دوڑائے بغیر جس قدر تمہارے اگلوں نے گنجائش سمجھی تم بھی سمجھو۔ (الفتح الربانی مع ترجمہ م۔ اص ۶۰) لہذا اس کے ادا کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ کتاب مبسوط سرخسی میں ہے ''الاخذ بالاحتیاط فی العبادات واجب یعنی عبادات میں احتیاط کو ملحوظ رکھنا اور تکلفات سے بچنا لازم ہے۔ لہذا نماز کو لاؤڈ اسپیکر کے بے جا تکلفات سے محفوظ رکھنا ضروری ہے کہ حضور قلب اور توجہ کے لئے مخل ہے۔ نماز کی صحت یا تکمیل امام کی قرأت سننے پر موقوف نہیں ہے۔ ایسا ہوتا تو ظہر اور عصر کی چاروں رکعتوں میں قرأت سری نہ ہوتی جہری ہوتی۔ نیز عشاء اور مغرب کی پچھلی رکعتوں میں قرأت سری نہ ہوتی، البتہ تکبیرات انتقالیہ کی آواز سنانا ضروری ہے تو اس کے لئے بڑی جماعت میں جب کہ امام کی آواز پچھلی صفوں کو نہ پہنچتی ہو۔ تو شریعت نے مکبرین قائم کرنے کی خاص ہدایت کی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قنوت نازلہ کب پڑھی جائے؟:

(سوال ۸) مسلمانوں کی اسرائیل کے ساتھ بہت شدید جنگ چل رہی ہے مسلمانوں کے حالات ناسازگار معلوم ہوتے ہیں تو کیا ہمیں فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھنے کی اجازت ہے؟ یہاں اطراف کے بعض دیہات والوں نے قنوت نازلہ پڑھنا شروع کر دیا ہے۔ دریافت کرنا یہ ہے کہ اس کے شرائط اس وقت پائے جارہے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مذکورہ حالت کا تقاضا یہ ہے کہ فجر میں قنوت نازلہ پڑھی جائے، دوسری جہری نمازوں میں بھی پڑھنے کی اجازت ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال:

(سوال ۹) نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کا کیا حکم؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر چہ نماز درست ہو جاتی ہے مگر اس کا استعمال نماز کے مناسب نہیں ہے اور خلاف احتیاط ہے لہذا خالی از کراہت نہیں۔ فی مبسوط السرخسی بالا خذا بالا حتیاط فی باب العبادات واجب. یعنی مبسوط سرخسی میں ہے کہ باب عبادات میں احتیاط کو اختیار کرنا واجب ہے۔ (شامی ج ۲ ص ۸۴ باب صدقۃ الفطر)

اور اگر امام کی تکبیر تحریمہ اور تکبیرات انتقالات کی آواز آخری صف والوں کو پہنچ جاتی ہے تو اس صورت میں جس طرح مکبر کا تعین بالا تفاق ممنوع و بدعت ہے اسی طرح لاؤڈ اسپیکر رکھنا بھی ناجائز اور بدعت مکروہ ہوگا۔ واعلم ان التبلیغ عند عدم الحاجة الیه بان بلغهم صوت الا مام مکروہ وفی الذخیرۃ وفی السیرۃ الحلبیة اتفق الا ئمة الا ربعة علی ان التبلیغ حینئذ بدعة منکرۃ ای مکروهة (شامی ج ۱ ص ۴۴۴ صفة الصلاۃ مطلب فی تبلیغ خلف الامام) فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۹ شوال ۱۳۹۸ھ۔

نمازی سے آگے گذرنے والے کے لئے کیا وعید ہے؟:

(سوال ۱۰) مسجد میں سنت ونوافل پڑھنے والوں کے آگے سے لوگ گذرتے ہیں باوجود منع کرنے کے نہیں رکتے تو شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز کا احترام ضروری ہے نمازی اپنے مولیٰ سے گفتگو کرتا ہے اور دنیوی ماحول میں باہم گفتگو کرنے والوں کے درمیان سے گذرنا برا ہے۔ تو خدا پاک اور نمازی کے درمیان سے گذرنا کس قدر برا ہوگا۔ اس سے نمازی کے خشوع خضوع میں خلل آتا ہے لہذا اس کے آگے سے گذرنے والے کو حدیث میں شیطان کہا ہے۔ اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا یقطع الصلوٰۃ شیٔ وادرء وا ما استطعتم فانما هو شیطان . رواه ابو داؤد، مشکوٰۃ ص ۷۴ وعن ابی جهیم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لو یعلم المار بین یدی المصلی ما ذا علیه لکان ان یقف خیراً له من ان یمر بین یدیه قال ابو النضر لاادری قال اربعین یوماً او شهراً او سنةً متفق علیه (مشکوٰۃ ص ۷۴) وعن ابی هریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لو یعلم احد کم ماله فی ان یمر بین یدی اخیه معترضا فی الصلوٰۃ کان لان یقیم ما ئة عام خیر له من الخطوۃ التی خطأ رواه ابن ماجة (مشکوٰۃ ص ۷۴ باب السترہ) کہ نمازی کے آگے سے گذرنے والا اگر جان لے کہ اس کا وبال کس قدر سخت اور سنگین ہے تو برسوں انتظار کرے گا مگر آگے سے گذرنے کی ہمت نہ کرے گا۔ نمازی کو بھی چاہئے کہ ایسی جگہ نماز نہ پڑھے یا اپنے

---

(۱) فان وقعت فتنة او بلیة فلا بأس به فعله رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم شامی باب الوتر والنوافل مطلب فی القنوت للنازلة ج ۱ ص ۶۲۸

آگے سترہ رکھ لے۔ سترہ کی لمبائی کم از کم ایک ہاتھ یا دو بالشت اور موٹائی ایک انگل کے برابر ہو (شامی ج ۱ ص ۵۹۵)
(۱) بعض جگہ لوگ صحن میں سنت پڑھتے ہیں اور اس کے برآمدہ میں سے لوگ گذرتے ہیں اور برآمدہ صحن سے کچھ اونچا ہوتا ہے اس کو سترہ خیال کرتے ہیں یہ غلط ہے۔ لہٰذا نمازی کے آگے برآمدہ میں سے گذرنے والا بھی گنہگار ہوتا ہے۔ حرم شریف میں نمازیوں کے آگے سے لوگ گذرتے ہیں اس پر یہاں کی مسجدوں کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

(سوال ۱۱) نماز میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنے کے بارے میں آپ کی کیا تحقیق ہے؟ اس کے ذریعہ جو آواز مصلی تک پہنچتی ہے وہ امام کی اصلی آواز ہے نقلی نہیں ہے یہ تحقیق ہو چکی ہے، تو اب میرے خیال میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے نائب مفتی مولانا جمیل الرحمٰن صاحب کا لاؤڈ اسپیکر پر نماز صحیح ہونے کا تازہ فتویٰ، جس پر حضرت شیخ الاسلام کے دستخط بھی ہیں، ''الجمعیۃ'' شیخ الاسلام نمبر ۱۰۵ کالم دو ۲ پر شائع ہوا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ''لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنا درست ہے اور دور و نزدیک کی صفوں کو اس آواز پر اقتدا کرنا صحیح ہے۔''

(الجواب) جس وقت اہل سائنس کی تحقیق اور تجربہ یہ تھا کہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ امام کی جو آواز دور کے مقتدی کو پہنچتی ہے، وہ اصلی آواز نہیں نقلی ہوتی ہے۔ اس وقت علماء نے لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتداء کی عدم صحت اور فساد صلوٰۃ کا فتویٰ دیا تھا، اب جب سے سائنسدانوں کی رائے بدل گئی کہ نقلی نہیں اصلی آواز ہے اس وقت سے علماء کا فتویٰ بھی بدل گیا ہے، لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتداء صحیح ہے اور نماز فاسد نہیں ہوتی، مگر صحت اقتداء اور عدم فساد صلوٰۃ کا مسئلہ حل ہو جانے سے دوسری وجوہات ممانعت وکراہت دور نہیں ہو سکتیں وہ تو اپنی جگہ پر قائم ہیں، لہٰذا علی الاطلاق اور عام طور پر اجازت کا فتویٰ اور استعمال کا مشورہ نہیں دیا جا سکتا محض اتنی گنجائش نکلی کہ لاؤڈ اسپیکر پر پڑھی ہوئی نماز صحیح ہے، فاسد اور واجب الاعادہ نہیں کراہت کی چند وجہ یہ ہیں:۔ (۱) نماز کے اندر لاؤڈ اسپیکر بگڑ جاتا ہے تو لامحالہ دور کی صفوں کی نماز میں خلفشار اور پراگندگی پیدا ہو جاتی ہے اور فقہ کا مسلمہ اصول ہے درء المفاسد اولیٰ من جلب المنافع (یعنی) فائدے حاصل کرنے کی نسبت خرابیوں کو دور کرنا اور ان سے احتراز کرنا مقدم اور ضروری ہے جب فائدے کیساتھ خرابی بھی ہو تو خرابی سے بچنے کے لئے مامور بہ فعل (مثلاً نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال) سے باز رہنا ضروری ہے، دیکھئے وضو اور غسل میں غرغرہ کرنا اور ناک کے اندر اخیر تک پانی پہنچانا مسنون ہے مگر حلق میں پانی اتر جانے کے خوف اور دماغ پر پانی چڑھ جانے کے احتمال کی وجہ سے روزہ دار کے لئے ممنوع اور مکروہ ہے، نیز بالوں کا خلال کرنا مسنون ہے مگر بال کے ٹوٹ جانے کے خوف سے حالت احرام میں بالوں کا خلال منع اور مکروہ ہے (الاشباہ والنظائر ص ۱۱۴۔۱۱۵ القاعدہ الخامسہ الضرر یزال)

(۲) لاؤڈ اسپیکر میں قراءت اور تکبیروں کی آواز ضرورت سے بہت زیادہ بلند ہوتی ہے اور اعتدال اور کنٹرول میں نہیں رہتی، حالانکہ قراءت و رکوع و سجود کی تکبیرات میں آواز میں اعتدال کا حکم ہے، حد سے زیادہ آواز نکالنا

---

(۱) ویغرز ندبا بدائع الامام وکذا المنفرد وفی الصحراء ونحوها سترة بقدر ذراع طولا وغلظ اصبع لتبدو للناظر بقربه قبیل مکروهات الصلاة ص ۵۹۶)

مکروہ ہے۔(درمختار طحطاوی ص ۲۲۸ ج ۱)(قولہ بقدر حاجته للاعلام الخ) وان زاد کرہ (شامی ج ۱ ص ۴۴۳ باب صفة الصلاۃ مطلب فی التبلیغ خلف الامام)ویجهر الامام وجوبا بحسب الجماعة فان زاد علیه اساء(درمختار مع شامی ج ۱ ص ۴۹۷ فصل فی القراۃ)

(۳)لاؤڈ اسپیکر کی حد سے زیادہ بلند آواز کے سبب سے خشوع وخضوع اور حضور قلب میں (جو نماز کی روح ہے)خلل پڑتا ہے۔آیت کریمہ ولا تجهر بصلوتک ولا تخافت بها وابتغ بین ذلک سبیلا (بنی اسرائیل) (اور اپنی نماز میں نہ تو بہت زور سے پڑھو اور نہ بالکل آہستہ سے،دونوں کے درمیان ایک درمیانی راہ اختیار کرلو) کی تفسیر میں مفسرین کرام تحریر فرماتے ہیں کہ درمیانی آواز سے پڑھنے سے دل پر اثر ہوتا ہے اور حد سے زیادہ میں حضور قلب میں خلل آتا ہے۔

(۴)لاؤڈ اسپیکر کا استعمال سراسر تکلف ہے،حالانکہ عبادات میں خصوصاً نماز میں سادگی اختیار کرنے اور تکلف سے احتراز کرنے کا خاص اہتمام ہے حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ"عبادات میں تشدد اور تکلفات برتنا دین کی تحریفات کے وجوہ میں سے ہے اور یہ یہود ونصاریٰ کے راہبوں کی بیماری ہے(حجۃ اللہ البالغہ باب احکام الدین من التحریف)(یہ حوالہ نماز اور خطبہ کے لئے آلہ مکبر الصوت کا استعمال،عنوان کے تحت گذر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے ص ۱۴۱۔مرتب)

(۵)لاؤڈ اسپیکر کا رواج عام ہوجانے سے امام کی آواز کافی ہونے کے باوجود اس کا استعمال ہوگا(عوام کا حدود میں رہنا عادۃً ناممکن ہے)اس کا ناجائز اور بدعت کبیرہ ہونا ظاہر ہے۔فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ امام کی آواز مصلیوں تک پہنچ جاتی ہو تو مکبروں کا انتظام کرنا چاروں اماموں کے نزدیک مکروہ اور بدعت ہے۔واعلم ان التبلیغ عند عدم الحاجة الیه بان بلغهم صوت الأمام مکروہ وفی السیرۃ الحلبیة اتفق الا ئمة الا ربعة علی ان التبلیغ حینئذ بدعة منکرۃ ای مکروهة (شامی ج ۱ ص ۴۴۴ باب صفة الصلوٰۃ مطلب فی التبلیغ خلف الامام)اسی طرح اور بھی خرابیاں ہیں۔

یہ فتویٰ پیغام جلد اول شمارہ پانچ اگست ۱۹۵۳ء میں شائع ہوچکا تھا،اس کے دو۲ ماہ بعد اکتوبر ۱۹۵۳ء میں کراچی (پاکستان) سے"آلہ مکبر الصوت کے شرعی احکام" نامی رسالہ شائع ہوا،جس میں پاکستان کے مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مدظلہ نے بڑی تفصیل سے اس مسئلہ پر بحث فرمائی ہے،الحمدللہ ثم الحمدللہ حضرت مفتی صاحب کے فتوے سے بھی احقر کے فتویٰ کی تائید ہوتی ہے،اس فتوے میں اہل سائنس کی تحقیق معتبر مان کر یعنی لاؤڈ اسپیکر کی آواز امام کی اصلی آواز تسلیم کرکے اقتداء کے صحیح ہونے اور نماز کے درست ہوجانے کا فیصلہ دیا ہے،ساتھ ہی نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال میں کیا کیا قباحتیں ہیں وہ گنوا کر فرمایا ہے کہ:۔ان مفاسد کثیرہ اور ایک فائدے کا مقابلہ کرکے دیکھیں تو کوئی سمجھدار انسان اس کے نماز میں استعمال کو مستحسن نہیں کہہ سکتا،کسی چیز کے مقاصد سے قطع نظر کرکے اس کے سطحی فائدے کو دیکھنا اور اس کے پیچھے پڑ جانا کسی دانشمند کا کام نہیں ہوسکتا"(ص ۱۹)اور فرماتے ہیں کہ "خلاصہ کلام یہ ہے کہ قواعد واصول شرعیہ وعقلیہ کا مقتضی اس معاملے میں یہ معلوم ہوتا ہے(واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم) کہ آلہ مکبر الصوت کا استعمال نمازوں میں درست اور مناسب نہیں اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ساداھ ملخصاً

سنون کے ساتھ بڑی جماعتوں میں ملبرین کے ذریعہ تکبیرات انتقالیہ کی آواز آخری صفوں تک پہنچائی جائے یہی جامع خیرات وبرکات اور مفاسد سے پاک طریقہ ہے اس کو اختیار کرنا چاہئے (ص ۲۰)

حضرت مفتی شفیع صاحب نے مزید ایک خرابی یہ بتلائی کہ جہاں قریب قریب مسجدیں ہوں گی تو ایک مسجد کے امام کی آواز دوسری مسجد کے امام کی آواز سے ٹکرائے گی اور نماز میں خلل آئے گا جیسا کہ یہاں کراچی میں ہو رہا ہے (ص ۱۸)

''مذکورہ رسالہ پر اکابرین علمائے دیوبند وغیرہ کے تصدیقی نوٹ اور دستخط حسب ذیل ہیں:۔''

''موجودہ حالات وواقعات اور علمائے عصر کے اقوال ومباحث نیز سائنسدانوں کی آراء وتحقیقات کی روشنی میں یہ ایک معتدل اور متوسط فیصلہ ہے کہ نمازوں میں اس آلہ کے استعمال سے (ان مفاسد کی بنا پر جن کو اس تحریر میں بہایت وضاحت اور تفصیل سے بیان کیا گیا ہے) احتراز کیا جائے کہ اس کا استعمال کراہت سے خالی نہیں ہے۔'' حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب مدظلہ، صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ، حضرت مولانا سید مبارک علی صاحب، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ، حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ وغیرہ وغیرہ۔

اکابرین مظاہر علوم سہارنپور کے تصدیقی نوٹ اور دستخط''

اگر اس فن (سائنس) کے اکثر قابل اعتماد ماہرین کی رائے ہے کہ یہ عین آواز ہے تو نماز اس پر ہو جائے گی، مگر اس کا استعمال نماز میں ان عوارض کی وجہ سے جن کو آپ نے مفصل بیان فرمایا ہے ناجائز ہی رہے گا۔'' حضرت مولانا سعید احمد صاحب صدر مفتیؒ، حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ، حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا صاحب مدظلہ، حضرت مولانا اسد اللہ صاحب۔

خیر المدارس اور قاسم العلوم ملتان کے دس علماء کا تصدیقی نوٹ۔

''حضرت مفتی اعظم مولانا شفیع صاحب مدظلہ نے نماز میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنے کے متعلق جو رائے قائم فرمائی ہے وہ بالکل صحیح اور مسئلے کے اعتدال کے موافق ہے یعنی نماز میں اس آلہ کے استعمال کو بوجہ مفاسد عدیدہ منع کا فتویٰ دیا ہے اور یہ مفاسد ایسے ہیں جن کی واقعیت میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔''

الحاصل اکثر علماء کا نظریہ یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتداء درست اور نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ اعادہ (دہرانے) کی ضرورت نہیں ہے، مگر اس کے استعمال میں بہت سے مفاسد ہیں، نفع کی بہ نسبت نقصان کا پہلو غالب ہے، قرآن مجید کی آیت'' اثمھما اکبر من نفعھما '' کے ایماء کا مصداق ہے، لہٰذا اسلف صالحین کی سادہ اور بابرکت طریقہ کو چھوڑ کر نماز جیسی عبادت میں ایسے مخدوش طریقہ کو اختیار کرنے کا مشورہ نہیں دیا جا سکتا، خطبہ میں بھی اس کا استعمال خطبہ کی شایان شان نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نقش ونگار والے مصلیٰ پر نماز پڑھنا:

سوال (۱۲) ایک مصلیٰ (جائے نماز) ایسا ہے کہ اس پر مسجد نبوی وکعبۃ اللہ وغیرہ کا نقش ہوتا ہے اگر ایسے مصلیٰ کے

ان نقوش پر پیر پڑ جائے تو شرع میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کعبہ وغیرہ کا مصلیٰ پر جو نقشہ ہوتا ہے چونکہ وہ اصل نہیں ہے بلکہ اس جیسا ایک مصنوعی نقشہ ہے لہذا اس کا احترام ضروری نہیں۔ اور مسلمانوں کے دلوں میں اس کی عظمت ہوتی ہے اہانت کا خیال بھی نہیں ہوتا اس لئے اگر نادانستہ اتفاقاً پیر پڑ جائے تو گناہ نہ ہوگا اور بہتر تو یہ ہے کہ ایسے مصلی (جائے نماز) پر نماز نہ پڑھی جائے کہ خشوع خضوع میں خلل ہوگا اور نماز کی روح خشوع وخضوع ہے بغیر اس کے نماز بے جان ہے، نمازی کے سامنے نقش ونگار کا ہونا نمازی کی توجہ اور خیال کو اپنی طرف متوجہ کرے گا کھینچتا رہے گا، آنحضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر خوبصورت پردہ دیکھ کر فرمایا اس کو ہٹالو اس کے بیل بوٹے میری نماز میں عارض ہو کر خلل انداز ہوتے ہیں (صحیح بخاری شریف ج ۱ ص ۵۴)[1] آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھول دار چادر بھی اپنے لئے پسند نہیں فرمائی اور فرمایا کہ یہ چادر مجھے نماز میں غافل کرتی ہیں (صحیح مسلم شریف ۱ ص ۲۰۸)[2] اس حدیث کی شرح میں امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ محراب مسجد اور قبلہ کی دیوار کے نقش ونگار کی کراہت اس لئے ہے کہ یہ چیزیں نمازیوں کے خیالات اور توجہات کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں اور آنحضرت ﷺ نے پھول دار چادر کو اتار دینے پر یہی علت بیان فرمائی تھی کہ اس کے نقش ونگار نے میری توجہ نماز سے ہٹادی (نووی شرح مسلم)[3] (فتاویٰ رحیمیہ ج ۲ ص ۱۷۲)[4] فقط واللہ اعلم بالصواب ۷ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ۔

عشاء کے بعد دنیوی باتوں میں مشغول رہنا:

(سوال ۱۳) مسجد میں مجلس جما کر رات کے بارہ بارہ بجے تک دنیوی باتیں کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد میں دنیوی باتیں کرنا حرام ہے، مسجد کے باہر بھی اتنی دیر تک دنیوی غیر ضروری باتوں میں مشغول رہنا برا ہے اس لئے کہ عشاء کے بعد جلدی سونے کا حکم ہے، حدیث میں عشاء کے بعد بے کار دنیوی باتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے، لہذا عشاء کے بعد اتنی رات تک دنیوی باتیں کرنا مکروہ ہے اور اکثر ایسے لوگوں کی صبح کی جماعت فوت ہوجاتی ہے بلکہ بعض کی تو نماز بھی قضا ہوجاتی ہے اس لئے اس سے اجتناب ضروری ہے، شامی میں ہے ویکرہ النوم قبلها والحديث بعدها لنهى النبى صلى الله عليه وسلم عنهما الا حديثاً فى خير لقوله صلى الله عليه وسلم لا سمر بعد الصلوٰة يعنى العشاء الا خيرة الخ ...... وانما كره الحديث بعد ها لانه ربما يؤدى الى اللغوا والى تفويت الصبح اوقيام الليل لمن له عادة به واذا كان لحاجة مهمة فلا بأس.

یعنی عشاء سے پہلے سونا اور عشاء کے بعد دنیوی باتوں میں مشغول رہنا مکروہ ہے البتہ خیر اور دین کی بات مکروہ نہیں حضور ﷺ کے اس فرمان کی بناپر" لا سمر بعد الصلوٰة" عشاء کے بعد دنیوی باتوں میں مشغول نہ ہونا چاہئے۔

---

(۱) عن انس كان قرام لعائشة سترت به جانب بيتها فقال النبى صلى الله عليه وسلم اميطى عنه قرامك هذا فانه لا تزال تصاويره تعرض فى صلاتى . كتاب الصلاة . باب ان صلى فى ثوب مصلب او تصاوير الخ)

(۲) عن عائشة ان النبى صلى الله عليه وسلم كانت له خميصة لها علم فكان يتشاغل بها فى الصلوة فأعطا ها ابا جهم وأخذ كساء له انجانيه باب كراهية الصلاة فى ثوب له اعلام)

(۳) وكراهية تزويق محراب المسجد وحائطه ونقشه وغيره ذلك من الشاغلات لأن النبى صلى الله عليه وسلم جعل العلة فى ازالة الخميصة هذا المعنى ايضا)

(۴) جدید ترتیب کے مطابق احکام مسجد میں محراب میں تصویر آفتاب بنانا عنوان کے تحت دیکھیں۔ ص ۱۷۷ ج ۹ مصحح

اور یہ اس بنا پر مکروہ ہے کہ بسا اوقات اس کی وجہ سے لغو اور بیکار باتوں میں مشغولی ہو جاتی ہے اور کبھی صبح کی نماز یا تہجد گذار کی تہجد فوت ہو جاتی ہے، البتہ ضروری بات ہو تو حرج نہیں (شامی ج ۱ ص ۳۴۱) کتاب الصلوٰۃ تحت قول وتاخیر عشاء الی ثلث اللیل)

ابوداؤد شریف میں حدیث ہے۔ عن ابی برزۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینھی عن النوم قبلھا (ای قبل صلوٰۃ العشاء لما فیہ من خوف فوت الجماعۃ فی العشاء) والحدیث بعدھا (لانہ یؤدی الی الاکثار فیؤدی الی تفویت قیام اللیل بل صلوٰۃ الصبح ایضاً) (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۳۱۸ باب فی السمر بعد العشاء)

خدارا وقت کی قدر کیجئے اور زندگی کو غنیمت سمجھئے جو مانند برف کے پگھل رہی ہے۔ بزرگوں کی زریں نصیحت ہے

خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نہ ماند

یعنی: نیکی کے کاموں میں لگے رہو اور عمر عزیز کو غنیمت سمجھو اس سے قبل کہ یہ اعلان ہو کہ فلاں چل بسا (گلستاں) شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است
جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است
سعدی بشوئی لوح دل از نقش غیر حق
علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است

یعنی:۔ اللہ کے ذکر کے علاوہ دوسرے کاموں میں مشغول رہنا زندگی برباد کرنا ہے عشق الٰہی کے سوا جو کچھ پڑھا جائے بیکار ہے، اے سعدی! تو دل کی تختی کو غیر اللہ کے نقش سے صاف کردے۔ جس علم سے اللہ تک رسائی نہ ہو وہ علم نہیں جہالت ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دعاء قنوت نازلہ میں اضافہ کرنا:

(سوال ۱۴) ہمارے یہاں امام صاحب موجودہ حالات کے اعتبار سے نماز فجر میں قنوت نازلہ پڑھتے ہیں، جس کا ایک جزاس طرح پڑھتے ہیں۔

اللھم اھلک الکفرۃ الذین یصدون عن سبیلک ویکذبون رسلک ویقاتلون اولیاءک، اللھم انا نجعلک فی نحورھم ونعوذبک من شرورھم اللھم اجعل کیدھم فی تضلیل، اللھم من یرد الاسلام خیراً وبالمسلمین خیراً فوفقہ کل خیر واجعلنا منھم اللھم من یرد الاسلام شراً وبالمسلمین شراً فاھلکہ کما اھلکت عاداً وثمود ولا تجعلنا معھم، اللھم خذھم اخذ عزیز مقتدر، اللھم الق فی قلوبھم الرعب، اللھم لا تسلط علینا بذنوبنا من لا یخافک ولا

یر حمنا، اللهم خالف بین کلمتهم وزلزل اقدامهم وانزل بهم بأسک الذی لا ترده عن القوم المجرمین. مطلب یہ کہ عام مروجہ دعا ء سے کچھ زائد جملے پڑھتے ہیں تو یہ زائد دعائیہ جملے پڑھنا کیسا ہے؟

(الجواب) حدیث میں ہے عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا صلی احد کم للناس فلیخفف فان فیهم السقیم والضعیف والکبیر واذا صلی احد کم لنفسه فلیطول ماشاء متفق علیه. رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی امامت کرے تو مختصر اور ہلکی نماز پڑھائے کہ جماعت میں بیمار ضعیف اور بڑی عمر کے لوگ بھی ہوتے ہیں اور جب تنہا نماز پڑھے تو جتنی لمبی نماز پڑھنا چاہے پڑھے (مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۱ باب الامامۃ) لہٰذا اصل حکم تخفیف کا ہے اور یہ طوالت تخفیف کے خلاف ہے، اس لئے اس کی عادت نہ بنائی جائے اگر کسی وقت موقع کی مناسبت سے پڑھ لیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قنوت نازلہ:

(سوال ۱۵) حالات حاضرہ میں قنوت نازلہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

(الجواب) جی ہاں موجودہ حالات میں قنوت نازلہ پڑھ سکتے ہیں مگر امام صاحب پر جبر مناسب نہیں، امام صاحب خود اس کی ضرورت محسوس فرما کر پڑھیں، شدید مصیبت و پریشانی کے وقت قنوت نازلہ کا پڑھنا حدیث شریف سے ثابت ہے، لیکن معمولی حادثہ کے وقت پڑھنا اور مدت مدیدہ تک جاری رکھنا مناسب نہیں، یہ طریقہ قنوت نازلہ کی اہمیت اور لوگوں کے قلوب سے اس کی عظمت ختم کرنے کے مترادف ہے۔

فی شرح المنیة حیث قال بعد کلام فتکون شرعیته ای شرعیة القنوت فی النوازل مستمرة وهو محمل قنوت من قنت من الصحابة بعد وفاته علیه الصلوة والسلام (شامی ج ۲ ص ۱۱ باب الوتر والنوافل مطلب فی القنوت للنازلة) فقط والله اعلم بالصواب.

قنوت نازلہ کے متعلق تفصیل:

(سوال ۱۶) آج ملت اسلامیہ کی سینکڑوں سالہ عزت اور اسلام کی عظمت کو دشمنان اسلام (یہود و نصاریٰ) پامال کرنے کی انتھک اور جان توڑ سعی کر رہے ہیں ایسے نازک حالات میں قنوت نازلہ پڑھنے کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے اور موجودہ حالات میں کون سی دعا کا ورد چاہئے، تحریر فرماویں۔

(الجواب) بے شک موجودہ حالات میں تاوقتیکہ بیت المقدس کی جنگ جاری رہے قنوت نازلہ پڑھنا چاہئے، امام کو جو بھی قنوت نازلہ یاد ہو وہ پڑھیں، حسب ذیل دعا، پڑھنا بھی اچھا ہے۔

اللهم انصر الاسلام والمسلمین وانزل وعدک وکان حقاً علینا نصر المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات والف بین قلوبهم واصلح ذات بینهم وانصرهم علی عدوهم، اللهم اهلک کفرة الذین یصدون عن سبیلک ویکذبون رسلک ویقاتلون اولیاء ک

اللھم خالف بین کلمتھم وزلزل اقدامھم وشتت شملھم وفرق جمعھم وانزل بھم بأسک الذی لا تردہ عن القوم المجرمین O

اسی طرح جب سخت آندھی ہو یا زلزلہ آوے، بجلی گرے، ستارے ٹوٹیں، سخت برف باری ہو اور ایسی دیگر آفات کے وقت نماز پڑھنے اور دعا مانگنے کا حکم ہے۔

اذا فرغوا من الصلوٰۃ دعوا اللہ وتضرعوا الیٰ ان تجلی الشمس وفی خسوف القمر لا یصلون جماعۃ بل فرادی فرادی کذا اذا اشتدت الاھوال والافزاع کالریح والبرق اذا شتدت والسماء اذا ادامت مطرا اوثلجا او احمرت والنھار اذااظلم وسائر المخلوقات وکذا عم المرض. (فتاویٰ سراجیۃ، ص ۲۱، وص ۲۲)

ایسے ہی کوئی سخت مصیبت اور ناگاہ آفت آپڑے جنگ کی ہلاکت خیزی سر پر منڈلا رہی ہو، قومی فساد کا اندیشہ ہو، طاعون پھیل رہا ہو، کالیرا کا زور ہو تو ایسی پریشانی سے بچنے کے لئے اور ان آفتوں کے ختم ہونے تک فجر کی دوسری رکعت میں بعد رکوع حالت قومہ میں ہاتھ باندھ کر یا بلا ہاتھ باندھے (از روئے دلیل ہاتھ باندھنا ہی اولیٰ ہے) امام ومقتدی آہستہ آہستہ قنوت نازلہ پڑھیں، اگر مقتدی کو دعا یاد نہ ہو تو امام ذرا جہراً پڑھے اور مقتدی آہستہ آہستہ آمین کہیں۔

والذی یظھر لی ان المقتدی یتابع امامہ الا اذاجھر فیؤمن وانہ یقنت بعد الرکوع لا قبلہ (شامی ج ۱ ص ۶۲۸ باب الوتر والنوافل مطلب فی القنوت للنازلۃ)

قنوت نازلہ یہ ہے۔ اللھم اھدنا فیمن ھدیت وعافنا فیمن عافیت وتولنا فیمن تولیت وبارک لنا فیما اعطیت وقنا شرما قضیت فانک تقضی ولا یقضیٰ علیک وانہ لا یذل من والیت ولا یعز من عادیت تبارکت ربنا وتعالیت، نستغفرک ونتوب الیک وصلی اللہ علی النبی الامی والہ واصحابہ وسلم (مشکوٰۃ شریف باب الوتر ص ۱۱۲)(نور الایضاح ایضاً ج ۹۴)

ترجمہ:۔ اے اللہ! ان لوگوں کے ساتھ ہمیں ہدایت دے، جنہیں تو نے ہدایت بخشی اور ہمیں ان لوگوں کے ساتھ مصیبتوں اور آفتوں سے بچا جنہیں تو نے بچایا ہے اور ان لوگوں کے ساتھ ہمیں محبت عطا فرما جن سے تو نے محبت کی اور جو کچھ تو نے ہمیں دیا ہے اس میں برکت عطا فرما اور ہمیں ان برائیوں سے بچا جو مقدر ہوں۔ بے شک تو حاکم ہے محکوم نہیں اور جس سے تو محبت کرے وہ ذلیل نہیں ہو سکتا اور جس سے تجھ کو عداوت ہو وہ عزت نہیں پا سکتا، اے اللہ تیری ذات بزرگ وبرتر ہے ہم مغفرت کی درخواست کرتے ہیں اور ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں اور رحمت وسلامتی نازل فرما نبی ﷺ پر اور آپ کی آل واصحاب پر۔

بے شک مصائب وآفات کے ازالہ کے لئے قنوت نازلہ پڑھنے اور دعا کرنے کا یہ خاص وقت ہے لیکن صرف دعا کرنا کافی نہیں بلکہ جن معاصی کے پاداش میں یہ مصائب آتے ہیں ان معاصی سے توبہ کرنا اور ان کو ترک کرنا لابدی اور ضروری ہے، قنوت نازلہ کب پڑھیں؟ اور کب تک پڑھیں اس کی تعیین اہل علم کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقھم بعض الذی عملوا لعلھم

یرجعون یعنی پھیل پڑی ہے خرابی جنگل اور دریا میں لوگوں کے ہاتھ کی کمائی سے چکھانا چاہئے ان کو کچھ مزہ ان کے کام کا تاکہ وہ پھر آئیں (سورۂ روم رکوع ۵ پارہ ۲۱)

لہذا معاصی میں انہماک کے ساتھ رسمی طور پر قنوت نازلہ پڑھ لینا بے معنی ہے، جیسے کنویں میں چوہے کے گرنے سے کنواں ناپاک ہو جاوے تو پہلے چوہا نکالنے کے بعد بیس سے تیس ڈول پانی نکال لینے سے کنواں پاک ہو جاتا ہے، چوہا نکالے بغیر بیس سے تیس ڈول پانی نکالنے کے باوجود کنواں پاک نہ ہوگا۔

بالکل اسی طرح سب سے پہلے گناہوں سے توبہ کر کے پھر آفات کے ازلہ کے لئے قنوت نازلہ پڑھی جائے تب ہی مقصود حاصل ہوگا، گناہوں سے سچی اور پکی توبہ کئے بغیر گناہوں میں ملوث رہنے کے ساتھ قنوت نازلہ پڑھنے کا کیا مطلب؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نماز استخارہ:

(سوال ۱۷) شادی اور دیگر اہم امور کے لئے استخارہ کیا جاتا ہے اس کا طریقہ اور دعا تحریر فرمائیں۔

(الجواب) جن امور کے لئے استخارہ مستحب ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ رات کو سوتے وقت استخارہ کی نیت سے دو رکعت نماز پڑھے، سلام کے بعد خوب دل لگا کر حسب ذیل دعا پڑھے۔

اللھم انی استخیرک بعلمک و استقدرک بقدرتک و اسئلک من فضلک العظیم . فانک تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب، اللھم ان کنت تعلم ان ھذاالا مر خیر لی فی دینی و معاشی وعاقبۃ امری فاقدرہ لی ویسرہ لی ثم بارک لی فیہ وان کنت تعلم ان ھذا الا مر شر لی فی دینی ومعاشی وعاقبۃ امری فاصرفہ عنی واصرفنی عنہ واقدر لی الخیر حیث کان ثم ارضنی بہ.

اس کے بعد پاک وصاف بچھونے پر قبلہ کی طرف منہ کر کے باوضو سو جاوے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو بہشتی زیور دوسرا حصہ استخارہ کا بیان ص ۳۳، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اذان وخطبہ میں مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کا استعمال

(سوال ۱۸) ہمارے یہاں ایک فیاض شخص نے مسجد کے لئے مائک دیا ہے جس کا استعمال پنجگانہ اذان اور خطبۂ جمعہ میں ہوتا ہے، اذان میں تو اس کا استعمال بجا ہے کیونکہ (بلا مائک) اذان کی آواز گاؤں کے لئے ناکافی ہے لیکن خطبہ کی آواز تو حاضرین کو پہنچ جاتی ہے، ایسی صورت میں مائک کا استعمال کیسا ہے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب اذان کی آواز سارے گاؤں میں نہیں پہنچتی ہے تو بلا تردد مائک کا استعمال جائز ہے (افضل تو یہی ہے کہ بلند آواز مؤذن کا تقرر ہو سکتا ہو تو مائک استعمال نہ کرے اور خطبہ میں خطیب کی آواز حاضرین تک نہ پہنچتی ہو تو علماء کرام نے طوعاً وکرہاً (چاروناچار) مائک کے استعمال کی اجازت دی ہے، لیکن خطیب کی آواز حاضرین تک پہنچنے کی صورت میں خطبہ میں مائک کا استعمال ایک لغو فعل ہے، در باب عبادات لغو فعل جائز نہیں۔

کتب فقہ میں تصریح ہے کہ امام کی تکبیرات انتقالات کی آواز مقتدیوں تک پہنچنے کی صورت میں مکبرین

(تکبیر کہنے والوں) کا تقرر ائمہ اربعہ کے نزدیک مکروہ اور بدعت ہے وفی حاشیة ابی السعود واعلم ان التبلیغ عند عدم الحاجة الیه بان بلغهم صوت الا مام مکروه وفی السیرة الحلبیة اتفق الا ئمة الا ربعة علی ان التبلیغ حینئذ بدعة منکرة ای مکروهة (شامی ج ۱ ص ۴۴۴ باب صفة الصلوة، تحت مطلب فی التبلیغ خلف الامام.

لہٰذا صورت مسئولہ میں جب خطبہ کی آواز پہنچ جاتی ہے تو مائک کا استعمال شرعاً ممنوع ہے، خطبہ بھی ایک طرح کی عبادت ہے اس عبادت کی عظمت کا لحاظ فرما کر تمام مصلی باتفاق رائے خطبہ میں مائک کا استعمال نہ ہونے دیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بڑے اجتماعات میں مکبر مقرر کرنے کے باوجود آخری صفوں میں انتشار رہتا ہے تو ایسی صورت میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی گنجائش ہے یا نہیں؟

(سوال ۱۹) نماز میں آلہ مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کے استعمال کے متعلق آپ کے فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۹ ج ۶ نیز ص ۳۰ ج ۶ وغیرہ مقامات میں جو جوابات ہیں وہ ماشاء اللہ بہت مدلل اور قابل عمل ہیں، لیکن حضرت ایک بات عرض ہے بھی تبلیغی اجتماع میں مجمع بہت بڑا ہوتا ہے مکبرین مقرر کرنے کے باوجود پیچھے کی صفوں میں انتشار رہتا ہے، گا ہے بہت سے لوگوں کی نمازیں بھی خراب ہو جاتی ہیں، ایسی ضرورت کے موقعہ پر اگر نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کیا جائے تو گنجائش ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز جیسی اہم عبادت تو وہی سلف صالحین کے سادہ اور بابرکت طریقہ کے مطابق ادا کی جائے، مذکورہ صورت میں امام کے بجائے امام کے قریب رہنے والا مکبر آلہ مکبر الصوت کا استعمال کرے تو اس کی گنجائش ہے اور یہ طریقہ اختیار کرنے سے جو تکلیف اور شکایت ہے وہ دور ہو جائے گی اور تکلفات سے بچیں اور اس طرح استعمال کریں کہ جگہ نہ رکے، آج کل چھوٹا سا مائک بھی ملتا ہے جو گریبان یا گلے میں ڈال لیا جاتا ہے وہ استعمال کریں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز استخارہ کی اہمیت، اس کی دعا اور طریقہ:

(سوال ۲۰) نماز استخارہ کا کیا طریقہ ہے؟ کیا استخارہ حدیث سے ثابت ہے؟ استخارہ کتنے دنوں تک کرنا چاہئے؟ اور استخارہ میں دل کا میلان کافی ہے یا خواب میں کچھ دیکھنا ضروری ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) جی ہاں جب کسی کام کا ارادہ ہو تو استخارہ کرنا حدیث سے ثابت ہے، اور حدیث میں اس کی بہت ترغیب آئی ہے، بہشتی زیور میں ہے: مسئلہ: جب کوئی کام کرنے کا ارادہ کرے تو اللہ میاں سے صلاح لیوے، اس صلاح لینے کو استخارہ کہتے ہیں، حدیث میں اس کی بہت ترغیب آئی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صلاح نہ لینا اور استخارہ نہ کرنا بدبختی اور کم نصیبی کی بات ہے، کہیں منگنی کرے یا بیاہ کرے یا سفر کرے یا کوئی اور کام کرے تو بے استخارہ نہ کرے تو انشاء اللہ کبھی اپنے کئے پر پشیمان نہ ہوگی (بہشتی زیور ص ۳۷، دوسرا حصہ، استخارہ کی نماز کا بیان)

حدیث میں ہے:

عن جابر بن عبدالله قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمنا الا ستخارة في الامور كلها كما يعلمنا السورة من القرآن يقول اذا هم احدكم بالا مر فليركع ركعتين من غير الفريضة ثم ليقل اللهم اني استخيرك بعلمك واستقدرك بقدرتك واسئلك من فضلك العظيم فانك تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغيوب اللهم ان كنت تعلم ان هذا الا مر خير لي في ديني ومعيشتي (ومعاشي) وعاقبة امري فاقدره لي ويسره لي ثم بارك لي فيه وان كنت تعلم ان هذا الا مر شر لي في ديني ومعاشي وعاقبة امري فاصرفه عني واصرفني عنه واقدر لي الخير حيث كان ثم ارضني به .

(ترمذی شریف ج ا ص ۶۳ باب ماجاء في صلوٰة الا ستخارة)

ترجمہ:۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام کاموں میں ہمیں استخارہ کی تعلیم دیتے تھے جس طرح ہمیں قرآن کی سورت سکھاتے تھے، آنحضرت ﷺ نے ارشادفرمایا جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو دو رکعت نماز، فرض نماز کے علاوہ پڑھے، پھر یہ دعاء پڑھے، اللھم انی۔ اے اللہ میں آپ سے خیر چاہتا ہوں بوجہ آپ کے علم کے اور آپ سے قدرت طلب کرتا ہوں بوجہ آپ کی قدرت کے اور مانگتا ہوں میں آپ کے بڑے فضل میں سے کیونکہ آپ قادر ہیں اور میں قادر نہیں ہوں اور آپ عالم ہیں میں عالم نہیں ہوں، اے اللہ اگر آپ کے علم میں ہو کہ یہ کام (جس کام کے لئے استخارہ کر رہا ہوں اس کا دھیان کرے) میرے لئے بہتر ہے میرے دین میں اور میری معاش میں اور میرے انجام کار میں تو اس کو میرے لئے تجویز کر دیجئے اور اس کو میرے لئے آسان کر دیجئے پھر برکت دیجئے اس میں میرے لئے، اور اگر آپ کے علم میں ہو کہ یہ کام میرے لئے برا ہے میرے دین میں اور میری معاش میں اور میرے انجام کار میں تو اس کو مجھ سے ہٹا دیجئے اور مجھ کو اس سے ہٹا دیجئے اور مجھے بھلائی (خیر) نصیب کر دیجئے جہاں کہیں بھی ہو پھر مجھ کو اس پر راضی رکھئے۔

(شامی ج ا ص ۶۴۲ مطلب فی رکعتی الاستخارہ باب الوتر والنوافل) (بہشتی زیور ص ۴۷ دوسرا حصہ)

اگر ایک دن میں کچھ معلوم نہ ہو اور شرح صدر نہ ہو تو دوسرے دن پھر یہی عمل کرے اس طرح سات دن تک کرے، انشاء اللہ اس کام کی اچھائی یا برائی معلوم ہو جائے گی، خواب دیکھنا ضروری نہیں ہے، اصل چیز دل کا میلان ہے، اگر چہ گاہے خواب کے ذریعہ بھی رہنمائی ہو جاتی ہے، اگر کسی وجہ سے نماز پڑھنا متعذر ہو تو صرف مذکورہ دعاء پڑھ بھی اکتفاء کیا جا سکتا ہے، مناسب یہ ہے کہ نماز استخارہ میں پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت میں یہ زیادہ کرے وربك يخلق مايشآء و يختار ما كان لهم الخيرة سبحان الله وتعالىٰ عما يشركون وربك يعلم ما تكن صدورهم وما يعلنون. (سورۂ قصص کی ساتویں رکوع کی آٹھویں اور نویں آیت پارہ نمبر ۲۰) اور دوسری رکعت میں یہ زیادہ کرے وما كان لمؤمن ولا مؤمنة ... الخ (پارہ نمبر ۲۲ سورہ احزاب آیت نمبر ۳۶)

شامی میں ہے: وفي الحليةويستحب افتتاح هذا الدعاء وختمه بالحمدلة والصلوٰة وفي الا

ذکار انه یقرء فی الرکعة الاولی الکافرون وفی الثانیة الاخلاص اھ وعن بعض السلف انه یزید فی الاولی وربک یخلق مایشاء ویختار الی قوله یعلنون وفی الثانیة وما کان لمؤمن ولا مؤمنة الآیة وینبغی ان یکررها سبعا لماروی ابن السنی یا انس اذا هممت بامر فاستخر ربک فیه سبع مرات ثم انظر الی الذی سبق الی قلبک فان الخیر فیه ولو تعذرت علیه الصلوٰة استخار بالدعاء اھ ملخصا وفی شرح الشرعة المسموع من المشائخ انه ینبغی ان ینام علی طهارة مستقبل القبلة بعد قراء ة الدعا المذکور فان رأ فی منامه بیاضا او خضرة فذلک الامر خیر وان رأی فیه سوادا او حمرة فهو شر ینبغی ان یجتنب اھ (شامی ص ۴۴۲ و ص ۴۴۳ ج ۱ مطلب فی رکعتی الاستخارة) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

انتظار نماز کی فضیلت وثواب حاصل ہونے کے لئے باوضو ہونا شرط ہے:

(سوال ۲۱) حدیث میں ہے لا یزال احدکم فی صلوٰة ما انتظر الصلوٰة یعنی جب تک تم میں سے کوئی نماز کا انتظار کرتا ہے نماز ہی میں رہتا ہے تو کیا اس کے لئے باوضو ہونا شرط ہے یا یہ فضیلت بلا وضو انتظار کرنے والے کے لئے بھی ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداو مصلیا و مسلماً۔ ہاں وضو شرط ہے، باوضو انتظار کرنے والے کے لئے یہ فضیلت اور ثواب ہے، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں وانما انقضی ثواب الانتظار بالحدث لانه لا یبقی متهیئة للصلوٰة یعنی جزاء بصورت عمل ہوتی ہے اور وضو جاتے رہنے سے انتظار کا ثواب اس لئے منقطع ہو جاتا ہے کہ اس وقت میں اس کو نماز کے لئے تیاری باقی نہیں رہتی (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ ص ۴۷۹) واللہ اعلم بالصواب۔

فرض نماز کے بعد اجتماعی دعاء کا ثبوت:

(سوال ۲۲) حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری صاحب مدفیوضہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مؤدبانہ خدمت اقدس میں گذارش یہ ہے کہ آپ نے اپنے فتاویٰ رحیمیہ جلد اول ص ۲۱۵ ص ۲۱۶ (جدید ترتیب کے مطابق یہ سوال اسی باب میں ،فرض نمازوں کے بعد سنن ونوافل سے فارغ ہو کر فاتحہ پڑھنا، کے عنوان سے گذر رہا ہے۔ مرتب) پر لکھا ہے کہ جیسے فرض نماز جماعت سے صحابہ وسلف صالحین پڑھتے تھے ویسے ہی جماعت سے امام ومقتدی مل کر دعا مانگتے تھے اس کا بندہ نے ثبوت ودلیل طلب کی تھی آپ نے جواب میں فتاویٰ رحیمیہ جلد پنجم ص ۱۲۹ تا ص ۱۳۳ (یہ سوال بھی ،نماز کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا، کے عنوان سے آرہا ہے۔ مرتب) کا حوالہ دیا احقر نے اسے دیکھا مگر اس میں بھی فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنے کا ثبوت نہیں ہے، آپ سے درخواست ہے کہ صحابۂ کرام اور سلف صالحین سے اجتماعی دعا کا ثبوت ہو تو مدلل تحریر فرمائیں، آپ کا شکر گذار رہوں گا۔ بینوا توجروا۔ (از جلال آباد)؟

(الجواب) بسم الله الرحمن الرحیم حامدا و مصلیا و مسلما و بالله التوفیق دعا کی بڑی فضیلت وتاکید آئی ہے، قرآن حکیم میں ہے۔

(۱) واذا سألک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعان.

(سورة بقره. پاره دوسرا)

ترجمہ: اور میرے بندے آپ سے میرے متعلق دریافت کریں پس بے شک میں قریب ہوں دعا کرنے والے کی دعا میں قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرے۔

(۲) ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سید خلون جهنم داخرین.

(سورۂ مؤمن پاره نمبر ۲۴)

ترجمہ: مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا جو لوگ میری عبادت (دعاء) سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب (مرتے ہی) ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے۔

نیز ارشاد فرمایا:

(۳) ادعوا ربکم تضرعاً و خفیةً انه لا یحب المعتدین.

(سوره اعراف پاره نمبر ۸)

ترجمہ: تم اپنے رب سے عاجزانہ اور خفیہ دعاء کرو بے شک خدا تعالیٰ حد ادب سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

احادیث میں بھی دعاء کی بہت فضیلت اور تاکید آئی ہے۔

(۱) عن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الدعاء مخ العبادة.

(مشکوٰة شریف ص ۱۹۴ کتاب الدعوات)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دعاء عبادت کا مغز ہے۔

(۲) عن النعمان بن بشیر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الدعاء هو العبادة ثم قرأ وقال ربکم ادعونی استجب لکم رواه احمد والترمذی وابو داؤد والنسائی وابن ماجه (مشکوٰة شریف ص ۱۹۴ ایضاً)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دعاء ہی عبادت ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وقال ربکم...... اور فرمایا تمہارے رب نے مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

دعاء اللہ کے نزدیک سب سے مکرم چیز ہے، حدیث میں ہے۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لیس شئی اکرم علی الله من الدعاء.

(رواه الترمذی) مشکوٰة شریف ص ۱۹۴ کتاب الدعوات.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کے نزدیک دعاء سے بڑھ کر

کوئی معزز اور مکرم چیز نہیں ہے۔

جب بندہ دعاء کرتا ہے تو اللہ کو حیا آتی ہے کہ اس کا ہاتھ خالی لوٹا دے، حدیث میں ہے۔

عن سلمان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ربکم حیی کریم یستحی من عبدہ اذا رفع یدیہ الیہ ان یردھما صفراً رواہ الترمذی (مشکوۃ شریف کتاب الدعوات ص ۱۹۵)

ترجمہ: حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہارا رب شرم والا اور کریم ہے اپنے بندے سے شرم کرتا ہے جب وہ اپنے ہاتھوں کو اس کے سامنے اٹھاتا ہے کہ ان کو خالی واپس لوٹا دے۔

جس کو دعا کی توفیق ہو جاتی ہے اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں حدیث میں ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فتح لہ منکم باب الدعاء فتحت لہ ابواب الرحمۃ (مشکوۃ شریف ص ۱۹۵ ایضاً

ترجمہ: حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے جس کے لئے دعاء کا دروازہ کھل گیا تو اس کے لئے رحمت کا دروازہ کھل گیا۔

بندوں کو دعاء کا حکم دیا گیا ہے، حدیث میں ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعلیکم عباد اللہ بالدعاء (مشکوۃ شریف ص ۱۹۵ ایضاً)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے اللہ کی بندو دعاء کو لازم کر لو۔

دعاء کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کرے اور فارغ ہو کر ہاتھوں کو اپنے منہ پر پھیر لے حدیث میں ہے۔

عن مالک بن یسار رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ سألتم اللہ فاسئلوہ بطون اکفکم ولا تسئلوہ بظھورھا وفی روایۃ ابن عباس رضی اللہ عنہ قال سلوا اللہ ببطون اکفکم ولا تسألوہ بظھورھا فاذا فرغتم فامسحوا بھا وجوھکم رواہ ابو داؤد.

(مشکوۃ شریف ایضاً ص ۱۹۵)

ترجمہ: حضرت مالک بن یسارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم اللہ سے دعاء کرو تو ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے کرو ہاتھوں کی پشت سے نہ کرو حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے سوال کیا کرو اور ہاتھوں کی پشت سے نہ کرو پس جب دعاء سے فارغ ہو جاؤ تو ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیر لو۔

دعاء میں ہاتھ اٹھانا حضور ﷺ کی عادت شریفہ تھی۔

عن السائب بن یزید عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا دعا فرفع یدیہ مسح

وجهه بيديه.

(مشکوۃ شریف کتاب الدعوات ص ۱۹۶)

ترجمہ: حضرت سائب اپنے والد سے نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب دعاء فرماتے تھے تو آپ دونوں ہاتھ مبارک اٹھاتے اور فارغ ہوتے تو ان دونوں کو اپنے چہرے پر پھیرتے۔

عن عمر رضي الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا رفع يديه في الدعاء لم يحطهما حتى يمسح بهما وجهه رواه الترمذى.

(مشكوة شريف كتاب الدعوات)

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے دونوں ہاتھ دعاء میں اٹھاتے تھے تو جب تک ان دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرہ انور پر نہ پھیر لیتے نیچے نہ اتارتے۔

دعاء میں ہاتھ اٹھانا قبولیت دعاء کی علامت ہے حدیث میں ہے۔

عن ابى هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من عبد يرفع يديه حتى يبدو ابطه يسأل الله مسئلة الا اتاها اياه ما لم يعجل قالوا يارسول الله وكيف عجلته قال فيقول قد سألت وسألت فلم اعط شيئا

(ترمذی شریف ص ۲۲۰ کتاب الدعوات)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو کوئی بندہ یہاں تک ہاتھ اٹھا کر دعا کرے کہ اس کی بغلیں ظاہر ہوں اور اللہ سے سوال کرے تو اللہ اس کی مراد پوری کرتا ہے جب تک جلدی نہ کرے صحابہ نے عرض کیا اس کے جلدی کرنے کی کیا صورت ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کہے "میں نے سوال کیا اور سوال کیا اور مجھے کوئی چیز نہیں ملی"۔

مندرجہ بالا آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں دعا کی بہت اہمیت ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود بھی دعا کا حکم فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے دعا کو عبادت کا مغز فرمایا ہے، عبادت کی حقیقت خضوع وتذلل ہے جو دعا میں کامل طور پر موجود ہے ہاتھ پھیلا کر دعا مانگنے میں اپنی عبدیت اور ذلت واحتیاج کا ایسا مظاہرہ ہے جو کسی اور طریقہ میں نظر نہیں آتا، دور ہی سے دیکھنے والا ہاتھ پھیلا کر دعا مانگنے والے کو محتاج سمجھتا ہے، کیونکہ جو محتاج ہوتا ہے وہی دست سوال دراز کرتا ہے، الغرض دعا میں مکمل طور پر اپنی عبدیت اور احتیاج کا اظہار ہے اور اللہ رب العزت کی معبودیت اور صمدیت اور قادر مطلق ومعطی ہونے کا اقرار ہے اس لئے دعاء کو مخ العبادۃ فرمایا گیا ہے اور اس کی اہمیت وفضائل بیان کئے گئے ہیں جن میں سے کچھ اوپر بیان ہوئے۔

احادیث میں مختلف مواقع کی دعائیں بیان کی گئی ہیں جو مخفی نہیں ہے، ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ نماز جو افضل العبادۃ ہے اس کے بعد دعا کرنے کے سلسلہ میں احادیث رسول میں کیا ہدایات ہیں۔

تحقیق کرنے سے روز روشن کی طرح یہ بات آشکارا ہوتی ہے کہ نماز کے بعد دعا کی خاص اہمیت ہے دعا کی قبولیت کا وقت ہے دعا نہ کرنے پر وعید ہے اور خود نبی کریم ﷺ کا بھی یہی عمل ہے قدرے تفصیل ملاحظہ ہو۔

نماز کے بعد دعا اور اس کی ترغیب اور مقبولیت کا وقت احادیث کی روشنی میں۔

(۱)عن معاذ بن جبل رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال له اوصیک یا معاذ الا تدعن دبر کل صلوة ان تقول اللهم اعنی علیٰ ذکرک وشرک وحسن عبادتک رواه احمد وابو داؤد والنسائی بسند قوی کذا فی بلوغ المرام وقال الزیلعی فی تخریجه قال النووی فی الخلاصة اسناده صحیح .

(اعلاء السنن ج۳ ص ۲۰۲ باب الانحراف بعد السلام وکیفیة وسنیة الدعآ روا لذکر بعد الصلاة)(بلوغ المرام ص ۳۷)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاذ سے ارشاد فرمایا کہ تم کسی بھی نماز کے بعد اس دعاء کو نہ چھوڑو دعا یہ ہے اللهم اعنی علی ذکرک شکرک وحسن عبادتک.

(۲) عن ابی امامة رضی الله عنه قال قیل یا رسول الله ای الدعا اسمع قال جوف اللیل الاخر ودبر الصلوت المکتوبات ، رواه الترمذی .

(مشکوة شریف ص ۸۹ باب الذکر بعد الصلوة)

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا، کس وقت کی دعا زیادہ مقبول ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا رات کے آخری حصہ کی دعاء اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا۔

کتاب ''دلیل الطالب علی ارجح المطالب'' (مصنفہ مولانا نواب صدیق حسن صاحبؒ) میں یہ دونوں حدیثیں بیان فرمانے کے بعد لکھا ہے ''وایں ہر دو حدیث دلالت وارد برآں کہ دعا بعد فریضہ می باید یہ دونوں حدیثیں نماز فرض کے بعد دعا مسنون ہونے پر دلالت کرتی ہیں (ص ۳۲۴)

حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق السنی نے کتاب ''عمل یوم واللیلہ'' میں حدیث نقل کی ہے۔

(۳)حدثنی احمد بن الحسن حدثنا ابو اسحق یعقوب بن خالد بن یزید الیاسی حدثنا عبدالعزیز بن عبدالرحمن القرشی من حفیف عن انس رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال ما من عبد بسط کفیه فی دبر کل صلوة ثم یقول اللّٰهم الٰهی واله ابراهیم واسحاق ویعقوب واله جبریل ومیکائیل و اسرافیل اسئلک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر و تعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنا لنی برحمتک فانی مذنب وتنفی عن الفقر فانی متمسکن الا کان حقاً علی الله عزوجل ان لا یرد یدیه خائبین(عمل الیوم واللیله ص ۳۸،ص ۳۹)

ترجمہ: حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا جو بندہ نماز کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلاتا ہے پھر یوں دعا کرتا ہے اللهم الٰهی واله ابراهیم واسحاق ویعقوب واله جبریل و میکائیل واسرافیل اسئلک ان تستجیب دعوتی فانی مضطرو تعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتک فانی مذنب وتنفی عنی الفقر فانی متمسکن تو اللہ پر یہ حق ہے کہ اس کے دونوں

ہاتھوں کو ناکام (اور خالی) واپس نہ کرے۔

اس حدیث کو علامہ عبدالحی لکھنوی نے بھی اسی سلسلہ کے ایک استفتاء کے جواب میں نقل فرمایا ہے اور حدیث نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے "اگر یوں کہا جاوے کہ اس روایت کی سند میں عبدالعزیز بن عبدالرحمن ہے اور وہ متکلم فیہ ہے چنانچہ میزان الاعتدال وغیرہ میں مصرح ہے تو کہا جائے گا کہ حدیث ضعیف اثبات استحباب کے لئے کافی ہے چنانچہ ابن الہمام فتح القدیر کی کتاب الجنائز میں لکھتے ہیں والا ستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع انتھی واللہ اعلم (بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ج۵ ص۱۳۱ حوالہ اسی سوال کے شروع میں ہے۔)

یہ بھی خیال رہے کہ اس حدیث کو اور اس جیسی دوسری احادیث کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور خود غیر مقلدوں کے پیشوا مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں "بعض ضعف ایسے ہیں جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے" (اخبار اہل حدیث مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۱۷ء)

نماز کے بعد دعا نہ کرنے پر وعید

عن الفضل بن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوۃ مثنی مثنی فی کل رکعتین وتخشع وتمسکن وتقنع یدیک یقول ترفعھما الی ربک مستقبلا ببطونھما وجھک وتقول یا رب یا رب ومن لم یفعل ذلک فھو کذا وکذا۔

(ترمذی شریف ص ۵۰ ج ۱ باب ماجاء فی التخشع فی الصلوٰۃ)

ترجمہ: حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز دو رکعت ہے ہر دو رکعتوں میں تشہد ہے اور خشوع اور عاجزی اور مسکینی ہے اور دونوں ہاتھوں کا اپنے رب کی طرف اٹھانا اس حالت میں کہ تم کہو یا رب یا رب (اے میرے رب اے میرے رب) اور جس نے ایسا نہیں کیا وہ ایسا ویسا ہے۔

ترمذی شریف کی شرح الکوکب الدری میں ہے:

وھذا یثبت الدعاء بعد الصلوۃ برفع یدیہ کما ھو المعمول وانکار الجھلۃ علیہ مردود۔

(الکوکب الدری ص ۱۷۱ ج ۱ ایضاً)

ترجمہ: اس حدیث میں لفظ مستقبلا سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ نماز کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی جائے یہی معمول ہے اور اس پر جہلاء کا انکار مردود ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا بہ نفس نفیس نماز کے بعد دعا کرنا اور مختلف دعاؤں کا آپ سے منقول ہونا، احادیث کی روشنی میں۔

(۱) عن وراد... قال املی علی المغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ فی کتاب الی معاویۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول فی دبر کل صلوۃ مکتوبۃ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا

ینفع ذاالجد منک الجد.

(بخاری شریف ص ۱۱۷ ج ۱ باب الذکر بعد الصلوٰۃ)(ابو داؤد شریف ص ۲۱۸ ج ۱) (باب مایقول الرجل اذا سلم)(مشکوٰۃ شریف ص ۸۸ایضاً)(بلوغ المرام ص۳۷صفة الصلاۃ)

ترجمہ: حضرت وراد سے روایت ہے...... حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذاالجد منک الجد پڑھتے تھے

(۲)عن ام سلمة رضی اللہ عنھما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول اذا صلی الصبح حین یسلم اللھم انی اسئلک علماً نافعاً ورزقاً طیباً وعملاً متقبلا رواہ احمد و ابن ماجہ قال فی النیل ورجالہ ثقات. (اعلاء السنن ص ۲۰۲، ص ۲۰۳ حصہ سوم)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھ لیتے تو سلام پھیر کر یہ دعا کرتے اللھم انی اسئلک علماً نافعاً ورزقاً طیباً وعملاً متقبلاً اس کو احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے نیل الاوطار میں ہے کہ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں۔

(۳)عن عائشة رضی اللہ عنھا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم لم یقعد الا مقدار ما یقول اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذاالجلال والاکرام رواہ مسلم.

(مشکوٰۃشریف ص ۸۸ باب الذکر بعد الصلوٰۃ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذاالجلال والاکرام پڑھنے کی مقدار بیٹھا کرتے تھے۔

(۴)عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذاانصرف من صلوته استغفر اللہ ثلاثاً وقال اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذاالجلال والاکرام.

(رواہ مسلم) (بلوغ المرام ص ۳۷ باب صفة الصلوٰۃ)

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوجاتے تو تین مرتبہ استغفار فرماتے اور یہ دعاء مانگتے اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام.

(۵)عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یتعوذ بھن دبر الصلوٰۃ اللھم انی اعوذبک من البخل واعوذبک من الجبن واعوذبک من ان ارد الی ارذل العمر واعوذبک من فتنه الدنیا واعوذبک من عذاب القبر .رواہ البخاری .(بلوغ المرام ص ۳۷)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز کے بعد ان الفاظ کے ساتھ پناہ مانگتے تھے اللھم انی اعوذبک من البخل واعوذبک من الجبن واعوذبک من ان ارد الیٰ ارذل العمر واعوذبک من فتنة الدنیا واعوذبک من عذاب القبر.

(۶) عن علی رضی اللہ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم من الصلوٰۃ قال اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم بہ منی انت المقدم والمؤخر لا الٰہ الا انت (ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۲۱۹ باب مایقول اذا سلم)

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کا سلام پھیرتے تو یہ دعاء پڑھتے تھے۔ اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم بہ منی انت المقدم والمؤخر لا الٰہ الا انت۔

(۷) اخرج الحافظ ابو بکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن الاسود بن العامری عن ابی ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیہ ودعا۔

بحوالہ مسلک السادات الی سبیل الدعوات، امداد الفتاوی ج ۱ ص ۷۹۸) نیز، النفائس المرغوبہ تحت تصویب قاضی رحمت اللہ محدث راندیری ص ۳۴)

ترجمہ: اسود عامری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز ادا کی جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو آپ مڑ گئے اور آپ نے اپنے دست مبارک اٹھائے اور دعاء فرمائی۔

(۸) حدثنا محمد بن یحیی الاسلمی قال رأیت عبداللہ بن الزبیری رأی رجلاً رافعاً یدیہ یدعو قبل ان یفرغ من صلاتہ فلما فرغ منھا قال لہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع حتی یفرغ من صلاتہ اخرجہ ابن ابی شیبۃ ورجالہ ثقات قالہ الحافظ السیوطی فی رسالتہ" فض الوعاء فی احادیث رفع الیدین بالدعاء کذا فی رسالۃ رفع الدین فی الدعاء لمحمد بن عبدالرحمن الزبیدی الیمانی

(اعلاء السنن باب الانحراف بعد السلام و کیفیۃ وسنیۃ الدعآء والذکر بعد الصلاۃ)

ترجمہ: محمد بن یحیی اسلمی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہا ہے جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو اس سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب تک نماز سے فارغ نہ ہو جاتے تھے دعاء کے لئے ہاتھ نہ اٹھاتے تھے، اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں۔

ان احادیث سے صراحت کے ساتھ یہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز کے بعد حضور اکرم ﷺ دعاء فرماتے تھے اس میں کسی طالب حق کو شک وشبہ کی گنجائش نہ ہونی چاہئے اور انہی احادیث سے بطریقۂ اشارۃ النص یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نماز کے بعد دعاء فرماتے تھے تو صحابہ یقیناً اس دعاء میں آپ کے ساتھ شرکت فرماتے تھے، اس لئے مقام غور ہے کہ اگر کوئی مرشد کامل کسی مجلس میں ہاتھ اٹھا کر دعاء فرمائیں تو کیا مریدین مرشد کی موافقت نہیں کریں گے؟ اگر استاذ درس میں اتفاقاً ہاتھ اٹھا کر دعاء کریں تو کیا درس میں حاضر باش طلباء استاذ کا منہ تکتے رہیں گے؟ اور دعاء میں شرکت نہیں کریں گے؟ کیا یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ تو جب یہ مسلم ہے کہ یقیناً مریدین اور طلبہ ضرور بالضرور مرشد اور استاذ کی اتباع میں ہاتھ اٹھا کر دعاء میں شرکت کریں گے تو رسول مقبول رحمۃ للعالمین ﷺ ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائیں اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جو مجسم اطاعت اور جذبۂ اتباع سے سرشار تھے (جن کی اطاعت اور اتباع کی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی ہے) وہ حضور اکرم ﷺ کا منہ دیکھتے رہے ہوں اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے میں حضور اکرم ﷺ

کی موافقت کی سعادت حاصل نہ کی ہو یہ سمجھ میں آتا ہے اور نہ تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ یقیناً ضرور بالضرور صحابہؓ نے موافقت کی ہوگی اور اس سعادت کے حصول سے مجتنب نہ رہے ہوں گے اور یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعاء فرمائی تو حاضر باش صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعاء میں شرکت فرمائی۔ بخاری شریف میں ہے۔

قال یحیی بن سعید سمعت انس بن مالک قال اتی رجل اعرابی من اهل البدو الی رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم الجمعة فقال یارسول الله هلکت الماشیة هلکت العیال هلک الناس فرفع رسول الله صلی الله علیه وسلم یدیه یدعو ورفع الناس ایدیهم مع رسول الله صلی الله علیه وسلم یدعون الخ .

(بخاری شریف ج ۱ ص ۱۴۰ باب رفع الناس ایدیهم مع الامام فی الاستسقآء)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی شخص جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! مویشی ہلاک ہوگئے، عیال ہلاک ہو گئے، لوگ ہلاک ہوگئے پس رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست اقدس کو اٹھا کر دعاء فرمائی اور تمام لوگوں نے بھی اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دعا مانگی۔

ملاحظہ فرمائیے اس حدیث میں صراحۃً ذکر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ دعاء میں شرکت فرمائی لہذا یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ جب نماز کے بعد حضور ﷺ ہاتھ اٹھا کر دعاء فرماتے تھے تو صحابہ بھی ضرور شرکت فرماتے تھے یہی اجتماعی دعاء ہے اور اجتماعی دعاء کے ثبوت کے لئے انشاء اللہ یہی کافی ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہ کے بعد تابعین پھر ان کے بعد تبع تابعین پھر ان کے بعد اسلاف عظام اور علماء اور صلحاء امت کا اسی پر عمل رہا ہے سوائے شرذمہ قلیلہ کے کوئی اس کا منکر نہیں امت کا یہ توارث اور تعامل بھی اس کے ثبوت کے لئے قوی دلیل ہے حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی توارث کی اہمیت کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "اتفاق سلف وتوارث ایشاں اصل عظیم است درفقہ" سلف کا اتفاق اور ان کا توارث فقہ میں اصل عظیم ہے۔ (ازالۃ الخفاء مطبع بریلی ص ۸۵)

اس واضح ثبوت کے بعد بھی ثبوت کا مطالبہ کرنا ایسا ہی ہوگا جیسا کہ ایک بے وقوف خادم نے اپنے آقا سے کہا تھا... ایک خادم بڑا کوتاہ فہم اور بے ڈھنگا تھا اس کی بے وقوفی اور بے عقلی سے تنگ آکر آقا نے ایک فہرست بنا کر اسے دے رکھی تھی کہ اس میں جو جو کام لکھے ہوئے ہیں انہیں کیا کر، ایک مرتبہ آقا اور غلام گھوڑے پر سفر کر رہے تھے راستہ میں آقا کی شال گر گئی، آقا نے اگلی منزل پر دیکھا کہ شال نہیں ہے تو خادم نے کہا وہ تو بہت دور گر گئی ہے آقا نے کہا: اٹھائی کیوں نہیں؟ یا مجھے کیوں نہیں کہا؟ خادم نے وہ فہرست دکھلا دی اور کہا کہ بتلاؤ اس میں کہاں لکھا ہے کہ "شال گر جائے تو اٹھالینا یا کہہ دینا" یہی حال ان لوگوں کا بھی ہے جو اس واضح ثبوت کے بعد بھی کہتے ہیں کہ ایسی حدیث دکھاؤ جس میں صراحۃً اجتماعی دعاء کا تذکرہ ہو، کیا مندرجہ بالا احادیث اور ان سے ثابت ہونے والا مضمون کافی نہیں ہے؟ انشاء اللہ یقیناً کافی ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ پوری امت کا اسی پر عمل ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اور محدثین عظام اور فقہاء کرام نے بھی یہی لکھا ہے فقہاء کرام وہ حضرات ہیں۔ جو بقول امام ترمذی اعلم بمانی الحدیث ہیں اللہ نے ان کو فقہ فی الدین کی دولت سے نوازا ہے، قرآن وحدیث میں فقہ فی الدین کی تعریف فرمائی گئی ہے، حجۃ الاسلام

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بڑی عمدہ بات تحریر فرمائی ہے۔

فاماھذہ الطبقة الذین ھم اھل الحدیث والا ثر فان الا کثرین منھم انما کدھم الروایات وجمع الطرق وطلب الغریب والشاذ من الحدیث الذی اکثرہ موضوع او مقلوب لا یراعون المتون ولا یتفھمون المعانی ولا یستنبطون سرھا ولا یستخرجون رکازھا وفقھھا وربما عابوا الفقھاء وتنا ولو ھم با لطعن وادعوا علیھم مخالفة السنن ولا یعلمون انھم عن مبلغ ما او تو دوا من العلم قاصرون ولسوء القول فیھم آثمون .(الا نصاف مع ترجمة کشاف ص ۵۳)

ترجمہ: طبقہ اہل حدیث واثر کا حال یہ ہے کہ ان میں اکثر کی کوشش روایتوں کا بیان کرنا اور سندوں کا اکٹھا کرنا اور غریب اور شاذ کو اس حدیث سے تلاش کرنا ہے جس کا اکثر موضوع یا مقلوب ہے یہ لوگ نہ الفاظ حدیث کا لحاظ کریں اور نہ معانی کو سمجھیں اور نہ ان کے راز کو استنباط کریں اور نہ ان کے دفینہ اور فقہ کو نکالیں اور بعض اوقات فقہاء پر عیب لگادیں اور طعن سے ان کو برا کہیں اور ان پر مخالفت سنت کا دعویٰ کریں اور یہ نہیں جانتے کہ جس قدر علم فقہاء کو دیا گیا ہے وہ خود اس سے قاصر ہیں اور فقہاء کو برا کہنے سے گنہگار ہوتے ہیں۔

یہ ہے فقہاء کرام رحمہم اللہ کی علمی جلالت شان۔

جب محدثین اور فقہاء یہی بات لکھ رہے ہیں تو کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ ان حضرات نے بلا ثبوت ہی یہ لکھ دیا ہوگا یقیناً ثبوت ہے جب ہی لکھا ہے۔ اب بطور نمونہ چند حوالے ملاحظہ ہوں۔

محدث جلیل علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

والمختار ان الا مام والماموم یخفیان الذکر الا ان احتاج الی التعلیم .

(فتح الباری ص ۲۶۹ ج ۲)

ترجمہ: مختار طریقہ یہ ہے کہ امام اور مقتدی ذکر (دعا) آہستہ آواز سے کریں ہاں جب دعاء کی تعلیم کی ضرورت ہو تو (سیکھنے تک) جہراً دعا کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔

الکوکب الدری شرح ترمذی میں ہے۔

بل لا بد من اتیان الدعاء مستقلاً علی حدة فیعزر تارک الدعوات بعد الصلوات ولا یعذر علی ترکھا .(باب ما یقول اذ سلم. الکوکب الدری ص ۲۹۱ ج ۲)

ترجمہ: بلکہ اس وقت ضروری ہوجاتا ہے کہ مستقلاً الگ دعا کی جاتی رہے اسی لئے نمازوں کے بعد تارک دعاء کو سزا دی جائے اور ترک دعا پر معذور نہ سمجھا جائے۔

حاشیہ میں ہے۔

وفی شرح شرعة الا سلام ویغتنم الدعاء بعد المکتوبة فانه مستجاب بالحدیث وقد قال النبی صلی اللہ علیه فی حدیث رواہ ابن عباس من لم یفعل ذلک فھو خداج ای من لم یدع بعد الصلوة رافعاً یدیه الی ربه مستقبلا ببطو نھا الی وجھه ولم یطلب حاجاته قائلاً یارب یارب فما فعله من الصلوة نا قصة عند الحق سبحانه کذا حقق فی التنویر وروی انه کان للحسن البصری جاریة تطب علی ظھرہ فکان

اذا سلم الا مام خرج من المسجد سريعا فقال له الحسن يوماً يا لكع لم تجلس ساعة ان لم تكن لك حاجة في الاخرة افلا حاجة لك في الدنيا قف بعد الصلوة وادع الله واسأله حمولة تحمل على ظهرها ذكره في الخلاصة.

(حاشيه على الكوكب الدرى ص ۲۹۱ ج ۲ باب مايقول اذا سلم)

شرح شرعۃ الاسلام میں ہے فرض نماز کے بعد دعاء کرنے کو غنیمت سمجھے اس لئے کہ یہ دعا مقبول ہوتی ہے حدیث کی بناء پر تحقیق کہ نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں جس کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے روایت کی ہے فرمایا ہے من لم يفعل ... جس نے ایسا نہیں کیا وہ ناقص ہے (الحدیث) یعنی جس نے اپنے رب کے سامنے اپنے ہاتھ اٹھا کر ہتھیلیاں اپنے چہرہ کی طرف کر کے دعاء نہ کی اور یارب یارب کہہ کر اپنی حاجات اللہ سے نہ مانگے تو نماز کے جو افعال اس نے ادا کئے ہیں وہ حق سبحانہ کے نزدیک بالکل ناقص ہیں ایسا ہی تنویر میں ہے اور مروی ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پڑوسی تھا لکڑی کا بوجھ اپنی پیٹھ پر ڈھویا کرتا تھا، امام جب سلام پھیرتا تو وہ شخص تیزی کے ساتھ مسجد سے نکل جاتا تھا ایک روز حضرت حسن بصری نے اس سے فرمایا اے شخص تھوڑی دیر کیوں نہیں بیٹھ جاتا اگر تجھے اخروی ضرورت نہیں ہے تو کیا دنیوی حاجات بھی نہیں ہیں دعا، کیا کر اور اس سے بار برداری کا جانور مانگ کہ ان کی پیٹھ پر بوجھ اٹھایا کرے، یہ خلاصہ میں مذکور ہے۔

غور کیجئے اسلاف میں یہ طریقہ رائج تھا کہ نماز کے بعد دعاء کیا کرتے تھے (جس سے اجتماعی صورت خود بخود پیدا ہو جاتی ہے) جب ہی تو حضرت حسن بصریؒ نے اپنے پڑوسی کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد دعا کے لئے فرمایا، اگر دعا کا طریقہ رائج نہ ہوتا تو آپ ہرگز اسے دعا کی ترغیب نہ دیتے، حضرت ابوامامہؓ کی حدیث جس میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا اى الدعاء اسمع کونسی دعا زیادہ مقبول ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات رات کے آخری حصہ کی دعا اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا (یہ حدیث اسی جواب میں پہلے نقل کی جا چکی ہے) اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے صاحب اعلاء السنن مولانا ظفر احمد تھانوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

قوله عن ابى امامة الخ قلت فيه اثبات الدعا بعد الصلوة فاندحض به ما اورده ابن القيم ان الدعاء بعد السلام من الصلوة مستقبل القبلة او المامومين فلم يكن من هديه صلى الله عليه وسلم اصلا ولا روى عنه باسناد صحيح ولا حسن اه.(زاد المعاد ص ٦٧ ج ١)

ترجمہ: یعنی حضرت ابوامامہؓ کی اس حدیث سے نماز کے بعد دعا کا ثبوت ہوتا ہے لہذا اجوبات علامہ ابن قیمؒ نے کہی ہے کہ سلام کے بعد قبلہ رخ ہو کر یا مقتدیوں کی طرف رخ کر کے دعا کرنا یہ حضور اکرم ﷺ کی سنت اور آپ کا طریقہ نہیں ہے یہ چیز حضور ﷺ سے نہ سند حسن کے ساتھ مروی ہے اور نہ سند صحیح کے ساتھ۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ٦٧)

قلت قد ثبت ذلك عنه صلى الله عليه وسلم قوله وفعلا فهذا حديث ابى امامة فيه ارشاد الامة بالدعا بعد الصلوات المكتوبات.(اعلاء السنن ص ۱۹۹ ج ۳) باب الانحراف بعد السلام۔الخ

ترجمہ: اس حدیث سے علامہ ابن قیمؒ کے دعوی کی تردید ہوتی ہے، میں کہتا ہوں نماز کے بعد حضور اکرم ﷺ

کا دعاء کرنا قولاً اور فعلاً ثابت ہے اور اس حدیث میں فرض نمازوں کے بعد دعاء کی ترغیب ہے پس صلحاء کا جو معمول ہے کہ فرض نمازوں کے بعد دعاء کرتے ہیں بے اصل نہ ہوا۔ (اعلاء السنن ص ۱۹۹ ج ۳ مع حاشیہ)

حضرت ابوامامہؓ کی مذکورہ حدیث اور حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث (جس کا ذکر اس جواب میں پہلے آیا ہے) ان دونوں حدیثوں کو مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اپنی کتاب "دلیل الطالب علی ارجح المطالب" میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

"وایں ہر دو حدیث دلالت دارد برآں کہ دعاء بعد فریضہ می باید" یہ دونوں حدیثیں نماز فرض کے بعد دعا مسنون ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ (دلیل الطالب علی ارجح المطالب ص ۳۲۳)

ظاہر ہے کہ یہ مسنونیت ہر ایک کے لئے ہے جب تمام اس سنت پر عمل کریں گے تو اجتماع ہوگا یا نہیں؟ (یہ حوالہ پہلے آچکا ہے موقع کی مناسبت سے دوبارہ ذکر کیا گیا ہے)

فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔

یدعوا لامام جهراً لتعليم القوم ويخافته القوم اذا تعلم القوم ويخافت هو ايضاً وان جهر فهو بدعة.

(فتاوی زازیه جلد اول مع الهندية كتاب الصلوة الحادی عشر فی القرا ة ص ۴۲ ج ۴)

ترجمہ: امام مقتدیوں کو سکھانے کے لئے جہراً دعا کرے اور قوم آہستہ دعا کرے اور جب مقتدی سیکھ جائیں تو مقتدی اور امام دونوں آہستہ دعاء کریں اگر زور سے دعاء کی تو یہ بدعت ہے۔

امداد الفتاح شرح نور الایضاح میں ہے۔

ثم يدعون لانفسهم وللمسلمين بالا دعية الماثورة الجامعة لقول ابی امامة قيل يارسول الله ای الدعاء اسمع قال جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات رواه الترمذی والنسائی وكان صلى الله عليه وسلم يدعو دبر كل صلوة رواه البخاری فی تاريخه الا وسط الی قوله . رافعی ايديهم حذو الصدور وبطونها مايلی الوجه بخشوع وسكون ثم يختمون بقول سبحان ربک رب العزة عما يصفون الاية الی (قوله) ثم يمسحون بها ای بايد بهم وجوههم فی آخره يعنی عند الفراغ منه لقول ابن عباس رضی الله عنهما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دعوت الله فادع بباطن كفيک ولا تدع بظهورهما فاذا فرغت فامسح بها وجهک رواه ابن ماجه ولقول ابن عمر رضی الله عنهما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا رفع يده فی الدعا لم يحطهما وفی رواية لم يردهما حتی يمسح بهما وجهه رواه الترمذی.

(امداد الفتاح شرح نور الايضاح فصل فی الاذكار الواردة بعد الفرض ص ۱۳۷ ص ۱۳۸) (نور الايضاح ص ۸۵)

ترجمہ: پھر (تسبیحات کے بعد امام اور مقتدی) اپنے لئے اور مسلمانوں کے لئے جامع منقول دعاؤں کے ساتھ دعاء کریں حضرت ابوامامہؓ کی اس حدیث کی وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کونسی دعاء زیادہ قبول ہوتی

ہے آپ ﷺ نے ارشادفرمایارات کے آخری حصہ کی دعااورفرض نمازوں کے بعدکی دعا۔رواہ الترمذی والنسائی اورخود رسول اللہ ﷺ نماز کے بعددعافرماتے تھے **رواہ البخاری فی تاریخہ الا وسط۔**

اپنے ہاتھوں کوسینوں کے مقابل اٹھا کراس حال میں کہ ہاتھوں کی ہتھیلیاں چہرے کی طرف ہوں خشوع اورسکون کے ساتھ پھر **سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون** پڑھ کردعاءختم کریں پھر دعاسے فارغ ہوکراپنے ہاتھ اپنے چہروں پرپھیرلیں ،حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کی بناپر کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایاجب تم اللہ سے دعاءکروتواپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے دعاءکروہاتھوں کی پشت سے نہ کروپھرجب تم فارغ ہوجاؤتواپناہاتھ اپنے چہرے پرپھیرلو،رواہ ابن ماجہ۔اورحضرت عبداللہ ابن عمررضی اللہ عنہما کی اس حدیث کی وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے دونوں ہاتھ دعاءکے لئے اٹھاتے توجب تک اپنے چہرے پرہاتھ نہ پھیرلیتے ان دونوں کو نیچے نہیں کرتے۔رواہ الترمذی۔

امدادالفتاویٰ میں حکیم الامت حضرت مولانااشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ تحریرفرماتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم بعد حمد وصلوۃ کے واضح ہو کہ یہ رسالہ کتاب مسلک السادات الی سبیل الدعوات کا خلاصہ ہے جس کوعلامہ فاضل شیخ محمد علی بن شیخ حسین مرحوم مفتیٔ مالکیہ مقیم مکہ مکرمہ نے ۱۳۲۱ھ میں تحریرفرمایاہےاوراس میں عموماًاحکام دعاکی تحقیق اور بالخصوص دعاءکامستحب ہونا ہرمنفرد اورامام اور جماعت کے لئے (احادیث معتبرہ اور مذاہب اربعہ کی روایات فقہیہ سے) ثابت فرمایاہے،میں نے اس رسالہ کاخلاصہ لکھ دیاتاکہ ان بیباک لوگوں کی زبان بند ہوجائے جودعابعدنمازپربدعت ہونے کاحکم کرتے ہیں اوراس تلخیص کانام استحباب الدعوات عقیب الصلوات رکھ دیا الخ۔یہ پورارسالہ قابل مطالعہ ہے (امدادالفتاویٰ ص ۷۹۶ تا ص ۸۱۶ جلد نمبرا مبوب مع حاشیہ جدیدہ مولانامفتی سعیداحمدصاحب پالن پوری)

مفتی اعظم ہندحضرت مولانامفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تحریرفرماتے ہیں فرائض کے بعددعامانگنا آنحضرت ﷺ کاطریقہ اورآپ کی سنت ہے (**النفائس المرغوبۃ فی الدعاء بعد المکتوبۃ ص ۱۰**)(یہ پورارسالہ بھی قابل مطالعہ ہے)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تحریرفرماتے ہیں۔

''امام اورمقتدی سب آہستہ آہستہ دعامانگیں۔''(احکام دعاص ۱۱)

مفتاح الجنۃ میں ہےاورامام سلام سےفراغت پائےتب داہنے یابائیں پھرکےاورجودعاءچاہے پڑھےمگر بہتر یہ ہے کہ ایک مرتبہ آیۃ الکرسی پڑھے بعداس کے دونوں ہاتھوں کودونوں کانوں کے برابراٹھادےاس طرح پرکہ دونوں بغل ظاہرہوئےاورجوحاجت چاہےاللہ سے مانگےاورچاہےتویہ مناجات پڑھے **ربنا لا تزغ قلوبنا الخ** (مفتاح الجنۃ ص ۶۸،مؤلفہ مولاناشاہ کرامت علیؒ جون پوری)

نیزبہشتی گوہرمیں ہے:۔مسئلہ بعدنماز(فرض)ختم کرچکنےکےدونوں ہاتھ سینےتک اٹھاکرپھیلائےاوراللہ تعالیٰ سےاپنےلئےدعامانگےاورامام ہوتوتمام مقتدیوں کےلئےبھی اوربعددعاءمانگ چکنےکےدونوں ہاتھ منہ پر پھیرلے۔مقتدی خواہ اپنی اپنی دعاءمانگیں یاامام کی دعاسنائی دےتوخواہ سب آمین کہتےرہیں۔(بہشتی گوہرص ۱۰۶

فرض نماز کے بعد مسائل مسئلہ نمبر ۶)

نیز بہشتی گوہر میں ہے :۔

مسئلہ : جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں جیسے ظہر مغرب عشاء ان کے بعد بہت دیر تک دعا نہ مانگے بلکہ مختصر دعا مانگ کر ان سنتوں کے پڑھنے میں مشغول ہو جاوے ، اور جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں جیسے فجر و عصر ان کے بعد جتنی دیر تک چاہے دعا مانگے اور امام ہو تو مقتدیوں کی طرف داہنی یا بائیں طرف کو منہ پھیر کر بیٹھ جائے اس کے بعد دعا مانگے بشرطیکہ کوئی مسبوق مقابلہ میں نماز نہ پڑھ رہا ہو۔

حاشیہ میں عالمگیری سے عبارت نقل کی ہے ویستقبل القوم بوجهه اذا لم يكن بحذائه مسبوق فان كان ينحرف يمنة اويسرة والصيف والشتاء سواء هو الصحيح وفي الحجة الامام اذا فرغ من الظهر والمغرب والعشاء يشرع في السنة ولا يشتغل بادعية طويلة (بہشتی گوہر ص ۳۶ فرض نماز کے بعض مسائل)

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی صاحب دامت برکاتہم کے بڑی عمدہ بات تحریر فرمائی ہے " یا مثلاً شریعت کا حکم یہ ہے کہ جو عبادت اجتماعی طور پر ادا کی گئی ہے اس کے بعد تو دعا اجتماعی طور پر کی جائے مگر جو عبادت الگ الگ ادا کی گئی ہے اس کے بعد دعا بھی انفرادی طور پر ہونی چاہئے۔ (بینات ، اختلاف امت اور صراط مستقیم ص ۱۱۸)

مذکورہ تفصیل سے ثابت ہو گیا کہ فتاویٰ رحیمیہ کا فتویٰ بحمدہ تعالیٰ احادیث اور فقہ اور اسلاف کے تعامل کے موافق ہے ، فقط واللہ اعلم بالصواب ۔ سید عبدالرحیم لاجپوری ثم راندیر غفر اللہ لہ ولوالدیہ ۱۴ رجب المرجب ۱۴۰۷ھ۔

مؤذن کو دعا شروع کرتے وقت اللّٰھم آمین کہنے کا پابند بنانا :

(سوال ۲۳) میں ایک مسجد میں مؤذن ہوں مسجد کے متولی صاحب مجھے کہتے ہیں کہ امام صاحب جمعہ کی نماز کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھائیں تو اللّٰھم آمین کہو اور جب امام صاحب دعا سے فارغ ہو جائیں تو برحمتک یا ارحم الراحمین کہا کرو جب کہ دعا جہراً ہوتی ہے تو متولی صاحب مجھے جو کہتے ہیں ایسا کرنا کیسا ہے؟ اور وہ مجھے اس کا پابند بنا سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز کے بعد دعا سراً مانگنا چاہئے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۲۶ تا ص ۳۳۴ ج ۴ (جدید ترتیب کے مطابق اس باب میں فرض نماز کے بعد امام جہراً دعا مانگے یا سراً ، عنوان کے تحت دیکھیں ص ۶ ۔ مرتب) مقتدی دعا شروع اور ختم کرنے میں امام کا پابند نہیں ہیں امام سے پہلے بھی دعا شروع کر سکتے ہیں اور امام دعا ختم کر لے اس کے بعد بھی دعا مانگ سکتے ہیں لہذا سوال میں درج شدہ جملے کہنے کی ضرورت نہیں ہے ،[1] موذن کو اس کا پابند بنانا اور اس پر یہ ذمہ داری ڈالنا زیادتی ہے ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

---

(۱) في المنية ان كان في صلاة لا تطوع بعدها فان شاء انحرف عن يمينه أو يساره او ذهب الى حوائجه او استقبل الناس بوجهه وان كان بعدها تطوع وقام يصلي يتقدم او يتاخر او ينحرف يميناً أو شمالاً او يذهب الى بيته فيتطوع ثمة شامي آخر صفة الصلاة قبيل فصل في القراءة ج ۱ ص ۴۹۱

عید کے دن خطبہ کے بعد اہتمام والتزام سے دعا مانگنا:

(سوال ۲۴) احقر کے یہاں عیدگاہ میں عیدین کی نماز میں ایک دعا نماز کے بعد اور دوسری دعا خطبہ کے بعد بڑے اہتمام والتزام سے ہوتی ہے بندہ نے امسال خطبہ کے بعد کی دعا ختم کرنے کی کوشش کی جس سے نا واقف عوام میں خلجان ہے تو اہتمام والتزام سے خطبہ کے بعد دعا کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) عید کے دن عید کی نماز یا خطبہ کے بعد موقع کی تعیین و تخصیص کے ساتھ کسی حدیث میں دعا کا ذکر نہیں ملتا، البتہ عید کے خطبہ میں دعا کا ثبوت ملتا ہے اور اس پر ہر جگہ ماشاء اللہ عمل ہو رہا ہے جب خطبہ میں دعاء ماثورہ وغیرہ بڑے اہتمام سے پڑھی جاتی ہے تو خطبہ کی بعد اجتماعی دعاء کا اہتمام والتزام کا کیا موقعہ ہے؟ لہذا خطبہ کے بعد اہتمام والتزام سے دعا کرنا بے اصل اور خلاف سنت ہے۔ عید کی نماز کے بعد مختصر دعا کرنے کی گنجائش ہے کہ نماز کے بعد دعا مانگنے کا ثبوت ہے اور نصوص عام ہیں، اس مسئلہ سے متعلق ایک فتویٰ، فتاویٰ رحیمیہ جلد پنجم ص ۸۱ تا ص ۸۴ پر چھپ چکا ہے، وہ بھی ملاحظہ کرلیا جائے (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں بعنوان عید کی نماز کے بعد دعاء کرنا کے تحت دیکھ لیا جائے۔ مرتب)۔ فقط واللہ اعلم۔

فجر اور عصر میں امام سلام پھیرنے کے بعد دعا کے لئے کس طرف رخ کر کے بیٹھے:

(سوال ۲۵) جن نمازوں کے بعد سنت مؤکدہ نہیں ہے جیسے عصر اور فجر، ان نمازوں میں امام کس طرف رخ کر کے بیٹھے؟ دائیں طرف یا بائیں طرف یا مقتدیوں کی طرف؟ ہمارے یہاں اس بارے میں اختلاف ہو رہا ہے، خالد کہتا ہے داہنی طرف رخ کر کے بیٹھے، حامد کہتا ہے مقتدیوں کی طرف اور حامد کو اپنی بات پر اصرار ہے کس کا قول صحیح ہے، حوالہ کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں جزاکم اللہ فقط، بینوا توجروا۔

(الجواب) داہنی طرف رخ کر کے بیٹھنا اولیٰ ہے مگر اس پر مداومت نہ کرے گاہے بائیں طرف بھی مڑ کر بیٹھے تاکہ لوگ داھنی طرف رخ کر کے بیٹھنے کو ضروری نہ سمجھ لیں اور سامنے کوئی مقتدی نماز نہ پڑھ رہا ہو تو مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھنا بھی جائز ہے حضور ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے عن سمرة بن جندب رضي الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صلى صلوة اقبل علينا بوجهه رواه البخاري عن البراء قال كنا اذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم احببنا ان نكون عن يمينه يقبل علينا بوجهه قال فسمعته يقول رب قني عذابك يوم تبعث او تجمع عبادك، رواه مسلم .(مشكوة شريف باب الدعآء في التشهد ص ۸۷)

مراقی الفلاح میں ہے وعقب الفرض ان لم يكن بعده نافلة يستقبل (الناس) ان شاء ان لم يكن في مقابلة مصل لما في الصحيحين كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا صلى اقبل علينا بوجهه ، وان شاء الا مام انحرف عن يساره جعل القبلة عن يمينه وان شاء انحرف عن يمينه وجعل القبله عن يساره وهذا اولىٰ لما في مسلم كنا اذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم احببنا ان نكون عن يمينه حتى يقبل علينا بوجهه...... الخ (مراقي الفلاح مع طحطاوى ص ۱۷۱ باب

الامامة فصل فی صفة الا ذکار)

مذکورہ حدیثوں اور عبارت سے ثابت ہوا کہ تینوں طرح بیٹھنا درست ہے۔البتہ دائیں طرف متوجہ ہونا اولیٰ ہے لیکن کسی ایک کا التزام اور اصرار صحیح نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ، **لا یجعل أحدکم للشیطان شیئاً من صلوته یریٰ ان حقاً علیه ان لا ینصرف الا عن یمینه لقد رأیت رسول الله صلی الله علیه سلم کثیراً ینصرف عن یساره ، متفق علیه، مشکوٰة ص ۸۷۔**

یعنی تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ بنائے کہ (داہنی طرف ہی مڑنے کو لازم اور ضروری سمجھے) بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو بسا اوقات بائیں طرف مڑتے ہوئے بھی دیکھا، مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے **وفیه ان من اصر علی امر مندوب وجعله عزما ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعة اومنکر** . یعنی جو شخص امر مندوب (مستحب) پر ایسا اصرار کرے کہ اس کو لازم (اور واجب) سمجھ لے اور (کبھی) رخصت پر عمل نہ کرے تو شیطان ایسے شخص کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہوگیا (جب مستحب پر اصرار کا یہ حال ہے) تو جو شخص بدعت اور منکر پر اصرار کرے اس کا کیا حال ہوگا، مرقات شرح مشکوٰۃ باب الدعاء فی التشھد ج ۲ ص ۳۵۳ مطبع امدادیہ ملتان، فتاویٰ رحیمیہ۔ ۶ ص ۵۷ فتاویٰ محمودیہ ص ۱۳۴۔۱۳۵ فقط واللہ اعلم۔

فرض نماز کے بعد دعا جہراً مانگے یا سراً؟

(سوال ۲۶) فرض نماز کے بعد دعا زور سے مانگنی چاہئے یا آہستہ سے؟ شریعت کے اصول کے مطابق کتاب کے نام کی تعیین کے ساتھ بتلائیں؟

(الجواب) حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی چاروں مسلک میں امام اور منفرد کے لئے دعا آہستہ مانگنا مستحب ہے، شیخ منصور بن ادریس رقم طراز ہیں **والدعاء سراً افضل منه جهراً لقوله تعالیٰ ادعوا ربکم تضرعاً وخفیةً لانه اقرب الی الاخلاص ویکره رفع الصوت به فی الصلوٰة وغیر ها الا الحاج فانه رفع الصوت له افضل لحدیث افضل الحجب العج والثج** (ترجمہ) اور دعا سری (آہستہ) افضل ہے، جہری کی بہ نسبت، اس لئے کہ ارشاد خداوندی ہے **ادعوا ربکم تضرعا وخفیه** (کہ تم اپنے رب کو پکارو یعنی اپنے رب سے مانگو آہ وزاری کے ساتھ دھیمی آواز سے) اس لئے کہ سری دعا میں اخلاص زیادہ ہے اور (شیخ منصور بن ادریس نے فرمایا کہ) نماز کے اندر اور نماز کے باہر جہراً دعا پڑھنا مکروہ ہے مگر حاجی اس حکم سے مستثنیٰ ہے، کہ حدیث کی رو سے حاجی کے لئے لبیک وغیرہ دعاؤں میں بلند آواز کرنا افضل ہے۔ (مسلک السادات الیٰ سبیل الدعوات)

مالکی اور شافعی علماء زور سے دعاء مانگنے کی اس لئے اجازت دیتے ہیں کہ حاضرین محفوظ کرلیں (یعنی یاد کرلیں) یا آمین کہہ سکیں، مگر اس شرط سے کہ کسی نماز پڑھنے والے کو تکلیف نہ پہنچتی ہو، اگر مصلیوں کی نماز میں اس سے خلل پڑتا ہو تو کسی کے نزدیک بھی دعا جہراً جائز نہیں ہے اماموں کو چاہئے کہ مکروہ اور ناجائز کا ارتکاب کرکے گنہگار نہ بنیں، سنت طریقہ کے خلاف رواج قائم رکھنا گناہ کا کام ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فرض نماز کے بعد آواز سے دعا مانگنا:

(سوال ۲۷) بہت سی جگہ نماز کے بعد امام زور زور سے دعا مانگتا ہے، مسبوق وغیرہ نماز پڑھنے والوں کو بہت تشویش ہوتی ہے، نماز میں غلطی ہو جاتی ہے تو کیا اس طرح دعا مانگنے کی شرعاً ممانعت نہیں ہے؟

(الجواب) آہستہ اور پست آواز سے دعا مانگنا افضل ہے، مصلی دعا یاد کرلیں یا دعا کیہ جملہ ختم ہونے پر آمین کہہ سکیں اس غرض سے ذرا آواز سے دعا مانگی جائے تو کوئی حرج نہیں وہ بھی اس شرط سے کہ نمازیوں کا حرج نہ ہو، اس طرح دعا مانگنا کہ نمازیوں کو تشویش ہو، نماز میں خلل واقع ہو اور غلطی ہو جائے اس طرح دعا مانگنا جائز نہیں ہے، امام گنہگار ہوتا ہے اور جو لوگ امام کو اس طرح دعا مانگنے پر مجبور کرتے ہیں وہ بھی گنہگار ہیں (روح المعانی ج ۸ ص ۱۲۲)[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز کے بعد دعا آہستہ مانگے یا زور سے:

(سوال ۲۸) فرض باجماعت کے بعد دعا آہستہ مانگے یا زور سے۔ اگر آہستہ کا حکم ہے تو کس قدر؟ اور اگر زور سے مانگنے کا حکم ہے تو کس قدر؟ دونوں میں کون سا افضل ہے؟ حدیث میں نماز کے بعد کس قدر دعائیں مانگنا وارد ہے؟ وہ سنے یا بغیر کس طرح مروی ہیں؟ لہذا افضل کیا ہے؟ مطلع فرمائیں۔

(الجواب) سری دعا افضل ہے، نمازیوں کا حرج نہ ہوتا ہو تو کبھی کبھی ذرا آواز سے دعا کر لے جائز ہے، ہمیشہ جہری دعا کی عادت بنانا مکروہ ہے۔[2] حدیثوں میں جس طرح دعاء کے متعلق روایتیں ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ دعا پڑھی ایسے ہی یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھا لیکن جس طرح رکوع اور سجدہ کی تسبیحات کی روایتوں سے جہر نہیں ثابت ہوتا۔ دعا کی روایتوں سے بھی جہر نہیں ثابت کیا جاسکتا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فرض نماز کے بعد کونسی دعا پڑھی جائے:

(سوال ۲۹) ظہر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کے بعد جن میں فرض کے بعد سنن ونوافل پڑھے جاتے ہیں دعا اللهم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذالجلال والاکرام کے ساتھ دوسری دعائیں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ ہمارے امام صاحب منع فرماتے ہیں اور خلاف سنت بتلاتے ہیں اور دلیل میں فتاویٰ عالمگیری کی عبارت پیش فرماتے

---

(۱) ومن هنا جمع بكراهة رفع الصوت به وفى الانتصاف حسبك فى تعين الاسرار فى اقترانه فى الآية بالتضرع للاخلال به كالاخلال بالضراعة الى الله تعالىٰ وان دعاء لا تضرع فيه ولا خشوع لقليل الجدوى فكذالک دعاء لا خفية فيه ولا وقار يصحبه وترى كثيرا من اهل زمانك يعتمدون الصراخ فى الدعاء خصوصا فى الجوامع حتىٰ يعظم اللفظ ويشتد وتستک المسامع وتستدولا يدرون أنهم جمعوا بين بدعتين رفع الصوت فى الدعاء كون ذلک فى المسجد سورة اعراف تحت ادعوا ربكم تضرعا.

(۲) وفصل آخرون فقالوا الاخفاء افضل عند خوف الرياء والاجهار افضل عند عدم خوفه واولىٰ منه القول بتقديم الاخفاء على الجهر فيما اذا اخيف الرياء أو كان فى الجهر تشويش على نحو مصل أو نائم أو قارى او مشتغل بعلم شرعى وبتقديم الجهر على الاخفاء فيما اذا خلا عن ذلک وكان بينه قصد تعليم جاهل روح المعانى سورة اعراف تحت قوله ادعوا ربكم تضرعا ج ۸ ص ۲۰۸.

ہیں کہ الإمام اذا فرغ من الظهر والمغرب والعشاء يشرع فى السنة ولا يشتغل بادعية طويلة (جب امام ظہر، مغرب، عشاء کی نماز سے فارغ ہو تو سنت شروع کردے اور طویل دعاؤں میں مشغول نہ ہو لہذا اس کی تفصیل فرمائیں؟

(الجواب) ظہر، مغرب اور عشاء کی فرض نماز کے بعد **اللهم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام** کے ساتھ چند دوسرے اذکار ماثورہ پڑھنا جائز بلکہ بہتر ہے، خلاف سنت نہیں ہے، اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سی دعا مقبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا رات کے آخری حصہ کی اور فرض نماز کے بعد کی دعا، دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا کہ تم کسی بھی نماز کے بعد اس دعا کو نہ چھوڑنا، دعا یہ ہے **اللهم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک**.

کتاب "دلیل الطالب علی ارجح المطالب" میں یہ دو حدیثیں بیان فرمانے کے بعد لکھا ہے "وایں ہر دو حدیث دلالت دارد برآن کہ دعا بعد فریضہ می باید (یہ دونوں حدیثیں نماز فرض کے بعد دعا مسنون ہونے پر دلالت کرتی ہیں) (ص ۳۲۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ نے وہ کلمات یاد کئے ہیں جنہیں آنحضرت ﷺ سلام پھیرنے کے بعد پڑھا کرتے تھے؟ فرمایا ہاں! آنحضرت ﷺ پڑھا کرتے تھے: **سبحان ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلين والحمد لله رب العالمين** (مجمع الزوائد ص ۱۰۲ باب ما یقول من الذکر والدعاء عقیب الصلاة) بخاری شریف میں ہے آنحضرت ﷺ ہر فرض نماز کے بعد **لا اله الا الله وحده لا شریک له، له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر اللهم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد** "پڑھتے تھے (ج ۱ ص ۱۱۷ باب الذکر بعد الصلوٰۃ)

فجر اور مغرب سب سے فارغ ہو کر اسی نشست میں دس مرتبہ **لا اله الا الله وحده لا شریک له، له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر** پڑھنے کی بھی بہت فضیلت احادیث میں آئی ہے۔

اس لئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرض نماز کے بعد استغفر اللہ تین بار اور۔

فرض نماز کے بعد مسنون دعاء:

(سوال ۳۰) فرض نماز کے بعد دعاء **اللهم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذالجلال والاکرام** ہی پڑھنا مسنون ہے۔ یا اس کی جگہ اور کوئی دعا پڑھنے سے بھی سنت ادا ہو جائے گی۔ ایک شخص کا دعویٰ ہے کہ **اللهم انت السلام** ہی پڑھنے سے سنت ادا ہوگی۔ اور کوئی دعا پڑھنے سے سنت ادا نہ ہوگی، بلکہ خلاف سنت کہا جائے گا۔ کیا یہ صحیح ہے؟

(الجواب) بے شک فرائض کے بعد "**اللهم انت السلام**" والی دعاء مسنون اور افضل ہے۔ اس لئے اکثر اسی کو پڑھا جاتا ہے۔ لیکن دوسری دعاء اور درود شریف پڑھنے سے بلکہ اس قدر خاموش بیٹھنے سے بھی سنت ادا ہو جاتی ہے۔ لہذا کسی دوسری دعاء کو خلاف سنت کہنا صحیح نہیں ہے **فالمسنون القعود بهذ المقدار سواء قرأ هذا الدعاء او**

دعاء آخر او صلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم او سکت (رسائل الا مکان ص ۱۴۳ فصل فی النوافل الراتبۃ مع الفرائض)فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب .

فجر اور عصر میں امام دعاء کے لئے کس طرف منہ کرے؟:

(سوال ۱۳۱)فجر اور عصر کی نماز کے سلام پھیرنے کے بعد امام کو کس طرف منہ کرکے بیٹھنا افضل ہے؟

(الجواب) سیدھی طرف مڑکر بیٹھنا افضل ہے لیکن اس پر مداومت نہ کرے گا ہے گا ہے بائیں طرف بھی مڑکر بیٹھے تاکہ سیدھی طرف مڑکر بیٹھنے کو لوگ ضروری نہ سمجھ لیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ۔لا یجعل احد کم للشیطان شیئا من صلوتہ یری ان حقا علیہ ان لا ینصرف الاعن یمینہ لقدر أیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیراً ینصرف عن یسارہ (متفق علیہ) یعنی :تم لوگ ایسا نہ کرو کہ اپنی نماز میں کچھ حصہ شیطان کے لئے کرلو کہ سمجھنے لگو یہ لازم اور فرض ہے کہ صرف داہنی جانب ہی کو مڑے ۔ بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو بسا اوقات بائیں طرف مڑتے ہوئے دیکھا ہے(مشکوٰۃ شریف ص ۸۷ باب الدعآء فی التشھد)وفیہ ان من اصر علی امر مندوب وجعلہ عزماً ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الا ضلال فکیف من اصر علی بدعۃ او منکر . (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ایضاً ص ۳۵۳ ج ۲ مطبع امدادیہ ملتان)

ترجمہ:۔جو کوئی امر مندوب یا مستحب پر ایسا اصرار کرے کہ اس کو واجب اور لازم کرلے اور کبھی جواز اور رخصت پر عمل نہ کرے ۔تو بے شک ایسے شخص کو گمراہ کرنے میں شیطان کامیاب ہو گیا (جب مستحب کا یہ حال ہو کہ اصرار کرنا اور ضرورت سے زیادہ اہمیت گمراہی ہو تو غور کرو) جو شخص بدعت اور فعل منکر پر اصرار کرے گا۔اس کا کیا حکم ہوگا اور صاحب مجمع البحار نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان المندوب ینقلب مکروھا اذا خیف ان یرفع عن رتبتہ.

ترجمہ:۔بے شک کسی امر مستحب کو اس کے مرتبہ سے بڑھا دیا جائے ۔یعنی اسے ضروری سمجھ لیا جائے اعتقاداً یا عملاً تو وہ مکروہ ہو جاتا ہے۔(ج ۲ ص ۲۲۴)ایضاً فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اللھم انت السلام اور لا الہ الا اللہ وغیرہ چند وظائف نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ والاولی ان یأ تی بھذہ الا ذکار قبل الرواتب فانہ جاء فی بعض الا ذکار ما یدل علی ذلک نصاً .

(ترجمہ)اولیٰ یہ ہے کہ ان اذکار کو سنتوں سے پہلے پڑھ لیا کریں کیونکہ بعض اذکار کے متعلق ایسے ارشادات موجود ہیں جو صراحت سے اس پر دلالت کرتے ہے۔(اذکار الصلاۃ وھیئاتھا المندوب الیھا ، اذکار مابعد الصلاۃ حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۴۹)

الغرض بہت سی دعائیں اور وظائف ہیں کہ فرض نمازوں کے بعد ان کے پڑھنے کی فضیلت احادیث شریفہ میں وارد ہوئی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ تمام اوراد ہر نماز کے بعد پڑھے جائیں بلکہ ان میں سے بعض کا پڑھ لینا ادائیگی سنت کے لئے کافی ہوگا۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ" ظاہر آنست کہ فعل آنحضرت ﷺ ہم بریں نمط

بودہ نہ آں کہ بر جمیع دعوات در جمیع اوقات مواظبت نمودہ (شرح سفر السادۃ ص ۱۱۸)

الحاصل اللّٰھم انت السلام الخ کے ساتھ دوسری دعائیں ملائی جاسکتی ہیں۔ اگر سنت پڑھنے میں تاخیر ہوتی ہے تو یہ ایسی ہی تاخیر ہے جیسے گھر جا کر سنتوں کے پڑھنے میں ہوتی ہے ایسی تاخیر سے ثواب میں کمی نہیں آتی، حضرت شاہ عبدالحق فرماتے ہیں کہ سنت پڑھنے میں تعجیل کا حکم، سنت سے پہلے آیت الکرسی اور ایسے دوسرے اذکار کے مخالف نہیں ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۹۸ باب الذکر بعد الصلوٰۃ)

البتہ طویل طویل دعائیں پڑھنے کی امام کو عادت نہ بنا لینی چاہئے جس سے سنت میں تاخیر ہو (اور نمازی پر بھی گراں گزرے) فتاویٰ عالمگیری کی عبارت کا بھی یہی مطلب ہے۔ زیادہ تفصیل کے لئے دیکھئے "النفائس المرغوبة فی حکم الدعاء بعد المکتوبة" فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز باجماعت کے بعد اردو میں دعا مانگنا:

(سوال) نماز باجماعت کے بعد اردو میں دعا مانگنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز باجماعت کے بعد دعا عربی میں مسنون ہے دوسری زبان میں خلاف افضل ہے لہٰذا اس کی عادت نہ کی جائے۔ واللہ اعلم

دعاء ماثورہ میں اضافہ:

(سوال ۳۲) فرض نماز کے بعد اللّٰھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذاالجلال والاکرام. میں بعض امام ومنک السلام کے بعد والیک یرجع السلام حینا ربنا بالسلام وادخلنا دار السلام بڑھا دیتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

(الجواب) فرض نماز کے بعد کی مسنون ادعیہ میں اپنی طرف سے ان الفاظ کے اضافہ کی عادت خلاف سنت ہے۔ حضرت علامہ جزریؒ فرماتے ہیں کہ ومنک السلام کے بعد مذکورہ الفاظ کی زیادتی کی گئی ہے یہ حدیث سے ثابت نہیں بے اصل ہے واعظین کی ایجاد ہے قال الشیخ الجزری رحمہ اللہ فی تصحیح المصابیح واما ما یزاد بعد قولہ ومنک السلام من نحو والیک یرجع السلام فحینا ربنا بالسلام وادخلنا دارک دار السلام فلا اصل لہ بل مختلق بعض القصاص (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۵۸) ایضاً (مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فرض نمازوں کے بعد سنن ونوافل سے فارغ ہوکر فاتحہ پڑھنا (دعاء ثانی)

(سوال ۳۳) ظہر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کے بعد دعا مانگنے کے دو طریقے دیکھے جاتے ہیں۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ نماز کے بعد امام ومقتدی مل کر اللّٰھم انت السلام الخ کے ساتھ دوسری چند ادعیۂ ماثورہ (مگر زیادہ طویل نہیں) مانگی جاتی ہیں۔ اس کے بعد سنن ونوافل مسجد میں یا گھر جا کر پڑھ کر خود بخود دعا کر لیتے ہیں، امام ومقتدی جمع ہوکر دعا نہیں کی جاتی۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ فرائض کے بعد فقط اللّٰھم انت السلام الخ والی دعا مانگی جاتی ہے، پھر سنن وغیرہ مسجد میں پڑھ کر امام ومقتدی اکٹھے ہوکر الفاتحہ کہہ کر جماعت سے دعاء کی جاتی ہے، اس سے مصلی کو بڑی تشویش ہوتی ہے، اس طریقہ کو (سنن کے بعد مل کر زور زور سے دعا کرنے کو) ضروری سمجھا جاتا ہے۔ بڑے اہتمام، التزام اور

پابندیوں سے کیا جاتا ہے، کبھی بھی فوت نہ ہو، امام کے ساتھ شرط کی جاتی ہے کہ اس طرح فاتحہ پڑھنا ہوگا۔ مذکورہ طریقہ کے ثبوت میں آیت قرآنی فاذا فرغت فانصب والیٰ ربک فارغب (آپ جب فارغ ہوں تو دعا میں محنت کرو اور اپنے رب کی طرف ہی رغبت کرو) اور حدیث رسول ﷺ الدعاء مخ العبادۃ (دعاء عبادت کا مغز ہے) پیش کرتے ہیں اور پہلے طریقہ والے کو تاریک فاتحہ، منکر دعا، وہابی، بدعقیدہ کہتے ہیں اور اہل سنت والجماعت سے خارج سمجھتے ہیں، ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ ان دونوں میں مطابق سنت کون سا طریقہ ہے پہلا یا دوسرا؟

(الجواب) مسنون یہ ہے کہ جس طرح فرض نماز جماعت سے پڑھی دعا بھی جماعت کے ساتھ کی جائے یعنی امام اور مقتدی سب مل کر دعا مانگیں اور جس طرح سنتیں اور نفلیں الگ الگ پڑھی ہیں دعا بھی الگ الگ مانگیں۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں دونوں طریقوں میں سے پہلا طریقہ مسنون اور مطابق سنت ہے، دوسرا طریقہ خلاف سنت، بے اصل، منگھڑت اور بلا دلیل ہے۔ الگ الگ سنتیں اور نفل پڑھنے کے بعد سب کا اکٹھا ہونا اور اکٹھے ہوکر دعا مانگنا نہ آنحضرت ﷺ کے کسی عمل اور فرمان سے ثابت ہے نہ صحابہؓ و تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور ائمہ دین میں سے کسی کے قول و عمل سے ثابت ہے آنحضرت ﷺ صحابہ کرام اور سلف صالحین (رضی اللہ عنہم) کا طریقہ یہ تھا کہ فرض نماز جماعت سے ادا فرما کر دعاء بھی جماعت کے ساتھ (امام اور مقتدی سب مل کر) مانگا کرتے تھے اور پھر سنتیں اور نفلیں الگ الگ پڑھا کرتے تو دعاء بھی الگ الگ مانگا کرتے تھے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ سنن گھر جا کر پڑھتے تھے اور صحابہ کو بھی یہی ہدایت فرماتے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے مسجد بنی عبدالاشہل میں نماز مغرب ادا فرمائی۔ نماز کے بعد دیکھا کہ جماعت میں شریک ہونے والے مسجد میں سنتیں اور نفلیں پڑھ رہے ہیں۔ فرمایا یہ نمازیں تو گھر میں پڑھنے کی ہیں (ابوداؤد) اور ترمذی ونسائی (مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۵)[۱]

بہر حال جب یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ اکثر و بیشتر سنتیں گھر جا کر ادا فرماتے تھے تو امام و مقتدی مل کر با جماعت دعا مانگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا سنتیں گھر میں پڑھ کر دوبارہ مسجد میں جمع ہوتے تھے؟ اور جماعت کے ساتھ دعا مانگا کرتے تھے۔ دعاء مانگنے کے لئے دولت خانہ سے مسجد میں آنا تو درکنار واقعہ یہ ہے کہ کبھی کسی مصلحت یا ضرورت کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو مسجد میں سنتیں پڑھنے کا اتفاق ہوا تب بھی آپ ﷺ نے مقتدیوں کے ساتھ مل کر دعا نہیں فرمائی بلکہ آنحضرت ﷺ سنتوں میں مشغول رہتے اور مقتدی اپنی اپنی نمازوں سے فارغ ہوکر آنحضرت ﷺ کی فراغت کا انتظار کئے بغیر ایک ایک کر کے چلے جاتے

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ بعد نماز مغرب سنتوں میں اتنی طویل قرأت فرماتے تھے کہ مصلی مسجد میں سے چلے جاتے تھے (ابو داؤد ج ۱ ص ۱۹۱ باب رکعتی المغرب این تصلیان)

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطیل القرأۃ فی الرکعین بعد المغرب حتیٰ یتفرق اھل المسجد.

اور حضرت ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شب میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر رہا۔

---

(۱) عن کعب بن عجرۃ قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی مسجد بنی عبدالاشہل وصلی فیہ المغرب فلما قضوا صلوتھم راھم یسبحون بعدھا فقال ھذہ صلوۃ البیوت. باب السنن وفضلھا)

آپ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی، پھر نماز میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ مسجد میں سوائے آپ ﷺ کے کوئی باقی نہ رہا۔ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۰۱ باب التطوع فی المسجد)

اس سے بھی ثابت ہوا کہ سنن کے بعد امام و مقتدی مل کر دعا مانگنے کا دستور تھا ہی نہیں لہذا یہ دستور اور طریقہ خلاف سنت ہے اس کو ترک کرنا لازم ہے، اس لئے کہ قبولیت عمل کے لئے ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ وہ مطابق سنت ہو۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ آیت کریمہ لیبلوکم ایکم احسن عملاً کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ لان العمل اذا کان خالصاً غیر صواب لم یقبل و کذلک اذا کان صواباً غیر خالص فالخالص ان یکون لوجہ اللہ والصواب ان یکون علی السنۃ" یعنی جو عمل خالص (خالص خدا کے لئے) ہو مگر صواب (مطابق سنت) نہ ہو تو وہ مقبول نہیں ہے، اس طرح جو عمل صواب (مطابق سنت) ہو مگر خالص نہ ہو وہ بھی مقبول نہیں ہوتا عمل وہی مقبول ہوتا ہے جو خالص ہو اور صواب یعنی مطابق سنت بھی ہو۔ (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۲۴۳) (العبودیۃ ص ۱۹۔۲۰)

حضرت سفیان ثوریؒ کا قول ہے۔ لا یستقیم قول و عمل و نیۃ الا بموافقۃ السنۃ (کوئی قول و عمل اور نیت ٹھیک نہیں ہوتی جب تک کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ سنت کے مطابق نہ ہو) (تلبیس ابلیس ص ۹)

حضرت غوث الاعظمؒ کا ارشاد ہے و لا عمل بلا اخلاص و اصابۃ السنۃ (اور کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا بغیر اخلاص اور سنت کی موافقت کے۔ (الفتح الربانی م ۴۲ ص ۱۴)

حضرت احمد بن الحواریؒ فرماتے ہیں کہ من عمل عملاً بلا اتباع سنۃ فباطل عملہ یعنی جو بھی عمل سنت کی اتباع کے بغیر کیا جائے گا وہ باطل ہے (الاعتصام ج ۱ ص ۱۱۴)

حضرت امام غزالی کا ارشاد ہے "اگر تم کوئی کام بدون حکم شارع علیہ السلام کے کرو اگرچہ وہ بشکل عبادت ہی ہو تو وہ عبادت نہیں بلکہ گناہ ہے۔" ([illegible] امام غزالی بنام خاص شاگرد خود ص ۷)

حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ "سعادت دارین سرورکونین ﷺ کی اتباع پر موقوف ہے، جہنم سے نجات اور دخول بسنت سید الابرار قدوۃ الانبیاء ﷺ کی اطاعت پر موقوف ہے، اسی طرح خدا کی رضامندی رسول اللہ ﷺ کی پیروی کے ساتھ مشروط ہے، توبہ، زہد و تقویٰ، توکل و تبتل آنحضرت ﷺ کے طریقہ کے بغیر مقبول نہیں ہے اور ذکر و فکر، ذوق و شوق آنحضرت ﷺ سے تعلق کے بغیر نا قابل اعتبار ہے (صلوات اللہ علیہ و سلامہ) (مکتوب نمبر ۱۰ بنام خواجہ محمد دیناز)

اور فرماتے ہیں کہ " سنت نبوی کی روشنی کے بغیر صراط مستقیم دشوار ہے اور راہ نبوت اختیار کئے بغیر حصول نجات محض خیال ہے۔" (مکتوب نمبر ۲۲ بنام محمد حنیفؒ)

ایک بزرگ کا ارشاد ہے:۔

(۱) بہ زہد و ورع کوش و صدق و صفا
ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ ﷺ

(ترجمہ) پرہیز گاری و پارسائی اور سچائی اور صفائی میں کوشش کر لیکن آنحضرت ﷺ سے آگے نہ بڑھ"

مطلب یہ کہ جیسا اور جتنا کیا ہے ایسا اور اتنا کر اپنی طرف سے زیادتی نہ کر۔

(۲)　خلاف　پیمبر　کسے　رہ　گزید
　　که　ہرگز　بمنزل　نخواہد　رسید

جو شخص پیغمبر ﷺ سے الٹی راہ اختیار کرے گا وہ کبھی منزل مقصود پر پہنچ نہ سکے گا۔

(۳)　پندار　سعدی　کہ　راہ　صفا
　　تواں　یافت　جز　بر پئے　مصطفٰے

سعدی۔ ایسا گمان ہرگز نہ کرنا کہ آنحضرت ﷺ کی پیروی اور آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلے بغیر صراط مستقیم اور صفائی کا راستہ پا سکو گے۔

حضرت ابو العالیہ جلیل القدر تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں علیکم بالا مر الاول الذی کانوا علیہ قبل ان یفترقوا (تم پر وہ پہلا طریقہ واجب ہے کہ جس پر اہل ایمان پھوٹ پڑنے سے پہلے متفق تھے) (تلبیس ابلیس ص ۸)

حضرت امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ اصبر نفسک علی السنۃ وقف حیث وقف القوم وقل بما قالوا وکف عما کفوا عنہ واسلک سبیل سلفک الصالحین. طریقہ سنت پر اپنے آپ کو مضبوطی سے جمائے رکھو۔ جہاں قوم (جماعت صحابہ) ٹھیر گئی تم بھی ٹھیر جاؤ۔ جو ان بزرگوں نے فرمایا وہی تم بھی کہو۔ جس کے بیان سے یہ حضرات رک گئے تم بھی رک جاؤ (عقل نہ چلاؤ) اور اپنے سلف صالحین کے راستہ پر چلتے رہو۔ (تلبیس ابلیس)

حضرت علامہ ابن الحاج کا فرمان ہے فنحن متبعون لا مبتدعون فحیث وقف سلفنا وقفنا. یعنی ہم سلف صالحین (صحابہؓ وغیرہم) کی پیروی کرنے والے ہیں، ایجاد کرنے والے نہیں ہیں تو جہاں ہمارے سلف ٹھیر گئے ہم بھی ٹھیر جائیں گے۔" (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۵۴)

اسی لئے سورج گرہن کی نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے کہ ثابت ہے اور چاند گرہن کی نماز الگ الگ پڑھی جاتی ہے کہ جماعت ثابت نہیں ہے۔

عید الاضحیٰ کے روز عید گاہ آتے جاتے زور سے تکبیر پڑھتے ہیں کہ ثابت ہے اور عید الفطر میں آہستہ آہستہ پڑھتے ہیں کہ زور سے پڑھنا ثابت نہیں ہے، جمعہ کی نماز کے لئے دو اذانیں اور ایک اقامت کہی جاتی ہے کہ ثابت ہے اور عید کے لئے نہ اذان کہی جاتی ہے نہ اقامت کہ ثابت نہیں ہے۔

نماز وتر ہلال رمضان دیکھ کر باجماعت پڑھتے ہیں کہ ثابت ہے اور عید الفطر کا چاند دیکھتے ہی الگ الگ پڑھنے لگ جاتے ہیں کہ جماعت ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح فرائض کے بعد امام ومقتدی مل کر اجتماعی دعا کرتے ہیں کہ ثابت ہے اور سنن وغیرہ منفرداً پڑھ کر دعا بھی منفرداً (تنہا تنہا) مانگ لیتے ہیں کہ جماعت سے ثابت نہیں ہے۔ اس میں کیا خطا ہے؟

الغرض سوال میں جو دوسرا طریقہ بیان کیا گیا ہے اس کو امر دینی سمجھنا اور سنت کی طرح تھامے رکھنا دین میں اپنی طرف سے کمی بیشی کرنے کے مرادف ہے جو بالکل ناجائز اور گناہ ہے امیر المومنین حضرت علیؓ نے عید کے روز عید گاہ میں عید کی نماز سے پہلے ایک آدمی کو نفل نماز پڑھنے سے روکا تو اس شخص نے کہا کہ اے امیر المومنین اللہ نماز پڑھنے

سے عذاب نہیں کرے گا (تو پھر مجھے نماز سے کیوں روکا جارہا ہے؟) حضرت علیؓ نے فرمایا میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ کسی کام پر ثواب نہیں دیتا جب تک رسول اللہ ﷺ نے اسے نہ کیا ہو یا اس کی ترغیب نہ دی ہو۔ تیری یہ نماز عبث ہوگئی اور (عبادت میں) عبث کام حرام ہے یعنی شاید خدا تجھ کو اس پر عذاب دے اس لئے کہ تو نے پیغمبر ﷺ کے خلاف کیا۔ مجالس الابرار ص ۱۲۹)

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ" جس نے اسلام میں نئی بات ایجاد کی اور اسے بہتر سمجھا تو اس نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو احکام خداوندی کی تبلیغ میں (معاذ اللہ) خیانت اور کمی کرنے والا ٹھیرایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الیوم اکملت لکم دینکم (آج میں نے دین مکمل کردیا) تو جو کام حضور ﷺ کے مبارک زمانہ میں دین میں داخل نہیں تھا (جس کو نہ خود آپ ﷺ نے کیا اور نہ کرنے کی ترغیب دی) وہ آج بھی دین میں شامل نہیں ہوسکتا۔ فما لم یکن یومئذ دینا فلا یکون الیوم دینا. (الاعتصام ج ۱ ص ۴۸)

الغرض کوئی بھی انفرادی یا اجتماعی کام جس طرح سید الانبیاء محبوب رب العالمین ﷺ نے کیا ہے اسی طرح کرنا اطاعت اور فرمانبرداری ہے اور جس قدر مشابہت بڑھتی رہے گی اس کام کی فضیلت بڑھتی رہے گی اور اس میں کمال پیدا ہوتا رہے گا اور جتنا وہ مشابہت اور ہو بہو ہونے سے ہٹتا رہے گا ناقص ہوتا رہے گا اور بالکل ہٹا ہوا ہوگا تو بدعت وضلالت ہوگا۔

اشراق اور چاشت کی نفلیں بہت فضیلت رکھتی ہیں مگر آنحضرت ﷺ نے بلا جماعت کے تنہا اپنے دولت کدہ میں یہ نفلیں پڑھی ہیں۔ ان کو اعلان ومظاہرہ کے ساتھ مسجد میں پڑھا جائے یا ان کے لئے جماعت کی جائے تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے عاشق رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کو بدعت فرمایا ہے۔ **عن مجاهد قال دخلت انا وعروة بن الزبير المسجد فاذا عبد الله بن عمر جالس الى حجرة عائشة واذا اناس يصلون في المسجد صلوة الضحىٰ قال فسألناه عن صلوتهم فقال بدعة** (بخاری شریف ابواب العمرة باب کم اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱ ص ۲۳۸ و ۱۱۱۱) **عن ابن عمر انه قال في الضحىٰ هي بدعة فمحمول على ان صلوتها في المسجد والتظاهر بها كما كانوا يفعلونه بدعة.** (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۴۹ باب استحباب صلوٰة الضحىٰ الخ)

حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے ان کان ولا بد ففی بیوتکم (اگر تمہیں (نماز چاشت) پڑھنی ہی ہے تو اپنے گھروں میں پڑھو) (فتح الباری ج ۳ ص ۴۴۳ ابواب العمرة باب کم اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت ابن مسعودؓ کو خبر دی گئی کہ ایک جماعت مغرب کے بعد بیٹھتی ہے۔ ایک شخص کہتا ہے اتنی مرتبہ اللہ اکبر کہو اتنی بار سبحان اللہ اور اتنی بار الحمد للہ کہو، وہ لوگ کہتے جاتے ہیں۔ سیدنا حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ جو کچھ وہ کررہے تھے اس کو سنا اور دیکھا۔ پھر فرمایا۔ میں عبداللہ بن مسعود ہوں اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے نہایت تاریک بدعت ہے جس میں تم مبتلا ہو ورنہ یہ کہو کہ تم اتنے بڑے صاحب علم ہو کہ حضرت محمد ﷺ کے صحابہ سے بھی بڑھ گئے ہو، پھر ان کو مسجد سے نکال دیا۔ (مجالس الابرار م ۱۸ ص ۱۲۵) (الاعتصام ج ۲ ص ۱۶۵)

دیکھئے۔ان تسبیحات کے پڑھنے میں کوئی اختلاف یا قابل مواخذہ بات نہیں ہے۔مگر پڑھنے کا طریقہ اور اس کا التزام خلاف سنت تھا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی نے اس کو بدعت ہونے کا فتویٰ دیا۔

اسی لئے امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ ’’عبادات میں مخصوص کیفیات اور مخصوص طریقے اور اوقات مقرر کر لینا جو شریعت میں وارد نہیں ہیں بدعت اور ناجائز ہے (الاعتصام ج ا ص ۲۴)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ کام جس کے متعلق صاحب شریعت کی طرف سے ترغیب نہ ہو اس کی ترغیب اور جس کا وقت مقرر نہ ہو اس کا وقت مقرر کر لینا سنت سید الانام ﷺ کے خلاف ہے اور مخالفت سنت حرام ہے۔(مجموعہ فتاویٰ عزیزی ج ا ص ۹۹) **ولان ذکر اللہ تعالیٰ اذا قصدبه التخصیص بوقت دون وقت اوبشئی دون شئی لم یکن مشروعاً حیث لم یرد الشرع به لانه خلاف المشروع (بحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۹ باب العیدین تحت قوله غیر مکبر و متنفل قبلها)**

اور حضرت امام قرطبی فرماتے ہیں کہ ’’کسی عبادت کو خاص کر لینا کسی وقت یا کسی جگہ کے ساتھ جس کے لئے نبی ﷺ کی کوئی حدیث یا حکم نہیں ہے ممنوع ہے اور اس کو عقیدہ بنالینا حرام ہے۔‘‘

اسی لئے فقہا تحریر فرماتے ہیں کہ عیدین،شب برأت اور رمضان کی اخیری دس رات اور ذی الحجہ کی پہلی دس راتوں میں بیدار رہ کر عبادت کرنا مستحب ہے۔مگر اس کے لئے مسجدوں میں جمع ہونا مکروہ ہے کیونکہ نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے نہ صحابہ کرام سے (رضی اللہ عنهم) **ومن المندوبات احیاء لیالی العشر عن رمضان ولیلتی العیدین ولیالی عشر ذی الحجة ولیلة النصف من شعبان کما وردت به الا حادیث وذکرها فی الترغیب والترهیب مفصلة والمراد باحیاء اللیل قیامه وظاهره الا ستیعاب ویجوز ان یراد غالبه ویکره الا جتماع علی احیاء لیلة من هذه اللیالی فی المساجد.(بحر الرائق ج۲ ص ۵۲ باب الوتر والنوافل تحت قوله وندب الا ربع قبل العصر الخ)**

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں ’’افسوس ہزار افسوس بعضے از بدعتہا کہ در سلاسل دیگر اصلا موجود نیست دریں طریقہ علیہ احداث نمودہ اند ونماز تہجد را بجماعت میگزارند،اطراف وجوانب درآنوقت مردم از برائے نماز تہجد جمع می گردند وبجمعیت تمام ادامی نمایند وایں عمل مکروہ است بکراہت تحریمہ‘‘(مکتوبات امام ربانی ج ا ص ۱۴۴ المکتوب نمبر ۱۳۱)(ترجمہ)افسوس ہزار افسوس کہ جن بدعات کا دوسرے بزرگوں کے سلسلوں میں بالکل وجود نہیں ہے اس عظیم الشان طریقہ(نقش بندیہ) میں پیدا کر دی گئی ہیں اور نماز تہجد جماعت سے پڑھتے ہیں،اس وقت آس پاس کے لوگ جمع ہو کر تہجد ادا کرتے ہیں اور بڑی جماعت سے ادا کرتے ہیں اور یہ عمل مکروہ ہے بکراہت تحریمی۔‘‘

دیکھئے! نماز تہجد اکیلے پڑھنے کے بجائے جماعت سے پڑھنے کا دستور بنالیا گیا،تو امام ربانی نے سخت ممانعت فرمائی اور اس کو مکروہ تحریمی ٹھہرایا۔

سنن ونوافل کے بعد اجتماعی دعاء کے ثبوت کے لئے آیت قرآنی **فاذا فرغت فانصب** اور مذکورہ حدیث (الدعاء مخ العبادۃ) پیش کرنا جہالت کی دلیل ہے،نماز کے بعد دعا کا کون منکر ہے؟ سوال تو سنن کے بعد اجتماعی طور پر دعا مانگنے کے متعلق ہے،اس کے لئے آیت قرآنی اور حدیث صحیح تو درکنار،حدیث ضعیف بھی پیش نہیں

کر سکتے ۔اگر آیت مذکورہ سنن کے بعد دعاء اجتماعی کے متعلق ہے تو پھر آنحضرت ﷺ فرائض ادا کر کے حجرۂ مبارکہ میں کیوں تشریف لے جاتے تھے؟

ایسے بے اصل اور بلا دلیل خلاف سنت طریقہ کو اسلامی عقیدہ اور اہل سنت والجماعت کے علامت اور شعار بنالینا اور نہ کرنے والے کو منکر دعا، وہابی، بدعقیدہ اور اہل سنت والجماعت سے خارج بتلانا کہاں کی شریعت اور کہاں کی سنت اور کہاں کا انصاف ہے؟؟؟

بے شک یہ وہی زمانہ آ گیا ہے جس کی پیشگوئی تیرہ سو سال پہلے آنحضرت ﷺ کے صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبانی ہو چکی ہے کہ تمہارا کیا حال ہوگا جب کہ شائع شدہ بدعت کو سنت ٹھیرالیا جائے گا اگر تم اس میں تغیر کرو گے تو کہیں گے کہ سنت میں تغیر کر رہے ہو، تمہیں منکر سنت کے نام سے مشہور کریں گے۔

(۱) حدیث میں سونے اور جاگنے کے وقت کی دعائیں آئی ہیں اور ثابت ہیں اور

(۲) گھر سے نکلتے وقت اور گھر میں داخل ہوتے وقت پڑھنے کی دعائیں۔

(۳) مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت کی دعا۔

(۴) کھانے سے پہلے اور اس کے بعد پڑھنے کی دعاء۔

(۵) صبح شام پڑھنے کی دعا۔

(۶) وضو سے پہلے اور بعد میں اور درمیان میں پڑھنے کی دعا۔

(۷) چاند دیکھنے اور چاند و سورج گرہن کی دعا۔

(۸) کپڑے پہننے کی دعا۔

(۹) سفر میں جاتے وقت اور واپس آتے وقت کی دعا۔

(۱۰) وداع کرنے کی دعا۔

مبارک بادی، تیمار داری، ماتم پرسی اور حد یہ ہے کہ جماع سے پہلے اور جماع کے بعد اور بیت الخلا میں جانے سے قبل اور نکلنے کے بعد پڑھنے کی دعائیں بھی آئی ہیں۔

الحاصل صبح سے شام تک سینکڑوں دعائیں پڑھنی مسنون ہیں، انہیں کوئی نہیں پڑھتا، کسی کو یاد بھی نہیں ہیں اور اس کی کسی کو فکر بھی نہیں ہے۔ فکر ہے تو بدعت کی یا مسنون دعائیں چھوڑ کر غیر مسنون، غیر ثابت اور خلاف سنت امور کرنے کرانے اور انہیں قائم رکھنے کی جان توڑ کوشش کی جاتی ہے، افسوس یہ وہی زمانہ آ گیا ہے جس کی پیشگوئی حضرت ابن عباسؓ نے فرمائی ہے۔ لا یاتی علی الناس زمان الا اماتوا فیہ سنۃ واحیوا بدعۃ. یعنی ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ سنت طریقے کو نیست و نابود کریں گے اور بدعت کو زندہ اور جاری کریں گے (غنیۃ الطالبین ص ۵۸)

رخصت کرنے کے وقت جس طرح نہایت ضروری اہم نصیحتیں کی جاتی ہیں اسی طرح آنحضرت ﷺ نے جو امت کو نصیحتیں فرمائیں ان میں سب سے زیادہ اہم وصیت یہ ہے۔ آپ نے فرمایا (ﷺ) میرے بعد بہت سے اختلافات رونما ہوں گے۔ پس تم پر لازم اور ضروری ہے کہ میری سنت (میرے طریقہ) کو اور خلفاء راشدین کے طریقہ کو (جو من جانب اللہ ہدایت یافتہ ہیں مضبوطی سے سنبھالے رکھو اس کو دانتوں اور کو نچلیوں سے پکڑ لو۔ نئی باتوں

سے جو ایجاد کی جائیں پوری احتیاط برتو اور ان سے قطعاً الگ رہو کیونکہ ہر ایجاد کردہ فعل بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام)

یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے سلف صالحین کسی ایسی چیز کو برداشت نہیں کرتے تھے جو سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہ ہو خواہ وہ کتنا ہی معمولی فعل معلوم ہوتا ہو۔ مثلاً:۔

حضرت عمارہ بن رویبہؓ نے بشر بن مروان کو خطبہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہوئے دیکھا تو بددعا فرمائی کہ خدا خراب کرے ان دونوں چھوٹے چھوٹے نکمے ہاتھوں کو۔ پھر فرمایا۔ آنحضرت ﷺ کو بھی خطبہ دیتے ہوئے میں نے دیکھا ہے۔ حضرت عمارہ نے انگشت شہادت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کبھی بھی اس سے زیادہ نہیں کیا کرتے تھے، یعنی ہاتھوں کو حرکت نہیں دیا کرتے تھے بلکہ ضرورت ہوتی تھی تو انگشت شہادت سے اشارہ فرمایا کرتے تھے۔ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۶۸ باب ماجآء فی کراھیۃ رفع الا یدی علی المنبر)

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کے صاحبزادے نے نماز میں سورۂ فاتحہ کی ابتداء میں بسم اللہ زور سے پڑھی تو حضرت عبداللہ بن مغفلؓ نے فرمایا بیٹا! بدعت ہے اس سے احتیاط برتو۔ بدعت کے پاس بھی مت جاؤ صحابہ میں سے کسی کو بھی بدعت سے زیادہ دوسری کسی چیز سے بغض رکھتے ہوئے میں نے نہیں دیکھا'' (ترمذی شریف ج ۱ ص ۳۳ باب ماجآء فی ترک الحمد ببسم اللہ الرحمن الرحیم)

میں نے آنحضرت ﷺ پھر حضرت ابو بکر حضرت عمر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ زور سے پڑھتے ہوئے نہیں سنا (ترمذی شریف ج ۱ ص ۳۳ باب ماجاء فی ترک الحمد ببسم اللہ الرحمن الرحیم)

حضرت امام نافعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کے سامنے ایک شخص کو چھینک آئی۔ اس نے کہا الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ حضرت عبداللہ نے فوراً ٹوکا۔ والسلام علی رسول اللہ کی زیادتی کو ناپسند فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا آنحضرت ﷺ نے اس طرح پڑھنے کی تعلیم نہیں دی آپ نے (صرف) الحمد للہ علی کل حال پڑھنے کی تعلیم دی ہے۔ ترمذی .باب مایقول العاطس اذا عطس ج. ۲ ص ۱۰۳ .

حضرت ابو مالک الاشجعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد طارقؓ سے پوچھا کہ آپ نے رسول خدا ﷺ، حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین کے پیچھے نماز پڑھی ہے؟ کیا یہ حضرات نماز صبح میں دعاء قنوت پڑھتے تھے؟ جواب دیا کہ '' بیٹا '' بدعت ہے۔ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۵۳ باب فی ترک القنوت) (نسائی شریف ج ۱ ص ۱۳۲)

ایک بنیادی نکتہ جو کبھی فراموش نہ ہونا چاہئے:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین معیار حق ہیں۔ ان کے جذبات ورجحانات صراط مستقیم کے مقدس نشانات اور دین کامل کی عملی تصویریں ہیں۔ کیونکہ دین حق کے بانی حضرت حق جل مجدہ نے اپنے کلام پاک میں شہادت دی ہے کہ یہی ہیں راہ راست پر۔ اولئک ھم الراشدون (سورہ حجرات ع ۱) یہی ہیں وہ پاک نفوس

کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان کی محبت کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے۔ ایمان کو ان کے دلوں میں سجا دیا ہے۔ کفر فسق اور معصیت سے بہت سخت اور شدید نفرت ان کے اندر پیدا کر دی ہے (سورۂ حجرات ع۱) پرہیز گاری پر ان کو پختہ کر دیا ہے۔ کلمہ تقوے ان کے لئے لازم کر دیا ہے اور ان پر چپکا دیا ہے۔ یہ تقویٰ اور پرہیز گاری کے سب سے زیادہ مستحق اور اس کے پورے اہل ہیں۔ سورہ فتح ع۳۔

غور فرمائیے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر شہادت کس کی ہوسکتی ہے۔ ان شہادتوں کا بار بار مطالعہ کیجئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ جب یہ اکابر خلاف سنت معمولی سی بات کو بھی بدعت فرما دیتے ہیں اور بدعت سے اتنی نفرت کرتے ہیں کہ کسی چیز سے اتنی نفرت نہیں کرتے تو ایک صاحب ایمان کے لئے کہاں گنجائش نکلتی ہے کہ وہ کسی بدعت کو اختیار کرے اور اس کو وظیفہ عمل بنا لے (معاذ اللہ) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بدعت سے نفرت حب صحابہ کی علامت ہوگی اور جس قدر صحابۂ کرام سے زیادہ محبت ہوگی اتنی ہی زیادہ بدعت سے نفرت ہوگی۔ حق تعالیٰ اپنے حبیب کے وسیلے سے ہمیں اچھی سمجھ، سنت کی حقیقی محبت اور بدعت سے حقیقی نفرت عطا فرمائے آمین۔ صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد و آله واصحابه اجمعین ۔

نماز کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا:

(سوال ۳۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فرض نمازوں کے بعد امام کے ساتھ مقتدیوں کا اجتماعی حیثیت سے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کسی صحیح یا ضعیف حدیث یا کسی دلیل سے ثابت ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں اس کے متعلق بہت اختلاف ہو رہا ہے جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ (از بنگلہ دیش)

(الجواب) فرض نمازوں کے بعد دعاء مسنونہ میں دونوں ہاتھوں کا اٹھانا منقول اور ثابت ہے، احقر کے بزرگوں میں محدث حضرت سید قاضی رحمت اللہ لاجپوری ثم راندیری رحمہ اللہ نے غیر مقلدین کے اعتراضات کے سلسلہ میں چند رسائل لکھے ہیں، منجملہ ان کے ایک رسالہ "ترتیب المسائل علی اقوی الدلائل" کے آخر میں خاص اسی موضوع پر ایک فتویٰ نقل فرمایا ہے جس پر بڑے بڑے علمائے کرام مقلدین وغیر مقلدین کے تصدیقی دستخط ثبت ہیں، اس کو ذیل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ فالحمدللہ علی ذلک.

حضرت مولانا سید قاضی رحمت اللہ صاحب محدث راندیرا اپنے رسالہ کے اختتام پر ارقام فرماتے ہیں:۔

"اب میں رسالہ کو ختم کرتا ہوں، ایک ضروری مسئلہ کثیر الوقوع پر اور وہ مسئلہ بعد نماز کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ہے۔ جس کو علمائے احناف اور غیر مقلدین بالاتفاق تسلیم کرتے ہیں اور سب نے اپنے اپنے دستخط اس پر کر دیئے اور مستحب ثابت کر دیا ہے وہ مسئلہ بعینہا نقل کر کے پیش نظر ناظرین کئے دیتا ہوں، چونکہ وہ زبان فارسی میں ہے اور عوام اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں، لہٰذا اس کا ترجمہ اردو میں خاکسار نے کر دیا ہے تاکہ سمجھنے میں دقت نہ ہو اور اس کا اجر عنداللہ چاہتا ہوں۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر."

استفسار:۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین، ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دونوں ہاتھوں کو اٹھانا دعا میں بعد ادائے

نماز کے جیسا کہ معمول اماموں کا ہے، احادیث قولیہ یا فعلیہ سے ثابت ہے یا نہ ہرچند کہ اس کو فقہاء مستحسن لکھتے ہیں اور احادیث سے مطلق دعا میں ہاتھوں کا اٹھانا ثابت ہے، لیکن اس بارہ میں خاص طور پر بھی کوئی حدیث وارد ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایک حدیث وارد ہے، چنانچہ حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق بن السنیؒ نے کتاب عمل الیوم والملیلہ میں لکھا ہے۔ حدثنی احمد بن الحسن حدثنا ابو اسحق یعقوب بن خالد بن یزید الیا لسی حدثنا عبد العزیز بن عبدالرحمن القرشی عن حفیف عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ما من عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلوٰۃ ثم یقول اللھم الھیٰ واله ابراهیم واسحاق ویعقوب واله جبریل ومیکائیل واسرافیل اسئلک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر و تعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنا لنی برحمتک فانی مذنب وتنفی عنی الفقر فانی ممسکن الا کان حقا علی اللہ عزوجل ان لا یردیدیه خائبین. اگر یوں کہا جاوے کہ اس روایت کی سند میں عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن ہے اور وہ متکلم فیہ ہے، چنانچہ میزان الاعتدال وغیرہ میں مصرح ہے تو کہا جاوے گا کہ حدیث ضعیف اثبات استحباب کے لئے کافی ہے، چنانچہ ابن ہمام فتح القدیر کی کتاب الجنائز میں لکھتے ہیں:۔ والا ستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع انتھیٰ. واللہ اعلم۔ حررہ الراجی عفوربه القوی ابو الحسنات محمد عبدالحی تجاوزاللہ عن ذنبه الجلی والخفی(ابو الحسنات محمد عبدالحی ۱۲۸۱)(محمد سعد اللہ)

یہ جواب صحیح اور یہ رائے قوی ہے اور تائید کرتی ہے اس کی وہ حدیث جس کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے اسود العامری سے وہ اپنے باپ سے قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الفجر فلماسلم انحرف ورفع یدیه ودعا. الحدیث. پس ثابت ہوا بعد نماز مفروضہ کے ہاتھوں کا اٹھانا دعا میں سید الانبیاء اور پیشوائے اتقیاء ﷺ سے چنانچہ علماء ازکیاء پر پوشیدہ نہیں ہے۔ حررہ السید شریف حسین عفا اللہ عنه فی الدارین.(سید شریف حسین ۱۲۸۸)(حسبنا اللہ حفیظ اللہ)(محمد عبدالرب)(سید احمد حسین ۱۲۸۶)(سید محمد نذیر حسین ۱۲۸)

جیسا کہ حدیث سے جو جواب میں مذکور ہوئی ہے رفع یدین بعد نماز کے دعا میں ثابت ہے اسی طرح اس حدیث سے کہ ابن ماجہ قزوینی میں مرقوم ہے اس سے بھی ثابت ہے:۔ حدثنا ابو بکر بن ابی شیبه ثنا شبابة بن سوار ثنا شعبة حدثنی عبداللہ بن سعید عن انس بن انس عن عبداللہ بن نافع بن العمیاء عن عبداللہ بن الحارث عن المطلب یعنی ابن ابی وداعة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنی وتشهد فی کل رکعتین وتبأس و تمسکن وتقنع ونقول اللھم اغفرلی فمن لم یفعل ذلک فھی خداج قوله تقنع من باب الا فعال ای ترفع یدیک بعد الصلوٰۃ وقت الدعاء ۱۲۔

تقریر مولانا و مرشدنا حاجی الحرمین الشریفین المهاجر فی سبیل اللہ تعالیٰ محمد اسحاق المشهور فی الآفاق المحدث الدهلوی مولداً والمکی مضجعاً غفر اللہ لی وله طاب اللہ ثراہ وجعل الجنة مثواہ کی ومنه حدیث الدعاء تقنع یدیک ای ترفعهما (نهایة الجزری) ومنه

حدیث الدعاء تقنع یدیک ای ترفعهما الی الله بالدعاء (مجمع البحار) لیکن اس حدیث کی اسناد میں عبداللہ بن نافع بن العمیاء ہے اور یہ مجہول ہے چنانچہ تقریب میں مرقوم ہے مجہول من الثانیہ لیکن جہالت راوی سے حدیث موضوع نہیں ہوتی ہے، البتہ ضعیف ہوتی ہے اور عمل کرنا حدیث ضعیف کے ساتھ فضائل اعمال میں جائز ہے، اتفاقاً، چنانچہ ملا علی قاری نے رسالہ فضل شعبان میں لکھا ہے۔ قلت جهالة بعض الرواة لا تقتضی کون الحدیث موضوعاً کذا نکارة الا لفاظ فینبغی ان یحکم بانه ضعیف ثم یعمل بالضعیف فی فضائل الاعمال اتفاقاً ودر بعضے احکام عمل بحدیث ضعیف جائز ہے بعضوں کے نزدیک اس وقت کہ اس میں احتیاط ہو، چنانچہ شامی میں مسطور ہے قال السیوطی ویعمل به ایضا فی الاحکام اذا کان فیه احتیاط، اور جب کہ رفع یدین وقت دعا کے مطلقاً حدیث صحیح سے ثابت ہے لہذا عمل کرنا حدیث ضعیف مذکور کے ساتھ جائز ہے اور جس وقت اعتقاد سنت عمل کا نہ ہو بلکہ استحباب کا ہو تو بھی عمل حدیث ضعیف کے ساتھ جائز اور صحیح ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ حدیث ضعیف شدید ضعیف نہ ہو یعنی کذاب اور متهم بالکذب نہ ہو گو مجہول ہو، چنانچہ درمختار میں مذکور ہے۔ شرط العمل بالحدیث الضعیف عدم شدة ضعفه وان یدخل تحت اصل عام وان لا یعتقد سنیة ذلک الحدیث۔ اور شامی میں مسطور ہے، شدید الضعف هو الذی لا یخلو طریق من طرقه عن کذاب او متهم بالکذب قاله ابن حجر اور شامی میں ہے ای سنیة العمل به پس اس سے معلوم ہوا کہ عمل کرنا حدیث ضعیف مذکور کے ساتھ استحباب ثابت کرنے کے لئے جائز ہے اس واسطے کہ حدیث ضعیف سے استحباب ثابت ہوتا ہے، چنانچہ مجیب نے اپنے جواب میں لکھا ہے۔ فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔

محمد عالم عفی عنہ ۱۲۸۳ھ (از ترتیب المسائل علی اقوی الدلائل ص ۶۲، ۶۳، ۶۴)

عید کی نماز کے بعد دعا کرنا:

(استفتاء ۳۵) ہمارے گاؤں میں ہمارے ہم وطن ایک عالم اور حافظ افریقہ سے آئے ہیں، رمضان المبارک میں جامع مسجد میں پنجگانہ نماز اور تراویح پڑھاتے رہے، عید کی نماز بھی انہوں نے پڑھائی، افریقہ کے دستور کے موافق عید کے خطبہ کے بعد منبر سے اتر کر نیچے بیٹھے اور دعا کرنا شروع کی، اس اثناء میں گاؤں کے ایک مولوی صاحب غضبناک ہو کر منبر پر آ بیٹھے اور امام صاحب سے کہا کہ دعا بند کر دو مگر انہوں نے دعا جاری رکھی اور جلد ختم کر دی، اس کے بعد مولوی صاحب نے کہا کہ عید کی نماز کے بعد حضور اکرم ﷺ نے دعا فرمائی ہے خطبہ کے بعد آپ نے دعا نہیں کی، لہذا یہ بدعت ہے، اس پر بجائے عید کی خوشی اور مسرت کے ناراضگی اور کدورت کی فضا پیدا ہو گئی، سمجھدار لوگوں نے کہا کہ سب کے سامنے اس طرح توہین آمیز لہجہ میں کہنے کی ضرورت نہیں تھی، بعد میں تنہائی میں یا علماء کی مجلس میں کہتے، الحاصل ان کا یہ طریقہ سزاوار ہے یا نہیں؟ شرعی ہدایات اس سلسلہ میں کیا ہے؟ جواب عنایت فرمایا کر مشکور فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) ھو الموفق للصواب:۔ ہمارے اکابر عید کے موقع کی مستقلاً اجتماعی دعا کے متعلق مختلف الرائے ہیں، بعض تو اس کے ثبوت کے قائل ہی نہیں چنانچہ امام المحققین علامہ ابو الحسنات مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔ روایات حدیث سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز عید سے فراغت کر کے خطبہ پڑھتے تھے اور

اس کے بعد معاودت فرماتے تھے (واپس لوٹتے تھے) اور بعد نماز یا بعد خطبہ کے دعا مانگنا آپ سے ثابت نہیں اور اسی طرح صحابۂ کرام اور تابعین عظام سے اس کا ثبوت نظر سے نہیں گذرا (مجموعہ فتاویٰ قدیم ج ا ص ۱۲۰)

رئیس المحدثین حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

''قول حضرت ام عطیہ کہ ہمیں حکم تھا حیض والی عورتیں بھی عیدگاہ کی طرف نکلیں تاکہ مردوں کے ساتھ تکبیریں کہیں اور ان کی دعاؤں میں شریک ہوں۔الی قولہ۔اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ عید کے بعد دعا ہوتی تھی، جس طرح پانچ وقت نماز کے بعد ہوتی ہے اور اس بارے میں اطلاقات سے تمسک واستدلال صحیح نہیں کیونکہ ان سے استدلال کی گنجائش اس وقت ہوتی ہے کہ وہاں خاص موقع ومقام میں کوئی دوسری بات موجود نہ ہو، اور یہاں دوسری صورت موجود ہے کہ عید کی نماز نو سال تک ہوتی رہی (کل اٹھارہ نمازیں ہوئیں) کسی نے بھی نماز کے بعد دعا نقل نہیں کی لہذا عام اطلاقات سے کہ عام نمازوں کے بعد دعا ثابت ہے، یہاں خاص عید کی نماز کے بعد دعا ثابت نہیں کر سکتے ۔الی قولہ۔دوسرے یہ کہ یہاں (عید کی نماز میں) نماز وخطبہ کا اتصال مطلوب ہے اس لئے ان کے درمیان دعا نہ ہونی چاہئے (کہ اس سے نماز وخطبہ میں انقطاع اور فصل لازم آتا ہے) اور حدیث میں جو ذکر دعا ودعوت اور اس میں عورتوں کی شرکت کا ہوا ہے اس سے مراد وہ اذکار ہیں جو خطبہ اور وعظ نصیحت کے ضمن میں ہوتے ہیں، کیونکہ دعا ودعوت عام ہے الخ (فیض الباری ج ۲ ص ۳۶۲) (العرف الشذی ص ۲۴۱) (انوار الباری شرح صحیح بخاری اردو ج ۸ ص ۹۰۔۹۱)

اور امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

''بعد نماز عید کے دعا مانگنا نبی ﷺ اور ان کے اصحاب اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین سے منقول نہیں اور اگر ان حضرات نے کبھی دعا مانگی ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی لہذا بالغرض اتباع دعا نہ مانگنا دعا مانگنے سے بہتر ہے۔'' (علم الفقہ ج ۲ ص ۱۷۱)

اور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کے فتویٰ سے دعا کی اجازت معلوم ہوتی ہے مگر آپ تعین موقع کے ثبوت کے قائل نہیں ہیں، فرماتے ہیں۔''عید کے بعد دعا مانگنے کا فی الجملہ تو ثبوت ہے، مگر تعین موقع کے ساتھ ثبوت نہیں کہ نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد دونوں موقعوں میں سے کسی ایک موقع پر (نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد) دعا مانگنے میں مضائقہ نہیں ہے۔'' (کفایت المفتی ج ۳ ص ۲۵۱)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔واقعی بعد نماز عید یا خطبہ دعا مانگنا بالخصوص منقول نہیں دیکھا گیا اور دعوتھم سے استدلال ناتمام ہے کیونکہ اس میں کسی محل کی تصریح نہیں کی یہ دعا کس وقت ہوتی ہے پھر محل خاص میں ان کے ہونے پر استدلال کرنا ظاہر ہے کہ غیر تمام ہے ممکن ہے کہ یہ دعا وہ ہو جو نماز کے اندر یا خطبہ کے اندر عام صیغوں سے کی جاتی ہے جو سب مسلمانوں کو شامل ہوتی ہے اور حاضرین پر اس کے برکات اول فائض ہوتے ہیں) لیکن بالخصوص منقول نہ ہونے سے حکم ابتداع کا بھی مشکل ہے کیونکہ عمومات نصوص سے فضیلت دعا بعد الصلوٰۃ کی ثابت ہے پس اس عموم میں اس کے داخل ہونے کی گنجائش ہے اور اگر کوئی شخص بالخصوص منقول نہ ہونے کے سبب اس کو ترک کردے اس پر بھی ملامت نہیں، بہرحال یہ مسئلہ ایسا مہتم بالشان نہیں ہے، دونوں جانب میں توسع ہے۔(امداد الفتاویٰ ج ا ص ۷۷ ۳ باب صلوٰۃ الجمعۃ والعیدین)

ان مذکورہ بالا اقوال وفتاویٰ سے مندرجہ ذیل امور مستفاد ہوتے ہیں:۔

(۱) نماز عیدین کے لئے کوئی مستقل اجتماعی دعا ثابت نہیں ہے، خطبہ کے ضمن میں جو دعا ہوتی ہے وہی اصل دعا ہے۔

(۲) خطبہ کے بعد دعا کی گنجائش ہے (کفایت المفتی ج ۳ ص ۲۵۱ اور فتاویٰ رحیمیہ ج ۲ ص ۷۶ کے فتویٰ کا مطلب یہ ہے کہ اس کی عادت کر لینا اور اس کو سنت طریقہ سمجھنا مکروہ اور خلاف سنت ہے، چنانچہ فتاویٰ رحیمیہ کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں خطبہ کی بعد دعا مانگنے کا دستور تھا، اس کو سنت طریقہ سمجھتے تھے اور اس کے خلاف کرنے پر تیار نہیں تھے)

(۳) نماز عید کے بعد دعا کرنا اولیٰ اور بہتر ہے، تاکیدی حکم نہیں ہے (امداد الفتاویٰ)

لہٰذا صورت مسئولہ میں مجمع عام میں جو کچھ ہوا ہے غلط ہوا، جنہوں نے یہ نازیبا حرکت کی ہے ان کی ذمہ اس کی تلافی لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۵ شوال المکرم ۱۴۰۰ھ۔

فرض نماز کے بعد امام جہراً دعا مانگے یا سراً:

(سوال ۳۶) بعد نماز پنجگانہ امام کے لئے مستحب اور مسنون جہراً دعا مانگنا ہے یا سراً؟ عام طور پر لوگ جہراً دعا کرنے کو پسند کرتے ہیں۔ امام کی دعا پر آمین آمین کہنے کو فضیلت کی چیز سمجھتے ہیں، جو امام سراً دعا مانگتا ہے اس سے ناخوش ہوتے ہیں۔ اور اعتراض کرتے ہیں کہ ہم کو آمین کہنے سے محروم کیا جاتا ہے۔ شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فرض نمازوں کے بعد امام اور مقتدی کے مل کر دعا مانگنے کی بڑی فضیلت ہے۔ اور اس کا مسنون اور افضل طریقہ یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آہستہ آہستہ دعا مانگیں یہ طریقہ اخلاص سے پر، خشوع وخضوع، عاجزی والا و نیز دل پر اثر انداز قبولیت کے قریب اور ریاکاری سے دور ہے۔ دعا میں اصل اخفاء ہے۔ **کما قال اللہ تعالیٰ ادعوا ربکم تضرعا و خفیة ، انه لا یحب المعتدین (قرآن مجید)**

یعنی اے بندو اپنے رب سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعا کرتے رہو۔ زور سے دعا کرنا حد سے تجاوز کرنا ہے اور بے شک خداوند قدوس حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

مذکورہ آیت میں اللہ عزوجل نے دعا کے دو آداب بیان فرمائے (۱) دعا عاجزی اور گریہ وزاری کے ساتھ ہونی چاہئے (۲) دعا آہستہ آہستہ مانگنی چاہئے۔

حضرت زکریا علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی یہی طریقہ تھا **کما قال اللہ تعالیٰ اذ نادیٰ ربه نداءً خفیاً**. یعنی (زکریا علیہ السلام نے) پکارا اپنے رب کو چپکے چپکے۔

نیز حدیث شریف میں ہے۔ خیر الدعا الخفی. بہتر دعا خفی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے۔

یا ایها الناس اربعوا علی انفسکم انکم لیس تدعون اصم ولا غائبا انکم تدعون سمیعاً وقریباً وهو معکم (بخاری شریف ج ۲ باب غزوة خیبر ص ۶۰۵ ،مسلم شریف باب استحباب حفض الصوت بالذکر الخ ج ۲ ص ۳۴۶)

اے لوگو! اپنی جانوں پر نرمی کرو تم اس ذات کو نہیں پکار رہے ہو جو بہری اور غائب ہے تم تو سمیع اور قریب ذات کو پکار رہے ہو اور وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے۔

تفسیر کبیر میں علامہ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

واعلم ان الا خفاء معتبر فی الدعاء یدل علیه وجوه (اول) هذه الا یة ,ای ادعوا ربکم الخ) فانها تدل علی انه تعالیٰ امر بالدعاء مقروناً بالا خفاء وظاهر الا مر للوجوب فان لم یحصل الوجوب فلا اقل من کونه ندباً ثم قال تعالیٰ بعده' انه لا یحب المعتدین والا ظهر ان المراد انه' لا یحب المعتدین فی ترک هذین الا مرین المذکورین وهما التضرع والا خفاء فان الله تعالیٰ لا یحبه ومحبة الله عبارة عن الثواب فکان المعنی ان من ترک فی الدعاء التضرع والا خفاء فان الله لا یثیبه البتة ولا یحسن الیه ومن کان کذلک کان من اهل العقاب لا محالة فظهر ان قوله تعالیٰ انه ' لا یحب المعتدین کالتهدید الشدید علی ترک التضرع والا خفاء فی الدعا . التفسیر ج ۴ ص ۳۴۷ سورة اعراف تحت قوله وادعو ربکم تضرعاً الخ.

علامہ رازیؒ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے۔ خوب سمجھ لو کہ دعاء میں اخفاء ہی قابل عمل ہے اور اس کی چند دلیلیں ہیں (پہلی دلیل) مذکورہ آیت **ادعو ربکم ، الی قوله (انه ' لا یحب المعتدین)** یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو آہستہ آہستہ دعا مانگنے کا حکم فرمایا ہے اور صیغۂ امر ظاہراً وجوب کے لئے ہوتا ہے ورنہ کم از کم ندب کے لئے تو ہوگا ہی پھر بعد میں خداوند تعالیٰ نے فرمایا **انه ' لا یحب المعتدین**، اور اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ مذکورہ دو امر (تضرع واخفاء) میں حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے اور آیت میں لا یحب سے لا یثیبہ مراد ہے اب آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ جو لوگ دعا میں تضرع اور اخفاء کو چھوڑ دیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ثواب کے مستحق نہیں ہوں گے بلکہ سزا کے حق دار ہوں گے۔

تفسیر بیضاوی میں ہے

فان الا خفاء دلیل الا خلاص (ایضاً ص ۲۹۴)

آہستہ آہستہ دعا کرنا اخلاص کی دلیل (علامت) ہے (اور خدا تعالیٰ کو اخلاص والا عمل از حد محبوب ہے)

فتاویٰ سراجیہ میں ہے۔

یستحب فی الدعاء الا خفاء ورف الصوت بالدعاء بدعة ص ۷۳.

یعنی مستحب یہ ہے کہ دعا سراً مانگی جائے بلند آواز سے دعا مانگنا بدعت ہے۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔

یدعو الا مام جهراً لتعلیم القوم ویخافته القوم اذا تعلم القوم ویخافت هو ایضاً وان جهر فهو بدعة(فتاویٰ بزازیه جلد اول مع الهندیه ج ۴ ص ۴۲ کتاب الصلاة الحادی عشر فی القرأة)

امام مقتدیوں کو سکھلانے کے لئے جہراً دعا کرے اور جب مقتدی سیکھ جائیں تو مقتدی اور امام دونوں آہستہ دعا کریں اگر زور سے دعا کی تو یہ بدعت ہے۔

معلوم ہوا کہ جہراً دعا مانگنے پر مداومت نہیں ہونی چاہئے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

والمختار ان الامام والماموم یخفیان الذکر الا ان احتاج الی التعلیم فتح الباری ج ۲ ص ۲۶۹۔

یعنی مختار طریقہ یہ ہے کہ امام اور مقتدی ذکر (دعا) آہستہ آواز سے کریں، ہاں جب دعا کے سکھانے کی ضرورت ہو پھر (سیکھنے تک) مضائقہ نہیں۔

عالمگیری میں ہے۔

والسنة ان یخفی صوته بالدعاء کذا فی الجوهرة النیرة ج ۱ ص ۱۴۸ الباب الخامس فی کیفیة اداء الحج.

یعنی سنت طریقہ یہ ہے کہ سراً دعا مانگے۔

البحر الرائق میں ہے۔

لقوله تعالیٰ انه لا یحب المعتدین ای الجاهرین بالدعاء (ج ۲ ص ۱۹۲ کتاب الجنائز تحت قوله وشر قدامها)

یعنی فرمان خداوندی " انه لا یحب المعتدین " کا مطلب یہ ہے کہ زور زور سے دعا کرنے والوں کو خدا تعالیٰ پسند نہیں فرماتے۔

تفسیر روح المعانی میں ہے۔

(تری کثیراً من اهل زمانک یعتمدون الصراخ فی الدعاء خصوصاً فی الجوامع حتی یعظم اللغط ویشتد وتستک المسامع وتستدو لایدرون انهم جمعوا بین بدعتین رفع الصوت فی الدعاء وکون ذلک فی المسجد وروی ابن جریر عن ابن جریج ان رفع الصوت بالدعاء من الاعتداء المشار الیه بقوله سبحانه انه لا یحب المعتدین. (ج۸ ص ۱۳۹ سورة اعراف تحت قوله واد عوا ربکم تضرعاً وخفیه الخ)

تم بہت سے اماموں کو دیکھو گے کہ وہ دعا زور زور سے مانگتے ہیں خاص کر جامع مسجدوں میں حتی کہ اتنا چیختے ہیں کہ جس کی وجہ سے (گویا) کان بہرے اور بند ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ دو بدعتوں کو جمع کر رہے ہیں (۱) زور سے دعا مانگنا (۲) مسجد میں یہ حرکت کرنا۔ ابن جریر نے ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ دعا میں آواز بلند کرنا اس اعتداء (حد سے تجاوز کرنا) میں سے ہے۔ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول انه لا یحب المعتدین سے اشارہ فرمایا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مذکورہ محدثین، مفسرین اور فقہاء کے اقوال سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ سراً دعا مانگنا امام مقتدی اور منفرد ہر ایک کیلئے افضل اور مسنون ہے امام کا زور سے دعا مانگنے کی عادت بنالینا خلاف اولیٰ اور مکروہ ہے۔ اماموں کو چاہئے کہ سنت کی عظمت اور اہمیت کو پہچانیں۔ اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ عوام اور خواہشات نفسانی

کی پیروی نہ کریں۔

اقوال مذکورہ کے علاوہ اکابرین کے اقوال بھی ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت مفتیٔ اعظم مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں۔

''نیز امام کا زور زور سے دعا مانگنا بھی مکروہ ہے۔ اگرچہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہی ہے لیکن اس کے اختیار کرنے اور عادت بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ مکروہ بہر حال مکروہ ہے۔ اسے چھوڑنا ہی بہتر ہے اور اولویت اور بہتر اس کے خلاف میں ہے۔ (النفائس المرغوبہ ص ۵۰۴)

تفسیر مہائمی میں ہے۔

والا فضل فی الدعاء الا خفاء فان الا خفاء دلیل الا خلاص سورۃ اعراف تحت قوله ادعوا ربکم تضرعاً الخ .

دعاء میں اخفاء افضل ہے۔ اس لئے کہ یہ طریقۂ اخلاص سے قریب ہے۔

تفسیر روح البیان میں ہے۔

ادعوا ربکم الخ ای متضرعین متذللین مخفین الدعاء لیکون اقرب الی الا جابة لکون الاخفاء دلیل الاخلاص والا حتراز عن الریاء (ج ۳ ص ۱۷۷ ایضاً)

ادعوا ربکم الخ یعنی خشوع، خضوع، عاجزی اور آہستگی کے ساتھ دعا کرو۔ کہ یہ قبولیت کے قریب ہے۔ اس لئے کہ سراً دعا کرنا اخلاص کی علامت ہے اور ریا کاری سے دوری کی دلیل ہے۔

تفسیر فتح البیان میں ہے۔

والخفیة الا سرار به فان ذلک اقطع لعرق الریاء. (ج ۴ ص ۴۰ ایضاً)

(آیت **ادعو ربکم تضرعاً وخفیه** میں) خفیہ کے معنی سراً دعا کرنے کے ہیں۔ اس لئے کہ یہ (سراً دعا کرنا) ریاکاری کی رگ کو کاٹنے کے لئے بہت ہی مؤثر ہے۔

اور تفسیر مظہری میں ہے۔

ویدل علی کون ذکر السر افضل ومجمعاً علیه من الصحابة من تبعهم قول الحسن ان بین دعوة السر ودعوة العلانیة سبعون ضعفا ولقد کان المسلمون یجتهدون فی الدعاء وما یسمع لهم صوتا الاهمسا بینهم وبین ربهم وذلک ان اللہ سبحانهٗ وتعالیٰ یقول ادعوا ربکم تضرعاً وخفیةً وان اللہ ذکر عبداً صالحاً ورضی فعله فقال اذ نادیٰ ربهٗ نداءً خفیاً وایضاً یدل علی فضل الذکر الخفی حدیث سعد بن ابی وقاص قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم خیرا لذکر الخفی وخیر الرزق مایکفی اھ .

سری، ذکر افضل ہے۔ صحابہ اور تابعین کا اسی پر اتفاق رہا ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ سری دعاء اور جہری دعا میں ستر درجہ کا فرق ہے۔ مسلمان بہت لگن سے دعا کرتے تھے۔ مگر ان کی آواز قطعاً سنائی نہیں دیتی تھی۔ صرف لبوں کی سرسراہٹ محسوس ہوتی تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ادعو ربکم تضرعاً وخفیة.** اور **عبد صالح**

(حضرت زکریا علیه السلام) کے تذکرہ میں فرمایا۔ اذ نادی ربه نداء خفیاً. حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہترین ذکر دعاء خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو بقدر کفایت ہو۔
(مرتبه تفسیر مظهری ج۴ ص ۳۱۷ ایضاً) هکذا فی تفسیر روح المعانی ج۸ ص ۱۳۹ ایضا)
اسی وجہ سے امت کے ائمہ اربعہ میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ دعا سراً ہی افضل ہے۔ چنانچہ امدادالفتاویٰ میں۔ "مسلک السادات الی سبیل الدعوات"
(جس کو علامہ فاضل شیخ محمد علی بن شیخ حسین مرحوم مفتی مالکیہ مقیم مکہ مکرمہ نے ۱۳۲۱ھ میں تالیف فرمایا) کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں۔

اعلم انه لا خلاف بان المذاهب الاربعة فی ندب الدعاء سراً للامام والفذ وا جاز المالکیة والشافعیة جهر الامام به لتعلیم المامومین او تامینهم علی دعائه. امداد الفتاوی ج ۱ ص ۵۴۹.
خوب سمجھ لیجئے کہ مذاہب اربعہ (حنفیہ، شافعیہ مالکیہ، حنابلہ) اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ (نماز کے بعد) آہستہ دعا مانگنا امام اور منفرد کے لئے مستحب ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ امام کے لئے اس کی اجازت دیتے ہیں کہ دعاء پر آمین کہہ سکیں۔
اسی طرح امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
اما الدعاء فیسر به بلا خلاف نووی (ج ۱ ص ۲۱۱ ایضاً)
یعنی اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ دعا سرا کرنی چاہئے۔
اخیر میں مفتی اعظم (پاکستان) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیے۔
سب سے بڑا مفسدہ یہ ہے کہ امام بآواز دعائیہ کلمات پڑھتا ہے۔ اور عام طور پر بہت سے لوگ مسبوق ہوتے ہیں۔ جو باقی ماندہ نماز کی ادائیگی میں مشغول ہیں۔ ان کی نماز میں خلل آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کسی سے یہ صورت منقول نہیں کہ نماز کے بعد وہ (امام) دعا کرے اور مقتدی صرف آمین کہتے رہیں۔
خلاصہ یہ ہے کہ طریقۂ مروجہ قرآن کے بتلائے ہوئے طریقہ کے بھی خلاف ہے اور رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام کی سنت کے بھی خلاف ہے۔ اس لئے عام حالات میں اس سے اجتناب کر کے امام و مقتدی سب آہستہ آہستہ دعاء مانگیں۔ ہاں کسی خاص موقعہ پر جہاں مذکورہ مفاسد نہ ہوں کوئی ایک جہراً دعاء کرے اور دوسرے آمین کہیں۔ اس میں بھی مضائقہ نہیں۔ (احکام دعا ص ۱۱)
حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔
بدعت کی جڑ یہ ہے کہ اپنی طرف سے کوئی مصلحت سمجھ کر خلاف سلف صالحین ونصوص وارده کوئی فعل اختیار کر لیا جائے۔ بدعت دفعۃً نہیں آتی۔ اسی طرح آہستہ آہستہ آتی ہے۔ اہل فہم پہلے سے ہی سمجھ جاتے ہیں اور روک دیتے ہیں۔ دوسرے لوگ بعد میں متنبہ ہوتے ہیں۔ (الورد الشذی علی جامع الترمذی ص ۷۰)
اماموں کو چاہئے مذکورہ اقوال میں غور و تدبر کریں۔ مقتدیوں کو بھی امام کو جہراً دعا کرنے پر مجبور نہیں کرنا چاہئے۔ خدا تعالیٰ ہر ایک کی دعا سنتا ہے۔ عربی میں یاد نہ ہو تو فارسی میں اردو میں گجراتی وغیرہ میں جو اس کی زبان

ہو۔اسی زبان میں دعا مانگے خدا تعالیٰ ہماری عبادات کو بدعات اور مکروہات سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

مساجد کے امام مقتدی اور مقتدر علماء غفلت برتتے رہے تو یہ بدعت جڑ پکڑ جائے گی اور سنت کی نورانیت اور دعا کی برکات سے امت محروم ہو جائے گی۔

اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

واجتناب از آہم ورسم بدعت تا از بدعت حسنہ در رنگ بدعت سیئہ احتراز ننماید بوی ازیں دولت بمشام جاں اونرسد وایں معنی امروز متعسر است کہ عالم در دریائی بدعت غرق گشتہ است وبظلمات بدعت آرام گرفتہ کرا مجال است کہ دم از دفع بدعت زند و باحیای سنت لب کشاید اکثر علماء ایں وقت رواج دہند ہای بدعت اند ومحوکنند ہائے سنت بدعتہا پہن شدہ تعامل خلق دانستہ، بجواز بلکہ باستحسان آں فتویٰ مید ہند ومردم رابدعت دلالت مینمایند چہ می گویند اگر ضلالۃ شیوع پیدا کند و باطل متعارف شود تعامل گردد مگرنمی دانند کہ تعامل دلیل استحسان نیست تعاملی کہ معتبر ست ہمانست کہ از صدر اول آمدہ است یا با جماع جمیع مردم حاصل گشتہ کما ذکر فی الفتاویٰ الغیاثیہ الخ (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی ص ۱۰۳ جلد ثانی مکتوب ص ۵۴)

جب تک بدعت حسنہ سے بدعت سیئہ کی طرح پرہیز نہ کریں تب تک اس دولت (سنت کی نورانیت) کی بوجان کے دماغ میں نہیں پہنچتی۔آج بات مشکل معلوم ہوتی ہے۔کیونکہ تمام جہان دریائے بدعت میں غرق ہے اور بدعت کی اندھیروں میں گھرا ہوا ہے کس کی مجال ہے کہ بدعت دور کرنے کا دم مارے۔اور سنت کے زندہ کرنے کا دعویٰ کرے۔

اس زمانہ کے اکثر علماء بدعتوں کو رواج دیتے ہیں اور سنتوں کو محو کرتے ہیں۔شائع اور پھیلی ہوئی بدعتوں کو تعامل جان کر جواز بلکہ استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کو بدعت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔اگر گمراہی شائع ہو جائے اور باطل متعارف ومشہور ہو جائے تو تعامل ہو جاتا ہے۔مگر یہ نہیں جانتے کہ یہ تعامل استحسان کی دلیل نہیں۔تعامل جو معتبر ہے وہ وہ ہے جو صدر اول سے آیا ہے۔یا تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہوا۔جیسا کہ فتاویٰ غیاثیہ میں مذکور ہے۔الخ ترجمہ مکتوبات م ۵۴ ص ۷۰ دفتر دوم فقط واللہ اعلم بالصواب۔کتبہ سید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہٗ ولوالدیہ مؤرخہ ۲ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ۔

فتاویٰ رحیمیہ کے ایک فتوے پر اشکال اور اس کا جواب:

(سوال ۳۷) آپ کے فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۴۱ وص ۲۴۲ یہ سوال (جدید ترتیب کے مطابق اس باب میں دعاء ماثورہ میں اضافہ کے عنوان سے ہے ص ۵۹ مرتب) گذرا ہے جلد اول میں ہے۔

(الجواب) فرض نماز کے بعد کی مسنون ادعیہ میں اپنی طرف سے ان الفاظ (والیک یرجع السلام حینا ربنا بالسلام وادخلنا دار السلام) کے اضافہ کی عادت خلاف سنت ہے......الخ۔

مگر نظام الفتاویٰ ص ۱۶۵ میں ہے۔اس کو دعا میں بعد نماز کے شامل کر لینا ناجائز و نادرست یا خلاف تعلیم نبوی علیہ السلام نہ ہوگا۔اب آپ کی کیا رائے ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فتاویٰ رحیمیہ کا فتویٰ احتیاط پر مبنی ہے، دعائے ماثورہ کے درمیان اضافہ یا ردو بدل پسندیدہ نہیں ہے، رسول مقبول ﷺ نے اپنے ایک صحابی کو دعا تعلیم فرمائی جس میں بنبیک الذی ارسلت کے الفاظ تھے، صحابی نے بغرض تعظیم لفظ نبی کی جگہ لفظ رسول یعنی برسولک الذی ارسلت پڑھا تو فوراً روک دیا گیا اور اپنے تعلیم فرمودہ کلمات کہنے کی ہدایت فرمائی (ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۷۵ باب ماجاء فی الدعا اذا آوی الی فراشہ)

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے، فرماتے ہیں۔

دعاء ماثورہ کے جتنے الفاظ حدیثوں میں ثابت اور منقول ہوں اس کو انہیں الفاظ پر رکھنا چاہئے (الی قولہ) اسی طرح کسی دعاء ماثورہ میں اپنی طرف سے یہ اضافہ مکروہ ہے۔ محمد کفایت اللہ عفا اللہ عنہ (کفایت المفتی ج ۳ ص ۱۰۔۱۱)

آپ کا دوسرا فتویٰ:۔

(سوال) اذان کی دعا میں والفضیلۃ کے بعد الدرجۃ الرفیعۃ اور بعد وعدتہ کے وارزقنا شفاعتہ بڑھانے کا کیا حکم ہے؟

(الجواب)..... الدرجۃ الرفیعۃ اور وارزقنا شفاعتہ یوم القیامۃ کا ثبوت نہیں ہے، پس غیر ثابت الفاظ کو نہ پڑھنا ہی بہتر ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس اعتقاد کے ساتھ کہ یہ الفاظ ثابت نہیں ہیں پڑھے تو مضائقہ بھی نہیں (کفایت المفتی ج ۳ ص ۲۱)

یہ موقع انفرادی دعا کا ہے اور فرائض کے بعد کا موقعہ اجتماعی دعا کا موقعہ ہے اور عوام سے غیر ثابت کلمات کے بارے میں عدم اعتقاد کی توقع رکھنا مشکل ہے بلکہ وہ تو اس کو مسنون ہی سمجھیں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دعا نماز کے بعد کرے، خطبہ کے بعد ثابت نہیں:

(سوال ۳۸) نماز عید کے بعد دعا مانگے یا خطبہ کے بعد؟ ہمارے یہاں خطبہ کے بعد دعا کی جاتی ہے۔ صحیح کیا ہے؟

(الجواب) آپ کے یہاں عیدگاہ میں خطبہ کے بعد دعا ہوتی ہے یہ بے اصل اور خلاف سنت ہے۔ اجتماعی دعاء کا وقت نماز عید کے بعد ہے نہ خطبہ کے بعد۔ امام کو چاہئے کہ نماز کے بعد مختصر دعاء کرے ثانی خطبہ میں بھی دعاء ہوتی ہے ۔عید کی مخصوص دعا وہی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دعاء ثانی (فاتحہ) کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۳۹) بعد سلام مسنون ہمارے یہاں موریشش (MAURITIUS) میں بہت سی مساجد میں تقریباً سوسوا سو سال سے نمازوں کے بعد دعاء ثانی کرنے کا اور نماز جنازہ کے بعد بالالتزام فاتحہ پڑھنے کا دستور چلا آرہا ہے، ایک ایسی ہی مسجد میں ایک نوجوان عالم کو امام مقرر کیا گیا اور ان کے ساتھ یہ شرط لگائی گئی کہ وہ دعاء ثانی کریں گے چھ ماہ تک وہ اس شرط پر عمل پیرا رہے اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے میں اس رواج پر عمل نہیں کروں گا، لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا اس پر عمل کرتے آرہے ہیں پھر یہ کیونکر بدعت ہوسکتا ہے اور امام کو دعاء ثانی (فاتحہ) کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ امام صاحب ان کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں متولی حیران و پریشان ہے کہ مسلمانوں میں اس کی وجہ سے اختلاف رونما ہو جائے گا اور آپس میں جھگڑوں کی وجہ سے مسلمانوں کا وقار مجروح ہوگا اس لئے متولی کی رائے یہ ہے کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے آپس میں پھوٹ اور اختلاف مت ڈالو اور پہلے سے دعاء ثانی کا جو طریقہ

چلا آ رہا ہے اس پر عمل کرتے رہو، نجات کا دارومدار اسلام کے پانچ ارکان پر ہے، دعاء ثانی کرنے نہ کرنے پر نہیں۔

محترم مفتی صاحب آپ کی تصنیف لطیف فتاویٰ رحیمیہ ہمارے پاس ہے ہم اس سے استفادہ کرتے رہتے ہیں اس مسئلہ پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی ہے تاہم لوگ اپنی بات پر مصر ہیں دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا متولی حق بجانب ہے؟ اور لوگوں کا یہ کہنا کہ ہمارے باپ دادا یہ عمل کرتے آئے ہیں ان کی یہ بات صحیح ہے؟ امید ہے کہ مفصل جواب مرحمت فرمائیں گے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلما، بےشک آپ کے یہاں موریشش میں سو، سوا سو سال سے سنن ونوافل کے بعد اجتماعی دعاء کا رواج ہوگا اور نماز جنازہ سے فارغ ہوکر بالالتزام ہمیشہ فاتحہ پڑھنے کا بھی دستور باپ دادا سے چلا آتا ہوگا مگر بھائی یہ کوئی شرعی دلیل نہیں ہے اور اس کا سہارا لینا آپ کے شایان شان نہیں، یہ تو اہل باطل کا شیوہ ہے۔ قرآن مجید میں متعدد جگہ اس کو بیان فرمایا ہے ملاحظہ ہو۔

(۱) **واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ آباء نا او لو کان آباء ھم لا یعقلون شیئاً ولا یھتدون (سورہ بقرہ پ)**

یعنی: اور جب ان (مشرک) لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم (اپنے پیغمبر کے پاس) بھیجا ہے اس کے مطابق چلو تو (جواب میں) کہتے ہیں (کہ نہیں) بلکہ ہم تو اسی (طریقہ) پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اگر چہ ان کے باپ دادا (دین کی) نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت اور شرعی دلیل رکھتے ہوں (سورۂ بقرہ)

(۲) **واذا قیل لھم تعالوا الیٰ ما انزل اللہ قالوا حسبنا ما وجدنا علیہ آبائنا (سورہ مائدہ پ ۷)**

یعنی: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کی طرف اور رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرو (یعنی شرعی دلیل معلوم کرو) تو کہتے ہیں کہ ہم کو وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو عمل کرتے ہوئے پایا ہے۔ (سورۂ مائدہ)

(۳) **ونذر ما کان یعبد آباء نا (سورۂ اعراف پ ۸)**

یعنی: (مشرک بت پرستی کی مخالفت کے جواب میں کہتے ہیں کیا) جن کو ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں ان کو چھوڑ دیں؟ (سورۂ اعراف)

(۴) **اجئتنا لتلفتنا عما وجدنا علیہ آباء نا (سورہ یونس پ ۱۱)**

یعنی: (حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام سے کہا گیا) کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم کو اس طریقہ سے ہٹا دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ (سورۂ یونس)

(۵) **اتنھا نا ان نعبد ما یعبد آباء نا (سورہ ھود پ ۱۲)**

یعنی: (حضرت صالح علیہ السلام سے ان کی قوم نے کہا) کیا تم ہم کو ان چیزوں کی عبادت سے منع کرتے ہو جن کی عبادت ہمارے (بڑے) باپ دادا کرتے آئے ہیں۔ (سورۂ ہود)

(۶) **ان نترک ما یعبد آباء نا (سورہ ھود پ ۱۲)**

یعنی: (حضرت شعیب علیہ السلام سے ان کی قوم نے کہا۔ کیا) ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت

ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں۔ (سورۂ ہود)

(۷) واذا قیل لھم اتبعو اماانزل اللہ قالوا بل نتبع ما وجدنا علیہ آباء نا (سورۃ لقمان پ ۲۱)
یعنی: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کا اتباع کرو جو اللہ نے نازل فرمائی ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو اس کا اتباع کریں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے (سورۂ لقمان)

(۸) بل قالوا انا وجد نا آبائنا علیٰ امۃو انا علی اثارھم مھتدون • سورۃ زخرف پ ۲۵)
یعنی: بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی انہیں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ (سورۂ زخرف)

(۹) وکذلک انا وجدنا آباء نا علیٰ امۃو انا علیٰ اثارھم مقتدون (سورۃ زخرف پ ۲۵)
یعنی: اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی انہیں کے قدم بقدم چلے جا رہے ہیں۔ (سورۂ زخرف)

آپ کے مناسب شان تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ...... اور اولوالامر اور ورثۃ الانبیاء علماء مجتہدین اور ائمہ دین کی اطاعت اور پیروی کریں مسلمان کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور اولوالامر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور مجتہدین عظام کی پیروی ضروری ہے۔ رسول مقبول ﷺ کا فرمان واجب الاذعان ہے۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ.

یعنی: میرے طریقہ کو اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کو لازم پکڑو اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑلو، جو نئی باتیں ایجاد کی جائیں گی ان سے احتراز کرو، اس لئے کہ ہر وہ نئی رسم جو (دین کے نام پر) ایجاد کی جائے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۸۷، ترمذی شریف ج ۲ ص ۹۲، ابن ماجہ ص ۵ مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

احادیث میں سونے اور جاگنے کے وقت کی دعا منقول ہے، مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت کی دعا بھی مذکور ہے، ہم بستری سے پہلے ہم بستری کے بعد کی دعا بھی موجود ہے، بیت الخلاء میں جانے سے قبل اور نکلنے کے بعد کی دعاء بھی ثابت و منقول ہے تو سنن و نوافل کے بعد کی دعا کیوں منقول نہیں؟ اگر ثابت ہوتی تو ضرور منقول ہوتی۔ واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ فرض نمازوں کے بعد کی سنن اپنے حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے جا کر پڑھتے تھے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی آپ کی اتباع کرتے ہوئے اپنے اپنے گھروں میں سنتیں ادا فرماتے تھے اور نماز سے فراغت کے بعد گھر میں ہی دعا کرتے تھے سب کا مسجد میں واپس آ کر دعا کرنا کہیں منقول نہیں، کبھی کسی وجہ سے مسجد میں آنحضور ﷺ اور صحابۂ کرامؓ نے سنن و نوافل ادا فرمائی ہیں مگر دعا سب نے مل کر مانگی ہو یہ کہیں ثابت نہیں، صحابہؓ اپنی اپنی نمازیں پڑھ کر منتشر ہو جاتے تھے چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ بعد نماز مغرب سنتوں میں اتنی طویل قرأت پڑھتے تھے کہ مصلی حضرات مسجد سے چلے جاتے تھے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطیل القرأۃ فی الرکعتین بعد المغرب حتی یتفرق اھل المسجد (ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۱۹۱ باب رکعتی

المغرب این تصلیان) اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک رات میں حضور ﷺ کے ساتھ رہا آپ عشاء کی نماز کے بعد نماز میں مشغول رہے حتیٰ کہ مسجد میں بجز آنحضرت ﷺ کے کوئی باقی نہیں رہا (شرح معانی الآثار ج اص ۲۰۱ باب التطوع فی المساجد)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سنتوں کے بعد امام ومقتدیوں کے مل کر دعا کرنے کا دستور تھا ہی نہیں، لہذا اس طریقہ کے بدعت ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں اس لئے اس کو پکڑے رہنا اور اس پر اصرار کرنا اور امام کو اس کا پابند بنانا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

عمل وہی مقبول ہے جو خالص ہونے کے ساتھ صواب یعنی سنت کے موافق بھی ہو حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں **لا یستقیم قول ولا عمل ونیة الا بموافقة السنة** (تلبیس ابلیس ص ۱)

محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں **ولا عمل بالا اخلاص و اصابة السنة** یعنی کوئی عمل بلا اخلاص اور سنت کی موافقت کے مقبول نہیں ہوتا (الفتح الربانی ص ۱۴۳ مجلس نمبر ۲)

مشہور بزرگ حضرت احمد بن الحواری رحمہ اللہ فرماتے ہیں **من عمل عملاً بلا اتباع سنة فعمله باطل** جو عمل بھی سنت کی موافقت کے بغیر کیا جائے گا وہ باطل ہوگا (کتاب الاعتصام ج اص ۱۱۴)

مولانا! کب تک مصلحت کا سہارا لیتے رہیں گے؟ بے شک فتنہ سے بچنا ضروری ہے اس لئے سختی اور عجلت سے کام نہ لیں اور بتدریج صحیح مسئلہ کی اشاعت کی جائے اور نمازیوں کو جمع کر کے فتوی سنایا جائے، بار بار سنایا جائے اور حکمت عملی کے ساتھ سب کو متفق کرنے کی کوشش کی جائے جب امام اور متولی اسے معمولی بات سمجھ کر اور فتنہ کا خوف بتلا کر خلاف سنت طریقہ کو پکڑے رہیں گے تو کیا اس کے مٹانے کے لئے آسمان سے فرشتے آئیں گے؟ کس کا انتظار ہے؟ سوا سو سال تو ہو چکے خدارا سنت کی قدر پہچانئے اور بدعت کی نحوست کو سمجھئے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
مپندار سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ

ترجمہ: جس نے نبی کریم ﷺ کے خلاف راستہ اختیار کیا وہ ہرگز منزل مقصود کو نہیں پہنچے گا۔ اے سعدی! یہ خیال مت کر کہ سیدھا راستہ محمد مصطفےٰ ﷺ کی اتباع کے بغیر حاصل ہوسکتا ہے

زہد و ورع کوش و صدق و صفا
ولیکن میفزائے بر مصطفیٰ

لہذا اس سنت کو زندہ کرنے کی پوری کوشش کیجئے، حدیث میں ہے کہ مردہ (مٹی ہوئی) سنت کو زندہ کرنے والا سو شہیدوں کے ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ کون مسلمان ہوگا جس کو سو شہیدوں کا ثواب حاصل کرنے کی تمنا نہ ہوگی، نیز حدیث میں ہے من احییٰ سنتی فقد احیانی ومن احیانی کان معی فی الجنة. جس نے میری سنت کو زندہ

کیا اس نے مجھے زندہ کیا اور جس نے مجھے زندہ کیا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا (ترمذی شریف ج ۲ ص ۹۲) نیز حدیث میں ہے من حفظ سنتی اکرمه الله باربع خصال، المحبة فی قلوب البررة، والهیبة فی قلوب الفجرة والسعة فی الرزق، والثقة فی الدین. یعنی جس نے میری سنت کی حفاظت کی تو خداتعالیٰ چار باتوں سے اس کی تکریم کرے گا (۱) پاک باز لوگوں (بزرگوں) کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دے گا (۲) بدکار (بدمعاش) لوگوں کے دلوں میں ہیبت پیدا کر دے گا (۳) رزق کو فراخ کر دے گا (۴) اور دین میں پختگی نصیب فرمائے گا ۔(شرح شرعة الاسلام ص ۸ سید علی زاده)

امام زہری کا مقولہ ہے الاعتصام بالسنة نجاة سنت کو مضبوط پکڑنے میں نجات ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کا ارشاد ہے ان السنة مثل سفینة نوح من رکبها نجا ومن تخلف عنها غرق ۔یعنی ۔سنت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کے مانند ہے جو اس میں سوار ہو گیا (وہ گمراہی سے) بچ گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ غرق ہو گیا (یعنی گمراہی کی گڑھے میں گر گیا۔)

خداتعالیٰ سب کو سنت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبه وسلم اور طریقۂ صحابہؓ رضی اللہ عنهم اجمعین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادے آمین یارب العالمین .فقط واللہ اعلم.

دعا کرنے کا بہتر طریقہ کیا ہے؟:

(سوال ۴۰) نماز کے بعد دعا مانگنے کے وقت ہاتھ کھلے رکھے جائیں یا ملا کر؟ بغل کھلی رکھے یا بند؟ یعنی کہنیاں پہلو سے علیحدہ رکھے یا ملی ہوئی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ دونوں ہاتھ سینہ تک اٹھا کر دعا کرے اور دونوں کے درمیان قدرے فاصلہ ہو ملا کر رکھنا خلاف اولیٰ ہے (فیکون بینهما الا ذکار بعد الصلوٰة فرجة) (درمختار) (قوله فیکون بینهما فرجة) ای وان قلت قنیة (شامی ج ۱ ص ۴۷۴) فقط واللہ اعلم بالصواب .

فرض نماز کے بعد دعا کی مقدار:

(سوال ۴۱) ہمارے یہاں امام صاحب بعد نماز فجر و عصر دعاء میں ذرا طول کرتے ہیں اور ظہر و مغرب اور عشاء میں فرض نماز کے بعد تین چار دعائیں مانگتے ہیں، نیز عید کی نماز کے بعد بھی طویل دعاء مانگتے ہیں، اس کے متعلق تحریر فرما دیں کہ مسنون کیا ہے؟

(الجواب) فجر اور عصر کی نماز کے بعد (یعنی جن نمازوں کے بعد سنت وغیرہ نہیں) کمزور بیمار اور کام کاج والے مصلیوں کی رعایت کر کے طویل دعاء کی گنجائش ہے اور ظہر و مغرب اور عشاء کی نماز (یعنی جن نمازوں کے بعد سنت وغیرہ ہیں ان) کے بعد معمولی درجہ کی دعا مانگے یعنی اللّٰهم انت السلام الخ کے ساتھ بعض دعائے ماثورہ ملا لینا اولیٰ ہے۔

چونکہ جمعہ کی نماز کے بعد بھی سنتیں ہیں لہذا معمولی درجہ کی دعا کرنی چاہئے، مزید تفصیل ودلائل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ گجراتی حصہ اول ص ۱۱۸۔ اور انگریزی ج ۱ ص ۱۵۲۔ اور اردو ج ۱ ص ۲۰۳ (جدید ترتیب کے مطابق، اسی باب میں فرض نماز کے بعد کون سی دعا پڑھی جائے کے عنوان سے دیکھیں۔ ص ۵۵ ج ۶ مرتب)

ایسے ہی عیدین کی نماز کے بعد خطبہ ہے پس مختصری دعاء کی گنجائش ہے دعاء میں طوالت ہونے کی صورت میں نماز وخطبہ کے مابین اتصال نہ رہے گا بلکہ فاصلہ ہو جاوے گا، حالانکہ نماز وخطبہ میں اتصال مطلوب ومسنون ہے، عیدین کے اجتماع میں جس دعا کی اہمیت وضرورت ہے وہ تو خطبہ میں پڑھ دی جاتی ہے، عیدین کی نماز کے بعد دعاء کے اہتمام کا حکم نہیں بلکہ خطبۂ عید کے بعد تو دعاء کا ثبوت ہی نہیں، ملاحظہ ہو مجموعۂ فتاویٰ قدیم جلد اول ص ۱۴۴، عدم ثبوت دعاء بعد نماز عیدین یا خطبہ آں از آنحضرت ﷺ وصحابۂ کرام وتابعین عظام مؤلفہ علامہ عبدالحی لکھنویؒ علم الفقہ حصہ دوم ص ۳۲۶، از مولانا عبدالشکور لکھنویؒ، العرف الشذی شرح ترمذی جلد اول ص ۲۴۱ از علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ، فیض الباری شرح بخاری جلد دوم ص ۳۶۲ میں ہے۔ ويدعون بدعائهم اى بدعائهم للمؤمنين فى خلال الخطبة لانه لم يثبت عنه صلى الله عليه وسلم بعد صلاة العيد دعاء فالسنة الخاصة فى ذلك قاضية على عموم الا حاديث فى الا ذكار بعد الصلوات .فقط

فجر وعصر کی نماز کے بعد قبل دعائے امام چلے جانا:

(سوال ۴۲) فجر وعصر میں بعد سلام امام اپنی دعا پوری کر کے (قبل اس کے کہ امام دعا سے فارغ ہو) چلے جانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بلا عذر اس طرح کرنا خلاف سنت ہے اور مکروہ تنزیہی ہے، اور اس کی عادت بنالینا گناہ ہے، عن انس ان النبى صلى الله عليه وسلم حضهم على الصلوٰة ونها هم ان ينصرفوا قبل انصرافه من الصلوٰة یعنی نہی کرد از یں کہ برگردند پیش از برگشتن وے ﷺ از نماز خود چنانکہ پیشتر از حضرت سلام بد ہند واز نماز برآیند یا بعد از سلام دادن پیشتر از اں کہ آں حضرت برخیزد برخیزند وبروند ومنتظر ذکر ودعا نہ نشینند ونہی بر معنی اول تحریمی وبر ثانی تنزیہی است۔ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۴۷) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بعد نماز جمعہ دعاء:

(سوال ۴۳) جمعہ کی فرض نماز کے بعد دعائے ماثور کے ساتھ قرآن وحدیث کی دیگر دعاء ملا سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بعد نماز جمعہ دعائے ماثور کے ساتھ دیگر دعاء شامل کر سکتے ہیں لیکن مختصر ہونا چاہئے تطویل کر کے لوگوں کو تنگ کرنا اور سنن رواتب کی ادائیگی میں تاخیر کرنا مناسب نہیں کیونکہ بڑے مجمع میں کمزور، بیمار، کام کاج والے ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، امام کو اس کا لحاظ چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز با جماعت کے بعد اردو میں دعاء مانگنا:

(سوال ۴۴) نماز با جماعت کے بعد اردو میں دعاء مانگنا کیسا ہے بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز با جماعت کے بعد دعاء عربی میں مسنون ہے دوسری زبان میں خلاف افضل ہے لہٰذا اس کی عادت نہ کی جائے۔ (۱) فقط واللہ اعلم .

---

(۱) ولهذا كان الدعاء بالعربية اقرب الى الا جابة فلا يقع غيرها من الا لسن فى الرضا و المحبة لها موقع كلام العرب او وظاهر التعليل ان الدعاء بغير العربية خلاف الا ولى شامى صفة الصلاة مطلب فى الدعاء بغير العربية ج ۱ ص ۴۸۶

کتاب الجمعة

کچھ لوگ جمعہ کی نماز ادا نہ کرسکے تو ان کے لئے کیا حکم ہے؟:

(سوال ۴۵) جماعت خانہ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے کچھ لوگ جمعہ کی نماز با جماعت ادا نہ کرسکے، کچھ ان لوگوں کو خیال ہوا کہ ظہر کی نماز مسجد میں با جماعت ادا کرلیں، لیکن امام صاحب نے کہا کہ مسجد میں دوسری جماعت نہیں کرسکتے اور کہا کہ تم سب لوگ ظہر کی نماز تنہا تنہا ادا کرلو، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا امام کی بات درست ہے؟ کیا مسجد میں دوسری جماعت نہیں کرسکتے؟ اگر جمعہ کی نماز ادا کرنا ہو تو اس کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جو لوگ جمعہ پڑھنے سے رہ گئے ہیں وہ دوسری جماعت نہیں کرسکتے، مکروہ تحریمی ہے، البتہ دوسری مسجد جہاں جمعہ نہ ہوا ہو وہاں جا کر باقاعدہ خطبہ دے کر نماز جمعہ ادا کرسکتے ہیں، یا کسی مکان میں (۱) پڑھ سکتے ہیں، ظہر پڑھیں تو تنہا تنہا پڑھیں، شہر اور قصبات میں جہاں جمعہ پڑھا جاتا ہے ظہر کی نماز مسجد میں یا مکان میں با جماعت ادا کرنا ممنوع ہے، دیہات میں جہاں جمعہ ادا کرنا درست نہیں ہے ظہر با جماعت پڑھنے کا حکم ہے، ملا بدمنہ میں ہے۔ معذور ومجنون را روز جمعہ نماز ظہر با جماعت گذاردن مکروہ است (ص ۵۶) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اذان جمعہ کے بعد غیر مسلم ملازم کو دوکان پر بٹھا کر دوکان کھلی رکھنا:

(سوال ۴۶) جمعہ کی اذان سے پہلے میں مسجد چلا جاتا ہوں مگر دوکان کھلی رہتی ہے غیر مسلم ملازم مال فروخت کرتا ہے، اس میں کوئی قباحت ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) غیر مسلم ملازم جس پر اذان جمعہ سن کر سعی واجب نہیں ہے وہ آپ کی دوکان کھلی رکھے تو ناجائز نہیں ہے۔ وقد خص منہ من لا جمعة علیه ذکرہ المصنف (درمختار) والحاصل ان الدلیل خص من وجوب السعی جماعة کالمریض والمسافر الخ (شامی ج۴ ص ۱۸۲ باب بیع الفاسد تحت مطلب فی البیع المکروہ) لیکن احتیاط اور جمعہ کی فضیلت کا تقاضہ یہ ہے کہ اذان اول کے ساتھ دوکان بند کردی جائے تاکہ غافل قسم کے لوگوں کو اس سے غلط فہمی نہ ہو۔ دوکان بند رکھنے میں جمعہ کے دن کی عظمت اور شان وشوکت میں اضافہ ہوگا، مدارس اسلامیہ بھی بند رہتے ہیں تو اگر ایک گھنٹہ دوکان بند رہے گی تو کیا نقصان ہوجائے گا ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون (سورۂ جمعہ پارہ نمبر ۲۸) فقط واللہ اعلم۔

پہلی اذان جمعہ کے بعد امام کہاں بیٹھے؟:

(سوال ۴۷) امام صاحب جمعہ کی اذان کے بعد محراب اور منبر کے پاس نہیں بیٹھتے، مسجد کے حجرہ میں یا برآمدہ میں بیٹھتے ہیں اور وہاں سنت ونوافل پڑھتے ہیں اور خطبہ کے وقت منبر پر آتے ہیں، تو بہتر کیا ہے، وضاحت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) امام جمعہ کے لئے مستحب اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ خطبہ سے پہلے حجرہ میں رہیں، حجرہ نہ ہو تو منبر کے دائیں

جانب کسی مخصوص جگہ میں بیٹھیں، جہاں سکون ہو اور وہیں سنت وغیرہ پڑھیں اور خطبہ کے وقت منبر پر آئیں۔ آپ ﷺ عین خطبہ کے وقت اپنے حجرۂ مبارکہ سے (جو منبر کے دائیں جانب تھا) نکل کر منبر پر تشریف لاتے تھے آپ ﷺ کے خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی عمل تھا اور اس زمانہ میں بھی حرمین شریفین (زادہما اللہ شرفاً وکرامۃً) کے خطیب اس پر عمل کرتے ہیں اور خطبہ کے وقت آتے ہیں۔ حدیث میں ہے۔ **اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام.**

ترجمہ: جب امام خطبہ کے لئے حجرہ سے نکلے اسی وقت سے نماز اور کلام منع ہے حدیث میں اذا قام کا لفظ نہیں ہے اذا خرج کا لفظ ہے، اس میں بھی اشارہ ہے کہ خطیب کی جگہ محراب نہیں بلکہ محراب سے دور اور عوام سے الگ مخصوص جگہ ہے۔

روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ اور امیر المؤمنین حضرت عثمان غنیؓ کے زمانۂ مبارکہ میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما خطبہ سے پہلے منبر کے قریب وعظ فرماتے، جب امیر المؤمنین خطبہ کے لئے اپنے حجرہ سے نکلتے تو فوراً بند کردیتے **(مستدرک حاکم ج ۱ ص ۱۰۸ ص ۲۸۸) (مسند امام احمد ج ۳ ص ۴۴۹) (موضوعات کبیر ملا علی قاریؒ ص ۱۴) (اصابہ فی تذکرۃ الاصحابہ ج ۱ ص ۱۸۴) (اقامۃ الحجۃ ص ۵).** اور تفسیر مواہب الرحمٰن میں ہے۔ امام کے لئے سنت طریقہ یہ ہے کہ وہ خطبہ کے وقت برآمد ہو (یعنی نکلے) جیسے آنحضرت ﷺ اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلفائے راشدین کرتے تھے (تفسیر مواہب الرحمٰن ج ۶ ص ۴۰۹ سورۂ جمعہ)

اسی لئے فقہاء کرام تحریر فرماتے ہیں **ومن السنۃ جلوسہ فی مخدعہ عن یمین المنبر** (درمختار) یعنی خطیب کے لئے مسنون یہ ہے کہ منبر کی دائیں جانب حجرہ میں بیٹھے (درمختار) حجرہ نہ ہو تو اس طرف کے کونے میں بیٹھے، دائیں جانب سکون کی جگہ نہ ہو تو جہاں سکون ہو وہاں بیٹھے، خطیب کے لئے خطبہ سے پہلے کی سنتیں محراب میں پڑھنا مکروہ ہے۔ شامی میں ہے **(قولہ عن یمین المنبر) قید لمخدعہ قال فی البحر فان لم یکن ففی جھتہ او ناحیتہ وتکرہ صلاتہ فی المحراب قبل الخطبۃ (شامی ج ۱ ص ۷۶۰ باب الجمعۃ)**

آپ کے یہاں کے امام صاحب کا عمل مطابق سنت ہے، آج کل یہ سنت متروک العمل ہے، حق تعالیٰ اماموں کو اس سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرماوے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جمعہ کی پہلی اذان کو بدعت عثمانی کہنا:

(سوال ۴۸) جمعہ کے دن پہلی اذان منارہ پر ہوتی ہے، غیر مقلدین اس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ بدعت عثمانی (رضی اللہ عنہ) ہے اور ناجائز ہے، یہ اذان حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں نہ تھی، کیا ان کا قول صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) رسول مقبول ﷺ کے مبارک زمانہ میں مسلمان کم تھے ایک اذان جو منبر کے پاس ہوتی تھی وہ کافی تھی، بعد میں مسلمان دور دور تک پھیل گئے تو اذان مبری کافی نہ رہی اس لئے حضرت عثمانؓ کے زمانۂ مبارکہ میں صحابہؓ کے اجماع سے پہلی اذان کا اضافہ ہوا، اور اجماع حجت شرعیہ ہے، نیز حضرت عثمانؓ خلفائے راشدین مہدیین میں سے ہیں اور رسول مقبول ﷺ نے خلفائے راشدین کے طریقہ کو سنت فرمایا۔ **فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین. الحدیث** (مشکوٰۃ شریف ص ۳۱ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

تفسیر مواہب الرحمان میں ہے۔ یا یھا الذین امنوا اذا نودی للصلوٰۃ. اے ایمان والو جب اذان دی جاوے واسطے نماز کے ف یعنی نماز جمعہ کے واسطے اذان دی جاوے اور یہ پہلی اذان ہے اور اس سے مراد وہ اذان ہے جب خطبہ پڑھنے کے واسطے خطیب منبر پر بیٹھے تو اس کے روبرو کھڑے ہوکر اذان کہی جاوے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں اور حضرت ابوبکرؓ و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں بھی جمعہ کے واسطے یہی پہلی اذان تھی پھر حضرت عثمانؓ کی خلافت میں بھی جمعہ کے واسطے یہی پہلی اذان تھی، پھر حضرت عثمانؓ کی خلافت میں لوگوں کی کثرت ہوگئی اور آبادی بھی دور تک بڑھ گئی تو آپ نے مقام زورا، پر ایک اذان بڑھائی کہ اس کے سنتے ہی لوگ خرید و فروخت چھوڑتے اور جمعہ کے واسطے متوجہ ہوتے تھے، پھر جب خطیب منبر پر بیٹھتا تو بدستور سابق اس کے سامنے دوبارہ اذان دی جاتی پھر بعد فراغت خطبہ کے نماز کے واسطے اقامت کہی جاتی وہ بھی اذان کہلاتی ہے اور اس وقت سے اسی طرح معمول رہا اور اس زمانہ میں اصحاب مہاجرین وانصار بہت موجود تھے مگر کسی نے مخالفت نہیں کی تو یہ بھی سنت معمول ہوگئی، کیونکہ حدیث میں آیا ہے علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین من بعدی۔ الحدیث۔ یعنی تم لوگ اپنے اوپر لازم کرو میرے طریقۂ سنت کو، اور میرے بعد خلفاء راشدین کے طریقۂ سنت کو اور دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو اور خبردار بچے رہو ایسی باتوں سے جو نئی نکالی گئی ہیں کیونکہ دین میں ہر نئی بات گمراہی ہے اور ہر ایک گمراہی دوزخ میں گئی ہے۔ الی قولہ۔ پس حاصل یہ کہ جمعہ کے روز پہلے منارہ پر اذان دینا جائز ہے، بعد اس کے خطیب کے سامنے کھڑے ہو کر اذان دی جاوے (تفسیر مواہب الرحمان ج ۶ ص ۳۰۴ سورۂ جمعہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صحت جمعہ کے لئے اذن عام والے مسئلہ پر ایک مفتی صاحب کا اشکال اور اس کا مفصل جواب!:

(سوال ۴۹) سیدی وسید المؤمنین حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

بعد سلام مسنون بخیر ہوں۔ کافی دنوں سے خبر سن رکھی تھی کہ حضرت والا نے بھائی صاحب کی معرفت فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم احقر کے لئے بطور ہدیہ ارسال فرمایا ہے، آج وہ ہدیہ پرخلوص موصول ہوا، کس قدر خاص سے آپ نے وہ ہدیہ بھیجا ہے کہ اور تمام کتابوں کا مطالعہ چھوڑ کر اسی کو دیکھنے میں لگ گیا تقریباً تین ربع سے زیادہ ۲۴ گھنٹے میں دیکھ لیا، بہت سی چیزیں دیکھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء فی الدارین خیراً.

فتاویٰ رحیمیہ ج ۳ ص ۵۹ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں کیا بمبئی کی گودی میں کھڑے ہوئے جہاز میں جمعہ کی نماز پڑھی جاسکتی ہے؟ کے عنوان سے دیکھیں ص ۹ مرتب) کے مسئلہ۔ بمبئی کے رہنے والے حاجیوں کو گودی میں ٹھہرے ہوئے جہاز میں مقیم ٹھیرا کر اتمام صلوٰۃ کا حکم دیا گیا، اس لئے کہ گودی فناء شہر میں واقع ہے لیکن جمعہ پڑھنے سے اس لئے روکا گیا کہ جہاز میں اذن عام نہیں ہے اور شرائط جمعہ میں سے اذن عام ہے جو یہاں مفقود ہے۔

شامی کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ صحیح ہونا چاہئے بلکہ ان پر فرض ہونا چاہئے، کیونکہ اذن عام کی شرط شامی میں وہاں بتائی گئی ہے جہاں جمعہ فقط ایک جگہ ہوتا ہے تاکہ کسی کا جمعہ فوت نہ ہو مگر جہاں تعدد جمعہ کا رواج ہو اور چند جگہ ہوتا ہو وہاں پر یہ شرط نہ پائی جائے تب بھی ان لوگوں پر جمعہ فرض رہے گا بشرطیکہ دوسری شرائط پائی جائیں

اس لئے کہ اس صورت میں اذن عام نہ ہونے کے باوجود بھی لوگ جمعہ دوسری جگہ پڑھ سکیں گے اور بمبئی کا بھی یہی حال ہے۔ قلت وینبغی ان یکون محل النزاع ماا ذا کانت لا تقام الافی محل واحد اما لو تعددت فلا لانہ لا یتحقق التفویت کما افادہ التعلیل ۔ پھر فتاویٰ دارالعلوم جلد پنجم ص ۱۰۶ میں بھی مع حاشیہ کے یہی دیکھا کہ جمعہ ان لوگوں پر فرض ہونا چاہئے، باقی حضرت والا بھی خدا کے فضل سے علمی قوت کم نہیں رکھتے، ہوسکتا ہے کہ شامی رحمہ اللہ اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی رائے دلائل کے اعتبار سے آپ کے نزدیک کمزور ہو ۔فقط والسلام۔

(الجواب) وباللہ التوفیق:۔مکرمی جانب مولانا صاحب ۔زیدت معالیکم بعد سلام مسنون! عافیت طرفین مطلوب ہے۔ کافی دن ہوئے آپ کا عقیدتمندانہ مکتوب گرامی موصول شدہ کاشف احوال ہوا تھا، شوق اور توجہ سے آپ نے فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم کا مطالعہ کیا، اس قدر دانی کا تہ دل سے شکر گذار ہوں۔ آپ نے جمعہ کے اذن عام والے مسئلہ پر نظر ثانی کی ضرورت بتلائی ہے، اس کا بھی ممنون ہوں، مگر بھائی فتویٰ خدا کے فضل سے صحیح ہے، اصلاح کا محتاج نہیں ۔فالحمد للہ علی ذلک۔

علامہ شامی رحمہ اللہ کی توجیہ اکثر متون وشروح کے خلاف ہے، دوسری جگہ یا دوسری مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو تو اذن عام شرط ہے ورنہ شرط نہیں ہے، ان کی یہ تحقیق مجروح معلوم ہوتی ہے، اذن عام کی شرط علی الاطلاق ہے اور یہی منشاء شرع کے مطابق ہے، نماز جمعہ ایک مخصوص اور مہتم بالشان عبادت ہے، شعائر اسلام اور شعائر دین بھی ہے، اس کو دوسری عبادتوں کی طرح ادا نہ کیا جائے، نماز جمعہ کی چند خصوصیات ہیں اس کے مطابق ادا کی جائے تو صحیح ہوگی ورنہ ظہر ادا کرنا ہوگی۔ ایک خصوصیت یہ ہے کہ مصر (یعنی بڑی آبادی) میں ادا کی جائے، چھوٹی آبادی اس کے شایان شان نہیں اس لئے چھوٹے گاؤں میں ادا کی گئی تو صحیح نہ ہوگی۔

(۲) اجازت امیر (یا اس کے نائب کی) شرط ہے بلا اجازت ادا کی گئی تو صحیح نہ ہوگی۔ظہر لازم ہے۔
(۳) وقت ظہر میں ادا کی جائے، وقت نکل جانے کے بعد ادا کی گئی تو صحیح نہ ہوگی ظہر ادا کرنا لازم ہے۔
(۴) خطبہ شرط ہے، بلا خطبہ ادا کی گئی تو صحیح نہ ہوگی۔
(۵) جماعت شرط ہے، بلا جماعت ادا کرنا اس کے شایان شان نہیں ہے اس لئے صحیح نہ ہوگی۔
(۶) اذن عام شرط ہے یعنی علی الاعلان اور علی سبیل الاشتہار اور علی الاظہار ادا کی جائے، چھپ کر ادا کرنا اس کے شایان شان نہیں اس لئے ادا نہ ہوگی نمازیوں کو آنے کی روک ٹوک اذن عام کے خلاف ہے، اس لئے جیل خانوں میں جمعہ صحیح نہیں ہے۔صحیح نہ ہونے کی وجہ اذن عام کا فقدان ہے، کسی نے یہ نہیں لکھا کہ شہر میں دوسری جگہ جمعہ نہیں ہوتا اس لئے جیل خانوں میں جمعہ صحیح نہیں کیا جس جگہ جیل خانہ ہوتا ہے اس شہر میں جمعہ نہیں ہوتا؟ ضرور ہوتا ہے اور متعدد جگہ ہوتا ہے، لہذا اذن عام کی شرط مطلق ہے، دوسری جگہ جمعہ ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔حضرت عارف باللہ مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ ان کے دوسرے فتوے سے ٹکرا رہا ہے۔ملاحظہ ہو۔

(سوال ۳۱۴) ایک قلعہ میں آمدورفت کے لئے عام اجازت نہیں ہے، اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس قلعہ میں جمعہ جائز نہیں ہے، باہر جائز ہے جہاں عام لوگ شریک ہوجائیں۔

(الجواب) اذن عام بے شک صحت جمعہ کے لئے شرط ہے پس جب کہ اس قلعہ میں عام نمازیوں کو اجازت نہیں ہے تو وہاں جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ کذا فی الدر المختار الشامی وغیرہما (فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ج ۵ ص ۹۰)

یہ فتویٰ فتاویٰ رحیمیہ کے عین مطابق ہے، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے زمانہ میں تعدد جمعہ کا رواج تھا، پھر آپ نے ایسا فتویٰ کیوں دیا؟

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہٗ تعلیم الاسلام میں لکھتے ہیں: ''پانچویں شرط اذن عام ہے، اذن کے معنی اجازت کے ہیں، اذن سے مطلب یہ ہے کہ سب کو اجازت ہو، جو چاہے آ کر نماز میں شریک ہو سکے، ایسی جگہ جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہوتی کہ وہاں خاص لوگ آ سکتے ہوں اور ہر شخص کو آنے کی اجازت نہ ہو (تعلیم الاسلام ص ۴۷ حصہ چہارم) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو معلوم تھا کہ دہلی وغیرہ تمام شہروں میں متعدد جگہ جمعہ ہوتا ہے، اس کے باوجود آپ نے مطلق فتویٰ دیا، دوسری جگہ جمعہ نہ ہونے کی قید نہیں لگائی، اور یہی صحیح ہے۔

امام اہل سنت والجماعت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب قدس سرہٗ نے بھی دوسری جگہ نماز نہ ہونے کی قید نہیں لگائی۔ فرماتے ہیں۔''عام اجازت کے ساتھ علی الاشتہار نماز جمعہ کا پڑھنا کسی خاص مقام میں چھپ کر نماز جمعہ پڑھنا درست نہیں (علم الفقہ ج ۲ ص ۱۱۶)

اس میں بھی دوسری جگہ جمعہ نہ ہونے کی قید نہیں ہے، اور مولانا کے زمانہ میں بھی تعدد جمعہ کا رواج تھا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے بھی اس کو اختیار فرمایا ہے، ملاحظہ ہو: ''عام اجازت کے ساتھ علی الاشتہار نماز جمعہ کا پڑھنا۔'' پس کسی خاص مقام میں چھپ کر نماز جمعہ پڑھنا درست نہیں، اگر کسی ایسے مقام میں نماز جمعہ پڑھی جائے جہاں عام لوگوں کو آنے کی اجازت نہ ہو یا جمعہ کے روز مسجد کے دروازے بند کر دیئے جائیں تو نماز نہ ہوگی۔ (بہشتی گوہر ص ۹۳) حضرت قدس سرہٗ کے زمانہ میں بھی تعدد جمعہ کا عام دستور تھا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے، ملاحظہ ہو:۔ حسب قواعد شرعیہ جیل میں اجازت عامہ نہ ہونے کی وجہ سے جمعہ کی نماز واجب نہیں۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۳۰۸)

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب قدس سرہٗ (سابق شیخ الحدیث وصدر مفتی مدرسہ امینیہ دہلی) ارقام فرماتے ہیں۔ ''جمعہ قائم کرنا اسلامی شعار ہے اس کو اعلان اور شہرت کے ساتھ قائم کرنا چاہئے، چنانچہ خود سلطان وقت اپنے محل کے دروازے بند کرا کر جمعہ کی نماز پڑھنا چاہے تو درست نہیں۔ ہاں اگر اذن عام ہو تو جائز ہو جائے گی (فلاح) اسی بنا پر جیل خانہ میں بھی جمعہ جائز نہیں (نور الاصباح ترجمہ نور الایضاح ص ۱۲۵)

نیز ارقام فرماتے ہیں۔ پانچویں شرط۔ اذن عام۔ یعنی ایسی جگہ جہاں پہنچنے کی سب کو اجازت ہو، جو چاہے نماز میں آ کر شریک ہو سکے، اگر خاص لوگ آ سکتے ہیں اور ہر شخص کو آنے کی اجازت نہ ہو وہاں نماز جمعہ صحیح نہیں ہے، جیل خانہ میں قیدیوں پر نماز جمعہ واجب نہیں ہوتی اور اگر پڑھیں تو جیل خانہ میں نماز جمعہ صحیح بھی نہ ہوگی۔ (حاشیہ)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ امداد الفتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

(الجواب) جب اذن عام ہو تو درست ہے ورنہ باہر نکل کر میدان میں پڑھ لیں (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۸۲ باب صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ کراچی)

والا ذن العام هذا الشرط لم يذكر في الهداية ولا اثر له في ظاهر الرواية وانما هو مذكور في النوادر ومشي عليه اصحاب المتون واستنبط ذلك من قوله تعالىٰ يا يها الذين امنوا اذا نودى للصلوٰة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله ۔ فان النداء للاشتهار وفيه نظر لا يخفيٰ. معنى الا ذن العام ان لا يمنع احداً ممن يصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذى يصلى فى الجمعة وهو يحصل بفتح ابواب الجامع فلو دخل امير خصاً او قصراً واغلق بابه وصلى با صحابه لم تنعقد كذافي الكافي وغيره (عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية باب صلوٰةالجمعة)

السآدس الا ذن العام حتى لو ان السلطان اوالا مير اذا اغلق باب قصره وصلى فيه بحشمه لا تجوز جمعته وان فتحه واذن للناس بالدخول جازت سواء دخلوا اولاو ذلك لما مرمن غير مرة انها شرعت بخصوصيات لا تجوز بدونها والا ذن العام والا داء علىٰ سبيل الشهرة من جملة تلك الخصوصيات فلا تجوز بدونه (فصل في صلوٰة الجمعة كبيرى ص ۵۱۸)

والسادس من تلك الشروط الاذن العام وهو ان يفتح باب الجامع ويؤذن للناس حتى لو اجتمعوا في الجامع واغلقو ابابه وصلوا فيه الجمعة لا يجوز وكذا السلطان لواغلق باب قصره وصلى فيه بحشمه لا يجوز لا نها من شعائر الا سلام وخصائص الدين فلا بد من اقامتها على طريق والا شتهار وان فتح باب قصره واذن للناس بالدخول فيه يجوز سواء دخلوا اولا لكن يكره لعدم قضاء حق المسجد الجامع(مجالس الا برار ص ۵۹۵و ص ۵۹٦ مجلس نمبر ۴۹)

ومنها الا ذن العام حتى لو غلق الا مام باب حصته وصلى مع رفقائه لم يجزء في فتح القدير ان اغلق باب المدينة لم يجز و فيه تأمل فانه لاينا في الا ذن العام لمن في البلدوا مامن خارج البلد فالظاهر انهم لا يجيئون لا قامة الجمعة بل ربما يجيئون للشرو الفساد وهذا الشرط ايضاً لا يوجد في كتب الشافعية وجه قولنا ان مبنى الجمعة على الا شتهار لانه من شعائر الا سلام والمسلمين ولا اشتهار من دون الأ ذن فتأ مل (فصل في الجمعة رسائل الا ركان ص ۱۱۵،ص ۱۱۴)

(قوله والا ذن العام) اى شرط صحتها الا داء على سبيل الا شتهار الى قوله . وفي المحيط فان فتح باب قصره واذن للناس بالدخول جاز ويكره لانه لم يقض حق المسجد الجامع وعللوا بانها من شعائر الا سلام وخصائص الدين . فيجب اقامتها على سبيل الا شتهار . الى قوله. ولم يذكر هذا الشرط صاحب الهداية لانه غير مذكور في ظاهر الرواية وانما هو رواية النوادر كمافي البدائع (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۱ باب صلوٰة الجمعة)

ومنها الا ذن العام وهو ان تفتح ابواب الجامع فيؤذن للناس كافة حتى ان جماعة لو اجتمعوا فى الجامع واغلقوا ابواب المسجد وجمعوا لم يجزو كذا السلطان اذا اراد ان يجمع بحشمه في داره فان فتح باب الدار واذن اذ نا عاماً جازت صلوته شهد ها العامةاولم يشهد هكذا

فی المحیط (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۵ الباب السادس عشر فی صلاۃ الجمعۃ)

ستة فی غیر المصلی وھی المصرا لجامع والسلطان والجماعة والخطبة والوقت والا ظھار. السلطان اذا فتح باب قصرہ واذن للناس بالدخول فیه یجوز ویکرہ لانه ضیع حق الجامع کذا فی تبیین الحقائق (نفع المفتی والسائل ص ۱۰۵) ایضاً

قال رضی اللہ عنه ما ذکر نا من الشرائط الخمس فی غیر المصلی و من جملة ذلک الا ذن العام یعنی الا داء علی سبیل الا شتھار حتی ان امیراً لو اغلق ابواب الحصن وصلی فی باھله وعسکرہ صلوۃ الجمعة لا یجوز فی الجامع الصغیر لصدر الشھید. فصار ستة (خلاصة الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۱۰)

(قوله الا ذن العام) لانھا من شعائر الا سلام وخصائص الدین فیجب اقامتھا علی سبیل الا شتھار ذکرہ الشیخ زین واحترز بالعام عن لاذن الخاص بجماعة فیه لا تصح اقامتھا (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۳۴۷ باب الجمعة)

ششم اذن عام . (مالا بدمنه م ص ۵۵)

وشرائط فی غیرہ المصر والجماعة والخطبة والسلطان والوقت والا ذن العام حتی لو ان والیاً اغلق باب بلد وجمع بحشمه وخدمه ومنع الناس عن الدخول لم تجزا خذاً من اشارۃ قوله تعالیٰ نودی للصلوٰۃ فانه تشھیر الخ (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۲ باب الجمعہ

ومنھا ما ھو فی غیرہ کا لمصر الجامع والسطان والجماعة والخطبة والوقت والا ظھار حتی ان الوالی لو اغلق باب المصر وجمع فیه بحشمه وخدمه ولم یأ ذن للناس بالدخول لم یجزہ (عنایة مع فتح القدیر ج ۲ ص ۲۲ ایضاً)

(الا ذن العام) لا نھا من شعائر الا سلام فتو دی بالشھرۃ بین الا نام وھو یحصل بفتح باب الجامع او دار السلطان او القلعة بلا مما نع وقد حررته فی شرح التنویر (در ر المنتقیٰ شرح الملتقی ص ۱۶۲)

قال فی مجمع الا نھر ناقلا عن عیون المذاھب ولا یضر غلق باب القلعة لعدوا و عادۃ قدیمة لان الا ذن العام حاصل لا ھله وغلق الباب لیس لمنع المصلی ولکن عمد غلقه احسن (طحطاوی علی المراقی الفلاح ص ۲۹۶ ایضاً)

(والا ذن العام) ای وشرط لا دائھا الا ذن العام لا نھا من شعائر الا سلام فیجب اقامتھا علی سبیل الا شتھار بین الا نام حتی لو اغلق الا میر باب قصرہ وصلی بعسکرہ لم یجزہ ولو فتح باب قصرہ واذن بالدخول جازت مع الکراھة کذا ذکرہ الشمنی . وفی المبسوط ان الاذن العام ھو ان یفتح ابواب الجامع ویؤ ذن للناس حتی لو اجتمعت جماعة فی الجامع واغلقوا الا بواب لم تجز وکذا السلطان اذا اراد ان یصلی بحشمه فی قصرہ فان فتح بابه' واذن للناس اذناً عاما

جازت صلوته شهد تها العامة اولا . وان لم يفتح بابه ولم يؤ ذن لهم بالدخول لاتجزه لان اشتراط السلطان للمتحرز عن تفويتها على الناس واذا لا يحصل الا بالا ذن العام وكما يحتاج العامة الى السلطان في اقامتها فالسلطان يحتاج اليهم بان يؤ ذن لهم اذناً عاماً فبهذ ايعتدل النظر من الجانبين (شرح نقايه ج ا ص ۱۲۵ باب الجمعہ)

وذكر في النوادر شرطاً آخر لم يذكره في ظاهر الرواية وهو اداء الجمعة بطريق الاشتهار حتى ان اميراً لو جمع جيشه في الحصن واغلق الا بواب وصلى بهم الجمعة لا تجزئهم كذا ذكر في النوا درفانه قال السلطان اذا صلى في فهندرة والقوم مع المراء السلطان في المسجد الجامع قال ان فتح باب داره واذن للعامة بالدخول في فهندرة جازو تكون الصلاة في موضعين ولو لم ياذن للعامة وصلى مع جيشه لا تجوز صلوٰة السلطان وانما كان هذا شرطاً لا ن الله تعالىٰ شرع النداء لصلوة الجمعة بقوله يآيها الذين آمنوا اذا نودى للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا الىٰ ذكر الله والنداء للاشتهار ولذا يسمى جمعة لا جتماع الجماعات فيها فاقتضىٰ ان تكون الجماعات كلها مأ ذونين بالحضور اذناً عاماً تحقيقاً لمعنى الا سم (بدائع الصنائع ج ا ص ۲۶۹ فصل في بيان شرائط الجمعة)

ان تمام عبارتوں میں اس کی تصریح ہے کہ اگر بادشاہ اپنے محل اور قلعہ میں نماز جمعہ پڑھے تو صحت جمعہ کے لئے اذن عام ضروری ہے، ظاہر ہے کہ اس شہر کی جامع مسجد میں نماز جمعہ تو ہوتی ہی ہوگی مگر اس کے باوجود قلعہ میں اقامت جمعہ کے لئے اذن عام کی شرط ہے اور بدائع الصنائع کی عبارت میں تو تکون الصلوٰة في موضعين کی تصریح ہے اور رسائل الارکان وغیرہ میں ان مبنى الجمعة على الاشتهار کی صراحت ہے، لہذا اب تو اشکال رفع ہو جانا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسافر اور نماز جمعہ:

(سوال ۵۰) تبلیغی جماعت جمعہ کے وقت شہر کی ایسی مسجد میں پہنچی جہاں بستی کا ایک شخص بھی مسجد میں نہیں آیا تو اگر یہ لوگ جو مسافر شرعی ہیں جمعہ پڑھیں تو ظہر کی نماز ان کی ذمہ سے ساقط ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ان کا جمعہ صحیح ہو جائے گا اور نماز ظہر ان کے ذمہ سے ساقط ہو جائیگی مالا بدمنہ میں ہے:۔ مسئلہ:۔ اگر جماعت مسافران در مصر نماز جمعہ گذارند درآنہا مقیم کسے نباشد نزد امام اعظمؒ جمعہ صحیح باشد الخ (ص ۵۶ فصل در نماز جمعہ) فقط واللہ اعلم۔

پچیس سو کی بستی ہے وہاں جمعہ صحیح ہے یا نہیں؟:

(سوال ۵۱) ایک دیہات کی آبادی پچیس سو ہے قصبہ پانچ میل دوری پر ہے تو ہماری بستی میں جمعہ کی نماز جائز ہے یا ناجائز؟

(الجواب) آپ کی بستی شہر یا قصبہ ہو یا قصبہ نما بڑا گاؤں ہو اور اہل حرفہ (جن کی اکثر و بیشتر ضرورت ہوتی ہے) موجود ہوں اور لوگوں کے حوائج ضروریہ پورے ہوتے ہوں اور خورد و نوش کا سامان اور کپڑا وغیرہ بکتا ہو تو جمعہ صحیح ہوگا ورنہ جمعہ پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی ظہر پڑھنا لازم ہوگا، اگر ہمت اور شوق ہو تو قریب کے شہر میں جا کر جمعہ ادا کریں۔

رسائل الارکان میں علامہ بحر العلوم ارقام فرماتے ہیں فالقابل للفتوی فی مذھبنا الروایۃ المختارۃ للبلخی وکان مطلع الاسرار ابی قدس سرہ' یفتی بان المصر موضع یندفع فیہ حاجۃ الانسان الضروریۃ من الاکل بان یکون ھناک من یبیع طعاما والکسوۃ الضروریۃ وان یکون ھناک اھل حرف یحتاج الیھم کثیراً ولا ادری ھذا کان عن اجتھادہ قدس سرہ' او وجد روایۃ واللہ اعلم (ص ۱۱۴ فصل فی الجمعۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب .

مسافر جمعہ کی نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۵۲) مسافر شرعی جمعہ کی نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ یہاں اس بارے میں اختلاف ہو رہا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسافر جمعہ کی نماز پڑھ سکتا ہے اور پڑھا بھی سکتا ہے، درمختار میں ہے:۔ ویصلح للامۃ فیھا (ای فی الجمعۃ) من صلح لغیرھا فجازت لمسافر وعبد ومریض الخ (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۶۴ باب الجمعۃ) شامی میں ہے:ان المسافر لما التزم الجمعۃ صارت واجبۃ علیہ ولذاصحت امامتہ' فیھا (شامی ج ۱ ص ۷۶۷ باب الجمعۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب.

نمبر۱ اذان اول کے بعد کاروبار کرنا نمبر۲ سنت ادا کرنے سے پہلے دنیوی کام کرنا:

(سوال ۵۳) میں عطر فروش ہوں اور عطر کی پیٹی اٹھا کر ادھر ادھر پھیری پھرتا ہوں، جمعہ کی دن جمعہ کی پہلی اذان کے بعد لوگ مسجد میں زیادہ آتے ہیں، تو اس وقت عطر زیادہ بکتا ہے تو کیا اذان اول کے بعد میں اپنا کاروبار جاری رکھ سکتا ہوں جمعہ سے پہلے کی سنتیں ادا کر لیتا ہوں اور خطبہ بھی پورا سنتا ہوں اور جمعہ کی نماز کے بعد فوراً باہر آ جاتا ہوں اور کاروبار میں مشغول ہو جاتا ہوں اور جب سب لوگ نکل جاتے ہیں اس وقت بعد کی سنتیں ادا کرتا ہوں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جمعہ کی پہلی اذان سنتے ہی کاروبار بند کر کے نماز اور خطبہ کے لئے مستعد ہو جانا چاہئے، درمختار میں ہے (ووجب سعی الیھا وترک البیع) ولو مع السعی وفی المسجد اعظم وزراً والاذان الاول) فی الاصح (درمختار) (قولہ وفی المسجد) او علی بابہ بحر (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۷۷۰ باب الجمعۃ) نماز جمعہ (دو رکعت فرض) کے بعد متصلا سنت ادا کی جائیں، دنیوی کام میں مشغول ہو کر سنت میں تاخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے لہذا مختصر قرأت سے چار رکعت ادا کر کے کاروبار میں مشغول ہو سکتے ہیں۔ ویکرہ تاخیر السنۃ الا بقدر اللھم انت السلام الخ قال الحلوانی لا باس بالفصل بالاوراد واختارہ الکمال (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۴۹۴ باب تالیف الصلوۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔ ۸ ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ.

ویران عیدگاہ کو آباد کرنا اور بوقت توسیع محراب ومنبر توڑ کر وسط میں بنانا:

(سوال ۵۴) محترم جناب مفتی صاحب دامت برکاتہم۔ بعد سلام مسنون! گذارش یہ ہے کہ ہمارے شہر میں ایک قدیم اور پرانی عیدگاہ ہے لیکن کئی سال سے اس کے اطراف وجوانب کا حصہ غیروں کے قبضہ میں چلا گیا تھا اور عیدگاہ ناقابل انتفاع ہوگئی تھی، اتنا ہی نہیں بلکہ عیدگاہ میں شراب نوشی اور جوے کا اڈا بن چکا تھا اور پیشاب پاخانہ سے ملوث رہتی تھی، عیدگاہ کے قریب رہنے والے چند نوجوانوں نے اس چیز کو محسوس کیا اور بڑی جدوجہد کے بعد پکی دیوار بنادی اور غیروں کا قبضہ ختم کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ فالحمد للہ علی ذلک، عیدگاہ کی توسیع کی وجہ سے محراب اور منبر کو اپنی اصلی جگہ سے ہٹا کر درمیان میں لانے میں کوئی قباحت تو نہیں ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مساجد اور عیدگاہ میں امام کے کھڑے رہنے کی جگہ اور محراب بالکل وسط اور درمیان میں ہونا ضروری ہے تاکہ دونوں طرف صفیں برابر ہوں، ایک طرف بڑھ جانا باعث کراہت ہے لہذا محراب بالکل درمیان میں بنالی جائے اور منبر بھی محراب کے قریب ہونا چاہئے،[1] ایسا کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

عیدین کی نماز شہر کی عیدگاہ میں ہونا سنت مؤکدہ ہے،[2] سورت بڑا شہر ہے عیدگاہ کا کماحقہ انتظام نہ ہونے کی وجہ سے شہر کی تقریباً تمام چھوٹی بڑی مسجدوں میں عید کی نماز پڑھی جاتی ہے اور لوگوں کو راندیر جانا پڑتا ہے، اس لئے سورت میں شہر کے مناسب عیدگاہ کا انتظام ضروری ہے، یہ قدیم عیدگاہ مسلمانوں کی عدم توجہی اور غفلت کی بنا پر کالعدم ہوگئی تھی اور اس کا کافی حصہ ناجائز قبضہ کے نذر ہوگیا تھا اور جہاں پر ہزارہا مسلمانوں نے نماز پڑھی ہے، لاکھوں سجدے ہوئے ہیں افسوس کہ وہاں شراب نوشی اور قمار بازی کی اڈے بن گئے اور برسوں پیشاب پاخانہ کی گندگی ہوتی رہی جو اہل شہر کے لئے موجب وبال ہے۔

اللہ کے کچھ نیک بندوں کو اس کا احساس ہوا، انہوں نے اس جگہ کو ناجائز قبضہ سے چھڑایا اور گندگی سے پاک صاف کیا اور عیدگاہ کی توسیع کی، یہ حضرات فی الواقع مبارک بادی کے مستحق ہیں، مسلمانوں کو لازم ہے کہ ان کا ہاتھ بٹائیں اور ان کا پورا تعاون کریں اور اس قدیم عیدگاہ کو آباد کرنے میں جدوجہد کریں، جو لوگ اس کار خیر میں دامے، درمے قدمے، سخنے حصہ لیں گے وہ سنت زندہ کرنے کی بنا پر انشاء اللہ سو شہیدوں کے اجر وثواب کے مستحق ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۴ ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ۔

چھوٹی مسجد میں جمعہ قائم کرنا:

(سوال ۵۵) سورت کے ایک محلہ میں ایک مسجد ویران تھی تقریباً پانچ مہینے ہوئے اس کی مرمت کر کے آباد کی گئی ہے، مسجد کے قرب ایک بھی مسلمان کا گھر نہیں ہے، دوسرے محلوں سے لوگ اس میں نماز پڑھنے کے لئے آتے ہیں، مسجد بہت چھوٹی ہے تقریباً پندرہ بیس آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں جمعہ کی نماز بھی

---

(۱) قلت ای لأن المحراب انما بنی علامة لمحل قیام الامام لیکون قیامه وسط الصف کماهو السنة، شامی مکروهات الصلاة ج ۱ ص ۶۰۴

(۲) والخروج الیها ای الجبانة لصلاة العید سنة وان وسعهم المسجد الجامع هو الصحیح. درمختار مع الشامی باب العیدین ج ۱ ص: ۷۷۴.

جاری کی جائے تا کہ مسجد مکمل طور پر آباد ہو جائے، تو یہاں جمعہ جاری کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مذکور مسجد بہت ہی چھوٹی ہے، اس کی آبادی کے لئے اتنا کافی ہے کہ پنجوقتہ اذان اور جماعت سے نماز ہوتی رہے، اقامت جمعہ پر مسجد کی آبادی موقوف نہیں ہے، اقامت جمعہ شعائر اسلام میں سے ہے اس کا مقصد عظیم یہ ہے کہ شعائر دین کا عظیم الشان مظاہرہ ہو، یہ بات تب ہی ہو سکتی ہے کہ جمعہ عظیم الشان جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے، محلے محلے چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں چھوٹی چھوٹی جماعت سے جمعہ ادا کرنے میں اقامت جمعہ کا مقصد فوت ہو جاتا ہے اور دوسری مسجدوں پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔ **واقامة الجمعة من اعلام الدين فلا يجوز القول بما يؤدي الى تقليلها (مبسوط سرخسي ج ا ص ۱۲۱ باب الجمعة)** لہٰذا اس مسجد میں جمعہ قائم کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز جمعہ کی فضیلت اور کاروبار بند کرنا:

(سوال ۵۶) جمعہ کے دن ہم دوپہر کو نماز جمعہ سے پہلے دوکان بند کر دیتے ہیں، ہمیں کس وقت دوکان بند کرنا چاہئے، آج کل زوال ۴۵-۱۲ پر ہے اور اذان ایک بجے ہوتی ہے، اور خطبہ کا وقت ۱۰-۱ کا ہے۔ فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) احادیث میں جمعہ کے دن کی اور جمعہ کی نماز کی بہت ہی فضیلت بیان کی گئی ہے، یہ عید کے دن کے مماثل ہے بلکہ اس سے بھی افضل ہے لہٰذا بہتر تو یہ ہے کہ صبح ہی سے جمعہ کی نماز کی تیاری میں مشغول ہو جائے، جلد از جلد غسل کرے، عمدہ سے عمدہ کپڑے جو اسکے پاس ہوں پہنے، خوشبو لگائے، سورۂ کہف پڑھے اور جتنی جلدی ہو سکے اذان سے پہلے ہی جامع مسجد میں پہنچ کر نوافل، صلوٰۃ التسبیح، تلاوت قرآن، ذکر واذکار اور درود شریف پڑھنے میں مشغول رہے، تو بڑی فضیلت کا مستحق ہوگا، حدیث میں ہے۔ **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يغتسل رجل يوم الجمعة ويتطهر ما استطاع من طهر ويدهن من دهنه اويمس من طيب بيته ثم يخرج فلا يفرق بين اثنين ثم يصلي ما كتب له ثم ينصت اذا تكلم الا مام الا غفرله ما بينه وبين جمعة الا خرى.** رواہ البخاری یعنی جو شخص جمعہ کے دن غسل اور طہارت بقدر امکان کرے، بعد اس کے اپنے بالوں میں تیل لگائے اور خوشبو کا استعمال کرے اس کے بعد نماز کے لئے چلے اور جب مسجد میں آئے کسی آدمی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر نہ بیٹھے، پھر جس قدر نوافل اس کی قسمت میں ہوں پڑھے اور جب امام خطبہ پڑھنے لگے تو سکوت کرے تو گذشتہ جمعہ سے اس وقت تک کے گناہ اس شخص کے معاف ہو جائیں گے، اور دوسری حدیث میں ہے کہ گذشتہ جمعہ سے اس جمعہ تک اور مزید تین دن کے گناہ معاف ہو جائیں گے (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۲)

اور ایک حدیث میں ہے۔ **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من غسل يوم الجمعة واغتسل وبكروا بتكر ومشىٰ ولم يركب ودنا من الا مام واستمع ولم يلغ كان له بكل خطوة عمل سنة اجر صيامها وقيامها (رواه الترمذي وابوداؤد النسائي وابن ماجه)** جو شخص جمعہ کے دن غسل کرائے (یعنی بیوی کو) اور خود بھی غسل کرے اور سویرے مسجد میں پیادہ پا جاوے سوار ہو کر نہ جائے اور امام کے قریب بیٹھے اور خطبہ غور سے سنے اور اس درمیان کوئی لغو فعل نہ کرے تو اس کو ہر قدم کے عوض ایک سال کامل کی عبادت کا ثواب ملے گا۔

ایک سال کے روزوں کا اور ایک سال کی نمازوں کا (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۲ باب التنظیف والتکبیر) پھر نماز جمعہ سے فارغ ہو کر کھانا کھائے اور اس کے بعد دوکان کھولے، اس پر عمل کرنا اور صبح ہی سے دوکان بند کرنا مشکل ہو تو اذان اول سے اتنی دیر پہلے دوکان بند کر دی جائے کہ سنت کے موافق غسل کر کے کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر اذان اول کے وقت جامع مسجد پہنچ جائے۔ (ووجب السعی الیھا وترک البیع) ولو مع السعی وفی المسجد اعظم وزراً (بالاذان الاول) فی الاصح (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۷۰ باب الجمعۃ)

جمعہ کے دن کی جتنی عظمت کرو گے اور سنت کے موافق نماز جمعہ کا جتنا اہتمام کرو گے، اس کے موافق برکات سے نوازے جاؤ گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز کیوں صحیح نہیں؟:

(سوال ۵۷) ہمارے گاؤں میں برسوں سے جمعہ کی نماز ہوتی تھی اور جمعہ کی عظمت کی وجہ سے بڑی تعداد میں لوگ جمعہ کی نماز پڑھتے تھے، آٹھ دس ماہ سے ہمارے یہاں قریۂ صغیرہ ہونے کی وجہ سے جمعہ کی نماز بند کر دی گئی مگر اس کی وجہ سے وہ لوگ جو ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ مسجد میں آتے تھے ان لوگوں نے مسجد میں آنا بند کر دیا، اس لئے ہمارا ارادہ ہے کہ ایسے لوگ جمعہ کی نماز کی وجہ سے مسجد میں آ جایا کریں، جمعہ کی نماز شروع کر دیں، کیا اس مقصد سے جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ہر چیز کے کچھ اصول وقواعد ہوتے ہیں، ان اصول وقواعد کے موافق عمل کیا جائے تب ہی وہ عمل صحیح ہوتا ہے ورنہ صحیح اور قابل قبول نہیں ہوتا۔ مثلاً نابالغ لڑکا یا لڑکی اپنا نکاح خود نہیں کر سکتے اگر کریں تو نکاح صحیح نہ ہوگا کہ اپنا نکاح خود کرنے کے لئے بالغ ہونا شرط ہے، نابالغ لڑکا طلاق دے تو طلاق واقع نہ ہوگی کہ طلاق کی صحت وقوع کے لئے بالغ کا طلاق دینا ضروری ہے، نابالغ لڑکا بالغین کا امام نہیں بن سکتا کہ امامت کے لئے بالغ ہونا شرط ہے، وقت سے پہلے نماز پڑھی جائے تو نماز صحیح نہ ہوگی، اسی طرح حج کی ادائیگی کے لئے اشہر حج ہونا اور ارکان کی ادائیگی کے لئے جو جگہیں مقرر کی گئی ہیں وہاں جا کر ارکان ادا کرنا ضروری ہے ورنہ فریضہ حج ادا نہ ہوگا، اسی طرح نماز جمعہ کی صحت کے لئے شہر یا قصبہ ہونا شرط ہے اس لئے چھوٹے گاؤں میں جمعہ اور عیدین جیسی اہم عبادت جو عظیم شعائر اسلام میں سے ہیں ادا نہیں کی جا سکتی۔ (۱) دیکھئے! میدان عرفات شہر میں داخل نہیں اس لئے وہاں جمعہ کی نماز نہیں پڑھی جاتی حالانکہ لاکھوں حجاج ہوتے ہیں وہ سب ظہر پڑھتے ہیں، اسی طرح آپ کا گاؤں چھوٹا ہے شہر یا قصبہ نہیں اس لئے جمعہ یا عید کی نماز ادا نہیں کی جا سکتی، جو لوگ بے نمازی ہیں ان پر محنت کی جائے اور نماز کی اہمیت ان کے اندر پیدا کی جائے تو انشاء اللہ ظہر کی نماز بھی پڑھنا شروع کر دیں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز جمعہ کی جماعت دوبارہ کرنا:

(سوال ۵۸) جامع مسجد میں نماز جمعہ ایسے امام نے پڑھائی جس کی قرائت ٹھیک نہ تھی، بعض نے نہ پڑھی تو اب

---

(۱) قولہ وشرط ادائھا المصراى شرط صحتہا ان تؤدى فى مصرحى لا تصح فى قریۃ ولا مفازۃ لقول علی رضی اللہ عنہ لا جمعۃ ولا تشریق ولا صلاۃ فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع أو مدینۃ عظیمۃ رواہ ابن ابی شیبۃ وصححہ ابن حزم بحر الرائق باب صلاۃ الجمعۃ ج ۲ ص ۱۴۰۔

سب دوبارہ باجماعت پڑھ سکتے ہیں یا نہیں!

(الجواب) جس مسجد میں ایک مرتبہ نماز جمعہ باقاعدہ ہوئی ہو وہاں دوسری مرتبہ نماز جمعہ درست نہیں۔ جنہوں نے نماز نہیں پڑھی وہ دوسری مسجد میں جاکر پڑھیں ورنہ بلا اذان اور بلا اقامت اور بغیر جماعت کے ظہر کی نماز تنہا تنہا ادا کرلیں۔ (شامی ج۱ص۷۶۶)[1] واللہ اعلم بالصواب۔

جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل پڑھنا:

(سوال ۵۹) جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل پڑھے یا نہیں؟۔

(الجواب) جمعہ کے دن بھی زوال کے وقت نماز پڑھنا مکروہ اور منع ہے (صلوۃ الجمعۃ رسائل الارکان ص ۶۴) وقع من ایضاً ترجیح قول الامام بکراھۃ النافلۃ فی وقت الاستواء یومھا فانھم۔(شامی ج۱ ص ۷۷۳ آخری صلاۃ الجمعۃ)فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گاؤں میں مسجد نہیں ہے تو نماز جمعہ صحیح ہے یا نہیں:

(سوال ۶۰) گاؤں میں مسجد نہیں ہے، جمعہ وعیدین کے لئے تکلیف ہے، مسجد کی بناڈالی ہے، پنجگانہ نماز کہاں ادا کی جائے امام بھی نہیں اب اس گاؤں میں جمعہ وعیدین پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) وجوب اور صحت جمعہ وعیدین کے لئے شہر اور قصبہ ہونا شرط ہے مسجد کا ہونا شرط نہیں اسی طرح جائے نماز کا وقف ہونا بھی شرط نہیں گھر میں یا کرایہ کے مکان میں ادا کی جاسکتی ہے بشرطیکہ عام لوگوں کو وہاں جانے کی اجازت ہو، عام اجازت نہ ہوگی تو نماز جمعہ وعیدین صحیح نہ ہوگی۔ (درمختار مع الشامی ج۱ص۷۴۷۔۷۶۱)[2]

آپ حضرات موجودہ حالت میں نماز کے لئے کوئی جگہ مقرر کرلیں اس کی صفائی رکھ کر نماز باجماعت پڑھنے کا انتظام کریں اور امامت کے لئے کسی نیک دیندار کو مقرر کرلیں نماز جمعہ وعیدین کو صحت کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ امام کے علاوہ تین نمازی اور ہوں۔ فقط واللہ اعلم۔

نماز جمعہ جہاں صحیح نہ ہو وہاں سے دوسری جگہ جانا کیسا ہے؟:

(سوال ۶۱) جہاں جمعہ صحیح نہیں ہے وہاں سے بالقصد دوسری جگہ جانا منع ہے ایسا فتویٰ دیا ہے تاہم جانے والے کے لئے کوئی وعید ہے؟ ہمارے یہاں سے بذریعہ ٹرین یا موٹر میں یا چالیس میل دور سفر کر کے جمعہ کے لئے جاتے ہیں تو کیسا ہے؟

(الجواب) جس گاؤں میں جمعہ جائز نہیں وہاں سے شہر میں جمعہ کے لئے جانا لازم نہیں، ہاں جانے پر ثواب کا حقدار ہے جانے کی ممانعت نہیں۔ (درمختار مع الشامی ج۱ص۷۷۲صلوٰۃ الجمعہ)

(۱) وکذا اھل مصر فاتتھم الجمعۃ فانھم یصلون الظھر و لا اقامۃ ولا جماعۃ قال فی الشامیۃ تحت قولہ وکذا اھل مصر عن المضمرات یصلون وحدانا باب الجمعۃ)

(۲) ویشترط لصحتھا سبعۃ اشیاء الاول المصر والسابع الاذن العام من الامام الخ باب الجمعۃ اگر مذکورہ جگہ شہر یا قصبہ نہیں بلکہ دیہات ہے تو جمعہ قائم کرنا جائز نہ ہوگا)

ظہر و جمعہ کی سنت میں جماعت و خطبہ شروع ہو جائے:

(سوال ۶۴) ظہر و نماز جمعہ سے پہلے چار رکعات سنت موکدہ پڑھنے کی حالت میں ظہر کی جماعت یا جمعہ کا خطبہ شروع ہو جائے تو سنت پوری کرے یا دو رکعت پر سلام پھیر دے؟
(الجواب) صورت مسئولہ میں دو رکعت پر سلام پھیر دے یا چار رکعت مختصر قرأت وغیرہ کے ساتھ پڑھے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ دو رکعت پڑھے ہاں اگر تیسری رکعت شروع کر دی ہو تو اختصار کے) ساتھ چار رکعت پوری پڑھے (شامی ج ۱ ص ۶۶۸ ادراک الفریضۃ) فقط اللہ اعلم۔

نماز جمعہ کے قعدہ میں شرکت:

(سوال ۶۵) جمعہ کی نماز میں کوئی شخص قعدہ اخیرہ میں شامل ہوا تو دو رکعت پڑھے یا چار رکعت پوری کرے؟
(الجواب) دو رکعت جمعہ کی پڑھے۔ چار رکعت ظہر کی پڑھنے کی حاجت نہیں۔ (نور الایضاح ص ۱۲۶)

جمعہ وعیدین میں آلۂ مکبر الصوت کا استعمال:

(سوال ۶۶) لاؤڈ اسپیکر یعنی آلہ مکبر الصوت پر جمع وعیدین کا خطبہ اور نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
(الجواب) بعض علماء کے نزدیک لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتداء درست اور نماز صحیح نہیں کہ ان کے نزدیک لاؤڈ اسپیکر کی آواز اصلی نہیں نقلی ہے۔ اگر چہ بہت سے علماء کے نزدیک اقتداء درست اور نماز صحیح ہے فاسد یا واجب الاعادہ نہیں لیکن ان

میں سے محتاط اور محققین علماء اس میں خرابیاں زیادہ ہونے اور نفع سے زیادہ نقصان کا پہلو غالب ہونے کی وجہ سے نماز میں اس کے استعمال کی اجازت نہیں دیتے اور یہی مناسب ہے اور اسی میں سلف صالحین کی کامل اتباع ہے لہذا اسلاف صالحین کے سادہ محتاط اور بابرکت طریقہ کو چھوڑ کر نماز جیسی افضل العبادات اور دین کے اہم شعار کو ایسے مخدوش اور اختلافی طریقہ کے ذریعہ ادا کرنا ہرگز مناسب نہیں اس کے استعمال پر اصرار کرنا غلطی ہے خطبہ میں بھی اس کا استعمال خطبہ کے شایان شان نہیں۔ اگر خطبہ اور قرأت کی آواز حاضرین تک پہنچ جاتی ہے تو کسی عالم کو بھی اس سے اختلاف نہیں ہے کہ اس صورت میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ دور حاضر کے فتاویٰ ملاحظہ فرمائیے ذیل میں منقول ہیں۔

(۱) الجواب (ص ۱۴۷۰) یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، بعض علماء اس کو فاسد کہتے ہیں اور بعض درست کہتے ہیں احوط یہی ہے کہ اس کو نماز میں ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔

سعید احمد مفتی مظاہر العلوم (سہارنپور) ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ)

(۲) مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی۔ لاؤڈ اسپیکر کو نماز میں استعمال نہ کیا جائے امام کو چاہئے کہ اس کو روک دے۔ (ماہنامہ نظام کانپور۔ ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ مطابق ۲ جون ۱۹۶۰ء)

(۳) مفتی مہدی حسن صاحب۔ الجواب۔ (۵۳۳۹) جہاں تک احتیاط کا تقاضا ہے پرانے طریقے پر نماز پڑھی اور پڑھائی جائے، لاؤڈ اسپیکر نماز میں استعمال نہ کیا جائے اختلاف بھی ہے۔ ایک جماعت نادرست کہتی ہے اور ایک جائز کہتی ہے، اس لئے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز جیسی اہم عبادت کو اس طریقہ سے ادا کیا جائے کہ ہر مکتب خیال کے علماء کے نزدیک نماز صحیح اور درست ہو جائے اور جب مجمع زیادہ ہو تو پرانے طریقے کے بموجب مکبرین کے ذریعہ تکبیرات امام مقتدیوں کو پہنچائی جائیں۔ (حضرت مفتی مہدی حسن صاحب دارالعلوم دیوبند۔ ۲۳ ذی الحجہ [illegible])

نماز جمعہ کی مسنون قرأت:

(سوال ۶۷) ہمارے یہاں امام صاحب نماز جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ کا پہلا رکوع اور دوسری رکعت میں دوسرا رکوع پڑھتے ہیں اور اس کو سنت طریقہ قرار دیتے ہیں تو کیا اس طرح قرأت کرنے سے سنت ادا ہوگی؟

(الجواب) گاہے گاہے جمعہ کی رکعت اولیٰ میں سورۂ اعلیٰ اور ثانیہ میں سورۂ غاشیہ پڑھنا سنت ہے۔ اسی طرح کبھی کبھی جمعہ کی رکعت اولیٰ میں سورۂ جمعہ اور رکعت ثانیہ میں سورۂ منافقون پڑھنا بھی مسنون ہے۔ لیکن جمعہ کی دونوں رکعتوں میں صرف سورۂ جمعہ پڑھنا (یعنی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ کا پہلا رکوع اور دوسری رکعت میں دوسرا رکوع پڑھنا) جیسا کہ آپ کی امام صاحب کرتے ہیں اور اس کو مسنون طریقہ سمجھا جاتا ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح جمعہ کی رکعت اولیٰ میں سورۂ جمعہ کا آخری رکوع اور ثانیہ میں سورۂ منافقون کا آخری رکوع پڑھنے کو سنت کی ادائیگی کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔ ''زاد المعاد'' میں ہے۔ ولا یستحب ان یقرء من کل سورۃ بعضھا او یقرأ احدھما فی الرکعتین فانہ خلاف السنۃ وجھال الائمۃ یداومون علیٰ ذلک . یعنی یہ طریقہ سنت اور مستحب

نہیں ہے کہ سورۂ جمعہ یا سورۂ منافقون کا کچھ کچھ حصہ پڑھا جائے یا ایک سورت میں دونوں رکعتیں پڑھی جائے (جیسا کہ دریافت کیا گیا ہے) یہ طریقہ خلاف سنت ہے۔ جاہل اماموں نے سنت سمجھ کر اس طور پر پڑھنے کی عادت بنائی ہے اسی کی پابندی کرتے ہیں (ص ۱۰۴ ج ۱) واللہ اعلم بالصواب۔

نماز جمعہ اور جمعہ کی فجر میں کونسی سورۃ پڑھنا مسنون ہے؟:

(سوال ۶۸) نماز جمعہ اور جمعہ کی فجر کی نماز میں کوئی خاص سورت یا آیات پڑھنا سنت ہے؟ اور جمعہ کے دن نماز فجر میں سورۂ سجدہ پڑھنا سنت ہے؟ بحوالہ کتب جواب عنایت فرمائیں؟

(الجواب) آنحضرت ﷺ اکثر و بیشتر فجر کی سنت کی پہلی رکعت میں سورۂ کافروں اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص تلاوت فرماتے تھے۔ وتر کی پہلی رکعت میں گاہے گاہے سورۂ اعلیٰ اور دوسری میں سورۂ کافرون اور تیسری میں سورۂ اخلاص تلاوت فرماتے تھے اور کبھی سورۂ اخلاص کے ساتھ معوذتین بھی پڑھنا ثابت ہے۔ اسی طرح جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں سورۂ منافقون اور گاہے پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ اور دوسری میں سورۂ غاشیہ تلاوت فرماتے تھے اور جمعہ کے دن نماز فجر کی پہلی رکعت میں سورۂ سجدہ اور دوسری میں سورۂ دھر تلاوت فرماتے تھے۔ لہذا اسی طرح گاہے گاہے پڑھنا مسنون اور مستحب ہے۔ سنت مؤکدہ نہیں ہے۔ لہذا اس پر مداومت نہ کرے کہ عوام اس کو واجب اور سنت مؤکدہ سمجھ لیں۔ ''درمختار'' میں ہے۔ **ویکرہ التعیین کالسجدۃ وھل اتی الفجر کل جمعۃ بل یندب قرأتھما احیاناً**. یعنی خاص سورتوں کو مقرر کر لینا جیسے یہ مقرر کر لینا کہ جمعہ کے روز صبح کی نماز میں سورۂ سجدہ اور سورۂ ھل اتی (سورۂ دھر) کو پڑھے یہ مکروہ ہے۔ مستحب یہ ہے کہ کبھی کبھی ان کو بھی پڑھ لیا کرے۔ ''شامی'' میں ہے **فیستحب ان یقراء ذلک احیاناً تبر کاً بالماثور**. نمازوں میں آنحضرت ﷺ سے جو سورتیں پڑھنی ثابت ہیں۔ کبھی کبھی برکت اور ثواب کی نیت سے ان کا پڑھنا مستحب ہے۔ (ص ۵۰۸ ج ا فصل فی القرأۃ)

کیا بمبئی کی گودی میں کھڑے ہوئے جہاز میں جمعہ کی نماز پڑھی جا سکتی ہے؟:

(سوال ۶۹) مفتی صاحب ہم سب گذشتہ کل جمعرات کو جہاز میں سوار ہوئے ہیں اور آج جمعہ کا دن ہے۔ اب ہمارے ساتھ بمبئی کے کئی حجاج ہیں اور جہاز ابھی بمبئی میں کسٹم (گودی) میں ہے تو یہ لوگ جمعہ ادا کریں یا ظہر؟ اسی طرح قصر کریں یا پوری ادا کریں؟

(الجواب) جہاز جب تک بمبئی گودی میں کھڑا ہے اس وقت تک بمبئی والے نماز پوری ادا کریں۔ یہ لوگ ابھی اپنے وطن کی حد (احاطہ) میں ہیں جس بناء پر مقیم ہیں مسافر نہیں۔ [۱] البتہ ان پر جمعہ کی نماز نہیں کہ جمعہ کے لئے ''اذن عام'' ضروری ہے۔ جب جہاز والے شہر میں نہیں جا سکتے اور شہر والے جہاز میں نہیں آسکتے تو ''اذن عام'' کی شرط مفقود ہے اس لئے جمعہ کی نماز ان پر لازم نہیں۔ جیسے اپنے شہر کے جیل خانہ میں جو قید ہیں ان پر جمعہ کی نماز لازم نہیں کیونکہ جیل خانہ میں جانے کی عام اجازت نہیں ہے وہ ظہر کی نماز علیحدہ علیحدہ پڑھیں گے۔ اسی طرح بمبئی کے حجاج بھی ظہر کی

---

(۱) واشار الی أنہ مفارقۃ ما کان من توابع موضع الاقامۃ کربض المصر وھو ما حول المدینۃ من بیوت ومساکن فانہ فی حکم المصر ۔ شامی باب صلاۃ المسافر۔

نماز علیحدہ علیحدہ پڑھ لیں جماعت نہ کریں۔ کیونکہ ایسے لوگوں کے لئے شہر میں ظہر کی جماعت کرنا مکروہ ہے۔ کرہ تحریماً لمعذور و مسجون ومسافر اداء ظهر بجماعة في مصر (الدر المختار في شروط الجمعة ص ۷۶۶ ج ۱)

جمعہ کے دن بوقت استواء نماز کا حکم:

(سوال ۷۰) حضرت مفتی صاحب۔ بعد سلام مسنون فرزند سلمہ، نے مدراس سے مجھے لکھا ہے کہ میں مظاہر حق پڑھتا ہوں جس میں ایک حدیث پڑھی جسے امام شافعی نے روایت کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے دوپہر کے وقت آفتاب ڈھلنے سے پہلے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن جمعہ کے دن (پڑھ سکتے ہیں) اوکما قال..... تو شافعی مسلک تو یہی ہے کہ زوال کے وقت جمعہ کے دن نفل پڑھ سکتے ہیں۔ حضرت ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ کسی بھی دن زوال کے وقت مکروہ ہے۔ لیکن ایک کتاب درمختار میں لکھا ہے کہ جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز جائز ہے۔ اور یہی قول ان کے شاگرد حضرت امام ابو یوسف کا ہے۔ حضرت بابرؒ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے تو تم جمعہ کے دن صلوٰۃ التسبیح زوال کا وقت دیکھ دیکھ پڑھتی تھیں اب اس کی ضرورت نہیں ہے زوال کے وقت بھی کچھ حرج نہیں۔ یہ حنفیہ کا فتویٰ ہے (جمعہ کے علاوہ زوال کے وقت مکروہ ہے) اس مسئلہ میں آپ کیا فرماتے ہیں اور مجھے کیا کرنا چاہئے؟ (بندہ۔ از بمبئی)

(الجواب) ٹھیک دوپہر کے وقت جب تک آفتاب ڈھل نہ جائے نماز پڑھنا ممنوع اور مکروہ تحریمی ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن عقبة بن عامر رضي الله عنه يقول ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا ان نصلي فيهن او نقبر فيهن موتانا حين تطلع شمس بازغة حتى ترتفع وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب. یعنی حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ تین وقت ہیں کہ منع فرماتے تھے رسول اللہ ﷺ ہم کو اس سے کہ ہم ان میں نماز پڑھیں یا ان میں اپنے مردوں کو دفن کریں (یعنی جنازہ کی نماز پڑھیں) جس وقت آفتاب نکلنے لگے یہاں تک کہ وہ بلند ہو جائے جس وقت ٹھیک دوپہر ہو جائے یہاں تک کہ آفتاب ڈھل جائے اور جس وقت کہ آفتاب غروب ہونے لگے یہاں تک کہ غروب ہو جائے (صحیح مسلم باب الاوقات التی نہی عن الصلوٰۃ فیہا ص ۲۷۶ ج ۱) اس حدیث میں ممانعت کا حکم مطلق اور عام ہے اس میں جمعہ کے دن کا استثناء نہیں ہے۔ جس حدیث میں جمعہ کے دن کا استثناء ہے وہ یہ ہے۔ عن ابي هريرةؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلوة نصف النهار حتى تزول الا يوم الجمعة. یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا نماز پڑھنے سے دوپہر کے وقت یہاں تک کہ آفتاب ڈھل جائے مگر جمعہ کے دن (منع نہیں ہے) یہ جمعہ کے دن کے استثناء والی حدیث اس درجہ کی نہیں ہے کہ عموم والی حدیث کا مقابلہ کر سکے۔ کیونکہ یہ اس کے مقابلہ میں ضعیف ہے اگر برابر کی بھی مان لی جائے تو اصول حدیث کے بموجب حدیث تحریم کو ترجیح ہوگی۔

"رسائل الارکان" میں ہے۔ وفي التعارض يقدم المحرم على المبيح و اجاب الشيخ ابن

الھمام بان ھٰذین الحدیثین معارضان لحدیث النھی والمحرم راجع عند المعارضۃ فصل فی المواقیت(ص ۶۲)

والجواب عنہ ان استثناء یوم الجمعۃ لم یرو فی حدیث صحیح وکل ماجاء فیہ ضعیف بأسرہ قال الحافظ فی التلخیص بعد ذکر الحدیث المذکور واسحٰق وابراھیم ضعیفان ورواہ البیھقی من طریق ابی خالد الاحمر عن عبداللہ شیخ من اھل المدینۃ عن سعید بہ ورواہ الاثرم بسند فیہ الواقدی وھو متروک رواہ البیھقی بسند آخر فیہ عطاء بن عجلان وھو متروک الخ (اعلاء السنن ص ۴۳ ج۲ کراھۃ الصلاۃ عند الاستواء)

یعنی حضرت امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ جن حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں وہ ضعیف ہیں۔ ان کے راویوں میں اسحاق وابراہیم ہیں یہ ضعیف ہیں ...... بیہقی کی روایت میں واقدی ہیں وہ متروک ہیں۔ دوسری روایت میں عطاء بن عجلان ہیں وہ بھی متروک ہیں الخ۔

پس بہ نظر قوت دلیل اصح قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے۔ والحدیث باطلاقہ حجۃ علی الشافعیؒ فی تخصیص الفرائض وغیرہ بمکۃ وحجۃ علیٰ ابی یوسفؒ فی اباحۃ النفل یوم الجمعۃ کتاب الصلوٰۃ باب المواقیت ج ۱ ص ۸۵ (ص ۶۸ ج ۱) شامی میں ہے (قولہ الا یوم الجمعۃ) لمارواہ الشافعیؒ فی مسندہ نھی عن الصلوٰۃ نصف النھار حتی تزول الشمس الایوم الجمعۃ قال الحافظ ابن حجر فی اسنادہ انقطاع وذکر البیھقی لہ شواھد ضعیفۃ اذاضمت قوی الخ (قولہ المصحح المعتمد) اعتراض بان المتون والشروح علیٰ خلافہ (قولہ ونقل الحلبی) ای صاحب الحلیۃ العلامۃ المحقق ابن امیر الحاج عن الحاوی ای الحاوی القدسی کمارأیتہ فیہ لکن شراح الھدایۃ انتصروا القول الامام واجابوا عن الحدیث المذکور باحادیث النھی عن الصلوٰۃ وقت الاستواء فانھا محرمۃ (الیٰ قولہ) وایضاً بان حدیث النھی صحیح رواہ مسلم وغیرہ فیقدم بصحتہ واتفاق الائمۃ علی العمل بہ وکونہ حاظراً وقد امنع علماء عن سنۃ الوضوء وتحیۃ المسجد ورکعتی الطواف ونحو ذلک فان الحاظر مقدم علی المبیح (الیٰ قولہ) ورأیت فی البدائع ایضاً مانصہ وما ورد من النھی الا بمکۃ شاذ لا یقبل فی معارضۃ المشھور وکذا روایۃ استثناء یوم الجمعۃ غریب فلا یجوز تخصیص المشھور بہ اھ وللہ الحمد (ج ۱ ص ۳۴۵ کتاب الصلاۃ) وقدمنا ایضاً ترجیح قول الامام بکراھۃ النافلۃ فی وقت الاستواء یومھا (الجمعۃ) (شامی باب الجمعۃ ص ۷۷۳ ج ۱)

''مظاہر حق'' میں ہے (زوال کے وقت) کراہت ہمارے (حنفیہ) کے نزدیک ہر زمان اور ہر مکان میں ہے (مکہ اور جمعہ کا استثناء نہیں ہے) اور نزدیک شافعیؒ کے اور اور علماء کے کہ موافق ان کے ہیں دن جمعہ کے وقت استواء کے جائز ہے اور مکہ معظمہ میں بھی جائز ہے سب اوقات میں اور مذہب حنفیہ کا احوط ہے اس لئے کہ جب مبیح (مباح بتلانے والی حدیث) اور محرم (حرام بتلانے والی حدیث) جمع ہوں تو ترجیح محرم کو ہے واللہ اعلم (ص ۳۴۲ ج ۱) اسی میں

دوسری جگہ لکھا ہے۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کے روز بھی زوال کے وقت نماز پڑھنا درست نہیں ہے اس لئے کہ جن حدیثوں میں منع کا حکم ہے وہ مشہور (معتبر) ہیں۔اور یہ حدیث جو امام شافعیؒ اور امام ابویوسفؒ کی دلیل ہے ضعیف ہے۔ان مشہور حدیثوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی اور یہ فقہی قاعدہ مسلمہ ہے کہ محرم راجح ہے مبیح پر ملخصاً (ص ۳۴۶ ج ۱)

یہ ہے حنفیہ کا اصلی مذہب پھر یہ کیسے لکھ دیا کہ ''جمعہ کے دن صلوٰۃ التسبیح زوال کا ٹائم دیکھ دیکھ کر پڑھتی تھیں اب اس کی ضرورت نہیں ہے زوال کا وقت ہونے سے بھی کچھ نہیں یہ حنفیہ کا فتویٰ ہے۔'' حنفیہ کا مذہب وفتویٰ اور دلیل مسلم کی صحیح حدیث اور کتاب ''رسائل الارکان'' ہدایہ، بدائع، شامی اور مظاہر حق۔'' کی عبارتوں سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ زوال کے وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے۔یہی حدیث صحیح سے ثابت ہے۔اور دوسرے قول کے مقابلہ میں راجح اور احوط ہے۔لہٰذا اس پر عمل کرنا چاہئے۔نماز اہم عبادتوں میں سے ہے۔اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔''شامی'' میں ہے۔''لما فی مبسوط السرخسي ان الا خذبالا حتياط في باب العبادات واجب ۱ھ'' (ص ۱۰۶ ج ۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔(عبادات کے متعلق مسائل میں احتیاط والے مسئلہ پر عمل کرنا واجب ہے۔

فنائے مصر سے باہر رہنے والوں پر جمعہ واجب ہے یا نہیں؟:

(سوال ۷۱) راندیر کے قریب دو ۲ دیہات ہیں۔اراجن اور پال دونوں جگہ کی فجر کی اذان سنائی دیتی ہے جب کہ لاؤڈ اسپیکر پر دی جاتی ہے تو اس جگہ کے لوگوں پر نماز جمعہ کے لئے راندیر آنا ضروری ہے یا نہیں؟

(الجواب) جب یہ دونوں دیہات راندیر سے علیحدہ اور مستقل ہیں تو ان کے باشندوں پر جمعہ واجب نہیں ہے۔ ولا يجب على من كان خارجه ولوسمع النداء من المصرسواء كان سواده قريبا من المصراو بعيدا على الا صح فلا يعمل بما قيل بخلافه وان صحح .باب الجمعة(مراقی الفلاح ص ۱۰۱)

لايعمل بما قيل الخ قال في الشرح فد علمت بنص الحديث والا ثرو الرواية عن ائمتنا ابى حنيفة وصا حبيه واختيار المحققين من اهل الترجيح انه لا عبرة ببلوغ النداء ولا بالعلوة و ميال وانه ليس بشيئى فلا عليك من مخالفة غيره وان ذكر تصحيحه فمنه مافي البدائع انه ان امكن ان يحضر الجمعة ويبيت باهله من غير تكلف يجب عليه الخ اى لان من جاوز هذا الحد بنية السفر كان مسافراً فلو وجبت ثمه لو جبت على المسافر وهو خلاف النص.(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۹۲.۲۹۳ ايضاً) فقط والله اعلم بالصواب .

چھوٹے گاؤں میں جمعہ کا حکم:

(سوال ۷۲) میں ''نوا گاؤں بورجائی'' میں ملازم ہوں۔مدرسہ اور امامت بھی میرے ذمہ ہے۔گاؤں میں دس ۱۰ بارہ ۱۲ مکان ہیں۔پہلے سے جمعہ نہیں پڑھا جاتا اور نماز عید ہوتی ہے کیا فی الحال نماز پڑھنا واجب ہے اور نماز عید واجب ہے تو نیت واجب کی کی جائے یا نفل کی؟ بعض کہتے ہیں کہ واجب کی نیت سے نماز عید صحیح نہیں ہے نفل کی نیت سے صحیح ہے تو کیا نفل کی نیت سے نماز عید پڑھے پڑھائے تو ادا ہوگی؟

(الجواب) تمہارا گاؤں چھوٹا ہے ایسے گاؤں میں جمعہ وعیدین کی نماز درست نہیں۔نفل کی نیت سے بھی عید کی نماز

پڑھنے پڑھانے کی اجازت نہیں مکروہ تحریمی ہے۔ ''درمختار'' میں ہے۔ صلوٰۃ العید فی القری تکرہ تحریما ای لانہ اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحۃ. ''شامی'' میں ہے۔ (قولہ ما لا یصح) ای علی انہ عید والا فھو نفل مکروہ لا دائہ بالجماعۃ (۷۷۵ ج ۱ باب العیدین) فقط واللہ اعلم بالصواب .

گاؤں قصبہ بن جائے تو نماز جمعہ وعیدین کا حکم:

(سوال ۷۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارا قصبہ ''چھاپی'' آج سے چار پانچ سال قبل ایک معمولی سی دیہات کی حیثیت رکھتا تھا۔ مگر اب اس وقت قصبہ کے مانند ہے اور پوری اس کی آبادی تقریباً چار ہزار ہے۔ اگر انگریزی اور عربی مدرسہ کے طلباء کی تعداد وشمار کی جائے تو تقریباً چھ سو ۶۰۰ کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس قصبہ میں مستقل بازار ہے۔ جس میں ہر قسم کی اشیاء (ضروریات زندگی) فراہم ہو جاتی ہیں اور پورے بازار کی دوکانیں جو باضابطہ پنچایت کو ٹیکس ادا کرتی ہیں۔ دو سو پچاس ۲۵۰ ہیں۔ ریلوے اسٹیشن ہے جہاں ڈاک میل کے علاوہ سب گاڑیاں ٹھہرتی ہیں۔ اور یہ قصبہ اپنے قرب وجوار کے بہت سے دیہاتوں کے لئے تھوک منڈی شمار کیا جاتا ہے۔ دیہاتی تاجر یہاں آکر ضروری اشیاء خریدتے ہیں اور اس میں پنچایت کی آفس، ڈاک گھر، ٹیلی گرام، ٹیلیفون، الیکٹرک (بجلی) بھی ہے اور پولیس تھانہ بھی اور سرکاری غیر سرکاری شفا خانے بھی اور جانوروں کا دوا خانہ بھی ہے اور بینک بھی ہے۔ یہاں دو مسجدیں اور ایک عربی مدرسہ ہے۔ جس میں ساڑھے تین سو (۳۵۰) طلباء زیر تعلیم ہیں۔ پرائمری اور سیکنڈری اسکول ہیں۔ خلاصہ یہ کہ یہاں ضروریات زندگی تجارت اور صنعت وحرفت اور جانوروں کے پرورش کے اصطبل لگے ہوئے ہیں اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس جگہ پر جمعہ وعیدین واجب ہے یا نہیں؟ آج تک یہاں پر جمعہ وعیدین ادا نہیں کی جاتی ہے۔ جب باہر کے علمائے کرام آتے ہیں تو اس مقام کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہاں کے لوگ ترک جمعہ کے مرتکب ہوں گے تو جمعہ وعیدین واجب ہے یا نہیں؟ جمعہ ادا نہ کرنے کی صورت میں واقعۃً ترک جمعہ کے گناہ کے مرتکب ہوں گے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قصبہ اور قریہ صغیرہ ہونے کا مدار عرف پر ہے اگر فی الواقع چھاپی کی بستی قصبہ نما ہے۔ اور اہل بستی اور قرب وجوار والے اسے قصبہ سمجھتے ہیں تو یہ عرفاً اور شرعاً قصبہ ہے اور قصبہ قائم مقام شہر کے ہوتا ہے۔ لہذا یہاں پر بلا تردد نماز جمعہ وعیدین درست ہے۔ وتقع فرضاً فی القصبات و القری الکبیرۃ التی فیھا اسواق (شامی ص ۷۴۸ ج ۱ باب الجمعۃ) لہذا اس جگہ جمعہ وعیدین قائم کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں:

(سوال ۷۴) بڑودہ شہر کی آبادی سے باہر تبلیغی اجتماع رکھا ہے یہ جگہ شہر کی حد میں ہے یہاں پنڈال میں نماز جمعہ صحیح ہے یا نہیں؟ چار پانچ ہزار آدمیوں کا شہر میں جانا دشوار ہے۔

(الجواب) یہ اجتماع فنائے شہر میں ہے لہذا پنڈال میں نماز جمعہ صحیح ہے۔ صحت جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں، شہر یا فنائے شہر میں جہاں کہیں مسجد کی طرح نماز پڑھنے کی عام اجازت ہو نماز جمعہ پڑھی جا سکتی ہے۔ مگر مسجد میں پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا۔ (اوفناءہ) بکسر الفاء وھو ما) حولہ (اتصل بہ) اولا کما حررہ ابن الکمال .

وغیرہ(لا جل مصالحہ) کدفن الموتی ورکض الخیل (درمختار مع الشامی ج ا ص ۷۴۹ ایضا)
فنائے شہر یعنی شہر کے اردگرد کا کارآمد میدان جو شہر کے مفاد اور مصالح جیسے مردوں کی تدفین گھوڑ دوڑ اور فوجی اجتماع کے لئے ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صحت جمعہ کے لئے کس قدر آبادی شرط ہے؟:

(سوال ۷۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت مسئلہ میں (۱) ہمارے گاؤں کی آبادی تین ہزار کی ہے۔ مسلمان تین سو ہیں۔ (۲) دو قبرستان ہیں ایک سات بیگھے کا اور دوسرا ایک بیگھے کا (۳) پانچ سات دکانیں ہیں ضروری چیزیں سورت اور بارڈولی سے منگوائی جاتی ہیں (۴) تھانہ، ریلوے، واٹر ورکس، بجلی، ندی اور بازار وغیرہ نہیں ہیں۔ (۵) سات بیگھے کا ایک تالاب ہے (۶) پورب میں بارڈولی پانچ میل پر واقع ہے۔ پچھم سورت، بلیشور بارہ میل پر ہے (۷) مدرسہ و مسجد ہے۔ نماز جمعہ وعیدین۔ باجماعت ہوتی ہے۔ مذکورہ حالات کے پیش نظر صحت جمعہ کے لئے کیا حکم ہے؟ کچھ لوگ بجائے جمعہ کے ظہر پڑھتے ہیں تو کیا یہ گنہگار ہیں؟ اگر ہیں تو کفارہ کیا ہے؟

(الجواب) جمعہ وعیدین کے لئے شہر یا قصبہ ضروری ہے۔ آپ کا گاؤں بڑا گاؤں یا قصبہ کہا جاتا ہو تو جمعہ وعیدین درست ہیں۔ مگر مذکورہ بالا صورتوں (ڈاکخانہ۔ ریلوے وغیرہ نہ ہونے سے) واضح ہوتا ہے کہ قصبہ نہیں ہے لہذا جمعہ وعیدین کی نماز صحیح نہیں ہے پڑھی جائے تو وہ ادا نہ ہوگی نفل ہو جائے گی اور نفل باجماعت پڑھنے کی کراہت اور ظہر باجماعت ترک کرنے کا گناہ ہوگا۔ اہل قریہ پر جمعہ نہیں ظہر باجماعت لازم ہے۔ نماز عید بھی واجب نہیں۔ اگر ہمت اور شوق ہو تو قرب وجوار کے قصبہ یا شہر میں جا کر پڑھنا بہتر ہے۔ واجب نہیں ہے۔[1] **فقط واللہ اعلم بالصواب**.

رویدار میں نماز جمعہ وعیدین صحیح ہے یا نہیں؟:

(سوال ۷۶) علمائے دین کیا فرماتے ہیں۔ خدا پاک آپ کا سایہ تادیر قائم رکھے، بخدمت اقدس عرض اینکہ ہمارے گاؤں کے قریب ایک گاؤں ہے دونوں گاؤں میں ایک ایک مسجد ہے۔ ایک گاؤں کا نام ''رویدار'' ہے اور دوسرے کا نام ''کرمالی'' ہے۔ رویدار کی آبادی پندرہ سو (۱۵۰۰) اور کرمالی کی آبادی چار سو (۴۰۰) ہے۔ رویدار میں دوا خانہ، دس ۲۰ بارہ ۱۲ دکانیں، اور چکی ہے (آٹا پیسنے کی) اور واٹر ورکس بھی ہے۔ غرض کہ ضروریات زندگی بہ سہولت میسر ہوتی ہے، مزید اینکہ یہاں نماز جمعہ وعیدین پڑھی جاتی ہے۔ مگر بعض عدم وجوب وعدم جواز کے قائل ہیں اور وہ نہیں پڑھتے۔ لہذا اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ واضح فرمائیں۔

(الجواب) تحقیق سے معلوم ہوا کہ دونوں گاؤں اسماً وعرفاً مستقل ہیں اور کسی ایک میں بھی صحت جمعہ کی شرط نہیں پائی جاتی لہذا جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے۔[2] **فقط واللہ اعلم بالصواب** . (**کتبہ السید عبدالرحیم غفر لہ**)

(الجواب) نمبر ا یہ تو ظاہر ہے کہ جمعہ کی صحت وعدم صحت کا مدار اجتماع شرائط وعدم اجتماع پر ہے، پس صورت مسئولہ

---

(۱) ومن لا تجب علیھم الجمعۃ من اھل القری والبوادی لھم ان یصلوا الظھر بجماعۃ یوم الجمعۃ باذان واقامۃ عالمگیری. صلاۃ الجمعۃ ص ۱۴۵

(۲) وشرط ادائھا المصر ای شرط صحتھا ان تؤدی فی مصر حتی لا تصح فی قریۃ ولا مفازۃ الخ بحر الرائق ج ۲ ص ۱۴۰ باب صلاۃ الجمعۃ

میں جب دوگاؤں علیحدہ علیحدہ نام کے ساتھ مشہور وموسوم ہیں اور انفرادی طور پر کسی ایک میں صحت جمعہ کی صلاحیت نہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ دونوں کو خواہ مخواہ ایک فرض کر کے لزوم جمعہ کا حکم لگادیا جائے۔ کیونکہ اس میں کوئی خفا نہیں کہ حضرات فقہاء نے دو مستقل بستیوں میں جمعہ کے صحیح ہونے اور نہ ہونے کا مدار فصل اور عدم فصل پر نہیں رکھا بلکہ حقیقی مدار ہر ایک بستی کی صلاحیت وعدم صلاحیت پر ہے۔ یعنی اگر ہر بستی میں صحت جمعہ کے شرائط پائے جاتے ہیں تو جمعہ صحیح ہے ورنہ نہیں۔ حقیقت میں یہ بڑی اصولی غلطی ہے کہ صرف جمعہ کے شوق میں دو مستقل آبادیوں کو ایک بنانے میں پیمائش شروع ہو جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ جب یہ دوگاؤں مستقل ناموں کے ساتھ موسوم ہیں تو پھر احکام شرعیہ میں بھی ان کے استقلال کو پیش نظر رکھا جائیگا۔ البتہ اگر واقعی دو ۲ بستیاں نہیں بلکہ محلے ہیں اور دونوں محلوں کا بحیثیت مجموعی کوئی دوسرا نام ہے تو پھر یہ صرف راستوں کا فاصلہ ہی صحت جمعہ کے لئے مخل نہیں۔ لیکن اگر ایسا نہیں اور بظاہر نہیں ہے۔ تو یقیناً ایسی بستیوں میں جمعہ صحیح نہیں۔ فرضیت جمعہ کے حامیوں کو اس پر بے محل اور غیر شرعی اصرار کی ضرورت نہیں۔ (کتبہٗ۔ عتیق الرحمٰن عثمانی)

(الجواب) نمبر ۲ از مفتی عزیز الرحمٰن صاحب۔ اصل یہ ہے کہ عند الحنفیہ جمعہ وعیدین کی نماز شہر یا ایسے بڑے قریہ میں فرض اور صحیح ہوتی ہے۔ جس میں بازار ہو۔ جس میں ضروریات کی اشیاء مل سکتی ہوں **قال فی رد المحتار نقلاً عن القهستانی وتقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها اسواق الخ وفیما ذکر نااشارة الیٰ انها لا تجوز فی الصغیرة الخ وفی الدر المختار صلوٰة العید فی القریٰ تکره تحریماً الخ ومثله الجمعة.** (شامی) پس جب کہ ہر دو مذکور بستیوں میں سے ایسی بڑی نہیں ہے کہ اس میں شرط صحت جمعہ پائی جائے تو دونوں بستیوں کو ایک سمجھ کر جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ پس جواب مذکور بالا صحیح ہے۔ فقط عزیز الرحمٰن مفتی دار العلوم۔ (از فتاویٰ دار العلوم رلل ومکمل ص ۱۲۴۔۱۲۵ ج پنجم)

ملازمت کی وجہ سے جمعہ معاف اور ساقط نہیں ہوتا:

(استفتاء ۷۷) ایک ایسا شخص جو شب وروز کی فرض نمازوں سے ایک دو نماز ضرور پڑھ لیتا ہے۔ لیکن نماز جمعہ ضرور ادا کرتا ہے اب یہ شخص ایسی جگہ کام کرتا ہے کہ جہاں سے نماز جمعہ کا وقت نہ ملتا ہو۔ ہفتہ وار چھٹیاں ضرور ملتی ہیں۔ لیکن جمعہ کے علاوہ کسی اور دن مثلاً اتوار ہو یا منگل وغیرہ اب یہ شخص اگر جمعہ کے دن کام کرنے جاتا ہے تو نماز جمعہ چھوٹ جاتی ہے۔ اور اگر نماز جمعہ کو جاتا ہے تو جمعہ کے دن کام پر نہیں جاسکتا۔ گویا ایک دن کی آمدنی کم ہوتی ہے۔ اور شخص مذکورہ کی اقتصادی حالت بھی ناگفتہ بہ ہے۔ اب کیا کیا جائے؟ آیا نماز جمعہ چھوڑ دے یا جمعہ کے دن کام چھوڑ دے؟ کام چھوڑنے کے سلسلہ میں یہ بات ضرور پیش نظر رکھیں۔ کہ اگر چھٹی منظور ہوئی تو صرف آمدنی ہی کم ہوئی۔ اور اگر چھٹی منظور نہ ہوئی اور شخص مذکور چلا گیا تو آمدنی کے کم ہونے کے علاوہ اس دن اسے ''غیر حاضر'' سمجھا جائے گا۔ اور غیر حاضر رہنے والے کو دوسرے دن کام دینا یا نہ دینا کام دینے والے کی مرضی پر منحصر ہے۔ کبھی کبھی بطور تنبیہ کام نہیں دیا جاتا۔ علاوہ ازیں سالانہ غیر حاضریوں کی تعداد شمار کی جاتی ہے۔ اور اس کا اثر کام پر پڑتا ہے۔ از راہ کرم مندرجہ بالا تمام باتوں کو پیش نظر رکھ کر جواب تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) ملازمت کی وجہ سے نماز جمعہ معاف نہیں ہے۔اور اس کی وجہ سے جمعہ چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے ۔وجب السعی الیھا وترک البیع ولو مع السعی (درمختار) قولہ ترک البیع) اراد کل عمل ینافی السعی (شامی ص ۷۷۰ ج ۱ باب الجمعۃ)والا صح وجو بھا علی مکاتب ومبعض واجیر ویسقط من الا جر بحسابہ لو بعیدا(درمختار)(قولہ بحسابہ لو بعیداً) فان کان قدر ربع النھار حط عنہ ربع الا جرۃ ولیس للاجیران یطالبہ عن الربع المحطوط بمقدار باشتغالہ بالصلوٰۃ تتارخانیہ (شامی ص ۷۶۳ ج ا ایضاً)

مطلب یہ ہے کہ مزدور کو بھی لازم ہے کہ اذان جمعہ سنتے ہی سب کام چھوڑ چھاڑ کر نماز جمعہ کے لئے روانہ ہو جائے۔جانے آنے میں کافی وقت صرف ہونے اور حرج ہونے کی وجہ سے تنخواہ کٹے تو اسے منظور کرلیا جائے۔اسی میں خیر ہے۔قولہ تعالیٰ. یآایھا الذین آمنوآ اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ و ذروا البیع ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون. ترجمہ۔اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز کے لئے اذان ہی جایا کرے تو اللہ کی یاد یعنی نماز وخطبہ کی طرف چل پڑا کرو۔اور خرید وفروخت (اور اسی طرح دوسرے مشاغل جو مانع عن السعی ہوں) چھوڑ دیا کرو۔یہ چل پڑنا (مشاغل کو چھوڑ کر) تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔مگر تم کو کچھ سمجھ (اور دین کی قدر) ہو۔کیونکہ اس کا نفع باقی ہے اور بیع وغیرہ کا نفع فانی ہے۔(بیان القرآن ملخصاً)

لہذا تنخواہ کٹوا کر جمعہ کے وقت تقریباً ایک گھنٹہ کی رخصت لے لی جائے۔اگر اجازت ملے یا ناقابل برداشت نقصان اٹھانا پڑے۔تو دوسری ملازمت تجویز کرلی جائے۔

قولہ تعالیٰ: .واللہ خیر الرازقین . اور اللہ سب سے اچھا روزی دینے والا ہے(قرآن کریم سورۂ جمعہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شہر میں زیادہ مسجدیں ہوں تو جمعہ کہاں ادا کیا جائے؟:

(سوال ۷۸) میرے قصبہ میں آٹھ محلے اور آٹھ مسجدیں ہیں۔چھ مسجد والے شاہی مسجد میں جمعہ پڑھتے ہیں۔اور دو محلے والے اپنے محلوں کی مسجد میں، پوچھنے پر وہ کہتے ہیں کہ شاہی مسجد میں نماز پڑھنے سے محلہ کی مسجد خالی رہتی ہے ۔جس سے احترام مسجد میں خلل آتا ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ جمعہ کو محلہ کی مسجد بند کر کے شاہی مسجد میں نماز پڑھے تو اس محلہ کی مسجد کے احترام میں خلل یا نقص واقع ہوتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) مردوں کو نماز پنجگانہ کے واسطے مسجد میں حاضر ہونا تاکیدی امر ہے۔محلہ کی مسجد بحیثیت ثواب کے شاہی مسجد کے مثل ہے بدون شرعی عذر کے اس کو چھوڑنے کی اجازت نہیں چاہے ایک ہی نماز ہو۔مگر جمعہ کی نماز محلہ کی مسجد بند کر کے جامع مسجد میں پڑھنے کا حکم ہے۔نمازی زیادہ ہوں، ایک مسجد میں وسعت نہ ہو یا جامع مسجد کافی دور ہو جہاں پہنچنے میں دقت ہوتی ہو تو دوسری مسجد میں جمعہ کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔بلا عذر نماز جمعہ محلہ در محلہ پڑھنے میں شرعی مصلحت اور مقصد فوت ہو جاتا ہے اور اسلامی شان وشوکت ختم ہو جاتی ہے نماز جمعہ کو جامعۃ الجماعات کہا جاتا ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ محلوں کی مسجدیں بند کر دی جائیں اور ان سب کی جماعتیں یکجا جامع مسجد یں ہوں لوگ محلہ کی

مسجدیں بند کر کی نماز جمعہ شاہی مسجد میں ادا کریں۔اس سے احترام مسجد میں فرق آنے کا خیال غلط ہے۔احترام وہ ہے جو منشاء شریعت کے موافق ہو اور اسلامی شان وشوکت بھی اسی میں ہے۔پس آپ محلہ کی مسجد بند کیجئے شاہی مسجد میں نماز جمعہ ادا کیجئے منشاء شریعت پورا کرنے کا بھی ثواب آپ کو ملے گا۔اور اسلامی شان وشوکت بڑھانے کا بھی، اور مبارک رسم کے اجزاء کا ثواب قیامت تک آپ کو ملتا رہے گا انشاءاللہ .(۱)

آنحضرت ﷺ (فداہ روحی) کا ارشاد ہے۔من سن فی الا سلام سنة حسنةً فله' اجرها واجر من عمل بها من بعده مشکوٰة المصابیح کتاب العلم ص ۳۳. یعنی جس نے اسلام میں کسی سنت حسنہ کو (جو منشاء شریعت کے مطابق ہو سنت سیئہ یعنی بدعت نہ ہو) جاری کیا۔اس کو خود اس کے عمل کا ثواب بھی ملے گا۔اور اس کے بعد جو بھی اس پر عمل کرے گا اس کا ثواب بھی اس کو ملتا رہے گا۔اس طرح کہ عمل کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔(صحاح) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شب جمعہ میں جماع کی فضیلت:

(سوال ۷۹) شب جمعہ میں بیوی سے صحبت افضل ہے۔اس کی دلیل کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) دلیل یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے۔ من غسل او اغتسل الخ (مشکوٰة شریف ص ۱۲۲ باب الجمعة باب التنظیف والتکبیر) جس کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جماع کرے جس سے عورت کو غسل کی ضرورت پیش آئے۔قوله غسل یوم الجمعة واغتسل . قال التور پشتی رحمه الله تعالی اختلف اهل الروایة فی قوله غسل ومنهم من قال فی معناه یطأ صاحبته ومنه عبدالرحمن بن الاسود وهلال بن یساف وهما من التابعین وکانهم ذهبوا الیٰ هذا المعنی لما فیه من غض البصر وصیانة النفس عن الخواطر الخ.

وقال المظهر من غسل یوم الجمعة واغتسل روی بالتشدید والتخفیف فالتشدید معناه من وطی امرأ ته الخ (التعلیق الصبیح ص ۱۴۲ ج ۲ ایضاً) قال الا مام احمد غسل بالتشدید جامع اهله وکذالک فسره وکیع (زادالمعاد ص ۱۰۵ ج ۱ ایضاً) قال التور پشتی روی بالتشدید والتخفیف فان شدد فمعناه حمل غیره علی الغسل بان یطأ امرأ ته وبه قال عبدالرحمن بن الاسود وهلال وهما من التا بعین کأ ن من قال ذلک ذهب الیٰ ان فیه غضة للبصر و صیانة للنفس عن الخواطر التی تمنعه من التوجه الی الله بالکلیة الخ .

وفی حاشیة سید جمال الدین قال زین العرب غسل بالتشدید قال کثیر انه المجامعة قبل الخروج الی الصلوة لانه مجمع غض الطرف فی الطریق یقال غسل الرجل امرأته بالتشدید والتخفیف اذا جامعها وقیل بالتشدید معناه اغسل بعد الجماع ثم اغتسل للجمعة فکر رلهذا المعنی.

(۱) ثم اقامة الجمعة فی موضعین او اکثر من مصر واحد فی جوامع الفقه عن أبی حنیفة روایتان والا ظهر عنه' عدم جوازها فی موضعین انتهی وقال شمس الا ئمة السرخسی فی المبسوط الصحیح من قول ابی حنیفة ومحمد جوازها وعن أبی یوسف تجوز فی موضعین لا غیر ..... واما من حیث جواز التعدد وعدمه فالا ول هو الا حتیاط لأ ن فیه قوی اذا لجمعة جامعة للجماعات ولم یکن فی زمن السلف تصلی الا فی موضع واحد من المصر وکون الصحیح جواز التعدد للضرورة للفتوی لا یمنع شرعیة الا حتیاط للتقویٰ حلی کبیر فصل فی صلوٰة الجمعة ص ۵۵۱. ۵۵۲.

(مرقاۃ ص ۲۵۵ ج ۲ باب الجمعہ) مظاہر حق میں ہے۔من غسل الخ نہلاوے دن جمعہ کے اور نہاوے آپ الخ۔
ف۔ نہلاوے یعنی اپنی عورت کو مراد یہ ہے کہ صحبت کرے بیوی سے الخ اور صحبت کرنی جمعہ کو بہتر اس لئے ہوئی کہ اس سے وسوسہ زناء کا دل میں نہیں آتا۔اور حضور نماز میں خوب ہوتا ہے (ص ۴۵۰ ج ۱ ایضاً) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جمعہ کے روز فجر کی نماز میں سورۂ الم سجدہ اور سورۂ دہر کی قرأت:

(سوال ۸۰) جمعہ کے روز فجر کی نماز میں امام صاحب پہلی رکعت میں الم سجدہ اور دوسری رکعت میں سورۂ دہر پڑھتے ہیں مقتدیوں میں سے چند لوگوں کو اس سے گرانی ہوتی ہے، امام صاحب کو کہا گیا کہ اتنی طویل نماز نہ پڑھائیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ مسنون ہے اور دوسروں کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں تو کیا ان کی بات صحیح ہے؟ ہر جمعہ کے دن فجر کی نماز میں یہ سورتیں پڑھنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جمعہ کے دن فجر کی نماز میں الم سجدہ اور سورہ دہر پڑھنا مسنون اور مستحب ہے مگر اس پر دوام ثابت نہیں ہے اس لئے امام کو چاہئے کہ مواظبت نہ کرے گاہے گاہے پڑھے۔درمختار میں ہے **ویکرہ التعیین کا لسجدۃ وھل اتی بفجر کل جمعۃ بل یندب قرأتھما احیاناً** (درمختار) مکروہ ہے معین کرنا سورت کا نماز کے لئے جیسے جمعہ کی فجر میں پہلی رکعت میں الم سجدہ اور دوسری میں سورۂ دہر پڑھنا، بلکہ کبھی کبھی ان دونوں سورتوں کا پڑھنا مستحب ہے۔

(درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۵۰۸ فصل فی القرأۃ)(غایۃ الاوطار ج ۱ ص ۲۵۲)

دارالعلوم دیوبند کے سابق مفتی اعظم مفتی عزیزالرحمٰن صاحبؒ کا فتویٰ۔

(الجواب) احادیث میں بے شک ایسا آیا ہے لیکن حنفیہ اس کو بعض اوقات پر حمل کرتے ہیں، اور مواظبت اس کے ساتھ پسند نہیں کرتے کیونکہ وہ تعیین سورت کو کسی بھی نماز کے لئے منع فرماتے ہیں، لہٰذا کبھی کبھی کر لیوے تو کچھ حرج نہیں ہے دوام اس پر نہ کرے، درمختار میں ہے **ویکرہ التعیین کا لسجدۃ وھل اتی بفجر کل جمعۃ بل یندب قرأتھما احیانا۔(فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل ج ۲ ص ۲۱۷)**

جمعہ کے علاوہ اور دنوں میں کوئی خاص عذر نہ ہو تو طوال مفصل (سورہ حجرات سے سورۂ [illegible]) سورتوں میں سے دو سورتیں پڑھی جائیں، آیات کی تعداد کے اعتبار سے خواہ ان کی تعداد [illegible] سے کم ہو یا زائد، مقتدیوں کا خیال کرتے ہوئے طوال مفصل کی چھوٹی سورتیں پڑھی جائیں، طویل سورت پڑھے تب بھی مقتدیوں کا خیال کرے اور چالیس سے ساٹھ آیتوں پر اکتفا کرے، والاصل **ان الامام یقرء علی وجہ لا یودی الی تقلیل الجماعۃ (الاختیار لتعلیل المختار** ج [illegible] فصل فی القرأۃ) لیکن رعایت حال مقتدیاں ضروراست (مالا بد منہ ص ۳۸) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صفوں کی درستگی کے انتظار میں نماز شروع کرنے میں تاخیر کرنا:

(سوال ۸۱) نماز جمعہ میں خطبہ کے بعد جماعت کے لئے کتنی دیر کرنا چاہئے؟ مسجد ناکافی ہے اور جمعہ کی نماز میں مصلی بہت ہوتے ہیں، صفیں درست کرنے کے لئے کچھ دیر ہو جاتی ہے، کیا صفوں کی درستگی تک انتظار کر سکتے ہیں؟ یا

فی الفور اقامت شروع کرنا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب نمازی مسجد میں آئیں تو شروع ہی سے ہر ایک قبلہ رخ بیٹھنے کا اہتمام کرے تا کہ فوراً صفیں درست ہوسکیں ادھر ادھر منتشر نہ بیٹھیں، مجالس الابرار میں ہے ویستحب للقوم ان یستقبلوا الا مام عند الخطبة لکن الرسم الآن انهم یستقبلون القبلة للحرج فی تسویة الصفوف لکثرة الز حام یعنی لوگوں کے لئے مستحب یہ ہے کہ خطبہ کے وقت خطیب کی طرف چہرہ کر کے بیٹھیں، لیکن اس وقت کثرت ازدحام کی وجہ سے صفوں کی درستگی میں حرج آتا ہے اس لئے قبلہ رو بیٹھتے ہیں (مجالس الابرار ص ۲۹۶ مجلس نمبر ۴۹، صغیری ص ۲۸۱ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۰۷ ج ۴) خطبہ کے بعد فوراً اقامت شروع کردی جائے درمختار میں ہے فاذا أتم اقیمت ویکره الفصل یعنی جب امام خطبہ پورہ کرے تو اقامت شروع کردی جائے اس میں فاصلہ کرنا مکروہ ہے، شامی میں ہے (قوله اقیمت) بحیث یتصل اول الا قامة بآخر الخطبة وتنتهی الا قامة بقیام الخطیب مقام الصلوة یعنی خطبہ ختم ہوتے ہی اقامت شروع ہوجائے اس طرح کہ اقامت کا اول حصہ خطبہ کے آخری حصہ کے ساتھ متصل ہو اور خطیب کے مصلیٰ (جائے نماز) پر پہنچتے پہنچتے اقامت ختم ہوجائے (درمختار و شامی ج ۱ ص ۷۷۰ باب الجمعۃ)

اقامت کے ختم تک اگر صفیں درست نہ ہوسکیں تو صفوں کی درستگی تک نماز شروع کرنے میں تاخیر کر سکتے ہیں، ترمذی شریف میں ہے روی عن عمر رضی الله عنه انه کان یؤ کل رجلا باقامة الصفوف ولا یکبر حتی یخبران الصفوف قد استوت وروی عن علی رضی الله عنه وعثمان رضی الله عنه انهما یتعاهدان ذلک ویتولان استووا یعنی حضرت عمرؓ نے صفیں درست کرنے کے لئے ایک شخص کو متعین کردیا تھا اور جب تک آپ کو صفیں درست ہونے کی خبر نہ دی جاتی تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے، امام ترمذی علیہ الرحمہ نے اس حدیث کی روایت کر کے فرمایا ہے کہ حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما بھی اس کا اہتمام کرتے تھے اور فرماتے تھے سیدھے کھڑے رہو (ترمذی شریف ج ۱ ص ۳۱ باب ماجاء فی اقامة الصفوف) مؤطا امام مالک میں روایت ہے مالک عن ابی النضر مولی عمر بن عبید الله عن مالک بن ابی عامر ان عثمان بن عفان رضی الله عنه کان یقول فی خطبته قل ما یدع ذلک اذا خطب، اذا قام الا مام یخطب یوم الجمعة فاستمعوا وانصتوا فان للمنصت الذی لایسمع من الحظ مثل ما للمنصت السامع فاذا قامت الصلوة فاعدلوا الصفوف وحاذوا بالمناکب فان اعتدال الصفوف من تمام الصلوة ثم لا یکبر حتی یاتیه رجال قد وکلهم بتسویة الصفوف فیخبرونه ان قد استوت فیکبر (موطا امام مالک ص ۳۶ ماجاء فی انصات یوم الجمعة والا مام یخطب)

یعنی: حضرت عثمان بن عفانؓ اکثر اپنے خطبہ میں یہ ارشاد فرماتے ہیں جب امام جمعہ کے دن خطبہ دے تو غور سے سنو اور خاموش رہو جس کو خطبہ سنائی نہ دے اور وہ خاموش رہے تو اسے بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا اس شخص کو جو خطبہ سن رہا ہو اور خاموش ہو جب نماز کھڑی ہوجائے تو صفیں درست کرو اور کندھے سے کندھا ملاؤ، صفوں کی درستگی نماز کی تکمیل میں سے ہے، ثم لا یکبر ...... حضرت عثمانؓ نے جن لوگوں کو صفیں درست کرنے کے لئے مقرر کر رکھا تھا جب وہ آپ کو صفیں درست ہونے کی اطلاع دیتے اس وقت آپ (جمعہ کی نماز کی) تکبیر تحریمہ کہتے اور نماز شروع فرماتے

(مؤطا امام مالک ص ۳۶) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جمعہ کے دن زوال کے بعد کب اذان دی جائے:

(سوال ۸۲) زوال کے بعد مکروہ وقت کب تک رہتا ہے؟ جمعہ کی اذان کب دی جائے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: قلم یا لکڑی کھڑی کر کے زوال کا وقت دیکھا جا سکتا ہے، زوال کے وقت سے آٹھ دس منٹ پہلے سے نماز موقوف کردے اور آٹھ دس منٹ بعد تک موقوف رکھے، بادلوں کے زمانے میں زوال کے وقت معلوم کرنا دشوار ہے اس لئے تقویم کے حساب سے دس بارہ منٹ پہلے نماز پڑھنے سے رک جائے اور دس بارہ منٹ بعد تک رکا رہے اس میں احتیاط ہے اور یہ جو قول ہے کہ نصف نہار شرعی سے زوال تک نماز نہ پڑھی جائے یہ مزید احتیاط پر مبنی ہے الخ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۸۴ ص ۲۸۵ جلد چہارم (جدید ترتیب کے مطابق، اوقات مکروہ میں زوال سے کتنی دیر پہلے نماز موقوف کرنا چاہئے کے عنوان سے دیکھیں۔ مرتب) لہٰذا جمعہ کے دن زوال سے آٹھ دس منٹ بلکہ مزید احتیاط پر عمل کرتے ہوئے بارہ تیرہ منٹ کے بعد اذان دی جائے چونکہ عموماً لوگ اذان جمعہ کے بعد سنتیں پڑھنا شروع کر دیتے ہیں اس لئے اذان میں تاخیر کرنا چاہئے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جمعہ کے دن اذان ثانی خطیب کے سامنے دینا کیسا ہے؟:

(سوال ۸۳) ہمارے یہاں چند لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جمعہ کے دن اذان ثانی مسجد میں نہ دینا چاہئے بلکہ مسجد سے باہر جا کر دینا چاہئے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ مفصل وضاحت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جمعہ کے دن خطبہ کے وقت منبر کے قریب اذان دینے کا طریقہ قدیم زمانہ سے چلا آ رہا ہے اور فقہی کتابوں میں اس اذان کے لئے ایسے الفاظ ذکر کئے گئے ہیں جن کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ یہ اذان منبر کے سامنے یا منبر کے قریب دی جائے۔

ہدایہ اولین میں ہے واذا صعد الا مام المنبر جلس واذن المؤذن بین یدی المنبر بذلک جری التوارث (ہدایہ اولین ص ۱۵۱ باب صلوۃ الجمعۃ) یعنی اور جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو مؤذن منبر کے سامنے اذان دے یہی طریقہ متوارث ہے (ہدایہ) " بذلک جری التوارث " سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلاف سے یہ طریقہ جاری ہے کہ جمعہ کے دن اذان ثانی خطیب کے سامنے مسجد کے اندر ہی دی جاتی تھی اور کسی چیز کا توارث کے ساتھ منتقل ہونا یہ اس کے ثبوت کی بہت بڑی دلیل ہے اور فقہ میں توارث کی بہت اہمیت ہے بہت سے مسائل میں فقہاء دلیل کے طور پر یہی توارث پیش کرتے ہیں مثلاً جمعہ کے خطبۂ ثانیہ میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اور حضور ﷺ کے دونوں چچاؤں کا ذکر کیا جاتا ہے، اور دلیل یہی پیش کی جاتی ہے کہ یہ توارث سے ثابت ہے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے وذکر الخلفاء الراشدین والعمین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مستحسن بذلک جری التوارث (عالمگیری ج ۱ ص ۴۷ الباب السادس عشر) البحر الرائق میں ہے ذکر الخلفاء الراشدین مستحسن بذلک جری التوارث ویذکر العمین (البحر الرائق ج ۲ ص ۴۷ آیضا)

حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ توارث کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔
اتفاق سلف وتوارث ایشاں اصل عظیم است در فقہ۔ سلف کا اتفاق اوران کا توارث فقہ میں اصل عظیم ہے (ازالۃ الخفاء مطبع بریلی ص ۸۵) یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ عبارت صرف ہدایہ اولین میں نہیں ہے بلکہ فقہ کی دیگر کتابوں میں بھی اسی طرح کی عبارت ہے، مراقی الفلاح میں ہے والا ذان بین یدیه جری به التوارث (کالا قامة) بعد الخطبة (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص۲۸۲ باب صلوٰۃ الجمعہ) البحر الرائق میں ہے۔(قوله فاذا جلس علی المنبر اذن بین یدیه واقیم بعد تمام الخطبة)بذلک جری التوارث والضمیر فی قوله بین یدیه عائد الی الخطیب الجالس. (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۵۷ ایضاً)

مجمع الانہر میں ہے(فاذا جلس علی المنبر اذن بین یدیه ثانیاً)وبذلک جری التوارث(مجمع الا نهر ص ۱۷۱ ج ۱ ایضاً) فتاویٰ عالمگیری میں ہےواذا جلس علی المنبر اذن بین یدیه واقیم بعد تمام الخطبة بذلک جری التوارث کذا فی البحر الرائق(عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۹ ایضاً مع خانیة)

مذکورہ حوالوں میں غور کیجئے تمام حضرات یہی بیان فرمارہے ہیں کہ دوسری اذان خطیب کے سامنے کہی جائے اور طریقہ توارث کے ساتھ چلا آرہا ہے۔

درمختار میں ہے(ویؤذن) ثانیا (بین یدیه) ای (الخطیب)(درمختار علی رد المحتار ج ۱ ص ۷۷۰باب الجمعة) غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار میں ہے''اورمؤذن اذان دے سامنے خطیب کے جب وہ منبر پر بیٹھے یعنی خطبہ پڑھنے کے لئے (غایۃ الاوطار ص۳۸۰ ج ۱ ایضاً)

مجالس الابرار میں ہے:واذا جلس علی المنبر یؤذن المؤذن بین یدیه الا ذان الثانی واذا تم الا ذان یقوم ویخطب خطبتین ترجمہ:اور جب امام منبر پر بیٹھ جاوے تو مؤذن اس کے سامنے دوسری اذان دے اور جب اذان پوری ہوجائے تو امام کھڑا ہو اور دو خطبے دے (مجالس الابرار ص ۲۹۶ مجلس نمبر ۴۹)

عینی شرح ہدایہ میں ہے:وعن الحسن بن زیاد عن ابی حنیفة هو اذان المنارة لانه لو شترطو الاذان عن المنبر یفوته اداء السنة وسماع الخطبة وربما یفوته اداء الجمعة اذا کان المصر بعید الا طراف یعنی حسن بن زیاد امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ (جس اذان کی وجہ سے سعی الی الجمعہ لازم ہوتی ہے وہ) منارہ والی اذان ہے اس لئے کہ اگر اذان کی شرط لگائے جو منبر کے نزدیک ہوتی ہے تو سنت کی ادائیگی اور خطبہ کا سننا فوت ہوجاتا اور جب شہر بڑا ہو تو اس صورت میں جمعہ کی نماز بھی فوت ہوسکتی ہے (عینی شرح ہدایہ ج ۱ ص ۱۰۱۴ ایضاً)

مراقی الفلاح میں ہے و جب (ترک البیع)......(بالا ذان الا ول فی الا صح) لحصول الا علام به لا نه لو انتظر الا ذان الثانی الذی عند المنبر تفوته السنن وربما لا یدرک الجمعة لبعد محله وهو اختیار شمس الائمة الحلوانی. یعنی اصح قول کے مطابق پہلی اذان سے بیع وغیرہ کا ترک واجب ہے اس سے اعلام حاصل ہونے کی وجہ سے اس لئے کہ اگر اس دوسری اذان کا جو منبر کے پاس ہوتی ہے انتظار کرے تو

سنت فوت ہونے کا خوف ہے اور (اگر) نمازی مسجد سے دور رہتا ہو تو بہت ممکن ہے کہ وہ جمعہ کی نماز بھی نہ پا سکے اور یہ شمس الائمہ حلوانی کا مختار قول ہے (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۲۸۲ باب الجمعۃ)

عینی شرح ہدایہ اور مراقی الفلاح کی عبارت میں ''عندالمنبر'' ہے جس کے متبادر معنی اور صحیح مطالب یہی ہے کہ یہ اذان منبر کے قریب ہوگی (لفظ عند میں کوئی تاویل بھی نہیں ہو سکتی) اگر دوسری اذانوں کی طرح یہ اذان بھی مسجد میں دینا مکروہ ہوتا تو فقہاء رحمہم اللہ اس اذان کا تذکرہ کرتے وقت یقیناً اس کی بھی وضاحت فرماتے کہ یہ اذان بھی مسجد کے باہر دی جائے ''بین یدی المنبر'' ''بین یدی الخطیب'' اور ''عندالمنبر'' یہ الفاظ تحریر نہ فرماتے اور درحقیقت بات یہ ہے کہ منبر والی اذان اقامت کے مانند ہے، یعنی اس اذان کا مقصد صرف حاضرین کو متوجہ کرنا ہے (غائبین کو تو پہلی اذان سے اطلاع ہو چکی ہے) کہ اب خطبہ شروع ہو رہا ہے تاکہ حاضرین اپنی اپنی انفرادی عبادت نفل تسبیح تلاوت وغیرہ ختم کر کے خطبہ سننے کے لئے متوجہ ہو جائیں، جس طرح اقامت کا مقصد حاضرین کو متوجہ کرنا ہوتا ہے کہ اب جماعت شروع ہو رہی ہے تاکہ جماعت میں شریک ہونے کے لئے صف بندی کر کے تیاری شروع کر دیں، اور اقامت مسجد میں کہنا بالاتفاق مکروہ نہیں ہے، اسی طرح یہ اذان بھی مسجد میں دینا مکروہ نہ ہوگا' چنانچہ یہی طریقہ زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے جیسا کہ اوپر مدلل بیان ہوا۔

ہم نے اس اذان کو اقامت کے مانند قرار دیا ہے اس کا ثبوت مندرجہ ذیل عبارتوں سے بھی ہوتا ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے والا ذان بین یدیہ جری بہ التوارث (کالا قامۃ) بعد الخطبۃ (مراقی الفلاح ص ۲۸۰ ایضاً مع طحطاوی)

سعایہ میں ہے:۔ لغز ای اذان لا یستحب رفع الصوت فیہ . قال ھو الا ذان الثانی یوم الجمعۃ الذی یکون بین یدی الخطیب لانہ کالا قامۃ لا علام الحاضرین صرح بہ جماعۃ الفقہاء (سعایہ شرح شرح وقایہ ص ۳۸ ج ۲، باب الا ذان، ذکر احوال المؤذن مطبوعہ پاکستان بحوالہ فتاویٰ محمودیہ ص ۵۸ ج ۲)

مزید وضاحت اس طرح سمجھئے کہ جمعہ کے خطبہ کو فرض نماز کے ساتھ بڑی مشابہت ہے، فقہاء نے خطبہ کا حکم وہی بیان فرمایا ہے جو نماز کا حکم ہے یہی وجہ ہے کہ جو جو چیزیں نماز میں ممنوع ہیں وہ تمام چیزیں خطبہ میں بھی ممنوع ہیں

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے: وفی النھر عن البدائع یکرہ الکلام حال الخطبۃ و کذا کل عمل یشغلہ عن سماعھا من قرأۃ قرآن او صلوۃ أو تسبیح او کتابۃ ونحوھا بل یجب علیہ ان یستمع ویسکت وفی شرح الزاھدی یکرہ لمستمع الخطبۃ ما یکرہ فی الصلوۃ من اکل وشرب وعبث والتفات ونحو ذلک اہ وفی الخلاصۃ کل ما حرم فی الصلوۃ حرم حال الخطبۃ. یعنی نہر میں بدائع سے نقل کیا ہے خطبہ کی حالت میں بات کرنا مکروہ ہے اور اسی طرح ہر وہ کام جو خطبہ سننے میں مخل ہو جیسے قرآن کی تلاوت، نماز پڑھنا، تسبیح پڑھنا یا کوئی چیز لکھنا اور اس کے مانند بلکہ اس پر ضروری ہے کہ متوجہ ہو کر خطبہ سنے اور خاموش رہے، شرح زاہدی میں ہے خطبہ سننے والے کے لئے وہ تمام چیزیں مکروہ ہیں جو نماز میں مکروہ ہیں یعنی کھانا پینا اور عبث حرکت کرنا اور ادھر ادھر دیکھنا اور اس کے مانند خلاصہ میں ہے جو چیزیں نماز میں حرام ہیں خطبہ کے وقت بھی حرام ہے

(الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۸۲ باب الجمعۃ)

یہ باتیں بھی اس پر دال ہیں کہ اس منبر والی اذان کو اقامت کے ساتھ بڑی مشابہت ہے، اس سلسلہ کا ایک مختصر جواب فتاویٰ رحیمیہ جلد پنجم ص ۸۶ ص ۸۷ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں ص ۱۱۲ خطبہ کے وقت دوسری اذان مسجد میں دینا، کے عنوان سے دیکھ لیا جائے ۔ مرتب) پر شائع ہوا ہے اسے بھی ضروری ملاحظہ کیا جائے ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جمعہ کے بعد چار رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں یا چھ رکعتیں؟:

(سوال ۸۴) جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعت سنت مؤکدہ ہیں یا چھ رکعت؟ امام صاحبؒ کے نزدیک کتنی رکعتیں ہیں اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کتنی رکعتیں؟ مفتی بہ قول کیا ہے؟ جو شخص صرف چار رکعتیں پڑھے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ظاہر روایت میں جمعہ کے بعد چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ سنت مؤکدہ ہیں، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چھ رکعتیں ہیں لہٰذا جمعہ کے بعد چار رکعتیں ایک سلام سے سنت مؤکدہ سمجھ کر پڑھے اور اس کے بعد دو رکعتیں سنت غیر مؤکدہ سمجھ کر پڑھی جائیں جو چار پر اکتفاء کرتا ہے وہ قابل ملامت نہیں ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے: واما السنة قبل الجمعة وبعدها فقد ذكر في الاصل واربع قبل الجمعة واربع بعدها وكذا ذكر الكرخي وذكر الطحاوي عن ابي يوسفؒ انه قال يصلي بعدها ستاً وقيل هو مذهب علي رضي الله عنه وما ذكرنا انه يصلي اربعا مذهب ابن مسعود رضي الله عنه. الى قوله . وجه ظاهر الرواية ماروى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال من كان مصلياً بعد الجمعة فليصل اربعاً وما روى من فعله صلى الله عليه وسلم فليس فيه ما يدل على المواظبة ونحن لا نمنع من يصلي بعدها كم شاء غير انا نقول السنة بعدها اربع ركعات لا غير لما روينا (بدائع الصنائع ص ۲۸۵ ج ۱ فصل في الصلاة المسنونة)

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ تحریر فرماتے ہیں:۔

(سوال) کتنی نمازیں سنت مؤکدہ ہیں؟

(الجواب) .... اور چار رکعتیں (ایک سلام سے) نماز جمعہ کے بعد...... الخ دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

(سوال) کتنی نمازیں سنت غیر مؤکدہ ہیں۔

(الجواب)........ اور جمعہ کے بعد سنت مؤکدہ کے بعد دو رکعتیں۔ (تعلیم الاسلام حصہ چہارم)

امداد الفتاویٰ میں ہے:۔

(سوال) جمعہ کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں یا نہیں اور بعد کی سنتوں میں چار مؤکدہ ہیں یا دو یا سب؟

(الجواب) جمعہ کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں، کذا فی الدر المختار اور بعد کی چار مؤکدہ ہیں کذا فی الدر المختار (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۶۷۸ ص ۶۷۹ مطبوعہ دیوبند، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جمعہ کی نماز زوال سے پہلے صحیح نہیں ہے:

(سوال ۸۵) جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے لئے زوال ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جمعہ کے لئے زوال کا ہونا ضروری نہیں قبل از زوال بھی نماز ہو سکتی ہے مدلل اور مفصل جواب کی ضرورت ہے ان لوگوں کو اپنی بات پر بہت اصرار ہے لوگوں کو ہم خیال بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) جمعہ کی نماز صحیح ہونے کی ایک شرط وقت ہے اور وہ وقت ظہر ہے اور ظہر کا وقت آفتاب کے زوال کے بعد ہوتا ہے اسی طرح جمعہ کی نماز کا وقت بھی زوال کے بعد ہی ہوگا اس سے قبل اگر جمعہ کی نماز پڑھی جائے گی تو نماز نہ ہوگی کیونکہ جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے اس لئے جمعہ کو اسی کے وقت میں ادا کرنا ہوگا، حضور اقدس ﷺ کے قول اور عمل سے یہی ثابت ہوتا ہے چنانچہ جب آپ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو مدینہ منورہ بھیجا تو فرمایا اذا مالت الشمس فصل بالناس الجمعة. جب آفتاب ڈھل جائے تو لوگوں کو جمعہ پڑھانا (هدایه اولین ص ۱۴۸ اول باب صلوٰة الجمعة) (بدائع الصنائع ج ا ص ۲۶۸ فصل فی بیان شرائط الجمعة مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۲۷۷)

مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ بخاری حضرت انسؓ سے روایت ہے ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یصلی الجمعة حین تمیل الشمس. حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جمعہ کی نماز اس وقت پڑھاتے جب آفتاب ڈھل جاتا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۳ باب الخطبۃ والصلوٰۃ فصل نمبر ۱)

مسلم شریف میں ہے:۔ عن سلمة بن الاکوع کنا نجمع مع رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا زالت الشمس حضرت سلمہ بن اکوعؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس وقت جمعہ کی نماز پڑھتے جب آفتاب ڈھل جاتا۔ (مسلم شریف ص ۲۸۳ ج ا کتاب الجمعۃ۔ فتح القدیر ص ۵۶ ج ۲)

جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے اس لئے جمعہ میں ان تمام خصوصیات کی رعایت ضروری ہے جو شرعاً وارد ہیں چنانچہ فتح القدیر میں ہے ویجاب بان شرعیة الجمعة مقام الظهر علی خلاف القیاس لانه سقوط اربع برکعتین، فتراعی الخصوصیات التی ورد الشرع بها مالم یثبت دلیل علی نفی اشتراطها ولم یصلها خارج الوقت فی عمره ولا بدون الخطبة فیه فثبت اشتراطها وکون الخطبة فی الوقت حتی لو خطب قبله لا یقع الشرط الخ یعنی جمعہ کی مشروعیت ظہر کی جگہ خلاف قیاس ہے اس لئے کہ جمعہ میں بجائے چار کے دو رکعتیں ہیں لہٰذا ان تمام خصوصیات کی رعایت ضروری ہے جو شرع میں وارد ہیں جب تک کہ ان کے شرط نہ ہونے پر کوئی دلیل قائم نہ ہو اور یہ بات محقق ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی عمر مبارک میں نہ خارج وقت جمعہ کی نماز پڑھی ہے اور نہ خطبہ کے بغیر پس بطور شرط یہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز اور خطبہ وقت کے اندر ہو، حتی کہ اگر خطبہ وقت سے پہلے پڑھے تو شرط واقع نہ ہوگی (فتح القدیر ج ۲ ص ۵۶ صلاۃ الجمعۃ)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں بھی اسی طرح کا مضمون ہے (لقوله صلی الله علیه وسلم الخ) ولانها شرعت علی خلاف القیاس لسقوط الرکعتین مع الاقامة فیراعی فیها جمیع الخصوصیات التی

ورد الشرع بها ولم يرو قط انه صلى الله عليه وسلم صلا ها قبل الوقت ولا بعده وكذا الخلفاء الراشدون ومن بعدهم الى يومنا هذا ولو كان جائزا لفعله مرة تعليما للجواز كذا فى الحلبى وغيره

یعنی: جمعہ خلاف قیاس مشروع ہے کہ مقیم ہونے کے باوجود دو رکعت پڑھنا ہے پس اس میں ان تمام خصوصیات کی رعایت ضروری ہے جو شرع میں وارد ہیں اور یہ بات کسی روایت میں نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کی نماز قبل از وقت پڑھی ہو تو یا وقت نکل جانے کے بعد پڑھی ہو اور یہی طریقہ خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے بعد والوں کا رہا ہے، اگر وقت سے پہلے (یا وقت گذر جانے کے بعد) پڑھنا جائز ہوتا تو بیان جواز کے لئے ایک مرتبہ تو پڑھتے...... (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۷۷ باب صلوٰۃ الجمعہ)

ان تمام باتوں کے پیش نظر فقہاء کرام رحمہم اللہ نے بیان کیا ہے کہ جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ زوال کے بعد ہی پڑھی جائے، چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ اولین میں ہے ومن شرائطها الوقت فتصح فى وقت الظهر ولا تصح بعده لقوله عليه السلام اذا مالت الشمس فصل بالناس الجمعة (هدايه اولين ص ۱۴۸ باب الجمعة)

بدائع الصنائع میں ہے: واما الوقت فمن شرائط الجمعة وهو وقت الظهر حتى لا يجوز تقديمها على زوال الشمس لماروى عن النبى صلى الله عليه وسلم انه لمابعث مصعب بن عمير رضى الله عنه الى المدينة قال له اذا مالت الشمس فصل بالناس الجمعة (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۶۸ فصل فى بيان شرائط الجمعة)

الاختیار شرح المختار میں ہے: ۔ (ووقتها وقت الظهر) لحديث انس كنا نصلى الجمعة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا مالت الشمس ولا نهاخلف عن الظهر وقد سقطت الظهر فتكون فى وقتها(الا ختيار لتعليل المختار ج ۱ ص ۸۳ كتاب الجمعة)

مراقی الفلاح میں ہے:۔ والثالث (وقت الظهر) لقوله صلى الله عليه وسلم اذا مالت الشمس فصل بالناس الجمعة (فلا تصح) الجمعة (قبله وتبطل بخروجه)لفوات الشرط (مراقى الفلاح مع طحطاوى ص ۲۷۷)

علامہ نووی شرح مسلم شریف میں تحریر فرماتے ہیں هذه الا حاديث ظاهرة فى تعجيل الجمعة وقد قال مالك وابو حنيفة والشافعى وجماهير العلماء من الصحابة والتابعين فمن بعدهم لا يجوز الجمعة الا بعد زوال الشمس. الى قوله. قال القاضى وروى فى هذا اشياء عن الصحابة لا يصح منها شئى الا ما عليه الجمهور وحمل الجمهور هذه الحديث على المبالغة وانهم كانوا يؤخرون الغداء والقيلولة فى هذا اليوم الى مابعد صلوة الجمعة لانهم ندابوا الى التكبير اليها فلو اشتغلو ا بشئى من ذلك قبلها خافوا فوتها اوفوت التكبير.

یعنی: یہ احادیث بظاہر تعجیل جمعہ پر دلالت کرتی ہیں اور محقق بات یہ ہے کہ امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ، اور جمہور علماء وصحابہ اور تابعین اور ان کے بعد والے علماء سب یہی فرماتے ہیں کہ جمعہ زوال کے بعد ہی صحیح ہوتا ہے۔ الی

قولہ ۔قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے جو کچھ مروی ہے ان میں سے کوئی چیز صحت کو نہیں پہنچتی ۔جمہور علماء کا جو قول ہے وہی ثابت ہے اور جمہور علماء نے ان احادیث کو مبالغہ پر محمول کیا ہے اور ان احادیث کا مقصد یہ بتایا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جمعہ کے دن دوپہر کا کھانا اور قیلولہ مؤخر کرتے تھے (اور بعد نماز جمعہ یہ کام کرتے تھے اس لئے کہ وہ حضرات جمعہ کی نماز کے لئے بہت جلد جاتے تھے اگر کھانے وغیرہ میں مشغول ہوں تو جلد جانے میں یہ چیزیں خلل انداز ہوتیں (نووی شرح مسلم ص ۲۸۳ ج ا کتاب الجمعۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

کیا جمعہ کی اذان اول کے بعد غسل کرنے کی گنجائش ہے :

(سوال ۸۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ :سورۂ جمعہ میں جو فاسعوا الی ذکر اللہ ہے وہ وجوبی ہے یا استحبابی ؟ اگر وجوبی ہے تو اذان اول کے بعد نماز کی تیاری مثلاً غسل کرنا کپڑا بدلنا کیسا ہے ؟ نیز کوئی اور کام کرنا مثلاً خرید وفروخت کرنا یا بات چیت کرنا کیسا ہے ؟ مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی ؟ وضاحت فرمائیں بینوا توجروا ۔

(الجواب) قرآن مجید میں اذان جمعہ کے بعد سعی الی الجمعہ کا جو امر ہے وہ وجوب کے لئے ہے استحباب کے لئے نہیں ہے اور اذان اول کے بعد سعی الی الجمعہ واجب اور ضروری ہے کسی ایسے کام میں مشغول ہونا جو سعی الی الجمعہ میں مخل ہو جائز نہیں مکروہ تحریمی ہے ہاں ایسا کام جو جمعہ کی تیاری کے لئے ہو اس کی گنجائش ہے ۔

مراقی الفلاح میں ہے ۔ویجب بمعنی یفترض (ترک البیع) وکذا کل شئی یؤدی الی الاشتغال عن السعی الیہا او یخل کا لبیع ماشیاً الیہا لا طلاق الا مر (بالا ذان الا ول)الواقع بعد الزوال فی الا صح لحصول الا علام لانہ لو انتظر الثانی الذی عند المنبر تفوتہ السنۃ وربما لا یدرک الجمعۃ لبعد محلہ وھو اختیار شمس الا ئمۃ ، طحطاوی میں ہے (قولہ ویجب ترک البیع) فیکرہ تحریماً من الطرفین علی المذھب ویصح اطلاق الحرام علیہ کما وقع فی الھدایۃ والا فھذہ المکروھات کلھا تحریمیۃ لا نعلم خلافا فی الا ثم بھا اہ (قولہ فی الا صح) وقال الطحاوی المعتبر ھو الاذان الثانی عند المنبر لانہ الذی کان فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم والشیخین بعدہ قال فی البحر وھو ضعیف (مراقی الفلاح وطحطاوی ص ۲۸۲ باب الجمعۃ)

درمختار میں ہے ۔(ووجب السعی الیھا وترک البیع) ولو مع السعی وفی المسجد اعظم وزرا (بالا ذان الاول) فی الا صح وان لم یکن فی زمن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بل فی زمن عثمان وافاد فی البحر صحۃ اطلاق الحرمۃ علی المکروہ تحریما (درمختار) شامی میں ہے قولہ وترک البیع ارادبہ کل عمل ینا فی السعی وخصہ اتباعاً للآیۃ نھر والا صح انہ الاول باعتبار الوقت وھو الذی یکون علی المنارۃ بعد الزوال (درمختار شامی ج ا ص ۷۷۰ باب الجمعۃ)

غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار میں ہے ۔ووجب السعی الخ اور واجب ہے جمعہ کی طرف جھپٹنا ،اور بیع کو ترک کرنا اگرچہ بیع چلتے چلتے کرتا ہو اذان اول کے ہونے پر صحیح تر قول میں ،اگرچہ یہ اذان عہد مبارک میں آنحضرت ﷺ کے نہ تھی بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی اور مسجد کے اندر یا دروازہ پر بیع میں مشغول رہنا بڑا گناہ ہے) بیع سے مراد وہ امر ہے جو نماز جمعہ سے باز رکھے تو اگر سوا بیع کے کسی اور کام میں مشغول رہے گا اور سعی نہ کرے گا تو مکروہ

تحریمی ہوگا اور سعی کی حالت میں بیع کرنا اگر حارج سعی نہ ہو تو سراج میں کہا ہے کہ مکروہ نہیں چنانچہ شارح نے بھی آخر باب البیع الفاسد میں ایسا ہی لکھا ہے۔ الی قولہ۔ اور صحیح تر قول یہ ہے کہ اذان اول وہی ہے جو وقت میں اول ہو یعنی جواذان زوال کے بعد منارہ پر ہوتی ہے، کذا فی الشامی۔ (غایۃ الاوطار ص ۳۸۰ ج ۱ باب الجمعۃ)

نفع المفتی والسائل میں ہے اذا اذن للجمعة اولا حرم البيع ووجب السعى و كره البيع و كذا كل شئى ما يشغله عن السعى كراهة تحريمية (نفع المفتى والسائل ص ۴۴) (هدايه اولين ص ۱۵۱) (مجمع الانهر ج ۱ ص ۱۷۱)

حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں نودی سے مراد قرآن میں وہ اذان ہے جو نزول آیت کے وقت تھی یعنی جو امام کے سامنے ہوتی ہے کیونکہ یہ اذان اول صحابہ کے اجماع سے بعد میں مقرر ہوئی ہے لیکن حرمت بیع میں حکم اس کا بھی مثل حکم اذان قدیم کے ہے کیونکہ اشتراک علت سے حکم میں اشتراک ہوتا ہے البتہ اذان قدیم میں یہ حکم منصوص وقطعی ہوگا اور اذان حادث میں یہ حکم مجتہد فیہ وظنی ہوگا اس سے تمام اشکالات علمیہ مرتفع ہوگئے (بیان القرآن ص ۷ ج ۱۲ سورۂ جمعہ)

معارف القرآن میں ہے، اور باتفاق فقہاء امت یہاں بیع سے مراد فقط فروخت کرنا نہیں بلکہ ہر وہ کام جو جمعہ کی طرف جانے کے اہتمام میں مخل ہو وہ سب بیع کے مفہوم میں داخل ہے اس لئے اذان جمعہ کے بعد کھانا پینا سونا، کسی سے بات کرنا، یہاں تک کہ کتاب کا مطالعہ کرنا وغیرہ سب ممنوع ہیں صرف جمعہ کی تیاری سے متعلق جو کام ہوں وہ کئے جاسکتے ہیں الخ (معارف القرآن ص ۴۴۱، ص ۴۴۲ ج ۸، از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب)

خلاصۃ التفاسیر میں ہے: مسئلہ اذان سنتے ہی واجب ہے کہ حضوری جمعہ پر آمادہ ہو جائے (۱) طہارت و درستی لباس وغیرہ اسی سعی میں داخل ہے مگر نہ اس طوالت وتکلف سے کہ حضوری میں توقف ہو (خلاصۃ التفاسیر ص ۴۳۸ جلد ۴)

---

(۱) اس حکم سے امام مستثنیٰ ہے، امام کے لئے جمعہ کے دن سنت طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے حجرہ میں رہے اور خطبہ کے وقت اپنے حجرہ سے برآمد ہو تفسیر مواہب الرحمٰن میں ہے خطیب کے لئے اولیٰ یہ ہے کہ مسجد کے کنج میں اس وقت تک رہے جب تک امامت کے وقت ... اور امام کے لئے سنت طریقہ یہ ہے کہ وہ خطبہ کے وقت برآمد ہو جیسے آنحضرت ﷺ و آپ کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کرتے تھے (تفسیر مواہب الرحمٰن ص ۲۰۹ حصہ ۲ سورۂ جمعہ پ ۲۸) اذان اول کے بعد امام کہاں بیٹھے اس کے لئے سنت طریقہ کیا ہے اس سے متعلق فقہی جزئیہ میں ایک جواب ہے جو قابل مطالعہ ہے ضرورت ہے کہ اس سنت کو زندہ اور اس پر عمل کیا جائے، یہ سنت تقریباً متروک العمل ہو رہی ہے ''امام جمعہ کے لئے مستحب اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ خطبہ سے پہلے حجرہ میں رہیں حجرہ نہ ہو تو منبر کے داہنی جانب کسی مخصوص جگہ میں بیٹھیں جہاں سکون ہو اور وہیں سنت وغیرہ پڑھیں اور خطبہ کے وقت منبر پر آئیں، آپ ﷺ خطبہ کے وقت اپنے حجرۂ مبارک سے (جو منبر کے دائیں جانب تھا) نکل کر منبر پر تشریف لاتے تھے، آپ کے خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی عمل تھا اور اس زمانہ میں بھی حرمین شریفین (زادهما الله شرفاً و كرامةً) کے خطیب اس پر عمل کرتے ہیں اور خطبہ کے وقت آتے ہیں، حدیث میں ہے اذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام، ترجمہ: جب امام خطبہ کے لئے نکلے اس وقت سے نماز اور کلام منع ہے، حدیث میں اذا قام کا لفظ نہیں ہے اذا خرج کا لفظ ہے اس میں بھی اشارہ ہے کہ خطیب کی جگہ محراب نہیں بلکہ محراب سے دور اور عوام سے الگ مخصوص جگہ ہے۔

روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ مبارک میں حضرت ابوہریرہ اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما خطبہ سے پہلے منبر کے قریب وعظ فرماتے، جب امیر المومنین اپنے حجرہ سے نکلتے تو فوراً بند کر دیتے (مستدرک ص ۱۰۹ ج ۱، ص ۲۸۸ ج ۱، مسند امام احمد ص ۴۴۹ ج ۳) (موضوعات کبیر ص ۱۴ ملا علی قاری) (اصابہ فی تذکرۃ الصحابہ ص ۱۸۴ ج ۱) (اقامۃ الحجہ ص ۵) ۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام تحریر فرماتے ہیں وسن السنة جلوسه فی مخدعه من یمین المنبر (درمختار) یعنی خطیب کے لئے مسنون یہ ہے کہ منبر کی داہنی جانب حجرہ میں بیٹھے (درمختار) حجرہ نہ ہو تو اس طرف کے کونے میں بیٹھے، داہنی جانب سکون کی جگہ نہ ہو تو جہاں سکون ہو وہاں بیٹھے خطیب کے لئے خطبہ سے پہلے کی سنتیں محراب میں پڑھنا مکروہ ہے شامی میں ہے (قوله عن يمين المنبر) قيد لمخدعه قال في البحر فان لم يكن ففي جهته او ناحيته وتكره صلاته في المحراب قبل الخطبة (شامي ج ۱ ص ۷۶۰) (فتاوى رحيميه ص ۸۲، ۸۳ جلد ششم)

احسن الفتاویٰ میں ہے:(سوال) جمعہ کی اذان اول کے بعد دینی کتب کا مطالعہ کرنا یا مسائل وحدیث لکھنا جب کہ خطبہ کی اذان سے پہلے مسجد میں پہنچ جائے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(جواب) باسم ملہم بالصواب اذان اول کے بعد جمعہ کی تیاری کے سوا کوئی کام بھی جائز نہیں خواہ وہ دینی کام ہی کیوں نہ ہو۔ قال فی التنویر دو حب السعی الیھا وترک البیع بالاذان الاول وفی الشامیۃ ارادبہ کل عمل ینافی السعی وحصہ اتباعًا للآیۃ (ردالمحتار ص ۷۷۰ ج ۱: احسن الفتاویٰ ص ۱۴۱ ج ۴)

حاصل کلام یہ ہے کہ جتنا جلد ہو سکے غسل وغیرہ سے فارغ ہوکر جامع مسجد پہنچ جائے اگر صبح سے اپنا کاروبار یا اپنی دیگر مصروفیات بند کرنا مشکل ہوتو اذان اول سے اتنی دیر پہلے دکان بند کردی جائے کہ سنت کے مطابق غسل کر کے کپڑے تبدیل کر کے خوشبو لگا کر اذان اول کے وقت جامع مسجد پہنچ جائے اگر خدانخواستہ کسی دن بہت ضروری کام میں مشغول ہو اور اذان اول سے قبل غسل جمعہ کا بالکل موقعہ نہ مل سکا تو کپڑے کی درستگی کے ساتھ ساتھ جلدی سے غسل کرنے کی گنجائش ہوسکتی ہے بشرطیکہ جمعہ سے قبل کی سنت اور خطبہ فوت نہ ہو مگر اس کی عادت ہرگز نہ ڈالی جائے اور اگر سنت یا خطبہ فوت ہونے کا گمان ہوتو اس صورت میں صرف وضو پر اکتفا کیا جائے۔

جمعہ کا دن بہت ہی باعظمت اور بابرکت دن ہے احادیث میں تکبیر (صبح سویرے جامع مسجد جانے) کی بہت ہی ترغیب اور فضیلت آئی ہے جو شخص جتنا سویرے جائے گا اسی قدر اس کو زیادہ ثواب ملے گا، ایک حدیث میں ہے عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان یوم الجمعۃ وقفت الملائکۃ علی باب المسجد یکتبون الاول فالاول ومثل المھجر کمثل الذی یھدی بدنۃ ثم کالذی یھدی بقرۃ ثم کبشا ثم دجاجۃ ثم بیضۃ فاذا خرج الامام طووا صحفھم ویستمعون الذکر متفق علیہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جمعہ کے دن فرشتے (اس) مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوجاتے ہیں (جہاں جمعہ پڑھا جاتا ہے) اور سب سے پہلے جو آتا ہے اس کا نام لکھتے ہیں پھر اس کے بعد جو آتا ہے اس کا نام لکھتے ہیں (اسی طرح درجہ بدرجہ سب کا نام لکھتے ہیں) سب سے پہلے جو آتا ہے اس کو ایسا ثواب ملتا ہے جیسے اللہ کی راہ میں اونٹ قربانی کرنے والے کو (اس کے بعد جو آتا ہے اس کو ایسا ثواب ملتا ہے) جیسے گائے کی قربانی کرنے میں، پھر جیسے بکرے کی قربانی کرنے میں، پھر جیسے اللہ کے واسطے مرغ ذبح کرنے میں پھر جیسے اللہ کی راہ میں کسی کو انڈا صدقہ دینے میں پس جب امام (برائے خطبہ) آتا ہے تو فرشتے دفتر بند کر لیتے ہیں اور خطبہ سننے میں مشغول ہوجاتے ہیں (بخاری شریف، و مسلم شریف بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص۱۲۲ باب التنظیف والتبکیر)

ایک اور حدیث میں ہے:عن اوس بن اوس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من غسل یوم الجمعۃ واغتسل وبکر وابتکر ومشی ولم یرکب ودنا من الامام واستمع ولم یلغ کان لہ بکل خطوۃ عمل سنۃ اجر صیامھا وقیامھا رواہ الترمذی وابو داؤد والنسائی وابن ماجہ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو کوئی جمعہ کے دن نہلا دے اور خود بھی نہائے اور صبح سویرے جاوے اور اول خطبہ پاوے اور پیادہ پا جاوے اور سوار نہ ہو اور امام سے نزدیک ہووے اور خطبہ سنے، اس درمیان کوئی لغو فعل نہ کرے تو اس کو ہر قدم پر ایک کامل سال کی عبادت کا ثواب ملے گا ایک سال کی نمازوں کا اور ایک سال کے روزوں کا (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص۱۲۲ باب ایضاً)

لہٰذا جس قدر ہو سکے جلد جانے کا اہتمام کرنا چاہئے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اسلاف عظام بہت جلد جامع مسجد پہنچنے کا اہتمام فرماتے تھے بہشتی گوہر میں بحوالہ امام غزالی درج ہے۔ ''اگلے زمانہ میں صبح کے وقت اور بعد فجر راستے گلیاں بھری نظر آتی تھیں، تمام لوگ اتنے سویرے سے جامع مسجد جاتے تھے، اور سخت ازدحام ہوتا تھا جیسے عید کے دنوں میں، پھر جب یہ طریقہ جاتا رہا تو لوگوں نے کہا کہ پہلی بدعت ہے(۱) جو اسلام میں پیدا ہوئی، یہ لکھ کر امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیوں نہیں شرم آتی مسلمانوں کو یہود اور نصاریٰ سے، کہ وہ لوگ اپنے عبادت کے دن یعنی یہود سنیچر کو اور نصاریٰ اتوار کو اپنے عبادت خانوں اور گرجا گھروں میں کیسے سویرے جاتے ہیں اور طالبان دنیا کتنے سویرے بازاروں میں خرید و فروخت کے لئے پہنچ جاتے ہیں، پس طالبان دین کیوں نہیں پیش قدمی کرتے۔ (احیاء العلوم) درحقیقت مسلمانوں نے اس زمانے میں اس مبارک دن کی بالکل قدر گھٹادی، ان کو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ آج کون سا دن ہے اور اس کا کیا مرتبہ ہے، افسوس وہ دن جو کسی زمانہ میں مسلمانوں کے نزدیک عید سے بھی زیادہ تھا اور جس دن پر نبی ﷺ کو فخر تھا اور جو دن اگلی امتوں کو نصیب نہ ہوا تھا، آج مسلمانوں کے ہاتھ سے اس کی ایسی ذلت اور ناقدری ہو رہی ہے خدائے تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو اس طرح ضائع کرنا سخت ناشکری ہے جس کا وبال ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون (بہشتی گوہر ص ۸۷، ص ۸۸)

نیز بہشتی گوہر میں ہے۔

''ہر مسلمان کو چاہئے کہ جمعہ کا اہتمام پنجشنبہ سے کرے، پنجشنبہ کے دن بعد عصر کے استغفار وغیرہ زیادہ کرے اور اپنے پہننے کے کپڑے صاف کر رکھے اور جو خوشبو گھر میں نہ ہو اور ممکن ہو تو اسی دن لا رکھے تاکہ پھر جمعہ کے دن ان کاموں میں اس کو مشغول ہونا نہ پڑے، بزرگان سلف نے فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ جمعہ کا فائدہ اس کو ملے گا جو اس کا منتظر رہتا ہو اور اس کا اہتمام پنجشنبہ سے کرتا ہو اور سب سے زیادہ بدنصیب وہ ہے جس کو یہ بھی نہ معلوم ہو کہ جمعہ کب ہے حتی کہ صبح کو لوگوں سے پوچھے کہ آج کون سا دن ہے اور بعض بزرگ شب جمعہ کو زیادہ اہتمام کی غرض سے جامع مسجد ہی میں جا کر رہتے تھے (ص ۱۶۱ ج ۱ احیاء العلوم بہشتی گوہر ص ۸۷ جمعے کے آداب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک مسجد میں جمعہ کی دو جماعتیں کرنا:

(سوال ۸۷) ہماری مسجد میں ظہر اور جمعہ کی نماز میں کثیر مجمع ہوتا ہے خصوصاً رمضان المبارک میں مسجد بالکل ناکافی ہو جاتی ہے، بعض لوگوں کا مشورہ یہ ہے کہ رمضان المبارک میں دو جمعہ قائم کئے جائیں تو ایک مسجد میں یکے بعد دیگرے جمعہ کی دو جماعت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایک مسجد میں دو جمعہ قائم نہیں کر سکتے جن کو جگہ نہ ملے وہ دوسری مسجد میں چلے جائیں اگر دوسری مسجد میں گنجائش نہ ہو یا مسجد نہ ہو تو کسی ہال میں کسی بڑے مکان میں (جہاں سب کو ان کی پوری اجازت ہو کسی کے لئے روک ٹوک نہ ہو) جمعہ کا انتظام کیا جائے۔ (۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) یعنی سویرے نہ جانا اور یہاں بدعت سے لغوی بدعت مراد ہے یعنی نئی بات اور شرعی بدعت مراد نہیں ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ دین میں عبادت سمجھ کر نئی بات پیدا کرنا کیونکہ یہ حرام ہے اور سویرے نہ جانا حرام نہیں ۱۲ بہشتی۔

(۲) ویکرہ تکرار الجماعۃ باذان واقامۃ فی مسجد محلۃ لا فی مسجد طریق درمختار مع الشامی باب الامامۃ مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد اس کے علاوہ آنے والے سوال میں صراحۃً حوالہ آ رہا ہے۔

ایک مسجد میں تکرار جمعہ:

(سوال ۸۸) ہمارے یہاں لندن میں ایک مسجد ہے جس میں تقریباً چار سو مصلی ایک ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں، جماعت خانہ دومنزلہ ہے اس مسجد میں عام چھٹیوں کے موقع پر (جیسے عید الفطر، عید الاضحیٰ، کرسمس) جمعہ کی نماز دوسری مرتبہ قائم کرنے کے لئے مندرجہ ذیل وجوہات ہیں۔

(۱) جمعہ کی نماز کے لئے تقریباً آٹھ سو نمازی آتے ہیں (۲) مسجد کے اطراف میں مسلمانوں کے ایسے مکانات نہیں ہے کہ وہاں دوسری جماعت کا انتظام کیا جا سکے (۳) ایسے موقع پر دوسری جماعت کے لئے ہال کرایہ پر لینا مشکل ہے کیونکہ یہ دن عیسائیوں کے تہوار کے ہوتے ہیں یا پھر بینک ہولی ڈے ہونے کی وجہ سے ہال کے تمام ذمہ دار چھٹیوں پر ہوتے ہیں۔ (۴) اگر مسجد میں دوسرے جمعہ کا انتظام نہ کیا جائے تو جن لوگوں کو جمعہ کی نماز نہیں ملتی وہ متولی اور کمیٹی کے ذمہ داروں کو برا بھلا کہہ کر چلے جاتے ہیں (۵) یہاں کے موسمی حالات کے اعتبار سے کھلے میدان میں جمعہ قائم کرنا مناسب نہیں نیز اس کے لئے حکومت کی اجازت بھی ضروری ہے، مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر ہماری مسجد میں جمعہ کی نماز دومرتبہ قائم کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فقہاء نے بوقت ضرورت ایک شہر میں متعدد مقامات پر جمعہ ادا کرنے کو جائز فرمایا ہے، درمختار میں ہے **(وتودی فی مصر واحد بمواضع کثیرة) مطلقا علی المذهب وعلیه الفتوی شرح المجمع للعینی وامامة فتح القدیر دفعاللحرج** . شامی میں ہے **(قوله علی المذهب) فقد ذکر الا مام السرخسی ان الصحیح من مذهب ابی حنیفةؒ جواز اقامتها فی مصر واحد فی مسجدین واکثرو به نأخذ. الی قوله. فان المذهب الجواز مطلقا بحر (درمختار وشامی ج ۱ ص ۷۵۵ باب الجمعة)**

جب ضرورت کی وجہ سے شہر میں متعدد جگہ جمعہ قائم کرنے کی اجازت ہے تو نمازیوں کی تعداد کے پیش نظر جہاں جہاں جمعہ قائم کرنے کی ضرورت ہو وہاں جمعہ قائم کرنا چاہئے تاکہ ہر علاقہ والے اپنے اپنے علاقہ میں جمعہ ادا کریں، موجودہ مسجد ہی کے اطراف میں کسی جگہ جمعہ کا انتظام کرنا ضروری نہیں ہے اور اس بات کا پہلے ہی سے اعلان کر دیا جائے کہ فلاں فلاں جگہ جمعہ کی نماز ہوگی تاکہ لوگ اپنے قریبی مقام پر جمعہ کی ادائیگی کے لئے چلے جائیں، موجودہ مسجد نمازیوں کی تعداد کے پیش نظر کافی نہ ہو تو ایمانی فریضہ ہے کہ ہم اپنی عبادت کی ادائیگی کا انتظام کریں، نماز تو روزانہ پنج وقتہ ادا کرنا ہے صرف جمعہ کا سوال نہیں ہے لہذا ضرورت ہے تو دوسری مساجد کا بھی انتظام کریں اگر باقاعدہ دوسری مسجد بنانے میں کوئی رکاوٹ ہو تو عبادت خانہ کا انتظام کیا جائے اور وہاں پنج وقتہ نماز باجماعت اور اذان کا اہتمام ہو تاکہ سمجھدار بچے بھی مسجد میں آنا شروع کردیں اور ابھی سے ان کو نماز کی عادت ہو جائے، حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا **مروا اولادکم بالصلوة وهم ابناء سبع سنین واضربوهم علیها وهم ابناء عشر سنین** . یعنی اپنی اولاد کو نماز کا حکم کرو جب کہ وہ سات برس کے ہوں اور نماز چھوڑنے پر انہیں مارو جب وہ دس برس کے ہوں (مشکوٰۃ شریف ص ۵۸ کتاب الصلوٰۃ فصل نمبر ۲) اور ساتھ ساتھ بچوں کی دینی تعلیم کا بھی انتظام کرنا چاہئے، آپ کے یہاں کے خطرناک ماحول سے آپ حضرات خوب واقف ہیں اگر بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کا صحیح نظم نہیں کیا

کیا اور بچپن ہی سے اسلامی عقائد اور اسلامی تعلیم ان کے ذہن نشین نہیں کرائے گئے تو آئندہ ان پر قابو پانا اور کنٹرول رکھنا مشکل ہو جائے گا اور خطرہ ہے کہ نئی نسل کہیں ہمارے ہاتھ سے نہ نکل جائے، اس لئے بچوں کے مستقبل کو سامنے رکھ کر ابھی سے ان کے دین و ایمان کی حفاظت کے اسباب مہیا کرنا ہے اس لئے بچوں کی تعلیم کا صحیح طریقہ پر انتظام کرنا چاہئے، مسلمان ہو کر صرف جمعہ یا عیدین کی نماز ادا کریں بالکل غلط طریقہ ہے، عیدین، جمعہ اور پنج وقتہ نمازیں سب ضروری ہیں اس لئے جہاں جہاں ضرورت ہو مسجد کا انتظام کریں اور جمعہ بھی ادا کریں مسجد میں جب ایک دفعہ جمعہ کی نماز ہو چکی تو اب دوسری مرتبہ وہاں جمعہ کی نماز ادا کی جائے، شامی میں لکھا ہے کہ جامع مسجد میں جب جمعہ کی نماز پڑھ لی جائے تو مسجد بند کر دی جائے تاکہ دوبارہ لوگ (برائے جمعہ) جمع نہ ہوں **(قوله الا الجامع) ای الذی تقام فیه الجمعة فان فتحه فی وقت الظهر ضروری والظاهر انه یغلق ایضاً بعد اقامة الجمعة لئلا یجتمع فیه احد بعدها الخ (شامی ج ۱ ص ۷۶۶ کتاب الجمعة)**

لہذا صورت مسئولہ میں جہاں جہاں مسلمان آباد ہوں ان کے قریبی علاقہ میں جمعہ کا انتظام کیا جائے اور پہلے سے اس کا اعلان کر دیا جائے تاکہ لوگ اپنے قریبی علاقہ ہی میں چلے جائیں مسجد میں دوبارہ جمعہ قائم کرنے کی اجازت نہ دی جائے ورنہ عام رواج ہو جائے گا، پہلے ہی سے ہال بک کرانے کی کوشش کی جائے شادی وغیرہ تقریبات کے لئے پہلے سے انتظام کیا جاتا ہے اسی طرح جمعہ کے لئے بھی پہلے سے انتظام کرنا چاہئے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

چھوٹے گاؤں میں جمعہ پڑھانے کے لئے مجبور کیا جائے تو امام صاحب کیا کریں؟:

(سوال ۸۹) ہمارا گاؤں چھوٹا ہے اور میں مسجد میں امام ہوں، لوگ جمعہ کی نماز پڑھانے کے لئے اصرار کرتے ہیں، تو میں کیا کروں؟ اگر پڑھانے پر مجبور کریں تو کیا نیت کروں؟ جمعہ کی یا نفل کی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر آپ کا گاؤں چھوٹا ہو، جمعہ صحیح ہونے کے شرائط موجود نہ ہوں تو وہاں جمعہ پڑھنا، پڑھانا صحیح نہیں، ظہر باجماعت ادا کرنا چاہئے، شامی میں ہے **وتقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها اسواق. الی قوله. وفیما ذکرنا اشارة الیٰ انه لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض (شامی ص ۷۴۸ ج ۱ کتاب الجمعة)** نیز درمختار میں ہے **وفی القنیة صلاة العیدین فی القری تکره تحریماً ای لانه اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحة(قوله صلاة العید) ومثله الجمعة (درمختار وشامی ص ۷۷۵ ج ۱ ، باب العیدین)** لوگوں کو مسئلہ سے واقف کیا جائے، اس کے باوجود آپ کو جمعہ پڑھانے کے لئے مجبور کریں تب بھی آپ نہ پڑھائیں نہ جمعہ کی نیت سے نہ نفل کی نیت سے کوئی صورت نہ بن سکے تو مستعفی ہو جائیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سوال میں درج شدہ بستی میں جمعہ صحیح ہے یا نہیں؟:

(سوال ۹۰) ہمارے گاؤں کی کل آبادی تقریباً تین ہزار کی ہے، ہمارے یہاں گرام پنچایت ہے، پرائمری اسکول ہے، ہائی اسکول بھی ہے، بینک آف سوراشٹر ہے، پولس اسٹیشن یعنی تھانہ بھی ہے، سرکاری ہسپتال ہے جہاں مریضوں کے لئے ہر قسم کا انتظام ہے، ڈاک خانہ بھی ہے، ضروریات زندگی کی تقریباً تمام چیزیں مل جاتی ہیں، تو ہمارے گاؤں

میں جمعہ قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا؟

(الجواب) آپ کے سوال کے بموجب آپ کا گاؤں قصبہ نما ہونا چاہئے اہل بستی اور قرب وجوار کے گاؤں والے آپ کی آبادی کو قصبہ کی طرح سمجھتے ہوں اور اپنی ضروریات زندگی خریدنے کے لئے آپ کے یہاں آتے ہوں، آپ کے یہاں بازار ہو اور اہل حرفہ (جن کی اکثر وبیشتر ضرورت ہوتی ہے) موجود ہوں تو جمعہ قائم کیا جا سکتا ہے، بہتر یہ ہے کہ دو تین معتبر مستند و تجربہ کار علماء کو بلا کر دکھا دیا جائے اور ان کے مشورہ اور ہدایت کے مطابق عمل کیا جائے شامی میں ہے وتقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرة التی فیها اسواق. الیٰ قوله. وفیما ذکرنا اشارة الی انه لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاض (شامی ص ۷۴۸ ج ۱ کتاب الجمعة) نیز شامی میں ہے ۔ فی التحفة عن ابی حنیفة رحمه الله انه بلدة کبیرة فیها سکک واسواق ولها رساتیق وفیها وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه او علم غیره یرجع الناس الیه فیما یقع من الحوادث وهذا هو الاصح اه (شامی ج ۱ ص ۷۴۸ کتاب الجمعہ) فقط والله تعالیٰ اعلم .

جمعہ کی نماز ایک سے زیادہ مسجدوں میں ادا کرنا:

(سوال ۹۱) ہماری بستی میں ماشاء اللہ کئی مساجد ہیں، ان میں ایک چھوٹی مسجد ہے جس سے چند قدم پر ایک بڑی جامع مسجد ہے وہاں جمعہ کی نماز ادا ہوتی ہے اس کے علاوہ مذکورہ مسجد کی ارد گرد تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تین مسجدوں میں جمعہ قائم کی جاتی ہے، اب محلہ کے لوگ اس چھوٹی مسجد میں جمعہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو کیا جمعہ قائم کرنا مناسب ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) پنجوقتہ نمازوں کی ادائیگی کے لئے محلہ کی مسجد میں مردوں کو حاضر ہونے کا تاکیدی حکم ہے، اور جمعہ کی نماز محلہ کی مسجد بند رکھ کر جامع مسجد میں ادا کرنے کی ہدایت ہے، نماز جمعہ کو ''جامعۃ الجماعات'' کہا جاتا ہے، یعنی تمام جماعتوں کو جمع کرنے والی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے دن محلہ کی چھوٹی چھوٹی مسجدیں بند کر کے ہر مسجد کے مصلی ایک بڑی جماعت کے ساتھ جامع مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کریں یہ افضل اور مستحسن ہے اور اسی میں اسلامی شان و شوکت کا مظاہرہ ہے، عذر کے بغیر محلے محلے چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں جمعہ قائم کرنا شریعت کا منشاء، مصلحت اور اسلام شان وشوکت کو ختم کرنا ہے اور اس کا اثر جامع مسجد پر بھی پڑے گا، البتہ کوئی عذر ہو مثلاً جامع مسجد میں تمام مصلیوں کی گنجائش نہ ہو یا جامع مسجد اتنی دور ہو کہ وہاں مصلیوں کو پہنچنے میں بہت تکلیف ہوتی ہو تو ایسی صورت میں حسب ضرورت ایک سے زیادہ مساجد میں جمعہ قائم کیا جا سکتا ہے۔

درمختار میں ہے۔ افادان المساجد تغلق یوم الجمعة الا الجامع (درمختار مع رد المحتار ج ۱ ص ۷۶۶، باب الجمعة)

رسائل الارکان میں ہے ولا جل ان الجمعة جامعة للجماعات قال الامام ابو یوسفؒ لا یجوز تعدد الجمع فی مصر واحد وهو روایة عن الامام ابی حنیفة ۔ الی۔ وقال الامام محمد و رواه عن الامام ابی حنیفة وهذه الروایة هی المختارة وعلیه الفتویٰ انه یجوز تعدد الجمعة مطلقا

الخ (رسائل الارکان ص ۱۱۸ قبیل فصل فی العیدین)

مبسوط سرخسی میں ہے۔ واقامۃ الجمعۃ من اعلام الدین فلا یجوز القول بما یؤدی الیٰ تقلیلھا (مبسوط سرخسی ص ۱۲۱ ج ۱، باب الجمعۃ)

کفایت المفتی میں ہے: اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ جمعہ کی نماز جہاں تک ممکن ہو ایک جگہ ہو، ورنہ سخت حاجت اور ضرورت میں دو یا تین جگہ کی جائے بلاضرورت زیادتی مکروہ ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۴۱ ج ۳)

دوسرا فتویٰ! جواب:۔ ایک بستی میں ایک جگہ جمعہ پڑھنا افضل ہے، لیکن اگر بستی بڑی ہو اور ایک جگہ سب لوگوں کا جمع ہونا دشوار ہو تو دو جگہ حسب ضرورت جمعہ پڑھنا جائز ہے اور بلاضرورت بھی کئی جگہ جمعہ پڑھا جائے تو نماز ہو جاتی ہے، البتہ خلاف افضل اور خلاف اولیٰ ہوتی ہے۔ (کفایت المفتی ص ۲۴۱ ج ۳)

صورت مسئولہ میں جب مذکورہ فی السوال مسجد سے چند قدم کے فاصلہ پر بڑی جامع مسجد میں اور اس کے علاوہ اردگرد تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تین مسجدوں میں جمعہ قائم کیا جاتا ہے تو ایسی صورت میں آپ کے محلہ کی چھوٹی مسجد میں جمعہ قائم کرنا بالکل غیر مناسب اور ناپسندیدہ ہے اس سے جمعہ کی شان وشوکت ظاہر نہ ہوگی، جمعہ کی نماز بڑی جماعت کے ساتھ ادا کرنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے اور جمعہ کی شان بڑھتی ہے، اور اسلامی شان وشوکت کا مظاہرہ ہوتا ہے، اسی لئے حضور ﷺ عید کی نماز مسجد نبوی (علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام) چھوڑ کر (جبانہ) عید گاہ میں ادا فرماتے تھے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گاؤں میں متروکہ جمعہ پھر سے جاری کرنا:

(سوال ۹۲) ہمارے گاؤں (ایٹالوا) میں ساٹھ ستر مکانوں کی آبادی ہے، دو محلے اور دو مسجدیں ہیں (ایک چھوٹی، دوسری بڑی)، پہلے بڑی مسجد میں نماز جمعہ اور چھوٹی مسجد میں ظہر پڑھی جاتی تھی، بہت سے لوگ ظہر پڑھتے ہیں اور بہت سے لوگ جمعہ پڑھنے کے لئے بلیشور، ولیسما یا سورت چلے جاتے ہیں، بعض لوگ جمعہ پڑھتے تھے، اس لئے ڈابھیل سے فتویٰ پوچھا گیا، وہاں سے جواب آیا کہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ ناجائز ہے، جمعہ ادا نہ ہوگا بلکہ ظہر پڑھنا ضروری ہے اس کی بعد گاؤں والوں نے جمع ہو کر یہ طے کیا کہ جب جمعہ صحیح نہیں تو پھر کیوں پڑھا جائے؟

بعض حضرات نے کہا کہ باپ دادا کے زمانہ سے جاری ہے اس کو کیسے چھوڑ دیں؟ لیکن اکثر لوگوں نے فتویٰ کے بموجب عمل کرنے کی رائے دی اور کہا غلط طریقہ پر نہیں چلنا چاہئے، اس پر سے اعلان کر دیا گیا کہ آئندہ جمعہ کے دن سے ظہر ہوگی، اس کے بعد چار پانچ ماہ تک لڑائی جھگڑے کے بغیر ظہر جاری رہی جب عید کا موقعہ آیا تو جمعہ پڑھنے کی خواہش رکھنے والوں نے موقعہ دیکھ کر عید کی نماز ہوگی ایسا اعلان کر دیا (حالانکہ جس زمانہ میں جمعہ جاری تھا اس وقت بھی لوگ دوسری جگہ چلے جاتے) مگر ایک غلط کام کا فیصلہ کر لیا اور اب خفیہ اسکیم یہ ہے کہ آئندہ موقعہ پا کر جمعہ بھی اسی طرح جاری کروا دیں گے، لہٰذا اب آپ سے حسب ذیل سوالات کا جواب مطلوب ہے۔

(۱) جب جمعہ ناجائز ہے تو کیا عید کی نماز ہو سکتی ہے؟

(۲) شرعی حکم کے مطابق جمعہ صحیح نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا اب پھر سے جاری کرنا کیسا ہے؟

(۳) جمعہ دوبارہ جاری کرنے کی سعی کرنے والوں کو گناہ اور حرام کا مرتکب نہیں کہا جائے گا؟

(۴) گاؤں کے ذمہ دار حضرات اور دوسرے لوگوں پر جمعہ بند رہے اس کی سعی ضروری ہے یا نہیں؟

امید ہے کہ آپ مدلل ومحقق جواب عنایت فرمائیں گے، تاکہ گاؤں کا فتنہ فرو ہو اور لوگ صحیح حکم شرعی پر عمل کریں۔ از باشندگان ایٹالوا۔

(الجواب) نماز پنجگانہ (جس میں ظہر بھی ہے) صحیح ہونے کے لئے شہر یا قصبہ کی شرط نہیں، دیہات، کھیت، جنگل میں بھی درست ہے، جماعت اذان عام، خطبہ بھی مشروط نہیں، لیکن جمعہ ایک مخصوص عبادت اور شعائر اسلام میں سے ہے جو بہت ہی اہتمام سے پڑھا جاتا ہے اسی لئے ہمارے حنفی مسلک میں اس کے صحیح ہونے کے لئے چند شرائط ہیں۔

(۱) جماعت شرط ہے (۲) خطبہ شرط ہے۔ (۳) اذن عام بھی شرط ہے (۴) شہر یا قصبہ یا قصبہ نما بڑے گاؤں کا ہونا شرط ہے، دیہات یا جنگل میں درست نہیں۔

ویشترط لصحتها ستة اشیاء المصر او فناؤه والخطبة والاذن العام والجماعة ملخصا. (نور الایضاح ص ۱۱۷، ۱۱۸ باب الجمعة)

مالا بد منہ میں ہے، "پس در دیہات نزد امام اعظم جمعہ جائز نیست" امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک دیہات میں جمعہ جائز نہیں (۵۴) مکتب سے لے کر دارالعلوم میں داخل نصاب کتاب "تعلیم الاسلام" میں ہے۔

(سوال) نماز جمعہ صحیح ہونے کی کیا شرطیں ہیں۔

(الجواب) جمعہ کی نماز صحیح ہونے کی کئی شرطیں ہیں اول شہر یا قصبہ میں ہونا، چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز درست نہیں۔ (حصہ۴/ص ۵۷)

گاؤں اور جنگل میں نماز جمعہ درست نہیں (بہشتی ثمر ج ا ص ۱۴۳)

دیہات اور جنگل میں جمعہ نہیں پڑھ سکتے اسی لئے میدان عرفات میں لاکھوں حاجیوں کا اجتماع ہونے کے باوجود جمعہ کی نماز نہیں پڑھی جاتی ظہر پڑھی جاتی ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر جمعہ کا دن تھا (جس کے ... ا ... ہوئی تھی) پھر بھی ہزاروں صحابہؓ کے اجتماع میں جمعہ نہیں پڑھا گیا بلکہ ظہر با جماعت پڑھی گئی، ا... پڑھی جاتی ہے **ولا جمعة بعرفات فی قولهم جمیعا (جامع الصغیر ص ۱۲ ... باب الجمعة)** لہٰذا آپ حضرات بھی ظہر با جماعت پڑھتے رہیں۔

(۱) جس جگہ جمعہ درست نہیں وہاں عید بھی درست نہیں۔ **صلوٰۃ العید واجبة فی الاصح علی من تجب علیه الجمعة بشرائطها (باب العیدین نور الایضاح ص ۱۲۱)**

(۲) جب معتبر علماء اور مفتیان کرام نے آپ کے گاؤں میں جمعہ کے عدم جواز کا فتویٰ دیا تو اب اس پر عمل کرنا ضروری ہے، جمعہ قائم کرکے شرعی حکم کی خلاف ورزی کرنا ناجائز اور گناہ ہے۔

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں۔ جب تم علماء کے پاس آؤ اور جو وہ تم سے کہیں تم اس کو قبول نہ کرو تو یہ تمہارا ان کے پاس آنا (یا ان کا تمہارے پاس آنا) تم پر حجت بنے گا، اس کا گناہ تم پر ایسا ہی ہوگا جیسا کہ تم ملاقات کرتے رسول اللہ ﷺ اور آپ کا کہنا نہ مانتے۔ **اذا حضرتم عند العلماء ولم تقبلوا ما یقول**

لکم کان حضور کم عند هم حجة علیکم یکون علیکم اثم ذلک کما لقیتم الرسول الله صلی الله علیه وسلم ولم تقبلوا منه (الفتح الربانی ، المجلس الخامس مترجم ص ۴۱ وص ۴۲)

اورآپ ﷺ کادوسرافرمان ہے۔

تمہارے درمیان صورۃ نبی (ﷺ) موجود نہیں کہ تم اس کا اتباع کرو، پس جب تم رسول اللہ ﷺ کے اتباع کرنے والوں اورآپ کے حقیقی فرمانبرداروں کا اتباع کروں گے تو گویا تم نے نبی ہی کا اتباع کیا لیس بینکم نبی موجود بصورة حتی تتبعوه فاذا تبعتم المتبعین للنبی صلی الله علیه وسلم المحققین فی اتباعه فکانما قد اتبعتموه (ایضاً المجلس الرابع عشر ص ۹۳)

ان جوابات سے دیگر سوالوں کے جوابات بھی حل ہوسکتے ہیں، خدا تعالیٰ نیک عمل کی توفیق عنایت فرماوے اور خواہشات نفسانیہ سے محفوظ رکھے آمین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

شافعی مساجد میں نماز جمعہ:

(سوال ۹۳) شہر بمبئی میں کئی مسلم محلوں میں شافعی مذہب والوں کی مسجدیں بوقت جمعہ بند رہتی ہیں، ائمہ شوافع کا نظریہ ہے کہ جامع مسجد کے سوادیگر مساجد میں جمعہ قائم نہیں ہوسکتا، ان کے اس نظریہ کی وجہ سے شافعی المسلک بلکہ حنفی المسلک کو بھی بروز جمعہ بڑی مشقت اور زحمت کا سامان رہتا ہے کیونکہ لوگوں کی تعداد کثیر ہونے کے سبب سب کو جامع مسجد میں جگہ ملنا مشکل ہے بلکہ حنفی المسلک والوں کی مسجد میں بھی جگہ نہیں ملتی، بارش کے زمانہ میں بہت سے حنفی وشافعی نماز جمعہ سے محروم رہتے ہیں، کیا ایسے وقت بھی مذہب شافعی کے بموجب ایک سے زائد مساجد میں جمعہ پڑھنے کی اجازت نہیں؟ اس کا جواب دے کر ممنون فرماویں۔

(الجواب) بے شک حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک نماز جمعہ کی صحت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ شہر میں ایک ہی جگہ جمعہ پڑھا جائے، اگر ایک سے زائد جگہ جمعہ پڑھا گیا تو جس امام کی تکبیر تحریمہ پہلے ہوئی اس کی نماز صحیح ہوئی، باقی مساجد میں پڑھے ہوئے جمعہ کا اعتبار نہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت میں بھی یہی مروی ہے۔ درشہر چند جا جمعہ جائز است وبروایتے از امام اعظمؒ سوائے یک جا جائز نیست (مالابد منہ ص ۵۴)

لیکن حضرت امام اعظمؒ کی دوسری روایت میں ضرورت اور دفع حرج کے پیش نظر ایک سے زائد جگہوں میں نماز جمعہ پڑھنے کی اجازت ہے، اسی طرح مذہب شافعی میں بھی مجبوری کی وجہ سے ایک سے زائد مقام میں جمعہ پڑھنے کی گنجائش ہے۔ وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة مطلقا علی المذهب وعلیه الفتویٰ (الی قوله) دفعا للحرج ، درمختار ۔(قوله علی المذهب) فقد ذکر الا مام السر خسی ان الصحیح من مذهب ابی حنیفة جواز اقامتها فی مصر واحد فی مسجدین واکثرو به ناخذ(شامی ج ۱ ص ۷۵۵ باب الجمعة)

شافعی مذہب کی معتبر عربی کتاب ''الاساس'' (مؤلفہ محمد یحییٰ بیروتی شافعیؒ) کا اردو ترجمہ ''ارکان اسلام'' میں

ہے۔

نماز جمعہ صحیح ہونے کی شرط یہ بھی ہے کہ بستی میں ایک ہی جگہ پڑھا جائے، اگر ایک بستی میں دو تین جگہ جمعہ پڑھا گیا تو جس امام کی تکبیر تحریمہ پہلے ہوگی اس کا جمعہ صحیح ہوگا، اور دوسرا و تیسرا جمعہ باطل ہوگا لیکن اگر ایک جگہ (جامع مسجد) کافی نہ ہو تو ایک شہر میں متعدد مسجد میں جمعہ پڑھنا جائز ہے (رسائل ارکان ص ۷۶)

مترجم حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد لاجپوری سورتی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حنفی اور شافعی مذہب میں بلا عذر و مجبوری متعدد جگہ جمعہ پڑھنے کی اجازت نہیں۔(۱) جیسا کہ بہت سی جگہوں میں محلہ درمحلہ جمعہ پڑھا جاتا ہے، یہ طریقہ جمعہ قائم کرنے کے خاص مقصد اور روح کے خلاف ہے۔

البتہ جس جگہ جامع مسجد ناکافی ہو یا دور ہونے کی وجہ سے پہنچنا مشکل ہو، تکلیف دہ ہو، (جیسا کہ بمبئی میں) تو وہاں ضرورت کے مطابق متعدد مسجدوں میں نماز جمعہ حنفی وشافعی مذہب میں بھی درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

نماز جمعہ نئی مسجد میں پڑھیں یا پرانی میں:

(سوال ۹۴) ہمارے یہاں کل تین مسجدیں ہیں (۱) کنارہ مسجد (۲) ناور مسجد (۳) فتح اسلام مسجد، ان تینوں میں کنارہ مسجد قدیم ہے جس میں جمعہ ہوتا ہے اور تمام مصلی اس میں سما سکتے ہیں، نیز نمازیوں کے لئے راحت رسانی تمام اشیاء اس میں موجود ہیں، نمبر دو والی ناور مسجد نئی تعمیر ہوئی ہے وہ بھی اتنی وسیع ہے کہ تمام مصلی اس میں سما سکتے ہیں نمبر تین والی فتح اسلام مسجد ایسی ہے کہ اس میں تمام نمازیوں کا سما جانا مشکل ہے۔

اس میں قابل دریافت بات یہ ہے کہ ہم لوگ نماز جمعہ ایک ہی جگہ پڑھنا چاہتے ہیں تو کس مسجد میں پڑھنا اولیٰ ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جس قدیم اور بڑی مسجد میں جمعہ پڑھا جاتا ہے وہ جامع مسجد سمجھی جاتی ہے اس میں جمعہ پڑھنا افضل ہے۔

عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ الرجل فی بیتہ بصلاۃ وصلاتہ فی مسجد القبائل بخمس وعشرین صلاۃ وصلاتہ فی المسجد الذی یجمع فیہ بخمسمائۃ صلاۃ. الحدیث (مشکوۃ ص ۷۲ باب المساجد ومواضع الصلوۃ) بلا عذر شرعی اسے چھوڑ کر نئی مسجد میں جمعہ قائم کرنا مناسب نہیں اگرچہ نماز تو وہاں بھی ہوجائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کارخانہ میں نماز جمعہ:

(سوال ۹۵) شہر کی جامع مسجد کافی دور ہے، کارخانہ میں کام کرنے والے مسلمان مزدور کارخانہ کے کسی حال میں جمعہ پڑھ لیں تو جمعہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ صحت جمعہ کے لئے مسجد کا ہونا شرط ہے، لہذا مع حوالہ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(۱) لان جواز التعدد دفعاً للحرج کما مر ، والحرج لا یو جدبدون الضرورۃ والضابطۃ الضرورۃ تتقدر بقدر الضرورۃ کما فی الا شباہ وغیرہ . (مترجم)

(الجواب) جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں، شہر وفناء شہر میں کسی بھی جگہ مثلاً مکان میں یا ہال میں یا کھلے میدان میں نماز جمعہ درست ہے البتہ اس جگہ اذن عام (یعنی ہر شخص کو نماز پڑھنے کی اجازت ہو یہ) ضروری ہے لیکن مسجد کا ثواب پھر بھی نہیں ملے گا و لا یشترط الصلوٰۃ فی البلد بالمسجد فتصح بقضاء فیھا .
طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۷۹ باب الجمعۃ. فقط واللہ تعالیٰ علم بالصواب.

عبادت گاہ میں جمعہ کی نماز:

(سوال ۹۶) یہاں (انکلیشور) میں بس اڈے کے قریب اسلامی مسافر خانہ ہے، جس کے بالائی حصہ میں عبادت گاہ ہے اس میں پنجگانہ نماز با جماعت ہوتی ہے، قرب و جوار کے بسنے والے (جیسے وی، ٹی کالج، آئی، ٹی، ایس، ٹی کا عملہ وغیرہ) جن کی تعداد دو سو ہے یہ لوگ مذکورہ عبادت گاہ میں جمعہ کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں، کیونکہ جائے وقوع بس اڈہ اور جامع مسجد میں ایک میل کا فاصلہ ہے اور اسی فاصلہ اور قلت وقت کی وجہ سے بہت سے لوگوں کی نماز جمعہ بسا اوقات فوت ہو جاتی ہے، تو کیا یہاں جمعہ کی نماز ہو سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) نماز جمعہ صحیح ہونے کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں شہر یا قصبہ شرط ہے و لا یشترط الصلوٰۃ فی البلد بالمسجد فتصح بفضاء فیھا (باب الجمعۃ طحطاوی ص ۲۷۹) لہذا صورت مسئولہ میں مذکورہ عبادت گاہ میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں، لیکن شرعی مسجد نہ ہونے کی وجہ سے مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عبادت خانہ میں دوبارہ جمعہ پڑھنا:

(سوال ۹۷) ہم ٹورنٹو (کینیڈا) کے باشندے نماز جمعہ کے متعلق ذرا تفصیل چاہتے ہیں بایں طور کہ ہمارے کئی مسلمان بھائی بروز جمعہ دن کی ڈیوٹی میں کام کرتے ہیں، بہت ہی کوشش کے باوجود بروقت جمعہ ادا نہیں کر پاتے، مجبوراً ہم چار سے زائد آدمی ظہر کے وقت میں ایک ایسی جگہ جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں جہاں جمعہ کی نماز وقت مقررہ پر ہو چکی ہوتی ہے، لہذا صورت مسئولہ میں ہماری نماز جمعہ ادا ہوگی یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دے کر ممنون کریں۔
(الجواب) نماز جمعہ کسی بھی طرح (چاہے مالی نقصان برداشت کرنا پڑے) اس کی اصل جگہ یعنی مسجد میں اور اگر یہ نہ ہو سکے تو عبادت خانہ میں جم غفیر کے ساتھ ادا کرے، اگر وہاں کبھی کبھار پہنچ نہ سکے تو ایک امام اور کم از کم تین مقتدیوں کے ساتھ کسی اور جگہ یا کارخانہ میں با جماعت ادا کرے، جہاں امام اور مؤذن مقرر ہو اور پنجگانہ نماز بروقت با جماعت ہوتی ہو وہاں جماعت ثانیہ مکروہ ہے، مبسوط سرخسی میں ہے۔ قال (واذا دخل القوم مسجداً قد صلی فیہ اھلہ کرھت لھم ان یصلوا جماعۃ باذان و اقامۃ و لکنھم یصلون وحداناً بغیر اذان و اقامۃ) لحدیث الحسن قال کانت الصحابۃ اذا فاتتھم الجماعۃ فمنھم من اتبع الجماعات و منھم من صلی فی مسجدہ بغیر اذان و لا اقامۃ (مبسوط سرخسی ج ۱ ص ۱۳۵) (شامی ج ۱ ص ۳۶۷ باب الاذان) نیز جماعت ثانیہ کرنے سے جماعت اولیٰ کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے، اصل تو جماعت اولیٰ ہی ہے لوگ سمجھتے ہیں پہلی جماعت ملے تو ٹھیک ہے ورنہ دوسری جماعت کرلیں گے یہ طریقہ غلط ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے ہی پیدا فرمایا ہے نہ کہ روزی و روزگار کے لئے ، رزق کی ذمہ داری تو اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے، البتہ تدبیر (ملازمت، بیوپار) اختیار کرنے کی اجازت دی ہے لیکن تدبیر کے پیچھے پڑ کر ہمیشہ جمعہ چھوڑ دینا بڑی محرومی اور نفاق کی علامت ہے۔ **عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من ترک الجمعۃ من غیر ضرورۃ کتب منافقاً. الحدیث (مشکوٰۃ ص ۱۲۱ باب الجمعۃ)**

ایسی ملازمت کہ جس کے سبب ہمیشہ جمعہ کی نماز سے محروم رہے جائز نہیں باری تعالیٰ کا فرمان ہے **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون. ما ارید منھم من رزق وما ارید ان یطعمون ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین.**

ترجمہ:۔ اور میں (خدا) نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو میں نہیں چاہتا ان (مخلوق) سے روزینہ اور نہیں چاہتا کہ مجھ کو کھلائیں اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا زور آور مضبوط (قرآن حکیم پارہ نمبر ۲۷ سورہ ذٰریٰت)

پھر ملازمت کے خاطر اللہ تعالیٰ کی عبادت ترک کرنا کہاں کی دانشمندی اور انسانیت ہے۔ فقط واللہ اعلم ۔

فیکٹری میں نماز جمعہ کی اجازت نہ ملے تو:

(سوال ۹۸) میں فیکٹری میں ماہواری تنخواہ کے عوض ٹریننگ لیتا ہوں جس میں مجھے فی الحال بقدر ٹریننگ ماہوار =/۳۵۰ روپے ملتے ہیں میری ڈیوٹی کا وقت صبح نو بجے سے لے کر شام کے پانچ بجے تک ہے اور دوپہر کو بارہ بجے سے ایک بجے تک کا وقفہ رہتا ہے اس کے علاوہ جمعہ کے دن بھی نماز جمعہ کے لئے اجازت نہیں ایسی صورت میں مجھے نماز جمعہ کے لئے کیا کرنا چاہئے؟ ظہر پڑھنے میں کوئی حرج ہے؟ یا فیکٹری میں ہی دو تین آدمی مل کر نماز جمعہ پڑھ لیں؟ یا پھر میں ملازمت ترک کر دوں، ظہر پڑھنے کی اجازت کی صورت میں کتنی مدت تک ظہر کی اجازت ہے؟ بہت ہی کوشش کے باوجود کسی حال میں کمپنی اجازت دینے کو راضی نہیں حتیٰ کہ وضع تنخواہ کی صورت میں بھی اجازت نہیں دیتی، ایسی صورت میں کیا کروں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب جمعہ جیسی نماز (جو شعائر اسلام میں سے ہے) کے لئے اجازت نہیں ہمیشہ ظہر پڑھنے کی نوبت آتی ہے، تو ایسی ملازمت قابل ترک ہے، دوسری جگہ ملازمت کی تلاش میں رہے، جب تک اچھی ملازمت نہ ملے فیکٹری میں جمعہ پڑھے اگرچہ مسجد کا ثواب نہیں ملے گا مگر جمعہ صحیح ہو جائے گا، البتہ امام کے علاوہ تین مصلی کا ہونا ضروری ہے اس سے کم ہو تو جمعہ صحیح نہ ہوگا، ایسے ہی خطبہ کا ہونا بھی ضروری ہے۔

والسادس الجماعۃ واقلھا ثلثۃ رجال سوی الامام (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۷۶۰ وج ۱ ص ۷۶۱ باب الجمعۃ) و یشترط لصحتھا ستۃ اشیاء المصر او فنائہ والخطبۃ الخ (نور الایضاح ص۱۱۵ باب الجمعہ) فقط واللہ اعلم بالصواب.

جمعہ کے لئے دکان کب بند کرے؟:

(سوال ۹۹) بروز جمعہ ہم لوگ دوپہر کو قبل نماز دکان بند کر دیتے ہیں، ہمیں دکان کس وقت بند کرنا چاہئے؟ آج کل

زوال کا وقت ۱۲/۴۵ پر ہے اور اذان ایک بجے اور خطبہ ایک بج کر دس منٹ پر ہوتا ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) احادیث میں یوم جمعہ کی بہت فضیلت آئی ہے حتی کہ یوم عید سے بھی افضل ہے عن ابی لبابۃ بن عبدالمنذر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یوم الجمعۃ سید الایام واعظمہا عند اللہ وھو اعظم عند اللہ من یوم الاضحیٰ ویوم الفطر۔ الحدیث۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۰ باب الجمعۃ)

اس لئے اولیٰ یہ ہے کہ صبح ہی سے جمعہ کی تیاری میں لگ جائے، جلد از جلد غسل کرے، عمدہ کپڑے پہنے، خوشبو لگائے، سورۂ کہف پڑھے جتنا جلد ہو سکے جامع مسجد پہنچ کر نوافل، صلوٰۃ التسبیح، تلاوت قرآن و اذکار درود شریف وغیرہ میں مشغول رہے، نماز جمعہ سے فارغ ہو کر کھانا کھائے اس کے بعد دکان کھولے۔

اگر اس پر عمل کرنا اور دکان بند رکھنا گراں ہو تو اذان اول سے اس قدر پہلے دکان بند کر دے کہ مسنون طریقہ کے مطابق غسل کر کے کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر اذان کے وقت جامع مسجد میں پہنچ سکے ووجب سعی الیہا وترک البیع بالاذان الاول (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۷۰ باب الجمعہ) نیز ملاحظہ ہو احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۶۱ بیان آداب الجمعۃ. بہشتی زیور حصہ نمبر ۱۱ ص ۷۶.

جمعہ کے دن کی جتنی تعظیم و تکریم کرے گا اور مسنون طریقہ پر نماز کا اہتمام کرے گا اسی کے بقدر برکات سے نوازا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہمیشہ بیٹھ کر خطبہ پڑھنا خلاف سنت ہے:

(سوال ۱۰۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں امام صاحب ہیں اور وہی خطیب بھی ہیں اور بستی کے باشندے دوسرے خطیب کا تقرر کرنے سے معذور ہیں اور مذکورہ خطیب کو دائمی عذر ہے، مثلاً سر چکرانا اور کمزوری جس کی وجہ سے کھڑے ہو کر خطبہ نہیں پڑھ سکتے تو کیا ایسی صورت میں بیٹھ کر خطبہ دے سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا مسنون ہے، حضرت کعب بن عجرہؓ نے عبدالرحمن ابن ام حکم کو خلاف سنت بیٹھ کر خطبہ پڑھتے دیکھا تو غضبناک ہو کر فرمایا۔ دیکھو! یہ خبیث خطبہ بیٹھ کر پڑھتا ہے۔ عن ابی عبیدۃ عن کعب ابن عجرۃ قال دخل المسجد وعبد الرحمن بن ام حکم یخطب قاعداً فقال انظروا الی ھذا الخبیث یخطب قاعداً (صحیح مسلم شریف ج ۱ ص ۲۸۴ کتاب الجمعۃ) لہٰذا خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا چاہئے، کسی وقت اگر عذر سے بیٹھ کر پڑھا جاوے تو درست ہے مگر اس پر مداومت (دائمی طور پر ترک سنت) کی اجازت نہ ہوگی، لہٰذا دوسرا انتظام کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۳ ذی الحجہ ۹۵ھ۔

بیان و خطبہ کے وقت چندہ کرنا:

(سوال ۱۰۱) جمعہ کے روز پہلی اذان کے بعد امام کچھ بیان کرتے ہیں اس دوران مسجد کے لئے چندہ کی صندوق یا جھولی پھرائی جاتی ہے، بعض لوگ سنت پڑھنے میں مشغول ہوتے ہیں اور بعض دفعہ تو خطبہ بھی شروع ہو جاتا ہے مگر چندہ کا کام جاری رہتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بیان کے دوران چندہ کے لئے صفوں میں پھرنے کی اجازت نہیں کہ بیان سننے میں خلل ہوگا اور بیان کا مقصود فوت ہوگا اور سنت پڑھنے والوں کو بھی خلل ہوگا۔ حضرت عمر فاروقؓ نماز میں تھے کہ ایک شخص آیا اور اپنا سامان صف کے آگے ڈال دیا اور نماز میں شریک ہوگیا، حضرت عمرؓ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے اس شخص کو سزا دی کہ تو نے نمازیوں کو تشویش میں ڈالا (کتاب الاعتصام للامام الشاطبیؒ) اور یہی حکم خطبہ کے لئے بھی ہے بلکہ اس سے اشد، روایت میں ہے، اذا خرج الا مام فلا صلوٰۃ و لا کلام، جب امام خطبہ کے لئے نکلے تو نہ نماز جائز ہے نہ بات چیت۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ کے درمیان بچوں کو شرارت کرنے سے روکنا:

(سوال ۱۰۲) خطبۂ جمعہ کے وقت بچے شور اور شرارت کرتے ہیں تو ان کو روکا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سر اور ہاتھ کے اشارے سے روکا جاسکتا ہے، زبان سے کچھ نہ کہے، زبان سے بولنا جائز نہیں حرام ہے ، البتہ خطیب کو اجازت ہے والاصح بانہ لاباس بان یشیر براسہ او یدہ عند رویۃ منکر (درمختار) و التکلم بہ من غیر الامام حرام (طحطاوی علی الدر المختار ج ا ص ۲۵۵ باب الجمعۃ) فقط و اللہ اعلم بالصواب .

خطبہ کے وقت پنکھا جھلنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۰۳) جمعہ کا خطبہ ہو رہا ہو اس وقت حاضرین پنکھا جھلیں تو کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کراہت سے خالی نہیں۔ حدیث میں ہے ومن مس الحصی فقد لغا. (کتاب الجمعۃ رواہ مسلم) جب مس حصی (یعنی کنکریوں سے کھیلنے اور ان کو ہاتھ میں لینے) کی ممانعت ہے کہ اس میں مشغول ہے غیر خطبہ کی طرف تو پنکھا جھلنے میں اس سے زیادہ مشغولی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دو خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا:

(سوال ۱۰۴) خطیب، جمعہ وعیدین کے دو خطبوں کے درمیان جلسہ کرتا ہے، اس وقت حاضرین ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں کیا اس کا ثبوت ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس جلسہ میں کوئی دعا آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں، غایۃ الاوطار میں اس مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "تنبیہ، آج کل یہ دستور ہو رہا ہے کہ خطیب جب خطبہ اول کو پڑھ کر بیٹھتا ہے تو لوگ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگتے ہیں، اس لئے اس مسئلہ کی تحقیق اس جگہ مناسب معلوم ہوتی ہے، ابوداؤد میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ دو خطبے پڑھا کرتے تھے، اس طرح کہ منبر پر چڑھ کر بیٹھتے جب تک کہ مؤذن فارغ ہو، پھر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے پھر بیٹھتے اور کلام نہ کرتے اور پھر کھڑے ہوتے اور خطبہ پڑھتے طحطاوی نے کہا کہ اس جلوس میں کوئی دعا آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہوئی۔ شمس الائمہ سرخسیؒ نے شرح ہدایہ میں فرمایا کہ خطیب کو درمیان دو خطبوں کے جدائی کے لئے جلسہ اتنا کرنا چاہئے کہ تمام اعضا اس کے قرار پا جائیں اور اس جلسہ میں دعا کرنا بدعت ہے اور سمعانی نے لکھا ہے کہ ہاتھ اٹھانا دعا کے لئے دو خطبوں کے درمیان میں غیر مشروع ہے اور جامع الخطیب میں ہے کہ ہاتھ اٹھانا

دعا کے لئے دو خطبوں کے بیچ میں حرام ہے اور شیخ عبدالحق نے شرح مشکوٰۃ میں حدیث مذکورہ بالا کے ذیل میں لکھا ہے کہ کلام نہ کرتے تھے اس کے یہ معنی کہ نہ دعا مانگتے نہ دعا کے سوا اور کوئی بات کرتے اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ جمعہ میں ساعت دعا کے قبول ہونے کی امام کے منبر پر چڑھنے کے وقت سے نماز کے پورا ہونے تک ہے، تو ملا علی قاری نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہی وقت ہے کہ غیر امام کو کلام اس وقت میں حرام ہے اور دعا سے مراد وہ دعا ہے جو امام سب مسلمانوں کے لئے پڑھتا ہے، خطبہ اور نماز کے اندر، پس اس سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ امام یا سننے والے جلسہ کے اندر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگیں انتہیٰ (غایۃ الاوطار ج ۱ ص ۳۷۳) (شامی ج ۱ ص ۷۷۲ باب الجمعۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ اور اقامت کے درمیان فصل کرنا:

(سوال ۱۰۵) ہمارے امام صاحب جمعہ کے خطبہ سے فارغ ہو کر جب منبر سے اترتے ہیں تو مصلی (جائے نماز) پر جا کر بیٹھ جاتے ہیں، اس کے بعد مکبر اقامت کہتا ہے اور جب وہ حی علی الصلوٰۃ کہتا ہے اس وقت امام اور مقتدی کھڑے ہوتے ہیں، ہر جمعہ کو ایسا ہی کرتے ہیں، کیا یہ طریقہ سنت ہے؟ باحوالہ جواب عنایت فرمائیں۔

(الجواب) آپ کے امام صاحب کا یہ طریقہ بالکل نرالا اور خلاف سنت ہے حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کا یہ طریقہ نہیں تھا، مذہب حنفی کی معتبر اور مشہور کتاب درمختار میں ہے فاذا اتم اقیمت ویکرہ الفصل یعنی جب امام خطبہ پورا کرے تو اقامت شروع کر دی جائے اور فاصلہ مکروہ ہے، شامی میں ہے (قولہ اقیمت) بحیث یتصل اول الاقامۃ باٰخر الخطبۃ وتنتہی الاقامۃ بقیام الخطیب مقام الصلوٰۃ. یعنی خطبہ ختم ہوتے ہی اقامت شروع ہو جانی چاہئے، اس طرح کہ اقامت کا اول حصہ خطبہ کے آخری حصہ کے ساتھ متصل ہو اور خطیب کے مصلی (جائے نماز) پر پہنچتے پہنچتے اقامت ختم ہو جائے۔ (درمختار والشامی ج ۱ ص ۷۷۰ باب الجمعۃ)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے امام صاحب کا یہ طریقہ تو ایجاد من گھڑت اور مکروہ ہے، اس کو مسنون اور مستحب سمجھنا بالکل غلط اور بے بنیاد اور گناہ کا باعث ہے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی تحریر فرماتے ہیں۔ مکروہ رامستحسن دانستن از اعظم جنایاتست، مکروہ کو مستحسن سمجھنا اعظم جنایات میں سے ہے (یعنی بڑی مکروہ اور ممنوع چیز ہے) (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی ج ۱ ص ۳۹۴ مکتوب نمبر ۲۸۸)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے۔ ایہا الناس انکم ستحدثون ویحدث لکم فاذا رأیتم محدثۃً فعلیکم بالامر الاول یعنی تم لوگ نئی نئی باتیں نکالو گے اور تم کوئی نئی باتیں پیش آئیں گی پس جب تم نئی بات دیکھو تو پرانے طریقے کو لازم پکڑنا (ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۳۰۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ کے شروع میں دو مرتبہ الحمدللہ پڑھنا:

(سوال ۱۰۶) خطبہ کے شروع کرتے وقت دو مرتبہ الحمدللہ پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) خطبہ میں الحمدللہ دو مرتبہ پڑھا جاتا ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، جب کہ اسے ضروری نہ سمجھا جائے، بزرگان دین کا طریقہ رہا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ کے وقت دوسری اذان مسجد میں دینا:

(سوال ۱۰۷) جمعہ کے وقت دوسری اذان جو خطبہ کے وقت دی جاتی ہے، عموماً دیکھا گیا کہ منبر کے پاس مسجد میں خطیب کے سامنے دی جاتی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اذان مسجد میں دینا مکروہ ہے، اذان مسجد کے باہر دینا چاہئے اور کہتے ہیں کہ بہار شریعت میں بھی اس کو مکروہ لکھا ہے، اس کی وجہ سے یہاں خلفشار ہے، جواب باصواب عطا فرمائیں کرم ہوگا، والسلام بینوا توجروا۔ (بڑودا)

(الجواب) اذان دو مقصد کے لئے کہی جاتی ہے (۱) عام اور غائبین لوگوں کے لئے (۲) خاص حاضرین کے لئے۔ پہلی اذان عام اعلان ہے تاکہ غائبین مطلع ہوں یہ اذان مسجد میں کہنا مکروہ ہے اور دوسری اذان جو خطیب کے سامنے کہی جاتی ہے اور اقامت جو نماز کے وقت کہی جاتی ہے، یہ دونوں خاص حاضرین کے لئے ہیں ان کا مسجد میں کہنا ہرگز مکروہ نہیں، مراقی الفلاح میں ہے والا ذان بین یدیہ جری بہ التوارث (کالا قامۃ) بعد الخطبۃ (مراقی الفلاح ص ۱۰۳ باب الجمعۃ) اس عبارت میں دوسری اذان کو جو بوقت خطبہ منبر کے پاس خطیب کے سامنے دی جاتی ہے اس کو اقامت کے مانند قرار دیا ہے، جس طرح اقامت مسجد میں اور عموماً صف اول میں دی جاتی ہے اور اس کو کوئی مکروہ نہیں کہتا اسی طرح یہ اذان بھی مسجد میں خطیب کے سامنے کہی جاتی ہے اور سلف و خلف کا یہی معمول اور طریقہ چلا آرہا ہے جس کی طرف جری بہ التوارث سے اشارہ کیا ہے) لہذا یہ اذان اور اقامت مسجد میں کہنا ہرگز مکروہ نہیں کہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے یعنی حاضرین کو متوجہ اور مطلع کرنا، غائبین سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور بعض کتابوں میں عندالمنبر آیا ہے، عینی شرح ہدایہ میں ہے فی الا صح لحصول الا علام بہ (ای اذان المنارۃ) لانہ لو انتظر الاذان الثانی عند المنبر تفوتہ السنۃ وربما لا یدرک الجمعۃ لبعد محلہ وھو اختیار شمس الائمۃ (عینی شرح ہدایہ ص ۱۱۴ باب الجمعۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب یکم ربیع الاول ۱۴۰۱ھ۔

عیدین کے موقعہ پر چندہ کرنا:

(سوال ۱۰۸) عیدین کے موقعہ پر (کبھی مسجد میں نماز ہوتی ہے اور کبھی عیدگاہ میں ہوتی ہے) مسجد کے لئے اسی طرح دینی مدارس یا لاوارث لوگوں کے کفن وغیرہ کے لئے مسجد کے اندر دو شخص ایک کپڑا لے کر صفوں کے درمیان چل کر چندہ کرتے ہیں تو شرعاً یہ فعل کیسا ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر نماز سے پہلے یا خطبہ کے بعد ہو تو مضائقہ نہیں، خطبہ کے دوران اس کی اجازت نہیں۔

کیا ہر جمعہ نیا خطبہ پڑھنا ضروری ہے؟:

(سوال ۱۰۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ ہماری مسجد کے امام حافظ قاری ہیں، آنکھوں سے کچھ معذور ہیں، کتاب کے اندر دیکھ کر پڑھ نہیں سکتے، اس لئے انہوں نے پانچ چھ خطبے زبانی یاد کر رکھے ہیں اور وہ جمعہ کے دن ان میں سے ایک ایک خطبہ باری باری پڑھتے رہتے ہیں، ہمارے محلہ کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے پیچھے خطبہ نہیں ہوتا کیونکہ ہر ماہ ایک خطبہ پڑھتے رہتے ہیں حالانکہ ہر ہفتے اور ہر مہینے کا جو الگ الگ خطبہ ہے وہ پڑھنا چاہئے۔ اسی بناء بعض مقتدی دوسری مسجد میں چلے جاتے ہیں، اس سلسلے میں مفتیان عظام کیا فرماتے ہیں؟

بینوا توجروا۔ (سورت)

(الجواب) جب کہ امام حافظ قرآن اور قاری ہیں، خوش الحان ہیں قرآن خوب عمدہ پڑھتے ہیں نماز کے ضروری مسائل سے واقف ہیں، کچھ معذور ہونے کے باوجود پاک صاف رہنے کا اہتمام کرتے ہیں لہٰذا ان کی امامت بلا کراہت درست ہے، حدیث میں ہے عن انس رضی اللہ عنہ قال استخلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن ام مکتوم یؤم الناس وھو اعمی. رواہ ابو داؤد. یعنی حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کو امام بنایا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور وہ نابینا تھے (مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۰ باب الامامۃ)

خطبہ عربی میں پڑھا جاتا ہے، حاضرین عموماً عربی سے ناواقف ہوتے ہیں، سمجھ نہیں پاتے، اس لئے بھی ہر جمعہ نیا خطبہ پڑھنا کیا مفید ہوگا؟ امام صاحب کو پانچ چھ خطبے یاد ہوں تو کافی ہے، نماز میں کسی قسم کی کراہت نہیں آتی۔ تاہم نیا خطبہ سننے کا شوق ہو تو عربی سیکھیں اور اچھے عالم حافظ قاری کو رکھا جائے، وہ جمعہ و عیدین کے خطبہ کا ترجمہ بیان کرے اور شرعی احکام سے نمازیوں کو واقف کرے، موجودہ امام کو نائب امام کے طور پر رکھا جائے وہ رمضان میں تراویح پڑھانے کی خدمت بھی کماحقہ انجام دے سکتے ہیں، لوگ مسجد کی عمارت پر تو ہزاروں لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں مگر امام و مؤذن پر خرچ کرنے میں ہاتھ تنگ کر لیتے ہیں، یہ بات مناسب نہیں ہے کیونکہ عمدہ عمدہ عمارت مقصود نہیں ہے البتہ قابل امام اور مؤذن مطلوب شرعی ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۳۰ شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ۔

عیدین کے خطبہ میں حاضرین کا تکبیر کہنا:

(سوال ۱۱۰) خطیب عید کے خطبہ میں تکبیرات کہتے ہیں تو حاضرین تکبیرات کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ہاں حاضرین آہستہ آہستہ تکبیر کہہ سکتے ہیں اور خطیب آیت کریمہ ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی پڑھے تو حاضرین دل ہی دل میں درود پڑھیں واذا کبر الا مام بالخطبۃ یکبر القوم معہ واذا صلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الناس فی انفسہم (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۱ الباب السابع عشر فی صلاۃ العیدین) فقط واللہ اعلم بالصواب. ۹ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ.

ظہر وجمعہ کی سنت میں جماعت وخطبہ شروع ہو جائے:

(سوال ۱۱۱) ظہر و نماز جمعہ سے پہلے چار رکعات سنت مؤکدہ پڑھنے کی حالت میں ظہر کی جماعت یا جمعہ کا خطبہ شروع ہو جائے تو سنت پوری کرے یا دو رکعت پر سلام پھیر دے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں دو رکعت پر سلام پھیر دے یا چار رکعت مختصر قرأت وغیرہ کے ساتھ پڑھے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ دو رکعت پڑھے ہاں اگر تیسری رکعت شروع کر دی ہو تو اختصار کے ساتھ چار رکعت پوری پڑھی (شامی ج ۱ ص ۶۶۸) [1]

---

(۱) ثم اعلم ان ھذا کلہ حیث لم یقم الی الثالثۃ اما ان قام الیھا وقیدھا بسجدۃ ففی روایۃ النوادر یضیف الیھا رابعۃ ویسلم وان لم یقیدھا بسجدۃ قال فی الخانیۃ لم یذکر فی النوادر واختلف المشائخ فیہ قیل تمھا اربعا ویخفف القرأۃ وقیل یعود الی القعدۃ ویسلم وھذا اشبہ اہ قال فی شرح المنیۃ والاوجہ ان یتمھا لانھا ان کانت صلاۃ واحدۃ فظاھر وان کانت کغیرھا من النوافل کل شفع صلاۃ فالقیام الی الثالثۃ کتحریمۃ المبتداۃ واذا کان اول ما تحرم یتم شفعا فکذا ھنا. باب ادراک الفریضۃ)

خطبہ میں عصا پکڑنا مسنون ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۱۳) خطبہ کے وقت عصا پکڑنا جائز ہے یا مکروہ؟

(الجواب) صحیح یہ ہے کہ خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا لینا اور سہارا دینا جائز ہے مکروہ نہیں (شرح سفر السعادۃ ص ۲۰۹) مگر اس کو ضروری سمجھنا اور عصا نہ لینے والے کو ملامت کرنا مکروہ ہے۔ کسی مستحب کو اس کے درجہ سے بڑھا دینا بھی مکروہ ہے (مجمع البحار ج ۲ ص ۲۲۴)

خطبہ کے وقت درود شریف پڑھے یا نہیں:

(سوال ۱۱۴) جمعہ کے دوسرے خطبہ میں امام صاحب آیۂ کریمہ ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی الخ پڑھیں تو حاضرین درود شریف پڑھیں یا نہیں؟ افضل کیا ہے۔ بینوا توجروا

(الجواب) خطبہ کے وقت افضل یہی ہے کہ خاموش رہیں یا دل میں درود شریف کا تصور کریں۔ زبان سے نہ پڑھیں اس وقت درود شریف زور سے پڑھنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ کبیری شرح منیہ میں ہے واذا قرأ الامام ان اللہ وملائکۃ فعن ابی حنیفۃ ومحمد انہ ینصت وعن ابی یوسف انہ یصلی سرا وبہ اخذ بعض المشائخ واکثرھم انہ ینصت وفی الحجۃ لو سکت فھو افضل ۔ یعنی حضرت امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ سے روایت ہے کہ جب آیۂ کریمہ ان اللہ وملائکتہ پڑھے تو خاموش رہنا چاہئے اور حضرت ابو یوسف سے روایت ہے کہ آہستہ سے پڑھے یعنی دل میں پڑھے۔ بعض مشائخ نے اس قول کو اختیار کیا ہے مگر اکثر مشائخ خاموش رہنے کو پسند فرماتے ہیں اور کتاب الحجۃ میں ہے کہ خاموش رہنا بہتر ہے (کبیری شرح منیۃ فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ ص ۲۵۰) اور درمختار میں ہے والصواب انہ یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند سماعہ اسمعہ فی نفسہ ۔ یعنی صحیح یہ ہے کہ خطبہ میں اسم مبارک سن کر اپنے دل میں درود شریف پڑھے اور شامی میں ہے اذا ذکر النبی ﷺ لایجوز ان یصلی علیہ بالجہر بل بالقلب وعلیہ الفتوی ترجمہ۔ جب آپ ﷺ کا نام مبارک لیا جائے تو اس وقت درود شریف زور سے پڑھنا جائز نہیں ہاں دل میں پڑھے فتویٰ اسی پر ہے (ج ۱ ص ۷۶۸ باب صلوٰۃ الجمعۃ) اس مسئلہ میں دیوبندی بریلوی کا بھی اختلاف نہیں بہار شریعت میں ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا نام پاک خطیب نے لیا تو حاضرین دل میں درود شریف پڑھیں اس وقت زبان سے پڑھنے کی اجازت نہیں (بہار شریعت ج ۴ ص ۱۰۰) واللہ اعلم۔

جمعہ کے خطبہ کے وقت پاؤں پر پاؤں رکھ کر بیٹھنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۱۵) مسجد میں خطبہ کے وقت یا دوسری نماز کے وقت گھٹنے پر پاؤں رکھ کر بیٹھنا جیسے امراء بیٹھتے ہیں شرعاً کیسا ہے؟

(الجواب) اس طرح کی نشست میں تکبر اور گھمنڈ نہ ہو محض ضرورۃ ہو تو جائز ہے (قاضی خان) مگر اس کی عادت بنانا بالخصوص مسجد میں اور وہ بھی خطبہ کے وقت اس کی عادت مناسب نہیں۔ لانہ من عادۃ الجبابرۃ ۔ مسجد میں بعجز و خشوع بیٹھنا چاہئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

خطبۂ ثانیہ میں خلفائے راشدین کا ذکر خیر:

(سوال ۱۱۲) ایک اردو اشتہار میں دیکھا کہ خطبۂ ثانیہ میں خلفاء راشدین کا نام لے کر جو ذکر کیا جاتا ہے اس کی کوئی اصلیت نہیں بدعت اور ناجائز ہے۔لہذا خطیب کو چاہئے کہ اس کو ترک کرے ورنہ گنہگار ہوگا کیا یہ صحیح ہے؟ اس کو ترک کر دینا چاہئے۔

(الجواب) خطبۂ ثانیہ میں خلفاء راشدین کا ذکر خیر ان کی مدح اور ان کے لئے دعاء خیر کرنا بدعت نہیں ہے، نہ بے اصل ہے، زمانہ خیر القرون سے جاری اور سلف صالحین کے عمل سے ثابت ہے اس کو بے اصل اور بدعت بتانا غلط ہے، اس کے مستحب ہونے کی یہی دلیل کافی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جماعت صحابہ کی موجودگی میں خطبہ میں حضرات خلفائے راشدین کا ذکر خیر کیا، ان کی مدح کی اور ان کے لئے دعاء خیر کی رضی اللہ عنہم (شامی ج۱ص ۷۵۹)[1] فقہ کی معتبر کتابوں میں خلفاء راشدین کے تذکرہ کو مستحب قریب السنۃ بلکہ شعار دین خصوصاً اہل سنت والجماعت کا شعار بتایا ہے۔حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے تذکرہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے دو چچا حضرت حمزہؓ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے تذکرے بھی مستحب ہیں۔رسائل الارکان میں ہے وینبغی ان یدعو للمسلمین ویدؤ بذکر الخلفاْ الراشدین ومدحھم والدعاء لھم لان الرحمۃ تتنزل بذکر الصالحین و یرجیٰ قبول الدعاء للمسلمن ببرکۃ ذکرھم وھو المتوارث من وقت التابعین الیٰ الا ن ولم ینکر ذلک احد فھو امر مندوب قریب الی السنۃ للاجماع الفعلی علیٰ ذلک وھو من شعار الدین کا لا ذان فلا یترک ترجمہ۔مناسب ہے کہ خطبہ میں امام مسلمانوں کے لئے دعا مانگے۔اس کا آغاز حضرات خلفاء راشدین کے لئے دعا اور ان کی مدح وثناء سے کرے کہ بزرگان دین کے تذکرے سے رحمت نازل ہوتی ہے، مسلمانوں کے حق میں قبولیت دعا کی زیادہ توقع ہو جاتی ہے۔یہ طریقہ تابعین کے دور سے آج تک جاری ہے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی پس یہ طریقہ مستحب ہے جو سنت کے قرب کا درجہ رکھتا ہے اس پر اجماع فعلی ہے اور اذان کی طرح شعار دین ہے لہذا چھوڑا نہ جائے (ص ۱۱۶)

اور فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں ہے کہ خلفاء راشدین اور رسول خدا ﷺ کے عمین محترمین (حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ) کا تذکرہ مستحب ہے اور سلف صالحین سے جاری ہے (ج ۱ ص ۱۴۷)[2] (مراقی الفلاح ص ۱۳۰) (فتاوی جامع الزور ج ۱ ص ۱۱۹) نفع المفتی ص ۱۰۱)

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ خطبہ میں خلفاء راشدین کا تذکرہ خطبہ کی شرائط میں سے نہیں۔لیکن اہل سنت والجماعت کا شعار ہے اور یقینی بات ہے کہ اس شخص کے سوا جس کا دل مریض اور جس کا باطن خبیث ہو کوئی دوسرا (جو ایمان صحیح رکھتا ہو) اس کو چھوڑ نہیں سکتا (پھر ارشاد ہے) اگر یہ بات تسلیم کرلیں کہ خطیب نے

---

(۱) علی انہ ثبت ان ابا موسی الاشعری وھو امیر الکوفۃ کان یدعو لعمر قبل الصدیق فانکر علیہ تقدیم عمر فشکی الیہ فاستحضر المنکر فقال انما انکرت تقدیمک علی ابی بکر فبکی واستغفرہ والصحابۃ حینئذ متوفرون لا یسکتون علی بدعۃ باب الجمعۃ)

(۲) وذکر الخلفاء الراشدین والعمین رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین مستحسن بذلک جری التوارث کذا فی التجنیس)

تعصب اور عداوت سے خلفاء راشدین کا ذکر ترک نہیں کیا۔ جب بھی چھوڑنے والوں سے عملاً مشابہت تو ہوگئی۔ پس من تشبہ بقوم فھو منھم کی وعید اور اتقوا مواضع التھم کی تاکید کا کیا جواب ہے۔ یعنی جب عملاً روافض سے مشابہ ہوگیا تو اس کو رافضی یوں نہیں قرار دیا جائے گا اور جہاں اس طرح کا الزام لگ سکتا ہو وہاں حکم ہے کہ احتیاط سے کام لیا جائے اور تہمت کا موقع نہ دیا جائے۔ اس نے تہمت کا موقع دے دیا۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۴۷ مکتوب نمبر ۱۵) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ پڑھنے کے بعد وضو کی حاجت ہو تو خطبہ کا اعادہ ہوگا یا نہیں؟:

(سوال ۱۱۶) خطبہ جمعہ پڑھنے کے بعد امام کو حدث لاحق ہوا اور حوض یا مسجد میں پانی نہ ہونے کی بنا پر قریب کے مکان میں وضو کر کے جلد واپس آیا اور خطبہ کے اعادہ بغیر نماز جمعہ پڑھائی تو نماز صحیح ہے یا نہیں؟ خطبہ کا اعادہ کرنا ہوگا؟

(الجواب) خطبہ کا اعادہ ضروری نہیں نماز صحیح ہوئی۔ **ولو خطب ثم ذھب فتوضأ فی منزلہ ثم جاء فصلی تجوز** (کبیری ص ۵۱۷ فصل فی صلوۃ الجمعۃ) **فقط واللہ اعلم بالصواب.**

خطبہ اور نماز کے لئے لوگوں کا انتظار کرنا:

(سوال ۱۱۷) ہمارے یہاں جمعہ کے دن اذان اول کے بعد لوگ سنن وغیرہ سے فارغ ہو چکے ہیں اب امام کے خطبہ دینے کی تیاری تھی خطیب اپنی جگہ سے اٹھے ہی تھے کہ اتنے میں آواز آئی آگ لگی دوڑو، آواز سن کر جو لوگ کہ سنن وغیرہ سے فارغ ہو کر بیٹھے تھے دوڑے اور کچھ لوگ مسجد میں باقی رہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ جو لوگ آگ بجھانے گئے ہیں ان کا انتظار کر کے خطبہ اور نماز میں تاخیر کی جائے؟ اگر انتظار نہ کیا جائے تو ان کے خطبہ اور نماز کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) ایسے موقع پر نماز کے وقت کا لحاظ کر کے نمازیوں کا انتظار ضروری ہے اگر نماز پڑھ لی تو بقیہ جنھوں نے جمعہ کی نماز نہ پڑھی ہو علیحدہ علیحدہ ظہر کی نماز ادا کریں۔(۱) **فقط واللہ اعلم بالصواب.**

جمعہ کے دن عید آجائے تو خطبہ کا حکم:

(سوال ۱۱۸) ایک شخص کہتا ہے کہ اگر جمعہ کے دن عید آجائے تو دونوں خطبے پڑھنا (عید اور جمعہ کے) ضروری نہیں دونوں میں سے ایک کو پڑھ لینا کافی ہے کیا یہ صحیح ہے؟

(الجواب) یہ صحیح نہیں کہ دونوں میں سے ایک پڑھ لینا کافی ہے بلکہ عید اور جمعہ دونوں پڑھنا ضروری ہے۔ **محمد عن یعقوب عن ابی حنیفہ رضی اللہ عنھم عید ان اجتمعا فی یوم واحد فالاول سنۃ والآخر فریضۃ ولا یترک واحد منھما** (الجامع الصغیر ص ۲۰ باب العیدین) (ھدایۃ ج ۱ ص ۱۵۱ باب العیدین) (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۳۵۸) **فقط واللہ اعلم بالصواب.**

---

(۱) وکذا اھل مصر فاتتھم الجمعۃ فانھم یصلون الظھر بغیر اذان ولا اقامۃ ولا جماعۃ درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۶۹ باب الجمعۃ

کیا خطبہ کے بعد وضو کرنے سے خطبہ دوبارہ پڑھا جائے:

(سوال ۱۱۹) امام خطبہ پڑھ کر وضو کرنے کے لئے حوض پر جائے تو خطبہ کا اعادہ کرنا ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) خطیب خطبہ کے بعد بغرض وضو حوض پر جائے یا مکان پر جا کر وضو کر کے آئے تو خطبہ کا اعادہ ضروری نہیں پہلا خطبہ کافی ہے۔ " اذا خطب ثم ذهب فتو ضا في منزله ثم جاء فصلى تجوز " (كبيرى ص ۵۱۷ فصل في صلوة الجمعة) فقط والله اعلم بالصواب.

خطبہ عید نماز سے پہلے پڑھنا:

(سوال ۱۲۰) عید کا خطبہ نماز سے پہلے پڑھ لیا تو نماز کے بعد اعادہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟

(الجواب) عید کا خطبہ نماز کے بعد ہے۔ اگر پہلے پڑھ لیا تو غلط ہوا۔ مگر نماز کے بعد اعادہ کی ضرورت نہیں "جوہرۃ نیرۃ" میں ہے۔ وان خطب قبل الصلوٰة اجزاء مع الاساءة. ولا تعاد بعد الصلوة (ص ۹۴ ج ۱ باب صلوة العيدين) فقط والله اعلم بالصواب.

خطبہ میں آیۃ کریمہ "ان اللہ" الخ پڑھنے پر حاضرین کا درود پڑھنا:

(سوال ۱۲۱) یہاں پر ایک اختلاف چل رہا ہے کہ جمعہ کے خطبہ میں خطیب آیۃ کریمہ " ان الله وملائكة " الخ پڑھے تو حاضرین درود شریف پڑھیں یا خاموش رہیں؟ افضل طریقہ کیا ہے؟ جواب ہی پر جھگڑا رفع ہو جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(الجواب) خطبہ کے وقت افضل یہ ہے کہ خاموش رہے یا دل میں درود شریف کا خیال کرے زبان سے نہ پڑھے اس وقت بلند آواز سے درود شریف پڑھنا کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ "کبیری شرح منیہ" میں ہے۔ واذا قراء الامام ان الله وملآئكته يصلون على النبى صلى الله عليه وسلم فعن ابى حنيفة ومحمد انه ينصت وعن ابى يوسف انه يصلى سراً وبه اخذ بعض المشائخ واكثرهم انه ينصت وفى الحجة لو سكت فهو افضل. ترجمہ:۔ حضرت امام ابوحنیفہ اور امام محمد سے روایت ہے۔ کہ خطیب جب آیۃ کریمہ۔ " ان الله وملائكته" الخ پڑھے تو خاموش رہنا چاہئے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ آہستہ دل ہی دل میں پڑھ لے بعض مشائخ نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اور اکثر مشائخ خاموش رہنے کو پسند فرماتے ہیں اور کتاب حجۃ میں ہے کہ خاموش رہنا بہتر ہے۔ (ص ۵۲۰ باب صلوٰۃ الجمعۃ) اور درمختار میں ہے والصواب انه يصلى على النبى صلى الله عليه وسلم عند سماعه فى نفسه. ترجمہ:۔ اور صحیح یہ ہے کہ خطبہ میں اسم مبارک سنتے وقت آنحضرت ﷺ پر دل ہی دل میں درود شریف پڑھے اور "شامی" میں ہے۔ اذا ذكر النبى صلى الله عليه وسلم لا يجوز ان يصلى بالجهر بل بالقلب وعليه الفتوى.

ترجمہ:۔ جب آنحضرت ﷺ کا اسم مبارک لیا جائے تو جائز نہیں ہے کہ آپ پر جہر سے درود شریف پڑھا جائے (ﷺ) بلکہ دل میں پڑھے۔ اسی پر فتویٰ ہے (ص ۷۶۸ ج ۱ باب الجمعۃ) اس مسئلہ میں دیوبندی بریلوی

اختلاف بھی نہیں۔ دیکھئے ''بہار شریعت'' حضور اقدس ﷺ کا نام پاک خطیب نے لیا تو حاضرین دل میں درود شریف پڑھیں۔ زبان سے پڑھنے کی اس وقت اجازت نہیں۔ (ص ۱۰۰ ج ۴) فقط واللہ اعلم۔

کیا خطیب کے لئے نہی عن المنکر جائز ہے؟:

(سوال ۱۲۲) خطبہ کے وقت لوگوں کو بات کرتے ہوئے یا کھڑے دیکھ کر خطیب خاموش رہنے کا یا بیٹھ جانے کا حکم دے سکتا ہے؟

(الجواب) خطیب بحالت خطبہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر سکتا ہے۔ ویکرہ للخطیب ان یتکلم فی حال الخطبة الا ان یکون امرا بمعروف کذا فی فتح القدیر (فتاویٰ عالمگیری ص ۹۴ ج ۱ باب الجمعہ) فقط واللہ اعلم۔

خطبوں کے درمیان کا جلسہ:

(سوال ۱۲۳) جمعہ اور عیدین کے خطبوں کے درمیان جلسہ نہ کرے تو کچھ حرج ہے؟

(الجواب) قصداً جلسہ نہ کرنا برا اور مکروہ ہے۔ والا صح انه یکون مسیئاً بترک الجلسة بین الخطبتین کذافی القنیة. (فتاویٰ عالمگیری ص ۹۴ ج ۱. طبع مصطفائی باب الجمعہ) فقط واللہ اعلم بالصواب.

خطیب عصا کس ہاتھ میں پکڑے؟:

(سوال ۱۲۴) خطیب جمعہ و عیدین میں عصا سیدھے ہاتھ میں پکڑے یا بائیں ہاتھ میں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) دونوں صورتیں جائز ہیں جس کو جو صورت موافق ہو اس پر عمل کرے۔ اگر خطبہ ہاتھ میں نہ ہو تو عصا سیدھے ہاتھ میں پکڑنا اولیٰ ہوگا۔ اور اگر خطبہ ہو تو اس کو سیدھے ہاتھ میں لیوے۔ اور عصا کو بائیں ہاتھ میں لینا اولیٰ ہے۔ وفی الحاوی القدسی اذا فرغ المؤذنون قام الا مام والسیف فی یساره وهو متکئ علیه (مراقی الفلاح ص ۲۹۸ باب الجمعة. بحر الرائق ص ۱۴۸ ج ۲)

وینبغی له ان یا خذ السیف او العصا او غیرهما بیده الیمنیٰ اذا نها السنة ولان تناول الطهارات انما یکون بالیمین والمستقذرات بالشمال ولا حجة لمن قال انه یا خذه بالیسار لکونه الیسر علیه فی منا ولته اذا اراداحد اغتیاله لان هذا المعنی مما یختص بالا مراء الذین یخافون علیٰ انفسهم الغیلة وهذا مامون فی هذا الزمان فی الغالب اذان الا مام لیس له تعلق بالا مارة فی الغالب حتی یغتاله احد. (کتاب المدخل ص ۴۷ ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

خطبہ کس زبان میں پڑھا جائے:

(سوال ۱۲۵) ہمارے یہاں خطبۂ جمعہ میں عربی کے ساتھ اردو ترجمہ بھی پڑھا جاتا تھا مگر اس میں وقت زیادہ صرف ہونے سے لوگ اکتانے لگے تو امام نے اردو ترجمہ چھوڑ دیا۔ لیکن چند رضا خانی (بریلوی) حضرات اردو پڑھنے

کے لئے زور دے رہے ہیں تو اب امام کیا کرے فقط عربی خطبہ پڑھے یا اردو ترجمہ بھی شامل کرے؟ سنت کیا ہے، مدلل جواب دیا جائے۔

(الجواب) اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آنحضرت ﷺ کے تمام خطبات عربی میں ہوتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرب سے نکل کر دوسرے ملکوں میں تشریف لے گئے وہاں کے باشندے انہیں صحابہ اور صحابہ کے بعد حضرات تابعین و تبع تابعین کے فیوض و برکات سے مستفیض ہو کر مسلمان ہوئے۔ ان جدید الاسلام قوموں میں تعلیم، مسائل اور تبلیغ احکام کی شدید ضرورت تھی، اس زمانہ میں نہ اخبارات تھے نہ رسائل۔ نہ مطابع میں دینی کتابوں کی اشاعت ہوتی تھی وعظ و تلقین اور درس و تدریس کے ذریعہ ہی احکام و مسائل کی تبلیغ ہوتی تھی۔ ان تمام ضرورتوں کے باوجود صحابہ کرام۔ حضرات تابعین اور تبع تابعین، حضرات محدثین۔ مجتہدین۔ فقہا متقدمین و متاخرین میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے جمعہ یا عیدین کے خطبے عربی کے سوا کسی اور زبان میں پڑھے ہوں۔ یا اس کی ہدایت کی ہو۔ اب تحقیق طلب مسئلہ یہ ہے کہ یہ ایک اتفاقی بات تھی جو یوں ہی بے سوچے سمجھے بطور عادت یا بطور رسم و رواج ہوتی رہی، اور شرعی اصول و مصالح کے لحاظ سے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی یا ایک سوچا سمجھا طریقہ تھا اور خاص مصلحت تھی جس کی بنا پر قصداً ایسا کیا گیا کہ جمعہ اور عیدین کے خطبے عربی میں پڑھے جاتے رہے اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ جو عمل اس طرح سلف صالحین کے ہر دور اور ہر طبقہ میں پابندی کی ساتھ ہوتا رہا ہو۔ وہ واجب الاتباع ہوتا ہے اس کو اتفاقی یا رسم و رواج کی بات کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ علماء نے زبان عربی کو بھی وہی حیثیت دی ہے جو خطبہ کے دوسرے اجزاء یعنی حمد۔ شہادتین آنحضرت ﷺ پر درود شریف اور خلفاء راشدین کے تذکرہ وغیرہ کو دی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چوں خطب آنحضرت ﷺ وخلفاء وھلم جرا ملاحظہ کردیم تنقیح آن وجود چند چیز است ـ حمد ـ شہادتین وصلوٰۃ برآنحضرت ﷺ (الی ان قال) وعربی بودن ـ نیز بجہت عمل مستمر مسلمین در مشارق ومغارب باوجود آں کہ در بسیارے اقالیم مخاطبان عجمی بودند (مسوی مصفی شرح موطا امام مالکؒ ج ۲ ص ۱۵۴ کتاب الجمعۃ) یعنی آنحضرت ﷺ حضرات خلفاء راشدین۔ صحابہ کرام۔ حضرات تابعین تبع تابعین رحمہم اللہ اور اسی طرح مجتہدین محدثین وغیرہم کے خطبوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو یہ بات منقح ہو کر سامنے آتی ہے کہ ان خطبوں میں چند چیزیں ضرور ہوا کرتی تھیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی حمد۔ شہادتین۔ آنحضرت ﷺ پر درود۔ حضرات خلفاء راشدین کا تذکرہ۔ اور ان خطبوں کا عربی زبان میں ہونا۔ عربی ہونے کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ باوجود یہ کہ بہت سے ممالک میں ان خطبوں کے مخاطب عجمی ہوتے تھے (جو عربی نہیں سمجھتے تھے لیکن شرق و غرب تمام ممالک اسلامیہ میں مسلمانوں کا مستمر (مسلسل اور دائمی) عمل یہی رہا کہ خطبہ عربی میں پڑھا گیا (ج ا ص ۱۵۴)

مختصر یہ کہ ان خطبوں کے لئے عربی زبان صرف اتفاقی امر نہیں تھا بلکہ اس کو بھی خطبہ کے دوسرے اجزاء اور شرائط کی حیثیت دی گئی۔

(۲) اس کی تعبیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ عربی زبان کو ملت اسلامیہ کے لئے وہی اہمیت حاصل ہے جو کسی حکومت کی سرکاری زبان کو حاصل ہوتی ہے۔ یہ اہمیت آج بھی باقی ہے اور جس طرح قرآن حکیم ملت اسلامیہ کا دستور اساسی ہے اور ہر مسلمان کی حیات ملی کا رشتہ قران حکیم سے جڑا ہوا ہے، قرآن حکیم کی زبان سے بھی کم از کم اتنا تعلق

ضروری ہے کہ جمعہ اور عیدین جیسے ملی اور مذہبی اجتماعات کے خطبوں میں یہ زبان استعمال کی جائے۔

(۳) بنیادی بات یہ ہے کہ خود خطبہ کی حقیقت پر غور کیا جائے۔ کیا وہ صرف وعظ و تقریر ہے یا نظر شریعت میں اس کی حقیقت کچھ اور ہے۔ علماء نے یہ بھی فرمایا کہ جمعہ کے روز چار رکعت کے بجائے صرف دو رکعتیں باقی رکھی گئیں۔ دو رکعت کی جگہ خطبہ سے پر کی گئی ہے (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۴۷) [۱] یعنی خطبہ نماز کا درجہ رکھتا ہے۔ پس جس طرح خطبہ میں بولنا حرام ہے۔ اسی طرح خطیب کے کلام کے لئے وہ زبان ہونی ضروری ہے جو نماز کی زبان ہے۔

(۴) قرآن حکیم نے خطبہ کو "ذکر اللہ" سے تعبیر فرمایا ہے فاسعوا الی ذکر اللہ (سورۃ الجمعۃ) قال الحافظ عماد الدین بن الکثیر فی تفسیرہ المراد من ذکر اللہ الخطبہ وقال السرخسی ولنا ان الخطبۃ ذکر . المبسوط ج ۲ ص۳۱ باب صلوٰۃ الجمعہ) پس جس طرح تسمیہ۔ تعوذ۔ تسبیح۔ تحمید۔ ثنا۔ التحیات وغیرہ ذکر اللہ ہیں اور بالاتفاق ان کے لئے عربی زبان استعمال ہوتی ہے۔ غیر عربی کا تصور بھی نہیں آتا۔ ایسے ہی خطبہ کے لئے بھی عربی زبان استعمال کرنی ہوگی۔

(۵) وقت کی پابندی کہ جمعہ کے وقت میں ہو۔ زوال سے پہلے نہ ہو۔ نماز جمعہ سے پہلے ہو۔ نماز جمعہ کے بعد خطبہ پڑھا گیا تو نماز نہ ہوگی۔ مخاطب مرد ہوں۔ صرف عورتیں ہوں تو خطبہ صحیح نہیں۔ مخاطب سن سکیں یا شور شغب کے باعث یا اس بنا پر کہ سب بہرے ہوں نہ سن سکیں تب بھی خطبہ امحالا پڑھا جائے۔ یہ شرائط اور احکام بھی یہی واضح کرتے ہیں کہ خطبہ عبادت اور ذکر ہے اگر صرف وعظ اور لیکچر ہوتا یا وعظ ہونے کی شان غالب ہوتی تو اس طرح کے احکام اور شرائط نہ ہوتے۔ انہیں وجوہات اور اسی طرح کے تقاضوں کے پیش نظر حضرات فقہاء کرام کا فیصلہ ہے کہ خطبہ جمعہ وعیدین عربی میں ہونا چاہئے۔ عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں خطبہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ فانہ لا شک فی ان الخطبہ بغیر العربیۃ خلاف السنۃ المتوارثۃ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم والصحابۃ رضی اللہ عنہم اجمعین فیکون مکروھا تحریما . عمدۃ الرعایۃ شرح الوقایۃ ج ۱ ص ۲۴۲ باب صلوٰۃ الجمعہ

یعنی اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں خطبہ اس سنت کے خلاف ہے جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کے عہد سے متواتر اور مسلسل چلی آرہی ہے۔ لہذا مکروہ تحریمی ہے۔

غیر حنفی فقیہ و محدث امام نووی شافعی رحمہ اللہ کتاب الاذکار میں فرماتے ہیں۔ یشترط کونہا بالعربیۃ. یعنی خطبہ کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ عربی میں ہو (شرح احیاء العلوم للزبیدی ج ۳ ص ۲۲۶)

یہ بات کہ عربی خطبہ کے ساتھ اردو ترجمہ بھی پڑھا جائے تو پہلی قباحت تو یہ ہے کہ سنت متواترہ ومتوارثہ کے خلاف ہے (لہذا مکروہ ہے)۔ نیز اس غیر دینی امر کو بعض لوگ دینی امر سمجھنے لگیں گے جو بدعت کی حقیقت ہے۔ اور ارشاد نبوی (من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم) کے بموجب قابل رد اور ناقابل قبول ہے اس کے علاوہ ایک خرابی یہ ہے کہ اس صورت میں خطبہ کی طوالت لازم آتی ہے یعنی دو چند

---

(۱) وفی المضمرات معزیا الی اعراد وھل تقوم الخطبۃ مقام الرکعتین اختلف المشائخ عنہم من قال تقوم ولھذا لا یجوز الا بعد دخول الوقت الخ باب صلاۃ الجمعۃ)

وقت صرف ہوگا۔ سنت یہ ہے کہ دونوں خطبے طوال مفصل کی ایک سورت (مثلاً سورۂ قاف یا سورۂ ملک) سے زیادہ نہ ہوں۔ وتکرہ زیادتھما علی قدر سورۃ من طوال المفصل (درمختار باب الجمعۃ ص ۷۵۸)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے طوالت خطبہ کو زمانۂ فتنہ کی علامت اور ظالم حکمرانوں کا طریقہ بتایا ہے یطیلون الخطبۃ ویقصرون الصلوۃ (موطا امام مالکؒ ص ۲۱)

اس طرح عربی کی ساتھ ترجمہ بھی پڑھا جائے گا تو لامحالہ یہ طوالت لازم آئے گی جو مکروہ ہے۔ باقی رہی تعلیم و تبلیغ اور وعظ و نصیحت کی ضرورت تو اس کے لئے بھی وہی طریقہ اختیار کرنا چاہئے جس کے آثار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور مسعود میں ملتے ہیں مثلاً۔

(۱) حدیث کی مشہور کتاب مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے ممبر کے برابر کھڑے ہوکر احادیث بیان فرماتے تھے پھر امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ خطبہ ارشاد فرماتے تھے (ج۱ ص ۱۰۸) اور (ج ۳ ص ۵۵)

(۲) حضرت ابوالضراریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن بسرؓ جمعہ کے دن پہلے وعظ فرماتے تھے، جب خطیب خطبہ کے لئے تشریف لاتے تو وہ وعظ بند کرتے تھے (مستدرک حاکم ج۱ ص ۲۸۸)

(۳) حضرت تمیم داریؓ حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں خطبہ سے پہلے وعظ فرماتے تھے (مسند امام احمد ج۳ ص ۴۴۹ اقامۃ الحجۃ ص ۵. موضوعات کبیر ملا علی قاریؒ ص ۱۴. اصابہ فی تذکرۃ الصحابہؓ ج۱ ص ۱۸۴)

آپ کے امام صاحب قابل مبارک باد ہیں کہ اردو خطبہ کے رواج کو چھوڑ کر خالص عربی خطبہ کو رائج کیا۔ یہ گویا ایک سنت کا احیاء ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ مردہ سنت کو زندہ کرنے والا سو ۱۰۰ شہیدوں کے ثواب کا حق دار ہے اور جنت میں حضور ﷺ کا ساتھی ہوگا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ) رضا خانی حضرات کو سزاوار نہیں کہ ایسے نیک کام میں آڑے بنیں اور جس سنت کو زندہ کیا گیا ہے اس کو (معاذ اللہ) دوبارہ دفنانے کی کوشش کریں۔ ان کے مسلم مذہبی رہنما (رضا خانی علماء) بھی غیر عربی میں خطبہ پڑھنے کو خلاف سنت متوارثہ اور مکروہ فرماتے ہیں ملاحظہ ہو مولانا احمد رضا خاں صاحب کا فتویٰ۔

(سوال) خطبۂ جمعہ عربی با ترجمۂ اردو پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) (۱) خطبہ میں عربی کے سوا اور زبان ملانا مکروہ خلاف سنت ہے (فتاویٰ افریقی ص ۱۳۵ السنۃ الانیقہ ص ۳۴ و ص ۳۵ و احکام شریعت ج۲ ص ۳۱)

دوسرا فتویٰ (۲) دونوں صورتیں خلاف سنت ہیں۔ غیر عربی کا خطبہ میں ملانا ترک سنت متوارثہ ہے۔ (احکام شریعت ج۲ ص ۹۷)

رضا خانی جماعت کے پیشوا مولوی ابوالاعلی امجد علی صاحب کا فتویٰ بھی درج ذیل ہے:۔

(۳) غیر عربی میں خطبہ پڑھنا یا عربی کے ساتھ دوسری زبان خطبہ میں خلط کرنا (ملانا) خلاف سنت متوارثہ ہے۔ (بہار شریعت ج۴ ص ۹۵) فقط واللہ اعلم۔

خطبہ پڑھنے کا طریقہ:

(سوال ۱۲۶) ہمارے گاؤں میں امام خطبہ کے وقت داہنے بائیں منہ پھیرتے ہیں اور خطاب کرتے ہیں جیسے واعظ دونوں جانب منہ پھیر کر بولتا ہے اور طرز بھی واعظ اور مقرر کی طرح ہے فقط ہاتھ نہیں ہلاتے تو کیا اس میں شرعاً کچھ حرج ہے؟

(الجواب) حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب خطبہ دیتے تو چشم مبارک سرخ ہو جاتی آواز بلند اور طرز کلام میں شدت آ جاتی اور ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی لشکر حملہ کرنے والا ہے اور آپ مخاطبین کو اس خطرہ عظیم سے آگاہ فرما رہے ہیں (مسلم شریف ج۱ ص۲۸۴ کتاب الجمعۃ) پر جوش مقرروں کی طرح آپ ہاتھ تو نہیں پھیلاتے تھے البتہ سمجھانے یا آگاہ کرنے کے موقع پر انگشت شہادت سے اشارہ فرمایا کرتے تھے۔[1] لہٰذا اگر عالم خطیب حسب موقع حاضرین کو خطاب کرے اور ترغیبی مضمون کو ترغیب اور ترہیبی مضمون کو تنبیہ اور ترہیب کے انداز میں پڑھے تو جائز اور مسنون ہے لیکن دائیں بائیں رخ پھیرنا آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں "بدائع" وغیرہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ خطبہ کے وقت قبلہ پشت ہو کر اور لوگوں کی طرف رخ کر کے کھڑے رہتے تھے (ج ۱ ص ۲۶۲)[2] اس لئے علامہ ابن حجرؒ وغیرہ محققین دائیں بائیں رخ کرنے کو بدعت کہتے ہیں (شامی ج۱ ص۷۵۹) ہاں رخ سامنے رکھ کر دائیں بائیں نظر کرنے میں حرج نہیں ہے (ردالمحتار ج۱ ص:۷۵۹)[3] نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ ترغیب و ترہیب کے مضامین وہی شخص صحیح انداز میں ادا کر سکتا ہے جو معنی اور مضمون سے واقف ہو۔ ناواقف شخص ایسی غلطی کر سکتا ہے جو واقف کی نظر میں مضحکہ انگیز ہو۔ لہٰذا خطبہ میں جو بھی انداز اختیار کیا جائے وہ سمجھ کر اختیار کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ سے پہلے احکام دین کا بیان اور وعظ:

(سوال ۱۲۷) دور حاضر کے مسلمانوں کی حالت بہت نازل ہوتی جارہی ہے احکام دین اور مذہبی تعلیم سے ناواقفیت کی بنا پر لادینی کا زہر قاتل ایمان و عقائد کو تباہ و برباد کر رہا ہے۔ دیہات کی حالت تو خدا کی پناہ مہینوں بلکہ سال بھر وعظ سننا نصیب نہیں ہوتا، جمعہ کی دن نماز کے بعد لوگ ٹھہرتے نہیں اگر خطبہ سے پہلے دس، پندرہ منٹ احکام دین بیان کئے جائیں تو حاضرین بہت کچھ سیکھ سکیں گے لیکن بعض حضرات اس کو بدعت [illegible] اور استدلال کرتے ہیں کہ حدیث میں جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے حلقے بنانے کی ممانعت [illegible] ہے اور بعض حضرات [illegible] نماز اور تلاوت وغیرہ میں خلل سمجھ کر مخالفت کرتے ہیں۔ لہٰذا [illegible] کا حل فرمائیں۔

(الجواب) نمازی حضرات اگر رضامند ہوں تو اذان ثانی (یعنی خطبہ کی اذان) سے پیشتر ضروری مسائل اور دینی

---

(۱) عن عمارۃ بن رویبۃ أنہ رأی بشر بن مروان علی المنبر رافعا یدیہ فقال قبح اللہ ہاتین الیدین لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما یزید علی ان یقول بیدہ ہکذا واشار باصبعہ المسبحۃ رواہ مسلم مشکوۃ باب الخطبۃ والصلوۃ ص ۱۲۲

(۲) ومنہا ان یستقبل القوم بوجہہ ویستدبر القبلۃ لأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہکذا خطب صلاۃ الجمعۃ۔

(۳) تنبیہ ما یفعلہ بعض الخطباء من تحویل الوجہ جہۃ الیمین وجہۃ الیسار عند الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الخطبۃ الثانیۃ لم أر من ذکرہ والظاہر انہ بدعۃ ینبغی ترکہ لئلا یتوہم انہ سنۃ ثم رأیت فی المنہاج النووی قال ولا یلتفت یمینا وشمالا فی شیء منہا قال ابن حجر فی شرحہ لأن ذلک بدعۃ ویؤخذ ذلک عندنا من قول البدائع ومن السنۃ ان یستقبل الناس بوجہہ ویستدبر القبلۃ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یخطب ہکذا باب الجمعۃ۔

احکام مختصراً بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جائز ہے بلکہ مستحب ہے، صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت ہے بدعت نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے منبر کے قریب کھڑے ہوکر احادیث بیان فرمایا کرتے تھے اس کے بعد سیدنا عمر بن الخطاب الفاروق الاعظم رضی اللہ عنہ خطبہ فرماتے تھے۔ مستدرک حاکم ج ۱ ص ۱۰۸ اسی طرح دوسرے حضرات صحابہ کے متعلق بھی روایتیں وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً حضرت تمیم داریؓ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہما) کے دور خلافت میں خطبہ سے پہلے بیان فرمایا کرتے تھے (مسند امام احمد ج ۱ ص ۴۴۹۔ اقامۃ الحجہ ص ۵) بلاشبہ جمعہ سے پہلے حلقہ بنا کر بیٹھنے کی ممانعت احادیث میں وارد ہوئی ہے لیکن وہ حکم ہر مجلس کے لئے نہیں اور نہ اس سے اس طرح کے بیان کا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے جس میں مسائل اور احکام بیان کئے جائیں۔ حضرت امام غزالی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی عالم ربانی انعامات اور قسمات ربانی بیان کرے اور دین خداوندی کی باتیں سمجھائے اور جامع مسجد میں صبح کے وقت (نماز جمعہ سے پہلے) وعظ کہے تو وہاں بیٹھے اور سنے۔ اس میں یہ فائدہ بھی ہوگا کہ جامع مسجد میں اول وقت پہنچ جائے گا اور دین کی باتیں بھی سن لے گا جو آخرت کے لئے کارآمد ہوں گی۔ پھر فرماتے ہیں کہ ایسے علم کا سننا نوافل میں مشغول ہونے سے افضل ہے۔ جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ علمی مجلس میں حاضر ہونا ہزار رکعت نوافل پڑھنے سے افضل ہے (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۰۷ ترتیب درجات الاعتقاد)

مذکورہ بالا تفصیل اور عمل صحابہ سے ثابت ہوا کہ جمعہ کے دن حلقہ بنا کر بیٹھنے کی مطلق ممانعت نہیں ہے بلکہ ایسا حلقہ منع ہے جس میں قصے کہانیاں اور دنیا کی باتیں ہوں یا جس سے خطبہ اور نماز کے اہتمام واجتماع اور خطبہ سننے کے شوق وذوق میں خلل پڑتا ہو۔ لیکن ایسا مختصر بیان جس میں مسائل اور احکام یا فضائل اعمال بیان کئے جائیں نہ خلاف سنت ہے نہ ممنوع۔ علامہ زبیدی (شارح احیاء العلوم) جمعہ کے دن قبل الزوال دینی مجلس کا مشورہ دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ سامعین کے احوال کی تبدیلی سے وقت میں تبدیلی بھی ہوسکتی ہے۔ علامہ موصوف نے ابن ابی شیبہ کے حوالے سے نقل کیا ہے حضرت سائبؓ حضرت عبداللہ بن بسرؓ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ قبل الجمعہ دینی مجلس کو جائز فرماتے تھے (شرح احیاء العلوم ج ۳ ص ۲۷۷) ترتیب درجات الاعتقاد

بہر حال خطبہ سے پہلے بیان کرنا بدون حرج کے جائز ہے مگر اس کو لازم قرار نہ دیا جائے کبھی کبھی ترک بھی کرنا چاہئے، تاکہ لوگ ضروری نہ سمجھنے لگیں۔ بیان مختصر ہو۔ اور ایسے وقت ختم کردیا جائے کہ خطبہ کی اذان (ممبری اذان) سے پہلے چار سنتیں پڑھی جائیں۔ پھر خطبہ جمعہ بھی مختصر ہونا چاہئے تاکہ لوگ اکتا نہ جائیں اور سنت بھی یہی ہے کہ خطبہ مختصر ہو۔ اور بہتر یہ ہے کہ خطیب اور مقرر دونوں الگ ہوں۔ جو حضرات خطبہ سے پہلے نوافل تلاوت وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں ان کو اس تجویز اور طریقہ سے مخالفت نہ کرنی چاہئے۔ دینی احکام جاننے اور سیکھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے طبرانی کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فقہ کی مجلس میں شامل ہونا ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا کہ تم کسی جگہ جاکر ایک دینی مسئلہ سیکھو (پھر اس پر عمل ہو سکے یا نہ ہو سکے) یہ تمہارے لئے ایک ہزار رکعت نوافل پڑھنے سے افضل ہے (ابن ماجہ ص ۲۰ باب فضل من تعلم القرآن وعلمہ) (مطلب یہ ہے کہ یہ سیکھنا خود اتنی بڑی عبادت ہے) حضرت ابوذرؓ ہی سے یہ بھی

روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ علم دین کی مجلس میں حاضر ہونا ہزار رکعات نفل، ہزار بیماروں کی عیادت اور ہزار جنازوں کی شرکت کے ثواب سے افضل ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ تلاوت قرآن سے بھی۔ فرمایا۔ قرآن علم کے بغیر کب مفید ہوسکتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رات کے تھوڑے سے حصہ میں دین کی باتیں سیکھنا سکھانا تمام رات کی عبادت سے افضل ہے (مشکوۃ ص ۳۶ کتاب العلم) فتاوی سراجیہ میں حدیث بیان کی گئی ہے کہ دین کی باتیں سیکھنے میں ایک دن گذارنا خدا کے نزدیک دس ہزار سال کی عبادت سے افضل ہے **ویوم فی طلب العلم افضل عند الله تعالیٰ من عبادة عشرة الاف سنة** (فتاویٰ سراجیہ ص ۱۵۸)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ علم میں تدبر و تفکر کرنا پانچ ہزار مرتبہ "قل ھو اللہ احد" پڑھنے سے بہتر ہے۔ **وعن ابن مقاتل النظر فی العلم افضل من قرأة قل هو الله احد خمسة الاف مرة . كذا فی التتار خانية .**
اگر یہ طریقہ جاری ہو جائے تو ان کی بھی تشفی ہو سکتی ہے جو اردو میں خطبہ کا مطالبہ کرتے ہیں یا عربی کے بیچ میں اردو کا خطبہ یا نظم وغیرہ پڑھتے ہیں جو لامحالہ بدعت اور مکروہ ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خطبہ کی بابت مزید وضاحت:

(سوال ۱۲۸) یہاں دیاورا ضلع بھڑوچ میں مولوی لکھنوی صاحب سے خطبہ کی بابت سوال کیا گیا اس کا جو جواب انہوں نے دیا وہ ارسال خدمت ہے آیا یہ جواب صحیح ہے؟ یہاں اس بارے میں کافی اختلاف ہو رہا ہے۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں خطبہ عربی اور اردو دونوں خطبوں کے بیچ میں پڑھا جاتا تھا اب ہمارے یہاں عربی پڑھا جاتا ہے تو سامعین کہتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا تو خطبہ کے درمیان میں اردو پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟ اس کا جواب معتبر کتابوں کے حوالہ سے دیں؟

(الجواب) عربی خطبہ کے درمیان اردو وغیرہ سامعین کی زبان میں پڑھنا امام اعظمؒ صاحب کے نزدیک درست ہے دیکھو نور الایضاح میں امام اعظمؒ ضروری فرماتے ہیں کہ سامعین کی زبان میں ہو خطبہ مثل وعظ ہے خلاف سنت ہے مگر جائز ہے اور [illegible] میں احکام بتانا ضروری سمجھا گیا ہے لہذا اردو میں پڑھنا چاہئے۔ احقر العباد سید محمد عزیز حسن عفی عنہ۔

(الجواب) خطبہ جمعہ درحقیقت ذکر اللہ اور عبادت ہے اور عبادت مذہبی اور سرکاری زبان میں ہونا ضروری ہے اور ہماری سرکاری اور مذہبی زبان عربی ہے لہذا خطبہ عربی زبان میں ہونا چاہئے۔ خطبہ ذکر اللہ اور عبادت ہے اس کی دلیل ارشاد خداوندی ہے **فاسعوا الی ذکر الله** (سورۂ جمعہ) اور تفسیر ابن کثیر میں ہے **فان المراد من ذکر الله الخطبة** یعنی آیت کریمہ میں ذکر اللہ سے مراد خطبہ ہے اور فقہا فرماتے ہیں کہ **ولنا ان الخطبة ذکر** (المبسوط ج ۲ ص ۲۶ باب صلاة الجمعة) یعنی ہماری دلیل یہ ہے کہ خطبہ ذکر ہے اور بہت سے فقہا نے اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ خطبہ جمعہ ظہر کی دو رکعت کا عوض ہے (بحر الرائق ج ۲ ص ۱۴۷ باب صلاة الجمعة تحت قوله والخطبة قبلها) اور امام نوویؒ نے "کتاب الاذکار" میں تحریر فرمایا کہ **ویشترط کونها بالعربیة** یعنی خطبہ عربی میں ہونا ضروری ہے (شرح احیاء العلوم زبیدی ج ۳ ص ۲۲۶) اسی بنا پر صحابہ کرامؓ ایران، روم، حبش وغیرہ ممالک میں وہاں کی

زبان جاننے کے باوجود خطبہ عربی میں پڑھتے رہے وہ اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا کثرت سے نومسلم تھے اور وہ لوگ دور جاننے کے لوگوں کی بہ نسبت تعلیم وتبلیغ کے زیادہ حاجت مند تھے، کیونکہ اس زمانہ میں نہ اخبارات ورسائل تھے نہ مطابع اور چھاپے خانے تھے۔ نشر واشاعت کا طریقہ وعظ اور خطبہ ہی تھا اس کے باوجود سامعین کی زبان میں ایک بار بھی خطبہ نہیں پڑھا گیا جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ خطبہ خاص عربی زبان میں ہونا ضروری ہے کیونکہ مشرق سے مغرب تک سب مسلمان ہمیشہ عربی میں خطبہ پڑھتے رہے ہیں باوجود یہ کہ سامعین عجمی ہوتے تھے جو عربی زبان نہیں جانتے تھے (مصفی شرح موطا ج اص ۱۵۴)

مختصر یہ کہ قرآن حکیم کی زبان آنحضرت ﷺ اور اہل جنت کی مبارک زبان کو چھوڑ کر اردو میں خطبہ پڑھنا یا عربی کے ساتھ اردو کو خلط کرنا (جیسا کہ سوال میں مذکور ہے) سنت رسول اللہ ﷺ طریقہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تابعین، تبع تابعین، مجتہدین محدثین اور فقہا، متقدمین ومتاخرین کے مسلسل اور متفقہ طریق عمل (سنت متوارثہ) کے خلاف ہے لہذا مکروہ تحریمی اور بدعت ضلالہ ہے، عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایہ میں ہے۔ فانه لا شک فی ان الخطبة بغیر العربیة علی خلاف السنة المتوارثه من النبی صلی الله علیه وسلم والصحابة فیکون مکروها تحریما. یعنی بلاشبہ خطبہ غیر عربی زبان میں پڑھنا نبی کریم ﷺ اور صحابہؓ کی سنت کے خلاف ہے لہذا مکروہ تحریمی ہے (ج اص ۲۴۲ کتاب الجمعۃ)

رفع اشتباہ:

اردو میں خطبہ کا سوال عموماً اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ خطبہ کو وعظ اور تقریر سمجھ لیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ نہیں ہے اگر خطبہ محض وعظ اور تقریر ہوتا تو اس کے لئے وہ شرطیں نہ ہوتیں جو حضرات فقہا نے تحریر فرمائی ہیں مثلاً:۔

(۱) خطبہ جمعہ جمعہ کے وقت میں یعنی بعد الزوال ہونا ضروری ہے اگر قبل الزوال خطبہ پڑھ لیا گیا تو وہ غیر معتبر ہوگا اس کا اعادہ ضروری ہوگا اگر خطبہ صرف وعظ ونصیحت ہوتا تو وہ زوال سے پہلے بلکہ خاص زوال کے وقت بھی جائز ہوتا اس کے اعادہ کا حکم نہ دیا جاتا۔

(۲) خطبہ نماز جمعہ سے قبل پڑھنا شرط ہے اگر نماز جمعہ کے بعد خطبہ پڑھا گیا تو صلوٰۃ جمعہ ادا نہ ہوگی مع خطبہ دوبارہ پڑھنی ضروری ہوگی۔ اگر خطبہ سے مقصد صرف وعظ ہوتا تو وہ بعد الصلوۃ پڑھنے سے بھی پورا ہوسکتا تھا۔

(۳) خطبہ کے وقت حضور رجال ضروری ہے اگر فقط عورتوں کے سامنے خطبہ پڑھا گیا تو وہ ناکافی ہوگا مردوں کے آنے کے بعد خطبہ دوبارہ پڑھنا پڑے گا۔

(۴) شور وشغب یا کسی اور وجہ سے سامعین سن نہ سکیں تب بھی خطبہ پڑھا جائے گا اور وہ خطبہ معتبر ہوگا۔

(۵) اگر حاضرین سبھی بہرے ہوں یا سب سو رہے ہوں تب بھی خطبہ پڑھنا ضروری ہے اگر اس حال میں خطبہ نہ پڑھا گیا تو نماز جمعہ صحیح نہ ہوگی۔

(۶) خطبہ کے وقت سامعین سب علماء وفضلاء ہوں کوئی بھی جاہل نہ ہو تب بھی خطبہ پڑھا جائے ورنہ صلوٰۃ جمعہ صحیح نہ ہوگی۔ اگر خطبہ کا اصلی مقصد صرف وعظ ونصیحت ہی ہوتا تو حضرات علماء کے سامنے اس کی ضرورت نہیں تھی

نماز بغیر خطبہ کے درست ہو جاتی۔ اس طرح کے احکام اور شرائط سے یہی معلوم ہوا کہ خطبہ کی اصل حقیقت ذکر اللہ ہے۔ البتہ درجہ ثانیہ میں اس کا مقصد وعظ و تذکیر بھی ہے، لہذا تکبیر تحریمہ، ثنا، تعوذ، تسمیہ، تحمید، تسبیح، تشہد، درود، دعا اور دعاء قنوت کے مانند خطبہ بھی عربی میں پڑھنا چاہئے اگر خطبہ عربی سمجھ میں نہیں آتا تو نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہ بھی کہاں سمجھ میں آتا ہے؟

قراءت بھی ہم کہاں سمجھ سکتے ہیں؟ تو کیا ان تمام کو اردو کا جامہ پہنایا جائے؟ اس مرض کا اصل علاج یہ ہے کہ عربی اتنی سیکھ لی جائے کہ خطبہ وغیرہ کا مطلب سمجھ سکیں۔ عبادت کی صورت مسخ کرنا یہ اس کا علاج نہیں ہے۔

عربی زبان میں خطبہ کی ایک اہم مصلحت اسلامی اتحاد کی حفاظت بھی ہے۔ مسلمان دنیا کے کسی بھی گوشہ میں پہنچ جائے اس کو دوسری عبادات کے مثل خطبہ میں بھی یہ محسوس نہ ہو کہ وہ اجنبی اور غریب الوطن ہے۔ اگر ہر جگہ وہاں کی مادری اور ملکی زبان میں خطبہ پڑھا جائے گا تو ایک مسلمان کو دوسرے ملک میں عبادات کے سلسلہ میں بھی غربت و اجنبیت محسوس ہوگی وہ نہ وہاں خطبہ پڑھ سکے گا نہ اس کو سمجھ سکے گا اور اس طرح اسلامی اتحاد پارہ پارہ ہو کر رہ جائے گا۔

عربی کے ساتھ اردو ترجمہ کرنا بھی مفید نہیں ہے کیونکہ سامعین میں مختلف ممالک کے لوگ موجود ہوتے ہیں کس کی زبان میں ترجمہ کیا جائے گا؟ نیز اس طرح اردو ترجمہ کرنے میں طوالت ہوتی ہے اور خطبہ میں اس طرح طوالت خلاف سنت اور مکروہ ہے۔ نور الایضاح میں ہے **ویکرہ التطویل** یعنی خطبہ میں طوالت مکروہ ہے (ص ۱۲۵ کتاب الجمعۃ)

حضرت امام اعظمؒ سے جو روایت ہے کہ وہ غیر عربی میں خطبہ جائز قرار دیتے ہیں اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اگر کوئی غیر عربی میں خطبہ پڑھ لے تو صحت جمعہ کے لئے جو شرط ہے وہ پوری ہو جائے گی اور نماز صحیح ہو جائے گی لیکن ترک سنت کی وجہ سے کراہت لازم آئے گی اس کا مطلب یہ سمجھنا کہ امام اعظمؒ نے غیر عربی زبان میں خطبہ پڑھنے کا حکم دیا ہے قطعاً غلط ہے۔ یہ بات ذیل کی چند مثالوں سے واضح ہو جائے گی۔

(۱) خطبہ طہارت میں پڑھنا سنت ہے لیکن اگر کوئی شخص بلا وضو بلکہ بلا غسل کے خطبہ پڑھے گا تو شرط خطبہ پوری ہو جائے گی مگر خلاف سنت اور مکروہ تحریمی۔

(۲) لوگوں کی طرف رخ کر کے خطبہ پڑھنا سنت ہے، اگر کوئی شخص لوگوں کی طرف پشت کر کے خطبہ پڑھے تو شرط خطبہ پوری ہو جائے گی لیکن خلاف سنت اور مکروہ تحریمی۔

(۳) خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا سنت ہے لیکن اگر کوئی شخص بیٹھ کر خطبہ پڑھے تو خطبہ ہو جائے گا مگر خلاف سنت اور مکروہ تحریمی۔

(۴) خطبہ کم از کم مقدار تشہد پڑھا جائے اگر بہ نیت خطبہ فقط الحمد للہ کہہ کر بیٹھ گیا تب بھی امام اعظمؒ کے نزدیک خطبہ ہو جائے گا مگر خلاف سنت اور مکروہ۔

(۵) پورا لباس پہن کر نماز پڑھنا سنت ہے اگر کوئی شخص ناف سے گھٹنے تک لنگی یا ازار پہن کر نماز پڑھے تو ستر عورت کی شرط پوری ہو جائے گی نماز درست ہو جائے گی مگر خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ تحریمی۔

مختصر یہ کہ یہ ایک قانونی بات ہے کہ ان صورتوں میں چونکہ شرط پوری ہو گئی تو خطبہ اور نماز کا فرض ساقط

ہوجائے گا لیکن اس کے یہ معنٰے ہرگز نہیں ہیں کہ معاذ اللہ امام صاحب نے حکم دیا ہے کہ بلا وضو یا حالت جنابت میں حاضرین کی طرف پشت کر کے یا کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ کر صرف ''الحمد للہ'' کی حد تک خطبہ پڑھا جائے۔ امام صاحب کی طرف ایسی بات منسوب کرنا سراسر بہتان اور امام صاحب کے تفقہ کی توہین ہے۔

خطبہ میں بدعت سے اجتناب:

مجالس الابرار میں ہے کہ عبادت میں بدعت کا درجہ اگر چہ اعتقادی بدعت کے درجہ سے کم ہے مگر اس کو عمل میں لانا معصیت اور ضلالت ہے۔ بالخصوص جب کہ وہ سنت موکدہ کے خلاف ہو (مجلس ١٨ ص ١٢۵) حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ مکروہ کو مستحسن (مستحب) سمجھنا بڑا بھاری گناہ ہے (مکتوب۔ ٢٨٨ ج١)

حضرات صحابہ کرامؓ اور بزرگان سلف کا مقدس ذوق کسی بھی خلاف سنت عمل کو برداشت نہیں کر سکتا تھا خواہ وہ کام بظاہر بہت ہی معمولی ہوتا انتہا یہ کہ حضرت عمارہ ابن رویبہؓ نے بشر بن مروان کو خطبہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے دیکھا تو بد دعا دے دی کہ اللہ ان دونوں کوتاہ (چھوٹے حقیر) ہاتھوں کو خراب کرے کہ خطبہ میں ہم نے آنحضرت ﷺ کو اس طرح ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا (ترمذی شریف ج ا ص ٦٧ باب ماجآء کراھیۃ الایدی علی المنبر)

ایک مرتبہ حضرت کعب بن عجرہؓ مسجد میں داخل ہوئے اور حضرت عبدالرحمٰن بن ام حکم کو بیٹھ کر خطبہ پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ دیکھو اس خبیث کو کہ بیٹھ کر خطبہ پڑھتا ہے (رسائل الارکان ص ١١٦ فصل فی الجمعۃ)

تفسیر عزیزی میں ہے کہ ''من تھاون بالسنۃ عقب بحرمان الفرائض'' یعنی جس نے سنت کو ہلکا سمجھا اور اس کے ادا کرنے میں سستی کی تو اس کو فرائض سے محرومی کی سزا ملے گی یعنی اس سے فرائض چھوٹنے لگیں گے اور انجام کار کبائر کا مرتکب ہوگا (تفسیر عزیزی۔ ص ۴٣٢ سورہ بقرہ) مطلب یہ ہے کہ کسی سنت کی ادائیگی میں سستی وہ مرض ہے جو متعدی ہو کر فرائض تک پہنچ جاتا ہے اور ترک سنت اگر چہ صغیرہ تھا لیکن انجام کار وہ کبیرہ بن جاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ حضور سید المرسلین ﷺ کی حقیقی اتباع کی جائے آپ ﷺ کی سنتوں کو ادا کیا جائے اور بدعات نامرضیہ سے یکسر دور رہا جائے اگر کوئی بدعت صبح صادق کی طرح روشن نظر آئے تو وہ فریب نظر ہے کیونکہ درحقیقت بدعت میں کوئی نورانیت نہیں ہوتی نہ اس میں کسی مرض کی دوا ہے نہ کسی مریض کے لئے اس میں شفا ہے (مکتوب نمبر ١٩ ج ٢ ص ٣٢) سید الانبیاء محبوب رب العالمین ﷺ کے ساتھ حقیقی محبت کی علامت یہ ہے کہ جو کچھ ہو وہ سنت کے مطابق ہو ورنہ کم از کم آنحضرت ﷺ کے کسی قول یا کسی بھی فعل کے خلاف نہ ہو۔ آنحضرت ﷺ کی سنت کا مخالف عاشق رسول نہیں بلکہ دشمن رسول ہے (معاذ اللہ) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ نے مجھ سے قبل کوئی نبی نہیں بھیجا کہ جس کے لئے اس کی امت میں اس کے حواری اور اصحاب نہ ہوں اور وہ اپنے نبی کی سنت پر عمل نہ کرتے ہوں اور اس کی اتباع نہ کرتے ہوں بعد میں ایسے لوگ پیدا ہوئے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے اور ایسے افعال کے مرتکب ہوئے کہ جن کا حکم ان کو شریعت میں نہیں دیا گیا ایسے لوگوں کے ساتھ جو شخص اپنے ہاتھوں سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو ان سے اپنی زبان سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور جو ان سے دل سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور اس درجہ کے بعد کسی میں رائی کے دانہ کے برابر

کوئی ایمان نہیں۔ (ازالۃ الخفا ج مقصد دوم فصل پنجم مسند صدیقی ص ۱۳۹)

خطبۂ عید سننے کا طریقہ:

(سوال ۱۲۹) نماز عید سے فارغ ہونے کے بعد لوگ آگے پیچھے ہوجاتے ہیں، خطبہ کے وقت صفیں درست نہیں رہتیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ خطبہ سننے کے لئے آگے بڑھ سکتے ہیں؟

(الجواب) نماز عید کے خطبہ کے وقت صفیں قائم رکھ کر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہنا بہتر ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صفیں قائم رکھ کر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے تھے۔ (بلوغ المرام ص ۵۵)

خطبہ کے وقت تقریر سننا افضل ہے یا تلاوت قرآن:

(سوال ۱۳۰) خطبۂ جمعہ سے پہلے مختصر بیان ہوتا ہے یہ سننا بہتر ہے یا تلاوت کلام پاک بہتر ہے؟

(الجواب) قرآن کی تفسیر اور مطالب سے ناواقف عوام کے لئے بیان سننا اور دینی احکامات سے واقف ہونا ہے۔ تلاوت تو بعد میں بھی کی جاسکتی ہے۔ قال فی الدر المختار عظة وقرآن فاستماع العظة اولی (قوله فاستماع العظة اولی) الظاهر ان هذا خاص بمن لا قدرة له علی فهم الآيات القرانية والتدبر فی معانيها الشرعية والا تعاظ بمواعظها الحكمية اذلا شک ان من له قدرة علی ذلک يكون استماعه اولی بل اوجب بخلاف الجاهل فانه يفهم من المعلم والواعظ ما لا يفهم من القاری فكان ذلک انفع له (درمختار مع الشامی قبيل باب الوتر والنوافل ص ۶۲۰ ج ۱) والله اعلم بالصواب.

اذان خطبہ کے جواب دینے کا حکم:

(سوال ۱۳۱) جمعہ کے خطبہ سے پہلے جو منبر کے قریب خطیب کے سامنے اذان ہوتی ہے اس کا جواب دینا اور اذان کے بعد دعا پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(جواب هو الموفق للصواب) یہ مسئلہ ہمیشہ علمائے کرام کے درمیان مختلف فیہ اور معرکۃ الآراء رہا ہے۔ بعض کے نزدیک بوجہ حدیث اذا خرج الامام فلا صلاة ولا كلام۔ (ھدایہ ص ۱۵۱ ج ۱ کتاب الجمعۃ) اجابت اذان خطبہ ممنوع و مکروہ ہے اور بعض کے نزدیک حدیث اذا سمعتم النداء فقولوا مثل مايقول المؤذن کے عموم میں اذان خطبہ کا جواب دینا بھی داخل ہے۔ لہٰذا یہ حضرات جواب دینے کے قائل ہیں۔ (بخاری شریف ص ۸۶ ج ۱ الجزء ۳)

اور حدیث معاویہ اس کی مؤید ہے۔ عن ابی امامة بن سهل بن حنيف قال سمعت معاوية بن ابی سفيان رضی الله عنهما وهو جالس علی المنبر اذن المؤذن فقال الله اكبر الله اكبر فقال معاوية رضی الله عنه الله اكبر الله اكبر فقال اشهد ان لا اله الا الله فقال معاوية وانا قال اشهد ان محمدا رسول الله صلی الله عليه وسلم فقال معاوية وانا فلما ان قضی التاذين قال يا ايها الناس انی سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم علی هذا المجلس حين اذن المؤذن يقول ما سمعتم منی من مقالتی۔ یعنی حضرت معاویہ نے منبر پر اذان خطبہ کا جواب دیا اور اخیر میں فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کو اس طرح جواب

دیتے ہوئے میں نے خود سنا ہے۔(صحیح بخاری شریف ص ۱۲۵ باب یجب الامام علی المنبر اذا سمع النداء ج ۱ جز ۴)

حدیث معاویہؓ کی وجہ سے اجابت اذان خطبہ کی اجازت کا قول درست معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔فلا تکرہ اجابۃ الا ذان الذی یوذن بین یدی الخطیب و قد ثبت ذلک من فعل معاویۃفی صحیح البخاری (عمدۃ الرعایہ ص ۲۴۳ ج ۱ کتاب الجمعۃ)

وقد ثبت فی صحیح البخاری ان معاویۃ رضی اللہ عنہ اجاب الا ذان وھو علی المنبر وقال یآایھا الناس انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ھذا المجلس حین اذن المؤذن یقول مثل ما سمعتم منی مقالتی فاذا ثبت الا جابۃ عن صاحب الشرع وصاحبہ فما معنی الکراھۃ ۱۲ (التعلیق الممجد علی موطا محمد رحمہ اللہ ص ۱۰۷)قلت قد ثبت اجابۃ الثانی عن النبی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم ومعاویہ رضی اللہ عنہ علی ما اخرجہ البخاری فاین الکراھۃ (نفع المفتی والسائل ص ۱۰۳)

آخر میں فقیہ وقت مفتی اعظم ہند حضرت العلام المفتی محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ کا وقیع فیصلہ بھی سن لیجئے۔

''تاہم متاخرین حنفیہ نے بوجہ حدیث معاویہؓ اجابت اذان منبری کی اجازت دی ہے ۔لیکن نماز شروع کرنے کی بالاتفاق بین الائمہ اجازت نہیں ہے ۔اور خاکستار کے خیال میں اجابت اذان منبری کے علاوہ دیگر اذکار سے انصات اولیٰ واقدم ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ۔(محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی)(ازالۃ الاوہام عن مسائل الاحکام از افادات علامہ سید قاضی رحمت اللہ۔ محدث راندیری رحمہ اللہ ص ۱۹)فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بوقت خطبہ عصا لینا:

(سوال ۱۳۲)عیدو جمعہ میں بوقت خطبہ ہاتھ میں عصا لینا جائز ہے یا نہیں؟ بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ''منقول نہیں'' لہذا اس کی تفصیل فرماویں۔

(الجواب)بوقت خطبہ عصا وغیرہ کا سہارا لینا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے ،ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے ۔فقام متو کئا علی عصا او قوس (جلد اول ۔باب الرجل یخطب علی قوس ص ۱۵۶)

مدارج النبوۃ میں ہے ،ودر خواندن خطبہ تکیہ بر کمان یا عصا کردے (باب دہم در انواع عبادات ج ۱ ص ۳۹۳)یعنی آپ ﷺ خطبہ دیتے وقت کمان یا عصا (لاٹھی) کا سہارا لیتے تھے۔

سفر السعادۃ میں ہے مسجد نبوی میں منبر بننے سے قبل بوقت خطبہ عصا یا کمان کے ذریعہ سہارا لینا آپ ﷺ سے ثابت ہے لیکن قیام منبر کے بعد بھی آنحضرت ﷺ عصا وغیرہ کا سہارا لیتے یا نہیں اس کی تصریح نہیں۔

وشمشیر و نیزہ بدست نگرفتے بلکہ اعتماد بر کمانی یا عصائے کردے بود کہ منبر ساخت اما بعد از اتخاذ منبر محفوظ نیست کہ بر چیزے اعتماد کردی عصا و نی کمان و نہ غیر آں (شرح سفر السعادۃ فصل در خطبۂ نبویہ ﷺ ۲۰۹)

شاید اسی لئے بعض علماء عصا لینے کو مکروہ تحریر فرماتے ہیں ،لیکن صحیح بات یہ ہے کہ مکروہ نہیں چنانچہ سفر السعادۃ

کے شارح شیخ عبدالحق محدث دہلوی رقم طراز ہیں، تحقیق آنست کہ مکروہ نیست از جہت ورود سنت، یعنی اور تحقیق یہ ہے کہ مکروہ نہیں، کیونکہ حدیث سے ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو شرح سفر السعادۃ ص۲۰۲، مدارج النبوۃ ج ا ص۳۹۴)

زادالمعاد میں ہے وکان اذا قام یخطب اخذ عصا فتوکأ علیھا وھو علی المنبر (ج ا ص۴۸) یعنی آپ ﷺ خطبہ دینے کے لئے جب کھڑے ہوتے اس وقت عصا کا سہارا لیتے، درآنحالیکہ آپ منبر پر تشریف فرما ہوتے۔

شامی میں ہے ان اخذ العصاء سنۃ کالقیام بے شک عصا کا لینا قیام (کھڑے ہونے) کی طرح سنت ہے (شامی ج ا ص۷۷۲ باب الجمعۃ) ایسے ہی المدخل میں ہے وینبغی لہ ان یأخذ السیف او العصا او غیرھما بیدہ الیمنی اذانھا سنۃ (المدخل جلد دوم، فصل فی صعود الامام علی المنبر ص ۲۶۷)

بہشتی گوہر میں ذکر کردہ مسئلہ کے متعلق حضرت تھانوی سے استفسار کیا گیا تو جواباً فرمایا کہ وہ روایت مرجوح ہے محیط کی روایت (یعنی سنت والی روایت) راجح ہے جو شامی میں ذکر کی گئی ہے اور فرمایا کہ فی نفسہ سنت ہے، غیر مؤکدہ اگر مؤکدہ سمجھا جائے گا تو مکروہ ہے (امدادالفتاویٰ جدید جلد اول عصا گرفتن بوقت خطبہ ص۶۸۱۔ وص۶۸۲)

خلاصہ یہ ہے کہ بوقت خطبہ عصا کا سہارا لینا مسنون و مستحب ہے حدیث شریف سے ثابت ہے اس پر عمل متروک نہیں ہوا البتہ اس پر مداومت بھی ثابت نہیں اس لئے کا ہے گا ہے عصا کے بغیر خطبہ دے دیا کرے۔ تاکہ لوگ ضروری نہ سمجھیں مستحب پر عمل ضروری سمجھنا اور اس پر مداومت، عصا نہ لینے والے کو برا بھلا کہنا وملامت کرنا مکروہ ہے۔ البتہ جو خطیب ایسا کمزور ہو کہ عصا کا سہارا لئے بغیر کھڑے رہنا مشکل ہو تو اس عذر کے پیش نظر اس کے حق میں مکروہ بھی نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عید و جمعہ کے خطبۂ ثانیہ میں ہاتھ اٹھا کر آمین کہنا:

(سوال ۱۳۳) جمعہ و عید کے دوسرے خطبہ میں بوقت دعائے خطیب حاضرین ہاتھ اٹھا کر آمین کہتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس وقت ہاتھ اٹھانا یا آمین کہنا ممنوع ہے وما یفعلہ المؤذنون حال الخطبۃ من الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والترضی عن الصحابۃ والدعاء للسلطان بالنصر ینبغی ان یکون مکروھا اتفاقا (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۸۰ باب الجمعۃ)

اس مسئلہ میں دیو بندی اور رضا خانی کا اختلاف بھی نہیں ہے، رضا خانی مولوی امجد علی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ خطیب مسلمانوں کے لئے دعا کریں تو سامعین کا ہاتھ اٹھانا یا آمین کہنا منع ہے کریں گے تو گنہگار ہوں گے (بہار شریعت ج۴ ص۱۰۰) واللہ اعلم۔

خطبۂ جمعہ میں پڑھی جانے والی حدیث میں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے نام کے ساتھ ،رضی اللہ عنہ'' کا اضافہ:

(سوال ۱۳۴) جمعہ کے خطبۂ ثانیہ میں حدیث شریف آتی ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ارحم امتی بامتی ابو بکر ... الخ خطبہ میں خطیب اس حدیث کے پڑھنے کے وقت حضرت ابو بکرؓ وغیرہ کا جب نام آتا ہے تو ان کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' کہتے ہیں ،ایک عالم کا کہنا ہے کہ صرف ابو بکر کہنا چاہئے رضی اللہ عنہ نہیں کہنا چاہئے ، اس لئے کہ جب نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا تھا تو رضی اللہ عنہ نہیں فرمایا تھا ،رضی اللہ عنہ کہنا حدیث میں اضافہ کرنا ہے ، آپ سے عرض ہے کہ آپ ہماری رہنمائی فرمائیں صحیح کیا ہے؟ رضی اللہ عنہ کہنا چاہئے یا نہیں ،؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً ۔ جمعہ کے خطبۂ ثانیہ میں حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اور دیگر صحابہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ سب حضرات کا نام لے کر آخر میں رضی اللہ عنہم اجمعین یا رضوان اللہ علیہم اجمعین کہنے کا جو طریقہ جاری ہے وہ بلا تامل جائز ہے اور یہی ادب ہے ،صحابہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہنا مستحب ہے اسے حدیث میں اضافہ نہیں کہا جاسکتا ۔

درمختار میں ہے (ویستحب الترضی للصحابۃ) وکذا من اختلف فی نبوتہ کذی القرنین ولقمان وقیل یقال صلی اللہ علی الانبیاء وعلیہ وسلم کما فی شرح المقدمۃ للقرمانی ۔ ردالمحتار میں ہے ۔(قولہ ویستحب الترضی للصحابۃ) لانھم کانوا یبالغون فی طلب الرضی من اللہ تعالیٰ ویجتھدون فی فعل مایرضیہ ویرضون بما یلحقھم من الا بتداء من جھتہ اشدا لرضی فھولاء احق بالرضی وغیرھم لا یلحق ادنا ھم ولو انفق مل الارض ذھبا ذھبی (درمختار ورد المحتار ص ۶۵۹ ج۵ ،مسائل شتی قبیل کتاب الفرائض) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

خطبۂ جمعہ سے پہلے امام کا منبر پر چڑھ کر اردو ترجمہ سنانا کیسا ہے:

(سوال ۱۳۵) خطبۂ جمعہ سے پہلے امام صاحب منبر پر چڑھ کر اردو میں ترجمہ سناتے ہیں ،پھر اذان ثانی ہوتی ہے پھر عربی میں خطبہ سناتے ہیں ،تو اردو میں ترجمہ سنانا بدعت ہے یا نہیں ؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً: جمعہ کے روز اذان ثانی سے پہلے ضروری احکام یا خطبہ کا ترجمہ مختصر طور پر بیان کردینے میں مضائقہ نہیں ہے بلکہ مستحسن ہے ،بیان منبر پر نہ ہو اور بیان کرنے والا غیر خطیب ہو تو بہتر ہے تاکہ اشتباہ نہ ہو اور بیان اور اذان ثانی کے درمیان پانچ منٹ کا وقفہ ہو تاکہ جن لوگوں نے سنتیں نہیں پڑھی ہیں وہ سنت ادا کرسکیں ولا یقعد الی القصاص فی یوم الجمعۃ فقد کرہ فانہ روی فی الخبران النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن التحلق یوم الجمعۃ قبل الصلوٰۃ الا ان یکون عالما باللہ یذکر بامر اللہ یتفقہ فی دین اللہ یتکلم فی الجامع بالغداۃ فیجلس الیہ فیکون جامعاً بین البکور الی الجمعۃ والاستماع الی العلم (نصاب الاحتساب) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

عید کی نماز دوسری مرتبہ پڑھنا:

(سوال ۱۳۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عید گاہ میں چند لوگ عید کی نماز پڑھنے سے رہ گئے تو وہ لوگ عید گاہ میں عید کی نماز مکرر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ یا کسی اور جگہ پڑھیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عیدگاہ اور عید گاہ کے باہر بھی جگہ نہ ہو اور لوگ نماز ادا کرنے سے رہ جائیں تو باقی ماندہ لوگ ایسی مسجد میں جہاں نماز عید نہ پڑھی گئی ہو، دوگانۂ عید ادا کریں اگر ایسی جگہ نہ ہو تو ہال میں پڑھیں مگر وہاں سب کو نماز پڑھنے کی اجازت ہونی چاہئے عید گاہ میں دوبارہ جماعت کرنا مکروہ ہے اور دوسری جماعت میں دوسرا امام ہونا ضروری ہے جس نے پہلی مرتبہ نماز ادا کر لی ہے وہ امام نہیں بن سکتا۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کھیل کود کے میدان میں نماز پڑھنا افضل ہے یا جامع مسجد میں؟:

(سوال ۱۳۷) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں عیدین کی نماز کے لئے کوئی خاص جگہ بستی سے باہر عید گاہ کی طور پر بنی ہوئی نہیں ہے، بلکہ ایک کھلا میدان ہے جہاں کھیل کھیلے جاتے ہیں، ہمارے گاؤں کے باشندے کئی سالوں سے اسی میدان میں عیدین کی نماز ادا کرتے ہیں، ہماری پرانی مسجد مصلیوں کے اعتبار سے بہت چھوٹی تھی، اب اللہ کے فضل سے ایک نہایت وسیع اور عالی شان مسجد بن گئی ہے، آرام وراحت کا بھی انتظام ہے، مذکورہ بالا میدان اس نئی مسجد سے قریب ہی آبادی کے اندر ہے، اب سوال یہ ہے کہ ہمارے لئے سنت طریقہ کیا ہے؟ آیا اس نئی مسجد میں عیدین کی نماز پڑھنا بہتر ہے یا مسجد چھوڑ کر اس میدان میں نماز ادا کرنا سنت وافضل ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عید گاہ آبادی سے دور باہر جنگل میں ہونی چاہئے۔ ثم خروجه ماشیا الی الجبانة وهی المصلی العام (درمختار) هو الذی یکون فی الصحراء افاده فی البحر (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۳۵۶) (شامی باب العیدین) ج ۱ ص ۷۷۶) جامع مسجد وسیع اور نمازیوں کے لئے کافی ہو تب بھی عید گاہ جانا سنت مؤکدہ ہے۔ وفی التجنیس والخروج الی الجبانة سنة لصلوٰة العید وان کان یسعهم المسجد الجامع عند عامة المشائخ هو الصحیح اھ وفی المغرب الجبانة المصلی العام فی الصحراء الخ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۹ باب العیدین)

آپ کے یہاں کی جامع مسجد بڑی شان دار ہے لیکن مسجد نبوی (علیٰ صاحبہا الف الف الصلوات والتسلیمات) سے تو زیادہ شاندار اور بابرکت نہیں ہو سکتی جہاں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ملتا ہے، اسے چھوڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عیدین کی نماز کے لئے جنگل تشریف لے جایا کرتے تھے۔ لہٰذا آبادی سے باہر عید گاہ کا انتظام ضروری ہے، جس میدان کا سوال میں ذکر ہے وہ بھی آبادی کے اندر ہے اور وہاں کھیل تماشے کے کام بھی ہوتے رہتے ہیں، اس لئے بہتر یہ ہے کہ جب تک عید گاہ کا

---

(۱) والامام لو صلاها مع الجماعة وفاتت بعض الناس لا تقضیها من فاته خرج الوقت او لم یخرج هکذا فی التبیین فتاوی عالمگیری صلاة العیدین ج ۱ ص ۱۵۲۔

انتظام نہ ہو مسجد میں نماز پڑھ لیا کریں اور عیدگاہ بنانے کی فکر میں رہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورتوں پر عید کی نماز ہے یا نہیں؟ اور وہ عیدگاہ جائیں یا نہیں؟:

(سوال ۱۳۸) عورتوں پر عیدین یا جمعہ واجب نہیں ہے، لیکن اگر وہ گھر میں پڑھ لیں تو ان کو ثواب ملے گا یا نہیں؟ یا انہیں پڑھنے کی بالکل اجازت نہیں ہے؟ اور اسی طرح انہیں عید کی نماز کے لئے عیدگاہ جانے کی اجازت ہے یا نہیں؟ مفصل جواب عنایت فرماویں فقط بینوا توجروا (از ایک خاتون بمبئی)

(الجواب) نماز جمعہ وعیدین عورتوں پر واجب نہیں، فقہ کی معتبر کتاب مالا بدمنہ میں ہے، نماز جمعہ بر طفل و بندہ و زن ومسافر و مریض واجب نیست صفحہ ۵۵۔ نماز عید را شرائط وجوب واداء مثل نماز جمعہ است صفحہ ۵۵۔ یعنی جمعہ اور عید کی نماز بچہ، غلام، عورت، مسافر اور مریض پر واجب نہیں ہے، نیز عید کی نماز بلا جماعت تنہا تنہا پڑھنا بھی درست نہیں ہے، جماعت شرط ہے (جس طرح جمعہ میں) اور عورتوں کی جماعت مکروہ ہے۔ جماعت زنان تنہا نزد امام ابوحنیفہ مکروہ است (مالا بدمنہ ص ۴۵)۔ عیدگاہ یا مساجد میں عید کی نماز ہو جانے کے بعد عورتیں اپنے گھروں میں تنہا تنہا بطور شکر یہ نفل نماز پڑھ سکتی ہیں، نماز عید سے پہلے نفل پڑھنا عورتوں کے لئے بھی ممنوع اور مکروہ ہے۔ فقط۔

تفصیلی جواب:

عورتوں کے لئے جہاں تک ممکن ہو مخفی مقام پر اور چھپ کر نماز پڑھنے میں زیادہ فضیلت اور ثواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک خاتون بیت (کمرہ) میں نماز پڑھے یہ صحن کی نماز سے بہتر ہے۔ اور اندرونی کوٹھری میں نماز پڑھنا کمرہ میں پڑھنے سے بہتر ہے۔ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوٰة المرأة فی بیتها افضل من صلاتها فی حجر تها و صلوتها فی مخدعها افضل من صلوٰتها فی بیتها (ابو داؤد ج ۱ ص ۹۱ باب ماجآء فی خروج النسآء الی المساجد)

ایک حدیث میں ہے کہ عورتوں کو جماعت سے نماز پڑھنے کے بجائے اکیلے نماز پڑھنے میں پچیس درجہ زیادہ ثواب ملتا ہے (مسند الفردوس)

بے شک آنحضور ﷺ کے دور مبارک میں خواتین کو مسجد میں حاضر ہونے اور نماز پڑھنے کی اجازت تھی، کیونکہ خود رحمۃ للعالمین ﷺ موجود تھے، تعلیم کا سلسلہ جاری تھا، نئے نئے احکامات نازل ہو رہے تھے، وہ دور مقدس تھا، جس کو خیر القرون فرمایا گیا ہے، بعد میں تو خرابیاں پیدا ہونے لگیں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرمایا، ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی تائید کی اور فرمایا کہ اگر آنحضور ﷺ عورتوں کی یہ حالت دیکھتے جو حضرت عمرؓ نے دیکھی ہے تو آنحضرت ﷺ بھی عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دیتے۔ ان عائشة رضی اللہ عنها زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعهن المسجد کما منعه' (وفی نسخة منعت) نساء بنی اسرائیل الخ (ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۹۱ ماجاء فی خروج النساء الی المسجد۔

شارح بخاری علامہ عینی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان حضور اکرم ﷺ

کی وفات کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد کا ہے۔اس کے بعد فرماتے ہیں۔واما الیوم فنعوذ باللہ من ذلک. لیکن اس زمانہ (یعنی ۸۵۵ھ) کا حال تو خدا کی پناہ! (عمدۃ القاری شرح بخاری بحوالہ کفایت المفتی ج ۵ ص ۳۹۲)۔

مذکورہ حال تو نویں صدی ہجری کا ہے۔اب تو چودھویں صدی ہجری ہے تقریباً پانچ سو سال ہو چکے ہیں۔ ہمارے زمانہ کی عورتوں کی آزادی، بے حیائی، بے شرمی، بے غیرتی اور فتنہ کا کیا کہنا۔کیا اس زمانہ میں جواز کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے؟نہیں ہرگز نہیں! حضرات فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ عورتوں کا مسجد میں جانا مکروہ ہے،خواہ پنج وقتہ نمازوں کے لئے جائیں یا جمعہ اور عید کی نماز کے لئے جائیں یا مجلس وعظ میں شرکت کرنے کے لئے ویکرہ حضور هن الجماعة ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقا ولو عجوزا ليلا على المذهب المفتي به لفساد الزمان (درمختار مع الشامي ج ۱ ص ۵۲۹ .باب الامامة)

رسائل الارکان میں ہے۔وهذا التجويز انما كان بحسب زمانهم واما الان فالفتنة لا ختلاط النساء والرجال غالبة لفساد واهل الزمان الى قوله وما ظنك بهذا الزمان الذى هو زمان الفتنة فهذا الزمان احرى لسقوط الجماعة عنهن فهذا الزمان احرى بالمنع عن الخروج الى الجماعات لان الجماعة غير لا زمة عليهن بالنص والتحرز عن الفتنة واجب للعمومات ولا نعقاد الا جماع على حرمة الباب الحرام الخ (ص ۱۰۰ فصل فی الجماعة)

اس سلسلہ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی رائے عالی بھی قابل ذکر ہے،فرماتے ہیں۔ و دریں زماں مکروہ است برآمدن زناں برائے جماعت از جہت فساد زمان و نیز برآمدن زنان دراں زمان بقصد تعلیم شرائع بود،واحتیاج نیست بداں دریں زماں از جہت شیوع واشتہار احکام شریعت وتستر بحال زناں اولیٰ است۔

ترجمہ:۔ جماعت کے لئے عورتوں کا مسجد میں آنا اس زمانہ میں مکروہ ہے کیونکہ فساد وفتنہ کا خطرہ ہے،مسجد نبوی میں نکلنے کی اجازت شریعت کی تعلیم کے حصول کی غرض سے تھی جو غرض اب باقی نہیں ہے،اس لئے کہ احکام شریعت آج کل عام طور پر شائع ہیں اور عورتوں کا پردہ میں رہنا بہر حال اولیٰ ہے اشعة اللمعات ص ۲۳۳ قلمی باب الجماعة وفضلها .الفصل الا ول تحت حديث عن ابن عمر رضی اللہ عنه قال قال النبي صلى الله عليه وسلم اذا استاذنت امرأة احدكم الى المسجد فلا يمنعها)

یہ حکم عام ہے حرم شریف ہو یا مسجد نبوی،ہندوستان ہو یا عرب سب کے لئے یہی حکم ہے،لہذا عورتوں کی عزت آبرو اور ایمان کی حفاظت اس میں ہے کہ عید کی نماز کے لئے بھی نہ نکلیں،ان پر عید کی نماز واجب بھی نہیں ہے (مالابد منہ ص ۵۵ الی ص ۵۸) فقط۔

امام عید کی دوسری رکعت میں تکبیر زائد بھول جائے تو کیا کرے؟:

(سوال ۱۳۹) اگر امام عید کی دوسری رکعت میں قرأت کے بعد تکبیر بھول جائے اور رکوع میں یاد آئے تو کیا کرے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس صورت میں رکوع میں بدون ہاتھ اٹھائے تکبیر کہے،تکبیر کہنے کے لئے قیام کی طرف عود نہ کرے۔

درمختار میں ہے کما لو رکع الا مام قبل ان یکبر فان الا مام یکبر فی الرکوع ولا یعود الی القیام لیکبر (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۸۲ باب العیدین)

نوٹ:

اس صورت میں قاعدہ سے تو سجدۂ سہو لازم ہے لیکن نماز عیدین میں کثرت ازدحام کی وجہ سے خلفشار ہوجانے کا اندیشہ ہے، بناءً علیہ سجدۂ سہو معاف ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک ہی جگہ مجبوری کی وجہ سے عید کی نماز دو مرتبہ پڑھنا اور امام کے لئے چندہ کرنا:

(سوال ۱۴۰) یہاں انگلینڈ میں بڑا ہال نماز کے لئے نہیں ملتا، جس بنا پر چھوٹے ہال میں نماز عید پڑھی جاتی ہے، اس میں پہلی بار مقامی امام نماز پڑھاتے ہیں، لیکن نمازی زیادہ ہونے کی بنا پر اسی ہال میں عید کی نماز مکرر با جماعت ہوتی ہے دوسری بار بھی اس قدر نمازی ہوتے ہیں، نماز عید کے بعد امام عید کے لئے چندہ کا اعلان کیا جاتا ہے اور ہر شخص اپنی حیثیت کے موافق چندہ دیتا ہے اور بعد میں وہ رقم امام کو بطور ہدیہ پیش کی جاتی ہے، تو ایک ہی جگہ دو مرتبہ مجبوری کی وجہ سے عید کی نماز پڑھنا اور چندہ کر کے امام صاحب کو ہدیہ دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عیدگاہ نہ ہو اور مسجد میں بھی گنجائش نہ ہو تو جنگل میں کوئی میدان تجویز کرلیا جائے اور وہاں نماز عید ادا کی جائے، اگر ایسا میدان میسر نہ ہو تو شہر میں کسی محفوظ میدان میں یا بڑے ہال یا بڑے مکان میں نماز عید پڑھی جائے، ایک ہال یا ایک مکان کافی نہ ہو تو باقی نمازیوں کے لئے دوسری جگہ نماز کے لئے تجویز کر دی جائے، بلا عذر شرعی اور بلا مجبوری کے ایک ہی جگہ دوبارہ سہ بارہ جماعت نہ کی جائے، باوجود سعی وکوشش کے دوسری جگہ میسر نہ ہو سکے اور نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو دوبارہ نماز عید ایسی جگہ پڑھی جاسکتی ہے مگر امام دوسرا ہونا ضروری ہے، پہلا امام دوسری جماعت کا امام نہیں بن سکتا امام عید کے لئے اعلان کر کے چندہ کرنا غلط ہے، جس کو جس قدر گنجائش ہو اپنی خوشی سے بطور ہدیہ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عید کے دن فجر کی نماز نہ پڑھی تو

(سوال ۱۴۱) جس نے عید کے دن (معاذ اللہ) فجر کی نماز نہیں پڑھی وہ عید کی نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) جس نے فجر کی نماز نہیں پڑھی ہے وہ عید کی نماز پڑھ سکتا ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عید کی نماز سے پہلے حاضرین کا آواز ملا کر زور سے تکبیر وغیرہ پڑھنا:

(سوال ۱۴۲) ہمارے یہاں دستور بن چکا ہے کہ عید کی نماز سے پہلے ایک دو آدمی منبر کے پاس کھڑے ہوکر زور زور سے تکبیر پڑھتے ہیں اس کے بعد حاضرین آواز ملا کر جواب دیتے ہیں، اس طرح الصلوۃ عید الفطر بارک اللہ لنا ولکم والصلوٰۃ والسلام پڑھا جاتا ہے، مقصد اصلی یہ ہے کہ لوگ آجاویں کسی کی نماز نہ جائے تو اس میں کوئی حرج ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ارشاد خداوندی ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ. یعنی تمہارے لئے رسول خدا کی ذات میں بہترین نمونہ ہے اور آنحضور ﷺ کا فرمان واجب الاذعان ہے۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین الخ. یعنی (میرے بعد والے اختلافات دیکھیں گے) اس وقت تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کا طریقہ اختیار کرنا اور لازم پکڑنا، اور بدعت و نئے طریقوں سے بچتے رہنا کہ (میرے اور خلفائے راشدین کی موافقت کے بغیر) ہر نو ایجاد طریقہ بدعت ہے اور بدعت گمراہی ہے (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۸۷ باب لزوم السنۃ)

صورت مسئولہ یعنی عیدگاہ میں بآواز بلند اجتماعی طور پر تکبیر کا التزام ایک رسم ہے آنحضرت ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین وغیرہم صحابۂ کرام وران کے پیروتابعین اوران کے فرمانبردار تبع تابعین اوران کے نقش قدم پر چلنے والے ائمۂ مجتہدین ومشائخ اور فقہائے کرام سے ثابت نہیں ہے، پس شرعی ثبوت کے بغیر دین وشریعت میں خود ایجاد کردہ یہ عمل رد اور باطل ہے۔

دین کسی کے تابع نہیں سب اس کے تابع ہیں کسی کو دین میں کمی بیشی کا حق نہیں، جس طرح منقول اور ثابت ہو اسی طرح عمل کرنا ضروری ہے۔

دیکھئے! جمعہ کے دن منارہ پر اذان ہوتی ہے مگر عید کے دن نہیں ہوتی، کہ منقول نہیں ہے، جمعہ کے خطبہ کے وقت اذان ہوتی ہے، عید کے خطبہ کے لئے اذان نہیں ہوتی ہے اس لئے کہ ثابت نہیں ہے، جمعہ کی نماز کے لئے اقامت ہوتی ہے مگر عید کی نماز کے لئے اقامت نہیں ہوتی کہ منقول نہیں ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مبارک زمانہ میں عیدگاہ میں نماز عید سے پہلے حضرت علیؓ نے ایک شخص کو نفل پڑھنے سے روکا، اس نے کہا یہ (نماز نفل) عذاب کا کام تو نہیں (پھر کیوں منع کرتے ہو) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جس کام کے لئے حضور ﷺ نے امر نہ فرمایا ہو اور نہ اس کی ترغیب دی ہو وہ اجر وثواب کا کام نہیں ہے لہٰذا یہ نماز عبث ہے اور (دین میں) فعل عبث حرام ہے اور ڈر ہے کہ آنحضور (ﷺ) کی سنت کی خلاف ورزی پر خدا نے پاک تجھے عذاب دے (مجالس الابرار ص ۱۲۹ مجلس نمبر ۱۸)

اسی لئے حضرت پیران پیر غوث اعظم رحمہ اللہ کا فرمان ہے۔ اتبعوا ولا تبتدعوا واطیعوا ولا تمرقوا. یعنی رسول خدا ﷺ کی اتباع کرو اور دین میں بدعت ایجاد نہ کرو، اطاعت کرو اور نافرمانی نہ کرو (فتوح الغیب ص ۱۰ مقالہ نمبر ۲) اور فرماتے ہیں لیس الشرک عبادۃ الاصنام فحسب بل ھو متابعتک ھواک.. یعنی شرک صرف بت پرستی نہیں ہے بلکہ شرک یہ بھی ہے کہ اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرے۔ (فتح ربانی ص ۱۰۸ مجلس نمبر ۲۵)

اور حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ قال ما ازداد صاحب بدعۃ اجتہاداً الا ازداد من اللہ عزوجل بعداً، یعنی بدعتی جس قدر جدوجہد زیادہ کرتا ہے اسی قدر اللہ سے دور ہوتا جاتا ہے۔ (تلبیس ابلیس ص ۱۴)

لہٰذا آپ کے یہاں جو رسم ہے وہ غلط اور خلاف سنت ہے جو واجب الترک ہے مجالس الابرار میں اس تکبیر کے بارے میں تفصیل ہے کہ عید الفطر میں عیدگاہ آتے جاتے راستہ میں تکبیر آہستہ آہستہ کہے اگر عوام لاعلمی کی وجہ سے

کچھ زور سے کہیں تو خیر (حرج نہیں) مگر سب مجتمع ہو کر بلند آواز کے ساتھ کہیں تو حرام ہے، بلکہ تنہا تنہا تکبیر کہیں اور جب عیدگاہ پہنچیں تو تکبیر بند کردیں (خود آہستہ آہستہ کہیں تو گنجائش ہے) لکن لا علی هیئة　　الا جتماع . الی قوله . فان ذلک کله حرام. یعنی۔ لیکن سب مجتمع ہو کر آواز سے راگ کی رعایت کر کے نہ پڑھیں کہ یہ حرام ہے۔ (مجالس الابرار ص ۲۱۳ مجلس نمبر ۳۲)

نماز کا وقت مقرر کردیا جائے اور کچھ مہلت دی جائے، اور حاضرین پوری خاموشی کے ساتھ ذکر اللہ میں مشغول رہیں، یا کسی عالم سے بیان کرایا جائے تا کہ انتظار میں زحمت نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تکبیر قبل از خطبۂ عیدین:

(استـــفتـــاء ۱۴۳) عیدین کے خطبہ کے شروع میں خطیب کو کتنی تکبیر پڑھنا چاہئے اور اس کا کیا ثبوت ہے؟ بینوا توجروا۔ از راندیر۔

(الجواب) خطبۂ اولیٰ کے شروع میں نو بار تکبیر (اللہ اکبر، اللہ اکبر۲ اللہ اکبر۳، اللہ اکبر۴، اللہ اکبر۵، اللہ اکبر۶، اللہ اکبر۷، اللہ اکبر۸، اللہ اکبر۹، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد) آہستہ پڑھنا مستحب ہے، اسی طرح خطبۂ ثانیہ میں سات بار اور خطبۂ ثانیہ کے آخر میں چودہ بار آہستہ آہستہ تکبیر کہنا مستحسن ہے۔ ویبدء بالتکبیر فی خطبة العیدین ویستحب ان یستفتح اولی بتسع تکبیرات تتریٰ ای متتابعات والثانیة بسبع هو السنة وان یکبر قبل نزوله من المنبر اربع عشرة یعنی مستحب یہ ہے کہ پہلے خطبہ کو نو بار اللہ اکبر پے در پے کہنے کے بعد شروع کرے اور دوسرے خطبہ کو سات بار اللہ اکبر کہنے کے بعد شروع کرے اور ثانی خطبہ ختم کرنے کے بعد منبر سے اترنے سے پہلے چودہ بار بطریق مذکورہ تکبیر کہے (تنویر الابصار، درمختار مع رد المحتار ج ۱ ص ۷۸۳ باب العیدین) مراقی الفلاح میں ہے۔ ویبدأ با لتکبیر فی خطبة العیدین ویستحب ان یستفتح الاولیٰ بتسع تتریٰ والثانیة بسبع قال عبداللہ بن مسعود وهو السنة (مراقی الفلاح ص ۱۰۷) (قوله تتریٰ) (ای متتابعات ویکبر قبل النزول اربعة عشر کذا فی الشرح (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۱۱ ایضاً). والله اعلم بالصواب.

عیدین کا وقت:

(سوال ۱۴۴) عیدین کی نماز کا وقت کب شروع ہوتا ہے، طلوع آفتاب کے چوبیس منٹ کے بعد نماز پڑھی تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عیدین کی نماز کا وقت طلوع آفتاب کے بعد تقریباً پندرہ منٹ پر شروع ہوتا ہے، لیکن چونکہ عید کا دن ہے، لوگوں کو مسنون طریقہ سے تیار ہونا ہے، غسل، اچھے کپڑے اور خوشبو کا اہتمام کرنا ہے اور عید الفطر میں صدقۂ فطر بھی ادا کرنا ہے اور اطراف سے بھی لوگ نماز کے لئے شہر میں آتے ہیں اس لئے نماز کا وقت اس طرح مقرر کیا جائے کہ لوگ آسکیں، اس قدر عجلت کرنا کہ لوگ نماز سے رہ جائیں مناسب نہیں، بلاوجہ شرعی بہت تاخیر کرنا بھی کراہت سے خالی نہیں، ہاں اگر کوئی عذر ہو تو لوگوں میں اعلان کر کے اول وقت میں پڑھ سکتے ہیں جب کہ لوگوں کے نماز سے رد

جانے کافی ہے (وابتداء وقت صحة صلوٰة العيد من ارتفاع الشمس قدر رمح او رمحين حتى تبيض) لانه صلى الله عليه وسلم كان يصلى العيد حين ترتفع الشمس قدر رمح او رمحين فلو صلوا قبل ذلك لا تكون صلوٰة بل نفلا محرما (مراقى الفلاح مع طحطاوى ص ۳۰۹ باب العيدين) فقط والله اعلم بالصواب ۲ جمادى الاولىٰ ۱۳۹۹ھ۔

محلّہ کی مسجد میں عذر شرعی کی وجہ سے عید کی نماز پڑھنا:

(سوال ۱۴۵) نوساری شہر کی عیدگاہ کے منتظمین نے یہ اعلان کیا کہ امسال بارش کی وجہ سے عیدگاہ میں عید کی نماز نہیں ہوگی اور شہر کی جامع مسجد ناکافی ہے، اس لئے ہم اپنے محلّہ کی "زکریا مسجد" میں نماز عید پڑھنا چاہتے ہیں، آج تک اس مسجد میں ہم نے نہ جمعہ کی نماز پڑھی ہے نہ عید کی نماز، اس وقت ہم عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس صورت میں محلّہ کی "زکریا مسجد" میں نماز عید پڑھ سکتے ہیں بلا حرج جائز ہے، ہاں بلا عذر شرعی نماز جمعہ، عید پڑھنا غلط ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورتوں کا مسجد و عیدگاہ میں جانا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۴۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں:-

غیر مقلدین حضرات اور بعض آزاد خیال افراد اس پر مصر ہیں کہ عورتوں کو نماز کے لئے مسجد اور عیدگاہ جانے سے روکنا جائز نہیں ہے، ان کو عیدگاہ میں نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے، روکنے والے گنہگار ہیں، حضور اکرم ﷺ کے مبارک زمانہ میں عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت تھی اور مردوں کو یہ حکم تھا کہ عورتیں مسجد میں جانا چاہیں تو ان کو روکا نہ جائے اور عیدگاہ میں تو جانے کا صراحۃ امر اور حکم تھا حتی کہ اگر کسی کے پاس چادر نہ ہوتی تو یہ حکم تھا کہ اس کی سہیلی اس کو اپنی چادر میں چھپا لے اور ایک چادر میں دونوں جائیں، جب حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں اس طرح تا[illegible] تو اب کسی کو حق نہیں ہے کہ عورتوں کو مسجد و عیدگاہ کی حاضری سے روکے اور اس کو ناجائز کہے اور [illegible] احادیث پیش کرتے ہیں:

(۱) لاتمنعوا النساء حظوظهن من المساجد اذا استاذنكم (مشکوٰۃ شریف ص ۹۷ باب الجماعة وفضلها) یعنی عورتوں کو مساجد کی حاضری کے حق سے نہ روکو جب وہ اجازت مانگیں۔

(۲) اذا استاذنت امرأة احدكم الى المسجد فلا يمنعها. تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت مانگے تو اس کو نہ روکے۔ (بخاری ومسلم شریف مشکوٰۃ شریف ص ۹۶ باب الجماعۃ)

(۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے (ایک مرتبہ) فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو مسجد میں جانے سے نہ روکے تو ان کے ایک صاحبزادے (حضرت بلالؓ) نے فرمایا ہم تو ضرور روکیں گے، یہ سن کر حضرت ابن عمرؓ غضبناک ہو گئے اور فرمایا میں حدیث بیان کرتا ہوں اور تو یہ (جملہ) کہتا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد وفات تک ان سے بات نہیں کی۔ عن مجاهد عن عبدالله ابن عمرؓ ان النبى صلى الله عليه وسلم

قال لا یمنعن رجل اھلہ ان یا تو االمساجد فقال ابن لعبداللہ فانا نمنعھن. فقال عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ احد ثک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتقول ھذا فما کلمہ حتی مات رواہ احمد(مشکوٰۃ شریف ص ۹۷ باب الجماعۃ

اور عیدگاہ جانے کے لئے یہ روایت پیش کرتے ہیں:۔(۱) عن ام عطیۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخرجوا العواتق وذوات الخدور لیشھدن العید ودعوۃ المسلمین ولیجتنبن الحیض مصلی الناس (۲) عن ام عطیۃ رضی اللہ عنھا قالت امرنا ان نخرج الحیض یوم العید من ذوات الخدور فیشھدن جماعۃ المسلمین ودعوتھم تعتزل الحیض عن مصلاھن قالت امرأۃ یا رسول اللہ احدنا لیس لھا جلباب قال لتلبسھا صاحبتھا من جلبابھا متفق علیہ(مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۵. ۲۶ اباب الجماعۃ)

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔فرمایا کہ ہم کو حکم کیا گیا کہ ہم حیض والی اور پردہ نشین عورتوں کو عیدین کے دن نکالیں کہ وہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دعا میں حاضر ہوں اور حائضہ عورتیں نماز کی جگہ سے الگ رہیں۔ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ! (ﷺ) ہم میں سے بعضوں کے پاس چادر نہیں ہوتی (تو وہ کیا کرے؟) آپ نے فرمایا کہ اس کی سہیلی اس کو اپنی چادر میں چھپا لے (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۵)

اب آپ سے درخواست ہے کہ اس پرفتن زمانہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اگر عورتوں کی مسجد میں حاضری ناجائز ہے تو ان روایات کا کیا جواب ہے؟ مفصل ومدلل جواب تحریر فرمائیں۔بینوا بالدلیل وتوجروا عند الکریم۔

(الجواب) حامداومصلیاومسلما وباللہ التوفیق:۔اس پرفتن زمانہ میں عورتوں کو مسجد میں وعیدگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں، بے شک فقہاء کرام رحمہم اللہ اس کا انکار نہیں کرتے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں عورتیں نماز پنجگانہ اور عیدین کی جماعت میں حاضر ہوتی تھیں، لیکن وہ خیر القرون کا زمانہ تھا، فتنوں سے محفوظ تھا، حضور اکرم ﷺ بہ نفس نفیس موجود تھے، وحی کا نزول ہوتا تھا، نئے نئے احکام آتے تھے، نئے مسلمان تھے، نماز، روزے وغیرہ کے احکام سیکھنے کی ضرورت تھی، اور سب سے بڑھ کر حضور اکرم ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوتا تھا حضور اکرم ﷺ خواب کی تعبیر بیان فرماتے اور عجیب وغریب علوم کا انکشاف فرماتے اس لئے ان کو حاضری کی اجازت تھی لیکن یہ کہنا کہ مردوں کی طرح ان کو حاضری کا تاکیدی حکم تھا، یہ صحیح نہیں۔عورتوں کے لئے مردوں کی طرح جماعت ضروری نہیں تھی، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لو لا ما فی البیوت من النساء والذریۃ اقمت صلوٰۃ العشاء وامرت فتیانی یحرقون ما فی البیوت بالنار. یعنی حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں نماز عشاء قائم کرتا اور اپنے جوانوں کو حکم کرتا کہ (جو لوگ جماعت میں حاضر نہیں ہوتے ان کے) گھروں میں آگ لگادیں (مشکوٰۃ شریف ص ۹۶ باب الجماعۃ وفضلہا) یہ سزا اور وعید آنحضور ﷺ ان لوگوں کے لئے تجویز فرمانا چاہتے تھے جن کو جماعت میں حاضر ہونا ضروری تھا اور حاضر نہ ہوتے تھے مگر عورتوں اور بچوں کا گھر میں ہونا گھروں کو جلا دینے کی سزا کی تکمیل میں مانع ہوا۔عورتوں کا اس حدیث میں ذکر فرمانا اس کی دلیل ہے کہ وہ بچوں کی طرح جماعت میں حاضر ہونے کی مکلف نہ تھی اور جماعت ان

کے حق میں مؤکد نہیں تھی ورنہ وہ بھی اس سزا کی مستحق ہوتیں اور بچوں کے ساتھ عورتوں کو معذور نہ سمجھا جاتا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جماعت کا ستائیس نماز کا ثواب اور مسجد نبوی کا پچاس ہزار نماز کا ثواب اور پیغمبر اقدس ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کی سعادت عظمیٰ ہوتے ہوئے بھی عورتوں کے لئے ہدایت تھی کہ زیادہ فضیلت اور ثواب اور سعادت کی بات اسی میں ہے کہ وہ نماز گھر میں پڑھیں، اور اس سے بڑھ کر یہ فرمایا گیا کہ عورت کی تاریک سے تاریک اور بند کوٹھری کی نماز مسجد نبوی (علی صاحبها الف الف الف تحية و سلام) کی نماز سے کئی درجہ افضل اور بہتر ہے اور اس سلسلے کی کئی روایات ہیں، چند ملاحظہ ہوں۔

(۱) عن ام سلمة رضی الله عنها عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال خیر مساجد النساء قعر بیو تهن. رواه احمد و الطبرانی فی الکبیر..... الی. وقال الحاکم صحیح الا سناد.

ترجمہ:۔ حضرت ام سلمہ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں، کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا " عورتوں کی سب سے بہترین مسجد ان کے گھر کی گہرائی ہے (یعنی سب سے زیادہ بند تاریک کوٹھری) (الترغیب والترھیب ج ۱ ص ۱۸۸ للعلامۃ المنذری رحمہ اللہ) (زجاجۃ المصابیح ج ۱ ص ۳۱۳ باب الجماعۃ وفضلھا)

(۲) عن ابن عمر رضی الله عنها عن رسول الله صلی الله علیه وسلم المراة عورة و انها اذا خرجت من بیتها استشر فها الشیطان، وانها لا تکون اقرب الی الله منها فی قعر بیتها. رواه الطبرانی فی الا وسط ورجاله رجاله الصحیح.

ترجمہ:۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ عورت چھپانے کی چیز ہے وہ جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے (یعنی لوگوں کے دلوں میں اس کے متعلق گندے خیالات اور وساوس ڈالتا ہے) اور عورت اپنے گھر کی سب سے زیادہ بند کوٹھری ہی میں اللہ سے بہت قریب ہوتی ہے (الترغیب والترھیب ج ۱ ص ۱۸۸ باب الجماعۃ)

(۳) عن ابن مسعود رضی الله عنه قال ما صلت امرأة من صلوٰة احب الی الله من اشد مکان فی بیتها ظلمة. رواه الطبرانی فی الکبیر.

ترجمہ:۔ عورت کی سب سے زیادہ محبوب نماز خدا کے نزدیک وہ نماز ہے جو اس نے بہت ہی تاریک کوٹھری میں پڑھی ہو (الترغیب والترھیب ج ۱ ص ۱۸۹)

(۴) عن ابن عمر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تمنعوا نساءکم المساجد وبیو تهن خیر لهن.

ترجمہ:۔ عورتوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکو (مگر) ان کا گھر ان کے لئے (مسجد سے) بہتر ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۹۶) (باب الجماعۃ)

(۵) عن ام سلمة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم صلوة المرأة فی بیتها خیر من صلوتها فی حجر تها وصلاتها فی حجر تها خیر من صلاتها فی دارها وصلاتها فی دارها خیر من صلوتها فی مسجدقومها. رواه الطبرانی فی الا وسط باسناد جید.

ترجمہ:۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، عورت کی نماز بند کوٹھری میں کمرہ کی نماز سے بہتر ہے، اور کمرہ کی نماز گھر (کے احاطہ) کی نماز سے بہتر ہے، اور گھر کے احاطہ کی نماز محلہ کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے۔ (الترغیب والترھیب ج۱ ص ۱۸۸)

''اب حضور اکرم ﷺ کا عجیب فیصلہ ملاحظہ فرمائیے''

(۲) عن ام حمید امرائة ابی حمید الساعدی رضی اللہ عنہما انہا جاء ت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ ! انی احب الصلوٰۃ معک قال '' قد علمت انک تحبین الصلوۃ معی وصلوتک فی بیتک خیر من صلوتک فی حجرتک ، وصلوتک فی حجر تک خیر من صلوتک فی دارک ، وصلوتک فی دارک خیر من صلوتک فی مسجد قومک وصلوتک فی مسجد قومک خیر من صلوتک فی مسجدی'' قال : فامرت فبنی لہا مسجد فی اقصیٰ شیئی من بیتہا واظلمہ وکانت تصلی فیہ حتی لقیت اللہ عزوجل. رواہ احمد وابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحہما.

ترجمہ:۔ حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا نے بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ مجھے آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق ہے. آپ ﷺ نے فرمایا، تمہارا شوق بہت اچھا ہے (اور دینی جذبہ ہے) مگر تمہاری نماز اندورنی کوٹھری میں کمرہ کی نماز سے بہتر ہے، اور کمرہ کی نماز گھر کے احاطہ کی نماز سے بہتر ہے، اور گھر کے احاطہ کی نماز محلّہ کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے اور محلّہ کی مسجد کی نماز میری مسجد (یعنی مسجد نبوی) کی نماز سے بہتر ہے، چنانچہ حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا نے فرمائش کر کے اپنے کمرے (کوٹھے) کے آخری کونے میں جہاں سب سے زیادہ اندھیرا رہتا تھا مسجد (نماز پڑھنے کی جگہ) بنوائی، وہیں نماز پڑھا کرتی تھیں، یہاں تک کہ ان کا وصال ہوگیا اور اپنے خدا کے حضور میں حاضر ہوئیں۔ (الترغیب والترہیب ص ۱۸۷ جلد اول)

مذکورہ بالا روایات سے چند باتیں صراحۃً ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کو جماعت میں حاضر ہونے کی تاکید نہیں تھی بصرف اجازت تھی اور ہدایت وفہمائش ایسی تھی کہ خود ہی باز آجائیں۔

(۲) عورتوں کا مسجد میں آنا محض اباحت ورخصت کے درجہ میں تھا نہ کہ تاکیدی یا فضیلت واستحباب کے درجہ میں۔

(۳) حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کی تعلیم وترغیب پر عمل کرنے ہی کی غرض سے مسجد چھوڑ دی اور پوری عمر اپنی تنگ وتاریک کوٹھری کے اندر نماز پڑھتی رہیں اور یہ عین اتباع اور آنحضرت ﷺ کی خواہش کی تکمیل تھی۔

پس کس قدر افسوس ہے ان لوگوں پر جو عورتوں کو مسجد میں آنے کی ترغیب دیتے ہیں آنحضور ﷺ کی تعلیم اور مرضی اور منشاء کے خلاف حکم کرتے ہیں اور غضب یہ ہے کہ اسے سنت بتاتے ہیں اور اپنے اس فعل کو احیائے سنت سمجھتے ہیں، اگر عورتوں کے لئے جماعت میں حاضر ہونا سنت ہوتا تو آنحضور ﷺ اپنی مسجد کی نماز سے مسجد محلّہ کی نماز کو، اور

مسجد محلہ کی نماز سے گھر کی نماز کو افضل نہ فرماتے، تو کیا ترک سنت میں زیادہ ثواب تھا اور سنت پر عمل کرنے میں کم، اور کیا رسول اللہ ﷺ عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب دے کر ترک سنت کی ترغیب دیتے تھے؟ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ. شاید یہ لوگ اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ متقی اور اپنی مسجد کو مسجد نبوی سے زیادہ مقدس اور اپنی عورتوں کو اس مبارک زمانہ کی عورتوں سے زیادہ عفیفہ اور پاک باز سمجھتے ہیں۔

اور اس زمانہ میں رخصت واباحت بھی ان شرطوں کے ساتھ تھی کہ عورتیں بن سنور کر لباس فاخرہ زیب تن کر کے، خوشبو لگا کر، بجتا ہوا زیور پہن کر نہ آئیں، بلکہ میلی کچیلی آئیں۔

ابن ماجہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ **قالت بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم جالس في المسجد اذ دخلت امرأة من مزينة يترفل في زينة لها في المسجد فقال النبي صلى الله عليه وسلم يا ايها الناس انهر انساء كم عن البس الزينة والتبختر في المسجد فان بني اسرائيل لم يلعنوا حتى لبس نساء هم الزينة وتبخترن في المسجد.** ترجمہ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت رسول مقبول ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اتنے میں قبیلۂ مزینہ کی ایک عورت زیب وزینت کا لباس پہنے ہوئے مٹکتی (اتراتی) ہوئی مسجد میں آئی، حضرت رسول مقبول ﷺ نے فرمایا اے لوگو! اپنی عورتوں کو زیب وزینت کا لباس پہنے اور مسجد میں مٹکنے سے روک دو، کیونکہ بنی اسرائیل پر لعنت نہیں کی گئی، یہاں تک کہ ان کی عورتوں نے زیب وزینت کا لباس پہنا اور مسجد میں مٹکنا شروع کر دیا۔ (ابن ماجہ باب فتنۃ النساء ص ۲۹۷)

اس سے صراحۃً یہ بات ثابت ہوئی کہ عورتوں کو مسجد میں آنے کی جو اجازت اور رخصت تھی وہ ان قیود وشرائط کے ساتھ تھی، اور فتنہ رونما ہونے سے پہلے تھی، چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں عورتوں کی آزادی اور بے احتیاطی ظاہر ہونے لگی اور فتنہ کا اندیشہ ہوا تو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور اجلۂ صحابہ نے حکم جاری فرمایا کہ اب عورتیں مسجد میں نہ آیا کریں، اور تمام صحابہ نے اس کو پسند فرمایا۔

بدائع الصنائع میں ہے: **ولا يباح للشواب منهن الخروج الى الجماعات بدليل ماروى عن عمر رضى الله عنه انه نهى الشواب عن الخروج ولان خروجهن الى الجماعة سبب للفتنة والفتنة حرام وما ادى الى الحرام فهو حرام** (بدائع ج ۱ ص ۱۵۷ **فى فصل واما بيان من يصلح للامة**)

ترجمہ۔ جوان عورتوں کا جماعتوں میں جانا مباح نہیں، اس روایت کے پیش نظر جو حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے جوعورتوں کو نکلنے سے منع فرمادیا تھا اور اس لئے کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے اور فتنہ حرام ہے اور جو چیز حرام تک پہنچائے وہ بھی حرام ہے، انتہیٰ۔ (بدائع ج ۱ ص ۱۵۷)

حجۃ اللہ البالغہ میں ہے:۔ **ومنها خوف فتنة كامرأة اصابت بخوراً ولا اختلاف بين قوله صلى الله عليه وسلم اذا استاذنت امرأة احدكم الى المسجد فلا يمنعها وبين ما حكم به جمهور الصحابة من منعهن اذا المنهى عنه الغيرة التى تنبعث من الانفة دون خوف الفتنة والجائز من الغيرة ما فيه خوف الفتنة وذلك قوله صلى الله عليه وسلم الغيرة غيرتان وحديث عائشة رضى الله عنها ان النساء احدثن. الخ.**

ترجمہ۔ اور ان عذروں میں سے جن کی وجہ سے نماز باجماعت میں حاضر نہ ہونا جائز ہے فتنہ کا خوف ہے، جیسے کوئی عورت خوشبو لگائے، اور آنحضرت ﷺ کے اس فرمان" اذا استاذنت الخ" (یعنی جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت طلب کرے تو وہ اس کو منع نہ کرے) اور جمہور صحابہ کے فیصلہ (ان حضرات کا یہ فیصلہ ہے کہ عورتوں کو اب مسجد میں آنے سے ممانعت کی جائے۔ میں تضاد نہیں ہے اس لئے کہ وہ غیرت جو محض تکبر سے پیدا ہو اور اس غیرت کی بنا پر عورتوں کو روکا جائے وہ غیرت تو ناجائز ہے، رہی وہ غیرت جو فتنہ کے خوف سے پیدا ہوا اور اس غیرت کی بنا پر عورتوں کو روکا جائے تو وہ غیرت جائز بلکہ مستحسن ہے (اور صحابہؓ نے اسی فتنہ کے خوف کی بنا پر عورتوں کو روکنے کا فیصلہ کیا) اور حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان الغیر ۃ غیرتان کا یہی مقصود ہے اور یہی مصداق ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ان النساء احدثن الخ کا (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۹۰ الجماعۃ من الحرج الخوف الفتنۃ) (احیاء العلوم ج ۲ ص ۴۸) (اصح السیر ج ۲ ص ۵۸۹)

عینی شرح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ کے روز کھڑے ہوکر عورتوں کو کنکریاں مار کر مسجد سے نکالتے، اور یہ صحابہ کی موجودگی میں ہوتا تھا، وکان ابن عمر یقوم یحصب النساء یوم الجمعۃ یخرجھن من المسجد (عینی شرح بخاری ج ۳ ص ۲۲۸ باب خروج النسآء الی المساجد باللیل والمغلس)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جمعہ کے دن عورتوں کو مسجد سے نکال دیتے اور فرماتے اپنے گھر جاؤ تمہارے گھر تمہارے لئے بہتر ہیں عن ابی عمرو الشیبانی انہ رأی عبداللہ یخرج النساء من المسجد یوم الجمعۃ ویقول (اخرجن الی بیو تکن خیر لکن) رواہ الطبرانی فی الکبیر باسناد لا باس بہ (الترغیب والترھیب ج ۱ ص ۱۹۰) یہ بھی صحابہ کی موجودگی میں ھوتا تھا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس فتنہ کو محسوس کیا اور انہوں نے فرمایا لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل. یعنی اگر رسول خدا ﷺ یہ حالات دیکھتے تو ان کو مسجد میں آنے سے ضرور روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجد میں آنے کی ممانعت کردی گئی تھی (بخاری شریف باب خروج النسآء الی المساجد باب للیل والفلس ج ۱ ص ۱۲۰) (مسلم شریف ج ۱ ص ۱۸۳)

علامہ عینی شارح بخاری فرماتے ہیں واما الیوم فنعوذ باللہ آج تو خدا کی پناہ (عینی بحوالہ کفایت المفتی ج ۵ ص ۳۹۲) چنانچہ علامہ عینیؒ اپنی اسی شرح میں دوسری جگہ تفصیل سے اپنے زمانہ کی عورتوں کی ایجاد کردہ بدعات و منکرات کا ذکر فرماتے ہیں:۔ قلت لو شاھدت عائشۃ رضی اللہ عنھا ما احدثت نساء ھذا الزمان من انواع البدع والمنکرات لکانت اشد انکاراً و لا سیما نساء مصر فان فیھن بدعاً لا توصف ومنکرات لا تمنع ۔ الی قولہ. فانظر الی ما قالت الصدیقۃ رضی اللہ عنھا من قولھا لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدثت النساء ولیس بین ھذا القول وبین وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا مدۃً یسیرۃً علی ان نساء ذلک الزمان ما احدثن جزءاً من الف جزء مما احدثت نساء

هذا الزمان (عینی ج۳ ص ۲۳۰ باب خروج النساء الی المساجد باللیل والغلس۔

علامہ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ کی وہ بدعات ومنکرات اور سر کے بالوں اور لباسوں میں وہ فیشن جو عورتوں نے ایجاد کی ہے، خاص کر مصر کی عورتوں نے، اگر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دیکھتیں تو نہایت شدت سے انکار کرتیں منجملہ ان منکرات کے یہ ہیں، وہ عورتیں لباس فاخرہ پہن کر اور خوشبو لگا کر مٹکتی ہوئی مردوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہوئیں، مردوں کے شانہ بشانہ (بسا اوقات) کھلے منہ بازاروں میں گھومتی رہتی ہیں۔ آخر میں فرماتے ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد حضور اکرم ﷺ کی وفات کے تھوڑے عرصہ بعد کا ہے۔ جب کہ اس زمانہ میں عورتوں کی آزادی اس زمانہ کی عورتوں کی آزادی ومنکرات کے مقابلہ میں ہزارواں حصہ بھی نہیں تھی، اندازہ لگائیے اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس زمانہ کی عورتوں کی آزادی وفیشن پرستی دیکھتیں تو کیا حکم لگاتیں (عینی شرح بخاری ج۳ ص۲۳۰)

علامہ عینیؒ نویں صدی ہجری کی عورتوں کا یہ حال بیان فرمارہے ہیں، آج تو چودھویں صدی ہے، اس زمانہ کی عورتوں کی آزادی۔ بے حیائی، عریانی وبے احتیاطی کی انتہا ہوچکی ہے، برقع ہی رخصت ہورہا ہے اور اس کی جگہ قسم قسم کے فیشن ایبل لباس آچکے ہیں، اور پھر کھلے سر کھلے منہ بازاروں میں گھومتی ہیں، ایسے پرفتن دور میں عورتوں کو مسجد اور عید گاہ لانے کی کوشش کی جارہی ہے اور حضور اقدس ﷺ کے بابرکت زمانہ سے استدلال کیا جارہا ہے، عورتیں احتیاط کریں گی، نیچی نگاہ رکھیں گی، خوشبو پاؤڈر سے احتراز کریں گی اور فساق وفجار کی نگاہیں نیچی رہیں گی، اس کی گارنٹی کون دے سکتا ہے؟

رہا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنے صاحبزادے پر خفا ہونا تو یہ اس لئے تھا کہ حضرت ابن عمرؓ نے حضور ﷺ کا فرمان نقل کیا " لا یمنعن رجل اهله ' ان یا توا المساجد " اس پر صاحبزادے کا یہ کہنا " فانا نمنعهن " اس سے نص کے ساتھ صورۃ معارضہ لازم آرہا تھا (اس بناء پر حضرت ابن عمر بہت ہی غصہ اور خفا ہوئے) جس طرح امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے حدیث بیان فرمائی۔ کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یحب الدباء (حضور اقدس ﷺ لوکی (کدو) پسند فرماتے تھے) ایک شاگرد نے کہا انا لا احبہ (میں تو اسے پسند نہیں کرتا) اس پر امام ابو یوسف نے تلوار نکال لی اور فرمایا کہ تجدید ایمان کرو ورنہ قتل کردوں گا۔ یہاں بھی حدیث کے ساتھ صورۃ معارضہ لازم آرہا تھا، ورنہ لوکی (کدو) پسند نہ کرنا ایسا جرم نہیں کہ قتل کردیا جائے، اسی طرح عورتوں کو منع کرنا ایسا جرم نہیں تھا کہ قطع تعلق کرنا واجب ہو، ورنہ پھر اس کا کیا مطلب کہ خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ کے روز عورتوں کو کنکریاں مار کر مسجد سے نکلنے پر مجبور کرتے تھے (قوله وتقول والله لنمنعهن) قال الطیبی یعنی انا آتیک بالنص القاطع وانت تتلقاہ بالرای کان بلا لا لما اجتهد ورای من النساء وما فی خزوجهن الی المساجد من المنکر اقسم علی منعهن فرده ابوه بان النص لا یعارض بالرای...... ونظیره ماوقع لا بی یوسف حین روی انه علیه السلام کان یحب الدباء فقال رجل انا ما احبه فسل السیف ابویوسف وقال جدد الا یمان والا لا قتلنک (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۳ ص ۲۶ باب الجماعۃ وفضلها . مطبوعہ ملتان)

عید گاہ جانے کے سلسلے میں جن روایات میں امر کا صیغہ وارد ہے اور جن سے وہ حضرات استدلال کرتے

ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ امر کا صیغہ تین معنوں پر مستعمل ہے، کبھی وجوب کے لئے ہوتا ہے جیسے اقیموا الصلوٰۃ اور کبھی استحباب کے لئے ہوتا ہے جیسے فکلوا منھا واطعموا البائس الفقیر ۔ اور کبھی اباحت کے لئے ہوتا ہے جیسے واذا حللتم فاصطادوا۔ اب دیکھنا چاہئے کہ یہاں کیا مراد ہے وجوب تو یقیناً مراد نہیں کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں کہ عیدین وغیرہ میں عورتوں کا جانا واجب ہے، اور استحباب بھی مراد نہیں اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے کوٹھری کی نماز کو مسجد نبوی کی نماز سے بدرجہا افضل بتایا ہے اور اس میں عیدین کا استثناء نہیں ہے۔ مساجد گھروں سے قریب ہوتی ہیں، پھر بھی گھر کی نماز افضل ہے، اور عیدگاہ تو شہر سے باہر اور دور ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ نماز پنجگانہ وجمعہ فرض ہیں، جب اس کے لئے مسجد میں آنا افضل نہیں تو عیدین کی نماز میں حاضر ہونا کیونکر افضل ہوگا، پس اس جگہ امر اباحت ورخصت کے لئے ہوا، اور وقتی طور پر مصلحتاً حضور اقدس ﷺ نے عورتوں کو عیدگاہ میں جمع فرمایا تھا ۔ اس سے وجوب اور استحباب ثابت نہیں ہوسکتا (کفایت المفتی ج ۵ ص ۲۲۱ ملخصاً) اگر مستحب بھی مان لیا جائے تب بھی بوجہ مفسدہ قابل ترک ہوگا، فقہ کا قاعدہ ہے ۔ ترک المکروہ اولیٰ بادراک الفضیلۃ لان ترک المکروہ اھم من فعل المسنون (کبیری ص ۳۶۵)

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عیدگاہ میں عورتوں کا جانا شروع اسلام میں تھا جب کہ مسلمان کم تھے تا کہ ان سے اہل اسلام کی کثرت معلوم ہو اور دشمن خوفزدہ ہو، آج یہ صورت حال نہیں ہے لہٰذا یہ حکم بھی نہ ہوگا۔ قال الطحاوی یحتمل ان یکون ھذا الامر فی اول الاسلام والمسلمون قلیل فارید التکثیر بھن ترھیبا للعدو فاما الیوم فلا یحتاج الی ذلک. الی قولہ . قلت ھذہ عائشۃ صح عنھا انھا قالت لو رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مااحدثت النساء لمنعھن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل فاذا کان الامر فی خروجھن الی المساجد ھکذا فبا الاحریٰ ان یکون ذلک فی خروجھن الی المصلی الخ (عینی شرح بخاری ص ۳۹۴ ج ۳ باب خروج النسآء والحیض الی المصلی) (مظاھر حق ج ۱ ص ۴۶۵)

اب قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہائے کرام کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

(۱) فقیہ محدث علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔ والفتویٰ الیوم علی

والفتویٰ الیوم علی المنع

فی الکل فلذلک اطلق المصنف ویدخل فی قولہ الجماعات الجمع والاعیاد والاستسقاء ومجالس الوعظ ولا سیما عند الجھال الذین تحلوا بحلیۃ العلماء وقصدھم الشھوات وتحصیل الدنیا.

ترجمہ:۔ اور آج کل فتویٰ اس پر ہے کہ تمام نمازوں میں جانا خواہ دن کی ہو یا رات کی، جوان اور ضعیفہ دونوں کے لئے ممنوع ہے، اور مصنف (کنز الدقائق کے مصنف) کے قول "الجماعات" میں جمعہ، عیدین، استسقاء اور وعظ کی مجلسیں بھی شامل ہیں، بالخصوص ان جاہل واعظوں کی مجلسیں جو علماء جیسی صورتیں بنا لیتے ہیں، اور مقصود ان کا اپنی خواہشات نفسانی پورا کرنا اور دنیا کمانا ہے (عینی شرح کنز ج ۱ ص ۴۰ باب الامامۃ)

(۲) درمختار میں ہے:۔ (ویکرہ حضورھن الجماعۃ) ولو لجمعۃ وعید ووعظ (مطلقاً) ولو عجوزاً لیلاً (علی المذھب) المفتیٰ بہ لفساد الزمان.

ترجمہ:۔ عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا خواہ جماعت جمعہ کی ہو یا عید کی یا وعظ کی مجلس ہو مکروہ ہے، چاہے بوڑھی عورت ہو اور رات کا وقت ہو، مفتیٰ بہ مذہب کی بنا پر بوجہ ظہور فساد زمانہ (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۵۲۹ باب الامامۃ)

(۳) فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔ **والفتوی الیوم علی الکراهة فی کل الصلوات لظهور الفساد کذافی الکافی وهو المختار کذا فی التبیین.**

ترجمہ:۔ اس زمانہ میں فتویٰ اس پر ہے کہ عورتوں کا تمام نمازوں میں جانا مکروہ ہے فساد زمانہ کے ظہور کی وجہ سے (عالمگیری ج ۱ ص ۹۶ باب الامامۃ)

(۴) البحر الرائق میں ہے:۔ **ولا یحضرن الجماعات. الیٰ قوله. قال المصنف فی الکافی والفتوی الیوم علی الکراهة فی الصلوة کلها لظهور الفساد. الخ** اور عورتیں جماعت میں حاضر نہ ہوں، بوجہ ارشاد باری تعالیٰ **وقرن فی بیوتکن** اور بفرمان نبوی **صلی الله علیه وسلم صلوتها فی قعر بیتها افضل. وبیوتهن خیر لهن** اور صاحب کنزالدقائق نے کافی میں فرمایا کہ آج کل فتویٰ اس پر ہے کہ عورتوں کا تمام نمازوں میں جانا مکروہ ہے، بوجہ ظہور فساد (بحرالرائق ج ۱ ص ۳۵۸ باب الامامۃ)

(۵) رسائل الارکان میں ہے:۔ **وهذا التجویز انما کان بحسب زمانهم واما الآن فالفتنة لا ختلاط النساء والرجال غالبة لفساد اهل الزمان. الی قوله فما ظنک بهذا الزن ما الذی هو زمان الفتنة فهذا الزمان احری لسقوط الجماعة عنهن فهذا الزمان احری بالمنع عن الخروج الی الجماعة لان الجماعة غیر لازمة علیهن بالنص والتحرز عن الفتنة واجب للعمومات لا نعقاد الاجماع علی حرمة الباب الحرام الخ (رسائل الارکان ص ۱۰۰ فصل فی الجماعة)**

اور عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت ان کے زمانہ کے اعتبار سے تھی لیکن آج مرد اور عورتوں کے اختلاط کی وجہ سے فتنہ ہونا غالب ہے، اس قول سے اس زمانہ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جو فتنہ و فساد کا زمانہ ہے اس لئے آج یہی مناسب ہے کہ ان سے جماعت میں حاضر ہونا ساقط ہو اور ان کے لئے جماعت میں حاضر ہونا ممنوع ہو، اس لئے کہ از روئے نص ان پر جماعت میں حاضر ہونا لازم اور ضروری نہیں ہے اور قرآن و حدیث کے پیش نظر فتنوں سے احتراز کرنا واجب ہے اور اس پر اجماع منعقد ہے کہ جو کسی حرام چیز کا سبب بنے وہ بھی حرام ہے (رسائل الارکان ص ۱۰۰)

اس سلسلے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے عالی بھی قابل ذکر ہے فرماتے ہیں:۔

(۶) ودریں زماں مکروہ است برآمدن زناں برائے جماعت از جہت فساد زماں ونیز برآمدن زناں دراں زماں بقصد تعلیم شرائع بود واحتیاج نیست بداں دریں زماں از جہت شیوع واشتہار احکام شریعت وتستر بحال زناں اولیٰ است۔

ترجمہ:۔ جماعت کے لئے عورتوں کا مسجد میں آنا اس زمانہ میں مکروہ ہے، کیونکہ فساد و فتنہ کا خطرہ ہے، عہد نبوی میں نکلنے کی اجازت شریعت کی تعلیم کے حصول کی غرض سے تھی اور اب وہ غرض باقی نہیں ہے اس لئے کہ احکام

شرایت آج کل عام طور پر شائع ہیں اور عورتوں کا پردہ میں ہی رہنا مناسب اور بہتر ہے (اشعة اللمعات ص ۲۴۳ قلمی باب الجماعة وفضلها) فقط والله اعلم بالصواب وعلمه اتم واحکم وهو الهادی الی الصراط المستقیم.

قبرستان کی خالی جگہ میں عید کی نماز پڑھنا اور اس جگہ کو مصلحتاً عیدگاہ بنانا:

(سوال ۱۴۷) ہمارے یہاں عیدگاہ کے سلسلے میں کچھ جھگڑا ہو گیا ہے، آپ اس کا فیصلہ فرمائیں: ہمارے یہاں قبرستان بہت وسیع ہے اس کی غیر مستعمل جگہ میں تین چار برس سے کمیٹی کا عیدگاہ بنانے کا ارادہ ہے چونکہ یہ جگہ قبرستان کے لئے وقف ہے شرعی مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کام نہ ہوا، اس سال عید الاضحیٰ کے وقت بعض نوجوانوں نے ہمت کر کے شہر کے قبرستان کی خالی جگہ میں (جو بہت وسیع اور غیر مستعمل ہے) عیدگاہ بنانے کی نیت کے بغیر عید کی نماز پڑھنے کا ارادہ کیا اور کمیٹی اور متولیوں کے مشورہ کے بعد یہ طے ہو گیا کہ عید کی نماز امسال قبرستان کی جگہ میں عید کی نماز صحیح نہیں ہوتی اور عیدگاہ کی نیت کئے بغیر میدان میں جو نماز ادا کی جائے گی اس پر سنت کا ثواب نہیں ملے گا، اس قسم کے شک وشبہات پیدا کر کے وہاں عید کی نماز ادا کرنے سے انکار کیا اور یہ مطالبہ کیا کہ مسجد کا معین امام ہم کو اسی جگہ نماز پڑھاوے، کمیٹی والوں نے جواب دیا کہ اس پر ہم مسجد کے امام کو مجبور نہیں کر سکتے، اگر تم لوگ مسجد ہی میں نماز پڑھنے پر مصر ہو تو اپنے امام کا خود انتظام کرلو، چنانچہ ان لوگوں نے اپنا الگ امام تلاش کر کے مسجد ہی میں عید کی نماز پڑھی، اب دریافت طلب امور یہ ہیں (۱) نماز عید مسجد میں پڑھنا بہتر ہے یا شہر کے باہر عیدگاہ میں۔ (۲) خالی میدان میں یا میونسپل کی زمین میں عیدگاہ بنانے کی نیت کے بغیر نماز عید پڑھی جائے تو سنت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ (۳) قبرستان کی غیر مستعمل زمین پر نماز عید پڑھی جائے تو ادا ہوگی یا نہیں؟ اور اس جگہ نماز عید پڑھنے سے سنت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟۔ (۴) قبرستان کی وقف زمین اس قدر وسیع ہے کہ اس کا ایک معتد بہ حصہ سو دو سو برس تک مردوں کے دفنانے کے کام نہیں آئے گا، تو ایسی خالی جگہ پر عیدگاہ بنانے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اگر عیدگاہ نہ بنائی گئی تو خطرہ ہے کہ یہ جگہ حکومت کی نظر بد سے محفوظ نہ رہ سکے (۵) یہاں فرنچ گورنمنٹ کا یہ قانون ہے کہ زمین کا کوئی مالک نہ ہو اور وہ تیس برس تک ایسی ہی پڑی رہے اور پڑوسی اس کی نگرانی کرتا رہے، تیس برس کے بعد وہ پڑوسی اگر حکومت سے وہ زمین طلب کرے تو حکومت وہ زمین اس کو دے دیتی ہے، اسی قانون کے مطابق قبرستان کے پڑوس کی زمین قبرستان کو وقف میں ملی ہے، اس زمین پر عید کی پڑھی جائے تو صحیح ہے یا نہیں؟ (۶) کسی میدان میں عید کا انتظام ہے پھر بھی کوئی مسجد میں عید کی نماز بلا عذر ادا کرے تو کیا یہ مکروہ ہے؟ بینوا توجروا.

(الجواب) ہر ایک شہر میں عیدگاہ کا ہونا ضروری ہے، عیدگاہ میں عید کی نماز ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے،[1] رسول کریم ﷺ عید کے دن مسجد نبوی چھوڑ کر عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام کے عمل سے عیدگاہ کی اہمیت معلوم ہو سکتی ہے، پچھلے لوگوں کا عمل ہمارے لئے حجت نہیں، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ

(۱) والخروج الیها ای الجبانة لصلاة العید سنة وان وسعهم المسجد الجامع وهو الصحیح، درمختار مع الشامی باب العیدین ج ۱ ص ۷۷۶ وقد کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یخرج فی صلاة العید الیه هو موضع معروف بالمدینة بینه وبین باب المسجد الف ذراع کما فی العینی علی البخاری طحطاوی علی مراقی الفلاح. باب العیدین ص ۲۹۰.

رحیمیہ جلد اول ص ۲۷۵ اردو۔ جدید ترتیب کے مطابق ج ۶ صنے پر ملاحظہ فرمائیں۔ مصحح)

جب تک عیدگاہ کے لئے موزوں جگہ میسر نہ آئے تو جنگل وغیرہ میں نماز عید کے لئے کوئی جگہ اس کے مالک، یا منتظمین یا حکومت کی اجازت سے متعین کی جا سکتی ہے قبرستان وسیع ہے تو خالی جگہ جہاں قبریں نہ ہوں یا ہوں مگر دور ہوں یا دیوار کی آڑ میں ہوں تو اس جگہ اگر عارضی طور پر نماز پڑھی جائے تو قابل مواخذہ نہیں ہے بلکہ اگر یہ مقصد ہو کہ شہر کے باہر ایک عظیم وکثیر جماعت کے ساتھ نماز عید پڑھنے سے اسلام کی شان وشوکت معلوم ہوگی اور لوگوں کے اندر عید گاہ میں نماز پڑھنے کا شوق پیدا ہوگا۔ اور شرعی عیدگاہ بنانے کی فکر کریں گے تو عند اللہ ماجور ہوں گے انشاء اللہ۔ مگر قبرستان کی وقف جگہ میں عیدگاہ بنانا درست نہیں ہے منع ہے، لیکن قبرستان کی وقف جگہ وسیع ہے مردوں کو دفنانے کے لئے اس خالی جگہ کی نہ فی الحال ضرورت ہے نہ آئندہ ضرورت پڑے گی اور خالی پڑی رہنے سے سرکار کی نظر بد سے محفوظ نہ رہے گی اور مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں خالی جگہ پر شرعی عیدگاہ بنانے کی گنجائش ہے، جو جگہ کسی کی ملکیت نہ ہو اور وقف بھی نہ ہو وہ سرکاری زمین ہے، اور گورنمنٹ کو مذہبی کاموں میں دینے کا اختیار ہے۔ لہذا جو جگہ سرکار کی طرف سے قبرستان کو ملی ہے وہ بھی وقف ہے اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اتنا جواب انشاء اللہ دونوں گروہ کے لئے کافی ہے خدا تعالیٰ آپ لوگوں میں اخلاص اور باہمی اتفاق کی فضا پیدا کرے۔ آمین فقط واللہ اعلم۔

ہر شہر کی عیدگاہ الگ ہونی چاہئے:

(سوال ۱۴۸) ہمارے شہر میں عیدگاہ کے لئے ایک زمین خریدی گئی مگر یہ زمین ہمارے شہر کی فنا میں نہیں ہے بلکہ دوسرے شہر کی فنا میں ہے، تو کیا دوسرے شہر کی فنا میں ہمارے شہر کی عیدگاہ بنا سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ہر ایک شہر کی عیدگاہ الگ ہونی چاہئے، دوسرے شہر کی فنا میں جو عیدگاہ بنے گی وہ اسی شہر کی عیدگاہ شمار ہوگی مگر آپ کی نماز صحیح ہو جائے گی، لہذا آپ لوگ اپنے شہر کی فنا میں عیدگاہ بنانے کی کوشش کریں، جب تک عیدگاہ نہ بنے آبادی سے باہر کوئی جگہ متعین کی جائے، اگر موزوں جگہ نہ مل سکے تو شہر کی جامع مسجد میں عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیمار اور ضعیفوں کے لئے جامع مسجد میں عید کی نماز کا انتظام کرنا:

(سوال ۱۴۹) ہمارے قصبہ میں ہندو اور مسلمانوں کے مکانات ملے جلے ہیں، قصبہ میں دو مسجدیں ہیں اور عیدگاہ بھی ہے لیکن بعض دور رہنے والوں کو عیدگاہ دو کلومیٹر دور پڑتی ہے، عید کی نماز صرف عیدگاہ میں ہوتی ہے، بہت سے بوڑھے، مریض اور کمزور لوگ سواری کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے عیدگاہ نہیں پہنچ سکتے اور عید کی نماز سے محروم رہتے ہیں کیا ایسے بوڑھے مریض اور کمزور لوگوں کی خاطر عیدگاہ کے علاوہ شہر کی جامع مسجد میں عید کی نماز کی ادائیگی کا انتظام شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عید کی نماز عیدگاہ ہی میں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، لیکن جو ضعیف مریض اور معذور لوگ عیدگاہ نہ جا سکیں، ان کے لئے شہر کی جامع مسجد میں عید کی نماز کا انتظام کرنا جائز ہے، کبیری میں ہے۔ **فان ضعف القوم عن الخروج**

امر الا مام من یصلی بھم فی المسجدروی ذلک عن علی رضی اللہ عنہ (کبیری ص ۵۲۹ صلاۃ العید) شامی میں ہے۔وفی الخانیۃ السنۃ ان یخرج الا مام الی الجبانۃ ویستخلف غیرہ لیصلی فی المصر با لضعفاء بناءً علیٰ ان صلوۃ العیدین فی موضعین جائزۃ بالا تفاق الخ (شامی ج ۱ ص ۷۷ باب العیدین)

مجالس الابرار میں ہے:۔ ثم الخروج الی الجبانۃ سنۃ وان وسعھم الجامع لکن یستخلف الا مام من یصلی فی المصر بالضعفاء والمرضی بنا ءً علی ان صلوٰۃ العید فی الموضعین جائزۃ بالا تفاق.

ترجمہ:عیدگاہ جانا مسنون ہے اگرچہ جامع مسجد میں سب کی گنجائش ہو،لیکن امام کسی کوخلیفہ بنادے جوشہر کے اندر ضعیفوں اور بیماروں کو نماز پڑھاوے،اس بناپر کہ عید کی نماز ایک شہر میں دوجگہ بالاتفاق جائز ہے(مجالس الابرار ص۲۱۲،ص۲۱۳ مجلس نمبر۳۲)فقط واللہ اعلم۔

عید کی نماز میں شافعی امام کی اقتدا کرنا:

(سوال ۱۵۰) کوئی حنفی عید کی نماز میں شافعی امام کی اقتداء کرے تو زیادہ تکبیروں میں امام کی متابعت کرے یانہیں؟ حنفی مذہب میں تو چھ تکبیریں ہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں تو حنفی مقتدی کیا کرے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عید کی نماز میں حنفی شافعی امام کی اقتدا کرے تو زائد تکبیروں میں بھی امام کی متابعت کرے۔ولو زاد تابعہ الی ستۃ عشرٍ لانہ مسنون (درمختار مع الشامی ج ۱ص ۷۰۸ باب العیدین)فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عیدالاضحیٰ کی نماز سے پہلے نہ کھانا مستحب ہے:

(سوال ۱۵۱) عیدالاضحیٰ کے دن مستحب یہ ہے کہ عید کی نماز تک کھانے پینے سے رکا رہے یہ حکم کس کے لئے ہے؟ جو قربانی کرنے والا ہے اس کے لئے یا سب کے لئے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ حکم صرف قربانی کرنے والے کے لئے نہیں ہے،سب کے لئے ہے مستحب یہ ہے کہ روزہ دار کی طرح رہیں اور عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد کھائیں پئیں،اور اگر اپنے گھر قربانی ہے تو اپنی قربانی سے کھائے،بلا عذر نماز سے پہلے کھانا مکروہ ہے کبیری میں ہے۔والمستحب یوم الا ضحیٰ تاخیر الا کل الی مابعد الصلوٰۃ لما فی الترمذی کان علیہ الصلوٰۃ والسلام لا یخرج یوم الفطر حتی یطعم ولا یطعم یوم الا ضحیٰ حتی یصلی وقیل ھذا فی حق من یضحی لا فی حق غیر والا ول اصح . والا صح انہ یکرہ الا کل قبل الصلوۃ ھنا (کبیری ص ۵۲۴ صلاۃ العید)فقط واللہ اعلم بالصواب.

امام نے دوسری رکعت میں چھٹی ہوئی تکبیر کہی،اس وقت مقتدیوں نے رکوع کرلیا تو؟:

(سوال ۱۵۲) عید کی نماز کی میں امام صاحب پہلی رکعت میں زائد تکبیروں میں سے ایک تکبیر بھول گئے یعنی تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھنے کے بجائے دوسری تکبیر کے بعد ہی ہاتھ باندھ لیا،پھر دوسری رکعت میں قراءت کے بعد

زائد تکبیروں میں ایک کا اضافہ کر دیا یعنی چوتھی کے بجائے پانچویں پر رکوع کیا اور مقتدیوں نے چوتھی کے بعد رکوع کر لیا تو کیا نماز ہوگئی یا دہرانا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں امام پانچویں تکبیر کہہ کر رکوع میں مقتدیوں کے ساتھ مل گیا تو نماز صحیح ہو جائے گی جب کہ سجدۂ سہو کر لے لیکن اگر مجمع عظیم ہو، سجدہ سہو کرنے میں انتشار اور گڑبڑ ہو جانے کا اندیشہ ہو تو سجدۂ سہو معاف ہو جاتا ہے، نماز ہو جانے گی، اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔[1] **فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲ شوال المکرم ۱۴۰۰ھ۔**

عید کے روز نماز عید سے پہلے نفل کا حکم:

(سوال ۱۵۳) عید کے روز نماز عید سے پہلے مسجد میں نفل نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر مکروہ ہے تو تنزیہی یا تحریمی؟

(الجواب) نہیں پڑھ سکتے، پڑھنا مکروہ تحریمی ہے طحطاوی میں ہے۔ **قولہ (فانہ مکروہ) ای تحریما علی الظاهر الخ (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۵۶۲ باب العیدین) فقط واللہ اعلم بالصواب۔**

حنفی کا اقتداء کرنا شافعی کے پیچھے:

(سوال ۱۵۴) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ شافعی مذہب کے مطابق پہلی رکعت میں سات ۷ اور دوسری رکعت میں پانچ ۵ تکبیرات عید کہی جاتی ہیں اور حنفی مذہب کے مطابق دونوں رکعتوں میں کل چھ تکبیرات ہیں تو اس حال میں حنفی مقتدی شافعی مذہب کے مطابق بارہ تکبیرات کہے یا تین تین تکبیرت کہہ کر خاموش رہے۔

(الجواب) حنفی مقتدی اگر شافعی امام کے پیچھے عید کی نماز پڑھے تو اس کو تکبیرات عید میں اتباع شافعی امام کی کرنی چاہئے۔ لیکن شافعی وغیرہ امام کی قنوت فجر دائمی میں اور رفع یدین میں اور نماز جنازہ میں چار سے زائد تکبیر میں اتباع نہ کی جائے کہ منسوخ ہیں۔ **ولهذا لو اقتدی بمن یرفع یدیه عند الرکوع او بمن یقنت فی الفجر او بمن یری تکبیرات الجنازہ خمسة لا یتابعه لظهور خطاءه بیقین لان ذلک کله منسوخ بدائع اقول یوخذ منه ان الحنفی اذا اقتدی بشافعی فی صلاۃ الجنازۃ یرفع یدیه لانه مجتهد فیه فهو غیر منسوخ لانه قد قال به ائمة بلخ من الحنفیة وسیاتی تمامه فی الجنائز وقدمناه فی اواخر بحث واجبات الصلاۃ (درمختار و شامی ج ۱ ص ۷۸۰ باب العیدین)**

نماز عید کی دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے تکبیرات کہے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۱۵۵) امام صاحب نے عید کی دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے تکبیرات کہیں تو نماز ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) نماز صحیح ہے **فان قدم التکبیرات علی القرأۃ فیها جاز۔** (نور الایضاح ص ۱۲۸ باب العیدین)

---

(۱) قال فی البدائع اذا ترکها او نقص منها او زاد علیها او اتی بها فی غیرها موضعها فانه یجب علیه السجود کذا فی البحر الرائق السهو فی الجمعة والعیدین والمکتوبة والتطوع واحد الا ان مشائخنا قالوا لا یسجد للسهو فی العیدین والجمعة لئلا یقع الناس فی الفتنة کذا فی المضمرات ناقلا عن المحیط فتاویٰ عالمگیری سجود السهو ج ۱ ص ۱۲۸۔

نماز عید کی پہلی رکعت میں تکبیرات زوائد بھول جائے:

(سوال ۱۵۶) امام صاحب نماز عید کی پہلی رکعت میں تکبیرات زوائد بھول گئے تو اب کیا کریں؟

(الجواب) اگر سورۂ فاتحہ کا کچھ حصہ یا پوری سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد یاد آئے تو تکبیرات کہہ کر سورۂ فاتحہ دوبارہ پڑھے اور اگر سورۂ فاتحہ اور سورۃ پڑھنے کے بعد یاد آئی تو صرف تکبیرات کہے قرأت کا اعادہ نہیں ہے (مجالس الابرار) ولو نسی التکبیر فی الرکعۃ الاولی حتی، قرأ بعض الفاتحۃ او کلھا ثم تذکر یکبر و یعید الفاتحۃ و ان تذکر بعد قراءۃ الفاتحۃ والسورۃ یکبر ولا یعید القرأۃ لا نھا تمّت ولا ن التام لا یقبل النقص مالا عادۃ الخ (مجالس الابراء م ۳۲ ص ۲۱۳) (کبیری ص ۵۲۹)

عیدگاہ میں دوبارہ جماعت کرنا:

(سوال ۱۵۷/۱) عید کی جماعت فوت ہو جائے تو عیدگاہ میں جماعت ثانیہ کرنا کیسا ہے؟

(الجواب) عیدگاہ میں دوسری جماعت کرنا مکروہ ہے۔ جن کی نماز فوت ہوئی ہو وہ اس مسجد میں جا کر نماز با جماعت ادا کریں جہاں نماز عید نہ ادا کی گئی ہو۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(سوال /۲) جب نماز عید کے لئے عیدگاہ جانا مسنون ہے تو وہاں نہ جانے والا عاصی ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) ہاں نماز عید الفطر و عید الاضحیٰ کے لئے عیدگاہ جانا سنت ہدی اور سنت مؤکدہ ہے بلا عذر نہ جانے والا تارک سنت، قابل ملامت اور لائق عتاب ہے اور عادی اس کا گنہگار ہے، بحر الرائق میں ہے۔ حتی لو صلی العید فی الجامع ولم یوجہ الی المصلی فقد ترک السنۃ (ج۲ ص ۱۵۹ باب العیدین طحطاوی ج ۱ ص ۵۶۰۔ کبیری۔ص ۵۲۹۔ عمدۃ الرعایۃ ج۲ ص ۲۴۵ وغیرہ) اور تلویح میں ہے ترک السنۃ الموکدہ قریب من الحرام یستحق حرمان الشفاعۃ اور درمختار میں ہے (ترجمہ) مکروہ تحریمی کا مرتکب گنہگار ہوتا ہے جیسا کہ تارک واجب گنہگار ہوتا ہے اور سنت مؤکدہ کا حکم بھی مثل واجب کے ہے (شامی ج۵ ص ۲۹۵ کتاب الحضر والاباحۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز عید کے لئے حجرہ کرایہ پر لینا:

(سوال ۱۵۸) ہم انگلینڈ میں ''لسٹر'' نامی مقام میں رہتے ہیں اور یہاں سے مسجد پچاس میل دور دوسرے شہر میں ہے اور وہ مسجد بھی عید، جمعہ وغیرہ میں مصلیین کے لئے ناکافی ہے، وہاں کے باشندوں کو بھی نماز عید کے لئے کرایہ پر مکان رکھنا پڑتا ہے معاً ہم میں اتنی استطاعت نہیں کہ کوئی وسیع جگہ خرید یں لہذا اگر ہم کوئی حجرہ کرایہ پر لے کر نماز عید اس میں ادا کریں تو شرعاً اس میں کوئی حرج تو نہیں؟

نوٹ:۔ ہر عید کے موقع پر ہم یہاں حجرہ کرایہ پر لے کر نماز اس میں ادا کرتے ہیں کیونکہ یہاں دو تین مسلمانوں کے

---

(۱) ولا یصلیھا وحدہ ان فاتت مع الامام ولو بالا فساد اتفاقا فی الا صح کما فی تمیم البحر وفیھا بلغزای رجل فسد صلاتہ واجبۃ علیہ القضاء ولا قضاء، ولو امکنہ الذھاب الی امام آخر فعل لأ نھا تؤدی بمصر واحد فی مواضع کثیرہ اتفاقا شامی باب العیدین ج ۱ ص ۷۸۳

اپنے خود کے مکان میں بھی ہیں مگر ان میں جگہ ناکافی ہوتی ہے نیز حجرہ وقف کرنے کی ہماری استطاعت نہیں اس لئے حجرہ کرایہ پر لے کر نماز ادا کی جاتی ہے۔

(الجواب) نماز جمعہ وعید کے صحیح ہونے کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں۔ شہر اور فناء شہر میں پڑھ سکتے ہیں (ھدایہ ج ۱ ص ۱۸۳)[1] (طحطاوی علی مراقی الفلاح ۲۹۳) جائے نماز کا وقف ہونا بھی ضروری نہیں، ذاتی مکان اور کرایہ کے حجرہ میں بھی ادا ہو جاتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اذن عام ہو یعنی سب مسلمانوں کو وہاں نماز پڑھنے کی اجازت ہو (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۶۱ باب الجمعۃ) لہذا آپ حضرات مسجد بننے تک اپنے گھروں میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ نماز کے لئے کوئی مکان یا حجرہ خاص کر لیا جائے جہاں اذان واقامت کے ساتھ نماز باجماعت ادا کر سکیں اور جمعہ وعیدین میں اگر جگہ ناکافی ہو تو زائد لوگ باہر اطراف میں روڈ وغیرہ پر چٹائی بچھا کر نماز پڑھ سکتے ہیں۔

(سوال ۱۵۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عیدین کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا سنت موکدہ ہے یا غیر موکدہ یا افضل؟

(۲) اگر سنت موکدہ ہے تو اس کا چھوڑنے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟

(۳) اگر سنت مؤکدہ ہو تو اس کے دلائل فقہ کی معتبر کتابوں سے حوالۂ صفحات کے ساتھ تحریر کریں۔

بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) (۳) عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا سنت موکدہ متوارثہ ہے۔ آنحضور ﷺ مسجد نبوی کی فضیلت کے باوجود علی سبیل المواظبت بر سبیل عبادت عیدین کی نماز عیدگاہ میں ادا فرماتے رہے صرف ایک دفعہ بوجہ بارش آپ ﷺ نے مسجد میں پڑھی ہے۔ "زادالمعاد" میں ہے۔ کان صلی اللہ علیہ وسلم یصلی العیدین فی المصلیٰ (الی قولہ) ولم یصلی العید بمسجد الا مرة واحدة اصابهم مطر فصلی بهم العید فی المسجد (ج ۱ ص ۱۲۴) اور کتاب المدخل میں ہے۔ السنة المرضية فی صلوٰة العيدين ان تكون فی المصلی . لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوٰة فی مسجدی هذا افضل من الف صلوٰة فيما سواه الا المسجد الحرام ثم مع هذه الفضيلة العظيمة. خرج صلی اللہ علیہ وسلم الی المصلی و ترك المسجد فهو دليل واضح علی تاكيد امر الخروج الی المصلیٰ صلوٰة العيدين فهي سنة (ج ۲ ص ۸۳) لكن الخروج الی الجبانة سنة مؤكدة الخ عمدة الرعاية علیٰ شرح الوقاية ج ۱ ص ۲۰۵ فصل العيدين)

(۲) نماز عید کے لئے عیدگاہ جانا سنت موکدہ ہے۔ بلا عذر اس کا تارک لائق ملامت اور مستحق عتاب ہے اور ترک کا عادی گنہگار ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے " ویاثم بارتکابه کما یاثم بترک الواجب ومثله السنة المؤكدة. "یعنی مکروہ تحریمی کے ارتکاب سے آدمی گنہگار ہوتا ہے۔ جس طرح ترک واجب سے گنہگار ہوتا ہے اور سنت موکدہ کا بھی یہی حکم ہے (شامی ج ۵ ص ۲۹۵ کتاب الحظر والا باحة) شہر سے عیدگاہ دور ہونے کی وجہ

---

(۱) لا تصح الجمعة الا فی مصر جامع اوفی مصلی المصرولا تجوز فی القری لقوله علیه السلام لا جمعة ولا تشریق ولا اضحی الا فی مصر جامع من یجوز فی جمیع افنیة المصر باب صلاة الجمعة .طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۹۳)

سے ضعیفوں اور بیماروں کو تکلیف ہوتی ہو تو ان کے لئے مسجد میں انتظام کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے **ثم الخروج الی الجبانہ سنۃ وان وسعھم الجامع لکن یستخلف الا مام من یصلی بالضعفاء والمرضیٰ بناءً علی ان صلوٰۃ العید فی الموضعین جائزۃ بالا تفاق الخ** یعنی عیدگاہ جانا سنت ہے اگر چہ جامع مسجد میں سب کی گنجائش ہو جاتی ہو البتہ امام کسی کو اپنا نائب یا خلیفہ بنا جائے جو شہر میں کمزوروں اور بیماروں کو نماز پڑھائے اس لئے کہ عید کی نماز ایک شہر میں دو جگہ بالاتفاق جائز ہے (مجالس الابرار م ۳۳ ص ۲۱۲) (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۲۳) (کبیری ص ۵۲۹) (فتاویٰ سراجیہ ص ۱۸) واللہ اعلم بالصواب۔

تکبیرات عید بھول جائے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۱۶۰) اگر امام عید کی نماز میں دوسری رکعت میں تکبیرات زوائد بھول جائے تو رکوع میں یاد آتے ہی کھڑے ہو کر تکبیرات کہہ لیں تو نماز فاسد ہو گی یا نہیں؟ کیونکہ فرض چھوڑ کر واجب کی طرف لوٹنا لازم آتا ہے!

(الجواب) صورت مسئولہ میں نماز فاسد نہیں ہوگی۔[1]

(سوال) اگر امام نماز عید میں پہلی رکعت میں تکبیرات زوائد بھول جائے اور سورۂ فاتحہ پوری یا بعض حصہ پڑھ لینے کے بعد یاد آئے تو تکبیرات کا کیا حکم ہے، کہے یا نہیں؟

(الجواب) یاد آتے ہی تکبیرات کہہ لے اور سورۂ فاتحہ دوبارہ پڑھے اور اگر سورۂ فاتحہ دونوں پڑھ لینے کے بعد یاد آئے تو فقط تکبیرات کہہ لے۔ قرأت کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔[2]

نماز عید کی ترکیب:

(سوال ۱۶۱) نماز عید کی تکبیرات میں بہت غلطیاں ہوتی ہیں یعنی کونسی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھائے اور کب نہیں، ہاتھ کب چھوڑے اور کب باندھے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا وضاحت فرمائیں۔

(الجواب) رکعت اول میں مع تکبیر تحریمہ کل چار تکبیرات ہوں گی چاروں تکبیرات میں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور پہلی اور چوتھی تکبیر کے وقت ہاتھ باندھ لے۔ یہ کلیہ یاد رہے کہ جہاں تکبیر کے بعد کچھ پڑھنا ہے وہاں ہاتھ باندھ لے اور جہاں کچھ پڑھا نہیں جاتا وہاں چھوڑ دے ملاحظہ ہو:۔[3]

تکبیر اولیٰ۔	ہاتھ اٹھا کر باندھ لے	(ثنا پڑھی جاتی ہے)
تکبیر ثانیہ۔	ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دے	

---

(۱) وذکر فی کشف الاسرار ان الامام اذا سہا عن التکبیرات حتی رکع فانہ یعود الی القیام الخ فتاویٰ عالمگیری سجود السہو ج ۱ ص ۱۲۸۔

(۲) وفی المحیط لذیراء الامام بالقرأۃ سہوا ثم تذکرہ فان فرغ من قرأۃ الفاتحۃ والسورۃ یمضی فی صلاتہ وان لم یقرء الا الفاتحۃ کبر واعاد القرأۃ لزوما بحر الرائق باب العیدین ج ۲ ص ۱۶۰۔

(۳) ویرفع یدیہ فی الزوائد وان لم یری امامہ ذلک الا اذا کبر راکعا فلا یرفع یدیہ علی المختار لأن اخذ الرکعتین سنۃ فی محلہ لیس بین تکبیراتہ ذکر مسنون ولذا یرسل یدیہ قال فی الشامی تحت قولہ ولذا یرسل یدیہ ای فی اثنآء التکبیرات ویضعھما بعد الثلاثۃ کما فی شرح المنیۃ لأن الوضع سنۃ قیام طویل فیہ ذکر مسنون ۔شامی باب العیدین ج ۱ ص ۷۸۲۔

تکبیر ثالثہ ۔　　ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دے
تکبیر رابعہ ۔　　ہاتھ اٹھا کر باندھ لے　　(قرأت پڑھی جاتی ہے)

دوسری رکعت میں بھی مع رکوع کی تکبیر کے چار تکبیرات ہوں گی۔ پہلی تین تکبیروں میں ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دے اور چوتھی میں ہاتھ اٹھائے بغیر تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں چلا جائے۔ مذکورہ طریقہ خیال میں رکھو گے تو انشاء اللہ غلطی نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

عورتوں کے لئے احکام عید:

(سوال ۱۶۲) نماز عید کے لئے جانے کا حکم عورتوں کے لئے نہیں ہے تو ان کو غسل کرنا اور لباس جدید پہننا چاہئے یا نہیں؟

(الجواب) جی ہاں عید کے روز عورتوں کے لئے بھی مستحب ہے کہ وہ غسل کریں اور عمدہ لباس پہنیں کیونکہ یہ دن خوشی اور زینت کا ہے۔ (کبیری صلاۃ العید ص ۵۲۴)

نماز عید کے بارے میں ایک اور مسئلہ:

(سوال ۱۶۳) شہر میں پچاس میل دور دس بارہ دوکانیں ہیں اور یہاں کی آبادی کم ہے دوکانداروں کے پاس جنرل ڈیلر کا لائسنس ہے اور وہ ہر سال نماز عید ادا کرتے ہیں اور خطبہ بھی ایک صاحب پڑھاتے ہیں لیکن اس کے لئے مسجد یا عبادت خانہ نہیں ہے فقط کھلے میدان میں پڑھی جاتی ہے صرف عیدین کی نماز پڑھی جاتی ہے جمعہ وغیرہ نہیں پڑھا جاتا تو نماز عید صحیح ہوگی یا نہیں؟ مقتدی حضرات صرف ۳۰۔۴۰ ہوتے ہیں!

(الجواب) صورت مسئول عنہا میں نماز عید واجب نہیں ہوتی[1] واجب یہ ہے کہ بلا تاخیر مسجد بنا کر اس میں پنجوقتہ نماز ادا کریں۔ یہ واجب ادا نہیں ہوتا تو صرف نماز عید کا شوق ایک جذباتی بات ہے مذہبی مسئلہ نہیں۔

نماز عید کے بارے میں ایک اور مسئلہ:

(سوال ۱۶۴) عید کے دن ایک دوسرے کو مبارک باد دینا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) جائز ہے۔ تقبل اللہ منا ومنکم اور آپ کو عید مبارک ہو وغیرہ الفاظ کہے (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۷۰ باب العیدین) واللہ اعلم بالصواب۔

عیدگاہ جانے سے قبل مسنون کیا ہے؟:

(سوال ۱۶۵) عیدگاہ جانے سے قبل شیر خرما کا دستور ہے دودھ خرید کر بناتے ہیں اس کی کوئی اصلیت ہے۔ جواب تحریر فرمائیں۔

---

(۱) قوله شرط ادائها المصر ای شرط صحتها ان تؤدی فی مصر حتی لا یصح فی قریة و لا مفازة لقول علی رضی الله عنه لا جمعة ولا تشریق ولا صلاة فطر و لا اضحی الا فی مصر أو مدینة عظیمة بحر الرائق ، باب صلاة الجمعة ج ۲ ص ۱۴۰

(الجواب) عیدگاہ جانے سے پہلے طاق عدد چھوارے یا کھجور ورنہ شیریں چیز کھانا مستحب ہے (درمختار مع الشامی ج۱ ص ۷۷۶)[1] شیر خرما کی خصوصیت بے اصل ہے یہ رواجی چیز ہے اس کو مسنون نہ سمجھنا چاہئے۔ (بحر الرائق ج۲ ص ۱۵۸)[2] فقط اللہ اعلم۔

عیدگاہ بننے تک کسی میدان میں نماز پڑھیں:

(سوال ۱۶۶) کسی جگہ عیدگاہ نہ ہو تو کسی میدان میں نماز ادا کرنا اچھا ہے۔ یا مسجد میں؟

(الجواب) شہر قصبہ اور وہ قریۂ کبیرہ جو مثل قصبہ ہو اور وہاں جمعہ وعیدین وغیرہ پڑھنے کی علماء نے) اجازت دی ہو۔ وہاں آبادی سے باہر جنگل میں عیدگاہ بنانا ضروری ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے عیدگاہ میں نماز عید کے لئے جمع ہونے کے وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بتلائی ہے کہ ہر ملت کے لئے ایک دن ہوتا ہے جس میں ان کی شان وشوکت ظاہر ہو اور ان کی تعداد زیادہ معلوم ہو۔ اسی وجہ سے عیدگاہ میں تمام لوگوں کے جمع ہونے کو سنت قرار دیا۔ آنحضرت ﷺ ایک راستے سے آتے تھے اور دوسرے راستے سے واپس ہوتے تھے۔ تاکہ دونوں راستوں کے باشندے مسلمانوں کی شان وشوکت اچھی طرح دیکھ لیں۔ وسن الصلوٰۃ والخطبۃ لئلا یکون شیئی من اجتماعھم بغیر ذکر اللہ وتنویہ شعائر الدین وضم معہ مقصد آخر من مقاصد الشریعۃ وھو ان کل ملۃ لا بدلھا من عرصد یجتمع فیھا اھلھا لتظھر شوکتھم وتعلم کثرتھم وکذلک استحب خروج الجمیع حتی الصبیان والنساء وذوات الخدور والحیض ویعتزلن المصلی ویشھدن دعوۃ المسلمین وکذالک کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخالف فی الطریق ذھاباً وایاباً لیطلع اھل کلتا الطریقین علی شوکۃ المسلمین ولما کان اصل العید الزینۃ استحب حسن اللباس والتقلبس ومخالفۃ الطریق والخروج الی المصلی. (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۰۵، ۱۰۶ ج۲ العیدان)

لہٰذا جس طرح ہو جلد از جلد عیدگاہ بنالیں اور جب تک عیدگاہ بنے اس وقت تک کے لئے آبادی سے باہر کوئی جگہ تجویز کرلیں۔ تمام مسلمان اسی میں نماز پڑھیں اور اجر عظیم کے حق دار بنیں انشاء اللہ سبقت کرنے والے زیادہ ثواب کے حق دار ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عیدگاہ میں نماز کے لئے لوگوں کا انتظار کرنا:

(سوال ۱۶۷) بعد سلام مسنون ذیل کے سوالات کے جوابات مع حوالہ قرآن وحدیث مرحمت فرمائیں۔

ہمارے گاؤں میں سات سو ۷۰۰، آٹھ سو ۸۰۰ مسلمان ہیں۔ گاؤں میں ایک مسجد اور ایک عیدگاہ ہے۔ بارش کے موسم کے علاوہ دوسرے اوقات میں نماز عید عیدگاہ میں ہوتی ہے۔ چند آدمی نماز عید کے لئے وقت مقرر کرتے ہیں۔ جب وقت ہوتا ہے تو اس وقت قریب بعید سے لوگ آتے ہوئے نظر آتے ہیں بعض لوگ آواز دیتے ہیں کہ نماز کا وقت قریب ہوگیا شروع کیجئے۔ امام صاحب سمجھاتے ہیں کہ ان کی نماز فوت ہوجائے گی تو یہ دوبارہ نماز عید نہ پڑھ سکیں

(۱) وندب یوم الفطر اکلہ حلواً وتدلو فروبا قبل خروجہ الی صلاتھا۔ باب العیدین. کبیری ص ۵۲۴)
(۲) واما ما یفعلہ الناس فی زماننا من جمع التمر مع اللبن والفطر علیہ فلیس لہ اصل فی السنۃ باب العیدین)

گے۔ ایسی حالت میں پانچ دس منٹ تاخیر کی جائے تو کیا حرج ہے؟ اگر تاخیر کی گنجائش ہو اور لوگوں کے کہنے پر نماز شروع کی جائے تو گنہگار کون؟ امام صاحب یا جلد بازاصرار کرنے والے۔

(الجواب) مندرجہ ذیل ہدایات پر عمل کیا جائے تو کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے گا۔

(۱) نماز عید کا وقت ایسا ہونا چاہئے کہ نماز فجر سے فارغ ہو کر بطریق مسنون لوگ تیاری کر کے عید گاہ پہنچ جائیں۔

(۲) عید کے موقعہ پر کچھ لوگوں کا پیچھے رہ جانا متوقع ہے۔ لہذا امام اور حاضرین کو چاہئے کہ عجلت نہ کریں وقت مقررہ کے بعد بھی پانچ سات منٹ ٹھیر کر نماز شروع کی جائے۔ بے شک حاضرین کو ایسے موقعہ پر ضبط اور صبر سے کام لینا چاہئے۔ امام صاحب کو مشورہ تو دے سکتے ہیں۔ لیکن نماز شروع کرنے پر اصرار نہیں کرنا چاہئے۔ امام کی بھی ذمہ داری ہے کہ حاضرین کی تکلیف کا خیال کرتے ہوئے پیچھے رہ جانے والوں کی رعایت کرے اور قرأت خطبہ میں اختصار کر کے تلافی مافات کرلے۔ سال میں دو۲ موقعے آتے ہیں کہ بے نمازی بھی شرکت کرتے ہیں۔ ضعیف بیمار اور معذورین بھی ہوتے ہیں۔ نماز فوت ہوگئی تو بڑی برکتوں سے محروم رہیں گے۔ لہذا اقدرے انتظار کیا جائے اور تعاونوا علی البر پر عمل کر کے اجر کا مستحق بنا جائے۔ البتہ جو آخری وقت میں آنے کے عادی ہیں اور ان کو حاضرین کی تکلیف کا احساس نہیں ہے۔ اور اپنی نماز کی بھی فکر نہیں ہے۔ ''جاتے ہیں جاتے ہیں۔'' اس طرح اپنا انتظار کراتے ہیں۔ ایسے غافل کاہل اور سست لوگوں کا انتظار کرنا۔ ان کی عادت کو بگاڑنا ہے۔

وفی المنتقی ان تاخیر المؤذن وتطویل القراء ۃ لا دراک بعض الناس حرام ھذا اذا مال لا ھل الدینا تطویلاً وتاخیراً یشق علی الناس فالحاصل ان التاخیر القلیل لا عانۃ اھل الخیر غیر مکروہ اھ (شامی ص ۴۶۲ ج ۱ باب صفۃ الصلاۃ مطلب فی اطالۃ الرکوع للجائی) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز عید میں بعد میں شریک ہونے والا زوائد تکبیر کب کہے؟:

(سوال ۱۶۸) عید کی نماز شروع ہوئی۔ امام صاحب نے قرأت شروع کی تو ایک آدمی آیا اور وہ بھی جماعت میں شریک ہوا۔ تو تکبیر کہے یا نہیں؟ اگر پہلی رکعت چھوٹ گئی اور دوسری رکعت میں شریک ہوا تو پہلی رکعت کس طرح پڑھے؟

(الجواب) اگر امام نے پہلی رکعت کی تکبیر کہیں بعد میں قرأت پڑھتے وقت شریک ہوا تو نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہہ کر زوائد تکبیریں کہے۔ ''درمختار'' میں ہے۔ (ولو ادرک) المؤتم (والا مام فی القیام) بعد ما کبر (کبر) فی الحال. یعنی اگر مقتدی امام کے تکبیر کہنے کے بعد حالت قیام میں شریک ہوا۔ تو فوراً تکبیرات کہے۔ (درمختار مع الشامی ص ۷۸۱ ج ۱ باب العیدین)

اور اگر دوسری رکعت میں شریک ہوا تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد رکعت فائتہ کی ادائیگی کے لئے کھڑا ہو۔ ثنا۔ تعوذ۔ تسمیہ۔ سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھے پھر رکوع سے پہلے زائد تکبیریں کہے۔ بقیہ نماز اپنے طریقہ سے پوری کرے۔ ولو سبق بر کعۃ یقرء ثم یکبر لئلا یتوالی التکبیر (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۸۲

ایضا) واللہ اعلم.

نمازعیدین کھلیان میں:

(سوال ۱۶۹) ہمارے گاؤں میں دو مسجدیں ہیں دونوں میں نماز عید ہوتی ہے چھوٹی مسجد میں تنگی ہوتی ہے۔ تو سرکاری جگہ کھلیان میں نماز عید پڑھی جائے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) ہاں! اس جگہ پر نماز عید درست ہے۔ اجازت کی ضرورت ہو تو حکومت سے اجازت حاصل کی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نمازعید کے لئے مالک زمین سے اجازت لے لینی چاہئے:

(سوال ۱۷۰) مذکورہ بالا صورت میں سرکاری پروانگی نہ ملے تو کسی کی مقبوضہ زمین میں مالک زمین کی اجازت سے عید پڑھیں تو صحیح ہے؟

(الجواب) ہاں! مالک کی اجازت لے کر نماز عید پڑھی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نمازعید دوبارہ پڑھنا:

(سوال ۱۷۱) میں نماز عید بمبئی پڑھ کر نوساری آیا۔ یہاں دوسرے دن عید ہوئی۔ تو یہاں دوسرے دن نماز عید پڑھ سکتا ہوں یا نہیں؟

(الجواب) ہاں پڑھ سکتے ہو نفل کی نیت سے پڑھلو۔ "فتاوی سراجیہ" میں ہے۔ اذا صلی العید فی بلدة ثم انتهى من الغد الى قوم يصلون صلاة العيد بلدة اخرى فصلى معهم لم يكره (ص ۱۸)

ترجمہ:۔ جب کوئی شخص ایک شہر میں نماز عید پڑھ کر دوسرے دن دوسری جگہ پہنچا وہاں نماز عید ہو رہی تھی۔ اس میں شامل ہو کر دوبارہ پڑھی تو نماز صحیح ہے۔ مکروہ نہیں ہے۔

تکبیر تشریق ایک بار کہے یا تین بار؟:

(سوال ۱۷۲) تکبیر تشریق ایک بار کہنا مسنون ہے یا تین بار؟

(الجواب) تکبیر ایک بار کہنا واجب ہے۔ تین بار کہنا مسنون نہیں ہے۔ تین بار کہنے کا قول صحیح اور مفتی بہ نہیں ہے۔ حتی لوزاد لقد خالف السنة. مجمع الانهر ج ا ص ۱۷۶ صلاة العيد فقط والله اعلم بالصواب.

ایام تشریق میں تکبیرات پڑھنے کا حکم:

(سوال ۱۷۳) ایام تشریق میں تکبیر کہنا واجب ہے یا نہیں؟ جہری کہنا چاہئے یا سری؟ جہری کہنے میں اگر کوئی اعتراض کرے کہ اس سے کسی کی نماز میں خلل آوے تو کیا ایسے موقعہ پر چھوڑ دینا چاہئے یا آہستہ پڑھے؟

(الجواب) ایام تشریق میں نماز پنجگانہ کے بعد تکبیر کہنا واجب ہے۔ "مالا بد منہ" میں ہے۔ مسئلہ۔ تکبیرات تشریق بعد

ہرنماز فرض بجماعت گزاردہ شود واجب است (ص ۶۰) اور جہرا کہنے کا حکم ہے۔'' بگوید یکبار بآواز بلند اللہ اکبر الخ'' (ص ۶۰) مسبوق وغیرہ نمازی کے ہونے پر سرا کہنے کا حکم نہیں ہے جہراً ہی کہنا چاہئے۔البتہ چلانا اور بے تکلف آواز نکالنا ہر حال میں ممنوع اور مکروہ ہے۔فقط واللہ اعلم۔

نماز عید الاضحیٰ کے بعد تکبیر تشریق پڑھے یا نہیں؟:

(سوال ۱۷۴) عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق کہے یا نہیں؟

(الجواب) یہ بھی اختلافی مسئلہ ہے۔ولا تکبیر عقیب السنن والنوافل وصلوٰة العید (فتاویٰ سراجیہ ص ۱۸) ولا یکبر عقیب الوتر وعقیب صلوٰة العید (خلاصة الفتاویٰ ص ۲۱۶ ج ۱ ومایتصل بھذا تکبیرات ایام التشریق) قوله المفروضات یحترزمن الوتر وصلوٰة العید (الجواھرة النیرہ ص ۹۶ ج ۱ باب صلاة العیدین) قوله المفروضات (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۸۳ ج ۱ ایضا) ولا یجب عقیب صلوٰ ة العید ولا عقیب الوتر ولا عقیب النوافل لان تلک الصلوات لیست بفریضة (مجالس الابرار ص ۲۳۱ م. ۳۵) صلوٰة مسعودی میں بدعت تک لکھا گیا ہے۔ولا بأس بالتکبیر عقب صلوٰة العیدین (نور الایضاح ص ۱۹۹ باب العیدین) کذافی المبسوط ابی اللیث لتوارث المسلمین ذالک (مراقی الفلاح ص ۱۰۸ ایضاً) وقید بالمکتوبة احترازاً عن الواجب کصلوٰة الوتر والعیدین وعن النافلة فلا تکبیر عقبها. وفی المجتبی والبلخیون یکبرون عقب صلوٰة العید لانها تودی بجماعة فاشبه الجمعة الخ وفی مبسوط ابی اللیث ولو کبر علی اثر صلوٰة العید لا بأس به لان المسلمین توارثوا ھکذا فوجب ان یتبع توارث المسلمین الخ (بحرالرائق ص ۱۶۵ ج ۲ ایضاً) لابأس به عقب العید لان المسلمین توارثوه فوجب اتباعهم وعلیه البلخیون (درمختار) قوله ولا بأس الخ (۱) کلمة لا بأس قد تستعمل فی المندوب کما فی البحر من الجنائز والجهاد ومنه هذا الموضع لقوله فوجب اتباعهم (قوله فوجب)الظاهر ان المراد بالوجوب المثبوت لا الوجوب المصطلح علیه وفی البحر عن المجتبیٰ والبلخیون یکبرون عقب صلوٰ ة العید لا نها تودی بجماعة فاشبهت الجمعه وهو یفید الوجوب المصطلح علیه (درمختار مع الشامی ص ۷۸۷ ج ۱ ایضا)فقط واللہ اعلم بالصواب .

نماز عید قربان سے پہلے کھانا:

(سوال ۱۷۵) عید الاضحیٰ کے دن قربانی کرنے والے کے لئے نماز عید سے پہلے کھانا کیسا ہے؟

(الجواب) بعض نے مکروہ لکھا ہے اور بعض نے عدم کراہیت کی تصریح کی ہے۔دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جو مکروہ کہتے ہیں اس سے مراد مکروہ تنزیہی ہے اور جو کراہت کی نفی کرتے ہیں۔اس سے مراد کراہیت تحریمی ہے۔ولا یکره الاکل قبلها فی المختار ای تحریماً .(در المنتقی. شرح المنتقی. مجمع الانهر ص ۱۷۵ ج ۱ باب العید) فقط واللہ اعلم بالصواب.

''تکبیر تشریق کے متعلق''

(سوال ۱۷۶) تکبیر تشریق جو عرفہ کے روز نماز فجر سے لے کر ہر فرض نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ یہ تکبیر چھوٹے گاؤں میں جہاں پر عید کی نماز شریعت کے حکم کے مطابق صحیح نہ ہو وہاں پر پڑھنا کیسا ہے؟ بعضوں کا کہنا ہے کہ گاؤں میں تکبیر تشریق نہیں پڑھ سکتے بہشتی زیور میں بھی ہے کہ جہاں پر چھوٹی بستی نہ ہو شہر یا قصبہ ہو وہاں پر پڑھنا واجب ہے۔ لہذا آپ تفصیل سے بیان کریں کہ گاؤں میں واجب نہیں ہے تو پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اس کی تشریح مع حوالہ کتب مطلوب ہے۔

(الجواب) صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کی تحقیق کے مطابق جن لوگوں پر نماز فرض ہے ان پر تکبیر تشریق بھی واجب ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، مقیم ہو یا مسافر، با جماعت سے پڑھی یا بلا جماعت، شہر ہو یا گاؤں اسی پر عمل اور فتویٰ ہے **والفتوی علی قولهما حتی یکبر المسافر واهل القری ومن صلی وحده** (الجوهرة النيرة ج ۱ ص ۹۲ باب صلاة العيدين)(فتح القدير ج ۲ ص ۴۹ باب صلوة العيدين)

مجالس الابرار میں ہے **والعمل فی هذا الزمان علی قولهما احتیاطاً فی باب العبادات** (م ۵۳ ص ۲۳۱) ''اور عمل اس زمانے میں صاحبینؒ کے قول پر ہے، عبادات کے باب میں احتیاط کے لحاظ سے'' فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بڑے شہر میں متعدد جگہ عید کی نماز اور عید گاہ قائم کرنا:

(سوال ۱۷۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں۔ (۱) ہمارا شہر درمیان میں ایک ندی ہونے کی وجہ سے دو حصوں میں منقسم ہے جانب شمال میں مسلم آبادی کی تعداد کثیر ہے بخلاف جانب جنوب کے وہاں نسبۃً تعداد کم ہے لیکن عید گاہ جانب جنوب شہر کے باہر ہے جس کی وجہ سے ضعفاء وغیرہ کے پہنچنے میں دشواری کے ساتھ ایک حصہ بالکل خالی ہو جاتا ہے، وقتی کسی حادثہ یا ضرورت (بیماری، موت، آگ، وغیرہ) پڑنے پر ایک آدمی کا ملنا بھی مشکل ہے سوائے بچے اور عورتوں کے کوئی مرد اس وقفہ میں نہیں مل سکتا، نیز بعض محلے ایسے بھی ہیں کہ جہاں سے عید گاہ کا فصل تقریباً چار کلومیٹر ہے، ان اعذار کے تحت شہر کے شمالی جانب کے مسلمانوں کی خواہش ہے کہ عید گاہ کے علاوہ جانب شمال میں بھی تین بڑی مسجدیں موجود ہیں (۱) جامع مسجد (۲) انالہ مسجد (۳) اول دروازہ مسجد اور ان تینوں مسجدوں میں جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ عید گاہ کے علاوہ شہر کی مذکورہ بالا مسجدوں میں عیدین کی نماز قائم کر سکتے ہیں یا نہیں، مدلل ومکمل جواب مرحمت فرمائیں۔

(۲) کسی بھی شہر میں عید گاہ کے علاوہ متعدد جگہوں پر عیدین کی نماز قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جیسا کہ فی زمانا ہر شہر میں متعدد جگہوں پر عیدین کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱-۲) عید کی نماز ضعفاء ومعذورین شہر کی مسجد میں ادا کر سکتے ہیں، شرعاً اجازت ہے، فقہاء رحمہم اللہ نے لکھا ہے **ولهذا كان علی رضی الله عنه يصلی العيد فی الجبانة ای المصلی ويستخلف من يصلی**

بالناس بالمدينة (الا ختيار شرح المختار ج ۱ ص ۸۳ باب صلوة الجمعة) اور باب صلوة العيدين میں ہے۔ وينبغي ان يستخلف من يصلي باصحاب العلل في المصر لما روينا عن علي رضي الله عنه وان لم يفعل جاز (الا ختيار شرح المختار ج ۱ ص ۸۷) مجالس الابرار میں ہے ثم الخروج الى الجبانة سنة وان وسعهم الجامع لكن يستخلف الامام من يصلي في المصر بالضعفاء والمرضىٰ بناء على ان صلوة العيد في الموضعين جائزة بالا تفاق بخلاف الجمعة مجالس الابرار ص ۲۱۲، ۲۱۳ مجلس نمبر ۳۴) شامی میں ہے ويستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء بناء على ان صلوة العيدين في الموضعين جائزة بالاتفاق وان لم يستخلف فله ذلك اھ (شامی ج ۱ ص ۷۷۷ باب العيدين)

مذکورہ بالا عبارتوں سے مستفاد ہوتا ہے کہ آپ کے یہاں ضعفاء ومعذورین کے لئے جانب شمال جامع مسجد وغیرہ میں نماز عید بلا کراہت درست ہے جب کہ شہر بڑا اور دور دور تک لوگ آباد ہوں، اور اگر کسی حادثہ کا قوی اندیشہ متوقع ہو تو بطریقۂ اولیٰ جائز ہونا چاہئے بلکہ ضروری ہوگا اور دائمی خطرہ کی صورت میں اس جگہ عیدگاہ بنانا چاہئیں تو اس کی بھی اجازت ہوگی نہر حائل ہونے کی وجہ سے کموضعین کہا جاسکتا ہے۔ قال محمد لا باس بصلاة الجمعة في المصر في موضعين وثلاثة ولا يجوز اكثر من ذلك لان المصر اذا بعدت اطرافه شق على اهله المشي من طرف الى طرف فيجوز دفعا للحرج وانه يندفع بالثلاث فلا حرج بعدها الى قوله وقال ابو يوسفؒ كذلك الى ان يكون بين الموضعين نهر فاصل كبغداد لانه يصير كمصرين الخ .(الا ختيار شرح المختار ج ۱ ص ۸۳ باب العیدین

اس کے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔ اور اگر شہر بڑا ہو اور تمام معذورین کا ایک مسجد میں جمع ہونا بھی بعد اطراف شہر کی وجہ سے مشکل ہو تو دو تین مسجدوں میں نماز عید ہو سکتی ہے۔ (کفایت المفتی ج ۳ ص ۲۴۹) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عیدگاہ اور عید کی نماز سے متعلق چند اہم مسائل:

(سوال ۱۷۸) عیدگاہ سے متعلق چند مسائل دریافت طلب ہیں۔

(۱) شہر سے باہر مسلمانوں کے لئے ایک عیدگاہ کافی ہو تو بلا ضرورت دوسری عیدگاہ بنانا درست ہے یا نہیں؟

(۲) چھوٹی بستی یا دیہات جہاں کے مسلمان قصبہ میں آ کر قصبہ کی مسجد میں نماز عید ادا کرتے ہیں تو ان دیہات والوں پر عیدگاہ بنانا ضروری ہے یا نہیں؟ اور عیدگاہ نہ بنانے کی وجہ سے یہ لوگ تارک سنت ہوں گے یا نہیں؟

(۳) مقامی غیر مسلموں کے ناروا رویہ یا حکومت کے کسی ناشائستہ طرز عمل کی مذمت میں احتجاجاً عیدگاہ میں نماز نہ پڑھنے کی گنجائش ہے؟

(۴) حکومت کے مسلم آزار رویے کے خلاف اظہار ناراضگی کے لئے بازوؤں میں سیاہ پٹی لگا کر نماز عید ادا کرنا کیسا ہے؟

(۵) سہولت کے لئے ایک ہی شہر میں کئی عیدگاہ بنانا کیسا ہے؟

(۶) کسی غیر مسلم کی زمین پر اجازت یا عدم اجازت ہر دو صورت میں نماز عید ادا کرنا کیسا ہے؟

(۷) الاوارث ٹرسٹ (خالصہ زمین) جو ہے تو مسلمانوں کی لیکن ٹرسٹ ایکٹ کی رو سے قبضہ گورنمنٹ کا ہے ایسی زمین یا عیدگاہ پر نماز عید ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۸) عیدگاہ اگر ہر سال سیلاب کی زد میں نقصان سے دوچار ہوتی ہو تو کسی محفوظ جگہ منتقل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۹) ہمارے شہر کی موجودہ عیدگاہ مندرجہ ذیل اسباب کی بنا پر دوسری جگہ منتقل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۱) برادران وطن کے مشکوک طرز عمل نے فضا بالکل مشکوک بنادی ہے، پچھلے دنوں عیدگاہ کے آس پاس دیسی ساخت کے بم دستیاب ہوئے پھر ابھی کچھ عرصہ پہلے عیدگاہ کے قریب بم کا ایسا زبردست دھماکا ہوا کہ جس سے پتھر کی عمارت ریزہ ریزہ ہوگئی اور جو لوگ مرے ان کے جسم کے پرخچے اڑ گئے، اس دھماکہ سے عام مسلمانوں کا تاثر یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف ایک منظم سازش ہے جس کے نتیجہ میں ہمارے شہر میں کسی بھی وقت خطرناک صورت پیدا ہوسکتی ہے۔ (۲) عیدگاہ کا پورا علاقہ غیر مسلم آبادی سے گھرا ہوا ہے (۳) مسلم آبادی تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر دور ہے (۴) ابھی کچھ دنوں پہلے انتہائی بھیانک فساد کی وجہ سے مسلمانوں میں عام طور پر خوف وہراس موجود ہے، چنانچہ اس سال مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد نے حفظ ماتقدم کے طور پر شہر کی مشہور درگاہ کے وسیع میدان میں نماز عید ادا کی، ایسی صورت میں اصل عیدگاہ کو باقی رکھتے ہوئے خطرے اور دیگر مذکورہ بالا اسباب کے پیش نظر کسی محفوظ مسلم علاقہ میں عیدگاہ بنانا کیسا ہے؟ کیا دوسری عیدگاہ بنانے میں شرعی قباحت ہے؟

(۱۰) اصل عیدگاہ کو چھوڑ کر شہر سے باہر کسی متبادل جگہ پر عید کی نماز ادا کرنے سے سنت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) جب کہ ایک عیدگاہ کافی ہے تو بلا ضرورت شرعی دوسری عیدگاہ بنانا منشا شریعت کے خلاف ہے۔ فقط

(۲) جب بستی اتنی چھوٹی ہے کہ وہاں جمعہ قائم کرنے کی شرائط نہیں پائی جاتی تو وہاں عید کی نماز بھی ادا کرنا صحیح نہیں۔ جب ان پر عید کی نماز نہیں ہے تو عیدگاہ بنانا بھی ضروری نہیں ہے، لہٰذا یہ تارک سنت نہ ہوں گے، البتہ اگر قصبہ میں عیدگاہ نہ ہو تو ان پر عیدگاہ بنانا ضروری ہے نہ بنائیں گے تو تارک سنت ہوں گے فقط۔

(۳) کوئی خطرہ لاحق ہو یا یہ اندیشہ ہو کہ عیدگاہ میں نماز پڑھنے پر خواتین اور بچوں کو بیمار اور ضعیفوں کو پریشانی ہوگی تو عیدگاہ چھوڑنا درست ہے، محض احتجاجاً عیدگاہ چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے احتجاج کے لئے دوسرے جائز اور مناسب طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں۔ فقط۔

(۴) اظہار ناراضگی کی دوسری جائز صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔ سیاہ پٹی لگا کر نماز پڑھنے میں تشبہ لازم آئے گا، یہ غیروں کا شعار ہے۔ فقط۔

(۵) شہر وسیع ہو دور دور تک مسلمان آباد ہوں اور عیدگاہ تک پہنچنا دشوار ہو تو ضرورت اور دفع حرج کے پیش نظر ایک سے زائد عیدگاہ بنانا درست ہے۔ فقط۔

(۶) جہاں اجازت کی ضرورت معلوم ہو وہاں اجازت کے بغیر نماز پڑھنا مکروہ ہوگا اور جس جگہ کے متعلق یہ معلوم ہو کہ یہ ناراض نہ ہوں گے بلکہ خوش ہوں گے تو وہاں اجازت کے بغیر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ فقط۔

(۷) مسلمانوں کی ملک ہے تو اس زمین یا عیدگاہ میں نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن جب کہ قبضہ حکومت کا ہے اور اس کو استعمال کرنے میں قانون کی خلاف ورزی کا جرم عائد ہوسکتا ہے اور سزا بھگتنے اور ذلیل ہونے کا موقع آسکتا ہے تو اس سے بچنا ضروری ہے کہ اپنے آپ کو ذلیل کرنا جائز نہیں۔ قانونی کاروائی کرکے اپنا حق ثابت کریں یا حکومت سے اجازت حاصل کرکے نماز پڑھیں۔ فقط۔

(۸) عیدگاہ تمام احکام میں مسجد شرعی کے حکم میں نہیں ہے مگر وقف تو ہے وقف کو کیسے منتقل کریں گے؟! اسے محفوظ کرلیا جائے اور دوسری اطمینان بخش جگہ عیدگاہ بنائی جائے۔ فقط۔

(۹) مذکورہ حالت میں موجودہ عیدگاہ کو محفوظ کرلیا جائے اور دوسری مامون جگہ میں عیدگاہ بنانے کی کوشش کی جائے اور جب تک دوسری عیدگاہ نہ بنے جامع مسجد میں نماز عید ادا کی جائے اور اگر جامع مسجد کافی نہ ہو تو مذکورہ میدان میں ادا کرسکتے ہیں۔ فقط۔

(۱۰) عذر کی بنا پر اصل عیدگاہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ عید کی نماز ادا کرنے میں واقعی مجبوری ہو تو انشاء اللہ سنت کا ثواب ملے گا فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مشرقی سمت عیدگاہ بنانا:

(سوال ۱۷۹) ہمارے قصبہ میں عیدگاہ کی جگہ مشرقی سمت میں منتخب کی گئی ہے، بعض لوگ اس کے مخالف ہیں تو مشرقی سمت میں عیدگاہ بنانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عیدگاہ مشرق میں ہو یا مغرب میں، شمال میں ہو یا جنوب میں قبلہ تو مغرب ہی کی طرف یعنی خانہ کعبہ ہی کی سمت ہوگا پھر کیا مضائقہ ہے؟ نماز صحیح ہوجائے گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حنفی امام شوافع کو عید کی نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۸۰) حنفی امام شوافع کو عید کی نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر پڑھا سکتا ہے تو امام چھ تکبیر کہے گا تو شوافع مقتدیوں کی تکبیرات میں کمی آئے گی اور اگر زائد کہتا ہے تو تکبیرات معینہ پر زیادتی لازم آتی ہے، تو وہ حنفی امام کیا کرے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ہاں پڑھا سکتا ہے مگر اپنے طریقہ پر پڑھائے مقتدیوں کو ان کا اتباع کرنا ہوگا، اور اگر مقتدی رضامند نہ ہوں تو ان میں سے کوئی امام بن جائے اور حنفی ان کی اقتداء میں نماز پڑھ لیں اور ان کو امام کی اتباع میں تکبیریں زیادہ کہنی ہوں گی ولو زاد تابعه الى ستة عشر لانه ماثور (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۸۰ باب العیدین) فقط واللہ اعلم۔

عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق کہنا واجب ہے:

(سوال ۱۸۱) عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق پڑھنا کیسا ہے؟ آپ کی فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم ص ۸۲ جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں نماز عیدالاضحیٰ کے بعد تشریق پڑھے یا نہیں صفحہ میں ایک سوال کے جواب میں تحریر کیا ہے

کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے، پھر آپ نے بہت ساری عبارتیں نقل کی ہیں، لیکن جناب راجح کا علم نہیں ہوتا آپ اس کی وضاحت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز عید الاضحیٰ کے بعد تکبیر تشریق کہنا مستحب ہے فتاویٰ رحیمیہ میں آخری عبارتوں میں ''لابأس'' کا لفظ ہے، اس مقام پر اس سے مراد استحباب ہے۔ منیۃ المفتی میں ہے۔

تبصرہ نمبر ۲۴ لفظ لابأس کا استعمال ترک اولیٰ کے واسطے مطرد نہیں ہے بلکہ مندوب میں بھی یہ استعمال کیا جاتا ہے، لفظ لابأس دلیل اس پر ہے کہ اس کا غیر مستحب ہے یعنی مدخول علیہ لابأس مستحب نہیں ہے اس واسطے کہ بأس کے معنی شدت ہے اور مندوب میں لفظ لابأس کا جو استعمال ہوتا ہے تو یہ وہیں ہوگا جہاں بأس اور شدت کا توہم ہو مثلاً وضو موجود رہنے پر پھر دوبارہ وضو کرے تو یہ فعل مستحب ہے اور وانہ نور علی نور آیا ہے اور یہاں کہیں الوضوء علی الوضوء لا بأس بہ تو مطلب اس کا یہ ہوگا کہ یہ مستحب ہے مکروہ نہیں اگر چہ اس کا زیادہ استعمال ترک اولیٰ کی محل پر ہوتا ہے، لیکن مندوب اور مستحب میں بھی استعمال کرلیا جاتا ہے، اسی طرح فقہاء کہتے ہیں ''لابأس بتکبیر التشریق عقب العید'' تو یہاں اس سے مراد استحباب ہے اس واسطے کہ مسلمانوں کا اس پر توارث اور تعامل ہے یعنی علماء وفقہاء کا ہمیشہ سے اس پر عمل درآمد ہے تو ان کی اتباع و پیروی واجب ہے، تنویر الابصار اور درمختار اور بحر الرائق اور رد المحتار کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے اس کو یاد رکھنا چاہئے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز عید محلہ در محلہ:

(سوال ۱۸۲) بعض شہروں میں نماز عید ہر ہر محلہ میں پڑھی جاتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز عید شہر سے باہر جنگل (عیدگاہ) میں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔ آنحضرت ﷺ مسجد نبوی جیسی بڑی فضیلت والی مسجد چھوڑ کر عیدگاہ میں جاکر عید کی نماز ادا فرماتے، عذر (جیسے بارش) کے بغیر کبھی بھی مسجد میں نہیں پڑھی، عیدگاہ دور ہونے کی وجہ سے کمزور ضعیف لوگ وہاں نہ پہنچ سکتے ہوں تو ایسی معذوروں کے لئے مسجد میں پڑھنے کی گنجائش ہے، ایک مسجد ناکافی ہو تو حسب ضرورت ایک سے زائد مسجد میں پڑھنے کی اجازت ہے۔

وفی الخلاصۃ والخانیۃ السنۃ ان یخرج الامام الی الجبانۃ ویستخلف غیرہ لیصلی فی المصر بالضعفاء بناء علی ان صلاۃ العیدین فی موضعین جائزۃ بالاتفاق (درمختار مع الشامی باب العیدین ج ۲ ص ۷۷۶)

لیکن شرعی عذر کے بغیر محلہ در محلہ نماز عید قائم کرنا خلاف سنت ہے، اور شریعت کے مقصود و منشاء (یعنی اجتماع عظیم) فوت کرنے، اور اسلام کی شوکت وعظمت میں کمی کرنے کے مترادف ہے، لہذا مسجد کے ذمہ داروں پر لازم ہے کہ نمازیوں سے مشورہ کرنے کے بعد محلہ کی مسجد میں نماز عید بند کرکے بڑے کسی میدان میں نماز عید قائم کرکے اسلام کی شان وشوکت دوبالا کریں، شہر سے باہر بڑا میدان میسر نہ ہوسکے تو بڑے ہال یا بڑے مکان میں پڑھیں ایک ہال اور مکان ناکافی ہو تو ایک سے زائد میں پڑھ سکتے ہیں، کوشش وجستجو کے باوجود ہال اور مکان ناکافی ہو تو ایک سے زائد میں پڑھ سکتے ہیں، کوشش

جستجو کے باوجود ہال یا بڑا مکان میسر نہ ہو تو مجبوری کے پیش نظر محلہ کی مسجد میں گنجائش ہے، مجبوری نہ ہو تو اجازت نہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ ہر دوگانہ کا امام علیحدہ ہونا ضروری ہے یعنی ایک ہی امام دو جگہ نماز عید نہیں پڑھا سکتا، نیز عید کے امام کے لئے اعلان کر کے چندہ کرنا بھی غلط ہے، حسب توفیق بطیب خاطر بطور ہدیہ اگر کوئی کچھ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا مسبوق پر تکبیر تشریق واجب ہے:

(سوال ۱۸۳) مسبوق (یعنی جو امام کے ساتھ ایک رکعت کے بعد شریک ہوا ہو) پر تکبیر تشریق واجب ہے یا نہیں؟ مسبوق نے بھول سے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا پھر تکبیر تشریق کہی تو نماز ہوگئی یا دوبارہ پڑھنی ہوگی؟

(الجواب) مسبوق پر بھی تکبیر تشریق واجب ہے وہ اپنی بقیہ رکعات پوری کرنے کے بعد کہے گا وکذا یجب علی المسبوق ویکبر بعد ما قضی ما فاتہ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۲ صلاۃ العیدین) اگر مسبوق نے سہواً امام کے ساتھ سلام پھیرنے کے بعد تکبیر تشریق کہی تو نماز فاسد نہیں ہوئی مگر اپنی بقیہ رکعات پوری کرنے کے بعد سجدۂ سہو کرے وذکر فی الملتقط ان المسبوق اذا سلم مع امامہ وکبر تکبیر التشریق مع امامہ سہوا فعلیہ السہو (کبیری ص ۴۳۸ صلاۃ العید) اور سلام پھیرنے کے بعد پھر سے تکبیر تشریق کہنا اولیٰ ہے ولو کبر مع الامام لا تفسد. (قولہ لا تفسد) وہل یعیدہ الظاہر نعم لو قعہ منہ فی غیر محلہ. (طحطاوی علی الدر ج ۱ ص ۵۲۸ صلوۃ العیدین) فقط واللہ اعلم بالصواب.

نماز عیدین سے پہلے تکبیر تشریق پڑھانا:

(سوال ۱۸۴) ہمارے یہاں امام مسجد نماز عیدین سے قبل تکبیر پڑھاتے ہیں، اگر امام صاحب تکبیر نہ پڑھاویں بلکہ مقتدی پڑھاوے تو اس میں کوئی حرج ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) عیدگاہ پہنچنے سے پہلے پہلے راستہ میں تکبیر پڑھنے کا حکم ہے عیدگاہ پہنچنے کے بعد تکبیرات، ذکر اللہ وغیرہ میں لگ جاوے لیکن جہراً منع ہے سراً پڑھے یا خاموش بیٹھا رہے، امام صاحب یا کسی مقتدی کے تکبیر تشریق پڑھانے پر حاضرین کا پکار کر تکبیر پڑھنا خلاف سنت اور مکروہ ہے۔[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم .

عیدگاہ کے قرب وجوار میں قبریں ہوں تو نماز کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۸۵) ہمارے ہاں کی عیدگاہ قبرستان سے متصل ہے، عیدگاہ کی قبلہ والی دیوار دس بارہ فٹ اونچی ہے اس کے پیچھے والے حصہ میں قبریں ہیں ایسے ہی دائیں بائیں حصہ کا لوہے کی سلاخوں سے احاطہ کر لیا ہے، اس کے بیرونی حصہ میں بھی قبریں ہیں، غرض کہ عیدگاہ کے تینوں جہت میں قبریں ہیں لہذا نماز عید میں کوئی خلل واقع ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب قبریں عیدگاہ کی دیوار اور احاطۂ عیدگاہ سے باہر ہیں تو نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، نماز بلا تردد

---

(۱) ویکبر جہراً اتفاقاً فی الطریق قیل وفی المصلی وعلیہ عمل الناس الیوم لا فی البیت درمختار مع الشامی باب العیدین ج ۱ ص ۷۸۴.

درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

نماز عیدین میں مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کا استعمال؟:

(سوال ۱۸۶) امام کی تکبیرات انتقال کی آواز بذریعہ مکبرین مصلیوں تک پہنچ جاتی ہے مگر امام کی قرأت کی آواز مصلی حضرات تک نہیں پہنچتی، لہذا نماز عید میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صحت صلوٰۃ کے لئے امام کی قرأت کا سننا ضروری نہیں، ظہر اور عصر میں امام کی قرأت کہاں سنائی دیتی ہے؟ ایسے ہی مغرب کی تیسری اور عشاء کی تیسری و چوتھی رکعت میں قرأت نہیں سنائی دیتی اس کے باوجود نماز صحیح ہو جاتی ہے، تکبیرات انتقالات کی تبلیغ کے لئے مکبرین کا انتظام کافی ہے، لہذا نماز عید وغیرہ میں امام کی قرأۃ عام مقتدیوں کو سنوانے کے لئے مائک کا استعمال مکروہ ہے۔(۱) یہی مفتی بہ قول ہے ملاحظہ ہو (آلہ مکبر الصوت مؤلفہ مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان رحمہ اللہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شہر کے بالکل قریب واقع زمین کو عیدگاہ کے لئے قبول کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۸۷) ایک صاحب عیدگاہ کے لئے ایک زمین للہ وقف کرنا چاہتے ہیں مگر وہ زمین شہر کے کنارے پر ہے، بڑھتی ہوئی آبادی کی وجہ سے فی الحال شہر میں، اور کچھ مدت کے بعد تو درمیان شہر میں آجانے کی پوری امید ہے، اس زمین کو عیدگاہ کے لئے قبول کرنا کیسا ہے؟ اگر قبول کر لیا جائے تو کیا عیدگاہ ہی بنانا وہاں ضروری ہوگا یا دوسرے کاموں میں استعمال کر سکتے ہیں؟ برائے کرم جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں، فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً، عیدگاہ شہر سے باہر جنگل میں ہونا چاہئے، یہی سنت ہے، درمختار میں ہے (ثم خروجه ماشيا الى الجبانة) وهي المصلى العام ...... والخروج اليها) اى الجبانة لصلوة العيد (سنة وان وسعهم الجامع) هو الصحيح (درمختار ص ۷۷۱ ج ۱ باب العيدين)

طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے (قوله المصلى العام) هو الذى يكون فى الصحراء افاده فى البحر ص ۵۲۰ ج ۱ باب العيدين)

عمدۃ الرعایہ علی شرح الوقایہ میں ہے: ص ۱۷ قوله ويخرج الى المصلى لصيغة المجهول وهو موضع فى الصحراء يصلى فيه صلوة العيدين ويقال له الجبانة ...... لكن الخروج الى الجبانة سنة مؤكدة (شرح الوقايه ص ۲۴۵ ج ۱، باب العيدين)

مجالس الابرار میں ہے: ثم الخروج الى الجبانة سنة وان وسعهم الجامع (ص ۲۱۲ مجلس نمبر ۳۳) (فتح القدير ص ۴۲۳ ج ۱) (كبيرى ص ۵۲۹) (فتاوى سراجيه ص ۱۸)

ان تمام عبارتوں میں لفظ جبانہ استعمال کیا گیا ہے اور جبانہ کے معنی جنگل ہوتے ہیں لہذا اس سے ثابت ہوتا

---

(۱) یعنی خلاف اولیٰ ہے کیونکہ آلہ مکبر الصوت نماز کے درمیان خراب بھی ہو سکتا ہے، نیز بے ضرورت آواز بلند کرنا بھی پسندیدہ نہیں ہے اور آج کل لوگ فیشن کے طور پر لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنے لگے ہیں اور اتنی آواز بلند کرتے ہیں کہ سارا محلہ پریشان ہوتا ہے اور بہت سی مرتبہ قرآن پڑھا جاتا ہے اور اہل محلہ اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں قرآن پاک کوئی سنتا نہیں ہے اس لئے بے ضرورت استعمال سے احتراز بہتر ہے ۱۲ سعید احمد پالنپوری۔

ہے کہ عیدگاہ شہر کے باہر جنگل میں ہونا چاہئے۔

صورت مسئولہ میں جب وہ جگہ شہر کے کنارے پر ہے اور کچھ مدت کے بعد شہر کے درمیان آ جانے کے آثار ہیں تو ایسی صورت میں وہ زمین برائے عیدگاہ قبول نہ کی جائے بلکہ کسی اور دینی مصرف مثلاً اگر وہاں مدرسہ کی ضرورت ہو تو برائے مدرسہ، یا اس جگہ مسجد کی ضرورت ہو تو برائے مسجد قبول کریں، معاملہ فہم، دیندار، ذمہ دار، اور تجربہ کار لوگوں کے مشورہ سے کام کریں۔ ان سب کا جو مشورہ ہو مدرسہ یا مسجد بنوانے کا اس کے لئے قبول کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

عید کی نماز کے لئے جانے والے لوگوں کو نماز سے روکنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۸۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ عید الاضحیٰ کے دن مسلمان نماز عید کے لئے جا رہے ہوں ان میں کوئی شخص لوگوں کو روک کر ایک جگہ بٹھائے رکھے اور عیدگاہ یا کہیں مسجد میں نہ جانے دے اور کہدے کہ فلاں ابن فلاں جو حج کے لئے گیا ہے اس نے وہاں نماز پڑھی ہوگی، اس لئے تم سب کی نماز ہوگئی، اب تمہیں نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں، مندرجہ بالا طریقہ سے لوگوں کی نماز چھڑا دے، ایسے نماز چھڑانے والے اور اس قسم کے عقائد رکھنے والے شخص کو از روئے شریعت مطہرہ کیا کہیں گے؟ اس کا نکاح فاسد ہوتا ہے یا نہیں اور وہ مسلمان رہتا ہے یا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے؟ بینوا توجروا۔ از جام نگر۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً: نمازیوں کو عید کے روز سربسجود اور دست بدعاء ہونے سے روکنے والا شخص کمال درجہ کا سرکش اور گمراہ ہے، شیطان لعین اور ابوجہل مردود کا پیرو اور کافرانہ فعل کا مرتکب ہے اور وعید شدید **ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعی فی خرابھا** کا مصداق اور **لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم** کا مستحق ہے، اس پر توبہ لازم ہے، مگر اس پر مرتد ہو جانے اور فسخ نکاح کا حکم نہیں لیا جائے گا فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ مطابق ۳۰ جون ۱۹۵۹ء۔

عید کی نماز سے پہلے عیدگاہ میں تقریر اور بیان کا پروگرام افضل ہے یا تکبیر تشریق پڑھنا پڑھانا:

(سوال ۱۸۹) عید کے دن نماز سے قبل تقریر کریں تو لوگ تکبیر تشریق نہیں پڑھ سکتے۔ تو سوال یہ ہے کہ تقریر کا پروگرام نہ رکھتے ہوئے تکبیر تشریق ہی پڑھنے دیا جائے یا تقریر کا پروگرام رکھا جائے؟ افضل کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً، عیدگاہ جاتے ہوئے اور واپس آتے ہوئے تکبیر مستحب ہے، عیدگاہ پہنچ کر تکبیر موقوف کر دینی چاہئے، اگر عیدگاہ میں آہستہ کہے تو گنجائش ہے، اس لئے روکا بھی نہ جائے **ویقطعہ ای التکبیر اذا انتھی الی المصلیٰ فی روایۃ جزم بھا فی الدرایۃ، وفی روایۃ اذا افتتح الصلوۃ کذا فی الکافی وعلیہ عمل الناس قال ابوجعفر وبہ ناخذ (مراقی الفلاح ص ۱۰۲ باب العیدین)**

تقریر کے پروگرام سے مراد ضروری احکام بیان کرنے کا پروگرام ہے تو افضل اور مستحسن ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۳ رمضان ۱۳۸۲ھ۔

ایام نحر میں تکبیر تشریق جہراً کہنی چاہئے:

(سوال ۱۹۰) عید الضحیٰ میں جو ساڑھے تین دن تکبیرات پڑھی جاتی ہیں بعد جماعت کے وہ آہستہ پڑھی جاویں یا بلند آواز سے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! تکبیر تشریق جہراً اور بلند آواز سے پڑھنا مسنون ہے، **والتشریق هو الجهر بالتكبير** (هدايه ج ۱ ص ۵۵ باب العيدين) **فليستحب رفع الصوت به** .(شرح النقايه ج ۱ ص ۱۳۰) بگوید یک بار بآواز بلند. یعنی تکبیر تشریق جہراً اور بلند آواز سے کہنی چاہئے۔ (مالا بدمنہ ص ۵۱) لیکن چیخنا اور چلانا اور بتکلف آواز نکالنا مکروہ اور ممنوع ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز عید کا عیدگاہ میں سنت مؤکدہ ہونا اور اس کے تارک کا حکم:

(سوال ۱۹۱)(۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کہ عیدین کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ؟ یا افضل ہے؟

(۲) اگر سنت مؤکدہ ہو تو اس کے دلائل فقہ کی معتبر کتابوں سے مع حوالہ صفحات تحریر کریں۔

(۳) اگر سنت ہے تو اس کا تارک گنہگار ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! (۱۔۲) عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا سنت مؤکدہ متوارثہ ہے، آنحضرت ﷺ مسجد نبوی کی فضیلت کے باوجود علی سبیل المواظبۃ بر سبیل عبادت عیدین کی نماز عیدگاہ میں ادا فرماتے رہے، صرف ایک دفعہ بوجہ بارش آپ نے مسجد میں پڑھی ہے، زاد المعاد میں ہے: **كان صلى الله عليه وسلم يصلى العيدين فى المصلى . الى قوله. ولم يصل العيد بمسجده الا مرة واحدة اصابهم مطر فصلى بهم العيد فى المسجد** (ج ۱ ص ۱۲۴ باب العیدین)

اور کتاب المدخل میں ہے: **السنة المرضية فى صلاة العيدين ان تكون فى المصلى لان النبى صلى الله عليه وسلم قال صلاة فى مسجدى هذا افضل من الف صلوة فيما سواه الا المسجد الحرام ثم مع هذه الفضيلة العظيمة خرج صلى الله عليه وسلم الى المصلى لصلوة العيدين فهى سنة** (ج ۲ ص ۸۲ باب العیدین)

(۳) ہاں نماز عید کے لئے عیدگاہ جانا سنت ہے بلا عذر اس کا تارک لائق ملامت اور مستحق عتاب ہے اور ترک کرنے کا عادی گنہگار ہوتا ہے، درمختار ہے: **ويأثم بتركه كما يأثم بترك الواجب ومثله السنة المؤكدة** یعنی مکروہ تحریمی کے ارتکاب سے آدمی گنہگار ہوتا ہے جس طرح ترک واجب سے گنہگار ہوتا ہے اور سنت مؤکدہ کا بھی یہی حکم ہے (شامی ج ۵ ص ۲۹۵ کتاب الحضر والاباحۃ)...... شہر سے عیدگاہ دور ہونے کی وجہ سے ضعیفوں اور بیماروں کو تکلیف ہوتی ہو تو ان کے لئے مسجد میں انتظام کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے، **ثم الخروج الى الجبانة سنة وان وسعهم الجامع لكن يستخلف الامام من يصلى بالضعفاء والمرضى بناء على ان صلاة العيد فى الموضعين جائزة بالاتفاق الخ** یعنی عیدگاہ جانا سنت ہے اگرچہ جامع مسجد میں سب کی گنجائش

ہو جاتی ہو لیکن امام کسی کو امام نائب اور خلیفہ بنا جانے جو شہر میں کمزوروں اور بیماروں کو نماز پڑھائے اس لئے کہ عید کی نماز ایک شہر میں دو جگہ بالا تفاق جائز ہے (مجالس الا برار ص ۲۱۲ و ص ۳۳۴) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۳ شوال ۱۳۷۹ھ۔

عیدگاہ میں نماز کے لئے لوگوں کا انتظار کرنا:

(سوال ۱۹۲) بعد سلام مسنون ذیل کے سوالات کے جوابات مع حوالہ قرآن وحدیث مرحمت فرمائیں۔

ہمارے گاؤں میں سات سو ۷۰۰، آٹھ سو ۸۰۰ مسلمان ہیں۔ گاؤں میں ایک مسجد اور ایک عیدگاہ ہے۔ بارش کے موسم کے علاوہ دوسرے اوقات میں نماز عید عیدگاہ میں ہوتی ہے۔ چند آدمی نماز عید کے لئے وقت مقرر کرتے ہیں۔ جب وقت ہوتا ہے تو اس وقت قریب بعید سے لوگ آتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بعض لوگ آواز دیتے ہیں کہ نماز کا وقت وقت ہو گیا شروع کیجئے۔ امام صاحب سمجھاتے ہیں کہ ان کی نماز فوت ہو جائے گی تو یہ دوبارہ نماز عید نہ پڑھ سکیں گے۔ ایسی حالت میں پانچ دس منٹ تاخیر کی جائے تو کیا حرج ہے؟ اگر تاخیر کی گنجائش ہو اور لوگوں کے کہنے پر نماز شروع کی جائے تو گنہگار کون؟ امام صاحب یا جلد باز اصرار کرنے والے۔

(الجواب) مندرجہ ذیل ہدایات پر عمل کیا جائے تو کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے گا۔

(۱) نماز عید کا وقت ایسا ہونا چاہئے کہ نماز فجر سے فارغ ہو کر بطریق مسنون لوگ تیاری کر کے عیدگاہ پہنچ جائیں۔

(۲) عید کے موقعہ پر کچھ لوگوں کا پیچھے رہ جانا متوقع ہے۔ لہذا امام اور حاضرین کو چاہئے کہ عجلت نہ کریں وقت مقررہ کے بعد بھی پانچ سات منٹ ٹھہر کر نماز شروع کی جائے۔ بے شک حاضرین کو ایسے موقع پر ذرا ضبط اور صبر سے کام لینا چاہئے۔ امام صاحب کو مشورہ تو دے سکتے ہیں۔ لیکن نماز شروع کرنے پر اصرار نہیں کرنا چاہئے۔ امام کی بھی ذمہ داری ہے کہ حاضرین کی تکلیف کا خیال کرتے ہوئے پیچھے رہ جانے والوں کی رعایت کرے اور قرأت خطبہ میں اختصار کر کے تلافی مافات کرے۔ سال میں دو موقعہ آتے ہیں کہ بے نمازی بھی شرکت کرتے ہیں۔ ضعیف بیمار اور معذورین بھی ہوتے ہیں۔ نماز فوت ہو گئی تو بڑی برکتوں سے محروم رہیں گے۔ لہذا اقدرے انتظار کیا جائے اور تعاونوا علی البر پر عمل کر کے اجر کا مستحق بنا جائے البتہ جو آخری وقت میں آنے کے عادی ہیں ان کو حاضرین کی تکلیف کا احساس نہیں ہے۔ اور اپنی نماز کی بھی فکر نہیں ہے۔ "جاتے ہیں جاتے ہیں" اس طرح اپنا انتظار کراتے ہیں۔ ایسے غافل کاہل اور سست لوگوں کا انتظار کرنا۔ ان کی عادت کو بگاڑنا ہے۔

وفی المنتقی ان تاخیر المؤذن وتطویل القراءۃ لادراک بعض الناس حرام ھذا اذا مال لاھل الدنیا تطویلاً وتاخیراً یشق علی الناس فالحاصل ان التاخیر القلیل لاعانۃ اھل الخیر غیر مکروہ (شامی ص ۳۶۳ ج ۱) (مکروھات الصلاۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب.

مسائل تراویح

تراویح میں دو ۲ رکعت پر قعدہ نہیں کیا:

(سوال ۱۹۳) امام تراویح نے دو رکعت پر قعدہ نہیں کیا چار رکعت پوری کر کے سجدۂ سہو کیا۔ اور سلام پھیرا تو نماز ہوگئی یا اعادہ واجب ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) تراویح کی دو رکعتیں ہوئیں اور دو رکعت نفل ہوئیں۔ **لکن صححوافی التراویح انه لو صلاها کلها بقعدة واحدة وتسليمة انها تجزئ عن ركعتين فقد اختلف التصحيح. (شامی ص ۶۵۲ ج ۱ باب الوتر والنوافل بحث المسائل التسعة عشرية) مشكوٰة فقط والله اعلم بالصواب.**

تراویح پڑھی اور روزہ نہ رکھے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۹۴) ایک شخص نے تراویح پڑھی اور بلا عذر روزہ نہ رکھا۔ تو اس کی نماز تراویح مقبول ہے یا نہیں؟

(الجواب) قبولیت کا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے۔ فقہی گویا قانونی لحاظ سے نماز تراویح کو جائز کہا جائے گا۔ کیونکہ نماز تراویح کے جواز کے لئے روزہ رکھنا شرط نہیں، مگر بلا عذر رمضان کا روزہ چھوڑنا ایسا بڑا گناہ ہے کہ اس کی بناء پر تراویح کا ثواب بھی سوخت ہو جائے تو تعجب نہیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے **من افطر يوما من رمضان من غير رخصة ولا مرض لم يقض عنه صوم الدهر كله وان صامه (رواه اصحاب السنن. مشكوٰة الشريف باب تنزيهة الصوم كتاب الصوم باب تنزيهة الصوم ص ۱۷۷)** یعنی جس شخص نے کسی ایسے عذر کے بغیر جو شرعاً معتبر ہو۔ مثلاً مسافر ہو یا بیمار ہو رمضان شریف کے کسی ایک دن کا روزہ نہ رکھا تو اگر اب عمر بھی روزہ رکھتا رہے تب بھی اس فضیلت کی تلافی نہیں کر سکتا جو ایک دن کا روزہ چھوڑنے سے فوت ہو چکی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح پڑھانے والا پابند شرع نہ ہو تو شرعی حکم:

(سوال ۱۹۵) ذیل میں مذکورہ الصفات کے پیچھے تراویح صحیح ہے یا نہیں؟ (۱) خلاف سنت داڑھی رکھنے والے کے پیچھے (۲) سرکاری ملازم یا اسکول کے ٹیچر (تعلیم دینے والے) حافظ کے پیچھے (۳) دکاندار ہو یعنی سودی رقم سے بلیک مارکیٹ کرتا ہو، ناجائز طریقہ سے تجارت کرتا ہو اس کے پیچھے تراویح صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) خلاف سنت داڑھی والا، سودی معاملہ کرنے والا اور ناجائز طریقہ سے تجارت کرنے والا شخص امامت کے قابل نہیں ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ لیکن حاضرین میں سے کوئی دوسرا شخص ایسا بھی نہ ہو تو تنہا پڑھنے کے بجائے ایسے امام کے پیچھے پڑھ لینی چاہئے۔ کیونکہ جماعت کی بڑی فضیلت اور تاکید ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) قوله وفاسق من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة وهل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني وآكل الربا ونحو ذلك، شامي باب الامامت. ج ۱ ص ۵۲۳.

تراویح پڑھنے والے کو لقمہ کون دے؟:

(سوال ۱۹۶) حافظ صاحب تراویح میں غلطی کرے اور سامع اچھی طرح نہ بتا سکے تب دوسری تیسری صف میں سے کوئی لقمہ دے تو کچھ حرج ہے؟ امام صاحب کہہ رہے ہیں کہ لقمہ دینا ہو تو پہلی صف میں کھڑا رہے تو اگر دیر سے آنے والے حافظ صاحب کو پہلی صف میں جگہ نہ ملے تو کیا اس کو لقمہ دینے کا حق نہیں؟

(الجواب) اگر سامع مقرر ہے تو اسکو غلطی بتانی چاہئے۔ کسی دوسرے کو جلدی نہ کرنا چاہئے اس سے نماز میں انتشار اور ایک طرح کی گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر سامع نہ بتا سکے یا اچھی طرح نہ بتائے۔ تو اب جو بھی اچھی طرح بتا سکے اس پر غلطی کی اصلاح کرنا فرض ہے خواہ وہ کسی صف میں ہو۔ قریب ہو یا دور ہو۔ اس پر فرض ہے کہ غلطی کی اصلاح کرے اگر اصلاح نہ کرے تو گنہگار ہوگا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ نماز میں امام کے ساتھ شریک ہو۔ جو نماز میں شریک نہ ہو اس نے اگر غلطی بتائی اور امام نے اس کی غلطی کے بتانے (لقمہ دینے سے اصلاح کی۔ تو امام کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیس ۲۰ رکعت تراویح سنت مؤکدہ

سامرودی صاحب کے اعتراضات اور مفصل جوابات

(سوال ۱۹۷) مکرمی حضرت مفتی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت کو تکلیف دینے کا باعث یہ ہے کہ ایک غیر مقلد مولوی عبدالجلیل صاحب سامرودی نے ہنگامہ برپا کر رکھا ہے کہ آٹھ رکعت سے زیادہ تراویح ثابت نہیں ہیں ان کا ایک اشتہار گجراتی اخبار پرتاپ میں شائع ہوا ہے جس میں چیلنج دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت کسی ضعیف حدیث سے بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔

سامرودی صاحب نے فقہ احناف کی کتابوں طحطاوی۔ مراقی الفلاح۔ فتح القدیر عینی۔ کبیری وغیرہ وغیرہ کا حوالہ بھی دیا ہے کہ ان میں بھی آنحضرت ﷺ سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت نہیں ہے ان کتابوں کی عبارتیں بھی نقل کی ہیں۔ انہیں سامرودی صاحب نے اپنی کتاب نبی کی نماز میں لکھا ہے:۔

دوستو! اس بات میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ نبی صاحب ﷺ نے بیس رکعات تو پڑھی ہی نہیں ہیں۔ البتہ لوگوں (صحابہ) نے بعد میں زیادہ (بیس رکعات تراویح) پڑھی ہیں۔ اب یہی سوچنا اور انصاف کرنا ہے کہ ہمارے لئے خدا پاک نے نبی صاحب ﷺ ہی کی فرمانبرداری اور تابعداری کرنی فرض قرار دی ہے یا کہ لوگوں (صحابہ) کی؟ دین اسلام شریعت کی قائم کرنے کا حق کیا خدا پاک نے کسی ہستیوں کو دیا ہے؟ لوگ (صحابہ) کا زیادہ مقدار (۲۰ رکعات) تراویح پڑھنے پر دھوکہ نہ کھانا۔ (نبی ﷺ کی نماز گجراتی ص۵۲)

مہربانی فرما کر تراویح کی بیس رکعات کے متعلق تفصیل سے تحریر فرمائیے، لوگوں میں بہت انتشار اور تشویش ہے۔ بینوا توجروا۔

اس قسم کے سوالات محترم جناب حکیم احمد میاں صاحب مدظلہ ومکرم جناب حافظ غلام محمد شیخ محمد چیپی صاحب سورتی ومکرم جناب عبدالشکور وغیرہ کی جانب سے ہوتے رہے ہیں طوالت کے خوف سے سب کو نقل نہیں کیا گیا، خلاصہ لکھ دیا گیا ہے۔ (مرتب)

(الجواب)(بعون اللہ تعالیٰ وارشادہ)

آج جبکہ مسلمانوں کی اکثریت بے نمازی ہے، تراویح کی پابند نہیں، مساجد ویران اور تھیٹر آباد ہیں تو بیس رکعت کے خلاف گمراہ کن بحث مباحثہ اور چیلنج یہ اسلام کی کونسی خدمت ہے؟

شعر:۔

گر معلم ایں چنیں گر مقنن ایں چنیں
الوداع اے سنت دیں الفراق اے ورع دیں

افسوس عین اس وقت جب کہ جبل پور وغیرہ میں مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے اور ساری دنیا کے مسلمان بے چین ہو کر ان مظلومین کی امدادی فکر میں لگے ہوئے تھے تب یہ سامرودی صاحب بیس رکعت کے خلاف ہزار روپے کے انعام کی چیلنج پر چیلنج دے رہے تھے۔

الٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے
دے آدمی کو موت مگر یہ ادا نہ دے

ان کی اس طرح کی نازیبا حرکتوں نے ان کی جماعت کو بدنام ورسوا کر دیا ہے جس کی بناء پر ان کی جماعت کے سنجیدہ اور سمجھ دار لوگ ان سے سخت بیزار ہیں اور ان کو بجائے سامرودی کے ''سامری'' (موسیٰ کے زمانے کا چالباز منافق) کہنے اور لکھنے لگے ہیں اخبار ترجمان، دہلی کے ایڈیٹر صاحب ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۷ء کے شمارہ میں ''فتنہ سامری'' کے زیرعنوان تحریر کرتے ہیں کہ ''اس عجیب انسان کی خصوصیت یہ ہے کہ ہنگامہ پسندی اس کا خاص شعار ہے ان کی زندگی کے حالات ہنگامہ آرائی، اندیشوں اور فتنوں کی ہواخیزی اور ساکن فضا میں تموج انگیزی سے ہیں۔ ان کی نسبت (سامرودی) ایک فتنہ خیز وشر انگیز ''سامری'' کے ہمنام ہو کر رہ گئی ہے۔ (از رکعت تراویح جدید ایڈیشن حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ ص ۸،۷)

ان سامرودی صاحب کا اہل حدیث کے پیشوا مولانا ثناء اللہ کی شان میں کیا ہوا بکواس مولانا ثناء اللہ صاحب عقیدۂ اہل حدیث ہرگز نہ تھے عقیدۃ معتزلہ جہمیہ نیچرل تھے (ملاحظہ ہو) ترجمان دہلی ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۷ء)۔

جو لوگ صحیح علم وفہم سے محروم بر خود غلط کم عقل اور ناقص العلوم ہوتے ہیں، جن کے سامنے دین کی ایک ناتمام حقیقت اور صرف ایک پرچھائی ہوتی ہے جس کو وہ دین کامل گمان کرتے ہیں وہ ہمیشہ فساد کے بیج بویا کرتے ہیں اور فتنے برپا کیا کرتے ہیں۔ حضرت مولانا روم فرماتے ہیں۔

دست ناقص دست شیطان است دیو
زانکہ اندر دام تکلیفست دیو

ناقص شخص کا ہاتھ شیطان دیو کا ہاتھ ہے۔ کیونکہ یہ ناقص دیو ہے۔ جو تکلیف کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔(۱)

خوارج ناقص اور سطحی علم رکھتے تھے ان کے سامنے دین کی حقیقت ناتمام تھی، اسی کو دین کامل سمجھتے تھے۔ قرآن حکیم کی ایک آیت ان الحکم الا للہ۔ کے الفاظ کو بہانہ بنا کر خلیفہ راشد حضرت علیؓ پر الزام لگایا کہ وہ معاذ اللہ قرآن پاک کی حکم عدولی کر رہے ہیں لہذا وہ بھی معاذ اللہ گمراہ اور کافر اور ان کے ساتھی بھی کافر پھر ان کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ قرآن ان کی زبان پر تھا مگر دل اس کی تاثیر سے محروم اور دماغ اس کے سمجھنے سے قاصر۔ انہیں کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی تھی یقرؤن القران لا یجاوز حنا جرھم (الحدیث) قرآن پڑھیں گے مگر یہ قرآن ان کے چنبرۂ گردن (ہنسلیوں) سے آگے نہیں بڑھے گا (نہ دل پر اثر کرے گا اور نہ عند اللہ قبولیت کی منزل پر پہنچے گا۔(بخاری شریف)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کو سمجھانے کے لئے تشریف لے گئے، آپ نے دریافت فرمایا حضرت علیؓ کے بارے میں تمہیں کیا اعتراض ہے؟ جواب دیا کہ وہ دین کے بارے میں لوگوں کو حکم بناتے ہیں اور انسان کے فیصلے کا اعتبار کرتے ہیں جو قرآن کی صریح خلاف ورزی ہے قرآن میں ہے ان الحکم الا للہ سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ خود قرآن میں انسان کو حکم بنانے کا حکم موجود ہے مثلاً حالت احرام میں اگر کوئی شکار کر لے تو اس کے لئے خدائے پاک نے جزا مقرر فرمائی ہے مثل ماقتل۔ یعنی مارے ہوئے جانور کا مثل اور مماثلت کا فیصلہ دو عادل مسلمانوں کے حوالے کیا ہے "یحکم بہ ذوا عدل منکم" اسی طرح میاں بیوی کے نزاع کی صورت میں ارشاد ربانی ہے فابعثوا حکماً من اھلہ وحکما من اھلھا (سورۂ نساء) یعنی ایک حکم مرد کے کنبہ کا اور ایک حکم عورت کے کنبہ کا بھیجو (فیصلہ ان کے حوالے کردو۔)

سامرودی صاحب بھی قران کے معنی ومطلب کو سمجھے بغیر اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کا ورد کرتے ہیں اور حدیث حدیث پکارتے رہتے ہیں۔ مگر قرآن پاک کی دوسری آیات واحادیث اور تعامل صحابہؓ وغیرہ سے آنکھ بند کر لیتے ہیں

خوارج نے حضرت علیؓ اور ان کے رفقاء کرام کو معاذ اللہ گمراہ کہا تھا مگر سامری صاحب ان تمام اہل ایمان اور حاملان دین کو جو تیرہ سو برس سے تراویح کی بیس رکعتیں پڑھ رہے ہیں۔ جن میں صحابہ کرام۔ تابعین وتبع تابعین اور دین کے تمام مقدس بزرگ اولیاء اللہ مشائخ طریقت حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد حنبلؒ وغیرہ سب داخل ہیں سب کو مخالفین سنت اور مخالفین حدیث اور معاذ اللہ گمراہ ثابت کرتے ہیں اور تعامل صحابہؓ پر عمل کر کے بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھنے کو فریب خوری قرار دیتے ہیں (نعوذ باللہ من ذلک)

شعر:۔

انقلاب چمن دہر کی دیکھی تکمیل
آج قارون بھی کہہ دیتا ہے حاتم کو بخیل

(۱) یعنی یہ ناقص العلم شخص بظاہر انسان ہے جس پر شریعت کے احکام نافذ ہیں اور وہ نمائشی طور پر ان پر عمل بھی کرتا ہے مگر درحقیقت اس کا نفس خبیث ایک دیو ہے اور یہ احکام شریعت کی پابندی دل سے نہیں کرتا بلکہ اس طرح کرتا ہے جیسے کسی دیو یا جن کو گرفتار کر لیا جائے اور وہ تعمیل پر مجبور ہو پس ایسے ناقص شخص کے ہاتھ میں اگر ہاتھ دے دیا گیا تو ظاہر ہے اپنے آپ کو شیطان کے حوالے کر دیا۔(معاذ اللہ)

بو حنیفہ کو کہے طفل و بستان جاہل
مہ تاباں کو دکھانے لگی مشعل قندیل
حسن یوسف میں بتانے لگا ابرص سو عیب
لگ گئے چیونٹی کو پر کہنے لگی ہیچ ہے فیل
شرک توحید کو کہنے لگے اہل تثلیث
لوح محفوظ کو کہتی ہے محرف انجیل
سامری موسیٰ عمران کو کہے جادو گر
شیخ کی کرتے ہیں اسکول کے بچے تجہیل
اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان
طوق زریں ہے گدھے کے لئے عزت کی دلیل

مولوی سامرودی صاحب کے اشتہارات اور چیلنج کے مثال وہی ہے وانتم سکاری کو حذف کر کے لا تقربوا الصلوۃ سے استدلال کیا جائے (نماز کے پاس نہ جاو) یا شوق شراب کی ترمستی میں ''ولا تسرفوا'' فراموش کردیا جائے اور کلوا واشربوا . کو بار بار دھرایا جائے۔ اکبرالہ آبادی نے ایسے خودفراموشوں کی یادہ گوئی نقل کر کے خوب جواب دیا ہے:۔

(دلیل) توبہ جب ہم کریں شراب وکباب سے　　　قرآن میں جو آیا کلواواشربوا نہ ہو
(الجواب) تسلیم قول آپ کا تب ہم کریں جناب　　　کلواواشربوا کے آگے ولاتسرفوا نہ ہو

خدا کی پناہ۔ انتہا ہوگئی اس جرأت اور دیدہ دلیری کی جو سامرودی صاحب نے اختیار کی ہے آپ نے اپنے اشتہارات میں طحطاوی، اشباہ، مراقی الفلاح حضرت مولانا محمد قاسمؒ کی کتاب ''مکتوبات'' مولانا انور شاہ صاحب کی عرف شذی، علامہ ابن ہمام کی فتح القدیر، علامہ عینی کی شرح بخاری علامہ حلبیؒ کی کبیری، ملا علی قاریؒ کی مرقاۃ اور طحطاوی شریف کے حوالے دیئے ہیں۔ مگر تعجب اور حد درجہ تعجب ہے کہ جو عبارتیں نقل کی ہیں۔ ناقص۔ تراشیدہ۔ منشاء اور مقصد کے سراسر خلاف۔

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

ملاحظہ فرمایئے اور دیدہ دلیری کی داد دیجئے۔ ہر ایک کی کتاب کی مثال پیش کی جارہی ہے ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ.

(۱) طحطاوی:

(۱) علامہ طحطاویؒ طویل بحث کے بعد تحریر فرماتے ہیں فعلی ھذا یکون عشرون ثابتاً من فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حدیث ابن عباسؓ کی بناء پر بیس ۲۰ رکعت آنحضرت ﷺ کے فعل سے ثابت ہیں (طحاوی، شرح درمختار ج۱ ص ۲۶۶ صلاۃ التراویح) نیز تحریر فرماتے ہیں بیس رکعت تراویح دس۔ ۱۰ تسلیمات سے

متوارث ہے یعنی زمانہ سلف سے آج تک اس پر برابر عمل ہوتا چلا آرہا ہے (ج ا ص ۲۶۸ صلوۃ التراویح)

(۲) مراقی الفلاح:

میں ہے۔ التراویح سنة موکدہ وھی عشرون رکعة باجماع الصحابة رضی اللہ عنہم بعشر تسلیمات کما ھو المتوارث یعنی تراویح سنت موکدہ ہے اور اجماع صحابہؓ کے بموجب اس کی بیس ۲۰ رکعتیں ہیں دس سلاموں سے، جیسا کہ زمانہ سلف سے سلسلہ وار برابر چلا آرہا ہے (باب التراویح ص ۸۱)

(۳) الاشباہ والنظائر:

والتراویح عشرون رکعة بعشر تسلیمات یعنی تراویح بیس ۲۰ رکعت ہیں دس سلام سے (اشباہ مع شرح حموی ص ۴۷ صلاۃ التراویح)

(۴) لطائف قاسمی:

حضرت مولانا محمد قاسمؒ لطائف قاسمی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

(الجواب) (۱) اینکہ ہر چہ صحابہؓ براں مواظبت فرمودہ باشد سنت موکدہ میباشد بقولہ علیہ السلام علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین (مکتوب سوم ج ا ص ۱۶) (یعنی) جس (بات) پر صحابہ کرامؓ نے مواظبت کی ہے (جس کو وہ ہمیشہ کرتے رہے ہیں) وہ سنت موکدہ ہوتی ہے (کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے علیکم بسنتی الخ)

(الجواب) (۲) الحاصل ثبوت بست رکعت باجماع صحابہؓ در آخر زمان عمرؓ ثابت شدہ، پس سنت باشد کسے کہ از سنیت آں انکار دارد خطا است (مکتوب سوم ص ۱۸)

الحاصل بیس رکعت تراویح کا ثبوت حضرت عمرؓ کے آخری دور میں باجماع صحابہ ہو چکا ہے لہذا بیس رکعت سنت ہے اور جو کوئی بیس رکعت کی سنیت سے انکار کرے وہ خطا اور غلطی پر ہے (ص ۹) اس کے علاوہ تصفیہ العقائد میں آپ کا فتویٰ موجود ہے جو آخر میں مع سوال پیش کیا جائے گا۔ ملاحظہ فرمائیے ص ۳۴۲۔

(۵) حضرت علامہ انور کشمیریؒ:

آپ کی مطبوعہ تقریر ترمذی المعروف "عرف شذی" میں ہے لم یقل احد من الائمة الاربعة باقل من عشرین رکعة والیه جمهور الصحابة رضی اللہ عنہم یعنی چاروں اماموں سے کوئی ایک بھی تراویح کی بیس ۲۰ رکعت سے کم کا قائل نہیں۔ جمہور صحابہؓ کا عمل اور عقیدہ بھی یہی تھا۔ امام مالک رحمہ اللہ بیس ۲۰ سے بھی زیادہ ۳۶ رکعات کے قائل ہیں (عرف الشذی ج ا ص ۳۲۹ کتاب الصوم باب الترغیب فی قیام شهر رمضان وما جاء فیه من الفضل) عرف الشذی میں یہ بھی ہے کہ امام مالکؒ کے مسلک کے بموجب جماعت کے ساتھ تراویح کی بیس ۲۰ رکعتیں ہی پڑھی جائیں گی مگر اہل مدینہ کا تعامل اور عام طریقہ یہ تھا کہ وہ ترویحہ میں یعنی چار رکعت پڑھ کر امام صاحب بیٹھتے تھے تو اس وقفہ میں چار رکعت اور پڑھ لیا کرتے تھے۔ جو حضرات مکہ معظمہ میں حرم شریف میں

تراویح پڑھتے تھے وہ اس ترویحہ کے وقفہ میں خانہ کعبہ کا طواف کرلیا کرتے تھے۔ اہل مدینہ خانہ کعبہ کا طواف نہیں کر سکتے تھے تو وہ اس کا تدارک اس طرح کرتے تھے کہ چار ترویحوں میں سولہ رکعتیں پڑھ لیا کرتے تھے (العرف الشذی ص ۳۲۹)۔

(۶) علامہ ابن ہمام:

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں، سند صحیح سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک دور میں صحابہؓ وغیرہ (تابعینؒ) بیس ۲۰ رکعت پڑھتے تھے جو یزید ابن رومان سے موطا امام مالکؒ میں مروی ہے اور بیہقیؒ نے حضرت سائب ابن یزید سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک دور میں ہم بیس ۲۰ رکعت پڑھتے تھے جس کی سند صحیح ہونے کی تحقیق امام نوویؒ نے خلاصہ میں کی ہے۔ (فتح القدیر ج ا ص ۴۰۷ باب قیام شہر رمضان)

(۷) عینی شرح بخاری:

علامہ عینیؒ شرح بخاری میں تحریر فرماتے ہیں کہ تعداد تراویح بیس رکعت ہے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ رحمہما اللہ بھی یہی فرماتے ہیں ان سب کی دلیل وہ روایت ہے جس کو بیہقیؒ نے بسند صحیح حضرت سائب ابن یزیدؒ سے روایت کیا ہے۔ صحابہ کرام حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ رضی اللہ عنہم اور حضرات تابعین رحمہم اللہ بیس ۲۰ رکعت پڑھتے تھے۔ پھر فرماتے ہیں اتباع کے لئے افضل و انسب طریقہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین کا ہے۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری ج۷ ص ۱۷۸ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ)

(۸) علامہ حلبیؒ:

علامہ حلبیؒ کبیری میں فرماتے ہیں۔ علم من هذه المسئلة ان التراويح عندنا عشرون ركعة بعشر تسليمات وهو مذهب الجمهور وعند مالك ستة وثلثون ركعة احتجاجاً بعمل اهل المدينة وللجمهور ما رواه البيهقي باسناد صحيح عن السائب ابن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر رضى الله عنه بعشرين ركعة وعثمان رضى الله عنه وعلى رضى الله عنه مثله وهذا كالاجماع. یعنی بحث مذکور سے معلوم ہوا کہ بے شک ہمارے نزدیک تراویح بیس رکعت ہے، دس تسلیمات سے اور یہی جمہور کا مذہب ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک چھتیس رکعت ہے۔ وہ اہل مدینہ کے تعامل سے استدلال کرتے ہیں اور جمہور کی دلیل وہ روایت ہے جس کو امام بیہقیؒ نے بسند صحیح روایت کیا کہ حضرت عمرؓ کے دور میں بیس ۲۰ رکعت پڑھتے تھے نیز حضرت عثمان وعلی (رضی اللہ عنہما) کے دور میں۔ اور موطا میں یزید ابن رومان سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں لوگ رمضان میں تیئیس ۲۳ رکعت وتر وں سمیت پڑھا کرتے تھے، اور کتاب ''المغنی'' میں حضرت علیؓ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ رمضان میں لوگوں کو بیس ۲۰ رکعتیں پڑھائیں۔ فرمایا یہ مثل اجماع کے ہے۔ ابن رومان کی روایت اگرچہ منقطع ہے مگر امام مالکؒ کے نزدیک حجت ہے اس لئے معتبر ہے۔ (کبیری ص ۳۸۸ صلوٰۃ تراویح تحت قوله والصحيح انهم يصلون فرادی)

(۹) علامہ ملا علی قاریؒ:

علامہ ملا علی قاری شرح النقایہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ فصار اجماعاً لما روی البیهقی باسناد صحیح انهم کانوا یقومون علی عهد عمر رضی الله عنه بعشرین رکعة وعثمان رضی الله عنه وعلی رضی الله عنه . یعنی امام بیہقی نے بسند صحیح حضرت عمرؓ کے زمانے میں اور حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بیس ۲۰ رکعت پڑھنے کے روایت لی ہے لہذا اس پر اجماع ہو چکا ہے۔(شرح النقایہ ج ۱ ص ۱۰۴ صلوٰۃ تراویح)

(۱۰) طحاوی شریف:

بے شک امام طحاویؒ نے تین رکعت وتر کے سلسلہ میں ایک روایت نقل کی ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ تراویح کی رکعتیں ۸ تھیں۔ لیکن اگر امام موصوف اس کے قائل تھے تو ان کو یہ روایت تراویح کے بیان میں نقل کرنی چاہئے تھی مگر وہاں نقل نہیں کی کیونکہ معلوم تھا کہ تراویح کی بیس رکعت پر صحابہ کرام کا اجماع ہو چکا ہے۔[1]

اب حدیث اور حضرات محدثین ومجتہدین کے اقوال ملاحظہ فرمایئے۔

احادیث اور حضرات محدثین وائمہ مجتہدین کے اقوال وارشادات

سنن بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:۔

ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یصلی فی شهر رمضان فی غیر جماعة عشرین رکعة والوتر ۔ بے شک آنحضرت ﷺ ماہ رمضان میں بلا جماعت بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔(ج ۲ ص ۴۹۶ کتاب الصلوة. باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو ابن ابی شیبہؒ نے مصنف میں طبرانی نے کبیر میں ابن عدی نے مسند میں، اور بغوی نے مجمع صحابہ میں نقل کیا ہے۔ کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعةوالوتر. زجاجة المصابیح ج ۱ ص ۳۶۹ باب قیام شهر رمضان.

حافظ حدیث ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے امام رافعی رحمہ اللہ کے واسطے سے نقل کیا ہے انه صلی الله علیه وسلم صلی بالناس عشرین رکعة لیلتین فلما کان فی اللیلة الثالثة اجتمع الناس فلم یخرج الیهم ثم قال من الغد انی خشیت ان تفرض علیکم فلا تطیقونها من حدیث عائشة دون عدد الرکعات.

ترجمہ۔ آنحضرت ﷺ نے دو رات بیس بیس رکعتیں پڑھائیں۔ جب تیسری رات ہوئی تو لوگ جمع ہوئے مگر آنحضرت ﷺ تشریف نہ لائے پھر صبح کو فرمایا۔ مجھے خیال ہوگیا کہ تم پر فرض ہوجائے گی تو تم اس کو نبھا نہ سکوگے۔

---

(۱) روایت یہ ہے عن السائب بن یزید قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرة رکعة قال فکان القاری یقرء بالمئین حتی یعتمد علی العصی من طول القیام وما کنا ننصرف الا فی فروع الفجر معانی الاثار للطحاوی باب الوتر ص ۲۰۵ روایت کا آخری جملہ وما کنا ننصرف الخ بتارہا ہے کہ یہ صلوٰۃ اللیل یعنی تہجد سے متعلق ہے تراویح سے نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں متفق علی صحتہ اس کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافع الکبیر ج ۱ ص ۱۱۹ الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۷۵ اللوامع الدراری شرح صحیح البخاری ص ۱۵۵. ۱۵۶ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ ونحو فی العنایة علی مستخلص الحقائق ص ۲۰۴ للمحدث الفقیه شیخ اکمل الدین رحمه الله وهکذا قال الفقیه المحدث السید جلال الدین الکرلانی الخوار زمی فی الکفایة مع الهدایه ج ۱ ص ۱۶۳ فصل فی التراویح.

فقہ حنبلی کی مشہور کتاب روض الریاض میں ہے والتراویح سنة مؤکدة عشرون رکعة بما روی ابو بکر عبد العزیز الشافعی عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یصلی فی شہر رمضان عشرین رکعة (ونحوہ فی فتاوی قاضی خان ج ۱ ص ۱۱۰ صلوٰة التراویح)

سامرودی صاحب کے ہم مشرب، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا حدیث پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے مگر اس کو بھول جاتے ہیں کہ سند کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں اختلاف ہو۔ مثلاً یہ کہ آنحضرت ﷺ نے آمین بالجہر فرمائی یا بالسر اور جہاں اختلاف ہی نہ ہو حضرات صحابہ کے دور مقدس سے لے کر آج تک ان تمام علما محدثین اور ائمہ مجتہدین اور فقہاء کرام کا اتفاق پایا جاتا ہو جن پر امت اعتماد کرتی ہے یہ اتفاق یہ عمل تواتر اور تلقی بالقبول خود سند اور نہایت قابل وثوق سند ہے، چنانچہ ایسے اقتباسات ہزاروں پیش کئے جاسکتے ہیں جن سے تلقی بالقبول ثابت ہوتا ہے۔ ہم یہاں صرف چند پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) امام ترمذیؒ (المتوفی ۲۷۹ھ) فرماتے ہیں حضرت عمرؓ حضرت علیؓ نیز دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حضرت سفیان ثوریؒ (المتوفی ۱۶۱ھ) حضرت ابن المبارکؒ (المتوفی ۱۸۱ھ) حضرت امام شافعی (المتوفی ۲۰۴ھ) تراویح میں بیس رکعت کے قائل تھے اور امام شافعی کا بیان ہے کہ اہل مکہ کو میں نے بیس رکعت پڑھتے دیکھا ہے (ترمذی ج ۱ ص ۹۹ کتاب الصوم باب ماجاء فی قیام شہر رمضان)

(۲) حدیث کی مشہور کتاب ''کنز العمال'' میں ہے کہ حضرت عمر ابن خطابؓ نے حضرت ابی ابن کعبؓ کو لوگوں کو بیس رکعت پڑھانے کا حکم دیا۔ فصلی بهم عشرین رکعة پس انہوں نے لوگوں کو (صحابہ و تابعین کو) بیس ۲۰ رکعت پڑھائی (ج ۴ ص ۲۸۴)

(۳) حدیث کی تیسری مشہور کتاب بیہقی میں ہے کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطابؓ بعشرین رکعة والوتر یعنی حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے دور میں بیس ۲۰ رکعت تراویح اور وتر پڑھتے تھے (بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ کتاب الصلوٰة باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان۔ نصب الرایه ج ۱ ص ۲۹۴ فصل فی قیام شہر رمضان)

(۴) حدیث کی چوتھی مشہور کتاب موطا امام مالکؒ میں ہے کہ یزید ابن رومان سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں لوگ تراویح بیس اور وتر تین کل تیئیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرین رکعة. ص ۴۰ ماجاء فی قیام رمضان.

(۵) معرفۃ السنۃ میں ہے۔ امام بیہقی نے بسند صحیح روایت نقل کی ہے کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں حضرات قراء کو بلایا اور ایک صاحب کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائیں حضرت علیؓ وتر پڑھایا کرتے تھے۔ عن عبدالرحمن السلمی ان علیاً دعا القرأ فی رمضان فامر رجلاً ان یصلی بالناس عشرین رکعۃ و کان علی یوتر بھم معرفۃ السنۃ للبیھقی ج ۱ ص ۴۷۷ وسنن کبریٰ للبیھقی ج ۲ ص ۴۹۶ کتاب الصلوٰۃ باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شھر رمضان)

(۶) محدث ابن قدامہ کتاب ''المغنی'' میں رقم طراز ہیں کہ بیس ۲۰ رکعت تراویح پر اجماع صحابہ ہوا ہے۔ (ج ۱ ص ۸۰۳)[1]

(۷) محدث علامہ ابن حجر ہیثمی کی تحقیق یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کا بیس رکعت تراویح پر اتفاق ہے تحفۃ الاخیار صفحہ: ۱۹۷۔

(۸) مشہور حافظ حدیث علامہ عبدالبر'' فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ صحابہ کرام حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔ مرقات ج ۲ ص: ۱۷۴۔ باب قیام شہر رمضان۔

(۹) امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت فاروق اعظمؓ حضرت ابی ابن کعبؓ کی امامت پر صحابہ کرام کو جمع کیا تو وہ ان کو بیس رکعت پڑھاتے تھے۔ مرقات ج: ۲ ص: ۱۷۵ ایضاً۔ فلما کان ذلک یشق علی الناس قام بھم ابی بن کعب فی زمن عمر بن خطاب عشرین رکعۃ یوتر بعدھا۔ فتاویٰ ابن تیمیہ ص: ۱۴۸۔

آگے چل کر اس سے زیادہ صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

فانہ قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعۃ فی رمضان ویوتر بثلاث فرأی کثیر من العلماء ان ذلک ھو السنۃ لانہ قام بین المھاجرۃ والانصار ولم ینکرہ منکر (ترجمہ) بے شک ثابت ہو گیا کہ حضرت ابی بن کعبؓ صحابہ کو رمضان میں بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر۔ پس بہت سے علماء کا مسلک یہی ہے کہ یہی سنت ہے کیونکہ حضرت ابی ابن کعبؓ نے مہاجرین وانصار کی موجودگی میں بیس رکعتیں پڑھائیں اور کسی بھی صحابی نے اس پر نکیر نہیں فرمائی (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۱۹۱) یہ ہے ان کا فتویٰ جن کو غیر مقلد اپنا پیشوا کہتے ہیں اس فتوے میں صراحت ہے کہ بیس ۲۰ رکعتیں ہی سنت ہے۔

(۱۰) قطب العارفین امام شعرانی فرماتے ہیں کہ ''پھر حضرت عمرؓ نے تیئیس رکعات کا حکم دیا ان میں سے تین رکعات وتر تھی اور تمام بلاد میں اس پر عمل ہوتا رہا (کشف الغمہ ج ص ۱۶۷) ثم ان عمر رضی اللہ عنہ امر بفعلھا ثلاثاً وعشرین رکعۃ ثلاث منھا وتر واستقر الامر علی ذلک فی الامصار (حوالہ مذکور)

(۱۱) مشہور اہل حدیث نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کا عقیدہ ہے کہ ''حضرت عمرؓ کے دور میں جو طریقہ بیس رکعات کا ہوا اس کو علماء نے اجماع کے مثل شمار کیا ہے۔'' (عون الباری ج ۴ ص ۳۰۷ باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالیل فی رمضان وغیرہ)

---

[1] وروی مالک عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر فی رمضان بثلاث وعشرین رکعۃ وعن علی انہ امر رجلاً یصلی بھم فی رمضان عشرین رکعۃ وھذا کالا جماع، حکم صلوٰۃ التراویح

(۱۲) علامہ بحر العلوم فرماتے ہیں ثم تقرر الامر علی عشرین رکعۃ (پھر بیس رکعت پر اتفاق ہوا (رسائل الارکان ص ۱۳۸ فصل فی صلوٰۃ التراویح)

(۱۳) حافظ حدیث ابن ہمام کی تحقیق "بالآخر بیس ۲۰ رکعت پر اتفاق ہوا اور یہی متوارث ہے" (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۰۷ فصل فی التراویح) ثم استقر الامر علی العشرین فانه المتوارث (حوالہ مذکور)

غیر مقلدوں کے مقتدیٰ اور امام حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی حدیث مذکور نقل فرمائی ہے (دیکھئے منہاج السنہ ج ۲ ص ۲۲۴)

(۱۴) شیخ الاسلام علامہ عینیؒ نقل فرماتے ہیں " کانوا یقومون علی عهد عمر رضی الله عنه بعشرین رکعة وعلی عهد عثمان وعلی مثله الخ " یعنی صحابہ کرام حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھتے تھے اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے میں بھی اسی طرح عمل ہوتا تھا، سند صحیح ہے) (عینی شرح بخاری شریف ج ۷ ص ۱۷۸ کتاب التهجد باب قیام النبی صلی الله علیه وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ)

(۱۵) "فیض الباری" شرح بخاری شریف میں ہے، سأل ابو یوسف ابا حنیفة رحمهما الله تعالیٰ هل کان لعمر رضی الله عنه عهد من النبی صلی الله علیه وسلم فی عشرین رکعة فقال له ابو حنیفة رحمه الله تعالیٰ لم یکن عمر رضی الله عنه مبتدعاً ۔ باب قیام النبیؐ باللیل فی رمضان۔

(ترجمہ) حضرت امام ابو یوسفؒ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے سوال کیا کہ کیا حضرت عمرؓ کے پاس بیس ۲۰ رکعات تراویح کے لئے آنحضرت ﷺ کی جانب سے کوئی عہد (کوئی قول وقرار) تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ حضرت عمر اپنی طرف سے ایجاد کرنے والے نہیں تھے یقیناً ان کے پاس اس کا کوئی ثبوت تھا (فیض الباری شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۲۰ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ) (مراقی الفلاح ص ۸۱ بتغیر فصل فی التراویح) (بحر الرائق ج ۲ ص ۶۶ اخر باب الوتر والنوافل)

(۱۶) "مؤطا امام محمد" میں امام محمدؒ فرماتے ہیں وبهذا ناخذ..... لان المسلمین قد اجمعوا علی ذلک ورأوه حسنا وقد روی عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال ما رأه المؤمنون حسنا فهو عند الله حسن (ترجمہ) حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ کو رمضان میں امام بنا کر تراویح پڑھانے کا حکم دیا ہے) اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں..... اس لئے کہ مسلمانوں (صحابہؓ) نے اس (بیس رکعات) پر اجماع کیا ہے اور اس کو پسند کیا ہے اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسلمان (صحابہؓ) جسے پسند کریں وہ خدا کے نزدیک بھی پسندیدہ ہے۔" (ص ۱۱۱-۱۱۲ باب قیام شهر رمضان وما فیه من الفضل)

(۱۷) "المنتقی من اخبار المصطفی" میں ہے کہ "حضرت عمرؓ کے دور میں صحابہؓ وغیرہم رضی اللہ عنہم رمضان میں (بشمول وتر) تیئیس رکعتیں پڑھتے تھے (ص ۷۸)

(۱۸) حضرت یحییٰ بن سعید انصاریؒ (قاضی مدینہ منورہ) سے روایت ہے ان عمر بن الخطاب امر رجلا ان یصلی بهم عشرین رکعة ، اسناده مرسل قوی (یعنی) بیشک حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک

صاحب کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس ۲۰ رکعات پڑھایا کریں اس کی سند مرسل قوی ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۰۶ بحوالہ رکعات التراویح) (آثار السنن ج ۲ ص ۵۵ باب فی التراویح بعشرین رکعات)

(۱۹) حضرت عبدالعزیز بن رفیع فرماتے ہیں کان ابی بن کعب رضی اللہ عنہ یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ یوتر بثلث، اسنادہ مرسل قوی (یعنی) حضرت ابی بن کعبؓ رمضان میں مدینہ منورہ میں لوگوں کو بیس رکعات پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر، اس کی سند مرسل قوی ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۰۶) آثار السنن ج ۲ ص ۵۵ باب فی التراویح)

(۲۰) حضرت ابوالخطیبؒ فرماتے ہیں کان یؤمنا سوید بن غفلۃ فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعۃ، اسنادہ حسن (ترجمہ) حضرت سوید بن غفلہؒ رمضان میں ہماری امامت کرتے تھے اور پانچ ترویحوں میں بیس ۲۰ رکعات پڑھاتے تھے، اس کی سند حسن ہے۔ (بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶) (آثار السنن ج ۲ ص ۵۵ باب فی التراویح)

(۲۱) حضرت شتیر بن شکل (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ) کے شاگرد رمضان میں امامت کرتے تھے اور بیس رکعات پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر، یہ روایت قوی ہے۔ (۲۲) جلیل القدر تابعی مفتی مکہ حضرت عطاء (بیھقی ج ۲ ص ۴۹۶ کتاب الصلوۃ باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شھر رمضان) (قیام اللیل ص ۹۱) (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۱۷۴ باب قیام شھر رمضان)

جلیل القدر تابعی مفتی مکہ حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں ادرکت الناس وھم یصلون ثلاثا وعشرین رکعۃ بالوتر واسنادہ حسن (ترجمہ) میں نے صحابہؓ وغیرہ سب لوگوں کو مع وتر کے مکہ میں تئیس رکعت پڑھتے دیکھا ہے۔ "اس کی سند حسن ہے" (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۰۶) فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب التھجد، باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ ج ۴ ص ۲۱۹ (قیام اللیل ص ۹۱) آثار السنن ج ۱ ص ۵۵ باب فی التراویح بعشرین رکعات)

(۲۳) حضرت نافعؒ شاگرد ابن عمرؓ فرماتے ہیں کان ابن ملیکۃ رضی اللہ عنہ یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعۃ "اسنادہ حسن (آثار السنن ج ۲ ص ۵۶ ایضاً) (حضرت ابن ابی ملیکہ بیس رکعت پڑھاتے تھے (اس کی سند حسن ہے)

(۲۴) حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں ان عبداللہ بن مسعود کان یصلی عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیس رکعت پڑھا کرتے تھے اور تین وتر۔ "اس کی سند مرسل قوی ہے۔" (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ ج ۱ ص ۱۲۷) (قیام اللیل ص ۹۱)

(۲۵) حضرت ابوالبختری رمضان میں پانچ ترویحات پڑھتے تھے اور تین وتر" (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۰۶)

(۲۶) حضرت ابوالحسناء سے روایت ہے ان علی بن ابی طالب امر رجلا یصلی بنا خمس

ترويحات عشرين ركعة (ترجمہ) حضرت علیؓ بن ابی طالب نے ایک شخص کو حکم دیا کہ ہمیں پانچ ترویحوں میں بیس ۲۰ رکعت پڑھائیں۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان)
(عمرو بن قیس کی متابعت کی وجہ سے روایت قوی ہے۔ دیکھئے (الجوہر النقی ج ۱ ص ۲۰۸ ایضاً) (عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۱۱ ص ۱۲۷ باب قیام النبیؐ

(۲۷) حضرت محمد بن کعب قرظی نے فرمایا كان الناس يصلون في زمان عمر بن الخطاب فی رمضان عشرين ركعة (ترجمہ) حضرت عمرؓ کے دور میں لوگ رمضان شریف میں بیس ۲۰ رکعت پڑھتے تھے (قیام اللیل ص ۹۱)

(۲۸) حضرت سعید بن عبید فرماتے ہیں ان علی بن ربيعة كان يصلي بهم في رمضان خمس ترويحات ويوتر بثلاث (ترجمہ) علی بن ربیعہ رمضان میں پانچ ترویحات (بیس ۲۰) رکعت پڑھاتے تھے اور تین وتر۔ اس کی سند صحیح ہے (آثار السنن ج ۲ ص ۵۶ باب فی التراویح بعشرین رکعات)
(۲۹) علامہ سبکی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ "ہمارا مسلک بیس رکعت تراویح سنت ہونے کا ہے جو بسند صحیح ثابت ہے" (شرح المنہاج)
(۳۰) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (غوث الاعظم) فرماتے ہیں۔ وهي عشرون ركعة يجلس عقب كل ركعتين ويسلم (ترجمہ) اور وہ بیس رکعت ہیں ہر دو رکعت کے بعد بیٹھے اور سلام پھیرے…… و نوى في كل ركعتين اصلي ركعتي التراويح المسنونة (اور ہر دو رکعت پر یہ نیت کرے کہ میں دو رکعت تراویح مسنون پڑھتا ہوں (غنیۃ الطالبین ج ۲ ص ۱۱-۱۰)
(۳۰) حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں التراويح وهي عشرون ركعة وكيفيتها مشهورة وهي سنة مؤكدة (ترجمہ) تراویح بیس رکعت ہے اس کی کیفیت (طریقہ) معلوم ہے اور وہ سنت موکدہ ہے۔ (احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۰۸ من الروایت صلاۃ التراویح) وقوله عشرون ركعة بيان لكميتها وهو قول الجمهور لما في المؤطا عن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون في زمن عمر بن الخطاب رضي الله عنه بثلث وعشرين ركعة (ج ۲ ص ۲۶) (یعنی) اور بیس رکعت جمہور علماء کا قول ہے اس لئے کہ مؤطا میں ہے یزید بن رومانؒ نے فرمایا کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانے میں (وتر سمیت) تئیس رکعتیں پڑھتے تھے۔
(۳۱) شیخ احمد رومی فرماتے ہیں والصحابة حينئذ متوافرون منهم عثمان وعلي وابن مسعود والعباس وابنه وطلحة والزبير ومعاذ وغيرهم من المهاجرين والانصار وما رد عليه واحد منهم بل ساعدوه ووافقوه وامروه بذلك وواظبوا عليها حتى ان علياً اثنى عليه ودعاله بالخير وقال نور الله مضجع عمر كما نور مساجدنا وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين من بعدي وهي عشرون ركعة (مجالس الابرار مجلس نمبر ۲۸)
(ترجمہ) اس زمانہ میں جب حضرت عمرؓ نے صحابہ کی جماعت ایک کی اور حضرت ابی بن کعب کو امامت کے لئے نامزد فرمایا حضرات صحابہ بکثرت موجود تھے ان میں حضرت عثمان حضرت علی ابن مسعود عباس اور ان کے

ساتھ ادا کرتے ابن عباس حضرت طلحہ حضرت زبیر حضرت معاذ اوران کے علاوہ سب ہی حضرات مہاجرین وانصار موجود تھے کسی نے حضرت عمرؓ پر اعتراض نہیں کیا ان کی تردید نہیں کی بلکہ سب نے ساتھ دیا، ان کی تائید وموافقت کی اور اس کو جاری اور رائج کیا اور ہمیشہ پابندی سے پڑھتے رہے یہاں تک کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی تعریف کی (ان کا شکریہ ادا کیا) اوران کے لئے دعاء خیر کی (وفات کے بعد فرمایا کرتے تھے) اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی قبر کونور سے بھردے جیسے حضرت عمر نے (رضی اللہ عنہ) ہماری مسجد روشن کیں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے طریقے اور خلفاء راشدین جو میرے بعد ہوں گے، ان کے طریقہ کو لازم پکڑو اور تراویح کی بیس ۲۰ رکعتیں ہیں (مجالس الابرار م۲۸ ص ۱۸۷)

(۳۲) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اور تابعینؒ کے زمانہ میں تراویح کی بیس ۲۰ رکعت مقرر ہوئی تھیں وزادت الصحابة ومن بعدهم في قيام رمضان ثلاثة اشياء الاجتماع له في مساجدهم وذلک لانه يفيد التيسير على خاصتهم وعامتهم واداؤه في اول الليل مع القول بان صلوٰة اخر الليل مشهودة وهي افضل كما نبه عمر رضي الله عنه لهذا التيسر الذي اشرنا اليه عدده عشرون ركعة (حجة الله البالغه ج۲ ص ۶۷ من النوافل قيام شهر رمضان)

(۳۳) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں "من بعد عدد بست وسہ را اختیار کردند دریں عدد اجماع شدہ بود (یعنی) صحابہ کرام نے تیس رکعت (بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر) اختیار فرمائی اس عدد پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے (مجموعہ فتاوی عزیزی ج ۱ ص ۱۲۶)

(۳۴) مولانا قطب الدین خاں محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں "لیکن اجماع ہوا صحابہ کا اس پر کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۳۳ باب قیام شھر رمضان)

(۳۵) علامہ شبیر احمد عثانیؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ میں سے کسی نے بھی بیس رکعت سے اختلاف نہیں کیا اس لئے تمام حضرات بیس رکعت پر متفق تھے۔ فتح الملهم شرح صحيح المسلم ج ۲ ص ۳۲۰ باب الترغيب في قيام رمضان هو التراويح)

جب ان حوالجات سے جو مشتے نمونہ از خروارے ہیں آفتاب نیم روز کی طرح ثابت ہوگیا کہ اگر پہلے کچھ اختلاف بھی رہا ہو مگر حضرت فاروق اعظمؓ کے دور مسعود میں بیس رکعات تراویح پر اجماع ہوگیا۔ حضرت فاروقؓ کی بعد باقی خلفاء راشدین (حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ) کے دور میں بیس رکعات کے اجماع کو مزید استحکام حاصل ہوا۔ تو اب حضرات علماء محدثین اور فقہاء کرام کے مندرجہ ذیل اقوال پر تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ علامہ نووی شارح مسلم فرماتے ہیں:۔

تراویح باجماعت شعار اسلام میں سے ہے۔ نماز عید کے مشابہ ہے۔ (لانه من الشعائر الظاهرة فاشبه صلوة العيد (نووی شرح مسلم شريف ج ۱ ص ۲۵۹)

فمودی ثمان رکعات یکون تارکا للسنة الموکدة (تعلیقات ہدایہ ج ۱ ص ۱۳۱) تراویح کی آٹھ رکعت پڑھنے والا سنت مؤکدہ کا تارک ہوگا۔ جب ترک سنت کی بات آ گئی تو ہر ایک صاحب ایمان کو ترک سنت کی وعید اور سزا سے

خائف رہنا چاہئے۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ستة لعنتهم ولعنهم اللہ وکل نبی مجاب. الزائد فی کتاب اللہ عزوجل والمکذب بقدر اللہ عزوجل والمستحل حرمة اللہ والمستحل من عترتی ماحرم اللہ والتارک اللسنة. مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۰.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ چھ شخص وہ ہیں جن پر میں بھی لعنت بھیجتا ہوں اور اللہ تعالیٰ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور ہر ایک برگزیدہ نبی نے ان پر لعنت بھیجی ہے۔ وہ شخص جو کتاب اللہ میں زیادتی کرے۔ جو تقدیر کی تکذیب کرے جو ایسی چیز کو حلال قرار دے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے۔ جو میری آل اولاد میں سے اس کو حلال کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ اور جو تارک سنت ہو۔

اس کے بالمقابل ہر ایک صاحب ایمان کو یہ بشارت ہونی چاہئے کہ رمضان شریف کی برکت سے سنت تراویح کا ثواب فرض کے برابر ہوگا (انشاء اللہ) کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ رمضان شریف میں کسی بھی خصلت خیر (اچھی بات) کا ثواب فرض جیسا ملتا ہے۔ **من تقرب فیہ بخصلة من الخیر کان کمن ادی فریضة فیما سواہ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۷۳) وفقنا اللہ لما یحبہ ویرضاہ. امین.**

تفصیلی جائزہ

سنجیدہ تنقیحات۔ منصفانہ فیصلے کے لئے عادلانہ شرائط اور ان کے تقاضے

اوپر کے صفحات میں سامرودی صاحب کے غلط حوالوں کی حقیقت بیان کی گئی ہے، پھر وہ اقتباسات پیش کئے گئے ہیں جن سے بیس ۲۰ رکعت کا تواتر اور توارث معلوم ہوتا ہے۔ جہاں تک سامرودی صاحب کے بلند بانگ دعوؤں کا تعلق ہے ان کی تردید کے لئے یہ تحریر کافی ہے۔ لیکن یہ فقیر چاہتا ہے کہ مسئلہ کی مزید وضاحت کی جائے۔ سامرودی صاحب بظاہر ان میں سے ہیں جو سننے کو ان سنا کر دیتے ہیں **لھم اعین لا یبصرون بھا ولھم آذان لا یسمعون بھا**۔ مگر جن کو اللہ تعالیٰ نے طلب حق کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ وہ سنجیدہ تحقیق کی قدر کرتے ہیں اور اس سے مطمئن ہوتے ہیں ارشاد ربانی ہے۔ **فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ** (سورہ زمر ع ۲) (اے پیغمبر۔ میرے ان بندوں کو بشارت سنادو جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر جو اچھی بات ہوتی ہے اس کو قبول کرتے ہیں اور اس پر چلتے ہیں۔'' یہی صاحب اخلاص طالبان حق جو بشارت خداوندی کے مستحق ہیں، ہمارے مخاطب ہیں۔ وباللہ التوفیق۔)

جب کسی شخص یا کسی جماعت کی طرف سے کوئی اعتراض سامنے آئے تو ایک حق پرست انصاف پسند کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ رائے قائم کرنے اور کوئی فیصلہ صادر کرنے سے پہلے سے دیکھے کہ وہ شخص یا وہ جماعت جس پر یہ الزام لگایا جا رہا ہے اس کا طرز و انداز اس کا ذوق وفکر اور اس کا کردار کیا ہے اور اس اعتراض کی نوعیت کیا ہے۔ اگر اس شخص یا اس جماعت کی کچھ مشہور و معروف خصوصیتیں ہیں جو اعتراض کرنے والے کے نزدیک بھی مسلم ہیں تو کیا ان خصوصیتوں

نے ہوتے ہوئے ممکن ہے کہ یہ الزام اس جماعت یا اس شخص پر چسپاں ہو سکے یا الزام لگانے والے کے متعلق یہ بات درست ہو گا۔

گرنہ بیند بروز شپرہ چشم (۱)
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اگر سامرودی صاحب کو خوش کرنے کے لئے تسلیم کر لیا جائے کہ تراویح کی بیس رکعتیں آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہیں تو پھر لازمی طور پر سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کی شخصیت اور حضرات صحابہ کی جماعت سے آتی ہے کیونکہ یہی حضرات تراویح کے موجد قرار پاتے ہیں نیز نماز اور قرآن حکیم کا مسئلہ سامنے آتا ہے کیونکہ تراویح کی حقیقت یہی ہے کہ خاص طرح پر نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے جس میں بالا قساط پورا قرآن شریف دہرایا جاتا ہے تو سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا عمر فاروقؓ کی شخصیت ایسی ہے کہ کسی بدعت کی موجد ہو سکے بالخصوص قرآن شریف اور نماز کے بارے میں کوئی نئی ایجاد امت کے سر مڑھ سکے۔

کیا عمر فاروقؓ کی شخصیت لوگوں کے اعتراض سے بالاتھی اور کوئی ان کے سامنے زبان نہیں ہلا سکتا تھا، کیا کوئی صحابی اور خصوصاً جماعت صحابہ اپنی آنکھوں کے سامنے کسی بدعت کو دیکھ سکتے تھے۔ آیئے اور ہر ایک تنقیح کا جائزہ لیجئے۔

سب سے پہلے حضرت عمرؓ کو پہچاننے کی کوشش کیجئے۔

یہی وہ عمر ہیں جن کا خطاب فاروق ہے کیونکہ ان کا ہر ایک عمل اور ہر ایک قول حق و باطل کے درمیان فرقان ہوتا ہے جو دودھ کو دودھ اور پانی کو پانی کر دیتا ہے۔ جن کی خصوصیت صادق مصدوق ﷺ کی لسان صداقت آفرین نے یہ بیان فرمائی ہے **اشدھم فی امر اللہ** (خدا کے معاملہ (دین کی باتوں) میں نہایت سخت ہیں) آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد نے تواتر کی حیثیت اختیار کر لی ہے اکثر خطباء خطبہ جمعہ میں اس ارشاد کو بر سر منبر دھراتے ہیں۔

یہ وہی عمر ہیں جن کے نام نامی سے شیطان بھی لرزتا ہے حتیٰ کہ جس راستہ پر عمر فاروقؓ قدم رکھتے ہیں شیطان کا وہاں گذر نہیں ہو سکتا۔ وہ اس راستہ سے کترا کر دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے۔ (حدیث صحیح)

بایں ہمہ استقامت و تقدس آپ کا ارشاد یہ ہے۔

احب الناس الی من رفع الی عیوبی (تاریخ الخلفاء) (مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو مجھ تک میرے عیب پہنچائے (جو مجھے میری غلطی سے آگاہ کرے)

اچھی طرح پہچاننے یہ عمر فاروقؓ وہی ہیں جنہوں نے عہد خلافت کے بعد سب سے پہلا اعلان یہی کیا تھا کہ "میری اطاعت اس وقت تک ہے جب تک اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے فرمان اور سیرت صدیق پر عمل کرتا ہوں۔ اور جہاں خالق کی معصیت ہو وہاں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔"

پھر یہ اعلان رسمی نہیں تھا۔ بلکہ حقیقت اور سراسر حقیقت تھا اور مختلف عنوانات سے آپ اس کا اعادہ فرماتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے برسر منبر دریافت فرمایا۔

(۱) اگر دن میں چمگادڑ نہیں دیکھ سکتی تو اس میں آفتاب کا کیا قصور۔

لوگو! اگر میں سنت نبوی اور سیرت صدیقی کے خلاف کوئی حکم دوں تو تم کیا کرو گے۔ لوگ خاموش رہے۔
پھر دوبارہ آپ نے دریافت فرمایا۔ تو ایک نوجوان تلوار کھینچ کر کھڑا ہو گیا اور اشارہ کر کے بتادیا یعنی انقلاب برپا کردیں گے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: جب تک یہ جرأت باقی ہے امت گمراہ نہیں ہو سکتی۔ (سیرۃ خلفاء راشدین ص ۶۸)
ایک مرتبہ آپ تقریر کرنے کے لئے منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا **اسمعوا و اطیعوا** (سنو اور عمل کرو) ایک شخص نے فوراً کھڑے ہو کر اعلان کر دیا **لا نسمع و لا نطیع** (نہ ہم آپ کی بات سنیں گے اور نہ آپ کے کہنے پر عمل کریں گے) فاروق اعظمؓ نے اس اعلان کرنے والے کی گردن اڑا دینے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ وجہ دریافت کی۔ اعلان کرنے والے نے جواب دیا کہ آپ نے مال غنیمت کی تقسیم میں مساوات سے کام نہیں لیا۔ یہ کپڑا جس کا آپ سلہ پہنے ہوئے کھڑے ہیں ہمیں بھی ملا ہے مگر ہم اس میں حلہ (چادر اور تہبند) نہیں بنا سکے اور آپ نے حلہ بنا لیا۔ آپ نے ہم سے دو گنا لیا ہے مساوات نہیں برتی۔
عمر فاروقؓ نے خود جواب نہیں دیا بلکہ اپنے صاحبزادے عبداللہ بن عمرؓ کو طلب فرمایا۔ انہوں نے شہادت دی کہ جو کپڑا انہیں ملا تھا وہ میں نے حضرت فاروق (رضی اللہ عنہ) کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس طرح دو حق داروں کے دو حصوں سے مل کر یہ ایک حلہ بنا ہے۔ اعتراض کرنے والے نے اپنی جرأت کی کوئی معذرت نہیں کی بلکہ نہایت سادہ انداز میں کہہ دیا۔ اچھا اب آپ فرمایئے ہم سنیں گے اور عمل کریں گے دیکھئے الاسلام بین العلماء والحکماء ص ۲۰۷۔
(گویا معمولی بات تھی کہ فاروق اعظمؓ کے متعلق غلطی کا شبہ بھی ہو تو عام مسلمانوں کی عدالت اس کی تحقیق کرے اور فیصلہ صادر کرے)
پھر یہ آزادی صرف مردوں کو حاصل نہیں تھی بلکہ عورتوں کو بھی تنقید کا اتنا ہی حق تھا اور وہ بھی ایسی ہی جرأت اور دلیری سے جرح کیا کرتی تھیں۔
ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظمؓ نے خطبہ میں ہدایت فرمائی کہ چار سو درہم سے زیادہ مہر نہ رکھے جائیں۔ (آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات کے یہی مہر مقرر فرمائے تھے۔ صاحبزادی محترمہ سیدۃ النساء حضرت فاطمہ کے مہر بھی پانچ سو درہم ہی تھے) ایک قریشی بڑھیا نے برجستہ جرح کردی کہ ارشاد خداوندی ہے **و اتیتم احداھن قنطاراً فلا تاخذوا منه شیئا**۔ (اگر تم دے چکے کسی بیوی کو مال کا توڑا (ڈھیر) پس مت واپس لو اس میں سے کچھ) سورۂ نساء ع ۱۴۔ جب اللہ تعالیٰ نے قنطار پر بھی پابندی نہیں لگائی تو آپ کو کیا حق ہے کہ چار سو درہم سے زائد پر پابندی لگادیں۔ (خلاصۃ الخلفاء سیر ج اص ۳۶۴)

صحابہ کرام اور بدعت سے نفرت:

یہ عمر فاروق ہیں (رضی اللہ عنہ) اب حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کردار پر نظر ڈالئے۔ ان کا ذوق کیا تھا اور ان کی فطرت کیا بن چکی تھی۔ یہ مقدس طبقہ جس کو اللہ تعالیٰ نے نبی آخرالزمان (ﷺ) کی رفاقت کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ جس کو آخری پیغام کا حامل بنایا۔ جو اس دین کامل کا محافظ اول اور مبلغ تھا، جو قیامت تک رہنے والا ہے۔ وہ آنحضرت ﷺ کی سنن مبارکہ کا اتنا دلدادہ اور عاشق تھا۔ بدعت اور خلاف سنت فعل سے اتنا بیزار تھا کہ امت کا

کوئی طبقہ یا کوئی فرد اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتا۔ جماعت صحابہ کے ایک فرد حضرت عبداللہ بن مغفل کی شہادت ہے
لو ارا حدمن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ابغض الیہ الحدث فی الا سلام یعنی منہ ترمذی شریف (ج ۱ ص ۳۳ باب ماجآء فی ترک الجھر ببسم اللہ الرحمن الرحیم) میں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کسی کو ایسا نہیں دیکھا کہ وہ بدعت سے زیادہ اور کسی چیز سے بغض رکھتا ہو۔

ذیل کی مثالوں میں آپ صحابہ کرام کی دقت نظر کا جائزہ لیجئے۔ جو باتیں ہمیں بہت معلوم ہوتی ہیں صحابہ کرام کی نظر کتنی کڑی اور سخت ہوتی ہے اور کس طرح وہ بڑے سے بڑے صاحب شوکت وحشمت کو ٹوک دیتے ہیں۔ پھر بنظر انصاف فیصلہ کے لئے کہ کیا ایسے سخت گیر پابند سنت متبع شریعت حضرات کی پوری جماعت کے سامنے ممکن ہے کہ کوئی فعل علانیہ طور پر خلاف سنت ہوتا رہے اور وہ اس پر ہنگامہ برپا نہ کریں بلکہ اس کے خلاف اس میں پورے ذوق وشوق سے شریک ہوں اور قلبی اطمینان کا اظہار کریں، اب مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) بانیٔ بدعت سے سلام بند:

حضرت عبداللہ بن عمر کو ایک شخص نے سلام پہنچایا، آپ نے فرمایا میں نے سنا ہے کہ اس نے بدعت ایجاد کی ہے، اگر یہ سچ ہے تو میری طرف سے اس کو سلام پہنچانے کی کوئی حاجت نہیں، عن نافع ان رجلا اتی ابن عمر فقال ان فلانا یقرأ علیک السلام فقال انہ بلغنی انہ قد احدث فان کان قد احدث فلا تقرأہ منی السلام (مشکوٰۃ شریف ص ۲۳ باب الا یمان بالقدر)

(۲) اذان کے بعد تثویب پر اظہار نفرت:

مکہ معظمہ میں موذن نے اذان صبح کے بعد تثویب کہی مثلاً لوگوں کو بلانے کے لئے زور سے پکارا الصلوٰۃ جامعۃ (جماعت تیار ہے) تو حضرت فاروقؓ نے نہایت سختی کے ساتھ دھمکا کر فرمایا الیس فی اذانک ما یکفینا؟ (کیا تو نے اپنی اذان میں جو کہا (حی علی الصلوۃ) وہ ہمیں کافی نہ تھا؟) کفایہ ج اص ۴۸)

(۳) حضرت علیؓ نے موذن کو عشاء کی اذان کے بعد تثویب کرتا ہوا دیکھا تو خفا ہو کر فرمایا اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو ان علیاً رضی اللہ عنہ مؤذنا یثوب للعشاء، فقال اخرجوا ھذا المبتدع من المسجد (اقامۃ الحجۃ ص ۷) (بحر الرائق ج ۱ ص ۲۶۲ باب الاذان تحت قولہ ویثوب)

(۴) حضرت ابن عمرؓ نے اذان ظہر کے بعد مؤذن کو تثویب کرتے ہوئے دیکھا تو بے حد غضبناک ہوئے اور اپنے ساتھی "حضرت مجاہد" سے کہا کہ اس بدعتی کے پاس سے ہمیں لے چلو (چونکہ اخیری عمر میں نابینا ہو گئے تھے) پھر مسجد چھوڑ کر چلے گئے اور وہاں نماز نہ پڑھی ورزی عن مجاھد قال دخلت مع عبداللہ بن عمر مسجدا وقد اذن فیہ ونحن نرید ان نصلی فیہ فثوب المؤذن فخرج عبداللہ بن عمر وقال اخرج بنا من عند ھذا المبتدع ولم یصل فیہ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۲۸ باب ماجآء فی التثویب فی الفجر) (ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۸۶) (الاعتصام ج ۲ ص ۲۲۴) (واللفظ للترمذی)

(غور فرمائیے۔ جو حضرات اذان کی بعد ایک لفظ کا پکارنا گوارا نہیں کر سکتے تھے کیا وہ تراویح کی بیس ۲۰

رکعتیں برداشت کر لیتے)

(۵) خلاف سنت تقریب سے مقاطعہ:

حضرت عثمان بن ابی العاص کو ختنہ میں بلایا گیا تو انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ختنہ کے موقعہ پر نہ ہم جاتے تھے نہ ہمیں بلایا جاتا تھا۔ (مسند امام احمد ج۴ ص ۲۱۷)

(۶) تلبیہ کے ایک لفظ کے اضافہ سے ناراضگی:

حضرت سعد بن مالکؓ نے ایک حاجی کو تلبیہ میں لبیک ذاالمعارج کہتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یہ لفظ نہیں کہتے تھے۔ **ان سعد بن مالک سمع رجلا یقول لبیک ذا المعارج فقال ما کنا نقول ھذاعلی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تلبیس ابلیس ص ۱۷)**

(۷) حضرت ابن عباسؓ اور حضرت امیر معاویہؓ خانہ کعبہ کا طواف فرما رہے تھے، حضرت امیر معاویہؓ نے خانہ کعبہ کے تمام کونوں کو بوسہ دیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ ان دو کونوں یعنی رکن یمانی اور حجر اسود کے علاوہ کسی اور گوشہ کو بوسہ نہیں دیا کرتے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا اس مقدس گھر کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جس کو چھوڑ دیا جائے (بوسہ نہ دیا جائے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ** (تمہارے لئے رسول مقبول ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے) (اگر چہ خانہ کعبہ کا ہر ذرہ متبرک ہے مگر ہمیں وہ عمل کرنا ہے جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے) حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ آپ کا فرمانا صحیح ہے (مسند امام احمد)

تنبیہ:

جو حضرات خلاف سنت بیت اللہ کو بوسہ دینا گوارا نہیں کر سکتے تھے کیا ممکن تھا کہ وہ مسجد نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) اور حرم مکہ میں معاذ اللہ بیس رکعت والی بدعت دیکھیں اور خاموش رہیں۔

(۸) بے وقت نوافل پر تنبیہ:

حضرت ابن عباسؓ نے حضرت طاؤس کو عصر بعد نوافل پڑھتے دیکھ کر روکا اور فرمایا کہ خلاف سنت ہے۔

(۹) حضرت علیؓ نے عیدگاہ میں نماز عید سے پہلے ایک شخص کو نفل پڑھنے سے روکا۔ اور فرمایا کہ جو کام آنحضرت ﷺ نے نہیں کیا یا کرنے کی ترغیب نہیں دی ہے۔ اس کے کرنے میں ثواب نہیں ہے، لہذا تیری یہ نماز عبث ہے اور (عبادات میں) عبث کام حرام ہے، اندیشہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی مخالفت کی وجہ سے خدا پاک تجھے عذاب دے دے۔ (مجالس الابرار م ۱۲۹؍۱۸) غور فرمایئے حضرت علیؓ دو رکعت نفل نماز کو اس لئے حرام اور مستحق عذاب سمجھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے طریقہ کے مطابق نہیں ہے لیکن تراویح کی بیس رکعت سے منع تو کیا کرتے اس کا اہتمام کرتے ہیں اور ان کو پڑھانے کے لئے امام مقرر کرتے ہیں (جیسا کہ نمبر ۲۰ میں گذر چکا ہے)

(۱۰) مسنون وقت سے پہلے خطبہ پر حاکم وقت کو تنبیہ:

حضرت ابو سعید خدریؓ نے خلیفہ مروان کو نماز عید سے پہلے خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا تو منع کیا اور فرمایا کہ یہ خلاف سنت ہے (اقامۃ الحجۃ ص ۵)

(۱۱) ہیئت مسنونہ کے خلاف خطبہ پڑھنے پر عتاب اور برہمی:

حضرت کعب بن عجرہؓ نے عبدالرحمن بن ام الحکم کو خلاف سنت خطبہ بیٹھ کر پڑھتے ہوئے دیکھا تو غضبناک ہو کر فرمایا۔ دیکھو! یہ خبیث خطبہ بیٹھ کر پڑھتا ہے۔ عن ابی عبیدۃ عن کعب بن عجرۃ قال دخل المسجد وعبد الرحمن بن ام حکم یخطب قاعداً فقال انظروا الی هذا الخبیث یخطب قاعداً (صحیح مسلم شریف ج ۱ ص ۲۸۴ کتاب الجمعة)

(۱۲) غلط فتوے پر حاکم اور قاضی (جج) کو تنبیہ:

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حاکم کوفہ اور حضرت سلمان بن ربیعہ قاضی کوفہ نے میراث کے ایک مسئلے میں ملکیت کے دو حصے فرما کر لڑکی کو ایک اور بہن کو ایک حصہ دینے کا اور پوتی کے محروم ہونے کا فتویٰ دیا اور مستفتی کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس بھیجا کہ اس سے تصدیق کرائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک یہ فتویٰ صحیح نہیں تھا۔ آپ نے برجستہ فرمایا میں نے آنحضرت ﷺ سے جو سنا ہے اس کے خلاف نہیں کہہ سکتا، اگر کہوں گا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق نصف ملکیت (ترکہ) لڑکی کو اور سدس (چھٹا حصہ) پوتی کو اور بقیہ ترکہ بہن کو دیا جائے (بخاری شریف ج ۲ ص ۹۹۷ پ ۲۷ کتاب الفرائض باب میراث ابنۃ ابن مع ابنۃ)

(۱۳) دعا یا خطبہ میں خلاف سنت ہاتھ اٹھانے پر تنبیہ:

ایک شخص کو دعا میں سینہ سے اوپر تک ہاتھ اٹھاتا ہوا دیکھ کر حضرت ابن عمرؓ نے بدعت ہونے کا فتویٰ دیا۔ دلیل میں فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کو دعا کے وقت (سوائے کسی خاص موقعہ کے) سینہ سے اوپر تک ہاتھ اٹھاتے نہیں دیکھا۔ عن ابن عمرؓ انه یقول ان رفعکم ایدیکم بدعة مازاد رسول الله صلی الله علیه وسلم علی هذا یعنی الی الصدر. رواه احمد (مشکوٰة شریف ص ۱۹۶ کتاب الدعوات الفصل الثالث)

(۱۴) بشر بن مروان کو خطبہ میں ہاتھ اٹھاتا ہوا دیکھ کر حضرت عمارہ بن رویبہؓ نے فرمایا قبح الله هاتین الیدیتین القصیرتین لقد رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم وما یزید علی هذا واشار هشیم بالسبابة (یعنی) اللہ ان چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو خراب کردے میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے نہیں دیکھا) (ترمذی شریف ج ۱ ص ۶۸ ابواب الجمعة باب ماجآء فی کراهیة رفع الایدی علی المنبر)۔

(۱۵) قعدہ میں دعا میں ہاتھ اٹھاتا ہوا دیکھ کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا آنحضرت ﷺ جب تک

نماز سے فارغ نہ ہو لیتے، دعا میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

(۱۶) خلاف سنت تسبیح وتہلیل اور ذکر اللہ پر ناراضگی:

نماز صبح میں لوگ جمع ہو کر خاص طریقہ سے سو مرتبہ اللہ اکبر سو مرتبہ لا الہ الا اللہ سو مرتبہ سبحان اللہ پڑھتے تھے اس کی خبر حضرت عبداللہ بن مسعود کو ملی، آپ وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا اے امت محمد ﷺ! تم پر افسوس تمہاری ہلاکت کی گھڑی کتنی قریب آ گئی ہے، ابھی تمہارے نبی ﷺ کے صحابہ موجود ہیں، تمہارے نبی کے کپڑے پرانے نہیں ہوئے ان کے برتن سلامت ہیں اور تم ابھی سے بدعتوں میں مشغول ہو گئے؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یا تو تم ایک ایسے دین پر ہو جو حضرت محمد ﷺ کے دین سے (نعوذ باللہ) زیادہ راست اور صحیح ہے یا تو تم گمراہی کے دروازے پر پہنچ گئے ہو، جو عنقریب کھلنے والا ہے (ازالۃ الخفاء مقصد اول فصل پنجم ص ۱۳۰)

(۱۷) ایک روایت میں ہے کہ ایک جماعت بعد مغرب بیٹھا کرتی تھی اور ان میں سے ایک شخص کہتا کہ اتنے مرتبہ اللہ اکبر کہو اور اتنی بار سبحان اللہ کہو اور اتنی بار الحمد اللہ کہو اور لوگ کہتے جاتے تھے، حضرت ابن مسعود کو اس کی خبر دی گئی، آپ ان لوگوں کے پاس گئے وہ جو کچھ کہتے تھے جب آپ نے سن لیا تو آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ میں عبداللہ ابن مسعود ہوں، قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے بے شک یا تو تم نہایت تاریک بدعت میں مبتلا ہو گئے یا حضرت محمد ﷺ کے اصحاب سے علم میں بڑھ گئے۔ اور پھر ان کو مسجد سے نکال دیا (الاعتصام ج ۲ ص ۱۶۵) (مجالس الابرار م ۱۸ ص ۱۲۵) تعجب ہے محض تسبیحات پڑھنے پر مسجد سے نکال دیا جائے اور تراویح کی بیس رکعتوں پر کوئی اعتراض نہ ہو۔

(۱۸) چاشت کی نماز حدیث سے ثابت ہے، مگر (گھر میں یا مسجد میں تنہا) اس کے برخلاف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جب دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد میں علانیہ پڑھتے ہیں تو آپ نے اس کو بدعت قرار دیا۔ (صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۳۸ ابواب العمرۃ، باب کم اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱ ص ۲۳۸) (شرح مسلم نووی ج ۱ ص ۴۰۹)

(۱۹) حضرت عبداللہ بن مغفل کے فرزند ارجمند نے نماز میں سورۂ فاتحہ شروع کرتے ہوئے آواز سے بسم اللہ پڑھی تو حضرت عبداللہ نے فوراً تنبیہ فرمائی، بیٹا بدعت ہے بدعت سے الگ رہو۔ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۳۳ باب ماجاء فی ترک الجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم)

(۲۰) حضرت ابن عمر کے سامنے ایک شخص کو چھینک آئی اس نے کہا الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ۔ یہ زائد کلمہ یعنی والسلام علی رسول اللہ۔ اپنے مفہوم کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے مگر اس موقع پر خلاف سنت ہے تو حضرت موصوف نے فوراً تنبیہ کی کہ یہ آنحضرت ﷺ کی تعلیم نہیں ہے (ترمذی شریف ج ۲ ص ۹۸ ابواب الآداب باب مایقول اذا عطس)

نوٹ:۔ اگر آٹھ میں بارہ کی زیادتی ہوئی تو کوئی کیوں نہیں بولا؟؟؟

(۲۱) حضرت طارق سے) ان کے بیٹے ابو مالک اشجعی نے نماز صبح میں ہمیشہ قنوت پڑھنے کے متعلق سوال

کیا تو آپؓ نے یہی فرمایا۔ بیٹا۔ بدعت ہے۔نسائی شریف ج ۱ ص ۱۴۴۔

غور فرمایئے۔ جو حضرات بسم اللہ کے جہر کو۔ چھینک کے بعد السلام علی رسول اللہ اور نماز صبح میں ہمیشہ قنوت پڑھنے جیسی معمولی باتوں کو جو انفرادی طور پر ہوتی تھیں برداشت نہیں کر سکتے ان کو بدعت قرار دے کر رد کر دیا، وہ تراویح کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے جو انفرادی نہیں بلکہ جماعتی طور پر علانیہ ہوتی تھیں اور جن کے لئے دن اور رات کی تمام سنتوں سے زیادہ رکعتیں پڑھی جاتی تھیں یعنی دو چار نہیں بلکہ بیس رکعتیں۔

(۲۲) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی وفات ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چاہا کہ نماز جنازہ میں وہ بھی شرکت کر سکیں اس لئے فرمائش کی کہ آپ کے جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھ لی جائے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح عراق۔ نہ صرف سابقین اولین میں سے ہیں بلکہ عشرہ مبشرہ میں سے بھی ہیں اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمائش کر رہی تھیں مگر مسجد میں نماز جنازہ خلاف سنت تھی تو کیا ہوا؟ حدیث کے الفاظ یہ ہیں فانکر الناس ذلک علیها حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس فرمائش کو تسلیم نہیں کیا گیا حضرات صحابہؓ نے انکار کر دیا۔ (صحیح مسلم شریف ص ۳۱۲ کتاب الجنائز)

اگر آٹھ رکعت کے بجائے بیس رکعت بدعت تھیں اور آنحضرت ﷺ سے ان کا ثبوت نہیں تھا تو تعجب ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کا یہ جذبۂ انکار بیس رکعتوں کے بارے میں کیوں نہیں رونما ہوا۔

(۲۳) حضرت عمرؓ نے انگلی کی دیت میں ایک فیصلہ صادر فرمایا۔ پھر آپ کے سامنے آنحضرت ﷺ کا فرمان پیش کیا گیا جو اس فیصلہ کے خلاف تھا حضرت عمرؓ نے فوراً ہی اپنا فیصلہ بدل دیا۔ (سیرۃ ابن الخطاب لابن الجوزی ص ۱۲۵)

نوٹ:۔ بیس رکعت کا فیصلہ اگر آنحضرت ﷺ کے خلاف تھا تو کیوں کسی نے اس کو پیش نہیں کیا۔

(۲۴) حضرت عمرؓ نے ایک زانیہ کے سنگسار کرنے کا فیصلہ صادر کیا۔ یہ زانیہ دیوانی تھی حضرت علیؓ کو علم ہوا تو آپ نے اس کی مخالفت کی اور دلیل یہ پیش کی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تین قسم کے آدمی مرفوع القلم ہیں۔ (۱) سونے والا جب تک بیدار نہ ہو (۲) بچہ جب تک بالغ نہ ہو (۳) مجنون جب تک ہوش میں نہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے فوراً اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔ (مسند امام احمد ج ۱ ص ۱۴۰) حضرت عمرؓ نے صرف فیصلہ واپس ہی نہیں لیا بلکہ آپ نے حضرت علیؓ کا شکریہ ادا کیا کہ غلطی پر متنبہ کر دیا اور جیسا کہ مشہور ہے اسی موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا لو لا علی لهلک عمر ۔ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو گیا ہوتا۔

بہر حال جماعت صحابہ کے متفقہ عمل اور بیس رکعت کو خلاف سنت بتلانا غلط ضد اور ہٹ دھرمی ہے، صحابہ کا یہ متفقہ فیصلہ واجب العمل ہے۔ اس فیصلہ کو عمل کے لئے ناکافی سمجھنا اور دوسرے دلائل کا مطالبہ کرنا جہالت وضلالت ہے۔

حضرت ابوایوب سختیانیؒ روایت فرماتے ہیں اذا حدثت الرجل بالسنة فقال دعنا من هذا وحدثنا بما فی القرآن فاعلم انه ضال (ترجمہ) جب تو کسی کو سنت طریقہ بتلائے اور وہ کہے کہ اس کو چھوڑ، قرآن کیا کہتا ہے یہ بتا، تو وہ شخص گمراہ ہے (غنیۃ الطالبین ج ۱ ص ۵۶)

اتباع سنت کا شوق:

حضرت حق جل مجدہ نے (۱) آنحضرت ﷺ کو حکم فرمایا۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی .(سورہ ال عمران)

آپ فرما دیجئے کہ (اے مسلمانو!) اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو اس کی عملی صورت یہ ہے کہ میری اتباع کرو۔ اور میرے نقش قدم پر چلو۔

(۲) مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی:۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ. تا آخر آیت سورہ احزاب ع ۳.

بے شک تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو، رسول اللہ کی ذات مبارک میں ایک عمدہ نمونہ ہے۔

آنحضرت ﷺ نے حب رسول اور حب خدا کا معیار یہ فرمایا:۔

لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ (مشکوٰۃ شریف باب الا عتصام)

(یعنی) تم میں سے کسی کا بھی ایمان قابل ذکر نہیں ہے جب تک یہ صورت نہ ہو کہ اس کی چاہ (اس کا جذبہ اور رجحان خاطر) اس کے تابع نہ ہو جائے جس کو لے کر میں آیا ہوں۔

صحابہ کرام اللہ اور رسول کے ان ارشادات مبارکہ کی مثال کامل اور بہترین نمونہ تھے۔ ایک طرف ان کو بدعت سے بغض اور سخت ترین نفرت تھی جس کی مثالیں گذشتہ صفحات میں گذریں تو دوسری جانب آنحضرت ﷺ کی اتباع کے حریص۔ نقش قدم کے عاشق۔ اور سید الانبیاء محبوب رب العالمین ؐ کے اشاروں پر جان دینے والے تھے (رضی اللہ عنہم اجمعین) اس سلسلہ میں بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، ضخیم ضخیم کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ ہم یہاں صرف چند مثالیں پیش کررہے ہیں۔

(۱) آنحضرت ﷺ منبر پر تشریف فرما ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اجلسوا بیٹھ جاؤ حضرت عبداللہ ابن مسعود مسجد کے دروازے پر ہیں (جہاں جوتیاں اتاری جاتی ہیں) جیسے ہی یہ ارشاد کانوں میں پڑتا ہے وہیں بیٹھ جاتے ہیں (مسلم شریف)

(۲) آنحضرت ﷺ امامت فرمارہے ہیں۔ نعلین زیر پا ہیں، دفعۃً نعلین نکال دیتے ہیں۔ جن کے پیروں میں نعل تھے وہ بھی فوراً اتار دیتے ہیں۔ نماز سے فراغت کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا آپ صاحبان نے نعل کیوں اتار دیئے۔ صحابہ نے عرض کیا اس لئے کہ حضور نے اتار دیئے تھے (ﷺ) ارشاد ہوا میں نے تو اس لئے اتارے) تھے کہ جبرائیل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ نعل میں کچھ نجاست لگی ہوئی ہے۔ (ابوداؤد شریف ج ا ص ۱۰۲ باب الصلوٰۃ فی النعل)

(۳) آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب غصہ آئے تو اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہے تو لیٹ جائے۔ غصہ جاتا رہے گا سیدنا ابوذر غفاریؓ باغ میں پانی دے رہے تھے ایک شخص نے ایسی حرکت کی کہ نالی کی پال ٹوٹ گئی

اور پانی باہر نکل کر باہر بہنے لگا۔ حضرت ابوذرؓ کو غصہ آیا۔ مگر فوراً آنحضرت ﷺ کا ارشاد یاد آ گیا۔ آپ وہیں کیچڑ اور پانی میں بیٹھ گئے۔ سارے کپڑے لت پت ہو گئے مگر آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کی تعمیل میں تاخیر برداشت نہیں کی (مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۲)

(۴) آنحضرت ﷺ کی تعلیم ہے کہ کھانے کی چیز اگر زمین پر گر جائے تو اس کو چھوڑ نہ دو یہ کفران نعمت ہے شیطان اس سے خوش ہوتا ہے۔ تم شیطان کو خوش مت کرو۔ بلکہ نوالہ گر گیا ہے تو اس کو اٹھالو اور مٹی لگ گئی ہے تو اسے صاف کر کے باقی کھالو۔

ایک مرتبہ حضرت حذیفہ ابن یمانؓ کے دست مبارک سے نوالہ گر گیا۔ وہاں عجمی لوگ موجود تھے جو دیکھ رہے تھے ان کے یہاں گرے ہوئے ٹکڑے کا اٹھانا بہت معیوب تھا۔ حضرت حذیفہ گرا ہوا نوالہ اٹھانے لگے تو کسی نے کہا، یہاں یہ حرکت نہ کیجئے یہاں عجمی موجود ہیں جو اس بات کو بہت حقیر سمجھتے ہیں۔ حضرت حذیفہؓ نے برجستہ جواب دیا۔ **أأترک سنة حبیبی لهولاء الحمقاء** . کیا ان احمقوں کی خاطر میں اپنے محبوب (ﷺ) کی سنت ترک کر دوں۔ التشبہ فی الاسلام ج ا ص ۸۷ مختصراً

(۵) سیدنا عمر فاروقؓ کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے، جب حجر اسود کو بوسہ دینے لگے تو فرمایا میں جانتا ہوں تو پتھر ہے، نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، اگر میں نے یہ نہ دیکھا ہوتا کہ آنحضرت ﷺ نے تجھ کو بوسہ دیا ہے تو میں ہرگز بوسہ نہ دیتا۔ (**بخاری شریف وغیرہ کتاب المناسک باب ما ذکر فی الحجر الاسود ج ۱ ص ۲۱۷**)

(۶) خانہ کعبہ میں ایک خزانہ تھا۔ مشرکین چڑھاوے میں سونے چاندی کی قیمتی چیزیں بھینٹ کیا کرتے تھے، وہ اس خزانہ میں جمع کر دی جاتی تھیں۔ اسلام نے اس چڑھاوے کی اجازت نہیں دی مگر اس خزانہ کو ختم بھی نہیں کیا۔ حضرت شیبہؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز عمر فاروقؓ خانہ کعبہ کے قریب تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا۔ میں چاہتا ہوں کہ خانہ کعبہ میں جو کچھ سنہری روپہلی دولت جمع ہے سب تقسیم کر دوں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کے دونوں بزرگ رفقاء (آنحضرت ﷺ اور خلیفہ اول صدیق اکبر) نے تو یہ کیا نہیں (جیسے ہی یہ سنا فاروق اعظم کا ارادہ فسخ ہو گیا) فرمایا۔ یہ دونوں تو وہ ہیں جن کی میں پیروی کرتا ہوں۔ (بخاری شریف ص ۲۱۷ کتاب المناسک باب کسوۃ الکعبۃ)

(۷) ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر نے وہ تمام مقامات یاد کر رکھے تھے جہاں آنحضرت ﷺ نے سفر حج میں قیام فرمایا تھا۔ نماز پڑھی تھی۔ یا کوئی کام کیا تھا (بخاری) نے انہیں کی روایت سے ان تمام مقامات کا نشان اور پتہ بتایا ہے (ص ۷۰ باب المساجد التی علی طرق المدینۃ والمواضع التی صلی فیھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عبداللہ بن عمر جب حج کے لئے تشریف لے جاتے تو جہاں جہاں آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ وہاں نماز پڑھتے اور جہاں جو کام کیا تھا، وہاں وہ کام کرتے۔ عرفات اور مزدلفہ کے درمیان ایک گھاٹی میں تشریف لے جا کر آنحضرت ﷺ نے قضاء حاجت کی تھی پھر وضو کیا تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس گھاٹی میں جاتے اور جہاں آنحضرت ﷺ نے وضو کیا تھا وہاں وضو کرتے۔ (بخاری شریف ص ۲۲۶ کتاب المناسک باب النزول بین العرفۃ وجمع)

(۸) ۷۳ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیر شہید کئے گئے۔ تاریخ اسلام کا مشہور ظالم حجاج بن یوسف حجاز کا

کو رتر بنایا گیا۔ حج کا زمانہ آیا تو لوگوں میں بہت بےچینی پھیلی ہوئی تھی اور یقین تھا کہ اس موقع پر دوبارہ جنگ چھڑ جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے سفرِ حج کا ارادہ کیا۔ صاحبزادوں نے منع کیا کہ جنگ کا خطرہ ہے۔ ممکن ہے آپ حرم کعبہ تک نہ پہنچ سکیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا۔ جب آنحضرت ﷺ نے (صلح حدیبیہ سے پہلے) عمرہ کا ارادہ کیا تھا تب بھی بہت خطرہ تھا یعنی جنگ کے خطرہ کی وجہ سے ملتوی کر دینا خلاف سنت ہے۔ پھر فرمایا اگر مجھے روک دیا گیا تو آنحضرت ﷺ کی دوسری سنت سامنے ہے۔ آنحضرت ﷺ کو بھی داخلہ مکہ سے روک دیا تھا۔ آپ نے ھدی ذبح کی اور احرام ختم کر دیا لہذا میں بھی ہدی کا جانور ساتھ لے جارہا ہوں اگر مجھے روک دیا گیا تو میں بھی وہی کروں گا جو آنحضرت ﷺ نے کیا تھا۔ (بخاری شریف ص ۲۲۲ باب طواف القارن)

صلح حدیبیہ کا مشہور واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ چودہ سو جاں نثاروں کی ساتھ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے۔ مکہ معظمہ کے قریب مقام حدیبیہ تک پہنچے تھے کہ مشرکین مکہ نے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ آنحضرت ﷺ نے جنگ کے بجائے صلح کو پسند کیا۔ کفار قریش کی طرف سے عروہ بن مسعود بات چیت کرنے آئے۔ جو گفتگو کی اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ عروہ بن مسعود نے اثناء گفتگو میں صحابہ کرامؓ کا جو رنگ دیکھا تو اس نے واپس جا کر قریش کے سرداروں سے کہا۔

حضرات! میں بادشاہوں کے درباروں میں جاتا رہتا ہوں شاہ ایران اور شاہ روم کے درباروں میں بھی گیا ہوں۔ میں شاہ حبش نجاشی، کی دربار میں بھی گیا ہوں۔ میں نے کسی بادشاہ کے جان نثاروں کو اپنے بادشاہ کی اتنی تعظیم کرتے ہوئے نہیں دیکھا جتنی تعظیم محمد کے ساتھی محمد کی کرتے ہیں (ﷺ) خدا کی قسم میں نے یہ دیکھا کہ محمد کھنکارتے ہیں تو اس کیساتھ کھنکار (لعاب دہن) کو زمین پر گرنے نہیں دیتے (کھنکار کسی کی ہتھیلی پر پڑتی ہے تو وہ فوراً اس کو چہرے پر اور اپنے بدن پر مل لیتا ہے (گویا عطر میسر آ گیا) جہاں کسی بات کا اشارہ پاتے ہیں وہ تعمیل کے لئے جھپٹتے ہیں۔ محمد وضو کرتے ہیں تو جو پانی گرتا ہے اس پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے آپس میں لڑنے لگیں گے۔ جہاں آپ نے کچھ بولنا شروع کیا سب دم بخود خاموش ہو جاتے ہیں اور حالت یہ ہے کہ محمد کی تعظیم کی وجہ سے نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ **بخاری شریف ص ۳۷۹ باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل الحروب وكتاب الشروط مع الناس بالقول۔**

نقش پائے رسول اللہ پر اس طرح جاں نثاری اور فدائیت کی سینکڑوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ جو فداکار لعاب دہن کو زمین پر نہ گرنے دیں کیا ممکن ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی کسی سنت کو نظر انداز کر دیں؟

تراویح اور حفاظت قرآن

ان علینا جمعه وقرأنه

سامرودی صاحب فرماتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح کا ثبوت کسی ضعیف حدیث سے بھی پیش نہیں کیا جاسکتا اور جن کو اللہ تعالیٰ نے دقت نظر عطا فرمائی اور جن کو مالک یوم الدین نے توفیق بخشی ہے کہ وہ حقائق پر زیادہ گہرائی سے نظر ڈالیں۔ وہ بیس رکعت تراویح کا سلسلہ قرآن پاک سے جوڑتے ہیں اور اس کو وعدۂ خداوندی۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون. اور انا علینا جمعه وقرأنه کی تکمیل قرار دیتے ہیں۔

اس کی وضاحت معنے خیز اور نہایت دلچسپ ہے۔

وضاحت:

سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے دور خلافت کا آغاز تھا اور آنحضرت ﷺ کی وفات پر چند ماہ گذرے تھے کہ مسیلمہ کذاب سے خون ریز جنگ ہوئی جس میں کئی ہزار صحابہؓ شہید ہوئے جن میں سات سو حفاظ قرآن تھے۔

جنگ ختم ہوئی، مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح بخشی۔ مسیلمہ کذاب اور اس کی امت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ یہ صدیق اکبرؓ کا عظیم الشان کارنامہ تھا جس کو اسلام کی عظیم الشان تاریخ کی اساس قرار دیا گیا ہے۔ مگر سات سو حفاظ قرآن کی شہادت معمولی بات نہیں تھی۔ آنحضرت ﷺ ہر ایک آیت کو جیسے ہی نازل ہوتی قلمبند کرادیا کرتے تھے۔ تمام آیتیں اور سورتیں لکھی ہوئی موجود تھیں۔ مگر یکجا نہیں تھیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کے قلب مبارک میں اللہ تعالیٰ نے یہ احساس پیدا کیا کہ اگر آیات کلام اللہ اور سورتیں یونہی منتشر رہیں اور جن کو پورا قرآن پاک یاد ہے وہ ایسے ہی شہید ہوتے رہے تو فتنہ عظیم رونما ہوگا۔ بہت ممکن ہے معاذ اللہ قرآن شریف کا بہت بڑا حصہ اس طرح ضائع ہو جائے لہذا ضروری ہے کہ قرآن حکیم صرف سینوں میں نہ رہے بلکہ کتابی شکل میں یکجا جمع ہو جائے۔

یہ ایک عظیم الشان کام تھا۔ وحی الٰہی سے اس کا تعلق تھا جو اسلام کا بنیادی سرمایہ ہے یہ کام سرکاری طور پر پورے اہتمام کے ساتھ ہونا ضروری تھا۔ لہذا حضرت عمر فاروقؓ خلیفۂ رسول اللہ ﷺ (ابو بکر صدیقؓ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تجویز پیش کی کہ پورے قرآن پاک کو کتابی شکل میں یک جا ہونا چاہئے۔

صدیق اکبرؓ نے تجویز سنی۔ تو دین میں کوئی نئی بات پیدا کرنے سے جو نفرت ان کے مقدس قلوب میں جا گزیں تھی۔ اس کی بنا پر پہلے تو حضرت صدیقؓ نے جرح کی۔

کیف تفعل شیئا لم یفعله رسول الله صلی الله علیه وسلم

جو کام آنحضرت ﷺ نے نہیں کیا اسے آپ کیسے کر سکتے ہیں۔؟

عمر فاروقؓ نے فرمایا۔ هذا والله خیر (قسم بخدا یہ کام لامحالہ اچھا ہے) پھر ان دونوں مقدسین کے درمیان بحث ہوئی۔ اس بحث کی تفصیل تو معلوم نہیں ہے البتہ حضرت صدیقؓ کا یہ ارشاد نقل کیا جاتا ہے۔

فلم یزل عمر یراجعنی حتی شرح الله صدری لذلک. ورأیت فی ذلک الذی رأی عمر.

عمر مجھ سے الٹ پھیر (بحث) کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اس کام کے لئے شرح صدر عطا فرمایا (اللہ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لئے کھول دیا ذہن کی گنجلک جاتی رہی) اور میری بھی اس بارے میں وہی رائے ہوگئی جو عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کی رائے تھی ان دونوں حضرات کی رائے متفق ہوگئی تو پھر حضرت زید بن ثابتؓ کو اس خدمت پر مامور کرنے کے لئے طلب فرمایا۔

حضرت زید بن ثابتؓ ومقتدر صحابی تھے کہ آنحضرت ﷺ نے کتابت وحی کی خدمت ان کے سپرد فرما رکھی تھی ان کی موجودگی میں وحی نازل ہوتی تو یہی قلمبند کیا کرتے تھے، بہت ذہین، صاحب فہم وذکا اور اپنے کام میں نہایت چست اور مستعد تھے صحابہ کرام کے معتمد تھے۔ مگر جب حضرت صدیقؓ نے ان پر واضح کیا کہ ان کو جمع قرآن کی خدمت انجام دینی ہے تو یہی سوال آپ نے بھی کیا۔

" **کیف تفعلون شیئاً لم یفعله رسول الله صلی الله علیه وسلم.** "

(آپ صاحبان وہ کام کیسے کر سکتے ہیں جو آنحضرت ﷺ نے نہیں کیا۔) اور پھر خود حضرت زید بن ثابت کا بیان ہے۔

"**فلم یزل ابو بکر یراجعنی حتی شرح الله صدری للذی شرح له صدر ابی بکر و عمر .**"

(حضرت ابو بکر مجھ سے جواب وسوال (الٹ پھیر) کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرا سینہ بھی اس کام کے لئے کھول دیا (مجھے بھی شرح صدر ہوگیا) جس کے لئے ابو بکر وعمر کو شرح صدر ہو چکا تھا۔)

اس کے بعد حضرت زید بن ثابتؓ نے نہایت جانفشانی اور پورے حزم واحتیاط سے یہ خدمت انجام دی اور قرآن حکیم کا نسخہ مرتب کیا جو خلیفہ رسول اللہ ﷺ (ابو بکر صدیقؓ) کی تحویل میں رہا۔ ان کی وفات کے بعد خلیفہ دوم (عمر فاروقؓ) کی تحویل میں رہا۔ انہوں نے اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ کرادیا۔ بخاری شریف ص ۷۴۵ باب جمع القرآن۔

اس کے بعد جب حضرت فاروق اعظم نے اپنے دور خلافت میں دیکھا کہ تراویح کی سنت جو آنحضرت ﷺ نے قائم فرمائی تھی (کہ دو روز صحابہ کرام کو تراویح پڑھانے کے بعد جماعت سے اجتناب کیا تھا) صحابہ کرام اس پر عمل پیرا ہیں نیز آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی **من قام رمضان ایماناً واحتساباً غفر له ماتقدم من ذنبه**(۱) (صحاح) پر اس طرح عمل کرتے ہیں کہ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کو نفلیں پڑھتے ہیں، کچھ الگ الگ پڑھتے ہیں اور کچھ جماعت بنا لیتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی جماعتیں متعدد ہو جاتی ہیں تو آپ نے ارادہ کیا کہ ان سب کی ایک جماعت ہو جائے اور حضرت ابی بن کعبؓ جن کو لسان رسالت (**علیٰ صاحبها الصلوٰۃ والسلام**) نے "**اقرء هم لکتاب الله**" کے مخصوص خطاب کا شرف عطا فرمایا تھا۔ وہ ان کو تراویح پڑھایا کریں تو کنز العمال میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو بلا کر ان پر اپنا یہ ارادہ اور یہ منصوبہ ظاہر فرمایا تو حضرت ابن کعبؓ نے بھی یہی جرح کی کہ جماعت کی یہ صورت جو آنحضرت کے زمانے میں جاری نہیں رہی آپ اس کو کیسے جاری فرماتے ہیں؟ اس

(۱) جو شخص (اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر) ایمان ویقین رکھتے ہوئے ثواب حاصل کرنے کی نیت سے رمضان کی راتوں میں قیام کرے اس کے پہلے گناہ سب بخش دیئے جائیں گے۔

پر بحث ہوئی اور نتیجہ میں حضرت ابی بن کعب کو بھی اسی طرح شرح صدر ہو گیا جیسے سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کو پہلے ہو چکا تھا۔ تب آپ نے حضرت فاروقؓ کے ارشاد پر عمل شروع کیا (کنز العمال ج ۴ ص ۲۸۴) اور اس طرح تراویح کی باقاعدہ جماعت ہونے لگی۔

یہ واقعات کا ایک سلسلہ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں۔ یہ درحقیقت تکمیل ہے ان وعدوں کی جو قرآن حکیم کی ان آیتوں میں کیا گیا تھا۔

الف. انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (ب) اور ولا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ. ان علینا جمعہٗ وقرانہٗ.

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔

باید دانست کہ جمع کردن شیخین قرآن عظیم را در مصاحف تکمیل حفظ آں شد کہ خدا تعالیٰ بر خود لازم ساختہ بود وعدۂ اں فرمودہ وفی الحقیقت ایں جمع فعل حق است وانجاز وعدہ اوست کہ بردست شیخین ظہور یافت۔ (ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۵۱) جاننا چاہئے کہ حضرات شیخین (حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کا قرآن حکیم کو مصاحف میں جمع کرنا۔ قرآن حکیم کے تحفظ کا راستہ اور طریقہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم فرمایا تھا اور اس کا وعدہ کیا تھا (کہ ارشاد ہوا تھا ہم ہی ہیں اس کے محافظ) درحقیقت یہ جمع کرنا حضرت حق جل مجدہ کا فعل اور اپنے وعدہ کو پورا کر دینا تھا جس کا ظہور حضرت شیخین کے دست مبارک پر ہوا۔

دوسری آیت (ب) کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی (ﷺ) سے فرما رہے ہیں آپ اس فکر میں نہ پڑیں کہ جو آیتیں نازل ہو رہی ہیں وہ کس طرح یاد رہیں گی اور یاد رکھنے کی خاطر اپنے ذہن کو حفظ کرنے کی مشقت میں مشغول نہ کریں۔ یہ کام آپ کا نہیں ہے یہ ہمارا کام ہے جس کا ظہور آپ کی تبلیغ (وحی الٰہی کو سنا دینے) کے وقت سے عرصہ بعد ہوگا آپ کا کام یہ ہے کہ جب حضرت جبرائیلؑ کی زبانی اس کی تلاوت کی جائے تو آپ کان لگا کر سنتے رہیں۔ ''چون بر زبان جبرائیل تلاوت آن کنیم در پے استماع آن باش۔''

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس وعدہ خداوندی کی تکمیل کی پہلی منزل تو یہ تھی کہ جیسے ہی حضرت جبرائیل علیہ السلام سے آپ وحی الٰہی سنتے تھے ''بخاطر متمکن مے شد'' ذہن میں جم جاتی تھی۔ چنانچہ بطور خرق عادت (اور بطور معجزہ) یہ ہوتا تھا کہ قرآن پاک یا قرآن پاک کی کسی آیت کے یاد کرنے میں جو مشقت امت کو برداشت کرنی پڑتی ہے (کہ بار بار یاد کرتے ہیں جب آیت یاد ہوتی ہے) آنحضرت ﷺ کو یاد کرنا تو درکنار دھرانے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی تھی۔ خود بخود یاد ہو جاتی تھی۔

دوسری منزل یہ تھی کہ حضرات شیخین کو اس طرح جمع قرآن پر آمادہ کیا۔ یہ ان علینا جمعہٗ (بے شک ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کرنا (یکجا کرنا) کی ذمہ داری کی عملی صورت تھی۔ (ازالۃ الخفاص ۵۰ وص ۵۱)

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ فاروق اعظمؓ ہی کی وہ شخصیت ہے جو تبلیغ قرآن اور اشاعت قرآن کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ اور امت کے درمیان واسطہ بنی۔ آج کسی بھی گروہ اور کسی بھی طبقہ کا مسلمان قرآن شریف

پڑھتا ہے تو منت فاروق اعظم برگردن او ست'' (ازالۃ الخفاج ۲ ص ۲۰۹) حضرت فاروق کا احسان عظیم اس کی گردن پر ہے۔

حضرت شاہ صاحب کچھ تفصیل کرنے کے بعد بطور خلاصہ فرماتے ہیں۔

اول کسیکہ داعیہ الٰہیہ در خاطر او ریزش نمود و او رابمنزلہ جارحہ خود ساخت در اتمام مراد خویش کہ مضمون وانا لہ لحافظون باشد و فحوائے ان علینا جمعہ وقرآنہ فاروق اعظم است۔

سب سے پہلا شخص جس کے دل میں تقاضاء خداوندی کا نزول ہوا (ریزش ہوئی اور جس کو مشیت خداوندی نے " انا لہ لحافظون" اور'' ان علینا جمعہ وقرآنہ'' کے منشاء کی تکمیل کے لئے اپنا آلہ اور جارحہ (ظاہری سبب) بنایا وہ فاروق اعظم ہیں۔

حضرت شاہ صاحب جمع قرآن۔ حفاظت اور نشر واشاعت کی ان صورتوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو حضرت فاروق اعظم نے اختیار فرمائیں مثلاً قرآن پاک کو کتابی شکل میں مرتب کرانا۔ ہر ایک آیت کے بارے میں علیحدہ علیحدہ تحقیق وتفتیش۔ حفظ کلام اللہ کی ترغیب، کلام پاک حفظ کرانے کے لئے اساتذہ کا تقرر وغیرہ انہیں خدمات کا ایک اہم باب وہ ہے جس کو بخاری اور مسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری کی سند سے نقل کیا ہے کہ رمضان کی ایک شب کو میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے ساتھ مسجد میں گیا تو دیکھا کہ صحابہ کرام متفرق جماعتوں میں بٹے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں کوئی اپنی نماز الگ پڑھ رہا ہے اور کوئی امام بنا ہوا ہے کچھ صحابہ اس کے ساتھ شریک ہوگئے ہیں اور جماعت سے نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ان سب کو ایک قاری پر جمع کردوں تو بہت بہتر اور افضل ہو۔ چنانچہ حضرت ابی ابن کعبؓ کو ان کا امام مقرر فرمایا اور سب کو ایک ساتھ کردیا۔ **فجمعهم على ابى بن كعب**۔ بخاری شریف ص ۲۶۹ باب فضل من قام رمضان.

یہ وہی تراویح ہیں جن کے لئے سامرودی صاحب حدیث ضعیف کا مطالبہ کررہے ہیں اور حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو آلہ اور جارحہ بناکر اپنا وعدہ پورا فرمایا ہے۔

غالباً یہی حقیقت تھی جس کو ان بزرگوں نے (حضرت صدیق اکبر عمر فاروق اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم) نے اس وقت پیش نظر رکھا جب غور وخوض اور بحث فرما رہے تھے۔ ورنہ کیا مجال تھی عمر فاروق کی کہ وہ کلام اللہ شریف اور نماز باجماعت کے بارے میں اپنی عقل چلاتے اور من مانی کرتے۔ **معاذ اللہ**. (كبرت كلمة تخرج من افواههم.)

گروہ اہل حدیث کے مسلم مقتدیٰ وپیشوا حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی لکھتے ہیں: ۔صحابہؓ کی یہ عادت تھی کہ بلا حکم اور بلا اجازت رسول اللہ ﷺ کے کوئی شرعی اور دینی کام محض اپنی طرف سے قائم وجاری نہیں کرتے تھے (مجموعہ فتاویٰ نذیریہ ج ا ص ۳۵۸)

جماعت صحابہ معیار حق ہے

کتاب اللہ اور احادیث مقدسہ کی روشنی میں

سامرودی صاحب کے یہ فقرے کتنے گستاخانہ ہیں:۔

'' نبی صاحب نے بیس ۲۰ رکعات تو پڑھی ہی نہیں ہیں..... البتہ لوگوں (صحابہ) نے بعد میں زیادہ (بیس ۲۰ رکعات تراویح) پڑھی ہیں۔ اب یہی سوچنا اور انصاف کرنا ہے کہ ہمارے لئے خدا پاک نے نبی صاحب کی فرماں برداری اور تابعداری کرنی فرض قرار دی ہے یا کہ لوگوں (صحابہ) کی؟ دین، اسلام، شریعت کے قائم کرنے کا حق کیا خدا پاک نے کسی امتی کو دیا ہے؟ لوگ (صحابہ) کا زیادہ مقدار (۲۰ رکعات) تراویح پڑھنے پر دھوکہ نہ کھانا۔ (نبی کی نماز گجراتی ص ۵۴)

یہ لوگ کون ہیں؟ ظاہر ہے صحابہ کرام ہیں (رضی اللہ عنہم) اسی سلسلہ میں سامرودی صاحب یہ بھی فرماتے ہیں:۔

اب یہی غور و انصاف کی بات ہے کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے حضور ہی کی اتباع اور فرماں برداری قرار دی ہے یا لوگوں کی۔ دین۔ اسلام۔ شریعت کے قائم کرنے کا حق کیا اللہ تعالیٰ نے کسی امتیوں کو دیا ہے.....؟ (حوالہ مذکور)

ان فقروں کا واضح اور کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ سامرودی صاحب صحابہ کرام کو بھی اپنے جیسے لوگوں کی جماعت قرار دے رہے ہیں اور جس طرح ہم جیسے لوگوں کا کردار کوئی شرعی حجت اور معیار حق نہیں ہے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو بھی معیار حق اور ان کے کردار اور فیصلوں کو حجت شرعی نہیں مانتے مگر اس کے معنی یہ ہیں کہ سامرودی صاحب کو نہ کتاب اللہ کی خبر ہے نہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد مبارکہ کی۔ اگر ان کو تلاوت کلام اللہ کی توفیق ہوتی ہے تو ان کی تلاوت آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے مصداق ہے " لا یجاوز حنا جرھم." یعنی محض حلق اور زبان کی حرکت تک تلاوت کا اثر ہوتا ہے۔ آگے نہیں بڑھتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تصنیف ''ازالۃ الخفا'' میں قرآن پاک کی تقریباً سو آیتیں پیش کی ہیں، جن کا واضح منشا یہ ہے کہ جماعت صحابہ کو مسلمانوں کی عام جماعتوں پر قیاس کرنا غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ شرف بخشا ہے کہ نہ صرف یہ کہ وہ اس امت کا بہترین طبقہ اور خیر امۃ۔ اور امۃ وسطاً کا صحیح ترین مصداق اول ہیں بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ جماعت انبیاء علیہم السلام کے بعد صرف جماعت صحابہ ہی ہے جس کو پوری کائنات کی آنکھ کا تارا'' کہا جا سکتا ہے اور جو یقیناً معیار حق ہیں۔ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب مدظلہ نے ان آیات کو بہت ہی موزوں اور مناسب ترتیب کے ساتھ عہد زریں میں جمع کر دیا ہے جو اردو میں ازالۃ الخفاء کی بہترین شرح ہے تفصیل کو ان کتابوں کے حوالے کرتے ہوئے ہم یہاں صرف تین آیتیں پیش کرتے ہیں۔ فیصلہ خود آپ کے حوالہ ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

۱۔ فانزل اللہ سیکنتہ علیٰ رسولہ وعلی المؤمنین والزمھم کلمۃ التقویٰ و کانوا احق بھا

واهلها . وكان الله بكل شئى عليماً.(سورۂ فتح ع ۳)

ترجمہ:۔پس نازل کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے سکون (اور اطمینان) اپنے رسول پر اور مومنین پر، اور ان کو جمادیا۔تقویٰ کی بات پر (چپکادی ان پر تقوے کی بات) اور یہ مومنین اس کی سب سے زیادہ مستحق تھے۔اور اس کے اہل تھے۔(اس وضاحت کی ضرورت نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دور مسعود میں جو مومنین تھے۔وہ صحابہ ہی تھے) اور اللہ تعالیٰ ہر بات کا پورا علم رکھتا ہے۔

۲۔دوسری آیت ولكن الله حبب اليكم الايمان وزينه في قلوبكم .وكره اليكم الكفر والفسوق والعصيان اولئک هم الراشدون فضلاً من الله ونعمةً والله عليم حكيم .(سورۂ حجرات ع ۱)

ترجمہ:۔لیکن اللہ تعالیٰ نے محبوب کردیا۔تمہارے لئے ایمان (تمہارے دلوں میں اس کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری دی۔اور ایمان کو آراستہ کردیا (سجادیا) تمہارے دلوں میں اور تمہارے اندر پوری کراہیت پیدا کردی کفر سے۔فسق سے اور حکم عدولی سے۔یہی ہیں وہ جو راہ راست پر ہیں (راشد ہیں) اللہ تعالیٰ کے فضل وانعام سے اور اللہ بہت جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے (سورہ حجرات ع:۱۳)

کلام اللہ شریف سے بڑھ کر کس کی شہادت ہوسکتی ہے؟ کسی کو معیار حق اس لئے قرار نہیں دیا جاسکتا کہ اس میں فسق وکفر یا حکم عدولی کے جراثیم ہوتے ہیں لیکن جن برگزیدہ ہستیوں کو اور پوری کائنات کے جن منتخب افراد کو آنحضرت ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا تھا ان کے متعلق کتاب اللہ شریف کی شہادت یہ ہے کہ ان جراثیم سے ان کے دماغ پاک ہوچکے ہیں، ان کے مقدس ذہنوں میں کفروعصیاں اور فسق وفجور کے جراثیم نہیں رہے بلکہ ان سے کراہیت اور ان باتوں سے نفرت ان کے پاک ذہنوں میں رچ گئی ہے۔کفر وفسق کے برخلاف ایمان کی محبت ان مقدس ذہنوں میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے اور ان کے دلوں میں ایمان کو سجادیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر سکون نازل ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ نے کلمہ تقویٰ ان پر چپکادیا ہے (اور روح تقویٰ کو ان کے رگ وپے میں جاری اور ساری کردیا ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے اس مقدس جماعت کو ایسی موزوں فطرت عطا فرمائی ہے کہ یہ جماعت اس کی اہل ہے کہ کلمہ تقویٰ ان کے سر کا تاج اور ان کی سیرت وجبلت کا پیوند بن جائے ان خصوصیتوں کی بنا پر ان برگزیدہ شخصیتوں کے متعلق کتاب اللہ کا اعلان اور فیصلہ یہ ہے۔

اولئک هم الراشدون O

یہی ہیں وہ جو راہ راست پر ہیں۔

۳۔تیسری آیت۔السابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان. رضى الله عنهم ورضوا عنه .(سورۂ توبه)

آگے بڑھ کر اسلام لانے میں پہل کرنے والے اور جو اچھے کردار کے ساتھ ان کے تابع ہوئے ہیں اور ان کے بعد ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اپنے خدا سے راضی ہوگئے۔

اب معیار حق کے معنی مقرر فرمایئے اور خود فیصلہ کیجئے کہ جن کے تقدس کی شہادت خود قرآن مجید دے رہا ہے۔جن کو واضح الفاظ میں ''راشد'' فرمارہا ہے اور اس بات کا اعلان کررہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔

کیا کسی صاحب ایمان کے لئے گنجائش ہے کہ ان پاکباز مقدسین کی جماعت کو معیار حق نہ قرار دے۔
احادیث رسول اللہ ﷺ آیات کتاب اللہ کی تشریح اور توضیح ہوا کرتی ہیں۔ اب چند احادیث کے مطالعہ سے ذہن کو تازہ اور ضمیر کو روشن کیجئے۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میری امت پر وہ سب کچھ آئے گا جو بنو اسرائیل پر آچکا ہے۔ بنو اسرائیل کے بہتر ۷۲ فرقے ہوگئے تھے میری امت کے بھی بہتر ۷۲ فرقے ہو جائیں گے وہ سب دوزخی ہوں گے مگر صرف ایک ملت (ناجی ہوگی) صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ وہ ملت کونسی ہے۔ ارشاد ہوا۔ ما انا علیہ واصحابی وہ ملت وہ ہے جس پر میں ہوں اور میرے ساتھی۔ (ترمذی شریف مسند احمد وابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام)

۲۔ ارشاد ہوا۔ **ما من احد من اصحابی یموت بارض الا بعث قائداً ونوراً لھم یوم القیامۃ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲۶ ابواب المناقب)**

میرے اصحاب میں سے کوئی بھی صحابی جس سرزمین میں وفات پائے گا، قیامت کے روز اس سرزمین والوں کے لئے قائد اور نور بن کر اٹھے گا۔

۳۔ نیز ارشاد ہوا۔ **اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم. (مشکوٰۃ شریف باب المناقب)**

میرے ساتھیوں کی مثال تاروں جیسی ہے جس کی اقتداء (پیروی) کرلوگے۔ ہدایت پاجاؤ گے۔

۴۔ نیز ارشاد ہوا۔ **ان اللہ نظر الی قلوب العباد فاختار محمداً فبعثہ برسالتہ ثم نظر فی قلوب العباد فاختار لہ اصحابہ فجعل انصار دینہ ووزراء نبیہ فما رآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن وما رأہ المسلمون قبیحا فھو عند اللہ قبیح (اقامۃ الحجہ ص ۸ مجالس الابرار م ۱۸ ص ۱۳۰ موطا امام محمد ص ۱۱۲** اس کی سند صحیح ہے۔ **البدایۃ والنہایۃ ج ۱۰ ص ۳۲۸)**

اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی پس محمد (ﷺ) کو رسالت کے لئے انتخاب فرمایا۔ پھر [illegible] کے دلوں پر نظر فرمائی تو آپ کے اصحاب کو آپ کے لئے منتخب فرمالیا۔ ان اصحاب کرام کو آپ کے [illegible] کے مددگار اور اپنے نبی (ﷺ) کے وزیر بنادیا۔ (پس یہ اصحاب کرام انصار اللہ اور آنحضرت [illegible] کے وزیر ہیں) پس جس کام کو یہ مسلمان اچھا سمجھیں وہ عند اللہ بھی بہتر ہے اور جس کو یہ برا سمجھیں وہ عند اللہ بھی برا ہے۔

۵۔ نیز ارشاد ہے:۔ تمام ادوار میں سب سے بہتر دور میرا دور ہے۔ پھر ان کا دور جو میرے دور والوں سے متصل ہیں پھر ان کا دور جو ان سے متصل ہیں۔ اس کے بعد کذب پھیل جائے گا۔ لوگ بے بلائے گواہی دینے کو تیار ہوجایا کریں گے۔ **(بخاری شریف وغیرہ ترمذی ابواب المناقب باب ماجآء فی فضل من رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصحبۃ)**

(نوٹ) حدیث نمبر ۵ نے واضح کردیا کہ حدیث نمبر ۴ میں مسلمان سے مراد صحابہ کرام ہی ہیں اور صحابہ کرام کی شان یہ ہے کہ جس کام کو وہ اچھا سمجھیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے۔

یہ چند روایتیں صحابہ کرام سے متعلق تھیں جو اس بات کی وضاحت کے لئے کافی ہیں کہ حضرات صحابہ معیار حق

ہیں ان کی اتباع اتباع حق ہے۔ مگر تراویح کا معاملہ عام صحابہ کے علاوہ حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت علیؓ سے متعلق ہے جیسا کہ سابق روایتوں میں گذر چکا ہے۔ حضرت عمرؓ نے بہت سی جماعتوں کو ایک جماعت بنایا اور حضرت علیؓ نے اس کی تائید کی۔ اس پر مسرت ظاہر فرمائی اور خود اپنے دور میں بھی عمل کیا۔ یہ دونوں بزرگ خلفاء راشدین میں سے ہیں۔ خلفاء راشدین کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے طریقہ کو بھی آنحضرت ﷺ نے سنت فرمایا ہے اور حکم فرمایا ہے کہ اس کو مضبوطی سے سنبھالے رکھیں دانتوں اور کونچلیوں سے پکڑلیں۔ **عضوا علیها بالنواجذ.** (بخاری شریف وغیرہ مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص ۳۰)

سامرودی صاحب فرماتے ہیں۔ ''دین۔ اسلام۔ شریعت قائم کرنے کا حق کیا اللہ تعالیٰ نے کسی کو دیا ہے۔''

بے شک صحابہ کرام (معاذ اللہ) نیا دین، نیا اسلام یا نئی شریعت نہیں بنا سکتے، نہ معاذ اللہ کسی نئے دین یا نئی شریعت یا نئے اسلام کی بحث ہے۔

بحث ہے سنت رسول اللہ ﷺ کی۔ آپ کے احکام کو سمجھنے اور آپ کے منشاء مبارک کو عملی جامہ پہنانے کی۔

بحث یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات، اشارات اور آپ کے منشاء مبارک کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہتر سمجھ سکتے ہیں یا سامرودی صاحب اور ان کے ہم مشرب۔ اور اگر سامرودی صاحب جیسے لوگ آڑے آتے ہیں تو معیار حق کون ہیں؟

سابق احادیث نے یہ بتادیا کہ ایسے موقع پر صحابہ کرام ہی (رضی اللہ عنہم) معیار حق ہیں انہیں کی تعمیل واجب اور انہیں کی اتباع اتباع شریعت ہے۔ علماء حق کا یہی فیصلہ ہے۔

سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے۔ کسی کی اتباع اور اقتداء کرنی ہو تو حضور اکرم ﷺ کے صحابہؓ کی ہی اقتداء کرو۔ خدا پاک نے اس بہترین جماعت کو اپنے بہترین رسول کی صحبت اور دین کی اقامت کے لئے پسند فرمایا ہے۔ لہٰذا تم ان کے فضل (بزرگی) کو پہچانو اور انہی کے نقش قدم پر چلو، وہ سیدھے اور صاف راستے پر تھے **عن ابن مسعود قال من كان مستنا فليستن بمن قدمات فان الحي لا تومن عليه الفتنة اولئك اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم كانوا افضل هذه الامة ابرها قلوباً واعمقها علما واقلها تكلفا اختارهم الله لصحبة نبيه ولا قامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم على اثارهم وتمسكوا بما استطعتم من اخلاقهم وسيرهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم** (مشکوٰۃ شریف ص ۳۲ کتاب العلم)

اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔

''یہ جماعت پوری امت میں سب سے زیادہ نیک دل، سب سے زیادہ گہرے علم کی مالک اور سب سے زیادہ بے تکلف جماعت تھی خدائے تعالیٰ نے اپنے رسول کی رفاقت کے لئے اسے پسند کیا تھا وہ آپ کے اخلاق اور آپ کے طریقوں سے مشابہت پیدا کرنے کی سعی میں لگی رہا کرتی تھی، اس کو دھن تھی تو اسی کی، تلاش تھی تو اسی کی، ''اس کعبہ کے پروردگار کی قسم وہ جماعت صراط مستقیم پر گامزن تھی'' (الموافقات ج ۴ ص ۷۸ بحوالہ ترجمان السنہ ج ۱ ص ۴۶)

حضرت محمد بن سیرینؒ سے حج کا ایک مسئلہ پوچھا گیا، تو آپ نے کہا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان غنیؓ اس کو مکروہ سمجھتے تھے، اگر یہ علم تھا تو وہ مجھ سے زیادہ (قریب وحدیث کے) عالم تھے اور اگر ان کی ذاتی رائے تھی تو ان کی

رائے میری رائے سے افضل ہے (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۳۱)

حضرت امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ "بس علم تو وہی ہے جو آپ ﷺ کے صحابہ سے منقول ہے اور جو ان سے منقول نہیں وہ علم ہی نہیں۔" جامع بیان العلم ج ۲ ص ۳۹)

حضرت عامر شعبیؒ کا بیان ہے کہ "اے لوگو! جو باتیں تمہارے سامنے آپ ﷺ کے صحابہؓ سے نقل کی جائیں انہیں اختیار کر لو اور جو اپنی سمجھ سے کہیں اسے نفرت سے چھوڑ دو۔" (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۳۹)

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں۔ **فارض لنفسک مارضی به القوم لانفسهم فانهم علی علم وقفوا...... فان کان الهدیٰ ما انتم علیه لقد سبقتمو هم الیه...... الخ.**

(ترجمہ) جماعت صحابہؓ نے اپنے لئے جو راستہ پسند کیا تم بھی اسی کو اپنے واسطے پسند کرنا اور مسلک بنا لینا اگر تم سمجھتے ہو کہ (صحابہ اور تمہارے اختلاف میں) تم حق پر ہو (جیسے بیس رکعت تراویح کے متعلق سامرودی صاحب سمجھتے ہیں) اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم خود کو صحابہ کی جماعت سے آگے بڑھا ہوا مانتے ہو (ظاہر ہے کہ یہ خیال کتنا حماقت آمیز اور گمراہ کن ہے۔ (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۸۵ باب فی لزوم السنة)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ "پیغمبر صادق علیہ من الصلوات افضلها ومن التسلیمات اکملها تمیز فرقۂ واحدہ ناجیہ ازاں فرق متعددہ فرمودہ است آنست الذین هم علی ما انا علیه واصحابی یعنی آں فرقۂ واحدہ ناجیہ آنانند کہ ایشاناں بطریقے اندکہ من برآں طریقم واصحاب من برآں طریق اند ذکر اصحاب باوجود کفایت بذکر صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ دریں موطن برائے آں تو اند بود کہ تا بدانند کہ طریق من ہماں طریق اصحاب است و طریق نجات منوط باتباع طریق ایشانست وبس چنانکہ حق سبحانہ فرمودہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ پس اطاعت رسول عین اطاعت حق آمد سبحانہ وخلاف اطاعت او ﷺ عین معصیت او تعالیٰ وتقدس۔ پس در ماخن فیہ دعویٰ اتباع آں سرور نمودن علیہ الصلوٰۃ والسلام بخلاف اتباع طریق اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین دعویٰ باطل است بلکہ آں اتباع فی الحقیقت عین معصیت رسول است پس نجات را در آں طریق مخالفت چہ مجال (مکتوبات ربانی ج ا ص ۱۰۲۔۱۰۳) (یعنی)

آنحضرت ﷺ نے نجات پانے والی جماعت کی پہچان میں فرمایا کہ جو اس طریقہ پر ہو جس طریقہ پر میں ہوں اور میرے صحابہؓ۔ ظاہراً اتنا فرما دینا کافی تھا کہ "جس طریقہ پر میں ہوں" "صحابہؓ کا ذکر اپنے ساتھ لینے کی وجہ یہ ہے کہ سب جان لیں کہ جو میرا طریقہ ہے وہی میرے اصحابؓ کا طریقہ ہے اور نجات کی راہ صحابہ کی پیروی ہی میں منحصر ہے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد من یطع الرسول فقد اطاع اللہ نے واضح کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بعینہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی مخالفت بعینہ حضرت حق جل مجدہ کی بارگاہ میں معصیت اور حکم عدولی ہے۔ پس زیر بحث مسئلہ میں آنحضرت ﷺ کی اتباع کا دعویٰ کرنا اور ساتھ ہی صحابہؓ کے طریقہ کی مخالفت کرنا (جیسا کہ سامرودی کا طریقہ ہے) دعویٰ باطل ہے بلکہ یہ اتباع درحقیقت سراسر معصیت رسول ہے (ﷺ) پس اس مخالفت کے راستہ میں نجات کی کیا گنجائش اور امید ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ رقم طراز ہیں "ومیزان در معرفت حق وباطل فہم صحابہ وتابعین است

آنچہ این جماعت از تعلیم آنحضرت ﷺ بانضمام قرائن حالی ومقالی فہمیدہ اند دراں تخطیہ ظاہر نہ کردہ واجب القبول است (فتاوی عزیزی ج۱ص۱۵۷)

(ترجمہ) حق وباطل کا معیار صحابہ اور تابعین کی سمجھ ہے، جس چیز کو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی تعلیم سے قرائن حالی ومقالی کو سامنے رکھ کر سمجھا ہے (اس میں کوئی غلطی نہیں بتائی اس کا تسلیم کرنا واجب ہے۔

تابعی جلیل، خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں۔'' **سن رسول الله صلی الله علیه وسلم وولا ة الأ مر من بعده سنناً الأ خذ بها تصدیق لکتاب الله واستعمال لطاعة الله ومعونة علی دین الله لیس لا حد تغییر ها ولا النظر فی رأ ی من خالفها فمن خالفها واتبع غیر سبیل المؤمنین ولاّ ہ والله ما تولی واصلاہ جهنم وساء ت مصیرا : (جامع فضل العلم لا بن عبدالبر.**

(ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے بھی کچھ طریقے مقرر فرمائے ہیں اور آپ ﷺ کے بعد حضور ﷺ کے جانشین اولوالامر حضرات نے بھی کچھ طریقے مقرر فرمادیئے ہیں کہ ان کا اختیار کرنا کتاب اللہ کی تصدیق ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر عمل پیرا ہونا اور خدا کے دین کی مدد کرنا ہے کسی کو ان کے تغیر وتبدل کا حق نہیں پہنچتا اور نہ ان کی مخالفت کرنے والوں کی رائے قابل التفات ہے پس جو ان طریقوں کے خلاف کرے گا اور اہل ایمان کے طریقے کے خلاف چلے گا اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرف موڑ دے گا جس طرف کا اس نے رخ کیا ہے، پھر اس کو جہنم میں داخل کردے گا۔ اور جہنم بہت ہی بری جگہ ہے (التشبہ فی الاسلام ج۲ص۴۹)

بیس ۲۰ رکعت کے خلاف غیر مقلدوں کے غلط دلائل اور ان کے جوابات

دلیل اول:

عن ابی سلمة بن عبدالرحمن انه اخبرہ انه سأل عائشة کیف کانت صلوة رسول الله صلی الله علیه وسلم فی رمضان فقالت ماکان رسول الله صلی الله علیه وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرة رکعة یصلی اربعاً فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی اربعاً۔ **فلا تسئل علی حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلثا قالت عائشة فقلت یا رسول الله اتنا م قبل ان توتر فقال یا عائشة ان عینی تنا مان ولا ینام قلبی(بخاری شریف ، کتاب التهجد پ ۵ ج ۱ ص ۱۵۴ و ج ۱ ص ۲۶۹.**

(ترجمہ) حضرت ابوسلمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کی نماز رمضان میں کیسے ہوتی تھی؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نہ رمضان میں گیارہ سے بڑھاتے تھے نہ غیر رمضان میں چار رکعت پڑھتے تھے ان کی خوبی اور طوالت کی بات نہ پوچھو؟ پھر چار رکعت پڑھتے تھے ان کی بھی خوبی اور طوالت کا حال نہ پوچھو۔ پھر تین رکعت وتر پڑھتے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی۔ یارسول اللہ! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سوجاتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں، میرا دل نہیں سوتا۔ (بخاری شریف)

سامرودی صاحب اوران جیسے مدعیان حدیث کی کوتاہ بینی اورفہم حدیث کی صلاحیت سے محرومی پر تعجب ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس نماز کا تذکرہ فرمارہی ہیں جو رمضان شریف کے علاوہ باقی مہینوں میں بھی سال بھر پڑھی جاتی ہے اور ظاہر ہے سوال بھی ایسی ہی نماز کے متعلق تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ حضرت عائشہ جیسی سخن فہم اور منشاء سائل کو پرکھنے والی خاتون کا جواب کچھ ہوتا اور سائل کا سوال کچھ۔ ایسی بے جوڑ بات معمولی انسان بھی نہیں کرسکتا چہ جائیکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی ذکی ذہین صاحب سلیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا؟ اب کھلی ہوئی بات ہے کہ جو نماز رمضان اور غیر رمضان میں سال بھر پڑھی جاتی ہے وہ تراویح نہیں بلکہ تہجد کی نماز ہے تراویح کے متعلق خود بخاری شریف کی روایت پہلے گذر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تین روز پڑھائی تھی۔ پھر صحابہ کرام تشریف لائے مگر آنحضرت ﷺ تشریف نہیں لائے اور نماز نہیں پڑھائی۔ پس جب کہ روایت صحیحہ میں یہ موجود ہے کہ یہ نماز صرف تین دن پڑھی گئی جس میں صحابہؓ کی جماعت شامل ہوئی آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھائی تو ان تمام تصریحات کو تہجد پر محمول کرنا ابلہ فریبی نہیں ہے تو کیا ہے؟ تہجد کی نماز آنحضرت ﷺ تمام سال پڑھتے تھے۔ مگر نہ کبھی اس میں اس طرح اجتماع ہوا۔ نہ کبھی صحابہ کی جماعت بنی نہ آنحضرت ﷺ نے تہجد میں کبھی جماعت صحابہ کو نماز پڑھائی۔ یہی وجہ ہے کہ حاملین حدیث علماء کبار نے تصریح کردی ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نماز تہجد کے متعلق یہ تصریح فرمائی ہے۔

شارح صحیح بخاری محدث علامہ شیخ شمس الدین کرمانی فرماتے ہیں:۔ **اما ان المراد بها صلوٰة الوتر والسوال والجواب وارد ان علیه** (حدیث شریف میں تہجد مراد ہے، حضرت ابوسلمہ کا (مذکورہ بالا) سوال اور حضرت عائشہؓ کا جواب تہجد کے متعلق تھا)۔

آگے تحریر فرماتے ہیں۔ **اوهو معارض بما روی انه صلی الله علیه وسلم صلی بالناس عشرین رکعة لیلتین** (اگر تہجد مراد نہ ہوتو یہ روایت اس روایت سے معارض ہوگی جس میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو رات تک بیس بیس رکعتیں پڑھائی۔ **وروایة المثبت مقدمة علی روایة النافی** (اور تعارض کی صورت میں (بیس رکعت والی روایت جو مثبت ہے وہ مقدم ہوگی کیونکہ اصول حدیث کی رو سے مثبت، نافی پر مقدم ہوتی ہے۔ **الکوکب الدراری شرح صحیح بخاری ج۹ ص ۱۵۶. ۱۵۵ کتاب التهجد باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیره.**

(۲) حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ "وصحیح آنست کہ آنچہ آنحضرت ﷺ گزارد ہمہ تہجد وے بودکہ یازدہ رکعت باشد (اور صحیح یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ گیارہ رکعت (وتر کے ساتھ پڑھتے تھے وہ تہجد کی نماز تھی۔ (اشعۃ للمعات ج ا ص ۵۴۴)

(۳) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ" آں روایت محمول برنماز تہجد است کہ در رمضان وغیرہ رمضان یکساں بود (وہ روایت نماز تہجد پر محمول ہے کہ رمضان وغیر رمضان میں برابر تھی (مجموعہ فتاویٰ عزیزی ج ا ص ۱۲۵)

(۴) حضرت امام غزالی فرماتے ہیں کہ **وقد اوتر رسول الله صلی الله علیه وسلم برکعة وثلاث وخمس وهکذا بالأوتار الیٰ احدیٰ عشرة رکعة والروایة مترددة فی ثلث عشرة وفی**

حدیث شاذ سبع عشرۃ و کانت ھذہ الرکعات اعنی ما سینا جملتھا وترا صلوۃ باللیل وھو التھجد (احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۰۲ رواتب الفرائض)

(ترجمہ)۔آنحضرت ﷺ نے ایک رکعت، تین رکعت، پانچ رکعت، سات رکعت نو رکعت اور گیارہ رکعت سے وتر ادا کیا ہے، تیرہ رکعت کی روایت متردد ہے اور ایک حدیث شاذ میں سترہ رکعت بھی آئی ہیں اور یہ تمام رکعتیں جن کے متعلق ہم نے وتر کا لفظ استعمال کیا ہے آنحضرت ﷺ رات میں پڑھتے تھے یہی تہجد ہے۔

ان حضرات علماء حدیث کے ارشادات سے بھی واضح بات یہ ہے کہ ائمۂ حدیث نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو تہجد کے باب میں نقل کیا ہے۔ملاحظہ ہو مسلم شریف ج ۱ ص ۲۵۴ وعدد رکعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل الخ سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۱۹۲ ابو اب قیام اللیل باب فی صلوۃ اللیل ترمذی شریف ج ۱ ص ۵۸ باب ماجاء فی وصف صلوۃ النبی ﷺ باللیل نسائی شریف ج ۱ ص ۱۵۴ کتاب قیام اللیل وتطوع النہار باب کیف الوتر بثلاث. موطا امام مالکؒ ص ۴۲ باب ماجاء فی صلوۃ اللیل صلوۃ النبی ﷺ فی الوتر امام محمد بن نصر مروزیؒ نے اپنی مشہور کتاب ''قیام اللیل'' میں قیام رمضان کا باب باندھ کر بہت سی حدیثیں اور روایتیں نقل فرمائی ہیں مگر مذکورہ بالا حدیث عائشہؓ نقل نہیں فرمائی اس لئے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث تراویح کے متعلق ہے ہی نہیں۔دیکھئے قیام اللیل ص ۹۲۔۹۱ حافظ حدیث ابن قیمؒ نے بھی زاد المعاد ج ۱ ص ۸۶ میں قیام اللیل (تہجد) کے بیان میں نقل کی ہے اور اگر کسی کتاب میں یہ روایت رمضان کی عبادت کے طور پر تراویح کے ساتھ نقل ہوگئی ہو تو اسے تراویح سے متعلق روایت سمجھ لینا صحیح نہیں ہے۔تہجد بھی تراویح کی طرح رمضان کی ایک عبادت ہے۔اس مناسبت سے تراویح کے ساتھ نقل کی جاسکتی ہے۔پس اگر بالفرض کہیں نقل ہوگئی ہے تو اسے دلیل قطعی نہیں بنایا جاسکتا۔اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال.

علاوہ ازیں اس روایت کے متعلق حافظ حدیث امام قرطبیؒ کا یہ قول بھی نظر انداز نہ ہونا چاہئے کہ ''بہت سے اہل علم مذکورہ روایت کو مضطرب مانتے ہیں'' (عینی شرح صحیح بخاری کتاب التہجد ج ۷ ص ۱۸۷ طبع جدید)

مختصر یہ کہ مذکورہ روایت آٹھ رکعت تراویح کے لئے کسی بھی طرح قابل حجت نہیں، اس کے برخلاف بیس رکعت کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کی موافقت پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے اور جمہور امت نے اس کو عملاً قبول کرلیا ہے امام ابوداؤدؒ کا فیصلہ ہے کہ اذا تنازع الخبران عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینظر بما اخذ بہ اصحابہ (ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۲۶۳ کتاب المناسک باب لحم الصید للمحرم) یعنی جب دو حدیثیں متضاد ہمارے سامنے ہوں (جیسے کہ آٹھ رکعت اور بیس رکعت والی حدیثیں، تو دیکھا جائے گا کہ عمل صحابہؓ کس کے مطابق ہے؟ جس کے مطابق ہوگا وہ قابل قبول اور لائق عمل ہے۔

(۱) امام مالک رحمہ اللہ (المتوفی ۱۹۹ء) فرماتے ہیں کہ اذا جاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیثان مختلفان وبلغنا ان ابابکر و عمر عملا باحد الحدیثین و ترکا الاخر کان ذلک دلیلا علی ان الحق فیما عملا بہ یعنی جب آنحضرت ﷺ سے دو ۲ مختلف حدیثیں آجائیں اور ہمیں معلوم ہو کہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے ان میں سے کسی ایک پر عمل کیا ہے اور دوسرے کو ترک کر دیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ جس حدیث پر انہوں نے عمل کیا ہے وہی صحیح اور حق ہے (التعلیق الممجد علی مؤطا امام محمد ص ۴۴)

(۲) امام ابوداؤد سجستانیؒ (المتوفی ۲۷۵ھ) سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں۔ اذا تنازع الخبران عن النبی صلی الله علیه و سلم ینظر ما اخذ به اصحابه ۔ یعنی جب دو مختلف حدیثیں آئیں تو دیکھا جائے کہ صحابہؓ نے کس پر عمل لیا ہے جس پر انہوں نے عمل کیا ہے وہی حق ہے (ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۲۶۳ کتاب المناسک باب لحم الصید للمحرم)

(۳) امام مجتہد ابوبکر جصاص رحمہ اللہ (المتوفی ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:۔ متی روی عن النبی صلی الله علیه وسلم خبر ان متضاد ان وظهر عمل السلف باحدهما کان الذی ظهر وعمل السلف به اولی بالا ثبات یعنی جب آنحضرت ﷺ سے دو حدیثیں متضاد مروی ہوں اور ان میں سے کسی ایک حدیث پر سلف کا عمل رہا ہو تو وہی اولیٰ بالاثبات ہوگی (احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۱۷ باب القول فی بسم الله الرحمن الرحیم ،فصل وما الجهر بها)

(۴) امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۵۸ھ) عثمان دارمی سے نقل فرماتے ہیں۔ لما اختلفت احادیث الباب ولم یتبین الراجح منها نظر نا الیٰ ما عمل به الخلفاء الراشدون بعد النبی صلی الله علیه وسلم فرجحنا به احد الجانبین ا ھ یعنی جب ایک بات کی مختلف حدیثیں آ گئی ہوں اور راجح کا یقین نہ ہو سکے تو ہم خلفاء راشدین کے عمل کو دیکھیں گے اور اس سے ترجیح دیں گے یعنی اس کے مطابق عمل کریں گے (فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۲۶۹ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ)

(۵) محدث وخطیب بغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ) اپنی تاریخ میں امام مالک رحمہ اللہ (المتوفی ۱۹۹ھ) سے نقل کرتے ہیں کہ لو کان هذا الحدیث هو المعمول به لعملت به الا ئمه ابو بکر وعمر وعثمان بعد رسول الله صلی الله علیه ان یصلی الا مام قاعداً ومن خلفه قعوداً ۔ یعنی اگر یہ حدیث معمول بہ ہوتی کہ امام (عذر کی وجہ سے) بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ کر ہی نماز پڑھیں۔ تو اس پر رسول خدا ﷺ کے بعد کے ائمہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ ضرور عمل کرتے (تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۴۷ مطبع مصر)

(۶) محقق ابن ہمام رحمہ اللہ (المتوفی ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ ومما یصحح الحدیث ایضاً عمل العلماء علی وفقه. یعنی جن امور کی بنا پر حدیث کی صحت معلوم کی جاتی ہے ان میں سے ایک یہ ہے علماء اس کے موافق عمل کریں (تو یہ دلیل ہے حدیث کے صحیح ہونے کی۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۳۴۹ قبیل باب ایقاع الطلاق)

(۷) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں:۔

''اتفاق سلف وتوارث ایشاں اصل عظیم است در فقہ۔ یعنی اتفاق سلف اور ان کا توارث فقہ میں اصل عظیم ہے۔ (ازالۃ الخفاء مطبع بریلی ج ۲ ص ۸۵)

(۸) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں'' میزان در معرفت حق و باطل فہم صحابہ وتابعین است آنچہ ایں جماعت از تعلیم آنحضرت ﷺ بانضمام قرائن حالی ومقالی فہمیدہ اند ودریں تخطیہ ظاہر نکردہ بحسب القول است یعنی حق اور باطل سمجھنے کے لئے میزان اور معیار صحابہؓ اور تابعینؒ کا فہم ہے جو اس جماعت نے

رسول اللہ ﷺ کی تعلیم سے حالی اور مقالی قرائن کے انضمام کے ساتھ سمجھا ہے جب کہ اس فہم میں خطاء ظاہر نہ کی گئی ہو تو وہ فہم واجب القبول ہے (مجموعہ فتاویٰ عزیزی ج ا ص ۱۵۷)

دلیل ثانی:۔

آٹھ رکعت کے متعلق حضرت جابرؓ کی روایت (قیام اللیل ص ۹۰) پر سامر دوی صاحب کو بہت ناز ہے اور مباہلہ کے لئے تیاری بتلاتے ہیں، مگر عجیب بات یہ ہے کہ اس کی سند قابل اعتبار نہیں ہے اس سند کے رجال کے متعلق ائمہ فن کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے۔ سند میں ایک راوی ''ابن حمید رازی'' ہیں جن کے متعلق ناقدین حدیث بزرگان کرام کے تبصرے ملاحظہ فرمائیے:۔

(۱) وھو ضعیف۔ وہ ضعیف ہے (حافظ ذہبیؒ)

(۲) کثیر المناکیر۔ بہت منکر احادیث بیان کرتا ہے (یعقوب بن شیبہؒ)

(۳) فیہ نظر۔ اس میں نظر (اعتراض) ہے (امام بخاری)

(۴) کذبہ ابو زرعہ۔ وہ جھوٹا ہے (ابوزرعہؒ)

(۵) اشھد انہ کذاب۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے (اسحاق کوسجؒ)

(۶) فی کل شی یحدثنا مارأیت اجرأعلی اللہ منہ کان یأخذ احادیث الناس فیقلب بعضہ علی بعض (ترجمہ) ہر چیز میں حدیثیں بیان کرتا ہے، اللہ پر اس سے زیادہ جری شخص میں نے نہیں دیکھا، لوگوں کی حدیثوں کو بدل دیتا ہے (صالح جزرہ)

(۷) واللہ یکذب خدا کی قسم یہ جھوٹا ہے (ابن خراش)

(۸) لیس بثقہ معتبر نہیں (امام نسائی) (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۵۰۔۴۹)

دوسرے راوی یعقوب بن عبداللہ اشعری القمی کے متعلق:۔

(۱) لیس بالقوی قوی نہیں ہے (دارقطنی) میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۲۴)

تیسرے راوی عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق:۔

(۱) عندہ مناکیر اس کے پاس منکر حدیثیں ہیں (ابن معین)

(۲) منکر الحدیث منکر الحدیث ہے (نسائی)

(۳) متروک متروک الحدیث ہے (نسائی)

(۴) منکر الحدیث منکر الحدیث ہے (ابوداؤد۔ خلاصہ)

(۵) ضعفاء میں شمار ہے (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۱۱)

بلوغ المرام میں حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ اس میں رکعت کی تعداد ہی نہیں ہے۔ دیکھئے بلوغ المرام ۴۳۔۴۲) دوسرا اضطراب یہ ہے کہ وتر فرض ہو جانے کے خوف سے آنحضرت ﷺ کے باہر تشریف نہ لانے کا ذکر ہے۔ حالانکہ احادیث صحیحہ میں تراویح کا ذکر ہے۔ (میزاالاعتدال ج ۲ ص ۴۳۔۴۲)

یہ ہے آٹھ رکعت والوں کی پونجی ،جس کے سہارے بیس ۲۰ کی مخالفت کرکے اپنی عاقبت خراب کررہے ہیں ۔افسوس!

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوار آہنی پہ حماقت تو دیکھئے

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

بیس رکعت تراویح کے متعلق سامرودی صاحب کا ایک شگوفہ اوراس کی تردید:

(سوال ۱۹۸) غیر مقلد مولوی عبدالجلیل سامرودی کہتے ہیں کہ مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب فتح سر المنان ص ۳۲۷ میں لکھا ہے کہ بیس ۲۰ رکعت کی روایت حضور ﷺ سے ثابت نہیں ،مہربانی فرماکرتحریر فرمائیں کہ کیا یہ صحیح ہے اور یہ بھی بتائیں کہ علماء ہند حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز وغیرہ کا مسلک کیا رہا ہے ۔بیس رکعت کا ثبوت کیا ہے ۔اس سلسلہ میں وضاحت فرمائیے۔

(الجواب) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت بالکل لچر ہے سبحانک ھذا ابھتان عظیم بلکہ آپ مذکورہ روایت کی تائید فرمارہے ہیں ۔آپ کو بیس رکعت تراویح کے مخالف کہنا بالکل غلط ہے ۔آپ بیس رکعت کے قائل ہیں ۔بیس ۲۰ کے خلاف آپ کا قول وعمل ثابت نہیں ،آپ تنہا ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے مشہور ومسلم محدثین حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ وغیرہ صدہا محدثین بیس ۲۰ رکعت کے قائل ہیں ۔بیس ۲۰ سے کم پڑھنا کسی سے ثابت نہیں ۔ملاحظہ ہو کتاب حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص ۶۷) (مجموعہ فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۲۵) (مالا بدمنہ ص ۶۳)

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی کتاب فتح المنان میں تحریر فرماتے ہیں کہ **فالظاهر انه ثبت عندهم صلوٰة النبی صلی اللہ علیه وسلم عشرین رکعة کما جاء فی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنه فاختاره عمر رضی اللہ عنه** ۔ یعنی ظاہر یہ ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک آنحضرت ﷺ کا بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھنا ثابت ہو چکا تھا جیسے کہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں وارد ہے اسی لئے حضرت عمرؓ نے بیس ۲۰ رکعت اختیار فرمائیں اور فرماتے ہیں ۔کہ

وصحیح آنست کہ آنچہ آنحضرت ﷺ گذارد ہمہ نماز تہجد وے بود کہ یازدہ رکعت باشد وابن ابی شیبہ از ابن عباسؓ آورد کہ آنچہ آنحضرت ﷺ گذارد بست رکعت بود یعنی اور صحیح یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جو گیارہ رکعت (مع الوتر) پڑھتے تھے وہ تہجد کی نماز تھی اور ابن ابی شیبہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے جو پڑھی ہیں وہ بیس ۲۰ رکعت ہیں (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۵۴۴) اور فرماتے ہیں کہ ۔زیرا کہ بصحت رسیدہ است کہ قیام میکردند در عہد عمرؓ بہ بست رکعت ۔یعنی صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں صحابہ کرامؓ بیس ۲۰ رکعت پڑھتے تھے (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۵۴۷) اور ''ماثبت بالسنۃ'' میں تحریر فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک تراویح بیس ۲۰ رکعت سنت ہے کہ بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں صحابہ کرام بیس ۲۰ رکعت پڑھتے تھے ۔نیز

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں بھی یہی عمل رہا۔(ص ۲۲۳)

یہ ہے اصل حقیقت اور آپ کا عقیدہ، کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ حضرت شیخ محدث دہلویؒ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کو "بالکل لچر" کہتے ہیں اور آپ بیس ۲۰ رکعت کے مخالف تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عمرؓ دونوں صحابی ہیں ان کے درمیان کوئی ضعیف راوی نہیں جس سے حدیث ابن عباسؓ کو ضعیف کہہ سکیں اور عمل صحابہ ضعیف حدیث کی بنیاد پر ہونا سمجھ سکیں' ان کا عمل صحیح بنیاد پر تھا لہذا ان کی پیروی کرنے والے کس طرح دھوکا کھانے والے ہوسکتے ہیں؟ غرض کہ صحابہ کے اعتبار سے حدیث مذکور ہرگز ضعیف نہیں ہے البتہ بعد میں ایک ضعیف راوی ابراہیم بن عثمان شامل ہونے سے بعد والوں کے اعتبار سے روایت مذکورہ ''روایۃً'' ضعیف کہی جاسکتی ہے مگر ''درایۃً'' تو صحیح ہی ہوگی کیونکہ خلفاء راشدین وغیرہ صحابہؓ کا بیس ۲۰ رکعت پر عمل و مواظبت اس کے معتبر ہونے کی دلیل ہے۔ علامہ بحر العلومؒ فرماتے ہیں:۔ **ومواظبة الصحابة علیٰ عشرین قرینة صحة هذه الروایة** یعنی صحابہ کرامؓ کی بیس ۲۰ رکعت پر مواظبت اس بات کا قرینہ اور علامت ہے کہ حضرت ابن عباس کی روایت صحیح ہے۔ (رسائل الارکان ص ۱۳۸ فصل فی صلوٰۃ التراویح)

آنحضرت ﷺ کے ہر وقت کے ساتھی اور عبادت کے شریک صحابہؓ کا آخری اور دائمی عمل بیس رکعت کا ہے۔ دیکھئے! حضرت امام ترمذی فرماتے ہیں۔ رکعت تراویح کے بارے میں اہل علم (محدثین) میں اختلاف ہے۔ بعضے وتر کے ساتھ ۴۱ رکعت کے قائل ہیں جیسے کہ اہل مدینہ کا قول و عمل ہے لیکن اکثر کا وہی عقیدہ ہے جو حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہؓ سے مروی اور منقول ہے اور وہ بیس ۲۰ رکعت ہے۔ یہی قول امام الحدیث سفیان ثوریؒ اور ابن المبارکؒ اور امام شافعیؒ کا ہے۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل مکہ کو بھی بیس رکعت پڑھتے دیکھا ہے۔ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۹۹ ابواب الصوم باب ماجآء فی قیام شهر رمضان) ائمہ روایت کے ان اقوال کی بناء پر ہمیں یقین آجانا چاہئے کہ ابراہیم ابن عثمان بیس ۲۰ رکعت کے بارے میں سچا ہے۔ جس کام کی صحیح طور پر۔ (تعامل صحابہؓ) سے تصدیق ہوجائے اس کو جھٹلاتے رہنا سراسر بے انصافی اور ظلم ہے۔ رہا محدثین کا نزاع تو وہ ایک قانونی بحث ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بیس رکعت کے مخالف ہیں اور وہ بیس رکعت پڑھتے نہ تھے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ اور ابن ہمامؒ وغیرہ جن کو بطور مخالف پیش کیا جاتا ہے ان کا عمل بیس رکعت سے کم ثابت نہیں۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ صحابہ کرامؓ خصوصاً خلفاء راشدین کی اتباع ہمارے لئے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اے ایمان والو! تم خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں جو اولوالامر ہیں ان کی بھی۔ (قرآن حکیم)

حضرات خلفاء راشدینؓ اولوالامر کے سب سے پہلے مصداق ہیں ملاحظہ ہو اہل حدیث کے امام مولانا صدیق حسن صاحب کی تفسیر فتح البیان فی مقاصد القرآن (ج ۱ ص ۵۸۵)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وما اٰتکم الرسول فخذوہ**. ترجمہ۔ اور رسول ﷺ تم کو جو کچھ دے اس کو قبول کرلو۔ (قرآن حکیم)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد کے لوگ بہت اختلاف دیکھیں گے اس وقت مسلمانوں کا فرض ہے کہ میرے اور میرے خلفاء راشدینؓ کے طریقہ کو مضبوطی سے پکڑے رہیں۔ (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۸۷ کتاب السنۃ باب لزوم السنۃ)

مذکورہ آیات واحادیث کی بنا پر ہمارے لئے لازم ہوجاتا ہے کہ خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کا فرمان عالی ہے کہ میرے بعد ابوبکر وعمر کی اقتداء کرنا (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۰ باب مناقب ابی بکر وعمر) اور ارشاد فرمایا میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی تم اقتداء کرو گے ہدایت پالو گے (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴ باب مناقب الصحابۃ

اور مؤطا امام محمد میں ہے کہ جس طریقہ کو مؤمن پسند کریں وہ عنداللہ بھی پسندیدہ ہے۔ جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ ہیں وہ طریقہ حق اور نجات دہندہ ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ ابن مسعودؓ کی وصیت کو مضبوط پکڑے رکھو یعنی ان کی وصیت پر مکمل عمل کرو (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۲۱ ابواب المناقب مناقب عبداللہ بن مسعود)

اب حضرت ابن مسعودؓ کی وصیت دربارۂ صحابہ کیا ہے۔ وہ ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں:۔ تم میں سے اگر کسی کو اقتداء کرنا ہے تو وہ اصحابؓ محمد ﷺ ہی کی اقتداء کرے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے بہترین جماعت کو اپنے بہترین رسول کی صحبت اور دین کی حفاظت کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ لہٰذا تم بھی ان کی عظمت پہچانو اور انہیں کے نقش قدم پر چلو اس لئے کہ وہ واضح راہ راست پر تھے۔ (الموافقات ج ۴ ص ۷۸)

اور حضرت حسنؒ شہادت دے رہے ہیں کہ اس کعبہ کے رب کی قسم کہ صحابہؓ کی یہ جماعت صراط مستقیم پر قائم تھی (الموافقات ج ۴ ص ۷۸ از ترجمان السنہ ج ۱)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ فرقۂ ناجیہ کی علامت کے بارے میں حضور ﷺ کا فرمان ہے **الذین هم علی ما انا علیه و اصحابی**. یعنی نجات پانے والا فرقہ وہ ہے جو میرے اور میرے اصحابؓ کے طریقہ پر ہو۔ پھر حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں۔ بظاہر یہ فرمادینا کافی تھا کہ جس پر میں ہوں۔ مگر آنحضرت ﷺ نے اصحاب کا ذکر بھی اپنے ساتھ فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بتانا مقصود ہے کہ میرے اصحاب کا طریقہ وہی ہے جو میرا طریقہ ہے۔ لہٰذا نجات کی راہ صحابہ کی اتباع ہی سے وابستہ ہے۔ جیسے خداوند تعالیٰ نے فرمایا **و من یطع الرسول فقد اطاع الله** یعنی جس نے رسول ﷺ کی اطاعت واتباع کی اس نے اللہ کی اطاعت کی یعنی رسول ﷺ کی اطاعت کرنا ہی اللہ کی اطاعت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرنا عین اللہ کی نافرمانی ہے اسی طرح حضور ﷺ کی اتباع کا دعویٰ کرنا اور ساتھ ہی صحابہ کے طریقہ کی اتباع کی مخالفت کرنا یہ دعویٰ رد اور باطل ہے بلکہ اس طرح کی اتباع درحقیقت آپ کی نافرمانی شمار ہوگی تو اس صورت میں نجات کی گنجائش کہاں رہ سکتی ہے۔ **ویحسبون انهم علیٰ شئی الا انهم هم الکاذبون**. یعنی وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم کسی حقیقت پر ہیں مگر جان لو! کہ وہ جھوٹے ہیں (قرآن حکیم) یہی حال ان کا ہے اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جس جماعت نے اصحاب رسول ﷺ کی اتباع کو لازم بنالیا ہے وہی اہل سنت والجماعت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور گردانے۔ (مکتوبات ج ۱ ص ۱۰۳ مکتوب نمبر ۸۰)

حضرت عمر بن عبدالعزیز (المتوفی ۱۰۱ھ) کے اس مکتوب گرامی کو محدثین نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں حضرات صحابہؓ نے اپنے لئے جو رائے اور عقیدہ پسند کیا ہے تم بھی اپنے لئے اسی کو پسند کرو اور اس کو اپنا مسلک بنالو کیونکہ حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ خدا کی طرف سے جو علم لائے تھے صحابہ کرامؓ اس سے پوری طرح واقف و باخبر تھے۔ دین کے بارے میں ان کو بصیرت تامہ اور فہم رسا حاصل تھی جس کی وجہ سے ہر چیز کی حقیقت تک وہ پہنچتے تھے اور تم سے زیادہ دین کی حقیقت اور شریعت کے منشاء کو سمجھتے تھے اس کے باوجود اگر تم سمجھتے ہو کہ (صحابہ اور تمہارے اختلاف میں) تم حق پر ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اپنے آپ کو جماعت صحابہؓ سے بھی افضل سمجھتے ہو ظاہر ہے کہ یہ خیال کتنا احمقانہ اور گمراہ کن ہے (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۸۵ باب لزوم السنۃ)

ایک مرتبہ حضرت علیؓ خوارج کو سمجھانے لگے خوارج کہنے لگے کہ ہم تو صرف قرآن کا حکم مانیں گے دوسری کوئی دلیل سننا نہیں چاہتے۔ حضرت علیؓ نے قرآن ہاتھ میں لے کر فرمایا اے قرآن بول اور جس بارے میں یہ نزاع کررہے اس کی حقیقت ان کو سمجھا دے۔ پھر آپ نے خوارج سے فرمایا تم نے دیکھا قرآن نے میرے کہنے کے باوجود کچھ نہیں کہا (مطلب یہ تھا کہ قرآن کی اتباع کی صورت یہی ہے کہ اس کے جاننے اور سمجھنے والے جو کچھ بتائیں اس کی اتباع کرو۔ یہی قرآن کی اتباع ہے) پھر فرمایا کہ احمقو! جن لوگوں نے رسول خدا سے (ﷺ) بلاواسطہ قرآن اور دین اخذ کیا ہے کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ان سے زیادہ قرآن و دین کے جاننے والے ہو؟

غرض کہ بیس ۲۰ رکعت پڑھنے والے حق پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرامین، اس کے رسول ﷺ کی تمام احادیث صحیحہ اور روایات معتبرہ پر عمل کرنے والے ہیں، دھوکا کھانے والے نہیں، دھوکا کھانے والے بیس ۲۰ سے کم پڑھنے والے ہیں کہ رمضان کے مبارک ماہ میں ایک ایسی عبادت سے محروم ہیں جس پر خلفاء راشدینؓ، صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعین، سلف صالحین سے لے کر خلف لاحقین تک اجماع اور اتفاق ہو چکا ہے ایک ایسی حدیث پر جس میں دوسرے احتمالات موجود ہوں عمل کر کے دوسری احادیث صحیحہ کو ترک کر دینا امانت داری نہیں ہے امانت دار تو وہ ہے جو تمام احادیث پر عمل کرتا ہو اور ان کو تسلیم کرتا ہو۔

خدارا بیس ۲۰ رکعت پڑھنے دو۔ عبادت سے مت روکو اور خود بھی بیس ۲۰ پر عمل کرو چاہے سنت خلفائے راشدینؓ سمجھ کر پڑھو۔ **لیس الا بامرہ صلی اللہ علیہ وسلم۔**

بانی دارالعلوم دیوبند شمس الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز کا بیس ۲۰ رکعت کے بارے میں فیصلہ کن فتویٰ پڑھئے۔

(سوال) علماء دین کی خدمت میں عرض ہے کہ ایک شخص کہلن دھرا پر نگینہ ضلع بجنور کا باشندہ آیا ہے وہ کہتا ہے کہ "ضاد "بمخرج" زا" پڑھو نہیں تو نماز باطل ہوگی اور تراویح آٹھ رکعت پڑھو۔ بیس ۲۰ رکعت پڑھنا فضول ہے! (حضرت مولانا نے تراویح کے متعلق جو جواب دیا ہے وہ درج ذیل ہے)

(الجواب) باقی رہی تراویح! اس میں آج کل کے ملانوں نے تخفیف کر ڈالی ہے۔ یعنی بیس ۲۰ کی آٹھ کر ڈالی ہے وہ سب کو سہولت کی وجہ سے پسند آتی ہے مگر یہ بات کوئی سمجھتا نہیں کہ آٹھ رکعت جو حدیث میں وارد ہے تہجد کی رکعات ہیں۔ تہجد اور چیز ہے اور تراویح اور چیز ہے تراویح تو بیس ۲۰ ہی رکعت ہیں!

حضرت عمرؓ کے دور میں ہزار ہا صحابہ ؓ موجود تھے اس زمانہ سے لے کر آج تک کسی نے بیس ۲۰ رکعت میں حجت نہیں کی تھی (خوشی خوشی بیس ۲۰ رکعت پڑھتے تھے) مگر آج کل ایسے عامی ان پڑھ عالم پیدا ہونے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمرؓ اور صحابہ کرام کو بھی غلط کہا۔ سبحان اللہ یہ منہ اور مسور کی دال! یہ کہنا کہ حضرت عمرؓ سے پہلے بیس ۲۰ رکعت پڑھی نہ جاتی تھی، یہ غلط خیال ہے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس ۲۰ رکعت خاص اہتمام سے پڑھی جانے لگی اس سے یہ کیسے لازم ہوا کہ پہلے بیس ۲۰ رکعت نہ پڑھی جاتی تھی۔ البتہ اتنے اہتمام اور جماعت کثیر کے ساتھ نہ پڑھی جاتی تھی الگ الگ متفرق جماعتوں سے پڑھی جاتی تھی حضرت عمرؓ نے سب کو ایک بڑی جماعت سے پڑھنے کا اہتمام کر دیا۔

دیکھئے! پہلے نکاح ثانی کا اتنا اہتمام نہ تھا کیونکہ نکاح ثانی کو اتنا معیوب نہیں سمجھتے تھے جب حضرت شاہ ولی اللہ نے دیکھا کہ لوگ نکاح ثانی کو نہایت معیوب سمجھنے لگے تو اس کا ذکر آپ نے اپنی کتابوں میں کیا اور ان کی اولاد اور شاگردوں نے نکاح ثانی کے اجراء کے لئے کمر کس لی مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ نکاح ثانی کا طریقہ شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی ایجاد ہے اور حضور ﷺ کے دور کا طریقہ نہیں ہے! بس اسی طرح بیس ۲۰ رکعت تراویح کو حضرت عمرؓ اور آپ کے دور کے صحابہؓ کی ایجاد نہیں بلکہ سنت نبوی ﷺ ہی سمجھنا چاہئے ورنہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ حضرت عمرؓ سنی نہ تھے آپ کے دور کے صحابہؓ بھی سنی نہ تھے تمام نعوذ باللہ بدعتی تھے! آپ ﷺ کی سنت کو محو کر دیا اور اپنی سنت جاری کی۔

اب آپ ہی بتلائیے کہ حضرت عمرؓ اور صحابہ کرامؓ کو برا سمجھنے والے کون ہیں؟ حضرت عمرؓ اور صحابہ کرامؓ کی اتباع کا حکم تو احادیث صحیح میں موجود ہے۔ چند احادیث لکھے دیتا ہوں۔ غیر مقلد مولوی صاحب سے ان کا مطلب دریافت کر لینا جو آٹھ رکعت کا نقارہ بجاتے ہیں اور بیس ۲۰ رکعت کو فضول کہتے ہیں۔

(۱) علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی (۲) اقتدوا بالذین من بعدی (۳) اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم. (تصفیة العقائد ص ۳۸.۳۹) فقط واللہ اعلم بالصواب.

تراویح اور وتر کے متعلق متفرق مسائل

(سوال ۱۹۹) تراویح پڑھانے کے لئے ایک حافظ ہے اور قرآن سننے والا حافظ نہیں تو ایسی حالت میں ایک آدمی امام کے پیچھے قرآن مجید کھول کر سنے تو کیا حکم ہے؟ اور لقمہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ یا امام قرآن مجید اپنے سامنے کھلا رکھ کر نماز پڑھائے تو کیا حکم ہے؟ میں نے خود نے ''برماؤ'' میں اس طرح نماز پڑھی ہے؟ فی الحال جو امام صاحب ہیں وہ انکار کرتے ہیں کہ کھول کر دیکھنا صحیح نہیں ہے۔ اہل حدیث کے مولوی کے کہنے کے مطابق پڑھ سکتے ہیں۔ لہذا شرعی حکم کیا ہے اس سے آگاہ فرمائیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب امام کے پیچھے مقتدی بیٹھ کر قرآن مجید میں دیکھ کر لقمہ دے گا تو قرآن مجید ہاتھ میں اٹھائے گا یا آغوش میں یا رحال پر رکھے گا اور بار بار ورق پلٹے گا۔ رکوع کے وقت قرآن مجید ہٹائے گا اور دوبارہ اپنی طرف کھینچے گا اور قرآن مجید میں سے سیکھ کر امام کو بتلائے گا یا امام کو سکھلائے گا تو قرآن مجید معلم اور مقتدی وامام متعلم بنیں گے جس سے عمل کثیر لازم آئے گا۔ لہذا نماز فاسد ہو جائے گی۔ **قال فی الھدایہ . ان حمل المصحف**

والنظر فیہ وتقلیب الاوراق عمل کثیر ولا نہ تلقن من المصحف فصار کما اذا تلقن من غیرہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے نھانا امیر المومنین ان نوم الناس فی المصحف وان یومنا الا محتلم. (عینی شرح ھدایہ ج ۱ ص ۷۸۵ باب مانفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیھا) یعنی حضرت عمر فاروقؓ نے منع فرمادیا کہ ہم قرآن شریف میں دیکھ کر لوگوں کی امامت کریں۔ نیز ہدایت کردی تھی کہ صرف بالغ شخص ہی امامت کرسکتا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ حضرت سعید بن المسیب حضرت حسن بصری حضرت شعبی حضرت سلمی اور حضرات غیر مقلدین کے مقتدا ابن حزم ظاہری کا مسلک بھی یہی ہے البتہ اگر قرآن شریف یا وہ رکوع یا سورت جو پڑھ رہا ہے وہ اس کو حفظ یاد ہے اور سامنے قرآن شریف کھلا رکھا ہے اس پر نظر پڑ جاتی ہے یا اس پر نظر ڈال رہا ہے اور پڑھ رہا ہے۔ مثلاً سورۂ اخلاص حفظ یاد ہے وہ حفظ کے اعتماد پر پڑھ رہا ہے۔ سامنے قرآن شریف میں یہی سورت اس کے سامنے کھلی ہوئی ہے یا دیوار پر لکھی ہوئی ہے وہ اس پر بھی نظر ڈال رہا ہے اور پڑھ رہا ہے تو اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہوتی۔ نماز ہو جائے گی کیونکہ یہاں نماز میں سیکھنے اور یاد کرنے کا عمل نہیں ہو رہا ہے قال فی شرح الھدایۃ للعلامۃ العینی واذا کان یحفظہ عن ظھر القلب وھو مع ذلک ینظر فی المکتوب اوعلی المحراب فیقرأ فلا اشکال انہ یجوز ج ۱ ص ۷۸۴ ایضاً)

جو صاحب حفظ یاد نہ ہونے کی صورت میں قرآن شریف میں دیکھ کر پڑھنے کو نماز میں جائز قرار دیتے ہیں وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ایک عمل سے استدلال کرتے ہیں۔ جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ترجمہ باب میں بلا سند کے نقل کردیا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔ کانت عائشۃ یومھا عبدھا ذکوان من المصحف ص ۹۶ باب امامۃ العبد والمولی. (ترجمہ۔ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی امامت کیا کرتے تھے ان کے غلام ذکوان قرآن شریف سے) مگر اس عمل سے استدلال درست نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ نہیں ہے کہ حضرت ذکوان کو قرآن شریف یاد نہیں تھا بلا یاد وہ قرآن شریف سے پڑھتے تھے اور اس طرح پڑھ کر امامت کیا کرتے تھے۔ یہ بات قرین قیاس بھی نہیں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی صاحب علم اور صاحب فضل ام المومنین نماز جیسی اہم عبادت کے لئے ایسے غلام کو امام بنائیں جس کو قرآن شریف یاد نہ ہو اور بچوں کی طرح قرآن شریف دیکھ کر پڑھتا ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس سے یہ استدلال نہیں کیا۔ امام بخاریؒ نے اس واقعہ کو " امامۃ العبد والمولی " کے سلسلہ میں پیش کیا ہے۔ یعنی یہ کہ زرخرید غلام یا آزاد کردہ غلام آزاد خاتون یا خود اپنے آقا کی امامت کرسکتا ہے)

حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب دنیا میں صرف ایک مصحف تھا۔ احادیث اور تاریخ کی کتابوں میں بڑی تفصیل سے یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کی تحریک پر قرآن پاک کتابی شکل میں مرتب کرایا۔ یہ نسخہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس محفوظ تھا۔ آپ کی وفات کے بعد خلیفۂ دوم کے سپرد کیا گیا۔ جو ان کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ رہا۔ بخاری شریف ص ۷۴۵ و ص ۷۴۶ باب جمع القرآن۔ اس دور میں قرآن شریف دیکھ کر پڑھنے کا رواج ہی نہیں تھا۔ صحابہ کرام کے مقدس سینے قرآن پاک کے محافظ خانے تھے۔ یہی حال ان کے تلامذہ (تابعین) کا بھی تھا۔ اس دور میں اس ایک مصحف کو جو حضرت ابوبکرؓ کے یہاں محفوظ تھا۔ دیکھنا، اس کی زیارت کرنا یا اس کی تلاوت کرنا بہت عجیب اور قابل فخر تھا۔ اس روایت میں

اس عجیب بات کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت ذکوان مصحف دیکھ کر یاد نہیں کرتے ہیں بلکہ خاص بات یہ ہے کہ اپنی یاد کو مصحف شریف سے ملاتے ہیں اور پہلے اس طرح اپنی یاد کو قرآن شریف سے ملا لیتے ہیں اور مقابلہ کر لیتے ہیں پھر نماز میں اس کو پڑھتے ہیں۔ یہ صورت اس زمانہ کے حالات کے بھی مناسب ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی احتیاط کے بھی مناسب۔ یعنی حضرت ذکوان صرف نماز ہی نہیں پڑھاتے بلکہ اپنی یاد کا مصحف شریف سے مقابلہ کرتے رہتے ہیں اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں یہ مقابلہ ہوتا ہے۔ بہر حال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس عمل کو اس موقع پر استدلال میں پیش کرنا مسئلہ کی دلیل نہیں بلکہ واقعات سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وتر پڑھنے والے کے پیچھے تراویح پڑھنے والا:

(سوال ۲۰۰) امام صاحب نے غلطی سے سولہ رکعات تراویح کے بعد وتر شروع کر دے اور مقتدی بہ نیت تراویح شامل تھے سلام کے بعد کہا کہ امام صاحب نے غلطی کی پھر بقیہ چار رکعت تراویح پڑھائی اب دریافت طلب یہ ہے کہ وتر ہوئے یا نہیں؟ امام صاحب کہتے ہیں کہ وتر احتیاطاً لوٹا لو اس صورت میں پہلے وتر معتبر نہ تھے۔ امام نے دوبارہ وتر پڑھائے۔

(الجواب) مذکورہ صورت میں امام صاحب کی پہلی وتر نماز معتبر ہے مگر مقتدی کی نہ پہلی وتر نماز معتبر ہے اور نہ دوسری کیونکہ پہلی مرتبہ میں نماز وتر کی نیت نہ تھی۔ اور دوسری مرتبہ میں اگرچہ وتر کی نیت تھی مگر وتر پڑھے ہوئے کی اقتدا کی گئی اس لئے یہ بھی معتبر نہیں (کبیری)

تراویح کی نیت سے وتر کی اقتدا کی تو شرعاً کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۰۱) اگر تراویح سمجھ کر وتر پڑھنے والے کی اقتدا کرے تو وتر صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) وتر نماز معتبر نہیں۔ ہاں ایسی صورت میں امام کے سلام کے بعد چوتھی رکعت پڑھ لے تو بہتر ہے۔ یہ چار رکعت نفل ہو جائے گی۔ (کبیری ص ۳۹۲)[1]

(سوال) امام صاحب وتر کی دوسری رکعت میں بجائے بیٹھنے (قعدہ) کے تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہو گئے قوم کے لقمہ دینے سے پھر بیٹھ گئے۔ اب تیسری رکعت پوری کر کے تشہد کے بعد سجدۂ سہو کیا تو وتر ہوئے یا نہیں؟

(الجواب) امام صاحب وتر کا قعدۂ اولیٰ بھول گئے تو اب نہ بیٹھتے محض سجدۂ سہو سے وتر صحیح ہو جاتے، کھڑے ہونے کے بعد بیٹھے یہ غلط کیا مگر نماز فاسد نہیں ہوئی۔ اب سجدۂ سہو کیا ہے تو نماز صحیح ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ [2]

---

(۱) وفیھا اقتدی بہ علی ظن أنہ فی التراویح فاذا ھو فی وتر تیمہ معہ ویضم الیھا رابعۃ ولو افسدھا لا شئی علیہ آخر صلوۃ التراویح)

(۲) ومن سھا وکان اماماً او منفرداً عن القعود الاول من الفرض ولو عملیاً وھو الوتر عاد الیہ الیہ وجوباً مالم یستو قائما فی ظاھر الروایۃ وھو الاصح وان عاد الساھی عن القعود الاول الیہ بعد ما استتم قائما اختلف التصحیح فی فساد صلاتہ وارجحھما عدم الفساد مراقی الفلاح علی ھامش طحطاوی ص ۲۵۳ .

عورتوں کو تراویح میں جماعت کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۰۲) عورتیں اپنی تراویح باجماعت ادا کرسکتی ہیں یا نہیں؟

(الجواب) عورتوں کو چاہئے کہ پنجگانہ نماز اور نماز تراویح اور وتر منفرداً (تنہا تنہا) پڑھیں ان کے لئے جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ البتہ اگر ایسی شکل پیش آجائے کہ کوئی میت ہے۔ مرد کوئی نہیں صرف عورتیں ہی عورتیں ہیں تو وہ جنازہ کی نماز پڑھیں اور نماز کی جماعت کرلیں۔ (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۵۲۸)[1] فقط واللہ علم بالصواب

تراویح میں چار رکعات کے بعد دعا مانگنا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۰۳) امام صاحب تراویح میں چار رکعت پر دعا کرتے ہیں تو چند آدمی دعا نہیں مانگتے تو از روئے حدیث ہر چہار رکعات پر دعا کرنا ثابت ہے یا نہیں؟

(الجواب) تراویح میں اجازت ہے چاہے تسبیح پڑھے چاہے تلاوت کرے چاہے خاموش رہے یا نفل پڑھے (درمختار مع الشامی)[2] لہذا امام اور قوم کا اجتماعی دعا کرنے کو ضروری سمجھنا اور دعا نہ کرنے والوں پر اعتراض کرنا درست نہیں ہاں انفرادا دعا کرے تو منع نہیں۔

وتر نماز میں تراویح کی نیت کرنا شرعاً کیسا ہے؟:

(سوال ۲۰۴) تراویح کی دو رکعت بھول سے رہ گئی اور نماز وتر شروع کردی قعدۂ اولیٰ میں تراویح کی فائتہ یاد آگئی اب تراویح کی نیت کرکے دو رکعت پر سلام پھیرے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) یہ دو رکعت میں شمار نہ کی جائیں گی۔ (فتاوی قاضی خان ج ۱ ص ۲۴۳)[3]

نابالغ بچہ تراویح پڑھا سکتا ہے؟:

(سوال ۲۰۵) بارہ سال کا بچہ حافظ ہے مگر بالغ نہیں ہے تو یہ تراویح پڑھائے یا نہیں؟

(الجواب) مختار اور صحیح قول یہ ہے کہ نماز تراویح میں بھی نابالغ بچہ بالغوں کی امامت نہیں کرسکتا۔ (ھدایہ ج ۱ ص ۱۰۳)[4]

نابالغ بچہ تراویح میں لقمہ دے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۰۶) نابالغ بچہ تراویح میں امام صاحب کو بھول بتائے یا نہیں؟ اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) ویکرہ تحریماً جماعة النسآء ولو فی التراویح فی غیر صلاة جنازة الخ)

(۲) ویجلس بین کل اربعة بقدرها وکذا بین الخامسة والوتر ویخیرون بین تسبیح وقراۃ وسکوت وصلاۃ فرادی باب الوتر والنوافل بحث صلاۃ التراویح)

(۳) امام شرع فی الوتر علی ظن أنه' تم التراویح فلما صلی رکعتین تذکرہ أنه' ترک تسلیمة واحدة فسلم علی رأس رکعتین لم یجز ذلک عن التراویح لأنه ما صلی بنیة التراویح باب التراویح فصل فی السهو واحکامه

(۴) ولا یجوز للرجال ان یقتدوا با مرأة اوصبی... والمختار أنه' لا یجوز فی الصلوات کلها لأن نفل الصبی دون نفل البالغ . باب الامامة)

(الجواب) ہاں جب بچہ نماز میں ہو اور لقمہ دے تو نماز فاسد نہ ہوگی (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۹۵)[1]

تراویح میں سجدۂ تلاوت کے بعد سورۂ فاتحہ دوبارہ پڑھے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۰۷) تراویح میں سجدۂ تلاوت ادا کرنے کے بعد بجائے اگلی آیت پڑھنے کے سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس کو شروع کرے تو سجدہ سہو ہے یا نہیں؟ سورۂ فاتحہ کی تکرار ہوتی ہے۔

(الجواب) سورت شروع کرنے سے پہلے اگر سورۂ فاتحہ کو مکرر پڑھ دے تب تو سجدۂ سہو ہوگا۔ کیونکہ فاتحہ کے بعد بلا تاخیر سورۃ شروع کرنا واجب تھا اس میں تاخیر ہوگئی اور واجب کی تاخیر سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے۔ لیکن صورت مسئولہ میں جب سورۂ فاتحہ کے بعد قرأت شروع کر چکا تھا تو سورت یعنی قرأت شروع کرنے میں تو تاخیر نہیں ہوئی فاتحہ کے فوراً بعد شروع کردی اب اگلا فرض رکوع کا ہے اس کی ادائیگی قرأت کے بعد ہونی چاہئے مگر قرأت کی کوئی حد معین نہیں جتنی چاہے قرأت کرے اور جس جس سورت کی چاہے قرأت کرے رکوع سے پہلے اس کو مختصر اور طویل قرأت کرنے کا اختیار ہے اس میں تطویل وتاخیر سے سجدہ سہو لازم نہیں آئے گا۔ رد المحتار تحت قوله كذا ترك تكريرها اما لوقرأها قبل السورة مرة وبعدها مرة فلا تجب كما في خانيه الخ (شامی ج ۱ ص ۴۲۹ باب صفة الصلاة مطلب في واجبات الصلاة) بخلاف مالو اعادها بعد السورة (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۲۶ الباب الثاني عشر في سجود السهو) لہٰذا اس صورت میں سجدۂ سہو لازم نہیں آئے گا۔

نماز عشاء باجماعت پڑھنے والا تراویح گھر پر پڑھے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۰۸) نماز عشاء باجماعت ادا کرنے والا تراویح گھر میں تنہا پڑھے تو گنہگار ہے یا نہیں؟

(الجواب) تراویح باجماعت کی ادائیگی سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ محلہ کی مسجد میں تراویح باجماعت ادا ہوتی ہو اور کوئی شخص اپنے مکان میں تنہا ادا کرے تو گنہگار نہ ہوگا مگر جماعت کی فضیلت سے محروم رہے گا۔ (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۶۶۰ باب الوتر والنوافل مبحث صلاۃ التراویح)

(سوال) ہمارے محلہ کی مسجد میں آٹھ رکعت تراویح تک نمازی رہتے ہیں پھر کم ہو جاتے ہیں تو ہم ... دوسری مسجد میں تراویح ادا کریں تو کچھ حرج ہے؟

(الجواب) بیس ۲۰ رکعات تراویح باجماعت محلہ کی مسجد میں ہونا ضروری ہے لہٰذا آپ لوگوں کو اپنی مسجد میں تراویح پڑھنی چاہئے۔ چاہے مصلی کم ہوں مگر محلہ کی مسجد میں تراویح نہ ہوگی تو سب اہل محلہ گنہگار ہوں گے۔ (شامی ص ۶۶۰ باب الوتر والنوافل مبحث صلاۃ التراویح)

تراویح پڑھانے پر معاوضہ:

(سوال ۲۰۹) حفاظ کرام تراویح کے لئے روپے متعین کرتے ہیں یا متولی سے کہتے ہیں کہ جو آپ چاہیں دیں یا متولی صاحب کہتے ہیں کہ ہم اپنی خوشی سے جو چاہیں گے دیں گے تو اس طرح کی تعیین جائز ہے۔

---

(۱) فتح المراهق كالبالغ باب ما يفسد الصلاة)

(الجواب) بے شک تراویح میں اجرت لینا دینا ناجائز ہے۔ لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہوتے ہیں۔ اس سے اچھا یہ ہے کہ الم ترکیف سے تراویح پڑھی جائے۔ لوجہ اللہ پڑھنا اور لوجہ اللہ امداد کرنا جائز ہے۔ مگر اس زمانہ میں یہ کہاں ہے۔ ایک مرتبہ پیسے نہ دیئے جائیں تو حافظ صاحب دوسری دفعہ نہیں آئیں گے تو اب للہ کہاں رہا۔ اصل مسئلہ یہی ہے مگر وہ مشکلات بھی نظر انداز نہ ہونی چاہئیں جو ہر سال اور تقریباً ہر ایک مسجد کے نمازیوں کو پیش آتی ہیں۔ اس بنا پر ایک قابل عمل شکل یہ ہے کہ جہاں لوجہ اللہ تراویح خوان حافظ نہ ملے وہاں تراویح پڑھانے والے کو ماہ رمضان کے لئے نائب امام بنایا جائے اور اس کے ذمہ ایک یا دو نماز سپرد کی جائے تو اس مذکور حیلہ سے تنخواہ لینا دینا جائز ہو جائے گا کیونکہ امامت کی اجرت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کا فتویٰ ہے:۔

''اگر رمضان المبارک کے مہینے کے لئے حافظ کو تنخواہ پر رکھ لیا جائے اور ایک دو نمازوں میں اس کی امامت معین (مقرر) کر دی جائے تو یہ صورت جواز کی ہے۔ کیونکہ امامت کی اجرت (تنخواہ) کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔'' محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔ ۲۷ شعبان ۱۳۷۰ھ۔

حضرت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی مفتی مظاہر علوم فرماتے ہیں:۔

''اصل مذہب تو عدم جواز ہی ہے۔ لیکن حالت مذکورہ میں حیلۂ مذکور کی گنجائش ہے۔'' محمود گنگوہی مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور۔ ۱۵ شعبان ۱۳۷۰ھ۔

امام تراویح وغیرہ میں قرأت کیسی آواز سے پڑھے:

(سوال ۲۱۰) امام تراویح وغیرہ جہری نمازوں میں قرأت کس قدر زور سے پڑھے۔

(الجواب) افضل اور بہتر ہے کہ امام جہری نمازوں میں بلا تکلف اس قدر جہر سے پڑھے کہ مقتدی قرأت سن سکے اس سے زیادہ تکلف کر کے پڑھنا مکروہ اور منع ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ **ولا تجهر بصلاتک ولا تخافت بها وابتغ بين ذلک سبيلاً** (بنی اسرائیل ع ۱۲) اور نہ تم اپنی نماز میں زیادہ زور سے پڑھو اور نہ بالکل آہستہ پڑھو ان کے بیچ درمیانی راہ اختیار کرو۔ مفسرین ...... فرماتے ہیں کہ نماز میں درمیانی آواز سے قرأت کرنی چاہئے اس سے قلب پر اثر ہوتا ہے نہ اس قدر زور سے پڑھے کہ قاری اور سامع دونوں کو تکلیف ہو کہ اس سے حضور قلب میں خلل آجائے (خلاصۃ التفاسیر ج ۳ ص ۱۰ تفسیر فتح المنان ج ۵ ص ۹۶) فقہاء کرام جہر سے پڑھنے میں دو باتیں ضروری قرار دیتے ہیں اول یہ کہ پڑھنے والا اپنے اوپر غیر معمولی زور نہ ڈالے (یہ مکروہ ہے) دوسرے یہ کہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو۔ مثلاً تہجد کے وقت کوئی سو رہا ہے یا کچھ لوگ اپنے کام میں مصروف ہیں آپ ان کے پاس کھڑے ہو کر اتنی بلند آواز سے قرأت کرنے لگیں کہ ان کے کام میں خلل ہو یہ بھی مکروہ ہے۔ ان دو باتوں کے بعد تیسری بات یہ ہے کہ جماعت کی کمی زیادتی کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے بموجب قرأت کرے۔ مثلاً مقتدیوں کی تین صفیں ہیں، آپ اتنی بلند آواز سے پڑھیں کہ تیسری صف تک آواز پہنچتی رہے یا اس سے زیادہ زور سے پڑھیں کہ باہر تک آواز پہنچے۔ فقیہ ابو جعفر کا قول یہ ہے کہ جتنی بلند آواز سے پڑھیں اچھا ہے بشرطیکہ پڑھنے والے پر تعب نہ ہو اور کسی کو ایذا نہ پہنچے۔ مگر دوسرے فقہا کا قول یہ ہے اور راجح یہی ہے کہ بقدر ضرورت آواز بلند کریں یعنی صرف اتنی بلند کریں کہ تیسری صف تک آواز پہنچے البتہ

اگر صفیں زیادہ ہوں تو آواز کو اس سے بلند بھی کر سکتے ہیں بشرطیکہ اپنے او پر زیادہ زور نہ پڑے۔ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۳۷ فصل فی واجب الصلوٰۃ ورد المحتار ج ۱ ص ۴۹۷ مجمع الانہر ج ۱ ص ۱۰۳ عالمگیری ج ۱ ص ۷۲)[1]

تراویح کی دوسری رکعت میں قعدہ کرنے کے بجائے قیام کرے تو کیا حکم ہے۔

(سوال ۲۱۱) تراویح کی دوسری رکعت میں بیٹھنا بھول جائے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) تراویح میں دوسری رکعت پر قعدہ بھول کر کھڑا ہو جائے تو جب تک تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو بیٹھ جائے اور باقاعدہ سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کرے۔ اگر تیسری رکعت کا سجدہ کر لیا ہو تو چوتھی رکعت ملا کر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرے مگر ان چار رکعت کو صرف دو رکعت شمار کیا جائے (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۸)[2]

فوت شدہ رکعت کی ادائیگی کے وقت آیت سجدہ امام سے سنے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۲۱۲) امام اور مقتدی چار رکعت پر ترویحہ میں بیٹھے اس وقت میں فوت شدہ رکعت کی ادائیگی کے لئے کھڑا ہوا ابھی میری نماز ناتمام ہی تھی کہ امام نے تراویح شروع کی اور آیت سجدہ پڑھی۔ میں نے بھی سنی تو مجھ پر سجدۂ تلاوت لازم ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں سجدۂ تلاوت لازم ہو گیا۔ ہاں اگر امام کے سجدہ کرنے سے پہلے یا سجدہ کرنے کے بعد اس رکعت کے آخر میں امام کے پیچھے نیت باندھ لی اور نماز میں شامل ہو گئے تو امام کا سجدہ آپ کے لئے بھی کافی ہے علیحدہ سجدہ کرنا نہیں ہوگا سمع من امام قد خل معه قبل ان يسجد سجدمعه الى ان قال امالو ادركه فى الركعة الاخرىٰ يسجدها بعد الفراغ. (عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۳ الباب الثالث فی سجود التلاوۃ)

(سوال ۲۱۳) امام صاحب تراویح پڑھا رہے تھے۔ دوسری رکعت میں بجائے بیٹھنے (قعدہ) کے ہوا کھڑے ہو گئے مقتدی بیٹھے رہے اور لقمہ دیا تو امام صاحب بھی بیٹھ گئے اور تشہد کے بعد سجدۂ سہو کیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں امام صاحب بیٹھ گئے اور سجدۂ سہو کر لیا تو اچھا کیا تراویح صحیح ہو گئی۔[3]

تراویح میں ہر چار رکعت پر دعا مانگنا صحیح ہے یا نہیں:

(سوال ۲۱۴) تراویح میں ہر چار رکعت پر امام اور مقتدی مل کر دعا کرنے کا دستور ہے تو کیا یہ سنت طریقہ؟ امام زور سے دعا پڑھتے ہیں کوئی کچھ پڑھنا چاہے تو پڑھ نہیں سکتا تو کیا ترویحہ میں صرف دعا ہی کر سکتے ہیں؟ تسبیح وغیرہ ذکر

---

(۱) والمستحب ان يجهر بحسب الجماعة فان زادفرق حاجة الجماعة فقد اساء كما لو جهر المصلى بالاذكار قهستانى عن كشف الاصول وهذا اولى مما فى الزاهدى عن ابى جعفر انه كلما زاد الامام او المنفر فى الجهر فى صلاة الجهر فهو افضل بعد ان لا يجهد نفسه ولا يوذى غيره وان زاد على حاجة المقتدى)

(۲) وعن ابى بكر الاسكاف انه سئل عن رجل قام الى الثالثة فى التراويح ولم يقعد فى الثانية قال ان تذكر فى القيام ينبغى ان يعود ويقعد ويسلم وان تذكر بعد ما سجد للثالثة فان اضاف اليها ركعة آخرى كانت هذه الاربع عن تسليمة واحدة الخ فصل فى التراويح)

(۳) وعن ابى بكر الاسكاف انه سئل عن رجل قام الى الثالثة فى التراويح ولم يقعد فى الثانية قال ان تذكر فى القيام ينبغى ان يعود ويقعد ويسلم الخ فتاوىٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۸ فصل فى التراويح.

واذکار منع ہیں؟ تلاوت اور تسبیح وغیرہ مشغول رہنے والے کو دیوبندی کہتے ہیں۔ لہٰذا باوضاحت بیان کیا جائے۔
(الجواب) تراویح میں ہر ترویحہ کے بعد امام ومقتدی مل کر دعا کرنے کا دستور مطابق سنت نہیں ہے۔ شریعت مطہرہ نے اجازت دی ہے کہ چاہے تلاوت کرے، نفل پڑھے، دعا مانگے، تسبیح تحلیل یا درود وغیرہ اذکار میں مشغول رہے یا چپ بیٹھے، اختیار ہے کسی چیز کو ضروری بنالینا شریعت مطہرہ کی دی ہوئی...... اجازت میں دخل بے فائدہ ہے اور دوسرے اذکار مثلاً تلاوت، تسبیح، نفل درود وغیرہ سے امتناع کے مرادف ہے۔ لہٰذا طریقہ مذکورہ قابل ترک ہے جس کا جو جی چاہے پڑھے مگر اس طرح کہ دوسرے کو حرج نہ ہو ورنہ منع کیا جائے گا (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۶۶۱)[1] اس بارے میں دیوبندی، بریلوی کا مسئلہ کھڑا کرنا جہالت اور نادانی ہے۔ بریلوی حضرات کی مشہور کتاب بہار شریعت میں ہے کہ اس بیٹھنے میں اسے اختیار ہے کہ چپ بیٹھا رہے یا کلمہ پڑھے یا تلاوت کرے یا درود شریف پڑھے یا چار رکعت نفل نماز پڑھے جماعت سے مکروہ ہے یا یہ تسبیح پڑھے سبحان ذی الملک والملکوت سبحان ذی العزۃ والعظمۃ والقدرۃ والکبریاء والجبروت سبحان الملک الحی الذی لا ینام ولا یموت سبوح قدوس ربنا ورب الملئکۃ والروح لا الٰہ الا اللہ نستغفر اللہ نسئلک الجنۃ ونعوذبک من النار (ج ۴ ص ۳۱)

تراویح باجماعت سنت ہے یا نہیں :

(سوال ۲۱۵) تراویح باجماعت مسجد میں پڑھنا کیا ضروری ہے؟ گھر میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟
(الجواب) تراویح مسجد میں باجماعت پڑھنا سنت ہے مگر سنت کفایہ ہے یعنی مسجد میں اگر تراویح کی جماعت نہ ہوگی تو اہل محلہ گنہگار ہوں گے اور تارکین سنت بھی اگر بعضوں نے باجماعت مسجد میں اور بعض نے گھر میں ادا کرے تو ترک سنت کا گناہ نہ ہوگا مگر جماعت اور مسجد کی فضیلت سے محروم رہیں گے (صغیری ص ۲۰۵ فصل فی التراویح)

داڑھی منڈے کا تراویح پڑھانا:

(سوال ۲۱۶) جو حافظ کہ داڑھی منڈاتا ہے اس کے پیچھے تراویح پڑھنے کا کیا حکم ہے؟
(الجواب) داڑھی منڈانا حرام ہے اور داڑھی منڈانے والا از روئے شرع فاسق ہے لہٰذا ایسے کو تراویح کے لئے امام بنانا جائز نہیں۔ ایسے امام کے پیچھے تراویح پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ (شامی ج ۱ ص ۵۲۳)[2]

نابالغ کو امام بنانا:

(سوال ۲۱۷) حافظ لڑکا نابالغ ہے مگر قریب البلوغ (مراہق) ہے تو کیا اس کو نماز تراویح میں امام بنا سکتے ہیں۔
(الجواب) نابالغ بالغوں کا امام نہیں بن سکتا۔ لہٰذا اس کو تراویح کے لئے امام نہیں بنایا جا سکتا۔[3]

---

(۱) ویجلس ندبا بین کل اربعة بقدرها وکذا بین الخامسة والوتر ویخبرون بین تسبیح وقرأت وسکوت وصلاة فرادی. باب الوتر والنوفل مبحث صلاة التراویح)
(۲) قوله وفاسق من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی واکل للربا ونحو ذلک باب الامامة)
(۳) وعلی قول آئمة بلخ یصح الاقتدآء بالصبیان فی التراویح والسنن والمطلقة کذا فی فتاوی قاضی خان المختار أنه لا یجوز فی الصلوات کلها کذا فی الهدایة الفصل الثالث فی بیان من یصح اماما لغیره. فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۸۵

تراویح سمجھ کر وتر میں اقتداء کرنا:

(سوال ۲۱۸) امام کے وتر شروع کرنے کے بعد مصلی نے تراویح سمجھ کر اس کی اقتداء کی تو اب وتر ادا ہوں گے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں امام کے سلام پھیرنے کے بعد چوتھی رکعت شامل کر کے نماز کو تمام کرے اور یہ چار رکعت نفل ہو جائیں گی، وتر ابھی ذمہ باقی رہیں گے ان کو ادا کرنا ہوگا (صغیری ص ۲۱۱ فصل فی التراویح)

تراویح میں قرأت قرآن کے وقت بیٹھے رہنا:

(سوال ۲۱۹) تراویح کے وقت بعض لوگ پیچھے بیٹھے رہتے ہیں اور امام جب رکوع میں جاتا ہے تو کھڑے ہو کر رکوع میں شامل ہو جاتے ہیں اس کا کیا حکم ہے۔

(الجواب) اس طرح کرنا منع ہے۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۹)[1]

مقتدی تراویح میں قعدۂ اخیرہ میں سو جائے:

(سوال ۲۲۰) مقتدی تراویح کے قعدۂ اخیرہ میں سو جائے۔ جب امام نے سلام پھیرا تو بیدار ہوا تو اب کیا کرے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں تشہد پڑھ کر سلام پھیرلے نماز صحیح ہو جائے گی (صغیری ص ۲۱۰)

یکبارگی تراویح میں بیس ۲۰ رکعت کی نیت کرنا:

(سوال ۲۲۱) تراویح کی بیس رکعت کے لئے شروع میں ایک مرتبہ نیت کرنا کافی ہوگا یا ہر دو رکعت پر نیت کرنا پڑے گی؟

(الجواب) تراویح کے لئے شروع میں بیس رکعت کی نیت کافی ہے۔ ہر دو رکعت پر نیت کرنا شرط نہیں مگر بہتر ہے[2] واللہ اعلم۔

(سوال ۲۲۲) تراویح کی دوسری رکعت میں اخیری قعدہ چھوڑ کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوا اب قیام کے بعد قوم نے لقمہ دیا مگر بیٹھا نہیں تیسری رکعت پوری کر کے چوتھی رکعت بھی پڑھ لی اور سجدۂ سہو کر لیا، اسی طرح تراویح کی چار رکعات پوری کی، پھر اٹھارہ رکعت ادا کی پہلی چار پڑھی ان چار رکعات پر ترویحہ نہیں کیا تھا، بلکہ دو رکعت کو نفل اور دو رکعت کو تراویح خیال کیا آیا ان چار رکعات میں دو رکعت تراویح کی شمار ہوں گی یا نہیں۔ یا چار رکعات نفل ہو گئی ان دونوں رکعتوں کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟ اگر اعادہ ہے تو امام و قوم مل کر اعادہ کرے یا تنہا تنہا۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) آپ نے غلطی کی مقتدی نے جو لقمہ دیا وہ صحیح تھا آپ پر لازم تھا کہ بیٹھ جاتے لیکن جب چار رکعات پر سجدۂ سہو کیا ہے تو تراویح ہو گئی۔ اعادہ کی حاجت نہیں۔[3]

---

(۱) ویکرہ للمقتدی ان یقعد فی التراویح فاذا اراد الامام ان یرکع یقوم وکذا اذا غلبته النوم (فصل فی التراویح ج ۱ ص: ۱۱۹)

(۲) فاذا صلی التراویح مع الامام ولم یجدد لکل شفع نیة جاز کذافی السراجیة فتاوی عالمگیری، فصل فی التراویح ج ۱ ص ۱۱۷

(۳) واضح رہے کہ ان چار رکعتوں میں سے صرف دو رکعتیں تراویح کی ادا ہوئی یہ مسئلہ اسی باب میں تراویح کی دوسری رکعت میں قعدہ کرنے کے بجائے قیام کرے تو کیا حکم ہے، کے عنوان کے تحت گذر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جاوے۔

تراویح کے وقت نیند کا غلبہ ہو تو کیا حکم ہے:

(سوال ۲۲۲) تراویح کے وقت نیند کا غلبہ زیادہ ہو، منہ پر پانی چھڑکنے کے باوجود نیند ستائے تو جماعت ترک کر کے سونے کے لئے گھر جا سکتا ہے؟

(الجواب) جی ہاں! جا سکتا ہے اس میں کچھ حرج نہیں، غلبۂ نوم کے وقت نماز پڑھنا مکروہ اور منع ہے، نیند پوری ہونے کے بعد بقیہ تراویح کو وقت کے اندر (صبح صادق تک) پڑھ لے۔ (صغیری ص ۲۱۱)

رکعات تراویح میں اختلاف واقع ہو جائے:

(سوال ۲۲۳) رکعات تراویح کے بارے میں مقتدی حضرات کے درمیان اختلاف ہوا بعضے کہتے ہیں کہ اٹھارہ ہوئیں اور بعضے کہتے ہیں کہ بیس ۲۰ ہوئیں تو اب کس کا قول معتبر ہوگا؟

(الجواب) امام جس طرف ہوگا اس جماعت کا قول معتبر ہوگا۔[1]

(سوال ۲۷۷) امام اور مقتدی کو شبہ ہو کہ اٹھارہ رکعت ہوئی یا بیس ۲۰؟ تو کیا کیا جائے دو رکعت اور پڑھ لی جائے؟

(الجواب) سب کو اگر شک ہو جائے تو دو رکعت اور پڑھ لی جائے۔ لیکن باجماعت نہیں۔ علیحدہ علیحدہ پڑھ لیں (صغیری ص ۲۰۸)

نماز عشاء تنہا پڑھنے والا تراویح اور وتر با جماعت پڑھ سکتا ہے:

(سوال ۲۲۴) جس شخص نے نماز عشاء تنہا پڑھی ہو وہ تراویح اور وتر با جماعت پڑھ سکتا ہے؟

(الجواب) پڑھ سکتا ہے۔ (صغیری)

(سوال ۲۷۹) جس شخص نے تراویح جماعت سے نہ پڑھی ہو وہ نماز وتر جماعت سے ادا کر سکتا ہے۔

(الجواب) ادا کر سکتا ہے۔[2] فقط و اللہ اعلم

تراویح میں درمیان سور بسم اللہ جہراً پڑھی جائے یا سراً!:

(سوال ۲۲۵) تراویح میں جب کہ حافظ قرآن سنا رہا ہو تو اس کو ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم جهراً پڑھنا چاہئے یا سراً؟ ہمارے یہاں اس سلسلہ میں دو رائے ہیں اول یہ کہ پڑھنا چاہئے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے مسلک پر عمل ہوگا اور پورے قرآن میں صرف کسی ایک جگہ بسم اللہ جہراً پڑھی جائے گی ہر سورت کے شروع میں نہیں، ہم کس رائے پر عمل کریں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) خارج نماز قرآن کی تلاوت میں امام قرائت کے مسلک کا اتباع کیا جائے، اور نماز میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مسلک کی پیروی کی جائے۔ تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک پوری نماز امام اعظمؒ کے مسلک کے موافق

---

(۱) اذا سلم الامام فی ترویحة فقال بعض القوم صلی ثلاث رکعات وقال بعضهم صلی رکعتین یأخذ الامام بما عنده الخ فتاوی عالمگیری فصل فی التراویح ج ۱ ص ۱۱۷۔

(۲) واذا صلی معه شیئا من التراویح اؤ ولم یدر شیئا منها او صلاها مع غیره له ان یصلی الوتر معه هو الصحیح کذافی القنیة فتاوی عالمگیری فصل فی التراویح ص ۱۱۷۔

پڑھی جائے اور بسم اللہ میں مخالفت کی جائے یہ مناسب نہ ہوگا۔ چنانچہ فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل میں ہے۔
(الجواب) درمختار میں ہے۔ کما تعوذ سمیٰ ...... الخ قال فی الکفایة عن المجتبیٰ و الثالث انه لا یجهر بها فی الصلوٰة عندنا خلافاً للشافعیؒ وفی خارج الصلوٰة اختلافات الروایات و المشائخ فی التعوذ و التسمیة قیل یخفی التعوذ دون التسمیة و الصحیح انه یتخیر بینهما ولکن یتبع امامه من القراء وهم یجهرون بهما الا حمزة فانه یخفیها اھ (شامی ج ا ص۴۵۷ باب صفة الصلوٰة) اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے اندر حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق بسم اللہ کو سراً پڑھنا چاہئے۔ اس میں حنفیہ میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اطلاق نماز شامل ہے نماز فرض اور نفل وتراویح وغیرہ کو اور یہ بھی اس عبارت سے واضح ہوا کہ اتباع امام من القراء خارج صلوٰۃ میں ہے نہ صلوٰۃ میں اور اس پر ہم نے اپنے اساتذہ علماء احناف کو پایا ہے فقط (فتاویٰ دارالعلوم ج ۴ ص ۲۶۴ و ص ۲۶۵)

اسی طرح ''امدادالفتاویٰ'' میں ہے:۔
(الجواب) بسم اللہ بین السورتین ہونے سے اس کی جزئیت تو لازم نہیں آتی کتب مذہب میں تصریح ہے کہ بسم اللہ مطلق قرآن کا جزو ہے کسی خاص سورت یا ہر سورت کا جزو نہیں پس اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ایک جگہ ضرور جہر ہو ورنہ سامعین کا قرآن پورا نہ ہوگا۔ گو قاری کو تو اخفاء بسم اللہ میں بھی ہو جائے گا، کیونکہ بعض اجزاء کا جہر بعض کا اخفاء جائز ہے فن قراءت سے تو اس مسئلہ کا صرف اس قدر تعلق ہے آگے فقہ سے تعلق ہے اور اس میں بسم اللہ کا اخفاء ہے۔ ۶ ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ تتمہ خامسہ ص ۳۸ (امدادالفتاویٰ ص ۳۰۶ جلد اول) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیس ۲۰ رکعت کے بعد اجتماع دعا مانگنا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۲۶) ہمارے یہاں ایک عرصہ سے آخری ترویحہ کے بعد (یعنی بیس رکعت کے بعد) اجتماعی دعا کا رواج نہ تھا۔ تمام مقتدی اپنے اپنے طور پر منفرداً دعا مانگ لیتے تھے یا ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ لیکن امسال امام تراویح نے اجتماعی طور پر دعا مانگی، اس پر بعضوں نے اعتراض کیا کہ نئی بات پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور بعض اس کو پسند کر رہے ہیں کہ اسی طریقہ کو جاری رکھا جائے۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ اقرب الی السنۃ اور بہتر طریقہ کون سا ہے۔ تحریر فرمادیا جائے۔ بینوا توجروا۔
(الجواب) ہر ترویحہ (یعنی چار رکعت) کے بعد توقف کرنا مستحب ہے لیکن آخری ترویحہ کی وہ تاکید اور اہمیت نہیں ہے جو پہلے چار ترویحوں کو حاصل ہے، فقہاء کے کلام سے مصرح ہے کہ مقتدیوں پر گراں گذرتا ہو تب بھی دیگر ترویحے چھوڑے نہ جائیں۔ ہاں مقدار کم ہو سکتی ہے لیکن آخری ترویحہ کے لئے لکھا ہے کہ مقتدیوں پر بار گذرتا ہو تو چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ فتاویٰ سراجیہ میں ہے۔ فاذا اتمها (ای عشرین رکعةً) ینتظر قدر ترویحة ثم یوتر الا ان یعلم انه یثقل علی القوم. (فتاویٰ سراجیه ص ۲۰)
اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ویستحب الجلوس بین الترویحتین قدر ترویحة و کذا بین الخامسة و الوتر کذا فی الکافی وهکذا فی الهدایة ولو علم ان الجلوس بین الخامسة و الوتر یثقل

علی القوم لا یجلس ھکذا فی السراجیہ ثم ھم مخیرون فی حالۃ الجلوس ان شاؤ و اسبحوا وان شاء واقعدو اساکتین واھل مکۃ یطوفون اسبوعاً ویصلون رکعتین واھل المدینۃ یصلون اربع رکعات فرادی کذا فی التبیین (فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۴۷ فصل فی التراویح)

لہذا اجتماعی دعا جاری کر کے اختلاف پیدا کرنا مناسب نہ ہوگا۔ فقہاء نے تمام ترویحوں میں آزادی دے رکھی ہے کہ انفرادی طور پر جو چاہیں پڑھتے رہیں پھر آخری ترویحہ کو اجتماعی دعا کے لئے مخصوص کر لینا سمجھ میں نہیں آتا۔ ھذا ما ظھر لی . واللہ اعلم بالصواب .

تراویح میں ختم قرآن کے وقت آخری رکعت میں الم سے مفلحون تک پڑھنا:

(سوال ۲۲۷) تراویح میں جب کہ قرآن مجید ختم کیا جاتا ہے تو یہاں عام طور پر رواج ہے کہ آخری دو رکعتوں میں سے پہلی رکعت میں سورۂ فلق اور دوسری رکعت میں سورۂ والناس اور الم سے مفلحون تک مع سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں۔ آیا اس کا ثبوت شریعت میں ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) تراویح میں ختم قرآن کے وقت انیسویں رکعت میں سورۂ فاتحہ اور معوذتین (سورۂ فلق وسورۂ ناس) پڑھنا اور بیسویں رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کا کچھ حصہ (مفلحون تک) پڑھنا مستحب ہے یہ حدیث سے مستنبط ہے۔ وفی الولوالجیہ من یختم القرآن فی الصلوٰۃ اذا فرغ من المعوذتین فی الرکعۃ الاولی یرکع ثم یقوم فی الرکعۃ الثانیۃ یقرأ بفاتحۃ الکتاب وشیئی من سورۃ البقرۃ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خیر الناس الحال المرتحل ای الخاتم المفتتح انتھی (کبیری شرح منیہ ص ۴۶۳ تتمات فیما یکرہ من القرآن فی الصلوٰۃ وما لا یکرہ الخ) یہ جو بعض جگہ رواج ہے کہ بیسویں ۲۰ رکعت میں چار مرتبہ سورۂ اخلاص اور سورۂ فلق، سورۂ ناس اور سورۂ بقرہ مفلحون تک اور دوسری دعائیں پڑھتے ہیں یہ صحیح طریقہ سے ثابت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کیا قرآن کی تراویح پڑھانا امام کی ذمہ داریوں میں سے ہے؟:

(سوال ۲۲۸) امام صاحب پانچوں وقت کی نماز پابندی سے پڑھاتے ہیں مگر قرآن پاک تراویح میں ختم کرنے سے عاجز ہیں، مجبوری کی وجہ یہ ہے کہ کئی سالوں سے تراویح پڑھانے کی عادت چھوٹ گئی ہے۔ کمیٹی والے امام صاحب کو مجبور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن پاک کی تراویح پڑھانا امام کی ذمہ داری ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا حقیقتاً قرآن پاک کی تراویح پڑھانا امام کی ذمہ داریوں میں سے ہے؟ اور کیا امام کو اس پر مجبور کیا جا سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) تراویح میں جب کہ امام قرآن مجید ختم کرنے سے عاجز اور قاصر ہے تو الم ترکیف سے پڑھانے کے ذمہ دار ہیں، اگر مقتدی تراویح میں قرآن پاک سننے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہوں تو اس کا انتظام وہ کریں، لوجہ اللہ تراویح پڑھانے والا نہ مل سکے تو کسی حافظ کو رمضان المبارک کے لئے نائب امام مقرر کر دیں عشاء وغیرہ ایک دو نمازیں اس کے ذمہ لازم کر دی جائیں اور وہ تراویح بھی پڑھائے۔ تو اجرت دینے کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ مجبوری ہے (فتاوی

رحیمیہ ج ۱ ص ۳۴۹ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں تراویح پڑھانے پر معاوضہ کے عنوان سے دیکھا جائے ۔ مرتب) اس کے علاوہ کبیری میں ہے [۱] فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

ادائیگی سنن کے بغیر تراویح میں شامل ہوسکتا ہے

(سوال ۲۲۹) ایک شخص نے عشاء کی فرض نماز تو پڑھ لی ہے مگر تراویح شروع ہوجانے کی وجہ سے سنتیں نہیں پڑھ سکا ۔ اب وہ شخص تراویح میں شامل ہوسکتا ہے یا نہیں ؟ اور بعد تراویح سنن پڑھے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں سنتیں چھوڑ کر تراویح میں شامل ہوجانا چاہئے ۔ سنتیں بعد میں پڑھ لے ۔ [۲] فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

جس نے عشاء کی نماز نہ پڑھی اس کے پیچھے تراویح پڑھی گئی تو تراویح کا اعادہ وقت کے اندر ضروری ہے :

(سوال ۲۳۰) عشاء کی جماعت ہوئی اس کے بعد جب تراویح کی جماعت ہونے لگی تو دوسرے حافظ کہ جنہوں نے ابھی عشاء کی فرض نماز ادا نہیں کی تھی مصلی پر کھڑے ہوگئے اور دو رکعت تراویح پڑھادی ۔ مقتدیوں میں سے بعض نے اعتراض کیا تو حافظ صاحب کو ہٹادیا گیا ۔ اس کے بعد امام کی اقتداء میں بقیہ تراویح ادا کی گئی تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ مقتدیوں کی اگلی دو رکعتیں صحیح ہوئی یا نہیں ؟ اگر نہیں تو کیا ان کا اعادہ ضروری ہے ؟ بینوا توجروا ۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں تراویح کی دو رکعتیں قابل اعادہ تھیں الصحیح ان وقتھا بعد العشاء لا تجوز قبلھا ... وھو المختار لانھا نافلۃ سنۃ بعد العشاء الیٰ قولہ ویبتنی علی انھا تبع العشاء لا تجوز قبلھا انہ لو صلی العشاء بامام وصلی التراویح بامام اخر ثم علم ان الا مام الا ول کان قد صلی العشاء علیٰ غیر وضوء او علم فسا دھا بوجہ من الوجوہ فانہ یعید العشاء لفسادھا ویعید التراویح تبعا لھا (کبیری ص ۳۸۵ و ص ۳۸۶ صلاۃ التراویح) اسی وقت اعادہ کرلینا تھا اور اگر اعادہ نہ کیا گیا تو بعد میں صبح صادق سے پہلے فرادیٰ فرادیٰ پڑھی جاسکتی تھی ۔ اب وقت نکل گیا اس کی قضا نہیں ہے استغفار کریں اور ان دو رکعتوں میں جتنا قرآن پڑھا گیا تھا اس کو لوٹایا نہ ہو تو دوسرے دن لوٹا لیا جائے ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

جس نے عشاء کی نماز تنہا پڑھی ہو وہ تراویح اور وتر با جماعت ادا کرسکتا ہے یہی صحیح ہے !:

(سوال ۲۳۱) جس شخص نے نماز عشاء تنہا پڑھی وہ وتر اور تراویح با جماعت پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟ دارالعلوم شاہ عالم احمد آباد کی طرف سے جواب موصول ہوا ہے کہ وتر با جماعت نہیں پڑھ سکتا (بہار شریعت حصہ چہارم) درمختار اور آپ کے فتاویٰ رحیمیہ ج ۶ ص ۲۳۹ پر یہ ہے کہ وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے ۔ یہ دونوں جواب متضاد ہیں لہذا جواب سے نوازیں اور کون سا قول راجح اور مفتیٰ بہ ہے تحریر فرمائیں ۔ بینوا توجروا ۔

---

(۱) واذا کان امام مسجد حیۃ لا یختم فلہ ان یترک الی غیرہ انتھی صلاۃ التراویح ص ۴۰۷)
(۲) ولو فاتتہ وخاف لو اشتغل بھا تفوتہ مما بعدہ الا مام فمتابعۃ الا مام اولیٰ بحر الرائق باب الوتر والنوافل

(الجواب) صحیح یہ ہے کہ جس نے عشاء کی نماز تنہا پڑھی ہو وہ تراویح اور وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے۔ واذا لم یصل الفرض مع الامام قیل لا یتبعه فی التراویح ولا فی الوتر وکذا اذا لم یصل معه التراویح لا یتبعه فی الوتر والصحیح انه یجوز ان یتبعه فی ذلک کله الخ (صغیری ص ۲۱۰ صلاۃ التراویح)(کبیری ص۲۹۱ صلوۃ التراویح) واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح پڑھانے والی کو خوشی سے ہدیہ پیش کیا جائے تو وہ قبول کر سکتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۳۲) احقر ہمت نگر میں سات سال سے تراویح پڑھاتا ہے مگر الحمدللہ کبھی بھی پیسے وغیرہ کچھ بھی نہیں لئے۔ لوگ بھی بہت خوش ہیں امسال وہ خوشی سے کچھ ہدیہ پیش کرنا چاہتے ہیں تو میں ہدیہ لے کر غریب کو دے سکتا ہوں یا نہیں؟ یا اپنے استعمال میں لا سکتا ہوں؟ نیز میں نماز ظہر بھی روزانہ پڑھاتا ہوں، بینوا توجروا۔ محمد یونس ویسنگری

(الجواب) آپ سات سال سے تراویح پڑھاتے ہیں اور ہدیہ نہیں لیتے۔ اگر امسال بھی اسی جگہ تراویح پڑھا رہے ہیں اور وہ لوگ خوشی سے کچھ پیش کرنے پر مصر ہیں تو قبول کر سکتے ہو کہ محض ہدیہ ہے۔ قبل ازیں سات سال تک لینے دینے کا سلسلہ نہیں رہا یہ اس کی دلیل ہے۔ اگر نئی جگہ ہے تو قبول نہ کیا جائے کہ ہدیہ نہیں ہے بلکہ اجرت پیش کی جارہی ہے اس لئے کہ لوگ اجرت دینے کے عادی ہیں۔ لہٰذا قبول نہ کیا جائے غریب کو دینے کی نیت سے بھی نہ لیا جائے۔ ظہر پڑھانے سے آپ امام یا نائب امام کے درجہ میں نہیں آجاتے اس لئے کہ جب آپ کو تراویح کے لئے متعین کیا تو امام یا نائب کی بات کر کے نہیں رکھا تھا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ۔

تراویح میں سجدہ سہو نہ کیا تو دو رکعتیں قابل اعادہ ہیں:

(سوال ۲۳۳) تراویح میں حافظ صاحب نے آیت سجدہ تلاوت کرکے بجائے ایک سجدے کے دو سجدے کئے لیا اس صورت میں دو سجدے کرنے سے قیام میں تاخیر ہونے کی بنا پر سجدہ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟ اگر لازم ہوتا ہو اور سجدہ سہو نہ کیا تو کیا دو رکعت واجب الاعادہ ہیں؟ اعادہ باجماعت کریں یا فرداً فرداً پڑھ لیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز تراویح میں ایک سجدہ زائدہ ہونے کی وجہ سے تاخیر لازم آئی سجدہ سہو کر لینا تھا۔ نہیں لیا گیا اس لئے وقت کے اندر اندر اعادہ ہے لوگ موجود ہوں تو جماعت سے ورنہ تنہا تنہا پڑھ لیں۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب

تراویح میں ختم قرآن کے بعد شیرینی تقسیم کرنا!:

(سوال ۲۳۴) رمضان المبارک میں تراویح میں ختم قرآن ہوتا ہے اس دن شیرینی تقسیم کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(۲) شیرنی صرف ایک شخص کی طرف سے تقسیم ہوتی ہے۔ چندہ نہیں کرتے تو یہ درست ہے یا نہیں؟... (۳) شیرینی جماعت خانہ میں تقسیم کر سکتے ہیں؟ یا صحن میں کی جائے؟ بینوا توجروا۔ (از سگرام پورہ سورت)

---

(۱) ولا تقضی التراویح اصلا بفواتها عن وقتها منفرداً ولا بجماعة علی الأصح۔ وهی سنة الوقت لا سنة الصوم مراقی الفلاح علی هامش طحطاوی فصل فی صلاۃ التراویح ص ۲۲۶ وفی الفتاوی من ترک السنة یسئل عنها واذا فات عن وقتها لا یؤمر بالقضاء فتاوی تاتارخانیه نوع آخر فی قضاء التراویح

(الجواب) ضروری نہیں ہے لوگوں نے اسے ضروری سمجھ لیا ہے اور بڑی پابندی کے ساتھ عمل کیا جاتا ہے۔ لوگوں کو چندہ دینے پر مجبور کیا جاتا ہے، مسجدوں میں بچوں کا اجتماع اور شور وغل وغیرہ خرابیوں کے پیش نظر اس دستور کو موقوف کر دینا ہی بہتر ہے۔

(۲) امام تراویح یا اور کوئی ختم قرآن کی خوشی میں کبھی کبھی شیرینی تقسیم کرے اور مسجد کی حرمت کا لحاظ رکھا جائے۔ تو درست ہے۔

(۳) مسجد کا فرش خراب نہ ہو، خشک چیز ہو اور مسجد کی بے حرمتی لازم نہ آئے تو درست ہے بہتر یہ ہے کہ دروازے پر تقسیم کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ۔

چند حفاظ مل کر تراویح پڑھائیں تو درست ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۳۵) ہمارے یہاں مسجد میں چار حافظ مل کر تراویح پڑھاتے ہیں۔ پہلے حافظ صاحب چار رکعت پڑھاتے ہیں دوسرے امام آٹھ رکعت پڑھاتے ہیں۔ تیسرے چار رکعت اور چوتھے چار رکعت۔ ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) افضل یہ ہے کہ ایک یا دو حافظ مل کر تراویح پڑھاویں، اگر ایسے جید اور باہمت حافظ نہ ہوں اور متعدد حفاظ تراویح پڑھاویں تو یہ بھی درست ہے۔ تراویح ہو جاتی ہے۔ والا فضل ان یصلی التراویح بامام واحد فان صلوھا باما مین فالمستحب ان یکون انصراف کل واحد علی کمال الترویحة فان انصرف علی تسلیمة لا یستحب ذلک فی الصحیح اھ (فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۷ فصل فی التراویح) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ترویحوں میں سوال میں مندرج کلمات پڑھنا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۳۶) ہمارے یہاں تراویح شروع کرنے سے قبل ایک شخص بلند آواز سے یہ کلمات پڑھتا ہے۔ "صلوٰۃ التراویح سنة رحمکم اللہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد" اس کے بعد تراویح شروع ہوتی ہے دو رکعت کے بعد یہ تسبیح یا کریم للمعروف یا قدیم الاحسان، احسن الینا ربنا باحسانک القدیم یا اللہ یا اللہ فضل من اللہ ونعمة ومغفرة ورحمة لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد" پڑھتا ہے۔ اور چار رکعت کے بعد البدر محمد المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد پڑھنے کے بعد یا کریم المعروف الخ پڑھتا ہے، اور دوسرے ترویحہ میں خلیفة رسول اللہ بالصدق والتحقیق امیر المؤمنین سیدنا ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے، اور پھر تیسرے ترویحہ میں مزین المسجد والمنبر والمحراب امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لا الہ الا اللہ اھ پڑھتا ہے اور چوتھے ترویحہ میں جامع القرآن کامل الحیاء والایمان امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لا الہ الا اللہ الخ اور پانچویں ترویحہ میں اسد اللہ الغالب مظہر العجائب والغرائب امام المشارق والمغارب امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ لا الہ الخ

پڑھتا ہے۔اور سبحان الملک القدوس الخ بھی ایک آدمی پڑھتا ہے اور یہ تمام اوراد بلند آواز سے پڑھے جاتے ہیں اور اس کی وجہ سے دوسرے لوگ تسبیح وغیرہ کچھ بھی نہیں پڑھ سکتے۔اور وتر سے پہلے۔ الوتر واجب رحمکم اللہ لا الہ الا اللہ الخ پڑھتا ہے۔کیا ان تمام کلمات کا پڑھنا حدیث سے ثابت ہے؟ اور پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ سب باتیں سنت کے مطابق نہیں ہیں، رسمی ورواجی ہیں لہذا قابل ترک ہیں۔دو رکعت پر ترویحہ نہیں ہے البتہ چار رکعت کے بعد ترویحہ ہے اور اس قدر بیٹھنے کا حکم ہے کہ نمازیوں پر بار نہ گذرے اور اس میں اجتماعی ذکر اور دعا نہیں ہے، لوگ انفرادی طور پر جو چاہیں پڑھیں، چاہے تلاوت کریں یا نفل پڑھیں، یا ذکر واذکار میں مشغول رہیں۔ یا درود شریف پڑھتے رہیں۔یا خاموش بیٹھے رہیں سب جائز ہے۔ایک چیز کا سب کو پابند بنا دینا شریعت کی دی ہوئی آزادی پر پابندی لگانا ہے۔تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۳۵۲ اردو (جدید ترتیب کے مطابق، اسی باب میں تراویح میں ہر چار رکعت پر دعاء مانگنا صحیح ہے یا نہیں، عنوان کے تحت دیکھئے۔ص ۲۶ ج ۶ مرتب) فتاویٰ رحیمیہ انگریزی وگجراتی جلد اول میں بھی یہ بحث دیکھی جا سکتی ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح پر اجرت لینا:

(سوال ۲۳۷) حافظ صاحب لوجہ اللہ بلا معاوضہ تراویح پڑھاتے ہیں۔مقتدی حضرات خوشی سے کچھ عنایت کریں تو کیا حکم ہے؟ اور اگر پہلے سے مقرر کر کے دی جائے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حافظ لوجہ اللہ تراویح پڑھائے۔اور مقتدی خوشی سے تعاون کریں تو جائز ہے۔لیکن لینے دینے کا طریقہ رائج ہو گیا ہے اس لئے حافظ کے دل میں لالچ اور حرص پیدا ہوتی ہے، اور نمازیوں کو بھی دینے کی فکر ہوتی ہے۔ "لہذا بہ قاعدہ المعروف کالمشروط" معاوضہ (محتانہ) کے حکم میں اور اس کے ہم مثل ہو جاتا ہے اس لئے کراہت سے خالی نہیں، گناہ کا موجب ہے۔حفاظ کرام کیوں اپنے کو اجر عظیم سے محروم کرتے ہیں شامی میں ہے۔وان القراءۃ لشئی من الدنیا لا یجوز وان الأخذ والمعطی آثمان یعنی دنیا کی کسی چیز کے لئے قراءت ناجائز ہے لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہیں۔" (شامی ج ۱ ص ۶۸۷ باب قضاء الفوائت مطلب فی بطلان الوصیۃ بالختمات والتھلیل ج ۵ ص ۴۷ کتاب الاجارۃ الاستئجار علی الطاعات)۔

حدیث شریف میں ہے اقرؤا القرآن ولا تأکلوا بہ شامی کتاب الاجارۃ مطلب فی الاستئجار علی الطاعات یعنی قرآن پڑھو اور اس کو کسب کا ذریعہ نہ بناؤ۔لہذا حفاظ کرام کو سوچنا چاہئے کہ دنیا کے چند ٹکوں کے خاطر خدا کی عطا کردہ عظیم نعمت کا غلط استعمال کر کے گناہ کا ارتکاب کیوں کیا جائے؟ اگرچہ مقتدیوں کو تراویح پڑھنے اور قرآن سننے کا ثواب مل جائے گا ان شاء اللہ (مگر اتنا نہیں جتنا لوجہ اللہ پڑھانے والے امام کے پیچھے ملتا ہے۔)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ (قرآن) سننا جدا عمل ہے اس میں کوئی امر مانع ثواب نہیں۔اس کا ثواب ہوگا (امداد الفتاویٰ تتمہ ثالث ص ۶۳)

جس جگہ لوجہ اللہ قرآن سنانے والا حافظ نہ ملتا ہو اور قرآن سننے سے محرومی کی نوبت آتی ہو تو مجبوراً یہ طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے کہ امام تراویح کو رمضان کے لئے نائب امام مقرر کر لیا جائے اور اس کے ذمہ مغرب عشاء اور دو تین

نمازیں پڑھانا لازم کر دیا جائے تو اجرت لینے دینے کی جواز کی صورت ہو جائے گی۔ اس قسم کا احقر کا فتویٰ مع تصدیقات مفتیان کرام ۱۳۷۱ھ میں پندرہ روزہ ''اخبار'' ''جماعت'' (سورت) اور ماہنامہ ''پیغام'' (کاوی) میں شائع ہو چکا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ جلد اول (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں تراویح پڑھانے پر معاوضہ، کے عنوان کے تحت دیکھ لیا جائے ص۲۳۲ مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح میں دوسری رکعت میں قرائت طویل کرنا :

(سوال ۲۳۸) علمائے دین کیا فرماتے ہیں۔ حافظ صاحب تراویح کی پہلی رکعت میں قراءت مختصر اور دوسری رکعت میں طویل قراءت پڑھتے ہیں۔ سامع کہتے ہیں کہ نماز میں پہلی رکعت میں قرائت لمبی اور دوسری میں مختصر ہونی چاہئے۔ حافظ صاحب کہتے ہیں کہ سنت نماز میں پہلی رکعت میں قراءت مختصر اور دوسری رکعت میں لمبی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ بالتفصیل جواب مرحمت فرمائیں۔ فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) تراویح اگر چہ سنت ہے لیکن باجماعت پڑھی جاتی ہے اس لئے مشابہ بالفرض ہو جاتی ہے۔ لہذا تراویح میں دوسری رکعت میں قراءت لمبی کرنا پسندیدہ نہیں کسی وقت ہو جائے تو قابل گرفت بھی نہیں اس کی عادت بنا لینا خلاف مستحب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ نماز تراویح میں دوسری رکعت کی قرائت طویل کرنا ناپسندیدہ ہے۔ حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مستحب یہ کہ دونوں رکعتیں برابر ہوں۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ پہلی رکعت کی قراءت کچھ طویل ہونی چاہئے۔ **ویستحب التسویۃ بین الرکعتین عندھما وعند محمد رحمہ اللہ یطول القرأۃ فی الا ولیٰ علی الثانیہ .ھکذا فی محیط السرخسی** (عالمگیری ج ۱ ص ۷۵ فصل فی التراویح کبیری ص ۳۸۷) (فقط واللہ اعلم بالصواب).

تراویح کے بعد باری باری ہر گھر پر ختم قرآن کرنا کیسا ہے :

(سوال ۲۳۹) ہمارے گاؤں میں ماہ رمضان میں تراویح کے بعد ختم قرآن کا سلسلہ جاری کیا ہے ترتیب وار سب کے یہاں ختم کے لئے جاتے ہیں اور قرآن پڑھتے ہیں اس طرح قرآن ختم کرنا کیسا ہے؟ اس رواج سے لوگ تشویش میں ہیں۔ تفصیلی جواب سے اطمینان بخشئے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ختم قرآن کا یہ طریقہ کہ باری باری گھر گھر جمع ہوں مستحسن نہیں ہے۔ بلکہ مشتبہ اور قابل ترک ہے اپنے اپنے طور سے پڑھنا چاہئے۔ جمع ہو کر پڑھنے کا شوق ہو تو کسی جگہ بیٹھ جایا کریں اور اس طرح پڑھیں کہ ہر شخص ایک ایک رکوع پڑھے اور سب سنیں اس طرح پڑھنے میں ختم بھی ہو جائے گا اور اصلاح بھی ہو جائے گی کہ حاضرین میں کچھ لوگ صحیح خواں بھی ہوں گے تو جو لوگ صحیح نہیں پڑھ سکتے ان کی اصلاح بھی ہو جائے گی اور تعلیمی سلسلہ قائم ہو جائے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

امام تراویح سامع کا لقمہ لینے تک خاموش رہے تو کیا حکم ہے :

(سوال ۲۴۰) ہمارے یہاں تراویح میں حافظ صاحب سے ایک غلطی ہوئی تو پیچھے سے سامع نے لقمہ دیا اور پوری

آیت پڑھی اتنی دیر امام صاحب خاموش رہا آیت یہ ہے۔" ام حسبتم ان تترکوا ـــ خبیر بما تعملون" تک تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ اگر واجب ہو اور نہ کیا ہو تو ان دو رکعت کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) تراویح ادا ہوگئی۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ حافظ کے لقمہ سننے کے لئے ضرورتاً امام کا اس قدر خاموش رہنا مفسد صلوٰۃ نہیں ہے اور سجدۂ سہو کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک شخص فرض اور وتر پڑھائے اور حافظ صرف تراویح پڑھائے تو کیسا ہے؟:

(سوال ۲۴۱) ہمارے یہاں امام صاحب عشاء کی فرض نماز اور وتر پڑھاتے ہیں اور دوسرے حافظ صاحب تراویح پڑھاتے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کوئی مضائقہ نہیں، حضرت عمرؓ فرض نماز اور وتر پڑھاتے تھے اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ تراویح پڑھاتے تھے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ **واذا اجازت التراویح بامامین علیٰ هذا الوجه جاز ان یصلی الفریضة احدهما ویصلی التراویح الآخر وقد کان عمر رضی الله عنه یؤ مهم فی الفریضة والو ترو ابی رضی الله عنه یؤ مهم فی التراویح کذا فی السراج الوهاج (عالمگیری ج ا ص ۴۷ فصل فی التراویح) والله اعلم.**

تراویح میں تنہا عورتوں کی جماعت:

(سوال ۲۴۲) ہمارے یہاں دو عورتیں حافظ قرآن ہیں اگر وہ تراویح میں قرآن شریف نہ سنائیں تو بھول جائیں گی اس بناء پر ایک مولوی صاحب نے تراویح باجماعت پڑھانے کی اجازت دی ہے۔ محلہ کی عورتیں شامل ہو کر باجماعت تراویح ادا کرتی ہیں۔ حنفی مذہب میں اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں؟۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) عورت حافظہ ہے قرآن نہ سنانے کی وجہ سے بھول جانے کا احتمال ہے۔ تب بھی تراویح باجماعت کی اجازت نہیں تنہا تنہا پڑھ لیں۔ عورتوں کے لئے جماعت مکروہ تحریمی ہے اگرچہ تراویح ہو[1] **"مالا بد منه"** میں ہے **جماعت زناں تنہا نزد امام ابو حنیفہؒ مکروہ ست و نزدیگر ائمه جائز است.**

ترجمہ:۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عورتوں کی جماعت مکروہ ہے اور دوسرے ائمہ کے نزدیک جائز ہے۔ (ص ۳۵)

بعض علماء نے عورت کی آواز کو عورت (قابل ستر) قرار دیا ہے۔ چنانچہ مالا بدمنہ میں ہے" درنوازل گفتہ کہ آواز زن عورت است ابن ہمام گفتہ کہ بریں تقدیر اگر زن قراءت بہ جہر خواند نمازش فاسد شود۔

ترجمہ:۔ فقہ کی معتبر کتاب "نوازل" میں ہے کہ عورت کی آواز عورت (قابل ستر) ہے حافظ ابن ہمامؒ

---

(۱) ویکره تحریماً جماعة النسآء ولو فی التراویح قال فی الشامیة تحت قوله ولو فی التراویح افادان الکراهة فی کل ماتشرع فیه جماعة الرجال فرضاً او نفلا درمختار مع الشامی باب الا مامة ص ۵۱۵

فرماتے ہیں کہ اس قول کے مطابق عورت قرأت زور سے پڑھے گی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی ۔ (مالا بدمنہ ص ۳۰) مجالس الابرار میں ہے الا ان المرأة لا ترفع صوتها لان صوتها عورة مگر عورت تکبیر تشریق کہنے میں اپنی آواز بلند نہ کرے کہ اس کی آواز عورت (ستر) ہے ۔ (ترجمہ ص ۱۳۱ مجلس نمبر ۳۵)

بیس رکعت تراویح سنت ہے یا بدعت ہے:

(سوال ۲۴۳) بیس ۲۰ رکعت تراویح باجماعت سنت ہے یا بدعت عمریؓ؟ غیر مقلدین بدعت عمری کہتے ہیں ۔ کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بیس ۲۰ رکعت تراویح باجماعت سنت مؤکدہ ہے اس پر صحابہ کا اجماع ہے اور اجماع حجت شرعیہ ہے ۔ لہٰذا بدعت کہنا گمراہی ہے اور روافض کی موافقت کرنا ہے حضرت عمرؓ خلفاء راشدین میں سے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے خلفائے راشدین کے طریقہ کو سنت فرمایا ہے ۔ فرماتے ہیں ۔ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین مشکوة باب الاعتصام بالکتاب والسنة ص ۳۰ اور ارشاد فرماتے ہیں ۔ اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر (رضی الله عنهما) مشکوة باب مناقب ابی بکرؓ و عمرؓ صفحہ: ۵۴ اور ابو نعیم نے عروبۃ الکندی کے حوالہ سے نقل کیا ہے روی ابو نعیم من حدیث عروبة الکندی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ستحدث بعد اشیاء فاحبها الی ان ترمی ما احدث عمر رضی الله عنه ۔ یعنی رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد بہت سی باتیں ایجاد ہوں گی مجھے ان میں سب سے زیادہ محبوب وہ چیز ہوگی جس کو عمرؓ نے ایجاد کیا ہو تم سب اس پر عمل کرنا اور اسے اپنے اوپر لازم کر لینا ۔ (بحوالہ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۳۹ فصل فی صلاۃ التراویح)

شیخ الاسلام علامہ بدرالدین عینی شارح صحیح بخاری بنایہ شرح ہدایہ میں ارقام فرماتے ہیں ۔ سیرة العمر لا شک فی ان فی فعلها ثواب وفی ترکها عقاب لانا امرنا بالا قتداء بها لقوله علیه الصلوة والسلام اقتدوا بالذین بعدی ابی بکر وعمر فاذا کان الا قتداء بهما مامورا به یکون واجبا وتارک الواجب یستحق العقاب والعتاب.

یعنی ۔ حضرت عمرؓ کے طریقہ پر عمل کرتے ہیں بلا شبہ ثواب ہے اور اس کے ترک کرنے میں عقاب ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ کے اس قول مبارک " اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکرؓ وعمرؓ " میں ہمیں آپ کی اقتداء کا حکم کیا گیا ہے تو جب ان دو حضرات کی اقتداء مامور بہ (جس پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا) ہے تو یقیناً اقتداء کرنا واجب ہوگا ۔ اور واجب کو ترک کرنے والا عقاب اور عتاب کا مستحق ہوتا ہے ۔ (بحواله فتاوی قیام الملة والدین ص ۳۷۸)

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں ۔ قد ثبت ان ابی بن کعب رضی الله عنه کان یقوم بالناس عشرین رکعة فی رمضان ویوتر بثلاث فرأی کثیر من العلماء ان ذلک هو سنة لانه قام بین المهاجرین والانصار ولم ینکره منکر.

بے شک یہ ثابت شدہ امر ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں لوگوں کو بیس ۲۰ رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ پس اکثر علماء نے بیس رکعت ہی کو سنت نبوی قرار دیا ہے کیونکہ حضرت ابی بن کعبؓ حضرات مہاجرین وانصار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی موجودگی میں بیس ۲۰ رکعت پڑھاتے تھے کسی نے بھی ان کے اس فعل پر انکار واعتراض نہیں کیا (اگر بیس رکعت ثابت نہ ہوتی تو مہاجرین وانصار ضرور اعتراض کرتے) (فتاوی ابن تیمیہ ج ا ص ۱۹۱)

شیخ احمد رومی فرماتے ہیں:۔ **والصحابة حينئذ متوافرون منهم عثمان وعلي وابن مسعود والعباس وابنه والزبير ومعاذ وغيرهم من المهاجرين والانصار وما رد عليه واحد منهم بل ساعدوه ووافقوا وامروه بذلك وواظبوا عليها حتىٰ ان علياً اثنى عليه ودعاله بالخير وقد قال نور الله مضجع عمرؓ كما نور مساجد نا وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدي وهي عشرون ركعة.**

یعنی:۔ (اس زمانہ میں جب کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھانے کے لئے نامزد کیا) اس وقت صحابہ بکثرت موجود تھے ان میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عباسؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت معاذؓ، اور ان کے علاوہ سب ہی مہاجرین وانصار موجود تھے۔ کسی نے حضرت عمرؓ پر اعتراض نہیں کیا اور آپ کی تردید نہیں کی بلکہ سب نے آپ کا تعاون کیا اور آپ کی موافقت اور تائید کی اور اس کو جاری ورائج کیا اور صحابہ پابندی سے پڑھتے رہے یہاں تک کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی تعریف کی اور ان کی لئے دعائے خیر کی (حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد فرمایا کرتے تھے) اللہ تعالیٰ حضرت عمرؓ کی قبر کو نور سے بھر دے جیسے حضرت عمرؓ نے ہماری مسجدیں منور کر دیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے میرے طریقہ اور خلفائے راشدین جو میرے بعد ہوں گے ان کے طریقہ کو لازم پکڑنا۔ اور تراویح کی بیس ۲۰ رکعتیں ہیں۔ (مجالس الابرار ص ۱۷۸ مجلس نمبر ۲۸ فی بیان کیفیۃ التراویح وفضلہا۔)

محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عمل فاروقؓ (بیس ۲۰ رکعت تراویح) کو امت نے اختیار کیا اور یہ سنت شرعیہ ہے یعنی سنت مؤکدہ ہے دلیل آنحضور ﷺ کا فرمان ہے۔ **عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين** ہے۔ (العرف الشذی ج ا ص ۲۶۰ باب ماجآء فی قیام شہر رمضان)

ان عبارات سے واضح ہو گیا کہ بیس رکعت پر تمام صحابہ کا اجماع ہو چکا تھا۔ لہذا یہ بدعت نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح میں ایک مرتبہ ختم قرآن مجید سنت مؤکدہ ہے:

(سوال ۲۴۴) ماہ رمضان میں تراویح میں ایک قرآن ختم کرنا فقہاء نے سنت لکھا ہے اس سے کونسی سنت مراد ہے مؤکدہ یا غیر مؤکدہ؟ مفصل مدلل جواب مرحمت فرمائیں؟۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) وباللہ التوفیق:۔ صحیح مذہب اور قول اصح یہ ہے کہ تراویح میں ایک قرآن ختم کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ قوم کی

کاہلی کی وجہ سے اسے ترک نہ کیا جائے اور دو ختم کرنے میں فضیلت ہے اور تین ختم کرنا افضل ہے جہاں فقہاء نے ایک ختم کو سنت لکھا ہے اس سے ظاہراً سنت مؤکدہ مراد ہے۔ الخ۔ (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۰۰)

والختم مرةً سنة مؤكدة (نهايه شرح هدايه ج ۱ ص ۱۳۱ فصل في التراويح) والجمهور علىٰ ان السنة الختم مرة فلا يترك لكسل القوم ..... فالحاصل ان المصابيح في المذهب ان الختم سنة (البحر الرائق ج ۲ ص ۶۹،۶۸ باب الوتر والنوافل) اريد الختم بالتراويح بناءً اعلىٰ انه سنة علىٰ القول (مرقاة شرح مشكوة ج ۱ ص ۱۷۴ باب قيام شهر رمضان) واكثر المشائخ على ان السنة فيها الختم مرة فلا يترك لكسل القوم (هدايه ج ۱ ص ۱۳۱ فصل في التراويح) (قوله ولا يترك لكسل القوم) تاكيد في مطلوبية الختم وانه تخفيف على الناس لا تطويل. (فتح القدير ج ۱ ص ۴۰۹ ايضاً) السنة في التراويح انما هو الختم مرة فلا يترك لكسل القوم والختم مرتين فضيلة والختم ثلاث مرات افضل (فتاوىٰ عالمگيرى فصل في التراويح ص ۱۱۸)

در تمام رمضان ختم قرآن شود واز کسل قوم از یں کم نکند واگر قوم راغب باشد در تمام رمضان دو ختم یا سہ ختم یا چہار ختم کند (مالا بد منہ ص ۶۳) مہینے میں ایک مرتبہ قرآن مجید کا ترتیب وار تراویح میں پڑھنا سنت ہے (علم الفقہ ج ۲ ص ۵۷) ہاں بعض فقہاء لکھتے ہیں کہ کسی جگہ کے لوگ اتنے سست اور بددل اور بد شوق ہوں کہ پورا قرآن مجید سننے کی تاب نہ رکھتے ہوں تو اتنا پڑھے کہ مسجدیں جماعت سے خالی نہ پڑ جائیں۔ ایسی ابتر حالت نہ ہو تو ایک ختم سے کم نہ کرے کیونکہ یہی سنت ہے۔ لكن لا يلزم منه عدم تركه اذ لزم منه تنفير القوم وتعطيل كثير من المساجد (البحر الرائق ج ۲ ص ۶۹ باب الوتر والنوافل)

اگر چہ آنحضرت ﷺ سے تراویح میں قرآن مجید ختم کرنے کے بارے میں کوئی روایت ہمارے علم میں نہیں مگر اس قدر تو ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کے ساتھ تہائی رات اور آدھی رات تک اور ایک مرتبہ سحری تک تراویح پڑھی ہے دیکھو (ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۲) [1] (ترمذی شریف و نسائی شریف و [illegible])

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رمضان میں بعض لوگوں کو مسجد [illegible] جماعت سے نماز پڑھتے دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ ان کو قرآن یاد نہیں [illegible] (حافظ قرآن) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں تراویح پڑھتے ہیں آنحضرت ﷺ نے ان کی تعریف کی کہ اچھا کر رہے ہیں۔ (باب قیام شہر رمضان ابوداؤد شریف ج ۱ ص ۲۰۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تراویح کے لئے حافظ امام کی تلاش کا مقصد ختم قرآن ہے۔ اس حدیث کے راوی مسلم بن خالد کے ثقہ اور معتبر ہونے کے بارے میں دیکھو (''التعلیق المحمد'' ص ۱۱۱)

---

(۱) عن أبي ذر قال صمنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم رمضان فلم يقم بنا شيئاً من الشهر حتى بقي سبع فقام بنا حتى ذهب ثلث الليل فلما كانت السادسة لم يقم بنا فلما كانت الخامسة قائم حتى ذهب حتى ذهب نظر الليل فقلت يارسول الله لو نفلتنا قيام هذه لليلة قال فقال ان الرجل اذا صلى مع الا مام حتى ينصرف حسب له قيام ليله قال فلما كانت الرابعة لم يقم فلما كانت الثالثة جمع اهله و نساءه والناس فقام بنا حتى حسبنا ان يفوته الفلاح قال قلت ما الفلاح قال السحور ثم لم يقم بنابقية الشهر باب في قيام شهر رمضان)

کتب حدیث وفقہ میں ہے کہ خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ نے تراویح کی امامت کے لئے حافظوں کو بلاکراان کی قرائت سنی پھر تیز پڑھنے والی کو تین ختم کرنے کا حکم دیا۔ (یعنی ہر عشرہ میں ایک ختم مہینے میں تین عشرے ہیں اور ہر عشرہ کی الگ فضیلت ہے حدیث میں ہے۔ اولہ' رحمة واوسطه' مغفرة واخره' عتق من النار) اور معمولی تیز پڑھنے والے (یعنی تداویراً پڑھنے والے) کو دو ختم کرنے کے لئے فرمایا۔ اور آہستہ یعنی ترتیل سے پڑھنے والے کو ایک ختم کرنے کے لئے کہا۔ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان کے شوق اور ہمت کے مطابق مذکورہ اماموں میں سے کسی ایک کی اقتداء کی ہدایت فرمائی۔ عن ابی عثمان النهدی قال دعا عمر بن الخطاب رضی الله عنه بثلثة من القراء فاستقرأ هم فأمر اسرعهم قراءةً ان يقرء للناس بثلثين آيةً فی كل ركعة وامر اوسطهم ان يقرء خمساً وعشرين وامرا بطأهم ان يقرء للناس عشرين اية ً وكذا رواه الثوری عن عاصم (السنن الكبرىٰ مع الجوهر النقی باب قدر قراء تهم فی قيام شهر رمضان ج ۲ ص ۴۹۷) (مصنف ابن ابی شيبة ج ۲ ص ۳۹۲)

کبیری شرح منیہ میں ہے:۔ و روی البيهقی باسناده عن ابی عثمان النهدی قال دعا عمر بثلثة من القراء فاستقرأهم فامر اسرعهم قراءةً ان يقرأ للناس بثلثين آيةً فی كل ركعة واوسطهم بخمسة وعشرين ايةً وابطأهم بعشرين ايةً قال قاضی خان وقال بعضهم وهو رواية الحسن عن ابی حنيفة يقرء فی كل ركعات عشر ايات وهو الصحيح لان فيه تخفيفاً علی الناس وبه تحصيل السنة وهو الختم مرةً واحدةً لان عدد ركعات التراويح فی ثلثين ليلةً ست مائة وآيات القرآن ستة آلاف وشيئ فاذا قرء فی كل ركعة عشر آيات يحصل الختم . والفضيلة فی الختم مرتين وينبغی للامام وغيره اذا صلی التراويح وعاد الیٰ منزل وهو يقرأ القرآن ان يصلی عشرين ركعةً يقرأ فی كل ركعة عشر آيات احرازاً للفضيلة وهی الختم مرتين انتهی وفی الهداية واكثر المشائخ علی ان السنة فيها الختم فلا يترک لكسل القوم قال الشيخ كمال الدين ابن الهمام قوله' ولا يترک لكسل القوم تاكيد فی مطلوبية الختم وانه تخفيف علی الناس لا تطويل كما صرح به فی النهاية واذا كان امام مسجد حيه لا يختم فله ان يترک الی غيره انتهی (صلوٰة التراويح كبيری شرح منية المصلی ص ۳۸۸)

صلوٰۃ مسعودی میں ہے:۔ مسئلہ:۔ در تراویح سنت است کہ قرآن ختم کنند اما صحابہؓ در وے اختلاف است کہ در وے چند ختم کنند بر قول امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ سہ ختم در ہر دہ روزے یکے ختم کند۔ وبعضے گفتہ اند کہ ایک ختم کند قاضی امام کبیری الدین میگوید کہ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ سہ امام میکرداز جہت گذاردن نماز تراویح یکے را گفت تو سہ ختم کن و یکے رافرمود کہ تو دو ختم کن و یکے رافرمود کہ تو یک ختم کن از گاہ صحابہؓ را امر کرد وگفت ہر کہ قوی حال است وتوانا است جائے گذارید کہ سہ ختم کنند وہر کہ میانے حال است جائے گذارید کہ یک ختم کنند پس دانستم کہ ختم کردن سنت است۔ در خواندن قراءت در وے اختلاف است امیر المؤمنینؓ گفتہ است کہ در ہر رکعتے سی آیت خواند تا کل ماہ رمضان سہ ختم شود ودر ہر دہ روزے یک ختم شود ظاہر روایت آنست کہ در ہر رکعتے دہ آیت خواند کل ماہ رمضان یک ختم

شود الخ۔ (صلوٰۃ مسعودی فارسی ج ۳ ص ۱۸۸)

قاضی خاں میں ہے۔ فصل فی مقدار القراءۃ فی التراویح . اختلف المشائخ فیه قال بعضهم یقرء فی کل شفع مقدار مایقرأ فی صلوٰۃ المغرب لان التطوع اخف من المکتوب فیعتبر باخف المکتوبات وهو المغرب وهذا لیس بصحیح لان بهذا لقدر لا یحصل الختم فی التراویح، والختم فی التراویح مرۃً واحدۃ سنۃ وقال بعضهم یقرأ مقدار ما یقرء فی العشاء لا نها تبع للعشاء. وقال بعضهم یقرء فی کل رکعة من عشرین اٰیة الٰی ثلثین. وقال بعضهم وهو روایة الحسن عن ابی حنیفة رحمه الله یقرء فی کل رکعة عشر اٰیات وهو الصحیح لان فیه تخفیفاً علی الناس وبه تحصل السنة وهی الختم مرۃ واحداۃً الخ (قاضی خاں ج ۱ ص ۱۱۱)

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ کے سامنے تراویح میں قرآن ختم کرنے کے متعلق آنحضرت ﷺ کی کوئی دلیل ہوگی۔ ورنہ آپ اس کا حکم نہ فرماتے اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اس کو تسلیم کرتے۔ اگر خلفائے راشدین کے بعض اعمال کی صورت آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں ہمیں نظر نہ آئے گی لیکن مقاصد شرعیہ کے لحاظ سے ان کا عین سنت اور عین شریعت ہونا ضروری ہے۔ لہذا جن کو ختم قرآن کی موجودہ صورت آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں نظر نہیں آتی ان کو لازم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خاص معتمد وزیر اور عبادت کے ساتھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو دل سے مان کر سنت یقین کریں۔

اصول فقہ کی مشہور معتبر کتاب ''اصول الشاشی'' میں ہے، والسنة عبارة عن الطریقة المسلوکة المرضیة فی باب الدین سواء کانت من رسول الله صلی الله علیه وسلم او من الصحابة رضی الله عنهم . قال علیه الصلوٰۃ والسلام علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ.

یعنی سنت اس طریقہ مرضیہ مسلوک فی الدین کو کہتے ہیں جس پر آنحضرت ﷺ کا یا آپ کے صحابہ کا عمل ہو۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ میرے طریقہ کو اور (میرے بعد) خلفاء کے طریقہ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو۔
(اصول الشاشی ص ۱۰۴ البحث الرابع فی القیاس فصل فی الفرض)

اس لئے حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ ''درحقیقت سنت خلفاء راشدین هم سنت پیغمبر است'' حقیقت یہ ہے کہ خلفاء راشدین کی سنت بھی (پیغمبر علیہ السلام ہی کی سنت ہے (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۳۱ الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

محدث ملا علی قاری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ خلفائے راشدین نے درحقیقت آنحضرت ﷺ ہی کی سنت پر عمل کیا ہے فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء (الراشدین) فانهم لم یعملوا الا بسنتی (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۴۲ ملتانی ایضاً)

محدث علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ فرماتے ہیں ''عمل فاروق (بیس ۲۰ رکعت تراویح) کو امت نے اختیار کیا اور یہ سنت شرعیہ ہے یعنی سنت موکدہ ہے۔ دلیل آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے۔ علیکم بسنتی وسنة

الخلفاء الراشدين المهديين ہے (العرف الشذی ص ۳۶۰ باب قیام شہر رمضان)

خلاصہ یہ کہ تراویح میں ایک ختم تاکیدی سنت ہے اور اہل سنت کا شعار بھی ہے۔ روافض وغیرہ اس سے محروم ہیں اور حفظ قرآن نیز بقاء قرآن کا بڑا ذریعہ ہے اگر خدانخواستہ یہ شرعی رسم ختم ہوگئی تو حفظ قرآن کا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اور حفاظ عنقاء ہو جائیں گے لہٰذا کسی بھی صورت میں اس کو سنت کو قائم رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس سنت پر خیرا لقرون اور صحابہ کے مبارک زمانہ سے آج تک عمل رہا ہے اور چاروں مذہب کے علماء فقہاء مشائخ اور محدثین رحمہم اللہ اس پر دل و جان سے عامل اور متفق ہیں علامہ بحر العلوم تحریر فرماتے ہیں۔ ويسن الختم فيها مرة وما زاد فحسن هكذا جرى التوارث من زمان امير المؤمنين عمر رضى الله عنه الىٰ هذا الآن وهذه الا حكام مما اتفق عليه فقهاء المذاهب الاربع من غير خلاف (رسائل الا ركان ص ۱۳۹) وان كسل القوم من استماع القرائة مع القدرة عليه اساءة ولا بترك الختم لكسل القوم (رسائل الا ركان ص ۱۳۹) واما القراءة فالمختار الذى قاله' الا كثرون واطبق الناس على العمل بان تقرء الختمة بكما لها فى التراويح فى جميع الشهر فيقرء كل ليلة نحو جزء من ثلثين جزءاً. (كتاب الا ذكار للامام النووىؒ ص ۸۳۰) اسلاف کا عمل اور ان کا توارث فقہاء کے یہاں اہم دستاویز ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ازالۃ الخفا میں لکھا ہے۔ اتفاق سلف وتعارف ایشاں اصل عظیم است در فقہ، یعنی سلف کا اتفاق اور ان کا توارث فقہ میں اصل عظیم ہے۔" (ج ۲ ص ۸۵)

ایک مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے فقہاء لکھتے ہیں کہ یہ عمل سلف سے متوارث ہو اس کی اتباع اور پیروی واجب ہے۔ لان المسلمين توارثوا هكذا فوجب ان يتبع توارث المسلمين۔ (بحر الرائق ج ۲ ص ۱۶۵ باب العیدین تحت قولہ ومن بعد فجر عرفۃ)

بعض فقہاء کا مقولہ ہے کہ تراویح ختم قرآن کے لئے مشروع ہوئی ہے لانها (اى التراويح) شرعت لا جل ختم القرآن (طحطاوى على مراقى الفلاح ص ۲۴۱ فصل فى صلاة التراويح)

اور ہر ایک محلہ کی مسجد میں جماعت سے تراویح ہونے کا اہتمام اور تاکیدی حکم کی حکمت یہ بتلائی ہے کہ عوام جو حافظ نہیں وہ تراویح میں قرآن سن سکیں اور ختم قرآن کی سنت اور فضیلت سے محروم نہ رہیں۔ واما قراءة القرآن فى التراويح فمستحب (اى مسنون) باتفاق ائمة المسلمين بل من اجل مقصود التراويح قراءة القران فيها يسمع المسلمون كلام الله فان شهر رمضان فيه نزل القرآن وفيه كان جبرائيلؑ يدارس النبى صلى الله عليه وسلم القران (فتاوىٰ ابن تيميهؒ ج ا ص ۱۴۷)

قال الباجى فى شرح المؤطا وانما جعل ذلك فى المساجد فى رمضان لكى يحصل لعامة الناس فضيلة القيام بالقرآن كله وسماع كلام ربهم فى افضل الشهور انتهىٰ. (كتاب المدخل ج ۲ ص ۸۹)

صاحب مذہب امام ابوحنیفہؒ تراویح میں ایک ختم کرتے تھے۔ اور دن کو ایک، رات کو ایک، سب مل کر رمضان المبارک میں اکسٹھ ۶۱ ختم فرماتے (فتاویٰ قاضی خاں ج ۱ ص ۱۱۲) امام بخاریؒ بھی ایک ختم فرماتے تھے (رکعات

تراویح ص ۱۱۷۔۱۱۸ تصنیف محدث جلیل مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی دامت برکاتہم)

عمدۃ الفقہ میں ہے۔ (۱۷) رمضان المبارک میں تراویح میں ایک بار قرآن مجید کا ترتیب وار ختم سنت ہے قوم کی سستی کی وجہ سے اس کو ترک نہ کریں (عمدۃ الفقہ ج ۲ ص ۳۶۸ مصنفہ مولانا زوار حسین صاحب رحمہ اللہ مطبوعہ پاکستان) فقط واللہ اعلم۔

ایک سلام سے تراویح کی چار رکعتیں ادا کیں، دو رکعت پر نہ قعدہ کیا اور نہ سجدۂ سہو کیا تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۴۵) ہمارے یہاں حافظ صاحب نے تراویح دو رکعت کے بجائے چار رکعت ایک سلام کے ساتھ ادا کیں۔ جب تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے لگے تو لقمہ دیا گیا حافظ صاحب نے لقمہ نہ لیا اور آخر میں سجدۂ سہو بھی نہ کیا تو صورت مسئولہ میں کتنی رکعت تراویح ادا ہوئی۔ اور برصورت عدم صحت تراویح قراءت کے اعادہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) زید جب تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونے لگا اور اس کو لقمہ دیا گیا تو زید کے لئے لازم تھا کہ بیٹھ جاتا مگر جب لقمہ نہ لیا اور کھڑا ہو گیا اور چار رکعتیں ادا کیں تو سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرنا چاہئے تھا اور اس صورت میں دو رکعت تراویح ہوتیں اور دو رکعت نفل، مگر جب سجدۂ سہو نہ کیا تو برا کیا اور اس صورت میں دو رکعت تراویح ہوئی مگر وہ واجب الاعادہ ہیں۔ وقت کے اندر اعادہ کر لینا چاہئے تھا وہ نکل جانے کے بعد اس کی قضا نہیں۔ ان چار رکعت میں جتنا قرآن پڑھا گیا ہے۔ اس کا اعادہ کر لیا جائے۔ اور اگر دو رکعت پر قعدہ کیا ہو تو چار تراویح ادا ہو گئیں اور قراءت کے اعادہ کی بھی ضرورت نہیں۔[1] **فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ۔**

تراویح کی دو جماعتیں کرنا:

(سوال ۲۴۶) ہمارے یہاں حفاظ الحمد للہ کثیر تعداد میں ہیں۔ قرآن کریم ان کو یاد رہے۔ اس مقصد سے ہم نے رمضان المبارک میں یہ معمول بنا رکھا ہے کہ عشاء کی نماز ہم تمام محلّہ کی مسجد میں باجماعت ادا کرتے ہیں اس کے بعد کچھ حفاظ مدرسہ کی عمارت میں تراویح پڑھاتے ہیں۔ جہاں تھوڑے اور مصلی بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ اور بقیہ حفاظ اسی مسجد میں جہاں نماز عشاء ادا کی گئی تراویح پڑھاتے ہیں۔ مدرسہ میں تراویح پڑھنے پڑھانے والے وتر بھی وہیں پڑھتے ہیں۔ دریافت یہ کرنا ہے۔ قرآن کی حفاظت کی نیت سے اس طور پر تراویح کی دو جماعتیں کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔
(از بودھان ضلع سورت)

(الجواب) عشاء کی فرض نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کر کے چند حفاظ اور ان کے ساتھ کچھ مصلی تراویح اور وتر

---

(۱) وعن ابی بکر الاسکاف انه سئل عن رجل قام الی الثالثة فی التراویح ولم یقعد فی الثانیة قال ان تذکر فی القیام ینبغی ان یعود ویقعد ویسلم وان تذکر بعد ما سجد للثالثه فان اضاف الیها رکعة اخری کانت هذه الاربعة عن تسلیمة واحدة وان قعد فی الثانیة قدر التشهد اختلفوا فیه فعلی قول العامة یجوز عن تسلیمتین هو الصحیح هکذا فی فتاوی قاضی خان فتاوی عالمگیری ، فصل فی التراویح ص ۱۱۸ اواذا فسد الشفع وقد قرأ فیه لا یعتد بما قرأ فیه ویعید القرأة لیحصل له الختم فی الصلاة الجائز ایضا.

مدرسہ کی عمارت میں جماعت کے ساتھ اس مقصد سے پڑھتے ہیں جو سوال میں مذکور ہے، مسجد کی جماعت سے تخلف مقصود نہیں ہے اس لئے یہ صورت جائز ہے ممنوع نہیں۔ مدرسہ میں باجماعت ادا کرنے سے جماعت کا ثواب مل جائے گا۔ البتہ مسجد کی فضیلت حاصل نہ ہوگی۔ اس کی تلافی حفاظت قرآن کے مقصد سے پوری ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں ہے۔ وقال الصدر الشهيد الجماعة سنة كفاية حتى لو أقامها البعض في المسجد بجماعة وباقامة أهل المحلة اقامها منفرداً في بيته لايكون تاركا للسنة الى قوله. وان صلى بجماعة في بيته فالصحيح انه نال احدى الفضيلتين فان الاداء في المسجد له فضيلة ليس للاداء في البيت ذلك وفي الطحاوى وفي النهر انها في المسجد افضل على ما عليه الاعتماد. (مراقی الفلاح مع حاشية طحطاوى ص ۲۴۰ فصل في صلاة التراويح) فقط والله اعلم بالصواب.

گاؤں کی عورتوں کو سنانے کے لئے مائک میں تراویح پڑھانا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۴۷) تراویح مائک میں پڑھانا کیسا ہے؟ یہاں گاؤں کی عورتوں کو سنانے کے لئے تراویح مائک (آلہ مکبر الصوت) میں پڑھائی جاتی ہے تو یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب کہ امام کی آواز نمازیوں کو پہنچ جاتی ہے تو مائک میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہوگا۔ ورنہ مکروہ تنزیہی۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح کی تین رکعتیں پڑھ لیں تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۴۸) امام تراویح نے تراویح کی دوسری رکعت پر قعدہ نہ کیا۔ اور تین رکعت پر قعدہ کر کے سلام پھیر کر نماز پوری کی تو اس صورت میں دو رکعت تراویح ادا ہوئی یا نہیں؟ بعض لوگ کہہ رہے ہیں کہ نفل اور سنت کی تین رکعتیں نہیں ہوتیں اس لئے تراویح کی یہ تینوں رکعتیں فاسد ہو گئیں کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں تراویح کا دوگانہ معتبر نہ ہوگا۔ اعادہ ضروری ہے اور جو قرآن پڑھا گیا ہے۔ اس کا لوٹانا بھی ضروری ہے۔ شامی میں ہے۔ وفي التتارخانية لو صلى التطوع ثلثاً ولم يقعد على الركعتين فالاصح انه يفسد (شامى ج ۱ ص ۶۵۲ باب الوتر والنوافل) فقط والله اعلم بالصواب.

تراویح میں دو رکعت پر قعدہ کرنا بھول گیا اور چار رکعت پر قعدہ کیا تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۴۹) تراویح کے آخری قعدہ میں سہواً کھڑا ہو جائے۔ (بغیر قعدہ کئے ہوئے) اور چار رکعت پوری کر کے سجدۂ سہو کرے تو صرف دو رکعت ہوں گی۔ اور یہ دو رکعت تراویح گنی جائیں گی؟ کیا سنت و نوافل میں آخری قعدہ فرض

---

(۱) ويجهر الامام وجوبا لحسب الجماعة فان زاد عليه اساء قال في الشامية تحت قوله فان زاد عليه اساء وفي الذاهدى عن ابى جعفر لو زاد على الحاجب فهو افضل الا اذا اجهد نفسه أو اذى غيره قهستانى درمختار مع الشامى فصل في القراة ج ۱ ص ۴۹۵. اگر ضرورت سے زیادہ اونچا پڑھے لیکن کسی کو تکلیف نہ ہو تو ایسی صورت میں مائک سے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی تو نہیں ہو گا لیکن خلاف اولیٰ ہونا چاہئے حوالے سے واضح ہے۔

نہیں ہے؟ اس صورت میں فرض ادا کرنے میں کیا صرف تاخیر ہورہی ہے یا فرض فوت ہورہا ہے؟ اشکال دور فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ (حیدرآباد)

(الجواب) نفل میں ہر دو رکعت کے بعد قعدہ کرنا ضروری ہے لہذا نفل نماز میں دو رکعت پر قعدہ نہ کیا گیا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ وفی التتار خانیة لو صلی التطوع ثلاثاً ولم یقعد علی الراکعتین فالا صح انه یفسدو لوستاً او ثما نیاً بقعدۃٍ واحدة اختلفوا فیه والا صح انه یفسد استحساناً وقیاساً اھ (شامی ج ۱ ص ۶۵۲ باب الوتر والنوافل)

البتہ چار رکعت اور چار سے زیادہ ۶۔۸۔۱۰۔۱۲۔۱۴۔۱۶۔۱۸۔۲۰ رکعات تراویح پڑھی جائے۔ اور درمیان کا قعدہ نہ کیا جائے تو سجدۂ سہو کر لینے پر دو رکعت تراویح معتبر .... ہونے کی بعض فقہاء قائل ہیں اور ان حضرات کے نزدیک قعدہ منتقل ہوکر آخر میں آجائے گا تو فرض کی ادائیگی میں صرف تاخیر ہوگی جس کی تلافی سجدۂ سہو سے ہوجائے گی۔ تراویح سنت مؤکدہ ہے باجماعت ادا کی جاتی ہے۔ اس لئے اس کا درجہ فرض اور واجب کے قریب قریب ہے۔ محض نفل نہیں ہے۔ اس لئے تراویح میں بعض فقہاء دو رکعت کی ادائیگی کے قائل ہیں۔ شامی میں ہے لکن صححوا فی التراویح انه لو صلاها کلها بقعدة واحدة وتسلیمة انها تجزیٔ عن رکعتین فقد اختلف التصحیح اھ (شامی ج ۱ ص ۶۵۲ باب الوترو والنوافل) فقط واللہ اعلم بالصواب ۱۲ شوال المکرم ص ۱۳۹۹ھ۔

تراویح پڑھانے پر اجرت لینا اور دینا کیوں درست نہیں؟:

(سوال ۲۵۰) ماہ رمضان المبارک میں تراویح کے لئے حافظ صاحب کو رکھا جاتا ہے آنے والے حافظ کو مسجد کے پیسوں سے نان ونفقہ نیز کپڑوں کی دھلائی کا خرچ دینا اور آخر میں بطور اجرت کچھ پیش کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو کیوں؟ جب کہ یہ مصلیوں کی ضرورت ہے۔ بالفرض اگر دینا صحیح ہے اور مسجد کے پاس اتنی رقم نہیں ہے اور کوئی شخص یہ بار اپنے ذمہ لے لے تو صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (از کھلوڈ ضلع سورت)

(الجواب) اصل حکم تو یہی ہے کہ طاعات پر اجرت لینا دینا ناجائز ہے مگر متاخرین نے بقاء دین کی ضرورت کو ملحوظ رکھ کر تعلیم قرآن، امامت، اذان وغیرہ چند چیزوں پر اجرت لینے دینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، جن چیزوں کو مستثنیٰ کیا ہے جواز کا حکم انہی میں منحصر رہے گا۔ تراویح مستثنیٰ کردہ چیزوں میں نہیں ہے اس لئے اصل مذہب کی بنیاد پر تراویح پر اجرت لینا دینا ناجائز ہی رہے گا۔ شامی میں ہے۔ وقد اتفقت کلمتهم جمیعاً علی التصریح باصل المذهب من عدم الجواز ثم استثنوا بعده ما علمته فهذا دلیل قاطع وبرهان ساطع علی ان المفتی به لیس هو جواز الاستیجار علی کل طاعة بل علی ما ذکروه فقط مما فیه ضرورة ظاهرة تبیح الخروج عن أصل المذهب الخ (شامی ج۵ ص ۴۶، کتاب الاجارة)

تراویح کی ادائیگی ختم قرآن پر موقوف نہیں الم ترکیف سے بھی پڑھی جاسکتی ہے اس لئے اس میں ضیاع دین بھی نہیں ہے۔ بہذا مسجد کے پیسوں سے حافظ کو اجرت وغیرہ دینا صحیح نہ ہوگا۔ اصل مسئلہ یہی ہے۔ مگر مشکلات بھی

نظر انداز نہ ہونی چاہئیں جو ہر سال اور تقریباً ہر مسجد کے نمازیوں کو پیش آتی ہیں اس کے لئے ایک قابل عمل شکل فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد اول ص۳۴۹ (جدید ترتیب کے مطابق یہ فتویٰ، اسی باب میں تراویح پڑھانے پر معاوضہ کے عنوان سے دیکھ لیا جائے۔ مرتب) پر ملاحظہ فرمائیں۔ مصلیوں میں سے اگر کوئی صاحب خیر حافظ صاحب کے افطار و سحری وغیرہ کا انتظام کردیں اور آخر میں بطور ہدیہ یا بطور امداد کچھ پیش کریں تو یہ قابل اعتراض نہیں۔ بطور اجرت دینا ممنوع۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۰ شوال المکرم ۱۳۹۹ھ۔

تراویح کے لئے نائب امام رکھا تو اصل امام کی تنخواہ کم کر سکتے ہیں یا نہیں؟:

(سوال ۲۵۱) امام تراویح کو نائب امام بنا کر عشاء اور فجر کی نماز سپرد کی جائے تو اس صورت میں مسجد کے پیسوں سے تنخواہ دینا درست ہوگا۔ اصل امام صاحب سے نماز عشاء و فجر کے بار کی کمی ہوئی لہذا ان کی تنخواہ میں کمی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اصل امام صاحب بھی پانچوں نمازوں میں حاضر رہیں گے (اور یہ معاملہ بھی صرف ایک ماہ کا ہے) اس لئے ان کی تنخواہ میں کمی کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۰ شوال المکرم ۱۳۹۹ھ۔

لڑکا جب پندرہ برس کا ہو جائے تو وہ شرعاً بالغ ہے تراویح پڑھا سکتا ہے:

(سوال ۲۵۲) میری تاریخ پیدائش ۲۶ جون ۶۴ء ہے انگریزی سن کے اعتبار سے رمضان کی پہلی تاریخ کو میری عمر پندرہ ۱۵ برس کی ہو جائے گی تو میں امسال تراویح پڑھا سکتا ہوں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب آپ کی عمر یکم رمضان کو انگریزی سن کے اعتبار سے پندرہ برس کی ہو جائے گی تو ہجری سن کے اعتبار سے بطریق اولیٰ ہو جائے گی اس لئے آپ تراویح پڑھا سکتے ہیں۔ پندرہ برس سے پہلے اگر بلوغت کی علامت (احتلام، انزال، احبال) پائی نہ جاوے تو پندرہ برس کی عمر سے لڑکے کو (اسی طرح لڑکی کو بھی) شرعاً بالغ سمجھا جاتا ہے۔ درمختار میں ہے (فان لم یوجد فیھما) شیئی (فحتی یتم لکل منھما خمس عشرسنۃ بہ یفتی) لقصر اعمار اھل زماننا (درمختار ج۵ ص ۱۳۲ فصل بلوغ الا حتلام الخ کتاب الحجر) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مقرر امام تراویح پڑھانے کا حق دار ہے:

(سوال ۲۵۳) میں ایک مسجد میں امام ہوں اور میں نے تقرر سے پہلے یہ شرط لگائی تھی کہ میں ہی تراویح پڑھاؤں گا اب مسجد کے متولی میری موجودگی میں دوسرے حافظ کو بلانا چاہتے ہیں (جس سے میں ناراض ہوں) تو کیا ان کا یہ فعل جائز ہے؟ تراویح پڑھانے کا زیادہ حق دار کون ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) تراویح پڑھانے کا حق امام کا ہے۔ اگر امام نہ پڑھا سکے یا امام اجازت دے دے تو دوسرے حافظ کو سپرد کرنا چاہئے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من زار قوما فلا یؤمھم ولیؤمھم رجل منھم والعمل علی ھذا عند اکثر اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیر ھم قالوا صاحب المنزل أحق بالامامۃ من الزائر وقال بعض اھل العلم اذا [illegible] نہ فلا بأس ان یصلی بہ ترمذی باب ماجآء من زار قوما فلا یصل علم ج ۱ ص ۸۲.

گھر میں حافظ بالغ لڑکے کی اقتداء میں محرم وغیر محرم عورتیں تراویح پڑھیں تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۵۴) گھر میں کوئی بالغ لڑکا حافظ قرآن تراویح پڑھائے اور اس کے ساتھ دو تین آدمی ہوں اور پیچھے پردے میں عورتیں باجماعت تراویح پڑھیں جن میں محرم بھی ہوں اور غیر محرم عورتیں بھی ہوں تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حافظ بالغ لڑکا محرم عورتوں کی امامت کر سکتا ہے اوران کے ساتھ غیر محرم عورتیں بھی پردے کی پابندی کرتے ہوئے شامل ہو جائیں تو شامل ہو سکتی ہیں البتہ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو ایسی جگہ نامحرم عورتوں کا شامل ہونا جائز نہیں۔اس پر فتن زمانہ میں عورتیں اپنے اپنے گھروں میں تراویح پڑھیں یہی افضل اور بہتر ہے، اسی میں ان کو زیادہ ثواب ملے گا(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ختم قرآن کی شب حفاظ کو پھولوں کا ہار پہنانا:

(سوال ۲۵۵) ہماری مسجد میں جس رات تراویح میں قرآن ختم ہوتا ہے اس رات حافظ صاحب کی عزت افزائی کے لئے پھولوں کا ہار پہنایا جاتا ہے۔ یہ فعل کیسا ہے؟ آیا اس کا کسی کتاب سے ثبوت ہے۔ میں حافظ ہوں اور امسال میں نے تراویح پڑھائی ہے اور اعتکاف بھی کیا ہے۔ مجھے یہ پسند نہیں ہے۔ میں اس طرح کہوں کہ ہار پہننے سے میرا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ اس طرح جھوٹی بات کہہ کر ہار پہننے سے انکار کر سکتا ہوں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ختم قرآن کی شب حفاظ کو پھولوں کا ہار پہنایا جاتا ہے یہ رواج برا اور قابل ترک ہے اور اس میں اسراف بھی ہے۔ اگر حفاظ کی عزت افزائی مقصود ہے تو ان کو عربی رومال یا شال کیوں نہیں پہناتے؟ آپ ہار پہننا نہیں چاہتے تو اس کے لئے جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں بلکہ صاف صاف کہہ دیا جائے کہ ہمیں یہ رواج پسند نہیں اور یہ خلاف شرع ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) رمضان المبارک میں امام و مؤذن کے لئے چندہ کرنا۔ (۲) تراویح میں ختم کے دن شیرینی تقسیم کرنا۔ (۳) امام کا اپنے شاگرد کو ختم کے دن مسجد میں تحفۃ گھڑی دینا:

(سوال ۲۵۶) محترم و معظم حضرت مفتی صاحب مدظلہ بعد سلام مسنون و آداب کے عرض ہے کہ ہماری مسجد میں پہلے سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں امام اور مؤذن کے لئے چندہ کیا جاتا ہے لوگ خوشی سے چندہ دیتے ہیں حالانکہ امام صاحب کی تنخواہ =/۱۲۵ روپے اور مؤذن صاحب کی =/۱۰۰ روپے متعین ہے۔ چندہ میں معقول رقم جمع ہو جاتی ہے۔ ہم نے سال گذشتہ سہولت کی خاطر تین افراد پر مشتمل ایک چندہ کمیٹی کی تشکیل کی۔ جنہوں نے بڑے شوق اور محنت سے حسب سابق چندہ کر کے معقول رقم جمع کی۔ مگر سوء اتفاق اگلے سالوں کے مقابلہ میں

---

(۱) ویکرہ حضورہن الجماعۃ ولو لجمعۃ وعید و وعظ مطلقا ولو عجوزا لیلا علی المذہب المفتی بہ لفساد الزمان کما تکرہ امامۃ الرجل لہن فی بیت لیس معہن رجل غیرہ ولا محرم منہ کاختہ او زوجتہ او امتہ اما اذا کان معہن واحد ممن ذکر او امہن فی المساجد لا درمختار علی ہامش شامی باب الامامۃ ج ۱ ص ۵۳۹

۵۰۔۶۰ روپے کم ہوئے۔ چندہ کی ہوئی رقم کمیٹی کے ایک رکن نے امام صاحب کی خدمت میں پیش کی تو انہوں نے بے رخی سے فرمایا ''اتنی رقم میں میرا کیا ہوگا؟'' لہذا دوسرے دن مسجد میں چندہ کمیٹی کے اسی رکن نے اعلان کیا ''افسوس کی بات ہے کہ امام صاحب کے لئے چندہ کم ہوا ہے اس لئے بقیہ حضرات دل کھول کر اس میں حصہ لیں'' اس کے بعد کچھ اور چندہ ہوا۔ اور اگلے سالوں کے اعتبار سے زیادہ رقم جمع ہوگئی۔ اس کے باوجود امام صاحب کو شکایت ہے اور لوگوں کے سامنے شکوہ کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ میرا ارادہ تھا کہ چندہ کی رقم واپس کردوں۔ اس صورت میں چند سوالات آپ کی خدمت میں پیش کررہا ہوں۔ جواب عنایت فرمائیں۔

(سوال)(۱) طویل مدت میں رمضان المبارک میں امام ومؤذن کے لئے چندہ کرنے کا رواج چلا آتا ہوں تو اس رواج پر متولی اور مقتدیوں کا عمل کرنا جائز ہے؟

(۲) مقتدی حضرات اس چندہ کو امام اور مؤذن کا حق سمجھ کردیں اور امام ومؤذن اس چندہ کو اپنا حق سمجھ کرلیں تو کیا حکم ہے؟

(۳) امام صاحب چندہ کی رقم کو کم بتلا کر اپنے حق کا اظہار کریں تو ایسے امام کے پیچھے تراویح پڑھنا اور ایسے امام کا تراویح پڑھانا کیسا ہے؟

(۴) ہدیہ، تحفہ کی رقم اگر رسما دی جائے تو کیا حکم ہے؟

(۵) تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر مسجد میں شیرینی تقسیم کرنا کیسا ہے؟

(۶) مسجد میں ایک نیا طریقہ جاری کیا گیا وہ یہ کہ موصوف امام نے تراویح پڑھانے کے لئے اپنے ایک شاگرد کو اپنے ساتھ مقرر کیا اور ختم قرآن کے دن سب کے سامنے مسجد میں اپنے شاگرد کو گھڑی تحفہ دی، ایک شخص نے کھڑے ہوکر امام صاحب کے تحفہ کی قدر کرتے ہوئے کہا ''یہ ہمارے لئے شرم کی بات ہے'' تحفہ ہم کو دینا چاہئے۔ امام صاحب کا یہ فعل درست ہے؟

(الجواب)(۱۔۲) تنخواہ معقول نہ ہونے کی بنا پر امام اور مؤذن کے لئے چندہ کیا جائے اور مصلی حضرات بخوشی چندہ دیتے ہوں اور تنخواہ کی کمی کو پورا کیا جاتا ہو اور چندہ جبراً وصول نہ کیا جاتا ہو تو مضائقہ نہیں ہے اگر اس طرح امام ومؤذن کی امداد نہ کی گئی تو ان کا گذر کیسے ہوگا؟ اور وہ کس طرح رہ سکیں گے؟ بہتر تو یہی ہے کہ تنخواہ معقول دی جائے اور چندہ کی رسم کو ختم کیا جائے، فقط۔

(۳) چندہ تراویح پڑھانے کی اجرت کے طور پر کیا جاتا ہو تو یہ طریقہ صحیح نہیں ہے اور تراویح پڑھانا مشتبہ ہوجائے گا۔ فقط۔

(۴) چندہ دینے والے بخوشی دیتے ہوں اور امام ومؤذن کی مدد کرنا مقصود ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔ فقط۔

(۵) شیرینی تقسیم کرنے کے لئے مسجد کی وقف رقم استعمال کرنا یا چندہ کرنا درست نہیں ہے البتہ کوئی شخص اپنی مرضی سے شیرینی تقسیم کرتا ہو تو قابل اعتراض نہیں ہے۔ فقط۔

(۶) امام کا اپنے شاگرد کو اس کی حوصلہ افزائی کے لئے تحفہ دینا درست ہے۔ قابل اعتراض نہیں ہے، اخلاص شرط ہے، مصلیوں میں سے کوئی بھی تحفہ دے سکتا ہے، تراویح پڑھانے کی اجرت کے طور پر دینا لینا درست نہیں

ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۵ رجب المرجب ۱۴۰۱ھ۔

تراویح سے متعلق ایک اہم سوال:

(سوال ۲۵۷) ہمارے یہاں مساجد و مدارس کا انتظام چلانے کے لئے ہر سال انتخاب کے بعد ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے۔ وہ لوگ مسجد و مدرسہ کے تمام انتظامات کرتے ہیں۔ ان میں ایک مسجد کمیٹی ہوتی ہے اس کے ذمہ مدرسین اور ائمہ مساجد کا تقرر کرنا ہوتا ہے، کمیٹی میں کم و بیش دیندار قسم کے لوگ تو ہوتے ہوں گے مگر اہل علم بہت کم ہوتے ہیں اور نہ ان سے مشورہ لیا جاتا ہے، اکثریت عوام ہی کی ہوتی ہے۔

رمضان شریف سے پہلے تراویح کے لئے حفاظ کا تقرر اور انتخاب بھی کمیٹی کرتی ہے، حفاظ کا تقرر اس طرح ہوتا ہے کہ مسجد کے بورڈ پر لکھ دیا جاتا ہے یا اعلان کر دیا جاتا ہے کہ جو تراویح پڑھانے کا ارادہ رکھتے ہوں وہ تحریری یا زبانی درخواست مسجد کمیٹی کو دیں، اب آنے والی درخواستوں یا کمیٹی کے مقرر کردہ حفاظ میں نہ تو اس بات کی تحقیق کی جاتی ہے کہ کن حفاظ کا قرآن کچا ہے اور کن کا پکا، کس کی تلاوت صحیح ہے اور کس کی غلط، ان کو تجوید سے واقفیت ہے یا نہیں، ہاں اس کا خیال رکھا جاتا ہے کہ تراویح پڑھانے والا تیز رفتار ہو اور کم سے کم وقت میں بیس رکعت ختم کر دے چاہے سامعین کو یعلمون تعلمون کے سوا کچھ سمجھ میں نہ آوے اور ضعیف و ناتواں حضرات رکوع اور سجدہ میں تھک ہی کیوں نہ جاویں اور ساتھ ساتھ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کی آواز سریلی اور اچھی ہو چاہے تجوید اور ترتیل کی رعایت رہے یا نہیں مد، غنہ، اخفا، ادا ہو یا نہ ہو، حروف کی ادائیگی صحیح ہو یا نہ، اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کس کا لڑکا ہے، ذمہ دار حضرات کے اور بڑے لوگوں کے لڑکوں کو فوقیت دی جاتی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ تراویح کے لئے حفاظ کے انتخاب کرنے کے اہل کون لوگ ہیں؟ اور ان کو کس قسم کے حفاظ کا انتخاب کرنا چاہئے؟ نماز تراویح کی صحت اور تلاوت قرآن شریف کی صحت کے لئے کیا کیا شرائط ہیں، یہ ضرور مفصل تحریر فرمائیں تاکہ اس کی روشنی میں ہزاروں مسلمان نماز اور تراویح جیسی عظیم عبادت صحیح طریقہ پر ادا کر سکیں۔ افتونا بینوا توجروا۔

(الجواب) امام تراویح اور ائمہ مساجد کا انتخاب علماء اور حفاظ کا کام ہے غیر علماء اور غیر حفاظ عامی کا علماء و حفاظ کرام سے مشورہ کے بغیر کام کرنا بڑی خرابیوں کا موجب اور قیامت کی علامتوں میں سے ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی فرماتے ہیں۔ "غرض آج کل ہر شخص مفسر و مترجم ہے اور ہر ایک شریعت میں رائے دیتا ہے گویا شریعت کا سمجھنا تمام فنون سے آسان ہے، حالانکہ یہ تو قانون الٰہی ہے، جب دنیوی سلاطین کے قوانین کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا بلکہ خاص وکلاء اور بیرسٹر اور ہائی کورٹ کے جج ہی اس کو سمجھتے ہیں تو خدائی قانون کو ایسا کیا آسان سمجھ لیا ہے؟" (وعظ "الباب" ص ۱۸)

تراویح سنت مؤکدہ ہے اور اس میں قرآن شریف ختم کرنا بھی سنت ہے فضائل رمضان کا مطالعہ کیا جائے۔ رمضان میں تراویح کی نماز میں ایک ختم کرنا سنت ہے، دو یا تین ختم کرنا مستحب اور افضل ہے، لہذا کم از کم ایک ختم پوری صحت اور اطمینان کے ساتھ ہونے کا ضرور اہتمام کیا جائے، ہم جیسا کہ عمل کریں گے ہمارے بعد آنے والی ہماری نسل

بھی اس کا ویسا ہی اہتمام کرے گی اگر ہم نے برائے نام زبردستی تراویح پڑھی اور ختم کیا تو بعد میں آنے والے بھی ویسا ہی کریں گے اس کی ذمہ داری ہم پر ہوگی اور گناہ میں ہمارا بھی حصہ ہوگا۔

قرآن پڑھنے میں صحت کا لحاظ از حد ضروری ہے، حروف بدل جانے سے یعنی س کی جگہ ص، ث، اور ص کی جگہ س، ث۔ ض کی جگہ ز، ذ، ذ کی جگہ ض، ز۔ ت کی جگہ ط، اور ط کی جگہ ت وغیرہ پڑھنے سے لحن جلی لازم آتا ہے اور کبھی اس قسم کی غلطی سے معنی بدل کر نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ مد، غنہ، اخفا اور اظہار کی غلطی لحن خفی ہے اس سے نماز تو فاسد نہ ہوگی مگر بڑی فضیلتوں سے محرومی ہو جائے گی، رمضان المبارک جیسے مقدس اور مبارک مہینہ میں بھی اگر تراویح میں ختم قرآن باقاعدہ اور پوری دلچسپی اور شوق ذوق سے نہ کیا جائے تو اس سے زیادہ محرومی اور کیا ہو سکتی ہے؟

مجالس الابرار میں ہے۔ **فانهم قد جعلوا التراويح عادةً لا عبادةً يتقرب بها الى الله تعالىٰ على ما شرطه رسول الله صلى الله عليه وسلم فيها من القرائة وغيرها فيتخذون صلاتها خلف امام لا يتم الركوع والسجود والقومة والجلسة ولا يرتل القرآن كما امر الله به بل هو من غاية السرعة يقع في اللحن الجلي بترك بعض حروف الكلمة او حركاتها**.....الخ. یعنی:۔ ان لوگوں نے تراویح کو عادت بنا رکھا ہے نہ کہ عبادت کہ جس سے قرب الٰہی حاصل کریں اور اس شرط کے موافق جو رسول اللہ ﷺ نے قراءت وغیرہ کی تراویح میں شرط کی ہے، پس ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں جو پورے طور سے رکوع اور سجود اور قومہ اور جلسہ نہیں کرتا، اور جس طرح خدا کا حکم ہے اس طرح قرآن کو صاف صاف نہیں پڑھتا بلکہ نہایت جلدی کے سبب بعضے حروف یا حرکات کے رہ جانے سے کھلی ہوئی غلطی واقع ہوتی ہے۔

اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ غلط پڑھنا بالاتفاق حرام ہے اور دوسرے فتاویٰ میں ہے کہ اگر امام غلط پڑھتا ہو تو اس میں کچھ مضائقہ اور حرج نہیں کہ انسان اپنی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں چلا جائے اور چلے جانے سے وہ گنہ گار نہ ہوگا اس لئے کہ اس کا مقصد پرہیزگار کے پیچھے نماز پڑھنا ہے، اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جس نے پرہیزگار عالم کے پیچھے نماز پڑھی اس نے گویا کسی پیغمبر کے پیچھے نماز پڑھی اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کسی (شرعی) عذر سے محلہ کی مسجد چھوڑ دے تو گنہگار نہ ہوگا، اب ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو بلا عذر مسجد جانا چھوڑ دیتے ہیں اور ایسی مسجدوں میں جاتے ہیں جہاں طرح طرح کے راگ اور غلطیاں ہوتی ہیں اور ایسا امام تلاش کرتے ہیں جو نہ ٹھیک سے سجدہ کرتا ہے اور نہ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر صحیح طور سے پڑھتا ہے بلکہ بعض اوقات ایسے امام پر اعتراض کرتے ہیں جو پورے طور سے رکوع اور سجدے کرتا ہے اور قرآن شریف ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا ہے اور اس سے بھاگتے ہیں اور ان لوگوں میں شامل ہو جاتے ہیں جنہوں نے اپنے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے، اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکا دے رکھا ہے اور وہ آخرت سے غافل ہیں۔

سو بے شک جس نے تراویح اس طور سے پڑھی کہ قومہ جلسہ اور طمانیت کو جس کی ادنیٰ مقدار رکوع اور سجدے میں ایک تسبیح کے برابر ہے چھوڑ دیا تو وہ گنہگار اور دوزخ کے عذاب کا مستحق ہوگا، اس لئے کہ یہ سب چیزیں امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہیں، ان چیزوں کے چھوڑنے سے ان حضرات کے نزدیک نماز باطل ہو جاتی ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک (مذکورہ چیزیں) ایک روایت میں واجب ہیں ان کے چھوڑنے سے نماز کا دہرانا

واجب ہوتا ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ یہ چیزیں سنت ہیں اور اس روایت کے بموجب ان چیزوں کا چھوڑنے والا عتاب اور شفاعت سے محرومی کا مستحق ہے اور ان لوگوں میں سے ہوگا جن کی کوشش دنیا میں اکارت ہوئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں اور وہ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کو خدا کی طرف سے وہ بات پیش آئی جس کا ان کو گمان نہ ہوتا تھا اور یہ کھلا خسارہ اور بڑا نقصان ہے۔

پھر یہاں ایک نکتہ ہے جس سے آگاہ کرنا ضروری ہے تا کہ جس شخص میں انصاف اور حق کی جانب میلان ہو وہ اس سے نصیحت حاصل کرے اور وہ یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں اور ہر رکعت میں ایک قومہ اور ایک جلسہ ہے اور پھر ان دونوں میں طمانینۃ (یعنی ان کو اطمینان سے ادا کرنا) ضروری ہے اور قومہ اور جلسہ میں سے کسی ایک میں بھی طمانینۃ کا چھوڑنا گناہ ہے اور اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کی طمانینۃ جاتی رہی تو بیس گناہ ہوئے اور اگر قومہ اور جلسہ دونوں میں طمانینۃ چھوڑ دی تو چالیس گناہ ہوئے اور اگر وہ دونوں (یعنی قومہ اور جلسہ) چھوٹ گئے تو سب مل کر اسی ۸۰ گناہ ہوئے اور اگر اس کے ساتھ اظہار کا گناہ بھی ملالیں تو سب مل کر ایک سو ساٹھ گناہ ہو جائیں گے اور اگر اس کے ساتھ اس نماز کے نہ لوٹانے کا گناہ بھی ملائیں تو اب مجموعہ ایک سو اسی ۱۸۰ گناہ ہو جائیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ ان مذکورہ چیزوں کا ترک کرنا اس کا سبب ہو جاتا ہے کہ انتقالات کے اندر جو ذکر ہیں وہ تمام انتقالات کے بعد ادا کئے جائیں اور انتقالات کے اندر متغیر کئے ہوئے اذکار کو بعد میں ادا کرنے میں دو قباحتیں ہیں ایک تو اس کے موقعہ پر ادا نہ کرنا اور دوسرے اس کو بے موقع ادا کرنا تو اب ہر رکعت میں چار مکروہ ہوئے اور اس کی وجہ سے چار سنتوں کا ترک لازم آتا ہے یونکہ جس نے قومہ یا اس کے اطمینان کو چھوڑ دیا تو سمع اللہ لمن حمدہ اور اللہ اکبر جھکتے وقت ادا ہوگا بلکہ اللہ اکبر سجدہ میں واقع ہوگا اور سنت یہ ہے کہ سمع اللہ لمن حمدہ رکوع سے سر اٹھاتے وقت کہے اور اللہ اکبر سجدہ کے لئے جھکتے وقت کہے اسی طرح اگر جلسہ یا اس کا اطمینان چھوڑ دیا جائے تو پہلی تکبیر کا کچھ حصہ جھکتے وقت ادا ہوگا بلکہ دوسری تکبیر کا کچھ حصہ سجدے میں جانے کے بعد پڑے گا حالانکہ سنت پہلی تکبیر کا سر اٹھاتے وقت کہنا ہے اور دوسری تکبیر کا جھکتے وقت تو اب مکروہات کا شمار تمام رکعتوں میں اسی ۸۰ ہو جائے گا، جس کی وجہ سے اسی سنتوں کا چھوڑنا لازم آئے گا اور جب ان مکروہات کے اظہار کا گناہ بھی اس میں شامل کر لیں تو اب مجموعہ ایک سو ساٹھ مکروہات کا ارتکاب اور ایک سو ساٹھ سنتوں کا ترک ہوا، اب جو شخص رمضان کی مبارک راتوں میں سے ہر رات فقط تراویح میں اسی گناہ اور ایک سو ساٹھ مکروہات کا ارتکاب کرتا ہے اور ایک سو ساٹھ سنتوں کو چھوڑتا ہو تو کیا ایسے شخص کا شمار عقلاء میں ہو سکتا ہے؟ حالانکہ ہر سنت کے چھوڑنے میں ایک خاص عتاب اور شفاعت سے محرومی ہے پس کیا کوئی عاقل اس بات کو پسند کر سکتا ہے کہ اپنے کو رسول خدا ﷺ کی شفاعت سے محروم کر دے جن کی شفاعت کے اللہ کی تمام مخلوق حتیٰ کہ انبیاء اور اولیاء اور صلحاء خواستگار ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ خدا ہم کو محروم لوگوں میں سے نہ کرے۔ آمین ثم آمین۔ (مجالس الابرار ص ۱۹۱۰ مجلس نمبر ۲۹ فی بیان کیفیۃ التراویح وتفصیلہا)

صاحب مجالس الابرار کے اس تفصیلی بیان کو بار بار پڑھئے اور پھر اپنی تراویح پر نظر ڈالئے کہ ہماری تراویح میں یہ تمام خرابیاں ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں ہیں تو خدا کا شکر ادا کیجئے اور اگر ہیں تو ان خرابیوں کی اصلاح کی کوشش کیجئے اور یہ اسی وقت ہو سکے گا جبکہ حافظ صحیح خواں اور سنت کے مطابق نماز ادا کرنے والا ہو اور مقتدی بھی ذوق وشوق سے اس عظیم

عبادت کو عبادت اور تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھ کر ادا کرنے کی فکر کریں، کچھ وقت زیادہ صرف ہو تو اس کا خیال نہ کیا جائے کہ وقت عبادت ہی میں صرف ہو رہا ہے۔

تیز پڑھنا مطلقاً قابل مذمت نہیں ہے، اسی لئے قراء نے قراءت کے تین درجے مقرر کئے ہیں، ترتیل، تدویر، حدر، ترتیل میں آہستہ پڑھا جاتا ہے، تدویر میں اس سے تیز اور حدر میں اس سے تیز مگر شرط یہ ہے کہ صحت اور صفائی میں کوئی خرابی نہ آنے پائے۔

خدارا تراویح کی عظمت کو سمجھئے اور اس میں ہونے والی اغلاط کی اصلاح کیجئے۔ اللہ تعالیٰ تمام مومنین کو توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گھر میں عورتوں کو تراویح پڑھانا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۵۸) حافظ قرآن اپنے گھر کی مستورات کو (جن میں محرم اور غیر محرم عورتیں ہوں) قرآن کی تراویح پڑھائے تو یہ کیسا ہے؟ اور اگر محلہ کی دس بیس عورتیں بھی اس جماعت میں شریک ہو کر حافظ قرآن سے نماز تراویح میں پورا قرآن سننا چاہیں تو اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱۔۲) گھر کا آدمی حافظ قرآن ہو اور وہ گھر میں تراویح پڑھائے اور اس کے پیچھے گھر کی محرم و غیر محرم عورتیں تراویح پڑھیں تو جائز ہے، محلہ یا بستی میں سے عورتوں کو جمع کرنے کی اجازت نہیں کہ فتنہ و فساد کا زمانہ ہے، اگر اجازت ہوتی تو مسجد سے کیوں روکا جاتا۔

درمختار میں ہے:۔

کماتکره امامة الرجل لهن فی بیت لیس معهن رجل غیره ولا محرم منه کاخته او زوجته اوامته اما اذا کان معهن او امهن فی المسجد لا درمختار مع الشامی باب الامامة ج ۱ ص ۵۲۹.

یعنی:۔ یہ مکروہ ہے کہ مرد گھر میں عورتوں کی امامت کرائے اور ان عورتوں کے ساتھ نہ کوئی مرد ہو اور نہ امام کی محرم عورتوں میں سے کوئی عورت ہو جیسے امام کی بہن یا اس کی بیوی، مگر جب کوئی مرد ہو یا کوئی محرم عورت ہو تو مکروہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

نماز عشاء کی چار رکعت تنہا پڑھ لینے کے بعد جماعت میں شامل ہوا تو کیا جماعت والی چار رکعت تراویح میں شمار کی جاسکیں گی؟:

(سوال ۲۵۹) رمضان شریف ایک بیمار آدمی نے گھر میں نماز عشاء پڑھی۔ پھر کچھ ہمت ہوئی تو مسجد میں گیا جماعت ہو رہی تھی۔ وہ آدمی تراویح کی نیت سے اس میں شامل ہوا تو یہ چار رکعت تراویح میں شمار ہوں گی یا نہیں؟

(الجواب) صحیح یہ ہے کہ تراویح میں شمار نہ ہوں گی۔ کیونکہ تراویح کا درجہ اگرچہ فرضوں سے کم ہے مگر وہ ایک مخصوص اور مستقل سنت مؤکدہ ہے اس کی خصوصیت کا لحاظ ضروری ہے۔ ''فتاویٰ قاضی خاں'' میں ہے۔ **اذا صلی التراویح مقتدیاً بمن یصلی المکتوب اختلفوا فیه والصحیح انه لا یجوز (فصل فی نیة التراویح ص ۱۱۱ ج ۱) (ومتنفل بمفترض فی غیر التراویح) (تنویر الابصار) اما فیها فلا یصح الاقتداء بالمفترض**

علی انها تراویح بل یصلی علیٰ انها نفل مطلق .(شامی ص ۵۵۴ ج ۱ باب الا مامة)فقط و الله اعلم بالصواب .

کیا جماعت والی نماز قضاء میں شمار کی جا سکے گی؟:

(سوال ۲۶۰) مذکورہ بالا صورت میں بہ نیت قضاء شامل ہو تو قضاء صحیح ہو گی یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں قضاء صحیح نہیں کہ امام کی نماز وقتی ادا ہے اور مقتدی کی قضاء ہے۔ یہ دونوں نمازیں صفت میں متحد نہیں ''نور الایضاح'' میں ہے۔ وان لایکون الا مام مصلیاً فرضاً غیر فرضه (۸۱ باب الامامۃ) (و) لا (مفترض بمتنفل وبمفترض فرضا آخر) (درمختار) قوله وبمفترض فرضاً آخر سواء تغایر الفرضان اسما او صفة کمصلی ظهر الا مس بمصلی ظهر الیوم (درمختار مع الشامی ص ۵۴۲ ج ۱ باب الا مامة) فقط و الله اعلم بالصواب .

مسجد کے اوپر نیچے تراویح کی دو جماعت:

(سوال ۲۶۱) ہمارے یہاں رمضان المبارک میں عشاء کے بعد جماعت خانہ میں ایک یا سوا پارے کی تراویح ہوتی ہے اور مسجد کی چھت پر تین سپارے کی تراویح ہوتی ہے، ایک ہی مسجد میں اس طرح کی دو جماعتیں ہو سکتی ہیں؟ وضاحت اور رہبری فرمائیں بینوا توجروا۔ (سورت) جانب ابراہیم دادا۔

(الجواب) بہتر اور اعلیٰ صورت یہ ہے کہ تمام لوگ عشاء کی نماز ایک جماعت کے ساتھ ادا کریں اور اس کے بعد جو حضرات تین سپارے کی تراویح پڑھنا چاہتے ہیں وہ کسی گھر میں پڑھیں، مسجد کی چھت یا مسجد کی دوسری منزل پر نہ پڑھیں، دوسرے منزلہ پر چڑھنا بھی مسجد کی چھت پر چڑھنے کے حکم میں ہے شرعی ضرورت کے وقت ہی اوپر جانا چاہئے مزید تفصیل اور دلائل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم ص ۳۰، ۳۱ (جدید ترتیب کے مطابق مکروھات صلوٰۃ میں، بعنوان نماز عشاء اور تراویح مسجد کی چھت پر ادا کی جائے الخ کے تحت دیکھ لیا جائے ص۱۳۷ مرتب) نیز جلد ششم ص ۴۴۸، ص ۴۴۹ (جدید ترتیب کے مطابق باب الامامۃ والجماعت کے باب میں بعنوان مسجد کی چھت پر جماعت کرنا، کے تحت دیکھ لیا جائے ص۱۴۱ مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب ۷ اشعبان المعظم ۱۴۱۰ھ۔

مسجد کا مستقل امام تراویح پڑھانے کی اجرت لے سکتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۶۲) تراویح کا پیسہ (اجرت) لینا جائز ہے یا نہیں؟ زید جو ایک مسجد کا امام ہے اور اسی مسجد میں تراویح پڑھاتا ہے وہ کہتا ہے کہ ماہ رمضان المبارک میں مسجد کی طرف سے جو کچھ ملتا ہے وہ امامت کا پیسہ لیتا ہوں، تراویح کا نہیں، کیا زید کی یہ بات درست ہے؟ اور یہ حیلہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں اس حیلہ سے زید کے لئے اجرت کے طور پر مسجد کے پیسے لینا جائز نہ ہو گا اس لئے کہ جو شخص کسی مسجد میں پہلے سے امام مقرر ہو تو اس کی ذمہ داریوں میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ رمضان المبارک میں تراویح بھی پڑھائے جس طرح اس کی ذمہ داری میں یہ بھی ہے کہ جمعہ کی نماز پڑھائے موقع آجائے تو عید کی نماز بھی

پڑھانے جنازے کی نماز پڑھائے اور اگر مقرر امام کسی وجہ سے (مثلاً حافظ نہ ہو یا اور کوئی عذر ہو) تراویح میں قرآن ختم کرنے سے عاجز ہو تو وہ الم ترکیف سے پڑھانے کا ذمہ دار ہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ج ۴ ص ۳۸۴ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، کیا قرآن کی تراویح پڑھانا امام کی ذمہ داریوں میں سے ہے کے عنوان کے تحت دیکھ لیا جائے ۔ مرتب) اس لئے اس صورت میں مقرر تنخواہ کے علاوہ جو کچھ مسجد کی طرف سے دیا جائے گا وہ تراویح ہی کی اجرت ہوگی جس کا ناجائز ہونا بالکل ظاہر ہے، یہ حیلہ کہ میں مسجد کا امام ہوں اور امامت کی تنخواہ لیتا ہوں اس کے حق میں مفید نہ ہوگا بلکہ حق یہ ہے کہ مقرر امام کے بارے میں اس کو حیلہ کہنا بھی درست نہیں اس کی تنخواہ تو پہلے سے متعین اور مقرر ہے پھر مستقل اجرت یا خاص رمضان المبارک میں تنخواہ میں اضافہ کس بنیاد پر؟؟؟ ہاں البتہ کوئی حافظ رمضان المبارک میں امام کے علاوہ تراویح کے لئے مقرر کیا گیا تو اس کے لئے بھی تو اعلیٰ اور بہتر صورت یہی ہے کہ وہ لوجہ اللہ تراویح پڑھائے لیکن اگر کسی جگہ لوجہ اللہ تراویح پڑھانے والا نہ ملتا ہو اور مقتدی قرآن پاک سننے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہوں تو مجبوراً یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے کہ حافظ صاحب کو رمضان المبارک کے لئے نائب امام مقرر کر دیں عشاء وغیرہ ایک دو نمازیں ان کے ذمہ لازم کر دیں اور ساتھ ساتھ تراویح بھی پڑھائے تو اس حیلہ سے مسجد کے پیسوں سے نائب امام کی تنخواہ کے طور پر لینا دینا جائز ہوگا جس کی تفصیل فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد اول ص ۳۴۹ ص ۳۵۰ پر درج ہے، نیز فتاویٰ رحیمیہ جلد نمبر ۴ اور پہلے حوالہ ص ۳۸۴ بھی ملاحظہ فرمائیں ۔ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں تراویح پڑھانے پر معاوضہ کے عنوان کے تحت دیکھ لیا جائے ۔ مرتب)

امام صاحب لوجہ اللہ تراویح پڑھائیں اور مقتدی اپنی خوشی سے ہدایا پیش کر کے امام صاحب کی خدمت کرنا چاہیں تو اس کی گنجائش ہے، امام صاحب کا معین رقم کا مطالبہ کرنا اور نہ ملنے پر شکایت کرنا درست نہ ہوگا دل میں لالچ اور حرص نہ ہونی چاہئے، قرآن مجید بہت عظیم نعمت ہے، حفاظ کرام کو اس نعمت کی قدر اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اجرت کی لالچ رکھ کر اپنے کو کیوں اجر عظیم سے محروم کرتے ہیں وہ **ان القرأة لشئی من الدنیا لا تجوز وان الاخذ و المعطی آثمان** یعنی دنیا کی کسی حقیر چیز کے لئے قرأت ناجائز ہے لینے اور دینے والے دونوں گنہگار رہتے ہیں (شامی ج ۱ ص ۶۸۷ (حوالہ آگے آرہا ہے ۔ مرتب) نیز ج ۵ ص ۴۷)

یہ اشکال نہ ہونا چاہئے کہ مسجد کا مقرر امام بھی امام ہے اور تراویح کے لئے جو حافظ مقرر کیا گیا وہ بھی امام تراویح ہے تو مقرر امام کی تنخواہ کیوں جائز اور امام تراویح کی اجرت کس بنا پر ناجائز؟ اصل مذہب یہ ہے کہ طاعات پر اجرت لینا دینا جائز نہیں مگر فقہاء نے بقاء دین کی ضرورت ملحوظ رکھ کر تعلیم قرآن، امامت، اذان وغیرہ چند چیزوں کو مستثنیٰ کیا ہے اور ان پر اجرت لینے دینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، تراویح مستثنیٰ چیزوں میں شامل نہیں اس لئے اصل مذہب کی بنیاد پر تراویح پر اجرت لینا دینا ناجائز ہی رہے گا، نیز تراویح کی ادائیگی ختم قرآن پر موقوف نہیں الم ترکیف سے بھی پڑھی جاسکتی ہے اس لئے اس میں ضیاع دین بھی نہیں، لہذا تراویح کی قرأت مثل تلاوت مجردہ ہے جس پر اجرت لینا ناجائز ہے، شامی میں ہے **وان القراءة لشئی من الدنیا لا تجوز وان الآخذ و المعطی آثمان لان ذلک یشبه الا ستیجار علی القرأة ونفس الا ستیجار علیها لا یجوز فکذا ما اشبهه کما صرح ذلک فی عدة کتب من مشاهیر کتب المذهب وانما افتی المتاخرون بجواز الا ستیجار علی تعلیم القرآن لا** [illegible]

التلاوة وعللوه بالضرورة وهي خوف ضياع القرآن ولا ضرورة في جواز الا ستيجار على التلاوة كما اوضحت ذلک في شفاء العليل وسيأتي بعض ذلک في باب الا جارة الفاسدة ان شاء الله تعالىٰ(شامی ج ۱ ص ۶۸۷ باب قضاء الفوائت قبيل باب سجود السهو)

نیز درمختار میں ہے (ولا) لا جل الطاعات مثل (الا ذان والحج والا مامة وتعليم القرآن والفقه ويفتي اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والا مامة والا ذان ويجبر المستا جر على دفع ما قبل ......الخ (درمختار) شامی میں ہے(قوله ويفتي اليوم بصحتها لتعليم القرآن الخ) قال في الهداية وبعض مشائخنا رحمهم الله تعالىٰ استحسنوا الا ستيجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التواني في الا مور الدينية ففي الا متناع تضييع حفظ القرآن عليه الفتوىٰ اه ...... وزاد في مختصر الوقاية ومتن الا صلاح تعليم الفقه زاد في متن المجمع الا مامة ومثله في متن الملتقى ود ر البحار وزاد بعضهم الا ذان والاقامة والوعظ وذكر المصنف معظمها ولكن الذى في اكثر الكتب الاقتصار على ما في الهداية فهذا مجمع ما افتى به المتاخرون من مشائخنا . الى قوله . والصواب اى يقال على تعليم القرآن فان الخلاف فيه كما علمت لا في القراءة المجردة فانه لا ضرورة فيها . الى قوله . والا ستيجار على مجرد التلاوة لم يقل به احد من الائمة وانما تنازعوا في الاستئجار على التعليم (درمختار وشامی ص ۴۶، ۴۷ ج ۵ باب الا جارةالفاسدة)فقط والله تعالىٰ اعلم بالصواب.

تراویح میں کس تاریخ کو قرآن شریف ختم کیا جائے:

(سوال ۲۶۳) رمضان المبارک میں ۲۷ویں کو ختم کرنا صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے عمل سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور اس کو ضروری قرار دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) تراویح میں ایک ختم کرنا سنت مؤکدہ ہے اس کی پوری مفصل بحث فتاویٰ رحیمیہ جلد چہارم اسی باب میں، تراویح میں ایک مرتبہ ختم قرآن مجید سنت مؤکدہ ہے، کے عنوان کے تحت دیکھ لیا جائے از ص ۴۰۵ تا ۴۱۲ میں ہے، ۲۷ویں شب کو ختم کرنے کا دستور ہو گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ۲۷ویں شب مبارک اور بڑی رات ہے اس کی برکتیں حاصل ہو جائیں اس غرض سے قرآن پاک ختم کیا جاتا ہے، جس طرح رمضان المبارک میں بغرض حصول زیادتی ثواب زکوٰۃ ادا کرنے کا دستور ہو گیا ہے (لہذا اس کو سنت سمجھے بغیر اس پر عمل کرے) تو قابل اعتراض نہیں ہے، اسی طرح ۲۹ویں رمضان المبارک کی شب میں قرآن ختم کرنے کی بھی فضیلت آئی ہے حرمین شریفین میں اسی پر عمل ہے، خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے قال الصدر الشهيد الختم في التراويح سنة والختمان فضيلة فيقرأ في كل ركعة عشر آيات حتى يحصل الختم في الليلة السابعة والعشرين ......(خلاصة الفتاوىٰ ص ۶۴ ج ۱ كتاب الصلوٰة الفصل الثالث في التراويح)

الفقہ علی مذاهب الاربعہ میں ہے : سن قرأة القرآن بتما مه فيها يختمه اخر ليلة من الشهر الا اذا تضرر المقتدون به فالا فضل ان يراعي حالهم (ص ۳۴۳ تراويح) الجزء الثاني مطبوعه اليشق

کتب خانہ استنبول)فقط و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

تراویح میں ہونے والی کوتاہیوں سے بچنا ضروری ہے:

(سوال ۲۶۴) تراویح میں بعض حفاظ اتنا تیز پڑھتے ہیں کہ حروف اچھی طرح ادا نہیں ہوتے ،قریب ہونے کے باوجود سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے کیا پڑھا تو اس طرح جلدی جلدی پڑھنا کیسا ہے؟ اور اس طرح پڑھنے سے ختم قرآن کی سنت ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔(حافظ عبدالحمید خاں)

(الجواب) تراویح سنت مؤکدہ ہے اور اس میں ایک مرتبہ قرآن مجید ختم کرنا بھی سنت ہے (دلائل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ص ۴۰۵ تا ص ۴۱۲ ج ۴ فتاویٰ رحیمیہ کا حوالہ بالا) قرآن مجید پڑھنے میں صحت کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے حروف بدل جانے سے یعنی س کی جگہ ص یا ث ،یا ص کی جگہ س یا ث ،یا ض کی جگہ ز یا ذ ،یا ذ کی جگہ ض یا ز ،یا ت کی ط ،یا ط کی جگہ ت وغیرہ پڑھنے سے لحن جلی لازم آتا ہے اور کبھی اس قسم کی غلطی سے معنی بدل کر نماز فاسد ہوجاتی ہے ،مد ،غنہ، اخفاء اور اظہار کی غلطی لحن خفی ہے اس سے نماز تو فاسد نہ ہوگی مگر بڑی فضیلتوں سے محرومی ہوجائے گی .رمضان المبارک جیسے مقدس اور مبارک مہینے میں اگر تراویح میں باقاعدہ اور پوری صحت ،دلچسپی اور ذوق وشوق سے قرآن مجید ختم نہ کیا جائے تو اس سے زیادہ محرومی اور کیا ہوسکتی ہے؟

تیز پڑھنا مطلقاً قابل مذمت نہیں ہے اسی لئے قراء نے قرائت کے تین درجے مقرر کئے ہیں ترتیل ،تدویر اور حدر ،ترتیل میں آہستہ پڑھا جاتا ہے تدویر میں اس سے تیز اور حدر میں اس سے تیز مگر شرط یہ ہے کہ صحت اور صفائی میں کوئی خامی نہ آنے پائے ،جو امام تراویح ایسا جلدی اور تیز پڑھتا ہے کہ پاس والے مقتدیوں کو بھی سمجھ میں نہیں آتا تو ایسی قراءت نہ ہونے کے برابر ہے ،اور اگر ایسی غلطی ہوجائے کہ جس سے لحن جلی لازم آئے اور معنی بدل جائے تو ایسی صورت میں کسی کی بھی تراویح صحیح نہ ہوگی اور رمضان المبارک میں تراویح کے اندر ایک مرتبہ قرآن ختم کرنے کی جو سنت ہے وہ سنت بھی کسی کی ادا نہ ہوگی۔

امام پر لازم ہے کہ صحیح صحیح پڑھے تمام حروف مخارج سے ادا کرنے کا اہتمام کرے اور مقتدیوں پر بھی لازم ہے کہ ایسے شخص کو امام بنائیں (فرض نماز ہو یا تراویح) جو قرآن مجید صحیح صحیح پڑھتا ہو ،آج کل حفاظ اور لوگوں نے تراویح میں بہت ہی لاپرواہی اختیار کر رکھی ہے جس مسجد میں جلد تراویح پوری ہوتی ہو اور جو حافظ غلط سلط پڑھ کر جلد ختم کردیتا ہو نہ سنت کے مطابق رکوع سجدہ کرتا ہو نہ قومہ جلسہ میں تعدیل ارکان کی رعایت کرتا ہو اس کی تعریف کی جاتی ہے کس قدر افسوس کی بات ہے یہ صورت بھی ہجران قرآن (قرآن چھوڑنے) میں داخل ہے۔

مفسر قرآن حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ آیت قرآنی **وقال الرسول یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجوراً** (ترجمہ:۔اور (اس دن) رسول (ﷺ) حق تعالیٰ سے کافروں کی شکایت کے طور) کہیں گے کہ اے میرے پروردگار میری (اس قوم نے) اس قرآن کو (جو کہ واجب العمل تھا) بالکل نظر انداز کر رکھا تھا) کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں ،قرآن کی تصدیق نہ کرنا اس میں تدبر نہ کرنا اس پر عمل نہ کرنا ،اس کی تلاوت نہ کرنا ،اس کی تصحیح قرائت کی طرف توجہ نہ کرنا اس سے اعراض کرکے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا یہ

سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجران قرآن کے تحت میں داخل ہو سکتی ہیں'' (فوائد عثمانی پارہ نمبر ۱۹ سورہ الفرقان آیت نمبر ۳۰)

علم الفقہ میں ہے: قواعد کی پابندی سے قرآن پڑھنا چاہئے، راگ سے پڑھنا اور گانا قرآن مجید کا بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے۔ قرآن مجید ٹھہر ٹھہر کر پڑھے عجلت سے پڑھنا بالاتفاق مکروہ ہے۔ مزید تحریر فرماتے ہیں، ایسی عجلت کہ جس سے الفاظ کے سمجھنے میں دقت ہو بالاتفاق مکروہ ہے، ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے میں اثر بھی زیادہ ہوتا ہے اسی لئے عجمی لوگ جو قرآن مجید کے معانی نہیں سمجھتے ان کو بھی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا مفید ہے (اتقان) افسوس ہمارے زمانہ میں قرآن مجید کی سخت بے تعظیمی ہوتی ہے، پڑھنے میں ایسی جلدی کی جاتی ہے کہ سوا بعض بعض الفاظ کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ تراویح میں اکثر حافظوں کو ایسا ہی دیکھا گیا خدا جانے ان پر کس نے جبر کیا جو یہ تراویح پڑھتے آئے اس سے بہتر ہوتا ہے کہ ایسے حضرات نہ پڑھتے قرآن مجید کی بے ادبی تو نہ ہوتی (علم الفقہ مع حاشیہ ص ۱۹۰ ص ۱۹۱ جلد دوم)

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے:۔

(سوال ۱۷۸۴) بعض حافظ تراویح میں ایسا جلدی قرآن شریف پڑھتے ہیں کہ سوائے یعلمون اور تعلمون کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور بعض مقتدی بھی ایسا تیز پڑھنے کو تراویح کے جلدی ختم ہو جانے کی وجہ سے پسند کرتے ہیں ان دونوں کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) درمختار میں ہے ویجتنب المنکرات هذرمة القرأة وترک تعوذ وتسمية وطما نينة الخ یعنی ختم قرآن میں منکرات سے بچے یعنی جلدی پڑھنے سے اور اعوذ باللہ وبسم اللہ اور اطمینان کے چھوڑنے سے (درمختار علی ہامش ردالمحتار ص ۶۶۳ مبحث التراویح) اس سے معلوم ہوا کہ ایسا پڑھنا امر منکر ہے جو بجائے ثواب کے سبب معصیت بن جاتا ہے (فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل ص ۲۵۷ ج ۴، مسائل تراویح)

مجالس الابرار میں ہے۔

وقد ذكر في البزازية ان اللحن حرام بلا خلاف وذكر في الفتاوى ان الامام اذا كان لحانا لا بأس للرجل ان يترك مسجده ويحول الى مسجد آخر فانه لا يأثم بذلك، لانه قصد الصلوة خلف تقى وقد قال النبى صلى الله عليه وسلم من صلى خلف عالم تقى فكانما صلى خلف نبى من الانبياء وفيه اشارة الى انه لو ترك مسجده بعذر لا يكون آثماً فكيف يكون حال الذى يتركون مسجدهم بلا عذر ويسرعون الى مسجد يكون فيه انواع من الآثام والالحان ويطلبون اماماً لا يتم الركوع والسجود ولا يرتل القرآن بل ربما ينكرون على من يتم الركوع والسجود ويرتل القرآن وينفرون ويكونون من الذين اتخذوا دينهم لعباً ولهوا وغرتهم الحيوة الدنيا وهم عن الأخرة غفلون (مجالس الابرار ص ۱۹۰ مجلس نمبر ۲۸ فى بيان كيفية التراويح وفضيلتها)

ترجمہ:۔ فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ غلط پڑھنا بالاتفاق حرام ہے، اور دیگر فتاویٰ میں ہے کہ اگر امام غلط پڑھتا ہو تو اس میں کچھ مضائقہ اور حرج نہیں کہ انسان اپنی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں چلا جائے، اور چلے جانے سے وہ

گنہگار نہ ہوگا اس لئے کہ اس کا مقصد پرہیزگار کے پیچھے نماز پڑھنا ہے اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جس نے پرہیزگار عالم کے پیچھے نماز پڑھی اس نے گویا کسی پیغمبر کے پیچھے نماز پڑھی اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کسی (شرعی) عذر سے محلّہ کی مسجد چھوڑ دے تو گنہگار نہ ہوگا اب ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو بلا عذر (محلّہ کی) مسجد چھوڑ دیتے ہیں اور ایسی مسجدوں میں جاتے ہیں جہاں طرح طرح کے راگ اور غلطیاں ہوتی ہیں اور ایسا امام تلاش کرتے ہیں جو نہ ٹھیک سے رکوع کرتا ہے نہ سجدہ (اور نہ قومہ وجلسہ میں تعدیل ارکان کی رعایت) کرتا ہے اور نہ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر صحیح طور پر پڑھتا ہے بلکہ بعض اوقات ایسے امام پر اعتراض کرتے ہیں جو پورے طور سے رکوع اور سجدے کرتا ہے (اور تعدیل ارکان کی رعایت کرتے ہوئے قومہ اور جلسہ کرتا ہے) اور قرآن شریف ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا ہے اور اس سے بھاگتے ہیں اور ان لوگوں میں شامل ہو جاتے ہیں جنہوں نے اپنے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکا دے رکھا ہے اور وہ آخرت سے غافل ہیں۔

رکوع، قومہ، سجدہ، اور جلسہ میں بھی اطمینان اور تعدیل ارکان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اس میں بھی بڑی کوتاہی ہوتی ہے صاحب مجالس الابرار نے تفصیل سے ان کوتاہیوں کو بیان فرمایا ہے، ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۴۰، ۱۴۱، ۴۲۔ جلد پنجم اردو۔ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، تراویح سے متعلق ایک اہم سوال کے عنوان کے تحت دیکھ لیا جائے ۳۶ صفحہ مرتب) تعدیل ارکان کا مطلب یہ ہے کہ رکوع سجدہ سنت طریقہ کے مطابق اطمینان سے ادا کرے اور قومہ اس طرح ادا کرے کہ رکوع کے بعد بالکل سیدھا کھڑا ہو جائے اور کمر کا ہر ایک جوڑ اپنی جگہ پر ٹھہر جائے اور دو سجدوں کے درمیان اطمینان کے ساتھ اس طرح بیٹھے کہ ہر عضو اپنی جگہ ٹھہر جائے اور کم از کم اتنی دیر بیٹھے کہ سبحان اللہ کہہ سکے احادیث میں تعدیل ارکان کی بہت تاکید آئی ہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۳۹ تا ص ۱۴۱ جلد پنجم)

خدارا تراویح کی عظمت کو سمجھئے اور اس میں ہونے والی اغلاط اور کوتاہیوں کی اصلاح کیجئے اللہ تعالیٰ تمام مؤمنین کو توفیق عطا فرمائے آمین بحرمة النبی الامی صلی الله علیه وسلم فقط والله اعلم بالصواب.

جس لڑکے کی عمر اسلامی حساب سے پندرہ سال ہو چکی ہو وہ تراویح پڑھا سکتا ہے:

(سوال ۲۶۵) کتنے سال کا بچہ تراویح پڑھا سکتا ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) بچہ بالغ ہو جائے تو وہ تراویح پڑھا سکتا ہے، اگر بلوغت کی علامت (احتلام، انزال، احبال) ظاہر نہیں ہوئی مگر اس کی عمر اسلامی حساب سے پورے پندرہ سال کی ہوگئی ہو تو شرعاً وہ بالغ سمجھا جاتا ہے اور اس صورت میں وہ تراویح پڑھا سکتا ہے اگر بلوغت کی علامت ظاہر نہیں ہوئی اور بچہ کی عمر اسلامی اعتبار سے پورے پندرہ سال کی بھی نہیں ہوئی تو مختار قول کے مطابق ایسا بچہ تراویح نہیں پڑھا سکتا، ہدایہ اولین میں ہے ولا یجوز للرجل ان یقتدوا بامرأة او صبی ..... واما الصبی فلانه متنفل فلا یجوز اقتداء المفترض به وفی التراویح والسنن المطلقة جوزہ مشائخ بلخ ولم یجوزہ مشائخنا ..... والمختار انه لا یجوز فی الصلوات کلها لان نفل الصبی دون نفل البالغ حیث لا یلزمه القضاء بالا فساد بالا جماع ولا یبنی القوی علی الضعیف الخ. (هدایه اولین ص ۱۰۳ باب الامامة (عالمگیری ج ۱ ص ۸۵ الفصل الثالث فیمن یصلح اماما لغیره)

درمختار میں ہے (فان لم یوجد فیهما) شیئ (فحتی یتم لکل منهما خمس عشر سنة به یفتی لقصر اعمار اهل زماننا(درمختار مع رد المحتار ج۵ ص ۱۳۲ کتاب الحجر)فقط واللہ اعلم بالصواب.

جس کا پیشہ داڑھی مونڈنے کا ہو وہ امام تراویح بن سکتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۶۶)الحمد للہ میں حافظ قرآن ہوں تراویح پڑھانا چاہتا ہوں مگر میرا پیشہ نائی (حجامت بنانے) کا ہے۔مجبوراً داڑھی مونڈنا پڑتی ہے،تو میں تراویح پڑھا سکتا ہوں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب)ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے،خود اپنی داڑھی مونڈنا یا دوسرے کی داڑھی مونڈنا دونوں حرام اور موجب فسق ہیں،اگر آپ سچے دل سے توبہ کرلیں اور آج ہی سے داڑھی مونڈنا چھوڑ دیں اور آئندہ کے لئے ایسا پیشہ چھوڑنے کا پختہ عزم ہو تو آپ امام تراویح بن سکتے ہیں،وفاسق من الفسق وهو الخروج عن الا ستقامة ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر والزانی وآکل الربا ونحو ذلک .شامی باب الامامة ج ۱ ص ۵۲۳) فقط واللہ اعلم بالصواب.

تراویح کے وقت بیٹھے رہنا اور باتیں کرنا:

(سوال ۲۶۷)بعض لوگ تراویح میں پیچھے بیٹھے رہتے ہیں اور بعض لوگ تو باتیں اور شور کرتے ہیں اور امام جب رکوع میں جاتا ہے تو جلدی جلدی کھڑے ہوکر رکوع میں شریک ہوجاتے ہے،ان کا یہ فعل کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب)رمضان المبارک میں اللہ اللہ کر کے تراویح میں ایک مرتبہ قرآن مجید ختم ہوتا ہے بعض لوگ اس کی بھی قدر نہیں کرتے اور تراویح میں پیچھے بیٹھے رہتے ہیں،اور جب امام رکوع کرتا ہے تو جلدی سے کھڑے ہوکر شامل ہوجاتے ہیں یہ عمل سستی اور کوتاہی پر دلالت کرتا ہے اور منافقوں کے عمل سے ملتا جلتا ہے،چنانچہ قرآن مجید میں منافقوں کے حق میں فرمایا گیا ہے واذا قاموا الی الصلوٰة قاموا کسالیٰ اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں(قرآن مجید پ۵)

اور پیچھے بیٹھ کر باتیں کرنا اور شور کرنا تو بہت ہی جہالت کی بات ہے اور افسوس ناک ہے ایسے لوگ فرشتوں کی لعنت کے حق دار بنتے ہیں۔

حدیث میں ہے۔حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے لگتا ہے تو فرشتے اس کو کہتے ہیں کہ اے اللہ کے ولی خاموش ہوجا،پھر اگر بات کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اے اللہ کے دشمن چپ ہوجا، پھر اگر بات کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں تجھ پر لعنت ہو اللہ کی،خاموش رہ۔

وروی عنه ایضاً علیه الصلوٰة والسلام انه قال اذا اتی الرجل المسجد فاکثر من الکلام تقول الملائکة اسکت یا ولی اللہ فان زاد تقول اسکت یا بغیض اللہ فان زاد تقول اسکت علیک لعنة اللہ (کتاب المدخل ص ۵۵ ج۲)

نیز حدیث میں ہے عن الحسن مرسلاً قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یأتی علی الناس زمان یکون حدیثهم فی مساجدهم فی امر دنیاهم فلا تجالسوهم فلیس للہ فیهم حاجة .

رواہ البیہقی فی شعب الایمان (مشکوۃ شریف ص ۷۱ باب المساجد و مواضع الصلوۃ)

حضرت حسن سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگوں کی دنیوی باتیں ان کی مساجد میں ہونے لگیں گی ان کے ساتھ نہ بیٹھو اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔ (مشکوۃ شریف)

غور کیجئے کتنی سخت وعید ہے، کیا اس کے بعد بھی کوئی شخص اس کی جرأت کر سکتا ہے خاص کر نماز کے وقت، اگر ہماری گفتگو اور شور وشغب سے لوگوں کی نماز میں خلل ہو تو گناہ اور زیادہ ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو نیک توفیق عطا فرمائے کہ ایسی غلط اور نازیبا حرکتوں سے باز آ جائیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح کی قضاء:

(سوال ۲۶۸) رمضان کے چاند کی خبر دیر سے آئی جس کی وجہ سے تراویح نہ پڑھ سکے، تو اب اس تراویح کی قضاء باجماعت پڑھیں یا انفراداً۔

(الجواب) تراویح اپنے مقرر وقت (یعنی صبح صادق تک) پڑھ سکتے ہیں، وقت کے نکل چکنے کے بعد اس کی قضا نہیں نہ تو باجماعت اور نہ تنہا، اس کے باوجود کوئی پڑھے گا تو تراویح نہیں بلکہ نفل شمار ہوگی اور نفل نماز باجماعت مکروہ ہے جب کہ امام کے سوا تین یا اس سے زائد مقتدی ہوں فان فاتت (التراویح) لا تقضیٰ اصلاً لا بالجماعۃ ولا بدونھا لان القضاء من خواص الفرض (مجالس الابرار، المجلس الثامن والعشرون ص ۱۹۹) یکرہ ذلک (ای التطوع بجماعۃ) علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد کما فی الدرر (قولہ اربعۃ بواحد) اما اقتداء واحد بواحد او اثنین بواحد فلا یکرہ وثلاثۃ بواحدۃ فیہ خلاف (شامی ج ۲/ص ۴۹ آخر باب الوتر والنوافل مطلب فی کراھیۃ الاقتدآء فی النفل الخ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فاسد شدہ رکعت کی قرأت کا اعادہ:

(سوال ۲۶۹) تراویح کی انیس رکعتیں ہوئیں بایں طور کہ دو رکعت کے بجائے ایک رکعت پڑھی تو اس میں پڑھی گئی قرأت کا اعادہ کرنا ہوگا؟

(الجواب) جی ہاں فاسد شدہ رکعتوں کی قرأت کا اعادہ ضروری ہے، لہذا ان رکعتوں کے اعادہ کے وقت قرأت کا اعادہ بھی کرے، اگر اسی دن اعادہ نہ ہو سکے تو دوسرے دن کی تراویح میں اعادہ کر سکتے ہیں۔

واذا فسد الشفع وقد قرأ فیہ لا یعتد بما قرأ فیہ ویعید القرائۃ لیحصل لہ الختم فی الصلاۃ الجائزۃ (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۸ فصل فی التراویح) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تراویح میں سامع نے بھول سے سجدہ کی آیت پڑھ دی:

(سوال ۲۷۰) تراویح میں سامع نے لقمہ دینے میں غلطی سے سجدہ کی آیت پڑھ دی امام اور مقتدیوں نے بھی سنی تو

اس سے سجدہ واجب ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) چونکہ مقتدی نے آیت سجدہ پڑھی ہے اس لئے اس پر اور دیگر مقتدیوں پر ایسے ہی امام پر سجدہ واجب نہ ہوگا۔

"(۱) ویلزم الماموم بسھو امامہ لا بسھوہ لانہ لو سجدہ و حدہ کان مخالفاً لامامہ و لو تابعہ الا مام ینقلب التبع اصلا فلا یسجد اصلا (مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص ۲۵۲ باب سجود السھو.

بیس رکعت تراویح سنت مؤکدہ ہے حدیث اور تعامل صحابہؓ سے ثابت ہے اس کے منکر سنت کے مخالف، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے نافرمان اور اجماع صحابہ کی خلاف ورزی کرنے والے ہیں:

(سوال ۲۷۱) بیس رکعت تراویح کا کیا ثبوت ہے؟ غیر مقلد اس پر سخت اعتراض کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ بیس رکعت کا ثبوت کسی ضعیف حدیث سے بھی پیش نہیں کیا جا سکتا اور لوگوں کو ورغلاتے ہیں کہ حدیث سے صرف آٹھ رکعتوں کا ثبوت ہے، اور اس سلسلہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جابرؓ کی حدیث پیش کرتے ہیں اس وجہ سے عوام میں غلط فہمی پیدا ہو رہی ہے، آپ مدلل جواب تحریر فرمائیں جزاکم اللہ تعالیٰ بینوا توجروا.

(الجواب) حامداً و مصلیاً و مسلما وھو الموافق. غیر مقلدوں کا مذکورہ اعتراض بالکل بے بنیاد اور گمراہ کن ہے اور احادیث مبارکہ، خلفاء راشدین اور صحابۂ کرام کے عمل سے ناواقف ہونے کی صریح دلیل ہے، حضور اقدس ﷺ نے بیس رکعت تراویح پڑھی ہے، اور اس کا ثبوت ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ حدثنا یزید بن ھارون قال اخبرنا ابراھیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس رضی اللہ عنھما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۴ ج ۲، کتاب الصلوٰۃ کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)

سنن بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی شھر رمضان فی غیر جماعۃ عشرین رکعۃ والوتر. بے شک آنحضرت ﷺ ماہ رمضان میں بلا جماعت بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے (سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ کتاب الصلوٰۃ ما روی فی عدد رکعات القیام فی شھر رمضان)

حافظ حدیث علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے امام رافعیؒ کے واسطہ سے نقل کیا ہے۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالناس عشرین رکعۃ لیلتین فلما کان فی اللیلۃ الثالثۃ

(۱) حضرت مفتی صاحب سے یہاں حوالہ دینے میں سہو ہوا ہے مفتی صاحب نے سجدہ سہو کا حوالہ دیا ہے حالانکہ سجدۂ تلاوت کا حوالہ دینا چاہئے تھا اگرچہ مسئلہ اپنی جگہ پر صحیح لکھا ہے. وان تلا الماموم لم یلزم الا مام ولا الموتم السجود لا فی الصلاۃ ولا بعد الفراغ منہا کذا فی السراج الوھاج، فتاویٰ عالمگیری الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ ج ۱ ص ۱۳۳.)

اجتمع الناس فلم یخرج الیھم ثم قال من الغد انی خشیت ان تفرض علیکم فلا تطیقونھا.
ترجمہ:۔آنحضرت ﷺ نے دورات بیس رکعت تراویح پڑھائی، جب تیسری رات ہوئی تو لوگ جمع ہوئے مگر آنحضرت ﷺ تشریف نہ لائے پھر صبح کو فرمایا مجھے خیال ہوگیا کہ تم پر فرض ہو جائے گی تو تم اس کو نبھا نہ سکو گے۔
حافظ ابن حجرؒ اس روایت کو نقل فرمانے کے بعد فرماتے ہیں متفق علی صحتہ اس کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔(تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر ص ۱۱۹ ج ۱)
علامہ طحطاوی طویل بحث کے بعد فرماتے ہیں: فعلیٰ ھذا یکون عشرون ثابتا من فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم، یعنی حدیث ابن عباسؓ کی بناپر بیس رکعت آنحضرت ﷺ کے فعل سے ثابت ہیں۔(طحطاوی علی الدر المختار ص ۲۶۸ ج ۱ باب الوتر والنوافل، صلاۃ تراویح)
شارح صحیح بخاری محدث علامہ شیخ شمس الدین کرمانی فرماتے ہیں: او ھو معارض بما روی انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالناس عشرین رکعۃ لیلتین.
یعنی:۔غیر مقلدین آٹھ رکعت کے ثبوت میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت پیش کرتے ہیں اس سے تہجد مراد ہے اگر تہجد مراد نہ ہو تو یہ روایت اس روایت کے معارض ہوگی جس میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دورات تک بیس بیس رکعت پڑھائی (الکوکب الدراری شرح صحیح بخاری ص ۱۵۶، ص ۱۵۷ ج ۹ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ)
مذکورہ حدیث پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا اس لئے کہ اس حدیث کی تقویت خلفاء راشدین اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے عمل اور مواظبت سے ہوتی ہے، خلفاء راشدین اور صحابہؓ کا عمل مستقل حجت ہے، علامہ بحر العلوم رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔" ومواظبۃ الصحابۃ علی عشرین قرینۃ صحۃ ھذہ الروایۃ یعنی بیس رکعت پر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین" کی مواظبت اس روایت کی صحت کی دلیل ہے۔(رسائل الارکان باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ) اور صحابہ کے عمل اور عادت کے متعلق غیر مقلدوں کے مسلم پیشوا مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی لکھتے ہیں۔
"صحابہؓ کی یہ عادت تھی کہ بلا حکم اور بلا اجازت رسول اللہ ﷺ کے کوئی شرعی اور دینی کام محض اپنی طرف سے قائم وجاری نہیں کرتے تھے۔"(مجموعہ فتاوی نذیریہ ص ۳۵۸ ج ۱)
اسی طرح بیس رکعت تراویح پر صحابہ کرامؓ کے مقدس دور سے لے کر آج تک تمام علماء محدثین اور ائمہ مجتہدین اور فقہاء رحمہم اللہ کا اتفاق اور جمہور امت کا تعامل ہے، یہ اتفاق، یہ عملی تواتر اور تلقی بالقبول بجائے خود سند اور نہایت قابل وثوق سند ہے۔
لہذا جب مذکورہ حدیث ابن عباسؓ کی تقویت خلفاء راشدین اور صحابہ کرامؓ کی مواظبت اور علماء محدثین، ائمہ مجتہدین، فقہاء کرام اور جمہور امت کے تعامل سے ہوتی ہے تو اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔
نیز یہ بھی ذہن میں رہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عمرؓ دونوں صحابی ہیں ان کے درمیان کوئی ضعیف راوی نہیں، اور جس راوی کی بنا پر اس حدیث کو ضعیف کہا جاتا ہے وہ تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوا تھا لہذا حضرت عمرؓ اور

صحابۂ کرامؓ کے اعتبار سے اس حدیث کو ضعیف نہیں کہا جاسکتا، اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ صحابہؓ کا عمل ضعیف حدیث کی بنیاد پر تھا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً خلفاء راشدینؓ اور صحابۂ کرامؓ کے عمل کی اہمیت بیان کردی جائے، از روئے قرآن وحدیث خلفاء راشدین کی اطاعت اور اتباع لازم اور ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یآیھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الا مرمنکم . ترجمہ:۔ اے ایمان والوں تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں جو اولوالامر ہیں ان کی بھی (اطاعت کرو) (قرآن مجید، سورۂ نساء آیت نمبر ۵۹ پارہ نمبر ۵)

اولوالامر کے مصداق میں خلفاء راشدین داخل ہیں اور اس کا اعتراض خود غیر مقلدین کے مسلم پیشوا مولانا صدیق حسن خان صاحبؒ نے بھی کیا ہے، ان کی تفسیر "فتح البیان فی مقاصد القرآن" میں ہے۔

یا یھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الا مر منکم ، لما امر اللہ سبحانہ القضاۃ والولاۃ اذا حکموا بین الناس ان یحکموا بالحق امر الناس بطاعتھم ھنا ...... واولوا الامر ھم الائمۃ والسلاطین والقضاۃ وامراء الحق وولاۃ العدل کالخلفاء الراشدین ومن یقتدی بھم من المھتدین الخ (فتح البیان فی مقاصد القرآن ص ۵۸۵ ج ۱)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: واما اتٰکم الرسول فخذوہ. ترجمہ:۔ اور رسول اللہ (ﷺ) تم کو جو کچھ دیں اس کو قبول کرو (قرآن حکیم، سورۂ حشر ص ۲۸) اور حضور اقدس ﷺ نے خلفاء راشدین کے بارے میں جو ارشاد فرمایا ہے وہ ملاحظہ فرمایئے۔

عن العرباض بن ساریۃ رضی اللہ عنہ .الیٰ قولہ. فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوابھا وعضوا علیھا بالنواجذ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۹، ص ۳۰)

ترجمہ:۔ حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے۔ الیٰ قولہ۔ پس رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے بعد کے لوگ بہت اختلاف دیکھیں گے (ایسی حالت میں تم پر لازم ہے کہ میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہو، اور ڈاڑھوں سے اس کو مضبوط تھام لو (مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص ۲۹، ص ۳۰)

مذکورہ آیت اور حدیث کی بنا پر ہمارے لئے لازم ہوجاتا ہے کہ خلفاء راشدینؓ کی اطاعت وفرمانبرداری کریں، علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کا فرمان عالی ہے۔

عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ادری مابقائی فیکم فاقتدو اباللذین من بعدی ابی بکر وعمر (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۰ مناقب أبی بکر وعمر)

ترجمہ:۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے معلوم نہیں میں کب تک تم لوگوں میں رہوں گا، میرے بعد ابوبکر وعمر کی اقتداء کرنا۔

نیز ارشاد فرمایا:۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ولقد کان فیما قبلکم من الامم محدثون فان یک فی امتی احد فانه عمر ، متفق علیه (مشکوٰة شریف ص ۵۵۶ مناقب ابی بکر و عمر

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم سے پہلے جو امتیں گذری ہیں ان میں محدث (جن کو حق باتیں الہام کی جاتی ہیں) گذرے ہیں، میری امت میں اگر کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہیں۔

نیز ارشاد فرمایا:۔

عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله جعل الحق علی لسان عمر و قلبه رواه الترمذی وفی روایة ابی داؤد عن ابی ذر قال ان الله وضع الحق علی لسان عمر یقول به. (مشکوٰة شریف ص ۵۵۷ باب مناقب عمر)

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی زبان اور قلب پر حق کو جاری کیا ہے رواہ الترمذی اور ابوداؤد میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کی زبان پر حق رکھدیا ہے آپ حق بات ہی کہتے ہیں۔

نیز ارشاد فرمایا:۔

عن عقبة بن عامر قال قال النبی صلی الله علیه وسلم لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب (مشکوٰة شریف ص ۵۵۸ مناقب عمرؓ

ترجمہ:۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر بالفرض والتقدیر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب نبی ہوتے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

روی ابو نعیم من حدیث عروبة الکندی ان رسول الله صلی الله علیهو سلم قال ستحدث بعدی اشیاء فاحبها الی ان تلزموا ما احدث عمر (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۳۹ باب التراویح)

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے بعد بہت سی باتیں رونما ہوں گی مجھے ان میں سب سے زیادہ محبوب وہ چیز ہے جس کو عمر نے جاری کیا ہو تو سب اس کو لازم کر لینا۔

مذکورہ احادیث سے خلفاء راشدینؓ خاص کر حضرت عمرؓ کے قول اور عمل کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں۔

سن رسول الله صلی الله علیه وسلم وولاة الامر من بعده سنناً الاخذ بها تصدیق لکتاب الله واستکمال لطاعة الله وقوة علی دین الله من عمل بها مهتدی ومن استنصر بها منصور ومن خالفها اتبع غیر سبیل المؤمنین وولاه ما تولی وصلاه جهنم وساءت مصیراً (جامع بیان العلم وفضله ص ۱۸۷ ج ۲)

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ نے کچھ طریقے مقرر فرمائے ہیں اور آپ کے بعد آپ کے جانشین اولوالامر

حضرات نے بھی کچھ طریقے مقرر فرمائے ہیں ان کا اختیار کرنا کتاب اللہ کی تصدیق ہے اور اللہ کی اطاعت کو مکمل کرنا ہے اور خدا تعالیٰ کے دین کی مدد کرنا ہے جو اس پر عمل کرے گا راہ یاب ہوگا اور جو اس سے قوت حاصل کرے گا مدد کیا جاوے گا، اور جو ان کی مخالفت کرے گا اور ان کے طور طریقوں کے خلاف کرے گا اور اہل ایمان کے راستہ کے خلاف چلے گا اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرف موڑ دے گا جس طرف اس نے رخ کیا ہے پھر اس کو جہنم میں داخل کرے گا اور جہنم بہت بری جگہ ہے۔

اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا عمل اور مواظبت بھی بہت اہمیت رکھتا ہے، صحابہؓ نے جو طریقہ اختیار فرمایا از روئے حدیث وہ ہدایت ہی ہے اور جو ان کے طریقہ کو اختیار کرے گا انشاء اللہ وہ ہدایت پر ہی ہوگا، ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے صحابہ کے طریقہ کی عظمت و اہمیت کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليا تين على امتي كما اتي على بني اسرائيل حذوا لنعل بالنعل وان بني اسرائيل تفرقت علىٰ ثنتين وسبعين ملةً وتفترق امتي على ثلث وسبعين ملةً كلهم في النار الا ملة واحدةً قالوا من هي يارسول الله قال ما انا عليه واصحابي. (مشكوٰة شريف ص ۳۰ باب الا عتصام)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت پر وہ سب کچھ آئے گا جو بنی اسرائیل پر آ چکا ہے، بنو اسرائیل کے بہتر ۷۲ فرقے ہو گئے تھے، میری امت کے تہتر ۷۳ فرقے ہو جائیں گے، وہ سب دوزخی ہوں گے مگر صرف ایک ملت (ناجی ہوگی) صحابہ کرامؓ نے عرض کیا وہ ملت کون سی ہے؟ ارشاد ہوا" ما انا عليه واصحابي "وہ ملت جس پر میں ہوں اور میرے صحابہؓ ہیں۔

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرقۂ ناجیہ کی علامت بیان فرماتے ہوئے صرف" ما انا علیہ "نہیں فرمایا بلکہ اس کے ساتھ" واصحابی "بھی ارشاد فرمایا۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

پیغمبر صادق علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا تمیز فرقۂ واحدہ ناجیہ از اں فرق متعددہ فرمودہ است آنست الذین ہم علی ما انا علیہ واصحابی یعنی آں فرقۂ واحدہ ناجیہ آنانند کہ ایشاناں بطریقے اند کہ من براں طریقم واصحاب من براں طریق اند ذکر اصحاب با وجود کفایت بذکر صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ دریں موطن برائے آں تو اند بود کہ تا بدانند کہ طریق من ہماں طریق اصحاب است وطریق نجات منوط باتباع طریق ایشاں است وبس چنانکہ حق سبحانہ فرمودہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ پس اطاعت رسول عین اطاعت حق سبحانہ وخلاف اطاعت او صلی اللہ علیہ وسلم عین معصیت او تعالیٰ وتقدس .... پس در ما نحن فیہ دعویٰ اتباع آں سرور نمودن علیہ الصلوٰۃ والسلام بخلاف اتباع طریق اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین دعویٰ باطل است بلکہ آں اتباع عین معصیت رسول است پس نجات را دراں طریق مخالف چہ مجال (مکتوبات امام ربانی ص ۱۰۲ ص ۱۰۳ ج ۱)

ترجمہ:۔ آنحضرت ﷺ نے نجات پانے والی جماعت کی پہچان میں فرمایا کہ جو اس طریقہ پر ہو جس طریقہ پر میں ہوں اور میرے صحابہؓ۔ ظاہراً اتنا فرما دینا کافی تھا کہ "جس طریقہ پر میں ہوں" صحابہ کا ذکر اپنے ساتھ کیا اس کی

وجہ یہ ہے کہ سب جان لیں کہ جو میرا طریقہ ہے وہی میرے اصحاب کا طریقہ ہے اور نجات کی راہ صحابہ کی پیروی ہی میں منحصر ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد **من یطع الرسول فقد اطاع اللہ** نے واضح کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بعینہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی مخالفت بعینہ حضرت حق جل مجدہ کی معصیت اور حکم عدولی ہے، پس زیر بحث مسئلہ میں آنحضرت ﷺ کی اتباع کا دعویٰ کرنا اور ساتھ ہی صحابہؓ کے طریقہ کی مخالفت کرنا (جیسا کہ غیر مقلدوں کا طریقہ ہے) دعویٰ باطل ہے) بلکہ یہ اتباع یعنی رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا دعویٰ) پس اس مخالفت کے راستہ میں نجات کی کیا گنجائش اور امید۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ قمطراز ہیں۔

ومیزان در معرفت حق و باطل فہم صحابہ و تابعین است انچہ ایں جماعت از تعلیم آنحضرت ﷺ انضمام قرآئن حالی و مقالی فہمیدہ اندورآں تخطیہ ظاہر نہ کردہ واجب القبول است۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۱۵۷ ج ۱)

ترجمہ:۔ حق و باطل کا معیار صحابہ اور تابعین کی سمجھ ہے جس چیز کو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی تعلیم سے قرائن حالی و مقالی کو سامنے رکھ کر سمجھا ہے (اس میں کوئی غلطی نہیں بتائی) اس کا تسلیم کرنا واجب ہے۔

مندرجہ بالا حدیث اور ان دونوں بزرگوں کی عبارت سے واضح ہوا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل ہمارے لئے بہت قوی حجت ہے۔

مزید حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کا ایک اور ارشاد ملاحظہ ہو، آپ نے فرمایا" **رضیت لامتی مارضی لها** " ابن ام عبد میں اپنی امت کے لئے اس چیز کو پسند کرتا ہوں جس کو ابن ام عبد (یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) پسند کریں۔ (مظاہر حق ص ۶۸۹، ص ۶۹۰ جلد نمبر ۴)

نیز ارشاد فرمایا **تمسکوا بعهد ابن ام عبد** ابن ام عبد یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وصیت کو لازم اور مضبوط پکڑو۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۸ باب جامع المناقب الفصل الثانی)

حضرت ابن مسعودؓ نے جماعت صحابہ کے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے دل کی گہرائی سے اسے ملاحظہ فرمائیے۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنه قال من کان مستناً فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیه الفتنة اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیه وسلم . کانوا افضل هذه الامة ابرها قلوبا واعمقها علما واقلها تکلفا اختارهم اللہ لصحبة نبیه ولا قامة دینه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوا علی آثارهم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقهم وسیرهم فانهم کانوا علی الهدی المستقیم. (مشکوٰۃ شریف ص ۳۲ باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

ترجمہ:۔ سیدنا حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: کسی کی اتباع اور اقتدا کرنا ہو تو حضور اکرم ﷺ کے صحابہؓ کی ہی اقتداء کرو، کیونکہ یہ حضرات قلوب کی صفائی علم کی گہرائی اور تکلف وتصنع سے دوری میں پوری امت کے اندر سب سے بہتر تھے اللہ تعالیٰ نے اس بہترین جماعت کو اپنے بہترین رسول کی صحبت اور دین کی اقامت کے لئے پسند فرمایا ہے لہٰذا تم ان کے فضل (بزرگی) کو پہچانو اور انہیں کے نقش قدم پر چلو وہ سیدھے اور صاف راستہ پر تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس وصیت کو بار بار غور سے پڑھئے جماعت صحابہؓ پر کس قدر اعتماد فرمار ہے

ہیں، لہذا صحابہؓ نے جو عمل کیا اور جس طریقہ پر وہ چلے وہ ہمارے لئے حجت ہے اور بلاشک وشبہ اس کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

اب وہ عبارتیں اور حوالے ملاحظہ ہوں جن سے حضرت عمرؓ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا بیس رکعت پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔

بخاری اور مسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عبدقاریؒ کی سند سے نقل کیا ہے۔

''رمضان کی ایک شب کو میں حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ مسجد میں گیا تو دیکھا کہ صحابۂ کرام متفرق جماعتوں میں بٹے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں، کوئی اپنی نماز الگ پڑھ رہا ہے اور کوئی امام بنا ہوا ہے کچھ صحابہ اس کے ساتھ شریک ہوگئے ہیں اور جماعت سے نماز پڑھ رہے ہیں، حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ان سب کو ایک قاری پر جمع کردو تو بہت بہتر اور افضل ہو، چنانچہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ان کا امام مقرر فرمایا اور سب کو ایک ساتھ کردیا، فجمعهم علی ابی بن کعب رضی الله عنه الخ (بخاری شریف ص۲۶۹ ج۱، باب فضل من قام رمضان)

(۱) حدیث کی مشہور کتاب ''کنز العمال'' میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو لوگوں کو بیس رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔ فصلی بهم عشرين ركعة پس انہوں نے لوگوں کو (صحابہؓ وتابعین کو) بیس رکعت پڑھائی (کنز العمال ج۱ص ۲۸۴)

(۲) سنن بیہقی میں ہے: کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب بعشرين ركعة والوتر، یعنی حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے دور میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھتے تھے (بیہقی ج۲ص ۲۹۶ باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان نصب الرایہ ص۲۹۴ ج۱ فی قیام شهر رمضان وللفظ لہ)

(۳) مؤطا امام مالک میں ہے کہ یزید بن رومان سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ تراویح بیس اور وتر تین کل تیئس رکعتیں پڑھا کرتے تھے عن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون في زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرين ركعة. (مؤطا امام مالک ص ۴۰ باب ماجآء فی قیام رمضان)

(۴) ''معرفۃ السنۃ'' میں ہے امام بیہقی نے بسند صحیح روایت نقل کی ہے کہ حضرت علیؓ نے رمضان میں حضرات قراء کو بلایا اور ایک صاحب کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائیں، حضرت علیؓ وتر پڑھایا کرتے تھے۔ عن عبدالرحمن بن السلمی ان عليا دعا القراء في رمضان فامر رجلا ان يصلي بالناس عشرين ركعة وكان عليايوتر بهم (معرفة السنة للبيهقي ج ا ص۴۷۷ وسنن کبری للبیهقی ص ۴۹۶ ج ۲، باب ماروی فی عدد رکعات القيام في شهر رمضان)

(۵) محدث ابن قدامہ کتاب ''المغنی'' میں رقم طراز ہیں کہ بیس رکعت تراویح پر اجماع صحابہؓ واقع ہے (وعن علی أنه أمر رجلا يصلي بهم في رمضان عشرين ركعة وهذا كالا" جماع" باب قيام شهر رمضان عشرون ركعة هي صلاة التراويح المغنى ص ۸۰۳ ج ۱)

(۶) محدث علامہ ابن حجر ہیثمیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا بیس رکعت تراویح پر اتفاق ہے (تحفۃ الاخیار ص ۱۹۷)

(۷) مشہور حافظ حدیث علامہ عبدالبر فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں بیس رکعت پڑھتے تھے (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۲ ص ۱۷۴ باب قیام شہر رمضان)

(۸) حضرت ابوالحسناءؒ سے روایت ہے: ان علیاً امر رجلاً یصلی بهم فی رمضان عشرین رکعة . حضرت علیؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت پڑھائیں۔ (کم یصلی فی رمضان من رکعة مصنف ابن ابی شیبه ج ۲ ص ۳۹۳) (سنن کبری للبیهقی ج ۲ ص ۴۹۶ باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان)

(۹) حضرت نافعؒ شاگرد ابن عمرؓ فرماتے ہیں: کان ابن ابی ملیکة یصلی بنافی رمضان عشرین رکعة ، اسناده حسن (آثار السنن ص ۵۶ ج ۲) حضرت ابن ابی ملیکہ ہمیں رمضان میں بیس رکعت پڑھاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبه کم یصلی فی رمضان من رکعة ص ۳۹۳ ج ۲)

(۱۰) حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں: ان عبدالله بن مسعود کان یصلی عشرین رکعةً ویوتر بثلاث . حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیس رکعت پڑھا کرتے تھے اور تین وتر، اس کی سند مرسل قوی ہے (عمدة القاری شرح بخاری ج ۱۱ ص ۱۲۷) (قیام اللیل ص ۹۱)

(۱۱) حضرت محمد بن کعب قرظیؒ نے فرمایا: کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان عشرین رکعة . حضرت عمرؓ کے دور میں لوگ رمضان شریف میں بیس رکعت پڑھا کرتے تھے (قیام اللیل ص ۹۱)

(۱۲) جلیل القدر تابعی مفتی مکہ حضرت عطاء بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں " ادرکت الناس هم یصلون ثلاثاً عشرین رکعة بالوتر واسناده حسن " میں نے صحابہؓ وغیرہ سب لوگوں کو مع وتر کے مکہ میں تیئیس رکعت پڑھتے دیکھا ہے اس کی سند حسن ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبه ، فتح الباری ج ۴ ص ۲۱۹ ، قیام اللیل ص ۹۱ ، آثار السنن ص ۵۵ ج ۱ باب فی التراویح بعشرین رکعة واللفظ له)

(۱۳) حضرت شتیر بن شکلؒ (حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے شاگرد) رمضان المبارک میں امامت کرتے تھے اور بیس رکعت پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر ، یہ روایت قوی ہے۔ (باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان بیہقی ص ۴۹۶ ج ۲) (قیام اللیل ص ۹۱) (مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۱۷۴ ج ۲ باب قیام شہر رمضان)

(۱۴) حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا تو وہ ان کو بیس رکعت پڑھاتے تھے (مرقاۃ ص ۱۷۵ ج ۲) فلما کان ذلک یشق علی الناس قام بهم ابی بن کعب فی زمن عمر بن الخطاب عشرین رکعة یوتر بعدها (فتاویٰ ابن تیمیه ص ۱۴۸ ج ۱) آگے چل کر اس سے زیادہ صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فانه قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعة فی رمضان ویوتر بثلاث فرأی کثیر من العلماء ان ذلک هو السنة لانه قام بین المهاجرة والا نصار ولم ینکره منکر (فتاویٰ ابن تیمیه ص ۱۹۱ ج ۱)

ترجمہ۔ بے شک ثابت ہو گیا کہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو رمضان میں

بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر۔ پس بہت سے علماء کا مسلک یہی ہے کہ یہی سنت ہے کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار کی موجودگی میں بیس رکعتیں پڑھائیں اور کسی بھی صحابی نے اس پر نکیر نہیں فرمائی۔

یہ ہے ان کا فتویٰ جن کو غیر مقلدین اپنا پیشوا کہتے ہیں، اس فتویٰ میں صراحت ہے کہ بیس رکعت ہی سنت ہیں

(۱۵) داؤد ظاہری بھی بیس رکعت کے قائل ہیں۔ بدایۃ المجتہد میں ہے:۔ **واختلفوا فی المختار من عدد الرکعات التی یقوم بہا الناس فی رمضان فاختار مالک فی احد قولیہ وابو حنیفۃ والشافعی واحمد وداؤد القیام بعشرین رکعۃ والوتر بثلاث.** (بدایۃ المجتہد ص ۲۰۲)

(۱۶) مشہور اہل حدیث نواب صدیق حسن بھوپالی فرماتے ہیں کہ ”حضرت عمرؓ کے دور میں جو طریقہ بیس رکعات کا ہوا اس کو علماء نے اجماع کے مثل شمار کیا ہے (عون الباری ج ۴ ص ۳۰۴ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ)

(۱۷) حافظ حدیث علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کی تحقیق: بالآخر بیس رکعت پر اتفاق ہوا، اور یہی متوارث ہے۔ **ثم استقر الامر علی العشرین فانہ المتوارث** (فتح القدیر ص ۴۰۷ ج ۱ صلاۃ التراویح)

(۱۸) علامہ بحر العلوم ملا عبد العلی مولانا نظام الدین متوفی ۱۲۲۵ھ فرماتے ہیں: **ثم استقر الامر علی عشرین رکعۃ والوتر فصار ھذا سنۃ ... وھی سنۃ علینا لا شک فیہ لان سنۃ الخلفاء الراشدین بسنتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اللزوم والاساءۃ فی الترک فانہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی موعظتہ فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ، وصلوۃ التراویح عشرون رکعۃ بعد صلوۃ العشاء وسنتھا بعشر تسلیمات ... وھذہ الاحکام مما اتفق علیہ فقہاء المذاھب الاربعۃ من غیر خلاف .** یعنی پھر بیس رکعت تراویح اور وتر پر اتفاق ہوگیا، بیس رکعت ہمارے لئے بلا شبہ سنت ہے اس لئے کہ خلفاء راشدین کی سنت پر بھی عمل کرنا لازم ہے، اور اس کا ترک قبیح ہے، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کا حکم ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے، تم اپنے اوپر میری سنت کو لازم کرو اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم کرو اس کو مضبوطی سے تھام لو اور دانتوں سے مضبوط پکڑ لو، تراویح بیس رکعت ہیں نماز عشاء کے بعد دس سلام کے ساتھ ... یہ وہ احکام ہیں جن پر مذاہب اربعہ کے فقہاء بلا کسی اختلاف کے متفق ہیں۔ (رسائل الارکان ص ۱۳۸ فصل فی صلوۃ التراویح)

(۱۹) شیخ احمد رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

والصحابۃ حینئذ متوافرون منھم عثمان وعلی وابن مسعود والعباس وابنہ وطلحۃ والزبیر ومعاذ وغیرھم من المھاجرین والانصار ماردّ علیہ واحد منھم بل ساعدوہ ووافقوہ وامروہ بذلک وواظبوا علیھا حتی ان علیا اثنی علیہ ودعا لہ بالخیر وقال نور اللہ مضجع عمر کما نور مساجدنا وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی ... وھی عشرون رکعۃ ... (مجالس الابرار ص ۱۸۷ مجلس نمبر ۲۸ فی بیان کیفیۃ التراویح وفضیلتھا)

ترجمہ:۔اس زمانہ میں جب کہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کی جماعت ایک کی اور حضرت ابی بن کعب کو امامت کے لئے نامزد فرمایا اس وقت حضرات صحابہ بکثرت موجود تھے ان میں حضرت عثمان، حضرت علی، ابن مسعود، عباس اور ان کے صاحبزادے ابن عباس، حضرت طلحہ حضرت زبیر، حضرت معاذ اور ان کے علاوہ سب ہی حضرات مہاجرین وانصار موجود تھے کسی نے حضرت عمرؓ پر اعتراض نہیں کیا ان کی تردید نہیں کی بلکہ سب نے ساتھ دیا ان کی تائید وموافقت کی اور اسی کو جاری ورائج کیا اور ہمیشہ پابندی سے پڑھتے رہے یہاں تک کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی تعریف کی (ان کا شکریہ ادا کیا) اور ان کے لئے دعاء خیر کی (وفات کے بعد فرمایا کرتے تھے) اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی قبر کو نور سے بھر دے جیسے حضرت عمرؓ نے ہماری مسجدیں روشن کیں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے طریقہ اور خلفاء راشدین جو میرے بعد ہوں گے ان کے طریقہ کو لازم پکڑو　اور تراویح کی بیس رکعت ہیں۔

(۲۰) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

''من بعد عدد بست وسہ را اختیار کردند دریں عدد اجماع شدہ بود'' یعنی صحابۂ کرام نے تیئیس رکعت (بیس رکعت تراویح　اور تین رکعت وتر) اختیار فرمائی، اور اس عدد پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے۔(مجموعہ فتاویٰ عزیزی ص۱۲۶ج۱)

(۲۱) امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

واکثر اهل العلم علی ماروی عن علی رضی الله عنه وعمر رضی الله عنه وغیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم عشرین رکعةً وهو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی، وقال الشافعی وهکذا ادرکت ببلد نابمکة یصلون عشرین رکعةً (ترمذی شریف ص ۹۹ ج ۱ ،ابواب الصوم باب ماجاء فی قیام شهر رمضان)

ترجمہ:۔حضرت عمرؓ حضرت ؓ نیز دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حضرت سفیان ثوریؒ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ حضرت امام شافعیؒ تراویح　میں بیس رکعت کے قائل تھے اور امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ اہل مکہ کو میں نے　بیس رکعت پڑھتے دیکھا ہے۔

(۲۲) فقہ حنبلی کی مشہور کتاب روض الریاض میں ہے۔

والتراویح سنة مؤکدة عشرون رکعة بما روی ابو بکر عبدالعزیز الشافعی عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یصلی فی شهر رمضان عشرین رکعة (ونحوه فی فتاویٰ قاضی خان ص ۱۱۰)

ترجمہ:۔یعنی: تراویح کی بیس رکعت سنت مؤکدہ ہیں اس حدیث کی　بناء پر جو ابوبکر عبدالعزیز شافعی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ ماہ رمضان میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔

(۲۳) علامہ سبکی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ'' ہمارا مسلک بیس رکعت تراویح سنت ہونے کا ہے جو بسند صحیح ثابت ہے (شرح المنہاج)

(۲۴) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وهی عشرون رکعة یجلس عقب کل**

رکعتین ویسلم (ترجمہ) اور وہ (تراویح) بیس رکعت ہیں ہر دو رکعت کے بعد بیٹھے اور سلام پھیرے ... وینوی فی کل رکعتین اصلی رکعتی التراویح المسنونة (ترجمہ) اور ہر دو رکعت پر یہ نیت کرے کہ میں دو رکعت تراویح مسنون پڑھتا ہوں (غنیۃ الطالبین ص ۱۰ ص ۱۱ ج ۲)

(۲۵) علامہ حلبی کبیری میں فرماتے ہیں۔

علم من هذه المسئلة ان التراويح عند نا عشرون ركعة بعشر تسليمات وهو مذهب الجمهور وعند مالك ستة وثلثون ركعة احتجاجا بعمل اهل المدينة وللجمهور ما رواه البيهقي باسنادصحيح عن السائب ابن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر بعشرين ركعة و عثمان على مثله وهذ كالا جماع (كبيرى ص ۳۸۸ صلاة التراويح)

ترجمہ: یعنی۔ بحث مذکور سے معلوم ہوا کہ بے شک ہمارے نزدیک تراویح بیس رکعت ہے دس تسلیمات سے اور یہی جمہور کا مذہب ہے اور امام مالک کے نزدیک چھتیس رکعت ہیں وہ اہل مدینہ کے تعامل سے استدلال کرتے ہیں اور جمہور کی دلیل وہ روایت ہے جس کو امام بیہقی نے بسند صحیح روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں بیس رکعت پڑھتے تھے نیز حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کے دور میں یہ اجماع کے مثل ہے۔

(۲۶) علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ تعداد تراویح بیس رکعت ہے امام شافعی، امام احمد بھی یہی فرماتے ہیں، ان سب کی دلیل وہ روایت ہے جس کو بیہقی نے بسند صحیح حضرت سائب ابن یزید سے نقل کیا ہے۔ صحابۂ کرام حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین اور حضرات تابعین رحمہم اللہ بیس رکعت پڑھتے تھے، پھر فرماتے ہیں اتباع کے لئے افضل وانسب طریقہ اصحاب محمد ﷺ کا ہے۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری ص ۱۷۸ ج ۷ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ)

(۲۷) حضرت علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں "**لم يقل احد من الائمة الا ربعة باقل من عشرين ركعة وعليه جمهور الصحابة رضي الله عنه**" یعنی چاروں اماموں میں سے کوئی ایک بھی تراویح کی بیس رکعت سے کم کا قائل نہیں، جمہور صحابہ کا عمل اور عقیدہ بھی یہی تھا، امام مالک رحمہ اللہ بیس سے زیادہ ۳۶ رکعات کے قائل ہیں۔ (**عرف الشذی ص ۳۲۹ ج ۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی قیام شهر رمضان**) عرف الشذی میں یہ بھی ہے کہ امام مالکؒ کے مسلک کے بموجب جماعت کے ساتھ تراویح بیس رکعتیں ہی پڑھی جائیں گی مگر اہل مدینہ کا تعامل اور عام طریقہ یہ تھا کہ وہ ترویحہ میں یعنی چار رکعت پڑھ کر امام صاحب بیٹھتے تھے تو اس وقفہ میں چار رکعت اور پڑھ لیا کرتے تھے، جو حضرات مکہ مکرمہ میں حرم شریف میں تراویح پڑھتے تھے وہ اس ترویحہ کے وقفہ میں خانۂ کعبہ کا طواف کر لیا کرتے تھے، اہل مدینہ خانۂ کعبہ کا طواف نہیں کر سکتے تھے تو وہ اس کا تدارک اس طرح کیا کرتے تھے کہ چار ترویحوں میں سولہ رکعتیں (نفل) پڑھ لیا کرتے تھے۔ (العرف الشذی ص ۳۲۹ ایضا)

مندرجہ بالا حوالجات سے روز روشن کی طرح ثابت ہوگیا کہ حضرت عمرؓ کے دور مسعود میں بیس رکعات تراویح پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اجماع ہوگیا حضرت عمر فاروقؓ کے بعد باقی خلفاء راشدین حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ کے دور میں بیس رکعات کے اجماع کو مزید استحکام حاصل ہوا اور ان حضرات کے بعد جمہور علماء ائمہ مجتہدین۔

ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہؒ امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا یہی مسلک اور اسی پر ان کا عمل رہا اور آج تک جمہور امت کا بھی اسی پر عمل ہے، حرمین شریفین زادہما اللہ عزاً وشرفاً وکرامۃً میں بھی بیس رکعت تراویح پر عمل زمانہ قدیم سے آج تک جاری ہے۔

ائمہ اربعہ کا کسی مسئلہ میں متفق ہوجانا اس کے ثبوت کی بہت بین دلیل ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

قوله صلى الله عليه وسلم العلم ثلاثة آية محكمة اوسنة قائمة او فريضة عادلة وما كان سوى ذلك فهو فضل . الىٰ قوله. والقائمة مالم ينسخ ولم يهجر وما لم يشذ راويه وجرى عليه جمهور الصحابة والتابعين اعلاها ما اتفق فقها المدينة والكوفة عليها وآية ان يتفق على ذلك المذاهب الاربعة.(حجة الله البالغه ص ۴۱۲، ص ۴۱۳ ج ۱ مع ترجمه من ابواب الاعتصام بالكتاب والسنة)

ترجمہ:۔آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ''علم تین ہیں، آیت محکمہ یا سنت قائمہ یا فریضۂ عادلہ اور جو اس کے سوا ہے وہ زیادہ ہے۔ الیٰ قولہ۔ اور سنت قائمہ وہ ہے جو نہ منسوخ ہو نہ متروک ہو اور نہ اس کا کوئی راوی چھوٹا ہو اور جمہور صحابہ وتابعین کا اس پر عمل رہا ہو، ان سب میں اعلیٰ وہ ہے جس پر فقہاء مدینہ وکوفہ متفق ہوں، اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس پر مذاہب اربعہ متفق ہوں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مذکورہ عبارت پر غور کیجئے، آپ ارشاد فرما رہے ہیں کہ سنت قائمہ وہ ہے جس پر جمہور صحابہؓ وتابعینؒ کا عمل رہا ہو اور اس میں بھی سب سے اعلیٰ وہ ہے جس پر فقہاء مدینہ وکوفہ متفق ہوں، اور فقہاء مدینہ وکوفہ کے متفق ہونے کی علامت اور نشانی یہ ہے کہ مذاہب اربعہ اس پر متفق ہوں، یہ سنت قائمہ کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور مندرجہ بالا حوالوں سے آفتاب نیم روز کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ بیس رکعت تراویح پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے، کوئی بھی امام بیس رکعت سے کم کا قائل نہیں ہے تو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی زبانی بیس رکعت تراویح ''سنت قائمہ'' بلکہ سنت قائمہ کا اعلیٰ درجہ ہے۔

نیز تراویح باجماعت شعار اہل سنت والجماعت ہے علامہ نوویؒ فرماتے ہیں۔**فقال الشافعيؒ وجمهور اصحابه وابو حنيفة رحمه الله واحمد رحمه الله وبعض المالكية وغيرهم الافضل صلوتها جماعة كما فعله عمر بن الخطاب والصحابه رضى الله عنه واستمر عمل المسلمين عليه لانه من الشعائر الظاهرة فاشبه صلوة العيد .(نووى شرح مسلم ص ۲۵۹ ج ۱ باب الترغيب فى قيام رمضان وهو التراويح)**

غرض یہ کہ بیس رکعت پڑھنے والے حق پر ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان، اس کے رسول ﷺ کی تمام احادیث صحیح اور روایات معتبرہ پر عمل کرنے والے ہیں، غیر مقلدین جو آٹھ رکعات کے قائل ہیں وہ رمضان کے مبارک ماہ میں ایک ایسی عبادت سے محروم ہیں جس پر صحابہؓ، خلفاء راشدینؓ، تابعینؒ، تبع تابعین، سلف صالحین سے لے کر خلف الصالحین کا اجماع اور اتفاق ہو چکا ہے۔

بیس رکعت کے خلاف غیر مقلدوں کے غلط دلائل اور ان کے جوابات

دلیل اول:۔

عن ابی سلمة بن عبدالرحمان انه اخبره' انه سأل عائشة کیف کانت صلوٰة رسول الله صلی الله علیه وسلم فی رمضان فقالت ماکان رسول الله صلی الله علیه وسلم یزید فی رمضان و لا فی غیره علی احدی عشرة رکعة یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنهن و طولهن ثم یصلی اربعا فلا تسئال عن حسنهن و طولهن ثم یصلی ثلثا فقالت عائشة فقلت یارسول الله اتنام قبل ان تو تر فقال یا عائشة ان عینی تنا مان و لا ینام قلبی .(بخاری شریف کتاب التهجد پ ۵ ص ۱۵۴ ج ۱ ص ۲۶۹ ج ۱)

ترجمہ: حضرت ابو سلمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کی نماز رمضان میں کیسے ہوتی تھی؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نہ رمضان میں گیارہ سے بڑھاتے تھے نہ غیر رمضان میں۔ آپ علیہ السلام چار رکعت پڑھتے تھے ان کی خوبی اور طوالت کی بات نہ پوچھو! پھر چار رکعت پڑھتے تھے، ان کی بھی خوبی اور طوالت کا حال نہ پوچھو! پھر تین رکعت وتر پڑھتے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی۔ یارسول اللہ! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا۔ (بخاری شریف)

سامرودی صاحب اور ان جیسے مدعیان حدیث کی کوتاہ بینی اور فہم حدیث کی صلاحیت سے محرومی پر تعجب ہوتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس نماز کا تذکرہ فرما رہی ہیں جو رمضان شریف کے علاوہ باقی مہینوں میں بھی سال بھر پڑھی جاتی ہے، اور ظاہر ہے کہ سوال بھی ایسی ہی نماز کے متعلق تھا، یہ ناممکن تھا کہ حضرت عائشہ جیسی سخن فہم اور منشا سائل کو پرکھنے والی خاتون کا جواب کچھ ہوتا اور سائل کا سوال کچھ۔ ایسی بے جوڑ بات معمولی انسان بھی نہ[illegible] چہ جائیکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی ذکی و ذہین صاحب سلیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا؟ اب ظاہر ہے[illegible] جو نماز رمضان اور غیر رمضان میں سال بھر پڑھی جاتی ہے وہ تراویح نہیں بلکہ تہجد ہے، تراویح[illegible] خود بخاری شریف کی روایت پہلے گذر چکی ہے، آنحضرت ﷺ نے تین روز پڑھائی تھی پھر صحابہ کرام منتظر رہے[illegible] آنحضرت ﷺ تشریف نہیں لائے اور نماز نہیں پڑھائی، پس جب کہ روایت صحیحہ میں یہ موجود ہے کہ یہ نماز صرف تین دن پڑھی گئی جس میں صحابہ کی جماعت شامل ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھائی تو ان تمام تصریحات کو تہجد پر محمول کرنا ابلہ فریبی نہیں ہے تو کیا ہے؟ تہجد کی نماز آنحضرت ﷺ تمام سال پڑھتے تھے مگر نہ کبھی اس میں اس طرح کا اجتماع ہوا نہ کبھی صحابہ کی جماعت بنی نہ آنحضرت ﷺ نے تہجد میں کبھی جماعت صحابہ کو نماز پڑھائی، یہی وجہ ہے کہ حاملین حدیث علماء بھی نے تصریح کر دی ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نماز تہجد کے متعلق یہ تصریح فرمائی ہے۔

شارح صحیح بخاری محدث علامہ شیخ شمس الدین کرمانی فرماتے ہیں **اما ان المراد بها صلوٰة الوتر**

والسوال والجواب واردان علیہ (حدیث شریف میں تہجد مراد ہے حضرت ابوسلمہ کا (مذکورہ بالا) سوال اور حضرت عائشہؓ کا جواب تہجد کے متعلق تھا۔

آگے تحریر فرماتے ہیں۔ اوھو معارض بما روی انه صلی الله علیه وسلم صلی بالناس عشرین رکعة لیلتین (اگر تہجد مراد نہ ہو تو یہ روایت اس روایت سے معارض ہوگی جس میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو رات تک بیس بیس رکعتیں پڑھائیں۔ وروایة المثبت مقدمة علی روایة النافی (اور تعارض کی صورت میں (بیس رکعت والی روایت جو مثبت ہے وہ مقدم ہوگی کیونکہ اصول حدیث کی رو سے) مثبت، نافی پر مقدم ہوتی ہے (الکوکب الدراری شرح صحیح البخاری ص ۱۵۵،۱۵۶ ج ۹ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ)

(۲) حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ "صحیح آنست کہ آنچہ آنحضرت ﷺ گزارد ہمہ تہجد وے بود کہ یازدہ رکعت باشد (اور صحیح یہ ہے آنحضرت ﷺ گیارہ رکعت (وتر کے ساتھ) پڑھتے تھے وہ تہجد کی نماز تھی (اشعۃ اللمعات ص ۵۴۴ ج ۱ باب قیام شہر رمضان)

(۳) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ آں روایت محمول بر نماز تہجد است کہ در رمضان وغیرہ رمضان یکساں بود (وہ روایت نماز تہجد پر محمول ہے کہ رمضان وغیر رمضان میں برابر تھی (مجموعہ فتاویٰ عزیزی ص ۱۲۵ ج ۱)

(۴) حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ: وقد اوتر رسول الله صلی الله علیه وسلم برکعة وثلاث وخمس وهذا آبالا وتار الی احدی عشرة رکعة والروایة مترددة فی ثلث عشرة وفی حدیث شاذ سبع عشرة وکانت هذه الرکعات اعنی ما سمینا جملتها وترا صلوة باللیل وهو التهجد (احیاء العلوم ص ۲۰۲ ج ۱ روایت الفرائض)

آنحضرت ﷺ نے ایک رکعت، تین رکعت، پانچ رکعت، سات رکعت، نو رکعت اور گیارہ رکعت سے وتر ادا کیا ہے، تیرہ رکعت کی روایت متردد ہے، اور ایک حدیث شاذ میں سترہ رکعت بھی آئی ہے، اور یہ تمام رکعتیں جن کے متعلق ہم نے وتر کا لفظ استعمال کیا ہے آنحضرت ﷺ رات میں پڑھتے تھے، یہی تہجد ہے۔

ان حضرات علماء حدیث کے ارشادات سے بھی واضح بات یہ ہے کہ ائمہ حدیث نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو تہجد کے باب میں نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو مسلم شریف ج ۱ ص ۲۵۴ باب صلوٰة اللیل وعدد رکعات النبی فی اللیل الخ سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۱۹۶، ابواب قیام اللیل باب فی صلوٰة اللیل، ترمذی شریف ج ۱ ص ۵۸، باب ماجآء فی وصف صلاة النبی صلی الله علیه وسلم باللیل، نسائی شریف ج ۱ ص ۱۵۴، کتاب قیام اللیل وتطوع النهار مؤطا امام مالکؒ ص ۴۲، باب ماجآء فی صلوٰة اللیل، امام محمد بن نصر مروزیؒ نے اپنی مشہور کتاب "قیام اللیل" میں قیام رمضان کا باب باندھ کر بہت سی حدیثیں اور روایتیں نقل فرمائی ہیں مگر مذکورہ بالا حدیث عائشہؓ نقل نہیں فرمائی اس لئے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث تراویح کے متعلق ہے ہی نہیں دیکھئے قیام اللیل ص ۹۱۱۹۲، حافظ حدیث ابن قیمؒ نے بھی زاد المعاد ص ۸۶ ج ۱ میں قیام اللیل (تہجد) کے بیان میں نقل کی ہے اور اگر کسی کتاب میں یہ روایت رمضان کی عبادت کے

طور پر تراویح کے ساتھ نقل ہوگئی ہو تو اسے تراویح سے متعلق روایت سمجھ لینا صحیح نہیں ہے، تہجد بھی تراویح کی طرح رمضان کی ایک عبادت ہے اس مناسبت سے تراویح کے ساتھ نقل کی جاسکتی ہے، پس اگر بالفرض کہیں نقل ہوگئی ہے تو اسے دلیل قطعی نہیں بنایا جاسکتا، اذا جاء الا حتمال بطل الا ستدلال۔

علاوہ ازیں اس روایت کے متعلق حافظ حدیث امام قرطبیؒ کا یہ قول بھی نظر انداز نہ ہونا چاہئے کہ بہت سے اہل علم مذکورہ روایت کو مضطرب مانتے ہیں (عینی شرح صحیح بخاری ج۷ ص ۱۸۷ طبع جدید باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ)

مختصر یہ کہ مذکورہ روایت آٹھ رکعت تراویح کے لئے کسی بھی طرح قابل حجت نہیں اس کے برخلاف بیس رکعت کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کی موافقت پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہے اور جمہور امت نے اس کو عملاً قبول کرلیا ہے، امام ابوداؤد کا فیصلہ ہے اذا تنازع الخبر ان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینظر بما اخذ بہ اصحابہ (ابوداؤد شریف ج۱ ص ۲۶۳ کتاب المناسک باب لحم الصید) یعنی جب دو حدیثیں متضاد ہمارے سامنے ہوں (جیسے کہ آٹھ رکعت اور بیس رکعت والی حدیثیں تو دیکھا جائے گا کہ عمل صحابہؓ کس کے مطابق ہے؟ جس کے مطابق ہوگا وہ قابل قبول اور لائق عمل ہے۔

(۱) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں کہ اذا جاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیثان مختلفان وبلغنا ان ابا بکر و عمر عملا باحد الحدیثین وترکا الا خر کان ذلک دلیلا علی ان الحق فیما عملا بہ۔ یعنی جب آنحضرت ﷺ سے دو مختلف حدیثیں آجائیں اور ہمیں معلوم ہو کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے ان میں سے کسی ایک پر عمل کیا ہے اور دوسرے کو ترک کر دیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ جس حدیث پر انہوں نے عمل کیا ہے وہی صحیح اور حق ہے۔ (التعلیق الممجد علی موطا امام محمد ص ۴۴ تراویح)

(۲) امام ابوداؤد سجستانی (المتوفی ۲۷۵ھ) سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں: اذا تنازع الخبران عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینظر بما اخذ بہ اصحابہ یعنی جب دو مختلف حدیثیں آئیں تو دیکھا جائے گا صحابہؓ نے کس پر عمل کیا ہے (جس پر انہوں نے عمل کیا ہے وہی حق ہے (ابوداؤد شریف حوالہ بالا ص ۲۶۳ ج۱)

(۳) امام مجتہد ابوبکر جصاص رحمہ اللہ (المتوفی ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں: متی روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خبر ان متضاد ان وظہر عمل السلف باحدھما کان الذی ظہر عمل السلف بہ اولیٰ بالا ثبات۔

یعنی جب آنحضرت ﷺ سے دو حدیثیں متضاد مروی ہوں اور ان میں سے کسی ایک حدیث پر سلف کا عمل رہا تو وہی اولیٰ بالاثبات ہوگی (احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۱۷ بحث بسم اللہ فصل امام الجمعہ بھا)

(۴) امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۵۸ھ) عثمان دارمی سے نقل فرماتے ہیں: لما اختلفت احادیث الباب ولم یتبین الراجح منھا نظرنا الی ما عمل بہ الخلفاء الراشدون بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرجحنا بہ احد الجانبین اھ یعنی جب ایک باب کی مختلف حدیثیں آگئیں ہوں اور راجح کا یقین نہ ہو سکے

تو ہم خلفاء راشدین کے) عمل کو دیکھیں گے اور اس سے ترجیح دیں گے یعنی اس کے مطابق عمل کریں گے (فتح الباری شرح صحیح البخاری ص ۲۶۹ ج ۲ باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ)

(۵) محدث و خطیب بغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ) اپنی تاریخ میں امام مالک رحمہ اللہ (المتوفی ۱۷۹ھ) سے نقل کرتے ہیں کہ لو کان ھذا الحدیث ھو المعمول به لعملت به الا ئمة ابو بکر و عمر و عثمان بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یصلی الا مام قاعداً و من خلفه قعوداً. یعنی اگر یہ حدیث معمول بہ ہوتی کہ امام (عذر کی وجہ سے) بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ کر ہی نماز پڑھیں، تو اس حدیث پر رسول خدا ﷺ کے بعد کے ائمہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہم ضرور عمل کرتے (تاریخ بغداد ص ۲۴۷ ج ۹ مطبع مصر)

(۶) محقق ابن ہمام رحمہ اللہ (المتوفی ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ ومما یصحح الحدیث ایضا عمل العلماء علی وفقه. یعنی جن امور کی بناء پر حدیث کی صحت معلوم کی جاتی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ علماء اس کے موافق عمل کریں (تو یہ دلیل ہے حدیث کے صحیح ہونے کی (قبیل باب ایقاع الطلاق فتح القدیر ج ۳ ص ۳۴۹)

(۷) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں " اتفاق سلف وتوارث ایشاں اصل عظیم است درفقہ، یعنی اتفاق سلف اور ان کا توارث فقہ میں اصل عظیم ہے (ازالۃ الخفاء مطبع بریلی ص ۸۵ ج ۲)

دلیل ثانی:

حدثنا محمد بن حمید الرازی ثنا یعقوب بن عبدالله ثنا عیسیٰ بن جاریة عن جابر رضی الله عنه قال صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم فی رمضان لیلة ثمان رکعات والو تر فلما کان من القابلة اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج الینا فلم نزل فیه حتی اصبحنا قال انی کرهت وخشیت ان یکتب علیکم الوتر (قیام اللیل ص ۹۰)

غیر مقلدوں کو اس حدیث پر بہت ناز ہے مگر عجیب بات یہ ہے کہ اس کی سند قابل اعتبار نہیں ہے، اس کی سند کے رجال کے متعلق ائمہ فن کے ارشادات ملاحظہ فرمایئے سند میں ایک راوی " ابن حمید رازی " ہیں جن کے متعلق ناقدین حدیث بزرگان کرام کے تبصرے ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) وھو ضعیف۔ وہ ضعیف ہے۔ (حافظ ذہبیؒ)

(۲) کثیر المناکیر۔ بہت منکر احادیث بیان کرتا ہے۔ (یعقوب بن شیبہؒ)

(۳) فیه نظر۔ اس میں نظر (اعتراض) ہے۔ (امام بخاری)

(۴) کذبه ابو زرعة۔ وہ جھوٹا ہے۔ (ابوزرعہؒ)

(۵) اشهد انه کذاب۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے (اسحاق کوسجؒ)

(۶) فی کل شئی یحدثنا ما رأیت اجرأ علی الله منه کان یأخذ احادیث الناس فیقلب بعضه علی بعض (ترجمہ) ہر چیز میں حدیثیں بیان کرتا ہے، اللہ پر اس سے زیادہ جری شخص میں نے نہیں دیکھا،

لوگوں کی حدیثوں کو بدل دیتا ہے (صالح جزرہ)

(۷) واللہ یکذب:۔ خدا کی قسم یہ جھوٹا ہے (ابن خراش)

(۸) لیس بثقة:۔ معتبر نہیں ہے (امام نسائی) (میزاالاعتدال ج۳ ص ۵۰،۴۹)

دوسرے راوی یعقوب ابن عبداللہ اشعری القمی کے متعلق۔

(۱) لیس بالقوی، قوی نہیں ہے (دار قطنی) (میزان الاعتدال ص ۳۲۴ ج ۳)

تیسرے راوی عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق:۔

(۱) عندہ مناکیر ۔ اس کے پاس منکر حدیثیں ہیں (ابن معین)

(۲) منکر الحدیث ۔ منکر الحدیث ہے (نسائی)

(۳) متروک ۔ متروک الحدیث ہے (نسائی)

(۴) منکر الحدیث ۔ منکر الحدیث ہے (ابوداؤد، خلاصہ)

(۵) ضعفاء میں شمار ہے (میزان الاعتدال ص ۳۱۱ ج ۲)

بلوغ المرام میں حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ اس میں رکعت کی تعداد ہی نہیں ہے، دیکھئے بلوغ المرام ص ۴۲، ۴۳۔

دوسرا اضطراب یہ ہے کہ وتر فرض ہو جانے کے خوف سے آنحضرت ﷺ کے باہر تشریف نہ لانے کا ذکر ہے، حالانکہ احادیث صحیحہ میں تراویح کا ذکر ہے۔ (میزان الاعتدال ص ۴۳، ۴۲ ج ۲)

یہ ہے آٹھ رکعت والوں کی پونجی، جس کے سہارے بیس کی مخالفت کر کے اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں۔ افسوس!

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوار آہنی پہ حماقت تو دیکھئے

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

باب صلوٰۃ الاستسقاء

نماز استسقاء کا طریقہ:

(سوال ۲۷۲) نماز استسقاء کا کیا طریقہ ہے؟

(الجواب) بارش کی معمولی ضرورت کے وقت نمازوں کے بعد دعا کی جائے یا خطبۂ جمعہ میں دعا کی جائے۔ اور اگر بارش کی شدید ضرورت ہو تو سب بندگان خدا کو خلوص دل سے توبہ کرنی چاہئے اور اپنے گناہوں اور خطاؤں کی معافی مانگنی چاہئے۔ اگر مسلمانوں کا کوئی اجتماعی نظام ہو تو اس کے سربراہ کو یا امام شہر یا مفتی یا قاضی شہر جس کو سب مسلمان مانتے ہوں۔ اس کو چاہئے کہ وہ اصلاحی باتوں کی مسلمانوں کو ہدایت کرے۔ خصوصاً حقوق العباد (لوگوں کے حقوق) ادا کرنے کی۔ اس کے علاوہ صدقہ وخیرات کی تائید کرے اور ہدایت کرے کہ مسلمان تین روز مسلسل روزے رکھیں پھر چوتھے روزے سب مسلمان۔ مرد۔ جوان۔ بوڑھے۔ بچے شہر کے باہر کسی میدان میں جمع ہوں۔ معمولی لباس پہن کر جائیں۔ دلوں میں خدا کا خوف اور اپنے گناہوں اور خطاؤں کا استحضار اور احساس ہو۔ عجز وانکسار سے گردنیں جھکی ہوئی ہوں اور اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں پر ندامت کے ساتھ اللہ کی رحمت اور اس کے فضل وکرم کے امیدوار ہوں اور اپنی دعاؤں کی قبولیت کا یقین ہو۔ پھر امام نماز کے لئے اپنے مصلے پر پہنچے۔ اذان اور تکبیر کے بغیر دو۲ رکعت جہری قرأت کے ساتھ پڑھائے۔ پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ اور دوسری میں سورۂ غاشیہ۔ یا پہلی رکعت میں سورۂ ق اور دوسری میں سورۂ قمر پڑھنا افضل ہے۔ نماز کے بعد مثل جمعہ کی دو۲ خطبے پڑھے جائیں۔ خطبہ سے فارغ ہو کر امام قبلہ رخ کھڑے ہو کر بطور تفاؤل (نیک فالی) کے اپنی اوڑھی ہوئی چادر پلٹ دے اس طرح کہ اپنے دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے لے جا کر سیدھے ہاتھ سے چادر کی بائیں جانب کے نیچے کا گوشہ پکڑے اور بائیں ہاتھ سے چادر کی دائیں جانب کا کونہ پکڑ کر اس طرح پلٹ دے کہ دائیں ہاتھ والا کونہ داہنے کندھے پر اور بائیں ہاتھ والا کونہ بائیں کندھے پر آ جائے۔ اگر چادر مربع ہو تو اوپر کے حصہ کو نیچے اور نیچے کے حصہ کو اوپر کر دے اور جبہ کی طرح گول ہو تو داہنی جانب کو بائیں پر کر دے اور بائیں کو داہنے پر۔ قولہ۔ حول ردائہ قال المنظور الفرض من التحویل التفاؤل بتحول الحال یعنی حولنا احوالنا رجاء ان یحول اللہ علینا العسر بالیسر والجدب بالخصب. وکیفیۃ التحویل ان یاخذ بیدہ الیمنیٰ الطرف الاسفل من جانب یسارہ وبیدہ الیسریٰ الطرف الاسفل ایضاً من جانب یمینہ ویقلب یدیہ خلفا ظھرہ بحیث یکون الطرف المقبوض بیدہ الیمنیٰ علی کتفہ الاعلیٰ من جانب الیمین والطرف المقبوض بیدہ الیسریٰ علی کتفہ الاعلیٰ من جانب الیسار فاذا فعل ذالک فقد انقلب الیمین یساراً والیسار یمیناً. والاعلیٰ اسفل بالعکس. وقال ابن المالک ان کان مربعاً یجعل اعلاہ اسفلہ وان کان مدورا کالجبۃ یجعل جانبہ الایمن علی الایسر. (التعلیق الصبیح ج ۲ ص ۱۸۵ باب الاستسقاء) پھر امام کھڑے کھڑے آہ وبکا کے ساتھ اونچے اور الٹے ہاتھ کر کے دعا کرے اور مقتدی بیٹھ کر خشوع وخضوع کے ساتھ امام کی طرح ہاتھ بلند اور الٹے کر کے دعا میں مشغول ہو جائیں۔ اور امام کی دعا پر آمین۔ آمین کہتے رہیں اور گڑگڑا کر دعا کرنے کی کوشش کریں۔ تاکہ دریائے رحمت جوش میں آ جائے اور بامراد لوٹیں

۔ ماثورہ دعائیں یہ ہیں اللھم انت اللہ لا الہ الا انت الغنی ونحن الفقراء انزل علینا الغیث واجعل ما انزلت لنا قوۃ وبلاغا الی حین. ترجمہ ۔ اے اللہ تو معبود ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ۔ تو غنی ہے اور ہم فقیر ہیں ۔ ہمارے اوپر رحمت کی بارش برسا اور اس کو ہمارے لئے قوت کا باعث بنا کہ اس سے ہم مدت دراز تک منتفع ہوتے رہیں ۔ دعا ۔ اللھم اسقنا غیثاً مغیثاً مریئا مریعا نافعاً غیر ضار عاجلاً غیر اجل .ترجمہ : اے اللہ ہمیں سیراب کر ایسی بارش سے جو ہماری فریاد پوری کردے جو مددگار ہو، خوشگوار ہو، تازہ اور شاداب کرنے والی ہو، نفع بخشنے والی ہو ۔ نقصان دہ نہ ہو، جلد ہو ۔ تاخیر سے نہ ہو ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۳۲ باب الاستسقاء) دعا ۔ اللھم اسق عبادک وبھیمتک وانشر رحمتک احی بلدک المیت . ترجمہ : اے اللہ اپنے بندوں اور مویشی (جانوروں) کو سیراب کر اور اپنی رحمت کو پھیلا اور اپنے مردہ شہر کو زندہ کردے ۔ قحط کے مارے ہوئے کو شاداب کردے ۔'' یہ دعائیں یاد نہ ہو سکیں تو اپنی زبان میں بھی اس مطلب کی دعائیں کی جا سکتی ہیں ۔ اس طرح تین روز متواتر نکلنا چاہئے ہو سکے تو روزہ رکھ کر اور صدقہ ۔ خیرات کر کے نکلنا چاہئے ۔ بارش ہو جائے تب بھی تین دن پورے کئے جائیں ۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے ۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۵۳ ج ۱ الباب التاسع عشر فی الاستسقاء. درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۹۰ باب الاستسقاء) واللہ اعلم .

نماز استسقاء کے لئے جنگل میں کب نکلے؟:

(سوال ۲۷۳) بارش کی ضرورت ہے ۔ مگر عوام میں کوئی خاص اضطراب اور بے چینی معلوم نہیں ہوتی تو ایسے وقت میں نماز استسقاء کے لئے جنگل میں جانا چاہئے یا نہیں؟

(الجواب) معمولی حالات میں نمازوں کے بعد اور خطبہ جمعہ میں دعا کرنے پر اکتفا کیا جائے ۔ اور جب بارش کی اشد ضرورت ہو ۔ کنوئیں ۔ تالاب خشک ہو جائیں ۔ ندیاں اور نالے سوکھنے لگیں ۔ جانوروں کے لئے گھاس چارہ کی تنگی ہو ۔ کھیتی خراب ہو رہی ہو ۔ اور لوگوں میں پریشانی اور اضطراب پھیل جائے ۔ اور بارش کی صحیح طلب ہو ۔ وانما یکون الاستسقاء فی موضع لایکون لھم اودیۃ ولا انھار وابار یشربون منھا ویسقون مواشیھم اوزروعھم اویکون لھم ولا یکفیھم ذلک فاما اذا کانت لھم اودیۃ وابار و انھار فان الناس لا یخرجون الی الاستسقاء لانھا انما تکون عند شدۃ الضرورۃ و الحاجۃ کذا فی المحیط فتاویٰ عالمگیری .الباب التاسع عشر فی الاستسقاء ج ۱ ص ۱۵۴ . تب ہی جنگل میں نکلا جائے تاکہ توبہ سچی ہو ۔ دعا دل سے نکلے آنکھوں سے آنسو ٹپکیں ۔ اور رو رو کر دعا مانگی جائے تاکہ دریائے رحمت جوش زن ہو اور بامراد واپس ہوں ۔ معمولی ضرورت میں یہ باتیں پیدا نہ ہوں گی ۔ بہت ممکن ہے نامراد واپس ہوں جس سے نماز استسقاء کی قدر و منزلت دلوں سے نکل جائے یا کم ہو جائے اور غیروں کو ہنسنے کا موقع ملے ۔

مثنوی میں ایک صوفی شیخ احمد کا واقعہ لکھا ہے ۔ کہ وہ قرض لے کر مریدوں اور مہمانوں کو کھلاتے رہتے تھے ۔ ان کے ذمہ قرض بہت ہو گیا تھا ۔ بیمار ہوئے صحت سے مایوسی ہونے لگی تو قرض خواہوں کے تقاضے شروع ہوئے ۔ ایک روز سب قرض خواہ ایک ہی وقت پہنچ گئے یہ سب جمع تھے کہ ایک بچہ جو حلوا بیچ رہا تھا آواز لگاتا ہوا ادھر سے گزرا ۔ شیخ نے اسے بلوایا ۔ اور سارا حلوا خرید کر حاضرین کو کھلایا ۔ لڑکے نے حلوے کے دام مانگے تو فرمایا ان قرض خواہوں

کے ساتھ تو بھی بیٹھ جا۔ جب ان کو ملے گا، تجھے بھی مل جائے گا۔ بچہ نے رونا شروع کیا کہ خالی ہاتھ جاؤں گا۔ تو میرا باپ مجھے مار ڈالے گا۔ حاضرین کو بہت ناگوار ہوا کہ شیخ نے یہ کیا حرکت کی کہ ناحق بچہ کا دل دکھایا۔ شیخ خاموش تھے اور گویا کچھ انتظار کر رہے تھے۔ شیخ کا یہ انتظار جلد ہی اس طرح ختم ہو گیا۔ کہ ایک شخص حاضر ہوا۔ اور اس نے ایک بڑی رقم ہدیہ میں پیش کر دی۔ شیخ نے فوراً ہی سب قرض خواہوں کا قرض ادا کر دیا۔ یہ شیخ کی کرامت تھی مگر نہایت عجیب تھی۔ جس کا شیخ کے عمل سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ چنانچہ خلوت میں ایک خادم نے عرض کیا۔ حضرت یہ کیا ماجرا تھا؟ آپ کے ذمہ اتنا قرض تھا، قرض خواہوں کے تقاضے تھے، وہ مطالبہ کے لئے جمع بھی ہو گئے تھے۔ آپ نے "اس پر بھی اتنا زیادہ حلوا خریدا اور کھلا دیا، قرض اور بڑھا لیا۔ لوگوں کو آپ کی یہ بات ناگوار بھی ہوئی۔

حضرت شیخ نے فرمایا۔ میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے بارِ قرض سے سبکدوش فرما۔ جواب ملا کہ کوئی رونے والا ہو تو دریائے رحمت جوش میں آئے۔ قرض خواہ حضرات تشریف فرما تھے مگر رونے والا کوئی نہیں تھا۔ ان کے دلوں میں غصہ تھا اور ایک طرح کی سختی تھی۔ یہ کام بچہ نے کیا۔ جب میں نے اس کا سارا حلوا خرید لیا۔ اور وہ داموں سے مایوس ہوا تو اس نے رونا شروع کر دیا۔ اس کا رونا کسی وجہ سے بھی تھا مگر دل دکھے کا رونا تھا۔ اس رونے پر ہی رحمت حق جوش زن ہو گئی۔ اس با کرامت واقعہ کو حضرت مولانا رومیؒ کی مثنوی میں ملاحظہ فرمائیں۔ مولانا فرماتے ہیں:۔

تا نہ گرید کودکے حلوا فروش
بحر بخشائش نمی آید بجوش

یعنی جب تک حلوا فروش بچہ نہ روئے دریائے کرم جوش میں نہیں آتا۔

تا نہ گرید ابر کے خندد چمن
تا نہ گرید طفل کے جوشد لبن

یعنی رونا عجیب تاثیر رکھتا ہے کہ جب تک ابر پر گریہ طاری نہ ہو (بارش نہ برسے) چمن کیسی ہنس سکتا ہے۔ اس کو شادابی کہاں نصیب ہو سکتی ہے) جب تک بچہ روئے نہیں۔ ماں کا دودھ کیسے جوش مار سکتا ہے۔

اے کہ خواہی کز بلا جاں را بری
جان خود را در تضرع آوری

یعنی اگر بلا اور مصیبت سے نجات چاہتے ہو تو (حق تعالیٰ کے سامنے) گریہ وزاری سے کام لو۔

در تضرع باش تا شاداں شوی
گریہ کن تا بے وہاں خنداں شوی

یعنی حق تعالیٰ کے سامنے آہ وزاری میں مصروف رہو۔ تا کہ مسرور اور شادکام ہو جاؤ۔ گریہ کرتے رہو۔ تا کہ دہن نہیں بلکہ دل ہنسے اور خوش ہو۔ آخری بات یہ ہے۔

در پئش ہر گریہ آخر خندہ ایست
مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

یعنی ہر رونے کا انجام خوش ہونا ہے۔ جو شخص انجام پر نظر رکھے مبارک بندہ وہی ہے۔

لہذا جب تک حالات پریشان کن [illegible] کے لئے جنگل میں نہ نکلا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب الجنائز

حائضہ عورت کا یا کافر کا میت کے پاس ٹھہرنا:

(سوال ۱) متعلق سوال بالا اولیاء میت اپنے میت کو وطن لے جائیں تو میت کے پاس حائضہ عورت اور کافر کا ہونا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اولیٰ یہی ہے کہ حائضہ عورت قریب نہ رہے اور کافر بھی قریب نہ رہے کافر کا وجود نزول رحمت کے لئے مانع ہے، درمختار میں ہے ویحضر عنده الطيب و يخرج من عنده الحائض و النفساء و الجنب (درمختار ج ۱ ص ۷۹۸ باب صلوٰة الجنائز) مراقی الفلاح میں ہے (واختلفوا فی اخراج الحائض و النفساء) و الجنب (من عنده) وجه الا خراج امتناع حضور الملائكة طحطاوی میں ہے (وجه الا خراج) اخراجهم على سبيل الا ولية اذا كان من حضور هم غنى ..... ووجه عدم الا خراج انه قد لا يمكن الا خراج للشفقة او للاحتياج اليهن و نص بعضهم على اخراج الكافر ايضا وهو حسن (مراقی الفلاح و طحطاوی ص ۳۰۸ باب احكام الجنائز)

بہشتی زیور میں ہے۔ مسئلہ: مرجانے کے بعد اس کے یعنی میت کے پاس لوبان وغیرہ کچھ خوشبو سلگادی جائے اور حیض اور نفاس والی عورت اور جس کو نہانے کی ضرورت ہے اس کے پاس نہ رہے (بہشتی زیور ص ۶۱ حصہ دوم)

مسئلہ:۔ جو حیض یا نفاس سے ہو وہ مردے کو نہ نہلاوے کہ یہ مکروہ و منع ہے۔ (بہشتی زیور ص ۶۴ حصہ دوم)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے (۱) خلاصہ سوال:۔ غیر مسلم کو میت کا چہرا دکھلانا کیسا ہے؟ وہ لوگ تقاضا کریں اور نہ دکھانے میں شور و شغب کا خوف ہو تو اس صورت میں ان کو چہرہ دکھانا جائز ہے یا نہیں؟ (۲) میت کے روز میت والے کے گھر پر غیر مسلم ہندو عورتیں آتی ہیں اور مردے کے پاس بیٹھتی ہیں اور تعزیت کرتی ہیں کیا ان عورتوں کو میت کے مکان میں داخل ہونے دینا چاہئے یا نہیں؟

(الجواب) حامداً و مصلیاً و مسلماً (۱) جائز ہے لیکن اگر زیادہ شر کا اندیشہ نہ ہو تو انکار کر دیا جائے کہ یہی احوط ہے (۲) ان ہندو عورتوں کو وہاں سے علیحدہ کر دیا جائے، کذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح، چونکہ وہ وقت نزول رحمت کا ہے اور غیر مسلموں پر لعنت برستی ہے فقط (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۳۳ ص ۲۳۴ جلد سابع) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صلوٰۃ الجنائز

جنازہ الٹا رکھ دیا گیا:

(سوال ۲) سہواً جنازہ الٹا رکھ دیا گیا ہو۔ یعنی جس جانب میت کا سر ہونا چاہئے اس جانب پیر اور جس طرف پیر ہونے چاہئیں اس طرف سر ہو۔ اب نماز جنازہ پڑھ لینے کے بعد معلوم ہوا تو نماز درست ہوگی، یا پھر دہرانا پڑے گی؟

(الجواب) جان بوجھ کر جنازہ الٹا رکھنا مکروہ ہے، بھول سے ہوگیا تو کوئی حرج نہیں، نماز کے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ (درمختار طحطاوی ج ۱ ص ۵۹۴ باب صلوٰۃ الجنائز) وصحت لو وضعوا الرأس موضع الرجلين واساؤا ان تعمدوا. فقط واللہ اعلم بالصواب.

ناپاک جگہ پر جنازہ رکھ دیا گیا:

(سوال ۳) ہمارے یہاں نماز جنازہ کے لئے مسجد کے قریب ایک جگہ مقرر ہے، وہاں پر نماز جنازہ ہوتی ہے، احاطہ کا دروازہ کھلا رہ جانے کی وجہ سے بھینس نے پیشاب کیا تھا، جنازہ اٹھا لینے کے بعد جگہ پیشاب سے تر معلوم ہوئی تو نماز درست ہوئی یا لوٹانے کی ضرورت ہے؟

(الجواب) میت اور جنازہ پاک ہو تو جس مقام پر جنازہ رکھا گیا ہے اس کا ناپاک ہونا مضر نہیں، نماز درست ہے، دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب.

وضع حمل میں وفات پانے والی ماں اور اس کے بچے کی نماز کا طریقہ:

(سوال ۴) زچگی (حالت وضع حمل) میں ایک عورت اور اس کا نومولود بچہ دونوں وفات پاگئے ہیں۔ اب دونوں کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھی جائے یا الگ الگ؟

(الجواب) دونوں کی نماز جنازہ الگ الگ پڑھنا اولیٰ ہے، ایک ساتھ پڑھنی ہو تو امام کے آگے پہلے بچہ کا اور پھر اس کی ماں کا جنازہ رکھا جائے یا بچہ کی پائنتی پر ماں کا جنازہ رکھا جائے یہ بھی جائز ہے۔ دونوں کی ایک ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں اولاً بالغ کی دعا اور پھر نابالغ کی دعا پڑھی جائے بقی ما اذا کان فیھم مکلفون وصغار والظاھر انه یاتی بدعاء الصغار بعد دعاء المکلفین کمامر. (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۴۵ باب احکام الجنائز) فقط واللہ اعلم بالصواب.

امام نے بھول سے تیسری تکبیر کے بعد سلام پھیر دیا تو کیا کرے؟:

(سوال ۵) نماز جنازہ میں امام نے تیسری تکبیر کہہ کر بھول سے ایک جانب سلام پھیر دیا پھر یاد آیا یا پیچھے سے مقتدی نے لقمہ دیا تو اب امام کیا کرے؟

---

(۱) وطھارۃ مکان المیت لیست بشرط ھکذا فی المضمرات فتاوی عالمگیری فی الجنائز الفصل الخامس فی الصلاۃ علی المیت

(الجواب) بھول سے سلام پھیرا ہو تو اب چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیر لے، نماز صحیح ہو جائے گی۔ ولو سلم الامام بعد الثالثۃ ناسیاً کبر رابعۃً ویسلم (مراقی الفلاح ص ۱۱۵۔ باب احکام الجنائز) فقط۔ واللہ اعلم بالصواب

جوتیاں پہن کر نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں

(سوال ۶) نماز جنازہ جوتیاں پہن کر یا جوتیاں پاؤں میں سے نکال کر اس پر پاؤں رکھ کر کھڑے رہ کر پڑھے تو اس طریقہ سے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) جوتیاں پہن کر یا جوتیاں نکال کر اس پر پاؤں رکھ کر نماز جنازہ پڑھنے کی صورت میں جوتیوں کا پاک ہونا ضروری ہے، جوتیاں پاک ہوں گی تو نماز ہوگی، ناپاک ہوں گی تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔ **ولو افترش نعلیہ وقام علیھما جازت وبھذا یعلم ما یفعل فی زماننا من القیام علی النعلین فی صلوٰۃ الجنازۃ لکن لا بد من طھارۃ النعلین (بحر الرائق ج۲ ص ۱۷۹ کتاب الجنائز تحت قولہ وشرط اسلام المیت وطھارتہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔**

نماز جنازہ کے لئے نفل نماز توڑ سکتے ہیں یا نہیں؟:

(سوال ۷) نفل نماز پڑھ رہے ہوں اور نماز جنازہ شروع ہو جائے تو نماز جنازہ پڑھنے کے لئے نفل نماز توڑ سکتے ہیں یا نہیں۔

(الجواب) نماز جنازہ کے ہاتھ نہ آنے کا خوف ہو تو نماز میں شامل ہونے کی غرض سے نفل نماز توڑ سکتے ہیں، مگر نفل کی قضا کرنا ضروری ہے۔ **او کان فی النفل فجئی بجنازۃ وخاف فوتھا قطعہ لا مکان قضائہ (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۶۶۶ باب ادراک الفریضۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔**

قبر پر جنازہ کی نماز:

(سوال ۸) ہمارے یہاں ایک شخص کے گھر بچہ کی پیدائش ہوئی دو تین روز بعد اس بچہ کا انتقال ہو گیا، اس شخص نے کسی کو اطلاع نہیں دی اور اپنے طور پر غسل دے کر دفن کر دیا جنازہ کی نماز نہیں پڑھی اس کے بعد گاؤں والوں کو اس کی خبر ہوئی تو اس بچہ کی قبر پر جنازہ کی نماز پڑھی تو یہ نماز درست ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں کسی مستند عالم مفتی سے پوچھ کر عمل کرنا چاہئے تھا مسئلہ یہ ہے کہ جب تک میت کا جسم پھٹا نہ ہو نماز پڑھ سکتے ہیں اور جب گمان غالب یہ ہو جائے کہ لاش پھٹ گئی ہوگی تو پھر نماز نہ پڑھی جائے، اور لاش پھٹنے کی مدت متعین نہیں ہے اس کا مدار میت کے جسم (یعنی موٹا و پتلا ہونے) موسم (یعنی سردی و گرمی) اور زمین کی خاصیت اور تاثیر پر ہے۔ کسی جگہ تین دن کسی جگہ دس دن تک اور کسی جگہ ایک مہینہ تک میت کا جسم خراب نہیں ہوتا اور نہیں پھٹتا، تین دن کے اندر اندر پڑھنے میں تو زیادہ تحقیق کی ضرورت نہیں ہے تین دن گذر گئے ہوں تو جو لوگ زمین کی خاصیت کے ماہر ہیں ان سے تحقیق کر کے اس کے مطابق عمل کیا جائے بلا تحقیق نہ پڑھی جائے۔ درمختار میں ہے **(وان دفن) واھیل علیہ التراب (بغیر صلاۃ) اوبھا بلا غسل او ممن لا ولایۃ لہ (صلی علی قبرہ)**

استحساناً (مالم یغلب علی الظن تفسخه) من غیر تقدیر هو الا صح (درمختار) شامی میں ہے۔(قوله هو الا صح) لانه یختلف باختلاف الا وقات حراً وبرداً والمیت سمناً وهزالا والا مکنة بحرو قیل یقدر بثلاثة ایام وقیل عشرة وقیل شهر عن الحموی (درمختار و شامی ج ۱ ص ۸۲۷ باب صلوٰة الجنائز قبیل مطلب فی کراهة صلاة الجنازة فی المسجد)(البحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۲ کتاب الجنائز تحت قوله فان دفن بلا صلاة الخ) فقط والله اعلم بالصواب.

قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟:

(سوال ۹) یہاں پر (افریقہ میں) قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنے کے متعلق یہاں کے علماء میں اختلاف ہو گیا ہے۔ ایک فریق کہتا ہے کہ ناجائز ہے دوسرا فریق کہتا ہے کہ بلا تکلف جائز ہے، سامنے قبر ہو یا نہ ہو، ان دونوں فریقوں میں کون سا فریق حق پر ہے؟ اور نماز جنازہ قبرستان میں پڑھی جائے یا نہیں۔ بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں۔

(الجواب) اگر قبرستان میں خالی جگہ ہو اور سامنے قبریں نہ آتی ہوں اور اگر آتی ہوں تو اتنے دور ہوں کہ نمازی کی نگاہ ان پر نہ پڑتی ہو یا درمیان میں کوئی حائل ہو تو نماز جنازہ بلا کراہت جائز ہے، ورنہ مکروہ ہے۔ حدیث کی معتبر کتاب جامع صغیر میں ہے۔ نهی ان یصلی علی الجنائز بین القبور (ترجمہ) قبروں کے درمیان نماز جنازہ پڑھنا ممنوع ہے۔ (ج ۲ ص ۱۸۱) اور فقہ کی معتبر کتاب ''البدائع الصنائع'' میں ہے۔قال ابو حنیفة ولا ینبغی ان یصلی علی میت بین القبور (ج ۱ ص ۳۱۵ باب صلاة الجنازة فصل فی الدفن) (ترجمہ) امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ قبروں کے درمیان نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔'' حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔(بحر الرائق ج ۱ ص ۱۹۵)[1] فقط والله اعلم بالصواب.

خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھے یا نہیں:

(سوال ۱۰) خودکشی کرنے والے مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب تحریر فرمائیے۔

(الجواب) بے شک خودکشی گناہ کبیرہ ہے مگر شریعت مطہرہ نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت دی ہے اگر بعض مذہبی مقتدا زجرا لوگوں کی عبرت کے لئے نماز جنازہ میں شرکت نہ کریں تو اس کی گنجائش ہے مگر عوام پر ضروری ہے کہ نماز جنازہ پڑھیں نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن نہ کریں۔ حدیث میں ہے کہ مسلمان کی نماز جنازہ تم پر لازم ہے، وہ نیک ہو یا بد او کما قال علیه الصلوٰة والسلام. درمختار میں ہے من قتل نفسه لو عمداً یغسل ویصلی به یفتی. ترجمہ: جو آدمی خود کو عمداً قتل کرے تو اس کو غسل دیا جائے اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے اسی پر فتویٰ ہے۔(شامی ج ۱ ص ۸۱۵ باب صلوٰة الجنائز فصل فی صلاة الجنازة) والله تعالیٰ اعلم.

---

(۱) باب صلوٰة الجنائز تحت قوله ولا یحصص وفی البدائع قال ابو حنیفة رحمه الله ولا ینبغی ان یصلی علی میت بین القبور وکان علی وابن عباس یکرهان ذلک فان صلوا اجزاهم الخ)

نماز جنازہ مسجد کی جماعت خانے میں پڑھنے کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۱) غیر مقلد مولوی عبدالجلیل صاحب سامرودی نے ایک اشتہار نیچے کی سرخی سے (گجراتی میں) ''نماز جنازہ حنفی مذہب کے مطابق مسجد کے جماعت خانے میں پڑھی جائے'' پڑھنے کے متعلق تفصیل اور اس کی تشریح'' شائع کی ہے۔ جس میں دسویں صدی ہجری کے عالم ملاعلی قاریؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عائشہؓ واللہ کہہ کر فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بیضاء کے دونوں بیٹوں کی نماز جنازہ مسجد کے جماعت خانے میں پڑھی تھی۔

اور لکھتے ہیں:۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی نماز جنازہ صحابہؓ نے مسجد میں پڑھی تھی۔

اور لکھتے ہیں:۔

زیادہ سے زیادہ کراہت تنزیہی کہہ سکتے ہیں۔

اور لکھتے ہیں:۔

نماز جنازہ مسجد کے اندر پڑھنے کا عمل آج بھی مکہ مدینہ میں جاری ہے۔

اور لکھتے ہیں:۔

جو حدیث ابوہریرہؓ ہدایہ میں ہے **من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا اجرلہ وفی روایۃ فلا شئی لہ** (جو شخص مسجد میں نماز جنازہ پڑھے گا اس کے لئے کوئی اجر نہیں ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے لئے کچھ حاصل نہیں ہے) اس میں **فلا اجر لہ** کا لفظ کتب حدیث میں نہیں ہے، اور قطب الدین حنفی کے حوالہ سے بلا کراہت مسجد میں نماز جنازہ درست ہے لکھا ہے:۔

یہ اشتہار پڑھ کر بہت سے لوگ تشویش میں مبتلا ہیں، لہٰذا حنفی مذہب کا اس کے متعلق صحیح مسلک کیا ہے وہ مع دلائل وحوالہ کتب تحریر کریں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) صحیح مسلک، ظاہر مذہب، اور ظاہر روایت و مفتی بہ قول یہ ہے کہ ''بلا عذر اور بلا وجہ جنازہ مسجد میں رکھ کر نماز پڑھنا مکروہ اور ممنوع ہے (۱) آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے **من صلی علیٰ جنازۃ فی المسجد فلا شئی لہ** (یعنی) جو شخص مسجد میں نماز جنازہ پڑھے گا اس کے لئے کوئی چیز نہیں ہے یعنی اسے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا (**ابو داؤد شریف ج۲ ص ۹۸ کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ فی المسجد**) (**ابن ماجہ شریف ج ۱ ص ۲۳۸**) حدیث معتبر اور قابل حجت ہے، خلاف میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ غلط ہے۔ زاد المعاد۔ ج: ۱ ص: ۱۴۴ سے ابوداؤد میں فلا اجرلہ اور فلاشئی لہ دو نسخے ہیں، محدث خطیب کی تحقیق یہ ہے کہ ''محفوظ روایت میں فلاشئی لہ ہے۔ حافظ ابن عبدالبر کی بھی یہی تحقیق ہے (**عینی شرح ھدایہ ص ۱۰۹ ۱ ج ۱ ۔ ۲ باب الجنائز فصل فی الصلاۃ علی المیت**) (**عمدۃ القاری شرح بخاری ج۸ ص ۱۱۸ کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد**)

(۲) دوسری صدی ہجری کے فقیہ محدث مجتہد فی المذہب حضرت امام محمدؒ المتوفی ۱۸۹ھ حضرت امام ابو

یوسف اور حضرت امام ابوحنیفہ کی روایت سے مسئلہ بیان فرماتے ہیں۔ تکرہ الصلوۃ علی الجنازۃ فی المسجد (یعنی) مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے (الجامع الصغیر باب الکراھیۃ ص ۱۵۳)

(۳) تیسری صدی ہجری کے محدث فقیہ حضرت امام طحاویؒ المتوفی ۳۲۱ھ فرماتے ہیں:۔

وکراھتھا قول ابی حنیفۃ ومحمد وھو قول ابی یوسفؒ (ترجمہ) اور مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہونے کا قول امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا ہے اور امام ابویوسف کا بھی یہی قول ہے (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۸۵ باب الصلوۃ علی الجنازۃ ھل ینبغی ان تکون فی المساجد اولا)

(۴) چوتھی اور پانچویں صدی کے فقیہ امام ابوالحسن قدوریؒ المتوفی ۴۲۸ھ فرماتے ہیں:۔

ولا یصلی علی میت فی مسجد جماعۃ (ترجمہ) مسجد جماعت (جماعت خانے) میں جنازے کی نماز نہ پڑھی جائے (قدوری ص ۳۵ باب الجنائز)

(۵) پانچویں صدی کے فقیہ مجتہد فی المسائل امام سرخسیؒ المتوفی ۴۹۰ھ فرماتے ہیں:۔

وتکرہ الصلوۃ علی الجنازۃ فی المسجد عندنا (ترجمہ) ہمارے مذہب میں نماز جنازہ مسجد میں مکروہ ہے۔ (مبسوط ج ۲ ص ۶۸ باب الصلوۃ علی الجنازۃ)

(۶) چھٹی صدی کے فقیہ امام طاہر بخاریؒ المتوفی ۵۴۲ھ فرماتے ہیں:۔ صلوۃ الجنازۃ فی المسجد الذی یقام فیہ الجماعۃ مکروھۃ (ترجمہ) جس مسجد میں نماز باجماعت ہوتی ہو وہاں پر نماز جنازہ مکروہ ہے (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۲۲ باب الصلاۃ علی الجنازۃ)

(۷) ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے فقیہ ابوالبرکات نسفیؒ المتوفی ۷۱۰ھ فرماتے ہیں:۔

ولا فی المسجد (ترجمہ) اور مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ (کنز الدقائق ص ۵۲ کتاب الجنائز)

(۸) آٹھویں صدی کے فقیہ صدر الشریعۃ المتوفی ۷۴۷ھ فرماتے ہیں۔ وکرھت فی مسجد جماعۃ (ترجمہ) اور مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے (مختصر الوقایہ ص ۲۳ ایضاً)

(۹) نویں صدی کے فقیہ حافظ الدین شہاب کردریؒ المتوفی ۸۲۷ھ فرماتے ہیں۔ یکرہ صلوۃ الجنازۃ فی مسجد الجماعۃ (ترجمہ) مسجد جماعت میں نماز جنازہ مکروہ ہے (فتاویٰ بزازیہ ج ۱ ص ۱۲۰)

(۱۰) دسویں صدی کے فقیہ ابن نجیم مصری المتوفی ۹۷۰ھ فرماتے ہیں:۔ منع ادخال المیت فیہ (ترجمہ) مسجد میں میت کو داخل کرنا ممنوع ہے (الاشباہ والنظائر ص ۵۵۷ ایضاً)

(۱۱) گیارھویں صدی کے فقیہ محدث ملا علی قاریؒ المتوفی ۱۰۱۴ھ جن کا حوالہ سوال میں دیا گیا ہے فرماتے ہیں۔ وکرھت الصلوۃ علی الجنازۃ عندنا وعند مالک فی مسجد غیر معد لصلوۃ الجنازۃ (ہمارے اور امام مالکؒ کے نزدیک نماز جنازہ ایسی مسجد میں جو نماز جنازہ کے لئے نہیں بنائی گئی ہے مکروہ ہے) (شرح نقایہ لملا علی قاری ج ۱ ص ۱۳۶ باب الجنائز)

اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "بیضاء کے لڑکے کی نماز جنازہ کا واقعہ بنا بر چند وجوہ پیش آیا ہے اس سے عام حکم ثابت نہیں ہوسکتا" اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی

نماز جنازہ پڑھے جانے کا جواب دیتے ہیں کہ ان دونوں حضرات کو آنحضرت ﷺ کے حجرۂ مبارکہ میں دفن کرنا تھا اس لئے مسجد میں جنازہ لے جائے بغیر چارہ نہ تھا، لہذا یہ واقعہ بھی عذر کی وجہ سے پیش آیا ہے۔

آگے مسجد حرام کو اس نہی سے مستثنیٰ قرار دے کر لکھا ہے کہ ''مسجد حرام نماز پنجگانہ، عیدین جمعہ، کسوف، خسوف، جنازہ اور استسقاء اور تمام امور کے لئے بنی ہے۔'' (شرح نقایہ ج ۱ ص ۱۳۶ باب الجنائز فصل صلوٰۃ الجنازۃ)

الحاصل تیرہ سو ۱۳۰۰ سال سے علماء، فقہاء، محدثین اور ائمہ نماز جنازہ مسجد میں مکروہ ثابت کرتے آئے ہیں یہ آپ اوپر جان چکے۔ اس مسلک کو زیادہ تائید کتب ذیل سے ملتی ہے۔

(فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۳۲)(فتاویٰ سراجیہ ص ۲۳)(فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۵)(فتاویٰ برھنہ ج ۱ ص ۱۶۵)(شرح وقایہ ج ۱ ص ۱۲۱)(ھدایہ ج ۱ ص ۲۵۵)(درمختار شامی ج ۱ ص ۸۲۸)(طحطاوی ج ۱ ص ۲۰۲)(بحرالرائق ج ۲ ص ۱۸۷)(منحۃ الخالق ج ۲ ص ۱۸۷)(مجمع الانھر ج ۱ ص ۱۸۴)(رسائل الارکان ص ۱۸۵)(نفع المفتی ص ۱۴۳)(کبیری ص ۵۴۵)(صغیری. ص ۲۹۱)(نور الایضاح ص ۱۳۸)(مراقی الفلاح ص ۱۱۷)(زجاجۃ المصابیح ج ۱ ص ۴۶۲)(شرح سفر السعادۃ ص ۲۵۲)(فتح الملھم. ج ۲ ص ۴۹۵)(عینی شرح کنز ج ۱ ص ۶۷)(تبیین الحقائق ج ۱ ص ۲۴۳)(مستخلص الحقائق ص ۲۷۴)(مالا بد منہ ص ۸۳)

کراہت کے دو سبب ہیں:۔

(۱) مسجد کا بے جا استعمال، اس لئے کہ مسجد فرائض اور اس کے توابعات کے لئے موضوع ہے (بنائی جاتی ہے) نہ کہ جنازہ کے لئے۔ جنازہ کے لئے آنحضرت ﷺ کے زمانۂ مبارکہ سے ہی الگ جگہ ہوتی آئی ہے، دیکھئے (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۷۷ باب الصلوٰۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد)(مسلم شریف ج ۱ ص ۳۰۹) عن ابن عمر ان الیھود جاؤا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم برجل منھم وامرأۃ زنیا فامر بھما فرجما قریبا من موضع الجنائز عند المسجد (اخرجہ البخاری)

ابن حبیبؒ فرماتے ہیں کہ ''مدینہ میں جنازہ کی نماز پڑھنے کی جگہ مسجد مبارک سے متصل مشرق کی جانب تھی'' (فتح الباری ج ۳ ص ۱۲۰ ایضاً) وحکی ابن بطال عن ابن حبیب ان مصلی الجنائز بالمدینۃ کان لا صقاً بمسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ناحیۃ جھۃ المشرق انتھیٰ.

اور مؤطا امام محمد میں ہے وموضع الجنازۃ بالمدینۃ خارج من المسجد وھو الموضع الذی کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی علی الجنازۃ فیہ (یعنی) مدینہ منورہ میں جنازہ پڑھنے کی جگہ خارج مسجد ہے۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں پر نبی کریم ﷺ نماز جنازہ پڑھتے تھے (مؤطا امام محمد ص ۱۳۱ باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ فی المسجد)

حضرت ملا علی قاریؒ کی ''مرقاۃ شرح مشکوٰۃ'' میں ہے کان للجنازۃ موضع معروف خارج المسجد (ترجمہ) آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں جنازہ کے لئے مسجد سے خارج ایک جگہ تھی جس کو سب

جانتے تھے (معروف جگہ تھی) (ج۲ص۲۵۷۔باب المشی بالجنازۃ والصلوٰۃ علیہا)

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ صحابہؓ نے بیان کیا کہ ہم مسجد نبوی سے متصل میدان میں جہاں جنازہ رکھا جاتا تھا بیٹھے ہوئے تھے اور آنحضرت ﷺ بھی ہمارے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، مذکورہ حدیث کی شرح میں ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ فیہ دلیل علیٰ انہم لم یکونوا یصلون علی الجنائز داخل المسجد الشریف (ترجمہ) اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نماز جنازہ مسجد شریف میں نہیں پڑھا کرتے تھے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۳ص۳۴۳ ایضاً)

فتاویٰ قاضی خان میں ہے ''سلف صالحین کی عادت نماز جنازہ کے لئے الگ جگہ بنانے کی تھی، اگر مسجد میں نماز جنازہ ممنوع اور مکروہ نہ ہوتی تو مسجد چھوڑ کر الگ جگہ کیوں بناتے تھے؟

غیر مقلدوں کے مسلم حافظ حدیث ابن قیم حنبلی فرماتے ہیں۔ فکانوا یجھزون میتھم ویحملونہ الیہ صلی اللہ علیہ وسلم علی سریرہ فیصلی علیہ خارج المسجد (ترجمہ) حضرات صحابہؓ کا طریقہ اور دستور یہ تھا کہ میت کو تیار کرکے چارپائی پر آنحضرت ﷺ کے سامنے لاتے اور آپ ﷺ اس پر خارج مسجد نماز ادا فرماتے۔'' (زادالمعاد ج۱ص۱۴۳)

ساتھ ہی خلاصہ فرماتے ہیں:۔

لم یکن من ھدیہ الراتب لصلوٰۃ علیہ فی المسجد وانما یصلی علی الجنازۃ خارج المسجد (ترجمہ) آنحضرت ﷺ کا ہمیشہ کا معمول اور دستور مسجد میں جنازہ پڑھنے کا نہ تھا'' (زادالمعاد ج۱ص۱۴۳)

آگے فرماتے ہیں:۔

''اور کبھی آنحضرت ﷺ کو مسجد میں جنازہ پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے جیسے کہ سہل بن بیضاء اور اس کے بھائی کی نماز جنازہ کے سلسلہ میں، مگر یہ آپ کی سنت اور دستور نہ تھا۔''

اخیر میں فیصلہ فرماتے ہیں۔

والصواب ماذکرناہ اولاً ان سنتہ وھدیہ الصلوۃ علی الجنازۃ خارج المسجد الا لعذر (ترجمہ) صحیح اور درست وہی ہے جو ہم اولاً بیان کر چکے ہیں کہ بے شک آپ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کا طریقہ خارج مسجد جنازہ پڑھنے کا تھا مگر کسی عذر کی وجہ سے (زادالمعاد ج۱ص۱۴۴)

اور ابن ہمام کی بھی یہی رائے ہے کہ ''یہ بات قطعی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سنت مستمرہ اور آپ کا دوامی عمل اور طریقہ مسجد میں میتوں کو داخل کرنے کا نہ تھا۔'' (فتح القدیر ج۲ص۹۲ باب الجنائز فصل فی الصلوٰۃ علی المیت)

اس بارے میں آنحضرت ﷺ کا عمل یہاں تک تھا کہ نجاشی کی وفات کی خبر آپ ﷺ نے مسجد میں دی مگر نماز وہاں نہیں پڑھی بلکہ صحابہ کو لے کر مصلی الجنازہ میں تشریف لے گئے اور وہاں نماز ادا فرمائی دیکھئے (بخاری شریف ج۱ص۱۷۷۔ باب الصلوٰۃ علی الجنائز بالمصلیٰ والمسجد) (مسلم شریف ج۱ص۳۰۹)

حالانکہ جنازہ وہاں پر موجود نہ تھا، باوجود اس کے مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی کہ مسجد کے غلط استعمال کے مرادف ہے۔

فتح الباری شرح بخاری میں ہے کہ " دل حدیث ابن عمر هذا علیٰ انه کان للجنائز مکان معد للصلوة علیها الخ" (ترجمہ) "حدیث ابن عمرؓ (متعلق برجم) اس بات پر دال ہے کہ نماز جنازہ کے لئے ایک الگ جگہ تیار کی گئی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا مسجد نبوی میں جنازہ پڑھنا کسی عذر کی وجہ سے تھا یا بیان جواز کے لئے تھا۔ واللہ اعلم" (ج ۳ ص ۱۶۰ ایضاً)

اور علامہ ابن الحاج فرماتے ہیں کہ انهم کانوا لا یصلون علی میت فی المسجد (ترجمہ) حضرات صحابہ اور سلف صالحین مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھتے تھے۔ (کتاب المدخل ج ۲ ص ۸۱)

حضرت عائشہؓ والی روایت جس کا حوالہ سوال میں دیا گیا ہے وہ بھی اس کی مؤید ہے:۔

(۱) حضرت سعدؓ کا جنازہ مسجد میں پڑھنے کے متعلق حضرت عائشہؓ کی درخواست مشیر ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا دستور نہ تھا، ورنہ درخواست کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

(۲) صحابہؓ کے انکار سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا آنحضرت ﷺ کے دوامی عمل اور سنت مستمرہ کے خلاف عذر کی وجہ سے تھا، عذر کیا تھا؟ اس کا جواب محدث قطب الدین دہلویؒ المتوفی ۱۲۸۹ھ یہ دیتے ہیں کہ "ایک روایت میں یہ صریح آیا ہے کہ حضرت معتکف تھے اس لئے مسجد میں پڑھی" (مظاہر حق ج ۲ ص ۴۹ باب المشی بالجنازة والصلوٰة علیها)

(۳) اس موقعہ پر صحابہ کا یہ فرمانا کہ ما کانت الجنائز ید خل بها المسجد (ترجمہ) آنحضرت ﷺ کے زمانے میں مسجد میں جنازے لائے نہیں جاتے تھے" (مسلم شریف ج ۱ ص ۳۱۳ کتاب الجنائز عن عبداللہ بن زبیر یحدث عن عائشۃ الخ) مسجد میں نماز جنازہ خلاف سنت ہونے پر روشن اور واضح دلیل ہے۔

(۴) محض بیضاء کے لڑکے کے جنازہ کو داخلہ دینا یہ ثابت کرتا ہے کہ جنازے خارج مسجد پڑھے جاتے تھے اور مذکورہ دو جنازے کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں پڑھے گئے، حضرت عائشہؓ کو عذر کا علم نہ ہوگا یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ اجتہاد تھا کہ مسجد میں جنازہ کی نماز جائز سمجھتی ہیں جس کو صحابہؓ نے تسلیم نہیں کیا، واللہ اعلم، الغرض حدیث مذکور مسلک احناف کے خلاف نہیں ہے بلکہ تائید میں ہے، عذر کی صورت میں علمائے احناف بھی مسجد میں جنازہ پڑھنے کو بلا کراہت جائز سمجھتے ہیں۔

(۲) کراہت کا دوسرا سبب مسجد کے ملوث ہونے کا خوف اور احتمال ہے، تنزیہہ مسجد واجب ہے اس لئے مسجد کو ہر اس چیز سے بچانا ضروری ہے، جس سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہو یا ہونے کا احتمال ہو۔

حدیث شریف میں ہے عن ابن عمر عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال خصال لا ینبغی فی المسجد ...... لا یمر فیه بلحم نئی (ابن ماجه ص ۵۵ باب مایکره فی المساجد) کچا گوشت لے کر کوئی بھی مسجد میں سے نہ گزرے۔ آنحضرت ﷺ نے امت کو وصیت اور ہدایت فرمائی ہے کہ جنبوا مساجد کم صبیانکم و مجانینکم (ابن ماجه ص ۵۵ ایضاً) یعنی اپنے بچوں اور پاگلوں کو مسجد میں نہ جانے دو۔

آٹھویں صدی کے علامہ ضیاء الدین سناویؒ نے "نصاب الاحتساب" میں مذکورہ حدیث پیش کر کے لکھا ہے

کہ لانہ لا یؤمن منھم النجاسة وھو المعنی الموجود فی المیت (باب ۱۵ ص ۳۳) یعنی اس لئے کہ بچوں اور پاگلوں سے نجاست کے متعلق اطمینان نہیں کر سکتے، خطرہ رہتا ہے کہ کوئی گندگی پھیلا دیں گے۔ یہ علت (گندگی کا خطرہ کہ خون وغیرہ نجاست خارج ہو جائے) جنازہ میں بھی پایا جاتا ہے۔

''مبسوط'' میں بھی حدیث مذکور نقل فرما کر لکھا ہے۔ فاذا کان الصبی ینھیٰ عن المسجد فالمیت اولیٰ (ج ۲ ص ۶۸ الصلوٰة علی الجنازة) (ترجمہ) جب بچوں کو مسجد سے روکا گیا ہے تو میت کو بطریق اولیٰ الگ رکھا جائے۔

''صلوٰۃ مسعودی'' میں ہے ''و نیز تنزیہہ مسجد واجب است و مردہ از اند کے آلائش خالی نہ باشد'' (ج ۲ ص ۲۱۵) (اور مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت کی وجہ یہ بھی ہے کہ مسجد کو پاک صاف رکھنا واجب ہے اور مردہ تھوڑی بہت آلائش سے خالی نہیں ہوتا) اسی لئے مسجد نبوی جیسی مقدس اور بڑی فضائل والی جگہ چھوڑ کر جنازہ پڑھنے کی جگہ الگ مقرر کی گئی تھی۔ فی الحال اگر وہاں آنحضرت ﷺ کی سنت اور طریقہ کے خلاف عمل ہوتا ہو تو وہ شرعاً حجت نہیں ملا علی قاریؒ اور ابن ہمام اور علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ قلت ھذا انما کان فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم والخلفاء الراشدین الیٰ انقضاء القرون الثلثة الخ (ترجمہ) ''میں کہتا ہوں کہ اہل مدینہ کا بدعات سے سلامت رہنا اور ان کے عمل کا حجت اور دلیل ہونا نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے اور قرون ثلاثہ تک تھا مگر قرون ثلاثہ کے بعد حالات بہت بدل گئے اور بدعات کی کثرت ہوئی خصوصاً ہمارے زمانے میں (عینی) (مجموعۃ الفتاویٰ)

اور حضرت ملا علی قاریؒ المتوفی ۱۰۱۴ھ اپنے زمانے کی حالت بیان فرماتے ہیں کہ'' حرمین شریفین کے موجودہ باشندے بدعات اور برائیوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔'' (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۱۷۴)

حضرت ملا علی قاریؒ کا بدعات حرمین کے موضوع پر ایک رسالہ بھی موجود ہے، اگر کوئی حنفی عالم حنفی مسلک اور ظاہر روایت و مفتیٰ بہ قول کے خلاف فتویٰ دے تو اس سے مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔

مسجد میں جنازہ کی نماز مکروہ ہونے کے دو سبب بیان کئے گئے ہیں۔ پہلے سبب کے لحاظ سے مکروہ تنزیہی ہے اور دوسرے سبب کے لحاظ سے مکروہ تحریمی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ حق کس کو پہنچتا ہے؟:

(سوال ۱۲) نماز جنازہ پڑھانے کا احق کون ہے؟ محلہ کا امام یا میت کا ولی؟ کتاب شرح وقایہ میں احق بالا مامۃ بادشاہ، پھر قاضی، پھر محلہ کا امام پھر اولیاء میت، اس ترتیب سے ہے؟ لہذا تفصیل کریں کہ احق بالا مامۃ کون ہے؟ امام یا اولیاء میت؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) محلہ کا امام اس وقت زیادہ حق دار ہے جب کہ اولیاء میت میں اس سے کوئی افضل نہ ہو، اگر اولیاء نے میت جنہیں حق ولایت حاصل ہے اس امام سے افضل ہوں گے تو احق قرار پائیں گے یا جس کو وہ اجازت دیں۔ وفی شرح المجمع للمصنف انما یستحب تقدیم امام مسجد حیه علی الولی اذا کان افضل من الولی ذکرہ فی الفتاویٰ اھ وھو قید حسن و کذا فی المجتبیٰ وفی جوامع الفقه امام المسجد الجامع

اولیٰ من امام الحی اھ (بحرالرائق ج ۲ ص ۱۸۰ الصلوٰۃ على الجنازۃ تحت قولہ ثم امام الحی)(قولہ ثم امام الحی) المراد به امام مسجد محلته لكن بشرط ان يكون افضل من الولى والا فالولى اولى منه (طحطاوى على مراقی الفلاح ص ۳۴۳)وتقديم امام الحی مندوب فقط بشرط ان يكون افضل من الولى والا فالولى اولى (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۸۲۲ باب صلوٰۃ الجنائز مطلب فی بیان من احق بالصلاۃ على الميت)

کتاب شرح وقایہ کا مسئلہ صحیح ہے، جب امام کا انتخاب اعلمھم تمام محلہ والوں واہل مسجد میں زیادہ جاننے والا اور افضل ہونے) کے شرعی اصول کے مطابق عمل میں آیا ہو تو امام ہی احق ہے کہ اس سے افضل کوئی نہیں ہے اور اگر امام کا انتخاب قومیت وعصبیت اور سستی تنخواہ کے اصول سے ہوا ہے تو اولیاء میت میں سے جو افضل ہوگا وہ نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ حق دار ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

امام نے نماز جنازہ میں تین تکبیروں کے بعد سلام پھیر دیا:

(سوال ۱۴)جنازہ کی نماز میں امام نے تین تکبیروں کے بعد سلام پھیر دیا۔ لقمہ دینے پر چوتھی تکبیر کہہ کر نماز پوری کی تو نماز صحیح ہوگی یا قابل اعادہ ہے؟ اس لئے کہ سلام عمداً تھا یعنی نماز ختم کرنے ہی کے قصد سے سلام پھیرا گیا تھا اور مسئلہ ہے کہ عمداً سلام پھیرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں نماز صحیح ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ تین تکبیر کو چار تکبیر سمجھتے ہوئے سلام پھیرا گیا ہے۔ یہ صورت سہو کی ہے اگر یہ سمجھتے ہوئی تیسری تکبیر پر سلام پھیرا کہ نماز جنازہ کی تین تکبیریں ہیں تو یہ سلام قصداً شمار ہوکر نماز فاسد ہو جاتی سلم المصلى الظهر مثلاً على راس الركعتين تو هما اتمها اربعاً وسجد للسهو لان السلام ساهيالايبطل لانه دعاء من وجه بخلاف ما لم سلم علىٰ ظن انه فرض الظهر ركعتان بان ظن انه مسافر او انها الجمعة او كان قريب عهد بالا سلام فظن ان فرض الظهر ركعتان او كان فى صلوٰة العشاء فظن انها التراويح فسلم او سلم ذاكرا ان عليه ركنا حيث تبطل لانه سلام عهد. یعنی ظہر پڑھنے والے نے مثلاً دو رکعت۔ پر نماز ختم ہونے یعنی چار رکعت پڑھ چکنے کے خیال سے سلام پھیرا تو یاد آ جانے پر چار پوری کرے اس لئے کہ بھولے سے سلام پھیرنا نماز کو باطل نہیں کرتا کہ سلام من وجہ دعاء ہے۔ قصداً سلام پھیرنے کی مثال یہ ہے کہ ظہر کی دو رکعت سمجھ کر سلام پھیرا اس خیال سے کہ مسافر ہوں یا تو جمعہ سمجھ کر سلام پھیرا تو سلام قصداً ہوا یا نو مسلم تھا ظہر کی دو رکعت فرض ہے یہ خیال کرتے ہوئے سلام پھرا تو یہ قصداً ہوا اس طرح عشاء پڑھنے والے نے دو رکعت پر سلام اس خیال سے پھر دیا کہ تراویح کی دو رکعت پر سلام پھیر رہا ہوں یہ سلام بھی قصداً ہے کہ نماز پوری ہونے کے گمان پر سلام پھیرا یا یہ جانتے ہوئے سلام پھیرا کہ میرے ذمہ رکن باقی ہے یہ صورتیں قصداً سلام پھیرنے کی ہیں اس لئے ان تمام صورتوں میں نماز باطل ہو جاتی ہے۔ (درمختار مع الشامی ج ا ص ۷۰۴۔۷۰۵ باب سجود السہو)

(نوٹ) کسی کو شبہ ہو کہ جس نمازی کے ذمہ سجدہ سہو ہو وہ اپنی نماز ختم کرنے کے قصد سے سلام پھیرتا ہے

اس کے باوجود اس کی نماز باطل نہیں ہوتی اور اس کے لئے حکم ہے کہ سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کرے حالانکہ نماز باطل ہونی چاہئے کہ اس نے نماز ختم کرنے کے قصد سے سلام پھیرا تھا، جواب یہ ہے کہ مشروع چیز کے متغیر کرنے کی نیت باطل ہوتی ہے مشروع یہ تھا کہ سجدۂ سہو کر کے نماز ختم کرتا۔ اس لئے درمیان میں قطع نماز کی نیت لغو ہوگی نماز باطل نہ ہوگی۔ فافهم۔ درمختار میں ہے ویسجد للسهو ولو مع سلام ناویا للقطع لان نية تغيير المشروع لغو (ج ۱ ص ۷۰۴ باب سجود) فقط واللہ اعلم بالصواب. السید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہ.

سیلاب میں عورت بہہ کر آئی ہو تو کفن دفن اور نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۴) سیلاب میں کوئی عورت بہہ کر آگئی ہو اور بدن پر کپڑے نہ ہوں اور ایسی کوئی علامت نہ ہو جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ مسلمان ہے یا غیر مسلم تو اس کے کفن دفن کا کیا حکم ہے؟ نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مذکورہ میں جب مسلمان ہونے کی کوئی علامت نہ ہو تو مسنون طریقہ کی رعایت کئے بغیر اس کو نہلا کر کسی جگہ دفن کر دیا جائے اور اگر کسی قرینہ سے دل گواہی دیتا ہو کہ مسلمان ہوگی تو نماز پڑھی جائے اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا جائے، درمختار میں ہے (فروع) لو لم يدر امسلم ام كافر و لا علامة فان في دارنا غسل وصلى عليه والا لا (قوله فان في دارناالخ) افاد بذكر التفصيل في المكان بعد انتفاء العلامة ان العلامة مقدمة وعند فقدها يعتبر المكان في الصحيح لانه يحصل به غلبة الظن كما في النهر عن البدائع وفيها ان علامة المسلمين اربعة الختان والخضاب ولبس السواد وحلق العانة اه قلت في زماننا لبس السواد لم يبق علامة (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۸۰۷ باب صلوة الجنائز قبيل مطلب في الكفن) فقط والله اعلم بالصواب.

جڑواں بچوں کی نماز جنازہ:

(سوال ۱۵) ایک عورت کو دو بچے ایک ساتھ پیدا ہوئے پھر دونوں بچوں کا ایک ساتھ ہی انتقال ہو گیا تو اب ان دونوں کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھنا چاہئے یا الگ الگ؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں دونوں بچوں کی نماز علیحدہ علیحدہ پڑھنا بہتر ہے، ایک ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں، لیکن نیت دونوں کی کی جائے، درمختار میں ہے واذا اجتمعت الجنائز فافراد الصلوة على كل واحدة اولى من الجمع وتقديم الا فضل افضل وان جمع جاز الخ (درمختار ج ۱ ص ۸۲۱، ۸۲۲ ایضاً قبيل مطلب في بيان من هو احق بالا مامة) فقط والله اعلم بالصواب.

نماز جنازہ کسی کے کھیت یا شاہراہ میں نہ پڑھے:

(سوال ۱۶) نماز جنازہ کے لئے کوئی جگہ علیحدہ نہیں۔ قبرستان کے قریب عیدگاہ ہے۔ جس میں نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عیدگاہ میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔ تو اب سڑک پر یا قریب کے کھیت میں پڑھتے ہیں تو کوئی حرج تو نہیں؟

(الجواب) عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں مکروہ نہیں۔عیدگاہ جملہ احکام میں مسجد کی طرح نہیں تاہم اختلاف سے بچنے کے لئے علیحدہ جگہ مقرر کرلینا بہتر ہے۔ لا تکره فی المسجد اعدلها و کذا فی مدرسة ومصلی عید لا نه لیس لها حکم المسجد فی الا صح . ترجمہ۔''مصلی جنازہ'' یعنی اس مسجد میں جونماز جنازہ پڑھنے کے لئے بنائی گئی ہے۔اوراسی طرح مدرسہ میں یا عیدگاہ میں جنازہ کی نماز پڑھنا مکروہ نہیں۔اصح یہی ہے کہ کیونکہ عیدگاہ جملہ احکام میں مسجد کی طرح نہیں ہے۔(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۴۷ ج ۱ باب احکام الجنائز فصل السلطان احق لصلاته)

شاہراہ پر اور لوگوں کے کھیت میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔ویکره صلوة الجنائز فی الشارع و اراضی الناس (مراقی الفلاح ص ۱۱۶ باب احکام الجنائز)فقط و الله اعلم بالصواب.

نماز جنازہ میں تین تکبیر کہے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۷)امام صاحب نے نماز جنازہ میں تین تکبیریں کہہ کر سلام پھیر دیا تو نماز صحیح ہے کہ دوبارہ پڑھی جائے؟

(الجواب) اس صورت میں نماز جنازہ صحیح نہیں۔اعادہ کیا جائے۔ہاں اگر تین تکبیر کہنے کے بعد بھول سے سلام پھیر دیا۔پھر غلطی کا احساس ہوا۔اور فوراً ایک تکبیر اور کہہ دی اور اس اثناء میں منافی نماز کوئی کام (مثلاً بات یا قبلہ سے سینہ پھیر لینا) نہیں کیا تو نماز صحیح ہو جائے گی۔نماز جنازہ میں سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں۔ ولو سلم الا مام بعد الثالثة نا سیاً کبر الرابعة ولیسلم (مراقی الفلاح ص ۱۱۵ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۴۲ ایضا) و الله اعلم بالصواب .

(سوال ۱۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے جنازہ کی نماز اس طرح پڑھائی۔کہ پہلے سورۂ فاتحہ کی قرأت کی۔اس کے بعد سورہ والعصر کی۔اس کے بعد درود شریف۔اس کے بعد دعاء میت بلند آواز کے ساتھ۔اس صورت میں جنازہ کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ جواب میں حدیث کا حوالہ ضرور ہونا چاہئے۔ اور حنفی مذہب اور وہابی مذہب کا فرق بیان کر دینا بھی ضروری ہے۔اور تین چار علماء کی تصدیق بھی ضروری ہے۔اس طرف اس سے بہت سخت نا اتفاقی ہو رہی ہے۔جواب جہاں تک ہو سکے جلد عنایت ہو۔بہت کرم ہوگا۔فقط۔احقر عبدالرحیم۔مقام کھگول۔ضلع پٹنہ۔صوبہ بہار۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں نماز تو ہوگئی۔لیکن سورۂ فاتحہ وغیرہا اگر بطور قرأت پڑھا گیا ہے جیسا کہ غیر مقلدوں کی عادت ہے تو مکروہ ہے۔وعند نا تجوز بنیة الدعاء وتکره بنیة القرأ ة بعدم ثبو تها فیها عنه علیه السلام (درمختار مع الشامی ص ۸۱۷ ج ۱ باب صلوٰة الجنائز مطلب فی صلاة الجنازة) اور نماز جنازہ میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہ سراً مسنون ہے۔ واما الدعاء و الثناء و الصلوٰة فالمسنون فیه سراً کذا فی البدائع .(عمدة الرعایة علی شرح الوقایة ص ۲۵۳ ج ۱ باب الجنائز فصل صلوٰة الجنازة وبعض الفروع و الفوائد)

اور حنفی میت کے جنازہ کی نماز کا امام غیر مقلد کو ہرگز نہ بنایا جائے۔نماز جنازہ کا مقصد دعاء ہے اور حمد وثنا۔

و درود شریف آداب دعاء میں سے ہیں۔اس لئے پہلی تکبیر کے بعد ثناء اور دوسری تکبیر کے بعد صلاۃ (درود شریف) اور تیسری تکبیر کے بعد اپنے لئے اور میت کے لئے اور تمام مومنین کے لئے دعا کی جاتی ہے۔اور چوتھی تکبیر کے بعد تسلیم ہے۔ یحمد الله بعد الا ولیٰ ویصلی علی النبی علیه الصلوٰة والسلام بعد الثانية ويد عو لنفسه وللميت وللمومنين بعد الثالثة ويسلم بعد الرابعة.الا ختيار ص ۹۵ ج ۱ باب الجنائز)

نماز جنازہ حقیقۃً نماز نہیں ہے۔اس لئے اس میں اور نمازوں کی طرح قرأۃ نہیں ہے۔ چنانچہ موطا امام مالکؒ میں ہے۔ عن سعيد بن ابى سعيد المقبرى عن ابيه انه سأل ابا هريرة رضى الله عنه كيف تصلى على الجنازة فقال ابو هريرة رضى الله عنه انا لعمر الله اخبرك اتبعها من اهلها فاذا وضعت كبرت وحمدت الله وصليت علىٰ نبيه صلى الله عليه وسلم ثم اقول اللّٰهم عبدك وابن عبدك وابن امتك كان يشهد ان لا اله الا انت وان محمداً عبدك ورسولك وانت اعلم به الخ (مؤطا امام مالک باب كيف تصلى على الجنازة) یعنی ابو سعید مقبری نے حضرت ابو ہریرہؓ سے دریافت کیا کہ آپ جنازہ کی نماز کس طرح پڑھتے ہیں؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا قسم ہے اللہ کے بقاء کی ، میں تمہیں صحیح بتلاتا ہوں ۔(صورت یہ ہوتی ہے کہ میت کے گھر سے جنازہ کے ساتھ چلتا ہوں۔پھر جب (نماز کے لئے) جنازہ رکھا جاتا ہے تو میں تکبیر (اللہ اکبر) کہہ کر اللہ کی تعریف اور ثناء کرتا ہوں۔مثلاً (سبحانک اللهم وبحمدک الخ) پڑھتا ہوں۔ اور اس کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود شریف بھیجتا ہوں۔پھر یہ دعا پڑھتا ہوں۔جس کا ترجمہ یہ ہے۔ یا اللہ تیرا بندہ اور تیرے بندہ کا بیٹا اور تیری بندی کا بیٹا اس بات کی گواہی دیتا تھا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں۔اور تو اس کے حالات سے پوری طرح واقف ہے الخ۔(ص ۷۹) اس روایت میں قرأۃ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ وفيه عن نافع ان عبدالله بن عمر كان لا يقرأ في الصلاة على الجنازة (ص ۷۹ ایضا) یعنی مؤطا امام مالکؒ میں دوسری حدیث حضرت نافع کی ہے۔جس میں تصریح ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نماز جنازہ میں قرأت نہیں پڑھتے تھے۔فقہ مالکیہ کی بنیادی کتاب "المدونۃ الکبریٰ" کی عبارت بعینہٖ نقل کی جاتی ہے۔ جس میں حضرت مالک کا قول نقل کیا ہے کہ آپ نے نماز جنازہ کو دعا قرار دیا اور نہ صرف اپنے متعلق یہ فرمایا کہ میں قرأت نہیں کرتا۔ بلکہ حضرات اکابر صحابہ کے نام بھی شمار کرا دیئے کہ یہ حضرات نماز جنازہ کو دعا فرمایا کرتے تھے۔اور اس میں قرأت نہیں کیا کرتے تھے اور پھر اس کو اپنے شہر (مدینہ طیبہ) کا معمول فرمایا ہے۔ قلت لا بن القاسم اى شئى يقال على الميت فى قول مالك قال الدعاء للميت قلت فهل يقرء على الجنازة فى قول مالك قال لا قال ابن وهب عن رجال من اهل العلم عن عمر بن الخطاب وعلى بن ابى طالب وعبد الله بن عمر وفضالة بن عبيد وابى هريرة وجابر بن عبدالله و واثلة بن الا سقع والقاسم بن محمد و سالم بن عبدالله وابن المسيب وربيعه وعطا بن ابى رباح ويحيىٰ بن سعيد انهم لم يكونوا يقرؤن فى الصلوٰة على الميت قال ابن وهب وقال مالك ليس ذالك بمعمول به فى بلدنا انما هو الدعاء ادركت اهل بلدنا علىٰ ذلك لاخ (ص ۱۵۸ . ۱۵۹ ج ۱ باب الجنائز)

اس لئے نماز جنازہ کو حقیقۃً نماز سمجھنا، اور حدیث " لا صلوٰة الا بفاتحة الكتاب. " سے استدلال کرنا

صحیح نہیں ہے۔ اگر نماز جنازہ حقیقۃً نماز ہوتی تو میت کا سامنے ہونا ضروری نہ ہوتا۔ میت کا سامنے ہونا اس لئے ضروری ہے کہ اس کے لئے سفارش اور دعاء مغفرت کی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں چاروں تکبیروں میں ہر تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھی جاتی۔ کیونکہ ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے۔ وقولهم ان التكبيرات الا ربع قائم مقام اربع ركعات (شامی ص ۸۱۳ ج ۱ (باب صلوة الجنائز مطلب فی الصلاة الجنائز) اور اس میں رکوع اور سجدہ ہوتا۔ اور تشہد ہوتا۔ اور غلطی ہونے پر سجدۂ سہو کیا جاتا۔ مگر نماز جنازہ میں ان میں سے کوئی عمل بھی نہیں ہوتا۔ یہ درست ہے کہ بعض روایتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ مگر وہ ثناء اور دعاء کی جگہ ہے۔ بطور قرأت پڑھنے کا صراحۃً کوئی ثبوت نہیں ہے۔ وفی شرح الهمام قالوا الا يقرأ الفاتحة الا ان يقرأ ها بنية الثناء ولم يثبت القرأة عن رسول الله وفی موطا الا مام مالک عن نافع ان ابن عمر كان لا يقرأ ها فی الصلوة علی الجنازة الخ (مرقاة المفاتيح ص ۴۷ ج ۴ باب المشی بالجنازة والصلوة عليها)

ولنا قول ابن مسعود ولم يوقت النبی صلی الله عليه وسلم شيئاً من القرآن فی الصلوٰة علی الجنازة رواه الا مام ما لک (ای) واجاب الحنفية بانه لم يكن قرأة الفاتحة لا جل انها قرأة بل علىٰ نية الثناء والدعاء جمعاً بين الا دلة وقرأة الفاتحة بهذ الجهة جائزة عند نا فتا مل (رسائل الا ركان ص ۱۵۶ فصل فی حكم الجنازة) القرأة يخرج عن القرآنية بقصد الثنا ء فلو قرأ الجنب الفاتحة بقصد الثناء لم يحرم ولو قصد بها الثناء فی الجنازة لم يكره الا اذا قرأ المصلی قاصد الثناء فانها تجزية (الا شباه والنظائر ص ۱۹۹. ۲۰۰) قوله ولو قصد بها الثناء فی صلوة الجنازة لم يكره اقول يفهم منه لو قصد القرآ نيته يكره قال فی المحيط والتجنيس لو قرأ الفاتحة يعنی فی صلوٰ ة الجنازة بنية الدعاء فلا بأس به وان قرأ ها بنية القرأة لا تجوز لا نها محل الدعاء دون القرأ ة انتهی (حموی شرح اشباه ص ۲۰۰ الفن الثانی) الحاصل نماز جنازہ میں قرأۃ نہیں ہے اگر پہلی تکبیر کے بعد...... سورۂ فاتحہ بہ نیت ثناء ودعا پڑھی جائے تو جائز ہے۔ لیکن چونکہ نیت کے اس فرق کو عوام نہیں سمجھتے وہ سورۂ فاتحہ بطور قرأۃ ہی پڑھیں گے۔ (جیسا کہ اور نمازوں میں پڑھتے ہیں) اور کراہت کے مرتکب ہوں گے۔ اس لئے احناف نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی عوام کو اجازت نہیں دیتے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نعش پھولی پھٹی ہو تو نماز جنازہ پڑھے یا نہیں؟:

(سوال ۱۹) نعش پھول گئی اور پھٹ گئی تو اس کی نماز جنازہ صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) پھولی پھٹی نعش نماز جنازہ کے قابل نہیں۔ بحرالرائق میں ہے۔ لا يصلی عليه بعد التفسخ لان الصلوٰة شرعت علی بدن الميت فاذا تفسخ لم يبق بدنه قائماً . ترجمہ:۔ پھولی پھٹی نعش نماز جنازہ کے لائق نہیں کہ نماز جنازہ قائم بدن پر مشروع ہے اور فاسد بدن قائم نہیں رہتا۔ (ص ۱۸۲ ج ۲ كتاب الجنائز فصل السلطان أحق بصلاته) فقط والله اعلم بالصواب.

نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھے یا چھوڑ دے؟:

(سوال ۲۰) نماز جنازہ کی چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرتے وقت امام اور قوم ہاتھ باندھے رکھیں یا چھوڑ دیں۔ ہمارے امام صاحب سلام سے قبل دونوں ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں تو اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

(الجواب) دونوں صورتیں جائز ہیں۔ امام طاہر ابن احمد البخاری سرخسیؒ خلاصۃ الفتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں۔ **ولا يعقد بعد التكبير الرابع لانه لا يبقى ذكر مسنون حتى يعقد فالصحيح انه يحل اليدين ثم يسلم تسليمتين هكذافي الذخيرة** . یعنی نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھے۔ بلکہ چھوڑ دے۔ اس لئے کہ چوتھی تکبیر کے بعد کوئی ذکر پڑھنا مسنون نہیں کہ ہاتھ باندھے۔ لہذا صحیح یہ ہے کہ ہاتھ چھوڑ کر دونوں سلام پھیرے ۔ (ص ۲۲۵ ج ا الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز)

اور حضرت مولانا عبدالحیی لکھنویؒ "سعایہ" میں تحریر فرماتے ہیں۔ **ومن ههنا يخرج الجواب عما سألت من انه هل يضع مصلي الجنازة بعد التكبير الا خير من تكبيراته ثم يسلم ام يرسل ثم يسلم وهو انه ليس بعد التكبير الا خير ذكر مسنون فيسن فيه الا رسال.** یعنی اخیری تکبیر کے بعد کوئی ذکر مسنون نہیں ہے۔ لہذا ہاتھ چھوڑ دینا مسنون ہے۔ (ص ۱۵۹ ج ۲ .مطبوعہ مصطفائی .مطلب في ان وضع اليمين على الشمال في القيام هل هو من خصائل الصلوٰة ام لا .) لیکن حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی دیو بندی دامت برکاتہم مفتی اعظم دار العلوم دیو بند باندھے رکھنے کے قائل ہیں اور یہی معمول بہا ہے۔ واضح ہو کہ جنازہ کی ہر تکبیر کے بعد ذکر مسنون ہے۔ اول کے بعد ثناء اور دوسری کے بعد درود شریف تیسری کے بعد دعا۔ چوتھی کے بعد تسلیم (سلام) ان میں سے ہر ایک ذکر مسنون ہے۔ (الی قول) اور ذکر عام ہے جو سلام کو بھی شامل ہے۔ اور فقہاء کا عموماً تکبیرات جنازہ میں وضع کو مسنون فرمانا دلیل کافی ہے۔ بغیر تصریح خلاف کے خلاف کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ فتاویٰ دار العلوم مدلل و مکمل ص ۳۱۴ ج ۵)

جنازہ کی نماز قبرستان میں پڑھنا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۱) صلوٰۃ جنازہ قبرستان میں پڑھنا کیسا ہے؟

(الجواب) بلا عذر قبروں کے درمیان نماز جنازہ مکروہ ہے۔ مجبوری ہو تو مکروہ نہیں۔ **وفي البدائع وغير ها قال ابو حنيفة رحمه الله لا ينبغي ان يصلي على ميت بين القبور وكان علي وابن عباس يكر هان ذلك وان صلوا اجزاهم لما روى انهم صلوا على عا ئشة وام سلمة بين مقام البقيع والا مام ابو هريرة وفيهم ابن عمر رضي الله عنهم ثم محل الكراهة اذا لم يكن عذر فان كا ن فلا كراهة اتفاقاً الخ (طحطاوي على مراقي الفلاح ص ٣٢٧ فصل السلطان أحق بصلاته)فقط والله اعلم بالصواب.**

مسجد میں جنازہ کی نماز:

(سوال ۲۲) مسجد میں جنازہ کی نماز مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بعض کے نزدیک کراہت تنزیہی ہے اور بعض کے نزدیک کراہت تحریمی، کراہت تحریمی کی دلیل یہ ہے:
ویکرہ صلوۃ الجنازۃ فی المسجد قال العبد اصلحہ اللہ تعالیٰ وبعض الناس اعتادہ' ان واحدا لو مات فی اللیل ولا یتھیأ لھم الا خراج الی المقبرۃ یضعونہ فی المسجد وانہ مکروہ ذکر فی شرح الکرخی قال علیہ السلام جنبوا مساجد کم صبیا نکم لانہ لایؤمن منھم النجاسۃ وھذا المعنی موجود فی المیت (نصاب الا حتساب قلمی ص ۳۳ باب نمبر ۱۵)
-فقط واللہ اعلم بالصواب۔

میت کے نصف جسم پر جنازہ کی نماز صحیح ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۳) میت کا بدن آدھا یا اس سے کم یا زیادہ ہو تو اس کے غسل، کفن، دفن، نماز کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب میت کا جسم آدھا ہو سر کے ساتھ (یعنی سر بھی ہو) تو وہ پورے جسم کے حکم میں ہے، بطریق مسنون تجہیز و تکفین اور تدفین کی جائے اور نماز جنازہ بھی پڑھی جائے، اور اگر آدھا جسم بلا سر کے ہو تو ایسی میت کے لئے نہ بطریق مسنون غسل ہے نہ تکفین نہ تدفین اور نہ نماز جنازہ، نہلا کر ایک کپڑے میں لپیٹ کر گڑھے میں رکھ دیا جائے اور مٹی ڈال دی جائے، آدھے سے کم جسم ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ شامی میں ہے (کالعضو من المیت) ای لو وجد طرف من اطراف انسان او نصفہ مشقوقاً طولاً او عرضاً یلف فی خرقۃ الا اذا کان معہ الرأس فیکفن کما فی البدائع ۱ ۵ (شامی ج ۱ ص ۸۰۹ باب صلوۃ الجنازۃ مطلب فی الکفن) فقط واللہ واعلم بالصواب.

مخنث (ہیجڑے) کی نماز جنازہ:

(سوال ۲۴) مخنث کی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسلم جماعت کا ہو تو نماز جنازہ پڑھ کر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے، تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ اسلامی حق ہے چاہے عملاً فاسق و فاجر ہو، حدیث شریف میں ہے صلوا علی برو فاجر (ھدایہ) (۱) واللہ اعلم بالصواب

پیدائش کے وقت زندگی کے آثار معلوم ہوں تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۵) بچہ کی پیدائش کے وقت آثار حیات معلوم ہوتے تھے لیکن جب پورے طور پر پیدا ہو گیا تو آثار حیات معلوم نہ ہوئے تو اب اس کا نام رکھا جائے؟ اور جنازہ کی نماز پڑھی جائے یا نہیں، اگر بچہ مردہ پیدا ہو تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بچہ کے بدن کا اکثر حصہ باہر آنے تک آثار حیات باقی رہیں یعنی سر کی طرف سے پیدا ہو تو سینہ تک اور

---

(۱) باب الامامۃ ویصلی علی کل مسلم مات بعد الولادۃ صغیرا کان او کبیرا ذکرا کان او انثی حرا کان او عبدا الخ فتاویٰ عالمگیری فی الصلاۃ علی المیت ج ۱ ص ۱۶۲۔

پاؤں کی طرف سے پیدا ہو تو ناف تک نکلے، اس وقت تک آثار حیات باقی رہیں تو بچہ زندہ شمار ہوگا اور مسنون طریقہ سے اس کی تجہیز وتکفین کی جائے گی اور نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جائے گا، اور اگر اکثر حصہ نکلنے سے پہلے مرجائے تو مردہ شمار ہوگا، اس کو دھوکر پاک کپڑے میں لپیٹ کر بلا نماز جنازہ کے دفن کر دیا جائے اور دونوں صورتوں میں نام رکھ لیا جائے۔ درمختار میں ہے ومن ولد فمات یغسل ویصلی علیه ویرث ویورث ویسمیٰ ان استهل بالبناء للفاعل ای وجد منه ما یدل علیٰ حیاته بعد خروج اکثره . الیٰ قوله . (والا) یستهل (غسل وسمّی) عند الثانی وهو الاصح ویفتیٰ به ..... وادرج فی خرقة ودفن ولم یصلی علیه اه (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۸۲۹، ص ۸۳۰ باب صلوٰة الجنائز مطلب فی صلاة الجنازة) فقط واللہ اعلم بالصواب.

نماز جنازہ پڑھانے والا نہ ملے تو؟:

(سوال ۲۶) بعض گاؤں میں نماز جنازہ پڑھانے والا کوئی نہیں ہوتا، باوجود انتظار کے کوئی نہیں ملتا، مجبوراً نعش کے خراب ہونے کے ڈر سے بلا نماز جنازہ دفن کر دی جاتی ہے تو اس کے متعلق حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جنازہ کی نماز فرض کفایہ ہے، بعض کے پڑھنے سے سب بری الذمہ ہو جاتے ہیں، اگر ایک بھی نہ پڑھے گا تو سب تارک فرض شمار ہوں گے اور میت بڑے خسارے میں رہے گی[1]۔ لہذا نماز جنازہ سیکھنا، پڑھنا، پڑھانا ضروری ہے اگر کوئی بھی نماز جنازہ پڑھانے والا نہ ملے تو ایک مرد یا عورت وضو کر کے جنازے کے سامنے کھڑے ہو کر تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھے پھر بقیہ تین تکبیریں کہہ دے (کل چار تکبیریں ہوں گی) تو نماز پڑھی ہوئی شمار ہوگی، گناہ سے بری ہو جائیں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

چند جنازے جمع ہو جائیں تو ان کی نماز کس طرح پڑھی جائے؟:

(سوال ۲۷) ہمارے گاؤں کے قریب شہر بلی مورا میں ایک عورت، تین نابالغ بچے اور بچیاں انتقال کر گئی تھیں، ان چھ کی ایک ہی نماز جنازہ پڑھی گئی اور جنازے الٹی لائن میں ترتیب وار رکھے گئے تھے تو اس طرح پر ایک نماز جنازہ پڑھنے سے سب جنازوں کی نماز ہو جائے گی؟ بچے بچیاں نابالغ تھیں تاہم ایک ہی نماز پڑھی، اگر ایک نماز جنازہ کافی ہے تو ایسی حالت میں نماز جنازہ کس طرح پڑھیں اور جنازے کس طرح رکھے جائیں مفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

بینوا بالدلیل توجروا عند الکریم ؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً:۔ ان تمام جنازوں کی ایک ہی نماز پڑھی گئی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، سب جنازوں کی نماز ادا ہو جائے گی، جنازہ کی نماز کی دعا:۔

---

(۱) الصلاة علی الجنازة فرض کفایة اذا قام به البعض واحداً کان او جماعة ذکرا کان او انثی سقط عن الباقین واذا ترک الکل اثموا هکذا فی التتارخانیة فتاویٰ عالمگیری فی الصلاة علی المیت ج . ص ۱۶۲ ومن لا یحسن الدعآء بقول اللهم اغفر للمؤمنین والمؤمنات کذا فی المجتبی بحر الرائق کتاب الجنائز تحت قوله وهی اربع تکبیرات الخ

اللھم اغفر لحینا ومیتنا وشاھدنا الخ میں مرد وعورت، چھوٹے بڑے سب شامل ہو جاتے ہیں، البتہ ایسی صورت میں بہتر اور افضل یہ تھا کہ ہر ایک کی نماز جنازہ الگ الگ پڑھی جاتی اور جو میت افضل تھی اس کی نماز پہلے پڑھی جاتی پھر اس سے کم افضل کی پھر اس سے کم افضل کی **وھلم جرا**۔

سب جنازوں کی نماز ایک ساتھ پڑھی جائے تو ضروری ہے کہ سب جنازوں کی نیت کی جائے، اگر جنازے مختلف ہوں (یعنی کچھ مرد کچھ عورتیں کچھ بچے) تو جنازے رکھنے کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت:

سب جنازوں کی شمالاً جنوباً قطار بنائی جائے اولاً مرد کا جنازہ رکھیں، اس کی پائنتی پر نابالغ بچہ کا جنازہ اور اس کی پائنتی پر عورت کا جنازہ اور اس کی پائنتی پر نابالغ بچی کا جنازہ اور امام سب سے افضل[1] کے پاس کھڑا ہو۔ اس کی صورت اس طرح ہے۔

مرد کا جنازہ | پھر | نابالغ بچہ | پھر | عورت | پھر | نابالغ بچی۔

امام کی جگہ۔

دوسری صورت:

سب جنازے امام کے سامنے یکے بعد دیگرے اس طرح رکھے جائیں کہ امام تمام جنازوں کے سینوں کے مقابل ہو، اولاً مرد کا جنازہ اس کے بعد نابالغ بچہ کا، اس کے بعد عورت کا اور اس کے بعد نابالغ بچی کا جنازہ ہو، یہ صورت پہلی صورت سے اولیٰ ہے۔ مثلاً

(۴) نابالغ بچی

(۳) عورت۔

(۲) نابالغ بچہ۔

(۱) مرد کا جنازہ۔

امام کی جگہ۔

تیسری صورت:

یہ بھی جائز ہے کہ پہلے جنازے کے بعد دوسرا جنازہ تھوڑا نیچے ہٹا کر اس طرح رکھا جائے کہ دوسری میت کا سر پہلی میت کے کندھے کے پاس ہو اور تیسری میت کا سر دوسری میت کے کندھے کے پاس ہو اور چوتھی

---

[1] یعنی سب [illegible] ت کے پاس کھڑا ہوگا کیونکہ ان جنازوں میں و[illegible] فضل [illegible] فضیلت کی وجہ ہی سے اس کو مقدم رکھا گیا ہے ۱۲

میت کا سر تیسری میت کے کندھے کے پاس ہو (سیڑھی کی طرح) جس کی صورت یہ ہے:

(۴) نابالغ بچی۔

(۳) عورت۔

(۲) نابالغ بچہ۔

(۱) مرد کا جنازہ۔

امام کی جگہ

سب جنازوں کے لئے دعا اللهم اغفرلحینا ومیتنا الخ کافی ہے۔ نابالغ جنازہ کے لئے اس دعا کے ساتھ نابالغ کی دعا شامل کرلے تو بہتر ہے۔ درمختار اور شامی ہے **واذا اجتمعت الجنائز فافراد الصلوٰة علیٰ کل واحدة اولیٰ من الجمع وتقدیم الا فضل افضل . وان جمع جاز ثم ان شاء جعل الجنائز صفاً واحدا** (ای کما یصطفون عند الصلوة. بدائع ای بان یکون رأس کل عند رجل الآخر فیکون الصف علیٰ عرض القبلة. شامی) **وقام (الا مام) عند افضلهم وان شاء جعلها صفا ما یلی القبلة واحدا خلف واحد بحیث یکون صدر کل جنازة مما یلی الا مام لیقوم بحذاء صدر الکل (وروی فی غیر روایة الا صول ان الثانی اولیٰ لان السنة هی قیام الا مام بحذاء المیت وهو یحصل فی الثانی دون الاول اه (شامی) وان جعلها درجاً فحسن لحصول المقصود (درجاً ای شبه الدرج بأ ن یکون رأس الثانی عند منکب الا ول .بدائع .شامی) وراعی التر تیب المعهود خلفه' حالة الحیاة فیقرب منه الا فضل فالا فضل الرجل مما یلیه فالصبی فالخنثیٰ فالبالغة فالمراهقه (درمختار مع الشامی مطلب فی صلا ة الجنازة ج ۱ ص ۸۲۱. ۸۲۲) وهکذا فی (نور الا یضاح ص ۱۲۷) (مراقی الفلاح ص ۱۱۶) (طحطاوی علی مراقی الفلاح. ص ۳۴۵)**

نوٹ۔ مختلف جنازوں میں اگر خنثیٰ کا جنازہ بھی ہو تو عورت کے جنازے سے پہلے اس کا جنازہ رکھا جائے بعد عورت کا جنازہ رکھا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

جنازہ کو صحن مسجد میں رکھنا:

(سوال ۲۸) ہمارے یہاں مسجد کی ایک جانب میں نماز جنازہ کے لئے ایک جگہ بنائی ہے، نماز جنازہ اس میں ہوتی ہے مگر جب جنازہ نماز فرض کے وقت آئے تو اس کو صحن مسجد میں فرض نماز پڑھنے تک رکھتے ہیں، تو اس میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بلا عذر اور بدون مجبوری کے جنازہ کو مسجد (جماعت خانہ یا صحن) میں داخل کرنا منع اور مکروہ ہے، کیونکہ تلویث مسجد کا ڈر ہے۔ شامی میں ہے **کما تکره الصلوٰة علیها فی المسجد یکره ادخالها فیه** (شامی ج ۱

ص ۸۲۷ مطلب فی کراهة صلاة الجنازة فی المسجد)فقط و الله اعلم .

جنازہ کی نماز بیٹھ کر پڑھائے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۹)میت کا ولی نیک، متقی پابند شرع ہے لیکن وہ بیمار اور کمزور ہے اگر وہ اس مجبوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جنازہ کی نماز صحیح ہو جائے گی ۔فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔ اذا صلی المریض علی جنازة قاعداً وهو ولیها والقوم خلفه قیام جاز (عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۵ الفصل الخامس فی الصلوة علی المیت)فقط و الله اعلم بالصواب.

نوٹ:۔ یہ حکم ولی کے لئے خاص نہیں ہے، جس کو بھی جنازہ کی نماز پڑھانے کا حق ہے اس کے لئے یہی حکم ہے۔فقط واللہ اعلم ۱۷ جمادی الاول ۱۴۰۲ھ۔

چار سے زیادہ تکبیر کہنے والے کے پیچھے نماز جنازہ:

(سوال ۳۰)حنفی المذہب ایسے امام کے پیچھے نماز جنازہ پڑھے جو چار سے زائد تکبیر کہتا ہے تو یہ کیا کرے؟ اس کی اقتداء کرے یا نہ کرے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اقتداء جائز ہے اور حنفی مقتدی صرف چار تکبیر کہہ کر خاموش کھڑا رہے، چار سے زائد تکبیر میں اتباع نہ کرے ،جب امام سلام پھیرے تو اس کے ساتھ یہ بھی سلام پھیر دے۔ ولو کبر امامه خمساً لم یتبع لانه منسوخ فیمکث المؤتم حتی یسلم معه اذا سلم به یفتی (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۸۱۷. ۸۱۹ مطلب فی صلاة الجنازة)فقط و الله اعلم بالصواب.

نماز جنازہ میں اللّٰهم اغفر لحینا الخ کے ساتھ دوسری دعا پڑھنا:

(سوال ۳۱)بالغ میت کی نماز جنازہ میں اللّٰهم اغفر لحینا ومیتنا الخ پڑھی جاتی ہے لیکن ہمارے امام صاحب اس کے ساتھ اللّٰهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مد خله واغسله بالماء والثلج والبرد ونقه من الخطایا كما ینقی الثوب الا بیض من الدنس وابدله داراً خیراً من داره واهلاً خیراً من اهله وزوجاً خیراً من زوجه وادخله الجنة واعذه من عذاب القبر وعذاب النار پڑھتے ہیں تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا.

(الجواب) ہاں اللّٰهم اغفر لحینا ومیتنا کے ساتھ اللهم اغفر له الخ بھی پڑھ سکتے ہیں اور بہتر ہے، جنازہ عورت کا ہو تو ضمیر بدل کر پڑھے یعنی اللهم اغفر له کے بجائے اللهم اغفر لها . وارحمه کے بجائے وارحمها. وعافه کے بجائے وعافها۔نزله کے بجائے نزلها۔واغسله کے بجائے واغسلها ۔وابدله کی جگہ وابدلها.من داره کی جگہ من دارها الخ پڑھے (شامی ج ۱ ص ۸۱۶ باب الجنائز)فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غیر مسلم داشتہ عورت کے بچہ کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۳۲) غیر مسلم داشتہ عورت کے ساتھ زنا کرنے سے تولد شدہ بچہ زانی کے گھر میں وفات پائے تو اس کی نماز جنازہ پڑھ کر اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے یا نہیں؟ یا ایسے بچہ کو موت کے بعد غیر مسلموں کے سپرد کر دینا ضروری ہے؟

(الجواب) یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، خاتم المحققین، علامہ ابن عابدینؒ (صاحب فتاویٰ شامی) کی تحقیق یہ ہے کہ ایسا بچہ مسلمان باپ (جس کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے) کے تابع ہو کر مسلمان شمار ہوگا وراس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اس لئے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، نیز ہمارے مسلک (حنفی) میں زنا سے پیدا شدہ بچی زانی کے لئے حرام ہے نیز زنا سے پیدا شدہ بچہ کو اس کا باپ زکوٰۃ نہیں دے سکتا اور اس کے حق میں اس بچہ کی شہادت معتبر نہیں ہے جب ان تمام امور میں نطفہ کا اعتبار کیا گیا ہے، تو پھر نماز جنازہ پڑھنے میں بھی اس کا اعتبار ہونا چاہئے۔ نسب، وراثت اور نفقہ میں اس کا اعتبار نہ کرنے کی وجہ بدکاری کا سد باب ہے، علامہ سبکی شافعیؒ اور قاضی القضاۃ حنبلیؒ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ ورایت فی فتاویٰ الشهاب الشلبی قال واقعة الفتویٰ فی زماننا مسلم زنی بنصرانية فاتت بولد فهل يكون مسلما اجاز بعض الشافعية بعدمه وبعضهم باسلامه وذكر ان السبكي نصر عليه وهو غير ظاهر فان الشارع قطع نسب ولد الزنا وبنته من الزنا تحل له عندهم فكيف يكون مسلماً وافتى قاضي القضاة الحنبلي بأ سلامه أيضاً وتوقفت عن الكتابة فانه وان كان مقطوع النسب عن ابيه حتى لا يرثه فقد صرحوا عندنا بان بنته من الزنا لا تحل له وبأنه لا يدفع زكاته لأبنه من الزنا ولا تقبل شهادته له ...... قلت يظهر لي الحكم بالا سلام للحديث الصحيح كل مولود يولد على الفطرة (شامی ج ۲ ص ۵۴۲ باب نکاح الکافر مطلب الولد یتبع خیر الأبوین دیناً)

بخاری شریف میں ابن شہاب زہری تابعیؒ کی روایت علامہ شامی کی تحقیق کی پوری پوری مؤید ہے کہ زنا سے پیدا شدہ بچہ کی نماز جنازہ پڑھی جائے جب کہ اس کے ماں باپ یا فقط باپ مسلمان ہو اس لئے کہ وہ فطرت پر پیدا ہوا ہے قال ابن شهاب يصلى على كل مولود متوفى وان كان لبغية من اجل انه ولد على فطرة الاسلام يدعى ابواه الا سلام او ابوه خاصة وان كانت امه على غير الا سلام اذا استهل صارخاً صلى عليه ولا يصلى على من لا يستهل من اجل انه سقط فان ابا هريرة كان يحدث قال النبي صلى الله عليه وسلم ما من مولود الا يولد على الفطرة (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۸۱ باب اذا اسلم الصبی فمات هل يصلى عليه الخ)عمدة القاری ج۸ ص۱۷۷ ایضاً)(فتح الباری ج ۳ ص ۱۷۲ ایضاً)

مذکور تحقیق کے مطابق اس بچہ کی نماز جنازہ پڑھ کر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے، غیر مسلمانوں کو سپرد نہ کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زوال کے وقت جنازہ کی نماز:

(سوال ۳۳) زوال کے وقت جنازہ کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اسی طرح طلوع آفتاب یا غروب آفتاب کے وقت

پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اگر کسی نے ان اوقات میں نماز پڑھ لی تو کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) اسی وقت جنازہ آیا ہو تو پڑھ سکتے ہیں مکروہ نہیں ہے پہلے سے آ گیا ہو تو تاخیر کر کے ان اوقات میں پڑھنے کی اجازت نہیں ممنوع ہے، درمختار میں ہے (لا ینعقد الفرض)وما هو ملحق به كواجب لعينه كوتر، (سجدة تلاوة وصلوة جنازة تليت) الآية(في كامل وحضرت الجنازة قبل) لوجوبه كاملا فلا يتادى ناقصاً فلو وجبتا فيهالم يكره فعلهما اى تحريماً وفي التحفة الا فضل ان لا توخر الجنازة (درمختار) شامی میں ہے(قوله وفي التحفة) هو كالا ستدراك على مفهوم قوله اى تحريماً فانه' اذا كان الا فضل عدم التاخير في الجنازة فلا كراهة اصلاً وما في التحفة اقره' في البحر والنهر والفتح والمعراج لحديث ثلاث لايؤ خرن منها الجنازة اذا حضرت ..... الخ(درمختار والشامی ج ۱ ص ۳۴۷ كتاب الصلوة) فقط والله اعلم بالصواب.

غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا:

(سوال ۳۴) آج کل یہاں یہ طریقہ کہیں کہیں دیکھا جا رہا ہے کہ کسی ملک سے انتقال کی خبر آتی ہے تو غائبانہ نماز جنازہ پڑھتے ہیں حالانکہ یہاں اکثر لوگ حنفی المسلک ہیں تاہم بلا تحقیق اس پر عمل پیرا ہیں اور ان لوگوں کو دیکھ کر دوسرے بھی اس پر عمل کرنے کے لئے مصر ہوتے ہیں، تو غائبانہ نماز کے متعلق کیا حکم ہے؟ جو لوگ پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضور پر نور ﷺ نے نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہے، مفصل ومدلل جواب کی ضرورت ہے، بینوا توجروا۔ (انگلینڈ)

(الجواب) غائبانہ جنازہ کی نماز پڑھنا درست نہیں ہے، نماز جنازہ صحیح ہونے کے لئے جنازہ کا سامنے ہونا شرط ہے، آنحضرت ﷺ نے نجاشی اصحمہ شاہ حبشہ کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی ہے اس سے استدلال صحیح نہیں ہے، یہ حضور ﷺ کی خصوصیت ہے، نیز روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی کا جنازہ آپ کے سامنے کر دیا گیا تھا چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جس روز نجاشی کا انتقال ہوا اس روز آپ نے صحابہ کو خبر دی کہ تمہارے بھائی نجاشی کا انتقال ہو گیا اور صحابہ کے ہمراہ آپ اس جگہ تشریف لے گئے جہاں جنازہ کی نماز پڑھی جاتی تھی آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور صحابہ نے آپ کے پیچھے صف بندی فرمائی اور چار تکبیریں کہہ کر جنازہ کی نماز پڑھائی، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا بیان ہے کہ ہمیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جنازہ آپ کے سامنے ہے، نیز اس میں نجاشی کا اعزاز بھی مقصود تھا، نجاشی کی خدمات بہت ہیں، مکہ مکرمہ میں جب مشرکین مکہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر بہت ہی ظلم وستم کے پہاڑ توڑے اور طرح طرح سے تنگ کرنا شروع کیا کہ کسی طرح اسلام سے برگشتہ ہو جائیں تو آنحضور ﷺ کے حکم سے صحابہ نے اپنے دین وایمان کی حفاظت کے لئے ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی وہاں نجاشی نے صحابہ کا بہت ہی اعزاز واکرام کیا اور ہر طرح ان کو راحت پہنچائی اور خود بھی حلقہ بگوش اسلام ہو کر مخلص مسلمان بن گئے۔ ایسے وقت جب کہ صحابہ کا کوئی معین ومددگار نہ تھا نجاشی نے ان کو پناہ دی اور ہر طرح مدد کی تو جب آنحضور ﷺ کو ان کی وفات کا علم ہوا تو آپ نے صحابہ سمیت ان کی نماز جنازہ پڑھائی، اس میں نجاشی کا اعزاز بھی مقصود ہے، لہذا یہ حکم عام نہ ہوگا اور اس سے استدلال صحیح نہ ہوگا، خود

آنحضور ﷺ کے مبارک زمانہ میں بے شمار صحابہ مدینہ منورہ کے باہر شہید ہوئے اور ان کے شہید ہونے کی خبر خود آنحضور ﷺ نے صحابہ کو دی مگر ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی، حالانکہ خود حضور ﷺ کی ہدایت تھی کہ جب کسی کا انتقال ہو جائے تو مجھے اس کی اطلاع دو اس لئے کہ میرا نماز پڑھانا مردے کے لئے باعث رحمت ہے، اور فرمان خداوندی ہے ان صلوتک سکن لهم . بے شک آپ کی دعا ان کے لئے باعث تسکین ہے۔ بیر معونہ کا مشہور حادثہ پیش آیا جس میں ستر ۷۰ قراء صحابہ کو دشمنان اسلام نے دھوکہ سے اپنے ساتھ لے جا کر بڑی بے دردی سے سب کو شہید کر دیا، حضور ﷺ کو اس سے بہت ہی صدمہ ہوا ایک مہینہ تک فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھی مگر ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ غزوۂ موتہ میں خود حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ جعفر بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت کی خبر دی، ان کے لئے دعاء مغفرت کی مگر نماز نہیں پڑھی، اگر غائبانہ نماز جنازہ کا عام حکم ہوتا تو آپ ﷺ ہر ایک کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھتے۔ اور آپ کی اتباع کرتے ہوئے خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پڑھتے مگر اس کا صحیح طور پر ثبوت نہیں، لہذا اب کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ غائبانہ نماز جنازہ پڑھے اگر پڑھے گا تو یہ خلاف سنت ہوگا۔ اب حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

درمختار میں ہے۔ وکونه امام المصلي وكونه للقبلة فلا تصح على غائب ومحمول على دابة..... وصلاة النبي صلى الله عليه وسلم على النجاشي لغوية او خصوصية (قوله او خصوصية) اولانه رفع سريره حتى راه عليه الصلوٰة والسلام بحضرته فتكون صلوة من خلفه على ميت اه الامام وبحضرته وهذا غير مانع من الا قتداء فتح واستدل لهذين الا حتمالين بما لا مزيد عليه فارجع اليه من جملة ذلک انه توفى خلق كثير من اصحابه صلى الله عليه وسلم من اعزهم عليه القراء ولم ينقل عنه انه صلى عليهم مع حرصه على ذلک حتى قال لا يموتن احد منكم الا آذنتمونى به فان صلاتي عليه رحمة له' (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۸۱۳ مطلب في صلاة الجنازة)

مراقی الفلاح میں ہے۔ والصلوة على النجاشي كانت بمشهده كرامة له' ومعجزة للنبى صلى الله عليه وسلم (قوله كانت بمشهده) اى بمشهد النبى صلى الله عليه وسلم اى بما كان رآه وشاهده فيه صلى الله عليه وسلم فرفع له سريره حتى راه بحضرته فتكون صلاة من خلفه علىٰ ميت يراه الا مام دون المأ مومين وهذا غير مانع من الا قتداء او انها خصوصية للنجاشي او ان المراد بالصلاة الدعاء لا الصلوة المخصوصة ومثل ماذكر يقال فى صلوته صلى الله عليه وسلم على زيد بن حارثة وجعفر بن ابى طالب حين استشهد بموتة اه (طحطاوى على مراقى الفلاح ص ۳۱۹ فصل فى الصلوة على الجنازة)

زجاجۃ المصابیح میں ہے عن ابى هريرة رضى الله عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم نعى للناس النجاشى اليوم الذى مات فيه وخرج بهم الى المصلى فصف بهم وكبرا ربع تكبيرات متفق عليه . وروى ابن حبان فى صحيحه عن عمران بن حصين ان النبى صلى الله عليه وسلم قال ان اخاكم النجاشى تو فى فقوموا صلوا عليه فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم وصفوا خلفه فكبر اربعاً

وھم لا یظنون الا ان جنازتہ بین یدیہ وفی روایۃ ابی عوانۃ فصلینا خلفہ ونحن لا نری الا ان الجنازۃ قدامنا (زجاجۃ المصابیح ج ۱ ص ۴۵۸، ۴۵۹ باب المشی بالجنازۃ الصلوۃ علیھا)

ترمذی شریف کے حاشیہ میں ہے:۔ونحن نقول رفع لہ سریرہ حتی رآہ بحضرتہ او کشف لہ فیکون صلاۃ من خلفہ کالصلوۃ علی میت رآہ الامام بحضرتہ دون المأمومنین وھذا غیر مانع من الاقتداء وقیل ذلک مخصوص بالنجاشی فلا یلحق بہ غیرہ کذا فی اللمعات وفی المرقاۃ وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال کشف للنبی صلی اللہ علیہ وسلم سریر النجاشی حتی رآہ وصلی علیہ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۲۳ باب ماجاء فی صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی النجاشی (مرقاۃ ج۴ ص ۲۶)(مطبوعہ ملتان)

عمدۃ الفقہ میں ہے:۔میت کا وہاں موجود ہونا۔ پس غائب کی نماز جنازہ درست نہیں ہے آنحضرت ﷺ نے نجاشی اصحمہ شاہ حبشہ کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی ہے، یہ حضور اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ آپ کے سامنے سے جنازہ کے درمیان کے پردے اللہ تعالیٰ نے ہٹا دیئے اور اس کا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے کر دیا، دوسرے لوگ اس کو نہیں دیکھ رہے تھے تو آپ کا امام ہو کر اس کی نماز جنازہ حاضر میت پر ہوا اور صحابہ کا آپ کی اقتداء کرنا اگرچہ وہ میت کو نہ دیکھ رہے ہوں جائز ہے اس میں کوئی مانع نہیں اگر غیر موجود میت پر نماز جنازہ جائز ہوتی تو حضور انور ﷺ ان صحابہ کرامؓ کی نماز جنازہ غائبانہ ضرور پڑھتے جو کثیر تعداد میں آپ سے دور فوت ہوئے اور دفن ہوئے حالانکہ باوجود آپ ﷺ کے نماز جنازہ پر بہت حرص فرمانے کے اور باوجود حکم الٰہی کے کہ ان صلوتک سکن لھم اور آپ ﷺ نے فرمایا لا یموتن احد منکم الا آذنتمونی بہ فان صلوتی علیہ رحمۃ لہ ، کسی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہوا، پس کسی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھنا درست نہیں ہے اور جن لوگوں نے حدیث نماز جنازہ بادشاہ حبشہ نجاشی سے سند پکڑ کر اس کا رواج ڈالا ہے یہ غلط اور غیر مشروع ہے (عمدۃ الفقہ ص ۵۱۶ ص ۵۱۷ مطبوعہ کراچی پاکستان) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جنازہ کی نماز متعدد بار پڑھنا، اگر ولی اعادہ کرے تو اس کے ساتھ کون لوگ شریک ہو سکتے ہیں؟:

(سوال ۳۵) ہماری بستی میں ایک بہت بڑا ڈیم (بند) ہے، بہت سے مسلمان بغرض ملازمت یہاں مقیم ہیں، کبھی کسی مسلمان کا انتقال ہو جاتا ہے تو بستی والے میت کو غسل دے کر اور کفنا کر نماز جنازہ پڑھ لیتے ہیں پھر میت کے اولیاء میت کو اپنے وطن لے جاتے ہیں اور میت کے عزیز و اقارب اور متعلقین دوسرے امام کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کرتے ہیں اس طرح میت کے دو مقام پر دو مرتبہ نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے تو ایک میت پر دو مرتبہ نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟ (۲) جن لوگوں نے پہلی نماز میں شرکت کی ہے وہ لوگ دوسری بار نماز جنازہ میں شریک ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے یکے بعد دیگرے حضور اقدس ﷺ کی نماز جنازہ ادا کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز جنازہ مکرر پڑھ سکتے ہیں، آپ مدلل و مفصل جواب عنایت فرمائیں بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔(۱۔۲) ولی نے خود نماز جنازہ پڑھی یا اس کی اجازت سے نماز جنازہ پڑھی گئی (اجازت چاہے صراحۃً ہو یا دلالۃً جیسے اجانب (دوسرے لوگوں) نے اپنے طور پر نماز شروع کی اور ولی نے اس کی اقتدا کرلی) تو فرض کفایہ ادا ہوگیا اور تمام لوگوں کی طرف سے یہ فریضہ ساقط ہوگیا، اب اگر دوسرے لوگ نماز جنازہ پڑھنا چاہیں تو حنفی مسلک کے مطابق ان کے لئے اجازت نہیں، اس لئے کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے جب ایک مرتبہ ادا کرلی گئی تو سب کی طرف سے فریضہ ساقط ہوگیا، البتہ ولی نے نماز نہ پڑھی ہو نہ اس کی اجازت سے نماز پڑھی گئی ہو تو ولی اعادہ کر سکتا ہے۔

ملک العلماء علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے بدائع الصنائع میں روایت نقل فرمائی ہے ولنا ما روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی جنازۃ فلما فرغ جاء عمر رضی اللہ عنہ ومعہ قوم فاراد ان یصلی ثانیاً فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصلوۃ علی الجنازۃ لا تغاد ولکن ادع للمیت واستغفر لہ وھذا نص فی الباب ۔یعنی حضور اقدس ﷺ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی اس کے بعد حضرت عمرؓ اور آپ کے ہمراہ کچھ لوگ حاضر ہوئے اور دوبارہ نماز پڑھنی چاہی آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا" نماز جنازہ دوبارہ نہیں پڑھی جاتی البتہ میت کے لئے دعا واستغفار کرو (بدائع الصنائع ص ۳۱۱ فصل فی صلاۃ الجنازۃ)

درمختار میں ہے (فان صلی غیرہ) ای الولی (ممن لیس لہ حق التقدم) علی الولی (ولم یتابعہ) الولی (اعاد الولی) ولو علی قبرہ ان شاء لا جل حقہ لا لا سقاط الفرض ولذا قلنا لیس لمن صلی علیھا ان یعید مع الولی لان تکرارھا غیر مشروع (والا) ای وان صلی من لہ حق التقدم و تابعہ الولی (لا) یعید لانھم اولیٰ بالصلوۃ معہ (وان صلی الو لی بحق) بان لم یحضر من یقدم علیہ لا یصلی غیرہ بعدہ وان حضر من لہ التقدم لکو نھا بحق الخ (درمختار مع رد المحتار ص ۸۲۵،ص ۸۲۶ ج ۱ . مطلب فی صلاۃ الجنازۃ)

بدائع الصنائع میں ہے۔ ولا یصلی علی میت الا مرۃ واحدۃ لا جماعۃ ولا وحدانا عندنا الا ان یکون الذین صلوا علیھا لا جانب بغیر امر الا ولیاء ثم حضرا لو لی فحینئذ لہ ان یعید ھا (بدائع ج ۱ ص ۳۱۱ فصل فی صلاۃ الجنازۃ)

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے۔ولا یصلی علی میت الا مرۃ واحدۃ..... قال محمد رحمہ اللہ فی الأصل الا ان یکون الذی صلی اول مرۃ غیر الولی فحینئذ یکون للولی حق الا عادۃ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ص ۱۷۸ ج ۲ کتاب الجنائز نوع آخر من ھذا الفصل فی المتفرقات)

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور اقدس ﷺ کی نماز جنازہ یکے بعد دیگرے ادا کی اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں، فقہاء رحمہم اللہ نے اس کی توجیہات بیان فرمائی ہیں (۱) بحیثیت خلیفۃ المسلمین حق ولایت حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حاصل تھا آپ کے پڑھنے سے قبل دوسرے لوگ پڑھتے رہے خلافت کے انتظام کے بعد جب آپ نے بھی پڑھ لی تو اس کے بعد کسی نے بھی نہیں پڑھی۔ عنایہ شرح ہدایہ میں ہے۔

وھکذا تاویل فعل الصحابۃ فان ابا بکر کان مشغولا بتسویۃ وتسکین الفتنۃ فکا نوا

يصلون عليه قبل حضوره وكان الحق له لانه هو الخليفة لما فرغ صلى عليه ثم لم يصلى عليه احد بعده كذا فى المبسوط (عنايه شرح هدايه مع فتح القدير ص ۱۲۱ ج۲ فصل فى الصلاة على الميت)

بدائع الصنائع میں ہے وهذا تاويل فعل الصحابة رضى الله عنهم فان الولاية كانت لا بى بكر لانه هو الخليفة الا انه كان مشغولا بتسوية الا مور وتسكين الفتنة فكانوا يصلون عليه قبل حضوره فلما فرغ صلى عليه ثم لم يصلى بعده عليه والله اعلم (بدائع الصنائع ص ۳۱۱،۳۱۲ ج۱ فصل فى صلاة الجنازة)

درمختار میں ہے قلت لكن ذكر فى النهاية عن المبسوط بعده ما ذكره ان تاويل صلوة الصحابة على النبى صلى الله عليه وسلم ان ابا بكر رضى الله عنه كان مشغولا بتسوية الا مور وتسكين الفتنة فكانوا يصلون عليه قبل حضوره وكان الحق له فلما فرغ صلى عليه ثم لم يصل احد بعده. (هامش رد السحتار ص ۸۲۵ ج۱ باب صلوة الجنائز مطلب فى صلاة الجنازة)

(۲) یا پھر یہ حضور اقدس ﷺ کی خصوصیت تھی طحطاوی علی الدر المختار میں ہے (قوله لا ن تكرارها غير مشروع)...... وانظر مع هذا ما قدمناه قريبا من تكرار الصحابة على النبى صلى الله عليا وسلم ثم رأيت فى ابى السعود ان ذلك من خصوصياته صلى الله عليه وسلم (طحطاوى على الدر المختار. ص ۱۰۶ ج۱ ايضاً)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔ وصلوة الصحابة عليه صلى الله علىه وسلم افواجا خصوصية كما ان تاخير دفنه من يوم الا ثنين الى ليلة الاربعاء كان كذلك لانه مكروه فى حق غيره (طحطاوى على مراقى الفلاح ص ۳۲۴ فصل اسلطان احق بصلاته)

محدث جلیل علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "نبی کریم ﷺ پر تکرار صلوۃ آپ کی خصوصیت ہے الخ" علامہ انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ (نور اللہ مرقدہ) (بحوالہ فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ص ۳۶۱ جلد پنجم)

(۳) حضور اقدس ﷺ کا صحابہ پر جو حق ہے وہ ظاہر ہے ہر صحابی پر (جو اس وقت وہاں موجود تھے) نماز فرض عین تھی مکرر پڑھنا ان کے حق میں نفل نہیں تھی طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے اولانها فرض عين على الصحابة لعظيم حقه صلى الله عليه وسلم عليهم لا تنفلا بها الخ (طحطاوى على مراقى الفلاح ص ۳۲۴ فصل السلطان احق بصلاته

پہلی نماز نہ ولی کی اجازت سے پڑھی گئی ہو نہ ولی نے اقتداء کی ہو جب ولی اعادہ کرے تو جو لوگ پہلی نماز میں شریک تھے وہ لوگ ولی کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتے، درمختار میں ہے ولذا قلنا ليس لمن صلى عليها ان يعيد مع الولى لان تكرارها غير مشروع ، شامی میں ہے، فليس لمن صلى اولا ان يعيد مع الولى لان اعادته تكون نفلا من كل وجه (درمختار و شامى ص ۸۲۶ ج۱ باب صلوة الجنائز مطلب فى صلاة الجنازة) اور جو لوگ پہلی نماز میں شریک نہیں تھے اگر وہ لوگ بعا ولی کے ساتھ شریک ہو جائیں تو گنجائش ہے۔

فقہاء کی عبارتوں سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے۔ عمدۃ الفقہ میں ہے۔

''اور جب ولی اس میت پر نماز کا اعادہ کرے تو جو لوگ پہلی نماز میں شریک نہیں تھے وہ ولی کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں اور جو لوگ پہلی نماز میں شریک تھے وہ دوبارہ ولی کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کی وہ نماز نفل ہوگی جو مشروع نہیں ہے۔ (عمدۃ الفقہ ص ۵۲۸ ج ۲)

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے۔

(سوال) نماز جنازہ پڑھ کر جب میت کو دفن کر دیا جائے تو پھر اس میت کی قبر پر نماز جنازہ جائز ہے یا نہ؟ اگر جائز ہے تو جن لوگوں نے پہلے نماز جنازہ پڑھی تھی وہ بھی نماز میں شامل ہو سکتے ہیں یا نہیں اور پہلا ہی امام نماز جنازہ دوبارہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔

(الجواب) اگر پہلی نماز ولی نے پڑھی یا اس کی اجازت سے دوسرے نے پڑھائی اور ولی شامل جماعت ہوا تو پھر کسی دوسرے کو دوبارہ اس میت پر یا اس کی قبر پر نماز پڑھنا درست نہیں ہے، درمختار میں ہے۔ وان صلی هو ای الولی بحق الخ لا يصلى غيره بعده الخ اور اگر ولی نے نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی تو اس کو اعادہ کا حق ہے لیکن جو لوگ پہلے نماز پڑھ چکے ہیں وہ شریک نہ ہوں فقط۔ (فتاویٰ دارالعلوم مدلل و مکمل ص ۲۵۸ جلد پنجم)

امداد الاحکام میں ہے۔

(سوال) سيدى المحترم ادام الله ظلال فيوضكم، بعد سلام مسنون معروض خدمت عالی اینکہ مسئلہ مندرجہ ذیل میں چند اشکال درپیش ہیں، امید ہے کہ ان کو حل فرما کر تسکین فرمائیں گے، وہ مسئلہ یہ ہے کہ غیر من لہ حق التقدم اگر میت کی نماز پڑھائی تو ولی اعادہ کر سکتا ہے اول اشکال یہ ہے کہ فرض جماعت اولی سے ساقط ہو گیا اب ولی کی نماز فرض ادا ہوگی یا نفل، دوسرے یہ کہ ولی کے ساتھ وہ لوگ جنہوں نے اب تک نماز نہیں پڑھی شریک ہو سکتے یا نہیں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریک نہیں ہو سکتے اور ولی تنہا نماز پڑھے اس لئے کہ ولی کو اجازت اس لئے دی گئی ہے کہ اس کا حق باقی رہ گیا ہے اور دوسرے لوگوں کا کوئی حق باقی نہیں رہا لہذا جماعت ثانیہ ولی کے ساتھ نہیں ہو سکتی اس کی تائید اس مسئلہ سے ہوتی ہے جو تیمم کے باب میں ہے کہ ولی کے علاوہ اور لوگوں کو اگر فوت صلوۃ کا خوف ہے تو تیمم کر لیں اور ولی وضو کرے اور لوگوں کو اگر ولی کے ساتھ نماز پڑھنے کی اجازت ہوتی تو یہ چاہئے تھا کہ اگر ولی کو وضو کرتے دیکھیں تو یہ بھی وضو کر لیں اور ولی کے ساتھ شریک ہو جائیں اور جماعت ثانیہ کر لیں اور تیمم نہ کریں، حالانکہ یہ کہیں نہیں ملتا ادھر اس صلوۃ کا فرض کفایہ ہونا یہ بتاتا ہے کہ فرض تو تھی ہر ایک پر مگر بعض کے ادا کرنے سے اوروں سے ساقط ہو جاتی ہے اور اگر دوسرے بنفسہ ادا کریں تو ہر ایک سے فرض ہی ادا ہوگا لہذا الصد میں ولی کی اور اس کی ساتھیوں کی نماز فرض ادا ہونی چاہئے جیسا کہ ایک شہر میں اگر کئی شخص اعتکاف کریں تو ہر ایک کی سنت ادا ہوگی، غرض یہ کہ بہت تردد ہے بدائع و فتح القدیر و شامی وغیرہ بہت دیکھیں جزئیہ مرقومہ کہیں نہیں ملتا کہ تعدد صلوۃ جنازہ اس طرح طریقے پر جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) قال فی رد المحتار فالا حسن الجواب عما قاله المقدسی بان اعادة الولی ليست نفلا لان صلوة غيره وان تاوى بها الفرض وهو حق الميت لكنها نا قصة لبقاء حق الولی فيها فاذا

اعـادهـا وقعت فرضاً مكملا للفرض الاول فليس لمن صلى اولا ان يعيدها مع الولى لان اعادته تكون نفلا من كل وجه بخلاف الولى لانه صاحب الحق (شامى ص ٩٢٣ ج ١ مطلب فى صلاة الجنازة)

اس عبارت سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔ (۱) میت کا اعادہ بطور نفل کے نہیں (۲) جو لوگ پہلی جماعت میں شریک ہو چکے ہیں ان کو ولی کے ساتھ اعادہ مکروہ ہے (۳) جو لوگ پہلے شریک نہ ہوئے ہوں ان کو ولی کے ساتھ نماز ادا کرنا جائز ہے افادہ قید لمن صلى اولا وقيود الفقہ احترازیہ اور تیمم کے مسئلہ پر قیاس درست نہیں کیونکہ جو لوگ جماعت اولیٰ کے وقت حاضر ہیں اور تیمم کر کے جماعت اولیٰ کو پا سکتے ہیں ان کو جماعت ثانیہ کا انتظار مکروہ ہے اس لئے وہ مامور بالتیمم ہیں کیونکہ انتظار جماعت ثانیہ میں جماعت ثانیہ کو گونہ اہتمام ہے، حالانکہ بعد ادائے فرض کے دوسری جماعت قابل اہتمام نہیں ہے اور ولی کو تیمم کی اجازت اس لئے نہیں کہ وہ صرف اپنے حق کی وجہ سے تنہا بھی نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے، اس کو انتظار جماعت کی ضرورت نہیں فقط (امداد الاحکام ص ۴۴۷، ص ۴۵۷ ج ا کتاب الجنائز، امداد الفتاوی کا تکملہ زیر نگرانی ورہنمائی حضرت تھانوی) (تالیف حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ وحضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کے صحن یا اس کے احاطہ (کمپاؤنڈ) میں نماز جنازہ پڑھنا:

(سوال ۳۶) مسجد کے احاطہ (کمپاؤنڈ) میں جنازہ کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) شرعی مسجد (جماعت خانہ) میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، صحن اگر داخل مسجد ہو یا اس کے خارج ہونے کا یقین نہ ہو تو صحن مسجد میں بھی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اگر یقین کے ساتھ معلوم ہو کہ صحن خارج مسجد ہے (جیسے کہ بعض جگہ کا یہی عرف ہوتا ہے) تو صحن مسجد میں یا اس کے علاوہ مسجد کے احاطہ (کمپاؤنڈ) میں نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں، کفایت المفتی میں ہے۔

(خلاصہ سوال) نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں، اور صحن مسجد جس میں نماز پڑھی جاتی ہے وہ داخل مسجد ہے یا نہیں؟ مسجد کے باہر کشادہ سڑک ہے، قبرستان کا فاصلہ ڈیڑھ میل ہے جس کی وجہ سے وہاں نماز جنازہ میں مجمع نہیں ہوتا اور سڑک پر پڑھنے سے کافی مجمع ہوتا ہے تو نماز جنازہ کہاں پڑھنا اولیٰ ہے؟ سڑک پر یا قبرستان میں؟

(الجواب) بہت سے مقامات میں صحن مسجد کو خارج از مسجد قرار دیتے ہیں اور وہاں عرف یہی ہوتا ہے، اسی بناء پر بانیان مسجد بھی صحن کو مسجد میں داخل کرنے کی نیت نہیں کرتے۔ ایسی صورت میں نماز جنازہ صحن میں پڑھ لینی جائز ہے، اور اگر صحن کو مسجد قرار دیا گیا ہو تو باہر سڑک پر نماز جنازہ پڑھنا اولیٰ ہے کہ قبرستان لے جانے اور وہاں نماز پڑھنے میں نمازی کم ہو جاتے ہیں (حضرت مولانا مفتی اعظم) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔ (کفایت المفتی ج ۴ ص ۹۹ کتاب الجنائز) واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۷ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ۔

نماز جنازہ میں شریک ہونے کے لئے نفل نماز توڑنا:

(سوال ۳۷) ایک شخص نفل نماز پڑھ رہا ہے اس حالت میں ایک جنازہ لایا گیا اور نماز جنازہ کی تیاری ہونے لگی اسے

یہ اندیشہ ہوا کہ اگر نفل پوری کروں گا تو نماز جنازہ مجھے نہیں ملے گی تو نماز جنازہ میں شریک ہونے کے لئے نفل نماز توڑ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز جنازہ نہ ملنے کے خوف سے نفل نماز توڑ دینا جائز ہے لیکن فرض نہ توڑے او کان فی النفل فجئی بجنازة وخاف فوتها قطعه لامکان قضائه (درمختار) قلت عارضه ان الفرض اقوی منها بخلاف النفل (شامی ص ۶۶۲ ج ا ، باب ادراک الفریضة) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

عذر کی وجہ سے جماعت خانہ میں نماز جنازہ پڑھنا:

(سوال ۴۸) جنازہ کی نماز ازدحام کثیر کی صورت میں جب کہ نماز جنازہ کی متعین جگہ (جو مسجد سے بالکل علیحدہ ہے) میں سب کے سمانے کی گنجائش نہ ہو، جماعت خانہ میں پڑھنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے، درست نہیں ہے، البتہ شرعی عذر بارش وغیرہ کی وجہ سے پڑھنے کی گنجائش ہے، اسی طرح شارع عام میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے لیکن عذر کی وجہ سے بلا کراہت جائز ہے صورت مسئولہ میں نماز جنازہ کی متعین جگہ میں حاضرین کے سمانے کی گنجائش نہ ہو اور جماعت خانہ کے علاوہ اور کوئی جگہ نہ ہو تو ایسی صورت میں بلا کراہت نماز جنازہ جماعت خانہ میں پڑھ سکتے ہیں، شامی میں ہے:(تتمہ) انما تکرہ فی المسجد بلا عذر فان کان فلا ومن الا عذر المطر کما فی الخانیة ۔ مطلب فی کراهة صلاة الجنازة فی المسجد الخ فقط واللہ اعلم بالصواب.

قبرستان میں نماز جنازہ:

(سوال ۴۹) ہمارے یہاں قبرستان میں نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، قبرستان میں ایک مزار پر عمارت بنی ہوئی ہے اس عمارت کے باہر اس کی دیوار کے ساتھ جنازہ رکھ کر لوگ اس طرح نماز پڑھتے ہیں کہ وہ عمارت قبلہ رو ہوتی ہے قدیم سے یہ سلسلہ جاری ہے اس دوران بہت سے علماء بھی آئے لیکن کسی نے مزار کے سامنے نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا اور وہاں نماز نہیں ہوتی مگر ایک مولوی صاحب ایک جنازہ میں آئے تھے انہوں نے فرمایا کہ یہاں نماز جنازہ صحیح نہیں ہوتی نیز ان کا کہنا ہے کہ آج تک جو بھی نماز جنازہ پڑھی گئی وہ نہیں ہوئی تو کیا یہ بات صحیح ہے؟

(الجواب) قبرستان میں کھلی جگہ جس کے سامنے بھی قبر نہ ہو وہ جگہ نماز جنازہ کے لئے مقرر کر لینا بہتر ہے۔ ایسی جگہ میسر نہ ہو سکے تو قبر کے سامنے بھی جنازہ کی نماز بلا تردد درست ہے، قبر کے سامنے رکوع سجدہ والی نماز اس لئے مکروہ ہے کہ اس میں غیر اللہ کی عبادت کا شائبہ ہے لیکن جب نماز جنازہ میت کے سامنے ہونے کے باوجود مشروع ہے تو پھر قبر کے سامنے ہونے میں کیا حرج ہے، بخاری و مسلم شریف کی حدیث میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ کا ایک ایسی قبر پر گذر ہوا جس میں بوقت شب مردہ دفن کیا گیا تھا، آپ ﷺ نے پوچھا یہ کب دفن کیا گیا ہے، صحابہؓ نے جواب دیا کہ آج ہی رات میں، آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم نے اسے اندھیری رات میں دفن کیا تھا اس وقت آپ کو جگانا ہمیں اچھا معلوم نہیں ہوا۔ پھر آنحضرت ﷺ کھڑے ہوئے ہم نے آپ کے پیچھے صف باندھی چنانچہ آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی عن ابن عباس ان

رسول الله صلی الله علیه وسلم مربقبر دفن لیلا قال متی دفن هذا قالو االبارحة قال افلا اذنتمو نی قالوا دفناه فی ظلمة اللیل فکرهنا ان نو قظک فقام فصففنا خلفه فصلی علیه، متفق علیه (مشکوٰۃ باب المشی بالجنازة والصلوٰة علیها ص ۱۴۵) اسی لئے فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ کوئی میت بلانماز دفن کردی گئی ہو تو اس کی لاش خراب ہونے سے پہلے پہلے اس کی قبر پر نماز جنازہ درست ہے وان دفن بلا صلوٰۃ صلی علی قبره وان لم یغسل مالم یتفسخ (نور الایضاح فصل السلطان أحق بصلاته ص ۱۳۰ و ص ۱۳۱)

لہٰذا صورت مسئولہ میں نماز نہ ہونے کا حکم صحیح نہیں ...... نیز امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۴۷۷، ۴۷۸ مطبوعہ پاکستان ملاحظہ فرمائیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

احقر کا یہ "فتویٰ" فتاویٰ رحیمیہ گجراتی ص ۱۴۵ ص ۱۵۰ جلد نمبر ۵ میں شائع ہو چکا ہے اس کا ترجمہ کر کے فتاویٰ رحیمیہ اردو　　　میں شامل کیا گیا، میرے ایک عزیز مکرم دام مجدہ، جزاہم اللہ وبارک اللہ فی علمہ وعملہ نے توجہ دلائی کہ امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۷۳۳ مطبوعہ دیوبند کا مطالعہ کرلیا جائے ...... احقر نے امداد الفتاویٰ کا فتویٰ بغور سنا، اب احقر اپنے مندرجہ بالا فتویٰ سے رجوع کرتا ہے اور امداد الفتاویٰ کے حوالے سے حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا جو فتویٰ نیچے نقل کیا جارہا ہے اسے قابل عمل سمجھا جائے امداد الفتاویٰ میں ہے۔

تحقیق کراہت صلوٰۃ جنازہ در مقبرہ:

میں نے ایک زمانہ میں اس کے جواز کا فتویٰ دیا تھا چنانچہ تتمہ جلد اول فتاویٰ امدادیہ ص ۴۹ پر وہ فتویٰ درج ہے اور اس جواز کی تقویت میں اس سے استدلال کیا گیا تھا کہ قبر خود نعش سے زیادہ نہیں اور نعش کے سامنے جائز ہے تو قبر کے سامنے بدرجۂ اولیٰ جائز ہے اھ۔

لیکن ایک عزیز نے شرح جامع میں یہ حدیث دکھلائی۔ نهی ان یصلی علی الجنائز بین القبور (طس عن انس رضی الله عنه) اور اس کی وجہ یہی بیان کی ہے فانها صلوٰۃ شرعیه والصلوٰة فی المقبرة مکروهة تنزیها، اور یہ بھی کہا ہے اسناده حسن، یہ اس باب میں صریح روایت ہے اور درایت محضہ پر روایت مقدم ہے، لہٰذا اس فتویٰ سابقہ سے رجوع کرتا ہوں، گو نماز ادا ہو جائے گی مگر کراہت کا حکم کیا جائے گا جیسا کہ عزیزی کا قول اوپر نقل کیا گیا ہے۔

اور غور کرنے سے اس درایت کا جواب بھی ذہن میں آ گیا، وہ یہ کہ فقہاء نے نمازی کے سامنے شمع وسراج کے ہونے کو جائز فرمایا ہے اور انگارے کے سامنے ہونے کو مکروہ فرمایا ہے اور وجہ فرق یہ بیان کی ہے۔ لانه لم یعبدهما احد و المجوس یعبدون الجمر لا النار الموقدة (درمختار وردالمحتار ص ۱۲۰ ج ۱)

پس یہی فرق قبر اور نعش میں ہوسکتا ہے کہ قبر کی پرستش معتاد ہے نعش کی معتاد نہیں پس درایت کا شبہ بھی ساقط ہو گیا اور کراہت کا حکم محفوظ رہا۔ واللہ اعلم۔

(امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۷۳۳ مع جدید حاشیہ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم)

غیر نماز جنازہ دفن کی گئی میت پر نماز جنازہ:

سوال (۴۰) ہمارے یہاں ایک مسلمان شخص کے گھر میں بچہ پیدا ہونے کے فوراً بعد انتقال کر گیا اس نے کسی کو

اطلاع کئے بغیر بلانماز جنازہ دفن کردیا، چند روز کے بعد لوگوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے بچہ کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی، آیا یہ نماز درست ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ کے متعلق کسی معتبر عالم یا مفتی سے استفسار کے بعد عمل کرنا چاہئے تھا مسئلہ یہ ہے کہ میت کی نعش خراب ہونے اور پھٹ جانے سے پہلے پہلے نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں، نعش پھول پھٹ گئی ہو تو پھر نماز پڑھی جائے، نعش پھٹنے کی کوئی مدت متعین نہیں بلکہ اس کا مدار میت کے جثہ، موسم اور زمین کی تاثیر و خاصیت پر ہے، نعش جلد تین روز، بعض جگہ دس روز کی جگہ ایک ماہ تک نعش خراب نہیں ہوتی، زمین کی تاثیر وغیرہ کے سلسلہ میں اس کے ماہر مسلمانوں سے پوچھ کر عمل کر سکتے ہیں، نعش کے خراب ہونے اور پھٹ جانے کے بعد نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔ وان دفن بغیر صلاة صلی علی قبره استحساناً مالم یغلب علی الظن تفسخه من غیر تقدیر هو الاصح (قوله هو الاصح) لانه یختلف باختلاف الاوقات حراً وبرداً والمیت سمناً وهزالاً والامکنة بحر وقیل یقدر بثلاثة ایام وقیل عشرة وقیل شهر عن الحموی (درمختار مع الشامی جلد اول ص ۸۲۶ وص ۸۲۷ مطلب فی صلاة الجنازة) (بحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۳) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شیعہ کے جنازہ میں شرکت:

(سوال ۴۱) شیعہ جماعت کا آدمی دوست ہو تو اس کی نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

(الجواب) شیعہ جماعت میں چند فرقے ہیں جن لوگوں کے عقائد فاسد نہیں جو شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں گستاخی نہیں کرتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہا پر تہمت نہیں لگاتے اور ان کے عقائد کفریہ نہیں ہیں تو ان سے ساتھ میل ملاپ اور دوستانہ تعلق رکھنے میں کوئی حرج نہیں، ایسے ہی ان کے جنازہ میں شرکت (کندھا دینے، نماز پڑھنے اور تجہیز و تکفین میں شرکت) کی اجازت ہے اور جن کے عقائد اور طرز عمل اس کے برعکس ہے ان کا یہ حکم نہیں، ملاحظہ ہو فتاویٰ دارالعلوم ج ۱ ص ۳۳۰ و ص ۳۳۱ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی، امداد الفتاویٰ مبوب ج ۱ ص ۱۳ے، فقط واللہ اعلم

قبرستان میں نماز جنازہ کے متعلق مزید وضاحت:

(استفتاء ب ۴۲) وقار سادات بگر گجرات، حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب متع الله المسلمین بطول حیاتکم الطیبة بالصحة والسلامة والعافیة، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج سامی بخیر ہو، حضرت والا کا ہدیہ سنیہ فتاویٰ رحیمیہ جلد ہشتم موصول ہوا جزاکم الله تعالی جزاء جزیلة فی الدنیا والآخرة عنا وعن جمیع الامة آمین۔

دوران مطالعہ ج ۸/۱۸۶ میں "قبرستان میں نماز جنازہ" کے متعلق ابتداء جواز پھر عدم جواز کی طرف رجوع اور تائید میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کا فتویٰ نظر سے گذرا اس مسئلہ میں مزید تحقیق و تشفی کے لئے یہ عریضہ ارسال خدمت ہے۔

قبرستان میں نماز جنازہ کے جواز پر آنجناب کے دو فتاویٰ" (نئی ترتیب کے مطابق) فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۳۶۲ اور ج ۳ ص ۱۰۱ پر بھی شائع ہو چکے ہیں جن میں چند شرائط جواز لکھا گیا ہے۔

جدید ترتیب میں صفحہ ۵ ج ۷ پر ملاحظہ فرمائیں

آنجناب کے فتاویٰ کے علاوہ چند جگہ جواز ہی مرقوم ہے مثلاً احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۲۵، عمدۃ الفقہ ج ۲ ص ۵۲۹ (قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنا بلاکراہت جائز ہے اگرچہ قبریں سامنے ہوں ..... الخ) علامہ شامی رحمہ اللہ نے بھی قبرستان میں نماز کے متعلق فرمایا ہے " ولا باس بالصلوۃ فیھا اذا کان فیھا موضع اعد للصلوۃ ولیس فیہ قبر و لا نجاسۃ الخ" (شامی ج ۲ ص ۴۲ مکتبہ الباز)

بنابریں حضرت اقدس سے درخواست ہے کہ مزید تحقیق فرما کر مسئلہ کی وضاحت فرمائیں فقط، بینوا تو جروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً، عزیزم مولوی صاحب سلمہ اللہ و بارک اللہ فی علمکم و عملکم. السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کا خط موصول ہوا حالات معلوم ہوکر اطمینان ہوا، شوق اور توجہ سے آپ نے فتاویٰ رحیمیہ جلد ہشتم کا مطالعہ کیا اس قدر دانی کا تہ دل سے شکر گذار ہوں، جزاکم اللہ، آپ نے " قبرستان میں نماز جنازہ " کے متعلق جو اشکال پیش کیا ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ میرے رجوع کا تعلق صرف اس صورت کے ساتھ سمجھا جائے جب کہ قبریں سامنے یا اردگرد ہوں اور صلوۃ بین القبور کی صورت ہوتی ہو جیسا کہ حدیث کے الفاظ " نھی ان یصلی بین القبور " بھی اس پر دال ہیں، اور جب ما بین القبور نماز جنازہ ادا نہ کی جارہی ہو قبرستان میں الگ کسی خاص جگہ میں نماز جنازہ ادا کی جارہی ہو جیسا کہ بعض جگہ قبرستان میں مخصوص جگہ بنائی جاتی ہے تو ایسی جگہ نماز جنازہ بلا تکلف جائز ہے، فتاویٰ رحیمیہ جلد اول ص ۳۶۲ کا فتویٰ ضرور ملاحظہ کرلیں، یہ جواب بہت مناسب اور جامع ہے، موقع کی مناسبت سے وہ جواب یہاں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں، ملاحظہ ہو۔

(الجواب) اگر قبرستان میں خالی جگہ ہو اور سامنے قبریں نہ آتی ہوں اور اگر آتی ہوں تو اتنی دور ہوں کہ نمازی کی نگاہ ان پر نہ پڑتی ہو یا درمیان میں کوئی حائل ہو تو نماز جنازہ بلاکراہت جائز ہے، ورنہ مکروہ ہے، حدیث کی معتبر کتاب جامع صغیر میں ہے نھی ان یصلی علی الجنائز بین القبور (ترجمہ) قبروں کے درمیان نماز جنازہ پڑھنا منع ہے، (ج ۲ ص ۱۸۱) اور فقہ کی معتبر کتاب "البدائع الصنائع" میں ہے قال ابو حنیفۃ و لا ینبغی ان یصلی علیٰ میت بین القبور (ج ۱ ص ۳۱۵) (ترجمہ) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قبروں کے درمیان نماز جنازہ نہ پڑھی جائے" حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۸) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۳۶۲) (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟ کے عنوان سے دیکھلیا جائے ص۲۵)

" جب بین القبور نماز جنازہ کی ممانعت حدیث سے ثابت ہے تو یہی قابل عمل ہے اس کے خلاف قابل عمل نہ ہوگا لہذا عمدۃ الفقہ اور احسن الفتاویٰ کا جواب مبنی بر قیاس معلوم ہوتا ہے اور درایت محضہ پر روایت مقدم ہے، کما قال الشیخ المحقق التھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ " یہ اس باب میں صریح روایت ہے اور درایت محضہ پر روایت مقدم ہے (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۸۳۳) شامی کے جزئیہ میں " ولیس فیہ قبر " بھی اسی پر دال ہے۔

آپ کے توجہ دلانے سے مسئلہ کی تنقیح بھی ہوگئی اور احقر کے فتاویٰ میں تطبیق بھی ہوگئی، جزاکم اللہ خیر الجزاء، فقط واللہ اعلم بالصواب.

باب ما یتعلق بالغسل و الکفن

خنثیٰ مشکل کا غسل اور کفن:

(سوال ۴۳) ایک شخص پچاس سالہ کا انتقال ہوا ہے وہ نہ مرد میں ہے اور نہ عورت میں، خنثیٰ مشکل ہے اس کو غسل اور کفن کس طرح دیا جائے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایسے خنثیٰ مشکل میت کے غسل اور کفن کا حکم یہ ہے کہ اس کو غسل نہ دیا جائے۔ بلکہ تیمم کرادیا جائے۔ الخنثی المشکل لا یغسل بل یتیمم (فتاویٰ سراجیہ ص ۲۲) درمختار میں ہے۔ ویتیمم الخنثی المشکل لو مراھقا قبیل مطلب فی الکفن الخ.

اور کفن پانچ کپڑوں میں عورت کی طرح دیا جائے۔ مگر ریشم نہ ہو اور زعفران کا رنگا ہوا نہ ہو۔ درمختار میں ہے۔ وخنثیٰ مشکل کا مرأة فیه ای الکفن (قوله وخنثیٰ مشکل کا مرأة فیه) ای فیکفن فی خمسة اثواب احتیاطا لانه علی احتمال کونه مذکرا فالزیادة لا تضر قال فی النهر الا انه یجتنب الحریر و المعصفر والزعفران احتیاطا (شامی ص ۸۰۹ ج ا مطلب فی الکفن) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

روح نکل جانے کے بعد اور غسل کے وقت مردے کو کس طرح لٹایا جائے؟:

(سوال ۴۴) جب آدمی کی روح نکل جائے تو اس کو کس طرح سلایا جائے اور کس طرح لٹا کر غسل دیا جائے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) روح نکل جانے کے بعد میت کو شمالاً جنوباً لٹایا جائے جس طرح قبر میں لٹایا جاتا ہے، غسل کے وقت اسی طرح لٹایا جائے، اگر اس میں سہولت نہ ہو اور دوسری طرح لٹانے میں سہولت ہو تو اسی طرح لٹایا جانے، اور اگر نزع کے وقت قبلہ کی طرف پاؤں کر کے سر اونچا کر دیا جائے تاکہ منہ قبلہ کی طرف ہو تو اس طرح بھی درست ہے درمختار میں ہے یوجه المحتضر ... القبلة علیٰ یمینه هو السنة (وجاز الاستلقاء) علیٰ ظهره وقدماه الیها وهو المعتاد فی زماننا ولکن یرفع راسه قلیلاً لیتوجه الی القبلة (درمختار مع الشامی ج ا ص ۷۹۵ باب صلوٰة الجنائز)

"الاختیار لتعلیل المختار" میں ہے: ومن احتضر وجه الی القبلة علیٰ شقه الایمن (قوله وجه الی القبلة علی شقه الایمن) هو السنة واعتباراً بحالة الوضع فی القبر القربه منه الخ (ج ا ص ۹۰۔۹۱ کتاب الجنائز)

کبیری میں ہے: قال فی المبسوط والبدائع والمرغینانی یوضع علیٰ تحت طولاً الی القبلة کما فی صلوٰة المریض بالایماء (ص ۵۳۴ فصل فی الجنائز) واللہ اعلم فقط واللہ اعلم بالصواب.

ڈوبنے والے کو غسل دیا جائے یا نہیں؟:

(سوال ۴۵) کوئی شخص پانی میں ڈوب کر مرجائے تو اس کو غسل دینا ضروری ہے یا نہیں؟ پانی میں ڈوب جانا اور پانی میں سے نکالنا غسل کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) پانی میں ڈوب کر مرجائے تب بھی غسل دینا ضروری ہے، پانی میں ڈوبنا غسل کے لئے کافی نہیں ہے، کیونکہ میت کو غسل دینا زندوں کے ذمہ فرض ہے۔ ہاں اگر پانی سے نعش نکالتے وقت غسل کی نیت سے پانی میں تین غوطے دے دیئے جائیں تو غسل کے لئے کافی ہیں، دوسرے غسل کی ضرورت نہیں۔ قاضی خاں میں ہے۔ **الغریق یغسل ثلثاً فی قول ابی یوسف رحمه الله وعن محمد رحمه الله فی روایة ان نوی الغسل عند الا خراج من الماء یغسل مرتین وان لم ینو یغسل ثلثاً عنه فی روایة یغسل مرةً (ج ۱ ص ۸۹ باب فی غسل المیت وما یتعلق به من الصلاة علی الجنازة الخ)(بحر الرائق ج ۲ ص ۱۷۴) فقط والله اعلم بالصواب.**

شوہر بیوی کو غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۴۶) شوہر بیوی کے مرنے کے بعد غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

(الجواب) درمختار میں ہے۔ **(ویمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر الیها علی الا صح)منیة وقالت الا ئمة الثلثة یجوز لان علیاً رضی الله عنه غسل فاطمة رضی الله عنها قلنا هذا محمول علیٰ بقاء الزوجیة لقوله علیه السلام کل سبب ونسب ینقطع بالموت الا سببی ونسبی مع ان بعض الصحابة انکر علیه شرح المجمع للعینی الخ (درمختار ج ۱ ص ۸۰۳ مطلب فی حدیث کل سبب ونسب منقطع الا سببی ونسبی)** یعنی مرد اپنی عورت کو نہ غسل دے نہ ہاتھ لگائے البتہ اس کا منہ دیکھ سکتا ہے اور دیگر تینوں اماموں کے نزدیک نہلا بھی سکتا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نہلایا تھا، ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ (اول تو اس پر اتفاق نہیں ہے کہ حضرت علیؓ نے ہی نہلایا تھا، روایت میں ہے کہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے نہلایا تھا اور حضرت علیؓ کی طرف نہلانے کی نسبت بایں وجہ ہے کہ غسل کا سارا انتظام آپ نے فرمایا تھا، دوسرا جواب یہ ہے کہ) حضرت علیؓ کا غسل دینا زوجیت قائم رہنے پر محمول ہے، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے! **ان فاطمة زوجتک فی الدنیا والا خرة** (فاطمہ تمہاری زوجہ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی) نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ **کل سبب ونسب ینقطع بالموت الا سببی ونسبی** یعنی ہر سبب اور نسب موت سے منقطع ہو جاتا ہے مگر میرا سبب (قرابت سببی) اور نسب (قرابت نسبی) موت سے منقطع نہیں ہوتا، علاوہ ازیں بعض صحابہ (جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) نے حضرت علیؓ کے غسل دینے پر اعتراض کیا ہے (شامی ج ۱ ص ۸۰۳) بہر حال مسئلہ مختلف فیہ ہے اور احوط یہی ہے کہ بلا مجبوری اور شرعی ضرورت کے شوہر اپنی زوجہ کو غسل نہ دے، البتہ عورت اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے کیونکہ عدت وفات پوری ہونے تک وہ اس کے نکاح میں ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) قوله وهی لا تمنع من ذلک ای من تغسل زوجها دخل بها اولا الخ مطلب فی حدیث کل سبب الخ

کفن پہنانے کے بعد مردہ کو کس طرح لٹایا جائے؟:

(سوال ۴۷) بمبئی میں عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب کسی کی موت ہوتی ہے تو اسے نہلا کر کفن پہنا کر قبلہ کی جانب پیر اور مشرق کی جانب سر کر کے لٹایا جاتا ہے، قوم بواہر میں تو یہ طریقہ دیکھا گیا ہے مگر اب تھوڑی مدت سے یہ طریقہ سنیوں کے یہاں بھی جاری ہو گیا ہے تو کیا یہ صحیح ہے؟ کیا اس طرح لٹانے میں قبلہ کی بے ادبی نہ ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مریض جو لیٹے لیٹے نماز ادا کرتا ہے اس کی نماز کا ایک طریقہ یہ ہے کہ قبلہ کی طرف پیر کرے مگر گھٹنے کھڑے رکھے، اگر طاقت نہ ہو تو پیر پھیلا بھی سکتا ہے اور سر کے نیچے تکیہ وغیرہ رکھ کر ذرا اونچا کر دیا جائے تاکہ منہ قبلہ کی طرف ہو جائے، اسی طرح قریب المرگ آدمی کو لٹانے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ جس طرح قبر میں قبلہ رخ مردہ لٹایا جاتا ہے اسی طرح کروٹ سے لٹا دیا جائے، اس میں تکلیف ہوتی نظر آئے تو قبلہ کی طرف پیر پھیلا کر لٹا دیا جائے اور سر کے نیچے تکیہ وغیرہ رکھ کر اونچا کر دیا جائے تاکہ منہ قبلہ کی طرف ہو آسمان کی طرف نہ ہو۔ کفن پہناتے وقت اور پہنانے کے بعد شمالاً جنوباً لٹایا جائے اگر یہ مشکل ہو تو شرقاً غرباً لٹایا جائے، قبلہ کی طرف پیر پھیلا کر لٹانا مناسب نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس میں سر اونچا نہیں کیا جاتا، غالباً اسی لئے اپنے یہاں اس کا دستور نہیں ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب ۱۴ شوال المکرم ۱۴۰۰ھ۔

(۱) تدفین میں تاخیر کرنا اور جنازہ مسجد کے تہ خانہ میں رکھنا
(۲) جنازہ کی نماز کو سنت سے مقدم کیا جائے یا مؤخر؟:

(سوال ۴۸) (۱) یہاں برطانیہ میں جب کسی شخص کا انتقال ہو جاتا ہے تو قانوناً میت کو ہسپتال لے جانا پڑتا ہے وہاں میت کو کولڈ روم (ٹھنڈے کمرے) میں رکھا جاتا ہے، اور اگر سنیچر یا اتوار یا کوئی سرکاری تعطیل کا دن ہو تو چونکہ ان دنوں میں قبرستان بند رہتا ہے، حکومت کی طرف سے تدفین کی اجازت نہیں ملتی اس لئے مزید ایک دو دن وہ میت کو ہسپتال ہی میں رکھتے ہیں، شہر باٹلی میں مسلمانوں نے مسجد کے تہ خانہ میں اپنا ایک کولڈ روم بنایا ہے اور اب میت کو ہسپتال میں رکھنے کے اپنے کولڈ روم میں رکھتے ہیں۔ یہاں یہ رواج ہے کہ جب کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو لوگ اس کے گھر تعزیت کے لئے جاتے ہیں، تعزیت کے بعد دنیوی باتیں بھی ہونے لگتی ہیں، چونکہ میت مسجد کے تہ خانہ میں رکھدی جاتی ہے تو بہت سے لوگ تعزیت کے لئے یہیں مسجد کے تہ خانہ میں آتے ہیں اور کچھ پڑھ کر میت کو ایصال ثواب کرتے ہیں تو میت کے پاس اس طرح قرآن کی تلاوت جائز ہے یا نہیں؟ اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ میت کے گھر والے مسجد سے دور رہتے ہیں تو میت کو تنہا کولڈ روم میں رکھتے ہیں کوئی اس کے پاس نہیں رہتا تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۲) جنازے کی نماز ظہر کے بعد پڑھنا مقرر کر دیا جائے تو اب نماز جنازہ کب پڑھی جائے، جماعت سے

---

(۱) وکیفیة الوضع عند بعض اصحابنا الوضع طولا کما فی حالة المرض اذا اراد الصلاة بالماء ومنهم من اختار الوضع کما یوضع فی القبر والاصح انه یوضع کما تیسر کذافی الظهیریة فتاویٰ عالمگیری الفصل الثانی فی الغسل ج ۱ ص ۱۵۸

فارغ ہوکر یا سنت ونوافل سے فارغ ہوکر؟ جواب سے نوازیں بینوا توجروا۔ (از برطانیہ)

(الجواب) جب کسی کی موت کا یقین ہوجائے تو جس قدر ممکن ہو اس کی تجہیز وتکفین اور تدفین میں جلدی کی جائے۔ شامی میں ہے۔ **(قوله ویسرع فی جهازه) لماروی ابو داؤد عنه صلی الله علیه وسلم لما عاد طلحة بن البراء وانصرف قال ما اری الا قد حدث فیه الموت فاذا مات فأذ نونی حتی اصلی علیه وعجلوا به فانه لا ینبغی لجیفةمسلم ان تحبس بین ظهر انی اهله والصارف عن وجوب التعجیل الا حتیاط للروح الشریفة فانه یحتمل الا غماء وقد قال الا طباء ان کثیر ین ممن یموتون بالسکتة ظاهرا یدفنون احیاء لا نه یعسر ادراک الموت الحقیقی بها الا علی افاضیل الا طباء فیتعین التاخیر فیها الی ظهور الیقین بنحو التغیر امداد. وفی الجو هرة وان مات فجأة ترک حتی یتیقن بموته (شامی ج ۱ ص ۷۹۹ باب صلاة الجنائز مطلب فی القرأة عند المیت)**

یعنی میت کی تجہیز وتکفین میں جلدی کی جائے، اس حدیث کی بنا پر جو ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ جب آنحضور ﷺ طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ کی عیادت کر کے واپس لوٹے تو آپ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ ان میں موت سرایت کر چکی ہے، جب ان کا انتقال ہوجائے تو مجھے خبر کرنا تا کہ میں ان کی نماز پڑھاؤں اور ان کی تجہیز وتکفین میں جلدی کرو، اس لئے کہ مسلمان کی نعش کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اس کو اس کے گھر والوں کے درمیان روکا جائے (شامی)...... لہذا شرعی عذر اور قانونی مجبوری کے بغیر میت کی تجہیز وتکفین وتدفین میں تاخیر کرنا غلط اور موجب گناہ ہے، اس سے میت کو ایذا پہنچتی ہے اور اس کی بے حرمتی ہوتی ہے، لاش اگر پھول جائے یا پھٹ جائے تو نماز جنازہ کے قابل نہیں رہتی۔ مذکورہ شرعی احکام سے حکومت کو آگاہ کیا جائے اور میت کو جلد سے جلد دفن کرنے کی خصوصی اجازت حاصل کرنے کی قانونی طور پر مسلسل کوشش کی جائے اور اس مقصد کے حصول کے لئے اگر مالی قربانی پیش کرنے کی ضرورت ہو تو اس سے بھی دریغ نہ کیا جائے، انتھک کوشش کے باجود اگر کامیابی حاصل نہ ہوسکے تو مجبوری ہے اللہ معاف کرے۔

میت کو غسل دینے سے پہلے اس کے قریب قرآن مجید کی تلاوت نہ کی جائے مکروہ ہے، دوسرے کسی کمرے میں تلاوت کر کے ایصال ثواب کر سکتے ہیں درمختار میں ہے۔ **تکره القراءة عنده حتیٰ یغسل** . اور شامی میں ہے) **محل الکراهة اذا کان قریباً منه اما اذا بعد بالقرائة فلا کراهة. (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۹۹ مطلب فی القرأة عند المیت)**

شرعی مسجد کے نیچے تہ خانے میں میت رکھنا درست نہیں، البتہ عیادت خانہ ہو تو حرج نہیں۔ نصاب الاحتساب میں ہے۔ **قال العبد اصلحه الله تعالیٰ و بعض الناس اعتاد وا ان واحداً لو مات باللیل ولا یتهیأ لهم الاخراج الی المقبرة یضعونه فی المسجد وانه مکروه ذکر فی شرح الکرخی قال علیه السلام جنبوا مساجد کم صبیا نکم لانه لایؤ من منهم النجاسة وهذا المعنی موجود فی المیت (نصاب الا حتساب قلمی ص ۳۳ باب نمبر ۱۵)**

میت کو رکھنے کے لئے کسی دوسری ایسی جگہ انتظام کیا جائے جہاں میت کے پاس لوگ رہ سکیں، میت کو تنہا نہ رکھا جائے، اس کے قریب بیٹھنا مشکل ہو تو دور بیٹھ کر تسبیح وتہلیل میں مشغول رہیں اور میت کے لئے دعائے مغفرت

کرتے رہیں، ہسپتال میں بھی اسی طرح عمل کیا جائے، میت کے پاس حیض، نفاس اور جنابت کی حالت میں نہ بیٹھیں۔ ویخرج من عنده الحائض والنفساء والجنب (درمختار ج ۱ ص ۷۹۸ باب صلوٰة الجنائز)

(۲) فرض کے بعد جنازہ کی نماز پڑھی جائے اور اس کے بعد سنت پڑھے، لیکن اگر یہ اندیشہ ہو کہ لوگ سنت چھوڑ دیں گے تو پہلے سنت مؤکدہ پڑھ لی جائے پھر اس کے بعد جنازہ کی نماز ادا کی جائے۔ درمختار میں ہے۔ وتقدم (صلاة الجنازة على الخطبة) وعلى سنة المغرب وغيرها (كسنة الظهر والجمعة والعشاء) (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۷۵ باب العیدین). فقط واللہ اعلم بالصواب.

زمزم میں تر کیئے ہوئے کپڑے کو کفن میں استعمال کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۴۹) کپڑے کو زمزم کے پانی میں تر کر کے خشک ہونے کے بعد کفن میں استعمال کر سکتے ہیں۔ بے ادبی تو نہیں ہوگی؟

(الجواب) ہاں! حصول برکت کی غرض سے آب زمزم میں تر کر کے خشک کیا ہوا کپڑا کفن میں استعمال کر سکتے ہیں۔ ولذا قال فی الاسرار المحمدية لو وضع شعر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وسلم او عصاه او سوطه على قبر عاص لنجا ذلك العاصي ببركات تلك الذخيرة من العذاب ومن هذا القبيل ماء زمزم والكفن المبلول به وبطانة استار الكعبة والتكفن بها (تفسیر روح البیان ص ۵۵۹) اس میں سوء ادب جیسی کوئی چیز نہیں ہے، قمیص مبارک اور تہبند شریف کو کفن میں استعمال کرنا حدیث سے ثابت ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نرس کا دیا ہوا غسل کافی ہے یا دوسری مرتبہ کرنا پڑے گا؟:

(سوال ۵۰) یہاں پر (افریقہ میں) تقریباً ننانوے فیصدی زچگی (وضع حمل) ہوسپٹلوں میں ہوتی ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بچہ مردہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اس مردہ بچہ کو ہوسپٹل میں نرس تیار (غسل وکفن) کر دیتی ہے اور اس کو براہ راست قبرستان میں دفنایا جاتا ہے۔ گھر پر اسے کوئی غسل نہیں دیتا حالانکہ بہشتی زیور میں غسل دینے کے متعلق فرماتے ہیں جو حوالہ درمختار کا ہے لہذا بذریعہ رسالہ پیغام بالتفصیل جواب دیں۔

(الجواب) بہشتی زیور میں درمختار کے حوالے سے جو لکھا ہے وہ صحیح ہے اور مذہب مختار کے مطابق ہے۔

نورالایضاح وغیرہ معتبر کتابوں میں ہے کہ بچہ مردہ پیدا ہوا تو مذہب مختار یہ ہے کہ اس کو غسل دیا جائے اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے اور اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے وان لم يستهل غسل في المختار وادرج في خرقة ودفن ولم يصل عليه (ص ۱۳۸ باب احکام الجنائز فصل السلطان أحق بصلوته) ومن لم يستهل ادرج في خرقة كرامة بنى ادم ولم يصلى عليه (هداية ج ۱ ص ۱۶۱ فصل في الصلوٰة على الميت) (عالمگیری ج ۱ ص ۱۵۹)

غیر مسلم کے ہاتھوں دیا گیا غسل غسل کے حکم میں تو آتا ہے اس لئے کہ غسل دینے والے کا مکلف ہونا شرط نہیں ہے۔ وانه يسقط وان لم يكن الغاسل مكلفا (شامی ج ۱ ص ۸۰۵ باب صلوٰة الجنائز تحت

قولہ وفی الاختیار)

مگر اس میں دو خرابیاں ہیں (۱) غیر مسلم کے ہاتھوں دیا گیا غسل مطابق سنت نہیں ہے (۲) مسلم کی تجہیز و تکفین مسلمانوں پر لازم ہے اس کی ذمہ داری ان پر رہ جاتی ہے، لہذا مسلمانوں کے ہاتھوں مسنون طریقہ کے مطابق غسل دیا جانا ضروری ہے۔ چاہے وہ ہوسپٹل میں ہو یا گھر میں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

میت کے ناخن کاٹے یا نہیں:

(سوال ۵۱) میت کے ناخن بڑے ہوں تو کاٹ سکتے ہیں، یا نہیں؟

(الجواب) میت کے بال ناخن وغیرہ کاٹنا منع ہے۔ہاں، ناخن ٹوٹا ہوا ہو تو جدا کر سکتے ہیں۔مجالس الابرار میں ہے۔ وروی عن ابی حنیفة وابی یوسف ان الظفر ان کان متکسر افلا بأس باخذہ ۔ یعنی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ اگر میت کا ناخن شکستہ ہو تو کاٹنے میں حرج نہیں (ص۳۳۲ م ۵۶) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

میت کو غسل دینے سے پہلے تلاوت قرآن پاک مکروہ ہے:

(سوال ۵۲) میت کو غسل دینے سے پہلے اس کے پاس بیٹھ کر قرآن پاک پڑھنا کیسا ہے؟

(الجواب) ہاں صحیح یہی ہے کہ میت کو غسل دینے سے پہلے اس کے پاس قرآن پاک کی تلاوت مکروہ اور منع ہے۔البتہ تسبیح پڑھی جاسکتی ہے۔نور الایضاح میں ہے۔ ویکرہ قرأة القرآن عندہ حتیٰ یغسل ۔ یعنی جب تک میت کو غسل نہ دیا جائے اس کے پاس تلاوت کلام پاک مکروہ ہے (ص۱۳۳ باب احکام الجنائز) (درمختار مع الشامی ص۸۰۰ ج۱) کیونکہ میت ضروری حاجت مثلاً پیشاب پاخانہ کی ناپاکی سے شاید ہی بچ سکتا ہے۔اس لئے غسل سے پہلے اس کے پاس قرآن کریم نہ پڑھے۔دوسرے کمرے میں اور دور بیٹھ کر تلاوت کرنا جائز ہے (وکرہ قرأة القرآن) ای تحریما بناء علیٰ ان نجاستہ خبث (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۳۸۲ باب صلوٰة الجنائز) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

میت کے لئے خوشبو اور کافور کا استعمال:

(سوال ۵۳) عورت کو کفناتے وقت اس کی سر کے بالوں اور اعضاء سجدہ پر عطر لگانا چاہئے یا نہیں؟ اور مرد کے سر اور داڑھی کے بالوں پر اور اعضاء سجدہ پر عطر لگانا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حنوط جو پاک چند خوشبودار عطر وغیرہ اشیاء کا مرکب ہوتا ہے وہ عورت کے سر کے بالوں میں اور مرد کے سر اور داڑھی کے بالوں میں لگایا جائے اور کافور اعضاء سجدہ پر یعنی پیشانی ناک ہتھیلیاں، گھٹنوں اور قدموں پر جو بوقت سجدہ زمین سے لگتے ہیں ملا جائے، یہ حکم مرد اور عورت دونوں کو شامل ہے، مرد کے لئے حنوط میں زعفران وغیرہ رنگین خوشبو کو شامل نہ کیا جائے، عورت کے لئے اجازت ہے، بعض کتب فقہ میں پورے جسم پر خوشبو لگانے کی اجازت ہے مگر ستر کو دیکھنے اور ہاتھ لگانے سے احتراز ضروری ہے غالباً اسی لئے اپنے یہاں دستور ہے کہ کفن پھیلا کر اس پر حنوط (مرکب

خوشبو) چھڑک دیا جاتا ہے اور اس پر میت کو لٹا کر کفن لپیٹ دیا جاتا ہے تاکہ سارا جسم معطر ہو جائے ، اس طرح بدن ہاتھ لگنے اور نظر پڑنے سے حفاظت رہتی ہے ، الجوہرۃ النیرہ میں ہے (قوله ویجعل الحنوط فی لحیته ورأسه وسائر جسده) وان لم یکن حنوط لا یضره ولا بأس بسائر الطیب غیر الزعفران والورس فانه لا یقرب الرجال کما فی الحیواة …… ولا بأس ان یحنط النساء بالزعفران اعتبارا بحال الحیواة (قوله الکافور علی مساجده) یعنی جبهته وانفه وکفیه ورکبتیه وقدمیه لفضیلتها لانه کان یسجد بها لله تعالیٰ فاختصت بزیادة الکرامة والرجل والمرأة فی ذلک سواء (الجوهرة النیرة ص ۱۰۵ باب الجنائز)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے (قوله علیٰ رأسه ولحیته) وسائر جسده کما فی الجوهرة بعد ان یوضع علی الازار کما فی القهستانی (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۱۳ باب احکام الجنائز)

غایۃ الاوطار میں ہے ۔ اور حنوط ملا جائے اس کی سر اور داڑھی پر براہ استحباب اور کافور ملا جائے اس کے سجدہ کی جگہوں میں یعنی جو مقام سجدہ میں زمین پر ٹکتے ہیں اور وہ ماتھا اور ناک اور ہتھیلیاں اور گھٹنے اور پاؤں ہیں ان پر کافور ملا جائے ، ان کی تعظیم کے لئے تاکہ جلد طعمہ خاک نہ ہوں ۔ حنوط عطر مرکب ہے خوشبودار چیزوں سے سوائے زعفران اور ورس کے بسبب مکروہ ہونے ان دونوں چیزوں کے مردوں کو (غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار ج ۱ ص ۴۰۲) فقط ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

عورت کا کفن اس کے ماں باپ کے ذمہ ہے یا اس کے شوہر کے ذمہ ؟ :

(سوال ۵۴) عورت کا انتقال ہو جائے تو اس کا کفن کس کے ذمہ ہے ؟ عورت کے ماں باپ کہتے ہیں کہ لڑکی کا انتقال ہو جائے اور اس کے ماں باپ زندہ ہوں تو اس کا کفن ان کے ذمہ ہے کیا یہ بات صحیح ہے ؟ یا پھر خود عورت کے مال میں سے اس کا خرچ لیا جائے ؟ یا شوہر کے ذمہ ہے وضاحت فرمائیں بینوا توجروا ۔

(الجواب) عورت کا انتقال ہو جائے اور اس وقت شوہر زندہ ہو تو اس صورت میں عورت چاہے مالدار ہو اس کا کفن اس کے شوہر کے ذمہ ہے ، ماں باپ کے ذمہ لازم نہیں ہوتا ، شامی میں ہے (قوله بتجهیزه) وکذا تجهیز من تلزمه نفقته کو لد مات قبله ولو بلحظة وکزوجته ولو غنیة علی المعتمد درمنتقیٰ (شامی ج ۵ ص ۶۶۴ کتاب الفرائض)

مفید الوارثین میں ہے (۴) عورت کا اگر شوہر موجود ہے تو عورت کا کفن اس کے ذمہ پر واجب ہے ، عورت کے ترکہ میں سے اس کا خرچ نہ لیا جائے ، اگر شوہر نہیں ہو تو حسب معمول مرنے والی کے ترکہ اور مال سے خرچ لیا جائے (مفید الوارثین ص ۶۳ فصل اول تجہیز و تکفین کا بیان) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

میت کو سرمہ لگانا :

(سوال ۵۵) میت کو عطر وغیرہ کے ساتھ آنکھوں میں سرمہ لگانا کیسا ہے ؟ بینوا توجروا ۔

(الجواب) میت کو سنت طریقے کے مطابق عطر کافور لگایا جائے، سرمہ نہ لگایا جائے، یہ زینت ہے اور اب مردہ زینت سے بے نیاز ہو چکا ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ بالوں میں کنگھی نہ کی جائے بال اور ناخن نہ کاٹے جائیں۔ مراقی الفلاح میں ہے (ولا یقص ظفرہ) ای المیت (ولا شعرہ ولا یسرح شعرہ) ای شعر رأسہ ولحیتہ) لانہ للزینۃ وقد استغنی عنھا (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۳۱۲ باب احکام الجنائز) درمختار میں ہے (ولا یسرح شعرہ) ای یکرہ تحریماً (ولا یقص ظفرہ) الا المکسور (ولا شعرہ) شامی میں ہے (قولہ تحریماً) لما فی القنیۃ من ان التزین بعد موتھا والا متشاط وقطع الشعر لا یجوز نھر فلو قطع ظفرہ او شعرہ ادرج معہ فی الکفن قھستانی عن العتابی (درمختار وشامی ص ۸۰۳ ج ۱، باب صلوۃ الجنائز) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورت کے کفن کی ذمہ داری شوہر پر ہے یا بھائی پر

(سوال ۵۶) ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ جب کسی عورت کا انتقال ہو جائے اور اس کا شوہر، اس کے بیٹے موجود ہوں پھر بھی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس عورت کے کفن دفن کی ذمہ داری اس کے بھائی پر ہے، وہی پورا خرچ برداشت کرے، کیا یہ بات صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) درمختار میں ہے (واختلف فی الزوج والفتویٰ علی وجوب کفنھا علیہ) عند الثانی (وان ترکت مالا) خانیۃ ورجحہ فی البحر بانہ الظاھر لانہ ککسوتھا (درمختار مع شامی ص ۸۱۰ ج ۱، باب صلاۃ الجنائز مطلب فی کفن الزوجۃ علی الزوج)

مفید الوارثین میں ہے (۴) عورت کا اگر شوہر موجود ہے تو عورت کا کفن اس کے ذمے واجب ہے، عورت کے ترکہ میں اس کا خرچ نہ لیا جائے، اگر شوہر نہیں تو حسب معمول مرنے والی کے ترکہ اور مال میں سے خرچ کیا جائے (مفید الوارثین ص ۶۳ فصل اول تجہیز و تکفین کا بیان)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ رواج غلط ہے جب شوہر موجود ہے تو یہ ذمہ داری شوہر کی ہے عورت کے بھائی کی نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باب ما یتعلق بالدفن المیت

قبرستان میں جوتے پہن کر چلنا کیسا ہے؟:

(سوال ۵۷) بچپن سے سنتے ہیں۔ کہ قبرستان میں جوتے پہن کر جانا منع ہے لیکن عام طور پر لوگ قبرستان میں جوتے پہن کر جاتے ہیں۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

(الجواب) قبروں پر جوتے پہن کر یا بغیر پہنے ہوئے چلنا سخت ممنوع اور مکروہ ہے[1]۔ ہاں جس جگہ پر قبر نہیں خالی جگہ ہے تو جوتے پہن کر چلنے میں کوئی حرج نہیں بلا کراہت جائز ہے۔ عالمگیری میں ہے۔ والمشیی فی المقابر بالنعلین لا یکرہ عندنا. ترجمہ۔ قبرستان میں جوتے پہن کر چلنا ہمارے نزدیک مکروہ نہیں (ص ۱۶۰ ج ۱. آخر فصل فی القبر والدفن الخ)ہاں احتیاط رکھے بالخصوص قبر کے پاس فاتحہ خوانی کے وقت جوتے اتار دے تو بہتر ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

تدفین کے بعد سرہانے یا پائنتی پر پڑھنے کی کیا اصل ہے؟:

(سوال ۵۸) بعض مقام میں میت کے دفنانے کے بعد امام صاحب سرہانے کھڑے ہو کر "الم" سے "المفلحون" تک اور پائنتی پر " آمن الرسول" سے آخر تک پڑھ کر دعا کرتے ہیں۔ تو اس کی کوئی اصل ہے؟

(الجواب) ہاں اس طرح پڑھنا مستحب ہے آہستہ سے اور گاہے اس کو چھوڑ بھی دے لازم نہ کرے۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ولیقرأ عند رأسه فاتحة البقرة و عند رجله بخاتمة البقرة. ترجمہ۔ اور تدفین کے بعد میت کے سرہانے پر سورہ بقرہ کی ابتدائی آیتیں (الم سے مفلحون تک)اور پائنتی پر سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں آمن الرسول سے ختم سورت تک پڑھی جائیں (مشکوۃ باب دفن المیت ص ۱۴۹)''شامی'' میں ہے وکان ابن عمر رضی اللہ عنه یستحب ان یقرأ علی القبر بعد الدفن اول سورة البقرہ وخاتمتها. ترجمہ۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ مستحب سمجھتے تھے۔ کہ قبر پر دفن کے بعد سورۂ بقرہ کا اول حصہ اور آخری حصہ پڑھا جائے۔ (ص ۸۳۸ ج ا مطلب فی دفن المیت)فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دوسرے کے لئے کھدی ہوئی قبر میں میت دفنا دینا:

(سوال ۵۹) کسی کی زمین میں میت کو دفنایا گیا اور مالک زمین میت کو نکلوانا چاہے تو کیا اس کو حق ہے؟ یا زمین کی قیمت کا حق دار ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مالک زمین میت کو نکلوا سکتا ہے۔ البتہ اگر زمین وقف کی ہے۔ اور کسی نے قبر کھدوائی ہو اور اس قبر میں دوسرا شخص اپنی میت دفن کرا دے تو قبر کھدوانے والا اجرت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ میت کو نکلوانے کا مطالبہ نہیں کر سکتا درمختار میں ہے۔(ولا یخرج منه) بعد اهالة التراب الا لحق آدمی کان تکون الارض مغصوبة الخ اور شامی

---

(۱) ویکرہ ان یبنی علی القبر او یقعد او ینام علیه او یو طاعلیه الخ فصل فی القبر والدفن

میں ہے۔واحترز بالمغصوبة عما اذا كانت وقفاً قال في التاتارخانية انفق مالا في اصلاح قبر فجاء رجل ودفن فيه ميته' وكانت الارض موقوفة يضمن ما انفق فيه ولا يحول ميتة من مكانه لا نه دفن في وقف اه وعبر . في الفتح بقوله يضمن قيمة الحضر فتامل (ص ٨٣٩. ٠ ٨٣٠مطلب في دفن الميت) فقط والله اعلم بالصواب .

خاوند بیوی کوقبر میں اتار سکتا ہے:

(سوال ۶۰) شوہر اپنی بیوی کو قبر میں اتارنے کے لئے اتر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عورت کے مرنے کے بعد شوہر اس کے حق میں اجنبی کے حکم میں ہے کپڑے کی آڑ کے بغیر اس کو مس نہیں کر سکتا، لیکن منہ دیکھ سکتا ہے اور محرم کے ساتھ اٹھا کر جنازہ میں لا سکتا ہے، قبر میں بھی اتار سکتا ہے، امام طاہر بخاری سرخسی المتوفی ۵۴۲ھ فرماتے ہیں! وقال الا مام الا جل فخر الدين خان يكره للناس ان يمنعوا حمل جنازة المراة لزوجها مع ابيها واخيها ويدخل الزوج في القبر مع محرمها استحساناً وهو الصحيح وعليه الفتوى.

ترجمہ:۔امام فخر الدین نے فرمایا۔لوگوں کا شوہر کو اس کی بیوی کا جنازہ اس کے باپ یا اس کے بھائی کے ساتھ اٹھانے سے روکنا مکروہ ہے، اور شوہر اس کے محرم کے ساتھ قبر میں اتر سکتا ہے استحساناً اور یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے (خلاصة الفتاوىٰ ج ا ص ۲۲۵ الفصل الخامس والعشرون في الجنائز) فقط والله اعلم بالصواب.

قبر میں میت کے پاؤں قبلہ کی طرف کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۶۱) دو آدمیوں نے ایک کتاب میں یہ مسئلہ پڑھا کہ جب میت کو قبر میں لٹائے تب اس کے پاؤں قبلہ جہت رکھے جائیں کس کتاب میں پڑھا وہ ان کو یاد نہیں لوگ کہتے ہیں کہ میت کا منہ قبلہ رخ کرنا چاہئے اگر پاؤں قبلہ کی طرف رکھنا ہو تو کس حالت میں؟ بحوالہ کتب جواب تحریر فرمائیں۔

(الجواب) میت کو قبر میں قبلہ جہت سے اتارنا مسنون ہے۔قبر میں دائیں بازو پر لٹا کر منہ قبلہ رخ کرنا سنت موکدہ ہے قبلہ جہت پاؤں کرنا ناجائز ہے۔فتاویٰ عالمگیری میں ہے ويوضع في القبر على جنبه الا يمن مستقبل القبلة.
ترجمہ:۔میت کو قبر میں دائیں بازو پر لٹا کر قبلہ کی طرف منہ رکھا جائے (ج ا ص ۱۶۶ الفصل السادس في القبر والدفن الخ شامي ج ا ص ۸۳۷ مطلب في دفن الميت) مالا بد منہ میں ہے وروئے بسوئے قبلہ کردہ شود (یعنی قبر میں میت کا چہرہ قبلہ رخ کیا جائے (ص ۷۶) بعض فقہا کے نزدیک قبر میں میت کا منہ قبلہ رخ کرنا واجب ہے (درمختار۔ہدایہ ج اص ۱۶۲ فصل فی الدفن) بہر حال قبر میں پاؤں قبلہ جہت کرنا جائز نہیں اسلامی طریقہ کے خلاف اور گناہ ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

(سوال ۶۲) ایک پانچ سالہ بچہ مر گیا اس کو صندوق میں دفن کیا گیا۔دفنانے والے نے اس کو صندوق میں کس ہیئت

سے رکھا وہ نہیں بتایا۔ تدفین کے بعد معلوم ہوا کہ اس کا منہ قبلہ جہت نہیں ہوا ہے اب چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں اس طرح پر دفنانے میں گناہ ہوا یا نہیں؟ وہ تحریر فرمائیں۔

(الجواب) قبر میں میت کا منہ عمداً قبلہ رخ نہ کرنا گناہ ہے۔ غلطی سے کچھ رخ بدل جائے تو گناہ نہیں ہے۔ مٹی ڈالنے سے پہلے یاد آجائے کہ میت کا منہ قبلہ جہت نہیں کیا ہے تو قبر کھول کر اینٹ یا تختہ ہٹا کر منہ قبلہ جہت کر لیا جائے مٹی ڈالنے کے بعد قبر کھولنا جائز نہیں گناہ ہے شامی میں ہے **لو دفن مستدبراً لها واها لو التراب لا ينبش لان التوجه الى القبلة سنة والنبش حرام بخلاف مااذا كان بعد اقامة اللبن قبل اهالة التراب (ج ۱ ص ۸۳۷ مطلب فی دفن المیت) والله تعالىٰ اعلم.**

قبر پر لکڑی کے تختے رکھنا کیسا ہے؟:

(سوال ۶۳) میت کو قبر میں دفنانے کے بعد مٹی ڈالنے سے پہلے لکڑی کے تختے یا بانس رکھنے کا شرعی حیثیت سے کیا حکم ہے؟ دفن کرنے کے بعد تختے یا بانس یہاں کے لوگ نہیں رکھتے ہیں تو ساری مٹی میت پر گرتی ہے، میت کی بے حرمتی ہوتی ہے، لہذا مفصل جواب عنایت فرمادیں۔

(الجواب) قبر کی دو قسمیں ہیں ''بغلی'' اور ''صندوقی'' بغلی قبر سنت ہے اس کی صورت یہ ہے کہ قبر پوری کھودنے کے بعد جانب قبلہ کی دیوار کو نیچے سے کھود کر ایسا خلا بنالیا جائے کہ میت کو اس میں لٹایا جاسکے۔ پھر کچی اینٹیں کھڑی کر کے یہ خلا بند کر دیا جائے، کوئی سوراخ یا چھید رہ جائے تو اس کو گارے سے بند کر دیا جائے، کچی اینٹیں نہ ہوں تو بانس رکھے وہ بھی نہ ہوں تو مجبوراً لکڑی کے تختے رکھ کر اوپر درخت کا بھوسہ یا کھجور کی چٹائی بچھا کر حجرہ کے مانند بنادیا جائے کہ اس میں مٹی کا گزر نہ ہو۔ مگر یہ بغلی قبر سخت زمین میں بن سکتی ہے۔ نرم زمین میں اگر بنائی بھی جائے تو جلد بیٹھ جاتی ہے ایسی زمین میں صندوقی قبر بنائی جائے جس کی صورت یہ ہے کہ قبر کھودنے کے بعد اس کی بیچ میں لمبائی میں نہر کی مانند زمین اتنی کھودی جائے اور صاف کر دی جائے کہ میت کو لٹایا جاسکے۔ اس پر کچی اینٹیں، پتھر کی سلیں یا بانس وغیرہ بچھا کر قبر مسقف (چھت دار) صندوق کے مانند بنالی جائے جس کی وجہ سے اندر مٹی کا گزر نہ ہوسکے، پھر مٹی ڈال کر قبر کو پر کر دیا جائے (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۶۔۱۶۵)(۱) (عینی شرح ہدایہ وغیرہ) خالی میت پر (جیسے کہ سوال میں ہے) مٹی ڈالنا خلاف سنت ہے اس سے میت کی بے حرمتی بھی ہوتی ہے، اس طریقہ کو ترک کرنا اور توبہ واستغفار کرنا ضروری ہے؟ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قبر کو پتھر سے ڈھانپ سکتے ہیں؟:

(سوال ۶۴) بغلی قبر کے علاوہ جیسا ہمارے ہاں کا رواج ہے زمین کی نرمی کی وجہ سے، کھود لینے کے بعد اس کو پتھر سے ڈھانپ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور پتھر سے ڈھانپنا جائز ہے یا نہیں؟ جیسا کہ مدینہ طیبہ وغیرہ میں پتھر سے ڈھانپتے ہیں؟

---

(۱) والسنة هو اللحد دون الشق كذافي محيط السرخسي وصفة اللحد ان يحفر القبر بتمامه ثم يحفر في جانب القبلة حفيرة فيوضع فيه الميت كذا في المحيط ويجعل ذلك كالبيت المسقف كذا في البحر الرائق فان كانت الارض رخوة فلا بأس بالشق كذا في فتاوىٰ قاضي خان وصفة الشق ان تحفر صغيرة كالنهر وسط القبر ويبنى جانباه باللبن و يوضع ن فيه ويسقف كذا في معراج الدراية الفصل السادس في القبر والدفن الخ)

(الجواب) زمین نرم ہونے کی وجہ سے قبر دھنس جانے کا اندیشہ ہو تو صندوقی قبر بلا حرج کے جائز ہے اور قبر ڈھانپنے میں ضرورۃً پتھر استعمال کر سکتے ہیں کہ جس سے جانور قبر کھود کر مردہ تک نہ پہنچ سکے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ پتھر کے نیچے کا یعنی میت کی طرف کا وہ حصہ مٹی سے لیپ لیا جائے جس کی وجہ سے مردہ کی چاروں طرف مٹی معلوم ہو (درمختار، شامی ج ا ص ۸۳۶)[1] **فقط واللہ اعلم بالصواب۔**

پختہ قبر بنانے کے متعلق:

(سوال ۶۵) (۱) ایک شخص اپنے والد کی قبر پختہ بنانا چاہتا ہے شرعاً اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ (۲) اگر پختہ قبر بنانے کی اجازت نہ ہو تو کیا چہار دیواری پختہ بنا کر اوپر کا حصہ کھلا یا کچا رکھنے کی اجازت ہے؟ (۳) اگر اس کی بھی اجازت نہ ہو تو کیا محض ایک پتھر پر مرحوم کا نام اور تاریخ وفات لکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) قبر کو پختہ بنانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے، ممنوع ہے۔ حدیث شریف میں ہے **نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يجصص القبر وان يبن عليه وان يقعد رواه مسلم (مشكوٰة شريف ص ۱۴۸ باب فى دفن الميت)** آنحضرت ﷺ نے قبر کو پختہ بنانے اور اس پر عمارت باندھنے اور قبر پر بیٹھنے سے ممانعت فرمائی ہے۔

اس لئے فقہاء نے قبر میں پکی اینٹ رکھنے اور قبر کے چاروں طرف پختہ چبوترہ بنانے اور قبر کے پاس آگ اور اس میں پکائی ہوئی چیزیں لے جانے کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۸۳۷)[2] لہذا اب غیر ضرورت شرعیہ کے چہار دیواری کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

کچی قبر رہنے میں میت کا مفاد ہے، کچی اور کس مپرسی کی حالت کی قبر انوار الٰہی اور رحمت خداوندی کی زیادہ مستحق ہے اور زائرین کے دلوں پر مؤثر ہے، موت یاد آتی ہے اور دنیا کے زوال کا نقشہ سامنے آجاتا ہے، زیارت قبور کی جو غرض ہے وہ حاصل ہو جاتی ہے، میت کے ساتھ محبت ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کی قبر پختہ اور مزین بنائی جائے، حضرات صحابہؓ آنحضرت ﷺ کے عاشق جاں نثار تھے، آنحضرت ﷺ کے وضو کے پانی کو زمین پر گرنے نہ دیتے تھے، ہاتھوں میں لے کر اپنے منہ اور آنکھوں پر ملتے تھے، ایسی محبت اور عظمت ہونے کے باوجود ان بزرگوں نے اپنے محبوب ترین آقا پیغمبر ﷺ کی قبر مبارک پختہ نہ بنائی، کچی ہی رہنے دی، ہمیں بھی انہیں کے نقش قدم پر چلنا چاہئے۔ (خداء پاک نیک توفیق عطا کرے۔ آمین) اگر ضرورت سمجھی جائے کہ قبر کا نشان باقی رہے تو اس پر وقتاً فوقتاً مٹی ڈالی جا سکتی ہے۔ نیز قبر کا نشان باقی رکھنے اور اس خیال سے کہ قبر کی بے حرمتی اور توہین نہ ہو، لوگ اس کو پامال نہ کریں تو اس پر نام اور تاریخ وفات بھی لکھی جا سکتی ہے۔ **ولا بأس بالكتابة عليه لئلا يذهب الا ثر ولا يمتهن (نور الايضاح ص ۱۴۰ فصل فى حملها ودفنها) ان احتيج الى الكتابة حتى لا يذهب الأ ثر ولا**

---

(۱) وقال لكن ينبغى ان يفرش فيه التراب وتطن الطبقة العلياء مما يلى الميت ويجعل اللبن الخفيف على يمين الميت ويساره ليصير بمنزلة اللحد مطلب فى دفن الميت)

(۲) لا الآجر المطبوخ والخشب لد خلوه قال فى الشامية تحت قوله الآجر قال البدائع لأنه يستعمل للزينة ولا حاجة للميت اليها ولأنه مسته النار فيكره ان يجعل على الميت تفاؤلا كما يكره ان يتبع قبره بنار تفاؤلا مطلب فى دفن الميت)

یستهن فلا بأس به فاما الكتابة بغير عذر فلا اه (شامی ج ا ص ۸۳۹) ولا بأس بالكتابة ان احتيج اليها (درمختار مع رد المحتار ج ا ص ۸۳۹ ایضاً) بہر حال ضرورت کی صورتوں کو اگرچہ حضرات فقہاء نے مستثنیٰ کیا ہے تب بھی بہتر یہی ہے کہ کچھ نہ لکھا جائے۔ لان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى ان يجصص القبور وان يكتب عليها وان توطا . رواه الترمذی . مشکوٰة شریف ص ۱۴۸ باب دفن الميت) (ترجمہ) آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا اس سے کہ قبروں کو پختہ بنایا جائے یا ان پر لکھا جائے یا ان کو پیروں سے روندھا جائے (ترمذی شریف بحوالہ مشکوٰۃ شریف)

شرعی حکم میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں، اگر پختہ قبر ممنوع نہ ہوتی تو آج چاروں طرف قبریں ہی قبریں ہوتیں۔ مکانات اور کھیتی کے لئے بھی زمین ملنا دشوار ہو جاتا۔ فقط

میت کو تلقین کب کرے اور کب نہ کرے:

(سوال ٦٦) ایک جگہ پر بعنوان " قبر پر تلقین " کے تحت حسب ذیل لکھا ہے:۔

" حضرت ابی امامہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہارا کوئی بھائی وفات پائے اور تم اس کو قبر میں دفن کر چکو۔ اس کے بعد ایک آدمی قبر کے پاس کھڑا ہو کر میت کا نام لے کر پکارے، یہ پکار وہ سنتا ہے مگر اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ پھر جب دوبارہ اس کا نام پکارا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ برادر! کیا کہتا ہے؟ اللہ تجھ پر رحم فرمائے (مگر مردہ کی یہ بات باہر والے نہیں سن سکتے۔) اس طریقہ سے تین دفعہ ندا دے کر حسب ذیل تلقین کرے۔

اذكر ما اخرجت عليه من الدنيا بشهادة ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله وانک رضيت بالله ربا وبالا سلام دينا وبمحمد نبيا!

مردے کی یہ تلقین سنتے ہی قبر میں سے منکر نکیر نامی فرشتے واپس لوٹ جاتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ یہاں تو تلقین ہو رہی ہے۔ اپنا یہاں کام نہیں۔

(اس تلقین کے بارے میں امام نوویؒ " تعلیقات " کے مصنف قاضی حسینؒ " تتمہ " کے مصنف ابو سعیدؒ ابو الفتح نصر مقدسی اور امام شافعی وغیرہ علماء کرام متفق ہیں۔

(الجواب) تلقین کے دو مواقع ہیں (۱) موت کے وقت (۲) بعد الموت۔ موت کے وقت کی تلقین بالاجماع مستحب ہے۔ وهذا التلقين مستحب بالا جماع (فتاوىٰ عالمگیری الفصل الاول فی المختصر ج ا ص ۱۵۷) اور قبر کی تلقین میں اختلاف ہے۔ بعض فقہاء اس کے قائل ہیں اور بعض قائل نہیں ہیں۔ واما التلقين بعد الموت فلا يلقن عند نا فی ظاهر الرواية كذا فی العینی ، شرح الهداية ومعراج الدراية ونحن نعمل بما عند الموت وعند الدفن كذا فی المضمرات .

یعنی بہر حال موت کے بعد کی تلقین ظاہر روایت میں منع ہے۔ اور ہمارا عمل دونوں تلقین پر ہے (فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۱۵۷ فی القبر والدفن الخ)(عینی ج ا ص ۱۰۷۳)(طحطاوی شرح درمختار ج ا ص ۵۷۹)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تلقین بعد الموت خلاف ظاہر روایت ہے اور ترجیح ظاہری روایت کو ہوتی ہے اور بعد الموت قبر والی تلقین کے بارے میں جو حدیث پیش کی جاتی ہے وہ محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہے بلکہ ضعیف ہے۔ البتہ ضعیف روایات فضائل اعمال میں معتبر ہوتی ہیں اور اس پر عمل جائز ہے اس شرط پر کہ اعتقادی یا عملی خرابی لازم نہ آتی ہو۔ مگر تلقین مذکور کے بارے میں اکثر اوقات عملی اور اعتقادی خرابی دیکھنے میں آتی ہے۔ یعنی اس کو لازمی سمجھا جاتا ہے کبھی ترک نہیں کرتے اور نہ کرنے والے کو ملامت کی جاتی ہے۔ انہیں بد مذہب، بدعقیدہ کہا جاتا ہے اور اہل سنت سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا قابل ترک ہے۔ فقہاء کا مسلم عقیدہ ہے کہ **ان المندوب ینقلب مکروھا اذا خیف ان یرفع عن رتبتہ** مباح اور مستحب کو جب اس کے درجہ سے بڑھا دیا جاتا ہے تو مکروہ اور ممنوع ہو جاتا ہے۔ (مجمع البحار ج ۲ ص ۲۴۴)

حاصل یہ کہ تلقین اول (عند الموت) بالا جماع مستحب ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے اور تلقین ثانی (بعد الموت عند القبر) میں اختلاف ہے۔ لہٰذا فقہاء کا فیصلہ ہے کہ جہاں اس کا رواج نہیں ہے وہاں اس کو جاری نہ کیا جائے اور جہاں اس کا رواج ہو وہاں اس کو بند نہ کیا جائے کہ فتنہ و فساد کا ڈر ہے۔ درمختار وغیرہ میں ہے:۔ **ولا یلقن بعد تلحیدہ وان فعل الا ینھیٰ عنہ** ۔ یعنی بعد دفن تلقین نہ کی جائے اور اگر کوئی کرے تو اسے روکا نہ جائے **(درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۹۷ مطلب فی التلقین بعد الموت) فقط واللہ اعلم بالصواب.**

پرانی قبر میں دوسرا مردہ دفن کرنا کیسا ہے:

(سوال ۷۶) علمائے دین سے رہنمائی مطلوب ہے مندرجہ ذیل مسئلہ میں ہمارے ملک میں آبادی کے بے تحاشہ پھیلاؤ اور تیز رفتار اضافہ نے خاص طور پر بڑے شہروں میں رہائش کے معاملہ کو جس حد تک دشوار بنادیا ہے وہ سب پر عیاں ہے اس کا قدرتی نتیجہ یہ بھی ہے کہ قبرستانوں کی گنجائشیں بڑھتی ہوئی ضرورتوں کا ساتھ دینے سے عاجز آتی جارہی ہیں شہری آبادی سے بہت دور دراز جگہوں میں نئے قبرستان بنا بھی لئے جائیں تو وہاں تک اموات کا حمل و نقل بہت دشوار بلکہ عملاً ناممکن نظر آتا ہے، اس کا ایک حل یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قدیم قبرستانوں میں دوبارہ تدفین شروع کی جائے بشرطیکہ شریعت اسلامیہ اس کی روادار ہو اس لئے علماء کرام رہنمائی فرمائیں کہ شرعاً کتنی مدت کے بعد کسی پرانی قبر کو دوبارہ تدفین کے لئے کام میں لایا جاسکتا ہے جبکہ مبصرین کا عام خیال یہ ہے کہ چالیس سال یا زیادہ سے زیادہ پچاس سال کے عرصہ میں مدفون میت (الا ماشاء اللہ) خاکستر محض ہو جاتی ہے تو کیا ان مقابر کو جن کی تدفین پر پچاس ساٹھ سال کا عرصہ یقینی طور پر گذر چکا ہو، دوبارہ کھود کر تدفین کے کام میں لایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس معاملہ میں شریعت مقدسہ کی واضح رہنمائی سے ممنون فرمائیں جزاکم اللہ خیراً۔ بینوا توجروا (از دہلی)

(الجواب) شامی میں ہے **قال فی الفتح ولا یحفر قبر لدفن آخر الا ان بلی الا ول فلم یبق لہ عظم الا ان لا یوجد فتضم عظام الاول ویجعل بینھما حاجز من تراب ...... الی قولہ ...... قال الزیلعی ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ . الیٰ قولہ . قلت فالاولیٰ اناطۃ الجواز بالبلاد اذ لا یمکن ان یعدل کل میت قبر لا یدفن فیہ غیرہ وان صار الا ول ترابا لا سیما**

فی الا مصار الکبیرة الجامعة الخ (شامی ص ۸۳۵ ج ۱ کتاب الجنائز مطلب فی دفن المیت)

یعنی فتح القدیر میں ہے: میت دفن کرنے کے لئے کسی قبر کو کھودی نہ جائے الا یہ کہ پہلی میت بوسیدہ ہوگئی ہو اور اس کی ہڈیاں باقی نہ رہی ہوں، البتہ اگر جگہ نہ ہونے کے سبب قبر کھودی گئی اور اس میں ہڈیاں نکلیں تو احترام کے ساتھ پہلے مردہ کی ہڈیوں کو جمع کر کے قبر کے ایک جانب رکھ دی جائیں اور ان دونوں کے درمیان مٹی کی آڑ کر دی جائے۔الی قولہ۔علامہ زیلعی فرماتے ہیں اگر میت بوسیدہ ہوجائے اور مٹی ہوجائے تو دوسری میت کو اس میں دفن کرنا جائز ہے۔الی قولہ۔قلت،علامہ شامی فرماتے ہیں بوسیدہ ہوجانے کے بعد جواز کا قول اختیار کرنا بہتر ہے اس لئے کہ ہر میت کے لئے ایسی قبر مہیا کرنا جس میں کبھی کوئی مردہ دفن نہ ہوا ہو ممکن نہیں ہے خاص کر بڑے شہروں میں۔(شامی ص۸۳۵ج۱)

مراقی الفلاح میں ہے:۔ لو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ کذا فی التبیین (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۳۳۲ . فصل فی حملها و دفنها)

البحر الرائق میں ہے وفی التبیین ولو بلی المیت وصار ترابا جائز دفن غیرہ وزرعه والبناء علیه ا ه (البحر الرائق ص ۱۹۵ ج ۲، کتاب الجنائز تحت قوله ولا یخرج من القبر الخ)

. فتاویٰ عالمگیری میں ہے ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه کذا فی التبیین (عالمگیری ص ۱۶۷ ج ۱ کتاب الجنائز فصل نمبر ۲)

بوسیدہ ہونے سے قبل قصداً وارادۃً قبر کھودنے کی اجازت نہیں،علامہ شامی فرماتے ہیں وما یفعل جهلة الحفارین من نبش القبور التی لم تبل اربابها وادخال اجانب علیهم هو من المنكر الظاهر یعنی: میت کے بوسیدہ ہونے سے قبل جاہل گورکن ایسی قبریں بھی کھود دیتے ہیں اور دیگر اموات کو اس میں دفن کر دیتے ہیں، یہ بات ظاہری طور پر منکر اور ممنوع ہے (شامی ص۸۳۵ج۱)

مذکورہ بالا عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ راجح قول کے مطابق مردہ جب خاک ہوجائے اور اس کا اثر باقی نہ رہے تو اس صورت میں دوسرے میت کو اس قبر میں دفن کرنا جائز ہے خاص کر بڑے شہروں میں جہاں زمین کی قلت ہوتی ہے اور اس سے قبل جب کہ اندازہ یہ ہو کہ میت کا جسم خاک نہ ہوا ہوگا قصداً وارادۃً بلا عذر شرعی قبر کھودنا جائز نہ ہوگا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں جب کہ زمین کی قلت ہو، نیا قبرستان آبادی سے بہت دور ملتا ہو اور وہاں تک اموات کا نقل وحمل بہت دشوار ہو تو مبصرین جتنی مدت کا اندازہ بتائیں اور تجربہ سے بھی ان کی بات کی تصدیق ہوتی ہو تو اتنی مدت کے بعد پرانی قبر میں میت دفن کرنا جائز ہے اگر کبھی ہڈیاں نکالیں تو پوری احترام کے ساتھ قبر کے ایک جانب رکھ کر مٹی کی آڑ کر دی جائے پختہ قبر بنانے کی ہرگز اجازت نہ دی جائے کہ شرعاً بھی ممنوع ہے اور مصلحت کے بھی خلاف ہے۔

عارف باللہ حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانی رحمہ اللہ کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

(سوال) ایک قبر کھودی اس میں مردہ کی ہڈی نکلی اس میں نیا مردہ دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) ہڈیوں کو ایک طرف رکھ کر جدید میت کو اس میں دفن کرنا درست ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم مکمل و مدلل ص ۳۷۸ ج ۵)

دوسرا فتویٰ:

(الجواب) دیدہ و دانستہ پرانی قبر کو بحالت موجودگی میت کے بدون ضرورت کے کھودنا جائز نہیں اور اگر اتفاقاً قبر کھودتے ہوئے دوسری میت کی ہڈیاں نکلیں تو ان کو ایک طرف کریں اور کسی قدر بیچ میں پردہ رکھ کر دوسری میت کو دفن کریں یہ جائز ہے کیونکہ مردہ کے بوسیدہ ہونے کے بعد جواز ہی مختار ہے۔ چنانچہ شامی میں بعد نقل اقوال علماء کی یہ لکھا ہے فالا ولی انا طة الجواز بالبلا اذا لا یمکن ان یعد لکل میت قبر لا ید فن فیه غیره الخ اور قبل البلا ایسا کرنا ناجائز قرار دیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں وما یفعله جهلة الحفارین من نبش القبور التی لم تبل اربابها وادخال اجانب علیهم فهو من المنکر الظاهر فقط (فتاویٰ دارالعلوم مدلل ج ۵ ص ۳۸۵ . نیز ج ۵ ص ۳۸۷)

نوٹ:۔ مندرجہ بالا حوالہ جات میں زرع اور بناء کی جو اجازت ہے وہ غیر موقوفہ زمین کے متعلق ہونا چاہئے ، موقوفہ قبرستان میں اس کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وقف قبرستان میں قبر کے اردگرد چبوترہ بنانا اور کتبہ لگانا:

(سوال ۶۸) کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والد صاحب کا انتقال ہوا تو لوگوں نے برکت کے لئے اپنے خاص برادری کے قبرستان میں دفن کیا (یہ قبرستان کسی کی مملوکہ زمین میں نہیں ہے وقف زمین ہے) اب ان کے معتقدین چاہتے ہیں کہ ان کی قبر پر کتبہ وغیرہ لگاویں اور آس پاس قبر کی دیواریں اٹھاویں تا کہ لاعلم لوگوں کو آسانی سے قبر مل جائے اور کسی قسم کی زحمت نہ ہو، لیکن مذکورہ قبرستان میں کسی کی قبر پر بھی کتبہ لگا ہوا نہیں ہے تو قبرستان کے منتظمین ممانعت کے باوجود کتبہ لگا سکتے ہیں یا نہیں جواب باصواب سے ماجور عنداللہ ہوں۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب کہ قبرستان وقف ہے تو بلا ضرورت شرعیہ قبر کے اردگرد دیوار نہ بنائی جائے ، سنت طریقہ یہی ہے کہ قبر مکمل کچی رکھی جائے قبر پر نام اور تاریخ وفات لکھی جا سکتی ہے مگر ضروری نہیں ہے ، سوال میں درج شدہ قبرستان میں کسی کی قبر پر کتبہ لگا ہوا نہیں ہے تو کتبہ لگانے کے بجائے نشانی کے لئے بے لکھا ہوا کوئی پتھر رکھ دیا جائے ، فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:۔ اسی لئے فقہاء نے قبر میں پکی اینٹ رکھنے اور قبر کے چاروں طرف پختہ چبوترہ بنانے اور قبر کے آس پاس آگ اور اس میں پکائی ہوئی چیزیں لے جانے کی بھی ممانعت فرمائی ہے (رد المحتار ج ۱ ص ۸۳۷)(۱) کچی قبر رہنے میں میت کا مفاد ہے کچی اور کس مپرسی کی حالت کی قبر انوار الٰہی اور رحمت خداوندی کی زیادہ مستحق ہے اور زائرین کے دلوں پر مؤثر ہے ، موت یاد آتی ہے ، دنیا کے زوال کا نقشہ سامنے آجاتا ہے زیارت قبور کی جو غرض ہے وہ حاصل ہو جاتی ہے:۔ الی قولہ:۔ اگر ضرورت سمجھی جائے کہ قبر کا نشان باقی رہے تو وقتاً فوقتاً مٹی ڈالی جا سکتی

---

(۱) والسنة ان یفرش فی القبر التراب ثم لم یتعقبوا الرخصة فی اتخاذه من جدید بشئی ولا شک فی کراهة کما هو ظاهر الوجه ای لأ نه لا یعمل الا بالنار فیکون کالآ جر المطبوخ مطلب فی دفن المیت)

ہے، نیز قبر کا نشان باقی رکھنے اور اس خیال سے کہ قبر کی بے حرمتی اور توہین نہ ہو لوگ اس کو پامال نہ کریں تو اس پر نام اور تاریخ وفات لکھی جا سکتی ہے۔ ولا بأس بالکتابة علیه لئلا یذهب الا ثرو لا یمتهن (نور الا یضاح ص ۱۴۰) ان احتیج الی الکتابة حتی لا یذهب الا ثر ولا یمتهن فلا بأس به فاما الکتابة بغیر عذر فلا اه (شامی ج ص ۸۳۹) ولا بأس بالکتابة ان احتیج الیها (درمختار مع رد المحتار ج ۱ ص ۸۳۹)

بہر حال ضرورت کی صورتوں کو اگر چہ حضرات فقہاء نے مستثنیٰ کیا ہے تب بھی بہتر یہی ہے کہ کچھ نہ لکھا جائے لا ن رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی ان یجصص القبور و ان یکتب علیها و ان توطأ . رواه الترمذی (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۸)

ترجمہ۔ آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے اس سے کہ قبروں کو پختہ بنایا جائے یا ان پر لکھا جائے یا ان کو پیروں سے روندا جائے (ترمذی شریف بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۸) (فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۸۴ ج ۱ ص ۳۸۵) جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں پختہ قبر بنانے کے متعلق عنوان سے دیکھیں۔ صہ ۶۷)

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے:۔

(سوال) زید حفاظت اور علامت کے لئے اپنے والد مرحوم کی قبر کے اطراف اربعہ کو پختہ اور بیچ میں کچی اور سنگ مرمر پر کندہ کرانا چاہتا ہے، کوئی صورت جواز کی ہے یا نہیں؟

(الجواب) شامی میں صحیح مسلم کی یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔ نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن تجصیص القبور و ان یکتب علیها و ان یبنی علیها رواه مسلم یعنی منع فرمایا رسول اللہ ﷺ نے قبروں کے پختہ کرنے سے اور ان پر کچھ لکھنے سے اور تعمیر کرنے سے پس صورت مذکورہ فی السوال شرعاً درست نہیں ہے فقط (فتاویٰ دارالعلوم ص ۳۷۷ ج ۵ ص ۳۷۸ مدلل و مکمل)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے۔

(سوال) کچی قبر بعد بیٹھ جانے کے اس پر مٹی ڈلوانا یا سال دو سال بعد پھر دوبارہ مٹی ڈلوانا تاکہ نشان باقی رہے، درست ہے یا نہیں؟ اور قبر کا چبوترہ معمولی کچی اینٹ سے بنوانا درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) حامداً و مصلیاً۔ مٹی ڈلوانا درست ہے اگر قبر مملوکہ زمین میں ہے تو معمولی کچا چبوترہ بنوانا فی حد ذاتہ بھی درست ہے، لیکن آگے چل کر اس میں دیگر مفاسد کا مظنہ ہے، اس لئے نہیں چاہئے، وقف کی زمین میں کوئی گنجائش نہیں فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۹۵ ج ۲ ص ۳۹۶ کتاب الجنائز) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

میت کے خویش واقارب کے انتظار میں دفنانے میں تاخیر کرنا:

(سوال ۶۹) متعلق سوال بالا، بیٹا، بیٹی، شوہر، بیوی اور رشتہ دار واقرباء کے انتظار میں میت کو دفنانے میں تاخیر کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب کسی شخص کے انتقال کا یقین ہو جائے تو اس کی تجہیز و تکفین میں عجلت مطلوب ہے، احادیث میں اس کی بہت تاکید آئی ہے، ایک حدیث میں ہے عن حصین بن وحوح ان طلحة بن البراء رضی الله عنه مرض

فاتاه النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعوده فقال انی لا ری طلحة الا وقد حدث به الموت فأذنونی به وعجلوافانه لا ینبغی لجیفة مسلم ان تحبس بین ظهرانی اهله (ابو داؤد ص ۹۴ ج ۲ کتاب الجنائز باب تعجیل الجنازة)

یعنی:۔حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے حضور ﷺ ان کی عیادت (بیمار پرسی) کے لئے تشریف لائے ،آپ نے حضرت طلحہ کی حالت دیکھ کرارشادفرمایامیرا گمان یہ ہے کہ ان کی موت کا وقت قریب ہے،ان کا انتقال ہوجائے تو مجھے اطلاع کرنااوران کی تجہیز وتکفین میں عجلت کرنااس لئے کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ مسلمان کی نعش اس کے گھر والوں کے درمیان روکی جائے۔(ابوداؤدشریف ص۹۴ ج ۲)

(دوسری حدیث)عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا مات احدکم فلا تحبسوه واسرعوا به الی قبره ولیقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجلیه بخاتمة البقرة (رواه البیهقی)

یعنی:۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جب تم میں سے کسی کا انتقال ہوجائے تو اسے روکے مت رکھواوراسے اس کی قبرتک جلد پہنچاؤاور(دفن کے بعد)اس کے سرہانے سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں مفلحون تک اور پائنتی سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں (آمن الرسول سے آخرتک)پڑھی جائیں (مشکوٰۃ شریف ص۱۴۹ باب دفن المیت فصل نمبر۳)

(تیسری حدیث)عن علی رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یا علی ثلث لا تؤخرها الصلوة اذا اتت والجنازة اذا حضرت والایم اذا وجدت لها کفوا، رواه الترمذی ۔ یعنی:۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا،اے علی! تین چیزوں میں تاخیر مت کرنا(۱)نماز کا جب وقت آجائے (۲)جنازہ جب حاضر ہوجائے (۳)بے نکاحی عورت کا جب کفومل جائے (تو فوراً نکاح کردینا)(مشکوٰۃ شریف ص۶۱ باب تعجیل الصلوۃ)

(چوتھی حدیث)عن ابی هریرة رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسرعوا بالجنازة فان تک صالحة فخیر تقدمونها الیه وان تک سوی ذلک فشر تضعونه عن رقابکم ، متفق علیه . یعنی حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا جنازہ جلدی لے چلو اگر وہ صالح ہے تو وہ خیر ہے جسے تم لے جارہے ہواوراگر وہ صالح نہیں تو اپنی گردن پر جلدی شرکو دور کروگے،(بخاری، مسلم،مشکوٰۃ شریف ص۱۴۴ باب المشی بالجنازۃ)

اسی بنیاد پر فقہاء نے بھی اس کی بہت تاکید فرمائی ہے۔مراقی الفلاح میں ہے واذا تیقن موته (یعجل بتجهیزه) اکراماً له لما فی الحدیث عجلوا به فانه لا ینبغی لجیفة مسلم ان تحبس بین ظهرانی اهله . یعنی جب موت کا یقین ہوجائے تواس کی تجہیز وتکفین میں جلدی کی جائے ،اسی میں اس کا اکرام واحترام ہے، حدیث میں ہے کہ تجہیز وتکفین میں عجلت کرو مسلمان کی نعش کواس کے گھر والوں میں روکے رکھنا مناسب نہیں (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص۳۰۹ باب احکام الجنائز)

میت کو ایک دو میل سے زیادہ یا ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنے کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے اس کی چند وجوہات بیان کی ہیں ان میں ایک وجہ یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ منتقل کرنے سے تدفین میں تاخیر ہوگی، رسائل الارکان میں ہے ولا ینقل المیت من بلدمات فیہ الی بلد اخری لما عن جابر رضی اللہ عنہ قال لما کان یوم احد جاء ت عمتی بابی لتدفنہ فی مقابرنا فنادی منادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ردوا القتلی الی مضاجعھم رواہ الترمذی وابو داؤد. الی قولہ والا فضل ان لا ینتقل فعلم منہ ان النقل مکروہ والا فضل عدم النقل وایضاً فی النقل تاخیرا لمدفن.

یعنی میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل نہ کیا جاوے ترمذی اور ابوداؤد نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ غزوۂ احد کے دن میری پھوپھی میرے والد کو (یعنی اپنے بھائی کو) اپنے قبرستان میں دفن کرنا چاہتی تھی رسول اللہ ﷺ کے منادی نے اعلان کیا کہ شہداء کو ان کی شہادت کی جگہ دفن کرو، الی قولہ، اور منتقل نہ کرنا ہی افضل ہے، نیز منتقل کرنے میں تدفین میں تاخیر ہوتی ہے (رسائل الارکان ص ۱۵۹، ۱۶۰ قبیل فصل فی جحودۃ الصلوٰۃ)

لہٰذا بہتر اور اولیٰ صورت یہی ہے کہ جتنا ہو سکے تدفین میں عجلت کرنا چاہئے اسی میں میت کا احترام ہے، اعزاء وغیرہ کے انتظار کرنے میں تاخیر ہوگی اور تاخیر مناسب نہیں فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے وکرہ تاخیر صلوتہ ودفنہ لیصلی علیہ جمع عظیم بعد صلوۃ الجمعۃ یعنی اس مقصد سے نماز جنازہ میں تاخیر کرنا کہ جمعہ کے بعد نماز جنازہ پڑھنے کی صورت میں لوگ زیادہ ہوں گے، یہ مکروہ ہے (درمختار مع ردالمحتار ج ۶ ص ۸۳۳، مطلب فی حمل المیت فتاویٰ رحیمیہ ج ۶ ص ۳۶۸) جدید ترتیب کے مطابق صفحہ ۸۲ ج ۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔ مصحح

مندرجہ بالا مضمون سے ثابت ہوتا ہے کہ جب آپ کی بستی میں انتقال ہوا ہے تو بہتر اور افضل یہی ہے کہ آپ ہی کی بستی میں دفن کیا جائے دوسرے شہر منتقل نہ کیا جائے (درمختار ص ۸۴۰ ج ۱) (کبیری شرح منیہ ص ۵۶۳ فصل فی الجنائز) (رسائل الارکان ص ۱۵۹، ص ۱۶۰) (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۳۴۷ کتاب الجنائز) یہ سب حوالے گذشتہ اوراق میں آچکے ہیں ملاحظہ ہو سوال نمبر ۲۹۲۸ (جدید ترتیب کے مطابق متفرقات جنائز میں، میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا، کے عنوان سے دیکھیں ۱۲ مرتب) اگر اولیاء میت اپنے وطن لے جانے پر مصر ہیں تو ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ آپ کی بستی میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اس لئے کہ میت کے اعزہ و اقارب کا اصرار یقینا نماز پڑھنے پر ہوگا اگر آپ کی بستی میں بھی پڑھی جائے گی تو شرعی قیود کی رعایت نہ ہو سکے گی اور پھر یا تو انتشار پیدا ہوگا یا تکرار نماز جنازہ کی صورت پیش آئے گی آپ کی بستی والے اپنے اپنے طور پر مرحوم کے لئے دعاء مغفرت و ایصال ثواب کریں اور جو میت کے ساتھ وطن جا سکتے ہوں وہ میت کے اعزاء و اقارب کے ساتھ نماز جنازہ ادا کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

مسلمانوں کے قبرستان میں روافض کو دفن کرنا:

(سوال ۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ سنیوں کا ایک قبرستان ہے جس کا انتظام کورٹ کی طرف سے ''سنی مسلم وقف کمیٹی'' نامی ایک کمیٹی کو سپرد کیا گیا ہے، اس قبرستان میں مسلمانوں

کے علاوہ غیر سنی مثلاً شیعہ وغیرہ فرقہ کا کوئی مردہ دفن کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر مندرجہ بالا کمیٹی ایسی اجازت دیتی ہو تو جائز ہے یا نہیں؟ معتبر کتب کے حوالے سے جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) وباللہ التوفیق:۔ روافض واہل تشیع میں مختلف العقائد فرقے ہیں، بعض وہ ہیں جو حضرت علیؓ کو خلیفہ اول ہونے کے مستحق سمجھتے ہیں مگر باقی صحابہ رضی اللہ عنہم پر تبرٰی نہیں کرتے یہ فاسق اور مبتدع ہیں اسلام سے خارج نہیں ہیں، ان کی نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں اور ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاسکتا ہے (لیکن ان کی جگہ الگ کردی جائے) اور بعض وہ ہیں جو حضرت علیؓ کو معبود سمجھتے ہیں (معاذ اللہ) بعض وہ ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی، حضرت علیؓ کو پہنچانے کے بجائے حضرت محمد ﷺ کو پہنچادی، گویا ان کے نزدیک نبی ورسول بننے کے اصل حق دار (معاذ اللہ) حضرت علیؓ تھے، بعض وہ ہیں جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت رکھتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں جو حضرات صحابہؓ کو مسلمان ہی نہیں مانتے کافر و مرتد قرار دیتے ہیں، ان فرقوں کی نماز جنازہ درست نہیں ہے اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

الرافضی اذا یسب الشیخین ویلعنهما والعیاذ باللہ فهو کافر وان کان یفضل علیاً کرم اللہ وجهه علیٰ ابی بکر رضی اللہ عنه لا یکون کافراً الا انهٗ مبتدع. الی قوله. من انکر امامة ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنه فهو کافر علیٰ قول بعضهم هو مبتدع ولیس بکافر والصحیح انه کافر وکذلک من انکر خلافة عمر رضی اللہ عنهٗ فی اصح الا قوال کذا فی الظهیریة. (فتاویٰ عالمگیری ج۲ ص ۲۶۴ کتاب السیر مطلب موجبات الکفر انواع منها ما یتعلق بالا نبیآء علیهم الصلاۃ والسلام)

اور شامی میں ہے: نعم لاشک فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی اللہ عنها او انکر صحبة الصدیق او اعتقد الا لوهیة فی علی رضی اللہ عنه او ان جبرئیل غلط فی الوحی (شامی ج ۳ ص ۴۰۵ کتاب الجهاد مطلب مهم فی حکم سب الشیخین)

ہر فرقہ کی تعیین مشکل ہے جو لوگ روافض وشیعہ کہلاتے ہیں ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت نہ دی جائے اسی میں احتیاط ہے، فقط واللہ اعلم۔

مردہ کو قبر میں رکھنے کے بعد کچی اینٹیں یا تختہ رکھے بغیر مٹی ڈالنا کیسا ہے؟:

(سوال ۷۲) ہمارے یہاں فرقۂ مہدویہ کے کچھ لوگ ہیں، ہمارے یہاں جب کسی کا انتقال ہوجاتا ہے تو عام طور پر شقی قبر بناتے ہیں میت کو قبر میں لٹانے کے بعد ہم لوگ اس کے اوپر تختے رکھتے ہیں اور اس کے بعد مٹی ڈالتے ہیں فرقہ مہدویہ والے ہمارے اس طریقہ کو خلاف سنت کہتے ہیں، ان کا طریقہ یہ ہے کہ میت کو قبر لٹانے کے بعد سب سے پہلے ان کے پیر صاحب تین لپیں مٹی ڈالتے ہیں اور اس کے بعد پھاوڑے سے دھڑا دھڑ میت کے جسد پر مٹی ڈالتے ہیں اور پوری قبر مٹی سے بھر دیتے ہیں اور اسی کو صحیح اور سنت طریقہ کہتے ہیں اور ہمارا طریقہ جو عام طور پر رائج ہے اسے غلط اور خلاف سنت کہتے ہیں، ہم نے ان لوگوں سے کہا کہ ہم جس طرح دفن کرتے ہیں وہ صحیح ہے اس میں میت کا

احترام بھی ہے مگر ان کو اپنے ہی طریقہ پر اصرار ہے اور غزوات کے واقعات پیش کرتے ہیں کہ شہداء کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا جاتا تھا وہاں کہاں اس طرح پہلے تختے یا کچی اینٹیں رکھی جاتی تھیں، یہ بھی کہتے ہیں کہ کفن کو میلا کرنا چاہئے، اس پر مٹی ڈالیں گے تو میلا ہوگا، آپ سے درخواست ہے کہ اس بارے میں ہماری رہنمائی فرمائیں اور مدلل جواب ارقام فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) لحد (بغلی) اور شق دونوں قسم کی قبر بنانا جائز ہے، اگر زمین سخت ہے تو لحد (بغلی قبر) بنانا افضل ہے اور نرم زمین جہاں قبر بیٹھ جانے کا احتمال ہو وہاں شق قبر (صندوقی قبر) بنانے میں کوئی حرج نہیں، قبر لحدی بنائی جائے یا شقی. سنت طریقہ یہ ہے کہ قبر میں میت کو رکھنے کے بعد کچی اینٹیں یا نرکل (بانس) اس پر چنے جائیں اور شقی قبر ہو تو میت کو قبر میں رکھنے کے بعد کچی اینٹوں یا تختوں سے اس پر چھت بنائی جائے تا کہ مٹی ڈالتے وقت مردے پر مٹی نہ گرے حضور اقدس ﷺ کی قبر مبارک میں بھی اسی طرح کچی اینٹیں چنی گئی تھیں۔

مسلم شریف میں حدیث ہے حدثنا یحییٰ...... ان سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال فی مرضہ الذی ھلک فیہ الحدو الی لحداً وانصبوا علی اللبن نصباً کما صنع برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے مرض الوفات میں فرمایا" میرے لئے لحد (بغلی قبر) بنانا اور مجھ پر کچی اینٹیں چننا جس طرح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا گیا (مسلم شریف ج ۱ ص ۳۱۱ کتاب الجنائز فصل فی استحباب اللحد) (مشکوۃ شریف ص ۱۴۸ باب دفن المیت)

نووی شرح مسلم میں ہے: فی استحباب اللحد ونصب اللبن وانہ فعل ذلک برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باتفاق الصحابۃ رضی اللہ عنہم اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ لحد (بغلی قبر) بنانا اور اس پر کچی اینٹیں چننا مستحب ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اسی طرح کیا گیا (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۳۱۱)۔

مذکورہ حدیث اور علامہ نووی رحمہ اللہ کی تشریح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سنت یہ ہے کہ لحد کو کچی اینٹوں سے چنا جائے تا کہ مٹی میت کے بدن پر نہ گرے اس میں میت کا احترام بھی ہے اور یہ طریقہ علیٰ سبیل التوارث چلا آرہا ہے لہٰذا اس کے خلاف نہ کیا جائے پکی اینٹ نہ رکھی جائے کہ وہ آگ میں سینکی گئی ہے جس سے مردے کو دور رکھنا مستحسن ہے۔

درمختار میں ہے (ویسوی اللبن علیہ والقصب لا الأجر المطبوخ والخشب شامی میں ہے (قولہ والقصب) قال فی الحلیۃ وتسد الفرج التی بین اللبن بالمدد والقصب کی لا ینزل التراب منھا علی المیت. یعنی اس پر (یعنی میت پر) کچی اینٹیں اور نرکل (بانس) رکھے جائیں پکی اینٹیں اور تختے نہ رکھے جائیں، حلیہ میں ہے: اینٹوں کے درمیان جو سوراخ ہوں ان کو گارے سے بند کر دیا جائے تا کہ سوراخوں میں سے مٹی میت پر نہ گرے (درمختار و شامی ص ۸۳۷ ج ۱ مطلب فی دفن المیت)

فقہاء نے یہ وضاحت حدیث کی روشنی میں فرمائی ہے: کبیری شرح منیہ میں ہے وفی فتاوی قاضی خان والسنۃ فی القبر اللحد وان کانت الارض رخوۃ فلا بأس بالشق انتھی والاصل فیہ قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللحد لنا والشق لغیرنا رواہ ابو داؤد والترمذی. الی قولہ. واخرج مسلم عن

سعد بن ابی وقاص انه قال فی مرضه الذی مات فیه الحد وا لی لحداً او انصبوا علی اللبن نصباً کما صنع برسول الله صلی الله علیه وسلم روی ابن حبان فی صحیحه عن جابر انه علیه الصلوٰة والسلام الحدو نصب علیه اللبن ورفع قبره من الارض نحو شبر واللحد ان یحفر فی جانب القبلة من الارض حفیرة فیو ضع فیه المیت وینصب علیها اللبن . والشق ان یحفر حفیرة کالنهر ویبنی جانبا ها باللبن او غیره ویوضع المیت بینهما ویسقف علیه باللبن او الخشب (کبیری ص ۵۹۵ فصل فی الجنائز)

عمدۃ الفقہ میں ہے: میت کو قبر میں رکھنے کے بعد لحد کو کچی اینٹوں سے بند کردیں اور اینٹوں کے درمیان جو جھری رہ گئی ہو اسے ڈھیلے یا کچی اینٹ کے ٹکڑوں یا نرکل سے بند کردیں تاکہ ان جھریوں سے میت پر مٹی نہ گرے لحد کو بند کرنے میں نرکل (بانس) کا استعمال بھی کچی اینٹ کی طرح مستحب ہے (عمدۃ الفقہ ص۵۳۱ ج۲)

مندرجہ بالا حوالوں سے ثابت ہوا کہ قبر لحد ہو یا شق میت کو اس طرح دفن کیا جائے کہ براہ راست مٹی میت پر نہ گرے اسی میں میت کا احترام ہے) جس طرح قرآن کے بوسیدہ اوراق دفن کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ لحد (بغلی قبر) بنائی جائے تاکہ قرآن پر مٹی نہ گرے، اگر شق صندوقچی بنائی گئی تو قرآن پر مٹی پڑے گی اور اس میں ایک گونہ قرآن کی تحقیر ہے ہاں اگر اس پر تختوں سے چھت بنالی جائے اور اس پر مٹی ڈالی جائے تو پھر مضائقہ نہیں چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے المصحف اذا صار خلقاً لا یقرؤ یخاف ان یضیع یجعل فی خرقة طاهرة ویدفن اولیٰ من وضعه موضعاً یخاف ان یقع علیه النجاسة او نحو ذلک ویلحد له لانه لو شق ودفن یحتاج الی اهالة التراب علیه وفی ذلک نوع تحقیر الا اذا جعل فوقه سقف بحیث لا یصل التراب الیه فهو حسن ایضا کذا فی الغرائب (فتاویٰ عالمگیری ج۵ ص ۳۲۳)(در مختار شامی ص۱۶۴ فتاویٰ رحیمیہ ص۸۳،۸۲ ج۲ عاشیہ)

(جدید ترتیب کے مطابق کتاب الایمان، میں ما یتعلق بالقرآن والتفسیر کے باب میں قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کا کیا حکم ہے؟ کے عنوان میں دیکھ لیا جاوے ص۱۲۸ ج۳ مرتب)

غزوات کا معاملہ ہی الگ ہے، غزوات میں تو اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ کسی طرح شہداء کو جلد از جلد دفن کردیا جائے، جلدی دفن کرنے کی فضیلت بھی ہے، وہاں اتنا اہتمام کرنے کا کہاں موقع ہوتا ہے کہ ہر ایک کی الگ الگ قبر بنائی جائے اور اس اہتمام سے ان کو دفن کیا جائے، غزوات میں ایسے واقعات بھی ہوئے کہ پورا کفن بھی میسر نہ ہوا سر چھپایا جاتا تو پیر کھل جاتے پیر ڈھانکے جاتے تو سر کھل جاتا، حضور اقدس ﷺ تسلیماً کثیراً کثیرا کی ہدایت سے سر ڈھانک کر دفن کیا گیا، لہٰذا اگر کسی غزوہ میں ایسا اہتمام نہ کیا گیا تو اس سے استدلال صحیح نہ ہوگا۔

کفن تو میلا ہونے ہی والا ہے، مٹی ہی پر تو لٹایا جاتا ہے، اپنے ہاتھ سے میلا کرنا اس کی کوئی ہدایت نہیں ہے بلکہ ہدایت یہ ہے کہ (اپنی حیثیت کے مطابق) اچھا کفن دو اور خوشبو لگاؤ، حدیث میں ہے۔ عن جابر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا کفن احد کم اخاه فلیحسن کفنه رواه مسلم حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفن دے تو اچھا کفن دے (مشکوٰۃ شریف ص۱۴۲ باب غسل المیت وتکفینه) لہٰذا یہ استدلال بھی ناقص ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

میت کو قبر میں داہنی کروٹ پر لٹانا مسنون ہے:

(سوال ۷۳)ہمارے علاقہ میں مردے کو قبر میں لٹا کر صرف چہرہ قبلہ کی طرف کیا جاتا ہے جب کہ عموماً کتابوں میں لفظ کروٹ ملتا ہے تو کیا چت لٹا کر صرف چہرہ قبلہ کی طرف کر دینا سنت کی ادائیگی کے لئے کافی ہے یا مردے کو کروٹ پر کرنا ہوگا؟ صحیح طریقہ بتلائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ مردہ کو قبلہ رخ داہنی کروٹ پر لٹایا جائے اور پشت کی جانب مٹی سے سہارا دیا جائے تاکہ مردہ پلٹ نہ جائے، اگر کسی عذر کی وجہ سے کروٹ پر نہ لٹایا جا سکے اور صرف چہرہ قبلہ کی طرف کر دیا جاوے تو اس کی بھی گنجائش ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ ویوضع فی القبر علیٰ جنبه الا یمن مستقبل القبلة کذا فی الخلاصة (عالمگیری ص ۱۶۳ ج ۱ الفصل السادس فی القبر والدفن الخ)

مراقی الفلاح میں ہے (ویوجه الی القبلة علی جنبه الا یمن) بذلک امر النبی صلی الله علیه وسلم ، طحطاوی میں ہے (قوله بذلک امر النبی صلی الله علیه وسلم)علیاً لمامات رجل من عبدالمطلب فقال یا علی استقبل القبلة استقبالاً وقولوا جمیعاً بسم الله وعلی ملة رسول الله وضعوه لجنبه ولا تکبوه علی وجهه ولا تلقوه علیٰ ظهره کذا فی الجوهرة الخ (مراقی الفلاح وطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۳۷ فصل فی حملها ودفنها)(الجوهرة النیرة ص ۱۱۰ ج ۱)

امداد الفتاویٰ میں ہے:

(سوال)مردہ کو قبر میں لٹانا داہنی کروٹ پر مسنون ہے یا چت لٹا کر فقط چہرہ کعبہ کی طرف کر دینا، یہاں کے بعض علماء اول کو مسنون کہتے ہیں، اس میں کیا تحقیق ہے، اور ہدایہ اولین میں یوجه الیها کے کیا معنی ہے؟

(الجواب)فی الدر المختار ویوجه الیها الی قوله وینبغی کونه علی شقه الا یمن ، فی رد المحتار عن الحلیة بخلاف ماذا کان بعد اقامة اللبن قبل اهالة التراب فانه یزال ویوجه الی القبلة عن یمینه آه . یہ روایات صریح ہیں اس میں کہ مردہ قبر میں داہنے کروٹ پر قبلہ رخ لٹایا جائے پس ہدایہ میں یوجه الیها بھی اسی پر محمول ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(سوال)مردہ کو قبر میں چت لٹا کر منہ کعبہ کی طرف کر دیا جائے یا داہنی کروٹ کر دیا جائے چونکہ میری طرف یہ رواج ہے کہ مردہ کو قبر میں چت لٹا کر صرف منہ کعبہ کی طرف کر دیا جاتا ہے، تو اب یہ دونوں میں کون بہتر و جائز ہے؟

(الجواب) مردہ کو داہنی کروٹ پر روبقبلہ رکھنا چاہئے فی الدر المختار ویوجه الیها وجوبا وینبغی کونه علیٰ شقه الا یمن فی رد المحتار لکن صرح فی التحفة بانه سنة ا ه(امداد الفتاویٰ ص ۴۲۱ ج ۱)

عمدۃ الفقہ میں ہے: سنت یہ ہے کہ میت کو قبر میں داہنی کروٹ پر قبلہ رو لٹایا جائے اور اس میت کی پیٹھ کی طرف مٹی یا اس کے ڈھیلے سے تکیہ لگا دیں تاکہ میت داہنی کروٹ پر قائم رہے پشت کی جانب لوٹ نہ جائے، چت لٹانے اور صرف منہ قبلہ کی طرف کرنے کا جو عام رواج ہوگیا ہے وہ سنت متوارثہ کے خلاف ہے اور اس طرح صرف منہ قبلہ کی طرف کرنے سے تھوڑی دیر کے بعد منہ قبلہ سے پھر کر سیدھا ہو جائے گا پس اس سے پرہیز کرنا اور سنت طریقہ کو

رائج کرنا ضروری ہے کیونکہ حدیثوں میں میت کو چپٹ لٹانے کی ممانعت وارد ہے۔(عمدۃ الفقہ ص۵۳۱ ج ۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تدفین کے بعد اور قبر کی مٹی منتشر ہونے کی وجہ سے قبر پر پانی چھڑکنا کیسا ہے؟:

(سوال ۴۷) تدفین کے بعد پانی چھڑکنا کیسا ہے؟ کیا اس کا کوئی ثبوت ہے؟ اگر کسی وقت قبر کی مٹی منتشر ہو جائے اس کو درست کر کے پانی چھڑکیں تو کیا حکم ہے؟ بہت سے لوگ ہر جمعرات جمعہ کو قبر پر پانی چھڑکتے ہیں، اس کا کیا حکم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قبر کی مٹی جمی رہے اور قبر کی حفاظت رہے اس خیال سے تدفین کے بعد پانی چھڑکنا جائز بلکہ مستحب ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے، سر کی طرف سے پانی چھڑکنا شروع کرے اور پائنتی تک چھڑکے، بعد میں اگر قبر کی مٹی منتشر ہوگئی ہو تو قبر کو ٹھیک کر کے پانی چھڑکنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے، ہر جمعرات اور جمعہ کو پانی چھڑکنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

حدیث میں ہے عن جعفر بن محمد عن ابیه مر سلاً ان النبی صلی الله علیه وسلم حثی علی المیت ثلث حثیات بیدیه جمیعاً و انه رش علی قبر ابنه ابراهیم الخ حضرت جعفر صادق اپنے والد محمد اور وہ اپنے والد امام باقر سے مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے دونوں دست مبارک سے تین لپیں میت پر مٹی ڈالی اور حضور اقدس ﷺ نے اپنے بیٹے حضرت ابراہیمؑ کے قبر پر پانی چھڑکا(مشکوٰۃ شریف ص۱۴۸ باب دفن المیت)

دوسری حدیث میں ہے: عن جابر رضی الله عنه قال رش قبر النبی صلی الله علیه وسلم و کان الذی رش الماء علی قبره بلال بن رباح بقربة بدأ من قبل رأ سه حتی انتهی الیٰ رجلیه . حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا گیا، بلال بن رباحؓ نے آپ کی قبر مبارک پر مشک سے سر مبارک کی طرف سے چھڑکنا شروع کیا یہاں تک کہ پاؤں مبارک تک پہنچادیا(مشکوٰۃ شریف ص۱۴۹ افصل فی حملها و دفنها۔

نیز حدیث میں ہے:۔ عن ابی رافع قال سلَّ رسول الله صلی الله علیه وسلم سعداً و رش علیٰ قبره ماءً رواه ابن ماجة (مشکوٰة شریف ص ۱۴۹)

درمختار میں ہے (ولا بأس برش الماء علیه) بل ینبغی ان یندب لا نه صلی الله علیه سلم فعله بقبر سعد کما رواه ابن ماجة وبقبر ولده ابراهیم کما رواه ابو داؤد فی مراسیله و امر به فی قبر عثمان بن مظعون کما رواه البزار فانتفی ما عن ابی یوسف من کراهته لا نه یشبه التطین حلیة (درمختار و شامی ج ۱ ص ۸۳۷ مطلب فی دفن المیت) غایۃ الاوطار میں ہے: اور کچھ مضائقہ نہیں پانی چھڑکنے کا قبر پر واسطے حفاظت مٹی کے اڑنے کے، بلکہ پانی چھڑکنے کو مستحب کہنا مناسب ہے، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد اور اپنے فرزند حضرت ابراہیمؑ کی قبر پر پانی چھڑکوایا تھا، چنانچہ ابن ماجہ میں اور ابوداؤد کے مراسیل میں مروی ہے۔(غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار ج ۱ ص ۴۲۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قبر میں میت کا منہ قبلہ رخ نہ کیا تو ؟:

(سوال ۷۵) ہمارے یہاں بچہ کی تجہیز و تکفین کے بعد صندوق میں رکھنے کا رواج ہے ایک پانچ ماہ کے بچہ کا انتقال ہوا غسل دینے والوں نے صندوق میں کیسے رکھا وہ نہیں بتلایا بعد تدفین معلوم ہوا کہ اس بچہ کا منہ صندوق میں قبلہ رخ نہیں کیا تھا، اب اس پر چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں، آیا بچہ کا رخ صندوق میں قبلہ سمت نہ کرنے کی وجہ سے گناہ ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) میت کا چہرہ قبر میں عمداً قبلہ رخ نہ کرنا موجب معصیت ہے البتہ سہواً ایسا ہوا ہے تو کوئی حرج نہیں مٹی ڈالنے سے پہلے معلوم ہو جائے کہ منہ قبلہ کی طرف نہیں ہے تو قبر کھول کر یعنی اینٹ بانس وغیرہ ہٹا کر چہرہ قبلہ کی طرف کر دیا جائے بعد مٹی ڈال چکنے کے قبر کھولنا گناہ ہے جائز نہیں۔ **لو دفن مستدبر الها واها لو االتراب لا ينبش لان التوجه الى القبلة سنة والنبش حرام بخلاف مااذا كان بعد اقامة اللبن قبل اهالة التراب** (شامی ج ۱ ص ۸۳۷ مطلب فی دفن المیت) **فقط واللہ اعلم بالصواب .**

باب ما یتعلق بحمل الجنائز

جنازہ اٹھاتے وقت میت کے پیر جانب قبلہ ہوں تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۷۶) میت کا جنازہ قبرستان لے جانا ہے مگر قبرستان جانب مشرق ہے، مغربی جانب سے جب جنازہ لے جایا جائے گا تو میت کے پاؤں قبلہ رخ ہوں گے اور منہ مشرقی جانب، تو اس کا کیا حکم ہے؟ میت کے پاؤں قبلہ رخ ہونے میں بے ادبی تو نہیں ہوتی؟

(الجواب) جنازہ قبرستان لے جاتے وقت درمیان راہ میت کے پاؤں قبلہ کی جانب ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں یہ تو مجبوری ہے اس لئے قبلہ کی بے حرمتی یا بے ادبی لازم نہیں آتی۔ فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔

میت کو گدے پر ڈال کر جنازہ میں رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟:

(سوال ۷۷) میت کو جنازہ میں رکھتے وقت گھر میں گدا ہو تو اس پر رکھ کر جنازہ میں ڈالنا کیسا ہے؟ گھر میں گدا نہ ہو تو چٹائی پر ڈال کر بھی جنازہ میں رکھے، مگر گھر میں گدا ہوتے ہوئے چٹائی کے پیسے خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ گدے پر ڈال کر جنازہ میں رکھنا کیسا ہے؟ اور کیا اس کو مسجد میں یا امام کو دے دینا ضروری ہے؟

(الجواب) میت کو جنازہ میں رکھنے کے لئے گدے یا چٹائی کی ضرورت نہیں ہے، کفن کے ساتھ اٹھا کر جنازہ میں اور جنازہ میں سے قبر میں رکھ سکتے ہیں، گاہے ضروری معلوم ہو تو چادر، شطرنجی وغیرہ جو بھی موجود ہو اسے کام میں لے پھر اس کو اپنے استعمال میں بھی لے سکتا ہے خیرات کر دینا ضروری نہیں ہے۔ یہ عقیدہ غلط ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قریبی راستہ سے جنازہ لے جانا بہتر ہے:

(سوال ۷۸) حدیث میں جنازہ کو چالیس قدم کندھا دینے کی فضیلت آئی ہے، اس فضیلت کے حصول کے لئے قریب کا راستہ چھوڑ کر دور کا راستہ اختیار کیا جائے تو کیا حکم ہے؟ اسی طرح آج کل عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جب جنازہ میں لوگ زیادہ ہوتے ہیں تو ہر ایک کو کندھا دینے کا موقع ملے اس مقصد سے لمبا راستہ اختیار کرتے ہیں اور محلہ محلہ گشت کراتے ہوئے جنازہ قبرستان لے جاتے ہیں تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بے شک! جنازہ کے چاروں پایوں کو کندھے پر رکھ کر دس دس قدم چلنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حدیث میں ہے لقوله صلی الله علیه وسلم من حمل جنازة اربعین خطوة کفرت عنه اربعین کبیرة یعنی جو شخص چالیس قدم جنازہ اٹھائے اس کے چالیس کبیرہ گناہ مٹا دیئے جائیں گے۔ (بحوالہ مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۳۳۱ فصل فی حملها و دفنها)

لیکن اس سے بھی زیادہ تاکیدی حکم یہ ہے کہ جب موت کا یقین ہو جائے تو اس کی تجہیز و تکفین اور نماز وغیرہ میں جلدی کی جائے، مراقی الفلاح میں ہے واذا تیقن موته (یعجل بتجهیزه) اکراما له لما فی الحدیث وعجلوا به فانه لا ینبغی لجیفة مسلم ان تحبس بین ظهرانی اهله الخ یعنی جب موت کا یقین ہو جائے تو

اس کی تجہیز وتکفین میں جلدی کی جائے اس کی اعزاز کی وجہ سے، حدیث میں ہے اس کے کفن دفن میں جلدی کرو اس لئے کہ مناسب نہیں ہے کہ مسلمان کی نعش (لاش) اس کے گھر والوں کے درمیان روکی جائے (مراقی الفلاح مع طحطاوی ۳۰۹ باب احکام الجنائز) (درمختار مع شامی ج ۱ ص ۷۹۹)

اور جب جنازہ لے کر چلیں تو اس وقت حکم یہ ہے کہ جنازہ کو اتنی جلدی لے کر چلیں کہ میت کو چار پائی پر اضطراب نہ ہو، یعنی ادھر ادھر حرکت نہ کرے اور میت کو جھٹکے نہ لگیں، حدیث میں ہے اسرعوا بالجنازة فان تک صالحة فخیر تقدمونها وان تک سویٰ ذلک فشر تضعونه عن رقابکم متفق علیه . یعنی جنازہ کو جلدی لے جاؤ اگر وہ صالح ہے تو خیر ہے جسے تم لے جارہے ہو اور اگر صالح نہیں ہے تو اپنی گردن پر سے جلدی سے شر دور کروگے (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۴۔ باب المشی بالجنازہ) نیز حدیث میں ہے اذا وضعت الجنازة فاحتملها الرجال علی اعناقهم فان تک صالحة قالت قدمونی وان کانت غیر صالحة قالت لا هلها یا ویلها این تذهبون بها یسمع صوتها کل شئی الا الانسان ولو سمع الانسان لصعق رواه البخاری. یعنی۔ جب لوگ جنازہ کو اپنی گردنوں پر لے کر چلتے ہیں اگر وہ نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے مجھے جلدی آگے لے چلو اور اگر صالح نہیں ہے تو کہتا ہے کہ ہائے مصیبت مجھے کہاں لے جارہے ہو، یہ آواز انسان کے سوا سب سنتے ہیں اگر یہ آواز انسان سن لے تو اس کے ہوش باقی نہ رہیں (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۴ باب احکام الجنائز)

مذکورہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مردہ کو جلد از جلد اس کے مقام پر پہنچا دینا چاہئے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اس مقصد سے نماز جنازہ میں تاخیر کرنا کہ اگر جمعہ کی نماز کے بعد نماز جنازہ ہوگی تو لوگ زیادہ ہوں گے، یہ مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے وکره تاخیر صلاته ودفنه لیصلی علیه جمع عظیم بعد صلوٰة الجمعة (درمختار ج ۱ ص ۸۳۳ مطلب فی حمل المیت)

منشاء شرع کے پیش نظر بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ جنازہ قریبی راستہ ہی سے لے جانا بہتر ہے، بلا عذر شرعی قریبی راستہ چھوڑ کر دور کا راستہ اختیار کرنا، اور جنازہ کو محلہ محلہ گشت کرانے کا رواج پسندیدہ نہیں ہے، میت کو اضطراب سے بچانا بھی مشکل ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسائل تعزیت وسوگ

تعزیت کا مسنون طریقہ اور بذریعۂ خط تعزیت کرنا:

(سوال ۷۹) تعزیت کا مسنون طریقہ کیا ہے اور اس کا وقت کتنے دنوں تک ہے اور اس موقعہ پر کن الفاظ سے تعزیت کرنا چاہئے؟ اگر کوئی شخص دور ہونے کی وجہ سے یا کسی مجبوری کی وجہ سے خود حاضر ہوکر تعزیت نہ کرسکے تو بذریعۂ خط تعزیت کرسکتا ہے یا نہیں اور اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ اس معاملے میں ہماری رہنمائی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے، فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) تعزیت کا سنت طریقہ یہ ہے کہ تدفین کے بعد یا تدفین سے قبل میت کے گھر والوں کے یہاں جاکر ان کو تسلی دے ان کی دل جوئی کرے صبر کی تلقین وترغیب دے، اور ان کے اور میت کے حق میں دعائیہ جملے کہے۔

تعزیت کرنے کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے ایک حدیث میں ہے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ما من مؤ من یعزی اخاہ بمصیبة الا کساہ اللہ سبحانہ من حلل الکرامة یوم القیمة. یعنی جو شخص مصیبت و پریشانی کے وقت اپنی بھائی کو تسلی دے اور اس کی تعزیت کرے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو بزرگی اور کرامت کا لباس پہنائیں گے۔ (ابن ماجہ شریف ص ۱۱۶. باب ماجاء فی ثواب من عزی مصابا) نیز حدیث میں ہے من عزی مصاباً فله مثل اجره . جو شخص مصیبت زدہ کی تعزیت کرے خدا تعالیٰ اس کو اتنا ثواب دے گا جتنا مصیبت زدہ کو (اس کے صبر کرنے پر) (ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۲۷ باب ماجآء فی اجر من عزی مصابا) نیز حدیث میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عزی ثکلی کسی برداً فی الجنة. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ایسی عورت کی تعزیت کرے جس کا بچہ مر گیا ہو تو اس کو جنت میں چادر اڑھائی جائے گی (ترمذی ج ۱ ص ۱۲۷ باب آخر فی فضل التعزیة)

الفاظ تعزیت اور اس کا مضمون متعین نہیں ہے۔ جدا جدا ہے، صبر اور تسلی کے لئے جو الفاظ زیادہ موزوں ہوں وہ جملے کہے، بہتر یہ ہے کہ یہ جملے کہے ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ وکل عندہ باجل مسمی فلتصبر والتحتسب . یعنی جو لیا وہ بھی خدا کا ہے اور جو کچھ دیا وہ بھی اسی کی ملکیت ہے۔ ہر ایک چیز کا اس کے پاس وقت مقرر ہے (یعنی مرحوم کی زندگی متعین تھی) پس صبر کرو اور ثواب کی امید رکھو (مشکوٰۃ شریف ص ۱۵۰ باب البکآء علی المیت) یہ الفاظ بھی ایک حدیث میں آئے ہیں اعظم اللہ اجرک واحسن عزاءک وغفر لمیتک خدا تم کو اجر عظیم عطا فرمائے، اور تیرے صبر کا بہترین صلہ عنایت فرمائے اور تیری میت کی بخشش کرے۔ اگر غیر مکلف ہو تو آخری جملہ وغفر لمیتک نہ کہے (کبیری) (درمختار ج ۱ ص ۸۴۳ مطلب فی الثواب علی المصیبة)

مجبوری یا دوری کی بنا پر بذات خود حاضر نہ ہوسکے تو بذریعہ خط بھی تعزیت کرے کہ یہ بھی سنت ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو ان کے صاحبزادے کی وفات پر تعزیتی خط لکھا تھا۔ آپ کا وہ خط حصن حصین میں ہے، وہ خط مبارک ملاحظہ ہو۔

وکتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیٰ معاذ یعزیہ فی ابن لہ . بسم اللہ الرحمن الرحم من محمد رسول اللہ الی معاذ بن جبل سلام علیک فانی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الا ھو اما بعد فاعظم اللہ لک الا جروا لھمک الصبر ورزقنا وایاک الشکر فان انفسنا واموالنا واھلینا واولادنا من مواھب اللہ عزوجل الھنیۃ وعواریہ المستودعۃ نمتع بھا الیٰ اجل معدود ویقبضھا لوقت معلوم ثم افترض علینا الشکر اذا اعطی والصبر اذا ابتلیٰ فکان ابنک من مواھب اللہ الھنیۃ وعواریۃ المستودعۃ متعک بہ فی غبطۃ وسرور وقبضہ منک باجر کبیر . الصلوٰۃ والرحمۃ والھدیٰ ان احتسبت فاصبر ولا یحبط جزعک اجرک فتندم واعلم ان الجزع لا یرد شیئاً ولا یدفع حزناً وما ھو نازل فکان قد والسلام یعنی نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو ان کے لڑکے کی تعزیت کے بارے میں لکھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم . اللہ کے رسول محمد ﷺ کی جانب سے معاذ بن جبل کے نام تم پر سلامتی ہو، میں تمہارے سامنے اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کی سوا کوئی معبود نہیں، حمد وثنا کے بعد اللہ تعالیٰ تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے اور صبر کی توفیق دے اور ہمیں اور تمہیں شکر کی توفیق نصیب فرمائے، اس لئے کہ بے شک ہماری جانیں اور ہمارا مال اور ہماری بیویاں اور ہماری اولاد (سب) اللہ بزرگ و برتر کے مبارک عطیے اور عاریت کے طور پر سپرد کی ہوئی چیزیں ہیں جن سے ہمیں ایک خاص مدت تک فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جاتا ہے اور مقررہ وقت پر اللہ تعالیٰ ان کو واپس لے لیتا ہے، پھر ہم پر فرض عائد کیا گیا ہے کہ جب وہ عطا کرے تو ہم شکر ادا کریں اور جب وہ آزمائش کرے (اوران کو واپس لے لے) تو صبر کریں۔ تمہارا بیٹا بھی اللہ تعالیٰ کی ان خوشگوار نعمتوں اور سپرد کی ہوئی امانتوں میں سے ایک امانت تھا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے قابل رشک اور لائق مسرت صورت میں نفع پہنچایا، اور (اب) اجر عظیم، رحمت ومغفرت اور ہدایت کے بدلے اسے اٹھالیا اگر تم ثواب چاہتے ہو تو صبر کرو، کہیں تمہاری بے صبری (اور تمہارا رونا دھونا) تمہارا ثواب نہ کھودے، پھر تمہیں پشیمانی اٹھانی پڑے اور یاد رکھو کہ رونا دھونا کوئی چیز لوٹا کر نہیں لاتا اور نہ ہی غم واندوہ کو دور کرتا ہے اور جو ہونے والا ہے وہ تو ہوکر رہے گا اور جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ والسلام۔ (حصن حصین ص ۱۸۰ پانچویں منزل بروز پیر)

مندرجہ ذیل تعزیتی خط میں نے اپنے ایک قدیم مخلص دوست مرحوم جناب منشی عیسیٰ بھائی کاوی کے صاحبزادے حافظ احمد کی وفات پر ان کو لکھا تھا، بطور نمونہ وہ بھی ملاحظہ ہو۔

مکرمی ومحترمی جناب　　صاحب رزقکم اللہ صبرا جمیلاً واجراً جزیلاً.

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

بعد سلام مسنون! عزیز صاحب زادے کی وفات حسرت آیات کی اطلاع سے بے حد صدمہ ہوا آپ کے خط کے مضمون سے طبیعت بہت زیادہ متاثر ہوئی اور بے اختیار آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ما شاء اللہ کان ومالایشاء لا یکون غفر اللہ لہ واسکنہ جنۃ الفردوس وافاض علیہ شآبیب غفرانہ وادعوا اللہ تعالیٰ ان یفرغ علی قلوبکم صبراً جمیلاً وعلی من فقد تم اجراً جزیلاً بلطفہ ورحمہ آمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم.

بھائی! دنیا میں ہر آنے والے کو ایک دن جانا ہے، یہ خدا کا اٹل فیصلہ ہے۔

کل نفس ذائقه الموت   وکل روح مارزة الفوت

زندگی کے سانس محدود اور اجل کا وقت مقرر ہے، مرحوم آپ کے پاس خدا کی امانت تھی جسے آپ نے سپرد کردی۔ ان لله ما اخذ وله ما اعطی وکل عنده باجل مسمی فلتصبر ولتحتسب۔ اللہ ہی کا ہے جو اس نے لیا اور جو دیا وہ بھی اسی کا ہے ہر ایک چیز کا اس کے پاس وقت مقرر ہے پس صبر اختیار کرو اور ثواب کی امید رکھو ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

لا تقل فیما جری کیف جری

کل شیء بقضاء وقدر

جو کچھ ہوا اس کے متعلق یوں نہ کہو کہ یہ کیسے ہوا، ہر چیز قضا وقدر کے موافق ہوتی ہے۔

روایت میں ہے:۔ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو جنت سے زمین کی طرف اتارا گیا تو حق تعالیٰ کی جانب سے ارشاد ہوا اے آدم! فنا ہونے کے لئے بچے جن اور اجڑنے کے لئے عمارت بنا، کسی عربی شاعر نے خوب نقشہ کھینچا ہے۔

الا یا ساکن القصر المعلی

ستدفن عن قریب فی التراب

اے اونچے محل کے رہنے والے ہوشیار ہو جا، عنقریب تو مٹی میں دفن کیا جائے گا۔

له ملک ینادی کل یوم

لدو اللموت وابنوا للخراب

فرشتہ ہر روز پکارتا ہے کہ مرنے کے لئے بچے جنو اور اجڑنے کے لئے عمارت بناؤ

قلیل عمرنا فی دار دنیا

مرجعنا الیٰ بیت التراب

ہماری عمر دنیا میں بہت تھوڑی ہے اور ہم سب کا مرجع مٹی کا گھر ہے۔

آپ نے مرحوم کی صحت وشفایابی کے لئے دعا اور دوا میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی مگر وقت موعود آچکا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔

واذا المنیة انشبت اظفارها

الفیت کل تمیمة لا تنفع

جب موت اپنے پنجے گاڑ دیتی ہے تو کوئی تعویذ اور علاج نفع نہیں پہنچاتا، لہذا مشیت الٰہی پر راضی رہنا چاہئے۔

جب حضرت عباسؓ کی وفات ہوئی تو ایک بدوی نے ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کی تعزیت کی اور یہ اشعار کہے۔

اصبر نکن بک صابرین فانما
صبر الرعیۃ بعد صبر الرأس
خیر من العباس اجرک بعدہ
واللہ خیر منک للعباس

یعنی آپ صبر کیجئے کہ ہم آپ کی وجہ سے صبر کریں اس لئے کہ بڑوں کو صبر کرتا ہوا دیکھ کر چھوٹے صبر کرتے ہیں، صبر کرنے پر آپ کو اجر ملے گا وہ آپ کے لئے حضرت عباسؓ سے بہتر ہے اور حضرت عباسؓ کو خدا کا جو قرب حاصل ہوا وہ ان کے لئے آپ کی بہ نسبت زیادہ نفع بخش ہے۔ منقول ہے کہ ان اشعار سے حضرت عبداللہؓ کو تسلی اور سکون قلبی حاصل ہوا۔ خدا کرے آپ کے حق میں بھی یہ اشعار نفع بخش ثابت ہوں۔

یہ تعزیت نامہ گھر میں سب کو سنا دیجئے، آپ خود بھی صبر کیجئے اور اہل خانہ کو بھی صبر کی تلقین کیجئے، حق تعالیٰ آپ کو اور جملہ پسماندگان و متعلقین کو صبر جمیل عطا کرے اور مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے آمین۔

بفردوس اعلیٰ بود جائے او
بہشت بریں بود ماوائے او

فقط والسلام۔

میت کے گھر والوں کا پہلی عید پر عید نہ منانا کیا حکم رکھتا ہے؟:

(سوال ۸۰) ہمارے یہاں عام طور پر رواج ہے کہ جب کسی کے گھر میت ہو جاتی ہے تو اس سال جو پہلی عید یا بقرعید آتی ہے اہل میت عید نہیں مناتے اچھا لباس نہیں پہنتے۔ اچھا کھانا نہیں پکاتے، عورتیں زیب و زینت نہیں کرتیں، خود کسی کے گھر نہیں جاتیں، قریبی رشتہ دار یا نزدیک کے تعلق والے اپنے گھر سے ان کے یہاں کھانا لے کر جاتے ہیں اور وہی کھانا ان کو کھلاتے ہیں، کیا یہ سب چیزیں شرعاً صحیح ہیں، ان پر بڑی پابندی سے عمل ہوتا ہے اور اس کے خلاف کرنے کو بہت برا اور معیوب سمجھا جاتا ہے، آپ اس پر روشنی ڈالیں۔ اور امت کی رہنمائی فرمادیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ سوال میں جو باتیں درج ہیں یہ سب غیر شرعی رسومات ہیں، شریعت میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ شرعاً ممنوع ہیں، یہ غیروں کا طریقہ ہوگا اسلامی طریقہ نہیں ہے، لہذا قابل ترک ہے۔

عورت کے لئے اپنے شوہر کے انتقال پر چار ماہ دس دن سوگ منانے یعنی زیب و زینت ترک کرنے کا حکم ہے، اور شوہر کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کی موت پر تین یوم تک ترک زینت کی صرف عورتوں کو اجازت ہے، گھر کے مردوں کا نئے لباس کو ترک کرنا یا اچھا کھانا پکانے سے احتراز کرنا درست نہیں ہے۔

حدیث میں ہے عن ام حبیبۃ وزینب بنت جحش رضی اللہ عنہما عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یحل لامرأۃ تو من باللہ والیوم الا خران تحد علی میت فوق ثلث لیال الا علی زوج اربعۃ اشھرو عشرا، متفق علیہ۔

ترجمہ:۔ حضرت ام حبیبہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما آنحضرت ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ

نے ارشاد فرمایا، جو عورت اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے سوائے شوہر کے کہ اس کے انتقال پر چار مہینے دس دن سوگ کرے (بخاری، مسلم) (بحوالہ مشکوٰۃ شریف باب العدۃ ص ۲۸۸، ص ۲۸۹)

نیز حدیث میں ہے: **عن ام عطية رضي الله عنها ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا تحد امرأة على ميت فوق ثلث ليال الا على زوج اربعة اشهر وعشرا ولا تلبس ثوباً مصبوغا الا ثوب عصب ولا تكتحل ولا تمس طيبا ...... الخ متفق عليه . (مشكوٰة شريف ص ۲۸۹ باب العدة**

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی عورت کسی میت پر تین راتوں سے زیادہ سوگ نہ کرے البتہ شوہر کے انتقال پر چار مہینے دس دن سوگ کرے، بجز کدار رنگین کپڑا نہ پہنے...... سرمہ نہ لگائے، خوشبو نہ لگائے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۹)

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد محترم کا انتقال ہو گیا تو آپ نے تین دن کے بعد خوشبو منگوائی اور فرمایا کہ مجھے خوشبو لگانے کی کوئی حاجت نہیں ہے مگر چونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے **لا يحل لا مرأة الخ** مذکورہ حدیث بیان فرمائی (چونکہ میرے والد کے انتقال کو تین دن ہو چکے ہیں لہذا اس حدیث پر عمل کرنے کی نیت سے خوشبو لگا رہی ہوں (شامی فصل فی الحداد)

ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے بھائی کے انتقال کے تین دن بعد اسی طرح خوشبو لگا کر حدیث پر عمل فرمایا، شامی میں ہے۔ **وقال الرحمتي الحديث مطلق وقد حمله امهات المؤمنين على الملاقه فدعت ام حبيبة بالطيب بعد موت ابيها بثلاث وكذلك زينب بعد موت اخيها وقالت كل منهما مالي بالطيب حاجة غير اني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا يحل لامرأة الخ(شامي ج ۲ ص ۸۵۱ باب الحداد)**

مذکورہ دونوں حدیثوں اور ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ اور ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہما کے عمل مبارک سے بہت واضح طور پر ثابت ہوا کہ کسی کے انتقال پر تین دن سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں ہے، لہذا صورت مسئولہ میں جب انتقال کو تین دن گذر چکے ہیں تو اب اس کے بعد سوگ منانا حدیث کے خلاف ہے، لہذا عید یا اور کوئی خوشی کا موقع آ جائے تو اس موقعہ پر ایسا طریقہ اختیار کرنا جس میں سوگ کی صورت ہو جائز نہیں ہوگا۔ درمختار میں ہے۔ **ويباح الحداد على قرابة ثلاثة ايام فقط . وللزوج منعها لكان الزينة حقه فتح (درمختار مع رد المحتار ص ۸۵۱ فصل في الحداد)**

بہشتی زیور میں ہے:۔ (۱) مسئلہ: شوہر کے علاوہ کسی اور کے مرنے پر سوگ کرنا درست نہیں البتہ اگر شوہر منع نہ کرے تو اپنے عزیز پر اور رشتہ دار کے مرنے پر بھی تین دن تک بناؤ سنگھار چھوڑ دینا درست ہے، اس سے زیادہ بالکل حرام ہے اور اگر منع کرے تو تین دن بھی نہ چھوڑے (بہشتی زیور ص ۴۸ چوتھا حصہ سوگ کرنے کا بیان)

کسی کے انتقال پر اس کے گھر والوں کی تعزیت کرنا مسنون ہے مگر اس کی حد تین دن ہے تین دن کے بعد مکروہ ہے، ہاں دونوں میں سے کوئی موجود نہ ہو تو بعد میں بھی تعزیت کی گنجائش ہے، تعزیت کا مطلب یہ ہے کہ اہل

میت کو تسلی دی جائے، صبر کی تلقین کی جائے، صبر کا ثواب بتایا جائے، اجر عظیم کی توقع دلائی جائے، میت کے لئے دعا کی جائے مثلاً یہ کہا جائے اعظم اللہ اجرک واحسن جزاک وغفر لمیتک اللہ تعالیٰ آپ سب کو اجر عظیم اور جزاء خیر عطا فرمائے اور آپ کے مرحوم کی مغفرت فرمائے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بچہ کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ کی ان الفاظ میں تعزیت فرمائی تھی۔ للہ ما اخذوا له' ما اعطیٰ وکل عنده' باجل مسمیٰ فلتصبر و لتحتسب (بخاری شریف باب زیارۃ القبور مطلب فی الثواب علی المصیبة) ص ۱۷۱) جو لیا وہ اللہ کا تھا جو عطا فرمایا وہ بھی اللہ کا تھا، اللہ کے یہاں ہر ایک کی معیاد مقرر ہے، پس صبر کرو اور ثواب کی نیت رکھو (فتاویٰ رحیمیہ اردو

درمختار میں ہے: وبتعزية اهله وترغيبهم في الصبر وباتخاذ طعام لهم ... ثلاثةايام واولها افضلها وتكره بعدها الا لغائب وتكره التعزية ثانيا وعند القبر وعند باب الدار ويقول اعظم الله اجرک واحسن عزاءک وغفرلميتک (درمختار مع رد المحتار مطلب في الثواب على المصيبة ص ۸۴۱ ج ۱ ص ۸۴۳ ج ۱)

اسی طرح قریبی رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے لئے مستحب ہے کہ اہل میت کے لئے اس دن کھانے کا انتظام کریں اور ضرورت ہو تو خود وساتھ بیٹھ کر اصرار کر کے ان کو کھلائیں، حدیث میں اس کا ثبوت ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۱۵۱) (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۹۶ ج ۴) (شامی ص ۸۴۱ ج ۱)[1] محققین علماء کے نزدیک اس کی میعاد ایک دن رات ہے، یہ عمل رضاء الٰہی کے لئے ہو محض رسماً اور دکھاوے کے طور پر نہ ہو۔

یہ چیزیں تو شریعت سے ثابت اور سنت ہیں مگر بار بار تعزیت کرنا خصوصاً عید کے دن برائے تعزیت جانا اور اہل میت کے غم کو تازہ کرنا اور کھانا ساتھ لے جا کر ان کو کھلانا یہ سب رسومات ہیں اور قابل ترک ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ویستحب لجیر ان اهل الميت والا قرباء الا باعد تهيئة طعام لهم يشبعهم يومهم وليلتهم لقوله صلى الله عليه وسلم اصنعوا لآل جعفر طعاما فقد جاء ما يشغلهم. مطلب في كراهية الضيافة من اهل الميت.)

زیارت قبور

قبرستان میں دعاء کس طرح کی جائے؟:

(سوال ۸۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قبرستان میں دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانا مسنون ہے یا بدعت؟ دعاء کھڑے کھڑے کی جائے یا بیٹھ کر اور قبلہ رخ ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ حدیث سے کیا ثابت ہے؟

(الجواب) قبرستان میں بحالت قیام قبلہ رخ ہوکر اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا آداب میں سے ہے اور مسنون ہے بدعت نہیں ہے۔ حضور ﷺ کی متعلق حدیث میں ہے۔ **جاء البقیع فاطال القیام ثم رفع یدیہ ثلاث مرات(صحیح مسلم ص ۳۱۳ ج ۱ کتاب الجنائز باب الذهاب الی زیارة القبور)فیه استحباب اطالة الدعاء وتکریرہ ورفع الیدین وفیه ان دعاء القائم اعلیٰ من دعاء الجالس فی القبور (نووی شرح مسلم ص ۳۱۳ ج ۱ ایضاً)واذا اراد الدعأ یقوم مستقبل القبلة کذا فی خزانة الفتاویٰ (عالمگیری ص ۳۵۰ ج۵ کتاب الکراهیة الباب السادس عشر فی زیاة القبور و قرأة القرآن فی المقابر)**

حافظ بدرالدین عینی بنایہ میں فرماتے ہیں۔ **لا یقعد الزائر و عند الدعاء للمیت لیستقبل القبلة** یعنی زائر قبور کے لئے ادب یہ ہے کہ نہ بیٹھے اور میت کے لئے دعا کے وقت قبلہ رخ ہوجائے ۔فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے۔ **وفی حدیث ابن مسعودؓ رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم فی قبر عبدالله بن ذی النجادین الحدیث وفیه فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً یدیه اخرجه ابو عوانة فی صحیحه (ص ۱۲۲ ج ۱۱ باب الدعآء مستقبل القبلة)** دوسرے رخ پر اور بیٹھے ہوئے اور بلا ہاتھ اٹھائے ہوئے بھی دعا جائز ہے۔ دعا کے وقت ایسی ہئیت اختیار نہ کی جائے کہ دیکھنے والے کو شبہ ہو کہ اہل قبر سے حاجت طلب کررہا ہے اس لئے جب ہاتھ اٹھا کر دعا کرے تو قبر کی طرف منہ نہ ہونا چاہئے ۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورت مزار پر جائے تو نکاح رہے یا باطل ہوجائے؟:

(استفتاء ۸۲) عورت اور مرد کسی بزرگ کے مزار پر جائے تو عورت نکاح سے نکل جائے گی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عورت کے لئے مزار پر جانے کی اجازت نہیں۔ ''مالا بدمنہ'' میں ہے۔ ''زیارت قبور مرداں را جائز است نہ زناں را'' یعنی زیارت قبور مردوں کے لئے جائز ہے۔ عورتوں کے لئے جائز نہیں ۔(ص۷۹)علماء بریلوی بھی ناجائز کہتے ہیں۔ مولانا حکیم محمد حشمت علی بریلوی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ''مگر اس زمانے میں مستورات کو زیارت قبور کے لئے جانا مکروہ بلکہ حرام ہے۔(جمع المسائل ص ۱۱۰ ج ۱)

اور مولانا رضا خاں بریلوی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ''مزارات اولیاء یا دیگر قبور کی زیارت کو عورتوں کا جانا اتباع غنیۂ علامہ محقق ابراہیم حلبی ہرگز پسند نہیں کرتا۔(جمل النور ص ۸۔۷)

لہذا جائے تو گنہگار ہے۔لیکن نکاح نہیں ٹوٹے گا۔البتہ اگر وہاں مشرکانہ افعال کریں سجدہ اور طواف کریں ۔حاجت رواہ سمجھیں اور مرادیں مانگیں تو ان کا حکم نہایت ہی شدید ہے۔فساد نکاح کا خطرہ ہے۔'' مالا بدمنہ'' میں ہے۔ '' سجدہ کردن بسوء قبور انبیاءؑ واولیاءؒ وطواف گرد قبور کردن ودعاء از آنہا خواستن ونذر برائے آنہا قبول کردن حرام است بلکہ چیز ہا ازاں بکفر می رسانند۔پیغمبر برآنہا لعنت گفتہ،وازاں منع فرمودہ وگفتہ کہ قبر مرابت نہ کنند'' یعنی :انبیاءؑ اور اولیاءؒ کی قبروں کی طرف سجدہ کرنا،قبروں کا طواف کرنا،اوران سے دعاء مانگنا اوران کی نذر ماننا حرام ہے۔ بلکہ بعض چیزیں کفر تک پہنچانے والی ہیں۔پیغمبر علیہ السلام نے ایسی چیزوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ میری قبر کو بت نہ بنانا۔(ص ۸۰)فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باب مایتعلق بایصال الثواب

ایصال ثواب کا حکم:

(سوال ۸۳) میت کے لئے ایصال ثواب کتاب و سنت کی روشنی میں ثابت ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں لوگوں کے دو فرقے ہو گئے ہیں ایک فرقہ غیر مقلدین کی طرح میت کے لئے ایصال ثواب کا منکر ہو رہا ہے اور کتاب و سنت و صحیح روایتوں سے اس کا ثبوت مانگتا ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ بتاؤ قرآن پاک میں کہاں ایصال ثواب کا حکم ہے؟ اور حضور پاک ﷺ نے ایصال ثواب کے لئے کہاں فرمایا ہے؟ آپ سے درخواست ہے کہ اس مسئلہ کو مفصل و مدلل تحریر فرمائیں بینوا توجروا۔ (از بنارس)

(الجواب) حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ حنفیہ کا مفتیٰ بہ مذہب یہ ہے کہ اعمال خواہ بدنی ہوں یا مالی دونوں کا ثواب مردوں کو پہنچانا جائز ہے اور مردوں کو ان کا ثواب پہنچتا ہے اور یہ کتاب و سنت سے ثابت ہے، فقہ کی معتبر کتابوں مثلاً ہدایہ، عالمگیری، البحر الرائق، بدائع، شامی اور عینی وغیرہ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ ہدایہ میں ہے۔ **الا صل فی هذا الباب ان الا نسان له ان یجعل ثواب عمله لغیره صلوٰة او صوماً او صدقةً او غیر ها عند اهل السنة والجماعة لما روی عن النبی صلی الله علیه وسلم انه ضحیٰ بکبشین املحین احدهما عن نفسه والأخر عن امته ممن اقر بوحدانیة الله وشهد له بالبلاغ** یعنی اس باب میں قانون کلی یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال صالحہ کا ثواب دوسرے کو پہنچا سکتا ہے، اہل سنت والجماعت کے نزدیک نماز ہو یا روزہ، حج ہو یا صدقہ و خیرات یا اس کے علاوہ کوئی اور عمل، اس حدیث کی بنا پر جو آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے دو چت کبرے مینڈھوں کی قربانی کی، ایک کی اپنی طرف سے اور دوسرے کی اپنے ان امتیوں کی طرف سے جنہوں نے اللہ کی وحدانیت کا اقرار کیا اور حضور اکرم ﷺ کے لئے اس بات کی شہادت دی کہ آپ ﷺ نے امت کو اللہ کا دین پہنچا دیا (ہدایہ ص۲۷۶ باب الحج عن الغیر)۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے **الا صل فی هذا الباب ان الا نسان له ان یجعل ثواب عمله لغیره صلوٰة کان او صوماً او صدقةً او غیرها کالحج وقراءة القران والا ذکار وزیارة قبور الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام والشهداء والا ولیاء والصالحین وتکفین الموتی وجمیع انواع البر کذا فی غایة السروجی شرح الهدایه انتهی** . یعنی اس باب میں قانون کلی یہ ہے کہ اپنے عمل کا ثواب کسی اور کے واسطے کر دینا روا (جائز) ہے، چاہے وہ عمل نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا اور کچھ جیسے حج اور تلاوت قرآن اور دیگر اذکار و وظائف اور انبیاء، شہداء، اولیاء اور صالحین کی قبروں کی زیارت اور مردوں کو کفن دینا اور ہر قسم کے نیک اعمال (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۶۱ الباب الرابع فی الحج عن الغیر)

درمختار میں ہے:۔ **الا صل ان کل من اتی بعبادة ما له جعل ثوابها لغیره (قوله بعبادة ما) ای سواء کانت صلوٰة او صوماً او صدقةً او قراءةً او ذکراًاو طوافاً او حجاً او عمرةً او غیر ذلک من زیارة قبور الا نبیاء علیهم الصلوٰة والسلام والشهداء والا ولیاء والصالحین وتکفین الموتی وجمیع**

انواع البر كما في الهندية وقد منا في الزكاة عن التتار خانية عن المحيط الا فضل لمن تصدق نفلا ان ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات لا نها تصل اليهم ولا ينقص من اجره شئى اه (در مختار مع الشامی ج ۲ ص ۳۲۳ باب الحج عن الغير)

غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار میں ہے۔ ترجمہ:۔ اصل یہ ہے کہ جو شخص کوئی عبادت کرے نماز یا روزہ یا خیرات یا تلاوت قرآن یا ذکر یا حج یا عمرہ یا طواف یا اور کوئی نیکیاں تو اس کو جائز ہے کہ اس کا ثواب غیر شخص کے واسطے کر دے۔ اگر چہ عبادت کرنے کے وقت اپنی ذات کے واسطے نیت کی ہو۔ یہ اصل ثابت ہے قرآن اور احادیث کی ظاہری دلالت سے بلا ارتکاب تاویل مقرآن مجید میں ولد کو ارشاد ہے کہ والدین کے واسطے یوں دعا کرے۔ رب ارحمهما كما ربيا نى صغيراً ۔ اے میرے رب میرے والدین پر رحم کر جیسا کہ انہوں نے لڑکپن میں مجھے پالا، اگر انسان کا عمل دوسرے کو مفید نہ ہوتا تو ولد کی دعا والدین کے حق میں بے فائدہ ہوتی، حالانکہ یہ غلط ہے، اور حق تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ فرشتے مؤمنین کے واسطے دعا مغفرت کرتے ہیں تو ثابت ہوا کہ ایک کا عمل دوسرے کو مفید ہوتا ہے اور احادیث تو نیابت اور ثواب رسانی میں بکثرت ہیں، از انجملہ بخاری و مسلم میں یہ حدیث متفق علیہ ہے کہ رسول خدا ﷺ نے دو مینڈھوں کی قربانی کی ایک مینڈھا اپنی طرف سے اور دوسرا اپنی امت کی طرف سے۔ الی قولہ۔ اور دار قطنی نے روایت کیا ہے۔ ان رجلاً سأل عليه الصلوٰة والسلام فقال كان لى ابوان ابراهما حال حيوٰتهما فكيف ببرهما بعد موتهما فقال صلى الله عليه وسلم ان من البر بعد الموت ان تصلى لهما مع صلوتك وان تصوم لهما مع صومك. ایک مرد نے رسول خدا ﷺ سے سوال کیا کہ میرے ماں باپ تھے جن میں سے ان کی زندگی میں نیکی کرتا تھا سو میں اب کیونکہ ان کے ساتھ نیکی کروں؟ تو حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ موت کے بعد نیکی یہ ہے کہ نماز پڑھا کر ان کے واسطے اپنی نماز کے ساتھ اور روزہ رکھا کر ان کے واسطے اپنے روزے کے ساتھ۔ وروى (الدار قطنى ايضاً) عن على رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال من مر على المقابر وقراء قل هو الله احد احدىٰ عشرة مرة ثم وهب اجرها للاموات اعطى من الا جر بعد دالا موات حضرت رسول خدا ﷺ نے فرمایا جو قبرستان پر گذرے اور گیارہ بار قل هو الله احد پڑھے اور اس کا ثواب مردوں کو بخشے تو اس کو ثواب دیا جائے گا بقدر اموات کے۔ وعن انس رضى الله عنه قال يارسول الله انا نتصدق عن موتانا ونحج عنهم وندعولهم فهل يصل ذلك لهم قال نعم انه ليصل اليهم وانهم ليفرحون به كما يفرح احدكم بالطبق اذا اهدى اليهم. رواه ابو حفص الكبير ۔ حضرت انسؓ نے رسول خدا ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ ہم خیرات کرتے ہیں اپنے مردوں کی طرف سے اور حج کرتے ہیں ان کی طرف سے اور دعا کرتے ہیں ان کے واسطے، کیا یہ ان کو پہنچتا ہے؟ فرمایا کہ ہاں یہ ان کو پہنچتا ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اس سے جیسے کہ تم میں سے ایک خوش ہوتا ہے اس طبق سے جب کوئی اس کو تحفہ بھیجے۔ وعنه صلى الله عليه وسلم قال اقرؤوا على موتاكم يٰس. رواه ابو داؤد. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے مردوں پر یٰسین پڑھا کرو۔

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال صالحہ کا ثواب غیر کو نافع ہوتا ہے (غاية الا وطار ترجمه درمختار ملخصاً ج ۲ ص ۲۰۷، ص ۲۰۸)

مشکوۃ شریف میں روایت ہے۔عن عبداللہ بن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما المیت فی القبر الا کالغریق المغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب اوام او اخ او صدیق فاذا لحقتہ کان احب الیہ من الدنیا وما فیھا وان اللہ تعالیٰ لید خل علی اھل القبور من دعاء اھل الارض امثال الجبال (من الرحمۃ والغفران) وان ھدیۃ الا حیاء الی الاموات الا ستغفار لھم .رواہ البیھقی فی شعب الا یمان .

یعنی مردہ قبر میں ڈوبنے والے مدد کے خواہش مند کی طرح دعا اور ثواب کا منتظر رہتا ہے۔ جو اس کو باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی جانب سے پہنچے (وہ ایصال ثواب کی شکل میں ہو یا تلاوت قرآن اور تسبیح یا درود پڑھ کر ثواب بخشنے کی شکل میں) جب دعا پہنچتی ہے تو وہ اس کے لئے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اہل دنیا کی دعا کے سبب اہل قبور پر پہاڑوں کے برابر اجر پہنچاتا ہے اور زندوں کا تحفہ مردوں کے لئے ان کا دعائے مغفرت مانگنا ہے (مشکوۃ شریف ص ۲۰۶ باب الأ ستغفار والتوبہ)

ترمذی شریف میں ہے:۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان رجلا قال یا رسول اللہ ان امی توفیت افینفعھا ان تصدقت عنھا قال نعم قال فان لی مخرفاً فاشھدک انی قد تصدقت بہ عنھا. حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص (حضرت سعد رضی اللہ عنہ) حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ میری والدہ کا انتقال ہوگیا اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کو نفع ہوگا؟ (اور ان کو اس کا ثواب پہنچے گا؟) آپ نے فرمایا، ہاں پہنچے گا، انہوں نے عرض کیا میرا ایک باغ ہے میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنا وہ باغ اپنی والدہ کے لئے صدقہ کردیا۔(ترمذی شریف ج ۱ ص ۸۵ کتاب الزکوۃ باب ماجاء فی الصدقۃ عن المیت)

یہ حدیث ایصال ثواب کے ثبوت میں بالکل واضح ہے۔

نیز حدیث میں ہے کہ انسان جب مرجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہوجاتے ہیں، مگر تین چیزوں کا ثواب اس کو پہنچتا رہتا ہے۔(۱) صدقہ جاریہ (۲) ایسا علم جس سے نفع حاصل کیا جائے (۳) ولد صالح جو اس کے لئے دعا کرے۔عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مات الا نسان انقطع عنہ عملہ الا من ثلثۃ الا من صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح ید عولہ (رواہ مسلم.)(مشکوۃ شریف ص ۳۲ کتاب العلم)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ستر ہزار مرتبہ لا الـــہ الا اللہ کی تاثیر کے متعلق ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے، اس سے بھی اس مسئلہ کی تائید ہوتی ہے:۔

قال الشیخ محی الدین بن العربی انہ بلغنی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان من قال لا الـہ الا اللہ سبعین الفاً غفر لہ ومن قیل لہ غفر لہ ایضاً فکنت ذکرت التھلیلۃ بالعدد المروی من غیر ان انوی لا حد بالخصوص بل علی الوجہ الا جمالی فحضرت طعاماً مع بعض الا صحاب وفیھم شاب مشھور بالکشف فاذا ھو فی اثناء الا کل أ ظھر البکاء فسألتہ عن السبب فقال اری امی فی العذاب فو ھبت فی باطنی ثواب التھلیلۃ المذکورۃ لھا فضحک وقال انی اراھا الآن فی حسن المآب قال الشیخ فعرفت صحۃ الحدیث بصحۃ کشفہ وصحۃ کشفہ بصحۃ الحدیث.

یعنی شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ مجھے رسول خدا ﷺ کی یہ روایت پہنچی کہ جو شخص ستر ہزار مرتبہ لا الـہ الا اللہ پڑھے تو اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اور جس کے لئے پڑھا جائے اس کی بھی مغفرت ہو جاتی ہے، میں اس کلمہ کو مخصوص کسی کے لئے نیت کئے بغیر مذکورہ عدد کے موافق پڑھا کرتا تھا، ایک مرتبہ میں اپنے بعض دوستوں کے ساتھ ایک دعوت میں حاضر ہوا، دعوت میں ایک نوجوان تھا جو کشف میں مشہور تھا، دوران طعام اچانک وہ رونے لگا۔ میں نے اس سے رونے کا سبب پوچھا، اس نوجوان نے کہا میں اپنی والدہ کو عذاب میں دیکھ رہا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں کلمہ کا ثواب اس کی والدہ کو بخش دیا۔ وہ ہنسنے لگا اور کہا اب میں اپنی والدہ کو بہت اچھی حالت میں دیکھ رہا ہوں۔ میں نے اس واقعہ سے اس حدیث کی صحت کا اور اس حدیث کی صحت سے اس کے کشف کی صحت کا یقین کر لیا (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۹۸ ۔ ۹۹ باب ما علی الماموم من التابعۃ تحت حدیث معاذ اذا انی احدکم الصلوٰۃ والامام علی حال الخ)

مذکورہ بالا حوالجات سے ثابت ہوا کہ مردوں کے لئے ایصال ثواب جائز ہے اور ان کو ثواب پہنچتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔

ایصال ثواب کا طریقہ:

(سوال ۸۴) قبرستان جا کر یا گھر میں میت کے ایصال ثواب کے لئے کیا چیزیں پڑھنی چاہئے، یعنی فاتحہ کا طریقہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قرآن مجید ختم کر کے یا سورۂ فاتحہ، سورۂ اخلاص، سورۂ یٰس، سورۂ ملک سورۂ تکاثر، سورۂ ہود وغیرہ جو یاد ہوں اور جن میں سہولت ہو اور درود شریف ونوافل وغیرہ جو ہو سکیں اور اسی طرح مالی خیرات وصدقات، نماز، روزے کا فدیہ اپنی ہمت اور شوق وذوق کے مطابق کر کے ثواب بخشا جائے۔ شامی میں ہے۔ وفی شرح اللباب ویقرء من القرآن ما تیسر لہ من الفاتحۃ واول سورۃ البقرۃ الی المفلحون وآیۃ الکرسی و آمن الرسول وسورۃ یٰس وتبارک الملک وسورۃ التکاثر والا خلاص اثنی عشر مرۃ اواحدیٰ عشر او سبعا او ثلثا ثم یقول اللھم اوصل ثواب ما قرأ ناہ الی فلان او الیھم اھ. ترجمہ: قرآن میں سے جو آسان معلوم ہو سورۂ فاتحہ، سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں مفلحون تک، آیۃ الکرسی، آمن الرسول، سورۂ یٰس، سورۂ تبارک الملک، سورۂ تکاثر اور سورۂ اخلاص بارہ مرتبہ یا گیارہ مرتبہ یا سات مرتبہ یا تین مرتبہ پڑھ کر بخشے (شامی ج ۱ ص ۸۴۴ مطلب فی القرأۃ للمیت واھدآء ثوابھا لہ)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:۔ قال النووی فی شرح المھذب یستحب لزائر القبور ان یقراء ما تسیر من القران وید عولھم عقبھا ۔ قبر کی زیارت کرنے والے کے لئے مستحب یہ ہے کہ قرآن میں سے جو سہل معلوم ہو پڑھے اور اس کے بعد مردوں کے لئے دعا کرے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۸۲ باب زیارت القبور)

عالمگیری میں ہے۔ ثم یقرء سورۃ الفاتحۃ و آیۃ الکرسی ثم یقرء سورۃ اذا زلزلت والھکم التکاثر کذا فی الغرائب (قبرستان میں داخل ہو کر مسنون دعا پڑھنے کے بعد) پھر سورۂ فاتحہ، آیۃ الکرسی، سورۂ اذا

زلزلت اور الھکم التکاثر پڑھے (فتاویٰ عالمگیری ج۵ ص۳۹۴ باب الکراھیۃ)

اور مرقاۃ میں ہے۔ واخرج ابو القاسم سعد بن علی الزنجانی فی فوائدہ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من دخل المقابر ثم قراء فاتحۃ الکتاب وقل ھو اللہ احد والھکم التکاثر . ثم قال انی جعلت ثواب ماقرأت من کلامک لاھل المقابر من المؤمنین والمومنات کانوا شفعاء لہ الی اللہ تعالیٰ. حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص قبرستان میں جائے پھر وہاں سورۂ فاتحہ، قل ھو اللہ احد اور الھاکم التکاثر پڑھ کر اس کا ثواب مؤمنین اور مومنات مردوں کو بخشے تو وہ اس کے لئے سفارش کرنے والے ہوں گے (دارقطنی باب زیارۃ القبور ج۴ ص۸۲)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہوکر گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشے تو مردوں کی گنتی کے مطابق اس کو بھی اجر و ثواب دیا جائے گا۔ وعن علی رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من مر علی المقابر فقرأ قل ھو اللہ احد احدیٰ عشرۃ مرۃ ثم وھب اجرھا للاموات اعطی من الاجر بعد دالاموات. رواہ الدارقطنی (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۳۴۲ فصل فی زیارۃ القبور)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں .

مزاروں پر حاضری کے وقت مندرجہ ذیل عمل کرتا ہوں:۔ السلام علیکم یا دار قوم مؤمنین انتم سلفنا ونحن بالا ثرو انا ان شاء اللہ بکم لا حقون یغفر اللہ لنا ولکم اجمعین وصلی اللہ علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم سلام علیکم بما صبر تم فنعم عقبی الدار. پھر تین بار درود شریف، سورۂ فاتحہ تین بار، سورۂ اخلاص بارہ مرتبہ، پھر درود شریف تین بار پڑھ کر صاحب مزار کو بخش کر اس کے اور تمام گردو پیش کے مدفونین کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں (فرمودات حضرت مدنیؒ ص۲۴۰)

تدفین کے بعد مجتمعاً ایصال ثواب کا حکم:

(سوال ۸۵) میت کے تدفین کے بعد ایصال ثواب ثابت ہے یا نہیں؟ بعض مقامات میں تدفین کے بعد "فاتحہ" کے نام سے اعلان ہوتا ہے اور لوگ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں، اسی طرح میت کے گھر دوبارہ ایصال ثواب کے لئے فاتحہ کا اعلان ہوتا ہے اور لوگ اجتماعی دعا مانگتے ہیں کیا خیر القرون میں یہ چیزیں تھیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) تدفین کے بعد عند القبر مجتمع ہوکر دعاء مغفرت کرنا اور تلاوت کر کے بخشنا بلا تامل جائز ہے، حدیث میں ہے عن عثمان بن عفان قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفر والاخیکم واسألو الہ التثبت فانہ الآن یسئل . ترجمہ:۔ جب رسول اللہ ﷺ کسی میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو وہاں ٹھہرتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو کہ اب اس سے سوال کیا جائے گا (ابوداؤد شریف ج۱ ص۹۵)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے:۔ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا مات

احدکم فلا تحبسوہ واسرعوا بہ الی قبرہ ولیقرأ عند راسہ (ای بعد الدفن) فاتحۃ البقرۃ وعند رجلیہ بخاتمۃ البقرۃ رواہ البیھقی فی شعب الایمان وقال والصحیح انہ موقوف علیہ حضوراقدس ﷺ فرماتے ہیں جب تم میں سے کسی کا انتقال ہوجائے تو اس کو گھر میں (بلاوجہ شرعی) روکے مت رکھو اور اس کی تدفین میں جلدی کرو اور (دفن کے بعد) سر کی جانب سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں (مفلحون تک) اور پاؤں کی جانب اس کی اختتامی آیات (آمن الرسول سے ختم تک) پڑھی جائیں (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹ باب دفن المیت)

حضرت عمرو بن العاصؓ نے حالت نزع میں اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو وصیت فرمائی اذا انا مت فلا تصحبنی نائحۃ ولا نارا واذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شناً ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر جزور ویقسم لحمھا حتی استانس بکم واعلم ما ذا اراجع بہ رسل ربی رواہ مسلم. جس وقت میرا انتقال ہوجائے تو میرے جنازے کے ساتھ نہ کوئی نوحہ کرنے والی ہو اور نہ آگ ہو اور جب مجھے دفن کرچکو تو آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا پھر میری قبر کے پاس اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر اونٹ ذبح کرنے اور اس کا گوشت تقسیم کرنے میں لگتی ہے تاکہ میں تم سے انسیت حاصل کروں اور جان لو کہ اپنے رب کے قاصدوں (فرشتوں) کو کیا جواب دیتا ہوں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹ باب دفن المیت۔ الفصل الثالث)۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے (قولہ ثم اقیموا حول قبری) لعلہ للدعاء بالتثبیت وغیرہ۔ حدیث مبارک میں یہ جملہ ثم اقیموا حول قبری پھر تم میری قبر کے اردگرد کھڑے رہنا، یہ کھڑا ہونا شاید اس لئے ہو کہ مردے کے لئے ثابت قدمی وغیرہ کی دعا کی جائے (قولہ حتی استأنس لکم) ای بدعاء کم واذکارکم واستغفارکم. یعنی تاکہ میں تم سے انسیت حاصل کروں، یعنی تمہاری دعا، تمہارے ذکر اور تمہاری تلاوت اور تمہارے استغفار سے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۸۱ ایضاً) مرقاۃ میں ایک اور حدیث ہے:۔ وقد ورد فی الخبر لا بی داؤد انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان اذا فرغ من دفن الرجل یقف علیہ ویقول استغفروا اللہ لا خیکم واسئلوا لہ التثبیت وفی روایۃ التثبت فانہ الآن یسئل. یعنی حضوراقدس ﷺ جب کسی شخص کے دفن سے فارغ ہوتے تو وہاں ٹھہرتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو کہ اب اس سے سوال کی جائے گا (مرقاۃ ج ۴ ص ۸۱ باد فن المیت)

کفایت المفتی میں ہے۔

(سوال) فی سنن ابی داؤد کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبرہ وقال استغفروا لا خیکم واسئلوا اللہ لہ التثبت الخ مرقومہ بالا حدیث سے دعائے مغفرت مانگنا جمعاً ثابت ہوتا ہے یا فرادی فرادی؟

(الجواب) ہاں اس حدیث کے سیاق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تمام حاضرین ایک ساتھ دعا کرتے تھے کیونکہ دفن سے فارغ ہونے کے بعد واپس آنے کا موقع تھا لیکن اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ واپسی میں کچھ تاخیر وتوقف فرماتے تھے اور میت کی تثبیت ومغفرت کی خود بھی دعا فرماتے تھے اور حاضرین کو بھی اس وقت دعا کا حکم دیتے تھے کیونکہ فانہ الآن یسئل اس کا قرینہ ہے پس تھوڑی دیر سب کا توقف کرنا اور حاضرین کو اسی وقت دعا د

استغفار کا حکم فرمانا اور سب کا موجود ہونا اور اس وقت کا وقت قرب سوال نکیرین ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ سب حاضرین کی دعا ایک وقت میں اجتماعاً ہوتی تھی اور یہی معمول ومتوارث ہے لیکن واضح رہے کہ یہ اجتماع جو اس حدیث سے ثابت ہے اجتماع قصداً للدعاء یہ بھی نہیں ہے بلکہ اجتماع قصدی دفن کے لئے ہے اگر چہ بسبب امور متذکرہ بالا اس وقت دعا بھی اجتماعی طور پر ہوگئی۔ واللہ اعلم (کفایت المفتی ج ۴ ص ۵۹ . ۶۰)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:۔ وفی السراج ویستحب ان یقراء علی القبر بعد الدفن اول سورة البقرة وخاتمتها فصل فی زيارة القبور ص ۳۴۱ مستحب یہ ہے کہ قبر کے پاس دفن کرنے کے بعد سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں اور آخری آیتیں پڑھی جائیں۔

مندرجہ بالا حوالہ جات سے صراحۃ ثابت ہوتا ہے کہ تدفین کے بعد ایصال ثواب کے لئے کچھ پڑھنا اور اجتماعی دعا مانگنا ثابت ہے۔(۱) ہاں تدفین کے بعد پھر میت کے گھر پر جمع ہونا اور ایصال ثواب کے لئے دوبارہ فاتحہ پڑھنا یہ بدعت ہے بلکہ تدفین سے فراغت کے بعد ہر ایک اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو جائیں۔ مراقی الفلاح میں ہے (تتمہ) قال کثیر من متاخری ائمتنا رحمهم الله یکره الاجتماع عند صاحب المیت حتی یاتی الیه من یعزی بل اذا رجع من الدفن فلیتفرقوا ویشتغلوا بامورهم واصحاب المیت بامره . یعنی بقصد تعزیت میت کے گھر جمع ہونا مکروہ ہے بلکہ تدفین سے فراغت کے بعد جب لوگ لوٹیں تو متفرق اور منتشر ہو جائیں اور میت کے ورثہ بھی اپنے ضروری کام میں لگ جائیں (مراقی الفلاح ص ۱۲۰ فصل فی حملها ودفنها) (شامی ج ۱ ص ۸۴۳) فقط واللہ اعلم۔

کسی دوسرے ملک سے موت کی خبر آنے پر ایصال ثواب وغیرہ:

(سوال ۸۶) بیرون ملک سے خبر موت پہنچنے پر فاتحہ خوانی کے لئے اعلان کروا کر لوگوں کو جمع کر کے امام یا موذن صاحب فاتحہ پڑھتے ہیں، جوں جوں لوگ آتے جاتے ہیں ویسے ویسے الفاتحہ پکار کر ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) بیرون ملک سے خبر موت پہنچنے پر فاتحہ خوانی وتعزیت کے لئے اعلان کر کے لوگوں کو جمع کرنے کی رسم خلاف سنت اور مکروہ ہے۔ ہاں اہل میت اپنے خاص عزیز واقربا کو خبر دے کر دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی درخواست کریں۔ اور وہ لوگ کچھ پڑھ کر خیر، خیرات کر کے ثواب پہنچائیں اور دعائے مغفرت کریں۔ اور دعوت ودیگر رسومات کی قید کے بغیر فرداً فرداً اہل میت کے پاس آ کر تعزیت کریں یعنی تسلی دیں۔ اور ان کے لئے اور میت کے لئے دعا کے الفاظ کہیں۔ مثلاً یہ کہیں اعظم الله اجرک واحسن عزائک وغفر لمیتک (خدائے پاک تم کو اجر عظیم عنایت فرمائے اور تمہیں صبر جمیل کی توفیق بخشے اور تمہارے میت کی مغفرت کرے) یہ صورت جائز ہے۔ صحابہ کرام وغیرہ سلف صالحین کا یہی طریقہ تھا۔ اگر خود حاضر نہ ہو سکے تو بذریعہ خط بھی تعزیت ہو سکتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کے بیٹے کی وفات کے وقت خط سے تعزیت فرمائی تھی۔ کتب النبی صلی الله علیه

(۱) بشرطیکہ اس کا التزام نہ ہو اور اس کو ضروری نہ سمجھا جائے ۱۲ حامد احمد۔

وسلم الی معاذ یعزیه فی ابن له (حصن حصین ص ۱۸۰)

فاتحہ خوانی وتعزیت کے لئے اعلان کروا کر لوگوں کو جمع کرنے کا انتظام کرنا، یہ خلاف سنت ہونے کے سبب مکروہ ہے۔میت کے لئے علاوہ صلوٰۃ جنازہ دوسرے کسی بھی موقع پر اعلان کروا کر اور دعوت دے کر لوگوں کو جمع کرنے کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں:۔وعادت نبود کہ برائے میت در غیر وقت نماز (جنازہ) جمع شوند وقرآن خوانند وختمات خوانند گورنہ وغیر آن، واین مجموع بدعت ست ومکروہ (آنحضرت ﷺ وصحابہ کرام وغیرہ سلف صالحین کی یہ عادت نہ تھی کہ میت کے لئے علاوہ صلوٰۃ جنازہ کے جمع ہوتے ہوں اور قرآن پڑھتے ہوں، نہ قبر پر، نہ دیگر کسی مقام پر اور یہ تمام رواج بدعت ومکروہ ہے۔(شرح سفر السعادۃ ص ۲۷۳، مدارج النبوۃ ج۱ص۴۲۱)

نوافل کے ذریعہ ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے؟:

(سوال ۸۷) بزرگان دین سے عقیدتمندی ہو جیسے مولانا حسین احمد مدنیؒ تو ایصال ثواب کی نیت سے ان کے لئے نوافل پڑھ سکتے ہیں؟ اس طرح روزانہ پڑھے جائیں تو کوئی حرج ہے؟ خلفائے راشدین، صحابہ کرام، اپنے مرحوم اعزاء واقارب کے ایصال ثواب کی نیت سے نوافل پڑھ سکتے ہیں؟ رمضان میں روزانہ اس طرح پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) جی ہاں! بغیر کسی حرج کے پڑھ سکتے ہیں۔ممنوع نہیں ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب.

ایصال ثواب کرنے والے کو ثواب ملتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۸۸) ایک شخص روزانہ قرآن مجید پارہ دو پارے پڑھتا ہے اس کا نصف ثواب اپنے مرحوم والدین کو بخشتا ہے اور نصف ثواب تمام مؤمن ومسلمان مردوں کی ارواح کو بخشتا ہے تو اس طرح پڑھنے کا سارا ثواب بخش دینے کی وجہ سے پڑھنے والے کو ثواب ملے گا یا نہیں؟ اس لئے کہ پورا ثواب مردوں کو بانٹ دیا ہے تو پڑھنے والے کو کیا ملے گا۔؟

(الجواب) قرآن شریف وغیرہ پڑھ کر ایصال ثواب کرنے والے کو بھی پڑھنے کا اور ایصال ثواب کرنے کا ثواب ملتا ہے، پڑھ کر یا صدقہ وخیرات کر کے بخشنے والا ثواب سے محروم نہیں رہتا، چنانچہ علماء دین تحریر فرماتے ہیں کہ الا فضل لمن يتصدق نفلاً ان ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات لانها تصل اليهم ولا ينقص من اجره شئ (یعنی) نفل عبادت کرنے والے کو چاہئے کہ تمام مسلمان مردوں عورت کو بھی اپنے ثواب میں شامل کرلے، ان کو بھی ثواب ملے گا اور اس کے ثواب میں سے کچھ کم بھی نہیں ہوگا۔(شامی ج۱ص۸۴۴ ایضاً)

اتنا ہی نہیں بلکہ کبھی زیادہ ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا من مر على مقابر وقرأ " قل هو الله احد" احدى عشرة مرة ثم وهب للاموات اعطى من الا جر بعدد الأموات (ترجمہ) جو شخص قبرستان سے گذرا اور اس نے گیارہ مرتبہ سورۂ قل ھو اللہ پڑھی اور مردوں کی روحوں کو بخش دی تو اس کو مردوں کی تعداد جتنا ثواب دیا جائے گا'' سورۂ یسین پڑھ کر بخشنے کا بھی یہی اجر آیا ہے (دار قطنی،

---

(۱) صرح علمائنا فی باب الحج عن الغیر بان للانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره صلاة او صوما او صدقة او غیرها كذا فی الهداية. شامی باب صلوة الجنائز مطلب فی القرأة للميت واهداء ثوبها له ج۱ ص ۸۴۴.

طبرانی درمختار، شامی وغیرہ باب صلوٰۃ الجنائز مطلب فی القرآن للمیت واہدا ثوابھا لہ ص ۸۴۴ ج ۱۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کیا تو اس نے ان کی طرف سے حج ادا کیا اور خود اس کو دس حج کا ثواب دیا جائے گا (دار قطنی)(۱)

یہ محض فضل خداوندی ہے، اس کے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے، اس لئے بعض جلیل القدر بزرگان دین کا عقیدہ ہے کہ نیکی کا ثواب جو مردوں کو بخشا جاتا ہے، وہ تقسیم ہو کر نہیں دیا جاتا بلکہ ہر ایک کو پورا پورا ثواب خدا پاک عنایت فرماتے ہیں۔

''شامی'' میں ہے کہ حضرت ابن حجر مکی سے پوچھا گیا کہ کوئی شخص سورۂ فاتحہ پڑھ کر مردوں کو بخشے تو وہ بخشا ہوا ثواب تقسیم ہوتا ہے یا ہر ایک کو پوری سورہ فاتحہ کا ثواب ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہر ایک کو پورا ثواب ملنے کا ایک جماعت نے فتویٰ دیا ہے اور یہی قول خداتعالیٰ کے عام فضل کے شایان شان ہے (شامی ج ۱ ص ۸۴۵ باب صلوٰۃ الجنائز مطلب فی القرأۃ للمیت الخ) اور یہی توقع رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو پورا پورا ثواب دے گا۔ قال اللہ تعالیٰ انا عند ظن عبدی بی میرا بندہ جیسا مجھ سے اعتقاد رکھتا ہے اس کے حق میں میں ایسا ہی ہوتا ہوں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایصال ثواب کے لئے اکٹھے ہو کر ختم قرآن کرنا:

(سوال ۸۹) میت کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی ہوتی ہے یعنی پانچ پچیس آدمی جمع ہو کر ایک ایک پارہ لے کر پورا قرآن ختم کر کے اس کا ثواب میت کو بخشتے ہیں، ایسی بہت سی محفلوں میں سو دو سو آدمی بھی حاضر ہوتے ہیں اور وہ تمام الگ الگ پاروں کی تلاوت کرتے ہیں۔ اس طرح کئی قرآن کا دو چار پانچ مرتبہ دور ہوا، جوں جوں آدمی زیادہ اکٹھے ہوں اور زیادہ قرآن کا دور ہو وہ بہتر سمجھا جاتا ہے، ایسی قرآنی خوانی کی محفل میں ایک ماہ میں تین چار بار تو جانا ضروری ہوتا ہے، جس سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ ایک رواجی قرآنی دور کے سلسلے کے سوائے کچھ بھی نہیں ہے۔ محفل میں خدا پاک کا کلام پڑھنے میں جن آداب کا خیال رکھنا چاہئے وہ ملحوظ نہیں ہوتے، تمام ایک ساتھ پڑھتے ہیں، کون صحیح پڑھتا ہے اور کون غلط پڑھتا ہے وہ بھی معلوم نہیں ہوتا، جن جن آیات پر سجود تلاوت واجب ہیں ان کی بھی ادائیگی بالکل نہیں ہوتی، تو جس قرآن خوانی میں فرض واجب سجود کی ادائیگی نہ ہوتی ہو ایسی قرآن خوانی کا ثواب کامل طور پر ملتا ہے یا ناقص؟ اور جو لوگ اس کا ارتکاب کرتے ہیں وہ گنہگار شمار ہوں گے یا نہیں؟

(الجواب) رسم و رواج کی پابندی اور برادری مروت اور دباؤ بغیر اور کوئی مخصوص تاریخ اور دن معین کئے بغیر اور دعوتی اہتمام اور اجتماعی التزام بغیر میت کے متعلقین، خیر خواہ اور عزیز و اقرباء ایصال ثواب کی غرض سے جمع ہو کر قرآن خوانی کریں تو یہ جائز ہے، ممنوع نہیں ہے (عینی شرح ہدایہ جلد اول ج ۳ ص ۳۰۲ قبیل باب الشہید)۔ البتہ جمع ہو کر زور سے پڑھنے کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہے۔ بعض منع کرتے ہیں اور استدلال کرتے ہیں کہ اکٹھے ہو کر آواز سے پڑھنے میں دوسرے کا سنتے نہیں ہیں، حالانکہ سننا ضروری ہے، قرآن شریف میں ہے واذا قری القران فاستمعوا

---

(۱) واخرج ایضاً عن جابر انہ علیہ الصلاۃ والسلام قال من حج عن ابیہ وامہ فقد قضی عنہ حجتہ وکان لہ فضل عشر حجج شامی باب الحج - عن الغیر ج ۲ ص ۳۰۹۔

لہٗ وانصتوا لعلکم ترحمون (ترجمہ) اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو، شاید کہ تم پر رحم کیا جائے (سورہ اعراف)

اور ایک حدیث بھی پیش کی جاتی ہے۔ "نصاب الاحتساب" میں ہے کہ **ومن قال من المشائخ ان ختم القران جهراً بالجماعة يسمى بالفارسية "سپاره خواندن آشكارا مكروه يتمسك بماروى انه عليه السلام كان يكره رفع الصوت عند قرأة القران** (ترجمہ) جن مشائخ نے مجمع میں با آواز بلند قرآن شریف پڑھنے کو جس کو سپارہ خوانی کہا جاتا ہے، مکروہ کہا ہے وہ دلیل پکڑتے ہیں اس روایت سے کہ آنحضرت ﷺ قرآن شریف زور سے پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے (نصاب الاحتساب قلمی باب ۱۶ ص ۳۷)

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے تو صریح الفاظ میں مجمع میں آواز سے قرآن خوانی کے ناجائز اور حرام ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ "قرآن شریف میں منازعت کے ساتھ سب اپنی اپنی آواز میں پڑھیں اور ایک دوسرے کی نہ سنیں ناجائز و حرام ہے۔" (فتاویٰ افریقیہ ص ۲۹۔ مصنف مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی)

تو بعض علمائے محققین چند شرائط کے ساتھ جائز مانتے ہیں، یہی قول زیادہ راجح اور صحیح ہے اس میں دونوں فریق کے دلائل و روایات کی تطبیق ہو جاتی ہے۔ **اجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الله تعالى جماعة في المساجد وغيرها من غير نكير الاان يشوش جهرهم بالذكر على نائم او مصلى او قارى** (ترجمہ) علمائے متقدمین اور علمائے متاخرین نے مسجدوں وغیرہ میں جمع ہو کر ذکر اللہ (تلاوت قرآن وغیرہ) مستحب ہونے پر بلا اعتراض کے اجماع کیا ہے، اس شرط سے کہ کسی سونے والے یا نمازی یا تلاوت کرنے والے کو زور سے پڑھنے کی وجہ سے تشویش نہ ہو (شرح حموی للأشباه والنظائر ص ۵۲۰) (شامی ج ۱ ص ۴۱۹ مطلب في رفع الصوت بالذكر)

قرآن پڑھا جائے اس وقت خاموش ہو کر سننے کا وجوبی حکم نماز میں پڑھا جائے اس وقت ہے اور بیرون نماز جب کہ تبلیغ کی غرض سے پڑھا جائے اس وقت یہ حکم ہے، مگر یہاں تو ایصال ثواب کے لئے پڑھا جاتا ہے اور دوسرے بھی اس مقصد میں مشترک ہیں لہذا اس کے لئے خاموش رہ کر سننا ضروری نہیں ہے۔

حدیث میں زور سے پڑھنے کی ممانعت کے وجوہ دوسری ہیں، ریاء، ایذاء، حد سے زیادہ زور سے پڑھنا، وغیرہ معمولی طور پر زور سے پڑھنے میں حرج نہیں ہے، جبکہ کسی سونے والے یا نمازی یا تلاوت کرنے والے کو تشویش اور ایذا نہ ہو، یہ تو نفس قرآن خوانی کا حکم ہے، جس کے ساتھ خلاف سنت اہتمام اور دعوتی التزام، برادری رسم و رواج کی پابندی اور بدنامی کا ڈر وغیرہ خرابیاں شامل نہ ہوں، ورنہ رسمی قرآن خوانی ثواب کے بدلہ عذاب کا سبب بن سکتی ہے، جب لوجہ اللہ نہ ہونے کی وجہ سے خود ہی مستحق ثواب نہیں بنتا تو میت کو کیا بخش دے گا؟ مجالس الابرار میں ہے کہ "دنیا داروں کی اتباع یا مطالب پورا کرنے یا طعن کے ڈر سے یا رسم و رواج کی پابندی کی خاطر کوئی کام کیا جائے تو ریاء ہے اور عبادت میں ریا حرام ہے۔" (م ۱۹ ص ۱۴۱ عربی)

شامی میں رواجی قرآن خوانی اور رسمی تقریبات کے متعلق "معراج الدرایہ" کے مصنف فقیہ علامہ قیام

الدین (المتوفی ۹۴۷ھ) کا قول نقل کیا گیا ہے ۔ ھذہ الا فعال کلھا للسمعة والریا فیحترز عنھا لانھم لا یریدون بھا وجہ اللہ تعالیٰ (یعنی) یہ سارے افعال محض دکھاوے اور نام ونمود کے لئے ہوتے ہیں، لہذا ان سے بچنا چاہئے، کیونکہ ایسی رواجی کاموں میں للّٰہیت نہیں ہوتی (شامی ج ۱ ص ۸۴۲ مطلب فی کراھیة الضیافة من اھل المیت)

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی نے ..... قرآن خوانی اور ایصال ثواب کا ایسا طریقہ بتایا ہے جو آسان ہے ۔ اخلاص سے بھرا ہوا ۔ شک وشبہ سے محفوظ ۔ فرماتے ہیں :۔

''جس طریق سے آج کل قرآن شریف پڑھ کر ایصال ثواب کیا جاتا ہے یہ صورت مروجہ تو ٹھیک نہیں ہاں احباب خاص سے کہہ دیا جائے کہ اپنے اپنے مقام پر حسب توفیق پڑھ کر ثواب پہنچادیں ۔ باقی اجتماعی صورت اس میں بھی مناسب نہیں چاہے تین بار قل ہواللہ ہی پڑھ کر بخش دیں جس سے ایک قرآن کا ثواب مل جائے گا ۔ یہ اس سے بھی اچھا ہے کہ اجتماعی صورت میں دس قرآن ختم کئے جائیں اس میں اکثر اہل میت کو جتلانا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں تھوڑے بہت کو نہیں دیکھا جاتا، خلوص اور نیت دیکھی جاتی ہے ۔ چنانچہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میرا ایک صحابی ایک مد کھجور خیرات کرے اور غیر صحابی احد پہاڑ کے برابر سونا، تو وہ اس درجہ کو نہیں پہنچ جاتا ۔ یہ فرق خلوص اور عدم خلوص ہی کا تو ہے کیونکہ جو خلوص ایک صحابی کا ہوگا وہ غیر صحابی کا نہیں ہوسکتا ۔ (انفاس عیسیٰ ج ۱ ص ۲۱۵)

باقی رہا سوال سجدۂ تلاوت کا تو اکیلا پڑھے یا مل کر وہ تو کرنا لازمی ہے، اسی وقت ممکن نہ ہو تو یاد رکھ کر جلد از جلد ادا کرلے، لاپرواہی برتے گا تو گنہگار ہوگا ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

کیا ایصال ثواب کا یہ طریقہ ٹھیک ہے فتاویٰ اوزجندی کے نام سے غلط پروپیگنڈہ اور اس کا جواب :

(سوال ۹۰) آب حیات (ماہنامہ گجراتی) احمد آباد شمارہ نمبر ۲۴ ص ۱۹ پر ''زیارت'' کے عنوان سے لکھا ہے کہ ''ملا علی قاری'' نے ''فتاویٰ اوزجندی'' میں روایت پیش کی ہے کہ حضور ﷺ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کی وفات کے تیسرے روز ایک بدوی چند کھجوریں، جو کی روٹی اور اونٹنی کا دودھ لے کر حاضر خدمت ہوا اور آنحضرت ﷺ کے سامنے ادب سے ان نے وہ چیزیں رکھ دیں ۔ آپ ﷺ نے سورۂ بقرہ کی پہلی پانچ آیتیں (الم سے المفلحون تک) اور تین بار سورۂ اخلاص اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور فاتحہ نیز کھانے کا ثواب اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کی روح کو بخش دیا اور پھر حضرت ابوذر غفاریؓ سے فرمایا کہ یہ چیزیں تمام کو بانٹ دو اور انہوں نے وہ چیزیں بانٹ دیں (ملا علی قاریؒ) کیا مذکورہ روایت صحیح ہے؟؟؟

(الجواب) ''فتاویٰ اورزجندی'' نامی کوئی تصنیف یا تالیف حضرت ملا علی قاریؒ کی نہیں ہے ۔ نیز مذکورہ کتاب کے حوالے سے جو حدیث نقل کی گئی ہے وہ بے اصل، من گھڑت، موضوع اور بناوٹی ہے، افسوس! اہل بدعت سنت اور سنت رسول ﷺ واسوۂ صحابہؓ کے مخالفین دوسرے گمراہ فرقوں کے مانند اپنی پوزیشن مضبوط بنانے، اہل حق کو فتنہ میں ڈالنے اور عوام ناواقفین کے دل ودماغ میں منگھڑت اور رواجی فاتحہ کی اہمیت ٹھسا کر شکم پری کے لئے صادق ومصدوق ﷺ

کی ذات مقدس کی طرف غلط چیزوں کی نسبت کرنے اور غلط احادیث گھڑنے اور اس کا سہارا لینے جیسی ناپاک حرکات سے بھی شرماتے نہیں (انا للہ وانا الیہ راجعون) کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا (بہت بھاری ہے وہ بات جو ان کے منہ سے نکلتی ہے وہ لوگ بالکل جھوٹ ہی بولتے ہیں) (کہف) وتحسبونہ ھیناً وھو عنداللہ عظیم (ترجمہ) تم اسے ہلکی اور معمولی بات سمجھ رہے ہو، حالانکہ خدا کے نزدیک وہ بہت بھاری ہے (سورۂ نور)

آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱ باب من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم) (ترجمہ) جس نے جان بوجھ کر جھوٹ بات کی میری طرف نسبت کی (یعنی جھوٹی حدیث گھڑ کر کہا کہ یہ حدیث آپ ﷺ کی ہے) تو اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

آنحضرت ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی ہے یکون فی اخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا اباء کم ایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونک (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰ باب النھی عن الروایۃ عن الضعفآء ولا حتیاط فی تحملھا) (ترجمہ) اخیر زمانے میں بے حد جھوٹے بازاور دروغ گو لوگ پیدا ہوں گے، وہ تمہارے پاس ایسی احادیث (موضوع) لائیں گے۔ جو نہ تو تم نے اور نہ تمہارے آباواجداد نے سنی ہوں گی، ایسے لوگوں سے بہت بچ کر رہنا اور ان کو اپنے سے دور رکھنا، ایسا نہ ہو کہ تمہیں گمراہ کردیں اور فتنہ میں ڈال دیں۔

جو عبارت اس سوال میں حدیث کے نام سے لکھی گئی ہے اس کی عمر صرف سو سال ہے، وہ ۱۸۵۷ء کے بعد گھڑی گئی ہے (جسے لوگ بغیر تحقیق کے شائع کرتے اور عوام کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں یہ ان کی بڑی غلطی ہے) اس زمانہ میں دہلی کے مفتیٔ اعظم علامہ صدرالدین خاں صاحبؒ وغیرہ علمائے محققین نے روایت مذکورہ کے موضوع ہونے کا فتویٰ دیا تھا اور فرمایا تھا کہ ملا علی قاری کی ''فتاویٰ اوزجندی'' نامی کوئی کتاب نہیں ہے۔ ۱۳۲۸ھ میں کتاب مذکور اور روایت مذکورہ کا معاملہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ (زادھما اللہ شرفاً وتعظیماً) کے علمائے کرام کی خدمت میں پیش ہوا تو حضرت عبداللہ مفتی حنفیؒ اور شیخ محمد عمر مفتی شوافع اور علامہ محمد ابراہیم مفتی مدینہ منورہ اور علامہ نور محمد مفتی طائف وغیرہم نے متفقہ فتویٰ دیا کہ مذکورہ عبارت کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف کرنا سخت گناہ اور آپ پر بہتان عظیم ہے اور ''اوزجندی'' نامی کوئی کتاب حضرت ملا علی قاری کی نہیں ہے۔ خاتم المحققین علامہ عبدالحی لکھنوی فرنگی محلیؒ سے اس روایت اور کتاب کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ کا جواب درج ذیل ہے۔

''نہ کتاب اوزجندی از تصانیف ملا علی قاری است نہ روایت مذکور صحیح ومعتبر است بلکہ موضوع است وباطل، براں اعتماد نہ شاید، در کتب حدیث نشانے ازیں روایت یافتہ نمی شود'' (ترجمہ) نہ تو کتاب اوزجندی ملا علی قاریؒ کی تصانیف میں سے ہے نہ یہ روایت صحیح ومعتبر ہے بلکہ موضوع اور باطل ہے اس پر اعتماد نہ کرنا چاہئے، کتب حدیث میں ایسی روایت کا کوئی نام ونشان نہیں ملتا۔ (مجموعہ فتاویٰ (قدیم) ج ۲ ص ۱۷۵-۱۷۴) اخیر میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیے۔

(سوال) پختن طعام درایام ربیع الاول برائے خدا ورسانیدن ثواب آں بروح پرفتوح حضرت سرور کائنات ﷺ و یا حضرت امام حسین علیہ السلام درایام محرم ودیگر آل اطہار سید مختار صحیح است یانہ؟

(الجواب) انسان درکار خود مختار است می رسد کہ ثواب عمل خود برائے بزرگان باایمان گذراند۔لیکن برائے ایں کار وقت وروز تعیین نمودن وماہے مقرر کردن بدعت است۔آرے اگر وقتے یہ عمل آرند کہ دراں ثواب زیادہ شود مثل ماہ رمضان کہ عمل بندۂ مومن دراں ہفتاد درجہ ثواب زیادہ دارد مضائقہ نیست زیرا کہ پیغمبر خدا ﷺ برآن ترغیب فرمودہ اند بقول حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰؓ ہر چیز کہ برآں ترغیب صاحب شرع وتعیین وقت نہ باشد آں فعل عبث است و مخالف سنت سید الانام ﷺ ومخالفت سنت حرام است پس ہرگز روانباشد واگر دلش خواہد مخفی خیرات کند در ہر روز یکہ باشد تانمود نشود‘‘ (مجموعہ فتاوی عزیزی ج ا ص ۹۹۔۹۸)

(ترجمہ .سوال) ربیع الاول کے ایام میں کھانا پکانا اور اس کا ثواب آنحضرت ﷺ کی روح پرنور کو پہنچانا یا ایام محرم میں حضرت امام حسینؓ اور آپ ﷺ کی دوسری آل اطہار کو ثواب پہنچانا جائز ہے یانہیں؟

(الجواب) انسان اپنے عمل میں مختار ہے اس کو حق حاصل ہے کہ اگر چاہے تو اپنے عمل کا ثواب صاحب ایمان بزرگوں کی ارواح مبارک کو پہنچائے .مگر اس کا (ایصال ثواب) کے لئے کوئی وقت اور دن اور مہینہ مقرر کرنا بدعت ہے ۔البتہ اگر کسی ایسے وقت میں انجام دے کہ جس میں عمل کا ثواب زیادہ ملے مثلاً رمضان کا مبارک مہینہ کہ اس میں بندۂ مومن کے ایک عمل کا ثواب ستر درجہ زیادہ ملتا ہے تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق ترغیب فرمائی ہے جیسا کہ حضرت علیؓ سے مروی ہے اور ہر چیز کہ جس پر صاحب شریعت کی طرف سے ترغیب یا وقت مقرر نہ ہو، بیکار فعل ہے اور مخالف سنت ہے اور سنت کی مخالفت کرنا حرام ہے اس لئے ہرگز جائز نہ ہوگا اور اگر اس کا دل چاہے تو انفرادی طور پر پوشیدہ خیر خیرات کرے جس دن بھی ہوتا کہ ریا نہ ہونے پائے (مجموعہ فتاوی عزیزی ج ا ص ۹۹۔۹۸)

الغرض تیسرا،دسواں ،بارھواں ،بیسواں ، چالیسواں اور بری یہ اسلامی تقریبات نہیں ہیں غیر اقوام کی ہمسائیگی اور تقلید کا نتیجہ ہے۔فقط اللہ اعلم بالصواب۔

دعا لکھ کر میت کے سینہ پر رکھنا:

(سوال ۹۱) احمد آباد سے ماہنامہ ’’آب حیات‘‘ (گجراتی) شائع ہوتا ہے اس کے موجودہ مہینے کے شمارہ میں ایصال ثواب کے متعلق ایک مضمون ادارے کی طرف سے لکھا گیا ہے اور اس میں میت کے لئے ایک خاص دعا کے متعلق حسب ذیل عبارت لکھی ہے:۔

’’کبیری میں لکھا ہے کہ مرنے والے مرد یا عورت کو کفن پہنانے کے وقت ایک پرچہ پر ذیل کی دعا لکھ کر اس کے سینہ پر رکھ کر دفن کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس میت پر اپنی بے حساب رحم وکرم کی بارش کرتے ہیں۔دعا یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ربنا اتمم لنا نور نا واغفرلنا انک علی کل شی قدیر ، اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک واشھدان محمداً عبدہ ورسولہ ، اقم الصلوٰۃ طرفی النھار وزلفا من

اللیل ان الحسنات یذھبن السیئات ذلک ذکری للذاکرین افمن شرح اللہ صدرہ للأسلام فھو علی نور من ربہ فاصبر ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق اللیل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشھوداً فقل حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم۔

اتنا لکھ کر اخیر میں مع بسم اللہ کے پوری سورۂ الم نشرح لکھ کر وہ پرچہ میت کے سینے پر رکھ دیا جائے۔ (کبیری شرح منیہ ص ۶۵۹) (مفتاح الجنان باب ۲۰ فصل ۲)

میت کے لئے یہ طریقہ انجام دینا جائز ہے یا ناجائز؟ تفصیل سے جواب دیں؟ جواب پیغام میں شائع کریں۔

(الجواب) کبیری شرح منیہ میں نہ یہ آیتیں اور دعائیں ہیں نہ اس کی تشریح ہے کہ پرچہ پر لکھ کر میت کے سینہ پر رکھی جائیں صرف یہ ہے کہ ''اگر میت کی پیشانی یا پگڑی یا کفن پر عہد نامہ لکھا جائے تو اس کی مغفرت کی امید ہے اس کے ثبوت کے لئے کوئی حدیث پیش نہیں کہ بلکہ کسی بزرگ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ ''میری پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ دینا'' مرنے کے بعد کسی نے ان بزرگ کو خواب میں دیکھا۔ حال پوچھا تو ان بزرگ نے فرمایا کہ ''عذاب کے فرشتوں نے میری پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ لکھی ہوئی دیکھی تو کہا کہ تو عذاب سے مامون ہے'' (کبیری شرح منیہ)

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ بغیر روشنائی کی یونہی انگلی کے اشارے سے کفن وغیرہ پر عہد نامہ وغیرہ دعائیں لکھی جائیں تو یہ جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں، ''فتاویٰ شامی'' میں ہے کہ بعض فقہاء نے ہدایت کی ہے کہ جب میت کو غسل دیا جا چکے تو کفن میں لپیٹنے سے پہلے روشنائی کے بغیر محض شہادت کی انگلی سے میت کی پیشانی پر بسم اللہ اور سینہ پر کلمہ طیبہ لکھ دیا جائے ان مما یکتب علی جبھۃ المیت بغیر مداد بالأصبع المسبحۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وعلی الصدر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ وذلک بعد الغسل قبل التکفین (شامی ج ۱ ص ۸۴۸ مطلب فیما یکتب علی کفن المیت)

اور ''درھم الکیس'' میں ہے کہ ''بنویسند بر پیشانی میت بغیر مداد بانگشت'' (میت کی پیشانی پر بغیر روشنائی کے انگلی سے لکھ دیں)

اور اگر کبیری کی عبارت کا یہ مطلب لیا جائے کہ روشنائی وغیرہ سے لکھا جائے تو یہ قول معتبر اور صحیح نہیں ہے، علامہ شامی وغیرہ محققین فقہاء اس کے سخت مخالف ہیں۔

شامی میں ہے وقد افتی ابن الصلاح بانہ لا یجوز ان یکتب علی الکفن یٰس والکھف ونحوھما خوفاً من صدید المیت ...... وقدمنا قبیل باب المیاہ عن الفتح انہ تکرہ کتابۃ القرآن واسماء اللہ تعالیٰ علی الدراھم والمحاریب والجدران وما یفرش وما ذاک الا لاحترامہ وخشیۃ وطئہ ونحوہ مما فیہ اھانۃ فالمنع ھنا بالأولیٰ مالم یثبت عن المجتھد او ینقل فیہ حدیث ثابت (ج ۱ ص ۸۴۷ مطلب فیما یکتب علی کفن المیت)

(ترجمہ) امام ابن صلاح نے فتویٰ دیا ہے کہ سورۂ یٰس اور سورۂ کہف وغیرہ متبرک کلمات کفن پر لکھنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ جان بوجھ کر واجب الاحترام کلمات کفن پر لکھنا مردہ کے خون وغیرہ میں آلودہ کرنا ہے ... اور پہلے ہم فتح القدیر کے حوالہ سے لکھ آئے ہیں کہ قرآنی آیات اور اسمائے الٰہی دراہم، محراب، دیواروں اور فرش وغیرہ پر لکھنا ممنوع ہے اس ممانعت کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کلمات وآیات کا احترام ضروری ہے اور یہاں بے ادبی کا خطرہ ہے جو حرام ہے جب دیوار اور محراب پر لکھنا بھی ممنوع ہے تو (کفن یا جسم میت پر لکھنا) تو ضرور ممنوع ہوگا یہاں خطرہ اور زیادہ ہے اور جب تک کسی مجتہد کا فتویٰ نہ ہو یا اس بارے میں کوئی صحیح حدیث نہ ہو اس کو ممنوع کہا جائے گا۔ (شامی ج ۱ ص ۸۴۷)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ قبر میں شجرہ رکھنے کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

''شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگان است لیکن ایں را دو طریق است اول اینکہ بر سینۂ مردہ درون کفن یا بالائے کفن گزارند، این طریق را فقہاء منع می گویند کہ از بدن مردہ خون وریم سیلانہ می کند وموجب سوء ادب باسمائے بزرگان می شود'' (ترجمہ) قبر میں شجرہ رکھنا (بعض) بزرگان کا معمول ہے مگر اس کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ کہ مردہ کے سینے پر کفن کے اندر یا باہر رکھے، اس طریقہ سے فقہاء نے روکا ہے اور کہا ہے کہ مردہ کے جسم میں سے خون اور پیپ جاری ہوگا اور بزرگوں کے ناموں کی بے حرمتی ہوگی (فیض عام)

اور ''فوائد الفوائد'' میں ہے'' قرآن ودعا بر تربت انمی باید نوشت وبر جامۂ کفن نیز''

(ترجمہ) قرآن اور دعا قبروں پر نہ لکھنی چاہئے اور کفن پر بھی۔

اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ ''فرقۂ رضا خانی'' کی مشہور معروف کتاب ''بہار شریعت'' میں مذکور بیان کے اخیر میں فیصلہ کے طور پر ممانعت کے حکم کی تائید کی ہے کہ'' مگر نہلانے کے بعد کفن پہنانے سے پہلے کلمہ کی انگلی سے لکھے۔ روشنائی سے نہ لکھے۔'' بہار شریعت ج ۴ ص ۱۶۴)

الحاصل عہد نامہ وغیرہ دعاء میت کے جسم یا کفن پر روشنائی وغیرہ سے لکھنا تحریر کی بے ادبی اور بے حرمتی کی وجہ سے ممنوع ہے، ہاں! حصول برکت کے لئے عہد نامہ وغیرہ کوئی دعاء کفن بسم اللہ پیشانی پر اور کلمۂ طیبہ سینہ پر بغیر روشنائی کے محض کلمہ کی انگلی کے اشارے سے اس طرح لکھے کہ حروف کے نشان نہ پڑیں تو جائز ہے، ممنوع نہیں ہے، مگر اس کو ضروری اور مسنون نہ سمجھ لیا جائے نیز یہ عقیدہ بھی نہ ہو کہ اس سے یقینی مغفرت ہو جاتی ہے، اس لئے کہ مغفرت کے طریقے سماعی ہیں قیاسی نہیں۔ لہذا حدیث صحیح وغیرہ مضبوط دلیل کے بغیر محض قیاس وخواب کے اعتماد پر عقیدہ یا شرعی حکم نہیں بن سکتا، ہاں! نزول رحمت اور حصول مغفرت کی امید رکھنا اچھا ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حجاج کے مسافر خانہ میں ایصال ثواب کے لئے چندہ دینا:

(سوال ۹۲) بیت الحجاج (یعنی حجاج کرام کا مسافر خانہ) جو بمبئی میں تعمیر ہونے والا ہے اس میں مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے چندہ دیں تو ثواب پہنچے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بیت الحجاج کا تعاون کرنا بڑے ثواب کا کام ہے، کسی مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے بھی اس میں رقم

دے سکتے ہیں، مرحوم کو ثواب پہنچے گا، لیکن زکوٰۃ وصدقات واجبہ دینا درست نہیں، البتہ صدقات نافلہ دے سکتے ہیں. لا یصرف الی بناء نحو مسجد (قولہ نحو مسجد) کبناء القنا طیر و السقایات و اصلاح الطرقات وکری الا نہار والحج والجھاد وکل مالا تملیک فیہ. زیلعی (شامی ج۲ ص ۸۵ کتاب الزکوٰۃ باب المصرف)فقط واللہ اعلم بالصواب .

سوگ کی مدت، ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی:

(سوال ۹۳) ورثائے میت کے لئے رنج وغم کی کتنی مدت ہے؟ اس عرصہ میں کلمہ طیبہ اور قرآن خوانی کا معمول (کسی بھی قسم کی رسم سے بچتے ہوئے اور ضروری یا مسنون سمجھے بغیر) کرنے میں کوئی قباحت یا بدعت کا لزوم تو نہیں ؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ورثائے میت کی تین روز تک تعزیت جائز ہے اور عورت اپنے کسی عزیز وقریب کی موت پر سوگ کر سکتی ہے یعنی زینت وغیرہ ترک کردے اور شوہر کے انتقال پر چار ماہ دس روز تک سوگ کر سکتی ہے، شامی میں ہے کہ:

کسی رشتہ دار کی موت پر تین روز تک سوگ منانا مباح ہے اس کا ثبوت صحیح حدیث سے ہے، رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے خدا اور آخرت پر ایمان رکھنے والی عورت کے لئے حلال نہیں کہ تین دن سے زیادہ سوگ کرے البتہ شوہر کی وفات پر چار ماہ دس روز تک سوگ منائے۔

ویباح الحداد علی قرابة ثلاثة ایام فقط قال الشامی ای للحدیث الصحیح لا یحل لامرأة تؤمن باللہ والیوم الاخران تحد فوق ثلاث الا علی زوجھا فانھا تحد اربعة اشھر وعشرا (شامی ج۲ ص ۸۵۱ فصل فی الحداد)

عالمگیری میں ہے، مصیبت کے وقت تین روز تک گھر میں بیٹھے رہنا جائز ہے اور اسے ترک کرنا احسن ہے لیکن نوحہ کرنا ناجائز ہے۔

وفی خزانة الفتاویٰ والجلوس للمصیبة ثلاثة ایام رخصة وترکہ احسن کذافی معراج الدرایہ واما النوح العالی فلا یجوز (ج ۱ ص ۱۶۷ جنائز ومما یتصل بذلک مسائل التعزیة)

اہل خانہ اور احباب و متعلقین اعزہ واقارب وغیرہ جمع ہو کر مسنون سمجھے بغیر اور بلا پابندی رسوم کلمہ طیبہ کا ختم اور قرآن خوانی بغرض ایصال ثواب کریں تو اس کی گنجائش ہے مگر قبرستان وغیرہ میں اس اجتماع کے لئے اعلان قابل ترک ہے، اور اگر رسوم کی پابندی مقصود ہے بایں طور کہ دعوت دے کر لوگوں کو بلایا جاوے اور ایسا نہ کرنے والے پر زبان درازی کی جائے اور اسے برا بھلا کہا جاوے تو یہ جائز نہیں ہے۔

شامی اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ میت کے لئے پہلے روز یا تیسرے روز یا ہفتہ کے بعد کھانا پکانا مکروہ ہے اور موسم (غمی کے مخصوص ایام) میں کھانا اٹھا کر قبروں پر لے جانا بھی مکروہ ہے اور برائے ایصال ثواب قرآن خوانی یا سورۂ انعام یا سورۂ اخلاص پڑھنے کے لئے صالحین اور قراء کا اجتماع بھی مکروہ ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن خوانی کرنا اور اس وقت کھانے کا اہتمام مکروہ ہے اور اسی فتاویٰ بزازیہ کی کتاب

الاستحسان میں ہے کہ صرف غرباء اور فقراء کے لئے کھانا پکانا بہتر ہے، ''معراج الدرایہ'' میں اس پر تفصیلی بحث ہے، اور اس میں یہ بھی ہے کہ یہ سب امور شہرت و ناموری اور ریا کاری کے لئے ہیں پس ان سے اجتناب ہی چاہئے کیوں کہ خدا تعالیٰ کی رضا مندی مقصود نہیں ہوتی۔

وفی البزازیہ ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الا سبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ لقراءۃ القرآن و جمع الصلحاء والقراء للختم اولقراءۃ سورۃ الانعام اوالاخلاص والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قرائۃ القرآن لا جل الا کل یکرہ وفیھا من کتاب الا ستحسان وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسناً اھ واطال فی ذلک فی المعراج وقال وھذہ الا فعال کلھا للسمعۃ والریاء فیحترز عنھا لانھم لا یرون بھا وجہ اللہ اھ (شامی ج ۱ ص ۸۴۲ مطلب فی کراھۃ الضیافۃ من اھل المیت)(فتاویٰ بزازیہ علی ھامش الھندیۃ ۸۱/۴)(طحطاوی ص ۳۳۹)(بریقۃ محمودیۃ، ۳۲۲/۴)(مائۃ مسائل ص ۳۵و ص ۳۶)(الجنۃ لا ھل السنۃ ص ۱۷۳)

مجموعہ فتاویٰ میں مولانا عبدالحیٔ لکھنوی قدس سرہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا فتویٰ نقل فرماتے ہیں۔

(سوال)روز سوم یا پنجم مردم بطلب یا بلا طلب جمع می شوند و چند ختم کلام مجید می خوانند بعضی آہستہ و بعضی با آواز بلند و در پیالہ خوشبو گل می اندازند و دیگر خصوصیات و رسوم بعمل می آرند چہ حکم دارد؟

(الجواب) مقرر کردن روز سوم وغیرہ بالتخصیص واورا ضروری انگاشتن در شریعت محمدیہ ﷺ ثابت نیست صاحب نصاب الاحتساب آنرا مکروہ نوشتہ رسم وراہ تخصیص بگذارند و ہر روز یکہ خواہند ثواب بروح میت رسانند۔

یعنی تیسرے روز یا دیگر ایام کی تخصیص و تعیین اور اسے ضروری اور لابدی سمجھنے کا ثبوت شریعت محمدیہ میں نہیں ہے، صاحب نصاب الاحتساب نے اسے مکروہ کہا ہے، رسم کے طور پر مخصوص ایام کی تعیین کو ترک کردے اور دوسرے کسی دن میں ایصال ثواب کرے (مجموعۂ فتاویٰ ۶۸/۳)

خلاصہ یہ ہے کہ رسوم کی پابندی جیسے ناموری وریا کاری، برادری کا دباؤ مخصوص تاریخ یا دن کی تعیین اور لوگوں کو دعوت دے کر اجتماع کا اہتمام والتزام نہ ہو تو میت کے اعزہ واقارب اور احباب و متعلقین بغرض ایصال ثواب قرآن خوانی کریں تو گنجائش ہے منع نہیں (عینی شرح ہدایہ ۳۰۶/۳) قبیل باب الشہید) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رشتہ دار کے انتقال پر قرآن خوانی اور کاروبار بند رکھنا:

(سوال ۹۴) ہمارے یہاں قدیم سے یہ سلسلہ جاری ہے کہ کسی کے انتقال پر اس کے قریبی اعزہ تین روز تک کاروبار بند رکھتے ہیں اور اس عرصہ میں برائے ایصال ثواب کلمہ طیبہ کا ختم اور قرآن خوانی کرتے ہیں آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) دنوں اور تاریخ کی تعیین اور رسوم کی پابندی کے بغیر قرآن خوانی کر کے ایصال ثواب کرے تو گنجائش ہے، کسی کے انتقال پر اس کے قریبی اعزہ کا تین دن تک کاروبار بند رکھنا تو جائز ہے لیکن اسے ضروری نہ سمجھا جائے اور بند

نہ رکھنے والے پر طعن وتشنیع نہ کی جاوے۔ حوالہ بالا فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تدفین سے قبل قرآن وغیرہ پڑھ کر مرحوم کے لئے ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۹۵) ایک شخص کے انتقال کی خبر آئی ان کے اعزہ وغیرہ مرحوم کے عزیز کے یہاں تعزیت کے لئے حاضر ہوئے اس موقعہ پر حاضرین باتوں میں مشغول تھے، ایک شخص نے کہا بہتر یہ ہے کہ ہم قرآن پڑھ کر مرحوم کو ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کریں، چنانچہ اسی طرح کیا گیا ایک مولوی صاحب تشریف لائے انہوں نے کہا کہ تدفین سے قبل قرآن پڑھ کر ایصال ثواب نہیں کیا جا سکتا۔ تدفین کے بعد قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کر سکتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ تدفین سے قبل پڑھ کر مرحوم کے لئے ایصال ثواب کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) میت کو غسل دینے سے قبل اس کے پاس قرآن پاک کی تلاوت مکروہ اور منع ہے البتہ تسبیح پڑھی جا سکتی ہے، نور الایضاح میں ہے ویکرہ قراءۃ القرآن عندہ حتی یغسل ۔ یعنی جب تک غسل نہ دیا جائے اس کے پاس تلاوت کلام پاک مکروہ ہے۔ (نور الایضاح ص ۱۳۳ باب احکام الجنائز) (در مختار مع شامی ص ۸۰۰ ج ا مطلب الحاصل فی القراۃ عند المیت)

کیونکہ میت ضروری حاجت مثلاً پیشاب پاخانہ کی ناپاکی سے شاید ہی بچ سکتا ہے اس لئے غسل سے قبل اس کے پاس قرآن کریم نہ پڑھے۔ دوسرے کمرہ میں اور دور بیٹھ کر تلاوت کرنا جائز ہے، شامی میں ہے۔ وذکر ان محل الکراھة اذا کان قریباًمنه اما اذا بعد عنه بالقراءۃ فلا کراھة اھ (شامی ج ا ص ۸۰۰ باب احکام الجنائز (فتاویٰ رحیمیہ ص ۹۱، ص ۹۲ ج ۷، جدید ترتیب کے مطابق صفحہ ۶۲ ج ۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔ مصحح

لہذا صورت مسئولہ میں جب کہ مرحوم کے اعزاء وغیرہ دوسرے مقام پر تدفین سے قبل مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں اور یہ اجتماع تعزیت کی نیت سے اتفاقی ہو گیا ہے تداعی کے ساتھ قرآن خوانی کے لئے لوگوں کو جمع نہیں کیا گیا ہے تو بلا تکلف قرآن مجید پڑھ کر ایصال ثواب کر سکتے ہیں، مولوی صاحب کو غالباً اشتباہ ہو گیا ہے، انہوں نے جو بات کہی ہے وہ اس صورت میں ہے جبکہ میت موجود ہو اور اسے غسل نہ دیا ہو اور اس کے پاس بیٹھ کر جہراً قرآن پاک کی تلاوت کی جائے تو فقہاء نے اس کو مکروہ لکھا ہے اس سے دور ہو کر یا دوسرے کمرہ میں تلاوت کو مکروہ نہیں فرمایا، لہذا جب غسل اور تدفین سے پہلے دوسرے کمرہ میں تلاوت کر سکتے ہیں تو دوسرے مقام پر کیوں نہیں کر سکتے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باب متفرقات جنائز

میت سے سوال کس زبان میں ہوگا

(سوال ۹۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قبر میں میت سے سوال کس زبان میں ہوتا ہے؟ عربی میں یا میت کی اپنی زبان میں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بعون اللہ! بعض کا قول ہے کہ سریانی زبان میں سوال ہوتا ہے۔ لیکن علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ ظاہر حدیث یہ ہے کہ سوال عربی میں ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہر ایک سے اس کی زبان میں خطاب ہو! چنانچہ کتاب " شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور " میں ہے۔ وقع فی فتاوی شیخنا شیخ الا سلام علم الدین البلقینی ان المیت یجیب السوال فی القبر بالسریانیة ولم اقف لذلک علی مستند وسئل الحافظ ابن حجر عن ذلک فقال ظاهر الحدیث انه با لعربی قال یحتمل مع ذلک ان یکون خطاب کل احد بلسانه (ص ۵۷) فقط واللہ اعلم بالصواب .

نماز جنازہ کے بعد فاتحہ خوانی کا کیا حکم ہے

(سوال ۹۷) بعض جگہوں پر نماز جنازہ کے بعد متصلاً سورۂ فاتحہ (الحمد شریف) اور تین یا گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص (قل ھو اللہ) پڑھ کر میت کے لئے دعا کی جاتی ہے۔ اس طرح دعا مانگنے کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

بعضوں کا کہنا ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے بعض علماء مذکورہ طریقہ سے دعا مانگنے کی مخالفت کرتے ہیں، اس سے پہلے کسی نے بھی اس کی ممانعت نہیں کی۔ کیا یہ کہنا حق بجانب ہے؟

(الجواب) جنازہ کی نماز میت کے لئے دعاء ہی ہے۔ پہلی تکبیر کے بعد ثنا پڑھی جاتی ہے دوسری تکبیر کے بعد درود شریف، تیسری تکبیر کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے اس میں وفات پانے والوں کے لئے مغفرت کی اور زندہ لوگوں کے لئے سلامتی ایمان کی دعاء ہوتی ہے اس کے الفاظ آنحضرت ﷺ کے تعلیم فرمودہ ہیں۔ باقی یہ صورت یعنی نماز جنازہ کے بعد جنازہ کو روک کر سب کے دعا مانگنے کا التزام آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام سے ثابت نہیں ہے لہذا مذکورہ طریقہ کو چھوڑ دینا ضروری ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے من عمل عملاً لیس علیه امر نا فھو رد (یعنی) جو کوئی ایسا کام کرے جس کے لئے ہمارا حکم نہ ہو (ہمارا دستور نہ ہو) تو وہ مردود ہے" (مسلم شریف ج ۲ ص ۷۷ باب نقض احکام الباطلة ورد محدثات الامور) اور حضرت حذیفہ کا فرمان ہے کہ کل عبادة لم یتعبد ھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فلا تعبدو ھا (الاعتصام ج ۲ ص ۳۱۰) (یعنی) ہر ایسی عبادت جس کو رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ نے نہیں کی تم بھی مت کرنا۔

اور حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ "جس نے اسلام میں کوئی نئی بات نکالی (زیادتی کی) اور اس کو اچھا سمجھا تو اس نے محمد ﷺ کو خدائی احکام کی تبلیغ میں خیانت اور کمی کرنے والا ٹھیرایا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں الیوم اکملت لکم دینکم (آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا) تو جو کام حضور اکرم ﷺ کے مبارک

زمانہ میں دین میں شامل نہ تھا وہ آج دین میں داخل نہیں ہوسکتا۔ (الاعتصام ج ۱ص ۴۸)

باقی یہ کہ اس سے پہلے کسی نے بھی ممانعت نہیں کی یہ صرف ناواقفیت ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ اس صدی سے نہیں بلکہ تقریباً گیارہ سو برس سے فقہاء کرام نماز جنازہ کے بعد کی دعاء کو خلاف سنت اور ممنوع ومکروہ قرار دیتے رہے ہیں اور اس کے ناجائز ہونے کا فتوے دیتے آئے ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔

(۱) تیسری صدی ہجری کے فقیہ امام ابوبکر بن حامدؒ معاصر ابوحفص الکبیر المتوفی ۲۶۴ھ (کذا فی فوائد البہیہ ص ۵۲) فرماتے ہیں ان الدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ مکروہ (۷ جنوری ج ۱ص ۱۸۰) یعنی بے شک نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے۔

(۲) اور پانچویں صدی ہجری کے فقیہ شمس الائمہ حلوائی المتوفی ۴۵۴ھ اور۔

(۳) بخاری کے مفتی، قاضی شیخ الاسلام علامہ سغدیؒ المتوفی ۴۶۱ھ فرماتے ہیں **لا یقوم الرجل بالدعاء بعد صلوٰة الجنازة** (قنية ج ۱ ص ۵۶) یعنی نماز جنازہ کے بعد کوئی شخص دعاء کے لئے نہ کھڑا ہو یعنی دعا کے لئے نہ ٹھہرے۔

(۴) اور چھٹی صدی ہجری کے فقیہ امام طاہر بن احمد بخاری سرخسیؒ المتوفی ۵۴۲ھ فرماتے ہیں **لا یقوم بالدعاء فی قراءة القران لأجل المیت بعد صلوٰة الجنازه وقبلها**.(خلاصة الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۲۵ الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز) (ترجمہ) نماز جنازہ کے بعد اور اس سے پہلے میت کے لئے قرآن پڑھ کر دعاء کے لئے نہ کھڑا رہے۔

(۵) اور مذکورہ صدی کے دوسرے فقیہ علامہ سراج الدین اوشیؒ (صاحب فتاویٰ سراجیہ سال تصنیف ۵۶۹ھ) فرماتے ہیں:۔ **اذا فرغ من الصلوٰة لا یقوم داعیاً له** (فتاویٰ سراجیه مع قاضی خان ج ۱ ص ۱۴۱) (ترجمہ) "جب نماز جنازہ سے فارغ ہو جائے تو دعا کرتے ہوئے کھڑا نہ رہے۔

(۶) اور ساتویں صدی ہجری کے فقیہ مختار بن محمد زاہدی المتوفی ۶۵۸ھ کی بھی یہی رائے ہے (فتاویٰ قنیہ ج ۱ ص ۵۶)

(۷) اور آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم ابن الحاجؒ المتوفی ۷۳۷ھ فرماتے ہیں کہ یہ رواج قابل ترک ہے (کتاب المدخل ج ۳ص ۲۲)

(۸) نویں صدی ہجری کے فقیہ علامہ شیخ حافظ الدین محمد بن شہاب کردریؒ المتوفی ۸۲۷ھ فرماتے ہیں **لا یقوم بالدعاء بعد صلوٰة الجنازه لانه دعا مرة لان اکثرها دعاء** (فتاویٰ بزازیه مع هندیه ج ۱ ص ۸۰ ـ جنائز نوع آخر ذهب الی المصلی قبل الجنازة وینتظر ها) نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ ٹھہرے کیونکہ وہ ایک مرتبہ دعا کر چکا ہے۔ کیونکہ نماز جنازہ کا بڑا حصہ دعا ہی ہے۔

(۹) اور دسویں صدی ہجری کے فقیہ علامہ علی برجندیؒ (صاحب برجندی سال تصنیف ۹۳۲ھ) بھی ممنوع ہونے کے قائل ہیں (فتاویٰ برجندی ج ۱ص ۱۸۰)

(۱۰) نیز دسویں صدی کے دوسرے فقیہ شمس الدین محمد خراسانی قہستانیؒ المتوفی ۹۶۲ھ فرماتے ہیں کہ **ولا**

یقوم داعیا له (فتاوی جامع الرموز ج ۱ ص ۱۷۴) (دعا کرنے کے لئے نہ ٹھہرے)

(۱۱) اور دسویں صدی ہجری کے فقیہ علامہ ابن نجیم مصریؒ المتوفی ۹۶۹ھ فرماتے ہیں۔ لا یدعو بعد التسلیم (بحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۳ کتاب الجنائز تحت قوله وهی اربع تکبیرات) یعنی سلام کے بعد دعا نہ کرے۔

(۱۲) دسویں صدی کے چوتھی فقیہ مفتی نصیر الدینؒ (صاحب فتاوی برہنہ سال تصنیف ۹۹۷) فرماتے ہیں "وبعدہ ایستادہ نماند برائے دعا" (فتاوی برهنه ص ۳۶)

(۱۳) اور گیارھویں صدی ہجری کے مجدد علامہ علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ فرماتے ہیں و لا یدعو للمیت بعد صلوٰة الجنازة لانه یشبه الزیادة فی صلوٰة الجنازة (مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح ج ۲ ص ۳۱۹ باب المشی بالجنازة و الصلوٰة علیها) ترجمہ: نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا نہ کرے کیونکہ اس سے نماز جنازہ میں زیادتی کرنے کا شبہ ہوتا ہے۔

(۱۴) اور مجموعہ خانی میں ہے" دعا نخوانند وفتویٰ بریں قول است" (قلمی ص ۳۴۹) یعنی بعد نماز جنازہ دعا نہ کرے اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔

(۱۵) اور تیرھویں صدی ہجری کے فقیہ قاضی مفتی محمد سعد اللہؒ المتوفی ۱۲۹۴ھ فرماتے ہیں" خالی از کراہت نیست زیرا کہ اکثر فقہاء بوجہ زیادہ بودن برامر مسنون منع می کنند" (فتاویٰ سعدیہ ص ۱۳۰) یعنی نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا کراہت سے خالی نہیں ہے اس لئے کہ اکثر فقہاء امر مسنون پر زیادتی لازم آنے کی وجہ سے منع فرماتے ہیں۔

(۱۶) اور فقیہ مولانا قطب الدین (صاحب مظاہر حق سال تصنیف ۱۲۵۳ھ) فرماتے ہیں۔ اور دعا نہ کرے میت کے لئے بعد نماز جنازے کے اس لئے کہ یہ مشابہ ہوتا ہے ساتھ زیادتی کے نماز جنازہ میں" (مظاہر حق ج ۲ ص ۷۵ باب المشی بالجنازة والصلوة علیها)

(۱۷) اور فقیہ علامہ عبدالحی لکھنویؒ المتوفی ۱۳۰۴ھ بھی مکروہ ہونے کے قائل ہیں دیکھئے (نفع المفتی ص ۱۴۳ سال تصنیف ۱۲۸۷ھ)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے علماء کرام پر جو الزام لگایا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے، بلکہ مذکورہ رواج کی مخالفت گیارہ سو سال سے ہوتی چلی آئی ہے۔

صحیح اور معتمد طریقہ سے ثابت ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد جتنی دیر اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کرنے میں لگتی ہے اتنی دیر تک قبر کے پاس تلاوت قرآن اور استغفار میں مشغول رہیں یہ مستحب ہے اس سے میت کو انس اور فائدہ ہوتا ہے، اس صحیح اور ثابت شدہ طریقہ کو چھوڑ کر دعائے مغفرت کا قیمتی وقت دنیاوی باتوں میں صرف کر دیا جاتا ہے اور برائے نام دعا کر کے رخصت ہو جاتے ہیں یا خلاف سنت طریقہ میں اپنا قیمتی وقت ضائع کر دیتے ہیں، حق تعالیٰ تمام بھائیوں کو سنت طریقہ پر عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد و اله و اصحابه و اهل بیته اجمعین فقط. واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

جنازہ اٹھانے سے پہلے فاتحہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۹۸) ہمارے یہاں ایسا دستور ہے کہ میت کے گھر پر لوگ جمع ہوتے ہیں، جنازہ اٹھانے سے پہلے امام صاحب کھڑے ہوکر ''الفاتحہ'' کہہ کر جمع شدہ لوگوں سے فاتحہ پڑھواتے ہیں اور پھر آواز بلند دعا مانگتے ہیں۔ کیا یہ دستور مطابق سنت ہے۔

(الجواب) ہر ایک کو ذاتی طور پر دعا کرنے کی اجازت ہے، سب کے جمع ہوکر دعا مانگنے کا دستور آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نیز سلف صالحین کے عمل اور طریقہ کے خلاف ہے۔ لہذا سوال میں جو طریقہ ذکر کیا گیا ہے وہ مکروہ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کرہ ان یقوم رجل بعد ما اجتمع القوم للصلوٰة ویدعوا للمیت ویرفع صوته (ج۵ ص ۳۱۹ کتاب الکراهیة الباب الرابع فی الصلاة والتسبیح وقرأة القران والدعاء الخ) (ترجمہ) نماز جنازہ کے لئے لوگ جمع ہوں اس وقت ایک آدمی (فاتحہ خواں) کھڑا ہوکر میت کے لئے بآواز بلند دعا کرے یہ مکروہ ہے'' فقط واللہ اعلم بالصواب۔

میت کو منتقل کرنا اور اس کے مصارف:

(سوال ۹۹) ایک شخص کا باہر انتقال ہوگیا اپنے پیچھے اہلیہ ایک بالغ لڑکا لڑکی اور دوسرے نابالغ لڑکے لڑکی چھوڑے ہیں۔ مرحوم کی تکفین وتدفین باہر ہی سہولت سے ہوسکتی ہے مگر دوسرے اعزہ اور ورثاء کی خواہش یہ رہی کہ مرحوم کو یہاں دفن کیا جائے اس لئے میت کے بھائی مرحوم کو بذریعہ بس یہاں لائے۔ کرایہ کے ڈیڑھ سو روپے ادا کئے تو اب سوال یہ ہے کہ کیا اس کو اخراجات تکفین وتدفین میں شمار کرکے نابالغ کے مال میں سے لیا جاسکتا ہے۔ یا پھر لانے والے بھائیوں کو ادا کرنا چاہئے۔

(الجواب) میت کو دو میل سے زیادہ بلا ضرورت منتقل کرنے کو فقہاء کرام نے ممنوع اور مکروہ لکھا ہے۔ نور الایضاح وغیرہ میں ہے۔ فان نقل قبل الدفن قدر میل او میلین لا باس به وکره نقله لا کثر منه (ص ۱۴۱ فصل فی حملها ودفنها) لہذا دور دراز سے میت لانے کے مصارف دفن کے اخراجات میں سے محسوب نہ ہوں گے اور ترکہ سے نہیں لئے جائیں گے اگر ورثاء بالغین کی رضامندی سے کام ہوا ہو یا اب راضی ہوں تو ان کے حصہ سے اخراجات ادا کئے جائیں۔ چھوٹے ورثاء کے حصہ سے نہیں لئے جاسکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبر پر اذان پڑھنا:

(سوال ۱۰۰) تدفین کے بعد قبر پر اذان پڑھنا کیسا ہے؟ بدعتی علماء کے فتویٰ سے ہمارے ہاں کے بدعتی حضرات نے یہ نیا رواج جاری کیا ہے امید ہے کہ آپ تفصیل جواب دیں گے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اذان سے میت شیطانی شرارت سے محفوظ رہتی ہے۔

(الجواب) حضور اقدس ﷺ نے میت کی مغفرت اور عذاب قبر اور شیطانی شرارت سے حفاظت کے لئے نماز جنازہ ... میت کو قبر میں رکھتے وقت بسم الله علی ملة رسول الله پڑھنے کی اور مٹی ڈالتے وقت تین مٹھی مٹی ڈالنے کی اور

پہلی بار منها خلقنكم دوسری بار وفيها نعيدكم تیسری بار ومنها نخرجكم تارة اخرى پڑھنے کی ہمیں ہدایت فرمائی ہے اور دفنانے کے بعد سرہانے پر سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں اور پائنتی کی طرف سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں پڑھ کر دیر تک قرآن شریف وغیرہ پڑھنے اور بارگاہ خداوندی میں نہایت عجز وانکساری کے ساتھ میت کے لئے دعائے مغفرت کرنے کا بھی ثبوت ملتا ہے (مشکوٰۃ ص ۱۴۹ باب الدفن) کتاب الاذکار امام نووی ص ۱۱۱) اگر اس وقت اذان کی ضرورت ہوتی تو آنحضرت ﷺ ضرور حکم فرماتے اور جاں نثار صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ضرور عمل پیرا ہوتے۔ آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین صدیق اکبرؓ فاروق اعظمؓ عثمان ذی النورینؓ علی مرتضیٰؓ (رضی اللہ عنہم) کے نورانی دور میں ہزارہا صحابہ وتابعین وفات پاگئے مگر کسی کی قبر پر اذان نہیں دی گئی، صحابۂ کرامؓ کے بعد بزرگان تابعین وتبع تابعین ائمہ مجتہدین امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے بعد بزرگان امام بخاریؒ، امام مسلمؒ امام ترمذیؒ اور امام ابوداؤد وغیرہ کسی نے بھی اس پر عمل نہیں کیا مسنون طریقہ یہ عمل کرنے میں ہماری نجات ہے اور اس کی خلاف ورزی گمراہی کا باعث ہے۔ آنحضرت ﷺ نے امت کے تہتر فرقے بیان فرما کر ارشاد فرمایا کہ ان میں ایک ہی فرقہ نجات پانے والا ہے۔ صحابہ کرام نے پوچھا "من هي يا رسول الله" آپ نے ارشاد فرمایا ما انا عليه و اصحابي . جس طریقہ پر میں اور میرے اصحاب عمل پیرا ہیں (مشکوٰۃ ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ) دیکھئے آپ ﷺ نے اصلاح امت اور اس کی ہدایت کے لئے راہ عمل متعین فرمادی کہ میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر عمل پیرا ہونے پر نجات موقوف ہے۔"

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے نہایت عجیب وغریب اور بہت ہی موثر انداز میں کچھ کلمات ارشاد فرمائے جن سے حاضرین کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور دل لرز اٹھے ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ ارشادات تو ایسے ہیں جیسے رخصت کرتے وقت کوئی ضروری نصیحتیں کیا کرتا ہے، ہمیں کچھ اور نصیحتیں بھی فرمادیجئے۔ آپ نے کچھ اور نصیحتیں ارشاد فرمائیں ان میں اہم ترین نصیحت یہ تھیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا تو ایسی حالت میں تم پر لازم اور ضروری ہے کہ اس طریقہ پر مضبوطی سے جمے رہو جو میرا اور میرے بعد ان خلفاء راشدین کا طریقہ ہے جو من جانب اللہ ہدایت یافتہ ہیں (ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم) اس طریقہ کو مضبوطی سے سنبھال لو اور دانتوں اور کونچلیوں سے پکڑلو، اور جو نئی باتیں ایجاد ہوں ان سے پوری طرح پرہیز کرو کیونکہ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے" (مشکوٰۃ شریف) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے اتبعوا اثرنا و لا تبتدعوا فقد كفيتم. ترجمہ:۔ ہمارے نقش قدم پر چلو اور بدعات ایجاد نہ کرو تمہارے لئے ہماری اتباع کافی ہے (الاعتصام ج ا ص ۱۹۱) (کنز العمال ج ا ص ۵۶) اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ كل عبادة لم يتعبد ها اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا تعبدوها. ترجمہ:۔ ہر ایسی عبادت جس کو صحابۂ کرامؓ نے نہ کیا ہو تم بھی نہ کرو (الاعتصام ج ۲ ص ۳۱۰) حدیث میں ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کو خبر پہنچی کہ کچھ لوگ مغرب کے بعد اکٹھے بیٹھے ہیں ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ اتنی بار سبحان اللہ اور اتنی بار الحمد للہ اور اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ پڑھو حاضرین اسی طرح پڑھتے ہیں۔ حضرت ابن مسعودؓ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ان کا یہ طریقہ دیکھا کھڑے ہو کر کہنے لگے قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں بے شک تم سخت تاریک بدعت

میں مبتلا ہو ورنہ یہ کہو کہ تمہارا علم صحابہ کرام کے علم سے بڑھا ہوا ہے (کہ تم وہ کر رہے ہو جس کی صحابہ کرام کو خبر بھی نہیں تھی) پھر ان کو مسجد سے نکال دیا (الاعتصام ج ۲ ص ۱۶۵) (مجالس الابرار م ۱۸ ص ۱۲۵

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جس نے دین میں نئی بات ایجاد کی اور اس کو کار خیر سمجھا تو اس نے آنحضرت ﷺ کو احکام خداوندی کی تبلیغ میں خائن اور کمی کرنے والا ٹھہرایا چونکہ ارشاد خداوندی ہے **الیوم اکملت لکم دینکم** ''آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا'' لہذا جو کام آپ کے مبارک زمانہ میں دین میں شامل نہ تھا وہ آج بھی دین میں شامل نہیں ہو سکتا (الاعتصام ج ۱ ص ۴۸) اسی لئے نماز عید اور خطبہ کے وقت اذان اور جماعت کے وقت اقامت نہیں پڑھی جاتی کہ آپ کے مبارک دور میں دین میں نہیں تھی اسی طرح قبر پر اذان دینا بھی دین میں شامل نہیں قطعاً بدعت ہے کیونکہ سنت سے ثابت نہیں۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۱۰۲ بحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۶ فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۶) [۱]

علامہ شامی نے اذان علی القبر کو خلاف سنت اور بدعت فرمایا ہے **لا یسن الا ذان عند ادخال المیت** اور تحریر فرماتے ہیں کہ **قد صرح ابن حجر فی فتاواہ بانہ بدعۃ**. ترجمہ۔ ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ یہ بدعت ہے (شامی ج ۱ ص ۸۳۷ مطلب فی دفن المیت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(**سوال ۲۹۳**) بعض جگہوں پر میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دی جاتی ہے اور اسے سنت اور کار خیر سمجھا جاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

(**الجواب**) میت کی تدفین کے بعد دعائے مغفرت کرنا اور قرآن شریف وغیرہ پڑھ کر بخشنا حدیث سے ثابت ہے مگر قبر پر اذان دینا ثابت نہیں ہے۔

اذان جہاں ثابت ہو وہیں دی جاسکتی ہے۔ دیکھئے نماز جمعہ کے لئے اذان دی جاتی ہے، خطبہ کے وقت اذان دی جاتی ہے۔ جماعت کے وقت اقامت ہوتی ہے مگر نماز عید اور اس کے خطبہ کے لئے نہ تو اذان دی جاتی ہے اور نہ اقامت کہی جاتی ہے اس لئے کہ ثابت نہیں ہے اسی طرح قبر پر بھی آنحضرت ﷺ اور صحابہ وغیرہ سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے لہذا اس سے احتراز لازم ہے۔ حضرت حذیفہؓ کا فرمان ہے کہ ہر وہ عبادت جس کو حضور ﷺ کے صحابہ نے نہ کیا ہو تم بھی مت کرنا (الاعتصام ج ۲ ص ۳۱۰) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اہل خانہ سے تدفین کے بعد مصافحہ کرنا کیسا ہے؟:

(**سوال ۱۰۱**) میت کی تدفین کے بعد مرحوم کے اقارب کو سب لوگ قطار میں کھڑے ہو کر مصافحہ کر کے وداع کرتے ہیں تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

(**الجواب**) مرحوم کے اہل خانہ کی تعزیت زبانی اور تحریری مسنون ہے۔ دفن سے پہلے اور دفن کے بعد بھی۔ (شامی ج ۱ ص ۸۴۳ قبیل مطلب فی زیارۃ القبور) جب موقع ہو تعزیت کی جاسکتی ہے۔ مگر اس کی حد تین دن ہے تین دن کے بعد مکروہ ہے۔ ہاں دونوں میں سے کوئی موجود نہ ہو تو بعد میں بھی تعزیت کی گنجائش ہے۔ تعزیت ہ

---

(۱) ویکرہ النوم عند القبر وقضاء الحاجۃ بل اولیٰ وکل مالم یعھد من السنۃ باب الجنائز تتمہ)

مطلب یہ ہے کہ اہل میت کو تسلی دے دی جائے۔صبر کی تلقین کی جائے صبر کا ثواب بتایا جائے اجر عظیم کی توقع دلائی جائے میت کے لئے دعا کی جائے مثلاً یہ کہا جائے اعظم اللہ اجرک واحسن جزائک وغفر لمیتک. اللہ تعالیٰ آپ سب کو اجر عظیم اور جزائے خیر عنایت فرمائے اور آپ کے میت کی مغفرت فرمائے۔آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کے بچہ کا انتقال ہوا تو آپ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان الفاظ میں تعزیت فرمائی تھی (للہ ما اخذ ولہ' ما اعطیٰ وکل عندہ باجل مسمی فلتصبر ولتحتسب .بخاری شریف ص ۱۷۱ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعذب المیت ببعض بکاء اھلہ الخ) جو لے لیا وہ اللہ کا تھا جو عطا فرمایا تھا وہ بھی اللہ کا تھا اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر ایک کی میعاد مقرر ہے پس صبر کرو اور ثواب کی نیت رکھو۔

اہل میت کے مکان پر تعزیت کے لئے جمع ہونا اور رخصت کے وقت مصافحہ کو ضروری قرار دینا سنت کے مطابق نہیں۔مراقی الفلاح وغیرہ فقہ کی معتبر کتابوں میں ہے ویکرہ الاجتماع عند صاحب المیت حتی یاتی الیہ من یعزی بل اذا رجع الناس من الدفن فلیتفر قوا ویشتغلوا بامرھم وصاحب المیت بامرہ .ترجمہ!اہل میت کے پاس سب جمع ہوتے ہیں۔اور یکے بعد دیگرے سب ان کی تعزیت کرتے ہیں یہ رسم مکروہ ہے بلکہ جب دفن کر کے واپس ہوں تو منتشر ہو جائیں اور اپنے کام میں مشغول ہو جائیں۔صاحب میت بھی اپنے کام میں لگ جائے(شامی ج ۱ ص ۸۴۲ حوالہ بالا مراقی الفلاح ص ۱۲۰ فصل فی حملھا و دفنھا تتمہ) اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ دفنانے کے بعد میت کے یہاں جمع ہو کر فاتحہ خوانی مکروہ اور بے اصل ہے۔تعزیت اور مصافحہ لازم اور ملزوم نہیں۔ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملے تو سلام کرے اور کچھ دنوں کے بعد ملاقات ہو تو مصافحہ کرے اس قاعدہ کے مطابق اہل میت سے مصافحہ کر سکتے ہیں مگر اس مصافحہ کو تعزیتی مصافحہ نہ سمجھا جائے۔''حصن حصین''میں ہے۔فاذا عزی احداً یسلم ویقول ان للہ ما اخذولہ ما اعطیٰ وکل عندہ باجل مسمی فلتصبر ولتحتسب (ص ۱۰۸)اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ تعزیت کے وقت مصافحہ ضروری نہیں ملاقات کے وقت صرف سلام کرے یا مصافحہ بھی کرے اور اگر مدت دراز کے بعد ملاقات ہوئی ہو تو معانقہ بھی کر لے اس میں حرج نہیں ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مسافر کے کفن دفن کے لئے چندہ کیا گیا اس کی بقیہ رقم کا کیا کیا جائے:

(سوال ۱۰۲) گاؤں میں کوئی مسافر آ کر وفات پا گیا اس کی تجہیز و تکفین کے لئے چندہ کیا گیا، اس میں سے کچھ رقم بچ رہی تو اس کا استعمال کیسے کیا جائے؟

(الجواب) اگر یہ معلوم ہو کہ بقیہ رقم فلاں شخص نے دی ہے تو وہ رقم اسے سپرد کر دی جائے اور اگر معلوم نہیں ہے کہ یہ بقیہ رقم کس نے دی ہے تو کسی دوسرے غریب کی تجہیز و تکفین میں استعمال کی جائے ۔اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو وہ رقم کسی محتاج غریب کو صدقہ میں دے دی جائے رجل مات فی مسجد قوم فقام احدھم وجمع الدراھم ففضل من ذلک شئی ان عرف صاحب الفضل ردہ علیہ وان لم یعرف کفن بہ محتاجا آخروان لم یقدر علی صرفہ الی الکفن یتصدق بہ علی الفقراء کذا فی فتاویٰ قاضی خان (عالمگیری ج ۱

ص ۱۶۱ الفصل الثالث فی التکفین) فقط واللہ اعلم بالصواب.

کسی کی وفات پر مجلس میں تین چار منٹ سکوت اختیار کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۰۳) مسلمانوں میں کسی لیڈر یا بڑے آدمی کی جب وفات پر انگریزوں کی طرح دو منٹ گردن جھکا کر ساکت کھڑے رہ کر سوگ (تعزیت) منانے کا طریقہ رواج پا رہا ہے، یہ جائز ہے؟

(الجواب) سوگ منانے کا مذکورہ طریقہ جائز نہیں ہے، اس میں نصاریٰ وغیرہم کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے لہذا اس رواج کو ترک کر دینا ضروری ہے عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنه ان النبی صلی اللہ علیه وسلم کان لا یجلس حتی یوضع المیت فی اللحد فکان قائما مع اصحابه علی رأس قبر فقال یهودی هکذا نصنع بموتانا فجلس صلی اللہ علیه وسلم وقال لاصحابه خالفوهم (ترجمہ) حضرت عبادہ بن الصامت سے روایت ہے کہ جب تک میت کو قبر میں اتار نہ دیا جاتا آنحضرت ﷺ قبر کے پاس کھڑے رہتے تھے بیٹھے نہ تھے۔ ایک مرتبہ ایک یہودی نے دیکھ کر کہا ہم بھی اپنے مردوں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ فوراً بیٹھ گئے اور صحابۂ کرام سے فرمایا کہ خالفوهم (ان کی مخالفت کرو یعنی بیٹھ جاؤ، کھڑے رہنے میں ان سے مشابہت لازم آتی ہے (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۴۰۷)(شامی ج ۱ ص ۸۳۳ قبیل مطلب فی دفن المیت)

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص ہمارے طریقے کے علاوہ دوسروں کے طریقہ پر چلے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے (کنز العمال ج ۱ ص ۵۶)

نیز سید الانبیاء ﷺ کا فرمان ہے من تشبه بقوم فهو منهم جو کوئی کسی اور قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انہیں میں سے ہے (وہ انہیں کا ہو گیا) سیدنا حضرت حسنؓ نے فرمایا ہے کہ ایسے بہت کم ہیں کہ جنہوں نے کسی قوم سے مشابہت کی اور ان سے نہ مل گئے ہوں، عبرت کے لئے ایک سچا واقعہ عرض ہے۔ تذکرۃ الرشید میں ہے کہ "کانپور میں کوئی نصرانی جو کسی اعلیٰ عہدہ پر تھا مسلمان ہو گیا تھا مگر مصلحۃً چھپائے ہوئے تھا، اتفاق سے اس کا تبادلہ کسی دوسری جگہ ہو گیا اس نے ان مولوی صاحب کو جن سے اسلام کی باتیں سیکھی تھیں، اپنے تبادلہ سے مطلع کیا اور فرمائش کی کہ کسی دیندار شخص کو مجھے دیں، جس سے علم دین حاصل کرتا رہوں، چنانچہ مولوی صاحب نے ایک قابل شاگرد کو اس کے ساتھ کر دیا کچھ عرصہ بعد جب یہ نصرانی بیمار ہوا تو اس نے مولوی صاحب کے شاگرد کو کچھ روپے دیئے اور کہا کہ جب میں مر جاؤں اور عیسائی مجھے اپنے قبرستان میں دفن کر آویں تو تم رات کو جا کر مجھے قبر سے نکالنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، جب مولوی صاحب کے شاگرد نے حسب وصیت رات کو ان کی قبر کھولی تو دیکھا کہ اس میں وہ نصرانی تو ہے نہیں، البتہ مولوی صاحب پڑے ہیں وہ سخت پریشان ہوا کہ یہ کیا ماجرہ ہے میرے استاد یہاں کیسے؟ آخر دریافت سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب نصرانیوں کے طور طریق کو پسند کرتے اور اچھا جانتے تھے (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۵۰) وہ نو مسلم نصرانی مولوی صاحب کی قبر میں منتقل ہوا ہوگا، ایسے واقعات......سینکڑوں کی تعداد میں کتابوں میں مل سکتے ہیں، خداء پاک ایسی حالت سے ہمیں بچائے فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ارواح میت آمد ورفت کرتی ہیں؟:

(سوال ۱۰۴) بہشتی زیور میں ج ۶ ص ۵۵ مرنے کے بعد کے رسوم کے بیان میں یہ عبارت مذکور ہے کہ "بعض یہ سمجھتے ہیں کہ ان تاریخوں میں اور جمعرات کے دن اور شب برات وغیرہ کے دنوں میں مردوں کی روحیں گھروں میں آتی ہیں، اس بات کی بھی شرع میں کچھ اصل نہیں ان کو آنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کیونکہ جو کچھ ثواب مردے کو پہنچایا جاتا ہے اس کو خود اس کے ٹھکانے پر پہنچ جاتا ہے۔ پھر اس کو کیا ضرورت ہے کہ مارا مارا پھرے۔ پھر یہ بھی ہے کہ اگر مردہ نیک اور بہشتی ہے تو ایسی بہار کی جگہ چھوڑ کر کیوں آنے لگا اور اگر بد اور دوزخی ہے تو اس کو فرشتے کیوں چھوڑ دیں گے۔ کہ عذاب سے چھوٹ کر سیر کرتا پھرے۔ غرض یہ بات بالکل بے جوڑ معلوم ہوتی ہے اگر کسی ایسی ویسی کتاب میں لکھا ہوا دیکھو تب بھی ایسا عقیدہ مت رکھنا۔ جس کتاب کو عالم سند نہیں رکھیں وہ بھروسے کی نہیں ہے۔

یہ تو بہشتی زیور کی بات ہوئی اب مولانا محمد عیسیٰ صاحب کی کتاب "**نور الصدور فی شرح القبور**" (گجراتی) ص ۲۰۶ پر اس طرح کی ایک حدیث ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے لئے تحفہ بھیجو۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا تحفہ بھیجیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ارواح مومنین شب جمعہ کو آسمان سے دنیا کی طرف آتی ہیں اور اپنے مکان کے سامنے کھڑے ہو کر ایک غمزہ آواز میں پکارتی ہیں...... آگے صفحہ ۲۰۷ پر لکھا ہے کہ اس حدیث کو شیخ ابن الحسن نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔ (حوالہ نہیں) تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ ہم مذکورہ قولین میں سے کس پر اعتقاد کریں اس کی وضاحت فرمائیں!

(الجواب) روح آسکتی ہے اور آتی ہے۔ واقعات ومشاہدات شاہد ہیں۔ **واما قول من قال ان ارواح المومنين في برزخ من الارض تذهب حيث شاء ت فهذا مروى من سلمان الفارسي رضي الله عنه والبرزخ هو الحاجز بين شيئين وكان سلمان ارادبها في ارض بين الدنيا والاخرة مرسلة هناك تذهب حيث شاء ت وهذا قول قوى الخ (كتاب الروح. ص ۱۷۳)**

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی رحمۃ اللہ اکبر آباد میں حضرت مرزا محمد زاہد ہروی رحمۃ اللہ کے درس سے واپس لوٹے تو راہ میں ایک لمبی گلی پیش آئی۔ اس وقت شاہ صاحب حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی ابیات پڑھ رہے تھے کہ

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است
جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است
سعدی بشوئے لوح دل از نقش غیر حق
علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است

یعنی خدا کی یاد کے سوا جو کچھ تو کرے گا وہ زندگی برباد کرنا ہے اور عشق الٰہی کے اسرار کے سوا جو کچھ تو پڑھے گا وہ بیہودگی اور بیکاری ہے۔ اے سعدی تو دل کی تختی کو غیر اللہ کے نقش سے پاک کر دے اس لئے کہ جو علم خدا کی طرف راہ نہ دکھائے وہ علم جہالت ہے۔

آخری مصرعہ۔ علمے کہ رہ بحق نماید جہالت است " آپ کو یاد نہیں آتا تھا اس وجہ سے اضطرابی کیفیت پیدا ہوئی ابیات کو بار بار لوٹاتے لیکن جب اس مصرعہ پر پہنچتے تو اور دماغ پر زور ڈالتے کہ یاد آ جائے مگر بار بار ناکام رہتے۔ ناگاہ ایک درویش فقیرانہ وضع میں آپ کی داہنی طرف سے نمودار ہوا اور کہا: علمے کہ رہ بحق نماید جہالت است۔

یہ سنتے ہی آپ کا اضطراب سکون سے بدل گیا اور درویش سے مخاطب ہوئے اور فرمایا۔ خدائے پاک آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آپ نے میری پریشانی رفع فرمادی۔ پھر پان پیش کیا تو درویش نے تبسم فرمایا اور کہا کہ کیا یاد دلانے کی اجرت پیش فرما رہے ہیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا نہیں شکرانہ ہے کہا کہ میں کھاتا نہیں ہوں اس کے بعد درویش نے قدم اٹھایا اور آخر کو چہ پر جاتے شاہ صاحب سمجھ گئے کہ یہ روح مجسم ہے۔ آواز دی کہ اے درویش آپ کا اسم گرامی کیا ہے؟ فرمایا: سعدی ہمیں فقر است (سعدی اسی فقیر کا نام ہے) اس واقعہ سے بھی تائید ہوتی ہے کہ روح آ سکتی۔ (**والعلم الصحیح عند اللہ**) لیکن ارواح کا آنا ان کے اختیار میں نہیں، حکم خداوندی پر موقوف ہے۔ یہ اعتقاد صحیح نہیں۔ کہ تمام ارواح شب جمعہ یا جمعرات کو اپنے گھروں پر آتی ہیں اور خیرات کی درخواست کرتی ہیں اور خیرات نہ کرنے والوں پر بددعا کرتی ہیں۔ اور مرنے کے بعد روزانہ ایک ماہ تک گھر کا گشت کرتی ہیں (جیسا کہ وقائع الاخبار ص ۱۸ پر روایت ہے۔) کیونکہ مذکورہ باتیں حدیث صحیحہ سے ثابت نہیں ہیں اور نور الصدور میں جو روایت لکھی گئی ہے وہ صحیح نہیں ضعیف ہے، ضعیف روایات فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب کے لئے قابل عمل شمار کی جاتی ہیں عقیدہ کے لئے ضعیف حدیث معتبر نہیں ہو سکتی۔ بہشتی زیور میں زیادہ تر مذکورہ عقیدہ کا انکار ہے۔ خدائے پاک جس روح کو جب چاہے جہاں چاہے اور جہاں کی اجازت دے تب وہ اس جگہ جا سکتی ہے اس کا انکار نہیں۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اس کے متعلق ایک فتویٰ نقل کیا جاتا ہے اس کو بغور پڑھو۔

(**استفتاء**) فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۹۸ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ مردوں کی روحیں شب جمعہ میں گھر نہیں آتیں یہ روایت غلط ہے اور اس کے خلاف نور الصدور ص ۱۶۸ پر روایت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ شب جمعہ کو مومنوں کی روحیں اپنے اپنے مکانوں کے مقابل کھڑی ہو کر پکارتی ہیں کہ ہم کو کچھ دو اور ہر روح ہزار مردوں اور عورتوں کو پکارتی ہے۔ روایت کیا اس حدیث کو شیخ ابن الحسن بن علی نے اپنی کتاب میں۔ اب عرض یہ ہے کہ صحیح معاملہ شرعاً کیا ہے۔

(**الجواب**) اول تو اس کی سند قابل تحقیق ہے، دوسرے بر تقدیر ثبوت مفید ہے اذن کے ساتھ، اور حکم نفی دعویٰ عموم کے تقدیر پر ہے۔ پس دونوں میں تعارض نہیں! (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۵۱۴)

بہشتی زیور میں جس بات کا خلاف کیا گیا ہے وہ عقیدہ کی درستگی کے لئے ہے۔ عقیدہ کی درستگی مقدم اور ضروری ہے۔ عقیدہ اعمال کی بنیاد ہے اور جس طرح اپنے دین وعقائد کی حفاظت ضروری ہے۔ ایسے ہی دوسرے مسلمان برادروں کے عقیدے اور دین کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ فقہاء تحریر فرماتے ہیں: نماز وتر نیز یوم جمعہ کو فجر کی نماز اور صلوٰۃ جمعہ میں جن سورتوں کو آنحضرت ﷺ زیادہ تر تلاوت فرماتے تھے اس کو ہمیشہ کے لئے ضروری ٹھہرا لینا اور اسی کو پڑھتے رہنا مکروہ ہے اور وہ دو طریقوں سے مکروہ ہے۔ **وجه الكراهة في المداومة وهو انه ان راى ذلك حتما يكره من حيث تغيير المشروع والا يكره من حيث ايهام الجاهل.** (شامی ج ۱ ص

۱۰۵ فصل فی القرأة)

(۱) ابدال شریعت (۲) ایہام جاہل! یعنی قاری اس کو ضروری سمجھتا ہو تو حکم شرعی کے ابدال کی وجہ سے مکروہ ہے کہ شریعت نے اس کو ضروری قرار نہیں دیا، اس نے خود ضروری ٹھہرا کر شرع میں ایک قسم کی دخل اندازی کی اور یہ بنظر شریعت بڑا گناہ ہے! اگر قاری ضروری نہ سمجھے بلکہ مستحب سمجھے پھر بھی ہمیشہ پڑھنے کی اجازت نہیں مکروہ ہے کیونکہ دائما پڑھتے دیکھ کر عوام سنت مقصودہ یا واجب مان لیں گے! یہی معاملہ سجدہ شکر کا ہے۔ درمختار میں ہے۔

وسجدة (۱) الشكر مستحبة به يفتى لكنها تكره بعد الصلوة لا ن الجهلة يعتقدونها سنة اوواجبة وكل مباح يؤدى اليه فمكروه (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۳۱ مطلب فی سجدة الشكروشرح سفر السعادة ص ۱۵۹) کوئی جدید نعمت کی خبر سن کر سجدۂ شکر حدیث سے ثابت ہے مگر عوام اس کو سنت مقصودہ سمجھ لیں گے اس ڈر سے ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مکروہ فرمایا ہے۔

اسی طرح مغرب کی اذان اور تکبیر کے درمیان دو دو رکعت پڑھنے کے متعلق بخاری شریف میں ہے:۔

قال(۲) صلوا قبل صلوٰة المغرب قال فی الثالثة لمن شاء کراھية ان يتخذها الناس سنة (بخاری شریف پ ۳۰ ج۲ ص ۱۰۹۵ . باب نهى النبى صلى الله عليه وسلم من التحريم الا ما يعرف اباحة) مغرب کی اذان اور تکبیر کے درمیان دو رکعت نفل کی نیت سے پڑھنا حدیث سے ثابت ہے مگر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ مکروہ فرماتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ عوام اس کو ضروری سمجھ لیں گے حدیث میں بھی مکروہ ہونے کی وجہ یہی بتلائی گئی ہے۔

عوام اور خصوصاً عورتوں کا ماننا ہے کہ ارواح ان ایام میں جمعہ، جمعرات، شب برات شب معراج شب قدر اور عید وغیرہ میں آتی ہیں۔ لہذا ایصال ثواب کے لئے ان ایام کی منتظر رہتی ہیں۔ مگر حقیقت میں مردہ ایک غریق کی طرح امداد کا محتاج ہوتا ہے۔ ہوسکے تو اپنی حیثیت کے مطابق بطریقہ سنت ایصال ثواب کر کے تکلیف سے نجات دلانی چاہئے، مردوں کی ارواح آ کر عاجزی کرے، روئے اور خیرات کا سوال کرے تب ایک آنے کی کھجور لڑکوں کو بانٹیں۔ اس سے بھاری بے وقوفی دوسری کیا ہوگی؟! پس اعتقادی اور عملی درستی کی خاطر بہشتی زیور میں یہ لکھا گیا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قبرستان میں بیل وغیرہ چرانا:

(سوال ۱۰۵) قبرستان میں گائے بیل وغیرہ چرنے کو چھوڑتے ہیں جس بنا پر گوبر، پیشاب کرتے ہیں تو شرعی حکم کیا ہے؟

(الجواب) قبرستان میں مویشی کو گھاس چرنے کے لئے چھوڑنا منع ہے کہ قبریں روندی جائیں گی اور گوبر وغیرہ نجس چیزیں قبروں پر گریں گی جس سے میت کی بے حرمتی ہوگی فلو كان فيها حشيش يحش ويرسل الى الدواب ولا ترسل الدواب فيها الخ (بحر الرائق ج۵ ص ۲۵۴ فصل فی احکام المسجد تحت قوله ومن بنى سقاية . الخ)

---

(۱) (ترجمہ) سجدہ شکر مستحب ہے اسی کا فتویٰ دیا جاتا ہے لیکن نماز کے بعد مکروہ ہے کیونکہ ناواقف عوام کا یہ عقیدہ ہو جائے گا یہ سنت یا واجب ہے اور ہر ایسا مباح (جائز فعل) جو خرابی اعتقاد کا سبب بنے مکروہ ہے۔

(۲) (ترجمہ) ارشاد ہوا نماز مغرب سے پہلے پڑھ لو۔ دو دفعہ یہ فرمایا۔ تیسری مرتبہ یہ بھی فرمایا لمن شاء۔ یعنی یہ مرضی پر موقوف ہے یعنی ان کے معاملہ کو ہلکا کر دیا کیونکہ یہ پسند نہیں تھا کہ لوگ اس کو سنت سمجھ لیں۔ فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد دوم۔

والدین ناراض ہوکر وفات پا گئے ہیں تو کیا کیا جائے؟:

(سوال ۱۰۶) جس کے والدین ناراض ہوکر وفات پا گئے ہوں تو اس کی تلافی کی کیا شکل ہے؟

(الجواب) تلاوت قرآن اور صدقہ وخیرات سے ان کی ارواح کو ثواب بخشے، ان کے لئے استغفار کرتا رہے، ان کا قرض ہو تو وہ ادا کرے، استطاعت ہو تو ان کی طرف سے حج کرے یا کرائے تو انشاء اللہ وہ راضی ہو جائیں گے اور اولاد مطیع سمجھی جائے گی۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنی ماں یا باپ کی طرف سے حج ادا کرے گا تو وہ ان کی طرف سے ادا ہو جائے گا اور ان کی ارواح کو بشارت دی جائے گی اور عند اللہ اولاد مطیع وفرمانبردار سمجھی جائے گی۔ (۱) .فقط واللہ اعلم بالصواب.

قبروں پر چھت بنانا:

(سوال ۱۰۷) ایک خاندان کا ایک قبرستان ہے۔ جس پر چھت بنا رہے ہیں۔ تو قبرستان میں عمارت بنانا کیسا ہے؟

(الجواب) قبروں پر عمارت بنانا۔ چھت بنانا خیمہ وغیرہ لگانا از روئے حدیث منع اور مکروہ ہے۔ مسلم شریف میں ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے۔ نهیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یجصص القبر وان یقعد علیه وان یبنیٰ علیه ۔ترجمہ: حضرت رسول اللہ (ﷺ) نے قبروں کو پختہ بنانے اور ان پر بیٹھنے سے اور ان پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔ (ص ۳۱۲ ج ۱ کتاب الجنائز ترمذی شریف ص ۱۲۵ ج ۱)(ابوداؤد ص ۱۰۴ ج ۲)(مشکوٰۃ ص ۱۴۸)

اس لئے تیرہ سو سال سے بزرگان دین، علمائے کرام اور فقہاء و محدثین عظام قبروں پر عمارت وغیرہ بنانے سے منع کرتے رہے ہیں۔ اور اس کو تحت مکروہ بتاتے رہے ہیں۔ کبیری میں ہے۔ عن ابی حنیفة رضی الله عنه انه یکره ان یبنی علیه بناء من بیت او قبة او نحو ذالک لما مر من الحدیث آنفاً یعنی حضرت ابوحنیفہؒ کا قول اور آپ کا مسلک (فتویٰ) ہے کہ قبر پر کوئی بھی تعمیر کی جائے مکروہ ہے وہ کمرہ ہو۔ (بغیر گنبد کا) یا گنبد ہو یا اس جیسی کوئی اور عمارت ہو (ص ۵۵۵ فصل فی الجنائز) فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ و یکره ان یبنیٰ علی القبور .یعنی قبروں پر عمارت بنانا مکروہ ہے۔ (ص ۱۶۶ ج ۱ فی القبر والدفن الخ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی وفات ہوئی تو کچھ عزیزوں نے ان کی قبر پر خیمہ لگا دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے خیمہ دیکھا تو فرمایا۔ انزعه یا غلام فانما یظله عمله . (اے صاحبزادے اس کو ہٹا دو، ان پر ان کا عمل ہی سایہ کر سکتا ہے۔)(بخاری شریف ص ۱۸۱ باب الجرید علی القبر الخ)

---

(۱) لما أخرج الدار قطنی عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما عنه صلی الله علیه و سلم . لمن حج عن ابو یه اوقضی عنهما مغرما بعث یوم القیامة مع الا برار وأخرج ایضاً عن جابر أنه علیه الصلاة والسلام قال من حج عن ابیه وامه فقد قضیٰ عنه حجته وأخرج ایضاً عن زید بن ارقم قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا حج الرجل عن والدیه تقبل منه ومنها وابتشرت ارواحهما وکتب عند الله برا،شامی باب الحج عن الغیر

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔کہ **رأیت الائمه بمکة یأمرون بھدم یبنی** .یعنی میں نے مکہ معظمہ کے حکام کو دیکھا کہ وہ ان عمارتوں کے توڑ دینے کا حکم دیا کرتے تھے۔جو قبروں پر بنائی جاتی تھیں۔(**کتاب الام للشافعی بحواله نووی شرح مسلم ص ۳۱۲ فصل فی النھی عن تجصیص القبور الخ کتاب الجنائز**)

محدث علامہ علی قاری حنفی مکی فرماتے ہیں۔**وھی ما انکرہ ائمة المسلمین کالبناء علی القبور وتجصیصھا** . ترجمہ:۔اور (گمراہ کن بدعت سے ایسی بدعت مراد ہے) جس پر ائمہ مسلمین نے اعتراض کیا ہے اور اس کی مخالفت کی ہے۔جیسے قبروں پر عمارت بنانا اور قبروں کو پختہ بنانا۔(مرقاۃ ص ۲۴۶ ج ا ایضاً)

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قبروں پر عمارت بنانے میں نہ دینی نفع ہے نہ دنیوی۔لہذا اسراف کا گناہ بھی ہوگا۔جس کو قرآن کریم میں واضح الفاظ میں حرام قرار دیا ہے۔اگر اس کا رواج ہو جائے گا۔تو جس طرح عمارت بنانے والا گنہگار ہوا کرے گا اسی طرح اس گناہ کا وبال اس پر بھی پڑتا رہے گا جس نے یہ سلسلہ شروع کیا تھا۔بنانے والے پر بنانے کا گناہ۔سلسلہ شروع کرنے والے پر سلسلہ شروع کرنے کا گناہ۔کسی کے گناہ میں کمی نہیں ہوگی۔آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔**من سن فی الا سلام سنة سیئة کان علیه وزرھا ووزر من عمل بھا من بعدہ من غیر ان ینقص من اوزارھم شیئ .(مشکوۃ ص ۳۳ کتاب العلم) (واللہ اعلم بالصواب)**

میت کو دیکھنا محرم یا غیر محرم کے لئے شرعاً کیسا ہے؟:

(سوال ۱۰۸) میت کو اکثر جگہ رواج ہے کہ عورت کو جنازہ میں رکھنے سے پہلے اس کے رشتہ دار منہ دیکھتے ہیں۔ان کے ساتھ دوسرے بھی دیکھتے ہیں۔تو اس کا کیا حکم ہے؟ شوہر بیوی کا منہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور قبر میں اتر سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) عورت چھپانے کی چیز ہے نہ کہ دکھانے کی چیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔"**المرأة عورة**"یعنی عورت چھپانے کی چیز ہے (مشکوۃ ص ۲۶۹ باب النظر الی المخطوبہ) نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔**لعن اللہ الناظر والمنظور الیه** . یعنی خدا کی لعنت ہے اس پر جو نامحرم عورت کو دیکھے اور اس بے پردہ عورت پر بھی جس کو دیکھا جائے (مشکوۃ باب النظر الی المخطوبہ) (کتاب النکاح) ان احادیث میں زندہ اور مردہ کا کوئی فرق نہیں ہے۔لہذا جس کو بحالت حیات دیکھنا منع ہے۔مرنے کے بعد بھی اس کو دیکھنا منع ہے۔حضرت فاطمہؓ سے دریافت کیا کہ عورت میں سب سے اچھی اور خوبی کی بات کیا ہے؟ جواب میں فرمایا نہ وہ خود نامحرم مرد کو دیکھے اور نہ اس کو نامحرم مرد دیکھ سکے (مسند بزاز وغیرہ) حضرت فاطمہؓ کو نامحرم سے پردہ کا اس قدر خیال تھا کہ وفات کے وقت وصیت فرمائی۔کہ میرے جنازہ پر اور کپڑا ڈال دیا جائے۔تاکہ نامحرم مردوں کو میرے جسم اور قد وقامت کا اندازہ بھی نہ ہو سکے۔اس لئے عورت کی میت کو دفنانے کے وقت قبر پر پردہ کیا جاتا ہے۔

حضرت فاطمہؓ کی حیاء وشرم کی حالت یہ تھی مگر اس کے برخلاف آج کل کے ان کے نام لیوا گھر میں گھس کر نامحرم عورت کا منہ دیکھتے ہیں۔کس قدر افسوس کی بات ہے۔خلاصہ یہ کہ رشتہ دار جو محرم بھی ہیں۔جیسے باپ، بیٹا، دادا، نانا

بیٹا، ماموں، بھائی، بھتیجا، پوتا، نواسہ، بھانجا وغیرہ جن کے ساتھ نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہے وہ چہرہ دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن اس وقت نامحرم عورتیں وہاں سے ہٹ جائیں۔ نامحرم جیسا کہ خالہ زاد بھائی، ماموں زاد بھائی، پھوپی زاد بھائی، بہنوئی وغیرہ جن کے ساتھ شریعت نے نکاح حرام قرار نہیں دیا ہے۔ ان سے پردہ کرنے کا حکم ہے ان کو منہ دیکھنے کی اجازت نہیں۔ لہٰذا مذکورہ بالا دستور ناجائز اور موجب گناہ ہے۔

اگر کوئی محرم نہ ہو، یا ضرورت کی مطابق نہ ہو اور عورت کا جنازہ اٹھانے اور قبر میں اتارنے کے لئے نامحرم کی ضرورت ہو تو دیندار متقی نامحرم کی مدد لے سکتے ہیں۔ اسی طرح شوہر عورت کا منہ دیکھ سکتا ہے اور جنازہ میں رکھنے اور قبر میں اتارنے کے وقت محرم کی مدد کر سکتا ہے۔ درمختار میں ہے کہ اصح یہ ہے کہ شوہر کے لئے بیوی کو غسل دینا اور مس کرنا منع ہے۔ منہ دیکھنے کی ممانعت نہیں ہے (ویمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر اليها على الاصح (رد المحتار ص ۸۰۳ ج ۱ مطلب في حديث كل سبب ونسب منقطع الا سببي ونسبي) اور خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے (ويدخل الزوج في القبر مع محرمها استحسانا وهو الصحيح وعليه الفتوى) (ص ۲۲۵ ج ۱) یعنی شوہر قبر میں بیوی کے محرم (باپ۔ بھائی۔ بیٹا وغیرہ) کے ساتھ داخل ہو سکتا ہے۔ (اتر سکتا ہے) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خواب میں عورت بچہ پیدا ہونے کی خبر دے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۰۹) ہمارے گاؤں میں ایک حاملہ عورت کا انتقال ہو گیا اس کو دفن کر دیا گیا رات کو ایک دیندار شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ عورت اس سے کہہ رہی ہے کہ میرا بچہ پیدا ہوا ہے، اس بنا پر اس کے گھر والے پریشان ہیں، کیا قبر کھول کر دیکھا جائے؟ شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس صورت میں قبر کھولنے کی اجازت نہیں ہے، قاضی خاں میں ہے حامل ماتت وقد اتى على حملها تسعة اشهر وكان الولد يتحرك في بطنها فدفن ولم يشق بطنها ثم رأيت في المنام انها تقول ولدت لا ينبش القبر لان الظاهر انها لو ولدت كان الولد ميتا (فتاوى قاضي خان ج ۱ ص ۹۳ باب في غسل الميت وما يتعلق به الخ) یعنی ایک حاملہ کا انتقال ہو گیا اور اس کے حمل کے نو ماہ پورے ہو چکے ہیں اور بچہ اس کے پیٹ میں حرکت کرتا تھا اسی حالت میں اس کو دفن کر دیا گیا اور پیٹ چاک کر کے بچہ نہیں نکالا گیا) پھر کسی نے خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہی ہے میرا بچہ پیدا ہوا ہے تو قبر نہیں کھولی جائے گی، اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ اگر بچہ جنا بھی ہو تو وہ مردہ ہوگا (قاضی خاں) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رشتہ داروں کی قبروں کا یک جا ہونا:

(سوال ۱۱۰) رشتے داروں کی قبریں یک جا ہوں تاکہ پہچانی جائیں اور قبر پر فاتحہ پڑھنے میں سہولت رہے تو اس میں کوئی مضائقہ ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اپنے گھر اور قریبی رشتہ داروں کی قبریں قریب قریب ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ افضل ہے، متفرق ہونے میں پہچان مشکل ہے اس لئے ایک جگہ ہونا بہتر ہے، حدیث میں ہے کہ جب حضرت عثمان بن مظعونؓ

اور رسول اللہ ﷺ نے دفن کیا تو ایک پتھر ان کی قبر پر نشانی کے لئے رکھ دیا اور فرمایا یہ اس لئے ہے تا کہ قبر کی پہچان رہے اور میں اپنے اعزہ کو ان کے قریب دفن کروں اور پھر آپ نے اپنے فرزند حضرت ابراہیمؓ کو اسی جگہ دفن فرمایا

مشکوٰۃ شریف میں ہے: **عن المطلب بن ابی وداعة قال لما مات عثمان بن مظعون اخرج بجنازته فدفن فامر النبی صلی اللہ علیه وسلم رجلا ان یاتیه بحجر فلم یستطع حملها فقام الیها رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وحسر عن ذراعیه قال المطلب قال الذی یخبر نی عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کأنی انظر الی بیاض ذراعی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم حین حسر عنهما ثم حملها فوضعها عند رأسه وقال اعلم بها قبر اخی وادفن الیه من مات من اهلی رواه ابوداؤد**(مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹ باب دفن المیت) مرقاۃ میں ہے **ویستحب ان یجمع الا قارب فی موضع لقوله علیه الصلوٰۃ والسلام وادفن الیه من مات من اهلی وکان عثمان اخاه من الرضاعة واول من دفن الیه ابراهیم ابنه** (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۴ ص ۷۸ مطبوعه ملتان) **فقط واللہ اعلم بالصواب**.

انتقال کے دوروز بعد دفن کیا جائے تو سوال وجواب کب ہوگا؟:

(سوال ۱۱۱) صدر جمہوریہ جناب سید فخر الدین علی احمد صاحب کا جمعہ کے روز انتقال ہوا اور اتوار کے روز دفن کئے گئے تو ان سے سوال وجواب کا معاملہ دفن سے پہلے ہوا ہوگا یا دفن کے بعد؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) **والسوال فی القبر بان مات ولم یدفن ایاماً بان جعل فی التابوت لیحمل من مصر الی مصر اخر ما لم یدفن لا یسئل** (خلاصة الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۲۶ الفصل الخامس والعشرون فی الجنازة) اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دفن کے بعد سوال ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ یوم جمعہ اور شب جمعہ میں مرنے والے سے سوال نہیں ہوتا، لہذا ہمارے صدر جمہوریہ بھی اس بشارت کے مستحق ہوں گے ان شاء اللہ۔ **ثم ذکر ان من لا یسئل ثمانیة . الی قوله . والمیت یوم الجمعة ولیلتها** (مطلب ثمانیة لا یسئلون فی قبورهم. شامی ص ۷۹۷ ص ل ۹۸۷ جلد اول) **فقط واللہ اعلم بالصواب**.

جنازہ پر پھول وغیرہ ڈالنا:

(سوال ۱۱۲) میت کے جنازے پر پھول کی چادر ثواب کا کام اور تخفیف عذاب کا سبب سمجھ کر ڈالتے ہیں اور اس کی تیاری پہلے سے کرتے ہیں تاخیر ہو جائے تو انتظار کیا جاتا ہے اور جنازہ اٹھانے میں تاخیر کی جاتی ہے تو کیا اس کی کوئی اصلیت ہے؟ اور یہ شرعاً ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس کی کوئی اصل نہیں ہے، آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے قول وعمل سے ثابت نہیں ہے، اگر یہ چیز میت کے لئے مفید ہوتی تو یہ حضرات اس سے دریغ نہ کرتے، لہذا جنازہ پر پھول کی چادر ڈالنا بدعت اور مکروہ تحریمی ہے، حضرت شاہ اسحٰق صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ (المتوفی ۱۲۶۲ھ) تحریر فرماتے ہیں: ''وچادر گل بر جنازہ انداختن بدعت است ومکروہ تحریمی۔ یعنی اور پھول کی چادر جنازے پر ڈالنا بدعت

اور مکروہ تحریمی ہے (مسائل اربعین ص ۴۵) اس میں اضاعت مال اور تشبہ بالیہود بھی ہے، و مسلم را تشبہ بالکفار والفساق حرام است (ما لا بد منہ ص ۱۳۱) فقط واللہ اعلم بالصواب.

جمعہ کے دن انتقال ہونے کی فضیلت:

(سوال ۱۱۳) جمعہ کے دن موت کی فضیلت وارد ہوئی ہے، یہ فضیلت کب سے ہے اور کہاں تک ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حدیث سے ثابت ہے کہ جمعہ کے دن یا شب جمعہ کو وفات پانے والا مسلمان منکر ونکیر کے سوال وجواب سے محفوظ رہتا ہے۔ثم ذکر ان من لا یسئل ثمانیۃ . الی قولہ . والمیت یوم الجمعۃ اولیلتہا (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۹۸ مطلب ثمانیۃ لا یسئلون فی قبورھم .فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قبرستان میں سوکھی گھاس جلانا:

(سوال ۱۱۴) قبرستان کی صفائی کے لئے آگ لگا کر سوکھی گھاس وغیرہ جلانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب قبرستان میں آگ لے کر جانے کی ممانعت ہے تو قبروں کے اوپر کی گھاس وغیرہ جلانے کی اجازت کس طرح ہو سکتی ہے،صفائی کے لئے دوسری تدبیر عمل میں لائی جائے۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب.

غسل، دفن اور نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت:

(سوال ۱۱۵) کسی نے مرنے سے پہلے وصیت کی کہ مجھے فلاں شخص نہلائے اور فلاں نماز جنازہ پڑھائے اور فلاں جگہ دفن کیا جائے، تو کیا اس وصیت پر ورثاء کو عمل کرنا ضروری ہے؟ اگر عمل نہ کریں تو گنہگار ہوں گے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس قسم کی وصیت کہ فلاں شخص غسل دے، فلاں دفن کرے فلاں نماز پڑھائے اور فلاں جگہ دفنایا جائے، شرعاً معتبر نہیں ہے، یہ امور میت کے اختیار میں نہیں ہیں، ورثاء کا حق ہے، ورثاء جو بہتر ہو اس پر عمل کریں۔
والفتویٰ علی بطلان الوصیۃ بغسلہ وصلاتہ (در مختار مع الشامی ج ۱ ص ۸۲۴ مطلب فی صلاۃ الجنازۃ) واللہ اعلم بالصواب.

جنازے کے ساتھ کس طرح چلنا چاہئے؟:

(سوال ۱۱۶) میت کے جنازے کے آگے چلیں یا پیچھے؟ ہمارے یہاں رواج یہ ہے کہ لوگ جنازے کے آگے لمبی قطار باندھتے ہیں یہ کیسا ہے؟ اور قبرستان میں جوتے پہن کر قبروں پر چلے یا کھلے پاؤں، شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے: امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باتباع الجنازۃ . الخ
ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جنازے کی اتباع (یعنی پیچھے چلنا) کا حکم دیا (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۶۶ باب الامر باتباع الجنائز)

ولا یتبع بنار فی مجمر ولا شمع کذا فی البحر الرائق. فتاویٰ عالمگیری الفصل الرابع فی حمل الجنازۃ ج ص ۱۶۲.

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جنازہ متبوع ہے اور لوگ "تابع" ہیں اور متبوع تابع کے آگے ہوتا ہے۔ لہذا جنازہ کو آگے رکھنا اور جنازہ کے پیچھے چلنا افضل اور مستحب ہے جنازہ سامنے اور آگے رہنے میں عبرت اور نصیحت بھی ہے اور میت کی تعظیم بھی ہے۔

جنازے کے آگے پیچھے رہنا بھی جائز ہے مگر بہتر نہیں ہے، جنازہ کو کندھا دینے کے لئے کچھ لوگوں کا جنازہ کے آگے رہنا بھی جائز ہے مگر جنازے سے دور نہ رہیں اور سب کا آگے چلنا اور جنازے کو پیچھے چھوڑ دینا مکروہ ہے۔ لوگ جنازے کے آگے لمبی

قطار باندھتے ہیں اور جنازے کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں یہ غلط طریقہ ہے، جنازہ کو کندھا دینے کے لئے کچھ لوگ جنازے کے آگے قریب میں ہوں اور اکثر لوگ پیچھے ہوں آگے والے کندھا دے کر پیچھے ہٹ جائیں جس سے پیچھے والوں کو کندھا دینے کا موقع بآسانی میسر ہو جائے ایسا طریقہ اختیار کیا جائے۔ درمختار میں ہے **(وندب المشي خلفها) لانها متبوعه . الى قوله . ولو مشى اما مها جازو فيه فضيلة ايضا ولكن ان تباعد عنها او تقدم الكل او ركب اما مها كره (درمختار مع الشامي ج ۱ ص ۸۳۴ قبيل مطلب في دفن الميت)(فتاوى عالمگيرى. ج ۱. ص ۱۰۴) (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۲)** قبرستان میں قبروں پر جوتوں سمیت یا بغیر جوتوں کے چلنا سخت مکروہ ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قبر کے آس پاس کی سبز گھاس کاٹنا:

(سوال ۱۱۷) قبرستان میں قبروں پر سبز گھاس اور درخت ہوتے ہیں ان کو کاٹ دیا جائے تا کہ لوگوں کو آمد و رفت میں تکلیف نہ ہو تو کوئی مضائقہ تو نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مستحب یہ ہے کہ قبر کے اوپر کی تر گھاس وغیرہ نہ کاٹی جائے اس سے میت کو انس حاصل ہوتا ہے اور فائدہ پہنچتا ہے، ہاں خشک ہونے کے بعد کاٹنے میں مضائقہ نہیں، البتہ اگر قبر کے آس پاس گھاس وغیرہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہو تو اسے کاٹ کر راستہ صاف کیا جا سکتا ہے۔ **شوك او حشيش نبت على القبور ان كان رطبا يكره قلعه وان كان يا بسالاً يكره لا نه ' ما دام رطباً يسبح ويحصل للميت بتسبيحه انس (نصاب الا حتساب قلمى ص ۸۲ باب ۴۲) وكره قلع الحشيش والشجرة من المقبرة ولا بأ س بقلع اليا بس منهما (نور الا يضاح فصل في زيارة القبور) (وكره قلع الحشيش) الرطب وكذا (الشجرة من المقبرة)لانه مادام رطباً يسبح الله تعالىٰ فيونس الميت وتنزل بذكر الله تعالى الرحمة (ولا باس بقلع اليابس منهما) اى الحشيش والشجر لزوال المقصود (مراقى الفلاح ص ۱۲۱ ايضاً) وقطع النبات الربطة من اعلاه دون اليا بس(كبيرى ص ۵۶۳ فصل في الجنائز) يكره قلع ما نبت على القبور ما دام رطباً لا نه يسبح ما دام رطباً وان يبس لا بأس به (فتاوىٰ سراجيه** ص۲۴ فصل فی الجنائز **فقط والله اعلم بالصواب .**

نماز جنازہ کے بعد منہ دکھانے کی رسم:

(سوال ۱۱۸) ہمارے یہاں نماز جنازہ کے بعد حاضرین کو میت کا منہ دکھلایا جاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ رسم غیر ضروری اور مکروہ ہے کہ موجب تاخیر ہے حالانکہ تعجیل مامور بہ ہے، اسی لئے جنازہ لے جاتے وقت تیز چلنے کا حکم حدیث میں ہے۔ اسرعوا بالجنازۃ شامی میں ہے (قولہ یسرع بھا بلا خبب) بمعجمۃ مفتوحۃ وموحدتین وحد التعجیل المسنون ان یسرع بہ بحیث لا یضرب المیت علی الجنازۃ للحدیث اسرعوا بالجنازۃ الخ (شامی ج ۱ ص ۸۳۳ مطلب فی حمل المیت)(مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۳۵۲) جب تاخیر کی وجہ سے میت کے لئے بعد نماز جنازہ اجتماعی دعا ممنوع ہے تو منہ دکھانے کے لئے اجتماع کیسے درست ہے؟

فتاویٰ سراجیہ میں ہے۔ اذا فرغ من الصلوٰۃ لا یقوم بالدعاء (فتاویٰ سراجیہ ص ۲۳ جنائز)(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۲۵) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مرنے کے بعد جلا دینے کی وصیت:

(سوال ۱۱۹) ابھی قریب میں ایک نام نہاد مسلمان کا انتقال ہوا ہے وہ صحیح العقیدہ نہ تھا اور آئے دن اسلامی قوانین کے خلاف کچھ نہ کچھ بکواس کیا کرتا تھا اور اس بات کو مسلمان جانتے ہیں، اس نے مرتے وقت یہ وصیت کی کہ مجھے دفن نہ کیا جائے بلکہ جلایا جائے، مردے کو جلانا کفار کے شعائر میں سے ہے ایک شخص ایسے امر کو پسند کرے جو شعائر کفر میں سے ہو، کیا اس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس نے کفر کو پسند کیا اور اس کے جنازے کی نماز مسلمانوں کو پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسلمان میت کو دفن کرنا فرض کفایہ ہے اور اس پر اجماع ہے، اور مسلمانوں کا شعار ہے، اس لئے جب کہ اس شخص نے وصیت کی تھی کہ مجھے دفن نہ کیا جائے بلکہ جلایا جائے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں طریقہ اسلام سے نفرت اور طریقہ ہندو کی عظمت تھی، نیز اس میں شعار اسلام کا استخفاف بھی ہے۔ والاستھزاء علی الشریعۃ کفر لان ذلک من امارات التکذیب (شرح عقائد ص ۱۲۰) لہٰذا اس کو مسلمان تسلیم کرنا اور بطریق سنت غسل دینا اور کفنانا اور اس پر جنازہ کی نماز پڑھنا درست نہ ہوگا، جس کے دل میں اسلام کی عظمت ہو اور جو رسول مقبول ﷺ کو سچا نبی سمجھتا ہو، وہ اس قسم کی جرأت نہیں کر سکتا، تفسیر بیضاوی میں ہے وانما عد منہ (ای من الکفر) ولبس الغیار وشد الزنار ونحو ھما کفراً لا نھا تدل علی التکذیب فان من صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یجترئ علیھا ظاھراً لا لا نھا کفر فی انفسھا (تفسیر بیضاوی ص ۲۳ سورہ بقرہ رکوع ۱) یعنی غیار (کافروں کا ایک خاص لباس ہے) پہننا، زنار (جنوئی) باندھنا اور ان کے مانند چیزوں کو کفر یہ افعال میں شمار کیا گیا ہے، اس لئے کہ یہ چیزیں تکذیب (شریعت کو جھوٹا سمجھنے) پر دلالت کرتی ہیں۔ کیونکہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کو سچا نبی جانے گا وہ اس قسم کے کاموں پر ظاہراً جرأت نہیں کر سکتا ورنہ یہ چیزیں اپنی ذات

کے اعتبار سے کفر نہیں ہیں (بیضاوی)

اور مرقاۃ المفاتیح میں ہے۔(عیداً) کالنیروز للمجوس وغیرهم وجعل علماء نا التشبه بهم کلبس ثیاب الزینة ولعب البیض وصبغ الحناء واللهو والغناء علیٰ وجه التعظیم للیوم کفراً. یعنی ہمارے علماء نے کفار کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کو جیسے کفار کے تہوار کے دنوں کی عظمت کرتے ہوئے اچھے کپڑے پہننے ،مہندی لگانے اور کھیل کود، گانے بجانے کو کفر قرار دیا ہے (مرقاۃ ج۱ ص ۲۸۹ باب صلوٰۃ العیدین طبع ملتان)

اور مالا بدمنہ میں ہے۔

مسئلہ:

اگر کسے زنار بست قاضی ابوحفصؒ گفتہ کہ اگر برائے خلاصی از دست کفار کردہ باشد کافر نہ شود و اگر برائے فائدہ درتجارت کردہ باشد کافر شود۔ یعنی اگر کسی شخص نے زنار باندھی، قاضی ابوحفصؒ فرماتے ہیں، اگر کافروں کے ہاتھ سے خلاصی کے لئے (مجبوراً) باندھی تو کافر نہ ہوگا اور اگر تجارت میں فائدہ کے لئے باندھی تو کافر ہو جاتا ہے۔ (مالا بد منہ ص ۱۴۵، ص ۱۴۶)۔ نیز فرماتے ہیں:

مسئلہ:

مجوس درنوروز جمع شوند یا ہنود روز ہولی یا دیوالی شادی نمایند و مسلمانے گوید چہ خوب سیرت نہادہ اند، کافر شود ۔ یعنی مجوسی نوروز کے دن جمع ہوتے ہیں یا ہنود ہولی یا دیوالی کے دن خوشی مناتے ہیں اور کوئی مسلمان کہے کیا عمدہ طریقہ ہے تو کافر ہو جاتا ہے۔ (مالا بد منہ ص ۱۴۶) نیز فرماتے ہیں:

مسئلہ:

در دستور القضاۃ از امام زاہدؒ ابوبکرؒ نقل کردہ کہ ہر کہ در روز عید کافراں چنانچہ نوروز مجوس وہمچنیں در دوالی و دسہرہ کفار ہند برآید یا کافراں موافقت کند در بازی کافر شود۔ یعنی دستور القضاۃ میں امام زاہد ابوبکر کا قول نقل کیا ہے کہ کافروں کے دیوالی اور دسہرہ کے دن کوئی مسلمان کافروں کے ہمراہ نکلے اور کافروں کے ساتھ کھیل کود میں شریک ہو تو کافر ہو جاتا ہے۔ (مالا بد منہ ص ۱۴۸، ص ۱۴۹ باب کلمات الکفر)

تجنیس میں ہے کہ ہمارے مشائخ اس پر متفق ہیں کہ جس نے اعتقاد کیا امر کفار کو اچھا پس وہ کافر ہے۔ انتہیٰ (مظاہر حق ج ۱ ص ۱۷۴ باب صلوٰۃ العید) اور نوادر الفتاویٰ میں ہے کہ جو کوئی رسوم ہندوؤں کو اچھا جانے کافر ہو جاتا ہے (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۵) اور عمدۃ الاسلام میں ہے کہ جو کوئی رسمیں کافروں کی کرے جیسے کہ نئے گھر میں نیل اور گھوڑے سرخ و زرد رنگے یا بندھن باندھے یا گرہ سبز باندے کافر ہو جاتا ہے (مظاہر حق ج ۱ ص ۱۷۴) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ۔

پختہ قبروں کی اینٹوں اور پتھروں سے قبرستان کا احاطہ کرنا:

(سوال ۱۲۰) بعد سلام مسنون حسب ذیل مسئلہ میں علماء کرام ومفتیان عظام از روئے شریعت مطہرہ کیا فرماتے ہیں، ہمارے یہاں ایک قبرستان تقریباً چالیس سال پہلے کا ہے، پہلے ہمارے یہاں قبریں باقاعدہ دیوار چن کر بنائی جاتی تھیں، اب الحمد للہ یہ باتیں ختم ہو چکی ہیں ۴۰ سال پہلے سے جو قبریں پکی ہیں ان قبروں میں سے اینٹیں اور پتھر وغیرہ نکال کر ایک جگہ جمع کیا جارہا ہے اور ان اینٹوں سے ہمارے یہاں کے نوجوان قبرستان کا احاطہ کرنا چاہتے ہیں، تو اس طرح اینٹیں اور پتھر نکال کر قبرستان کا احاطہ کرنا کیسا ہے؟ قبروں کا نشان رہے گا صرف جو دیواریں اینٹوں اور پتھروں سے بنائی گئی ہیں اس کو نکالنا ہے تو یہ فعل کیسا ہے؟ اس میں قبروں اور مردوں کی توہین ہے یا نہیں؟ ان قبروں میں کچھ نئی قبریں بھی ہیں جن کو سال دو سال کا عرصہ ہوا ہے۔ جواب سے نوازیں۔

(الجواب) بے شک بلاضرورت شرعیہ قبر کے اندر پکی اینٹیں اور پتھر لگانا درست نہیں ہے، اوپر کے حصے میں بھی اس کی اجازت نہیں ہے، لیکن اینٹیں اور پتھر نکالنے کے لئے قبر کھولنا درست نہیں، مسئلہ ہے کہ میت کو بلا غسل دفنا دینے کے بعد محقق ہوا کہ میت کو غسل نہیں دیا گیا تھا تو مٹی ڈال چکنے کے بعد میت کو غسل دینے کے لئے قبر کھولنا درست نہیں ہے، اسی حالت میں قبر پر نماز پڑھ لی جائے اگرچہ پہلے پڑھ چکے ہوں البتہ قبر کے اوپر کے حصے میں پتھر اور اینٹیں لگی ہوں تو انہیں ہٹایا جا سکتا ہے بشرطیکہ ورثاء راضی ہوں اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، لوگوں کو سمجھایا جائے کہ پکی قبر بنوانا درست نہیں لہذا اوپر کے حصہ میں جو پتھر اور اینٹیں لگی ہیں انہیں ہٹا کر قبر مٹی سے ٹھیک کر دی جائے، اگر ورثاء رضامند ہوں تو ایسا کیا جا سکتا ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب ۱۳ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ

نماز جنازہ کے وضو سے اور نماز:

(سوال ۱۲۱) نماز جنازہ کے لئے وضو کیا ہے اس سے فجر کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(الجواب) نماز جنازہ کے لئے جو وضو کیا ہے اس سے فجر وغیرہ پڑھنا صحیح ہے کوئی حرج نہیں۔ کل وضوء تصح به الصلوٰة لان الصلوٰة تصح عندنا بالوضوء ولو لم يكن منويا (شامی کتاب الطهارة) والله تعالىٰ اعلم.

قبرستان میں بل ڈوزر چلانا:

(سوال ۱۲۲) یہاں ایک قبرستان ہے اس کے درمیان ایک بلند ٹیلہ ہے اور اس ٹیلہ پر بھی قبریں ہیں، بلڈوزر چلا کر اس ٹیلہ کو زمین کے برابر کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قبرستان میں ایسا کام کرنا جس سے مردوں کو ایذا پہنچے جائز نہیں، خواہ ان کی تدفین کو تھوڑا عرصہ ہوا ہو یا زیادہ عرصہ گذرا ہو، جب قبر پر چلنے اور بیٹھنے سے میت کو تکلیف ہوتی ہے تو بل ڈوزر چلا کر مردوں کو ایذاء پہنچانا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ لہذا اس سے احتراز کیا جائے۔(۱) **فقط واللہ اعلم بالصواب.**

---

(۱) ويكره ان يبنى على القبر او يقعد او ينام عليه او يوطأ عليه او يقضى حاجة الانسان. الخ. فتاوى عالمگيرى الفصل السادس في القبر والدفن. الخ.

قبر پر کتبہ لگانا بہتر ہے یا کار خیر میں خرچ کرنا؟

(سوال ۱۲۳) میں اپنے مرحوم خاوند کے ایصال ثواب کے لئے ان کی قبر پر پتھر (کتبہ) لگانا چاہتی ہوں تو اس میں مرحوم کو زیادہ ثواب ملے گا یا اس پتھر کی قیمت کسی صدقہ جاری کے مصرف میں دے دوں اس میں زیادہ ثواب ملے گا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قبر پر مرحوم خاوند کے نام کا پتھر لگانے سے مرحوم کو کچھ اجر نہیں ملے گا اجر اس میں ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق غربا و مساکین کی امداد کی جائے یا کسی صدقہ جاریہ کے کام میں خرچ کی جائے، یہ مرحوم کے حق میں بہتر ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

آتش فشاں کے قریب کے جلے ہوئے پتھروں سے قبرستان کا راستہ بنانا، اور گھروں میں ان پتھروں سے آتش فشاں کا مثل بنانا:

(سوال ۱۲۴) ریونین ایک پہاڑی علاقہ ہے اور یہاں ایک آتش فشاں ہے جو بہت دور تک پھیلا ہوا ہے اس کے قریب بہت سے جلے پتھر پڑے ہیں جو وزن میں ہلکے ہوتے ہیں اور ان کا استعمال بہت سی جگہوں میں ہوتا ہے، سینٹ لوئیس کے قبرستان کے اندر جو آمدورفت کا راستہ ہے وہاں کیچڑ نہ ہو اس لئے یہ پتھر وہاں ڈالتے ہیں بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ پتھر دوزخ کے پتھروں کی مثال ہے۔ اس سلسلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟

(۲) اوپر کے سوال میں درج پتھروں کا استعمال یہاں کے بہت سے مسلمان اپنے مکانوں میں فیشن سمجھتے ہوئے ایک چھوٹا سا آتش فشاں بنواتے ہیں اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) قبرستان کے اندر لوگوں کے چلنے کا جو راستہ ہے اس کو پختہ کرنے کے لئے یہ پتھر لگائے جا سکتے ہیں قبر کے اندر اور قبر کے اوپر لگانا منع ہے۔[1]

(۲) مباح ہے۔ بنا سکتے ہیں لیکن فضولیات سے بچنا بہتر ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قبر میں مومن کامل کا جواب:

(سوال ۱۲۵) قبر میں مؤمن کامل منکر نکیر کو جو جواب دیتا ہے وہ کیا ہے؟ امید ہے کہ آپ بحوالہ کتب تحریر فرمائیں گے. بینوا توجروا۔

(الجواب) شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے مجموعۂ کمالات عزیزی میں سوال و جواب منقول ہے ملاحظہ ہو۔

(سوال) قبر میں جو سوال و جواب ہوتا ہے وہ بدستخط مزین بمہر عنایت ہو۔

(الجواب) قبر میں مومن کامل جو جواب دیتا ہے وہ موافق احادیث کے لکھا جاتا ہے، مہر کی ضرورت نہیں اور یہ جواب ورد زبان کرنا چاہئے اور وہ نئے کپڑے پر خوشبو سے لکھوا کر اپنے پاس رکھنا چاہئے۔ وہ جواب یہ ہے۔ اشھد ان لا الہ

---

(۱) ويسوى اللبن عليه والقصب لا الآجر المطبوخ والخشب لو حوله اما فوقه فلا يكره ، ابن ملك در مختار مع الشامي مطلب في دفن الميت ج ۱ ص ۸۳۶ .

الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ' ورسولہ' رضیت باللہ ربا وبالا سلام دینا وبمحمد نبیاً ورسو لا وبالقرآن اما ما وبالکعبۃ قبلۃ وبالمؤمنین اخوانا وبا لصدیق وبالفاروق وبذی النورین وبا لمرتضی ائمۃ رضوان اللہ علیھم مرحباً بالملکین الشاھدین الحاضرین واشھدابانا نشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ علی ھذہ الشھادۃ نحیی وعلیھا نموت وعلیھا نبعث ان شاء اللہ تعالی۔

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی بندگی کے قابل نہیں اور گواہی دیتا ہوں یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر ہیں، راضی ہوا میں اللہ سے از روئے رب ہونے کے اور اسلام سے از روئے دین ہونے کے اور راضی ہوا میں محمد ﷺ سے از روئے نبی ہونے کے اور رسول ہونے کے، اور راضی ہوا میں قرآن سے از روئے مقتدا ہونے کے اور کعبہ سے از روئے قبلہ ہونے کے اور راضی ہوا میں مسلمانوں سے از روئے بھائی ہونے کے اور راضی ہوا میں حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ اور حضرت ذوالنورینؓ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے از روئے امام ہونے کے، ان حضرات کی شان میں اللہ کی رضا مندی رہے، اور خوشی ہے دو فرشتوں کو آنے سے کہ گواہ اور موجود ہیں اور اے تم دونوں فرشتے

گواہ رہو اس پر کہ ہم گواہی دیتے ہیں یہ کہ نہیں کوئی معبود پرستش کے قابل سوائے اللہ کے اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اسی شہادت پر ہم زندہ ہیں اور اسی پر ہم مریں گے اور اسی پر قیامت میں اٹھائے جاویں گے اگر اللہ نے چاہا۔ (مجموعہ کمالات عزیزی ص ۲۷) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا:

(سوال ۱۲۶) ہمارے یہاں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کا انتقال ہو جاتا ہے تو میت کے رشتہ داروں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس کو اس کے وطن میں دفن کیا جائے بعض اوقات تو ایک ملک سے دوسرے ملک بھی منتقل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، شرعاً یہ صورت کیسی ہے؟ اس میں کوئی قباحت تو نہیں؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے بعض بزرگوں کو بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ لا کر دفن کیا گیا، اس کی گنجائش ہوگی تب ہی تو یہ صورت اختیار کی گئی تو کیا ان لوگوں کا یہ استدلال صحیح ہے؟ نیز اس میں عوام وخاص سب کا ایک حکم ہے یا کچھ فرق ہے؟ مدلل جواب مرحمت فرمائیں بینوا توجروا۔

(الجواب) مستحب اور افضل طریقہ یہی ہے کہ انسان کا جہاں انتقال ہوا وہیں اس کو دفن کیا جائے چاہے اس کا انتقال وطن میں ہوا ہو یا وطن سے باہر کسی اور جگہ۔ دفن کرنے سے قبل منتقل کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے میل دو میل منتقل کرنا تو بالاتفاق جائز ہے، دو میل سے زیادہ منتقل کرنے کو اکثر فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، اور صاحب نہر نے اسے بحوالہ عقد الفرائد الظاہر (ظاہری روایت) کہا ہے (شامی نے اسے نقل کیا ہے ج ا ص ۸۴۰) بعض فقہاء مادون السفر اور بعض مطلقاً جواز کے قائل ہیں مگر افضل منتقل نہ کرنا ہے بچند وجوہ۔

(۱) منتقل کرنے سے تجہیز وتکفین میں تاخیر ہوتی ہے، حالانکہ تجہیز وتکفین میں عجلت مطلوب ہے۔

(۲) گاہے میت کے بدن میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے، کبھی تو لاش پھول پھوٹ جاتی ہے، بدبو پیدا ہو جاتی ہے

جس کی وجہ سے لوگ بھی دور دور رہتے ہیں اور میت کا جو احترام ہونا چاہئے وہ فوت ہو جاتا ہے، اور اگر غسل دیئے بغیر منتقل کیا ہو تو پہنچنے تک کبھی میت نہ غسل کے قابل رہتی ہے نہ نماز جنازہ کے قابل، منتقل کرنا اپنے اختیار میں نہیں ہوتا، قانونی رکاوٹیں سامنے آتی ہیں اور تاخیر ہو جاتی ہے۔

(۳) منتقل کرنے میں میت کی بے حرمتی کا بھی زیادہ امکان ہے، ضرورت سے زیادہ میت کو حرکت ہوتی ہے اور بسا اوقات لاش کو برف پر رکھا جاتا ہے جو بجائے خود میت کے لئے تکلیف کا سبب ہے اور میت کو تکلیف پہنچانا ممنوع ہے اسی بنا پر حکم ہے کہ میت کو غسل دینے کے لئے پانی اتنا گرم کیا جائے جتنا کہ وہ اپنی زندگی میں استعمال کرتا تھا بہت تیز گرم نہ ہو، بہشتی زیور میں ہے: مسئلہ: اگر بیری کے پتے ڈال کر پکایا ہوا پانی نہ ہو تو یہی سادہ نیم گرم پانی کافی ہے اسی سے اسی طرح تین دفعہ نہلا دیوے، اور بہت تیز گرم پانی سے مردے کو نہ نہلاؤ، حاشیہ میں ہے ویغلی الماء بالسدر او الحرض فان لم یکن فالماء القراح ۱۲ هدایه ج ۱ ص ۱۶۰ (بہشتی زیور ص ۶۳ دوسرا حصہ نہلانے کا بیان) حدیث میں ہے۔ عن عائشة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کسر عظیم المیت ککسرہ حیاً، رواہ مالک وابو دائود ابن ماجه (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹)، حاشیہ میں ہے قوله ککسره حیاً یعنی فی الا ثم کما فی الروایة قال الطیبی اشارۃ الی انه لا یهان المیت کما لا یهان الحی وقال ابن الملک والی ان المیت یتا لم قال ابن حجر ومن لا زمه ان یستلذ بما یستلذ به الحی انتھیٰ وقد اخرج ابن ابی شیبة عن ابن مسعود اذی المؤمن فی موته کا ذاہ فی حیوته ذکرہ فی المرقاۃ ۱۲ (حاشیه مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹ باب دفن المیت)

(۴) چونکہ بلا ضرورت شرعی منتقل کرنا غیر ضروری بلکہ مکروہ ہے اس لئے منتقل کرنے کے اخراجات اور مصارف تجہیز و تکفین میں محسوب نہ ہوں گے (فتاویٰ رحیمیہ ج ۲ ص ۱۱۲) مگر بعض اوقات یہ اخراجات میت کے ترکہ میں سے کئے جاتے ہیں اور گاہے ورثہ میں نابالغ بچے بھی ہوتے ہیں ان کی حق تلفی ہوتی ہے یہ ایک خود گناہ کا کام ہے لہٰذا منتقل کرنے کی کوشش نہ کرنا چاہئے جہاں انتقال ہوا ہے وہیں دفن کر دینا چاہئے اور اب تو میت دعاء مغفرت اور ایصال ثواب کا محتاج ہے، اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے سنت طریقہ کے مطابق دعاء مغفرت اور ایصال ثواب کا جتنا زیادہ اہتمام ہو سکے کرنا چاہئے اسی میں میت کا مفاد ہے منتقل کرنے میں میت کا کچھ مفاد نہیں۔

درمختار میں ہے یندب دفنه فی جهة موته وتعجیله ولا بأس بنقله قبل دفنه (درمختار) شامی میں ہے (قوله یندب دفنه فی جهة موته) ای فی مقابر اهل المکان الذی مات فیه او قتل وان نقل قدر میل او میلین فلا بأ س شرح المنیة . قلت ولذا صح امرہ صلی اللہ علیه وسلم بد فن قتلی احد فی مضاجعهم مع ان مقبرۃ المدینة قریبة ولذا دفنت الصحابة الذین فتحوا دمشق عند ابوابها ولم یدفنوا کلهم فی محل واحد (قوله لا بأس بنقله قبل دفنه) قیل مطلقاً وقیل الیٰ مادون السفر وقیده محمد بقدر میل او میلین لان مقابر البلد ربما بلغت هذه المسافة فیکره فیما زاد، قال فی النهر عن عقد الفرائد وهو الظاهر (درمختار وشامی ج ۱ ص ۸۴۰ قبیل مطلب فی الثواب علی المصیبة.) مذکورہ عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں انسان کا انتقال ہوا ہو یا شہید ہوا ہو اسی بستی کے قبرستان میں دفن

کرنا مستحب ہے حضور اقدس ﷺ نے شہدائے احد کو جہاں وہ شہید ہوئے تھے وہیں دفن کرنے کا حکم فرمایا، حالانکہ مدینہ منورہ کا قبرستان (جنت البقیع) وہاں سے قریب تھا اور جو صحابہ دمشق کی فتح کے وقت شہید ہوئے ان کو دمشق کی شہر پناہ کے دروازے کے قریب دفن کیا، تمام شہداء کو ایک جگہ جمع کر کے دفن کرنے کا اہتمام نہیں کیا، تدفین سے قبل ایک یا دو میل منتقل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ مطلقاً حرج نہیں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ سفر شرعی سے کم مسافت ہو تو منتقل کرنے میں حرج نہیں، امام محمدؒ نے میل دو میل کے فاصلے کی قید لگائی ہے اس لئے کہ شہروں کے قبرستان بسا اوقات اتنی مسافت پر ہوتے ہیں، اس سے زیادہ مسافت ہو تو مکروہ ہے، صاحب نہر نے عقد الفرائد سے نقل کیا ہے کہ یہی ظاہر ہے (درمختار و شامی ج ۱ ص ۸۴۰)

کبیری میں ہے ویستحب فی القتیل والمیت دفنه فی المکان الذی مات فیه فی مقابر اولئک القوم وان نقل قبل الدفن قدر میل او میلین فلا بأس به قیل هذا التقدیر من محمد یدل علی ان نقله من بلد الی بلد لا یجوز او مکروه ولان مقابر بعض البلدان ربما بلغت هذه المسافة ففیه ضرورة ولا ضرورة فی النقل الی بلد آخر و قیل یجوز ذلک مادون السفر لماروی ان سعد بن ابی وقاص مات فی قریة علی اربعة فراسخ من المدینة فحمل علی اعناق الرجال الیها وقیل لا یکون فی مدة السفر. ایضا.

یعنی اور مقتول (شہید) اور میت کو اسی بستی کے قبرستان میں دفن کرنا مستحب ہے جہاں اس کا انتقال ہوا ہو، اور اگر دفن سے پہلے ایک دو میل منتقل کیا جائے تو اس میں حرج نہیں، بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ امام محمدؒ سے ایک دو میل منتقل کرنے کا اندازہ جو منقول ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا یا تو جائز نہیں ہے یا مکروہ ہے، اس لئے کہ بعض شہروں کے قبرستان ایک دو میل کی مسافت پر ہوتے ہیں تو اس میں ضرورت متحقق ہے اور اس سے زیادہ میں ضرورت نہیں ہے اور ایک قول یہ ہے کہ سفر شرعی سے کم مسافت ہو تو منتقل کرنے کی گنجائش ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا ایک قریہ (بستی) میں جو مدینہ منورہ سے چار فرسخ (تقریباً ۱۲ میل) پر تھا وہاں آپ کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے کندھا بکندھا آپ کو مدینہ منورہ منتقل کیا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ مطلقاً گنجائش ہے (کبیری شرح منیہ ص ۵۶۳ فصل فی الجنائز الثانی فی مسائل متفرقۃ من الجنائز)

رسائل الارکان میں ہے ولا ینتقل المیت من بلدمات فیه الیٰ بلد اخری لما روی عن جابر رضی الله عنه قال لما کان یوم احد جاء ت عمتی بابی لتد فنه فی مقابر نا فنا دی منادی رسول الله صلی الله علیه وسلم ردوا لقتلی الی مصاجعهم رواه الترمذی وابوداؤد. الی قوله واما قبل النبش فمکروه والا فضل ان لا ینقل　فعلم منه ان النقل مکروه والا فضل عدم النقل وایضا فی النقل تاخیر الدفن وفی النقل ایضا احتمال التفسخ والنتن المنفر للناس فیجد عنه الناس فیحوف تکریم المیت وهذا بخلاف نقل یوسف بعقوب علیه السلام لان اجساد　الا نبیاء لا تنفسخ وهم طیبون حیاً و میتاً فلا خلل فی نقلهم فیجوز. وبالجملة ان عدم کراهة نقل اجساد الانبیاء لعله من خصائصهم لهذه العلة والله اعلم.

عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل نہ کیا جائے، ترمذی اور ابوداؤد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ غزوۂ احد کے دن میری پھوپھی میرے والد کو (یعنی اپنے بھائی کو) اپنے قبرستان میں دفن کرنا چاہتی تھیں، رسول اللہ ﷺ کے منادی نے اعلان کیا کہ شہداء کو ان کی شہادت کی جگہ دفن کرو۔ الی قولہ۔ نیز منتقل کرنے میں دفن میں تاخیر ہوتی ہے، نیز منتقل کرنے میں لاش کے پھٹ جانے اور بدبو پیدا ہونے کا احتمال ہے، جس سے لوگوں میں نفرت پیدا ہوسکتی ہے پس لوگ میت سے دور رہیں گے اور میت کا احترام فوت ہوجائے گا، حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منتقل فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام کے بدن میں تغیر نہیں ہوتا، وہ اپنی زندگی میں اور زندگی کے بعد بھی طیب ہوتے ہیں لہذا ان کو منتقل کرنے میں حرج نہیں ہے، ان کو منتقل کرنا جائز ہے یہ ان کی خصوصیت ہوسکتی ہے (رسائل الارکان ص ۱۵۹ ص ۱۶۰ کتاب الجنائز قبیل سجود التلاوۃ)

مراقی الفلاح میں ہے (ویستحب الدفن فی) مقبرۃ (محل مات بہ او قتل) لماروی عن عائشۃ رضی اللہ عنہا انہا قالت حین زارت قبر اخیہا عبدالرحمن و کان مات بالشام وحمل منہا لو کان الامر فیک ما نقلتک ولدفنتک حیث مت (فان نقل قبل الدفن قدر میل او میلین) ونحو ذلک (لا بأس بہ) لان المسافۃ الی المقابر قد تبلغ ھذا المقدار (وکرہ نقلہ لاکثر منہ) ای اکثر من المیلین کذا فی الظھیریۃ وقال شمس الائمۃ السرخسی وقول محمد فی الکتاب لا بأس ان ینقل المیت قدر میل او میلین بیان ان النقل من البلد الی بلد مکروہ قالہ قاضی خان وقد قال قبلہ لو مات فی غیر بلدہ یستحب ترکہ فان نقل الی مصر آخر لا بأس بہ لماروی ان یعقوب صلوات اللہ مات بمصر و نقل الی الشام وسعد بن ابی وقاص مات فی ضیعۃ علی اربعۃ فراسخ من المدینۃ وحمل علی اعناق الرجال الی المدینۃ قلت یمکن بان الزیادۃ مکروھۃ فی تغیر الرائحۃ او خشیتھا وتنتفی بانتفائھا لمن ھو مثل یعقوب علیہ السلام او سعد رضی اللہ عنہ لانھما من احیاء الدارین۔

مذکورہ عبارت کا خلاصہ یہ ہے: جس جگہ انتقال ہوا ہو یا شہید ہوا ہو اسی جگہ کے قبرستان میں دفن کرنا مستحب ہے اس وجہ سے کہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ (جب ایک سفر میں) آپ نے اپنے بھائی عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے قبر کی زیارت کی، ان کا انتقال شام میں ہوا تھا اور وہاں سے منتقل کر کے دوسری جگہ دفن کیا گیا تھا، اگر تمہارا معاملہ میرے قبضے میں ہوتا تو میں تمہیں منتقل نہ کرتی اور جہاں تمہارا انتقال ہوا وہیں دفن کرتی۔ اگر دفن کرنے سے قبل ایک یا دو میل منتقل کیا جائے تو اس میں حرج نہیں اس لئے کہ کبھی شہر کے قبرستان اتنے فاصلہ پر ہوتے ہیں، دو میل سے زیادہ منتقل کرنا مکروہ ہے، کذا فی الظہیریۃ، شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ نے میل دو میل منتقل کرنے کو لابأس بہ فرمایا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا مکروہ ہے، قاضی خاں۔ اور اس سے قبل قاضی خاں میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کا اس کے شہر کے علاوہ کسی اور جگہ انتقال ہوگیا تو وہیں دفن کرنا مستحب ہے اور اگر دوسرے شہر منتقل کیا تو حرج نہیں اس وجہ سے کہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مصر میں انتقال ہوا اور آپ کو ملک شام لے جایا گیا اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا مدینہ سے چار فرسخ (تقریباً بارہ میل) دور ایک جگہ

انتقال ہوگیا اور لوگوں کے کندھوں پر ان کو مدینہ منورہ منتقل کیا گیا، قلت: (صاحب مراقی الفلاح فرماتے ہیں) یہ بات ممکن ہے کہ دو میل سے زیادہ منتقل کرنا اس صورت میں مکروہ ہو کہ میت کے بدن میں تغیر اور بدبو پیدا ہونے کا اندیشہ ہو اور جہاں یہ اندیشہ نہ ہو تو کراہت منتفی ہو جائے گی، لہذا جو شخص حضرت یعقوب علیہ السلام یا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے مثل ہو اس کے حق میں یہ کراہیت باقی نہیں رہے گی حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ دنیا اور آخرت کے اعتبار سے زندہ ہیں۔ (مراقی الفلاح ص ۳۴۷ کتاب الجنائز فصل فی حملہا ودفنہا)

صاحب مراقی الفلاح نے فقہاء رحمہم اللہ کے اقوال میں جو تطبیق دی ہے اس کے پیش نظر عوام وخواص کے حکم میں فرق کیا جا سکتا ہے لہذا اگر بعض بزرگوں کو منتقل کیا گیا ہو تو ان پر قیاس نہ کیا جائے اور اس سے استدلال نہ کیا جائے ہم تو بحر عصیان میں غرق اور وہ قربان الٰہی عشق الٰہی میں فنا۔

چہ　نسبت　خاک　را با　عالم　پاک

کسی نے خوب کہا ہے

شہیدان　محبت　کو　کبھی　مرتے　نہیں　دیکھا
حیات　جاودانی　ملتی　ہے　تو　فنا　ہو　کر

بزرگوں کے جسم میں جلدی تغیر نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات تدفین کے بعد بھی ان کے جسم تغیر وتبدل سے محفوظ رہتے ہیں واقعات شاہد ہیں کہ برسہا برس کے بعد اتفاقاً کسی وجہ سے قبر کھل گئی تو بدن بالکل محفوظ پایا گیا بلکہ کفن بھی اسی حالت میں دیکھا گیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تازہ تازہ دفن کیا ہو، سبحان اللہ۔

موت التقی حیاۃ لا نفاد لہا
قدمات قوم وہم فی الناس احیاء

فقط واللہ اعلم بالصواب.

قبرستان میں بینچ (کرسی) رکھنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۲۷) ہمارے گاؤں کے کچھ لوگ قبرستان میں بینچ (بڑی کرسی) رکھنا چاہتے ہیں تاکہ بوڑھے لوگ قبرستان کی زیارت کے وقت بیٹھ کر کچھ پڑھ سکیں کھڑے رہنے میں ان لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے تو قبرستان میں بینچ رکھ سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بوڑھوں کو تکلیف نہ ہو یہ مقصد ظاہر کیا جاتا ہے مگر بتدریج اس سے غلط نتائج پیدا ہونے کا خطرہ ہے، غافل قسم کے لوگ قبرستان کو ایک تفریح گاہ بنالیں گے اور وہاں بیٹھ کر بیکار قسم کی گپ شپ میں مشغول رہیں گے اور قبروں کی زیارت کا جو مقصد ہے وہ فوت ہو جائے گا، لہذا قبرستان کو پرانے اور سادا طریقہ ہی پر رکھا جانے اور بینچ وغیرہ نہ رکھا جائے، بوڑھے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہو تو وہ زمین پر بیٹھ سکتے ہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قبرستان کے مفاد میں قبرستان کی زمین میں دوکانیں بنانا:

(سوال ۱۲۸) ہمارے یہاں ایک قبرستان بہت پرانا ہے اور اس کا رقبہ بہت زیادہ ہے اس کے ایک جانب عام

شاہراہ (سڑک) ہے اس جانب قبرستان کی دیوار ہے تین جانب دیواریں نہیں ہیں، جن کی تعمیر کثیر رقم سے ممکن ہے اتنی بڑی رقم جمع کرنا بہت مشکل ہے سڑک سے لگی ہوئی پٹی میں تقریباً چار میٹر کی چوڑائی میں کوئی قبر نہیں ہے، اس پٹی میں قبرستان کے نگراں دوکانیں بنوانا چاہتے ہیں، ان دوکانوں کے کرایہ سے دیواروں کا کام آسانی سے ہو سکے گا، کیا اس مقصد سے قبرستان کی زمین میں دوکانیں بنانا جائز ہے؟ اگر دیواریں نہ بنائی جائیں تو اندیشہ ہے کہ لوگ قبرستان کی زمین پر آہستہ آہستہ قبضہ کرلیں گے، کچھ لوگوں نے تو قبضہ بھی کیا تھا مگر بروقت قانونی چارہ جوئی کی وجہ سے وہ لوگ کامیاب نہ ہو سکے، امید ہے کہ آپ جواب عنایت فرمائیں گے، بینوا توجروا۔

(الجواب) قبرستان مسلمان مردوں کی تدفین کے لئے وقف ہوتا ہے، قبرستان کے مفاد یعنی کمپاؤنڈ بنانے کے لئے بھی اس کے کسی حصہ میں دوکانیں بنانے کی شرعاً اجازت نہ ہوگی، اس کے لئے چندہ کیا جائے، مقامی چندہ سے کام نہ ہو سکے تو دیگر مقامات سے چندہ کیا جائے کوشش شرط ہے، باوجود کوشش کے چندہ فراہم نہ ہو سکے تو قطعی مایوسی کی صورت میں اتنی مدت کے لئے دوکان بنادی جائیں کہ کمپاؤنڈ بن جائے اور قبریں بے حرمتی سے محفوظ ہو جائیں بعد میں دوکانیں توڑ کر جگہ خالی کردی جائے کہ مردہ دفن کیا جا سکے قبرستان کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۲۹) ہمارے گاؤں میں ایک غیر مسلم کے لڑکے کا انتقال ہوگیا ایک مسلمان اس کے جنازہ میں شریک ہوا اور اس بچہ کی میت ہاتھ میں لے کر چلا تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ کیا ایمان و نکاح پر اثر پڑے گا بینوا توجروا۔

(الجواب) کسی مصلحت یا ضرورت، سے غیر مسلموں سے ملنا جلنا ان کے دکھ درد میں شریک ہونا اور انسانیت کے ناطے ان کا تعاون کرنا خاص کر جب کہ پڑوسی ہوں شرعاً جائز ہے، نیت اچھی اور اصلاح کی ہونی چاہئے، مداہنت کی صورت نہ ہو، البتہ ان کے مذہبی معاملات اور مذہبی رسومات میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے، لہذا اگر کوئی کافر بیمار ہوگیا یا اس کے یہاں کسی کا انتقال ہوگیا تو اس کی عیادت اور تعزیت کرنا تو جائز ہے، مگر میت اور جنازہ لے کر چلنا اور ان کے دیگر مذہبی رسومات کی ادائیگی میں شرکت کرنا جائز نہیں، صورت مسئولہ میں اس شخص نے مروت یا لحاظ میں شرکت کی ہوگی لہذا وہ شخص اپنے اس فعل پر صدق دل سے توبہ کرے اور لوگوں کے سامنے اپنی توبہ کا اظہار کرے اور آئندہ اس قسم کی حرکت نہ کرنے کا پختہ عزم کرے، اس شخص کا ایمان اور نکاح باقی ہے اس میں شک وشبہ نہ کیا جائے۔

درمختار میں ہے: وجاز عیادة (الذمی) بالا جماع وفی عیادة المجوسی قولان. رد المحتار (شامی) میں ہے (قوله وفی عیادة المجوسی قولان) قال فی العناية فيه اختلاف المشايخ فمنهم من قال به لانهم من اهل الذمة . الیٰ قوله. قلت وظاهر المتن کا لملتقی وغيره اختيار الا ول ...... وفی النوادر جار يهودی او مجوسی مات ابن له او قريب ينبغی ان يعزيه ويقول اخلف الله عليک خيرا منه واصلحک وکان معناه اصلحک الله بالا سلام يعنی رزقک الا سلام ورزقک ولدا مسلما کفاية (رد المحتار ج۵ ص ۳۴۱ کتاب الحظر والا باحة فصل فی البيع)

امداد الفتاوی میں ہے:۔

(سوال) کسی شیعہ مذہب والے کے جنازہ میں شریک ہونا خواہ کسی دنیوی مصلحت کی وجہ سے یا اس بنا پر کہ وہ یا اس کے گھر والے ہمارے یہاں کے جنازہ میں شریک ہوتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) فی نفسہ منہی عنہ ہے لیکن اگر کوئی ضرورت ہو جائز ہے اور ضرورت کی حقیقت دفع مضرت ہے نہ کہ جلب منفعت (امداد الفتاوی ج اص ۵۳۱ باب الجنائز مطبوعہ کراچی ج اص ۸۲ ے، مطبوعہ تالیفات اولیاء دیوبند)

نیز امداد الفتاوی میں ہے۔تعزیت کفار:

(سوال) چہ می فرمایند علمائے دین رحمہم اللہ تعالی کہ مسلمانان را تعزیت اہل ذمہ جائز است یا نہ خصوصا بنیت دوستی ایشاں وطمع دنیاوی در مال ایشاں، مفصل جواب درکار است؟

(الجواب) اگر حق شرکت بلد یا محلہ پنداشتہ کند جائز است فی الدر المختار و جاز عیادۃ (الذمی) بالا جماع و دوستی فی نفسہ مذموم است لہذا تخلیص عیادت از اں ضروری است (امداد الفتاوی، ج اص ۵۰۰، باب الجنائز مطبوعہ پاکستان) فتاوی رحیمیہ ج اص ۴۸ بھی ملاحظہ کیا جائے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بلڈوزر یا ٹریکٹر سے قدیم قبرستان کی صفائی کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۳۰) ہمارے یہاں ایک قدیم وقف قبرستان ہے اس میں چند سالوں سے تدفین نہیں ہوتی اس قبرستان میں جگہ جگہ کانٹے دار جھاڑیاں اور درخت ہیں اور جگہ جگہ کھڈے ہیں ہموار زمین نہیں ہے، گاؤں والے اس کی صفائی اور زمین ہموار کردینے کا ارادہ کررہے ہیں، اس مقصد کے پیش نظر قبرستان میں بلڈوزر کے ذریعہ خار دار جھاڑیوں وغیرہ کی صفائی اور تین ساڑھے تین فٹ زمین کھود کر زمین ہموار کرنا شرعا جائز ہے یا نہیں؟ اگر بلڈوزر سے یہ کام کرنا شرعاً جائز نہ ہو تو ٹریکٹر سے یہ کام کرنا جائز ہوگا؟ اگر یہ دونوں صورتیں جائز نہ ہوں تو کیا مزدوروں سے یہ کام کرایا جا سکتا ہے؟

(۲) قبرستان میں زائرین کی سہولت کے لئے پختہ راستے بنائے جائیں تو کیا حکم ہے؟

(۳) اگر یہ تمام صورتیں ناجائز ہوں تو قبرستان کی صفائی کے لئے کون سی صورت اختیار کرنا جائز ہے؟

بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱،۲،۳) آپ کے یہاں کا وقف قبرستان بہت قدیم ہے آپ حضرات اس کی صفائی اور ہموار کرنا چاہتے ہیں، لیکن ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ جس سے مردوں اور قبروں کا احترام باقی رہے، قبروں کی بے حرمتی اور بے ادبی کرنا، قبروں کے اوپر چلنا، بیٹھنا، ٹیک لگانا جائز نہیں ہے۔حدیث میں ہے۔

(۱) عن جابر رضی اللہ عنہ قال نھیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر و ان یبنی علیہ و ان یقعد علیہ، رواہ مسلم .(مشکوۃ شریف ص ۱۴۸ باب دفن المیت)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو پختہ بنانے اور قبروں کے اوپر عمارت بنانے اور قبروں کے اوپر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

(۲)عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لان يجلس احد كم على جمرة فتحرق ثيابه فتخلص الى جلده خير له من ان يجلس على قبر رواه مسلم (مشکوة شریف ص ۱۴۸ باب دفن المیت)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی آگ کے (انگارے) پر بیٹھے جس سے اس کے کپڑے جل جائیں اور آگ کا اثر اس کے جسم تک پہنچ جائے یہ اس کے لئے قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے۔

غور کیجئے! قبر پر بیٹھنے پر کتنی سخت وعید بیان فرمائی ہے۔

(۳)عن ابی مرثد الغنوی رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تجلسوا على القبور ولا تصلوا اليها ، رواه مسلم (مشكوة شريف ج ۱ ص ۱۴۸)

ترجمہ: حضرت ابو مرثد غنویؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، قبروں پر مت بیٹھوں اور قبروں کی طرف رخ کر کے نماز مت پڑھو، رواہ مسلم۔

(۴)عن عمرو بن حزم رضی الله عنه قال رأني النبی صلی الله علیه وسلم متكئاً على قبر فقال لا تؤذ صاحب هذا القبر (مشكوة شريف ص ۱۴۹)

ترجمہ: حضرت عمرو بن حزمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر پر ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے دیکھا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تم اس صاحب قبر کو تکلیف مت پہنچاؤ۔

(۵)عن عائشة رضی الله عنها ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال كسر عظم الميت ككسره حياً (مشکوة شريف ص ۱۴۹ باب دفن المیت

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مردہ کی ہڈی توڑنا زندہ آدمی کی ہڈی توڑنے کے مماثل ہے۔

مندرجہ بالا حدیثوں کو بار بار پڑھئے اسلام میں مردہ اور قبروں کا کس قدر احترام ہے وہ ان حدیثوں سے سمجھا جا سکتا ہے، بلڈوزر یا ٹریکٹر سے صفائی کرنے میں قبروں کی بے حد توہین اور بے ادبی ہوگی، قبر پر چلنے اور ٹیک لگا کر بیٹھنے سے منع فرمایا گیا ہے تو بلڈوزر اور ٹریکٹر چلانے کی کیسے اجازت دی جا سکتی ہے؟ قبرستان بہت قدیم ہے بہت سی قبروں کے نشان بھی نہ رہے ہوں گے، لہذا یہ خیال کر کے کہ یہاں قبریں نہ ہوں گی بلڈوزر یا ٹریکٹر سے صفائی کا ارادہ نہ کیا جائے وہاں بھی قبروں کے ہونے کا قوی امکان ہے، نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ چھوٹے بچوں کی قبر زیادہ گہری نہیں کھودی جاتی بلڈوزر چلانے میں پوری قبر کھل جانے کا امکان ہے لہذا یہ ارادہ بالکل ترک کر دیا جائے۔

قبرستان عبرت حاصل کرنے کی جگہ ہے تفریح گاہ یا باغ نہیں ہے کہ تکلفات کر کے پختہ راستہ بنانے کا اہتمام کیا جائے، قبرستان کی ہری گھاس اور درخت کی تسبیح سے مردں کو فائدہ پہنچتا ہے اس لئے ہری گھاس اور درخت کا ٹنا منع ہے، ہاں گھاس خشک ہوگئی ہو، درخت سوکھ گیا ہو تو ان کو کاٹنے کی ممانعت نہیں، نور الایضاح میں ہے **وقلع الحشيش والشجر من المقبرة ولا بأس بقلع اليابس منهما.** یعنی قبرستان کی سبز گھاس کو اکھیڑنا اور درخت

توکاٹنا مکروہ ہے اور ہر دو خشک ہو گئے ہوں تو مکروہ نہیں (نور الایضاح ص۱۴۲ فصل فی زیارۃ القبور)

کبیری میں ہے ویکره قطع النبات الراطبة من اعلاه دون الیابس، یعنی قبر کے اوپر سبز گھاس کا ٹنا مکروہ ہے خشک گھاس کاٹنا مکروہ نہیں (کبیری ص۵۶۳ فصل فی الجنائز)

البتہ لوگوں کو قبروں کی زیارت کے لئے آمد ورفت میں تکلیف ہوتی ہوتو قبروں کو چھوڑ کر آس پاس کی خالی جگہ سے گھاس وغیرہ کاٹنے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جس کے گھر کسی کا انتقال ہو جائے اس دن اہل میت کے لئے کھانے کا انتظام کرنا:

(سوال ۱۳۱) ہمارے یہاں جب کسی کے گھر میت ہو جاتی ہے تو قریبی رشتہ دار یا پڑوسی ان کے لئے کھانے کا انتظام کرتے ہیں، کیا یہ جائز ہے! بدعت تو نہیں، اگر جائز ہو تو اس کی دلیل ضرور تحریر فرمادیں۔ نیز یہ بھی تحریر فرمادیں کہ اس کھانے میں سے کون کون لوگ کھا سکتے ہیں۔

(الجواب) کسی کے یہاں میت ہو جائے تو ان کے قریبی رشتے داروں اور پڑوسیوں کے لئے مستحب ہے کہ اس دن ان کے لئے کھانے کا انتظام کریں، اور خود ساتھ بیٹھ کر اصرار کر کے ان کو کھلائیں، غم وحزن اور تجہیز وتکفین میں مشغولیت کے وجہ سے کھانا پکانے وغیرہ کا ان کو موقع نہیں ملتا، حضور اقدس ﷺ نے اس کا حکم بھی فرمایا ہے، حدیث میں ہے۔

عن عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ قال لما جآء نعی جعفر (ای خبر شهادته) قال النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اصنعوا الا ل جعفر طعاماً فقد اتا هم ما یشغلهم رواه الترمذی وابو داؤد وابن ماجة (مشکوٰة شریف ص ۱۵۱، باب البکاء علی المیت)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے روایت ہے کہ جب میرے والد حضرت جعفرؓ کی شہادت کی خبر آئی تو نبی کریم ﷺ نے لوگوں سے ارشاد فرمایا تم جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرو، ان کے پاس ایسی (غمناک) خبر آئی ہے جس نے ان کو مشغول کر رکھا ہے۔

مشکوٰۃ شریف کے حاشیہ میں بحوالہ لمعات نقل فرمایا ہے۔

قوله (۴) اصنعوا الا ل جعفر طعاماً فی الحدیث دلیل علیٰ انه یستحب للجیران والا قارب تهیئة الطعام لاهل المیت واختلفوا فی اکل غیر اهل المصیبة ذلک الطعام وقال ابو القاسم لا بأس لمن كان مشغولا بجهاز المیت کذافی وصایا جامع الفقه ۱۲ (حاشیہ ۴ مشکوٰۃ شریف ص ۱۵۱)

ترجمہ: یعنی مذکورہ حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ پڑوسیوں اور رشتے داروں کے لئے مستحب ہے کہ وہ اہل میت کے لئے کھانے کا انتظام کریں، اہل میت کے علاوہ دوسرے لوگ یہ کھانا کھا سکتے ہیں یا نہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے، علامہ ابو القاسمؒ فرماتے ہیں جو لوگ اہل میت کے تعاون اور تجہیز وتکفین میں مشغول ہوں ان کے لئے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے۔

قال الطیبیؒ دل علیٰ انه یستحب للاقارب والجیران تهیئة الطعام لا هل المیت انتهی

والمراد طعام یشبعهم یومهم ولیلتهم فان الغالب ان الحزن الشاغل عن تناول الطعم لا یستمر اکثر من یوم . الیٰ قوله. ثم اذا صنع لهم ما ذکر سن ان یلح علیهم فی الا کل لئلا یضعفوا بترکه استحیائًا او بفرط جزع الخ (مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۹۶ ج ۴ باب البکاء علی المیت)

ترجمہ: یعنی یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اقرباء اور پڑوسیوں کے لئے مستحب ہے کہ اہل میت کے لئے کھانے کا انتظام کریں اور یہ حدیث کی مراد ایک دن رات کھانے کا انتظام کرنا ہے اس لئے کہ عام طور پر غم و حزن کی وجہ سے ایک دن کھانے کے انتظام سے قاصر رہتا ہے۔ الیٰ قولہ۔ پھر جس طرح کھانے کا انتظام کرنا مستحب ہے، یہ بھی سنت ہے کہ اصرار کر کے ان کو کھلائیں تا کہ غم وحزن یا حیا کی وجہ سے ترک طعام کی بناء پر کمزور نہ ہو جائیں۔

شامی میں ہے: قوله وباتخاذ طعام لهم) قال فی الفتح ویستحب لجیران اهل المیت والا قرباء الا باعد تهنیة طعام لهم یشبعهم یومهم ولیلتهم لقوله صلی الله علیه وسلم اصنعوا لال جعفر طعاماً فقد اتا هم ما یشغلهم حسنه الترمذی وصححه الحاکم ولا نه بر معروف ویلح علیهم فی الاکل لان الحزن یمنعهم من ذلک فیضعفون اه. (شامی ج ۱ /۸۴۳ کراهة الضیافة من اهل المیت)(غایة الا وطار ج ۱ /۴۲۲)

لہٰذا صورت مسئولہ میں حدیث پر عمل کرنے کی نیت سے اہل میت کے رشتہ دار پڑوسی یا متعلقین ان کے لئے کھانے کا انتظام کریں تو یہ امر مستحب ہے اور قابل اجر وثواب ہے اور اہل میت کے ساتھ اظہار ہمدردی اور غمخواری بھی ہے مگر یہ کام صرف رضاء الٰہی اور عمل بالحدیث کی نیت سے ہونا چاہئے، محض رسماً دکھاوے اور ناموری کی نیت سے نہ ہو اور محققین کے نزدیک اس کی میعاد ایک دن رات ہے۔

حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

اکتیسواں مسئلہ ۳۱: دستور ہے مرنے کے بعد اہل قرابت میت کے اور ہمسایہ اس کے اس میت کے گھر کھانا بھیجتے ہیں سو کئی دن تک کھانا بھیجنا اہل مصیبت کو جائز ہے؟

(الجواب) مستحب ہے ایک دن رات تک پیٹ بھر کے کھانا بھیجنا میت کے گھر اقربا اور ہمسایہ کے لوگوں کو، چنانچہ برہان شرح مواہب الرحمٰن میں لکھا ہے: ویستحب للجیران واهل البیت والاقرباء الاباعد تهیأ طعام لهم یشبعهم یومهم و لیلهم انتهیٰ وعن عبدالله بن جعفر قال لما جاء نعی جعفر قال النبی صلی الله علیه وسلم اصنعوا لاهل جعفر طعاماً فانه قد جاء هم ما یشغلهم رواه الترمذی وهکذا فی المشکوۃ مع فرق بعض الا لفاظ. جیسا کہ برہان شرح مواہب الرحمٰن میں لکھا ہے اور مستحب ہے ہمسایہ کے لوگوں اور گھر والوں اور رشتہ داروں اور جو رشتہ نہیں رکھتے ان لوگوں کو میت کے لوگوں کے لئے کھانا بھیجنا اتنا کہ ایک رات دن پیٹ بھرنے کو کفایت کرے، اور عبداللہ بن جعفرؓ سے روایت ہے کہ جب خبر پہنچی حضور ﷺ کو جعفر کے مرنے کی، فرمایا آپ نے کہ تیار کرو جعفر کے لوگوں کے لئے کھانا۔ پہنچی ان کے پاس وہ بات جس نے باز رکھا ان کو شغل سے یعنی گھر کے کاموں سے روایت کی اس کو ترمذی نے، اور جامع البرکات میں لکھا ہے کہ یہ حدیث دلیل ہے اس پر کہ خویش واقربا دوست ہمسایہ کو میت کے گھر کھانا بھیجنا مستحب ہے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ مصیبت والوں کو پہلے دن مصیبت کے کھانا مکروہ

نہیں ہے کیونکہ وہ تجہیز و تکفین کے کاموں میں مشغول رہتے ہیں اور دوسرے روز بھیجنا مکروہ ہے اگر بین کرنے والی عورتیں جمع ہوں، کیونکہ اس سے مدد پہنچتی ہے گناہ پر اور اختلاف کیا ہے علماء نے کہ وہ کھانا مصیبت والوں کے سوائے اور لوگوں کو کھانا درست ہے یا نہیں، ابوالقاسم نے کہا ہے کہ کچھ مضائقہ نہیں کھانا اس کا جو میت کے کام میں مشغول ہے اور ایسا ہی لکھا ہے مطالب المومنین میں (مسائل اربعین فی سنة سید المرسلین ص ۴۸. ۴۹) فقط واللہ اعلم بالصواب .

قبر پر کتبہ لگانا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۳۲) قبر پر کتبہ لگانا کیسا ہے؟ جس میں مرحوم کا نام اور تاریخ وفات لکھی جائے تو اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟ مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) کوئی خاص ضرورت ہو مثلاً قبر کا نشان باقی رہے! قبر کی بے حرمتی اور توہین نہ ہو، لوگ اسے پامال نہ کریں، اس ضرورت کے پیش نظر خاص کر صلحاء کی قبر پر حسب ضرورت نام اور تاریخ وفات لکھنے کی گنجائش ہے، ضرورت سے زائد لکھنا جائز نہیں، اور قرآن پاک کی آیت یا کلمہ وغیرہ تو ہرگز نہ لکھا جائے، فقہاء کرام رحمہم اللہ نے ضرورت کی صورتوں کو اگرچہ مستثنیٰ کیا ہے تاہم بہتر صورت یہ ہے کہ قبر بالکل سادہ رکھی جائے، قبر پر کچھ نہ لکھا جائے، قبر کا نشان باقی رکھنے کی ضرورت ہو تو کوئی پتھر رکھ دیا جائے یا کوئی ایسا درخت لگا دیا جائے جسے جانور نہ چبا جائیں (جیسے مہندی کا درخت)

حدیث میں ہے: عن جابر رضی اللہ عنہ قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبور وان یکتب علیها وان توطأ رواه الترمذی. حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ قبروں کو پختہ بنایا جائے اور ان پر لکھا جائے اور ان کو پیروں سے روندا جائے، ترمذی (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۸ باب دفن المیت)

حضرت عثمان بن مظعونؓ کی تدفین کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کی قبر پر ایک بڑا پتھر رکھا، اس کے بعد ارشاد فرمایا اعلم بها قبر اخی وأدفن الیه من مات من اهلی رواه ابو داؤد. اس سے میں اپنے بھائی (حضرت عثمان بن مظعون آپ ﷺ کے رضائی بھائی تھے) کی قبر پہچانوں گا، اور اس کے بعد میرے اقرباء میں سے جس کا انتقال ہوگا ان کے پاس دفن کروں گا، رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹، باب دفن المیت)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے (وان یکتب علیها) قال المظهر یکره کتابة اسم الله ورسوله والقرآن علی القبر لئلا یهان بالجلوس علیه ویداس بالا نهدام وقال بعض علمائنا وکذا یکره کتابة اسم الله والقرآن علی جدار المساجد وغیرها قال ابن حجر وأخذ أئمتنا انه یکره الکتابة علی القبر سواء اسم صاحبه وغیره فی لوح عندرأسه او غیره قیل ویسن کتابة اسم المیت لا سیما الصالح لیعرف عند تقادم الزمان لان النهی عن الکتابة منسوخ کما قاله الحاکم او محمول علی الزائد علی مایعرف به حال المیت اه وفی قوله یسن محل بحث والصحیح ان یقال انه

بجور (مرقاۃ ص ۷۶ ج ۴ باب دفن المیت مطبوعہ ملتان)

اشعۃ اللمعات میں ہے۔ و ان یکتب علیھا ونہی کرد از آنکہ نوشتہ شود بر قبور یعنی نام خدائے تعالیٰ یا قرآن یا نام رسول تا خوار و پائمال نگردد و بول نکند برو نے حیوان و نیز گفتہ اند کہ مکروہ است بر پا کردن الواح مکتوبہ کہ بے فائدہ است مگر آنکہ دران غرض صحیح باشد (اشعۃ اللمعات ص ۶۹۵ ج ۱ باب دفن المیت)

مظاہر حق میں ہے: اور کہا و ان یکتب علیھا اور مکروہ ہے لکھنا نام اللہ اور رسول اور قرآن کا قبر پر تا خوار اور پائمال نہ ہوں اور پیشاب نہ کریں ان پر حیوان اور کہا ہے بعضے عالموں ہمارے نے کہ اسی طرح مکروہ ہے لکھنا نام اللہ کا اور قرآن کا دیوار مساجد وغیر ہا پر اور اسی طرح مکروہ ہے پتھر وغیرہ پر نام وغیرہ میت کا لکھ کر کھڑا کرنا اور بعضوں نے کہا ہے کہ نام میت کا خصوصا صالح کا لکھنا جائز ہے تا کہ پہچانا جاوے بعد گذرنے مدت کے (مظاہر حق ص ۶۲ ج ۲، باب دفن المیت)

دوسری حدیث کی تشریح کرتے ہوئے صاحب مرقاۃ نے تحریر فرمایا ہے فی الا زھار یستحب ان یجعل علی القبر علامۃ یعرف بھا لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اعلم بھا قبر اخی (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۷۸ ج ۴ باب دفن المیت مطبوعہ ملتان)

مظاہر حق میں ہے: اور لکھا ہے از ہار میں کہ معلوم ہوا اس سے کہ مستحب ہے یہ کہ رکھی جاوے قبر پر نشانی پہچان کے لئے اور ایک جا گاڑے جاویں اقرباء (مظاہر حق ص ۶۳ ج ۲)

درمختار میں ہے و لا بأس بالکتابۃ ان احتیج الیھا حتی لا یذھب الا ثر و لا یمتھن. (درمختار مع رد المحتار ج ۱ ص ۸۳۹)

طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے: (قولہ و لا بأس بالکتابۃ) ھذا التفصیل لصاحب المحیط فحمل النھی فی الحدیث علیٰ غیر حالۃ الا حتیاج (مطلب فی دفن المیت طحطاوی علی الدر المختار. ج ۱ ص ۴۱۰)

ردالمحتار (شامی میں ہے۔ (قولہ و لا بأس بالکتابۃ) لان النھی عنھا و ان صح فقد وجد الاجماع العملی بھا فقد اخرج الحاکم النھی عنھا من طرق ثم قال ھذہ الا سانید صحیحۃ ولیس العمل علیھا فان ائمۃ المسلمین من المشرق الی المغرب مکتوب علی قبورھم وھو عمل اخذ بہ الخلف عن السلف اھ ویتقوی بما اخرجہ ابو داؤد باسناد جید ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حمل حجرا فو ضعہ عند رأس عثمان بن مظعون وقال اعلم بہ قبر اخی و ادفن الیہ من مات من اھلی فان الکتابۃ طریق الیٰ تعرف القبربھا نعم یظھر ان محل ھذا الا جماع العملی علی الرخصۃ فیھا ما اذا کانت الحاجۃ داعیۃ الیہ فی الجملۃ کما اشار الیہ فی المحیط بقولہ و ان احتیج الی الکتابۃ حتی لا یذھب الا ثر و لا یمتھن فلابأس بہ فاما الکتابۃ بغیرعذر فلا. الخ. (مطلب فی دفن المیت شامی ص ۸۳۹ ج ۱)

غایۃ الاوطار میں ہے: و لا بأس بالکتابۃ ان احتیج الیھا حتی لا یذھب الا ثرو لا یمتھن اور

سراجیہ کے باب الجنائز میں ہے کہ کچھ مضائقہ نہیں لکھنے کا قبر پر اگر اس کی ضرورت ہو اس غرض سے کہ اس قبر کا نشان نہ جاتا رہے اور پامال نہ ہو مسلم نے جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا قبروں کے گچ کرنے اور ان پر لکھنے اور عمارت بنانے سے تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ ممانعت اس وقت ہے کہ حاجت نہ ہو اور لاباس کہنے سے اشارہ ہوا کہ باوجود حاجت کے نہ لکھنا بہتر ہے۔ (غایۃ الاوطار ص ۴۲۱ ج ۱)

کچی، سادہ اور پائمال قبر انوار الٰہی اور رحمت خداوندی کی زیادہ مستحق ہے۔ میت کے ساتھ محبت ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کی قبر پر کتبہ لگایا جائے اس کی قبر پختہ اور مزین بنائی جائے، البتہ سورت، بھڑوچ بلساڑ ضلع کے باشندے عموماً بیرون ملک افریقہ، برطانیہ وغیرہ میں مقیم ہیں اور گاہے گاہے وہ اپنے وطن آتے رہتے ہیں، ان کی غیوبت میں ان کے والدین، اعزہ اقرباء اور متعلقین کا انتقال ہو جاتا ہے، ان کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے والدین وغیرہ کی قبر کی زیارت کریں، اگر قبر پر کتبہ لگا ہوا ہو تو آسانی سے یہ مقصد پورا ہو سکتا ہے اور قبر پر حاضر ہو کر ان کو یک گونہ تسلی اور اطمینان حاصل ہوتا ہے، اگر چہ یہ بہت کم درجہ کی ضرورت ہے تاہم اس ضرورت کو بالکل نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا، خاص کر جب کہ کوئی ایسا عالم اور صالح شخص ہو جو مرجع خلائق اور ہر دلعزیز ہو، لہذا اسے پیش نظر رکھتے ہوئے حسب ضرورت نام اور تاریخ وفات لکھنے کی گنجائش ہو سکتی ہے، قرآنی آیات، القاب، اشعار وغیرہ نہ لکھے جائیں مندرجہ بالا حوالہ جات سے اس کی گنجائش ثابت ہوتی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

کتاب الزکوٰۃ

زکوٰۃ کی رقم غریبوں کو بطور قرض دینا کیسا ہے؟

(استفتاء ۱۴۳) ہماری یہاں ایک سوسائٹی (خدائی خدمت گار) کے نام کی ہے۔ جس کے نام سے نوجوان طبقہ نے بستی سے چندہ کر کے کافی رقم جمع کی ہے۔ چندے کی کثیر رقم زکوٰۃ کی ہے۔ اب اس سے غریب طبقہ کو بطور قرض دیتے ہیں۔ کہ یہ لوگ اس سے تجارت کریں۔ منافع ہونے پر اصل رقم بلا سود کے واپس دے دیتے ہیں تو غریب کو یہ رقم دینا شرعاً کیسا ہے؟ اگر ان کے پاس سے واپس نہیں لے سکتے ہیں تو واپس وصولیابی کی کوئی جواز کی صورت ہو تو واضح فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) زکوٰۃ کی رقم زکوٰۃ کے مصرف میں خرچ کی جائے۔ کسی غریب کو قرض کے طور پر دینے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر صاحب زکوٰۃ کی طرف سے اجازت ہو تو بھی جائز نہیں ہے۔ اور جب تک اس کے مصرف میں تملیکاً نہ دی جائے۔ یعنی جب تک اس ضرورت مند غریب کو جس کو زکوٰۃ کی رقم دی جائے گی۔ اس رقم کا مالک نہ بنایا جائے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ لہٰذا زکوٰۃ کے حقدار کو بطور قرض کے نہیں ویسے ہی دے دی جائے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مقروض اگر قرض رقم کی زکوٰۃ ادا کردے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی:

(سوال ۱۴۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کو ایک ہزار روپیہ قرض حسنہ دیا پھر باہمی رضامندی سے سال کے اختتام پر بکر نے اس رقم کی زید کی طرف سے زکوٰۃ ادا کردی تو کیا زید کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی؟ یا زید کے ذمہ ادا کرنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) دوسرا آدمی اجازت لے کر اپنی رقم سے صاحب مال کی طرف سے زکوٰۃ ادا کردے تو زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔[2] مگر بکر نے زید سے روپیہ قرض لیا ہے اس وجہ سے اس کا ادا کرنا سود شمار ہوگا لہٰذا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، زید کے ذمہ زکوٰۃ باقی رہے گی۔[3] فقط واللہ اعلم۔

سونے کی زکوٰۃ موجودہ قیمت کے اعتبار سے دی جائے!:

(سوال ۱۴۵) میرے پاس چودہ تولہ سونا ہے اور وہ میں نے چھ سو روپیہ تولہ کے حساب سے خرید اتھا اب اس وقت اس کی قیمت ایک ہزار روپیہ تولہ ہے تو زکوٰۃ چھ سو روپیہ کے حساب سے نکالی جائے یا ایک ہزار کے حساب سے نکالی جائے گی؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) وشرعا تمليك جزء مال عينه الشارع من مسلم فقير ولو معتوها غير هاشمي ولا مولاه مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى. قوله لله تعالى متعلق بتمليك اى لأجل امتثال امره تعالى. در مختار مع الشامي باب المصرف ج ۲ ص ۲۵۸

(۲) رجل ادى زكاة غيره عن مال ذلك الغير فاجازه المالك فان كان المال قائما في يد الفقير جاز والا لا كذا في السراجية. فتاوى عالمگيرى كتاب الزكاة ج ۱ ص ۱۷۱

(۳) وفي الخلاصة القرض بالشرط حرام والشرط لغو بالقرض على ان يكتب به الى بلد كذا ليوفي دينه. در مختار مع الشامي. فصل في القرض.

(الجواب) اس وقت کی موجودہ قیمت یعنی ایک ہزار روپے کے حساب سے زکوٰۃ دینا ضروری ہے، خریدنے کے وقت کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے (وجاز دفع القیمة فی زکوٰة وعشر وخراج وصدقة فطر ونذرو کفارة غیر الا عتاق)وتعتبر القیمة یوم الوجوب ویقوم فی البلدالذی المال فیه الخ (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۲۹ باب زکوة الغنم)فقط واللہ اعلم بالصواب .

حولان حول سے پہلے زکوٰۃ کی رقم دوسری جگہ بھیجنا:

(سوال ۱۳۶) زکوٰۃ کی رقم دوسری جگہ بلا وجہ شرعی بھیجنا مکروہ ہے لیکن اگر کوئی شخص زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہونے سے پہلے (یعنی سال گذرنے) سے پہلے) زکوٰۃ کے پیسے دوسری جگہ بھیجے تو کیا یہ بھی مکروہ ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حولان حول (سال گذرنے) سے پہلے زکوٰۃ دوسری جگہ بھیجنا مکروہ نہیں۔ فتاویٰ خیریہ میں ہے۔ انما تکره نقلها اذا کان فی حینها بان اخرجها بعد الحول اما اذا کان الا خراج قبل حینها فلا بأس بالنقل کما فی الجوهرة (فتاویٰ خیریة . ج ۱ ص ۱۲ کتاب الزکوٰة)فقط واللہ اعلم .

نابالغ پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۳۷) ایک کمسن بچی ہے، اس کی میراث کی رقم جمع ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نابالغ کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے (وشروط وجوبها) ای افتراضها (العقل والبلوغ والاسلام والحریة الخ)(مجمع الانهر . ج ۱ ص ۱۹۱ کتاب الزکوة)فقط واللہ اعلم بالصواب

زکوٰۃ دوسری جگہ بھیجنا:

(سوال ۱۳۸) زکوٰۃ کے پیسے دوسری جگہ بھیج سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب دوسری جگہ کے لوگ غریب محتاج ہوں یا اعزاء و اقارب ہوں اور وہ ضرورتمند ہوں، یا اس جگہ لوگ دینی تعلیم میں مشغول ہوں تو ایسے لوگوں کو زکوٰۃ کے پیسے بھیجنے میں مضائقہ نہیں بلکہ بعض مواقع میں زیادہ ثواب ملے گا جب کہ اخلاص نیت ہو۔ ہدایہ میں ہے:۔

ویکره نقل الزکوة من بلد الیٰ بلد وانما تفرق صدقة کل فریق فیهم الاان ینقلها الانسان الی قرابته اوالیٰ قوم هم احوج من اهل بلده لما فیه من الصلة او زیادة دفع الحاجة (هدایه اولین ص ۱۸۸ باب من یجوز دفع الصدقات الیه وما لا یجوز)فقط واللہ اعلم.

پیشگی زکوٰۃ ادا کرنا:

(سوال ۱۳۹) حولان حول (سال گذرنے) سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صاحب نصاب ہوجانے سے زکوٰۃ کا نفس وجوب آجاتا ہے اور حولان حول یعنی ایک سال پورا ہونے کے بعد وجوب ادا یعنی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوتا ہے، اگر کوئی وجوب ادا سے پہلے زکوٰۃ ادا کرے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی بعد میں ادا کرنا ضروری نہیں (ولو عجل ذونصاب) زکاته' (لسنین او لنصب صح) لو جود السبب (درمختار) (قوله لو جود السبب) ای سبب الوجوب وهوملک النصاب النامی فیجوز التعجیل

لـــة او اكثـر الـخ (درمـختـار مـع الشـامـي. ج:٢ ص:٣٦ كتـاب الـزكوة بعد مطلب استحلال المعصية القطعية كفر)(مراقى الفلاح مع طحطاوى ص ٣١٥)فقط و الله اعلم.

غیر کا زکوٰۃ کی رقم تبدیل کرنا:

(سوال ۱۴۰) زید بمبئی میں ایک مدرسہ کا چندہ کرتا ہے اور چندہ میں زکوٰۃ، فطرہ کی رقومات بھی ملتی ہیں، چندہ کی مد میں زید کے پاس مثلاً پانچ ہزار روپے جمع ہوگئے اور اس نے اپنے گھر پر اپنے بھائی کو لکھ دیا کہ مدرسہ میں میرا نام لے کر پانچ ہزار روپے جمع کرادینا تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ مقصد سوال یہ ہے کہ چندہ میں جو رقم جمع ہوئی ہے اس کے بدلے دوسری اتنی ہی رقم مدرسہ میں جمع کرادی جائے تو درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مدرسہ کے چندہ کی زکوٰۃ کی رقم مدرسہ میں بھیجنے کے بجائے اپنے بھائی کو یہ لکھ دیا کہ پانچ ہزار روپے مدرسہ میں جمع کرادو یہ صورت جائز ہے،[1] ارباب مدرسہ جب زکوٰۃ کی رقم زکوٰۃ کے مصرف میں خرچ کریں گے اس وقت زکوٰۃ ادا ہوگی۔

نوٹ:

مدرسہ میں رقم جمع کرادینے کے بعد زید اگر مدرسہ کی رقم اپنے ذاتی مصرف میں استعمال کرنا چاہے تو استعمال کرسکتا ہے، مدرسہ میں رقم جمع کرانے سے پہلے استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک ضروری ہے:

(سوال ۱۴۱) ہمارے ملک برما میں دینی تعلیم کے بہت سے ادارے ہیں، جہاں غریب بچوں کے لئے کھانے پینے، دارالاقامہ، دوا اور کتابوں کا انتظام کیا جاتا ہے، ارباب مدرسہ پورے ملک میں گھوم کر چندہ کرتے ہیں جس میں زکوٰۃ فطرہ کی رقم بھی ہوتی ہے اور یہ رقم خزانچی کے پاس جمع رہتی ہے، اس کے پاس سے ارباب مدرسہ طلبہ پر خرچ کرتے ہیں، یہاں ایک عالم ہیں وہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ کی رقم میں جب تک تملیک نہ ہو تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، لہذا اس بغیر تملیک کے بچوں پر خرچ کی جائے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، کیا ان کا قول صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عالم کا کہنا صحیح ہے، زکوٰۃ ادا ہونے کے لئے تملیک شرط ہے طلباء کو کھانا پکا کر کھلانے میں تملیک نہیں پائی جاتی۔ درمختار میں ہے (هي تمليك) خرج الاباحة فلو اطعم يتيما ناويا الزكاة لا يجزيه الا اذا دفع اليه المطعوم كما لو كساه (درمختار ج۲ ص ۳ كتاب الزكوة) لہذا مستحق طلباء کو زکوٰۃ کی رقم دے دی جائے اور ہدایت کی جائے کہ کھانے کی فیس ادا کردو پھر وہ رقم کھلانے میں خرچ کی جائے، اس طرح زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور طلباء کو کھانا بھی مل جائے گا یا کھانا مستحقین کو دے کر مالک بنا دیا جائے جیسا کہ دیوبند، سہارنپور میں ہوتا ہے، ایک صورت یہ بھی ہے کہ جوتا، چھتری، کپڑا اور ضرورت کی چیزیں زکوٰۃ کی رقم سے خرید کر طلباء کو دے دی جائیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) قلت ان الدراهم لا تتعين بالتعيين فهي و ان كانت لاينتفع بها مع بقاء عينها لكن بدلها قائم مقامها لعدم تعينها فكانها باقية در مختار مع الشامي كتاب الوقف مطلب في وقف الدراهم و الدنانير

زکوٰۃ کی رقم منی آرڈر، ڈرافٹ سے بھیجنا

(سوال ۱۴۲) چندہ میں زکوٰۃ کی رقم جمع ہوتی ہے ان رقوم کو لے کر سفر کرنا خطرہ سے خالی نہیں ہوتا اس لئے ہم لوگ وہ رقم بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ مدرسہ کو روانہ کر دیتے ہیں ایسی صورت میں وہ نوٹ جو زکوٰۃ میں ملے ہیں تبدیل ہو جاتے ہیں، یہاں ایک عالم صاحب کا کہنا ہے کہ جو نوٹ زکوٰۃ میں آئے ہیں وہ تبدیل نہ ہونے چاہئیں، تو زکوٰۃ کی رقم منی آرڈر یا ڈرافٹ سے روانہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) زکوٰۃ کی رقم بذریعہ منی آرڈر اور ڈرافٹ بھیجی جا سکتی ہے، کیونکہ مجبوری ہے، اس لئے اس طرح کی تبدیلی سے زکوٰۃ کی ادائیگی پر اثر نہیں پڑے گا،[1] منی آرڈر وغیرہ کی فیس میں زکوٰۃ، فطرہ کی رقم استعمال نہیں کی جا سکتی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زکوٰۃ کی کچھ رقم تاخیر سے ادا کرنا:

(سوال ۱۴۳) ایک شخص زکوٰۃ کی رقم رمضان میں تقسیم کرتا ہے اور اس میں سے کچھ رقم اپنے پاس اس نیت سے رکھتا ہے کہ آئندہ کوئی ضرورت مند آئے گا تو اس وقت یہ رقم کام آئے گی تو کیا یہ جائز ہے۔ جواب عطا فرمائیں بینوا توجروا۔

(الجواب) مال نصاب پر سال گذرنے کے بعد زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہو جاتی ہے اور مفتی بہ قول کے مطابق زکوٰۃ کی ادائیگی علی الفور واجب ہے لہذا بلا کسی تحقیق کی نہیں ہے تو جتنا ہو سکے جلد ادا کر کے اس فریضہ سے سبکدوش ہو جانا چاہئے جتنی تاخیر کی جائے گی فریضہ کی ادائیگی میں تاخیر ہوگی طحطاوی میں ہے وھی واجبۃ علی الفور وعلیہ الفتویٰ فیاثم بتاخیرھا بلا عذر و ترد شھادتہ' (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۸۸ کتاب الزکوٰۃ)

درمختار میں ہے (وافتراضھا عمری) ای علی التراخی وصححہ الباقانی وغیرہ (وقیل فوری) ای واجب علی الفور (وعلیہ الفتویٰ) کما فی شرح الوھبانیۃ (فیاثم بتاخیرھا) بلا عذر (وترد شھادتہ) لان الامر بالصرف الی الفقیر معہ قرینۃ الفور (درمختار) شامی میں ہے (قولہ فیاثم بتاخیرھا) ظاھرہ الاثم بالتاخیر ولو قل کیوم او یومین لانھم فسروا الفور باول اوقات الامکان وقد یقال ان لا یؤخر الی العام القابل لما فی البدائع عن المنتقی اذا لم یؤد حتی مضی حولا فقد اساء واثم اھ فتامل (درمختار و شامی ص ۱۷ ج ۲ کتاب الزکوٰۃ) اگر کوئی شرعی مصلحت ہو تو بعض فقہاء کے قول کے مطابق معمولی تاخیر کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) زکوٰۃ کا روپیہ بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ بھیجنے کے جواز پر حضرت مفتی عزیز الرحمن کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔ زکوٰۃ کا روپیہ بذریعہ منی آرڈر روانہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جس وقت صرف کے پاس پہنچ جاوے گا زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔ مسائل متعلقہ زکوٰۃ عزیز الفتاویٰ ص ۳۱۸۔

وکیل زکوٰۃ کی رقم صرف کرڈالے اور اپنی رقم سے زکوٰۃ ادا کرے تو مؤکل کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟:

(سوال ۱۴۴) ایک شخص نے اپنی زکوٰۃ کی رقم دوسرے شخص کو دی، اور مقصد یہ ہے کہ تم یہ رقم اپنے پاس رکھو جب کوئی شخص میرا رقعہ لے کر آئے یا تم کو کوئی مستحق ملے تو تم اس رقم میں سے دے دینا، وہ شخص زکوٰۃ کی رقم پہلے اپنے کام میں خرچ کرڈالے اور بعد میں اپنی رقم دیتا رہے تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ مؤکل کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ طریقہ غلط ہے اس طرح کرنے سے اس شخص کی (یعنی مؤکل کی) زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، جس شخص کو زکوٰۃ کی رقم برائے تقسیم دی گئی ہے اسے چاہئے کہ وہی رقم محفوظ رکھے اور اسی رقم سے تقسیم کرتا رہے، البتہ کسی وقت کوئی مستحق مل جاوے اور زکوٰۃ کی رقم اپنے پاس موجود نہ ہو اور وہ شخص اس نیت سے اپنی رقم دے دے کہ زکوٰۃ کی محفوظ رقم میں سے اتنی رقم وصول کرلوں گا تو یہ صورت جائز ہے، اور اگر وصول کرنے کی نیت کے بغیر اپنی رقم دے دے تو اس صورت میں بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اور وہ شخص متبرع کہلائے گا، اس کو اس کا ثواب ملے گا۔

درمختار میں ہے۔ ولو تصدق (الوکیل) بدراهم نفسه اجزأ ان کان علی نية الرجوع وکانت دراهم المؤکل قائمة (درمختار) شامی میں ہے (قوله ولو تصدق الخ) ای الوکیل بدفع الزکاة اذا امسک دراهم المؤکل ودفع من ماله لیرجع ببدلها فی دراهم المؤکل صح بخلاف ما اذا انفقها اولاً علی نفسه مثلاً ثم دفع من ماله فهو متبرع الخ (درمختار و شامی ص ۱۵ ج ۲، کتاب الزکوٰة)

بہشتی زیور میں ہے۔ مسئلہ: کسی غریب کو دینے کے لئے تم نے دو روپے کسی کو دیئے لیکن اس نے بعینہ وہ روپے فقیر کو نہیں دیئے جو تم نے دیئے تھے بلکہ اپنے پاس سے دو روپیہ تمہاری طرف سے دے دیئے اور یہ خیال کیا کہ وہ روپے میں لے لوں گا تب بھی زکوٰۃ ادا ہوگئی بشرطیکہ تمہارے روپے اس کے پاس موجود ہوں اور اب وہ شخص اپنے دو روپے کے بدلہ میں تمہارے وہ دونوں روپے لے لیوے، البتہ اگر تمہارے دیئے ہوئے دو روپے اس نے پہلے خرچ کر ڈالے اس کے بعد اپنے روپے غریب کو دیئے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی یا تمہارے روپے اس کے پاس رکھے تو ہیں لیکن اپنے روپے دیتے وقت یہ نیت نہیں تھی کہ میں وہ روپے لے لوں گا تب بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، اب وہ دونوں روپے پھر زکوٰۃ میں دے دے (بہشتی زیور ص ۳۳ تیسرا حصہ، زکوٰۃ ادا کرنے کا بیان) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سونے کی چند سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا باقی ہے تو کس طرح زکوٰۃ ادا کرے؟:

(سوال ۱۴۵) ایک شخص کے پاس تیس تولہ سونا ہے، سات سال سے اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی اب وہ شخص گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہے تو کس طرح زکوٰۃ ادا کرے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) شخص مذکور پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے ہر سال کے سونے کی قیمت کا اندازہ لگا کر زکوٰۃ ادا کی جائے اول سال تو پورے مال کی زکوٰۃ ادا کرے اس کے بعد قدر واجب وضع کرنے کے بعد ادا کرے۔

امداد الفتاویٰ میں ہے۔

(سوال) ایک شخص کے ذمہ چند سال کی زکوٰۃ واجب ہے وقت ادائیگی کے ہر پورے سال کی زکوٰۃ واجب سمجھی جاوے گی یا کچھ منہا واجب سے ہر سال میں ہوگی۔

(الجواب) اول پورے مال کی زکوٰۃ واجب ہے اور دوسرے سال اس قدر واجب کے منہا کرنے کے بعد بقیہ کی واجب ہے وعلیٰ ہذا۔ (امداد الفتاویٰ ص ۳۶ ج ۲ مطبوعہ دیوبند) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قرض کی معافی سے زکوٰۃ کی ادائیگی:

(سوال ۱۴۶) ایک مسلمان شخص ہمارے یہاں ملازم ہے جس پر ہمارے تقریباً سات ہزار روپے قرض ہیں اور وہ دوسروں کا بھی مقروض ہے، وہ قرض کی ادائیگی کی استطاعت نہیں رکھتا، اس لئے ہمارا خیال ہے کہ قرض کی رقم زکوٰۃ میں شمار کر کے اسے قرض سے سبکدوش کر دیا جائے، کیا اس طرح کرنے سے قرض کے بقدر زکوٰۃ ادا ہوگی؟

(الجواب) قرض کی معافی سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، زکوٰۃ کی ادائیگی کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کو (بشرطیکہ وہ صاحب نصاب نہ ہو اور زکوٰۃ کا مستحق ہو تو) زکوٰۃ کی رقم بطور تملیک دے دے۔ پھر اس رقم سے قرض وصول کر لیا جائے، اس طریقہ سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور وہ قرض سے بری بھی ہو جائے گا۔

واعلم ان اداء الدين عن المال الذی عنده لا يصح والحيلة ان يعطی المديون زكاته ثم ياخذها عن دينه (طحطاوی ص ۳۹۰ كتاب الزكوٰة) فقط والله اعلم بالصواب.

رمضان میں زکوٰۃ ادا نہ کر سکنے سے کیا زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی؟:

(سوال ۱۴۷) ایک شخص ناواقفیت یا مجبوری کی وجہ سے رمضان میں زکوٰۃ ادا نہ کر سکا تو کیا بعد رمضان زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) رمضان میں زکوٰۃ ادا نہ کر سکا تو معاف یا ساقط نہ ہوگی بلکہ رمضان کے بعد ادائیگی ضروری ہے ورنہ گنہگار ہوگا۔[1]

خالہ کے ذریعہ زکوٰۃ کا حیلہ:

(سوال ۱۴۸) میری خالہ (جو سیدہ نہیں) غریب اور ضعیف ہیں، آنکھوں میں موتیا ہے، نیز وہ صاحب نصاب بھی نہیں ہیں ان کو زکوٰۃ کی رقم دے کر یہ کہو کہ اس میں سے اتنی رقم آپ رکھ لیں اور اتنی میری ہمشیرہ کو دے دیں تو کیا درست ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) خالہ صاحب نصاب نہ ہو تو زکوٰۃ دے سکتے ہیں، مگر زکوٰۃ کی رقوم یہ کہہ کر دینا کہ اتنی رقم آپ رکھ لیں اور اتنی میری ہمشیرہ کو دے دیں، یہ صورت شرعی حیلہ کی نہیں، اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، مستحق زکوٰۃ کو مکمل طور پر مالک و مختار

---

(۱) لانه ، اذا انفق المستاجر لدار الوقف على عمارتها الضرورية بامر القاضي للضرورة الداعية اليه تكون ديناً له استقراض المتولي من المستاجر فاذا قبض كله او اربعين درهما منه ولو بانقطاع ذلك من اجرة الدار تجب زكاته لما مضى من السنين شامی مطلب فی وجوب الزكاة فی دين المرصد. فقط والله اعلم بالصواب.

بنانے بغیر حیلہ صحیح نہیں ہوتا۔ [1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زکوٰۃ میں حیلہ کر کے اس سے افطاری:

(سوال ۱۴۹) ایک شخص نے بمد زکوٰۃ پانچ سو روپے ماہ مبارک میں حلیم بنانے کی غرض سے مسجد کے خادم کو دیئے تاکہ وہ آٹھ روز بعد حیلہ کر کے مسجد میں دے دے، آیا اس رقم سے حلیم بنانا درست ہے؟ علاوہ ازیں اہل محلہ سے چندہ لے کر مذکورہ رقم میں اضافہ کر کے حلیم بنانا کیسا ہے؟ یہ طریقہ مدت سے جاری ہے۔

(الجواب) رقم زکوٰۃ سے علیحدہ حلیم بنوا کر مستحقین زکوٰۃ کو تملیکاً دیدیا جاوے تو جائز ہے۔ مالدار شخص کو دینا جائز نہیں، رقم زکوٰۃ پورے طور پر مستحق کی ملک میں دینے کے بعد وہ اپنی دلی رضا مندی سے یا کسی کی ترغیب سے بغرض ثواب دے تو جائز ہے اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی خادم کو بطور امانت یا وکالت دینے سے حیلہ صحیح نہ ہوگا اور زکوٰۃ ادا نہ ہوگی نظیرہ وحیلة التکفین بھا التصدق علی فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما (طحطاوی ص ۳۹۳ .شامی کتاب الزکوٰۃ ۲ ,۸۶)فقط.

مال تجارت میں زکوٰۃ میں مال ہی دینا یا اس کی قیمت ادا کرنا دونوں درست ہے:

(سوال ۱۵۰) مال تجارت پر زکاۃ کا حساب کرتے وقت قیمت خرید پر نفع کا اضافہ کیا جائے اور پھر زکوٰۃ نکالی جائے ؟ گویا ایک لاکھ کا مال ہو اس پر پچاس فی صد کا اضافہ کیا جائے ایسے تاجر کی طرف سے جس کی حد منافع پچاس فیصد ہو تو گویا ایک لاکھ کے مال پر ڈیڑھ لاکھ کی زکوٰۃ کا حساب کیا جائے، اگر چہ آج وہ مال ایک لاکھ میں مل سکتا ہے، تو اس صورت میں تاجر کو نفع اسی میں ہے کہ نقد کے بجائے وہ مال زکوٰۃ میں دیدے، لیکن اس صورت میں مدارس اسلامیہ کو نقصان ہے کیونکہ جو مال ہمارے یہاں دوکانوں میں ہوتا ہے وہ مدارس اسلامیہ کے طلبا نہیں پہنتے (مثلاً سوٹ، پتلون قمیص وغیرہ) اور زکوٰۃ کی علیحدہ کردہ رقم کے علاوہ اپنی طرف سے اتنی رقم کا کوئی سامان خرید لے پھر وہ رقم جو علیحدہ کی تھی اپنے پاس رکھ لے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! سال پورا ہونے پر جس قدر مال تجارت ہو اس کی جتنی قیمت ہو اس کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے، مال تجارت کی زکوٰۃ مال تجارت سے ادا کرنا بھی جائز ہے اور اس کی قیمت (نقد رقم) دینا بھی جائز ہے، غریبوں کے لئے جو نفع صورت ہو اور جس میں غریب کی حاجت بطریقہ اتم پوری ہوا سے اختیار کیا جائے صرف اپنا مفاد پیش نظر نہ رکھا جائے، ہدایہ میں ہے ویجوز دفع القیمة فی الزکوٰۃ عندنا وکذا فی الکفارات وصدقة الفطر والعشر والنذر الخ (ھدایہ اولین ص ۱۷۵ فصل فی الغنم) لہذا صورت مسئولہ میں جب کہ کپڑے (سوٹ پتلون) طلباء کے کام کے نہیں تو زکوٰۃ میں کپڑے دینے سے کیا فائدہ؟ بلکہ ایسے کپڑے دے کر ان کی عادت بگاڑنا ہے، لہذا ایسے کپڑے دینے کے بجائے یا تو نقد رقم دی جائے یا ایسی چیز دی جائے جو طلبہ کے کام کی ہو۔

---

(۱) وقد منا ان الحیلة ان یتصدق علی الفقیر ثم یا مرہ بفعل ھذہ الا شیاء. قال فی الشامیة تحت قولہ ثم یا مرہ الخ وفی التعبیر بثم اشارۃ الی أنہ لو امرہ اولا لا یجزی. در مختا مع الشامی باب المصرف ج ۲ ص ۳۴۵.
ایسا کرنے کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

جس شخص پر زکوٰۃ ادا کرنی ضروری ہے اس نے زکوٰۃ کی نیت سے رقم علیحدہ کر کے رکھی ہو تو وہی رقم ادا کرنی ضروری نہیں ہے، اگر کسی موقعہ پر اپنے پاس سے زکوٰۃ کی نیت سے رقم دے یا اپنی رقم سے کوئی چیز خرید کر زکوٰۃ کی نیت سے مستحق زکوٰۃ کو وہ چیز دے دے تو یہ بھی جائز ہے۔ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اور بعد میں اتنی رقم زکوٰۃ کے لئے علیحدہ کی گئی رقم میں سے نکال لی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب کتبہ سید عبدالرحیم لاجپوری ۱۴ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ۔

مال تجارت کی زکوٰۃ میں موجودہ قیمت کا اعتبار ہے:

(سوال ۱۵۱) فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ مال تجارت کی زکوٰۃ ادا کرتے وقت نفع کو بھی شامل کیا جائے مثلاً سو روپے کا مال اور پچاس روپے منافع شامل کر کے ڈیڑھ سو پر زکوٰۃ دی جائے نفع کبھی یکساں نہیں ہوتا، اور وہی مال جس پر ڈیڑھ سو کی زکوٰۃ دی جاتی ہے ہم سو میں خرید سکتے ہیں۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً، مال تجارت کی زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ زکوٰۃ ادا کرتے وقت وہ مال جتنی رقم میں فروخت ہو سکتا ہو اس رقم کا اعتبار کیا جائے، (۱) منافع کم وبیش ہونے کا امکان ہو، مثلاً شرح کمیشن یکساں نہ ہو، کم زیادہ ہوتا رہتا ہو تو اندازہ سے درمیانی نفع (جس پر شرح صدر ہو اور دل اسے قبول کر لیتا ہو) کا اعتبار کر کے زکوٰۃ ادا کریں، کچھ زیادہ ادا ہو جائے اسی میں احتیاط ہے، کم ادا نہ ہو اس کا پورا خیال رکھا جائے۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: الجواب، مکان تجارت کی نیت سے بنایا جا رہا ہے اس لئے اس کا شمار مال تجارت میں ہوگا مکان کی موجودہ حالت کے اعتبار سے قیمت متعین کر کے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے (فتاویٰ رحیمیہ ج ۷ ص ۳۷۰)(۲)

مال تجارت کی زکوٰۃ میں موجودہ قیمت کا اعتبار ہے:

(سوال الف/۱۵۱) فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ مال تجارت کی زکوٰۃ نکالتے وقت نفع کو بھی شامل کیا جائے، مثلاً سو روپے کا مال ہے اور پچاس روپے منافع ہیں تو پچاس روپے شامل کر کے ڈیڑھ سو کی زکوٰۃ دی جائے، نفع کبھی یکساں نہیں ہوتا، وہی مال جس پر ڈیڑھ سو کی زکوٰۃ دی جاتی ہے ہم سو روپے میں بھی خرید سکتے ہیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! مال تجارت کی زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ زکوٰۃ ادا کرتے وقت وہ مال جتنی رقم میں فروخت ہو سکتا ہو اس رقم کا اعتبار کیا جائے، منافع کم وبیش ہونے کا امکان ہو مثلاً شرح کمیشن یکساں نہ ہو کم زیادہ ہوتا رہتا ہو تو اندازہ سے درمیانی نفع (جس پر شرح صدر ہو اور دل اسے قبول کر لیتا ہو) کا اعتبار کر کے زکوٰۃ ادا کر دیں، کچھ زیادہ ادا ہو جائے اسی میں احتیاط ہے کم ادا نہ ہو اس کا پورا خیال رکھا جائی فتاویٰ رحیمیہ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے، الجواب: مکان تجارت کی نیت سے بنایا جا رہا ہے اس لئے اس کا شمار مال تجارت میں ہوگا، مکان کی موجودہ قیمت کے اعتبار سے قیمت متعین کر کے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے (فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۷۰ ج ۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ جدید ترتیب کے مطابق ص ۱۵۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

---

(۱) كما في البحر وان ادى قيمتها فعنده تعتبر يوم الوجوب في الزيادة والنقصان وعند هما في الفصلين يعتبر يوم الاداء بحر الرائق فصل في الغنم تحت قوله او دفع القيمة. م

(۲) جدید ترتیب کے مطابق، باب مایوجب فیہ الزکوٰۃ میں تجارت کی نیت سے مکان بنایا ہے الخ کے عنوان سے دیکھیں ص ۱۵۹) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باب مایوجب فیه الزکاة ومالا یوجب

شیئرز پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۵۲) شیئرز پر زکوٰۃ ہے یا نہیں، اگر ہے تو اصلی پونجی پر یا منافع (DIVIDAND) ڈیویڈنڈ پر تفصیل فرمائیں

(الجواب) شیئرز پر زکوٰۃ ہے۔ شیئرز پر جو کمپنی تجارت کرتی ہے جیسا کہ ریشم اور کپڑے کے کارخانے، لوہا اور سامان بنا کر تجارت کرنے والے کارخانے اور بجلی کمپنی وغیرہ۔ تو اصلی رقم اور اس کے نفع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔[۱] اور جو کمپنی تجارت نہیں کرتی محض کرایہ وصول کرتی ہے۔ جیسا کہ ریلوے کمپنی وغیرہ۔ تو زکوٰۃ صرف نفع پر واجب ہے اصل رقم پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔[۲] فقط واللہ اعلم بالصوب .

گھر کی ضروری چیزوں میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟:

(استفتاء ۱۵۳) ذیل میں مذکورہ اشیاء میں سے کسی چیز میں زکوٰۃ ہے؟ (۱) کرسی، میز، صندوق اور مکان کا فرنیچر (۲) زری کے بھرے کپڑے (۳) استعمالی کپڑے (۴) سردی گرمی کے کپڑے (۵) بلڈنگ۔ رہائش کا مکان۔ کرایہ کا گھر (۶) شیشہ کے گلاس وغیرہ جو مکان کی زینت کے لئے ہوتے ہیں (۷) کپڑے بننے کی مشین اس کے ساتھ دوسری مشینیں (۸) استعمالی موٹر (۹) گھڑی (۱۰) ریڈیو (۱۱) بجلی کے پنکھے (۱۲) کپڑے سینے کی مشین وغیرہ؟

(الجواب) (۱) اس میں زکوٰۃ نہیں ہے (۲) زری کی کپڑوں میں سونا، چاندی نصاب کی مقدار ہو یا دونوں مل کر ایک نصاب کی مقدار ہو جائیں تو زکوٰۃ واجب ہے۔ (۳) نمبر۳ سے نمبر۱۲ تک کی کسی چیز پر زکوٰۃ نہیں۔[۳] فقط واللہ اعلم بالصواب.

سونا چاندی اور اس کے زیورات اور تجارتی اشیاء میں زکوٰۃ ہے۔ اس کے علاوہ میں زکوٰۃ نہیں۔ مشنری میں جو تجارتی نہ ہو اس میں زکوٰۃ نہیں اس کی آمدنی میں زکوٰۃ ہے۔ جب حوائج اصلیہ سے فاضل ہو کر نصاب کو پہونچے اور حولان حول ہو جائے یعنی سال پورا ہو جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

زکوٰۃ کا نصاب کتنے روپے ہیں؟:

(سوال ۱۵۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ذیل کی مسئلہ میں:۔ (۱) سونے اور چاندی کا مقرر کردہ نصاب کسی شخص کے پاس موجود نہیں ہے تو فی زمانہ کتنے روپے نقد ہونے سے زکوٰۃ فرض ہوگی؟ (۲) ساڑھے سات تولہ سونے کے وزن کی زکوٰۃ موجودہ گرام کے اعتبار سے کتنے گرام نکالنی ہوگی؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) ومن كان له نصاب فاستفاد في اثناء الحول مالا من جنسه ضمه الى ماله وزكا سواء كان المستفاد من نمائه اولا الخ (فتاوىٰ عالمگيرى كتاب الزكوة)

(۲) ولو اشترى قدورا من صفر يمسكها ويو اجرها لا تجب فيها الزكاة كما لا تجب في بيوت الغلة فتاوىٰ عالمگيرى الفصل الثانى فى العروض ج ۱ ص ۱۸۰

(۳) فليس في دور السكنى و ثياب البدن واثاث المنزل ودواب الركوب وعبيد للخدمة وسلاح الاستعمال زكوة فتاوىٰ عالمگيرى كتاب الزكوة ج ۱ ص ۱۷۲

(الجواب) جتنے روپے میں ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکے اتنے روپے کے مالک کو صاحب نصاب (نصاب والا شخص) قرار دیا جائے۔ (۲) چالیسواں حصہ نکالنی ہوگی۔[۱] **فقط واللہ اعلم بالصواب۔**

(۱) پروویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ نہیں ہے؟ (۲) اپنی مرضی سے رقم کٹوائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے:

(سوال ۱۵۵) میں سرکاری ملازم ہوں میری تنخواہ میں سے سرکار پروویڈنٹ فنڈ کے طور پر ماہانہ نو روپے لازما کاٹ لیتی ہے اور میں مزید اکتالیس روپے جمع کرنے کے لئے اپنی مرضی سے لکھ دیتا ہوں اس طرح اب ہر مہینے لازما پچاس روپے کٹتے ہیں اور اب ان میں کمی بیشی کی بالکل گنجائش نہیں اور اس زائد رقم پر بھی وہی قانون لگتا ہے جو پروویڈنٹ فنڈ پر لگتا ہے کہ ریٹائر ہونے سے پہلے نہیں مل سکتی تو میرے ذمہ زائد رقم اکتالیس روپے کی زکوٰۃ فی الحال ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جو نو ۹ روپے لازما کٹتے ہیں اور اس پر جو مزید رقم ملے گی یہ سب سرکار ن ... ہے اس پر زکوٰۃ کا مسئلہ ملنے اور قبضہ میں آنے کے بعد جاری ہوگا ملنے سے پہلے نہیں۔ البتہ جو رقم ماہانہ (اکتالیس ۴۱ روپے) جمع کرنے کی آپ نے اپنی مرضی سے منظوری دی ہے اس پر زکوٰۃ کا حکم جاری ہوگا اگرچہ وہ آپ کے قبضہ میں نہیں ہے، جس طرح ہم کسی کو اپنی مرضی سے قرض دیتے ہیں اس پر بھی ہمارا قبضہ نہیں ہوتا مگر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اسی طرح ہم نے جو رقم کسی کے پاس امانت رکھی ہے اس پر بھی ہمارا قبضہ نہیں ہے مگر وہ ہماری ملک ہے اور ہم نے اپنی مرضی سے امانت رکھوائی ہے اس لئے اس پر زکوٰۃ واجب ہے، اسی طرح صورت مذکورہ میں بھی زکوٰۃ واجب ہے۔[۲] اور اس رقم پر سود کے نام سے جو رقم ملے گی وہ سود ہوگی کیونکہ وہ آپ کی ذاتی رقم کے حساب میں دی گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کچھ نقد رقم یا کچھ مال تجارت ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۵۶) کسی کے پاس سونا چاندی نہیں ہے صرف پانچ سو روپے ہیں تو اس رقم پر سال گذرنے پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ یا اسی طرح دوکان ہے جس میں سات آٹھ سائیکلیں اور اس کی ضرورت کا تھوڑا بہت سامان ہے تو اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) آج کے حساب سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر روپے ہوں گے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، اسی طرح سائیکل یا اور کوئی سامان تجارت کے لئے ہو اور وہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کا ہو تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔[۳]

---

(۱) فافاد ان التقويم انما يكون بالمسكوك عملا بالعرف مقوما بأحدهما ان يستويا، فلو احدهما اروج تعين التقويم به ولو بلغ باحدهما نصابا دون الآخر تعين ما يبلغ به ولو بلغ بأحدهما نصابا وخمسا وبالآخر اقل قومه بالا نفع للفقير سراج، ربع عشر درمختار مع الشامی باب زكاة المال ج. ۲ ص ۲۹۹.

(۲) فتجب زكاتها اذا تم نصابا وحال الحول لكن لا فورا بل عند قبض اربعين درهما من الدين القوى كقرض وبدل مال تجارة . ويعتبر ما مضى من الحول قبل القبض فى الاصح درمختار مع الشامى مطلب فى وجوب الزكاة فى دين المرصد

(۳) أو فى عرض تجارة قيمته نصاب الجملة من ذهب او ورق مقوما بأحدهما ان استويا الخ درمختار مع الشامى باب زكاة المال ج. ۲ ص ۲۹۸

..سائیکل اوردوکان کا سامان کرایہ پردیا جاتا ہوتو آمدنی پرزکوٰۃ واجب ہوگی مالیت پرنہیں ۔(۱) فقط واللہ اعلم ۔

ڈیڑھ تولہ سونا اور چار تولہ چاندی ہوتو زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟:

(سوال ۱۵۷)ایک عورت کے پاس ڈیڑھ تولہ سونا اور چار تولہ چاندی ہے اور پچاس روپے بھی جمع ہیں تو یہ عورت زکوٰۃ لے سکتی ہے یا نہیں ؟ اور یہ عورت شریعت کی نظر میں مالدار شمار ہو کر اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں ؟ جب کہ آج ایک تولہ سونے کی قیمت سات سو روپے ہیں اور چاندی کی قیمت سولہ روپے ہیں تو اس حساب سے ڈیڑھ تولہ سونے کی قیمت مبلغ /۱۰۵۰ روپے اور ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت مبلغ /۸۴۸ روپے ہیں تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

(الجواب) جب کہ اس عورت کے پاس اپنی ضرورت اور قرض سے زائد ڈیڑھ تولہ سونا اور چار تولہ چاندی ہے اور پچاس روپے بھی جمع ہیں تو یہ صاحب نصاب ہے اور مالدار ہے لہذا یہ عورت زکوٰۃ نہیں لے سکتی اور سال بھر صاحب نصاب رہی تو زکوٰۃ دینا واجب ہو جائے گا ۔ مراقی الفلاح میں ہے **وتضم قيمة العروض الى الثمنين والذهب الى الفضة قيمة** (ص ۴۱۶ کتاب الزکوٰۃ) ہدایہ میں ہے **ويضم الذهب الى الفضة للمجانسة من حيث الثمنية ومن هذا الوجه صار سببا ثم تضم بالقيمة عند ابى حنيفة رحمه الله الخ (هدايه اولين ج ۱ ص ۱۷۶ باب زكوة المال فصل فى العروض)فقط والله اعلم بالصواب .**

استعمالی برتن اور کپڑں کی زکوٰۃ کا حکم :

(سوال ۱۵۸)میرے گھر میں ایسے برتن ہیں جو روزمرہ استعمال میں نہیں آتے ،گاہے گاہے مہمان آنے پر استعمال کئے جاتے ہیں ، ان کی قیمت تقریباً ایک ہزار روپے ہیں کیا ان پر زکوٰۃ ہے ؟ اسی طرح کپڑے ہیں جو سال میں ایک دو بار عیدین وغیرہ خوشی کے موقعہ پر پہنے جاتے ہیں ، یہ بھی ہزار روپے کے ہیں کیا اس پر بھی زکوٰۃ ہے ؟ بینوا توجروا ۔

(الجواب) استعمالی برتن اور کپڑوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ، ہاں ان کپڑوں میں اگر سچا کام ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی **(ولا فى ثياب البدن) المحتاج اليها لدفع الحرو البرد (واثاث المنزل ودور السكنى ونحوها) درمختار مع الشامى** ج ۲ ص ۱۰ **كتاب الزكاة**) تجارتی سامان اور تجارتی کپڑوں میں زکوٰۃ واجب ہے ۔ فقط واللہ اعلم ۔

ورثاء کے لئے رقم جمع کی تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟:

(سوال ۱۵۹)ایک آدمی نے اپنی جائداد اپنی زندگی میں بیچ دی اور وہ رقم اپنے ورثاء کے لئے جمع کر رکھی ہے تو اس پر اس رقم کی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

(الجواب) فی الحال وہ شخص اس رقم کا مالک ہے ، اس لئے اس پر اس رقم کی زکوٰۃ واجب ہے ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

(۱) ولو اشترى قدورامن صفر يمسكها ويواجر ها لا تجب فيها الزكاة كما لا تجب فى بيوت الغلة . فتاوى عالمگيرى الفصل الثانى فى العروض ج ۱ ص ۱۸۰

مقروض کے پاس سونا ہوتو اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۶۰) ایک شخص مقروض ہے اور اس کے پاس کچھ سونا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قرض وضع کرنے کے بعد اس کے پاس جو سونا یا سونے کے زیورات ہوں وہ زیورات استعمال میں آتے ہوں یا نہ آتے ہوں اگر وہ ساڑھے سات تولہ ہو، یا اگر کم ہو مگر اس کے پاس چاندی یا اس کا زیور ہو یا نقد رقم ہو، یا تجارتی مال ہو اور سونا چاندی مل کر، یا نقد رقم اور سونا مل کر، یا تجارتی مال اور سونا مل کر اتنی مالیت کا ہو جائے کہ سونے یا چاندی کا نصاب بن جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔ ہدایہ میں ہے۔ ومن کان علیہ دین یحیط بما لہ فلا زکوٰۃ علیہ و ان کان مالہ اکثر من دینہ زکی الفاضل اذا بلغ نصاباً لفراغہ عن الحاجۃ (ہدایہ اولین ص ۱۶۶ کتاب الزکوٰۃ)

دوسری جگہ ہے۔ وتضم قیمۃ العروض الی الذھب والفضۃ حتی یتم النصاب ویضم الذھب الی الفضۃ للمجانسۃ من حیث الثمنیۃ الخ (ہدایہ اولین ص ۱۷۴ باب زکوٰۃ المال فصل فی العروض) فقط واللہ اعلم بالصواب. ۱۲ شوال المکرم ۱۳۹۹ھ

بوقت نکاح عورت کو جو زیور ملیں ان کی زکوٰۃ کا حکم

(سوال ۱۶۱) میرے بھائی کی شادی کو ایک برس ہو گیا انہوں نے شادی کے وقت اپنی بیوی کو آٹھ تولہ سونا دیا تھا (چڑھایا تھا) اور دو تولہ سونا لڑکی کو اس کی والدہ نے دیا تو کس پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) آپ کے بھائی کی بیوی کو جو سونا یا سونے کے زیورات بطور بخشش یا مہر کے بدلے میں ملے ہیں ان کی وہ مالک ہے اور زکوٰۃ اسی پر واجب ہوگی، اور اگر زیورات عاریۃً (یعنی صرف پہننے کے لئے) دیئے گئے ہیں تو ان کا مالک دینے والا ہے، جس کو دیا گیا ہے وہ مالک نہیں ہے اور جو مالک ہوتا ہے زکوٰۃ ادا کرنے کا ذمہ دار وہی ہوتا ہے بشرطیکہ وہ صاحب نصاب ہو، ماں باپ کی طرف سے جو زیورات ملے ہیں ظاہر یہ ہے کہ وہ بطور بخشش ہیں اس لئے ان زیورات کی مالک لڑکی ہوگی، اگر صاحب نصاب ہے تو اس پر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب

فتاویٰ رحیمیہ جلد ہفتم صفحہ ۱۷۴ کی ایک عبارت کی تصحیح:

(سوال ۱۶۲) مخدوم ومکرم حضرت مفتی صاحب۔ ادام اللہ ظلکم سلام مسنون عرض خدمت اینکہ بندہ کو آپ کی تصنیف فتاویٰ رحیمیہ ج ۷ ص ۱۷۴ کی ایک عبارت سمجھ میں نہیں آسکی ہے، آپ اس کا حل فرمائیں۔ آپ ایک سوال کا جواب تحریر فرماتے ہیں۔

---

(۱) لو جہز ابنتہ وسلمہ الیہا لیس لہ فی الاستحسان استرداد منہا وعلیہ الفتوی　واذا بعث الزوج الی اہل زوجتہ اشیاء عند زفافہا منہا دیباج فلما زفت الیہ اراد ان یسترد من المرأۃ الدیباج لیس لہ ذلک اذا بعث الیہا علی جہۃ التملیک کذا فی فصول العمادیۃ. فتاوی عالمگیری الفصل السادس عشر فی جہاز البنت ج ۱ ص ۳۲۷

(الجواب) گروی (رہن) دی ہوئی چیز کی زکوٰۃ دینے والے پر ہے نہ کہ رکھنے والے پر (شامی ج ۲ص ۹)..... اول تو بندہ کو ایسی عبارت نہ مل سکی جو اس مفہوم پر دال ہو کہ شے مرہون پر بھی زکوٰۃ ہے بلکہ دیگر عبارات سے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے، چنانچہ بحرالرائق میں ہے۔ و من موانع الوجوب الرهن اذا كان في يد المرتهن (بحر الرائق ج ۲ ص ۲۱۸ مطبوعه مطبع علميه) اور عالمگیری میں ہے۔ ولا على الرهن اذا كان الرهن في يدالمرتهن (عالمگیری ج ۱ ص ۱۷۹) اور درمختار میں ہے .ولا في مرهون بعد قبضه دور على هامش رد المحتار (ج ۲ ص ۷) مطبوعه مكتبه نعمانيه)۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں۔ اى لا على المرتهن لعدم ملك الرقبة ولا على الراهن لعدم اليد (رد المحتار ج ۲ ص ۷) ان جملہ عبارات سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شئی مرہون میں بالکلیہ زکوٰۃ نہیں اور جناب کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ ہے۔ بندہ کا گمان ہے کہ احقر کو آپ کی عبارت یا ان کتب کی عبارت سمجھنے میں غلطی ہو رہی ہے لہذا تسلی بخش جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں، گستاخی معاف فرمائیں اور دعوات صالحہ میں یاد فرمائیں فقط والسلام مع الاحترام . احقر عبدالله كان الله له'

(الجواب) عزیزم مولوی عبداللہ خالد سلمہ اللہ تعالیٰ و عافاہ بعد سلام مسنون! محبت نامہ موصول شدہ کاشف احوال ہوا، آپ کا اشکال درست ہے، حوالہ اور شامی کی عبارت لا على المرتهن .ولا على الراهن کے مطابق ہی جواب لکھا گیا تھا، کاتب نے کرم فرمائی کی اور لفظ ''کہ'' بڑھا دیا جس کی وجہ سے مسئلہ کی صورت بدل گئی، عبارت یوں تھی:-

''گروی (رہن) دی ہوئی چیز کی زکوٰۃ دینے والے پر ہے نہ رکھنے والے پر'' (یعنی دونوں پر زکوٰۃ واجب نہیں)

جدید ایڈیشن میں عبارت کی اصلاح کر لی جائے گی، انشاء اللہ، حق تعالیٰ آپ کو جزائے خیر اور علم نافع عطا فرمائے۔ آمین واللہ اعلم۔

تین تولہ سونا اور کچھ نقد رقم ہو اس کا حکم:

(سوال ۱۶۳) اگر کسی کے پاس سونا ساڑھے سات تولہ سے کم ہے مثلاً تین تولہ یا چار تولہ ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے اس کے پاس نقد روپے کتنے ہونے چاہئیں؟ ہمارے ملک برما میں بعض علماء کرام کا کہنا ہے کہ کسی کے پاس سونا نصاب سے کم ہو مثلاً تین تولہ سونا ہو اور اس کے ساتھ نقد پانچ روپے ہوں اور اس پر سال گذر جائے تو اس کا شمار صاحب نصاب میں ہوگا اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اس کے برعکس ایک شخص چھ تولہ سونے کا مالک ہے اور اس کے ساتھ نقد رقم بالکل نہیں تو وہ صاحب نصاب نہ ہوگا اور اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تین تولہ سونے کا مالک صرف نقد پانچ روپے ہونے کی وجہ سے صاحب نصاب ہو جاتا ہے اور دوسرا شخص چھ تولہ سونے کا مالک ہوتے ہوئے نقد رقم نہ ہونے کی وجہ سے غیر صاحب نصاب ٹھہرتا ہے، آپ اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) علمائے کرام نے جو بتلایا ہے وہ صحیح ہے، نقد پانچ روپے زائد از ضرورت اور تین تولہ سونا ہو تو زکوٰۃ اس لئے فرض ہو جاتی ہے کہ نقد رقم چاندی، سونے کے حکم میں ہے اور تین تولہ سونا اور نقد پانچ روپے مل کر ساڑھے باون تولہ

چاندی کی قیمت کے برابر ہو جاتے ہیں اس لئے زکوٰۃ واجب ہو جائے گی اور دوسری صورت میں اس لئے زکوٰۃ فرض نہیں کہ اس کے پاس صرف سونا ہے، چاندی یا تجارتی مال یا نقد رقم نہیں ہے اس لئے نہ تو سونے کا نصاب بنتا ہے نہ چاندی کا لہذا اس صورت میں زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔ (۱). فقط واللہ اعلم بالصواب.

(۱) جس سونے کے زیور میں دھت ملی ہو اس کی زکوٰۃ کا حکم (۲) زیور میں موتی جواہرات جڑے ہوں اس کی زکوٰۃ کا حکم (۳) زیور بنوائی کی اجرت کو زیور کے ساتھ شامل کیا جائے گا یا نہیں؟:

(سوال ۱۶۴) ایک خاتون نے ستر گرام خالص سونے میں تیس گرام دھات تانبہ پیتل وغیرہ کی آمیزش کر کے اس کا زیور تیار کیا ہے، یہ کل سونے کے حکم میں ہوگا؟ یا دھات کو دھات سمجھا جائے گا؟ زکوٰۃ کس طرح نکالی جائے۔

(۲) زیور میں جو سچے موتی "نگ" ہیرے یا نقلی موتی وغیرہ جڑے ہوں ان اصلی یا نقلی چیزوں پر جو قیمت گئی ہو اس قیمت پر بھی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے یا نہیں۔

(۳) زیور کی بنوائی کی جو اجرت دی گئی ہے اس اجرت پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

(۴) اس خاتون کے پاس صرف سو گرام سونے کا زیور ہے، نقد جو آتا ہے وہ ماہ بماہ خرچ ہو جاتا ہے، تو اس سونے پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سونے اور دھات کو گلا کر ایک کر دیا ہو، سونا تمیز نہ ہو رہا ہو تو جو چیز غالب ہوگی کل اسی کے حکم میں ہوگا، اگر سونا غالب ہو تو کل سونے کے حکم میں ہوگا اور اگر دھات غالب ہو تو کل دھات کے حکم میں ہوگا۔

درمختار میں ہے (وغالب الفضة والذهب فضة وذهب وما غلب غشه) منها (يقوم كالعروض) شامی میں ہے (قوله وغالب الفضة الخ) لان الدراهم لا تخلوا من قليل غش لانها لا تنطبع الا به فجعلت الغلبة فاصلة نهر ، ومثلها الذهب (قوله فضة وذهب) اى فتجب زكهاتهما لا زكوة العروض (درمختار و شامی ص ۴۲ ج ۲ باب زكاة المال)

امداد الفتاویٰ میں ہے: الجواب، ذہب وفضہ کے ساتھ غیر ذہب وفضہ کے مخلوط ہونے کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ دونوں تمیز ہوں اور گلا کر نہ ملائی گئی ہوں اس میں تو مجموعہ کا ایک حکم نہ ہوگا، ذہب وفضہ کی مقدار پر ذہب وفضہ کے احکام جاری ہوں گے اور غیر ذہب وفضہ میں اس کے احکام جاری ہوں گے، مثلاً بیع صرف ووجوب زکوٰۃ صرف مقدار ذہب وفضہ میں معتبر ہوگی مجموعہ میں نہ ہوگی، دوسری صورت یہ ہے کہ ایک دوسرے سے تمیز نہ ہوں اور گلا کر دونوں ایک کر دیا ہو اس میں فقہاء نے کہا ہے کہ غالب کا اعتبار ہے یعنی اگر غالب ذہب یا فضہ ہو تو مجموعہ کو سب احکام میں ذہب وفضہ کہا جائے گا اور اگر غالب دوسری چیز ہے تو مجموعہ کو دوسری چیز کے حکم میں کہیں گے، اس میں جس قدر ذہب وفضہ ہے اس میں بھی احکام ذہب وفضہ کے جاری نہ ہوں گے نہ اس پر زکوٰۃ ہوگی نہ احکام بیع صرف اس میں

(۱) فافاد ان التقويم انما يكون بالمسكوك عملا بالعرف مقوما باحدهما ان استويا فلو احدهما اروج تعين التقويم به ولو بلغ باحدهما نصابا دون الاخر تعين ما يبلغ به درمختار مع الشامی کتاب الزکوٰۃ ج ۲ ص ۲۹۹

معتبر ہوں گی۔الخ (امداد الفتاویٰ ص ۵۰، ۱ ج ۲ کتاب الزکوٰۃ)

صورت مسئولہ میں جب کہ سونے اور دھات کوگلا کر زیور بنالیا ہے (سونا متمیز نہ رہا) اور سونا غالب ہے تو کل سونے کے حکم میں ہوگا، اس زیور کی زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت اس کی جتنی قیمت ہو اس کا اعتبار کر کے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔فقط۔

(۲) ہیرے موتی جواہرات جو زیور میں جڑے ہوئے ہیں اگر یہ زیور استعمال کے لئے ہوں تجارت کے لئے نہ ہو تو ہیرے موتی جواہرات کی مالیت میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے کہ ہیرے وغیرہ کو اگرچہ سونے کے ساتھ ملایا ہے مگر دونوں متمیز ہیں لہذا ہیرے وغیرہ کو سونے کا حکم نہیں دیا جائے گا جیسا کہ حضرت اقدس تھانوی علیہ الرحمہ کے فتویٰ سے جو جواب (۱) میں نقل کیا گیا ہے یہ ثابت ہوتا ہے۔البتہ اگر کوئی شخص ہیرے وغیرہ کو سونے کا تابع سمجھ کر زیور کی مجموعی قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کردے تو یہ بہتر ہوگا زیور کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں شبہ نہ رہے گا اور غرباء کا بھی اس میں فائدہ ہے حضرت مفتی عزیز الرحمٰن نے زیور کی مجموعی قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کرنے کا فتویٰ تحریر فرمایا ہے۔ کما سیاتی یہ احتیاطی صورت ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے واما الیواقیت والجواھر فلا زکوٰۃ فیھما وان کانت حلیا الا ان تکون للتجارۃ ، کذافی الجوھرۃ النیرۃ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۸۰ کتاب الزکوٰۃ باب نمبر ۳ فصل نمبر ۲) درمختار میں ہے (لازکوٰۃ فی اللآلی والجواھر) وان ساوت الفا (الا ان تکون للتجارۃ) (درمختار ج ۲ ص ۱۸ قبیل باب السائمۃ)

عمدۃ الفقہ میں ہے: یاقوت، موتیوں اور جواہرات میں زکوٰۃ نہیں ہے اگرچہ ان کا زیور بنا ہوا ہو لیکن اگر وہ تجارت کے لئے ہوں تو ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی (عمدۃ الفقہ ج ۳ ص ۷۹۔۷۸)

کفایت المفتی میں ہے:۔(سوال) جس چاندی سونے کے زیور میں جواہرات جڑے ہوئے ہوں اس زیور پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

(الجواب) زیور جو چاندی اور سونے کا ہو اس میں بقدر چاندی سونے کے زکوٰۃ فرض ہے یعنی اگر اس میں جواہرات ہوں تو ان کی مالیت پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، صرف چاندی سونے کی مالیت پر زکوٰۃ ہے (کفایت المفتی ج ۴ ص ۲۴۲)

فتاویٰ دار العلوم میں ہے۔

(سوال ۲) جو زیور طلائی ہو اور اس میں جواہرات بھی جڑے ہوں تو اس کی زکوٰۃ کس طریقہ سے ادا ہونی چاہئے۔

(جواب ۲) اس زیور کی قیمت کر کے زکوٰۃ ادا کرے (فتاویٰ دار العلوم ج ۶ ص ۱۳۰ امدلل ومکمل) فقط

(۳) زکوٰۃ ادا کرنے کے وقت زیور کی جتنی قیمت آتی ہو اس قیمت کا اعتبار کر کے زکوٰۃ نکالی جائے۔فتاویٰ عالمگیری میں ہے ولو کان لہ ابریق فضۃ وزنہ مائتان وقیمتہ لصیا غتہ ثلث مائہ ان ادی من العین یؤدی ربع عشرہ وھو خمسۃ قیمتھا سبعۃ ونصف وان ادی قیمتھا خمسۃ جاز ولو ادی من خلاف جنسہ یعتبر القیمۃ بالاجماع کذا فی التبیین (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۷۸ باب نمبر ۲ فصل نمبر ۲) (امداد الفتاوی ج ۲ ص ۴۳) فقط.

(۴) جواب (۱) سے ثابت ہوا کہ اگر سونا غالب ہو اور کھوٹ مغلوب ہو تو کل سونے کے حکم میں ہوتا ہے لہذا یہ پورا سو گرام سونے ہی کے حکم میں ہوگا، اور سونے کا نصاب ۷½ تولہ ہے جس کے تقریباً ۸۷½ گرام ہوتے ہیں تو سو گرام مقدار نصاب سے زیادہ ہے، لہذا مذکورہ خاتون صاحب نصاب شمار ہوں گی اگر نقد رقم بچتی نہ ہو تب بھی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قطعہ زمین تجارت کی نیت سے خریدا تو اس پر زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۶۵) زید صاحب نصاب ہے اس نے ایک قطعہ زمین اس نیت سے خریدا کہ جب اس کی قیمت بڑھ جائے گی تو فروخت کر دیں گے ایسی صورت میں اس قطعہ زمین پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر زکوٰۃ واجب ہے تو قیمت خرید پر ہے یا زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت بازار میں جو قیمت رائج ہو اس کا اعتبار ہوگا؟ زکوٰۃ واجب ہونے کی صورت میں ہر سال زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا جب وہ فروخت ہوگی اس وقت زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

(۲) اب زید کی نیت یہ ہے کہ قطعۂ زمین فروخت ہونے پر حاصل شدہ رقم سے اپنے بچوں کی رہائش کے لئے کوئی مکان لے لے گا، زید کی نیت کی اس تبدیلی کے بعد اس قطعہ زمین پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سوال سے واضح ہوتا ہے کہ یہ قطعہ زمین بہ نیت تجارت خریدا گیا ہے تو یہ زمین مال تجارت کہلائے گی لہذا مال تجارت ہونے کے اعتبار سے جب تک یہ زمین زید کے پاس رہے ہر سال اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے زکوٰۃ ادا کرنے وقت زمین کی جو قیمت رائج ہو اس کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

ہدایہ اولین میں ہے وان اشتری شیئاً ونواہ للتجارۃ کان للتجارۃ لا تصال النیۃ بالعمل (ہدایہ اولین ص ۱۶۷ ج ۱ کتاب الزکوٰۃ)

درمختار میں ہے (وما اشتراہ لہا) ای للتجارۃ (کان لہا) لمقارنۃ النیۃ بعقد التجارۃ (درمختار ص ۱۷ ج ۲ کتاب الزکوٰۃ)

فتاویٰ دار العلوم میں ہے: (۳) زکوٰۃ اس حساب سے دی جائے گی جو قیمت اس کی بازار میں ہے اور مراد اس بازار سے وہ بازار ہے جس میں وہ مال ہے کما فی الدر المختار ویقوم فی البلد الذی المال فی (درمختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۰) (فتاویٰ دار العلوم ص ۸۱ ج ۲ مدلل ومکمل)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

(سوال) تجارتی مال کی زکوٰۃ کا کیا طریقہ ہے، سال آخری میں موجودہ مال کی قیمت لگا کر ادا کردے یا کوئی اور طریقہ ہے۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً سال پورا ہونے پر جس قدر مال موجود ہو اس وقت اس کی جتنی قیمت ہو اس کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرے فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ ص ۴۹، ص ۵۰ ج ۳، کتاب الزکوٰۃ)

(الجواب) (۲) اب بھی نیت تو مکان بیچنے ہی کی ہے لہذا اس وقت بھی مذکورہ زمین مال تجارت کہی جائے گی اور زکوٰۃ واجب ہوگی، البتہ قیمت آنے کے بعد اگر اس قیمت سے رہائش کے ارادے سے مکان خرید لے تو وہ مکان رہائش شمار

ہوگا اور اس پر زکوٰۃ لازم نہ ہوگی ۔فقط واللہ اعلم بالصواب ۔۱۹ جمادی الثانیہ ۱۴۰۱ھ۔

تجارت کی نیت سے مکان بنا رہا ہے تو اس کی زکوٰۃ کا حکم:

(سوال ۱۶۶) ایک شخص زمین خرید کر اس پر مکان بنا رہا ہے اور اس کی نیت مکان بیچنے کی ہے، تعمیری کام ابھی مکمل نہیں ہوا تو اس مکان کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مکان تجارت کی نیت سے بنایا جا رہا ہے اس لئے اس کا شمار مال تجارت میں ہوگا، مکان کی موجودہ حالت کے اعتبار سے قیمت متعین کر کے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے ۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زیور استعمال کرے یا نہ کرے ہر حال میں اس کی زکوٰۃ فرض ہے:

(سوال ۱۶۷) ایک عورت کے پاس دس تولہ سونے کا زیور ہے، وہ عورت اسے پہنتی نہیں ہے ایسے ہی رکھا ہوا ہے تو اس پر زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) زیور چاہے استعمال کیا جائے یا ایسے ہی رکھا ہوا ہو ہر حال میں اس کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے، لہذا صورت مسئولہ میں جب زیور بقدر نصاب ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے ۔درمختار میں ہے (واللازم) مبتداء (فی مضروب کل) منها اومعموله ولو تبرا او حليا مطلقا) مباح الا ستعمال اولا ولو لتجمل والنفقة لا نهما اثما نا فيز كيهما كيف كا نا (درمختار ج ۲ ص ۴۱، باب زكوة المال) فقط والله اعلم

دودھ بیچنے کی نیت سے بھینس پالیں تو ان کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۶۸) ایک شخص نے دودھ بیچنے کے لئے بھینسیں پالی ہیں تو ان جانوروں پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا صرف دودھ سے حاصل شدہ آمدنی پر؟ بھینسیں طبیلہ میں رہتی ہیں وہیں ان کو دانہ چارہ دیا جاتا ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب کہ بھینسوں کو چارہ اپنے پاس سے کھلاتا ہے، جنگل میں چرنے پر ان کا گذارہ نہیں تو ان جانوروں کو سائمہ نہیں کہا جائے گا، اور ان جانوروں کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی البتہ دودھ سے حاصل شدہ آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہوگی، درمختار میں ہے: باب السائمة (هي) الراعية وشرعاً (المكتفية بالرعي المباح) ذكره الشمني (في اكثر العام لقصد الدر والنسل) الى قوله (فلو علفها نصفه لا تكون سائمة فلا زكوة فيها للشك في الموجب الخ) (درمختار مع رد المحتار باب السائمة) ج۲ ص ۱۹ - ۲۰. فقط والله اعلم بالصواب .

چند سالوں تک مال تجارت کی زکوٰۃ ادا نہیں کی پھر وہ مال ہلاک ہو گیا تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۶۹) ایک شخص نے اسپغول بیچنے کی نیت سے خریدا اور ایک غیر مسلم کے پاس رکھا اور زیادہ بھاؤ کے انتظار میں رہا اس طرح کئی سال گذر گئے، جس غیر مسلم کے پاس مال رکھا تھا اس کا انتقال ہو گیا، اس کے وارثوں سے اس شخص نے اپنا اسپغول مانگا تو اس کے وارث کہتے ہیں تمہارا اسپغول ہمارے گھر پر نہیں ہے اور ہمیں اس کے متعلق بالکل خبر

نہیں ہے، اس شخص نے وارثوں سے اسپغول یا اس کی رقم حاصل کرنے کی بہت کوشش کی مگر ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی، اور اب بظاہر کوئی امید نہیں ہے اور اس کے پاس کوئی گواہ اور کوئی ثبوت بھی نہیں ہے تو اس صورت میں جتنے سالوں کی زکوٰۃ باقی تھی وہ ادا کرنا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس غیر مسلم کے وارثوں کو سمجھانے اور اس کے پاس اسپغول رکھنے کا کوئی ثبوت ہو تو وہ پیش کر کے اسپغول یا اس کی رقم حاصل کرنے کی کوشش کرے اگر اسپغول یا اس کی رقم مل جائے تو گذشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے، اگر خدانخواستہ کوشش کے باوجود نہ اسپغول ملے نہ اس کی رقم ملے اور بالکل نا امیدی ہو جائے تو گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ساقط ہو جائیگی، ان سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری نہیں ..... فتاویٰ عالمگیری میں ہے: وان هلک المال بعد وجوب الزکوة سقطت الزکوة وفی هلاک البعض یسقط بقدره، کذا فی الهدایه . ولو استهلک النصاب لا یسقط هکذا فی السراجية (عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۶ کتاب الزکاة، مسائل شتی)

شامی میں ہے: (قوله ولا فی هالک) ای لا تجب الزکوة فی نصاب هلک بعد الوجوب ای بعد مضی الحول بل تسقط وان طلبها الساعی منه فامتنع حتی هلک النصاب علی الصحیح وفی الفتح انه الاشبه الخ (شامی ص ۲۷ ج ۳ باب زکاة الغنم) فقط والله اعلم بالصواب .

رہائش کے لئے مکان بنانا پھر بیچنے کا ارادہ کر لیا تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۷۰) ایک شخص نے رہنے کے لئے مکان تعمیر کیا اور اس میں رہائش بھی اختیار کر لی، پھر حالات ناسازگار ہونے کی وجہ سے دوسری جگہ منتقل ہو گیا، وہ مکان غیر مسلموں کے علاقہ میں ہے، اس لئے اب وہاں قیام کا ارادہ نہیں اس کو بیچ دینے کی نیت کر لی، مگر ابھی تک وہ بکا نہیں ہے، بند پڑا ہے، صورت مذکورہ میں اس مکان کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب یہ مکان رہنے کے لئے بنایا تھا، بعد میں رہائش ترک کر کے بیچنے کی نیت کر لی تو صرف نیت سے وہ مال تجارت نہیں بنے گا، اور فی الحال اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں ہوگی، جب مکان فروخت ہو گا اس کا جو ثمن (قیمت) ملے اپنے مال کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ ادا کرے،

ہدایہ اولین میں ہے: ومن اشتری جارية للتجارة ونواها للخدمة بطلت عنها الزکوة لاتصال النیة بالعمل وهو ترک التجارة وان نواها للتجارة بعد ذلک لم تکن للتجارة حتی یبیعها فیکون فی ثمنها زکٰوة لان النیة لم تتصل بالعمل اذ هو لم یتجر فلم تعتبر (هدایه اولین ص ۱۶۷ کتاب الزکوٰة) فقط والله اعلم بالصواب .

زکوٰۃ مرغی پر ہے یا انڈوں پر:

(سوال ۱۷۱) میں مرغیوں کی پرورش کا پیشہ کرتا ہوں، چار سو مرغیاں میرے پاس ہیں، اس پیشہ میں آٹھ ہزار روپے

کا سرمایہ لگا ہوا ہے، نیز میں ان انڈوں کی تجارت کرتا ہوں، مجھ پر اس کی زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر آپ مرغیوں کی تجارت نہیں کرتے بلکہ صرف ان کے انڈوں کی تجارت کرتے ہیں تو اصل سرمایہ پر زکوٰۃ نہیں بلکہ انڈوں کی آمدنی پر ہے جب کہ صاحب نصاب ہوں (ملاحظہ ہو احسن الفتاوی ۴/۳۰۰)

کرایہ پر چلنے والے ٹرک پر زکوٰۃ ہے یا نہیں:

(سوال ۱۷۲) میرا ٹرک ٹرانسپورٹ میں چلتا ہے تو زکوٰۃ ٹرک کی قیمت پر آئے گی یا ٹرانسپورٹ سے جو نفع ملتا ہے اس پر؟

(الجواب) ٹرک ٹرانسپورٹ سے جو نفع حاصل ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ ہے ٹرک کی قیمت پر نہیں ہے **فارغ عن الدين وعن حاجته الا صلية كثياب المحتاج اليها لدفع الحرو البرد و كالنفقة و دور السكنى و آلاة الحرب والحرفة.** (طحطاوی ص ۳۸۹ کتاب الزکوٰۃ)(شامی کتاب الزکوٰۃ ۲/۸۷۷) **فقط واللہ اعلم بالصواب.**

برقی ٹرانسفارمر کے منافع پر زکوٰۃ:

(سوال ۱۷۳) میری ویلڈنگ کی دکان ہے ویلڈنگ کرنے کے لئے برقی ٹرانس فارمر (برقی رو کی طاقت گھٹانے بڑھانے والی مشین) رکھنا ضروری ہے تو زکوٰۃ ٹرانسفارمر کی مشینری پر ہے یا اس سے حاصل شدہ منافع پر؟

(الجواب) ٹرانسفارمر کی مشین کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں ہے اس کے منافع پر زکوٰۃ ہے، (ملاحظہ ہو امداد الفتاوی ۲/۴۴)(۱)

مہر مؤجل وجوب زکوٰۃ کے لئے مانع نہیں:

(سوال ۱۷۴) ہمارے یہاں خاندانی دستور مہر مؤجل (ادھار مہر) کا ہے یعنی طلاق یا وفات کے بعد مہر کی ادائیگی کا دستور ہے، سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں اگر کوئی شخص صاحب نصاب ہو مگر مہر کا قرض منہا کرنے کے بعد وہ صاحب نصاب نہیں رہتا تو کیا اس پر زکوٰۃ ہے؟

(الجواب) صورت مسئولہ پر زکوٰۃ لازم ہے مہر مؤجل وجوب زکوٰۃ کے لئے مانع نہیں، شامی میں ہے " **والصحيح انه غير مانع** " صحیح بات یہ ہے کہ مہر مؤجل مانع زکوٰۃ نہیں (شامی ۲/۷ کتاب الزکوٰۃ)

عورتوں کے لئے زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ زکوٰۃ دینے سے مال پاک ہوتا ہے:

(سوال ۱۷۵) عورتوں کے پاس عام طور پر تین چار تولہ سونا ہوتا ہے، اور آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا، ایک عالم صاحب کا کہنا ہے کہ تین چار تولہ سونے کے ساتھ پچاس روپے نقد ہوں تو زکوٰۃ کا فریضہ عائد ہوگا، فی الحال روپیہ بہت سستا ہے ایک معمولی فقیر شخص بھی پچاس سو روپے کا مالک ہوتا ہے، لہٰذا عورتیں زکوٰۃ یا قربانی ادا کرنے کے لئے سونے

(۱) بعنوان ، استعمالی مشین پر زکوٰۃ نہیں ، مسئلہ ملاحظہ ہو جیسا کہ حرفت کا ہوتا ہے جیسے کہ شامی کی مذکورہ بالا حوالے سے واضح ہے ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کا کچھ حصہ فروخت کریں تو آہستہ آہستہ سونا گھٹ کران کے پاس کچھ بھی نہ بچے گا، اس لئے تفصیلی جواب مطلوب ہے۔

(الجواب) عورتیں اگر صرف تین چار تولے سونے کی مالک ہیں، چاندی یا نقد روپے یا اسباب تجارت میں سے کچھ بھی نہیں تو ان پر زکوٰۃ اور قربانی واجب نہیں۔ نصاب الذهب عشرون مثقالا قال الشامی فما دون ذلک لا زکوۃ فیه ولو کان نقصانا یسیرا (شامی ج ۲ ص ۳۸ باب زکاۃ المال) اور اگر سونے کے سوا کچھ چاندی یا نقد روپے یا مال تجارت بھی ہے اور وہ تمام ملا کر اتنا ہے کہ اس کی مجموعی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہے تو زکوٰۃ واجب ہے وقیمة العرض للتجارة تضم الی الثمنین (درمختار مع الشامی ج ۲/ص ۴۵ باب زکوٰۃ المال)

عورتوں کو اختیار ہے کہ زکوٰۃ میں بعینہ سونا یا چاندی یا اس کی قیمت دیں اگر اس وقت نقد نہ ہو تو قرض لے کر زکوٰۃ ادا کریں، بعد میں قرض ادا کرنے کی کوشش کریں ایسا کرتے کرتے مال (سونا وغیرہ) اتنا کم رہ گیا کہ وہ صاحب نصاب نہ رہیں، تو زکوٰۃ قربانی وغیرہ واجب نہ رہے گا۔

زکوٰۃ دینے سے مال کم ہونے کا خیال صحیح نہیں بلکہ ادائیگی زکوٰۃ سے مال پاک وصاف ہوتا ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "یمحق الله الربوا ویربی الصدقات" ترجمہ: اللہ تعالیٰ سود مٹاتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے (سورۂ بقرہ) اس کی اہمیت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ زکوٰۃ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک ہے اس کے ادا کرنے سے آدمی مسلمان شمار ہوتا ہے، نیز اس سے غرباء، ومساکین اور اعزہ واقارب کی امداد بھی ہو جاتی ہے لہذا زکوٰۃ ادا کرنے سے بظاہر مال کی مقدار میں کمی دکھائی دیتی ہو تو اس سے بددل نہیں ہونا چاہئے بلکہ مکمل طیب خاطر سے ادا کریں، اور عورتوں کے لئے آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ ہو اور ان کے شوہر اپنی طرف سے عورتوں کی اجازت لے کر زیوروں کی زکوٰۃ دے دیں تو یہ بھی جائز ہے۔ قال فی البحر ولو تصدق عنه بامره جاز (شامی ۲/ص ۱۱ کتاب الزکوٰۃ)

صرف نقد روپے اتنی مقدار میں ہیں کہ اس سے ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا خریدا جا سکتا ہے تب اس میں زکوٰۃ لازم ہوگی ورنہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باب العشر والخراج

ہمارے ملک کی پیداوار میں مسلمان پر عشر ہے یا نہیں؟ اور اس کے ضروری مسائل:

(سوال ۱۷۶) فی زمانہ مسلمانوں پر ان کی کھیتی کی زمینوں کی پیداوار کا اور باغات کے پھلوں کا عشر ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر عشر ادا کرنا ہو تو عشر کے ضروری مسائل بھی تحریر فرمادیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) بسم اللہ الرحمن الرحیم، حامداً ومصلیاً ومسلماً وهو الموفق.

مسئلہ مختلف فیہ ہے، دونوں طرف علماء کے اقوال ہیں۔۔۔ احتیاط اس میں ہے کہ ایسی زمینیں جو مسلمانوں کے پاس نسلاً بعد نسل وراثۃً چلی آرہی ہوں یا مسلمانوں سے خریدی ہوں یا بطور ہبہ ملی ہوں اور درمیان میں کسی غیر مسلم کی ملکیت ثابت نہ ہو تو ایسی زمینوں کو عشری سمجھا جائے اور عشر ادا کیا جائے، عشر میں عبادت کا پہلو غالب ہے اور اس میں مساکین کا فائدہ بھی ہے، اور جن زمینوں پر کافروں کی ملکیت ثابت ہو وہ عشری نہیں خراجی ہیں، اور جن زمینوں کا صحیح حال معلوم نہ ہو تو بدلیل استصحاب حال ایسی زمینیں بھی عشری کہلائیں گی۔

حکومت وقت نے اپنے کسی قانون کے تحت جن زمینوں پر خود مالکانہ قبضہ کرلیا ہو یا زمین کسی کو دلوادی ہو تو ان زمینوں میں عشر واجب نہ ہوگا اور وہ زمینیں جو حکومتی قانون کے باوجود حسب سابق مسلمانوں ہی کی ملکیت میں رہی ہوں ان زمینوں کا عشر ادا کیا جائے اور اس صورت میں حکومتی قانون کا مطلب صرف منتظمانہ قبضہ ہوگا، کما حررہ الشیخ التھانویؒ۔

قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا فتویٰ

(۱) مسئلہ: ہمارے یہاں کی اراضیات عشری ہیں یا خراجی ہیں۔

(الجواب) اراضیات ہند بعض عشری ہیں بعض خراجی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص۵۵ ج۲)

(۲) مسئلہ: اس طرف کی زمین عشری کی کیا شناخت ہے؟

(الجواب) زمین عشری وہ ہے جو اول سے مسلمانوں کے پاس ہو اور عشری پانی سے سیراب کی جاتی ہو، فقط (فتاویٰ رشیدیہ ص۵۴ ج۲)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

(۱) اب ایک مسئلہ قابل غور یہ ہے کہ عشر کس زمین میں ہے؟ تو یاد رکھو کہ عشر، زمین عشری میں ہے اور وہ وہ زمین ہے کہ جب سے مسلمانوں نے فتح کیا ہے وہ زمین کسی کافر کے قبضہ میں نہ آئی ہو، اب زمین کی تین حالتیں ہوں گی۔

ایک یہ کہ معلوم ہوجائے کہ یہ زمین مسلمانوں کے ہاتھوں میں آرہی ہے، اس میں تو عشر کا وجوب ظاہر ہے، دوسرے یہ کہ معلوم ہوجائے کہ یہ زمین کافروں کے ہاتھ سے آئی ہے اس میں عشر نہیں ہے تیسرے یہ کہ معلوم نہ ہو کہ

کافروں کے ہاتھ سے آئی ہے یا مسلمانوں کے، مگر اس وقت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے، یہ بھی باستصحاب حال قسم اول کے حکم میں ہے۔ (التبلیغ وعظ "العشر" ص ۲۰)

(۲) (سوال ۸۹) عشری زمین کے متعلق جو کچھ حضور کی تحقیق ہو مفصل تحریر فرمائی جاوے۔

(الجواب) حاصل مقام کا یہ ہے کہ جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک میں ہیں اور ان کے پاس مسلمانوں ہی سے پہنچی ہیں، ارثاً وشراءً وھلم جرا وہ زمینیں عشری ہیں اور جو درمیان میں کوئی کافر مالک ہو گیا تھا وہ عشری نہ رہی اور جس کا حال کچھ معلوم نہ ہو اور اس وقت مسلمانوں کے پاس ہے یہی سمجھا جاوے گا کہ مسلمان ہی سے حاصل ہوئی ہے بدلیل الاستصحاب پس وہ بھی عشری ہوئی، وقدر العشر معروف، فقط۔ ۱۸ محرم ۱۳۲۶ھ۔ (امداد الفتاویٰ ص ۵۲ ج ۲، کراچی) (جواہر الفقہ ص ۲۶۰ ج ۲)

(۳) (سوال ۹۰) ہندوستان کی زمین بحالت موجودہ (یعنی انگریزی حکومت میں) خراجی ہے یا عشری، جب گورنمنٹ برطانیہ نے بعد عذر کے سلطنت کی باگ اپنے قبضہ واقتدار میں لی تھی تو اس وقت اعلان عام کیا تھا کہ تمام اراضی ضبط کر لی گئیں اور کسی کا حق نہیں ہے، اگر صاحب اراضی دعویٰ کر کے ثبوت پیش کرے تو اس کو حسب تجویز حاکم دی جاوے گی، چنانچہ جن مالکان اراضی نے دعویٰ کر کے بینہ قائم کئے ان کو وہی اراضی یا بعوض ان کے دیگر اراضی عطا ہوئیں اور بعض کو کسی امر کے صلہ میں زمین عطا ہوئی اور مالگذاری سرکاری جو سالانہ زمینداروں سے بادشاہ وقت لیتا ہے مقرر کر دی اور بعض کو معاف کر دی۔

(الجواب) ضبط کرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک قبضہ مالکانہ اگر یہ ہوا ہے تو وہ اراضی عشری نہیں رہیں، دوسرا قبضہ مالکانہ و حاکمانہ و منتظمانہ اور احقر کے نزدیک قرائن قویہ سے اسی کو ترجیح ہے، اگر ایسا ہوا ہے تو اراضی عشریہ بحالہا عشری رہیں البتہ اگر پہلے سے وہ ارض عشری نہ تھی یا سرکار نے کوئی دوسری زمین اس کی زمین کے عوض میں دے دی یا کسی صلہ میں اس کو کوئی زمین دی سو چونکہ وہ دینے کے قبل استیلاء سے سرکار کی ملک ہو گئی تھی لہذا وہ عشری نہ رہی۔ (امداد الفتاویٰ ص ۵۲، ص ۵۳ ج ۲) (جواہر الفقہ ص ۲۶۰، ص ۲۶۱ ج ۲)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں

ہندوستانی اراضی کے عشری یا خراجی ہونے کی تحقیق: تقسیم ملک کے بعد جو خطہ ہندوستان کے نام سے مخصوص ہو کر ہندو اکثریت کے اقتدار میں آیا، اس کی وہ زمینیں جو قدیم سے مسلمانوں کے مالکانہ قبضہ میں چلی آ رہی ہیں اور کسی دور میں اس پر کسی کافر کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے وہ تو جس طرح عہد برطانیہ میں عشری تھیں آج بھی عشری رہیں گی۔

البتہ جو اراضی مسلمان ہندوستان میں چھوڑ کر پاکستان کی طرف ہجرت کر گئے ان کی متروکہ اراضی کو حکومت ہند نے عموماً تارکان وطن ہندوؤں اور سکھوں وغیرہ غیر مسلموں میں تقسیم کیا ہے، اگر ان سے خرید کر یا کسی دوسرے ذریعہ سے وہ کسی مسلمان کی ملکیت میں آ جائیں تو وہ زمینیں اگر پہلے عشری بھی ہوں تو اب غیر مسلم کے استیلاء کی وجہ سے خراجی ہو جائیں گی۔

اگر اسی طرح کسی جگہ مسلمانوں کی متروکہ زمین حکومت ہند نے کسی مسلمان ہی کو ابتداءً دے دی ہو تو وہ بھی بوجہ استیلاء کے عشری نہ رہے گی بلکہ خراجی ہو جائے گی۔

ہندوستان کی باقی سب زمینوں کے احکام وہی رہیں گے جو عہد برطانیہ میں یا اس کے پہلے اسلامی عہد میں تھے جس کی تفصیل اوپر معلوم ہو چکی ہے کہ جو زمینیں نسلاً بعد نسل مسلمانوں کی ملک میں چلی آتی ہیں اور کسی دور میں ان پر کسی کافر کی ملکیت ثابت نہیں وہ بطور استصحاب حال کے ابتداہی سے مسلمانوں کی ملک قرار دے کر عشری سمجھی جائیں گی اور جن پر کسی وقت غیر مسلموں کا مالکانہ قبضہ تھا پھر ان سے خرید کر یا کسی دوسرے جائز ذریعہ سے مسلمانوں کی ملکیت میں آگئیں تو وہ خراجی قرار پائیں گی (جواہر الفقہ ۲/۲۶۲)

اسلامک فقہ اکیڈمی کی چھٹے فقہی سیمینار کی تجویز بسلسلۂ عشری وخراجی اراضی بھی ملاحظہ کر لی جائے۔

''عشر کے ضروری مسائل''

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

''عشر اسی کے ذمہ ہے جس کے پاس کھیت تیار قابل حصاد ہو اسی طرح جس کا باغ نمت گیا ہو اور اگر کھیت پر آفت آگئی یا باغ کا پھل پھول برباد ہو گیا تو عشر واجب نہیں۔

دوسرے یہ کہ بعض لوگ تو اپنا کھیت خود کاشت کرتے ہیں اور بعضے دوسروں کو کاشت کے لئے دیتے ہیں، جو لوگ خود اپنے کھیت کو بوتے ہیں ان پر عشر کا واجب ہونا تو ظاہر ہے جب کہ زمین عشری ہو اور جو لوگ دوسروں کو دیتے ہیں ان کی چند صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ زمین بٹائی پر دیں اس صورت میں اپنے اپنے حصہ کا عشر دونوں کے ذمہ ہے کاشتکار کے بھی اور زمیندار کے بھی، دوسری صورت یہ ہے کہ زمین ٹھیکہ پر دی جائے مثلاً فی بیگہ من بھر غلہ لیں گے یا فی بیگہ دو روپیہ، اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے کہ عشر کس کے ذمہ ہوگا؟ مگر ہم لوگ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ عشر کاشتکار کے ذمہ ہے، کیونکہ کاشت کا وہی مالک ہے۔ الی قولہ۔ ایک بات یہ معلوم کرنا چاہئے کہ عشر کی مقدار کیا ہے؟ سو اس کا مدار پانی پر ہے تو جس زمین کو کنویں سے پانی دیا جائے یا جس میں سرکاری نہر سے پانی دیا جائے اس میں پیداوار کا بیسواں حصہ ہے (مثلاً دس کلو ہو تو آدھا کلو ادا کرے) اور جو بارانی ہو (بارش کا پانی ہو) اس میں دسواں حصہ (مثلاً دس کلو ہو تو ایک کلو ادا کرے) نیز باغات میں بھی عشر ہے جب کہ زمین عشری ہو اور اس کی مقدار کا مدار بھی پانی ہے اور عشر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے کہ اس میں بھی تملیک فقیر واجب ہے۔ الخ (التبلیغ وعظ العشر ص ۱۰، ص ۲۰)

علم الفقہ میں ہے: زکوٰۃ اور عشر میں سات فرق ہے (۱) عشر کے واجب ہونے میں کسی نصاب کی شرط نہیں قلیل اور کثیر ہر چیز میں عشر واجب ہوتا ہے بشرطیکہ ایک صاع سے کم نہ ہو (۲) اس میں یہ بھی شرط نہیں کہ وہ چیز ایک سال تک باقی رہ سکے جو چیزیں نہ باقی رہ سکیں ان پر بھی عشر واجب ہے جیسے ترکاریاں، کھیرا، ککڑی، تربوز خربوزہ، لیمو، نارنگی، امرود آم وغیرہ (۳) اس میں ایک سال کے گذرنے کی بھی قید نہیں حتی کہ اگر کسی زمین میں سال کے اندر دو مرتبہ کاشت کی جائے تو ہر مرتبہ کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا، سال میں دو مرتبہ تو اکثر زمینیں کاشت کی جاتی ہیں مگر درختوں میں سوا امرود کے کوئی درخت سال میں دو مرتبہ نہیں پھلتا، اور بالفرض اگر کوئی درخت دو مرتبہ یا اس سے زیادہ

پہلے تو ہر مرتبہ عشر دینا ہوگا (۴) عشر کے واجب ہونے کے لئے عاقل ہونے کی بھی شرط نہیں، مجنون کے مال میں بھی عشر واجب ہے (۵) بالغ ہونا بھی شرط نہیں نابالغ کے مال میں بھی عشر واجب ہے (۶) آزاد ہونا بھی شرط نہیں مکاتب اور ماذون کے مال میں بھی عشر واجب ہے (۷) زمین کا مالک ہونا بھی شرط نہیں اگر وقف کی زمین ہو یا کرایہ کی تو اس کی پیداوار پر بھی عشر واجب ہے، ہاں یہ شرط ضرور ہے کہ وہ چیز قصداً بوئی گئی ہو یا وہ خرید وفروخت کے قابل ہو، اگر خود رو اور بے قیمت چیز ہو جیسے گھاس وغیرہ تو اس میں عشر نہیں، ایک چیز بعض مقامات میں قابل قدر ہوتی ہے اور اس کی خرید وفروخت کی جاتی ہے اور بعض مقامات میں وہی چیز بے قدر ہوتی ہے کوئی اس کی خرید وفروخت نہیں کرتا۔ (جس جگہ) وہ قابل قدر ہے (وہاں) اس پر عشر واجب ہوگا اور جہاں بے قدر ہے وہاں نہ ہوگا، اور یہ بھی شرط ہے کہ اس زمین پر خراج واجب نہ ہو اگر خراج واجب ہوگا تو پھر عشر واجب نہیں ہوسکتا کیونکہ دو حق ایک زمین پر واجب نہیں ہوتے۔

جو زمین کہ خراجی نہ ہو اور وہ بارش کے یا دریا کے پانی سے سینچی جاوے (یعنی پانی بلا قیمت اور بلا محنت میسر آجاتا ہو) تو اس کی پیداوار میں عشر فرض ہے (مثلاً دس من میں ایک من) اور جو زمین کنویں سے سینچی جاوے خواہ بذریعہ پر کے یا بذریعہ ڈول کے یا مول کے پانی سے (یعنی پانی قیمت دے کر خریدنا پڑا ہو یا محنت کرنا پڑی ہو) تو اس کی پیداوار میں عشر کا نصف یعنی بیسواں حصہ (مثلاً دس من میں آدھا من) فرض ہے۔

اور اگر کوئی زمین دونوں قسم کے پانیوں سے سینچی گئی ہو تو اس میں اکثر کا اعتبار ہوگا یعنی اگر زیادہ تر بارش یا دریا کے پانی سے سینچی گئی ہے تو عشر دینا ہوگا اور جو دونوں قسم کے پانی برابر ہوں تو بھی نصف عشر دینا ہوگا۔ الی قولہ۔

جس قدر پیداوار ہے اس سب کا عشر ہونا چاہئے بغیر اس کے کہ بیج کی قیمت بیلوں کا کرایہ ہل چلانے والے باغ یا کھیت کی حفاظت کرنے والوں کی مزدوری یا کھیت کا لگان وغیرہ اس سے وضع کیا جائے، مثلاً کسی کھیت میں بیس من غلہ پیدا ہوا تو اس کو چاہئے کہ دو من عشر میں نکال دے اگر زمین بارش یا دریا سے سینچی گئی ہو۔ اور جو کنویں وغیرہ سے سینچی گئی ہو تو ایک من نکالے یہ نہ کرے کہ اس بیس من غلہ سے تمام اس کے اخراجات کاشت نکالنے کے بعد جو باقی رہ جائے مثلاً دس من رہ جائے تو اس کا عشر یعنی ایک من یا نصف عشر یعنی بیس سیر نکالے الخ۔ (علم الفقہ ص ۴۲، ص ۴۳، ص ۴۴ ج ۴، حضرت مولانا محمد عبدالشکور لکھنوی) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ احقر الانام سید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہ راندیر، ۱۷ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ (۱۱/۱۱/۹۵)

مصارف زکوٰۃ

زکوٰۃ مدارس عربیہ میں دی جائے یا کالجوں میں ۔ بہتر کیا ہے؟

(سوال ۱۷۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ میں زکوٰۃ کی بعض رقم غربا خویش واقارب کو اور بعض رقم دینی مدارس میں دیتا ہوں، میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ مدارس میں دینے کے بجائے ہائی اسکول یا کالج میں طالبین اور طالبات کو بطور اسکالرشپ (امداد اور وظیفہ) دینا زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے، میں بھی زکوٰۃ کی کل رقم اسی میں استعمال کرتا ہوں کیا میرے دوست کی یہ رہبری اور عمل درست ہے؟

(الجواب) ہر مسلمان بخوبی جانتا ہے کہ دینی مذہبی تعلیم سب سے افضل اور ضروری ہے۔ "چہ نسبت خاک را با عالم پاک" اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آج کے پرآشوب دور میں دنیوی تعلیم چھ ۶ برس کی عمر سے ہی فرض کردی گئی ہے، دینی تعلیم اور اسلامی احکام جاننے اور سیکھنے کی کس قدر ضرورت ہے، اور نہ سیکھنے پر کیا اثرات مرتب ہورہے ہیں۔ اس کے متعلق ذیل کی شہادت ملاحظہ فرمائیے۔

ایک ناقابل رد شہادت:

مسلم لیگی اخبار "منشور" (دہلی) کے مدیر مسٹر حسن ریاض اپنے اداریہ میں رقم طراز ہیں کہ گذشتہ تین سال سے مسلمان بچے بالعموم صرف انگریزی اسکولوں میں تعلیم حاصل کررہے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس دور کے جتنے بھی تعلیم یافتہ ہیں وہ اسلامی کلچر اور اسلامی تصورات سے بالکل نابلد ہیں (منشور ۹ جون ۱۹۶۲ء)

مسٹر حسن ریاض صاحب کی شہادت سامنے رکھ کر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیے۔ آپ فرماتے ہیں۔

اس میں تو ذرا شبہ نہیں کہ اس وقت مدارس علوم دینیہ کا وجود مسلمانوں کے لئے ایک ایسی بڑی نعمت ہے کہ اس سے فوق (بڑھ کر) متصور نہیں، دنیا میں اگر اس وقت اسلام کے بقاء کی کوئی صورت ہے تو یہ مدارس ہیں۔ (حقوق العلم ص ۵۱)

محترم بندہ۔ آپ دینی مدارس اور سرکاری اسکولوں اور کالجوں کا مقابلہ کررہے ہیں آپ کو تعجب ہوگا کہ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ جن کو مجدد الف ثانی مانا گیا ہے وہ علم دین کے طلبہ کو تصوف کے طلبہ اور ان درویشوں پر بھی ترجیح دیتے ہیں جو مشائخ کی خانقاہوں میں مراتب سلوک طے کرتے ہیں اور اولیاء اللہ کہلاتے ہیں۔ فارسی میں آپ کا ایک مفصل مکتوب ہے جو آپ نے اپنے معتقد خاص شیخ فرید رحمہ اللہ کو لکھا ہے یہ مکتوب قیمتی فوائد کا ذخیرہ ہے اس لئے اس کا مکمل ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔

حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں۔

مرحمت نامہ گرامی جس سے آپ نے اس فقیر (مجدد صاحب) کو نوازا ہے اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ مولانا محمد قلیچ موفق کے نام آپ نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا ہے۔

"طالب علم اور صوفیا کے خرچ کے لئے تھوڑی سی رقم بھیجی گئی ہے۔" آپ نے طالب علم کا لفظ صوفیا سے پہلے لکھا ہے۔لفظ طالب علم کو پہلے لکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی نظر میں صوفیا کے مقابلہ میں طالب علم پر خرچ کرنا مقدم ہے۔ یہ بات بہت ہی پسند آئی۔ظاہر، باطن کی علامت ہوا کرتا ہے امید ہے کہ آپ کے باطن شریف (اور قلب مبارک) میں بھی جماعت طلبہ کے مقدم رکھنے کا جذبہ کارفرما ہوگا۔ برتن سے وہی ٹپکا کرتا ہے جو برتن میں ہوتا ہے۔

کل اناء یترشح بما فیه. ع

از کوزہ ہماں بیروں تراود کہ دروست

واقعہ یہ ہے کہ علوم دینیہ کے طلبہ کو مقدم رکھنے میں شریعت کی ترویج اور اشاعت ہے، کیونکہ حاملان شریعت یہی طلبہ ہیں انہیں کے ذریعہ ملت مصطفویہ ظہور فرما ہے قیامت کے دن شریعت ہی کی پوچھ ہوگی، تصوف کی پوچھ نہیں ہوگی۔ جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت پر عمل کرنے سے وابستہ ہے۔انبیاء علیہم السلام نے جو تمام کائنات میں سب سے بہتر ہیں، احکام شریعت کی دعوت دی ہے اور احکام شریعت کی پابندی پر ہی نجات کو موقوف رکھا ہے اور ان اکابر کی بعثت کا مقصد تبلیغ شریعت ہی ہے۔ پس سب سے بڑی خیرات یہ ہے کہ شریعت کو رائج کرنے ہی کی کوشش کی جائے۔اور شریعت کے جن احکام پر عمل نہیں ہورہا ہے جو فراموش یا نظر انداز ہیں ان کو زندہ کیا جائے خصوصا ایسے زمانہ میں کہ اسلام کے شعار اور اسلام کی روایات منہدم ہورہی ہیں۔خدا عزوجل کی راہ میں کروڑوں خرچ کرنا وہ درجہ نہیں رکھتا جو شریعت کے کسی حکم کو رائج اور نافذ کرنے کا درجہ ہے۔

دلیل:

انبیاء علیہم السلام مخلوقات میں سب سے افضل اور اعلیٰ ہیں اب اگر کسی مسئلہ کے رائج کرنے اور نافذ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو انبیاء علیہم السلام کی اقتداء اور اتباع اور ان کی بعثت کے مقصد عظیم میں شرکت ہوتی ہے۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو وہی کام سپرد کئے گئے جو کامل ترین حسنات اور تمام اچھے کاموں میں سب سے افضل واعلیٰ ہیں۔پس احکام شریعت جو انبیاء علیہم السلام کو سپرد کئے گئے کامل ترین حسنات اور انبیاء علیہم السلام کا مخصوص امتیاز ہیں۔لاکھوں کروڑوں خرچ کرنا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ بہت سے دنیادار لاکھوں کروڑوں روپیہ خرچ کرتے رہتے ہیں، پس شریعت کے کسی حکم کو سیکھنا سکھانا، رواج دینا اور پھیلانا ایسا فعل ہے جس کا تعلق فرائض نبوت سے ہے اور ایسی مخصوص نیکی ہے جس کے ذریعہ آپ انبیاء کے کام اور ان کی بعثت کے مقصد میں شریک ہوجاتے ہیں۔ظاہر ہے اس کی برابر کوئی نیکی اور حسنہ نہیں ہے اس کے علاوہ یہ بھی قابل توجہ ہے کہ احکام شریعت چونکہ نفسانی خواہشات کے خلاف ہوتے ہیں لہذا ان پر عمل کرنا اپنے نفس سے جہاد کرنا ہے اور خرچ کرنے میں بسا اوقات نفس کی موافقت اور خواہش نفس کی متابعت ہوتی ہے۔البتہ جو مال تائید شریعت اور ترویج ملت میں خرچ کیا جائے بے شک اس کا درجہ بہت اونچا اور بہت بلند ہے اور اس نیت سے ایک پیسہ خرچ کرنا بھی لاکھوں کے خرچ کی برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے یہاں یہ سوال نہ کرنا چاہئے کہ طالب علم جو دنیا میں گرفتار ہے وہ صوفی سے جو دنیا کو چھوڑے ہوئے ہے مقدم کیسے ہوسکتا ہے۔کیونکہ یہ سوال وہی کرسکتا ہے جو بات کی تہ کو نہیں پہنچا اور حقیقت کو معلوم نہیں

کرسکا۔ حقیقت یہ ہے کہ طالب علم اس گرفتاری کے باوجود مخلوقات کی نجات کا سبب ہے کیونکہ احکام شریعت، کی تبلیغ اسی کے ذریعہ میسر ہوگی اور اگر بالفرض وہ خود اس سے نفع اندوز نہ ہو مگر مخلوقات اس سے نفع اندوز ہوگی۔ رہے صوفی صاحبان تو انہوں نے دنیا چھوڑ کر اپنے لئے بے شک رہائی حاصل کرلی۔ وہ خود ضرور رہا ہوگئے۔ لیکن مخلوقات کی رہائی اور نجات سے انہیں کوئی تعلق نہیں۔ پس جس کے ذریعہ اکثر مخلوقات کو نجات ملتی ہو یہ طے شدہ بات ہے کہ اس سے بہتر ہے جو صرف اپنی نجات کی فکر میں لگا ہوا ہے۔

ہاں بے شک وہ صوفی جو فناء و بقاء سیر عن اللہ اور سیر باللہ کے مراتب طے کرکے دعوت خلق اللہ کے مواقف پر اترا ہو بے شک اس کی شان بہت بلند ہے وہ مقام نبوت سے ایک خاص حصہ اپنے پاس رکھتا ہے اور مبلغان شریعت کے زمرہ میں داخل ہے۔ مکتوبات امام ربانی مکتوب نمبر ۴۸ ص ۶۶ و ۶۷ ج ۱۔

قابل توجہ:

اس کے علاوہ قابل توجہ یہ بھی ہے کہ اسکولوں، کالجوں کو سرکاری امداد و حمایت حاصل ہے۔ اس کے برخلاف ان دینی مدارس کا مدار آپ جیسے اہل خیر مسلمانوں کی امداد پر ہے۔ اب معمولی عقل والا انسان بھی فیصلہ کرسکتا ہے کہ کہاں اور کس کو امداد دینے میں اجر و ثواب زیادہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ دینی مدارس جو حقیقت میں اسلام کے قلعے ہیں ان کو باقی اور مضبوط رکھنے نیز ان کی کماً اور کیفاً ترقی اور بقا کے لئے ایثار اور مالی امداد کی از حد ضرورت ہے لہذا آپ کا طرز عمل اور طریقہ فکر بہتر ہے اور آپ کے دوست کی رہبری غلط اور گمراہ کن ہے۔ دینی مدارس اور ان میں پڑھنے اور پڑھانے والوں اور خادموں اور کارکنوں کو نظر انداز کرکے ان کو بے بسی اور بے کسی کے عالم میں چھوڑ کر دوسری طرف توجہ کرنا بہتر تو کیا ہے مواخذہ سے نجات مل جائے تو غنیمت جانیئے۔

احیاء العلوم میں ہے کہ زکوٰۃ وغیرہ دینے کے لئے ایسے دیندار لوگوں کو تلاش کرے جو دنیا کی طمع و طلب ترک کرکے تجارت آخرت میں مشغول ہوں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد پاک ہے تم پاک غذا کھاؤں اور پاک آدم زاد کو کھلاؤ! نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد پاک ہے'' کار خیر کرنے والے ہی کو اپنا کھانا کھلاؤ! کہ وہ لوگ اللہ کی طرف متوجہ ہیں جب وہ لوگ تنگدست ہوتے ہیں تو ان کی توجہ بٹ جاتی ہے۔ لہذا ایک شخص کو متوجہ الی اللہ کردینا یہ بہت افضل ہے ایسے ہزارہا اشخاص کو دینے سے جن کی توجہ دنیا ہی کی طرف ہوتی ہے پرہیزگاروں میں سے بھی ایسے اہل علم کو خاص کر دیں جو اپنے علم سے لوجہ اللہ لوگوں کو نفع پہنچا رہے ہیں اور مذہب اسلام کی پختگی اور اشاعت علوم دینیہ اور تبلیغ میں لگے ہوئے ہیں کیونکہ علم تمام عبادتوں سے افضل عبادت ہے!

حضرت عبداللہ ابن مبارک واستعمال زکوٰۃ:

حضرت عبداللہ ابن مبارک دائماً اپنی زکوٰۃ و خیرات اہل علم پر ہی خرچ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں درجۂ نبوت کے بعد علماء کے درجہ سے افضل کسی کا مرتبہ نہیں دیکھتا ہوں **معصية الحق عزوجل فيرجع شره اليك.**

جناب رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنا کھانا پرہیزگاروں کو کھلایا کرو اور اپنا لباس

ایمان والوں کو دیا کرو! جب تو نے اپنا کھانا کسی پرہیزگار کو کھلایا اور اس کے دنیاوی امور میں اس کا معاون بنا تو جو کچھ وہ عمل کرے گا اس میں تو بھی شریک ہوگیا اور اس کے اجر میں سے کچھ بھی کمی نہیں ہوگی، کیونکہ تو نے اس کے مقصود (یعنی عبادت پوری کرنے) میں اس کی مدد کی اور اس کے (فکر معاش کے) بوجھ کو اس سے اٹھالیا اور (اس کا پیٹ بھر دینے کی وجہ سے) اس کے قدم حق تعالیٰ کی طرف بڑھوائے اور جب تو نے اپنا کھانا ریاکار، نافرمان منافق کو کھلایا اور اس کے دنیوی معاملات میں اس کی مدد کی تو جو کچھ وہ بداعمالیاں کرے گا اس میں تو بھی شریک ہوگیا اور اس کی سزا میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی کیونکہ (اس کو روٹی کھلا کر) حق تعالیٰ کی نافرمانی میں تو اس کا مددگار بنا ہے پس اس کا اثر بد تیری طرف بھی لوٹے گا (الفتح الربانی م۳۷ ص ۲۵۰-۲۵۱)

یہ ہے اسلامی تعلیم اور صراط مستقیم، اللہ رب العزت مسلمانوں کو عقل سلیم اور توفیق نیک مرحمت فرمائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ سید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہٗ

(جواب صحیح) (دستخط) (حضرت مولانا) عبدالرحیم غلام محمد صادق صاحب۔ صدر جمعیۃ علماء صوبہ گجرات۔

(۲) (حضرت مولانا) محمد رضا اجمیری صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ راندیر۔

(۳) (حضرت مولانا) محمد سعید راندیری صاحب۔ مہتمم مدرسہ جامعہ حسینیہ راندیر۔

(۴) (حضرت مولانا) محمد اسمٰعیل گورا صاحب۔ مفتی رنگون راندیر۔

(۵) (حضرت مولانا) احمد اللہ صاحب راندیری۔ شیخ الحدیث جامعہ حسینیہ راندیر۔

(۶) بے شک علم دین کی تحصیل ضروری وافضل ہے اور اس میں منہمک رہنے والے کی اعانت ثواب کا باعث ہے، واقعی زکوٰۃ وخیرات کے صحیح حق دار دینی مدارس، طلبائے علوم دین اور مبلغین ہیں۔

امام غزالیؒ کاشفۃ القلوب کے باب فضیلۃ العلم میں اس طرح بیان فرماتے ہیں۔ نیز حضرت عبداللہ ابن مبارک کا قول بھی اسی طرح ہے (حضرت مولانا) احمد اشرف راندیری۔ مہتمم دارالعلوم اشرفیہ راندیر۔

زکوٰۃ کی رقم کو آمدنی کا ذریعہ بنانا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۷۸) مندرجہ ذیل مسئلہ میں علماء کیا فرماتے ہیں کہ زید کے پاس زکوٰۃ کی بڑی رقم جمع ہے [illegible] کی حقدار کو نہ دیتے ہوئے اس رقم سے کوئی پراپرٹی یا زمین خرید کر اس کی آمدنی میں سے مستحقین، مدارس اور دینی دنیوی طلباء، جو اس کے مستحق ہوں ان کو وظیفہ دینا چاہتا ہے۔ تو کیا زکوٰۃ کی رقم سے آمدنی کا سامان کرنے آمدنی میں سے مستحق پر خرچ کرسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک یعنی مستحقین کو بلاعوض مالک بنادینا شرط ہے۔ اگر آمدنی کے لئے پراپرٹی قائم کی گئی یا کوئی زمین خریدی گئی تو یہ شرط پوری نہیں ہوئی لہٰذا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ لہٰذا زکوٰۃ کی رقم سے آمدنی کی جائداد فراہم کرنا جائز نہیں ہے۔ حق داروں کو بلاعوض مالک بنادینا ضروری ہے۔(۱) **فقط واللہ اعلم بالصواب۔**

---

(۱) وشرعاً تملیک جزء مال خرج المنفعة فلو اسکن فقیراً داره سنة ناوياً لا یجز به عنه الشارع من مسلم فقير ولو معتوها غير هاشمي ولا مولاه من كل وجه الله تعالى درمختار مع الشامي كتاب الزكوة ج ۲ ص ۳

زکوٰۃ میں حیلہ کر کے غیر مصرف میں دینا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۷۹) زکوٰۃ کی رقم پر اس کے حق دار کو مالک بنا کر اس کی رضامندی سے اس رقم سے ذریعۂ آمدنی یا پراپرٹی قائم کر کے اس کی آمدنی مستحقین یا غیر مستحقین طلبائے علوم دینیہ و دنیویہ پر بطور وظائف یا مدرسین مدرسہ کی تنخواہ میں اور ضروریات مسجد میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) اگر کوئی شخص حیلہ کرنے پر مجبور ہے اور اس نے زکوٰۃ کے حق دار کو بلا کچھ کہے مالک و مختار بنا دیا۔ پھر اس کار خیر میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور اس نے اس بات کو بخوشی منظور کیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (فتاوی عالمگیری ج۶ ص ۳۹۲)(۱) اگر وہ خرچ کرنا قبول نہ کرے تو اس پر کسی قسم کا الزام نہیں کہ وہ شخص مالک ہو چکا۔ نیت و طریقہ کار کی درستگی پر پورا مدار ہے وہ درست ہو تو زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی۔ تملیک کے لئے ظاہری ردو بدل کافی نہیں ہے۔

باخدا تدبیر و حیلہ کے رواست

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(سوال ۱۸۰) زکوٰۃ کی رقم غریبوں کو یوں کہہ کر دے دے کہ اس کو قبول کر کے فلاں مدرسہ میں دے دے تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

(الجواب) مدار نیت پر ہے۔ وہ درست ہوگی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ورنہ ادا نہ ہوگی۔ صورت مسئولہ میں ادائیگی کے سلسلہ میں شبہ ہے۔ کوئی شخص حیلہ کرنے پر مجبور ہو تو زکوٰۃ کی رقم حق دار کو کچھ کہے بغیر مالک بنا دے پھر اس کو مدرسہ وغیرہ میں دینے کی ترغیب دے اگر وہ خوش دلی سے دے دے تو فبہا ورنہ اس پر کوئی الزام نہیں۔ درمختار میں ہے **ان الحيلة ان يتصدق على الفقير ثم يأ مره بفعل هذه الا شياء (درمختار مع الشامی ج۲ ص ۸۲ باب المصرف)فقط و الله اعلم بالصواب .**

میت کے مال میں سے زکوٰۃ ادا کی جائے یا نہیں؟:

(سوال ۱۸۱) زید پر زکوٰۃ واجب تھی لیکن ادا نہ کی اور مر گیا تو اس کے مال میں سے زکوٰۃ ادا کی جائے یا نہیں؟

(الجواب) اس حالت میں زکوٰۃ ادا نہ کی جائے۔ ہاں وصیت کی ہو تو ثلث مال میں سے ادا کی جائے۔(۲) **فقط و الله اعلم بالصواب.**

طالب علم کو زکوٰۃ دینے سے ادا ہوگی؟:

(سوال ۱۸۲) ایک شخص صاحب نصاب ہے۔ وہ غریب طالب علم کو تعلیمی خرچ میں زکوٰۃ کی رقم دینا چاہتا ہے۔ اس

---

(۱) والحيلة له ان يتصدق بمقدار زكاته على فقير ثم يا مره بعد ذلك بالصرف الى هذه الوجوه فيكون للمتصدق ثواب الصدقة ولذلك الفقير ثواب بناء المسجد و القنطره (فتاوىٰ عالمگیری الفصل الثالث فی مسائل الزکوٰۃ.)

(۲) واما دين الله تعالىٰ فان اوصى به وجب تنفيذه من ثلث الباقي و الا لا قال في الشامية تحت قوله واما دين الله تعالىٰ الخ محترز قوله من جهة العباد و ذلك كالزكاة والكفارات قال الزيلعي فانها تسقط بالموت فلا يلزم الورثة اداؤها الا اذ اوصىٰ بها .درمختار مع الشامی كتاب الفرائض ج.۶ ص ۷۶۰

کے والدین میں اخراجات برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے اگر برداشت کرے تو گھر کی پونجی چار پانچ ماہ میں ختم ہو جاتی ہے اور تعلیم ناقص رہتی ہے ایسی حالت میں طالب علم کو ہر ماہ میں یکمشت تعلیم کا خرچ دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں غریب طالب علم بالغ ہو یا نابالغ لیکن اس کا باپ غنی نہ ہو تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔[۱] فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جمع شدہ رقم کی زکوٰۃ متعین مہینہ میں ادا کرے تو؟:

(سوال ۱۸۳) ایک شخص مالک نصاب ہے اور اس کو معلوم نہیں کہ کتنے روپے کب حاصل ہوئے۔ لیکن ہمیشہ رمضان شریف میں جتنی رقم اس کے پاس ہوتی ہے اس کو زکوٰۃ ادا کرتا ہے چاہے پورے برس کے روپے اس میں جمع ہوں یا ایک ماہ کے! اس طرح زکوٰۃ دینا صحیح ہے؟

(الجواب) ہاں اس طرح زکوٰۃ ادا کرنا درست ہے! (ھدایہ ج ۱ ص ۱۷۳)[۲]

زکوٰۃ کی رقم میں سے کمیشن دینے کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۸۴) ایک شخص اپنے خویش و اقارب کے لئے ہندوستان زکوٰۃ کے پیسے بھیجتا ہے۔ آج کل روپوں کے بھیجنے میں کمیشن دینا پڑتا ہے تو زکوٰۃ میں سے دے سکتے ہیں؟ مثلاً زکوٰۃ کے ہزار روپے بھیجیں تو مرسل الیہ کو آٹھ سو ۸۰۰ روپے پہنچتے ہیں، تو یہ دو سو ۲۰۰ روپے زکوٰۃ کے ہوں گے یا مرسل کی اصل رقم قرار دیں گے؟

(الجواب) مذکورہ دو سو روپے زکوٰۃ کے شمار میں نہ ہوں گے! لہذا دو سو روپے اور ادا کرنے ہوں گے۔[۳] فقط۔ واللہ اعلم۔

زکوٰۃ و خیرات سے ہسپتال کے اخراجات پورے کئے جاسکتے ہیں؟:

(سوال ۱۸۵) زکوٰۃ کے روپوؤں سے ہسپتال چلا سکتے ہیں؟ جس سے اسٹاف (کارکنان) کی تنخواہ اور دوائیں وغیرہ خرید کر غرباء کے معالجہ کے لئے وقف کر دیا جائے۔ اس طرح فرد واحد یا چند افراد متفق ہو کر ہسپتال جاری کریں تو کیسا ہے؟

(الجواب) زکوٰۃ کی رقم سے ہسپتال چلانا درست نہیں! زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیونکہ ادائے زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے (یعنی حقدار کو مالک بنا دینا) وہ اس صورت میں موجود نہیں۔ **ولا یجوز ان یبنی بالزکاۃ المسجد وکذا القناطر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانہار والحج والجہاد وکل ما لا تملیک فیہ** فتاویٰ عالمگیری فی المصرف ج ۱ ص ۱۸۸) فقط واللہ اعلم۔

---

(۱) ولا یجوز دفعھا الی ولد الغنی الصغیر کذافی التبیین ولو کان کبیرا جاز. فتاویٰ عالمگیری الباب السابع فی المصرف ص ۱۸۹)

(۲) ومن کان لہ نصاب فاستفاد فی اثناء الحول من جنسہ ضمہ الیہ وزکاہ بہ (فصل فی الغنم)

(۳) ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحۃ کما مر لا یصرف الی بناء نحو مسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینہ. درمختار مع الشامی باب المصرف ج ۲ ص ۸۵

کیا زکوٰۃ کی رقم سے اسکول کا سامان خرید سکتے ہیں؟:

(سوال ۱۸۶) ایک آدمی اپنی زکوٰۃ کی رقم سے اسکول میں بچوں کے لئے کرسی تخت وغیرہ بنانا چاہتا ہے۔ اب اس رقم کو کس طرح استعمال کرے؟ اگر خود استعمال نہ کر سکے تو اس کوئی صورت ہے جس سے وہ رقم کو مذکور اسکول میں خرچ کر سکے؟

(الجواب) ادائے زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے۔ یعنی زکوٰۃ کے حق دار کو رقم بلاعوض مالک مختار بنا دینا ضروری ہے اور یہ حقیقت مدرسہ و اسکول کے ساز و سامان بنانے میں نہیں پائی جاتی لہذا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (۱) ہاں، اگر مستحق زکوٰۃ کو بلا عوض مالک بنا دے پھر وہ اپنی طرف سے بخوشی سامان بنانے کے لئے رقم دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اس کو ثواب ملے گا۔ لیکن پہلے سے رقم واپس لینے یا سامان بنا دینے کے متعلق گفتگو نہ کرے، کیونکہ ظاہری لینے دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (۲) حقیقۃً تملیک شرط ہے! (درمختار وغیرہ) فقط واللہ اعلم۔

خیرات کے حق دار کون ہیں؟:

(سوال ۱۸۷) خیرات کس کس کو دے سکتے ہیں؟

(الجواب) نفل خیرات وصدقات سب حاجت مندوں کو دے سکتے ہیں خویش واقارب مقدم ہیں اور دیندار زیادہ حق دار ہے۔

مدارس وانجمن میں خیرات وغیرہ دینا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۸۸) مساجد و دارالعلوم اور انجمن میں خیرات دینے کی فضیلت بتلائیں، دوسری جگہوں میں دینے سے اس میں خیرات دینے کی فضیلت اور درجہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مدارس ومساجد اور دینی اداروں میں خیرات دینے کی بڑی فضیلت ہے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں سب سے بڑی اور اچھی نیکی یہی ہے کہ اشاعت شریعت اور اس کے کسی حکم کو زندہ کرنے کی کوشش کرے بالخصوص ایسے زمانہ میں جس میں شعائر اسلام ناپید ہو چکے ہوں، کروڑوں روپے کا راہ خداوندی میں خرچ کرنا، دوسری نیت سے لاکھ روپے خرچ کرنے کے برابر نہیں ہے۔ (مکتوبات، مکتوب نمبر ۴۸ ج ۱ ص ۶۶) فقط واللہ اعلم۔

زیورات مرہونہ کی زکوٰۃ کس پر ہے:

(سوال ۱۸۹) میرے پاس بارہ تولہ کا گلوبند تھا جس کو گروی (رہن) رکھ کر روپے لئے تھے۔ چار سال بعد، روپے ادا کر کے وہ وصول کیا تو ان چار برس کی زکوٰۃ مجھ پر ہے یا اس پر؟

---

(۱) ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحة الخ درمختار مع الشامی باب المصرف ص ۸۵ ج ۲۔

(۲) قوله ان الحلية ای فی الدفع الی هذه الاشياء مع صحة الزكاة قوله ثم يأمره الخ فيكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب بحر و فی التغير بثم اشارة الی انه لو امره اولا لا يجزی لانه يكون وكيلا عنه فی ذلک الخ شامی ج ۱ ص ۸۶ باب المصرف

(الجواب) گروی (رہن) دی ہوئی چیز کی زکوٰۃ ۔ دینے والے پر ہے نہ رکھنے والے پر ۔ (شامی ج ۲ ص ۹)

قرض معاف کرے تو اس سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۹۰) ایک آدمی پر میرے پانچ روپے قرض ہیں میں بمدِ زکوٰۃ اس کو دے دوں تو اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ پہلے اپنی طرف سے پانچ روپے اسے دے کر اس کو مالک بنا دیا جائے ، پھر وہ بمد قرض ادا کردے تو اس صورت میں زکوٰۃ بھی ادا ہوجائے گی اور قرض بھی وصول ہوجائے گا!(۲) فقط واللہ اعلم بالصواب .

قرض کی رقم قرض دار سے زکوٰۃ میں دلوادی جائے؟:

(سوال ۱۹۱) ایک آدمی پر میرے چند روپے ہیں ۔ ایک مستحق زکوٰۃ کو بہ نیت زکوٰۃ کہہ دو کہ فلاں کے پاس سے اتنے روپے وصول کرلے اور اس آدمی نے میرے کہنے کے مطابق دیئے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں زکوٰۃ ادا ہوجائے گی ، ''فتاوی اسعدیہ'' میں ہے ۔

(السوال) فی رجل له علی رجل اخر دین فامر فقیر ابقبضه منه علی زکوته اوا مرة ان ید فع الی فقیر عینه فهل یحتاج الی نیة مقارنة عند الد فع ام یکفی مجرد الا مر و یسقط الزکوٰة اذا دفعها افتونا؟

(الجواب)نعم یسقط عنه بقبض الفقیر من المدیون قال فی المحیط الرضوی لو کان له دین علی رجل فامر فقیرا بقبضه عنه عن زکوٰة ماله فقبض اجزاء لان قبض الما مور بمنزلة قبضه فکانه قبضه بنفسه ثم صرف الیه بنیةالزکوة فیکون مؤ دیا العین عن الدین انتهی (فتاویٰ اسعدیة ج ا ص ۵۱ بالمطبة الخیریة)

کیا زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے زکوٰۃ کا اظہار ضروری ہے؟:

(سوال ۱۹۲) مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ دیتے وقت یہ کہنا کہ یہ زکوٰۃ ہے آیا ضروری ہے یا نہیں؟

(الجواب) زکوٰۃ کے روپے دیتے وقت یہ کہنا ضروری نہیں ہے کہ یہ زکوٰۃ ہے صرف نیت زکوٰۃ کافی ہے بلکہ مستحق کو یہ کہے کہ یہ عطیہ ہے یا قرض دیتا ہوں مگر دل میں زکوٰۃ کی نیت ہو تب بھی زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے ۔ شامی میں ہے لان المعتبر نیة الدافع ولذا جازت و ان سماها قرضا اوهبة فی الا صح (شامی ج۲ ص ۸۶ باب المصرف)فقط واللہ اعلم بالصواب .

---

(۱) قوله ولا فی مرهون ای لا علی المرتهن لعدم ملک الرقبة ولا علی الراهن لعدم الیه کتاب الزکوٰة

(۲) واعلم ان اداء الدین عن الدین والعین عن العین وعن الدین یجوز واداء الدین عن العین ، و عن دین سیقبض لایجوز وحیلة الجواز ان یعطی مدیونه الفقیر زکاته ثم یا خذها عن دینه قال فی الشامیة تحت قوله واعلم الثانیة واداء دین عن دین سیقبض کما تقدم عن البحر وهو مالوابرأ الفقیر عن بعض النصاب ناویا به الا داء عن الباقی در مختار مع الشامی کتاب الزکوة ج ۲ ص ۲۷۱

زکوٰۃ کی ادائیگی میں شک ہو تو کیا کرے؟:

(سوال ۱۹۳) زکوٰۃ ادا کی یا نہیں۔ اس میں شک ہو تو کیا کرے؟ دوبارہ ادا کرنا ضروری ہے۔

(الجواب) ہاں دینا ضروری ہے۔[1]

ایک ہی شخص کو نصاب کی برابر زکوٰۃ دینا؟:

(سوال ۱۹۴) ایک ہی شخص کو اتنی زکوٰۃ دی جائے کہ وہ مالک نصاب بن جائے تو وہ درست ہے؟

(الجواب) ایک ہی آدمی کو اس قدر زکوٰۃ دینا کہ وہ صاحب نصاب بن جائے یہ مکروہ ہے۔ ہاں مقروض کو اس کے قرض کی برابر یا اس سے بھی زائد رقم دے سکتے ہیں اس میں کوئی کراہت نہیں ہے مگر یہ زائد رقم ایک نصاب کی برابر نہ ہو۔ اسی طرح عیالدار کو اتنی رقم دے سکتے ہیں کہ اگر اولاد پر تقسیم کی جائے تو ہر ایک بچہ بچی صاحب نصاب نہ بن سکے اتنی رقم دینا بلا کراہت درست ہے۔ ہاں جب ایک بار نصاب کی برابر رقم دی گئی اور وہ صاحب نصاب بن گیا تو اب دوبارہ دوسری زکوٰۃ کی رقم اس کو نہیں دی جا سکتی۔ درمختار میں ہے (**وکرہ اعطاء فقیر نصاباً) او اکثر (الا اذا کان المدفوع الیہ (مدیوناً او) کان (صاحب عیال) بحیث (لو فرقہ علیھم لا یخص کلا) او لا یفضل بعد دینہ (نصاب) فلا یکرہ (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۹۳ باب المصرف)**

زکوٰۃ کی رقم علیحدہ کرنے کے بعد قبل از ادائیگی ضائع ہو جائے؟:

(سوال ۱۹۵) زکوٰۃ کی رقم ادا کرنے کے لئے ایک بٹوے میں علیحدہ رکھی مگر ادائیگی سے قبل ضائع ہو گئی تو زکوٰۃ ادا ہوئی یا دوسری زکوٰۃ دینی ہوگی۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اور نہ ساقط! دوبارہ دینی ہوگی۔[2] **فقط. واللہ اعلم بالصواب.**

زانی، حرام نطفہ کے بچہ کو زکوٰۃ دے تو کیا حکم ہے؟

(سوال ۱۹۶) زید کا ایک عورت سے ناجائز تعلق تھا جس سے عورت کو حمل رہ گیا۔ پھر باہم نکاح کر لیا۔ چار ماہ بعد بچہ پیدا ہوا۔ یہ لڑکا زید کا ہے یا نہیں، کیا زید اس کو زکوٰۃ کی رقم دے تو درست ہے؟

(الجواب) شادی کے چھ ماہ بعد سے پہلے بچہ کا تولد ہو تو وہ بچہ شرعاً حرامی ہے مگر جس کے نطفہ کا وہ بچہ ہے وہ شخص اس بچہ کو زکوٰۃ کی رقم نہیں دے سکتا اگر دی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ درمختار میں ہے (**کما لا یجوز دفع زکوۃ الزانی لو لدہ منہ) ای من الزنا (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۹۴ باب المصرف) فقط واللہ اعلم بالصواب.**

---

(۱) ولو شک رجل فی الزکاۃ فلم یدر ازکی اولم یزک فانہ یعیدھا کذا فی المحیط فتاوی عالمگیری کتاب الزکوۃ مسائل شتی ج ۱ ص ۱۸۰)۔

(۲) رجل وجبت علیہ زکاۃ المائتین فافرد خمسۃ من مالہ ثم ضاعت منہ تلک الخمسۃ لا تسقط عنہ الزکوۃ فتاوی عالمگیری کتاب الزکوۃ مسائل شتی ج ۱ ص ۱۸۲)

بینک کی جمع شدہ رقم پر سال گذر جائے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۹۷) بینک میں رقم رکھی ہوئی ہے ایک برس اس پر گذر گیا تو زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

(الجواب) اگر صاحب نصاب ہے تو زکوٰۃ واجب ہے! [1] **فقط واللہ اعلم بالصواب ۔**

(سوال) شیرز پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اگر زکوٰۃ ہے تو منافع پر ہے یا اصل رقم پر ہے یا دونوں پر؟

(الجواب) شیئرز پر زکوٰۃ ہے۔ اگر کمپنی تجارت کرتی ہے، مثلاً کپڑا، لوہا، سامان مشنری وغیرہ فروخت کرتی ہے، سیمنٹ بیچتی ہے، بجلی سپلائی کرتی ہے (جیسے الیکٹرک کمپنی) تو شیرز کی اصل رقم (شیرز کی قیمت) اور شیئرز کے منافع دونوں پر زکوٰۃ ہے اور اگر کمپنی تجارت نہیں کرتی صرف کرایہ وصول کیا جاتا ہے جیسے ٹرام کمپنی ریلوے کمپنی بس کمپنی تو اس کے شیئرز کے منافع پر زکوٰۃ ہے اصل رقم پر زکوٰۃ نہیں۔ [2]

قرض کے نام سے زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۹۸) ایک آدمی جو زکوٰۃ کا حق دار ہے۔ اس کو زکوٰۃ دینے والا کسی مصلحت سے قرض کی رقم کہہ کر زکوٰۃ دے اور نیت بھی زکوٰۃ کی ہے نہ کہ رقم واپس لینے کی تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب نیت زکوٰۃ کی ہے نہ کہ رقم واپس لینے کی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ ''فتاویٰ عالمگیری'' میں ہے۔ **ومن اعطی مسکینا دراھم وسماھا ھبة اوقرضا ونوی الزکوٰۃ فانھا تجزیه. وھو الاصح**

ترجمہ: اور جس کسی نے مسکین کو درہم دیئے بطور قرض اور ہبہ کے۔ اور نیت کر لی زکوٰۃ کی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ یہی اصح ہے (ص ۱۷۱ ج ۱ کتاب الزکوٰۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مکتب میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنے کی ایک صورت:

(سوال ۱۹۹) ہماری بستی کے ہر محلہ میں ایک مکتب ہے جس میں ناظرہ، اردو، دینیات تعلیم الاسلام وغیرہ کی تعلیم ہوتی ہے، اسی قسم کا ایک مکتب ''نورالاسلام'' نامی چل رہا ہے جس میں پانچ سو مقامی بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں، مدرسہ کی آمدنی صرف چندہ (جو چھ ہزار ہوتی ہے) ہے اور فی بچہ ماہانہ آٹھ آنے اس طرح کل دس ہزار آمدنی ہو جاتی ہے اور خرچ اٹھارہ ہزار روپے، باقی آٹھ ہزار روپے زکوٰۃ کے پیسوں میں سے خرچ کئے جائیں گو جائز ہے یا نہیں؟ یعنی مذکورہ صورت میں زکوٰۃ کا مصرف مدرسہ ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (۱۱ ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ)

(الجواب) صورت مسئولہ میں زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کی تعمیر اور مدرسین وملازمین کی تنخواہ میں استعمال کرنا درست نہیں ہے ۔ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، [3] جواز کی صورت یہ ہے کہ فیس بڑھا کر ایک روپیہ یا کم وبیش کر دی جائے اور زکوٰۃ کی رقم

---

(۱) فاذا دان التقویم انما یکون بالمسکوک عملاً بالعرف مقوما باحدھما ان استویا ولو بلغ ای احدھما نصابا دون الآخر تعین ما یبلغ . شامی باب زکاۃ المال ج ۲ ص ۲۹۹)

(۲) اس کا حوالہ باب ما یوجب فیہ الزکوٰۃ اخ میں پتہ نقد اور کچھ مال تجارت ہو اخ کے عنوان کے تحت دیکھیں

(۳) ولا یجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا القناطر ... وکل مالا تملیک فیه فتاویٰ عالمگیری . فی المصرف ج ۱ ص ۱۸۸

مستحقین طلبہ کو ماہانہ بطور امداد یا وظیفہ دی جائے اور پھر فیس میں وصول کر لی جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اس کے بعد یہ رقم تنخواہ وغیرہ میں خرچ کرنا جائز ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ہوائی جہاز کے کرایہ میں زکوٰۃ کے پیسے استعمال کرنا:

(سوال ۲۰۰) ایک آدمی کینیڈا سے معلوم کراتے ہیں کہ میں کچھ مستعمل کپڑے غریبوں کو للہ تقسیم کرنے کے لئے راندیر ہوائی جہاز سے بھجوانا چاہتا ہوں اور اس کے کرایہ میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنا چاہتا ہوں تو اس طرح کرائے میں زکوٰۃ کے پیسے استعمال کرنے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) پارسل کے کرایہ میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اس لئے کہ زکوٰۃ میں تملیک مستحق بلاعوض شرط ہے اور وہ شرط یہاں مفقود ہے۔[۱] فقط واللہ اعلم.

زکوٰۃ کے پیسوں سے مکانات تعمیر کر کے غریبوں کو رہنے کے لئے دینا:

(سوال ۲۰۱) ہم لوگوں نے ایک قطعہ زمین کرایہ پر لیا ہے اور اس میں مکانات تعمیر کر کے غرباء کو معمولی کرایہ سے دینے کا ارادہ کیا ہے اور یہ مکانات زکوٰۃ کی رقم سے تعمیر کئے جائیں گے اور زمین کا کرایہ ہمیں ادا کرنا پڑے گا تو اس طرح مکانات کی تعمیر میں زکوٰۃ کے پیسے استعمال کرنے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں زکوٰۃ کے پیسوں سے زمین خریدنا یا مکان تعمیر کرنا درست نہیں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اس لئے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ زکوٰۃ کے حق داروں کو بلا شرط عوض مالک بنا دیا جائے اور وہ شرط یہاں مفقود ہے۔

واخرج بالتملیک الا باحۃ فلا تکفی فیھا فلو اطعم یتیماً نا ویا بہ الزکوٰۃ لا تجزیہ. الی قولہ. وخرج بالمال المنفعۃ فلو اسکن فقیراً دارہ سنۃً نا ویاً للزکوٰۃ لا یجزیہ. (طحطاوی علی مراقی الفلاح. ج ۱ ص ۴۱۴ کتاب الزکوٰۃ.[۲] فقط واللہ اعلم بالصواب.

جس کی آمدنی قلیل ہو اس کو زکوٰۃ دینا:

(سوال ۲۰۲) میرا بھائی شادی شدہ اور عیالدار ہے، تنخواہ بقدر گذران ہے، کچھ بچتا نہیں ہے بلکہ کبھی قرض ہو جاتا ہے، ایسی حالت میں وہ مستحق زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ میں خفیہ طور پر ان کو زکوٰۃ دوں تو میری زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بھائی غریب ہو، مالک نصاب نہ ہو یعنی ساڑھے ساتھ تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا مالک نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے شامی میں ہے۔ وقید بالو لاد لجوازہ لبقیۃ الاقارب کا لاخوۃ

---

(۱) وشرعاً تملیک جزء مال عینہ الشارع من مسلم فقیر ولومعتوھا غیر ھاشمی ولا مولاہ مع قطع المنفعۃ عن المملک من کل وجہ درمختار مع الشامی اول کتاب الزکوٰۃ ج ۲ ص ۳

(۲) ولو دفع الیہ دارا یسکنھا عن الزکاۃ لا یجوز کذا فی الذاھدی فتاویٰ عالمگیری. باب المصرف ج ۱ ص ۱۹۰)

والاعمام والاخوال الفقراء بل هم اولیٰ لانه صلة وصدقة (شامی ج ۲ ص ۸۶ باب المصرف) زکوٰۃ کی رقم بہ نیت زکوٰۃ بہ ہبہ، تحفہ، عیدی اور انعام کے نام سے بھائی بھاوج اور بچوں کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ ومن اعطی مسکینا دراهم وسماها هبةً او قرضاً ونوی الزکوٰة فانها تجزیه وهو الاصح (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ)(قوله ولا یشترط علم الفقیر انها زکوٰة علی الاصح. ولو دفعها الی صبیان اقربائه برسم عید اوالی مبشر او مهدی الباکورة جاز الخ. (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۴۱۵ کتاب الزکوٰۃ)فقط واللہ اعلم بالصواب.

جس کی آمدنی قلیل ہو اس کو زکوٰۃ دینا:

(سوال ۲۰۳) سورت شہر کے کنارے ایک مسلم آبادی ہوگئی ہے، اکثر و بیشتر نادار ہیں، عبادت خانہ کے طور پر ایک جھونپڑا بنوالیا ہے اس میں الحمد للہ پنج وقتہ نماز ہوتی ہے اور مدرسہ بھی چلتا ہے، وہاں کے لوگ مدرس کو تنخواہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتے، اگر للہ رقم کا چندہ کرتے ہیں تو اتنی رقم نہیں ملتی کہ مسجد و مدرسہ کا خرچ پورا ہو سکے۔ کیا ایسی حالت میں زکوٰۃ کی رقم چندہ میں لے سکتے ہیں؟ اگر لیں تو اس کے استعمال کا کیا طریقہ ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) زکوٰۃ کے اصل حق دار فقراء و مساکین ہیں، مدارس میں للہ رقم دینی چاہئے، غریب طلبہ کو دینا افضل ہے لیکن عام طور پر لوگ مدارس میں زکوٰۃ کی رقم دیتے ہیں اگر مہتمم قبول نہ کرے تو مدرسہ چلانا اور مدرسین کی تنخواہ دینا مشکل ہو جاتا ہے، اس لئے ایسی مجبوری کی صورت میں بقدر ضرورت زکوٰۃ کی رقم لے کر شرعی حیلہ کر کے مدرسین کی تنخواہ میں دینے کی گنجائش ہے،(۱) تعمیری کام میں استعمال نہ کی جائے۔ اس کے لئے للہ رقم حاصل کی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سو بیگہ زمین کا مالک زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۰۴) ایک مسلمان کسان کہ جس کے پاس سو ۱۰۰ بیگہ زمین ہے اور زراعت کا ضروری سامان بیل وغیرہ بھی ہے مگر عیالدار ہونے کی بنا پر کھیتی کی آمدنی سے وہ کسان اپنے بچوں کا تعلیمی خرچ پورا نہیں کر سکتا، ایسی حالت میں اس کا گاؤں کی ''مسلم ویلفیر سوسائٹی'' کی جانب سے بچوں کے لئے تعلیمی خرچ لینا جس میں زکوٰۃ کی رقوم بھی ہوتی ہیں جائز ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ کبھی کثرت بارش یا قلت بارش کی وجہ سے وہ کسان قرض دار بھی ہو جاتا ہے اور جب پیداوار اچھی ہوتی ہے تو اس کی آمدنی سے قرض ادا کرتا ہے، تو ایسا کسان زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب کسان کے پاس کچھ بچتا نہیں اور صاحب نصاب نہیں بنتا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی،(۲) لیکن سو بیگہ زمین رکھتے ہوئے زکوٰۃ کے لئے ہاتھ پھیلانا اس کی شایان شان نہیں، ایک دو بیگے زمین بیچ کر اپنی ضرورت میں استعمال کرے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وقد منا ان الحیلة ان یتصدق علی الفقیر ثم یأمره بفعل هذه الاشیاء در مختار مع الشامی باب المصرف ج ۲ ص ۸۶

(۲) وکذا لو کان له حوانیت او دار غلة تساوی ثلاثة آلاف درهم وغلتها لاتکفی له ولعیاله اختلفوا فیه قال محمد بن مقاتل یجوز له اخذ الزکاة فتاویٰ عالمگیری باب المصرف ج ۱ ص ۱۸۹

قرض دار یا کثیر العیال کو نصاب سے زیادہ زکوٰۃ کی رقم دینا:

(سوال ۲۰۵) میں یہاں مسجد میں امام ہوں. مسجد کے مشاہرہ سے گھر کا گذران چلانا مشکل ہے، کثیر العیال اور قرض دار بھی ہوں، ایک شخص مجھے زکوٰۃ کی بڑی رقم دینا چاہتے ہیں تو میں لے سکتا ہوں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسئلہ یہ ہے کہ ایک مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ کے اتنے پیسے دیئے جائیں جو نصاب سے کم ہوں، اتنا دینا کہ غریب صاحب نصاب اور مالدار ہو جائے مکروہ ہے ہاں اگر وہ شخص قرض دار ہو یا کثیر العیال ہو تو اس کو اتنے پیسے دینا کہ قرض ادا کرنے کے بعد اس کے پاس بقدر نصاب نہ بچے یا اپنے اہل وعیال پر تقسیم کرے تو ہر ایک کو نصاب کی مقدار سے کم پہنچے تو ایسے شخص کو نصاب سے زیادہ دینا بلا کراہت جائز ہے (وکره دفع نصاب او اکثر الیٰ فقیر غیر مدیون) الا ان یکون ذاعیال لو فرقه' علیهم لا یصیب کلا نصاب (مجمع الا نهر شرح ملتقی الابحر. ج ۱ ص ۲۲۵ کتاب الزکوٰۃ) (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۴۲۶ کتاب الزکوٰۃ) لہٰذا آپ اتنی رقم لے سکتے ہیں کہ قرض کی ادائیگی کے بعد بقدر نصاب آپ کے پاس نہ بچے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زکوٰۃ کی رقم مکتب میں استعمال کرنے کا ایک طریقہ:

(سوال ۲۰۶) ہمارے گاؤں میں مسلمانوں کے پندرہ گھر ہیں کھیتی پر سب کا گذران ہے اور کھیتی خراب ہو جانے کی وجہ نے سب کی مالی اور اقتصادی حالت بے انتہا کمزور ہوگئی ہے، بستی میں ایک مسجد اور ایک مکتب ہے، مکتب کے معلم کی تنخواہ "مجلس خدام الدین" کی طرف سے آتی ہے اور کچھ رقم گاؤں کے لوگ چندہ کر کے تنخواہ کے ساتھ ان کو دیتے ہیں مگر اب وہ دینا بھی مشکل ہو رہا ہے، ان حالات میں ایک صاحب خیر نے زکوٰۃ کی رقم دی ہے، کیا وہ پیسے معلم کی تنخواہ میں دے سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) زکوٰۃ کی رقم میں سے زکوٰۃ دینے والے کی اجازت سے مستحق زکوٰۃ مدرس کو ماہ بماہ بطور امداد کے تھوڑی تھوڑی رقم دیتے رہو تو یہ جائز ہے اور اس صورت میں زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور مدرس کی امداد بھی ہو جائے گی بطور تنخواہ دینا جائز نہیں۔ اور اگر تنخواہ ہی میں دینا ہو تو زکوٰۃ کی رقم کسی غریب مستحق زکوٰۃ کو کسی قسم کے عہد و پیمان کے بغیر بطور تملیک دے دی جائے پھر اس کے بعد اس کو مشورہ دیا جائے کہ اپنی بستی کا مدرسہ بہت غریب ہے اگر تم یہ رقم مدرسہ میں للہ دے دو تو استاذ کی تنخواہ کا انتظام ہو جائے گا اور تم کو اجر عظیم ملے گا، وہ غریب یہ مشورہ قبول کر کے رقم مدرسہ میں دے دے تو اس کے بعد وہ رقم تنخواہ میں دینا جائز ہوگا۔[1]

زکوٰۃ کی تقسیم کا کام غیر مسلم کو سپرد کرنا اور غیر مسلم کو زکوٰۃ اور سود کی رقم دینا:

(سوال ۲۰۷) ہمارے یہاں مسلمانوں کی ایک کمیٹی ہے اس کے منتظمین تمام مسلمان ہیں وہ لوگ چندہ میں للہ رقم اور زکوٰۃ کی رقم بھی وصول کرتے ہیں اور زکوٰۃ کے پیسوں میں آج تک غریب مسلمانوں کو مفت دوا وغیرہ دیتے تھے اور تقسیم کا یہ کام مسلمان ہی کو سپرد کیا جاتا تھا مگر اب ایک غیر مسلم کو ملازم رکھ کر وہ کام اس کو سپرد کیا گیا ہے اب وہ غیر مسلم

(۱) حوالہ چار سوال پہلے جس کی آمدنی قلیل ہو الخ کے عنوان کے تحت دیکھیں۔

اپنی مرضی سے جس کو چاہتا ہے مفت دوا دیتا ہے حتی کہ غریب حاجت مند مسلمانوں کے ہوتے ہوئے غیر مسلموں کو بھی مفت دوا دیتا ہے، اب دریافت طلب امور یہ ہیں:

(۱) کیا زکوٰۃ جیسے اہم عبادت جو نماز روزہ وغیرہ کی طرح ایک اسلامی فریضہ ہے اس کی تقسیم کا کام غیر مسلم کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) زکوٰۃ کے پیسے غیر مسلموں کو محض خوش کرنے کی غرض سے دیئے جائیں تو جائز ہے یا نہیں، اور اس "کمیٹی" کو چندہ میں دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟

(۳) بنک کی سودی رقم غریب مسلمانوں کے ہوتے ہوئے غیر مسلم کو دینا جائز ہے؟

(الجواب) زکوٰۃ کی تقسیم کا کام غیر مسلم کو سپرد کرنا جائز نہیں اس میں مسلمانوں کی توہین لازمی آتی ہے اور ایک غیر مسلم کی سرداری مسلمانوں پر ہوگی اور زکوٰۃ کی رقم کا غلط استعمال ہوگا اور زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور اس کے ذمہ دار "انجمن" کے منتظمین ہوں گے۔

درمختار باب العاشر میں ہے (هو "ای العاشر" حر مسلم) بهذا يعلم حرمة تولية اليهود على الاعمال (قوله هو حر مسلم) ولا يصح ان يكون كافرا لانه لايلى على المسلم بالآية بحر والمراد بالآية قوله تعالىٰ ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا (شامی ج۲ ص ۵۱ كتاب الزكوة باب العاشر)

غایۃ الاوطار میں ہے، عاشر آزاد ہے مسلمان۔ یعنی نہ غلام ہو نہ کافر اس سے معلوم ہوا کہ یہود کو عامل بنانا حرام ہے (غایۃ الاوطار ج۱ ص۴۵۵ باب العاشر)

(۲) زکوٰۃ کے مصرف غریب مسلمان ہیں، کسی بھی نیت سے غیر مسلموں کو اگر زکوٰۃ کے پیسے دیئے جائیں گے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی (ولا يصح دفعها لكافر) (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۴۱۸ کتاب الزکوۃ)

(۳) دے سکتے ہیں مگر بہتر نہیں ہے، حاجت مند مسلمانوں کا حق مارنے کے مثل ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

داماد کو زکوٰۃ دینا:

(سوال ۲۰۸) میرے پاس زکوٰۃ اور سود کے پیسے ہیں میرا داماد غریب ہے اور مقروض بھی ہے، اس کو یہ پیسے دے سکتا ہوں یا نہیں؟ قرض کی ادائیگی کے بعد وہ بچے ہوئے پیسوں سے اپنے گھر کی مرمت کرنا چاہتا ہے تو وہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ اس کے بعد مالدار ہوجائے تو اس کے لئے زکوٰۃ کے پیسوں سے مرمت کئے ہوئے مکان میں رہنا جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) داماد غریب ہو تو زکوٰۃ کے پیسے دے سکتے ہیں[1] اور وہ ان پیسوں سے گھر کی مرمت بھی کرا سکتا ہے اور وہ مستقبل قریب یا بعید میں مالدار ہوجائے تو اس کے بعد وہ اس گھر کو استعمال کرسکتا ہے۔ اس لئے کہ فی الحال تو وہ غریب

---

(۱) ويجوز دفعها لزوجة أبيه وابنه و زوج ابنته تاتار خانية، شامی باب المصرف ج۲ ص ۸۶

ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) زکوٰۃ کی رقم میں سے غرباء کے لئے مکان بنوانا۔
(۲) مستحق زکوٰۃ کون ہے؟:

(سوال ۲۰۹) چند احباب نے مل کر زکوٰۃ کا روپیہ جمع کیا اور یہ طے کیا کہ اس رقم سے غریب مسلمان جنہیں رہائش کی تکلیف ہے ان کے لئے گھر بنا دیئے جائیں کیا زکوٰۃ کے روپیہ سے غریب کے لئے گھر بنا دینا جائز ہے؟

(۲) زکوٰۃ ادا ہونے کے لئے مستحق ہونے کی تشریح بھی فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جن مستحقین زکوٰۃ کو رہائش کے لئے واقعی مکان کی ضرورت ہے ان کو مکان کی تعمیر کے لئے زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے لیکن ایک ساتھ اتنی رقم نہ دی جائے کہ وہ گھر والوں پر تقسیم کی جائے تو وہ صاحب نصاب بن جائیں، اس کا خیال رکھتے ہوئے تھوڑی تھوڑی اور بقدر ضرورت رقم دیتے رہیں وہ خود ہی مکان بنائیں یا وہ لوگ (یعنی غرباء) اس کام کے لئے جو کمیٹی بنی ہو اس کو رقم حوالہ کردیں اور کمیٹی والے اپنی نگرانی میں مکانات بنوادیں کمیٹی میں ایک عالم ہو یا کمیٹی والے کسی معتبر عالم کے مشورے سے کام کریں تو بہتر ہے۔[1]

(۲) زکوٰۃ کا مستحق وہ شخص ہے جس کے پاس حاجت اصلیہ ضروریہ سے زائد اتنا مال (زیور، مکان، زمین، اسباب، کتابیں وغیرہ) نہ ہو جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے، ایسا شخص زکوٰۃ لینے پر مجبور ہو تو لے سکتا ہے[2] "زکوٰۃ کی رقم" ہے یہ ظاہر کرنا مناسب نہ ہوگا، خویش واقارب کو خفت ہوگی اور برا مانیں گے ایسے موقعہ پر ہدیہ، تحفہ کے نام سے بھی دیا جاسکتا ہے، البتہ جس شخص کے متعلق تحقیق نہ ہو کہ وہ زکوٰۃ کا حق دار ہے تو اس سے تنہائی میں تحقیق کرلی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مدرسہ میں زکوٰۃ اور اس کا مصرف:

(سوال ۲۱۰) ایک شخص مدرسہ میں بچوں کے لئے کھانا پکاتا ہے اور دوسرا شخص بازار سے بچوں کے لئے چاول، گھی، تیل، لکڑی وغیرہ لاتا ہے، زکوٰۃ کے پیسے اس کو بطور اجرت دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح مدرسہ کا ایک سفیر ہے اس کی اخراجات میں زکوٰۃ کے پیسے استعمال کرنا کیسا ہے؟ اسی طرح زکوٰۃ کی رقم سے کتابیں خرید کر بچوں کو پڑھنے کے لئے دینا اور سال پورا ہونے پر ان سے واپس لے لینا درست ہے یا نہیں؟ پانی اور بجلی کا بل زکوٰۃ کی رقم سے ادا کریں، اسی طرح مکان کا ٹیکس ادا کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) زکوٰۃ کی رقم اجرت (کسی کام کے بدلہ) میں دینا درست نہیں ہے، مزدوری اور کرایہ میں بھی نہیں دی جاسکتی، سفیر کے اخراجات میں اور کھانے پینے میں یہ رقم صرف نہیں ہوسکتی، مستحق زکوٰۃ کو بلا عوض دی جائے، زکوٰۃ کی رقم سے کتب خانہ کے لئے کتابیں خریدنا بھی جائز نہیں، بجلی، پانی اور مکان کے ٹیکس میں استعمال کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ

---

(۱) اگر زکوٰۃ کی رقم سے گھر بنا کر غریب کو دے دیا جاوے تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔

(۲) هو فقير وهو من له ادنى شئى اى دون نصاب اوقدر نصاب غير نام مشغرق فى الحاجة درمختار مع الشامى باب الصرف ج۲ ص ۳۳۹

ہوئی طلباء کو دے کر مالک بنادیا جائے اور وہ اپنے لئے کتابیں خرید لیں اور واپس لینے کی شرط نہ ہو۔[1] **فقط واللہ اعلم بالصواب۔**

جس مدرسہ میں زکوٰۃ کی رقم جمع رہتی ہو وہاں زکوٰۃ دینا:

(**سوال ۲۱۱**) بعض مدارس میں زکوٰۃ کے پیسے تقریباً تیس چالیس ہزار روپے جمع ہو جاتے ہیں تو ایسے مدرسہ میں زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(**الجواب**) ارباب مدرسہ کو زکوٰۃ کی رقم اسی سال کام میں لے لینی چاہئے مدرسہ میں چاہے کتنی ہی زکوٰۃ ہو دینا منع نہیں ہے، البتہ سالہا سال جمع رکھتے ہوں ایسے مدارس میں نہیں دینا چاہئے، جہاں کام میں صرف کی جاتی ہو اور ضرورت ہو وہیں دینی چاہئے۔

سفیر کا زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنا:

(**سوال ۲۱۲**) چندہ کے لئے جانے والے بعض سفیر مالدار ہوتے ہیں، وہ اپنے ذاتی پیسے ختم ہو جانے کی وجہ سے چندہ میں آئی ہوئی زکوٰۃ کی رقم استعمال کرتے ہیں اور گھر پہنچ کر صرف شدہ رقم اپنی طرف سے جمع کر دیتے ہیں تو اس طرح کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(**الجواب**) زکوٰۃ کی رقم سفیر خرچ نہیں کر سکتا اس کو چاہئے کہ گھر سے منگوالے یا کسی سے قرض لے لے۔ فقط واللہ اعلم

موجودہ زمانہ میں سادات کو زکوٰۃ دینا:

(**سوال ۲۱۳**) ایک سید ہے وہ مقروض اور پریشان ہے، ملازمت کی آمدنی کے سوا کوئی دوسری آمدنی نہیں ہے۔ ایسے سید کو زکوٰۃ، فطرہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ فی زمانہ جب کہ اسلامی بیت المال نہیں ہے اور لوگ اس بارے میں غفلت برتتے ہیں اس لئے ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہونا چاہئے۔ بینوا توجروا۔

(**الجواب**) زکوٰۃ اور فطرہ سید کو مجبوری میں بھی لینے اور دینے کی اجازت نہیں ہے، اسی پر فتویٰ ہے، حدیث میں اس کو **اوساخ الناس** کہا گیا ہے (یعنی لوگوں کا میل کچیل کہا گیا ہے) اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ صدقات محمد (ﷺ) اور آل محمدؐ کے لئے حلال نہیں ہیں۔ **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ھذہ الصدقات انما ھی او ساخ الناس وانھا لا تحل لمحمد ولا لال محمد. رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۱ باب من لا تحل لہ الصدقۃ)** اس حدیث میں سادات کے لئے حرمت زکوٰۃ کی علت **او ساخ الناس** بیان فرمائی ہے، بیت المال سے ان کے لئے وظائف کا مقرر ہونا بیان نہیں فرمایا، اور یہ علت آج بھی قائم ہے، اس لئے ان کے لئے حرمت زکوٰۃ کا حکم آج بھی باقی ہے اور اسی میں احتیاط بھی ہے اور سادات کرام کا احترام واکرام بھی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسنؓ نے بچپن کے زمانہ میں صدقہ کی ایک کھجور منہ میں ڈال لی تو

---

(۱) ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحۃ کما مر لا یصرف الی بناء نحو مسجد قال فی الشامیۃ تحت قولہ نحو مسجد کبناء القناطر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانھار والحج والجھاد وکل مالا تملیک فیہ. درمختار مع الشامی باب الصرف ج ۲ ص ۳۴۴

آپ ﷺ نے ان کے منہ سے نکلوادی اور فرمایا ہم صدقہ نہیں کھاتے ہیں۔عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال اخذ الحسن بن علی تمرۃ من تمر الصدقات فجعلها فی فیه فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم کخ کخ لیطر حها ثم قال اما شعرت انا لا ناکل الصدقة (مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۱ باب من لا تحل له الصدقة)

درمختار میں ہے۔(ولا الی بنی هاشم) ثم ظاهر المذهب اطلاق المنع وقول العینی والهاشمی یجوزله دفع زکوته لمثله صوابه لا یجوز (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۹۱ کتاب الزکوٰۃ باب المصرف). یعنی اور نہیں جائز ہے زکوٰۃ دینا بنی ہاشم کو۔الی قولہ۔پھر ظاہر مذہب یہ ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا مطلقاً ممنوع ہے،خواہ بنی ہاشم،بنی ہاشم کو دے یا کوئی غیر دے اور ہر زمانہ میں ممنوع ہے اور عینی نے جو کہا کہ جائز ہے ہاشمی کو کہ زکوٰۃ دے اپنے مثل یعنی ہاشمی کو تو صحیح یہ ہے کہ نہیں جائز ہے،کذافی النهر (غایة الاوطار ترجمه درمختار ج ۱ ص ۴۸۰) وهکذا فی کتب الفقه.

لہٰذا صاحب حیثیت اور اہل خیر حضرات کو لازم ہے کہ وہ سادات کی للہ رقوم سے امداد کریں اور ان کو مصیبت وتکلیف سے نجات دلائیں کہ بڑے اجر وثواب کا کام ہے اور حضور ﷺ کے ساتھ صحیح محبت کی دلیل ہے ورنہ مواخذہ کا اندیشہ ہے مزید تائید کے لئے حضرات علماء کبار اور مفتیان عظام کے فتاویٰ ملاحظہ ہوں۔

دارالعلوم دیوبند کے سابق مفتی اعظم مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ:

(۱)(سوال ۳۶۳)جس سید کا کنبہ بہت ہو اور وہ نابینا حاجت مند ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) حنفیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق اور ظاہر الروایۃ کے مطابق سید کو کسی حال میں زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے۔ثم ظاهر المذهب اطلاق المنع فقط (فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل ج ۶ ص ۲۱۲)

(۲)(سوال ۴۱۶)عام طور سے مشہور ہے کہ زکوٰۃ وصدقہ کا مال آل محمد ﷺ کے لئے حرام ہے۔حال میں ایک صاحب نے یہ فرمایا کہ ایسا مال آل محمد ﷺ کے لئے بعض حالات میں مباح ہے اور اندریں باب علماء نے فتویٰ دے دیا ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کن حالات میں مال زکوٰۃ وصدقہ سادات بنی فاطمہ کے لئے حرام ہے اور اگر مباح ہے تو کن حالات میں؟

(الجواب) مفتی بہ مذہب یہی ہے کہ سادات کو اس زمانہ میں بھی زکوٰۃ اور صدقات واجبہ مثل چرم قربانی وصدقۂ فطر وغیرہ دینا حرام ہے اور زکوٰۃ وغیرہ ادا نہ ہوگی حدیث میں ہے۔قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان هذه الصدقات انما هی اوساخ الناس وانها لا تحل لمحمد ولا لال محمد .رواه مسلم اور درمختار میں ہے ولا الی بنی هاشم الخ ثم ظاهر المذهب اطلاق المنع .وهکذا فی الشامی .

پس یہ قول صحیح نہیں ہے جو کہ کسی نے کہا ہے کہ بعض حالات میں مباح ہے۔(فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل ج ۶ ص ۲۳۹)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا فتویٰ۔

(سوال ۳۹) سید صاحب نصاب ہو اور اس کی اعزہ میں غریب محتاج ہوں اور کوئی ذریعہ ان کی امداد کا بجز زکوٰۃ کے

نہ ہو ایسی حالت میں سید صاحب نصاب کو اپنے اعزہ غریب کو زکوٰۃ میں سے دینا درست ہے یا نہیں؟ تاکہ ان کی حاجت روائی ہو جاوے، اسی طرح دیگر اقوام شیخ مغل، پٹھان، صاحب نصاب اگر کسی غریب سید کو زکوٰۃ میں سے دے دیں تو درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ آج کل سیدوں کی حالت بوجہ نہ ہونے ذریعہ معاش کے بہت سقیم ہو رہی ہے اور بیت المال بھی نہیں ہے کہ جس سے امداد کی جاوے، مفصل بدلائل حدیث وفقہ ارقام فرماویں۔

(الجواب) بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں خواہ دینے والا بھی بنی ہاشم سے ہو یا اور کوئی ہو۔ لقوله عليه السلام لابي رافع مولى القوم من انفسهم وانها لا تحل لنا الصدقة اور ده في التيسير عن ابي داؤد والترمذي واللفظ لهما والنسائي وفي الهداية ولا تدفع الى بني هاشم الخ قلت ولا تغتر بما يذكر من جوازها لهم لسقوط عرضها وهو الخمس لا نه قياس في مقابلة النص او لاً. ثم هذا القياس نفسه لا تتم لا نه عليه السلام علل حرمتها بكونها او ساخ الناس لا بتعويض الخمس فلما لم يكن علة لم يلزم من ارتفاع الخمس ارتفاع حرمة الزكوة فتأ مل حق التامل اور خدمت سادات کی ہدایا وصدقات نافلہ سے ممکن ہے اور وہ ان کے لئے حلال ہے۔ وفي الهداية بعد الرواية المذكورة بخلاف التطوع فقط (امداد ج ۱ ص ۱۷۰)(امداد الفتاویٰ ج ۲ ص: ۲۷، ص ۲۸ مطبوعہ پاکستان. ج۲ ص ۲۹ مطبوعہ دیو بند)

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ

(۱)(جواب دوم) راجح اور قوی مذہب یہی ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں، ابوعصمہ کی وہ روایت جوانہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کی ہے مفتی بہ نہیں ہے، پس سید کو زکوٰۃ نہیں دینی چاہئے۔ الخ (کفایت المفتی ج ۴ ص ۲۵۷ جلد چہارم)

(۲)(جواب ۳۴۳) سید کو زکوٰۃ وعشر کا روپیہ یا غلہ دینا درست نہیں، ہاں حیلہ کر کے دیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ حیلہ کی صورت یہ ہے کہ کسی غر سید غریب کو یہ کہہ کر دے دیا جائے کہ فلاں سید کو دینا تھا مگر وہ سید ہے اس کے لئے زکوٰۃ جائز نہیں، لہٰذا تم کو دیتے ہیں۔ اگر تم یہ کل یا بعض اس کو بھی اپنی طرف سے دے دو تو بہتر ہے اور وہ لے کر دے دے تو سید کے لئے جائز ہے (کفایت المفتی ص ۲۷۲ جلد چہارم) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۳ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ۔

زکوٰۃ کی رقم سے کپڑے کی سلائی کی اجرت ادا کرنا:

(سوال ۲۱۴) میں زکوٰۃ کے پیسے سے کپڑا خریدتا ہوں اور اس کو سلا کر یتیم خانہ لے جا کر یتیم بچوں کو دے دیتا ہوں، کیا زکوٰۃ کی رقم سے سلائی کی اجرت دے سکتا ہوں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر یتیم خانہ کے بچوں کا ناپ لے کر ان کی مرضی کے مطابق کپڑا سلوایا گیا اور وہ لباس شرعاً ممنوع نہ ہو تو اس صورت میں زکوٰۃ کی رقم سے سلائی کی اجرت ادا کرنے کی گنجائش ہے کہ معطی لہٗ کے حق یہ سلائی کپڑے کے عین میں اضافہ کے حکم میں ہے، مگر بے خطر صورت یہ ہے کہ مستحق کو کچا کپڑا اور رقم دے دی جائے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق سلوا لے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زکوٰۃ کی رقم جمع کر کے اس میں سے قرض دینا:

(سوال ۲۱۵) ہمارے یہاں ایک کمیٹی ہے، کمیٹی کے اراکین زکوٰۃ کی رقم چندہ میں جمع کرتے ہیں اور جمع شدہ رقم میں سے غرباء کو غیر سودی قرض دیتے ہیں تا کہ وہ اپنے گذران کے لئے چھوٹا موٹا کاروبار شروع کر سکیں اور قرض کا دینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کو قرض ادا کرنے کی فکر رہے گی تو محنت اور توجہ سے کام کریں گے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کمیٹی کا یہ طریقہ کار صحیح ہے یا نہیں؟ خلاصہ فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، قابل ترک ہے، زکوٰۃ کی رقم جمع کر کے اس میں سے قرض دینا جائز نہیں ہے، جن لوگوں کی رقمیں ہیں ان کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اور کمیٹی کے ممبر اس کے ذمہ دار ہوں گے، زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ زکوٰۃ کی رقم مستحق زکوٰۃ کو بلا کسی عوض مالک بنا کر دے دی جائے۔

درمختار میں ہے (هی تمليک). خرج الا باحة فلوا طعم يتيماً ناويا الزكوة لا يجزيه الا اذا دفع اليه المطعوم كما لو كساه (درمختار مع شامی ص ۳ ج ۲ کتاب الزکوٰۃ)

اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ قرض دینے کی صورت میں تملیک پائی نہیں جاتی کمیٹی والے بھی اس نیت سے دیتے ہیں کہ بعد میں اس سے یہ رقم وصول کرنا ہے، لہٰذا یہ طریقہ واجب الترک ہے، اور یہ بات بھی خیال میں رہے کہ زکوٰۃ کی رقم مستحقین زکوٰۃ میں جلد از جلد تقسیم کر دی جائے تا کہ لوگوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے، قرض دینے کے لئے للّٰہ رقم کا انتظام کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

نابالغ بچے کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟:

(سوال ۲۱۶) ایک نابالغ بچہ ہے جس کا باپ غریب اور مستحق زکوٰۃ ہے اس کو زکوٰۃ کی رقم دی جائے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں، کیا وہ نابالغ بچہ مالک بن سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر نابالغ عقلمند اور سمجھدار ہو، قبضہ کو سمجھتا ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور جو بچہ بہت چھوٹا ہو قبضہ کو نہ سمجھتا ہو اور لین دین کے قابل نہ ہو تو ایسے بچہ کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، ہاں اگر بچہ کا ولی اس کی طرف سے قبضہ کر لے تو ادا ہو جائے گی، درمختار میں ہے دفع الزكوة الى صبيان اقاربه برسم عيد...... جاز (قوله الى صبيان اقاربه) اى العقلاء والا فلا يصح الا بالدفع الى ولى الصغير (درمختار و شامی ص ۹۶ ج ۲ باب المصرف قبيل باب صدقة الفطر)

نیز شامی میں ہے (قوله تمليكاً) وفى التمليك اشارة الى انه لا يصرف الى مجنون وصبى غير مراهق الا اذا قبض لهما من يجوز له قبضه كالاب والوصى وغيرهما ويصرف الى مراهق يعقل الاخذ كما فى المحيط قهستانى وتقدم تمام الكلام على ذلك اول الزكوة (شامی ص ۸۵ ج ۲ . باب المصرف)

عمدۃ الفقہ میں ہے: اور اگر زکوٰۃ کے مال پر چھوٹے لڑکے نے قبضہ کر لیا اور وہ قریب البلوغ ہے تو جائز ہے اور اسی طرح اگر ایسے لڑکے کو دیا جو قبضہ کرنے کو سمجھتا ہے یعنی پھینک نہیں دیتا یا کوئی دھوکہ دے کر اس سے نہیں لے لے

گا تب بھی جائز ہے اور کم عقل فقیر کو دیا تب بھی جائز ہے۔ (عمدۃ الفقہ ج ۳ ص ۱۳۷) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد مدرسہ کی تعمیر میں زکوٰۃ استعمال کرنا:

(سوال ۲۱۷) مسجد وغیرہ کی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم لی جاسکتی ہے؟ اور اگر کوئی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کرتا ہے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے مستحق زکوٰۃ کو بلا کسی عوض مالک بنانا شرط ہے تملیک کے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی تعمیری کاموں میں استعمال کرنے کی صورت میں زکوٰۃ تملیک نہیں ہوتی لہذا مسجد ہو یا مدرسہ اس کی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنا جائز ہے نہیں ہے۔

درمختار میں ہے (لا) یصرف (الی بناء) نحو (مسجد) ولا الی (کفن میت وقضاء دینه) (درمختار) شامی میں ہے (قوله نحو مسجد) کبناء القنا طیرو السقایات واصلاح الطرقات وکری الا نهار والحج وکل مالا تملیک فیه (درمختار و شامی ص ۸۵ ج ۲ باب المصرف)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے ولا یجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذاالقناطیر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الا نهار والحج والجهاد وکل ما لا تملیک فیه الخ (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۸۸ ج ۱ باب المصرف) فقط واللہ اعلم بالصواب.

کپڑوں کے پارسل وصول کرنے کے لئے ڈاک خانہ میں زکوٰۃ کی رقم دینا:

(سوال ۲۱۸) بیرون ملک سے غرباء و مساکین کو تقسیم کرنے کے لئے مستعمل کپڑے آتے ہیں مستعمل کپڑے کا پارسل وصول کرنے کیلئے ڈاکخانہ میں پیسے دینا پڑتے ہیں زکوٰۃ کی رقم ڈاکخانہ میں دی جائے تو زکوٰۃ ادا ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مذکورہ میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اس لئے کہ زکوٰۃ میں تملیک مستحق بلا عوض شرط ہے اور وہ یہاں مفقود ہے لہذا اس کے لئے دوسرا انتظام کیا جائے زکوٰۃ کی رقم اس میں استعمال نہ کیا جائے۔ (باب المصرف)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زکوٰۃ کی رقم غیر مستحق کو دے دی گئی تو وہ کیا کرے:

(سوال ۲۱۹) ایک شخص صاحب نصاب ہے اور مستحق زکوٰۃ نہیں ہے، دوسرے شخص نے اس کو مستحق زکوٰۃ سمجھ کر زکوٰۃ کی رقم دی، اس نے ہدیہ یا تحفہ سمجھ کر رقم لے لی، بعد میں اس کو یہ خیال ہوا کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے تو اب یہ شخص کیا کرے؟ کیا اس کے لئے اس کا استعمال جائز ہے یا جس نے رقم دی ہے اس کو واپس کر دے یا وہ رقم کسی مستحق کو دے دے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جس نے رقم دی ہے اس سے تحقیق کرے اگر وہ کہے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے تو صاف کہہ دے کہ میں مستحق زکوٰۃ نہیں ہوں اور رقم اسے واپس کر دے اگر دینے والے سے تحقیق کرنا دشوار اور مشکل ہو اور یقین یا ظن غالب ہو کہ یہ

زکوٰۃ کی رقم ہے تو اس کے لئے اس کا استعمال حلال وطیب نہیں، ممکن ہو تو دینے والے کو واپس کر دے یا صدقہ کر دے، شامی میں ہے ولا یسترد الو لدوالغنی وھل یطیب له فیه خلاف واذا لم یطب قیل یتصدق وقیل یرد علی المعطی اھ (شامی ص ۹۳ ج ۲ ، تحت قوله ولو دفع بلا تحر باب المصرف) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

مقروض کو زکوٰۃ دینا بہتر ہے یا غریب کو:

(سوال ۲۲۰) ایک شخص مقروض ہے، قرض کی ادائیگی کی کوئی سبیل نہیں قرض خواہوں کے مطالبوں سے بہت پریشان ہے، باوجود کوشش کے اپنا قرض ادا نہ کر سکا ایسے مقروض کو زکوٰۃ دینا بہتر ہے یا غریب کو، جس کو صرف اپنے پیٹ کی فکر ہے اور یہ مقروض دو فکروں میں جکڑا ہوا ہے، اپنے اہل وعیال کا نفقہ اور قرض خواہوں کا مطالبہ، امید ہے کہ وضاحت فرمائیں گے، بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں مقروض کو قرض کے بوجھ سے نجات دلانا بہتر ہے، غریب بہت محتاج ہو تو بقدر ضرورت اس کی بھی مدد کی جائے، عالمگیری میں ہے ومنها الغارم وهو من لزمه او کان له مال علی الناس لا یمکنه اخذه والدفع الی من علیه الدین اولیٰ من الدفع الی الفقیر (عالمگیری ج ۱ ص ۱۸۸ باب فی المصارف) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

لڑکے کے پاس رقم ہو مگر اس کی والدہ محتاج غریب ہو تو اس کی والدہ کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۲۱) ایک شخص کا انتقال ہو گیا اس کی بیوہ عورت اور دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے، عورت کے پاس ایک زمین ہے اس پر مکان بنانا چاہتی ہے مگر غریب محتاج ہے کچھ رقم نہیں ہے، اس عورت کو زکوٰۃ کی رقم دینا کیسا ہے؟، ایک شخص نے عورت کے بیٹے کو رکشا خریدنے کے لئے بیس ہزار روپے دیئے ہیں وہ رقم اس لڑکے کے پاس موجود ہے، تو اس حالت میں اس لڑکے کی والدہ کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں بیس ہزار روپے لڑکے کو ہی دیئے ہوں اور لڑکے نے وہ رقم اپنے ہی پاس رکھی ہو اپنی والدہ کو مالک بنا کر نہ دیئے ہوں اور اس کی والدہ غریب محتاج ہو تو ایسی صورت میں اس عورت کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہے،[1] البتہ یہ خیال میں رہے کہ یکمشت اتنی رقم نہ دی جائے جس سے وہ عورت صاحب نصاب بن جائے، مکان بنانے کے لئے وقتاً فوقتاً تھوڑی رقم دیتے رہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) جس مدرسہ میں زکوٰۃ کے مصارف نہ ہوں اس مدرسہ میں زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

(۲) زکوٰۃ سے قرض ادا کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۲۲) کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں انگلینڈ میں کئی دینی مدرسے قائم ہو چکے ہیں

---

[1] ویجوز صرفها الی الأب المعسر وان کان ابنه موسرا کذا فی شرح الطحاوی فتاوی عالمگیری باب المصرف ج ۱ ص ۱۸۹

اور دارالعلوم کی طرح تمام انتظامات موجود ہیں، ان مدرسوں میں طالب علم تعلیم کے ساتھ ساتھ رہائش بھی رکھتے ہیں، انگلینڈ کے علاوہ باہر دوسرے ملکوں سے طلبہ دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے یہاں آتے ہیں، مدرسہ میں طلبہ کی رہائش کے ساتھ کھانے اور تمام ضروریات کا بھی انتظام ہوتا ہے، طلبہ چونکہ تمام خود کفیل اور مالدار ہوتے ہیں اس لئے تمام طلبہ اپنے تمام اخراجات مثلاً رہائش کھانے پینے اور کتابوں کے تمام اخراجات برداشت کرتے ہیں مدرسہ پر ان کا کوئی بوجھ نہیں ہوتا، اس حالت میں اب پوچھنا یہ ہے کہ ایسے مدارس میں زکوٰۃ وصدقات واجبہ دینا کیسا ہے؟

اس کے علاوہ اگر کوئی ایسا ادارہ اس لئے زکوٰۃ وصدقات کو وصول کرتا ہو کہ وہ مقروض ہے اور قرض ادا کرنے کے لئے وہ لوگ زکوٰۃ وصدقات وصول کریں تو اس کے لئے وصول کرنا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) آپ کے ملک میں غرباء ومساکین ہوں تو ان کو زکوٰۃ وصدقات اس قدر دینا درست ہے کہ وہ صاحب نصاب نہ بن جائیں، دوسرے ملکوں میں جہاں زکوٰۃ صدقات کے حق دار ہوں زکوٰۃ وصدقات کی رقم بھیجی جا سکتی ہے، جس مدرسہ میں زکوٰۃ کا مصرف نہ ہو۔ یعنی زکوٰۃ لینے کے حق دار نہ ہوں تو اس مدرسہ میں زکوٰۃ نہیں دینی چاہئے، اور اہل مدرسہ کو زکوٰۃ کی رقم وصول بھی نہ کرنا چاہئے۔

ایسا مدرسہ مقروض ہے تو قرض ادا کرنے کے لئے براہ راست زکوٰۃ وصدقات کی رقم نہ دی جائے للہ رقم سے قرض ادا کیا جائے، اگر اہل مدرسہ زکوٰۃ وصدقات واجبہ وصول کر کے اس سے قرض ادا کریں گے تو لوگوں کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے مستحق زکوٰۃ کو بلا عوض مالک بنانا شرط ہے۔(۱) **فقط واللہ اعلم بالصواب۔**

مکان خریدنے کی وجہ سے مقروض ہے تو اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟:

(سوال ۲۲۳) ایک شخص کرایہ کے مکان میں رہتا ہے مکان مالک گھر خالی کرنے کا تقاضا کر رہا ہے اس شخص نے اس پریشانی کی وجہ سے ایک چھوٹا سا گھر ادھار خرید ا ہے، گھر اس کی ضرورت کے بقدر بلکہ کم ہے اس کے پاس جو سونا تھا وہ بیچ کر مکان کے قیمت میں لگا دیا اور جو نقد رقم تھی وہ سب دے دی مگر اب بھی مکان کا قرضہ باقی ہے، اور اب اس کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے جسے بیچ کر وہ اپنا قرضہ ادا کر سکے گو اس کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہے؟ تاکہ وہ جلد اپنا قرضہ ادا کر سکے، جواب عنایت فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جو مکان خرید ا ہے وہ بقدر ضرورت ہے اور قرض ادا کرنے کے لئے سونا بیچ دیا جو نقد رقم تھی وہ سب دے دی اور اس شخص کے پاس ضرورت سے زائد ایسی کوئی چیز بھی نہیں ہے جسے بیچ کر وہ اپنا قرض ادا کر سکے تو ایسی صورت میں اس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔(۲) **فقط واللہ اعلم بالصواب۔**

---

(۱) ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحۃ کما مر لا یصرف الی بناء مسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینہ درمختار مع الشامی باب المصرف ج ۲ ص ۸۵

(۲) ومنھا الغارم وھو من لزمہ دین ولا یملک نصابا فاضلاً عن دینہ فتاوی عالمگیری باب المصرف ج ۱ ص ۱۸۸

ایک شخص نے قرض مانگا، زکوٰۃ کی نیت سے قرض دیا بعد میں مقروض نے رقم واپس کر دی تو اس رقم کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۲۴) ایک ضرورت مند مستحق زکوٰۃ نے ایک دوست سے قرض لیا، قرض دینے والے نے زکوٰۃ کی نیت سے قرض دیا، کچھ مدت کے) بعد مقروض نے وہ رقم واپس کی، قرض دینے والے نے کہا میں نے ہدیہ دیا تھا، مقروض نے لینے سے انکار کیا اور رقم چھوڑ کر چلا گیا اب اس رقم کا کیا کرے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر وہ شخص رقم نہ لے اور واپس کر دے تو اس کی اجازت سے کسی اور مستحق زکوٰۃ کو وہ رقم دے دی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

ایضاً:

(سوال ۲۲۵) بکر زید کے پاس قرض لینے کی ارادہ سے آیا، زید نے اس وقت قرض کے نام سے رقم دی مگر بکر درحقیقت مستحق زکوٰۃ تھا، اس لئے زید نے رقم دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کر لی، ایک مدت کے بعد بکر وہ رقم واپس کرنے آیا، زید نے رقم لینے سے انکار کیا مگر بکر رقم رکھ چلا گیا، بکر نے جو رقم واپس کی اس کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ واجب التصدق ہے یا بکر اس کا مالک ہے؟، اگر زید وہ رقم صدقہ کر دے تو بکر کی اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر مناسب ہو تو مقروض (بکر) سے صاف کہہ دیا جائے کہ میں نے رقم دیتے وقت ہی زکوٰۃ کی نیت کر لی تھی لہذا رقم واپس نہ کرو، اور اس کے باوجود بھی واپس کرنے پر مصر ہو تو کہہ دیا جائے کہ تم جسے چاہو دے دو، اور اگر اس کے باوجود بھی وہ شخص (بکر) رقم واپس کر دے تو چونکہ معطی (زید) کی نیت کے مطابق اسی وقت زکوٰۃ ادا ہو گئی ہے لہذا اس کی اجازت سے کر وہ رقم صدقہ کر دی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک مستحق زکوٰۃ کو کتنی رقم دینا مکروہ ہے:

(سوال ۲۲۶) فقیر کو زکوٰۃ کی رقم بقدر نصاب یا اس سے زیادہ دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) زکوٰۃ کی اتنی رقم ایک فقیر کو دے دینی مکروہ ہے کہ قرضوں کی ادائیگی اور اہل وعیال میں سے ہر شخص کو نصاب سے کم دینے کے بعد فقیر کے پاس نصاب کامل بچ جائے، درمختار میں ہے **(وکره اعطاء فقير نصاباً) او اكثر (الا اذا كان) المدفوع اليه (مديونا او) كان (صاحب عيال) بحيث (لوفرقه عليهم لا يخص كلا) او لا يفضل بعد دينه (نصاب) فلا يكره فتح (درمختار مع رد المحتار ۲/۹۳، باب المصرف) فقط والله اعلم بالصواب.**

بھائی کو زکوٰۃ دینا:

(سوال ۲۲۷) میرا ایک بھائی شادی شدہ اور عیال دار ہے ان کی تنخواہ ساڑھے تین سو روپے ہے، گزران کے بعد کچھ بچت نہیں ہوتی مقروض ہو جاتا ہے، ایسی حالت میں ہم خفیہ طور پر ان کو زکوٰۃ کی رقم بھیج سکتے ہیں یا نہیں؟ اور وہ

بھائی زکوٰۃ کا مستحق ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) بھائی غریب ہو صاحب نصاب نہ ہو (یعنی ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا حاجت اصلیہ سے زائد اتنی مالیت کا سامان کا مالک نہ ہو) تو اسے زکوٰۃ دے سکتے ہیں، زکوٰۃ کی رقم بنیت زکوٰۃ ۔ ہدیہ وتحفہ اور عیدی کے نام سے بھائی کو یا ان کے بچوں کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اور اگر بھائی صاحب نصاب ہو تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ ومن اعطی مسکینا دراھم وسما ھاھبة او قرضاً ونوی الزکوة فانھاتجزیه وھو الا صح (فتاویٰ عالمگیری مصری ج ۱ /ص ۱۷۱ کتاب الزکوة) ولو دفعھا الیٰ صبیان اقربائه برسم عید اوالی مبشر او مھدی البٰ کورة جاز (طحطاوی ص۳۹ کتاب الزکوٰۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

رقوم زکوٰۃ فقراء کو دینا افضل ہے یا یتیم خانہ میں:

(سوال ۲۲۸) زکوٰۃ کی رقوم یتیم خانہ میں دی جائے یا عام فقراء کو، از روئے ثواب افضل کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جس جگہ زیادہ ضرورت ہو اور جہاں دینی ومذہبی تعلیم وتبلیغ کی خدمت انجام دی جارہی ہو وہاں زکوٰۃ صرف کی جائے، ایسے ہی اہل قرابت جو زکوٰۃ کے مستحق ہوں ان کو دینے میں زیادہ ثواب ہے، والا فضل فی الزکوٰة والفطر والنذور الصرف اولاً الی الا خوة اوالا خوات ثم الیٰ اولادھم (فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۱۹۰) وکره نقلھا بعد تمام الحول لبلد آخر لغیر قریب واحوج واورع وانفع للمسلمین بتعلیم (طحطاوی ص۳۹۴ باب المصرف) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

نانا کو زکوٰۃ دینا:

(سوال ۲۲۹) ایک شخص کے پاس زکوٰۃ کی رقم (دوسوڈالر) ہے وہ اپنے نانا کو یہ رقم دینا چاہتا ہے، کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟ کیونکہ نانا مقروض ہے، کیا اس رقم سے قرض کی ادائیگی درست ہے؟ اگر درست نہ ہو تو قرض کی ادائیگی کی کوئی اور تدبیر تحریر فرمادیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) نانا اور نواسا کا آپس میں ایک دوسرے کو زکاۃ دینا درست نہیں اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، ہدایہ میں ہے کہ اپنے باپ، دادا، نانا، نانی وغیرہ کو نیز اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد وغیرہ کو زکوٰۃ دینا درست نہیں۔ ولا یدفع المزکی زکوٰة ماله الیٰ ابیه اوجده وان علا ولا الی ولده وولد ولده وان سفل (ھدایه ج ۱ ص ۱۸۶ باب من یجوز دفع الصدقات الیه ومن لا یجوز)

لہٰذا اس حیثیت نواسے کے لئے ضروری ہے کہ اپنی خالص کمائی سے اپنے مقروض وحاجت مند نانا کی امداد کر کے انہیں قرض کے بوجھ سے سبکدوش کر کے اور اہل قرابت پر خرچ کر کے دوگنا ثواب کا حق دار بنے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سادات کو زکوٰۃ دینا:

(سوال ۲۳۰) سید لڑکیوں کا نکاح قاضی، شیخ پٹھان برادری میں ہوا ہے، کیا پھر بھی وہ سادات کی اولاد شمار ہوگی؟ ان

کوزکوٰۃ دینا کیسا ہے جب کہ وہ صاحب نصاب نہیں ہیں، بینوا توجروا۔
(الجواب) سید باپ کی اولاد بھی سید ہے، غیر سید سے مناکحت کی وجہ سے سیادت ختم نہیں ہوتی پس ان کوزکوٰۃ دینا درست نہیں، لیکن سادات کی قدرومنزلت اور حضور ﷺ سے رشتہ وتعلق کا پاس ولحاظ رکھ کر صدقات نافلہ، ہدیہ تحفہ سے ان کی امداد ضروری ہے، (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب .

سادات کے نواسے کوزکوٰۃ:

(سوال ۲۳۱) ایک سیدہ لڑکی (جو رشتہ میں میری بہن ہے) کا نکاح شیخ برادری میں ہوا ہے، اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے اوراس کی تین اولاد ہے جن میں سے ایک لڑکا (یعنی میرا بھانجہ) ملازمت کے ذریعہ ڈھائی تین سو روپے کماتا ہے، اسی میں تینوں کا بمشکل گزران ہوتا ہے ایسی صورت میں اس عورت (یعنی میری بہن) کوزکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں۔

(الجواب) آپ اپنی ہمشیرہ (جو سیدہ ہے اس) کوزکوٰۃ نہیں دے سکتے، **ولا الی بنی هاشم (الی قوله) ثم ظاهر المذهب اطلاق المنع قال الشامي يعني سواء في ذلك كل الا زمان وسواء في ذلك دفع بعضهم الى بعض (شامي ۲/ص ۹۰)**

البتہ اپنے بھانجے (جو شیخ برادری سے متعلق ہونے کی وجہ سے شیخ شمار ہوتا ہے اس) کوزکوٰۃ دے سکتے ہیں جب کہ وہ صاحب نصاب نہ ہو۔ **من كانت امها علوية مثلا وابو ها عجمي يكون العجمي كفؤ الها وان كان لها شرف ما لان النسب للآباء ولهذا جاز دفع الزكاة اليها (ايضاً ۲/ ۴۳۸ كتاب النكاح باب الكفاء ة) فقط والله اعلم بالصواب .**

سید کے داماد کوزکوٰۃ دینا:

(سوال ۲۳۲) سیدہ کی لڑکی (جو میری دوسری بہن ہے جس) کا نکاح قاضی برادری میں ہوا ہے اس کا شوہر ملازمت سے ریٹائرڈ ہے جسے بطور پنشن سو روپے ملتے ہیں، اس کا ایک لڑکا یہاں سے دوسو روپئے بھیجتا ہے کیا اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

(الجواب) آپ کی ہمشیرہ جو سادات کی اولاد میں سے ہے اس کوزکوٰۃ دینا درست نہیں، اس کا شوہر (یعنی آپ کا بہنوئی) اوراس کا لڑکا سید نہیں لہٰذا ان کوزکوٰۃ دے سکتے ہیں جب کہ صاحب نصاب نہ ہوں (۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بھاوج کوزکوٰۃ:

(سوال ۲۳۳) میرا ایک چچازاد بھائی جو سید ہے لیکن اس کی عورت سیدہ اور صاحب نصاب نہیں، جس کی آٹھ اولاد

---

(۱) وجازت التطوعات من الصدقات وغلة الاوقاف لهم اى لبنى هاشم درمختار مع الشامي باب المصرف ج ۲ ص ۹۱
(۲) حوالہ بالا

ہے، ان کی جائداد گروی میں ہے جوں توں کر کے گزران ہوتا ہے، کیا میں چچازاد بھائی کی عورت کو (جو سیدہ نہیں) زکوٰۃ دے سکتا ہوں، بینوا توجروا۔

(الجواب) آپ کے چچازاد بھائی کی عورت جو سیدہ نہیں اور صاحب نصاب بھی نہیں (یعنی قرض منہا کرنے کے بعد ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر روپیہ یا سامان کی مالک نہیں) تو وہ مستحق ہے اسے زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سادات کا آپس میں زکوٰۃ لینا دینا:

(سوال ۲۳۴) میری ہمشیرہ (جو سیدہ ہے اس) کا نکاح پٹھان برادری میں ہوا ہے، میرے بہنوئی اس کا نان نفقہ ادا نہیں کرتے، اس کی دو لڑکیاں ہیں جن میں سے ایک شادی شدہ ہے اور میری ہمشیرہ دو تین امراض میں بھی مبتلا ہیں تو کیا اس کے علاج کے لئے زکوٰۃ سے امداد کر سکتا ہوں۔

(الجواب) زکوٰۃ سے نہیں بلکہ صدقات نافلہ، ہدایا وغیرہ کے ذریعہ امداد کرنا آپ کا اخلاقی فریضہ ہے۔ **وجازت التطوعات من الصدقات وغلة الاوقاف لهم ای لبنی هاشم (درمختار مع الشامی ۲/ص ۹۱ باب المصرف)**

مال زکوٰۃ سے تنخواہ دینا:

(سوال ۲۳۵) دیہات کے مکاتب جن میں گاؤں کے صرف چھوٹے بچے دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں، ان مکاتب میں کھانے پینے کا انتظام نہیں اور مدرسوں کو چندہ کر کے تنخواہ دی جاتی ہے، کیا ایسے مکاتب میں زکوٰۃ وصدقات کی رقم دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

(الجواب) اہل بستی کو چاہئے کہ اپنی اولاد کی دینی تعلیم کا انتظام بذات خود حسب حیثیت کریں، عطیات کی رقوم سے تنخواہ دی جائے، زکوٰۃ کی رقم تنخواہ میں دینا جائز نہیں اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ **(قوله لشخص مخصوص) هو ای يكون فقيراً ونحوه من بقية المصارف غير هاشمی ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالیٰ (طحطاوی ص ۳۸۹ کتاب الزكوة)**

شرعی حیلہ کی گنجائش اس وقت ہے جب کہ اس کے بغیر چارۂ کار نہ ہو، حالانکہ دیہات کے باشندے زراعت پیشہ ہونے کے ساتھ ان کی ایک معتدبہ مقدار بغرض تجارت، بیرون ممالک میں مقیم بھی ہوتی ہے ایسے لوگوں سے رابطہ قائم کر کے استمداد کریں، اہل دیہات بھی اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے شرعی حیلہ کر کے زکوٰۃ وفطرہ کی رقوم استعمال کریں گے تو فقراء ومساکین کا کیا ہوگا؟ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مال زکوٰۃ سے والد مرحوم کا قرض ادا کرنا:

(سوال ۲۳۶) میرے والد صاحب کا انتقال ہوئے نو مہینے گذر چکے ہیں، مرحوم کے انتقال سے پہلے کا قرض جوان کے ذمہ تھا ۳۰۰۰۰ روپے ہیں جو چار الگ الگ افراد کا قرض ہے، والد صاحب نے ترکہ میں کوئی چیز نہیں چھوڑی ہے

اور میرے پاس بھی کوئی بینک بیلنس یا سونا نہیں ہے، فی الحال جماعت نے رہنے کے لئے مکان دیا ہے اور ایک کرایہ کی دوکان میرے پاس ہے جس سے گھر کے اخراجات پورے ہوتے ہیں میری مالی حالت کمزور ہے اس بناء پر میں کسی صاحب خیر سے زکوٰۃ کی رقم لے کر والد صاحب کا قرض ادا کردوں تو میرے لئے یہ رقم لینا کیسا ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ صورت مسئولہ میں آپ کے والد مرحوم کا قرض ہے اور اس کی ادئیگی کا کوئی انتظام نہیں ہے، والد مرحوم نے قرض ادا کیا جائے ایسا کچھ چھوڑا نہیں ہے اور نہ آپ کی حیثیت قرض ادا کرنے کے قابل ہے، نقد رقم ہے نہ سونا چاندی ہے مال تجارت (عطر کیسٹ) ہے مگر وہ نصاب سے کم ہے اور حاجت اصلیہ سے زائد اتنا سامان نہیں ہے جو نصاب کے برابر ہو سکے، اور قرض خواہوں کا مطالبہ بہت شدید ہے ایسی حالت میں آپ کو زکوٰۃ کی رقم یا اللہ رقم مل جاتی ہو تو وہ رقم لے کر آپ اپنے والد مرحوم کا قرض ادا کر سکتے ہیں، جتنی رقم آپ کو ملے وہ آپ اپنے پاس جمع نہ رکھیں فوراً قرض ادا کرتے رہیں...... مذکورہ حالات میں آپ پر مرحوم والد کا قرض ادا کرنا ضروری نہیں ہے، قرض ان پر تھا آپ پر نہیں، قرض خواہوں کو آپ سے مطالبہ نہیں کرنا چاہئے، لیکن اگر وہ اس کے لئے تیار نہ ہوں اور آپ سے مطالبہ کرتے اور قرض وصول کرنے پر ہی مصر ہوں تو آپ اپنا وقار قائم رکھتے ہوئے مندرجہ بالا صورت اختیار کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ سید عبدالرحیم لاجپوری، راندیر ۱۴۱۶ھ ۲۲ ذی الحجہ۔

سوتیلی والدہ کو زکوٰۃ دینا:

(سوال ب/۷/۲۳۴) سوتیلی والدہ کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) سوتیلی والدہ (والد کی منکوحہ) نہ اصول میں داخل ہے نہ فروع میں اور نہ اس کے ساتھ زوجیت کا رشتہ ہے، لہذا سوتیلی والدہ کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں بشرطیکہ وہ مستحق زکوٰۃ ہو۔ شامی میں ہے **ویجوز دفعها لزوجة ابيه وابنه وزوج ابنته تاتارخانية (شامی ص ۸۶ ج ۲، باب المصرف تحت قوله والی من بينهما ولاد)**

عینی شرح کنز میں ہے۔ **ولا يدفع ايضاً الى اصله وهم الا باء والا مهات وان علا وهم الاجداد والجدات من قبل الاب والا م و كذا الا يدفع الى فرعه وهم الا ولا دوان سفل وهم اولاد الا ولاد وكذا الا يد فع الى زوجته بالا تفاق. كذا لا تدفع الزوجة الى زوجها عند ابى حنيفة رحمه الله وبه قال احمد رحمه الله فى الاصح الخ (عينى شرح كنز ص ۹۷ ج ۱ باب المصرف) فقط والله اعلم بالصواب .**

باب مایتعلق فی صدقة الفطر

صدقۂ فطر کی مقدار بشکل قیمت بیرون ہند کے لئے:

(سوال ۲۳۸) بیرونی ممالک سے اعزہ واقارب اپنے فطرے کی ادائیگی کے لئے ہندوستان لکھتے ہیں، یہاں احتیاطاً چار سیر گیہوں یا اس کی قیمت ادا کی جاتی ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ باہر والوں کے فطرے ہندوستان میں ادا کرنے کے لئے وہاں کے غلہ کی قیمت کے مطابق دینے پڑیں گے یا اپنے یہاں کے غلہ کی قیمت سے مطابق؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) افریقیوں کی طرف سے فطرے عمدہ نوع کے گیہوں بنگالی وزن سے پونے دو سیر ۱ دیئے جائیں۔ یا افریقہ کے حساب سے اس قدر گیہوں کی قیمت دی جائے۔ ہاں اگر یہاں کے گیہوں کی قیمت زیادہ ہوتی ہو تو یہاں کے حساب سے ادا کرے۔ بہتر یہی ہے کہ گیہوں دے دے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب.

کیا مکان یا جائداد کا مالک صدقہ فطر لے سکتا ہے؟:

(سوال ۲۳۹) صدقۂ فطر لینے والے کے پاس رہنے کا مکان اور زمین کس قدر ہو تو صدقۂ فطر لے سکتا ہے؟

(الجواب) قرض چھوڑ کر رہائش کا مکان اور کاشتکاری کی زمین کے علاوہ دوسری زمین اور مکان کا مالک ہو یا "حاجت اصلیہ" کے علاوہ سامان اور جائداد ہو۔ جس کی قیمت بقدر نصاب ہو تو صدقۂ فطر واجب ہو جائے گا۔ اور اس کے لئے صدقۂ فطر اور زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔ رہائشی مکان اور کاشتکاری زمین داخل نصاب نہیں۔[2] فقط واللہ اعلم بالصواب.

مکان اور زمین کا مالک اگر تنگدست ہو تو صدقۂ فطر لے سکتا ہے؟:

(سوال ۲۴۰) ایک آدمی کے پاس رہائش کا گھر اور کاشتکاری زمین اس قدر ہے جس کی آمدنی سے گذران نہیں ہوتا۔ عید الفطر کے دن تنگی رہتی ہے تو اب یہ شخص فطرہ لے سکتا ہے؟

(الجواب) ہاں لے سکتا ہے۔[3] فقط واللہ اعلم بالصواب.

---

(۱) قوله ويقوم في البلدالذى المال فيه فلو بعث عبدا للتجارة في بلدآخر يقوم في البلدالذى فيه العبد۔ شامى باب زكاة الغنم ج۲ ص ۲۸۶

(۲) هو فقير وهو من له ادنى شئى اى دون نصاب اوقدر نصاب غير نام مستغرق الحاجة قال فى الشامية تحت قوله مستغرق الحاجة كدار السكنى وعبيد للخدمة وثياب البذلة وآلات الحرفة الخ درمختار مع الشامى باب المصرف ج۲ ص ۳۳۹ وصدقة الفطر كالزكاة فى المصارف درمختار مع الشامى قبيل باب الصوم ج ۲ ص ۲۹ ۱۰۳

(۳) وكذا لو كان له حوانيت اودار غلة تساوى ثلاثة آلاف درهم وغلتها لا تكفى لقوته وقوت عياله يجوز صرف الزكاة اليه من قول محمد رحمه الله تعالى. فتاوى عالمگيرى باب المصرف ج۱ ص ۱۸۹

فطرہ کی ادائیگی کی صورت:

(استفتاء ۲۴۱) فطرہ گیہوں سے ادا کرے؟ کنٹرول کے نرخ سے یا بازار کے؟ رقم ادا کرے تو کنٹرول کی قیمت یا بازاری قیمت سے؟

(الجواب) جو گیہوں کھانے والا فطرہ میں دے دے۔ رقم ادا کرے تو بازاری قیمت سے۔ کنٹرول کی قیمت معتبر نہیں ہاں جو کنٹرول کے گیہوں کھاتا ہے وہ کنٹرول کی قیمت ادا کرے اور وہ ایسے شخص کو قیمت دے کہ جس کو کنٹرول سے گیہوں ملتا ہو۔ [1]

خلاصہ کہ اس قدر رقم دی جائے کہ فطرہ دینے والا جو گیہوں کھاتا ہو، غریب بھی وہ گیہوں خریدنا چاہے تو اس قیمت سے بآسانی خرید سکے۔ لہذا جس کے پاس کنٹرول کی پرمٹ نہ ہو۔ اس کو بازاری قیمت سے رقم ادا کرے۔ بہتر یہی ہے کہ گیہوں دیئے جائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

افریقہ وغیرہ بیرون ممالک والوں کا فطرہ یہاں پر کس گیہوں سے ادا کیا جائے:

(استفتاء ۲۴۲) بیرون ممالک کے باشندے اپنے خویش واقارب پر فطرہ کی ادائیگی کے لئے لکھتے ہیں کہ ہماری طرف سے اتنے فطرے ادا کریں۔ احتیاطاً چار سیر گیہوں یا اس کی قیمت دی جاتی ہے اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ ان کے فطرے کی قیمت یہاں پر کس قیمت سے ادا کی جائے۔ یہاں کی قیمت سے یا وہاں کی قیمت سے؟

(الجواب) ان کے فطرے عمدہ قسم کے گیہوں بنگالی وزن پونے دو سیر سے ادا کرے یا وہاں کے حساب سے گیہوں کی قیمت دی جائے۔ اگر یہاں کے گیہوں کی قیمت زیادہ ہوتی ہو تو یہاں کے حساب سے ادا کرے۔ بہتر یہی ہے کہ گیہوں دے دے اور قیمت دے تو وہ قیمت لگائے جس میں صدقہ لینے والے غریبوں کا فائدہ ہو۔ [2]

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

صدقۂ فطر کے حق دار:

(استفتاء ۲۴۳) جو کوئی صدقۂ فطر لیوے اس کے پاس کس قدر مکان وزمین ہو تو وہ حق دار ہوسکتا ہے؟

(الجواب) قرض وضع کرنے کے بعد رہائش کے لئے مکان، گذارے کے لئے زمین اور حوائج اصلیہ کے علاوہ جو سامان ہو اگر اس کی قیمت ایک نصاب کے برابر نہیں ہے تو وہ زکوٰۃ یا صدقہ فطر لے سکتا ہے۔ [3] واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وجاز دفع القیمة فی زکاة وعشر وخراج وفطرة ونذر درمختار مع الشامی باب زکاة الغنم ج ۲ ص ۲۸۵۔

(۲) ایضاً

(۳) وصدقة الفطر کالزکاة فی المصارف وفی کل حال قال فی الشامیة تحت قوله فی المصارف ای المذکورة فی آیت الصدقات درمختار مع الشامی صدقة الفطر ص ۳۶۹ هو فقیر وهو من له ادنی شئی ای دون نصاب اوقدر نصاب غیر نام مستغرق الحاجة قال فی الشامیة تحت قوله مستغرق الحاجة کدا لا لسکنی وعبید الخدمة وثیاب البذلة والات الحرفة الخ شامی باب المصرف ج ۲ ص ۳۳۹

صدقۂ فطر کس پر واجب ہے اور کس پر نہیں؟:

(استفتاء ۲۴۴) صدقۂ فطر کس پر واجب ہے۔ جس نے روزے نہ رکھے ہوں اس پر واجب ہے۔

(الجواب) قرض وضع کرنے کے بعد جس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا حوائج اصلیہ سے زائد ایسی چیزیں ہوں۔ جن کی قیمت نصاب کے برابر ہو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے خواہ وہ تجارتی اسباب نہ ہو اور اس نے روزے نہ رکھے ہوں تب بھی اس پر صدقۂ فطر واجب ہے نہ ادا کیا ہو تو اب دے دے۔ جب تک وہ ادا نہ کرے بری الذمہ نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

صدقۂ فطر کی ادائیگی کے لئے بازار کی قیمت کا اعتبار ہوگا:

(سوال ۲۴۵) صدقۃ الفطر میں نصف صاع گیہوں (تقریباً پونے دوکلو) دیا جاتا ہے، اب اگر اس کی قیمت دینا چاہیں تو دیسی گیہوں جس کی قیمت ایک من (۴۰ کلو) کی فی الحال پچپن روپے سے ساٹھ روپے تک ہیں، اور کنٹرول (راشن) کے گیہوں جس کی سرکاری قیمت اٹھارہ روپے ہے، مسئلہ نظر سے یہ گذرا کہ اگر گندم دیتا ہوں تو تقریباً پونے دو کلو ادا کئے جائیں چاہے وہ عمدہ ہو یا ادنیٰ (ردی) لیکن اگر قیمت دینا چاہیں تو عمدہ گیہوں کی قیمت دینی ہوگی، تو اب کس حساب سے صدقۂ فطر ادا کیا جائے؟ بازار میں جو درمیانی قسم کے گیہوں ملتے ہیں جن کی قیمت چھتیس ۳۶ روپے فی من ہے اس کی قیمت ادا کی جائے یا عمدہ قسم کے گیہوں کا اعتبار کیا جائے یا کنٹرول کے گندم کی قیمت کا؟ یاد رہے کہ آج کل لوگ اکثر راشن ہی کے گیہوں کھاتے ہیں ..... اگر گندم کے علاوہ کوئی غلہ مثلاً جوار باجرہ، چاول دے تو وہ کتنا دیا جائے؟ بینوا توجروا۔ ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ (آچھود ضلع بھروچ)

(الجواب) صدقۂ فطر میں اصل تو یہ ہے کہ گیہوں وغیرہ غلہ دیا جائے، غلہ اعلیٰ قسم کا ہو یا اوسط یا ادنیٰ، جو بھی دیا جائے صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا، قیمت ادا کرنی ہو تو بازاری دام سے ادا کرنی ہوگی۔ یہ ضروری نہیں کہ اعلیٰ قسم کے گیہوں کی قیمت ہو، اوسط اور ادنیٰ قسم کے گیہوں کی قیمت بھی معتبر ہے مگر قیمت ہو بازاری گندم کی۔ کنٹرول (راشن) کی قیمت معتبر نہیں۔ فقیر کے ہاتھ میں اتنی رقم پہنچنی چاہئے کہ اگر وہ اس کے گیہوں خریدنا چاہے تو پونے دوکلو گیہوں بازار میں مل جائیں، (۱) کنٹرول (راشن) کے حساب سے قیمت دی جائے گی تو بازار سے اتنے گیہوں نہیں ملیں گے اور کنٹرول سے حاصل کرنے کے لئے پاس (راشن کارڈ) ہونا ضروری ہے، اور کارڈ، ہر فقیر کے پاس ہوتا نہیں، اس لئے کنٹرول کے دام سے حساب لگانا اور اس کے مطابق قیمت ادا کرنا صحیح نہیں ہے، میں نے یہاں پہ بازار کے درمیانی دام (۰۰-۳۶ روپے من والے گندم) کے اعتبار سے ۳/۱۵ (تین روپے پندرہ پیسے) بتلائے ہیں اور احتیاطاً ۲۵-۳ یا اس سے بھی زیادہ دینا افضل لکھا ہے۔

---

(۱) ودفع القيمة اى الدراهم افضل من دفع العين على المذهب المفتى به جوهرة وبحر عن الظهيرية وهذا فى السعة اما فى الشدة فدفع العين افضل كما لا يخفى قال فى الشامية تحت قوله ودفع القيمة اطلقها فشمل فيه الحنطة وغيرها الخ. قوله على المذهب المفتى به مقابله ما فى المضمرات من ان دفع الحنطة افضل فى الاحوال كلها سواء كانت الام شدة ام لا لأن فى هذا موافقة السنة وعليه الفتوى در مختار مع الشامى باب صدقة الفطر ج۲ ص ۳۶۶

گندم کے علاوہ اور کوئی غلہ باجرہ، چاول وغیرہ دیا جائے تو اس میں گیہوں کی قیمت کا اعتبار ہوگا یعنی جس قدر نصف صاع گیہوں کی قیمت ہو اتنی قیمت کا دوسرا غلہ دیا جائے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔۲۳۔رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ۔

باپ بالغ اولاد کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۴۶) کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس بارے میں کہ جس طرح کسی دوسرے شخص کی زکوٰۃ اس کی اجازت اور اس کے کہے بغیر ادا نہیں ہوتی کیا یہی حکم صدقۂ فطر کا بھی ہے یا کچھ فرق ہے؟ یہاں عام طور پر باپ اپنی بالغ اولاد کی طرف سے، اسی طرح زوج اپنی زوجہ کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کر دیتا ہے تو اس طرح صدقہ ادا ہوگا یا نہیں؟ یا بالغ اولاد کا باپ کو اور زوجہ کا زوج کو وکیل بنانا یا یہ کہنا کہ" میری طرف سے آپ ادا کر دینا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ہاں یہی حکم صدقۂ فطر کا بھی ہے کہ اجازت ضروری ہے لیکن چونکہ صدقۂ فطر کی مقدار قلیل اور معلوم ہے، اس لئے بیوی اور اولاد کی طرف سے جو اس کے عیال (زیر کفالت) میں ہیں ادا کر دیتا ہے اور عادتاً اس کی اجازت ہوتی ہے اس لئے استحساناً جائز ہے ...... **ولو ادی عنهما بلا اذن اجزأ استحساناً للاذن عادة ای لو فی عياله و الا فلا قهستانی عن المحيط فليحفظ (درمختار ج۲ ص ۱۰۳)(قوله ولو ادی عنهما) ای عن الزوجة والو لدا لكبير وقال فی البحر وظاهر الظهيرية انه لو ادی عمن فی عياله بغير امره جاز مطلقا بغير تقييد بالزوجة والو لد الخ (قوله اجزأ استحسانا) وعليه الفتوی الخ (شامی ص ۱۰۳ باب صدقة الفطر)**

بخلاف زکوٰۃ کے کہ اس کی مقدار نامعلوم اور کثیر ہوتی ہے، بغیر کہے ادا کرنے کی عادت نہیں ہے، اس لئے اجازت اور وکالت ضروری ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صاع کا وزن اور صدقۂ فطر کی صحیح مقدار:

(سوال ۲۴۷) صدقۂ فطر کی مقدار میں حدیث میں **نصف صاع من برياصاعاً من تمر** آتا ہے، صاع کی مقدار گرام کے اعتبار سے کتنی ہوتی ہے؟ صاحب فیروز اللغات نے صاع کی مقدار تین سو چونتیس ۳۳۴ تولہ لکھی ہے (ص ۷۷۷) اور حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ نے علم الفقہ جلد چہارم ص ۴۹۷ میں یہ تحریر فرمایا ہے" صاع کی مقدار تقریباً دو سیر ڈیڑھ پاؤ" اس اعتبار سے نصف صاع ایک سیر تین چھٹانک ہوا۔عمومی طور پر صدقۂ فطر کی مقدار کتابوں میں پونے دو سیر آدھی چھٹانک لکھی گئی ہے (بہشتی زیور) اور علم الفقہ کی تحریر کے اعتبار سے ایک سیر تین چھٹانک ہوتی ہے ان دونوں میں کافی فرق معلوم ہوتا ہے، احتیاطی پہلو پر بحث نہیں، حد فاصل معلوم کرنا ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) صدقۂ فطر میں اسی تولہ کے سیر سے پونے دو سیر گیہوں دینے چاہئیں نصف صاع کے ایک کلو پانچ سو چھتر گرام ہوتے ہیں، زکوٰۃ کی مقدار نصاب سوا پانچ تولہ سونا یا ساڑھے چھتیس تولہ چاندی معتبر نہیں، یہ تحقیق حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی کی ہے، علم الفقہ میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے، اس کے متعلق حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نور

اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں۔ "چاندی کے نصاب میں یہاں کے وزن سے جو مقدار بیان کی گئی ہے یعنی چھتیس تولہ پانچ ماشہ چار رتی۔ یہ مولانا عبدالحیؒ لکھنوی رحمہ اللہ کی تحقیق پر مبنی ہے۔ میرے خیال میں اس میں ایک بنیادی فروگذاشت ہوگئی ہے۔ میرے نزدیک صحیح مقدار باون تولہ دو ماشہ سے کم نہیں، اسی طرح سونے کے نصاب اور پھر صاع کی مقدار میں بھی فرق ہو جائے گا۔ فقیر محمد کفایت اللہ کان اللہ له دهلی ۱۴ ذی الحجه ۱۳۶۱ھ (از کتاب العشر والزکوٰۃ ص ۳ مصنفہ مولانا عبدالصمد رحمانی)

مفتی اعظم عارف باللہ مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ

مولانا عبدالحیؒ اور صاع:

(سوال ۲۴۸) مولوی عبدالحیؒ صاحب محشی شرح وقایہ نے زکوٰۃ کے باب میں لکھا ہے کہ مثقال تین ماشہ ایک رتی کا ہوتا ہے اس اعتبار سے صاع کا وزن دو سیر گیارہ تولہ چھ ماشہ کا ہوتا ہے اور نصف صاع کا ایک سیر پانچ تولہ نو ماشہ کا ہوا، یہ غلط ہے یا صحیح؟

(الجواب) یہ وزن جو مولانا عبدالحیؒ نے مثقال کا لکھا ہے یہ درہم کا وزن ہے اور اس میں کسر رتی کی چھوڑ دی گئی ہے۔ اور وزن مثقال کا ۴½ ماشہ ہوتا ہے جیسا کہ عموماً مشہور ہے اور علماء دہلی نے یہی وزن شمار کیا ہے، غیاث اللغات میں بھی اسی کو تصحیح کہا ہے، مثقال بالکسر نام ایک وزن کا کہ ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے الخ (ترجمہ غیاث اللغات) پس بناء علیہ ۲۰۷ مثقال کو جو کہ وزن صاع کا ہے ساڑھے چار ماشہ میں ضرب دینے سے تین ہزار دو سو چالیس ماشہ ہوئے ان کے تولے بنائے تو ۲۷۰ تولہ ہوئے۔ اسی ۸۰ پر اس کو تقسیم کرو تو تین سیر ڈیڑھ پاؤ بوزن اسی صاع کا وزن ہوا یہی یہاں معمول ہے اور یہی صحیح ہے، وزن سے بھی حساب کیا گیا ایسا ہی نکلتا ہے اور صدقۂ فطر میں احتیاط اسی میں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم مدلل و مکمل ج ۶ ص ۳۰۴۔ ج ۶ ص ۳۰۵) مزید تفصیل اور وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ دارالعلوم مدلل و مکمل ج ۶ ص ۳۱۵ سوال نمبر ۵۷۳ اور ج ۶ ص ۳۱۹) اور (مقادیر شرعیہ در اوزان ہندیہ ص ۱۰ تا ص ۱۳) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رمضان سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنا:

(سوال ۲۴۹) صدقۂ فطر کی ادائیگی کا وقت کیا ہے؟ عام طور پر کتابوں میں لکھا ہے کہ عید الفطر سے پہلے رمضان میں ادا کرے تو بھی جائز ہے، سید الملت حضرت مولانا مفتی سید محمد میاں صاحب رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "دینی تعلیم کا رسالہ" نمبر ۱۱ کے ص ۸۱ پر اس کے متعلق حسب ذیل عبارت تحریر فرمائی ہے۔ "اگر کوئی شخص عید سے پہلے رمضان شریف میں صدقۂ فطر ادا کر دے تو یہ بھی جائز ہے لیکن اگر رمضان سے بھی پہلے مثلاً شعبان میں یا رجب میں ادا کرے تو جائز نہیں"۔ اور حاشیہ میں ہے "جیسے زکوٰۃ کے بارے میں گذر چکا ہے کہ مالک نصاب ہونے کے بعد سال پورا ہونے سے پہلے کوئی شخص اس سال کی زکوٰۃ ادا کرے تو وہ جائز ہے، لیکن ابھی نصاب کا مالک نہیں ہوا تھا کہ زکوٰۃ ادا کر دی تو وہ زکوٰۃ نہیں مانی جائے گی بلکہ اس کی طرف سے نفلی خیرات ہوگی۔

مگر علم الفقہ جلد چہارم میں اس کے بالکل برعکس عبارت ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

(۹) صدقۂ فطر کا قبل رمضان کے آنے کے ادا کر دینا بھی جائز ہے اور دوسرے شہر میں بھی بوجہ مذکورہ بالا بھیجنا درست ہے۔ (علم الفقہ ج ۴ ص ۶۶)

نیز "الفقہ علی المذاهب الاربعه" میں دیکھا تو اس میں اس کی تائید ہوتی ہے، عبارت حسب ذیل ہے: ویصح اداء ها مقدما ومؤخراً لا ن وقت ادائها العمر فلو اخر جها فی ای وقت شاء کان مؤدیا لا قاضیاً کما فی سائر الواجبات الموسعة (الفقه علی المذاهب الا ربعة ص ۶۲۷ جلد اول)۔ اسی طرح عالمگیری سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اگر یوم عید الفطر سے پہلے صدقۂ فطر دے دیں تو جائز ہے اور مدت کے مقدار کی کچھ تفصیل نہیں ہے، یہی صحیح ہے (عالمگیری ج ۱ ص ۳۰۰) آپ مفتی بہ قول تحریر فرمائیں کہ تشویش دور ہو۔ فقط بینوا توجروا۔ السائل۔ (مولانا) موسیٰ کرماڈی۔ انگلینڈ۔

(الجواب) اختلافی مسئلہ ہے، رمضان سے پہلے کا بھی قول ہے، اس پر عمل کرنا خلاف احتیاط ہے، ماہ رمضان میں بھی ادا کرنے میں اختلاف ہے مگر قوی یہ ہے کہ درست ہے اور صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا۔ بحرالرائق میں ہے (وصح اداؤها لو قدم او اخر) ای صح اداؤها اذا قدمه علیٰ یوم الفطر او اخره. الی قوله. فصار کتقدیم الزکوة علی الحول بعد ملک النصاب بمعنی انه لا فارق لانه قیاس فاندفع به مافی فتح القدیر من ان حکم الا صل علیٰ خلاف القیاس لکنه وجد فیه دلیل وهو حدیث البخاری وکانوا یعطون قبل الفطر بیوم اوبیو مین واطلق فی التقدیم فشمل مااذا دخل رمضان وقبله وصححه المصنف فی الکافی وفی الهدایة والتبیین وشروح الهدایة وفی فتاویٰ قاضی خاں. وقال خلف بن ایوب یجوز التعجیل اذا دخل رمضان وهکذا ذکره الا مام محمد بن الفضل وهو الصحیح وفی فتاویٰ الظهیریة والصحیح انه یجوز تعجیلها اذا دخل شهر رمضان وهو اختیار الشیخ الا مام أ بیٰ بکر محمد بن الفضل وعلیه الفتویٰ الخ. فقد اختلف التصحیح کما تریٰ لکن تأ ید التقییدبد خول رمضان بان الفتویٰ علیه فلیکن العمل علیه الخ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۵ باب صدقة الفطر) فقط. والله اعلم بالصواب. ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ۔

صدقۂ فطر میں میدہ یا اس کی قیمت دینا:

(سوال ۲۵۰) یہاں جزیرۂ موریشس (MAURITIUS) میں لوگ گیہوں کی روٹی نہیں کھاتے، باہر سے تیار میدہ آتا ہے اسی کی روٹی کھاتے ہیں اور اس کے پاس پانچ سو گرام کی قیمت تقریباً پچاس سینٹ (پچاس پیسے) ہیں اور جس کو خاص ضرورت ہو وہی لوگ گیہوں خرید کر کھاتے ہیں۔ ہم میدہ کی قیمت کا اعتبار کر کے صدقۂ فطر ادا کریں تو ادا ہوگا یا نہیں؟ یا گیہوں کی قیمت کا اعتبار ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب وہ آٹا (میدہ) خالص گیہوں کا ہو اس میں کسی اور چیز کی ملاوٹ نہ ہو اور وہ پونے دو کلو دیا جائے تو صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا۔ الفطرة نصف صاع من برا و دقیق (هدایہ اولین ج ۱ ص ۱۹۰ باب صدقۃ الفطر) اور

اسی طرح اس کی قیمت دی جائے تو بھی صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا، (۱) ہاں اگر اس میدے میں کسی اور چیز کی آمیزش اور ملاوٹ ہو تو پونے دو کلو دینے سے صدقۂ فطر ادا نہ ہوگا اور اس کی قیمت بھی صدقۂ فطر کی ادائیگی کے لئے کافی نہ ہوگی. خالص گیہوں کی قیمت سے صدقۂ فطر ادا کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۵۔ رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ۔

(۱) فطرہ کی ادائیگی کا وقت (۲) حیلہ کر کے فطرہ کی رقم سے مدرسہ کے لئے زمین خریدنا:

(سوال ۲۵۱) "برمنگھم مسجد ٹرسٹ" مسجد سے ملحقہ زمین پر بچوں کے لئے دینی مدرسہ بنانا چاہتا ہے، یہاں پر اس وقت بچوں کی دینی تعلیم کے لئے کوئی معقول انتظام نہیں ہے اور اگر صورت حال یہی رہی تو بیچاری آئندہ نسل کی دین سے وابستگی ایک موہوم امید ہے جس کے پورا ہونے کی واقعات کی دنیا میں کوئی امید نہیں ہے، ہمارے پاس روپے کی کمی ایک دیرینہ شکایت ہے، لیکن صدقۂ فطر کی مد میں کچھ رقم پڑی ہوئی ہے، آپ سے استفسار ہے کہ کیا یہ رقم اس زمین کی خریداری میں استعمال کی جاسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔ (از انگلینڈ)

(الجواب) صدقۂ فطر کا حکم یہ ہے کہ عید کے دن عید کی نماز سے پہلے ادا کیا جائے، اس سے پہلے بھی ادا کرنا درست ہے، اگر کسی نے ادا نہ کیا تو جلد ادا کرنے کی فکر کرے ،(۲) ساقط اور معاف نہیں ہوتا۔ اس حکم کے باوجود آپ حضرات کے پاس صدقۂ فطر کی کثیر رقم کیسے جمع ہے، تعجب ہوتا ہے اور افسوس بھی، اگر واقعی آپ لوگوں کی مالی حالت مدرسہ بنانے کے قابل نہ اس وقت ہے نہ مستقبل قریب میں ہونے کی توقع ہے تو اس رقم کا شرعی حیلہ کر کے مدرسہ کے لئے زمین خریدی جاسکتی ہے۔

بلا اضطراری حالت اور بدون عذر شرعی کے حیلہ کر کے بھی یہ رقم زمین خریدنے میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ صدقۂ فطر کے اصل حق دار فقراء، ومساکین ہیں ان کی حق تلفی ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

زمیندار پر صدقۂ فطر:

(سوال ۲۵۲) در باب صدقۂ فطر زمین کا اعتبار ہے یا نہیں؟ ایک شخص کے پاس پچاس ایکڑ زمین کے سوا سونا چاندی وغیرہ کچھ بھی نہیں، تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے یا نہیں؟

(الجواب) زمین خود کے اور اہل وعیال کے گذارہ سے زائد اس قدر ہے کہ اس کی قیمت نصاب تک پہنچ جاتی ہے تو اس زمین کا اعتبار ہوگا۔ یعنی صدقۂ فطر واجب ہوگا، اور اگر زمین بقدر گزارہ ہی ہے تو واجب نہیں، البتہ حصول فضیلت کے لئے صدقۂ فطر دینا افضل ہے تجب علی کل مسلم ذی نصاب فاضل عن حاجته الا صلية كدينه وحوائج عياله وان لم يتم كما مر (درمختار مع الشامی ملخصاً ۲/۹۸، ۹۹) باب صدقة الفطر. فقط والله اعلم بالصواب.

---

(۱) وجاز دفع القيمة في زكاة وعشر و خراج وفطرة، درمختار مع الشامی باب زكاة نغنم ج. ۲ ص ۲۸۵.
(۲) وقت الوجوب عند طلوع فجر يوم الفطر　والتاخير مكروه" نور الايضاح. باب صدقة الفطر ص ۱۶۲

مؤکل کی مرسلہ رقم موصول ہونے سے قبل وکیل کا اپنی رقم سے صدقہ ادا کرنا:

(سوال ۲۵۳) لندن سے ایک شخص نے ہندوستان اپنے بھائی پر صدقہ کی رقم ارسال کی اور خط کے ذریعہ اطلاع دی کہ وہ رقم غرباء میں تقسیم کر دینا مگر اس کے بھائی نے رقم موصول ہونے سے قبل ہی اپنے پاس سے صدقہ کر دیا تو صحیح ہوا یا نہیں؟

(الجواب) صدقہ کی رقم موصول ہونے سے پہلے اپنی رقم میں سے بھائی صدقہ کر دے اور آنے والی رقم خود رکھ لے تو اس کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صدقۂ فطر معاف نہیں ہوتا:

(سوال ۲۵۴) جس مالدار پر صدقۂ فطر واجب ہو مگر وہ ادا نہ کر سکا تو عید کے بعد ساقط ہو جائے گا یا ادا کرنا لازم ہے؟

(الجواب) صاحب نصاب پر صدقۂ فطر مرد ہو یا عورت، روزے رکھے ہوں یا نہ رکھے ہوں بہر صورت واجب ہے، مرد اپنی طرف سے اور اپنے نابالغ بچوں کی طرف سے ادا کرے (**عن نفسه) متعلق يجب وان لم يصم لعذر و طفله الفقير** (**شامی ج ۲/ص ۱۰۱ باب صدقة الفطر**) عورت پر اپنی اولاد کا صدقۂ فطر واجب نہیں، جس پر صدقہ فطر واجب ہو اور وہ عید سے قبل یا بعد میں ادا نہ کرے تو اس سے ساقط (معاف) نہ ہوگا، ادائیگی ضروری ہے ورنہ گنہگار ہوگا **وان اخروها عن يوم الفطر لم تسقط و كان عليهم اخراجها** (**هداية ۱/۱۹۱ باب صدقة الفطر**) صدقۂ فطر کی مقدار پونے دو کلو گیہوں یا ساڑھے تین کلو جو ہے وہ دیوے یا اس کی قیمت بازار کے بھاؤ سے دے دے، راشن ڈپو کی قیمت کا اعتبار نہیں، البتہ جن کو راشن ڈپو سے گیہوں ملتے ہیں وہ لوگ صدقہ فطر میں راشن والے گیہوں دے سکتے ہیں مگر قیمت دینے کی صورت میں بازار کی قیمت کے حساب سے دینا ہوگا اگر گیہوں اور جو کے سوا کوئی اور اناج جیسے چاول جوار، مسور، باجرا، چنا دیوے تو اتنا دے کہ پونے دو کلو گیہوں یا ساڑھے تین کلو جو کی قیمت کے بقدر ہو، قیمت دے تو پونے دو کلو گیہوں یا ساڑھے تین کلو جو کے برابر دے۔ **(نصف صاع) فاعل يجب (من برا و دقيقه او سويقه اوزبيب او صاع تمراوشعير) ولو رديئاً وما لم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة (درمختار ملخصاً)(قوله ولو رديئا) قال في البحر واطلق نصف الصاع والصاع و لم بقيده بالجيد لا نه لو ادى نصف صاع ردى جاز (الى قوله) وان ادى قيمة الردى ادى الفضل كذافي الظهيرية ا ه (شامی ۲/۱۰۳ باب صدقة الفطر)(بهشتی زيور حصه ۳ ص ۳۶)**

ایک فقیر کو ایک صدقہ فطر دینا اولیٰ ہے، کم دینا بھی درست ہے ایسے ہی ایک سے زائد بھی دی سکتے ہیں...... مستحب آن ست کہ یک فقیر را آں قدر دہد کہ درآں روز محتاج سوال نباشد (مالا بد منہ ص ۸۱)

ويجوز دفع ما يجب على جماعة الىٰ مساكين واحد (عالمگیری ۱/۱۹۳ ایضاً) صدقۂ فطر ایک عبادت ہے جس کی ادائیگی میں اظہار مسرت کے ساتھ غرباء کی امداد بھی مقصود ہے اور روزہ میں جو کچھ کوتاہی سرزد ہوئی ہے اس کا کفارہ بھی ہے، علاوہ ازیں سکرات موت کے وقت آسانی اور عذاب قبر سے نجات اس میں مضمر ہے جو شخص صاحب نصاب نہ ہو یعنی جس پر صدقۂ فطر واجب نہ ہو وہ بھی ادا کر کے فضیلت حاصل کر سکتا ہے فقط واللہ

اعلم بالصواب۔

مالدار شخص نفلی صدقہ لے سکتا ہے:

(سوال ۲۵۵) دولت مند شخص صدقات نافلہ لے سکتا ہے؟

(الجواب) لے سکتا ہے "قوله عليه السلام لا تحل صدقة لغني خرج النفل منها لان الصدقة على الغني هبة ،كذافي البدائع (بحر الرائق ۲۴۵/۲ باب صدقة الفطر)

صدقۂ فطر کا حیلہ:

(سوال ۲۵۶) ہمارے یہاں لوگوں کا کہنا ہے صدقۂ فطر مستطیع وغیر مستطیع ہر ایک پر واجب ہے علاوہ ازیں یہ بھی کہتے ہیں کہ صدقۂ فطر ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو تو شوہر اپنی بیوی کو دے پھر وہ شوہر کو واپس کردے کیا اس طرح حیلہ کرنے سے صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا۔

(الجواب) صدقۂ فطر صاحب نصاب پر واجب ہے صدقة الفطر واجبة على الحر المسلم اذا كان مالكا لمقدار النصاب الخ (هداية ۱۸۸/۱ باب المصرف) جس کے پاس اس دن بقدر نصاب مال نہ ہو اس پر واجب نہیں لہذا حیلہ کی ضرورت ہی نہیں، جن پر صدقۂ فطر واجب نہیں وہ تسلی قلب کے لئے سوال میں ذکر کردہ طریقہ کے مطابق حیلہ کریں تو گنجائش ہے اپنا صدقۂ فطر اپنی اولاد، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی (نیچے تک) ایسے ہی والدین، دادا، دادی، نانا، نانی (اوپر تک) کو دینا جائز نہیں عورت کا خاوند کو، خاوند کا عورت کو صدقۂ فطر دینا بھی درست نہیں۔

ولا الى من بينهما ولاد ولو مملو كالفقير او بينهما زوجية الخ (درمختار مع الشامی ۳۴۶/۲ باب صدقۃ الفطر

کتاب الصوم

رمضان شریف کے روزوں کی نیت الگ الگ کی جائے؟:

(سوال ۲۵۷) رمضان شریف کے روزوں کی نیت شروع رمضان سے کی جائے یا ہر روزہ کی الگ نیت کرنا ضروری ہے۔

(الجواب) ہر روزہ کی علیحدہ نیت(۱) کرنا یعنی ارادہ کرنا ضروری ہے تمام روزوں کے لئے شروع رمضان میں کی ہوئی نیت کافی نہ ہوگی۔ مالا بدمنہ میں ہے" ونزد ائمۂ ثلاثہ ہر سی (۳۰) روزۂ رمضان را ہر شب نیت علیحدہ علیحدہ شرط است۔ ونزد مالکؒ برائے تمام رمضان شب اول یک نیت کافی ست" (ص ۹۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

روزہ کی حکمتیں اور فائدے:

(استفتاء ۲۵۸) روزہ رکھنے میں کیا حکمتیں اور فائدے ہیں؟

(الجواب) روزہ کی بے شمار حکمتیں اور فائدے ہیں۔ منجملہ ان میں سے ایک خاص حکمت اور فائدہ یہ ہے کہ نفس امارہ کو اس کے تقاضوں اور خواہشات سے روکنے کا عادی بنائے اور نفس کی اصلاح یعنی نفس انسانی قابو میں لے آئے جس سے وہ شرعی احکام جو نفس پر گراں ہیں وہ نہایت سہل اور آسان ہو جائیں اور ترک معاصی اور تقویٰ و پرہیزگاری کی روزہ دار میں صلاحیت پیدا ہو جائے۔ خداتعالیٰ فرماتے ہیں۔ **یاایها الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون.** یعنی اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے۔ تاکہ تم متقی اور پرہیزگار بن سکو۔ (سورۂ بقرہ رکوع ۲۳)

روزہ روح کی غذا ہے۔ روزہ سے روح طاقت ور بنتی ہے۔ نفسانی خواہش کو دبانے اور روح کی صفائی کے لئے روزہ سے زیادہ دوسری کوئی چیز مفید نہیں۔ روزہ سے باب روحانیت مفتوح ہوتا ہے۔ عبادت میں بہت نشاط اور چستی حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے بندگان دین فرماتے ہیں۔" اندرر از طعام خالی دار، تا دران نور معرفت بینی۔"

روزے سے قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے۔ معتبر کتابوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔ یا اللہ العالمین بندہ تجھ سے زیادہ قریب کب ہوتا ہے؟ فرمایا کہ جب بندہ بھوکا ہوتا ہے اور جب بندہ سجدہ میں ہوتا ہے۔ روزہ کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ روزے دار صفات خداوندی کے جلوے سے منور ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی ذات کھانے پینے اور خواہشات سے پاک ہے۔ روزہ دار بھی کھانے پینے اور خواہشات سے بے نیاز رہتا

---

(۱) نیت سے مراد ہے ارادہ۔ ارادہ ہونا چاہئے۔ زبان سے نیت ضروری نہیں۔ مثلاً کوئی شخص رمضان شریف میں رات کو بیہوش ہو گیا اور چار دن تک بیہوش رہا تو پہلے دن کا تو روزہ ہو جائے گا۔ اگر چہ کھایا پیا نہیں ہے کیونکہ پہلے دن اگر چہ اس نے زبان سے نیت نہیں کی مگر ظاہر یہی ہے کہ اس کا ارادہ تھا کہ وہ صبح کو روزہ رکھے گا لہذا یہ روزہ درست ہو گیا کیونکہ ارادہ پایا گیا اس کے بعد تین دن کے روزے نہیں ہوں گے کیونکہ ان کا ارادہ نہیں پایا گیا۔ رد المحتار ج ۲ ص ۱۶۸۔

(۲) اس کا مدار خود اس کی سہولت اور آسانی پر ہے اگر روزہ رکھنے میں اس کو یا اس کے ساتھیوں کو پریشانی ہو یا کمزوری بڑھ جائے تو روزہ نہ رکھنا افضل ہے اور اگر کمزوری یا پریشانی نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے۔ **قال فی الدر المختار ویندب لمسافر الصوم الآیة وان تصوموا والخیر بمعنی البر لا افعل تفضیل ان لم یضر فان شق علیه او علی رفیقه فالفطر افضل لموافقته الجماعة.**

ہے۔حضرت حق جل مجدہ کی صفات سے مشابہت کے علاوہ ایک حکمت یہ بھی ہے کہ روزہ دار کو فرشتوں سے بھی مشابہت ہوتی ہے۔فرشتوں کی غذا ذکر اللہ ہے روزہ سے شکر خداوندی کا موقعہ ملتا ہے۔روزہ سے بھوکے کی قدر اور انسانی ہمدردی کا جذبہ ابھرتا ہے،روزہ سے جسمانی امراض دور ہو جاتے ہیں۔بالخصوص بلغمی مزاج کے لئے اکسیر ہے۔روزہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کی رضا،اور خوشنودی اور ترقی پر درجات اور اخروی نجات کا حتمی ذریعہ ہے۔چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ الصوم لی وانا اجزی به۔یعنی روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں خود اس کا بدلہ اور عوض دوں گا۔(حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۴ ج ۱۔باب اسرار الصوم) ہزار ہا حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ روزہ رکھنے سے حکم خداوندی کی تعمیل اور اس کی رضاء وخوشنودی حاصل ہوتی ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ماہ شوال کے چھ روزے:

(سوال ۲۵۹) رمضان کے بعد شوال میں چھ روزے رکھے جاتے ہیں وہ پے در پے رکھے جائیں یا متفرق بھی رکھے جا سکتے ہیں؟

(الجواب) ماہ شوال کے چھ روزوں کی بڑی فضیلت وارد ہے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے رمضان کے روزے رکھنے کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو پورے سال روزے رکھنے کے برابر ہے۔لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ بعد العید متصلاً دوسرے ہی دن روزہ رکھنا شروع کر دے۔اور یہ بھی ضروری نہیں کہ مسلسل رکھے جائیں علیحدہ علیحدہ بھی رکھ سکتے ہیں۔درمختار میں ہے وندب تفریق صوم الست من شوال ولایکرہ التتابع علی المختار (درمختار مع شامی ج ۲ ص ۱۷۱ مطلب فی صوم الست من شوال) وصوم ست من شوال ثم قیل الا فضل وصلها وقیل تفریقها (نور الایضاح ص ۱۰۵ کتاب الصوم فصل اقسام الصوم)

رمضان میں روزہ نہ رکھ کر علانیہ کھانا۔پینا:

(استفتاء ۲۶۰) رمضان المبارک میں بلا وجہ شرعی روزہ نہ رکھے،اور علانیہ کھائے پیئے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) ایسا شخص فاسق اور اسلامی شعار کی توہین کرنے والا ہے۔خلیفہ ہو تو ایسے بیباک اور بے حیا کو قتل کی سزا دے۔درمختار میں ہے۔ولو اکل عمدا شهرة بلا عذر یقتل. یعنی کوئی آدمی بلا عذر شرعی روزہ نہ رکھے اور بہ تعمد علانیہ کھائے پیئے تو خلیفہ اسلام کے حکم سے) قتل کر دیا جائے گا(شامی ص ۱۵۱ ج ۲ ایضاً) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز اور تراویح پڑھے مگر روزہ نہ رکھے اس کا حکم:

(سوال ۲۶۱) ایک آدمی نے نماز تراویح پڑھی لیکن روزہ بلا عذر ترک کر دیا تو اس کی نماز تراویح مقبول ہے یا نہیں؟

(الجواب) اس کی نماز تراویح مقبول ہوگی اور وہ ثواب کا حق دار ہوگا۔لیکن روزہ نہ رکھنے کی وجہ سے سخت گنہگار اور فاسق ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رمضان المبارک میں دن کے وقت ہوٹل کھولنا:

(سوال ۲۶۲) ماہ رمضان المبارک میں دن کو ہوٹل کھولنا کیسا ہے؟ ہوٹل میں بلاتفریق مذہب وملت ہر قسم کے لوگ آتے ہیں اگر کھلی رکھنا ناجائز ہو تو کیا صرف غیر مسلموں کے لئے کھول سکتے ہیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) ماہ رمضان المبارک کے احترام کی خاطر دن کے وقت کھانے پینے کی ہوٹل بند رکھنا ضروری ہے، کھانے پینے والے خواہ کسی بھی مذہب کے ہوں، فقط واللہ اعلم۔

روزہ کی حالت میں غسل کرتے وقت غرغرہ کرنے اور ناک کے اوپر کے حصہ میں پانی پہنچانے کا حکم:

(سوال ۲۶۳) کسی شخص کو بحالت صوم احتلام ہوا روزہ کی حالت میں اس نے غسل کرتے وقت غرغرہ نہیں کیا اور نہ ناک کے نرم حصہ تک اس نے پانی پہنچایا تو اس کا غسل ہوا یا نہیں؟ اور اس طرح غسل کر کے اس نے نماز پڑھائی تو نماز درست ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) روزہ دار کے لئے غرغرہ اور ناک کے نرم حصہ میں پانی پہنچانے کا حکم نہیں ہے کہ روزہ ٹوٹنے کا اندیشہ ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے (**ویسن المبالغة فی المضمضة) وهی ایصال الماء لراس الحلق والمبالغة فی (الا ستنشاق) وهی ایصاله الی ما فوق المارن(لغیر الصائم) والصائم لا یبالغ فیهما خشیة افساد الصوم لقوله علیه الصلوة والسلام بالغ فی المضمضة والا ستنشاق الا ان تکون صائماً (مراقی الفلاح)(قوله والمبالغة) فیهما هی سنة فی الطهارتین علی المعتمد وقیل سنة فی الوضوء واجبة فی الغسل الا ان یکون صائماً(طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۹ فصل فی سنن الوضوء)** لہذا جو نماز پڑھائی ہے وہ صحیح ہے اعادہ کی حاجت نہیں۔ **فقط واللہ اعلم بالصواب.**

رمضان المبارک میں دن کے وقت ہوٹل کھولنا:

(سوال ۲۶۴) میرے ایک دوست کا ہوٹل ہے وہ ماہ رمضان المبارک میں دن کے وقت کھولنا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ جو غیر روزہ دار ہیں ان کو اس کی ضرورت ہوتی ہے تو دن میں ہوٹل کھولنا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) ماہ مبارک کا احترام کرتے ہوئے دن کو کھانے پینے کی ہوٹل بند رکھنا ضروری ہے، کھانے پینے والا چاہے کوئی بھی ہو، یہ مبارک مہینہ شعائر اللہ میں سے ہے اور اللہ کے شعائر کا احترام ضروری ہے قرآن میں ہے **ومن یعظم شعائر الله فانها من تقوی القلوب.** لہذا اگر دن کو ہوٹل کھانا کھلانے یا چائے پلانے کے لئے کھولے گا تو ماہ مبارک کی حرمت باقی نہیں رہے گی اور کھولنے والا گنہگار ہوگا۔ البتہ شام کو افطاری سے کچھ پہلے لوگ افطاری کی چیزیں حلیم، فیرنی، سموسے وغیرہ خرید کر اپنے گھر لے جاتے ہوں تو اس میں کوئی خرابی نہیں کہ افطاری کا سامان ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ملازمین نماز روزہ کی پابندی نہ کریں تو مالک اس کا ذمہ دار ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۶۵) ہوٹل میں نوکر ہوتے ہیں اگر وہ نماز نہ پڑھیں اور ماہ رمضان المبارک کے روزے نہ رکھیں تو ہوٹل کے مالک پر اخروی اعتبار سے ذمہ داری ہے یا نہیں؟ ان کی ڈیوٹی عین نماز کے وقت ہوتی ہے اس وقت نہ نوکر خود نماز کے لئے جائے اور نہ مالک جانے کے لئے کہے تو مالک ذمہ دار ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) ہوٹل کے اوقات میں اگر نماز کا وقت آ جائے تو مالک پر ضروری ہے کہ اپنے ملازمین کو نماز کے لئے بھیجے اگر وہ اپنے مفاد کی خاطر چشم پوشی کرے گا تو وہ بھی اخروی اعتبار سے ذمہ دار اور جواب دہ ہوگا، حدیث میں ہے "کلکم راع وکلکم مسئول عن رعتیه" تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے متعلق سوال ہوگا، لہذا مالک ہوٹل پر ضروری ہے کہ اخروی ذمہ داری کو مدنظر رکھے خود بھی نماز کی پابندی کرے اور اپنے ماتحتوں کو بھی نماز روزہ کی پابندی کی تاکید کرے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تعلیم کے حرج سے رمضان کا روزہ ترک کرنا:

(سوال ۲۶۶) ہم مسلمان نوجوان کالج میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، رمضان شریف کا روزہ ہم پر فرض ہے، نیز روزہ رکھنے پر ہم قادر بھی ہیں، لیکن روزہ رکھنے کی وجہ سے ہماری تعلیم کا حرج ہوتا ہے بایں طور کہ صبح ۱۱ بجے سے لے کر شام کے چھ بجے تک تعلیم کا وقت ہے اور ایک ماہ کے بعد ہمارا سندی امتحان ہے اس کے لئے مکمل تیاری کرنا ہوگی اور ماہ مبارک کے علاوہ تعلیم کا اور کوئی وقت ہمارے پاس نہیں ہے، ہم اگر اس امتحان میں ناکام ہو گئے تو ہمیں بڑے نقصان کا اندیشہ ہے، تو ایسی صورت حال میں ہم قضا رکھنے کی نیت سے ماہ مبارک کے روزے ترک کر دیں، آیا شریعت محمدیہ میں اس کی گنجائش ہے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں رمضان المبارک کے روزے ترک کرنے کی اجازت نہیں اگرچہ قضا رکھنے کی نیت ہے مگر شرعی عذر کے بغیر ماہ مبارک کا ایک روزہ چھوڑنے سے جو نقصان ہوتا ہے اس کی تلافی ساری عمر روزے رکھنے سے بھی نہیں ہوتی حدیث شریف میں ہے:

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من افطر يوما من رمضان من غير رخصة ومرض لم يقض عنه صوم الدهر كله وان صامه.

(ترجمہ) جس نے شرعی رخصت اور مرض کے بغیر عمداً رمضان شریف کا ایک روزہ ترک کر دیا اس کے عوض عمر بھر روزے رکھے تب بھی اس کا بدل نہیں ہو سکتا۔ (مشکوٰۃ ص ۱۷۷)

افطار کے اعذار حسب ذیل ہیں۔

(۱) مریض ہونا یا مرض کے طویل ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

(۲) مسافر ہونا۔

(۳) اکراہ یعنی زبردستی۔

(۴) حمل والی عورت یا دودھ پلانے والی عورت کو اپنی جان یا حمل یا بچہ کو نقصان پہنچنے کا خوف ہو۔

(۵) شدت بھوک اور پیاس سے ہوش وحواس جاتے رہنے یا ہلاکت کا خوف ہو۔
(۶) سخت بڑھاپا۔
(۷) حالت حیض ونفاس میں روزہ رکھنا ممنوع ہے۔
(۸) مجاہد کو روزہ رکھ کر کفار سے مقابلہ کرنے میں ضعف لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے روزہ افطار کی گنجائش ہے وغیرہ۔

فصل فی العوارض المبیحة لعدم الصوم وقد ذکر المصنف منها خمسة وبقی الا کراہ وخوف هلاک او نقصان عقل ولو بعطش او جوع شدید ولسعة حیه (لمسافر) سفرا شرعیا ولو بمعصیة (اوحامل او مرضع) اما کانت اوظئرا علی الظاهر (خافت بغلبة الظن علی نفسها او ولدها او مریض خاف الزیادة) لمرضه وصحیح خاف المرض (درمختار) قال الشامی و فی الخلاصة الغازی اذا کان یعلم یقینا انه یقاتل العدو فی رمضان ویخاف الضعف ان لم یُفطر افطر نهر (درمختار مع الشامی فصل فی العوارض المبیحه لعدم الصوم ج۲/ص ۱۲۱ تا ص ۱۲۲. واذا حاضت المرأة او نفست افطرت وقضت (هدایه ۱/ ۲۲۴ فصل فی افطار الصوم) فقط و الله اعلم .

روزہ کی نیت کس زبان میں کرے:

(سوال ۲۶۷) روزہ کی نیت اپنی مادری زبان (جیسے اردو، گجراتی انگلش وغیرہ) میں کر سکتے ہیں؟
(الجواب) روزہ کی نیت میں زبان سے بولنا ضروری نہیں صرف دل کا ارادہ کافی ہے، اپنی مادری زبان یا عربی میں زبان سے بھی کہے تو بہتر ہے منع نہیں۔ والسنة ان یتلفظ بها (ای النیة) کذا فی النهر الفائق (فتاویٰ هندیه ۱/ ۱۹۵ کتاب الصوم) فقط و الله اعلم بالصواب.

ٹیلیگراف کی خبر ہلال معتبر ہے یا نہیں:

(سوال ۲۶۸) بذریعہ خط وٹیلیگراف معلوم ہوا کہ بعض جگہ پر انتیس ۲۹ کے چاند کے حساب سے شنبہ کو عید منائی ہے اور ہمارے ہاں ایک روزہ کے بعد اتوار (یک شنبہ) کو عید ہوئی تو کیا عید کی فضیلت اور ثواب کے ہم حقدار ہوں گے یا نہیں؟
(الجواب) متذکرہ بالا صورت میں بذریعۂ خط وٹیلیگراف جو خبر پہنچی ہے وہ اس لئے ناکافی ہے کہ یہ ''حجۃ شرعیہ'' نہیں ہے۔ لہٰذا ایسی خبروں پر اعتبار کر کے عید منانا صحیح نہیں ہے۔ ترمذی شریف میں ہے۔ اخبرنی کریب ان ام الفضل بنت الحارث بعثته الی معاویة بالشام قال فقدمت الشام فقضیت حاجتها واستهل علی هلال رمضان وانا بالشام فرأینا الهلال لیلة الجمعة ثم قدمت المدینه فی اخر الشهر فسألنی ابن عباس ثم ذکر الهلال فقال متی رأیتم الهلال فقلت رأیناه لیلة الجمعة فقال انت رأیته لیلة الجمعة فقلت

رأه الناس فصاموا و صاما معاويةرضي الله عنه فقال لكن رأيناه ليلة السبت فلا نزول نصوم حتى نكمل ثلثين يوماً او نراه فقلت الا تكتفي برؤية معاوية وصيامه قال لا هكذا امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم باب ماجآء لكل اهل بلد رؤيتهم ج. ۱ ص ۱۴۸ .

خلاصہ یہ کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کریبؓ سے ماہ رمضان میں جب وہ شام سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو دریافت کیا کہ وہاں رویت ہلال کب ہوئی؟ انہوں نے کہا کہ شب جمعہ کو حضرت ابن عباسؓ نے دریافت کیا آپ نے خود دیکھا تھا؟ عرض کیا دوسروں نے دیکھا اور روزہ رکھا اور حضرت معاویہؓ نے بھی روزہ رکھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہم نے شنبہ کی رات کو دیکھا اور اسی حساب سے تیس ۳۰ روزے پورے کریں گے الا یہ کہ چاند دیکھ لیں! حضرت کریبؓ نے عرض کیا کہ کیا آپ حضرت معاویہؓ کی رؤیت اور ان کے روزے پر کفایت نہیں فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۸۷)

واقعہ مذکورہ میں حضرت کریبؓ کا بیان بابت رویت ہلال قانون شریعت کی کسوٹی پر پورا نہیں اترا لہذا حضرت ابن عباسؓ نے اسے قبول نہیں فرمایا۔ اسی طرح ٹیلیفون یا خط کے ذریعے جو خبر پہنچی ہے شرعی نقطہ نظر سے وہ ناکافی ہے۔ لہذا اتوار کے دن ہی عید ہونی چاہئے۔ اس میں کوئی نقصان یا خرابی نہیں ہے۔ آپ کے یہاں جو دن طے کیا گیا ہے عند اللہ عید کا ثواب اور یوم عید کی فضیلت اسی دن کو حاصل ہوگی۔

عن ابی هريرة رضي الله عنه ان النبي عليه السلام قال الصوم يوم تصومون والفطر يوم تفطرون والاضحىٰ يوم تضحون .باب ماجآء ان الفطر يوم تفطرون. الخ. ترمذی . ص۱۵۰

یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا روزہ (رمضان) عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا دن وہی ہے جس کو تم رمضان۔ عید یا بقر عید کا دن قرار دو۔ وہ ہر جگہ کے مسلمانوں کو ان دنوں میں حاصل ہوں کے جو ان کے یہاں شرعی تحقیق کے بعد طے کئے جائیں۔

لہذا شک و شبہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے تاہم احتیاطاً دوشنبہ تک قربانی سے فارغ ہو جانا اولیٰ و افضل ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ہلال محرم کے لئے کتنے شاہد درکار ہیں:

(سوال ۲۶۹) ثبوت ہلال محرم کے لئے کتنے گواہوں کی ضرورت ہے۔

(الجواب) دو عادل و معتبر مرد یا ایک عادل مرد اور دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے۔ نور الایضاح میں ہے۔ ویشترط لبقية الاهلة شهادة رجلين عدلين او حرو حرتين غير محدو دين في قذف. (نور الایضاح ص ۱۵۰ فصل فيما يثبت به الهلال)

غروب آفتاب سے پہلے جو چاند نظر آئے وہ معتبر نہیں:

(سوال ۲۷۰) عید الفطر کا چاند دیکھا۔ آفتاب کے غروب ہونے میں ابھی دو چار منٹ کی دیر تھی۔ اس وقت زید نے کہا کہ۔ ہلال عید نظر آیا لہذا روزہ افطار کرنا چاہئے۔ تو بکر نے انکار کیا۔ تاہم زید کے کہنے پر پندرہ میں آدمیوں نے

روزہ افطار کرڈالا تو ان مفطرین کا روزہ ہوا یا نہیں؟ بکر کا کہنا ہے تمہارا روزہ نہیں ہوا قضا کرنی ہوگی۔آپ مفصل جواب دیں۔

(الجواب) غروب آفتاب سے پہلے رویت ہلال کا اعتبار نہیں وہ دن رمضان ہی کا ہے عید کا نہیں۔[1] اب جس نے یہ سوچ کر افطار کیا کہ آفتاب غروب ہوگیا ہے اس لئے چاند نظر آیا تو ان پر روزہ کی فقط قضا لازم ہے اور جو لوگ جانتے تھے کہ آفتاب غروب نہیں ہوا ہے اور روزہ کھول لیا ان پر قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تنہا آدمی انتیسواں چاند دیکھے تو؟:

(سوال ۲۷۱) ہمارے گاؤں پال کے قدیم امام مالابار سے انتیسویں چاند کے حساب سے دوشنبہ کو روزہ رکھ کر آئے ہیں۔ہمارے تیس چاند کے حساب سے انتیس ۲۹ روزے ہوئے اور ان کے پورے تیس ہوئے۔اب آج یہاں ہلال عید نظر نہیں آیا تو وہ صاحب آئندہ کل کیا کریں؟ روزہ رکھیں یا نہیں۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں آج چاند نظر نہ آئے تو وہ بھی سب کے ساتھ آئندہ کل روزہ رکھے اور سب کے ساتھ عید کرے۔(شامی ج ۲ ص ۱۲۳)[2]

دن میں چاند نظر آئے:

(سوال ۲۷۲) ایک کتاب میں مسئلہ نظر سے گذرا کہ دن میں چاند نظر آیا اور ابھی غروب آفتاب کے لئے دو گھنٹہ کی دیر ہو اور چاند نظر آجائے وافطار کرلے۔لہذا جواب تحریر کریں کہ روزہ افطار کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) مسئلہ مذکورہ صحیح نہیں ہے۔غروب سے پہلے چاند نظر آئے تو افطار کرنا جائز نہیں۔ولا عبرة برویة الهلال نهاراً سواء كان قبل الزوال اوبعده وهو الليلة المستقبلة فى المختار (نور الایضاح ص ۱۵۰ فصل فیما یثبت الهلال وفتاوىٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۹۷)

ہلال عید کی خبر بذریعہ ریڈیو:

(سوال ۲۷۳) ہلال عید شوال کی خبر بذریعہ ریڈیو پہنچی صبح دس بجے لوگوں کے انتشار کی بناء پر اس روز نماز عید نہ ہوئی تو دوسرے دن نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اکثروں نے روزہ توڑ دیا ہے، تو ریڈیوں کی خبر سے روزہ توڑنے والے کے لئے اس کی قضا ہے یا نہیں؟ جواب تحریر فرمائیں۔

(الجواب) اپنے یہاں مطلع صاف تھا، تب بھی چاند نظر نہیں آیا۔پھر ریڈیوں کی خبر سے روزہ کیوں توڑا؟ صورت مسئولہ میں اس روزہ کی قضا ہے (ہاں اگر دلیل شرعی سے چاند کا ثبوت ہو جائے تو قضا ضروری نہیں) اور دوسرے روز نماز عید پڑھے یہ مناسب ہے، نماز عید الفطر عذر کی وجہ سے پہلے دن نہ پڑھ سکے تو دوسرے دن پڑھ سکتے ہیں اور نماز

(۱) ولا عبرة برؤية الهلال نهارا سواء كان قبل الزوال اوبعده وهو الليلة المستقبلة فى المختار نور الايضاح .حواله بالا
(۲) لو صام رأى هلال رمضان واكمل العدة لم يفطر الا مع الامام كتاب الصوم)

عیدالاضحٰی کو تیسرے دن تک مؤخر کر سکتے ہیں ،اسی طرح ریڈیو ،ٹیلگراف کی خبر سے روزہ افطار کرنا اور نماز عید پڑھنی جائز نہیں ہے ۔کیونکہ یہ دلیل شرعی نہیں ہے !ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کریبؒ سے جب وہ شام سے ماہ رمضان میں مدینہ طیبہ تشریف لائے ،پوچھا کہ تم نے خود چاند دیکھا جواب دیا نہیں ۔دوسروں نے دیکھا اور روزہ رکھا اور حضرت معاویہؓ نے بھی (ایسا ہی کیا)! حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہم نے شنبہ کی شب کو دیکھا ہے اور اسی حساب سے تیس ۳۰ روزے پورے کریں گے یا چاند دیکھ لیں! حضرت کریبؒ نے عرض کیا آپ کے نزدیک حضرت معاویہؓ کا چاند دیکھنا کافی نہیں ؟فرمایا نہیں !ہم کو رسول خدا ﷺ نے ایسا ہی ارشاد فرمایا ہے ۔باب ما جاء لکل اهل بلد رؤیتهم. ج ۱ ص ۱۷۸ .فقط واللہ اعلم .

رویت ہلال کے متعلق مزید تحقیقات:

(سوال ۲۷۳)ہمارے ہاں بذریعہ اخبار خبر آئی کہ بمبئی میں عید کا چاند ہو گیا ۔وہاں کے شہر قاضی نے اعلان کرادیا کہ ''کل عید ہوگی'' دوسرا ایک شخص خبر لایا کہ دھمر اچھا میں دوتین آدمیوں نے چاند دیکھا ۔اس خبر پر گاؤں والوں نے روزہ توڑ دیا اور نماز عید ادا کرلی ،دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قسم کی خبر پر روزہ توڑ دینا اور عید منانا کیسا ہے؟ روزہ توڑ دیا اس کا کیا؟ دوآدمی اعتکاف میں بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے روزہ افطار نہیں کیا ،نہ عید کی نماز پڑھی جس مسجد میں صلوٰۃ عید پڑھی گئی اسی کے ایک کونے میں بیٹھے رہے اور دوسرے روز چکھلی جا کر نماز عید ادا کی تو ان کے لئے کیا حکم ہے۔ بالتفصیل جواب عنایت فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں ۔ جزاکم اللہ عنا ۔

(الجواب)هو الموفق للصواب !رمضان المبارک ،عیدالفطر اور عیدالاضحٰی دوسری اقوام کے تیوہار کی طرح محض قومی تیوہار نہیں بلکہ عبادات بھی ہیں اور ان کے اوقات بھی متعین ہیں ۔قبل از وقت ادا کرنا درست نہیں اور اوقات کا مدار ''رویت ہلال'' پر ہے ۔چنانچہ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ **لا تصوموا حتی تروا الهلال ولا تفطروا حتی تروہ فان غم علیکم فاقدروا** روزہ اس وقت تک نہ رکھو جب تک (رمضان کا) چاند نہ دیکھ لو اور روزہ نہ چھوڑو جب تک (شوال کا) چاند نہ دیکھ لو ،اگر چاند ابر و غبار کی وجہ سے نظر نہ آئے تو حساب لگالو یعنی تیس دن پورے کرلو! (صحیح بخاری شریف پ ۷ ج ۱ ص ۲۵۶ باب قول النبی صلی اللہ علیه وسلم اذا رأیتم الهلال فصوموا الخ)

فقہی مسئلہ ہے کہ کچھ لوگ اندھیرے میں کسی نامعلوم جگہ میں قرائن وتحری سے کعبہ شریف کی سمت متعین کریں ،چار آدمی میں سے ہر ایک اپنے اپنے گروہ کے ساتھ مختلف سمت کی طرف نماز پڑھتا ہے اور ہر ایک عقیدہ رکھتا ہے کہ صحیح سمت یہی ہے جس طرف رخ کر کے وہ نماز پڑھ رہا ہے تو چاروں کی نماز صحیح ہے۔

فاذا کان اربعة انفس یصلی کل واحد بطائفة الی اربع جهات لا عتقاد هم ان الکعبة ذالک فان صلوٰۃ الاربعة صحیحة الخ (فتاوی ابن تیمیه ج ۲ ص ۲۰۲)

غرض کہ شرعی فیصلہ کے مطابق جس دن آپ لوگ روزہ رکھیں گے اور عید کریں گے وہی دن آپ لوگوں کے حق میں رمضان اور عید کا دن ہوگا ،جو ثواب و برکات خداوند قدوس نے رمضان کے ایام اور عید کے دن میں رکھے

ہیں وہ آپ لوگوں کو بھی حاصل ہوں گے، ذرہ برابر کمی نہ ہوگی پھر افواہوں پر پریشان ہونے اور بے صبر بننے کی کیا ضرورت؟

بناءً علیہ اگر امسال سعودی عربیہ میں بطریق موجب جمعہ کو عید ہوئی اور بغداد میں شنبہ کو اور پاکستان میں اتوار کو اور ہندوستان میں اکثر جگہ پیر (دوشنبہ) کو عید ہوئی تو اس کی سب صحیح اور عنداللہ مقبول ہیں اور جن لوگوں نے شرعی ضابطہ وشہادت کی پرواہ کئے بغیر اور حجت شرعیہ کے خلاف عید منائی ہو مشکوک ہوگی (والعلم عند اللہ)

اس مختصر تمہید کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات یہ ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) اخباری اطلاع اور ایک شخص کا خبر دینا کہ "دھمر اچھہ" میں دو تین آدمیوں نے چاند دیکھا ہے! طریق موجب اور شہادت کی قسم میں داخل نہیں ہے اور نہ اسے خبر مستفیض کہا جاسکتا ہے۔

قال الرحمتی معنی الا ستفاضة ان تاتی من تلک البلدة جماعات متعددون کلهم منهم یخبر عن تلک البلدة انهم صاموا عن رؤیة لا مجرد الشیوع من غیر علم بمن اشاعه الخ (شامی ج۲ ص ۱۲۹ کتاب الصوم)

علامہ رحمتی کی تحقیق یہ ہے کہ استفاضہ کا مطلب یہ ہے کہ جس شہر میں چاند دیکھا گیا ہے وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں، ہر جماعت یہ خبر دے کہ اس شہر کے مسلمانوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے محض خبر کا پھیل جانا اور یہ بھی پتہ نہ ہو کہ اس خبر کا راوی کون ہے استفاضہ نہیں ہے لہٰذا مطلع صاف ہوتے ہوئے چاند نہ دیکھے جانے کے باوجود غیر معتبر خبروں کی بنا پر روزہ نہ رکھنا یا رکھا ہوا روزہ توڑ دینا اور عید منا ڈالنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ ایسی صورت میں جم غفیر اور مجمع کثیر کی گواہی ضروری ہے کہ جس کی بنا پر قاضی یا مفتی کو چاند ہونے کا یقین یا غلبہ ظن پیدا ہوجائے اور شبہ قوی باقی نہ رہے۔ ہدایہ میں ہے۔

وان لم یکن بالسماء علة لم تقبل الا شهادة جماعة یقع العلم بخبر هم.

یعنی مطلع صاف ہونے کی صورت میں ایک ایسی جماعت کی شہادت قبول ہوسکتی ہے جس کی شہادت سے اطمینان حاصل ہوجائے (ہدایہ ج۱ص ۱۹۶ قبیل باب مایوجب القضاء والکفارۃ) **الجم الغفیر یقع به العلم فی هلال الصوم والفطر والاضحی (رسائل الارکان ص ۲۰۷ فصل یفترض علی المکلف الخ)** اور مالا بدمنہ میں ہے۔ "واگر مطلع صاف باشد در رمضان وشوال جماعت عظیم مے باید" یعنی اگر مطلع صاف ہو تو رمضان اور عید الفطر کے چاند کے لئے بڑی جماعت کی شہادت درکار ہے! جن کا متفقہ طور پر جھوٹ بولنا عقل تسلیم نہ کرے۔ (ص ۹۳)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ **وان لم یکن بالسماء علة لم تقبل الا شهادة جمع عظیم یقع العلم بخبر هم الخ** . یعنی اگر مطلع غبار وابر آلود نہ ہو تو ایسی بڑی جماعت کی گواہی مقبول ہوگی جس کے بیانات سے یقین حاصل ہوجائے۔ (ج۱ص ۱۹۸ الباب الثانی فی رؤیۃ الھلال)

لہٰذا صورت مسئولہ میں روزہ کی قضا لازم ہے، اگر بعد میں بطریق موجب چاند کا ہونا ثابت ہوجائے تو پھر روزہ کی قضا نہیں ہے۔

جن دو صاحبوں نے روزہ نہیں توڑا اور اعتکاف بھی نہیں چھوڑا وہ مبارک بادی کے مستحق ہیں جب تک حجت شرعیہ سے چاند ثابت نہ ہو جائے روزہ چھوڑنا اور اعتکاف توڑنا جائز نہیں ۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت کریبؒ شام کے سفر سے مدینہ طیبہ رمضان المبارک میں آئے حضرت ابن عباسؓ نے ان سے پوچھا کہ وہاں چاند کب دیکھا گیا؟ حضرت کریبؒ نے عرض کیا کہ شب جمعہ کو۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تم نے دیکھا تھا؟ حضرت کریبؒ نے کہا لوگوں نے دیکھا اور روزہ بھی رکھا اور حضرت معاویہؓ نے بھی روزہ رکھا (بعض روایات میں خود کا دیکھنا بھی بیان کیا گیا ہے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہم نے شنبہ کی شب کو دیکھا ہے اور اسی حساب سے روزے پورے کریں گے یا چاند دیکھ کر ختم کردیں گے۔ حضرت کریبؒ نے عرض کیا آپ کے نزدیک حضرت معاویہ کا چاند دیکھنا اور روزہ رکھنا کافی نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں ، ہم کو رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی حکم دیا ہے (ترمذی شریف ج ۱ ص ۸۷ باب ماجآء لکل بلد رؤیتھم)

چونکہ حضرت کریب نے غیر کی شہادت پر شہادت نہیں دی، نہ حکم حاکم پر شہادت دی۔ نہ لفظ اشہد کے ساتھ گواہی دی۔ اور اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے تو چونکہ ایک شخص کی گواہی سے وجوب القاضی علی القضاء ثابت نہیں ہوتا اس لئے حضرت ابن عباسؓ نے حضرت کریب کی خبر پر عمل نہیں فرمایا۔

لانہ لم یشھد علی شھادۃ غیرہ ولا علی حکم الحاکم ولئن سلم فلانہ لم یأت بلفظ الشھادۃ ولئن سلم فھو واحد لا یثبت بشھادتہ وجوب القضاء علی القاضی. (بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۰ کتاب الصوم) فقط واللہ اعلم بالصواب .

ریڈیوں کی خبر پر افطار کرنا اور عید منانا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۷۶) ہلال شوال کی خبر پاکستان ریڈیو نے دی اس کے بھروسے پر دو تین مقام میں بعض لوگوں نے تیسواں ۳۰ روزہ نہیں رکھا اور بعض نے رکھ کر توڑ دیا اور عید کی تو کیا ان کی عید معتبر ہے؟ اور روزہ کی قضا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مذکورہ صورت میں عید معتبر نہیں اور روزہ کی قضا لازم ہے۔ بعض صورتوں میں روزہ کا کفارہ بھی ہے۔ یہاں ہندوستان میں مطلع صاف تھا چاند ہوا ہوتا تو یہاں بھی نظر آتا۔ بڑے بڑے شہروں میں بھی چاند نظر نہیں آیا اور نہ عید کی خبر پہنچی۔ لہذا گاؤں والوں کا یہ عمل جاہلانہ اور خلاف قانون ہے ان کو توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔ ریڈیوں کی خبر ہلال شوال ورمضان کے لئے چند شرائط معتبر ہے مگر یہ شرائط عموماً ریڈیوں میں مفقود ہیں اور ہونا بھی مشکل ہیں۔ لہذا عام ریڈیوں کی خبر سے نہ عید کی جاسکتی ہے اور نہ رمضان کا ثبوت ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ہلال رمضان وعید الفطر کی تفصیل۔ (برائے انگلینڈ):

(سوال ۲۷۷) ہمارے یہاں انگلینڈ میں آسمان پر ابر وغبار رہتا ہے۔ سورج چاند، دکھائی نہیں دیتے۔ جس بناء پر اسلامی مہینے پورے تیس ۳۰ دن شمار ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں ہلال رمضان وعید الفطر کی تعیین کے لئے کیا کریں۔ عموماً بعض لوگ کارخانہ میں ہوتے ہیں اور بعض فیکٹریوں میں ہوتے ہیں۔ چھٹی کے لئے ایک ہفتہ پہلے

رپورٹ دینی ہوتی ہے ایک مولوی صاحب آتے ہیں۔ جو "مرکو" (MOROCCO) سے بذریعۂ فون چاند کی خبر معلوم کرتے ہیں تو اس پر عمل کرنا کیسا ہے شرعی حکم کیا ہے؟ اس طرح اتفاقیہ ہونے پر چھٹی نہیں ملتی اور قانون ہے کہ مہینہ کے اخیری دن اور دوسرے ماہ کے شروع دن کی چھٹی ایک ساتھ نہیں دیتے۔ اگر چھٹی کرلیں تو ملازمت چھوٹ جاتی ہے تو جب چاند نظر نہ آئے تو تیس دن کا حکم ہے اس لئے انتیس ۲۹ دن کے اعتبار سے رمضان، عید الفطر اور عید الضحیٰ کی تعیین کی جائے تو کیا حرج ہے؟

(الجواب) دوسرے ممالک سے چاند کی خبر منگا کر خود کو اس کے تابع بنانا شرعاً ضروری نہیں، تیسویں دن چاند نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کر کے عمل کیا جائے۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے۔ جب تک ہلال رمضان نہ دیکھو روزہ نہ رکھو اور جب تک ہلال شوال نہ دیکھو افطار نہ کرو۔ (روزے ختم نہ کرو) اگر ابر و غبار کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کرو۔ عن ابن عمر رضی الله قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تصوموا حتی تروا الهلال ولا تفطروا حتی تروه فان غم علیکم فاقدروا له. وفی روایة قال الشهر تسع وعشرون لیلة فلا تصوموا حتی تروه فان غم علیکم فاکملوا العدة ثلثین متفق علیه (مشکوٰۃ شریف ص ۱۷۴ باب رؤیة الهلال) انتیسویں دن چاند نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کر کے عمل کریں۔ ایک دن کم ہو تو ثواب میں کمی نہ ہوگی۔ ان شاء اللہ پورا اجر و ثواب اور برأت کے حق دار ہوں گے۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے۔ الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون والاضحی یوم تضحون. مطلب یہ ہے کہ (شرعی تحقیق کے مطابق) جس دن یا جس تاریخ کو روزہ رکھو یا روزہ پورا کرو یا قربانی کرو۔ تو خدا کے نزدیک بھی وہی تاریخ اور عید کا وہی دن، اور قربانی کی وہی تاریخ ہے۔ یعنی ثواب کامل ملے گا۔ (ترمذی شریف ص ۸۸ ج ۱ باب ماجآء ان الفطر یوم تفطرون الخ) لیکن جبکہ یہاں ہمیشہ ابر و غبار کی وجہ سے چاند نظر نہیں آتا ہے اور سب چاند تیسواں شمار کرتے ہیں۔ تو اس میں بڑا تفاوت ہوگا۔ جب دوسری جگہ سے ریڈیو یا ٹیلی فون سے چاند کی خبر لوگ سنیں گے۔ تو وہ لوگ اپنے خیالات اور ارادے میں مذبذب ہوں گے اور عبادات، تراویح، روزہ، عید، قربانی وغیرہ کے بارے میں خلجان پیدا ہوگا، اور نتیجۃً اختلاف رونما ہوگا اور بدنظمی پیدا ہوگی۔ ایسے وقت میں اپنے نزدیک کے ممالک جہاں پر طلوع وغیرہ میں زیادہ تفاوت نہ ہو اور انتیسویں کا چاند نظر آتا ہو۔ ایسے ملک سے رابطہ اور تعلق رکھنا چاہئے اور یہ زیادہ مناسب ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ ہلال رمضان کے بارے میں وہاں کے تین چار دیندار اور معتمد آدمیوں کے فون کی خبر پر جب تم ان کی آواز اچھی طرح پہچان سکو اور تمہیں چاند نظر آنے کا یقین پیدا ہو جائے تو رمضان کا فیصلہ کردو۔ لیکن ہلال عید کے لئے شہادت شرط ہے اسکے لئے ایسا انتظام کیا جائے کہ وہاں کے دو دیندار معتمد آدمی خود چاند دیکھ کر بذریعہ طیارہ (ہوائی جہاز) آکر شہادت دیں یا یہاں سے دو دیندار معتمد آدمی وہاں جا کر خود چاند دیکھنے والوں کی گواہی لیں۔ یا وہاں کے مفتی، قاضی، خطیب، یا ہلال کمیٹی کے صدر معتمد علیہ کا سندی فرمان لے آئیں جس کو یہاں کی معتمد علماء قبول کرلیں تو اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ رہا تعطیل اور رخصت کا مسئلہ تو پہلے ہی سے ایک دن کے بدلے دو دن کی رخصت منظور کرالیں۔ یہ کوئی مشکل بات نہیں ممکن ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ہلال رمضان کے شرعی ثبوت کے بغیر روزہ اور تراویح کا حکم:

(سوال ۲۷۸) ایک غیر مقلد ہمارے ساتھ نماز پڑھتا ہے، اس رمضان کے موقعہ پر اس نے ایک ہنگامہ برپا کیا ہے، انتیسویں شعبان کو مطلع ابر آلود تھا، اس نے اعلان کیا کہ آج چاند نظر آئے یا نہ آئے تراویح پڑھ لی جائے اور روزہ بھی رکھ لیا جائے، اگر چاند ثابت ہو گیا تو رمضان کا روزہ ہوگا ورنہ نفل روزہ ہوگا اور تراویح بھی نفل ہوگی، دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ ایک شخص نے منفرداً نماز پڑھ لی پھر مسجد آیا تو جماعت ہو رہی تھی اس میں وہ شریک ہو گیا اس صورت میں جماعت والی نماز نفل شمار ہوتی ہے تو جب ایک فرض بدل کر نفل ہو جاتا ہے، تراویح تو سنت ہے اس کے نفل ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ کچھ لوگوں نے اس کی بات مان لی، ہم نے فتاویٰ رحیمیہ اور بہشتی زیور کا مسئلہ دکھلایا تو کہنے لگا کہ میں صحاح ستہ کے سوا کسی کو نہیں مانتا، اس لئے دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعی ثبوت کے بغیر تراویح پڑھنا اور روزہ رکھنا اور یہ کہنا کہ کیا مضائقہ ہے چاند ثابت نہ ہوا تو ہماری عبادت نفل ہو جائے گی کیا یہ صحیح ہے؟ اور اس کی بات پر عمل کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ شخص کم علم اور کج فہم معلوم ہوتا ہے، بخاری شریف میں حدیث ہے: **لاتصوموا حتی تروا الھلال ولا تفطروا حتی تروہ فان غم علیکم فاقدروا لہ الخ** حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے، روزہ اس وقت تک مت رکھو جب تک (رمضان کا) چاند نہ دیکھ لو اور فطار نہ کرو جب تک (شوال کا) چاند نہ دیکھ لو پس اگر چاند ابر و غبار کی وجہ سے نظر نہ آئے تو حساب لگا لو یعنی تیس دن پورے کر لو (**صحیح بخاری شریف ج ۱ ص ۲۵۶ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا رأیتم الھلال فصوموا**) اس شخص کا قول و عمل مردود ہے اس لئے کہ صراحۃً فرمان نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف ہے، نیز بخاری شریف میں ہے "**باب لا یتقدم رمضان بصوم یوم او یومین عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یتقد من احدکم رمضان بصوم یوم اویومین الا ان یکون رجل کان یصوم صومہ فلیصم ذلک الیوم**"۔ یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص رمضان سے ایک دو دن پہلے روزے نہ رکھے، ہاں اگر کوئی شخص کسی خاص معین دن کا روزہ رکھتا ہو اور وہ اسی دن آ جائے تو روزہ رکھ لے (بخاری شریف ج ۱ ص ۲۵۶) رمضان سے ایک دن پہلے روزہ رکھنے کی ممانعت اس حدیث سے ثابت ہوئی۔ ایسی تاریخ اور ایسے دن کو یوم الشک کہا جاتا ہے، اس دن رمضان کی نیت سے روزہ رکھنا ممنوع اور مکروہ ہے۔ **لقولہ علیہ السلام لا یصام الیوم الذی یشک فیہ (او کما قال علیہ السلام) وھذہ المسئلۃ علی وجوہ احد ھا ان ینوی صوم رمضان مکروہ لما رویناہ ولا نہ تشبہ باھل الکتاب لانھم زادوا فی مدۃ صومھم (ھدایہ اولین ص ۱۹۳ کتاب الصوم)** اور اگر اس نیت سے روزہ رکھا کہ رویت ہو گئی تو رمضان کا ورنہ نفل، یہ بھی بوجہ تردد نیت مکروہ ہے، ہاں قطعی طور پر نفل کی نیت ہو تو مضائقہ نہیں مگر یہ اہل علم کا کام ہے عوام کو اس کی اجازت نہیں پھر اگر اتفاقاً رؤیت کا تحقق ہو گیا تو یہ نفل روزہ فرض کے قائم مقام ہو جائے گا فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جدہ میں روزہ رکھنا شروع کیا پھر راندیر آ گیا تو کیا کرے؟:

(سوال ۲۷۹) ایک شخص جدہ میں کام کرتا ہے وہاں اس نے رمضان کے روزے رکھنا شروع کئے (وہاں رمضان کا پہلا روزہ جمعہ کو ہوا اور ہمارے یہاں ہندوستان میں سنیچر کو پہلا روزہ ہوا) پھر وہ شخص راندیر آ گیا اور یہاں سنیچر کو انتیسواں چاند نظر نہیں آیا اور سنیچر کو اس کے تیس روزے پورے ہو گئے تو اب اس پر اتوار کو (جو اس کا اکتیسواں روزہ ہوگا) سب لوگوں کے ساتھ روزہ رکھنا چاہئے یا وہ روزہ نہ رکھے؟ شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ شخص اتوار کو یہاں والوں کے ساتھ روزہ رکھے چاہے اس کے اکتیس روزے ہو جائیں، جس طرح کسی نے تنہا رمضان کا چاند دیکھا اور اس کی گواہی قبول نہ کی گئی تو اس کو اپنی رویت کے اعتبار سے رمضان کا روزہ رکھنا چاہئے اور اتفاق سے تیس روزے پورے کرنے کے بعد چاند نظر نہ آئے تو اس کو تنہا افطار کرنا جائز نہیں بلکہ اس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ روزہ رکھے اور سب کے ساتھ عید کرے شامی میں ہے (تنبیہ) **لو صام رائی هلال رمضان واكمل العدة لم يفطر الا مع الامام لقوله عليه الصلوٰة والسلام صومكم يوم تصومون وفطركم يوم تفطرون رواه الترمذى وغيره والناس لم يفطر وافى مثل هذا اليوم فوجب ان لا يفطر نهر (شامى ج۲ ص ۲۳ ؛ كتاب الصوم) فقط والله اعلم بالصواب .**

بمبئی میں روزے رکھنا شروع کئے پھر مکہ معظمہ گیا:

(سوال ۲۸۰) ایک شخص نے بمبئی میں روزے رکھنا شروع کئے اور پھر وہ شخص رمضان میں عمرہ کی نیت سے مکہ معظمہ گیا ، وہاں والے ایک دو دن آگے تھے تو اب وہ شخص وہاں والوں کے ساتھ عید منانے اور اس کے بعد اپنے روزے مکمل کرے یا اپنے روزے مکمل کر کے اپنی عید الگ منائے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ شخص وہاں والوں کے ساتھ عید کرے، بعد میں باقی ماندہ روزوں کی قضا کرے، یعنی اگر اس کے ۲۷ روزے ہوئے تو دو روزے رکھے، ۲۸ ہوئے تو ایک روزہ رکھے کہ مہینہ ۲۹ دن سے کم کا نہیں ہوتا[1]۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ثبوت ہلال کے معتبر طرق:

(سوال ۲۸۱) ثبوت رویت ہلال کے معتبر طرق کیا ہیں؟ مفصل تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) رویت عامہ (یعنی عام لوگوں کا یا جم غفیر کا چاند دیکھنا) یہ رمضان و عید الفطر کے چاند کے ثبوت کا قطعی فیصلہ ہے، اس کے بعد قانونی شہادت کی ضرورت نہیں رہتی (**وقبل بلا علة جمع عظيم يقع العلم الشرعى وهو غلبة الظن (بخبرهم وهو مفوض الى رأى الامام من غير تقدير بعدد) على المذهب (درمختار ج۲ ص ۱۲۶ كتاب الصوم)**

---

(۱) اهل مصر صاموا رمضان بغير رؤية وفيهم رجل لم يصم حتى رأى الهلال من الغد فصام اهل المصر ثلاثين يوما وهذا الرجل تسعة وعشرين ثم افطر واجميعا فان كان اهل المصر رأو الهلال شعبان وعدوا شعبان ثلاثين يوما كان على هذا الرجل قضاء يوم الاول الخ (فتاوى تاتار خانية . الفصل الثانى فيما يتعلق برؤية الهلال ج. ۲ ص ۳۵۴)

(۲) شہادت:

اگر مطلع ابر آلود ہو اور اس وجہ سے رؤیت عامہ نہ ہو سکے تو ثبوت رمضان کا فیصلہ ایک دیندار پابند شریعت مسلمان مرد یا عورت کے بیان پر کیا جا سکتا ہے (للصوم مع علة كغيم) وغبار (خبر عدل) ولو كان العدل قناً او انثىٰ او محدوداً في قذف تاب (درمختار ج۲ ص ۱۲۳ . ۲۴ الكتاب الصوم) وبرائے شہادت ماہ رمضان اگر آسمان ابر یا مانند آں دارد یک مرد یا زن عادلی کافی است حر باشد یا رقیق (مالا بدمنہ ص ۹۳) (نور الایضاح ص ۱۴۹)

البتہ ہلال عید کے لئے با قاعدہ شہادت کی ضرورت ہے یعنی دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں (جو مسلمان اور بظاہر پابند شریعت ہوں) اور قاضی شرعی یا مفتی کے سامنے چاند دیکھنے کی شہادت دیں اور قاضی و مفتی اس کی شہادت قبول کرلیں تو اس سے بھی چاند ثابت ہو جاتا ہے۔ (وشرط للفطر) مع العلة والعداله (نصاب الشهادة ولفظ اشهد) (درمختار ج۲ ص ۱۲۴ ایضاً) وبرائے شہادت شوال دریں چنیں حال دو مرد حر عادل یا یک مرد و دو زن احرار عدول بالفظ شہادت شرط است (مالا بدمنہ ص ۹۳) (نور الایضاح ص ۱۴۹)

(۳) شہادت علی الشہادت:

(گواہی پر گواہی دینا) جب کہ اصل شاہدین کسی وجہ سے مجلس قضا میں یا کمیٹی کے سامنے حاضر ہونے سے قاصر ہوں تو اصلی گواہ اپنی طرف سے دو ثقہ آدمیوں کو گواہ بنا کر مجلس قضا یا مفتی (جن کے فتاویٰ و فیصلوں پر لوگوں کا اعتماد ہو) یا کمیٹی کے سامنے شہادت کا فریضہ انجام دینے کے لئے نہ بھیجیں وہ دونوں گواہ قاضی، مفتی یا کمیٹی کے سامنے حاضر ہو کر شہادت دیں کہ ہمارے سامنے فلاں آدمی نے شہادت دی کہ اس نے چاند دیکھا ہے اور انہوں نے ہمیں گواہ بنا کر بھیجا ہے کہ ہم آپ تک ان کی گواہی پہنچا دیں یہ شہادت علی الشہادۃ کی صورت ہے، یہ ثبوت ہلال رمضان و عید کے لئے معتبر ہے۔ اور اگر چہ شاہدان اصل کے لئے دو گواہوں کا الگ الگ ہونا (یعنی چار ہونا) شرط نہیں ہے، دو گواہ دونوں کے گواہ بن سکتے ہیں مگر بہتر یہ ہے کہ ہر گواہ اپنی طرف سے دو گواہ الگ الگ بنائے یعنی اصل گواہ دو ہیں تو ان کے قائم مقام (فرع) چار ہوں، درمختار میں ہے۔ باب الشهادة على الشهادة (وهي مقبولة) لكن لا تقبل الا بشرط تعذر حضور الا صل (درمختار) اشار الى ان المراد بالمرض مالا يستطيع معه الحضور الى مجلس القاضي كما قيده في الهداية الخ (شامي . ج۴ ص ۵۴۴ باب الشهادت على الشهادة) وكيفيتها ان يقول الا صل مخاطباً للفرع ولو ابنه بحر (اشهد على شهادتي انى اشهد بكذا . الى قوله . (ويقول الفرع اشهد ان فلا ناً اشهد نى علىٰ شهادته بكذا وقال لى اشهد على شهادتي بذلك) (درمختار) (قوله وذالك) يعنى بان يكون لكل شاهد شاهدان متغايران بل يكفي شاهدان على كل اصل (شامي ج۴ ص ۵۴۵ باب الشهادة على الشهاده)

(۴) شہادت علی قضاء القاضی:

قاضی یا مفتی کی مجلس میں شرعی شہادت پیش ہو اور مجلس میں دو دیندار پابند شرع مسلمان شروع سے آخر تک

حاضر ہوں اور پھر وہ کسی دوسرے مقام کے قاضی یا مفتی کے سامنے حاضر ہوکر شہادت دیں کہ فلاں مقام پر قاضی یا مفتی کی مجلس میں ہمارے سامنے رویت ہلال کی شہادتیں پیش ہوئیں اور ان کی شہادتوں کی سماعت کے بعد قاضی یا مفتی نے رویت ہلال کا فیصلہ کردیا، تو یہ بھی ثبوت ہلال رمضان وعید کے لئے معتبر ہے اور ان کی شہادت پر رویت ہلال کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے......(شهدوا انه شهد عند قاضي مصر كذا شاهدان بروية الهلال) في ليلة كذا (وقضى) القاضي (به ووجد استجماع شرائط الدعوى قضى) اى جاز لها (القاضي) ان يحكم (بشهادتهما) لان قضاء القاضي حجة وقد شهدوا به لا لو شهدوا بروؤية غيرهم لا نه حكاية (درمختار ج ۲ ص ۱۲۸ كتاب الصوم)

(۵) کتاب القاضی الی القاضی:

ایک جگہ کے قاضی یا مفتی کے سامنے شرعی شہادت پیش ہوئی اور اس نے رویت ہلال کا فیصلہ کردیا اب وہ دوسرے مقام کے قاضی یا مفتی کے نام دو دیندار مسلمانوں کے سامنے خط لکھے کہ میرے سامنے شرعی شہادت پیش ہوئی جس کی بنا پر میں نے رویت ہلال کا فیصلہ کردیا اور اس پر اپنے دستخط ومہر لگائے اور ان کو سنا کر بند کر کے مہر لگا کر ان کے حوالہ کردے، وہ دونوں شخص وہ خط لے کر دوسرے مقام کے قاضی یا مفتی کے پاس جائیں اور گواہی دیں کہ یہ فلاں قاضی یا مفتی کا مکتوب ہے، اس نے ہمارے سامنے لکھا اور پڑھا ہے اور ہمارے حوالہ کیا ہے کہ ہم آپ تک یہ مکتوب پہنچادیں تو دوسری جگہ کا قاضی یا مفتی اس کو منظور کر کے اعلان کرا سکتا ہے یہ بھی ثبوت ہلال کے لئے حجت ہے مگر یہ حجت اسی قدر ہے جب کہ وہ دونوں شخص گواہی دیں کہ فلاں نے یہ مکتوب ہمارے سامنے لکھا پڑھا ہے اور ہمارے حوالہ کیا ہے اور اگر اس طرح شہادت نہیں دیتے محض ایک خط (چٹھی، رقعہ) کی حیثیت سے پہنچا دیتے ہیں تو اس کی حیثیت ایک معمولی خط جیسی ہوگی اور جو حکم کسی عام مسلمان کے خط کا ہوسکتا ہے وہی اس کا ہوگا (رویت ہلال کے مسائل ودلائل)

(۶) خبر مستفیض:

یہ بھی ثبوت ہلال کے لئے حجت ہے، خبر مستفیض کے متعلق علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں۔ اعلم ان المراد بالا ستفاضة توا تر الخبر من الواردين من بلدة الثبوت الى البلدة التي لم يثبت بها لا مجرد الا ستفاضة یعنی، جان لو کہ استفاضہ سے مراد وہ خبر ہے جس کو بکثرت اس شہر سے آنے والے بیان کریں جہاں رویت ہوچکی ہے اور ایسی جگہ آکر بیان کریں جہاں ہنوز رویت ثابت نہیں ہوئی محض افواہ کافی نہیں (حاشیه بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۰ قبيل باب ما يفسد الصوم الخ)

علامہ رحمتی خبر مستفیض کے متعلق فرماتے ہیں۔(تنبيه) قال الرحمتي معنى الا ستفاضة ان تأتي من تلك البلدة جماعات متعددون كل منهم يخبر عن اهل تلك البلدة انهم صاموا عن رؤية لا مجرد الشيوع من غير علم بمن اشاعه ' . استفاضہ کا مطلب یہ ہے کہ جہاں چاند ہوا ہے وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں، ہر جماعت یہ خبر دے کہ اس شہر کے مسلمانوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے محض خبر کا پھیل جانا یہ بھی

معلوم نہ ہو کہ کون اس کا راوی ہے، کس نے یہ بات چلائی ہے خبر مستفیض نہیں (شامی ج ۲ ص ۱۲۹ کتاب الصوم)

بہر حال خبر مستفیض سے بھی ہلال رمضان وعید کا ثبوت ہو جاتا ہے مگر یہ ضروری ہے کہ خبر کی نوعیت ایسی ہو کہ صاحب بصیرت، معاملہ فہم اشخاص کو اس کی صداقت کا یقین ہو جائے محض افواہ اور شہرت ہو جاتا جب کہ یہ بھی معلوم نہ ہو کہ اصل خبر دینے والا کون ہے۔ کافی نہیں۔

ریڈیو:

شرعی قاضی، یا مستند علماء کرام کی مجلس یا وہ چاند کمیٹی جن کا فیصلہ مسلمان تسلیم کرتے ہوں، یہ لوگ با قاعدہ شہادت لے کر چاند کا فیصلہ کریں اور اس فیصلہ کو شرعی قاضی یا علماء کی مجلس یا چاند کمیٹی کا صدر یا ان کا معتمد نمائندہ بذریعہ ریڈیو نشر کرے اور دوسری جگہ کے علماء کرام اسے منظور رکھیں تو اس پر عمل کرنا درست ہے، عوام کی منظوری کافی نہیں بلکہ ان کی دخل اندازی اور اہل علم سے الجھنا روا نہیں، حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ، فرماتے ہیں...... ''غرض آج کل ہر شخص مفسر و مترجم ہے اور ہر ایک شریعت میں رائے دیتا ہے گویا شریعت کا سمجھنا تمام فنون سے آسان ہے حالانکہ یہ تو قانون الٰہی ہے، جب دنیوی سلاطین کے قوانین کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا بلکہ خاص وکلاء اور بیرسٹر اور ہائی کورٹ کے جج ہی اس کو سمجھتے ہیں تو خدائی قانون کو ایسا کیا آسان سمجھ لیا ہے (وعظ الباب ص ۱۸)

''ریڈیو کی خبر کے متعلق ہندوستان کے مستند علماء کا فیصلہ''

''ریڈیو کی خبر ایک اعلان کی حیثیت رکھتی ہے، یہ اعلان اگر رویت ہلال کی باضابطہ کمیٹی کی جانب سے ہو جو چاند ہونے کی با قاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا فیصلہ کرتی ہے یا کسی ایسے شخص کی جانب سے ہو جس کو وہاں کے مسلمانوں نے قاضی یا امیر شریعت کی حیثیت سے مان رکھا ہے اور وہ باضابطہ شہادت لے کر فیصلہ کیا کرتا ہے اور اعلان کرنے والا خود قاضی یا امیر شریعت یا رویت ہلال کمیٹی کا صدر یا کمیٹی کا معتمد مسلم نمائندہ ہو تو مقامی کمیٹی، یا قاضی یا امیر کے لئے جائز ہوگا کہ وہ اس پر اعتماد کر کے رویت ہلال کا فیصلہ کر دے (رویت ہلال رمضان وعید کے مسائل ودلائل ص ۹۶) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ٹیلیفون یا خط سے رویت ہلال کی خبر:

(سوال ۲۸۲) بے شک ٹیلیفون پر رویت ہلال کی شہادت شرعاً غیر معتبر اور نا قابل قبول ہے، لیکن کسی مقام پہ پورے احتیاط اور شہادت شرعیہ کے جملہ اصول وقیود وشرائط کی رعایت کے ساتھ رؤیت ہلال کا فیصلہ کر دیا گیا اب اس فیصلہ کی خبر یا مثلاً کسی مقام پر عام رؤیت ہو جانے کی خبر ٹیلیفون کے ذریعہ موصول ہو رہی ہے یا اسی مقام پر دو تین اشخاص سے فون کے ذریعہ تحقیق کرنے سے اس رؤیت کے مذکورہ فیصلہ یا اس مقام پر رؤیت ہو جانے کی خبر کی تصدیق ہو جاتی ہے اور سامع کو بولنے والے کی آواز کی بہ خوبی شناخت ہو جائے کہ یقیناً فلاں صاحب ہی کی آواز ہے۔

نیز اگر دو تین الگ الگ مقامات سے اپنے اپنے یہاں رؤیت ہلال کے فیصلہ کی خبر ٹیلیفون سے موصول ہو اور اس صورت میں بھی سامع فون پر بولنے والے کی آواز کو بخوبی جانتا ہو کہ فلاں صاحب ہی کی آواز ہے اور بولنے

والا شخص مسلمان عادل یا مستور الحال ہے اور دوسرے قرائن وشواہد سے ان خبروں کے صحیح اور سچ ہونے کا غلبۂ ظن ہوجائے تو کیا اس پر ہلال رمضان کے عام ثبوت کا فیصلہ اور حکم کیا جاسکتا ہے؟

۲۔بعینہ مذکورہ بالا فیصلۂ رؤیت، یا عام رؤیت ہوجانے کی خبر خط کے ذریعہ ایک مقام سے یا دو تین مقام سے آتی ہے اور مکتوب الیہ کو خط کی بخوبی شناخت ہوجائے کہ فلاں شخص کا لکھا ہوا خط ہے اور وہ خط لکھنے والا مسلمان عادل یا مستور الحال ہے، نیز قرائن خارجیہ وشواہد سے ان خبروں کی صحت وصداقت کا ظن غالب ہوتو کیا اس صورت میں بھی رؤیت ہلال رمضان کے عام ثبوت کا حکم اور فیصلہ کیا جاسکتا ہے؟

۳۔کیا مذکورہ بالا ذرائع سے موصول شدہ خبروں پر ہلال عید کے ثبوت کا بھی عام حکم اور فیصلہ کیا جاسکتا ہے؟

(جواب وباللہ التوفیق) حضورﷺ کا فرمان ہے صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته. چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو مدار رویت ہلال پر ہے، اور عدم رؤیت کی صورت میں نصاب شہادت کو رؤیت کا حکم دے دیا گیا ہے، ہلال عید کا ثبوت شرعی گواہوں کی شہادت سے ہوگا اور اگر مطلع صاف ہے تو جم غفیر کی شہادت ضروری ہے۔

جب مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں ایک دیندار مسلمان کی خبر رؤیت ہلال رمضان میں معتبر ہے تو اگر کسی دیندار مسلمان کے خط یا فون سے جب کہ وہ اپنا چاند دیکھنا بیان کرے یا یہ کہے کہ فلاں معتبر اور دیندار شخص نے مجھ سے اپنا چاند دیکھنا بیان کیا ہے یا میرے سامنے قاضی صاحب نے یا مفتی صاحب نے یا کمیٹی کے صدر نے شرعی طور پر چاند ہونے کا فیصلہ دیا ہے اور اس سے یقین یا غلبۂ ظن حاصل ہوجائے کہ یہ فلاں شخص کا خط یا آواز ہے تو اس پر خود عمل کرسکتا ہے اور اگر دوسرے متعدد خطوط یا فون سے اس خبر کی تصدیق ہوجائے تو قاضی یا مفتی یا ہلال کمیٹی کے صدر یا معتمد علیہ شخصیت کو اعلان کرنے کا حق حاصل ہوجائے گا (اور اگر مطلع صاف ہے تو یہ تمام صورتیں ثبوت ہلال کے لئے ناکافی ہوں گی تا آنکہ شرعی شہادت یا خبر استفاضہ کی صورت نہ ہوجائے)

عید کے چاند کے ثبوت کے لئے چونکہ شہادت ضروری ہے اور شہادت کے لئے شاہد کی حاضری ضروری ہے اس لئے اس میں فون یا خط کی خبر کافی نہ سمجھی جائے گی اگرچہ آواز پہنچان لی جائے جائے اور بولنے والا ثقہ اور قابل شہادت ہو۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:۔

(الجواب) جن احکام میں حجاب مانع قبول ہے اس میں (ٹیلیفون کا واسطہ) غیر معتبر ہے اور جن میں حجاب مانع نہیں ان میں اگر قرائن قویہ سے متکلم کی تعیین ہوجائے (کہ فلاں شخص ہی بول رہا ہے) تو معتبر ہے۔۱۶ محرم ۱۳۳۸ھ (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۷۸)

ہاں جب متعدد جگہوں سے یا کسی ایک ایسے شہر سے کہ جہاں نامور علماء اور مفتیان کرام ہوں مختلف ثقہ لوگوں کے یہ بیانات موصول ہوں کہ ہم نے خود چاند دیکھا ہے یا ہمارے سامنے فلاں شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی کے صدر یا مفتی یا معتمد علیہ شخصیت نے شہادت سن کر چاند ہونے کا فیصلہ دیا ہے، اور جب ایسا بیان دینے والوں کی تعداد اتنی کثیر ہوجائے کہ عقلاً ان کے جھوٹ ہونے کا کوئی احتمال باقی نہ رہے اور خبر مستفیض کے درجہ میں آجائے اور ان خبروں کے صحیح ہونے کا یقین یا غلبۂ ظن مقامی قاضی یا ہلال کمیٹی کے صدر یا معتمد علیہ شخصیت کو حاصل ہوجائے تو ان کو

عید کے چاند کا اعلان کرنے کا بھی حق حاصل ہو جائے گا۔ ایک دو فون کافی نہ ہوں گے۔ وان لم تکن فی السماء علة لا یقبل الا شهادة جمع کثیر یقع العلم بخبر هم واختلفوا فی مقدار ذلک فقیل لا بد من اهل محلة وقیل لا بد عن خمسین رجلاً وعن محمد لابد ان یتواتر الخبر من کل جانب والصحیح انه مفوض الیٰ رای الحاکم لا ن المراد بالعلم الحاصل بخبر هم العلم الشرعی الموجب للعمل وهو غلبة الظن لا العلم بمعنی التیقن (مجالس الا برار ص ۲۲۱ مجلس نمبر ۳۲) یہی حکم خط کا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۲ ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ۔

دوسری جگہ سے چاند کی خبر آئے تو اس کی تحقیق کرنا ضروری ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۸۳) اپنے مقام پر چاند نہیں دیکھا گیا لیکن اس مقام کے قاضی مفتی یا ہلال کمیٹی کے صدر کے پاس دوسرے مقامات سے فون یا خط کے ذریعہ عام رؤیت یا رؤیت کے فیصلہ وغیرہ کی اطلاع آتی ہے یا شہر یا بستی کے لوگ خود ان کو آکر خبر دیتے ہیں کہ فلاں جگہ سے فون یا خط وغیرہ کے ذریعہ رؤیت کی اطلاع موصول ہوئی ہے لہذا اب ہمیں کیا عمل کرنا چاہئے، ہم روزہ رکھیں یا نہ رکھیں؟ عید منائیں یا نہ منائیں؟ قرائن خارجیہ اور شواہد سے موصولہ خبر کے صحیح ہونے کے امکانات اور ظن بھی ہو تو کیا اس صورت میں اس رؤیت ہلال کمیٹی، یا مستند عالم دین، مفتی، قاضی وغیرہ کہ جن کے فیصلہ رؤیت پر اہل شہر اور بستی والے عام طور پر اعتماد کرتے ہیں، شرعاً ان کے ذمہ اس کی تحقیق کر کے عوام کو صحیح فیصلہ اور حکم سے آگاہ کرنا مناسب اور بہتر ہے؟ یا وہ خاموش بیٹھے رہیں اور یہ کہہ دیں کہ یہاں رؤیت نہیں ہوئی اس لئے باہر سے چاہے جتنی صحیح اور معتبر خبر موصول ہو رہی ہو، ہم ہرگز اس کی تحقیق کے لئے تیار نہیں، مقامی فیصلہ صحیح ہے اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی اس سلسلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟ اور اکابرامت کا اس بارے میں سلفاً وخلفاً کیا معمول رہا ہے؟ تفصیلی جواب سے نوازیں۔ فقط والسلام بینوا توجروا۔ (بڑودہ)

(الجواب) قاضی، مفتی، معتمد علیہ شخصیت اور ہلال کمیٹی کے صدر کو لازم ہے کہ اپنے مقام پر برقرار رہے اور لوگوں پر لازم ہے کہ ان کے دربار میں اور مجلس میں جا کر اپنی رؤیت پیش کریں۔

قاضی وغیرہ پر لازم نہیں کہ چاند کی تلاش میں نکلے اس میں یہ بھی خرابی ہے کہ لوگ پھر کس کے سامنے گواہی دیں گے، اور اپنے یہاں عدم رؤیت کی صورت میں خواہ مخواہ دوسرے مقامات پر تحقیق کے لئے جانا خالی از تکلف نہیں۔ لیکن اس زمانہ میں ریڈیو، تار ٹیلیفون وغیرہ سے خبریں پھیل جاتی ہیں اور لوگوں میں عام انتشار اور پریشانی پیدا ہو جاتی ہے اور فتنہ کا ڈر لاحق ہو جاتا ہے اس سے بچنے کے لئے قاضی وغیرہ اپنے نائب کو جہاں سے چاند کی خبر آئی ہے وہاں تحقیق کے لئے بھیجے تو یہ ممنوع نہیں ہے بلکہ مستحسن اور بعض صورتوں میں ضروری ہوگا، شہادت علی قضاء القاضی اور کتاب القاضی بنام قاضی اس کی بین دلیل ہے، اور اس کی تائید اکابرین کے عمل سے ہوتی ہے۔

ملاحظہ ہو سید الملت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا رسالہ۔ (''رویت ہلال'' رمضان وعید کے مسائل و دلائل ص ۳۷، ص ۳۸) فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۔ ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ۔

رویت ہلال ٹیلیفون سے معتبر ہے یا نہیں:

(سوال ۲۸۴) امسال دہلی میں مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے رمضان المبارک کا انتیسواں چاند نظر نہ آسکا تھا، لکھنؤ سے بذریعہ ٹیلیفون آئی ہوئی خبر سے روزہ رکھا گیا تھا۔ یہ خبر ''اخبار الجمعیۃ'' میں شائع ہوئی ہے حالانکہ آج تک علما ٹیلیفون کی خبر کو من وراء الحجاب ہونے کے سبب سے قبول نہ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ شاہد کی حضوری ضروری ہے لہذا اخلاصہ مطلوب ہے بینوا توجروا۔

(الجواب) بلاشبہ شہادت من وراء الحجاب معتبر نہیں شاہد کا حاضر ہونا ضروری ہے مگر یہ شہادت نہیں خبر ہے۔ ہلال رمضان کے وقت مطلع صاف نہ ہو اور ایک معتبر آدمی مرد ہو یا عورت چاند ہونے کی خبر دے اور قاضی یا اس کے نائب کو چاند ہونے کا یقین آجائے تو تراویح اور روزہ رکھنے کا حکم دے سکتا ہے۔ درمختار میں ہے وقبل بلا دعوی وبلا لفظ اشھد وبلا حکم وبلا مجلس قضاء لانہ خبر لاشھادۃ. یعنی آسمان پر گرد وغبار ہو یا ابر ہو تو ہلال رمضان کے لئے ایک معتبر آدمی کی خبر بلا دعویٰ و بلا لفظ اشھد اور بلا حکم و مجلس قضا قبول کی جاسکتی ہے کیونکہ یہ خبر ہے شہادت نہیں۔ (ردالمحتار ج۲ ص ۱۲۳ کتاب الصوم)

دہلی کا واقعہ بھی ایسا ہی ہے ابر کی بناء پر چاند نظر نہ آسکا ریڈیو سے بہت سے مقامات سے چاند ہونے کی خبر پہنچی مگر یقین نہ ہوسکا بالآخر لکھنؤ سے ایک معتبر عالم نے ٹیلیفون سے خبر دی مفتی صاحب اور علماء نے بیان سن کر آواز پہنچان کر پورے اطمینان کے بعد چاند ہونے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا یہ درست ہے۔ یہ نیا فیصلہ یا نیا فتویٰ نہیں آج سے چالیس برس پہلے حضرت تھانویؒ نے ایسا ہی فتویٰ دیا ہے ملاحظہ ہو۔

(سوال) ایک شہر کے مفتی یا دیندار عالم کے نزدیک رویت ہلال کا ثبوت بموجب شرع شریف کے ہوا۔ اور وہ اس رویت کے ثبوت کی خبر دوسرے شہر کے مفتی یا دیندار عالم کو بذریعۂ آلۂ ٹیلیفون کے کرے جس میں خبر دہندہ اور مخبر الیہ ایک دوسرے کی آواز کو اچھی طرح سنتے اور پہنچاتے ہیں اور تکلم کے وقت غیر کا واسطہ بھی نہیں ہوتا، اور مخبر الیہ کو اس خبر کی تصدیق میں کسی طرح کا شبہ بھی نہیں رہتا تو اس خبر پر عمل کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور صورت مسئولہ میں اور دوسرے قابل اعتبار ٹیلیفون کی ضرورت باقی رہی یا نہیں؟

(الجواب) جن احکام میں حجاب مانع قبول ہے اس میں (ٹیلیفون کا واسطہ) غیر معتبر ہے اور جن میں حجاب مانع نہیں ان میں اگر قرائن قویہ سے متکلم کی تعیین معلوم ہو جائے (کہ فلاں شخص ہی بول رہا ہے) تو معتبر ہے۔ ۱۶ محرم ۱۳۳۸ھ (امدادالفتاویٰ ج۲ ص ۷۸)

غرض کہ بذریعہ ٹیلیفون رمضان کے چاند کی خبر معتبر ہے بشرطیکہ مخبر معتبر ہو، کلام پوری طرح سنایا گیا ہو۔ سمجھا گیا ہو آواز برابر پہچانی گئی ہو اور قرائن سے پورا یقین ہو گیا ہو کہ چاند ہوا ہے اور مستند علماء اس کو قبول کریں۔ واقعہ دہلی ان شروط کے مطابق تھا۔ لیکن یہ صرف رمضان کے متعلق ہے عید کے چاند کا یہ حکم نہیں ہے۔

ریڈیو کی خبر سے ہلال رمضان وعید کا ثبوت:

(سوال ۲۸۵) ہلال عید الفطر کی خبر ریڈیو پاکستان نے دی تھی۔ جس بناء پر چند دیہاتوں میں بعض لوگوں نے تیسواں روزہ نہ رکھا۔ بعض نے رکھ کر توڑ دیا اور عید کرلی تو یہ عید معتبر ہے؟ کیا روزہ کی قضاء آئے گا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس صورت میں عید معتبر نہیں روزہ کی قضا لازم ہے۔ بعض صورتوں میں قضاء کے ساتھ کفارہ بھی ہے۔ یہاں ہندوستان میں مطلع صاف تھا چاند ہوتا تو ضرور نظر آتا بڑے بڑے شہروں میں بھی چاند نظر نہیں آیا اور نہ عید کی خبر آئی۔ لہٰذا دیہاتیوں کا یہ فعل نادانی اور غیر قانونی شمار ہوگا۔ ان کو چاہئے کہ توبہ استغفار کریں۔ ریڈیو کی خبر ہلال رمضان وعید الفطر میں بچند شرائط معتبر ہے۔ مگر وہ شرائط عام ریڈیوں میں نہیں پائی جاتیں۔ اس لئے ریڈیو کی خبر پر عید کرنا صحیح نہیں ہے۔ نہ اس سے رمضان کا ثبوت ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

قمری مہینوں کے اثبات میں اہل حساب کی تحقیق پر عمل کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۸۶) ہمارے یہاں (ساؤتھ افریقہ میں) مصر سے ایک فتویٰ آیا ہے اس میں ایک جگہ لکھا ہے کہ اگر کسی وقت ۲۹ ویں شعبان کی رویت ہلال نہ ہو، البتہ اہل حساب یقین کے ساتھ یہ بات کہیں کہ چاند ۲۹ ویں شعبان کو پیدا ہوگا اور افق پر غروب شمس کے بعد اتنی دیر تک رہے گا کہ اس کی رویت ممکن ہو، اس صورت میں اہل حساب کے قول پر عمل کیا جائے گا اور رمضان کا دخول ثابت ہو جائے گا۔ بعض فقہاء اس کے قائل ہیں کہ ایسی صورت میں اہل حساب کے قول پر عمل کیا جاسکتا ہے، وہ لکھتے ہیں۔

"اما اذا قطع اهل الحساب بان الهلال يولد ۲۹ شعبان ويمكث فوق الا فق بعد غروب الشمس هذا اليوم مدة يمكن رؤيته فيها فانه في هذه الحالة يعمل بقول اهل الحساب ويثبت دخول شهر رمضان بناء علىٰ قولهم طبقا لما ذهب اليه بعض الفقهاء من جواز العمل بحسابهم في مثل هذا" ص ۲.

سوال یہ ہے کہ ۲۹ شعبان کو رویت ہلال نہ ہو تو کیا صرف اہل حساب کی تحقیق کی بنا پر رمضان کے چاند کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے؟ اور فتویٰ کے مذکورہ اقتباس کے مطابق عمل ہوسکتا ہے؟ اس بارے میں تفصیلی جواب مطلوب ہے۔

(۲) ہمارے ساؤتھ افریقہ میں عموماً چاند نظر آتا ہے گاہے مطلع ابر آلود رہتا ہے، ہمارے یہاں بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ عید الاضحیٰ سعودی عرب کے ساتھ منائی جائے آنجناب کا فتویٰ اس مسئلہ میں مطلوب ہے، ذی الحجہ بہت قریب ہے امید ہے کہ جواب جلد از جلد تیار ہو جائے گا۔ بینوا توجروا۔ (از ساؤتھ افریقہ ۶ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ)

(الجواب) **بسم الله الرحمن الرحيم. حامداً و مصلياً ومسلماً وهو الموفق.**

(۱-۲) رمضان اور عید وغیرہ کا دارومدار رویت ہلال پر ہے، حدیث میں ہے۔

لا تصوموا حتىٰ تروا الهلال ولا تفطروا حتى تروه فان غم عليكم فاقدروا له (بخاری

شریف ص ۲۵۶ ج ۱)(مسلم شریف ص ۳۴۷ ج ۱) (مشکوٰۃ شریف ص ۱۷۴)باب (رویۃ الھلال)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے روزہ اس وقت تک مت رکھو جب تک (رمضان کا) چاند نہ دیکھ لو، اور جب تک ہلال شوال نہ دیکھو افطار نہ کرو (روزے ختم نہ کرو) اگر ابر وغبار کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو حساب لگالو (یعنی تیس دن پورے کرلو)

اور ایک روایت میں ہے۔

الشھر تسع وعشرون لیلۃ فلا تصوموا حتی تروہ فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلاثین (بخاری شریف ص ۲۵۶ ج ۱)(مسلم شریف ص ۳۴۷ ج ۱)(مشکوۃ شریف ص ۱۷۴)

مہینہ (یقیناً) انتیس راتوں کا ہے اس لئے روزہ اس وقت تک نہ رکھو جب تک (رمضان کا) چاند نہ دیکھ لو پھر اگر چاند تم پر مستور ہو جائے تو (شعبان کی) گنتی تیس دن پورے کرکے رمضان سمجھو۔

مذکورہ دونوں حدیثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے مہینہ کی آمد کو رؤیت ہلال پر موقوف رکھا ہے۔ نئے چاند کے افق پر موجود ہونے یا اس کے نظر آنے کے صرف عقلی اور حسابی امکان کو دارو مدار نہیں بنایا، چنانچہ اس کے بعد ارشاد فرمایا کسی رکاوٹ (ابر، غبار) کی وجہ سے ۲۹ ویں شب کو چاند نظر نہ آئے تو اس وقت تیس دن پورے کرکے اگلا مہینہ شروع کرو۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ مفتیٔ اعظم پاکستان تحریر فرماتے ہیں: یہ دونوں حدیثیں (جو اوپر نقل ہوئیں) حدیث کی دوسری سب مستند کتابوں میں بھی موجود ہیں جن پر کسی محدث نے کلام نہیں کیا اور دونوں میں روزہ رکھنے اور عید کرنے کا مدار چاند کی رؤیت پر رکھا ہے، لفظ رؤیت عربی زبان کا مشہور لفظ ہے جس کے معنی کسی چیز کو آنکھوں سے دیکھنے کے ہیں اس کے سوا اگر کسی دوسرے معنی میں لیا جائے تو وہ حقیقت نہیں مجاز ہے اس لئے حاصل اس ارشاد نبوی کا یہ ہوا کہ تمام احکام شرعیہ جو چاند کے ہونے یا نہ ہونے سے متعلق ہیں ان میں چاند کا ہونا یہ ہے کہ عام آنکھوں سے نظر آئے، معلوم ہوا کہ مدار احکام چاند کا افق پر وجود نہیں بلکہ رویت ہے، اگر چاند افق پر موجود ہو مگر کسی وجہ سے قابل رؤیت نہ ہو تو احکام شرعیہ میں اس وجود کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

حدیث کے اس مفہوم کو اسی حدیث کے آخری جملہ نے اور زیادہ واضح کردیا جس میں یہ ارشاد ہے کہ اگر تم سے چاند مستور اور چھپا ہوا رہے یعنی تمہاری آنکھیں اس کو نہ دیکھ سکیں تو پھر تو اس کے مکلف نہیں کہ ریاضی کے حسابات سے چاند کا وجود اور پیدائش معلوم کرو اور اس پر عمل کرو، یا آلات رصدیہ اور دوربینوں کے ذریعہ اس کا وجود دیکھو بلکہ فرمایا۔ **فان غم علیکم فاکملوا عدۃ ثلاثین** یعنی اگر چاند تم پر مستور ہو جائے تو تیس دن پورے کرکے مہینہ ختم سمجھو الخ (رویت ہلال ص ۱۵، ۱۶ ادارۃ المعارف کراچی)

مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلی زادہ مجدہ استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اپنے ایک مقالے (۱) میں

---

(۱) موصوف نے یہ مقالہ ایک سیمینار میں پیش کیا تھا، یہ سیمینار ۷ تا ۱۰ جون ۱۹۸۸ء مطابق ۲۱ تا ۲۴ شوال المکرم ۱۴۰۸ھ کو ملیشیا کے مشہور شہر پینانگ (PENANG) میں منعقد ہوا تھا جس میں ۲۵ ملکوں کے تقریباً ۷۰ ممتاز افراد نے حصہ لیا تھا موصوف کا یہ مقالہ پسند کیا گیا تھا۔

تحریر فرماتے ہیں۔

ان الفاظ حدیث سے اس کے علاوہ اور کوئی مفہوم نہیں نکل سکتا کہ اگر چاند افق پر موجود ہے مگر اس کے کھلی آنکھوں سے نظر آنے میں بادل یا اور کوئی چیز حائل ہوگئی ہو اور چاند نظر نہ آسکا ہو، تو ایسی صورت میں بھی شریعت کا حکم یہی ہے کہ تیس دن پورے کر لئے جائیں اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ مہینہ کی آمدورفت کا دارومدار شرعاً رویت پر، یعنی نئے چاند کے دیکھ لینے پر ہے، اس کے افق پر موجود ہونے یا امکان رویت پر نہیں ہے اور اسی سے یہ بھی معلوم، بلکہ ثابت ہوجاتا ہے کہ حسابی طریقہ، یا آلات رصدیہ کے ذریعہ ثابت ہونے والا نیا چاند، شرعی احکام کے لئے بنیاد نہیں بن سکتا۔ کیونکہ آلات اور حسابی قواعد کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ نئے چاند کا امکان معلوم ہوسکتا ہے جس کے لئے عموماً فقہی کتابوں میں تولید ہلال یا ولادت قمر وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور انگریزی میں اسے نیومون (NEW MOON) کہا جاتا ہے، درحقیقت چاند اپنی رفتار کے خاص مرحلہ میں سورج کے بالکل محاذ میں آجاتا ہے (اسی لئے یہ حالت قرآن شمس وقمر بھی کہلاتی ہے) اور چاند کا ظاہری وجود قطعاً چھپ جاتا ہے گویا وہ سورج کے روشن جسمانی دائرہ کے اندر غائب ہوجاتا ہے، یہ کیفیت دو تین منٹ رہتی ہے اس کے بعد تدریجاً دونوں کے درمیان دوری ہوتی ہے تو پھر چاند کا ظاہری وجود نمایاں ہونے لگتا ہے اور تقریباً بیس گھنٹہ بعد قابل رویت بن جاتا ہے، ظاہر ہے کہ چاند کی مذکورہ بالا حالتیں، ولادت سے لے کر قابل رویت ہونے تک، شرعی احکام کے لحاظ سے ناقابل التفات ہیں، البتہ جب رویت ثابت ہوجائے تب وہ مدار حکم بنے گی، اس سے پہلے نہیں۔ الی قولہ۔ یہ بات اگرچہ احادیث بالا سے بداہۃً وصراحۃً ثابت ومعلوم ہورہی ہے کہ پھر مزید کسی تائید کی ضرورت نہیں رہتی لیکن مزید اطمینان کے لئے یہاں ایک مشہور شامی فقیہ علامہ ابن عابدینؒ صاحب ردالمحتار کا بیان نقل کیا جارہا ہے۔

صرح به علماء نا من عدم الا عتماد على قول اهل النجوم في دخول رمضان لان ذلك مبنى علىٰ ان وجوب الصوم معلق بروية الهلال لحديث" صوموا الرويته" وتوليد الهلال ليس مبنيا على الرؤية بل على قواعد فلكية وهي وان كانت صحيحة في نفسها لكن اذا كانت ولادته في ليلة كذا فقد يرى فيها الهلال وقد لا يرى والشارع علق الوجوب على الرؤ ية لا على الولادة (ج ١ ص ٢٨٩ مكتبه نعمانيه ديو بند) بحواله " بحث ونظر" (ص۷۹۔۸۰ کتاب الصوم پھلواری شریف پٹنہ، شمارہ نمبر۴ جنوری فروری مارچ ۱۹۸۹ء)

اسی طرح جمہور علماء کے قول کے مطابق حساب کو دارومدار بنانا احادیث صحیحہ کے خلاف ہے، چنانچہ حدیث میں ہے **عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال انا امة امية لا نكتب ولا نحسب الخ** (بخاری شریف ص ۲۵۶ ج۱) (مسلم شریف ص ۳۴۷ ج۱) (مشکوۃ شریف ص ۱۷۴ باب رویۃ الھلال)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

ان الاستقصاء في معرفة الشهر لا الىٰ الكتاب والحساب كما عليه اهل النجامة (مرقاة شرح مشكوة ص ۲۴۴ ج۴، باب رؤية الهلال مكتبه امداديه ملتان)

مہینے کی معرفت میں آخری مدار حساب وکتاب نہیں ہے جیسا کہ حساب دان سمجھتے ہیں۔

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ان الحمل علی ما یعتاده المنجمو ن لیس من هدینا وسنتنا بل علمها یتعلق برویة الهلال فانا نراه مرة تسعا وعشرین ومرة ثلثین (مرقاة شرح مشکوة ص ۲۴۴ ج ۴، باب روية الهلال) مطبوعه ملتان)

حساب دانوں کا جوطریقہ ہے اس پر عمل کرنا ہمارا (اسلام کا) طریقہ نہیں ہے بلکہ نئے مہینے کی آمد کے علم کا تعلق رویت ہلال سے ہے چنانچہ کبھی ہم ۲۹ ویں کو چاند دیکھتے ہیں اور کبھی تیسویں کو۔

الفقہ علی مذاہب الاربعہ میں ہے۔

هل يعتبر قول المنجم ؟ لا عبرة بقول المنجمين فلا يجب عليهم ولا على من وثق بقولهم ، لان الشارع علق الصوم على امارة ثابتة لا تتغير ابداً ، وهي رؤ ية الهلال اوا كمال العدة ثلاثين يوماً اما قول المنجمين فهو ان كان مبنياً علي قواعد رقيقة فانا نراه غير منضبط بدليل اختلاف ارائهم فی اغلب الاحيان وهذا هو رأى ثلاثة من الا ئمة وخالف الشافعية فانظر مذهبهم تحت الخط ، وهو هذا.

"الشافعية قالوا يعتبر قول المنجم في حق نفسه وحق من صدقه ولا يجب الصوم على عموم الناس بقوله على الراجح (الفقه على مذاهب الاربعة ص ۵۱۱ الجز الثانی كتاب الصيام)(تاليف عبد الرحمن الجزيری، مطبوعه استنبول تر كی)

حساب دانوں کی بات معتبر نہیں ہے پس ان پر اپنے حساب کے مطابق روزہ رکھنا واجب نہیں ہے اور نہ اس شخص پر جو ان کی بات پر اعتماد کرتا ہو اس لئے کہ شارع علیہ السلام نے روزے کو ایسی امارت (نشانی) سے متعلق کیا ہے جو کبھی بھی بدل نہیں سکتی اور وہ رویت ہلال ہے۔یا تمیں دن پورے کرنا ہے رہی حساب دانوں کی بات اگر چہ (ان کے نزدیک) ان کا حساب دقیق قواعد پر مبنی ہے مگر پھر بھی وہ منضبط نہیں ہے اس لئے کہ بسا اوقات خود ان ہی کے درمیان اختلاف ہوتا ہے اور یہی ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ امام احمدؒ) کا قول ہے بعض شوافعؒ نے کہا ہے کہ منجم کی بات خود اس کی ذات اور جو ان کی بات کی تصدیق کرے اس کے حق میں معتبر ہے۔لیکن راجح قول یہ ہے کہ عام لوگوں پر ان کے حساب کی وجہ سے روزہ رکھنا واجب نہیں ہے۔

درمختار اور شامی میں ہے۔

ولا عبرة بقول الموقتين ولو عدولاً على المذهب (درمختار) (قوله ولا عبرة بقول الموقتين) ای فی وجوب الصوم على الناس بل فی المعراج لا يعتبر قولهم بالا جماع ولا يجوز للمنجم بحساب نفسه وفی النهر فلا يلزم بقول المؤقتين انه ای الهلال يكون فی السماء ليلة كذا وان كانوا عدولاً فی الصحيح كما فی الصحيح وللامام السبکی الشافعی تاليف مال فيه الی

اعتماد قولهم لان الحساب قطعي اه ومثله في شرح الوهبانية قلت ما قاله السبكي رده متاخرو اهل مذهبه ومنهم ابن حجر والرملي في شرحي المنهاج . الى قوله . ووجهه ماقلناه ان الشارع لم يعتمد الحساب بل الغاه بالكلية بقوله نحن امة امية لا نكتب ولا نحسب الشهر هكذا هكذا (درمختار و شامي ج۲ ص ۱۲۵، ۱۲۶)تحت مطلب لا عبرة بقول الموقتين في الصوم وتحت مطلب ماقاله السبكي من ان الاعتماد على قول الحساب مردود)

موقتین (حساب داں) کی بات معتبر نہیں ہے یعنی ان کے حساب کی وجہ سے عوام الناس پر روزہ رکھنا واجب نہیں ہے، معراج میں تو یہاں تک ہے کہ بالاجماع ان کی بات معتبر نہیں ہے اور نہ خود حساب دانوں پر ان کے حساب کی وجہ سے روزہ رکھنا جائز ہے اور نہر میں ہے، موقتین کے قول سے کہ فلاں رات میں چاند آسمان پر ہوگا ان کے قول کی وجہ سے اس رات میں چاند کا ہونا (جب کہ دیکھا نہ جائے) لازم نہیں ہوگا اگر چہ موقتین عادل ہوں صحیح قول کے مطابق، ایضاح میں بھی اسی طرح ہے اس مسئلہ میں امام سبکی شافعی کی ایک تصنیف ہے ان کا میلان یہ ہے کہ حساب دانوں کی بات معتبر ہے اس لئے کہ حساب قطعی ہوتا ہے اور اسی طرح شرح وہبانیہ میں ہے، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں۔ قلت میں کہتا ہوں کہ جو بات علامہ سبکی نے کہی ہے ان کے ہی ہم مذہب متاخرین علماء نے اسے رد کر دیا ہے ان میں سے علامہ ابن حجرؒ اور علامہ رملیؒ ہیں جیسا کہ شرح منہاج میں ہے۔ الی قولہ۔ ہم نے جو بات کہی ہے کہ موقتین کی بات معتبر نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر اعتماد نہیں فرمایا بلکہ اپنے اس قول نحن امة الخ سے اسے بالکل لغو قرار دیا (شامی ج۲ ص ۱۲۵، ۱۲۶ کتاب الصوم)

فتویٰ تتارخانیہ میں ہے۔

وذكر السرخسي رحمه الله في كتاب الصوم وقول من قال يرجع الى قول اهل الحساب عند الاشتباه بعيد فان النبي صلى الله عليه وسلم قال من اتى كاهنا او عرافا فصدقه بما يقول فقد كفر بما انزل على محمد صلى الله عليه وسلم .

علامہ سرخسیؒ نے کتاب الصوم میں بیان کیا ہے کہ جو شخص کہے کہ اشتباہ کے وقت اہل حساب کے قول کی طرف رجوع کیا جائے تو اس کا یہ قول بعید ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص کاہن یا نجومی کے پاس گیا اور اس کی بات کی تصدیق کی تو اس نے ان باتوں کی تکفیر کی جو محمد ﷺ پر نازل ہوئیں۔

ذكر في التهذيب في كتاب الصوم : يجب صوم رمضان برؤية الهلال او باستكمال شعبان ثلاثين ولا يجوز تقليد المنجم في حسابه لافي الصوم ولا في افطار وهل للمنجم ان يعمل بحساب نفسه ' ففيه وجهان احدهما انه يجوز والثاني لا يجوز. (الفتاوى التاتارخانية ص ۳۵۶ ج ۲ كتاب الصوم باب روية الهلال)

تہذیب میں کتاب الصوم میں فرمایا ہے رمضان کا روزہ رویت ہلال سے یا شعبان کے تیس دن پورے کرنے سے واجب ہوگا اور منجم کی بات کی پیروی کرنا نہ روزہ رکھنے میں جائز ہے نہ روزہ ختم کرنے میں، اور منجم اپنے حساب پر خود

عمل کرسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس میں دو قول ہیں۔ایک قول جواز کا اور دوسرا عدم جواز کا۔(۱)

نیز صحیح حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مہینہ یا انتیس دن کا ہوگا یا تیس دن کا۔۲۸،یا ۳۱ دن کا نہیں ہوسکتا، حدیث کے الفاظ یہ ہیں **عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انا امة امیة لا نکتب ولا نحسب الشهر هکذا وهکذا وهکذا وعقد الا بهام فی الثالثة ، ثم قال الشهر هکذا وهکذا یعنی تمام الثلثین۔**

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہماری امت ان پڑھ ہے،ان کی اکثریت نہ لکھنا جانتی ہے نہ حساب،مہینہ انتیس دن کا ہوگا اور کبھی تیس دن کا ہوگا،اور آپ ﷺ نے انگلیوں کے اشارے سے اس کی تفصیل فرمادی (بخاری شریف ص ۲۵۶ جلد اول) (مسلم شریف ص ۳۴۷ جلد اول) (مشکوۃ شریف ص ۱۷۴ باب رویۃ الہلال)

(۱) ماہنامہ الفرقان جنوری ۱۹۹۲ء مولانا محمد برہان الدین سنبھلی صاحب استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا ایک قابل قدر مقالہ اسی موضوع پر شائع ہوا ہے اس سے ایک اقتباس یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

رویت کا پیشگی تعین ناممکن

جیسا کہ اوپر متعدد بار ذکر آیا" رویت ہلال" کا ثبوت آلات وحسابی قواعد سے نہیں ہوسکتا اگرچہ مذکورہ بالا دلائل سے یہ حیثیت پوری طرح ثابت ومعلوم ہوجاتی ہے مگر خدا کی شان دیکھئے کہ اس کے علاوہ جدید ترین ذرائع معلومات سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔پاکستان کے ایک مشہور صاحب قلم عصری تعلیم یافتہ ضیاء الدین صاحب جن کے متعدد قابل قدر مقالات" رویت ہلال" کے موضوع پر شائع ہوچکے ہیں اور ان سب کا مجموعہ" رسالہ" کی شکل میں لندن میں شائع ہوا ہے،موصوف نے یونیورسٹی آف لندن آبزرویٹری کے شعبہ فزکس وعلوم وفلکیات کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر سے اس موضوع پر خط وکتابت کرکے معلومات حاصل کیں،ڈاکٹر مذکور نے جو اس کا جواب دیا اس کا خلاصہ ضیاء الدین صاحب موصوف کے ہی الفاظ میں یہاں مختصراً پیش کیا جارہا ہے۔

"آپ (ضیاء صاحب) کے ... استفسار کے متعلق کہ آیا رصدگاہی سائنسداں کوئی ایسا معیار قائم کرنے کے قابل ہوچکے ہیں جس سے نیا چاند نمودار ہونے والی شام کی یقینی پیش گوئی کی جاسکے، مجھے افسوس ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے"

آگے چل کر ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں۔

درحقیقت رویت ہلال کے متعلق کوئی بھی مفروضہ قائم نہیں کیا جاسکتا، مجھے افسوس ہے کہ میرے خیال میں کوئی ایسا سائنسی طریقہ نہیں ہے جس سے اس موقع پر اسلام کی ضروری شرائط (آنکھ سے نیا چاند دیکھنے کی بابت) پوری کی جاسکیں۔"

(رویت ہلال ص ۱۵ "موجودہ دور میں، از ضیاء الدین طبع لندن)

ضیاء الدین صاحب نے اپنے اسی رسالے میں مشہور عالم رصدگاہ گرین دیچ کی سائنسی ریسرچ کونسل کے فلکیاتی قرطاس نمبر ۶ کا ترجمہ بھی دیا ہے،یہاں اس کا ایک حصہ نقل کیا جارہا ہے۔

"ہر ماہ نئے چاند کے پہلی مرتبہ نظر آنے والی تاریخوں کے متعلق پیش گوئی کرنا ممکن نہیں۔" کیونکہ ایسے کوئی قابل اعتماد اور مکمل طور پر مستند مشاہدات موجود نہیں ہوتے جنہیں ان شرائط کو متعین کرنے میں استعمال کیا جاسکے جو چاند کے اول بار نظر آجانے کے لئے کافی ہوں۔" مزید لکھتے ہیں۔"یہ امر واضح ہے کہ رویت ہلال کے متعلق کوئی بھی پیش گوئی غیر یقینی ہوتی ہے"ان سب تفصیلات کے پیش نظر صادق ومصدوق (ﷺ) کے ارشاد **انا امة امیة لا نکتب ولا نحسب الشهر هکذا وهکذا مرة تسعا وعشرین ومرة ثلاثین** (بخاری ج ۱ ص ۲۵۶، ج ۱ ص ۳۴۷ کی معنویت وصداقت اور بھی زیادہ واضح ومدلل ہوجاتی ہے۔انتہی قولہ۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ شریعت کے احکام کا مدار ظاہری امور (علامات) پر رکھا گیا ہے۔فنی موشگافیوں اور حسابات پر نہیں رکھا گیا بلکہ شریعت نے تو حسابات وغیرہ پر (شرعی احکام کا) دارومدار رکھنے کی کوششوں سے بھی روکا ہے (حجۃ البالغہ ج ۳ ص ۵۱) (از ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ص ۲۰، ص ۲۱ جنوری ۱۹۹۲ء مطابق جمادی الاخری ۱۴۱۲ھ جلد نمبر ۶۰ شمارہ نمبر ۱) ۱۲۔

اختلاف مطالع

ظاہر روایت یہ ہے کہ اختلاف مطالع معتبر نہیں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

ولاعبرة لا ختلاف المطالع فی ظاهر الروایة کذا فی فتاوی قاضی خان و علیه فتوی الفقیه ابی اللیث وبه کان یفتی شمس الائمة الحلوانی قال لو رأی اهل مغرب هلال رمضان یجب الصوم علی اهل مشرق کذا فی الخلاصة(فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۲۱۱ باب رویة الهلال)

فتح القدیر میں **واذاثبت فی مصر لزم سائر الناس فیلزم اهل المشرق برؤیة اهل مغرب فی ظاهر المذهب. الی قوله. وجه الاول عموم الخطاب فی قوله علیه السلام صوموا لرؤیته الخ (فتح القدیر ج۲ ص ۳۱۳،۳۱۴ باب رویة الهلال)**

علم الفقہ میں ہے:۔ ایک شہر والوں کا چاند دیکھنا دوسرے شہر والوں پر بھی حجت ہے ان دونوں شہروں میں کتنا ہی فاصلہ کیوں نہ ہو حتی کہ اگر ابتداء مغرب میں چاند دیکھا جائے اور اس کی خبر معتبر طریقہ سے انتہائے مشرق کے رہنے والوں کو پہنچ جائے تو ان پر اس دن کا روزہ ضروری ہوگا (درمختار ردالمحتار وغیرہ) (علم الفقہ حصہ۳ ص ۱۷، ۱۸)

مفتی اعظم ہند مولانا محمد مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

(سوال) اگر کسی دور کے شہر سے چاند دیکھنے کی خبر آئے تو معتبر ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) چاہے کتنی ہی دور سے خبر آئے معتبر ہے مثلاً برہما والوں نے چاند نہیں دیکھا، اور کسی بمبئی کے شخص نے ان کے سامنے چاند دیکھنے کی گواہی دی تو ان پر ایک روزہ کی قضا لازم ہوگی ہاں یہ شرط ہے کہ خبر ایسے طریقہ سے آئے جس کا شریعت میں اعتبار ہے تار کی خبر معتبر نہیں (تعلیم الاسلام ص ۵۶ حصہ چہارم)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''انبیاء کی شان ہی تیسیر و تسہیل ہے ان کے کلام میں کسور کا نہ ہونا اولیٰ ہے اسی لئے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اختلاف مطالع کو غیر معتبر قرار دیا ہے کہ اگر مکہ یا مدینہ سے شرعی ثبوت کے ساتھ خبر آ جائے کہ وہاں یہاں سے پہلے چاند ہوا ہے تو ہندوستان والوں پر اس خبر کی وجہ سے ایک روزہ رکھنا فرض ہوگا۔ الی قولہ۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس کا (یعنی اختلاف مطالع کا) اعتبار نہیں کیا، اور ان کا قول عقل ونقل دونوں کے مطابق ہے نقل کے مطابق تو اس لئے کہ حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ **نحن امة امیة لا نکتب ولا نحسب** جس سے معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ کا مدار ایسے دقیق قواعد حساب و ہیئت پر نہیں جس میں مہارت فن کی ضرورت ہو، تو چاہئے کہ اس قسم کے دقائق ریاضیہ جن کی اطلاع ہر شخص کو آسانی سے نہیں ہو سکتی شریعت میں معتبر نہ ہوں۔ اور عقل کے مطابق اس لئے کہ احکام شرعیہ تمام عالم کے لئے عام ہیں، جس میں عالم و جاہل، فلسفی و غبی، محاسب و غیر محاسب سب قسم کے آدمی ہیں تو احکام شرعیہ میں ایسی بات نہ ہونی چاہئے جو صرف فلسفی و محاسب ہی معلوم کر سکے اور ظاہر ہے کہ اختلاف مطالع ایک خاص مقدار مسافت پر ہوتا ہے، یہ نہیں کہ یہاں سے دہلی تک اختلاف مطالع ہو جائے بلکہ اس کے لئے ایک خاص مقدار معین ہے جس کو اہل حساب ہی جانتے ہیں اور رویت و شہادت ایسی چیزیں ہیں جس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے، پس ہلال (چاند) کا مدار رویت

شہادت ہی پر ہونا چاہئے نہ کہ اختلاف مطالع پر، پس امام ابوحنیفہ کا قول اصول شریعت کے بھی زیادہ موافق ہے اور اصول عقل کے بھی۔ (وعظ العشر ص ۸۷۷)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

نعم فینبغی ان یعتبر اختلافها ان لزم منه التفاوت بین البلدتین باکثر من یوم واحد لان النصوص مصرحة بکون الشهر تسعة وعشرین او ثلاثین فلا تقبل الشهادة ولا یعمل بهما فیما دون اقل العدد ولا ازید من اکثره.

یعنی اختلاف مطالع کا اعتبار اس جگہ ہوسکتا ہے کہ دوشہروں کے درمیان ایک دن یا اس سے زیادہ کا فاصلہ ہو اس لئے کہ نصوص میں تصریح ہے کہ مہینہ انتیس دن کا ہوگا یا تیس دن کا اس لئے انتیس دن سے کم کی صورت میں (یعنی اٹھائیس دن کا مہینہ لازم آتا ہو) یا تیس سے زیادہ کی صورت میں (اکتیس دن کا مہینہ لازم آتا ہو) نہ شہادت قبول کی جائے گی اور نہ اس پر عمل ہوگا۔ (فتح الملہم شرح مسلم ج ۳ ص ۱۱۳)

مجموعہ روایات بالا سے امور ذیل مدلل ثابت ہوئے۔

(۱) نئی ماہ کی آمد کا مدار رویت ہلال یا تیس دن کی تکمیل ہے، افق پر چاند کا پیدا ہو جانا نئے ماہ کی آمد کے لئے کافی نہیں۔

(۲) منجمین اور موقتین (حساب دان) کے حساب کو مدار نہیں بنایا جاسکتا۔

(۳) مہینہ انتیس ۲۹ تیس ۳۰ کے درمیان دائر رہتا ہے اٹھائیس یا اکتیس دن کا نہیں ہوسکتا۔

(۴) ظاہر روایت کے مطابق اختلاف مطالع معتبر نہیں ہے۔

(۵) کسی جگہ کی شہادت (یا شرعی طریقہ کے مطابق موصول ہونے والی خبر) اسی وقت مقبول ہوسکتی ہے جب کہ مہینہ انتیس تیس کے درمیان دائر رہتا ہو۔ اور اگر اس شہادت یا خبر سے مہینہ اٹھائیس دن یا اکتیس دن کا لازم آتا ہو تو وہ قابل قبول نہیں ہوسکتی۔

ان امور کے پیش نظر آپ نے سوال میں مصر کے فتویٰ سے جو اقتباس پیش فرمایا ہے وہ اقتباس احادیث منقولہ اور جمہور فقہاء کے قول کے خلاف ہے، لہذا اس سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔

صورت مسئلہ میں جب آپ کے یہاں (جنوبی افریقہ میں) پورے سال مطلع ابرآلود اور غبارآلود نہیں رہتا، چاند دیکھا بھی جاتا ہے اور آج تک چاند دیکھنے کے اصول پر عمل ہوتا رہا ہے تو اب بھی اسی اصول کے مطابق ہر ماہ چاند دیکھنے کا اہتمام کیا جائے اگر کسی مہینہ مطلع ابرآلود ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آسکے تو اقرب البلاد یا سعودی عربیہ سے ثبوت شرعی فراہم ہو جانے پر عمل کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ مہینہ انتیس تیس کے درمیان دائر رہتا ہو اور اس شرط کے ساتھ جب کہ یہ ثابت ہو کہ سعودی عرب والے حساب کو دارومدار نہیں بناتے بلکہ شرعی ثبوت کے بعد اعلان کرتے ہیں (ثبوت ہلال کے معتبر طرق کیا ہیں اس کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ جلد پنجم ص ۱۸۰۔ ص ۱۸۱ سے ضرور ملاحظہ فرمالیں) جدید ترتیب کے مطابق صفحہ ۲۱۵ ج ۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

سعودی عرب سے اگر چاند کا اعلان ریڈیو پر نشر ہو تو اس کی حیثیت ایک اعلان کی ہوگی، اسے شہادت یا

شہادت علی الشہادت نہیں کہا جاسکتا، جو لوگ سعودی عرب کے دائرہ اثر کے اندر رہتے ہوں یا جن لوگوں نے خود کو ان کی ماتحتی میں شامل کرلیا ہو وہ لوگ مندرجہ بالا شرائط کی پابندی کرتے ہوئے عمل کر سکتے ہیں (ریڈیو پر یہ اعلان کون نشر کرے اس کے متعلق فتاویٰ رحیمیہ جلد پنجم ص ۱۸۵، ۱۸۶ پر جو مضمون ہے وہ بھی اس موقعہ پر پیش نظر رہے)[1] اور جو ان کے دائرہ اثر سے باہر ہوں ان کے حق میں اس کی حیثیت ایک اعلان کی ہوگی، اس اعلان کی وجہ سے ان پر عمل کرنا ضروری نہ ہوگا۔ فتح القدیر میں ہے۔

لایقبل اخباره (القاضی) قاضیا آخری فی غیر عمله اوغیر عملهما ولو کان علی قضائه لا نه بالنسبة الی العمل الآخر کواحد من الرعایا غیر ان الکتاب من ذلک بالا جماع (فتح القدیر ص ۲۹۵ ج ۷ مطبوعه بیروت لبنان) هدایه اخیرین ص ۱۴۴ ج ۳ کتاب القاضی الی القاضی)

ایک قاضی دوسرے قاضی کو اس کے حدود قضایا دونوں کے دائرہ عمل کے باہر کسی شہر میں اطلاع دے تو اس کی خبر کو قبول نہ کرے اگر چہ وہ منصب قضا پر فائز ہو، کیونکہ دوسرے قاضی کی عمل گاہ میں اس کی حیثیت عام آدمی سے زیادہ نہیں رہا خط (کتاب القاضی الی القاضی) کا قبول کرنا سو وہ بالا جماع اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

ٹیلیفون کے ذریعہ اگر خبر آئے تو کیا حکم ہوگا اس کے متعلق فتاویٰ رحیمیہ میں ہے حکیم الامت حضرت تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

(الجواب) جن احکام میں حجاب مانع قبول ہے اس میں (ٹیلیفون کا واسطہ) غیر معتبر ہے اور جن میں حجاب مانع نہیں ان میں اگر قرائن قویہ سے متکلم کی تعیین ہو جائے (کہ فلاں شخص ہی بول رہا ہے) تو معتبر ہے ۱۶ محرم ۱۳۳۸ھ (امداد الفتاویٰ ص ۸۷ ج ۲)

ہاں جب متعدد جگہوں سے یا کسی ایک ایسے شہر سے کہ جہاں نامور علماء اور مفتیان کرام ہوں مختلف ثقہ لوگوں کے بیانات موصول ہوں کہ ہم نے خود چاند دیکھا ہے یا ہمارے سامنے فلاں شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی کے صدر یا مفتی یا معتمد علیہ شخصیت نے شہادت سن کر چاند ہونے کا فیصلہ دیا ہے اور جب ایسا بیان دینے والوں کی تعداد اتنی کثیر ہو جائے کہ عقلاً ان کے جھوٹ
ہونے کا احتمال باقی نہ رہے اور خبر مستفیض کے درجہ میں آجائے اور ان خبروں کے صحیح ہونے کا یقین یا غلبہ ظن مقامی قاضی یا ہلال کمیٹی کے صدر یا معتمد علیہ شخصیت کو حاصل ہو جائے تو ان کو عید کے چاند کا اعلان کرنے کا بھی حق حاصل ہو جائے گا۔" (فتاویٰ رحیمیہ جلد پنجم ص ۱۸۸) جدید ترتیب کے مطابق ص ۲۱۸ ج ۷ پر۔ واللہ اعلم بالصواب

(نوٹ) سعودی عرب کے متعلق مشہور ہے کہ وہ چاند کے معاملہ میں شرعی ثبوت کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ آلات رصدیہ اور حساب کے ذریعہ رمضان اور عیدین کی تعیین کرتے ہیں، اگر یہ صحیح ہو تو یہ طریقہ شرعاً معتبر نہیں اس بات کو ضرور ملحوظ رکھی جائے ۱۲۔ احقر الانام سید عبدالرحیم لاجپوری ثم راندیری غفرلہٗ راندیر مورخہ ۲۱ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ۔

---

(۱) جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں بعنوان ثبوت ہلال کے معتبر طرق سے ملاحظہ کریں۔

ٹیلیفوں کی خبر اور افواہوں پر عید الفطر کا فیصلہ کرنا درست نہیں؟:

(سوال ۲۸۷) بھروچ وغیرہ میں ۲۹ ویں چاند کے حساب سے عید الفطر منائی گئی، جب کہ راندیر سورت میں تیس روزے پورے کر کے عید الفطر منائی گئی، بعض لوگوں کو اشکال ہے کہ علماء راندیر کے پاس چاند کی اطلاع پہنچی تھی پھر بھی علماء راندیر نے قبول نہیں کیا جس بنا پر لوگوں میں انتشار اور شکوک وشبہات پیدا ہوئے، آپ سے عرض ہے کہ اس کی وضاحت فرمائیں کہ چاند کی اطلاع کیوں قبول نہیں کی گئی کہ لوگوں کو اطمینان ہو۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) عید الفطر کا چاند ثابت ہونے کے جو شرعی طرق ہیں (جن کی تفصیل فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۸۲ تا ص ۱۸۶[1] پر ہے ان میں سے کسی ایک طریقہ کے بھی مطابق ہمارے یہاں چاند ثابت نہیں ہوا تھا، ہمارے یہاں نہ عینی شہادت پیش ہوئی تھی نہ شہادت علی الشہادت کی صورت ہوئی نہ کتاب القاضی الی القاضی کے اصول پر کوئی خط وصول ہوا تھا، نہ خبر مستفیض کی صورت تھی، صرف بذریعہ ٹیلیفون خبر ملی تھی اور اس کے علاوہ افواہیں تھیں اور عید الفطر کے چاند کے فیصلہ کے لئے صرف خبر مل جانا کافی نہیں ہوتا، لہٰذا عید الفطر کا فیصلہ کس بنیاد پر کیا جاتا؟ ہر کام شرعی اصولوں کے مطابق کرنا چاہئے ہم نے الحمد للہ شرعی اصولوں کو پیش نظر رکھا تھا لہٰذا لوگوں کو شکوک وشبہات میں نہ پڑنا چاہئے، اور یہ کام علماء کے حوالہ کر دینا چاہئے اور ان کے فیصلوں پر عمل کرنا چاہئے، اس میں عوام کی دخل اندازی بالکل مناسب نہیں۔

چاند کا فیصلہ کرنے کے لئے بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے اس میں ہر وقت شرعی اصولوں کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

اطمینان کے لئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کے فتاویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

فتویٰ نمبر (۱):

شاہد کے لئے ضروری ہے کہ قاضی (یا مفتی) کی مجلس میں خود حاضر ہو کر شہادت دے، پس پردہ یا دور سے بذریعہ خط یا ٹیلیفون یا وائرلیس، ریڈیو وغیرہ جدید آلات کے ذریعہ کوئی شخص شہادت دے تو وہ شہادت نہیں۔ اگر چہ آواز پہچانی جائے اور بولنے والا ثقہ اور قابل شہادت ہو۔ (رویت ہلال ص ۴۰)

فتویٰ نمبر (۲):

ہلال رمضان کے علاوہ عید، بقر عید یا کسی دوسرے مہینہ کے لئے ثبوت ہلال باقاعدہ شہادت کے بغیر نہیں ہوسکتا اور شہادت کے لئے حاضر ہونا لازمی ہے، غائبانہ خبروں کے ذریعہ شہادت ادا نہیں ہوسکتی خواہ وہ قدیم طرز کے آلات خبر رسانی خط وغیرہ ہو یا جدید طرز کے ریڈیو ٹیلیفون وغیرہ (ایضاً ص ۵۰)

فتویٰ نمبر (۳) خبر صادق اور شہادت میں فرق:

کسی معاملہ کے متعلق ایک ثقہ معتبر زبانی خبر دے یا ٹیلیفون پر بتائے اور اس کی آواز پہچانی جائے یا خط میں

---

(۱) جدید ترتیب کے مطابق بعنوان "ثبوت ہلال کے معتبر طرق" سے ملاحظہ فرمائیں۔

لکھے اور خط پہچانا جائے تو مخاطب کو اس خبر کے سچا ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا، بجائے خود اس کو یقین کامل ہو جاتا ہے اور اس کے مقتضیٰ پر عمل کرنا اپنی حد تک اس کے لئے جائز بھی ہے اور تمام معاملات میں ساری دنیا اس پر عمل بھی کرتی ہے لیکن اگر وہ اپنے اس یقین کو دوسروں پر لازم اور مسلط کرنا چاہے اور چاہے کہ سب اس کو تسلیم کریں تو شریعت اور موجودہ قانون میں اس کے لئے ضابطہ شہادت قائم ہونا ضروری ہے اس کے بغیر کوئی قاضی یا حاکم اپنے یقین کو دوسروں پر مسلط نہیں کر سکتا۔

ایک جج کو ذاتی طور پر کسی مقدمہ کے متعلق ایک امر پر کتنا ہی یقین بلکہ مشاہدہ ہو مگر وہ اپنے یقین کی بنا پر مقدمہ کا فیصلہ نہیں کر سکتا جب تک باقاعدہ شہادت کی شرائط پوری کر کے اسے ثابت نہ کرے اور اس شہادت میں کسی عدالت کے نزدیک ٹیلیفون پر کسی خبر کا بیان کرنا کتنا ہی قابل اعتماد ہو شہادت کے لئے کافی نہیں۔

(پاکستان میں) حالیہ واقعہ میں مرکزی ہلال کمیٹی کا فیصلہ علماء کے نزدیک اسی لئے ناقابل قبول ٹھہرا کہ مرکزی کمیٹی نے صرف ٹیلیفون کی خبر پر اعتماد کر کے اعلان کر دیا، اس کی کوشش نہیں کی کہ گواہ کمیٹی کے سامنے پیش ہو کر گواہی دیتے یا کمیٹی کا کوئی معتمد عالم وہاں جا کر ان سے روبرو گواہی لیتا اور پھر شہادت کی بنیاد پر فیصلہ کر لیتا، اگر ایسا کر لیا جاتا تو کسی عالم کو اس سے اختلاف نہ ہوتا (جواہر الفقہ ۱/ ۳۹۸، ۳۹۹) یہ اسلامی حکومت کا حال ہے۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

فتوی نمبر (۴):

سرکاری حلقوں کے حضرات اس کو ایک خاص تہوار اور انتظامی معاملہ سمجھتے ہیں جس میں علماء کی مداخلت ان کو گوارہ نہیں، دوسرے یہ کہ وہ اس معاملہ میں صرف خبر صادق جس پر سننے والوں کو یقین ہو جائے اعلان کے لئے کافی سمجھتے ہیں اور اس فرق کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ اپنے یقین کو دوسروں پر مسلط کرنے کے لئے صرف خبر صادق کافی نہیں ہوتی بلکہ شرعی شہادت ضروری ہے، جس کے لئے خاص شرائط اور قواعد ہیں اور علماء یہ جانتے ہیں کہ ہماری عید عام قوموں کے تہواروں کی طرح ایک تہوار نہیں بلکہ ایک عبادت کا ختم اور دوسری عبادت کا شروع کرنا ہے جس میں شریعت کے بتلائے ہوئے اصول سے مختلف کوئی صورت جائز نہیں، اور کوئی چیز کتنی ہی سچی اور قابل اعتما ہو اور سننے والوں کو اس پر پورا یقین ہو مگر وہ اپنے اس یقین کو پورے ملک پر اس وقت تک مسلط اور لازم نہیں کر سکتا جب تک حجت شرعیہ اور باقاعدہ شہادت نہ ہو (ایضاً ص ۳۹۷)

رمضان المبارک کے تیس دن پورے ہو جائیں اور چاند نظر نہ آئے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۸۸) راندیر ہلال کمیٹی نے رمضان المبارک کے انتیسویں کا چاند اور پیر کے دن سے پہلا روزہ شمار کئے جانے کا جو اعلان کیا ہے وہ ٹھیک ہے، مگر سوال یہ ہے کہ تیس روزے پورے کرنے کے بعد بھی مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آوے تو کیا کیا جائے؟ عید مناویں یا اکتیسواں روزہ رکھنا ضروری ہے۔

اس مسئلہ کی وضاحت درکار ہے ورنہ لوگوں کے تشویش میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے۔ حاجی رسول خاں راندیری، ۲۵ رمضان ۱۴۰۰ھ۔

(الجواب) مسئلہ یہ ہے کہ مطلع صاف نہ ہو بادل وغیرہ ہوتو رمضان المبارک کے چاند کا ثبوت ایک دیندار یا مستور الحال مرد یا عورت کی گواہی سے ہو جاتا ہے، اور تراویح پڑھنا اور روزہ رکھنا لازم ہو جاتا ہے۔ اذا کان بالسماء علة قبل الا مام شهادة الواحد العدل فی رویة الهلال رجلا کان او امرأة حرا کان او عبداً (الیٰ قوله) وتاویل قول الطحاوی عدلا کان او غیر عدل ان یکون مستوراً (هدایه ۱/۱۹۵ کتاب الصوم)

اورتیس روزے پورے کر لینے کے بعد بھی چاند نظر نہ آوے تو عید کر لینا چاہئے، اکتیسواں روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں۔ واذا شهد علی هلال رمضان شاهدان والسماء متغیمة وقبل القاضی شهادتهما و صاموا ثلا ثین یوما فلم یروا هلال شوال ان کانت السماء متغیمة یفطرون من الغد بالا تفاق وان کانت مصحیةیفطرون ایضا علی الصحیح کذا فی المحیط. (فتاویٰ عالمگیری ۱/۱۹۸)(مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص ۳۵۹ الباب الثانی فی رؤیةالهلال)(شامی ۲/۱۲۹)

رضاخانی مکتب فکر کی معتبر کتاب ''بہار شریعت'' میں بھی ہے کہ

''رمضان کی چاند رات کو ابر تھا، ایک شخص نے شہادت دی اور اس کی بنا پر روزے کا حکم دیا گیا، اب عید کا چاند اگر بوجہ ابر کے نہیں دیکھا گیا تو تیس روزے پورے کر کے عید کرے اور اگر مطلع صاف ہے تو عید نہ کرے مگر جب دو عادل آدمی کی گواہی سے رمضان ثابت ہو (۵/۱۱۳)

صورت مذکورہ میں ہمارے پاس ایک دو نہیں بلکہ آٹھ دس دیندار گواہ موجود ہیں اور ان کی تحریری و زبانی شہادت لی گئی ہے لہذا صورت مسئولہ میں جب دلیل شرعی کی روشنی میں رمضان المبارک کے ۲۹ویں چاند کے حساب سے پیر کا پہلا روزہ ثابت ہو چکا ہے تو تیس روزے پورے کر کے عید منالیں چاہے چاند نظر نہ آوے، اکتیسواں روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رمضان اور عید کے علاوہ کے چاند کا ثبوت کیسے ہوگا؟:

(سوال ۲۸۹) رمضان المبارک اور عیدین کے سوا دیگر مہینوں کے چاند کے ثبوت کے لئے کتنے گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) رمضان المبارک اور عید الفطر و عید الاضحیٰ کے علاوہ باقی نو ماہ (۱) محرم (۲) صفر (۳) ربیع الاول (۴) ربیع الثانی (۵) جمادی الاولیٰ (۶) جمادی الاخریٰ (۷) رجب (۸) شعبان (۹) ذی قعدہ میں چاند کے ثبوت کے لئے (مطلع صاف ہو یا نہ ہو) دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کافی ہے، شامی میں ہے۔

(قوله وبقیة الا شهر التسعة)فلا یقبل فیها الا شهادة رجلین اورجل وامرأتین عدول احرار غیر محدودین کما فی سائر الا حکام ، وذکر فی الا مداد انها فی الصحو کرمضان والفطر ای فلا بد من الجمع العظیم ولم یغیره لا حد لکن قال الخیر الرملی الظاهر انه فی الا هلة التسعة لا فرق بین الغیم والصحو فی قبول الرجلین لفقد العلة الموجبة لا شتراط الجمع الکثیر وهی توجه الکل طالبین ویؤیده قوله کما فی سائر الا حکام اه (شامی ۲/۱۳۰ قبیل مطلب

فی رؤیۃالھلال نہارا) فقط واللہ اعلم بالصواب.

ریڈیو کی اطلاع پر روزہ اور عید:

(سوال ۲۹۰) الف: ریڈیوں کے ذریعہ موصول ہونے والی چاند کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟ اگر وہ معتبر ہے تو کون سی خبر اور کب تک؟ امسال ہمارے یہاں پورے علاقہ میں کسی شخص نے بھی چاند نہیں دیکھا جس کے سبب ہم سب نے شعبان کے تیس دن پورے کر کے تاریخ ۹/۹/۷۵ کو پہلا روزہ رکھا اس کے بعد تاریخ ۸/۹/۷۵ بروز پیر شام کے وقت بڑودہ سے آنے والے ایک خان پوری شخص نے اطلاع دی کہ بڑودہ اور اس کے اطراف میں چاند ثابت ہو گیا ہے اور پیر کے دن روزہ بھی رکھا گیا، ایسے ہی راندیر سے آنے والے ایک خان پوری شخص نے اطلاع دی کہ راندیر میں بوقت شب کسی اور جگہ سے رویت ہلال کی خبر موصول ہوئی اور آنے والا شخص روزہ رکھ کر آیا تھا، اب سوال یہ ہے کہ چاند کے عدم ثبوت کی وجہ سے تاریخ ۸/۹/۷۵ پیر کا روزہ نہیں رکھ گیا تو اس روزہ کی قضا ہمارے ذمہ ہے یا نہیں؟ اگر قضا ہے تو کس بنیاد پر ہے؟

ب: اعتکاف میں ۹/۹/۷۵ تاریخ کا اعتبار ہو گا یا ۸/۹/۷۵ تاریخ کا، حاصل یہ کہ مذکورہ سوال کے تمام گوشوں کی تفصیل تحریر فرمادیں۔

(الجواب) (الف) ریڈیو کے ذریعہ موصول ہونے والی چاند کی خبر بایں طور کہ یہاں چاند کا ثبوت ہو گیا ہے۔ فلاں جگہ چاند دیکھا گیا ہے۔ یہاں بہت سے لوگوں نے چاند دیکھا ہے، یہ معتبر نہیں، ریڈیو کی خبر معتبر ہونے کے لئے بہت باریک شرائط ہیں جن کی رعایت عام ریڈیو میں مفقود ہے اور ان شرائط کا لحاظ مشکل بھی ہے کیونکہ حکومت کے تعاون کے بغیر ان کا اجراء ناممکن ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ب) جب بعد میں انتیسویں تاریخ کا چاند ثابت ہو گیا تو روزہ کی قضا ضروری ہے، تراویح کی قضا نہیں اور اعتکاف میں انتیسویں تاریخ کے چاند کا اعتبار ہو گا کیونکہ ۲۹ ویں تاریخ کا چاند ثابت ہو چکا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ریڈیو کا کون سا اعلان قابل اعتماد ہے؟ اس کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ ہلال کمیٹی کے تمام اراکین اہل سنت والجماعت ہوں، بدعتی نہ ہوں اور احکام شریعت کے پورے پابند ہوں، تمام اراکین عالم نہ ہوں تو کم از کم [illegible] مفتی یا مستند عالم ہوں اور وہ از اول تا آخر تمام کارروائیوں میں شریک رہیں، اور وہی حضرات شرعی [illegible] تفتیش کے بعد چاند کا فیصلہ کریں، اور کمیٹی کا ایک رکن ''ترجمان'' کی حیثیت سے ضروری تفصیلات [illegible] ریڈیو پر چاند کے ثبوت کا اعلان کرے اور معتبر علماء اسے منظور کریں تو عمل کر سکتے ہیں، عوام کی رائے اور منظوری غیر معتبر ہے۔

دیوبند سے حضرت مفتی نظام الدین صاحب کا فتویٰ شائع ہوا ہے جس پر حضرت مفتی محمود صاحب کی تصدیق ہے، اس کے بعض اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

یہ تو صحیح ہے کہ ریڈیو کی خبر یا اعلان شہادت شرعیہ نہیں، لیکن مطلقاً ہر حال میں ناقابل عمل اور ناقابل التفات قرار دے دینا بھی صحیح نہیں، اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ ریڈیو پر آنے والی ہر خبر اور اعلان بالکلیہ صحیح اور درست ہو کہ اس پر تحقیق و تفتیش کی بھی ضرورت نہ رہے، اور اس پر عمل واجب ہو جائے بلکہ اس میں کچھ تفصیل ہے کچھ قیود و شرائط ہیں۔

ان کے ساتھ ریڈیو کا نشریہ واعلان معتبر و قابل عمل ہوسکتا ہے اور ان شرائط اور قیود کے بغیر غیر معتبر اور نا قابل توجہ وعمل رہے گا، ان تفصیلات و قیودات کی اجمالی نشاندہی ذیل میں نمبر وار کی جائے گی۔

(۱) جہاں حکومت کی جانب سے قاعدۂ شرعیہ کے مطابق رویت ہلال کا ثبوت حاصل کر کے اعلان کرنے کا قانون وانتظام ہو، اور اس پر عمل رائج ومشہور ہو تو ہاں پر مقامی طور پر پورے حدود مملکت کے اندر عمل کرنے کے لئے یہ مطلق اعلان بھی مثل اعلان قاضی (شرع) ومثل طبل قاضی وصوت مدافع وغیرہ معتبر ہوگا خواہ حکومت مسلمہ ہو یا کافرہ اور وہاں اس اعلان ونشریہ پر عمل کرنا لازم ہوگا (یہ حکم اس لئے ہے کہ) اس صورت میں اس طریقہ سے غلبہ ظن حاصل ہوجاتا ہے۔

اور اس صورت میں حدود مملکت سے باہر بھی اس اعلان ونشریہ پر عمل کرنا ضروری ہوگا بشرطیکہ مہینہ ۲۹، ۳۰ دن کا ہونے کے بجائے ۲۸ دن یا ۳۱ دن کا نہ ہورہا ہو۔

مسئلہ (۲) جہاں پر حکومت کی جانب سے ایسا انتظام نہ ہو وہاں ایسا مسلمان حاکم جس کو حکومت کی جانب سے شرعی ثبوت حاصل کرنے کا اختیار ہو اور وہ اعلان کرے یا ہلال کمیٹی جس کے تمام افراد مسلمان باشرع ہوں اور اس کی پوری کارروائی میں کوئی مستند وتجربہ کار مفتی شریک ہو یا مستند مفتی شہر یا عالم مقتدا ومتدین یہ لوگ اعلان کریں کہ شرعی ثبوت حاصل کرنے کے بعد یہ اعلان کیا جاتا ہے اور قرائن شرعیہ سے صحت کا ظن غالب ہو تو مقامی طور پر یہ اعلان بھی معتبر ہوگا (بشرطیکہ مقامی یا قرب وجوار کے مستند علماء تصدیق کریں عوام عجلت نہ کریں)

مسئلہ (۳) جہاں پر حکومت کی جانب سے کوئی شرعی انتظام نہ ہو اور نہ کوئی مسلمان حاکم منجانب حکومت حسب قاعدۂ شرع ثبوت لے کر اعلان کا اختیار رکھتا ہو اور نہ کوئی شرعی ہلال کمیٹی وغیرہ ہو جیسا کہ ہمارے ملک کی اکثر آبادیوں کا بالخصوص دیہاتوں کا یہی حال ہے حالانکہ وہاں بھی مسلمان آباد ہیں اور بکثرت ہیں اور ان کو بھی روزے رکھنا اور شوال کی پہلی تاریخ متعین ومعلوم کرنا ضروری ہے کیونکہ یکم شوال کو روزہ رکھنا حرام ہے اور چاند کا ہر جگہ یا ہمیشہ نظر آنا ضروری نہیں اور ریڈیو بوجہ کثرت قریب قریب ہر گاؤں میں رائج ہو چکا ہے، اگر ریڈیو سے خبر آجائے اور آہی جاتی ہے ، ایسے موقع پر کس طرح عمل کیا جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ یہ خبر اگر چہ اپنے ملک کے کسی حصہ سے آئے لیکن بایں الفاظ آئے کہ یہاں چاند ہوا ہے یا فلاں شخص نے دیکھا ہے یا بہت سے لوگوں نے دیکھا ہے تو یہ خبر بالکل معتبر نہیں خواہ کتنی ہی تعداد میں ایسی خبریں کیوں نہ آئیں، اس لئے کہ یہ خبر وحکایت محض ہے جو شریعت میں غیر معتبر ہے اور ہمارے ملک میں آج کل ریڈیو کی خبریں اکثر ایسی ہی ہوتی ہیں اور عوام میں بھی اکثر بلا لحاظ شرائط وقیود اس کو معتبر اور قابل عمل قرار دے کر عمل کر بیٹھتے ہیں اور ان ہی وجوہ کی بناء پر بعض حضرات علماء نے ریڈیو وغیرہ کی خبروں کو مطلقاً غیر معتبر و نا قابل عمل قرار دیا ہے، ورنہ راجح ومحقق یہ ہے کہ اگر بایں الفاظ اعلان یا نشر خبر ہو کہ میرے سامنے فلاں حاکم شرعی نے یا فلاں ہلال کمیٹی نے جس کے تمام افراد باشرع ہیں یا فلاں مفتی شہر نے یا فلاں عالم مقتدی ومتدین نے یا فلاں مسلمان حاکم یا مسلمان وزیر نے (جس کو حکومت وقت کی جانب سے با اختیار بنایا گیا ہو) ثبوت شرعی حاصل کر کے ثبوت رویت کا حکم یا فیصلہ دے دیا ہے اور ان الفاظ کا نشر کرنے والا شخص بھی (مسلمان) معلوم ومعتبر ہو تو اس نشریہ پر عمل کرنا درست ہوگا (نظام الفتاویٰ ص ۱۰۶، ص ۲۳ تا ص ۲۶، ج ۱) (رسالہ رویت ہلال کے بارے میں ریڈیو وٹیلیفون وغیرہ کا

تنظیم المسلمین الحمد (ص ۱۸ تا ص ۲۰)

ذیل میں ذکر کردہ فتاویٰ مفید تر ہونے کی وجہ سے یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

(سوال) ہمارے سورت ضلع میں جگہ جگہ قدیم سے ایک ایسا سلسلہ جاری ہے کہ رمضان شریف وعید کے چاند کی خبر حاصل کرنے کے لئے قوم کے پیشوا کسی شخص (اگر چہ وہ فاسق و فاجر ہی کیوں نہ) کو انتیسویں تاریخ کو سورت یا کسی دوسری مشہور جگہ کی ایسے مقتدائے قوم کے پاس بھیجتے ہیں جن کی خودنوشتہ تحریر قرب وجوار میں خط وکتابت کے تعلق کی وجہ سے ٹھیک ٹھیک پہچانی جاتی ہو، وہ مقتدا شخص (جن کے پاس مزدور شخص کو بھیجا جاتا ہے وہ) ایک رقعہ پر چاند ہونے کی خبر تحریر کر کے آنے والے شخص کے حوالہ کرتا ہے، جگہ جگہ ایسی تحریروں سے مقتدائے قوم رمضان وعید کے چاند کا ثبوت جان کر گاؤں میں اعلان کرا دیتے ہیں، آیا ایسی خبر کے ذریعہ روزہ رکھنا یا عید منانا درست ہے؟

(الجواب) دوسری جگہ سے زبانی یا تحریری خط کے ذریعہ چاند ہونے کی خبر لانے والے کم از کم دو متدین ومعتبر اشخاص کا ہونا لازم ہے قطع نظر اس سے کہ وہ رمضان کا چاند ہو یا عید کا مذکورہ دونوں اشخاص اس جگہ یعنی جہاں حصول خبر کے لئے گئے ہیں، وہاں کے قاضی صاحب (بشرطیکہ ان کے پاس کم از کم چاند دیکھنے کی دو شہادت درج ہوں) سے ایک خط پر تحریر کروا کر بند لفافہ میں حفاظت سے لا کر اپنے گاؤں کے قاضی صاحب کے سامنے پیش کریں، قاضی صاحب پڑھ کر تفتیش کے بعد روزہ یا عید کا اعلان کر دیں، یاد رہے قاضی صاحب کا عالم ومتدین اور معتبر ہونا ضروری ہے۔ دستخط (حضرت مفتی ہند) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی، شوال ۱۳۶۹ھ۔ دارالافتاء مدرسہ امینیہ دہلی۔

(الجواب) اگر وہاں کے عام مسلمین ان قاضی صاحب پر امور دینیہ میں اعتماد کرتے اور ان کے اعلانات پر عمل کرتے ہیں تو ان کا تنہا کا ایک تحریر دو ثقہ معتبر آدمی کے سامنے لکھ کر ان کو سنا کر (محفوظ لفافہ میں بند کرکے) ان کے حوالہ کر دینا کافی ہے وہ دونوں ثقہ جب بیان کریں کہ ہمارے سامنے یہ تحریر لکھی ہے اور اس میں یہ تحریر ہے تو اعتبار کر لیا کریں (یعنی قاضی صاحب خط پڑھ کر جانچ پڑتال کے بعد روزہ یا عید کا اعلان کر دیں تو روزہ رکھنے یا عید منانے میں کوئی حرج نہیں) فقط واللہ اعلم۔ دستخط العبد محمود گنگوہی عفی اللہ عنہ۔ معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور ۱۷ شوال ۱۳۶۹ھ (فتاویٰ محمودیہ ۳/ ۱۵۷) الجواب صحیح سعید احمد مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

(سوال) ایک یا کئی آدمی کی عند الشرع غیر معتبر شہادت کے پیش نظر انتیس دن کا مہینہ شمار کرکے روزہ رکھ لیا یا عید کر لی ، بعد میں کسی اور جگہ سے شہادت شرعیہ یقینیہ کی روشنی میں انتیسویں کا چاند ثابت ہو تو ان لوگوں کا روزہ رمضان شریف ہی کا شمار کیا جائے گا؟ اور ان کی عید صحیح ہوئی یا نہیں؟

(الجواب) ان کا روزہ رمضان شریف ہی کا روزہ گنا جاوے گا اور عید بھی حقیقی عید سمجھی جاوے گی لیکن چونکہ ابتداءً شرعی ثبوت کے بغیر یعنی غیر شرعی شہادت کی بنا پر روزہ رکھنے اور عید منانے کی وجہ سے گنہگار ہوں گے، لہذا توبہ اور استغفار ضروری ہے۔ ایسی صورت حال میں ان کو چاہئے تھا کہ روزہ نہ رکھتے اور عید نہ مناتے، چاہے بعد میں روزہ کی قضا اور عید دوسرے دن کرنی پڑے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح (بندہ) محمد شفیع (عفی اللہ عنہ) ماضی مفتی دارالعلوم دیوبند العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۷/ شوال ۱۳۶۶ھ۔ عبداللطیف ناظم مظاہر علوم سہارنپور سعید احمد مفتی مظاہر علوم سہارنپور ۱۴/ شوال ۱۳۶۶ھ

نوٹ:۔ جہاں عالم اور دیندار قابل اعتماد قاضی صاحب کالعدم ہوں وہاں شہادت کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کا کام تجربہ کار اور معتمد علماء کو سپرد کیا جاوے، اس سلسلہ میں ان کا اتباع لازم ہے۔ لو کانوا ببلدة لا حاکم فیها صاموا بقول ثقة (قوله لا حاکم فیها) ای لا قاضی ولا والی کما فی الفتح (فقوله صاموا بقول ثقة) ای افتراضاً لقول المصنف فی شرحه وعلیهم ان یصوموا بقوله اذا کان عدلا (شامی ۲/ ۱۲۵)(عمدہ الرعایة مع شرح الوقایه ۱/ ۲۴۶) آخری دونوں فتوے ۱۹۵۰ء میں جماعتی اخبار میں شائع ہو چکے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

جمع عظیم کی وضاحت:

(سوال ۲۹۱) امسال ''راندیر چاند کمیٹی'' کی جانب سے عیدالاضحیٰ کے چاند کا اعلان ہوا، سنا ہے کہ اس پر رضاخانی مکتب فکر کے کچھ لوگوں کو اطمینان نہیں ہے کہ مطلع صاف تھا اس میں جمع عظیم کی شہادت ضروری ہے جب کہ موجودہ صورت میں دس بارہ گواہ تھے جو جمع عظیم کے ماتحت نہیں آ سکتے، آپ حوالوں کے ساتھ جمع عظیم کی وضاحت فرمائیں ،اور جمع عظیم میں کوئی تعداد ہو تو اس کی بھی نشاندہی حوالوں کی روشنی میں فرمائیں، فقط بینوا توجروا۔؟

(الجواب) مطلع صاف ہو تو اس صورت میں کتنے شخصوں کی گواہی ضروری ہے صحیح قول کے مطابق اس کے لئے کوئی خاص تعداد متعین نہیں ہے، البتہ اتنے لوگوں کی گواہی کافی ہے جس پر قاضی وغیرہ کو اطمینان ہو جائے۔

درمختار میں ہے:۔(وقبل بلا علة جمع عظیم یقع (العلم) الشرعی وهو غلبة الظن (بخبرهم وهو مفوض الی رأی الامام من غیر تقدیر بعدد) علی المذهب (درمختار رد المحتار ۲/ ۹۳، کتاب الصوم)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:وان لم یکن بالسماء علة لم تقبل الا شهادة جمع کثیر یقع العلم بخبرهم وهو مفوض الی رأی الامام من غیر تقدیر هو الصحیح کذافی الاختیار ، شرح المختار (فتاویٰ عالمگیری ۱/ ۱۹۶ ۔ کتاب الصوم)

الاختیار لتعلیل المختار میں ہے:(وان لم یکن بالسماء علة لم تقبل الا شهادة جمع کثیر یقع العلم بخبرهم) وهو مفوض الی رأی الامام من غیر تقدیر هو الصحیح (الاختیار ۱/ ۱۲۹)

رضاخانی مکتب فکر کی مشہور کتاب ''بہار شریعت'' میں ہے۔

مسئلہ: اگر مطلع صاف ہو تو جب تک بہت سے لوگ شہادت نہ دیں چاند کا ثبوت نہیں ہو سکتا رہا یہ کہ اس کے لئے کتنے لوگ چاہئے یہ قاضی کے متعلق ہے جتنے گواہوں سے اسے غالب گمان ہو جائے حکم دیدے گا الخ (بہار شریعت ص ۱۰۵ حصہ پنجم، چاند دیکھنے کا بیان)

مندرجہ بالا حوالوں سے ثابت ہوا کہ جمع عظیم کے لئے کوئی تعداد متعین نہیں ہے، قاضی یا چاند کمیٹی کے ذمہ دار حضرات کو جتنے گواہوں پر اطمینان ہو جائے وہ کافی ہے۔

صورت مذکورہ میں ہمارے پاس دارالعلوم اشرفیہ راندیر کے طلبہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے طلبہ و باڑا کے گواہ (جن میں ایک غلام بھی ہیں) اور بھروچ کے گواہ تھے، ان تمام کی گواہی پر (جو مختلف مقامات کے تھے) ہمیں شرح صدر اور پورا اطمینان ہوا، اس بنیاد پر چاند کا اعلان کیا گیا تھا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فیکس سے چاند کی خبر ملے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۹۲) فیکس کے ذریعہ چاند کی خبر موصول ہو تو اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟ فیکس کو کتاب القاضی الی القاضی کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فیکس "خط" کا حکم رکھتا ہے، فیکس شہادت یا کتاب القاضی الی القاضی کے حکم میں نہیں آ سکتا کہ اس میں کتاب القاضی الی القاضی کے جملہ شرائط موجود نہیں ہیں، لہذا خط کا جو حکم ہوگا وہ فیکس کا حکم ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

گمراہی کا نیا نمونہ:

(سوال ۲۹۳) یہاں انگلینڈ پر غیر مقلدین اور جماعت اسلامی کے لوگوں نے دس پندرہ روز پہلے ہی اعلان کر دیا ہے کہ رمضان کا پہلا روزہ جمعرات کو متعین ہے جب کہ اس دن اہل سنت والجماعت کے حساب سے شعبان کی اٹھائیسویں تاریخ ہے۔

(الجواب) جو لوگ تقلید چھوڑ کر نفسانی خواہشات کا اتباع کرتے ہیں وہ گمراہی و ضلالت کے جتنے کام کریں کم ہیں، ان کے لئے قادیانی بننا، چکڑالوی بننا منکر حدیث وغیرہ بننا بھی آسان ہے۔ رائیس المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کا فیصلہ ہے کہ " **وفی الا عراض عنها مفسدة کبیرة** "یعنی ترک تقلید میں بڑی خرابی ہے (عقد الجید ص ۳۱)

اور غیر مقلدین کے پیشوا مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب نے اپنے چشم دید تجربہ کے پیش نظر اپنی جماعت (غیر مقلدین) کو وصیت کی ہے۔

پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں ان میں بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لا مذہب جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق و خروج تو اس آزادی کا ادنیٰ نتیجہ ہے۔ (سبیل الرشاد، تالیف رشیدیہ ص ۱۵۰۷ اشاعت السنہ نمبر ۲ جلد نمبر ۱۱ ص ۵۳، کلمۃ الفصل ص ۱۰)

بے شک ترک تقلید ضلالت و گمراہی کا دروازہ ہے اسی سے تمام گمراہی کی راہیں کھلتی ہیں، خدا حفاظت فرما دے، آمین۔

آپ ﷺ اور آپ کے برحق خلفائے راشدین حضرت صدیق اکبرؓ حضرت فاروق اعظمؓ حضرت ذوالنورین عثمانؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کبھی بھی دس پندرہ روز قبل ایسا اعلان نہیں کیا کہ فلاں دن رمضان کا پہلا روزہ ہے یا عیدالفطر یا عیدالضحیٰ ہے۔ یہ حضرات ہمیشہ انتیسویں تاریخ کو چاند دیکھ کر اعلان کرتے، انتیسویں کا چاند نظر نہ آتا تو تیس روزے پورے کر کے اعلان کرتے، صاحب وحی رسول مقبول ﷺ بذریعہ وحی معلوم فرما کر دس پندرہ روز قبل

اعلان کر سکتے تھے مگر آپ ﷺ نے بھی ایسا نہیں کیا بلکہ ضابطۂ شرعیہ کے پابند رہے، انتیسواں چاند دیکھ کر اعلان فرماتے ہیں یا تیس دن پورے کرنے کے بعد اعلان فرماتے۔

لہذا آپ کے یہاں جو کچھ ہوا وہ بالکل غلط اور گمراہی ہے، حدیث ''ضلوا فاضلوا'' (مشکوٰۃ شریف ص ۳۳ کتاب العلم) خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا۔ کا صحیح مصداق ہے، اللہ تعالیٰ ان کے فتنہ سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے آمین، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دور کی جگہ سے چاند کی خبر بطریق موجب پہنچی تو اس پر عمل کریں یا نہیں؟ غیر مقلد عالم کا حدیث ابن عباسؓ سے استدلال کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۹۴) کیا فرماتے ہیں علماء احناف، اس مسئلہ میں کہ شہر دہلی وغیرہ دور دراز سے رمضان کے چاند دیکھنے کی خبر معتبر ذریعہ سے ہم اہل سورت کو مل جائے تو اس پر عمل جائز ہے یا نہیں؟ مولوی عبد الجلیل سامرودی غیر مقلد نے اس کو ناجائز فرمایا ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے **صوموا الرویته وافطروا الرویته**، اور یہ مطلق وعام ہے اس میں قریب وبعید کی کوئی قید اور شہر وملک کی کوئی تخصیص مذکور نہیں ہے، اس لئے عند الاحناف ظاہر الروایۃ اور مفتی بہ اور صحیح ومعتمد ومختار مذہب کے موافق ہلال صوم وفطر میں اختلاف مطالع معتبر نہیں ہے، لہذا ابتداء مشرق سے رویت ہلال رمضان وشوال کی خبر وشہادت اہل مغرب کو مل جائے تو اس پر ان کو عمل کرنا لازم ہو جاتا ہے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔ **ولا عبرة لا ختلاف المطالع فی ظاهر الروایة . کذا فی فتاوی قاضی خان وعلیه فتویٰ الفقیه ابی اللیث وبه کان یفتی شمس الا ئمة الحلوانی قال لورأی اهل مغرب هلال رمضان یجب لی اهل مشرق کذا فی الخلاصة .(ج ۱ ص ۱۹۹ الباب الثانی فی رؤیة الهلال)**

اور درمختار میں ہے:۔ **واختلاف المطالع غیر معتبر علی ظاهر المذهب وعلیه اکثر المشائخ وعلیه الفتویٰ،بحر عن الخلاصة**، اور فتاویٰ شامی میں ہے **وهو المعتمد عند نا وعند المالکیة والحنابله لتعلق الخطاب عاما بمطلق الروية فی حدیث صوموا الرؤیته الخ (ج۲ ص ۱۳۲ قبیل باب مایفسد الصوم الخ)**

اس کے خلاف اور اعتبار اختلاف المطالع کے ثبوت کے لئے حضرت ابن عباسؓ والی روایت پیش کرنا کافی نہیں کیونکہ اس میں کئی احتمالات ہیں اول یہ کہ کریب نے شہادت غیر پر شہادت نہیں دی، دوم یہ کہ نہ حکم حاکم پر شہادت دی، سوم یہ کہ نہ لفظ اشہد کے ساتھ گواہی دی اور اگر یہ سب کچھ تسلیم بھی کرلیا جائے تاہم ایک شخص کی شہادت سے **وجوب القضاء علی القاضی** ثابت نہیں ہوتا اس لئے حضرت ابن عباسؓ نے کریب کی شہادت پر عمل نہیں فرمایا، چنانچہ البحر الرائق میں ہے۔ **فلادلیل فیه لا نه لم یشهد علی شهادة غیره ولا علی حکم الحاکم ولئن سلم فلا نه لم یأت بلفظ الشهادة ولئن سلم فهو واحد لایثبت بشهادته وجوب القضاء ، علی القضاء (ج ۲ ص ۲۷۰ کتاب الصوم تحت قوله ولا عبرة باختلاف المطالع الخ)**

اور امام نوویؒ شافعیؒ نے اس حدیث کے ذیل میں بعض شوافع سے بھی نقل فرمایا ہے قال بعض اصحابنا تعم الرویة فی موضع جمیع اهل الارض فعلی هذا نقول انما لم یعمل ابن عباس بخبر کریب لانه شهادة فلا تثبت بواحد (شرح مسلم ج ۱ ص ۳۴۸ باب بیان ان لکل بلدة رؤ یتهم الخ)
اگر کہا جائے کہ حضرت ابن عباسؓ نے تو نہیں فرمایا کہ تم تنہا ہو اس لئے تمہاری شہادت قابل قبول نہیں تو یہ بھی کب فرمایا کہ چونکہ ملک شام دور واقع ہے لہذا وہاں کی رویت ہمارے لئے حجت نہیں، پس اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال اس مسئلہ میں علماء احناف تنہا نہیں ہیں بلکہ حنابلہ اور مالکیہ اور بعض شافعیہ بھی ہیں جیسا کہ شامی و شرح مسلم کی عبارت سے ظاہر ہے، اور بعض مشہور اہل حدیث بھی اس مسلک کے مؤید ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔
۲۸ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ۔

مطلع صاف ہونے کی صورت میں ثبوت ہلال کے لئے جم غفیر ضروری ہے:

(سوال ۲۹۵) رویت ہلال کے متعلق کتنے آدمیوں کی گواہی معتبر ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! امسال عید الفطر کے موقع پر مطلع صاف تھا اس لئے موقع پر دو چار آدمیوں کی گواہی کافی نہیں ہوتی جم غفیر اور مجمع کثیر کی گواہی ضروری ہے جس سے شرعی قاضی یا اس کے قائم مقام مفتی یا عالم کو چاند ہونے کا اطمینان ہو جائے اور شبہ قوی باقی نہ رہے عوام کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں واگر مطلع صاف باشد در رمضان وشوال جماعت عظیم می باید (مالا بد منہ ص ۹۳) الجم الغفیر یقع به العلم فی هلال الصوم والفطر والاضحی (رسائل الارکان ص ۱۰۷ فصل یفترض علی المکلف الخ) والعالم الثقة فی بلدة لا حاکم فیه قائم مقامه (عمدة الرعایه علی شرح الوقایه ج ۱ ص ۳۹ کتاب الصوم) فقط واللہ اعلم بالصواب .

باب ما يتعلق بالسحر و الافطار

سحری وافطار کے لئے دف بجانا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۹۶) ماہ رمضان میں سحری وافطار کے وقت دف بجانا جائز ہے یا ناجائز؟

(الجواب) جس طرح نکاح اور اعلان جنگ کے لئے دف وغیرہ بجانا حدیثوں سے ثابت ہے، اسی طرح چاند نظر آنے اور سحری وافطار کے وقت ضرورۃً بطور اعلان دف بجانا بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ باجا بجانے کے طرز پر نہ ہو۔ درمختار۔

وعن الحسن لا بأس بالدف في العرس ليشتهر وفي السراجية هذا اذا لم يكن له جلاجل ولم يضرب على هيئة التطرب الخ. اقول وينبغي ان يكون طبل السحر في رمضان لايقاظ النائمين للسحور كبوق الحمام تامل (ج۵ ص ۳۰۷ شامی كتاب الحضر والا باحة)

سحری قائم مقام نیت کے ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۹۷) بوقت سحری روزہ کی نیت کرنا بھول گیا تو روزہ ہوگا یا نہیں۔؟

(الجواب) سحری کے وقت یہ ارادہ نہ ہو کہ آج مجھے روزہ رکھنا نہیں ہے تو سحری کرنا یہ بھی روزہ کی نیت ہی ہے، جوہرہ میں ہے فالسحور في شهر رمضان نية ذكره نجم الدين النسفي وكذا اذا تسحر لصوم اخر كان نية له وان تسحر على انه لا يصح صائما لا يكون نية (جوهرة. ج ۱ ص ۱۴۰ كتاب الصوم)

نوٹ:۔ یاد رہے کہ ماہ رمضان میں روزہ کی نیت نصف النہار شرعی سے پہلے پہلے کر سکتے ہیں۔ اگر کچھ کھایا پیا نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

افطار کے لئے جماعت میں تاخیر کر سکتے ہیں؟:

(سوال ۲۹۸) ماہ رمضان میں افطاری کے وقت نماز مغرب میں کس قدر تاخیر کر سکتے ہیں؟

(الجواب) افطار کے لئے جماعت مغرب میں پانچ سات منٹ تاخیر کی گنجائش ہے۔ والا صح انه يكره الا من عذر كالسفر والكون على الا كل ونحوهما او يكون التاخير قليلا وفي التاخير بتطويل القرأة خلاف انتهى (كبيرى ص ۲۳۳ فروع في شرح الطحاوى) فقط

افطار کے بعد اذان کب دی جائے؟

(سوال ۲۹۹) افطار کے بعد کتنی دیر سے اذان دی جائے۔ وضاحت فرمائیں۔؟

(الجواب) غروب آفتاب کے بعد افطار کر کے اذان پڑھے۔ افطار کی وجہ سے جماعت میں پانچ سات منٹ تاخیر کرنے کی گنجائش ہے۔ والا صح انه يكره الا من عذر كالسفر والكون على الا كل ونحوهما او يكون التاخير قليلا (كبيرى ص ۲۳۳ كتاب الصوم)

سحری کے وقت اعلان کرنا کیسا ہے؟:

(استفتاء ۳۰۰) ہمارے گاؤں میں عرصہ دراز سے سحری کے اخیری وقت پر سلام پڑھی جاتی تھی۔ جیسا کہ السلام والسلام علیک یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) غرض کہ سب انبیاء کرام کے نام لے کر پڑھی جاتی تھی۔ جس سے لوگ اپنے روزہ بند کرنے اور سحری کا اخیری وقت ہونا سمجھتے تھے۔ اب گاؤں میں مولانا صاحب کہتے ہیں کہ یہ سنت رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہے۔ لہٰذا صحیح سنت تو یہ ہے کہ دو اذان کہی جاوے۔ ایک سے سحری کا اخیری وقت معلوم ہو اور دوسری اذان فجر کے لئے۔ وہ بخاری شریف جلد اول سے استدلال کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت بلالؓ کو سحری کی اذان کے لئے مقرر فرمایا تھا۔ اور حضرت عبداللہ ابن مکتومؓ کو اذان فجر کے لئے۔ صحیح سنت تو یہ ہے۔ اس وقت سے گاؤں میں سلام کا طریقہ بند ہو گیا۔ اور مولانا صاحب کے کہنے سے دو اذان دی جاتی ہے۔ ایک اذان سحری کا اخیری وقت بتلانے کے لئے اور دوسری نماز فجر کے لئے۔

آپ مذکورہ بالا معاملہ کی تفصیل مع حوالہ کتب تحریر فرمایئے کہ بجائے سلام کے اذان کہنا جائز ہے۔ یا نہیں؟ اخیری وقت کی آگاہی کے لئے کیا کرنا چاہئے؟

(الجواب) سحری بند کرنے کے لئے نہ سلام پڑھنا سنت ہے نہ اذان کہنا۔ لوگ خود بخود سحری کا وقت معلوم کر سکتے ہیں۔ سب کے یہاں گھڑیاں ہیں تاہم کسی وقت یا کسی جگہ ضرورت ہو تو ندا کر دینا کافی ہے۔ کہ سحری کا وقت قریب الختم ہے۔ لیکن اس کو مسنون نہ سمجھا جائے۔ حضرت بلالؓ کی روایت میں صبح صادق سے پہلے اذان نہ دینے کا صریح حکم موجود ہے۔ لہٰذا اذان متروک العمل ہے۔

بحر الرائق میں ہے۔ وعند ابی حنیفة رحمه الله و محمد رحمه الله لا یؤذن فی الفجر قبله . کما رواه البیهقی انه علیه الصلوة والسلام قال یا بلال لا تؤذن حتی یطلع الفجر . قال فی الا مام رجال اسناده ثقات . یعنی حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک صبح صادق سے پہلے اذان نہ کہی جائے کہ سنن بیہقی میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ کہ اے بلالؓ جب تک صبح صادق نہ ہو اذان فجر نہ کہہ۔ رواۃ حدیث معتبر ہیں۔ (ص ۲۶۳، ۲۶۲ ج ۱ باب الاذان تحت قوله ولا یؤذن قبل الوقت) فقط واللہ اعلم بالصواب.

روزہ افطار کب کیا جائے؟:

(سوال ۳۰۱) ہمارے یہاں مسجد میں ٹائم ریڈیو کا ہے اب ریڈیو ٹائم اور جنتری ٹائم میں پانچ سات منٹ کا فرق ہے۔ مثلاً جنتری میں غروب آفتاب چھ بج کر پندرہ منٹ کا ہے اور گھڑی ریڈیو ٹائم چھ بج کر دس منٹ کا ہے تو افطار میں کوئی حرج ہے؟

(الجواب) مغرب کی اذان و نماز اور افطار کا مدار غروب آفتاب پر ہے نہ گھڑی یا جنتری پر، گھڑی اور جنتری غروب کے تابع ہیں یہ غلط بھی ہو سکتی ہیں۔ (۱) ان سے ایک حد تک امداد لے جا سکتی ہے ان پر مدار نہیں رکھا جا سکتا۔ لہٰذا اگر

---

(۱) ای وقت المغرب من غروب الشمس الی غروب الشفق لروایة مسلم صلاة المغرب مالم یسقط نور الشفق بحر الرائق کتاب الصلاة ج ۱ ص ۲۰۵

آپ دیکھ لیں کہ آفتاب چھپ گیا یا دوسرے کے خبر دینے اور قرائن سے یقین ہو جائے کہ آفتاب چھپ گیا تو ضرور افطار کر لیجئے۔ اور جیسے ہی یقین ہو جائے فوراً افطار کر لیجئے۔ اب احتیاط وغیرہ کے تصور پر تاخیر کرنا درست نہیں ہے۔ اور جب تک آپ کو خود اپنے مشاہدہ یا قابل یقین خبر یا اعلان کی بنا پر یقین حاصل نہ ہو بلکہ تردد ہو تو صرف جنتری یا گھڑی پر اعتقاد کر کے نماز پڑھنا اور افطار کرنا درست نہیں ہے۔

نوٹ:۔ دہلی کی جامع مسجد کا افطار کا نظام عمل قابل تقلید ہونے کی وجہ سے نقل کیا جاتا ہے۔ جامع مسجد کے بالائی حصہ پر ایک صاحب غروب آفتاب دیکھنے کے لئے متعین رہتے ہیں۔ ان کے پاس جھنڈی رہتی ہے۔ جیسے ہی وہ دیکھتے ہیں کہ آفتاب ڈوب گیا وہ جھنڈی سے اشارہ کر دیتے ہیں۔ فوراً منارہ پر روشنی ہو جاتی ہے۔ اور گولے داغ دیئے جاتے ہیں۔ لیکن اگر مطلع صاف نہ ہو جس کی وجہ سے وہ آفتاب کو ڈوبتا ہوا نہ دیکھ سکیں۔ تو پھر چند منٹ کی تاخیر کی جاتی ہے۔ (خلاصہ جمعیۃ ٹائمز دہلی ۳ رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ)

افطاری میں نان گوشت پلاؤ کا انتظام اور جماعت میں تاخیر:

(سوال ۳۰۲) ہمارے یہاں ماہ مبارک میں حصول ثواب کی غرض سے بہت سے لوگ افطاری میں نان، گوشت، کھچڑا، پلاؤ، کھچڑی، کڑھی، سالن وغیرہ کا مسجد میں نظم کرتے ہیں، افطاری کی وجہ سے آٹھ دس منٹ مغرب کی نماز میں تاخیر ہوتی ہے۔

ایک صاحب کا کہنا ہے کہ افطاری کے ایسے پروگرام کی وجہ سے مغرب کی جماعت میں تاخیر کرنا گناہ کا کام ہے گویا ثواب کے بجائے گناہ کا کام ہوتا ہے لہذا ایسے پروگرام نہ ہونے چاہئیں، ایسی باتوں کی وجہ سے بستی والوں نے افطار کا انتظام موقوف کر دیا ہے افطاری کے بہانہ سے غرباء کو جو کھانا ملتا تھا وہ بند ہو گیا، سوال یہ ہے کہ کیا نماز میں تقریباً دس منٹ تاخیر ہو تو گناہ ہے؟

(الجواب) افطاری میں اختصار چاہئے۔ غرباء کے لئے نان، گوشت پلاؤ وغیرہ کھلانے کا انتظام نماز کے بعد کیا جائے انشاء اللہ پورا ثواب ملے گا، کمی نہیں آنے کی۔ نماز سے پہلے نان گوشت، پلاؤ، کھچڑی، کڑھی سالن وغیرہ کھلانے کے پروگرام کے لئے دس منٹ بھی ناکافی ہوں گے، بہت سوں کی رکعات جاویں گی اور بہت سے تو جماعت بھی فوت کریں گے اور گنہگار ہوں گے، لہذا نان گوشت وغیرہ کھلانے کا پروگرام نماز کے بعد ہی مناسب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

افطاری اور مغرب کی نماز میں فاصلہ کی حد:

(سوال ۳۰۴) رمضان شریف میں روزہ داروں کا لحاظ کر کے مغرب کی اذان اور قیام جماعت کے مابین دس منٹ کا وقفہ مقرر کیا جاوے تو کوئی حرج ہے؟

(الجواب) افطاری کی وجہ سے مغرب کی نماز میں پانچ سات منٹ کی تاخیر میں کوئی حرج نہیں، بلا کراہت جائز ہے، گھر افطار کرنے والے نہ پہنچ سکتے ہوں تو دس منٹ کی تاخیر کی تعیین بھی درست ہے، ان کو بھی چاہئے کہ جلد آنے کی کوشش کریں یا مسجد ہی میں افطار کریں اور حاضرین کو انتظار کی زحمت میں نہ ڈالیں۔

والا صح انہ یکرہ الامن عذر کالسفر و الکون علی الاکل ونحوھما او یکون التاخیر قلیلا (کبیری ص ۲۳۳ فروع فی شرح الطحاوی) (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/ ۱۳۴) فقط و اللہ تعالیٰ اعلم۔

افطاری اور مغرب کی نماز میں فاصلہ کی حد

(سوال ۳۰۵) رمضان شریف میں بعد غروب آفتاب جماعت کے قیام کے لئے کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟ کیا دس منٹ کا وقفہ جائز ہے۔

(الجواب) افطاری کا پروگرام مختصر ہونا چاہئے بایں طور کہ سات منٹ میں فارغ ہو کر تکبیر اولیٰ میں شریک ہو کر باجماعت نماز ادا کی جا سکے، گھر پر افطار کرنے والے پہنچ سکتے نہ ہوں تو دس منٹ کی تاخیر کر سکتے ہیں، لیکن گھر پر افطار کرنے والوں کو چاہیئے کہ جلد از جلد حاضر ہو جاویں جو لوگ افطار سے فارغ ہو چکے ہیں ان کو انتظار کی زحمت نہ دیں کیونکہ حاضرین کے لئے انتظار کرنا، وضو باقی رکھنا بڑا شاق ہوتا ہے، لہٰذا ان کا لحاظ چاہئے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رقم افطاری سے مسجد میں افطار کرائیں یا گھر پر؟

(سوال ۳۰۶) غیر ملک سے رمضان شریف میں مسجد میں افطاری کے لئے جو رقوم آتی ہیں ان رقوم سے اشیائے خوردنی پکوا کر مسجد ہی میں افطاری کروانا چاہئے یا پھر بجائے اس کے پورے گاؤں کے ہر گھر پر بکرے کا گوشت اور نان وغیرہ تقسیم کر دیں تو جائز ہے؟ گھر پر نان، گوشت تقسیم کرنے کی صورت میں ہر گھر کے لئے برابر سرابر دینا چاہئے یا پھر مردم شماری کے حساب سے کم وبیش دیا جائے، اس کی تفصیل مطلوب ہے؟

(الجواب) جب مسجد میں افطاری کے لئے رقم آتی ہے تو مصلیان مسجد کی افطاری میں اس کا استعمال کرنا چاہئے، گھر پر نان، گوشت تقسیم کے لئے رقم بھیجنے والوں سے اجازت لینا ضروری ہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ محمودیہ ۸/ ۳۱۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

افطار کی بقیہ رقم کا مصرف:

(سوال ۳۰۷) افطار کے لئے آئی ہوئی رقم کو اسی رمضان کی افطاری میں پورا کرنا ضروری ہے یا افطار سے بقیہ رقم آئندہ سال کے لئے محفوظ رکھ سکتے ہیں؟ افطاری میں صرف کرنے کے باوجود کچھ رقم رہ جائے تو اس کا مصرف کیا ہے؟ آیا ایسی رقم غرباء کو نقد دے یا کوئی اور اشیاء (غلہ، کپڑا وغیرہ) خرید کر ان پر تقسیم کر دے تو گنجائش ہے؟

(الجواب) مذکورہ رقوم کا استعمال بھیجنے والے کی تحریر اور اجازت کے مطابق کرنا ضروری ہے بے اجازت اس طرح کرنا درست نہیں۔ (ملاحظہ ہو تحقیق وقف بودن یا نبودن چندہ، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۹۳)

سحری کا وقت:

(سوال ۳۰۸) رمضان المبارک میں سحری و افطاری کے جو ٹائم ٹیبل شائع ہوتے ہیں، اس میں خاص طور پر سحری

کے وقت میں بڑا فرق ہوتا ہے، مؤذن صاحب کہتے ہیں کہ سحری کا وقت ختم ہو چکا تو ادھر کوئی اور اعلان کرتا ہے کہ قریب الختم ہے، لہذا کس ٹائم ٹیبل پر عمل کرنا چاہئے۔

(الجواب) ٹائم ٹیبل حسابی چیز اور ایک تخمینہ ہے، اس پر ایسا اعتبار کہ ایک منٹ کا بھی فرق نہ ہو نہیں چاہئے، اصل چیز صبح صادق اور غروب آفتاب کا مشاہدہ اور دل کی گواہی ہے، روزہ اہم عبادت ہے اس لئے احتیاط ضروری ہے، جس ٹائم ٹیبل میں احتیاطی پہلو کا زیادہ لحاظ کیا گیا ہوا سے مدنظر رکھ کر دل کی گواہی پر عمل کرے رمضان ستمبر میں آرہا ہے، حساب کی رو سے ماہ ستمبر میں صبح صادق اور طلوع آفتاب میں تقریباً ایک گھنٹہ پچیس منٹ کا فاصلہ رہتا ہے لہذا طلوع آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل سحری سے فارغ ہونا بہتر ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۴/ ۷۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

باب مایفسد الصوم وما یکرہ

سرمہ یا دوا سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں:

(سوال ۳۰۹) ایک شخص کہتا ہے کہ آنکھ میں سرمہ یا دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ حالانکہ آنکھ میں ڈالی ہوئی دوا اور سرمہ کا رنگ اور مزہ منہ اور تھوک میں محسوس ہوتا ہے اور ایک ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ فقہاء نے تحریر کیا ہے کہ کان میں دوا اور تیل ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے حالانکہ کان اور دماغ کے درمیان کوئی راستہ نہیں ہے اگر ہوتا تو دوا اور تیل دماغ میں پہنچ کر روزہ فاسد ہو جاتا۔ مذکورہ سوال کے جواب میں آپ کی تفصیل مطلوب ہے۔؟

(الجواب) منہ، کان، ناک، مقعد، فرج، شکم اور کھوپڑی کے اندرونی زخم کی راہ سے مفسد صوم اشیاء جوف معدہ یا دماغ تک پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ وما وصل الی الجوف اوالی الدماغ من المخارق الا صلیة کالانف والا ذن والدبر بان استعط او احتقن او اقطر فی اذناه فوصل الی الجوف اوالی الدماغ فسد صومه .(بدائع ج ۲ ص ۹۳ کتاب الصوم فصل رکنه الخ)

آنکھ میں دوائی اور سرمہ ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، کیونکہ آنکھ اور دماغ اور معدہ کے درمیان کوئی راستہ نہیں۔ اور اشک (آنسو) جو نکلتے ہیں وہ پسینہ کی طرح مسامات میں سے ابھر کر نکلتے ہیں۔ آنکھ میں ڈالی ہوئی دوا اور سرمہ کا رنگ و مزہ حلق و تھوک وغیرہ میں محسوس ہوتا ہے۔ یہ بھی مسامات میں سے ہو کر پہنچتا ہے یہ مفطر صوم نہیں جیسا کہ سر پر ملا ہوا تیل جذب ہو کر دماغ تک پہنچتا ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ البتہ کان میں ڈالی ہوئی دوا اور تیل دماغ میں پہنچتا ہے اور دماغ کو فائدہ دیتا ہے لہٰذا روزہ فاسد ہو جاتا ہے، او اقطر فی اذنه دهنا اتفاقا او اقطر فی اذنه ماء فی الا صح لو صول المفطر دماغه بفعله فلا عبرة بصلاح البدن وعدمه (مراقی الفلاح ص ۱۳۳ باب ما یفسد الصوم ویوجب القضآء)

دماغی قوت کے لئے انڈے کی زردی براہ کان دماغ میں پہنچانا ایک محقق امر ہے اور چند معتبر اشخاص نے بھی محسوس اس سلسلہ میں کہا ہے۔ ممکن ہے ڈاکٹری میں بھی ایسا ہو۔

لکھنؤ کی سند یافتہ حکیم اور ایک قدیم ماہر وید کی تحقیق یہ ہے کہ کان میں ڈالی ہوئی دوا دماغ میں پہنچتی ہے۔ اور کبھی حلق میں بھی پہنچتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ کان میں ڈالی ہوئی دوا اور تیل دماغ میں براہ راست یا بالواسطہ معدہ میں پہنچنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

چوپائے سے صحبت کرنے سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟:

(سوال ۳۱۰) غیر مقلد مولوی عبدالجلیل صاحب سامرودی نے مذہب حنفیہ کے خلاف دو رسالے جو انہوں نے لکھے ہیں مجھے دیئے۔ ایک کا نام ''اظہار حقیقت از آئینہ حقیقت'' ہے۔ اس کے مصنف کا نام ہے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا مولوی ابو عبدالکبیر محمد عبدالجلیل صاحب امیر جماعت غربا اہل حدیث (ہند) دوسرے رسالہ پر مصنف کا نام

حضرت شیخ الہند مولانا مولوی محمد عبدالجلیل صاحب محدث امیر جماعت ہے۔ رسالہ (۱) میں احناف پر طنزاً لکھا ہے۔
چوپایہ سے روزہ کی حالت میں وطی کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ انزال ہو یا نہ ہو۔ درمختار میں ہے اذا دخل ذکرہ
فی بھیمة او میتة من غیر انزال (شامی ص ۱۰۳) ج: ۲ مطبوعہ مصر قدیم و نقل فی البحر و کذا
الزیلعی وغیرہ الا جماع علی عدم الفساد مع الا نزال بلکہ غسل بھی نہیں آتا شیخ جی سن لیا، شیخ جی کی چاروں
بلکہ پانچوں انگلیاں گھی میں ص ۱۶۔

کیا مذکورہ صورت میں باوجود انزال کے روزہ فاسد نہیں ہوتا؟ اور کیا اس پر فقہاء کا اجماع ہے؟ کیا صورت
مذکورہ میں غسل بھی نہیں ہے؟ درمختار و شامی میں ایسا ہی ہے؟

(الجواب) سوال میں جو اردو عبارت درج ہے وہ میں نے اصل اردو رسالہ میں (جو ۱۹۵۴ء میں لکھا گیا ہے) دیکھی اور
ان کے ایک گجراتی رسالہ میں بھی (جو ۱۹۵۰ء) میں چھپا یہ مضمون میں نے پڑھا اور درمختار شامی وغیرہ کے جو حوالے
درج کئے ہیں ان کو بھی میں نے بغور دیکھا۔ سامرودی صاحب کے تینوں الزام اور دعوے بالکل غلط اور بے بنیاد ہیں
جو ان کی کوتاہ فہمی اور ناسمجھی کا نتیجہ ہیں۔ دخول اور وطی بہیمہ مع الانزال والی صورت میں روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور وجوب
غسل کے ساتھ ساتھ روزے کی قضا بھی لازم آتی ہے۔ شامی میں صاف لکھا ہوا ہے اما بہ فعلیه القضاء ۔ یعنی اگر
انزال ہو گیا تو روزہ کی قضا اس پر لازم ہے۔ باقی شامی کی عبارت "الا جماع علی عدم الفساد مع الانزال"
اس کا تعلق اس صورت سے نہیں ہے۔ اس کا تعلق دوسری صورت سے ہے جس کو درمختار میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا
ہے۔ او مس فرج بھیمة او قبلھا فانزل. یعنی اپنی شرم گاہ کو اس نے استعمال نہیں کیا بلکہ جانور کی شرم گاہ کو اس
نے ہاتھ سے چھوا یا جانور کو بوسہ دیا اور اس سے انزال ہو گیا تو اس صورت میں عدم فساد صوم پر (روزہ نہ ٹوٹنے پر)
اجماع ہے۔ سامرودی صاحب نے دوسری صورت جس میں اپنی شرم گاہ کو روزہ دار نے استعمال نہیں کیا ہے اس صورت
کا حکم پہلی صورت پر لگا دیا۔ جس میں شرم گاہ کو استعمال کیا ہے کہ اس کو داخل کیا ہے اس سے بڑھ کر تلبیس اور دھوکہ دہی
کیا ہو سکتی ہے؟

دوسرا افتراء اور صاف دھوکہ یہ ہے کہ من غیر انزال کے معنی ہیں کہ انزال نہ ہوا ہو۔ اور سامرودی صاحب
نے ترجمہ کیا ہے۔ انزال ہو یا نہ ہو۔ یہ انتہا درجہ کی جہالت ہے یا پرلے درجہ کی دھوکہ دہی (معاذ اللہ) پھر طرہ یہ ہے کہ یہ
بکواس بھی کر ڈالی کہ غسل بھی نہیں آتا، انا للہ الخ اللہ تعالیٰ کسی کو کج فہم نہ بنائے۔

دے آدمی کو موت مگر یہ ادا نہ دے۔

بے شک فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی بدذات بدذوق آدمی جانور یا مردے کے ساتھ بدفعلی کرے اور انزال بھی
ہو جائے تو روزہ فاسد ہوگا اور قضا لازم ہوگی، عبرت ناک و رسوا کن سزا دی جائے گی، جس کی کوئی حد معین نہیں۔ بلکہ قاضی
(جج) کو اختیار دیا ہے کہ وہ جس قدر سزا مناسب سمجھے دے سکتا ہے کہ اس کو بھی سبق ملے اور دوسروں کی آنکھیں کھلیں
اور صرف اس شخص پر بات ختم نہیں ہو جاتی بلکہ جانور کے متعلق بھی یہ ہدایت ہے کہ جانور کو ذبح کر دیا جائے (بدکار کو سزا
دینے کے لئے انزال شرط نہیں ہے) شامی میں ہے ویعزر و تذبح البھیمة وتحرق علی وجه الا ستحباب
ولا یحرم اکل لحمھا به (شامی ج ۱ ص ۱۵۴ قبیل مطلب فی رطوبة الفرج کتاب الحدود)

ولا یحد بوطئی بهیمة بل یعزرو تذبح ثم تحرق ویکره الا نتفاع بها حیةً ومیةً(مجتبی درمختار مع شامی ج ۳ ص ۲۱۴ مطلب فی رطوبة الدابة فتاویٰ سراجیه ص ۶۱)

مسئلہ کے ذکر کرنے کی ضرورت:

ایسے واقعات ہوئے ہیں اور ہوتے ہیں اس لئے ان کے احکام بیان کرنے ضروری ہیں۔ خود سید الکائنات ﷺ جو شرم وحیا کے پیکر مقدس تھے آپ نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من اتی بهیمةً فاقتلوه واقتلو ها معه قیل لا بن عباس رضی الله عنه ما شان البهیمة قال ما سمعت من رسول الله صلی الله علیه وسلم فی ذلک شیئاً ولکن اراه کره ان یؤکل لحمها او ینتفع بها الحدیث (ترجمہ):۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا جو کوئی جانور کے ساتھ بدفعلی کرے اس کو قتل کر ڈالو اور اس کے ساتھ ساتھ جانور کو بھی قتل کر ڈالو۔ حضرت ابن عباس سے کہا گیا کہ جانور کا کیا قصور ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا میں نے اس کے متعلق آنحضرت ﷺ سے کچھ نہیں سنا لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ نے اس سے کراہیت کی اور پسند نہیں فرمایا کہ اس کا گوشت کھایا جائے یا اس سے کوئی اور کام لیا جائے (مشکوٰۃ ص ۳۱۲ کتاب الحدود) اور ایک روایت میں ہے کہ جو کوئی جانور سے بدفعلی کرے تو اس پر حد (معین سزا) نہیں ہے (مگر تعزیر ہے یعنی ایسی سزا جو سیاستاً مناسب سمجھی جائے کہ لوگوں کو عبرت ہو) وعنه انه قال من اتی بهیمةً فلا حد علیه۔

اور فرمایا خدا پاک اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتے جو بدفعلی کرے کسی مرد یا عورت کے ساتھ دبر میں (مشکوٰۃ شریف کتاب الحدود)

جس طرح جسمانی اطبا اور ڈاکٹروں کو علاج کے سلسلہ میں انسان وحیوان، مرد وزن کی شرم گاہ وغیرہ کا معائنہ کرنا پڑتا ہے اور شرم وحیاء کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ ایسے ہی روحانی اطبا (پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے جانشین علماء، فقہاء، محدثین) نے عبادات ومعاملات اور طہارت سے متعلق امور مثلاً پاکی، ناپاکی، پیشاب، پائخانہ، پانی، منی، حیض ونفاس۔ غسل وتیمم ونشست وبرخاست کے مسائل واحکام بالتفصیل بیان کئے ہیں۔ بے شک ان میں ایسے مسائل بھی ہیں جن کا بے حجابانہ تذکرہ شرم وحیا کے خلاف معلوم ہوتا ہے لیکن اگر شرم وحیا کا لحاظ کر کے بیان نہ کیا جائے تو ان مسائل کے جاننے کی اور کیا صورت ہو سکتی ہے؟ تحقیق مسائل میں شرم وحیا کی گنجائش نہیں۔ باپ اپنی بیٹی سے مسئلہ دریافت کر لیتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کو ایک عورت کے متعلق احساس ہوا کہ وہ اپنے شوہر کی جدائی سے مضطرب ہے (شوہر جہاد گیا ہوا تھا) تو آپ نے اپنی بیٹی حفصہؓ سے پوچھا کہ عورت کتنے دن مرد کے بغیر صبر کر سکتی ہے؟ حضرت حفصہؓ نے فرمایا چار ۴ مہینے! آپ نے حکم نافذ فرمایا کہ کوئی سپاہی چار مہینہ سے زائد باہر نہ رہے (الفاروق ص ۹۶ حصہ ۲)

محترم بندہ۔ اگر شرم وحیا والی باتوں کا ذکر ممنوع ہے تو شرم والی باتیں تو کلام پاک میں بھی ہیں اور اس سے زیادہ واضح احادیث میں ملیں گی کہ وہ قرآن پاک کی تفسیر ہیں اور فقہ کی کتابیں ان دونوں کی تفسیر اور خلاصہ ہیں لہذا کتب فقہ میں بھی ایسی باتوں کا ہونا ضروری ہے۔ لہذا ایسی باتوں کی بنا پر فقہ پر تنقید کرنا اور کتب فقہ یا فقہاء کو برا بھلا

کہنا درحقیقت قرآن وحدیث پر اعتراض کرنا ہے۔

قرآن پاک میں ہے(۱) وراودتہ التی ھو فی بیتھا عن نفسہ وغلقت الا بواب وقالت ھیت لک قال معاذ اللہ الخ. ترجمہ۔جس (عزیز مصر کی) عورت کے گھر میں یوسف علیہ السلام رہتے تھے وہ ان پر مفتون ہوگئی اوران سے اپنا مطالبہ حاصل کرنے (خواہش پوری کرنے) کو پھسلانے لگی اور گھر کے سارے دروازے بند کردیئے۔اوران سے کہنے لگی آجاؤ (جلدی کر) تم ہی سے کہتی ہوں۔یوسف علیہ السلام نے کہا (اللہ کی پناہ) اللہ بچائے۔(قرآن مجید سورۂ یوسف رکوع نمبر۳)

قرآن مجید میں ہے(۲) ائنکم لتأتون الرجال شھوۃً من دون النساء تم شہوت رانی کے لئے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کی طرف دوڑتے ہو (سورۃ النمل رکوع نمبر۴)

(۳) ویسئلونک عن المحیض قل ھوا ذیٰ فاعتز لو االنساء فی المحیض ولا تقربو ھن حتیٰ یطھرن فاذا تطھرن فا تو ھن من حیث امر کم اللہ ان اللہ یحب لتوا بین ویحب المتطھرین O نساؤکم حرث لکم فا تو حرثکم انّی شئتم.

ترجمہ۔اور لوگ آپ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں آپ فرمادیجئے۔یہ گندی چیز ہے تو حیض میں تم عورتوں سے (جماع کرنے سے) علیحدہ رہا کرو اور جب تک پاک نہ ہوجائیں ان سے قربت نہ کیا کرو۔پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہوجائیں تو ان کے پاس جاؤ جس جگہ سے تم کو خدا نے اجازت دی ہے (یعنی قبل سے) بالیقین خداوند قدوس محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتے ہیں پاک صاف رہنے والوں سے! تمہاری بیبیاں تمہارے لئے (بمنزلہ) کھیت (کے) ہیں، سو اپنے کھیت میں جس طرف سے ہوکر چاہو آؤ۔یعنی آگے سے، پیچھے سے کھڑے بیٹھے (یعنی کیفیات اگرچہ مختلف ہوں لیکن صحبت کی راہ وہی قبل ہونی چاہئے) (قرآن کریم سورۂ بقرہ رکوع ۲۷) تفسیر جلالین وغیرہ۔

ان جیسی آیتوں کا شان نزول بیان کیا گیا تو وہ اور بھی زیادہ عریاں تھا۔مثلاً آیت "نساء کم حرث لکم" کے شان نزول کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔

انما کان ھذا الحی من الا نصار وھم اھل وثن مع ھذا الحی من یھود وھم اھل کتاب وکانوا یرون لھم فضلاً علیھم فی العلم فکا نوا یقتدون بکثیر من فعلھم وکان من امر اھل الکتاب ان لا یأتوا النساء الا علی حرف وذلک استر ما تکون المرأۃ فکان ھذا الحی من الا نصار قد اخذوا بذلک من فعلھم وکان ھذا الحی من قریش یشرحون النساء شرحاً منکراً ویتلذذون منھن مقبلات ومدبرات ومستلقیات فلما قدم المھاجرون المدینۃ تزوج رجل منھم امرأۃ من الا نصار فذھب یصنع بھا ذلک فانکرتہ علیہ وقالت انما کنا نؤتی علی حرف فاصنع ذلک والا فاجتنبی حتی شری امر ھما فبلغ ذالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانزل اللہ عزوجل نساء کم حرث لکم فأتوا حرثکم انی شئتم ای مقبلات ومدبرات ومستلقیات یعنی بذلک موضع الولد (ابو داؤد ج ۱ ص ۳۰۱ باب فی جامع النکاح)

ترجمہ:

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں جن حضرات نے الانصار کا خطاب حاصل کیا وہ پہلے مشرک تھے۔ یہودیوں کے ساتھ رہا کرتے تھے چونکہ یہودیوں کے پاس آسمانی کتاب (توریت) تھی تو مشرکین سمجھتے تھے کہ یہود کو علمی فضیلت حاصل ہے اس لئے وہ بہت سی باتوں میں یہودیوں کا چلن اختیار کرلیا کرتے تھے مجامعت اور ہم بستری کے سلسلہ میں یہودیوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ صرف چت لیٹ کر ہی مجامعت کیا کرتے تھے اس سے عورت کی پردہ پوشی زیادہ ہوتی تھی انصار بھی ان کے اسی چلن پر چلا کرتے تھے۔ ان کے برخلاف قریش کا طریقہ یہ تھا کہ وہ عورتوں سے خوب کھلتے تھے ان کا سینہ اپنی طرف کر کے ان کی پشت اپنی طرف کر کے ان کو چت لٹا کر غرض ہر طرح لذت اندوز ہوتے تھے۔ جب حضرات مہاجرین مدینہ میں آئے تو کسی مہاجر نے انصاری عورت سے شادی کرلی اس نے اپنے طریق (مختلف کیفیات) سے صحبت کرنا چاہا تو اس انصاریہ نے ناپسند کیا اور کہا صرف چت لیٹ کر ہی جماع کیا جاتا ہے۔ لہذا آپ بھی ایسا ہی کیجئے ورنہ مجھ سے دور رہیئے اس میں بات طول پکڑ گئی۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ تک بات پہنچ گئی تو خدا تعالیٰ نے آیت کریمہ نازل فرمائی نساء کم حرث لکم الخ یعنی تمہاری بیبیاں تمہاری کھیتی ہیں سو اپنے کھیت میں جس طرح سے چاہو جاؤ (یعنی چاہے آگے سے، پیچھے سے، چاہے چت لٹا کر وغیرہ، بشرطیکہ وہ جگہ ہو جہاں سے بچہ پیدا ہوتا ہے) (ابوداؤد ج ا ص ۳۰۱)

(۵) حدیث شریف میں ہے۔ عن ام سلمة ام المومنین رضی الله عنها انها قالت جاء ت ام سلیم امرء ة ابی طلحة رضی الله عنه الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالت یا رسول الله ان الله لا یستحیی من الحق هل علی المرء ة من غسل اذا هی احتلمت.

فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم نعم اذا رأ ت الماء (بخاری ج ا ص ۴۲ مطبع مجتبائی باب اذا احلمت المرأ ة) عن ام سلمة رضی الله عنه قالت قال ام سلیم یا رسول الله ان الله لا یستحیی من الحق فهل علی المرء ة من غسل اذا احتلمت قال نعم اذا رأت الماء فغطت ام سلمة وجهها فقالت یا رسول الله او تحتلم المرأ ة قال نعم تربت یمینک فبم یشبهها ولد ها متفق علیه وزاد مسلم بروایة ام سلیم ان ماء الرجل غلیظ ابیض وماء المرء ة دقیق اصفر فمن ایهما علا او سبق یکون منه الشبه (مشکوٰۃ شریف ج ا ص ۴۸ باب الغسل مطبع مجتبائی)

حضرت ام سلیمؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا۔ یا رسول اللہ خدا تعالیٰ حق بات سے نہیں شرماتے کیا عورت پر غسل ضروری ہے جب اسے احتلام ہو (یعنی بدخوابی ہو) آپ ﷺ نے فرمایا ہاں جب وہ پانی (منی) دیکھے، ام سلمہ نے شرما کر اپنا منہ چھپا لیا، پھر دریافت کیا، یا رسول اللہ کیا عورت کو احتلام (منی کا خروج) ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، خاک آلود ہوں تیرے ہاتھ نہیں تو بچہ ماں کی مشابہ کیوں ہوتا؟...... مرد کا پانی (منی) گاڑھا اور سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا اور پیلا ہوتا ہے۔ اس میں جو پانی غالب آجائے یا سبقت کر جائے بچہ اسی کے مشابہ ہوتا ہے۔

(۶)عن ابن شهاب رضى الله عنه قال اخبرنى عروة بن الزبير رضى الله عنه ان عائشة رضى الله عنها ان امرأة رفاعة القرظى جاء ت الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله ان رفاعة طلقنى فبت طلاقى وانى نكحت بعده عبد الرحمن بن الزبير القرظى وانما معه مثل الهدبة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعلك تريدين ان ترجعى الى رفاعة لا حتى يذوق عسيلتك وتذوقى عسيلته (بخارى. ج ۲ ص ۷۹۱ پ ۲۲ مطبع مجتبائى باب من اجاز طلاق الثلاث)

ترجمہ:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں' رفاعہ کی عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ مجھے رفاعہ نے تین طلاقیں بائنہ دے دیں بعدہٗ میں نے عبدالرحمن سے نکاح کیا لیکن اس کے پاس تو کپڑے کے پھندنے کی طرح (یعنی نامرد) ہے آپ ﷺ نے فرمایا تو شاید پھر رفاعہ سے نکاح کرنا چاہتی ہے؟ (اس کے دل میں تھا کہ ہاں کہے) حضور ﷺ نے یہ بات بھانپ کر کہا) نہیں ، تاوقتیکہ وہ (دوسرا شوہر) تیرا مزہ چکھے اور تو اس (دوسرے شوہر) کا مزہ چکھے (یعنی جب تک دوسرے شوہر سے صحبت نہ ہو حلالہ درست نہیں)

(۷)عن جابر بن عبدالله رضى الله عنه قال كنا مع النبى عليه السلام فى غزوة فلما فقلنا كنا قريباً من المدينة تعجلت على بعير لى قطوف فلحقنى راكب من خلفى فنخس بعيرى بعنزة كانت معه فسار بعيرى كا حسن ماانت راء من الا بل فالتفت فاذآ انا بر سول الله صلى الله عليه وسلم .فقلت يارسول الله انى حديث عهد بعرس قال اتزوجت قلت نعم قال بكراً ام ثيبا قال قلت بل ثيباً قال فهلا بكرا تلا عبها تلاعبك وقال فلما قد منا ذهبنا لندخل فقال امهلوا حتى تد خلوا ليلاً اى عشاء لكى تمتشط الشعثة وتستحد المغيبة .

ترجمہ:

(از قولہ اتزوجت الخ) حضور ﷺ نے حضرت جابرؓ سے (سفر سے واپسی پر پوچھا کہ تم نے دوشیزہ سے نکاح کیا یا شادی شدہ کے ساتھ؟ کہا کہ بیوہ (ثیبہ) کے ساتھ! آپ ﷺ نے فرمایا تم نے باکرہ (کنواری) سے نکاح کیوں نہیں کیا کہ وہ تم سے دل لگی کرتی اور تم اس سے دل لگی کرتے! پھر جب مدینہ پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ عشاء تک یہیں ٹھہرے رہو کہ عورتیں بال سنوار لیں (کنگھی کرلیں) اور موئے زیر ناف بھی لے لیں)، (خلاصہ) (بخاری شریف ج۲ ص۷۸۹ پ۲۲ باب طلب الولد)

صرف سات حدیثیں پیش کی گئی ہیں ۔ اس طرح کی حدیثوں کی تعداد بہت زیادہ ہوسکتی تھی کیونکہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام ۔اس مصنوعی شرم سے ناآشنا تھے جو سامرودی صاحب کے کارخانہ غیرت میں ڈالی جاتی ہے ۔ جب دین کا بڑا حصہ عورتوں سے متعلق ہے تو ان کے بیان کرنے میں وہی کوتاہ اندیش مصنوعی شرم کرسکتا ہے جو دین کی تعلیم کو ادھوری رکھنا چاہے اور دینی تعلیمات میں خیانت گوارا کرے ۔ مگر جب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان الله لا

یستحیی من الحق ۔ حق بات میں اللہ شرم نہیں کرتا ۔ تو اس کے نیک اور دیانت دار بندوں کی شان بھی یہی ہوتی ہے ۔ مگر سامرودی صاحب کو حق و دیانت سے کوئی واسطہ نہیں ، ان کے نزدیک حق صرف یہ ہے کہ جس طرح بھی ہو مذہب احناف کو بدنام کریں اور فقہاء کرام کی توہین میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھیں ۔ آپ بڑی جگر سوزی سے فرماتے ہیں ۔

اے پیارے دینی بھائیو ! خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ ، کب تک سوتے رہو گے ؟ اپنی مذہبی کتابوں میں کیا کیا لکھا ہے ، ہمارے علماء نے ہمیں یہ سمجھا کر سلا رکھا ہے کہ فقہ خاص قرآن و حدیث کا مغز ولب لباب ہے ۔

آگے رقمطراز ہیں :۔ جن کتب میں ایسی عجیب و غریب گندی باتیں لکھ کر لذت اندوزی ہوتی ہو وہ کیا مذہبی کتابیں ہو سکتی ہیں ؟ ...... اور ایک جگہ لکھتے ہیں :۔ قابل تفکر ہے ذرا غیرت کو قریب آنے دو اور عقل و دانش سے کام لو ۔ غیر قوم نے ایسی ایسی باتوں پر تنقید کی ہے ۔''

اور لکھتے ہیں :۔ کیا مذہب اسلام ایسا ہی ہوگا کہ ایسی باتیں کتابوں میں لکھتے ہیں ۔ آریہ سماج میں ہونا چاہئے ایک مذہبی کتابوں میں قطعاً نہ ہونا چاہئے ، اور لکھتے ہیں :۔ کہ ہم نے تو بطور نمونہ اتنے مسائل تحریر کئے ہیں دوسرے لکھنے سے قلب مضطرب ہے اور قلم لرزاں ۔

میں ہوں آپ کا خیر خواہ ناچیز عبدالجلیل سامرودی ۔ بتاریخ ۲۱/۸/۵۰ ء ایک دوسری جگہ مذہب حنفی پر طنزاً لکھتے ہیں :۔

''جس مذہب میں ایسی خوبیاں ہوں وہ دنیا میں مقبول کیوں نہ ہو ؟ کیونکہ سب دل پسند باتیں اس میں مل جاتی ہیں ، ایسی باتیں کلام اللہ اور احادیث نبوی میں تو کہاں سے ملے ؟

سامرودی صاحب کا یہ طنز صرف نادانوں کو مشتعل کرنے اور حضرات فقہاء کرام کی توہین کے لئے ہے ۔ ورنہ آیات کلام اللہ اور احادیث مقدسہ کی مثالیں اوپر گذر چکی ہیں جو بانگ دہل پکار رہی ہیں کہ مسائل دین کی تعلیم میں نہ اللہ تعالیٰ خیانت آمیز شرم و حیا جائز قرار دیتے ہیں نہ اللہ کے رسول ۔ اور ان کے صحابہ کرام (صلوات اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین)

سامرودی صاحب ائمہ مجتہدین کی تقلید نہیں کرتے ۔ مگر آپ کو یہود مدینہ اور مشرکین کی تقلید کا فخر حاصل ہے ۔ ذیل کی دو روایتیں مطالعہ کیجئے اور ملاحظہ فرمائیے کہ سامرودی صاحب غیر مقلد ہوتے ہوئے کس کی تقلید کر رہے ہیں ۔

(۱) عن سلمان قال قال بعض المشرکین وھو یستھزئ انی لا ری صاحبکم یعلمکم حتی الخراء ۃ قلت اجل امرنا ان لا نستقبل القبلۃ وان لا نستنجی بایماننا ولا نکتفی بدون ثلاثۃ احجار لیس فیھا رجیع ولا عظیم رواہ مسلم ۔

ترجمہ :

کسی مشرک نے استہزاء حضرت سلمان فارسی سے کہا کہ تمہارا ساتھی (نبی) تو تمہیں پیشاب ، پائخانہ تک کی (بھی) تعلیم دیتا ہے ۔ حضرت سلیمانؓ نے فرمایا کہ (حضور ﷺ ہم پر باپ جیسے شفیق ہیں) آنحضرت ﷺ

نے ہم کو یہ تعلیم دی ہے کہ پیشاب پائخانہ کے لئے قبلہ رخ ہو کر نہ بیٹھیں اور سیدھے (داہنے) ہاتھ سے استنجا نہ کریں تین ڈھیلوں سے کم پر کفایت نہ کریں۔ تین ڈھیلے استعمال کریں۔ لید (گوبر) ہڈی وغیرہ استعمال نہ کریں (مشکوٰۃ ص ۴۲ باب آداب الخلاء)۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما انا لکم مثل الوالد لولدہ اعلمکم اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلۃ ولا تستدبروھا وامر بثلاثۃ احجار ونھی عن الروث والرمۃ ونھی ان یستطیب الرجل بیمینہ .(رواہ ابن ماجہ والدارمی)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں تم لوگوں کے لئے ایسا ہوں جیسے باپ بیٹے کے لئے ہوتا ہے۔ میں تمہیں سکھلاتا ہوں کہ جب بیت الخلاء جاؤ قبلہ رخ نہ بیٹھو اور نہ اس کی طرف پشت کرو اور (صفائی کے لئے) تین ڈھیلوں کا حکم فرمایا اور لید اور ہڈی (کے استعمال) سے منع فرمایا اور اس بات سے بھی منع فرمایا کہ آدمی اپنے داہنے ہاتھ سے استنجاء کرے (مشکوٰۃ ص ۴۲ باب آداب الخلاء)

علماء اور فقہاء انبیاء علیہم السلام کے وارث اور جانشین ہیں اور امت کے سچے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں۔ نیز دین کے رہبر اور مذہبی پیشوا ہیں۔ انہوں نے قیامت تک آنے والی امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے لئے مسائل کو قرآن وحدیث (فرامین رسول) وتعامل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روشنی میں بالتفصیل مرتب کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ بعد میں آنے والوں کے لئے کوئی بات پیش آئے تو اس کا حل تلاش کرنے میں کوئی دقت اور پریشانی نہ اٹھانی پڑے۔ ہمیں ان کا احسان ماننا چاہئے چہ جائیکہ ان کی مذمت، مذاق اور ان کی شان میں گستاخی کی جائے۔

اصل مسئلہ کی طرف رجوع:

القصہ انزال کے باوجود روزہ نہیں ٹوٹتا ہے اور عدم فساد پر اجماع ہے۔ یہ دوسری ہی صورت ہے۔ وطی بہیمہ مع الانزال والی یہ صورت نہیں ہے وہ صورت تو فرج بہیمہ کو محض مس کرنے اور تقبیل بہیمہ کرنے کی ہے۔ جماع اور وطی کی صورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ شامی میں اسی موقع پر تصریح اور تفصیل کی ہے کہ روزہ کو فاسد کر دینے والی یہ چند صورتیں ہیں۔

(۱) **الجماع صورۃً وھو ظاھر** (عورت مشتہاۃ ہو تو وطی بھی شرط نہیں) (۲) **او معنیً فقط وھو الانزال عن مباشرۃ بفرجہ لا فی فرج (کالا ستمناء بالید)** (۳) **او فی فرج غیر مشتھی عادۃً** (جیسا کہ بہیمہ اور میتہ وغیرہ معدوم الشہوت کے ساتھ) (۴) **او عن مباشرۃ بغیر فرجہ فی محل مشتھی عادۃ** (جیسا کہ عورت کے ساتھ مباشرت) (۵) **الا نزال بعمل المرأتین فانھا مباشرۃ فرج بفرج لافی فرج** (جیسا کہ عورت کا عورت کے ساتھ مباشرت کرنا)

جس صورت کے متعلق علامہ شامی نے لکھا ہے کہ عدم فساد (روزہ نہ ٹوٹنے) پر اجماع ہے وہ ان صورتوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے (یعنی اپنی شرم گاہ کو استعمال کئے بغیر ہاتھ سے جانور کی فرج کو چھونا۔ یا جانور کو بوسہ دینا) کسی

طرح بھی جماع اور وطی نہیں ہے۔ نہ صورۃً نہ معنیً! لہذا روزہ فاسد نہیں ہوگا (ہاں انزال ہونے سے غسل واجب ہوجاتا ہے۔ علامہ شامی بیان فرماتے ہیں۔

اما الا نزال بمس او تقبیل بھیمة انه لم یوجد فیه شیئی من معنی المجماع فصار کالا نزال بنظر او تفکر فلذا لم یفسد الصوم اجماعاً (شامی ج۲ ص ۱۳۷ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده)

اللہ اکبر! کیا تحقیق ہے علامہ شامیؒ کی! اس کا نام ہے علمیت اور تفقہ! اور یہ ہے خوبی علم فقہ کی!!

داستان عہد گل رابشنو از مرغ چمن
زاغ ہا آشفتہ تر گفتند ایں فسانہ را

موسم بہار کی داستان سننا ہو تو چمن کی باذوق بلبل سے سنو۔ کوؤں نے تو اس کو بہت بڑے ڈھنگ سے سنایا ہے۔

محدث اور شیخ الاسلام بن جانا تو آسان ہے۔ مگر اس رتبے کو پہنچنا اور اہل علم کا کلام سمجھنا دشوار ہے۔

نہ ہر کہ چہرہ بر افروخت دلبری داند
نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
ہزار نکتۂ باریکتر زمو ایں جاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

صحیح مطلب وحقیقت مسئلہ سمجھنے کے لئے علت معلوم کرنا اور قرائن سے امداد لینا ازبس ضروری ہے۔ ظاہری الفاظ سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ ہمیشہ مقصود نہیں ہوتی بلکہ وہ تو چھلکا ہوتا ہے اور مغز اندر ہوتا ہے!

حدیث کی مشہور کتاب کنز العمال' میں ہے حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں اور عطا اور طاؤس اور عکرمہ بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت ابن عباسؓ نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک شخص نے ان کر سوال کیا کہ میں پیشاب کرتا ہوں تو "ماء دافق" نکلتا ہے۔ کیا اس سے غسل واجب ہوتا ہے؟ ہم نے کہا کیا یہ وہی 'ماء دافق" ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے؟ اس نے کہا، جی ہاں! ہم نے کہا تو غسل واجب ہے۔ وہ شخص اناللہ پڑھتا ہوا چلا گیا۔ حضرت ابن عباس نے جلدی سے نماز ختم کر کے حضرت عکرمہؓ سے فرمایا کہ اس شخص کو بلاؤ، وہ آیا، آپ نے ہم سے پوچھا۔ کیا تم نے قرآن سے فتویٰ دیا؟ ہم نے کہا نہیں! فرمایا تو کیا حدیث سے؟ ہم نے کہا نہیں! فرمایا کیا اقوال صحابہ سے؟ ہم نے کہا نہیں! پھر فرمایا کس کے قول پر فتویٰ دیا؟ ہم نے کہا خود اپنی رائے سے! یہ سن کر فرمایا۔ لذلک یقول رسول الله صلی الله علیه وسلم فقیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد۔ یعنی اس وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ پھر آپ نے نو وارد سے ازروئے تحقیق پوچھا پیشاب کے بعد جو شئے نکلتی ہے اس وقت تمہارے دل میں شہوت یا عورت کی خواہش ہوتی ہے اس نے کہا نہیں! فرمایا مذکورہ صورت میں صرف وضو کافی ہے غسل لازم نہیں! (ج ۵ ص ۱۱۸)

حضرت ابن عباسؓ نے دیکھا کہ "ماء دافق" کے لفظ سے غلط فہمی ہوئی ہے اور ظاہری معنی پر فتویٰ دے دیا گیا اور غسل کی علت پر غور وفکر نہیں کیا تو آپ سمجھ گئے کہ ان (محدثین) میں کوئی فقیہ نہیں ہے اگر فقیہ ہوتا تو وجوب غسل کی علت پر نظر رکھتا۔ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) نے اس شخص کے بیان سے معلوم فرمالیا کہ سبب غسل یعنی خروج منی کے لوازم (خواہش) موجود نہیں ہے۔ لہذا فتویٰ دیا کہ پیشاب کے ساتھ نکلنے والا پانی منی ہے ہی نہیں لہذا غسل

بھی واجب نہیں!

مسائل اور احکام شرعیہ سمجھنے کے لئے صرف حدیث دانی (حدیث جاننا یا یاد کر لینا) کافی نہیں ہے۔ تفقہ فی الدین بہت ضروری ہے۔

علامہ ابن جوزی حضرت امام خطابی (محدث) سے نقل فرماتے ہیں:۔

(۱) ایک شیخ نے حدیث بیان کی ہے کہ نهى النبى عليه السلام عن الحلق قبل الصلوة يوم الجمعة اور اس کا مطلب یہ لیا کہ آنحضرت ﷺ نے جمعہ کے روز، نماز سے قبل سر منڈانے سے منع فرمایا ہے، اور پھر فاتحانہ انداز میں فرمانے لگے کہ مذکورہ حدیث پر چالیس ۴۰ سال سے میرا عمل ہے۔ امام خطابی نے ان سے فرمایا کہ حضرت یہ لفظ حلق (بفتح الحاء و سكون اللام) نہیں بلکہ حِلَق (بكسر الحاء وفتح اللام) ہے جو حلقہ کی جمع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جمعہ سے پہلے حلقہ بنا کر نہ بیٹھے اس سے نماز وخطبہ کی تیاری میں خلل پیدا ہوتا ہے۔ یہ سن کر بہت خوش ہونے اور کہنے لگے سو آپ نے میرے لئے بڑی آسانی فرمادی۔

قال الخطابي و كان بعض مشائخنا يروى الحديث عن النبى عليه الصلوة والسلام نهى عن الحلق قبل الصلوة يوم الجمعة (باسكان اللام) قال واخبر نى انه لقى اربعين سنة لا يحلق رأسه قبل الصلوة قال فقلت انما هو الحلق جمع حلقه وانما كره الاجتماع قبل الصلوة للعلم والمذاكرة وامر ان يشتغل بالصلوة وينصت للخطبة فقال قد فرجت عنى وكان من الصالحين (تلبيس ابليس ص ١٦٦)

(۲) اور کتاب مذکور میں ہے۔ روينا ان بعض المحدثين روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى ان يسقى الرجل ماءه زرع غيره فقال جماعة من حضر قد كنا اذا فضل ماء فى بساتيننا سرحناه الىٰ جير اننا ونحن نستغفر الله فما فهم القارى ولا السامع ولا شعران المراد وطى الحبالى من السبايا!

یعنی ابن جوزی فرماتے ہیں بعض محدثین نے یہ روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا کہ آدمی اپنا پانی دوسرے کی کھیتی میں سینچے۔ تو ان کے شاگرد حاضرین وسامعین نے کہا ہم تو اپنے باغات کا بچا پانی پڑوسیوں کے لئے چھوڑ دیتے تھے اور اب ہم اللہ سے معافی مانگ رہے ہیں کہ ایسا نہ کریں گے! چنانچہ (اس حدیث کا مطلب) نہ محدث صاحب سمجھے اور نہ شاگرد وسامع حالانکہ معنی یہ ہے کہ جہاد میں جو عورتیں قید کر لی جاتی ہیں ان میں جو حاملہ ہوں ان سے وضع حمل تک جماع نہ کیا جائے۔ یہ معنی کسی کی سمجھ میں نہ آئے۔

(۳) کشف بزدوی میں ہے کہ ایک اہل حدیث استنجاء کرنے کے بعد وتر پڑھتے تھے ان سے وجہ پوچھی تو جواب دیا کہ حدیث میں وارد ہے کہ "من استنجى فليوتر" جو استنجا کرے اس کو چاہئے کہ وتر پڑھے! اس حدیث پر میرا عمل ہے۔ حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ڈھیلے طاق (وتر) ہونے چاہئیں۔ یعنی تین، پانچ، سات! یہ اہل حدیث سمجھا کہ استنجاء کے بعد وتر پڑھنے کا حکم ہے۔ سبحان اللہ کیسی اچھی سمجھ ہے۔ فقہ سے ناواقفیت کا یہ نتیجہ ہے! ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ:۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نضر اللہ عبداً سمع مقالتی فحفظھا ووعاھا فرب حامل فقہ غیر فقیہ ورب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ(الحدیث)

یعنی خدا پاک تروتازہ کرے اس بندہ کو جو میری حدیث سنے اور یاد کرے اور یاد رکھے اور دوسرے کو پہنچا دے۔اس لئے کہ بہت سے حامل فقہ غیر فقیہ ہوتے ہیں اور بہت سے حاملین فقہ کی بہ نسبت وہ زیادہ فقیہ ہوتے ہیں جن کی طرف حدیث پہنچائی گی ہے۔(مشکوٰۃ ص ۳۵)فقط۔واللہ اعلم بالصواب۔

خدا پاک مخالفین حدیث اور معاندین فقہ کو فہم سلیم و نیک ہدایت نصیب فرمائے۔آمین۔

رمضان میں امتحان:

(سوال ۳۱۱) دنیوی علوم (مثلاً بی،کام، بے۔اے، وغیرہ) کے امتحان کے وقت بحالت روزہ (رمضان ہی میں) امتحان میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہوتو کیا کرے؟ روزہ رکھے یا ترک کردے اور پھر قضاء کرے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں ترک صوم یا افساد صوم کی گنجائش نہیں ہے۔روزہ کے ساتھ ہی امتحان دے۔خدا تعالیٰ مدد فرمائیں گے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سفر میں فوت شدہ روزوں کی قضا:

(سوال ۳۱۲) بحالت سفر فوت شدہ روزوں کی قضاء ضروری ہے یا نہیں؟

(الجواب) ہاں۔قضا کا وقت ملے تو قضاء رکھنا ضروری ہے۔نہ رکھے تو فدیہ دینے کی وصیت لازم ہے بشرطیکہ ترکہ میں مال چھوڑ گیا ہو ۔اور بحالت سفر مر گیا یا مقیم ہو کر مرا لیکن قضاء کا وقت نہیں ملا تو فدیہ دینے کی وصیت واجب نہیں۔ اگر چند روزے قضاء رکھنے کا وقت ملا تو اسے روزوں کی قضاء لازم ہے، قضاء نہ کر سکا تو ان دنوں کے فدیہ دینے کی وصیت ضروری ہے۔مثلاً بحالت سفر دس روزے فوت ہو گئے اور پانچ روزے رکھنے کا وقت ملا لیکن قضا نہ کی تو ان پانچ روزوں کے فدیہ کی وصیت لازمی ہے اس سے زائد کی نہیں۔

شامی میں ہے۔**(فان ماتوا فیہ) ای فی ذلک العذر (فلا تجب) علیھم (الوصیۃ بالفدیۃ) لعدم ادراکھم عدۃ ایام اخر (ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت) الوصیۃ بقدر ادراکھم عدۃ من ایام اخر (درمختار.شامی ج۲ ص ۱۲۰.۱۲۱ فصل فی العوارض المبیحہ لعدم الصوم)**

بحالت صوم شرم گاہ میں دوا رکھنا کیسا؟:

(سوال ۳۱۳) بعد افطار کے کوئی عورت بوجہ بیماری کے دوا کی تھیلی باندھ کر رات کے وقت ہی اپنی شرم گاہ میں رکھے اور دوسرے دن بعد افطار کے وہ تھیلی نکالے، یا بحالت صوم دن کے وقت ہی دوا کی تھیلی رکھے اور بعد افطار کے نکال لے تو ان دونوں صورتوں میں روزے پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

(الجواب) روزہ شروع ہونے سے پہلے داخل فرج میں رکھی ہوئی دوا سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ ہاں بحالت صوم دواء رکھنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ فتاوی تیمیہ میں ہے (مسئلة) فی امراء ة تضع معها دواء وقت المجامعة (الی قوله) وهل اذا بقی ذلک الدواء معها بعد الجماع ولم یخرج یجوزلها الصلوٰة والصوم بعد الغسل ام لا . (الجواب) اما صومها وصلاتها فصحیحة وان کان ذلک الدواء فی جوفها (ج ۱ ص ۶۰) فقط واللہ اعلم بالصوابؑ .

بحالت صوم انجکشن لینا کیسا ہے:

(سوال ۳۱۴) بحالت صوم جو انجکشن گوشت میں لیا جاتا ہے اس سے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ لیکن جو انجکشن رگ میں دیا جاتا ہے جس سے حاجت طعام بھی رفع ہو جاتی ہے تو ایسا انجکشن رگ میں لینے سے روزے پر اثر انداز ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) بذریعہ انجکشن جسم میں دوا یا غذا پہنچانے سے روزہ ٹوٹتا نہیں ہے۔ [1]

فقط واللہ اعلم بالصواب .

ٹی۔ بی (تپ دق)۔ کے مریض کے لئے روزہ کا حکم؟:

(سوال ۳۱۵) ہمارے مکان میں ٹی بی کا مریض ہے، کم وبیش چھ ماہ سے زیر علاج ہے۔ قبل ازیں ایک فوٹو (ایکسرے) لیا گیا تھا۔ جس میں پھیپھڑے میں خرابی بتائی گئی تھی بعدہ دوسرا فوٹو تقریباً چار ماہ بعد لیا گیا تو اس میں دس بارہ آنے فائدہ معلوم ہوا اور دوا حکیم فرخ الدین صاحب کی جاری ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ روزہ نہ رکھے۔ تو اب پندرہ روز کے بعد رمضان آ رہا ہے تو اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہوگا یہ خط حکیم صاحب کے مشورہ سے لکھا ہے۔

(الجواب) ٹی۔ بی (تپ دق) کے مریض کو نقصان پہنچنے کے اندیشہ کی وجہ سے جناب حکیم صاحب روزہ رکھنے کی اجازت نہیں دیتے، تو اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے حکیم صاحب خود عالم ہیں اور حاذق حکیم ہیں۔ لہذا ان کی رائے معتبر ہے۔ بعد صحت قضا رکھ لے۔ [2] . فقط .

بچہ کو روزہ کی حالت میں لقمہ چبا کر دینا:

(سوال ۳۱۶) بچہ چھوٹا ہے۔ روٹی چبا کر کھلائی جاتی ہے اس کے بغیر نہیں کھا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں بحالت صوم روٹی چبا کر اس کی والدہ دے دے تو روزے پر کوئی اثر ہوگا۔

(الجواب) جب بچہ بغیر لقمہ چبائے نہ کھا سکتا ہو اور کوئی نرم غذا بھی نہ ہو تو لقمہ چبانا مکروہ نہیں، ہاں بلا ضرورت چبانا مکروہ ہے۔ اسی طرح خاوند یا مالک یا مالکہ ظالم ہوں کھانے میں نمک، مصالحہ کم وبیش ہونے پر خفا ہوتے ہوں، گالیاں دیتے ہوں تو زبان سے چکھنے سے روزہ میں خرابی نہیں آئے گی۔ مالا بد منہ میں ہے "چشیدن چیزے یا

---

(۱) وما یدخل من مسام البدن من الدهن لا یفطر هکذا فی شرح الجمع (عالمگیری فیما یفسد الصوم وما لا یفسد)

(۲) ومنها المریض اذا خاف علی نفسه التلف أو ذهاب عضو یفطر بالاجماع وان خاف زیادة العلة وامتداده فکذلک عندنا وعلیه القضاء اذا افطر کذا فی المحیط. عالمگیری، فی الاعذار التی تبیح الافطار ج ۱ ص ۲۰۷

خائیدن بے ضرورت روزہ مکروہ ات وطعام برائے طفل خائیدن درصورت ضرورت جائز باشد۔(ص ۹۸) فقط۔

روزہ کی غلطی معاف ہے لیکن نماز اور حج کی غلطی معاف نہیں:

(سوال ۳۱۷) حدیث میں ہے کہ جس نے روزہ کی حالت میں بھول کر کھا، پی لیا تو وہ اپنے روزہ کو پورا کرلے کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے، بخلاف نماز اور حج کے کہ ان میں بھول معاف نہیں ہے۔ اس کی کیا وجہ؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ کے اندر کوئی ایسی ہئیت نہیں ہے جو روزہ کو یاد دلاتی ہو اس لئے روزہ میں معاف سمجھا گیا، بخلاف نماز اور حج کے کہ نماز میں استقبال قبلہ نماز کو یاد دلانے والی ہئیت ہے اور حج میں احرام یعنی بغیر سلا ہوا کپڑا پہننا وغیرہ ہئیت مذکرہ ہے اس لئے حج اور نماز میں معذور نہیں سمجھا گیا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بحالت صوم طنبورہ بجانے کا کیا حکم ہے:

(سوال ۳۱۸) کوئی آدمی بحالت روزہ، بانسری، طنبورہ اور دیگر گانے بجانے کی اشیاء دم گھونٹ کر بجائے تو روزہ میں کچھ حرج ہوگا؟

(الجواب) بحالت صوم طنبورہ وغیرہ بجانا گناہ کا کام ہے لیکن روزہ فاسد نہیں ہوگا فقط۔

روزے میں ماں چھوٹے بچہ کے لئے روٹی چبا سکتی ہے:

(سوال ۳۱۹) بچہ چھوٹا ہے۔ روٹی چبا کر دیں تو کھا سکتا ہے۔ چبائی بغیر نہیں کھا سکتا تو ماں ایسی حالت میں روٹی چبا کر بچہ کو دے تو روزہ مکروہ ہو جاتا ہے؟

(الجواب) جب بچہ چبائے بغیر کھا نہیں سکتا اور نہ کوئی نرم چیز ہے تو لقمہ چبا کر دینا مکروہ نہیں۔ ہاں بے ضرورت لقمہ چبانا مکروہ ہے۔ اسی طرح شوہر یا آقا ظالم ہو کھانے میں نمک مرچ کم ہونے پر خفا ہو کر گالی گلوچ کرتا ہو تو اس پریشانی سے بچنے کے لئے اگر نمک چکھے تو روزہ میں خرابی نہ آئے گی۔ ''مالا بدمنہ'' میں ہے۔ ''چشیدن چیزے یا خائیدن بے ضرورت درروزہ مکروہ است وطعام برائی طفل خائیدن درصورت ضرورت جائز باشد(ص ۹۸) واللہ اعلم بالصواب۔

دانت کا خون مفسد صوم ہے یا نہیں؟:

(سوال ۳۲۰) روزہ کی حالت میں دانت سے خون نکل کر حلق میں چلا گیا۔ تو روزہ کی قضاء اور کفارہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) خون قلیل مقدار میں ہو تھوک کا غلبہ ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ ہاں اگر خون کا مزہ حلق میں محسوس ہوگا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اسی طرح خون تھوک سے زیادہ یا مساوی ہوگا تب بھی روزہ فاسد ہو جائے گا فقط قضاء واجب ہے۔

الدم اذا خرج من الا سنان و دخل حلقه ان كانت الغلبة للبزاق لا يضره و ان كانت الغلبة للدم يفسد صومه و ان كانا سواء افسد ايضا استحساناً (فتاوىٰ عالمگیری ص ۱۳۱ ج ۲) او خرج

الدم بین اسنانہ ودخل حلقہ) یعنی ولم یصل الی جوفہ اما اذا وصل فان غلب الدم اوتساویا فسدو الا لا الا اذا وجد طعمہ بزازیۃ (درمختار مع الشامی ص ۱۳۴ ج ۲ باب ما یفسد الصوم الخ) فقط واللہ اعلم بالصواب .

دانت نکلوایا تو روزہ رہا یا نہیں؟:

(سوال ۳۲۱)رمضان میں دانت نکلوایا۔اورخون جاری رہا۔بحالت روزہ حلق میں بھی چلا گیا تو روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) خون پیٹ میں چلا گیا تو روزہ کی قضاء لازم ہے۔قلت ومن ھذا یعلم حکم من قلع ضرسہ فی رمضان و دخل الدم الی جوفہ فی النھار ولو نائماً فیجب علیہ القضاء الا ان یفرق بعدم امکان التحرزعنہ فیکون کالقئی الذی عاد بنفسہ فلیراجع.(شامی ص ۱۳۴ ایضاً)فقط واللہ اعلم بالصواب .

مرض پائیریا کی وجہ سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟:

(سوال ۳۲۲)پائیریا کی وجہ سے مسوڑوں میں پیپ آتی ہے۔اس کو تھوک کے ساتھ نگل جاتا ہے اس سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟ منشاء سوال یہ ہے کہ جو چیز منہ ہی میں پیدا ہورہی ہے۔اس کے اجزاء بالقصد یا بلا قصد تھوک کے ساتھ حلق میں چلے جائیں۔اوردوسرے جو چیز خارج سے منہ میں رکھی۔اور پھر مثلاً سو گیا اور سوتے میں اس کے اجزاء تھوک کے ساتھ حلق میں چلے جائیں جیسے پان منہ میں رہ گیا صبح کو آنکھ کھلی۔ان دونوں میں فرق ہوگا یا نہیں؟تحقیق کی ضرورت ہے۔

(الجواب) پائیریا کی پیپ کو پان کی پیک پر قیاس کرنا اور مفسد صوم قرار دینا صحیح نہیں۔پان خارج سے منہ میں رکھا جاتا ہے اوراس کی پیک تھوک پر غالب ہوتی ہے۔بخلاف پائیریا کی پیپ کے،کہ پائیریا ایک مستقل مرض ہے۔پیپ منہ ہی میں پیدا ہوتی ہے اس سے احتراز ممکن نہیں پیپ کی مقدار بھی کم اور تھوک سے مغلوب ہوتی ہے۔لہٰذا مفسد صوم نہ ہونا چاہئے۔ترطبت شفتاہ ببزاقہ عند الکلام اوغیرہ فابتلعہ ' لا یفسد للضرورۃ کذافی الزاھدی ولو سال لعابہ من فیہ الی ذقنہ من غیر ان ینقطع من داخل فمہ ثم روہ الیٰ فیہ وابتلعہ لا یفطرہ لانہ لا یتم الخروج بخلاف مااذا انقطع کذا فی الظھیریۃفی المقطعات . فی الحجۃ رجل لہ علۃ یخرج الماء من فمہ ثم یدخل و یذھب فی الحلق لا یفسد صومہ کذا فی التاتارخانیۃ ولو بقی بلل بعد المضمضۃ فابتعلہ مع البزاق لم یفطرہ ولو دخل المخاط انفہ من رأسہ ثم استشمہ فادخل حلقہ عمداً لم یفطرہ لا نہ بمنزلۃ ریقہ کذآ فی محیط السرخسی.(فتاویٰ عالمگیری ص ۱۳۱ ج ۲ الباب الرابع فی ما یفسد وما لا یفسد ص ۲۰۳)

ابتلع ما بین اسنانہ وھو دون الحمصۃ لا نہ تبع لریقہ ولو قدرھا افطر کما سیجئی.(درمختار) (قولہ لا نہ تبع لریقہ ، عبارۃ البحر لا نہ قلیل لا یمکن الا حتراز عنہ فجعل

بمنزلة الريق (شامی ص ۱۳۴ ج ۲) او خرج الدم من بين اسنانه ودخل حلقه (تنوير الابصار) قوله يعنی ولم يصل الی جوفه) ظاهر اطلاق المتن انه لا يفطر وان كان الدم غالبا علی الريق صححه فی الوجيز كما فی السراج وقال وجهه انه لا يمكن الاحتراز عنه عادة فصار بمنزلة ما بين اسنانه وما يبقی من اثر المضمضة كذا فی ايضاح الصير فی ۱۵ (شامی ص ۱۳۴ باب ما يفسد الصوم الخ) فقط والله اعلم بالصواب.

غیبت کرنے سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟:

(سوال ۳۲۳) امام صاحب نے جمعہ کی نماز سے قبل تقریر کے دوران یہ حدیث بیان کی۔ عن ابن عباس رضی الله عنه ان رجلين صليا صلوة الظهر او العصر وكانا صائمين فلما قضی النبی صلی الله عليه وسلم الصلوة قال اعيدوا وضوء كما وصلوتكما وامضيا فی صومكما واقضياه يوماً آخر قالا لم يا رسول الله قال اغتبتم فلاناً (مشكوة شريف ص ۴۱۵ باب حفظ اللسان والغيبة والشتم) یہ حدیث پڑھ کر بتایا کہ دو شخص جنہوں نے نماز ظہر یا عصر حضور ﷺ کی اقتداء میں پڑھی تھی نماز کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا کہ تمہارا وضو اور نماز نہیں ہوئی کہ تم نے غیبت کی تھی اور اپنا روزہ پورا کرلو اور دوسرے دن اس کی قضا کرنا۔ امام صاحب کی نیت اس حدیث سے صرف یہ تھی کہ عوام میں غیبت کی شناعت اور برائی دلوں میں بیٹھ جائے لیکن عوام میں یہ اضطراب پیدا ہو گیا ہے کہ غیبت کرنے کی وجہ سے نماز اور روزہ نہیں ہوگا اعادہ ضروری ہوگا۔ عوام کا یہ خیال کیا حیثیت رکھتا ہے؟ یہ حدیث عام احکام میں داخل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حدیث میں وضو نماز اور روزے کے اعادہ کا حکم خواص کے لئے حقیقتاً اور عوام کے لئے زجراً و احتیاطاً ہے۔ غیبت حرام ہے اس سے عبادت میں خلل واقع ہوتا ہے لہذا غیبت سے بچنے کا پورا اہتمام کیا جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ وضو، نماز اور روزہ فاسد ہو جائے گا۔ [1] علماء نے لکھا ہے کہ روزے کے تین درجے ہیں (۱) آدمی روزہ کی نیت سے کھانے پینے اور جماع سے دن بھر رکا رہے، یہ عوام کا روزہ ہے (۲) آدمی روزہ کی نیت سے کھانے پینے اور جماع سے رکنے کے علاوہ آنکھ، ناک، کان، زبان، ہاتھ، پیر اور جمیع اعضاء کو تمام گناہ کبیرہ و صغیرہ سے روکے رکھے، یہ صالحین اور نیک مؤمنین کا روزہ ہے (۳) روزہ کی نیت سے کھانے پینے اور جماع سے دن بھر رکنے کے علاوہ تمام اعضاء کو گناہوں سے روکے اور قلب کو بھی دنیوی خیالات اور فکروں سے روکے اس طرح کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی خیال ہی قلب میں نہ آنے۔ ایک حدیث میں ہے عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة ان يدع طعامه وشرابه مشكوة باب تنزيه الصوم ص ۱۷۶۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو آدمی روزہ رکھ کر باطل کلام اور باطل کام نہ چھوڑے (یعنی غیبت اور گناہ کرتا رہے) تو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوا کہ روزہ قبول

---

(۱) ولو اغتاب انسانا فظن ان ذلك يفطره ثم اكل بعد ذلك متعمدا فعليه القضاء والكفارة الخ فتاوی عالمگیری كتاب الصوم (ومما يتصل بذلك مسائل)

ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کھانا پینا اور جماع چھوڑنے کے علاوہ معصیات ومنکرات مثل جھوٹ غیبت چغل خوری وغیرہ سے بھی زبان کی حفاظت کرے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۵ جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ۔

روزہ کی حالت میں زوجین کا آپس میں بوسہ لینا یا چمٹنا:

(سوال ۳۲۴) کسی شخص نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لیا یا اس کے ساتھ چمٹ گیا اور اس وجہ سے اسے انزال ہو گیا تو روزہ ٹوٹے گا یا نہیں، میاں بیوی دونوں کا ٹوٹے گا یا صرف شوہر کا، اگر روزہ ٹوٹ جائے تو صرف قضا لازم ہوگی یا کفارہ بھی لازم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جسے انزال ہوگا اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اگر دونوں کو انزال ہو جائے تو دونوں کا روزہ ٹوٹ جائے گا صرف قضا لازم ہوگی، کفارہ لازم نہ ہوگا، مراقی الفلاح میں ہے (او) انزل (من قبلة او لمس لا كفارة عليه لما ذكرنا طحطاوی میں ہے (قوله لما ذكرنا) اى من قصور الجناية وعليه القضاء بوجود معنى الجماع ولو قبلت زوجها فامنت فسد الصوم وان امذى او امذت لا يفسد كما فى الظهيرية والتجنيس كذا فى الشرح (مراقى الفلاح وطحطاوى ص ۳۶۹، ۳۷۰ باب مايفسد الصوم ويوجب القضآء)

مالا بدمنہ میں ہے: یا زن را بوسہ کرد یا مس بشہوت کرد اگر انزال شد روزہ فاسد شود والا فاسد نہ شود (مالا بدمنہ ص ۹۷) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

روزہ کی حالت میں عورت کو حیض آجائے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۳۲۵) روزہ کی حالت میں اگر عورت کو حیض آجائے تو اسے کیا کرنا چاہئے، کتاب کا حوالہ دیں تو بہتر ہوگا۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر روزہ کی حالت میں عورت کو حیض آجائے تو اس کا روزہ خود بخود ٹوٹ جائے گا اس لئے کہ حیض (اور نفاس) روزہ کے منافی ہے اور شئی اپنے منافی کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی، جیسے غیر معذور شخص کو نماز میں حدث پیش آجائے تو نماز خود بخود ٹوٹ جاتی ہے، اس پر تشبہ بالصائمین لازم تو نہیں البتہ رمضان کے احترام کے پیش نظر علانیہ کھانے پینے سے اجتناب کرے اور اگر حائضہ پاک ہو جائے تو اسے بقیہ دن میں روزہ دار کی طرح رہنا چاہئے۔

الجوهرة النيرہ میں ہے (واذا حاضت المرأة افطرت وقضت) وكذا اذا نفست وهى تاكل سراً وجهراً ولا يجب عليها التشبه واذا قدم المسافر او طهرت الحائض فى بعض النهار امسكا بقية يومها واما الحائض اذا طهرت قبل الزوال والا كل ونوت لم يكن صوما لا فرضاً ولا تطوعا لوجود المنافى اول النهار والصوم لايتجزى وقوله امسكا اى على الا يجاب هو الصحيح قضاء لحق الوقت لانه وقت معظم وانما لم تشبه الحائض فى حالة لتحقق المانع من التشبه (الجوهرة النيرة ص ۱۴۸ ج ۱ كتاب الصوم) فقط والله اعلم بالصواب.

استمناء بالید (مشت زنی) سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟:

(سوال ۳۲۶) رمضان کے روزے میں استمنا بالید (مشت زنی) کا ارتکاب ہوگیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ روزہ ٹوٹے گا یا نہیں، اگر ٹوٹ جائے تو صرف قضا کا حکم ہے یا کفارہ بھی واجب ہوگا۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) روزہ کی حالت میں استمنا بالید (مشت زنی) مکروہ تحریمی اور سخت گناہ کا کام ہے اس فعل سے اگر انزال نہ ہوتو روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر انزال ہویا (منی نکل گئی) تو روزہ فاسد ہوجائے گا، قضا لازم ہے، کفارہ واجب نہ ہوگا، درمختار میں ہے۔ (وكذا الا ستمناء بالكف) اى فى كونه لا يفسد لكن هذا اذا لم ينزل اما اذا انزل فعليه القضاء كما سيصرح به وهو المختار كما يأتى الخ (درمختار و شامی ص ۱۳۶، ص ۱۳۷ ج ۲) باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده) فقط والله اعلم بالصواب.

روزہ کی حالت میں حلق میں دھواں داخل ہونا:

(سوال ۳۲۷) رمضان المبارک میں دن کے وقت خوشبو کے لئے مساجد میں اور گھر میں اگربتی، لوبان جلانا کیسا ہے؟ ہمارے یہاں خصوصاً جمعہ کے دن اس کا اہتمام کیا جاتا ہے، اگر اس کا دھواں روزہ دار کے حلق میں داخل ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) رمضان المبارک میں خوشبو کے لئے مسجد یا گھر میں لوبان، اگربتی جلانا ممنوع نہیں ہے، اگر بلا قصد وارادہ دھواں حلق میں داخل ہوجائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا، البتہ اگر قصداً وارادۃً دھواں سونگھے اور حلق میں داخل کرے تو اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا مراقی الفلاح میں ہے (او دخل انفه دخان) بلا صنعه لعدم قدرته على الا متناع. الى قوله . وفيما ذكرنا اشارة الى انه من ادخل بصنعه دخاناً باى صورة كان الا دخال فسد صومه سواء كان دخان عنبر او عود او غير هما حتى من تبخر ببخور فاواه الى نفسه واشم دخانا ذاكرا صومه افطر لا مكان التحرز عن ادخال المفطر جوفه ودما غه وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس (مراقى الفلاح مع طحطاوى ص ۳۶۱، ص ۳۶۲، باب فى بيان مايفسد الصوم)(درمختار مع شامى ج ۱ ص ۱۳۳) فقط والله تعالى اعلم بالصواب.

جماع کے تصور یا عورت کی تصویر دیکھنے سے انزال ہوجائے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۳۲۸) کسی شخص کو روزہ کی حالت میں جماع کا تصور کرتے کرتے انزال ہوجائے یا کسی عورت کی تصویر دیکھ کر شہوت پیدا ہوا اور انزال ہوجائے تو اس صورت میں صرف قضا لازم ہے یا کفارہ بھی لازم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس صورت میں روزہ فاسد نہ ہوگا لہذا نہ قضا لازم ہے نہ کفارہ گو یہ فعل بجائے خود حرام اور ناجائز ہے خاص کر روزہ کی حالت میں، مراقی الفلاح میں ہے (او انزل بنظر) الى فرج امرأته لم يفسد او فكروان ادام النظر والفكر) حتى انزل لانه لم يوجد منه صورة الجماع ولا معناه وهو الا نزال عن مباشرة ولا يلزم من الحرمة الا فطار.

طحطاوی مراقی الفلاح میں ہے(قوله انزل بنظر)قيدبالنظر لان الا نزال بالمس ولو بحائل يوجدمعه الحرارة مفسدو لو استمنى بكفه فعامة المشائخ افتوا بفساد الصوم وهو المختار كما في القهستاني وفي الخلاصة لا كفارة عليه (مراقي الفلاح وطحطاوي ص ۳۶۱ ، باب في بيان ما لا يفسد الصوم)

درمختار میں ہے(او قبل) ولم ينزل (او احتلم او انزل بنظر) ولو الى فرجها مرارا (او بفكر) وان طال (درمختار ص ۱۳۴ ج۲ باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد)فقط واللہ اعلم بالصواب .

روزہ میں انجکشن کا حکم:

(سوال ۳۲۹)روزہ کی حالت میں انجکشن کا کیا حکم ہے؟اور رگ کا انجکشن لیا جائے تو کیا روزہ میں حرج ہوگا؟اور روزہ کی حالت میں ٹیکہ لگوانے کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) حامداًومصلیاًومسلماً!دوابذریعہ انجکشن رگوں میں پہنچنا مفسد صوم نہیں ہے فساد صوم کے لئے مفطر کا جوف دماغ یا معدہ میں پہنچنا ضروری ہےاوروہ یہاں پایا نہیں جاتا ان العبرة للوصول الى الجوف و دماغ (عالمگیری ج ۱ ص ۲۰۴ الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد) دیکھئے سوراخ ذکر میں دوا ٹپکانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اس لئے کہ گو دوا اندرون بدن گئی لیکن مثانہ سے آگے (معدہ میں) نہیں پہنچتی ۔فقط واللہ اعلم بالصواب،۳رمضان ۱۳۷۳ھ۔

باب ما یوجب القضاء والکفارۃ

تقویم پر اعتماد کر کے غروب آفتاب سے پہلے افطار کر لیا تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۳۳۰) ہمارے یہاں رمضان المبارک میں پہلے دو روز غروب آفتاب ابر کی وجہ سے نظر نہ آیا اس وجہ سے تقویم پر اعتماد کر کے روزہ افطار کر لیا لیکن تیسرے روزے کو مطلع صاف تھا اور آفتاب غروب ہوتے ہوئے نظر آیا مگر اگلے دو روز کے حساب سے آفتاب کے غروب ہونے میں فرق تھا پہلے دو روز چھ بج کر پچاس منٹ پر افطار کیا تھا اور تیسرے روز چھ بج کر چون منٹ پر افطار کیا، اب شبہ یہ ہوا کہ پہلے دو روزے غروب سے پہلے افطار کئے گئے ہیں تو ان دو روزوں کی قضا لازم ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) تقویم ہی کو مدار بنا لینا اور اس میں درج شدہ منٹ منٹ کے مطابق عمل کرنا صحیح نہیں ہے، خصوصاً بارش کے دنوں میں زیادہ احتیاط کرنے کی ضرورت ہے چار پانچ منٹ ٹھہر کر جب قرائن سے معلوم ہو اور دل گواہی دے کہ آفتاب غروب ہو چکا ہے تب افطار کرنا چاہئے، صورت مذکورہ میں اگر ظن غالب ہو جائے کہ واقعی ہم نے قبل از وقت ہی افطار کر لیا تھا تو قضا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عید کا چاند غروب آفتاب سے پہلے نظر آجائے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۳۳۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عید کا چاند غروب آفتاب سے پہلے نظر آیا تو روزہ افطار کرے یا نہیں؟ اس بارے میں فتاویٰ رحیمیہ اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کے فتویٰ میں تعارض ہے، فتاویٰ رحیمیہ کے فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ افطار نہ کرے اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کے فتویٰ سے (جو مسلم گجرات فتاویٰ ثنائیہ میں چھپا ہے) معلوم ہوتا ہے کہ روزہ افطار کر لے، ذیل میں دونوں فتویٰ درج ہیں کون سا صحیح اور قابل عمل ہے، رہنمائی فرمائیں۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری کا فتویٰ:۔

استفتاء:

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر عید کا چاند غروب آفتاب سے پہلے یعنی سات یا ساڑھے سات بجے دکھائی دے تو اسی وقت یعنی چاند دیکھتے ہی روزہ افطار کرے یا نہیں؟

(الجواب) کسی عورت کو اگر اس دن اخیری وقت میں حیض آجائے تو اس کو افطار کر لینے کا حکم ہے، اس پر قیاس کرتے ہوئے مذکورہ حالت میں بھی ایسا کر سکتے ہیں یعنی روزہ افطار کر لینا چاہئے (مسلم گجرات فتاویٰ ثنائیہ ج ۳ ص ۹۶۹)

فتاویٰ رحیمیہ کا فتویٰ:

(سوال) عید الفطر کا چاند دیکھا آفتاب غروب ہونے میں ابھی تین چار منٹ دیر تھی اس وقت زید نے کہا کہ ہلال عید نظر آگیا لہذا افطار کر لینا چاہئے، بکر نے انکار کیا تاہم زید کے کہنے پر دس پندرہ آدمیوں نے روزہ افطار کر ڈالا تو ان

مفطر ین کا روزہ ہوا یا نہیں؟ بکر کا کہنا ہے کہ تمہارا روزہ نہیں ہوا قضا کرنی ہوگی، آپ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔
(الجواب) غروب آفتاب سے پہلے رویت ہلال کا اعتبار نہیں ہے، وہ دن رمضان ہی کا ہے عید کا نہیں، اب جس نے یہ سوچ کر افطار کیا کہ آفتاب غروب ہوگیا ہے اسی لئے چاند نظر آیا تو ان پر روزہ کی فقط قضا لازم ہے اور جو لوگ جانتے تھے کہ آفتاب غروب نہیں ہوا ہے اور روزہ کھول لیا ان پر قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔
(الجواب) حامداً ومصلیاً: بحمد اللہ فتاویٰ رحیمیہ کا فتویٰ صحیح ہے غروب سے پہلے چاند نظر آ جائے تو بھی افطار صحیح نہیں کہ یہ دن رمضان المبارک کا ہے اور چاند آئندہ شب کا شمار ہوگا۔ حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت انس رضی اللہ عنہم اجمعین غروب سے پہلے جو چاند نظر آ جاتا اس کو آئندہ شب کا مانتے تھے (**واذا رأی هلال رمضان اوشوال نهاراً قبل الزوال او بعده فهو لليلة الآتية وقال ابو يوسف كذلک ان كان بعد الزوال وان كان قبله فللما ضية يروىٰ ذاک عن عمرو عائشة رضی الله عنهما والاول يروی عن علی وابن مسعود و ابن عمر و انس وعن عمر ايضاً (الا ختيار ج ا ص ۱۳۰**) لہٰذا غروب سے پہلے افطار کرنا صحیح نہیں ہے قرآن میں ہے **ثم اتموا الصيام الی الليل**. یعنی پھر روزے کو صبح صادق سے رات آنے تک پورا کرو (سورۂ بقرہ) لہٰذا غروب سے پہلے افطار کرے تو روزہ فاسد ہو جائے گا اس کی قضا لازم ہے، بعض صورتوں میں کفارہ بھی واجب ہے آپ نے جو فتویٰ نقل کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے اور نہ اس پر عمل جائز ہے، حائضہ پر قیاس کر کے روزہ افطار نہیں کر سکتے۔ حیض آتے ہی روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس پر قضا لازم ہے بحالت حیض روزہ رکھنا حرام ہے اگر چاند دیکھ کر روزہ افطار کرنا جائز ہو تو مغرب کی نماز بھی جائز ہونا چاہئے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ مجالس الابرار میں ہے **ومن رای هلال الفطر وقت العصر فظن انقضاء مدة الصوم وافطر قال فی المحيط اختلفوا فی وجوب الكفارة والا كثر علی الوجوب**. یعنی جس نے عید کا چاند عصر کے وقت (غروب سے پہلے) دیکھا اور اس گمان سے روزہ افطار کر لیا کہ روزہ کا وقت پورا ہو گیا تو اس کے متعلق محیط میں ہے کہ کفارے کے وجوب میں اختلاف ہے اکثر علماء کرام کفارے کے وجوب کے قائل ہیں (قضا بالاتفاق واجب ہے) (مجالس الابرار ص ۳۰۷ مجلس نمبر ۲۵)

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کا فتویٰ

پس جب کہ رمضان کی تیس تاریخ کو بعد زوال چاند دیکھا تو روزہ غروب شمس تک پورا کرنا واجب ہے اگر دن میں افطار کر لیں گے تو قضا و کفارہ دونوں واجب ہوں گے (کفایت المفتی ج ۴ ص ۲۰۱)

آپ کا دوسرا فتویٰ:۔

غروب آفتاب سے کچھ پہلے چاند نظر آ جائے تو وہ چاند آئندہ شب کا چاند قرار دیا جائے گا گذشتہ شب کا نہ ہوگا اور قبل غروب دیکھنے والے کو جائز نہیں کہ وہ غروب آفتاب سے پہلے روزہ افطار کر لے روزہ آفتاب غروب ہونے پر حسب قاعدہ افطار کرنا چاہئے اگر پہلے افطار کر لیا جائے تو یہ روزہ نہ ہوگا اور اس کی قضا رکھنی ہوگی۔ محمد کفایت اللہ (کفایت المفتی ج ۴ ص ۲۰۸)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا فتویٰ

زوال کے بعد جو تیس تاریخ کو چاند نظر آیا وہ بالاجماع آئندہ شب کا ہے اور کسی کے نزدیک وہ دن یکم شوال (عید کا دن) نہیں ہے پس نہ تو کسی عالم کا مذہب ہے اور نہ حدیث صوموا لرویته وافطروا لرویته کے کسی کے نزدیک یہ معنی ہیں، پس یہ فعل نہ کسی حدیث کی طرف مستند ہوا نہ کسی فتویٰ کی طرف، پس کوئی ایسی دلیل شرعی اس کے لئے نہیں پائی گئی جس سے شبہ معتبرہ پیدا ہوا اس لئے ان لوگوں پر قضا و کفارہ دونوں لازم ہیں الخ۔ (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۱۸) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک روزہ کی قضا:

(سوال ۳۳۲) ہمارے یہاں لکھنؤ اور بمبئی میں رویت ہلال کی خبر ریڈیو کے ذریعہ پہنچی، لیکن جامع مسجد دہلی کے امام نے اعلان کیا کہ مطلع صاف ہونے کے باوجود چاند نظر نہ آیا اور گاؤں میں بھی بادل کم ہونے کے باوجود دکھائی نہیں دیا، لہٰذا کون سی خبر پر عمل کیا جائے، ریڈیو کی خبر پر یا ہمارے امام صاحب کی بات پر؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں آپ حضرات نے ریڈیوں کی خبر کا اعتبار نہ کیا اور اپنے امام صاحب کی تحقیق پر عمل کیا یہی درست ہے، دہلی، سہارنپور، کاٹھیاواڑ وغیرہ بہت سی جگہوں میں چاند نظر نہیں آیا، تیسویں تاریخ کے حساب سے جمعرات کو پہلا روزہ ہوا ہے، اب جب کہ انتیسویں کا چاند ثابت ہو چکا تو ایک روزہ کی قضا ضروری ہے، تراویح کی قضا نہیں ولو صام اهل بلدة ثلاثين يوماً للرؤية واهل بلدة اخرى تسعة وعشرين يوما للرؤية فعلم من صام تسعة وعشرين يوما فعليهم قضاء يوم (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الهندية ج ۱ ص ۱۹۸/ الفصل الاول في رؤية الهلال الخ) واذا فاتت التراويح لا تقضى بجماعة ولا بغير ها هو الصحيح (فتاوىٰ عالمگيرى ۱/۱۱۷ فصل في التراويح) ہم نے انتیسویں کا چاند دیکھا ہے اس لئے ہمارا پہلا روزہ بدھ کا ہوا ہے فقط واللہ اعلم۔

روزہ کے کفارہ میں روزہ کی طاقت ہونے کے باوجود مساکین کو کھانا کھلائے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۳۳۳) روزہ کے کفارہ میں ساٹھ دن روزہ رکھنے پر قادر ہو اس کے باوجود ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے تو کفارہ ادا ہو جائے گا یا روزہ پر قدرت ہونے کی حالت میں روزہ رکھنا ہی ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب روزہ رکھنے پر قدرت ہے تو روزہ رکھنا ضروری ہے اس صورت میں کفارہ کی ادائیگی کے لئے ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا کافی نہ ہوگا، البتہ بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے کی استطاعت نہ ہو تو اطعام سے کفارہ ادا کر سکتا ہے، شامی میں ہے (قوله ككفارة المظاهر) مرتبط بقوله وكفراى مثلها في الترتيب فيعتق اولا فان لم يجد صام شهرين متتابعين فان لم يستطع اطعم ستين مسكيناً لحديث الاعرابي المعروف

فی الکتب الستة الخ(شامی ج۲ ص ۱۵۰ ،مطلب فی کفارة الصوم)

مراقی الفلاح میں ہے(فان عجز عنه) ای التحریر بعدم ملکها وملک ثمنها(صام شهرین متتابعین لیس فیها یوم عیدولا) بعض(ایام التشریق فان لم یستطع الصوم) لمرض او کبر(اطعم ستین مسکیناً) او فقیراً الخ (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۳۶۶ باب ما یفسد الصوم وتجب به الکفارة)

عمدة الفقہ میں ہے:توڑ دینے کا کفارہ اور ظہار کا کفارہ ایک ہی طرح کے ہیں یعنی رمضان کا ادائی روزہ توڑ دینے کا کفارہ کفارہ ظہار کے مانند ہے یعنی ترتیب میں اس کے مانند پس پہلے غلام آزاد کرنا واجب ہے اگر غلام نہ ملے تو دو مہینے پے در پے روزے رکھے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، کیونکہ حدیث اعرابی میں اسی طرح وارد ہوا ہے جو صحاح ستہ میں مذکور ہے(عمدة الفقہ ۲۸۶/۳)فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسافر کے متعلق احکام

کیا بحالت سفر حضور ﷺ نے روزہ رکھ کر توڑ دیا تھا؟:

(سوال ۳۳۴) ایک اردو اخبار اس طرح تحریر ہے کہ حضور ﷺ نے بحالت سفر روزہ توڑا تھا اور اپنے رفقاء سفر (صحابہؓ) سے افطار کرایا تھا کیا یہ مستند بات ہے؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔ یہ خاص اہم بات ہے اور "ماہنامہ پیغام" (کاوی) کے ذریعہ ضرور جواب دیں۔

(الجواب) ہاں بحالت سفر آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے روزہ کے افطار کا واقعہ صحیح اور مستند ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ رمضان میں مدینہ شریف سے مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں مقام عسفان پر پانی منگوایا، صحابہ کو بتلا کر افطار فرمایا۔ پھر مکہ مکرمہ پہنچنے تک روزہ نہ رکھا۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے بحالت سفر روزہ رکھا بھی ہے اور کبھی نہیں بھی رکھا! یہ اپنی مرضی پر ہے جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے افطار کرے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال سافر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان حتی بلغ عسفان ثم دعا باناء فیہ شراب فشربہ نہاراً لیراہ الناس ثم افطر حتی دخل مکۃ قال ابن عباس رضی اللہ عنہ فصام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وافطر ، من شاء صام ومن شاء افطر (مسلم شریف ج ۱ ص ۳۵۶ باب جواز الصوم والفطر فی شہر رمضان للمسافر الخ)

دوسری روایتوں میں یہ بھی تصریح ہے کہ روزہ کی وجہ سے صحابہ کرام کی حالت دگرگوں تھی۔ اس لئے آپ نے ایسا کیا۔ ان الناس قد شق علیہم الصیام (مسلم شریف ج ۱ ص ۳۵۶ باب جواز الصوم الخ)

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ فقیل لہ بعد ذلک ان بعض الناس قد صام فقال اولئک العصاۃ اولئک العصاۃ. یعنی بعض اصحاب نے روزہ نہیں افطار کیا تھا آنحضرت ﷺ کو خبر دی گئی تو آپ نے (بطور ناراضگی) فرمایا کہ یہ نافرمان ہیں۔ یہ نافرمان ہیں (مسلم شریف ج ۱ ص ۳۵۶ ایضاً) کیونکہ آنحضرت ﷺ نے رخصت پر عمل کیا اور آپ کی خواہش تھی کہ سب رخصت پر عمل کریں۔ خصوصاً اس لئے بھی کہ آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔ یہ سفر جہاد کے لئے تھا۔ بہر حال کچھ صاحبان نے عمل نہیں کیا تو آپ کو ناگوار ہی ہوئی۔ (ﷺ)

ایک روایت میں ہے۔ عن جابر بن عبداللہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فرأی رجلاً قد اجتمع الناس علیہ وقد ظلل علیہ فقال مالہ قالوا رجل صائم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس البران تصوموا فی السفر!

یعنی سفر میں ایک صحابی کی حالت بہت خراب ہوگئی، صحابہ جمع ہو کر اس کی خدمت کرنے لگے۔ اس پر سایہ کا انتظام کیا گیا۔ یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سفر میں (جان پر ظلم کر کے) روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔ (مسلم ج ۱ ص ۳۵۶ باب جواز الصوم والفطر الخ)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت حمزہ ابن عمرو اسلمی جو بہت روزے رکھتے تھے آنحضرت ﷺ سے دریافت کرنے لگے کہ مجھ میں روزہ رکھنے کی طاقت و ہمت ہے تو کیا میں سفر میں روزہ رکھ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا جی چاہے تو رکھو نہ چاہے تو مت رکھو۔ باب جواز الصوم والفطر الخ ص ۳۵۷)

اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ہم (گروہ صحابہ) حضور ﷺ کے ساتھ ۱۶ رمضان المبارک کو جہاد کے لئے نکلے تو ہم میں سے بعض روزے سے تھے اور بعض غیر روزہ دار! صائم نے غیر صائم پر اور غیر صائم نے صائم پر اعتراض نہیں کیا (کیونکہ صائم عزیمت پر عامل تھے اور غیر صائم رخصت پر عمل پیرا تھے' باب جواز الصوم

یہ اور ایسی دیگر احادیث کی روشنی میں فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ بحالت سفر روزہ رکھنا ضروری اور واجب نہیں ہے اگر رکھا تو عزیمت پر عمل کیا اور نہ رکھا تو رخصت پر عمل ہوا اگر روزہ رکھنے سے طبیعت خراب ہونے یا تکلیف پہنچنے کا ڈر نہ ہو تو روزہ رکھ لینا بہتر ہے۔

اگر اس کو یا اس کے رفیق سفر کو نقصان یا ایذا پہنچنے کا اندیشہ ہو تو ترک صوم بہتر ہے۔ درمختار شامی میں ہے:۔

(ویندب لمسا فر الصوم) لآیة وان تصوموا خیر لکم والخیر بمعنی البر لا افعل تفضیل (ان لم یضره) فان شق علیه او علی رفیقه فالفطر افضل لموا فقة الجماعة الخ (درمختار مع شامی ج ۲ ص ۱۲۰ فصل فی العوارض المبیحه لعدم الصوم) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سفر میں اطمینان ہو تو روزہ رکھنا بہتر ہے؟:

(سوال ۳۳۵) بحالت سفر روزہ رکھنا افضل ہے یا نہ رکھنا افضل ہے۔

(الجواب) بحالت سفر روزہ رکھنے نہ رکھنے کی اجازت ہے اگر روزہ رکھنے میں تکلیف اور ضعف کا اندیشہ ہو یا ساتھیوں کو تکلیف اور پریشانی ہوتی ہو تو روزہ نہ رکھنا افضل ہے گھر پہنچ کر قضاء رکھ لے اور اگر کمزوری اور تکلیف کا ڈر نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے ثم الصوم فی السفر افضل من الا فطار عند نا اذا لم یجهده الصوم ولم یضعفه وقال الشافعی الا فطار افضل بناءً علی ان الصوم فی السفر عندنا عزیمة والافطار رخصة الخ (بدائع الصنائع ج۲ ص ۹۲ فصل حکم فساد الصوم) ولکن الصوم افضل ان لم یضره کما سیأتی (شامی ج ۲ ص ۱۵۸ فصل فی العوارض المبیحه لعدم الصوم) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باب ما یتعلق بما یبیح الافطار

روزہ نہ رکھنے کے اعذار کون کون سے ہیں؟:

(استفتاء ۳۳۶) ماہ رمضان میں کن کن وجوہ سے روزہ نہ رکھنے کی گنجائش ہے؟ وضاحت فرمائیے!

(الجواب) پانچ اعذار ہیں۔ جن کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

(۱) مرض:۔ جس کی وجہ سے روزہ کی سکت نہ ہو۔ یا روزہ سے مرض بڑھ جانے کا اندیشہ ہو۔ (رفع عذر کے بعد قضاء لازم ہے۔[۱]

(۲) حاملہ:۔ مرضعہ جن کو روزہ سے اپنی جان یا بچہ کو ایذا و تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ (رفع عذر کے بعد قضاء لازم ہے۔[۲]

(۳) شرعی مسافر (مقیم ہونے کے بعد قضاء ضروری ہے۔[۳]

(۴) ایسا سن رسیدہ ضعیف (بوڑھا۔ بوڑھیا) جو روزہ نہ رکھ سکتے ہوں معذور ہو وہ روزہ کے عوض فدیہ (بنگالی وزن سے پونے دو ۲ سیر گیہوں یا اس کی قیمت) غریب کو دے۔ لیکن حق تعالیٰ روزہ رکھنے کی طاقت عطا فرمائے تو قضا لازم ہے۔[۴]

(۵) حائضہ اور نفساء عورتوں کے لئے روزہ رکھنا درست نہیں۔ اگر رکھ لیں تو روزہ ادا نہ ہوگا۔ اور یہ گنہگار ہوں گی۔ پاک ہونے کے بعد روزہ کی قضا لازم ہے۔[۵] **فقط واللہ اعلم بالصواب۔**

میزبان کی خاطر نفل روزہ توڑنے کا حکم:

(سوال ۳۳۷) میزبان کو مہمان کی خاطر اپنا نفل روزہ توڑنے کی اجازت ہے تو کیا مہمان بھی میزبان کی خاطر اپنا نفل روزہ توڑ سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ہاں مہمان کو بھی اجازت ہے کہ میزبان کی خاطر اپنا نفلی روزہ توڑ دے مگر قضا لازم ہوگی ''ضیافت ہم عذر است افطار کند و قضا لازم شود (مالا بدمنہ ص ۰۰) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ومنها المرض: المريض اذا خاف على نفسه التلف أو ذهاب عضو يفطر بالاجماع. فتاوىٰ عالمگيرى الاعذار التى يبيح الافطار ص ۲۰۷)
(۲) الحامل والمرضع اذا خافتا على انفسهما او ولدهما افطرتا وقضتا ايضاً)
(۳) منها السفر الذى يبيح الافطار ص ۲۰۶ ايضا)
(۴) الشيخ الفانى الذى لا يقدر على الصيام يفطر ص ۲۰۷ ايضاً.
(۵) حاضت المرأة او نفست افطرت، ايضا

فدیہ صوم وصلوٰۃ

متعدد روزوں کا فدیہ ایک مسکین کو دینا:

(سوال ۳۳۸) ایک روزے کا فدیہ دوں مسکینوں کو اسی طرح متعدد روزے کے فدیے ایک مسکین کو دینا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایک فدیہ کے گیہوں تھوڑے تھوڑے متعدد مساکین کو دینا درست ہے، اسی طرح اس کی قیمت بھی۔ علی ہذا متعدد روزوں کا فدیہ ایک مسکین کو دینا بھی صحیح ہے، شامی میں ہے کہ ایک فدیہ متعدد مساکین پر تقسیم کرنے کے متعلق امام ابو یوسفؒ کا قول جواز کا منقول ہے، اس سے معلوم ہوا کہ فدیہ کا حکم کفارہ کے مثل نہیں بلکہ صدقۃ الفطر کی طرح ہے، لہٰذا متعدد روزوں کا فدیہ ایک مسکین کو دینا درست ہے اور اس میں مشقت سے حفاظت ہے اور سہولت ہے ورنہ بڑی رقوم میں بڑی دشواریوں کا سامنا ہوگا ویفدی وجوباً ولو فی اول الشھر وبلا تعدد فقیر (درمختار) (قولہ وبلا تعدد فقیر) ای بخلاف نحو کفارۃ الیمین للنص فیھا علی التعدد فلو اعطی ھنا مسکیناً صاعا عن یومین جاز الخ (شامی ج ۲ ص ۱۶۳، ۱۶۴ فصل فی العوارض المبیحہ للصوم) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

روزہ کا فدیہ کب دے سکتا ہے؟

(سوال ۳۳۹) روزہ کا فدیہ کون ادا کرے، بینوا توجروا۔

(الجواب) جو روزہ کی طاقت نہیں رکھتا، نہ فی الحال نہ آئندہ، وہ فدیہ دے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

روزہ کا فدیہ:

(سوال ۳۴۰) روزہ کا فدیہ کب دے سکتے ہیں؟

(الجواب) جو شخص ایسا بوڑھا ہو گیا کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رہی اور یہ امید بھی نہیں کہ مستقبل میں روزہ کی قضا کر سکے گا، یا ایسا بیمار ہوا کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رہی اور اب اچھے ہونے کی بھی امید نہیں تو ایسی حالت میں روزہ کا فدیہ دے یعنی ہر روزہ کے بدلے پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت یا بقدر قیمت کپڑے یا دینی کتابیں مستحق کو

(۱) فالشیخ الفانی الذی لا یقدر علی الصیام یفطر ویطعم لکل مسکینا کما یطعم فی الکفارۃ. فتاوی عالمگیری الاعذار التی یبیح الا فطار ج ۱ ص ۲۰۷

دے دے، فدیہ ادا کرنے کے بعد موت سے پہلے روزہ رکھنے کی طاقت حاصل ہوگئی تو روزے کی قضا ضروری ہے۔

شیخ فانی کہ از روزہ عاجز باشد افطار کند وعوض ہر روزہ بقدر صدقۂ فطر اطعام کند پس تر اگر قدرت روزہ بہم رسید قضا بروئے واجب شود (مالا بدمنہ ص۹۴) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

میت کی نماز روزہ کا فدیہ اس کے اصول وفروع کو دینا یا بہو کو دینا:

(سوال ۳۴۱) کسی میت کی نماز، روزہ کا فدیہ اس کے اصول وفروع کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور بہو کو اگر وہ مستحق ہو تو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ فدیہ کا مصرف زکوٰۃ کا مصرف ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً: فدیہ کا مصرف زکوٰۃ کا مصرف ہے، اس لئے اصول وفروع کو نہیں دے سکتے، بہو (لڑکے کی زوجہ) کو اگر وہ مستحق ہو تو دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۸ شوال ۱۳۸۷ھ۔

صیام تطوع

موجودہ زمانہ میں صرف عاشورہ کا روزہ رکھنا کافی ہے یا نہیں؟:

(سوال ۳۴۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عاشوراء کے روزے کے بارے میں فقہاء کرام نے حدیث تشابہ بالیہود کے سبب بجائے ایک روزہ کے دو روزے کو مسنون قرار دیا ہے اور صرف عاشوراء کے روزے کو مکروہ قرار دیا۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے اپنے اس قول سے رجوع فرمالیا تھا کہ آپ پہلے صرف عاشوراء کے روزے کو کافی وغیر مکروہ قرار دیتے تھے (امداد الفتاویٰ جلد دوم میں آپ کا رجوع منقول ہے) اب ایک مقتدر عالم نے حدیث تشبہ بالیہود کے تحت اپنی رائے کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا ہے (قولہ۔ یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں چونکہ یہود ونصاریٰ وغیرہ یوم عاشوراء کو روزہ نہیں رکھتے بلکہ ان کا کوئی کام بھی قمری مہینوں کے حساب سے نہیں ہوتا اس لئے اب کسی اشتراک اور تشبیہ کا سوال ہی نہیں رہا۔ لہذا فی زماننا رفع تشابہ کے لئے نویں یا گیارہویں کا روزہ رکھنے کی ضرورت نہ ہونی چاہئے) مولانا کی اس تجویز کے بارے میں حضرات مفتیان کرام کی کیا رائے ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ماہ محرم کی دسویں تاریخ یعنی عاشوراء کے روزہ کا سنت ہونا حضور ﷺ کے عمل اور قول سے ثابت ہے اور تشبہ سے بچنے کے لئے نویں تاریخ کے روزے کا قصد بھی ثابت ہے۔ یہودیوں میں عاشوراء کے روزے کا رواج نہیں ہے یہ ثابت کرنا مشکل ہے ان میں سے بعض پرانے لوگ جو بزعم خود اپنے مذہب کے پابند ہیں روزہ رکھتے ہوں گے، لہذا علت تشبہ قائم ہے اور اس میں بھی انکار نہیں کہ چودہ سو سال سے امت کا اس پر عمل چلا آرہا ہے، تراویح کی بیس رکعت کے بعد اجتماعی دعا منقول نہیں لیکن امت اور اکابر کے عمل کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے اور دعا مانگی جاتی ہے، علیٰ ہذا عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر ثابت نہیں ہے فقہاء نے ۲۳ نمازیں شمار کی ہیں جن کے بعد تکبیرات تشریق کہی جاتی ہیں اور یہ چوبیسویں نماز ہو جاتی ہے مگر توارث کی بنا پر تکبیر کہنے کو تسلیم کیا جاتا ہے اور بعض نے واجب تک فرمادیا ہے ولا بأس به عقب العيد لان المسلمين توارثوه فوجب اتباعهم وعليه البلخيون (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۸۶ مطلب فی تکبیر التشریق)

لہذا عاشوراء (یعنی دسویں محرم) کے روزے کے ساتھ نویں تاریخ کا روزہ بھی رکھنا ہوگا، اگر نویں کا نہ رکھ سکے تو دسویں کے ساتھ گیارہویں کا بھی روزہ رکھ لے هذا ما ظهر لی. فقط والله اعلم بالصواب.

نوٹ:

ایک شخص حال میں برطانیہ سے آئے تھے دوران گفتگو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے اپنے یہاں بعض یہودیوں کو دیکھا کہ عاشوراء کے دن روزہ رکھتے ہیں، گو اس قسم کے پرانے خیال کے لوگ بہت کم ہیں۔

کیاستائیسویں رجب کا روزہ ہزاری روزہ ہے:

(سوال ۳۴۳) بہت سے لوگ ستائیسویں رجب کے روزہ کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور ہزاری روزہ (یعنی ہزار دن روزوں کے برابر ثواب) سمجھتے ہیں اور اسی اعتقاد سے روزے رکھتے ہیں، اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) ستائیسویں رجب کے بارے میں جو روایات آئی ہیں وہ موضوع اور ضعیف ہیں، صحیح اور قابل اعتماد نہیں، لہذا ستائیسویں رجب کا روزہ عاشوراء کی طرح مسنون سمجھ کر ہزار روزوں کا ثواب ملے گا اس اعتقاد سے رکھنا ممنوع ہے، حضرت عمر فاروقؓ ستائیسویں رجب کا روزہ رکھنے سے منع فرماتے تھے۔

حديث في رجب يوم وليلة من صام ذلك اليوم وقام تلك الليلة كان له الاجر كمن صام مائة سنة وهي لثلث بقين يبعث الله محمد ارواه الديلمي عن سليمان فيه خالد بن هياج وابن هياج متروك له احاديث مناكير كثيرة (ما ثبت بالسنة ص ۱۷۵)(فتاوی دار العلوم مدلل ومكمل ۴۹۱/۲) عن خرشة ابن الحر قال رأيت عمر بن الخطاب رضي الله عنه يضرب اكف الرجال في صوم رجب حتى يضعوها في الطعام ويقول رجب وما رجب انما رجب شهر تعظمه الجاهلية فلما جاء الاسلام ترك رواه ابن ابي شيبة والطبراني في الاوسط (ماثبت بالسنة ص ۱۷۴)

البتہ کوئی سنت اور ہزاری روزہ کے اعتقاد کے بغیر صرف بنیت نفل روزہ رکھے تو منع نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اعتکاف

سنت مؤکدہ اعتکاف توڑنے سے قضاء لازم ہے یا نہیں؟:

(سوال ۳۴۴) رمضان کے عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف توڑ دینے سے اس کی قضا لازم ہے یا نہیں؟ رمضان کے بعد پورے عشرہ کی قضاء کرلے تو کوئی حرج ہے؟

(الجواب) جس دن اعتکاف توڑ دیا ہے فقط اس دن کے اعتکاف کی قضاء روزہ کے ساتھ ضروری ہے بقیہ ایام کی قضاء ضروری نہیں۔ بعد رمضان کے پورے عشرہ کی قضاء مع الصوم احتیاطاً کرلے تو بہتر ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جس مسجد میں پنجگانہ نماز باجماعت نہ ہوتی ہو وہاں اعتکاف کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۳۴۵) ہمارے گاؤں کی مسجد میں پنج وقتہ نماز باجماعت نہیں ہوتی تو اس میں اعتکاف کرسکتا ہوں یا نہیں؟

(الجواب) دیگر ایام میں جماعت نہ ہوتی ہو لیکن اعتکاف کے دنوں میں جماعت ہوتی ہو تو کافی ہے۔ اعتکاف صحیح ہوجائے گا۔ آپ بخوشی اعتکاف کرسکتے ہیں۔(۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

معتکف غسل کے لئے کمپاؤنڈ میں جاسکتا ہے؟:

(سوال ۳۴۶) معتکف غسل کے واسطے (جمعہ یا جنابت کا) پانی ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے مسجد کے کمپاؤنڈ میں چولہا سلگا کر پانی گرم کرسکتا ہے یا نہیں؟ ٹھنڈا پانی نقصان دیتا ہے۔

(الجواب) معتکف غسل جنابت کے لئے نکل سکتا ہے، دوسرے غسل کی اجازت نہیں ہے گرم پانی کوئی دینے والا نہ ہو تو خود کمپاؤنڈ (احاطہ) میں پانی گرم کرسکتا ہے، ضرورت شرعیہ ہے لہذا اعتکاف میں حرج نہ ہوگا۔(۳) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسنون اعتکاف کی قضاء ہے یا نہیں؟:

(استفتاء ۳۴۷) ماہ رمضان کے عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ عذر کی بناء پر توڑ دیا۔ یا بھول سے ٹوٹ گیا تو قضاء ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں جس دن کا اعتکاف ٹوٹا ہے۔ اس دن کے اعتکاف کی قضاء روزہ سمیت لازم ہے

(۱) فیقضی الیوم الذی افسده لا ستقلال کل یوم بنفسه شامی باب الاعتکاف ج ۲ ص ۱۸۰

(۲) فی مسجد جماعة هو ماله امام و مؤذن ادیت فیه الخمس اولا درمختار مع الشامی حواله بالا ج ۲ ص ۱۷۶

(۳) وحرم علیه الخروج الا لحاجة الانسان طبعیة کبول وغائط وغسل لو احتلم ولا یمکنه الاغتسال فی المسجد کذا فی النهر. درمختار مع الشامی باب الاعتکاف ص ۱۸۰

لیکن احتیاطاً اختلاف سے بچنے کے لئے بعد رمضان دس دن روزہ سمیت قضاء کر لے تو بہتر ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (ردالمحتار تحت قول صاحب الدر المختار اما النفل الخ ص ۱۸۰ ج ۲۔(۱)

عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف میں روزے کا حکم؟:

(استفتاء ۳۴۸) عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کا قصد ہے۔ لیکن روزہ رکھنے کی سکت نہیں ہے تو بدون روزہ رکھے اعتکاف صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) مسنون اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے۔ لہٰذا روزہ کے بغیر اعتکاف نفلی ہے۔ مسنون اعتکاف نہیں ہے۔(۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورت گھر میں مسنون اعتکاف کرے یا نہیں؟:

(استفتاء ۳۴۹) عورت گھر میں مسنون اعتکاف کر سکتی ہے یا نہیں؟

(الجواب) عورت اپنے مکان میں جہاں پنجگانہ نماز ادا کرتی ہو وہاں اعتکاف کرے۔ گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ مقرر نہ ہو تو اعتکاف جائز نہیں۔ وہاں اعتکاف کے وقت نماز پڑھنے کی جگہ مقرر کر لے، تو وہاں اعتکاف کر سکتی ہے۔ ورنہ اعتکاف نہیں کر سکتی۔ (امرأة فی مسجد بیتها) ویکره فی المسجد. ولا یصح فی غیر موضع صلاتها (شامی ص ۱۷۶ ج ۲ باب الاعتکاف ج۲ ص ۱۸۰) فقط واللہ اعلم بالصواب.

حالت اعتکاف میں غسل جمعہ:

(استفتاء ۳۵۰) رمضان کے اخیری عشرہ کے اعتکاف میں جمعہ کے غسل سنت کے لئے نکلنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فرض غسل کے سوا جمعہ وغیرہ کے غسل کے لئے نکل نہیں سکتے۔ وغسل لو احتلم. (در مختار مع الشامی ج: ۲ ص: ۱۸۰) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نماز جنازہ کے لئے نکلنا مفسد اعتکاف ہے یا نہیں:

(سوال ۳۵۱) معتکف کو معلوم ہوا کہ جنازہ آیا ہے اور پھر اس نے مسجد سے نکل کر نماز پڑھی تو کیا اعتکاف ٹوٹ گیا اگر ٹوٹ گیا تو کیا اس کی قضا لازم ہے؟ اگر لازم ہے تو کتنے دنوں کی؟ کیا جنازہ کی نماز کے لئے نکلنا حاجت شرعیہ نہیں ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جنازہ کی نماز پڑھنے کی جگہ شرعی مسجد سے خارج ہوگی تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا اور کم از کم ایک دن کی قضا لازم ہوگی، ہمت ہو تو پورے دس دن کی قضا کرے یہ احوط ہے۔ جنازہ کی نماز کے لئے نکلنا حاجت شرعیہ میں داخل نہیں ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے (فان خرج ساعة بلا عذر) معتبر (فسد الواجب) ولا اثم علیه به

---

(۱) حوالے پہلے سوال کے جواب میں گذر چکے ہے۔

(۲) وشرط الصوم لصحة الاول اتفاقا فقط علی المذهب درمختار مع الشامی باب الاعتکاف ج ۲ ص ۱۷۷

ـولـه بلا عذر معتبر) أی فی عدم الفساد فلو خرج لجنازة محرمه او زوجته فسد لانه وان كان
ـذراً الا انـه لـم يـعتبـر فـی عـدم الـفـسـاد (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۴۰۹ بـاب
ـعتکاف) رسائل الارکان میں ہے او تـعـيـن لـصـلـو ة الـجـنازة ففی هذه الصورة يفسد الا عتكاف
ص ۲۲۹ خاتمه فی الا عتكاف) فقط و الله اعلم بالصواب .

سر منڈانے اور غسل مستحب کے لئے مسجد سے نکلنا:

سوال (۳۵۲) معتکف کے لئے ایسے امور جو نظافت سے تعلق رکھتے ہیں (مثلاً سر منڈانا، غسل مستحب کرنا) ان
کے لئے خارج مسجد جانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب) معتکف کے لئے سر منڈانے اور غسل مستحب کے لئے مسجد سے نکلنا درست نہیں، مفسد اعتکاف ہے،
منڈانا ضروری ہو تو اعتکاف کی جگہ میں چادر وغیرہ بچھا کر منڈا سکتا ہے اور پوری احتیاط رکھے کہ بال وغیرہ مسجد میں
گرنے نہ پائیں۔ مراقی الفلاح میں ہے ولا يـخـرج منـه الا لـحـاجة شـرعية او طبعية كالبول و الغائط
ازالة نـجـاسة او اغتسـال من جنابة باحتلام لانه عليه السلام كان لا يخرج من معتكفه الا لحاجة
الانسـان. الـخ (ص ۴۰۷ بـاب الا عـتـكـاف) اور غسل مستحب یہ حاجت شرعیہ وطبعیہ میں داخل نہیں ہے
عالمگیری میں ہے سئل ابو حنيفه عن المعتكف اذا احتاج الى الفصد و الحجامة هل يخرج فقال لا
عالمگيری كتاب الخطر و الا باحة الباب الخامس ج٦ ص ۲۱۵) فقط و الله اعلم بالصواب .

بیڑی پینے اور مستحب وضو کے لئے نکلنے کا حکم:

سوال (۳۵۳) معتکف باوضو ہے اور اس وضو سے عبادت بھی کی ہے مگر تازہ وضو کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے نکل
سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) معتکف بے وضو ہے اور باوضو سونا چاہتا ہے تو وضو کے لئے نکل سکتا ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ جب
مسنون اور مستحب غسل کے لئے نکلنے کی اجازت نہیں ہے تو باوضو سونے کے لئے بطریق اولیٰ نکلنے کی اجازت نہ ہونی
چاہئے۔

(۳) معتکف بیڑی پینے کا عادی ہے، رات میں دس مرتبہ سے زیادہ بیڑی پیتا ہے تو یہ طبعی ضرورت میں
داخل ہے یا نہیں اور اس کے لئے نکلنے کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟ اور اجازت ہو تو صرف منہ صاف کر لینا کافی ہوگا یا
وضو کرنا ضروری ہوگا؟ بینوا توجروا۔ (از احمد آباد)

جواب) (۱) جب کہ معتکف باوضو ہے تو تازہ وضو کے لئے نکلنے کی اجازت نہ ہوگی۔

(۲) جب وضو نہیں ہے اور باوضو سونا چاہتا ہے اور معتکف کے لئے ہمہ وقت باوضو رہنا اور باوضو سونا
مستحب بھی ہے تو ایسا کر سکتا ہے۔ اور وضو کر کے کم از کم دو رکعت تحیۃ الوضوء ہی پڑھ لے اور سو جائے اس کو غسل جمعہ اور
غسل مستحب پر قیاس کرنا صحیح نہیں کہ غسل کے بغیر نماز جمعہ وغیرہ صحیح ہو جاتی ہے۔ فقط۔

(۳) اعتکاف کرنے سے پہلے ہی بیڑی چھوڑنے کی کوشش کرے اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو تعداد اور

مقدار کم کرے اور کچھ پینی ہی پڑے تو جس وقت استنجاء اور طہارت کے لئے نکلے اس وقت بیڑی کی حاجت بھی پوری کرے خاص بیڑی پینے کے لئے نہ نکلے مگر جب مجبور ہو جائے اور طبیعت خراب ہونے کا خوف ہو تو اس کے لئے بھی نکل سکتا ہے کہ ایسی اضطراری حالت کے وقت یہ طبعی ضرورت میں شمار ہوگا اور مخل و مفسد اعتکاف نہ ہوگا. فتاویٰ رشیدیہ میں ہے۔

(الجواب) معتکف کو جائز ہے کہ بعد نماز مغرب مسجد سے باہر جا کر حقہ پی کر اور کلی کر کے بو زائل کر کے مسجد میں چلا آوے۔ (فتاوی رشیدیہ ج ۳ ص ۵۷) ھذا ما ظھر لی الآن فقط واللہ اعلم بالصواب و علمہ اتم و احکم.

حالت اعتکاف میں بچوں کو پڑھانا کیسا ہے؟:

(سوال ۳۵۴) امام مسجد مکتب میں پڑھاتا ہے اور پڑھانے کی تنخواہ لیتا ہے وہ رمضان المبارک میں عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف میں بچوں کو مسجد میں تعلیم دے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اعتکاف کے لئے مدرسہ سے رخصت لے لی جائے رخصت نہ ملے تو مجبوراً مسجد کے اندر پڑھا سکتا ہے۔ ولو جلس المعلم فی المسجد والوراق یکتب فان کان المعلم یعلم للحسبة والوراق یکتب لنفسہ فلا بأس بہ لانہ قربة وان کان بالا جرة یکرہ الا ان یقع لھما الضرورة کذافی محیط السرخسی (فتاویٰ عالمگیری ج ۶ ص ۲۱۵ کتاب الکراھیة الباب الخامس فی آداب المسجد الخ) فقط واللہ اعلم بالصواب.

معتکف کے ساتھ غیر معتکف کا افطار کرنا:

(سوال ۳۵۵) امام مسجد معتکف ہے اس کے ساتھ امام تراویح جو معتکف نہیں ہے مسجد میں افطار کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) احوط یہ ہے کہ حافظ صاحب خارج مسجد شرعی اپنے کمرہ وغیرہ میں افطار کریں، اگر مسجد میں داخل ہونے کے وقت نفل اعتکاف کی نیت کر لیں تو معتکف کے ساتھ افطار کر سکتے ہیں، مسجد میں داخل ہونے کے وقت اللھم افتح لی ابواب رحمتک کے ساتھ نویت الاعتکاف مادمت فی المسجد کہہ لیا کریں۔ عالمگیری میں ہے ویکرہ النوم والا کل فیہ لغیر المعتکف واذا اراد ان یفعل ذلک ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل فیہ ویذکر اللہ تعالیٰ بقدر ما نوی او یصلی ثم یفعل ماشاء. کذا فی السراجیة (فتاویٰ عالمگیری ج ۶ ص ۲۱۵ کتاب الکراھیة الباب الخامس) فقط واللہ اعلم بالصواب

(۱) مسجد کی چادر سے اعتکاف کے لئے خیمہ بنانا

(۲) معتکف کے لئے مسنون افعال:

(سوال ۳۵۶) ماہ رمضان المبارک عشرۂ اخیرہ میں لوگ اعتکاف کرتے ہیں اور مسجد میں سونے کی جگہ پر چادر کا خیمہ

(یعنی خیمہ یا حجرہ) بناتے ہیں اور چادریں مسجد کی ہوتی ہیں، اور ہر خیمہ میں ایک ایک بلب (بتی) ہوتا ہے تو ایسا خیمہ بنانا اور اس میں مسجد کی چادریں استعمال کرنا کیسا ہے؟ اور معتکفین دن میں مسجد میں سوتے رہتے ہیں اور رات کو جماعت خانہ میں سب مل کر باتوں میں مشغول رہتے ہیں تو یہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اعتکاف کے لئے خیمہ بنانا مستحب ہے اگر اس کام کے لئے کسی نے مسجد میں چادریں رکھیں ہیں تو مضائقہ نہیں ہے، مسجد کے پیسوں سے خریدی ہوں تو اس کو خیمہ کے لئے کام میں لانا درست نہیں، اپنی ذاتی چادر استعمال کرنا چاہئے، بجلی مسجد کے دستور کے مطابق جب تک جلتی رہے استعمال کرنا درست ہے، مقررہ وقت کے بعد جلانا درست نہیں لہذا احتیاطاً زیادہ پاور جلا ہو معتکفین مل کر ادا کردیں مسجد کا حق اپنے ذمہ باقی نہ رکھیں، معتکف ضروری بات کرسکتا ہے، غیر ضروری دنیوی باتیں اگر چہ گناہ کی نہ ہوں مسجد میں درست نہیں ہیں۔ حدیث میں ہے جب کوئی شخص مسجد میں دنیائی باتیں کرنے لگتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں **اسکت یا ولی اللہ** (اے اللہ کے ولی چپ رہ) اگر چپ نہیں رہتا اور سلسلۂ کلام جاری رکھتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں **اسکت یا بغیض اللہ** (دشمن خدا چپ رہ) اس کے بعد بھی اگر دنیوی باتوں میں لگا رہتا ہے تو کہتے ہیں **اسکت لعنة اللہ علیک** (تجھ پر خدا کی لعنت چپ رہ) (کتاب المدخل ج ۲ ص ۵۵)

معتکفین عبادت کے لئے، اپنے مولیٰ کو راضی کرنے کے لئے اور حصول ثواب کے لئے بیٹھتے ہیں اگر دنیا کی باتوں میں مشغول رہیں گے تو بجائے اجر و ثواب کے فرشتوں کی لعنت اور بددعا لے کر جائیں گے، لہذا معتکفین کو لازم ہے کہ بلا ضرورت ایک جگہ جمع نہ ہوں، اپنے اپنے خیمہ میں تلاوت، دعا، نوافل، ذکر اللہ، درود شریف پڑھنے اور بقدر ضرورت سونے میں مشغول رہیں، جو دنیوی امور خارج مسجد اور غیر معتکف کے لئے درست نہیں وہ مسجد میں اور پھر معتکفین کے لئے کیسے درست ہو سکتے ہیں؟ چنانچہ مجالس الابرار میں ہے **ویلازم قراء ة القرآن والحدیث وعلم الدین وسیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقصص الانبیاء وحکایات الصالحین وکتابة امور الدین واما التکلم بما لیس بخیر فانہ مکروہ لغیر المعتکف فما ظنک للمعتکف فی المسجد**۔ ترجمہ:۔ اور قرآن کی تلاوت اور حدیث اور علم دین اور سیرت نبی ﷺ اور صالحین کی حکایتوں اور امور دینی کے لکھنے پڑھنے کا شغل رکھے، اور فضول بات کرنا غیر معتکف کے لئے مکروہ ہے چہ جائیکہ مسجد کے اندر معتکف کے لئے (مجالس الابرار ص ۲۰۵ مجلس نمبر ۳۱) فقط واللہ اعلم بالصواب ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ۔

اعتکاف کے لئے چادر وغیرہ سے خیمہ بنانے کا ثبوت:

(سوال ۳۵۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کے لئے مسجد کے ایک کونے میں پردہ کا اہتمام کرنا کیسا ہے؟ یعنی پردے کا ہونا مسنون ہے یا بدعت؟ برائے کرم بحوالۂ کتب مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) معتکف کے لئے مسجد کے گوشہ میں چادر وغیرہ کا حجرہ بنالینا مستحب ہے اور اس میں ستر وغیرہ کی حفاظت ہے اس کے علاوہ اور بھی مصلحتیں ہیں، حضور اکرم ﷺ کے لئے چٹائی کا حجرہ بنانا ثابت ہے۔ بدعت نہیں ہے البتہ

معتکف ان باتوں کا خیال رکھے کہ ضرورت سے زیادہ جگہ نہ روکے، نمازیوں کی ایذاء کا سبب نہ بنے، صفوں کی درستی میں خلل نہ ہو۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے عن عائشة رضی الله عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اراد ان يعتكف صلى الفجر ثم دخل في معتكفه رواه ابو داؤد وابن ماجة (قوله صلى الفجر ثم دخل في معتكفه بصيغة المفعول اى مكان اعتكافه. الى قوله. وتا ولوا الحديث بانه صلى الله عليه وسلم دخل المعتكف وانقطع وتخلى بنفسه فانه كان في المسجد يتخلى عن الناس في موضع يستتر به عن اعين الناس كما ورد انه اتخذ في المسجد حجرةً من حصير اھ (مرقاة شرح مشكوٰة ج۴ ص ۳۲۹ باب الاعتكاف الفصل الثانی) (هكذا فی التعليق الصبيح شرح مشكوٰة المصابيح ج ۲ ص ۴۱۵) مظاہر حق میں ہے۔ جب نماز صبح کی پڑھتے تو اس حجرے میں کہ اعتکاف کے لئے بوریے سے بنایا جاتا تھا داخل ہوتے تا کہ الگ رہیں لوگوں سے (مظاہر حق ج۲ ص۲۰۰) مجالس الابرار میں ہے۔ واصله ما في الصحيحين انه عليه السلام اعتكف العشر الاول من رمضان ثم اعتكف العشر الاوسط في قبة تركية ثم اطلع راسه اھ یعنی آنحضرت ﷺ نے رمضان کے پہلے عشرہ میں اعتکاف فرمایا پھر درمیانی عشرہ میں ترکی خیمہ میں (اعتکاف فرمایا) پھر سر باہر نکال کر فرمایا اھ (مجالس الابرار ص۲۰۳ مجلس نمبر ۳۱) معلوم ہوا کہ چادر وغیرہ سے حجرہ بنانا حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے، لہذا اسے بدعت نہیں کہہ سکتے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔
۲۷ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ۔

نابالغ بچہ کا اعتکاف کرنا:

(سوال ۳۵۸) نابالغ بچہ رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف کر سکتا ہے یا نہیں؟ یہاں پر ایک نابالغ لڑکے نے اعتکاف کیا ہے اگر جائز نہ ہو تو کیا اسے اٹھادیا جائے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نابالغ لڑکا سمجھدار ہو، نماز کو سمجھتا ہو اور صحیح طریقہ سے پڑھتا ہو تو معتکف ہو سکتا ہے، نفل اعتکاف ہوگا مسنون نہ ہوگا، اگر ناسمجھ ہو تو نہیں بیٹھ سکتا کہ مسجد کی بے ادبی کا اندیشہ ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ۔

سنت مؤکدہ اعتکاف ٹوٹ جائے تو کتنے ایام کی قضا کرے:

(سوال ۳۵۹) سنت مؤکدہ اعتکاف ٹوٹ جائے یعنی کسی وجہ سے فاسد ہو جائے تو اس کی قضا واجب ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کتنے ایام کی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ کے سنت مؤکدہ اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے بدون روزہ اعتکاف معتبر نہ ہوگا اور یہ اعتکاف توڑ دینے یا ٹوٹ جانے سے امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ صرف ایک روز کے اعتکاف کی (یعنی جس روز ٹوٹا ہے اس روز کی) قضا واجب ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک اعتکاف کا ہر دن جداگانہ

(۱) اما البلوغ فليس بشرط لصحة الاعتكاف فيصح من الصبي العاقل الخ فتاوىٰ عالمگيری باب الاعتكاف ص ۲۱۱

ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق پورے دس ایام کی یا کم از کم باقی دنوں کی قضا واجب ہے، امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرنے میں احتیاط ہے۔ اما النفل فله الخروج لانه منه له لا مبطل كما مر (درمختار) (قوله اما النفل) اى الشامل للسنة المؤكدة ح قلت ما قدمنا يفيد اشتراط الصوم فيها بناء على انها مقدرة بالعشر الاخير ومفاد التقدير ايضا اللزوم بالشروع تأمل ثم رأيت المحقق ابن الهمام قال ومقتضى النظر لو شرع فى نفل ثم افسده' ان يجب قضاءه تخريجاً على قول ابى يوسفؒ فى الشروع فى نفل الصلوة ناويا اربعاً لا على قولهما اه اى يلزمه قضاء العشر كله لو افسد بعضه كما يلزمه قضاء اربع لو شرع فى نفل ثم افسد الشفع الاول عند ابى يوسفؒ لكن صحح فى الخلاصة انه لا يقضى الاركعتين كقولهما الى قوله . وعلى كل فيظهر من بحث ابن الهمام لزوم الاعتكاف المسنون بالشروع وان لزوم قضاء جمعيه او باقيه مخرج على قول ابى يوسف رحمه الله اما على قول غيره فيقضى اليوم الذى افسده لا ستقلال كل يوم بنفسه. الى قوله . والحاصل ان الوجه يقتضى لزوم كل يوم شرع فيه عندهما بناء على لزوم صومه بخلاف الباقى لان كل يوم بمنزلة شفع من النافلة الرباعية وان كان المسنون هو اعتكاف العشر بتمامه تامل (درمختار وشامى ج۲ ص ۱۸۰ باب الاعتكاف) فقط والله اعلم بالصواب .

معتکف مسجد میں چارپائی پر سوسکتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۳۶۰) معتکف اپنے معتکف (حجرہ) میں چارپائی (پلنگ) پر سوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) معتکف مسجد میں چارپائی پر سوسکتا ہے كما فى سفر السعادة وابن ماجة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا اعتكف طرح له فراشه او يوضع له سريره' وراء سطوانة التوبة (مجموعه فتاویٰ ج۲ ص ۱۸) فقط والله اعلم بالصواب .

معتکف مسجد میں ضرورتاً چہل قدمی کرسکتا ہے؟:

(سوال ۳۶۱) مسجد کے اندر ٹہلنا (چہل قدمی کرنا) ضرورتاً جائز ہے یا نہیں؟ معتکف و غیر معتکف میں فرق ہے یا دونوں کا ایک ہی حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد میں عمل غیر موضوع لہ المسجد کرنا قصداً و اتفاقاً نا جائز ہے اور یہ مشی (ٹہلنا) بھی ایسا ہی ہے لہذا منع کیا جاوے گا (تتمۂ رابعہ امداد الفتاویٰ ص ۱۷) مگر معتکف کے لئے ضرورتاً بقدر حاجت اجازت ہوگی جب کہ ٹہلنے کا طرز مسجد کے احترام کے خلاف نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مجبوری کی وجہ سے مردے کو غسل دینے کیلئے نکلا تو؟:

(سوال ۳۶۲) معتکف مسجد سے ضرورتاً نکلے، مثلاً میت کو غسل دینے والا کوئی نہ ہو، نماز جنازہ پڑھانے والا دوسرا کوئی

نہ ہو اس لئے مسجد سے نکلے تو اعتکاف باقی رہے گا یا ٹوٹ جائے گا؟ بینوا توجروا

(الجواب) طبعی اور شرعی حاجت کے سوا دیگر ضرورت سے نکلنا مفسد اعتکاف ہے مثلاً صورت مسئولہ میں غسل میت یا نماز جنازہ کے لئے یا گواہی دینے کے لئے متعین ہو جانے پر کہ اگر اس نے گواہی نہ دی تو اس شخص کا حق مارا جائے گا، اسی طرح کسی ڈوبتے ہوئے یا جلتے ہوئے کو بچانے کی نیت سے نکلے تب بھی اعتکاف ٹوٹ جائے گا مگر گنہگار نہ ہوگا بلکہ ان صورتوں میں نکلنا ضروری ہو جائے گا (فان خرج ساعة بلا عذر) معتبر (فسدالواجب) ولا اثم علیه به (مراقی الفلاح)(قوله بلا عذر معتبر) ای فی عدم الفساد فلو خرج لجنازة محرمة او زوجته فسد لانه وان کان عذراً الا انه لم یعتبر فی عدم الفساد (قوله ولااثم علیه) أی بالعذرواما بغیر العذر فیأثم لقوله تعالیٰ و لا تبطلوا اعمالکم (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۴۰۸. ۴۰۹ باب الاعتکاف) اوتعین لصلوٰة الجنازة ففی هذه الصور یفسد الاعتکاف وان لم یاثم بالخروج والافساد (رسائل الارکان ص ۲۲۹)فقط واللہ اعلم بالصواب.

معتکف کے لئے تحیۃ الوضوء وتحیۃ المسجد کا حکم:

(سوال ۳۶۳) معتکف جب بھی وضو کرنے کے لئے جائے تو تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد پڑھے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) تحیۃ الوضوء، پڑھے تحیۃ المسجد دن میں ایک بار کافی ہے، وتستحب التحیة لداخله فان کان ممن یتکرر دخوله کفته رکعتان کل یوم (الاشباه)وفی الحموی. وفی السراج الوهاج فان قیل هل تسن تحیة المسجد کلما دخله ام لا قیل فیه خلاف قال بعضهم نعم لانه معتبر بتحیة الانسان فانه یحییه کما لقیه وقال بعضهم مرة واحدة وهذا اذا کان نائیاً (ای بعیداً) اما اذا کان جارالمسجد لا یصلیها کما لا یحسن لاهل مکة طواف القدوم.(الاشباه والنظائر مع حاشیه حموی ص ۵۵۹ احکام المسجد. الفن الثالث)فقط واللہ اعلم.

مسجد نہ ہونے کی وجہ سے ایسے مکان میں اعتکاف کرنا جہاں پنجوقتہ جماعت ہوتی ہے:

(سوال ۳۶۴) ایک بستی میں مسجد نہیں ہے لیکن یہاں ایک مکان میں پنجوقتہ نماز با جماعت ادا کرنے کا انتظام ہے تو ایسے مکان میں اعتکاف صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس مکان میں اعتکاف کرنے سے سنت مؤکدہ اعتکاف ادا ہوگا یا نہیں؟ اور اعتکاف نہ کرنے کی صورت میں پوری بستی کے ذمہ سنت مؤکدہ اعتکاف ادا نہ کرنے کا بار رہے گا یا نہیں؟ یا کیا شکل ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب کہ بستی میں مسجد ہی نہیں ہے تو جس مکان میں پنجوقتہ نماز با جماعت ادا کرنے کا انتظام ہو اس میں اعتکاف کیا جائے امید ہے کہ سنت مؤکدہ کا ثواب ملے گا، نہ کیا تو کوتاہی کا بار رہے گا جتنا ہو سکے کر گذرنا چاہئے قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وقالوا لما سقط عن المرأة فی صلوٰتها المسجد الجامع کذلک سقط فی اعتکافها المسجد الجامع بالاعتکاف (رسائل الارکان ص ۲۲۹)فقط واللہ اعلم بالصواب.

نوٹ:

جس مکان میں نماز با جماعت ادا کرتے ہیں وہاں جماعت کا ثواب مل جائے گا۔ لیکن مسجد کے ثواب سے محرومی رہے گی اس لئے مسجد بنانے کی کوشش جاری رکھیں۔ ا رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ۔

مسجد شہید کردی ہے تو اعتکاف کہاں کیا جائے:

(سوال ۳۶۵) بستی میں مسجد تھی لیکن شہید کردی گئی ہے اور دوسری جگہ مدرسہ میں نماز باجماعت ادا کرتے ہیں تو کیا وہاں اعتکاف کر سکتے ہیں؟ اور اعتکاف کرنے سے سنت مؤکدہ اعتکاف ادا ہو جائے گا؟ بینوا توجروا۔ کھلوڈ ضلع سورت۔

(الجواب) اگر شہید شدہ مسجد میں اعتکاف کرنا ممکن نہ ہو اور بستی میں دوسری مسجد ہو تو وہاں اعتکاف کیا جائے، مدرسہ کا اعتکاف معتبر نہ ہوگا، اگر مسجد نہیں ہے تو صحیح ہو جائے گا انشاء اللہ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۷ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ۔

سرکاری وظیفہ لینے کے لئے مسجد سے نکلنا:

(سوال ۳۶۶) یہاں (برطانیہ، انگلینڈ) میں کام کرنے والے حضرات بہت کم اعتکاف کرتے ہیں اکثر معتکفین وہی ہوتے ہیں جو کارخانہ وغیرہ میں کام نہیں کرتے لیکن ایسے لوگوں کو ہفتہ میں ایک مرتبہ سرکاری آفس میں حاضر ہو کر دستخط کرنے پر پیسے ملتے ہیں یہی ان کی تنخواہ (وظیفہ) ہے اگر آفس میں نہ جائیں تو وظیفہ نہیں ملتا تو دستخط کرنے کے لئے معتکف جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (از لندن)

(الجواب) اس کے بغیر اس کا گذارہ نہ ہو سکتا ہو تب تو جا سکے گا اور دستخط کر کے فوراً مسجد میں آجائے اور احتیاطاً بعد میں ایک روز کے اعتکاف کی قضا بھی کرلے اور اگر اس پر گذران موقوف نہ ہو تو جانے کی اجازت نہیں۔ جائے گا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا اور ابطال اعتکاف کا گناہ بھی ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۹۔ شوال المکرم ۱۳۹۹ھ۔

نفل اعتکاف میں جمعہ کے غسل کے لئے نکلنا:

(سوال ۳۶۷) ایک شخص نے رمضان المبارک کے پورے ماہ کا اعتکاف کیا ہے اس نے اعتکاف شروع کرتے وقت یہ نیت کی تھی کہ میں جمعہ کے غسل مستحب کے لئے نکلوں گا، مسجد کے احاطہ میں غسل خانہ ہے اس صورت میں وہ غسل کے لئے نکل سکتا ہے؟ اگر نیت نہ کی ہو تو جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) رمضان کے عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے اس میں اور نذر کے واجب اعتکاف میں واجب غسل کے علاوہ جمعہ وغیرہ کے غسل کے لئے نکلنے کی اجازت نہیں، عشرۂ اولیٰ اور عشرۂ ثانیہ کا اعتکاف (اگر نذر نہ مانی ہو تو) نفل ہے اس میں جمعہ کے غسل کے لئے (یا جنازہ کی نماز کے لئے یا مریض کی عیادت کے لئے) نکلنے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو نکلنے سے اعتکاف ختم ہو جائے گا اس کو فاسد ہونا نہیں کہا جائے گا اور جب مسجد میں دوبارہ داخل ہوگا اس

وقت سے پھر نفل اعتکاف شروع ہوگا۔ والقسم الثالث (مستحب فیما سواہ) ای فی ای وقت شاء سوی العشر الا خیر ولم یکن منذورا (مراقی الفلاح ص ۴۰۸ باب الاعتکاف) چند سطروں کے بعد ہے (وانتھی بہ) ای بالخروج (غیرہ) ای غیر الواجب وھو النفل اذلیس لہ حد (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۴۰۹)فقط واللہ اعلم بالصواب .

مقدمہ کے لئے نکلنا:

(سوال ۳۶۸)ایک شخص معتکف ہے اور عشرۂ اخیرہ میں اس کے ایک مقدمہ کی تاریخ ہے اس دن کورٹ (کچہری) میں اس کی حاضری ضروری ہے، صورت مسئولہ میں یہ معتکف مجبوری کی وجہ سے کورٹ میں حاضری دے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مقدمہ کے لئے نکلے گا تو اس کا سنت موکدہ اعتکاف فاسد ہوجائے گا اگر مجبوراً نکلنا پڑ رہا ہے تو گنہگار نہ ہوگا ،اور صاحبین رحمہما اللہ کے مسلک کے مطابق اگر نصف یوم سے زیادہ باہر نہ رہے تو اعتکاف فاسد نہ ہوگا ،ایسی مجبوری کی حالت میں اس مسلک پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ وقالا ان خرج اکثر الیوم فسدو الا فلا .(مراقی الفلاح مع طحطاوی ص ۴۰۹)فقط واللہ اعلم بالصواب .

جس شخص کے بدن سے بدبو آتی ہو اس کا اعتکاف کرنا اور جماعت میں شریک ہونا:

(سوال ۳۶۹)(۱)ایک شخص کو پیدائشی ناک کی بیماری ہے جس کی وجہ سے بدبو آتی رہتی ہے علاج ومعالجہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوا تو ایسے شخص کا اعتکاف میں بیٹھنا کیسا ہے۔

(۲)اور ایسا شخص نماز پنجگانہ کے لئے مسجد میں جائے یا نہیں؟ دوسرے مصلی اس چیز کو برداشت کرنے پہ خوش ہوں بلکہ اس کو عدم حاضری سے ان کو تکلیف ہوتی ہو تو پھر بھی احترام مسجد کے خیال سے اس کو مسجد میں جانا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حدیث میں ہے کہ جو شخص اس بدبودار درخت سے کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کہ ملائکہ ایذاء پاتے ہیں (بخاری شریف وغیرہ) حدیث معلل ہے بایذا انسان وملائکہ . . . سے جس کے جسم کے کسی حصہ کی بو سے لوگوں کو ناگواری اور اذیت ہوتی ہو تو اسے مسجد میں نہیں آنا چاہئے اور اعتکاف میں نہیں بیٹھنا چاہئے ،وسیلۃ احمدیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے قال الفقھاء وکل من وجد فیہ رائحۃ کریھۃیتأ ذی بہ الا نسان یلزم اخراجہ یعنی فقہاء رحمہم اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ جس شخص کے بدن میں ایسی ناگواری بو پائی جائے جس کی وجہ سے آدمیوں کو اذیت ہوتو اسے نکال دینا چاہئے ،(از۔ اسلام کا نظام مساجد ص۲۱۹)فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۲)بدبو، ناگواری اور تکلیف دہ حد تک پہنچی ہوئی ہو لیکن احباب اسے برداشت کر لیتے ہوں یا عادی بن گئے ہوں تاہم اسے مسجد میں آنے سے اجتناب کرنا چاہئے کہ مسجد جائے حضوریٔ ملائکہ ہے، ان کو اور دوسرے لوگوں کو اذیت ہوگی ،البتہ اگر بدبو خفیف ہو تکلیف دہ اور ناگواری کی حد تک نہ ہو تو نماز پنجگانہ کے لئے دافع بدبو عطر وغیرہ لگا کر جائے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اخراج ریح کے لئے نکلنا:

(سوال ۳۷۰) معتکف اخراج ریح کے لئے مسجد سے باہر جا سکتا ہے؟ یا اس کے لئے مسجد میں اخراج ریح درست ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) ہاں صحیح یہ ہے کہ اخراج ریح کے لئے باہر چلا جائے **قوله واخراج الريح فيه من الدبر اى يكره . الى قوله. بل يخرج اذا احتاج اليه وهو الا صح انتهى والعلة فى ذلك ان الملائكة تتاذى بما يتاذى به بنو آدم كما ورد فى الحديث(حموى شرح اشباه ص ۵۲۰ احكام المسجد) فقط والله اعلم بالصواب .**

معتکف کا دواعی وطی کرنا:

(سوال ۳۷۱) معتکف سے اس کی بیوی ملنے کے لئے آئی معتکف نے اس سے بوس و کنار کیا تو اس سے اعتکاف میں نقص آئے گا؟

(الجواب) حالت اعتکاف میں معتکف کے لئے دواعی وطی (یعنی بغل گیری اور بوسہ دینا) بھی جائز نہیں۔ لیکن اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا، البتہ اگر انزال ہو گیا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

مالا بدمنہ میں ہے: معتکف را وطی و دواعی وطی حرام است واز وطی اگر چہ بشب باشد یا بفراموشی باشد اعتکاف فاسد شود واز مس وقبلہ اگر انزال کند اعتکاف فاسد شود والا نہ (ص ۹۷) **ويبطل الاعتكاف بالوطى مطلقا وبالدواعى ان انزل والا فلا** (مجالس الابرار مجلس ص ۳۱ ص ۲۱۸ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

معتکف کا بیوی سے گفتگو کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۳۷۲) ایک شخص اعتکاف میں ہے وہ اپنی زوجہ سے ضروری بات چیت مثلاً کھانے یا دوسری شئی کے متعلق بات کر سکتا ہے یا نہیں؟

نیز بیوی سے پیار و محبت کی بات چیت کرنے سے یا بغرض استنجاء معتکف سے باہر گیا بعد میں نیت بگڑی اور عورت سے صحبت کر لی تو اعتکاف فاسد ہو گیا یا نہیں؟ ہمارے گاؤں میں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ کسی بھی عورت کا چہرہ دیکھ لینے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے ان امور کا جواب دے کر ممنون فرمادیں۔

(الجواب) حالت اعتکاف میں ضرورت کی بات چیت عورت سے کرنے کی اجازت ہے مگر پیار و محبت نیز بغل گیری اور چوما چاٹی مکروہ ہے اور صحبت کرنے سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔

ويكره تحريما صمت وتكلم الا بخير وهو مالا اثم فيه ومنه المباح عند الحاجة اليه لا عند عدمها وبطل بوطء فى فرج ولو ليلا او ناسيا وبا نزال بقبلة اولمس او تفخيذ ولو لم ينزل لم يبطل وان حرم الكل اى كل ماذاكر من دواعى الوطء اذا لا يلزم من عدم البطلان بها

حلها العذم الحرج (شامی ۲/۱۸۵، ص ۱۸٦ باب الاعتکاف)فقط واللہ اعلم بالصواب .

عورت اخیر عشرہ کا اعتکاف کرسکتی ہے یا نہیں؟ اعتکاف میں حیض آجائے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۳۷۳) عورت رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرسکتی ہے یا نہیں؟ اگر اعتکاف کرنا ہو تو کہاں کرے؟ اعتکاف کی حالت میں اگر اسے حیض آجائے تو کیا کرے؟ بینوا توجروا.

(الجواب) رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے، عورت بھی یہ مسنون اعتکاف کرسکتی ہے، عورت اپنے گھر کی مسجد (جو جگہ نماز کے لئے متعین کی ہے اگر متعین نہ ہو تو اب کرلے) میں اعتکاف کرے اس اعتکاف کے صحیح ہونے کے لئے عورت کا حیض یا نفاس سے پاک ہونا ضروری ہے، اگر اعتکاف کے درمیان حیض آجائے تو اعتکاف چھوڑ دے، حیض کی حالت میں اعتکاف درست نہیں اور پاک ہونے کے بعد کم از کم ایک دن کی (جس روز حیض آیا ہے) روزے کے ساتھ قضا کرے، اور اگر ہمت ہو تو پورے دس دنوں یا بقیہ دنوں کے اعتکاف کی روزے کے ساتھ قضا کرے۔

بدائع الصنائع میں ہے: ولو حاضت المرأة فی حال الا عتکاف فسد اعتکافها لان الحیض ینا فی اهلیة الا عتکاف لمنا فاتها الصوم ولهذا منعت من العقاد الا عتکاف فتمنع من البقاء (بدائع ص ۱۱٦ ج۲ کتاب الاعتکاف)فقط واللہ اعلم بالصواب .

معتکف کا لوگوں سے گفتگو اور ملاقات کرنا:

(سوال ۳۷۴) معتکف کن عوارض کی وجہ سے خارج مسجد جاسکتا ہے مثلاً خارج مسجد یعنی صحن میں کوئی عزیز و رشتہ دار ملنے کی غرض سے آوے تو ان سے ملنے کے لئے جاسکتا ہے؟ ایسے ہی بار بار تھوکنے کے لئے یا نفلی عبادت کا وضو کرنے کے لئے جماعت خانہ سے باہر جاسکتا ہے؟ پانی پینے کا مٹکا جماعت خانہ سے باہر رکھا ہے تو کیا پانی پینے کے لئے وہاں جانا درست ہے یا جماعت خانہ میں پانی کا انتظام کرنا ضروری ہوگا۔

(الجواب) معتکف کا مسجد شرعی سے ضرورت شرعی (جیسے کہ نماز جمعہ) اور ضرورت طبعی (استنجاء وغیرہ) کے لئے نکلنا درست ہے، عزیز و رشتہ دار سے ملنا نہ ضرورت شرعی ہے نہ ضرورت طبعی، لہذا ان سے ملنے کے لئے مسجد شرعی کی حد سے باہر جانا درست نہیں، اگر باہر گیا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا، ایسے ہی تھوکنے کے لئے باہر نہ جاوے البتہ وضو کی غرض سے نکلنا درست ہے پانی کی صراحی وغیرہ اپنے پاس رکھے، البتہ اگر پانی اپنے پاس نہ ہو اور لانے والا بھی کوئی موجود نہ ہو تو ایسی مجبوری میں پانی لینے کے لئے جاسکتا ہے وحرم علیه ای علی المعتکف الخروج الالحاجة طبعیة کبول وغائط وغسل لو احتلم او شرعیة کعید والجمعة (درمختار ملخصاً) قال الشامی وعن هذا اعتراض بعض الشراح تفسیر الکنزلها بالبول والغائط بان الاولیٰ تفسیر ها بالطهارة ومقدماتها لیدخل الا ستنجاء والوضوء والغسل لمشارکتها لهما فی الا حتیاج وعدم الجواز فی المسجد اه (شامی ۲/۱۸۰ باب الا عتکاف) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب .

صفوں کے درمیان بندھی ہوئی معتکف کی چادروں کو بوقت جماعت کھول دینا:

(سوال ۴۷۵) معتکف حضرات درمیان کی صفوں میں چادریں باندھیں اور جماعت کے وقت میں مصلی اس جگہ کھڑے نہ رہ سکتے ہوں اور اس کے پیچھے کی صفوں میں مصلیوں کو کھڑے رہنا پڑتا ہو تو اس طرح جگہ روکنا کیسا ہے؟

(الجواب) حامداومصلیاومسلماً! جماعت کے وقت اعتکاف والی جگہ کی ضرورت ہو تو پردہ کھول کر جگہ دینا ضروری ہے، پردہ نہ کھولے گا تو گنہگار ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیڑی سگریٹ کے عادی معتکف کا اس کے لئے مسجد سے باہر نکلنا:

(سوال ۴۷۶) معتکفین بیڑی سگریٹ پینے کے لئے جماعت خانہ سے باہر جاسکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) حامداومصلیاومسلماً! بیڑی کی عادت حتی الامکان کوشش کر کے چھوڑ دینی چاہئے، نہ چھوٹے تو کم کر دینی چاہئے. مجبوراً بیڑی کے لئے نکلا جاسکتا ہے، (۱) بہتر یہ ہے کہ پیشاب پاخانہ کی حاجت کے لئے نکلے اس وقت پی لے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۱) اس مسئلہ میں دو باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے (۱) بیڑی سگریٹ پی کر منہ اچھی طرح صاف کر کے مسجد میں آنا چاہئے، گندے منہ سے مسجد میں آنا مکروہ ہے (۲) یہ گنجائش شدید مجبوری کی صورت میں ہے، محض شوق پورا کرنے کے لئے نہ نکلے، وہ استنجاء کے لئے جائے اس وقت پی لے ۱۲۔ (سعید احمد پالن پوری)۔

کتاب الحج

حج میں تاخیر:

(سوال ۱) حج میں تاخیر کرنے سے آدمی گنہگار ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) حج فرض ہونے کے بعد وقت ملنے پر بھی بلا عذر شرعی پہلے ہی سال حج کے لئے نہ گیا تو سخت گنہگار اور سزا کا مستحق ہوگا۔ پھر اگر زندگی میں ادا کرے گا تو تاخیر کرنے کا گناہ معاف ہوجائے گا گنہگار نہ رہے گا۔

علی الفوری العام الاول عند الشافی واصح الروایتین عن الامام ومالک واحمد فیفسق وترد شہادتہ بتاخیرہ ای سنینا ...... ولذا اجمعوا ...... الخ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حج یوم جمعہ کو حج اکبری کہنا صحیح ہے:

(سوال ۲) امسال یوم جمعہ کو حج ہوا ہے۔ اس لئے لوگ حج اکبری کہتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے۔؟

(الجواب) بے شک! جمعہ کے دن کے حج کی بڑی فضیلت وارد ہے، معتبر کتابوں میں ہے کہ جمعہ کا حج ستر ۷۰ درجہ افضل ہے، درمختار میں ہے۔ لو فقة الجمعة مزية سبعين حجة ويغفر فيها لكل فرد (ج ۲ ص ۳۴۸ كتاب اسرار الحج) وقال بعض السلف اذا وافق يوم عرفة يوم جمعة غفر لكل اهل عرفة وهو افضل يوم فى الدنيا الخ (احياء العلوم ج ۱ ص ۲۴۷ ايضاً) لیکن یاد رہے کہ جمعہ کے حج کو حج اکبری کہنا معتبر و صحیح نہیں ہے۔

حجاج کرام کا استقبال:

(سوال ۳) لوگ حجاج کرام کے استقبال کے لئے آبادی سے باہر تک یا اسٹیشن پر پہنچتے ہیں اس کی کوئی اصل ہے یا محض رواج؟

(الجواب) حجاج کرام کا استقبال کرنا کار ثواب ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی حاجی سے ملو تو سلام کرو اس سے مصافحہ کرو اور اپنے لئے دعائے مغفرت کراؤ اس سے پہلے کہ گھر پہنچ جائے بے شک وہ بخشے ہوئے ہیں۔

اور حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ جب حاجی حج کے لئے روانہ ہوں تو ان کو وداع (چھوڑنے) کے لئے جاؤ۔ اور دعائے خیر کے لئے ان سے تلقین (درخواست) کرو اور جب حج سے آئیں تو ان سے ملو اور مصافحہ کرو قبل اس کے کہ دنیاوی کاروبار میں لگ کر وہ گناہ میں مبتلا ہوجائیں بے شک ان کے ہاتھ میں برکت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی اللهم اغفر للحاج ولمن استغفر له الحاج (اے اللہ حاجی کی مغفرت فرما اور اس کی بھی جس کے حق میں حاجی دعائے مغفرت کرے) (احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۴۸) (۱)

(۱) البتہ اس جواز کو لازمی سمجھنا ناجائز ہے موقع ملے تو چلے جانے نہ جانے والوں پر نکیر نہ کیا جائے۔)

لیکن عورتوں کا گاؤں اور آبادی سے باہر نکلنا یا اسٹیشن پر جانا مذموم اور معیوب ہے۔ مجالس الابرار میں ہے۔

(ومن منكراتهم ايضا خروج النساء عندذها بهم وعند مجيئهم فان الواجب على المرأة قعودها في بيتها وعدم خروجها من منزلها وعلى الزوج منعها عن الخروج ولو اذن لها كانا عاصين الخ.)

یعنی حجاج کرام کے جاتے اور لوٹتے وقت ان کو رخصت کرنے اور ان کا استقبال کرنے کے لئے عورتوں کا نکلنا معیوب ہے ان کو تو گھر میں ہی ٹھہرے رہنا چاہئے۔ اگر مرد منع نہ کریں تو وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ (ص ۱۴۵) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حج ادا نہ کرنے والے کو یہودی اور نصرانی کیوں کہا گیا؟:

(سوال ۴) حدیث شریف میں حج نہ ادا کرنے والے کو یہود و نصاریٰ سے کیوں تشبیہ دی گئی؟

(الجواب) حج اسلامی عبادت کا چوتھا رکن ہے، نیز فرض عین ہے، اس کی فرضیت کا منکر کافر ہے اور عمل نہ کرنے والا سخت گنہگار ہے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

من ملك زاداً وراحلة تبلغه الى بيت الله ولم يحج فلا عليه ان يموت يهوديا او نصرانيا.

یعنی جس کے پاس زاد و راحلہ (خوراکی اور سواری کا خرچ) مہیا ہو گیا (جو اس کو بیت اللہ تک پہنچا سکے) پھر بھی اس نے حج نہ کیا تو عجب نہیں کہ وہ یہودی یا نصرانی ہو کر مرے (ترمذی شریف ص ۱۰۰)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حدیث مذکور نقل کر کے حج ادا نہ کرنے والے کو یہودی اور نصرانی کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ تحریر فرماتے ہیں۔

وانما شبه تارك الحج باليهود والنصراني وتارك الصلوة بالمشرك لان اليهود والنصارىٰ يصلون ولا يحجون ومشركوا العرب يحجون ولا يصلون .

یعنی تارک حج کو یہود و نصاریٰ کے ساتھ اور تارک نماز کو مشرک کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی گئی کہ یہود و نصاریٰ نماز پڑھتے تھے لیکن حج نہیں کرتے تھے اور مشرکین عرب حج کرتے تھے نماز نہیں پڑھتے تھے (حجة الله البالغه ج ۲ ص ۱۸۵ ابواب الحج، زجر تارك الحج مع الا ستطاعة)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے شخص کے متعلق فرماتے تھے ماهم بمسلمين تفسير ابن كثير تحت قوله لله على الناس حج البيت الخ ص ۳۸۲. (ایسے لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے۔ ایسے لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے) اور فرماتے کہ لا يجوز الصلوة على الميت المستطيع الذى لم يحج ایسی میت کی جس نے باوجود استطاعت کے حج نہ کیا ہو نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔

حضرت سعید ابن جبیر، ابراہیم نخعی، حضرت مجاہد اور حضرت طاؤس وغیرہ بہت سے محدثین اور بزرگوں کا یہی فتویٰ ہے کہ ایسے گنہگار شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے (وقال سعيد بن جبير لومات جار لى وله ميسرة

ولم یحج لم أصل علیه تفسیر قرطبی. تحت و ﷲعلی الناس حج البیت ج. ۴ ص ۹۹).

لہٰذا جس پر حج فرض ہوجائے ادائیگی میں کوتاہی اور سستی نہ کرے کیا خبر ہے موت آجائے یا مفلس بن جائے اور فریضۂ حج سر پر رہ جائے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ "من ارادالحج فلیتعجل" جو حج کا ارادہ رکھتا ہو (یعنی جب حج فرض ہوجائے) تو جلدی کرنا چاہئے (ابو داؤد ج ۱ ص ۲۴۹ بحوالہ زجاجة المصابیح کتاب المناسک ج. ۲ ص ۹۲) فقط و ﷲاعلم بالصواب.

حج کی ادائیگی میں تاخیر کرے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۵) جس سال حج فرض ہوا اسی سال حج میں جانا ضروری ہے؟ اگر ایک سال مؤخر کرکے جائے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) جس پر حج فرض ہوجائے اس پر ضروری ہے کہ جس قدر ممکن ہو جلد ادا کرے اگر پہلے برس حج نہ ادا کیا گیا اور رہ گیا تو گنہگار ہوگا اور حج فرض ہوتے ہی پہلے برس اداء نہ کیا دوسرے یا تیسرے سال ادا کیا اس کے بعد مرگیا یعنی حج کرکے مرا تو گنہگار نہ ہوگا۔ (حوالہ پہلے سوال کے جواب میں دیکھ لیا جائے۔ مرتب)

تندرست ہونے کے بعد حج ادا کرے تو کون سا حج ہوا:

(سوال ۶) ایک بیمار آدمی نے کہا۔ کہ میں اچھا ہوا جاؤں تو میں خدا کے لئے حج کو جاؤں گا۔ اب خدا پاک نے شفاء دی ہے تو اب وہ حج کو گیا ہے تو اس کا یہ حج فرض ادا ہوا یا نفل یا نذر وغیرہ؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں اگر اس نے اپنا فرض حج ادا نہ کیا ہو اور نفلی حج کی نیت بھی نہیں ہے۔ تو حج فرض ادا ہوا (فتاویٰ اسعدیہ) میں ہے۔ ولو قال ان برئت من مرضی هذا فلله علی ان احج فبریٔ فحج اجزاه من حجة الا سلام لان الغالب من امور الناس انهم یریدون بهذا الکلام حجة الا سلام (ج ۱ ص ۲۲)

قرض لے کر حج کے لئے جانا:

(سوال ۷) زید کے پاس پچاس ہزار روپے ہیں لیکن اس نے یہ رقم بکر کو قرض دے رکھی ہے، زید حج کے لئے جانا چاہتا ہے تو زید عمر سے قرض لے کر حج کے لئے جاسکتا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب زید کو یقین ہے کہ عمر کی رقم ادا کردوں گا تو بقدر ضرورت قرض لے کر جائے اور اپنا فرض حج ادا کرے، عمر کو اطمینان دلایا جائے زندگی کا بھروسہ نہیں اس لئے عمر کو اس کی رقم مل جائے ایسا انتظام کر جائے۔ (۱)

فقط و ﷲ اعلم بالصواب.

غیر شادی شدہ حج کرسکتا ہے یا نہیں:

(سوال ۸) ہم اس سال اپنے بڑے بھائی کو حج بیت ﷲ کے لئے بھیجنا چاہتے ہیں ان کی عمر اڑتالیس سال ہے ان کی شادی نہیں ہوئی ہے تو ان کو حج کے لئے جانے کی اجازت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) وقالو لو تم الحج حتی اتلف ماله وسعه ان یستقرض ویحج درمختار مع الشامی کتاب الحج ج. ۲ ص ۱۹۲.

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب حج فرض ہو چکا ہے تو حج کرنا ضروری ہے تاخیر موجب گناہ ہے، شادی کا موقع ہو تب شادی بھی کر لی جائے،(۱) **فقط و اللہ اعلم بالصواب.**

سفر حج میں تجارت:

(سوال ۹) حاجی راستہ میں تجارت کرتا ہے اور مکہ پہنچ کر بھی تو کوئی حرج ہے؟

(الجواب) حدیث **انما الاعمال بالنیات** مشہور ہے۔ یعنی اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ اب یہ تو نہ ہونا چاہئے کہ اصل مقصد تجارت ہو اور حج ضمناً اور برائے نام ہو۔ اس صورت میں اگرچہ فرض ادا ہو جائے گا۔ یعنی نہ کرنے کا گناہ اس پر نہیں رہے گا مگر ثواب کی توقع بھی بے محل ہے اور اگر حج اور تجارت دونوں مقصود ہیں تو اس میں اخلاص کی کمی ہے لہذا ثواب کم ملے گا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اصل مقصد پورے جذبہ کے ساتھ حج ہے وہ حج کے لئے ہی جا رہا ہے اور ضمنی طور پر کچھ سامان بھی ساتھ لے لیتا ہے کہ کہیں بک جاے گا تو کچھ دام مل جائیں گے۔ یا راستہ میں یا حج کے موقع پر کوئی تجارتی کام کر لیتا ہے جس سے نفع مل جائے تو اس صورت میں ثواب میں بھی کمی نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم (سورۂ بقرہ ع ۲۶)**(۲) کچھ گناہ نہیں تم پر کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا۔

بچے قابل نکاح ہوں تو والدین حج کر سکتے ہیں یا نہیں:

(سوال ۱۰) لڑکا اور لڑکی قابل نکاح ہو گئے ہیں لوگوں کا کہنا ہے کہ جب تک ان کی شادی نہ ہو جائے والدین پر حج فرض نہیں یہ اعتقاد صحیح ہے؟

(الجواب) جب حج فرض ہو گیا تو حج کے لئے جانا ضروری ہے۔ عام ازیں کہ اولاد کی شادی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، نہ جانے پر گنہگار ہوگا۔ اولاد کی شادی کرائے بغیر حج فرض نہیں ہوتا اور حج کے لئے نہیں جا سکتا، یہ اعتقاد درست نہیں۔(۳)

فقط و اللہ اعلم.

فریضۂ حج کو ادا نہ کرے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۱۱) حج فرض ہونے کے بعد حج نہ کرے تو کیا وعیدیں آئی ہیں؟

(الجواب) ایسے شخص کے لئے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ **من لم یمنعه من الحج حاجة ظاهرة او سلطان جائر او مرض حابس فمات ولم یحج فلیمت ان شاء یهودیا وان شاء نصرانیا . رواه الدارمی عن**

---

(۱) حج کے شرائط میں سے شادی ہونا شرط نہیں بلکہ غیر شادی شدہ بھی حج کر سکتا ہے عن ابن عباس قال ان النبی صلی اللہ علیه وسلم لقی رکبانا بالروحاء فقال من القوم قالوا المسلمون فقالوا من انتم قال رسول اللہ فرفعت الیه امرأ صبیا فقالت الهذا حج قال نعم ولک اجر. رواہ مسلم مشکوٰۃ کتاب المناسک ص ۲۲۱.

(۲) وتجرید السفر من التجارة احسن ولو اتجر لاینقص ثوابه کالغازی اذا اتجر. (بحر الرائق کتاب الحج ج ۲ ص: ۳۰۹)

(۳) اگر اوقات حج سے پہلے پیسے آ گئے تو نکاح کر لے حج فرض نہیں اگر اوقات حج میں پیسے آ گئے ہیں تو حج فرض ہو گیا ہے حج کی ادائیگی اب لازم ہے وفی الاشباه معه الف وخاف العزوبة ان کان قبل الخروج اهل بلده فله التزوج ولو وقته لزمه الحج. درمختار مع الشامی کتاب الحج ج ۲ ص ۱۹۸.

ابی امامۃ (ز جاجۃ المصابیح ج۲ ص ۹۴،۹۵ کتاب المناسک) یعنی حج فرض ہونے کے بعد کوئی ایسی رکاوٹ جو مجبور کردے یا ظالم بادشاہ کی طرف سے قید و بند یا شدید مرض جس کی بنا پر سفر ناممکن ہو جائے ایسی رکاوٹ کے بغیر اگر حج نہ کرے تو برابر ہے کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے یعنی خاتمہ بالخیر نہ ہونے کا اندیشہ ہے (معاذ اللہ) لہذا حج فرض ہوتے ہی بلا تاخیر اسی سال حج ادا کرنے کی کوشش کرے۔ ممکن ہے کہ موت آجائے یا کسی عذر کی بناء پر حج سے محروم ہونا پڑے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے تاکید فرمادی من اراد الحج فلیتعجل رواہ ابو داؤد عن ابن عباس یعنی جو حج کا ارادہ رکھے تو اس کو جلدی کرنی چاہئے۔ (زجاجۃ المصابیح ج۲ ص ۹۲ کتاب المناسک)

حج کن حالتوں میں فرض ہے اور کب نہیں:

(سوال ۱۲) حج کس پر فرض ہے، یعنی کس حالت میں حج کرنا ضروری ہے، ایسے کون مواقع ہیں کہ جن کے عارض ہونے سے حج ملتوی کیا جاسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حج ہر ایسے مسلمان پر فرض ہے جو آزاد، عاقل، بالغ اور تندرست ہو اور اس کے پاس حوائج اصلیہ (یعنی رہنے کا گھر، لباس، نوکر، سواری، دھندا داری اور گھریلو اور زراعت کا سامان اور قرض وغیرہ کو چھوڑ کر) اتنا مال ہو کہ عادت اور حیثیت کے مطابق توشہ خانہ کعبہ جانے آنے کے خرچ کے لئے کافی ہو اس کے علاوہ جن متعلقین کا خرچ اس کے ذمہ واجب ہے وہ ان کو دیا جاسکے، راستہ کا مامون ہونا اور عورت کے لئے محرم کا ہونا بھی شرط ہے۔[1] جن اعذار کے درپیش ہونے سے حج ملتوی کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہیں (۱) مفلس ہو جانا (۲) ظالم حاکم کا خوف (۳) قید خانہ میں جانا (۴) راستہ کا غیر مامون ہونا (۵) مرض جس کی وجہ سے سفر نہ کرسکے (۶) عورت کے ساتھ شوہر یا محرم نہ ہو (۷) عورت عدت میں ہو۔[2] ان اعذار سے حج ملتوی کرسکتے ہیں۔ لیکن اعذار کے دور ہو جانے پر خود کو حج کے لئے جانا ضروری ہے۔ ورنہ حج بدل کی وصیت لازم ہے۔ زیادہ تفصیل کے لئے کتب حج کا مطالعہ فرمائیں۔

اجمیر کے سات چکر کاٹ لینے سے حج نہیں ہوتا:

(سوال ۱۳) اس طرف جہلاء میں یہ بات مشہور ہو رہی ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار کی سات برس تک زیارت کرنے والے کے ذمہ سے فریضۂ حج ساقط ہو جاتا ہے۔ خانۂ کعبہ جانے کی ضرورت نہیں۔ یہ اعتقاد خطرناک گمراہی اور جہالت پھیلانے والا ہے۔ بعض حضرات کا ایسا اعتقاد نہیں اس پر روشنی ڈال کر شرعاً خلاصہ فرمایئے۔ بینوا توجروا۔

---

(۱) وشروط فریضتہ ثمانیۃ علی الاصح الاسلام والعقل والبلوغ والحریۃ والقدرۃ علی الزاد ولو بمکۃ بنفقۃ وسط والقدرۃ.... القدرۃ فاضلۃ عن نفقتہ و نفقۃ عیالہ الی حین عودۃ عما لا بد منہ کالمنزل واثاثہ والات المحترفین وقضاء الدین .... وشرط الوجوب الاداء خمسۃ علی الاصح صحۃ البدن وزوال المانع الحسی عن الذھاب للحج وامن الطریق وعدم قیام العدۃ وخروج محرم، نور الایضاح اول کتاب الحج ص ۱۶۳

(۲) وشرعاً منع عن رکن اذا حصر بعدو او مرض او موت محرم او ھلاک نفقۃ قال فی الشامیۃ تحت قولہ او ھلاک نفقۃ تتمۃ، فزاد فی اللباب عما یکون بہ محصراً امورا آخر منھا العدۃ .... ومنھا لو ضل عن الطریق .... ومنھا منع الزوج زوجتہ اذا احرمت بنفل بلا اذنہ درمختار مع الشامی باب الاحصار ج۲ ص ۳۱۹

(الجواب) اصطلاح شریعت میں نبی برحق ﷺ کی ہدایت وفرمان کے مطابق حق جل شانہ کی تابعداری اور فرمانبرداری کا نام اسلام ہے۔ اور ارکان اسلام پانچ ہیں (۱) کلمۂ شہادت (۲) نماز (۳) زکوٰۃ (۴) روزہ (۵) حج بیت اللہ۔ ہر ایک رکن اپنی جگہ قائم اور اٹل ہے۔ ایک دوسرے کا قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ مثلاً بجائے نماز کے زکوٰۃ وصدقات اور زکوٰۃ کے بجائے روزہ اور بجائے صوم کے حج ناکافی ہے۔ مزید اینکہ ہر ایک رکن اصول وقوانین کے مطابق عمل میں لانا ضروری ہے اپنی عقل وخواہش کے مطابق عمل میں لانا جائز نہیں ہے۔ مثلاً قربانی کے لئے دس روپے کا جانور ذبح کرنے کے بجائے ہزار روپے خیرات کردینا قربانی کے مثل نہیں ہے نیز جو جانور قربانی کے لئے شریعت نے تجویز فرمائے ان کو چھوڑ کر (خلاف شرع) ہزارہا جانور ذبح کرنا قربانی کے لئے کافی نہیں ہے۔

حج اسلام کا بابرکت رکن ہے، اسلامی شعار ہے، فرض عین ہے، اس کا منکر کافر ہے پوری دنیا میں صرف ایک ہی جگہ مکہ مکرمہ میں سال میں ایک ہی مقررہ وقت پر ماہ ذی الحجہ میں ادا کیا جاتا ہے۔ کسی دوسری جگہ اصل حج تو درکنار اس کی نقل کرنا بھی حرام ہے۔

کتاب ''نصاب الاحتساب'' میں ہے **روی فی الا خبار ان قوماً خرجوا علی هیئة الحجاج الی زیارة بیت المقدس فردهم عمرو ضربهم بالدرة قال لهم تریدون ان تجعلوا بیت المقدس کالمسجد الحرام وانما فعل ذلک عمر لانهم فعلوا فعلاً محدثا ولا یجوز لا حد فی دار الا سلام ان یشتغل بالمحدثات (من تواریخ الکفایه الشعبیه)(باب ۲۴ ص ۶۰ قلمی)** یعنی چند لوگ حجاج کی شکل میں بیت المقدس کی زیارت کے لئے نکلے تو حضرت عمرؓ نے ان کو روک دیا اور کوڑے لگائے۔ اور فرمایا کہ تم بیت المقدس کو بیت اللہ کے مثل بنانا چاہتے ہو۔ الخ

ذرا سوچئے بیت المقدس جیسی جگہ جو ایک عرصہ تک قبلہ ہونے کا فخر رکھتا ہے اور جہاں ایک نماز پڑھنے کا ثواب پچاس ہزار نماز کے مثل ہے۔ جہاں بے شمار انبیاء ورسل مدفون ہوئے ہیں۔ جہاں پر آنحضرت ﷺ نے لیلۃ المعراج میں تمام پیغمبروں کی امامت فرمائی ہے۔ ایسے عظیم الشان مقام کے ساتھ کعبۃ اللہ کے مثل برتاؤ کرنا جائز نہیں ہے تو حضرت خواجہ معین الدینؒ کے مزار کے ساتھ یہ عقیدہ رکھنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ حضرت خواجہ صاحبؒ کے مزار کی زیارت کو حج کے قائم مقام سمجھنا بالکل لادینی اور مشرکانہ ذہنیت وخیالات کی پیداوار ہے **(اعاذنا اللہ منها۔)**

حضرت غوث الاعظمؒ فرماتے ہیں۔ **لیس الشرک عبادة الا صنام فحسب بل هو متا بعتک لهواک۔** یعنی! شرک صرف بت پرستی ہی نہیں ہے بلکہ شرک یہ ہے کہ تم اپنی خواہشوں کی پیروی کرو (فتوح الغیب مقالہ ۷ ص ۲۱ مطبع گلشن ابراہیم لکھنؤ)

خلاصہ یہ کہ اس اعتقاد سے یا حاجت طلبی کے لئے یا جس طرح مسجد حرام ومسجد اقصیٰ ومسجد نبوی ﷺ وروضۂ اطہر کی زیارت کے لئے دور دراز کا سفر کر کے جاتے ہیں اس طرح اجمیر وغیرہ کی حاضری کے لئے خاص سفر کرنا ناجائز اور منع ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں! **اقول کان اهل الجاهلیة یقصدون مواضع معظمة بزعمهم یزورونها ویتبر کون بها وفیه من التحریف والفساد مالا یخفی فسد النبی صلی اللہ علیه سلم باب**

الفساد لئلا يلتحق غير الشعائر بالشعائر ولئلايصير ذريعة لعبادة غير الله.

میں کہتا ہوں اہل جاہلیت کچھ مقامات کو اپنے زعم میں معظم سمجھتے تھے ان کی زیارت کرنے کے لئے اور برکت حاصل کرنے کے لئے سفر کرتے تھے حالانکہ اس میں دین کی وہ تحریف اور فساد ہے جو پوشیدہ نہیں ہے پس نبی ﷺ نے اس فساد کا دروازہ بند کر دیا تاکہ جو چیزیں شعائر الٰہی نہیں ہیں وہ شعائر نہ بن جائیں اور تاکہ یہ غیر اللہ کی عبادت کا ذریعہ نہ بن جائے۔(حجة الله البالغه ج ۱ ص ۴۸۰ من ابواب الصلوة المساجد التي تشدالیها الرحال)مطبع اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب کراچی)

سودی روپے لے کر حج کرنا کیسا ہے:

(سوال ۱۴)سودی رقم سے حج کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کرے تو ادا ہوگا یا نہیں؟

(الجواب)حرام مال سے حج کرنا جائز نہیں (درمختار) سودی رقم سے حج کرے گا تو اگر چہ حج ادا ہو جائے گا لیکن حج کا ثواب نہیں ملے گا کہ یہ حج مقبول نہیں۔ بحر الرائق میں ہے ويجتهد في تحصيل نفقة حلال فانه لا يقبل بالنفقة الحرام كما ورد في الحديث مع انه يسقط الفرض عنه معها (ج ۲ ص ۳۰۹ كتاب الحج تحت قوله هو زيارة مخصوص الخ)وكذا في الشامي جلد ثاني ص ۱۹۱ وعالمگیری جلداول ص ۲۲۰)

حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی شخص حرام مال سے حج کرتا ہے اور لبیک پکارتا ہے تو خدائے پاک فرماتے ہیں۔ لا لبيك ولا سعديك وحجك هذا مردود عليك او كما قال عليه السلام. یعنی تیری لبیک کی پکار ہمیں قبول نہیں۔ تیرا یہ حج مسترد ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کیا فریضۂ حج کی ادائیگی میں والدہ کی اجازت شرط ہے:

(سوال ۱۵) کیا حج کی فرضیت کے بعد والدہ کی اجازت ضروری ہے؟ اگر کوئی باوجود ناراضگی کے حج کو جائے تو گنہگار ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب)اگر والدہ خدمت کی محتاج نہیں ہے تو اجازت لینی ضروری نہیں ہے بلکہ اگر والدہ اجازت نہ دے تب بھی حج فرض کے لئے جانا ضروری ہے البتہ نفلی حج کے لئے والدہ کی اجازت کے بغیر نہ جانا چاہئے۔[1]

حاجی کے لئے نفل حج افضل ہے یا حج بدل:

(سوال ۱۶)جس نے حج فرض ادا کیا ہے اس کے لئے نفلی حج ادا کرنا افضل ہے یا دوسرے کا حج بدل؟

(الجواب) نفلی حج کے بجائے دوسرے کا حج بدل ادا کرنا افضل ہے۔ حدیث میں ہے وعن ابن عباس رضي الله عنه مرفوعاً من حج عن ميت كتب للميت حجة وللحاج سبع حجات وعن جابر بن عبد الله

---

(۱) في الملتقط حج الفرض اولىٰ من طاعة الوالدين وطاعتها اولىٰ من حج النفل ،فتاوی عالمگیری قبيل الباب الثاني في المواقيت.

مرفوعا من حج عن ابیه او عن امه فقد قضیٰ عنه حجة و کان له فضل عشر حجج. ترجمہ: جس نے میت کی طرف سے حج ادا کیا تو میت کے لئے ایک حج اور حج کرنے والے کے لئے سات حج لکھے جائیں گے۔اور ایک روایت میں ہے۔جس نے اپنے باپ یاماں کے لئے حج کیا تو اس نے (ماں یاباپ) کی طرف سے اس کا حج ادا کر دیا۔اور خود اس کو دس حجوں کا ثواب ملے گا۔(غنیۃ المناسک ص ۱۸۱) واللہ اعلم بالصواب۔

سود اور جوئے کے پیسوں سے حج صحیح ہے یا نہیں :

(سوال ۱۷) سود اور جوئے کے پیسوں سے حج کرے تو ادا ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) حج اور سفر زیارت ایک نہایت مبارک اور پاکیزہ سفر ہے۔حج اسلام کا ایک رکن اعظم اور بڑی عبادت ہے۔حدیث میں ہے جو حاجی سواری کے ذریعہ حج کرے تو اس کو سواری کے ہر قدم پر ستر ۷۰ نیکی ملتی ہے۔اور جو پیادہ حج کرے اس کو سفر کے ہر قدم پر سات ۷۰۰ سو نیکی "حرم شریف" کی ملتی ہیں۔آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ حرم کی کس قدر نیکی ہوتی ہے؟ فرمایا کہ ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔(مجمع الفوائد) بناء علیہ حج وزیارت جیسی پاکیزہ عبادت کو تقاؤں اور حسن نیت کے ساتھ خالص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا جوئی اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے حلال اور غیر مشتبہ مال سے ادا کیا جائے۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو کوئی نیک کام میں حرام مال خرچ کرے۔اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی اپنے کپڑے پیشاب سے پاک کرے۔ابو سلیمان درانی بحالت احرام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔جب ہوش میں آئے تو اپنے ساتھی کو کہنے لگے کہ مجھے حدیث یاد آئی کہ مال حرام سے حج کرنے والے کے "لبیک" کے جواب میں خدا پاک فرماتے ہیں۔ لا لبیک و لا سعدیک و حجک هذا مردود علیک .ترجمہ۔تیرا لبیک وسعدیک ہمیں منظور نہیں اور تیرا حج تیرے ہی منہ پر مارا جائے گا۔اس بناء پر اندیشہ ہے کہ شاید ایسا جواب نہ ملے۔

خلاصہ یہ کہ حلال اور پاکیزہ مال سے ہی حج کرے۔مال حرام سے حج مقبول نہیں۔اگرچہ فرض ساقط ہو جائے گا۔(اسی باب میں ،بعنوان ،سودی روپے لے کر حج کرنا کیسے ہے کے تحت حوالہ گذر چکا ہے ۲۴ ازمرتب) اپنا مال مشتبہ ہو تو اس سے بچنے کا حیلہ یہ ہے کہ کسی غیر مسلم سے قرض لے کر حج کرے اور اپنے مال سے قرض ادا کرے۔واللہ اعلم بالصواب۔

حج میں تاخیر کرنا:

(سوال ۱۸) حج جس سال فرض ہوا ہو اس سال نہ کیا جاوے۔ایک سال کے بعد کیا جاوے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) صحیح یہ ہے کہ جس سال حج فرض ہو اسی سال ادا کرنا ضروری ہے۔بدون عذر شرعی تاخیر کرنے سے آدمی گنہگار ہوتا ہے۔(اسی باب کے پہلے سوال کے جواب میں حوالہ گذر چکا ہے ۱۲ ازمرتب)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

غربت کی حالت میں حج کر لیا پھر مالدار ہو گیا تو کیا حکم ہے :

(سوال ۱۹) ایک شخص قرض حسنہ لے کر حج بیت اللہ کے لئے گیا اس کے بعد یہ شخص صاحب مال ہو گیا تو اس پر

دوبارہ حج کرنالازم ہے یانہیں؟ بینواتوجروا۔

(الجواب) اگر غریب آدمی کسی طرح مکہ مکرمہ پہنچ گیااورحج کرلیااس کے بعدوہ شخص مالدار ہوگیاتو اس کے ذمہ سے حج اداہوگیا ہے، دوبارہ جاناضروری نہیں۔ ولو حج الفقير ثم استغنى لم يحج ثانياً لان شرط الوجوب التمكن من الوصول الى موضع الاداء الا ترىٰ ان المال لا يشترط فى حق المكى (مجمع الانهر ج ١ ص ٢٦٠ كتاب الحج شامى ج ٢ ص ٣٣٢) فقط و الله اعلم بالصواب . ٢٣ رجب ١٣٩٩ھ.

ایام حج میں نفل عمرہ:

(سوال ۲۰) عازم تمتع عمرہ سے فارغ ہوکر مکہ کے قیام میں حج سے پہلے نفل عمرہ کرسکتا ہے؟

(الجواب) راجح قول یہی ہے کہ اشہر حج میں متمتع افاقی یوم عرفہ ویوم نحراورایام تشریق کےعلاوہ باقی دنوں میں نفلی عمرہ بدوں حرج کرسکتا ہے (غنیۃ المناسک ص۱۰۶) مصنف ارشادالساری شیخ عبدالعزیزالغنی تحریرفرماتے ہیں کہ ناواقف متمتع حجاج کو جاہل معلم نفلی عمرہ سے روکتے ہیں، یہ غلط ہے۔ غریب ناواقف حجاج ایسی عبادت سے محروم رہتے ہیں جس کووہ لوگ اپنے وطن میں نہیں کرسکتے، ایک بڑی عبادت سے محروم رہتے ہیں (ص۱۹۴) لہٰذاعمرہ کرنے میں حرج نہیں جائز ہے احقر کاعمل یہی ہے (عبدالرحیم)

نذرمانی ہوئی حج کی حیثیت:

(سوال ۲۱) ایک شخص نے بیماری میں نذرمانی کہ میں اس سے شفاپاؤں توخدا کے لئے حج کروں گا۔ خدائے تعالیٰ نے شفابخشی اورحج کو گیاتو یہ حج فرض ہوگایانفل؟

(الجواب) اس صورت میں اس سے پہلے فرض حج نہ کیاہواوراس حج میں نفل کی نیت نہ کی ہوتوفرض حج اداہوجائے گا۔ فتاویٰ اسعدیہ میں ہے ولو قال ان برئت من مرضى هذ الله على ان احج فبرئ فحج اجزاه عن حجة الاسلام لان الغالب من امور الناس انهم يريدون بهذا لكلام حجة الاسلام (ج ١ ص ٢٢)

حج مبرورکس کو کہتے ہیں؟ اوراس کی کیاعلامت ہے:

(سوال ۲۲) حج مبرورکس کو کہتے ہیں؟ اوراس کی کیاعلامت ہے؟

(الجواب) حج مبروریعنی مقبول حج۔ اورحج مقبول وہ ہے کہ گناہوں سے توبہ واستغفارکرے۔ اورکامل ارکان فرائض و واجبات اورسنن ومستحبات کے ساتھ اداکرے۔ بحالت احرام ممنوعات سے اجتناب کرتارہے۔ ریاءونمود اورمال حرام سے بچے اورجملہ اخراجات (کھانا، پینا، پہنناوغیرہ) حلال مال سے ہو۔ پھر جن کے بعددینی حالت بہتر ہوتوسمجھے کہ حج مقبول اورمبرورہوا۔[1] و الله اعلم بالصواب.

(١) للحجة المبرورة قيل المراد بها المقبول وقيل الذى لا يخالطه شئى من الاثم ورجحه النووى وقال القرطبى الاقوى فى تفسيره متقاربته المعنى حاصلها انه الحج الذى وفيت احكامه على الوجة الاكمل كذا قاله اليسوطى فى التوشيح حاشيه ترمذى. باب ماجآء فى ثواب الحج والعمرة ج ١ ص١٦٧.

صاحب استطاعت ہونے پر پہلے حج کرے یا مکان بنائے یا شادی کرے؟:

(سوال ۲۳) ایک آدمی کے پاس اس قدر رقم ہے کہ جس سے وہ حج کر سکتا ہے یا مکان بنا سکتا ہے (مکان ذاتی نہیں ہے) تو اس صورت میں وہ شخص حج کرے یا مکان بنائے؟ اسی طرح اتنی رقم ہے کہ حج کر سکتا ہے مگر شادی نہیں ہوئی تو شادی مقدم ہے یا حج؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر حج کا وقت ہو لوگ حج کو جارہے ہوں تو لازم ہے کہ پہلے حج کرے، مکان بعد میں بن سکتا ہے، اسی طرح حج کا زمانہ ہو اور زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو پہلے حج کرے اگر اپنے اوپر قابو نہ ہو اور زنا میں مبتلا ہونے کا خوف ہو تو شادی کرے، (حوالہ اس باب میں بعنوان بچے قابل نکاح ہوں تو الخ کے تحت گذر چکا ہے ص۳۲ از مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حج سے متعلق بعض جزئیات:

(سوال ۲۴) کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام مندرجہ ذیل مسائل ہیں۔

(۱) مکہ معظمہ بغیر احرام کے کوئی شخص جا سکتا ہے؟

(۲) مزدلفہ میں مغرب کی سنتیں پڑھنی ہیں یا نہیں؟

(۳) جو شخص اشہر حج میں حرم میں داخل ہوا اس پر حج کرنا اس سال فرض ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ پہلے حج کر چکا ہے تو کیا حکم ہے؟

(۴) حضور اکرم ﷺ نے قران ہدی کے ساتھ کیا تھا اس لئے بغیر ہدی کے قران ہو ہی نہیں سکتا، یہ قول عربوں کا کہاں تک صحیح ہے؟

(۵) دم شکر کے علاوہ بقر عید کی قربانی علیحدہ واجب ہے؟

(۶) سلی ہوئی چادر احرام میں جائز ہے؟ سلے ہوئے کپڑے پر محرم سو سکتا ہے؟

(۷) سونے کی حالت میں کپڑا چہرے پر آ جائے تو کیا دم لازم ہوگا؟

امید ہے کہ مندرجہ بالا سوالات کے جوابات مرحمت فرمائیں گے (حیدرآباد)

(الجواب) وباللہ التوفیق۔

(۱) جو لوگ میقات اور حرم کے مابین رہتے ہیں وہ اپنی کسی ضرورت سے مکہ مکرمہ جانا چاہیں تو بغیر احرام کے مکہ معظمہ جا سکتے ہیں اور اگر حج یا عمرہ کا ارادہ ہے تو پھر احرام باندھے بغیر مکہ مکرمہ نہیں جا سکتے چاہے حج و عمرہ کا ارادہ ہو یا تجارت و تفریح وغیرہ کا۔ (زبدۃ المناسک ج ۱ ص ۴۰ و معلم الحجاج ص ۱۰۴) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) مزدلفہ میں عشاء کے وقت داخل ہونے کے بعد، مغرب و عشاء دونوں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ پڑھیں اور درمیان میں سنت نفل کچھ نہ پڑھیں بلکہ مغرب اور عشاء کی سنت اور وتر عشاء کی نماز کے بعد پڑھیں۔ اگر اتفاق سے جماعت سے نماز نہ پڑھ سکا اور تنہا نماز ادا کی تب بھی سنتوں کا یہی حکم ہے، اسی طرح تکبیر تشریق بھی

عشاء کی نماز کے بعد کہے مغرب کے بعد نہ کہے۔[۱] **فقط و اللہ اعلم.**

(۳) جو شخص اشہر حج میں مکہ معظمہ یا حرم میں داخل ہو گیا تو اس پر (اسی سال) حج فرض ہو جاتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ایام حج کے خرچہ پر قادر ہو، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ تک پیادہ پا جانے کی قدرت رکھتا ہو یا سواری وغیرہ پر قادر ہو (زبدۃ المناسک ص ۱۴)

عمر میں ایک مرتبہ حج فرض ہے جب ایک مرتبہ حج کر چکا تو دوسری مرتبہ حاضری سے حج فرض نہ ہوگا ہاں دوسری مرتبہ حج کرنا مستحب ہے۔[۲] **فقط و اللہ اعلم بالصواب .**

(۴) قران میں ہدی کا ساتھ لے جانا شرط نہیں۔**فقط** [۳]

(۵) عید کی قربانی مقیم پر واجب ہے مسافر پر واجب نہیں ہاں جو لوگ مکہ معظمہ میں ایام حج سے پہلے پہنچ کر پندرہ روز قیام کی نیت کر کے رہے ہوں تو ان پر عید کی قربانی واجب ہے (معلم الحجاج) مگر عموماً حجاج مسافر ہوتے ہیں بہت کم ایسے ہوں گے جو ایام حج سے پہلے متوالیاً پندرہ روز شہر مکہ مکرمہ میں رہنے کی نیت سے رہے ہوں۔ (فقط والسلام۔

(۶) معلم الحجاج میں ہے۔ مسئلہ: عورت کیلئے صرف چہرہ اور مرد کے لئے احرام میں سر اور منہ دونوں ڈھانکنا منع ہے۔ تو اگر مرد نے احرام کی حالت میں سارا سر یا چہرہ یا چوتھائی سر یا چوتھائی چہرہ کسی ایسی چیز سے ڈھانکا جس سے عادۃً ڈھانکتے ہیں جیسی عمامہ یا ٹوپی اور کوئی کپڑا سلا ہوا ہو یا بغیر سلا۔ سوتے جاگتے ہیں، قصداً یا بھول کر اپنی مرضی سے یا زبردستی سے خود ڈھانکا ہو یا کسی دوسرے نے ڈھانک دیا ہو، عذر سے ہو یا بلا عذر، بہر صورت جزاء واجب ہوگی اگر ایک دن مکمل یا پوری رات ڈھانکا رہا تو ایک دم واجب ہوگا اور اگر ایک دن سے کم ڈھانکا یا چوتھائی سے کم (مکمل دن یا رات) ڈھانکا تو صدقہ واجب ہوگا، مقدار صدقہ نصف صاع گندم (تقریباً پونے دو سیر گیہوں) ہے (معلم الحجاج ص ۲۵۳) فقط واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔ ۲۰ ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ۔

مالدار مفلس ہو جائے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۲۵) ایک شخص پر صاحب مال ہونے کی وجہ سے حج فرض ہو چکا تھا اس نے حج کے لئے فارم بھرا اور اپنی استطاعت کے مطابق ہر طریقہ سے کوشش کی مگر اس کا نمبر نہیں لگا، دوسرے سال سوء اتفاق سے اس کے پاس مال نہیں رہا اب ایسے شخص کے ذمہ حج کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ شخص حج نہ کر سکا تو گنہگار رہوگا یا نہیں؟ اور اس کو قرض لے کر حج کے لئے جانا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (از احمد آباد)

(الجواب) بہتر یہ ہے کہ یہ شخص قرض ادا کرنے کی نیت سے قرض لے کر حج کے لئے چلا جائے، چونکہ اس نے فرض

---

(۱) ولا یتطوع بینهما ولو تطوع بینهما او اشتغل بشئی اعاد الا قامة فتاویٰ عالمگیری الباب الخامس فی کیفیة اداء الحج ج ۱ ص ۲۳۰

(۲) وان لا یجب فی العمرة الا مرة کذا فی محیط السرخسی، فتاویٰ عالمگیری اول کتاب الحج ص ۲۱۶

(۳) وحکم القارن کحکم المتمتع فی وجوب الهدی فاذا اراد المتمتع ان یسوق الهدی احرم وساق هدیه کذا فی القدوری وهو افضل من الاول الذی لم یسق کذا فی الجوهرة النیرة فتاویٰ عالمگیری الباب السابع فی القرآن والتمتع ج ۱ ص ۲۳۹.

حج کی ادائیگی کے لئے فارم بھرا (درخواست دی) اور سعی بھی کی مگر نمبر نہ آیا اس لئے انشاء اللہ گنہگار نہ ہوگا۔ وقالوا لو لم یحج حتی اتلف ماله وسعه ان یستقرض ویحج ولو غیر قادر علی وفائه ویرجیٰ ان لا یؤ اخذہ اللہ بذلک ای ناویا وفاء اذآ قدر کما قیدہ فی الظهیریة (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۱۹۲ کتاب الحج) فقط و اللہ اعلم۔

مالدار مفلس ہو جائے تو اس پر حج فرض رہے گا یا نہیں:

(سوال ۲۶) فتاویٰ رحیمیہ جلد پنجم ص ۲۲۰ پر ایک فتویٰ ہے جس کا عنوان یہ ہے "مالدار مفلس ہو جائے" اس کا جواب آپ نے یہ تحریر فرمایا ہے۔

(الجواب) بہتر یہ ہے کہ یہ شخص قرض ادا کرنے کی نیت سے قرض لے کر حج کے لئے چلا جائے، چونکہ اس نے فرض حج کی ادائیگی کے لئے فارم بھرا اور سعی بھی کی مگر نمبر نہ آیا اس لئے انشاء اللہ گنہگار نہ ہوگا" الخ یہ جواب وضاحت طلب ہے کہ مفلس ہونے کے بعد آیا اس پر حج کرنا ضروری ہے یا فرضیت ختم ہوگئی؟ اور یہ کہ قرض لے کر حج نہ کرے تو گنہگار ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ جدید ترتیب کے مطابق گذشتہ سوال مصحح

(الجواب) فتاویٰ کی صورت پہلے سال کی ہے، دوسرے اور تیسری سال کی ہو تو فرض ساقط نہ ہوگا حج کرنا ضروری رہے گا، قرض ملنے اور اس کے ادائے گی کی توقع ہو ورثاء وغیرہ ادا کرنے کی امید دلاتے ہوں تو قرض لے کر حج کرنا ضروری ہے ورنہ پھر بہتر یہ ہے کہ قرض نہ لے۔

عمدۃ الفقہ میں ہے:۔ اسی طرح جب کسی شخص میں اس کے اہل شہر کی حج پر روانگی کے وقت وجوب کی تمام شرائط پائے جانے کی وجہ سے فرض ہو گیا اور وہ اسی وقت حج کیلئے روانہ ہوا یہاں تک کہ اس کا مال تلف ہو گیا اور وہ فقیر ہو گیا تو اب فقیر کی وجہ سے اس سے حج ساقط نہ ہوگا بلکہ حج کا وجوب بالاتفاق اس کے ذمہ بطور قرض مقروض ہو جائے گا خواہ وہ مال اس کے فعل کے بغیر ہلاک ہو جائے یا وہ شخص خود اس کو تلف کر دے اگر وہ کسی سے قرض لے کر حج کرنے کی وسعت رکھتا ہو اگرچہ اس کی ادائے گی پر قادر نہ ہو تو اس شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ حج کے لئے قرض لے، اور بعض نے کہا کہ اس پر واجب ہے کہ قرض لے، یہ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے اور اس کا ضعیف ہونا ظاہر ہے، پس اگر کسی سے قرض لے کر حج ادا کیا اور وہ اس کی ادائیگی پر قادر نہیں ہوا یہاں تک کہ مر گیا تو امید کی جاتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آخرت میں اس کا قرض ادا فرما دے گا اس سے اس کا مواخذہ نہیں فرمائے گا، اور وہ شخص گنہگار نہیں ہوگا جب کہ اس کی نیت یہ رہی ہو کہ قادر ہونے پر اس دین کو ادا کر دے گا، اس قرض کی ادائے گی پر قادر نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اگر وہ فی الحال اس کی ادائے گی پر قادر نہیں ہے تاہم اس کا گمان غالب یہ ہے کہ اگر وہ کوشش کرے تو آئندہ اس کی ادائیگی پر قادر ہو جائے گا لیکن اگر اس کا گمان غالب یہ ہو کہ اگر وہ قرض لے گا تو اس کی ادائے گی پر ہرگز قادر نہیں ہو سکے گا تو افضل یہ ہے کہ وہ قرض نہ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کا اپنے ذمہ رہ جانا بندوں کے حقوق سے بہت ہلکا ہے۔ (عمدۃ الفقہ ص ۶۷۔۶۸ کتاب الحج جلد چہارم) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مشتبہ مال سے حج کرنا:

(سوال ۲۷) ایک شخص کی آمدنی کا ذریعہ یہ ہے کہ اس کا ایک ہیرے کا کارخانہ ہے، اس میں کچھ آمدنی جائز اور

حلال طریقہ سے ہوتی ہے اور کچھ دھوکہ دے کر اس کی صورت یہ ہے کہ کارخانہ میں ہیروں کو گھسنے کے لئے کچھ ہیرے ہیروں کے مالکوں کے پاس سے لاتے ہیں اس میں کبھی قیمتی ہیرے کو چرا کر کم قیمت والا ہیرا رکھ دیتے ہیں، مالک کو یہ تو پتہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہیرے بدلتے ہیں لیکن وہ مجبور ہیں، اس لئے کہ ہیرے گھسوائے بغیر ان کو چارۂ کار نہیں، یہ ہے شخص مذکور کی آمدنی، تو ان پیسوں سے وہ شخص حج کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کرے گا تو فریضۂ حج ادا ہوگا یا نہیں؟ حج مقبول ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) اگر کچھ مال حلال طریقہ سے کمایا ہوا ہے اور کچھ ناجائز طریقہ سے تو ایسا مال مشتبہ ہے، لہذا کسی غیر مسلم سے حج کے لئے بلا سود قرض لے کر اس رقم سے حج کیا جائے اور مال مشتبہ سے قرض ادا کر دیا جائے تو امید ہے کہ حج ادا ہو جائے گا، انشاء اللہ۔

معلم الحجاج میں ہے: حج کے مصارف:۔ جہاں تک ممکن ہو روپیہ حلال ہونا چاہئے۔ حرام مال سے حج قبول نہیں ہوتا گو فرض ساقط ہو جاتا ہے، اگر کسی کا مال مشتبہ ہو تو کسی غیر مسلم سے بقدر ضرورت بلا سود قرض لے لو اور پھر اس مشتبہ مال سے اس کا قرضہ ادا کر دو۔ (معلم الحجاج ص ۴۳)

کسب معاش میں مکمل احتیاط برتنا چاہئے جو مال حلال طریقہ سے حاصل کیا جائے وہ برکتی ہے اگر چہ تھوڑا ہی ہو اور ناجائز طریقہ سے کمایا ہوا مال منحوس ہوتا ہے، برکتی مال چھوڑ کر منحوس مال کے پیچھے پڑنا کہاں کی عقل مندی ہے؟ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صاحب استطاعت کے لئے حج مقدم ہے یا بچے کی شادی:

(سوال ۲۸) میں سرکاری ملازم تھا، ریٹائر ہونے پر ستر ہزار روپے مجھے ملے ہیں، میرا ارادہ حج کا تھا مگر اتفاق سے اس درمیان میرے لڑکے کی شادی کی امید ہو رہی ہے، ابھی شادی کا ابتدائی مرحلہ ہے، تو میں پہلے حج کروں یا بچے کی شادی کے لئے یہ رقم رجمع رکھوں؟ جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں آپ کے پاس جو رقم ہے وہ آپ کے حوائج اصلیہ کے علاوہ مکہ مکرمہ تک آمد و رفت کے کرایہ اور دیگر اخراجات کے لئے کافی ہو اور جن کا نفقہ آپ کے ذمہ لازم ہو سفر حج سے واپسی تک کے لئے ان کو خرچہ دے سکتے ہوں تو آپ پر حج فرض ہے پہلے اپنے فریضۂ حج کو ادا کر لیا جائے، ممکن ہے کہ بعد میں کوئی رکاوٹ پیش آجائے اور آپ حج کی سعادت سے محروم رہ جائیں اور یہ عظیم فریضہ آپ کے ذمہ باقی رہ جائے اولاد کا نکاح بھی بہت ضروری ہے، (۱) احادیث میں ایک کی بہت تاکید آئی ہے، فریضہ حج سے فراغت کے بعد ان کی شادی کی بھی فکر

---

(۱) حدیث میں ہے: عن ابی سعید وابن عباس قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ولدله ولد فليحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فليزوجه فان بلغ ولم يزوجه فاصاب اثماً فانما اثمه على ابيه ۔ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا جس کے یہاں بچہ پیدا ہو تو اسے چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے ادب سکھائے، اور جب بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے، بچہ بالغ ہو گیا اور باپ نے بچہ کا نکاح نہیں کیا اور اس نے کسی گناہ کا ارتکاب کر لیا تو اس کا گناہ اس کے باپ پر (بھی) ہوگا (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۱ باب الولی فی النکاح) نیز حدیث میں ہے من بلغت ابنته اثنتي عشرة سنة ولم يزوجها فاصابت اثما فاثم ذلك عليه، رسول اللہ نے ارشاد فرمایا جس کی بچی بارہ برس کی ہو جائے اور اس نے اس کا نکاح نہیں کیا پس اس نے کوئی گناہ کر لیا تو اس کا گناہ (اس کے باپ پر) ہے مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۔

اور انتظام کیا جائے، مگر ان کی شادی کی وجہ سے حج مؤخر نہ کیا جائے، فقہاء کرام نے مکہ مکرمہ تک آمد و رفت کا کرایہ اور جن کا نفقہ ضروری ہے ان کے نفقہ کا انتظام کرنے پر قادر ہونا بیان کیا ہے، بچوں کی شادی کا خرچ بیان نہیں کیا حتیٰ کہ مدینہ طیبہ کے مبارک سفر کا خرچ بھی حج کی فرضیت کے لئے ضروری قرار نہیں دیا۔

درالمنتقی میں ہے۔(وقدرة زاد) وسط (وراحلة) ...(ونفقة وذهابه وايابه)(فضيلت عن حوائجه الا صليه ...... (ونفقته عيا له ممن تلزمه نفقته لتقدم حق العبد...... (الى حين عوده) وقيل بعده بيوم و قيل بشهر الخ (در المنتقى شرح الملتقى على هامش مجمع الانهر ج۱ ص ۲۶۱ ص ۲۶۲ كتاب الحج).

زبدۃ المناسک میں ہے: حج فرض ہوتا ہے اس مسلمان پر جو عاقل بالغ ہو اور سوائے حوائج ضروریہ کے اتنا مال رکھے کہ سوار ہو کر چلا جائے اور چلا آئے، اور جن لوگوں کا خرچہ اس کے ذمہ ہے آنے تک اس کو دے جائے (زبدہ) پس اتنا مال اس کے پاس نہیں ہے تو اس پر حج فرض نہیں (ناقل) (زبدۃ المناسک ص۱۲ ج۱)

نیز تحریر فرمایا: یہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حج کے واجب ہونے کے لئے اتنا خرچہ ہونا چاہئے کہ مکہ مکرمہ سے حج کر کے واپس گھر کو آ سکے، مدینہ طیبہ کی زیارت تک کے لئے جانے کا خرچہ اگر نہ ہو تو بھی حج فرض ہو چکا (زبدۃ المناسک ج۱ص ۱۳)

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: حج ہر ایسے مسلمان پر فرض ہے جو آزاد، عاقل، بالغ اور تندرست ہو اور اس کے پاس حوائج اصلیہ (یعنی رہنے کا گھر، لباس، نوکر، سواری، دھنداداری اور گھریلو اور زراعت کا سامان اور قرض وغیرہ چھوڑ کر) اتنا مال ہو کہ عادت اور حیثیت کے مطابق توشہ خانہ کعبہ آنے جانے کے خرچ کے لئے کافی ہو اس کے علاوہ جن متعلقین کا خرچ اس کے ذمہ واجب ہے وہ ان کو دیا جا سکے (فتاویٰ رحیمیہ ص۳۵ ج۸)

فتاویٰ دارالعلوم قدیم میں ہے۔

(سوال) اگر کسی شخص کے پاس اتنا روپیہ ہے کہ وہ حج کر سکتا ہے اور عیالدار بھی ہے تو اس کو اولاد کا نکاح کرنا واجب ہے یا پہلے حج کرنا؟

(الجواب) اس کو پہلے حج کر لینا چاہئے صرف نفقہ اہل و عیال واپسی تک اس وقت اس کے ذمہ ہے باقی نکاحوں وغیرہ کا سامان اس وقت کرنا اس کے ذمہ نہیں ہے اول حج کرے بعد میں آ کر نکاح اولاد کا بندوبست کرے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم قدیم ص ۷۷ ج ۳، ۴ عزیز الفتاویٰ)

دوسرا فتویٰ:

(سوال) ایک شخص کے پاس اس قدر مال تھا کہ وہ حج کر سکتا تھا لیکن اس نے حج تو نہ کیا بلکہ وہ روپیہ اپنی اولاد کے بیاہ میں خرچ کر دیا، اب مفلس ہو گیا اگر وہ تمام عمر مفلس رہے اور مال جمع نہ کیا تو کیا تارک حج مرا اور گنہگار مرا؟

(الجواب) اس پر حج فرض ہو چکا تھا اگر بلا حج مر گیا تارک حج فرض ہوا اور گنہگار رہا، (فتاوىٰ دار العلوم قديم ص ۷۷ ج۳، ۴ عزيز الفتاوىٰ) فقط و الله اعلم بالصواب .

حج مقدم ہے یا نکاح:

(سوال ۲۹) ایک شخص کے پاس اتنا مال ہے کہ وہ حج کر سکتا ہے مگر اس کی شادی نہیں ہوئی ہے تو وہ پہلے نکاح کرے یا حج؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر حج کا فارم بھرنے کا زمانہ ہو اور لوگ حج کی تیاری کر رہے ہوں اور زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو پہلے حج کرے اور اگر اپنے اوپر قابو نہ ہو اور زنا میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو پہلے نکاح کرے۔ درمختار میں ہے۔ وفی الاشباه معه او خاف العزوبة ان كان قبل خروج اهل بلدة فله التزوج ولو وقته لزمه الحج. شامی میں ہے (وفی الا شباه) المسئلة منقولة عن ابی حنیفة فی تقدیم الحج علی التزوج. الی قوله. ولذا اعترضه ابن کمال باشا فی شرحه علی الهدایه بانه حال التوقان مقدم علی الحج اتفاقا لان فی ترکه امرین ترک الفرض والوقوع فی الزنا وجواب ابی حنیفةفی غیر حال التوقان اه ای غیر حال تحقیق الزنا لانه لو تحققه' فرض التزوج اما لو خافه فالتزوج واجب لا فرض فیقدم الفرض فافهم (درمختار و شامی ج ۲ ص ۱۹۷ کتاب الحج)

معلم الحجاج میں ہے:۔ مسئلہ: اگر کسی شخص کے پاس حج کے لائق روپیہ موجود ہے اور نکاح بھی کرنا چاہتا ہے تو اگر حاجیوں کے حج کو جانے کا وقت ہے تو اس کو حج کرنا واجب ہے اور اگر ابھی حاجیوں کے جانے کا وقت نہیں آیا تو نکاح کر سکتا ہے لیکن اگر یہ یقین ہے کہ اگر نکاح نہ کیا تو زنا میں مبتلا ہو جائے گا تو پہلے نکاح کرے، حج نہ کرے (معلم الحجاج ص ۹۱ شرائط حج) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قرض دار حج کے لئے چلا جائے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۳۰) ہمارے یہاں ایک شخص نے بتلایا کہ اگر کسی شخص پر قرضہ ہو تو وہ حج کے لئے نہیں جا سکتا، کیا یہ بات صحیح ہے؟ اس شخص نے ابھی تک حج نہیں کیا ہے اور فی الحال اس کے پاس اتنی رقم ہے کہ وہ حج کے لئے جا سکتا ہے تو اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

ایک شخص اپنا فرض حج کر چکا ہے، اب نفلی حج کے لئے جانا چاہتا ہے مگر اس پر قرض ہے تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر فی الحال قرض خواہوں کا مطالبہ نہ ہو اور وہ بخوشی حج کے لئے جانے کی اجازت دیں یا قرض دار اپنے قرض کا کسی کو ذمہ دار بنا دے اور اس پر قرض خواہوں کو اطمینان ہو جائے اور وہ اجازت دے دے تو وہ شخص حج کے لئے جا سکتا ہے، اس شخص پر جتنا قرض ہو احتیاطاً اس کے متعلق ایک وصیت نامہ بھی لکھ دے اور وارثوں کو تاکید کر دے کہ اگر میرے ذمہ قرض باقی رہ جائے تو میرے ترکہ میں سے پہلے میرا قرض ادا کیا جائے، اگر ترکہ میں گنجائش نہ ہو تو تم اپنے پاس سے قرض ادا کر دینا یا اس سے معاف کرا لینا، اگر قرض خواہوں کی اجازت کے بغیر جائے گا تو مکروہ ہوگا گو فریضہ ادا ہو جائے گا، اور اگر اس وقت قرض ادا کرنے کی گنجائش ہو تو اسی وقت قرضہ ادا کر دینا چاہئے، یہ حقوق العباد کا معاملہ ہے اور اس کی بہت ہی زیادہ اہمیت ہے انتظام ہوتے ہوئے قرضہ ادا نہ کرنا سنگین گناہ ہے، حدیث میں ہے مطل الغنی

ظلم مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔

درمختار میں ہے۔وبالکراهة کالحج بلا اذن ممن یجب استئذ انه (درمختار)شامی میں ہے (قوله ممن یجب استئذانه) ... وکذا الغریم لمدیون لا مال له یقضی (درمختار مع رد المحتار ۲/۱۹۱ کتاب الحج)

شامی میں ہے:وکذا یکره بلا اذن دائنه وکفیله والظاهر انها تحریمیة لا طلاقهم الکراهة ویدل علیه فیما مرفی تمثیله للحج المکروه کالحج بلا اذن ممن یجب استئذ انه فلا ینبغی عده ذلک من السنن والآداب الخ (شامی ۲/۲۰۵. کتاب الحج)

معلم الحجاج میں ہے۔اگر امانت یا کسی کی مانگی ہوئی چیز پاس ہے تو اس کو واپس کرے اور سب ضروریات کے متعلق ایک وصیت نامہ لکھ دے، اگر کسی کا قرضہ چاہتا ہے یا اپنا قرضہ کسی پر ہے سب کو مفصل طریق سے لکھ دے اور کسی دیندار عادل شخص کو وصی (قائم مقام) بنادے (معلم الحجاج ص ۳۲،سفر حج کے آداب)

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے۔

(الجواب)درمختار میں ہے۔وغیرها سنن وآداب کأن یتوسع فی النفقة..... الخ ان روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حج میں جانے کے وقت اجازت لینا یا مستحب ہے یا واجب ، ادائے قرض کا ضروری ہونا ثابت نہیں۔(فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل ص ۵۴۴، ص ۵۴۵ ج۶)فقط و اللہ اعلم۔

(۲)نفلی حج سے بہتر یہ ہے کہ قرض ادا کرے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی تحریر فرماتے ہیں۔اور اس کے بالمقابل ناداری کی حالت میں بالخصوص جب کہ دوسروں کے حقوق اپنے ذمہ ہوں ان حقوق کی ادائیگی حج نفل سے کہیں زیادہ ہے، (فضائل حج ص ۳۲ تیسری فصل سے کچھ پہلے)فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

پہلے خود حج کرے یا والدین کو کرائے؟:

(سوال ۱۳)ایک شخص اپنے والدین سے الگ رہتا ہے اس کا کاروبار بھی بالکل الگ ہے،اور وہ صاحب استطاعت ہے۔اس کے والدین مستطیع نہیں ہیں تو وہ شخص پہلے حج کرسکتا ہے یا نہیں؟ یہاں لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ پہلے والدین کو حج کرانا چاہئے،کیا یہ صحیح ہے؟بینوا توجروا۔

(الجواب)صورت مسئولہ میں اگر لڑکے کے پاس اتنی استطاعت ہو کہ والدین کو اپنے ساتھ لے جاسکتا ہے تو والدین کو اپنے ہمراہ لے جائے ،اور اگر اس وقت والدین کو ساتھ لے جانے کی حیثیت نہ ہو،خود حج کے لئے جانے کی استطاعت ہو تو اس وقت اپنا فریضہ ادا کرنا چاہئے ، پہلے والدین کو حج کرانا اس کے بعد پھر خود حج کرنا یہ شرعی حکم نہیں ہے ،استطاعت ہوجانے پر والدین کو بھی حج کرانے کی نیت رکھے اور کوشش کرتا رہے،البتہ والدین کی اجازت اور دعائیں لے کر جائے۔

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے:۔

(سوال)ایک آدمی کے ذمہ حج فرض ہے لیکن اس کے والدین کے پاس اس قدر مال نہیں ہے جو حج کرسکیں اب اس

آدمی کو خود حج کرنا چاہئے یا اپنے باپ کو بھیج کر حج کرائے، اگر باپ کو حج کرادے گا تو اس کے ذمہ سے حج ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

(الجواب) اس کو خود حج کرنا چاہئے، اگر باپ کو حج کرادے گا تو پھر بھی اس کو خود اپنا حج کرنا لازم ہے (فتاویٰ دارالعلوم مدلل و مکمل ص ۵۴۱، ص ۵۴۲ ج ۶) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تاخیر سے حج کیا تو تاخیر کرنے کا گناہ ہوگا یا نہیں؟:

(سوال ۳۲) فتاویٰ رحیمیہ اردو ج ۲ ص ۵۳ پر (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں بعنوان، حج کی ادائیگی میں تاخیر کرے الخ کے تحت دیکھیں ۲۲ ازمرتب) آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

(سوال) جس سال حج فرض ہوا اسی سال حج میں جانا ضروری ہے؟ اگر ایک سال مؤخر کر کے جائے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) جس پر حج فرض ہو جائے اس پر ضروری ہے کہ جس قدر ممکن ہو جلد ادا کر دے اگر پہلے برس حج ادا نہ کیا گیا دوسرے یا تیسرے سال ادا کیا اس کے بعد مر گیا یعنی حج کر کے مرا تو گنہگار نہ ہوگا۔ فقط۔

اور بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ اگر دو چار برس تاخیر کر کے حج کر لیا تو ادا ہو گیا، لیکن گنہگار ہوگا (بہشتی زیور ص ۱۵ ج ۳، حج کا بیان) بظاہر دونوں میں تعارض ہے تو کیا جواب ہوگا، امید ہے کہ وضاحت فرمائیں گے، بینوا توجروا۔

(الجواب) فتاویٰ رحیمیہ میں جو لکھا گیا ہے اس کی تائید شامی کی عبارت سے ہوتی ہے، عبارت یہ ہے، درمختار میں ہے ولذا اجمعوا انه لو تراخي كان اداء (قوله كان اداءً) اى ويسقط عنه الا ثم اتفاقا كما في البحر قيل المراد اثم تفويت الحج لا اثم التاخير قلت يخفى مافيه بل الظاهر ان الصواب اثم التاخير اذبعد الا داء لا تفريق، وفي فتح القدير ويأ ثم بالتاخير عن اول سني الامكان فلو حج بعده ارتفع الا ثم اه وفي القهستاني فيأ ثم عند الشيخين بالتاخير الىٰ غيره بلاعذر الا اذا ادى ولو في آخر عمره فانه رافع للا ثم بلا خلاف (شامی ص ۱۹۲ ج ۲، کتاب الحج)

گناہ ساقط ہو جاتا ہے مگر اس کے بھروسہ پر تاخیر کرنا عقل مندی اور دانشمندی نہیں ہے اور اس کا یہ عمل قابل مذمت ہے موت کا کوئی وقت معین نہیں، آئندہ سال تک زندہ رہے گا کیا اس کا یقین ہے؟ یا ممکن ہے کہ ایسی کوئی بیماری آجائے جس کی وجہ سے حج پر قدرت نہ رہے، یا مال ہلاک ہو جائے، یہ سب چیزیں انسان کے بس میں نہیں ہیں، اس لئے بلا عذر شرعی تاخیر کرنا قابل مذمت ہے اور اگر حج فوت ہو گیا تو بالاتفاق گنہگار ہوگا، غایۃ الاوطار میں ہے، حج ایک بار فی الفور فرض ہے پہلے سال میں نزدیک ابن یوسفؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے اور امام اعظمؒ کی اصح روایت میں، اس واسطے کہ احتیاط یہی ہے کہ اول سال امکان میں ادائے حج ہو، کیونکہ سال بھر میں حج کا ایک وقت معین ہے اور موت کا کوئی وقت معین نہیں تو باوجود قدرت کے تاخیر کرنا گویا معدوم کرنا ہے، ابو یوسفؒ کی وہ حدیث دلیل ہے جو امام احمدؒ اور ابن ماجہؒ اور بیہقیؒ نے روایت کی کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو حج کا ارادہ کرے اس کو جلدی کرنا لازم ہے، اس واسطے کہ گاہے آدمی بیمار ہوتا ہے اور راحلہ گم ہو جاتا ہے اور کوئی حاجت ضروری پیش آجاتی ہے کذافی العینی، شرح الکنز (غایة الاوطار ترجمہ درمختار ج ۱ ص ۵۴۸ کتاب الحج) فقط و اللہ اعلم بالصواب

حاملہ بیوی کی وجہ سے شوہر کا حج مؤخر کرنا:

(سوال ۴۳) احقر کا ایک دوست اس سال حج کے لئے جانا چاہتا ہے میاں بیوی دونوں پر حج فرض ہے، لیکن بیوی حاملہ ہے اور ایام حج میں ولادت کا امکان ہے تو کیا شوہر بیوی کے اس عذر کے وجہ سے اپنا حج مؤخر کر سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صحیح قول یہ ہے کہ جب حج فرض ہو جائے تو اسی سال حج کے لئے جانا چاہئے بلا عذر شرعی تاخیر نہ کرنا چاہئے، حدیث میں ہے من اراد الحج فلیتعجل رواہ ابو داؤد عن ابن عباس: یعنی جو حج کا ارادہ رکھے اس کو جلدی کرنا چاہئے (زجاجۃ المصابیح ج ۲/۹۲ کتاب المناسک) لہذا شوہر تو اس سال حج کے لئے چلا جانے وہ اپنا حج مؤخر نہ کرے، اور عورت آئندہ اپنے شوہر یا کسی محرم کے ساتھ حج ادا کرے، درمختار میں ہے (فرض مرۃ علی الفور) فی العام الا ول عند الثانی و اصح الروایتین عن الا مام (درمختار مع رد المختار ۲/۱۹۱ کتاب الحج) ہدایہ اولین میں ہے: ثم ھو واجب علی الفور عند ابی یوسف رحمہ اللہ وعن ابی حنیفتہ رحمہ اللہ ما یدل علیہ (ھدایہ اولین ص ۲۱۲ کتاب الحج) فقط و اللہ اعلم بالصواب.

کرایہ ادا کرنے کی غرض سے رقم دی گئی ہو اس سے حج ادا کرنا؟:

(سوال ۴۴) میں دوبئی میں کام کرتا ہوں ہمارے آفس کی طرف سے ہمارے لئے کرایہ کے مکان کے انتظام کیا جاتا ہے، ہمیں ایک سال کا یکمشت کرایہ دیا گیا ہے اور ہم وہ کرایہ مالک مکان کو تین چار قسطوں میں ادا کرتے ہیں، اگر ہم کرایہ کی رقم سے حج ادا کریں اور واپسی کے بعد اپنی تنخواہ میں سے کرایہ ادا کرتے رہیں تو شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کرایہ کے نام سے جو رقم آپ کو ملتی ہے وہ آپ کے پاس امانت ہے آپ اس رقم کے مالک نہیں اگر آپ رقم کے مالک سے اجازت حاصل کرلیں تو اس رقم سے آپ حج کر سکتے ہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تلاش ملازمت میں نیت حج:

(سوال ۴۵) ایک شخص کی مالی حالت ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے اس پر حج فرض نہیں، وہ ملازمت کی غرض سے جدہ جانا چاہتا ہے مگر ملازمت کے لئے ویزا نہیں مل سکتا اس لئے وہ حج کے ویزا پر جدہ جانے کا ارادہ رکھتا ہے لہذا مندرجہ ذیل امور کا جواب عنایت فرمائیں۔

(۱) یہ شخص حج اور ملازمت دونوں کی نیت کرے یا نہیں؟

(۲) اس کا اصل مقصود ملازمت ہے، کیا وہ بوقت حج حج کر سکتا ہے؟

(۳) اس طرح جانا شرع کے خلاف تو نہیں؟

(الجواب) (۱) جب اس پر حج فرض نہیں تو ملازمت کی غرض سے سفر جدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ حج کی نیت ہو تو ثواب کا مستحق ہوگا۔

(۲) اسباب حج میسر ہو جاوے تو ضرور حج کرے ورنہ لازم نہیں۔
(۳) شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

روی مرفوعاً عن ابی امامة التیمی قال قلت لا بن عمر انا نکری فهل لنا من حج؟ قال ألیس تطوفون وتأتون بالمعرف ،وترمون الجمار وتحلقون رؤسکم؟ قال قلنا بلیٰ فقال ابن عمر جاء رجل الی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فساله عن الذی سألتنی فلم یعبه حتی نزل علیه جبرئیل بهذه الآیة،لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلامن ربکم" فدعاه النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقال انتم حجاج (احکام القرآن للشیخ ظفر احمد التهانوی ۱/۱ ص ۳۵۱ فقط و اللّٰه اعلم.

عمرہ کا ویزا لیکر جانا اور وہاں ٹھہر کر حج ادا کرنا:

(سوال ۳۶) بعض لوگ عمرہ کا ویزا لے کر عمرہ کے لئے جاتے ہیں اور وہیں رک کر حج کر کے واپس آتے ہیں وہاں رک جانا حکومت کے قانون کے خلاف ہے، تو اس طرح حج کرنے سے ان کا فریضۂ حج ادا ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ حکومت کے قانون کی خلاف ورزی ہے، ایسا کرنا نامناسب ہے لیکن اگر کوئی شخص رک جائے اور حج کرلے تو فریضۂ حج ادا ہو جائے گا، اگر حکومت خلاف قانون کام کرنے پر کوئی کارروائی کرے تو اس کے لئے تیار رہنا ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کسی کا مالی حق ادا نہ کرنے والے کا حج کے لئے جانا کیسا ہے؟:

(سوال ۳۷) ایک شخص ایک بیٹی ایک بیوی اور دو بھائی کے بیٹوں کو چھوڑ کر انتقال کر گیا، فتویٰ کے موافق لڑکی کا آٹھ آنہ حصہ الگ کرلیا اور بیوی کا دو آنہ بھی الگ کرلیا اور باقی چھ آنہ حصہ دو بھائی کے لڑکوں کو دے دیا اب بیوی کا جو دو آنہ حصہ ہے اس کے متعلق، والی کہتا ہے کہ تمہارا دو آنہ حصہ ہے مگر دیتا نہیں، مانگنے پر بھی نہیں دیتا، اب تک اپنی بیوی اور بیٹی کو یوں نہیں بتلایا کہ تمہاری اتنی رقم میرے پاس جمع ہے اور اتنا خرچ ہوا مطلب یہ کہ حساب نہیں بتلایا، اور اب والی صاحب یعنی مرحوم کا بھانجا فریضۂ حج کی غرض سے مکہ معظمہ جا رہے ہیں اور اپنے ساتھ ان دونوں کے حقوق کو بھی لئے جا رہے ہیں۔ حضرت والا سے عرض ہے کہ قرآن اور احادیث کی روشنی سے برائے کرم یہ بتائیں کہ خدا اور رسول ﷺ اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ کیا اس شخص کا حج قبول ہوگا؟ اس کو حج کے لئے جانا چاہئے یا حق ادا کرنا چاہئے۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! اگر یہ شخص جائز کمائی اور اپنے پیسوں سے حج ادا کرے گا تو حج ادا ہو جائے گا اور کسی کا حق دبا لینے کا گناہ بھی ہوگا،[۱] اور اگر غصب کی ہوئی رقم سے حج کرے گا تو ذمہ سے حج ساقط ہو جائے گا مگر حج مقبول نہ ہوگا۔[۲] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) لیکن حج مکروہ ہوگا وبالکراهة کالحج بلا اذن ممن یجب استئذانه قال فی الشامیة تحت قوله ممن یجب استئذانه وکذا الغریم مدیون لا مال له یقضی به والکفیل لو بالاذن فیکره خروجه بلا اذنهم کما فی الفتح وظاهره ان الکراهة تحریمیه درمختار مع الشامی کتاب الحج ج ۲ ص ۱۹۱

(۲) چونکہ مال حرام سے ذمہ ساقط ہو جائے گا لیکن مقبول نہ ہوگا حوالہ اس باب میں بعنوان سودی روپے لے کر حج کرنا کیسا ہے؟ کے جواب میں گذر چکا ہے از مرتب)

غریب حج ادا کرنے کے بعد مالدار ہو جائے:

(سوال ۳۸) غربت کی بنا پر حج فرض نہ ہو اور اس کو کوئی آدمی برائے مہربانی نفل حج کے لئے پیسے دے دے اور وہ حج کو جائے اس کے بعد وہ مالدار ہو گیا تو اس کو دوبارہ حج کرنا ہوگا یا نہیں۔؟

(الجواب) حج کو جانے والے نے اگر صرف نفلی حج کی نیت کی تھی تو یہ حج نفلی ہوگا اور مالدار ہونے کے بعد دوسرا حج کرنا ہوگا۔ وليفيد انه يتعين عليه ان لا ينوى نفلا على زعم انه لا يجب عليه لفقره (الى قوله) فلو نواه نفلا لزمه الحج ثانيا (شامى ج ۲ ص ۱۹۵ كتاب الحج) اور اگر فرض کی نیت کی تھی، یا صرف حج کی نیت کی تھی تو حج فرض سمجھا جائے گا۔ مالدار ہونے کے بعد دوبارہ حج فرض نہیں ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مطلق حج کی نیت سے بھی فرض حج ادا ہو جاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نفل حج کے لئے چندہ کرنا کیسا ہے:

(سوال ۳۹) ہمارے ہاں سے چند حضرات حج بیت اللہ کو جا رہے ہیں۔ ان میں سے بعض نے گاؤں کے ایک مدرس صاحب کو حج کو لے جانے کے لئے چندہ کیا ہے۔ حج میں جانے والوں ہی سے چندہ وصول کیا ہے۔ یہ مدرس صاحب مال نہیں ہے۔ ان پر حج فرض بھی نہیں ہے پھر بھی وہ حضرات اس چندہ کی رقم سے ان کو لے جانے کے لئے آمادہ ہو گئے ہیں۔ حالانکہ چندہ دینے والوں میں سے بعض نے شرم کے مارے بادل ناخواستہ چندہ دیا ہے اور بعض نے بخشش کی نیت اور حج کی شرط سے پیسے دیئے ہیں تو اس طور پر چندہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ چندہ دینے والوں کو ثواب ملے گا یا نہیں؟

(الجواب) نفل حج کے لئے چندہ کرنا، کرانا جائز نہیں ہے۔ البتہ چند افراد یا کوئی ایک فرد خرچ کی ذمہ داری لے یا رقم عنایت کردے تو جائز ہے۔ نیت کے مطابق جزا و ثواب ملے گا۔ بخشش قبول کرنا ضروری نہیں ہے، قبول کر لینے کے بعد حج کے لئے جانا ضروری ہو جاتا ہے۔ صورت مسئولہ میں اگر مدرس صاحب نے چندہ کرایا ہو یا لوگوں پر دباؤ ڈال کر چندہ وصول کیا گیا ہو تو رقم واپس کر دینی چاہئے۔ البتہ اگر مدرس صاحب نے چندہ نہیں کرایا بلکہ سب نے خوش دلی سے تحفۃ وعطیۃ دیا ہو تو قبول کر لینا جائز ہے۔ مگر چندہ کا رواج ٹھیک نہیں ہے ایسے غیر ضروری چندے بند ہونے چاہئیں۔[1] فقط و اللہ اعلم بالصواب.

بیماری کی وجہ سے طواف زیارت نہ کر سکی تو اب حج مکمل ہونے کی کیا صورت ہے اور وہ شوہر کے لئے کب حلال ہوگی؟:

(سوال ۴۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل صورت میں۔ میاں بیوی نے حج کے لئے سفر کیا وہاں پہنچ کر تمام ارکان (وقوف عرفہ ومزدلفہ اور منیٰ کی رمی وغیرہ) بالترتیب ادا کرتے رہے لیکن آخری رکن

فلو بذل الابن لأبيه الطاعة واباح له الزاد والراحلة لايجب عليه الحج وكذا لو وهب له مال يحج به لا يجب عليه القبول بحر الرائق كتاب الحج تحت قوله بشرط حرية الخ. ج ۲ ص ۳۱۷.

" طواف زیارت" بیوی نہ کرسکی سبب یہ ہوا کہ منی میں اس پر فالج کا سخت حملہ ہوا دماغ پر بھی اس کا اثر ہوا ڈاکٹر نے حالت دیکھ کر چلنے پھرنے سے بالکل منع کر دیا تھا، چند دن وہاں علاج کرایا اس کے بعد جب اپنے وطن کراچی لے جانے کا ارادہ کیا تو وہ حیض کی حالت میں تھی اس وجہ سے اس وقت بھی طواف زیارت نہ کرسکی اور اس وقت بھی اس کی حالت نازک تھی جہاز میں بھی لیٹے لیٹے تین سٹ والی جگہ پر سفر کیا اس وقت بھی کراچی میں وہ زیر علاج ہے اور اس کا شوہر مسقط میں ہے اب چند سوالات پیدا ہوتے ہیں ان کا حل مطلوب ہے۔(۱) ایسی حالت میں اس کو احرام کی پابندی رہی یا نہیں؟ (۲) اس کے حج کے مکمل ہونے کی کیا صورت ہے؟ اگر اس کے بجائے کسی اور کو بھیج دیں تو نیابت کافی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ (۳) اگر اس کا شوہر کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہو تو وہ شوہر کے لئے حلال ہے یا نہیں؟ (۴) اگر خدا نخواستہ عورت مدت دراز تک سفر پر قادر نہ ہو تو اس وقت تک زن وشوئی کے تعلقات چھوڑ نا ضروری ہیں؟ (۵) اگر وہ تندرست ہو جائے اور مکہ مکرمہ جانے کا اتفاق ہو جائے تو مکہ مکرمہ احرام باندھ کر جائے یا بغیر احرام کے؟ نیت کیا کرے؟ اگر حج کے زمانہ میں جانے کا اتفاق ہو تو اس وقت کیسا احرام باندھے؟ بینوا توجروا۔ کراچی ۲۸۰ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ۔

(الجواب) وباللہ التوفیق: جب کہ عورت وقوف عرفہ اور وقوف مزدلفہ اور رمی وقربانی وقصر سے فارغ ہو چکی ہے تو ایسی حالت میں احرام کی پابندی نہیں رہی البتہ مرض کی وجہ سے طواف زیارت بارہ ذی الحجہ تک ادا نہ ہو سکا تو اس کے ذمہ دم واجب ہے اور بوقت سفر بھی حیض کی وجہ سے طواف سے محروم رہی تو جب تک طواف زیارت ادا نہ کرے گی شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی ہمبستر ہوگی تو دم لازم ہوگا، اب اسے چاہئے کہ طواف زیارت ادا کرنے کے لئے عمرہ کا احرام باندھ کر جائے نیابت کافی نہیں، طواف زیارت کرے اور طواف عمرہ وسعی سے فارغ ہو کر بال کٹوا کر (قصر کروا کر) احرام کھول دے اور اگر ایام حج میں جانے کا اتفاق ہو تو طواف زیارت وعمرہ سے فارغ ہو کر نفل حج بھی کیا جا سکتا ہے اور اگر مکہ مکرمہ جانے کا موقع ہی نہ ملا تو اگر جس سال حج واجب ہوا اسی سال حج نہ کیا ہو بلکہ تاخیر سے کیا ہو تو طواف زیارت کی وصیت کرنا لازم ہے ورنہ نہیں درمختار میں ہے (ولا احصار بعد ما وقف بعرفة) للامن من الفوات. وفی الشامی (قوله ولا احصار) فلو وقف بعرفة ثم عرض له مانع لا يتحلل بالهدى بل يبقى محرما فى حق كل شئى ان لم يحلق اى بعد دخول وقته وان حلق فهو محرم فى حق النساء لا غيرا لى ان يطوف للزيارة (درمختار والشامی ج ۲ ص ۳۲۲ باب الاحصار)

معلم الحجاج میں ہے۔ مسئلہ یہ طواف (طواف زیارت) کسی چیز سے فاسد نہیں ہوتا، اور فوت بھی نہیں ہوتا یعنی تمام عمر میں ہو سکتا ہے، البتہ ایام نحر میں کرنا واجب ہے اس کے بعد دم واجب ہوتا ہے اور یہ طواف لازمی ہے اس کا بدل کچھ نہیں ہو سکتا الخ (ص ۱۹۵)

مسئلہ: طواف زیارت کے بعد عورت سے صحبت وغیرہ بھی حلال ہو جاتی ہے اگر کسی نے یہ طواف نہ کیا تو اس کے لئے عورت سے صحبت وغیرہ حلال نہ ہوگی اگر چہ سالہا سال گذر جائیں طواف زیارت کرنے کے بعد حلال ہوگی (معلم الحجاج ص ۱۹۶)

زبدۃ المناسک میں ہے۔ مسئلہ: اور یہ (طواف زیارت) خود کرنا فرض ہے اگر چہ کسی کی گود میں ہو اس میں

نیابت جائز نہیں ہے مگر بے ہوش کے واسطے نیابت درست ہے۔ (زبدۃ المناسک ص ۱۸۰ حصہ اول) شامی میں ہے۔ و کونہ (ای طواف الزیارۃ) بنفسہ و لو محمولاً فلا یجوز النیابۃ الا لمغمی علیہ (شامی ص ۲۵۰ جلد ثانی) مطلب طواف الزیارۃ) فقط و اللہ اعلم۔

چچازاد نواسہ محرم ہے یا نہیں:

(سوال ۴۱) نانی صاحبہ اس سال حج کے لئے جارہی ہیں ان کے ہمراہ چچازاد نواسہ ہے تو یہ حج درست ہے یا نہیں۔ نانی اماں کی عمر تقریباً پچاس ساٹھ برس کی ہے ان پر حج فرض ہے تو بحوالۂ کتب جواب عنایت فرمایئے۔

(الجواب) عورت کے ہمراہ خاوند و محرم نہ ہو تو حج اگر چہ فرض ہو جاتا ہے مگر ادا کرنا فرض نہیں ہوتا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آخر تک محرم نہ ملے تو حج ادا نہ کرنے کے باعث گنہگار نہ ہو گی البتہ فرض ہو جانے کے باعث حج بدل کی وصیت کرنا واجب اور ضروری ہو گا۔ چچازاد نواسہ محرم نہیں ہے لہٰذا اس کے ساتھ جانے کی شرعاً اجازت نہیں۔ اگر جائے گی تو بکراہت تحریمی حج ادا ہو گا اور قانون شکنی کا گناہ بھی ہو گا (شامی ج ۲ ص ۱۹۹)[1]

اپنی والدہ کی حقیقی ممانی محرم ہے یا نہیں:

(سوال ۴۲) میری والدہ کی حقیقی ممانی میرے ساتھ حج کے لئے جاسکتی ہے یا نہیں؟

(الجواب) تمہارے ساتھ تمہاری والدہ کی حقیقی ممانی حج کے لئے نہیں جاسکتی کیونکہ وہ تمہاری محرم نہیں (منہ بولی نانی ہے نہ کہ حقیقی)[2]

ضعیفہ کے ہمراہ محرم ضروری ہے یا نہیں؟:

(سوال ۴۳) سن رسیدہ ضعیفہ عورت بغیر محرم کے اہل محلہ کے ہمراہ حج کے لئے جائے تو کوئی حرج ہے؟ محرم کون ہے اور کون نہیں؟

(الجواب) عورت جوان ہو یا بڑھیا جب اس کے وطن اور مکہ معظمہ کے درمیان سفر کی مسافت ہو یعنی اڑتالیس ۴۸ میل کا فاصلہ ہو تو محرم کے بغیر شرعاً حج کے لئے جانے کی اجازت نہیں ہے۔[3] محرم وہ ہے جس کے ساتھ نکاح نسبی یا رضاعی یا صہری (دامادی) کے رشتہ کی بنا پر جائز نہ ہو۔

---

(۱) علی ان وجود الزوج او المحرم شرط وجوب ام شرط وجوب اداء والذی اختارہ فی الفتح انہ مع الصحۃ و امن الطریق شروط وجوب الاداء فجب الایصاء ان منع المرض او خوف الطریق او لم یوجد زوج و لا محرم الخ کتاب الحج)

(۲) والمحرم من لا یجوز مناکحتہا علی التابید بقرابتہ او رضاع او صہریۃ کما فی التحفۃ شامی کتاب الحج ص ۱۹۹)

(۳) و مع زوج المکلف او المحرم للمرأۃ ولو عجوزا ان کان بینہما و بین مکۃ مسیرۃ سفر و کانہ اشار الی ان مثل ہذا فی قلۃ الزمن لا یحل لہا السفر مع غیر محرم فکیف بما زاد انتہی، شرح نقایہ لعلی القاری کتاب الحج ج ۱ ص ۲۳۹۔

محرم نہ ہو اور حج کو نہ جائے تو کیا گنہگار ہوگی

(سوال ۴۴) خاوند یا باپ یا محرم نہ ہونے کی وجہ سے حج کو نہ جائے تو گنہگار ہوگی۔
(الجواب) گنہگار نہ ہوگی۔ البتہ اس کو یہ وصیت کر دینا لازمی اور ضروری ہے کہ اگر زندگی میں حج نہ کر سکی تو اس کے ترکہ میں سے پہلے حج کرایا جائے (قولہ قولان) هما مبنيان على ان وجود الزوج او المحرم شرط وجوب ام شرط اداء والذى اختاره في الفتح انه مع الصحة وامن الطريق شرط وجوب الاداء فيجب الايصاء ان منع المرض او خوف الطريق اولم يوجد زوج ولا محرم (شامی ج ۲ ص ۲۰۰ كتاب الحج)فقط و الله اعلم بالصواب .

کیا حج کے لئے نکاح لازم ہے:

(سوال ۴۵) خاوند باپ وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے حج کرنے کی خاطر نکاح کرنا لازم ہے یا نہیں؟
(الجواب) صورت مسئولہ میں عورت پر نکاح لازم نہیں ہے قلت لكن جزم في اللباب بانه لا يجب عليها التزوج مع انه مشى على جعل المحرم او الزوج شرط اداء ورجح هذا في الجوهرة (شامی ج ۲ ص ۲۰۰)فقط و الله اعلم بالصواب .

منہ بولے بھائی کے ساتھ حج کو جا سکتی ہے یا نہیں؟:

(سوال ۴۶) ایک بیوہ عورت حج کرنا چاہتی ہے لیکن کوئی محرم نہیں، کسی نے کہا حج کو جانے والا دینی بھائی بنا کر لے جائے تو گنجائش ہے۔ تو کیا یہ صحیح ہے؟
(الجواب) منہ بولا بھائی شرعاً بھائی نہیں ہے، اس کے ساتھ حج کو جانا جائز نہیں، حرام ہے۔ جائے گی تو گنہگار ہوگی، خاوند یا محرم نہیں ہے اس لئے ادائیگی حج واجب نہیں۔ البتہ آخری زندگی میں حج بدل کی وصیت کرنی ضروری ہے کذا قال الشامی وغیرہ (اسی باب کے سوال اول و دوم میں حوالے دیکھ لئے جائے از مرتب)۔

یہاں سے بغیر محرم کے جائے اور مکہ مکرمہ میں محرم مل جائے تو حج کر سکتی ہے یا نہیں؟:

(سوال ۴۷) ایک عورت معمرہ ہندوستان سے غیر محرم کے ساتھ حج کو جا رہی ہے۔ اس عورت کا داماد اور لڑکی افریقہ سے مکہ پہنچ رہے ہیں۔ مکہ معظمہ پہنچ کر یہ ان کے ساتھ ہو جائے گی۔ لیکن ہندوستان سے غیر محرم کے ساتھ جانا کیسا ہے؟
(الجواب) یہ معمرہ غیر محرم کے ساتھ حج کو نہیں جا سکتی۔ سفر میں محرم یا شوہر کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ دوسری عورتیں ساتھ ہوں تب بھی محرم یا شوہر کا ہونا ضروری ہے۔ مکہ معظمہ میں داماد یا لڑکی کے مل جانے سے اس کی تلافی نہیں ہوگی البتہ اگر چلی جائے گی تو فرض ذمہ سے ساقط ہو جائے گا مگر خدا کی نافرمانی اور شریعت کی قانون شکنی ذمہ پر رہے گی جس کی وجہ سے گنہگار ہوگی۔ (حوالہ گذر چکا ہے۔ از مرتب)۔

پچاس ہزار کا شیئر ہو تو حج فرض ہے یا نہیں :

(سوال ۴۸) اس زمانہ میں ہندوستان اور بیرونی ممالک میں شیئرز سودی کمپنی ہے۔ایک آدمی کے پاس پچاس ہزار روپے کے شیئرز ہیں۔آیا اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟ وجہ دریافت یہ ہے کہ شیئرز پروپرٹی میں شمار ہے۔کیا شریعت نے اس کو نقد روپیہ شمار کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس پر حج فرض ہے۔کیونکہ اگر شیئرز کو نقد رقم نہ مانا جائے، جائداد اور پراپرٹی مانا جائے تب بھی حج فرض ہونے کی شرط پائی جاتی ہے کیونکہ جب اتنی بڑی رقم کے شیئرز اس کے پاس ہیں تو اس میں یہ گنجائش اور استطاعت پائی گئی کہ وہ اپنے حوائج اصلیہ (ضروریات زندگی) اور اپنے متعلقین کے مصارف کے لئے (جو سفر حج کے زمانہ میں ہوں گے) رقم نکال سکتا ہے اور پھر اتنا باقی رہ جاتا ہے کہ سفر حج کے مصارف برداشت کر سکے۔لہذا حج فرض ہو گیا۔شیئرز میں سود کا شبہ ہے تو وہ قرض لے کر حج کرے۔پھر شیئرز کی قیمت میں سے قرض ادا کرے۔رد المحتار ج ۲ ص ۱۹۲ وعالمگیریہ ج ۲ ص ۲۶۰ (۱)۔

ضعیفہ (بوڑھی) غیر محرم کے ساتھ حج کو جا سکتی ہے یا نہیں

(سوال ۴۹) امسال حج کا ارادہ ہے۔میرے ہمراہ باجی کی حقیقی چچی ہیں وہ میرے ساتھ آ سکتی ہیں یا نہیں۔میرے والدین مجھے تین برس کا چھوڑ کر انتقال کر گئے تھے اس وقت سے انہوں نے اپنا بچہ سمجھ کر میری تربیت فرمائی لہذا میں بھی ان کو ماں ہی سمجھتا ہوں۔فی الحال ان کی عمر ساٹھ یا پینسٹھ برس کی ہے ایسی حالت میں ان کو ہمراہ اپنے خرچ سے لے جانا چاہتا ہوں تو وہ میرے ساتھ جا سکتی ہیں؟ ذرا بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں!

(الجواب) آپ کے والد کی حقیقی چچی آپ کی محرم نہیں ہے۔آپ کا نکاح شرعاً ان سے جائز ہے حرام نہیں۔لہذا وہ آپ کے ساتھ حج کے لئے نہیں جا سکتیں۔ان پر حج فرض ہو جب بھی نہیں جا سکتیں، تو پھر فرض نہ ہونے کی صورت میں کس طرح جا سکتی ہیں؟ اگر لے گئے تو دونوں خدا اور رسول ﷺ کے نافرمان اور شرعی قانون کی خلاف ورزی کرنے والے ہوں گے حدیث شریف میں ہے۔اجنبی مرد و عورت خلوت میں نہ بیٹھیں اور عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے (بخاری و مسلم) دوسری حدیث میں ہے۔عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تحج امرء ۃ الا ومعھا محرم الخ یعنی کوئی عورت محرم کے بغیر حج نہیں کر سکتی (زجاجۃ المصابیح ج ۲ ص ۱۰۱ کتاب المناسک) دوسری حدیث میں ہے۔عن ابی سعید الخدریؓ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الاخر ان تسافر سفراً یکون ثلاثۃ ایام فصاعداً الا ومعھا ابوھا او ابنھا او زوجھا او اخوھا او ذو محرم منھا رواہ مسلم (زجاجۃ المصابیح ص ۱۰۰، ۱۰۱ ومشکوۃ)

(۱) فضلا عما لابد منہ کما مرفی الزکاۃ ومنہ المسکن ومرمتہ ولو کبیرا یمکنہ الاستغناء ببعضہ والحج بالفاضل قال فی الشامیۃ تحت قولہ کما مر فی الزکاۃ ای من البیان مالا بد منہ من الحوائج الاصلیۃ کفرسہ وسلاحہ وثیابہ وعبد خدمتہ وآلات حرفتہ واثاثہ وقضاء دیونہ الخ.

یعنی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے والی عورت کے لئے یہ حلال نہیں کہ وہ بغیر باپ، بھائی، لڑکے یا شوہر وغیرہ محرم کے تین یا اس سے زائد دنوں کا (تنہا یا کسی غیر محرم کے ساتھ) سفر کرے (چاہے وہ جوان ہو یا بوڑھی ہر ایک کے لئے یہی حکم ہے)

فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ **واجمعوا علیٰ ان العجوز لا تسافر بغیر محرم ولا تخلو برجل شابا کان او شیخا** (ج ۱ ص ۸۷ شرائط حج) فقہا کا اجماع اس بات پر ہے کہ بوڑھی عورت بھی بغیر محرم کے سفر نہ کرے اور نہ کسی اجنبی کے ساتھ تنہائی میں بیٹھے عام از یں کہ وہ جوان ہو یا بوڑھا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ یہ دونوں باپ بیٹی ایک مکان میں بیٹھے ہوئے تھے (اور یہ دونوں ذات مبارک وہ ہیں جن کی پاکیزگی اور بزرگی میں قرآن پاک میں کئی جگہ آیات نازل ہوئی ہیں) تو حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں کو تنہا بیٹھے دیکھ کر فرمایا کہ اے ابوبکر شیطان دور نہیں تنہا بیٹی کے پاس بھی بیٹھا نہ کرو بلکہ تیسرے آدمی کو بھی ساتھ لے لیا کرو (معیار السلوک ودافع الاوہام والشکوک ص ۱۶۴۔ مولفہ مولانا شاہ محمد ہدایت علی نقش بندی مجددی جے پوری)

لہذا اجنبیہ عورت کے ساتھ چاہے کیسا ہی تعلق ہو بہن، پھوپھی، ماں وغیرہ کہتے ہو تا ہم وہ اجنبی ہے۔ ماں، بہن، پھوپھی کہنے سے محرم نہیں بن جاتی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورت بہنوئی کے ساتھ حج کو جائے یا نہیں:

(سوال ۵۰) عورت اپنے بہنوئی کے ساتھ حج کو جا سکتی ہے یا نہیں؟

(الجواب) بہنوئی محرم نہیں لہذا نا جائز ہے۔ جائے گی تو سخت گنہگار ہوگی۔ درمختار میں ہے۔ **ومع زوج او محرم** (درمختار) **والمحرم من لا یجوز له منا کحتها علی التا بید بقرابة او رضا ع او صهرية كما في التحفة** (شامی ج ۲ ص ۱۹۹ کتاب الحج)

حج فرض ہو مگر مدینہ جانے کے اخراجات نہیں:

(سوال ۵۱) ایک شخص کے پاس اتنی رقم ہے کہ اس سے مکہ مکرمہ تک جا سکتا ہے، مدینہ منورہ تک جانے کی استطاعت نہیں تو اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں اس شخص پر حج فرض ہے۔ لہذا حج کے لئے جانا لازم ہے نہ گیا تو گنہگار ہوگا۔ (۱)

پندرہ برس کا بچہ محرم ہے یا نہیں:

(سوال ۵۲) ایک عورت بذریعہ طیارہ (ہوائی جہاز) حج کے لئے جا رہی ہے۔ جدہ سے شوہر ہمراہ ہے اور وطن سے اس کا لڑکا ہمراہ ہے جس کی عمر پندرہ برس کی ہے، حافظ قرآن، ہوشیار ہے وہ محرم ہے یا نہیں۔ ہمراہیوں میں دیور اور اس

(۱) وزيارة قبره مندوبة قيل واجبة لمن سعة له ويبداء بالحج لو فرضا قال في الشامية تحت قوله مندوبة اى باجماع المسلمين كما في اللباب درمختار مع الشامي مطلب في تفضيل قبره المكرم صلى الله عليه وسلم ج ۲ ص ۳۵۲

کی بیوی بھی ہے!

(الجواب) یہ بچہ محرم ہے بلا تکلف اس کے ساتھ جا سکتی ہے، مراہق یعنی قریب البلوغ ہو اور ہوشیار بھی ہو تو وہ محرم کے حکم میں ہے" جوہرہ" میں ہے۔ والمراهق بالغ (ج ۱ ص ۱۵۴ کتاب الحج تحت قوله ويعتبر في المرأة الخ) پندرہ برس کا بچہ بالغ سمجھا جائے گا اس کے ہمراہ والدہ کا سفر جائز ہے منع نہیں۔

بڑھیا بغیر محرم کے حج کر سکتی ہے یا نہیں؟:

(سوال ۵۳) ایک عورت کی عمر پچاس ساٹھ برس کی ہے۔ دو تین برس سے اس پر حج فرض ہوا ہے۔ شوہر اور شرعی محرم نہ ہونے کی وجہ سے فی الفور حج ادا نہ کر سکی۔ نیک، دیندار، معتمد پڑوسی حج کے لئے جاتا ہے۔ اس کے ہمراہ جائے تو حج ادا ہوگا یا نہیں؟ محلہ اور رشتہ دار اور گاؤں کی چند عورتیں حج کو جا رہی ہیں ان کے ساتھ جائے تو کیا حرج ہے؟ اس کے علاوہ وہ حج کرنے کی کوئی شکل نہیں ہے۔ لہذا فرض حج ذمہ پر رہ جائے گا! کوئی گنجائش ہو تو بہتر ہے۔

(الجواب) عورت کی اتنی حیثیت ہے کہ خود ہی حج کر سکتی ہے، محرم کو ساتھ لے جانے کی استطاعت نہیں تو ایسی عورت پر حج فرض نہیں ہے۔ درمختار میں ہے، محرم کے لے جانے کی سکت ہو تو حج فرض ہو جائے گا۔ لیکن جب تک خاوند یا محرم ہمراہ نہ ہوگا وجوب ادا نہ ہوگا اور خود کو حج کے لئے تنہا جانا ضروری نہیں (شامی)(۱) کیونکہ نفس وجوب کے بعد وجوب ادا کے لئے خاوند یا محرم میسر ہونا شرط ہے۔ لہذا حج کے لئے نہ جائے گی تو گنہگار نہ ہوگی بلکہ بدوں شوہر و محرم حج کے لئے جائے گی تو فرمان نبوی ﷺ اور قانون شرع کی خلاف ورزی کے باعث گنہگار ہوگی۔ گو فریضۂ حج بکراہت ادا ہو جائے گا۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ **لا يحل لا مرأة تؤمن بالله واليوم الا خر تسافر مسيرة يوم وليلة الا مع ذى محرم عليها. رواه ابو هريره. مسلم شريف ج ۱ ص ۴۳۴ باب سفر المرأة مع محرم الىٰ حج وغيره)**

محرم وہ ہے جس سے نکاح کسی حالت میں درست نہ ہو، محرم کیسا ہو اس کے لئے بھی شرطیں ہیں۔ ایک حدیث میں ہے **لا تحجن امرأة الا ومعها محرم** ہرگز ہرگز کوئی عورت حج کے لئے نہ نکلے مگر اس حالت میں کہ اس کے ساتھ محرم ہو۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے **(ومنها المحرم للمرأة شابةً كانت او عجوزة اذا كانت بينها وبين مكة مسيرة ثلاثة ايام هكذا فى المحيط (ج ۱ ص ۲۱۸ كتاب المناسك اما شرائط وجوبه)**

یعنی وجوب ادا کے شرائط میں ایک شرط یہ ہے کہ اگر عورت اور مکہ معظمہ کے درمیان تین دن (تین منزل) کا فاصلہ ہو تو محرم کا ہمراہ ہونا ضروری ہے۔ عورت معمرہ (بڑھیا) ہو یا جوان (ج ۱ ص ۲۱۸) اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ **واجمعوا على ان العجوز لا تسافر بغير محرم ولا تخلو برجل شاباً كان او شيخاً ولا تصافح الشيوخ.** فقہا کا اجماع ہے کہ بڑھیا عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے اور مرد جوان ہو یا بوڑھا تنہائی میں نہ بیٹھے اور نہ بوڑھوں سے مصافحہ کرے۔ مگر جبکہ جانبین میں شہوت کا اندیشہ نہ ہو تو مصافحہ کی اجازت ہے) (ج ۱ ص ۸۷)

---

(۱) مع زوج او محرم بالغ عاقل والمراهق كالبالغ جوهرة غير مجوسي ولا فاسق لعدم حفظهما مع وجوب النفقه لمحرمها عليها لانه محبوس عليها قال فى الشامية تحت قوله مع وجوب النفقة الخ اى فيشرط ان تكون قادرة على نفقها ونفقته ، درمختار مع الشامى ج ۲ ص ۱۹۹)

ہدایہ (نیز دیگر کتب فقہ میں ہے) **ولنا قوله عليه السلام لا تحجن امرأة الا ومعها محرم ولا نها بدون المحرم يخاف عليها الفتنة وتزداد بانضمام غيرها اليها الخ (ج ۱ ص ۲۱۳ كتاب الحج تحت قوله ويعتبر في المرأة الخ)** یعنی بدون خاوند یا محرم کے سفر کرنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے اور یہ فتنہ اس صورت میں زیادہ بڑھ جاتا ہے جب کہ اس کے ساتھ صرف عورتیں ہوں۔

ہماری دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ عورت حج نہ کرے مگر اس صورت میں کہ محرم ساتھ ہو اور اس کی علت یہ بھی ہے کہ محرم کے بغیر فتنہ کا خوف ہے اور دوسری عورت کے ساتھ ہونے سے اس فتنہ میں اضافہ ہی ہو جاتا ہے۔

غرض یہ کہ عورت مذکورہ غیر محرم، پڑوسی اور محلہ کے آدمیوں کے ساتھ نہیں جا سکتی، چاہے وہ کتنا دیندار، نیک اور معتمد ہی کیوں نہ ہو، ایسے ہی عورتوں کے ساتھ جانا بھی ناجائز ہے۔

حضرت شیخ نصیر آبادی سے کہا گیا کہ لوگ نامحرم عورتوں کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری نظر پاک ہے۔ آپ نے فرمایا **مادامت الا شباح باقية فان الا مرو النهى باق والتحليل والتحريم مخاطب به.** جب تک پرچھائیاں (انسانی جسم) باقی ہیں۔ امر و نہی (احکام شرعیہ) بھی باقی ہیں اور یہ ان احکام کے مخاطب بھی ہیں، خطاب بھی باقی ہے۔

حدیث میں ہے کہ جب اجنبی مرد اجنبیہ عورت کے ساتھ تنہائی میں ہو تو ان دونوں میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ اور شیطان کا مقولہ ہے کہ اگر جنید بغدادی جیسے مرد اور رابعہ بصریہ جیسی عورت تنہائی میں بیٹھے تو میں ان کے منہ بھی سیاہ کر دیتا ہوں (نعوذ باللہ)

خلاصہ یہ کہ بدون خاوند و محرم حج کے لئے جانے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ جانا ہی ہے تو نکاح کرے پھر شوہر کے ہمراہ جا سکتی ہے اس کے علاوہ کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی۔ حج کے لئے نہ جا سکے تو حج بدل کی وصیت ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سعودی حکومت میں حج صحیح ہے یا نہیں؟:

(سوال ۵۴) ہمارے یہاں (افریقہ) میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ سعودی حکومت میں حج فرض نہیں کہ ابن سعود وہابی ہے اور اس کی دلیل میں مولانا مصطفےٰ خاں بریلوی کی کتاب ''تنویر الحجہ'' پیش کرتے ہیں۔ جس میں ہے کہ حجاز مقدس میں ابن سعود کی حکومت ہے اور بے امنی ہے۔ لہذا حج فرض نہیں۔ سعودی حکومت میں حج نہ کرنے سے اس کا گناہ نہ ہوگا (ص ۱۶۔۱۲۔۹) تو کیا یہ خیال اور دلیل صحیح ہے؟

(الجواب) سعودی حکومت میں عام طور پر امن ہے۔ جان و مال اور آبرو کا کوئی اندیشہ نہیں اور حج کرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں۔ لہذا مذکورہ بالا خیال اور عقیدہ درست نہیں ہے، غلط اور گمراہ کن ہے۔ فریضۂ حج اور اسلام کے رکن اعظم کی ادائیگی سے مسلمانوں کو باز رکھنا اور سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کی زیارت سے محروم رکھنا جہالت اور شیطانی حرکت ہے۔ آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی ہے کہ ایسا زمانہ آئے گا کہ عوام جہلاء کو اپنا مذہبی پیشوا بنائیں گے اور ان سے

دینی مسائل دریافت کریں گے وہ باوجود لاعلمی کے فتویٰ دیں گے جس سے خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔" **وعن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعھا ینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالما اتخذ الناس رؤسا جھالا فسئلو ا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۳ کتاب العلم)** مختصر یہ کہ حج کی استطاعت والے ایسے بے علم اور گمراہ لوگوں کے غلط فتووں پر عمل کر کے حج نہ کریں گے۔ اور سرور کائنات رحمۃ اللعالمین ﷺ کی زیارت بابرکت سے محروم رہیں گے تو خدا کے عاصی اور سعادت عظمیٰ سے محروم ہوں گے۔ (معاذ اللہ)

غور کیجئے آنحضرت ﷺ نے کس قدر سخت وعید فرمائی ہے۔ **فمن مات ولم یحج فلیمت ان شاء یھودیا وان شاء نصرانیا**. ترجمہ:۔ استطاعت کے باوجود حج کئے بغیر مر جائے تو چاہے یہودی ہو کر مرے چاہے نصرانی ہو کر مرے۔ **(مشکوٰۃ شریف ص ۲۲۲ کتاب المناسک الفصل الثانی عن علی الخ)**

ایام حج سے پہلے رقم ہو وقت آنے پر خرچ ہو جائے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۵۵) ایک آدمی کے پاس مارچ۔ اپریل میں حج فرض ہو سکے اس قدر رقم ہے۔ مگر وہ ایام حج کے نہ تھے۔ جب حج کا وقت آیا تو وہ رقم خانگی امور میں خرچ ہو گئی اب ایام حج میں اس کے پاس پیسے نہیں ہیں۔ تو اب اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟

(الجواب) حج کی درخواست دینے سے پہلے ہی رقم خرچ ہو گئی ہو تو حج فرض نہیں۔ ہاں! اگر حج میں جانا نہ پڑے اس خیال سے خرچ کر دے تو مکروہ اور بڑی سعادت سے محرومی ہے۔ (۱)

واللہ اعلم بالصواب۔

عورت کا غیر محرم کے ساتھ حج کرنا:

(سوال ۵۶) ایک آدمی فرض حج کر چکا ہے۔ اب وہ اپنے مرحوم چچا کے حج بدل کے لئے جانا چاہتا ہے۔ اپنے ساتھ اپنی چچی کو بھی لے جانا کا ارادہ ہے تو یہ چچی اپنے شوہر کے بھتیجے کے ساتھ حج بدل کو جا سکتی ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں عورت اپنے شوہر کے بھتیجے (شوہر کے بھائی کے لڑکے) کے ساتھ حج کو نہیں جا سکتی۔ دیور کا لڑکا محرم نہیں اور بلا محرم شرعی کے سفر کرنے کی شرعاً اجازت نہیں۔ اگر جاوے تو شرعی قانون کی مخالفت اور خلاف ورزی کا جرم ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وقد قدمنا ان من الشرائط الوقت اعنی ان یکون مالکا لما ذکر فی اشھر الحج حتی لو ملک ما بہ الا ستطاعة قبلہا کان فی سعة من صرفھا الی غیرہ وافاد ھذا قید افی صیرورتہ دینا اذا افتقر ھو ان یکون مالکافی اشھر الحج فلم یحج والا ولی ان یقال اذا کان قادر اوقت خروج اھل لبلدة ان کانوا یخرجون قبل اشھر الحج لبعد المسافة او کان قادرا فی اشھر الحج ان کانوا یخرجون فیھا ولم یحج حتی افتقر تقرر دینا وان ملک فی غیرھا وصرفھا الی غیرہ لا شیئ علیہ کذا فی فتح القدیر بحر الرائق کتاب الحج تحت قبیل قولہ وامن طریق ج ۲ ص ۳۱۲۔

بھانجے کی لڑکی کے ساتھ حج کرے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۵۷) میرے ساتھ میرے بھانجے کی حقیقی لڑکی حج کر سکتی ہے؟ اور کیا اس کے ساتھ میرا نکاح ہو سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بھانجے کی لڑکی سے نکاح درست نہیں۔ حرام ہے، پس آپ اس کے محرم ہیں آپ کے ساتھ اس کا سفر درست ہے مگر محرم کے ساتھ سفر کرنے میں بھی یہ شرط ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو محرم دیندار پابند شرع ہو فاسق نہ ہو، لاابالی اور بے پرواہ محرم کے ساتھ سفر کرنے کی شرعاً اجازت نہیں (قوله ولا فاسق) يعم الزوج والمحرم وقيده في شرح اللباب يكونه ما جنا لايبالي (قوله لعدم حفظهما) والفاسق الذى لا مروة له كذلك ولو زوجاً (شامي ج۲ ص ۱۹۹ كتاب الحج) فقط و الله اعلم بالصواب.

کوئی شخص غریب کو حج کے لئے رقم دے تو اس پر حج فرض ہوگا یا نہیں:

(سوال ۵۸) غریب آدمی جس پر حج فرض نہیں، دوست احباب، خویش و اقارب حج کے لئے رقم بخشش دیں تو اس پر حج فرض ہوگا یا نہیں؟ اور وہ ہدایا قبول کرے یا نہ کرے؟ اگر قبول نہ کرے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ہبہ قبول کرنا نہ کرنا اس کی مرضی پر موقوف ہے اگر قبول نہ کرے تو گنہگار نہیں۔ اور قبول کرلے تو حج فرض ہو جانے گا بشرطیکہ دوسرا کوئی عذر نہ ہو، شامی میں ہے

(قوله ولو وهب الاب لابنه مالا يحج به لم يجب قبوله) وكذا عكسه وحيث لا يجب قبوله مع انه لا يمن احدهما على الاخر يعلم حكم الاجنبي بالا ولى ومراده افادة ان القدرة على الزاد والراحلة لا بد فيها من الملك دون الاباحة والعارية كما قدمناه (شامي ج ۲ ص ۲۰۹ كتاب الحج) فقط و الله اعلم بالصواب.

ہوائی جہاز کے چند گھنٹوں کے سفر میں بھی عورت کے ساتھ محرم کا ہونا ضروری ہے:

(سوال ۵۹) سفر حج میں عورت کے ساتھ شوہر یا محرم کا ساتھ ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے (اگر چہ خلاف بھی ہو رہا ہے) مگر دوبئی، افریقہ، انگلینڈ اور امریکہ وغیرہ دور دراز کا سفر اکثری حالت میں بلا محرم کیا جاتا ہے اور کہتے ہیں کہ چند گھنٹوں یا زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دو روز کا سفر ہوتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سفر شرعی یعنی اڑتالیس میل یا اس سے زیادہ دور جانے کے ارادہ سے نکلا جائے تو سفر کے احکام جاری ہو جاتے ہیں مثلاً نماز میں قصر اور عورت کے لئے شوہر یا محرم کا رفیق سفر ہونا۔ خواہ سفر چند گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہو اور سفر خواہ حج کا ہو یا تجارت یا سیر و تفریح کے لئے ہو ان سب کا یہی حکم ہے عن ابی سعيد الخدري قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يحل لا مرأة تؤ من بالله واليوم الآخر ان تسا فر سفراً يكون ثلثة ايام فصا عداً الا ومعها ابو ها او ابنها او زوجها او اخوها او ذومحرم منها رواه مسلم زجاجة المصابيح ج ۲ ص ۱۰۱ كتاب المناسك. فقط والله اعلم

والدہ کی سہیلی کے ہمراہ حج کرنا:

(سوال ۶۰) ہماری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے اور میرا ارادہ حج کے لئے جانے کا ہے، میری والدہ کے بدل ان کی ایک سہیلی جن کو میں خالہ کہتا ہوں اپنے ساتھ حج کے لئے لیجا سکتا ہوں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) والدہ مرحومہ کی سہیلی جن کو آپ خالہ کہتے ہیں حج بدل میں اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتے وہ محرم نہیں ہے اس کے ساتھ سفر کرنا حرام ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (اسی باب میں حوالہ گذر چکا ہے از مرتب)۔

عورت کا بغیر محرم کے جدہ تک جانا اور شوہر کا اس پر سکوت کرنا

(سوال ۶۱) ایک شخص حج کے لئے جارہے تھے گاؤں والوں کو خیال ہوا کہ ان کی اہلیہ کا بھی حج کا انتظام کردیں اس غرض سے چندہ کیا، چندہ کنندگان کو پہلے سے معلوم ہوگیا تھا کہ دونوں کا سفر ایک ساتھ نہیں ہوگا جدہ میں دونوں ساتھ ہوجائیں گے اس سلسلہ میں چند امور دریافت طلب ہیں۔

(۱) محرم ساتھ نہ ہونے کے باوجود ان کی اہلیہ حج کے لئے گئیں تو شرعاً ان کا سفر کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) ان کی اہلیہ کا سفر بلا محرم ہوگا گاؤں کے ذمہ دار اس سے واقف تھے اس کے باوجود انہوں نے چندہ کیا، کیا شریعت ان کے اس کام کو امر خیر بتاتی ہے؟

(۳) خاوند نے اس پر سکوت اختیار کیا اور لوگوں کو چندہ کرنے سے منع نہیں کیا کیا ان کا سکوت صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) جبکہ عورت پر حج فرض نہیں تھا اور محرم بھی ساتھ نہیں تھا تو اس کو جانا نہیں چاہئے تھا۔ حج تو ادا ہوگیا لیکن شرعی قانون شکنی کا گناہ عائد ہوگا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ جلد دوم۔ فقط (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب کو ملاحظہ کیا جائے۔ مرتب)

(۲) یہ چندہ بلا ضرورت تھا اور بلا محرم سفر کے لئے تھا اس لئے امر خیر کیسے ہوگا؟ فقط۔

(۳) خاوند نے حدیث نبوی من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان کی خلاف ورزی کی ہے، اس لئے خطاوار ہے توبہ استغفار لازم ہے فقط۔ ۱۳ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ۔

عورت کے ساتھ پورے سفر میں محرم کا ہونا ضروری ہے:

(سوال ۶۲) میں اس سال اپنی نانی کے ساتھ حج کے لئے جارہا ہوں، جاتے وقت میں ان کے ساتھ رہوں گا حج سے فراغت کے بعد میں لندن جانے والا ہوں، جدہ ایرپورٹ سے میرے ماموں میری نانی کی ہوائی جہاز میں سوار کردیں گے اور دوسرے ماموں بمبئی ایرپورٹ پر ان کے استقبال کے لئے پہنچ جائیں گے تو کیا میری نانی جدہ سے تنہا بمبئی تک ہوائی جہاز کا سفر کرسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حج کے شرائط وجوب ادا میں سے ایک شرط یہ ہے کہ عورت کے ساتھ چاہے وہ ضعیفہ ہو یا جوان پورے سفر

میں محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے اگر محرم نہ ملے تو بلا محرم حج کے لئے جانا گناہ ہے۔ محرم نہ مل سکے تو حج بدل کی وصیت کرے اور رقم نکال کر الگ کردے، فتاوی قاضی خان میں ہے و اجمعوا علی ان العجوز لا تسافر بغیر محرم و لا تخلو برجل شاباً کان او شیخاً . یعنی فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ ضعیفہ عورت بھی بغیر محرم کے سفر نہ کرے اور نہ کسی اجنبی کے ساتھ تنہائی اختیار کرے وہ اجنبی جوان ہو یا بوڑھا فتاویٰ قاضی خاں ج ۱ ص ۸۷۔

آپ کی نانی کا جدہ سے بمبئی تک کا سفر" سفر شرعی" ہے چاہے یہ سفر چار پانچ گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہو، اس درمیان چار رکعت والی نماز کا وقت آجائے تو نماز میں قصر کرنا واجب ہوگا، حج اتمام جائز نہیں، جب یہ سفر شرعی ہے تو بغیر محرم کے یہ سفر کرنا گناہ اور فرمان نبوی ﷺ "لایحل لا مرأة تو من باللہ و الیوم الا خر ان تسافر سفرا یکون ثلثة ایام الا و معها ابو ها او ابنها او زوجها او اخوها او ذو محرم منها رواه مسلم (زجاجة المصابیح ج ۲ ص ۱۰۱ کتاب المناسک) کے خلاف ہوگا۔ فقط و اللہ اعلم ۲۵ رجب المرجب ۱۴۰۳ھ۔

مکہ مکرمہ پہنچ کر شوہر کا انتقال ہو گیا تو بیوی کیا کرے؟:

(سوال ۶۳) یہاں سے ایک صاحب مع اپنی اہلیہ کے ادائے فریضہ حج کے لئے تشریف لے گئے اور مکہ مکرمہ پہنچ کر ایک دو دن ہی میں شوہر کا انتقال ہو گیا اب ان کی اہلیہ کے لئے جو اس وقت بیوہ بن چکی ہے ایک الجھن پیدا ہوگئی ہے امید ہے کہ مندرجہ ذیل مسائل میں رہبری فرمائیں گے۔

(۱) ایام حج یعنی ارکین حج کے ادا کرنے کے ایام میں ابھی بہت دن باقی ہیں اور وہاں کوئی محرم بیوی کے ساتھ نہیں ہے تو غیر محرم کے ساتھ رہ کر افعال حج ادا کر سکتی ہے؟

(۲) یہاں سے اگر ان کے لڑکے کو بھیجا جائے تو؟

(۳) غیر محرم یا محرم کے ساتھ بحالت عدت مدینہ طیبہ جا سکتی ہے یا نہیں؟

(۴) عدت وفات کو فی الفور عمل میں لانا ضروری ہے یا بعد ادائے حج عدت پوری کرے یا حج کے ارکان ادا کئے بغیر واپس آنا ضروری ہے؟ امید ہے کہ مفصل جواب تحریر فرمائیں گے۔

نوٹ:

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ صاحب مال ہونے کی وجہ سے عورت پر بھی حج فرض تھا۔ (از لوناواڈہ۔ ضلع پنچ محل)

(الجواب) حامداً و مصلیاً و مسلماً (۱) غیر محرم کے ساتھ تھوڑی دیر بھی تنہائی میں رہنا حرام ہے تو غیر محرم کی معیت میں حج کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟(۱)

(۲) بیوہ کی حفاظت اور انس و دلداری کے لئے لڑکے کا جانا بہت ضروری ہے۔ فقط

(۱) وعن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یخلون رجل بامرأة الا کان ثالثهما الشیطان رواه الترمذی مشکوة باب النظر الی المخطوبه ص ۲۶۹ فقط۔

(۳) بحالت عدت فرض حج کے لئے سفر کرنا درست نہیں ہے تو مدینہ طیبہ جانے کی اجازت کیسے ہوگی؟ فقط۔

(۴) وفات کی عدت وفات کے وقت سے شروع ہو جاتی ہے اسے مؤخر نہیں کیا جا سکتا ابتداء العدۃفی الطلاق عقیب الطلاق والوفاۃ فان لم تعلم بالطلاق او الوفاۃ حتی مضت مدۃ العدۃ فقد نقضت عدتھا (فتاوی عالمگیری ج ۲ ص ۱۶۰ الباب الثالث عشر فی العدۃ شامی ایضاً ج ۲ ص ۸۳۹) مکہ معظمہ میں محرم کے ساتھ عدت پوری کی جا سکے تو فبہا ورنہ بحفاظت وطن میں آ جانا چاہئے۔

بحالت موجودہ محرم کے ساتھ بھی حج کے لئے عرفات جانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے منھا العدۃ فلو اھلت بالحج فطلقھا زوجھا ولزمتھا العدۃ صارت محصرۃ ولو مقیمۃ اومسافرۃ معھا محرم (شامی ج ۲ ص ۳۲۰ باب الاحصار) ممکن ہو تو ایک ساتھ رہ کر حج کر کے آئے یا آئندہ سال حج کے لئے واپس جائے عذر شرعی کی وجہ سے نہ جا سکے تو حج بدل کی وصیت کر جائے۔ یہ اصل مسئلہ ہے مگر چونکہ حکومت کے جانب سے قانون سخت ہو گئے ہیں اور ناقابل برداشت۔ دشواریوں کا سامنا ہے اس لئے کتاب ''زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک'' میں لکھا ہے کہ ''اگر چہ مکہ معظمہ ہی میں ہو تو عرفات پر نہ جائے بلکہ عمرہ کے افعال بجالا کر حلال ہو اور چاہے تو فوت ہونے وقت وقوف عرفہ کے حلال ہو جائے، اس مسئلہ میں بہت ہی مشکل پیش آوے گی۔ الیٰ قولہ۔ تو یہ بھی اسی طرح معذور سمجھی جاوے جیسے بوادی وغیرہ میں جہاں اقامت مشکل ہو تو مکہ مکرمہ کو چلی جانے کا جواز ہے تو اب اس حالت میں عرفات پر حج کرنے کو جانے تو عذر ہو سکتا ہے، ورنہ اس کو نہایت ہی مشکل پیش آئے گی اگر افعال عمرہ بجالا کر حلال ہوگی تو پھر حج کی قضا کرنی لازم ہوگی پھر اس کے لئے وہاں رہنا یا واپس آنا نہایت دشوار ہوگا۔ واللہ اعلم۔ کسی کتاب معتبر میں اس کے متعلق جواز کی گنجائش نظر سے گذری تھی لیکن اب بہت تلاش کرنے سے بھی نہیں ملی غالباً کبیر میں کہیں عبارت تھی۔ ناقل (زبدۃ المناسک ص ۲۴۔ ۲۵) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عدت کی حالت میں حج کے لئے جانا درست ہے یا نہیں؟:

(سوال ۶۴) میاں بیوی دونوں اس سال حج کے لئے جانے والے تھے کہ شوہر کا انتقال ۲۹ رمضان المبارک کو ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. اب بیوی حج بیت اللہ کے لئے جا سکتی ہے یا نہیں عورت کے ساتھ اس سال اس کے والد حج کے لئے جانے کے لئے تیار ہیں وہ اپنے مرحوم داماد کی طرف سے حج بدل کے لئے جائیں گے اور وہ اپنا فرض حج کر چکے ہیں۔ ایک بات واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں اگر کسی وجہ سے اس سال عورت حج کے لئے نہیں جا سکتی تو آئندہ سال دو دشواریاں سامنے ہیں ایک یہ کہ آئندہ سال منظوری ملے یا نہ ملے، دوسری یہ کہ محرم ملے یا نہ ملے، اس لئے کہ عورت کے والد کافی عمر رسیدہ ہیں، ان امور کو پیش نظر رکھ کر جواب مرحمت فرمائیں۔ (بمبئی)

(الجواب) عدت کی حالت میں عورت کو حج کے لئے سفر کرنے کی شرعاً اجازت نہیں، اگر جائے گی تو گنہگار ہوگی آئندہ سال یا جب منظوری مل جائے محرم کے ہمراہ حج کے لئے جائے اگر خدانخواستہ آخر تک اجازت نہ ملی یا محرم نہ مل سکا تو حج بدل کی وصیت کر جائے، درمختار میں ہے (ومع عدم عدۃ علیھا مطلقاً) ایۃ عدۃ کانت (قولہ ومع

عدم عدة الخ) ای فلا یجب علیها الحج اذا وجد (قوله ایة عدة کانت) ای سواء کانت عدة وفاة اوطلاقةبائن او رجعی ح (درمختار والشامی ج۲ ص ۲۰۰ کتاب الحج) معلم الحجاج میں ہے۔

مسئلہ:

عورت کے لئے حج کو جانا اس وقت واجب ہے جب عدت میں نہ ہو اگر عدت میں ہے تو جانا واجب نہیں اور عدت چاہے موت کی ہو یا فسخ نکاح کی اور طلاق وغیرہ کی اور طلاق خواہ رجعی ہو یا بائن سب کا ایک حکم ہے (معلم الحجاج ص ۹۸) بہشتی زیور میں ہے۔

مسئلہ:

نمبر ۱۶ اگر یہ عورت عدت میں ہو تو عدت چھوڑ کر حج کو جانا درست نہیں (ص ۵۳ تیسرا حصہ) فقط واللہ اعلم ۲۵ شوال المکرم ۱۴۰۳ھ۔

ساس اپنے داماد کے ہمراہ حج کے لئے جاسکتی ہے یا نہیں؟:

(سوال ۶۵) ساس اپنے داماد کے ساتھ حج کے لئے جاسکتی ہے یا نہیں؟ داماد اپنی ساس کے لئے محرم ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) داماد اپنی ساس کے لئے محرم ہے، ان میں ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے القسم الثانی المحرمات بالصهرية وهی اربع فرق الا ولی امهات الزوجات وجداتهن من قبل الا ب والام وان علون (عالمگیری ج۲ ص۵ کتاب النکاح القسم الثانی المحرمات بالصهرية) مگر آج کل فتنہ کا زمانہ ہے، سسرالی رشتہ سے احتیاط کی ضرورت ہے خصوصاً جب کہ جوان ہوں معلم الحاج میں ہے" مگر اس زمانہ میں سسرالی رشتہ اور دودھ کے رشتہ سے احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ فتنہ کا زمانہ ہے اس لئے ان لوگوں کے ساتھ حج نہ کیا جاوے (معلم الحجاج ص ۹۵ شرائط وجوب ادا،)

شامی میں ہے: لما قالوا من کراهة الخلوة بالا خت رضاعاً والصهرة شابة (شامی ص ۵۲۹ ج) اس سفر میں اکثر خلوت کا موقع آتا ہے کا ہے مس کی ضرورت بھی پیش آتی ہے اس لئے ساس کے ساتھ سفر کرنے سے احتراز کرنا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اپنی بھانجی کے بیٹے کے ساتھ حج کے لئے جانا:

(سوال ۶۶) عورت اپنی بھانجی کے بیٹے (یعنی اپنی بہن کے نواسے) کے ساتھ حج کے لئے جاسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا؟

(الجواب) عورت کے لئے اس کی بھانجی کا بیٹا (بہن کا نواسہ) محرم ہے اور ان کے درمیان نکاح حرام ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے، واما الا خوات فالاخت لاب وام والا خت لاب والاخت لام کذا بنات الا خ و

والاخت وان سفلن (فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۵، کتاب النکاح باب ۳، القسم الاول المحرمات بالنسب)

القول الجازم فی بیان المحارم میں ہے(۳) فروع والدین یعنی وہ مرد یا عورت جن کی پیدائش کے باپ یا ماں (بلا واسطہ یا بالواسطہ) ذریعہ ہوں جیسے بھائی بہن بھانجا، بھانجی بھتیجا بھتیجی اوران کی اولاد جہاں تک نیچے کے درجہ کی ہو سب کے سب حرام ہیں (القول الجازم ص ۴ تفصیل محرمات مصنفہ بحر العلوم حضرت مولانا سعید احمد صاحب لکھنویؒ)۔

لہٰذا جب عورت اوراس کی بھانجی کے بیٹے کے درمیان نکاح حرام ہے تو وہ اس کے لئے محرم ہوا، اس لئے صورت مسئولہ میں عورت اپنی بھانجی کے بیٹے کے ساتھ حج کے لئے جاسکتی ہے اتنا احتیاط کیا جائے کہ وہ فاسق وفاجر نہ ہو، فاسق فاجر پر اطمینان نہیں ہوتا، فقہاء اس کے ساتھ سفر کرنے سے منع فرماتے ہیں۔

معلم الحجاج میں ہے: مسئلہ محرم کو بھی اسی وقت سفر میں ساتھ جانا جائز ہے جب کہ فتنہ اور شہوت کا اندیشہ نہ ہو، اگر ظن غالب یہ ہے کہ سفر کرنے کی صورت میں خلوت میں یا ضرورت کے وقت چھونے سے شہوت ہو جانے کی تو اس کو ساتھ جانا جائز نہیں۔ (معلم الحجاج ص ۷۹ شرائط وجوب اداء)

شامی میں ہے: لما قالوا من کراھة الخلوة بالا خت رضاعاً والصھرة شابة (شامی ج ۱ ص ۵۲۹) فقط و اللہ اعلم بالصواب۔

شوہر کے پیسوں سے بیوی حج کرے تو ان پیسوں پر قبضہ ضروری ہے یا نہیں؟:

(سوال ۶۷) ایک شخص اپنی بیوی کو حج کے لئے لے جانا چاہتا ہے اوراس نے اپنی بیوی کے پیسے خود ہی حج کمیٹی میں بھر دیئے ہیں تو وہ شخص اس صورت میں حج کے لئے لے جا سکتا ہے یا نہیں؟ ہم نے یہ سنا ہے کہ پہلے بیوی کو رقم دے کر مالک بنا دینا چاہئے تا کہ وہ جب حج ادا کرے تو فرض حج ادا ہو، تو مذکورہ صورت میں کیا حکم ہوگا؟ اگر عورت جائے گی تو اس کا حج فرض ادا ہوگا یا نفل، خلاصہ فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) آپ نے جو بات لکھی ہے یہ شرط کے طور پر نہیں ہے، یہ صرف احتیاطی صورت ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو یا شوہر اپنی بیوی کو پیسے دے کر اپنے ساتھ حج کے لئے لے جا رہا ہو تو احتیاط یہ ہے کہ اس کو رقم سے مالک بنا دے، خدانخواستہ سفر میں نا اتفاقی ہو جائے اور وہ شخص خرچ کرنے سے انکار کردے تو دوسرے شخص کو پریشانی ہوگی، اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ خرچ دینے والے کا حج کسی شرعی عذر کی وجہ سے فوت ہو جائے تو ممکن ہے کہ دوسرے شخص کا بھی حج فوت ہو جائے، اگر پہلے سے رقم دے کر مالک بنا دیا جائے تو اس قسم کی پریشانی کی صورت پیدا نہ ہوگی، نیز اس میں یہ بھی مصلحت ہے کہ دو شخصوں کے پاس رقم رہے گی تو رقم کی حفاظت رہے گی، اگر پوری رقم ایک شخص کے پاس ہو اوراس کے پاس رقم گم ہو جائے یا چوری ہو جائے تو سب پیسے ختم ہو جائیں گے اور دونوں کو پریشانی ہوگی۔ نیز اگر ہر ایک کے پاس پیسے رہیں گے تو بوقت ضرورت ہر ایک اپنی ضرورت کی چیز خرید سکے گا ان مصالح کے پیش نظر یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو رقم دے دے، ورنہ فی نفسہ مسئلہ یہ ہے کہ غیر مستطیع شخص کی طرح مکہ مکرمہ پہنچ جائے اور

وفرض حج یا صرف حج کی نیت سے حج ادا کرے تو فرض حج ادا ہو جاتا ہے البتہ اگر نفل حج کی نیت سے احرام باندھیں تو نفل حج ادا ہوگا (فتاویٰ رحیمیہ ۲/۶۲ ۶۳ (جدید ترتیب کے مطابق کتاب الحج میں بعنوان غریب حج ادا کرنے کے بعد مالدار ہو جائے، سے دیکھیں ۔ از مرتب۔)

لہذا صورت مسئولہ میں عورت بلا تکلیف حج کے لئے جاسکتی ہے، البتہ وہ عورت فرض حج کی نیت سے احرام باندھے نفل حج کی نیت سے احرام نہ باندھے ورنہ فرض حج ادا نہ ہوگا نفل ہو جائے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورت محرم کے بغیر حج کے لئے نہ جاوے:

(سوال ۶۸) لڑکی اپنی والدہ کو بنکاک سے وایا بمبئی ہو کر جدہ تک چھوڑنے جانا چاہتی ہے، والدہ کا کوئی محرم بمبئی سے ہوائی جہاز میں ساتھ ہو جاوے گا، لیکن خود لڑکی کے ساتھ کوئی محرم نہیں، نیز فی الحال حج کی نیت بھی نہیں، مطلب یہ کہ بعد میں جانا چاہے تو کس نیت سے مکہ شریف جاسکتی ہے، لڑکی نے دو تین حج کئے ہیں ایسے ہی اس کے شوہر نے بھی تین چار حج کئے ہیں اس کے باوجود امسال بھی والدہ کی معیت میں جانے کا ارادہ ہے بعض موانع دور ہونے کے بعد لڑکی کا شوہر بھی اپنی عورت (جو مکہ شریف پہنچ چکی ہے) کے ساتھ حج کرنا چاہتے تو کیا شکل ہے اور کس طرح نیت کرے؟

(الجواب) والدہ اپنا فرض حج ادا کرنے کی غرض سے جارہی ہے تو بنکاک سے محرم ہونا ضروری ہے [illegible] نہیں، نیز وہ لڑکی بھی محرم یا شوہر کے بغیر سفر نہیں کر سکتی، حرام ہے (قوله مع زوج و محرم) هذا وقوله ومع عدم عدة عليها شرطان مختصان بالمرأة (شامي ۲/۱۹۹ كتاب الحج) زجاجة المصابيح ۲/۱۰۱) لہذا بمبئی سے بھتیجہ بنکاک آکر اپنی پھوپھی کو لے جاوے یا داماد وغیرہ کوئی محرم شخص بمبئی تک پہنچا دے۔ لڑکی اگر والدہ کی معیت میں حج کو جانا چاہتی ہے تو شوہر یا کسی محرم کو ساتھ کرلے، ماموں کا لڑکا محرم نہیں، جو اپنا فرض حج کر چکا ہو وہ نفلی حج یا حج بدل کی نیت سے حج کر سکتا ہے (ملاحظہ ہو، شامی ۲/۳۳۱ مطلب فی حج الضرورة)

ضعیفہ بغیر محرم کے حج نہ کرے:

(سوال ۶۹) ایک عورت کے دو لڑکے دوسرے ملک میں رہتے ہیں جن میں سے ایک لڑکا امسال حج کے لئے جانے والا ہے وہ سیدھا مکہ مکرمہ چلا جاوے گا، وہ چاہتا ہے کہ اپنے مرحوم بھائی کی طرف سے والدہ کو حج بدل کراوے جس کی صورت یہ ہوگی کہ والدہ بذریعۂ ہوائی جہاز بمبئی سے جدہ تک آجاوے وہاں ایر پورٹ پر لینے کے لئے وہ لڑکا آوے گا، مطلب یہ ہے کہ مذکورہ عورت حج بدل کے لئے جاوے تو اسے بمبئی سے جدہ تک محرم کے بغیر سفر کرنا پڑے گا، بقیہ سفر میں ہندوستان آنے تک لڑکا ساتھ رہے گا، عورت کی عمر ۷۵ سے ۸۰ سال کے درمیان ہے، جس مذکورہ صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں عورت کے گھر سے جدہ تک بھی محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے، بغیر محرم کے حج کے لئے جانا منع ہے، حدیث شریف میں ہے کہ کبھی بھی کوئی عورت محرم کے بغیر سفر حج نہ کرے۔ عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا تحج امرأة الا ومعها محرم رواه الدار قطني ايضا عن ابن جريج

ولفظه لا تحجن امرأة او معها ذو محرم (زجاجة المصابيح ۲/۱۰۱ کتاب المناسک)

فتاویٰ قاضی خاں میں لکھا ہے اور فقہائے کرام کا اس پر اجماع ہے کہ ضعیف وکمزور عورت بھی بلا محرم سفر نہ کرے۔ **ولا يثبت الا ستطاعة للمرأة اذا كان بينها وبين مكة مسيرة سفر شابة كانت او عجوزة الا بمحرم** (فتاوىٰ قاضى خان ۱/۱۳۵ كتاب الحج)

جب عورت کے حق میں اپنے فرض حج کی ادائیگی میں شوہر یا کسی محرم کے ساتھ ہونا ضروری ہے محرم نہ ہو تو حج بدل کی وصیت کرے مگر محرم کے بغیر حج نہیں کرسکتی تو دوسرے کی طرف سے حج بدل میں بلا محرم جانا کیسے جائز ہوگا یجب الایصاء ان منع المرض اوخوف الطریق اولم یوجد زوج ولا محرم .(شامی ۲/۲۰۰ کتاب الحج) مذکورہ عورت جانا ہی چاہتی ہے تو ہندوستان سے اپنے ساتھ کسی محرم کو کرلے یا پھر خود لڑکا آکر والدہ کو ساتھ لے جاوے اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔

شوہر کا بھتیجا محرم نہیں :

(سوال ۷۰) عورت اپنے حقیقی بھتیجہ کے ساتھ حج کے لئے جاسکتی ہے؟ (درانحالیکہ کوئی اور محرم نہیں)

(الجواب) عورت اپنے حقیقی بھتیجہ کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے (اسی باب میں حوالہ گذر چکا ہے ازمرتب) لیکن شوہر کے بھتیجہ کے ساتھ جانا جائز نہیں، کوئی محرم نہ ہو تو حج بدل کی وصیت کردے، غیر محرم کے ساتھ یا بلا محرم کے حج کرنا درست نہیں ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔

دیور و جیٹھ محرم نہیں :

(سوال ۷۱) عورت اور لڑکا اور دوسرے لڑکے کی بیوی حج کرسکتے ہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں عورت حج کے لئے جاسکتی ہے، کیونکہ عورت کا لڑکا (جو کہ محرم ہے) ساتھ ہے لیکن دوسرے لڑکے کی بیوی نہیں جاسکتی اس لئے کہ ساس ودیور یا جیٹھ سے محرم کا مقصود حاصل نہیں ہوتا، ایضاً فقط واللہ اعلم ۔

سوتیلا داماد محرم نہیں :

(سوال ۷۲) سوتیلی ساس اپنے سوتیلے داماد کے ساتھ حج کرسکتی ہے یا نہیں؟ جواب نفی میں ہو تو حج کرنے کی صورت میں حج ادا ہوگا؟

(الجواب) سوتیلا داماد محرم نہیں، لہٰذا سوتیلی ساس اس کے ساتھ سفر حج نہیں کرسکتی پھر بھی اگر جاوے گی تو فریضۂ حج تو ادا ہوجائے گا، لیکن شرعی حکم کی خلاف ورزی کا شدید جرم دونوں پر عائد ہوگا اور سخت گنہگار ہوں گے ولو حجت بلا محرم جاز مع الكراهة (طحطاوی ص ۳۹۷ کتاب الحج)

حج کے لئے تنہا عورتوں کا قافلہ :

(سوال ۷۳) یہاں افریقہ سے تین چار عورتیں (جن کی مالی حالت اچھی ہے اور کوئی محرم وغیرہ نہیں) جماعت کی شکل

میں حج کے لئے جانا چاہتی ہیں، اس طرح قافلہ بنا کر جانا کیسا ہے؟ کوئی ذی حیثیت عورت حج کرنا چاہتی ہے مگر کوئی محرم نہ ہو تو کیا وہ حج سے محروم رہے؟

(الجواب) فطری اور قدرتی طور پر مرد کا میلان عورت کی طرف اور عورت کا میلان مرد کی طرف ہوتا ہی ہے اور شیطان ملعون بھی معاصی میں مبتلا کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا رہتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ مردوں کے حق میں عورتوں سے زیادہ ضرررساں کوئی فتنہ نہیں، **عن اسامة بن زيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما تركت بعدى فتنة اضر على الرجال من النساء، متفق عليه (مشكوٰة ص ٢٦٧ كتاب النكاح)** اور آپ ﷺ نے مردوں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ عورتوں (کے فتنہ) سے بچو کیونکہ بنی اسرائیل کی تباہی کا باعث سب سے پہلا فتنہ عورتوں ہی کی صورت میں تھا۔

فى حديث ابى سعيد الخدرى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم واتقوا النساء فان اول فتنة بنى اسرائيل كانت فى النساء، رواه مسلم (ايضاً) اور حدیث میں ہے اس شخص پر کہ جس نے (بلا عذر و بغیر اضطرار) دیکھا اور اس پر کہ جس کو دیکھا گیا اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ **عن الحسن مرسلا قال بلغنى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لعن الله الناظر والمنظور اليه رواه البيهقى فى شعب الايمان، (ايضاً ص ٢٧٠ كتاب النكاح)**

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا عورت کے لئے کیا بات بہتر ہے؟ فرمایا نہ وہ کسی مرد کو دیکھے اور نہ کوئی مرد اس کو دیکھے۔ **روى انه عليه السلام قال لا بنته فاطمة اى شئى خير للمرأة قالت ان لا ترى رجلا ولا يراها رجلا (مجالس الابرار مجلس ٩٨/ص ٥٩٨، ص ٥٩٧)**

حدیث شریف میں ہے کہ عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی صورت میں جاتی ہے۔ **عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان المرأة تقبل فى صورة شيطان وتدبر فى صورة شيطان (الحديث. مشكوٰة ص ٢٦٨ باب النظر الى المخطوبة)**

اور فرمان نبوی ہے: "**المرأة عورة فاذا خرجت استشر فها الشيطان**" یعنی عورت پردہ میں رہنے کی چیز ہے چنانچہ جب کوئی عورت (اپنے پردہ سے باہر) نکلتی ہے تو شیطان اس کو مردوں کی نظر میں اچھا کر کے دکھاتا ہے (**ايضاً ص ٢٦٩ باب النظر الى المخطوبه**)۔

گھر سے باہر نکلنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو تاکید فرمائی ہے "**وقرن فى بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى**"، اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھاتی نہ پھرو جیسا کہ دکھلانا دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں (سورۃ احزاب) البتہ بوقت ضرورت شرعی وطبعیہ بلا آرائش وزیبائش کے سادہ اور غیر جاذب لباس میں شرعی پابندی اور احتیاطی تدابیر اختیار کر کے نکلے تو اس کی اجازت ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "**قل للمؤمنات يغضضن من ابصارهن ويحفظن فروجهن ولا يبدين زينتهن**" اور کہہ دے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں (یعنی غیر محرم کو نہ دیکھیں) اور تھامتے رہیں اپنے ستر کو اور نہ دکھلائیں اپنا سنگھار (سورۂ نور)

اور حدیث میں ہے جب عورت عطر (سینٹ، پاؤڈر، خوشبو وغیرہ) لگا کر (مردوں کی) مجلس سے گذری تو وہ

ایسی اور ایسی ہے یعنی زانیہ ہے عن ابن موسی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل عین زانية وان المرأة اذا استعطرت فمرت بالمجلس فهي كذا وكذا يعني زانية (مشکوۃ ص ۹۶ باب الجماعة وفضلها)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا (غیر محرم کو) دیکھنا ہے، اور کان زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا (غیر محرم کی آواز کا) سننا ہے اور زبان زنا کرتی ہے، اور اس کا زنا (غیر محرم سے) بات چیت کرنا ہے اور ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا (غیر محرم کو) پکڑنا ہے۔

عن ابی هريرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال كتب على ابن آدم نصيبه من الزنا مدرک ذلک لا محالة فالعيناه زناهما النظر والاذنان زناهما الاستماع واللسان زناه الكلام واليد زناها البطش (الحديث) (مسلم ۲/۳۳۶، مشکوۃ ص ۲۰ باب الایمان بالقدر)

اور آپ ﷺ نے فرمایا اے لوگو اپنی عورتوں کو بناؤ سنگھار والا لباس پہن کر مسجد وغیرہ میں مٹکنے (اٹھلنے) سے روکو، کیونکہ بنی اسرائیل سے اس وقت تک لعنت روک دی گئی جب تک ان کی عورتوں نے بناؤ سنگھار کا لباس پہن کر مسجد وغیرہ میں مٹکنا (ٹہلنا) اختیار نہ کیا۔

عن عائشة قالت بينما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالس في المسجد اذ دخلت امرأة من مزينة ترفل في زينة لها في المسجد فقال النبي صلی اللہ علیہ وسلم یایها الناس انهوا نساء كم عن لبس الزينة والتبختر في المسجد فان بني اسرائيل لم يلعنوا حتى لبس نسائهم الزينة وتبخترن في المساجد (ابن ماجه ص ۲۹۷ ابواب الفتن باب فتنة النسآء)

منجملہ ضروریات شرعیہ کے ایک ضرورت حج کی ادائیگی بھی ہے جس کے لئے ضابطۂ شرعیہ اور فتنہ وفساد سے حفاظت کی ایک زائد احتیاطی تدبیر یہ ہے کہ عورت کے سفر حج میں دیندار محرم یا شوہر ساتھ ہو جو اس کی پورے طور سے حفاظت کر سکے، ورنہ سفر حج کی بھی اجازت نہیں، جاوے گی تو شرعی حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے گنہگار ہوگی۔

حدیث شریف میں ہے:" لاتحجن امرأة الا ومعها ذو محرم " یعنی عورت محرم کے بغیر ہرگز حج نہ کرے (زجاجۃ المصابیح ۲/۱۰۱ کتاب المناسک)

ایک اور حدیث میں ہے، ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ میں فلاں جہاد میں جانے والا ہوں اور میری اہلیہ حج کرنا چاہتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا لوٹ جا عورت کے ساتھ رہ کر حج کرآ ،وفي رواية للبزاز عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تحج امرأة الا ومعها محرم فقال رجل یا نبی اللہ انی اكتتبت في غزوة كذا وامرأتي حاجة قال ارجع فحج معها (ایضاً ۲/۱۰۱ الکتاب المناسک)

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے خدا اور روز قیامت پر ایمان لانے والی کے لئے حلال نہیں کہ تین دن (باعتبار میل اڑتالیس میل) یا اس سے زائد مسافت کا سفر کرے الا یہ کہ اس کے ساتھ باپ شوہر بھائی وغیرہ میں سے کوئی محرم ساتھ ہو۔

عن ابی سعيد الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا يحل لا مرأة تؤمن

باللہ والیوم الاخر ان تسافر سفرا یکون ثلاثۃ ایام فصاعداً الا ومعھا ابوھا او ابنھا او زوجھا او اخوھا او ذو محرم منھا (مسلم ۱/۴۳۴ باب سفر المرأۃ مع محرم الی حج وغیرہ)

دیگر روایات میں حالات اور فتنہ کے اندیشہ کے پیش نظر دو دن، ایک رات دن صرف ایک رات، اور صرف ایک دن کے سفر میں بھی محرم کا ساتھ ہونا شرط ہے ملاحظہ ہو۔

وفی روایۃ نھی ان تسافر المرأۃ مسیرۃ یومین وفی روایۃ لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الاخر تسافر مسیرۃ یوم الا مع ذی محرم وفی روایۃ لا یحل لا مرأۃ مسلمۃ تسافر مسیرۃ لیلۃ الا ومعھا ذو حرمۃ منھا وفی روایۃ مسیرۃ یوم ولیلۃ (مسلم مع شرحہ للنووی ۱/۴۳۲، ص ۴۳۳ ایضا)

حالت سفر میں عورتوں کی عصمت و ناموس کی جس قدر حفاظت شوہر اور محرم کر سکتا ہے وہ عورتیں نہیں کر سکتیں بلکہ خود عورتیں عصمت و پاکدامنی کی حفاظت کے لئے دوسرے کی محتاج ہیں، اور از روئے حدیث **وما رأیت من ناقصات عقل ودین اذھب للب الرجل الحازم من احداکن الحدیث . (بخاری ۱/۴۴ باب ترک الحائض الصوم)** عورت ناقص العقل والدین ہے، تو وہ دوسری عورتوں کی عصمت اور دین کی کیا خاک حفاظت کرے گی؟ بلکہ اندیشۂ فتنہ میں اضافہ ہوگا۔ ہدایہ میں ہے کہ حج کے لئے محرم یا شوہر کا ساتھ ہونا شرط اس لئے ہے کہ محرم کے بغیر عورت کے حق میں فتنہ کا خطرہ ہے اور صرف عورتیں ہی عورتیں ہونے کی صورت میں خوف فتنہ بڑھ جائے گا۔ **ویعتبر فی المرأۃ ان یکون لھا محرم تحج بہ اوزوج (الی قولہ) ولا نھا بدون المحرم یخاف علیھا الفتنۃ وتزداد بانضمام غیرھا الیھا (ھدایہ ۱/۲۱۳ کتاب الحج)** سڑک پر ایک چھوٹے بچہ کے لئے گاڑی، گھوڑے وغیرہ کا جو خطرہ رہتا ہے اس کے ساتھ دو چار بچے اور ہو جانے سے اندیشہ ختم ہوگا یا بڑھے گا؟

عورت کے حق میں محرم کی شرط اور ضرورت حج سے محرومی کا باعث نہیں بلکہ اس کی عصمت و ناموس کی حفاظت اور بدگمانی بدنامی اور تہمت سے بچانے کے لئے ہے جس کے بغیر عورت کی کوئی قیمت نہیں، لہذا عورتوں کو چاہئے کہ احکام شرعیہ کی قدر کریں اور شریعت کو محسن سمجھیں، رہا حج کا معاملہ تو کوئی محرم نہ ملے تو شریعت نے حج بدل کی بھی اجازت دی ہے جس میں وہ پورے ثواب کی مستحق ہوگی اور مزید برآں شرعی حکم کی تابعداری کرنے والی اور مستحق اجر عظیم ہوگی، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

متبنی بیٹے کے ساتھ حج کے لئے جانا جائز ہے یا نہیں؟:

(سوال ۴۷) ایک عورت نے بچپن سے ایک لڑکے کی پرورش کی ہے اور اسے اپنا متبنی بیٹا بنایا ہے، بعد میں اس لڑکے کی شادی بھی کرادی ہے لڑکا اس عورت کو ''امی'' اور وہ عورت اسے ''بیٹا'' کہہ کر پکارتی ہے، وہ عورت اس متبنی بیٹے کے ساتھ حج یا عمرہ کے لئے جا سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) متبنی بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہے، قرآن مجید میں ہے **وما جعل ادعیاء کم ابناء کم ذلکم قولکم بافواھکم واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل O ادعوھم لاباءھم ھو اقسط عند اللہ.** (ترجمہ) اور تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (سچ مچ) کا بیٹا نہیں بنا دیا یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے (جو غلط ہے واقع

کے مطابق نہیں) اور اللہ تعالیٰ حق بات فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ بتلاتا ہے (اور جب منہ بولے بیٹے واقع میں تمہارے بیٹے نہیں تو) تم ان کو (متبنی بنانے والوں کا بیٹا مت کہو، بلکہ) ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کیا کرو، یہ اللہ کے نزدیک راستی کی بات ہے (قرآن مجید، سورۂ احزاب، آیت نمبر ۴ پارہ نمبر ۲۱)

لہٰذا وہ لڑکا عورت کے حق میں محرم نہیں ہے اس کے ساتھ حج یا عمرہ کے لئے جانا جائز نہیں ہے۔ (اسی باب میں حوالہ گذر چکا ہے از مرتب)۔

بوڑھی عورت کا اپنے پھوپھی زاد بھائی کے ساتھ حج میں جانا:

(سوال ۷۵) ایک بڑی عمر کی خاتون ہے، وہ اپنے پھوپھی زاد بھائی کے ساتھ جوان کا بہنوئی بھی ہے حج ادا کرنے جاسکتی ہے یا نہیں؟

(الجواب) عورت جوان ہو یا ضعیفہ اس کے لئے محرم کے بغیر حج کے لئے جانا جائز نہیں۔ حدیث میں ہے **لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تسافر مسیر قیوم ولیلۃ الا مع ذی محرم علیھا (رواہ ابو ھریرۃ، مسلم شریف ص ۴۳۴ جلد نمبر ۱ باب سفر المرأۃ مع محرم الی حج وغیرہ)۔**

(ترجمہ):

اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے والی عورت کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ بغیر محرم کے ایک دن رات کا بھی سفر کرے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: **ومنھا المحرم للمرأۃ شابۃ کانت او عجوزۃ اذا کانت بینھا وبین مکۃ مسیرۃ ثلاثۃ ایام ھکذا فی المحیط ۱/۲۱۸ کتاب المناسک (واما شرائط وجوبہ)**

یعنی وجوب اداء کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اگر عورت اور مکہ معظمہ کے درمیان تین دن (تین منزل) فاصلہ ہو تو محرم کا ہمراہ ہونا ضروری ہے، عورت معمرہ (ضعیفہ) ہو یا جوان۔

اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:۔ **اجمعوا علی ان المعجوز لا تسافر بغیر محرم** ... فقہاء کا جماع ہے کہ بڑھیا عورت (بھی) محرم کے بغیر سفر نہ کرے (فتاویٰ قاضی خاں ۱/۲۸۷ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ۲/۵۵، ۵۶ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں بعنوان، بڑھیا بغیر محرم حج کر سکتی ہے یا نہیں، سے دیکھیں ص ۔۔ از مرتب)

عورت کے ساتھ اگر کوئی محرم جانے والا نہ ہو اور خود اپنی رقم سے کسی کو ساتھ لے جانے پر قادر نہ ہو تو ایسی عورت پر حج کی ادائیگی کے لئے جانا فرض نہیں ہوتا۔

اگر اخیر زندگی تک محرم میسر نہ ہو سکے تو ایسی صورت میں عورت حج بدل کی وصیت کرے،[1] صورت مسئولہ میں آپ کا پھوپھی زاد بھائی (جو آپ کا بہنوئی بھی) آپ کے لئے محرم نہیں ہے، لہٰذا آپ ان کے ساتھ (... کی بہن ساتھ ہو) حج کے لئے نہیں جاسکتی۔

---

(۱) فیجب الا یصاء ان منع المرض او خوف الطریق اولم یوجد زوج ولا محرم شامی کتاب الحج ج ۲ ص ۰۰

آپ شریعت کے حکم کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے ہمراہ حج میں نہیں جائیں گی تو آپ محروم نہیں رہیں گی، حکم شرع پر عمل کرنے کا انشاء اللہ اجر وثواب ملے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

داماد کے ساتھ سفر حج کرنا:

(سوال ۷۶) فاطمہ ایک بیوہ عورت ہے وہ اپنے داماد کے ساتھ حج کے لئے جانے کا ارادہ رکھتی ہے فاطمہ کا شوہر مرحوم مقروض تھا، موصوفہ کے پاس کچھ زیورات ہیں تو کیا ان کو بیچ کر حج کے لئے جا سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) داماد یعنی فاطمہ کی سگی بیٹی کا شوہر فاطمہ کا محرم ہے، لہذا اس کے ساتھ فاطمہ حج کے لئے جا سکتی ہے، بشرط یہ کہ داماد کی عمر اور دینی حالت دیکھتے ہوئے گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

معلم الحجاج میں ہے: محروم وہ مرد ہے جس سے نکاح کسی وقت بھی جائز نہ ہو خواہ نسب کے اعتبار سے یعنی رشتہ دار ہو یا رضاعت یعنی دودھ کی شرکت کے اعتبار سے، جیسے بھائی بھتیجے، تایا چچا وغیرہ یا مصاہرت یعنی سسرالی رشتہ کی وجہ سے جیسے داماد اور خسر مگر اس زمانہ میں سسرالی اور دودھ کے رشتہ سے احتیاط کی ضرورت ہے، کیونکہ فتنہ کا زمانہ ہے اس لئے ان لوگوں کے ساتھ حج نہ کیا جائے (معلم الحجاج ص ۸۴، شرائط حج، شرائط وجوب ادا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

احرام سے متعلق احکامات

مکہ معظّمہ میں داخل ہونے کے لئے احرام باندھے یا نہیں :

(سوال ۷۷) حج کے بعد مدینہ شریف گئے وہاں سے وطن جانے کے لئے جدہ آئے۔ لیکن جہاز کی روانگی میں دیر ہے تو دس پندرہ روز جدہ ٹھہرنے کے بجائے مکہ معظمہ جا کر قیام کرے اور طواف کرے تو کیا احرام باندھنا پڑے گا؟ یا بغیر احرام باندھے جا سکتے ہیں؟

(الجواب) احرام باندھنا پڑے گا، عمرہ کا احرام باندھ کر داخل ہو سکتا ہے[1]۔ (قرۃ العینین)

جدہ میں رہنے والا حج یا عمرہ کا احرام کہاں سے باندھے :

(سوال ۷۸) جدہ میں رہنے والوں کو حج یا عمرہ کا احرام کہاں سے باندھنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہیں وہ عمرہ یا حج کا احرام حرم کے باہر جہاں سے چاہیں باندھ سکتے ہیں۔ حل کی کل زمین ان کے حق میں میقات ہے۔[2] فقط و اللہ اعلم بالصواب۔ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ۔

اہل جدہ بلا احرام مکہ مکرمہ جا سکتے ہیں یا نہیں :

(سوال ۷۹) جو لوگ بغرض ملازمت جدہ میں مقیم ہیں، وہ اگر نماز جمعہ یا اپنے کسی کام کے لئے مکہ معظمہ جائیں تو احرام باندھنا ضروری ہے یا نہیں؟ یہاں کے مقیم باشندے کہتے ہیں کہ جدہ حل میں داخل ہے۔ فقط والسلام۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جو لوگ حل میں رہتے ہیں ان کے لئے دخول مکہ بلا احرام (جبکہ حج و عمرہ کی نیت نہ ہو) جائز ہے، جدہ جب حل میں ہے تو اہل جدہ نماز جمعہ یا تجارت وغیرہ اپنے کسی کام سے مکہ معظمہ جائیں تو احرام کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر حج و عمرہ کا ارادہ ہو تو احرام باندھنا ضروری ہے[3] فقط و اللہ اعلم بالصواب۔

دوبارہ حرم میں داخلہ کے وقت احرام کا حکم :

(سوال ۸۰) اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ سے عمرہ کی ادائیگی کے بعد حدود حرم سے باہر نکل گیا، پھر کسی کام سے وہ مکہ مکرمہ جانا چاہے تو اسے دوبارہ احرام باندھنا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عمرہ سے حلال ہو کر حدود میقات سے باہر ہو جائے تو واپسی کے وقت احرام ضروری ہے، میقات کی حد

---

(۱) ویجب علی من دخل مکۃ بلا احرام لکل مرۃ حجۃ او عمرۃ ..... وصح منہ ای اجزاہ عما لزمہ بالدخول. درمختار مع الشامی باب الجنایات ج. ۱ ص ۳۱۳

(۲) فھذا میقاتہ الحل الذی بین المواقیت والحرم قال فی الشامیۃ تحت قولہ فھذا الا شارۃ الی اھل داخلھا بالمعنی الذی ذکرناہ فالحرم حد فی حقہ کالمیقات للآفاقی فلا یدخل الحرم ان قصد النسک الا محرما. شامی قبیل فصل فی الاحرام ج. ۲ ص ۱۳

(۳) وحل لاھل داخلھا یعنی من وجد فی داخل المواقیت دخول مکۃ غیر محرم مالم یرد نسکا للحرج (جواھر الفقہ ج ۱ ص ۴۸۷)

سے باہر نہیں گیا تو احرام کی ضرورت نہیں۔[1] فقط و اللہ اعلم۔

بحری و ہوائی راستہ سے سفر کرنے والوں کو احرام کب باندھنا چاہئے؟:

(سوال ۸۱)(۱) جو حضرات بحری جہاز سے حج بیت اللہ کے لئے جاتے ہیں ان کو کب احرام باندھنا چاہئے؟ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جدہ پہنچ کر احرام باندھ سکتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ اگر ان کا قول صحیح نہیں ہے اور کسی نے کسی وجہ سے جدہ تک احرام مؤخر کر دیا تو دم لازم ہوگا یا نہیں؟

(۲) اور جو حجاج کرام ہوائی جہاز سے سفر کرتے ہیں ان کو کب احرام باندھنا چاہئے؟ کیا یہ لوگ جدہ پہنچ کر احرام باندھیں تو صحیح ہے یا نہیں؟ یا دم لازم ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب)(۱) ہندوستان (یا پاکستان) والوں کا میقات **یلملم** ہے لہذا جو حجاج کرام مکہ معظمہ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں، ان کو یلملم یا اس کے محاذے سے پہلے پہلے احرام باندھ لینا چاہئے۔[2]

ہمارے زمانہ میں جو حجاج کرام ہندوستان (یا پاکستان) سے بحری راستہ سے سفر کرتے ہیں وہ جدہ تک احرام مؤخر کر سکتے ہیں یا نہیں اس بارے میں ہمارے زمانہ کے اکابرین علماء کی تحقیق میں اختلاف ہے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ بحری جہاز سے سفر کرنے والے حجاج کرام کے لئے جدہ تک احرام مؤخر کرنا جائز ہے، آپ فرماتے ہیں کہ بحری جہاز یلملم سے آگے جو جدہ کی طرف تجاوز کرتا ہے وہ تجاوز آفاق میں ہوتا ہے جہت حرم میں نہیں ہوتا ہے، لہذا اگر جدہ تک احرام مؤخر کریں تو جائز ہے موجب دم نہیں، صاحب زبدۃ المناسک حضرت مولانا الحاج شیر محمد صاحب سندھیؒ اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہم العالی کی بھی یہی تحقیق ہے۔

اس کے بالمقابل حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ (پاکستانی) اور مولانا مفتی ولی ٹونکی (پاکستانی) کی تحقیق یہ ہے کہ یلملم کی محاذات جدہ سے پہلے آجاتی ہے اور بحری جہاز جدہ پہنچنے سے پہلے ہی محاذات میقات سے تجاوز کر کے حدود حل میں داخل ہو جاتا ہے اس لئے ہندوستان و پاکستان کے حجاج کرام کو سمندر میں یلملم کی محاذات سے ہی احرام باندھ لینا لازمی ہے اگر اس سے تاخیر کریں گے تو محاذات میقات سے بلا احرام گذرنے کی وجہ سے دم بھی لازم ہوگا اور گناہ بھی ہوگا۔

لہذا بہتر یہی ہے کہ جدہ آنے سے پہلے پہلے یلملم کی محاذات پر احرام باندھ لیا جائے، اسی میں احتیاط ہے، چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

ایسے حالات میں کہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف رائے ہے، احتیاط اسی میں ہے کہ بحری جہاز میں یلملم ہی سے احرام باندھ لیں، یا ساحل جدہ پر اترنے سے پہلی احرام باندھ لیں کیونکہ حسب تصریح فقہاء محل اختلاف میں

---

(۱) والمتمتع اذا فرغ من عمرية لم خرج من الحرم ...... وان رجع الى الحرم واهل منه' قبيل الا حرام فلا شئى عليه بالا تفاق كذافى غاية السروجى شرح الهداية .فتاوىٰ عالمگيرى الباب العاشرة فى فجاوز المبقات بغير احرام ج. ا ص ۲۵۳.

(۲) ميقات اهل اليمن والهند يلملم جبل جنوبى كلة على مر جلتين منها الفقه الاسلامى وادلته المطلب الثانى ميقات الحج والعمرة المكانى ج. ۳۰ ص ۱۷ ومن حج فى البحر فوقتة اذا حاذى موضعا من البر لا يتجاوز الا محرما كذافى السراج الوهاج الباب الثانى فى المواقيت ج. ا ص ۲۲۱.

احتیاط کا پہلو اختیار کرنا بہتر ہے تاکہ اپنی عبادت کے جواز میں کسی کا اختلاف نہ رہے، اس کے علاوہ احرام کو میقات سے پہلے باندھنا سب ہی کے نزدیک افضل ہے بلکہ بعض روایات حدیث میں اپنے گھر سے ہی احرام باندھ کر چلنے کی فضیلت آئی ہے، شرط یہ ہے کہ محظورات احرام میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو، اور جس کو یہ خطرہ ہو کہ محظورات احرام سے بچنا اس تمام عرصہ میں اس کے لئے مشکل ہوگا، اس کے لئے آخری حد تک مؤخر کرنا بہتر ہے ایسے شخص کو آخری حد میں اتنی احتیاط کر لینا چاہئے کہ اس کا احرام علماء کے اختلاف سے نکل جائے۔ (جواہر الفقہ ج ۱ ص ۴۸۹)

تفصیل ودلائل کے لئے ملاحظہ ہو جواہر الفقہ ص ۴۶۱ تا ج ۱ ص ۴۹۰ مواقیت احرام کا مسئلہ۔ (زبدۃ المناسک ج ۱ ص ۴۴۔۴۵، عمدۃ الفقہ ج ۴ ص ۹۰۔ ۹۲)

اس اختلاف رائے کی بنا پر بہتر صورت وہی ہے جو اوپر درج ہوئی کہ جدہ سے پہلے ہی یلملم کی محاذات پر احرام باندھ لیا جائے، لیکن اگر کسی نے غلطی سے یا کسی مجبوری سے جدہ تک احرام مؤخر کر دیا تو اس پر دم کا لزوم نہ ہوگا مگر احتیاطاً دم دے دے تو بہتر ہے۔ فقط۔

(۲) جو حجاج کرام ہندوستان (یا پاکستان) سے مکہ مکرمہ جانے کے لئے ہوائی جہاز سے سفر کرتے ہیں ان کو ہوائی جہاز میں سوار ہونے سے قبل احرام باندھ لینا چاہئے، جدہ تک احرام مؤخر کرنا جائز نہیں اگر مؤخر کریں گے تو گناہ بھی ہوگا اور دم بھی لازم ہوگا اس لئے کہ ہوائی جہاز حدود میقات سے گذر کر جدہ پہنچتا ہے اور ہوائی جہاز کے مسافروں کو یہ معلوم ہونا مشکل ہے کہ جہاز کس وقت حدود میقات کے اندر داخل ہوگا اور اگر حدود میقات کا علم ہو بھی جائے تو اس سے پہلے پہلے [illegible] مشکل ہے اس لئے کہ ہوائی جہاز بہت ہی تیز رفتاری کے ساتھ پرواز کرتا ہے اور ساتھ ساتھ [illegible] احرام کے سنن ومستحبات کی رعایت بھی مشکل ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: آج کل ان ممالک مشرقیہ سے آنے والے حجاج کے لئے راستے دو ہیں ایک [illegible] بحری ہوائی جہازوں کا راستہ [illegible] کے اوپر سے [illegible] قرن المنازل ہوتا ہے، ہوائی جہاز قرن منازل اور ذات عرق دونوں [illegible] کے اوپر سے گذرتے ہوئے [illegible] داخل ہوجاتے ہیں اور پھر جدہ پہنچتے ہیں اس لئے ہوائی سفر میں تو قرن المنازل کے اوپر آنے سے پہلے پہلے احرام باندھنا لازم و واجب ہے، اور چونکہ ہوائی جہازوں میں اس کا پتہ چلنا تقریباً ناممکن ہے کہ کس وقت اور کب یہ جہاز قرن المنازل کے اوپر سے گذرے گا اس لئے اہل پاکستان وہندوستان کے لئے تو احتیاط اسی میں ہے کہ ہوائی جہاز میں سوار ہونے سے قبل ہی احرام باندھ لیں اگر بغیر احرام باندھے ہوئے ہوائی جہاز کے ذریعہ جدہ پہنچ گئے تو ان کے ذمہ دم یعنی قربانی ایک بکرے کی واجب ہوجائے گی اور گناہ اس کے علاوہ ہوگا جس کی وجہ سے حج ناقص رہ جاتا ہے، مقبول نہیں ہوتا، بہت سے حجاج اس میں غفلت کرتے ہیں (جواہر الفقہ ج ۱ ص ۴۷۴۔۴۷۵) (عمدۃ الفقہ ج ۴ ص ۹۲) فقط و اللہ اعلم بالصواب۔

احرام کی چادر لنگی کی طرح سینا:

(سوال ۸۲) احرام کی چادر لنگی کی طرح سلی ہوئی ہو تو اس کے استعمال کی گنجائش ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کو سلی چادر

بطور لنگی استعمال کرنے کی عادت نہیں ہوتی تو ستر کھلنے کا اندیشہ ہوتا ہے خاص کر سونے کی حالت میں تو کیا یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ستر کھلنے کا اندیشہ ہوتو احرام کی چادر سی لینے کی گنجائش ہے، بلا ضرورت سینا مکروہ ہے غنیۃ الناسک میں ہے **وعقد الا زار والرداء بان یربط طرف احدھما بطرفه الا خر شرح وان یخلله بخلال او یشده بحبل ونحوه (غنیة الناسک ص ۴۷، فصل فی مکروهات الا حرام و محظوراته التی لاجزاء فیها سوی الکراهة)**

معلم الحجاج میں ہے۔ مسئلہ: تہبند کے دونوں پلوں کو آگے سے سینا مکروہ ہے اگر کسی نے ستر عورت کی خاطر حفاظت کی وجہ سے سی لیا تو دم واجب نہ ہوگا (**معلم الحجاج ص ۱۲۸ مکروهات احرام) فقط و اللہ اعلم بالصواب .**

آفاقی بطریقہ مرور جدہ پہنچ کر مکہ مکرمہ جانا چاہے تو احرام ضروری ہے یا نہیں؟:

(سوال ۸۳) محترم ومکرم حضرت مفتی صاحب ادام اللہ ظلہم وفیوضہم۔ بعد سلام مسنون! آپ کے فتاویٰ رحیمیہ ص ۵۴ جلد دوم میں ہے۔

(سوال) حج کے بعد مدینہ شریف گئے وہاں سے وطن جانے کے لئے جدہ آئے لیکن (پانی کے) جہاز کی روانگی میں دیر ہے تو دس پندرہ روز جدہ ٹھیرنے کے بجائے مکہ معظمہ جا کر قیام کرے اور طواف کرے تو کیا احرام باندھنا پڑے گا؟ یا بغیر احرام باندھے جاسکتے ہیں؟

(الجواب) احرام باندھنا پڑے گا، عمرہ کا احرام باندھ کر داخل ہوسکتا ہے (قرۃ العینین) (فتاویٰ رحیمیہ ص ۵۴ ج ۲ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب کا پہلا سوال ہے۔ صحیح از مرتب)

مگر معلم الحجاج میں لکھا ہے۔ مسئلہ: آفاقی (یعنی میقات سے باہر رہنے والا) میقات سے آگے کسی ایسی جگہ جو حرم سے خارج ہے اور حل میں ہے کسی ضرورت سے جانا چاہتا ہے، مکہ جانے اور حج یا عمرہ کرنے کی نیت نہیں ہے تو اس پر میقات سے احرام باندھنا واجب نہیں اور اس کے بعد وہ اس جگہ سے مکہ بھی بلا احرام جاسکتا ہے اور اس پر کوئی دم وغیرہ نہیں ہے، اس مقام پر پہنچ کر یہ شخص بھی اس جگہ کے لوگوں کے حکم میں ہوگیا وہاں سے اگر حج یا عمرہ کا ارادہ کرے تو ان کی میقات یعنی حل سے احرام باندھنا ہوگا (معلم الحجاج ص ۱۰۸ میقات سے بلا احرام باندھے گذرنا) فتاویٰ رحیمیہ کے جواب اور معلم الحجاج کی عبارت میں بظاہر تناقض معلوم ہوتا ہے۔ کیا جواب ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فتاویٰ رحیمیہ ص ۵۴ ج ۲ کا جواب قرۃ العینین (یعنی زبدۃ المناسک المعروف بہ قرۃ العینین فی زیارۃ الحرمین مؤلفہ مولانا الحاج شیر محمد شاہ صاحبؒ) کے حوالہ سے لکھا گیا ہے، مسائل حج میں یہ کتاب معتبر مانی جاتی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زبدۃ المناسک کی پوری عبارت نقل کردی جائے۔

''اب کثیرۃ الوقوع یہ مسئلہ ہے کہ حج کے بعد جو حاجی لوگ مدینہ طیبہ سے وطن کو جانے کے ارادہ سے جدہ

میں آتے ہیں اس نیت سے کہ براستہ بحری جہاز یا ہوائی جہاز وغیرہ کے وطن کو جائیں گے، پس بوجہ فی الحال جہاز وغیرہ نہ ملنے کے جدہ میں بہت زیادہ قیام کرنے کے یہ خیال کرتے ہیں کہ جدہ تو ہمارا میقات نہیں ہے احرام کہاں سے باندھیں پس چونکہ یہ مدینہ طیبہ سے حج وغیرہ کی نیت کے بغیر محض اپنے وطن کو جانے کی غرض سے جدہ میں آئے ہوئے ہیں یعنی جدہ میں نہ تو مکہ مکرمہ کے حاضر ہونے کی نیت سے آئے ہیں اور نہ خود جدہ کسی خاص کام کے ارادہ سے آئے ہیں اس لئے یہ لوگ میقات یا حل والوں کے حکم میں نہیں ہیں کہ ان کا میقات حل ہو مگر چونکہ یہ لوگ آفاق سے آئے ہوئے ہیں اور جدہ میں بطریق مرور پہنچے ہیں کیونکہ وطن کو جانے کا ارادہ رکھتے ہیں، اب یہاں سے مکہ مکرمہ یا حد حرم میں جائیں گے تو بغیر احرام نہیں جا سکتے کہ آفاقی ہیں اور ذوالحلیفہ جحفہ رابغ سے بغیر احرام گذرنے کی وجہ سے ان پر دم وغیرہ بھی کچھ لازم نہ ہوگا کیونکہ مکہ مکرمہ اور حرمین جانے کی نیت نہ تھی۔ الخ (زبدۃ المناسک ص ۵۴ ج ۱)

معلم الحجاج میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے اس کا محمل یہ معلوم ہوتا ہے کہ آفاقی داخل میقات جس جگہ جانا چاہتا ہے وہ مقام اس وقت اس کا مقصود ہے لہذا وہ شخص جب وہاں پہنچے گا تو اہل حل کے حکم میں ہو جائے گا، اور زبدۃ المناسک میں جو مسئلہ بیان کر رہے ہیں اس کا محمل یہ معلوم ہوتا ہے کہ آفاقی مکہ مکرمہ پہنچا حج سے فراغت کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوا، اب مدینہ منورہ سے اپنے وطن جانے کے ارادہ سے روانہ ہوا، ہوائی جہاز سے سفر کرنا ہو یا بحری جہاز سے عام طور پر جدہ آنا پڑتا ہے، مگر اس سفر میں جدہ اس کا مقصود نہیں ہے اسے تو آگے روانہ ہونا ہے، اس لئے جدہ پہنچنے کے باوجود اسے اہل حل کے حکم میں داخل نہیں کیا اور کسی وجہ سے اسے جدہ میں ٹھیرنا ہوا، اور جدہ میں ایام گذارنے کے بجائے مکہ مکرمہ حاضری کا

ارادہ کر لیا تو چونکہ وہ حلی نہیں ہے اس لئے مکہ مکرمہ میں داخلہ کے لئے احرام ضروری قرار دیا۔ معلم الحجاج اور زبدۃ المناسک میں تطبیق کی یہ صورت ہو سکتی ہے، فتاویٰ رحیمیہ ص ۷۳ ج ۸ میں سوال کی نوعیت وہی ہے جو زبدۃ المناسک میں ہے لہذا فتاویٰ رحیمیہ اور معلم الحجاج میں بھی تعارض نہ رہے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ساتویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھنا کیسا ہے :

(سوال ۸۴) آج کل معلم حضرات ساتویں ذی الحجہ ہی کو بہت سے حجاج کو منی لے جاتے ہیں تو ساتویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر جانا کیسا ہے اس میں کوئی خرابی تو نہ آوے گی اس لئے کہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ آٹھویں ذی الحجہ کو منی جانا ہے۔ امید ہے کہ جواب مرحمت فرمائیں گے، بینوا توجروا۔

(جواب) صورت مسئولہ میں ساتویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر منی جا سکتے ہیں کوئی کراہت نہیں ہے بلکہ افضل ہے، شرح الوقایہ میں ہے ثم احرم للحج کما مرای یوم الترویة وقبله افضل ، عمدة الرعاية حاشية شرح الوقاية میں ہے ص ٦ قوله افضل لكونه اشق والنسب بالمسارعة الى الخير (شرح وقايه ص ۳۴۴ ج ۱ كتاب الحج طواف القدوم والخروج لمنى وعرفات) فقط و اللّٰه اعلم بالصواب.

ملازمت یا تجارت کے ارادہ سے مکہ مکرمہ جانے والے کے لئے احرام ضروری ہے یا نہیں :

(سوال ۸۵) اگر کوئی شخص ہندوستان سے ملازمت یا تجارت کے ارادہ سے مکہ مکرمہ جارہا ہو تو اس پر احرام باندھنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر احرام باندھنا ضروری ہو تو کس چیز کا احرام باندھے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) آفاقی یعنی جو شخص میقات سے باہر رہتا ہو وہ احرام باندھے بغیر مکہ مکرمہ نہیں جاسکتا چاہے حج وعمرہ کا ارادہ ہو یا تجارت وملازمت کا، ہدایہ اولین میں ہے۔ ثم الآفاقی اذا انتهیٰ الیها علی قصد دخول مکة علیه ان یحرم قصد الحج او العمرة اولم یقصد (بان قصد التجارة ۱۲) عندنا لقوله علیه الصلوٰة والسلام لا یجاوز احد المیقات الا محرما لان وجوب الاحرام لتعظیم هذه البقعة الشریفة فیستوی فیه الحاج والمعتمر وغیرهما (هدایه اولین ص ۲۱۴ فصل فی المواقیت)۔ حج کا زمانہ ہو اور حج کرنے کا موقعہ ہو تو حج کا احرام باندھے ورنہ عمرہ کا احرام باندھے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کس صورت میں اضطباع مسنون ہے :

(سوال ۸۶) احرام باندھنے کے بعد عام حالات میں اضطباع کرنا چاہئے، یا صرف طواف میں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عام حالات میں اضطباع (دائیں بغل سے چادر نکال کر بائیں کندھے پر ڈالنا) نہ کیا جائے، خاص کر نماز میں اضطباع نہ کرے، جس طواف کے بعد سعی کرنا ہو اس طواف میں اضطباع مسنون ہے، درمختار میں ہے (واخذ) الطائف (عن یمینه مما یلی الباب)...(جاعلاً قبل شروعه (رداءه تحت ابطه الیمنی ملقیاطرفه علی کتفه الایسر) استنانا.

شامی میں ہے (قوله استنانا) ای فی کل طواف بعده سعی کطواف القدوم والعمرة وکطواف الزیارة ان کان اخر السعی ولم یکن لا بسا (درمختار ورد المحتار ج ۲ ص ۲۲۸، ص ۲۲۹ قبیل مطلب فی طواف القدوم)

معلم الحجاج میں ہے: بعضے آدمی احرام کے زمانہ میں نماز میں بھی اضطباع کرتے ہیں نماز میں اضطباع مکروہ ہے، اضطباع صرف طواف میں مسنون ہے، وہ بھی ہر طواف میں نہیں بلکہ جس طواف کے بعد سعی ہو، البتہ طواف زیارت کے بعد اگر سعی کرنی ہو اور احرام کے کپڑے اتار دیئے ہو تو اس میں اضطباع نہ ہوگا (معلم الحجاج ص ۳۷۳ ص ۳۷۴ احرام کی غلطیاں)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

متمتع اور مکی حج کا احرام کہاں سے باندھے :

(سوال ۸۷) ایک شخص حج تمتع کے ارادہ سے روانہ ہوا، عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ پہنچا وہاں عمرہ کر کے حلال ہو کر مکہ مکرمہ میں ٹھیرا رہا، حج کے دنوں میں حج کا احرام کہاں سے باندھے؟ اپنے کمرہ میں احرام باندھے تو کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) متمتع عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ پہنچا اور عمرہ کر کے حلال ہو کر مکہ مکرمہ میں ٹھیرا ہوا ہے تو وہ شخص حج کا احرام حدود حرم کے اندر جہاں سے چاہے باندھ سکتا ہے، اپنے کمرہ میں بھی باندھ سکتا ہے، البتہ مسجد حرام میں جا کر احرام باندھنا افضل ہے۔

ہدایہ اولین میں ہے: فاذا کان یوم الترویة احرم بالحج من المسجد والشرط ان یحرم من الحرم اما المسجد فلیس بلازم(بل ھو افضل ۱۲ ف) وھذا لانه فی معنی المکی ومیقات المکی فی الحج الحرم علی ما بینا (ھدایه اولین ص ۲۴۱ باب التمتع).

معلم الحجاج میں ہے: مسئلہ۔ تمتع آٹھویں تاریخ کو حج کا احرام باندھے اور اس سے پہلے باندھنا افضل ہے اور حرم میں جس جگہ سے چاہے احرام باندھ سکتا ہے، لیکن مسجد حرام اور مسجد حرام سے بھی حطیم میں باندھنا افضل ہے ۔(معلم الحجاج ص ۲۳۸ مسائل تمتع) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بوقت احرام بیوی ساتھ ہو تو صحبت کرنا اور پھر غسل کرنا مسنون ہے:

(سوال ۸۸) گذشتہ سال میں حج کو گیا تھا اس وقت جہاز میں مولانا نے مجھے بتایا کہ یلملم پہاڑ آنے کے وقت ایک سیٹی بجائی جائے گی کہ احرام باندھ لو، تب اگر اپنے ساتھ اپنی بیوی ہو اور سونے بیٹھنے کا علیحدہ انتظام ہو تو پہلے اپنی بیوی سے صحبت کرے، اس کے بعد غسل کرے، پھر احرام باندھے سوال یہ ہے کہ کیا یہ صحیح ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! ہاں اگر احرام کے وقت بیوی ساتھ ہو اور کوئی عذر اور کوئی مانع نہ ہو تو صحبت کرنا مسنون اور مستحب ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ: ومن المستحب عند ارادۃ الاحرام جماع زوجته او جاریته ان کانت معه ولا مانع عن الجماع فانه من السنة ، ھکذا فی البحر الرائق (ج ۱ ص ۲۲۰ کتاب الحج باب الاحرام تحت قوله واذا اردت ان تحرم الخ) فقط واللہ اعلم بالصواب .

کیفیۃ اداء الحج

عرفات سے مزدلفہ روانگی:

(سوال ۸۹) عرفات سے غروب آفتاب سے پہلے مزدلفہ جانے میں کوئی حرج تو نہیں؟

(الجواب) عرفات سے غروب آفتاب کے بعد روانہ ہوں اس سے قبل نکل جائے تو واپس لوٹے اور مغرب ہو جانے کے بعد عرفات سے نکلے، ورنہ گنہگار ہوگا اور دم لازم آئے گا۔

فتاویٰ اسعدیہ میں ہے کہ۔

(سوال) فیمن خرج من عرفة قبل غروب الشمس ولم یعد ماذا یجب علیه افتونا!

(الجواب) یجب علیه دم والحالة هذه. و اللّٰہ تعالیٰ اعلم (فتاوی اسعدیه ج ۱ ص ۲۱)

حائضہ عورت طواف زیارت کرے یا نہیں:

(سوال ۹۰) حائضہ عورت بدوں طواف زیارت کئے ہوئے چلی جائے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) بدوں طواف زیارت کئے ہوئے حج ادا نہیں ہوتا۔ زندگی میں کبھی بھی یہ طواف کرنا ہوگا۔ جب طواف کرے گی اس وقت حج ادا ہو جائے گا۔ جب تک طواف زیارت نہ کرے گی حج ادا نہ ہوگا اور مرد پر عورت حرام رہے گی (یعنی صحبت نہیں کر سکے گا) وہ پاک ہونے تک صبر کرے، پاک ہونے کے بعد طواف کر کے آئے۔ لاعلمی اور مسئلہ سے ناواقفیت کی بنا پر (بحالت حیض) طواف زیارت کرے گی تو حج ادا ہو جائے گا لیکن توبہ واستغفار لازم ہوگا اور اونٹ یا گائے ذبح کرنی پڑے گی۔ فتاویٰ اسعدیہ میں ہے۔

(سوال) فی المرأة اذا حاضت وهی محرمة ما حکمها افتونا.

(الجواب) تعمل جمیع ما یعمل الحاج من الوقوف بعرفة والغسل والوقوف بمزدلفة ولارمی والتقصیر غیر انها لا تطوف طواف القدوم ولا طواف الا فاضة حتی تطهر و یسقط عنها طواف الوداع ان لم تطهر قبل ذالک واما طواف الا فاضة فلم یسقط بحال وان لم تطهر یقال لها تربصی حتی تطهری وتطوفی ولا تطوفی وعلیک بدنة. و اللّٰہ تعالیٰ اعلم (ج ۱ ص ۲۱)

رمی جمار کب افضل ہے:

(سوال ۹۱) رمی جمار کس وقت افضل ہے۔ بارھویں ذی الحجہ کو منی سے مکہ جانا ہو تو بغرض آسانی عورتیں زوال سے پہلے رمی کر سکتی ہیں یا نہیں؟

(الجواب) رمی کا وقت دسویں کی صبح صادق سے شروع ہو کر گیارھویں کی صبح تک ہے[1] مگر مسنون وقت طلوع

---

(۱) فی اوقات الرمی وله اوقات ثلاثة یوم النحر وثلاثة من ایام التشریق اولها یوم النحر و وقت الرمی فیه ثلاثة انواع مکروه مسنون مباح فما بعد طلوع الفجر الی وقت الطلوع مکروه وما بعد طلوع الشمس الی زوالها وقت مسنون وما بعد زوال الشمس الی غروب الشمس وقت مباح واللیل وقت مکروه فتاویٰ عالمگیری الباب الخامس فی کیفیة اداء الحج.

آفتاب سے زوال تک ہے۔(عورتوں کے لئے رمی قبل از طلوع وزوال بلا کراہت جائز ہے) زوال سے غروب تک کا وقت مباح ہے اور غروب سے صبح صادق تک وقت مکروہ ہے گیارھویں، بارھویں کی رمی کا وقت زوال کے بعد سے ہے۔لہذا قبل از زوال رمی معتبر نہیں زوال کے بعد دوبارہ کرنی ہوگی نہ کرنے پر دم لازم ہوگا عورت بھی زوال کے بعد کرے ازدہام کی بنا پر زوال کے بعد رمی جمار نہ کر سکے تو مغرب کے بعد رمی کرے۔عورتوں کے لئے رات کا وقت افضل ہے۔ایک دن زیادہ قیام کر کے تیرھویں کی زوال کے بعد رمی سے فارغ ہو کر مکہ جائے تیرھویں کی صبح کو بھی رمی جائز ہے مگر مکروہ تنزیہی ہے۔خلاصہ یہ کہ گیارھویں بارھویں تیرھویں کی رمی کا وقت زوال کے بعد سے ہے لہذا زوال سے پہلے رمی جائز نہیں ہے (ان وقت الرمی فی ھذا الیوم بعد الزوال عرف بفعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا یجوز قبلہ. (مبسوط ج۴ ص۶۸ باب رجمی الجمار زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک ج۱ ص ۱۹۰)

(سوال) چھ آدمی حج کو گئے۔عمرہ سے فارغ ہوئے۔گرانی کی وجہ سے قربانی نہ کر سکے اپنے وطن خطوط لکھے کہ ہماری طرف سے چھ حصے اور ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے قربانی کرو کیا یہ صحیح ہے؟ کیا سب علیحدہ علیحدہ قربانی کریں یا ایک سب کے لئے کافی ہے یا مکہ میں قربانی ضروری ہے۔

(الجواب) ہر ایک حاجی پر قربانی واجب نہیں قارن و متمتع پر دم شکر واجب ہے مفرد پر واجب نہیں مستحب ہے اور قربانی حرم کی حد میں ہو سکتی ہے حرم کے باہر جائز نہیں جس حاجی کے پاس قربانی کی رقم نہ ہو یا سامان نہ ہو جس کو بیچ کر قربانی کا جانور خریدے ایسے عاجز آدمی قرآن یا تمتع کرے تو اس پر بجائے قربانی کے دس روزے رکھنے واجب ہیں۔تین روزے حج کے مہینوں میں یکم شوال سے دسویں ذی الحجہ تک رکھنا ضروری ہے۔بہتر ہے کہ ساتویں۔آٹھویں۔نویں کو روزہ رکھے اور بقیہ سات روزے تیرھویں ذی الحجہ کے بعد گھر آ کر رکھے اس کی بھی گنجائش ہے، دسویں ذی الحجہ سے پہلے تین روزے نہ رکھے تو قربانی کرنی پڑے گی۔قارن و متمتع پر دم شکر واجب ہے اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ یا ایک بکری کافی ہے۔[1]

حج کا آسان طریقہ:

(سوال ۹۲) بفضلہ تعالیٰ میں اس سال حج کو جا رہا ہوں۔حج کا آسان طریقہ لکھ کر ممنون فرمائیں۔بینوا توجروا اجراً عظیماً۔

(الجواب) ھوالموفق الصواب۔حج کے تین طریقے ہیں (۱) افراد (۲) تمتع (۳) قران (۱) افراد یعنی میقات سے صرف حج کا احرام باندھ کر حج کرنا (۲) قران یعنی میقات سے عمرہ اور حج کا احرام ایک ساتھ باندھے اور ایک ہی سفر میں حج کے مہینوں میں عمرہ کرے اور اسی احرام سے حج کرے (۳) تمتع یعنی میقات سے اشہر حج میں عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ ادا کرے پھر احرام کھول دے پھر موسم حج میں حج کا احرام باندھ کر حج کرے اکثر لوگ اس تیسری قسم کا حج

---

(۱) وذبح للقران وھو دم شکر فیأ کل منہ بعد رمی یوم النحر لو جوب الترتیب وان عجز صام ثلاثۃ ایام ولو متفرقۃ اخر ھا یوم عرفۃ..... وسبعۃ بعد تمام ایام حجۃ فرضا او واجبا وھو بمضی ایام التشریق ابن شاء درمختار مع الشامی باب القرآن ج۲ ص ۲۶۴

کرتے ہیں اور اس میں آسانی بھی ہے۔ لہٰذا اسی کا آسان طریقہ تحریر کیا جاتا ہے۔

تمتع کا طریقہ:

میقات قریب آنے تو غسل کرے۔ غسل کا انتظام نہ ہو تو وضو کرے اور تہبند باندھ کر ایک چادر سر پر اوڑھے خوشبو لگائے مگر کپڑے پر داغ نہ لگے اور دو رکعت نفل پڑھے، سلام کے بعد سر سے چادر ہٹا کر دل میں احرام کی نیت کرے اور زبان سے بھی کہے:۔ اللھم انی ارید العمرۃ فیسر ھا لی وتقبلھا منی (اے اللہ میں عمرہ کا احرام باندھتا ہوں پس تو اسے میرے لئے آسان فرما اور میری طرف سے اس کو قبول فرما۔ (پھر فوراً زور سے تین بار تلبیہ پڑھے۔ لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک (میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں بے شک سب تعریفیں تیرے لئے ہیں اور سب نعمتیں تیری دی ہوئی ہیں اور بادشاہت تیری ہے تیرا کوئی شریک نہیں ہے)

اب تم محرم بن گئے تلبیہ کے بعد بالخصوص یہ دعا پڑھے اللھم انی اسئلک رضاک والجنۃ واعوذبک من غضبک والنار۔

اب طواف شروع کرنے تک تلبیہ کی کثرت رکھے ہر نماز کے بعد اور اٹھتے بیٹھتے وقت کسی سے ملاقات کے وقت تلبیہ پڑھے بلندی پر چڑھتے تب لبیک پکارے اور نیچے اترے تب تلبیہ پڑھے۔ محظورات احرام سے بچے۔ سلے ہوئے کپڑے نہ پہنے، سر اور منہ نہ ڈھانپے، موزہ نہ پہنے اور ایسے جوتے نہ پہنے جس سے انگوٹھا اور ٹخنہ کے درمیان کی ابھری ہوئی ہڈی چھپ جائے خوشبو نہ سونگھے نہ لگائے۔ جسم کے بال اور ناخن نہ کاٹے۔ مرد و عورت کے مصافحہ سے بچے۔

نوٹ:

عورت کے لئے سلے ہوئے کپڑے پہننے کی اور پاؤں ڈھانپنے کی اجازت ہے۔ چہرہ نہ ڈھانپے اس طرح کپڑا منہ پر ڈالے کہ چہرہ کو نہ لگے پردہ کی ضرورت ہو تو پنکھا ہاتھ میں رکھے۔ جب غیر محرم کا سامنا ہو جائے تو پنکھے کو اپنے چہرے کے سامنے کر دے۔

مکہ معظّمہ میں داخلہ:

مکہ معظّمہ کی حد اور آبادی میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے:۔ اے پروردگار میں تیرا گنہگار بندہ ہوں میں تیرے فرض کی ادائیگی اور تیری رحمت کا طالب بن کر آیا ہوں تو میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دے اور میرا حج اپنی رضاء کے مطابق کرادے۔ آمین وصلی اللہ وسلم۔

کعبہ شریف:

جب اس پر نظر پڑے تو یہ دعا تین بار پڑھے: اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر

وللہ الحمد. پھر تلبیہ پڑھے پھر درود شریف کے بعد یہ دعا پڑھے: اللھم زد بیتک ھذا تشریفا وتعظیما وتکریما وبرا ومھابۃ اللھم انی اسئلک الجنۃ بلاحساب.

باب سلام سے حرم شریف میں داخلہ کے وقت یہ دعا پڑھے۔ بسم اللہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ رب اغفرلی ذنوبی. وافتح لی ابواب رحمتک پہلے داہنا پاؤں پھر بایاں پاؤں داخل کرے۔

جب کعبہ شریف پر نظر پڑے تو دل وزبان سے کہے۔ اللھم زد بیتک ھذا تشریفاً وتعظیماً وتکریماً ومھابۃ وزد من شرفہ وکرمہ وممن حجہ واعتمرہ تشریفاوتکریما وبراًاللھم انت السلام ومنک السلام فحینا ربنا بالسلام.

اگر فرض نماز کا وقت ہو اور جماعت کی تیاری ہو تو پہلے نماز پڑھے پھر طواف کرے ورنہ جاتے ہی طواف کی تیاری کرے۔ اولاً اضطباع کرے یعنی اوڑھی ہوئی چادر کے سیدھے کنارہ کو داہنے ہاتھ کی بغل کے نیچے لے کر بائیں کندھے پر اس طرح ڈالے کہ داہنا کندھا کھلا رہے پھر طواف شروع کرے۔ حجر اسود کے سامنے اس طرح کھڑا ہو کہ حجر اسود اپنی سیدھی جہت پر رہے اور دل میں طواف کعبہ کی نیت کرے اور زبان سے بھی کہے اللھم انی ارید طواف بیتک فیسرہ لی وتقبلہ منی.

حجر اسود کے سامنے جاکر کہے بسم اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہہ کر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے جس طرح افتتاح صلوٰۃ کے وقت اٹھاتے ہیں۔ پھر ہاتھ چھوڑ کر حجر اسود کے قریب آکر اس کو اس طرح ادب سے بوسہ دے کہ منہ سے آواز نہ نکلے اگر ازدحام ہو تو دونوں ہاتھ یا داہنا ہاتھ رکھ کر اس کو چومے یا ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرکے اس کو چومے پھر نیچی نظر سے اپنی داہنی طرف چل کر سات شوط (چکر) لگائے۔ ہو سکے تو ہر شوط (چکر) پر حجر اسود کو بوسہ دے۔ مرد پہلے تین شوط میں رمل کرے۔ یعنی کندھے ہلائے۔ سینہ تان کر چھوٹے چھوٹے قدم سے جلدی جلدی چلے جس طرح ایک بہادر مجاہد فوج مقابلہ کے لئے نکلتا ہے۔ حالت طواف میں دعا یاد ہو تو پڑھے ورنہ ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ پڑھتا رہے۔ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان کے راستہ میں یہ دعا پڑھے۔ ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار. حجر اسود کے پاس پہنچ کر ہو سکے تو بوسہ دے یہ ایک شوط ہوا۔ اسی طرح دوسرے چھ شوط (چکر) لگائے تو ایک طواف پورا ہوگا۔ پھر حجر اسود کے پاس جاکر بوسہ دے ورنہ اس کے سامنے کھڑے ہوکر ہاتھ سے اشارہ کرکے اس کو چومے احرام کی چادر سے کندھے کو چھپائے۔ پھر مقام ابراہیم کے نیچے قریب میں جہاں جگہ ملے مکروہ وقت نہ ہو تو طواف کے بعد کی دو رکعت پڑھے اور وقت مکروہ ہو تو دعا پر اکتفا کرکے (اور نماز وقت مکروہ گزرنے کے بعد ادا کرے) پھر زمزم کے کنوئیں پر جاکر سیرابی سے پانی تین سانس میں پئے، ہر سانس پر یہ دعا پڑھے۔ اللھم انی اسئلک علما نافعا ورزقا واسعاً شفاء من کل داء.

پھر حجر اسود اور خانہ کعبہ کے دروازہ کے بیچ کے حصہ "ملتزم" کو چمٹ جائے اپنا پیٹ سینہ اور داہنے رخسار کو چمٹا کر خدا کے حضور میں رو رو کر خوب متوجہ ہوکر دعا مانگے پھر حجر اسود کو چوم کر باب الصفا کی جانب سے نکل کر سعی کرے صفا پہاڑ سے شروع کرے اور مروہ کی طرف جائے بیچ میں دوڑنے کی جگہ پر دوڑے (عورت نہ دوڑے) پھر مروہ سے صفا،

کی طرف جائے اور دوڑنے کی جگہ دوڑے یہ دو چکر ہوئے۔ ایسے سات چکر ختم کرکے دعا مانگے اور بال کٹائے احرام کھول ڈالے سعی کے وقت کہاں کہاں کونسی دعا مانگنی ہے وہ کتاب میں دیکھ کر یاد کرنی چاہئے۔

حج کرنے کا طریقہ:

جس طرح عمرہ کا احرام باندھا تھا اسی طرح آٹھویں ذی الحجہ کو صبح میں اشراق کے بعد حج کا احرام باندھے۔ (بجائے عمرہ کے حج کی نیت کرے) پھر منیٰ پہنچنے کی کوشش کرے۔ آٹھویں کی ظہر سے نویں کی فجر تک پانچ نمازیں منیٰ میں پڑھے۔ نماز کے وقت کے علاوہ میں ذکر تلاوت میں مشغول رہے نویں کی طلوع آفتاب کے بعد عرفات کے لئے روانہ ہو جائے اور لبیک جاری رکھے۔ عرفات پہنچنے پر ارادہ ہو تو تھوڑا آرام کر کے زوال ہوتے ہی غسل کرے غسل کا وقت نہ ہو تو وضو بھی کافی ہے پھر مسجد عرفات (مسجد نمرہ) میں امام کے پیچھے ظہر و عصر کو ظہر کے وقت میں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا کرے پہلے اذان ہوگی پھر خطبہ پڑھا جائے گا پھر اقامت کہہ کر ظہر باجماعت ادا کی جائے گی پھر سنت و نوافل پڑھے بغیر اسی وقت دوسری اقامت کہہ کر نماز عصر باجماعت پڑھی جائے گی۔

تنبیہات:

(۱) یہ حکم ان حجاج کے لئے ہے جو امام کے ساتھ ظہر و عصر ادا کریں اور جن کو امام کے ساتھ پڑھنے کا موقع نہ ملے وہ تنہا پڑھے یا جماعت کر کے تو ظہر کو اس کے وقت میں اور عصر کو اس کے وقت میں ادا کرے عصر کو ظہر کے وقت میں نہ پڑھے اس کا خیال رہے۔

(۲) امام مسافر ہوگا تو قصر کرے گا۔ پس جو مقتدی مقیم ہوں گے وہ امام کے سلام کے بعد دوسری دو رکعت پڑھیں۔

(۳) امام مسافر نہ ہو بلکہ مقیم ہو اور نماز قصر کرے جیسے حنبلی امام کرتا ہے تو حنفی مسافر ہو یا مقیم اس امام کی اقتدا نہیں کر سکتا اس لئے نماز سے قبل واقف معلم یا تجربہ کار عالم سے اس کی تحقیق کی جائے ایسے حالات میں بہتر یہی ہے کہ اپنی جگہ پر رفیقوں کے ساتھ ظہر کو اپنے وقت پر اور عصر کو اس کے وقت پر باجماعت پڑھے۔ نماز کے وقت کے علاوہ میں دعا، استغفار، آہ و بکا، گریہ وزاری میں مشغول رہے ہو سکے تو لبیک پکارتے ہوئے جبل رحمت کے قریب وقوف کے لئے جائے اور قبلہ رخ کھڑے ہو کر دعا کرے اور سو بار **لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد و ھو علیٰ کل شی قدیر**۔ سو ۱۰۰ بار "**قل ھو اللّٰہ احد**" سو ۱۰۰ مرتبہ درود ابراہیم پڑھے اس کے بعد اپنے لئے اپنے والدین کے لئے، اولاد، بہن بھائی، خویش و اقارب، دوست و احباب اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرتا رہے یہ دن نہایت ہی مبارک اور مقدس ہے ایک منٹ بھی لا یعنی باتوں میں صرف نہ ہونا چاہئے۔ غروب آفتاب کے بعد نماز مغرب پڑھے بغیر مزدلفہ کے لئے روانہ ہو جائے۔ عرفات سے غروب آفتاب سے پہلے نکلے گا تو گنہگار ہوگا اور دم دینا ہوگا۔ مزدلفہ پہنچ کر مغرب و عشاء کو عشاء کے وقت میں ایک اذان و اقامت کے ساتھ جمعاً پڑھے، اذان و اقامت کہہ کر مغرب پڑھے پھر سنت پڑھے بغیر اور بلا اذان و اقامت کے عشاء پڑھے۔ عشاء کے بعد مغرب و عشاء کی

سنتیں اور وتر پڑھے ۔ یہ رات حجاج کے لئے شب قدر سے افضل ہے ۔ ذکر اللہ، تلاوت، درود دعا و استغفار میں مشغول رہے اگر آرام کرنا ہو تو آرام کرنے کے بعد تہجد پڑھ کر دعا و استغفار اور تلاوت وغیرہ میں مشغول رہے اگر آرام کرنا ہو تو آرام کرنے کے بعد تہجد پڑھ کر دعا و استغفار اور تلاوت وغیرہ میں مشغول ہو جائے ۔ فجر کی نماز غلس (اندھیرے) میں پڑھے ۔ اس کے بعد جبل قزح یا اس کے قریب آ کر وقوف کرے اور تلبیہ، تکبیر، تہلیل، دعاء و استغفار اور تلاوت وغیرہ میں مشغول رہے وہاں نہ پہنچ سکے تو اپنی جگہ پر پڑھے ۔ جب طلوع آفتاب کا وقت ہو منیٰ کے لئے روانہ ہو جائے ''رمی'' کے لئے کنکریاں مزدلفہ سے لے لے ۔ منیٰ پہنچ کر ''جمرۂ عقبہ'' پر سات کنکری مارے ۔ پہلی کنکری مارتے وقت تلبیہ بند کردے ۔ ہر کنکری مارتے وقت یہ دعا پڑھے بسم اللہ اکبر رغما للشیطان و رضاً للرحمن اللھم اجعلھا حجا مبرورا و ذنبا مغفوراً و سعیاً مشکوراً.

دسویں ذی الحجہ کو رمی کا وقت صبح صادق سے گیارھویں کی صبح صادق تک ہے لیکن وقت مسنون طلوع کے بعد سے زوال تک ہے (عورت بوڑھی کمزور کے لئے طلوع سے قبل رمی مکروہ نہیں ہے) زوال سے غروب تک مباح اور غروب سے صبح صادق تک مکروہ ہے لیکن عورت بوڑھیا ضعیفہ کے لئے مکروہ نہیں اگر گیارھویں کی صبح تک رمی نہ کی تو قضا کے ساتھ دم بھی لازم ہے ۔ رمی کے بعد ذبح کرے ۔ پھر حلق کرائے ۔ (یعنی سر کے بال منڈوائے) یا کٹائے ۔ اب احرام ختم ہو گیا (مگر طواف زیارت سے پہلے عورت حلال نہیں) اس کے بعد مکہ معظمہ (زاد اللہ شرفاً و کرامۃ) پہونچ کر طواف زیارت کرے یہ بہتر ہے ۔ اگرچہ اس کا وقت بارھویں کے غروب تک ہے اس کے بعد مکروہ تحریمی ہے ۔ طواف سے فارغ ہو کر شب منیٰ میں گزارے ۔ گیارھویں بارھویں کے زوال کے بعد تینوں جمرہ کی رمی واجب ہے ۔ پہلے جمرۂ اولیٰ کی پھر جمرۂ وسطیٰ کی اس کے بعد جمرۂ عقبہ کی ۔

تنبیہ:

گیارھویں اور دسویں کو رمی کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے ۔ زوال سے پہلے ناجائز ہے کرے تو معتبر نہیں ۔ عورت، بوڑھے، مریض وغیرہ کے لئے مغرب کے بعد کا وقت مکروہ نہیں ۔ بارھویں کو مکہ معظمہ میں جانا ہو تو زوال کے بعد رمی سے فارغ ہو کر مغرب سے پہلے منیٰ سے روانہ ہو جائے ۔

اچھا یہ ہے کہ تیرھویں کو بعد الزوال رمی سے فارغ ہو کر جائے ۔ مکہ معظمہ میں تیرھویں کے بعد اپنے اور اپنے والدین وغیرہ کے لئے عمرہ کرتا رہے ۔ عمرہ کا بڑا ثواب ہے ۔ روانگی کے وقت طواف وداع کرے دوگانہ گزارے ۔ آب زمزم خوب سیرابی سے پئے ملتزم کو لپٹ کر خدا کو تضرعاً آہ و بکا، گریہ وزاری کے ساتھ پکارے اور خوب دعائیں مانگے، فراق کا غم و افسوس کرتے ہوئے وداع ہو ۔ دروازہ کے پاس پہنچ کر آخری دعا کر کے دربار رسالت مآب ﷺ کی حاضری کے لئے روانہ ہو جائے قیام مدینہ و حاضری کے وقت ادب ملحوظ رہے صلوٰۃ وسلام میں مشغول رہے ۔ خدائے پاک تمام مسلمانوں کو یہ سعادت نصیب فرمائے آمین یارب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا.

رہے میرا مسکن ہو احوالی کعبہ
بنے میرا مدفن دیار مدینہ

رمی سیدھے ہاتھ سے کرنا مسنون ہے:

(سوال ۹۳) ایک شخص کو بائیں ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ہے سیدھے ہاتھ سے کام نہیں ہوتا وہ حج کے لئے جارہا ہے منیٰ میں شیطان کو کنکری مارنا ہے تو بائیں ہاتھ سے رمی کرسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سیدھے ہاتھ سے کنکری مارنا مسنون ہے، ثواب زیادہ ملتا ہے، لہٰذا حتی الامکان سیدھے ہی ہاتھ سے رمی کرے مراقی الفلاح میں ہے **والمسنون الرمی بالید الیمنی ویضع الحصاۃ علی ظہر ابہامۃ ویستعین بالمسبحۃ الخ (مراقی الفلاح مع حاشیۃ طحطاوی ص ۴۲۷ فصل فی کیفیۃ ترتیب افعال الحج)** اگر سیدھے ہاتھ سے رمی کرہی نہ سکے تو بائیں ہاتھ سے رمی کرنے (کنکری مارنے) میں کچھ حرج نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ازدحام کی وجہ سے عورت کی طرف سے دوسرے شخص کا رمی جمار کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۹۴) بعد سلام مسنون! حج کے واجبات میں سے ایک واجب رمیٔ جمار یعنی شیطان کو کنکری مارنا بھی ہے اس سلسلہ میں ایک ضروری بات دریافت کرنا۔

حج کے ایام میں مزدلفہ سے منیٰ آکر قربانی سے پہلے بڑے شیطان کو اور بقیہ دو دنوں میں زوال کے بعد تینوں جمروں (یعنی تینوں شیطانوں) کو کنکریاں مارنا ہر مرد و عورت پر واجب ہے اب سوال یہ ہے کہ ازدحام کی وجہ سے اگر عورت کی طرف سے اس کا شوہر یا اور کوئی محرم کنکری مارسکتا ہے یا نہیں؟

اس سوال کی وجہ یہ ہے کہ میں نے خود دیکھا ہے کہ رمی جمار کے وقت اتنا ہجوم ہوتا ہے کہ اگر عورت کا ہاتھ بھی تھامے رکھیں تاہم ہجوم اور دھکوں کی وجہ سے الگ ہوجاتے ہیں اور پھر عورت کو بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ایک عورت کو میں نے دیکھا کہ وہ شوہر کے ساتھ تھی دھکوں کی وجہ سے اس کے سینے پر چوٹ لگی وہ بہت گھبرا گئی شوہر نے نکالنے کی کوشش کی مگر ہجوم کی وجہ سے وہ نہ نکال سکا دوسرے دو آدمیوں نے مدد کی جب وہ نکل سکی ان حالات میں عورت کی طرف سے کوئی دوسرا رمی جمار کرے تو درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) آپ کا بیان صحیح ہے۔ لیکن رمی جمار بوجہ مرض وضعف شدید کہ کھڑے ہوکر نماز پڑھ سکے اور پیدل یا سواری پر بھی وہاں تک پہنچنا دشوار ہو تو دوسرا آدمی اس کی طرف سے رمی کرسکتا ہے (معلم الحجاج ص ۲۰۱) لیکن ازدحام کی وجہ سے دوسرا شخص رمی نہیں کرسکتا خود کنکری مارے نہ مار سکے تو دم واجب ہوتا ہے رات کے وقت ازدحام نہیں ہوتا رات کو موقع پاکر رمی کرے مگر یہ وقت مکروہ ہے لیکن معذورین اور عورتوں کے لئے ازدحام کی وجہ سے رات کو بلا کراہت درست ہے[1] **فقط و اللہ اعلم بالصواب . ۲۲ شوال المکرم ۱۴۰۱ھ۔**

---

(۱) وقتہ من الفجر الی الفجر ویسن من طلوع ذکاء لزوالہا ویباح لغروبہا ویکرہ للفجر قال الشامیۃ تحت قولہ ویکرہ للفجر ای من الغروب الی الفجر وکذا یکرہ قبل طلوع الشمس بحرو ہذا عند عدم العذر فلا اساءۃ برمی الضعفۃ قبل الشمس ولا یرمی الرعاۃ لیلا کما فی الفتح . درمختار مع الشامی مطلب فی رمی جمرۃ العقبہ ج ۲ ص ۲۴۸۔

سر پر سے دو چار جگہ سے تھوڑے تھوڑے بال کٹوائے تو حلال ہوگا یا نہیں :

(سوال ۹۵) ایک شخص عمرہ کر کے سر پر سے دو چار جگہ سے تھوڑے تھوڑے بال کٹوا کر حلال ہو کر اپنے گھر آ گیا تو حنفیہ کے نزدیک وہ حلال ہوا یا نہیں؟ اگر وہ اپنے گھر آ کر پورے سر کے بال منڈوادے یا کترواد ے تو کیا حکم ہے؟ دم لازم ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سر پر بال ہونے کی صورت میں عمرہ کے احرام سے حلال ہونے کے لئے احناف کے نزدیک حلق یا قصر ضروری ہے اور حلق وقصر کرانے میں کم از کم مقدار چوتھائی سر کا حلق یا قصر کرانا ہے اس سے کم منڈوانے یا کتروانے سے احرام سے باہر نہیں ہوتا اور چوتھائی سر کے بال کٹوانا ہو تو کم از کم ایک سرانگشت (یعنی پور) کے برابر کٹانا واجب ہے (عمدۃ الفقہ ج ۴ ص ۲۴۸) (معلم الحجاج ص ۱۹۰) اور اگر اتنے بال نہ ہوں تو صرف استرہ یا اس کے قائم مقام مشین پھیرنا کافی ہوگا جتنے بھی بال کٹ جائیں۔

صورت مسئولہ میں شخص مذکور نے عمرہ کے احرام سے حلال ہونے کے لئے دو چار جگہ سے تھوڑے تھوڑے بال کٹوائے اور وہ چوتھائی سر کی مقدار کو نہیں پہنچتے ہیں تو وہ اپنے احرام سے حلال نہیں ہوا جب تک کم از کم چوتھائی سر کے برابر مقدار وانملہ (پور) بال نہ کٹائے گا حلال نہ ہوگا اور اس درمیان جتنے ممنوعات احرام کا ارتکاب کرے گا اس کے اعتبار سے دم، صدقہ یا جزاء لازم ہوگی، تفصیل کے لئے معلم الحجاج میں ''جنایات یعنی ممنوعات احرام وحرم اور ان کی جزاء ملاحظہ ہو۔

عمرہ کے احرام سے حلال ہونے کے لئے حدود حرم سے باہر حلق یا قصر کرایا ہو تو احرام سے حلال تو ہو جائے گا مگر ایک دم لازم ہوگا اور وہ دم حدود حرم میں ذبح کرانا ضروری ہے اپنے مقام پر ذبح کرنا کافی نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سر پر بال نہ ہوں تو کیا کرے :

(سوال ۹۶) ایک شخص حج کے لئے گیا اس کے بعد اس نے کئی عمرے کئے احرام سے حلال ہونے کے لئے حلق یا قصر ضروری ہے چونکہ ہر روز یا دوسرے روز عمرہ کرتا تھا اس لئے بہت معمولی بال کٹتے تھے، قریب ایک سوت یا اس سے بھی کم بال کٹتے نظر آتے تھے، اب سوال یہ ہے کہ یہ حلق صحیح ہوا یا نہیں؟ اگر صحیح ہو گیا تو خیر ورنہ اب وہ اس کی تلافی کیسے کرے؟ یہ شبہ اس لئے پیدا ہوا کہ حج کی کتاب زبدۃ المناسک میں دیکھا کہ قصر میں ایک انملہ (یعنی پور) سے کم جائز نہیں تو اب کیا کیا جائے؟ جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں، بینوا توجروا (از پالنپور)

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب پہلے حلق کرانے کی وجہ سے سر پر بال نہیں تو صرف استرہ یا اس کے قائم مقام مشین پھیر دینا کافی ہے، اور یہ پھیرنا واجب ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے واذا جاء وقت الحلق ولم یکن علی رأسه شعر بان حلق قبل ذلک اوبسبب آخر ذکر فی الاصل انه یجری الموسیٰ علی رأسه لانه لو کان علی رأسه شعر کان الماخوذ علیه اجراء الموسی وازالة الشعر فما عجز عنه سقط ومالم یعجز عنه یلزمه ثم اختلف المشائخ فی اجراء الموسیٰ انه واجب اومستحب والاصح انه واجب

هكذا في المحيط. یعنی حلق کا وقت آیا اور اس کے سر پر بال نہیں ہیں اس سبب سے کہ اس سے قبل اس شخص نے حلق کرایا ہے یا کسی اور سبب سے تو اس پر ضروری ہے کہ وہ اپنے سر پر استرہ پھیرلے اس لئے کہ اگر اس کے سر پر بال ہوتے تو حکم یہ ہوتا کہ وہ سر پر استرہ پھیرے اور بال زائل کرے، اس وقت جس چیز سے عاجز ہے وہ ساقط ہو جائے گی (یعنی بال زائل کرنا) اور جس چیز سے عاجز نہیں ہے وہ اس کو لازم ہے (اور وہ استرہ پھیرنا ہے) پھر اس میں مشائخ کا اختلاف ہے کہ استرہ پھیرنا واجب ہے یا مستحب؟ اصح قول یہ ہے کہ واجب ہے. بکذا فی المحیط (فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۹ كتاب المناسك الباب الخامس في كيفية اداء الحج) زبدۃ المناسک میں جو مقدار انملہ لکھا ہے وہ اس صورت میں ہے کہ سر پر بال ہوں. فقط و اللہ اعلم بالصواب.

طواف زیارت کے موقع پر عورت کو حیض آ جائے تو کیا کرے؟:

(سوال ۷۹) آج کل حج کے سفر میں آمد و رفت کی تاریخ پہلے ہی سے متعین ہوتی ہے تبدیل کرنا مشکل ہوتا ہے اور کافی پریشانی ہوتی ہے کبھی دو تین ماہ وہاں قیام کرنا پڑتا ہے اس کے بعد جہاز میں جگہ ملتی ہے، ایسی مجبوری کی حالت میں عورت حیض کی حالت میں طواف زیارت کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(جواب) حیض کی حالت میں حج کا رکن اعظم طواف زیارت کرنا بہت سنگین گناہ ہے، حدث اکبر کی حالت میں مسجد حرام میں داخل ہونا پڑے گا اور کافی وقت وہاں گذارنا ہوگا، جب کہ اس حالت میں مسجد حرام میں داخل ہونا ہی حرام ہے تو اس حالت میں مسجد حرام میں داخل ہونا اور طواف زیارت جیسے اہم رکن کو ادا کرنا کیسے گوارہ کیا جا سکتا ہے؟ لہذا پاک ہونے کے بعد ہی طواف زیارت کرنے کی کوشش کرے، آج کل جہازوں کی کثرت ہے کوشش کرنے پر کامیابی ہو سکتی ہے، معلم اور ذمہ دار لوگوں سے مل کر بھی اس کا حل نکل سکتا ہے، ناممکن نہیں ہے، سعی کرنے پر اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی صورت نکال دے گا ہمت کی ضرورت ہے، وہاں ٹھہرنے میں اخراجات میں تنگی کا اندیشہ ہے تو کسی سے قرض لے کر یا چندہ کر کے حتی کہ رقم ختم ہو جانے کی صورت میں زکوٰۃ کی رقم لے کر بھی انتظام کرنا جائز ہوگا، یہ سب امور حیض کی حالت میں طواف زیارت کرنے سے اہون ہیں سہولت پسندی اور سستی سے ہرگز کام نہ لیا جائے۔

اگر عورت کے لئے مانع حیض دوا کا استعمال مضر نہ ہو عورت اسے برداشت کر سکتی ہو اور اس کا تجربہ بھی ہو تو دوا مانع حیض استعمال کرنے کی صورت بھی اختیار کی جا سکتی ہے۔ زبدۃ المناسک میں ہے: تتمہ متعلق کثرت الوقوع۔

مسئلہ (۱) اکثر اس میں اہل نسا کو ہی یہ ابتلا پیش ہوتا ہے، اور پریشانی ہوتی ہے، وہ یہ کہ جس عورت کو طواف زیارت سے پہلے حیض شروع ہو گیا ہو اور اس کے رفیقوں نے وطن لوٹنے کا ارادہ کر لیا اور وہ عورت پاک نہیں ہوئی تو آیا مسجد حرام میں جا کر بیت اللہ کا طواف کر سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) اور اگر ایسی حالت میں طواف کر لیا تو اس کا حج پورا ہو جائے گا اور احرام سے حق صحبت میں بھی حلال ہو جائے گی یا نہیں؟

پہلے تو یہ جاننا چاہئے کہ ایسی ناپاکی کی حالت میں ایک تو مسجد میں جانا سخت منع ہے دوسرا یہ کہ عظیم رکن حج طواف زیارت کو ایسی صورت میں کرنا بہت بڑا جرم ہے کہ اونٹ یا گائے ذبح کرنے کی جزا لازم ہوتی ہے، از اں سوا فقط

اپنے اوپر سے فرض اتارنے اور احرام سے بالکل حلال ہونے کی غرض سے وہ بھی ارادہ سے جان بوجھ کر ایسا حرام وناجائز فعل کرنا نہایت حماقت ہے، اس کے پاک ہونے تک ٹھہر کر طواف فرض شرعی حکم کے موافق کرا کے حج کو پورا کرایا جائے۔

تنبیہ:

ازاں سوائے آج کل تو جہازوں وغیرہ کی کثرت اور سہولت ہے ایک ہفتہ رہ کر ہی حج کو پورا کرلیا جائے، بعض اہل ہمت تو پہلے جہازوں کو چھوڑ کر بھی فقط حرمین میں زیادہ مدت قیام کے لئے اقامت کرتے ہیں، اس لئے ایسی حالت میں سستی نہ کرنا چاہئے، اگر مسئلہ نہ جاننے کے وجہ سے مثلاً ایسی صورت میں طواف کرلیا گیا تو حکماً حج پورا ہو جائے گا اور احرام سے بھی پوری طرح حلال ہو جاتی ہے اور اونٹ یا گائے ذبح کرنا لازم ہوگا باقی شرعاً جان بوجھ کر ایسی حالت میں طواف کرنے کا حکم یا فتویٰ نہ دیا جائے گا۔ اور ارادۃً ایسی صورت میں یہ کام کرنا کہ بعد میں جزا اس کی دے کر سبکدوش ہو جائیں گی، ہرگز جائز نہیں، نہ یہ گناہ فدیہ سے معاف ہوتا ہے، جیسا کہ شیخ الاقطاب گنگوہی، قدس اللہ سرہ نے شروع جنایات کے باب میں لکھا ہے (و اللہ اعلم) (زبدۃ المناسک ص ۱۸۵، ص ۱۸۶ جلد اول) فقط و اللہ اعلم.

نوٹ:

فتویٰ رحیمیہ ج ۸ ص ۹۷ پر بھی اس نوعیت کا ایک فتویٰ ہے وہ بھی ملاحظہ کرلیا جائے۔

طواف کرتے ہوئے قرآن مجید کی تلاوت کرنا:

(سوال ۹۸) طواف کرتے ہوئے قرآن مجید کی تلاوت کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کر سکتے ہیں مگر ذکر افضل ہے، تلاوت کرنا ہو تو بلند آواز سے نہ کرے، غنیۃ الناسک میں ہے الذکر افضل من القراءۃ فی الطواف کذا فی التجنیس وغیرہ وھو باطلاقہ شامل للماثور وغیرہ فظھر ان القراءۃ فیہ خلاف الاولیٰ وان الذکر افضل منھا ما ثوراً اولا الااذا قرأ مافیہ ذکر علیٰ قصد الذکر لما صح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال بین الرکنین ربنا آتنا فی الدنیا الآیۃ وکان ذلک اکثر دعائہ صلی اللہ علیہ وسلم .الیٰ قولہ. قلنا ھدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھو الا فضل ولم یثبت عنہ فی الطواف قرأۃ بل الذکر وھو المتوارث عن السلف والمجمع علیہ فکان اولیٰ فتح (قنبیہ) وفی الکافی للحاکم یکرہ ان یرفع صوتہ بالقرأۃ فیہ ولا بأس بقراء تہ فی نفسہ ...الخ (غنیۃ الناسک ص ۶۵)

عمدۃ الفقہ میں مباحات طواف میں تحریر فرمایا ہے (۳) اپنے دل میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا (لباب و شرحہ وغنیۃ) یعنی طواف کی حالت میں قرآن مجید اپنے دل میں پڑھنے کا مضائقہ نہیں یہی اظہر ہے، لیکن ذکر کرنا تلاوت سے بہتر ہے (شرح اللباب بتصرف) (عمدۃ الفقہ ج ۴ ص ۸۷) مکروہات طواف میں تحریر فرمایا ہے

(۴) ذکر یا دعاء یا قرآن مجید کی تلاوت بلند آواز سے کرنا یا کسی اور وجہ سے آواز کا بلند کرنا جس سے طواف کرنے والوں کی اور نمازیوں کو تشویش خاطر و خلل ہو (عمدۃ الفقہ ج ۴ ص ۱۸۹) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) معذور شخص طواف کیسے کرے؟ (۲) مسجد نمرہ (عرفات) میں امام مسجد کی اقتداء میں حنفیوں کا ظہر عصر ادا کرنا:

(سوال ۹۹) کیا فرماتے ہیں کہ مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں۔

(۱) ایک شخص کے جبڑوں سے ہر وقت خون نکلتا رہتا ہے، جس کی وجہ سے وضو نہیں رہتا اور یہ حالت مسلسل جاری ہے، علاج کے باوجود افاقہ نہیں ہے، اسی طرح اس کو ریاحی مرض ہے پیٹ میں ریاح بہت ہو جاتے ہیں اور یہ مرض بھی ایسا ہے جو مسلسل رہتا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ طواف کے دوران یہ عارضہ پیش آئے گا تو ایسی حالت میں میرے لئے طواف کرنا کیسا ہے؟ اس حالت میں طواف کرنے سے گناہ تو نہ ہوگا؟

(۲) میدان عرفات ظہر کے وقت میں مسجد نمرہ میں جمع بین الظہر والعصر کا موقع ملے تو ایک ہی وضو سے یہ دونوں نمازیں پڑھنا کیسا ہے؟ سنا ہے کہ مسجد نمرہ میں امام مقیم ہونے کے باوجود قصر کرتے ہیں تو ایسی صورت میں ہم مسافر حنفی مقتدیوں کی اقتداء صحیح ہوگی؟ مندرجہ بالا سوالوں کے جواب مرحمت فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر عنایت فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر معذور ہونے کے تمام شرائط موجود ہوں تو جس عذر کی وجہ سے وہ معذور ہوا ہو اس عذر کے پیش آنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اسی عذر کی حالت میں وہ نماز پڑھ سکتا ہے، لہذا جس طرح وہ نماز پڑھ سکتا ہے اسی طرح وہ معذور طواف بھی کر سکتا ہے، اور جس طرح عین نماز میں اس عذر کے پیش آنے سے گنہگار نہیں ہوتا اسی طرح طواف کے درمیان اس عذر کے پیش آنے سے وہ معذور شخص گنہگار نہ ہوگا، البتہ معذور کا وضو نماز کا وقت نکل جانے سے ٹوٹ جاتا ہے اگر طواف کے درمیان کسی نماز کا وقت نکل جائے تو وہ معذور شخص کیا کرے، معلم الحجاج میں ہے۔ "مسئلہ: معذور شخص کو جس کا وضو نہیں ٹھہرتا یا کوئی زخم جاری ہے اس کا وضو چونکہ صرف نماز کے وقت تک رہتا ہے نماز کا وقت نکل جانے کے بعد دوبارہ وضو کرنا ہوتا ہے اس لئے اگر چار چکروں کے بعد وقت نکل جائے تو دوبارہ وضو کر کے طواف پورا کر لے اور اگر چار چکروں سے کم کئے ہیں تب بھی دوبارہ وضو کر کے پورا کر سکتا ہے، لیکن چار چکر سے کم کی صورت میں شروع سے کرنا افضل ہے (معلم الحجاج ص ۱۵۱، ص ۱۵۲، طواف کے مسائل متفرقہ) (عمدۃ الفقہ ۴/۱۹۶)

غنیۃ الناسک میں ہے۔ وصاحب العذر الدائم اذا طاف اربعة اشواط ثم خرج الوقت توضأ وبنى ولا شئى عليه وكذا اذا طاف اقل منها الا ان الا عادة حينئذ افضل كماقد منا و الله سبحانه وتعالى اعلم (غنية الناسک ص ۶۸)

(۲) جمع تقدیم کے شرائط اگر موجود ہوں تو معذور شرعی میدان عرفات میں ظہر کے ساتھ عصر کی نماز پڑھ سکتا ہے، اس لئے کہ معذور شرعی کا وضو نماز کا وقت خارج ہونے سے ٹوٹتا ہے اور جمع تقدیم میں عصر کی نماز ظہر کے وقت میں

پڑھی جاتی ہے ظہر کا وقت خارج نہیں ہوتا لہذا معذور شرعی کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔

والمستحاضة ومن به سلس البول والرعاف الدائم يتوضئون لوقت كل صلوة فيصلون بذلك الوضوء في الوقت ماشاء وامن الفرائض والنوافل واذا خرج الوقت بطل وضوء هم واستانفوا الوضو لصلوة اخرى (هدايه اولين ص ٥١، ٥٢ فصل في المستحاضه)

اگر بالتحقیق معلوم ہو جائے کہ مسجد نمرہ میں امام مقیم ہونے کے باوجود قصر کرتے ہیں تو ان کی اقتداء میں مسافر حنفی مقتدیوں کی نماز صحیح نہ ہوگی شامی میں ہے (قوله الا مام الا عظم ... واطلق الا مام تشمل المقيم والمسافر لكان لو كان مقيما كامام مكة صلى بهم صلوة المقيمين ولا يجوز له القصر ولا للحاج الا قتداء به قال الا مام الحلواني كان الا مام النسفي يقول العجب من اهل الموقف يتابعون امام مكتفي القصر فاني يستجاب لهم اويرجي لهم الخيرو صلوتهم غير جائزة قال شمس الا ئمة كنت مع اهل الموقف فاعتزلت وصليت كل صلوة في وقتها واوصيت بذلك اصحابي وقد سمعنا انه يتكلف ويخرج مسيرة سفر ثم يأتي عرفات فاوا كان هكذا فالقصر جائز والالا فيجب الا حتياط ا ه (شامي ٢/٢٣٨ مطلب في شروط الجمع بين الصلوتين بعرفة) فقط والله اعلم بالصواب.

رمی جمار کے وقت پاکٹ گر گیا تو کیا اس کو اٹھا سکتے ہیں؟:

(سوال ۱۰۰) جمرات کی رمی کرتے وقت میرے گلے میں جو پاکٹ لٹکا ہوا تھا گر گیا، میں نے اسے اٹھالیا، یہ تو میں نے سنا تھا کہ کنکری گر جائے تو نہیں اٹھانی چاہئے کہ وہ مردود ہوتی ہے لیکن ایک عورت مجھ سے کہتی ہے کہ جو بھی چیز وہاں گرے مردود ہوتی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً جس کنکری سے رمی کی گئی ہو اور وہ کنکری جمرے کے قریب گری ہوئی ہو وہ کنکری وہاں سے اٹھا کر اس سے رمی کرنا مکروہ ہے کہ وہ مردود ہے۔ معلم الحجاج میں ہے۔ " مسئلہ: مزدلفہ سے سات کنکریاں مثل کھجوری گٹھلی یا چنے اور لوبیے کے دانے کے برابر اٹھانا رمی کرنے کے لئے مستحب ہے، اور کسی جگہ سے یا راستہ سے بھی اٹھانا جائز ہے مگر جمرے (جس جگہ پر کنکری ماری جاتی ہے) کے پاس سے نہ اٹھائے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس کا حج قبول ہوتا ہے اس کی کنکری اٹھالی جاتی ہیں اور جس کا حج قبول نہیں ہوتا اس کی کنکریاں پڑی رہ جاتی ہیں لہذا جو کنکریاں وہاں پڑی ہوتی ہیں وہ مردود ہیں ان کو نہ اٹھائے، اگر کوئی ان کو اٹھا کر مارے گا تو جائز ہے لیکن مکروہ تنزیہی ہے (معلم الحجاج ص ۱۸۴ مزدلفہ سے منی کو روانگی اور کنکریاں اٹھانا)

ہر گری ہوئی چیز کو مردود کہنا صحیح نہیں ہے، لہذا صورت مسئولہ میں آپ نے اپنا گرا ہوا جو پاکٹ اٹھایا ہے اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں ہے۔

میدان عرفات میں حائضہ عورت کا آیت کریمہ یا سورۂ اخلاص کو بطور ذکر یا قرآنی ادعیہ کو بطور دعا پڑھنا:

(سوال ۱۰۱) ایک عورت کہتی ہے کہ عرفات میں حالت حیض میں لا الہ الا انت الخ آیت کریمہ نہیں پڑھ سکتے تو کیا بغیر دیکھے زبانی طور پر آیت کریمہ اور سورۂ اخلاص اور مناجات مقبول میں سے چھ منزل حالت حیض میں نہیں پڑھ سکتے؟

(الجواب) عورت حیض یا نفاس کی حالت میں قرآن مجید کی کوئی بھی آیت تلاوت کی نیت سے نہیں پڑھ سکتی، البتہ قرآن مجید کی وہ آیت یا سورت جس میں دعاء یا اللہ کی حمد وثنا ہو دعاء اور ذکر کی نیت سے پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتی ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے: ویحرم قرائة آية من القرآن الا بقصد الذكر اذا اشتملت عليه لا على حكم او خبر الخ.

طحطاوی میں ہے۔ (قوله الا بقصد الذكر) اى او الثناء او الدعاء ان اشتملت عليه فلا باس به في اصح الروايات قال في العيون ولو انه قرأ الفاتحة على سبيل الدعاء او شيئا من الآيات التي فيها معنى الدعاء ولم يرد به القرآن فلا بأس به اه واختاره الحلواني وذكر في غاية البيان انه المختار كما في البحر والنهر ..... الخ (مراقی الفلاح وطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۷۷ باب الحيض والنفاس والاستحاضة)

بہشتی زیور میں ہے: مسئلہ: جو عورت حیض سے ہو یا نفاس سے ہو اور جس پر نہانا واجب ہو اس کو مسجد میں جانا اور کعبہ شریف کا طواف کرنا اور کلام مجید پڑھنا اور کلام مجید کا چھونا درست نہیں الخ۔

نیز بہشتی زیور میں ہے: مسئلہ: اگر الحمد کی پوری سورت دعاء کی نیت سے پڑھے یا اور دعائیں جو قرآن میں آئی ہیں، ان کو دعاء کی نیت سے پڑھے تلاوت کرکے ارادے سے نہ پڑھے تو درست ہے، اس میں کچھ گناہ نہیں ہے، جیسے یہ دعا ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار. اور یہ دعاء ربنا لا تؤاخذنا ان نسينا او اخطانا آخر تک جو سورۂ بقرہ کے آخر میں ہے یا اور کوئی دعا جو قرآن شریف میں آئی ہو دعاء کی نیت سے سب کا پڑھنا درست ہے۔ (بہشتی زیور ص ۸۷ حصہ دوم نفاس اور حیض وغیرہ کے احکام کا بیان)

لہٰذا مذکورہ صورت میں عورت حالت حیض میں میدان عرفات میں ذکر اور دعاء کی نیت سے سورۂ اخلاص (قل ہو اللہ پڑھ سکتی ہے) تلاوت کی نیت سے نہ پڑھے اور عرفات میں اس وظیفہ کی بہت فضیلت بھی آئی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جو مسلمان عرفہ کو زوال کے بعد موقف میں وقوف کرے اور قبلہ رخ ہو کر سو مرتبہ لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير، پھر سو مرتبہ قل ہو اللہ پھر سو مرتبہ نماز کا درود (درود ابراہیمی) پڑھے تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے فرشتو! کیا جزا ہے میرے اس بندے کی کہ اس نے میری تسبیح وتہلیل کی اور بڑائی وعظمت بیان کی اور ثنا کی اور میرے نبی پر درود بھیجا، میں نے اس کو بخش دیا اور اس کی شفاعت کو اس کے نفس کے بارے میں قبول کیا، اور اگر میرا بندہ اہل موقف کی بھی شفاعت کرے

تو قبول کروں گا اور جو دعا چاہے مانگے۔ (معلم الحجاج ص ۱۷۵، ۱۷۶ کیفیت وقوف عرفہ) اسی طرح مناجات مقبول کی ہر منزل بھی دعا کی نیت سے پڑھ سکتی ہے۔

البتہ حیض کی حالت میں قرآنی دعاؤں کو نہ چھوئے زبانی پڑھے یا اس طرح پڑھے کہ ان دعاؤں پر ہاتھ نہ لگے۔

مراقی الفلاح میں ہے:۔ **ويحرم (مسها) اى الاية لقوله تعالىٰ لا يمسه الا المطهرون سواء كتب على قرطاس او درهم او حائط (الا بغلاف) متجاف عن القرآن والحائل كالخريطة فى الصحيح.**

طحطاوی میں ہے: **وفيما عد االمصحف انما يحرم مس الكتابة لا الحواشى ويحرم الكل فى المصحف لان الكل تبع له كما فى الحدادى وغيره الخ(طحطاوى على مراقى الفلاح ص ۷۷ باب الحيض والنفاس والا ستحاضة) فقط و الله اعلم بالصواب.**

حج قران وتمتع

حاجی کے پاس دم قران وتمتع کے پیسے نہ ہوں تو وہ کیا کرے:

(سوال ۱۰۲) ہمارے والد محترم حج کے لئے تشریف لے گئے ہیں اور ان کے ہمراہ گاؤں کے پانچ آدمی بھی ہیں وہ سب عمرہ کر کے حلال ہو گئے ہیں انہوں نے یہاں ہندوستان ہم پر خط لکھا ہے کہ ہم سب پر قربانی واجب ہے لیکن پیسوں کی تنگی اور یہاں کی سخت گرانی کی وجہ سے ہم یہاں قربانی نہیں کر سکتے ہیں اس لئے ہم سب کی طرف سے ایک بڑا جانور ذبح کر دیا جائے اس میں ہمارے چھ حصے ہوں گے اور ایک حصہ حضور اکرم ﷺ کی طرف سے ہوگا۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہاں ہم ان کی قربانی کر سکتے ہیں؟ اور کیا ایک بڑا جانور کافی ہے یا ہر ایک کی طرف سے ایک بکرے کی قربانی ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ہر حاجی پر قربانی واجب نہیں ہے، قارن اور متمتع پر دم شکر واجب ہے مفرد پر واجب نہیں صرف مستحب ہے اور یہ قربانی، ہیں حرم کے حدود میں ہو سکتی ہے حدود حرم سے باہر جائز نہیں جس حاجی کے پاس اتنے پیسے نہ ہوں کہ قربانی کا جانور خرید کر گھر تک پہنچنے کے لئے پیسے بچ رہیں اور اتنا سامان ہو کہ جس کو بیچ کر قربانی کا جانور خرید سے ایسا حاجی حج قران یا تمتع کرے تو قربانی کے بدلے دس روزے رکھنا واجب ہیں، تین روزے اشہر حج (یکم شوال سے نویں ذی الحجہ تک) میں رکھنا ضروری ہیں۔ ان کو متفرق طور سے رکھنا جائز ہے اور پے در پے رکھنا افضل ہے، اگر ضعف ونقاہت کا اندیشہ نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ ۷۔۸۔۹ ذی الحجہ کے روزے پے در پے رکھے اور بقیہ سات روزے ایام تشریق گذرنے (یعنی تیرہویں ذی الحجہ) کے بعد جہاں چاہے رکھے خواہ مکہ میں یا اور کسی جگہ لیکن گھر آ کر رکھنا افضل ہے ان کو بھی متفرق رکھ سکتا ہے اور پے در پے رکھنا افضل ہے لیکن ایام تشریق میں رکھنا جائز نہیں۔ اگر حج سے پہلے (اشہر حج میں) تین روزے نہیں رکھے تو اب قربانی ہی کرنی ہوگی (روزے کافی نہ ہوں گے) اگر دم دینے یعنی قربانی کرنے کے وقت بالکل قدرت نہیں ہے تو حجامت کرا کے حلال ہو جائے اور اس کے ذمہ دو دم واجب رہیں گے ایک قران یا تمتع کا اور دوسرا ذبح سے پہلے حلال ہونے کا...... قارن اور متمتع پر دم شکر واجب ہے اس میں اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ یا ایک بکرا کافی ہے بڑا جانور پورا واجب نہیں۔ درمختار میں ہے (وذبح للقران) وهو دم شكر فيا كل منه (بعدرمي يوم النحر) لوجوب الترتيب (وان عجز صام ثلاثة ايام) ولو متفرقة (آخرها يوم عرفة) ندباً (وسبعة بعد) تم ام ايام (حجه اين شاء) فان فاتت الثلاثة تعين الدم الخ (درمختار) وفي الشامي (قوله وان عجز) اى بان لم يكن في ملكه فضل عن كفاف قدر ما يشترى الدم الخ (قوله لوجوب الترتيب) اى ترتيب الثلاثة الرمي ثم الذبح ثم الحلق...... والمفرد لادم عليه، فيجب عليه الترتيب بين الرمي والحلق (قوله آخرها يوم عرفة) ان يصوم السابع والثامن والتاسع قال في شرح اللباب لكن ان كان يضعفه ذلك عن الخروج الى عرفات والوقوف والدعوات فالمستحب تقديمه على هذه الايام الخ (درمختار والشامي ج۲ ص ۲۶۴، ۲۶۵) (درمختار ج۲ ص ۲۶۹ باب القران)

ھدایہ اولین میں ھے واذا رمی الجمرة یوم النحر ذبح شاةً او بقرةً او سبع بدنة فاذا لم یکن له ما یذبح صام ثلثة ایام فی الحج آخرھا یوم عرفة وسبعة ایام اذا رجع الی اھله وان صامھا بمکة بعد فراغه من الحج جاز وان فاته الصوم حتی اتی یوم النحر لم یجزه الا الدم (ھدایه اولین ص ۲۴۹ باب القران) (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۴۲۸) فقط واللہ اعلم بالصواب .

(۱) میقات کے اندر رہنے والوں کے لئے تمتع کا حکم (۲) دم کہاں ذبح کیا جائے (۳) مسجد نبوی میں چالیس نمازیں نہ پڑھ سکا:

(سوال ۱۰۳) چند سوالوں کے جوابات مطلوب ہیں۔(۱) ہم چند آدمی بغرض ملازمت جدہ میں مقیم ہیں اللہ نے ہم کو حج کرنے کا موقع عنایت فرمایا ہم مسائل حج سے ناواقف تھے، کون سا حج کرنا چاہئے وہ بھی معلوم نہ تھا اتفاق سے آپ کا فتاویٰ رحیمیہ ہمارے پاس تھا اس میں ہم نے دیکھا کہ تمتع کرنا افضل ہے اس لئے ہم نے حج تمتع کرلیا، اس سال ہمیں معلوم ہوا کہ ہم حلی ہیں اس بناء پر ہم تمتع نہیں کرسکتے ہم کو تو حج افراد ہی کرنا چاہئے ، یہ معلوم ہوا تو بہت افسوس ہو رہا ہے اور رہ رہ کر دل میں یہ بات آتی ہے کہ ہمارا سال گذشتہ والا حج قبول ہوا یا نہیں؟ آپ ہمیں صحیح مسئلہ بتائیں کہ جس سے ہمارا خلجان دور ہو۔

(۲) اس سال بھی حج کرنے کا ارادہ ہے والد صاحب کے ایصال ثواب کے لئے تو کون سے حج کی نیت کرنی چاہئے؟

(۳) اور قربانی اپنے وطن کروانے کا ارادہ ہے تو وطن میں قربانی کراسکتا ہوں یا یہاں کرانا ضروری ہے؟

(۴) ایک بات یہ بھی ہے کہ ملازم ہونے کی وجہ سے ہم کو مدینہ منورہ کی مسجد نبوی (علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام) میں چالیس نمازیں ادا کرنے کا وقت نہیں ملتا تو اس سے حج میں کوئی نقص تو نہیں آتا؟ فقط والسلام، بینوا توجروا۔

(الجواب)(۱) ہمارا ملک (ہندوستان ،انڈیا) میقات کی حد سے خارج ہے اور ہم آفاقی کہلاتے ہیں لہٰذا ہمارے لئے تمتع اور قران افضل ہے اسی اعتبار سے فتاویٰ رحیمیہ میں تحریر کیا گیا ہے۔مکی اور جو مکہ والوں کے حکم میں ہیں یعنی داخل میقات رہنے والے یا عین میقات پر رہنے والے۔ان کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔ان کے لئے افراد (صرف حج کرنا) ہے تمتع اور قران ممنوع ہے۔ہدایہ میں ہے ولیس لاھل مکة تمتع ولا قران وانما لھم الا فراد خاصةً ومن کان داخل المواقیت فھو بمنزلة المکی حتی لا یکون له متعة ولا قران (ھدایه اولین ص ۲۴۳ باب التمتع) اگر تمتع کرلیا تو حج میں خرابی نہ آئے گی (یعنی فاسد نہ ہوگا) البتہ دم دینا پڑے گا لہٰذا اگر آپ لوگ میقات کی حد میں رہتے ہوں تو ایک بکرا حرم میں ذبح کردیا جائے حرم کے باہر درست نہیں۔ درمختار میں ہے (والمکی ومن فی حکمة یفرد فقط) ولو قرن او تمتع جاز و اساء وعلیه دم جبر (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۲۰۷ باب التمتع) فقط واللہ اعلم بالصواب .

(۲) امسال والد صاحب کے لئے حج کرنا چاہتے ہو تو اگر والد صاحب نے حج نہ کیا ہو تو حج بدل کی نیت

کیجئے اور حج افراد کیجئے، حق تعالیٰ قبول فرمائے، آمین فقط واللہ اعلم۔

(۳) اگر صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے قربانی کرنی ہے تو وطن میں قربانی کرانا جائز ہے البتہ حج کے سلسلہ کی قربانی کا حرم میں ہونا ضروری ہے۔ والهدى لا يذبح الا بمكة (هدایہ ص۲۶۰ باب الهدی)

(۴) مسجد نبوی (علی صاحبها الف الف تحية وسلام) میں پانچوں نمازیں باجماعت ادا کرنا افضل ہے ملازمت کی وجہ سے نہ ہو سکے تو کوئی قباحت نہیں، حج میں کوئی خلل نہیں آئے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

۳۰ شوال المکرم ۱۳۹۹ھ۔

متمتع حج سے پہلے مدینہ منورہ جا سکتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۰۴) ایک شخص حج تمتع کا احرام باندھ کر مکہ معظمہ پہنچا اور عمرہ کے افعال ادا کرنے حلال ہو گیا اس کے بعد وہ متمتع مدینہ منورہ جائے تو شرعی اعتبار سے گنجائش ہے یا نہیں؟ اور اگر مدینہ منورہ چلا گیا تو وہاں سے واپسی کے وقت کون سا احرام باندھ کر آئے؟ اور ایسے متمتع کے لئے پہلے مکہ معظمہ جانا افضل ہے یا مدینہ منورہ؟ اس بارے میں تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر حج فرض ہو تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ پہلے مکہ معظمہ جائے اور حج کے بعد زیارت کے لئے مدینہ منورہ کا سفر کرے اور اگر پہلے مکہ معظمہ چلا گیا اور عمرہ کے احرام سے فارغ ہو گیا تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ مکہ مکرمہ ہی میں مقیم رہے تاکہ اس کا تمتع بالاتفاق صحیح ہو جائے اور اگر مدینہ منورہ چلا گیا تو بھی اس سفر کی وجہ سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا تمتع باطل نہ ہوگا (کہ وہ وطن اصلی نہیں گیا) اور جب مدینہ منورہ سے واپس لوٹے تو بہتر یہ ہے کہ حج افراد کا احرام باندھ کر آئے اور اگر عمرہ کا احرام باندھ کر آئے اور عمرہ کر کے حلال ہو جائے اور ایام حج آنے پر حج کا احرام باندھ کر حج کرے تو بھی امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا تمتع صحیح ہے اور تمتع کا انعقاد پہلے عمرہ سے ہوگا، اور صاحبین کے نزدیک اس کا تمتع صحیح ہے اور تمتع کا انعقاد پہلے عمرہ سے ہوگا۔ اور صاحبین کے نزدیک پہلا عمرہ مفرد ہو گیا اور ثانی عمرہ سے تمتع منعقد ہوگا، البتہ قران کا احرام باندھ کر آنا ممنوع ہے اس لئے کہ یہ حکماً مکی ہے۔ اگر قران کا احرام باندھ کر آئے گا تو دم لازم ہوگا۔

معلم الحجاج میں ہے:۔ مسئلہ:۔ جس پر حج فرض ہو اس کو حج سے پہلے زیارت کرنا جائز ہے بشرطیکہ حج فوت ہونے کا خوف نہ ہو مگر بہتر اس کے لئے پہلے حج کرنا ہے اور حج نفل کرنے والوں کو اختیار ہے کہ چاہے پہلے حج کرے یا زیارت کرے، اور جس شخص کے راستہ میں حج کے لئے آتے ہوئے مدینہ پڑتا ہو جیسے شام کی طرف سے آنے والے ان کو پہلے ہی زیارت کرنی چاہئے (معلم الحجاج ص۳۴۲) اس کے حاشیہ میں ہے۔

البتہ وہ متمتع جو عمرہ کے احرام سے فارغ ہو چکا ہے اس کو بہتر ہے کہ حج کرنے سے پہلے مکہ سے باہر آفاق میں نہ جائے تاکہ اس کا تمتع بالاتفاق صحیح ہو جائے گا (لا يخرج المتمتع) اى الفارغ من احرام العمرة كما يفهم من سوق كلام فى الكبير (الى الآفاق) لئلا يبطل تمتعه على قول بعض (معلم الحجاج ص ۳۴۲ حاشیہ)

زبدۃ المناسک میں ہے:۔ کثیر الوقوع ضروری مسئلہ:۔ اکثر حاجی اشہر حج میں آکر عمرہ کرتے ہیں پھر اشہر حج

میں حج کرنے سے پہلے مدینہ طیبہ، روضۂ مقدسہ اور حجرۂ معطرہ مطہرہ ﷺ کی زیارت کے لئے چلے جاتے ہیں، پس ان کو چاہئے کہ وہاں سے جب واپس ہوں تو فقط حج مفرد ہی کا احرام باندھ کر آئیں تو امام صاحب کے نزدیک ان کا تمتع تمتع ہے اس سفر کرنے سے تمتع باطل نہ ہوگا، کیونکہ وہ اشہر حج میں عمرہ کر چکے ہیں اور عمرہ کرنے کے بعد وہ حکماً ملیوں کے حکم میں داخل ہیں اگرچہ اشہر حج میں میقات سے بھی باہر نکل گئے ہوں کیونکہ وہ اپنی اصلی وطن نہیں گئے ہیں تو ان کا سفر باعتبار حکم کے واحد ہے، اس کو المام فاسد کہتے ہیں جو کہ مبطل تمتع نہیں، اب ان کو مدینہ طیبہ سے قران کا احرام باندھنا ممنوع ہے کہ وہ ملیوں کے حکم میں ہیں اگر قران کا احرام باندھیں گے تو دم جنایت لازم ہوگا، شرح اللباب وغنیۃ (زبدۃ المناسک ج ۲ ص ۱۴-۱۵) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

متمتع عمرہ کر کے مدینہ منورہ چلا گیا واپسی پر حج یا عمرہ کا احرام باندھا تو کیا حکم ہے :

(سوال ۱۰۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص آفاقی اشہر حج میں مکہ مکرمہ گیا اور عمرہ ادا کیا، عمرہ کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ چلا گیا، مدینہ منورہ سے واپسی پر دوسرا عمرہ ادا کیا اور پھر حج کا احرام مکہ مکرمہ سے باندھا تو۔

(۱) کیا اس کا تمتع صحیح ہے یا نہیں؟

(۲) اس پر دم تمتع ہے یا نہیں؟

(۳) کیا اس پر دم جبر ہے یا نہیں؟

(۴) تمتع پہلے عمرہ سے یا دوسرے عمرہ سے منعقد ہوا؟

(۵) آفاقی کے لئے ایک عمرہ سے زائد کرنا اشہر حج میں جائز ہے یا نہیں؟

مدینہ منورہ سے واپسی پر اگر فقط حج کا احرام کا باندھا تو کیا۔

(۶) اس کا تمتع ادا ہوگا یا نہیں؟

(۷) کیا اس پر کوئی دم جبر ہے یا نہیں؟

(۸) آفاقی حاجی کا اشہر حج میں میقات سے باہر نکلنا کیسا ہے؟

ان دونوں صورتوں میں سے بہتر کون سی صورت ہے؟ مہربانی فرما کر جواب عنایت فرمائیں، مفتی بہ اقوال بیان فرمائیں، بینوا توجروا (از افریقہ)

(الجواب) (۱) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر آفاقی نے اشہر حج میں عمرہ کیا اور مدینہ منورہ چلا گیا اور وہاں سے واپسی کے وقت عمرہ کا احرام باندھ کر آیا اور عمرہ کیا اور حج کے ایام آنے پر حج احرام باندھا تو اس کا تمتع صحیح ہے اور تمتع کا انعقاد پہلے عمرہ سے ہوگا، اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک پہلا عمرہ مفردہ ہو گیا اور ثانی عمرہ سے تمتع منعقد ہوگا۔ بہرحال صورت مسئولہ میں امام صاحبؒ کے نزدیک بھی اس کا تمتع صحیح ہے اور صاحبین کے نزدیک بھی۔ (زبدۃ المناسک ج ۲ ص ۱۴-۱۵)

(۲) جب تمتع صحیح ہے تو دم شکر بھی لازم ہوگا۔ فقط۔

(۳) دم جبر لازم نہیں ہے (زبدۃ المناسک ج ۲ ص ۱۵) فقط۔

(۴) امام صاحبؒ کے نزدیک پہلے عمرہ سے اور صاحبینؒ کے نزدیک دوسرے عمرہ سے۔ فقط۔

(۵) جائز ہے۔ معلم الحجاج میں ہے:۔ مسئلہ۔ متمتع ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ حج سے پہلے کرسکتا ہے (معلم الحجاج ص ۲۳۸)(۱) فقط۔

(۶) ادا ہوجائے گا (زبدۃ المناسک ج ۲ ص ۱۴)(معلم الحجاج ص ۲۳۵ حاشیہ) فقط۔

(۷) کوئی دم جبر نہیں ہے۔ فقط۔

(۸) امام ابوحنیفہ کے نزدیک میقات سے باہر نکلنے سے تمتع باطل نہیں ہوتا مگر ان کے نزدیک نکلنا بہتر نہیں ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک تمتع باطل ہوجاتا ہے اس لئے احتیاط اس میں ہے کہ میقات سے باہر نہ نکلے (زبدۃ المناسک ج ۲ ص ۱۵) اور اگر نکلے تو حج افراد کا احرام باندھ کر آنا بہتر ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) مسئلہ اختلافی ہے، دونوں طرف دلائل ہیں مگر معلم الحجاج میں جس قول کو اختیار کیا ہے وہ راجح معلوم ہوتا ہے لہذا اگر اس پر عمل کرے تو قابل مواخذہ نہ ہونا چاہئے خصوصاً اس زمانہ میں۔

معلم الحجاج میں جہاں یہ مسئلہ لکھا ہے نیچے اس پر مفتی سعید احمد صاحب نے حاشیہ میں لکھا ہے۔ قال فی اللباب ولا یعتمر قبل الحج وقال القاری فی الشرح وهذا بناء علی ان المکی ممنوع من العمرة المفردة ایضا قد سبق انه غیر صحیح بل انه ممنوع من التمتع والقران وهذا التمتع آفاقی غیر ممنوع من العمرة فجاز له تکرارها لا نها عبادة مستقلة کالطواف اه ص ۱۵۲

فتاویٰ رحیمیہ جلد ۸ ص ۲ ے پر ایک فتویٰ ہے جس کا عنوان ہے ایام حج میں نفل عمرہ وہ فتویٰ بھی ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

اس فتویٰ میں غنیۃ المناسک کے حوالے سے لکھا ہے۔ راجح یہ ہے کہ اشہر حج میں متمتع آفاقی ... الخ۔

وہاں غنیۃ المناسک کا حوالہ ہے عبارت نہیں ہے۔ عبارت یہ ہے ویستحب ان یؤخرها حتی یمضی هذه الا یام ثم یفعلها وافادوا ان الا قتصار علی الخمسة انها لا تکره فی اشهر الحج وهو الصحیح ولا فرق فی ذلک بین المکی والآفاقی بحرو شرنبلالیة وانما کره فعلها فیها لا هل مکة ومن بمعنا هم لان الغالب علیهم ان یحجوا فی سنتهم فیکونون متمتعین وهم عن التمتع ممنوعون والا فلا منع للمکی عن المفردة فی اشهر الحج اذا لم یحج فی تلک السنة ومن خالف فعلیه البیان شرح وهو رد علی ما اختاره ابن الهمام من کراهتها للمکی فی اشهر الحج وان لم یحج من عامه قال العلامة قاسم انه لیس بمذهب لعلمائنا ولا للائمة الاربعة الخ (ص ۱۰۶) غنیۃ المناسک میں دوسری جگہ ہے (فصل فی کیفیة اداء التمتع المسنون ویعتمر قبل الحج ماشاء وما فی اللباب والا یعتمر قبل الحج فغیر صحیحة لانه بناء علی ان المکی ممنوع من العمرة المفردة وهو خلاف مذهب اصحابنا جمیعا لان العمرة جائزة فی جمیع السنة بلا کراهة الا فی خمسة ایام لا فرق فی ذلک بین المکی والا فاقی صرح به فی النهایة والمبسوط والبحر واخی زادة والعلامة قاسم وغیرهم رحمهم الله تعالی کذا فی المنحة بل المکی ممنوع من التمتع والقران وهذه عمرة مفردة لا اثر لها فی تکرار تمتعه شرح الخ (غنیة الناسک ص ۱۱۵ لمولانا الحاج حسن شاه پشاوری مهاجر مکی)

عمدۃ الفقہ مؤلفہ حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب نقشبندی مجددی پاکستانی جلد چہارم کتاب الحج میں ہے تمتع کا مسنون طریقہ ... اور حلال ہوکر مکہ معظمہ میں قیام کرے اور اس عرصہ میں نفلی طواف عمرے اور دیگر عبادات کرتا رہے (عمدۃ الفقہ کتاب الحج ص ۴۱۰ مطبوعہ ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸) عمدۃ الفقہ میں دوسری جگہ ہے۔

(تنبیہ) اگر آفاقی متمتع حج کے مہینوں میں مکہ مکرمہ آکر عمرہ کرے اور عمرہ کے احرام سے حلال ہوکر حج سے پہلے مدینہ منورہ چلا جائے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق اس کو مدینہ منورہ سے مکہ واپس آتے وقت حج افراد کا احرام باندھ کر آنا چاہئے اور اس کا حج تمتع ہوجائے گا اس کو قران یا عمرہ کا احرام نہیں باندھنا چاہئے کیونکہ وہ متمتع ہونے کی وجہ سے مکی کے حکم میں ہے اگر وہ قران کا احرام باندھ کر آئے گا تو اس پر دم جنایت لازم ہوجائے گا، اور دوسرے عمرہ کا احرام اس لئے نہیں باندھ سکتا کہ اس نے کئے ہوئے پہلے عمرہ سے تمتع منعقد ہوچکا ہے، تاہم دوسرے عمرہ کی گنجائش ہے کیونکہ آفاق سے آرہا ہے اس لئے اگر دوسرے عمرہ کا احرام باندھ کر آئے تو امام صاحب کے نزدیک چنداں حرج نہ ہوگا۔ (۵) (زبدہ وغیرہ ملخصا) (اور جب کہ اکثر فقہاء کے نزدیک عمرہ کر کے حلال ہونے کے بعد مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے بھی آفاقی کو اور متعدد عمرے کرنا جائز ہے تو اس صورت میں بدرجہ اولیٰ اس کے لئے عمرہ جائز ہونا چاہئے، کیونکہ مکی کے حکم میں ہونے کے باوجود آفاق سے آرہا ہے واللہ اعلم بالصواب، مؤلف) لیکن صاحبین کے نزدیک وہ مدینہ منورہ سے واپسی کے وقت عمرہ کا احرام باندھ کر آئے، کیونکہ میقات سے باہر جانے کی وجہ سے اس کا تمتع باطل ہوگیا اور پہلا کیا ہوا عمرہ دو سفروں کی وجہ سے مفرد عمرہ ہوجائے گا اور اب اس دوسرے عمرہ سے تمتع از سرنو منعقد ہوجائے گا (۶) (۶) (حج وعمرہ وغیرہ) (عمدۃ الفقہ ج ۴ ص ۴۸۹ کتاب الحج)

جنایات اور دم

حاجی بجائے بدنہ کے سات بکرے ذبح کر سکتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۰۶) جس حاجی پر بدنہ لازم ہو وہ اس کی جگہ سات بکرے ذبح کر سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں بجائے بدنہ کے سات بکرے ذبح کرنے کی گنجائش نہیں، اونٹ یا گائے جیسے بڑے جانور کو ذبح کرنا ضروری ہے۔ فتاویٰ اسعدیہ میں ہے۔

(سوال) عمن وجب علیه بدنة هل یجزی عنه سبعة ودماً من الغنم ام لاافتونا.

(الجواب) لا بد من البدنة لا طلاق العلماء رحمهم الله تعالیٰ فی معین البدنة ولم یقل احد منهم غیر هذا کما یقولون فیمن وجب علیه هدی یجب علیه دم او سبع بدنة والله اعلم بالصواب. (فتاویٰ اسعدیه ج ۱ ص ۱۹)

عمرہ کے ارکان میں تقدیم و تاخیر ہو جائے:

(سوال ۱۰۷) عمرہ کے طواف اور سعی سے فارغ ہو کر پہلے بغل کے بال کٹوا کر یا مونچھیں کٹوا کر سر منڈایا تو کوئی حرج ہے؟

(الجواب) ہاں، دم واجب ہوگا، پہلے سر منڈا کر پھر مونچھ یا دیگر مواضع کے بال کٹوانا چاہئے، غلط (الٹا) کرنے سے دم لازم آئے گا۔ فتاویٰ اسعدیہ میں ہے۔

(سوال) فی رجل اهل بعمرة وطاف وسعی وحلق احد ابطیه ثم حلق راسه وحلق ابطیه الآخر ما ذا یجب علیه! افتونا!.

(الجواب) یجب علیه دم والصورة ماشرح. والله اعلم (ج ۱ ص ۱۲)

حج فاسد ہو جانے سے قضا کرے یا نہیں:

(سوال ۱۰۸) حج فاسد ہو جائے تو دوسرے سال اس کی قضا لازم ہے؟

(الجواب) حج فاسد ہو جائے تو چاہے وہ حج فرض ہو یا نفل اس کی قضا لازم ہو جاتی ہے۔[1]

فقط والله اعلم بالصواب

حالت احرام میں انجکشن:

(سوال ۱۰۹) حاجی حالت احرام میں انجکشن لگوا سکتا ہے یا دوسرے کے لگا سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) ہاں! حاجی حالت احرام میں انجکشن خود بھی لگا سکتا ہے اور دوسرے کے بھی لگا سکتا ہے۔

---

(۱) ووطؤه فی احد السبیلین ولو ناسیا قبل وقوف فرض یفسد حجه ویمضی ویذبح ویقضی ولو نفلا قال فی الشامیة تحت قوله ویقضی ای علی الفور درمختار مع الشامی باب الجنایات ج ۲ ص ۲۸۹.

محرم اپنا سر حلق کرانے سے پہلے دوسرے کا سر حلق کر سکتا ہے:

(سوال ۱۱۰) حاجی متمتع قربانی ذبح کرنے کے بعد اپنا سر حلق کرانے سے پہلے دوسرے محرم کے بال مونڈ سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) ہاں حاجی متمتع قربانی ذبح کرنے کے بعد اپنا حلق کرا سکتا ہے (سر مونڈوا سکتا ہے۔) اسی طرح اپنا حلق کرانے سے پہلے دوسرے محرم کے بال کاٹ سکتا ہے۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب .

قارن ذبح سے پہلے حلق کرادے اور ایام نحر میں دم نہ دیوے تو کیا حکم ہے :

(سوال ۱۱۱) میرے ایک عزیز نے پوچھا ہے کہ امسال منیٰ میں گیارہ آدمیوں نے مل کر ایک گائے کی قربانی کی ان گیارہ آدمیوں میں ایک میاں بیوی حصہ دار تھے بیوی نے حج قران اور شوہر نے حج افراد کیا تھا وہ قربانی صحیح ہوئی یا نہیں؟ اگر صحیح نہیں ہوئی تو اب دم دینا ہوگا؟ ایک شخص ایک دم دے یا دو؟ اور دم ہندوستان میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟ یا حرم ہی میں دینا ہوگا؟ دم دینے تک بیوی شوہر کے لئے حلال ہے یا نہیں؟ جس نے حج افراد کیا اس پر بھی دم لازم ہے یا نہیں؟

نوٹ:

یہ لوگ حلق بھی کرا چکے ہیں اور طواف زیارت بھی کر چکے ہیں۔ بینوا توجروا۔ (حیدرآباد)

(الجواب) گیارہ آدمیوں نے مل کر ایک گائے کی قربانی کی یہ قربانی کسی کی طرف سے بھی صحیح نہیں ہوئی اس لئے جن لوگوں نے حج قرآن یا تمتع کیا تھا ان پر ایک دم (قران یا تمتع کا) واجب ہے۔ اور چونکہ قربانی کسی کی بھی صحیح نہیں ہوئی اس لئے ذبح سے پہلے حلق کرنا پایا گیا لہذا ایک اور دم ذبح کرنے سے پہلے حلال ہونے کی وجہ سے واجب ہوگا، اور دم قران یا تمتع ایام نحر میں نہیں دیا تو ایک اور دم ایام نحر سے مؤخر کرنے کا لازم ہوگا کل تین دم لازم ہوئے اور یہ تینوں دم حرم ہی میں دینے ہوں گے ہندوستان میں نہیں دے سکتے دم دینے سے پہلے بیوی شوہر کے لئے حلال ہے دم ادا کرنے پر موقوف نہیں۔ جس نے حج افراد کیا اس پر کچھ لازم نہیں، غنیۃ الناسک میں ہے (تتمہ) **وفی الکبیر اذا حلق القارن قبل الذبح واخر اراقة الدم عن ایام النحر ایضا ینبغی ان یجب علیه ثلاثة دم دور لحلقه قبل الذبح ودم لتاخیر الذبح عن ایام ودم للقران اوللتمتع (غنیة الناسک ص ۵۰)**

زبدۃ المناسک میں ہے۔ مسئلہ: غنیۃ الناسک میں المنسک الکبیر سے مسئلہ نقل کیا ہے کہ اگر قارن نے قبل ذبح کے حلق کیا اور ذبح کو ایام نحر کے بعد کیا تو اس پر تین دم واجب ہوں گے ایک دم ذبح سے پہلے حلق کرنے کا دوسرا ایام نحر سے ذبح مؤخر کرنے کا تیسرا دم قران یا تمتع کا (**زبدة المناسک مولانا شیر محمد صاحب** ص ۷ **حصہ دوم**) **فقط واللہ اعلم.**

---

(۱) قال فی اللباب واذا حلق راسه او راس غیره عند جواز التحلل ای الخروج من الاحرام باداء افعال النسک لم یلزمه شئی ، اللباب ص ۱۵۴ ولو حلق راسه اوراس غیره من حلال او محرم جاز له الحلق لم یلزمهما شئی غنیة الناسک ص ۹۳ .

دو دن رمی جمار نہ کر سکا تو کیا حکم ہے:۔

(سوال ۱۱۲) ایک شخص حج کے لئے گیا ہجوم اور ازدحام کی وجہ سے اخیر میں دو دن رمی جمار نہ کر سکا اس واجب کے چھوٹنے پر دم لازم ہوگا؟ اور وہ دم یہاں اپنے وطن میں دے سکتے ہیں یا حرم میں دینا ضروری ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) دو دن کی رمی چھوٹ گئی ہے تو دو دم واجب ہوں گے اور دم کے لئے حرم ہونا شرط ہے یہاں درست نہیں۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب.

احرام سے حلال ہونے کے لئے حدود حرم سے باہر حلق کیا تو کیا حکم ہے اور کیا دم جنایت حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے:

(سوال ۱۱۳) ایک آدمی نے عمرہ کیا اس کے بعد جدہ آ گیا اور جدہ میں آ کر سر منڈایا جو کہ حدود حرم سے باہر ہے کیا یہ صحیح ہے؟ یا حدود حرم میں سر منڈانا ضروری ہے؟ اگر حدود حرم میں حلق ضروری ہو تو مذکورہ صورت میں وہ شخص تلافی کے لئے کیا کرے؟ اگر دم لازم ہو تو وہ یہاں ہندوستان میں دے سکتا ہے یا وہاں بھیجنا پڑے گا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عمرہ یا حج کے احرام سے حلال ہونے کے لئے حدود حرم میں حلق یا قصر کرانا ضروری ہے اگر حدود حرم سے باہر سر منڈایا تو دم لازم ہوگا، ہدایہ میں ہے فان حلق فی ایام النحر فی غیر الحرم فعلیہ دم ومن اعتمر فخرج من الحرم وقصر فعلیہ دم (ھدایہ اولین ص ۲۵۶ باب الجنایات)

زبدۃ المناسک میں ہے۔ مسئلہ اور حلق عمرہ کا مکہ معظمہ میں سنت ہے اور حد حرم میں واجب ہے الخ (ج اص ۱۷۸) دوسری جگہ ہے۔

مسئلہ: اگر حج یا عمرہ میں حرم سے باہر حلق کیا تو دم دے اور ایسا ہی جو حج میں ایام نحر سے بعد حلق کرے تو دم دے الخ (زبدۃ المناسک ج۲ص ۸۶)

معلم الحجاج میں ہے:۔ مسئلہ: اگر عمرہ کے احرام سے حلال ہونے کے لئے حرم سے باہر سر منڈایا یا حج کے احرام سے حلال ہونے کے لئے حرم سے باہر ایام نحر میں سر منڈایا تو دم واجب ہوگا اور اگر حج میں خارج حرم ایام نحر کے بعد سر منڈایا تو دو دم واجب ہوں گے ایک حرم سے خارج سر منڈانے کا دوسرا تاخیر کا۔ (معلم الحجاج ص ۲۶۵)

لہذا صورت مسئولہ میں جب کہ جدہ پہنچ کر سر منڈایا ہے تو ایک دم لازم ہوگا اور یہ دم (قربانی) حرم میں ہی ذبح کرنا ضروری ہے، فتاویٰ عثمانی میں ہے" حرم کے سوا کسی اور جگہ ہدی کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ دلیل خدا تعالیٰ نے جزائے صید کے متعلق فرمایا ہے ھدیا بالغ الکعبۃ (چاہئے کہ ہدی کعبہ بھیجے) تو گویا کل ہدایا کے واسطے یہی ایک ہدایت ہے، تو جو ہدی کہ جنایت کی جزا میں دی جائے اس کو بھی حرم تک لے جانا چاہئے اور ہدی کہتے بھی اس کو ہیں جو ایک خاص جگہ لے جائی جائے اور وہ خاص جگہ کون سی ہے؟ حرم ہے کیونکہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے منی کلھا منحر وفجاج مکۃ کلھا منحر (منیٰ تمام ذبح گاہ ہے اور اسی طرح مکہ کے گلی کوچے) (فتاویٰ عثمانی ج۶ص ۱۵۰)

---

(۱) ولو ترک الجمار کلھا او رمی واحدۃ او جمرۃ یوم النحر فعلیہ شاۃ فتاویٰ عالمگیری باب الجنایات الفصل الخامس فی الطواف الخ

فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۸ صفر ۱۴۱۳ھ۔

وقوف عرفہ کے بعد اور طواف زیارت سے پہلے انتقال ہوگیا تو کیا حکم ہے :

(سوال ۱۱۴) ایک شخص پر حج فرض تھا اس بناپر وہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے گیا وقوف عرفہ کے بعد اس شخص کا انتقال ہو گیا، طواف زیارت نہ کر سکا اور اسی طرح وقوف مزدلفہ اور رمیٔ جمار نہ کر سکا تو اب کیا حکم ہے؟ کیا ان کے لئے علیحدہ دم لازم ہوگا؟ مفصل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا

(الجواب) جس سال حج فرض ہوا اگر اسی سال حج کے لئے گیا ہو تو دم وغیرہ کی وصیت لازم نہیں ہے، اور اگر اسی سال نہ گیا ہو بلکہ ایک دو سال تاخیر کر کے گیا ہو اور وقوف عرفہ کے بعد طواف زیارت کرنے سے پہلے انتقال ہو گیا تو اس پر بدنہ (یعنی بڑا جانور اونٹ یا گائے) ذبح کرنے کی وصیت لازم ہے اور یہ بدنہ وقوف مزدلفہ رمیٔ جمار طواف زیارت سب کے لئے کافی ہو جائے گا، وقوف مزدلفہ اور رمی وغیرہ کے ترک سے علیحدہ دم لازم نہ ہوگا، اور اگر وصیت نہیں کی اور ورثاء اپنی طرف سے یہ کام انجام دیں تو ان شاء اللہ مقبول ہو جائے گا اور یہ بدنہ حرم ہی میں ذبح کیا جائے۔

زبدۃ المناسک میں ہے۔ مسئلہ: اور اس طواف (زیارت) کی مفسد کوئی شئی نہیں (سوائے مرتد ہونے کے) مگر بعد وقوف عرفہ کے مر جائے اور وصیت کر جائے کہ میرا حج تمام کر دینا تو گائے یا اونٹ ذبح کرنا واجب ہوگا اور حج تمام ہو جائے گا (زبدہ) اور وہ بدنہ بقیہ اعمال حج جیسے وقوف مزدلفہ اور رمی جمار اور طواف زیارت اور طواف وداع کے لئے کافی ہو جائے گا (لباب وغنیۃ)۔

مسئلہ:۔ اور جو شخص حج فرض ہونے کے سال بلا تاخیر حج کے لئے آیا، اور وقوف عرفات کے قبل یا بعد مر گیا تو اتمام حج اس پر لازم نہ ہوگا۔ سبب نہ پائے جانے وقت کے اور بعد وقوف کے مر گیا تو گائے اور اونٹ کا بدنہ دینا اتمام کے لئے بھی لازم نہیں ہوتا لقوله عليه السلام من وقف بعرفة فقد تم حجه یعنی جس نے وقوف عرفہ کر لیا تو اس کا حج تمام ہو گیا، بخلاف اس شخص کے کہ جس پر حج فرض ہوا ہو پھر وہ پہلے ہی سال حج کو نہ آیا ہو بلکہ دو تین سال تاخیر کر کے آیا اور بعد میں مرا تو وصیت بدنہ کی اتمام حج کے لئے لازم ہوگی (شامی) (زبدۃ المناسک ج ص ۱۸۰، ج ۱ ص ۱۸۱)

معلم الحجاج میں ہے:۔ مسئلہ: یہ طواف (زیارت) کسی چیز سے فاسد نہیں ہوتا اور فوت بھی نہیں ہوتا یعنی تمام عمر میں ہو سکتا ہے البتہ ایام نحر میں کرنا واجب ہے۔ اس کے بعد دم واجب ہوتا ہے اور یہ طواف لازمی ہے اس کا بدل کچھ نہیں ہو سکتا سوائے اس صورت کے کہ کوئی شخص وقوف عرفہ کے بعد طواف سے پہلے مر جائے اور حج کے پورا کرنے کی وصیت کر جائے کہ میرا حج پورا کر دینا تو ایک گائے یا اونٹ ذبح کرنا واجب ہوگا اور حج پورا ہو جائے گا اور وقوف مزدلفہ و رمی وسعی کے ترک سے کوئی دم اس پر واجب نہ ہوگا۔

حاشیہ میں ہے یہ اتمام اس وقت واجب ہے جب کہ حج کے واجب ہونے کے بعد دوسرے یا تیسرے سال حج کو آیا ہو، اگر پہلے ہی سال حج واجب ہوتے ہی حج کو آیا تو اتمام واجب نہ ہوگا بسبب نہ پائے جانے وقت کے اگرچہ وقوف کے بعد مرا ہو، لقوله عليه السلام من وقف بعرفة فقد تم حجه بخلاف اس شخص کے جو

حج فرض ہونے کے بعد دوسرے یا تیسرے سال تاخیر کر کے حج کو آیا ہو اس کو قبیل یا بعد وقوف کے مرنے کے وقت وصیت اتمام واجب ہوگی ۱۲ (معلم الحجاج ص ۱۹۵ طواف زیارت)

عمدۃ الفقہ میں ہے :۔ مگر ایک صورت میں یعنی جب کہ وقوف عرفہ کے بعد طواف زیارت سے پہلے مرجائے ، اور حج پورا کرنے کی وصیت کر جائے تو اس کے طواف زیارت کے لئے بدنہ ذبح کرنا واجب ہے اور اس کا حج جائز ہے ، یعنی اس کا حج صحیح و مکمل ہو جائے گا ، پس جب کہ کوئی شخص وقوف عرفہ کرنے کے بعد مرگیا تو اس کے بعد جملہ افعال یعنی وقوف مزدلفہ و رمیٔ جمار و طواف زیارت و طواف صدر کی تلافی کے لئے ایک بدنہ ذبح کرنا واجب ہوگا (عمدۃ الفقہ کتاب الحج ص ۲۵۳) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔ یکم محرم الحرام ۱۴۰۵ھ ۔

عورتیں ہجوم کی وجہ سے وقوف مزدلفہ نہ کر سکیں تو :

(سوال ۱۱۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ۔ ہم لوگ حج کے لئے گئے تھے کچھ مستورات بھی ہمارے ساتھ تھیں وقوف عرفات کے بعد ہم لوگ وقوف مزدلفہ کی نیت سے مزدلفہ روانہ ہوئے جب مزدلفہ پہنچے تو وہاں بہت ہی زیادہ ازدحام تھا باوجود کوشش کے ہمیں کوئی جگہ وقوف کے لئے نہیں ملی ، جہاں ٹھیرنے کا ارادہ کرتے لوگ کہتے کہ یہ ہماری جگہ ہے ، اور دوسری طرف پولیس بھی مزاحمت کرتی اور ہم لوگ جہاں ٹھیرنا چاہتے پولیس انکار کر دیتی اس وجہ سے ہم لوگ بہت پریشان ہوئے اور مجبور ہو کر ہم لوگ منی چلے گئے وہاں مستورات کو چھوڑ کر ہم لوگ مزدلفہ واپس آئے اور الحمد للہ جو وقوف مزدلفہ کا وقت ہے اس وقت ہم نے وقوف کیا ۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ ہجوم اور جگہ نہ ملنے کی وجہ سے عورتیں وقوف مزدلفہ نہ کر سکیں تو اب ان کے لئے کیا حکم ہے ؟ کیا ان پر دم لازم ہوگا ؟ بینوا توجروا ۔

(الجواب) عورتیں ہجوم اور جگہ نہ ملنے کی وجہ سے مجبوراً منی چلی گئیں اور وقوف کا جو وقت ہے (صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک) اس وقت وقوف مزدلفہ نہ کر سکیں تو اس کی وجہ سے ان پر دم لازم نہ ہوگا ، مرد اگر منی سے آکر وقوف مزدلفہ نہ کرتے تو ان پر دم لازم آتا ۔ معلم الحجاج میں ہے ۔

مسئلہ :۔ اگر عورت ہجوم کی وجہ سے مزدلفہ میں نہ ٹھیرے تو اس پر دم واجب نہ ہوگا اور مرد اگر ہجوم کی وجہ سے نہ ٹھیرے گا تو دم واجب ہوگا ۔ (معلم الحجاج ص ۱۸۳) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

گیارہویں کو خلاف ترتیب رمی کی :

(سوال ۱۱۶) گیارہویں ذی الحجہ کو تین جمرات کی رمی کی جاتی ہے ایک شخص نے غلطی سے اس طرح رمی کی کہ پہلے جمرۂ اخری کی رمی کی پھر وسطی کی ، پھر جمرۂ اولیٰ کی دوسرے دن اس کو معلوم ہوا کہ میں نے گذشتہ کل جس طرح رمی کی تھی وہ ترتیب کے خلاف تھی ، جمرۂ اولیٰ سے شروع کرنا چاہئے تھا چنانچہ دوسرے دن صحیح ترتیب سے رمی کی تو اب اس کے لئے کیا حکم ہے ؟ کیا اس پر دم لازم ہوگا ؟

(الجواب) اگر اس شخص کو اپنی غلطی اسی روز معلوم ہو جائے تو اسی کو اسی روز ترتیب سے رمی کر لینی چاہئے یعنی جمرۂ وسطی اور جمرۂ عقبہ (جمرۂ اخری) کی رمی کا اعادہ کر لینا چاہئے ۔ اگر اس روز اعادہ نہیں کیا تو اب اعادہ کا وقت نہیں رہا اور اس

غلطی کی وجہ سے دم لازم نہیں کچھ صدقہ دے دے تو بہتر ہے، عمدۃ الفقہ میں ہے۔" اور باقی تین دن تینوں جمروں کی رمی اس ترتیب سے کرے کہ پہلے جمرۂ اولیٰ کی رمی کرے پھر جمرۂ وسطیٰ کی پھر جمرۂ عقبہ کی، اگر کسی نے جمرۂ عقبہ سے رمی شروع کی پھر جمرۂ وسطیٰ پر رمی کی پھر جمرۂ اولیٰ پر رمی کی جو کہ مسجد خیف کی جانب ہے پھر اسی روز اس کو یاد آ گیا تو اس کے لئے جمرۂ وسطیٰ وعقبہ کی رمی کا اعادہ ہمارے اکثر فقہاء کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے اگر اعادہ نہ کیا تب بھی اس کے لئے کافی ہے، بعض کے نزدیک ان دونوں کی رمی کا اعادہ کرنا واجب ہے (عمدۃ الفقہ ج ۴ ص ۲۴۲ کتاب الحج)

معلم الحجاج میں ہے: مسئلہ:- گیارہویں۔ بارہویں تیرہویں کو تینوں جمرات کی رمی ترتیب وار کرنا مسنون ہے، اگر جمرۂ وسطیٰ یا جمرۂ اخریٰ کی رمی پہلے کی اور جمرۂ اولیٰ کی بعد میں تو وسطیٰ اور اخریٰ (جمرۂ عقبہ) کی رمی پھر کرے تا کہ ترتیب مسنون کے مطابق ہو جائے (معلم الحجاج ص ۱۹۹ ص ۲۰۰) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رمی، ذبح اور حلق سے پہلے طواف زیارت کر لے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۱۷) اگر کوئی شخص ازدحام کی وجہ سے دسویں ذی الحجہ کو رمی ذبح اور حلق سے پہلے طواف زیارت کر لے تو کیا حکم ہے؟ کیا اس پر دم لازم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) طواف زیارت کو رمی، ذبح اور حلق کے بعد کرنا سنت ہے، واجب نہیں ہے لہذا اگر کوئی شخص رمی، ذبح اور حلق سے پہلے طواف زیارت کر لے تو اس پر دم لازم نہ ہوگا مگر خلاف سنت اور مکروہ ہوگا، شامی میں ہے واما الترتیب بینہ (ای بین طواف الزیارۃ) وبین الرمی والحلق فسنۃ (شامی ص ۲۵۰ ج ۲ مطلب طواف الزیارۃ)

عمدۃ الفقہ میں ہے (فائدہ) طواف زیارت اور رمی وحلق میں ترتیب یعنی طواف زیارۃ کا ان دونوں کے بعد واقع ہونا، اور اسی طرح طواف زیارۃ وحلق میں ترتیب یعنی حلق کے بعد ہونا سنت ہے واجب نہیں ہے، حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے رمی اور حلق سے پہلے طواف زیارۃ کر لیا تو اس پر کچھ جزا واجب نہیں ہے، البتہ اس نے سنت کی مخالفت کی اس لئے ایسا کرنا مکروہ ہے (عمدۃ الفقہ ص ۲۵۳ ج ۴، طواف زیارت)

معلم الحجاج میں ہے۔ مسئلہ: طواف زیارت کو رمی اور حجامت کے بعد کرنا سنت ہے واجب نہیں ہے (معلم الحجاج ص ۱۹۵، طواف زیارت)

اس موقعہ پر ازدحام عذر نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ طواف زیارت دسویں ذی الحجہ کے بعد گیارہویں اور بارہویں کو بھی ہو سکتا ہے، معلم الحجاج میں ہے۔ مسئلہ: طواف زیارت کا اول وقت دسویں کی صبح صادق سے ہے اس سے پہلے جائز نہیں اور آخر وقت باعتبار وجوب کے ایام نحر (یعنی ۱۰۔۱۱۔۱۲ ذی الحجہ) ہیں اس کے بعد اگر کیا جائے گا تو صحیح ہو جائے گا لیکن دم واجب ہوگا (معلم الحجاج ص ۱۰۷)

طواف زیارت حج کا رکن اعظم ہے، بارہویں ذی الحجہ تک اس کی ادائیگی کا وقت ہے اس لئے ازدحام کا بہانہ بنا کر مؤخر کی چیز کو مقدم کر کے کراہت کا ارتکاب کرنا حاجی کے شایان شان نہیں ہے، حتی المقدور تمام ارکان سنت طریقہ کے مطابق ہی ادا کرنا چاہئے، فقط واللہ اعلم۔

بحالت احرام وکس بام استعمال کرنا:

(سوال ۱۱۸) وکس بام جو درد سر یا سردی کی وجہ سے لگایا جاتا ہے، اور اسی طرح دوسرے بام یا دوائیں جن میں ایک خاص قسم کی خوشبو ہوتی ہے، مرض یا درد کی وجہ سے احرام کی حالت میں لگانا کیسا ہے؟ اگر لگا دیا تو جزاء واجب ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) وکس بام خوشبودار چیز ہے اور اس کی خوشبو تیز ہے اگر پوری پیشانی پر لگایا تو دم لازم ہوگا، فقہاء رحمہم اللہ نے ہتھیلی کو بڑا عضو شمار کیا ہے ہاتھ کے تابع نہیں کیا، (معلم الحجاج ص ۲۴۴) اس لئے پیشانی بھی بڑا عضو ہونا چاہئے، غنیۃ الناسک میں ہے ولو تداوی بالطیب او بدواء فیه طیب غالب ولم یکن مطبوخا والزقه بجراحته یلزمه صدقة اذا کان موضع الجراحة لم یستوعب عضوا او اکثر الا ان یفعل ذلک مرارا فیلزمه دم (غنیة الناسک ص ۱۳۳. باب الجنایات مطلب فی التداوی بالطیب)

معلم الحجاج میں ہے: مسئلہ: اگر خوشبو کو دوا کے طور پر لگایا یا ایسی دوا لگائی جس میں خوشبو غالب ہو اور پکی ہوئی نہیں ہے تو اگر زخم ایک بڑے عضو کے برابر یا

اس سے زیادہ نہیں تو صدقہ واجب ہے، اور اگر ایک بڑے عضو کے برابر ہے (یا اس سے زیادہ ہے) تو دم واجب ہے (معلم الحجاج ص ۲۴۸)۔

عذر کی وجہ سے (جیسے درد سر) بام لگایا ہو تب بھی یہی حکم رہے گا، معلم الحجاج میں ہے، مسئلہ: جنایت قصداً کرے یا بھول کر یا خطاءً مسئلہ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو اپنی خوشی سے کرے یا کسی کی زبردستی سے سوتے کرے یا جاگتے، نشہ میں ہو یا بے ہوش مالدار ہو یا تنگدست، خود کرے یا کسی کے کہنے سے معذور ہو یا غیر معذور سب صورتوں میں جزاء واجب ہوگی (معلم الحجاج ص ۲۴۲ شرائط وجوب جزا) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بحالت احرام منجن یا ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنا:

(سوال ۱۱۹) ایسا منجن یا ٹوتھ پیسٹ جس میں لوگ، کافور، الائچی وغیرہ، یا خوشبودار دوا ڈالی جاتی ہے، ایسے منجن یا ٹوتھ پیسٹ کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر منجن یا ٹوتھ پیسٹ میں لونگ، کافور، الائچی یا خوشبودار چیزیں ڈالی گئی ہوں اور وہ پکی ہوئی نہ ہوں اور مقدار کے اعتبار سے خوشبودار چیز مغلوب ہو، (یعنی کم ہو) تو ایسا منجن احرام کی حالت میں استعمال کرنا مکروہ ہوگا مگر صدقہ واجب نہ ہوگا، اور اگر منجن یا ٹوتھ پیسٹ میں خوشبودار چیز غالب ہو تو چونکہ منجن یا ٹوتھ پیسٹ پورے منہ یا اکثر حصہ میں لگ جائے گا لہذا دم واجب ہوگا، بہتر یہ ہے کہ احرام کی حالت میں مسواک ہی استعمال کرے منجن یا ٹوتھ پیسٹ استعمال نہ کرے اس سے سنت بھی ادا نہ ہوگی، اس لئے مسواک کو اختیار کرنا چاہئے۔

غنیۃ الناسک میں ہے فلو اکل طیباً کثیراً وهو ان یلتصق باکثر فمه یجب الدم وان کان قلیلا بان لم یلتصق باکثر فمه فعلیه الصدقة هذا اذا اکله کما هو من غیر خلط او طبخ فلو جعله فی الطعام وطبخه فلا باس باکله لانه خرج من حکم الطیب وصار طعاماً وکذلک کل ما غیرته النار

من الطیب فلا بأس باکلہ ولو کان ریح الطیب یوجد منہ . الیٰ قولہٰ. وفی الفتح فان جعلہ فی طعام قد طبخ کالزعفران والا فاویہ من الزنجبیل والدارصینی یجعل فی الطعام فلا شئی علیہ فعن ابن عمر رضی اللہ عنہ انہ کان یاکل السکباج الا صفر وھو محرم وان لم یطبخ بل خلطہ بما یوکل بلا طبخ کالملح وغیرہ فان کانت رائحتہ موجودۃ کرہ ولا شئی علی اذا کان مغلوبا فانہ کالمستھلک امااذاکان غالباً فھو کالزعفران الخالص فیجب الجزاء وان لم تظھر رائحتہ الخ (غنیۃ الناسک ص ۱۳۲ باب الجنایات ، مطب فی أکل الطیب شربہ)

معلم الحجاج میں ہے۔مسئلہ: اگر بہت سی خوشبو کھائی یعنی اتنی کہ منہ کے اکثر حصہ میں لگ گئی تو دم واجب ہے۔اور اگر تھوڑی کھائی یعنی منہ کے اکثر حصہ میں نہیں لگی تو صدقہ واجب ہے،یہ اس وقت ہے جب کہ خالص خوشبو کھائے اور اگر اس کو کسی کھانے میں ڈال کر پکایا تو کچھ واجب نہیں،اگر چہ خوشبو کی چیز غالب ہو،اور اگر پکا ہوا کھانا نہ ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر خوشبو کی چیز غالب ہے تو دم واجب ہے اگر چہ خوشبو بھی نہ آتی ہو اور اگر مغلوب ہے تو دم یا صدقہ نہیں اگر چہ خوشبو خوب آتی ہو۔لیکن مکروہ ہے۔(معلم الحجاج ج ا ص ۲۴۶ ص ۲۴۷،خوشبو اور تیل استعمال کرنا)فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورت حیض کی وجہ سے طواف وداع نہ کر سکے تو کیا حکم ہے :

(سوال ۱۲۰)ایک عورت اپنے شوہر کے ساتھ حج کے لئے گئی،واپسی کے وقت وہ حائضہ ہوگئی،پاک ہونے تک ٹھیرنے اور طواف وداع کرنے کا موقع نہیں ہے،اگر ٹھیرتی ہے تو ہوائی جہاز میں بہت دنوں کے بعد جگہ ملے گی،ایسی صورت میں اگر وہ طواف وداع نہ کر سکے تو کیا حکم ہے؟ کیا دم لازم ہوگا؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں اگر عورت وہاں نہ ٹھہر سکتی ہو،اور اپنے شوہر کے ساتھ واپس آجائے اور طواف وداع نہ کر سکے تو اس پر دم لازم نہ ہوگا،حائضہ عورت پر طواف وداع واجب نہیں،اگر موقع ہو تو پاک ہونے کے بعد طواف وداع کر کے واپس ہونا افضل ہے یہ طواف وداع کا حکم ہے،طواف زیارۃ کا حکم اور ہے۔

معلم الحجاج میں ہے۔مسئلہ: طواف وداع باہر کے رہنے والے حاجی پر واجب ہے،خواہ حج افراد کیا ہو یا قران یا تمتع ،بشرطیکہ عاقل بالغ ہو،معذور نہ ہو،اہل حرم اہل حل،اہل میقات،اور حائض،نفسا،مجنون اور نابالغ پر واجب نہیں الخ (معلم ص ۲۰۷) .

نیز معلم الحجاج میں ہے:۔مسئلہ: اگر واپسی کے وقت حیض آگیا اور طواف وداع نہ کر سکی تب بھی دم واجب نہ ہوگا لیکن پاک ہونے کے بعد طواف وداع کر کے واپس ہونا بہتر ہے۔....(معلم الحجاج ص ۱۲۵،عورت کا احرام)

نیز معلم الحجاج میں ہے: حیض اور نفاس والی عورت طواف (وداع) نہ کرے، بلکہ باب الوداع پر کھڑی ہو کر (یعنی حدود مسجد حرام سے باہر باہر،دعا مانگ لے(معلم الحجاج ص ۲۰۷ طواف وداع) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حلال ہونے کے لئے محرم کا اپنے بال یا دوسرے محرم کے بال کاٹنا:

(سوال ۱۲۱)محترم المقام حضرت مولانا مفتی صاحب،دامت برکاتہم ،بعد سلام مسنون مزاج اقدس بخیر ہوگا۔

احقر فتاویٰ رحیمیہ سے خوب استفادہ کرتا ہے، جزاکم اللہ عنی وعن سائر الامۃ آمین۔

حضرت والا! فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم میں ایک جواب ہے۔

(سوال ۹۰۸) حاجی متمتع قربانی ذبح کرنے کے بعد اپنا سر حلق کرانے سے پہلے دوسرے محرم کے بال مونڈ سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) ہاں حاجی متمتع قربانی ذبح کرنے کے بعد اپنا حلق کرا سکتا ہے (سر مونڈوا سکتا ہے) اسی طرح اپنا حلق کرانے سے پہلے دوسرے محرم کے بال کاٹ سکتا ہے، فقط واللہ اعلم (فتاویٰ رحیمیہ ج ۳ ص ۱۱۴ ص ۱۱۵ (جدید ترتیب کے مطابق اس باب میں بعنوان محرم اپنا سر حلق کرانے سے پہلے الخ سے دیکھ لیا جائے صـ۹۹ از مرتب۔) آپ نے اس پر کوئی دلیل پیش نہیں فرمائی، اگر کوئی دلیل ہو تو تحریر فرمائیں، بندہ کا ناقص خیال یہ ہے کہ اپنا سر حلق کرانے اور حلال ہونے سے پہلے دوسرے کا سر حلق کرنا صحیح نہ ہو یہ تو بظاہر محظورات احرام کا ارتکاب کرنا ہے، امید ہے کہ جواب باصواب مرحمت فرمائیں گے، بینوا توجروا۔

(الجواب) محترمی ومکرمی! بارک اللہ فی علمکم، بعد سلام مسنون، عافیت طرفین مطلوب ہے، آپ توجہ اور شوق سے فتاویٰ رحیمیہ کا مطالعہ کرتے ہیں، اس قدر دانی کا صمیم قلب سے شکریہ، آپ نے فتاویٰ رحیمیہ کے جس جواب پر اشکال پیش فرمایا ہے وہ اشکال صحیح نہیں ہے، الحمد للہ فتاویٰ رحیمیہ کا جواب صحیح ہے، حاجی متمتع ہو یا قارن یا مفرد جب وہ حلق سے پہلے کے تمام ارکان ادا کر چکا ہو اور سر منڈا کر حلال ہونے کا وقت آ گیا ہو اسی طرح دوسرا محرم بھی تمام ارکان ادا کر چکا ہو تو اب خود اپنے بال کاٹنا یا دوسرے کے بال کاٹنا اس کے حق میں محظورات احرام میں سے نہیں ہے، لہٰذا محرم خود اپنا بھی حلق کر سکتا ہے اور اپنا حلق کرانے سے پہلے دوسرے محرم کے بال بھی کاٹ سکتا ہے، دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

بخاری شریف میں ہے فلما رأوا ذلک قاموا فنحروا وجعل بعضهم یحلق بعضاً حتی کاد بعضهم یقتل بعضا غما الخ (بخاری شریف ج ۱ ص ۳۸۰، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب وکتابة الشروط مع الناس بالقول)

حدیث کے اس ٹکڑے کا تعلق صلح حدیبیہ کے واقعہ سے ہے جب صلح مکمل ہو گئی اور آپ ﷺ نے قربانی کی اور حلق کیا تو آپ کو دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی قربانی کی اور ایک دوسرے کا حلق کیا اور یہ سب محرم تھے، اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قربانی کرنے کے بعد محرم ایک دوسرے کا حلق کر سکتے ہیں۔

مسائل حج سے متعلق مشہور کتاب ''غنیۃ الناسک'' میں ہے ولو حلق رأسه او رأس غیره من حلال او محرم جاز له الحلق ولم یلزمهما شئی۔ (غنیة الناسک ص ۹۳ فصل فی الحلق)

فتاویٰ اسعدیہ میں ہے۔

(سوال) فی المحرم فی اوان التحلل هل له ان یحلل غیره قبل ان یحلق رأس نفسه ام لا افتونا۔

(الجواب) نعم له ذلک علی الصحیح کما ذکره شیخنا فی شرحه علی منسک ملتقی الابحر واللہ اعلم (فتاوی اسعدیه ج ۱ ص ۲۱ کتاب الحج)

معلم الحجاج میں ہے۔ مسئلہ: حلال ہونے کے وقت محرم کو اپنا یا کسی دوسرے شخص کا خواہ محرم ہو سر مونڈنا

کترنا جائز ہے، اس سے جزاء واجب نہ ہوگی۔

(معلم الحجاج ص ۱۹۲، حلق وقصر یعنی بال منڈانا یا کتروانا)۔

زبدۃ المناسک میں ہے۔ مسئلہ: کسی محرم کے ہاتھ سے حلق نہ کرائے پس اگر محرم سے حلق کرایا تو دیکھنا چاہئے کہ وہ محرم اگر ایسا ہے کہ جو کام حلق سے پہلے کرنے تھے وہ کر چکا ہے، باقی فقط حلق ہی رہتا ہے، اور یہ حلق کرانے والا بھی ایسا ہی ہے یعنی دونوں ایسے ہیں کہ اب ان کو کوئی ایسا کام نہیں جو حلق سے پہلے کرنا ہو، اب فقط حلق ہی کرنا ہے، یا اصل میں حلال ہے یا مفرد حج ہے اور رمی کر چکا ہو تو اب یہ اپنے حلال ہونے سے پہلے دوسرے کا حلق کرے تو جائز ہے اور دونوں پر کچھ چیز لازم نہ ہوگی، کیونکہ اب یہ حلق کرنا ان کو مبلح ہے (غنیۃ، حیات) لیکن حلق سے پہلے لبیں و ناخن نہ لے ورنہ جزا لازم ہوگی مسئلہ: اور اگر دونوں محرم ایسے ہیں کہ ان کو حلق سے پہلے جو کام کرنے تھے وہ باقی ہیں تو اگر ایک دوسرے کا حلق کریں گے تو مونڈنے والے پر صدقہ اور مونڈانے والے پر دم لازم ہوگا (حیات القلوب از مدیۃ الناسک ملا مہ ابن الضیا حنفی اور شرح اللباب اور غنیۃ الناسک میں بھی ایسا ہی ہے۔ اور بخاری شریف میں باب الجہاد میں صلح حدیبیہ کے احصار میں یہ حدیث صریح اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے جن کو حلق سے پہلے جو کام کرنے تھے کر چکے تھے تو دوسرے کا حلق کر سکتے ہیں۔ وجعل بعضھم یحلق بعضاً حتی کا دبعضھم یقتل بعضاً غماً (ناقل) (زبدۃ للناسک ص ۱۷۶، ۱۷۷، جلد اول۔ حلق کرنے کا بیان) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دم جنایت کسی کے ذریعہ دلوا سکتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۲۲) ایک شخص سال گذشتہ حج کر کے آئے اور ان سے ایسی جنایت ہوگئی جس سے دم لازم ہو جاتا ہے تو کیا ایسا شخص حج کو جائے بغیر کسی کے ہاتھوں میں منیٰ میں دم دے سکتا ہے یا نہیں؟ یا خود وہاں جا کر دم دینا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر ایسی جنایت ہوئی ہو جس سے دم لازم آتا ہو تو خود جا کر دم دینا ضروری نہیں ہے، کسی کے ذریعہ بھی دم دلوا سکتا ہے، اور اس دم جنایت کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے جس وقت چاہے دم دے سکتا ہے ہاں حدود حرم میں دم ذبح کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

احرام کی حالت میں خوشبودار شربت پینا:

(سوال ۱۲۳) سوڈا لیمن اور دیگر مشروبات (شربت) پھلوں کا رس جن میں کچھ نہ کچھ خوشبو ڈالی جاتی ہے احرام کی حالت میں ان مشروبات کا پینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایسی بوتل، شربت اور پھلوں کا رس جن میں خوشبو ڈالی گئی ہو احرام کی حالت میں نہ پی جائیں، اگر کوئی محرم تھوڑی مقدار میں ایک مرتبہ پئے گا تو صدقہ (پونے دو کلو گندم یا اس کی قیمت) واجب ہوگا، اور اگر زیادہ مقدار میں پیا یا تھوڑا تھوڑا دو تین بار پیا تو دم واجب ہوگا۔ اور جس بوتل میں بالکل خوشبو نہ ڈالی گئی ہو وہ پینا جائز ہے۔

شامی میں ہے: وان خلط بمشروب فالحکم فیه للطیب سواء غلب غیره ام لا غیر انه فی غلبة اطیب یجب الدم وفی غلبة الغیر تجب الصدقة الا ان یشرب مراراً (شامی ج ۲ ص ۲۷۷

باب الجنایات)

زبدۃ المناسک میں ہے۔ مسئلہ: اگر خوشبو پینے کی چیز میں ملائی اگر (خوشبو) غالب ہے تو دم دے اور اگر مغلوب ہے تو صدقہ دے مگر جو مغلوب کو مکرر استعمال کرے تو دم واجب ہے (زبدہ)..... پس اگر بہت پیا تو دم اور تھوڑا پیا تو صدقہ ہے اور اگر تھوڑا تھوڑا دوبارہ پیا تو دم لازم ہے الخ (زبدۃ المناسک ص ۱۶۱ ج ۲)

معلم الحجاج میں ہے: مسئلہ: پینے کی چیز میں مثلاً چائے، قہوہ وغیرہ میں خوشبو ملائی تو اگر خوشبو غالب ہے تو دم واجب ہے اور اگر خوشبو مغلوب ہے تو صدقہ ہے لیکن اگر کئی مرتبہ پیا تو دم واجب ہوگا اور پینے کی چیز میں خوشبو ملا کر پکانے کی وجہ سے کچھ فرق نہیں آتا پینے کی چیز میں خوشبو ڈال کر خواہ پکایا جائے یا نہ پکایا جائے، بہر صورت جزا ہے۔

مسئلہ: لیمن سوڈا یا اور کوئی پانی کی بوتل یا شربت جس میں خوشبو نہ ملائی گئی ہو، احرام کی حالت میں پینی جائز ہے اور جس بوتل میں خوشبو ملی ہوئی ہو اگر چہ برائے نام ہو، وہ اگر پی جائے گی تو صدقہ واجب ہوگا (معلم الحجاج ص ۲۴۷، جنایات یا، خوشبو اور تیل استعمال کرنا) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

احرام کی حالت میں خوشبودار غذا کا استعمال:

(سوال ۱۲۴) احرام کی حالت میں پلاؤ، بریانی، زردہ، وغیرہ جس میں زعفران، الیئچی وغیرہ خوشبودار چیزیں ڈال کر پکایا ہو، احرام کی حالت میں ایسی چیز کھانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) پلاؤ بریانی زردہ وغیرہ پکی ہوئی چیز میں زعفران، الائچی، دارچینی وغیرہ خوشبودار چیز ڈالی ہو تو ایسی پکی ہوئی چیز کھانا جائز ہے چاہے جتنی مقدار میں خوشبودار چیز ڈالی گئی ہو، اس کے کھانے سے کچھ واجب نہ ہوگا، شامی میں ہے اعلم ان خلط الطیب بغیرہ علی وجوہ، لانہ اما ان یخلط بطعام مطبوخ او لا ففی الاول لا حکم للطیب سواء کان غالبا او مغلوبا وفی الثانی الحکم للغلبة ان غلب الطیب وجب الدم وان لم تظهر رائحته کما فی الفتح والا فلا شئ علیه غیر انه اذا وجدت معه الرائحة کرہ (شامی ج ۲ ص ۲۷۷ باب الجنایات)

زبدۃ المناسک میں ہے۔ مسئلہ: اور جو (خوشبوئیں خود حقیقی کہلاتی ہیں جیسے مشک عنبر، زعفران، اگر) پکے کھانے میں ملا ہوا کھایا (جیسے زردہ پلاؤ وغیرہ میں ملا کر پکاتے ہیں) تو کچھ واجب نہیں، اگر چہ غالب ہو، اور جو پکا ہوا نہ ہو، یعنی جو طعام پکایا ہی نہیں جاتا تو اگر خوشبو کی چیز غالب ہے اگر چہ خوشبو نہ دے تو دم واجب ہے اور جو مغلوب ہو اگر چہ خوشبو خوب دے تو کچھ نہیں نہ دم نہ صدقہ مگر مکروہ ہے (زبدۃ المناسک ج ۳ ص ۹۵) (معلم الحجاج ص ۲۴۶) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دسویں ذی الحجہ کو مرض کی وجہ سے عشاء بعد رمی کی تو کیا حکم ہے:

(سوال ۱۲۵) دسویں ذی الحجہ کو رمی کا افضل وقت طلوع آفتاب سے زوال آفتاب تک ہے لیکن ایک شخص مرض کی وجہ سے اس وقت رمی نہ کر سکا اور رات کو عشاء کے بعد رمی کی تو اس شخص پر دم یا صدقہ لازم ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں مرض کی وجہ سے رات کو عشاء کے بعد رمی کی تو رمی ہوگئی اور عذر کی وجہ سے ایسا ہوا ہے

لہذا کراہت بھی نہیں، البتہ بلا عذر اگر رات کو رمی کرے تو وقت مسنون ترک کرنے کی وجہ سے مکروہ ہوگا اور ثواب میں کمی آئے گی، آئندہ اس طرح نہ کرنا چاہئے مگر اس صورت میں بھی دم اور صدقہ واجب نہ ہوگا، ہدایہ اولین میں ہے:
فامايوم النحر فاول وقت الرمى فيه من وقت طلوع الفجر ...... وان اخره الى الليل رماه (اى فى الليل) ولا شئى عليه لحديث الرعاء (هدايه اولين ص ۲۳۲ باب الاحرام)

عمدة الفقہ میں ہے: اور اس پہلے دن میں (یعنی دسویں ذی الحجہ میں) رمی کا مسنون وقت آفتاب طلوع ہونے سے شروع ہو کر زوال تک ہے اور مباح وقت یعنی بلا کراہت جواز کا وقت زوال آفتاب سے مغرب تک ہے۔ اور کراہت کے ساتھ جواز کا وقت مغرب سے شروع ہو کر اگلے دن کی صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے تک ہے اگر کسی عذر کی وجہ سے اس وقت میں رمی کرے تو مکروہ نہیں الخ (عمدۃ الفقہ ص ۲۳۲ ج ۴)

نیز عمدۃ الفقہ میں ہے: مکروہات کا حکم یہ ہے کہ جس عمل میں کسی مستحب کو ترک کرے گا اس کے ثواب میں کمی آئے گی، اور سنت مؤکدہ کے ترک پر تنبیہ اور ڈانٹ بھی ہوگی اور واجب کے ترک کرنے پر عذاب ہوگا (جب کہ اس گناہ سے توبہ نہ کرلے) اور جزا میں دم (قربانی) یا صدقہ دینا بھی لازم ہوگا اور واجبات کے علاوہ اور چیزوں یعنی سنن و مستحبات کے ترک پر قربانی یا صدقہ کوئی جزا لازم نہیں ہوگی (عمدۃ الفقہ ص ۸۷ جلد چہارم (فقط واللہ اعلم بالصواب۔)

طواف زیارت، طواف قدوم طواف وداع یا نفلی طواف بلا وضو کرلیا تو کیا حکم ہے :

(سوال ۱۲۶) گاہے گاہے مجھے مذی نکل آتی ہے جس کی وجہ سے میرا وضو ٹوٹ جاتا ہے میں نے طواف زیارۃ کیا، طواف سے فارغ ہوا تو کپڑے پر مذی کا اثر معلوم ہوا، تو کیا حکم ہے؟ کیا دم واجب ہے؟ اگر وضو کر کے طواف کا اعادہ کرلوں تو؟ اسی طرح اگر طواف قدوم، یا طواف وداع یا نفلی طواف بلا وضو کرلیا تو کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر پورا یا اکثر طواف زیارت (چار یا پانچ یا چھ چکر) بے وضو کیا تو دم واجب ہے اور اگر نصف سے کم (تین یا اس سے کم چکر) طواف زیارت بلا وضو کیا ہو تو ہر شوط (چکر) کے لئے آدھا صاع گندم صدقہ کرے اور اگر تمام شوط کا صدقہ دم کے برابر ہو جائے تو کچھ تھوڑا سا کم کردے، اور اگر ان صورتوں میں وضو کر کے طواف زیارت کا اعادہ کرلیا (خواہ ایام نحر میں یا ایام نحر گذرنے کے بعد) تو دم اور کفارہ ساقط ہو جائے گا۔

طواف قدوم یا طواف وداع یا نفلی طواف بلا وضو کیا تو ہر شوط کے لئے آدھا صاع گندم صدقہ کرے اس صورت میں بھی اگر تمام شوط کا صدقہ دم کے برابر ہو جائے تو کچھ تھوڑا سا کم کردے اور اگر وضو کر کے اعادہ کرلیا تو جزاء ساقط ہو جائے گی۔

غنیۃ الناسک میں ہے: ولو طاف للزيارة كله او اكثره فعليه شاة ويعيد طاهراً استحباباً وقيل حتماً فانه اعاده سقط عنه الدم سواء اعاده فى ايام النحر او بعدها ولا شئى عليه للتاخير وقيل عليه دم وقيل صدقة لكل شوط ولو طاف اقله محدثاً ولم يعد فعليه لكل شوط نصف صاع الا اذا بلغت قيمته دما فينقص منه ماشاء بحر (غنية الناسک ص ۱۴۵ ، باب الجنايات الفصل السابع)

ولو طاف للصدر جنباً فعليه شاه وان طافه محدثًا فعلية لكل شوط صدقة . الى. ولو.

طاف للقدوم كله او اكثره جنبا فعليه دم لو محدثا فصدقة لكل شوط نصف صاع من برا لاان يبلغ دما فينقص منه ماشاء ويعيده ظاهرا وجوبا فى الجنابة وندبا فى الحدث فان اعاد سقط عنه الجزاء (غنية الناسک ص ۱۴۷)

معلم الحجاج میں ہے:۔مسئلہ: اگر پورا یا اکثر طواف زیارت بے وضو کیا تو دم دے اور اگر طواف قدوم یا طواف وداع یا طواف نفل یا نصف سے کم طواف زیارت بلاوضو کیا تو ہر پھیرے کے لئے آدھا صاع صدقہ کرے۔اور اگر تمام پھیروں کا صدقہ دم کے برابر ہو جائے تو کچھ تھوڑا سا کم کر دے،اور اگر ان تمام صورتوں میں وضو کر کے طواف کا اعادہ کر لیا تو کفارہ اور دم ساقط ہو جائے گا (معلم الحجاج ص ۲۶۱ واجبات حج میں سے کسی واجب کو ترک کرنا)(شامی ۲۸۱/۲)(عمدۃالفقہ ۳/ ۵۲۱۔ ۵۲۲)فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حاجی اپنے مال کی قربانی کہاں کرے:

(سوال ۱۲۷) حاجی اپنے مال کی قربانی کہاں کرے اپنے وطن میں یا حرم میں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فی زماننا اہل مکہ کے سوا حجاج عموماً مسافر ہوتے ہیں اور مسافر پر قربانی واجب نہیں ہوتی لہذا حاجی پر اپنے مال کی قربانی لازم نہیں، نہ وطن میں کرانا ضروری ہے نہ حرم پاک میں،اپنی مرضی سے قربانی کرنا چاہے تو جہاں چاہے کر سکتا ہے،البتہ حج تمتع یا حج قران کیا ہو تو دم شکر لازم ہوگا اور دم شکر حدود حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے۔

غنیۃ الناسک میں ہے (تنبیہ)ذکر فى الاصل انه لا تجب الاضحية على الحاج قال فى البدائع ومبسوط السرخسى واراد بالحاج المسافر واما اهل مكة فتجب عليه الاضحية وان حجوا اه (غنية الناسک ص ۱۱۶ ، فصل فى كيفية اداء التمتع المسنون)

درمختار میں ہے(على حر مسلم مقيم) بمصر اوقرية او بادية بمنى فلا تجب على حاج مسافر فاما اهل مكة فتلزمهم وان حجوا قيل لاتلزم المحرم (درمختار مع رد المحتار ۲/ ۲۷۵)

شامی میں ہے:۔(قوله ولم تنب الاضحية عنه) اى عن دم التمتع لانه اتى بغير الواجب عليه اذلا اضحية على المسافر الخ (شامى ۲/ ۲۹۹ .باب التمتع)فقط واللہ اعلم بالصواب.

وضو کرتے ہوئے دو تین بال گر جائیں تو کیا حکم ہے:

(سوال ۱۲۸) میں حج کے لئے جانے والا ہوں،وضو کرتے وقت میری داڑھی کے دو تین بال گر جاتے ہیں،احرام کی حالت میں اگر بوقت وضو دو تین بال گر یں تو کیا حکم ہے؟بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر وضو کرتے وقت خود بخود دو تین بال گر جائیں تو ایک مٹھی گیہوں صدقہ کر دے،غنیۃ الناسک میں ہے۔

اما اذا سقط بفعل المامور به كالوضو ففى ثلاث شعرات كف واحدة من طعام افاده ابو السعود.(غنية الناسک ص ۱۳۷ باب الجنايات، الفصل الرابع فى الحلق وازالة الشعر)

معلم الحجاج میں ہے:۔مسئلہ: اگر وضو کرتے ہوئے یا اور کسی طرح سر یا داڑھی کے تین بال گر گئے تو ایک مٹھی گیہوں دے دے اور اگر خود اکھاڑے تو ہر بال کے بدلے میں ایک مٹھی گیہوں دے دے اور اگر تین بال سے زائد

اکھاڑے تو آدھا صاع صدقہ کرے۔ (معلم الحجاج ص ۲۵۵)

احکام حج میں ہے:۔ مسئلہ۔ اگر بال از خود بغیر محرم کے کسی فعل کے گر جائیں تو کچھ لازم نہیں اور اگر محرم نے ایسے فعل سے گریں جس کا وہ مامور ہے جیسے وضو تو تین بال میں ایک مٹھی گندم کا صدقہ کافی ہے (زبدہ) (احکام حج ص ۹۶، ص ۹۷ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حائضہ عورت بغیر طواف زیارت کئے وطن آ گئی وہ کیا کرے:

(سوال ۱۲۹) حیض کی وجہ سے کوئی عورت طواف زیارت نہیں کر سکی اور واپس آ گئی تو اس کا حج ہوا یا نہیں؟ بعد میں جا کر صرف طواف زیارت کر لے؟ یا پھر سے حج کرے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عورت حیض کی حالت میں ہو تو وہ طواف زیارت کے سوا حج کا ہر عمل ادا کر سکتی ہے، حیض سے پاک ہو کر طواف زیارت کر لینا چاہئے، اور اگر اس عذر کی وجہ سے طواف زیارت ۱۲ ویں ذی الحجہ کے بعد کرے تو اس پر دم بھی لازم نہ ہوگا (معلم الحجاج ص ۱۹۶) جب تک طواف زیارت نہیں کرے گی حج مکمل نہ ہوگا اور اپنے شوہر کے لئے حلال بھی نہ ہوگی اس صورت میں دوبارہ پورا حج کرنا ضروری نہیں ہے، اسے چاہئے کہ عمرہ کا احرام باندھ کر جائے اور عمرہ سے فارغ ہو کر طواف زیارت کر لے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاوی رحیمیہ اردو ۵/ ۲۲۷، ۲۲۸) (جدید ترتیب کے مطابق کتاب الحج میں بیماری کی وجہ سے طواف زیارت نہ کر سکی تو اب حج مکمل کرنے کی کیا صورت، کے عنوان سے دیکھیں۔ از مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

منیٰ میں حجاج کا اسلامی بنک کے توسط سے جانور ذبح کرانا:

(سوال ۱۳۰) ماہنامہ "الفرقان" جون و جولائی ۱۹۸۶ء مطابق شوال و ذی قعدہ ۱۴۰۶ھ شمارہ ص ۶، ۷، جلد نمبر ۵۴ میں حضرت مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلی دامت برکاتہم کا ایک مضمون بہ عنوان "حضرت علمائے کرام کی خدمت میں حج کی قربانی سے متعلق ایک اہم سوال چھپا تھا، احقر کے پاس ان کا مکتوب گرامی آیا کہ اس سے متعلق اپنی رائے تحریر کروں۔

مولانا کے سوال کا خلاصہ یہ ہے۔

حج کے دنوں میں ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲ ذی الحجہ کو منیٰ کے اندر لاکھوں جانور قربان کئے جاتے ہیں، اور چند سال پہلے تک وہاں ذبح ہونے والے جانوروں کا گوشت عموماً ضائع ہو جاتا تھا بلکہ اس کی بدبو سے بیماریاں پھیلنے کا خطرہ پیدا ہو جاتا تھا۔

اس صورت حال سے تمام حساس لوگ فکر مند اور اس کے آرزومند تھے کہ ایسی کوئی صورت نکلے جس سے ہر سال اتنی بڑی مقدار میں ضائع ہونے والی خداوند تعالیٰ کی نعمت صحیح مصرف میں خرچ ہو اور اس سے ان لاکھوں بھوکوں کے پیٹ بھرنے کا انتظام ہو جو ساری دنیا اور خاص عالم اسلام میں بھی ایک ایک بوٹی اور ایک ایک نوالہ کے لئے ترستے ہیں۔

انہی حساس اور دردمند دلوں کی توجہ دہانی سے بالآخر سعودی حکومت اور اس کے باشعور افراد اس کا حل تلاش

کرنے پر آمادہ ہوئے اور اس میں کامیاب بھی ہوئے۔

اس غرض سے تین سال ہوئے سعودی حکومت نے ایک بہت بڑا مذبح "مجزرۃ المعیصم" منیٰ میں بنوایا جس کے اندر لاکھوں جانور نہ صرف ذبح کئے جاسکتے ہیں بلکہ انہیں تیار کر کے ان کا گوشت محفوظ کیا جاسکتا ہے، اور پیک کر کے مختلف ملکوں کے ضرورتمندوں کو بھیجا بھی جاسکتا ہے۔

چنانچہ ادھر تین سال سے (۱۴۰۳ھ کے حج سے) سعودی حکومت "البنک الاسلامی للتنمیہ جدہ" کے تعاون سے اجتماعی قربانی کا اور گوشت محفوظ کر کے مختلف ملکوں کے ضرورت مندوں میں تقسیم کرنے کا نظم کر رہی ہے۔

البنک الاسلامی (اسلامک ڈیولپمنٹ بنک I.D.B) کا طریق کار یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ایک مقامی کمپنی (شرکۃ الراجحی) کے توسط سے قربانی کے خواہش مند حجاج کے ہاتھوں "کوپن" فروخت کرتا ہے، کوپن پر مختلف قسم کی قربانیوں مثلاً ہدی، اضحیہ، صدقہ کے لئے الگ الگ علامتیں قائم کی گئی ہیں، حاجی جس قسم کی قربانی البنک الاسلامی کے ذریعہ کرانا چاہتا ہے، مطلوبہ قربانی کی علامت پر نشان لگا کر تعین کر دیتا ہے، پھر اس کی جانب سے قربانی کر دی جاتی ہے، لیکن حاجی کو بالعموم یہ نہیں معلوم ہو پاتا کہ اس کی طرف سے جانور کب ذبح کیا گیا؟ اس طریق کار سے حنفی حجاج جو حج قران یا تمتع کرتے ہیں، کے لئے ایک اہم مسئلہ پیدا ہو گیا ہے، کیونکہ فقہ حنفی میں "مفتیٰ بہ" قول کے مطابق قران یا تمتع کرنے والے ہر حاجی کے لئے یہ ضروری (واجب) ہے کہ وہ ۱۰ ذی الحجہ کو مزدلفہ سے واپسی پر، پہلے جمرۃ العقبہ کی رمی کرے پھر قربانی کرے (دم قران یا تمتع دے) اور اس کے بعد سر کے بال اتروائے، اس ترتیب کی خلاف ورزی پر مزید ایک جانور کی قربانی بطور کفارہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے، اس وجہ سے حنفی حجاج نے البنک الاسلامی سے بجا طور پر یہ مطالبہ کیا کہ انہیں یہ بتایا جائے کہ ان کی طرف سے جانور کس وقت ذبح کیا گیا؟ تاکہ وہ بقیہ کاموں میں بھی واجب ترتیب کا لحاظ رکھ سکیں۔

لیکن اجتماعی نظم میں ہر حاجی کو یہ بتانا عملاً ممکن نہیں کہ اس کی طرف سے جانور کب ذبح کیا گیا؟ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے البنک الاسلامی جدہ کے بالغ نظر رئیس نے علماء کا اجتماع جدہ میں منعقد کیا۔

اجتماع میں ایک حل یہ پیش کیا گیا کہ صاحبینؒ کے نزدیک ترتیب واجب نہیں، ایسی صورت میں جب کہ ہر سال لاکھوں مذبوحہ جانور ضائع ہونے سے بچ جاتے ہیں اس مصلحت کی وجہ سے صاحبین کے قول پر فتویٰ دینا درست ہوگا؟ اور جو انتظام کیا گیا ہے اس کو اختیار کرنا مناسب رہے گا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بسم اللہ الرحمن الرحیم، حامدا و مصلیا و مسلما.

حکومت لاکھوں جانوروں کی قربانی کی ذمہ داری لینے کے بعد گوشت کی حفاظت کے سلسلہ میں بے حساب رقم خرچ کرنے کے لئے آمادہ ہے اس سے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حسب دستور قربانی کا طریقہ قائم رہے، حجاج خصوصاً متمتع اور قارن اپنی قربانی اپنے مسلک کے مطابق کریں اور گوشت کی فراہمی اور حفاظت کے لئے زیادہ سے زیادہ مزدور اور ملازم مقرر کئے جائیں اور ایک وسیع وعریض مذبح کا انتظام کر کے وہیں قربانی کو ضروری قرار دیا جائے تو سارے مسائل حل ہوتے نظر آتے ہیں، انشاء اللہ، رقم وصول کر لینا اور حجاج کو وقت کا پابند بنانا تکلیف مالا یطاق ہے، جو محتاط حجاج ہیں وہ شکوک وشبہات میں مبتلا رہیں گے اور قربانی ہونے کا یقینی علم نہ ہونے کی وجہ سے بڑی پریشانی میں

مبتلا رہیں گے، چنانچہ امسال ہمارے یہاں کے ایک حاجی صاحب (جن کے ہمراہ تقریباً آٹھ حجاج تھے ان سب) نے اس طریقہ پر عمل کیا، رمی کے بعد اس بات کی تحقیق کرنا چاہی کہ ہماری قربانی ہوگئی یا باقی ہے، تحقیق کے لئے گئے تو متعین جگہ پر کوئی ذمہ دار نہیں ملا، چار پانچ مرتبہ گئے مگر کچھ تحقیق نہ ہوسکی، ذہنی طور پر سب بہت پریشان ہوئے کہ حلق کر کے احرام اتار دیں یا نہ اتاریں، بڑی کشمکش کے بعد کسی صاحب نے بتایا کہ آپ اطمینان رکھیں آپ کی قربانی ہوگئی ہوگی تب جا کر حلق کر کے احرام اتارا مگر دل میں شک تو باقی ہی رہا اس لئے جدید طریقہ اختیار کرنے کے بجائے قدیم طریقہ کو ہی قائم رکھنا بہتر معلوم ہوتا ہے، یہی قدیم طریقہ ہے اسی پر عمل چلا آرہا ہے، نیز جدید طریقہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں وقت تک آپ رمی سے فارغ ہو جائیں فلاں وقت آپ کی قربانی ہوگی، اس پر عمل دشوار ہے، ممکن ہے کہ کوئی عذر پیش آجائے، مثلاً بیمار ہو گیا یا کوشش کے باوجود رمی کے لئے نہیں پہنچ سکا، ایسے وقت قربانی سے پہلے رمی سے فارغ ہو جانا اور قربانی کے بعد حلق ہونا مشکل ہے، ترتیب قائم رکھنا مشتبہ ہی رہے گا اور جو عبادت عمر بھر میں ایک مرتبہ ادا ہوتی ہے اور بڑی تمناؤں اور کاوشوں کے بعد یہ سعادت نصیب ہوتی ہے، بلا شک وشبہ ادا ہو جائے اسی میں اطمینان قلبی حاصل ہوتا ہے۔

٭ اس لئے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مفتی بہ قول پر عمل کرتے ہوئے اور قدیم طریقہ کو باقی رکھتے ہوئے حکومت گوشت فراہم کرنے اور حفاظت کرنے کا اعلیٰ پیمانہ پر انتظام کرے تو انشاء اللہ حجاج کو پریشانی اور الجھن نہ ہوگی اور حکومت کا مقصد بھی پورا ہوگا، ہذا ما ظہر لی الآن۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۱۱ ج ۸ پر مطبوعہ فتویٰ ''منی میں حجاج کا اسلامی بینک کے توسط سے جانور ذبح کرانا'' کے متعلق مزید وضاحت:

(سوال ۱۳۱) فتاویٰ رحیمیہ ج ۹ ص ۱۲۰ میں منی میں حجاج کرام کا اسلامی بینک کے توسط سے قربانی کرانے کے متعلق آپ کا جو فتویٰ شائع ہوا ہے وہ بغور پڑھا، آپ سے اس فتویٰ پر مزید غور وفکر کی درخواست ہے۔

آج کل حجاج کی کثرت اور بے پناہ ہجوم کی بنا پر حنفی فقہا میں سے صاحبینؒ (مع ائمہ ثلاثہؒ) کے قول پر سقوط ترتیب (بین الرمی و النحر و الحلق) کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

حال ہی میں شیخ الہند ہال دیوبند میں "المباحث الفقھیہ" کے تحت ہونے والے اجتماع میں بھی اس مسئلہ پر غور ہوا، اس میں بضرورۃ مبتلی بہ کو صاحبین کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش کی تجویز منظور ہوئی ہے، اس کا متن ملاحظہ فرمائیں۔

''تجویز نمبر ۳ رمی، ذبح اور حلق میں ترتیب۔

متمتع اور قارن کے لئے ذبح اور حلق کے درمیان امام اعظمؒ کے قول پر جو مفتی بہ ہے۔ ترتیب لازم ہے اس کے ترک سے دم واجب ہو جاتا ہے، جب کہ صاحبین کے نزدیک یہ ترتیب سنت ہے، اس کے ترک پر دم واجب نہیں ہے۔

آج کل حجاج ازدحام یا پریشان کن اعذار کے پیش نظر اگر ترتیب قائم نہ رکھ سکیں تو صاحبین کے قول پر عمل

کی گنجائش ہے۔

(تجاویز چھٹا فقہی اجتماع، ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند ۱۶/۱۷/۱۸ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ ۲۶-۲۷-۲۸ مارچ ۱۹۹۷ء بمقام شیخ الہند ہال دیوبند)

امید ہے کہ حضرت والا اس مسئلہ پر مکرر غور فرما کر کوئی واضح فتویٰ صادر فرمائیں گے۔ سمع خراشی کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ والسلام (مولانا) برہان الدین (صاحب) لکھنؤ ۴ صفر ۱۴۱۸ھ۔

(الجواب) آنجناب نے اپنے ۴ صفر المظفر ۱۴۱۸ھ کے مکتوب گرامی میں " ترتیب بین الرمی والنحر والحلق" پر مزید غور وفکر کرنے کے لئے تحریر فرمایا ہے چنانچہ غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔

آج کل بے پناہ ہجوم اور دیگر پریشان کن اعذار کے پیش نظر سقوط ترتیب کے متعلق آپ کا اور دیوبند کے فقہی اجتماع کا فیصلہ غلط تو نہیں ہے مگر یہ عام فتویٰ نہیں ہو سکتا، معذورین کے لئے مخصوص ہونا چاہئے، استطاعت ہوتے ہوئے دم دینے میں احتیاط ہے۔

رسائل الارکان میں ہے۔ ثم الترتيب بين الرمي والذبح والحلق واجب عند الا مام ابى حنيفه رحمه الله لان الرمي من المناسك وكذا الذبح فيكونان قبل الخروج من الا حرام فيجب عند فوات الترتيب المذكور الدم عنده وقال الا مام ابو يوسف والا مام محمد الترتيب سنة ولا يجب بفواته شئى وهذا اشبه بالصواب لماروى الشيخان عن ابن عباس رضى الله عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم قيل له فى الذبح والحلق والرمى والتقديم والتاخير فقال لا حرج وقدروى الشيخان عن عبدالله بن عمرو بن العاص ان رسول الله صلى الله عليه وسلم وقف فى حجة الوداع بمنى للناس يسئلونه فجاء رجل فقال لم اشعر فنحرت قبل ان ارمى فقال ارم ولا حرج فما سئل النبى صلى الله عليه وسلم يومئذ عن شئى قدم ولا اخر الا قال افعل ولا حرج والله اعلم بالصواب (رسائل الاركان ص ٢٥٥ الرسالة الرابعة فى الحج بيان الذبح والحلق)

ہدایہ اولین میں ہے۔ وكذا الخلاف فى تاخير الرمى فى تقديم نسك عن نسك كالحلق قبل الرمى ونحر القارن قبل الرمى والحلق قبل الذبح لهما ان مافات مستدرك بالقضاء ولا يجب مع القضاء شئى اخر وله حديث ابن مسعود رضى الله عنه انه قال من قدم نسكا على نسك فعليه دم لان التاخير عن المكان يوجب الدم فى ما هو موقت بالمكان كالا حرام فكذا التاخير عن الزمان فيما هو موقت بالزمان. (هدايه باب الجنايات ج ١ ص ٢٦٧)

فتح القدیر میں ہے (قوله لهما ان مافات مستدرك بالقضاء الخ) ولهما ايضا من المنقول ما فى الصحيحين انه عليه الصلوٰة والسلام وقف فى حجة الوداع فقال رجل يا رسول الله لم اشعر فحلقت قبل ان اذبح، قال اذبح ولا حرج وقال اخر يا رسول الله لم اشعر ونحرت قبل ان ارمى. قال ارم ولا حرج، فما سئل يومئذ عن شئى قدم ولا اخر الا قال افعل ولا حرج. والجواب ان نفى الحرج يتحقق بنفى الاثم والفساد فيحمل عليه دون نفى الجزاء فان فى قول القائل لم اشعر

فـفـعلت مايفيد انه ظهر له بعد فعله انه ممنوع من ذلك فلذاقدم اعتذاره على سؤاله والا لم يسأل اولـم يعتذر لكن قد يقال يحتمل ان الذى ظهر له مخالفة ترتيبه لترتيب رسول الله صلى الله عليه وسلم فظن ان ذلك الترتيب متعين فقدم ذلك الا عتذار وسأل عما يلزمه به فبين عليه الصلوة والسلام في الجواب عدم تعيينه عليه بنفي الحرج وان ذلك الترتيب مسنون لا واجب والحق انه يحتمل ان يكـون كـذلك وان يكـون الـذى ظهر له كان هو الواقع الا انه عليه الصلوة والسلام عذرهم لـلـجهل ، وامر هم ان يتعلموا منا سكهم وانما عذرهم بالجهل لان الحال كان اذذاك في ابتدائه واذا احتمل كلا منهما فالا حتياط اعتبار التعيين والا خذبه واجب في مقام الا ضطراب فيتم الوجه لا بي حنيفة ويؤيده ما نقل عن ابن مسعود رضي الله عنه من قدم نسكا على نسك فعليه دم بل هو دليـل مستقل عند ناوفي بعض النسخ ابن عباس وهو الا عرف رواه ابن ابى شيبة عنه لفظه من قدم شيـئـا مـن حـجـه اواخـره فـليهـرق دما وفي سنده ابراهيم بن مهاجر مضعف واخرجه الطحاوى بـطـريق اخر ليس ذلك المضعف حدثنا ابن مرزوق حدثنا الخصيب حدثنا وهيب عن ايوب عن سـعيـد بـن جبيـر عـن ابن عباس مثله قال: فهذاابن عباس احد من روى عنه عليه الصلاة والسلام افعل ولا حرج لم يكن ذلك عنده على الا باحة بل على ان الذى فعلوه كان على الجهل بالحكم فعذر هم وامرهم ان يتعلموا مناسكهم الخ. (فتح القدير مع الكفاية ۳/ ۶۲، ۶۳ باب الجنايات)

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک نہایت قوی ہے، رمی اور نحر حج کے عظیم مناسک میں سے ہے، لہٰذا ان کو ان کے شایانِ شان طریقہ کے مطابق ادا کرنا چاہئے، اور ان کے لئے شایانِ شان طریقہ یہی ہے کہ حاجی کو اس بات کا یقین ہو کہ اس نے یہ مناسک حالتِ احرام میں ادا کئے ہیں، ترتیب ملحوظ نہ رکھنے اور اسلامی بنک کے ذریعہ قربانی کرانے میں اس پر عمل نہ ہو سکے گا اور بڑی فضیلت سے محرومی ہوگی اور اس کی تائید حضرت ابن مسعودؓ کی روایت "من قدم نسكا على نسك" اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت "من قـدم شيئا من حجه او اخر فليهرق دما" سے بھی ہوتی ہے، حج عمر بھر میں ایک مرتبہ ادا کیا جاتا ہے اس لئے اس طرح ادا ہونا چاہئے جو اس کا حق ہے، لہٰذا نوجوان صحت مند اور باہمت لوگ مفتی بہ قول پر ہی عمل کرنے کی کوشش کریں اور جو حضرات ضعیف، کمزور اور معذور ہوں اور وہ لوگ ہجوم اور اپنی معذوری کی وجہ سے مفتی بہ قول پر عمل کرنے سے قاصر ہوں تو ایسے ضعیف اور معذور حضرات، صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر عمل کرلیں تو اس کی گنجائش ہے، اور حکومت، معلمین، منتظمین اور پولیس کے ذریعہ اس کا انتظام کرے اور بڑے پیمانہ پر اس کی تشہیر بھی کرے کہ ضعفاء اور کمزور و معذور حضرات پیچھے رہیں اور نوجوان اور باہمت لوگوں کو حکومت کی جانب سے ایسا نشان دیا جائے کہ وہ بلا تکلف حج کے مناسک بالترتیب ادا کرسکیں اور ترتیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے از خود قابل اعتماد طریقہ پر قربانی کا انتظام کریں، ضعفاء اور معذورین ان کے لئے آڑ اور رکاوٹ نہ بنیں بلکہ ان کے آگے بڑھنے میں ان کا تعاون کریں، پولیس بھی ان کی مدد کرے اور ان کے لئے سہولتیں مہیا کرے، اس طرح عمل کرنے میں دونوں طبقہ والوں کے لئے سہولتیں پیدا ہوجائیں گی، اگر اس پر عمل نہیں کیا گیا تو مفتی بہ قول ہمیشہ کے لئے متروک العمل ہوجائے گا، اور ابن مسعود و ابن عباسؓ کی روایت کا ترک لازم آئے گا (صاحبین کا جو

استدلال ہے صاحب فتح القدیر نے اس کا جواب دیا ہے ملاحظہ فرمالیا جائے) اور معاندین کے لئے لوگوں کو امام ابو حنیفہ اور فقہ سے بدظن کرنے کا موقع ہاتھ آ جائے گا جس کے لئے وہ ہمیشہ کمر بستہ رہتے ہیں فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نوٹ:

اگر یہ کہا جائے کہ حجاج اپنے طور پر قربانی کرتے ہیں تو ہزاروں جانوروں کا گوشت ضائع جاتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت کی ناقدری ہے، اس کے برعکس اگر دوسرے قول پر عمل کرلیا جائے (جس میں ترتیب واجب نہیں) تو اس عظیم نعمت کو ضائع ہونے سے بچایا جاسکتا ہے۔ ایک لقمہ گر جانے پر اس کو اٹھا کر کھالینے کی اسی طرح کھانے کے برتن کو صاف کرنے کی ہدایت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام موجود ہے، تو جب ایک لقمہ کی اتنی اہمیت ہے تو ہزاروں مذبوحہ جانوروں کی کتنی اہمیت ہوگی..... تو جواباً عرض ہے کہ حجاج کرام قربانی کرنے کے بعد خدانخواستہ اپنے مسافرانہ حالت کی وجہ سے گوشت کا صحیح انتظام نہ کرسکیں تو اسی نعمت کی ناقدری نہیں کہا جاسکتا اور نہ نعمت کی ناقدری مقصود ہے، لقمہ گر جانے پر قدرت کے باوجود نہ اٹھانا، اسی طرح برتن صاف نہ کرنا نعمت کی ناقدری ہی ہے۔ صورت مسئولہ میں حاجی کا مقصد اپنی ایک اہم عبادت غیر مشتبہ طور پر ادا کرنا ہے، اس کے بعد اگر وہ خدانخواستہ گوشت کا صحیح انتظام نہ کرسکے تو وہ معذور شمار ہوگا اسے ناقدر نہیں کہا جائے گا، **انما الا عمال بالنیات** یہ بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ قربانی اراقۃ دم کا نام ہے اور اراقۃ دم ہی سے عبادت ادا ہو جاتی ہے اور حجاج کرام صحیح طور پر عبادت ادا کرنے کے مکلف ہیں، اس کے بعد گوشت کا انتظام کرنا حجاج کرام (جو عموماً مسافر ہوتے ہیں اور شریعت میں مسافر کے لئے بہت ساری رخصتیں ہیں) کی ذمہ داری نہیں، یہ انتظام حکومت کی ذمہ داری ہے، حجاج کرام بمنزلہ مہمان اور حکومت بمنزلہ میزبان کے ہے، مہمان کی ضروریات کا انتظام کرنا میزبان کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حکومت اس کے انتظام سے قاصر ہے تو یہ بات بظاہر سمجھ میں نہیں آتی جو حکومت ایک شب و روز میں ہزاروں خیمہ کا انتظام کرسکتی ہے (جیسا کہ امسال منیٰ میں آگ کے حادثہ میں ہوا) کیا وہ ان جانوروں کو گوشت کا انتظام نہیں کرسکتی؟

(۲) آزادانہ ذبح کرنے میں ایک فائدہ یہ بھی ہے جس کا خود احقر نے اپنے سفر حج میں مشاہدہ کیا، مقامی غرباء (حبشی وغیرہ) پہاڑ پر بیٹھے رہتے ہیں، اور جب کوئی حاجی قربانی کرتا ہے وہ غرباء فوراً دوڑ کر پورا جانور یا بقدر ضرورت لے جاتے اگر تمام ہی لوگ حکومت کے زیر نگرانی مذبح میں قربانی کرانے لگیں تو ان غرباء کا کیا ہوگا؟ وہ بے چارے محروم رہیں گے۔　　　فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حج بدل کے متعلق احکامات

اپنی زندگی میں حج بدل کرائے یا نہیں :

(سوال ۱۳۲) بیماری یا کمزوری کی بنا پر اپنی حیات میں حج بدل کرائے تو معتبر ہے یا نہیں، یا مرنے کے بعد دوبارہ حج بدل کرانا ضروری ہے؟

(الجواب) معتبر ہے۔ لیکن اگر اس کا عذر جاتا رہا تو اس کو حج خود کرنا ہوگا۔ **کما قال فی الدر المختار حتی تلزمه الا عادة بزوال العذر.** (**رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۷ باب الحج عن الغیرّ**)

بدون وصیت کے حج بدل کرا سکتے ہیں یا نہیں :

(سوال ۱۳۳) حج فرض تھا لیکن وصیت نہ کی تو ورثاء اپنے مال میں سے حج کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) کرا سکتے ہیں[1] اور خود میت کے مال میں سے کرا سکتے ہیں۔ مگر یہ ضروری ہے کہ سب ورثاء راضی ہوں کیونکہ ترکہ میں سب کا حق ہے لیکن نابالغ وارثوں کی رضامندی معتبر نہیں۔[2]

مراہق حج بدل کر سکتا ہے یا نہیں:

(سوال ۱۳۴) قریب البلوغ بچہ سے حج بدل کرانا درست ہے یا نہیں؟ یا بالغ ہونا شرط ہے؟

(الجواب) مراہق، قریب البلوغ، سمجھدار، ہوشمند، مسائل حج سے واقف ہو تو اسے حج بدل کرا سکتے ہیں۔ لیکن بعض علماء اختلاف کرتے ہیں۔ لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ حتی الامکان بالغ ہی کو منتخب کرے۔ **وفی الدر المختار فجاز حج الصرورة (الی ان قال) کالمراهق. وغیر هم اولی لعدم الخلاف. رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۱ باب الحج عن الغیر مطلب فی حج الضرورة)**

حج بدل میں جانے والا بیمار ہو جائے تو کیا کرے؟

(سوال ۱۳۵) حج بدل میں جانے والا بیمار ہو جائے تو اسے دوسرے کو نائب بنانے کا اختیار ہے یا نہیں؟

(الجواب) آمر جس نے اس کو اپنے حج بدل کے لئے بھیجا ہے اس کی اجازت ہو تو دوسرے سے حج کرا سکتا ہے لہٰذا یہی اولیٰ ہے کہ اس کی اجازت دے کر بھیجے کہ آپ کو اختیار ہے جس طرح مناسب ہو کرنا۔ درمختار میں ہے **(واذا مرض المامور) بالحج (فی الطریق لیس له دفع المال الی غیرہ لیحج) ذالک الغیر (عن المیت الا اذا) اذن له بذالک بان(قیل له وقت الدفع اصنع ما شئت فیجوزله (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۳۳۲ ایضاً)**

---

(۱) ومنها الامر بالحج فلا یجوز حج الغیر عنه بغیر امرہ الا الوارث یحج عن مورثه بغیر امرہ فانه یجزیه فتاوی عالمگیری الحج عن الغیر ج ۱ ص ۲۵۷.

(۲) وقدمنا ان الوارث لیس له الحج بمال المیت الا ان تجیز الوارثه وهم کبار لأن هذا مثل التبرع بالمال فالظاهر تقیید حج الوارث هنا بذلک ایضا تامل. شامی باب الحج عن الغیر ج ۲ ص ۳۳۴.

حج بدل میں جانے والا مر جائے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۳۶) ایک مرحوم کی طرف سے اس کی وصیت کے مطابق ایک شخص کو حج بدل کو بھیجا لیکن بدقسمتی سے نویں ذی الحجہ سے پہلے وہ انتقال کر گیا حج ادا کر کا تو اب مرحوم کے مال سے دوسرے کو بھیجنا ضروری ہے۔؟

(الجواب) جی ہاں۔ جب تک مرحوم کے ترکہ کے ایک تہائی میں اس کی گنجائش رہے حج بدل کرانا ضروری ہے یعنی حج بدل کو جانے والا اگر وقوف عرفات سے پہلے مر گیا تو مرحوم کا جو ترکہ ہے اس کے ثلث حصہ میں سے اگر حج کے لئے کافی ہو تو حج کرائے۔ اگر ثلث حصہ وطن سے بھیجنے کے لئے ناکافی ہو تو جہاں سے حج کرا سکے وہاں سے حج کرائے۔ پھر جتنی دفعہ ایسی صورت پیش آئے بار بار حج کرنے کے لئے بھیجتے رہیں۔ یہاں تک کہ مرحوم کے ترکہ کا ثلث پورا خرچ ہو جائے یا اتنا تھوڑا باقی رہ جائے کہ اس میں حج نہ ہو سکتا ہو تو اس کی وصیت ناقابل عمل ہو جائے گی اور اگر حج بدل کی رقم چوری ہو جائے تب بھی یہی حکم ہے کہ دوبارہ حج کو بھیجے مکان سے یا جہاں سے بھیجنے کی رقم میں گنجائش ہو وہاں سے بھیجے۔ قال (وان مات) المامور (او سرقت نفقته فی الطریق) قبل وقوفه (حج من منزل آمره بثلث مابقی) من ماله فان لم یف فمن حیث یبلغ فان مات او سرق ثانیا حج من ثلث الباقی بعد ها هکذا مرة بعد مرة اخری الیٰ ان لا یبقی عن ثلثه مایبلغ الحج فتبطل الوصیة (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۲۳۹ مطلب فی حج الضرورة)

حج بدل کرنے والا احرام کہاں سے باندھے

(سوال ۱۳۷) ایک آدمی کا انتقال ہو گیا۔ اس کی وصیت نہ تھی لیکن اس کی عورت نے اپنے پیسے سے ایک شخص کو حج بدل کے لئے وطن سے بھیجنا چاہتی ہے تو وہ شخص بذریعہ اسٹیمر (دریائی جہاز) حج بدل کے لئے جاتا ہے اس کو میقات سے سب کے ساتھ احرام باندھنا چاہئے۔ اگر اس کا ارادہ مدینہ جانے کا ہے اور وہ ایام حج سے پہلے مکہ معظمہ آ جائے گا۔ اب پوچھنا یہی ہے کہ وہ مدینہ بحالت احرام جائے یا مکہ معظمہ پہنچ کر طواف سے فارغ ہو کر مدینہ جائے۔ اس کی وضاحت کیجئے؟ نیت کس طرح کرے؟ اور اثنائے سفر میں جو خرچ ہو اس کے متعلق بیان فرمائیے۔

(الجواب) بھیجنے والے نے اجازت دی ہو تو پہلے مدینہ طیبہ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے جا سکتا ہے۔ جب اولاً مدینہ کا ارادہ ہے تو احرام کی ضرورت نہیں۔ مدینہ سے مکہ جائے تو ذوالحلیفہ سے جسے ''بیر علی'' کہتے ہیں (یہ اہل مدینہ کا میقات ہے) وہاں سے افراد (یعنی صرف حج) کا احرام باندھے۔ بھیجنے والے نے قران (حج وعمرہ دونوں) کی اجازت دی ہو تو قران بھی کر سکتا ہے لیکن دم قران خود کو دینا ہوگا۔ یعنی قربانی کا خرچ خود برداشت کرے گا۔[۱] احرام کے وقت جب نیت کرے تو جس کی طرف سے حج کر رہا ہے اس کا نام لے۔[۲] سفر حج میں اعتدال رکھے۔ ضرورت سے زائد خرچ کرے گا تو اس کا ذمہ دار خود خرچ کرنے والا ہوگا اور حج سے فارغ ہو کر جو کچھ نقد، کپڑے، ساز و سامان بچا ہو اس کو لوٹا دینا ضروری ہے البتہ بھیجنے والا اس کو ہدیۃً دے دے تو یہ چیزیں اس کی ہو جائیں گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ودم القرآن والتمتع والجنایة علی الحاج درمختار مع الشامی باب الحج عن الغیر ج ۲ ص ۳۳۸.
(۲) وبشرط نیة الحج عنه ای الآمر فیقول احرمت عن فلان ولبیت عن فلان، ایضا ج ۲ ص ۳۲۷.

حج بدل میں جانے والا کون سا احرام باندھے :

(سوال ۱۳۸) حج بدل میں جانے کے لئے کیا ضروری ہے کہ افراد کا احرام باندھے تمتع کا احرام باندھ سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) حج بدل میں جانے والا افراد یعنی صرف حج کا احرام باندھے جس کی طرف سے حج کر رہا ہے اگر وہ قران کی اجازت دے تو قران بھی کر سکتا ہے۔ لیکن دم قران (قربانی) کا خرچ خود کو برداشت کرنا پڑے گا۔ (۱) تمتع کے بارے میں اختلاف ہے ارجح و احوط یہ ہے کہ اجازت کے باوجود تمتع کا احرام نہ باندھا جائے۔ لیکن جب کہ مجبوری ہو۔ (۲)

مکہ مکرمہ پہنچ کر قبل از حج وفات پا گیا تو کیا کرے :

(سوال ۱۳۹) ایک شخص پر حج فرض تھا حج کے ارادے سے گیا معظمہ پہنچ کر حج ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو اس کا حج ادا ہوا یا نہیں؟

(الجواب) جس سال حج فرض ہوا اگر اسی سال گیا اور حج ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو اس کے ذمہ سے حج ساقط ہو گیا۔ حج بدل کی وصیت کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر حج فرض ہو چکا پھر سال دو سال بعد گیا تھا تو حج بدل کی وصیت واجب ہے۔ واصیت نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ (۳)

مریض حج بدل کو بھیجے پھر اچھا ہو جائے :

(سوال ۱۴۰) بیمار نے فرض حج دوسرے سے کرایا، پھر وہ تندرست ہو گیا تو اس کو حج کرنا ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) ہاں اس کو خود جانا پڑے گا۔ (۴)

---

(۱) ودم القران والتمتع والجناية على الحاج ان اذن له الامر بالقرآن والتمتع والا فيصر فخا لفاً قال في الشامية تحت قوله فيصير مخالفا هذا قول ابي حنيفة ووجهه ان لم يأت بالمامور به لانه امره بسفر يصرفه الى الحج لا غير درمختار مع الشامي باب الحج عن الغير ج. ۲ ص ۳۳۹.

(۲) مسئلہ۔ غنیۃ الناسک میں لکھا ہے کہ میقات سے احرام باندھنا اصل میں فی نفسہ شرط نہیں ہے بلکہ آمر کے امر کی مخالفت سے بچنے کے لئے ہے۔ اسی طرح ملا علی قاریؒ نے مناسک میں لکھا ہے کہ میقات اصل میں حج کے لئے شرط نہیں ہو سکتا جب تک صریح دلیل اس کے شرط ہونے کی نہ ملے۔ پس امر کو چاہئے کہ اپنے مامور کو عام طرح اجازت دے دے کہ میری طرف سے جا کر حج کرو۔ جس طریقہ سے بھی تمہاری مرضی ہو اور سہولت ہو (افراد یا قران یا تمتع) جو بھی کرو تو ایسا سے آمر کا حج جائز ہو جائے گا۔ اگر چہ تمتع ہی کرے کیونکہ آمر کے امر کی مامور نے مخالفت نہیں کی۔ تنبیہ: پھر بھی احتیاط اس میں ہے کہ حج بدل میں تمتع نہ کیا جائے کہ مسئلہ اختلافی ہے (ناقل کیونکہ یہ شرط لکھتے ہیں کہ سفر مامور بہ کے لئے کیا جائے یعنی اگر حج کے لئے امر کیا گیا ہے تو پہلے حج ہی کرے۔ اگر پہلے عمرہ کیا تو گویا وہ سفر مامور بہ کے لئے نہ ہوا۔

(۳) واذا اجمعوا انه لو تراخى كان اداء وان اثم بموته قبله قال في الشامية تحت قوله وان اثم بموته قبله اى بالاجماع كما في الزيلعي اما على قولهما فظاهر وما على قول محمد فانه' وان لم يأثم بالتاخير عنه ولكن بشرط الاداء قبل الموت فاذا مات قبله ظهر أنه ام قيل من السنة الاول وقيل من الاخيره الخ　شامي باب الحج عن الغير ج ۲ ص ۱۹۲.

(۴) قوله حتى تلازم الاعادة بزوال العذر، اى العذر الذى يرجى زواله كالحبس والمرض شامي باب الحج عن الغيره ج ۲ ص ۳۲۷.

تندرست اگر حج بدل کے لئے بھیجے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۴۱) تندرست آدمی نے اپنا فرض حج دوسرے سے ادا کرایا۔ پھر دائم العذر ہو گیا تادم مرگ عذر مرتفع نہ ہوا تو مذکورہ حج معتبر ہے یا نہیں؟

(الجواب) معتبر نہیں۔ کیونکہ صحت کے حالت میں جو حج بدل کرایا وہ قابل اعتبار نہیں۔ عذر لگ جانے کے بعد اس کو حج بدل کرانا چاہئے تھا نہیں کرایا تو وصیت ضروری ہے وصیت نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا[۱]

حج بدل فاسد ہونے کے بعد دوبارہ حج کرنے سے حج بدل ادا نہ ہوگا :

(سوال ۱۴۲) حج بدل کرنے والا وقوف عرفات سے پہلے اپنی عورت سے جماع کر کے حج فاسد کر دے تو اب دوسرے سال پھر سے حج کرے تو یہ حج بدل ہوا یا نہیں۔

(الجواب) وقوف عرفات سے پہلے جماع کرنے سے حج فاسد ہو جاتا ہے۔ لیکن بقیہ مناسک (احکام واعمال) پورے کرنے پڑیں گے اور اپنے مال میں سے قربانی کرنی ہوگی۔ اور آئندہ سال اپنے پیسوں سے قضا حج کرنا ضروری ہے اور یہ حج خود اس کا شمار ہوگا، حج بدل نہ ہوگا۔ تیسرے سال تیسرا حج حج بدل کرانے والے کی جانب سے باقاعدہ کرے گا تو حج بدل ادا ہوگا ورنہ حج بدل ادا نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے (**وضمن النفقة ان جامع قبل وقوفه) فيعيد بمال نفسه** (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۳۳۹ باب الحج عن الغیر)

آنکھ کے عذر والا حج بدل کرانے کے بعد اچھا ہو گیا تو کیا حکم ہے :

(سوال ۱۴۳) آنکھوں میں موتیا اتر آنے سے نظر نہ آتا تھا اس لئے حج بدل کرایا۔ بعد میں آپریشن کرایا تو آنکھیں اچھی ہو گئیں، تو حج بدل معتبر ہے یا نہیں؟

(الجواب) جس عذر و مرض کی بناء پر حج بدل کرا سکتے ہیں اس سے وہ مرض مراد ہے جس سے اچھا ہونے کی امید نہ ہو اور عموماً وہ عذر تا مرگ باقی رہے۔ جیسے اندھا ہو جانا، ایسی دائمی عذر کی حالت میں حج بدل کرانے کے بعد خلاف امید قدرت الٰہی سے عذر ہٹ جائے تو دوسرا حج نہیں کرنا ہوگا۔ مگر موتیا اترنے کی بیماری ایسی نہیں ہے، آپریشن سے عموماً فائدہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے عذر کی حالت میں جو حج بدل کرایا ہے وہ کافی نہ ہوگا، خود کو حج کے لئے جانا ضروری ہوگا۔ البتہ اگر یہ بیماری اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ نظر واپس آنے کی امید نہ رہی تھی۔ پھر ناامید ہونے کے بعد خدا کی قدرت سے آنکھ اچھی ہو گئی تو اس صورت میں جو حج بدل کرایا تھا وہ کافی ہے فرض اتر گیا۔ دوبارہ حج ضروری نہیں ہے۔ (شامی ج ۲)[۲]

---

(۱) ومنها ان يكون المحجوج عنه عاجزا عن الاداء بنفسه وله مال فان قادرا على الاداء بنفسه بأن كان جميع البدن وله مال او كان فقيرا صحيح البدن لا يجوز حج غيره عنه ، فتاوىٰ عالمگيرى الحج عن الغير ج ۱ ص ۲۵۷.

(۲) هذا اى اشتراط دوام العجز الى الموت اذا كان العجز كالحبس والمرض يرجى زواله اى يمكن وان لم يكن كذلك كالعمي والزمانة سقط الفرض بحج الغير عنه فلا اعاده قال في الشامية تحت قوله حتى تلزم الاعادة بزوال العذر اى العذر الذى يرجى زواله كالحبس والمرض ،باب الحج عن الغير ج ۲ ص ۳۲۷)

نفل حج دوسرے سے کرا سکتا ہے یا نہیں :

(سوال ۱۴۴) بلا عذر نفل حج خود نہ کرے دوسرے سے کرائے تو یہ حج ہوگا یا نہیں۔

(الجواب) نفلی حج کے لئے عذر شرط نہیں لہذا بلا عذر بھی نفل حج دوسری سے کرا سکتا ہے (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۵۷)(۱)

فرض حج ادا کرنے سے پہلے انتقال ہو گیا تو وصیت کرے یا نہیں :

(سوال ۱۴۵) حج فرض ہو گیا مگر ادائیگی کا وقت نہ ملا اور انتقال کر گیا تو اس پر حج بدل کی وصیت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

(الجواب) حج ادا کرنے کا وقت ہی نہ ملا اور انتقال کر گیا تو اس کے ذمہ سے حج ساقط ہو گیا، لہذا حج بدل کی وصیت کرنا ضروری نہیں یہی حکم ہے۔ اثنائے سفر میں مرنے والا کا اور اگر حج فرض ہونے کے سال دو سال بعد مر گیا تو حج بدل کی وصیت واجب ہے۔ (حوالہ اسی باب میں بعنوان، مکہ مکرمہ پہنچ کر قبل از حج الخ کے تحت دیکھیں ص۱۱۹ از مرتب)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورت حج بدل کو جا سکتی ہے :

(سوال ۱۴۶) عورت حج بدل کے لئے جا سکتی ہے یا نہیں؟

(الجواب) جی ہاں! محرم یا خاوند ساتھ ہو تو جا سکتی ہے لیکن مرد کو بھیجنا اولیٰ بہتر ہے۔(۲)

حج بدل کے لئے کیسے شخص کو بھیجے :

(سوال ۱۴۷) ایک صاحب مال عورت نے اپنے رشتہ دار کا حج بدل کرانے کے لئے ایسے شخص کو بھیجا جس نے اس سے پہلے حج نہیں کیا ہے تو یہ حج بدل ہوا یا نہیں؟

(۲) حج میں جانے والا غریب تھا اس پر حج فرض نہ تھا وہ حج بدل کو جا سکتا ہے یا نہیں۔ اور یہ حج خود کا ہوگا یا حج بدل والے کا؟ اب وہ حج کرنے کے بعد مالدار ہو گیا تو خود کو فرض حج ادا کرنا ہوگا یا نہیں؟

(۳) حج بدل جانے والا مالدار تھا اس پر حج فرض تھا لیکن ادا نہ کیا تھا تو اس صورت میں خود کا حج ہوا یا حج بدل ہوا؟ اگر نہ ہوا تو کیا خود کو حج کے لئے جانا پڑے گا۔ حج بدل میں حاجی کو بھیجنا اولیٰ ہے یا غیر حاجی کو؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) صورت مسئولہ میں حج ہو گیا دوبارہ حج کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) جا سکتا ہے لیکن بہتر نہیں ہے۔ اس صورت میں حج بدل کرانے والے کا حج ہوگا، البتہ مالدار ہو جانے

---

(۱) وانما شرط العجز المنوب للحج الفرض لا للنفل كذا فى الكنز ففى الحج النفل تجوز النيابة حالة القدرة لأن باب النفل اوسع فتاوىٰ عالمگیری الحج عن الغير ج ۱ ص ۲۵۷)

(۲) فجاز الصرورة بمهلمة من لم يحج والمرأة ولو امة. درمختار مع الشامى باب الحج عن الغير ج ۲ ص ۳۳۱.

سے بعد خود حج کے لئے جانا ہوگا۔

(۳) یہ حج، حج بدل کرانے والے کا ہو، نہ کہ حج کرنے والے کا اس کو اپنے حج کے لئے جانا ضروری ہے۔

شامی میں ہے۔ قال فی الفتح بعد ما اطال فی الا ستدلال والذی یقتضیه النظر ان حج الصرورة عن غیره ان کان بعده تحقق الوجوب علیه یملک الزاد والراحلة والصحة فهو مکروه کراهةتحریم الخ(ج۲ ص ۳۳۱ باب الحج عن الغیر)

جس پر حج فرض ہو چکا ہو اس کو حج بدل کے لئے بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے اور جانے والے کے لئے مکروہ تحریمی ہے کیونکہ وہ اپنے فریضۂ حج کو اپنے ذمہ رکھ کر دوسرے کی طرف سے (حج بدل کو) جاتا ہے اولاً اس کو اپنے فریضۂ حج سے سبکدوش ہونا چاہئے تھا۔ حج بدل کے لئے اولیٰ یہ ہے کہ جس نے اپنا فرض حج کرلیا ہو اور احکام حج سے واقف ہو اس کو بھیجنا چاہئے۔ حج بدل کے مسائل بہت مشکل اور نازک ہیں جاہل آدمی اکثر غلطی کر کے حج بدل فاسد و برباد کر دیتا ہے۔(شامی ج ۲ ص ۳۳۱)(۱)

کیا حج بدل وطن سے کرانا ضروری ہے:

(سوال ۱۴۸) چند آدمی انڈیا میں فوت ہو گئے ہیں ان کے حج بدل کے لئے لندن سے آدمی لے جانا چاہتا ہوں تو حج بدل صحیح ہوگا یا نہیں۔

(الجواب) مرحومین پر حج فرض ہو اور انہوں نے حج بدل کی وصیت کی ہو اور ان کی رقم سے حج بدل کے لئے آدمی بھیجنا ہو تو انڈیا سے یعنی مرحومین کے وطن سے بھیجنا ضروری ہے لندن سے بھیجنے میں حج بدل صحیح نہ ہوگا اگر مرحومین نے لندن سے حج بدل کرانے کی اجازت دی ہو تو کرا سکتے ہیں۔(۲) اسی طرح مرحومین کی وصیت کے بغیر ورثاء اپنی مرضی سے اور اپنی رقم سے حج بدل کرانا چاہیں تو جہاں سے چاہیں کرا سکتے ہیں مگر وطن سے کرانا اچھا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بیمار کا لڑکا حج بدل کرے یا نہیں؟:

(سوال ۱۴۹) کیا بیمار کا لڑکا حج بدل میں جا سکتا ہے؟

(الجواب) والد اس کی خدمت کا محتاج نہ ہو تو جا سکتا ہے۔ لیکن اس نے حج نہ کیا ہو تو مکروہ ہے۔ اگر اس پر حج فرض ہو تو اپنا فرض حج چھوڑ کر بدل کو جانا مکروہ تحریمی ہے۔ حج فرض نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ (حوالہ ایک سوال پہلے گذر چکا ہے از مرتب)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) لکنه یشترط لصحة النیابة اهلیة المامور لصحة الافعال ثم فرع علیه بقوله مجاز حج الصرورة قال فی الشامیة تحت قول لصحة الافعال عبر بالصحة دون الوجوب لیعم المراهق فانه اهل الصحة دون الوجوب قوله ثم فرع علیه ای علی ان الشرط هو الاهلیة دون اشتراط ان یکون المأمور قد حج عن نفسه باب الحج عن الغیر)

(۲) وهی نیة الحج وان یکون الحج بمال الموصی او باکثره لا تطوعا وان یکون راکبا لا ماشیا ویحج عنه من ثلث ماله سواء قید الوصیة بالثلث بان اوصی ان یحج عنه بثلث ماله او اطلق بان اوصی بان یحج عنه هکذا فی البدائع فان لم یبن مکانا یحج عنه من وطنه عن علی لنا . وان اوصی ان یحج عنه من موضع کذا من غیر بلده یحج عنه من ثلث ماله (مجموعه فتاوی عالمگیری الحج عن الغیر ص ۲۵۹.

عورت کی حج بدل کون کرے:

(سوال ۱۵۰)(۱) کیا عورت حج بدل میں عورت کو بھیجے یا کسی مرد کو بھی بھیج سکتی ہے؟ (۲) کیا حج بدل میں حاجی کو بھیجے یا اس کو جس نے ابھی حج نہ کیا ہو؟ کس کو بھیجنا ضروری ہے؟ (۳) مرحومہ دو ہزار روپیہ چھوڑ گئی ہے اور سفر کا خرچ تین ہزار روپیہ ہیں تو اس کو کس طرح حل کیا جائے؟ (۴) کیا یہ صحیح ہے کہ حج بدل جانے والا آتے جاتے راستہ میں انتقال کر جائے یا حج کرنے کے بعد واپس اپنے مقام پر نہ لوٹے تو یہ حج قبول نہیں ہوا؟ (۵) سنا ہے کہ مکہ۔ مدینہ والے بھی حج بدل کرتے ہیں کیا اس طرح حج بدل صحیح ہے؟

(الجواب)(۱) عورت کا حج بدل عورت کر سکتی ہے مگر مرد حج بدل کرے تو افضل ہے۔

(۲) جس نے اپنا حج نہیں کیا ہے اس سے حج بدل کرانا مکروہ ہے۔ اس لئے اولیٰ یہی ہے کہ حج بدل میں اس کو بھیجا جائے جس نے اپنا حج کر لیا ہو۔ (حوالہ دو سوال پہلے گذر چکا ہے۔ مرتب)

(۳) دو ہزار روپے حج اور زیارت روضۂ اطہر کے لئے نا کافی ہوں تو صرف حج ادا کرا دیا جائے۔ تا کہ مرحومہ فرضیت سے سبکدوش ہو جائے۔

(۴) حج کی ادائیگی سے پہلے مر جائے تو حج نہیں ہوا۔ لیکن حج کرنے کے بعد وہاں یا راستہ میں انتقال کر جائے تو حج ادا ہو گیا۔

(۵) اتنی رقم ہے کہ مکہ یا مدینہ سے حج کرایا جا سکتا ہے تو وہاں سے کرایا جائے یا کوئی بلا وصیت اپنی طرف سے شرعاً حج کرائے تو جہاں سے چاہے کرا سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غیر حاجی حج بدل کو جائے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۱۵۱) ہم تین بھائی ہیں۔ ہماری حالت اچھی ہے ہم زکوٰۃ دیتے ہیں۔ بڑے بھائی نے حج کیا ہے۔ اب چھوٹا بھائی حج بدل کو جا سکتا ہے؟ اس نے اپنا فرض حج نہیں کیا ہے تو جا سکتا ہے اور کیوں کر؟

(الجواب) جس نے اپنا فرض حج ادا نہیں کیا ہے اس کو حج بدل میں جانا اور بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے۔ اگر وہ صاحب استطاعت ہو اور اس پر حج فرض ہو تو اس کو اپنا حج چھوڑ کر حج بدل کے لئے جانا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر چہ حج بدل ادا ہو جاتا ہے (فجاز حج الضرورة)(تنویر الابصار) قال فی البحر والحق انها تنزيهية على الآمر لقولهم والافضل الخ تحريمة على الضروة المأمور الذى اجتمعت فيه شروط الحج ولم يحج عن نفسه لانه اثم بالتاخير اھ (شامی ص ۳۳۱ ج ۲ باب الحج عن الغیر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حج بدل کا طریقہ:

(سوال ۱۵۲) ایک آدمی حج بدل کرنے جا رہا ہے وہ کون سا حج کرے۔ حج تمتع کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر تمتع نہ کر سکتا ہو تو حج بدل کرنے کا آسان طریقہ کیا ہے؟ دوسری کون سی چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے؟ اس میں خاص ارکان کیا کیا ہیں؟ وہ بتلائیں؟

(الجواب) حج بدل کرنے والا ''افراد'' کی نیت کرے ''قران اور تمتع'' کی اجازت نہیں۔ہاں، جس کی طرف سے حج کرے۔اس نے ''قران'' (ایک ہی احرام سے حج وعمرہ کرنا) یا ''تمتع''..... (کہ پہلے عمرہ کا احرام باندھے عمرہ سے فارغ ہوکر حج کا احرام باندھے اور حج کرے) اجازت دی ہو تو اس کے مطابق عمل کرسکتا ہے (مگر دم قران دم تمتع خود کے ذمہ ہے) مختصر یہ کہ بلا اجازت کے قران وتمتع نہیں کرسکتا۔یہ بھی خیال رہے کہ حج بدل جانے والا قیام وطعام اور سفر وغیرہ کے خرچ میں احتیاط کرے۔جو کچھ اس کے پاس ہے وہ امانت ہے اس میں احتیاط ضروری ہے۔غیر مناسب فضول خرچ نہ کرے۔اجازت کے بغیر خیرات بھی نہ کرے۔دم جنایت بھی اپنے ذمہ رکھے۔(حوالہ اس باب میں بعنوان، حج بدل کرنے والا احرام کہاں سے باندھے، کے تحت گذر چکا ہے از مرتب)۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اپنا فرض حج چھوڑ کر والدین کی طرف سے حج بدل کرنا:

(سوال ۱۵۳) زید پر حج فرض ہو چکا ہے مگر وہ چاہتا ہے کہ پہلے والد کی طرف سے حج بدل کرے اور بیوی کو اپنی والدہ کے حج بدل کے لئے لے جائے بعد میں میاں بیوی اپنے حج کے لئے جائیں گے تو کیا ایسا کرنا زید کے لئے جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فرض حج کے بعد اسی سال حج ادا کرنے کے لئے جانا ضروری ہے جبکہ کوئی شرعی عذر نہ ہو بلا وجہ سال دو سال تاخیر کرنے پر فاسق وگنہگار ہوتا ہے اور اگر حج ادا نہ کرسکا تو سخت وعید اور سزا کا مستحق ہوگا[۱] لہذا پہلے اپنا حج کرے بیوی نے اپنا حج نہ کیا ہو تو اسے بھی لے جائے۔اور ممکن ہو تو والد اور والدہ کے حج بدل کے لئے ایسے دو آدمیوں کو ہمراہ لے جائے جنہوں نے اپنا حج کیا ہو اور مسائل اور حج کے احکام اور طریقہ سے بخوبی واقف ہوں اگر گنجائش نہ ہو تو آئندہ سال والدہ کے حج بدل میں دونوں میاں بیوی چلے جائیں اپنا فرض حج ذمہ میں باقی رکھ کر والدین کے حج بدل میں جانا مکروہ تحریمی ہے ان حج الصرورة عن غیره ان کان بعد تحقق الوجوب علیه بملک الزاد والراحلة والصحة فهو مکروه کراهة تحریم الخ (شامی ج۲ ص ۳۳۱ باب الحج عن الغیر)

والدین پر حج فرض نہ ہو یا فرض ہو مگر وصیت نہ کی ہو نہ رقم چھوڑی ہو تو حج بدل کرانا واجب نہیں ہے۔اگر اولاد خوش حال ہو تو حج بدل کرانا بڑی سعادت کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات سے امید ہے کہ قبول فرمائیں گے اگر وطن سے حج بدل نہ کرا سکے تو مکہ معظمہ میں رہنے والوں سے کرا دیوے انشاء اللہ والدین ثواب کے حق دار ہوں گے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حج بدل کی نیت کہاں سے کی جائے؟:

(سوال ۱۵۴) مرحوم جہانگیر کے ورثاء مجھ کو حج بدل کے لئے بھیج رہے ہیں تو حج کی نیت کہاں سے کی جائے؟ میقات سے یا بمبئی میں اس جگہ سے جہاں جہانگیر مرحوم کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا؟

---

(۱) علی الفور فی العام الاول عند الثانی واصح الروایتین عن الامام ومالک واحمد فیسفق وترد شهادته بتأخیره ای سنینا ولذا اجمعوا أنه لو تراخی کان اداء وان اثم بموته قبله درمختار مع الشامی کتاب الحج ج۲ ص ۱۹۲

(الجواب) حج یا عمرہ کی نیت میقات سے (جہاں سے احرام باندھا جاتا ہے) بوقت احرام کی جاتی ہے ایکسیڈنٹ کی جگہ پر نیت کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔[1] **فقط واللہ اعلم بالصواب۔**

سفر حج میں حج سے پہلے انتقال ہو گیا تو کیا حکم ہے:

(سوال ۱۵۵) زید پر کئی سالوں سے حج فرض تھا اس سال ادائیگی فرض کی خاطر گھر سے روانہ ہو کر بیت اللہ پہنچ گیا مگر ایام حج سے پہلے ہی زید کا انتقال ہو گیا۔ اس صورت میں زید اپنے فرض سے سبکدوش ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا (از بمبئی)

(الجواب) اگر زید اسی سال حج کے لئے جاتا جس سال حج فرض ہوا تھا تو حج بدل کی وصیت واجب نہ ہوتی لیکن چونکہ تاخیر سے حج کے لئے گیا اور حج کے ارکان ادا نہ کر سکا اس لئے حج بدل کی وصیت واجب ہے درمختار میں ہے (خرج) المکلف (الی الحج ومات فی الطریق واوصی بالحج عنه) انما تجب الوصیة به اذا اخره بعد وجوبه اما لو حج من عامه فلا (درمختار) (قوله ومات فی الطریق) اراد به موته قبل الوقوف بعرفة ولو کان بمکة بحر (درمختار و شامی ج ۲ ص ۳۳۲ باب الحج عن الغیر) اگر وصیت نہ کی ہو اور ورثاء اپنی طرف سے حج بدل کرا دیں تو بہتر ہے۔ **فقط واللہ اعلم بالصواب۔**

وصیت کے بغیر والدین کی طرف سے حج کیا تو ان کا حج ادا ہو گا یا نہیں:

(سوال ۱۵۶) میرے والد صاحب پر حج فرض تھا انہوں نے اپنا اور والدہ محترمہ کا حج کے لئے فارم بھر دیا تھا، اتفاقاً آٹھ یوم پہلے والد صاحب اللہ کی رحمت میں پہنچ گئے، مرحوم والد صاحب کو انتقال کے وقت اتنا موقع ہی نہیں ملا کہ حج بدل کی وصیت کرتے، والد صاحب نے جو ترکہ چھوڑا ہے وہ اتنا نہیں ہے کہ تقسیم شرعی کے بعد والدہ پر حج فرض ہو سکے، اب دریافت طلب امور یہ ہیں۔

(۱) اس صورت میں ورثاء پر حج بدل کرانا ضروری ہے یا نہیں؟ (۲) اگر ضروری نہ ہو مگر ورثاء جو سب بالغ ہیں اپنی خوشی سے حج بدل کرائیں تو ادا ہو گا یا نہیں؟ (۳) سب ورثاء اپنی مرضی سے والدہ محترمہ اور ایک بھائی کو والد صاحب کے حج بدل کے لئے بھیجیں تو جائز ہے یا نہیں؟ (۴) اگر بالکل آخری جہاز میں جائیں اس وقت والدہ کی عدت کے دو تین دن باقی رہتے ہیں تو والدہ حج کے لئے جا سکتی ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا (از احمد آباد)

(الجواب) والد صاحب پر حج فرض تھا، والدہ پر فرض نہیں تھا اس لئے والدہ کی فکر نہیں ہے فکر والد صاحب کی ہے جب ورثاء سب کے سب بڑے اور بالغ ہیں اور حج بدل کرانا چاہتے ہیں تو بڑی سعادت کی بات ہے ان شاء اللہ حج ادا ہو جائے گا، شامی میں ہے الا اذا کان وارثاً وکان علی المیت حج الفرض ولم یوص به فیقع عن المیت عن حجة الاسلام للامر لا له وللنص بخلاف ما اذا اوصی به لان غرضه ثواب الانفاق من ماله فلا یصح تبرع الوارث عنه . الی قوله . واخرج الدار قطنی عن جابر رضی الله عنه ان رسول الله صلی

---

(۱) ولب دبر الصلاة تنوی بها الحج ای لب عقبها ناویا بالتلبیه الحج بحر الرائق باب الاحرام ج ۲ ص ۳۲۱

اللہ علیه وسلم قال حج عن ابیه و امه فقد قضیٰ عنه حجته و کان له فضل عشر حج الخ (شامی ج ۲ ص ۳۳۷ باب الحج عن الغیر)

والدہ کو بھیجنا ضروری نہیں ہے کہ ان پر حج فرض نہیں ہے، لیکن اگر ورثاء چاہیں تو بھیج سکتے ہیں واجب نہیں ہے، عدت میں سفر کرنا جائز نہیں۔ وشرط وجوب الاداء خمسة علی الاصح، صحة البدن. الی قوله وعدم قیام العدة الخ (مراقی الفلاح ص ۱۴۴ کتاب الحج) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔ ۲۰ شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ.

مکہ معظمہ سے حج بدل کرانا:

(سوال ۱۵۷) ایک ہفتہ ہوا ایک صاحب کا انتقال ہو گیا ان پر حج فرض نہیں تھا تا ہم ان کا بھتیجا جو عربستان میں ملازمت کرتا ہے اس کا خط مرحوم کے بیٹے پر آیا کہ میں یہاں چچا صاحب کا حج بدل مکہ مکرمہ میں کرالوں گا آپ فکر نہ کریں مرحوم کا بیٹا مجھ سے پوچھتا ہے کہ اس کا جواب حضرت مفتی صاحب سے دریافت کرلو ہمارا خیال ہے کہ جس جگہ کا باشندہ وہاں سے مکہ مدینہ تک کے اخراجات سے حج کرایا جائے تو حج بدل ادا ہوگا مکہ معظمہ سے تو بالکل معمولی خرچ سے حج ہو جاتا ہے اگر اس طرح حج بدل نہ کراسکیں تو مرحوم کے غریب بیٹے کو کچھ خرچ دے کر کمائی کا ذریعہ کرادیں تو یہ اچھا ہے یا حج بدل؟ بینوا توجروا۔ (کاوی)

(الجواب) جس پر حج فرض ہو اس کی جانب سے حج بدل کرایا جائے تو وطن سے کرایا جانا چاہئے۔ صورت مسئولہ میں مرحوم پر حج فرض نہیں تھا اس کے باوجود ورثاء اور بھتیجے وغیرہ حج کرانا چاہیں تو مکہ سے بھی کرا سکتے ہیں، مکہ معظمہ سے حج کرانے میں معمولی خرچ ہوگا اس لئے وہ اپنے چچا زاد بھائی کے لئے ذریعہ معاش کا انتظام بھی کردے گا تو مزید ثواب کا حق دار ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وصیت کے بغیر حج بدل کرانا کیسا ہے:

(سوال ۱۵۸) ایک شخص کا انتقال ہو گیا اب اس کا داماد اپنے پیسوں سے اپنے خسر کے ایصال ثواب کے لئے حج بدل کرانا چاہتا ہے تو کرا سکتا ہے یا نہیں؟ مرحوم پر حج فرض تھا یا نہیں اس کا علم نہیں۔ اسی طرح مرحوم نے نہ حج کی وصیت کی ہے اور نہ رقم چھوڑی ہے ان حالات میں کیا حکم ہے؟ اور جس شخص کو حج کے لئے بھیجا جائے یا داماد خود حج کے لئے جائے تو وہ کون سا احرام باندھے؟ حج افراد کا یا قران و تمتع کا؟ بہتر کیا ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) جب مرحوم نے نہ حج بدل کی وصیت کی اور نہ رقم چھوڑی ہے تو اب ان کی طرف سے حج بدل کرنا ضروری نہیں ہے، مرحوم کے رشتے دار یا ان کا داماد وغیرہ مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے اپنے پیسوں سے حج کرائیں گے تو ان شاء اللہ مرحوم کو بہت فائدہ ہوگا، [1] اور جو حج کرائے گا وہ بھی ان شاء اللہ عند اللہ ماجور ہوگا۔ اور اگر مرحوم پر حج فرض ہو تو خدا کی ذات سے امید ہے کہ [illegible] کا حج ادا ہو جائے گا صورت مذکورہ میں جو شخص حج کے لئے جائے تو بہتر یہی ہے کہ وہ

---

[1] [illegible] الامر بالحج فلا یجوز الغیر عنه بغیر امره الا لوارث یحج عن مورثه بغیر امره فانه یجزیه، فتاوی [illegible] الحج عن الغیر ج ۱ ص ۲۵۸

صرف حج کا احرام باندھے قانونی دشواریوں کے پیش نظر قران یا تمتع کرنا چاہے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۰ شوال المکرم ۱۴۰۱ھ۔

مرحومہ والدہ کی طرف سے حج بدل کی نیت کی پھر سفر کے قابل نہ رہا تو وہ شخص کیا کرے :

(سوال ۱۵۹) میں نے اپنی مرحومہ والدہ کی طرف سے حج بدل کرنے کی نیت کررکھی ہے مرحومہ نے مجھے وصیت نہیں کی ہے میں اپنی طرف سے حج بدل کرنا چاہتا تھا، مگر میں قلب کا مریض ہوگیا حج کا سفر اب میرے لئے بہت مشکل ہے اگر میں حج کے بجائے والدہ مرحومہ کے ایصال ثواب کے لئے کوئی صدقۂ جاریہ کا کام کردوں تو کرسکتا ہوں یا نہیں؟ جواب مرحمت فرمائیں بینوا توجروا۔

(الجواب) آپ نے والدہ مرحومہ کی طرف سے حج بدل کرنے کی نیت کی تھی مگر اس وقت مرض کی وجہ سے خود آپ نہیں جاسکتے تو کسی ایسے نیک صالح شخص کو والدہ کی طرف سے حج بدل کے لئے بھیج دیا جائے، جو اپنا حج کرچکا ہو، اگر والدہ مرحومہ پر حج فرض ہوا اور وہ اپنا فریضہ ادا نہ کرسکی ہوں تو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ ان کا حج ادا ہو جائے گا، اور مرحوم والدین کی طرف سے حج بدل کرانے کی بڑی فضیلت ہے، شامی میں حدیث نقل کی ہے اخرج الدار قطنی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عنہ صلی اللہ علیہ وسلم من حج عن ابویہ او قضیٰ عنہما مغرما بعث یوم القیامۃ مع الا برار واخرج ایضا عن جابر انہ علیہ الصلوۃ والسلام قال من حج عن ابیہ وامہ فقد قضی عنہ حجتہ وکان لہ فضل عشر حجج، واخرج ایضاً عن زید بن ارقم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا حج الرجل عن والدیہ تقبل منہ ومنہما واستبشرت ارواحہما وکتب عند اللہ بوا۔ یعنی دار قطنی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو اپنے والدین کی طرف سے حج کرے یا قرض ادا کرے تو قیامت کے دن صلحاء کے ساتھ اٹھایا جائے گا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس شخص نے اپنے والد اور والدہ کی طرف سے حج کیا تو اس نے ان کی طرف سے حج ادا کردیا اور اس کو اس زائد حج کا ثواب ملے گا، اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے والدین کی طرف سے حج ادا کرے گا تو اس کی طرف سے اور اس کے والدین کی طرف سے قبول کیا جاتا ہے اور ان کی ارواح کو بشارت دی جائے گی اور اللہ کے یہاں یہ شخص نیکوکار لکھا جائے گا۔

لہذا آپ نے جو نیت کی ہے اس کے مطابق عمل کیا جائے، اگر آپ خود نہ جاسکتے ہوں تو کسی متقی شخص کو والدہ مرحومہ کی طرف سے حج بدل کے لئے بھیج دیا جائے اس کے علاوہ اپنی حیثیت کے مطابق کوئی صدقۂ جاریہ کا کام کردیا جائے تو نور علی نور ہوگا، والدہ مرحومہ کی روح بہت خوش ہوگی اور ان کو بڑا اجر وثواب ملے گا اور آپ بھی محروم نہ ہوں گے انشاء اللہ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نوے سال کی ضعیفہ اپنی زندگی میں حج بدل کرا سکتی ہے یا نہیں :

(سوال ۱۶۰) ایک عورت پر حج فرض تھا مگر محرم نہ ہونے کی وجہ سے وہ حج ادا نہ کرسکی، اب اس کی عمر نوے ۹۰ سالہ

کی ہوگئی ہے، بہت ہی ضعیفہ اور کمزور ہے اٹھنے بیٹھنے میں بھی تکلیف ہوتی ہے اور سواری پر سوار ہونے اور سفر کرنے کی تو بالکل طاقت نہیں ہے ایسی صورت میں وہ اپنی زندگی میں اپنے حج بدل کے لئے کسی کو بھیج سکتی ہے یا نہیں؟ آئندہ طاقت آنے اور سفر کرنے کے قابل ہونے کی کوئی امید نہیں ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب کہ عورت بہت ضعیفہ اور کمزور ہوگئی ہے، سفر کرنے کے بالکل قابل نہیں ہے تو وہ اپنی زندگی میں حج بدل کرا سکتی ہے، انشاء اللہ حج بدل ادا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں گے۔ شامی میں ہے ومن العجز الذی یرجی زواله علم وجود المرأة محرماً فتقعد الیٰ ان تبلغ وقتا تعجز عن الحج فيه ای لكبر او عمى او زمانه فحينئذ تبعث من يحج عنها اما لو بعثت قبل ذلک لا يجوز لتوهم وجود المحرم الا ان دام علم العجز الى ان ماتت فيجوز كالمريض اذا حج رجلاً ودام المرض الىٰ ان مات كما فى البحر وغيره (شامی ج ۲ ص ۳۲۷ باب الحج عن الغير تحت قوله كالحبس والمرض)

معلم الحجاج میں ہے: مسئلہ: عاجز ہونے کے اسباب یہ ہیں موت، قید ایسا مرض کہ جس کے دور ہونے کی امید نہ ہو جیسے فالج اندھا ہونا، لنگڑا ہونا، اتنا بوڑھا ہونا کہ سواری پر بیٹھنے کی قدرت نہ رہے، عورت کے لئے محرم نہ ہونا، راستہ مامون نہ ہونا، ان تمام اعذار کا موت تک باقی رہنا تحقق عجز کے لئے شرط ہے (معلم الحجاج ص ۳۰۳ حج بدل) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حج بدل کرنے والا کون سا احرام باندھے؟:

(سوال ۱۶۱) ہم لندن سے حج بدل کے لئے جانا چاہتے ہیں، اس میں احرام کا کیا حکم ہے؟ کیا حج بدل میں عمرہ کی نیت سے احرام باندھے اور مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد عمرہ سے فارغ ہو کر احرام کھول دے اور ایام حج میں یعنی آٹھ ذی الحجہ کو جب حج کا احرام باندھا جاتا ہے اس وقت حج بدل کا احرام باندھے تو حج بدل درست ہوگا یا نہیں؟ ایسے ہی عمرہ کے بعد احرام کھول دیا جائے تو اس میں کیا حکم ہے؟

حج بدل میں حاجی کے لئے قربانی کی تفصیل تحریر فرمادیں، نیز اس سلسلہ میں عورت کے لئے کیا حکم ہے؟ ہم اپنے مرحوم والدین کی طرف سے حج بدل کرنا چاہتے ہیں، لہذا تفصیلی جواب تحریر کریں۔

(الجواب) حج بدل میں افراد یعنی صرف حج کا احرام باندھنا ہوتا ہے، البتہ آمر کی طرف سے اجازت ہو تو قران (حج اور عمرہ کا احرام ساتھ باندھنا) اور تمتع (اول عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کر کے حلال ہو جانا) یعنی احرام کھول دے، پھر جب ایام حج "آٹھ ذی الحجہ" آویں تو حج کا احرام باندھ کر حج کرنا) بھی جائز ہے، لیکن قران اور تمتع کے احرام میں جو دم شکر لازم ہوتا ہے اس کا ذمہ دار مامور ہے یعنی وہ اپنی مال میں سے قربانی کرے۔ مفرد پر قربانی نہیں (ودم القران والتمتع والجناية على الحاج) ان اذن له الا مر بالقران والتمتع (قوله على الحاج) اى الما مور اما الا ول فلا نه وجب شكر اعلى الجمع بين النسكين (شامی ۲/ ۳۳۰ باب الحج عن الغير)

چونکہ حج بدل میں جانے والا شخص مسافر ہوتا ہے اور مسافر پر قربانی واجب نہیں، لہذا اپنے اوپر جو واجب قربانی ہے وہ بھی سفر کی وجہ سے معاف ہے اس کے باوجود کوئی کرے تو ثواب کا مستحق ہوگا۔ لا تجب التضحية

علی حاج مسافر (درمختار مع الشامی ۲۷۵/۵)

میرا مشورہ یہ ہے کہ حج بدل میں جانے والا شخص آمر سے ہر قسم کے احرام کی اجازت لے لے اور سب سے پہلے مدینہ طیبہ جاوے وہاں سے دو یا تین ذی الحجہ کو میقات (ذوالحلیفہ) آخر حج افراد کا احرام باندھے پھر مکہ آجائے اس صورت میں آٹھ روز احرام کی حالت میں رہنا پڑے گا۔

قال الشیخ الامام ابو بکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ تعالیٰ اذا امر غیرہ بان یحج عنہ ینبغی ان یفوض الامر الی المأمور فیقول حج عنی بھذا المال کیف شئت ان شئت حجۃ وان شئت حجۃ وعمرۃ وان شئت قرانا(فتاویٰ قاضی خان علی ھامش الھندیہ ۳۰۷/۱، زبدۃالمناسک ۵۸/۲ !)

دوسری صورت یہ بھی ہے کہ عمرہ کا احرام باندھے، عمرہ سے فارغ ہو کر احرام کھول دے پھر مدینہ طیبہ میں آنحضرت ﷺ کی زیارت کر کے ایام حج میں میقات سے حج افراد کا احرام باندھے اور حج کرے۔

اگر آپ کے مرحوم والدین کے ذمہ حج فرض نہ تھا یا حج تو فرض تھا مگر وصیت نہیں کی، اور آپ اپنی طرف سے حج بدل کرنا چاہتے ہیں تو آپ حسب مرضی حج افراد یا قران یا تمتع میں سے جونسا بھی احرام باندھیں اختیار ہے مگر حج افراد کا احرام باندھ کر حج کرنا اولیٰ ہے، ملاحظہ ہو (جواہر الفقہ ۵۰۸/۱ حج بدل میں قران اور تمتع کا بیان (فتاویٰ محمودیہ ۸۴/۱۳ فقط واللہ اعلم بالصواب۔)

حج بدل کی وصیت:

(سوال ۱۶۲) ہم تین بھائی ہیں، ہماری والدہ مرحومہ کا تاریخ ۵ جنوری ۱۹۷۳ء کے روز انتقال ہو چکا ہے والدہ نے لئے حج کا فارم تین سال سے بھرتے تھے، جب وہ منظور ہو کر آیا اس وقت والدہ انتہاء مریضہ تھیں اس کے بعد وہ جاں بحق ہو گئیں، انتقال سے قبل وصیت فرمائی تھی کہ میں نے جو رقم حج کے لئے رکھی ہے اسے استعمال نہ کیا جاوے بلکہ اسی سے حج بدل کرا دینا۔

اب سوال یہ ہے کہ ہم تینوں بھائی میں سے کسی پر حج فرض نہ ہونے کی وجہ سے حج نہیں کیا، نیز ہم مقروض بھی ہیں تو اب ان تینوں میں سے کس کو حج بدل میں بھیجا جاوے، اور کس کا جانا اولیٰ ہے اس کا تفصیلی جواب تحریر فرمادیں

(الجواب) مرحومہ کے تہائی مال میں سے حج بدل کرانا ضروری ہے، ورنہ ورثاء گنہگار ہوں گے، تہائی مال حج بدل کے لئے ناکافی ہو تو جہاں سے ایک ثلث میں حج ہو جاتا ہے وہاں سے) حج کرا دیں، مثلاً جدہ سے حج کرا سکیں اتنا ہی مال ہے تو وہاں سے کرا دیں، مکہ شریف سے حج کرا دیں، اتنا ہی مال ہے تو وہاں سے حج کرا دیں (وحج من منزل آمرہ بثلث مابقی) فان لم یف فمن حیث یبلغ (درمختار مع الشامی ۲/ص ۳۳۹ باب الحج عن الغیر)

اگر بالغ ورثاء اپنے مال میں سے باقی رقم ملا کر مرحومہ کے وطن سے حج کرا دیں تو بہتر ہے (نابالغ ورثاء کی رضامندی معتبر نہیں)

جہاں تک ہو سکے حج بدل میں ایسے شخص کو بھیجا جائے جو اپنا فرض حج پہلے ادا کر چکا ہو، جس نے حج نہ کیا ہو

اس کو بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے، اور مالدار شخص جس پر حج فرض ہو اور اپنا حج نہ کیا ہو اس کو بھیجنا مکروہ تحریمی ہے، ایسے ہی غریب شخص کو بھیجا تو مکروہ تنزیہی ہے البتہ کوئی حج کر چکا ہو اور مسائل حج سے واقف ہو ایسا شخص نہ مل سکے تو مکروہ نہیں۔ (۱)

آپ کے علم میں اضافہ کی غرض سے ذیل میں دو فتوے پیش کرتا ہوں۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اعظم دار العلوم دیو بند کا فتویٰ۔

(الجواب) جس پر پہلے سے حج فرض ہو چکا ہے اس کا حج بدل کو جانا تو باتفاق مکروہ تحریمی ہے اور جس پر حج فرض نہیں ہے اور اس کو استطاعت نہیں ہے اس پر چونکہ بعض علمائے محققین کے نزدیک مکہ معظمہ پہنچ کر حج فرض ہو جاتا ہے اس لئے ان علماء کے نزدیک وہ بھی تارک فرض ہونے کی وجہ سے مرتکب کراہت تحریمہ کا ہے جیسا کہ شامی (۳۳۲/۲) میں بدائع سے منقول ہے یکرہ احجاج الصرورة لا نہ تارک فرض الحج یفیدانہ یصیر بدخول مکة قادر اعلی الحج عن نفسہ الخ قلت وقد افتی بالوجوب مفتی دار السلطنة العلامة ابو السعود وتبعہ فی سکب الا نھر وکذا افتی بہ السید احمد بادشاہ والف فیہ رسالة الخ.

بہر حال جس نے اپنا حج ادا نہیں کیا اس کو حج بدل کرنا کسی صورت میں کراہت سے خالی نہیں، غایت یہ کہ بصورت ذی استطاعت نہ ہونے کے عند البعض وہ کراہت تنزیہی ہے اور ان علماء کے نزدیک جو مکہ معظمہ پہنچ کر اس پر حج فرض کہتے ہیں کراہت تحریمی ہے، اور بصورت ذی استطاعت ہونے کے باتفاق کراہت تحریمی ہے۔ فقط۔ (فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ۵۷۶/۶ و ۵۷۷)

حضرت مفتی سعید احمد صاحب مفتی اعظم مظاہر العلوم سہارنپور کا فتویٰ

(الجواب) جس شخص نے اپنا حج نہیں کیا اگر وہ کسی دوسرے کی طرف سے حج کرے تو حج ہو جائے گا لیکن مکروہ ہے۔ (معلم الحجاج ص ۱۸۵)

نیز اسی کتاب کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس پر مکہ مکرمہ پہنچ کر اپنا حج بھی فرض ہو جاوے گا، اور اس کو وہاں ٹھہر کر آئندہ سال اپنا حج کرنا واجب ہوگا اور یہ مشکل ہے، اس لئے احتیاط یہ ہے کہ ایسے شخص سے (جس نے اپنا حج نہیں کیا) حج نہ کرایا جاوے اینما، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مذکورہ صورت میں حج بدل میں جانے والا حج تمتع کر سکتا ہے یا نہیں عمرہ کا احرام کس کی طرف سے باندھے:

(سوال ۱۹۳) ایک شخص اپنے والد مرحوم کی طرف سے حج بدل کرانا چاہتا ہے، والد مرحوم پر نہ حج فرض تھا نہ انہوں نے حج بدل کی وصیت کی ہے۔ اس صورت میں حج بدل میں جانے والا شخص بھیجنے والے کی اجازت سے حج تمتع کر سکتا

---

(۱) والا فضل ان یکون قد حج عن نفسہ رحجة الاسلام خرجا عن الخلاف ثم قال والا فضل احجاج الحر العالم بالمناسک الذی حج عن نفسہ وذکر فی البدائع کراهة احجاج الصرورة لأ نہ تارک فرض الحج ویحمل کلام الشارح علی الآمر فیوافق مافی البحر من ان الکراهة فی حقہ تنزیهیة وان کانت فی حق المامور تحریمیة شامی باب الحج عن الغیر ج ۲ ص ۳۳۱.

ہے یا نہیں؟ اگر تمتع کی گنجائش ہو تو عمرہ کا احرام کس کی طرف سے باندھے؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) جس کی طرف سے حج بدل کرانا ہے ان پر نہ حج فرض ہو نہ حج بدل کی وصیت کی ہو اور ان کا کوئی رشتے دار (مثلاً بیٹا) اپنے پیسوں سے مرحوم کی طرف سے حج بدل کے لئے کسی کو بھیجے یا خود جائے تو بھیجنے والے کی اجازت سے حج بدل میں جانے والا شخص حج تمتع کر سکتا ہے، البتہ دم شکر اپنے پیسوں سے کرنا ہوگا، بھیجنے والا اپنی مرضی سے قربانی کی رقم دے دے تو اس کی مرضی۔ دے سکتا ہے، اگر وہ رقم نہ دے تو حج بدل میں جانے والا قربانی کے لئے رقم کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ (اسی باب میں حوالہ گذر چکا ہے از مرتب)۔
میقات سے عمرہ کا احرام اپنی طرف سے بھی باندھ سکتا ہے اور مرحوم کی طرف سے بھی باندھ سکتا ہے، حج کا احرام تو مرحوم ہی کی طرف سے باندھنا ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حج بدل والا تمتع نہیں کر سکتا اس کے لئے بلا احرام جانے کا حیلہ:

(سوال ۱۶۴) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حج بدل کرنے والا تمتع کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ وہ بلا احرام مکہ مکرمہ میں داخل ہو سکے؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! اس میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ آمر کی اجازت کے باوجود تمتع نہیں کر سکتا۔
غیر کی طرف سے حج کرنے والا میقات سے بے احرام کسی جگہ حل کا مثلاً جدہ کا قصد کر کے اولاً وہاں آئے بعدہٗ مکہ معظمہ میں بے احرام داخل ہو جائے کہ اس حیلہ سے بغیر احرام مکہ معظمہ میں داخل ہونا جائز ہے پھر کسی میقات پر جا کر آمر کی جانب سے حج کا احرام باندھے، یہ صورت نہایۃ الامل فی بیان مسائل الحج البدل میں مرقوم ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مرنے والے کے حج بدل کے لئے آدمی کہاں سے جائے؟ وطن اصلی سے یا تجارت کی جگہ سے:

(سوال ۱۶۵) مندرجہ ذیل مسئلہ میں اپنی رائے سے مطلع فرمائیں، ایک صاحب جن کا وطن ضلع بھروچ ہے برائے تجارت افریقہ میں رہتے تھے، وہیں انتقال کر گئے، ان کا حج بدل وطن اصلی (بھروچ) سے کرانا چاہئے یا افریقہ سے؟ الحاصل! اگر بھروچ سے بھیجا جائے گا تو صحیح ہوگا یا نہیں؟
(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً صورت مذکورہ میں دونوں جگہ سے حج بدل کرانا جائز ہے۔[1]

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) البتہ جو وطن مکہ سے زیادہ قریب ہو اس سے کرانا بہتر ہے۔ واذا کان له اوطان شتی الحج عنه من اقرب اوطانه الی مکة بلا خلاف لا من ابعد اوطانه هکذا فی التتارخانیه فتاوی عالمگیری باب الوصیة بالحج ج ۱ ص ۲۵۹

متفرقات حج

''غیر مسلم کا حدود حرم میں داخلہ''

(سوال ۱۶۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حدود حرم (مکہ شریف) میں کسی غیر مسلم کا داخل ہونا کیسا ہے؟ اگر شاہ فیصل کا مہمان بن کر کوئی غیر مسلم آنا چاہے یا شاہ فیصل خود کسی غیر مسلم کو اپنا مہمان بنا کر حدود حرم میں داخل کرنا چاہے تو کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کے حوالہ سے مفصل تحریر فرمائیں۔

(الجواب) قوله تعالیٰ: یا یها الذین امنوا انما المشرکون نجس (قذر لخبث باطنهم) فلا یقربوا المسجد الحرام (ای لا ید خلوا الحرم) بعد عامهم هذا (عام تسع من الهجرة) (قرآن حکیم تفسیر جلالین) (یعنی) اے ایمان والو مشرکین (اعتقاداً) بڑے ناپاک ہیں، اس سال کے بعد (یہ مشرکین اور کفار اہل کتاب) مسجد حرام کے پاس (یعنی حدود حرم میں) نہ آنے پاویں (قرآن حکیم تفسیر جلالین)

یہ اعلان آنحضرت ﷺ نے ۹ھ میں فرمایا، آیت کریمہ کی تفسیر میں مختلف اقوال منقول ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کافر نجس العین ہے، حضرت حسنؒ نے فرمایا کہ کفار سے ہاتھ ملائے تو دھو ڈالے، جمہور علماء نے کہا ہے کہ نجاست حکمی ہے، یعنی ان کا بدن پاخانہ پیشاب کی طرح ناپاک نہیں بلکہ ان کی ناپاکی ایسی ہے جیسے جنبی شخص کی ہوتی ہے کہ وہ قرآن شریف نہیں پڑھ سکتا ہے، مسجد میں نہیں جا سکتا وہ اگر غسل بھی کرلیں تب بھی وہ قرآن شریف نہیں پڑھ سکتے نہ کسی مسجد میں داخل ہو سکتے ہیں۔

شافعیہ نے کہا کہ مسجد حرام سے خاص مسجد کعبہ مراد ہے اور مالکیہ کہتے ہیں کہ اس حکم میں عام مسجدیں داخل ہیں یعنی شافعیہ کے نزدیک کفار مسجد کعبہ سے روکے جائیں اور مالکیہ کے نزدیک کفار ہر ایک مسجد سے روکے جائیں۔ حنفیہ کے نزدیک نجاست باطنی اور اعتقادی مراد ہے۔ یعنی دل کی نجاست اور گندگی ہے اس لئے کہ اگر کفار نجس العین ہوتے اور نجاست بدنی مراد ہوتی تو ثمامہ ابن اثال ؓ کو اسلام لانے سے پہلے مسجد نبوی ﷺ میں ستون سے باندھا نہ جاتا اور وفد نجران اور وفد ثقیف مسجد نبوی میں ٹھیرایا نہ جاتا۔ ان واقعات حدیثیہ سے آیت کریمہ کی تفسیر معلوم ہوئی کہ نجاست باطنی او اعتقادی مراد ہے نجاست ظاہری اور بدنی مراد نہیں ہے، لہٰذا کفار کا حدود حرم اور حرم کعبہ اور مساجد میں داخل ہونا حرام اور ناجائز نہ ہوگا و منها جواز انزال المشرک فی المسجد (زاد المعاد ج ۲ ص ۲۵) البتہ باطنی نجاست اور اعتقادی گندگی کی وجہ سے حج اور طواف کے لئے اور بطور غلبہ اور توطن وسکونت اختیار کرنے کی غرض سے حدود حرم میں آنے کی ممانعت ہے کی۔ ہدایہ میں ہے۔ قال (ای فی الجامع الصغیر) ولا باس بان ید خل اهل الذمة المسجد الحرام و قال الشافعی یکره ذلک وقال مالک یکره فی کل مسجد للشافعی قوله تعالیٰ انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا و لان الکافر لا یخلوا عن جنابة لانه لا یغتسل اغتسالا یخرجه عنها والجنب ینجب المسجد و بهذا یحتج مالک والتعلیل بالنجاسة عام فینتظم المساجد کلها ولنا ماروی ان النبی علیه السلام انزل

وفد ثقیف فی مسجدہ وھم کفار لان الخبث فی اعتقادھم فلا یؤدی الی تلویث المسجد والاٰیۃ محمولۃ علی الحضور استیلاء واستعلاء او طائفین عراۃ کما کانت عادتھم فی الجاھلیۃ (ج ۴ ص ۴۵۸ آخر کتاب الکراھیۃ مسائل متفرقہ)

الحاصل آیت کے ظاہری الفاظ کے خیال سے نیز اس لحاظ سے کہ مجتہدین کا اس میں اختلاف ہے مناسب اور احوط یہ ہے کہ بلا ضرورت دینی اور بدوں مصلحت شرعی کفار کو حرم میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے اگر شاہ فیصل کسی دینی ضرورت اور شرعی اور سیاسی مصلحت کی بناء پر کسی غیر مسلم کو عارضی طور پر حرم میں آنے کی اجازت دیں تو اس کی گنجائش ہے۔(خلاصۃ التفاسیر وغیرہ) عن عثمان بن ابی العاص ان وفد ثقیف لما قدموا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انزلھم المسجد لیکون ارق لقلوبھم (ابو داؤد شریف ج ۲ ص ۷۲ باب ماجآء فی خبر الطائف)

مزید اطمینان اور معلومات کی غرض سے تفسیر بیان القرآن کا مضمون نقل کیا جاتا ہے:۔"سب کا اتفاق ہے کہ اس باب میں کفار اہل کتاب کا حکم مثل مشرکین کے ہے اور درمنثور کی ایک روایت اس کی موید بھی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے یہودی کے ہاتھ کو مثل مشرک کے ہاتھ کے فرمایا۔اور مراد اس نجاست سے نجاست عقائد ہے نہ کہ نجاست اعیان واجسام چنانچہ سنن ابوداؤد کتاب الخراج میں وفد ثقیف کو مسجد میں ٹھیرانے کی روایت موجود ہے اور وہ مشرک تھے اور یہاں مقصود حکم لا یقربوا کا فرمانا ہے انما المشرکون میں اس کی ایک حکمت فرمادی کہ ایسے مقدس مقام میں ایسے ناپاک دل والوں کا کیا کام اور مسجد حرام سے تمام حرم مراد ہونا درمنثور میں عطاؒ سے مروی ہے اور متعدد صحیح حدیثوں سے تمام جزیرہ عرب کا یہی حکم ثابت ہے مشرکین کے لئے بھی اور یہود ونصاریٰ کے لئے بھی، یہ روایتیں درمنثور میں اور دیگر کتب حدیث میں وارد ہیں چنانچہ سید المرسلین خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی وصیت کے بموجب حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تمام جزیرۂ عرب میں اس قانون کا نفاذ ہوگیا اور فقہ حنفی کی رو سے مراد اس سے قرب ودخول بطور توطن یا استیلاء کے ہے کہ یہ ناجائز ہے ورنہ مسافر لہٰ امام کی اجازت سے آنا اگر امام کے نزدیک خلاف مصلحت نہ ہو مضائقہ نہیں، جیسا دوسری آیت ما کان لھم ان یدخلوھا الا خائفین کی بعض علماء نے یہی تفسیر کی ہے اور قتادہؒ کا قول فلیس لاحد من المشرکین ان یقرب المسجد الحرام بعد عامھم ذلک الا صاحب الجزیۃ او عبد الرجل من المسلمین رواہ فی الدر اس کا موید ہے اور جب حرم کے اندر آنے کی اجازت دینا جائز ہے، مسجد حرام بھی اسی حکم میں ہے، البتہ حج وعمرہ کی کفار کو اجازت نہیں بوجہ حدیث الا لا یحجن بعد العام مشرک کے اور جن روایتوں میں مشرک سے مصافحہ کر کے ہاتھ دھونا آیا ہے وہ محمول تغلیظ پر ہیں (بیان القرآن ج ۴ ص ۱۰۷) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

"حج کی فلم بنانے کے متعلق"

(سوال ۱۶۷) حج کی فلم بنانا اور سینما کے ذریعہ بتانا جائز ہے یا نہیں؟ حج فلم میں چند فوائد ہیں (۱) حج کی ادائیگی کا

شوق پیدا ہوتا ہے(۲) حج کیسے ادا ہوتا ہے اس کا طریقہ آتا ہے اور حج کرنے والے کو آسانی ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

(الجواب) حج کی فلم بنانا جس میں جانداروں کی تصویریں بھی بیسیوں ہوتی ہیں، جائز نہیں، حرام ہے اور اس کو سینما کے ذریعہ تماشہ کے طور پر پیش کرنا اور کمانے کا ذریعہ بنانا گناہ کا کام ہے، اور اسلامی عبادت، شعائر اسلام، مناسک حج، شواہد مکہ معظمہ، نیز تلاوت قرآن وغیرہ کی توہین کے مرادف ہے، خداوند کریم فرماتے ہیں:۔ **ومن یعظم حرمات اللہ فھو خیر لہ عند ربہ** (ترجمہ) اور جو کوئی خدا کی محترم چیزوں کی تعظیم کرے گا وہ اس کے لئے اس کے پروردگار کے نزدیک بہتر ہے (سورۂ حج) اور فرماتے ہیں:۔ **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب** (ترجمہ) اور جو شخص خدائی یادگاروں کی تعظیم کرے گا تو یہ دلی پرہیزگاری کی بات ہے (سورۂ حج)

فقہاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ مالک دوکان خریدار کے سامنے مال پیش کرتے وقت تسبیح (سبحان اللہ) اور درود شریف پڑھے کہ خریدار پر اثر پڑے اور اس کی نظر میں مال کی رونق بڑھے تو یہ جائز نہیں ہے، اس میں ذکر اللہ کی بے حرمتی ہے، اس لئے کہ مقصد دنیا ہے، ثواب نہیں، سینما وغیرہ تماشوں میں قرأت اور دعا وغیرہ ذکر اللہ کا بھی یہی حکم ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:۔ **یسئلو نک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما** (ترجمہ) (اے نبی) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں (کے استعمال) میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے (بعض) فوائد بھی ہیں اور ان کے گناہ ان کے فوائد سے بڑے ہیں (سورہ بقرہ)

شریعت کا مشہور حکم ہے کہ اگر کسی کام میں فائدہ اور نقصان دونوں ہوں اور وہ کام ضروری نہ ہو (جیسے حج فلم) تو نقصان دیکھتے ہوئے اس کو ترک کردینا ضروری ہے، حضرت حکیم الامت تھانویؒ مثال دے کر سمجھاتے ہیں کہ "ایک شخص مجلس رقص منعقد کرے اور کہے کہ اگرچہ رقص فی نفسہ ممنوع وحرام ہے لیکن میری غرض اس مجلس سے لوگوں کو جمع کرنا ہے تاکہ جمع ہوجانے کے بعد میں اپنی وجاہت سے کام لے کر ان کو نماز پڑھنے پر مجبور کروں اور اسی طرح ان کو نماز پڑھنے کی عادت ہوجائے، تو دیکھئے بظاہر اس مجلس کی غایت کس قدر خوبصورت ہے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو نماز پڑھنے کی عادت ڈالی جاتی ہے لیکن چونکہ اس مجلس میں ایک مصلحت کے ساتھ بہت سے مفاسد بھی ہمدوش ہیں اور مجلس رقص بالذات یا بالغیر مطلوب نہیں جیسا کہ ظاہر ہے اس لئے شریعت اس مصلحت مذکورہ کی وجہ سے اس کی اجازت نہ دے گی بلکہ اس کے مفاسد پر نظر کرکے اس مجلس کے انعقاد سے باز رکھے گی (**الرفیق فی سواء الطریق ج۲ ص ۹۵**)

ہمارے جلیل القدر بزرگ حضرت پیران پیر غوث الاعظمؒ فرماتے ہیں (۱) اگر کوئی کہے کہ مجھے ناجائز گانا بجانا سننے سے یاد الٰہی میں کشش اور رغبت بڑھتی ہے یہ بالکل غلط ہے اس لئے کہ شارع نے گانے بجانے کی نہی کے لئے فرق نہیں کیا ہے (۲) اگر ایسے اعذار اور بہانے قابل قبول ہوتے تو طوائف کا گانا سننا اس کے لئے جائز ہوتا جو دعویٰ کرتا کہ میں اس سے بدمست نہیں ہوتا (۳) اور ایسے شخص کے لئے شراب جائز ہوتی جو دعویٰ کرتا کہ میں اس کے پینے سے نشہ میں نہیں آتا اور بہت سے حرام کاموں سے محفوظ رہتا ہوں (۴) اگر کوئی کہے کہ جب میں حسین و خوبصورت لونڈے اور پرائی عورتوں کو دیکھتا ہوں اور ان کے ہمراہ تنہا بیٹھتا ہوں اور خوبصورتی سے عبرت حاصل کرتا

ہوں تو اس کے لئے یہ ہرگز جائز نہیں ہے بلکہ اس کا ترک کرنا واجب ہے اور حرام چیزوں کے استعمال سے نصیحت و موعظت حاصل کرنا حرام کاری سے بدتر ہے اور وہ شخص خدا کی راہ میں حرام خواری اور حرام کاری کرنا چاہتا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے ایسے لوگ اپنی خواہش اور ہوی (آرزو) کے مطابق چلتے ہیں۔ یہ قابل قبول اور قابل توجہ نہیں ہے ۔ وان قال قائل اسمعها على معان اسلم فيها عند الله تعالىٰ كذبناه لان الشرع لم يفرق بين ذلک ولو جاز لاحد جاز للانبياء عليهم السلام ولو كان ذالاعذار لاجزنا سماع القيان لمن يدعى انه لا بطريه وشرب المسكر لمن ادعى انه لا يسكره فلو قال عادتى انى متى شربت الخمر كففت عن الحرام لم يبح له ولو قال عادتى اذا شهدت المرد والاجنبيات وخلوت بهم اعتبرت فى حسنهم لم يجوز له ذلک واجيب ان الاعتبار بغير المحرمات اكثر من ذلک وانما هذه طريقة من اراد الحرام بطريق الله عزوجل فيركب هولوفلا نسلم لاصحابها ولا نلتفت اليهم (غنية الطالبين ص ۲۵)

خلاصہ یہ کہ حج کی فلم بنانا اور بذریعہ سینما دیکھنا اور دکھلانا، اس میں کسی بھی طرح کی اعانت کرنا نیز اسے بڑھانا ترقی دینا جائز نہیں ہے، ممنوع ہے۔ فرمان خداوندی ہے ولا تعاونوا على الاثم والعدوان واتقوا الله ان الله شديد العقاب (ترجمہ) اور گناہ وظلم کے کام میں مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک (شرعی احکام کی خلاف ورزی کرنے والے کو) اللہ تعالیٰ سخت سزا کرنے والا ہے (سورۂ مائدہ)

حج فلم میں جو فوائد بتلائے جاتے ہیں انہیں حاصل کرنے کے لئے دوسرے طریقے کم نہیں ہیں؟ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

پاسپورٹ وصول کرنے کے لئے رشوت لینا دینا کیسا ہے:

(سوال ۱۶۸) ایک آدمی پر حج فرض ہے۔ اور وہ حج کے پاسپورٹ کے وصول یابی کے لئے رشوت دے سکتا ہے یا نہیں؟ چونکہ اس کے لئے قرعہ اندازی سسٹم ہے تقریباً تین سال تک وصول یابی ممکن نہیں۔ جس بناء پر اس کے جلد حصول کے لئے رشوت دے سکتا ہے؟ دوسرا یہ کہ آئندہ اس کے پاس سفر خرچ (حج کا) نہ رہا یا صحت نہ رہی تو کیا از روئے شرع گنہگار ہوگا؟

(الجواب) دفع ظلم اور اپنے جائز حق حاصل کرنے کے لئے رشوت دینی پڑے تو گنجائش ہے مگر دوسرے کی حق تلفی نہ ہو۔ جس کی رعایت ضروری ہے۔ ولو بالرشوة (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۱۹۸ کتاب الحج) پاسپورٹ کے وصول یابی میں تاخیر ہو جائے اور حج کی رقم ضروری کام میں خرچ ہو جائے تو گنہگار نہیں ہے۔ مگر اس کے ذمہ حج باقی رہے گا۔ خود حج ادا نہ کرے گا تو حج بدل کی وصیت ضروری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آب زمزم سے وضو یا غسل کرنا:

(سوال ۱۶۹) آب زمزم سے وضو یا غسل جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) آب زمزم سے استنجا کرنا مکروہ ہے، تبرکاً (باوضو آدمی کا) وضو یا غسل کرنا مکروہ نہیں (بلکہ مستحب ہے)

غسل جنابت بوقت اشد ضرورت جائز ہے۔درمختار میں ہے یکرہ الا ستنجاء بماء زمزم لا الا غتسال (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۲۵۲ معلم الحجاج ص ۳۳۰ مطلب فی کراھیة الا ستنجآء بماء زم زم) فقط و اللہ اعلم بالصواب .

حجاج کو رخصت کرنے کے لئے عورتوں کا اسٹیشن جانا:

(سوال ۱۷۰) بعض جگہ یہ رواج ہے کہ حجاج کرام جب حج کے لئے جاتے ہیں تو اسٹیشن تک رخصت کرنے کے لئے عورتیں بھی جاتی ہیں، اسٹیشن پر مرد اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے بے پردگی ہوتی ہے شرعاً یہ جائز ہے، یا نہیں؟

(الجواب) یہ رسم مذموم اور بہت سی برائیوں پر مشتمل ہے لہذا قابل ترک ہے حج کے نام پر لوگوں نے عورتوں کا اجتماع اور اختلاط وغیرہ بہت سی ناجائز اور مکروہ رسومات ایجاد کر رکھی ہیں جو بجائے ثواب کے لعنت کی مستوجب بن رہی ہیں، اس لئے اس رسم کو قطعاً بند کر دینا چاہئے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ارکان حج ادا کرنے کی نیت سے حیض روکنے والی دوا استعمال کرنا:

(سوال ۱۷۱) یہاں برطانیہ میں ماہواری (حیض) کو روکنے کے لئے گولیاں ملتی ہیں بعض عورتیں رمضان المبارک اور ایام حج میں ان کو استعمال کرتی ہیں تاکہ روزہ قضا نہ ہو اور حج کے تمام ارکان ادا کر سکے تو اس نیت سے ان گولیوں کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ماہواری (حیض) فطری چیز ہے اس کے روکنے سے صحت پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ ہے اس لئے رمضان میں گولیاں استعمال نہ کرے بعد میں روزوں کی قضا کرلے، حج میں بھی استعمال نہ کرنا چاہئے، طواف زیارت کے سوا تمام افعال ادا کر سکتی ہے اور حیض سے پاک ہونے کے بعد طواف زیارت بھی کر سکتی ہے البتہ اگر وقت کم ہو اور طواف زیارت کا وقت نہ مل سکتا ہو اور باوجود کوشش کے حکومت سے مہلت ملنے کا امکان نہ ہو تو استعمال کی گنجائش ہے مگر صحت پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ ہے اور اس کا مشاہدہ بھی ہے اس لئے حتی الامکان استعمال نہ کرے، الا یہ کہ بالکل ہی مجبور ہو جائے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زمزم شریف اپنے ساتھ لانا:

(سوال ۱۷۲) زمزم شریف کو متبرک سمجھ کر حجاج کرام اپنے ساتھ وطن لاتے ہیں کیا اس کا کوئی ثبوت ہے؟ کچھ لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اس لئے آپ سے تحقیق کرنے کی ضرورت پیش آئی، بینوا توجروا۔

(الجواب) حدیث میں ہے عن عائشة انها کانت تحمل من ماء زمزم تخبر ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان یحمله ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے ساتھ ماء زمزم لے جاتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ زمزم شریف لے جاتے تھے (ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۱۵ کتاب الحج قبیل ابواب الجنائز) اس سے ثابت ہوا کہ حجاج کرام کا زمزم شریف لانا جائز ہے اور باعث برکت ہے، اس پر اعتراض

کرنا صحیح نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حجاج کرام کی دعوت، ہدیہ کالین دین، ان کو رخصت کرنے اور استقبال کرنے کے سلسلہ میں ہونے والے رسم ورواج اور بے احتیاطیوں کا تذکرہ اور ان کا حکم:

(سوال ۱۷۴۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل ذیل میں۔ جو لوگ حج میں جانے والے ہیں ان سے ملنے کے لئے ان کے گھر جانا، کئی دن پہلے سے طرفین کا دعوتوں کا اہتمام کرنا، آنے والی عورتوں کا ہونے والی حجیانی کو دوپٹے (اوڑھنے) دینا، مہمانوں کا مٹھائی لے کر پھول اور سوغاتیں لے کر آنا اور رات دیر تک مجلسوں کا ہونا، حج کے لئے جانے والوں کا سب کو دعوت دینا کیا اتنا ضروری ہے کہ اگر دعوت نہ دے یا نہ لے تو اسے برا سمجھا جائے، اسٹیشن پر غیر محرم مرد و عورتوں کا ہجوم اور بے پردگی وغیرہ رسمی چیزوں کا کیا حکم ہے؟ تفصیل سے تحریر فرمائیں تا کہ لوگوں کو حقیقت کا علم ہو اور یہ اہم رکن اسلام صحت کے ساتھ ادا ہو سکے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! وہو الموفق۔ حجاج کرام کی مشایعت یعنی بقدر ضرورت وتعاون وقرب ان کو رخصت کرنے کے لئے اپنے اخراجات سے جانا اور ان کا استقبال کرنا کار ثواب ہے، حدیث سے اس کا ثبوت ہے۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا لقیت الحاج فسلم علیه وصافحه ومره ان یستغفرلک قبل ان ید خل بیته فانه مغفور لہ رواہ احمد .(مشکوٰۃ شریف ص ۲۲۳ کتاب المناسک)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تم حاجی سے ملو تو سلام کرو، اس سے مصافحہ کرو اور اپنے لئے دعاء مغفرت کراؤ اس سے پہلے کہ وہ گھر پہنچ جائے بے شک وہ بخشے ہوئے ہیں

اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حاجی حج کے لئے روانہ ہوں تو ان کو وداع (چھوڑنے) کے لئے جاؤ اور دعاء خیر کے لئے ان سے تلقین (درخواست) کرو اور جب حج سے آئیں تو ان سے ملو اور مصافحہ کرو قبل اس کے کہ دنیاوی کاروبار میں لگ کر وہ گناہ میں مبتلا ہو جائیں، بے شک ان کے ہاتھ میں برکت ہے، آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی **اللھم اغفر للحاج ولمن استغفر له الحاج** اے اللہ حاجی کی مغفرت فرما اور اس کی بھی جس کے حق میں حاجی دعائے مغفرت کرے۔ (احیاء العلوم ص ۲۲۸ ج ۱، مجالس الابرار ص ۱۴۴ مجلس نمبر ۲۰، فتاوی رحیمیہ ص ۴۸ ج ۲ (جدید ترتیب کے مطابق کتاب الحج میں بعنوان حجاج کرام کا استقبال سے دیکھ لیا جائے۔ از مرتب)

فضائل حج میں ہے: سلف کا معمول تھا کہ وہ حجاج کی مشایعت بھی کرتے تھے اور ان کا استقبال بھی کرتے تھے اور ان سے دعا کی درخواست کرتے تھے۔ اتحاف (فضائل حج ص ۲۲ حدیث نمبر ۸ کے تحت)۔

لیکن عورتوں کا گاؤں اور آبادی سے باہر نکلنا یا اسٹیشن جانا اور وہاں غیر محرم مرد اور عورتوں کا اختلاط اور ہجوم اور بے پردگی ہونا مذموم معیوب اور گناہ کا کام ہے اس پر سخت وعید ہے، مجالس الابرار میں ہے۔

ومن منکراتھم ایضاً خروج النساء عند ذھا بھم وعند مجیئھم فان الواجب علی المرأة قعودھا فی بیتھا وعدم خروجھا من منزلھا وعلی الزوج منعھا عن الخروج ولو اذن لھا وخرجت

کانا عاصیین و الاذن قدیکون بالسکوت فھو کالقول لان النھی عن المنکر فرض ، و ان خرجت بغیر اذن زوجھا یلعنھا کل ملک فی السماء و کل شئی یمرعلیہ الا الا نس و الجن وقد جاء فی الحدیث انہ علیہ السلام قال ما ترکت بعدی فتنۃ اضر من النساء فخروج النساء فی ھذا الزمان من بیوتھن من اکثر الفتن لا سیما الخروج المحرم کخروجھن خلف الجنازۃ ولزیارۃ القبور وعند خروج الحجاج ومجیئھم والخیر قعودھن فی بیوتھن وعدم خروجھن عن منزلھن الا تریٰ انہ تعالی امر خیر نساء الدنیا وھن ازواج النبی علیہ السلام بعدم الخروج من بیوتھن فقال وقرن فی بیوتکن وھذا النظم الکریم وان نزل فیھن الا ان حکمہ یعم الجمیع لما تقرر ان خطابات القرآن تعم الموجودین وقت نزولہ ومن سیوجد الی القیامۃ. (مجالس الابرار ص ۴۵ ۱ مجلس نمبر ۲۰)

حج کے منکرات (رسومات و بدعات) میں سے ایک حاج کرام کے جانے اور لوٹنے کے وقت ان کو رخصت کرنے اور ان کا استقبال کرنے کے لئے عورتوں کا نکلنا ہے، ان کو تو گھروں میں ہی ٹھیری رہنا اور باہر نہ نکلنا ضروری ہے اور شوہر پر ان کو باہر جانے سے روکنا لازم ہے اور اگر اس نے اجازت دی اور وہ نکلی تو دونوں گنہگار ہوں گے، اور بعض اوقات خاموشی بھی اجازت سمجھی جاتی ہے اس لئے کہ برے کام سے روکنا فرض ہے اور اگر وہ شوہر کی اجازت کے بغیر نکلے گی تو آسمان کے کل فرشتے اور جن جن چیزوں پر اس کا گذر ہوتا ہے انسان اور جن کے سوا سب اس پر لعنت بھیجتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے اپنے بعد عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ کی چیز نہیں چھوڑی، پس اس زمانہ میں عورتوں کا اپنے گھروں سے نکلنا سب فتنوں سے زیادہ ہے خصوصا حرام طریق سے نکلنا مثلاً جنازہ کے پیچھے جانا یا قبروں کی زیارت کی غرض سے اور حاجیوں کے آتے اور جاتے وقت نکلنا، ان کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں رہیں اور گھروں سے نہ نکلیں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کی بہترین عورتوں کو اور وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات ہیں ان کو گھر سے نہ نکلنے کا حکم فرمایا چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وقرن۔ تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو..... یہ آیۂ کریمہ اگرچہ ازواج مطہرات کے بارہ میں نازل ہوئی ہے مگر اس آیت مبارکہ کا حکم سب کو شامل ہے اس لئے کہ یہ قاعدہ ہے کہ قرآن مجید کی خطابات ان کو بھی شامل ہوتے ہیں جو قرآن کے نزول کے وقت موجود ہوں اور ان تمام لوگوں کو جو قیامت تک آنے والے ہیں۔

اس عبارت کو غور سے پڑھئے، جب دنیا کی سب سے باکباز عورتیں ازواج مطہرات کو یہ حکم ہے کہ وہ ضرورت شرعی کے بغیر گھر سے نہ نکلیں تو عام عورتوں کے لئے کیا حکم ہوگا وہ بخوبی سمجھا جا سکتا ہے، لہٰذا عورتوں کو شرعی ضرورت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلنا چاہئے اسی میں ان کے دین کی حفاظت ہے۔

اس سلسلہ میں حضور اقدس ﷺ کا عجیب و غریب فیصلہ ملاحظہ فرمائیے۔ الترغیب والترہیب میں حدیث ہے

عن ام حمید امرأۃ ابی حمید الساعدی رضی اللہ عنھا انھا جاء ت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ انی احب الصلوٰۃ معک ،قال قد علمت انک تحبین الصلوٰۃ معی. وصلوتک فی بیتک خیر من صلوتک فی حجرتک وصلوتک فی حجرتک خیر من صلوتک فی دارک وصلوتک فی دارک خیر من صلوتک فی مسجد قومک وصلوتک

فی مسجد قومک خیر من صلوتک فی مسجدی، قال: فامرت فبنی لها مسجد فی اقصیٰ شئی من بیتها واظلمه وکانت تصلی فیه حتی لقیت اللہ عزوجل ، رواہ احمد و ابن خزیمة وابن حبان فی صحیحهما .(الترغیب والترہیب ص ۱۸۷ ج ۱)

ترجمہ:۔حضرت ام حمید ساعدی رضی اللہ عنہا نے بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا مجھے آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہارا شوق بہت اچھا ہے (اور دینی جذبہ ہے) مگر تمہاری نماز اندرونی کوٹھری میں کمرہ کی نماز سے بہتر ہے، اور کمرہ کی نماز گھر کے احاطہ کی نماز سے بہتر ہے اور گھر کے احاطہ کی نماز محلّہ کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے، اور محلّہ کی مسجد کی نماز میری مسجد کی نماز (یعنی مسجد نبوی کی نماز) سے بہتر ہے، چنانچہ حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا نے فرمائش کر کے اپنے کمرے (کوٹھی) کے آخری کونے میں جہاں سب سے زیادہ اندھیرا رہتا تھا مسجد (نماز پڑھنے کی جگہ) بنوائی وہیں نماز پڑھا کرتی تھیں یہاں تک کہ ان کا وصال ہو گیا اور اپنے خدا کے حضور حاضر ہوئیں۔

اس حدیث میں غور کیجئے! حضرت ام حمید ساعدی رضی اللہ عنہا نے حضور پاک ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کا شوق ظاہر کیا تو حضور ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ تم اپنے گھر میں نماز ادا کرو یہ تمہارے لئے میری مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے جب نماز کے لئے نکلنے کو حضور ﷺ نے پسند نہ فرمایا تو بے پردہ حسن کا مظاہرہ کرتے ہوئے بناؤ سنگھار کر کے باہر نکلنے اور اسٹیشن پر جانے کی اجازت کس طرح ہو سکتی ہے؟ حالانکہ وہ خیر القرون کا زمانہ تھا اور آج شر القرون کا زمانہ ہے۔

عورتوں کے لئے غیر محرم مردوں سے پردہ کس قدر ضروری ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایئے۔

عن ام سلمة انها كانت عند رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم و میمونة اذ اقبل ابن ام مکتوم فدخل علیه فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم احتجبا منه فقلت یارسول اللہ الیس هو اعمیٰ لا یبصرنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم افعمیا وان انتما الستماء لا تبصرانه (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۹ باب النظر الی المخطوبة)

ام المومنین ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور حضرت میمونہؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھیں کہ ایک نابینا صحابی حضرت عبد اللہ ابن ام مکتومؓ آپ کے پاس تشریف لائے آپ ﷺ نے ہمیں پردہ کرنے کا حکم فرمایا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو نابینا ہیں ہمیں دیکھ نہیں سکتے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو تم تو دیکھ سکتی ہو۔

نیز حدیث میں ہے:

عن الحسن مرسلاً قال بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال لعن اللہ الناظر و المنظور الیه (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۰ ایضاً)

حضرت حسن سے مرسلاً روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے نامحرم عورت کو دیکھنے والے پر اور اس عورت پر بھی جس کو دیکھا جائے عورت بے پردہ گھر سے نکلے گی تو خود بھی لعنت کی مستحق بنے گی اور مرد اسے دیکھے گا وہ بھی لعنت کا مستحق ہوگا، لہٰذا عورتوں کا اسٹیشن جانا اور بے پردگی کا مظاہرہ کرنا سخت گناہ کا کام ہے

حج کا سفر ہر اعتبار سے بہت مبارک سفر ہے اس مبارک سفر اور حج مبرور پر بڑے بڑے وعدے ہیں، حاجی ایسے مبارک اور مقدس مقامات پر پہنچتا ہے جہاں دعاؤں کی قبولیت کے وعدے ہیں لہذا سفر حج سے پہلے اپنے رشتہ داروں اور متعلقین سے ملنا اور ایک دوسرے سے دعاء کی درخواست کرنا جائز ہے، خاص کر ان رشتہ داروں اور متعلقین سے جن سے بات چیت بند ہو، آپس میں دلوں میں رنجش اور کدورت ہو ان سے مل کر معافی مانگ لینا اور دلوں کا صاف کر لینا بہت ضروری ہے، اسی طرح اگر کسی کا حق باقی ہے، کسی پر ظلم کیا ہو قرض لیا ہوا اور ابھی تک ادا نہ کر سکا ہو تو سفر حج سے پہلے پہلے اس کا حق ادا کر دینا، یا اس کا انتظام کر دینا، اس سے مہلت لے کر اس کو اطمینان دلا دینا ضروری ہے تا کہ اس مبارک سفر کی برکتیں پوری طرح حاصل کر سکے، جس قدر دل کی صفائی کے ساتھ اور حقوق العباد ادا کر کے حرمین شریفین زادہما اللہ عزاً وشرفاً کی حاضری ممنوعات ومکروہات سے بچتے ہوئے اور تمام آداب کی رعایت کرتے ہوئے ہوگی تو انشاء اللہ وہاں کی برکتیں خوب حاصل ہوں گی۔

فضائل حج میں ہے (۷) اپنے سب پچھلے گناہوں سے توبہ کرے، اور کسی کا مال ظلم سے لے رکھا ہو تو اس کو واپس کرے اور کسی اور قسم کا کسی پر ظلم کیا ہو تو اس سے معاف کرائے، جن لوگوں سے اکثر سابقہ پڑتا رہتا ہو ان سے کہا سنا معاف کرائے اگر کچھ قرضہ اپنے ذمہ ہو تو اس کو ادا کرے یا ادائیگی کا کوئی انتظام کر دے۔ الی قولہ۔ علماء نے لکھا ہے کہ جس شخص پر کوئی ظلم کر رکھا ہو یا اس کا کوئی حق اپنے ذمہ ہو تو وہ بمنزلہ ایک قرض خواہ کے ہے جو اس سے یہ کہتا ہے کہ تو کہاں جا رہا ہے کیا تو اس حالت میں شہنشاہ کے دربار میں حاضری کا ارادہ کرتا ہے کہ تو اس کا مجرم ہے اس کے حکم کو ضائع کر رہا ہے حکم عدولی کی حالت میں تو حاضر ہو رہا ہے اس سے نہیں ڈرتا کہ وہ تجھ کو مردود کر کے واپس کر دے اگر تو قبولیت کا خواہش مند ہے تو اس ظلم سے توبہ کر کے حاضر ہو اس کا مطیع اور فرمانبردار بن کر پہنچ ورنہ تیرا یہ سفر ابتداء کے اعتبار سے مشقت ہی مشقت ہے اور انتہاء کے اعتبار سے مردود ہونے کے قابل ہے۔ (فضائل حج، مولانا محمد زکریا صاحب ص ۶۳)

نیز فضائل حج میں ہے: (۱۳) چلنے کے وقت مقامی رفقاء اعزاء واحباب سے ملاقات کر کے ان کو الوداع کہے اور ان سے اپنے لئے دعا کی درخواست کرے کہ ان کی دعائیں بھی اس کے حق میں خیر کا سبب ہوں گی۔ نبی کریم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ جب کوئی آدمی تم میں سے سفر کرے تو اپنے بھائیوں کو سلام کرے ... ان کی دعائیں اس کی دعاء کے ساتھ مل کر خیر میں زیادتی کا سبب ہوں گی، الوداع کہتے وقت مسنون یہ ہے ... یوں کہے: استودع اللہ دینکم و امانتکم وخواتیم اعمالکم (اتحاف) (فضائل حج ص ۶۴ اجمالی آداب)

لہذا کوئی رشتہ دار صلہ رحمی کی نیت سے یا کوئی قریبی تعلق والا اس مبارک سفر کی نسبت پر حاجی کے اعزاز میں سیدھے سادے طریقہ پر پورے اخلاص کے ساتھ اس کی دعوت کرے یا ہدیہ پیش کرے بشرطیکہ دونوں اس کو ضروری نہ سمجھتے ہوں دینے والا صرف رضاء الٰہی کے لئے پیش کرے، دکھاوا، شہرت اور بڑائی ہرگز مقصود نہ ہو اور لینے والے کو بھی پورا اطمینان ہو کہ یہ دل سے اخلاص کے ساتھ ہدیہ پیش کر رہا ہے یا رشوت کر رہا ہے، بدلہ چکانے یا آئندہ وصول کرنے کا بالکل شائبہ نہ ہو تو یہ فی نفسہ مباح ہے اور انشاء اللہ باعث اجر ہے۔

مگر آج کل ان چیزوں پر جس انداز سے عمل ہو رہا ہے وہ عموماً رسم ورواج کے طور پر ہے جیسا کہ سوال میں

نشاندہی کی گئی ہے، اس لئے فی زمانا اب تو ان چیزوں سے احتراز ہی ضروری ہے اور ان رسم ورواج کے بند کرنے کا ہی حکم کیا جائے گا۔

آج کل عموماً ایسا ہوتا ہے کہ حج میں جانے والا اگر دعوت نہ کرے یا لوگ اس کی دعوت نہ کریں تو جانبین برا مانتے ہیں اور دعوتوں کو اس قدر ضروری سمجھ لیا گیا ہے کہ نہ کرنے پر شکایتیں ہوتی ہیں، طعنے سنائے جاتے ہیں اور گاہے ان دعوتوں میں فضول خرچی ہوتی ہے، خوب دھوم دھام ہوتی ہے، بے پردگی ہوتی ہے، غیر محرم مرد اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے، نمازیں قضا ہوتی ہیں، رات دیر تک محفلیں ہوتی ہیں اور ان کے علاوہ دیگر خرافات بھی ہوتے ہیں، یہی حال ہدایا اور سوغات کی لین دین کا ہے، اس کو بھی ضروری سمجھ لیا گیا ہے، یہاں بھی وہی شکایتیں ہوتی ہیں اور نیت بھی عموماً صحیح نہیں ہوتی، دینے والے عموماً دکھاوا، شہرت اور بڑائی کے خیال سے دیتے ہیں کہ اگر نہیں دیں گے تو لوگ کیا کہیں گے، خالی ہاتھ ملاقات کے لئے جانا معیوب اور اپنے لئے باعث خفت سمجھتے ہیں ہدیہ پیش کرنے میں جو اخلاص، للٰہیت اور خوش دلی ہونا چاہئے وہ عموماً نہیں ہوتی، صرف لعن طعن سے بچنے یا بدلہ چکانے یا آئندہ بدلہ وصول کرنے کا خیال ہوتا ہے، اور جو ہدیہ اس خیال سے پیش کیا جائے ایسا ہدیہ تو قبول کرنا بھی جائز نہیں، حدیث میں ہے کسی مسلمان کا مال اس کی دل کی خوشی کے بغیر حلال نہیں، نیز حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے ان لوگوں کی دعوت قبول کرنے سے جو فخر کے لئے کھانا کھلاویں (اصلاح الرسوم ص ۳۲ فصل نمبر ۱ ان رسوم کے بیان میں جن کو عوام مباح سمجھتے ہیں)

حاصل کلام یہ کہ ایک چیز جو مباح کے درجہ میں تھی اسے ضروری سمجھ لیا گیا ہے اور لزوم کا درجہ دے دیا گیا ہے اور شرعی قاعدہ یہ ہے کہ اگر امر مباح کو ضروری سمجھ لیا جائے تو وہ قابل ترک ہے، اور خاص کر اگر اس میں غیر شرعی امور شامل ہو جائیں تو اس کا ترک انتہائی ضروری ہو جاتا ہے۔ اصلاح الرسوم میں ہے۔ قاعدہ دوم، فعل مباح بلکہ مستحب بھی کبھی امر غیر مشروع کے مل جانے سے غیر مشروع وممنوع ہو جاتا ہے، جیسے دعوت میں جانا مستحب بلکہ سنت ہے، لیکن اگر وہاں کوئی امر خلاف شرع ہو اس وقت جانا منع ہو جاوے گا جیسا احادیث میں آیا ہے اور ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہے ... الخ۔ (اصلاح الرسوم ص ۹۷ فصل ہفتم، قاعدہ دوم)

ولیمہ کی دعوت سنت ہے اور یہ دعوت قبول کرنے کی ہدایت کی گئی ہے لیکن اگر اس میں کوئی خرابی شامل ہو جاوے تو اسے "شر الطعام" کہا گیا ہے، حدیث میں ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شر الطعام طعام الولیمۃ یدعیٰ لھا الاغنیاء ویترک الفقراء ومن ترک الدعوۃ فقد عصی اللہ ورسولہ متفق علیہ (مشکوۃ شریف باب الولیمہ ص ۲۷۸)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بدترین کھانا ولیمہ کا وہ کھانا ہے جس میں مالداروں کو دعوت دی جائے اور فقرا کو چھوڑ دیا جائے، اور جس نے دعوت قبول نہ کی تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

معلوم ہوا کہ کوئی چیز فی نفسہ اچھی ہوتی ہے مگر اس میں کسی خرابی کے مل جانے کی وجہ سے وہ بھی خراب ہو جاتی ہے۔

نیز یہ پہلو بھی قابل غور ہے۔ گاہے کسی پر فی نفسہ حج فرض ہوتا ہے مگر اس کے پاس ان رسومات کی ادائیگی کا انتظام نہیں ہوتا تو وہ قرض لے کر یہ رسومات کو ادا کرتا ہے اور بعد میں قرض ادا کرنے کی مستقل فکر رہتی ہے یا پھر حج مؤخر کر دیتا ہے آئندہ سال تک زندہ رہنے کی کیا گارنٹی ہے اور مال باقی رہے گا اس کی کیا سند؟ ممکن ہے کہ وہ ان رسومات کی وجہ سے فریضۂ حج سے محروم رہ جائے اور دنیا و آخرت کا نقصان ہو۔

ایک حاجی صاحب کے متعلق معلوم ہوا کہ ان کو رسم کی پابندی کرتے ہوئے ایک بڑے قافلہ کو اپنے خرچ سے بمبئی لے جانا پڑا، ہوٹل میں ٹھیرایا اس قافلہ کا خرچ سفر حج کے خرچ سے زیادہ ہوا، کتنا بڑا ظلم ہے! اگر اس قسم کے رسم و رواج جاری رہیں تو حج بجائے رحمت کے زحمت اور بجائے نعمت کے قمت بن جائے گا، برا ہو ایسے رسومات کا جو رحمت کو زحمت بنا دے۔

حاجی صاحب کو پھول ہار کرتے ہیں یہ سوائے فضول خرچی کے کچھ نہیں، لہذا ان تمام رسومات کو ختم ہی کرنا چاہئے، ان کو ختم کرنے میں لوگوں کے لئے بڑی سہولتیں ہیں رسمی لین دین کی فکر نہ ہوگی تو آپس میں ملنا ملانا بھی پورے اخلاص کے ساتھ ہوگا ممکن ہے کہ اس رسمی لین دین کی حیثیت نہ ہونے کی وجہ سے ملنے ملانے اور دعاؤں کی درخواست کرنے سے محرومی رہے، غرض ان رسومات کی پابندی میں بڑی زحمتیں اور خلاف شریعت امور کا ارتکاب ہے۔ اس لئے ان کو بند ہی کرنا چاہئے، اس سلسلہ میں آپس میں مل کر مشورے کریں اور علمی طور پر ان کے بند کرنے پر پیش قدمی کریں جن حضرات کو حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہو رہی ہے وہ علی الاعلان لوگوں اور رشتہ داروں سے کہہ دیں کہ رسمی لین دین کی پابندی نہ کریں اور اس کی بالکل فکر نہ رکریں، جو لوگ ایسی پیش قدمی کریں گے اور عملاً ان رسومات کو ختم کریں گے انشاء اللہ اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے، آئندہ بھی جو لوگ اس پر عمل کریں گے انشاء اللہ ان کو ثواب ملے گا۔ حدیث میں ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سن فی الا سلام سنۃً حسنۃ فلہ اجرھا و اجر من عمل بھا من بعدہ من غیر ان ینقص من اجورھم شئی ، ومن سن فی الا سلام سنۃ سیئۃ کان علیہ وزرھا و وزر من عمل بھا من بعدہ من غیران ینقص من اوزارھم شئی ، رواہ مسلم. (مشکوٰۃ شریف ص ۳۳ کتاب العلم . الفصل الاول)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کیا (مثلاً صدقہ کرنے میں یا کسی بری رسم کے مٹانے میں پیش قدمی کی) تو اس کو اس کا ثواب ملے گا، اور اس کے بعد جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان کا ثواب بھی اس کو ملے گا اس کے بغیر کہ ان کے ثواب میں کچھ کمی ہو اور جس شخص نے اسلام میں کوئی بری رسم جاری کی تو اس کو اس کا گناہ ہوگا اور اس کے بعد جو لوگ اس بری رسم پر عمل کریں گے ان کا گناہ اس پر ہوگا اس کے بغیر کہ ان کے گناہ میں کچھ کمی ہو رواہ مسلم۔

اللہ پاک تمام لوگوں کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو صراط مستقیم اور سنت طریقہ پر استقامت اور اسی پر حسن خاتمہ نصیب فرمائے آمین بحرمۃ النبی الا می صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم . احقر الانام سید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہ ۲ . ذی قعدہ الحرام ۱۴۱۷ھ (۱۶/۳/۹۷ء)

باب العمرہ

جدہ میں رہنے والا اشہر حج میں عمرہ کرسکتا ہے یا نہیں :

(سوال ۱۷۴) ہم جدہ میں بغرض ملازمت مقیم ہیں اور یہاں والوں کے قول کے مطابق ہم حلی ہیں اور بعض آدمی کہتے ہیں کہ حلی اشہر حج میں عمرہ نہیں کرسکتا، کیا یہ صحیح ہے؟ اگر عمرہ کرنا جائز ہو اور کرلیا تو دم لازم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر اسی سال حج کا ارادہ ہے تو عمرہ کرنا مکروہ ہے اگر حج کا ارادہ نہیں تو مکروہ نہیں، شامی میں ہے (تنبیہ) یزاد علی الا یام الخمسة مافی اللباب وغیرہ من کراهة فعلها فی اشهر الحج لاهل مکة ومن بمعناهم ای من المقیمین ومن فی داخل المیقات لان الغالب علیهم ان یحجوا فی سنتهم فیکونوا متمتعین وهم عن التمتع ممنوعون والا فلا منع للمکی عن المفرد فی اشهر الحج اذا لم یحج فی تلک السنة ومن خالف فعلیه البیان شرح اللباب ومثله فی البحر (شامی ج۲ ص ۲۰۸ قبیل مطلب فی المواقیت)

زبدۃ المناسک میں ہے۔ مسئلہ: مکہ والوں کو اور جو شخص مکہ والوں کے حکم میں یعنی داخل میقات رہنے والا (یا عین میقات پر رہنے والا) اور جو شخص کہ پہلے اشہر حج سے مقیم مکہ ہے (جیسے کہ آفاقی اشہر حج سے پہلے حلال ہوکر مکہ میں رہا ہو پھر اس پر اشہر حج آ گئے) ان کو عمرہ کرنا اشہر حج میں مکروہ ہے جو کہ اسی سال حج کرنا چاہے اور اگر اس سال حج نہ کرے تو عمرہ اشہر حج میں کرنا ان سب کو مکروہ نہیں (زبدۃ المناسک ج۱ ص ۲۵۵) اسی سال حج کا ارادہ ہوتے ہوئے عمرہ کیا تو دم جبر لازم ہوگا۔ درمختار میں ہے (والمکی ومن فی حکمه یفرد فقط) ولو قرن او تمتع جاز واساء وعلیه دم جبر (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۲۷۰ باب التمتع) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ۔

ایک عمرہ چند آدمیوں کی طرف سے کرنا:

(سوال ۱۷۵) اگر کوئی شخص نفل عمرہ چند آدمیوں کی طرف سے ان کے نام لے کر کرے تو سب کی طرف سے وہ عمرہ کافی ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) نفل عمرہ نفل نماز کے مانند ہے ایک عمرہ کے ثواب میں ایک سے زیادہ کو شامل کیا جاسکتا ہے لیکن اگر چند لوگوں نے عمرہ کرنے کی درخواست کی ہو کہ ہماری طرف سے عمرہ کرنا تب تو ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ عمرہ کرنا ہوگا۔ [1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) فاذا حزم بحجة عن اثنین امره کل منهما بان یحج عنه ، وقع عنه ولا یقدر علی جعله لاحدهما وان احرم عنها بغیر امرهما صح جعله لاحدهما اولکل منهما شامی باب الحج عن الغیر ج ۲ ص ۳۳۶۔

حج کے بعد عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ نہ کر سکا تو حج میں نقص آئے گا یا نہیں:

(سوال ۱۷۶) امسال بندہ حج کے لئے گیا تھا حج کے تمام ارکان الحمدللہ ادا کر لئے حج کے بعد مدینہ منورہ جانا ہوا واپسی کے وقت عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوا لیکن سوء اتفاق کہ اسی روز حرم شریف میں ہنگامہ ہوا جس کی وجہ سے میں طواف نہ کر سکا اور نہ سعی کر سکا کیونکہ پورا حرم بند تھا چار روز تک انتظار کیا، مجبوراً حرم نہ کھلنے کی وجہ سے حرم میں ایک دم ذبح کر کے احرام سے حلال ہو گیا، کیا میرے اس عمل کی وجہ سے حج یا عمرہ میں کچھ خلل آیا؟ اگر کچھ خلل آیا ہو تو اب اس کی تلافی کی کیا صورت ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد حرم شریف میں ہنگامہ کی وجہ سے آپ عمرہ کے افعال ادا نہ کر سکے اور ایک دم حرم میں ذبح کر کے حلال ہو گئے آپ کا یہ فعل صحیح ہے اور مجبوری تھی اس لئے گناہ بھی نہ ہوگا اور اس سے حج میں کچھ خلل نہیں آیا ہاں آپ پر اس عمرہ کی قضا ضروری ہے جب بھی موقع ملے عمرہ کی قضا کر لی جائے (ویجب علیه ان حل من حجه) ولو نفلاً (حجة) بالشروع (وعمرة) للتحلل ان لم یحج من عامه (وعلی المعتمر عمرة) ای علی المعتمر اذا احصر قضاء عمرة الخ (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۳۲۲) فقط واللہ اعلم بالصواب . ۱۲ جمادی الاولی ۱۴۰۰ھ.

ایام حج میں عمرہ کرنا:

(سوال ۱۷۷) ہم لوگ سعودی عربیہ میں بسلسلۂ ملازمت مقیم ہیں حج کے لئے چھ سات دن کی چھٹی ملتی ہے ہم لوگ آٹھویں ذی الحجہ کو مکہ معظمہ پہنچے اور اس روز عمرہ کیا اس کے بعد تیرہویں ذی الحجہ کو واپس لوٹنا ضروری ہے تو نویں ذی الحجہ سے لے کر ۱۲ ذی الحجہ کے درمیان عمرہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایام حج (یعنی ۹ ذی الحجہ سے لے کر ۱۳ ذی الحجہ تک) میں عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کرنا مکروہ تحریمی ہے، چھٹی نہ ملنے کا عذر معتبر نہیں ہے، معلم الحجاج میں ہے۔

"عمرہ تمام سال میں کرنا جائز ہے صرف پانچ روز (۹ ذی الحجہ سے ۱۳ ذی الحجہ تک) میں عمرہ کا احرام باندھنا مکروہ تحریمی ہے، اگر ان ایام میں احرام نہیں باندھا بلکہ پہلے سے احرام بندھا ہوا تھا تو پھر مکروہ نہیں مثلاً کوئی شخص پہلے سے احرام باندھ کر آیا اور اس کو حج نہیں ملا اور اس نے ان ایام میں عمرہ کر لیا تو مکروہ نہیں۔ لیکن اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ ان پانچ روز کے بعد عمرہ کرے۔ (معلم الحجاج ص ۲۲۳) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب النکاح

نکاح میں ایجاب وقبول کا طریقہ:

(سوال ۱۷۸) استفتاء جدید ۹۶۴)(۱) یہاں نکاح کی ایک مجلس میں نکاح پڑھانے والے مولانا صاحب نے وکیل، منکوحہ، وشاہدین، اور ناکح ومنکوحہ کے رشتہ دار وغیرہ اہل مجلس کے حاضر ہو جانے کے بعد اور نکاح کا خطبہ شروع کرنے سے پہلے وکیل سے پوچھا۔''کیا میں نکاح پڑھادوں۔''؟اس کے جواب میں وکیل نے کہا جی ہاں پھر نکاح پڑھانے والے مولانا صاحب نے نکاح کا خطبہ پڑھا اور اس کے بعد وکیل سے کہا''کیا آپ نے اپنی مؤکلہ مسماۃ فلاں کی ذات کو فلاں شخص کے نکاح میں دی۔''یا''آپ نے اپنی مؤکلہ مسماۃ فلاں کو فلاں شخص کے نکاح میں دی۔''یہ پوچھنا بھول گئے۔اور وکیل سے ایجاب کے الفاظ کہلائے بغیر نوشہ سے خطاب کر کے یہ فرمایا۔فلاں وکیل نے اس کی مؤکلہ مسماۃ فلاں کی ذات کو آپ کے نکاح میں دی (حالانکہ وکیل سے پوچھنا بھول گئے تھے۔اور وکیل نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں نے میری مؤکلہ کا نکاح کرادیا) آپ نے قبول کی؟ نوشہ نے کہا۔میں نے قبول کیا! صورت مسئولہ میں نکاح منعقد ہو گیا یا نہیں؟

(۲) اہل مجلس کے حاضر ہو جانے کے بعد اور نکاح کا خطبہ پڑھنے سے پہلے مولانا صاحب کا وکیل سے پوچھنا کہ میں نکاح پڑھادوں؟ اور اس کے جواب میں وکیل کا کہنا۔جی ہاں! کیا یہ ایجاب کے الفاظ ہو سکتے ہیں؟

(۳) وکیل کے یہ کہے بغیر کہ''میں نے اپنی مؤکلہ فلاں شخص کے نکاح میں دی۔''مولانا صاحب کا یہ کہنا۔''فلاں وکیل نے اپنی مؤکلہ آپ کے نکاح میں دی۔''کیا یہ الفاظ ایجاب ہو سکتے ہیں؟

(۴) وکیل کے یہ کہے بغیر کہ''میں نے میری مؤکلہ فلاں کے نکاح میں دی۔''مولانا صاحب کے خلاف واقعہ یہ کہنے سے کہ فلاں وکیل نے اس کی مؤکلہ آپ کے نکاح میں دی اور نوشہ کے یہ کہنے سے کہ میں نے قبول کی نکاح فضولی ہو جائے گا؟ نکاح فضولی کی صورت تو یہ ہے کہ نکاح پڑھانے والا یہ کہے کہ میں نے فلانی عورت کو آپ کے نکاح میں دی اور ناکح کہے کہ میں نے قبول کی۔) بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) اصل مسئلہ یہ ہے کہ وکیل بالنکاح خود نکاح پڑھائے۔بلا اجازت مؤکلہ دوسرے کو نکاح پڑھانے کی اجازت دینے کا اس کو اختیار نہیں ہے۔" لا یوکل الوکیل باذن او تعمیم تفویض." (اشباہ والنظائر کتاب الوکالۃ ص ۳۶۴) اگر وکیل بالنکاح نے بلا اجازت مؤکلہ دوسرے کو نکاح پڑھانے کی اجازت دے دی اور اس نے نکاح پڑھادیا تو بعض کے نزدیک یہ نکاح فضولی ہوگا۔اور دلہن کی قولی یا فعلی اجازت پر موقوف و منعقد ہوگا۔اور بعض فقہاء رحمہم اللہ اس کے قائل ہیں کہ وکیل اول مجلس نکاح میں موجود ہو تو نکاح نافذ ولازم ہو جائے گا۔اور یہی مختار و معمول بہا ہے۔الوکیل بالتزوج لیس لہ ان یؤکل غیرہ ' فان فعل فزوجہ الثانی بحضرۃ الاول جاز." (فتاویٰ قاضی خان فصل فی التوکیل بالنکاح والطلاق والعتاق ج۳ ص ۵۸۰.فتاویٰ عالمگیری ص ۲۰ ج۲)

لہٰذا صورت مسئولہ میں جب کہ نکاح خواں نے وکیل سے پوچھا کہ نکاح پڑھادوں؟ اور وکیل نے کہا۔ جی ہاں! (پڑھادو) تو یہ توکیل ہے مجلس نکاح اور عرف عام اس کا قرینہ ہے۔ اور دلہن بھی جانتی ہے کہ نکاح دوسرا شخص پڑھائے گا۔ تو اسے دلہن کی اجازت پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ (لان المعروف کالمشروط) اس کے بعد نکاح خواہ کا نوشہ سے خطاب کرکے یہ کہنا کہ فلاں وکیل نے اپنی مؤکلہ مسماۃ فلانی کی ذات کو آپ کے نکاح میں دی آپ نے قبول کی؟ یہ ایجاب ہے۔ جواب میں نوشہ کا یہ کہنا کہ میں نے قبول کی، یہ قبول ہے۔ "الا صل ان الآمر متیٰ حضر جعل مباشراً (درمختار) (وقوله جعل مباشراً) لانه اذا کان فی المجلس تنتقل العبادة الیه کما قدمناه (شامی ص ۳۷۷ ج ۲ کتاب النکاح)

مزید تشفی اور معلومات کے لئے دو فتوے نقل کئے جاتے ہیں۔

(۱) (سوال ۴۲) دختر کے والد نے نکاح خواں سے کہا کہ ہماری لڑکی کا نکاح کردو۔ نکاح خواں نے اس طرح کردیا تم نے اے عمر زید کی لڑکی بعوض ۱۰۰۰ روپے مہر کے قبول کی؟ اس نے کہا۔ ہاں میں نے قبول کی۔ اس سے نکاح ہوگیا یا نہیں؟ نکاح خواں باپ کا وکیل ہے یا عورت کا؟

(الجواب) اس صورت میں ایجاب وقبول مذکور کے ساتھ جب کہ دوروبرو شاہدین کے ہوا نکاح صحیح ہوگیا۔ نکاح خواں عورت کے باپ کا وکیل ہے۔ (سوال کے جواب میں حوالہ پہلے گذر چکا ہے از مرتب)۔ (فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل حضرت مفتی عزیز الرحمٰن ج ۷ ص ۶۵)

(۲) (سوال ۱۳۷) ایک شخص نے میانجی کو کہا کہ میں نے تجھ کو اجازت دی ہے۔ پھر میانجی نے مرد کو کہا کہ فلانی عورت تم نے قبول کی؟ اس نے کہا۔ "میں نے قبول کی۔" اس صورت میں نکاح منعقد ہوگیا یا نہیں؟ یہاں ایجاب و قبول میں سے صرف ایک جزو موجود ہے؟

(الجواب) اس صورت میں نکاح منعقد ہوگیا۔ کیونکہ میانجی وکیل ہے ولی دختر کی طرف سے پس میانجی نے جو کلام شوہر سے کیا کہ "فلانی عورت کو تم نے قبول کیا؟" یہ ایجاب ہے۔ اور جب شوہر نے کہا "میں نے قبول کیا" تو یہ قبول ہوا۔ پس یہ دونوں رکن یعنی ایجاب وقبول پائے گئے۔ ایضاً (فتاویٰ دارالعلوم ص ۲۹ ج ۷) اگر نکاح خواں نے وکیل سے اجازت لئے بغیر ایجاب وقبول کرادیا۔ اور وکیل مجلس نکاح میں موجود ہے۔ اور اس نے بعد نکاح قول سے اجازت دے دی۔ یا فعل اور حال سے رضامندی ظاہر کی تو نکاح کے نفاذ ولازم ہونے کے لئے کافی ہوگیا۔ الوکیل اذا وکل بغیر اذن او تعمیم واجاز ما فعله وکیله نفذ الا الطلاق والعتاق (الا شباه) قوله واجاز مافعله، وکیله اقول وکذا لو عقد اجنبیة فاجا زا لاول (حموی شرح الا شباه والنظائر ص ۳۱۸ کتاب الوکالة) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) یہ ایجاب نہیں ہے توکیل ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۳) وکیل اول کی حاضری میں یہ الفاظ ایجاب کے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۴) وکیل اول کی عدم موجودگی میں نکاح فضولی ہوگا اور دلہن کے قولی یا فعلی اجازت پر موقوف ومنعقد ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نکاح کا خطبہ کب پڑھنا چاہئے:

(سوال ۱۷۹) خطبۂ نکاح۔ نکاح سے پہلے پڑھے یا بعد میں پڑھنا چاہئے؟

(الجواب) نکاح کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ مجلس نکاح میں اولاً خطبہ پڑھا جائے بعدہٗ ایجاب وقبول کیا جائے۔ (۱)

نکاح میں خطبہ نہ پڑھے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۸۰) نکاح سے پہلے یا بعد میں خطبہ پڑھا ہی نہ جائے تو نکاح ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) اگر خطبہ نہ پڑھا گیا تو نکاح ہو جائے گا مگر خلاف سنت ہوگا، برکات سے محروم رہے گا۔ (۲)

خفیہ طور پر (خانگی میں) نکاح پڑھے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۱۸۱) خانگی میں (چپ چاپ) نکاح پڑھے تو صحیح ہے؟

(الجواب) اگر ایجاب وقبول کے وقت شرعی گواہ موجود ہوں تو نکاح صحیح ہے۔ لیکن بلا عذر خفیہ نکاح پڑھنا خلاف سنت ہے کہ نکاح کا اعلان کرانا چاہئے۔ (حاشیہ ملا ازمرتب)۔

دلہن سے اجازت لینے کے وقت گواہوں کا ہونا:

(سوال ۱۸۲) دلہن کے سامنے اجازت لینے کے وقت گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

(الجواب) دلہن کے سامنے اجازت لینے کے وقت گواہوں کا موجود ہونا ضروری نہیں۔ (ہاں بہتر ہے) البتہ ایجاب وقبول کے وقت جس میں عورت کا وکیل یا ولی موجود ہے گواہوں کا ہونا ضروری ہے (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۳۰۴) اور شامی میں ہے:۔

واعلم انه لا يشترط الشهادة على الوكالة بالنكاح بل على عقد الوكيل وانما ينبغي ان يشهد الوكالة اذا خيف جحد المؤكل اياها فتح (ج ۲ ص ۴۴۲ مطلب في الوكيل والفضول في النكاح) فقط والله اعلم بالصواب.

خطبۂ نکاح کا مسنون طریقہ کیا ہے:

(سوال ۱۸۳) عقد نکاح کے وقت خطبہ کھڑے کھڑے پڑھنا سنت ہے یا بیٹھے بیٹھے؟

(الجواب) اصل خطبوں میں کھڑے ہو کر ہی پڑھنا ہے۔ مگر بیٹھ کر بھی جائز ہے۔ ہندوستان میں عام طور پر اب یہی رواج ہے۔ عرب میں بھی اب یہی رواج ہو گیا ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام نمبر ۹۴ ص ۳۰۵)

---

(۱) قوله وتقديم خطبة بضم الخاو ما يذكر قبل اجراء العقد من الحمد والتشهد شامی کتاب النکاح ج ۲ ص ۳۵۹.

(۲) ويستحب ان يكون النكاح ظاهرا وان يكون قبله خطبة. بحر الرائق کتاب النکاح قبيل قوله وينعقد الخ.

نکاح کا وکیل اپنا نائب بنا سکتا ہے یا نہیں:

(سوال ۱۸۴) بوقت نکاح دلہن کا وکیل خود نکاح نہیں پڑھاتا ہے نائب یا قاضی وغیرہ کو سپرد کرتا ہے تو وکیل دوسرے کو نائب بنا سکتا ہے۔ اس سے نکاح میں کوئی حرج تو نہیں؟

(الجواب) وکیل کو اختیار نہیں کہ دوسرے کو نکاح خوانی کا وکیل بنائے۔ ہاں وکیل اول کی حاضری میں دوسرا وکیل نائب قاضی وغیرہ نکاح کرے تو کوئی حرج نہیں آتا نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ **الوکیل بالتزوج لیس له ان یو کل غیره فان فعل فزوجه الثانی بحضرة الاول جاز** یعنی۔ وکیل نکاح کو حق نہیں کہ دوسرے کو وکیل بنائے۔ اگر اس نے ایسا کیا اور وکیل ثانی نے پہلے کی حاضری میں نکاح خوانی کی تو نکاح درست ہو گیا۔ (ج ۳ ص ۵۸۰ فصل فی التوکیل بالنکاح الخ)

دلہا، دلہن، کنگنا باندھے۔ ناریل ہاتھ میں لے کر نکاح پڑھے تو کیا حکم ہے؟:

(استفتاء ۱۸۵) ہمارے یہاں شادی کے موقع پر دلہا، دلہن، ہاتھ میں کنگنا باندھتے ہیں۔ اس کے ساتھ تالی اور انگوٹھی بھی ہوتی ہے۔ باندھتے وقت چھ ۶، سات ۷ گرہ بھی لگاتے ہیں۔ اور اس کے لئے مدت متعین ہے۔ جسے درمیان میں نہ چھوڑے۔ ہاتھ میں ناریل ہوتا ہے۔ جس میں پانی ہونا ضروری ہے۔ غرض کہ نکاح کے وقت ان چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ اور یہ پرانی رسم ہے۔ بعض جگہ نہیں باندھتے۔ کسی جگہ امام صاحب چھڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دوسروں کا طریقہ ہے۔ کبھی کسی مصلحت کی وجہ سے نکاح پڑھاتے ہیں۔ تو کیا یہ چیزیں اسلام میں داخل ہیں؟ جو اس کو ضروری سمجھے کیا وہ گنہگار ہے؟ امام صاحب نکاح پڑھائے تو کوئی حرج ہے؟

(الجواب) شادی کے وقت دولہا، دلہن کے ہاتھ میں کنگنا باندھتے ہیں۔ یہ اسلامی طریقہ نہیں ہے۔ کفار اور دوسری ملت والوں کا رواج ہے۔ (مراۃ الحق۔ فتاویٰ مومنین) مسلمانوں کو چاہئے کہ اس سے احتراز کریں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ "جس نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی۔ وہ اسی میں شامل ہو گیا" (ابوداؤد شریف)

اگلے انبیاء میں سے کسی نبی پر وحی بھیجی گئی کہ اپنی قوم سے کہہ دو۔ "**لا یدخل مداخل اعدائی لا یلبس ملابس اعدائی . ولا یرکب مراکب اعدائی . ولا یطعم مطاعم اعدائی . فیکون اعدائی کما هم اعدائی**." یعنی۔ وہ میرے دشمنوں کے داخل ہونے کی جگہ سے داخل نہ ہو، میرے دشمنوں کے لباس جیسا لباس نہ پہنے، اور میرے دشمنوں کی سواریوں پر سوار نہ ہو۔ اور میرے دشمنوں کے کھانے جیسا کھانا نہ کھائے (یعنی تمہارے اور ان کے درمیان امتیاز ضروری ہے) ورنہ تمہاری قوم بھی اسی طرح میرے دشمنوں کے زمرے میں داخل ہو جائے گی۔ جیسے وہ میرے دشمن ہیں۔ (کتاب الزواجر عن اقتراف الکبائر ص ۱۱ ج ۱)

اسی لئے فقیہ، محدث، قاضی ثناء اللہ تحریر فرماتے ہیں "مسلم را تشبہ بکفار و فساق حرام است" (مالا بد منہ ص ۱۳۱) اسی طرح دولہا، دولہن کے ہاتھ میں ناریل لینا نکاح کے وقت، یہ کفار کا رواج ہے۔ اور ان کا ٹوٹکا ہے۔ جس میں تشبہ کے ساتھ ساتھ شرک کا بھی جزو ہے۔ ایسی رسوم اور ایسے عقیدوں سے مسلمان توبہ کریں۔ جو ایمان کو ضعیف اور تباہ کرنے والے ہیں۔ ہاتھ میں پھول ہار کی رسم بھی اسلامی نہیں، قابل ترک ہے۔ نکاح پڑھانے والے قاضی

صاحب قابل مبارک باد ہیں۔ اگر اس طرح تنبیہ کرتے رہیں گے۔ نصیحت کرتے رہیں گے۔ اور نفرت دلاتے رہیں گے تو قلیل مدت میں یہ رسم بد ختم ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ کوشش کرنے والے اور عمل کرنے والے اجر عظیم کے مستحق ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غیر مسلم جج کے سامنے لڑکا لڑکی ایجاب وقبول کریں تو نکاح منعقد ہوگا یا نہیں. اور یہ طریقہ سنت کے مطابق ہے یا نہیں :

(سوال ۱۸۶) لڑکی برطانیہ (انگلینڈ) میں ہے اور لڑکی والے لڑکے کو شادی کے لئے بلاتے ہیں تو انگلینڈ کے قانون کے مطابق وہاں پہنچ کر نکاح رجسٹر کرانے کے لئے سرکاری دفتر میں غیر مسلم جج کے سامنے وکیل اور گواہوں کی موجودگی میں لڑکا لڑکی ایجاب وقبول کرتے ہیں جس میں خطبہ دعا وغیرہ کچھ نہیں ہوتا تو یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس کو سنت کے مطابق کہہ سکتے ہیں؟ بعد میں اسلامی طریقہ کے مطابق نکاح کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور یہ نکاح فوراً کیا جائے یا دو تین ماہ کی تاخیر سے کر سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگرچہ سرکاری دفتر میں غیر مسلم جج کے روبرو دو مسلمان مرد یا ایک مسلمان مرد اور دو مسلمان عورتوں کی موجودگی میں باقاعدہ ایجاب وقبول ہو جانے سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور حقوق زوجیت بھی حاصل ہو جاتے ہیں[1] لیکن نکاح کا یہ طریقہ خلاف سنت ہے، مسنون طریقہ یہ ہے کہ نکاح علی الاعلان ہو اور خطبۂ ماثورہ پڑھا جائے، لہذا قانونی کارروائی کے بعد گھر آ کر فوراً مسنون طریقہ سے نکاح کر لیا جائے، تاخیر کرنا غیر ضروری، نامناسب اور خلاف مصلحت ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نکاح ثانی کے متعلق خاوند کی وصیت :

(سوال ۱۸۷) شوہر نے انتقال سے پہلے مجھ سے تندرستی کی حالت میں چند وجوہات کی بنا پر وعدہ لیا ہے کہ میرے انتقال کے بعد دوسری شادی جلد کر لینا، اب کیا کرنا چاہئے، ایک طرف وعدہ کا خیال اور دوسری طرف شرمندگی ہے کہ لوگ کیا کہیں گے میں کیا کروں؟ رہنمائی فرمائیں! بینوا توجروا۔

(الجواب) شوہر نے وعدہ نہ بھی لیا ہو تب بھی اگر قابل نکاح ہو اور اچھا موقع میسر آ جائے تو قبول کر لینا چاہئے، اس میں شرمندگی کی کوئی بات نہیں ہے، شریعت کا حکم ہے قرآن میں ہے **وانکحو الایامی منکم** یعنی تم میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دو۔ حدیث میں بیوہ عورت کے نکاح کی بڑی فضیلت آئی ہے، حضرت پیران پیر شاہ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں انہ قال لیس شئی خیراً للمرأۃ من زوج او قبر یعنی عورت کے لئے آغوش شوہر اور قبر سے کوئی چیز بہتر نہیں۔ یعنی عورت کی بھلائی اور عزت اس میں ہے کہ وہ شوہر کے پاس ہو یا پھر قبر کے اندر ہو۔ اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا **مسکینۃ مسکینۃ امرأۃ لیس لہا زوج قیل یارسول اللہ وان کانت**

---

(۱) وینعقد بایجاب وقبول وضعا للماضی او احدھما ... عند حرین او حر و حرتین عاقلین بالغین مسلمین ولو فاسقین الخ فلم یصح بغیر شھود لحدیث الترمذی البغایا اللاتی ینکحن انفسھن من غیر بینہ بحر الرائق ج. ۳ ص ۸۷.

غنية من المال قال صلی اللہ علیه وسلم وان كانت غنية من المال. یعنی غریب مسکین ہے غریب مسکین ہے غریب مسکین ہے وہ عورت جو شوہر نہ رکھتی ہو، لوگوں نے عرض کیا اگر چہ وہ مالدار ہو، فرمایا اگر چہ مالدار ہو تب بھی وہ (شوہر کے بغیر) غریب مسکین ہے۔ (غنیۃ الطالبین ج ا ص ۳۲) لہذا پریشان نہ ہو اور پڑھتی رہو انا للہ وانا الیہ راجعون اللّٰھم عندک احتسب مصیبتی فاجرنی فیھا وابدلنی خیراً (بے شک ہم اللہ کے ہیں اور بے شک ہم اسی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ آپ کے پاس اجر و ثواب مانگتی ہوں میں اپنی مصیبت کا، پس اجر و ثواب دے اس میں اور بدلہ میں دے مجھے اس سے بہتر)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وکیل کی موجودگی میں قاضی صاحب نکاح پڑھادیں تو کیسا ہے؟:

(سوال ۱۸۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں امام صاحب نکاح پڑھاتے ہیں، ایک مجلس نکاح میں دلہن کے وکیل نے حسب دستور امام صاحب سے نکاح پڑھانے کی درخواست کی، امام صاحب نے خطبہ پڑھا اور دولہا کو مخاطب کر کے کہا کہ فاطمہ بی بی اسمٰعیل سے سیدات کی ذات کو ان وکیل صاحب کی وکالت سے اور ان دو گواہوں کی گواہی سے حاضرین کے روبرو اتنی مہر کے عوض آپ کے نکاح میں دیا آپ نے قبول کیا، دولہا نے کہا کہ قبول کیا تو نکاح ہو گیا یا نہیں؟ ایک غیر مقلد مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ نکاح نہیں ہوا اس لئے کہ ایجاب نہیں پایا گیا جو کہ رکن ہے لہذا دوبارہ نکاح پڑھانا چاہئے ورنہ زناکاری ہوتی رہے گی، کیا یہ اعتراض صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں نکاح خوان نے وکیل کی اجازت سے خطبہ نکاح پڑھ کر وکیل کی موجودگی میں اور شرعی گواہوں کی حاضری میں دولہا کو مخاطب کر کے کہا کہ فاطمہ بی بی اسمٰعیل سیدات کو ان وکیل کی وکالت سے اور ان دو گاہوں کی گواہی سے حاضرین مجلس کے روبرو اتنی مہر کے عوض میں آپ کے نکاح میں دیا، آپ نے قبول کیا؟ (یہ ایجاب ہے) اس کے جواب میں ناکح نے کہا کہ قبول کیا (یہ قبول ہے) ایجاب وقبول دونوں پائے گئے لہذا نکاح منعقد ہو گیا۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے الوكيل بالتزوج ليس له ان يوكل غيره فان فعل فزوجه الثانی بحضرة الاول جاز (ج۳ ص ۵۸۰ فصل فی التوكيل بالنكاح الخ) (فتاویٰ رحیمیہ اردو ج ۸ ص ۱۴۸. فتاویٰ رحیمیہ گجراتی ج۲ ص ۹۹. ۱۰۰ انگلش ج۲ ص ۱۵۶) فقط واللہ اعلم بالصواب.

سول میرج کا حکم:

(استفتاء ۱۸۹) میں نے اور قمر النساء نے والدین سے چھپ کر کورٹ میں جا کر سول میرج کر لیا، بعد میں جب لڑکی کے والدین کو یہ بات معلوم ہوئی تو بہت ناراض ہوئے اور اپنی لڑکی سے کہا اگر تو نے کورٹ میں جا کر یہ نکاح ختم نہ کیا تو تجھے مار ڈالیں گے اور مجھے بھی سخت دھمکیاں دیں اس لئے ہم دونوں کورٹ گئے اور لڑکی نے اپنے والدین کی حاضری میں یہ درخواست دی کہ میں سابقہ نکاح ختم کرتی ہوں چنانچہ کورٹ کی جانب سے سابقہ نکاح ختم کر دیا گیا مگر

ہم دونوں نے صرف ظاہراً والدین کو دکھانے کے لئے یہ کام کیا تھا ورنہ ہم دونوں خفیہ یہ عہد کر چکے ہیں کہ کبھی نہ کبھی والدین کو رضامند کر کے ایک دوسرے سے ازدواجی رشتہ قائم کرلیں گے، اب ایک مولوی صاحبؒ کہتے ہیں کہ کورٹ میں جب نکاح ختم کردیا تو طلاق مغلظہ ہوگئی اور اب بغیر شرعی حلالہ کے تم ایک دوسرے سے منسلک نہیں ہوسکتے، اگر والدین رضامند ہوجائیں تو بغیر حلالہ کے ہم دونوں نکاح کرسکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں لڑکے اور لڑکی نے کورٹ میں جا کر سول میرج کیا ہے اس سے شرعاً نکاح منعقد نہیں ہوا اس لئے کہ نکاح صحیح ہونے کے لئے دو شرعی گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول ضروری ہے،[1] اور دونوں نے کورٹ میں جا کر جج کے سامنے جو تفریق اختیار کی وہ طلاق نہیں ہے، جب نکاح ہی منعقد نہیں ہوا تو طلاق کیسی؟ مولوی صاحب کا بیان صحیح نہیں ہے، آپ دونوں سول میرج کے بعد بھی اجنبی تھے اور سول میرج ختم کرنے کے بعد بھی اجنبی ہیں اگر آپ دونوں باہم کفو ہیں یا لڑکی کے اولیاء رضا مند ہیں تو نکاح ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۹/۹۹/۱۳۹۹ھ۔

منگنی ہوجانے کے بعد لڑکے اور لڑکی کا آزادانہ ملنا اور خلوت میں رہنا:

(سوال ۱۹۰) ہمارے یہاں خطبہ (منگنی) ہوجانے کے بعد لڑکا اور لڑکی نکاح ہونے سے پہلے دونوں بالکل آزادانہ میاں بیوی کی طرح ملتے ہیں لڑکا تفریح کے لئے لڑکی کو اپنے ساتھ لے جاتا ہے، ماں باپ بھی خوشی سے اجازت دے دیتے ہیں اور اگر کبھی چھٹی کے دن آگئے تو کئی کئی دنوں تک دونوں تنہا گھومتے رہتے ہیں، کیا صرف منگنی ہوجانے کے بعد اس طرح آزادانہ ملنا تفریح کے لئے جانا اور خلوت میں رہنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) منگنی نکاح کا وعدہ ہے نکاح نہیں ہے اس لئے آزادانہ ساتھ پھرنا اور خلوت میں رہنا حرام ہے، صحبت کرنا زنا کے حکم میں ہے بچہ ہوگا تو حرامی شمار ہوگا اگر منگنی کے بعد الگ رہنا ناقابل برداشت ہے تو نکاح ہی کرلیا جائے۔[2]
فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شادی سے پہلے لڑکی کو بشہوت دیکھنا:

(سوال ۱۹۱) زید ایک غیر شادی شدہ آدمی ہے وہ صفیہ سے شادی کرنا چاہتا ہے تو کیا شادی سے پہلے وہ صفیہ کو دیکھ سکتا ہے؟ اگرچہ شہوت کا اندیشہ ہو؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب کہ زید صفیہ سے شادی کرنے کا مصمم ارادہ رکھتا ہے تو وہ اسے حسب ضرورت دیکھ سکتا ہے، اگرچہ شہوت کا اندیشہ ہو (وکذا مرید نکاحها) ولو عن شهوة بنية السنة لاقضاء الشهوة (قوله بنية السنة) ولو اراد ان يتزوج امرأة فلا باس ان ينظر اليها وان خاف ان يشتهيها لقوله عليه الصلوٰة والسلام للمغيرة بن شعبة حين خطب امرأة انظر اليها فانه احرى ان يودم بينكما رواه الترمذي

---

(۱) ولا ينعقد نكاح المسلمين الا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين الخ هدايه كتاب النكاح ج ۲ ص ۳۶۔

(۲) اوهل اعطتنيها ان المجلس للنكاح وان للوعد فوعد، درمختار مع الشامي كتاب النكاح ج ۲ ص ۳۶۴۔

والنسائی وغیرھما (شامی ج۵ ص ۳۲۵ کتاب الحظر والاباحۃ باب فی النظر واللمس)فقط واللہ اعلم بالصواب .

جس سے شادی کا ارادہ ہو لڑکی کا اس کو اپنا فوٹو بھیجنا؟:

(سوال ۱۹۲)لڑکا انگلینڈ میں ہے اور لڑکی ہندوستان میں وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے تو لڑکی اپنا فوٹو کھچوا کر لڑکے پر بھیج سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فوٹو کی اجازت نہیں خود آ کر دیکھ لے یا کسی اور جائز طریقہ سے اطمینان حاصل کر لے۔(سابقہ سوال میں حوالہ ملاحظہ کیا جائے۔ازمرتب)۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

میاں بیوی دونوں مسلمان ہو گئے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۹۳)شوہر اور بیوی پہلے ہندو تھے اور کچھ مدت کے بعد دونوں نے اسلام قبول کر لیا تو کیا دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) شوہر اور بیوی پہلے ہندو تھے اور انہوں نے ہندو طریقہ کے مطابق نکاح کیا تھا اور اس کے بعد خدا کی توفیق سے دونوں مسلمان ہو گئے تو دوبارہ نکاح کرنا ضروری نہیں ۔اسلام لانے کے بعد بلا تجدید نکاح دونوں میاں بیوی کی طرح رہ سکتے ہیں، ہدایہ میں ہے واذا تزوج الکافر و بغیر شھود اوفی عدۃ کافر وذلک فی دینھم جائز ثم اسلما اقرا علیہ وھذا عندابی حنیفۃ (ھدایہ اولین ص ۳۲۴)باب نکاح اھل الشرک فقط واللہ اعلم بالصواب .

نماز جمعہ کے بعد سنتوں سے قبل مجلس نکاح قائم کرنا کیسا ہے :

(سوال ۱۹۴)نماز جمعہ کے بعد متصلا سنتوں سے قبل مجلس نکاح قائم کرنا کیسا ہے؟ مقصد یہ ہے کہ تمام لوگ نکاح میں شرکت کر لیں، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں سنتوں سے قبل نکاح کرنے میں لوگوں کو سنتوں کا اہتمام نہیں رہے گا، بہت سے لوگ سنتیں چھوڑ دیں گے، نیز مسجد میں شور و شغب بھی ہوگا، جو لوگ سنتیں پڑھنا چاہیں ان کو بھی خلل ہوگا۔لہذا ہرگز اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب .

منکوحہ کے دو نام ہوں، مجلس نکاح میں مشہور نام لیا گیا تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۹۵)ایک لڑکی کا اصلی نام ریحانہ بانو بنت عبدالکریم ہے تمام لوگ اسی نام سے اسے پہچانتے ہیں اسکول اور راشن کارڈ میں بھی یہی نام درج ہے اس کی ننہیال والوں نے اس کا نام مریم رکھا تھا اور وہاں کچھ لوگ اس نام سے اسے پہچانتے ہیں، اس کے نکاح کے دعوت نامہ میں اتفاق سے مریم لکھ دیا گیا مجلس نکاح میں اس کا اصلی اور مشہور نام

(۱) سنتوں کے بعد ہو تو جائز ہے وکونہ فی مسجد یوم الجمعۃ درمختار مع الشامی کتاب النکاح ج ۲ ص ۳۶۰.

ریحانہ بانو بنت عبدالکریم لیا گیا نکاح کی رجسٹر میں بھی یہی نام لکھا گیا جہاں اس کا نکاح ہوا ہے اس کا شوہر ساس خسر سب اسی نام سے اسے پہچانتے ہیں اور اسی نام کے اعتبار سے منگنی ہوئی، نکاح کے آٹھ دس روز بعد کچھ لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ یہ نکاح نہیں ہوا، دعوت نامہ میں اس کا نام مریم لکھا گیا ہے اور مجلس نکاح میں اس کے خلاف نام لیا گیا ہے تو مذکور نکاح کے متعلق کیا حکم ہے؟ نکاح کے انعقاد ہوا یا نہیں؟ کیا دوبارہ نکاح کرنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نکاح صحیح ہونے کے لئے منکوحہ کا ممتاز اور متعین ہونا ضروری ہے اس میں ذرہ برابر جہالت نہ ہونا چاہئے، گواہ پوری بصیرت کے ساتھ سمجھ رہے ہوں کہ فلاں لڑکی کا نکاح فلاں لڑکے کے ساتھ ہو رہا ہے۔ اسی طرح لڑکا (شوہر) بھی جانتا ہو کہ میرا نکاح فلاں لڑکی سے ہو رہا ہے، مجلس نکاح میں اگر لڑکی کا وکیل موجود ہو اگر اس وقت صرف لڑکی کا نام لینے سے ابہام اور جہالت دور ہو جاتی ہو تو صرف اس کا نام لینا کافی ہے، اور اگر صرف اس کا نام لینے سے جہالت دور نہ ہو تو باپ کا نام بھی بلکہ اگر مزید ضرورت پڑے تو دادا کا نام بھی لینا ضروری ہے، غرض کہ ایجاب وقبول کے وقت ابہام اور جہالت بالکل نہ ہونا چاہئے۔

درمختار میں ہے:۔ ولا المنکوحة مجهولة (درمختار ج۲ ص ۳۶۷) شامی کتاب النکاح میں ہے۔ تنبیه: اشار بقوله فیما مر ولا المنکوحة مجهولة الی ماذکره فی البحر هنا بقوله ولا بد من تمیز المنکوحة عند الشاهدین لتنتفی الجهالة (شامی ج۲ ص ۳۷۴)

نیز شامی میں ہے:۔ ویؤیده ماسیاتی من انها لو کانت غائبة وزوجها وکیلها فان عرفها الشهود وعلموا انه ارادها کفی ذکر اسمها والا لا بد من ذکر الاب والجد ایضاً الخ (شامی ج ۲ ص ۳۶۷ کتاب النکاح

صورت مسئولہ میں جب لڑکی کا مشہور نام ریحانہ بانو ہے، اور تمام لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ ریحانہ بانو عبدالکریم کی بیٹی ہے، مجلس نکاح میں شوہر اور گواہ یہی سمجھ رہے ہوں کہ ریحانہ بانو بنت عبدالکریم کا نکاح ہو رہا ہے اور ایجاب وقبول کے وقت بھی اس کا وہی مشہور اور اصلی نام لیا گیا ہے تو نکاح منعقد ہو گیا، شک وشبہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، نکاح کے دعوت نامہ میں جو غلطی ہوگئی ہے اس سے نکاح کی صحت پر کچھ اثر نہ پڑے گا، شامی میں ہے (قوله ولا المنکوحة مجهولة) قلت وظاهره انها لو جرت المقدمات علی معینة وتمیزت عند الشهود ایضا یصح العقد وهی واقعة الفتوی لان المقصود نفی الجهالة وذلک بتعینها عند العاقدین والشهود وان لم یصرح اسمها (شامی ج ۲ ص ۳۶۷ کتاب النکاح)

امداد الفتاویٰ میں ہے:۔

(سوال ۱۲۶۹) وقت نکاح قاضی کو نام زوجہ کا لیکر مجمع عام میں پکار کر ایجاب وقبول کرانا چاہئے یا کیا؟ اور جو بدون نام لئے زوجہ کے ایجاب وقبول کرادے تو نکاح درست ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) شرط جواز نکاح یہ ہے کہ منکوحہ زوج اور شاہدین کے نزدیک مجہول نہ رہے بلکہ اپنے غیر سے متمیز ہو جائے خواہ کسی طرح سے امتیاز ہو، پس اگر منکوحہ حاضر ہے تو اس کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہے اور اگر غائب ہے تو اگر بدون تصریح نام کے بعض قیود سے اس کی تعیین ممکن ہے تو نام لینے کی حاجت نہیں، اور اگر اوصاف سے تمیز نہ ہو تو اس کا نام

لینا ضروری ہے بلکہ اگر اس کے نام سے بھی تعین نہ ہو تو باپ دادی کا نام لینا بھی ضروری ہے، حاصل یہ کہ رفع ابہام ہو جائے۔ فی الدر المختار ولا المنکوحة مجهولة وفی رد المحتار قلت وظاهره انها لو جرت المقدمات... الخ (امداد الفتاوی ص ۱۵۲، ۱۵۳ ج ۲) فقط واللہ اعلم بالصواب.

''ذات بخش دی'' اس لفظ سے نکاح ہوگا یا نہیں؟:

(سوال ۱۹۶) ایک لڑکی جس کی عمر ۲۵ سال ہے اس نے ایک ۲۷ سالہ لڑکے سے تین گواہوں کی موجودگی میں نکاح کیا لڑکی نے کہا ''میں نے تم کو اپنی ذات بخش دی'' لڑکے نے کہا میں نے قبول کی، مذکورہ صورت میں نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ لڑکا اور لڑکی دونوں ہم کفو ہیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب کہ لڑکا اور لڑکی ہم کفو ہیں اور گواہ یہ سمجھ رہے ہوں کہ شرعی نکاح ہو رہا ہے (متعہ وغیرہ نہیں) تو نکاح منعقد ہو جائے گا اور دونوں شوہر اور بیوی ہو جائیں گے، لیکن اس طرح مخفی طور پر نکاح کرنا خلاف سنت ہے، سنت طریقہ یہ ہے کہ نکاح علی الاعلان کیا جائے، ہدایہ اولین میں ہے: وینعقد بلفظ النکاح والتزوج والهبة والتملیک والصدقة (هدایه اولین ج ۲ ص ۲۸۵ کتاب النکاح) حدیث میں ہے کہ نکاح علی الاعلان مسجد میں کرو۔ عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اعلنوا هذا النکاح واجعلوه فی المساجد واضربوا علیه بالدفوف رواه الترمذی (مشکوٰة شریف ص ۲۷۲، باب اعلان النکاح) فقط والله اعلم بالصواب.

بذریعۂ تار نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟:

(سوال ۱۹۷) لڑکا دوسرے شہر میں ہے اور وہ ہمارے گاؤں کی ایک لڑکی سے تار کے ذریعہ نکاح کرے تو نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) تار سے نکاح صحیح نہ ہوگا، غائبانہ نکاح صحیح ہو سکتا ہے اور اس کا طریقہ فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم اردو ص ۱۳۱ تا ص ۱۳۱ میں شائع ہو چکا ہے، ملاحظہ فرمالیں، (جدید ترتیب کے مطابق متفرقات نکاح میں غائبانہ شادی کی صورتیں کے عنوان سے دیکھ لیا جائے ۱۲ مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نکاح کا خطبہ مسنون ہے:

(سوال ۱۹۸) ایک شخص نے خطبۂ مسنونہ کے بغیر نکاح پڑھا دیا تو نکاح ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نکاح کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے خطبۂ مسنونہ پڑھا جائے اس کے بعد ایجاب وقبول کرایا جائے، اگر خطبۂ مسنونہ کے بغیر دو شرعی گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرالیا جائے تب بھی نکاح تو ہو جائے گا مگر یہ طریقہ خلاف سنت ہے، (حوالہ گذر چکا ہے از مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

لڑکا مجبور ہو کر نکاح قبول کرے تو نکاح ہوگا یا نہیں؟:

(سوال ۱۹۹) ایک لڑکا ایک لڑکی سے نکاح کرنے پر بالکل راضی نہ تھا مگر کچھ لوگ لڑکے کو نکاح کرنے پر مجبور کررہے تھے مگر لڑکا بالکل انکار کرتا تھا، ایک دن موقعہ پاکر چند لوگوں کی موجودگی میں لڑکے کو دھمکی دے کر زبردستی نکاح کردیا لڑکے نے مجبوراً مجلس نکاح میں نکاح قبول کیا، موجودہ صورت میں نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب لڑکا نکاح کرنے پر راضی نہ تھا تو زبردستی کرکے اسے نکاح کرنے پر مجبور نہ کرنا چاہئے تھا، نکاح زندگی بھر کا معاملہ ہے، ان لوگوں کا یہ طرز عمل بہت نامناسب ہے مجلس نکاح میں اگر لڑکے نے زبان سے نکاح قبول کیا ہو اور دو گواہوں نے ایجاب وقبول کے الفاظ سنے ہوں تو نکاح منعقد ہوگیا۔ درمختار میں ہے (وصح نکاحه وطلاقه وعتقه) لو بالقول لا بالفعل .الخ (درمختار ج۵ ص ۱۱۷ کتاب الاکراہ) شامی میں ہے:۔ والمذکور منها فی عامة الکتب عشرة نظمها ابن الهمام بقوله .

یصح مع الاکراه عتق ورجعة	نکاح وایلاء طلاق مفارق
وفئی ظهار والیمین ونذره	وعفو لقتل شاب منه مفارق

(شامی ، کتاب الاکراہ ج ۵ ص ۱۱۹)

نوٹ:

زبان سے نکاح قبول نہ کرے اور زبردستی دھمکی دے کر نکاح نامہ پر اگر لڑکے سے دستخط کرالیا جائے تو اس صورت میں نکاح منعقد نہ ہوگا،[1] فقط واللہ اعلم بالصواب .

نکاح ثانی کرنے پر اولاد اور خاندان والوں کا ناراض رہنا غلط ہے:

(سوال ۲۰۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین میرے اس معاملہ میں کہ میری اہلیہ کا انتقال ہوگیا، میری عمر پچاس سے تجاوز کرگئی ہے۔ لیکن خدا کے فضل سے میری صحت اچھی ہے، میں نے نکاح ثانی کرلیا اور ہم دونوں میں اچھے تعلقات ہیں اور راحت کی زندگی گذار رہے ہیں مگر نکاح ثانی کی وجہ سے میرے خاندان کے لوگ اور اولاد بھی سخت مخالف تھے، اور اب بھی ہیں کہتے ہیں کہ اولاد ہوتے ہوئے نکاح کرنے کی کیا ضرورت تھی، کیا خدمت کے لئے ہم کافی نہ تھے ، اس بڑھاپے میں شادی کا شوق ،لوگ کیا کہیں گے؟ میرے نکاح کرنے کی وجہ سے اولاد نے مجھ سے قطع تعلق کرلیا ہے اور رشتے داروں کے بھی منہ چڑھے ہوئے ہیں تو کیا میرا یہ فعل ازروئے شرع شریف قابل ملامت اور لائق نفرت ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

---

(۱) وفی البحر ان المراد الاکراه علی التلفظ بالطلاق فلو اکره علی ان یکتب طلاق امرأته فکتب لا تطلق لأن الکتابة اقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولاحاجة هنا .شامی کتاب النکاح قبیل مطلب فی المسائل التی تصح مع الکراه ج ۲ ص ۵۷۹۔

وانکحوا الایامی منکم والصلحین من عبادکم واماءکم ان یکونوا فقراء یغنهم الله من فضله والله واسع علیم. ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحاً حتی یغنیهم الله من فضله (قرآن مجید سورہ نور)

ترجمہ:۔ اور تم میں جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو اور تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو اس لائق ہوں ان کا بھی اگر وہ مفلس ہوں گے تو خدا ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ تعالیٰ وسعت والا جاننے والا ہے اور ایسے لوگوں کو جن کو نکاح کا مقدور نہیں ان کو چاہئے کہ (اپنے نفس کی ضبط کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے (پھر نکاح کرلیں)

اس آیت میں جو بھی بے نکاح ہوں خواہ مرد خواہ عورت، اور خواہ ابھی نکاح نہ ہوا ہو یا بیوی کی وفات یا طلاق سے اب تجرد ہو گیا ہو اور حقوق زوجیت ادا کرنے کے لائق ہوں، تو ہدایت ہے کہ انکا نکاح کر دیا کرو۔

نکاح کی بڑی فضیلت آئی ہے جب کہ حقوق زوجیت ادا کرنے کے لائق ہو، نکاح بہت سی چھوٹی بڑی خرابیوں سے بچنے کا ذریعہ ہے اس سے دین وایمان کی حفاظت ہوتی ہے حدیث میں ہے۔

عن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الدین فلیتق الله فی النصف الباقی (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۸ کتاب النکاح)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ نے نکاح کرلیا تو اس نے نصف دین کی تکمیل کا انتظام کرلیا اب اس کو چاہئے کہ باقی نصف میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرے (تو اس حصے کی بھی حفاظت ہو جائے گی)

جو شخص بے نکاح ہو اس کے لئے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے مسکین مسکین مسکین لیس له امرأة. مسکین ہے مسکین ہے مسکین ہے وہ شخص جس کی عورت نہیں ہے (غنیۃ الطالبین ص ۹۱)

جو عورت بے نکاح ہو اس کے متعلق حضور ﷺ کا ارشاد ہے مسکینة مسکینة امرأة لیس لها زوج قیل یا رسول الله ان کانت غنیة من المال، قال وان کانت غنیة من المال، یعنی مسکینہ ہے مسکینہ ہے وہ عورت جس کا شوہر نہ ہو پوچھا گیا اگر وہ مالدار ہو تب بھی مسکینہ ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تب بھی وہ مسکینہ ہے (غنیۃ الطالبین ص ۹۶ فصل فی آداب النکاح)

نیز حدیث میں ہے لیس شئی خیر الا مرأة من زوج او قبر یعنی عورت کے لئے آغوش شوہر یا گوشۂ قبر سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے (غنیۃ الطالبین ج ۱ ص ۳۲)

حدیث میں ہے:

عن عبدالله بن عمرو رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الدنیا کلها متاع وخیر متاع الدنیا المرأة الصالحة، (رواه مسلم، مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۷، کتاب النکاح)

عن ابی امامة رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم انه یقول ما استفاد المؤمن بعد تقوی الله خیر اله من زوجة صالحة ان امرها اطاعته وان نظر الیها سرته وان اقسم علیها ابرته وان

خاب عنها نصحته في نفسها و ماله روى ابن ماجه (مشکوۃ شریف ص ۲۶۸ کتاب النکاح)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا دنیا ساری کی ساری ایک تھوڑے سے فائدہ کی چیز ہے اور نیک بخت عورت دنیا کی عمدہ فائدہ مند چیزوں میں سے ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا مومن نے اللہ کے تقویٰ کے بعد نیک عورت سے زیادہ کسی چیز سے فائدہ حاصل نہیں کیا اور نیک عورت کی علامت یہ ہے کہ شوہر کے حکم کی اطاعت کرے، شوہر دیکھے تو اس کو خوش کر دے، اگر شوہر اس کے اعتماد پر قسم کھائے تو پوری کر دے، شوہر کی غیر موجودگی میں اپنی عزت وآبرو کی اور شوہر کے مال کی حفاظت کرے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بغیر نکاح کے عبادات کامل نہیں ہوتیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ میری زندگی کے صرف تین دن باقی ہیں اور میری بیوی نہ ہو تو میں اس کو پسند کروں گا کہ نکاح کر لوں کہ اللہ پاک سے ملاقات شادی شدہ ہو کر کروں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی دو بیویوں کا طاعون میں انتقال ہو چکا تھا اور وہ خود بھی اسی مرض میں مبتلا تھے، پھر بھی فرمایا کہ میرا نکاح کر دو میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ اللہ پاک سے غیر متاہل ہو کر ملوں (از فضائل نکاح ص ۱۶، ۱۷، تالیف مولانا صدیق احمد باندوی مدظلہ)

لہٰذا نکاح ثانی کر لینا کوئی برا کام نہیں ہے، اولاد اور رشتہ دار خواہ کتنی ہی راحت کا انتظام کر دیں مگر جو خدمت بیوی کر سکتی ہے دوسرے لوگ ایسی خدمت نہیں کر سکتے، بیماری کے زمانہ میں اور پیرانہ سالی اور ضعیفی کی عمر میں عورت بڑی نعمت ثابت ہوتی ہے، استنجاء وغیرہ کی جو خدمت عورت انجام دے سکتی ہے وہ خدمت نہ ماں انجام دے سکتی ہے، نہ بیٹی نہ بہن نہ کوئی اور، لہٰذا ضعیفی میں شادی کرنے والے کی خدمت کرنا اس کو برا بھلا کہنا، اس سے ناخوش رہنا بہت ہی بری بات ہے، گویا شریعت کے ایک حکم سے ناراض رہنا اور شریعت کے ایک حکم کی مذمت کرنا ہے، جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو عدت کے بعد اگر وہ اپنا نکاح کرنا چاہیں تو اللہ کا حکم یہ ہے کہ تم ان کو نکاح کرنے سے مت روکو۔

قرآن مجید میں ہے واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلو هن ان ينكحن ازواجهن اذا تراضوا بينهم بالمعروف. ترجمہ:۔ اور جب تم میں ایسے لوگ پائے جائیں کہ وہ اپنی بیویوں کو طلاق دے دیں پھر وہ عورتیں اپنی میعاد (عدت) پوری کر چکیں (اور عدت پوری کر کے کسی سے نکاح کرنا چاہیں خواہ پہلے ہی شوہر سے یا کسی دوسری جگہ) تو تم ان کو اس امر سے مت روکو کہ وہ اپنے (تجویز کیے ہوئے شوہروں سے خواہ اول ہوں یا ثانی) نکاح کر لیں جب کہ باہم سب رضا مند ہو جائیں قاعدہ کے موافق (قرآن مجید، سورہ بقرہ پ۲)

جس طرح مطلقہ عورت کسی جگہ نکاح کرنا چاہے تو روکنا نہ چاہئے اسی طرح مرد نکاح کرنا چاہے تو اس کو بھی روکنا نہ چاہئے لہٰذا جو لوگ آپ کے نکاح ثانی سے ناراض ہیں گویا وہ شریعت کے ایک حکم سے روگردانی کر رہے ہیں، ان کو توبہ واستغفار کرنا چاہئے، اور ناراضگی سے باز آنا چاہئے۔

حق تعالیٰ شریعت کے احکام پر چلنے کی اور اس سے راضی رہنے کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے، آمین۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) گونگے کا نکاح کس طرح ہوگا؟ (۲) نکاح کے وقت کلمہ پڑھانا:

(سوال ۲۰۱) ایک لڑکا گونگا ہے ۲۵ سال کی عمر ہے ہم لوگوں نے اس کا نکاح طے کیا ہے، دو ماہ بعد اس کا نکاح ہے، اس کے نکاح کا کیا طریقہ ہوگا؟ یہ بھی فرمائیں کہ نکاح کے وقت کلمہ پڑھوانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں لڑکا عاقل بالغ ہے تو نکاح صحیح ہونے کے لئے خود اس کا قبول کرنا شرط ہے، گونگا ہونے کی وجہ سے وہ خود بول نہیں سکتا، تو اگر وہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو تو لکھ کر اس کے سامنے پیش کیا جائے کہ تمہارا نکاح اتنے مہر پر فلاں لڑکی (لڑکی کا پورا نام لکھا جائے) کے ساتھ کیا، تم نے یہ نکاح قبول کیا؟ لڑکا اس پر لکھ دے میں نے یہ نکاح قبول کیا تو اس سے نکاح منعقد ہو جائے گا، اور اگر لڑکا لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو تو اشارہ سے نکاح قبول کرایا جائے۔ لڑکا ایسا اشارہ کرے جس سے واضح ہو جائے کہ وہ نکاح قبول کر رہا ہے اور گواہ بھی سمجھ جائیں کہ وہ نکاح قبول کر رہا ہے تو اس سے بھی نکاح منعقد ہو جائے گا۔

درمختار میں ہے۔(او اخرس) واستحسن الکمال اشترط کتابته باشارته المعهودة فانها تکون کعبارة الناطق استحسانا. ردالمحتار میں ہے (قوله واستحسن الکمال) ...... ففی کافی الحاکم الشهید انصه فان کان الا خرس لا یکتب و کان له اشارة تعرف فی طلاقه ونکاحه وشرائه وبیعه فهو جائز وان کان لم یعرف ذلک منه اوشک فهو باطل اه فقد رتب جواز الا شارة علی عجزه عن الکتبة فیفید انه ان کان یحسن الکتابة لا تجوز اشارته الخ (درمختار ورد المحتار ۲/۵۸۴ کتاب الطلاق)(فتاوی دار العلوم مدلل ومکمل ۷/۲۰)

نکاح کے انعقاد کے لئے کلمہ، ایمان مجمل اور ایمان مفصل پڑھانا ضروری نہیں ہے تاہم بعض مرتبہ عوام الناس کلمہ سے ناواقف ہوتے ہیں تو ایسے وقت تجدید کلمہ میں مضائقہ نہیں بلکہ اس میں احتیاط ہے، خواص میں اس کی ضرورت نہیں۔

فتاوی دار العلوم میں ہے:۔

الجواب: نکاح میں ایجاب وقبول ضروری ہے بدون ایجاب وقبول کے نکاح منعقد نہ ہوگا، اور صفت ایمان اور کلموں کا پڑھانا اس وقت انعقاد نکاح کے لئے شرط نہیں ہے بدون پڑھائے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے الخ۔ (فتاوی دار العلوم مدلل ومکمل ۷/۵۴) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اسلام میں نکاح کا مقام اور زوجین کے حقوق:

(سوال ۲۰۲) اسلام میں نکاح کا کیا مقام ہے؟ بہت سے لوگ نکاح کو صرف تفریح طبع جنسی خواہش پوری کرنے کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں آپ اس کی وضاحت فرمائیں، اور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ اسلام میں شوہر اور بیوی کے حقوق کیا ہیں شوہر کو اپنی بیوی کے ساتھ کس طرح رہنا چاہئے اور بیوی اپنے شوہر کے ساتھ کیسا معاملہ کرے، ایک دوسرے کے حقوق کی کیا حیثیت ہے اسے واضح فرمائیں کہ لوگ اس پر عمل کریں اور ان کی زندگی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں گذرے، آج کل حقوق کی پامالی سے عموماً جھگڑے اور طلاق کی نوبت آتی ہے آپ

تفصیل سے وضاحت فرمائیں جزاکم اللہ خیرا لجزاء فی الدارین، بینوا توجروا.

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ نکاح اللہ تعالیٰ کی بہت عظیم نعمت ہے وہ خاتون جسے دیکھنا بھی جائز نہ تھا نکاح کی وجہ سے وہ خاتون مرد کے لئے حلال ہو جاتی ہے، رفیقۂ حیات بن جاتی ہے، شوہر کا گھر آباد ہو جاتا ہے، ایک دوسرے کے ہمدرد اور غم خوار بن جاتے ہیں اولاد پیدا ہو جانے پر نسل جاری رہنے کا ذریعہ حاصل ہو جاتا ہے ان کے علاوہ بیشمار دینی دنیوی منافع حاصل ہوتے ہیں، سب سے بڑھ کر نکاح کی فضیلت یہ ہے کہ نکاح حضور اقدس ﷺ اور انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ تین صحابی حضور اقدس ﷺ کی عبادات کا حال معلوم کرنے کے لئے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کی عبادت کے متعلق دریافت کیا، آپ ﷺ کی عبادت کا حال معلوم ہونے کے بعد کہنے لگے "کہاں ہم اور کہاں حضور ﷺ، آپ کی تو اگلی پچھلی تمام خطائیں معاف کردی گئی ہیں (لہٰذا آپ کو زیادہ عبادت کی ضرورت نہیں) پھر ان میں سے ایک نے کہا میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھتا رہوں گا، دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھا کروں گا اور کبھی افطار نہ کروں گا (یعنی روزہ نہ چھوڑوں گا) تیسرے نے کہا میں کبھی شادی نہیں کروں گا (اہل وعیال کے الجھنوں سے فارغ رہ کر عبادت میں مشغول رہوں گا) حضور ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کیا تم ایسا ایسا کہتے تھے! سن لو۔ اما واللہ انی لا خشا کم للہ واتقاکم لہ' لکنی اصوم وافطر واصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی. متفق علیہ . ترجمہ: سنو! اللہ کی قسم! میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور سب سے زیادہ متقی ہوں، لیکن (میرا طریقہ یہ ہے کہ) میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، تہجد بھی پڑھتا ہوں، آرام بھی کرتا ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں (یہ میری سنت ہے) جس نے میری سنت چھوڑ دی وہ میرا نہیں ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷ باب الاعتصام)

نیز حدیث میں ہے عن ابی ایوب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع من سنن المرسلین الحیاء ویروی الختان والتعطر والسواک والنکاح، رواہ الترمذی. حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا چار چیزیں رسولوں کی سنت میں سے ہے (۱) حیاء کرنا (ایک اور روایت کے مطابق ختنہ کرنا) (۲) عطر لگانا (۳) مسواک کرنا (۴) نکاح کرنا، (مشکوٰۃ شریف ص ۴۴ باب السواک)

ازدواجی تعلق عبادت ہے، اس پر اجر وثواب ملتا ہے، حدیث میں ہے، حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ تم اپنے نفسانی تقاضوں کو پورا کرو، یہ بھی صدقہ ہے (عبادت ہے) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کس طرح صدقہ (عبادت) ہے؟ ایک شخص اپنی خواہش پوری کرتا ہے اور اس پر اس کو اجر ملے! (یہ کس طرح؟) حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا، اگر انسان غلط اور حرام جگہ اپنی خواہش پوری کرتا تو اسے گناہ ہوتا، لہٰذا جب حلال جگہ اس نے اپنی خواہش پوری کی تو اس کے لئے اجر ہوگا۔ عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بکل تسبیحۃ صدقۃ...... الیٰ ...... وفی بضع احدکم صدقۃ قالوا یا رسول اللہ أ یاتی احدنا شھوتہ' ویکون لہ فیھا اجر قال أ رائیتم لو وضعھا فی حرام أ کان علیہ فیہ وزر فکذلک اذا

وضعها في الحلال كان له اجر رواه مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۱٦۸ باب فضل الصدقة)

اہل وعیال پر ثواب کی نیت سے خرچ کرنا بھی صدقہ ہے، حدیث میں ہے۔ عن ابی مسعود رضی الله عنه قال قال صلى الله عليه وسلم اذا انفق المسلم نفقةً على اهله وهو يحتسبها كانت له صدقة. متفق عليه (مشکوٰۃ شریف ص ۱۷۰ باب افضل الصدقة)

نکاح پر نصف دین کی حفاظت کی سند عطا فرمائی ہے، حدیث میں ہے۔ عن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا تزوج العبد فقد استكمل نصف الدين فليتق الله في النصف الباقي (مشکوٰۃ شریف ص ۲٦۸ کتاب النکاح)

ان حوالوں سے ثابت ہوا کہ نکاح عبادت ہے اور عبادت بھی ایسی جو برسہا برس تک جاری رہتی ہے اور انسان جس حالت میں بھی ہو، سویا ہوا ہو یا جاگا ہوا ہو۔ کھڑا ہو یا بیٹھا ہو، خاموش ہو یا محوِ گفتگو ہو۔ دن ہو یا رات، غرض ہر وقت انسان کی یہ عبادت جاری رہتی ہے، نماز، روزہ، حج وغیرہ جو عبادتیں ہیں وہ وقتی عبادتیں ہیں، جب انسان وہ عبادت ادا کرتا ہے وہ عبادت جاری رہتی ہے اور جب فارغ ہو جاتا ہے وہ عبادت موقوف ہو جاتی ہے۔

لہٰذا اس نعمت کے حصول پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اس کی قدر کرنا چاہئے، ان تمام باتوں سے ثابت ہوا کہ نکاح صرف تفریحِ طبع کا سامان نہیں ہے، اسلام میں نکاح کا تصور بہت بلند ہے اور نکاح کی وجہ سے زوجین میں جو تعلق اور رشتہ قائم ہوتا ہے وہ بہت ہی مضبوط ہے۔ ارشاد خداوندی ہے هن لباس لكم وانتم لباس لهن. ترجمہ: عورتیں تمہارے لئے بمنزلہ لباس ہیں اور تم ان کے حق میں بمنزلہ لباس ہو (قرآن مجید، سورہ بقرہ)

جس طرح لباس سے ستر چھپاتے ہو اسی طرح زوجین ایک دوسرے کے لئے عیوب چھپانے اور معاصی سے بچنے کا ذریعہ ہیں، اور جس طرح لباس سے انسانوں کو راحت و آرام اور سکون نصیب ہوتا ہے بہت سی مضرتوں سے حفاظت اور سردی وگرمی سے بچاؤ حاصل ہوتا ہے اسی طرح نکاح کے ذریعہ شوہر اور بیوی کو ایک دوسری سے راحت و آرام اور قلبی سکون حاصل ہوتا ہے، اور جس طرح انسان کو لباس سے بہت قریبی تعلق ہوتا ہے بدن سے ملصق اور ملا ہوا ہوتا ہے، یہی حلال زوجین کا ہے کہ ان کا تعلق آپس میں بہت قریبی ہوتا ہے، بوقت صحبت تو بالکل ہی بدن سے اتصال ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے کے لئے بمنزلہ لباس ہو جاتے ہیں۔

تفسیر کبیر میں ہے: اما قوله تعالىٰ هن لباس لكم وانتم لباس لهن ففيه مسائل (المسئلة الاولىٰ) قد ذكرنا في تشبيه الزوجين باللباس وجوهاً (أحدها) انه لما كان الرجل والمرأة يعتنقان فيضم كل واحد منهما جسمه الىٰ جسم صاحبه حتى يصير كل واحد منهما لصاحبه كالثوب الذي يلبسه سمي كل واحد منهما لباساً قال الربيع هن فراش لكم وانتم لحاف لهن وقال ابن زيد هن لباس لكم وانتم لباس لهن يريد ان كل واحد منهما يستر صاحبه عند الجماع عن ابصار الناس (وثانيهما) انما سمي الزوجان لباساً يستر كل واحد منهما صاحبه عند الجماع عن ابصار الناس (وثالثها) انه تعالىٰ جعلها لباساً للرجل من حيث انه يخصها بنفسه كما يخص لباسه بنفسه ويراها اهلا لان يلاقي كل بدنه كل بدنها كما يعمله في اللباس (ورابعها) يحتمل ان يكون المراد ستره

بهاعن جميع المفاسد التى تقع فى البيت لو لم تكن المرأة حاضرة كذ يستتر الانسان بلباسه عن الحرو البردو كثير من المضار الخ.

(تفسیر کبیر للامام محمد فخر الدین الرازی ۲/۲۰۰) (تفسیر روح المعانی ۲/۲۵)۔

زوجین میں مودت والفت، محبت ہوتو اس تعلق کا صحیح لطف حاصل ہوسکتا ہے آپس میں مودت ومحبت ہونا منجانب اللہ ہے، ارشاد خداوندی ہے۔

ومن ايته ان خلق لكم من انفسكم ازواجاً لتسكنوا اليها وجعل بينكم مودة ورحمة ان في ذلك لايت لقوم يتفكرون O (قرآن مجيد سورة روم ص ۲۱)

ترجمہ: اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری ہی جنس کی بیبیاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔

مفسر قرآن حضرت العلامہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی تحریر فرماتے ہیں۔

ومن آیاتہ　یتفکرون. اور منجملہ اس کی آیت قدرت کے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری ذاتوں سے یعنی تمہاری جنس سے جوڑے پیدا کئے یعنی عورتیں تاکہ ہم جنس ہونے کی وجہ سے ان کی طرف میل کرو اور ان سے مل کر سکون حاصل کرو اور چین پکڑو، اس لئے کہ ہم جنس ہونا میلان طبیعت اور رغبت کا سبب ہے اور خلاف جنس ہونا نفرت کا باعث ہے۔ نظم۔

ہم جنس　خود　کند　بر　جنس　آہنگ
ندارد　ہیچ　کس　از　جنس　خود　ننگ
ہم جنس　خویش　دارد　میل　ہر　جنس
فرشتہ　با　فرشتہ　انس　با　انس

اور رکھ دیا تمہارے درمیان باہمی محبت والفت، عقد تزویج ہوتے ہی آپس میں محبت اور الفت ہوجاتی ہے، حالانکہ بسا اوقات پہلے سے کوئی جان پہچان ہی نہیں ہوتی، اور تمہارے درمیان مہربانی رکھ دی کہ ایک دوسرے پر رحم کرتا ہے، بے شک ان باتوں میں یعنی انسان کے مٹی سے پیدا کرنے میں اور پھر اس کی جنس سے ایک جوڑا پیدا کرنے میں اور پھر باہم الفت ومحبت پیدا کرنے میں خدا کی قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو فکر کرتے ہیں، غرض کہ زن وشو کی محبت صرف خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ دو چیزوں کو جوڑ کر ایک بنادیا اسی طرح وہ اس پر بھی قادر ہے کہ قیامت کے دن پراگندہ اجزاء کو جوڑ دے۔ (معارف القرآن ادریسی ص ۲۰۲ جلد نمبر ۵)

اس سے معلوم ہوا کہ نکاح بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے جس شخص نے نکاح نہ کیا ہو اس کے متعلق آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: مسكين مسكين مسكين ليست له امرأة قيل يا رسول الله وان كان غنيا من المال قال وان كان غنياً من المال. مسکین ہے، مسکین ہے، مسکین ہے وہ شخص جس کی بیوی نہ ہو، عرض کیا گیا اگر چہ وہ مالدار ہو ارشاد فرمایا اگر چہ وہ مالدار ہو (غنية الطالبين ص ۳۲ ج ۱ فصل في آداب النكاح،

مترجم ص ۹۶)(الترغیب والترھیب ص ۱۴۱ ج ۳)

اسی طرح وہ عورت جس کا شوہر نہ ہو اس کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مسکینة مسکینة مسکینة من لیس لها زوج قیل یا رسول اللہ وان کانت غنیة من المال.

یعنی مسکینہ ہے مسکینہ ہے مسکینہ ہے وہ عورت جس کا شوہر نہ ہو پوچھا گیا اگر وہ مال دار ہو تب بھی وہ مسکینہ ہے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تب بھی وہ مسکینہ ہے (غنیة الطالبین ج ۱ ص ۳۲ مترجم ص ۹۶ کتاب النکاح

نیز حدیث میں ہے: لیس شئی خیر الا مرأة من زوج اوقبر. یعنی عورت کے لئے آغوش شوہر یا گوشۂ قبر سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے (غنیة الطالبین ص ۳۲ ج ۱ مترجم ص ۹۶ ایضا) (الترغیب والترھیب ص ۱۴۱ ج ۳)

نیز حدیث میں ہے۔

عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الدنیا کلها متاع وخیر متاع الدنیا المرأة الصالحة (مشکوۃ شریف ص ۲۶۷ کتاب النکاح)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی ہر چیز نفع کے قابل ہے اور دنیا کی سب سے بہترین نفع کی چیز نیک عورت ہے۔

لہذا مرد عورت دونوں پر لازم ہے کہ وہ اس نعمت کی قدر کریں وراس نعمت کے حصول پر اللہ عزوجل کا شکر ادا کرتے رہیں۔

نکاح کے جو مقاصد ہیں صحیح طور پر اس وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب کہ شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں، شوہر حسن اخلاق، نرمی اور شفقت کا معاملہ کرے اور بیوی اطاعت وفرمانبرداری اور شوہر کی خدمت اور راحت رسانی کا خیال کرتی رہے، اگر کسی وقت خلاف طبع بات پیش آئے تو اسے برداشت کریں، لڑائی جھگڑے سے اجتناب کریں، قرآن وحدیث میں دونوں کے حقوق بیان کئے ہیں ہم انشاء اللہ ان کو تحریر کریں گے، اور شوہر و بیوی دونوں قرآن وحدیث کی تعلیمات پر غور کریں اور اس کے آئینہ میں اپنی زندگی ڈھالنے کی پوری کوشش کریں۔

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص حکمتوں کے پیش نظر مرد کو عورت پر برتری عطا فرمائی ہے، یہ برتری قائم رہے گی اور عورت اس کا لحاظ رکھے گی تو انشاء اللہ گھریلو انتظام ٹھیک رہے گا ورنہ ''ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجہ'' کا نقشہ سامنے آئے گا، لہذا عورت پر لازم ہے کہ شوہر کو اپنے اوپر حاکم سمجھے اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرے، ارشاد خداوندی ہے۔

الرجال قوامون علی النسآء بما فضل اللہ بعضهم علی بعض وبما انفقوا من اموالهم. (قرآن مجید، پ ۵، سورہ نساء آیت نمبر ۳۴)

ترجمہ: مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔

مفسر قرآن حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ: اس آیت میں مرد اور عورت کے درجہ کو بتلاتے ہیں کہ مرد کا درجہ بڑھا ہوا ہے عورت کے درجہ سے، اس لئے فرق مدارج کے باعث جو احکام میں فرق ہوگا وہ

سراسر حکمت اور قابل رعایت ہوگا اس میں عورت اور مرد وہ بقاعدہ حکمت ہرگز برابر نہیں ہو سکتے، عورتوں کو اس کی خواہش کرنی بالکل بیجا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر حاکم اور نگران حال بنانا دو وجہ سے اول بڑی اور وہبی وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصل سے بعضوں کو بعضوں پر یعنی مردوں کو عورتوں پر علم و عمل میں کہ جن دونوں پر تمام کمالات کا مدار ہے فضیلت اور بڑائی عطا فرمائی جس کی تشریح احادیث میں موجود ہے اور دوسری وجہ جو کسبی ہے یہ ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور مہر اور خوراک و پوشاک جملہ ضروریات کا تکفل کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کی حکم برداری چاہئے۔ (فوائد عثمانی)

نیز ارشاد خداوندی ہے۔

و لھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجة واللہ عزیز حکیم O (قرآن مجید پ ۲ سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۲۸)

اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے قاعدہ (شرعی) کے موافق اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے، اور اللہ زبردست ہے تدبیر والا۔

فوائد عثمانی میں ہے۔ یعنی یہ امر تو حق ہے کہ جیسے مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں، ایسے ہی عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں جن کا قاعدہ کے مطابق ادا کرنا ہر ایک پر ضروری ہے تو اب مرد کو عورت کے ساتھ بدسلوکی اور اس کی ہر قسم کی حق تلفی ممنوع ہوگی مگر یہ بھی ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت اور فوقیت ہے۔ (فوائد عثمانی)

لہٰذا قرآنی ہدایت کے پیش نظر عورت پر لازم ہے کہ شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری کرے، دل و جان سے اس کی خدمت کرے، احادیث میں بھی اس کی بہت تاکید آئی ہے اور جو عورت اس پر عمل کرے اس کے لئے بڑے وعدے وارد ہیں، اور جو اس کے خلاف کرے اس کے حق میں وعیدیں بھی آئی ہیں، ملاحظہ ہو۔

احادیث مبارکہ

(۱) ولو امرھا ان تنقل من جبل اصفر الی جبل اسود ومن جبل اسود الی جبل ابیض کان ینبغی لھا ان یفعلہ (رواہ احمد) (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۳ باب عشرۃ النکاح)

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر شوہر اپنی بیوی کو حکم دے کہ زرد پہاڑ سے پتھر اٹھا کر سیاہ پہاڑ پر لے جائے اور سیاہ پہاڑ سے سفید پہاڑ پر لے جائے تو بھی اسے (اپنے شوہر کی) اطاعت کرنی چاہئے۔

(۲) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت امر احداً ان یسجد لاحد لا مرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا (ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۳۸) (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۱ کتاب النکاح)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے سجدہ کا حکم کرتا تو عورت کو حکم کرتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے۔

(۳) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای النساء خیر

قال النبی تسرہ اذا نظر وتطیعہ اذا امر ولا تخالفہ فی نفسھا ولا مالھا بما یکرہ. (مشکوۃ شریف ص ۲۸۳ کتاب النکاح)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے حضور اقدس ﷺ سے دریافت کیا گیا کون سی عورت اچھی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب شوہر اسے دیکھے تو خوش کردے . اور جب اسے حکم کرے تو اطاعت کرے اور اپنی ذات اور اپنے مال میں ایسا تصرف نہ کرے جسے شوہر پسند نہ کرتا ہو۔

(۴)عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المرأۃ اذا صلت خمسھا وصامت شھرھا واحصنت فرجھا واطاعت بعلھا فلتدخل من ای ابواب الجنۃ شاءت (مشکوۃ شریف ص ۲۸۱ باب عشرۃ النساء)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا جو عورت پانچ وقت کی نماز پابندی سے پڑھتی رہے اور رمضان المبارک کے روزے رکھے اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے وہ جنت میں جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔

(۵)عن ام سلمۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما امرأۃ ماتت وزوجھا عنھا راض دخلت الجنۃ .(ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۳۸)(مشکوۃ شریف ص ۲۸۱ کتاب النکاح

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس عورت کا اس حالت میں انتقال ہو جائے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ عورت جنت میں داخل ہوگی۔

(۶)عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ لاتجاوز صلاتھم اذا نھم العبد الآبق حتی یرجع وامرأۃ باتت وزوجھا علیھا ساخط وامام قوم وھم لہ کارھون.(مشکوۃ شریف ص ۱۰۰ باب الامامۃ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں کہ ان کی نماز ان کے کانوں سے تجاوز نہیں کرتی (قبول نہیں ہوتی) (۱) غلام جو بھاگ گیا ہو یہاں تک کہ واپس آ جائے (۲) عورت جو اس حالت میں رات گذارے کہ اس کا شوہر (اس کی نافرمانی اور بدخلقی کی وجہ سے) اس سے ناراض ہو (۳) اور وہ امام کہ لوگ اس کو (اس کے فسق یا کسی شرعی خرابی کی وجہ سے) پسند نہ کرتے ہوں۔

(۷)عن طلق بن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا الرجل دعا زوجتہ لحاجۃ فلتاتہ وان کانت علی التنور (مشکوۃ شریف ص ۲۸۱ باب عشرۃ النساء)

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنی بیوی کو اپنی حاجت کے لئے بلائے تو اسے چاہئے کہ فوراً آ جانے چاہے وہ چولھے کے پاس مشغول ہو۔

(۸)عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دعی الرجل امرأتہ الی فراشہ فابت فبات غضبان لعنتھا الملائکۃ حتی تصبح متفق علیہ . وفی روایۃ لھما

والـذی نفسی بیده مامن رجل یدعوا امرأته الیٰ فراشه فتأبی علیه الا کان الذی فی السماء ساخطاً علیها حتی یرضیٰ عنها (مشکوۃ ص ۲۸۰ باب عشرۃ النسآء)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کرے پس شوہر ناراض ہو کر رات گذارے تو اس عورت پر صبح تک فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں، اور ایک روایت میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے یہاں تک کہ شوہر اس سے خوش ہو جائے۔

(۹) عن معاذ رضی اللہ عنه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال لا توذی امرأة زوجها فی الدنیا الا قالت زوجته من الحور العین لاتوذیه قاتلک اللہ فانما هو دخیل (ای غریب ونزیل) یوشک ان یفارقک الینا (مشکوۃ شریف ص ۲۸۱ باب عشرۃ النساء

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی عورت اپنے شوہر کو ستاتی ہے تو (آخرت میں) جو حور اس کو ملنے والی ہے وہ یوں کہتی ہے کہ خدا تیرا ناس کرے تو اس کو مت ستا وہ تو تیرے پاس مہمان ہے تھوڑے ہی دن میں وہ تجھ کو چھوڑ کر ہمارے پاس آ جائے گا۔

(۱۰) عن عائشة رضی اللہ عنها قالت: سألت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ای الناس اعظم حقاعلی المرأة؟ قال: زوجها، قلت فای الناس اعظم حقاً علی الرجل؟ قال امه رواه البزار والحاکم (الترغیب والترهیب ج ۲ ص ۵۳ کتاب النکاح، ترغیب الزوج فی الوفاء بحق زوجه وحسن عشرتها)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، عورت پر سب سے زیادہ کس کا حق ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کے شوہر کا، پھر میں نے عرض کیا مرد پر سب سے زیادہ کس کا حق ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کی ماں کا۔

(۱۱) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنه ... قال حق الزوج علیٰ زوجته لو کانت به قرحة فلحستها او انتشر منخراه صدیداً او دماً ثم ابتلعته ما ادت حقه. (الترغیب والترهیب ص ۵۳ ج ۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ سے روایت ہے.....الیٰ ...حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا شوہر کا عورت پر اتنا حق ہے کہ اگر خاوند کے جسم پر زخم ہو یا اس کے جسم پر پیپ یا خون بہہ رہا ہو اور عورت اس کو چاٹ کر صاف کرے تب بھی اس کا حق پورا ادا نہیں ہو سکتا۔

عورتوں کو چاہئے کہ ان احادیث مبارکہ کا بار بار مطالعہ کریں اور ان پر عمل کریں اطاعت اور فرمانبرداری کی عادت ڈالیں، نافرمانی، زبانی درازی، بدکلامی اور بدخلقی سے بالکل اجتناب کریں، لڑائی جھگڑا نہ کریں انشاء اللہ بڑی خوشگوار زندگی نصیب ہوگی۔

نبی رحمت، محسن انسانیت حضور اقدس ﷺ نے عورتوں کے حقوق بھی بڑی اہمیت سے بیان فرمائے ہیں،

شوہر پر عورت کے حقوق بھی ادا کرنا بہت ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے مرد کو برتری عطا فرمائی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورت پر ہر قسم کا ظلم و تشدد روا رکھا جائے اور اس کی حق تلفی کی جائے۔ احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

حجۃ الوداع کے خطبہ میں حضور اقدس ﷺ نے بہت اہم باتیں ارشاد فرمائیں، ان میں یہ بھی ہدایت ہے۔

(۱۲) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم استوصوا بالنساء خیرًا فانهن خلقن من ضلع وان اعوج شیئی فی الضلع اعلاه فان ذهبت تقیمه کسرته وان ترکته لم یزل اعوج فاستوصوا بالنسآء متفق علیه (مشکوٰة شریف ص ۲۸۰ باب عشرة النساء)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا، عورتوں کے بارے میں خیر خواہی کی نصیحت قبول کرو (یعنی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو) اس لئے کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا اوپر کا حصہ ہوتا ہے، اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ دو گے اور اسی حالت پر چھوڑ دو گے تو ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی لہذا عورتوں کے بارے میں بھلائی کی نصیحت قبول کرو۔

(۱۳) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اکمل المؤمنین ایمانا احسنهم خلقا وخیارکم خیارکم لنسائکم (ترمذی) (مشکوٰة شریف ص ۲۸۲ ایضاً)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کامل مومن وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور تم میں بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنی عورتوں کے لئے اچھے ہوں۔

(۱۴) عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان من اکمل المؤمنین ایمانا احسنهم خلقاً والطفهم باهله (مشکوٰة شریف ص ۲۸۱ ایضاً)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے والا ہو۔

(۱۵) عن عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم خیرکم خیرکم لاهله وانا خیرکم لاهلی (مشکوٰة شریف ص ۲۸۱) ایضاً

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں بہترین شخص وہ ہے۔ جو اپنے اہل کے لئے بہتر ہو، میں اپنے اہل کے لئے تم میں سب سے بہتر ہوں۔

(۱۶) عن حکیم بن معاویة القشیری عن ابیه ماحق زوجة احدنا علیه قال ان تطعمها اذا طعمت وتکسوها اذا اکتسیت ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولا تهجر الا فی البیت. رواه احمد وابو داؤد وابن ماجة (مشکوٰة شریف ص ۲۸۱ باب عشرة النساء)

حضرت حکیم بن معاویہ قشیری اپنے والد سے نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا، ہماری بیوی کا ہم پر کیا حق ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ (یعنی جیسا تم کھاتے ہو ویسا ہی اس کو کھلاؤ اور پہناؤ) اور اس کے چہرہ پر مت مارو اور اسے برا مت کہو (اور کسی وجہ سے ناراض ہو جائے تو) گھر ہی کی حدود میں اسے چھوڑ دے (نہ خود گھر سے باہر جائے نہ اسے گھر سے

باہر نکالے۔

(۱۷) عن عبداللہ بن زمعة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یجلد احدکم امراۃ جلد العبد ثم یجامعها فی آخر الیوم فی روایة یعمد احدکم فیجلد امرأته جلد العبد فلعله یضاجعها فی آخر یومه ، متفق علیه .(مشکوۃ شریف ص ۲۸۰ باب عشرۃ النساء)

حضرت عبداللہ بن زمعہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح نہ مارے، اور پھر دن کی آخری حصہ میں اس سے جماع کرے، ایک روایت میں ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تم میں سے ایک شخص ارادہ کرتا ہے اور اپنی بیوی کو غلام کی طرح مارتا ہے، ہوسکتا ہے کہ دن کے آخری حصہ میں اس سے ہم بستر ہو۔

(۱۸) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یفرک مومن مومنة ان کرہ منها خلقاً رضی منها آخر .(مشکوۃ شریف ص ۲۸۰ ایضاً)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی ایمان والا مرد (شوہر) ایمان والی عورت (بیوی) سے بغض نہ رکھے اگر اس کی ایک عادت ناپسند ہو تو وہ دوسری عادت سے خوش ہو جائے گا۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیه خیراً کثیراً .(قرآن مجید، سورۃ نساء آیت نمبر ۱۹ پارہ نمبر ۴)

ترجمہ: اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گذران کیا کرو اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شئی کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے۔

فوائد عثمانی میں ہے: ممکن ہے کہ تم ایک شئی کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت (دینوی یا دینی) رکھ دے (مثلاً وہ تمہاری خدمت گذار اور آرام رساں اور ہمدرد ہو یہ دنیا کی منفعت ہے، یا اس سے کوئی اولاد پیدا ہو کر بچپن میں مرجاوے، یا زندہ رہے اور صالح ہو جو ذخیرۂ آخرت ہو جاوے، یا اقل درجہ ناپسند چیز پر صبر کرنے کی فضیلت تو ضرور ہی ملے گی) (فوائد عثمانی ص ۱۰۶ ج ۲ سورۂ نساء)

لہٰذا اگر عورت کی کوئی عادت پسند نہ ہو تو اس سے نفرت نہ کرے اور صبر کرے ان شاء اللہ مذکورہ منافع میں سے کوئی نہ کوئی منفعت ضرور حاصل ہوگی۔

محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں

عن ابن المبارک بن فضالة عن الحسین قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استوصوا بالنساء خیراً ...... وانما اخذتموھن بامانة اللہ تبارک و تعالیٰ واستحللتم فروجھن بکلمة اللہ عزوجل .

ترجمہ: ابن المبارک بن فضالہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے

ارشادفرمایا: عورتوں کے حق میں میری نصیحت قبول کرو۔ عورتیں صرف اللہ کی امانت ہیں اورتم نے ان کے جسم کو اللہ کے کلمہ سے حلال کیا ہے۔

وعن عبادة بن كثير عن عبدالله بن الحريرى عن ميمونة زوج النبى صلى الله عليه وسلم خيار الرجال من امتى خيارهم لنساء هم وخيرالنساء من امتى خير هن لا زواجهن يرفع لكل امرأة منهن كل يوم وليلة اجر الف شهيد قتلوافى سبيل الله صابرين محتسبين وتفضل احد هن على الحور العين كفضل محمد صلى الله عليه وسلم على ادنىٰ رجل منكم وخير النساء من امتى ما تاتى ميسرة زوجها فى كل شئى هواه ما حلامعصية الله وخير الرجال من امتى من تلطف باهله لطف الوالدة بولدها يكتب لكل رجل منهم كل يوم وليلة اجر مائة شهيد قتلوافى سبيل الله صابرين محتسبين فقال عمر بن الخطاب رضى الله عنه يارسول الله وكيف يكون للمرأة اجر الف شهيد وللرجل اجر مائة شهيد قال صلى الله عليه وسلم او ما عملت ان المرأة اعظم اجراً من الرجل وافضل ثواباً فان الله عزوجل يرفع للرجل فى الجنة درجات فوق درجاته برضاء زوجته عنه ودعائها له او ما عملت ان اعظم وزرا بعد الشرك بالله المرأة اذا غضبت زوجها الا فاتقوا الله فى الضعيفين فان الله سائلكم عنهما اليتيم والمرأة فمن احسن اليهما فقد بلغ الى الله عزوجل ورضوانه ومن اسآء اليهما فقد استوجب من الله سخطه وحق الزوج كحقى عليكم فمن ضيع حقى فقد ضيع حق الله فقد بآء بسخط من الله وماوهٗ جهنم وبئس المصير۔

عبادہ بن کثیر نے عبداللہ سے اورانہوں نے حضرت میمونہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت کے مردوں میں افضل وہ مرد ہے جو اپنی عورت کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے اور میری امت کی عورتوں میں افضل ترین وہ عورت ہے جو اپنے شوہر کے ساتھ اچھا سلوک کرتی ہے، ایسی عورت کو رات اوردن میں ایسے ہزار شہیدوں کا ثواب ملتا ہے جو خدا کی راہ میں صبر کے ساتھ شہید ہوئے ہیں اوراس کے اجر کی اللہ سے توقع رکھتے ہیں ان عورتوں میں سے ہر عورت جنت کی موٹی آنکھوں والی حور پر اسی قدر افضلیت رکھتی ہے جیسے محمد ﷺ کو تم میں سے ادنیٰ مرد پر۔ میری امت کی عورتوں میں وہ عورت سب سے افضل ہے جو اپنے شوہر کی خواہش کے مطابق اس کی فرمان برداری کرتی ہے سوائے ان کے جو گناہ کے کام ہیں، حضور ﷺ نے ارشادفرمایا میری امت کے مردوں میں بہتر وہ مرد ہے جو اپنے اہل کے ساتھ اس طرح مہربانی سے پیش آتا ہے جس طرح ماں اپنے بچہ کے ساتھ، ایسے مرد کے لئے ہر دن رات میں صبر اور شکر کے ساتھ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے سوآدمیوں کا ثواب لکھا جاتا ہے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ عورت کو تو ہزار شہیدوں کا ثواب ملے اور مرد کو سو شہیدوں کا، ایسا فرق کیوں؟ آنحضرت ﷺ نے ارشادفرمایا تمہیں معلوم نہیں کہ عورت ثواب پانے میں مرد سے زیادہ ہے کیونکہ اللہ عزوجل جنت میں مرد کو مرتبہ پر مرتبہ اس لئے دیتا ہے کہ عورت اس سے خوش ہے اوراس کے حق میں دعا کرتی ہے، کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ کے نزدیک شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ (بیوی کا) شوہر کی نافرمانی کرنا ہے لہذا تم خبردار ہو اوراللہ سے ڈرتے رہو کہ وہ تم سے (یعنی مردوں سے) ان دوناتوانوں کے بارے میں پوچھے گا، ایک ناتواں تو ''یتیم'' ہے اوردوسری ''بیوی'' جو

شخص ان دونوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرتا ہے وہ اللہ کے قریب پہنچ جاتا ہے اور ان کے ساتھ بدی کرنے والا اللہ کے قہر کا شکار ہوگا۔ نیز ارشاد فرمایا شوہر کا حق ایسا ہی ہے جیسے تم پر میرا حق، جس نے میرے حق کو ضائع کیا اس نے اللہ کے حق کو ضائع کیا، اور اللہ کے حق کو ضائع کرنے والا غضب الٰہی کا مستحق ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور جہنم بہت بری لوٹنے کی جگہ ہے۔

وعن ابی جعفر بن محمد ابن علی عن جابر بن عبداللہ ﷺ۔ قال بینما نحن عند رسول اللہ ﷺ وھو فی نفر من اصحابه رضی اللہ عنه اذا قبلت امرأۃ حتی قامت علی رأسه ثم قالت السلام علیک یارسول اللہ انا وافدۃ النساء الیک لیست امرأۃ یبلغھا مسیری الیک الا اعجبھا ذلک یا رسول اللہ ان اللہ تعالیٰ رب الرجال ورب النساء و آدم ابو الرجال وابوا النسآء وحوآء ام الرجال وام النساء فالرجال اذا خرجوا فی سبیل اللہ عزوجل فقتلوا فاحیاعند ربھم یرزقون واذا جرحوا فلھم من الاجر مجل ماعلمت ونحن تجلس علیھم ونخدمھم فھل لنا من الاجر شیء قال ﷺ نعم اقرأی عنّی النساء السلام وقولی لھن ان طاعۃ الزوج واعترافاً بحقه یعدل ماھنالک وقلیل من کنّ یفعلنه.

حضرت ابو جعفر بن محمد بن علیؒ فرماتے ہیں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرمایا کہ ایک بار میں اور کئی دوسرے آدمی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک عورت آئی اور اسلام کے بعد عرض کیا یارسول اللہ (میں بہت دور سے) عورتوں کی طرف سے ایلچی بن کر حاضر ہوئی ہوں، اور بعد مسافت کی وجہ سے کوئی عورت آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوسکتی جس عورت کو بھی میرا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری دینا معلوم ہوگا وہ اس کو بہت پسند کرے گی، یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ مردوں کا بھی رب ہے اور عورتوں کا بھی رب ہے اور حضرت آدم علیہ السلام مرد وعورتوں کے باپ ہیں اور حضرت حوا مرد اور عورتوں کی ماں ہیں، سو جب مرد اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے پاس زندہ رہتے ہیں اور وہاں انہیں روزی دی جاتی ہے اور اگر لڑائی میں زخمی ہوتے ہیں تو ان کو ویسا ہی اجر ملتا ہے جو آپ نے ارشاد فرمایا اور ہم ان کی خدمت کرتی ہیں اور ہم ان کی جلیس ہیں تو کیا ہمارے لئے بھی کوئی اجر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ان عورتوں کو میرا اسلام پہنچا دو اور ان سے کہہ دو کہ ان کے لئے بھی اجر ہے، اور وہ اس طرح کہ تم اپنے شوہروں کی فرمانبرداری کرتی رہو، ان کے حقوق کی نگہداشت کرتی رہو، ان باتوں کے عوض تمہیں بھی مردوں کے برابر ثواب ملے گا مگر تم میں بہت کم عورتیں ہیں جو ایسا کرتی ہیں۔

وعن ثابت عن انس ﷺ قال حین بعثتنی النساء الی رسول اللہ ﷺ فقلت یارسول اللّٰہ ذھب رجال بالفضل وبالجھاد فی سبیل اللّٰہ تعالیٰ فما لنا من عمل مذکورٍ ندرک به عمل المجاھدین فی سبیل اللّٰہ فان رسول اللّٰہ ﷺ مھنۃ احد ھن فی بیتھا تدرک عمن المجاھدین فی سبیل اللّٰہ عزوجل.

حضرت ثابتؓ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ عورتوں نے مجھے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا چنانچہ میں نے (عورتوں کی طرف سے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یارسول اللہ! مرد تو جہاد کے ثواب کی

وجہ سے عورتوں سے بڑھ گئے کیا عورتوں کے لئے بھی ایسا کوئی عمل ہے کہ وہ اس کے طفیل غازیوں کے برابر ثواب حاصل کرسکیں آنحضرت ﷺ نے ارشادفرمایا عورتوں کا اپنے گھر کی خدمت کرنا غازیوں (مجاہدوں) کے برابر ہے۔

عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھل علی النساء جھاد فقال صلی اللہ علیہ وسلم نعم جھا دھن الغیرۃ یجا ھدن انفسھن فان صبرن فھن مجاھدات فان رضین فھن مرابطات ولھن اجران اثنان فینبغی للزوجین ان یعتقد اھذا الثواب المذکور فی ھذا الحدیث وما قبلہ عند العقد والجماع جمیعا واداء للحق الواجب علی کل واحدمنھما للاخر بقولہ عزوجل ولھن مثل الذی علیھن لیکونا مطیعین للہ عزوجل ممتثلین امرہ جل ثناءہ وتعتقد المرأۃ ان ذلک خیرا لھا من الجھاد والغزو (غنیۃ الطالبین ص ۹۴، ص ۹۵، ص ۹۶ فصل فی آداب النکاح)

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ عورتوں کو بھی جہاد کرنا چاہئے؟ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا عورتوں کا جہاد غیرت ہے کہ وہ اپنے نفس سے جہاد کرتی ہیں پس اگر وہ صبر کریں تو جہاد کرنے والی ہیں، اگر وہ راضی (اور شاکر) رہیں تو وہ مرابطات ہیں (اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لئے جنگ کی تیاری کے ساتھ وہاں قیام کرنے کو رباط اور مرابطہ کہا جاتا ہے) اوران کے لئے دو اجر ہیں لہذا شوہر اور بیوی دونوں کے لئے مناسب ہے کہ اس حدیث میں اور اس سے ماقبل کی احادیث میں جو ثواب بیان کیا گیا ہے عقد نکاح میں ان ثوابوں کا اعتقاد رکھیں، اوران تمام احادیث پر عمل کریں اور ہر ایک پر دوسرے کا جو حق واجب ہے اس کو بجالائیں اللہ عزوجل کا قول ہے عورتوں کا مردوں پر وہی حق ہے جو مردوں کا عورتوں پر ہے (دونوں ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں) تاکہ دونوں اللہ عزوجل کی اطاعت کرنے والے ہوں اور اللہ جل شانہ کے حکم کو پورا کرنے والے ہوں اور عورت اس بات کا اعتقاد رکھنا چاہئے کہ اس کے لئے ان باتوں پر عمل کرنا (اور شوہر کی اطاعت اور اس کے حقوق ادا کرنا) جہاد اور غزوہ سے بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ ان ہدایات اور زریں اصول ونصائح پر عمل کرنے کی سب کو توفیق عطا فرمائیں آمین بحرمۃ النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

دوسرا نکاح کرنے پر پہلی بیوی اوراس کے خاندان والوں کی طرف سے دھمکیاں دینا اور طلاق کا مطالبہ کرنا:

(سوال ۲۰۳) میں نے دوسرا نکاح کیا ہے اس وجہ سے پہلی بیوی مجھ سے ناراض ہے اور اپنے گھر چلی گئی ہے، اس کے بھائی بھی مجھے مارپیٹ کی دھمکیاں دے رہے ہیں، میں نے اپنی پہلی بیوی اوراس کے بھائیوں سے کہا کہ میرے پاس الحمدللہ ہر طرح گنجائش ہے دونوں کے حقوق اچھی طرح انشاء اللہ ادا کروں گا، لیکن وہ لوگ میری بات نہیں مانتے اور میرے مخالفت پر تلے ہوئے ہیں، دوسری بیوی پریشان حال تھی اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے، آپ جواب عنایت فرمائیں، کیا اسلام میں دوسرا نکاح ناجائز ہے؟ میں نے اس خیال سے اس بیوہ سے نکاح کیا ہے کہ اس سے

تعاون ہو جائے مگر پہلی بیوی اور اس کے گھر والے پریشان کر رہے ہیں اور پہلی بیوی طلاق کا مطالبہ کر رہی ہے۔

(الجواب) قرآن مجید میں ہے۔

فانکحوا ما طاب لکم من النسآء مثنی وثلث وربع فان خفتم ان لاتعدلوا فواحدۃ ...... ذلک ادنی ان لا تعولوا۔ (قران مجید پارہ نمبر ۴ سورۂ نساء آیت نمبر ۲)

ترجمہ: اور (حلال) عورتوں سے جو تم کو (اپنی کسی مصلحت سے) پسند ہوں نکاح کرلو دو، دو۔ تین تین، چار چار۔ (عورتوں سے) پھر اگر تم ڈرو کہ ان میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی نکاح کرو...... اس میں امید ہے کہ ایک طرف نہ جھک پڑو گے۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مرد کسی مصلحت سے چار عورتوں سے بیک وقت نکاح کر سکتا ہے، البتہ متعدد نکاح کرنے کے بعد ہر ایک کے حقوق کی ادائیگی ان سب کے درمیان عدل وانصاف اور برابری کا معاملہ کرنا بہت ضروری ہوگا، رات گذارنے میں بھی باری باندھنا ہوگی، اگر برابری نہ کر سکتا ہو تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ''فوائد عثمانی'' میں تحریر فرمایا ہے۔'' جاننا چاہئے کہ مسلمان آزاد کے لئے زیادہ سے زیادہ چار نکاح تک کی اجازت ہے اور حدیثوں میں بھی اس کی تصریح ہے اور ائمہ دین کا اسی پر اجماع ہے، اور تمام امت کے لئے یہی حکم ہے۔

نیز تحریر فرمایا ہے: فائدہ: جس کی کئی عورتیں ہوں تو اس پر واجب ہے کہ کھانے پینے اور لینے دینے میں ان کو برابر رکھے اور رات کو ان کے پاس رہنے میں باری باندھے اگر برابری نہ کرے گا تو قیامت کو وہ مفلوج ہوگا ایک کروٹ گھسٹتی چلے گی۔

نیز تحریر فرمایا ہے:۔ اگر تم کو اس کا ڈر ہو کہ کئی عورتوں میں انصاف اور مساوات کے مطابق معاملہ نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی نکاح پر قناعت کرو (فوائد عثمانی پ ۴ آیت نمبر ۲ سورۂ نساء)

قرآن مجید کی مذکورہ آیت سے تعدد ازواج کا ثبوت ہوتا ہے، لہذا ہر مسلمان کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ تعدد ازواج کو جائز سمجھے۔

صورت مسئولہ میں جب آپ نے ایک مصلحت کے پیش نظر پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسرا نکاح کیا ہے تو اب پہلی بیوی اور اس کے گھر والوں کو اس کی مخالفت نہ کرنا چاہئے شریعت کے اعتبار سے شوہر نے دوسرا نکاح کر کے کوئی گناہ یا جرم نہیں کیا ہے کہ اس کی مخالف کی جائے اور اسے ڈرایا اور دھمکایا جائے اور دوسرا نکاح کرنے کی وجہ سے پہلی بیوی کا طلاق کا مطالبہ کرنا تو کسی حال میں جائز نہیں ہے، پہلی بیوی اور اس کے گھر والوں پر لازم ہے کہ نہ اس کی مخالفت کریں نہ اسے تنگ کریں، البتہ اب شوہر کے لئے ضروری ہوگا کہ دونوں بیویوں کے درمیان ہر طرح سے انصاف اور برابری کا معاملہ کرے ورنہ بہت سخت گناہ ہوگا۔

احادیث سے بھی تعدد ازواج کا ثبوت ہوتا ہے، بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے نکاح میں متعدد بیویاں تھیں، عورتیں خوشی خوشی رہتی تھیں اور اس پر شوہر کی مخالفت یا اس کے خلاف احتجاج نہیں کیا جاتا تھا، لہذا دوسرا نکاح کرنے پر احتجاج کرنا اور اسے برا سمجھنا، شوہر کی مخالفت کرنا اور اسے طلاق دینے پر مجبور کرنا شرعی حکم کی خلاف

ورزی ہوگی اور اس میں عقیدہ کی بھی خرابی ہے۔

حدیث میں ہے: عن ابن عمر رضی الله عنه ان غیلان بن سلمة الثقفی اسلم وله عشر نسوة فی الجاهلیة فاسلمن معه فقال النبی صلی الله علیه وسلم امسک اربعا وفارق سائرهن رواه احمد و الترمذی وابن ماجة (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۴ باب المحرمات)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی مسلمان ہوئے، اس وقت ان کے نکاح میں دس عورتیں تھیں وہ بھی ان کے ساتھ مسلمان ہوئی تھیں، نبی کریم ﷺ نے (حکم قرآنی جو اوپر مذکور ہوا کے مطابق) فرمایا، ان عورتوں میں سے چار کو منتخب کرلو، اور بقیہ عورتوں سے مفارقت (جدائیگی) اختیار کرلو۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۴)

نیز حدیث میں ہے: عن نوفل بن معاویة رضی الله عنه قال اسلمت وتحتی خمس نسوة فسألت النبی صلی الله علیه وسلم فقال فارق واحدة وامسک اربعاً ... الخ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۴ باب المحرمات)

حضرت نوفل بن معاویہ فرماتے ہیں جس وقت میں مسلمان ہوا اس وقت میرے نکاح میں پانچ عورتیں تھیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک عورت کو جدا کردو اور چار کو روکے رکھو (مشکوٰۃ ص ۲۷۴)

بہر حال دوسرا نکاح کرنا شرعی اعتبار سے بالکل جائز ہے، قرآن وحدیث کے خلاف نہیں ہے، ہر مسلمان کو مسلمان ہونے کے اعتبار سے اسے جائز سمجھنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا جو فیصلہ ہو خوشی خوشی اسے تسلیم کرنا اور اس پر ایمان لانا چاہئے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم اور فیصلہ سے انحراف کرنا بہت ہی خطرناک ہے، قرآن مجید میں ہے۔

وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی الله ورسوله امراً ان یکون لهم الخیرة من امرهم ومن یعص الله ورسوله فقد ضل ضلالاً مبیناO (قران مجید، سورۃ احزاب آیت نمبر ۳۶ پارہ نمبر ۲۲)

ترجمہ: اور کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار عورت کو گنجائش نہیں ہے جب کہ اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں کہ پھر ان کو ان کے اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسول کا حکم نہیں مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا۔

نیز ارشاد خداوندی ہے۔

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیماًO (قرآن مجید پ ۵ سورۃ نساء آیت نمبر ۶۵)

ترجمہ: پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک کہ یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کراویں پھر اس آپ کے تصفیہ سے تنگی نہ پاوے اور پورے طور سے تسلیم کرلیں۔

مذکورہ دونوں آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلہ کو دل وجان سے تسلیم

کرنا، اور اپنے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کو اپنا مقتدیٰ بنانا لازم اور ضروری ہے اور اس کی طرف سے دل میں ذرہ برابر تنگی اور تکدر نہ آنا چاہئے اور یہ ایمان کی علامت ہے، مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے روح المعانی میں تحریر فرمایا ہے (فلا وربک ... حتی یحکموک) ای یجعلوک حکماً او حاکما. وقال شیخ الاسلام یتحاکموا الیک ویترا فعوا وانما جئی بصیغة التحکیم مع انه صلی اللہ علیه وسلم حاکم بامر اللہ ایذاناً بان اللائق بهم ان یجعلوه علیه الصلوٰة والسلام حکماً فیما بینهم ویراضوا بحکمه..... (فیما شجر بینهم) ای فیما اختلف بینهم من الامور ثم لا یجدوا فی انفسهم)قلوبهم (حرجاً) ای شکاً، کما قاله مجاهد. او ضیقا. کما قاله الجبائی. او اثما کما روی عن الضحاک، واختار بعض المحققین تفسیره بضیق الصدر لشائبة الکراهة والاباء... (مما قضیت ویسلموا تسلیماً) ای ینقادوا لأمرک ویذعنوا له بظاهرهم وباطنهم کما یشعر به التاکید. ولعل حکم هذه الایة باق الی یوم القیامة ولیس مخصوصا بالذین کانوا فی عصر النبی صلی اللہ علیه وسلم فان قضاء شریعته علیه الصلوٰة والسلام قضاءه، فقد روی عن الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنه انه قال: لو ان قوماً عبدوا اللہ تعالیٰ واقاموا الصلوٰة واتوا الزکوٰة وصاموا رمضان وحجوا البیت ثم قالوا الشئی صنعه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الا صنع خلاف ماصنع، او وجدوا فی انفسهم حرجا لکانوا مشرکین ثم تلا هذه الایة (روح المعانی ص ۷۱ الجزء الخامس)

خلاصۃ التفاسیر میں ہے: "احکام شرعیہ سے دل میں تکدر بے ایمانی کی نشانی ہے" (خلاصۃ التفاسیر ص ۴۰۹ حصہ اول)

تشریح القرآن میں ہے:

"ہر مسلمان کو چاہئے کہ زندگی کی تمام معاملات اور دنیا و آخرت کی تمام باتوں میں اللہ کے رسول ﷺ کے نمونے اور فیصلہ کو اپنے اوپر لازم کرے اور اس فیصلہ میں ہر طرح کے جانی و مالی نقصان کو خوشی خوشی قبول کرے اور دل میں بھی اللہ کے رسول ﷺ کی محبت کو خوب جمائے رکھے چاہے فیصلہ ہمارے خلاف ہی کیوں نہ ہو" (تشریح القرآن، سورۂ نساء آیت نمبر ۶۵، پ ۵، از مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب دام مجدہ)

احکام الٰہی سے اعراض اور اس کی مخالفت کرنا دنیا اور آخرت کے اعتبار سے بہت ہی خطرناک ہے، ارشاد ربانی ہے۔

فلیحذر الذین یخالفون عن امره ان تصیبهم فتنة او یصیبهم عذاب الیم. (قرآن مجید سورۂ نور آیت نمبر ۶۳ پارہ نمبر ۱۸)

ترجمہ: سو جو لوگ اللہ کے حکم کی (جو بواسطہ رسول ﷺ پہنچا ہے) مخالفت کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ ان پر دنیا میں کوئی آفت نہ آپڑے یا ان پر دردناک عذاب نازل نہ ہو جائے۔

''فوائد عثمانی'' میں ہے: یعنی اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ان کے دلوں میں کفر و نفاق وغیرہ کا فتنہ ہمیشہ کے لئے جڑ نہ پکڑ جائے، اور اس طرح دنیا کی کسی سخت آفت یا آخرت کے دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں (فوائد عثمانی)

مذکورہ آیتوں کا خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم اور فیصلوں کو ماننا لازم اور ضروری ہے، دوسرا نکاح اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کے مطابق جائز ہے، لہٰذا اسے دل سے قبول کرنا ضروری ہے اور اس کی طرف سے دل میں کھوٹ لانا اور اس کی مخالفت کرنا ایمان کے لئے خطرناک ہے اور دنیا میں بھی باعث فتنہ ہے، شرعی فیصلہ ٹھکرانے پر جو سخت وعیدیں ہیں ان کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

اسلام نے تعدد ازواج کی اجازت دی ہے اس میں بہت سی مصلحتیں بھی ہیں مثلاً۔(۱) عام طور پر عورتوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، متعدد نکاح جائز ہونے میں عورتوں کے نکاح کا مسئلہ حل ہونے میں بہت آسانی ہو سکتی ہے خاص طور پر عورت بیوہ یا مطلقہ ہو تو اس سے جلدی کوئی نکاح نہیں کرتا، تعدد نکاح کے جواز میں ان کے نکاح کا بآسانی انتظام ہو سکے گا، اور ایسی عورتیں باعفت زندگی گذار سکیں گی اور ان عورتوں کے نان نفقہ اور گذر بسر کے مسائل بھی بآسانی حل ہو سکیں گے اور درحقیقت عورتوں (اور مردوں) کے لئے نکاح بہت ضروری ہے۔ حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ نے اپنی مشہور کتاب غنیۃ الطالبین میں حدیث نقل فرمائی ہے۔

مسکینة مسکینة امرأة لیس لها زوج ، فیل یا رسول الله وان کانت غنیة من المال قال وان کانت غنیة من المال.

ترجمہ: مسکینہ ہے مسکینہ ہے وہ عورت جس کا شوہر نہ ہو پوچھا گیا یا رسول اللہ! اگر وہ عورت مالدار ہو تب بھی مسکینہ ہے؟ نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا تب بھی وہ مسکینہ ہے (غنیۃ الطالبین عربی ص ۹۶ ج ۱ فصل فی آداب النکاح)

دوسری حدیث، **لیس شئی خیر الامرأة من زوج او قبر**. یعنی: عورت کے لئے آغوش شوہر یا گوشۂ قبر سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے (غنیۃ الطالبین ایضاً ص ۹۶ ج ۱)

(۲) بعض مرتبہ بیوی ہونے کے باوجود اولاد نہیں ہوتی وہ بانجھ ہوتی ہے یا ایسی کوئی بیماری ہوتی ہے جس کی وجہ سے اولاد ہونا بظاہر مشکل معلوم ہوتا ہے اور شوہر اولاد کا خواہش مند ہوتا ہے تعدد ازواج کے جواز میں اس مسئلہ کا بھی حل نکل سکتا ہے۔

(۳) بعض مردوں میں قوت باہ زیادہ ہوتی ہے، ایک عورت سے اسے شکم سیری نہیں ہوتی اگر اسے دوسرا نکاح کرنے کی اجازت نہ دی جائے تو وہ زناکاری اور بے نکاحی داشتاؤں کے چکر میں پھنس کر حرام کاری میں مبتلا ہو سکتا ہے، زناکاری کے انسداد کا بہترین علاج تعدد ازواج ہے۔

معارف القرآن میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

ایک مرد کے لئے متعدد بیبیاں رکھنا اسلام سے پہلے بھی تقریباً دنیا کے تمام مذاہب میں جائز سمجھا جاتا تھا۔ عرب، ہندوستان، ایران، مصر، بابل وغیرہ ممالک کی ہر قوم میں کثرت ازواج کی رسم جاری تھی اور اس کی فطری

ضرورتوں سے آج بھی کوئی انکار نہیں کرسکتا دور حاضر میں یورپ نے اپنے متقدمین کے خلاف تعدد ازواج کو ناجائز کرنے کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ بے نکاحی داشتاؤں کی صورت میں برآمد ہوا، بالآخر فطری قانون غالب آیا اور اب وہاں کے اہل بصیرت حکما، خود اس کو رواج دینے کے حق میں ہیں مسٹر ڈیوں پورٹ جو ایک مشہور عیسائی فاضل ہے تعدد ازواج کی حمایت میں انجیل کی بہت سی آیتیں نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے۔

"ان آیتوں سے یہ پایا جاتا ہے کہ تعدد ازواج صرف پسندیدہ ہی نہیں بلکہ خدا نے اس میں خاص برکت دی ہے۔"

اسی طرح پادری نکسن اور جان ملٹن اور اپرک ٹیلر نے پرزور الفاظ میں اس کی تائید کی ہے، اسی طرح ویدک تعلیم غیر محدود تعدد ازواج کو جائز رکھتی ہے اور اس سے دس دس، تیرہ تیرہ، ستائیس ستائیس بیویوں کو ایک وقت میں جمع رکھنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

کرشن جو ہندوؤں میں واجب التعظیم اوتار مانے جاتے ہیں ان کی ہزاروں بیبیاں تھیں جو مذہب اور قانون عفت وعصمت کو قائم رکھنا چاہتا ہو، اور زنا کاری کا انسداد ضروری جانتا ہو، اس کے لئے کوئی چارہ نہیں کہ تعدد ازواج کی اجازت نہ دے، اس میں زنا کاری کا بھی انسداد ہے اور مردوں کی بہ نسبت عورتوں کی جو کثرت بہت سے علاقوں میں پائی جاتی ہے اس کا بھی علاج ہے، اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو داشتہ اور پیشہ ور کسبی عورتوں کی افراط ہوگی، یہی وجہ ہے کہ جن قوموں میں تعدد ازواج کی اجازت نہیں ان میں زنا کاری کی کثرت ہے، یورپین اقوام کو دیکھ لیجئے ان کے یہاں تعدد ازواج پر تو پابندی ہے مگر بطور دوستانہ جتنی بھی عورتوں سے مرد زنا کرتا ہے اس کی پوری اجازت ہے، کیا تماشہ ہے کہ نکاح ممنوع اور زنا جائز۔

غرض اسلام سے پہلے کثرت ازدواج کی رسم بغیر کسی تحدید کے رائج تھی، ممالک اور مذاہب کی تاریخ سے جہاں تک معلوم ہوتا ہے کسی مذہب اور کسی قانون نے اس پر حد نہ لگائی تھی نہ یہود و نصاریٰ نے، نہ ہندوؤں اور آریوں نے اور نہ پارسیوں نے۔

اسلام کے ابتدائی زمانے میں بھی یہ رسم بغیر کسی تحدید کے جاری رہی۔ لیکن اس غیر محدود کثرت ازدواج کا نتیجہ یہ تھا کہ لوگ اول اول تو حرص میں بہت سے نکاح کر لیتے تھے، مگر پھر ان کے حقوق ادا نہ کر سکتے تھے، اور یہ عورتیں ان کے نکاح میں ایک قیدی کی حیثیت سے زندگی گذارتی تھیں، پھر جو عورتیں ایک شخص کے نکاح میں ہوتیں ان میں عدل و مساوات کا کہیں نام ونشان نہ تھا، جس سے دل بستگی ہوئی اس کو نوازا گیا جس سے رخ پھر گیا اس کے کسی حق کی پرواہ نہیں۔

اسلام نے تعدد ازدواج پر ضروری پابندی لگائی اور عدل ومساوات کا قانون جاری کیا:

قرآن نے عام معاشرہ کے اس ظلم عظیم کو روکا، تعدد ازواج پہ پابندی لگائی اور چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام قرار دیا، اور جو عورتیں ایک ہی وقت میں نکاح کے اندر ہیں ان میں مساوات حقوق کا نہایت مؤکد حکم اور اس کے خلاف ورزی پر وعید شدید سنائی۔ الیٰ قولہ۔ چار بیویوں تک کی اجازت دے کر فرمایا فان خفتم ان لا تعدلوا

فواحدۃ یعنی اگر تم کو اس کا خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی بیوی پر بس کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ نکاح کرنا اسی صورت میں جائز اور مناسب ہے جب کہ شریعت کے مطابق سب بیویوں میں برابری کر سکے اور سب کے حقوق کا لحاظ رکھ سکے، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو ایک ہی بیوی رکھی جائے ... الی قولہ

حاصل یہ ہے کہ اگرچہ قرآن کریم نے چار عورتیں تک نکاح میں رکھنے کی اجازت دیدی اور اس حد کے اندر جو نکاح کئے جائیں گے وہ صحیح اور جائز ہوں گے لیکن متعدد بیویاں ہونے کی صورت میں ان میں عدل و مساوات قائم رکھنا واجب ہے اور اس کے خلاف کرنا گناہ عظیم ہے اس لئے جب ایک سے زیادہ نکاح کا ارادہ کرو تو پہلے اپنے حالات کا جائزہ لو کہ سب کے حقوق عدل و مساوات کے ساتھ پورا کرنے کی قدرت بھی ہے یا نہیں، اگر یہ احتمال غالب ہو کہ عدل و مساوات قائم نہ رکھ سکو گے تو ایک سے زائد نکاح پر اقدام کرنا اپنے آپ کو ایک گناہ عظیم میں مبتلا کرنے پر اقدام ہے، اس سے باز رہنا چاہئے اور اس حالت میں صرف ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرنا چاہئے ... الی قولہ ...

ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے نکاح میں دو عورتیں ہوں اور وہ ان کے حقوق میں برابری اور انصاف نہ کر سکے تو وہ قیامت میں اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا (مشکوٰۃ ص ۲۷۸)

البتہ یہ مساوات ان امور میں ضروری ہے جو انسان کے اختیار میں ہیں، مثلاً نفقہ میں برابری، شب باشی میں برابری، رہا وہ امر جو انسان کے اختیار میں نہیں مثلاً قلب کا میلان کسی کی طرف زیادہ ہو جائے تو اس غیر اختیاری معاملہ میں اس پر کوئی مواخذہ نہیں بشرطیکہ اس میلان کا اثر اختیاری معاملات پر نہ پڑے ... الخ (معارف القرآن ج ۲ ص ۲۸۷، ص ۲۹۴ جلد دوم)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے بھی اس مسئلہ پر بہت عمدہ مضمون تحریر فرمایا ہے، وہ مضمون بھی پیش کیا جاتا ہے، سیرت مصطفےٰ میں ہے۔

تعدد ازدواج

تاریخ عالم کے مسلمات میں سے ہے کہ اسلام سے پہلے تمام دنیا میں یہ رواج تھا کہ ایک شخص کئی کئی عورتوں کو اپنی زوجیت میں رکھتا تھا اور یہ دستور تمام دنیا میں رائج تھا حتی کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اس دستور سے مستثنیٰ نہ تھے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو بیویاں تھیں، حضرت اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھی متعدد بیویاں تھیں، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھی کئی بیویاں تھیں، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بیسیوں بیویاں تھیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے سو بیویاں تھیں اور توریت وانجیل اور دیگر صحف انبیاء میں حضرات انبیاء کی متعدد ازواج کا ذکر ہے اور کہیں بھی تعدد ازواج کی ممانعت کا ادنیٰ اشارہ بھی نہیں پایا جاتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام صرف یہ دو نبی ایسے گذرے ہیں کہ جنہوں نے بالکل شادی نہیں فرمائی، سو اگر ان کے فعل کو استدلال

میں پیش کیا جائے تو ایک شادی بھی ممنوع ہو جائے گی، عیسیٰ علیہ السلام نے رفع الی السماء سے پہلے اگر چہ شادی نہیں کی مگر نزول کے بعد شادی فرمائیں گے اور اولاد بھی ہوگی جیسا کہ احادیث میں آیا ہے. غرض یہ کہ علماء یہود اور علماء نصاریٰ کو مذہبی لحاظ سے تعدد از دواج پر اعتراض کا کوئی حق نہیں، اسلام آیا اور اس نے تعدد از دواج کو جائز قرار دیا مگر اس کی حد مقرر کر دی کہ چار سے تجاوز نہ کیا جائے اس لئے کہ نکاح سے مقصود عفت اور تحصین فرج ہے یعنی پاک دامنی اور شرم گاہ کی زنا سے حفاظت مقصود ہے، چار عورتوں میں جب ہر تین شب کے بعد عورت کی طرف رجوع کرے گا تو اس کے حقوق زوجیت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

شریعت اسلامیہ نے غایت درجہ اعتدال اور توسط کو ملحوظ رکھا نہ تو جاہلیت کی طرح غیر محدود کثرت کی اجازت دی کہ جس سے شہوت رانی کا دروازہ کھل جائے اور نہ اتنی تنگی کی کہ ایک سے زائد کی اجازت ہی نہ دی جائے بلکہ بین بین حالت کو برقرار رکھا کہ چار تک اجازت دی تا کہ:

(۱) نکاح کی غرض وغایت یعنی عفت اور حفاظت نظر اور تحصین فرج اور تناسل اور اولاد بسہولت حاصل ہو سکے اور زنا سے بالکلیہ محفوظ ہو جائے اس لئے کہ قدرت نے بعض لوگوں کو ایسا قوی اور تندرست اور فارغ البال اور خوش حال بنایا ہے کہ ان کے لئے ایک عورت کافی نہیں ہو سکتی اور بوجہ قوت اور توانائی، اور پھر خوش حالی اور تونگری کی وجہ سے چار بیویوں کے بلا تکلف حقوق زوجیت ادا کرنے پر قادر ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کو دوسرے نکاح سے روکنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان سے تقویٰ اور پرہیز گاری اور پاک دامنی تو رخصت ہو جائے گی اور بدکاری میں مبتلا ہو جائیں گے۔

بلکہ اگر ایسے قوی اور توانا جن کے پاس لاکھوں اور کروڑوں کی دولت موجود ہے اور اگر وہ اپنے خاندان کے چار غریب عورتوں سے اس لئے نکاح کریں کہ ان کی تنگدستی مبدل بفراخی ہو جائے اور وہ غربت کے گھرانہ سے نکل کر ایک راحت اور دولت کے گھرانے میں داخل ہوں اور حق تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر کریں تو امید ہے کہ ایسا نکاح اسلامی نقطۂ نظر سے بلاشبہ عبادت اور عین عبادت ہوگا اور قومی نقطہ نظر سے اعلیٰ ترین قومی ہمدردی کا ثبوت ہوگا جس دولت مند اور زمیندار اور سرمایہ دار کے خزانے سے ہر مہینہ دس ہزار مزدور اور دس ہزار خاندان پرورش پاتے ہوں تو اگر دولت مند کے خاندان کی چار عورتیں بھی اس کی حرم سرائے میں داخل ہو جائیں اور عیش وعشرت اور عزت وراحت کے ساتھ ان کی عزت اور ناموس بھی محفوظ ہو جائے تو عقلاً وشرعاً اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔

بلکہ اگر کوئی بادشاہ یا صدر مملکت یا وزیر سلطنت یا کوئی صاحب ثروت ودولت بیمار پڑ جائے اور پھر بذریعہ اخبار کے یہ اعلان کرائے کہ میں چار عورتوں سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور ہر عورت کو ایک لاکھ روپیہ مہر دوں گا اور ایک ایک بنگلہ کا ہر ایک کو مالک بنا دوں گا۔ جو عورت مجھ سے نکاح کرنا چاہے تو وہ میرے پاس درخواست بھیج دے۔

تو سب سے پہلے انہیں بیگمات کی درخواستیں پہنچیں گی جو تعدد ازواج کے مسئلہ پر شور برپا کر رہی ہیں یہی مغرب زدہ بیگمات اور ہم رنگ میمات سب سے پہلے اپنے آپ کو اور اپنی بیٹیوں کو اور بھتیجیوں اور بھانجیوں کو لے کر امراء اور وزراء کی بنگلوں پر خود حاضر ہو جائیں گی اور عجب نہیں کہ ان بیگمات کا اتنا ہجوم ہو جائے کہ امیر ووزیر کو انتظام کے لئے پولیس بلانا پڑ جائے اور اگر کوئی امیر اور وزیر ان بیگمات کے قبول کرنے میں تامل کرے تو یہی بیگمات دلآ ویز طریقے سے ان امیروں اور وزیروں کو تعدد ازواج کے فوائد اور منافع سمجھائیں گی۔

(۱) نیز عورت ہر وقت اس قابل نہیں رہتی کہ خاوند سے ہم بستر ہو سکے کیونکہ اول تو لازمی طور پر ہر مہینہ میں عورت پر پانچ چھ دن ایسے آتے ہیں یعنی ایام ماہواری جس میں مرد کو پرہیز کرنا لازمی ہوتا ہے۔ دوسرے ایام حمل میں عورت کو مرد کی صحبت سے اس لئے پرہیز ضروری ہوتا ہے کہ جنین کی صحت پر کوئی برا اثر نہ پڑے تیسرے یہ کہ بسا اوقات ایک عورت امراض کی وجہ سے پاگل اور توالد و تناسل کی تکلیف میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں رہتی کہ مرد اس سے متنفع ہو سکے تو ایسی صورت میں مرد کے زنا سے محفوظ رہنے کی عقلاً اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کہ اس کو دوسرے نکاح کی اجازت دی جائے ورنہ مرد اپنی خواہش پورا کرنے کے لئے ناجائز ذرائع استعمال کریں گے۔

حکایت:

ایک بزرگ کی بیوی نابینا ہوگئی تو انہوں نے دوسرا نکاح کیا تاکہ یہ دوسری بیوی پہلی نابینا بیوی کی خدمت کر سکے۔

اہل عقل فتویٰ دیں کہ اگر کسی کی پہلی بیوی معذور ہو جائے اور وہ دوسرا نکاح اس لئے کرے تاکہ دوسری بیوی آ کر پہلی بیوی کی خدمت کر سکے اور اس کے بچوں کی تربیت کر سکے تو کیا یہ دوسرا نکاح عین مروت اور عین انسانیت نہ ہوگا؟

(۳) نیز بسا اوقات عورت امراض کی وجہ سے یا عقیم (بانجھ) ہونے کی وجہ سے توالد و تناسل کے قابل نہیں رہتی اور مرد کو بقاء نسل کی طرف فطری رغبت ہے، ایسی صورت میں عورت کو بے وجہ طلاق دے کر علیحدہ کر دینا یا اس پر کوئی الزام لگا کر اس کو طلاق دے دینا (جیسا کہ دن رات یورپ میں ہوتا رہتا ہے) بہتر ہے یا یہ صورت بہتر ہے کہ اس کی زوجیت اور حقوق زوجیت کو باقی اور محفوظ رکھ کر شوہر کو دوسرے نکاح کی اجازت دے دی جائے بتلاؤ کون سی صورت بہتر ہے، اگر کسی قوم کو اپنی تعداد بڑھانی منظور ہو تو اس کی سب سے بہتر تدبیر یہی ہو سکتی ہے کہ ایک ایک مرد کئی شادیاں کرے تاکہ بہت سی اولاد ہو سکے، زمانۂ جاہلیت میں فقر اور افلاس کے ڈر سے صرف لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے، اور موجودہ تہذیب و تمدن کے دور میں ضبط تولید کی دوائیں ایجاد ہو گئیں جس سے موجودہ تہذیب قدیم جاہلیت پر سبقت لے گئی اپنی ذہانت سے نسل کشی اور زنا اور بدکاری کے پردہ پوشی کے عجیب و غریب طریقے جاری کر دے جو اب تک کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ گزرے تھے۔

(۴) نیز تجربہ اور مشاہدہ سے اور مردم شماری کے نقشوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی تعداد قدرتاً اور عادۃً ہمیشہ مردوں سے زیادہ رہتی ہے جو کہ قدرتی طور پر تعداد ازدواج کی ایک بین دلیل ہے، مرد بہ نسبت عورتوں کے پیدا کم ہوتے ہیں اور مرتے زیادہ ہیں، لاکھوں مرد لڑائیوں میں مارے جاتے ہیں، اور ہزاروں مرد جہازوں میں ڈوب کر مر جاتے ہیں اور ہزاروں مرد کانوں میں دب کر اور تعمیرات میں بلندیوں سے گر کر مر جاتے ہیں اور عورتیں پیدا زیادہ ہوتی ہیں اور مرتی کم ہیں، پس اگر ایک مرد کو کئی شادیوں کی اجازت نہ دی جائے تو یہ فاضل عورتیں بالکل معطل اور بیکار رہیں کون ان کی معاش کا کفیل اور ذمہ دار بنے، اور کس طرح یہ عورتیں اپنی فطری خواہش کو دبائیں اور اپنے کو زنا سے محفوظ رکھیں، بس تعداد ازدواج کا حکم بے کس عورتوں کا سہارا ہے اور ان کی عصمت اور ناموس کی حفاظت کا واحد ذریعہ

ہے اوران کی جان اورآبرو کا نگہبان اور پاسبان ہے، عورتوں پر اسلام کے اس احسان کا شکر واجب ہے کہ تم کو تکلیف سے بچایا اور راحت پہنچائی اور ٹھکانہ دیا، اور لوگوں کی تہمت اور بدگمانی سے تم کو محفوظ کر دیا، دنیا میں جب کبھی عظیم الشان لڑائیاں پیش آتی ہیں تو مرد ہی زیادہ مارے جاتے ہیں اور قوم میں جب کبھی عظیم الشان لڑائیاں پیش آتی ہیں تو مرد ہی زیادہ مارے جاتے ہیں اور قوم میں بے کس عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہیں تو اس وقت ہمدردان قوم کی نگاہیں اس اسلامی اصول کی طرف اٹھ جاتی ہیں، ابھی پچیس سال قبل کی بات ہے کہ جنگ عظیم کے بعد جرمنی اور دوسری یورپی ممالک جن کے مذہب میں تعدد ازدواج جائز نہیں، عورتوں کی اس بے کسی کو دیکھ کر اندر ہی اندر تعدد ازدواج کا فتویٰ تیار کر رہے تھے مگر زبان سے دم بخود تھے، جو لوگ تعدد ازدواج کو برا سمجھتے ہیں ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ جب ملک میں عورتیں لاکھوں کی تعداد میں مردوں سے زیادہ ہوں تو ان کی فطری اور طبعی جذبات اوران کی معاشی ضروریات کی تکمیل کے لئے آپ کے پاس کیا حل ہے اور آپ نے ان بیکس اور بے سہارا عورتوں کی مصیبت دور کرنے کے لئے کیا قانون بنایا ہے، حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہ المصالح العقلیہ ج ۱ ص ۱۷۳ میں تحریر فرماتے ہیں۔

گذشتہ مردم شماری میں بعض محاسبین نے صرف بنگال کے مردوں اور عورتوں کی تعداد پر نظر کی تھی تو معلوم ہوا تھا کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے جو کہ قدرتی طور پر تعدد ازدواج پر ایک بین دلیل ہے، جس کو شک ہو وہ علیحدہ علیحدہ مردوں اور عورتوں کی تعداد کو سرکاری کاغذات مردم شماری ہند میں ملاحظہ کرلے کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ثابت ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی ہم اس امر کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں کہ یورپ جس کو سب ممالک سے زیادہ تر تعدد ازدواج کی ضرورت سے منزہ اور مبرا سمجھا جاتا ہے عورتوں کی تعداد مردوں سے کس قدر زیادہ ہے، چنانچہ برطانیہ کلاں میں بوئرون کی جنگ سے پہلے بارہ لاکھ انہتر ہزار تین سو پچاس ۱۲۶۹۳۵۰ عورتیں ایسی تھیں کہ جن کے لئے ایک بیوی والے قاعدہ سے کوئی مرد مہیا نہیں ہوسکتا، فرانس میں ۱۹۰۰ء کی مردم شماری میں عورتوں کی تعداد مردوں سے چار لاکھ تینتیس ہزار سات سو نو زیادہ تھی، جرمنی میں ۱۹۰۰ء کی مردم شماری میں ہر ہزار مرد کے لئے ایک ہزار بتیس عورتیں موجود تھیں گویا کل آبادی میں آٹھ لاکھ ستاسی ہزار چھ سو اڑتالیس عورتیں ایسی تھیں جن سے شادی کرنے والا کوئی مرد نہ تھا۔

سوئیڈن میں ۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں ایک لاکھ بائیس ہزار آٹھ سو ستر عورتیں اور ہسپانیہ میں ۱۸۹۰ء کی مردم شماری میں چار لاکھ ستاون ہزار دو سو باسٹھ عورتیں تھیں اور آسٹریا میں ۱۸۹۰ء میں چھ لاکھ چوالیس ہزار سات سو چھیانوے عورتیں مردوں سے زائد تھیں۔

اب ہم سوال کرتے ہیں کہ اس بات پر فخر کرلینا تو آسان ہے کہ ہم تعدد ازدواج کو برا سمجھتے ہیں مگر یہ بتایا جائے کہ ان کم از کم چالیس لاکھ عورتوں کے لئے کون سا قانون تجویز کیا جائے کیونکہ ایک بیوی کے قاعدہ کی رو سے یورپ میں تو ان کے لئے خاوند نہیں مل سکتے، ہمارا سوال یہ ہے کہ جو قوانین انسانی ضروریات کے لئے بنائے جاتے ہیں وہ انسانی ضروریات کے مطابق بھی ہونے چاہئیں یا نہیں وہ قانون جو تعدد ازدواج کی ممانعت کرتا ہے وہ ان چالیس لاکھ عورتوں کو یہ کہتا ہے کہ وہ اپنی فطرت کے خلاف چلیں اور ان کے دلوں میں مردوں کی کبھی خواہش پیدا نہ ہو لیکن یہ امر تو ناممکن ہے جیسا کہ خود تجربہ اس کی شہادت دے رہا ہے پس نتیجہ یہ ہوگا کہ جائز طریق سے رہ کے جانے

کے باعث وہ ناجائز طریق اختیار کریں گی اور اس طرح انہیں زنا کی کثرت ہوگی اور یہ تعدد ازدواج کی مخالفت کا نتیجہ ہے، اور یہ امر کہ اس سے زنا زیادہ پھیلے گا، خیال ہی نہیں بلکہ امر واقع ہے جیسا کہ ہزار ہا ولد الحرام بچوں کی تعداد سے ثابت ہو رہا ہے جو ہر سال پیدا ہوتے ہیں۔ (حضرت تھانوی کا کلام ختم ہوا)

افسوس اور صد ہزار افسوس

کہ اہل مغرب اسلام کے اس جائز اور سراپا مصلحت آمیز تعدد ازدواج پر تو عیش پسندی کا الزام لگائیں اور غیر محدود ناجائز تعلقات اور بلا نکاح کی لا تعداد آشنائی کو تہذیب اور تمدن سمجھیں، زناء جو کہ تمام انبیاء و مرسلین کی شریعتوں میں حرام اور تمام حکماء کی حکمتوں میں قبیح اور شرمناک فعل رہا مغرب کے مدعیان تہذیب کو اس کا قبح نظر نہیں آتا، اور تعدد ازدواج کہ جو تمام انبیاء و مرسلین اور تمام حکماء اور عقلاء کے نزدیک جائز اور مستحسن رہا وہ ان کو قبیح نظر آتا ہے، ان مہذب قوموں کے نزدیک تعدد ازدواج تو جرم ہے اور زنا اور بدکاری اور غیر عورتوں سے آشنائی جرم نہیں، ان مہذب قوموں میں تعدد ازدواج کی ممانعت کا تو قانون موجود ہے مگر زناء کی ممانعت کا کوئی قانون نہیں۔

(۵) تعدد ازدواج کے جواز اور استحسان کا اصل سبب یہ ہے کہ تعدد ازدواج عفت اور پاک دامنی اور تقویٰ اور پرہیز گاری جیسی عظیم نعمت اور صفت کی حفاظت کا ذریعہ ہے جو لوگ تعدد ازدواج کے مخالف ہیں وہ اندرونی خواہشوں اور بیرونی افعال کا مطالعہ کریں جو قومیں زبان سے پاک تعدد ازدواج کے منکر ہیں وہ عملی طور پر ناپاک تعدد ازدواج یعنی زنا اور بدکاری میں مبتلا اور گرفتار ہیں، ان کی خواہشوں کی وسعت اور دست درازی نے یہ ثابت کر دیا کہ فطرت میں تعدد اور تنوع کی آرزو موجود ہے ورنہ ایک عورت پر قناعت کرتے پس خداوند علیم و حکیم نے اپنے قانون میں انسانوں کی وسیع خواہشوں اور اندرونی میلانوں کی رعایت فرما کر ایسا قانون تجویز فرمایا کہ جو مختلف جذبات والی طبائع کو بھی عفت اور تقویٰ اور طہارت کے دائرہ میں محدود رکھ سکے۔

حضور اقدس ﷺ نے متعدد نکاح فرمائے کچھ بددین اس پر بھی اعتراض کرتے ہیں اس کا جواب بھی مذکورہ مضمون میں دیا ہے وہ بھی موقع کی مناسبت سے پیش کیا جاتا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

آنحضرت ﷺ نے متعدد نکاح کیوں فرمائے:

آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو ورطۂ ہلاکت اور گرداب معصیت سے نکالیں اس کے لئے حق جل شانہٗ نے ایک مکمل قانون اور دستور العمل یعنی قرآن نازل فرمایا کہ جس کے بعد قیامت تک کسی قانون کی ضرورت نہ رہے اور دوسری آپ کی زندگی کو لوگوں کے لئے اسوہ اور نمونہ بنایا کہ اس کو دیکھ کر عمل کریں اس لئے کہ محض قانون لوگوں کی اصلاح کے لئے کافی نہیں جب تک کوئی عملی نمونہ سامنے نہ ہو کہ جو لوگوں کو اپنی طرف مائل کر سکے، اور دنیا یہ دیکھ لے کہ اللہ کا نبی جس چیز کی دعوت دے رہا ہے اس کے قول اور فعل میں ذرہ برابر اختلاف نہیں کما قال تعالیٰ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ.

انسانی زندگی کے دو پہلو

ہر انسانی زندگی کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک بیرونی اور ایک اندرونی، کسی کی عملی حالت کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں رخوں کے حالات بے نقاب کئے جائیں بیرونی زندگی اس حالت کا نام ہے جو انسان عام لوگوں کے سامنے بسر کرتا ہے۔ اس حصہ کے متعلق انسان کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لئے کثرت شواہد دستیاب ہوسکتے ہیں۔

اور اندرونی زندگی سے خانگی زندگی مراد ہے جس سے انسان کی اخلاقی حالت کا صحیح پتہ چل سکتا ہے، ہر فرد اپنے گھر کی چہار دیواری میں آزاد ہوتا ہے اور اپنی بیوی اور اہل خانہ سے بے تکلف ہوتا ہے، انسان کی اخلاقی اور عملی کمزوریاں اہل خانہ سے پوشیدہ نہیں ہوتیں پس ایسی صورت میں انسان کی صحیح زندگی کا اندازہ کرنے کے لئے سب سے بہتر کسوٹی یہی ہے کہ اس کے خانگی حالات دنیا کے سامنے آجائیں۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کے دو پہلو تھے ایک بیرونی زندگی اور ایک خانگی زندگی، بیرونی زندگی کے حالات کو بتمام وکمال صحابہ کرام کی جماعت نے دنیا کو پہنچائے جس کی نظر کسی ملت اور مذہب میں نہیں کسی امت نے اپنے نبی کی زندگی کے حالات اس تفصیل وتحقیق اور تدقیق کے ساتھ تو کیا اس کا عشر عشیر بھی دنیا کے سامنے نہیں پیش کیا۔

اور خانگی اور اندرونی زندگی کے حالات کو امہات المؤمنین یعنی ازواج مطہرات کی جماعت نے دنیا کے سامنے پیش کیا جس سے اندرون خانہ آپ کی عبادت اور تہجد اور شب بیداری اور فقیری اور درویشی اور اخلاقی اور عملی زندگی کے تمام اندرونی اور خانگی حالات دنیا کے سامنے آگئے جس سے حضور پرنور کی خداترسی اور راست بازی اور پاک دامنی روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ رات کی تاریکیوں میں جب کہ سوائے عالم الغیب کے کوئی دیکھنے والا نہ تھا کس طرح آپ اللہ کی عبادت میں ذوق وشوق کے ساتھ مشغول رہتے تھے، جس کے لئے سورۂ مزمل شاہد عدل ہے۔

اس لئے حضور پرنور نے سوائے خدیجۃ الکبریٰ کے دس عورتوں سے نکاح فرمایا، تاکہ عورتوں کی ایک کثیر جماعت آپ کی خانگی زندگی دنیا کے سامنے پیش کرسکے اس لئے کہ بیوی جس قدر شوہر کے رازوں سے واقف ہوسکتی ہے کوئی دوسرا شخص ہرگز ہرگز واقف نہیں ہوسکتا اس لئے حضور ﷺ نے متعدد نکاح فرمائے تاکہ آپ کی خانگی زندگی کے تمام حالات نہایت وثوق کے ساتھ دنیا کے سامنے آجائیں اور ایک کثیر جماعت کی روایت کے بعد کسی قسم کا شک اور شبہ باقی نہ رہے اور شریعت کے وہ احکام ومسائل جو خاص عورتوں سے متعلق ہیں اور مردوں سے بیان کرنے میں حیا اور حجاب مانع ہوتا ہے ایسے احکام شرعیہ کی تبلیغ ازواج مطہرات کے ذریعہ سے ہوجائے اور حضور پرنور کا متعدد عورتوں سے نکاح کرنا معاذ اللہ حظ نفس کے لئے نہ تھا اس لئے کہ حضور ﷺ نے سوائے ایک شادی کے تمام شادیاں بیواؤں سے کی ہیں جو نہ اپنے حسن وجمال کی خاطر مشہور تھیں اور نہ مال ودولت کے اعتبار سے بلکہ معاملہ اس کے برعکس تھا اور نہ آپ کے یہاں کوئی عیش وعشرت کا سامان تھا بلکہ فقط مقصود یہ تھا کہ عورتوں کے متعلق جو شریعت کے احکام ہیں ان کی تبلیغ عورتوں ہی کے ذریعہ ہوسکتی ہے اور ازواج مطہرات کے حجرے درحقیقت امت کے امہات اور معلمات کے حجرے

تھے۔

جس ذات بابرکات کے گھر میں دو دو مہینہ توا نہ چڑھتا ہواور پانی اور کھجور پر اس کا اور اس کی بیویوں کا گذارہ ہو اور جس کا دن مسجد میں اور رات مصلی پر کھڑے ہوئے اس طرح گذرتی ہو کہ اللہ کے سامنے کھڑے کھڑے پاؤں پر ورم آجائے وہاں عیش وعشرت کا تصور ہی محال ہے۔

سیرت المصطفیٰ ﷺ ص ۳۵۰ تا ص ۳۶۳ جلد سوم مطبوعہ ادارہ علم وحکمت دیوبند) فقط واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔

باپ کا لڑکی کا نکاح ایک یا دو گواہ کی موجودگی میں پڑھانا اور شوہر کا قبول کرنا:

(سوال ۲۰۴) محترم جناب حضرت مفتی صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کا جواب ملا جس میں یہ تھا کہ آپ کے رشتہ دار کا نکاح دوبارہ کرنا پڑے گا۔

چنانچہ میں نے اس کے والد، بھائی اور خود اس کو اور لڑکی کو بلوایا، لڑکے کے والد نے اس کا نام لے کر لڑکی سے پوچھا کہ میں نے تیرا نکاح اس لڑکے سے کیا تو راضی ہے؟ لڑکی نے کہا میں راضی ہوں، اس پر لڑکے نے کہا میں بھی راضی ہوں!

اس سے ہم نے سمجھ لیا کہ نکاح ہو گیا، ابھی تین ہی دن گذرے تھے کہ لڑکا مجھ سے آ کر کہتا ہے کہ مجھے شک ہے کہ نکاح ہوا یا نہیں؟ اس پر میں نے اس کے والد کو بلا کر کہا کہ آپ کا بیٹا اس طرح شک کرتا ہے تو انہوں نے بہشتی زیور میں لکھے ہوئے طریقہ کے مطابق دوبارہ نکاح پڑھایا، کچھ مدت کے بعد وہ اس میں بھی شک کرتا ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ اس کا کیا کیا جائے؟ آئندہ پھر ایسا کوئی موقعہ آجائے تو کیا کیا جائے؟ نیز حضرت سے درخواست ہے کہ کوئی وظیفہ یا عمل ایسا بتائیں جس سے اس کا شک دور ہو جائے کیونکہ اس کی طبیعت شکی ہو گئی ہے، جس کی وجہ سے وہ خود اور اہل خانہ بہت پریشان ہیں اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، آمین۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! لڑکا اور لڑکی (عورت) اور لڑکے کے والد اور ان کے بھائی حاضر تھے، ان کے جمع ہونے کا مقصد نکاح کرنا تھا اور اس مجلس میں لڑکے کے والد صاحب کے ذریعہ لڑکی سے پوچھا گیا (لڑکے کا نام لے کر) کہ تیرے ساتھ اس کا نکاح کیا اس سے تو راضی ہے؟ تو لڑکی نے کہا کہ میں راضی ہوں، اس کے بعد لڑکے نے بھی کہا کہ میں راضی ہوں، اس سے نکاح ہو گیا۔

ہدایہ میں ہے: **وعلی هذا اذا زوج الأب ابنته البالغة بمحضر شاهد واحد ان كانت حاضرة جاز وان كانت غائبة لا يجوز** (**ہدایہ اولین ص ۲۸۷ کتاب النکاح**) جس کی وجہ سے دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت نہیں تھی، بہشتی زیور میں جو طریقہ لکھا ہے وہ بھی صحیح ہے اور وہی آسان طریقہ ہے، اور اس میں کوئی شک وشبہ بھی نہ ہوگا مستقبل میں۔ اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے تو کیا کرنا؟ اس کی فکر چھوڑ دیجئے، خدانخواستہ ایسا واقعہ پیش آجائے اس وقت کسی مفتی صاحب یا مستند عالم سے پوچھ کر عمل کریں۔

اپنے رشتہ دار سے کہئے کہ ایسے خیالات چھوڑ دے اور صبح وشام نیز سوتے وقت سورۂ فاتحہ معوذتین اور آیت

الکرسی پڑھ کر اپنے بدن پر دم کرلیا کرے اور پانی پر دم کر کے وہ پانی پی لے۔ نیز سوتے وقت یہ دعا پڑھے۔

اللھم انی اعوذبک من سوء الاحلام ومن ان یتلاعب بی الشیطان من الیقظة والمنام. فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فون پر نکاح کی ایک صورت جس میں نکاح نہیں ہوا:

(سوال ۲۰۵) زید پاکستان کا باشندہ ہے اور بیرون ملک ملازمت کرتا ہے، اس کا رشتہ ایک خاتون کے ذریعہ ہندہ سے طے ہوا جو ہندوستانی ہے، ان دونوں کا نکاح ہندوستان میں بذریعہ ٹیلیفون ہوا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

زید نے اپنا ایک فوٹو (بیرون ملک) جہاں وہ مقیم ہے سے بھیجا جس میں وہ ۲۲ سال کا جوان دکھائی دیتا ہے، ہندہ کی عمر ۱۷ سال کی ہے اس کا فوٹو زید کے پاس بھیجا گیا۔ فوٹو دیکھ کر رشتہ منظور کرلیا گیا، نکاح کی ایک تاریخ مقرر ہوگئی کہ اس روز ٹیلیفون پر نکاح ہوگا، نکاح کے روز لڑکی کے مکان میں کچھ لوگ جمع ہوئے، ایک صاحب کو ہندہ کے نکاح کا وکیل بنایا گیا، اور اس نے دو گواہوں کے سامنے ہندہ سے اجازت و منظوری حاصل کی کہ اس کا نکاح زید کے ساتھ بعوض دس ہزار روپیہ مہر کردیا جائے، قاضی صاحب نے نکاح کے رجسٹر میں تمام ضروری اندراجات کے لئے زید کو فون کیا اور فون پر ایجاب وقبول ہوا جس کی نوعیت یہ ہے: قاضی صاحب نے وکیل کا بیان لیا اور گواہوں نے اس کی تصدیق کی پھر قاضی صاحب نے زید کو فون پر نکاح کا پیغام دیا اور زید نے فون پر اس کو قبول کیا) اس طرح یہ نکاح منعقد ہوا، زید نکاح ہونے سے پہلے کبھی ہندوستان نہیں آیا، ہندہ اس کے والدین اس کے نکاح کا وکیل اور شاہدین اور قاضی صاحب کسی نے بھی اس کو نہیں دیکھا تھا نہ اس کی آواز کی پہچان کسی کو تھی، نکاح کے ڈیڑھ سال بعد زید جب اپنی اس منکوحہ ہندہ کو لے جانے کے لئے ہندوستان آیا تو ہندہ اور اس کے والدین نے اس میں فوٹو والے زید سے بہت فرق محسوس کیا، اس کے پاسپورٹ میں اس کی عمر ۴۸ سال لکھی تھی جب کہ نکاح کے وقت ۲۵ سال بتائی گئی تھی، بالوں میں خضاب بھی لگا ہوا تھا، اور ہندہ کو لے جانے کے لئے جو ویزا بنا کر لایا تھا اس میں اس کو خادمہ لکھا تھا، بنا، بریں ہندہ اور اس کے والدین نے اس نکاح سے انکار کردیا اور ہندہ اس کے ساتھ نہیں گئی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ فون پر جس صورت میں یہ نکاح ہوا ہے وہ از روئے شرع شریف صحیح ہے یا نہیں؟ اور ہندہ دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! یہ نکاح شرعی قانون کے مطابق منعقد نہیں ہوا ہے، اس لئے کہ شوہر بھی مجہول ہے اور ایجاب وقبول کی مجلس بھی متحد نہیں ہے اور نہ شاہدین نے ایک ہی مجلس میں ایجاب وقبول سنا ہے۔ **ومنھا ان یکون الایجاب والقبول فی مجلس واحد حتی لو اختلف المجلس بان کانا حاضرین فاوجب احدھما فقام الاخر عن المجلس قبل القبول او اشتغل بعمل یوجب اختلاف المجلس لاینعقد وکذا اذا کان احدھما غائبا لم ینعقد (فتاوی عالمگیری ج ۲ ص ۲ کتاب النکاح) ومنھا سماع الشاھدین کلامھما معا ھکذا فی فتح القدیر (عالمگیری ج ۲ ص ۱)**

اس لئے عورت آزاد ہے جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے، طلاق حاصل کرنے اور فسخ نکاح کی قطعاً

ضرورت نہیں ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نکاح بذریعۂ خط:

(سوال ۲۰۶) یہاں پر ایک محترم کا نواسہ مسمی زید لندن میں ہے اوران کی پوتی فاطمہ یہاں ہندوستان میں ہے دونوں کی منگنی تو کئی سال سے ہوچکی ہے،ان دونوں میں نکاح کا سوال درپیش ہے بغیر نکاح کی اسناد کے پاسپورٹ نہیں بن سکتا،اب ان کے نکاح کی کیا صورت اختیار کی جائے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں زید فاطمہ کو لکھے کہ میں نے تیرے ساتھ اپنا نکاح کرلیا،وہ خط جب عورت کو پہنچے تو وہ شرعی گواہوں کے سامنے کہے کہ یہ خط میرے پاس آیا ہے اور میں اس لڑکے سے نکاح کرتی ہوں تو یہ ایجاب وقبول صحیح ہوجائے گا۔

یا لڑکی لڑکے کو خط لکھے کہ میں نے اپنی ذات تمہارے نکاح میں دے دی ہے اس خط کو لڑکا شرعی گواہوں کے سامنے پڑھے اور کہے کہ میں نے اس خط کو منظور کرلیا تو یہ ایجاب وقبول صحیح ہوجائے گا،فتاویٰ عالمگیری میں ہے:ولو ارسل الیھا رسولاً او کتب الیھا بذلک کتابا فقبلت بحضرۃ شاھدین سمعا کلام الرسول وقراءۃ الکتابۃ جاز لاتحاد المجلس من حیث المعنی (ج۲ ص ۲ کتاب النکاح) فقط واللہ اعلم بالصواب.

نکاح کے گواہ کیسے ہونے چاہئیں:

(سوال ۲۰۷)عقد نکاح کے لئے گواہوں کا عادل ہونا شرط ہے یا نہیں؟

(الجواب) عقد نکاح کے لئے حنفی مذہب میں گواہوں کا عادل ہونا شرط نہیں۔البتہ ثبوت عند القاضی کے لئے عدالت شرط ہے، تحقق نکاح فاسق معلن بالفسق گواہ بھی ہوجاتا ہے۔ویصح شھادۃ الفاسقین والاعمین کذا فی فتاویٰ قاضی خان فتاویٰ عالمگیری کتاب النکاح ج۱ ص ۲۶۷.فقط واللہ اعلم بالصواب (مکتوبات شیخ الاسلام مکتوب ۹۴ ج ۱ ص ۳۰۳).

محرمات

عورت کی عدت میں اس کی بہن سے نکاح درست نہیں :

(سوال ۲۰۸) میری عورت ہمیشہ بیمار رہتی ہے۔شادی ہونے کو دس برس ہوئے کوئی اولاد نہیں ۔جس بناء پر عورت کی رضامندی سے اس کی چھوٹی بہن کے ساتھ عقد نکاح طے کیا۔پھر یہ بات معلوم ہوئی کہ عورت کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی بہن سے نکاح درست نہیں ۔میں نے چارو ناچار بیوی کو تین طلاق دی اور عدت گذرنے سے پہلے اس کی بہن سے نکاح کرلیا۔اب میری مطلقہ عورت دوبارہ نکاح کر کے واپس آنا چاہتی ہے۔تو اس بارے میں رہبری فرمائیں۔کہ میں کیا کروں؟

(الجواب) عورت نکاح میں ہو یا عدت طلاق میں ہو تو اس کی بہن،خالہ،پھوپھی،بھتیجی،اور بھانجی کے ساتھ نکاح ناجائز اور حرام ہے۔قرآن مجید میں ہے۔" وان تجمعوا بین الا ختین ." (ترجمہ)اور حرام ہے دو بہنوں کو جمع کرنا۔(سورۂ نساء ع ۴)اور حدیث شریف میں ہے۔" من کان یؤ من باللہ والیوم الا خر فلا یجمعن ماء ہ' فی رحم اختین." (ترجمہ) جو کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے تو وہ اپنا پانی (منی) دو بہنوں کے رحم میں ہرگز نہ کرے۔(ہدایہ ص ۲۸۸ ج ۲ فصل فی بیان المحر مات)اور حدیث شریف میں ہے۔

"باب ماجاء فی الرجل یسلم وعندہ اختان حدثنا قتیة وابن لھیعةعن ابی وھب الجیشانی انہ سمع ابن فیروز الدیلمی یحدث عن ابیہ قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) انی اسلمت وتحتی اختان فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختر ایتھما شئت: ھذا حدیث حسن غریب وابو وھب الجیشانی اسمہ' الدیلم ابن ھو شع." (یعنی) دیلمی جب ایمان لائے تو ان کے نکاح میں دو بہنیں تھیں۔آپ ﷺ نے دونوں بہنوں میں سے ایک کو رکھنے کا اور دوسری کو چھوڑ دینے کا حکم فرمایا۔(ترمذی شریف ص ۱۳۴ ج ۱)

آپ نے عورت کو طلاق دی ہے۔لیکن اس کی عدت میں اس کی بہن سے نکاح کیا ہے تو یہ باطل ہے اور معتبر نہیں۔لہذا فوراً اس کو الگ کر دیجئے۔"والجمع بین الا ختین نکاحاً وعدةً ولو من بائن ." الخ (شرح وقایہ ص ۱۳ ج ۲ فصل من یحرم نکاحہ وغیرہ) عدت کے بعد بہن سے نکاح صحیح ہے۔آپ نے عورت کو تین طلاق دی ہے لہذا بدون شرعی حلالہ کے آپ کے لئے حلال نہیں رہی۔اگر اس کی بہن نکاح میں ہو تو حلالہ کے بعد بھی حلال نہیں ہوگی۔دو بہنوں کو نکاح میں رکھنے کا رواج روز بروز بڑھتا جارہا ہے۔مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ لوگوں کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔ورنہ سخت گنہگار اور غضب الٰہی کے مستحق ہوں گے (العیاذ باللہ) واللہ اعلم بالصواب۔

غیر مدخولہ مطلقہ کی لڑکی کے ساتھ نکاح صحیح ہے یا نہیں :

(سوال ۲۰۹) ایک عورت سے نکاح ہوا اور خلوت سے پہلے ہی طلاق ہوگئی۔تو اب اس کی لڑکی کے ساتھ اس مرد کا

نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب خلوت نہ ہوئی اور اس سے پہلے ہی طلاق ہوئی ہے تو اس کی لڑکی کے ساتھ نکاح درست ہے۔ ہاں! اس کی ماں کے ساتھ نکاح درست نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ "وربائبکم اللتی فی حجور کم من نسائکم اللتی دخلتم بهن ." (ترجمہ) اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو کہ (عادۃً) تمہاری پرورش میں رہتی ہیں۔ جوان بیویوں سے (ہوں) جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو۔ حدیث شریف میں ہے۔" باب ماجاء من یتزوج المرأة ثم یطلقها قبل ان یدخل بهایتزوج ابنتها ام لا ؟ حدثنا قتیبة نا ابن لهیعةعن عمرو ابن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی صلی الله علیه وسلم قال ایمار جل نکح امرأة دخل بها فلا یحل له' نکاح ابنتها فان لم یکن دخل بها فلینکح ابنتها ، وایما رجل نکح امرأةً فد خل بها او لم یدخل فلا یحل له' نکاح امها .(ترمذی شریف ص ۱۳۳ ج ۱) اور ہدایہ" میں ہے۔ ولا یامرامرأته التی دخل بابنتها اولم یدخل لقوله تعالیٰ وامهات نسائکم. من غیر قید الدخول. ولا بنت امرأته التی دخل بها لثبوت قید الدخول بالنص سواء کانت فی حجره اوفی حجر غیره الخ (هدایه اولین ص ۲۸۷ ۔ ۲۸۸ ج ۲ فصل فی المحرمات)

خالہ بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۱۰) احمد اپنی بیوی عائشہ کے ساتھ اپنے تین بچے سمیت زندگی گذار رہا ہے۔ اسی اثناء میں احمد نے بیوی کی بھانجی آمنہ کے ساتھ سول میرج (کورٹ میں نکاح) کرلیا۔ تو خالہ، بھانجی کے ساتھ نکاح میں رہ سکتی ہے؟ واضح رہے کہ آمنہ عائشہ کی اخیافی بہن (ماں ایک باپ علیحدہ) کی لڑکی ہے۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب تک عائشہ احمد کے نکاح میں یا عدت طلاق میں ہو۔ اس وقت تک عائشہ کی بھانجی آمنہ کے ساتھ احمد کا نکاح درست نہیں ہے، اور یہ حرام ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔" لا یجمع بین المرأة وعمته ولا بین المرأة وخالته." (ترجمہ) عورت کو اس کی پھوپھی کے ساتھ اور عورت کو اس کی خالہ کے ساتھ نکاح میں جمع نہیں کیا جا سکتا۔ (صحیح مسلم شریف ص ۴۵۲ ج ۱ باب تحریم الجمع بین المرأة وعمتها الخ) اور ایک روایت میں ہے۔" لاتنکح العمة علی بنت الاخ ولا ابنة الاخت علی الخالة." (یعنی) پھوپھی بھتیجی کے ساتھ اور خالہ بھانجی کے ساتھ نکاح میں جمع نہیں کی جاسکتی (نووی شرح مسلم ص ۴۵۲ ج ایضا) جس طرح حقیقی بہن اور علاتی بہن اور اس کی اولاد حرام ہے۔ اسی طرح اخیافی بہن اور اس کی اولاد بھی حرام ہے؟ "فتاویٰ عالمگیری" میں ہے۔ واما الا خوات فالاخت لآب وام والا خت لاب والا خت لام وکذابنات الا خ والا خت وان سفل (ص ۲۷۳ ج ۱ القسم الرابع المحرمات باالجمع). (هدایه ص ۲۸۷ ج ۲)فقط والله اعلم بالصواب.

عدت میں نکاح کرے تو درست ہے یا نہیں :

(استفتاء ۲۱۱) عدت طلاق، یا عدت وفات ختم ہونے سے پہلے ایک شخص نے اس لئے نکاح کیا کہ عدت کے بعد دوسرے سے نکاح نہ کر سکے۔ صحبت نہیں کی تو یہ نکاح معتبر ہے یا نہیں۔ کہ بعد عدت دوبارہ نکاح کرے؟ عدت کے بعد عورت دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ یا اسی کے ساتھ رہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عدت میں کیا ہوا نکاح معتبر نہیں، عدت میں نکاح کرنا حرام ہے۔ عدت کے بعد عورت راضی ہو تو دوبارہ نکاح کرلے۔ عدت میں کئے ہوئے نکاح سے عورت بیوی نہ ہوگی۔ اور ناکح اس کا حق دار نہیں، عورت اس کو چھوڑ کر دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔" **وفیہ اشارة الیٰ انہ' لیس احق بھا من غیرہ بل ھو خاطب من الخطاب فتنکح من شآئت.**" (التعلیق الممجد ص ۲۹۳ باب المرأة تزوج فی عدتھا .فقط واللہ اعلم بالصواب.

مطلقہ عدت میں دوسرا نکاح کرے تو معتبر ہے یا نہیں :

(استفتاء ۲۱۲) ایک عورت کو طلاق ہوئی۔ اس نے ایک حیض کے بعد (عدت کے اندر) دوسرے سے نکاح کرلیا۔ لیکن جماعت نے اس کو جدا کر دیا۔ کہ عدت کے اندر نکاح معتبر نہیں۔ اب دریافت کرنا یہ ہے کہ دوسرے دو حیض گذرنے پر وہ نکاح کر سکتی ہے؟

(الجواب) دو ۲ حیض گذرنے پر نہیں، بلکہ عدت از سر نو شروع ہوگئی اور تین حیض گذر جائیں گے تب عدت ختم ہوگی۔ درمختار میں ہے۔"**واذا وطئت المعتدة بشبھة وجبت عدةٌ اخریٰ لتجدد السبب وتداخلتا.**"
(شامی ص ۸۳۸۔۸۳۷ ج ۲ باب العدة) **فقط واللہ اعلم بالصواب.**

شیعہ لڑکی سے سنی لڑکے کا نکاح:

(سوال ۲۱۳) (۱) لڑکا سنی ہے، اور شادی شدہ ہے۔ اور لڑکی سنی ہے۔ دوسری شادی شیعہ لڑکی سے کرنی ہے۔ اور لڑکی کے ماں باپ کا ارادہ ہے کہ شیعہ طریقے سے نکاح ہو۔ ان کے سماج میں دکھاوے کے لئے وہ شیعہ طریقے سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے نکاح کے بعد اگر لڑکا سنی طریقے سے اپنے گھر پر نکاح کرلیوے تو ان کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

(۲) لڑکی سنی طریقہ اختیار کرنے کو راضی ہے۔ صرف والدین کو راضی کرنے کے لئے وہ شیعہ طریقے سے نکاح کرنے کو کہہ رہی ہے۔

(۳) اگر شیعہ طریقے سے نکاح کرتے ہیں تو اسلام سے خارج ہوتے ہیں یا نہیں؟

(۴) اگر شادی کے بعد لڑکی شیعہ مذہب میں رہے اور لڑکا سنی مذہب میں رہے تو اس کے لئے مذہبی اعتبار سے کیا رائے ہے؟

(الجواب) (۱) حامداً ومصلیاً: شیعوں اور روافض میں بہت سے فرقے ہیں۔ اور عقائد بھی مختلف ہیں۔ جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ' کو معاذ اللہ خدا سمجھتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے ساتھ قدرت وغیرہ میں شریک مانتے ہیں۔ جن کا

عقیدہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی۔حضرت علیؓ کے بجائے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو پہنچائی۔اور جوام المؤمنین حضرت عائشہؓ پر (معاذ اللہ) زنا کی تہمت لگاتے ہیں۔اور جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کا انکار کرتے ہیں وغیرہ ذالک کفریہ عقیدہ رکھنے والوں کو فقہائے کرام نے دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا ہے نعم لا شک فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی الله تعالیٰ عنها او انکر صحبة الصدیق او اعتقد الا لوهیة فی علی رضی الله عنه او ان جبریل غلط فی الوحی او نحو ذالک من الکفر الصریح المخالف للقرآن. (شامی ص ۴۰۶ ج ۳)(فتاویٰ عالمگیری ص ۲۶۴ ج ۲ مطلب موجبات الکفر انواع ومنها مایتعلق بالانبیاء الخ) اور جن کے عقیدے حد کفر تک نہیں پہنچے مبتدع اور گمراہ ہیں۔سوال میں جس لڑکی کا ذکر ہے وہ کس عقیدہ کی ہے؟اور کس گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔اس کا جاننا مشکل ہے۔اس لئے جب تک لڑکی شیعی یا رافضی عقیدے سے تائب ہو کر اہل سنت میں شامل نہ ہو اور سنی طریقہ سے شادی کرنا منظور نہ کرے اس سے نکاح نہ کیا جائے۔چنانچہ عقائد الاسلام (مصنفہ صاحب تفسیر حقانی) میں ہے۔''شیعہ کو کیا ہوا ہے کہ حضرت کے اصحاب کو جن کی خوبیاں قرآن میں مذکور ہیں اور ان کا ثبوت یقینی ہے برا کہتے ہیں۔اور طرح طرح کے عیوب ان میں ثابت کرتے ہیں۔اور ان کی عداوت کو اور ان پر لعن طعن کرنے کو اپنا ایمان بنا رکھا ہے۔(الی قولہ) حضرت ﷺ کے چچا عباسؓ اور ان کے بیٹے عبداللہؓ کو اور حضرت ﷺ کی بیویوں کو کیا کیا عیب لگاتے ہیں۔اور کیسے کیسے نالائق کلمات ان کی شان میں لکھتے ہیں۔اور اگر کوئی کسی ادنیٰ شخص کی بیوی کو ایسا کہے تو وہ اس کا کبھی منہ بھی نہ دیکھے۔حیف صد حیف ہے ان مسلمانوں پر جو ایسے لوگوں سے محبت رکھتے ہیں اور ان سے شادی بیاہ کرتے ہیں۔کچھ شک نہیں کہ ایسے لوگوں سے بھی جناب سید المرسلین ﷺ ناراض ہوں گے اور ان کو حوض کوثر سے ہانکیں گے۔(عقائد الاسلام ص ۲۵۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) اگر لڑکی اپنے عقائد باطلہ کی بناء پر کافرہ ہوگی تو اس سے نکاح کرنا حرام ہے۔اور حرام کو حلال سمجھنے والا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔اور اگر ایسے عقیدے نہیں ہیں تو خارج نہ ہوگا۔لیکن شیعہ طریقہ پر نکاح کرنے میں اس طریقہ کی تعظیم اور اپنے طریقہ اور جماعت کی تحقیر کا جرم عائد ہوگا۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۳) اگر لڑکی کے عقائد حد کفر تک نہیں پہنچے ہیں تو جائز ہے مع الکراہیت۔لیکن شرعی مصلحت کی بناء پر اس کی اجازت نہ ہوگی۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۴) قرآن کریم میں اہل کتاب سے نکاح کرنے کی اجازت موجود ہے۔لیکن شرعی مصلحت کی بناء پر امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اس کی مخالفت فرمادی۔چنانچہ حضرت حذیفہؓ نے ایک کتابیہ یہودیہ سے نکاح کر لیا۔جب اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو ہوئی تو آپؓ نے تفریق کا حکم دیا۔حضرت حذیفہؓ نے جواب میں لکھا۔''کہ کیا کتابیہ سے نکاح حرام ہے؟جواب میں حضرت عمرؓ نے لکھا۔''کہ حرام تو نہیں کہتا۔لیکن اس اندیشہ کی وجہ سے اجازت نہیں دیتا کہ تم ان عورتوں کے پھندے میں پھنس جاؤ۔''عن شقیق ابن سلمة قال تزوج حذیفةؓ بیهودیة فکتب الیه عمر رضی الله عنه ان خل سبیلها! فکتب الیه حذیفة رضی الله عنه أ حرام هی! فکتب الیه عمر رضی الله عنه لا ولکن اخاف ان تواقعوا المومسات منهن. (احکام القرآن

للجصاص ص ۳۹۷ ج ۲ باب تزوج الکتابیات تحت قوله والمحصنات من الذین او توالکتاب الخ)

تقریباً یہی واقعہ کسی قدر وضاحت کے ساتھ امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں نقل فرمایا ہے۔ محمد رحمه الله قال اخبر نا ابو حنیفة رحمه الله عن حماد عن ابراهیم عن حذیفة ابن الیمان رضی الله عنه انه تزوج یهودیةً بالمدائن فکتب الیه عمر ابن الخطاب رضی الله عنه عن ان خل سبیلها فکتب الیه أحرام هی یا امیر المؤمنین فکتب الیه اعزم علیک ان لا تضع کتابی حتی تخلی سبیلها فانی اخاف ان یقتدیک المسلمون فیختار والنساء اهل الذمة لجمالهن و کفی بذالک فتنة لنساء المسلمین. قال محمد رحمه الله وبه نأخذ لا نراه حراماً ولکننا نری ان یختار علیهن نساء المسلمین وهو قول ابی حنیفة رحمه الله. یعنی امام محمدؒ حضرت امام اعظمؒ حماد۔ ابراہیم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت حذیفہ ابن الیمانؓ نے مدائن میں یہودی عورت سے نکاح کیا تو حضرت عمر ابن الخطابؓ نے ان کو لکھا کہ اس کو چھوڑ دو۔ حضرت حذیفہؓ نے لکھا۔ یا امیر المومنین! کیا یہودیہ (کتابیہ) سے نکاح حرام ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم میرا یہ خط (ہاتھ سے) نہ رکھو اس سے پہلے کہ اس کو چھوڑ دو (یعنی پہلے اس کو چھوڑ دو، پھر خط ہاتھ سے رکھو) اس لئے کہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ لوگ تمہاری پیروی کریں گے۔ اور ذمی عورتوں کے ساتھ نکاح کریں گے ان کی خوبصورتی کی وجہ سے۔ اور یہ مسلمان عورتوں کے واسطے بہت بڑا فتنہ ہوگا۔ حضرت امام محمدؒ نے فرمایا کہ اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں۔ ہم یہودی عورت سے نکاح کو حرام نہیں کہتے لیکن ہماری رائے یہ ہے کہ مسلمان عورتوں کو ان پر ترجیح دی جائے اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہؒ کا (کتاب الآثار امام محمدؒ مع ترجمہ ص ۱۹۰) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رضاعی لڑکی کا نکاح مرضعہ کے بیٹے سے جائز ہے :

(سوال ۲۱۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام اس معاملے میں زید واختری یہ دونوں حقیقی بھائی بہن ہیں، زید کی بیوی تپ دق میں مبتلا تھی۔ جس کی ایک شیر خوار بچی جو بھوک سے تڑپتی تھی۔ اسے ایک وقت اختری نے اپنا دودھ پلا کر جس بچی کی تشنگی کو بجھایا تھا، وہی لڑکی جو اس وقت بالغہ ہے اختری اپنے لڑکے کی شادی زید کی اس لڑکی سے کرا سکتی ہے یا نہیں؟ تسکین بخش جواب عنایت فرمائیے بینوا توجروا۔

(الجواب) مدت رضاعت میں دودھ پینے اور پلانے سے رشتہ قائم ہو جاتا ہے، ضرورۃً پلایا ہو یا بلا ضرورت۔ لہذا جب اختری نے اپنے بھائی کی شیر خوار بچی کو دودھ پلایا ہے تو وہ اس کی رضاعی بیٹی اور اس کی اولاد کی رضاعی بہن بن گئی۔ لہذا اختری کے لڑکے کے ساتھ اس بچی کا نکاح درست نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ ان الله حرم من الرضاعة ما حرم من النسب (مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۲۷۳ باب المحرمات)

ھدایہ میں ہے۔ ولا یتزوج المرضعة احداً من ولد التی ارضعت لأنه اخوها ھدایہ ص ۳۲۰ کتاب الرضاع یعنی دودھ پینے والی لڑکی اس عورت کے کسی لڑکے سے جس نے اس کو دودھ پلایا ہے نکاح نہیں کر سکتی ہے اس لئے کہ وہ لڑکا (رضیع) کا بھائی ہے۔ واللہ اعلم۔

غیر مطلقہ کا نکاح پڑھائے تو کیا نکاح صحیح ہے :

(سوال ۲۱۵) بھاگی ہوئی عورت جس کو شوہر نے ابھی طلاق نہیں دی ہے یہ بات نکاح خواں کو معلوم ہے۔ تاہم دوسرے سے اس کا نکاح پڑھایا تو نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) شادی شدہ عورت جب تک اپنے شوہر سے طلاق، خلع وغیرہ شرعی طریقہ سے علیحدہ نہ ہوجائے دوسرے کا نکاح اس سے درست نہیں اگر کرے گی تو نکاح نہ ہوگا۔ اور نکاح پڑھنے والا اور پڑھانے والا اور شاہدین جو اس حقیقت سے آشنا ہیں، سخت گنہگار ہیں۔ (۱)

بھائی کی رضاعی بہن اور رضاعی بھائی کی حقیقی بہن سے نکاح صحیح ہے :

(سوال ۲۱۶) ایک لڑکے نے اپنی چچی کا دودھ پیا ہے اب اس لڑکی کا بھائی اس چچی کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے یا نہیں۔ یہ نکاح حلال ہے یا حرام؟

(الجواب) جب دودھ پینے والے لڑکے کے بھائی نے اس چچی کا دودھ نہیں پیا تو اس کا نکاح اس چچی کی لڑکی سے صحیح ہے۔ بھائی کی رضاعی بہن کے ساتھ نکاح حلال ہے حرام نہیں۔ اسی طرح رضاعی بھائی کی حقیقی بہن کے ساتھ نکاح جائز ہے اور اسی طرح رضاعی بھائی کی رضاعی بہن کے ساتھ بھی نکاح درست ہے۔ وتحل اخت اخیہ رضاعاً کما تحل نسباًمثل الا خ لاب کانت له اخت من امه یحل لاخیه من ابیه ان یتزوجها الخ (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۳۴۳ کتاب الرضاع)

حقیقی بھائی کی رضاعی بہن کی حقیقی بہن سے نکاح صحیح ہے یا نہیں :

(سوال ۲۱۷) میرے بڑے لڑکے کی لڑکی نے میرے چھوٹے لڑکے کی عورت کا دودھ پیا۔ اب وہ لڑکی اور اس کا دوسرا لڑکا دونوں بھائی بہن ہوگئے۔ اب بڑے لڑکے کے دوسرے لڑکے لڑکی جنہوں نے چھوٹے لڑکے کی عورت کا دودھ نہیں پیا تو ان لڑکے لڑکی کا نکاح چھوٹے لڑکے کی دوسری اولاد کے ساتھ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئول میں بڑے لڑکے کی اولاد جنہوں نے چھوٹے لڑکے کی عورت کا دودھ نہیں پیا چھوٹے لڑکے کی دوسری اولاد کے ساتھ ان کا نکاح درست ہے۔ (۲)

لڑکی اور اس کی (غیر حقیقی) سوتیلی ماں کو نکاح میں جمع کرنا کیسا ہے :

(سوال ۲۱۸) غیر حقیقی ساس یعنی عورت کی غیر حقیقی ماں کے ساتھ نکاح درست ہے؟ اور ان دونوں کو نکاح میں جمع کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) ہاں غیر حقیقی (سوتیلی) ساس کے ساتھ نکاح جائز ہے اور نکاح میں دونوں کو رکھنا بھی جائز ہے۔ فجاز

---

(۱) لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیره وکذلک المعتدة کذا فی السراج الوهاج. فتاویٰ عالمگیری المحرمات التی تتعلق بها حق الغیر ج ۱ ص ۲۸۰.

(۲) وتحل اخت اخیه رضاعا کما تحل نسبا الخ فتاویٰ عالمگیری کتاب الرضاع ج ۱ ص ۳۴۳.

الجمع بین امرأة وبنت زوجها .(تنویر الا بصار مع الدر المختار والشامی ج۲ ص ۳۹۱ فصل فی المحرمات)فقط واللہ اعلم بالصواب.

سالی کے ساتھ زنا کرنے سے نکاح میں کچھ خرابی آئے گی یا نہیں؟:

(سوال ۲۱۹)عورت کی بہن یعنی سالی کے ساتھ زنا کرلے تو عورت حرام ہو جائے گی یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں ہمیشہ کے لئے حرام نہ ہوگی لیکن بعض فقہانے لکھا ہے کہ جب تک اس کو (سالی) کو ایک حیض نہ آجائے اس وقت تک عورت کے ساتھ صحبت نہ کرے۔

وفی الدرایة عن الکامل لوزنی باحدی الا ختین لا یقرب الا خری حتیٰ تحیض الا خری حیضه الخ (شامی ج۲ ص ۳۸۶ فصل فی المحرمات۔

لڑکے کی ساس کے ساتھ باپ کا نکاح درست ہے یا نہیں:

(سوال ۲۲۰)ایک شخص نے ہندہ کے ساتھ شادی کی اب اس کا حقیقی باپ ہندہ کی حقیقی ماں یعنی لڑکے کی ساس کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ ہندہ اور لڑکا دونوں حیات ہیں اور ہندہ اس کے نکاح میں ہے؟

(الجواب) ہاں کرسکتا ہے۔ یہ رشتہ حرام نہیں حلال ہے۔ ولا تحرم ام زوجة لابن . یعنی اپنے لڑکے کی عورت کی ماں کے ساتھ نکاح حرام نہیں۔ (شامی ج۲ ص۳۸۳ فصل فی المحرمات

غیر مسلمہ سے نکاح پڑھنا اور اس مجلس میں شرکت کا کیا حکم ہے:

(سوال ۲۲۱)کوئی مسلمان ہندو عورت کے ساتھ آریہ سماج مندر میں نکاح کرے تو کیسا ہے؟ اور اس میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

(الجواب) غیر مسلمہ (کافرہ و مشرکہ) کے ساتھ نکاح حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ ولا تنکحوا المشرکت حتیٰ یؤ من یعنی مشرکہ عورت جب تک ایمان نہ لائے اس سے نکاح نہ کرو (سورہ بقرہ)لہذا ایسی مجلس میں شرکت بھی ناجائز ہے اگر حلال سمجھ کر نکاح کرے تو موجب کفر ہے۔ ظاہرا اور برملا تجدید ایمان لازم ہے

حقیقی بھائی کی رضاعی بہن سے نکاح صحیح ہے؟:

(سوال ۲۲۲)زید جب پیدا ہوا، اس کے ڈیڑھ دو ماہ بعد اس کی والدہ کے دودھ نہ آنے کی وجہ سے زید کی ممانی کو بڑا رحم آیا اور اس نے اس کو چپکے سے (کسی کو مطلع کئے بغیر) دودھ پلا دیا تو اب ماموں کی لڑکی سے زید نکاح کرسکتا ہے زید کا دوسرا حقیقی بھائی بکر بھی ہے اس کا نکاح اس کے ماموں کی لڑکی سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) جب زید نے اپنی ممانی کا دودھ مدت رضاعت میں پیا ہے، تو ممانی کی لڑکی زید کی بہن ہوئی اس کے ساتھ زید کا نکاح نہیں ہوسکتا، ہاں زید کے حقیقی بھائی بکر کا نکاح اس کی ممانی کی لڑکی سے ہوسکتا ہے۔ ویجوز ان یتزوج الرجل باخت اخیه من الرضاع .الخ(ہدایہ اولین ج۲ ص ۳۳۱ کتاب الرضاع)

عیسائی طریقہ نکاح خوانی کے بعد اسلامی طریق سے نکاح پڑھے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۲۳) مسلمان مرد نے عیسائی عورت سے عیسائی طریق پر کلیسا (دیول) میں جا کر شادی کی۔ تھوڑی مدت کے بعد اسلامی اصول کے مطابق دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرائے دریافت طلب یہ ہے کہ (۱) عورت کو اولاد ہوئی تو اس اولاد کو عیسائی مذہب کے مطابق چرچ (گرجا) میں لے جا کر بپتسمہ (عیسائی بنانا) کرانے سے مسلمان مرد کے نکاح میں خرابی آئی یا نہیں؟ خرابی آئے تو کیا کرے بار دیگر ایجاب وقبول کرائے (۲) وہ اولاد مسلمان ہے کہ عیسائی (۳) اس اولاد کا عقیقہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) بے شک عورت عیسائی ہو یا یہودی (اسلام کو چھوڑ کر یہودیہ نصرانیہ نہ بنی ہو) اور اپنے مذہب کے اصول اور پیغمبر اور کتب سماویہ کو مانتی ہو محض برائے نام کتابیہ اور درحقیقت لا مذہب دہریہ اور سائنس پرست نہ ہو (اگر چہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ یعنی (نعوذ باللہ) خدا کا بیٹا مانتی ہو) تو اس کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ قرآن مجید میں ہے والمحصنٰت من الذین او توا لکتب من قبلکم. یعنی اور جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ان میں کی پاکدامن عورتیں حلال ہیں (سورہ مائدہ) لیکن فی زمانا شرعی مصلحت کی بناء پر یہودی ونصرانی عورت کے ساتھ شادی کرنے اور خلط ملط رکھنے کی اجازت نہیں۔ بالخصوص دار الحرب اور کفرستان میں کہ اس میل جول اور خراب ماحول کے اثر سے اولاً خود اس کے پھر اولاد کے عقائد اور اخلاق بگڑنے کا پورا پورا اندیشہ ہے (شامی ج ۲ ص ۳۹۷) میں ہے **ویجوز تزوج الکتابیات والا ولی ان لا یفعل ولا یأ کل ذبیحتھم الا لضرورۃ وتکرہ الکتابیۃ الحربیۃ اجماعاً لا فتتاح باب الفتنتمن امکان التعلق المستدعی للمقام معھا فی دار الحرب تعرض الولد علی التخلق باخلاق اھل الکفر (الیٰ قولہ) وما بعدہ یفید کراھۃ التحریم فی الحربیۃ**(شامی ج ۲ ص ۳۹۷ فصل فی المحرمات)

فرمان خداوندی ہے۔ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا افتمسکم النار. ترجمہ۔ اے مسلمانو! ان ظالموں کی طرف مت جھکو کہ تم کو دوزخ کی آگ چمٹ جائے گی (سورہ ہود پ ۱۱) خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کا دور غلبۂ اسلام کا دور تھا۔ مسلمانوں کے جذبات نہایت پاک اور مقدس اور ہر ایک جذبہ پر اسلامی ذوق غالب تھا۔ اس کے باوجود آپ نے کتابی عورتوں (عیسائی عورتوں) سے نکاح کی ممانعت فرمادی۔ آپ نے فرمایا میں حلال کو حرام قرار نہیں دیتا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے کتابی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے مگر مسلمانوں کی عمومی مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ اس اجازت پر عمل نہ کیا جائے۔ حضرت فاروق اعظم نے اس زمانہ کی عیسائی عورتوں کے متعلق یہ ممانعت فرمائی تھی جب کہ وہ مذہب پرست اور کتابی تھیں مگر ہمارے اس دور میں نہ صحیح کتابیت ہے نہ مذہبیت۔ بلکہ دہریت اور سراسر سائنس پرستی ہے۔ اس وقت زیادہ ضروری ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی ممانعت پر عمل کیا جائے اور نکاح نہ کیا جائے۔ تفسیر حقانی میں ہے آج کل کے ملاحدہ یورپ تو ہرگز عیسائی شمار نہ ہوں گے۔ (ج ۴ ص ۱۱)

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی کا فتویٰ ہے! لیکن اس زمانہ میں جو نصاریٰ کہلاتے ہیں وہ اکثر قومی حیثیت سے نصاریٰ ہیں، مذہبی حیثیت سے محض دہری وسائینس پرست ہیں ایسوں کے لئے یہ حکم جواز نکاح کا نہیں

ہے (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۷۰ تفسیر بیان القرآن ج ۳ ص ۹)

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے آج کل جو لوگ نصاریٰ کہلاتے ہیں ان میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو دہری ہیں، کسی مذہب ہی کو نہیں مانتے۔ بلکہ خدا کے، وجود ہی کے قائل نہیں یہ لوگ اگر چہ باعتبار مردم شماری نصاریٰ کہلاتے ہیں مگر حکم شرع میں ایسے لوگ اہل کتاب نہیں ہو سکتے۔ (فتاویٰ دارالعلوم قدیم ج ۱۔۲ ص ۱۶۰)

عمدۃ المفسرین حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تحقیق:

مگر یاد رہے کہ ہمارے زمانہ کے نصاریٰ عموماً برائے نام نصاریٰ ہیں ان میں بکثرت وہ ہیں جو نہ کسی آسمانی کتاب کے قائل ہیں نہ مذہب کے، نہ خدا کے۔ ان پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ لہذا ان کے ذبیحہ اور نساء کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہوگا۔ نیز یہ ملحوظ رہے کہ کسی چیز کے حلال ہونے کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس میں فی حد ذاتہٖ کوئی وجہ تحریک کی نہیں لیکن اگر خارجی اثرات وحالات ایسے ہوں کہ اس حلال سے منتفع ہونے میں بہت سے جرم کا مرتکب ہونا پڑتا ہو، بلکہ کفر میں مبتلا ہونے کا احتمال ہو تو ایسے حلال سے انتفاع کی اجازت نہیں دی جائے گی (فوائد سورۃ المائدۃ ص ۱۷۱) پ ۶ از مولانا شبیر احمد عثمانی۔

ضعیف الایمان اور ضعیف الاعتقاد کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔ مسلّم حقیقت ہے کہ ظاہر کا باطن پر اثر پڑتا ہے اور دانشوروں کا یہ قول بھی مشہور ہے۔ **القبائح متعدیه و الطبائع متاثره!** بری خصلتیں اور بری عادتیں متعدی ہوتی ہیں (ساتھیوں کو لگ جاتی ہیں) اور طبیعتیں چور ہیں خراب باتوں کا اثر قبول کر لیتی ہیں اس لئے بزرگان دین رحمہم اللہ کی زریں نصیحت ہے کہ!

تا توانی دور شو از یار بد
یار بد بدتر بود از مار بد
مار بد تنہا ہمی بر جاں زند
یار بد بر جان و بر ایماں زند

ترجمہ:۔ جہاں تک ممکن ہو برے دوست سے دور رہو، برا ساتھی زہریلے سانپ سے زیادہ خطرناک ہے، سانپ تو فقط جان پر ڈنک مارتا ہے، مگر برا ساتھی، جان اور ایمان دونوں پر ڈنک مارتا ہے (**نعوذ باللہ من ذلک**)
اس ضروری تمہید کے بعد آپ کے سوالات کے مختصر جوابات یہ ہیں۔

(۱) مسلمان مرد نے عیسائی عورت سے اس کے دیول (گرجا) میں جا کر اس کے مذہبی قواعد کے مطابق شادی کی، یہ شادی معتبر نہیں ہے۔ اگر درحقیقت عورت کتابیہ ہو، لا مذہب نہ ہو، اور اپنے مذہب کے اصول کو، پیغمبر کو نیز آسمانی کتاب کو ماننے والی ہو (چاہے عمل نہ ہو) اور اسلامی قاعدہ کے مطابق ایجاب وقبول ہو تو نکاح صحیح اور قابل اعتبار ہوگا مگر پھر اپنی مرضی سے عیسائی مذہب کے مطابق چرچ میں جا کر اولاد کو بپتسمہ کرانا شان اسلامی کے خلاف ہے اور عملاً اللہ اور رسول (ﷺ) کی تعلیمات سے انحراف اور بے دینی کا کام ہے۔ لہذا توبہ واستغفار اور از سرنو اسلام لانا اور از سرنو نکاح پڑھنے کا حکم عائد ہوگا۔

تفسیر بیضاوی میں ہے۔وانما عد منه لبس الغیار وشد الزنار ونحوها كفراً لا نها تدل علی التكذيب فان من صدق رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يجترء عليها ظاهراً لا لا نها كفر فی انفسها(تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۲۳ ع ۱) یعنی زنار وغیرہ باندھنے کو اس لئے کفر گردانا کہ یہ باتیں تکذیب کی علامت ہیں۔کیونکہ جس نے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی ہے وہ کھلم کھلا ایسی حرکت نہیں کرسکتا۔

بہر حال اس شخص کو تو از سرنو نکاح کرنے اور ایمان لانے کا حکم دیا جائے گا۔درمختار میں ہے یؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح (شامی ج ۳ ص ۴۱۴ باب المرتد)

سوال نمبر ۲ کا جواب۔یہ اولاد مسلمان مانی جائے گی۔مذہب کے بارے میں اولاد باپ کی تابع ہوتی ہے۔باپ مسلمان تو اولاد بھی مسلمان ہے۔

سوال نمبر ۳ کا جواب۔عقیقہ کرسکتے ہیں۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مطلقہ ثلاثہ شرعی حلالہ کے بغیر حلال نہیں:

(استفتاء ۲۲۴) ایک عورت نے اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کیا۔اور ایک مسلم سے نکاح کیا۔اولاد بھی ہوئی۔پھر ناہ نہ ہونے سے طلاق دے دی۔طلاق کے بعد پھر اپنا مذہب اختیار کیا اور پندرہ برس تنہا گذارے۔تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ عورت اگلے شوہر کے ساتھ بغیر حلالہ کے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

(الجواب) اگر ثابت ہو جائے کہ شوہر نے تین طلاق دی تھیں۔جس سے وہ بائنہ مغلظہ ہوگئی تھی تو بدون حلالہ کے نکاح نہیں ہوسکتا۔مرتد ہو جانے سے طلاق ثلاثہ مغلظ کا اثر باطل نہیں ہوتا ہے اوحرة بعد ثلاث وردة وسبی نظيره من فرق بينها بظهار او لعان ثم ارتدت وسبيت ثم نكحها لم تحل له ابداً اور مختار مع الشامی ص ۷۴۰ ج ۲ باب الرجعة مطلب مال اصحابنا الی بعض افعال الخ) اگر تین طلاق ثابت نہ ہوں صرف ایک یا دو طلاق دی ہوں تو حلالہ کی ضرورت نہیں۔تجدید نکاح کافی ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نابالغ سے حلالہ:

(سوال ۲۲۴) ایک مرد نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دیں،چار پانچ ماہ کے بعد اس کا نکاح بارہ تیرہ برس کے نابالغ لڑکے کے ساتھ کیا،اس سے طلاق دلوا کر پہلے شوہر سے اس کا نکاح ہوا یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) تین طلاق دی ہو تو حلالہ کے لئے لازم ہے کہ عدت گزرنے کے بعد دوسرے سے نکاح کرے۔اور وہ اس کے ساتھ کم از کم ایک بار صحبت کرے۔پھر طلاق دے یا مر جائے تب عورت عدت ختم ہونے کے بعد پہلے خاوند سے نکاح کرسکتی ہے۔صورت مسئولہ میں بارہ تیرہ سال کا نابالغ لڑکا سمجھدار،نیز صحبت کرنے کے قابل ہو اور اس کے ولی نے اس کا نکاح منظور کیا ہو اور وہ صحبت کر کے انتقال کر جائے یا بالغ ہو کر طلاق دے دے اور عورت عدت پوری کرنے کے بعد پہلے خاوند سے نکاح کرے تو وہ اس کے لئے حلال ہو جائے گی نابالغ کا نکاح بلا منظوری ولی معتبر نہیں ہے اور نابالغ کو طلاق دینے کا حق بھی نہیں ہے۔بالغ ہونے کے بعد ہی طلاق دی جاسکتی ہے۔لہذا صورت مسئولہ میں

عورت کا نکاح زوج اول کے ساتھ معتبر نہیں ہے۔[۱]

اپنی بیوی کے پہلے شوہر کی لڑکی سے نکاح کرنا کیسا ہے

(سوال ۲۲۵) ایک آدمی اپنی عورت کے پہلے شوہر کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو ان دونوں کو نکاح میں جمع کرنا کیسا ہے؟

(الجواب) کرسکتا ہے (شرح وقایہ ج۲ ص ۵ لا بین امرأة وبنت زوجها محرمات.)

بیوی کی سوتیلی ماں سے نکاح درست ہے یا نہیں :

(سوال ۲۲۶) ایک آدمی کی بیوی مرگئی اب وہ اپنی بیوی کی سوتیلی ماں (بیوی کے باپ کی عورت) سے نکاح کرے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) ہاں اس عورت سے (بیوی کی غیر حقیقی یعنی سوتیلی ماں) سے نکاح درست ہے۔[۲]

بھاوج سے نکاح درست ہے :

(سوال ۲۲۷) میرے بڑے بھائی کا انتقال ہوگیا۔ اب میرا نکاح ان کی بیوی سے درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) عدت گزرنے کے بعد بھاوج سے نکاح درست ہے منع نہیں ہے۔[۳]

عدت میں نکاح کا کیا حکم ہے :

(سوال ۲۲۸) ایک عورت کو طلاق ہوئے ابھی دو ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ قاضی صاحب نے اس کا نکاح پڑھا دیا۔ قاضی صاحب نے اپنی خطا قبول کی۔ میں نے کہا کہ یہ شرعی گناہ ہے لہذا تمہارا نکاح باطل ہے۔ از سرنو نکاح پڑھئے ورنہ آپ کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ اس کے دو تین دن بعد قاضی صاحب نے کہا کہ لڑکی کو تین حیض آ گئے تھے تم سے جو ہو سکے وہ کرلو آپ کی بات مجھے تسلیم نہیں۔ تم کسی سے فتویٰ طلب کرلو۔ پھر دیکھی جائے گی، اس طرح دوسرا نکاح پڑھایا ہے اس لڑکی کو دو ماہ بارہ دن گزرے ہیں۔ ایسے شخص کے متعلق کیا حکم ہے۔؟

(الجواب) عدت ختم ہونے سے پہلے نکاح درست نہیں۔ نا قابل اعتبار ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۸۰)[۴]

ایسے نکاح سے میاں بیوی کا رشتہ قائم نہیں ہوتا۔ ان کو الگ ہو جانا چاہئے۔ ساتھ رہنا حرام ہے۔ باقی یہ نکاح اگر لاعلمی میں پڑھا دیا گیا ہے تو نکاح پڑھانے والا معذور ہے۔ گنہگار نہیں ہے۔ البتہ اگر حالت مشتبہ تھی تو تحقیق

---

(۱) وان كان الطلاق ثلاثا في الحرة وثنتين في الامة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها او يموت عنها كذافي الهداية فتاوىٰ عالمگيرى فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل ج۱ ص ۴۷۳.

(۲) ويجوز بين امرأة وبنت زوجها الخ فتاوىٰ عالمگيرى. المحرمات بالجمع ج ۱ ص ۲۷۷.

(۳) احل لكم ماوراء ذلكم ان تبتغوا باموالكم الخ سورة نسآء ۲۷.

(۴) لايجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة كذا في السراج الوهاج. فتاوى عالمگيرى المحرمات التى تتعلق بها حق الغير ج ۱ ص ۲۸۰)

کر لینی چاہئے تھی۔ تحقیق نہیں کی یہ کوتاہی ہوئی اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی مانگنی چاہئے۔ اور اگر معاذ اللہ جان بوجھ کر عدت میں نکاح پڑھایا ہے تو یہ معصیت ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ کے حکم سے بغاوت اور سرکشی ہے۔ نکاح پڑھوانے والے نکاح پڑھانے والا۔ وکیل اور گواہ۔ سب گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں۔ فاسق ہیں۔ احتیاطاً کافر نہ کہا جائے اور ان کی عورتوں کے خارج از نکاح ہونے کا فتویٰ نہ دیا جائے۔ تاہم تجدید ایمان بہتر ہے۔ عدت کی تفصیل یہ ہے کہ اگر حمل نہ ہو تو تین حیض ہیں، طلاق کے بعد تین حیض آ چکیں تو عدت ختم ہو جاتی ہے اور وہ کسی سے نکاح کر سکتی ہے۔ عدت سے قبل جو نکاح کیا وہ مردود و باطل ہوگا۔ عدت کے بارے میں اگر اختلاف ہو جائے تو اگر طلاق کو ساٹھ دن (دو ماہ) گزر چکے ہیں اور عورت قسم کھا کر کہے کہ مجھے تین حیض آ چکے ہیں اور میری عدت ختم ہو گئی ہے تو اس کی بات تسلیم کر لی جائے گی اور اس کا نکاح پڑھایا جا سکے گا۔ **قالت مضت عدتی والمدة تحتملة وکذبها الزوج قبل قولها مع حلفها والا لا** (درمختار مع شامی ج ۲ ص ۸۴۲ باب العدة)

نومسلم حاملہ کے ساتھ نکاح کب درست ہے؟:

(سوال ۲۲۹) ایک ہندو عورت کو مسلمان بنا کر اس کا نام زلیخا رکھا۔ اس کے ساتھ ایک مسلم کا شادی کا ارادہ ہے اور دونوں راضی ہیں۔ اب عورت کو ہندو خاوند نے طلاق دیئے ہوئے صرف آٹھ دن ہوئے ہیں تو اس کو عدت طلاق گزارنی ہوگی؟ اس کو ایک مہینہ کا حمل ہے تو شرعی حکم کیا ہے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں نومسلم حاملہ مطلقہ کی عدت وضع حمل ہے۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد نکاح کر سکتی ہے بچہ پیدا ہونے سے قبل نکاح جائز نہیں۔[1]

سالی کی لڑکی سے صحبت کی تو بیوی حرام ہوگی یا نہیں:

(سوال ۲۳۰) اگر کوئی شخص اپنی سالی کی لڑکی سے صحبت کرے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی یا نہیں؟ فتاویٰ رحیمیہ جلد دوم دیکھی اس میں ہے "بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ جب تک اس کو (سالی کو) ایک حیض نہ آ جائے اس وقت تک عورت کے ساتھ صحبت نہ کرے" لیکن صورت مسئولہ میں اگر سالی کی لڑکی کو حمل رہ گیا تو اب عورت حلال رہے گی یا حرام ہو جائے گی۔ بینوا توجروا۔ جدید ترتیب کے مطابق ص ۱۹۱/۸ پر ملاحظہ فرمائیں

(الجواب) بیوی کی بہن (سالی) سے جماع کرنے سے بیوی ہمیشہ کے لئے حرام نہ ہوگی البتہ سالی پر وطی بالشبہ (دھوکہ سے اپنی بیوی سمجھ کر صحبت کرنا) سے عدت لازم ہو جاتی ہے اس وجہ سے انقضاء عدت تک یعنی ایک حیض آنے تک اور اگر حمل رہ گیا ہے تو وضع حمل تک اپنی بیوی سے صحبت حرام ہے، یہی حکم ہے بیوی کی بھانجی سے وطی بالشبہ کا (یعنی بیوی کی بھانجی کو غلطی سے بیوی سمجھ کر صحبت کرنے کا) اس صورت میں صحبت حرام اور موجب حد نہیں اور حمل رہ جانے پر بچہ ہو تو وہ حرامی نہ ہوگا بلکہ ثابت النسب ہوگا، لیکن اگر قصداً سالی سے یا اس کی بیٹی سے صحبت کی تو یہ زنا ہے اور زنا کے پانی کی شرعاً کوئی حرمت نہیں ہے (اس وجہ سے عدت بھی لازم نہیں ہوتی) لہذا بیوی سے صحبت حرام نہیں ہے۔

---

(۱) وعدة الحامل ان تضع حملها کذا فی الکافی وسوآء کانت المرأة حرة او مملوکة قنة أو مدبرة او مکاتبة الخ فتاویٰ عالمگیری الباب الثالث عشر فی العدة.

تاہم بعض علماء کے نزدیک دوسری صورت میں بھی انقضاء عدت تک بیوی سے صحبت کرنے سے احتراز ضروری ہے وفی الخلاصة وطی اخت امراته لا تحرم علیه امرأ ته (درمختار) قوله وفی الخلاصة الخ هذا محترزا لتقیید بالا صول والفروع وقوله لا تحرم ای لا تثبت حرمة المصاهرة فالمعنی لا تحرم حرمة مؤبدة والا فتحرم الیٰ انقضاء عدة المو طوء ة لو بشبهة قال فی البحر لو وطی اخت امرأ ته بشبهة تحرم امرأ ته ماله تنقض عدة ذات الشبهة وفی الدرایة عن الکامل لو زنی باجد الا ختین لا یقرب الاخریٰ حتیٰ تحیض الا خریٰ حیضة واستشکله فی الفتح ووجهه انه لا اعتبار لماء الزانی ولذا لوزنت امرأة رجل لم تحرم علیه وجا زله وطؤها عقب الزنا اه (درمختار و الشامی ج ۲ ص ۳۸۲ باب المحرمات) فقط واللہ اعلم.

ماں کی علاتی خالہ سے نکاح جائز ہے یا نہیں :

(سوال ۲۳۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ منی بیگم بنت عبدالرشید اور خلیل احمد ابن عبدالعزیز خان میں باہم عقد نکاح جائز ہے یا نہیں؟ ان کی باہمی قرابت کا نقشہ یہ ہے۔

عبدالرشید صاحب کی دو بیویاں

حلیمہ بی بی — غفورانی بی زوجہ عصمت اللہ — حمیدانی بی زوجہ عبدالعزیز خاں — خلیل احمد

آسیہ بی بی — منی بیگم
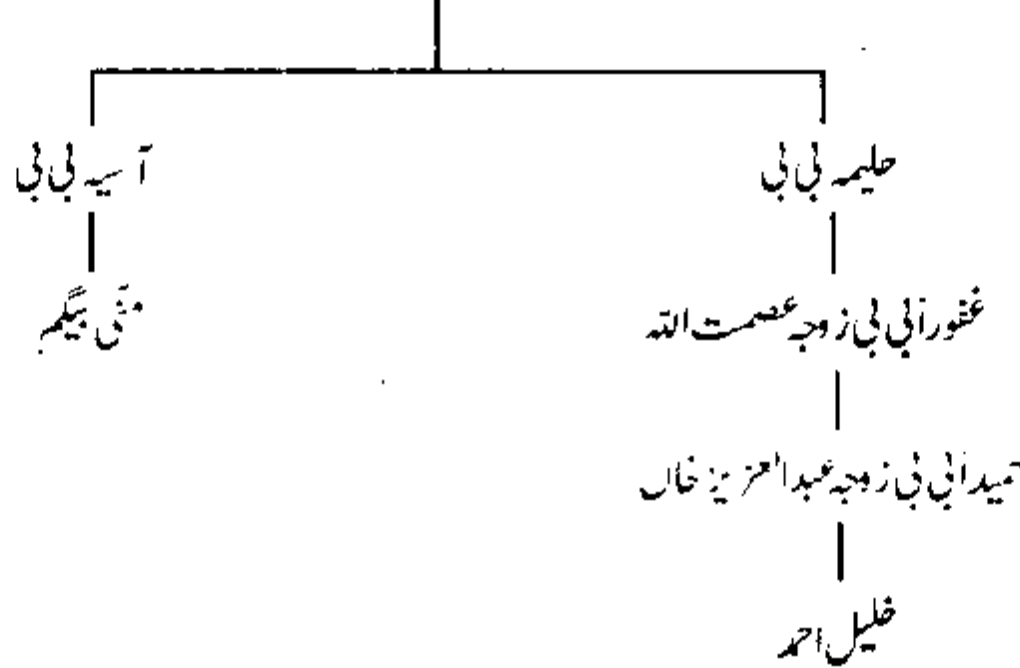
فقط بینوا وتوجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں منی بیگم اور خلیل احمد کا باہم عقد نہیں ہوسکتا، کیونکہ منی بیگم خلیل احمد کی ماں کی خالہ ہوتی ہے۔ اور خلیل احمد منی بیگم کی بھانجی کا بیٹا ہوتا ہے، لہذا نکاح درست نہ ہوگا (حرم) علی المتزوج ذکرا کان اوانثی نکاح (اصله وفرعه) علا اونزل (وبنت اخیه واخته وبنتها) (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۳۸۱) فقط واللہ اعلم.

مزنیہ کی لڑکی سے نکاح کا حکم:

(سوال ۲۳۲) ایک آدمی نے ایک عورت سے زنا کیا اب اس کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے تو کرسکتا ہے یا نہیں؟
(الجواب) جس عورت سے زنا کیا ہے اس کی لڑکی سے نکاح درست نہیں حرام ہے مگر زنا کا ثبوت اس کے اقرار سے

ہوگا یا شرعی شہادت سے۔ وحرم ایضا بالصهرية اصل مزنيته. الى قوله. وفروعهن مطلقا(درمختار مع شامی ج ۲ ص ۳۸۴ و ۳۸۵ باب المحرمات)فقط واللہ اعلم۔

عورت نے ہونے والے داماد کو بوسہ دے دیا تو کیا حکم ہے:

(سوال ۲۳۳) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان دین متین اس مسئلہ میں کہ زید کی منگنی ہندہ سے ہو چکی تھی اس اثناء میں زید اپنے مستقبل کے سسرال میں سویا ہوا تھا کہ ہندہ کی ماں جو کہ جوان ہے اس کے پاس آ کر خواہش کے ساتھ بوسہ دیا، زید فوراً بیدار ہو گیا اور اظہار ناراضگی کیا دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ زید کا ارادہ تو ہندہ کے ساتھ ہی نکاح کرنے کا ہے مگر کسی نے اس کو کہا کہ اب تیرا نکاح ہندہ کے ساتھ نہیں ہو سکتا اس لئے وہ پریشان ہے اور معلوم کرنا چاہتا ہے کہ کیا واقعی ہندہ کے ساتھ اس کے نکاح کرنے کی کوئی سبیل نہیں ہے؟ فقط والسلام۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جوان عورت نے شہوت کی حالت میں ہونے والے نوجوان داماد کے رخسار یا پیشانی یا منہ کا بوسہ لیا ہو تو حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی، اور ہندہ زید پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی کہ یہ فعل وطی کی طرف بلانے والا ہے اور از روئے حدیث وطی حکمی ہے پس ہندہ سے کسی صورت میں نکاح درست نہ ہوگا ومن مسته امرأة بشهوة حرمت عليه امها وبنتها یعنی جس مرد کو عورت نے شہوت کے ساتھ چھوا (ہاتھ لگایا یا بوسہ لیا) تو اس مرد پر اس عورت کی ماں بیٹی حرام ہوگئی (هدايه اولين ج ۲ ص ۲۸۹ فصل في المحرمات) ...... درمختار میں ہے وفي الكشاف واللمس ونحوه كالدخول عندابي حنيفة(قوله وفي الكشاف الخ) ولا يخفى ان المتون طافحة بان اللمس ونحوه كالوطء في ايجابه حرمة المصاهرة من غير اختصاص بموضع دون موضع الخ(درمختار مع الشامي ج۲ ص ۳۸۳ باب المحرمات)فقط والله اعلم بالصواب.

نوٹ:

رخسار، پیشانی منہ کو بوسہ دینے پر منحصر نہیں۔ مثال کے طور پر لکھا گیا ہے اور عموماً بوسہ انہیں مقامات پر دیا جاتا ہے، ورنہ بدن کے کسی حصہ کو شہوت کے ساتھ بلا حائل بوسہ دینے اور مس کرنے سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے، شرط یہ ہے کہ درمیان میں کپڑا وغیرہ حائل نہ ہو اگر حائل ہو مگر ایسا باریک اور پتلا ہو کہ جسم کی حرارت محسوس ہوتی ہو تب بھی حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی، حائل شئی ایسی ہو کہ ایک جسم کی حرارت دوسرے کو محسوس نہ ہو تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی، اسی طرح اگر مرد کو انزال ہو گیا تو حرمت مصاہرت قائم نہ ہوگی کہ وطی کا امکان ختم ہو گیا، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حاملہ بالزنا سے نکاح اور صحبت کا حکم:

(سوال ۲۳۴) گذارش یہ ہے کہ ذیل کی الجھن کو حل فرمائیں۔ بات یہ ہے کہ عمرو نے ہندہ سے زنا کیا اور حمل رہ گیا بعد میں بکر کی ہندہ سے شادی ہوئی جب ہندہ بکر کے یہاں رخصت ہو کر آئی تو حمل کے پانچ مہینے پورے ہو چکے

تھے، سسرال والوں نے لڑکی والوں کو حقیقت حال سے مطلع کیا وہ آ کر لڑکی کو لے گئے اور حمل ساقط کرا دیا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو نکاح ہوا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس سے ہم بستری جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں بکر اور ہندہ کا نکاح صحیح ہو گیا مگر وضع حمل اور خون نفاس موقوف ہونے کے بعد تک ہم بستری درست نہیں (شرح نقایہ ج ۲ ص ۷ من یحرم نکاحه وغیره) و صح نکاح حبلی من زنا لا حبلی من غیره ...... وان حرم وطأها ودواعيه حتى تمنع (درمختار علی هامش الشامی ج ۲ ص ۴۰۱ فصل فی المحرمات) فقط والله اعلم بالصواب ۲. رجب المرجب ۹۶ .

نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ عورت حاملہ ہے تو کیا حکم ہے :

(سوال ۲۳۵) ایک شخص نے (تقریباً شادی کے بیس دن بعد) اپنی عورت کو حاملہ پایا اور وہ حمل قریباً پانچ مہینے کا تھا یہ جان کر اس شخص نے طلاق دینے کا ارادہ کیا، عورت کو ہسپتال لے جا کر اس کا حمل ساقط کر دیا گیا ہے اور اس عورت کا کسی اور سے حاملہ ہونا بھی ثابت ہو گیا ہے، ایسی صورت میں ۔

(۱) کیا حاملہ عورت سے نکاح درست ہے؟ (۲) کیا حاملہ سے کیا ہوا نکاح خود بخود باطل ہو جاتا ہے؟ (۳) کیا عورت مہر کی حق دار ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مذکورہ میں نکاح منعقد ہو گیا ہے حاملہ بالزنا سے نکاح درست ہے۔ جس کا حمل ہو وہ نکاح کرے تو صحبت بھی درست ہے، دوسرا شخص نکاح کرے گا تو وضع حمل تک صحبت نہ کر سکے گا۔ وصح نکاح حبلیٰ من الزنالاحبلیٰ من غیره ای الزنا لثبوت نسبه (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۴۰۱ ایضاً) نکاح خود بخود باطل نہیں ہوا طلاق دینے پر عورت نکاح سے نکلے گی۔ صحبت ہو چکی ہے اس لئے پورے مہر کی حق دار ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شہوت سے اپنی بالغ لڑکی کے بدن کو مس کیا :

(سوال ۲۳۶) ایک شخص نے اپنی بالغہ کنواری لڑکی کی چھاتیوں کو شہوت کے ساتھ پکڑ کر خوب بھینچا اور پھر چھوڑ دیا اب استفتاء یہ ہے کہ اس لڑکی کی ماں اور باپ میں رشتۂ زوجیت قائم رہا یا ٹوٹ گیا؟ اگر ٹوٹ گیا تو رجوع کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں اگر لڑکی کے جسم پر ایسا موٹا کپڑا ہو کہ پستان پکڑنے پر بدن کی حرارت محسوس نہ ہو تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔ (قوله بحائل لايمنع الحرارة) ای ولو بحائل فلو كان مانعاً لا تثبت الحرمة كذا فی اكثر الكتب (شامی ج ۲ ص ۳۸۵) فتاویٰ عالمگیری میں ہے ثم المس انما يوجب حرمة المصاهرة اذا لم يكن بينهما ثوب اما اذا كان بينهما ثوب فان كان صفيقاً لا يجد الماس حرارة الممسوس لا تثبت حرمة المصاهرةوان انتشرت آلته بذلک وان كان رقيقا بحيث يصل حرارة الممسوس الى يده تثبت كذا فی الذخيرة (عالمگیری ج ۲ ص ۲ کتاب النکاح . الباب الثالث فی بیان المحرمات) لہٰذا اگر لڑکی کے جسم پر کپڑا نہ ہو یا ہو مگر ایسا پتلا سا ہو کہ جسم کی حرارت محسوس ہوگئی تو

حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی اور اس کی والدہ اس کے باپ پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجائے گی، رجوع اور تجدید نکاح کی کوئی صورت نہیں ہے وحرم ایضا بالصھریة (اصل مزینته واصل ممسوسته بشھوة) ولو لشعر علی الراس بحائل لا یمنع الخ (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۳۸۵ فصل فی المحرمات) دوسری جگہ ہے فلو ایقظ زوجته' اوا یقظته ھی لجماعھا فمست یده' بنتھا المشتھاة او یدھا ابنه حرمت الام ابداً فتح (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۳۸۸ ایضاً) فقط واللہ اعلم بالصواب ۲ جمادی الاولی ۱۳۹۹ھ.

زانی کی لڑکی کا نکاح مزنیہ کے لڑکے سے صحیح ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۳۷) ایک شادی شدہ بچوں والی عورت نے دوسری شادی شدہ مرد سے عشق کیا اور اس مرد سے زنا بھی کیا (پھر توبہ کرلی اور عشق کرنا چھوڑ دیا) اب جب کہ ایک طویل عرصہ ہو رہا ہے اور دونوں کے بچے جوان ہوگئے ہیں اب اس مرد کی لڑکی کے ساتھ یہ عورت اپنے لڑکے کا نکاح کرنا چاہتی ہے تو کیا یہ نکاح ہوسکتا ہے یہ بات یقینی ہے کہ وہ لڑکا اس زانی کے مرد کے نطفہ سے نہیں ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) زانی کی لڑکی جو اس کی بیوی سے ہے اس کا نکاح مزنیہ (جس سے زنا ہوا ہے) کے لڑکے سے جو اس کے (یعنی زانی کے) نطفہ سے نہیں ہے، درست ہے درمختار میں ہے واما بنت زوجة ابیه او ابنه فحلال (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۳۸۳ ایضاً. یعنی: اپنے باپ کی زوجہ کی بیٹی یعنی سوتیلی ماں کی لڑکی جو باپ کے نطفہ سے نہیں اس سے نکاح حلال ہے اس واسطے کہ دونوں میں خون کا رشتہ نہیں ہے (درمختار) شامی میں ہے ویحل لاصول الزانی وفروعه اصول المزنی بھا وفروعھا اه ومثله ما قدمنا قریباً عن القھستانی عن النظم وغیره وقوله ویحل الخ ای کما یحل ذلک بالوط الحلال (شامی ج ۲ ص ۳۸۴ ایضاً) فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۰ ذی الحجه ۱۴۰۰ھ.

بیوی کے ہوتے ہوئے اس کی بہن سے نکاح کرلیا تو یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں :

(سوال ۲۳۸) زید نے عارفہ سے نکاح کیا اس کے سات سال بعد زید نے عارفہ کی حقیقی بہن زینب سے بھی نکاح کرلیا اور دونوں بہنوں کو چند سال اپنے ساتھ رکھا بعد میں زید کو احساس ہوا کہ میرے لئے دو حقیقی بہنوں کا نکاح میں رکھنا صحیح نہیں لہٰذا زید نے عارفہ کو تین طلاق دے کر جدا کردیا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس وقت جب کہ عارفہ زید کے نکاح سے نکل چکی ہے زینب زید کے نکاح میں اپنے سابق عقد کے مطابق رہ سکتی ہے یا زید کو زینب کے ساتھ عقد ثانی کرنے کی ضرورت ہے، یا دونوں ہی زید کے لئے حرام ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) زید نے اپنی بیوی کی بہن سے نکاح کیا تھا وہ صحیح نہیں تھا دونوں زنا کے مرتکب رہے، ہدایہ میں ہے ولا یجمع بین اختین نکاحاً ولا بملک یمین وطئاً لقوله تعالیٰ وان تجمعوا بین الا ختین ولقوله علیه السلام من کان یؤ من باللہ والیوم الا خر فلا یجمعن ماء ه فی رحم اختین (ھدایه اولین ص ۲۸۸ ایضاً) فتاویٰ عالمگیری میں ہے واما الجمع بین ذوات الا رحام فانه لا یجمع بین اختین بنکاح ولا

بوطئی بملک یمین سواء کانتا اختین من النسب اومن الرضاع ھکذا فی السراج الوھاج (الی قولہ) وان تزوجھا فی عقدتین فنکاح الاخیرۃ فاسدو یجب علیہ ان یفارقھا الخ (فتاوی عالمگیری ج ۲ ص ۸.۷ القسم الرابع المحرمات بالجمع)

اب جب کہ اس نے اپنی بیوی (عارفہ) کو تین طلاق دے کر جدا کر دیا ہے تو اس کی عدت طلاق ختم ہونے کے بعد زینب سے نکاح درست ہوگا، عدت کے اندر نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

اپنے بیٹے کی مزنیہ سے نکاح کرنا اور اس کے لئے کسی دوسرے امام کے مسلک کا سہارا لینا؟:

(سوال ۲۳۹) (۱) ایک شخص نے ایک ایسی عورت سے نکاح کیا کہ جس سے اس کے بیٹے نے زنا کیا تھا، اس کا یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

(۲) یہ شخص حنفی ہے اور ابھی تک مذہب حنفی پر عمل پیرا رہا ہے کسی اور امام کے نزدیک بیٹے کی مزنیہ سے نکاح جائز ہو تو کیا یہ شخص صرف اس مسئلہ میں اس امام کے مذہب پر عمل کر سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) اگر یہ واقعہ ہے کہ اس شخص کے بیٹے نے اس عورت سے زنا کیا ہے تو اس کا نکاح اس عورت سے حرام ہے نکاح منعقد نہ ہوگا۔ وحرم ایضاً بالصھریۃ اصل مزنیۃ (درمختار) حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسباً ورضاعاً (شامی ج ۲ ص ۳۸۴ فصل فی المحرمات) فتاوی عالمگیری میں ہے وکذا تحرم المزنی بھا علی اباء الزانی واجدادہ وان علوا وابنائہ وان سفلوا کذا فی فتح القدیر یعنی اسی طرح وہ عورت جس سے زنا کیا گیا حرام ہو جاتی ہے، زانی کے باپ دادا پر اگر چہ اوپر تک ہوں، اور زانی کے بیٹوں پر اگر چہ نیچے تک ہوں (عالمگیری ج ۲ ص ۵ کتاب النکاح، الباب الثالث بالصھریۃ)

جب یہ بات ثابت شدہ ہے کہ لڑکے نے اس عورت سے زنا کیا ہے تو یہ بات کیسے گوارہ کی جاسکتی ہے کہ اپنے مذہب کے خلاف دوسرے مذہب کا سہارا لے کر اس سے صحبت کرتا رہے حرام حلال کے معاملہ میں احتیاط سے کام لینا چاہئے جیسا کہ بخاری شریف میں ایک واقعہ ہے، عقبہ رضی اللہ عنہ نے ابواہاب کی لڑکی سے نکاح کیا تھا ایک عورت نے آکر بیان کیا "میں نے عقبہ کو بھی دودھ پلایا ہے اور ان کی اس بیوی کو بھی دودھ پلایا ہے" عقبہ نے کہا مجھے یہ معلوم نہیں کہ تو نے مجھ کو دودھ پلایا ہے اور نہ تو نے مجھ سے کبھی اس کا ذکر کیا پھر ابواہاب کے لوگوں سے اس کی تحقیق کی ان لوگوں نے کہا ہم نہیں جانتے کہ اس عورت نے تمہاری بیوی کو دودھ پلایا ہے، تب عقبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ طیبہ گئے اور یہ مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا جب کہ یہ عورت ایسا کہتی ہے تو اب وہ بیوی کیونکہ تمہارے نکاح میں رہ سکتی ہے؟ اس وقت عقبہؓ نے اس عورت کو چھوڑ دیا اور اس عورت نے دوسرے سے نکاح کر لیا (بخاری شریف ص ۶۴ ۷، ج ۲ ص ۶۵ ۷ باب شہادۃ المرضعہ۔ مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۳، ص ۲۷۴ باب المحرمات)

(۲) بیٹے کے مزنیہ کو نکاح میں رکھنے کی غرض سے دوسرے امام کے مسلک کا سہارا لینا بھی جائز نہیں۔ اجماع کے خلاف ہے اور نفسانی خواہش کی اتباع ہے شرعاً اس کی اجازت نہیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں یکونون فی

وشب يقلدون من يفسده وفي وقت يقلدون من يصحح بحسب الغرض والهوى ومثل هذا لا يجوز باتفاق الامة ...... یہ لوگ ایک وقت اس امام کی تقلید کرتے ہیں جو نکاح کو فاسد قرار دیتا ہے اور پھر (اپنا مقصد پورا کرنے کے لئے) اس امام کی تقلید کرتے ہیں جو اسے درست قرار دیتا ہے، اور اس طرح عمل کرنا بالاتفاق جائز نہیں (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۲۴۰)

صرف عورت کی خاطر اپنے مسلک کے خلاف کرنا اور مقصد پورا کرنے کے لئے کسی اور مسلک کا سہارا لینا خطرناک ہے، شامی میں ہے۔ ایک حنفی المسلک نے ایک اہل حدیث (غیر مقلد) کی لڑکی سے نکاح کا پیغام بھیجا اس نے کہا اگر تو اپنا مذہب چھوڑ دے یعنی امام کے پیچھے قرأت پڑھے اور رکوع میں جاتے ہوئے رفع یدین کرے تو پیغام منظور ہے اس حنفی نے یہ شرط منظور کر لی اور نکاح ہو گیا، شیخ وقت امام ابو بکر جوزجانی نے یہ سنا تو افسوس کیا اور فرمایا النکاح جائز ولكن اخاف عليه ان يذهب ايمانه وقت النزع لا نه استخف بالمذهب الذى هو حق عنده وتركه لا جل جيفة منتنة. ترجمہ۔ (شیخ وقت امام ابو بکر جوزجانی نے فرمایا کہ خیر) نکاح تو ہو گیا لیکن مجھے اس شخص کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے کہ اس نے عورت کے خاطر اس مذہب کے خلاف کیا اور اس مذہب کی توہین کی جس کو وہ آج تک حق سمجھتا تھا (شامی ج ۳ ص ۲۶۳ باب التعزير مطلب فيما اذا ارتحل الى غير مذهبه) فقط والله اعلم بالصواب . ۲۰ جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ.

فتاویٰ رحیمیہ جلد دوم کے ایک فتویٰ پر اشکال کا جواب:

(سوال ۲۴۰) حامد نامی آدمی نے ایک ایسی عورت سے شادی کی جو اپنے ساتھ اگلے شوہر سے اپنی لڑکی لائی تھی، پھر مدت کے بعد حامد نے اپنی عورت کو طلاق دے دی اور اس لڑکی سے تعلق قائم کر لیا اور اس سے ایک بچہ بھی ہوا ہے تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ حامد اس لڑکی کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ اس کی ماں اس کی مدخولہ ہے وربائبكم التى فى حجوركم من نسائكم التى دخلتم بهن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے ساتھ رشتۂ زوجیت قائم نہیں رکھ سکتا۔ اور فتاویٰ رحیمیہ جلد ثانی کے ص ۱۰۸ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، اپنی بیوی کے پہلے شوہر کی لڑکی سے نکاح کرنا کیسا ہے، کے عنوان سے دیکھیں ص۱۹۵ مرتب) کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کو جمع کر سکتا ہے، جو بظاہر قابل اعتراض معلوم ہوتا ہے، اس کا جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(جواب) فتاویٰ رحیمیہ ج ۲ ص ۱۰۸ کے سوال وجواب کی عبارت یہ ہے۔

(سوال) ایک آدمی اپنی عورت کے پہلے شوہر کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو ان دونوں کو نکاح میں جمع کرنا کیسا ہے؟

(الجواب) کر سکتا ہے (شرح وقایہ ج ۲ ص ۱۵ المحرمات)

شرح وقایہ کی عبارت یہ ہے لا بين امرأة وبنت زوجها (یعنی حرام نہیں ہے عورت کے ساتھ اس کے شوہر کی بیٹی کو جمع کرنا) اس لئے کہ یہ بیٹی اس عورت کی نہیں ہے بلکہ اس کے اگلے شوہر کی بیٹی ہے دوسری بیوی سے، ان دونوں کو جمع کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے البتہ اپنی بیوی کی بیٹی جو پہلے شوہر سے ہے وہ حرام ہے، الغرض فتاویٰ

رحیمیہ جلد دوم کی صورت جداگانہ ہے آپ کی پیش کردہ صورت میں حامد کا اپنی بیوی کی بیٹی سے نکاح کرنا حرام ہے، نکاح منعقد ہی نہیں ہوا تفریق ضروری ہے، عمدۃ الرعایہ میں ہے قوله لا بين امرأة الخ اى لا يحرم الجمع بين امرأة وبنت زوجها من زوجته الاخرىٰ وعمدة الرعايه على شرح الوقايه ج ۲ ص ۱۵ ايضاً) فقط والله اعلم بالصواب. ۲۵ شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ

سنی لڑکی کا نکاح شیعہ مرد کے ساتھ کردیا تو یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں :

(سوال ۲۴۱) ایک پارسی لڑکی اور شیعہ لڑکے میں محبت ہوگئی، لڑکی نے اہل سنت والجماعت عالم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور سنی مسلمان ہوگئی اس کے بعد وہ دونوں میرے پاس آئے اور لڑکے نے کہا پہلے یہ پارسی تھی اور اب اہل سنت والجماعت عالم کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئی ہے اور ہم نے قانونی کارروائی بھی کرلی ہے اب ہم دونوں باہم نکاح کرنا چاہتے ہیں اور مجھ سے درخواست کی کہ میں ان کے درمیان رشتہ ازدواج قائم کردوں چنانچہ میں نے اس لڑکے کا اس نومسلم لڑکی سے نکاح کردیا بعد میں معلوم ہوا کہ لڑکا شیعہ (داؤدی بوہرہ) ہے بوقت نکاح اس نے اپنا شیعہ ہونا ظاہر نہیں کیا تو یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ سنی اور شیعوں کے درمیان نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) آپ کے سوال اور زبانی بیان سے معلوم ہوا کہ پارسی نوجوان لڑکی نے راندیر آ کر اہل سنت والجماعت عالم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے اس کے بعد اس نومسلمہ سنیہ لڑکی نے ایک نوجوان داؤدی بوہرہ (شیعہ) لڑکے کے ساتھ شادی کرلی ہے لڑکے نے اپنا داؤدی بوہرہ (شیعہ) ہونا ظاہر نہیں کیا بلکہ چھپایا لہذا نکاح نہیں ہوا، کسی سنی لڑکے سے نکاح کردیا جائے۔

روافض و شیعوں میں مختلف العقائد فرقے ہیں اور تقیہ ان کا شعار ہے اس لئے حقیقت حال کا معلوم ہونا اور امتیاز کرنا مشکل ہے، وہ لوگ اہل سنت والجماعت کے عقائد کے خلاف عقیدے رکھتے ہیں مثلاً تحریف قرآن اور افک حضرت عائشہ صدیقہؓ کے قائل ہیں اور معتقد ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اکثر صحابہ مرتد و کافر ہوگئے ہیں۔ العیاذ باللہ اس بنا پر ان کے ساتھ سنیہ لڑکی کا نکاح جائز نہیں، باطل ہے، لہذا آپ نے لڑکے کو سنی سمجھ کر نومسلمہ سنیہ سے جو نکاح پڑھایا ہے وہ صحیح نہیں ہوا باطل ہے۔ شامی میں ہے نعم لا شك فى تكفير من قذف السيدة عائشة او انكر صحبة الصديق او اعتقد الالوهية فى على او ان جبرئيل غلط فى الوحى او نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقران باب المرتد مطلب مهم فى حكم سب الشيخين (شامی ج ۳ ص ۴۰۵. ۴۰۶)

قلت وهذا فى حق الرافضة والخارجة فى زماننا فانهم يعتقدون كفرا كثرا لصحابة فضلاً عن سائر اهل السنة والجماعة فهو كفر بالا جماع بالا نزاع (مرقاة شرح مشكوة)

دارالعلوم دیوبند کے سابق مفتئ اعظم حضرت مفتی عزیز الرحمٰنؒ فرماتے ہیں۔

(سوال ۶۲،۴۵۵) شیعہ و سنت جماعت کی مناکحت باہم درست ہے یا نہیں؟ اگر بوجہ غلطی کے سنیہ کا نکاح شیعہ سے ہوگیا ہو اور رخصت نہ ہوئی ہو تو کیا کرنا چاہئے۔

(الجواب) باہم مناکحت شیعہ وسنیوں کی جائز نہیں ہے سنیہ لڑکی جس کا نکاح شیعہ مرد سے کیا گیا ہے وہ نکاح جائز نہیں ہوا۔ لڑکی کو رخصت نہ کیا جائے اور اس کے قبضہ میں نہ دیا جائے دوسرے سنی مرد سے اس کا نکاح کر دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم (فتاوی دار العلوم ۳۔۴ص ۱۳۶ عزیز الفتاویٰ)

آپ کا دوسرا فتویٰ:۔

(الجواب) پس صورت مسئولہ میں نکاح اول جو شیعہ غالی سے ہوا صحیح نہیں ہوا۔ بلکہ باطل ہوا۔ اور دوسرا نکاح صحیح ہے۔ فقط (فتاوی دار العلوم ج۔۳۔۴ص ۱۳۶ عزیز الفتاویٰ)

آپ کا تیسرا فتویٰ:۔

(سوال ۷۹۹/۱۱۹) ایک عورت سنی مذہب نے ایک شیعہ مرد سے نکاح کر لیا، بعد میں معلوم ہوا کہ شیعہ ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور اس کا نکاح فسخ کرانا درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) رافضی اگر غالی ہے یعنی سب شیخین کرتا ہے اور حضرت صدیقہ کے افک کا قائل ہے اور دیگر عقائد کفریہ کا معتقد ہے تو وہ مرتد ہے سینہ عورت کا نکاح اس سے درست نہیں ہوا۔ اور دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**. کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ (فتاویٰ دار العلوم، عزیز الفتاویٰ ج۳. ۴ ص۱۴۷).

آپ کا چوتھا فتویٰ:۔

(الجواب) اس صورت میں آپ اپنی دختر کا نکاح ثانی کر دیں کیونکہ رافضی تبرائی سے نکاح سنی عورت کا منعقد نہیں ہوتا اور اگر بعد نکاح کے رافضی ہو جائے تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے (فتاویٰ دار العلوم ج۸ ص۲۸۱ مدلل ومکمل)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

مسئلہ: سنی لڑکی کا نکاح شیعہ مرد کے ساتھ بہت سے عالموں کے فتویٰ میں درست نہیں ہے اس لئے ہرگز سنی عورت کا شیعی مرد سے نکاح نہ کرے۔ (بہشتی زیور مع حاشیہ ص۶ حصہ چہارم)

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ

سنی عورت کا نکاح شیعہ مرد سے جائز نہیں (مفتی) کفایت اللہ۔ کان اللہ لہ۔ دہلی (کفایت المفتی ج۵ ص ۲۰۹ کتاب النکاح)

آپ کا دوسرا فتویٰ:۔

لیکن اگر شیعہ غلطی وحی یا الوہیت علیؓ یا افک صدیقہ کا قائل ہو یا قرآن مجید میں کمی بیشی ہونے کا معتقد ہو یا صحبت صدیق کا منکر ہو تو ایسے شیعوں کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح منعقد نہیں ہوتا اور چونکہ شیعوں میں تقیہ کا مسئلہ شائع اور معمول ہے اس لئے یہ بات معلوم کرنی مشکل ہے کہ فلاں شیعہ قسم اول میں سے ہے یا قسم دوم میں سے۔ (کفایت المفتی ج۵ ص۲۰۴)

پاکستان کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا فتویٰ

(الجواب) فی الدر المختار ...... الی قولہ ...... حاصل جواب بناء علی العبارات المذکورہ یہ ہے کہ صورت مسئولہ

میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوا۔ الخ بوجوہ ذیل۔

(۱) ایک کثیر جماعت علماء اس طرف گئی ہے کہ مطلقاً سنی عورت کا نکاح شیعہ مرد کے ساتھ کسی حال میں منعقد نہیں ہوتا اگر چہ اس کا شیعہ ہونا بوقت نکاح ظاہر بھی ہو۔ اور یہ اس لئے کہ آج کل شیعہ عموماً وہ لوگ ہیں جو قطعیات اسلام کا انکار کرتے ہیں مثلاً صدیقہ عائشہؓ پر تہمت لگاتے ہیں یا تحریف قرآن وغیرہ کے قائل ہیں اور اس عقیدے کے لوگ باجماع امت کافر ہیں، البتہ جو شیعہ قطعیات کے منکر نہیں ان کے بارے میں احوط یہی ہے کہ کفر کا حکم نہ کیا جائے (فتاویٰ دارالعلوم. امداد المفتین ج ۳. ۴ ص ۱۷۵. ۱۷۶) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غیر مقلد کے لڑکے سے سنی لڑکی کا نکاح کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۴۲) فرقہ غیر مقلدین کے متعلق آپ کا فتویٰ (گجراتی زبان میں) کتابی صورت میں چھپا ہے اس میں فرقۂ غیر مقلدین اور نام نہاد اہل حدیث کو بہ اقوال علما، راسخین باطل قرار دیا ہے اس فرقہ کے لڑکوں کے ساتھ اہل سنت والجماعت کی لڑکیوں کا نکاح ہو سکتا ہے؟ ہمارے یہاں بعض لوگ نکاح کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، آپ جلد از جلد جواب مرحمت فرمائیں بینوا توجروا۔

(الجواب) مقلدین وغیر مقلدین میں بہت سے اصولی وفروعی اختلافات ہیں یہ لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم کو معیار حق نہیں مانتے، ائمہ اربعہ پر سب وشتم کرتے ہیں اوران کی تقلید کو جس کے وجوب پر امت کا اجماع ہو چکا ہے ناجائز اور بدعت بلکہ بعض تو شرک تک کہہ دیتے ہیں، بہت سے اجماعی مسائل کے منکر ہیں، صحابۂ کرام کا اجماع ہے کہ بیس رکعت تراویح سنت ہے جب کہ یہ لوگ اسے بدعت عمری قرار دیتے ہیں اور تہجد کی آٹھ رکعت تراویح کے لئے پیش کرتے ہیں، جمعہ کی پہلی اذان کو بدعت عثمانی کہتے ہیں، ایک مجلس میں تین طلاق کا وقوع جس پر صحابہ و جمہور علماء کا اجماع ہے انکار کرتے ہیں اور ایک طلاق کا فتویٰ دے کر زنا کاری و بدکاری میں مبتلا کرتے ہیں، صحابہ نے عورتوں کو نماز کے لئے مسجد میں آنے سے روکا ہے اور اس پر صحابہ کا اتفاق ہے یہ لوگ اس کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ اور بعض چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کو جائز کہتے ہیں۔ اور خود یہ لوگ ہم سے ہر معاملہ میں الگ رہتے ہیں ان کے علماء ہمارے علمی جلسوں میں شرکت گوارہ نہیں کرتے ان کی مسجد الگ ہوتی ہے ان کی عیدگاہ الگ ہوتی ہے۔ اور ابھی تازہ واقعہ ہے کہ امسال ہمارے یہاں کے غیر مقلدین نے جمہور مسلمانوں سے الگ رہ کر دوسرے دن عید کی، ان چیزوں کے ہوتے ہوئے ان کے ساتھ نکاحی تعلق قائم کرنا کیسے گوارہ ہو سکتا ہے یہ فتنہ وفساد کا باعث ہے، لڑکی مرد کے ماتحت ہوتی ہے اس لئے اس کے عقائد واعمال یقیناً خراب ہوں گے لہذا اس کا مصلحتاً ہرگز دروازہ نہ کھولا جائے کتابی عورتوں سے نکاح درست تھا مگر اعتقادی اور اعمالی خرابی کے اندیشہ کی وجہ سے خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ نے اجازت نہیں دی بلکہ سختی سے منع فرمایا، آپ نے فرمایا میں حلال کو حرام قرار نہیں دیتا مگر مسلمانوں کی عمومی مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ کتابی عورتوں سے نکاح نہ کیا جائے کہ موجب بدعقیدگی اور باعث بداخلاقی و بداعمالی ہے۔

اس کے ساتھ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

(سوال ۲۴۱) جو فرقہ غیر مقلد اپنے آپ کو اہل حدیث بتلاتے ہیں ان سے بیٹا بیٹی کا بیاہ کرنا شرعاً جائز ہے یا

نہیں؟

(الجواب) اگر نکاح کیا جاوے گا نکاح منعقد ہو جائے گا لیکن ایسے فرقوں اور ایسے متعصب لوگوں سے رسول اللہ ﷺ نے مناکحت ومواکلت ومشارت وغیرہ کو منع فرمایا ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ ان لوگوں سے اس قسم کے تعلقات بیاہ شادی کے قائم نہ کئے جائیں۔فقط (فتاوی دار العلوم مدلل ومکمل ج ۷ص ۱۷۵) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۸ شوال المکرم ۱۴۰۲ھ۔

حرمت مصاہرت کی ایک مشتبہ صورت:

(سوال ۲۴۳) انگلینڈ میں ایک لڑکی رہتی ہے اور اس کی بیوہ والدہ یہاں ہندوستان میں تنہا رہتی ہے۔اس لڑکی کے ساتھ یہاں کے ایک لڑکے کا رشتہ طے ہوا ہے اور اب وہ اس لڑکی سے شادی کرنے کے لئے انگلینڈ جانے کی تیاری کر رہا ہے اس درمیان لڑکی کے سرپرستوں کو کئی خطوط بغیر نام کے موصول ہوئے ان سب کا مضمون یہ ہے کہ جس لڑکے کا رشتہ طے ہوا ہے لڑکے کا اس لڑکی کی والدہ کے ساتھ غلط تعلقات ہیں،لہذا یہ نکاح نہیں ہوسکتا،وہ لڑکی اس لڑکے پر حرام ہے۔لڑکی کے سرپرستوں نے اس بات کی تحقیق کے لئے یہاں ایک شخص پر خط لکھا۔تحقیق کرنے پر یہ معلوم ہوا کہ اس واقعہ کا کوئی چشم دید گواہ نہیں ہے،ہاں یہ محقق ہے کہ اس لڑکے کے مدت سے اس عورت کے ساتھ تعلقات ہیں،وہ اس عورت کے گھر۔(جو تنہا رہتی ہے) بکثرت آمدورفت رکھتا ہے،وہاں کھاتا پیتا بھی ہے اور گاہے سوتا بھی ہے،دونوں میں بے تکلفی بہت ہے،عورت جو کہتی ہے،لڑکا اس کے موافق کام کرتا ہے۔ان باتوں کی وجہ سے لوگوں کو اس پر شبہ ہے اور یہ بات مشہور بھی ہوگئی ہے۔لڑکا قسم کھا کر کہتا ہے کہ کبھی بھی میں نے اس عورت سے غلط حرکت نہیں کی۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ کیا ان خطوط کی بنا پر اس نکاح کو حرام کہا جاسکتا ہے؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں،بینوا توجروا۔

(الجواب) بے شک بغیر نام کے خطوط شرعی شہادت نہیں ہیں،لہذا محض ان خطوط کی بنا پر حرمت ثابت نہیں کی جاسکتی اور اس سے نکاح کو ناجائز اور حرام نہیں کہا جاسکتا۔

لیکن جب حقیقت یہ ہے کہ عورت یہاں تنہا رہتی ہے اور لڑکا اس کے یہاں مدت سے آمدورفت رکھتا ہے،کھاتا پیتا بھی ہے اور کبھی کبھی سوتا بھی ہے اور تمام کام عورت کے کہنے کے موافق کرتا ہے ان وجوہات کی بنا پر لوگوں کا جو شبہ اور وہم ہے اس کو بلا دلیل نہیں کہا جاسکتا،ان قرائن کی بنا پر اس کو صحیح سمجھا جاسکتا ہے بالکل نظر انداز نہیں کرسکتے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد واجب الاذعان ہے **لا یخلون رجل بامرأة الا کان ثالثها الشیطان رواہ الترمذی**. یعنی جب کوئی شخص کسی عورت سے خلوت میں ملتا ہے تو ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے وہ دونوں کو گناہ میں مبتلا کرنے کے لئے پوری کوشش کرنے لگتا ہے)(**مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۹ کتاب النکاح باب النظر الی المخطوبۃ**)

دوسری حدیث میں ہے عن جابر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تلجوا علی المغیبات فان الشیطان یجری من احد کم مجری الدم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایسی عورتوں کے پاس مت جاؤ جن کی محرم ان کے ساتھ نہ ہوں، کیونکہ شیطان آدمی کے اندر خون کی طرح گردش کرتا رہتا ہے (مشکوۃ شریف ص۲۶۹)

حرمت مصاہرت کا ثبوت صرف صحبت اور ہم بستری پر منحصر نہیں ہے بلکہ حالت شہوت میں بلا حائل ایک دوسرے کے بدن کو مس کرنے، چومنے، بوسہ لینے، اور شرم گاہ کو دیکھنے سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے۔ یہ افعال قصداً ہوں یا نسیاناً۔ راضی خوشی سے ہوں یا کسی کے مجبور کرنے سے۔ (درمختار ج۲ ص ۳۸۶، ۳۸۷، ۲۶۷ ولافرق فیما ذکر بین اللمس والنظر شھوۃ بین عمد ونسیان وخطأ واکراہ فصل فی المحرمات)۔

لہذا لوگوں میں جو باتیں مشہور ہوگئی ہیں ان کو بالکل نظر انداز کر کے نکاح کرنا اور کرانا تقویٰ اور احتیاط کے خلاف ہوگا اور اس میں بدنامی بھی ہے جس سے بچنا ضروری ہے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے اتقوا مواضع التھمۃ تہمت کی جگہوں سے بچ کر رہو۔

غیر محرم سے پردہ کتنا ضروری ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے لگائیے۔ حدیث میں ہے حضور ﷺ نے ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بھائی جوان کے والد زمعہ کی باندی کے بطن سے تھے محض اس بنا پر ان سے پردہ کرنے کا حکم فرمایا کہ ان کے متعلق عتبہ کا یہ دعویٰ کہ وہ میرے نطفہ سے ہے اور وہ لڑکا عتبہ کے مشابہ تھا۔ اگرچہ شرعی قانون " الولد للفراش و للعاھر الحجر " کی بنا پر عتبہ کا لڑکا ہونے کا دعویٰ رد کر دیا گیا تھا اور زمعہ کا (جو حضرت سودہؓ کے والد ہیں) بیٹا قرار دیا گیا تھا مگر اس کے باوجود حضور ﷺ نے حضرت سودہؓ سے فرمایا "احتجبی منہ" اس سے پردہ کرو۔ چنانچہ حضرت سودہؓ نے اس سے پردہ کیا اور مرتے دم تک اس لڑکے نے اپنی بہن حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو نہیں دیکھا فمارأھا حتی لقی اللہ (مشکوۃ شریف ص۲۸۷ باب اللعان الفصل الاول)

غور کیجئے! شریعت میں پردہ کا کتنا سخت حکم ہے، شریعت کی اس ہدایت کو بالائے طاق رکھ کر تنہائی میں غیر محرم عورت کے ساتھ ملنے، بات چیت کرنے، کھانے پینے اور سونے کو کس طرح صحیح کہا جا سکتا ہے؟ اور لوگوں کو ان باتوں کی وجہ سے شبہ ہو تو کس طرح اس کو بلا دلیل کہا جا سکتا ہے؟ اس لئے بہتر یہ ہے کہ لڑکی کا نکاح کسی اور سے کر دیا جائے، اسی میں احتیاط اور تقویٰ ہے بدنامی سے حفاظت رہے گی۔

مزید وضاحت کے طور پر مندرجہ ذیل واقعہ غور سے پڑھیئے۔

حدیث میں ہے۔ عقبہؓ نے ابواہاب کی لڑکی سے نکاح کیا تھا ایک عورت نے آ کر بیان کیا "میں نے عقبہ کو بھی دودھ پلایا ہے اور جس عورت سے عقبہ نے نکاح کیا ہے اس کو بھی دودھ پلایا ہے، عقبہ نے کہا مجھے یہ معلوم نہیں کہ تو نے مجھ کو دودھ پلایا ہے اور نہ اس سے قبل تو نے کبھی اس کا تذکرہ کیا ہے، پھر ابواہاب کے خاندان والوں سے اس کی تحقیق کی ان لوگوں نے بھی کہا کہ ہم بھی نہیں جانتے کہ اس عورت نے تمہاری بیوی کو دودھ پلایا ہے، تب عقبہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ طیبہ گئے اور یہ مسئلہ پوچھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کیف وقد قیل" جب کہ یہ بات کہی جا رہی ہے (کہ تو اس کا رضاعی بھائی ہے) تو اب وہ

تیرے نکاح میں کیونکر رہ سکتی ہے؟ ففارقها ونكحت زوجاً غيره اس کے بعد عقبہ نے اس کو چھوڑ دیا اور اس عورت نے دوسرے مرد سے نکاح کر لیا۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۷۶۴، ص ۷۶۵ باب شهادة المرضعة) (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۳۔۲۷۴ باب المحرمات)

ایک عورت کی شہادت سے رضاعت ثابت نہیں ہو سکتی لیکن تقویٰ اور احتیاط اور بدنامی کے خیال سے تفریق کو پسند کیا گیا۔ التعليق الصبيح شرح مشكوة المصابيح میں ھے .قوله كيف وقد قيل اى كيف تباشرها وتفضي اليها والحال انه قد قيل انك اخوها من الرضاعة وذلك بعيد من ذوى المروة والورع وفيه ان الواجب على المرء ان يجتنب مواقف التهم والريبة وان كان برئ الساحة . الى قوله . قال القاضي هذا محمول عندنا لاكثرين على الاخذ بالاحتياط والحث على التورع من مظان الشبه لا الحكم بثبوت الرضاع وفساد النكاح بمجرد شهادة المرضعة (كذافي في شرح الطيبى) وفي فتاوى قاضي خان رجل تزوج امرأة فاخبره رجل مسلم ثقة اوا مرأة انهما ما ارتضعا من امرأة واحدة قال في الكتاب احب الى ان يتنزه فيطلقها ويعطيها نصف المهران لم يدخل بها ولا تثبت الحرمة بخبر الواحد عندنا مالم يشهد به رجلان اور جل وامراء تان وقال التور پشتي وجه ذلك عند اكثر العلماء ان قوله كيف وقد قيل حث على التورع لمكان الشبهة (التعليق الصبيح ج۴ ص ۳۲. ۳۳ باب المحرمات) فقط والله اعلم بالصواب .

مس بالشہوت کرنے والے کا لڑکا ممسوسہ کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں

(سوال ۲۴۲) ایک آدمی مثلاً زید نے ہندہ کو چند سال قبل شہوت کے ساتھ مس کیا ہے، اس کے علاوہ اور کوئی برا کام نہیں ہوا، اب ہندہ کی لڑکی اور زید کے لڑکے کی نسبت (منگنی) ہو گئی ہے، اور عنقریب نکاح ہونے والا ہے، شرعاً یہ نسبت صحیح ہے یا نہیں؟ اور زید کے لڑکے اور ہندہ کی لڑکی کا نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جو نسبت طے ہوئی ہے۔ زید اور ہندہ کی فروع (اولاد) کے مابین ہے اور ہندہ کی لڑکی زید کے نطفہ سے نہیں ہے، تو موجودہ نسبت اور نکاح صحیح ہے۔

مس بالشہوت یا زنا سے، ممسوسہ یا مزنیہ عورت، زانی کے اصول اور فروع پر حرام ہو جاتی ہے اور اسی طرح ماس (مس کرنے والا) یا زانی مزنیہ یا ممسوسہ کے اصل وفروع پر حرام ہو جاتا ہے، لیکن زانی یا ماس کے اصول وفروع کے لئے مزنیہ یا ممسوسہ کے اصول اور فروع حرام نہیں ہوتے لہٰذا نکاح ہو سکتا ہے (قوله وحرم ايضا بالصهرية اصل مزنية) قال في البحر اراد بحرمة المصاهرة الحرمات الا ربع حرمة المرأة على اصول الزاني وفروعه نسباً ورضاعاً وحرمة اصولها وفروعها على الزاني نسباً ورضاعاً كما في الوطء الحلال ويحل لا صول الزاني وفروعه اصول المزني بها وفروعهااه (فصل في المحرمات شامی ج ۲ ص ۳۸۴)

شامی کی خط کشیدہ عبارت موجودہ مسئلہ کی واضح دلیل ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نوٹ:

اسی سے ملتا جلتا ایک سوال وجواب فتاوی رحیمیہ ج۵ ص ۲۵۸ پر ہے نیز اسی قسم کا ایک فتوی فتاوی محمودیہ ص ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳ جلد نہم پر ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

چار پانچ سالہ بچی سے مس بالشہوت کیا تو حرمت مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں :

(سوال ۲۴۵) ایک مرتبہ رات کو میں اپنی بیوی کے ساتھ لہو ولعب میں مشغول تھا اس کے پاس چار پانچ سالہ چھوٹی بچی سوئی ہوئی تھی، غلطی سے ایک مرتبہ بیوی کے ہاتھ کے بجائے اس چھوٹی بچی کی انگلی میرے ہاتھ میں آ گئی، تو اس کا کیا حکم ہے، کیا اس سے میری بیوی مجھ پر حرام ہوگئی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں چونکہ بچی بہت چھوٹی ہے، قابل اشتہا نہیں ہے لہذا حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی، درمختار میں ہے (هذا اذا كانت حية مشتهاة) ولو ماضيا (اما غيرها) يعني الميتة وصغيرة لم تشته (فلا) تثبت الحرمة بها اصلاً. شامی میں ہے:۔ (قوله ' فلا تثبت الحرمة بها) اى بوطئها او لمسها او النظر الى فرجها وقوله اصلاً اى سواء كان بشهوة ام لا وسواء انزل اولا (درمختار و شامی ص ۳۸۷ ج ۲ فصل فی المحرمات)

امداد الفتاوی میں ہے:۔ ایک شخص اپنی چار پانچ برس کی عمر کی لڑکی کو ساتھ لے کر سویا، نیند میں اپنی بیوی سمجھ کر اس لڑکی کا بوسہ لیا اور اس کو لپٹایا، لیکن ایک بڑا تکیہ بیچ میں رکھ کر سویا تھا، اب اس کی بیوی اس پر حلال ہے یا نہیں؟

(الجواب) اس سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوئی بیوی حلال ہے لانها صغيرة جداً (امداد الفتاویٰ ص ۲۷۴ ج ۲) فقط والله اعلم بالصواب.

خسر کا اپنی بہو کے منہ کا بوسہ لینا:

(سوال ۲۴۶) زید اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنے وطن سے دور دوسرے شہر میں رہتا ہے، ایک مرتبہ وہ اپنی بیوی بچوں کے ہمراہ اپنے وطن اپنی بہن کی شادی میں شرکت کے لئے گیا تھا، جس کمرہ میں زید کی بیوی ٹھہری ہوئی تھی وہاں اس کے خسر آتے رہتے تھے ایک مرتبہ جب کہ خسر اور بہو کمرہ میں تنہا تھے، خسر نے کچھ ہمدردی کے الفاظ کہتے ہوئے اپنی بہو کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے منہ کا بوسہ لے لیا، بہو کو اس حرکت پر بہت غصہ آیا مگر صبر کر گئی بعد میں جب زید آیا تو اس سے اس بات کا تذکرہ کیا، اور یہ بات زید نے اپنی والدہ سے کہی، زید کی والدہ نے زید کے والد سے اس کا تذکرہ کیا پہلے تو انہوں نے اس سے انکار کیا، کچھ زور دینے پر زید کے والد نے یہ کہتے ہوئے اقرار کیا کہ میں نے اپنی بیٹی سمجھ کر بوسہ لیا تھا، شہوت کا خیال بھی نہیں تھا، اس صورت میں زید کی بیوی زید کے لئے حلال رہی یا نہیں؟ مطلع فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) درمختار میں ہے (قبل ام امرأته حرمت عليه امرأته الى ان قال) لان الاصل فى التقبيل الشهوة شامی میں ہے (قوله على الصحيح جوهرة) الذى فى الجوهرة للحدادى خلاف هذا فانه

قال لو مص او قبل وقال لم اشته صدق الا اذا کان المس علی الفرج والتقبیل فی الفم اہ وھذا ھو الموافق لما سینقلہ الشارح عن الحدادی ولما نقلہ عنہ فی البحر قائلا ورجحہ فی فتح القدیر والحق الخد بالفم اہ ... وقیل لا یصدق لو قبلھا علی الفم وبہ یفتی .ا ہ (درمختار و شامی ج ۲ ص ۳۸۸ باب المحرمات کتاب النکاح)

عالمگیری میں ہے: وکان الشیخ الامام الاجل ظھیر الدین المرغینانی یفتی بالحرمۃ فی القبلۃ فی الفم والخد والراس وان کان علی مقنعۃ وکان یقول لا یصدق فی انہ لم یکن بشھوۃ (عالمگیری ج۲ ص ۷ کتاب النکاح باب ۳ المحرمات بالصھریۃ)

مندرجہ بالا عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں منہ پر بوسہ لینے کے سلسلہ میں خسر کی عدم شہوت والی بات قابل قبول نہ ہوگی اور قرائن اسی کے مؤید ہیں، دونوں تنہا کمرے میں ہیں، بوسہ لینے قبل پیٹھ پر ہاتھ پھیرنا وغیرہ اس لئے حرمت ہی کا حکم لگایا جائے گا اور یہ بات تو واضح ہے کہ حرمت کے ثبوت کے لئے کسی ایک جانب سے شہوت ہونا کافی ہے درمختار میں ہے: وتکفی الشھوۃ من احدھما (درمختار ج۲ ص ۳۸۹ فصل فی المحرمات) فقط واللہ اعلم بالصواب .

حرمت مصاہرت سے متعلق ایک عجیب سوال:

(سوال ۲۴۷) ایک شخص نے اپنی ساس سے زنا کرلیا، اس شخص کو اپنے فعل پر ازحد ندامت ہے، لیکن حرمت مصاہرت کا مسئلہ اس کے لئے باعث تشویش بنا ہوا ہے کہ اب وہ کیا کرے، ازروئے شرع اس کی بیوی اس پر حرام ہوچکی، اگر وہ اس صورت میں اپنے فعل کو بیوی سے چھپاتے ہوئے طلاق دے کر جدا کرتا ہے تو طلاق دینے کی وجہ سے سسرال والوں کی طرف سے جان کا خطرہ ہے، سسرال والے دولت وقوت میں فائق ہونے کے ساتھ ساتھ غنڈے بھی ہیں، اس علاقہ کے تمام لوگ یہ بات جانتے ہیں اور ان لوگوں سے خائف رہتے ہیں، نیز اگر وہ شخص اپنے اس برے فعل کا اظہار کرتا ہے تو اس صورت میں بھی جان کا خطرہ ہے تو مذکورہ صورت میں اختلاف امتی رحمۃ کے پیش نظر امام شافعیؒ کے مسلک پر (کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی) عمل کرے تو جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فتح القدیر میں ایک حدیث ہے قال رجل یارسول اللہ انی زنیت بامرأۃ فی الجاھلیۃ افا نکح ابنتھا؟ قال: لا اری ذلک ولا یصلح ان تنکح امرأۃ تطلع من ابنتھا علی ماتطلع علیہ منھا الخ (فتح القدیر ج۳ ص ۲۲۱ فصل فی بیان المحرمات تحت قولہ لانھا نعمۃ) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرے تو اس کی بیٹی اس پر حرام ہے۔ ہدایہ اولین میں ہے: ومن زنی بامرأۃ حرمت علیہ امھا وبنتھا (ایضا ھدایہ اولین ص ۲۸۹) فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے حرمۃ الصھر تثبت بالعقد الجائز وبالوطی حلالا کان او حراما او عن شبھۃ او زنا (الفتاویٰ تاتارخانیۃ ج۲ ص ۶۱۸ الفصل السابع فی اسباب التحریم)

صورت مسئولہ میں ساس سے زنا کیا ہے تو حرمت مصاہرت ثابت ہوگئی اور بیوی اس پر حرام ہوگئی، اب

شوہر بیوی کو طلاق دے کر علیحدہ کردے، مذکورہ صورت میں امام ابوحنیفہؒ کا مسلک چھوڑ کر امام شافعیؒ کا مسلک اختیار کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، جہاں مسلمانوں کی کوئی شدید اجتماعی ضروری داعی ہو (بالفاظ دیگر عموم بلویٰ ہو) ایسے موقع پر کسی خاص مسئلہ میں کسی دوسرے امام کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہوسکتی ہے بشرطیکہ متبحر علماء اس کا فیصلہ کریں، انفرادی رائے کا کوئی اعتبار نہیں، انفرادی ضرورت کی وجہ سے مذہب غیر کو اختیار کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی اور خاص کر عورت کی خاطر مذہب حق کو چھوڑنا بڑا خطرناک ہے اور اس سے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے، شامی میں ہے، ایک حنفی المسلک نے اہل حدیث (غیر مقلد) کی لڑکی سے نکاح کا پیغام بھیجا، اس نے کہا اگر تو اپنا مذہب چھوڑ دے، یعنی امام کے پیچھے قراءت اور رفع یدین کرے تو پیغام منظور ہے اس حنفی المسلک نے شرط قبول کرلی اور نکاح ہوگیا، شیخ وقت امام ابوبکر جوز جانی رحمہ اللہ نے یہ سنا تو افسوس کیا اور فرمایا: **النكاح جائز ولكن اخاف عليه ان يذهب ايمانه وقت النزع لانه استخف بالمذهب الذى هو حق عنده وتركه الا جل جيفة منتة،** یعنی نکاح تو جائز ہے لیکن مجھے اس شخص کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے کہ اس نے ایک عورت کی خاطر اس مذہب کی توہین کی جسے وہ آج تک حق سمجھتا تھا۔ محض عورت کی خاطر اسے چھوڑ دیا (**شامی ص ۲۶۳ ج ۳، باب التعزير مطلب فيما اذا ارتحل الى مذهب غيره**)

مذکورہ صورت میں اختلاف امتی رحمۃ سے استدلال صحیح نہیں، جان کا خطرہ ہو تو وہ جگہ چھوڑ دے، لوگ معمولی باتوں کی وجہ سے اپنا وطن چھوڑ دیتے ہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حرمت مصاہرت کے ثبوت کے بعد خسر اپنی مزنیہ بہو سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں

(**سوال ۲۴۸**) خسر نے اپنی بہو سے زنا کرلیا، بیٹے کو بھی اس کا علم ہے تو وہ عورت اس کے بیٹے پر حرام ہوجائے گی یا نہیں؟ اگر حرام ہوجائے تو خسر اس عورت سے (یعنی بہو سے) نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(**الجواب**) اگر خسر اپنی بہو سے زنا کرلے تو وہ عورت اس کے بیٹے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے، کہ اب بیٹے کو چاہئے کہ عورت کو طلاق دے کر علیحدہ کردے، شامی میں ہے (**قوله وحرم ايضا بالصهرية اصل مزنيته) قال في البحر ارادبحرمة المصاهره الحرمات الا ربع حرمة المرأة على اصول الزانى وفروعه نسباً ورضاعاً ......الخ شامى فصل فى المحرمات ص ۳۸۴ ج ۲**)

بیٹا کسی عورت سے نکاح کرے چاہے وہ اس سے صحبت کرے یا نہ کرے، وہ عورت ہمیشہ کے لئے اپنے خسر پر حرام ہوجاتی ہے، قرآن مجید میں ہے **وحلائل ابناء كم الذين من اصلابكم** اور تمہاری ان بیٹوں کی بیبیاں بھی حرام ہیں جو تمہاری نسل سے ہوں (**قرآن مجيد، سوره نساء، پ ۴**)

درمختار میں ہے (**وزوجة اصله وفروعه مطلقاً) ولو بعيداً دخل بها اولا**. شامی میں ہے (**قوله وزوجة اصله وفرعه) قوله تعالىٰ ولا تنكحوا ما نكح آباء كم وقوله تعالىٰ وحلائل ابنائكم الذين من اصلابكم والحليلة الزوجة وذكر الاصلاب لا سقاط حليلة الا بن المتبنى لا لا حلال حليلة الابن رضاعاً فانها تحرم كالنسب بحروغيره (درمختار و شامى ج ۲ ص ۳۸۳ فصل في**

المحرمات) لہذا صورت مسئولہ میں خسر اپنی بہو سے نکاح نہیں کر سکتا اگر نکاح کرے گا تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نواسہ اور پوتے کی بیوی محرمات سے ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۴۹) نواسہ اور پوتے کی بیوی سے پردہ ہے یا نہیں؟ وہ محرمات میں سے ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نواسہ اور پوتے کی بیوی سے پردہ نہیں ہے، وہ محرمات میں سے ہے **قوله تعالیٰ حلائل ابنائکم** یعنی بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام ہے اور بیٹے کے عموم میں پوتا نواسہ بھی داخل ہے لہذا ان کی بیبیوں سے بھی نکاح جائز نہ ہوگا، روح المعانی میں ہے **ثم يراد بالا بناء الفروع فتحرم حليلة الا بن السافل علی الجد الا علی وكذا ابن البنت وان سفل (روح المعانی ج ۴ ص ۲۶۰ سورة نسآء) فقط والله اعلم بالصواب.**

اخیافی ماموں بھانجی کا نکاح:

(سوال ۲۵۰) عائشہ مطلقہ ہوئی اس کو اس شوہر سے ایک لڑکی ہوئی تھی، اس کے بعد عائشہ نے ایک اور شخص سے نکاح کیا جس سے ایک لڑکا ہوا، سوال یہ ہے کہ اس شوہر سے پیدا شدہ لڑکے کا نکاح اس لڑکی کی لڑکی (یعنی عائشہ کی نواسی) سے ہو سکتا ہے؟

(الجواب) عائشہ کا لڑکا اور لڑکی دونوں آپس میں اخیافی (ماں شریک) بھائی بہن ہیں لہذا آدمی کا اپنی اخیافی بہن کی لڑکی سے نکاح درست نہیں، کیونکہ یہ دونوں رشتہ کے اعتبار سے ماموں بھانجی ہیں **حرمت علیکم (الی قوله تعالیٰ) وبنت الا خت يعنی فروع الا خ والا خت بنا تهما وبنات ابنا ئهما وان سفلن سواء كان الاخ والا خت لابوين اولا حد هما (تفسير مظهری سورة النساء ص ۵۲) فقط والله اعلم بالصواب .**

زنا سے حاملہ کا نکاح:

(سوال ۲۵۱) ایک شخص نے پھوپھی زاد بہن کے ساتھ زنا کیا جس کے سبب وہ لڑکی حاملہ ہوگئی، اب یہ شخص اس سے نکاح کر کے دونوں میاں بیوی کی طرح رہ سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مزنیہ حاملہ جب نہ منکوحہ ہے نہ معتدہ تو اب اس کا نکاح اس زانی سے ہو سکتا ہے نکاح کی حرمت پر کوئی دلیل شرعی نہیں لہذا ازروئے آیت کریمہ **واحل لکم** ما وراء ذلکم (نساء) نکاح درست ہے، اب جب زانی ہی سے نکاح ہو رہا ہے تو قبل ولادت بھی وہ صحبت کر سکتا ہے کیونکہ نطفہ اسی شخص کا ہے، اختلاط نطفہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ غیر زانی سے نکاح ہونے کی صورت میں قبل تولد اس عورت سے استمتاع درست نہیں بلکہ حرام ہے۔ کیونکہ یہاں اختلاط نطفہ لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں۔ **فانه اذا كان الزانی هو النا كح يصح النكاح اجماعاً (شرح النقاية ۲/۷ من يحرم نكاحه وغيره) قال ابو حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالیٰ يجوزان يتزوج امرأة حاملا من الزنا ولايطؤ ها حتى تضع وقال ابو يوسف رحمه الله تعالیٰ لا يصح والفتوی علی قولهما كذا فی المحيط وكما لا يباح وطؤها لا تباح دواعيه كذا فی فتح القدير**

وفی مجموع النوازل اذا تزوج امرأۃ قد زنی ھو بھا وظھر بھا حبل فالنکاح جائز عند الکل وله ان یطأھا عند الکل.(فتاوی عالمگیری ۲۸۰/۱ القسم السادس بھا حق الغیر) فقط واللہ اعلم بالصواب.

پھوپھی زاد بہن کی لڑکی اور خالہ زاد بھائی کی لڑکی سے نکاح:

(سوال ۲۵۲) ہمارے یہاں دو نکاح ہونے والے ہیں (۱) حقیقی بھائی بہن میں سے بھائی کے لڑکے کا نکاح بہن کی لڑکی کی لڑکی (یعنی نواسی) سے طے ہوا ہے (۲) اور دوسرا نکاح دو حقیقی بہن میں سے ایک بہن کے لڑکے کا نکاح دوسری بہن کے لڑکے کی لڑکی (یعنی پوتی) سے ہونے والا ہے، آیا مذکورہ دونوں نکاح درست ہیں؟

(الجواب) جب پھوپھی زاد بہن کے ساتھ نکاح جائز ہے تو اس کی لڑکی سے بھی جائز ہونا چاہئے، اسی طرح جب خالہ زاد بہن سے نکاح ہو سکتا ہے تو اس کے بھائی کی لڑکی یعنی خالہ زاد بھائی کی لڑکی سے بھی جائز ہونا چاہئے، حاصل کلام یہ ہے کہ دونوں نکاح جائز ہیں **وخص تعالیٰ العمات والخالات بالتحریم دون اولادھن لا خلاف فی جواز نکاح بنت العمة وبنت الخالة(احکام القران للجصاص ۱۲۳/۲ باب ما یحرم من النسآء تحت قوله وخالٰتکم الخ) فقط واللہ اعلم بالصواب.**

شیعہ کلمہ گو ہو اور خود کو مسلمان کہتا ہو تو اس کے ساتھ نکاح کیوں جائز نہیں؟:

(سوال ۲۵۳) محترم ومکرم حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بعد سلام مسنون! میں میڈیکل کالج میں پڑھتی ہوں، ایک مسئلہ کے متعلق آپ سے تحقیق کرنا چاہتی ہوں۔

ایک شیعہ مجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہے، مجھے بھی یہ رشتہ پسند ہے لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شیعہ سے سنی عورت کا نکاح جائز نہیں، یہ بات مجھے سمجھ میں نہیں آتی، وہ ہماری طرح کلمہ پڑھتا ہے خود کو مسلمان کہتا ہے اس کے باوجود اس سے نکاح کیوں جائز نہیں؟ آپ اس سلسلہ میں تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں، کلمہ گو اور مسلمان ہونے کے باجود نکاح کیوں جائز نہیں، بینوا توجروا۔ ایک خاتون، بیجاپور (کرناٹک)

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً: مسلمان ہونے کے لئے صرف زبانی دعویٰ کافی نہیں ہوتا بلکہ ان تمام باتوں پر ایمان لانا اور تصدیق کرنا ضروری ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے بیان فرمائی ہیں، ان میں سے کسی ایک بات کا انکار کرنا یا ایسا عقیدہ اختیار کرنا جو قرآن وحدیث کے خلاف ہو انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے چاہے وہ زبان سے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا رہے، حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں منافقین اسلام کا دعویٰ کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی مبارک مجلس میں قسم کھا کر کہتے تھے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وہ بالکل جھوٹے ہیں اور ان کے متعلق وعید بیان فرمائی کہ وہ جہنمی ہیں (زبانی دعویٰ کافی نہ ہوا) قرآن مجید میں ہے۔

اذا جاءک المنافقون قالوا نشھد انک لرسول اللہ واللہ یعلم انک لرسوله واللہ یشھد ان المنفقین لکذبون O

اتخذوا ایمانھم جنۃ (قران مجید پارہ نمبر ۸ سورہ منافقون)

ترجمہ: جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (دل سے) گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں، اور یہ تو اللہ کو معلوم ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں (اور باوجود اس کے) اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین (اس کہنے میں) جھوٹے ہیں ان لوگوں نے اپنی قسموں کو (اپنی جان و مال بچانے کے لئے) ڈھال بنا رکھا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

ان المنفقین فی الدرک الا سفل من النار ولن تجد لھم نصیراً (قران مجید پ۸ سورہ نساء)

ترجمہ: بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جاویں گے اور تو ہرگز ان کا مددگار نہ پاوے گا۔

مشہور منافق عبداللہ بن ابی بن سلول وہ بھی اپنے کو مسلمان کہتا تھا حتی کہ جب اس کا انتقال ہوگیا تو حضور اکرم ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی، اس پر قران مجید کی یہ آیت نازل ہوئی **و لا تصل علیٰ احد منھم مات ابدًا و لا تقم علیٰ قبرہ انھم کفروا باللہ ورسولہ وما توا وھم فسقون**، اور ان میں سے کوئی مرجائے تو اس (کے جنازہ) پر کبھی نماز نہ پڑھئے اور نہ (دفن وغیرہ کے واسطے) اس کی قبر پر کھڑے ہوجائیے (کیونکہ) انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ حالت کفر ہی میں مرے ہیں (قرآن مجید پارہ نمبر۱۰ سورۂ توبہ)

ہمارے زمانہ میں قادیانی بھی اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ کو اور قرآن کو مانتے ہیں مگر کیا اتنا کہنے سے وہ مسلمان ہیں؟ اہلسنت والجماعت کا فتویٰ یہ ہے کہ قادیانی اپنے غلط عقائد کی وجہ سے قطعاً دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

یہی حال شیعوں کا ہے ان میں مختلف فرقے ہیں اور مختلف عقائد ہیں ان میں خاص کر اثنا عشری فرقہ کے عقائد حد کفر تک پہنچے ہوئے ہیں، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب دامت برکاتہم نے شیعہ اثنا عشریہ کے متعلق ایک تفصیلی سوال مرتب فرمایا جس میں ان کے غلط اور فاسد عقائد بیان کرکے دریافت فرمایا کہ ان عقائد کی بنیاد پر یہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہیں یا خارج؟ محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا **اثنا عشری شیعہ بلا شک و شبہ کافر مرتد** اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور ان کے اس جواب پر ہندوستان کے مشہور مفتیان کرام اور علماء عظام کے تصدیقی دستخط ہیں، اس کے بعد حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدفیوضہم نے ماہنامہ ''الفرقان'' کا ایک خاص نمبر شائع فرمایا جس کا نام ''خمینی اور اثنا عشریہ کے بارے میں علماء کرام کا متفقہ فیصلہ'' ہے، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۷ء مطابق صفر المظفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ شمارہ ۱۰-۱۲ جلد ۵۵ آپ بھی اسے ضرور ملاحظہ کریں۔

ان کے کچھ غلط عقائد ملاحظہ ہوں۔

(۱) ان کا عقیدہ ہے کہ موجودہ قرآن محرف ہے اس میں ہر طرح کی تحریف اور کمی بیشی ہوئی ہے، یہ بعینہ وہ

قرآن نہیں ہے جو اللہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا گیا تھا، یہ عقیدہ یقیناً موجب کفر ہے، اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، ارشاد خداوندی ہے **انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ' لحافظون.** ترجمہ: ہم نے ذکر یعنی قران مجید نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں (قرآن مجید پ ۱۴) لہذا ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا ایک ایک لفظ محفوظ ہے اس میں ذرہ برابر تحریف ردوبدل اور کمی بیشی نہیں ہوئی ہے۔

(۲) سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا حضرت عمرؓ جو حضور اقدس ﷺ کے بعد بترتیب، امت کے افضل ترین افراد اور جلیل القدر صحابی ہیں اور ان کا اسلام بتواتر ثابت ہے، یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے، اور شیعہ ان دونوں بزرگوں پر سخت لعن طعن اور معاذ اللہ ان کو منافق اور بدترین کافر کہتے ہیں، جب کہ حضور اقدس ﷺ ان دونوں بزرگوں کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں **اقتدو اباللذین من بعدی ابی بکرؓ وعمرؓ** میرے بعد ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کرنا (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۰)

حضور اقدس ﷺ تو اپنے بعد امت کو ان دونوں حضرات کی اقتداء کا حکم فرمارہے ہیں اور شیعہ ان دونوں پر لعن وطعن اور معاذ اللہ ان کو منافق اور کافر کہتے ہیں۔

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

نیز خلفاء راشدین (حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق ارشاد فرمایا۔ **علیکم بسنتی وسنۃ الخفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ**، یعنی تم اپنے اوپر میرے طریقہ (سنت) کو اور میرے ہدایت یافتہ، خلفاء راشدین کے طریقہ کو لازم کرلو اور دانتوں سے مضبوط پکڑلو (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ) حضور اقدس ﷺ، خلفائے راشدین کے طریقہ (سنت) کو لازم پکڑنے کا حکم فرمارہے ہیں اور ان کو ہدایت یافتہ ارشاد فرمارہے ہیں جب کہ شیعہ ان بزرگوں کو (حضرت علیؓ کے سواء) ضال اور گمراہ کہتے ہیں، ان کے اسلام اور صحابی ہونے کا انکار موجب کفر ہے۔

اسی طرح ان کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے بعد اکثر صحابہ **(معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)** کافر و مرتد ہوگئے تھے...... حالانکہ حضور اکرم ﷺ اپنے صحابہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں **اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم** میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں تم ان میں سے جن کی اقتداء کروگے ہدایت کی راہ پاؤ گے (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴ باب مناقب الصحابۃ)

(۳) منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی تہمت لگائی تھی، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں پورا ایک رکوع نازل فرمایا جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت بیان فرمائی گئی (قران مجید، سورۂ نور) مگر اس کے شیعہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر وہی تہمت لگاتے ہیں جو صراحۃً پورے رکوع بلکہ پورے قرآن کا انکار ہے اور موجب کفر ہے۔

(۴) حضرت جبرائیل علیہ السلام نے معاذ اللہ وحی لانے میں غلطی کی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بجائے حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کے پاس وحی لے گئے، ان کے علاوہ اور بھی عقائد کفریہ ہیں۔

فقہ کی مشہور کتاب ''شامی'' میں ہے۔ **نعم لا شک فی تکفیر من قذف السیدة عائشة او انکر صحبة الصدیق او اعتقد الا لوهیة فی علی او ان جبرئیل غلط فی الوحی او نحو ذلک من الکفر الصریح المخالف للقرآن** ۔ یعنی اس شخص کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے جو حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائے یا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صحابی ہونے کا انکار کرے، یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق الوہیت کا عقیدہ رکھے، یا یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی یا ان کے علاوہ ایسے عقیدے رکھے جو صریح کفر اور قرآن کے مخالف ہیں (**شامی ص ۴۰۵، ص ۴۰۶ ج ۳ باب المرتد مطلب مهم فی حکم سب الشیخین**)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ **قلت وهذا فی حق الرافضة والخارجة فی زماننا فانهم یعتقدون کفر اکثر الصحابه فصلا بین سائر اهل لسنة والجماعة فهو کفر بالاجماع بلا نزاع (مرقاة شرح مشکوة)**

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: **الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنها والعیاذ بالله فهو کافرو لو قذف عائشة رضی الله عنها بالزنا کفر بالله ومن انکر امامة ابی بکر الصدیق رضی الله عنه فهو کافرو علیٰ قوله بعضهم هو مبتدع ولیس بمکافر و الصحیح انه کافرو کذلک من انکر خلافة عمر رضی الله عنه فی اصح القول کذافی الظهیریة. ویجب اکفارهم باکفار عثمان وعلی وطلحة وزبیر وعائشة رضی الله عنهم.**

ویجب اکفار الزیدیة کلهم فی قولهم بانتظار نبی من العجم ینسخ دین نبینا وسیدنا محمد صلی الله علیه وسلم کذافی الوجیز للکردری ویجب اکفار الروافض فی قولهم برجعة الاموات الی الدنیا وبتناسخ الارواح بانتقال روح الا له الی الائمة وبقولهم فی خروج امام باطن وتعطیلهم الامر والنهی الی ان یخرج الامام الباطن وبقولهم ان جبرائیل علیه السلام غلط فی الوحی الی محمد صلی الله علیه وسلم دون علی بن ابی طالب رضی الله عنه وهولاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحکامهم احکام المرتدین کذا فی الظهریة (فتاویٰ عالمگیری ص ۲۶۴ ج ۲ موجبات الکفر منها مایتعلق بالانبیآء علیهم الصلاة)

فتاویٰ عالمگیری کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے:۔ رافضی جو شیخین یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو برا بھلا اور معاذ اللہ ان پر لعن وطعن کرے تو وہ کافر ہے، اور اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی تہمت لگائے تو وہ بھی کافر ہے، اور جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت (خلافت) کا انکار کرے تو صحیح قول کے مطابق وہ بھی کافر ہے، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار کرے تو اصح قول کے مطابق وہ بھی کافر ہے، اور جو حضرت

عثمان، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو کافر کہ وہ بھی کافر ہے اور جو یہ عقیدہ رکھے کہ ایک امام باطن ظاہر ہوگا جو شریعت کے اوامر ونواہی کو معطل (ختم) کردے گا وہ بھی کافر ہے، اور جو یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی حضرت علیؓ کے بجائے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس وحی لے گئے تو وہ بھی کافر ہے۔

جو شیعہ اس قسم کے عقائد رکھتے ہوں وہ کافر ومرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں ان سے نکاح کرنا بالکل صحیح نہیں ہے؟

ایک بات بطور خاص یہ ذہن میں رہے کہ تقیہ شیعوں کا مذہبی عقیدہ اور ان کا شعار ہے، تقیہ یعنی اپنے قول یا عمل سے اصل حقیقت کو چھپانا اور واقعہ کے خلاف ظاہر کرنا اور اس طرح دوسرے کو دھوکے میں مبتلا کرنا، اس لئے یہ معلوم کرنا کہ یہ شیعہ کس قسم کے عقیدہ رکھتا ہے، بہت ہی مشکل ہے لہذا اپنے ایمان کی حفاظت اسی میں ہے کہ خود کو ایسے بدعقیدہ کے حوالہ نہ کیا جائے۔

آپ کا یہ کہنا کہ شیعہ کا ظہور حضور اکرم ﷺ کے بعد ہوا تو حضور ﷺ کے بعد ان فرقوں [illegible] حق ہونے کی دلیل ہے؟ بلکہ احادیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایسے گمراہ فرقوں کے ظہور کی پیشن گوئی فرمائی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ''میری امت پر وہ سب آئے گا جو بنی اسرائیل پر آچکا ہے، بنی اسرائیل کے بہتر ۷۲ فرقے ہوگئے تھے، میری امت کے تہتر ۷۳ فرقے ہوجائیں گے، وہ سب دوزخی ہوں گے مگر صرف ایک ملت (فرقہ) ناجی ہوگی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا وہ ملت کون سی ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''ما انا علیہ و اصحابی'' یہ وہ ملت ہے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں، (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

اس حدیث میں غور کیجئے، حضور اقدس ﷺ نے پیشن گوئی فرمائی کہ میری امت کے ۷۳ فرقے ہوں گے اور ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ سب دوزخی ہوں گے سوائے ایک فرقہ کے، اور اس نجات پانے والے فرقہ کی علامت بتائی کہ وہ وہ فرقہ ہے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ، اس سے ثابت ہوا کہ جو لوگ حضور اکرم ﷺ کے طریقہ اور صحابۂ کرام کے طریقہ کو اختیار کریں گے وہی نجات پائے گا، یہ ہی فرقہ ''اہل سنت والجماعت'' کہلاتا ہے، اور شیعوں کا حال معلوم ہو چکا کہ وہ صحابہ کی اقتداء اور پیروی تو کیا کرے اجلۂ صحابہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور اکثر صحابہ کو کافر ومرتد کہتے ہیں، کیا ایسے جہنمی فرقہ کے ساتھ آپ نکاح کرنا اور اپنی ذات اس کے حوالہ کرنا پسند کریں گی؟ آپ کی جو اولاد پیدا ہوگی وہ بھی اپنے باپ کے طریقہ پر ہوگی، لہذا آپ ہرگز ہرگز شیعہ سے نکاح نہ کریں اور اگر نکاح کروگی تو وہ نکاح باطل ٹھیرے گا اور اولاد حرام ہوگی، فقط واللہ اعلم بالصواب۔ احقر الانام سید عبدالرحیم لاجپوری ثم راندیری۔ ۴ ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ شب جمعہ۔

بیٹے کی ساس سے باپ کا نکاح:

(سوال ۲۵۴) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے شادی کی ہے اور اب زید کا حقیقی باپ ہندہ کی حقیقی ماں سے نکاح کرنا چاہتا تو کیا یہ اس کے لئے صحیح ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! زید کا باپ زید کی زوجہ کی ماں یعنی باپ اپنے بیٹے کی خوش دامن سے نکاح کر سکتا ہے، یہ رشتہ حرام نہیں ہے۔ **ولا تحرم ام زوجة الا بن (شامی ج۲ ص ۳۸۳ فصل فی المحرمات) فقط واللہ اعلم بالصواب.**

علاتی بہن کی نواسی سے نکاح جائز نہیں ہے:

(سوال ۲۵۵) عبدالوہاب اپنی علاتی (باپ شریک) بہن کی لڑکی کی لڑکی بلقیس سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً: حقیقی اور علاتی اور اخیافی تینوں قسم کی بہنوں کی لڑکیاں (بھانجیاں) اور ان لڑکوں (بھانجیوں) کی بیٹیاں بھی حرام ہیں۔ **وکذا الا خوات من ای جهة کن وبنات الا خوات وان سفلن** (قاضی خاں ج۲ ص ۶۵ ایضاً) (فتاویٰ عالمگیری ج۱ ص ۲۷۳)

لہٰذا عبدالوہاب کا اپنی علاتی بہن کی لڑکی کی لڑکی بلقیس کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا فقط واللہ اعلم بالصواب۔ یکم محرم الحرام ۱۳۸۰ھ۔

ساس کی سوتیلی ماں سے نکاح درست ہے:

(سوال ۲۵۶) طاہرہ کا خاوند اپنی خوش دامن کی سوتیلی ماں رسول بی بی (یعنی طاہرہ کی سوتیلی نانی کا محرم ہے یا نہیں؟ غایۃ الاوطار کی عبارت ''اور حرام ہے اپنی زوجہ کی ماں اور دادیاں اور نانیاں ہر طرح سے سگی ہوں یا سوتیلی'' سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم ہے۔ طاہرہ کا خاوند طاہرہ کی موجودگی میں رسول بی بی سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! صورت مسئولہ میں طاہرہ کا خاوند طاہرہ کے نانا کی بیوی رسول بی بی کا محرم نہیں ہے، رسول بی بی کے ساتھ اس کا نکاح ہوسکتا ہے۔ اور طاہرہ کے ساتھ رسول بی بی کو جمع کرنا بھی جائز ہے، اس لئے کہ طاہرہ اور رسول بی بی کے درمیان رشتہ ایسا نہیں جو موجب حرمت ہو، چنانچہ اگر رسول بی بی کو مرد قرار دیا جائے تو اس کے اور طاہرہ کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے **ولو فرضت المرأة ذکرا جازله ان یتزوج بنت الزوج لانها بنت رجل اجنبی** (طحطاوی ج۲ ص ۲۷ ایضاً)

البتہ طاہرہ مرد قرار دی جائے تو رسول بی بی نانا کی مدخولہ ہونے کی وجہ سے حرام ہوگی مگر اس قسم کا رشتہ (یک طرفہ) مانع جمع نہیں ہے۔ **واذا لم یحرم النکاح بینهما الا عن جهةواحدة جاز الجمع بینهما ، کما اذا جمع امرأة وبنت زوج کان لها من قبل** (عینی شرح الکنز ج۱ ص۱۱۸ ایضاً)

غایۃ الاوطار کی عبارت ''اور حرام ہے اپنی زوجہ کی ماں اور دادیاں اور نانیاں، ہر طرح سے سگی ہوں یا سوتیلی'' (ج۲ ص۱۲) سے رسول بی بی کا کوئی تعلق نہیں کہ عرف شرع میں یہ نانی نہیں بلکہ نانا کی مدخولہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بالصواب ۔ ۲ جمادی الثانیہ ۱۳۸۰ھ۔

چچازاد بہن جو رضاعی بھتیجی بھی ہے اس سے نکاح درست نہیں ہے:

(سوال ۲۵۷) ہندہ کے دو بیٹے ہیں حسن جی اور محمد، حسن جی کا بیٹا اسمٰعیل ہے ہندہ نے حسن جی کی بیوی (اپنی بہو) کے انتقال کی وجہ سے اسمٰعیل (اپنے پوتے) کو دودھ پلایا محمد، اسمٰعیل کا چچا ہوتا ہے ہندہ کے دودھ پلانے کی وجہ سے اب اسماعیل کا رضاعی بھائی بھی ہو گیا، اب مسئلہ یہ ہے کہ اسماعیل کا نکاح محمد کی بیٹی فاطمہ سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟
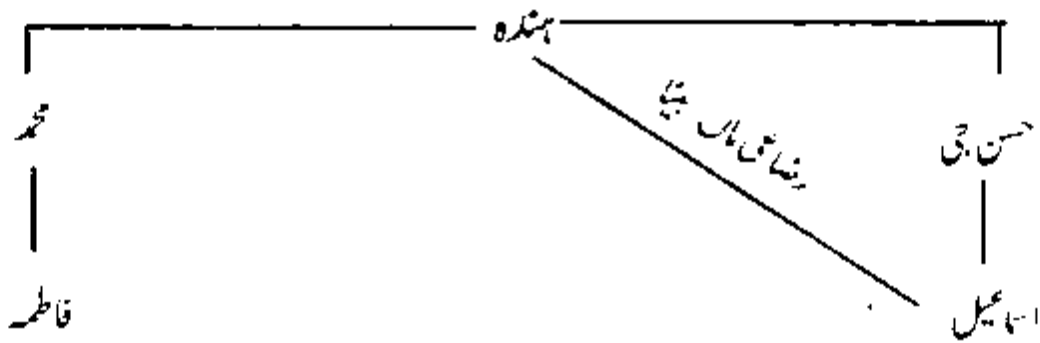
(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! اسمٰعیل کی شادی اس کے چچا اور رضاعی بھائی محمد کی بیٹی فاطمہ کے ساتھ نہیں ہو سکتی، فاطمہ دودھ کے رشتہ سے اسماعیل کی بھتیجی ہوتی ہے، اس لئے نکاح نہیں ہو سکتا، **فالکل اخوة الرضیع واخواته واولادھم اولاد اخوته واخواته** (عالمگیری ج۲ ص ۳۵۷ کتاب الرضاع) شامی میں ہے **ولا حل بین الرضیعة وولد مرضعتها وولدولدھا لانه ولد الاخ** (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۵۲۱ باب الرضاع) فقط واللہ اعلم ۱۸ محرم الحرام ۱۳۸۱ھ

باب الاولیاء والاکفاء

ولی لڑکی کے بدل نکاح پڑھے تو صحیح ہے یا نہیں :

(استفتاء ۲۵۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین، چھوٹی لڑکی کی شادی ہوئی ہے اور اس کے بدل نکاح اس کے ولی نے پڑھا ہے۔ پھر لڑکے سے جھگڑا ہوا تو لڑکی کو وداع نہیں کی۔ اب لڑکی کی دوسری جگہ شادی کرانی ہے۔ تو طلاق لینے کی ضرورت ہے؟ اسی طرح طلاق کے بعد عدت بھی ضروری ہے؟

(الجواب) نابالغ لڑکی کا نکاح اس کے باپ یا دادا نے کرایا ہے تو یہ معتبر ہے۔ لڑکی بڑے ہونے کے بعد اس کو رد نہیں کر سکتی۔ "فان زوجهما الاب او الجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما" (هدايه ج ۲ ص ۲۹۷ باب في الاولياء والاكفاء) لہذا لڑکا بالغ ہونے کے بعد طلاق دے تب ہی لڑکی دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔ خلوت سے پہلے طلاق دے تو عدت واجب نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نابالغ کے ایجاب وقبول کا اعتبار ولی کی قبولیت پر ہے :

(سوال ۲۵۹) نابالغ لڑکا سفر میں اپنے والدین کے ساتھ رہتا ہے۔ اور انڈیا رہنے والی نابالغہ لڑکی سے نکاح کا ارادہ ہے۔ لڑکی کے ساتھ اس کی ماں اور بہن ہے اور بھائی جس کی عمر انیس برس کی ہے سفر میں ہے جہاں شادی کرنے والا لڑکا رہتا ہے۔ تو مذکور لڑکے کی شادی کی اجازت لڑکا خود دے یا اس کا ولی؟ اسی طرح لڑکی خود اجازت دے یا اس کی ماں؟ یا سفر میں رہنے والا بھائی؟ مذکورہ نکاح پڑھنے پڑھانے کا صحیح طریقہ واضح فرمائیے۔

(الجواب) نابالغ لڑکے لڑکی کے ایجاب وقبول کا اعتبار نہیں، ولی کی قبولیت پر موقوف ہے۔[1] صورت مسئولہ میں نکاح کا سہل طریقہ یہ ہے کہ لڑکی کا بھائی مجلس نکاح میں شرعی گواہوں کے سامنے لڑکے کے باپ سے کہے کہ "میں نے اپنی بہن نامی...... فلاں...... کو...... مہر کے عوض میں آپ کے اس لڑکے...... نامی...... فلاں...... کے نکاح میں دیتا ہوں۔ جواب میں لڑکے کا باپ کہے کہ میں اپنے لڑکے نامی فلاں...... کی جانب سے قبول کرتا ہوں تو نکاح ہو جائے گا۔

شادی کے لئے کیسی لڑکی پسند کی جائے :

(سوال ۲۶۰) ایک آدمی کے لڑکے اور لڑکی کے نکاح کی بات ہو رہی ہے۔ دونوں نمازی، دیندار ہیں، مالی حالت میں کمزور ہیں جس کی بنا پر نظر انداز کیا جا رہا ہے اور جو دیندار، نمازی نہیں ہے مگر صاحب مال ہیں نیز خوبصورت اس کی طرف سب کا رجحان اور رغبت ہے۔ محلہ کے لوگ بھی انہیں کا مشورہ دیتے ہیں۔ صرف میں نے دیندار، نمازی کے انتخاب کا مشورہ دیا ہے کیا یہ نامناسب ہے۔

(الجواب) شادی کے لئے لڑکی کے انتخاب میں شریعت نے مال، جمال، حسب، نسب (خاندانی شرافت) اور

---

[1] واذا زوجت الصغيرة نفسها فاجاز الولى جاز ولها الخيار اذا بلغت كذا فى محيط السرخسى فتاوىٰ عالمگيرى الباب الرابع فى الاولياء ج ۱ ص ۲۸۶۔

دینداری وغیرہ اوصاف میں دینداری کو ترجیح دی ہے، بخاری شریف وغیرہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ چار اوصاف کی وجہ سے عورت سے نکاح کیا جاتا ہے۔ مال، جمال، حسب ونسب اور دینداری۔ تمہاری کامیابی یہ ہے کہ تم دیندار کو حاصل کرو۔ [۱] دوسری حدیث میں پانچواں وصف ''اخلاق'' بھی بیان فرمایا ہے۔ اس میں حسب کا ذکر نہیں ہے۔ اور ایک حدیث میں کہ باندی، ناک کان کٹی عیب دار کالی کلوٹی جو دیندار ہے۔ غیر دیندار آزاد و مالدار خوبصورت سے بہت اچھی ہے (جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۱۶)

اور ترمذی شریف میں ہے کہ جب تمہیں ایسا آدمی پیغام نکاح بھیجے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کر دو، ورنہ زمین میں بڑا فتنہ اور فساد پھیل پڑے گا (ج ۱ ص ۱۲۸) [۲] بہر حال آنحضرت ﷺ کی تاکید یہ ہے کہ نکاح کے لئے دیندار کو منتخب کیا جائے۔ لہذا آپ کا مشورہ صحیح ہے اور جب آپ سے مشورہ لیا گیا تھا تو آپ کا فرض یہی تھا کہ جس بات کو آپ صحیح اور موزوں سمجھیں اس کا مشورہ دیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۰۵) [۳]

ایک حدیث میں ہے جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کو ایسے کام کا مشورہ دے کہ اس کے سوا دوسرے کام میں خیر و برکت ہو تو اس نے اپنے بھائی سے خیانت کی (ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۱) افسوس! اس چودھویں صدی کے مسلمانوں نے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مقدس تعلیم اور حکمت وعظمت سے بھرپور فرامین کی قولاً وفعلاً وعملاً خلاف ورزی پر کمر کس لی ہے۔ اکثر افعال میں مسلمانوں کے قلوب میں تعلیم نبوی کی اتنی بھی قدر و منزلت نظر نہیں آتی جس قدر بعض عوام (کافروں) کے دلوں میں دیکھی جاتی ہے۔ سبق آموزی کے لئے معتبر کتابوں سے دو واقعے درج ہیں۔

(۱) ایک بزرگ کی لڑکی کے لئے کئی جگہ سے پیغام پہنچے۔ بڑے بڑے نواب ورئیس اور شاہزادوں نے بھی رشتہ بھیجا۔ بزرگ نے اپنے پڑوسی یہودی سے مشورہ کیا کہ کس کا پیغام قبول کروں؟ یہودی کہنے لگا، میں نے سنا ہے، تمہارے نبی صاحب ﷺ نے فرمایا ہے کہ چار چیزوں کی وجہ سے عورت کی شادی کی جاتی ہے (۱) مال (۲) جمال (۳) حسب (۴) دین مگر سب سے اچھا اور بہتر دیندار سے نکاح کرنا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دیندار سب سے مقدم ہے۔ لہذا میری بات تسلیم ہو تو فلاں طالب علم کے ساتھ شادی کر دو۔ مالداروں اور بڑوں سے انکار کر دو کہ تم میں دینداری نہیں ہے۔ چنانچہ اس بزرگ نے ایسا ہی کیا۔

(۲) نوح بن مریم نے اپنی صاحبزادی کا نکاح کرنا چاہا تو ایک مجوسی سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا کہ فارس کا بادشاہ کسریٰ تو مال کو ترجیح دیتا تھا اور قیصر حسن و جمال کو پسند کرتا تھا۔ اور رئیس عرب خاندانی شرافت اور حسب ونسب کو۔ اور تمہارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ دینداری کو ان سب پر مقدم سمجھتے تھے۔ یعنی کوئی دیندار اور متشرع تو ہے لیکن مال و جمال اور شرافت نہیں تو ایسے کو غیر دیندار، مال و جمال اور خاندانی شرافت والے پر ترجیح دیتے تھے۔ اب تم ہی غور کرو

---

(۱) عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال تنكح المرأة لا ربع لما لها ولحسبها وجمالها ولدينها فاظفرت بذات الدين تربت يداك كتاب النكاح باب الا كفاء في الدين.

(۲) عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا خطب اليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه الا تفعلوه تكن فتنة في الارض وفساد عريض ابواب النكاح باب ماجآء في من ترضون دينه فزوجوه ج ۱ ص ۲۰۷)

(۳) عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المستشار مؤتمن باب ماجآء ان المستشار مؤتمن ج ۲ ص ۱۰۹)

کہ کس کی اقتداء کی جائے؟ فارس اور روم کے رؤسا کی یا سرور دو عالم ﷺ کی؟
غرض یہ کہ دیندار کو پسند کرے۔ اس میں مال، جمال اور شرافت بھی ہو تو نور علیٰ نور ہوگا۔

بالغہ از خود کسی سے نکاح کرلے تو درست ہے:

(سوال ۲۶۱) ایک لڑکی ہے اس سے پاک محبت ہے۔ اور وہ لڑکی میرے بغیر دوسرے سے شادی کرنا نہیں چاہتی میرے والد نے اس کے والد سے پوچھا تو وہ شادی کا انکار کرتا ہے۔ اب وہ لڑکی مجھ سے کہتی ہے کہ ہم باہر جاکر نکاح کرلیں تو یہ نکاح قرآن وحدیث کی رو سے منعقد ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) اگر آپ کفو ہیں تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا۔ کیونکہ لڑکی عاقلہ، بالغہ ہو تو اپنے کفو (برابری کے خاندان) کے لڑکے سے نکاح کرسکتی ہے، ولی کی اجازت ضروری نہیں ہے ہدایہ میں ہے **وینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضائها وان لم یعقد علیها ولی بکراً کانت اوثیباً (الیٰ) وعن ابی حنیفة وابی یوسف انه لا یجوز فی غیر الکفو** (هدایہ ج۲ ص ۲۹۳. ۲۹۴ **باب الاولیآء والاکفاء**) شرعی گواہوں (دو مسلمان عاقل، بالغ مرد، یا ایک مسلمان مرد اور دو مسلمان عورتوں) کی حاضری میں عاقل، بالغ لڑکا، لڑکی ایجاب وقبول کرلیں تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے مگر مسنون یہ ہے کہ نکاح علی الاعلان کیا جائے۔ **ولا ینعقد نکاح المسلمین الا بحضور شاهدین، حرین، عاقلین، بالغین، مسلمین، رجلین، اورجل وامرأتین** (هدایه ج۲ ص ۲۸۶ **کتاب النکاح**)

لڑکی کب بالغہ ہوتی ہے؟ اور بلوغت کے بعد وہ اپنا نکاح خود کرے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۲۶۲) ایک لڑکی کافی تندرست ہے اور اسکول کے دفتر کے مطابق اس کی عمر پندرہ سال اور پانچ مہینہ کی ہے اس نے خود اپنی مرضی سے دو مسلمان گواہوں کے روبرو ایک شخص کو اپنے نکاح کا وکیل بنایا اور اپنی عمر اکیس سال لکھوائی اور اس طرح اس نے اپنی مرضی سے ایک جگہ نکاح کرلیا ہے تو یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) پندرہ سالہ لڑکی شرعاً بالغہ شمار ہوتی ہے **والجاریه بالاحتلام والحیض والحبل ولم یذکر الا نزال صریحاً لانه قلما یعلم منها فان لم یعلم فیهما شئی فحتی یتم لکل منهما خمس عشرة سنة به یفتی** (درمختار مع الشامی ج۵ ص ۱۳۲)

لہذا کوئی اور وجہ عدم جواز کی نہ ہو صرف عمر کی وجہ سے شبہ ہو تو یہ وجہ عدم جواز کی نہیں ہے۔ بلاشبہ نکاح درست ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نابالغ بچوں کے نکاح کا طریقہ کیا ہے:

(سوال ۲۶۳) نابالغ، نابالغہ سے ایجاب وقبول کس طرح کرایا جائے، اگر کسی نے درج ذیل طریقہ سے ایجاب وقبول کرایا تو درست ہے یا نہیں؟

(الف) مجلس نکاح میں نکاح خواں دو شاہدوں کے سامنے اور حاضرین مجلس کے روبرو نابالغہ لڑکی کے

باپ کو خطاب کر کے یوں کہتا ہے کہ آپ نے اپنی لڑکی کو بعوض مہر اتنے میں فلاں صاحب کے لڑکے کے نکاح میں ” بیوی بنا کر دی“ نابالغہ کے باپ نے کہا ” دی“ اب نکاح خواں نابالغ کے باپ سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ آپ نے فلاں صاحب کی لڑکی کو اپنے لڑکے کے نکاح میں ” بیوی بنا کر قبول کی“ تو نابالغ کے باپ نے کہا کہ ” قبول کی“ اس طریقہ سے ایجاب وقبول کرایا ہوا نکاح صحیح ہو گیا۔ یا نہیں؟

(الجواب) (الف) صورت مسئولہ میں نکاح منعقد ہو گیا، ایجاب وقبول کا مذکورہ طریقہ صحیح ہے۔ لڑکے اور لڑکی کے والد وکیل نہیں ،صرف ولی ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(سوال)(ب) رجسٹر میں کس طریقہ سے درج کیا جائے لڑکی کا باپ جو ولی ہے بجائے لڑکی کے خود دستخط کرے۔ اسی طریقہ سے لڑکی کے باپ بحیثیت ولی کے دستخط یا انگوٹھے کا نشان لگائے تو کافی ہے یا نہیں؟ لڑکے اور لڑکی کے دستخط کی ضرورت ہے یا نہیں؟

(الجواب) (ب) رجسٹر میں لڑکے لڑکی کا نام درج ہو اور ولی بقلم کر کے اپنا نام لکھ دے لڑکے لڑکی کے دستخط کی ضرورت نہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(سوال)(ج) نیز نابالغ نوشہ سے لفظ ” نکحتها وقبلتها“ کہلائے جائیں یا نہیں؟

(الجواب)(ج) اس کی ضرورت نہیں، ولی کا اس کی طرف سے قبول کر لینا کافی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(سوال)(د) نابالغہ سے رسماً اجازت کی ضرورت ہوگی؟

(الجواب) (د) اجازت کی ضرورت نہیں، اور اس کی اجازت اس وقت معتبر بھی نہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔

لڑکی نے باپ کے لحاظ میں نکاح کی اجازت دی تو کیا حکم ہے:

(سوال ۲۶۴) عاقلہ بالغہ لڑکی سے والد نے کہا کہ میں تیرا نکاح فلاں لڑکے کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں لڑکی نے اس شخص کا نام سن کر ناراضگی ظاہر کی اور انکار کیا مگر جب والد نے زیادہ اصرار کیا تو ظاہراً اجازت دے دی مگر دل سے ناراض تھی اس کے سارے رشتے دار بھی اس آدمی سے نکاح کرنے پر راضی نہ تھے، جب لڑکی سے اجازت لینے کے لئے گواہ اور وکیل پہنچے تو اپنے باپ کے لحاظ اور شرم کی وجہ سے نکاح کی اجازت دے دی اور رضامندی ظاہر کی مگر دل سے راضی نہیں تھی، نکاح کے بعد لڑکی کی رخصت ہوگئی مگر لڑکی اپنے شوہر سے ہمیشہ ناراض رہتی ہے اولاد بھی ہوئی، سوال یہ ہے کہ اس طرح سے نکاح صحیح ہوا یا نہیں، لڑکی ہمیشہ یہ کہتی ہے کہ میرا نکاح زبردستی کرایا گیا میں تمہارے ساتھ نکاح کرنے پر تیار نہ تھی، اب کیا حکم ہے۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں لڑکی اگر چہ دل سے ناراض تھی مگر جب کہ باپ کا لحاظ کرتے ہوئے نکاح کرنے کی وکیل کو اجازت دے دی تو نکاح درست ہو گیا، اولاد بھی ہو چکی ہے لہذا نباہ کرنا چاہئے۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ولا یجوز نکاح أحد علی بالغة صحیحة العقل من اب اوسلطان بغیر اذنها بکرا کانت او ثیبا فان فعل ذلک والنکاح موقوف علی اجازتها فان اجازته جاز وان ردته بطل کذا فی السراج الوهاج. فتاوی عالمگیری الباب الرابع فی الاولیاء: ص ۲۸۷.

والدین کے ناراض ہوتے ہوئے لڑکی کفو میں نکاح کرے تو درست ہے یا نہیں :

(سوال ۲۶۵) لڑکا اور لڑکی بالغ ہیں عاقل ہیں آپس میں نکاح کے لئے راضی ہیں لڑکا اس کے کفو کا ہے مگر دونوں کے والدین ناراض ہیں تو وہ لوگ آپس میں نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب لڑکا اور لڑکی بالغ ہیں اور خاندان، دینداری اور پیشہ کے لحاظ سے لڑکا پست اور گرا ہوا نہیں ہے کہ لڑکی کے اولیاء کے لئے باعث عار ہو تو والدین رضامند ہوں یا ناراض دونوں کا نکاح درست ہے اور بلا وجہ شرعی والدین کو ناراض نہ ہونا چاہئے اور نکاح کر دینا چاہئے ورنہ گنہگار ہوں گے، حدیث میں ہے **من ولد له ولد فليحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فليزوجه فان بلغ ولم يزوجه فاصاب اثماً فانما اثمه على ابيه .** یعنی جس کے یہاں بچہ پیدا ہو اس کو چاہئے کہ وہ اس کا نام اچھا رکھے اور اس کو اچھا ادب سکھائے، پس جب بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کر دے اور اگر بالغ ہو گیا اور اس نے (بلا عذر) شادی نہ کی اور وہ کوئی گناہ کر بیٹھا پس اس کا گناہ اس کے باپ کے ذمہ (بھی) ہوگا (مشکوۃ شریف ص ۲۷ کتاب النکاح) اور ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے **اذا خطب اليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه ان لا تفعلوه تكن فتنة في الارض وفساد عريض** جب پیغام دے تمہیں وہ شخص جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کر دو اگر تم نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہو جاوے گا (مشکوۃ شریف ص ۲۶۷ کتاب النکاح)

ہاں اگر لڑکی غیر کفو میں نکاح کرے تو ولی کی رضامندی شرط ہے بلا رضامندی نکاح درست نہ ہوگا۔ شامی میں ہے **فان حاصله ان المرأة اذا زوجت نفسها من كفؤ لزم على الا ولياء وان زوجت من غير كفوء لا يلزم او لا يصح** (شامی ج ۲ ص ۴۳۶ باب الکفاءۃ) **فقط واللہ اعلم بالصواب .**

ولی اقرب کے ہوتے ہوئے ولی ابعد صغیرہ کا نکاح کر دے تو کیا حکم ہے :

(سوال ۲۶۶) ایک نابالغہ بچی کا باپ موجود ہے اس کے ہوتے ہوئے اس بچی کا نکاح اس کے چچا نے کر دیا حالانکہ بچی کا باپ اس نکاح سے بالکل خوش نہیں ہے، نہ نکاح سے پہلے خوش تھا نہ نکاح کے بعد تو نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟ اس صورت میں باپ دوسری جگہ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) باپ کے ہوتے ہوئے ماں صغیرہ کا نکاح کر دے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) باپ عاقل اور سمجھدار اور اہل ولایت میں سے ہو اس کے موجود ہوتے ہوئے اگر صغیرہ کا نکاح کوئی اور کر دے تو وہ نکاح باپ کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر باپ نکاح کی اجازت دے تو نکاح منعقد ہو جائے گا ورنہ وہ نکاح منعقد نہ ہوگا، درمختار میں ہے۔ **فلو زوج الا بعد حال قيام الاقرب توقف على اجازته** (درمختار ج ۲ ص ۴۳۲ باب الولی)

فتاوی عالمگیری میں ہے: **وان زوج الصغير او الصغيرة ابعد الا ولياء فان كان الا قرب حاضراً وهو من اهل الولاية توقف نكاح الا بعد على اجازته وان لم يكن من اهل الولاية بان كان صغيرا** [illegible]**يرا مجنونا جاز الخ** (فتاوی عالمگیری ص ۱۲ ج ۲ کتاب النکاح الباب الرابع فی الا ولیاء)

صورت مسئولہ میں نابالغ بچی کا باپ اہل ولایت میں سے ہو (یعنی عاقل، بالغ سمجھدار ہو) مجنون اور دیوانہ نہ ہو اس کے ہوتے ہوئے بچی کے چچا نے نکاح کر دیا اور باپ نکاح سے پہلے بھی اس سے خوش نہیں تھا اور نکاح کے بعد بھی اس پر راضی نہیں ہوا تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا باپ کسی اور جگہ نکاح کر سکتا ہے۔

امداد الفتاویٰ میں ہے:

(سوال) ہندہ نابالغہ کا نکاح باوجود ہونے ولی کے غیر ولی نے پڑھا دیا... تو یہ نکاح مقبول ہے یا مردود و مطرود؟

(الجواب) یہ نکاح موقوف و معلق رہے گا اگر ولی کو خبر پہنچے اور اس نے اجازت دی تو جائز و نافذ ہو جائے گا ورنہ جائز و نافذ نہ ہوگا، فقط (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۳۲ مطبوعہ دیوبند)

(۲) باپ کے ہوتے ہوئے ماں صغیرہ کا نکاح کر دے تو یہ نکاح بھی باپ کی اجازت پر موقوف و معلق رہے گا اگر باپ اجازت دے گا تو نکاح منعقد ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

امداد الفتاویٰ میں ہے: باپ کے ہوتے ہوئے ماں ولی نہیں ہے پس اس کا کیا ہوا نکاح موقوف و معلق رہا تھا، جب زید (یعنی باپ) آیا اور اس نے کہہ دیا کہ ہم کو یہ نکاح منظور نہیں تو وہ نکاح باطل ہو گیا الخ (امداد الفتاویٰ ص ۱۹۷ ج ۲ مطبوعہ دیوبند) فقط واللہ اعلم۔

لڑکی کو اس کی مرضی کے خلاف نکاح پر مجبور کرنا:

(سوال ۲۶۷) زید نے اپنی لڑکی جو بالغہ ہے اس کا رشتہ ایک جگہ طے کرنے کا ارادہ کیا، جب لڑکی کو اس بات کا پتہ چلا تو اس نے فوراً انکار کیا اور کہا کہ میں اس جگہ ہرگز شادی نہیں کروں گی، مجھے وہ بالکل پسند نہیں، اس کی لائن بہت خراب ہے، بددین ہے میرا اس کے ساتھ نباہ نہ ہو سکے گا، زید نے لڑکی کی بات پر دھیان نہیں دیا اور لڑکی کو مار پیٹ کر زبردستی اسی جگہ منگنی کر دی، منگنی ہونے کے بعد بھی لڑکی بالکل انکار کر رہی ہے اس درمیان ایک اور رشتہ آیا، یہ لڑکا دیندار پابند صوم وصلوٰۃ ہے لڑکی کو یہ رشتہ پسند ہے لیکن لڑکی کا باپ کہتا ہے کہ میں نے جو رشتہ طے کیا ہے تجھے اس کے ساتھ ہی نکاح کرنا ہوگا، اب آپ بتائیے کہ اس بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ باپ کا مجبور کرنا صحیح ہے؟

(۲) اگر لڑکی اپنے والدین کی اجازت کے بغیر اپنی مرضی سے اس لڑکے سے نکاح کرے جو اسے پسند ہے تو نکاح صحیح ہوگا یا نہیں، امید ہے کہ جواب عنایت فرمائیں گے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جو لڑکی بالغہ ہو اس پر کسی کو ولایت اجبار حاصل نہیں، یعنی باپ وغیرہ کوئی شخص اس کا نکاح جبراً کسی جگہ بلا اس کی رضامندی نہیں کر سکتا، بالغہ ہو جانے کے بعد وہ اپنے نفس کی خود ولی اور مختار ہو جاتی ہے، درمختار میں ہے (ولا تجبر البالغة البكر على النكاح)لا نقطاع الولاية، وفي الشامي (قوله ولا تجبر البالغة) ولا الحر البالغ. یعنی بالغہ لڑکی کو نکاح کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، بالغ ہونے کی وجہ سے (باپ دادا وغیرہ کو) اس پر ولایت ختم ہو جاتی ہے اور اسی طرح آزاد بالغ لڑکے کو بھی مجبور نہیں کیا جا سکتا (درمختار و شامی ج ۲ ص ۴۱۰ باب الولی) الاختیار لتعلیل المختار میں ہے ولا اجبار على البكر البالغة في النكاح (الاختيار ج ۳ ص ۹۲)

صورت مسئولہ میں اگر سوال میں درج شدہ باتیں صحیح ہوں تو والد (زید) کو چاہئے کہ لڑکی پر زبردستی نہ

کرے پوری زندگی کا معاملہ ہے سوچ سمجھ کر لڑکی کے مشورہ سے طے کیا جائے لڑکی کی رضامندی کے بغیر اگر زبردستی نکاح کردیا گیا اور خدانخواستہ آئندہ دونوں میں نباہ نہ ہوا تو جھگڑے ہوتے رہیں گے فرقت اور طلاق کی نوبت بھی آسکتی ہے لہٰذا زید کو اپنی بات پر اصرار نہ کرنا چاہئے لڑکی ادب واحترام کے ساتھ اپنی بات پیش کرے والدین کی بے ادبی نہ ہونے پائے دوسرا رشتہ جو آیا ہے سوال کے مطابق لڑکا دیندار پابند صوم وصلوٰۃ اور ہم کفو ہے لڑکی کو بھی پسند ہے تو دیندار کو ترجیح دینا چاہئے حدیث شریف میں ہے اذا خطب الیکم من ترضون دینه وخلقه فزوجوه ان لا تفعلوه تکن فتنة فی الارض وفساد عریض یعنی جب تمہیں ایسا شخص پیغام دے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کروا گر تم نکاح نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۷ کتاب النکاح)

زمانہ بہت آزادی کا ہے، والدین کو بے جا زبردستی نہ کرنا چاہئے، گاہے ان کی بے جا سختی کی وجہ سے لڑکی راہ فرار اختیار کرتی ہے اور پھر سنگین اور ناقابل برداشت نتائج سامنے آتے ہیں لہٰذا اگر لڑکی کی بات صحیح ہو تو اس کی بات تسلیم کر لینا چاہئے، مناسب یہ ہے کہ ابتداء ہی میں اس کی رائے معلوم کرلی جائے، ہاں اگر لڑکی غلطی پر ہو ناتجربہ کاری کی وجہ سے اس نے غلط رائے قائم کی ہو تو دلائل اور اچھے انداز سے اس کو سمجھانا چاہئے۔ اولاد کو بھی چاہئے کہ والدین کا ادب واحترام کریں وہ ان کے خیرخواہ ہیں بدخواہی نہیں کریں گے، اگر دینداری اور حسن اخلاق کو مدنظر رکھتے ہوئے رشتہ طے کرنا چاہتے ہیں تو ان کی اطاعت کرنا چاہئے ان کے دل کو دکھانا نہ چاہئے، ان کی دعائیں شامل حال رہیں گی اور انشاء اللہ اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔

(۲) لڑکی اگر خود نکاح کرلے تو کیا حکم ہے؟ اس کے متعلق فتاویٰ رحیمیہ میں ہے ''جب لڑکا اور لڑکی بالغ ہیں اور خاندان دینداری اور پیشہ کے لحاظ سے لڑکا پست اور گرا ہوا نہیں ہے کہ لڑکی کے اولیاء کے لئے باعث عار ہو تو والدین رضامند ہوں یا ناراض دونوں کا نکاح درست ہے اور بلا وجہ شرعی والدین کو ناراض نہ ہونا چاہئے اور نکاح کردینا چاہئے ورنہ گنہگار ہوں گے، حدیث میں ہے من ولد له ولد فلیحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فلیزوجه فان بلغ ولم یزوجه فاصاب اثما فانما اثمه علی ابیه. یعنی جس کے یہاں بچہ پیدا ہو اس کو چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو اچھا ادب سکھائے پس جب بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کردے، اور اگر وہ بالغ ہوگیا اور اس نے (بلا عذر) شادی نہ کی اور وہ کوئی گناہ کر بیٹھا پس اس کا گناہ اس کے باپ کے ذمہ (بھی) ہوگا (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۱ باب الولی فی النکاح الخ) .الی قوله ہاں اگر لڑکی غیر کفو میں نکاح کرے تو ولی کی رضامندی شرط ہے، بلا رضامندی نکاح درست نہ ہوگا، شامی میں ہے۔ فان حاصله ان المرأة اذا زوجت نفسها من کفوء لزم علی الاولیاء وان زوجت من غیر کفء لا یلزم اولا یصح (شامی ج۲ ص ۴۳۲ باب الکفاءۃ بحواله فتاویٰ رحیمیه ص ۲۲۴ ج۸) فقط واللہ اعلم بالصواب.

بلا اجازت ولی غیر کفو میں نکاح منعقد نہیں ہوتا:

(سوال ۲۶۸) لڑکا لڑکی دونوں عاقل بالغ سنی حنفی ہیں لڑکی سید (آل رسول ﷺ) خاندان کی ہے اور لڑکا نیچ ذات کا (جولاہا) ہے، دونوں باہم شادی کرنے کے لئے رضامند ہیں مگر لڑکی صاف طور پر یہ شرط لگاتی ہے کہ میرے والدین

کی رضامندی اور منظوری ضروری ہے، اس کے بغیر شادی نہیں کر سکتی لڑکے کی طرف سے لڑکی کے والدین کی منظوری حاصل کرنے کی مسلسل کوشش دو سال تک کی جاتی ہے مگر لڑکی کے والدین اس رشتہ کو غیر کفو بتاتے ہیں اور منظور نہیں کرتے، اس کے بعد لڑکا ایک دن لڑکی کو اپنے کسی دوست کے گھر لے جاتا ہے جہاں لڑکی اکیلی ہوتی ہے، اور لڑکا ایک نکاح خواں کو لا کر اپنے دو دوستوں کو گواہ بنا کر لڑکی سے نکاح کر لیتا ہے، اس وقت لڑکی کے والدین یا اور کوئی رشتہ دار وہاں نہیں تھے لڑکی نے مجبوراً نکاح قبول کیا مگر بعد میں لڑکی نے کہا کہ اس چوری چھپے شادی کو میں دھوکا سمجھتی ہوں اور اب تو مجھے بھی تم سے سخت بیزاری ہوگئی ہے اور کسی قیمت پر میں تمہارے یہاں نہیں جاؤں گی، لڑکی کے والد کو جب یہ تمام ماجرا معلوم ہوتا ہے تو وہ فوراً اس ڈرامائی نکاح کو رد کر دیتے ہیں، کیا یہ نکاح شرعاً درست ہے؟ اگر درست ہے تو لڑکی کے والد اس نکاح کو فسخ کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسطورہ میں عدم کفوئی کی بناء پر نکاح اصلاً منعقد ہی نہیں ہوا لہذا فسخ کی بھی ضرورت نہیں۔ درمختار میں۔ (ویفتی) في غير الكفء (بعدم جوازه اصلاً) وهو المختار للفتوىٰ لفساد الزمان (قوله وهو المختار للفتوى) وقال شمس الائمة وهذا اقرب الى الا حتياط كذا فى تصحيح العلامة قاسم الخ (درمختار و شامي ص ۲۰۸، ص ۲۰۹ جلد نمبر ۲، باب الولي)

الحیلۃ الناجزہ میں ہے: پہلی صورت یہ کہ بالغ عورت بغیر اذن ولی عصبہ کے غیر کفو میں نکاح کرے، اس صورت میں فتویٰ اس پر ہے کہ نکاح صحیح نہیں ہوتا کیونکہ نکاح سے پہلے اجازت کا ہونا شرط ہے، لہذا عورت کو لازم ہے کہ ایسا ہرگز نہ کرے اگر کرے گی تو نکاح کالعدم ہونے کی وجہ سے ہمیشہ معصیت میں رہے گی، كما فى تنوير الابصار نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولي وله اذا كان عصبة ولو غير محرم كابن عم في الا صح و الا م و القاضي الاعتراض في غير الكفو مالم تلد، ويفتى بعدم جوازه اصلاً اه وايده صاحب الدر بقوله وهو المختار للفتوى والعلامة الشامي وغيره بقول شمس الائمة وهذا اقرب الى الا حتياط (الحيلة الناجزه ص ۸۳ خيار كفاءت)

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے۔

(سوال) زید غیر کفو غیر صحیح النسب نے اپنے کو شریف النسب بتلا کر بکر شریف سید کی بالغہ لڑکی ہندہ سے بوکالت غیر ولی نکاح کیا اس صورت میں نکاح فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) درمختار میں ہے: ويفتى في غير الكفو بعدم جوازه اصلا وهو المختار لفساد الزمان الخ اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر عورت بالغہ اپنا نکاح غیر کفو میں کرے بلا اجازت و رضاء ولی کے تو وہ نکاح منعقد نہیں ہوتا، پس جب کہ وہ نکاح صحیح نہیں ہوا تو فسخ کی ضرورت نہیں ہے (فتاوى دار العلوم مدلل و مكمل ص ۲۰۹، ص ۲۱۰ ج ۸) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غیر حافظ لڑکے کا نکاح حافظہ لڑکی سے:

(سوال ۲۶۹) غیر حافظ لڑکا حافظہ قرآن لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں ایک شخص کہتا ہے کہ قرآن

پر کسی اور چیز کو رکھنا جائز نہیں لہذا نکاح نہیں ہوسکتا، آپ وضاحت فرمائیں بینوا توجروا۔؟

(الجواب) غیر حافظ لڑکا جب کہ دیندار متشرع ہو تو وہ حافظ لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے، عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے، لڑکی کے حفظ اور اس کی دینداری کی وجہ سے اس کے مرتبہ میں اضافہ ہو جائے گا اور حفظ قرآن کی نسبت سے اس کا احترام بھی کرنا ہوگا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے نکاح جائز نہ ہو اور عورت مرد پر حاکم ہو جائے اور الرجال قوامون علی النساء کا حکم بدل جائے، سوال میں جو دلیل ذکر کی گئی ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ قرآن مجید محسوس صورت میں ہو تو اس وقت قرآن مجید پر کوئی اور کتاب یا کوئی اور چیز رکھنا جائز نہ ہوگا، اور صورت مسئولہ میں یہ بات نہیں ہے ورنہ اس شخص کی دلیل کے پیش نظر اس حافظ لڑکی کا بیت الخلاء جانا، استنجاء کرنا بھی جائز نہ ہونا چاہئے کہ قرآن مجید کو بیت الخلاء میں لے جانا اور قرآن مجید کے سامنے ستر کھولنا لازم آئے گا حالانکہ کوئی اس کا قائل نہیں، بلا تکلف اس کے لئے یہ چیزیں جائز ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

عاقلہ بالغہ لڑکی کے باپ سے پوچھ کر اس کا نکاح قاضی نے پڑھا دیا تو ہوا یا نہیں؟:

(سوال ۲۷۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عاقلہ بالغہ لڑکی ہندہ کا نکاح بکر سے کردیا ہے مگر نکاح پڑھاتے وقت نکاح کی مجلس میں قاضی صاحب نے ہندہ کے باپ زید سے پوچھ کر نکاح پڑھا دیا اور کوئی وکیل وگواہ نہ تھے نہ اور کسی سے پوچھا گیا تو اس صورت میں نکاح ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! جب باپ نے لڑکی سے اجازت لے کر قاضی کو نکاح پڑھانے کے لئے کہا اور قاضی نے مسلمانوں کے حضور نکاح پڑھایا تو نکاح صحیح ہوگیا، ہاں اگر لڑکی اپنے نکاح ہونے کی خبر سن کر انکار کردے کہ مجھے نکاح منظور نہیں ہے میں نے اجازت نہیں دی تھی تو نکاح صحیح نہ ہوگا۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ولا یجوز نکاح أحد علی بالغة صحیحة العقل من أب او سلطان بغیر اذنها بکرا کانت أو ثیبافان فعل ذلک فالنکاح موقوف علی اجازتها فان اجازته جاز وان ردته بطل کذا فی السراج الوهاج فتاوی عالمگیری. الباب الرابع فی الاولیاء ج ۱ ص ۲۸۷۔

باب المہر والجہاز

خلوت سے پہلے طلاق یا موت کی صورت میں مہر:

(سوال ۲۷۱) لڑکی کی شادی ہوئی لیکن ابھی خاوند کے ہاں پہنچی نہیں تھی کہ وہ مر گیا یا اس نے طلاق دے دی (ہر دو صورت میں صحبت نہ ہوئی) تو عورت مہر کی حق دار ہے یا نہیں؟

(الجواب) ہاں خاوند کے مرنے سے وہ کل مہر کی حق دار ہے اور طلاق کی صورت میں نصف مہر کی حق دار ہے۔ (۱)

بعوض مہر جو چیزیں عورت کے نام لکھ دی جائیں ان کا مالک کون ہے:

(سوال ۲۷۲) زید نے نکاح کے وقت اپنی عورت کو زیور و مکان بعوض مہر دے دیا اور نکاح خوانی کے دفتر میں زیور مکان وغیرہ کو مہر کے عوض میں لکھوایا ہے جو اس وقت بھی نکاح خوانی کے دفتر میں درج ہے، اب شوہر ماں باپ دادا دادی اور دیگر اقرباء عورت کو وہ مکان دینا نہیں چاہتے اور اس کی حق تلفی کرنا چاہتے ہیں، عورت پریشان ہے، کیا مذکورہ عورت مکان اور زیور وغیرہ کی شرعاً حق دار ہے یا نہیں؟ شوہر اور اس کے ماں باپ اور اس کے رشتے دار عورت کو اس کا حق دینے سے انکار کریں تو وہ لوگ شرعاً گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب نکاح خوانی کے وقت زید اور اس کے والد کی رضا مندی سے شرعی گواہوں کی موجودگی میں زیورات اور مکان بعوض مہر عورت کو لکھ دیا تو ان زیورات اور مکان کی مالک عورت ہے اس کو نہ دینا حق تلفی اور ظلم ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دینے کی صورت میں مہر لازم ہے یا نہیں:

(سوال ۲۷۳) ایک عاقلہ بالغہ لڑکی کی شادی ہوئی مگر رخصتی نہیں ہوئی، لڑکی طلاق کا مطالبہ کرتی ہے تو اگر طلاق دی جائے تو مہر لازم ہوگا یا نہیں؟ اور عدت کا خرچ دینا لازم ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عورت کو رخصتی سے پہلے طلاق دے دی جائے تو وہ نصف مہر کی حق دار ہوتی ہے اس کے لئے عدت نہیں ہے لہذا عدت کا نفقہ بھی لازم نہیں، اگر لڑکی بعوض مہر طلاق کا مطالبہ کرے اور لڑکا منظور کر لے تو عورت نکاح سے خارج اور مہر ساقط ہو جائے گا، اس کو شریعت میں "خلع" کہتے ہیں۔ ویجب نصفہ بطلاق قبل وطء وخلوۃ (قولہ ویجب نصفہ) ای نصف المہر المذکور (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۴۵۶ باب المہر) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

عورت کے مرنے کے بعد اس کے والدین اس کا مہر معاف کر دیں تو کیا حکم ہے:

(سوال ۲۷۴) ہمارے شہر میں یہ عرف بنا ہوا ہے کہ شادی کے موقع پر جو مہر مؤجل طے ہوتا ہے وہ دلہن کے مر جانے کے بعد اس کے والدین معاف کر دیتے ہیں جس کو مرنے والی دلہن اچھی طرح جانتی ہے۔

---

(۱) والمهر يتاكد باحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين فتاوىٰ عالمگيرى الفصل الثانى فيما يتاكد بة المهر والمتعة ج ۱ ص ۳۰۳.

(الف) کیا اس طرح اس کے والدین کے معاف کردینے سے معاف ہوجائے گا؟

(ب) اگر معاف نہیں ہوتا تو پھر دلہن کے مرجانے کے بعد ادائیگی کی کیا صورت ہوگی، بینوا توجروا۔

(الجواب) مہر مؤجل بیوی کا قرض ہے اب مرنے کے بعد اس کے ورثا، (جن میں شوہر بھی داخل ہے) حق دار ہوں گے، بیوی کے ماں باپ کو اپنا حصہ نہ لینا ہو تو وہ دوسروں کو ہبہ کرسکتے ہیں "معاف کردیا" کہنا کافی نہ ہوگا، فتاویٰ رحیمیہ جلد اول کا مقدمہ ملاحظہ کیجئے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(نوٹ) اگر اولاد ہے تو شوہر کو چوتھا حصہ ملے گا ورنہ نصف ملے گا۔

بدکار عورت مہر کی حق دار ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۷۵) ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے بچشم خود اپنی بیوی کو فعل بدکا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھا ہے اور ان دونوں نے اقبال جرم بھی کیا ہے اس بنا پر اس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے، عورت زانیہ ہے کیا وہ مہر پانے کی مستحق ہے؟ اور اسی طرح عدت کا خرچ اس کو ملے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عورت بدکار اور ناشزہ ہو تو عدت کے خرچ کی مستحق نہیں ہے البتہ مہر کی حقدار ہے بصورت مذکورہ میں مہر ساقط نہیں ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رخصتی سے پہلے طلاق دے دی تو مہر لازم ہوگا۔ یا نہیں؟ اور ایسی عورت سے دوبارہ نکاح کرنا:

(سوال ۲۷۶) زید کی شادی ہوئی مگر شب عروسی سے قبل ہی لڑکی اپنے میکہ سے فرار ہوگئی یہ خبر جب زید کو پہنچی تو زید نے دو گواہوں کے سامنے یوں کہا، میں نے اس کو طلاق دے دی، طلاق دے دی، طلاق دے دی۔ اب نمبر ا زید مہر ادا کرے یا نہیں۔ نمبر ۲۔ دوبارہ زید اگر اسی لڑکی سے نکاح کرنا چاہے تو اس کی صورت کیا ہوگی؟ نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ عدت لازم ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) نصف مہر ادا کرنا ضروری ہے **وان طلقها قبل الدخول والخلوة فلها نصف المسمى لقوله تعالى وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن (هدايه اولين ص ۳۰۴ باب المهر)**

(۲) جب خلوت سے پہلے شوہر نے یہ الفاظ کہے ہیں۔ میں نے اس کو طلاق دے دی، طلاق دے دی، طلاق دے دی، تو پہلی طلاق سے عورت نکاح سے نکل گئی اس کے لئے عدت بھی نہیں اس لئے دوسری اور تیسری طلاقیں واقع نہ ہوں گی طرفین کی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔ اور اگر یہ لفظ کہا ہے کہ "میں نے تین طلاق دے دی" تو تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی شرعی حلالہ کے بغیر عورت حلال نہ ہوگی۔ ہدایہ میں ہے **واذا طلق الرجل امرأته ثلثا قبل الدخول بها وقعن عليها فان فرق الطلاق بانت بالا ولى ولم تقع الثانية والثالثة وذلك مثل ان يقول انت طالق طالق طالق لان كل واحد ايقاع على حدة اذلم يذكر فى آخر كلامه ما يغير صدره حتى يتو قف عليه فتقع الا ولى فى الحال فتصا دفها الثانية وهى مبانة (هدايه**

اولیں ص ۳۵۱ فصل فی الطلاق قبل الدخول)فقط واللہ اعلم بالصواب ۱۸ شوال المکرم ۱۴۰۲ھ

خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دے تو مہر اور عدت لازم ہے یا نہیں

(سوال ۲۷۷) دلہن رخصت تو ہوگئی اور دولہا کے ساتھ تنہائی اور خلوت صحیحہ بھی ہوئی مگر ہم بستری سے پہلے ہی کسی وجہ سے دولہا نے طلاق دے دی تو مہر اور عدت لازم ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب خلوت صحیحہ (کامل خلوت) ہوگئی، جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو پورا مہر واجب ہوگا اور عدت بھی لازم ہوگی۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مہر فاطمی کسے کہتے ہیں اور اس کی مقدار کیا ہے؟:

(سوال ۲۷۸) مہر فاطمی کسے کہتے ہیں اور اس کی مقدار کیا ہے؟ تولے کے اعتبار سے کتنے تولے ہوتے ہیں؟ اگر روپے مقرر کرنا چاہے تو کتنے روپے مقرر کرے؟ اسی طرح اگر بیرون ملک پونڈ ڈالر وغیرہ مقرر کرنا چاہے تو کتنی مقرر کرے؟ ایک سو ساڑھے ستائیس روپیوں کو مہر فاطمی سمجھا جاتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حضور اقدس ﷺ نے اپنی صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا جو مہر مقرر کیا تھا اسے مہر فاطمی کہتے ہیں، وہ چار سو مثقال چاندی تھی، ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے، لہذا چار سو مثقال چاندی کی مقدار ایک سو پچاس تولہ چاندی ہوتی ہے۔

مظاہر حق میں ہے "اور مہر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا چار سو مثقال چاندی کا ہے جس کے ڈیڑھ سو روپیہ (یعنی تولہ) ہوئے۔" (مظاہر حق ج ۳ ص ۱۴۵، کتاب النکاح باب الصداق)

(اس زمانہ میں روپیہ چاندی کا ہوتا تھا اور اس کا وزن تقریباً ایک تولہ ہوتا تھا اس لئے ڈیڑھ سو روپیہ یعنی ڈیڑھ سو تولہ ہوا)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی مدظلہم کا فتویٰ

(سوال) حضرت فاطمہؓ کا مہر کتنا تھا جس کو مہر فاطمی کہتے ہیں؟

(الجواب) ۴۰۰ مثقال جو کہ ہمارے حساب سے ڈیڑھ سو تولہ چاندی ہے۔(ماہنامہ نظام جولائی ۱۹۶۵ء مطابق ربیع الاول ۱۳۸۵ھ ص ۴۰ باب الاستفسار)۔

حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری مدظلہ تحریر فرماتے ہیں

"مہر فاطمی کی مقدار چار سو مثقال وارد ہے، مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہے لہذا کل وزن ۱۵۰ تولہ ہوا، اور اتنی چاندی کی قیمت مروجہ دیکھنی چاہئے۔" (انوار الباری شرح صحیح بخاری اردو ج ۴ ص ۶۱)

---

(۱) والخلوۃ مبتدء خبرہ قولہ الآتی کالوطء، بلا مانع حسی کمرض لاحدھما یمنع الوطء وطبعی کوجود ثالث وشرعی کاحرام الفرض اونفل الخ درمختار مع الشامی باب المھر مطلب فی احکام الخلوۃ ج ۲ ص ۴۰۲۵

حضرت مولانا صدیق احمد باندوی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں

"حضرت فاطمہؓ کا مہر ڈیڑھ سو تولہ چاندی تھی" (فضائل نکاح ص ۳۱ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ ہتھوڑہ ضلع باندہ)

حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی مدظلہ:

استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت فاطمہؓ کے مہر کی صحیح مقدار:۔ حضرت فاطمہؓ کا مہر۔ راجح یہ ہے کہ چار سو مثقال چاندی مقرر کیا گیا تھا، جس کا وزن تقریباً ۱۵۰ تولہ ہوتے ہیں۔"

(معاشرتی مسائل دین فطرت کی روشنی میں ۵۳، مطبوعہ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو)

مہر فاطمی کی مقدار میں (تولہ کے اعتبار سے) دیگر اقوال بھی ہیں، چنانچہ حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"اور مہر فاطمی جس کی مقدار منقول پانچ سو درہم (کمافی عامة روایات الحدیث) اس کی مقدار تولہ کے حساب سے ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ ہوتی ہے۔" (اوزان شرعیہ ص ۱۰ (جواہر الفقہ ج۱ ص ۴۲۴)

اور آپ ہی کا دوسرا فتوی یہ ہے۔

"مہر فاطمی کی مقدار پانسو درہم ہے جس کا وزن رائج الوقت ایک سو پینتالیس تولہ دس ماشہ ہوا۔"

(فتاویٰ دارالعلوم، امداد المفتیین ج ۲-۳ ص ۲۰۱ خیر الامور فی مقدار المہور) مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ دیوبند۔

یہ تین اقوال ہیں ان میں سے جس پر عمل کرنا چاہے کر سکتا ہے مگر بہتر اور احتیاط اس میں ہے کہ ایک سو پچاس تولہ چاندی مہر مقرر کی جائے (اور آج کل کے نئے تول کے اعتبار سے ایک تولہ ۶۶۴ ۱۱ گرام، ۱۱ گرام کا ہوتا ہے تو ۱۵۰ تولہ کے تقریباً ۶۰۰ ملی گرام۔ ۱۷۴۹ گرام ہوتے ہیں، کسر پوری کر کے ۱۷۵۰ گرام شمار کئے جائیں) اگر مہر میں ۱۵۰ تولہ چاندی (یا آج کے نئے تول کے اعتبار سے ۱۷۵۰ گرام چاندی) مقرر کی جائے یہی بہتر ہے، اور اگر مہر میں روپے مقرر کرنا چاہے تو چونکہ چاندی کے دام بازار میں کم وبیش ہوتے رہتے ہیں لہذا جس روز مہر مقرر کی جائے اس روز بازار میں چاندی کے جو دام ہوں اس کا حساب کر کے ایک سو پچاس تولہ (یا ۱۷۵۰ گرام) چاندی کی جتنی قیمت ہوا تنے روپے مقرر کئے جائیں تاکہ ادا کرتے وقت اختلاف نہ ہو، ہر ملک کے سکہ کا یہی حکم ہے، پونڈ ہو یا ڈالر یا اور کوئی سکہ۔

(نوٹ): مہر میں اگر چاندی کا حساب کر کے روپے مقرر کئے ہیں تو فی الحال مہر ادا کرے یا بعد میں ادا کرے، چونکہ روپے متعین کردیئے ہیں لہذا جب بھی ادا کرے مقررشدہ روپے ادا کرے اور اگر ۱۵۰ تولہ چاندی مقرر کی ہے تو جس وقت مہر ادا کرے اس وقت ۱۵۰ تولہ چاندی ادا کرے یا اس وقت چاندی کے جو دام ہوں اس کے حساب سے روپے ادا کرے۔)

ایک سو ساڑھے ستائیس روپیوں کو مہر فاطمی سمجھنا صحیح نہیں ہے، غالباً کسی زمانہ میں ۱۵۰ تولہ چاندی ایک سو ساڑھے ستائیس روپے میں آتی ہوگی، تو اس وقت ایک سو ساڑھے ستائیس روپے مہر فاطمی ہوگی، مگر آج کسی صورت میں نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نکاح کے پیغام کے وقت لڑکی والوں کی طرف سے جہیز کے نام سے رقم طلب کی جاتی ہے اس موقعہ پر یہ رسم ختم کرنے کی نیت سے رقم کے بجائے مہر فاطمی پیشگی دینا کیسا ہے

(سوال ۲۷۹) ہمارے یہاں اور اطراف میں یہ دستور اور رواج ہے کہ جب لڑکے کی طرف سے کسی جگہ نکاح کا پیغام دیا جاتا ہے تو لڑکی والوں کی طرف سے ایک رقم کا مطالبہ ''جہیز'' کے نام سے ہوتا ہے، لڑکی والے رقم وصول کر کے اس رقم سے دعوت اور لڑکی کے کپڑوں وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں، اور یہ رقم سال بہ سال بڑھتی جاتی ہے اس کے بغیر عموماً نکاح کا پیغام قبول نہیں کیا جاتا، اس رسم کی وجہ سے بہت سے لڑکے لڑکیاں نکاح سے محروم رہتے ہیں، ان کی حیثیت رقم دینے کے لائق نہیں ہوتی۔ تو شرعاً لڑکی والوں کی طرف سے رقم کا مطالبہ کرنا کیسا ہے، اس رسم کی ادائگی میں ہزاروں روپے خرچ کئے جاتے ہیں مگر مہر بہت معمولی مقرر کی جاتی ہے، ہمارے ذہن میں ایک سوال پیدا ہو رہا ہے کہ مہر فاطمی کی سنت تقریباً متروک ہو رہی ہے، رسم کے طور پر جو رقم دی جاتی ہے اس کے بجائے مہر فاطمی پیشگی (نکاح سے قبل) لڑکی کو دے دی جائے تو ممکن ہے کہ جہیز کے نام پر رقم لینے کی رسم ختم ہو اور مہر فاطمی کی سنت زندہ ہو، دریافت طلب امر یہ ہے کہ مہر فاطمی نکاح سے قبل دینا کیسا ہے؟ جواب مرحمت فرمائیں، بینوا توجروا۔ (کوسمبا ضلع سورت)

(الجواب) آپ کا سوال پڑھ کر بہت افسوس اور دکھ ہوا جہیز کے نام سے جو سودے بازی کا رواج ہو رہا ہے یہ بہت ہی قابل ملامت اور لائق ترک ہے، اس رواج کا شریعت سے کوئی تعلق اور کوئی نسبت نہیں ہے، غیر اسلامی طریقہ ہے اور مزاج شریعت کے خلاف ہے، حدیث میں ہے کہ سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہے جس میں خرچ کم ہو **عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اعظم النکاح برکة ایسرہ مؤنة (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۸ کتاب النکاح)**

گاؤں گاؤں اس رواج کے خلاف عملی قدم اٹھانا چاہئے اور لوگوں کو سنت کے مطابق نکاح کرنے کی ترغیب دینا چاہئے، غلط ماحول اور بے حیائی کا زمانہ ہے، گھر گھر ٹی وی کی لعنت آرہی ہے، بے پردگی کا دور دورہ ہے، لڑکے لڑکیاں آپس میں آزادانہ ملتے ہیں، زنا کے یہ اسباب اس نازک زمانہ میں بکثرت موجود ہیں، اگر نکاح میں اس قسم کی پابندیاں اور غلط رواج جاری رہیں گے تو زنا کاری اور زیادہ ہوگی اور دنیا میں عظیم فتنہ ہوگا اور بہت سے لڑکے لڑکیاں نکاح کی نعمت سے محروم رہیں گے۔

نکاح کے موقعہ پر لڑکی یا لڑکے والے کی طرف سے مہر کے علاوہ کسی اور چیز کا مطالبہ کرنا اور اس کا لینا دینا رشوت ہے، اور رشوت شریعت میں حرام ہے۔ درمختار میں ہے **(اخذ اھل المرأة شیئاً عند التسلیم فللزوج ان یستردہ) لانہ رشوة (قولہ عند التسلیم) ای بان ابی ان یسلمھا اخوھا او نحوہ حتی یأخذ شیئاً، وکذا لو ابی ان یزوجھا فللزوج الاسترداد قائما او ھالکاً لانہ رشوة بزازیہ (شامی ج ۲ ص ۵۰۳ باب المھر)**

بوقت نکاح شوہر پر شرعاً مہر لازم ہوتا ہے، مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم (تقریباً دو تولہ گیارہ ماشہ چاندی) ہیں، اگر حیثیت ہو تو مہر فاطمی مقرر کی جائے، حضور اقدس ﷺ نے اپنی صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا۔

رضی اللہ عنہا کا جو مہر مقرر کیا تھا وہ مہر فاطمی ہے، اس کی مقدار چار سو مثقال چاندی تھی ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے لہذا چار سو مثقال چاندی کی مقدار ایک سو پچاس تولہ چاندی ہوتی ہے، دوسرے حساب سے ایک سو اکتیس تولہ چاندی کا قول بھی ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۳۱-۲۳۲ ج ۸) دیگر بنات طاہرات اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اجمعین کا بھی (سوائے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے) یہی مہر تھا، یہ سنت تقریباً متروک العمل ہو رہی ہے رسم ورواج میں ہزاروں روپے خرچ کر دیئے جاتے ہیں مگر مہر جو درحقیقت عورت کا شرعی حق ہے اس کی طرف لوگوں کو توجہ نہیں ہے، حیثیت ہوتے ہوئے بھی کم سے کم مہر مقرر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اگر نکاح سے پہلے مہر دے دیا جائے اور لڑکی والے اس سے متفق ہوں تو قبل از نکاح بھی مہر دیا جا سکتا ہے، درمختار اور شامی کی عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے، درمختار میں ہے (**خطب بنت رجل وبعث الیها اشیاء ولم یزوجها ابو ها فما بعث للمهر یسترد عینه قائما) فقط وان تغیر بالا ستعمال (او قیمته هالکا) لا نه معاوضة ولم تتم فجاز الاسترداد الخ (قوله فما بعث للمهر) ای مما اتفقا علی انه من المهر (شامی ج۲ ص ۵۰۱ باب المهر مطلب فیما یر سله الی الزوجة)**

غایۃ الاوطار میں ہے: منگنی کی ایک مرد کی بیٹی سے اور بھیجا زوج نے عورت کی طرف چند اشیاء کو اور عورت کے باپ نے عورت کا نکاح نہ کیا تو جو چیز مہر کے واسطے بھیجی ہو اور وہ موجود بھی ہو تو فقط اسی کو پھیرے نہ اس کی قیمت گو اگرچہ متغیر ہو گئی ہو استعمال سے یا قیمت پھیر لے (واپس لے) اگر نہ موجود ہو اس واسطے پھیرے کہ یہ تو بدلا تھا سو پورا نہ ہوا تو پھیر لینا جائز ہوا۔ (غایۃ الاوطار ص ۵۹ ج ۲)

صورت مسئولہ میں آپ نے مہر فاطمی پیشگی دینے کی جو رائے تحریر کی ہے اس پر عمل ہو سکتا ہے، جہیز کے نام سے جو یہ لین دین ہوتا ہے وہ بالکل غلط رواج اور ظاہراً رشوت ہے، اس سے یہ صورت (جو آپ نے تحریر فرمائی ہے) بدرجہا بہتر ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس رواج کو ختم کرنے کے لئے عملی قدم اٹھائیں، اور جگہ جگہ اصلاح معاشرہ کی کوشش کریں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

احتیاطی طور پر تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا حکم کیا گیا ہو وہاں تجدید مہر ضروری نہیں ہے۔

(سوال ۲۸۰) (الف) جن الفاظ کفر پر تجدید نکاح کا حکم مفتیان کرام نے دیا ہو اس میں مہر جدید ضروری ہے یا مہر سابق کافی ہے۔

(ب) اس تجدید نکاح میں عورت کو پورا اختیار حاصل ہے یا اسی شوہر کے ساتھ نکاح ضروری ہے؟

(ج) اگر اسی کے ساتھ نکاح ضروری نہیں تو عدت کے بعد دوسرے آدمی سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

(د) اور عدت کتنی گذارنی ہوگی؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! پہلے فتویٰ میں اس شخص کے کفر کا اور اسلام سے خارج ہو جانے کا حکم نہیں لگایا گیا ہے ایمان کا خطرہ میں پڑ جانا لکھا ہے، اور احتیاطاً وزجراً وتشدیداً تجدید ایمان وتجدید نکاح کا حکم کیا ہے۔ درمختار میں ہے۔

وما فیه خلاف یؤ مر بالا ستغفار والتوبة وتجدید النکاح (قوله والتوبة) ای تجدید

الاسلام (قولہ وتجدید النکاح) ای احتیاطاً الخ (شامی ج۳ ص ۴۱۱ باب المرتد)

عامی شخص کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ اب اس نفرت کو خدا بھی نہیں مٹا سکتا۔ انتہا درجہ کی نفرت ظاہر کرنے کے لئے ہوتا ہے، یہ طلب نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں، اس کی قدرت سے باہر ہے (معاذ اللہ) لہٰذا صورت میں تجدید ایمان وتجدید نکاح کا حکم احتیاطاً ہے، اور تجدید نکاح کے لئے تجدید مہر ضروری نہیں، عورت اسی سے نکاح کرے دوسرے سے نہیں کر سکتی، البتہ عورت کو یہ حق حاصل ہوگا کہ تاوقت یہ کہ تجدید ایمان وتجدید نکاح پر شوہر آمادہ نہ ہو اور دوسری ناجائز وحرام حرکتوں سے باز نہ آوے اپنی ذات کو اس کے حوالہ نہ کرے۔ قال الشامی عن الفتح والتاکید خلاف الظاہر وعلمت ان المرأۃ کالقاضی لا یحل ان تمکنہ اذا علمت منہ ماظاہرہ خلاف مدعاہ ص ۶۹۷ ج۳ (امداد الفتاویٰ ص ۴۶۳ ج۲ مطبوعہ دیو بند) (بحوالہ فتاوی رحیمیہ ج۸ ص ۲۱۴) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مرد کے زیورات مطلقہ کے پاس ہوں تو کیا حکم ہے:

(سوال ۲۸۱) میرے گھر کے زیورات وغیرہ میری عورت کے پاس ہیں۔ میں طلب کر سکتا ہوں؟

(الجواب) زیورات وغیرہ جو کچھ عورت کو شادی کے وقت دیا گیا ہے۔ اگر وہ مہر کے عوض میں دیا ہو یا بطور عطیہ (بخشش) دیا ہو تو اس کی عورت مالک ہے۔ عاریۃ دیا گیا ہو تو اس کا مالک شوہر ہے۔ اگر کسی بات کی وضاحت نہ ہو تو اپنے ہاں کے دستور ورواج کا اعتبار ہوگا اور اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بوقت نکاح عورت کو جو زیورات منجانب زوج دیئے جاتے ہیں وہ کس کی ملک ہیں؟:

(سوال ۲۸۲) ذاکرہ بیگم کو خاوند کی طرف سے جو زیورات شادی کے موقعہ پر دیئے گئے ان کا مالک کون ہے؟ ذاکرہ کے خاندان کا یہ دستور ہے کہ زیورات لڑکی کو بخشش کر دیئے جاتے ہیں، ذاکرہ کی بہن کو جو زیورات ملے ہیں وہ بھی بخشش ہیں، اب اگر نکاح کے رجسٹر میں بخشش کی تصریح نہ ہو تو خاندانی عرف کی بنا پر زیورات بخشش ہوں گے یا نہیں؟ اور ذاکرہ کے مرنے کے بعد ذاکرہ کے ورثاء میں تقسیم ہوگا یا زوج زیورات واپس لے سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ مسئلہ قوم کے عرف اور دستور کے تابع ہے صرف عورت کے گھر کے دستور پر موقوف نہیں ہبہ ہونے میں قوم یا زوجین کے گھرانے کا دستور دیکھا جائے گا اور اس کی مختلف صورتیں ہیں (پہلی صورت) زیورات بعوض مہر دیئے جاتے ہیں اگر زیورات مقدار مہر سے زائد ہوں تو زائد کو ہبہ (بخشش) کر دیا جاتا ہے، یا عاریۃ دیا جاتا ہے (۲) مہر باقی (مؤجل) اور زیورات بخشش، (۳) مہر مؤجل اور زیورات عاریۃ دیئے جاتے ہیں (۴) مہر معجل اور زیورات بخشش یا عاریۃ بخشش کا حکم یہ ہے کہ عورت مالک ہو جاتی ہے اور عاریۃ کا حکم یہ ہے کہ شوہر مالک رہتا ہے عورت کو صرف استعمال کرنے کا حق ہوتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں آپس میں جو معاملہ طے ہوا ہے اور نکاح خوانی کے رجسٹر میں بتراضئ

---

(۱) واذا بعث الزوج الی اہل زوجتہ اشیاء عند زفافہا منہا دیباج فلما زفت الیہ اراد ان یسترد من المرأۃ الدیباج لیس لہ ذلک اذا بعث الیہ علی جہۃ التملیک کذا فی فصول العمادیۃ۔ عالمگیری الفصل السادس عشر فی جہاز البنت ج۱ ص ۳۲۷۔

طرفین جو لکھا گیا ہو اس کے مطابق عمل کیا جائے گا، اختلاف کی صورت میں ہبہ کے شرعی گواہ پیش کرنے ہوں گے ورنہ زوج کا قول بالقسم تسلیم کیا جائے گا **ولو بعث الی امرأة شیئاً ولم یذکر جهة عن الدفع غیر جهة المهر. الی قوله. فقالت هو المبعوث هدیة وقال هو من المهر او من الکسوة فالقول له بیمینه والبینة لها الخ**
(درمختار مع الشامی ج۲ ص ۴۹۹. ۵۰۰ باب المهر مطلب فیما یرسله الی الزوجة)

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے۔
(الجواب) یہ مسئلہ دراصل عرف ورواج کے تابع ہے ہمارے شہروں کا عرف تو یہ ہے کہ لڑکی کا باپ جو زیور وغیرہ جہیز میں دیتا ہے وہ لڑکی کو ملک کر دیتا ہے اور لڑکی ہی کی مملوک سمجھے جاتے ہیں اور خاوند یا اس کے اقربا جو زیور چڑھاتے ہیں وہ خاوند کے ملک رہتے ہیں عورت اس کا استعمال عاریۃً کرتی ہے اس لئے تصرفات بیع وغیرہ کا اعتبار نہیں ہوتا، تو جس جگہ یہی عرف ہے وہاں دولہا کی طرف سے جو زیورات چڑھائے گئے تھے وہ دولہا کی ملک اور اس کی میراث ہوں گے
(فتاویٰ دارالعلوم (قدیم) ج۸ ص ۹۰-۷۰-۸۰) حضرت مولانا مفتی شفیعؒ)

عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ

"جو اشیاء ماں باپ کی طرف سے دی جاویں وہ ملک زوجہ ہیں اور جو اشیاء شوہر یا اس کے والدین کی طرف سے دی جاویں اس میں نیت کا اعتبار ہے جیسی نیت ہو اور جس کے لئے نیت ہو اس کی ملک ہے (فتاویٰ دارالعلوم مکمل و مدلل ج۳ ص ۳۶۳)

آپ کا دوسرا فتویٰ:۔
(سوال) بعد نکاح کے زوجہ کو جو زیورات یا کپڑے وغیرہ مرد یعنی خاوند بطور چڑھاوا دیتا ہے بعد مرنے عورت کے، ایسے زیورات یا کپڑے وغیرہ ترکہ عورت کا ہوگا اور عورت متوفی کے ورثہ میں حسب حصص شرعی تقسیم ہوگا یا نہیں؟
(الجواب) اگر وہ زیور جو شوہر نے زوجہ کو دیا ہے مہر میں ہے، یا اس کو ہبہ کر دیا ہے تب تو وہ ملک زوجہ ہوگی اور بعد انتقال زوجہ زوج اس کو واپس نہیں لے سکتا بلکہ زوجہ کے ورثاء میں وہ زیور حسب حصص تقسیم کیا جاوے گا اور شوہر کو بھی اس میں سے اس کے حصہ کے موافق ملے گا۔ اور اگر وہ زیور جو زوجہ کو شوہر نے دیا ہے مہر میں نہ دیا تھا اور نہ ہبہ کیا تھا بلکہ عاریۃً دیا تھا تو شوہر اس کو بعد انتقال واپس لے سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاویٰ دارالعلوم مکمل و مدلل ج۸ ص ۸۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ۔

والدین لڑکی کو جو جہیز دیتے ہیں اس کا مالک کون ہے:

(سوال ۲۸۳) لڑکی کو اس کے ماں باپ جہیز میں زیور، کپڑے، سامان وغیرہ دیتے ہیں، لڑکی کے انتقال پر یہ اشیاء کس کو ملیں گی؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) یہ مسئلہ عرف کے تابع ہے ہمارے یہاں کا عرف یہ ہے کہ وہ لڑکی کو ہبۃً دیا جاتا ہے لہٰذا لڑکی کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء کو ملے گا، شامی میں ہے۔ **قال الشیخ الامام الاجل الشهید المختار للفتویٰ ان یحکم بکون الجهاز ملکاً لا عاریة لانه الظاهر الغالب الا فی بلدة جرت العادة بدفع الکل عاریة**

فالقول للأب (شامی ج ا ص ۵۰۴ باب المهر مطلب فی دعوی الأب ان الجهاز عارية) فقط واللہ اعلم بالصواب.

نکاح کے وقت بطور سلامی اور ہبۃً دی ہوئی چیز کا حکم:

(سوال ۲۸۴) عورت کو نکاح کے وقت سہیلیوں اور دوسرے رشتے داروں کی طرف سے بطور سلامی یا بطور بخشش زیور یا سامان وغیرہ جو ملا ہو یا عورت نے اپنی رقم سے خرید اہو اس کا مالک کون ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عورت کو جو کچھ اس کی سہیلیوں اور بھائی بہنوں اور رشتے داروں کی طرف سے سلامی یا ہبہ کے طور پر ملا ہو اس کی مالک عورت ہے اسی طرح جو چیزیں اپنے پیسوں سے خریدی ہوں اس کی مالک بھی عورت ہی ہے۔[1]

فقط واللہ اعلم بالصواب.

---

(۱) قلت من ذلک ما یبعثه الیها قبل الزفاف فی الا عیادو المواسم من نحوثیاب وحلی وکذا ما یعطیها من ذلک او من دراهم او دنانیر صبحة لیلة العرس ویسمی فی العرف صبحة فان ذلک تعورف فی زماننا کونه هدیة شامی باب المهر مطلب فیما مرسله الی الزوجة ج۲ ص ۵۰۱.

متفرقات نکاح

شوہر بیوی سے کتنے عرصہ تک جدا رہ سکتا ہے :

(سوال ۲۸۵) حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ بعد سلام مسنون، یہاں دوبئی میں ہندوستان کے بہت سے مسلمان بغرض ملازمت آئے ہوئے ہیں۔ بعض مقروض ہیں، شادی شدہ ہیں۔ ان کی عورتیں دیندار ہیں جن پر پورا اعتماد ہے۔ اور خاندانی عزت کا پورا خیال ہے۔ اپنے خویش و اقارب کے ساتھ رہتی ہیں تاہم ان کے حقوق کا مسئلہ درپیش رہتا ہے۔ جس سے پریشانی ہوتی ہے۔ قرض داری کا بوجھ ہلکا نہ ہو اور اپنا پوزیشن اچھا نہ ہو جائے اس وقت تک یہاں پر بلانا بھی مشکل ہے وقتاً فوقتاً آمد و رفت بھی دشوار ہے۔ جس بناء پر سال دو سال بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت تک ان سے دور رہنا پڑتا ہے۔ اس لئے دریافت طلب امر یہ ہے۔ کہ ان حالات میں بیویوں سے دور رہنے کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟ ایسی حالت میں شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عزیزان من! سلمکم اللہ تعالیٰ. بعد سلام مسنون عافیت طرفین مطلوب۔ بے شک عورت کی حاجت اور خواہش اور حقوق کا لحاظ ازبس ضروری ہے۔ جس طرح مرد کو عورت کی خواہش ہوتی ہے۔ عورت کو بھی مرد کی خواہش ہوتی ہے۔ بلکہ نسبتہً بہت زیادہ۔ فان لم تتشق نفسه الی الجماع لا یجوزله ترکه لان لها حقاً فی ذلک وعلیها مضرۃ فی ترکه لان شهوتها اعظم من شهوته.

وقدروی ابو هریرۃ رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال فضلت شهوۃ النساء علی الرجل بتسعة وتسعین الا ان الله تعالیٰ القیٰ علیهن الحیاء. وقیل الشهوۃ عشرۃ اجزاء تسعة منها للنساء وواحدۃ للرجل. والقدر الذی لا یجوز ان یؤخر. الوطء عنه اربعة اشهر الا ان یکون له عذر...... التاقیت الذی وقته عمر ابن الخطاب رضی الله عنه للناس فی مغازیهم لیسبرون شهرا ویقیمون الشهر ویسیرون راجعین الیٰ اهلهم شهرا (غنیة الطالبین ص ۳۳ ج ۱) (یعنی) مرد کو جماع کی خواہش نہ ہو تب بھی جماع کا ترک کر دینا روا نہیں ہے۔ اس لئے کہ عورت کا مرد پر اس بات کا حق ہے۔ اور ترک جماع میں عورت کو ضرر (نقصان) پہنچتا ہے۔ کیونکہ عورت کی خواہش بہ نسبت مرد کے زیادہ ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا۔ کہ عورتوں کو مردوں کے مقابلہ میں ننانوے ۹۹ درجہ زیادہ خواہش ہوتی ہے۔ مگر حق تعالیٰ نے ان پر شرم وحیاء کا پردہ ڈال دیا ہے (اس وجہ سے شہوت مغلوب اور دبی رہتی ہے) بعض لوگوں کا قول ہے کہ شہوت کے دس حصے ہیں۔ عورتوں کو نو حصے۔ اور ایک حصہ مردوں کو۔ اور بدون عذر کے عورتوں سے چار ماہ تک علیحدگی روا نہیں ہے۔ اور اگر مرد سفر میں چھ ماہ سے زیادہ رہے۔ اور عورت اس کو طلب کرے اور مرد باوجود استطاعت و قدرت کے نہ آوے تو حاکم کو چاہئے کہ عورت کے حسب خواہش دونوں میں تفریق کرا دے۔ (غنیة الطالبین ص ۳۳ ج ۱ ص فصل فی آداب النکاح)

اس لئے فقہائے کرام فرماتے ہیں۔ کہ مرد عورت کی بلا اذن ورضاء کے چار ماہ سے زائد جدا نہ

ب۔"ویجب ان لا یمنع له عدة الابرضاها وطیب نفسها به الخ" (شامی ص ۵۴۷ ج ۲ باب القسم)
امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کے وقت مدینہ طیبہ کی گلیوں میں (گلی کوچوں میں) گشت لگاتے تھے۔ کہ ایک مکان سے جوان عورت کی آواز سنائی دی۔ وہ فراق شوہر میں یہ شعر پڑھ رہی تھی۔

فواللہ لو لا اللہ تخشی عواقبه

لزحزح من ھذا السریر جوانبه

یعنی قسم بخدا، اگر مجھ کو خوف خدا نہ ہوتا تو آج چارپائی کی چولیں ہلتی ہوئی ہوتیں۔
آپ نے جب دریافت کی تو کہنے لگی کہ کافی عرصہ ہوا میرا شوہر جہاد میں گیا ہے۔ اس کے فراق میں یہ شعر پڑھ رہی تھی۔ حضرت عمر فاروق محزون ہوئے۔ گھر آکر اپنی بیٹی ام المؤمنین حضرت حفصہؓ سے دریافت کیا کہ عورت شوہر کے بغیر کتنی مدت تک صبر کرسکتی ہے؟ عرض کیا کہ چار ماہ۔ چنانچہ آپ نے فرمان جاری کیا کہ شادی شدہ فوجی کو چار ماہ ہونے پر اپنے گھر جانے کی اجازت دے دی جائے۔" ثم قوله وهو اربعة اشهر یفید ان المراد ایلاء الحرة ویؤید ذالک وان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما سمع فی اللیلی اسرأة تقول:۔"

فواللہ لو لا اللہ تخشیٰ عواقبه

لزحزح من ھذا السریر جونبه

فسئل عنها. فاذا زوجها فی الجهاد. فسئل بنته حفصة رضی اللہ تعالیٰ عنها . کم تصبر المرأة عن الرجل؟ فقالت اربعة اشهر .فامر امراء الا جناد ان لا یتخلف المتزوج عن اهله اکثر منها ولو لم یکن فی هذه المدة زیادة مضارة بها لما شرع اللہ تعالیٰ الفراق بالا یلآء فیها .(شامی ص ۵۴۸ ج ۲ باب القسم) واللہ اعلم بالصواب.

ولیمہ کب مسنون ہے؟:

(سوال ۲۸۶)(۱) ولیمہ کب کرے؟ خلوت سے پہلے یا خلوت کے بعد؟ (اور خلوت سے مراد صحبت ضروری ہے یا محض دروازہ بند کرنا؟)؛ اوکرم تفصیل فرمائیں۔

(۲) نکاح ہونے کے بعد فوراً رخصتی سے یا خلوت سے پہلے دعوت طعام کھلانے سے ولیمہ کی سنت ادا ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) (۱) ولیمہ کی دعوت اجتماع زوجین کے بعد کھلائی جاتی ہے۔ دولہا دلہن ملیں اس روز صبح کو یا دوسرے دن شادی کی خوشی میں پڑوسی، خویش و اقارب اور دوست و احباب کو جمع کرے جن میں فقراء اور علماء بھی ہوں۔ خلوص نیت کے ساتھ حسب حیثیت جانور ذبح کر کے یا کھانا پکا کر کھلائے۔ ووليمة العرس سنة وفيها مثوبة عظمية وهى اذا بنى الرجل بامرأته ينبغي ان يدعو الجيران والا قرباء والا صدقاء ويذبح لهم ويضع لهم طعاما (الى قوله) ولا بأس بان يدعو يومئذ من الغد و بعد الغد ثم ينقطع العرس والوليمة كذا فى الظهيرية (فتاوىٰ عالمگیری ص ۲۲۹ ج ۶ کتاب الکراهیة الباب الثانی عشر فی الهدايا

والضیافات مطبع احمد) ولیمہ کے متعلق اور بھی اقوال ہیں۔مثلاً (الف) وقت عقد (ب) وقت عقد کے بعد بھی اور دخول کے بعد بھی (ج) دو دن کے بعد مکروہ ہے (مظاہر حق۔کتاب النکاح ص ۱۴۹ ج ۳)

(۲) بعض کے نزدیک ہو جائے گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(سوال) ولیمہ کی مدت کب تک ہے؟

(الجواب) دو روز تک کی دعوت کو ولیمہ کہتے ہیں۔اس کے بعد دعوت دینے کو دعوت ولیمہ نہیں کہتے۔**ولیمة العرس سنة وفیها مثوبة عظیمة وهی اذا بنی الرجل بامرائته ینبغی ان یدعو الجیران الخ** (فتاویٰ عالمگیری ص ۲۲۹ ج ۲ باب الهدایا مطبع احمد) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نکاح کے لئے پہلی بیوی کو طلاق دے دینے کی شرط لگانا:

(سوال ۲۸۷) شادی کے بعد چند برس گذرے۔اولاد نہیں ہوئی۔اس لئے دوسری شادی کرنا ہے۔لیکن خطبے والوں کا اصرار ہے کہ پہلی بیوی کو طلاق دو تب ہو سکتا ہے۔تو میں کیا کروں؟

(الجواب) اولاد نہ ہونا بیوی کا قصور نہیں ہے۔اس لئے بلا قصور عورت کو طلاق دینا ظلم ہے خطبہ والوں کو ایسی بے جا شرط کرنا اور طلاق کے لئے مجبور کرنا جائز نہیں۔حدیث شریف میں اس کی ممانعت وارد ہے۔" **لا تسأل المرأة طلاق اختیها لتستفرغ صحفتها . ولتنکح فان لها ماقدر لها متفق علیه**"(مشکوٰة شریف باب اعلان النکاح والخطبة والشرط ص ۲۷۱) واللہ اعلم بالصواب۔

ترک وطن کی شرط سے نکاح کرے تو کیا حکم ہے؟:

(استفتاء ۲۸۸) لڑکی نے اس شرط پر شادی کی کہ وہ لندن نہ آئے۔لڑکا ہر دو برس میں چار،چھ ماہ کے لئے آ جایا کرے۔شرط کے مطابق ایک مرتبہ آیا۔اب تین برس ہوئے تاہم وہ نہ آیا۔نہ آنے کی وجہ لکھ رہا ہے کہ آنے جانے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے،وطن آنے میں ملازمت بھی موقوف رہتی ہے۔تو اب باوجود شرط قبول کرنے کے وہ لڑکی کو لندن بلائے تو گنجائش ہے؟

(الجواب) ہاں،شرط قبول کرنے کے باوجود عورت کو راضی کر کے بلا سکتا ہے۔جبر نہیں کر سکتا۔لڑکی جانا نہ چاہے تو خط وکتابت اور خرچ بند کر کے اس کو پریشان کرنا ناجائز ہے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے۔" **اذا تزوج الرجل امرأة وشرط لها . ان لا یخرجها من مصرها فلیس له ان یخرجها**......"یعنی جب مرد نے عورت سے اس شرط پر نکاح کیا۔کہ اس کو وطن سے باہر نہیں لے جائے گا۔تو اب عورت کی رضامندی کے بغیر شوہر اس کو نہیں لے جا سکتا۔(**ترمذی شریف ص ۱۳۴ ج ۱ ابواب النکاح باب ماجآء فی الشرط عند عقدة النکاح**) اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ وہ شرط جس کا پورا کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے وہ شرط ہے جس پر نکاح کیا گیا ہو۔(ایضاً ترمذی شریف ص ۱۳۴ ج ۱ ایضاً) اگر لندن جانے میں صحت،عزت،اور آبرو و دینداری کے بارے میں کوئی اندیشہ نہ ہو تو عورت کو جانے کے لئے اظہار رضامندی بہتر ہے۔بلکہ بعض حالات میں جانا ضروری ہو جاتا ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شادی کے لئے قرض لینا:

(استفتاء جدید ۲۸۹) لڑکی اور لڑکا بالغ ہو گئے ہوں۔ اور شادی کے قابل ہوں مگر شادی کرنے کی حیثیت باپ میں نہیں ہے تو قرض لے سکتا ہے؟ یا حیثیت ہونے تک شادی مؤخر کرے؟ جب حیثیت ہو تب شادی کرے؟ حکم شرع کیا ہے؟ (بینوا توجروا)

(الجواب) اپنی یا بچوں کی شادی مؤخر کرنے میں ارتکاب معصیت کا اندیشہ ہو تو تاخیر نہ کی جائے۔ بقدر ضرورت (جو مسنون طریقہ سے شادی کرنے کے لئے کافی ہو جائے) قرض لینے کی شرعاً اجازت ہے ''شامی'' میں ہے (قوله والا ستدانة له) لان ضمان ذالک علی الله تعالیٰ فقد روی الترمذی والنسائی وابن ماجة. ثلاث حق علی الله تعالیٰ. عونهم المکاتب الذی یرید الا داء، والنا کح الذی یرید العفاف، والمجاهد فی سبیل الله تعالیٰ. (ص ۳۶۰ ج. ۲ کتاب النکاح) فقط والله اعلم بالصواب .

جس عورت سے شادی کرنا ہے اسے دیکھنا:

(سوال ۲۹۰) جوان عورت کو جس سے شادی کرنے کا خیال ہو پسند کرنے کے لئے دیکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) پسند کرنے کی غرض سے دیکھنا مستحب اور جائز ہے۔ بشرطیکہ پیغام قبول کرنے کی توقع کی جاسکتی ہو اگر توقع نہ ہو تو اجازت نہیں ہے (قوله والنظر الیها قبله) ای وان خاف الشهوة کما صرحوا به فی المحیط والا باحة وهذا اذا اعلم انه یحاب فی نکا حها (شامی ج ۲ ص ۳۶۰ ایضاً) فقط والله اعلم بالصواب .

غائبانہ شادی کی صورتیں:

(سوال ۲۹۱) کیا غائبانہ شادی ہو سکتی ہے؟ اور اس کا طریقہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ہاں، غائبانہ بھی شادی ہو سکتی ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے۔

(۱) مثلاً دولہا دلہن کو خط لکھے کہ میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں، جب دلہن کو خط پہنچے تو شرعی گواہوں کے سامنے پڑھا جائے۔ اور اسی مجلس میں دلہن کہہ دے کہ میں نے نکاح قبول کیا۔ تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔

(۲) یا دلہن دولہا کو خط لکھے کہ میں آپ سے نکاح کرتی ہوں۔ جب دولہا کو خط ملے تو شرعی گواہوں کو جمع کر کے ان کے سامنے خط پڑھا جائے اور دولہا کہے کہ میں نے نکاح قبول کیا۔

(۳) یا درمیان میں وکیل بنایا جائے اور وکیل ایجاب کے بعد مؤکل یا مؤکلہ کی جانب سے شرعی گواہوں کے سامنے نکاح قبول کرے۔

(۴) یا دلہن دولہا کو یا دولہا دلہن کو اپنے نکاح کا وکیل بذریعہ خط وغیرہ بنا دے۔ تو وکیل (دلہن ہو یا دولہا) شرعی گواہوں کے روبرو اس مضمون کو ادا کرے اور اپنے سے نکاح کر لیوے تو نکاح ہو جائے گا۔ (قوله بل غائب) الظاهر ان المرادبه الغائب عن المجلس وان کان حاضراً فی البلد و صورته' ان یکتب الیها یخطبها . فاذا بلغها الکتاب احضرت الشهود و قرائه علیهم وقالت زوجت نفسی منه ، او تقول ان

فلانا کتب التی یخطبنی فاشهدوا انی زوجت نفسی منه اما لو لم تقل بحضرتهم سوی زوجت نفسی عن فلان لا ینعقد، لان سماع الشطرین شرط صحة النکاح الخ (شامی ص ۳۶۴ ج ۲ کتاب النکاح) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زانیہ کی وضع حمل کے بعد شادی:

(سوال ۲۹۲) ایک آدمی نے ایک لڑکی سے زنا کیا۔ جس کی وجہ سے لڑکی کو حمل ٹھیر گیا اور ایک بچی ہوئی۔ اب بعد میں اس لڑکی کے والدین اس کا نکاح کردینا چاہتے ہیں اب جو زانی ہے وہ مالدار گھرانے کا ہے اور شراب نوش ہے۔ اور شادی شدہ ہے۔ اس کے بچے بھی ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کی شادی اس لڑکی سے کرادی جائے۔ اور اس لڑکی کی دوسری جگہ بھی بات چل رہی ہے۔ تو کس کے ساتھ شادی کرائی جائے۔ اس لڑکے کے ساتھ جو زانی ہے یا اس کے علاوہ کسی دوسرے سے۔ اور جو بچی ہوئی ہے اس کو کرسچن (عیسائی) لے گئے ہیں۔ اور شاید وہ اس کو کرسچن تعلیم (ان کی مذہبی تعلیم) بھی دیں گے۔ تو بچی کے متعلق کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بحالت حمل تو اسی بدکار لڑکے کے ساتھ شادی کرادینا مناسب تھا تا کہ بچی کی بھی حفاظت ہو جاتی، جب کہ یہ مصلحت نہ رہی اور لڑکا زانی شرابی بھی ہے۔ اور عیالدار بھی ہے نباہ ہو یا نہ ہو۔ اس لئے دوسرے نیک لڑکے سے شادی کرادی جائے۔ اگر میسر نہ ہو تو اس سے کردی جائے۔ بچی قبضہ میں کر سکتے ہو تو کوشش کی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

''اپنی بستی چھوڑ کر دوسری بستی میں شادی نہیں کرنا چاہئے'' یہ قانون بنانا کیسا ہے

(سوال ۲۹۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ مسلمانوں کی ایک برادری کے چودہریوں نے اپنی برادری کے متعلق یہ قانون بنایا ہے کہ ہماری برادری کے ایک شہر والے دوسرے کسی شہر میں خواہ اپنی ہی برادری میں کیوں نہ ہو شادی نہیں کر سکتے اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کو برادری سے خارج (بائیکاٹ) کر دیا جائے گا نہ کوئی اس سے بات چیت کر سکتا ہے نہ اسے ملازم رکھ سکتا ہے نہ اس سے کسی طرح کا ہندی کا معاملہ کیا جا سکتا ہے نہ اس کو سلام کیا جا سکتا ہے نہ اس کے سلام کا جواب دیا جا سکتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا قانون بنانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اور سلام کا جواب دینے پر پابندی لگانا درست ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایسا قانون بنانا کہ ''اپنی بستی چھوڑ کر دوسری بستی میں شادی نہ کرے ورنہ بائیکاٹ کیا جائے گا'' درست نہیں ظلم ہے'' اسلام نے آزادی دے رکھی ہے کہ اپنی بستی میں شادی کرے یا دوسری بستی میں لہذا بستی کی قید لگانا شریعت کی دی ہوئی سہولت اور آزادی میں بے فائدہ خلل اندازی ہے لہذا ایسے قانون سے باز آجانا لازم ہے ورنہ تمام خرابی اور فتنہ وفساد کی ذمہ داری قانون سازوں کے سر عائد ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نکاح کے موقعہ پر ختم قرآن:

(سوال ۲۹۴) ہمارے یہاں شادی بیاہ کے موقعہ پر ختم قرآن شریف کیا جاتا ہے، گویا اس موقع پر اموات کو ایصال

ثواب کیا جاتا ہے جس میں دوستوں عزیزوں کو خاص طور پر دعوت دی جاتی ہے کوئی میٹھی شئی تقسیم کی جاتی ہے یا شربت وغیرہ پلایا جاتا ہے، یہ شرعاً کیسا ہے۔

(الجواب) اس تقریب میں رسم ورواج کو بڑا دخل ہے، ایصال ثواب کے لئے دعوت دے کر لوگوں کو جمع کرنے کی کیا ضرورت ہے، یہ تداعی غیر مقصود کے لئے ہے خود پڑھ کر بخش سکتے ہیں، یہی طریقہ نام ونمود سے دور اور اموات کے لئے زیادہ نفع بخش ہے واطال فی ذلک فی المعراج وقال ھذہ الا فعال کلھا للسمعة والریاء فیحترز عنھا لا نھم لا یریدون وجه اللّٰہ تعالیٰ (شامی ج ا ص ۸۴۸ کتاب الجنائز مطلب فی کراھة الضیافة من اھل المیت) فقط واللّٰہ اعلم بالصواب.

بوقت نکاح چاول اور ناریل امام صاحب کو دینا:

(سوال ۲۹۵) ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ نکاح کے وقت دلہن والے دولہا کے سامنے سواپانچ سیر چاول اور ایک ناریل رکھتے ہیں اور دولہا سے پانچ روپے لیتے ہیں اس کے بعد امام صاحب نکاح پڑھاتے ہیں اور یہ چاول اور ناریل امام صاحب کو دیا جاتا ہے اور وہ نکاح خوانی کی اجرت پانچ روپے وصول کرتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ ہندوؤں کا طریقہ ہے اور اس میں اعتقادی خرابی ہے لہذا واجب الترک ہے اس سے بچنا ضروری ہے توبہ کریں اور اپنے عقیدہ کی اصلاح کریں ورنہ گنہگار ہوں گے، نکاح خوانی کی اجرت جس نے دعوت دے کر نکاح خواں کو بلایا ہو وہ ادا کرے اور جو اجرت طے ہوئی ہے وہ لینا درست ہے۔ فقط واللّٰہ اعلم بالصواب۔

تبلیغی اجتماعات میں نکاح کرنا:

(سوال ۲۹۶) عقد نکاح کے لئے بہترین جگہ کون سی ہے؟ آج کل یہ طریقہ چل رہا ہے کہ جہاں تبلیغی اجتماع ہوتا ہے وہاں دولہا اور لڑکی کا وکیل اور شاہدین پہنچ جاتے ہیں اس طرح ہر اجتماع میں کئی نکاح ہوتے ہیں کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ یہ بدعت تو نہیں ہوگا؟ کہ اپنی بستی اور اپنے محلہ کو چھوڑ کر جہاں اجتماع ہوتا ہے وہاں جاتے ہیں اس کو سادگی کہا جاتا ہے وہاں علماء بھی ہوتے ہیں مگر کچھ نہیں کہتے، آپ اس پر روشنی ڈالیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) بہتر تو یہی ہے کہ اپنے گھر پر خوشی کی تقریب ہو قریبی رشتے دار بھی آسانی سے شریک ہو سکتے ہیں نکاح مسجد میں کیا جائے کہ یہ مستحب ہے مگر آج کل شادی کے رسوم ورواج اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اکثر مستورات کی نماز قضا ہوتی ہے اور فضول خرچی ہوتی ہے بسا اوقات اس کی وجہ سے انسان مقروض بھی ہو جاتا ہے لہذا اگر تبلیغی اجتماعات میں عقد نکاح کیا جائے تو غلط نہیں ہے بہت سی خرابیوں سے بچ جاتے ہیں اجتماعات عموماً مساجد میں ہوتے ہیں اور جہاں مسجد میں گنجائش نہیں ہوتی اس جگہ اجتماع گاہ میں دو تین دن تک اذان اور اقامت کے ساتھ پانچوں وقت با جماعت نماز پڑھی جاتی ہے اس لئے اس جگہ نکاح کرنا مسجد میں نکاح کرنے کے مانند ہو سکتا ہے، غالباً اسی لئے علماء کچھ نہیں کہتے۔ فقط واللّٰہ اعلم۔

نکاح کے رجسٹر میں نکاح کے اندراج کا حکم اور رجسٹر کا گم ہوجانا:

(سوال ۲۹۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں ایک شخص کا نکاح ہوا چند سالوں سے میاں بیوی نا اتفاقی سے شوہر طلاق دینا چاہتا ہے مہر کے بارے میں شدید اختلاف ہے بوقت نکاح کمیٹی کی جانب سے جو نکاح کا سرٹیفکٹ دیا گیا تھا جس میں پوری تفصیل درج تھی وہ سرٹیفکٹ بقول شوہر اور بیوی دونوں میں سے کسی کے پاس نہیں ہے اس لئے شوہر نے کمیٹی سے دوبارہ نکاح کے سرٹیفکٹ کی نقل طلب کی کمیٹی نے پرانا ریکارڈ بہت تلاش کیا مگر نہ ملا اس درمیان شوہر نے پوری کمیٹی کے نام کورٹ میں مقدمہ کردیا کہ کمیٹی نے ریکارڈ چھپادیا یا ضائع کردیا ہے کورٹ نے پوری پنچ پر سنگین جرم عائد کردیا ہے جس کی وجہ سے پوری قوم پریشان ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ شریعت کے اعتبار سے نکاح کا ریکارڈ رکھنے کا کیا حکم ہے کیا نکاح کے انعقاد کے لئے نکاح خوانی کے رجسٹر میں اندراج ضروری ہے؟ اگر نکاح کا ریکارڈ پنچ والوں سے گم ہوجائے تو کیا یہ جرم ہوگا۔؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نکاح صحیح ہونے کے لئے ایجاب وقبول اور اس وقت دو مسلمان مرد یا ایک مسلمان مرد اور دو مسلمان عورتوں کا گواہ ہونا ضروری ہے نکاح خوانی کے رجسٹر میں نکاح کا اندراج شرعاً لازم اور ضروری نہیں ہے، لیکن اب چونکہ مہر اور زیورات کے مقدمات ہونے لگے ہیں، نیز بیرونی سفر کے وقت حکومت نکاح کا ثبوت، سن، سال اور تاریخ کے ساتھ مطالبہ کرتی ہے اس لئے دنیوی طور پر اس کا منضبط کرنا ضروری ہوگیا ہے، جن لوگوں نے نکاح کے متعلق ضروری باتیں رجسٹر میں لکھیں اور سوء اتفاق سے وہ ان سے گم ہوگیا تو ان پر کوئی جرم عائد نہ ہوگا، بہت سی چیزیں گم ہوجاتی ہیں گاہے سرکاری کاغذات بھی گم ہوجاتے ہیں۔ میاں بیوی کے درمیان مہر کی بارے میں اختلاف ہے تو آپ کے خاندان میں مہر کے متعلق جو دستور ہے اس کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے:

(سوال) نکاح میں اگر حاکم کی طرف سے تحریر کو ضروری قرار دیا جائے تو تحریر ضروری ہے یا نہیں؟ بغیر تحریر کے نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) بلا تحریر نکاح منعقد ہوجاوے گا تحریر ضروری نہیں ہے، شرائط نکاح مثل شہود وغیرہ ہونے چاہیے۔ حاشیہ میں ہے والثانی اعنی الشروط الخاص انعقاد سماع اثنین بوصف خاص للایجاب والقبول الخ ورکنہ الایجاب والقبول حقیقۃ او حکما (البحر الرائق ۸۳/۳، کتاب النکاح) (فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ۸۵/۷، ۸۶) فقط واللہ اعلم۔

شب زفاف، مباشرت اور صحبت کے آداب:

(سوال ۲۹۸) شب زفاف میں بیوی سے پہلی ملاقات کے وقت کون سی دعاء پڑھنا چاہئے اور مباشرت وصحبت کے آداب کیا ہیں، امید ہے کہ اس کا جواب مرحمت فرمائیں گے۔

(الجواب) شب زفاف میں پہلی ملاقات کے وقت بیوی کی پیشانی کے بال پکڑ کر یہ دعاء پڑھے۔ اللھم انی اسئلک من خیرھا وخیر ما جبلتھا علیہ واعوذبک من شرھا وشر ما جبلتھا علیہ۔ اس کے بعد دو

رکعت شکرانہ کی نماز پڑھیں مرد آگے کھڑا رہے عورت پیچھے، نماز کے بعد خیر و برکت مودت ومحبت آپس میں میل جول اور اتفاق واتحاد کے دعا کریں، غنیۃ الطالبین میں ہے۔

فاذا زفت اليه اتبع ماروی عن عبدالله بن مسعود رضی الله عنه وذلک. انه جاءه رجل فقال انی تزوجت بجارية بكر وقد خشيت ان تكرهنی او تفركنی فقال له ان الالف من الله والفرك من الشيطان واذا دخلت اليك فمرها ان تصل خلفك ركعتين وقل اللهم بارك لی فی اهلی وبارك لا هلی فی اللهم ارزقنی منهم وارزقهم منی اللهم اجمع بيننا اذا جمعت فی خير وفرق بيننا اذا فرقت الیٰ خير .(غنية الطالبين .مترجم ص ۹۷ ،آداب النكاح)

اور جب عورت اس کے گھر میں لائی جائے تو اس روایت کے مطابق عمل کرے جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ایک شخص عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آیا اور کہا میں نے ایک باکرہ عورت سے نکاح کیا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے پسند نہ کرے اور دشمن تصور کرے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اس سے فرمایا محبت اللہ کی طرف سے ہے اور دشمنی شیطان کا فعل ہے جب عورت تیرے گھر میں آوے تو اس سے کہہ کہ تیرے پیچھے کھڑی ہو کر دو رکعت نماز پڑھے اور تو یہ دعا پڑھے۔ اللهم بارك لی فی اهلی۔۔۔ اے اللہ میرے لئے میرے اہل میں برکت عطا فرما اور میرے اہل کے لئے مجھ میں برکت عطا فرما اے اللہ مجھے اس سے اور اسے مجھ سے روزی عطا فرما اے اللہ جب آپ ہمیں یکجا جمع کریں تو خیر کے ساتھ جمع کریں اور جب الگ فرمائیں تو خیر کے ساتھ جدا فرمائیں۔

پہلی ملاقات بڑے نیک جذبات اور اچھی تمناؤں کے ساتھ ہونا چاہئے اور زوجین اس نعمت کے حصول پر جتنا شکر کریں کم ہے، پہلی ملاقات کے شکریہ اور مسرت میں شریعت نے دعوت ولیمہ رکھی ہے، شوہر تلطف ومحبت سے پیش آئے اپنا سکہ اور رعب جمانے کی فکر نہ کرے اور ہر طرح اس کی دلجوئی کرے کہ عورت کو مکمل سکون اور قلبی راحت حاصل ہو اور ایک دوسری میں انسیت پیدا ہو۔

جب شوہر مباشرت کا ارادہ کرے تو مباشرت سے پہلے عورت کو مانوس کرے، بوس وکنار ملاعبت وغیرہ جس طرح ہو سکے اسے بھی مباشرت کے لئے تیار کرے اور اس بات کا ہم مباشرت کے وقت خیال رکھے، فوراً ہی صحبت شروع نہ کردے اور بوقت صحبت اس بات کا خیال رکھے کہ عورت کی بھی شکم سیری ہو جائے۔ انزال کے بعد فوراً جدا نہ ہو جائے، اسی حالت پر رہے اور عورت کی خواہش پوری ہونے کا انتظار کرے ورنہ عورت کی طبیعت پر اس سے بڑا بار پیدا ہوگا، اور بسا اوقات اس کا خیال نہ کرنے سے آپس میں نفرت اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے جو کبھی جدائیگی کا سبب بھی بن جاتی ہے۔

غنیۃ الطالبین میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں۔

ويستحب لها الملاعبة لها قبل الجماع والا نتظار لها بعد قضاء حاجته حتى تقضى حاجتها فان ترك ذلك مضرة عليها ربما افضیٰ الی البغضاء والمفارقة.(غنية الطالبين ص۹۸ آداب النكاح)

اور ادب یہ ہے کہ جماع سے پہلے عورت سے ملاعبت کرے اور یہ بھی جماع کا ادب ہے کہ عورت کی خواہش پوری ہونے کے انتظار کرے (اپنی خواہش پوری کر کے لاپرواہ نہ ہو جائے بلکہ عورت کی خواہش بھی پوری ہونے دے) ایسا نہ کرنے سے عورت کو رنج پہنچتا ہے جو عورت کی دشمنی اور اس کے جدا ہو جانے کا سبب بن جاتا ہے۔

بوقت صحبت قبلہ کی طرف رخ نہ کرے، سر ڈھانک لے، اور جتنا ہو سکے پردہ کے ساتھ صحبت کرے، کسی کے سامنے حتی کہ بالکل ناسمجھ بچہ کے سامنے بھی صحبت نہ کرے اور بوقت صحبت بقدر ضرورت ستر کھولے، غنیۃ الطالبین میں ہے۔

ولا يستقبل القبلة عند المجامعة ويغطي راسه ويستر عن العيون وان كان عن صبي طفل لانه روى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال اذا اتى احد كم اهله فليستر فانه اذا لم يستر استحيت الملئكة وخرجت ويحضره الشيطن واذا كان بينهما ولد كان الشيطان فيه شريكاً (غنية الطالبين ص ۹۸ کتاب النکاح)

جماع کے وقت قبلہ کی طرف منہ نہ کرے، سر کو ڈھانپ لے، ایسا پردہ کرے کہ کسی کی نظر نہ پڑے یہاں تک کہ بچہ بھی نہ دیکھ سکے کیونکہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے ہمبستری کرے تو چھپ کر کرے، جو شخص صحبت کے وقت پردہ نہیں کرتا تو فرشتے اس سے حیا کرتے ہیں اور وہاں سے چلے جاتے ہیں اور شیطان حاضر ہو جاتا ہے اور جب ان کے یہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس میں شریک ہوتا ہے۔

یہ احکام عام ہیں شب زفاف کے ساتھ خاص نہیں ہیں ہر مباشرت کے وقت ان پر عمل کریں۔

جب صحبت کرنے کا ارادہ کرے تو اولاً بسم اللہ پڑھے اور یہ دعا پڑھے **اللهم جنبنا الشيطان وجنب الشيطان مارزقتنا،** دعاؤں کا ضرور اہتمام کرے ورنہ شیطان صحبت میں شریک ہو جاتا ہے اور بچہ پر شیطانی اثرات ہو جاتے ہیں، انزال کے وقت دل میں یہ دعاء پڑھے **اللهم لا تجعل للشيطان فيما رزقتنا نصيباً** صحبت کے بعد یہ دعا پڑھے **الحمد لله الذى خلق من المآء بشراً وجعله نسباً وصهراً** غنیۃ الطالبین میں ہے۔

عن ابن عباس رضى الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو ان احدكم اذا اراد ان ياتى اهله قال بسم الله اللهم جنبنا الشيطان وجنب الشيطان مارزقتنا ثم ان قدر ان يكون بينهما ولد فى ذلك لم يضره شيطان ابداً. الىٰ قوله. وكذلك يروى عن السلف انه اذا لم يسم عند الجماع التف الشيطان على احليله يطاء كما يطاء. (غنية الطالبين ص ۹۶، ص ۹۷ ايضاً)

حضرت کریب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرے تو کہے بسم اللہ...... شروع اللہ کے نام سے، یا اللہ ہمیں اور اس بچہ کو جو ہمیں آپ عطا فرمائیں شیطان سے دور رکھ، اگر ان کے مقدر میں اس نطفہ سے بچہ ہے تو شیطان اس بچہ سے دور رہے گا اور کبھی اسے رنج نہ پہنچا سکے گا الی قولہ...... علمائے سلف سے روایت ہے اگر عورت سے قریب ہونے کے وقت بسم اللہ نہیں پڑھتا تو شیطان اس کی مباشرت میں شریک ہوتا ہے انتھی صحبت کے بعد بدن پر جو ناپاکی لگی ہو اسے دھولے اگر دوبارہ صحبت کا ارادہ ہو تو وضو کر کے صحبت کرے ورنہ غسل کرے، غسل کئے بغیر نہ سوئے البتہ کوئی عذر ہو تو سو سکتا ہے مگر صبح جلد اٹھ کر غسل کرے، نماز قضا نہ کرے۔ غنیۃ الطالبین میں ہے۔

فاذافرغ من الجماع تنحى عنها وغسل مابه من الاذى وتوضأ ان اراد العود اليها والا اغتسل ولا ينام جنباً فانه مكروه وكذلك روى عن النبى صلى الله عليه وسلم الا ان يشق ذلك

علیه لبرد او بعد حمام وماء او خوف ونحو ذلک فینام الی حین زوال ذلک (غنیة ص۹۷، ص۹۸ آداب النکاح)

جماع سے فارغ ہوکر بدن پر جو نجاست لگی ہوا سے دھوئے اور اگر دوبارہ عورت کے پاس جانا چاہتا ہے تو وضو کرے ورنہ غسل کرنا افضل ہے غسل کے بغیر سو جانا مکروہ ہے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر سخت سردی کے باعث غسل نہ کر سکے یا حمام اور پانی فاصلہ پر ہو یا غسل کرنے میں کسی قسم کا خوف لاحق ہو تو ایسی صورت میں بلا غسل سو جانا جائز ہے۔

شوہر اپنی بیوی سے دل لگی، بوس و کنار، ملاعبت، صحبت اور اس کے بعد غسل جنابت کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں پر بھی اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں، غنیۃ الطالبین میں ایک حدیث ہے۔

قالت عائشة رضی اللہ عنها قد اعطی النساء کثیراً فمابا لکم یا معشر الرجال فضحک رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ثم قال مامن رجل اخذبید امرائته یرا ودها الا کتب اللہ تعالیٰ له حسنة فان عانقها فعشر حسنات فاذا اتتها کان خیراً من الدنیا وما فیها فاذا قام لیغتسل لم یمر الماء علیٰ شعرة من جسده الا تکتب له حسنة وتمحی عنه سیئة وترفع له درجة وما یعطیٰ بغسله خیر من الدنیا وما فیها وان اللہ عزوجل یباهی به الملائکة یقول انظروا الیٰ عبدی نام فی لیلة قرقیغتسل من الجنابة یتیقن بانی ربه اشهدوا بانی قد غفرت له. (غنیة الطالبین ص ۹۳، ص ۹۴، فصل فی آداب النکاح)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر عرض کیا یا رسول اللہ عورتوں کو تو بہت سا ثواب مل گیا مردوں کے بارے میں بھی ارشاد فرمایئے یہ سن کر حضور ﷺ مسکرائے اور فرمایا مرد اپنی عورت کا ہاتھ پکڑ کر اس کو مانوس کرتا ہے تو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے، جو مرد پیار سے اپنی عورت کے گلے میں ہاتھ ڈالتا ہے اس کے حق میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں جب وہ عورت سے مباشرت کرتا ہے تو دنیا و مافیہا سے افضل ہوتا ہے، جب غسل کرتا ہے تو بدن کے جس بال پر سے پانی گذرتا ہے اس کے لئے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک گناہ معاف ہو جاتا ہے اور ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے اور غسل کرنے کے عوض میں جو چیز دی جاتی ہے وہ دنیا وما فیھا سے بہتر ہوتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اس پر فخر کرتا ہے اور فرشتوں سے کہتا ہے کہ میرے بندے کی طرف دیکھو کہ ایسی سردرات میں غسل جنابت کے لئے اٹھا ہے اور وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ میں اس کا رب ہوں تم اس بات پر گواہ رہو کہ میں نے اس کو بخش دیا۔

شب زفاف اور صحبت کے سلسلہ کی آپس کی جو پوشیدہ باتیں ہوں کسی سے ان کا تذکرہ نہ کریں، نہ مرد نہ عورت، یہ بے حیائی اور بے مروتی ہے۔ غنیۃ الطالبین میں ہے۔

ولا یجوز له ان یحدث غیره بما جری بینه وبین اهله من امر الجماع ولا للمرأة ان تحدث بذلک للنساء لان ذلک سخف ودناءة وقبیح فی الشرع والعقل لما روی ابو هریرة رضی اللہ عنه فی حدیث فیه طول عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم الی ان قال ثم اقبل علی الرجال فقال هل منکم الرجل اذا اتی اهله فاغلق علیه بابه والقیٰ علیه ستره فاستربستر اللہ قالوا نعم یارسول اللہ قال ثم یجلس بعد ذلک فیقول فعلت کذا فعلت کذا قال فسکتوا قال فاقبل علی

النساء فقال هل منكن من تحدث فسكتن فجثت فتاة على احد ركبتيها وتطاولت لرسول الله صلى الله عليه وسلم ليراها ويسمع كلامها فقالت انهم ليتحدثون وانهن ليتحدثنه فقال هل تدرون ماثل ذلك انما مثل ذلك مثل شيطانة لقيت شيطاناً في السكة فقضى منها والناس ينظرون اليه. (غنية الطالبين ص ۹۹، ص ۱۰۰، فصل في آداب النكاح) فقط والله اعلم بالصواب.

ترجمہ: مرد کے لئے جائز نہیں کہ جماع کے متعلق مخفی باتیں کسی سے بیان کرے، یہی حکم عورت کے لئے بھی ہے کیونکہ یہ بے وقوفی اور کمینہ پن ہے، شرع اور عقل دونوں اعتبار سے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک طویل حدیث میں فرمایا ہے کہ ایک بار آنحضرت ﷺ نے ایک موقع میں مردوں کو مخاطب کر کے پوچھا کہ کوئی ایسا شخص بھی ہے جو اپنی بیوی کے پاس جاتے وقت دروازہ بند کر کے پردہ ڈال لیتا ہے اور چھپ کر یہ فعل کرتا ہے، صحابہؓ نے جواب دیا یا رسول اللہ ایسے لوگ موجود ہیں، پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کے بعد وہ اپنے فعل کے متعلق لوگوں سے کہتا پھرتا ہے کہ میں نے ایسا کیا، ویسا کیا تو صحابہ خاموش رہے، پھر آپ ﷺ عورتوں کی طرف متوجہ ہوئے اور دریافت فرمایا کہ تم میں کوئی ایسی عورت ہے، جو اپنے شوہر کی خاص باتیں دوسری عورتوں کے سامنے بیان کرتی ہو؟ یہ سنکر عورتیں بھی خاموش رہیں کچھ دیر بعد ایک نوجوان اپنے زانو کے بل کھڑی ہوئی اور عرض کرنے لگی ایسی باتیں مرد بھی کرتے ہیں اور عورتیں بھی تب آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جو مرد یا عورتیں ایسی باتیں کرتی ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شیطان شیطانیہ سے کوچہ و بازار میں ملتا ہے اور اپنی حاجت پوری کر کے چل دیتا ہے حالانکہ لوگ ان کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

منگنی ہونے کے دو سال بعد لڑکے کا انکار:

(سوال ۲۹۹) میری بیٹی کا نکاح ایک لڑکے کے ساتھ طے ہوا تھا، اس بات کو آج دو سال ہو رہے ہیں لیکن آج تک لڑکے والوں نے پیسوں کی تنگی کی وجہ سے عقد نہیں کیا، شادی سے پہلے لڑکی ایک حادثہ میں گر جانے کی وجہ سے ہسپتال میں داخل کی گئی تھی، ابھی الحمد للہ تندرست ہے لیکن لڑکے والوں کے یہاں جب شادی کے متعلق پوچھنے کے لئے گئے تو انہوں نے نیز لڑکے نے آمادگی ظاہر نہیں کی بلکہ انہوں نے کہا کہ تم اور ہم آج سے بے تعلق ہیں تم اپنی بیٹی کی شادی اپنی مرضی کے موافق کر دو، ہماری برادری میں لڑکوں کی کمی ہے، ان حالات میں سوال یہ ہے کہ اب ہم از روئے شرع لڑکے والوں سے لڑکی کا علاج کرانے میں جو خرچ ہوا ہے اس میں سے کچھ خرچ مانگ سکتے ہیں؟ یا شادی کے لئے مجبور کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یا اس سلسلے میں کورٹ کا سہارا لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ مفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! منگنی یعنی شادی کرنے کا وعدہ اور قول و قرار اس پر دونوں جماعتوں کا قائم رہنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: واوفوا بالعهد ان العهد كان مسئولاً O یعنی اور عہد (قول و قرار) پورے کرتے رہو، بے شک عہد کے متعلق پرسش ہونے والی ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل)

لہذا کسی شرعی سبب کے بغیر قول و قرار سے پھر جانا اور دو سال تک امید دلا کر پھر انکار کر دینا گناہ کا کام ہے، برادری کے ذمہ دار لوگوں کا فرض ہے کہ رشتہ کرانے کی پوری کوشش کریں، لیکن مجبور نہ کیا جائے، کوٹ کا سہارا لینا اور خرچ مانگنا غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ یکم ذیقعدہ ۱۳۸۰ھ۔

کتاب الرضاع

مدت رضاعت کتنی ہے۔اس کے بعد دودھ پلانے کا کیا حکم ہے:

(سوال ۳۰۰) رضاعت کی مدت کتنی ہے۔یعنی کس مدت میں دودھ پینے سے نکاح کی حرمت کا حکم ثابت ہوتا ہے۔
(الجواب) بچہ کو دودھ پلانے کی مدت دو برس ہے۔دو برس کے بعد دودھ پلانا جائز نہیں حرام ہے،لیکن حرمت نکاح کے لئے ڈھائی سال کی مدت ہے۔یعنی ڈھائی برس کے اندر بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے گا تو وہ عورت اس کی ماں اور اس کی اولاد اس کے بہن بھائی اور عورت مرضعہ کا بھائی،بچہ کا ماموں اور مرضعہ کی بہن بچہ کی خالہ اور مرضعہ کے ماں باپ اس بچہ کے نانی نانا اور اس کا شوہر (جس کی صحبت سے اس کے بچہ پیدا ہوا ہو اور دودھ اترا ہو) اس بچہ کا باپ اور اس کی اولاد (اس عورت کے بطن سے ہو یا اور عورت کے پیٹ سے ہو) اس کے بھائی بہن اور اس کا بھائی بچہ کا چچا اور اس کی بہن،بچہ کی پھوپھی اور اسکے والدین بچہ کے دادا دادی بن گئے اور نکاح کی حرمت کا حکم ثابت ہوگا،مرضعہ کا شوہر،بچہ کا باپ تب ہی شمار ہوگا جب کہ وہ عورت اس کی صحبت سے بچہ جنے اور اس کے دودھ اترے۔لہذا اگر اس کی صحبت سے بچہ نہ ہوا اور دودھ نہ اترا تو دودھ پینے والے بچہ کی یہ عورت ماں تو بن جائے گی مگر اس کا شوہر رضاعی باپ نہ ہوگا (مگر وہ بچہ اور اس کی اولاد مدخولہ کی اولاد ہونے کی وجہ سے حرام ہوگی دوسرے حرام نہ ہوں گے) مثلاً کسی حاملہ عورت کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی یا شوہر کا انتقال ہو گیا جب بچہ پیدا ہو جائے گا اس کی عدت ختم ہو جائے گی اب اگر اس نے کسی سے نکاح کر لیا اور کسی بچہ نے اس کا دودھ پیا تو پہلا شوہر اس بچہ کا رضاعی باپ ہوگا۔دوسرا شوہر رضاعی باپ نہ ہوگا (مگر وہ لڑکا اور اس کی اولاد اس کی مدخولہ کی اولاد ہونے کی وجہ سے حرام ہوگی دوسرے حرام نہ ہوں گے) ہاں جب دوسرے شوہر سے اس کے بچہ پیدا ہوگا پھر وہ عورت کسی بچہ کو دودھ پلائے گی تو پہلا شوہر نہیں بلکہ دوسرا شوہر اس بچہ کا رضاعی باپ شمار ہوگا کیونکہ دودھ اترنے کا سبب دوسرے شوہر کی صحبت اور تولد اولاد کا نتیجہ ہے (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۵۵۳ اول باب الرضاع۔فتاویٰ عالمگیری جلد اول۔جوہرہ ج ۲ ص ۹۶)

اپنی عورت کے سینے سے دودھ پینے میں کوئی حرج ہے:

(سوال ۳۰۱) مرد اپنی عورت کے سینہ (پستان) کو منہ میں لے کر چوسے اور منہ میں دودھ آجائے اور حلق سے اتر جائے تو عورت حرام ہوگی یا نہیں؟
(الجواب) صورت مذکورہ میں عورت مرد پر حرام نہیں ہوگی۔فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔اذا مص الرجل ثدی امرأته وشرب لبنها لم تحرم علیه امرأته لماقلنا انه لا رضاع بعد الفصال (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۸۹ ایضاً مطبع نو لکشور لکھنؤ) لیکن عمداً ایسی حرکت کرنا جائز نہیں کیونکہ شیر خوارگی کے زمانہ میں تو بچہ کے لئے عورت کا دودھ جائز ہے۔مدت شیر خوارگی کے بعد عورت کا دودھ پینا حرام ہے۔

رضاعی بھانجی کا رضاعی ماموں سے نکاح درست نہیں:

(سوال ۳۰۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت مثلاً رشیدہ کی دو لڑکیاں

ہیں (۱) حمیدہ (۲) ہاجرہ۔ حمیدہ کی ایک لڑکی ہے اور ہاجرہ کا ایک لڑکا ہے۔ ہاجرہ کے لڑکے قاسم نے اپنی نانی رشیدہ کا دودھ پیا ہے۔ تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ حمیدہ کی لڑکی کا نکاح ہاجرہ کے لڑکے قاسم سے درست ہے یا نہیں؟ کیا قاسم حمیدہ کی لڑکی کا رضاعی ماموں ہوتا ہے؟ اگر رضاعی ماموں ہو تو اس سے نکاح درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں اگر قاسم نے مدت رضاعت میں (دوڈھائی برس کے اندر) اپنی نانی رشیدہ کا دودھ پیا ہے تو نانی اس کی رضاعی ماں اور اس کی خالہ حمیدہ اس کی رضاعی بہن اور اس کی لڑکی قاسم کی رضاعی بھانجی اور قاسم اس لڑکی کا رضاعی ماموں ہوتا ہے۔ لہذا ان دونوں میں نکاح درست نہیں ہے۔

''فتاویٰ عالمگیری'' میں ہے۔ **تحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصو لھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعاً.** یعنی شیر خوار پر خواہ لڑکی ہو یا لڑکا اس کی رضاعی ماں اور باپ اور ان دونوں کے اصول (ماں باپ اوپر تک) اور فروع (بیٹا بیٹی نیچے تک) حرام ہوجاتے ہیں یہ اصول وفروع نسبی ہوں یا رضاعی۔ (ص ۴۸ ج ۲ کتاب الرضاع) **واذا رضعت المرء ة صبیة حرمت علی زوجھا و آبائہ وابنائہ**(المختار) **فتکون المرضعة ام الرضیع واولاد ھا اخوتہ واخواتہ من تقدم ومن تأخر فلا یجز ان یتزوج شیئاً من ولد ھا وولد و لدھا وان سفل ! الخ والا ختیار شرح المختار ص ۱۱۸ ج ۳ کتاب الرضاع)و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب .**

شوہر اپنی بیوی کا دودھ پئے تو کیا حکم ہے :

(استفتاء ۳۰۳) ایک آدمی جان بوجھ کر اپنی بیوی کا سینہ اپنے منہ میں لیوے اور دودھ پئے تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟ اور اگر عورت اپنے شوہر کے منہ میں سینہ رکھ کر دودھ پینے کے لئے اصرار کرے تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بڑی عمر میں کسی عورت کا دودھ پینا جائز نہیں حرام ہے۔ لیکن نکاح نہیں ٹوٹے گا۔ گنہگار ہوگا (حوالہ اسی باب کے دوسرے سوال میں گذرا ہے۔ از مرتب)۔ لہذا صورت مسئولہ میں مردو عورت دونوں سخت گنہگار ہیں اور خدا و رسول (ﷺ) کے نافرمان ہیں۔ ان کو اس ناپاک حرکت سے توبہ کرکے باز آنا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

رضاعی بھتیجی سے نکاح ہوگیا تو کیا حکم ہے :

(سوال ۳۰۴) زید اور ابوبکر دونوں رضاعی بھائی ہیں ابوبکر کا اپنے رضاعی بھائی زید کی لڑکی سے نکاح ہوا ہے تو یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں تو اب کیا صورت اختیار کی جائے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) رضاعی بھائی کی بیٹی کے ساتھ نکاح درست نہیں ہے، حرام ہے، لہذا یہ نکاح درست نہیں ہوا، حدیث شریف میں ہے **ان اللہ حرم من الرضاعة ما حرم من النسب (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۳ باب المحرمات)** ہدایہ اولین میں ہے **ویحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب(ھدایہ اولین ص ۳۳۱** کتاب الرضاع) لہذا فوراً تفریق ضروری ہے۔ اگر حقیقت پر پردہ ڈالنا ضروری ہو تو ان بناؤ کا بہانہ کرکے طلاق دے کر عورت کو جدا کردیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۹ جمادی الثانی ۱۴۰۰ھ۔

رضاعی بہن کی لڑکی سے نکاح درست ہے یا نہیں:

(سوال ۳۰۵) یاسمین بانو غلام محمد کی لڑکی ہے، عزیز الدین شیخ محمد طیب غلام محمد کا بھانجہ ہے، عزیز الدین نے یاسمین بانو کی نانی کا دودھ پیا ہے تو کیا عزیز الدین کا نکاح یاسمین بانو سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں اگر عزیز الدین نے مدت رضاعت میں ڈھائی برس کے اندر) یاسمین بانو کی نانی کا دودھ پیا ہے تو یاسمین کی نانی اس کی رضاعی ماں بن گئی اور یاسمین کی ماں اس کی رضاعی بہن اور یاسمین بانو اس کی رضائی ۔ بانجی اور یہ (عزیز الدین) یاسمین بانو کا رضاعی ماموں بن گیا، اس لئے یاسمین بانو اور عزیز الدین کا نکاح درست نہیں ہوسکتا۔ (حوالہ بالا، از مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اپنے بھائی کی دودھ شریک بہن سے نکاح درست ہے یا نہیں:

(سوال ۳۰۶) رفیق کے بھائی نے ایک عورت کا دودھ پیا تھا وہ تو مر گیا ہے اب رفیق کی شادی اس دودھ پلانے والی عورت کی لڑکی کے ساتھ ہوسکتی ہے یا نہیں؟ جو اس کے بھائی کی دودھ شریک بہن ہوتی ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں رفیق کی شادی اپنے بھائی کی دودھ شریک بہن سے درست ہے **وتحل اخت اخیہ رضاعاً** (عالمگیری ج ۲ ص ۴۸ کتاب الرضاع) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲ رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ۔

اپنی بہن کے رضاعی بھائی سے نکاح کرنا:

(سوال ۳۰۷) میری حقیقی خالہ نے میرے ایک چھوٹے بھائی اور بہن جو جوڑواں (توأمین) پیدا ہوئے تھے دودھ پلایا تھا، وہ دونوں بعد میں انتقال کر گئے ان دونوں بچوں سے بڑی میری ایک بہن جو حیات اور بالغ ہے کیا اس کا رشتہ ازدواج میری خالہ کے لڑکے سے شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں یہ رشتہ جائز ہے۔ دونوں کا نکاح ہوسکتا ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے **وتحل اخت اخیہ رضاعاً الخ** اور حلال ہے نکاح کرنا اپنے رضاعی بھائی کی بہن سے (عالمگیری ج ۲ ص ۴۸ کتاب الرضاع) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رضاعی ماموں سے نکاح:

(سوال ۳۰۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فاطمہ نے اپنی پھوپھی کی لڑکی خالدہ کا دودھ ایام رضاعت میں پیا ہے، اس فاطمہ کا نکاح مذکورہ پھوپھی (جس کی لڑکی کا فاطمہ نے دودھ پیا ہے) کے لڑکے زید سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب کہ فاطمہ نے اپنی پھوپھی کی لڑکی (یعنی پھوپھی زاد بہن) خالدہ کا دودھ ایام رضاعت میں پیا ہے تو خالدہ اس کی رضاعی ماں بن گی اور خالدہ کا بھائی زید اس کا رضاعی ماموں ہوگیا، اس لئے فاطمہ کا نکاح زید سے نہیں ہوسکتا، فتاوی عالمگیری میں ہے **واخو المرضعة خاله واختها خالته** یعنی مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) کا بھائی

رضیع کا (یعنی دودھ پینے والے بچہ کا) ماموں بن گیا اور مرضعہ کی بہن رضیع کی خالہ بن گئی، اس لئے ان دونوں میں نکاح درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورت کا پستان منہ میں لینا:

(سوال ۴۰۹) عمر بوقت صحبت غلبۂ شہوت سے اپنی نوجوان بیوی کے پستان منہ میں لیتا ہے، تو کیا عورت کا پستان کو منہ میں لینا جب کہ اس میں سے دودھ نہ نکلے جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر بچہ کی ولادت کی وجہ سے دودھ اتر آئے پھر یہ فعل کرے تو نکاح باقی رہے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) شہوت کے جوش میں پستان منہ میں لینے پر مجبور ہو جائے تو گناہ نہ ہوگا، البتہ دودھ پینا حرام ہے، مگر اس سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی کہ مدت رضاعت نہیں ہے۔ **واذا مضت مدة الرضاع لم يتعلق بالرضاع تحريم كذافي الهداية (عالمگیری ج۲ ص ۴۸ کتاب الرضاع) فقط واللہ اعلم بالصواب۔**

رضیع (دودھ پینے والے لڑکے) پر مرضعہ کی لڑکی حرام ہے چاہے وہ کئی سالوں کے بعد پیدا ہوئی ہو:

(سوال ۴۱۰) کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ساجدہ اور ماجدہ دو حقیقی بہنیں ہیں، ساجدہ کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام سالم ہے، ماجدہ نے اپنے بھانجے سالم کو دودھ پلایا، کئی سالوں کے بعد ماجدہ کے یہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام زینب ہے، سالم اور زینب دونوں نکاح کے قابل ہو گئے ہیں، ماجدہ اپنی لڑکی زینب کا نکاح سالم سے کرنا چاہتی ہے، ہمارے یہاں اس بارے میں دو رائے ہیں، بعض لوگ اس نکاح کو ناجائز کہتے ہیں اور بعض جائز کہتے ہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ زینب کی ولادت بہت سالوں کے بعد ہوئی ہے آپ مفصل مدلل جواب عنایت فرمائیں، اجمال سے کام نہ لیں اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں سالم نے مدت رضاعت (دو سال کی عمر کے اندر) میں ماجدہ کا دودھ پیا ہو تو ماجدہ سالم کی رضاعی ماں ہو گئی، اور ماجدہ کا شوہر اس کا رضاعی باپ، اور ماجدہ کی تمام اولاد چاہے سالم کو دودھ پلانے کے زمانہ کی ہو یا اس سے پہلے یا اس کے کئی سالوں کے بعد کی ہو وہ سب سالم کے رضاعی بھائی بہن ہیں چاہے ماجدہ نے ان کو دودھ پلایا ہو یا نہ پلایا ہو اور ان سب سے درمیان نکاح حرام ہے، لہذا سالم کا زینب سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

الاختيار لتعليل المختار میں ہے:۔ **(واذا ارضعت المرأة صبية حرمت على زوجها و آبائه وبنائه) فتكون المرضعة ام الرضيع واولادها اخوته واخواته من تقدم ومن تأخر فلا يجوز ان يتزوج شيئا من ولدها وولدولدها وان سفلوا ... الخ (الاختيار لتعليل المختار ج۳ ص ۱۱۸ كتاب الرضاع)**

در المنتقى فى شرح الملتقى میں ہے:

(ولا) حل (بين رضيع وولد مرضعته) سواء ارضعت ولدها اولا ...... الى قوله ...... (وان

سفعل) لانه ولد الا خ.(درر المنتقی علی هامش مجمع الا نهر ص ۳۰۳ ج ۱ کتاب الرضاع)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: تحرم علی الرضیع ابواه من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جمیعاً. یعنی شیر خواہ پر خواہ لڑکی ہو یا لڑکا اس کی رضاعی ماں اور باپ اور ان دونوں کے اصول (ان کے ماں باپ اوپر تک) اور فروع (بیٹا بیٹی آخر تک) حرام ہو جاتے ہیں، یہ اصول و فروع نسبی ہوں یا رضاعی (فتاویٰ عالمگیری ص ۴۸ ج ۲ کتاب الرضاع

درمختار میں ہے (ولا) حل (بین الرضیعة وولد مرضعتها) ای التی ارضعتها (وولد ولدها) لانه ولد الاخ. شامی میں ہے: واطلقه فافاد التحریم وان لم ترضع ولدها النسبی. الی قوله. وشامی ایضا مالو ولدته قبل ارضاعها للرضیعة اوبعده ولو بسنین (درمختار و شامی ص ۵٦۱ ج ۲ باب الرضاع)

القول الجازم میں ہے: قاعدہ اول: شیر خوار پر اس کے رضاعی ماں اور باپ اور ان دونوں کے جملہ اصول و فروع نسبیہ و رضاعیہ حرام ہوں گے فی الهندیة تحرم علی الرضیع ابواه من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جمیعا (القول الجازم ص ۲)

ایک اور موقع پر تحریر فرمایا ہے: رضیع پر رضاعی ماں باپ اور ان دونوں کے اصول و فروع نسبیہ و رضاعیہ حرام ہوں گے، یہاں تک کہ مرضعہ کی نسبی اولاد خواہ رضیعہ کے رضاعی باپ سے ہو یا کسی دوسرے مرد سے ارضاع سے قبل کی ہو یا بعد کی رضیع پر حرام ہوگی الخ (القول الجازم فی بیان المحارم ص ۱۱ از حضرت العلامہ مولانا سعید احمد صاحب لکھنوی)

مندرجہ بالا حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ صورت مسئلہ میں سالم اور زینب کے درمیان نکاح بالکل حرام ہے، دونوں رضاعی بھائی بہن ہیں اور ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حرمت رضاعت کے ثبوت کے لئے دودھ پینے کا زمانہ ایک ہونا ضروری نہیں ہے:

(سوال ۳۱۱) صالحہ نے ناصر کو دودھ پلایا اور آٹھ دس سال کے بعد خدیجہ کو دودھ پلایا، اب ناصر اور خدیجہ کے درمیان نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے بتلایا کہ دونوں کے دودھ پینے کا زمانہ الگ الگ ہے لہذا نکاح ہوسکتا ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں ناصر اور خدیجہ دونوں نے مدت رضاعت میں (دو سال کی عمر کے اندر اندر) دودھ پیا ہو تو دونوں آپس میں رضاعی بھائی بہن ہیں، چاہے دونوں کے دودھ پینے کا زمانہ الگ الگ ہے، رضاعت کے ثبوت کے لئے ایک ہی زمانہ میں اور ایک ساتھ دودھ پینا شرط نہیں ہے۔

درمختار میں ہے۔(ولا حل بین رضیعی امرأة) بکونهما اخوین وان اختلف الزمن والاب ۔شامی میں ہے (قوله وان اختلف الزمن) کان ارضعت الولد الثانی بعد الاول بعشرین سنة مثلا وکان کل منهما فی مدة الرضاع (درمختار وشامی ج ۲ ص ۵٦۱ باب الرضاع)

در المنتقی فی شرح الملتقی میں ہے (ولا حل بین رضیع ثدی وان اختلف زمانهما) وان کان بین رضاعهما سنون لانهما اخوان.

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے (قوله ان)وصلية (اختلف زمانهما) ای سواء ارضعتهما فی زمان واحد او فی ازمنة متباعدة لان امهما واحدة (مجمع الانهر ج ۱ ص ۳۷۷)

بہشتی زیور میں ہے: مسئلہ نمبر۱۴۔ ایک لڑکا ایک لڑکی ہے دونوں نے ایک ہی عورت کا دودھ پیا ہے تو ان میں نکاح نہیں ہوسکتا خواہ ایک ہی زمانہ میں پیا ہو یا ایک نے پہلے دوسرے نے کئی برس کے بعد دونوں کا حکم ایک ہے (بہشتی زیور ص۲۱ چوتھا حصہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اپنی رضاعی والدہ کی اخیافی بہن (رضاعی خالہ) سے نکاح کرنا:

(سوال ۳۱۲) ایک بچہ نے مدت رضاعت میں ایک عورت کا دودھ پیا، اب وہ بچہ بعد البلوغ اپنی رضاعی ماں کی اخیافی بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہوجاتے ہیں۔ ويحرم من الرضاع ما يحرم من النسب (هدايه اولين ص ۳۳۱ كتاب الرضاع) اور اپنی نسبی والدہ کی بہن۔ حقیقی ہو یا علاتی یا اخیافی وہ اس کی خالہ ہے اور ہر ایک سے نکاح حرام ہے وتدخل فيها العمات المتفرقات والخالات المتفرقات ای من الابوين اومن الاب اومن الام (هدايه اولين ص۲۸۷ ایضاً) اسی طرح رضاعی والدہ کی بہن بھی (حقیقی ہو یا علاتی یا اخیافی) رضاعی خالہ ہے اور اس سے نکاح حرام ہے۔ واخو المرضعة خاله واختها خالة، دودھ پلانے والی عورت کا بھائی اس بچہ کا ماموں ہے اور اس عورت کی بہن اس بچہ کی خالہ ہے۔ (عالمگیری بحوالہ فتاوی رحیمیہ ۱/ ۲۷۳) جدید ترتیب کے مطابق صـ۲۵۱ ج۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔ مصحح۔

لہذا صورت مسئولہ میں وہ بچہ اپنی رضاعی والدہ کی اخیافی بہن (جو اس کی رضاعی خالہ ہے) سے نکاح نہیں کرسکتا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب الطلاق

طلاق پر پابندی لگانا کیسا ہے :

(سوال ۳۱۴) ضلع کھیڑا کے سنی مسلمان بھورا برادران کی ایک کمیٹی چند مدت سے قائم کی ہے، جو قوم میں سماجی اصلاح کی کوشش کرنے کو اپنا مقصد اصلی ظاہر کرتی ہیں۔ اس میں ایک حصہ رواج طلاق جو مذکور قوم میں مروج ہے۔ یعنی بلا وجہ و عذر اور معمولی بات پر طلاق دے دیتے ہیں۔ انجام کار عورتوں کو زیادہ پریشانی اٹھانی پڑتی ہے، جس بنا پر اس طریق کو کم کرنے کے لئے اور ضرورۃ استعمال کرنے کے لئے پابندی کے لئے یہ قدم اٹھایا ہے۔ اور بلا عذر اور معمولی وجہ سے، طلاق دے دے تو اس پر جرمانہ (ڈنڈ) مقرر کیا ہے۔ اسی طرح وہ سزا جو منجانب کمیٹی مقرر شدہ مدت تک کوئی لڑکی بیاہ نہ کرے۔ اسی طرح سماجی مقاطعہ (بائیکاٹ) کرنا، اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کر کے اس سے لڑکی کو بیاہے اور بائیکاٹ نہ کرے تو اس کو بھی مالی سزا (ڈنڈ) کی جائے۔ اب مذکورہ بالا بابت میں حسب ذیل رعالی طرف آپ کی نگاہ مبذول کرا کر شرعی فیصلہ کا خواں ہوں۔

(۱) کیا شریعت میں مالی سزا (ڈنڈ) کرنا درست ہے؟ (۲) کیا اس طرح مطلق (طلاق دینے والے) کو لڑکی دینے پر پابندی عائد کرنا اور سماجی مقاطعہ کرنا درست ہے؟ (۳) کیا کوئی شخص طلاق دیوے تو پنچ کے روبرو اس کو وجوہات کے اظہار پر مجبور کرنا درست ہے؟ مزید اینکہ دریافتگی یہ کہ اگر یہ طریق، طریق وڈنڈ پختگی سے عمل در آمد ہوتا رہے گا تو اندیشہ ہے مثلاً زید نے طلاق دی اب جب کمیٹی اس سے وجہ دریافت کرے گی تو خود غرضی کی بنا پر اور اپنے بچاؤ کی خاطر عورت پر کوئی الزام لگا دے جس بنا پر وہ بے چاری مطلقہ پنچ کے سامنے اپنی آبرو لٹا دے پھر اس کے ساتھ کوئی شادی کو آمادہ نہ ہوگا اور پنچ میں عورت کا باپ یا بھائی وغیرہ موجود ہوں تو وہ لوگ اپنی بہن بیٹی کے علانیہ عیب سن کر غضبناک ہوں تو فتنہ و فساد شروع ہو جائے گا اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ بعض دفعہ طلاق دینے والے کے پاس معقول وجوہات ہوتے ہوئے محض اپنی شرم و حیا سے پنچ کے روبرو ان کو ظاہر کرنے سے وہ رکے گا۔ اس صورت میں وجہ ظاہر نہ کرنے کی وجہ سے بے چارہ ڈنڈ کا مستحق بنے گا اور وجوہات پیش کرنے پر شرمندگی لاحق ہوگی، تو دریافت طلب یہ کہ کمیٹی کا مذکورہ رویہ اور مالی سزا اور مقاطعہ کرنا شریعت کے مطابق ہے یا نہیں؟ اور اس کمیٹی کی ممبری کی فیس دینا اور اس طرح اور طریق سے امداد کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) مالی سزا (ڈنڈ) درست نہیں (۲-۳) طلاق دینے والے سے سماجی بائیکاٹ کرنا حتیٰ کہ نماز جنازہ بھی نہ پڑھی جائے۔ تجہیز و تکفین میں شرکت نہ کی جائے، مناسب نہیں بجائے اصلاح کے اور خرابیاں پیدا ہوں گی۔ **اثمھما اکبر من نفعھما (قرآن)** تعلیم، پند، موعظت اور نصیحت اور اخلاقی دباؤ سے مذکورہ برائی کا دفعیہ ہو سکتا ہے۔ گاؤں گاؤں، گلی گلی، بازار بازار مجلس وعظ و نصیحت منعقد کر کے بلا وجہ اور معمولی بہانے سے طلاق دینے کی مذمت اور برائی بیان کی جائے۔ نیز ہینڈ بل (پرچے) شائع کر کے اس کا انسداد کیا جائے۔ ہاں طلاق فی نفسہ مباح ہے اور حق زوج ہے لیکن بدوں ضرورت شدیدہ اس حق کا استعمال کرنا خدائے پاک کو محبوب اور پسندیدہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک

مباح اشیاء میں سے سب سے زیادہ مبغوض (ناپسند) چیز طلاق ہے۔ایک حدیث میں ہے نکاح کرو اور طلاق نہ دو طلاق دینے سے عرش لرزتا ہے دوسری حدیث میں ہے کہ عن جابر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان ابلیس یضع عرشہ علی الماء ثم یبعث سرایاہ فادناھم منہ منزلۃ اعظمھم فتنۃ تجیئی احدھم فیقول فعلت کذا کذا فیقول ما صنعت شیئا قال ثم یجیئی احد ھم فیقول ماترکتہ حتی فرقت بینہ وبین امرأتہ قال فیدنیہ منہ ویقول نعم انت قال الاعمش اراہ قال فیضمہ (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۵۶ کتاب التوبہ باب تحریش الشیطن وبعثۃ سرایۃ الخ) یعنی شیطان اپنا تخت سمندر پر بچھاتا ہے پھر اپنی فوج کو بہکانے اور فتنہ وفساد پھیلانے کے لئے بھیجتا ہے۔تو ان میں سے اعلیٰ مرتبہ والا اس کے نزدیک وہ ہوتا ہے جو بڑا فتنہ کرکے آیا ہو۔اس کے معتقد یکے بعد دیگرے آتے ہیں اور اپنی کارگذاریاں بیان کرتے ہیں،وہ کہتا رہتا ہے (تم نے کچھ نہیں کیا) یہاں تک کہ ایک آکر کہتا ہے کہ میں نے اس کو چھوڑا ہی نہیں یہاں تک کہ اس کے اور اس کے بیوی بچوں کے درمیان جدائی ڈال دی تو شیطان ابلیس اس کو شاباشی دیتا ہے اور سینہ سے چمٹاتا ہے۔(مسلم شریف)

نکاح ایک نعمت ہے اور حفاظت دین کے لئے ایک بڑی گارنٹی ہے اور طلاق میں نعمت خداوندی (بیوی، شوہر اور دونوں کے خاندان کا میل جول وغیرہ) کی بیقدری اور ناشکری ہے۔خاندان میں برسوں تک عداوت اور دشمنی رہتی ہے خدائے پاک ناراض اور شیطان خوش ہوتا ہے،طلاق دینے میں عورت کو رنج وغم پہنچتا ہے اور بلاقصور کے تکلیف پہنچانا ظلم اور گناہ کا کام ہے

مباش درپئے آزار و ہر چہ خواہی کن
در شریعت ما غیر ایں گناہے نیست

اگر عورت بدصورت و بدسیرت ہو تو صبر کرنا چاہئے،اس کو الگ کرکے خانہ خرابی نہ کرنا چاہئے۔آنحضرت ﷺ نے عورت کو ضلع یعنی ٹیڑھی پسلی سے تعبیر فرما کر عورت کے ساتھ نرمی برتنے اور اس کی باتوں سے درگذر کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔اللہ تعالیٰ تمام باتیں خوب جانتا ہے۔ہوسکتا ہے کہ ناپسند عورت میں خدائے پاک نے برکتیں رکھی ہوں۔

خدائے تعالیٰ فرماتے ہیں۔اگر تم ان کو محبوب نہ رکھو (پسند نہ کرو عورتوں کو) تو ہوسکتا ہے کوئی چیز تم کو ناپسند ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اس میں بڑی خوبیاں رکھی ہوں (سورۂ نساء) اسی طرح عورت کو بھی سمجھ سے کام لینا چاہئے اور خدائے تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی رہ کر خوشی خوشی زندگی گذارنی چاہئے۔

طلاق دینے والے سے وجہ دریافت کر سکتے ہیں لیکن اسے خفیہ بات کے افشاء اور اظہار عیب پر مجبور کرنا جائز نہیں،حالات سے واقف ہونے اور دونوں کے نزاع اور اختلاف دور کرنے کے لئے ان کے قریبی رشتہ دار زیادہ مناسب وموزوں ہیں۔وہ لوگ دونوں فریق کے باہم حالات سے واقف ہوتے ہیں اور ان سے خیرخواہی کی امید بھی ہوسکتی ہے،ان کو خاندان کی عزت وآبرو کا بھی پورا خیال ہوتا ہے۔ارشاد خداوندی ہے:۔

وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکماً من اھلہ وحکماً من اھلھا ان یریدا اصلاحاً یوفق

اللہ بینھما ان اللہ کان علیما خبیرا .(سورۂ نساء ع ٦)

اگر تم (اوپر والوں) کو ان دونوں میاں بی بی میں کشاکشی کا اندیشہ ہو تو ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو، عورت کے خاندان سے بھیجو۔ اگر ان دونوں آدمیوں کو اصلاح منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بی بی میں اتفاق فرمادیں گے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور خبر والے ہیں۔(بیان القرآن سورہ نساء)

اگر کمیٹی کے افراد میں زیادہ تر علماء ہوں اور علماء کی رائے وصلاح کے مطابق عمل کیا جاتا ہو تو اس کے ممبر بننے اور امداد کرنے میں حرج نہیں ہے۔

حالت حمل میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں

(سوال ۳۱۴) عورت کو حمل کی حالت میں طلاق ہوگی یا نہیں۔

(الجواب) جی ہاں! حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن (سورہ طلاق)

عورت کے گستاخانہ کلمات سے نکاح پر کوئی اثر ہوتا ہے :

(سوال ۳۱۵) ایک شخص کی عورت وقتاً فوقتاً یہ الفاظ بولتی رہتی ہے ''اللہ میاں سے ہم جتنے ڈرتے ہیں اتنا ہی زیادہ ڈراتا ہے'' تو اس سے طلاق ہو کر عورت جدا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

(الجواب) الفاظ مذکورہ نہایت گستاخانہ اور قبیح ہیں، اس پر توبہ واجب ہے اور زجراً تجدید نکاح کا حکم کیا جائے مگر اس سے طلاق نہ ہوگی اور اس سے عورت نکاح سے نہ نکلے گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نکاح ثانی کرنے میں اگلی عورت کو طلاق دے کسی عذر کی بنا پر تو کیا حکم ہے

(سوال ۳۱۶) میری شادی کو تقریباً پندرہ سولہ برس ہوئے اور عورت ''ٹی۔ بی'' کی مریض ہے کوئی کام نہیں ہوتا اور اولاد بھی نہیں۔ دو برس سے میکہ میں ہے طلب کرنے پر نہیں آتی گھر میں والدہ ضعیف ہیں اور کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اب مجھے دوبارہ نکاح کرنا ہے اور نئے رشتے والے کہتے ہیں کہ عورت کو طلاق دے دو۔ ورنہ ہم نکاح نہیں کریں گے۔ جس بناء پر اس کو طلاق دوں تو گناہ تو نہیں؟ شرعاً کیا حکم ہے؟ وجہ ظاہر ہے کہ عورت باوجود بلانے کے نہیں آتی۔ جواب سے نوازیں۔

(الجواب) بلا عذر شرعی اور بدون شدید مجبوری کے عورت کو طلاق دے کر ایذا پہنچانا موجب گناہ ہے۔ صورت مسئولہ میں آپ معذور و مجبور ہیں لہذا آپ گنہگار نہیں ہیں۔ لیکن نئے رشتے والوں کو یہ سزاوار نہیں کہ اگلی عوت کو طلاق دینے کی شرط کریں۔ جواز روئے حدیث شریف منع ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تسئل المرءۃ طلاق اختھا لتستفرغ صحفتھا ولتنکح فان لھا ما قدر لھا .متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۱ باب اعلان النکاح والخطبۃ

والشرط)فقط واللہ اعلم بالصواب .

حاملہ کی طلاق کے بارے میں :

(استفتاء ۳۱۷)ایک مرد نے اپنی عورت کو نا خوش گوار تعلق کی وجہ سے تین طلاق دی۔عورت کو مہر اور نفقہ بھی دے دیا جس کی رسید وصول ہوگئی۔اس بارے میں کوئی ناگواری بھی نہیں۔حمل میں طلاق دی ہے تو طلاق ہوگی یا نہیں۔

(الجواب) حاملہ کو طلاق دی جائے تو واقع ہو جاتی ہے۔حمل مانع طلاق نہیں۔ وطلاق الحامل یجوز عقب الجماع.(ھدایہ ص ۳۳۶ ج ۲ کتاب الطلاق باب طلاق السنة)فقط واللہ اعلم بالصواب .

اپنی عورت کو زنا کرتے دیکھے تو کیا حکم ہے . :

(استفتاء ۳۱۸)ایک مرد نے اپنی عورت کو بدکاری (زنا) کرتے دیکھا اب اس کو رکھے یا طلاق دے؟ طلاق نہ دے تو گنہگار ہے یا نہیں؟

(الجواب) مرد کو اس سے محبت ہو اور یقین ہو کہ دوبارہ اس فعل بد کا ارتکاب نہ کرے گی اور حقوق زوجیت میں فرق نہ آنے دے گی تو اس کو طلاق دینا ضروری اور واجب نہیں ہے۔اس کو نکاح میں رکھے تو گنہگار نہیں۔درمختار میں ہے۔(لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرة) یعنی شوہر پر بدکار عورت کو طلاق دینا واجب نہیں۔آنحضرت ﷺ کی خدمت مبارکہ میں اس قسم کا مقدمہ پیش ہوا تھا۔آنحضرت (ﷺ) نے مشورہ دیا کہ اس کو چھوڑ دو۔شوہر نے کہا کہ یہ مجھے محبوب ہے۔تو حضور (ﷺ) نے فرمایا۔کہ اس کو رکھ سکتے ہو۔قوله لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرة ولا علیها تسریح الفاجر الا اذا خاف ان لا یقیما حدود اللہ فلا بأس ان یتفرقا اھ مجتبی والفجور یعم الزناء وغیرہ وقد قال صلی اللہ علیه وسلم لمن کانت زوجته لا ترد ید لامس وقد قال انی احبها استمتع بها اھ (درمختار مع الشامی ص ۳۷۷ ج ۵ کتاب الحضر والا باحة فصل فیی البیع) فقط واللہ اعلم بالصواب.

بلا تلفظ محض سوچنے سے طلاق نہ ہوگی :

(سوال ۳۱۹)مرد اور عورت کی کبھی بنتی نہیں ہے۔مرد کے کہنے پر عورت چلتی نہیں ہے۔جس کی وجہ سے دماغ کبھی کبھی پریشان ہو جاتا ہے۔مگر دل ہر گز چھٹی کرنے کو نہیں مانتا۔اس لئے کہ رشتہ داریاں، اولادیں سب کچھ دیکھتے ہوئے موت تک نبھانے کا ارادہ ہوتا ہے مگر دل میں وسوسے آیا کرتے ہیں اور وسوسہ اندر ہی اندر طلاق، طلاق، طلاق کا ہوتا ہے۔اس وقت تین طلاق دینے کی نیت بھی نہیں ہوتی۔اور ان الفاظ کو زبان سے دہرائے بھی نہیں جاتے سوچ ہی سوچ میں یہ وسوسہ آتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں طلاقیں پڑ جاتی ہیں یا نہیں؟

(الجواب) بغیر زبانی تلفظ کے محض سوچنے سے اور دل کے وسوسوں سے طلاق واقع نہ ہوگی۔(۱)

---

(۱) وادنی الجھر اسماع غیرہ وادنی المخافتة اسماع نفسه ویجری ذلک المذکور فی کل ما یتعلق منطق کتسمیة علی ذبیحة ووجوب سجدة تلاوة وعناق وطلاق و استثناء الخ درمختار مع الشامی فصل فی القراة ج. ۱ ص ۵۳۵.

بلانیت وبدون اضافت طلاق کا حکم:

(سوال ۳۲۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں۔
(۱) ایک شخص نے جب کہ وہ اپنے لڑکے کو تنبیہ کرر ہا تھا اور لڑکے کی والدہ نے درمیان میں مداخلت کی۔ تو اس نے اپنی زوجہ کو کہا۔ کہ ''فارغخطی'' ایک مرتبہ۔ اور پھر کہا کہ طلاق، طلاق، طلاق حالانکہ اس کی طلاق کی نیت نہیں تھی اور نہ ہی اس کا روئے سخن اپنی زوجہ کی طرف تھا اور نہ ہی اس نے اپنی زوجہ کو خطاب کیا۔ کہ ''تجھ کو فارغخطی'' بلکہ وہ تو اپنے لڑکے کے لئے بات کرر ہا تھا۔ اور درمیان میں یہ الفاظ کہہ گیا اور نہ ہی ان الفاظ کے کہنے میں ''تجھ کو'' کہا۔ تو آیا اس بارے میں مرد کا قول معتبر سمجھا جاوے گا؟ (۲) مذکورہ صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ (۳) اگر طلاق واقع ہوئی تو رجعی ہوئی یا بائن؟ (۴) اگر بائن ہوئی تو کتنی واقع ہوئی؟ (۵) اگر ایک طلاق واقع ہوئی تو مرد کو رجوع کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ (۶) اگر رجوع کا حق حاصل نہیں تو کیا بغیر ''حلالہ'' کے اپنی زوجہ کو از سر نو نکاح پڑھ کر لاسکتا ہے؟
(الجواب) زوجہ کو ''فارغخطی'' کا لفظ ایک مرتبہ کہا تو طلاق بائن واقع ہوگئی۔ لفظ فارغخطی کنایات میں سے ہے۔ اس سے بلانیت طلاق بائن واقع ہونا متعارف ہے۔ چنانچہ امداد الفتاویٰ میں ہے۔ یہ لفظ فارغخطی کنایہ ہے۔ اور چونکہ اس سے ایقاع بائن متعارف ہے۔ اس لئے بلانیت اس سے طلاق بائن واقع ہوجائے گی (ص ۳۹۳ ج ۲) فارغخطی کے لفظ کے بعد طلاق صریح کا لفظ تین بار بولا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ عورت جب مدخولہ ہو تو بائن طلاق کو صریح طلاق لاحق ہوتی ہے۔ الصریح یلحق الصریح ویلحق البائن بشرط العدة (درمختار مع الشامی ص ۶۴۵ ج ۲ باب الکنایات مطلب الصریح یلحق الصریح والبائن) لہٰذا بعد کی دو صریح طلاق لاحق ہو کر طلاق ثلاثہ مغلظہ ہوگئی۔ بدون حلالہ عورت حلال نہیں ہوسکتی۔ فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره. (قرآن حکیم)

صریح طلاق میں نیت شرط نہیں ولا یفتقر الیٰ نیة لانه صریح فیه لغلبة الا ستعمال.
(ہدایہ ص ۳۳۹ ج ۲) وصریح الطلاق لا یحتاذ الی النیة (المختار) لانه موضوع له شرعاً فکان حقیقةً والحقیقة لا یحتاج الی نیة (الا ختیار شرح المختار ص ۱۲۵ ج ۳ کتاب الطلاق) لفظ الطلاق لا یستعمل الا فی الطلاق فذلک اللفظ صریح یقع به الطلاق من غیر نیة (فتاویٰ عالمگیری ص ۴۰۰ ج ۲)
لہٰذا فارغخطی اور لفظ طلاق میں ڈرانے اور دھمکانے اور عدم نیت کی بات قابل قبول نہ ہوگی۔ وان قال تعمدته تخویفاً لم یصدق قضاء الا اذ اشهد علیه قبله به یفتی (درمختار مع الشامی ص ۵۹۲ ج ۲ باب الصریح مطلب الصریح نوعان الخ)
رہا طلاق میں اضافت کا شرط ہونا تو اضافت صریح ہونا شرط نہیں اضافت معنویہ بھی کافی ہے اور وہ یہاں موجود ہے۔ چنانچہ سوال میں مذکور ہے کہ زوجہ بڑبڑا رہی تھی تو زوج نے زوجہ کو دھمکانے کے لئے کہا۔ کہ ''فارغخطی'' پھر کہا۔ طلاق، طلاق، طلاق، دلالت حال اور مذاکرۂ طلاق اور قرائن اضافت معنویہ ہے۔ (قوله لترکه الا ضافة) ای

المعنوية فانها الشرط والخطاب من الاضافة المعنوية وكذا الا شارة الخ و لا يلزم كون الاضافة بصريحة فى كلامه (الى) وظاهره انه لا يصدق فى انه لم يرد امرأته للعرف (شامى ص ٥٩٠. ٥٩١ ج ٢ مطلب الصريح نوعان الخ

لہذا عورت کے مطلقہ ہونے میں شبہ نہیں ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) واقع ہو گئی۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۳) طلاق ثلثہ مغلظہ واقع ہوئی۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۴) تین واقع ہوئی۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۵) رجوع نہیں ہو سکتا۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۶) شرعی حلالہ کے بغیر عورت حلال نہیں ہو سکتی۔قوله تعالىٰ: فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره (سورۂ بقره) فقط واللہ اعلم بالصواب .

مزید تشفی اور معلومات کے لئے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ کے فتاوی پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) (سوال ۹۲۰/۳۳) شخصے زوجہ خود را سہ طلاق بائن گفت واضافت بسوئے زوجہ نکرد بنابرآں زوجہ اش مطلقہ بائنہ خواہد شد یا نہ؟

(الجواب) درین صورت سہ طلاق بر زوجہ اش واقع شد۔ كما فى الدر المختار ولا يلزم كون الاضافة صريحة فى كلامة (الى قوله) فهذا يدل على وقوعه وان لم يضفه الى المرأة صريحاً. (شامی ص ۴۳۰ ج ۲) فقط واللہ اعلم بالصواب . کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ (فتاویٰ دار العلوم دیو بند ج ۲. ۴ ۴ ۵ ۴)

(۲) (سوال ۹۲۱/۳۴) زید کا نکاح ہندہ سے ہوا ہے۔زید اور ہندہ میں لڑائی ہوئی۔زید نے غصہ میں کہا۔ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، ان الفاظ سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

(الجواب) اس صورت میں تین طلاق اس کی زوجہ پر واقع ہوگئی اور قرینہ اس کا موجود ہے کہ وہ شخص اپنی زوجہ کو کہہ رہا ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ۔(فتاوی دار العلوم دیو بند ص ۴۵۵ ج ۳ ج ۴)

(۳) (سوال ۹۱۲/۱۴۳۲) ایک شخص نے غصہ ہو کر لفظ طلاق کو تکرار کیا۔یعنی تین مرتبہ سے زیادہ بولا بغیر خطاب کے۔تو اس صورت میں اس کی زوجہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر واقع ہوئی تو کون سی؟ بلا حلالہ اس کو رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) طلاق واقع ہوگئی اور تین طلاقیں پڑیں۔وہ مغلظہ بائنہ ہوگئی۔حلالہ کے بغیر اس سے نکاح نہیں کر سکتا اور خطاب اگرچہ لفظوں میں نہیں، مگر مفہوم اور مقصد کے لحاظ سے خطاب موجود ہے۔کیونکہ انسان ایسی حالت میں اپنی بیوی ہی کو طلاق دیا کرتا ہے۔كما قال الفقهاء لان العادة ان من له امرأة اذا انما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها الخ (ص ۴۳۰ ج ۳) فقط واللہ اعلم بالصواب . کتبہ .عزیز الرحمن عفی عنہ. (فتاوی

دارالعلوم دیوبند ص ۲۵۱ . ۲۵۲ ج ۳ . ۴)

طلاق دینے پر مجبور کرنا کیسا ہے :

(سوال ۲۲۱) ایک آدمی اپنی بیوی کو طلاق دینا نہیں چاہتا دوسرے لوگ مجبور کررہے ہیں تو مجبور کرنے والے کے لئے کیا حکم ہے؟ گنہگار ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) بلاوجہ شرعی طلاق دینا، دلانا منع ہے کہ طلاق سے عورت کو تکلیف پہنچتی ہے اور بلاضرورت ایذا رسانی ناجائز اور گناہ ہے۔ شادی زن وشوہر کی راحت وآرام کے لئے ہوتی ہے، طلاق سے یہ سب ختم ہو جاتا ہے اور خاندان میں برسوں تک عداوت رہتی ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری اور کفران نعمت ہے۔ لہٰذا بلا شدید ضرورت کے نہ طلاق دے نہ طلاق دلوائے۔

حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مباح چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز (ابغض المباحات) طلاق ہے: ایک حدیث میں ہے نکاح کرو اور طلاق نہ دو کہ طلاق سے عرش الٰہی لرز اٹھتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے۔ شیطان دریا میں پانی پر اپنا تخت بچھا کر اپنی فوج کو لوگوں کے بہکانے کے لئے اور فتنہ وفساد پھیلانے کے لئے بھیجتا ہے۔ اس شیطانی فوج کے جو سپاہی میاں بیوی میں تفریق کراتے ہیں شیطان ان کو شاباش کہتا ہے اور سینہ سے لگاتا ہے کہ تو نے بہت خوب کام کیا۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۷۶ باب تحریش الشیطان وبعثه سرایاه لفتنة الناس الخ)

اگر مشکل وصورت یا کسی وجہ سے اس سے نفرت ہو تو اس کو نظر انداز کر کے خانہ بربادی نہ کرے، ہر شے کا انجام خدا کا معلوم ہے، ممکن ہے کہ اس ناپسندیدہ عورت میں خدا پاک نے تمہاری لئے خیر وبرکت رکھی ہو اور نئی دلھن جس کو تم پسند کررہے ہو اس میں کیا کیا برائیاں ہوں، تمہیں اس کا علم نہ ہو۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ فان کرهتموهن فعسى ان تکرهو شيئا ويجعل الله فيه خيراً كثيرا (سورۃ نساء) اگر تم عورتوں کو ناپسند کرو تو ممکن ہے کوئی چیز تم ناپسند کرو لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں کوئی بڑی خوبی اور بھلائی رکھی ہو (اسی طرح سمجھ کر صبر کرو خدا پاک بہتری فرمائیں گے)

اس باتوں کو سمجھ کر جبراً طلاق دلانے والوں کو سوچنا چاہئے کہ وہ کوئی اچھا کام نہیں کررہے ہیں بلکہ ایسا کام کررہے ہیں جس میں خدا اور رسول خدا ﷺ کی ناراضگی ہے اور شیطان کی خوشنودی ہے۔ اگر عورت قصوروار بداخلاق، نالائق ہو تب بھی طلاق دلانے کی کوشش نہ کی جائے جب کہ مرد اس سے خوش ہے اور محبت رکھتا ہے طلاق دینے پر رضا مند نہیں ہے تو جبراً طلاق دلانے پر بھی یہ محبت رکھے گا۔ بہت ممکن ہے اس محبت کی بنا پر گناہ کبیرہ میں مبتلا ہو جائے تو یاد رکھنا چاہئے اس گناہ کا سبب یہی لوگ ہوں گے۔

حدیث میں ہے کہ ایک آدمی بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری عورت احتیاط نہیں برتتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے طلاق دے دے۔ اس نے کہا مجھے اس سے محبت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس سے اپنا کام نکالتے رہو عن ابن عباس قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال ان لی امرأة لا ترديد

لا مس فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم طلقها قال انی احبها قال فامسكها اذا. (مشکوۃ ص ۲۸۷)(شامی ج ۲ ص ۴۰۲)تفسیر روح البیان ج ۲ ص ۲۰۳)

شادی شدہ عورت زنا کرائے تو کیا حکم ہے :

(سوال ۳۲۲)عورت زنا کرائے تو کیا طلاق واقع ہوگئی۔

(الجواب) زنا سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ البتہ بعض صورتوں میں حرمت مصاہرت ثابت ہوکر عورت خاوند پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے۔ جیسے کہ عورت اپنے شوہر کے لڑکے سے بدکاری کرے تو خاوند پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجائے گی لیکن نکاح نہیں ٹوٹے گا کما قال فی الدر المختار (درمختار مع الشامی ج ۲ص ۳۸۶۔۳۸۷ باب المحرمات)

معتوہ ومجنون کی طلاق معتبر ہے یا نہیں :

(سوال ۳۲۳)ایک شادی شدہ جس کی عمر اٹھارہ انیس برس کی ہے وہ مجنون سا ہے۔ بچوں کی طرح بکتا ہے۔ ایک دفعہ حالت بخار میں گھر والوں سے جھگڑا کر کے قبرستان گیا، وہاں سے گاؤں پنچایت آفس میں جا کر ایک کاغذ پر طلاق لکھی لیکن الفاظ درست نہ تھے۔ وہ کاغذ جماعت کے آدمی کو دیا۔ اس نے کہا کہ تحریر درست نہیں ہے، میرے کہنے کے مطابق لکھ۔ اس نے لکھا۔ بعدہ پنچایت کے آدمی کو اور اپنے خسر کو ایک ایک نقل دے دی، وہ عورت کو لے گئے، مجنون یہ ہونے کے بعد اٹھ کر اپنی ماں سے کہنے لگا کہ میری بیوی کو بلاؤ، تو اس کی والدہ نے کہا تو کیا بکواس کرتا ہے پھر پوری حقیقت کہہ دی۔ تو مجنون کہنے لگا کہ مجھے کچھ بھی خبر نہیں، پنچایت کے آدمی نے جو لکھوایا وہ لکھا۔ ڈاکٹر کی رائے ہے کہ یہ دیوانہ ہے اس کی سرٹیفکٹ بھی دی ہے تو یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

(الجواب) جو صورت بیان کی گئی ہے وہ صحیح ہے تو یہ طلاق معتبر نہیں۔ شرعی اصطلاح میں ایسے آدمی کو جو مغلوب العقل، قلیل الفہم، پراگندہ دماغ۔ بے جوڑ باتیں کرے بے ڈھنگا ہو۔ نہ ٹھیک سوچ سکے نہ ٹھیک کام کر سکے۔ البتہ پاگلوں کی طرح مار دھاڑ اور گالی گلوچ نہ کرتا ہو ایسے شخص کو معتوہ کہا جاتا ہے اور معتوہ کی طلاق معتبر نہیں ہوتی۔ حدیث شریف میں ہے۔ کل طلاق جائز الاطلاق المعتوہ والمغلوب علی عقلہ (مشکوۃ ج ۲ ص ۲۸۴ باب الخلع والطلاق)

یعنی ہر ایک طلاق جائز ہے مگر معتوہ اور مغلوب العقل کی طلاق۔

ان المعتوہ ھو القلیل الفھم المختلطاالکلام الفاسد التدبیر لکن لا یضرب ولا یشتم بخلاف المجنون ویدخل المبرسم المغمیٰ علیہ والمدھوش (بحر الرائق ج۳ ص ۲۴۹ کتاب الطلاق تحت قولہ لا طلاق الصبی والمجنون) انا لم نعتبر اقوال المعتوہ مع انہ لایلزم قیل ان یصلی الی حالۃ لایعلم فیھاما یقول ویریدہ الخ (شامی ج ۲ ص ۵۸۷ مطلب طلاق المدھوش)

دبر زوجہ میں وطی سے نکاح باقی رہتا ہے :

(سوال ۳۲۴)اگر اپنی بیوی کی دبر میں وطی کرے تو نکاح بحال ہے یا نہیں؟

(الجواب) عورت کی دبر(جائے بزار) میں وطی کرنا بالا جماع حرام اور گناہ کبیرہ ہے، صدق دل سے توبہ کرے، بارگاہ خداوندی میں عجز وانکساری سے اپنے گناہ کی معافی مانگے، یہ سنگین جرم ہے۔ لیکن بیوی نکاح سے خارج نہیں ہوتی (۱)

حالت حمل میں طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں :

(سوال ۳۲۵) ایک لڑکی سے میری شادی ہوئی۔ ایک برس پچیس دن ہوئے۔ اس کے والدین سے جھگڑا ہو گیا لڑکی کو مجبور کیا کہ وہ طلاق لے تو اس نے طلاق کا مطالبہ کیا۔ میں نے اس کو مورخہ ۶ ستمبر ۱۹ء کو طلاق دی ہے۔ اس کو دو ماہ کا حمل ہے باوجود اس کے اس نے طلاق لی تو طلاق اور عدت کا کیا حکم ہے۔

(الجواب) جب آپ نے طلاق دی تو طلاق ہوگئی، حالت حمل میں بھی طلاق ہو جاتی ہے۔ (۲) وضع حمل سے عدت پوری ہو جاتی ہے۔ مہر باقی ہو تو اس کی ادائیگی ضروری ہے۔ عدت کا خرچ بھی دینا ہوگا باہم کوئی مصالحت ہو جائے تو اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

زچگی کے زمانہ میں طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں:

(سوال ۳۲۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ ایک آدمی نے بیوی سے جھگڑتے ہوئے تین مرتبہ طلاق، طلاق، طلاق بول دیا، عورت حالت زچگی میں ہے اور ایک چھوٹا بچہ ہے جس کی ولادت کو ابھی ایک ماہ بھی نہیں ہوا ایسی حالت میں عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟ ایک بچہ اور بھی چار سالہ ہے ان بچوں کی پرورش کس کے ذمہ ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مدخولہ عورت کو اس طرح تین الفاظ میں طلاق دینے سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں (۳) اور زچگی کی حالت میں بھی طلاق ہو جاتی ہے بچوں کی پرورش کا ذمہ دار باپ ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شوہر کسی شرعی عذر سے طلاق دے تو اس پر جرمانہ لگانا کیسا ہے :

(سوال ۳۲۷) ایک شخص نے اپنی منکوحہ کو اس کی بد خلقی اور خلاف شرع کام کرنے اور نا قابل برداشت عیوب کی بنا پر اس کو طلاق دے دی، کیا اس بناء پر بستی کے بااثر حضرات اس کو دوسری شادی کرنے سے روک سکتے ہیں؟ اور اس پر جرمانہ لگا سکتے ہیں؟ کیا شوہر شرعی عذر کی بنا پر طلاق دے تو گنہگار ہوگا؟ طلاق کے بعد شوہر چاہتا تھا کہ وہ عدت میرے گھر گذارے مگر وہ اپنے گھر چلی گئی اس صورت میں وہ عدت کے نفقہ کا مطالبہ کر سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب کہ عورت کی بد اخلاقی یا اور کسی شرعی وجہ سے شوہر نے طلاق دی ہے تو اس کو دوسری شادی سے روکنا یا جرمانہ عائد کرنا جائز نہیں ہے ظلم اور زیادتی ہے، شوہر کے مکان پر عدت گذارنے میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو پھر بھی عورت اپنی باپ کے گھر عدت گذارنا چاہتی ہے تو نفقہ کا مطالبہ نہیں کر سکتی لیکن شوہر تبرعاً دے دے تو بہتر ہوگا، جب

(۱) عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم معلون من اتی امرأته فی دبرها مشکوٰة باب المباشرة ص ۲۷۱.
(۲) وطلاق الحامل يجوز عقيب الجماع ويطلقها للسنثلاثة الخ فتاویٰ عالمگیری کتاب الطلاق ج ۱ ص ۳۲۸
(۳) متی کرر لفظ الطلاق بحرف الواو اوبغير حرف الواؤ يتعدد الطلاق الخ فتاوی عالمگیری الفصل الاول فی الطلاق الصريح ج ۱ ص ۳۵۶

شرعی عذر کی وجہ سے طلاق دینا جائز ہے تو گنہگار کیسے ہوگا؟ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

والدین طلاق دینے پر مجبور کریں تو ان کی اطاعت کی جائے یا نہیں:

(سوال ۳۲۸) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکا اور لڑکی دونوں بالغ ہیں اور ایک ہی جماعت اور قوم کے ہیں گاؤں سے بھاگ گئے اور باقاعدہ شادی کر لی اور اب دونوں ایک ساتھ رہتے ہیں مگر لڑکے کے والدین اس شادی سے راضی نہیں ہیں اور لڑکے کو اپنے مکان میں رکھنے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں اور طلاق دینے پر مجبور کرتے ہیں تو لڑکے کو والدین کی اطاعت کرتے ہوئے طلاق دینا ضروری ہے یا نہیں لڑکی حاملہ ہو چکی ہے بینوا توجروا۔

(الجواب) از روئے حدیث حلال چیزوں میں سب سے زیادہ بری چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے، اور وصال زوجین کی قاطع ہے اور زوجین میں بوجہ تعلق عشق بعد طلاق زنا میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہے اور عورت حاملہ ہو چکی ہے تو اس میں بچہ کا بھی نقصان ہے اور عورت کی زندگی برباد ہونے اور گناہ میں مبتلا ہو جانے کا قوی امکان ہے اس لئے والدین کی ناراضگی کی بنا پر طلاق دینا واجب اور ضروری نہیں ہے، بلکہ طلاق نہ دینے میں مصلحت شرعیہ مضمر ہے، زوجہ میں خامی ہے تو زوج بھی خامی سے خالی نہیں ہے، زوجہ کی اصلاح ہو سکتی ہے لہٰذا والدین کو چاہئے کہ اپنی ضد سے باز آجائیں۔ قولہ تعالیٰ فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھو شیئاً ویجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً یعنی اگر تم ان عورتوں کو پسند نہ کرو تو ہوسکتا ہے کہ ایک خصلت تم کو پسند نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں تمہارے لئے کوئی بھلائی رکھی ہو۔ اور حدیث میں ہے کہ لوگوں کے لئے وہ پسند کرے جو اپنے لئے (اور اپنے اولاد کے لئے) پسند کرتا ہے اور ان کے لئے اس چیز کو ناپسند کرے جس کو اپنے لئے ناپسند کرتا ہے ماں باپ کو چاہئے کہ وہ اپنی ضد چھوڑ دیں اور بچہ کا قصور معاف کر دیں۔ درپے آزار نہ ہوں۔ بزرگان دین فرماتے ہیں۔

مباش درپے آزار وہرچہ خواہی کن
کہ درشریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

یعنی کسی کے درپے آزار نہ ہو اور جو چاہے کر ہماری شریعت میں اس سے بڑھ کر گناہ نہیں ہے۔

حدیث میں ہے کہ ایک شخص رسول مقبول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) میری بیوی بدکار اور زانیہ ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا طلاق دے دے اس نے کہا مجھے اس سے محبت ہے۔ وہ خوبصورت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا تو پھر طلاق دے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۷ باب اللعان)

اس لئے فقہاء رحمہم اللہ تحریر فرماتے ہیں لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ یعنی زوج پر بدکار عورت کو طلاق دینا واجب نہیں ہے (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۳۰۲ کتاب الحضر والاباحۃ فصل فی البیع) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بلا وجہ طلاق دینے کی قباحت:

(سوال ۳۲۹) میرے بھائی نے ڈیڑھ سال پہلے شادی کی لیکن دو تین مہینے کے بعد طلاق دینے کی باتیں کرنے لگا گھر والوں نے اس کو سمجھایا اور پوچھا کہ طلاق دینے کی کیا وجہ ہے؟ تو کوئی وجہ نہیں بتائی بعد میں سمجھانے پر اپنے اس

ارادے سے باز آ گیا پھر چند ہفتوں کے بعد وہی طلاق دینے کی باتیں کرنے لگا پھر گھر والوں نے سمجھایا کہ بلا وجہ طلاق دینے میں والدین اور گھر والوں کی بدنامی ہے اور ان کی عزت کا سوال ہے لیکن وہ مانتا نہیں والدین فکر مند ہیں آپ مہربانی فرما کر طلاق دینے کے بارے میں جو مذمتیں ہیں ان کو تحریر فرمائیں اور والدین کو راضی رکھنے کی تاکید بھی تحریر فرمائیں تاکہ میرا بھائی اپنے ارادے سے باز آ جائے۔

(الجواب) عورت پہلے حرام تھی اللہ تعالیٰ کے قانون (نکاح) سے حلال ہوئی، رفیقۂ حیات بنی، گھر آباد ہوا، ایک دوسرے کے ہمدرد غمخوار اور وارث بن گئے، نصف دین کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ نے سند عطا فرما دی، اولاد پیدا ہونے پر نسل کے جاری ہونے کا ذریعہ حاصل ہو گیا، ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے بجائے بلا وجہ شرعی طلاق دینا کفرانِ نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ کو از حد ناپسند اور مبغوض ہے زوجین کے متعلقین کو لازم ہے کہ خرابی دور کر کے گھر آباد کرانے کی ممکن کوشش کریں، لیکن اگر دونوں میں نفرت اور رنجش اس درجہ پیدا ہو گئی ہو کہ جس کی وجہ سے نباہ ہونا مشکل نظر آئے اور حقوق زوجین پامال ہوتے ہوں تو ان خرابیوں کے ساتھ جوڑا باقی رکھنا بلائے عظیم ہے اور ایسی صورت میں تفریق ناگزیر ہو جاتی ہے۔ جب معاملہ اس مرحلہ تک پہنچ جائے تو والدین کی عزت اور خاندان کی آبرو کا خیال کر کے گھر کو جہنم کا نمونہ بنائے رکھنا روا نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

طلاق کا مضمون مطالعہ کرنے سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں :

(سوال ۳۳۰) میری شادی کو دو تین سال کا عرصہ ہوا مگر ہم دونوں میں لڑائی جھگڑا ہوتا رہتا ہے ایک مرتبہ میں قرآن پاک کا ترجمہ پڑھ رہا تھا اس میں طلاق کے مضمون کا مطالعہ کیا، مری طبیعت شکی ہے اس وقت سے خیال آتا ہے کہ شاید بیوی پر طلاق پڑ گئی اس وجہ سے میں پریشان ہوں جواب عنایت فرمائیں کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اپنی بیوی کے لئے طلاق کا لفظ بولا جائے تب طلاق واقع ہوتی ہے، قرآن کے ترجمہ میں یا کتابوں میں طلاق کا مضمون دیکھنے یا پڑھنے سے عورت پر طلاق نہیں ہوتی **لو کرر مسائل الطلاق بحضر تها ولا ینوی لا تطلق (البحر الرائق ج۳ ص ۲۷۸ کتاب الطلاق) فقط واللہ اعلم بالصواب .**

وقوع طلاق کے لئے گواہوں کا ہونا شرط نہیں:

(سوال ۳۳۱) میں نے اپنی زوجہ کو اسٹامپ پر لکھ کر طلاق دی اس وقت اس کو ایک مہینہ کا حمل تھا اور طلاق قبول کرنے کے لئے بالکل راضی نہ تھی، لیکن میں نے اس سے اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے اس کی صندوق میں "تحریری طلاق نامہ" رکھ دیا اور مہر کے پیسے بھی اس انداز سے کہ اس کو پتہ نہ چلے صندوق میں ڈال دیئے، عورت اس سے بالکل انجان اور بے خبر تھی جب اس نے اپنی صندوق کھولی تب اس کو اس کا علم ہوا، اس واقعہ کو ڈیڑھ سال ہو گیا، اور اس نے ابھی تک کسی سے نکاح نہیں کیا ہے، وضع حمل ہو چکا ہے اس کو پھر اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہوں تو مجھے کیا کرنا چاہئے، جس وقت طلاق دی تھی اس وقت کوئی گواہ نہیں تھا اور میں نے منہ سے طلاق وغیرہ کچھ بولا نہیں ہے جس طرح اوپر مذکور ہے اسی طرح کیا ہے تو طلاق ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) طلاق نامہ میں کیا الفاظ لکھے ہیں اس کو دیکھنے کے بعد فیصلہ کیا جا سکتا ہے اگر اس میں تین طلاق واقع کر

ہے تو عورت مطلقہ مغلظہ ہو جائے گی[1] اور اب بغیر شرعی حلالہ کے اس سے نکاح نہیں کرسکتا اور اگر تین طلاقوں کا ذکر نہیں ہے تو تجدید نکاح سے کام بن جائے گا۔ حمل میں طلاق واقع ہو جاتی ہے اور وقوع طلاق کے لئے گواہوں کا ہونا شرط نہیں ہے بلا گواہوں کے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، البتہ شوہر طلاق کا اقرار نہ کرتا ہو تو ثبوت طلاق کے لئے شرعی گواہوں کا ہونا ضروری ہے، اگر عورت جانتی ہے کہ اس کو طلاق مل چکی ہے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنی ذات کو شوہر کے حوالہ کرے **المرأة كالقاضی** (شامی باب الصریح تحت قوله دین **فقط واللہ اعلم بالصواب**.

۱۶ شوال المکرم ۱۳۹۹ھ۔

غیر مدخولہ کو طلاق دینے کے بعد شوہر خلوت کا دعویٰ کرے تو کیا حکم ہے:

(**سوال ۳۳۲**) ایک شخص نے اپنی عورت کو خلوت صحیحہ سے پہلے شرطیہ ایک طلاق دے دی جب مقامی علماء سے مسئلہ پوچھا گیا تو جواب وقوع طلاق بائنہ کا ملا۔ شوہر اس کے بعد کہنے لگا کہ ہماری میاں بیوی کی طرح خلوت ہوئی ہے لیکن میرے یا بیوی کے مکان پر نہیں بلکہ کسی اور جگہ خلوت ہوئی ہے عورت انکار کرتی ہے اور وہ نابالغہ ہے اس صورت میں کون سی طلاق واقع ہوگی؟ اور خلوت کے بارے میں کس کا قول معتبر ہوگا؟ اور اس لڑکی کی دوسری جگہ شادی کرنی ہو تو کیا تین طلاقیں دلوانا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(**الجواب**) صورت مسئولہ میں جب کہ رخصتی نہیں ہوئی اور خلوت کے گواہ بھی موجود نہیں ہیں عورت بھی انکار کرتی ہے اور وہ نابالغہ بھی ہے۔[2] تو شوہر کی بات کا اعتبار نہ ہوگا عورت ایک طلاق سے بائنہ ہوگئی، عدت بھی لازم نہیں، لہٰذا دوسرے سے نکاح درست ہے تین طلاقیں دلوانے کی حاجت نہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

طلاق کے وقت بیوی سامنے نہ ہو تو کیا حکم ہے:

(**سوال ۳۳۳**) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ جھگڑا ہوا اور غصہ میں آ کر ایک ہی سانس میں طلاق طلاق طلاق بول دیا اس وقت اس کی بیوی گھر میں نہیں تھی، عید کرنے میکے گئی تھی، زوجین میں کوئی جھگڑا نہیں تھا دونوں محبت سے رہتے تھے اور عورت خوشی خوشی اپنی میکے گئی تھی مذکور شخص کی نیت طلاق دینے کی نہیں تھی، اس کی بیوی ابھی میکے میں ہے، عورت کے گھر والے اس کو سسرال بھیجنے سے انکار کرتے ہیں اور فتویٰ طلب کرتے ہیں، طلاق کے وقت گھر میں اس کی والدہ ہمشیرہ اور بھاوج تھیں۔ سوال یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کتنی؟ زوجین ایک دوسرے کو چاہتے ہیں بہشتی زیور میں ہے کہ اگر نیت نہ ہو تو طلاق ہو نہیں سکتی فقط والسلام، بینوا توجروا۔ (سورت)

(**الجواب**) طلاق واقع ہونے کے لئے عورت کا سامنے ہونا یا طلاق کے الفاظ سنانا یا عورت کا نام لے کر طلاق دینا شرط نہیں ہے، پس اگر چہ شوہر نے عورت کا نام نہیں لیا مگر اگر دلالت حال اور قرائن سے معلوم ہو جائے کہ ان کا مقصود

---

(۱) فروع کتب الطلاق ان مستبینا علی نحو لوح وقع ان نوی وقیل مطلقا قال فی الشامیة تح قوله مطلقا المرادبه فی الموصفین نوی اولم ینو الخ درمختار مع الشامی مطلب فی الطلاق بالکتابة ج. ۲ ص ۵۸۹

(۲) والخلوة بلا مانع حسی کمرض لأحد هما یمنع الوط و طبعی کو جود ثالث... وشرعی کا حرام الفرض اونفل ومن الحسی رتق وقرن وعفل وصغر، درمختار مع الشامی مطلب فی احکام الخلوة ج. ۲ ص ۳۶۵.

اپنی عورت کو طلاق دینا تھا تو طلاق مغلظہ واقع ہوجائے گی (**قوله لتركه الاضافة) اى المعنوية فانها الشرط والخطاب من الاضافة المعنوية وكذا الاشارة الخ ولا يلزم كون الاضافة صريحة فى كلامه . الى قوله . وظاهره انه لا يصدق فى انه لم يرد امرأته للعرف (شامى ج ۲ ص ۵۹۰ باب الصريح)**.

جھگڑا اگر چہ بھائی بہنوں کے ساتھ تھا بیوی کے ساتھ نہیں تھا مگر اس کا امکان ہے کہ شوہر نے بیوی کو طلاق دی ہو یہ سوچ کر کہ بیوی کی وجہ سے اس مکان میں رہنا پڑتا ہے اور بھائی بہنوں کے طعنے سننے پڑتے ہیں عورت نہ ہوتی تو کہیں بھی اپنی زندگی گذار لیتا اور اگر واقع میں ایسی کوئی بات نہیں تھی بھائی بہنوں سے جھگڑتے ہوئے بے اختیار طلاق کے الفاظ زبان سے نکل گئے ہیں، عورت کی وجہ سے نہ جھگڑا تھا اور نہ اس کا ذکر آیا تو طلاق کا حکم نہیں لگایا جائے گا ۔فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

نوٹ: لفظ طلاق صریح لفاظ بے نیت کا محتاج نہیں ہے البتہ الفاظ کنایات نیت کے محتاج ہیں ۔ بہشتی زیور کی عبارت میں اسی کا تذکرہ ہے ۔ ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۹۶ھ ۔

غلط اقرار سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں :

(**سوال ۳۳۴**) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ محمد سعید نے اپنے دوستوں کو مخاطب کر کے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، دوستوں نے سوال کیا۔ کیا تم نے اپنی عورت کو طلاق دے دی؟ تو محمد سعید نے کہا کہ ہاں میں نے اپنی عورت کو طلاق دے دی۔ دوستوں نے پھر سوال کیا کیسے طلاق دی؟ تو محمد سعید نے کہا جیسے اس عورت کو طلاق دی تھی، واقعات کی تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ محمد سعید کا اپنی بیوی سے جھگڑا تو ہوا ہے مگر طلاق نہیں دی ہے اور اس نے دوستوں کے سامنے غلط اقرار کیا ہے تو اس صورت میں طلاق واقع ہوگی؟ فقط بینوا توجروا۔

(**الجواب**) صورت مسئولہ میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی (غلط اقرار سے بھی طلاق ہوجاتی ہے[1] دوبارہ یا سہ بارہ دوستوں کے جواب میں کہا کہ میں نے طلاق دے دی یہ پہلی طلاق کی خبر ہے جدید طلاق نہیں ہے لہذا عدت کے اندر محمد سعید رجوع کر سکتا ہے، نکاح جدید یا حلالہ کی ضرورت نہیں ہے ۔فقط واللہ اعلم بالصواب ۔ ۲۰ جمادی الاولی ۱۳۹۷ ۔

شوہر طلاق کا اقرار کر کے منکر ہوجائے تو کیا حکم ہے :

(**سوال ۳۳۵**) میرے شوہر نے میرے والد کے سامنے تین طلاقیں دیں اور دو آدمیوں کے سامنے طلاق دینے کا اقرار کیا۔ اب وہ انکار کرتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے مجھے میرے والد صاحب اور ان دو شخصوں پر اعتماد ہے لہذا میں سمجھتی ہوں کہ مجھے طلاق واقع ہوگئی ہے اور میں شوہر پر حرام ہوگئی ہوں مگر شوہر انکار کرتا ہے تو میرے لئے کیا صورت ہے؟ جواب مرحمت فرمائیں ۔بینوا توجروا۔

---

(۱) قوله اوهازلا اى فيقع قضاء وديانة كما يذكر الشارح وبه صرح فى الخلاصه الخ وشامى (ج ۲ ص ۵۸۲ قبيل مطلب فى تعريف السنكران وحكمه)

(الجواب) اگر تمہارے والد صاحب اور دونوں گواہ سچے معتبر ہوں اور تمہیں ان کی گواہی سے تین طلاقوں کا یقین یا ظن غالب ہو جائے تو ایسی صورت میں تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ اپنی ذات شوہر کے حوالہ کرو اور شوہر کے ساتھ زن و شوئی کا معاملہ کرو، شوہر نہ مانے تو تمہیں لازم ہے کہ چھوڑ دے دلا کر رہائی حاصل کر کے اپنے کو حرام کاری (زنا) سے بچاؤ۔ شامی میں ہے: والمرأة کالقاضی اذا سمعته' اوا خبر ھا عدل لا یحل لھا تمکینه. (ترجمہ) عورت مثل قاضی کے ہے جب کہ عورت خود طلاق سنے یا اس کو معتبر آدمی طلاق کی خبر دے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے (کہ شوہر کی بات مانے اور) شوہر کو اپنے اوپر قابو دے۔ (شامی ج ۲ ص ۵۹۴ باب الصریح)

جس کو زبردستی نشہ آور چیز پلائی گئی اس کی طلاق کا حکم :

(سوال ۳۳۶) ایک شخص ہے جو بالکل شراب کا عادی نہیں ہے، بعضوں نے طلاق لینے کی غرض سے اس کو دھوکے سے شراب پلائی اور بحالت نشہ اس سے طلاق دلوائی تو یہ طلاق معتبر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بحالت نشہ جو طلاق دی جاتی ہے وہ اگرچہ معتبر ہے اور واقع ہو جاتی ہے مگر جبراً اور دھوکے سے شراب پلا کر بحالت نشہ جو طلاق دلوائی گئی ہے وہ معتبر نہیں ہے (واختلف التصحیح فیمن سکر مکرھا او مضطرا) (قوله واختلف التصحیح آه) فصحح فی التحفة وغیرھا عدم الوقوع وجزم فی الخلاصة بالوقوع قال فی الفتح والاول احسن لان موجب الوقوع عند زوال العقل لیس الا التسبب فی زواله بسبب محظور وھو منتف وفی النھر عن تصحیح القدوری انه التحقیق (درمختار والشامی ج ۲ ص ۵۸۳ کتاب الطلاق) فقط واللہ اعلم بالصواب.

مجنون اور معتوہ کی طلاق کا حکم :

(سوال ۳۳۷) حاجی صاحب ایک عرصہ سے جنون میں مبتلا ہیں، کئی بار علاج شوٹ بھی لگوائے تاہم گاہے گاہے جنون کا شدید دورہ پڑتا ہے کبھی افاقہ ہو جاتا ہے مگر کامل افاقہ نہیں ہوتا فی الحال جب کہ پچاس فیصدی جنون کا اثر ہے حاجی صاحب نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں تو طلاق واقع ہو کر عورت مغلظہ ہوگی یا نہیں بینوا توجروا۔

(الجواب) (ویقع طلاق کل زوج عاقل بالغ مستیقظ) لقوله علیه الصلوة والسلام کل طلاق واقع الا طلاق الصبی والمعتوه وفی روایة الا طلاق الصبی والمجنون اھ (الاختیار لتعلیل المختار ج ۳ ص ۱۲۴ کتاب الطلاق) واراد بالمجنون من فی عقله الاختلال فید خل المعتوه. واحسن الاقوال فی الفرق بینھما ان المعتوه ھو القلیل الفھم المختلط الکلام الفاسد التدبیر ولکن لا یضرب ولا یشتم بخلاف المجنون الخ (البحر الرائق ج ۳ ص ۲۴۹ ایضاً تحت قوله لا طلاق الصبی والمجنون) وصرح الاصولیون بان حکمه کالصبی الا ان الدبوسی قال تجب علیه العبادات احتیاطا وردہ صدر الاسلام بان العته نوع جنون فیمنع وجوب اداء الحقوق جمیعاً ما بسطه' فی شرح التحریر (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۵۸۶ مطلب فی طلاق المدھوش) وکذا المعتوه لا یقع طلاقه ایضاً وھذا اذا کان فی حالة العته اما فی حالة الافاقة فالصحیح انه واقع ھکذا فی

الجوھرۃ النیرۃ(فتاوی عالمگیری ج ۲ ص ۵۵ کتاب الطلاق)درمختار کتاب الحجر میں ہے (وسببہ الحجر) (صغر وجنون) یعم القوی والضعیف کما فی المعتوہ وحکمہ کممیز کما سیجئی ۔ الی قولہ ۔ مع ان طلاق المعتوہ ایضا لا یصح کذا افادہ ابن الکمال وتبعہ الشارح (درمختار مع الشامی ج۵ ص ۱۲۳ ، ۱۳۴)

مذکورہ بالا احادیث اور روایات فقہیہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہ ہوگی......مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو۔

فتاویٰ دارالعلوم (عزیز الفتاویٰ) میں ہے۔

(الجواب) ......حالت افاقہ میں اگر وہ تام العقل ہوجاتا ہو تو طلاق اس کی صحیح ہے۔ کما حققہ الکمال قال فی الشامی فیحترز عمن یفیق احیاناً ای یزول عنہ ما بہ بالکلیۃ وھذا کالعاقل البالغ فی تلک الحالۃ. شامی جلد خامس . کتاب الحجر .فقط واللہ اعلم بالصواب . کتبہ .(العلامہ مفتی) عزیز الرحمان عفی عنہ (رحمہ اللہ ج ۳. ۴ص ۲۹۵)

(الجواب) ......اگر جنون سے افاقہ کامل حاصل ہونے کی حالت میں طلاق دیا ہے تو طلاق واقع ہوجاتی ہے (فتاویٰ نظامیہ۔ مفتی محمد رکن الدین مفتی مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن ج ۲ص ۲۶۰) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مطلقہ ثلثہ کو غیر مقلدوں کے فتویٰ کا سہارا لے کر رکھ لے تو ایسے شخص سے قطع تعلق کرنا کیسا ہے :

(سوال ۳۳۸) میرا چھوٹا بھائی اس نے اپنی عورت کو ۱۹۶۵ء میں طلاق مغلظہ دے دی اس کے دو ماہ بعد سامرودی غیر مقلد کے فتوی پر عمل کرتے ہوئے اپنی عورت کو بغیر نکاح کے رکھ لیا اور دو سال بعد ایک لڑکا پیدا ہوا، نیز اس نے رسول مقبول ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کی اس نے (معاذ اللہ خاکم بدھن) کہا، کیا حضور ﷺ کو بھی طلاق کے بارے میں ایسی ہی سمجھ پڑی کہ تین دفعہ کہنے سے طلاق ہوجاتی ہے، حضور ﷺ کی شان میں ایسا کہنے والا کافر ہوجاتا ہے یا نہیں؟ ان دو وجوہات کی بنا پر میں نے ا ور دوسرے بھائیوں نے اس وقت سے اس سے قطع تعلق کر رکھا ہے مگر دوسرے رشتہ دار کہتے ہیں کہ تم لوگ اس کے ساتھ تعلقات استوار کرلو اس کے اعمال اس کے ساتھ ہیں اس کی قبر میں وہ جواب دے گا، آپ براہ کرم جواب تحریر فرمائیں ہم لوگ کیا کرے مثل سابق قطع تعلق رکھیں یا تعلق قائم کرلیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں غیر مقلد سامرودی کے نام نہاد فتویٰ کا (جو نصوص قطعیہ شرعیہ قران وحدیث اور اجماع صحابہ کے خلاف ہے) سہارا لے کر مطلقہ مغلظہ کو رکھ لینا قطعی حرام کاری وزنا کاری اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہے اور اپنے حق مذہب حنفی نیز دیگر مذاہب حقہ شافعی مالکی اور حنبلی کے متفقہ فیصلہ کی خلاف ورزی ہے ایسے شخص کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے (شامی ج ۲ ص ۲۶۳ لیس للعامی ان یتحول من مذھب الی مذھب ویستوی فیہ الحنفی والشافعی وقیل لمن انتقل الی مذھب الشافعی یتزوج لہٗ أخاف ان یموت مسلوب الایمان لا ھانۃ للدین لجیفۃ قذرۃ. شامی باب القبول (الشھادۃ) وعدمہ ج۵ ص ۴۸۱) مزید برآں

اس نے یہ کہہ کر (معاذ اللہ) "کیا حضور اکرم ﷺ کو بھی طلاق کے بارے میں ایسی ہی سمجھ پڑی کہ تین دفعہ طلاق کہنے سے طلاق ہو جاتی ہے" حضور اقدس ﷺ کی شان میں صریح توہین کی ہے۔

لہٰذا ایسے شخص سے جب تک وہ اس عورت سے علیحدگی اختیار نہ کرلے اور تجدید ایمان نہ کرے قطع تعلق ضروری ہے تاکہ اس سے اور لوگوں کو بھی عبرت حاصل ہو۔

ہم روزانہ وتر کی نماز میں خدا کے سامنے اقرار کرتے ہیں ونترک من یفجرک یعنی اے اللہ ہم علیحدہ ہوتے ہیں اور چھوڑ دیتے ہیں ہر اس شخص کو جو تیری نافرمانی کرے۔

خطا کار لوگوں (فاسق معلن) سے تاوقتیکہ وہ باز نہ آئیں بات چیت سلام کلام میل جول ترک کر دینا آپ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے ثابت ہے، غزوہ تبوک کے موقع پر پیچھے رہ جانے والے تین صحابی رضی اللہ عنہم اجمعین سے حضور اکرم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے ان کی توبہ قبول ہونے تک سلام کلام میل جول ترک کر دیا تھا بخاری شریف میں ان کا واقعہ مفصلاً حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کا ایک حصہ یہ ہے **ونهى رسول الله صلى الله عليه و سلم المسلمين عن كلامنا ايها الثلاثة من بين من تخلف عنه فاجتنبنا الناس وتغير والنا حتى تنكرت في نفسي الا رض فما هي التي اعرف فلبثنا على ذلک خمسين ليلة**(بخاری شریف ج۲ ص ۶۳۵ باب غزوة تبوک وهي غزوة العسره)(الاصح السير ج ۱ ص۳۳۸) فقط واللہ اعلم بالصواب .

ناحق طلاق دینے پر بائیکاٹ (قطع تعلق) کرنا کیسا ہے :

(سوال ۳۳۹) علماء کرام ومفتیان عظام کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ ہماری جماعت میں آج کل طلاق دینے کا رواج بہت عام ہو رہا ہے، معمولی معمولی باتوں پر طلاق دے دیتے ہیں جس بناء پر لڑکیوں پر ناحق ظلم ہو رہا ہے بایں وجہ ہماری جماعت (برادری) والوں نے یہ طے کیا ہے کہ بلا وجہ اور ناحق کوئی شخص تین طلاق دے دے تو تین برس تک کوئی اس کو لڑکی نہ دے یہ قانون بنانا اور اس پر عمل کرانا ارکان جماعت کے لئے جائز ہے؟ اور اس دستور پر عمل کرنے میں مردوں کی حق تلفی تو نہ ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بے شک آنحضور ﷺ کا فرمان ہے کہ حق تعالیٰ کو تمام مباح چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض طلاق ہے ابغض الحلال الى الله الطلاق لیکن بعض دفعہ طلاق دینا ناگزیر ہو جاتا ہے لہٰذا اس پر پابندی لگانے سے اور طلاق کا دروازہ بند کر دینے سے بڑی خرابی رونما ہو سکتی ہے مثلاً کبھی میاں بیوی میں سے کسی ایک کی بداخلاقی یا حماقت کی وجہ سے یا تنگی معاش کی وجہ سے شدید اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اور دونوں میں اس قدر بعد ہو جاتا ہے کہ حقوق زوجین پامال ہونے لگتے ہیں ان حالات میں بہ جبر و اکراہ دونوں کو نکاح پر برقرار رکھنا بلائے عظیم ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں ہے **ومع ذلک لا يمكن سد هذا الباب (ای باب الطلاق) والتضييق فيه فانه قد يصير الزوجان متنا شزين اما لسوء خلقهما او لطموح عين احدهما الى حسن انسان اولضيق معيشتهما او لحرق واحد منهما ونحو ذلک من الا سباب فيكون ادامة هذا النظم مع ذلک بلا عظيما وحرجاً** (حجة

اللہ البالغة ج ۲ ص ۳۹۸ کتاب الطلاق)

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔اگر عورت بدطینت ہے اور اس کے مزاج میں تشدد ہے اور زبان میں تحق ہے تو اس کے شوہر پر باوجود زمین کشادہ ہونے کے تنگ ہو جائے گی اور مقصد نکاح فوت ہو جائے گا بلکہ فساد سے بدل جائے گا فلو كان بها جبلة سوء وفي خلقها وعادتها فظاظة وفيء لسانها بذاء ضاقت عليه الارض بما رحبت وانقلب عليه المصلحة مفسدة (حجة الله البالغة ۲ ص ۳۶۰ الخطبة وما يتعلق بها)

شیخ سعدی علیہ الرحمہ گلستان میں بدخلق بدزبان جھگڑالو عورت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

زن بد در سرائے مرد نکو
ہم دریں عالم است دوزخ او
زنہار از قرین بد زنہار
وقنا ربنا عذاب النار

(ترجمہ) بدخلق، بداطوار عورت نیک مرد کے گھر میں اسی دنیا میں اس کے لئے دوزخ ہے خدائے پاک برے جوڑے سے محفوظ رکھے اور عذاب دوزخ سے بچائے (گلستاں باب دوم دراخلاق درویشاں)

درحقیقت ایسی حالت میں زندگی دوزخ کا نمونہ بن جاتی ہے لہذا علیحدگی بہتر ہوتی ہے لیکن ایک طلاق دی جائے ،اگر تین طلاق دینا چاہے تو تین طہر میں دے لیکن ایک ہی طلاق دینا بہتر ہے ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کا رواج غلط اور خلاف سنت ہے اس پر پابندی عائد کی جاسکتی ہے اگر باز نہ آئے تو بااثر لوگ قطع تعلق اور بائیکاٹ کرلیں، لڑکی نہ دینے کا دستو اور پابندی ظلم اور گناہ کا باعث ہے لہذا ایسی قانون سازی کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔فقط واللہ اعلم بالصوب

اکراہ کی ایک نادر صورت:

(سوال ۳۴۰) میاں بیوی دونوں معزز اور خاندانی ہیں کسی وجہ سے عورت کے دل میں شوہر کی طرف سے سخت نفرت پیدا ہوگئی وہ بضد طلاق کا مطالبہ کرتی تھی ،شوہر اسے مطمئن کرنے کی غرض سے ہمراہ لے کر امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے دفتر میں حاضر ہوا اتفاق سے دفتر بند تھا اسی میں عورت نے بے حد غضبناک ہوکر برقعہ نکال پھینکا اور آنکھیں نکال کر شوہر کا گریبان مضبوط پکڑ کر مصر ہوئی کہ طلاق دے دے لوگ جمع ہوگئے ،شوہر نے اپنی بے عزتی اور عورت کی زبردستی کی وجہ سے طلاق نامہ لکھ دیا اس سے بھی وہ مطمئن نہیں ہوئی اور تین مرتبہ طلاق لکھوائی ،شوہر نے زبان سے کچھ نہیں کہا،دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ صورت اکراہ کی ہے یا نہیں؟ اور طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً۔بصورت اکراہ جب کہ جان کا خطرہ لاحق ہو یا کسی عضو کے کٹ جانے کا اندیشہ ہو یا ضرب شدید (ناقابل برداشت مار) یا انتہائی ذلت کے خوف سے اگر طلاق زبانی (کلمات طلاق زبان سے بول کر) دی جائے تو وہ واقع ہوجاتی ہے اور زبان سے الفاظ طلاق بولے بغیر صرف طلاق کی تحریر لکھ دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی پس صورت مسئول میں چونکہ شوہر ذی منصب وذی جاہ بھی ہے اور واقعہ تحریری طلاق کا ہے اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی

۔رہی یہ بات کہ صورت مسئولہ "اکراہ" کی صورت ہے اس کے لئے درج ذیل عبارتیں پیش ہیں۔
مفتی مدینہ منورہ (زادہا اللہ شرفاً وکرامۃ) حضرت علامہ سید اسعد المدنی رحمہ اللہ کا فتوی ملاحظہ ہو۔
(سوال) في رجل تشاجر مع زوجته فقامت عليه ومسكته من زيق ثوبه وقطعت اثوابه وقالت طلقني وما عرف يخلص نفسه منها الا بقوله البعيدة طالق ولم يقصد طلاقها وانما حيلة لخلاصة منها وكان قبل ذلك طلقها تطليقتين فهل تقع عليه هذه الطلقة ويلحق ماسبق ام كيف الحال ؟ افتونا.
(الجواب) نعم تقع عليها طلقة ثالثة ولا تعتبر هذه النية وقد اطال في البحر الرائق بحثها، فراجع ان شئت وهي من قسم طلاق المكره ولا شك في وقوعها والله اعلم (فتاوى اسعدية ج ا ص ۵)
اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صورت مذکورہ فی السوال اکراہ کی صورت ہے لہذا تحریر طلاق واقع نہ ہوگی　درمختار میں ہے۔
والثالث (كون الشيئ المكره به متلفا نفساً اوعضواً او موجباً غماً يعدم الرضا) وهذا ادنى مراتبه و هو يختلف باختلا ف اشخاصه فان الا شراف يغمون بكلام خشن والارذال ربما لا يغمون الا بالضرب المبرح ابن كمال (درمختار مع الشامي ج۵ ص ۱۱۰ كتاب الا كراه)
غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار میں ہے۔
اور تیسری شرط یہ ہے کہ جس چیز کی وجہ سے اکراہ ہو وہ چیز جان یا عضو کی تلف کرنے والی ہو یا موجب ہو ایسے غم اور اندوہ کی جو رضامندی کو نیست ونابود کرد ے۔الی قولہ۔اور یہ یعنی موجب غم کمتر مرتبہ ہے اکراہ کا، اور وہ مختلف باختلاف اشخاص ہے اس واسطے کہ اشراف غمگین ہوجاتے ہیں سخت بات سے اور کمینے اکثر آزردہ نہیں ہوتے مگر ضرب شدید سے کذاذکرہ ابن الکمال (غایۃ الوطار ج۴ ص ۸۱، ۸۲)
درمختار میں دوسری جگہ ہے۔۔۔۔والرابع۔۔۔۔ (فلو اكره بقتل او ضرب شديد) متلف لا بسوط او بسوطين الا على المذاكير والعين بزازية (اوحبس) اوقيد مديدين بخلاف حبس يوم او قيده او ضرب غيرشديد الا لذى جاه (درمختار مع الشامي ج۵ ص ۱۱۰ كتاب الا كراه)
غایۃ الاوطار میں اس کا ترجمہ فرماتے ہیں:۔
واو کرہ۔۔۔تو اگر ایک شخص پر اکراہ ہو بسبب قتل یا ضرب شدید متلف کے نہ ایک دو کوڑے کی ضرب کہ وہ تلف کرنے والی نہیں مگر آلات تناسل یا آنکھ پر البتہ متلف ہے۔۔۔۔الی قولہ۔۔۔۔اوحبس۔۔۔۔یا اکراہ ہو حبس دراز یا قید طویل سے بخلاف حبس یک روز یا قید یک روز یا ضرب خفیف کے کہ وہ اکراہ نہیں ہے۔مگر عزت دار کے حق میں البتہ اکراہ ہے۔کذافی الدر وغایۃ الاوطار ج۴ ص ۸۲)
البحر الرائق میں ہے وفي المحيط قال مشائخنا الا اذا كان الرجل صاحب منصب يعلم انه يتضرر بضرب سوط او حبس يوم فانه يكون اكراهاً ۔۔ الى قوله۔۔۔۔ لا نه يختلف باختلاف احوال الناس فمنهم لا يتضررون بضرب سوط او بفرك اذنه لا سيمافي ملأمن الناس او بحضرة السلطان الخ (البحر الرائق ج۸ ص ۷۱ تكمله) اوقيد يوم لا يكون اكراهاً لانه لا يبالي به عادة الا اذا كان

ذامنصب یستضربه، فیکون اکراھا فی حقه لزوال الرضی (ج ۲ ص ۱۰۵ کتاب الاکراہ)

عینی شرح کنز میں ہے ولو اکراہ بحبس یوم اوقید یوم او ضرب سوط لا یکون اکراھا اذا کان ذا عزو مرتبة کتاب الاکراہ.

مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر میں ہے والرابع (کون المکرہ به متلفا نفساً او عضواً من الاعضاء او موجبا غماً یعدم الرضی) لان من کان شریفاً یغتم بکلام خشن فیعدم مثل ھذا فی حقه اکراھا اذھوا شدله من الم الضرب من کان رذیلا فلا یغتم الا بضرب مولم اوبحبس شدید فلا یعد الضرب مرة بسوط ولا لحبس ساعةً بل یوما فی حقه اکراھا لکون الاشخاص متفا وتا ولذا قید مایوجب الغم باعدام الرضی. (مجمع الانھر ج ۲ ص ۴۳۰ کتاب الاکراہ)

ان حوالہ جات سے بقدر مشترک یہ ثابت ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں چونکہ شوہر شریف النسب، ذی منصب اور ذی جاہ ہے اس لئے یہ صورت اکراہ کی ہے اور واقعہ تحریری طلاق کا ہے اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی تحریری طلاق واقع نہ ہونے کے سلسلہ میں مزید تائید کے لئے ملاحظہ ہو۔

عارف باللہ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب قدس سرہ نے والد کی خفگی اور ناراضگی کو بھی اکراہ میں داخل فرمایا ہے، فتاویٰ دارالعلوم قدیم میں ہے۔

(سوال ۱۲۳ / ۸۸۹) مسماۃ بیگم جو کہ بندہ کی نکاح میں تھی والد صاحب کو چند آدمی نے کہا کہ اس کو (اپنے لڑکے کو) اس سے (اس کی بیوی سے) علیحدہ کرادیجئے، بندہ نے باادب والد صاحب کو یہ جواب دیا کہ میری حالت اس کو ترک کرنے سے ابتر ہوجائے گی، والد نے کہا تجھ سے کبھی نہ بولوں گا اس پر بندہ نے دو روپیہ کے کاغذ کا اسٹامپ خرید کر ایک پر طلاق نامہ لکھا گیا اور دوسرے پر مہر نامہ، اس وقت میری حالت ابتر اور خراب تھی مجھ کو خبر نہ تھی کہ کس حالت میں ہوں مجھ پر صدمہ پڑا ہوا تھا کبھی روتا تھا کبھی خاموش ہوجاتا تھا، یہ بات قسمیہ عرض ہے جہاں تک مجھ کو خیال ہے اس حالت میں مجھ سے لفظ طلاق دو مرتبہ نکل گیا تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) کاغذ کی لکھی ہوئی طلاق تو اس حالت عدم رضا میں نہیں واقع ہوئی مگر زبان سے دو مرتبہ طلاق کا لفظ نکلا اس سے دو طلاق رجعی واقع ہوگئی، عدت کے اندر رجوع کرنا درست ہے۔ فقط واللہ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم قدیم ج ۳-۴ ص ۲۴۲) فقط واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔ ۱۳ رجب ۱۴۰۰ھ۔

خواب آور گولی کھا کر طلاق دے دے تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں:

(سوال ۳۴۱) ایک شخص بلا کسی ڈاکٹر وغیرہ کی تجویز کے خود اپنے طور پر خواب آور ٹیبلیٹ کھالیتا ہے چونکہ اس کے اندر مخدرات اجزا ہوتے ہیں اس کی وجہ سے دماغ پر وقتی طور پر اثر پڑتا ہے اور دماغی توازن پورا قائم نہیں رہتا اس حالت میں اس نے کسی وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) وھوالموفق للصواب: تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ خواب آور ٹیبلیٹ اجزا مخدرات وسمیات سے مرکب ہے ذرا سی بے احتیاطی سے خطرناک صورت پیدا ہوجاتی ہے اور ہلاکت تک کی نوبت آجاتی ہے لہذا حکیم حاذق اور ماہر

ڈاکٹر کی اجازت کے بغیر اور ہدایت کے خلاف ان خواب آور گولیوں کا استعمال درست نہیں، اگر کوئی شخص ان کا استعمال کرے اور دماغی حالت خراب ہوجائے اور طلاق دے دے تو زجراً وقوع طلاق کا فتویٰ دیا جائے گا۔ نصاب الاحتساب قلمی میں ہے ذکر فی شرح الکرخی قالوا ان شرب البنج یجوز للتداوی فاذا زال العقل لم یجز .الی قوله . وذکر فی المحیط فی هذا تفصیلا منقولا عن ابی حنیفة رحمه الله ان السکر من البنج حرام وان طلاق البنجی واقع فقال علیه السلام من اکل البنج طار نور قلبه ولا یعود الیه الا ان یتوب ورجع الی قوله. والدلیل علی ان البنج حرام طاهر لان اهل الطب ذکروا البنج فی السموم والسم بانواعه حرام فکذا البنج ولانه مضر یتولد منه کثیر من الامراض یعرف ذلک فی کتب الطب الی قوله . وذکر فی الذخیرة: ذکر عبدالعزیز الترمذی قال سألت ابا حنیفة رحمه الله وسفیان الثوری عن رجل شرب البنج فارتفع الی راسه فطلق امراته قال ان کان حین یشرب یعلم ماهی فهی طالق وان کان حین یشرب لا یعلم انه ماهو لا یطلق (نصاب الاحتساب باب نمبر ۳۶ ص ۲۰۔۵۷)

ضمیمہ ثانیہ حصہ نہم بہشتی زیور کی بے نظیر جوہر میں ہے۔

''اور حکم کشتہ جات اور سمیات کا بھی نقل آیا کہ بلا رائے طبیب حاذق معتمد علیہ ان کا استعمال درست نہیں۔ اور اگر حاذق ومعتمد علیہ طبیب کھلاوے تو درست ہے کیونکہ وہ کسی نفع کے لئے کھلاتا ہے۔'' حاشیہ میں ہے علی ہذا ان ڈاکٹری ادویات کا کھانا جو تیز ہیں اور سمیت بھی رکھتی ہیں جیسے اسٹریکنیا (جوہر کچلہ) اور مارفیا وغیرہ کہ بلا تجویز ماہر اور معتمد ڈاکٹر کے جائز نہیں ہے۔ الخ (بہشتی زیور ص ۱۳۰۔۱۳۱ حصہ نہم) واللہ اعلم۔

طلاق کی تعداد میں شک ہوجائے تو کیا حکم ہے :

(سوال ۲۴۲) کسی کو شک ہوجائے کہ طلاق ایک دی ہے یا دو، تو کیا حکم ہے، ایک شمار ہوگی یا دو؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فقہاء کرام نے ارقام فرمایا ہے کہ شوہر نے قسم کھائی ہے مگر یہ یاد نہیں رہا کہ طلاق کی قسم کھائی ہے یا کسی اور چیز کی تو ایسی قسم لغو ہے، طلاق واقع نہ ہوگی اس لئے کہ نکاح بالیقین ثابت ہے اور طلاق جو قاطع نکاح ہے مشکوک ہے اور قاعدہ ہے الیقین لا یزول بالشک علی ہذا شوہر کو شک ہے کہ ایک طلاق دی ہے یا زیادہ (دو یا تین) تو اگر ایک یا دو میں شک ہے تو تحری کرے، جس طرف ظن غالب ہو اس کو اختیار کرے اگر دونوں جانب برابر گمان ہو تو اقل شمار ہوگی لیکن احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ اکثر تعداد مانے اس لئے کہ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ باب الفروج میں احتیاط اولیٰ ہے۔ علم انه حلف ولم یدر بطلاق او غیره لغا کما لو شک الطلاق ام لا ولو شک اطلق ام لا ولو شک اطلق واحدة او اکثر بنی علی الاقل (درمختار) (قوله بنی علی الاقل) ای کما ذکر الاسبیجابی الا ان یستیقن بالاکثر او یکون اکبر ظنه وعن الامام الثانی اذا کان لا یدری الثلاث ام اقل یتحری وان استویا عمل باشد ذلک علیه اشباه عن البزازیة وعلی قول الثانی اقتصر قاضی خان ولعله لانه یعمل بالاحتیاط خصوصا فی باب الفروج اه (شامی ج ۲ ص ۶۶۴ قبیل باب طلاق غیر المدخول بها) فقط واللہ اعلم بالصواب .

اضافت معنویہ کی صورت میں طلاق دیانۃً وقضاءً واقع ہوتی ہے یا صرف قضاءً:

(سوال ۳۴۳) عام طور پر حضرات مفتی صاحبان کے مدونہ فتاویٰ میں تحریر ہے کہ بصورت اضافت معنویہ بیوی پر طلاق پڑتی ہے، عام طور سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ طلاق دیانۃً وقضاءً دونوں قسم کی پڑجاتی ہے لیکن اس دیار میں بعض مولوی بصورت تفصیل جواب دیتے ہیں کہ اضافت معنویہ کی صورت میں مثلاً اقرار کاذب کا دیانۃً طلاق واقع نہیں ہوتی صرف قضاءً واقع ہوتی ہے۔ اگر یہی صورت ہے تو تفصیل کس کتاب میں ہے مع صفحہ تحریر فرمادیں، بینوا توجروا۔ (بنگلہ دیش)

(الجواب) وقوع طلاق کے لئے اضافت الی المنکوحہ شرط ہے خواہ اضافت صریحہ ہو یا معنویہ۔ درمختار میں ہے لم یقع لترکہ الا ضافۃ الیھا (قولہ لترکہ الا ضافۃ) ای المعنویۃ فانھا الشرط والخطاب من الا ضافۃ المعنویۃ کذا الاشارۃ نحو ھذہ طالق وکذا نحو امرأتی طالق وزینب طالق اھ (شامی ج ۲ ص ۵۹۰ باب الصریح) صریحہ کی صورت میں قضاءً ودیانۃً طلاق واقع ہوجاتی ہے اور اضافت معنویہ کی صورت میں اگر شوہر مزاحم اور منکر نہ ہو تو قضاءً ودیانۃً طلاق واقع ہوگی۔ اور اگر شوہر مزاحم ہو اور انکار کرتا ہو اور حلفیہ بیان دیتا ہو کہ میں نے میری بیوی کو طلاق نہیں دی تو بوجہ احتمال دیانۃً طلاق واقع نہ ہوگی اور بوجہ قرائن ودلالت حال قضاءً طلاق واقع ہوگی۔ شامی میں بحرالرائق سے منقول ہے لو قال امرأۃ طالق او قال طلقت امرأۃ ثلثاً وقال لم اعن امرأتی یصدق اھ ویفھم انہ لو لم یقل ذلک تطلق امرأتہ لان العادۃ ان من لہ امرأۃ انما یحلف بطلاقھا لا بطلاق غیرھا الخ۔ (شامی ج ۲ ص ۵۹۱ ایضا)

ولو اقر بطلاق زوجتہ ظاناً الوقوع بافتاء المفتی فتبین عدمہ لم یقع کما فی القنیۃ (الاشباہ) قولہ لم یقع ای دیانۃ اما قضاء ا فیقع کما فی القنیۃ لا قرارہ بہ (شرح حموی ص ۱۸۱ القاعدۃ السابعۃ عشر)

جب قاضی یا حاکم اس کو طلاق دے کر تفریق کا حکم نافذ کردے گا تو دیانۃً بھی عورت حرام ہوجائے گی عورت کو وقوع طلاق کا یقین ہوجائے تو اس کے لئے جائز نہ ہوگا کہ اس شوہر کے ساتھ میاں بیوی کی طرح رہے کہ "امرأۃ کالقاضی۔" فقط واللہ اعلم۔

بلاقصور طلاق دینا:

(سوال ۳۴۴) ایک شخص کی دو بیویاں ہیں وہ ایک بیوی کو بغیر کسی قصور اور خطا کے اس کو کچھ دے دلا کر طلاق دینا چاہتا ہے عورت اس طلاق پر خوش نہیں ہے وہ ساتھ رہنا چاہتی ہے تو مرد بلا کسی وجہ شرعی کے طلاق دے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نکاح ایک عبادت ہے اور میاں بیوی کے درمیان تادم حیات آپس میں میل محبت کے ساتھ رہنے اور عمدہ زندگی گذارنے کا معاہدہ بھی ہے لہذا بلا کسی قصور اور بلا وجہ شرعی کے طلاق دے دینا معاہدہ کی خلاف ورزی، ظلم اور ناانصافی ہے اگر بیوی کی کوئی عادت یا شکل وصورت ناپسند ہو جس کی بنا پر وہ اسے طلاق دے دینا چاہتا ہے تو یہ بھی

خیال رکھنا چاہئے کہ اس کے اندر کتنی خوبیاں بھی ہوں گی چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً (ترجمہ) اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کی ساتھ گذران کیا کرو اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شئی کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر بڑی منفعت رکھ دے (قرآن مجید) بہر حال بلا وجہ شرعی بیوی کو طلاق دینا ظلم اور قابل مواخذہ فعل ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صرف شرعی شہادت پر طلاق کا فیصلہ کرنا صحیح ہے یا نہیں :

(سوال ۵ ۳۴) ذیل میں الاشباہ کی ایک عبارت پیش خدمت ہے جس کا حل مطلوب ہے قال تقبل شھادۃ الحسبۃ بلا دعویٰ فی طلاق المرأۃ الخ (الاشباہ ص ۲۱۳ شامی ص ۱۷ ۳ کتاب الشھادۃ)

اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ دو آدمی اہل شہادت سے اس کی گواہی دے دیں کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے تو ان کی شہادت پر فیصلہ کر دیا جائے گا چاہے میاں بیوی دونوں طلاق کا انکار کرتے ہوں، یہ حکم علی الاطلاق ہے یا اس کے واسطے کچھ شرائط وضوابط ہیں؟ اگر یہ حکم علی الاطلاق ہے تو پھر بڑی آسانی سے لوگ اس کو تفریق بین الزوجین کا بہانہ بنالیا کریں گے اس کا جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسطورہ میں احقر کی سمجھ میں یہ آتا ہے کہ شہادت زور (جھوٹی شہادت) کی وعید شدید "لن تزول قدما شاھد الزور حتی یوجب اللہ لہ النار (یعنی جھوٹی شہادت دینے والے کے پاؤں اپنی جگہ سے (قیامت کے دن) ہٹ نہ سکیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے جہنم کا فیصلہ نہ کردے) (ابن ماجہ ص۱۷۳ ابواب الشھادات باب شہادۃ الزور) کے باوجود جب گواہ متشرع عادل وثقہ ہوں اور صاحب معاملہ کے دشمن بھی نہ ہوں ایسے گواہ جب شہادت دیں کہ اس شخص نے ہمارے سامنے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی ہے اور قاضی یا مفتی کو پورا اطمینان ہو جائے کہ یہ لوگ جھوٹ نہیں بول رہے ہیں تو ایسی شہادت دلیل شرعی اور حجت ہے اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا درست ہے (ان ھذہ شھادۃ بحرمۃ الفرج وھو حق اللہ تعالیٰ) اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔

اخبرنا عبدالرزاق قال اکبر نا ھشیم قال اخبرنی یزید بن زاویۃ انہ سمع الشعبی یسال عن الرجل یشھد علیہ الرجلان انہ طلق امرأتہ ففرق بینھما بشھادتھما ثم تزوجھا احد الشاھدین بعد ما انقضت عدتھا ثم یرجع الشاھد الاٰخر فقال الشعبی لایلتفت الی رجوعہ اذا قضی الحاکم (مصنف عبدالرزاق ج۸ ص ۳۵۳)

یعنی امام شعبیؒ سے مسئلہ دریافت کیا گیا کہ ایک شخص کے متعلق دو آدمیوں نے گواہی دی کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے قاضی نے اس شہادت کی بنا پر ان کے درمیان تفریق کردی، عورت کی عدت پوری ہونے کے بعد ایک گواہ نے اس عورت سے نکاح کرلیا پھر دوسرے گواہ نے اپنی شہادت سے رجوع کرلیا تو امام شعبیؒ نے فرمایا جب حاکم (اور قاضی) نے اس کی شہادت پر فیصلہ کردیا تو اب اس کے رجوع کا کوئی اعتبار نہیں ہے (اس وقت رجوع کر رہا ہے تو گویا یہ ثابت کررہا ہے کہ میں نے جھوٹ بولا تھا تو یہ فاسق ہوا اور فاسق کی بات کا کوئی اعتبار نہیں اس نے پہلی جو بات کہی تھی اور اس کی بنا پر جو فیصلہ ہوا تھا وہ برقرار رہے گا)

رہا یہ اندیشہ کہ اس صورت میں طلاق کا دروازہ کھل جائے گا تو یہ بات طلاق مکرہ کے مسئلہ میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ خیر! اس احتمال کی بنا پر شرعی شہادت کو جو دلیل شرعی ہے اور حجت ہے رد کردینا صحیح نہیں ہے کیونکہ شہادت احیاء حق کا ذریعہ ہے اور اس پر ثبوت حقوق اللہ وحقوق العباد کا زیادہ تر مدار ہے، زانی کو رجم کرنا چور کا ہاتھ کاٹنا قاتل سے قصاص لینا شرعی شہادت کی بنا پر ہوتا ہے تو ایسی شرعی شہادت طلاق میں کیوں قابل قبول نہ ہو؟ شامی میں ہے والمرأة کالقاضی اذا سمعته او اخبر عدل لا یحل لها تمکینه عورت قاضی کے مانند ہے کہ جب وہ خود سن لے کہ اس کے شوہر نے اسے طلاق دی ہے یا ایک عادل ثقہ آدمی نے اس کو خبر دی کہ اس کے شوہر نے اس کو طلاق دے دی ہے تو اب عورت کے لئے حلال نہیں کہ مرد کو اپنے اوپر قابو دے (چاہے شوہر منکر ہو) (شامی ج ۲ ص ۵۹۴ باب الصریح) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۵ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ

مطلقہ کو اپنے گھر لاکر رکھنا کیسا ہے:

(سوال ۳۴۶) ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور پھر ایک سال بعد اسی عورت کو اپنے ہاں پناہ دیتا ہے اور اسی کے ہاتھوں کا کھاتا پیتا ہے اور اس کے ساتھ باتیں کرتا ہے کیا یہ جائز ہے، بینوا توجروا۔ (از جدہ)

(الجواب) اگر اس عورت کو ایک یا دو طلاقیں دی ہیں تو اس سے نکاح درست ہے نکاح کر کے اپنے ساتھ رکھ سکتا ہے بلا نکاح رکھنا اور اس کے ہاتھ کا کھانا پینا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

طلاق دینے میں مرد کیوں مختار ہے:

(سوال ۳۴۷) طلاق دینے میں مرد کیوں مختار ہے؟ جب کہ نکاح کے وقت عورت کی مرضی معلوم کی جاتی ہے تو طلاق کے وقت کیوں معلوم نہیں کی جاتی؟ اور کبھی عورت علیحدہ ہونا چاہتی ہے وجہ بھی معقول ہے لیکن ضدی شوہر نہ طلاق دیتا ہے نہ حقوق زوجیت ادا کرتا ہے ایسے وقت میں عورت کو کون سی راہ اختیار کرنا چاہئے، کیا اسلامی قوانین میں اس کا کوئی حل ہے؟ بینوا توجروا۔ (از بمبئی)

(الجواب) اللہ تعالیٰ نے مرد کو کامل العقل، معاملہ فہم اور دور اندیش بنایا ہے وہ جو فیصلہ کرتا ہے سوچ سمجھ کر اس کے تمام پہلوؤں پر غور و فکر کر کے اور نتائج کو سامنے رکھ کر کرتا ہے، جذبات سے مغلوب ہو کر نہیں کرتا، عورت کے اندر فطرتاً ان صفات کی کمی ہوتی ہے، وہ بہت جلد باز اور جذبات سے مغلوب ہو کر بہت جلد فیصلہ کر ڈالتی ہے، نتائج پر اس کی نظر نہیں ہوتی، اور ساتھ ساتھ اللہ نے مرد کو عورت پر فوقیت بخشی ہے، ارشاد خداوندی ہے وللرجال علیهن درجة اور مرد کا عورت کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے (سورۂ بقرہ پارہ نمبر ۲) نیز ارشاد ہے الرجال قوامون علی النساء مرد عورتوں پر حاکم ہیں (سورۂ نساء پارہ نمبر ۵) ان وجوہات کی بنا پر شریعت نے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے۔

آقا ملازم رکھتا ہے تو معاملہ دونوں کی رضامندی سے طے ہوتا ہے، لیکن جب ملازم آقا کے کام کا نہیں رہتا، دونوں میں ان بن ہو جاتی ہے تو آقا اسے علیحدہ کر دیتا ہے، ملازم رضامند ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح جب ملازم کا دل ملازمت سے اچاٹ ہو جاتا ہے تو وہ استعفیٰ دے کر علیحدگی اختیار کر لیتا ہے۔ یہ دنیوی قاعدہ ہے جسے بخوشی قبول کیا جاتا ہے تو شرعی قانون قبول کرنے میں کیوں تامل ہے؟ شرعی قانون اس بارے میں یہ ہے کہ جب شوہر اور بیوی

میں اختلاف ہو جائے اور عورت جو چین اور سکون کا ذریعہ تھی بجائے اس کے وہ دردسر بن جائے اور وہ عورت جس کی وجہ سے گھر نمونۂ جنت بنتا ہے بجائے اس کے نمونۂ جہنم بن جائے تو ان حالات میں وہ عورت اس عضو کی طرح ہے جس کو کیڑوں نے کھالیا ہو اور وہ اپنے شدید درد سے ہر وقت پورے بدن کو ستاتا اور دکھ دیتا رہتا ہو تو اب حقیقت میں وہ دانت دانت نہیں ہے اور نہ وہ متعفن عضو عضو ہے، اور سلامتی اسی میں ہوتی ہے کہ اس کو اکھاڑ دیا جائے اور کاٹ دیا جائے اسی طرح یہاں سلامتی اور قلبی سکون اسی میں ہوتا ہے کہ اس عورت کو طلاق دے کر نجات حاصل کی جائے، اس لئے کہ نکاح کا مقصد ہی فوت ہو چکا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ ایسی عورت کی طرف رہنمائی ضروری ہے جس سے نکاح کرنا حکمت کے موافق ہو اور خانہ داری کی تمام مصلحتیں وہ پورے طور سے انجام دے سکے کیونکہ میاں بیوی میں صحبت لازمی شئی ہے، اور دونوں جانب سے حاجتیں ضروری ہیں، پس اگر عورت بدطینت ہے اور اس کی عادت میں تختی ہے اور اس کی زبان گندی ہے تو اس شخص پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہو جائے گی اور مصلحت فساد اور خرابی سے بدل جائے گی۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۳۵۹۔ ۳۶۰ یہ حوالہ بھی گذرا ہے از مرتب)

دوسری جگہ فرماتے ہیں: رسول خدا ﷺ نے فرمایا جو عورت بغیر کسی ضرورت شدید کے اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ اور فرمایا خدا تعالیٰ کو حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسند طلاق ہے لیکن اس کے باوجود طلاق کے دروازے کو بالکل بند کر دینا اور اس میں تنگی کرنا بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ کبھی خاوند اور بیوی میں مخالفت ہو جاتی ہے یا دونوں کی بداخلاقی سے یا ان دونوں میں سے کسی ایک کا اجنبی انسان کے حسن کی طرف رغبت کرنے سے یا رزق کی تنگی کی وجہ سے یا دونوں میں سے کسی حماقت کی وجہ سے تفریق کی نوبت آ جاتی ہے (نکاح کا مقصد فوت ہو جاتا ہے ایک دوسرے کے حقوق ضائع ہونے لگتے ہیں) ان حالات میں جوڑا قائم رہنا بلاء عظیم ہے اس لئے شریعت نے طلاق کی صورت بھی بحالت مجبوری رکھی ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۳۹۷، ص ۳۹۸ حوالہ اسی باب میں، ناحق طلاق دینے پر بائیکاٹ کرنا کیسا ہے، کے عنوان کے تحت گذر گیا ہے از مرتب)۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں۔

زن بدور سرائے مرد نکو
ہمدریں عالم است دوزخ او
زنہار از قرین بد زنہار
وقنا ربنا عذاب النار

اور اگر عورت مرد سے تنگ ہو جائے اور شوہر طلاق نہ دے تو اس کے لئے خلع کا معاملہ رکھا ہے یا پھر شرعی قاضی کی عدالت میں یا شرعی پنچایت میں اپنا معاملہ داخل کر کے فسخ نکاح کی صورت رکھی ہے، براہ راست عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار نہیں ہے وجہ یہی ہے کہ وہ بہت جلد باز اور دور اندیش نہیں ہے، کما مر۔

نوٹ:

شرعی پنچایت ہندوستان میں کئی مقامات پر قائم ہے مثلاً امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے ماتحت کئی مقامات پر شرعی پنچایت ہے جہاں سے اس طرح کے ہزاروں فیصلے صادر ہوئے ہیں اور عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا حق مل جاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اگر لفظ طلاق کے بغیر ''ایک دو تین'' کہے تو کیا حکم ہے :

(سوال ۳۴۸) اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ''ایک دو تین'' کہہ دے اور اس کے ساتھ لفظ طلاق نہ کہے تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) الفاظ مذکورہ طلاق کی نیت سے یا مذاکرۂ طلاق کے وقت بولے ہوں تو تین طلاق واقع ہوں گی، اگر طلاق کی نیت بھی نہ ہو اور مذاکرۂ طلاق بھی نہ ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: رجل قال لا مرأته ترا یکے اوقال تراسه قال الصدر الشهيد رحمه الله تعالىٰ طلقت ثلاثاً ولو قال تو يكے اوقال توسه قال ابو القاسم رحمه الله تعالى لا يقع الطلاق قال مولانا رضى الله عنه وينبغى ان يكون الجواب على التفصيل ان كان ذلك فى حال مذاكرة الطلاق يقع الطلاق وان لم يكن لا يقع الا بالنية كما لو قال بالعربية انت واحدة الخ (فتاویٰ قاضی خاں ج ۲ ص ۲۱۴ مطبوعه نو لكشور)

بزازیہ میں ہے (نوع آخر) قال لها ترا يكے او تراسه قال الصفار لا يقع شيئى وقال الصدر الشهيد يقع بالنية وبه يفتى وقال القاضى ان كان فى حال مذاكرة الطلاق اوالغضب يقع والا لا يقع بلانية كما فى العربية انت واحدة الخ (بزازيه علىٰ هامش الهندية ص ۱۹۷ ج ۴ كتاب الطلاق، الثانى فى الكنايات وفيه اجناس)

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے:-

(سوال ۵۲۸) شخصے در حالت غضب زوجۂ خود را گفت یکے، دو، سہ'' بر و مادر و خواہر من ہستی بلا ذکر لفظ طلاق و بلا مذاکرہ طلاق پس دریں صورت کدام طلاق واقع شود۔

(الجواب) بدون لفظ طلاق و بدون مذاکرۂ طلاق از لفظ یکے، دو، سہ مادر و خواہر من ہستی طلاق واقع نشود (فتاویٰ دارالعلوم مدلل و مکمل ص ۴۴۳ ص ۴۴۴ ج ۹) فقط واللہ اعلم۔

کیا زانیہ کو طلاق دینا ضروری ہے :

(سوال ۳۴۹) ایک شخص اپنی نوجوان بیوی کو چھوڑ کر بیرون ملک ملازمت کے لئے گیا، اس کی غیر موجودگی میں عورت نے شوہر کے بھتیجے اور بھانجے سے تین چار مرتبہ زنا کرایا، اس کو استقرار حمل بھی ہو گیا مگر اسے ساقط کرا دیا، شوہر کو ان باتوں کا علم ہوا، وہ اپنے گھر واپس آیا اور عورت سے سخت ناراض ہے اور اس کو میکے بھیج دیا ہے اور اس کو بلانے کے لئے تیار نہیں ہو رہا ہے کچھ لوگ اسے سمجھا رہے ہیں مگر وہ بلانے کے لئے راضی نہیں ہے تو ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا طلاق دینا ضروری ہے؟ اس کے تین چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر یہ ثابت ہو جائے کہ عورت نے شوہر کی غیر موجودگی میں غلط کاریاں کی ہیں خاص کر شوہر کے قریبی اعزہ سے منہ کالا کیا ہے تو یہ بہت سنگین جرم اور گناہ کبیرہ ہے اگر اسلامی حکومت ہو اور شرعی طریقہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ شادی شدہ مرد یا عورت نے زنا کیا ہے تو ان کو سنگسار کرنے کا حکم ہے، قرآن وحدیث میں زنا کی بہت ہی مذمت اور اس پر سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ساتوں آسمانوں زمینیں شادی شدہ زناکار پر لعنت کرتی ہیں اور جہنم میں ایسے لوگوں کی شرم گاہ سے ایسے سخت بدبو پھیلے گی کہ اہل جہنم بھی اس سے پریشان ہوں گے اور آگ کے عذاب کے ساتھ ان کی رسوائی جہنم میں بھی ہوتی رہے گی (رواہ البزار عن بریدۃ، مظہری بحوالہ معارف القرآن، مفتی محمد شفیع صاحب ص ۳۶۳، ص ۳۶۴، ج ۵) (الترغیب والترہیب ص ۳۱۴ ج ۴)

ایک دوسری حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا: **لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن ولا یسرق السارق حین یسرق وھو مومن ولا یشرب الخمر حین یشربھا وھو مؤمن الخ.** زنا کرنے والا زنا کرنے کے وقت مؤمن نہیں رہتا، چوری کرنے والا چوری کرنے کے وقت مؤمن نہیں رہتا اور شراب پینے والا شراب پینے کے وقت مؤمن نہیں رہتا الخ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۷ باب الکبائر وعلامات النفاق) ابوداؤد شریف میں یہ الفاظ ہیں، **اذا زنی العبد خرج منہ الا یمان و کان فوقہ کالظلۃ فاذا خرج من ذلک العمل رجع الیہ الا یمان .** یعنی جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان اس کے قلب سے نکل جاتا ہے اور سائبان کی طرح اس کے سر پر آجاتا ہے، اور جب اس عمل بد سے فارغ ہو جاتا ہے تب ایمان لوٹ آتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۸ باب الکبائر)

لہذا اگر اس بات کا شرعی ثبوت ہو جائے کہ عورت نے شوہر کے غیر موجودگی میں بھتیجے اور بھانجے سے زنا کیا ہے تو یہ بہت ہی قابل مذمت اور گناہ کبیرہ ہے، ان سب پر لازم ہے کہ صدق دل سے توبہ استغفار کریں اور آئندہ اس کے قریب بھی نہ جائیں، یہ سب بے پردگی اور آزادانہ ملنے کا نتیجہ ہے، غیر محرم بلا تکلف عورتوں کے پاس آتے جاتے ہیں اور معاشرہ میں اسے برا بھی نہیں سمجھا جاتا، اور پھر اس قسم کے واقعات رونما ہوتے ہیں، شوہر کا بھتیجہ اور بھانجہ بھی عورت کے لئے غیر محرم ہے، ان سے پردہ کرنا ضروری تھا، ان سے پردہ نہیں کیا اور آزادانہ ایک دوسرے سے ملتے رہے اس کا یہ نتیجہ ظاہر ہوا، شریعت نے پردہ کا جو حکم دیا ہے اس میں سینکڑوں مصلحتیں ہیں مگر لوگ اس کی بالکل پرواہ نہیں کرتے بلکہ جو لوگ اس پر نکیر کرتے ہیں انہی کو برا بھلا کہا جاتا ہے، الغرض عورت نے اگر یہ حرکت کی ہو تو بہت ہی بری ہے تاہم شوہر پر واجب نہیں ہے کہ وہ ایسی عورت کو طلاق دے کر علیحدہ کر دے شوہر اگر چاہے تو اسے اپنی زوجیت میں رکھ سکتا ہے بشرطیکہ ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کا یقین یا ظن غالب ہو، درمختار میں ہے: **لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ ولا علیھا تسریح الفاجر الا اذا خافا ان لا یقیما حدود اللہ فلا بأس ان یتفرقا (درمختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۴۰۳ فصل فی المحرمات کتاب النکاح)**

طلاق ابغض المباحات ہے، طلاق کی وجہ سے بسا اوقات دو خاندانوں میں جھگڑوں کی بنیاد پڑ جاتی ہے، اگر بچے ہوں تو ان کی زندگی برباد ہو جاتی ہے، ان کی صحیح تعلیم وتربیت نہیں ہو پاتی مرد اور عورت اگر دوسرا نکاح نہ کریں تو زنا

میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے، معاشرہ میں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور سب سے بڑھ کر اس سے ابلیس لعین بڑا خوش ہوتا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ابلیس یضع عرشہ علی الماء ثم یبعث سرایاہ یفتنون الناس فاد ناھم منہ منزلۃ اعظمھم فتنۃ یجئی احدھم فیقول فعلت کذا و کذا فیقول ما صنعت شیئاقال ثم یجئی احدھم فیقول ما ترکتہ حتی فرقت بینہ وبین امرأتہ قال (صلی اللہ علیہ وسلم) فید نیہ منہ ویقول نعم انت قال الا عمش اراہ قال فیلتزمہ ، رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ص۱۸ باب فی الوسوسۃ)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا ابلیس پانی (سمندر) پر اپنا تخت بچھاتا ہے پھر اپنے چیلوں کو بھیجتا ہے کہ وہ لوگوں کو گناہ اور فتنوں میں مبتلا کریں، اور ابلیس کا سب سے زیادہ مقرب اور عزیز وہ چیلہ ہوتا ہے جو سب سے بڑا فتنہ پیدا کرے پس ایک چیلہ آتا ہے اور کہتا ہے میں نے ایسا اور ویسا کیا، ابلیس کہتا ہے تو نے کچھ نہیں کیا آپ نے فرمایا پھر ایک چیلہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے میاں بیوی کے درمیان جھگڑے پیدا کئے، یہاں تک کہ ان میں تفریق ڈال دی، رسول اللہ ﷺ ارشادفرماتے ہیں، یہ سن کر ابلیس اس کو اپنے قریب کرتا ہے، اس کو گلے لگاتا ہے اور کہتا ہے نعم انت، تو بہت اچھا ہے (تو نے بڑا کارنامہ انجام دیا (مشکوٰۃ شریف ص۱۸)

ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے فقہاء کرام رحمہم اللہ نے تحریر فرمایا ہے کہ فاجرہ عورت کو جب کہ اس کے حقوق ادا کرنے کی امید ہو طلاق دے کر علیحدہ کر دینا واجب اور ضروری نہیں ہے اپنے ساتھ رکھ کر اس کی اصلاح کی جا سکتی ہے، علیحدہ کر دینے میں اس کے آوارہ ہونے اور بگڑنے کے امکانات اور بڑھ سکتے ہیں۔

صورت مسئولہ میں اگر عورت صدق قلب سے توبہ کرتی ہو اور یقین دلاتی ہو کہ آئندہ اس قسم کی حرکت نہیں کرے گی اور شوہر کو بھی امید ہو کہ عورت آئندہ عفت اور پاک دامنی کے ساتھ رہے گی اور جن سے بدکاری کی ہے ان سے پردہ کرے گی، نیز شوہر کو امید ہو کہ ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں گے ان حالات میں اگر شوہر عورت کو طلاق نہ دے تو وہ گنہگار نہ ہوگا۔

مذکورہ صورت میں شوہر نو جوان عورت کو چھوڑ کر پردیس چلا گیا یہ بھی مناسب نہیں ہے جس طرح مردوں میں جنسی خواہش ہوتی ہے عورتوں میں بھی ہوتی ہے بلکہ نسبتاً زیادہ، اور بے پردگی کی وجہ سے مردوں سے اختلاط کے مواقع پیش آتے ہیں تو شیطان کو گناہ میں مبتلا کرنے کا مزید موقع ملتا ہے، شوہر کو چاہئے کہ اس پہلو کو بھی مدنظر رکھے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیوی اور اس کی نند طلاق کا بیان دے اور شوہر کو کسی بات کا یقین نہ ہو تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۳۵۰) ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تجھے طلاق دے دوں گا اس کے چند گھنٹوں بعد پھر کہا میں تجھے کل طلاق دے دوں گا، دوسرے روز شوہر نے اپنی والدہ کو مخاطب ہو کر کہا میں اس کو طلاق دے دوں گا (یہ جملہ دو مرتبہ کہا) اس کی بیوی کا بیان ہے کہ دوسرے روز میرے شوہر نے اس طرح کہا ہے "میں طلاق دیتا ہوں، میں طلاق

دیتا ہوں'' شوہر کی بہن کا بھی یہی بیان ہے، لیکن شوہر کی والدہ کا کہنا ہے کہ اسلم نے دوسرے روز بھی طلاق دے دوں گا ہی کہا ہے اور شوہر کا بیان ہے کہ مجھے پکا خیال نہیں ہے کہ میں نے کیا کہا ہے تو صورت مسئولہ میں کس کی بات مانی جائے؟ کیا طلاق واقع ہوئی؟ اگر ہوئی تو کتنی اور کون سی؟ اور رجوع کی کیا صورت ہوگی؟ بیوی اور اس کی نند، دونوں دیندار پابند صوم وصلوٰۃ عادلہ ہیں، فقط والسلام، بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں بیوی اور اس کی نند کا بیان یہ ہے کہ شوہر نے اس طرح کہا ہے ''طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں'' بیوی اور اس کی نند دونوں دیندار عادلہ ہیں، نیز یہ قاعدہ بھی ہے **المرأة كالقاضي** اور باب فروج میں احتیاط بہتر بھی ہے اور شوہر کو کسی بات کا یقین نہیں ہے، اس لئے نزاع ختم کرنے کے لئے بہتر صورت یہی ہے کہ دو طلاق رجعی کے وقوع کا فیصلہ کیا جائے، طلاق دیانات کے قبیل سے ہے، اس میں عادل کی خبر (خواہ وہ عورتیں ہوں) مقبول ہے۔ امداد الفتاویٰ میں ہے۔

بعد نقل روایات می گویم کہ درصورت مسئولہ از دو حال خالی نیست یا زن مطلقہ راعدد طلاق یاد ست یا نہ اگر یاد ہست درحق او حجت باشد پس اگر یاد باشد او مغلظ شد حسب علم خود پس اور اروانیست کہ زوج را بر خود قدرت دہد چنانچہ روایت اولیٰ صریح است واگر یاد نیست صرف زنان حاضرہ خبر مید ہند پس از دو حال خالی نیست یا ایشاں عادل اند یا فاسق یا مستور الحال، اگر عادل ہستند عمل بر قول ایشاں واجب است زیرا کہ طلاق از دیانات است کہ اخبار عدل دراں مقبول است احتیاج شہادت نیست مگر عند القاضی ودرصورت مسئولہ تحقیق فتویٰ است نہ قضاء چنانچہ قول رد المحتار درروایت اولیٰ او اخبر ھا عدل دلیل صریح است بر بودن طلاق از دیانات وہمچنیں قولہ ایشاں درروایت ثانیہ درمختار ورد المحتار وان اخبرہ عدل الخ نص است درا کتفاء بر اخبار وشرط نہ بودن شہادت پس عدم صلاحیت محض زنان مر شہادت را دریں باب مضر نیست الخ امداد الفتاویٰ (ج ۲ ص ۳۴۹ مطبوعہ کراچی) فقط واللہ اعلم۔

غلط اقرار سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے:

(سوال ۳۵۱) میرا ایک دوست میرے پاس آیا اور کہا میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے کر آیا ہوں، میں نے کہا، تم نے تین طلاق کیوں دے دیں؟ اگر طلاق دینا ہی تھا تو ایک طلاق دیتے، اس نے کہا وہ عورت مجھے بالکل نہیں پا ہئے میں نے اس کو تین طلاق دے دی ہیں، ایک مہینہ کے بعد وہ کہتا ہے اس دن میں نے دو طلاق دی تھی، غصہ کی وجہ سے تم کو تین طلاق کا کہا، صورت مذکورہ میں دو طلاق ہوگی یا تین؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) غلط اقرار سے بھی طلاق ہو جاتی ہے، شامی میں ہے **ولو اقر بالطلاق كاذباً او هازلا وقع قضاء لا ديانة ۱ه** (شامی ص ۵۷۹ ج ۲ کتاب الطلاق **قبيل مطلب في تعريف السكران وحكمه**)

صورت مسئولہ میں آپ کے دوست نے ایک ماہ قبل آپ کے سامنے کہا تھا کہ میں نے تین طلاق دے دیں اور فی الحال بھی وہ اس بات کا تو اقرار کرتا ہے کہ میں نے اس دن غصہ کی وجہ سے کہا تھا کہ تین طلاق دے دیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہو گئیں اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی، اب شرعی حلالہ کے بغیر حلال نہ ہو گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورت تین طلاق سن لے اور شوہر انکار کرے تو اس صورت میں عورت کیا کرے :

(سوال ۳۵۲) میرا نام ذاکرہ ہے اور میرے شوہر کا نام محمد اقبال ہے، ہمارے دو بیٹے ہیں ایک سات سال کا دوسرا پانچ سال کا، شادی کو نو سال ہوئے ہیں، تین سال سے ہمارے درمیان تنازعہ چلتا ہے، وقفہ وقفہ سے چار مرتبہ طلاق کہا ہے۔ ایک دفعہ بہت پہلے کہا جس کو میرے شوہر کی ماں بہنیں بھی جانتی ہیں دوسری دفعہ میرے والد کو فون کیا اور کہا کہ میں تمہاری بیٹی کو طلاق دیتا ہوں، تیسری دفعہ ایک رات بہت دیر سے آئے میں نے ٹوکا تو کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دیا اور آخری دفعہ ۲ جنوری ۱۹۹۳ء کو طلاق دی تھی، اب میرے شوہر کہتے ہیں کہ میں نے طلاق دی ہی نہیں، اب کیا حکم ہے؟ میں کیا کروں؟ وضاحت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) لفظ ''طلاق'' طلاق صریح ہے اس سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔ اور طلاق کے بعد ساتھ رہنے سے فعلاً رجعت کا ثبوت سمجھا جائے گا بایں وجہ بعد والی طلاق اگلی طلاق سے ملحق ہوگی، بصورت مسئولہ میں آپ نے خود ''طلاق'' کے الفاظ چار مرتبہ وقفہ وقفہ سے سنے ہیں اور آپ کو پورا یقین ہے اور طلاق کے بعد ساتھ ہی رہتے رہے تو اب آپ کے لئے حلال نہیں ہے کہ اپنی ذات شوہر کے حوالے کریں اور ازدواجی تعلقات قائم رکھیں، آپ اپنے شوہر سے علیحدہ رہیں، آپ کے والدین بھی آپ کو شوہر کے پاس نہ بھیجیں، شامی میں ہے: المرأة کالقاضی اذا سمعته او اخبرها عدل لا یحل لها تمکینه. عورت مثل قاضی کے ہے جب عورت خود طلاق سنے یا اس کو معتبر آدمی طلاق کی خبر دے تو اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ شوہر کو اپنے اوپر قدرت دے (شامی ص ۵۹۴ ج ۲ باب الصریح)

مذکورہ صورت میں جب عورت حلفیہ طلاق کا بیان دے رہی ہے تو شوہر کو چاہئے کہ طلاق دینے کا اقرار کرے یا اب طلاق دے دے یہ حلال وحرام اور زندگی بھر کا معاملہ ہے اگر شوہر زبردستی اس کو اپنے پاس رکھے گا تو ہمیشہ نزاع اور شک وشبہ رہے گا اور شوہر گنہگار ہوگا، اگر خدانخواستہ شوہر نہ طلاق کا اقرار کرے، نہ اب طلاق دے اور طلاق کے شرعی گواہ بھی موجود نہ ہوں تو ایسی صورت میں عورت شوہر سے خلع کرے، کچھ دے دلا کر رہائی حاصل کرے، جماعت اور برادری کے سمجھدار دیندار حضرات شوہر کو سمجھا کر طلاق کا اقرار یا طلاق دینے یا خلع کر لینے پر آمادہ کریں، طلاق کا اقرار یا طلاق حاصل کئے یا خلع کے بغیر عورت کسی اور جگہ نکاح نہیں کر سکتی۔

اگر لڑکی جوان ہو اور شوہر کے بغیر عصمت وعزت کی حفاظت کے ساتھ زندگی گذارنا دشوار ہو تو ایک صورت یہ ہے کہ موقع پا کر شوہر سے جبراً واکراہاً زبانی طلاق بائن کہلوائی جائے، یہ بالکل آخری درجہ ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورت کی بدزبانی کی وجہ سے والد بیٹے کو طلاق دینے پر مجبور کرے تو طلاق دینا کیسا ہے :

(سوال ۳۵۳) میری بیوی کا میرے والدین کے ساتھ برتاؤ ٹھیک نہیں ہے، ان کے ساتھ زبان درازی کرتی ہے، گالی گلوچ تک بول دیتی ہے، میرے ساتھ بھی معاملہ ٹھیک نہیں ہے، والد اس سے تنگ آچکے ہیں اور مجھے طلاق دینے پر مجبور کرتے ہیں اور کہتے ہیں اگر تو نے بیوی کو طلاق نہیں دی تو ہلاک وبرباد ہو جائے گا، میں سخت الجھن میں ہوں دو چھوٹی چھوٹی بچیاں بھی ہیں، ان حالات میں میرے لئے کیا حکم ہے، کیا میں طلاق دے سکتا ہوں؟ اس واقعہ سے

پہلے آٹھ مرتبہ اس کے ماں باپ کے گھر بھجوا چکا ہوں مگر اب بھی شرارت سے باز نہیں آتی! بینوا توجروا؟

(الجواب) بلاوجہ شرعی طلاق دینا کفران نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ کو ازحد ناپسند اور مبغوض ہے، اس سے شیطان خوش اور اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اگر حقیقت میں بیوی کا قصور نہ ہو اور والد اپنے بیٹے کو طلاق دینے پر مجبور کریں تو ان کی اطاعت ضروری نہیں ہے ایسی صورت میں طلاق دینا جائز نہ ہوگا والد کو بھی اپنی بات پر اصرار نہ کرنا چاہئے اور لڑکے کو طلاق دینے پر مجبور نہ کرنا چاہئے، طلاق دینے سے بچوں کی پرورش تعلیم وتربیت پر بھی بڑا اثر پڑتا ہے۔

درمختار میں ہے:(وایقاعه مباح) عند العامة لا طلاق الایات اکمل(وقیل) قائله الکمال (الاصح حظره) ای منعه (درمختار)

شامی میں ہے:واما الطلاق فان الا صل فیه الحظر یعنی انه محظور الا لعارض یبیحه وهو معنی قولهم الاصل فیه الحظر والا باحة للحاجة الی الخلاص فاذا کان بلا سبب اصلاً لم یکن فیه حاجة الی الخلاص بل یکون حمقا وسفاهة رأی ومجرد کفران النعمة واخلاص الا یذاء بها و باهلها واولادها ولذا قالوا ان سببه الحاجة الی الخلاص عند تباین الاخلاق وعروض البغضاء الموجبة عدم اقامة حدود الله . الی قوله. فحیث تجرد عن الحاجة المبیحةله شرعایبقی علی اصله من الحظر ولهذا قال تعالیٰ فان اطعنکم فلا تبغوا علیهن سبیلاً ای لا تطلبوا الفراق وعلیه حدیث ابغض الحلال الی الله الطلاق (شامی ۲/ ۵۷۱. ۵۷۲ اول کتاب الطلاق)

البتہ اگر عورت ناشزہ ہو، بدزبان ہو، تنبیہ ونصیحت اور خاندان وجماعت کے سمجھدار، معاملہ فہم، انصاف پسند لوگوں کے سمجھانے کے باوجود اپنی بری عادتیں، زبان درازی وغیرہ چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہو اور ان وجوہ کی بنیاد پر والد طلاق دینے پر مجبور کرتے ہوں اور آپ کو بھی سابق تجربات کی بنیاد پر اصلاح کی امید نہ ہو، اور آپ بھی فیمابینکم وبین اللہ طلاق دینا مناسب سمجھتے ہوں تو ان حالات میں طلاق دینا درست ہے مگر صرف ایک ہی طلاق دیں، تین طلاق ہرگز نہ دیں۔

درمختار میں ہے:بل یستحب لو موذیة ۔شامی میں ہے:(قوله لو موذیة) اطلقه فشمل الموذیة له او لغیره بقولها او بفعلها (شامی ج ۲ / ۵۷۱. ۵۷۲ ایضا) فقط والله اعلم بالصواب .

عورت غیر مرد کے ساتھ چلی جائے تو نکاح پر اثر پڑے گا یا نہیں؟ اب شوہر اسے اپنے ساتھ رکھ سکتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۳۵۴) ایک شادی شدہ عورت پرائے مرد کے ساتھ چلی گئی، دو تین دن اس کے ساتھ رہی اس عورت کے تین بچے بھی ہیں، اس عورت کی اس حرکت سے اس کے نکاح پر کوئی اثر پڑے گا؟ شوہر کیا کرے، اپنے ساتھ رکھے یا طلاق دے دے، بچوں کی وجہ سے شوہر متفکر ہے امید ہے کہ آپ رہنمائی فرمائیں گے، بینوا توجروا۔

(الجواب) ایسی عورت کو طلاق دینا شرعاً واجب نہیں ہے، حدیث میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا یا رسول اللہ (ﷺ) میری عورت بدکار ہے میں کیا کروں؟ فرمایا: طلاق دے دو، اس نے کہا انی احبها،

مجھے رسول اللہ محبت ہے فرمایا امسکھا اذاً، تب اسے رہنے دو۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے: عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان لی امرأۃ لا ترد ید لامس (ای لا یمنع نفسھا من یقصدھا بفاحشۃ ویؤیدہ قولہ اللمس ...... الخ حاشیہ) فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم طلقھا قال انی احبھا قال امسکھا اذاً، رواہ ابو داؤد والنسائی الخ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۷ باب اللعان)

شامی میں ہے (قولہ لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ) ولا علیھا تسریح الفاجر الا اذا خاف ان لا یقیما حدود اللہ فلا باس ان یتفرقا اہ مجتبیٰ والفجور یعم الزنا وغیرہ وقد قال صلی اللہ علیہ وسلم لمن زوجتہ لا تردیدلامس وقد قال انی احبھا استمتع بھا اہ (شامی ۵/۳۷۷، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع)

عورت دو تین دن غیر مرد کے ساتھ رہی، یہ فعل بنفسہ بہت بڑا گناہ ہے، عورت سچے دل سے توبہ استغفار کرے اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرے، مگر اس حرکت سے نکاح پر کوئی اثر نہیں ہوگا، شوہر کو عورت کی باتوں اور اس کی عادتوں سے اطمینان ہو اور اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہو تو بلا تکلف رکھ سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شوہر پاگل ہے اور بیوی چار سال سے الگ رہتی ہے:

(سوال ۳۵۵) ایک عورت کی شادی ہوئی تقریباً سات سال سے شوہر کے پاگل ہوجانے سے بیوی اپنے بڑے بھائی کے یہاں چلی گئی دونوں کے درمیان جدائی ہونے چار سال کا عرصہ گذر چکا شوہر اس حد تک پاگل ہے کہ اپنی بیوی کو نہ جانتا ہے کہاں ہے؟ کون ہے؟ لہٰذا خرچہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس معاملہ میں شہر کے چند معتبر آدمیوں نے شوہر سے ملاقات کی تھی اور چند سوالات کئے تھے۔ جس میں اس کا ماموں بھی تھا (۱) ماموں نے پوچھا کیا تو مجھے پہچانتا ہے تو جواب دیا نہیں (۲) تمہاری بیوی کہاں ہے تو جواب دیا نہیں معلوم (۳) سوال کیا کیا تو نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے تو جواب دیا ہاں دی پھر سوال کیا تو کچھ جواب نہیں دیا، تو اس صورت میں عورت کو طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور دونوں کی جدائی چار سال سے ہے، تو دوسرے کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ صورت مسئولہ میں جب شوہر کے دماغ کی یہ حالت ہے تو مذکورہ صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی، عورت اس سے علیحدہ ہوکر دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتی ہے تو وہ کیا طریقہ اختیار کرے اس کے لئے فتاویٰ رحیمیہ ج ۵ ص ۳۱۱ سوال نمبر ۱۶۰۲ (جدید ترتیب کے مطابق، تنسیخ نکاح کے باب میں، بعنوان، شوہر مجنون ہوجائے تو کیا کرے سے دیکھیں۔ از مرتب) کے تحت جواب ہے وہ پورا جواب ملاحظہ کرکے اس کے مطابق عمل کرے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب، ۲۷ شوال ۱۴۱۶ھ۔

عورت نے خود تین طلاق شوہر سے سنی ہے لیکن مرد کو یاد نہیں ہے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۳۵۶) کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عورت قسم کے ساتھ یہ بیان دیتی ہے کہ میرے شوہر نے مجھے تین صریح طلاق دی ہے، مرد کو کچھ یاد نہیں ہے، جب کہ شاہدوں کا کہنا دو صریح طلاق کا ہے، اس صورت

میں شرعاً کیا حکم ہے؟ اب عورت اور مرد کو تعلق قائم کرنے کے لئے کیا صورت اختیار کرنی ہوگی؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! خاوند کو عدد طلاق یاد نہیں ہیں اور گواہ دو صریح طلاق دینا بیان کرتے ہیں تو قضاءً دو طلاقیں واقع ہوں گی، لیکن چونکہ عورت بذات خود وہاں موجود تھی اور اس نے اپنے کانوں سے تین طلاقیں سنی ہیں۔ اور قسم بیان کرتی ہے کہ شوہر نے تین صریح طلاقیں دی ہیں لہذا عورت اپنے حق میں تین ہی طلاق واقعہ ہونا سمجھے اسے حلال نہیں کہ بدون حلالہ اپنی ذات کو شوہر کے حوالہ کرے، شامی میں ہے۔ **والمرأة كالقاضي اذا سمعته او اخبرها عدل لا يحل لها تمكينه (ج ۲ ص ۵۹۴ باب الصريح)**

نیز امداد الفتاویٰ میں ہے: درصورت مسئولہ از دو حال خالی نیست یا زن مطلقہ را عدد طلاق یاد است یا نہ اگر یاد ہست درحق او حجت باشد پس اگر سہ بار شد مغلظہ شد حسب علم خود پس او را روا نیست کہ زوج خود را بر خود قدرت دہد (ج ۲ ص ۳۴۹) فقط واللہ اعلم بالصواب، ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۸۰ھ۔

طلاق دینے میں عجلت نہ کیجئے اور اکٹھی تین طلاق دے کر اپنا گھر برباد نہ کیجئے:

(سوال ۳۵۷) آج کل معمولی معمولی باتوں پر طلاق دے دی جاتی ہے، یہ کیسا ہے؟ کن حالات میں اسلام طلاق دینے کی اجازت دیتا ہے؟ اگر شوہر بیوی میں اختلاف پیدا ہونے لگے تو اسلام اس صورت میں کیا رہنمائی کرتا ہے؟ اور اگر طلاق دیئے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو طلاق دینے کا بہتر طریقہ کیا ہے؟ جواب عنایت فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! بلا وجہ شرعی طلاق نہ دینا چاہئے طلاق اللہ کو انتہائی ناپسند ہے۔ طلاق سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، شیطان خوش ہوتا ہے (**مسلم شریف ص ۳۷۶ ج ۲، باب تحريش الشيطان وبعثه سراياه الخ مشكوة شريف ص ۱۸، باب الوسوسه، فتاوىٰ رحيميه ص ۱۱۷ ج ۲ نيز ص ۲۸۰ ج ۸**) بلا وجہ شرعی طلاق دینے سے عرش الٰہی لرزتا ہے۔ فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۱۷ ج ۲ (اسی باب میں، طلاق پر پابندی لگانا کیسا ہے؟ کے عنوان سے دیکھیں۔ از مرتب) عورت بلا وجہ شرعی اگر طلاق کا مطالبہ کرتی ہے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۳ کتاب الطلاق) حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۳ ایضاً)

لہذا بلا وجہ شرعی طلاق دینا سخت گناہ ہے، اس سے بچنا چاہئے۔

نکاح اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، شوہر اور بیوی دونوں کو اس نعمت عظیم کی قدر کرنا چاہئے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۶۰ تا ص ۳۶۷ جلد ۸) صفحہ جدید ۱۵۸

خوشگوار زندگی اور نکاح کے مقاصد کے حصول کے لئے شوہر و بیوی میں سے ہر ایک کو دوسرے کے حقوق معلوم کرنا اور ان حقوق کو ادا کرنا بہت ضروری ہے اسی سے ازدواجی زندگی میں سکون اور اطمینان پیدا ہو سکتا ہے قرآن و حدیث میں ان حقوق کو بیان کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۶۶ تا ص ۳۸۶ ج ۸) (جدید ترتیب کے مطابق کتاب النکاح میں اسلام میں نکاح کا مقام الخ کے عنوان سے دیکھیں۔ مرتب)

اگر خدا نا خواستہ شوہر اور بیوی میں اختلاف رونما ہوا گر شوہر کا قصور ہو تو بلا تاخیر اسے اپنی اصلاح کر لینی چاہئے اور بیوی کے حقوق ادا کرنا چاہئے اور اگر قصور بیوی کا ہو تو اللہ تعالیٰ کی ہدایت یہ ہے کہ نرمی، محبت اور پوری ہمدردی اور دل سوزی سے بیوی کو سمجھائے، شوہر کی اطاعت پر جو وعدے ہیں وہ بتائے اور نافرمانی پر جو وعید یں ہیں وہ سنائے، دونوں کا انجام سمجھائے، معصوم بچوں کا انجام سمجھائے یہ اصلاح کا پہلا درجہ ہے، اگر اس کوشش سے معاملہ سدھر جائے تو بہت خوب، ورنہ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اپنا بستر ہ اس سے علیحدہ کر لے، ممکن ہے کہ یہ ظاہری ترک تعلق، تعلق پختہ ہونے کا سبب بن جائے اور عورت اس کی وجہ سے اپنی بدخلقی اور نافرمانی سے باز آ جائے، لیکن یہ ترک صرف بستر ے کی حد تک ہو مکان کی جدائی نہ ہو، عورت کو مکان میں تنہا نہ چھوڑے، اور جو عورت اس شریفانہ سزا و تنبیہ سے بھی متاثر نہ ہو تو تیسرا درجہ یہ ہے کہ اسے معمولی طور پر مارنے کی اجازت ہے، جس سے اس کے بدن پر اثر نہ پڑے اور زخم وغیرہ نہ آئے، چہرہ پر ہرگز نہ مارے، اس سزا کی گنجائش تو ہے مگر شریف مرد اسے اختیار نہیں کرتے جیسا کہ حدیث میں ہے ولن یضرب خیارکم اچھے مرد مارنے کی سزا عورتوں کو نہ دیں گے چنانچہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے کہیں ایسا عمل منقول نہیں۔

اگر ان تین تدبیروں سے بھی کام نہ چلے اور آپس کا اختلاف ختم نہ ہو تو اب قرآنی ہدایت یہ ہے کہ مرد وعورت کے خاندان میں سے حکم (لواو) مقرر ہوں اور وہ حکم دونوں میں اصلاح اور بھلائی کی نیت سے اخلاص کے ساتھ طرف داری کے جذبہ سے خالی ہو کر صلح کرانے کی کوشش کریں جس کی غلطی ثابت ہو اس کو اپنی غلطی کے اعتراف اور اس کے اصلاح کی تاکید کریں بہت ممکن ہے کہ صلاح کی شکل نکل آئے اور دونوں کا گھر آباد ہو جائے۔

اگر یہ حکم کوشش کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچیں کہ دونوں کا نباہ مشکل ہے، دونوں میں رنجش اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ حقوق زوجین پامال ہور ہے ہیں اور نبھاؤ کی کوئی شکل نظر نہ آتی ہو ایسی صورت حال کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں بہ جبر واکراہ (زبردستی) دونوں کو نکاح پر برقرار رکھنا بلاء عظیم ہے (ایسی نازک حالت میں طلاق دے دینا ہی مناسب ہے) (حجۃ اللہ البالغۃ ص ۳۹۸ ج ۲ جدید ترتیب کے مطابق، ناحق طلاق دینے پر بائیکاٹ کرنا کیسا ہے، کے تحت دیکھیں (از مرتب)　　　مبدایات

قرآن مجید سورۂ نساء آیت نمبر ۳۴، نمبر ۳۵ پارہ نمبر ۵ رکوع نمبر ۳ میں مذکور ہیں۔

جب شوہر طلاق دینے کا ارادہ کرے تو طلاق دینے کا احسن (سب سے بہتر) طریقہ یہ ہے کہ شوہر ایسے طہر میں جس میں صحبت نہ کی ہو صرف ایک طلاق دے، عدت گذر جانے پر عورت شوہر سے بالکل جدا ہو جاوے گی اور جہاں چاہے نکاح کر سکے گی، یہ طریقہ سب سے بہتر ہے، ایک طریقہ ''طلاق حسن'' کا بھی ہے کہ ہر ایسے طہر میں جس میں صحبت نہ کی ہو ایک ایک طلاق دیتا ہے۔

آج کل مسلمانوں میں اکٹھی تین طلاق دے دینے کا جو رواج چل پڑا ہے بلکہ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تین طلاق کے بغیر طلاق ہی نہیں ہوتی یہ بالکل غلط ہے، ایک طلاق دینے سے بھی طلاق ہو جاتی ہے اور عدت پوری ہونے کے بعد عورت بائنہ ہو جاتی ہے اور جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

جوش اور غصہ میں آ کر یا غلط فہمی کی وجہ سے تین طلاق دے دیتے ہیں جب جوش اور غصہ ختم ہو جاتا ہے یا

صحیح طریقہ معلوم ہوتا ہے تو پچھتاتے ہیں اور پریشان ہوتے ہیں اگر صرف ایک طلاق دیں تو ایسی پریشانی نہ ہوگی ،ایک طلاق دینے کے بعد شوہر بیوی کو اپنے ساتھ رکھنا چاہے تو بہت آسان ہے ،اگر عدت پوری نہ ہوئی ہو تو شوہر کا صرف رجوع کر لینا کافی ہے ،رجوع کر لینے سے عورت اس کے نکاح میں حسب سابق قائم رہے گی اور اگر عدت پوری ہوگئی ہو اور دونوں ساتھ رہنے پر رضا مند ہوں تو دونوں کی رضا مندی سے دوبارہ نکاح کرنا کافی ہوگا ،حلالہ کی ضرورت نہ ہوگی ،البتہ ان دونوں صورتوں میں اب شوہر صرف دو طلاق کا مالک رہے گا ،آئندہ کبھی ایک طلاق اور دے گا تو پھر صرف ایک طلاق کا مالک رہے گا اور اگر کبھی ایک اور طلاق دے گا تو عورت مطلقہ مغلظہ ہو کر حرام ہو جائے گی شرعی حلالہ کے بغیر حلال نہ ہوگی ۔اور اگر شوہر نے اکٹھی تین طلاق دے دیں تو شوہر گنہگار بھی ہوگا اور تین طلاق کے بعد دونوں اپنی رضا مندی سے اپنا گھر آباد کرنا چاہیں تو شرعی حلالہ ضروری ہوگا ،شرعی حلالہ کے بغیر یہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی ،قرآن وحدیث سے یہی ثابت ہے۔

بخاری شریف میں روایت ہے :عن ابن شهاب قال اخبر نی عروة بن الزبير ان عائشة اخبرته ان امرأة رفاعة القرظي جاء ت الیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالت یا رسول الله ان رفاعة طلقنی فبت طلاقی و انی نکحت بعده عبدالرحمن ابن الزبير القرظي وانما معه مثل الهدبة قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لعلک تریدین ان ترجعی الیٰ رفاعة لا (ای لا ترجعی الیه ،مرقاة) حتی یذوق عسیلتک وتذوقی عسیلته۔

عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا :یا رسول اللہ! رفاعہ نے مجھے طلاق بتہ دے دی ہے (یعنی تین طلاق دے دی ہیں ،مسلم شریف کی روایت میں صراحۃً تین طلاق دینے کا تذکرہ ہے) اس کے بعد میں نے عبدالرحمٰن بن زبیر قرظی سے نکاح کیا اور ان کی حالت کپڑے کے پھندنے کی طرح ہے (یعنی جماع پر قدرت نہیں) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا شاید تم دوبارہ رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہو ۔ابھی تم ان کے پاس نہیں جا سکتی (یعنی نکاح نہیں کر سکتی) یہاں تک کہ وہ (دوسرے شوہر) تمہارا مزہ چکھیں اور تم ان کا مزہ چکھو (مطلب یہ کہ وہ جماع کریں ،اس کے بعد وہ طلاق دے دیں تو عدت پوری ہونے کے بعد تم پہلے شوہر ۔رفاعہ ۔ سے نکاح کر سکتی ہو ۔(بخاری شریف ص ۷۹۱ ج ۲ باب من اجاز الطلاق الثلث)(مسلم شریف ج ۱ ص ۴۶۳)

بخاری شریف میں ایک روایت ہے :۔عن عائشه رضی الله عنها ان رجلاً طلق امرأته ثلثا فتزوجت فطلق فسئل النبی صلی الله علیه وسلم اتحل للاول قال لا حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الاول (لفظه للبخاری)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو تین طلاق دے دیں ،پھر اس عورت نے دوسرے سے نکاح کیا ،دوسرے شوہر نے صحبت کئے بغیر طلاق دے دی ،آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ یہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہوئی ؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ،جب تک دوسرا شوہر صحبت نہ کرلے پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی ۔(بخاری شریف ص ۷۹۱ ج ۲ ،مسلم شریف ص ۴۶۳ ج ۱ ،فتاویٰ رحیمیہ

ص ۱۳۴ ص ۱۳۵ ج ۲ (جدید ترتیب کے مطابق ،رجوع کے باب میں، تین طلاق کے بعد رجوع کر سکتے ہیں یا نہیں کے عنوان کے تحت دیکھیں۔ از مرتب)

ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق واقع ہوجاتی ہیں اور تین طلاق کے بعد عورت شوہر اول کے لئے شرعی حلالہ کے بغیر حلال نہ ہوگی ،اس مسئلہ کی پوری تفصیل اور دلائل کے لئے ملاحظہ ہو فتاوی رحیمیہ اردو ص ۳۹۴ تا ص ۴ ج ۸ نیز ص ۲۸۳ تا ص ۳۰۰ جلد پنجم (جدید ترتیب کے مطابق طلاق ثلاثہ کے باب میں ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں بالاجماع واقع ہوجاتی ہیں ۔ الخ عنوان کے تحت دیکھیں از مرتب) ص ۳۳۵ تا ص ۳۹۶ جلد ۸ ، نیز فتاوی رحیمیہ گجراتی ص ۸۷ تا ص ۱۸ ج ۲ نیا ایڈیشن)اس کے خلاف کرنے یا بیان کرنے والوں کے دھوکہ میں نہ آئیں اور زندگی حرام کاری میں گذار کر اپنی آخرت برباد نہ کریں۔

لہذا مسلمانوں کو تین طلاق دینے کا طریقہ بالکل چھوڑ دینا چاہئے ،خاص کر غصہ کی حالت میں طلاق نہ دیں ،غصہ میں شیطان انسان پر مسلط ہوتا ہے اس وقت سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی اور جب طلاق دینے پڑا تا ہے تو تین سے کم پر ٹھیرتا ہی نہیں غصہ میں تین طلاق دے دینا جوانمردی اور پہلوانی نہیں بلکہ حقیقت میں پہلوان وہ ہے جو غصہ میں اپنے اوپر قابو رکھے۔ حدیث میں ہے **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس الشديد بالصرعة انما الشديد الذى يملك نفسه عند الغضب** متفق علیہ . قوی اور پہلوان وہ شخص نہیں جو لوگوں کو پچھاڑ دے ،پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے (مشکوۃ شریف ص ۴۳۳ ،کتاب الغضب والکبر فصل نمبر ۱)

اسی طرح مسلمانوں میں آج کل شراب نوشی کی عادت چل پڑی ہے اور شراب پینے کے بعد اکثر طلاق کے واقعات رونما ہوتے ہیں اور نشہ کی حالت میں اکثر تین طلاق دے دی جاتی ہیں جو واقع ہوجاتی ہیں اور اس کے بعد پریشانی ہوتی ہے، شریعت میں شراب پینا حرام ہے، شراب پینا پیشاب پینے کے برابر ہے، قرآن وحدیث میں شراب کی بے حد مذمت بیان کی گئی ہے، شراب پینے کے بعد انسان ماں بہن میں فرق نہیں کر پاتا ،عقل جیسی نعمت زائل ہوجاتی ہے اس لئے معاشرہ میں شراب نوشی کی عادت کو بھی ختم کرنے کی سخت ضرورت ہے، بااثر لوگوں کو اس سلسلہ میں عملی قدم اٹھانا چاہئے اور اس گناہ کبیرہ اور بری عادت سے مسلمانوں کو روکنے کی ہر ممکن تدبیر کرنی چاہئے۔

اگر طلاق دیئے بغیر چارہ نہ ہو تو مناسب یہ ہے کہ طلاق دینے سے قبل کسی مستند تجربہ کار عالم یا مفتی سے مشورہ کرلیں ،ان کے مشورہ پر عمل کریں انشاء اللہ پشیمانی نہ ہوگی ۔

بسا اوقات لوگ طلاق کا معاملہ ''وکیل'' کے پاس لے جاتے ہیں ،وکیل بھی طلاق نامہ لکھنے میں عموماً تین طلاق لکھتے ہیں ان کو بھی اس سے احتراز کرنا چاہئے ،بہت ہی شدید ضرورت ہو تو صرف ایک طلاق لکھنے پر اکتفا کریں، عورت یا اس کے گھر والوں کا اصرار ہو تو ایک طلاق بائن لکھیں ، یہ مضمون اچھی طرح سمجھ لیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

لے جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں ایک مجلس کی تین طلاق واقع ہونے کے عنوان سے ملاحظہ فرمائیں۔

بوقت ضرورت صرف ایک طلاق پر اکتفا کیجئے ایک دم تین طلاق دے کر اپنا گھر برباد نہ کیجئے:

(سوال ۳۵۸) تین طلاق دینے کے متعلق آپ کا جواب موصول ہوا، جزاکم اللہ، بہت عمدہ جواب ہے اور اس کی اشاعت کی بے حد ضرورت ہے اگر آپ جواب کا اختصار فرمادیں تو بہت مناسب ہوگا، انشاء اللہ اس کو پمفلٹ کی شکل میں طبع کرا کر خواب اشاعت کریں گے جزاکم اللہ تعالیٰ۔

(الجواب) بلاوجہ شرعی طلاق دینا سخت گناہ ہے، اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا اور شیطان کو خوش کرنا ہے، البتہ اگر کسی وجہ سے شوہر اور بیوی میں ایسی رنجش ہوگئی ہو کہ ایک دوسرے کے حقوق پامال ہو رہے ہوں اور طلاق کے بغیر چارہ ہی نہ ہو تو طلاق دینے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ شوہر ایسے طہر میں جس میں صحبت نہ کی ہو صرف ایک طلاق دے غصہ اور جوش میں آکر تین طلاق دینے کا جو رواج چل پڑا ہے بلکہ بہت سے لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ تین طلاق کے بغیر طلاق ہی نہیں ہوتی یہ بالکل غلط ہے، ایک طلاق دینے سے بھی طلاق ہو جاتی ہے اور شوہر عدت میں رجوع نہ کرے تو عدت پوری ہونے کے بعد عورت بائنہ (یعنی نکاح سے جدا) ہو جاتی ہے اور جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

جوش اور غصہ میں آکر تین طلاق دے دیتے ہیں جب جوش اور غصہ ختم ہوتا ہے تو پچھتانے اور پریشانی و پشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا، اگر ایک طلاق دی ہوتی، اور اس کے بعد شوہر کا ارادہ بیوی کو اپنے پاس رکھنے کا ہو تو بہت آسان ہے صرف قولاً یا عملاً رجوع کر لینا کافی ہے، عورت اس کی نکاح میں رہے گی رجوع پر گواہ بنالینا بہتر ہے اور اگر عدت پوری ہوگئی اور اس کے بعد دونوں کا ارادہ ساتھ رہنے کا ہو جائے تو دونوں کی رضامندی سے تجدید نکاح (دوبارہ نکاح کرنا) کافی ہوگا، البتہ اس کے بعد شوہر دو طلاق کا مالک رہے گا۔

اور اگر شوہر نے اکٹھی تین طلاقیں دے دیں تو شوہر گنہگار ہوگا اور تین طلاق کے بعد دونوں اپنا گھر آباد کرنا چاہیں تو شرعی حلالہ ضروری ہوگا، شرعی حلالہ کے بغیر یہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی، قرآن و حدیث سے یہی ثابت ہے، بخاری شریف میں روایت ہے: **عن عائشة رضی الله عنها ان رجلاً طلاق امرأته ثلثاً فتزوجت فطلق فسئل النبی صلی الله علیه وسلم اتحل للاول قال لا حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الاول**. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیں پھر اس عورت نے (عدت کے بعد) دوسرے شخص سے نکاح کیا، دوسرے شوہر نے صحبت کئے بغیر طلاق دے دی، نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ یہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہوئی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تک دوسرا شوہر صحبت نہ کر لے پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی **(بخاری شریف ص ۷۹۱ ج ۲، باب من اجاز طلاق الثلث) (مسلم شریف ص ۴۶۳ ج ۱)**

خلاصہ یہ کہ اگر طلاق دینا ہی پڑے تو صرف ایک طلاق دے، صرف ایک طلاق دینے سے بھی طلاق ہو جاتی ہے اور عدت پوری ہونے کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے اور اگر غصہ جاتا رہے اور شوہر کا ارادہ اپنے ساتھ رکھنے کا ہو جائے اور عدت پوری نہ ہوئی ہو تو صرف رجوع کر لینا کافی ہے، اور اگر عدت پوری ہوگئی ہو اور مرد

وعورت دونوں ساتھ رہنے پر راضی ہوں تو تجدید نکاح کر کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔حلالہ کی ضرورت نہیں،اور اگر شوہر نے تین طلاق دے دی ہوں تو شرعی حلالہ کے بغیر یہ عورت اس کے لئے کسی حال میں حلال نہیں ہو سکتی۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صیغۂ حال سے بھی طلاق واقع ہوتی ہے صیغۂ ماضی ضروری نہیں ہے:

(سوال ۳۵۹)ایک شخص نے اپنی بیوی کو مورخہ ۱۸ جنوری ۱۹۹۷ء کو دو طلاق دی،اس کے بعد عورت اپنے والدین کے گھر چلی گئی ، پھر شوہر نے مورخہ ۱۲ فروری ۱۹۹۷ء کو اپنی بیوی کو رجسٹری خط لکھا جس میں اس نے اگلی دو طلاقوں کا اقرار کر کے تیسری طلاق دینے کے لئے یہ جملہ لکھا''اب میں تجھ کو تیسری طلاق دیتا ہوں۔''اس صورت میں بیوی پر کتنی طلاق واقع ہوئیں؟ پھر ۱۸ فروری کو عورت کے والد یعنی اپنے خسر کو معافی نامہ لکھا ہے تو کیا معافی مانگنے سے وہ عورت اس کے لئے حلال ہوگی؟ نیز شوہر کو کسی نے بتایا کہ تم نے تیسری طلاق کے لئے ماضی کا صیغہ استعمال نہیں کیا لہذا تیسری طلاق واقع نہیں ہوئی تم رجوع کر سکتے ہو،تو کیا یہ صحیح ہے؟ مذکورہ الفاظ سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں امید ہے کہ جواب عنایت فرما کر ہماری رہنمائی فرمائیں گے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً بصورت مسئولہ میں شوہر نے مورخہ ۱۸ جنوری ۱۹۹۷ء کو دو طلاق دی اور شوہر کو ان دو طلاقوں کا اقرار بھی ہے،اس کے بعد اس نے اگلی دو طلاق کی عدت میں مورخہ ۱۲ فروری ۱۹۹۷ء کو اپنی بیوی کو رجسٹری خط لکھا اس میں اس نے لکھا''اب میں تجھ کو تیسری طلاق دیتا ہوں۔''مذکورہ جملہ جو زمانۂ حال میں طلاق دینے پر دلالت کر رہا ہے اس جملہ سے تیسری طلاق واقع ہو جائے گی ،لہذا پہلی دو طلاق اور اس کی عدت میں دی ہوئی تیسری طلاق مل کر اس کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو جائیں گی اور وہ عورت مطلقہ مغلظہ ہو کر اپنے شوہر پر حرام ہو گئی،اب صرف معافی مانگنے سے حرام شدہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک شرعی حلالہ نہ ہو یہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی۔

ایسا لفظ جو زمانۂ حال میں طلاق دینے پر دلالت کرتا ہو اس سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔درمختار میں ہے۔(باب الصریح) (صریحه مالم یستعمل الا فیه) ولو بالفارسیة کطلقتک ، وانت طالق ومطلقة)...... (ویقع بها) ای بهذه الالفاظ وما بمعنا ها من الصریح.

ردالمحتار میں ہے (قوله وما بمعنا ها من الصریح) ای مثل ما سیذکر من نحو کونی طالقاً واطلقی ویا مطلقة بالتشدید وکذ المضارع اذا غلب فی الحال مثل اطلقک کما فی البحرالخ (درمختار ورد المحتار المعروف به شامی ص ۵۹۰، ص ۵۹۱ ج ۲ ، باب الصریح)

نیز درمختار میں ہے: (وفی اختاری نفسک......)(تبین) بواحدة (ان قالت اخترت) نفسی (اوانا اختار نفسی) استحساناً...... الخ.

شامی میں ہے(قوله استحساناً)راجع الی قوله اوانا اختار نفسی ای لوذکرت بلفظ المضارع سواء ذکرت انا اولا ففی القیاس لا یقع لانه وعد، ووجه الا ستحسان قول عائشة رضی الله عنها لما خیرها النبی صلی الله علیه وسلم بل اختار الله ورسوله واعتبره صلی الله علیه وسلم

جوابا،ولا ن المضارع حقیقة فی الحال مجاز فی الا ستقبال کما هو احد المذاهب الخ.(درمختار و شامی ج ۲ ص ۶۵۷ ، باب تفویض الطلاق)

فتح القدیر میں ہے:ولا یقع باطلقک الااذا غلب فی الحال ،(فتح القدیر مع کفایة وعنایة ص ۷ ج ۴)باب ایقاع الطلاق.

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:قالت لزوجها من باتونمی باشم فقال الزوج مباش فقالت بدست تواست مرا طلاق کن فقال الزوج طلاق میکنم ، طلاق میکنم وکرر ثلاثاً طلقت ثلاثاً(حاشیه میں هے .۱۵ .ای.اطلق اطلق)

(عالمگیری ج ا ص ۳۸۴ مصری فصل نمبر ۷ باب نمبر ۲ کتاب الطلاق)

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے:

(سوال)زید کا لڑکا خالد اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ میں تم کو طلاق دیتا ہوں.....خالد اور اس کے باپ نے متعدد مرتبہ یہ کلمہ کہا.....اس صورت میں طلاق پڑی یا نہیں؟

(الجواب)جب کہ خالد نے اپنی زوجہ کو کہا کہ میں تم کو طلاق دیتا ہوں تو اس سے ایک طلاق اس کی زوجہ پر واقع ہوئی، پس اگر خالد نے تین مرتبہ یا زیادہ مرتبہ یہ کلمہ کہا تو اس کی زوجہ پر تین طلاق واقع ہوگئی اور وہ عورت خالد کے نکاح سے خارج ہوگئی۔(فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل ص ۱۳۴،ص ۱۳۵ ج ۹)

فتاویٰ دارالعلوم قدیم میں ہے۔

(سوال)ایک شخص نے اپنی زوجہ منکوحہ کو طلاق نامہ تحریر اس مضمون کا لکھا.....آج بتاریخ فلاں ماہ فلاں سنہ فلاں کو قید زوجیت اور نکاح سے خارج اور آزاد کرتا ہوں اور طلاق دیتا ہوں،طلاق دیتا ہوں،طلاق دیتا ہوں اس صورت میں کون سی طلاق واقع ہوئی؟رجعت درست ہے یا حلالہ کی ضرورت ہے.....الخ۔

(الجواب)اقول وبہ نستعین زید کی منکوحہ پر تین طلاق واقع ہوگئی لقوله علیه السلام ثلث جدهن جد وهزلهن هزل و عد منهن الطلاق ،اور بعد تین طلاق کے حرام مغلظہ ہونا مطلقہ کا اور نہ حلال ہونا شوہر اول کے لئے نص قطعی میں منصوص ہے.....الخ۔

فتاویٰ دارالعلوم قدیم ص ۲۴۹ ج ۳ ،۴ ۔عزیز الفتاویٰ۔

ان حوالوں سے ثابت ہوا کہ ایسا لفظ جو زمانۂ حال طلاق دینے پر دلالت کرتا ہو اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے وقوع طلاق کے لئے صیغۂ ماضی ہی ہونا ضروری نہیں ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔۲۹ شوال المکرم ۱۴۱۷ھ۔

باب ما یتعلق فی طلاق الصریح

نکاح سے علیٰحدہ کرتا ہوں، اور علیٰحدہ کی ہے۔ اس طرح لکھنے سے کون سی طلاق ہوگی ؟:

(سوال ۳۶۰) ایک آدمی نے طلاق نامہ میں حسب ذیل الفاظ لکھے ہوں...... میرے نکاح سے علیٰحدہ کرتا ہوں، یا اس کو میرے نکاح سے علیٰحدہ کی ہے۔" تو طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کون سی ؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں ایک رجعی طلاق ہوئی۔ جس کا حکم یہ ہے کہ عدت میں رجوع صحیح ہے۔ اور عورت کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔ اگر عدت کی مدت گذر جائے تو بائنہ ہو جائے گی۔ پھر بدون نکاح کے حلال نہ ہوگی۔ البتہ حلالہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ (۱) **فقط و اللہ تعالیٰ اعلم**.

طلاق، طلاق، اور تیرے گھر چلی جا، ان الفاظ سے کون سی طلاق ہے :

(سوال ۳۶۱) میرے دوست نے اس کی عورت کو دو بار طلاق دی۔ یعنی طلاق طلاق کہا۔ اور پھر کہا چلی جا تیرے گھر۔ جس سے یہ مطلب تھا کہ میں نے طلاق دی۔ اب تو اپنے گھر چلی جا۔ تو میرے دوست کی عورت بدون عدت گذارے اور بغیر تجدید نکاح کے اس کے گھر واپس آسکتی ہے؟ یا عدت اور تجدید نکاح ضروری ہے۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں لفظ طلاق دو بار بولا ہے۔ اور "چلی جا" بدون نیت طلاق کے کہا ہے تو دو طلاق رجعی ہوئی اور عدت میں رجعت صحیح ہے۔ تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر عدت گذر گئی تو بدون نکاح کے حلال نہیں ہے۔ (۲) **فقط و اللہ اعلم بالصواب**.

خدا کے واسطے اس کو طلاق دی اس جملہ سے کون سی طلاق ہوئی

(سوال ۳۶۲) ایک آدمی نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی ہے اور اس کی تاریخ نہیں لکھی۔ اور اس کو یاد ہے کہ مورخہ ۱۹ مارچ ۱۹۷۵ء کو دی ہے۔ تو اب عورت کو طلاق ہوئی یا نہیں؟ وہ آدمی عورت کو لینے آیا ہے مگر عورت راضی نہیں ہے طلاق نامہ کی نقل میں دو گواہوں کے دستخط موجود ہیں۔ طلاق نامہ یہ ہے:۔ "میں خدا کے واسطے فلاں بنت فلاں کو جس کو میں نے شرع کے مطابق کوئی تکلیف نہیں دی اور اس کو وہ بھی قبول کرتی ہے۔ اس نے میرے پاس طلاق چاہی تو میں نے انکار کیا۔ تاہم وہ طلاق چاہتی ہے۔ تو میں نے مجبوراً خدا کو حاضر و ناظر رکھ کر خدا کے واسطے اس کو طلاق دی۔ جس میں میرا قصور نہیں!

گواہوں کے دستخط (۱)...... (۲) ......

(الجواب) طلاق نامہ کی عبارت سے طلاق رجعی ثابت ہوتی ہے (۳) اگر عدت میں رجعت کر لی تو عورت نکاح میں

---

(۱) چونکہ ہمارے ہاں یہ لفظ طلاق کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لئے بلا کسی نیت کے اس سے طلاق واقع ہوگی۔ **وقد مران الصریح مالم یستعمل الا فی الطلاق من ای لغة کانت لکن لما غلب استعمال حلال اللہ فی البائن عند العرب والفرس وقع به البائن ولولا ذلک لو قع به الرجعی شامی باب الکنایات تحت قوله حرام. ج. ۲ ص ۶۳۸.**

(۲-۳) **صریحه مالم یستعمل الا فیه ولو بالفارسیة کطلقتک وانت طالق ومطلقة...... ویقع بها ای بهذه الا لفاظ وما بمعناها من الصریح درمختار مع الشامی اول باب الصریح ج. ۲ ص ۵۹۰**

ہے اور شوہر کو حق ہے کہ وہ اس کو لے جائے اور اگر عدت گذر گئی اور رجعت بھی نہیں کی ہے تو عورت مطلقہ بائنہ ہو جائے گی یعنی نکاح سے خارج ہو جائے گی اور شوہر کا اس پر کوئی حق نہ رہے گا۔ ہاں اگر عورت راضی ہو۔ تو نکاح دوبارہ کیا جا سکتا ہے۔ حلالہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بجائے طلاق کے "طلاع" کہے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۳۶۳) میاں بیوی میں نزاع (جھگڑا) ہونے پر مرد نے پڑوس میں سے ایک ضعیفہ کو گواہ بنا کر عورت کو غصہ میں تین طلاق دی ہے۔ دوسری دو عورتیں اور ایک مرد بھی پڑوس کے مکان میں تھے انہوں نے بھی الفاظ طلاق سنے اور پورے گاؤں میں طلاق کا چرچا عام ہے۔ تین چار روز بعد جماعت کے لوگوں نے عورت کے ساتھ تعلق رکھتے ہوئے دیکھ کر اس کو بلا کر پوچھا کہ طلاق دینے کے بعد عورت کے ساتھ کیوں تعلق رکھتا ہے؟ جواب دیا کہ میں نے باریکی رکھ کر طلاق دی ہے۔ عورت کو دھمکانے کے لئے بجائے طلاق کے طلاع کہا ہے اور سامعین کہہ رہے ہیں طلاق کہا تھا تو مذکورہ صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

(الجواب) حرف کی غلطی سے طلاق کے بجائے طلاع کہہ دیا فرق نہیں آتا۔[1] طلاق پڑ جائے گی۔ باقی نیت اور ارادہ کا اعتبار عند اللہ تو ہو سکتا ہے لیکن معاملہ اگر اسلامی عدالت میں جائے تو اسلامی جج (قاضی) الفاظ پر فیصلہ کرے گا۔ نیت پر فیصلہ نہیں کرے گا۔ البتہ اس نے ان الفاظ کے کہنے سے پہلے کم سے کم دو آدمی گواہ بنا لئے تھے اور ان سے کہہ دیا تھا کہ میں یہ لفظ محض دھمکانے اور ڈرانے کے لئے کہوں گا۔ اور یہ گواہ اس کی گواہی دیں تو بے شک قاضی کا فیصلہ بھی یہی ہوگا کہ طلاق نہیں ہوئی۔ فی الدر المختار و ان قال تعمدته، تخویفاً لم یصدق قضاءً الا اذا اشهد علیه قبله. به یفتی (ص ۵۹۱ ج ۲ باب الصریح ج ۲ ص ۵۹۲) فقط واللہ اعلم بالصواب.

انگریزی میں "ڈائی ورس" DIVORCE تین مرتبہ لکھا تو کتنی طلاق واقع ہوں گی:

(سوال ۳۶۴) میاں بیوی میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا، بیوی نے اپنے والد کو فون کیا آپ آ کر مجھے یہاں سے لے جائیں، والد آ کر اپنی بیٹی کو اور نواسے کو لے گیا بچہ کی عمر تین سال ہے، بیوی کے جانے کے بعد شوہر نے بیوی پر ایک خط لکھا جس میں اس نے تین مرتبہ DIVORCE "ڈائی ورس" "ڈائی ورس" "ڈائی ورس" لکھا لفظ "طلاق" نہیں لکھا، بعد میں یہ خبر عام ہونے لگی کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے جب مرد نے یہ سنا تو اس نے ایک خط بیوی کو اور ایک خط خسر کو لکھا اس میں اس نے لکھا کہ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ میں نے طلاق دینے کا بالکل ارادہ نہیں کیا تھا صرف ڈرانے اور دھمکانے کے لئے وہ خط لکھا تھا پس شریعت کا فیصلہ کیا ہے؟ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ (ساؤتھ افریقہ)

(الجواب) ہو الموفق للصواب:۔ طلاق نامہ سامنے نہیں ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ لفظ <DIVORCE> "ڈائی ورس" وہاں (افریقہ) کے عرف میں طلاق صریح ہے یا کنایہ؟ یا اصل تو کنایہ ہے مگر طلاق میں غلبۂ استعمال سے صریح کے حکم میں ہو گیا ہے؟ لہذا کوئی قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہے یہ تو وہاں کے علمائے کرام کا کام ہے جو یہ جانتے ہوں کہ یہ لفظ

---

(۱) قال الشامی ویدخل طلاع وتلاع وطلاک وتلات، [illegible] ص ۵۹۱ ج ۵......۳

طلاق صریح کا ہے یا کنایۂ طلاق کا یا کثرت استعمال سے صریح کے حکم میں ہوگیا ہے۔

اگر لفظ ''ڈائی ورس'' وہاں کی زبان میں طلاق کے لئے موضوع ہے اور طلاق ہی میں مستعمل ہے تو اگر چہ یہ لفظ عربی کا نہیں ہے انگریزی کا ہے تاہم اس سے طلاق واقع ہوجائے گی ایک مرتبہ کہنے سے ایک طلاق رجعی دو مرتبہ کہنے سے دو طلاقیں رجعی اور تین مرتبہ کہنے سے تین طلاقیں واقع ہوں گی اور عورت مغلظہ بائنہ ہوجائے گی اور شوہر کا یہ قول کہ میری طلاق کی نیت نہیں تھی ڈرانا مقصود تھا مسموع نہیں ہے۔

اور اگر یہ لفظ کنایۂ طلاق ہے طلاق کے لئے موضوع نہیں ہے مگر طلاق اور غیر طلاق کا احتمال رکھتا ہے یعنی اس لفظ سے طلاق مراد ہونا ظاہر نہ ہو طلاق کے علاوہ اور معنوں میں بھی مستعمل ہو تو ایقاع طلاق کے لئے نیت کا ہونا ضروری ہے، طلاق کی نیت ہوگی تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی، البتہ دلالت حال، مذاکرۂ طلاق، نزاع زوجین شوہر کا غصہ وغیرہ قرائن قویہ سے ظن غالب ہوجائے کہ طلاق دینے کا ہی قصد تھا۔ تو وقوع طلاق کا حکم دیا جائے گا ان قرائن قویہ کی موجودگی میں شوہر نیت طلاق کا انکار کرے تو اس کی بات قضاءً معتبر نہ ہوگی۔

اور اگر لفظ ''ڈائی ورس'' اصل میں تو کنایہ ہے طلاق کے لئے موضوع نہیں ہے لیکن طلاق میں غلبۂ استعمال سے صریح کے حکم میں ہوگیا ہے تو نیت کا محتاج نہیں ہے بلا نیت طلاق بائن واقع ہوجائے گی اگر بائن متعارف ہو جس طرح لفظ ''فارغخطی'' میں بائن متعارف ہے، ورنہ رجعی ہوگی جیسے لفظ ''چھوڑ دی'' میں رجعی متعارف ہے درمختار میں ہے باب الصریح **(صریحه مالم يستعمل الا فيه) ولو بالفارسية (قوله مالم يستعمل الا فيه) فما لا يستعمل فيها الا في الطلاق فهو صريح يقع بلا نية وما استعمل فيها استعمال الطلاق وغيره فحكمه حكم كنايات العربية في جميع الاحكام بحر (درمختار مع الشامي ج۲ ص ۵۹۰ باب الصريح)**

دوسری جگہ ہے **(باب الكنايات) (كنايته) عند الفقهاء (مالم يوضع له) اى الطلاق (واحتمله وغيره) فالكنايات لا تطلق بها قضاءً (الابنية اودلالة الحال) وهي مذاكرة الطلاق اوالغضب (درمختار مع الشامي ج۲ ص ۶۳۵، ص ۶۳۶ باب الكنايات)**

(نوٹ) جس صورت میں قضاءً طلاق واقع ہوتی ہے عورت کو بھی وقوع طلاق پر ہی عمل کرنا ہوگا کہ '' المرأة كالقاضي '' مصرح ہے اور جب قاضی یا اس کا قائم مقام (پنچایت وغیرہ) طلاق نافذ کر کے تفریق کا حکم دے گا تو دیانۃً بھی طلاق ہوئے گی فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۶ جمادی الثانی ۱۴۰۰ھ۔

اگر لفظ ''ایک دو تین'' کسی مقام کے عرف میں طلاق ہی کے لئے مستعمل ہو تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۳۶۵) بعد سلام مسنون! خدمت اقدس میں گذارش ہے کہ ہمارے شہر گودھرا میں میاں بیوی کی تکرار یا جھگڑوں میں عام طور پر شوہر لفظ ''ایک دو تین'' زبان سے نکال دیتا ہے، اس کے ساتھ لفظ ''طلاق'' نہیں اگر یہ لفظ گودھرا شہر کے عرف میں اتنا عام ہو چکا ہے کہ سننے والے اس سے یہی سمجھتے ہیں کہ فلاں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، نیز گودھرا کے اکثر علماء کا رجحان اسی طرف ہے کہ گودھرا کے عرف میں لفظ ''ایک دو تین'' کثرت استعمال کی وجہ سے

صریح کے حکم میں آ گیا ہے، لہذا اس لفظ سے عورت پر طلاق مغلظہ واقع ہو جائے گی، نیز عوام کا بھی یہی حال ہے کہ ان الفاظ کے استعمال کے بعد ان امور کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں جو طلاق کے بعد عمل میں آتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ ان الفاظ کا کیا حکم ہے؟ کیا عرف کی وجہ سے یہ لفظ طلاق صریح کے حکم میں ہوگا؟ اور اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوگی یا نہیں؟ امید ہے کہ ہماری رہنمائی فرمائیں گے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر سوال میں درج شدہ باتیں صحیح ہوں اور مقامی علماء کی تحقیق یہ ہو کہ گودھرا کے عرف میں یہ لفظ طلاق ہی کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور لوگ اس سے طلاق ہی مراد لیتے ہیں تو حسب سوال آپ کے یہاں کے عرف کے مطابق احکام جاری ہوں گے، عرف بدلنے سے حکم بدلتا ہے، شامی میں ہے: **وقد مران الصريح ماغلب في العرف استعماله في الطلاق بحيث لا يستعمل عرفاً الا فيه من اى لغة كانت وهذا في عرف زماننا كذالك فوجب اعتباره صريحاً كما افتىٰ المتاخرون في انت على حرام بانه طلاق بائن للعرف بلا نية مع ان المنصوص عليه عند المتقدمين توقفه على النية الخ (شامی ج۲ ص ۵۹۴ باب الصريح)**

نیز شامی میں ہے: **وان كان الحرام في الاصل كناية يقع بها البائن لانه لما غلب استعماله في الطلاق لم يبق كناية ولذالم يتوقف على النية اودلالة الحال. الى قوله. ثم فرق بينه وبين سرحتک فان سرحتک كناية لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح فاذاقال رہا کردم اى سرحتک يقع به الرجعي مع ان اصله كناية ايضاً وما ذاک الا لانه غلب في عرف الفرس استعماله في الطلاق وقد مر ان الصريح مالم يستعمل الا في الطلاق من اى لغة كانت (شامی ج۲ ص ۶۳۸ باب الكنايات)**

لہذا جب صورت مسئولہ میں آپ کے یہاں کے عرف کے اعتبار سے یہ الفاظ صریح کے حکم میں ہو گئے ہوں، علماء کی یہی تحقیق ہو تو آپ کے یہاں کے عرف کے اعتبار سے ان الفاظ سے بلا نیت طلاق بھی تین طلاق واقع ہوں گی ڈرانے اور دھمکانے کا بہانہ مسموع نہ ہوگا اور اسی میں احتیاط ہے کہ باب فروج میں احتیاط پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

شامی میں ہے: **لا نه يعمل بالاحتياط خصوصاً في باب الفروج (شامی ج۱ ص ۶۲۴ قبيل باب طلاق غير المدخول بها)**. فتاویٰ خیریہ میں ایک جواب میں تحریر فرمایا ہے: **لا يقبل قوله (اى قول الزوج) على ماعليه الا عتماد والفتوىٰ احتياطاً في امر الفروج في زمان غلب فيه على الناس الفساد، والله اعلم. (فتاوىٰ خيريه ص ۴۳ ج۱، كتاب الطلاق) فقط والله اعلم بالصواب.**

''میں نے تجھ کو چھوڑ دی'' یہ جملہ متعدد بار بولا تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۳۶۶) میاں بیوی میں لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے تھے، بیوی بچوں کو لے کر اپنی ماں کے گھر چلی گئی اور بیوی کا بیان ہے کہ شوہر نے متعدد بار یہ لفظ اس کے سامنے بولا ہے۔ میں نے تجھ کو چھوڑ دی شوہر سے اس بارے میں پوچھا گیا تو اس کو بھی اس بات کا اقرار ہے کہ وہ یہ لفظ متعدد بار بولا ہے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) لفظ ''چھوڑ دی'' کثرت استعمال کی وجہ سے صریح کے حکم میں ہے، اس سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے،

شامی میں ہے:فاذا قال رها کردم ای سرحتک یقع به الرجعی مع ان اصله کنایة (شامی ص ۶۳۸ باب الکنایات) کے مطابق عورت پر تین طلاق مغلظہ واقع ہو جائیں گی ۔واللہ اعلم۔

عورت نے کہا'' مجھے طلاق دے دو'' شوہر نے کہا'' دی'' طلاق ہوگی یا نہیں؟:

(سوال ۳۶۷) شوہر اور بیوی میں جھگڑا ہو رہا تھا، جھگڑے کے دوران بیوی نے شوہر سے کہا مجھے تمہارے ساتھ نہیں رہنا ہے، تم مجھے طلاق دے دو، شوہر نے جواب میں کہا'' دی'' اس کے بعد پھر عورت نے کہا'' مجھے طلاق دے دو'' شوہر نے دوبارہ اس کے جواب میں کہا'' جا میں نے دے دی'' مذکورہ صورت میں عورت پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ شوہر لفظ '' طلاق'' نہیں بولا ہے، اگر مذکورہ صورت میں طلاق واقع ہوئی ہو تو کتنی ہوئی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر کوئی بات کسی سوال کی جواب میں کہی جائے تو جواب اعادہ مافی السوال کو متضمن ہوتا ہے، لہٰذا شوہر نے اگر چہ جواب میں لفظ طلاق استعمال نہیں کیا ہے مگر جواب میں یہ لفظ موجود سمجھا جائے گا ،اور دو مرتبہ سوال و جواب ہوا ہے اس لئے صورت مسئولہ میں عورت پر دو طلاق رجعی واقع ہو گئیں عدت میں شوہر کو حق رجعت حاصل ہے عورت راضی ہو یا نہ ہو شوہر رجوع کر سکتا ہے۔

درمختار میں ہے:قالت لزوجها طلقني فقال فعلت طلقت فان قالت زدني فقال فعلت طلقت اخرى (درمختار)

ردالمحتار میں ہے (قوله فقال فعلت) ای طلقت بقرینة الطلب ، والجواب يتضمن اعادة مافي السوال (درمختار ورد المحتار ص ۶۳۳ ج ۲ قبیل باب الکنایات) فقط والله اعلم بالصواب

باب مایتعلق با الکنایة

عورت کو ماں بہن جیسی کہنا:

(سوال ۳۶۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میری بیوی بار بار کہتی تھی۔ کہ ''تم میرا کیا کرو گے؟ چھٹی کردو گے۔'' بعدہٗ ایک دن دوپہر کے وقت اس نے یہی کہا کہ ''تم کیا کرو گے؟ چھٹی کردو گے۔ چھٹی کرنا ہوتو کردو۔'' میں نے غصہ کی حالت میں تین بار بول دیا کہ ''تو آج سے میری ماں، بہن کے برابر'' تو شریعت کا کیا حکم ہے؟ بیوی ساتھ رہنا چاہتی ہے! تجدید نکاح کی ضرورت ہے یا نہیں؟

(الجواب) جب کہ مذاکرۂ طلاق کے موقعہ پر ''یعنی چھٹی کرنا ہوتو کردو'' کے جواب میں یہ الفاظ کہے ہیں۔ تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی۔ کیونکہ یہ الفاظ طلاق کنایہ سے ہیں۔ اس لئے پہلے لفظ سے ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔ دوسری اور تیسری مرتبہ کہے ہوئے الفاظ لغو ہوں گے بموجب ضابطہ " **البائن لایلحق البائن**." لہٰذا زوجین رضامند ہوں تو دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے حلالہ کی ضرورت نہیں۔ **ولو قال انت علی مثل الی او کامی یرجع الی نیته فان قال اردت الطلاق فهو طلاق(هدایه ص ۳۹۰ ج ۲ باب الظهار) لا یقع بها الطلاق لا الا بالنیة او بدلالة الحال (هدایه ص ۳۵۳ ج ۲ باب ایقاع الطلاق اما الضرب الثانی الخ)فقط والله اعلم بالصواب .**

فارغخطی سے طلاق بائنہ بلانیت:

(سوال ۳۶۹) ایک شخص نے لڑتے جھگڑتے اپنی بیوی سے کہا۔ اب تو میں صرف برائے نام ہی تیرا خاوند ہوں۔ اس پر بیوی نے پوچھا۔ اس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ جواب میں خاوند نے کہا۔ فارغخطی۔ طلاق، طلاق، طلاق، صورت مسئولہ میں کون سی طلاق واقع ہوئی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس صورت میں طلاق ثلثہ مغلظہ واقع ہوئی۔ لفظ فارغخطی کنایہ ہے اس سے بلانیت طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔ (**لانه فی العرف طلاق بائن**) چنانچہ امداد الفتاویٰ میں ہے یہ لفظ فارغخطی کنایہ ہے۔ اور چونکہ اس سے ایقاع طلاق بائن متعارف ہے۔ اس لئے بلانیت اس سے طلاق بائن واقع ہوجائے گی (ص ۳۹۳ ج ۲) فارغخطی کے لفظ کے بعد تین لفظ صریح طلاق کے بولے گئیں ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ عورت مدخولہ ہوتو بائن کو صریح لاحق ہوتی ہے۔ **الصریح یلحق الصریح ویلحق البائن بشرط العدة (درمختار مع الشامی ص ۶۴۵ ج ۲ باب الکنایات مطلب الصریح یلحق الصریح والبائن)** لہٰذا بعد کی دو صریح طلاق لاحق ہوکر طلاق مغلظہ ہوگئی۔ اگر عدم اضافت کا شبہ ہوتو اضافت صریحہ ضروری نہیں اضافت معنویہ کافی ہے۔ جس کے لئے دلالت حال (یعنی) قرینہ موجود ہے۔ **(قوله لترکه الا ضافة) ای المعنویةفانها الشرط والخطاب من الاضافة بالمعنویة وکذا الا شارة الخ ولایلزم کون الا ضافة صریحةفی کلامه (الیٰ)فهذا یدل علی وقوعه وان لم یضفه الی المرأة صریحاً (شامی ج ۲ ص ۵۹۰ . ۵۹۱ باب الصریح)** لہٰذا طلاق واقع ہونے میں شبہ نہیں ہے۔ **فقط والله اعلم بالصواب .**

’’فارغخطی‘‘ لفظ تین مرتبہ کہنے سے کون سی طلاق ہوئی:

(سوال ۳۷۰) قریباً دو سال ہوئے ایک شخص نے اپنی عورت کو ان الفاظ سے طلاق دی ہے۔ (۱) فارغخطی دی (۲) فارغخطی دی (۳) فارغخطی دی۔ اس وقت عورت حاملہ تھی۔ فی الحال سوا برس کا بچہ ہے۔ دوسرے اور دو بچے ہیں اس لئے عورت شوہر کے ہاں جانا چاہتی ہے اور خاوند رکھنا چاہتا ہے۔ تو شرعاً اس کی کوئی سبیل ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسؤلہ میں ’’فارغخطی‘‘ کے پہلے لفظ سے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی۔ دوسری تیسری واقع نہیں ہوئی۔ فقہ کا قاعدہ ہے **لا یلحق البائن البائن** دوبارہ نکاح کر کے دونوں رہ سکتے ہیں حلالہ کی ضرورت نہیں (درمختار مع الشامی ج۲ ص۶۲۶.[۱]) **فقط واللہ اعلم بالصواب.**

تعریف طلاق بائن:

(سوال ۳۷۱) ایک طلاق بائن کسے کہتے ہیں۔

(الجواب) بائن ایسی طلاق جس میں رجعت نہ ہو سکے تجدید نکاح کے بغیر رکھنا درست نہ ہو۔ ایک طلاق بائن سے عورت نکاح سے نکل جاتی ہے۔[۲]

شوہر نے کہا ’’جب تم مجھ سے چھٹی (علیٰحدہ) ہونا چاہو تو بچوں کو بددعا دینا‘‘ اس جملہ کا شرعی حکم:

(سوال ۳۷۲) ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا جب تم مجھ سے چھٹی ہونا چاہو تو بچوں کو بددعا دینا تو تم مجھ سے چھٹی ہو جاؤ گی، ان الفاظ کے کہنے کے وقت شوہر کا مقصد عورت کو طلاق دینے کا اختیار دینا تھا، عورت نے ابھی تک اختیار کو استعمال نہیں کیا ہے، تو کیا شوہر طلاق کا اختیار واپس لے سکتا ہے؟ اور اگر عورت اپنے اختیار کو استعمال کرے تو کون سی طلاق واقع ہوگی؟ رجعی یا بائن؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب عورت کو طلاق کا اختیار دینے کی غرض سے کہا گیا ہے کہ جب تم چھٹی ہونا چاہو تو بچوں کو بددعا دینا تو عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہو گیا عورت جب بچوں کو بددعا دے گی تو چھٹی ہو جائے گی یعنی طلاق رجعی واقع ہوگی اگرچہ لفظ ’’چھٹی ہونا‘‘ کنایہ ہے مگر غلبۂ استعمال سے صریح کے حکم میں ہے اس لئے طلاق رجعی واقع ہوگی، عدت کے اندر رجوع جائز ہے اور بعد عدت تبراضی زوجین تجدید نکاح درست ہے، حلالہ کی ضرورت نہیں ہے اور اب شوہر اپنے اختیار کو واپس نہیں لے سکتا **وان قال طلقی نفسک فلیس له ان یرجع عنه لان فیه معنی الیمین لانه**

---

(۱) وضاحت: فارغ خطی چونکہ اب ہمارے ہاں طلاق ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لئے بلا نیت بولنے سے طلاق ہوگی۔ اگر تین مرتبہ بولا تو تین ہی مرتبہ طلاق واقع ہوگی لہذا حلالہ شرعیہ کے بغیر دوبارہ نکاح درست نہ ہوگا۔ **وقد مران الصریح مالم یستعمل الا فیه من ای لغة کانت الخ شامی باب الکنایات ج. ۲ ص۶۳۸ صریحه مالم یستعمل الا فیه ولو بالفارسیة قال فی الشامیة ولو بالفارسیة فما لا یستعمل فیها إلا فی الطلاق فهو صریح یقع بلا نیه. شامی باب الصریح ج۲ ص ۵۹۰**

(۲) **والطلاق البائن هو الذی لا یملک الزوج فیه استرجاع المرأة الأبعقد جدید لسان العرب باب الباء ج. ۱ ص ۵۶۰.**

تعلیق الطلاق بتطلیقها والیمین تصرف لازم)هدایه اولین ص ۳۶۱ باب تفویض الطلاق)ولو قال لها انت طالق اذا شئت او اذا ماشئت او متی شئت او متی ماشئت فردت الا مر لم یکن رداً ولا یقتصر علی المجلس (هدایه ج۲ ص ۳۶۳ ایضاً) فاذا قال رها کردم ای سرحتک (چهوردی) یقع الرجعی مع ان اصله کنا یة (شامی ج۲ ص ۶۳۸ باب الکنایات)فقط واللہ اعلم بالصواب .

''اب یہ عورت میری بیوی نہیں ہے'' اس جملہ کا حکم:

(سوال ۳۷۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ: شوہر و بیوی کے مابین تو تو میں میں ہوئی اور کافی کشیدگی ہوئی محلہ کے کچھ افراد جس میں چار مرد اور چھ عورتیں شامل ہیں اس مقصد سے جمع ہوئے کہ سمجھا بجھا کر شوہر و بیوی میں صلح کرادی جائے، چنانچہ لوگوں نے بیوی کو سمجھایا اور اس کو خاموش کیا، جب شوہر کو سمجھانے چلے تو شوہر نے جھنک کر جواب دیا کہ اب یہ عورت میری بیوی نہیں ماں بہن ہے۔ یہ الفاظ سن کر ایک شخص نے روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا کہ ''کیا کہتے ہو ایسا مت کہو ورنہ طلاق ہو جائے گی''، اس پر شوہر نے کہا ہاں ہاں میں نے طلاق دیدی، طلاق کا لفظ صرف ایک بار کہا ہے اب کتاب وسنت کی روشنی میں فیصلہ عنایت فرمائیں؟

(الجواب) شوہر کے الفاظ ''اب یہ عورت میری بیوی نہیں میری ماں بہن ہے'' بہ نیت طلاق کہے گئے ہیں اس لئے طلاق بائن واقع ہوگئی اور یہ الفاظ جواباً کہے گئے ہیں کہ ''ہاں ہاں میں نے طلاق دے دی'' اگر جدید طلاق مان لی جائے تو دو طلاق بائنہ شمار ہوں گی، بتراضی طرفین عدت میں اور عدت کے بعد بھی نکاح ہو سکتا ہے، حلالہ کی ضرورت نہیں ہے ۔الصریح یلحق الصریح ویلحق البائن بشرط العدة (درمختار مع الشامی ج۲ ص ۶۴۵ باب الکنایات) اور اب یہ شوہر صرف ایک طلاق کا مالک رہے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

طلاق رجعی عدت کے اندر بھی بائن ہو سکتی ہے:

(سوال ۳۷۴) رجعی طلاق دے دی پھر کہا کہ میں رجوع کرنے والا نہیں ہوں، دوسرے کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے ایسی صورت میں خاوند کو رجوع کا حق باقی رہتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) شوہر نے رجعی طلاق کے بعد کنائی الفاظ استعمال کئے ہیں پس اگر جدید طلاق کی نیت نہیں ہے تو رجعی طلاق بائن بن جائے گی اور رجوع کرنے کا حق ختم ہو جائے گا اور اگر جدید طلاق کی نیت ہے تو دونوں طلاقیں بائن شمار ہوں گی رجوع نہیں کر سکے گا لوقال لامراته انت طلاق ثم قال للناس من برمن حرام است وعنی به الاول اولا نیةله فقد جعل الرجعی بائناً وان عنی به الا بتداء فهی طلاق آخر بائن. (خلاصة الفتاوی ج۲ ص ۸۲)فقط واللہ اعلم بالصواب.

بیوی کو ماں کہہ دیا تو کیا حکم ہے:

(سوال ۳۷۵) نادانی وجہالت کی وجہ سے خاوند نے اپنی بیوی کے پستان منہ میں لیتے ہوئے بیوی کو 'اماں' تین چار بار کہہ دیا ہو تو کیا بیوی حرام ہو جائے گی اور تین طلاق پڑ جائیں گی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں غلبۂ شہوت اور فرط محبت میں بیوی کے پستان منہ میں لیتے ہوئے ماں کہہ دیا اس سے عورت حرام نہیں ہوئی اور طلاق بھی واقع نہ ہوگی، عورت بدستور اس کی بیوی ہے اور اس کے لئے حلال ہے، لیکن یہ حرکت اس کے لئے زیبا نہیں فقط واللہ اعلم۔

شوہر سے زبردستی طلاق بائن کہلوائی گئی تو واقع ہوئی یا نہیں:

(سوال ۳۷۶) میرا ارادہ اپنی بیوی کو طلاق دینے کا بالکل نہیں ہے، نہ تو میں نے کبھی اپنی بیوی کو طلاق دینے کو سوچا ہے، لیکن تاریخ ۹۶/۱/۲۲ کو مجھ سے یہ زبردستی کہلوایا گیا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق بائن دیتا ہوں، اور جس وقت مجھ سے یہ زبردستی کہلوایا گیا، اس وقت میں طلاق بائن کا مطلب (معنی) سمجھتا نہیں تھا۔ اور اس وقت میرا ارادہ اپنی بیوی کو ایک طلاق بھی نہیں دینے کا تھا تو کیا میری بیوی پر یہ طلاق واقع ہوگئی ہے، اور اگر نہیں ہوئی ہے تو میں اپنی بیوی سے رشتہ جوڑ سکتا ہوں اور اس کی صورت کیا ہے؟ اور طلاق بائن میں عدت گذارنا ضروری ہے اور کتنی؟ اور اگر عدت نہ گذارنی ہو تو اس کی کیا صورت ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ صورت مسئولہ میں جب آپ نے اپنی زبان سے طلاق بائن دے دی تو آپ کی عورت پر طلاق بائن واقع ہوگئی[1] اور وہ آپ کے نکاح سے نکل گئی۔ زبانی بتایا گیا کہ شوہر اور بیوی کے درمیان خلوت ہو چکی ہے، دونوں ایک جگہ جمع ہو چکے ہیں لہذا عورت پر عدت لازم ہے اگر حمل نہ ہو تو اس کی عدت تین حیض (ماہواری) ہیں، اگر شوہر اور بیوی دونوں ساتھ رہنے کے لئے راضی ہوں تو تجدید نکاح یعنی نئے سرے سے نکاح کرنا ضروری ہے تجدید نکاح کے بغیر ایک ساتھ نہیں رہ سکتے، اگر دونوں تجدید نکاح کر کے ساتھ رہنے لگے تو آئندہ شوہر دو طلاق کا مالک رہے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ہمارا تمہارا کوئی تعلق نہیں، گھر سے نکل جا کہنے سے طلاق پڑے گی یا نہیں؟:

(سوال ۳۷۷) ہماری بڑی بہن کا نکاح بمبئی میں ہوا ہے، زوجین کا آپس میں نزاع رہتا تھا، چنانچہ ہماری چھوٹی بہن جن کا قیام بمبئی میں ہے ان کا فون آیا کہ بڑی بہن کے غیر مسلم پڑوسی نے بتایا کہ تمہارے بہنوئی نے تمہاری بہن کو دوسری مرتبہ یہ لفظ کہا ہے، کہ ہمارا تمہارا کوئی تعلق نہیں، اور تو گھر سے نکل جا، یہ الفاظ حالت غضب میں کہے گئے، چنانچہ بہن کے فون کے مطابق میں بمبئی گیا اور بڑی بہن سے ملا اور حالات معلوم کئے تو انہوں نے اقرار کیا کہ میرے شوہر نے یہ الفاظ بولے ہیں، اور یہ بھی کہا کہ وہ تو یہ الفاظ بولتے ہی رہتے ہیں، اس کے بعد میں نے بڑے بہنوئی سے روبرو ملاقات کی تو انہوں نے اقرار کیا کہ پہلی مرتبہ میں یہ لفظ فلاں تاریخ کو اور دوسری مرتبہ فلاں تاریخ کو بولا (اور ان کا یہ بولنا غصہ کی حالت میں تھا) اور ساتھ ساتھ ان کا یہ کہنا ہے کہ دو مرتبہ سے طلاق نہیں ہوتی، تین مرتبہ کہنا ضروری ہے، اور یہ بھی کہا کہ وقوع طلاق کے لئے سوچ سمجھ کر اور دھیان کے ساتھ کہنا ضروری ہے، غصہ کی حالت میں کہنے سے طلاق نہیں ہوگی، اس کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات ایک عالم سے معلوم کی تو گذارش ہے کہ اس کا

---

(۱) لا یقع بها الطلاق الا بالنية او بدلالة الحال ... خلية برية بتة بتلة بائن حرام، فتاوی عالمگیری الفصل الخامس فی الکنایات ج ۱ ص ۳۷۶

جواب عطا کریں:

(الجواب) حامداو مصلیا و مسلما۔فتاوی دار العلوم قدیم میں ہے۔

(سوال) زید اپنی بیوی ہندہ کو اس کے گھر لینے گیا، ہندہ نے چلنے سے انکار کردیا، اس وقت زید نے کہا، اس وقت میرے ساتھ نہ چلوگی تو آج سے مجھ سے کوئی واسطہ کوئی تعلق کوئی سروکار عمر بھر نہ ہوگا اس پر ہندہ نے جانے سے انکار کر دیا اور زید نے تین مرتبہ یہ لفظ کہے، ہم سے تم سے کوئی تعلق نہیں، اور ہندہ کے ورثاء سے کہا کہ ہمارے زیور واپس کردو اور ہمارے جہیز کے برتن واپس منگالو۔

(الجواب) زید کا قول ہم سے تم سے کوئی تعلق نہیں، یہ کنایہ طلاق ہے **صرح به في العالمگیریة والخلاصة حيث قال لم يبق بيني وبينك عمل او شئي وامثال ذلك** اور یہ کنایہ قسم ثانی میں داخل ہے جس کا حکم یہ ہے کہ نیت پر موقوف ہے، اگر زید نے ان لفظوں سے طلاق کی نیت کی ہے جیسا کہ قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی اور اگر نیت نہیں کی تو طلاق واقع نہیں ہوئی، زید سے حلف لے کر دریافت کیا جاسکتا ہے **قال في الدر المختار، وفي الغضب توقف الا ولان اى نوى وقع والالا وقال قبله باسطر والقول بيمينه في عدم النية ويكفي تحليفها له في منزل فان ابى رافعته الى الحاكم فان نكل فرق بينهما ، فقط كتبه** (مولانا مفتی **(محمد شفیع غفرله** (فتاوی دار العلوم قدیم ج۳،۴ص ۳۱۱ امداد المفتیین)

امداد الفتاوی میں ہے:

(سوال) تب شوہر نے کہا نکل جا ہم سے تجھ سے کوئی واسطہ نہیں کوئی چھیلا تلاش کرلے چاہے بازار میں جاکے رہو، عورت اس سے کنارہ کش ہوگئی اس کے گھر نہیں جاتی اور شوہر کہتا ہے کہ غصہ میں کہہ دیا معاف کرالخ۔

(الجواب) یہ کنایات ہے اس قسم سے ہے جو محتمل ہے رد جواب اور محتمل سب وجواب ہیں اور حالت ہے غضب کی اس لئے مدار وقوع طلاق کا نیت پر ہوگا اگر طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق بائن ہوگا اور نیت نہ کی تو کچھ نہ ہوگا، (امداد الفتاوی ص۴۷۷ ج ۲)

فتاوی رحیمیہ میں ہے،

(سوال) میرے دوست نے اس کی عورت کو دو بار طلاق دی یعنی طلاق طلاق کہا اور پھر کہا چلی جا تیرے گھر..الخ۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں لفظ طلاق دو بار بولا ہے، اور ''چلی جا'' بدون نیت طلاق کے کہا ہے تو طلاق رجعی ہوئی (فتاوی رحیمیہ جلد سوم ص ۱۴۰) جدید ترتیب کے مطابق ص ۲۹۳/۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔

نیز امداد الفتاوی میں ہے:

(الجواب) لفظ ''نکل جا'' میں مطلقا حاجت نیت کی ہے الخ (امداد الفتاوی ج ۲ ص ۴۷۷)

مندرجہ بالا حوالجات سے ثابت ہوتا ہے کہ سوال میں درج شدہ الفاظ میں طلاق نیت پر موقوف ہے لہذا صورت مسئولہ میں اگر شوہر نے یہ الفاظ ہمارا تمہارا کوئی تعلق نہیں اور تو گھر سے نکل جا، طلاق کی نیت سے کہے ہیں تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر طلاق کی نیت نہیں کی ہے تو طلاق واقع نہ ہوگی، شوہر کو قسم دے کر دریافت کیا جاسکتا ہے۔**لا يلحق البائن البائن (درمختار مع رد المحتار ۲/ ۶۴۲ باب الكنايات)**

نوٹ:

اگر طلاق کی نیت سے یہ الفاظ کہے ہوں تو پہلی مرتبہ جس تاریخ کو یہ لفظ کہے ہے اسی تاریخ سے عدت کی ابتدا ہو جائے گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اب تو اس نفرت کو خدا بھی نہیں مٹا سکتا کیا اس جملہ سے طلاق پڑ جائے گی:

(سوال ۳۷۸) ایک مرد نے اپنی بیوی سے ناراض ہو کر یہ خط لکھا ہے جس دل میں پیار ابھرا تھا اب تو اس دل میں نفرت بھر کے رکھی ہے، اب تو اس نفرت کو خدا بھی نہیں مٹا سکتا، (معاذ اللہ) تو کیا ان الفاظ کے کہنے سے اس مرد کا نکاح اس عورت سے باقی رہا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! نفرت کے الفاظ سے طلاق تو واقع نہ ہوگی لیکن اس جملہ سے کہ ''اب تو اس نفرت کو خدا بھی نہیں مٹا سکتا'' (معاذ اللہ) اس کا ایمان خطرہ میں پڑ گیا، لہٰذا تجدید نکاح کا حکم کیا جائے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

''مجھے نہیں چاہئے'' سے کیا طلاق واقع ہوگی؟:

(سوال ۳۷۹) ایک شخص اپنی زوجہ پر بلاوجہ بہت ہی ظلم کرتا ہے، ایک دن زوجہ کے رشتہ دار اس کو اپنے گھر لے آئے اس کے بعد اس کے شوہر نے دوسروں کی معرفت بیوی کو گھر جلد واپس بھیجنے پر اصرار کیا تو عورت کے رشتہ داروں نے کہا، ہمارے یہاں ہفتہ عشرہ میں شادی ہے اس کے بعد ہم بھیجیں گے تو شوہر نے دوسروں کی معرفت کہلوایا کہ جلد بھیج دو ورنہ شادی کے بعد مجھے نہیں چاہئے تو کیا ان الفاظ سے طلاق ہوگی (جب کہ شادی کے بعد بھیجے) اگر ہوئی تو کون سی؟ یہ معاملہ حالت غضب و ناراضگی میں ہو رہا ہے۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہ ہوگی، **ولو قال لا حاجة لی فیک ینوی الطلاق فلیس بطلاق** (فتاویٰ **عالمگیری ج ۱ ص ۳۷۵ الفصل الخامس فی الکنایات**) لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ شادی سے پہلے عورت کو بھیج دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۶ مئی ۱۹۶۶ء۔

''آزاد'' کردی بحکم صریح ہے:

(سوال ۳۸۰) ''آزاد کرنا'' یا ''آزاد پھرنا'' کو حضرت تھانویؒ نے فتاویٰ میں صریح لکھا ہے (امداد الفتاویٰ۔ کتاب الطلاق)

لیکن گجرات کا عرف اس بارے میں کیا ہے، بعض گجراتی عرف سے واقفین کی رائے ہے کہ یہاں کے عرف میں کنایہ ہے، لہٰذا آپ کی رائے اس بارے میں کیا ہے؟ المستفتی (مفتی) سعید احمد پالن پوری (صاحب زید مجدہم)

(الجواب) بندہ کی رائے یہ ہے کہ لفظ آزاد کردی بھی مانند گذاشتم و چھوڑ دی کے ملحق بصریح ہے۔[1]

---

(۱) فاذا قال رها کردم ای سر حتک یقع به الرجعی مع ان اصله کنایة ایضاً وما ذاک الا لأنه غلب فی عرف الفرس استعماله فی الطلاق وقد مران الصریح مالم یستعمل الا فی الطلاق من ای لغة کانت لکن لما غلب استعمال حلال الله فی البائن عند العرب والفرس وقع به البائن ولو لا ذلک لوقع به الرجعی وشامی باب الکنایات ج ۲ ص ۶۳۰۔ فقط والسلام۔

طلاق معلق

بیوی شوہر سے جوا چھوڑ دینے پر طلاق کی قسم لے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۳۸۱) زید قمار (جوا) کھیلتا ہے اس وجہ سے اس کی بیوی اس سے ناراض رہتی ہے، ایک دن بیوی نے کہا آپ جوا چھوڑ دیجئے اور میری طلاق کی قسم کھائیے تو زید نے کہا مجھے طلاق کی قسم منظور ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ یمین منعقد ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو پھر جوا کھیلنے کی صورت میں طلاق واقع ہوگی؟ اگر ہوگی تو کون سی واقع ہوگی؟ اگر ایک طلاق رجعی ہو تو رجوع کا کیا طریق ہے؟ جو طریقہ ہو اس سے آگاہ فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں اگر جوا کھیلے گا تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی،[1] عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے، رجوع کی صورت یہ ہے کہ مجامعت کرے یا زبان سے کہہ دے کہ میں بیوی کو واپس لیتا ہوں تو رجوع درست ہو جائے گا تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔ **الرجعة هي استدامة الملک القائم في العدة بنحو راجعتک ورددتک و امسکتک بلا نية لانه صريح وبالفعل مع الکراهة بکل مايوجب حرمة المصاهرة کمس الخ** (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۷۲۸، ۷۲۹ باب الرجعه) **فقط والله اعلم بالصواب**.

''اگر تو میری اجازت کی بغیر میکے گئی تو میرے لئے حرام'' اس جملہ کا حکم؟:

(سوال ۳۸۲) لڑکی کو سسرال والوں نے میکہ جانے سے روک دیا لیکن لڑکی کا برابر اصرار رہا کہ میں جاؤں گی جب شوہر نے دیکھا کہ یہ میکے چلی جائے گی تو اس نے کہہ دیا ''اگر تو میری اجازت کے بغیر میکے گئی تو میرے لئے حرام'' اس کے بعد اس نے عہد کر لیا کہ میں نہیں جاؤں گی اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ میاں بیوی میں صلح ہو جائے تو بیوی میکے جا سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں عورت شوہر کی اجازت سے میکے جائے گی تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر اس کی اجازت کے بغیر جائے گی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ فقط واللہ اعلم۔

(۱) ''تیری بہن یا ماں کے گھر جائے تو تین طلاق'' اس جملہ کا حکم، (۲) وقوع ثلثہ سے بچنے کی تدبیر:

(سوال ۳۸۳) زید کا اپنی بیوی سے جھگڑا ہوا تو بیوی نے غصہ میں کہا ''مجھے چھوڑ دو تو میں چلی جاؤں'' زید نے دھمکی کے لئے (کہ اس کے بعد وہ سنبھل جائے اور جھگڑا نہ کرے) غصہ میں یہ الفاظ کہے ''تو تیری بہن کے گھر جائے تو تین طلاق اور تیری ماں کے گھر جائے تب بھی تین طلاق'' اس کے بعد زید کی بیوی ''جاتی ہوں'' کہہ کر پچھلے دروازے تک پہونچی تو پڑوس نے اسے روک کر گھر میں بٹھا دیا، زید کی بیوی غصہ میں تھی ''میں شام تک جاؤں گی'' اس طرح بولتی رہی

---

(۱) انما يصح في الملک لقوله لمنکوحته ان زرت فانت طالق او مضافا اليه کان نکحتک فانت طالق فيقع بعده قال في البحر تحت قوله فيقع بعده اى يقع الطلاق بعد وجود الشرط الخ . بحر الرائق باب التعليق ج ۴ ص ۸.

تو زید نے کہا چپ رہ اگر تو نے تیری بہن یا ماں کے گھر میں قدم رکھا تو تیرا انجام آ جائے گا لہذا سوچ سمجھ کر قدم نکالنا پھر جب اس کو ہوش آیا تو اپنی بہن اور ماں کے گھر نہیں گئی، ان الفاظ سے ان کے نکاح پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟ اور شرط پوری ہونے پر تین طلاقیں واقع ہوں گی یا نہیں؟ اور ایسی کوئی تدبیر ہے کہ شرط پوری ہو جائے اور تین طلاق واقع نہ ہوں، فقط

(الجواب) صورت مسئلہ میں بیوی اس وقت نکاح سے خارج نہیں ہوئی مگر جب وہ (بیوی) بہن یا ماں کے گھر جائے گی تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اور شوہر کے لئے حرام ہو جائے گی، بدون شرعی حلالہ کے حلال نہ ہوگی و اذا اضافہ الی شرط وقع عقیب الشرط مثل ان یقول لا مراتہ ان دخلت فانت طالق (ہدایہ اولین ج ۲ ص ۳۶۵ باب الایمان فی الطلاق)

اور تین طلاقوں سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ شوہر ایک طلاق رجعی دے کر بیوی کو الگ کر دے۔ عدت کے بعد (تین حیض گذرنے کے بعد اور اگر حاملہ ہو تو وضع حمل کے بعد) ماں یا بہن کی یہاں جاوے اس سے تعلیق اور شرط پوری ہو جائے گی اور تین طلاقیں واقع نہ ہوں گی کیونکہ شرط پوری ہونے کے وقت نکاح میں نہیں ہے، اس کے بعد شوہر سے نکاح کر لے، اب ماں یا بہن کے یہاں جانے سے نکاح پر اثر نہ پڑے گا اور طلاق واقع نہ ہوگی در مختار میں ہے وتنحل الیمین بعد وجود الشرط مطلقاً لکن ان وجد فی الملک طلقت وعتق والالا. فحیلۃ من علق الثلاث بدخول الدار ان یطلقھا واحدۃً ثم بعد العدۃ تدخلھا فتنحل الیمین فینکحھا (در مختار ج ۲ ص ۶۹۰ باب التعلیق) فقط واللہ اعلم۔

''میں سلمیٰ سے جب بھی نکاح کروں اس کو تین طلاق'' اس جملہ کا حکم:

(سوال ۳۸۴) زید نے سلمیٰ کو تین بار طلاق دی اس کے بعد ایک تحریر دی کہ ''میں جب بھی سلمیٰ سے نکاح کروں تو اس کو تین طلاق'' اور اس پر زید نے دستخط کر دیئے عدت کے بعد سلمیٰ کا بکر سے نکاح ہو گیا، کسی وجہ سے بکر نے سلمیٰ کو تین طلاقیں دے دیں، اب زید سلمیٰ سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا زید سلمیٰ سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے؟ جواب عنایت فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) جب کہ زید نے از خود یا لوگوں کے کہنے سے یہ لکھ دیا ہے کہ میں سلمیٰ سے جب بھی نکاح کروں اس کو تین طلاق اور اس پر دستخط کر دیئے ہیں تو اب جب بھی نکاح کرے گا طلاقیں ہو جائیں گی۔ ہدایہ میں ہے۔ ففی ھذہ الالفاظ اذا وجد الشرط انحلت وانتھت الیمین ...... (الا فی کلمۃ کلما الخ (ص ۳۶۶ باب الایمان فی الطلاق) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے پر طلاق کی قسم کھائی تو کون سی طلاق واقع ہوگی:

(سوال ۳۸۵) ایک مدرسہ میں مدرسین نے متفق ہو کر مدرسہ کی کمیٹی سے تنخواہ میں اضافہ کی درخواست دی، کمیٹی کے اراکین نے ان کی درخواست پر توجہ نہیں کی اس پر تمام مدرسین نے آپس میں معاہدہ کیا ''اگر کمیٹی نے کسی مدرس کو علیحدہ کیا یا تنخواہ میں اضافہ کے مطالبہ کو پورا نہیں کیا تو کوئی بھی مدرس مدرسہ میں حاضر نہیں ہوگا، اگر کوئی بھی مدرس اس معاہدہ

کی خلاف ورزی کرے گا تو ہم طلاق کی قسم کھاتے ہیں اوراس پر سب نے دستخط کئے اب اگر کوئی مدرس اس معاہدہ کی خلاف ورزی کرے گا تو اس کی بیوی پر کتنی اور کون سی طلاق واقع ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مذکورہ واقعہ بہت افسوس ناک ہے اہل علم سے اس قسم کی حرکت صادر ہونا بہت ہی قابل مذمت اور لائق افسوس ہے، حق تو یہ ہے کہ علماء کو دینی خدمت لوجہ اللہ کرنا چاہئے، حالات کے اعتبار سے فقہاء رحمہم اللہ نے اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے مگر اسے مقصود نہ بنانا چاہئے، مقصود تو دینی خدمت لوجہ اللہ ہونا چاہئے اور بادل ناخواستہ اگر تنخواہ لی جائے تو اسے دینی خدمت کا عوض سمجھ کر نہ لیا جائے، اکابرین مجبوری کی حالت میں تنخواہ لیتے اور فرماتے کہ خدا کرے کہ اس پر مؤاخذہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ اہل علم کو صحیح سمجھ عطا فرمائیں آمین۔

مدرسین میں سے جس جس کو گھریلو اخراجات اور کثیر العیال ہونے کی وجہ سے پریشانی ہو گذران نہ ہوتا ہو تو مدرسہ کے منتظمین کے سامنے صحیح طریقہ سے اپنی بات پیش کرنا چاہئے، مدرسین کی بیویوں کا کیا قصور تھا کہ اس مطالبہ کے لئے طلاق کی قسم کھائی گئی، یہ حرکت بہت ہی قابل مذمت ہے، بیوی کو بلاوجہ شرعی طلاق دینا ظلم عظیم اور گناہ کبیرہ ہے، اللہ کو ناراض کرنا اور شیطان کو خوش کرنا ہے، تمام مباحات میں سب سے زیادہ مبغوض طلاق ہے علماء کو ایسی حرکتوں سے بہت بچنا چاہئے، نیز مدرسہ کی کمیٹی کے اراکین پر بھی لازم ہے کہ وہ مدرسین کی علمی صلاحیت، مرتبہ محنت اور ضروریات کا خیال رکھ کر تنخواہ مقرر کریں، ان کے ساتھ دنیا کے ملازموں جیسا معاملہ نہ کریں ان کے علمی مرتبہ کو پیش نظر رکھیں، ان کی بات پر توجہ نہ دینا اور ایسا برتاؤ کرنا کہ مدرسین اس قسم کا معاہدہ کر بیٹھیں، مدرسہ کی کمیٹی کے لئے بھی از حد قابل شرم ہے، خاص کر اس صورت میں جب کہ ان کے پاس تنخواہ (مشاہرہ) میں اضافہ کرنے کی گنجائش بھی ہو، اگر گنجائش نہ ہو تو کوشش کریں، ضرورت ہو تو چندہ کریں، الغرض مذکورہ واقعہ مدرسہ کی کمیٹی اور مدرسین دونوں کے لئے قابل شرم وافسوس ہے۔

صورت مذکورہ میں جب کہ مدرسین مجبور ہو کر غلطی کر چکے ہیں تو کوئی معاملہ فہم شخص آپس میں صلح کرانے اور معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کرے تاکہ مدرسین کی بیویوں پر طلاق واقع نہ ہو اور اگر کسی طرح معاملہ نہ سلجھے تو چونکہ معاہدہ میں صرف یہ لکھا گیا ہے کہ "طلاق کی قسم کھاتے ہیں" لفظ طلاق کے ساتھ کوئی عدد نہیں لکھا گیا ہے اس لئے اگر کوئی مدرس معاہدہ کی خلاف ورزی کرے گا تو اس کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، عدت کے اندر اندر رجوع کا حق حاصل ہوگا اور آئندہ صرف دو طلاق کا مالک رہے گا۔ طلاق سے بچنے کی ایک صورت یہ ہے کہ سب مدرسین استعفیٰ دے دیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تین شرطیں پائے جانے پر تین طلاق واقع ہو جائیں گی:

(سوال ۳۸۲) ایک شخص نے اپنی بیوی سے تین جملے کہے (۱) اگر تو نے فلاں شخص سے میری اجازت کے بغیر بات چیت کی یا کسی قسم کا تعلق رکھا تو تجھے طلاق، (۲) اگر تو میری اجازت کے بغیر فلاں جگہ گئی تو تجھے طلاق، (۳) اگر بھی تو نے میری اجازت کے بغیر اپنی بہن کو خط لکھا تو تجھے طلاق۔ عورت نے ان تینوں باتوں کی پرواہ نہیں کی اور شوہر کی اجازت کے بغیر تینوں کام ایک ہی دن میں کر ڈالے، تو اب کیا حکم ہے؟ کیا عورت پر طلاق واقع ہوگی؟ اگر ہوگی تو کون

سی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں شوہر نے تین مختلف کاموں پر ایک ایک طلاق کو معلق کیا ہے تو ہر شرط کے تحقق پر ایک ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، اور سوال کے بموجب عورت نے ایک ہی دن میں تینوں کام کر ڈالے، لہٰذا مذکورہ صورت میں تینوں شرطوں کے تحقق کی وجہ سے عورت پر تین طلاق واقع ہوگئیں اور عورت مطلقہ مغلظہ ہوکر اپنے شوہر پر حرام ہوگئی۔ درمختار میں ہے: (وتنحل) اليمين (بعد) وجود (الشرط مطلقاً) لكن ان وجد في الملك طلقت عتق والا لا (قوله لكن ان وجد في الملك طلقت) اطلق الملك فشمل مااذا وجد في العدة (درمختار وشامی ص ۶۹۰ ج ۲ باب التعلیق) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

''میرے گھر واپس مت آنا اگر آئے گی تو سمجھ لے طلاق ہوجائے گی'' اس جملہ کا حکم اور رجوع کا طریقہ:

(سوال ۳۸۷) میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہوگیا شوہر نے بیوی سے کہا کہ تو اپنے ماں باپ کے یہاں چلی جا اور میرے گھر واپس مت آنا اگر واپس آئی تو سمجھ لے کہ تجھے طلاق ہوجائے گی لڑکی اپنے ماں باپ کے یہاں چلی گئی ماں باپ نے کچھ دن لڑکی کو اپنے گھر رکھا اور پھر ایک روز لڑکی کو اس کے شوہر کے گھر چھوڑ آئے لڑکا اپنی بیوی کو رکھنا تو چاہتا ہے لیکن کہتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو مذکورہ بالا الفاظ کہے ہیں اس لئے اس کی تحقیق کرلینا چاہئے کہ اس سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ لڑکے سے جب پوچھا گیا کہ تم نے یہ الفاظ کس نیت سے کہے تھے تو اس نے جواب دیا کہ اس وقت میری نیت طلاق دینے کی نہ تھی بلکہ بیوی کو ڈرانا اور دھمکانا مقصود تھا، اور ان الفاظ کہنے کے وقت عورت کی طرف سے نہ طلاق کا مطالبہ تھا اور نہ طلاق کا مذاکرہ تھا، عورت کا بھی یہی بیان ہے کہ میں اس وقت بالکل خاموش تھی تو مذکورہ صورت کا کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب شوہر کا بیان یہ ہے کہ جب میں نے ''چلی جا'' کہا اس وقت یہ عورت کی طرف سے طلاق کا مطالبہ تھا نہ طلاق کا مذاکرہ (بیوی کا بھی یہی بیان ہے) اور نہ میری نیت طلاق دینے کی تھی، محض بیوی کو ڈرانا اور دھمکانا مقصود تھا، اس لئے اس لفظ ''چلی جا'' سے تو طلاق واقع نہ ہوگی، البتہ اس کے بعد شوہر نے جو کہا ہے ''اور میرے گھر واپس مت آنا اگر واپس آئی تو سمجھ لے کہ تجھے طلاق ہوجائے گی، یہ شرطیہ طلاق ہے، عورت شوہر کے گھر آئے گی تو طلاق واقع ہوگی اور صورت مسئولہ میں عورت شوہر کے گھر چلی گئی ہے، لہٰذا ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، عدت کی اندر اندر (بیوی راضی ہو یا نہ ہو) شوہر کے رجعت کا حق حاصل ہے اگر رجوع کرلے گا تو بیوی اس کے نکاح میں آجائے گی اور اگر شوہر عدت میں رجوع نہ کرے اور عدت گذر جائے تو عورت مطلقہ بائنہ ہوجائے گی، اس کے بعد بتراضی طرفین تجدید نکاح کرکے ساتھ رہ سکیں گے، لیکن آئندہ یہ بات خیال میں رہے کہ اب شوہر صرف دو طلاق کا مالک رہے گا۔

اگر شوہر رجوع کرنا چاہے تو اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ دو چار شخصوں کے سامنے زبان سے یوں کہہ دے ''میں نے اپنی بیوی کو رجوع کرلیا اور اس کو اپنے نکاح میں قائم رکھی'' یا بیوی سے کہہ دے میں تجھ سے رجوع کرتا ہوں تجھ

کو نہ چھوڑوں گا'' تو رجعت صحیح ہو جائے گی ، اور بیوی اس کے نکاح میں رہے گی ۔ اور رجعت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ زبان سے تو کچھ نہ کہے لیکن اس سے صحبت کر لے یا بوسہ لے لے یا شہوت سے ہاتھ لگائے تو اس سے بھی رجعت ہو جائے گی ۔ اور بیوی بدستور اس کے نکاح میں رہے گی ، ہدایہ اولین میں ہے : و اذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعيةً او تطليقتين فله ان يراجعها في عدتها رضيت بذلك اولم ترض ، لقوله تعالى فامسكوهن بمعروف من غير فصل ولا بد من قيام العدة لان الرجعة استدامة الملك الا ترى انه سمى امساكاً وهو الا بقاء وانما يتحقق لاستدامة في العدة لانه لاملك بعد انقضائها والرجعة ان يقول راجعتك او راجعت امرأتي وهذا صريح في الرجعة ولا خلاف بين الا ئمة قال اويطأ ها اويقبلها او يلمسها بشهوة او ينظر الىٰ فرجها بشهوة وهذا عندنا الىٰ قوله . ويستحب ان يشهد على الرجعةشاهدين فان لم يشهد صحت الرجعة (هدايه اولين ج ۲ ص ۳۷۴، ۳۷۵ باب الرجعة)فقط والله اعلم بالصواب .

شرطیہ طلاق میں طلاق رجعی واقع ہوتی ہے یا بائن :

(سوال ۳۸۸) اگر طلاق کو کسی شرط پر معلق کیا جائے مثلاً یوں کہا ''تو نے فلاں شخص سے بات کی تو تجھے طلاق'' تو شرط پائے جانے پر کون سی طلاق واقع ہوگی ؟ طلاق رجعی یا بائن ؟ بعض سمجھتے ہیں کہ شرطیہ طلاق میں طلاق بائن ہی واقع ہوتی ہے ، بینوا توجروا ۔

(الجواب) تعلیق بالشرط میں اگر لفظ صریح بولا ہو جیسا کہ صورت مسئولہ میں تو شرط کے تحقق کے بعد طلاق رجعی واقع ہوگی بائنہ نہیں ، البتہ الفاظ کنایہ میں سے کوئی لفظ بہ نیت طلاق بولا ہو تو اس وقت طلاق بائنہ ہوگی جیسے یوں کہے ، اگر تو فلاں شخص سے بات کرے تو تجھ کو فارغ خطی یا یوں کہا ''تو مجھ پر حرام'' یا یوں کہا ''تیرے میرے درمیان کوئی واسطہ نہیں'' یا یوں کہا ''تجھے طلاق بائن'' اسی طرح اگر ایک طلاق معلق کرے تو ایک واقع ہوگی دو معلق کرے تو دو طلاق اور تین معلق کرے تو تین واقع ہوں گی ۔

فتاویٰ دار العلوم میں ہے :

(سوال ۷۰۲) طلاق تعلیق میں شرط پوری ہونے پر طلاق بائن پڑ جاتی ہے یا نہیں ؟

(الجواب) اگر صریح طلاق معلق کی ہے تو بعد تحقق شرط رجعی طلاق واقع ہوگی اور اگر بائن کو معلق کیا ہے تو بائنہ واقع ہوگی غرض جیسی طلاق معلق کی ہے بوقت تحقق ویسی ہی واقع ہوگی ، حاشیہ میں ہے : (۳) و اذا اضافه الى شرط وقع عقيب الشرط مثل ان يقول لا مرأته ان دخلت الدار فانت طالق (هدايه باب الا يمان في الطلاق ص ۳۶۴ ج ۲) الطلاق علىٰ ضربين صريح و كناية فالصريح قوله انت طالق و مطلقة و طلقتك فهذا يقع به الطلاق الرجعي الخ و اذا وصف الطلاق بضرب من الزيادة والشدة كان بائنا مثل ان يقول انت طالق بائن (هدايه باب ايقاع الطلاق ج ۲ ص ۳۳۸ و ج ۲ ص ۳۳۹)(فتاویٰ دار العلوم مدلل ومكمل ج ۱۰ ص ۹۱)فقط والله اعلم بالصواب .

طلاق بالکتابت

طلاق مکروہ بالکتابۃ صحیح ہے یا نہیں:

(سوال ۳۸۹) عورت رہنا نہیں چاہتی اور مرد طلاق نہیں دیتا۔ ایسی حالت میں عورت کے رشتہ داروں نے مرد کو تنہائی میں گھیر کر ڈرایا اور طلاق لکھوائی۔ مرد نے جان کے خطرہ سے طلاق لکھ دی ہے۔ منہ سے طلاق کا لفظ نہیں بولا۔ تو طلاق ہوئی یا نہیں؟

(الجواب) اس طرح بہ جبر واکراہ طلاق لکھائی مگر منہ سے لفظ طلاق نہیں بولا ہے۔ تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔ وفی البحر ان المراد الا کراہ علی التلفظ بالطلاق . فلو اکرہ ان یکتب طلاق امرأته فکتب لا تطلق لان الکتابة اقیمت مقام العبارة با عتبار الحاجة والا حاجة هنا(مطلب فی الا کراہ علی التوکیل بالطلاق رد المختار علی درا لمختار ص ۵۷۹ ج ۱ مطلب فی المسائل التی تصح مع الاکراہ)فقط واللہ اعلم بالصواب .

عورت کو طلاق کی اطلاع یا عورت کی منظوری:

(سوال ۳۹۰) ایک آدمی نے اپنی عورت کو بذریعہ رجسٹری ڈاک طلاق بھیجی۔ لیکن عورت نے وصول نہ کیا اور واپس کردی نیز عورت کو طلاق کی خبر نہیں تو یہ طلاق شرعاً صحیح ہوئی یا نہیں؟

(الجواب) طلاق میں اگر کوئی شرط نہ لگائی ہو تو جیسے ہی طلاق دے گا طلاق پڑ جائے گی۔ عورت کو خبر ہونا یا عورت کا منظور کرنا ضروری نہیں ہے۔ پس جیسے ہی وہ طلاق نامہ لکھے گا طلاق پڑ جائے گی۔ عورت رجسٹری وصول کرے یا واپس کردے۔ البتہ اگر یہ لکھا تھا کہ جب یہ طلاق نامہ عورت کو مل جائے تب طلاق ہے تو اس صورت میں طلاق نامہ ملنے پر طلاق پڑے گی اس سے پہلے نہیں۔[1]

براہ ڈاک طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں:

(سوال ۳۹۱) میں نے اپنی عورت کو اس کی بداخلاقی کی بنا پر ایک طلاق بائن لکھ کر بذریعہ ڈاک دوسرے گاؤں روانہ کی تھی۔ جہاں اس کے والدین رہتے ہیں۔ لیکن اس نے طلاق نامہ نہیں لیا، واپس کیا۔ اس کے بعد یہاں کے شہر قاضی کے ساتھ طلاق نامہ بھیجا وہ بھی واپس آیا ہے۔ مہر اور عدت کا حق قاضی کے ہاں جمع کرا دیا ہے اب دریافت طلب یہ ہے کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ عورت کے والدین، خویش واقارب کہتے ہیں کہ تحریری طلاق نہیں ہوتی ہے اور جہاں تک مہر اور عورت کا خرچ عورت تک نہ پہنچے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ کیا یہ صحیح ہے؟

(الجواب) تحریری طلاق زبانی طلاق کی طرح ہے، یعنی جو حکم زبان سے بولنے کا ہے وہی حکم تحریر کا ہے۔ البتہ حالت

---

(۱) فروع ، کتب الطلاق ان مستبینا علی نحو لوح وقع ان نوی وقیل مطلقاً ولو کتب علی وجه الرسالة والخطاب کان یکتب یا فلانه اذا اتاک کتابی هذا فانت طالق طلقت لو صول الکتاب جوهرة درمختار مع الشامی . مطلب فی الطلاق بالکتابة.

اکراہ میں یعنی جبراً لکھوانے کی صورت میں جب تک زبان سے طلاق نہ کہے طلاق نہیں ہوتی۔ لہذا جب آپ نے بخوشی اور بسلامتی عقل وہوش وحواس عورت کو طلاق نامہ تحریر کرکے بھیجا ہے تو طلاق پڑ گئی۔ طلاق کے پڑ جانے کے لئے عورت تک ''طلاق نامہ'' پہنچنا اور طلاق کی خبر ہونا شرط نہیں۔ ''شامی'' میں ہے۔ فان کتب اما بعد فانت طالق فلما کتب هذا یقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الکتابة (ج ۲ ص ۵۸۹ حوالہ گذشتہ ازمرتب)

ہاں اگر طلاق نامہ میں لکھا ہے کہ جب تیرے پاس یہ طلاق نامہ پہنچ جائے تب تجھے طلاق ہے۔ تو جب طلاق نامہ پہنچے گا تب ہی طلاق ہوگی ورنہ طلاق نہ پڑے گی۔ شامی میں ہے وان علق طلاقها بمجیئی الکتاب بان کتب اذا جاءک کتابی فانت طالق فجاءها الکتب فقرأه ولم تقرء یقع الطلاق (ج ۲ ص ۵۸۹ ایضاً) فقط واللہ اعلم بالصواب.

وقوع طلاق کے لئے طلاق نامہ میں دستخط شرط ہے:

(سوال ۳۹۲) طلاق نامہ میں خاوند وشاہدین کے دستخط نہ ہوں تو طلاق ہوگی یا نہیں؟ طلاق نامہ دوسرے سے لکھوایا شوہر کا پختہ ارادہ ہے۔

(الجواب) جب طلاق نامہ طلاق کے قصد سے تحریر کرایا ہے تو جیسی اور جتنی طلاق تحریر کرائی ہیں وہ واقع ہو جائیں گی چاہے دستخط کرے یا نہ کرے۔[۱]

الفاظ کنایہ خط میں لکھے تو وقوع طلاق کا کیا حکم ہے.

(سوال ۳۹۳) میری شادی ایک شخص سے ہوئی، میرے چار بیٹے ہیں۔ جھگڑا ہونے کی وجہ سے میکہ چلی گئی اس نے مجھ پر تین خط لکھے۔ ایک خط میں تحریر کیا ہے میں تجھے کیوں بلاؤں تیرا لڑکا ہو جو بلائے۔ دوسرے خط میں لکھا ہے کہ اس سے بہتر ہے کہ طلاق دوں۔ تیسرے خط میں لکھا ہے میں تجھے رکھنے والا نہیں ہوں تو دوسرے سے شادی کر لے آج سے طلاق لکھ دیتا ہوں تو میری نہیں ایسی کو طلاق دینا اچھا ہے۔ یہ میرے لائق نہیں۔ اس طرح تین خطوط لکھے اور اس کے ہاتھ کے تحریر کردہ ہیں تو طلاق ہوئی یا نہیں؟

(الجواب) خاوند اس تحریر کا اعتراف کرے تو طلاق ہو جائے گی اور عورت نکاح سے خارج ہو جائے گی۔ عدت کے بعد دوسرے سے نکاح درست ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔[۲]

طلق، طلق، طلق لکھنے سے طلاق ہوگی یا نہیں:

(سوال ۳۹۴) ایک شخص نے شراب کے نشہ کی حالت میں بیوی کے ساتھ تکرار اور جھگڑے کے وقت ''طلق،

---

(۱) ولو استکتب من اخر کتابا بطلاقها او قرأه علی الزوج فاخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به الیها فاتاها وقع ان اقر الزوج أنه کتابه، حوالہ بالا.

(۲) شوہر کے ان الفاظ سے کہ، میں تجھے رکھنے والا نہیں ہوں تو دوسری شادی کر لے ... تو میرے لائق نہیں، ان الفاظ سے ایک طلاق بائن واقع ہوئی ہے وبابتغی الازواج تقع واحدة بائنة فتاوی عالمگیری الفصل الخامس فی الکنایات ج ۱ ص ۳۷۵ ان الفاظ کے لکھنے سے کہ آج سے طلاق لکھ دیتا ہوں سے ایک طلاق رجعی واقع ہوئی۔ اس طرح دونوں مل کر دو طلاقیں ہوئی۔

طاق ,طلق'' یہ الفاظ ایک کاغذ پر لکھ کر وہ کاغذ بیوی کو دیدیا اس پر شوہر نے اپنے دستخط کئے ہیں،اس کاغذ پر اس نے اپنی بیوی کا نام نہیں لکھا تو اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اگر واقع ہوگی تو کتنی؟ جواب عنایت فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) نشہ کی حالت میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے (درمختار ج۲ ص۵۷۹،۵۸۰)(۱) نیز وقوع طلاق کے لئے عورت کی طرف صریح اضافت کرنا بھی شرط نہیں،اضافت معنویہ بھی کافی ہے (شامی ص ۵۹۰، ۵۹۱ ج ۲ باب الصریح) الفاظ مصحفہ محرفہ سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے (ویقع بها)ای بهذه الا لفاظ وما بمعناها من الصریح ویدخل نحوه طلاغ وتلاغ وطلاک وتلاک اوطلاق (درمختار مع شامی ص ۵۹۱ ج ۲ ،باب الصریح)

صورت مسئولہ میں بیوی کے ساتھ تکرار اور جھگڑا ہوا اور اس وقت شوہر نے مذکورہ الفاظ لکھے ہیں،دلالت حال اور قرائن اضافت معنویہ ہے لہذا مندرجہ بالا حوالجات کے پیش نظر عورت پر تین طلاق واقع ہوگئیں اور عورت مطلقہ مغلظہ ہو کر اپنے شوہر پر حرام ہوگئی،شرعی حلالہ کے بغیر حلال نہیں ہو سکتی۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

طلاق حسن کہے مگر طلاق طلاق طلاق لکھ دے تو کیا حکم ہے

(سوال ۳۹۵) ایک شخص نے مندرجہ ذیل طلاق نامہ لکھ کر بھیجا ہے ”میں نے اپنی بیوی کے ساتھ نباہنے کی بہت کوشش کی مگر میں کامیاب نہیں ہوا،میری بیوی مجھ سے محبت نہیں کرتی،مجھے صدمہ پہنچاتی ہے،تکلیف دیتی ہے سمجھانے کے باوجود اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتی،بہت غور وفکر کے بعد ان وجوہات کی وجہ سے میں اپنی بیوی کو طلاق حسن کے مطابق پہلی طلاق دیتا ہوں (۱) طلاق (۲) طلاق (۳) طلاق۔دستخط۔

مندرجہ بالا طلاق نامہ کے متعلق کیا حکم ہے،شوہر اپنی بیوی کو لے جانا چاہتا ہے تو میاں بیوی ایک ساتھ رہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر طلاق پڑ جاتی ہو تو عدت کب پوری ہوگی؟ عورت حاملہ ہے۔فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) شوہر نے طلاق نامہ میں ”طلاق حسن“ کا لفظ تو استعمال کیا ہے مگر یہ شخص طلاق حسن کے مطابق طلاق دینے کے طریقہ سے واقف نہیں ہے،طلاق حسن کا طریقہ یہ ہے کہ مدخول بہا کو ایسی طہر میں جس میں صحبت نہ کی ہو ایک طلاق دے،دوسرے طہر میں دوسری طلاق اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے۔

ہدایہ اولین میں ہے:والحسن هو طلاق السنة وهو ان يطلق المد خول بها ثلثا فی ثلثة اطهار ...... الی قوله...... ولنا قوله علیه السلام فی حدیث ابن عمر رضی الله عنهما ان السنة ان یستقبل الطهر استقبالاًفیطلقهالکل قرء تطلیقة الخ (هدایه اولین ص ۳۳۵ کتاب الطلاق باب طلاق السنة) اگر شوہر ایسے طہر جس میں صحبت نہ کی صرف یہ جملہ لکھتا ”طلاق حسن کے مطابق پہلی طلاق دیتا ہوں“ اور آئندہ دو طہروں میں ایک ایک طلاق دیتا تو طلاق حسن ہوتی مگر اس نے یہ جملہ لکھنے کے بعد نمبر لگا کر طلاق،طلاق، طلاق لکھ دیا ہے،یہ طلاق حسن نہیں ہے بلکہ طلاق بدعی ہے اور الصریح یلحق الصریح کے پیش نظر تین طلاق واقع ہوں گی

---

(۱) ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ... اوسکران الخ کتاب الطلاق مطلب فی تعریف السکران وحکمه

،اور چوتھی لغو ہوگی ،لہذا صورت مذکورہ میں عورت مطلقہ مغلظہ ہوکر اپنے شوہر پر حرام ہوگئی ،اب شرعی حلالہ کے بغیر حلال نہیں ہوسکتی۔ وطلاق البدعة ان یطلقها ثلثا بکلمة واحدة او ثلثافی طهر واحد فاذا فعل ذلک وقع الطلاق و کان عاصیاً (هدایه اولین ص ۳۳۵ کتاب الطلاق باب طلاق السنة)

عورت حمل سے ہے تو بچہ پیدا ہونے پر اس کی عدت پوری ہوگی ،قرآن مجید میں ہے ، واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن ترجمہ:۔اور حاملہ عورتوں کی عدت اس حمل کا پیدا ہوجانا ہے (قرآن مجید ، پارہ نمبر ۲۸ سورۂ طلاق) عالمگیری میں ہے عدة الحامل ان تضع حملها کذافی (فتاوی عالمگیری ص ۱۵۸ ج ۲ باب فی العدة) .فقط واللہ اعلم بالصواب .

تو جہاں چاہے پھر سکتی ہے اس جملہ سے کون سی طلاق ہوگی :

(سوال ۳۹۶) میرے دوست نے اپنی عورت کو فارغ خطی (طلاق) لکھ دی ہے۔ جس میں یہ ہے۔ ''تو جہاں چاہے پھر سکتی ہے۔ تو میری بہن کے برابر ہے۔ تو اب سے علیحدہ ہے ،تو جو چاہے کر سکتی ہے ،طلاق ،طلاق ،طلاق۔'' اور نشہ میں یہ تحریر کیا ہے۔ اب نشہ اترنے پر افسوس کر رہا ہے۔ اب وہ اپنی عورت کو نکاح میں واپس لانا چاہتا ہے۔ تو شرعی حکم کیا ہے۔؟

(الجواب) بحالت نشہ جو طلاق دی ہے وہ واقع ہوگئی۔ ''ہدایہ'' میں ہے۔'' طلاق السکران واقع'' لہذا صورت مسئلہ میں تین طلاقیں پڑ گئیں اور عورت نکاح سے خارج ہوکر حرام ہوگئی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

طلاق ثلاثہ

بغیر نیتِ طلاق، طلاق، طلاق، طلاق کہنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے

(سوال ۲۹۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ (۱) ایک شخص نے اپنی زوجہ کو دھمکانے کے طور پر کہہ دیا کہ ''چلی جا'' اور بغیر نیت طلاق زبان سے طلاق، طلاق، طلاق، کہہ دیا۔ حالانکہ اس کی طلاق کی نیت نہیں۔ تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع ہوئی تو رجعی واقع ہوئی یا بائن؟ اور کتنی طلاق واقع ہوئی؟ مرد کو رجوع کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ اگر رجوع کا حق حاصل نہیں ہے تو کیا وہ بغیر حلالہ کے از سر نو نکاح پڑھ کر اپنی عورت کو واپس لا سکتا ہے؟ امید ہے کہ حکم شرعی واضح فرما کر عنداللہ، ماجور ہوں اور ہمیں مشکور فرمائیں گے۔

(الجواب) اللھم ھدایة الحق والصواب ! زوج نے گو دھمکانے کے لئے بیوی سے یہ کہا ہے۔ ''چلی جا'' اگر پیشتر سے طلاق ذکر تھا یا غصہ میں کہا تو ایک طلاق بائن پڑھ جائے گی۔ اندرون عدت ہو یا بیرون عدت؟ نکاح کی ضرورت ہے اگر عورت رضامند ہو، اور یہ لفظ کنایہ کا ہے۔ طلاق بائن ہوگی، رجعی نہ ہوگی کہ حق رجعت حاصل ہو۔ اور یہ لفظ کہ طلاق، طلاق، طلاق۔ ان سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ چونکہ طلاق میں اضافت ضروری ہے۔ بغیر اضافت طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔ یہاں اضافت نہیں ہے۔ چونکہ ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے اگر پیشتر سے طلاق کا ذکر تھا۔ یا غصہ میں کہا ہے۔ لہذا نکاح کرا دیا جائے۔ حلالہ کی ضرورت نہیں ہے۔ چونکہ ایک پڑ سکتی ہے۔

جو حکم لکھا ہے وہ دریافت طلب سوال کا لکھا ہے اور نفس الامر میں واقعہ یہ نہیں ہے تو حکم بھی یہ نہیں ہے۔ جو واقعہ ہوگا وہ حکم ہوگا۔ **فکذا فی کتب الفقه. واللہ اعلم بالصواب.**

کتبہ۔ مظفر احمد قادری۔ مفتی جامعہ مظفریہ برکات العلوم داتا گنج ضلع بدایوں (یو۔ پی) (تاریخ ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۹ جنوری ۱۹۷۲ء)

الجواب حق وصواب۔ شفیع احمد عفی عنہ۔ خادم جامعہ مظفریہ برکات العلوم۔

(الجواب) (۱) لفظ ''چلی جا'' یہ کنایات میں سے ہے کہ اس میں نیت شرط ہے۔ لہذا اگر عورت کو دھمکانے اور ڈرانے کے لئے ''چلی جا'' کہا ہے اور طلاق کی نیت نہیں ہے تو طلاق نہ ہوگی۔

(والکنایات ثلاث ما یحتمل الرداوما یصلح للسب اولا ولا) فنحو اخرجی واذھبی وقومی الخ (درمختار) ای من ھذا لمکان لینقطع الشر فیکون ردا لانه طلقھا فیکون جواباً رحمتی .(شامی ص ۶۳۷ ج۲ باب الکنایات)(امداد الفتاوی ص ۳۷۷ ج۲) لیکن اس کے بعد ''طلاق'' تین بار بولا گیا ہے۔ اس لئے تین طلاق واقع ہونے کا حکم دے دیا جاوے گا۔ باقی یہ کہ اس کی طلاق کی نیت نہیں تو حقیقت یہ ہے کہ لفظ ''طلاق'' طلاق دینے کے لئے صریح ہے نیت کا محتاج نہیں ہے۔ **ولا یفتقر الی نیة لانه صریح فیه لغلبة الا ستعمال (ھدایه ص ۳۳۹ ج۲ باب ایقاع الطلاق) وصریح الطلاق لا یحتاج الیٰ نیة (المختار) لانه موضوع له شرعاً فکان حقیقة والحقیقة لا یحتاج الی النیة (الا ختیار شرح المختار ص ۱۲۵ ج۳ کتاب الطلاق) لفظ الطلاق لا یستعمل الا فی الطلاق فذالک اللفظ**

صریح یقع بہ الطلاق من غیر نیة (فتاویٰ عالمگیری ص ۴۰۰ ج ۲ کتاب الطلاق مطبوعہ ہند) یہ تو ڈرانے اور دھمکانے کی بات قابل قبول نہیں۔ وان قال تعمدته تخویفا لم یصدق قضاء الا اذا اشہد علیہ قبلہ بہ یفتی (درمختار مع الشامی ص ۵۹۲ ج ۲ باب الصریح) البتہ وقوع طلاق کے لئے اضافت ضروری ہے۔ یعنی نسبت کرنا۔ یعنی نام لے کر یا اشارہ کرکے یا خطاب کرتے ہوئے طلاق کو بیوی کی طرف منسوب کرنا۔ مثلاً بیوی کا نام ہندہ ہے تو کہے کہ ہندہ کو طلاق یا بیوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہے کہ اس کو طلاق یا خطاب کرتے ہوئے تجھے طلاق یا تم کو طلاق۔ لیکن اضافت صریحہ لازم نہیں ہے اضافت معنویہ جو قرائن اور مذاکرہ اور دلالت حال سے ثابت ہو وہ کافی ہے! (قوله لتركه الا ضافة اى المعنوية فانها الشرط و الخطاب من الاضافة المعنوية و كذا الا شارة الخ و لا يلزم كون الا ضافة صريحة فى كلامه (الى) وظاهره انه لا يصدق فى انه لم يرد امراته للعرف! (شامى ص ۵۹۰. ۵۹۱ ج ۲ ايضاً) والله اعلم بالصواب.

ایک ساتھ تین طلاق دینے کا کیا حکم ہے :

(سوال ۳۹۸) "مسلمان خاوند" نامی ایک کتاب پڑھی جس میں ہے کہ حنفی مذہب میں اجتماعاً ایک مجلس میں تین طلاق دینا حرام ہے؟

(الجواب) ہاں حنفی مذہب میں تین طلاق یکبارگی دینا حرام و بدعت ہے۔ حدیث میں ہے۔ اخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل طلق امراته ثلث تطليقات جميعاً فقام غضبان ثم قال يلعب بكتاب الله عزوجل وانا بين اظهر كم حتى قام رجل فقال يارسول الله الا اقتله (نسائى شريف ج ۲ ص ۳۱ كتاب الطلاق الثلث المجموعه وما فيه من التغليظ)

یعنی آنحضرت ﷺ کو خبر پہنچی کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو تین طلاق ایک ساتھ دے دی ہیں۔ آنحضرت ﷺ غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے پھر فرمایا کہ کیا کتاب اللہ سے کھیل کیا جاتا ہے؟ حالانکہ ابھی میں تم میں موجود ہوں۔ اتنے میں ایک صحابی کھڑے ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ (ﷺ) کیا میں اس کو قتل نہ کردوں (نسائی شریف)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے۔ عن ابن عمر قلت يارسول الله ارايت لو طلقتها ثلاثا قال اذا قد عصيت ربك وبانت منك امراتك (زجاجة المصابيح ج ۲ ص ۴۷۰ باب الخلع والطلاق)

یعنی ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) میں اپنی عورت کو تین طلاق دوں تو آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا۔ تب تو تو اپنے رب کا نافرمان بنا اور تیری عورت بائنہ ہو جائے گی۔ (زجاجة المصابیح)

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مجتمعاً تین طلاق دینا قرآن کے ساتھ مذاق کرنے کے برابر ہے۔ خدا کی نافرمانی اور رسول کی ناراضگی کا سبب ہے۔ لہذا ناجائز اور گناہ کا کام ہے لیکن طلاق ہو جاتی ہے (بحر الرائق ج ۳ ص ۲۳۹)[1] (هدايه ج ۲ ص ۳۳۵ در مختار مع الشامى ج ۲ ص ۵۷۶)

(۱) والمراد بها هنا الحرمة لانهم صرحوا بعصيانه ومراده بهذا القسم ما ليس حسنا ولا أحسن، كتاب الطلاق تحت قوله وثلاثا فى طهر الخ)

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک بھی مجتمعاً تین طلاق دینا ناجائز ہے۔ ہاں امام شافعی جواز کے قائل ہیں لیکن خلاف اولیٰ مانتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تین طلاق سے حکم حرمت ثابت ہوتا ہے :

(سوال ۳۹۹) ''انڈین ویوز'' ۱۱۹ کتوبر ۱۹۶۰ء کے شمارہ میں پریٹوریا (PARITORIYA) کے جناب اسماعیل اعظم عابد نے آپ کے ایک فتویٰ پر تنقید کی ہے۔ فتویٰ اور تنقید دونوں عرض خدمت ہے ملاحظہ فرما کر خلاصہ درج فرمائیں؟

فتویٰ:

اپنے حنفی مذہب میں اجتماعاً ایک مجلس میں تین طلاق دینا بدعت وحرام ہے۔ (چند حدیثیں نقل کرنے کے بعد تحریر ہے) مذکور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ طلاق ہو جاتی ہے۔

تبصرہ وتنقید:

ہم جیسے جہلا وعوام کی سمجھ میں یہ بات غیر قانونی ہے کہ ایک کام جس میں خدا کی نافرمانی ہوتی ہے، جس میں کتاب اللہ کے ساتھ مذاق کیا جاتا ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کی ناراضگی پائی جاتی ہے اور جس کام کو خود حضرت ابوحنیفہ حرام کہتے ہیں باوجود ان کے وہ جائز ہے اور طلاق ہو جاتی ہے یہ کس طرح ممکن ہے۔ قرآن حکیم میں شراب نوشی، سود لینا یہ بھی حرام ہے۔ لیکن آج تک کسی عالم نے ایسا نہیں بتلایا کہ یہ سب کام حرام ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے لیکن جائز ہے تو پھر طلاق کی بابت کیوں جواز کا حکم صادر کرتے ہیں۔

(الجواب) بے شک حنفی مذہب میں ایک ساتھ تین طلاقیں دینا بدعت وحرام ہے۔ **الطلاق ثلثا مجتمعاً بدعة حرام (تفسیر مظهری ج ۱ ص ۳۰۳ تحت قوله الطلاق مرتان الخ)** الگ الگ تین طلاقیں دی جائیں تو ان کے احکام میں تفصیل ہے مگر اس پر چاروں اماموں کا اتفاق ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دی جائیں تو تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی اور عورت مطلقہ مغلظہ ہو جائے گی۔ شامی میں ہے۔ **وذهب جمهور الصحابه والتابعين ومن بعدهم من الائمة المسلمين الیٰ انه يقع ثلثاً ج ا ص ۵۷۶ كتاب الطلاق)**

(ا) حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ اگر میں تین طلاق دوں تو رجوع جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں عورت تجھ سے علیحدہ ہو جائے گی اور تو اپنے رب کا نافرمان ہوگا (تفسیر مظہری ج ا ص ۳۰۱ تحت قولہ الطلاق مرتان الخ)

(۲) عن عبادة بن الصامت ان اباه طلق امراة له الف تطليقه فانطلق عبادة فسال رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال بانت بثلث فى معصية الله (شرح النقاية ج ۲ ص ۲۸)

یعنی عبادہ بن صامت کے والد نے اپنی عورت کو ہزار طلاق دیں، حضرت عبادہ نے آنحضرت ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی نافرمانی بھی ہوئی۔ ساتھ ساتھ تین طلاقیں بھی پڑ گئیں (حوالہ مذکور، نیز زجاجۃ المصابیح ج ۲ ص ۲۰۷ کتاب الطلاق والخلع)

(۳)عن مجاهد قال كنت عند ابن عباس فجاء رجل فقال انه طلق امرأته ثلاثا قال فسكت حتى ظننت انه رادها اليه ثم قال ينطلق احدكم فيركب الحموقة ثم يقول يا ابن عباس يا ابن عباس وان الله قال ومن يتق الله يجعل له مخرجا وانك لم تتق الله فلا اجد لك مخرجا عصيت ربك وبانت منك امرأتك الخ(ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۳۰۶ کتاب الطلاق باب بقية فسخ المراجعة بعد التطليقات الثلث)

(۴) حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے اپنی عورت کو سو طلاقیں دیں پھر حضرت ابن عباس کے پاس حکم پوچھنے کے لئے آیا۔ آپ نے فرمایا تو اپنے رب کا نافرمان ہوا اور تجھ سے تیری عورت جدا ہوگئی(طحاوی شریف باب الرجل يطلق وامرأته ثلاثا معا)

(۵)مؤطا امام مالک میں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے بھی اسی طرح کی روایت ہے۔(ص ۱۹۹ اول کتاب الطلاق) تین طلاق ہوئی اس پر اجماع صحابہ ہے(شرح معانی الآثار ج۲ ص ۴۲ اول کتاب الطلاق) تین طلاق ہوئی اس پر اجماع صحابہ ہے(شرح معانی الآثار ج۲ ص ۳۲ باب الرجل يطلق امرأته ثلاثا معا)

(۶) فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ فان فعل وقع الطلاق وكان عاصياً ۔ یعنی یہ طلاق بالاجماع واقع ہوجاتی ہے اور طلاق دینے والا گنہگار ہوتا ہے (ج ۱ ص ۳۴۹ مطلب الطلاق البدعی)(فتاویٰ خیریہ ج ۱ ص ۳۶)

یہ تنقید و تبصرہ کرنے والے صاحب جب عالم نہیں قرآن و حدیث اور فقہ و اصول فقہ، تفسیر و حدیث وغیرہ علوم انہوں نے نہیں پڑھے تو ان علوم سے ان کو مس ہے تو ان کو دینی احکام میں اور ایسے نازک مسائل میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی ایسے لوگوں کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں! آج کل کے تعلیم یافتہ ایسے متکبر ہوتے ہیں کہ انگریزی پڑھ کر اپنے کو دین کا بھی محقق سمجھتے ہیں۔ احکام شرعیہ میں رائے دیتے ہیں مولویوں کی تو ہستی کیا ہے!؟ رسول کی بات بھی رد کر دیتے ہیں (محاسن اسلام ص ۴۹)

حضرت امام غزالی فرماتے ہیں وانما حق العوام ان يؤمنوا ويسلموا ويشتغلوا بعبادتهم ومعايشهم ويتركوا العلم للعلماء فالعامي لوزني و سرق كان خيراً له من ان يتكلم في العلم فانه من تكلم في الله وفي دينه من غير اتقان العلم وقع في الكفر من حيث لا يدري كمن يركب لجة البحر وهو لا يعرف السباحة(احیاء العلوم ج۳ ص ۳۴ بیان تفصیل مداخل الشيطان الى القلب) یعنی۔ عوام کا فرض ہے کہ ایمان اور اسلام لاکر اپنی عبادتوں اور روزگار میں مشغول رہیں علم کی باتوں میں مداخلت نہ کریں۔ اس کو علماء کے حوالے کر دیں۔ عامی شخص کا علمی سلسلہ میں حجت کرنا زنا اور چوری سے زیادہ نقصان دہ اور خطرناک ہے کیونکہ وہ شخص جو دینی علوم میں بصیرت پختگی نہیں رکھتا وہ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے مسائل میں بحث کرتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ وہ ایسی رائے قائم کرے جو کفر ہو اور اس کو اس کا احساس بھی نہ ہو کہ جو اس نے سمجھا ہے

وہ کافر ہے اس کی مثال اس شخص کی ہے جو تیرنا نہ جانتا ہو اور سمندر میں اپنی ناؤ ڈال دے (احیاء العلوم)۔
عام مسلمانوں کو شرعی حکم معلوم کر کے ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔ باریکیوں میں الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔
حدیث شریف میں ہے۔ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ! آپ مجھ علمی دقائق بتلا دیجئے۔ آپ ﷺ نے چند سوالات کئے۔ (۱) تو خدا کی معرفت حاصل کر چکا (۲) تو نے اللہ کے کتنے حقوق ادا کئے (۳) تجھے موت کا علم ہے (۴) تو موت کی تیاری کر چکا؟ آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا۔ تو جا اولاً بنیاد مضبوط کر پھر آ تو میں تجھے علمی حقائق سے باخبر کروں (جامع بیان العلم ص ۱۳۳) غرض علمی باتوں میں مداخلت عوام کا کام نہیں ہے۔ جہاں تک صورت مسئولہ کا تعلق ہے تو حقیقت یہ ہے کہ یہاں تنقید کی بنیاد ہی غلط ہے فتوے میں ''جائز ہے'' کا لفظ نہیں ہے۔ غور فرمائیں ایک ساتھ تین طلاقیں دے دینے کو میں نے جائز نہیں لکھا۔ تنقید کرنے والے صاحب نے لفظ جائز اپنی طرف سے بڑھایا ہے اور یہ اضافہ کر کے غلط طریق سے شراب و سود کی مثال دی ہے یہ مثال یہاں بے محل بے موقع اور نامناسب ہے، میں نے تو تین طلاق اجتماعاً کو ناجائز اور گناہ کا کام تحریر کیا ہے۔
میرے الفاظ یہ ہیں:۔
مذکورہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اجتماعاً تین طلاق دینا قرآن کریم کے ساتھ مذاق کرنے کے برابر ہے نیز خدا کی اور نبی کریم ﷺ کی نافرمانی کا سبب ہے لہذا ناجائز اور گناہ کا کام ہے مگر طلاق ہو جاتی ہے۔ طلاق ہونے کے دلائل اوپر لکھ چکا ہوں، اجتماعاً تین طلاق ناجائز اور حرام ہونے کے باوجود واقع ہو جاتی ہے اس میں کوئی تعجب نہیں ہے۔ چنانچہ حالت حیض میں عورت کو طلاق دینا شرعاً منع ہے۔ گناہ کا کام ہے۔ لیکن طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ (حدیث)

(۲) ظہار (یعنی عورت کو ماں کی طرح اپنے اوپر حرام قرار دینا) شرعاً منع اور گناہ ہے بعض علماء گناہ کبیرہ کہتے ہیں۔ قرآن میں ظہار کرنے کو منکراً من القول وزوراً، فرمایا ہے۔ مگر ظہار ہو جاتا ہے اور کفارہ ظہار لازم آتا ہے۔ (قرآن کریم)

(۳) حلالہ کے لئے شرط کر کے نکاح کرنا کرانا ناجائز اور موجب لعنت ہے۔ لیکن نکاح صحیح ہے۔
(۴) حالت حیض میں وطی حرام ہے لیکن حلالہ کے لئے کافی ہو جاتی ہے۔
(۵) حرام مال سے حج کرنا حرام ہے لیکن حج ہو جاتا ہے (اگرچہ غیر مقبول ہے)
(۶) بدون خاوند و محرم کے عورت کو حج کے لئے جانا حرام ہے لیکن حج ہو جاتا ہے۔
(۷) حالت عدت میں عورت کو حج کے لئے جانا جائز نہیں گناہ ہے تاہم حج ہو جاتا ہے۔
(۸) مسافر کے لئے بجائے دو رکعت کے چار رکعت پڑھنا ناجائز ہے گناہ ہے، لیکن نماز ہو جاتی ہے (بشرطیکہ دوسری رکعت پر قعدہ کیا ہو) اگرچہ واجب الاعادہ ہوتی ہے۔
(۹) آب زمزم سے استنجا کرنا مکروہ ہے، اور بعض کے نزدیک حرام ہے لیکن استنجاء پاک ہو جاتا ہے۔
(۱۰) مسجد میں غسل جنابت کرنا حرام ہے، لیکن غسل ہو جاتا ہے۔
(۱۱) حالت نجاست میں قرآن پاک لکھنا حرام ہے۔ لیکن جو لکھا گیا وہ قرآن ہے اس میں تلاوت موجب

ثواب ہے اور اس کی بے حرمتی حرام۔

(۱۲) زنا حرام ہے، مگر اس حرام سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر چیز کی ایک تاثیر ہے۔ جب وہ بات عمل میں آتی ہے تو وہ اپنا اثر لامحالہ کرتی ہے۔ عمل صحیح طور پر ہوا ہو یا غلط طریقہ پر مثلاً عمداً قتل کرنا حرام ہے۔ مگر قتل لامحالہ ہو جاتا ہے۔

(۱۳) زہر کھا کر مرنا حرام ہے لیکن پھر بھی مر جاتا ہے۔

(۱۴) اسی طرح ایک ساتھ تین طلاق دینا حرام ہے، لیکن طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ یعنی نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور عورت مغلظہ ہو جاتی ہے جو حلالہ کے بغیر دوبارہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی ہے۔ اب سمجھ میں نہ آئے تو قصور کس کا ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اگر چمگادڑ کی آنکھ آفتاب کی روشنی نہ دیکھ سکے تو اس میں آفتاب کا کیا قصور؟

الفاظ طلاق کے سننے میں شاہدین کا اختلاف ہو تو کیا حکم ہے :

(سوال ۳۹۹) ایک شخص دو گواہ کے روبرو اس طرح کہے کہ میں نے عورت کو ان دونوں گواہوں کے سامنے طلاق دی۔ طلاق دی، طلاق دی۔ گواہوں میں سے ایک نے تینوں طلاقیں سنیں اور دوسرے نے نہیں سنیں تو کیا حکم ہے۔

(الجواب) تین طلاقیں ہو گئیں۔ طلاق پڑنے کے لئے اتنی آواز سے کہنا کافی ہے کہ خود سن لے۔ گواہوں کا سننا ضروری نہیں ہے۔ (۱)

”تجھے تین طلاق“ اور تجھے طلاق ہے اس طرح کہنے سے کتنی طلاق ہوگی :

(سوال ۴۰۰) ایک آدمی کے یہاں خانہ جنگی ہوئی اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ ”تجھے تین بار طلاق“ پھر ایک مرتبہ کہا کہ ”تجھے طلاق ہے“ تو اس صورت میں طلاق مغلظہ ہے یا بائن؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور طلاق مغلظہ ہو گئی۔ (۲)

طلاق میں مرد و عورت اختلاف کریں تو کس کی بات قبول کی جائے :

(سوال ۴۰۱) ایک آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق دی وہ اپنے میکہ چلی گئی۔ لیکن دو برس کے بعد مرد کہتا ہے کہ اس کو دو ۲ طلاق دی ہیں۔ اور عورت کہتی ہے کہ تین طلاق دی ہیں۔ اور گواہ دونوں کے نہیں تو کس کی بات مانی جائے؟ دو برس کا خرچ بھی نہیں دیا ہے۔

(الجواب) جب طلاق کو دو برس ہو گئے اور عدت ختم ہو گئی تو عورت اور مرد ہر ایک آزاد ہو گیا۔ یعنی اب یہ شوہر اس

(۱) وادنی الجهر اسماع غيره وادنى المخافتة اسماع نفسه ويجرى ذلك المذكور فى كل ما يتعلق بنطق كتسمية على ذبيحة ووجوب سجدة تلاوة وعتاق وطلاق درمختار مع الشامى فصل فى القرأة ج ۱ ص ۵۳۵۔

(۲) فالذى يعود الى العدد ان يطلقها ثلاثا فى طهر و احد بكلمة واحدة او بكلمات متفرقة الخ فتاوىٰ عالمگيرى كتاب الطلاق ج ۱ ص ۳۴۹۔

عورت سے اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتا۔ اب شوہر کے قول کے مطابق عورت کو حلالہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن عورت کو تین طلاق دینے کا یقین ہے تو عورت کے قول کے مطابق جب تک وہ کسی اور شخص سے نکاح اور مجامعت کے بعد طلاق حاصل نہیں نہ کرلیں اس شوہر سے نکاح کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ ایسی صورت میں عورت کو اپنے یقین پر عمل کرنا پڑے گا۔ اور اس کے لئے جائز نہ ہوگا کہ حلالہ کے بغیر اس شوہر سے نکاح کی اجازت دے دے۔ **والمرأة كالقاضي اذا سمعته او اخبرها عدل لا يحل لها تمكينه (شامی ص ۵۹۴ ج ۲ باب الصريح)**

طلاق ثلثہ مغلظہ اور شرعی حلالہ:

(سوال ۴۰۲) ایک صاحب نے اپنی بیوی کو کسی وجہ سے طلاق دے دی ہے۔ حالانکہ ان کی دماغی حالت اللہ کے فضل و کرم سے بہت اچھی ہے۔ انہیں اس بات کا اچھی طرح خیال ہے۔ میں نے اپنی بیوی کو دو مرتبہ تین تین طلاقیں دی ہیں۔ یعنی آج تین طلاقیں دے دینے کے دو چار روز بعد پھر تین طلاقیں دی تھیں۔ دیگر ان کی بیوی طلاق کے وقت حاملہ تھی تو حاملہ ہونے کے سبب طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور اگر طلاق واقع ہوئی تو پھر یہ صاحب اپنی عورت سے نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں؟ طلاق قائم ہونے پر حاملہ طلاق والی بیوی کے بارے میں حمل سے فارغ ہونے کے بعد عدت میں بیٹھنا ہے یا نہیں؟ اور اگر بیٹھنا ہے تو کتنی مدت؟ حلالہ کرنے کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟ اور کیا طریقہ ہے؟ درج کریں!

(الجواب) صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہو کر عورت شوہر پر حرام ہوگئی عدت بچہ پیدا ہونے پر پوری ہو جائے گی۔ حمل کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ حمل مانع طلاق نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ **واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن (سورۂ طلاق) تفسير جلالين (سورۂ طلاق ص ۳۶۲ مطبع مجبوری)** ہدایہ میں ہے **وطلاق الحامل الخ (۳۳۶ ج ۲)**

اب شرعی حلالہ کے بغیر عورت اس شوہر کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔ شرعی حلالہ یہ ہے کہ عدت پوری ہونے کے بعد عورت دوسرے سے نکاح کرے وہ اس سے جماع کرے پھر یہ شوہر مر جائے یا کسی وجہ سے طلاق دے دے تو مدت گذار کر یہ عورت پہلے مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔ مگر واضح رہے کہ حلالہ کرنا۔ یعنی اس سمجھوتہ پر نکاح کرنا کہ صحبت کر کے وہ اس کو طلاق دے دے گا۔ یہ بہت بری بات ہے اور گناہ کا کام ہے۔ اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول ﷺ ایسے شرطیہ نکاح سے راضی نہیں۔ لہٰذا بلا شرعی مجبوری کی ایسا نہ کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غصہ کی تین طلاق واقع ہوں گی یا نہیں:

(سوال ۴۰۳) ایک شخص نے غصہ میں اپنی عورت کو تین طلاق دے دیں اور کہا کہ تو میرے بھائی کے ہاں چلی جا اور گواہ جنہوں نے یہ سنا، وہ عورت کے پہلے شوہر کی دو بالغ لڑکیاں ہیں اور اس کے رہنے کی جھونپڑی کے پیچھے دو عورتیں رہتی ہیں انہوں نے بھی اپنے گھر میں سنا کہ طلاق دے دی اور وہ بھی گواہ ہیں اور جس کو طلاق دی اس نے جواب دیا کہ اب سے تیرے گھر کا پانی میرے لئے حرام ہے تو طلاق ہوئی یا نہیں؟

(الجواب) اگر یہ بات صحیح ہے کہ مرد نے عورت کو تین طلاق دے دی ہیں تو وقوع طلاق کے لئے گواہ کا ہونا شرط نہیں

ہے، بدوں گواہ کے بھی طلاق ہو جاتی ہے، ہاں خاوند انکار کرے کہ میں نے طلاق نہیں دی تب ثبوت طلاق کے لئے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔ فقط عورتوں کی گواہی ناکافی ہے ان پر طلاق کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن جب کہ عورت نے خود بھی تین طلاق کے الفاظ سنے ہیں اور اس کے سامنے طلاق دی گئی ہے اور لڑکیاں بھی طلاق دیئے جانے کا کہہ رہی ہیں اور عورت کو یقین ہے کہ مجھ کو طلاق مل چکی ہے تو وہ اپنے آپ کو مطلقہ اور شوہر کے لئے حرام ہی سمجھے اس کو جائز نہیں ہے کہ اپنی ذات کو شوہر کے حوالہ کردے اور شوہر کے ساتھ بیوی کی طرح رہے۔ ایسا کرے گی تو یہ بھی گنہگار اور شوہر بھی گنہگار ہوگا۔ **لان المرأة كالقاضی باب الصریح ص ۵۹۴ فقط واللہ اعلم بالصواب.**

تجھ کو ''ایک طلاق دو طلاق'' اس جملہ کو بار بار دہرایا تو کتنی واقع ہوں گی :

(سوال ۴۰۴) بعد سلام مسنون عرض ہے کہ زید نے اپنی منکوحہ ہندہ کو مندرجہ ذیل الفاظ سے طلاق دی ہے ''ایک طلاق دو طلاق'' اور اس جملہ کو بار بار دہرایا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ طلاق مع العدد کی تکرار سے تکرار عدد معتبر ہوگا یا نہیں؟ یا تعدد (عدد) کی تکرار لغو شمار ہوگی؟ وضاحت فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں، خط کشیدہ الفاظ ہی معرض بحث ہیں بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مذکورہ میں لفظ طلاق عدد کے ساتھ مقرون ہے لہذا جمع ہو کر تین طلاقیں واقع ہوں گی **(والطلاق يقع بعدد قرن به لابه) نفسه عند ذكر العدد وعند عدمه الوقوع بالصيغة (درمختار) وفی رد المحتار. ای متی قرن الطلاق بالعدد كان الوقوع بالعدد الخ (درمختار و الشامی ج ۲ ص ۶۲۷ باب الطلاق عن المدخول بها مطلب الطلاق يقع بعد قون به لابه)**

مزید اطمینان کے لئے حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کا فتویٰ ملاحظہ ہو:۔

(سوال ۳۲۰) تم کو ایک طلاق دی دو طلاق دی ایک ایک طلاق دی دو طلاق دی اس کہنے سے آیا دو طلاق واقع ہوں گی یا تین جمع کر کے؟

(الجواب) اس صورت میں جمع ہو کر تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔ **فقط كتبه (المفتی) عزیز الرحمان (رحمه الله) (فتاویٰ دار العلوم مكمل و مدلل ج ۹ ص ۲۴۱ كتاب الطلاق).**

آپ کا دوسرا فتویٰ:

(سوال ۴۰۵) شخصے باز وجۂ خود کہ مدخول بہا است منازعت نمودہ گفت ترا ایک طلاق، دو طلاق وادم برو، بلا سکوت درمیان ہر دو جملہ، پس دریں صورت زوجۂ مطلقہ سہ طلاق گردید یا مطلقہ بیک طلاق شد یا مطلقہ بدو طلاق لیکن طلاق می گوید کہ نیت من دو طلاق است از عبارت قاضی خاں ولو قال ترا ایک طلاق وسکت ثم قال و دو طلاق **طلقت ثلاثا ولو قال دو طلاق بغير حرف العطف ان نوى العطف طلقت ثلاثا وان لم ينو لا يقع الا واحدة** (فتاویٰ **قاضی خان علی هامش الفتاوىٰ الهندية كتاب الطلاق ج ۱ ص ۳۶۰**) ایں قدر مستفاد می شود کہ

درحالت سکوت طالق دوطلاق را اگر نیت عطف کردسہ طلاق خواہد شد وگرنہ یک طلاق لیکن اگر بلاسکوت وبلاعطف گوید سہ طلاق خواہد شد یانہ؟ بینوابالدلیل توجروا۔

(الجواب) از عبارت شامی کہ درذیل مذکورست ہم وقوع سہ طلاق درصورت مذکورہ واضح می شود، واحتیاط ہم دریں است کہ حکم وقوع سہ طلاق کردہ شود۔ قال في الشامي في قوله انت طالق لا بل ثنتين الخ ولو كانت مدخولة تقع ثلث لانه اخبرانه غلط في ايقاع الواحدة ورجع عنها الى ايقاع الثنتين بدلها فصح ايقاعها دون رجوعه (رد المحتار ج۲ ص ۴۵۷)(از فتاوی دارالعلوم مکمل ومدلل ج۹ ص ۳۰۷،۳۰۶)فقط والله اعلم.

''ایک دوتین طلاق'' اس جملہ کا حکم:

(سوال ۴۰۶) حاجی محمد نذیر کی لڑکی اپنے سسرال سے میکے چلی آئی اس بات پر محمد نذیر اوراس کی زوجہ مریم میں جھگڑا ہونے لگا محمد نذیر نے کہا کہ لڑکی کواس کے سسرال چھوڑ آو، مریم نے انکار کیا اس پر محمد نذیر نے غصہ میں آکر اپنی زوجہ مریم سے کہا، تجھ کو'' ایک دوتین طلاق ہے'' دریافت طلب امر یہ ہے کہ مریم کو طلاق ہوئی یا نہیں؟اور ہوئی تو کون سی طلاق ہوئی، بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مذکورہ میں تین طلاقیں شمار ہوں گی اورعورت تین طلاقوں سے بائنہ مغلظہ ہوگئی (شامی ج۲ص ۶۲۶ حوالہ گذشتہ از مرتب۔)فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں بالاجماع واقع ہوجاتی ہیں اوراسی طرح غصہ کی طلاق بھی واقع ہوجاتی ہے۔

(سوال ۴۰۷) محترم ومکرم حضرت مفتی صاحب مدظلہ. بعد سلام مسنون!عرض ہے کہ ہمارے محلہ میں ایک شخص نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی اس کے بعد وہ سامرود جاکر غیر مقلدوں کے پاس سے فتویٰ لے کر آیا ہے اس فتویٰ میں ہے کہ آپ کے امام ابوحنیفہ کے نزدیک غصہ کی حالت میں طلاق واقع ہی نہیں ہوتی اورایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی ہے،شامی اورامداد الفتاویٰ وغیرہ کتابوں کے حوالے بھی دیئے ہیں مفتی کفایت اللہ صاحب اورآپ کا فتویٰ بھی فتاویٰ رحیمیہ جلد دوم کے حوالہ سے پیش کیا ہے۔سامرود کے اس فتویٰ کی وجہ سے یہاں انتشار ہے بعض لوگ اس کے اوپر عمل کرنے کے لئے آمادہ بھی نظر رہے ہیں،آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل ومدلل فتویٰ عنایت فرمائیں۔بینوا توجروا(سورت)

(الجواب) غیر مقلد کا جواب دربارۂ طلاق غضبان وطلاق ثلثہ قطعاً غلط ہے،اورجو حوالے دیئے گئے ہیں وہ دھوکہ دہی اورفریب کاری پر مبنی ہیں۔امداد الفتاویٰ یا اورکسی معتبر کتاب میں نہیں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غصہ کی حالت طلاق ہوتی ہی نہیں،یہ سفید جھوٹ ہے لعنة الله على الكاذبين کا بھی ان کو خیال نہیں ہے۔امداد الفتاویٰ میں تصریح ہے کہ حالت غصہ میں اپنے قول وفعل یعنی اپنے کہنے اورکرنے پر مطلع رہااورسمجھتا ہو کہ میں کیا کررہا

ہوا اور کیا کہہ رہا ہوں تو اس کی طلاق واقع ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہاں غصہ کی وجہ سے مجنون (پاگل) ہو گیا اپنے کہنے اور کرنے کی خبر نہیں رہی تو طلاق وغیرہ کوئی فعل معتبر نہیں (امداد الفتاوی جلد دوم)

طلاق عام طور پر غصہ ہی میں دی جاتی ہے۔ پیار و محبت اور خوشی میں کون طلاق دیتا ہے؟!! ماشاء اللہ! جب غصہ کی حالت میں لین دین خرید و فروخت نکاح رجعت معتبر ہیں تو طلاق کیوں معتبر نہ ہوگی؟ حدیث میں تو یہاں تک ہے ثلاث جدھن جد و ھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعۃ یعنی تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں ارادہ وغیر ارادہ کا فرق نہیں، نکاح، طلاق، رجعت (یعنی طلاق سے رجوع کرنا) مطلب یہ ہے کہ ہنسی اور مذاق میں بھی نکاح ہو جاتا ہے طلاق بھی ہو جاتی ہے اور رجوع بھی معتبر ہوتا ہے۔ (مشکوۃ شریف ص ۲۸۴ باب الخلع والطلاق)

دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مفتی اعظم مفتی عزیز الرحمن صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

(سوال ۱) زید نے بحالت غضب و بیماری تپ و لرزہ اپنی زوجہ کو تین مرتبہ بہ تکرار یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھ کو طلاق دی۔ آیا زید کی زوجہ کسی طرح اس کے نکاح میں رہ سکتی ہے یا نہیں؟

(الجواب) اس صورت میں زید کی زوجہ پر تین طلاق واقع ہو گئی۔ بدون حلالہ کے زید اس سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا، الخ (فتاوی دارالعلوم مدلل ج ۹ ص ۵۵)

(سوال ۲) ایک شخص نے تکرار میں اپنی زوجہ کو کہا کہ میں نے تم کو سو طلاقیں دیں اب وہ شخص کہتا ہے کہ میں نے غصہ کی حالت میں بلا نیت طلاق یہ الفاظ کہے تھے تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔

(الجواب) صریح طلاق میں نیت کی ضرورت نہیں ہے۔ بدون نیت کے طلاق واقع ہو جاتی ہے اور غصہ کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے بلکہ ظاہر ہے کہ اکثر غصہ ہی سبب طلاق دینے کا ہوتا ہے الخ (فتاوی دارالعلوم مدلل مکمل ج ۹ ص ۶۹)

(سوال ۳) اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ماں بہن کہہ دے تو کیا حکم ہے؟ اور اگر غصہ کی حالت میں تین طلاق دے دے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں اور پھر رہنا اس عورت کا درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) اپنی زوجہ کو صرف یہ کہنے سے کہ تو میری ماں بہن ہے طلاق واقع نہیں ہوتی، وہ عورت بدستور اس کی زوجہ ہے۔ اور اگر کوئی شخص غصہ میں تین طلاق اپنی زوجہ کو دیوے تو تین طلاق اس پر واقع ہو جاتی ہیں بدون حلالہ کے اس سے نکاح نہیں کر سکتا (فتاوی دارالعلوم مدلل مکمل ج ۹ ص ۲۶۸)

(سوال ۴) زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو بتکرار خانگی ناراض ہو کر غصہ میں آ کر تین مرتبہ ایک ہی وقت میں طلاق دی حالانکہ اس کی نیت بوجہ عیالداری کے ہمیشہ کو جدا کرنے کا نہ تھا لیکن بوجہ غصہ شدید کے ایسا اس زید سے ہوا اب زید اپنی منکوحہ ہندہ مطلقہ کو پھر اپنی زوجیت میں واپس لینا چاہتا ہے۔ بدون حلالہ کے واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) اس صورت میں حلالہ کی ضرورت ہے۔ بدون حلالہ کے زید ہندہ مطلقہ ثلاثہ سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا۔ (فتاوی دارالعلوم مدلل مکمل ج ۹ ص ۲۶۵)

شامی میں غصہ کی تین حالتیں بیان کر کے تینوں کا حکم بیان فرمایا ہے۔

(پہلی حالت):

غصہ کی وجہ سے عقل میں فتور (خلل) نہیں آیا کیا کررہا ہے اور کیا کہہ رہا ہے اس سے وہ باخبر ہے تو طلاق واقع ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اور عام طور پر غصہ ایسا ہی ہوتا ہے **احدھا ان یحصل له مبادیٔ الغضب لا یتغیر علقه ویعلم ما یقول ویقصده وھذا لااشکال فیه**۔

(دوسری حالت):

شدت غضب کی وجہ سے مجنون اور پاگل سا ہوگیا اور اس کو اپنے کہنے اور کرنے کی کچھ خبر نہ رہی تو اس کی طلاق معتبر نہ ہوگی اسی طرح خرید وفروخت وغیرہ ذمہ دارانہ کوئی فعل معتبر نہیں ہوتا اور یہ صورت نادر الوقوع ہے تاہم شرعی شہادت سے ثابت ہو جانے پر عدم وقوع طلاق کا حکم دیا جائے گا **(والثانی ان یبلغ النھایة فلا یعلم ما یقول ولا یریده فھذا لا ریب انه لا ینفذ شیئ عن اقواله (شامی ج۲ ص ۵۸۷)**

(تیسری حالت):

بین بین اور درمیانی حالت ہے۔ اس میں تردد ہے غایۃ سے علامہ شامیؒ نے وقوع طلاق کا قول نقل کیا ہے **والثالث من توسط بین المرتبتین بحیث لم یصیر کالمجنون فھذا محل النظر والا دلة تدل علی عدم نفوذ اقواله اھ ملخصاً من شرح الحنبلیة لکن اشار فی الغایة الی مخالفته فی الثالث حیث قال ویقع طلاق من غضب خلافاً لابن القیم وھذا السوافق عند نا اھ (شامی ج۲ ص ۵۸۷ مطلب طلاق مدھوش)باب الفروج** میں یہی قول احوط اور فتویٰ کے لئے مختار ہے۔ یہ علامہ شامی کا فیصلہ غیر مقلدنے جو قول ان کی طرف منسوب کیا ہے وہ قول ان کا نہیں ہے اور نہ اس پر انہوں نے فتویٰ دیا ہے پھر ان کی طرف اس کو منسوب کرنا کہاں کی دیانت ہے۔

غیر مقلدوں کا یہ دعویٰ بھی غلط اور کتاب وسنت اور اجماع کے خلاف ہے کہ ایک ساتھ تین طلاقیں واقع نہیں ہوتیں، یہ عقیدہ خوارج، شیعہ اور روافض کا ہے اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ نہیں ہے جو شخص یہ عقیدہ رکھے وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے شرح الوقایہ میں ہے **وعند نا الثلث دفعة سنی الوقوع ای وقوعھا مذھب اھل السنة وعند الروافض لا یقع** ۔ یعنی ہم اہل سنت کے نزدیک ایک ساتھ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں البتہ روافض اس کے خلاف ہیں۔ **(شرح الوقایہ ج۲ ص ۷۰ کتاب الطلاق)**

طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے **وذھب جماعةمنھم الظاھرة والشیعةالی ان الطلاق الثلث جملة لا یقع الا واحدة** ایک جماعت جن میں ظاہریہ اور شیعہ ہیں ان کا مسلک یہ ہے کہ مجموعی تین طلاقوں سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔ **(طحطاوی علی الدر المختار ج۲ ص ۱۲۶ ایضاً)**

بہر حال تین طلاق کے بعد شرعی حلالہ کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا اور ان کا آپس میں میاں بیوی کی طرح رہنا ناجائز اور قطعی حرام ہے، دونوں زانی اور بدکار سمجھے جائیں گے قرآن شریف میں ہے **الطلاق مرتان** جس طلاق کے

بعد رجوع کر سکتے ہیں وہ دو ہی طلاقیں ہیں یعنی ایک سے دو تک رجوع جائز ہے۔ الطلاق ای التطلیق الذی یراجع بعدہ مرتان ای اثنتان (تفسیر جلالین ص ۳۴) آگے تیسری طلاق کے متعلق ہے فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ (سورۃ بقرہ پ ۲) فان طلقھا الزوج بعد اثنتین فلا تحل لہ من بعد الطلقۃ الثالثۃ حتی تنکح زوجا غیرہ۔ ترجمہ: پھر اگر مرد عورت کو (دو طلاق کے بعد) تیسری طلاق دے تو اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں رہے گی یہاں تک کہ وہ عورت اس کے سوا دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کرے (تفسیر جلالین ص ۳۴)

احکام القرآن میں ہے فالکتاب والسنۃ واجماع السلف الصالحین توجب ایقاع الثلث معا وان کانت معصیۃ. قرآن وسنت اور اجماع سلف کا یہی فیصلہ ہے کہ یکبارگی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اگرچہ یکبارگی تین طلاقیں دینا معصیت ہے۔ (احکام القرآنی الجصاص ج ۱ ص ۴۵۹ باب عدد الطلاق)

تفسیر مظہری میں ہے لکنہم اجمعوا علی انہ من قال لا مرأتہ انت طالق ثلثا یقع ثلاثا بالاجماع ترجمہ: جمہور علماء کا قول ہیں کہ جو شخص اپنی عورت کو تین طلاقیں مجمعا دے گا تو بالاجماع تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی (مظہری ج ۱ ص ۳۰۰ تحت قولہ الطلاق مرتان)

فتح القدیر میں ہے وذھب جمھور الصحابۃ والتابعین ومن تبعھم ائمۃ المسلمین الی انہ یقع ثلثا. ترجمہ: جمہور صحابہ وتابعین اور بعد کے ائمہ مسلمین اس کے قائل ہیں کہ تین طلاقیں ہو جاتی ہیں (فتح القدیر ج ۳ ص ۳۳۰ کتاب الطلاق)

اور اسی کتاب میں ہے کہ تین طلاقیں واقع ہونے کا حکم اجماعی اور حق ہے لہذا اس کے خلاف کرنے میں سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں اور اگر کوئی قاضی شرع اس کے خلاف فتویٰ دے تو وہ معتبر نہیں مردود و باطل ہے کیونکہ تین طلاقیں واقع ہو جانے کا مسئلہ اجتہادی نہیں اجماعی ہے۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۳۳۰)

البحر الرائق میں ہے ولا حاجۃ الی الا شتغال بالا دلۃ علیٰ رد قول من انکر وقوع الثلاث جملۃ لانہ مخالف للاجماع کما حکاہ فی المعراج ولذا قالوا لو حکم حاکم بان الثلاث بفم واحد لم ینفذ حکمہ لانہ خلاف لا اختلاف.

یعنی: جو مجموعی تین طلاقوں کے وقوع کا قائل نہیں اس کے قول کو رد کرنے کے لئے دلائل اکٹھا کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ اس کا یہ قول اجماع کے خلاف ہے جیسا کہ معراج الدرایہ میں ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی حاکم فیصلہ کرے کہ ایک مرتبہ کی دی ہوئی تین طلاقیں ایک ہیں تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا اس لئے کہ یہ خلاف ہے (جو مذموم ہے) اختلاف نہیں (جو رحمت اور پسندیدہ ہے) بحر الرائق ج ۳ ص ۲۳۹، ۲۴۰ کتاب الطلاق تحت قولہ وثلاثا فی طہر الخ.

عینی شرح بخاری میں ہے۔ ومذھب جماھیر العلماء من التابعین ومن بعد ھم منھم الاوزاعی والنخعی والثوری وابو حنیفۃ واصحابہ ومالک واصحابہ والشافعی واصحابہ واسحق وابو ثور وابو عبید وآخرون کثیرون علی ان من طلق امرأتہ ثلثاً وقعن ولکنہ یا ثم وقالوا من خالف

فیہ فھو شاذ مخالف لاھل السنة وانما تعلق بہ اھل البدعة ومن لا یلتفت الیہ الشذوذہ عن الجماعة ۔

یعنی جمہور علماء تابعین اوران کے بعد کے علماء، فقہاء، محدثین اور امام اوزاعیؒ اور امام نخعیؒ اور امام ثوریؒ، امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب، امام اسحٰقؒ، امام ابوثور، امام ابوعبیدؒ اور دیگر فقہاء قائل ہیں کہ: جو کوئی اپنی عورت کو تین طلاقیں دے گا وہ پڑ جائیں گی لیکن طلاق دینے والا گنہگار ہوگا۔ اوران حضرات کا قول ہے کہ جو اس کی مخالفت کرے وہ اہل سنت کا مخالف ہے اور اہل بدعت (روافض) میں داخل ہے، اس کا قول ہرگز قابل اعتبار نہیں، اس قول کو اہل بدعت اور ایسے لوگوں نے اختیار کیا ہے جن کا کوئی اعتبار اور مقام نہیں، جماعت سے الگ ہونے کی وجہ سے (عینی شرح بخاری ج ۹ ص ۵۳۷ کتاب الطلاق باب من اجاز طلاق الثلث)

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں ہے وذھب جمھور الصحابة والتابعین ومن بعدھم من ائمة المسلمین الی انہ یقع ثلث. یعنی جمہور صحابہ تابعین اوران کے بعد کے ائمہ مسلمین قائل ہیں کہ تین طلاق واقع ہوجاتی ہیں (ج ۳ ص ۲۸۴ باب المطلقۃ ثلاثا)

امام نووی شارح مسلم فرماتے ہیں وقد اختلف العلماء فیمن قال لا مرأتہ انت طالق ثلثاً فقال الشافعی وابو حنیفة واحمد وجما ھیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلث. اور جو شخص اپنی بیوی کو کہے "انت طالق ثلثاً" تجھے تین طلاقیں۔ اس کے حکم میں علماء نے اختلاف کیا ہے، امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ اور جمہور علماء سلفاً وخلفاً فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۴۷۸ باب طلاق الثلاث)

زادالمعاد میں ہے وھذا (ای وقوع الثلث بکلمة واحدة) قول الائمة الاربعة وجمھور التابعین وکثیر من الصحابة رضی اللہ عنہ اجمعین. ایک مجلس کی تین طلاقوں کا وقوع ائمہ اربعہ اور جمہور تابعین اور بے شمار صحابہ کا قول ہے۔ (ج ۴ ص ۲۵۵)

شامی میں ہے، وذھب جمھور الصحابة والتابعین ومن بعدھم من ائمة المسلمین الی انہ یقع ثلث ۔ جمہور صحابہ تابعین اور بعد کے ائمہ مسلمین اس طرف گئے ہیں کہ (یعنی اس کے قائل ہیں کہ) تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں (شامی ج ۲ ص ۵۷۶ کتاب الطلاق)

زجاجۃ المصابیح میں ہے وذھب جمھور العلماء من التابعین ومن بعدھم ومنھم الاوزاعی والنخعی والثوری وابو حنیفة واصحابہ ومالک واصحابہ والشافعی واصحابہ واحمد واصحابہ واسحق وابو ثور وآخرون کثیرون علی ان من طلق امرأتہ ثلثاً وقعن ولکنہ یاثم وقالو من خالف فیہ فھو شاذ مخالف لاھل السنة والجماعة (زجاجة المصابیح ج ۲ ص ۴۶۹ .. ۴۷۰ باب الخلع والطلاق)

بدایۃ المجتہد میں ہے۔ جمھور فقھاء الامصار علی ان الطلاق بلفظ الثلث حکمہ حکم الطلاقة الثلثة. یعنی جمہور فقہاء امصار قائل ہیں کہ ایک دفعہ میں تین طلاقیں دینے کا حکم وہی ہے جو تین مرتبہ میں تین طلاقیں دینے کا حکم ہے (بدایۃ المجتہد للعلامۃ ابن رشید ج ۲ ص ۶)

فتاویٰ اسعدی میں ہے۔

(سوال)فی رجل قال لزوجته انت طالق ثلثا ثم قال من فور لا بل اثنین کیف الحکم افتونا .
(الجواب)وقع علیها ثلاث تطلیقات (ترجمہ)۔
(سوال)ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق ثلثا تجھے تین طلاقیں، پھر فوراً کہا نہیں نہیں'' دوطلاق''تو کیا حکم ہوگا؟
(الجواب)عورت پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ (فتاویٰ اسعدیہ ج ا ص ۵۳)

ہدایہ میں ہے وطلاق البدعة ان یطلقها ثلثاً بکلمة واحدةاو ثلثا فی طهر واحد فان فعل ذلک وقع الطلاق و کان عاصیا یعنی طلاق بدعی یہ ہے کہ عورت کو بیک لفظ تین طلاقیں دے دے، یا ایک طہر میں تین طلاقیں دے۔ اگر ایسا کیا تو طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور گنہگار ہوگا (هدایه اولین ص ۳۳۵ کتاب الطلاق باب طلاق السنة)(فتاوی قاضی خان ج ا ص ۴۵۴)(فتاوی عالمگیری ج ۲ ص ۵۶)(الجوهرة النیرة ج ۲ ص ۱۰۰)(مجمع الانهر ج ۲ ص ۳۸۲)(شرح نقایه ج ۲ ص ۲۸)(رحمة الامةفی اختلاف الائمه ص ۲۱۸)

فتاویٰ خیریہ میں ہے(سئل) فی شخص طلق زوجه ثلثاً مجتمعا فی کلمة واحدة فهل یقعن ام لا . وهل اذا رفع الی الحاکم حنفی المذهب یجوز له تنفید الحکم بعد الوقوع اصلاً اوبو قوع واحدة او یجب علیه ان یبطله و هل اذا نفده نفذ ام لا؟(اجاب) نعم یقعن یعنی الثلاث فی قول عامة العلماء المشهورین من فقهاء الا مصار ولا عبرة بمن خالفهم فی ذلک او حکم بقول مخالفهم والرد علی لمخاف القائل بعدم وقوع شیئی او وقوع واحدة فقط مشهور واذا حکم حاکم بعدم وقوع الطلاق المذکورة لا ینفد حکمه کما هو مقر مسطور ففی الخلاصة او بان لا یقع شئی لا تنفذ و فی التبیین وغیره فی کتاب القضاء ان القضاء وقع باطلا لمخالفته الکتاب والسنة والاجماع فلا یعود صحیحا بالتنفیذ (فتاوی خیریه ج ا ص ۴۳ کتاب الطلاق ومطالبه)

(خلاصۂ سوال وجواب):

(سوال ۴۰۸) کسی شخص نے اپنی بیوی کوایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں تو واقع ہوں گی یا نہیں؟ اگر وہ شخص اپنا معاملہ حنفی المذہب قاضی کی عدالت میں پیش کرے تو کیا حاکم کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ بالکل طلاق نہ ہونے کا (جو شیعوں کا مسلک ہے) یا ایک طلاق واقع ہونے کا (جو غیر مقلدوں کا مذہب ہے) فیصلہ کرے؟ اگر وہ ایک طلاق کو نافذ کرے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا؟
(الجواب)ہاں تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ فقہاء امصار اور مشہور علماء کے قول کی بنا پر اور جب کوئی حاکم مذکورہ طلاقوں کے عدم وقوع کا فیصلہ کرے تو اس کا حکم اور فیصلہ نافذ نہ ہوگا جیسا کہ ہماری کتابوں میں مصرح ہے چنانچہ خلاصة الفتاوی اور ہمارے علماء کی بے شمار کتابوں میں تصریح ہے کہ جو شخص اس مرد کے بارے میں جس نے اپنی عورت کو

کہ ہوئی تین طلاقیں دیں ایک طلاق واقع ہونے کا فیصلہ کرے یا یہ فیصلہ کرے کہ ایک طلاق بھی نہیں ہوئی تو اس کا یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا اور تمیین وغیرہ میں ہے کہ اگر ہزار ہا قاضی بھی اس کی خلاف فیصلہ کریں تو بھی ان کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ کتاب وسنت اور اجماع کے مخالف ہونے کی وجہ سے (ج ا ص ۴۲)

اسی فتاویٰ خیریہ میں دوسرا سوال ہے۔

(سئل مرة اخرى) في رجل طلق زوجته ثلثا مجتمعاً في كلمة واحدة فافتاه حبلي المذهب بعدم الوقوع فاستمر معاشرا لزوجته بسبب الفتوى المذكورة مدة سنين فهل يعمل بافتاء الحنبلي المذكور ام لا ولو اتصل حكم منه فكيف الحال (اجاب) لا عبرة بالفتوى المذكورة ولا ينفذ قضاء القاضي بذلك ولو نفذالف قاضي ويفترض على حكام المسلمن ان يفرقوا بينهما . قال بعض العلماء وحكي عن الحجاج بن ارطاة وطائفة من الشيعة والظاهريه انه لا يقع منها الا واحدة واختاره من المتاخرين من لا يعبأ به فافتى به واقتدى به من اضله الله تعالى والله اعلم (فتاوىٰ خيرية ج ا ص ۱۴۰، ۱۴۱) كتاب الطلاق ومطالبہ)

خلاصہ سوال وجواب:

(سوال ۴۰۹) ایک شخص نے ایک لفظ میں مجموعی تین طلاقیں دے دیں اس کو ایک حنبلی المذہب مفتی نے عدم وقوع طلاق کا فتویٰ دیا اس فتویٰ کی وجہ سے وہ شخص اپنی مطلقہ بیوی کے ساتھ چند سال رہا، کیا حنبلی المذہب عالم کے اس فتویٰ پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر اس کے مطابق قاضی نے فیصلہ کر دیا ہو تو کیا حکم ہوگا؟

(الجواب) مذکورہ فتویٰ بالکل غیر معتبر ہے اور اس کے مطابق قاضی کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا اگرچہ ہزار ہا قاضی مل کر فیصلہ کریں (نص قطعی کے خلاف ہونے کی بنا پر) اور حاکموں پر لازم ہے کہ ان دونوں کے درمیان تفریق کر دیں۔ حجاج بن ارطاہ اور شیعہ وظاہریہ کی ایک جماعت سے نقل کیا گیا ہے وہ کہتے ہیں کہ صرف ایک طلاق واقع ہوگی اور اس قول کو متاخرین میں سے ایسے لوگوں نے اختیار کر کے اس پر فتویٰ دیا ہے جن کا کوئی اعتبار اور مقام نہیں، اور جن لوگوں کو اللہ نے گمراہ کیا انہوں نے اس فتویٰ پر عمل کیا اور ان کی اقتداء کی۔ واللہ اعلم (فتاویٰ خیریہ ج ا ص ۴۴)

امام بخاریؒ کے نزدیک بھی بیک وقت ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں اور اس کے متعلق آپ نے ایک باب باندھا ہے "باب من اجاز طلاق الثلث" اس کے تحت احادیث لائے ہیں، منجملہ ان کے ایک حدیث یہ ہے عن عائشةؓ ان رجلا طلق امراته ثلثا فتزوجت فطلق فسئل النبي صلى الله عليه وسلم اتحل للاول؟ قال لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الاول (بخاری شریف ج ۲ ص ۷۹۱) (مسلم شریف ج ۱ ص ۴۶۳)

یعنی ایک آدمی نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دیں پھر اس نے دوسرے سے نکاح کیا اس نے صحبت سے بغیر طلاق دے دی، آنحضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ پہلے خاوند کے لئے یہ حلال ہوگئی؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تک دوسرا شوہر صحبت نہ کرے پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی (بخاری ومسلم)

یہ حدیث طلاق ثلاثہ کے یک وقت نافذ ہونے میں ظاہر ہے۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے فالتمسک بظاهر قوله طلقها ثلثاً فانه ظاهر فی کونها مجموعة (ج ۹ ص ۳۲۱ باب من اجاز طلاق الثلاث) عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے مطابقته للترجمة فی قوله طلق امراته ثلثاً فانه ظاهر فی کونها مجموعة (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۲۳۷ ایضاً)

سنن کبریٰ میں'' باب امضاء الثلث وان کن مجموعات '' کے ماتحت یہی حدیث لائے ہیں عن عائشة رضی الله عنها ان رجلا طلق ثلاثاً فتزوجت فطلق فسئل النبی صلی الله علیه وسلم أتحل للاول قال لا حتی تذوق عسلیته کما ذاق الاول (ج ۷ ص ۳۳۴) عین الہدایہ میں ہے۔ دین و قرآن ہم کو حضرات صحابہ سے پہنچا ہے اور سوائے مبتدع فاسق کے کوئی بدگمانی نہیں کرسکتا کہ صحابہ نے پہنچانے میں تبدیل کی، بلکہ عین سنت رسول (ﷺ) پر موافق علم و فہم کے چلتے تھے، اور بلاشبہ حضرت عمرؓ اور سب صحابہ نے اجماع کیا کہ جب تینوں طلاقیں یکبارگی دیں تو واقع ہوئیں، تو بھی یہ مخالف سنت کے نہیں ہوگا بلکہ حضرت عمر و عثمان وعلی و دیگر صحابہ علماء فقہاء نے سنت پر اتفاق کیا اور ان کا اجماع قطعی حجت ہے (عین الہدایہ)

مذکورہ بالا حوالوں سے ثابت ہوگیا کہ جمہور صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ دین، فقہاء، علماء، محدثین و مشائخ رحمہم اللہ کے نزدیک یکبارگی اور مجلس واحد کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور عدم وقوع کا قول مردود اور باطل ہے۔

یہ بھی بالکل بے اصل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیاست کے طور پر تین طلاقوں کا حکم نافذ فرمایا بلکہ وہ شرعی حکم اور فتویٰ تھا، قرآن وحدیث کے موافق تھا اور تمام صحابہ کا اجماع اور اتفاقی فیصلہ تھا یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد بھی صحابہ اسی کے موافق فتویٰ دیا کرتے تھے کسی ایک صحابی کا بھی خلاف منقول نہیں ہے فمن ادعی فعلیه البیان اور یہ بھی بے اصل اور من گھڑت ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے اس فتویٰ پر آخری عمر میں پچھتاتے تھے۔

غیر مقلد نے اپنے جواب میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ کے فتویٰ کا ذکر کیا ہے اور عوام الناس کو گمراہ کرنا چاہا ہے۔ ان کے فتاویٰ ملاحظہ ہوں۔

(سوال ۱) زید نے اپنی بیوی کو حالت غضب میں تین طلاقیں ایک وقت میں دے دیں اور بلا حلالہ کے نکاح جدید کے ساتھ رجوع کیا، آیا زید کی رجعت کسی امام نے ائمہ اربعہ میں سے جائز رکھی ہے یا نہیں؟

(جواب ۳۲۲) ایک وقت میں اگر تین طلاقیں دی جائیں تو تینوں واقع ہوں گی یہی مذہب ہے جمہور صحابہ و تابعین وائمہ مسلمین کا، البتہ فرقہ امامیہ کے نزدیک ایک طلاق شمار کی جاتی ہے لیکن یہ بالاتفاق مردود ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ کا فیصلہ بحضرۃ صحابہ میں خود اس پر شاہد ہے فقال عمر ان الناس قد استعجلوا فی امر کان لهم فیه اناة فلو امضیناه علیهم فامضاه علیهم وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من ائمة المسلمین الی انه یقع ثلث. پس مذہب اہل سنت والجماعت کے موافق اس شخص کو قبل التحلیل رجوع حرام ہے (کفایت المفتی ج ۶ ص ۳۲۱)

(۲) (جواب ۳۲۳) ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ و امام مالک و امام شافعی و امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور تمام جماہیر اہل سنت والجماعت اس امر کے قائل ہیں کہ تین طلاق دینے سے تینوں پڑ جاتی ہیں، خواہ ایک لفظ سے دی جائیں یا ایک جلسہ

میں یا ایک طہر میں......الخ (کفایت المفتی ج۶ص ۳۲۲)

(۳) ایک مفصل فتویٰ میں وقوع طلاق ثلثہ پر تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں "پس ان تمام عبارات سے ظاہر ہوگیا کہ ایک کلمہ یا ایک مجلس کی دی ہوئی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں اور یہی حکم قرآن مجید اور حدیث شریف سے ثابت ہے اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس پر صحابہ و تابعین کا اجماع ہوگیا اور ائمہ اربعہ بھی اسی کے قائل ہیں اور سلفاً وخلفاً علمائے امت کا یہی مذہب ہے اور اس کا مخالف اہل سنت والجماعت سے جدا ہے اور اس کا قول غیر معتبر ہے۔ الخ (کفایت المفتی ج۶ص ۳۳۱)

غیر مقلد نے لوگوں کو دھوکہ اور فریب دینے کے لئے میرے فتوی کا بھی ذکر کیا ہے حالانکہ فتاویٰ رحیمیہ جلد دوم میں وقوع طلاق ثلثہ کے متعلق متعدد فتاویٰ موجود ہیں۔ جدید ترتیب کے مطابق جلد ہشتم میں ملاحظہ ہو

مزید اطمینان کے لئے اکابرین علماء وفقہاء کے فتاویٰ ملاحظہ ہوں۔

(۱) علماء ہند کے استاذ کبیر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی کا فتوی اگر سہ طلاق داد خواہ یکبار خواہ متفرق باز در نکاح نمی تواند آوردتا وقتیکہ حلالہ نہ کند۔

ترجمہ: اگر تین طلاق دے دے چاہے ایک ساتھ یا جدا جدا تو جب تک حلالہ نہ کرے دوبارہ نکاح میں نہیں لاسکتا (فتاویٰ عزیزی ج۳ص ۲۰)

ایک مجلس میں تین طلاق دے کر خاوند رجوع کرسکتا ہے یا نہیں اس کے متعلق محدث جلیل فقیہ امت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی تحریر فرماتے ہیں:

(الجواب) تین طلاقیں اس صورت میں واقع ہوگئیں سوائے حلالہ کے کوئی تدبیر اس کی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
کتبہ الاحقر بندہ رشید احمد عفی عنہ گنگوہی۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۳۰ حصہ دوم، مطبع ہندوستان پرنٹنگ ورکس دہلی)

مجدد ملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا فتویٰ

"تین طلاق دینے کا بیان"

"اگر کسی نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دیں تو اب وہ عورت بالکل اس مرد کے لئے حرام ہوگئی اب اگر پھر سے نکاح کرے تب بھی عورت کو اس مرد کے پاس رہنا حرام ہے۔ (بہشتی زیور ص ۱۲۷ حصہ چہارم)

دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ کے فتاویٰ۔

(۱) (خلاصہ سوال) ایک مجلس کی تین طلاق ایک شخص کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے سیاسی حکم قائم کیا۔ اس کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) جو مسلمان صحابہؓ کے اجماع اور حضرت عمرؓ کے فتویٰ کی نسبت ایسا کہے وہ جاہل اور گمراہ ہے حضرت عمرؓ نے نصوص شرعیہ کی بنا پر ایسا حکم فرمایا ہے اور صحابہ کا اجماع اس پر بدون دریافت ماخذ کیسے ہوسکتا ہے؟ شامی میں لکھا ہے

قال فی فتح القدیر بعد سوق الا حادیث الدالة علیه الی ان قال وقد یثبت النقل عن اکثرهم بایقاع الثلث ولم یظهر لهم مخالف فما ذابعد الحق الا الضلال (فتح القدیر ج۳ ص ۲۵ کتاب الطلاق.

اس عبارت سے واضح ہوا کہ حضرت عمرؓ نے شرعی حکم نافذ فرمایا ہے۔ جس پر احادیث صحیح دال ہیں اور ان کے

حکم کا اس وقت صحابہ میں سے کوئی مخالف نہ ہوا، پس یہ عین حکم شرعی ہے لہذا فرمایا صاحب فتح القدیر نے آخر میں فما ذا بعد الحق الا الضلال یعنی حق وقوع ثلاث ہے اور جو اس کا خلاف بعد اس اجماع اور وضوح حق کے کرے وہ گمراہ ہے۔ فقط فتاویٰ دارالعلوم مدلل و مکمل ج ۹ ص ۳۲۶۔ ۳۲۷۔

(۲) (سوال ۳۷۹) زید نے اپنی زوجہ مساۃ ہندہ کو ایک ہی جلسہ میں متواتر تین طلاقیں دیں اور اب وہ رجوع کرنا چاہتا ہے۔ مولوی ثناء اللہ (امرتسری) وغیرہ کے فتووں کو استدلال میں پیش کرتا ہے، ایسی صورت میں رجوع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) تین طلاق کے بعد عورت مغلظہ بائنہ ہو جاتی ہے اور بلا حلالہ کے اس سے دوبارہ نکاح کرنا حرام ہے کہ نص قطعی سے یہ ثابت ہے اور اجماع امت اس پر ہے، کسی کا خلاف اس میں معتبر نہیں ہے، زید کو رجوع کرنا اپنی زوجہ کو بلا حلالہ کے درست نہیں۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم مدلل و مکمل ج ۹ ص ۲۳۶)

(۳) اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

(الجواب) بے شک جس نے تین طلاق میں ایک طلاق کا فتویٰ دیا اس نے سخت غلطی کی اور جمہور صحابہ وائمہ کا خلاف کیا اور نص قطعی کو چھوڑا وہ شخص امامت کے قابل نہیں ہے اس کے پیچھے نماز پڑھیں، وہ بے شک زانی ہے اور اس کو زانی کہنا صحیح ہے، بلکہ زانی سے بدتر ہے کہ مطلقہ ثلث کو بغیر حلالہ رجوع کر کے اس سے وطی کرتا ہے جو نص وصریح کے قطعی خلاف ہے الخ۔ (فتاویٰ دارالعلوم مدلل و مکمل ج ۹ ص ۳۲۶)

(۴) ایک شخص نے تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ کے عورت سے نکاح کر لیا اس کے جواب میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

(الجواب) تین طلاق کے بعد بدون حلالہ کے اس مطلقہ ثلثہ سے نکاح کرنا قطعاً حرام ہے قال اللہ تعالی فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره ۔ الآیۃ پس صورت مسئولہ میں جب کہ تین طلاق دینا تحریر وتقریر و شاہدین سے ثابت ہے تو اس مرد کو اپنی عورت مطلقہ سے بدون حلالہ کے نکاح کرنا حرام ہے اور تفریق لازم ہے کہ اس عورت کو اس سے علیحدہ کر دیا جائے اور وہ شخص نکاح کرنے والا اور اس کے معاونین جو اس نکاح میں شریک ہوئے یا جس نے نکاح پڑھا وہ گنہگار ہوئے سب توبہ کریں اور آئندہ اس فعل کا ارتکاب نہ کریں۔

واضح ہو کہ تین طلاق اگر شوہر ایک دفعہ دے وے وہ تینوں طلاق واقع ہو جاتی ہیں، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے اس کے خلاف کو علامہ صاحب فتح القدیر نے گمراہی اور ضلالت لکھا ہے اور صحابہ سے لے کر آج تک اس پر اجماع ہے اور شرذمہ قلیلہ متبعہ ہواء کے خلاف کا اعتبار نہیں ہے، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے کتاب الطلاق میں اس کی تحقیق محقق ابن ہمام صاحب فتح القدیر رحمہ اللہ سے نقل فرمائی ہے (شامی ج ۲ ص ۵۷۶) (فتاویٰ دارالعلوم مدلل و مکمل ص ۳۰۳ ج ۹ ص ۳۰۴)

(۵) (سوال ۳۳۷) شہر قصور میں ایک مولوی صاحب کچھ مدت سے قیام پذیر ہیں جنہوں نے یہ فتویٰ جاری کر رکھا ہے کہ جس عورت کو دفعۃً واحدۃً تین طلاق دی جاوے یعنی مطلقہ ثلثہ کے خاوند کو رجوع بلا حلالہ درست ہے، اس صورت میں شرعی فتویٰ کیا ہے؟

(الجواب) یہ فتویٰ بالکل غلط اور خلاف نص قطعی ہے اور جمہور ائمہ کے مذہب کے خلاف ہے مطلقہ ثلثہ کو بدون حلالہ کے حلال کرنا گویا کلام اللہ کا مقابلہ کرنا ہے کہ کلام اللہ میں تیسری طلاق کے بعد صاف حکم ہے کہ بدون حلالہ کے وہ عورت مطلقہ ثلثہ شوہر اول کے لئے حلال نہیں ہے خواہ تین طلاق ایک دفعہ دی ہوں یا متفرق طور سے قال اللہ تعالیٰ فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره اور علامہ محقق ابن ہمامؒ نے ان لوگوں کی پوری تردید فرمائی ہے جو تین طلاق کے بعد بلا حلالہ کے شوہر اول کے لئے مطلقہ ثلثہ کو جائز کہتے ہیں اور آخر میں یہ لکھا ہے وقد ثبت النقل عن اکثرهم صریحا بایقاع الثلث لم یظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال پس معلوم ہوا کہ فتویٰ جواز نکاح کا بلا حلالہ کے صورت مذکورہ میں دینا بین ضلالت اور گمراہی ہے اس فتویٰ دینے والے کے فتویٰ کو ہرگز اہل اسلام کو نہ ماننا چاہئے۔ فقط۔ (فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ج۹ ص ۳۰۸۔۳۰۹)

غیر مقلدوں کے پیشوا شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کے صاحبزادے شیخ عبد اللہ اپنے ایک رسالہ "الهدیة السنیة" میں طلاق ثلثہ کے متعلق اپنے اور اپنے والد کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"اور ہمارے نزدیک شیخ الاسلام ابن القیم اور ان کے استاذ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اہل حق اہل السنہ کے امام و پیشوا ہیں، اور ان دونوں بزرگوں کی کتابیں ہمیں نہایت عزیز ہیں۔ لیکن ہر مسئلہ میں ہم ان کے بھی مقلد اور پیرو نہیں ہیں۔ اور متعدد مسائل میں ان سے ہمارا اختلاف معلوم ومعروف ہے، منجملہ ان کے ایک مجلس کی تین طلاقوں کا مسئلہ ہے اس میں ہم (ان دونوں بزرگوں کی تحقیق کے خلاف) ائمہ اربعہ کے متفقہ مسلک کا اتباع کرتے ہیں۔ الخ (بحوالہ شیخ محمد بن عبد الوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ اور ہندوستان کے علماء حق پر اس کے اثرات۔ مصنفہ مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ ص ۶۳۔۶۴)۔

طلاق ثلثہ کے متعلق علماء عرب کا ایک اہم فتویٰ

سعودی حکومت کی طرف سے ایک مجلس " اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والا فتاء " قائم ہے جس میں پورے ملک کے علماء وصلحاء شریک ہیں جس کے تحت مختلف مسائل پر وہ بحث کر کے اپنا آخری فیصلہ دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر کیا ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں عہد نبوی میں تین ہی سمجھی جاتی رہی ہیں اور اس پر عمل ہوتا رہا ہے اور اسی کے مطابق حضرت عمرؓ نے اسے باقاعدہ قانونی شکل دیدی اور پھر پوری امت اس پر عمل کرتی رہی ہے، تمام روایتوں کو نقل کرنے کے بعد مجلس اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ " القول بوقوع الطلاق الثلث بلفظ واحد ثلاثاً " (ایک جملہ میں تین طلاق دینے سے تینوں واقع ہو جاتی ہیں) (ماخوذ از ماہنامہ جامعہ "الرشاد" اعظم گڑھ جلد دو شمارہ نمبر ۱۷ بابت جون ۱۹۸۲ء مطابق رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ) (اور پندرہ روزہ "گلشن" مالیگاؤں جلد نمبر ۲ شمارہ نمبر ۱۴۔۱۵) لہٰذا سامرودی غیر مقلد کے فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے رجوع کر لینے یا تجدید نکاح سے عورت حلال نہ ہوگی بلکہ عورت کے لئے اس فتویٰ پر عمل کرنے سے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے، شامی میں ہے کہ ایک حنفی المسلک نے اہل حدیث (غیر مقلد) کی لڑکی سے نکاح کا پیغام بھیجا اس نے کہا اگر تو اپنا مذہب چھوڑ دے یعنی امام کے پیچھے قرأت اور رفع یدین کر کے تو پیغام منظور ہے اس حنفی المسلک نے

...منظور کر لی اور نکاح ہو گیا شیخ وقت امام ابو بکر جوز جانی نے یہ سنا تو افسوس کیا اور فرمایا "النکاح جائز ولکن اخاف علیہ ان یذھب ایمانہ وقت النزع لانہ استخف بالمذھب الذی ھو حق عندہ وترکہ لاجل جیفۃ منتنۃ" یعنی نکاح تو جائز ہے لیکن مجھے اس شخص کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے کہ اس نے ایک عورت کے خاطر اس مذہب کی توہین کی ہے وہ آج تک حق سمجھتا تھا محض عورت کے خاطر اسے چھوڑ دیا۔ (شامی ج ۲ ص ۲۶۳ باب التعزیر فیما اذا ارتحل الی غیر مذھبہ) فقط واللہ اعلم بالصواب وھو الھادی الی الصراط المستقیم۔

مرد نے تین طلاقیں دیں عورت نے دو سنی تو کتنی طلاقیں واقع ہوں گی :

(سوال ۴۱۰) ایک شخص نے اپنی بیوی کو چلتے رکشا میں آپس میں گرما گرمی ہونے کی وجہ سے تین طلاقیں دے دیں۔ رکشا چل رہا تھا اس وجہ سے اس کی بیوی نے صرف دو طلاق سنی ہیں اور وہ قرآن اٹھا کر قسم کھانے کے لئے تیار ہے کہ مجھے صرف دو طلاق دی ہیں اب اس معاملہ میں علمائے کرام کیا فرماتے ہیں کہ کتنی طلاقیں ہوئی ہیں اس وقت صرف یہ دو ہی تھے، اس لئے کوئی گواہ بھی نہیں ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب شوہر نے بحالت غصہ اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور وہ جانتا ہے کہ میں نے تین طلاق دی ہیں تو عورت مغلظہ ہو کر شوہر پر حرام ہو گئی اگر چہ عورت نے دو طلاقیں سنی ہوں، عورت سنے یا نہ سنے طلاق ہو جاتی ہے وقوع طلاق کے لئے عورت کا سننا شرط نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۷ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ۔

ایک مجلس کی تین طلاقیں

(قرآن، حدیث اور اقوال صحابہ وتابعین کی روشنی میں)

(سوال ۱۱۲) کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلہ میں کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں یا نہیں؟ ہمارے یہاں غیر مقلدوں نے فتنہ پھیلا رکھا ہے اور عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تین واقع نہیں ہوتیں، ایک ہی واقع ہوتی ہے، رجعت جائز ہے۔ بعض دنیا پرست اور آزاد لوگ ان کے پروپیگنڈے میں آکر ان کے فتووں پر عمل کرتے ہوئے مطلقہ ثلثہ کو رکھ لیتے ہیں، غیر مقلدین احادیث پیش کرتے ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل فتوی کی ضرورت ہے اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ غیر مقلدوں کا یہ کہنا کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینے سے ایک ہی طلاق پڑتی ہے قطعاً غلط اور گمراہ کن ہے، قرآن واحادیث اور اجماع صحابہ، علماء سلف، فقہاء، مشائخ اور ائمہ مسلمین حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہم بزرگان دین کے متفقہ فیصلہ کے خلاف ہے۔

تین طلاقوں کے بعد شرعی حلالہ کے بغیر نکاح درست نہیں اور آپس میں میاں بیوی کی طرح رہنا ناجائز اور قطعی حرام ہے، دونوں زانی اور بدکار سمجھے جائیں گے، صحیح مذہب کے خلاف غیر مقلدوں کے فتوے کا سہارا لینے سے حرام شدہ عورت حلال نہیں ہوسکتی، قرآن شریف میں ہے **الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان** (سورہ بقرہ) ترجمہ:۔ طلاق دو بار ہے اس کے بعد یا تو بیوی کو رجوع کر کے بھلے طریقہ سے روک لے، یا اچھے طریقہ سے چھوڑ دے۔

تمام مفسرین اس آیت کا شان نزول یہ بیان کرتے ہیں کہ شروع اسلام میں لوگوں کی یہ حالت تھی کہ بے حد وحساب طلاقیں دے دیتے، کوئی یہ کرتا تھا کہ بیوی کو طلاق دے دی اور جب اس کی عدت ختم ہونے پر آئی تو اس سے رجعت کر لی پھر دوسری طلاق دے دی اور ستانے کے ارادہ سے پھر رجعت کر لی اس پر یہ حکم نازل ہوا (**تفسیر مظہری بحوالہ بغوی عن عروہ ج ۱ ص ۴۹۲ اردو**) (**روح المعانی، بحوالہ موطا مالک و مسند شافعی وسنن ترمذی عن عروہ ج ۲ ص ۱۳۵۔ ۱۳۶**) اس آیت نے آکر یہ بتلایا کہ طلاق رجعی دو ہیں یعنی ایسی طلاق جس کے بعد شوہر کو رجوع کا حق باقی رہتا ہے صرف دو ہے۔ اس کے بعد اگر تیسری طلاق دے دی تو اب شوہر کا رجوع کا حق ختم ہو گیا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره** (دو کے بعد اگر تیسری طلاق بھی دے دی تو اب یہ عورت حلال ہو ہی نہیں سکتی تاوقتیکہ کسی اور سے نکاح نہ کرے) یعنی زمانہ جاہلیت کی طرح طلاق دیتے رہو اور رجوع کرتے رہو یہ صحیح نہیں ہے۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ "مرتان" بمعنی "اثنان" ہے یعنی طلاق رجعی دو ہیں چاہے یہ دو الگ الگ طہر میں دی جائیں یا ایک طہر میں، الگ الگ مجلس میں دی جائیں یا ایک مجلس میں، الگ الگ لفظوں میں دی جائیں یا ایک ہی لفظ میں۔ آیت کریمہ کا یہ مطلب اس کے شان نزول کے زیادہ موافق ہے اور یہی مطلب عبارت قرآن کے زیادہ لائق ہے۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:۔ **وهذا یدل علی ان معنی (مرتان) اثنان...... ولعله الیق بالنظم ...... واوفق بسبب**

التنزول (ج ۲ ص ۱۳۵ روح المعانی) حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ الطلاق مرتان کے بعد تیسری طلاق کہاں مذکور ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا" التسریح باحسان هو الثالثة" تسریح باحسان یہی تیسری طلاق ہے (روح المعانی بحواله ابو داؤد ج ۲ ص ۱۳۵ تفسیر مظهری بحواله ابو داؤد و سنن سعید بن منصور وابن مرویه ج ۱ ص ۳۰۲ اردو)

اور قرآن مجید میں بھی "مرتان" کا لفظ "اثنان" کے معنی میں استعمال ہوا ہے ارشاد ربانی ہے "نوتها اجرها مرتين" (سورۂ احزاب پ ۲۲) اور قرآن کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے، اس اصول کے پیش نظر "الطلاق مرتان" میں بھی یہی معنی لینا مناسب ہیں چنانچہ یہی معنی امام بخاری نے بھی سمجھے ہیں اور اپنی مشہور کتاب صحیح بخاری میں یکبارگی طلاق ثلثہ کے وقوع کے جائز ہونے پر مستقل باب قائم کیا ہے اور ترجمۃ الباب میں اسی آیت کو ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو "باب من اجاز طلاق الثلاث لقول الله تعالىٰ الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسريح باحسان" (بخاری شریف ج ۲ ص ۷۹۱) تو اب قرآنی حکم کا خلاصہ یہ ہوا کہ قرآن طلاقوں کی ترتیب نہیں، تعداد بیان کر رہا ہے۔ وہ یہ بیان کر رہا ہے کہ کتنی طلاقوں تک مرد کو حق رجوع رہتا ہے اور کتنی طلاقوں کے بعد نہیں رہتا۔ طلاق تو مرد کا حق ہے جسے وہ نکاح کے ذریعہ حاصل کرتا ہے، اسے وہ الگ الگ استعمال کرے یا دفعۃً استعمال کر ڈالے، جب اور جیسے بھی استعمال کرے گا وہ حق ختم ہو جائے گا، اس کی مثال ایسی ہے کہ آپ اپنے تین روپوں کو تین مختلف وقتوں میں خرچ کریں یا ایک ہی وقت میں سودا خرید ڈالیں، دونوں صورتوں میں یہ روپئے آپ کی ملک سے خارج ہو جائیں گے، چنانچہ علامہ ابن حزم نے بھی آیت کے یہی معنی مراد لئے ہیں فرماتے ہیں

واما قولهم معنى قوله الطلاق مرتان ان معناه مرة بعد مرة فخطأ بل هذه الآية كقوله تعالى نوتها اجرها مرتين اى مضاعفا معاً الخ (محلی ابن حزم ج ۱۰ ص ۱۶۸) وقوله (الطلاق مرتان) يدل على صحة الجمع بين الاثنين اذا حملت كلمة مرتان على الاثنتين كما فى قوله تعالى (نؤتها اجرها مرتين) والقرآن يفسر بعضه بعضاً وهكذا فهم البخارى معنى الآية حتى ذكرها فى باب من اجاز الثلث بلفظ واحد وكذا ابن حزم وايده الكرمانى لانه لايوجد من يفرق بين الاثنين والثلاث فى صحة الوقوع (كتاب الاشفاق فى حكم الطلاق ص ۳۸ للعلامة الكوثرى)

جو لوگ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے وقوع کے قائل نہیں وہ اس آیت میں "مرتان" کا ترجمہ "اثنان" نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک "مرتان" کا ترجمہ "مرۃ بعد مرۃ" ہے یعنی طلاق یکبارگی نہیں دے سکتے بلکہ یکے بعد دیگرے دینی پڑے گی اس صورت میں ایک ساتھ دو یا تین طلاق کے وقوع کا جواز آیت سے نہیں ہوتا لیکن محض اتنا کہہ دینے سے اس کا دعویٰ مدلل نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ مجلس واحد میں تین طلاقیں پڑتی ہی نہیں چاہے ایک جملہ میں دی ہوں یا الگ الگ جملوں میں، لیکن ان کی دلیل سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں کہے کہ "تجھ کو طلاق، تجھ کو طلاق، تجھ کو طلاق" تو تینوں کو پڑ جانا چاہئے کیونکہ تیسری اس وقت واقع کی گئی جب کہ دو طلاقیں ایک کے بعد ایک کر کے دے ڈالی گئیں۔ یہ بالکل وہی ترتیب ہے جو قرآن سے معلوم ہوئی۔ اس ترتیب کے پائے جانے پر بھی ان کا یہ کہنا کہ ایک ہی طلاق واقع ہوئی واضح کرتا ہے کہ ان کا استدلال فقط مغالطہ ہے جسے وہ فریق مقابل کے خلاف بطور حربہ استعمال کر رہے ہیں۔ باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ یکے بعد دیگرے الگ الگ مجلس میں

طلاق دینی چاہئے۔ تو ان سے عرض ہے کہ ایت میں مرۃ بعد مرۃ والا معنی لینے کی صورت میں بھی مجلس کا الگ ہونا ضروری ثابت نہیں ہوتا، صرف فعل کا الگ ہونا معلوم ہوتا ہے جو اس طرح بھی ممکن ہے کہ ایک ہی مجلس میں الگ الگ دے دے۔ اب روایات ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ قرآن کا صحیح مفہوم کیا ہے اور حق کدھر ہے۔

ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہونے کا ثبوت احادیث سے:

اگر آیت مذکورہ کا مطلب یہ ہوتا کہ تین طلاقیں ایک مجلس میں دینے سے واقع نہیں ہوتیں تو آپ ﷺ کے ارشادات سے یقیناً اس کی تائید ہوتی اس لئے کہ آپ کے ارشادات قرآن مجید کی تشریح ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔ **وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم** ۔ (ہم نے آپ کی طرف یہ قرآن اس لئے اتارا ہے کہ آپ لوگوں کے لئے اس کی توضیح فرمادیں جو ان کی طرف اتاری گئی ہے) حالانکہ اس باب میں حضور اکرم ﷺ کے جو ارشادات اور فیصلے کتب حدیث میں مذکور ہیں ان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، یہ الگ بات ہے کہ اس طرح طلاق دینا شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ کے خلاف ہے اور اس کی وجہ سے طلاق دینے والا گنہگار ہوتا ہے۔ اب آپ ﷺ کے ارشادات اور فیصلے ملاحظہ ہوں۔

(۱) اخبرنا سلیمان بن داؤد عن ابن وھب قال اخبرنا مخرمۃ عن ابیہ قال سمعت محمود بن لبید قال اخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجل طلق امرأتہ ثلث تطلیقات جمیعاً فقام غضباناً ثم قال یلعب بکتاب اللہ وانا بین اظھر کم حتی قام رجل وقال یا رسول اللہ الا اقتلہ (نسائی شریف ج ۲ ص ۹۹، (شکوٰۃ شریف ص ۲۸۴ باب المطلقۃ الثلاثا) (اغاثۃ اللھفان ص ۳۵۴)

ترجمہ۔ محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں اکٹھی دے دی ہیں، آنحضرت ﷺ نے غضبناک ہو کر تقریر فرمائی کہ کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کیا جارہا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں، آنحضرت ﷺ کا یہ غصہ دیکھ کر ایک صحابی کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا اسے قتل نہ کردوں؟

حدیث مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاقیں مجتمعاً واقع ہو جاتی ہیں اگر واقع نہ ہوتیں تو آنحضرت ﷺ غضب ناک نہ ہوتے اور فرمادیتے کوئی حرج نہیں رجوع کرلو۔ قاضی ابوبکر ابن العربی نے اس حدیث کے متعلق فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عویمر عجلانیؓ کی تین طلاقوں کی طرح (ان کا واقعہ آگے آرہا ہے) اس شخص کی بھی تین طلاقوں کو نافذ فرمادیا تھا۔ **فلم یردہ النبی ﷺ بل امضاہ کما فی حدیث عویمر العجلانی فی اللعان حیث امضیٰ طلاقہ الثلث ولم یردہ** (تھذیب سنن ابی داؤد طبع مصر ج ۳ ص ۱۲۹ از عمدۃ الاثاث)

ترجمہ۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اسے رد نہیں کیا بلکہ انہیں نافذ فرمادیا جس طرح عویمر عجلانی کی لعان والی حدیث میں ہے کہ آپ نے ان کی تین طلاقوں کو نافذ فرمادیا تھا اور رد نہیں کیا تھا۔ (بحوالہ معارف القرآن ج ۱ ص ۵۶۲ حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ۔

(۲) حدثنا علی بن محمد بن عبید الحافظ نا محمد بن شاذان الجوھری نامعلّی بن منصور نا سعیب بن رزیق ان عطاء الخرا سانی حدثھم عن الحسن قال فاعبد اللہ بن عمر انہ طلق

امرأته تطليقة وهي حائض ثم اراد ان يتبعها بتطليقتين اخريين عند القرائن فبلغ ذلك رسول الله ﷺ فقال يا ابن عمر ما هكذا امرك الله انك قد اخطأت السنة . والسنة ان تستقبل الطهر فيطلق لكل قروء قال فامرني رسول الله ﷺ فراجعتها ثم قال اذآ هي طهرت فطلق عند ذلك او امسك فقلت يارسول الله ارأيت لو اني طلقتها ثلثاً أكان يحل لي ان اراجعها قال لا . كانت تبين منك وتكون معصية (سنن دار قطني ج۲ ص۴۳۸)(زاد المعاد ج۴ ص ۲۵۷)(مصنف ابن ابی شيبة بحواله عيني شرح كنز ص ۱۴۱)(سنن دار قطني ج۴ ص ۳۱ مطبوعه قاهرة)

یعنی حضرت حسن کا بیان ہے کہ ہم سے حضرت ابن عمرؓ نے بیان فرمایا کہ انہوں نے اپنی اہلیہ کو حالت حیض میں ایک طلاق دے دی پھر ارادہ کیا کہ دوطہروں میں بقیہ دوطلاقیں دے دیں گے، حضور اقدس ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا اے ابن عمر! اس طرح اللہ نے تم کو حکم نہیں کیا ہے، تم نے سنت طریقہ کے خلاف کیا (کہ حالت حیض میں طلاق دے دی) سنت طریقہ یہ ہے کہ طہر کا انتظار کیا جائے اور ہر طہر میں ایک طلاق دی جائے اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے مجھے رجوع کرنے کا حکم فرمایا چنانچہ میں نے رجوع کرلیا پھر فرمایا جب وہ پاک ہوجائے تو تم کو اختیار ہے چاہو تو طلاق دے دینا یا اس کو روکے رکھنا، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں پھر میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! اگر میں نے تین طلاقیں دی ہوتیں تو کیا میرے لئے رجوع کرنا جائز ہوتا؟ حضور نے فرمایا نہیں اس صوت میں بیوی تم سے جدا ہوجاتی اور تمہارا یہ فعل (تین طلاقیں ایک ساتھ دینا) گناہ ہوتا (دار قطنی ج۲ ص ۴۳۸) اس حدیث میں آنحضور ﷺ نے صراحۃً فرمایا کہ اگر تم نے تین طلاقیں دی ہوتیں تو رجوع کرنا جائز نہ ہوتا اسی بنیاد پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وقوع طلاق ثلث کا فتوی دیا کرتے تھے اور اس کی نسبت حضور اکرم ﷺ کی طرف کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو۔

وقال الليث عن نافع كان ابن عمر اذا سئل عمن طلق ثلاثا قال لو طلقت مرة او مرتين (لكان لك الرجعة) فان النبي صلى الله عليه وسلم امرني بهذا (اى بالمراجعة) فان طلقها ثلاثا حرمت حتى تنكح زوجاً غيره .

ترجمہ:۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے جب اس شخص کے متعلق فتوی دریافت کیا جاتا جس نے تین طلاقیں دی ہوں، تو فرماتے اگر تو نے ایک یا دو طلاق دی ہوتی (تو رجوع کرسکتا تھا) اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے مجھ کو اس کا (یعنی رجعت کا) حکم دیا تھا لہذا اگر تین طلاق دے دے تو عورت حرام ہوجائے گی یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے (اور دوسرا شوہر اپنی مرضی سے طلاق دے دے یا اس کا انتقال ہوجائے تو عدت گذرنے کے بعد پہلے شوہر کے لئے حلال ہوجائے گی)(بخاری شریف ج۲ ص ۷۹۲ باب من اجاز طلاق الثلث نیز ج۲ ص ۸۰۳)

مسلم شریف میں بھی آپ کا فتوی منقول ہے۔

وكان عبدالله اذا سئل عن ذلك قال لا حدهم اما انت طلقت امرأتك مرة او مرتين فان رسول الله صلى الله عليه وسلم امرني بهذا وان كنت طلقتها ثلاثاً فقد حرمت عليك حتى

تنکح زوجاً غیرک وعصیت الله فیما امرک من طلاق امرأتک (مسلم شریف ج ۱ ص ۴۷۶ باب طلاق الثلث)

صحیحین کی مذکورہ روایت میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ فرمان'' فان'' رسول الله صلی الله علیه وسلم امرنی بهذا'' اس مذکورۃ الصدر واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو اوپر مفصل دارقطنی کے حوالہ سے ذکر کیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ان دونوں فتووں سے جن کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے دارقطنی کی روایت کی تائید ہوتی ہے۔

دارقطنی کی اس روایت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ امام بیہقی نے فرمایا ہے کہ اس میں عطا خراسانی نے چند زیادتیاں کی ہیں اور ان میں کسی نے ان کی موافقت نہیں کی اور عطا خراسانی خود ضعیف ہیں جس روایت کو یہ بیان کریں وہ مقبول نہیں ہوتی۔ مگر علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ امام بیہقی کا اسے ضعیف کہنا مردود ہے کیونکہ عطاء خراسانی کی موافقت سند اور متن دونوں میں شعیب ابن رزیق نے کی ہے جسے طبرانی نے نقل کیا ہے۔ (تفسیر مظهری عربی ج ۱ ص ۳۰۱، اردو ج ۱ ص ۴۹۵)(فتح القدير ج ۳ ص ۳۲۸ كتاب الطلاق باب طلاق السنة).

عطاء خراسانی کے متعلق محدث جلیل علامہ حبیب الرحمٰن اعظمی دامت برکاتہم کی تحقیق بھی ملاحظہ ہو۔

''اکابر حدیث و ماہرین رجال وائمہ مسلمین نے ان سے (عطاء خراسانی سے) روایت کی ہے بلکہ ان کے شاگردوں میں ایسے حضرات بھی ہیں جن کا کسی سے روایت کر لینا اس کی ثقاہت کی کافی سند ہے جیسے شعبہ و مالک اور ان کے علاوہ امام ابو حنیفہ، معمر، سفیان ثوری، امام اوزاعی نے بھی ان سے روایت کی ہے اور ماہرین رجال میں سے وہ لوگ جن کی شرطیں بہت سخت ہیں ان لوگوں نے عطاء کی توثیق کی ہے مثلاً امام نسائی نے ان کو لا بأس به کہا ہے اور ابو حاتم نے ثقہ صحیح بہ (یعنی معتبر اور ان سے حجت پکڑنا جائز) کہا ہے۔ (ان حضرات کے علاوہ امام احمد اور ابن معین اور عجلی نے کہا ہے ثقہ اور یعقوب بن شیبہ نے کہا ہے ثقة معروف بالفتوى والجهاد (معتبر ہیں فتویٰ اور جہاد میں مشہور ہیں) اور دار قطنی نے کہا ثقة فی نفسه الا انه لم يدرک ابن عباس (بجائے خود ثقہ ہیں مگر انہوں نے ابن عباس کو نہیں پایا ہے) اور ترمذی نے کہا عطاء ثقة روى عنه مالک ومعمر ولم اسمع احداً من المتقدمين تكلم فيه (یعنی عطاء ثقہ معتبر ہیں ان سے مالک و معمر نے حدیث سنی ہے اور میں نے سنا ہی نہیں کہ متقدمین میں سے کسی نے عطاء کے بارے میں کلام کیا ہو) اور ترمذی نے ان کی بعض احادیث کو حسن صحیح کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے بھی القول المسدد ص ۴۵ میں عطاء کی ایک روایت کو قوی کہا ہے۔ بخاری کے سوا جملہ اصحاب صحاح نے ان کی روایتیں لی ہیں اور امام مسلم نے تو احتجاج بھی کیا ہے۔ الیٰ قولہ حاصل کلام یہ کہ حدیث مذکور کی اسناد قوی ہے اور اس حدیث سے احتجاج صحیح ہے اور بعض لوگوں نے اس کی اسناد میں جو کلام کیا ہے نہایت لغو اور اصول محدثین سے ناواقفیت پر مبنی ہیں'' (اعلام مرفوعہ ص ۹، ۱۰)

(۳) حدثنا احمد بن محمد بن سعيدنا يحيىٰ بن اسما عيل الجريري نا حسين بن اسماعيل الجريري نا يونس بن بكير نا عمر و بن شمر عن عمران بن مسلم و ابراهيم بن عبدالا على عن سويد غفلة قال لما مات علي رضي الله عنه جاء ت عائشة بنت خليفة الخثعمية امرأة الحسن بن علي فقالت له لتهنک الا مارة فقال لها تهنيني بموت امير المؤمنين انطلقي فانت طالق ثلاثاً فتقنعت بثو بها او قالت انی لم ارد الا خيراً فبعث اليها بمتعة عشرة آلاف وبقية صداقها

فلما وضع بین یدیھا بکت وقالت متاع قلیل من جیب مفارق فاخبرہ الکرسلو فبکی وقال لو لا انی ابنت الطلاق لھا لراجعتھا لکنی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ایما رجل طلق امرأتہ ثلاثاً عند کل طھر تطلیقۃ او عند رأس کل شھر تطلیقۃ او طلقھا ثلاثا جمیعا لم تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ (سنن دار قطنی ج ۲ ص ۴۳۸ کتاب الطلاق والخلع والا یلاء.)(بیھقی ج ۷ ص ۳۳۶ باب ماجآء فی امضاء الطلاق الثلاث) اس کی سند کے متعلق ابن رجب فرماتے ہیں " اسنادہ صحیح" کہ اس کی سند صحیح (بحوالہ الاشفاق) اس روایات کو طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ایک موقع پر اپنی بیوی عائشہ خثعمیہ کو اس لفظ سے طلاق دی انطلقی فانت طالق ثلثاتو چلی جا تجھ کو تین طلاق ہے، عائشہ چلی گئیں ،بعد میں حضرت حسنؓ کو معلوم ہوا کہ عائشہ کو جدائی کا بہت غم ہے تو روئے اور فرمایا "اگر میں نے بائنہ طلاق نہ دی ہوتی تو رجوع کر لیتا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے (اور ایک دوسری روایت میں ہے اگر میں نے اپنے والد سے اور انہوں نے میرے جدامجد آنحضرت ﷺ سے نہ سنا ہوتا) کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق اس طرح دے کہ ہر طہر میں ایک طلاق دے یا ہر مہینہ کے شروع میں ایک طلاق دے یا تین طلاق ایک ساتھ دے دے تو جب تک وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے پہلے کے لئے حلال نہیں ہو سکتی (اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فیصلہ نہ سنا ہوتا تو میں رجوع کر لیتا۔)

(۴) حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں ہے فلما فرغا قال عویمر کذبت علیھا یا رسول اللہ ان امسکتھا طلقھا ثلاثا یعنی جب حضرت عویمرؓ اور ان کی بیوی لعان سے فارغ ہو گئے تو حضرت عویمرؓ نے فرمایا اگر اب میں اس کو اپنے ساتھ رکھوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے جھوٹ بولا، پھر انہوں نے اپنی اہلیہ کو تین طلاقیں دے دیں (بخاری شریف ج ۲ ص ۷۹۱ باب من اجاز طلاق الثلث . نیز ج ۲ ص ۸۰۰)(مسلم شریف ج ۱ ص ۴۸۹)(نسائی شریف ج ۲ ص ۸۱ باب الرخصۃ فی ذلک ای الثلاث المجموعہ) (ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۳۱۲)(موطا امام مالک ص ۲۰۲)

حضرت عویمر عجلانیؓ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں واقع کیں ،اور کسی بھی روایت میں یہ وارد نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے نکیر فرمائی ہو اور تین کو ایک قرار دیا ہو۔ حضور ﷺ کا سکوت فرمانا وقوع طلاق ثلاثہ کی بین دلیل ہے، اور اتنی واضح دلیل ہے کہ ابن حزم ظاہریؒ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا " ولولا وقوع الثلاث مجموعۃ لا نکر ذلک علیہ" اگر ایک ساتھ تین طلاق واقع نہ کرنا صحیح نہ ہوتا حضور ﷺ ضرور اس پر نکیر فرماتے ۔اور بخاریؒ نے بھی اس حدیث کو "باب من اجاز طلاق الثلاث" میں ذکر کیا ہے۔ گویا امام بخاریؒ اس حدیث سے طلاق ثلاثہ کا وقوع تسلیم کرتے ہیں اور بطور استدلال اس حدیث کو اس باب میں ذکر فرمارہے ہیں۔ امام نسائی نے پہلے ایک باب قائم فرمایا " الثلاث المجموعۃ و ما فیہ من التغلیظ" اور اس کے بعد باب قائم فرمایا " باب الرخصۃ فی ذلک " اور اس دوسرے باب میں حضرت عویمرؓ کی مذکورہ حدیث کو بیان کیا۔ ابوداؤد نے بھی اس کی روایت کی ہے اور ایک دوسری روایت میں جو حضرت عویمرؓ کے واقعہ ہی کے متعلق ہے اس میں یہ بھی تصریح ہے۔

عن ابن شهاب عن سهل بن سعد في هذا الخبر قال: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فانفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم.

یعنی عویمرؓ نے اپنی اہلیہ کو حضور کے سامنے تین طلاقیں دے دیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو نافذ فرمادیا (تین کو ایک قرار نہیں دیا) (ابوداؤد شریف ج اص ۳۱۳ باب اللعان)

(۵) حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث جو سنن ابن ماجہ میں ذکر کی گئی ہے اور ابن ماجہ نے خود اس حدیث سے ایک مجلس کی تین طلاقوں کے وقوع پر استدلال کیا ہے انہوں نے ایک باب کا عنوان یہ قائم کیا ہے " باب من طلق ثلاثاً في مجلس واحد" (یعنی یہ باب ہے اس شخص کے بارے میں جس نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں) اور اس باب میں یہ حدیث ذکر کی ہے " حدثنا محمد ...... عن عامر الشعبي قال قلت لفاطمة بنت قيس حدثيني عن طلاقك قالت طلقني زوجي ثلاثاً وهو خارج الى اليمن فاجاز ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم " یعنی عامر شعبی کہتے ہیں میں نے فاطمہ بنت قیسؓ سے کہا کہ اپنی طلاق کا قصہ مجھ سے بیان کیجئے۔ انہوں نے کہا میرے شوہر یمن گئے ہوئے تھے وہیں سے انہوں نے مجھ کو تین طلاقیں بھیج دیں۔ آنحضور ﷺ نے ان تینوں طلاقوں کے واقع ہوجانے کا فتوی دیا (ابن ماجہ ص ۱۴۷)

حضرت فاطمہ بنت قیسؓ والے اس واقعہ کو نسائی نے بھی " باب الرخصة في ذلك" (اى الثلاث المجموعة) میں اس سند سے ذکر کیا ہے۔ قال حدثني ابو سلمة قال حدثتني فاطمة بنت قيس ان ابا عمرو بن حفص المخزومي طلقها ثلاثاً فانطلق خالد بن الوليد في نفر من مخزوم الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله ان ابا عمرو بن حفص المخزومي طلق فاطمة ثلاثا الخ (نسائي شريف ج ۲ ص ۸۲) ابوداؤد نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے (ج ۱ ص ۳۱۹)

دارقطنی میں بھی یہی روایت ان الفاظ سے مروی ہے۔ حدثنا ابو عبيد القاسم بن اسماعيل ... نا سلمة بن ابي سلمة عن ابيه انه ذكر عنده ان الطلاق الثلاث بمرة مكروه فقال طلاق حفص بن عمرو بن المغيرة فاطمة بنت قيس بكلمة واحدة ثلاثاً فلم يبلغنا ان النبي صلى الله عليه وسلم عاب ذلك عليه (دار قطني ج ۲ ص ۴۲۹ ص ۴۳۰ كتاب الطلاق والخلع الخ)

خلاصہ یہ کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی متعدد روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ فاطمہ کو ان کے شوہر نے تین طلاقیں ایک ہی وقت میں دی تھیں اور حضور اقدس ﷺ نے ان کو تین ہی گردانا تھا۔ علامہ ابن حزم نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے اور جن روایتوں سے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے ان کا جواب دیا ہے (محلی ج ۱۰ ص ۱۷۱-۱۷۲ کتاب الطلاق)

(۶) دارقطنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ عن علي قال سمع النبي صلى الله عليه وسلم رجلاً طلق البتة فغضب وقال تتخذون آيات الله هزواً. و دين الله هزواً ولعباً من طلاق البتة الزمناه ثلاثاً لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره (سنن دارقطني ج ۲ ص ۴۳۳ كتاب اطلاق والخلع) (اغاثة اللهفان ص ۳۵۶)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی شخص کے متعلق سنا کہ انہوں نے ''طلاق البتہ'' دی ہے (لفظ البتہ سے ایک طلاق مراد ہوتی ہے اور تین طلاقوں کی بھی نیت ہوسکتی ہے) حضور اکرم غضبناک ہوگئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو کھیل اور مذاق بناتے ہیں جو کوئی طلاق البتہ دے گا ہم اس کے ذمہ تین لازم کردیں گے (پھر وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی) یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے (دار قطنی ج ۲ ص ۴۳۳۔)

غور کیجئے! حضور ناراض ہوئے مگر اس کے باوجود فرمایا کہ جو طلاق البتہ دے گا ہم تین لازم کردیں گے۔ اسی کی تائید میں ایک اور روایت ملاحظہ کیجئے۔

(۷) دار قطنی میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ محمد بن مخلد قال سمعت معاذ بن جبل رضی الله عنه يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول يا معاذ من طلق للبدعة واحدة او اثنتين او ثلثاً الزمناه . یعنی! حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص بدعی طریقے پر طلاق دے گا چاہے ایک طلاق دے یا دو طلاقیں یا تین طلاقیں دے گا تو ہم وہ اس پر لازم کردیں گے۔ (دار قطنی ج ۲ ص ۴۴۳، ۴۴۴ ایضاً) (اغاثة اللهفان ص ۳۵۵، ۳۵۶).

(۸) عن ابراهيم بن عبيد الله بن عبادة بن الصامت عن ابيه عن جده قال طلق بعض آبائي امرأته الفاً فانطلق بنوه الى رسول الله ﷺ فقالوا يا رسول الله (ﷺ) ان ابانا طلق امنا الفاً فهل له من مخرج فقال ان اباكم لم يتق الله فيجعل له من امره مخرجاً بانت منه بثلاث على غير السنة وتسع مائة وسبعة وتسعون اثم في عنقه (دار قطنی ج ۲ ص ۴۳۳ ایضاً) (زاد المعاد ج ۳ ص ۳۳۰).

مصنف عبدالرزاق میں یہ روایت بایں الفاظ مروی ہے۔ عن عبادة بن الصامت ان اباه طلق امرأته الف تطليقة فانطلق عبادة فسأ له صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم بانت بثلاث في معصية الله تعالىٰ وبقي تسعما ئة وسبع وتسعون عدواناً وظلما ان شاء عذبه الله وان شاء غفرله (مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۹۳) (فتح القدير ج ۳ ص ۳۳۰)

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ان کے والد نے اپنی زوجہ کو ہزار طلاقیں دے ڈالیں، حضرت عبادہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس کی بیوی تین طلاقوں سے بائن ہوگئی اور نوسوستانوے ۹۹۷ ظلم اور عدوان ہوئیں، اللہ چاہے تو اس ظلم کی سزا دے اور اگر چاہے تو معاف کردے (یہ حدیث طبرانی نے بھی روایت کی ہے)۔

دار قطنی نے بعض جدی روایت کیا ہے اور مصنف عبدالرزاق میں بعض آبائی ہے۔ فتح القدیر میں علامہ ابن ہمامؒ نے بھی مصنف عبدالرزاق سے نقل کیا ہے۔ قرین قیاس یہی ہے کہ یہ واقعہ حضرت عبادہ کے والد کا ہوگا۔[1]

بہر حال واقعہ جس کا بھی ہو معاملہ بالکل ظاہر ہے کہ ایک دم ہزار طلاقیں دے دی تھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے وقوع ثلاثہ کو تسلیم فرمایا اور بقیہ کو گناہ قرار دیا۔

(۱) مگر حضرت عبادۃ کے والد کا شمار صحابہ میں سے نہیں ہے۔

(۹) امام بخاریؒ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ ان رجلاً طلاق امرأته ثلاثاً فتزوجت فطلق فسئل النبی صلی اللہ علیه وسلم اتحل للأول قال لا حتی يذوق عسيلتها كما ذاق الاول (بخاری شریف ج۲ ص ۷۹۱ باب من اجاز طلاق الثلاث) (مسلم شریف).

یعنی ایک آدمی نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دیں پھر اس نے دوسرے سے نکاح کر لیا اس نے صحبت کئے بغیر طلاق دے دی، آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ پہلے خاوند کے لئے یہ عورت حلال ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب تک دوسرا شوہر صحبت نہ کرلے پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی۔ (بخاری و مسلم)

یہ حدیث طلاق ثلاثہ کے بیک وقت نافذ ہونے میں ظاہر ہے۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے۔

فالتمسک بظاهر قوله طلقها ثلاثاً فانه ظاهر فی کونها مجموعة (ج۹ ص ۳۲۱ باب من اجاز طلاق الثلث). (عمدة القاری شرح) صحیح بخاری میں ہے:۔

مطابقته للترجمة فی قوله طلق امرأته ثلاثاً فانه ظاهر فی کونها مجموعة (ج۱۰ ص ۲۳۷) سنن کبریٰ میں ''باب امضاء الثلاث وان کن مجموعات'' کے ماتحت حدیث لائے ہیں:۔

عن عائشة رضی الله عنها ان رجلاً طلاق ثلاثاً فتزوجت فسئل النبی صلی الله علیه وسلم أتحل للأول قال لا حتی تذوق عسیلته کما ذاق الاول (ج۷ ص ۳۳۴)

(۱۰) عن صفوان بن عمر الطائی ان امرأة کانت تبغض زوجها فوجدته نائما فاخذت شفراة وجلست علی صدره ثم حرکته وقالت لتطلقنی ثلاثاً اولا ذبحنک فنا شدها الله فابت فطلقها ثلاثاً ثم جاء الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فسأله عن ذلک فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا قیلولة فی الطلاق. رواه محمد باسناده (زجاجة المصابیح ج۲ ص ۲۷۴ باب الخلع والطلاق) (انوار السنن ص ۱۸۴)

صفوان بن عمر سے روایت ہے کہ ایک عورت کو خاوند ناپسند تھا (ایک مرتبہ) اس کو سوتا ہوا پاکر اس کی سینے پر بیٹھ گئی اور چھری اس کے سینے پر رکھ کر کہنے لگی کہ مجھے تین طلاقیں دے دے ورنہ تجھے ذبح کردوں گی، خاوند نے قسم دی کہ میں تجھے بعد میں طلاق دے دوں گا لیکن اس نے انکار کردیا (مجبور ہو کر) اس نے عورت کو تین طلاقیں دے دیں۔ اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور مسئلہ پوچھا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''طلاق میں چشم پوشی نہیں۔'' تلک عشرة کاملة.

غیر مقلدوں کے مستدلات پر ایک نظر

(۱) حدیث ابن عباسؓ:

آثار صحابہ نقل کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غیر مقلدین جن دو حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں اس کے متعلق کچھ عرض کر دیا جائے۔ پہلی حدیث مسلم شریف کے حوالہ سے نقل کی جاتی ہے اس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ اس کا مضمون یہ ہے۔

''ابوالصہباء نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ عہد نبوی اور عہد صدیقی میں اور عہد فاروقی کے ابتداء میں تین طلاقیں ایک تھیں، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہاں۔ لیکن جب لوگ نے بکثرت طلاق دینا شروع کیا۔ تو حضرت عمرؓ نے تینوں کو نافذ کر دیا۔'' (مسلم شریف)

پہلا جواب:

اس کا یہ ہے کہ یہ حدیث ابوداؤد نے بھی روایت کی ہے اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت غیر مدخولہ کے متعلق ہے۔ عام نہیں ہے۔

عورتیں دو قسم کی ہیں (۱) غیر مدخولہ (جس کے ساتھ ہم بستری نہ ہوئی ہو) (۲) مدخولہ (جس کے ساتھ صحبت ہو چکی ہو) غیر مدخولہ عورت کو اگر الگ الگ لفظوں میں اس طرح طلاق دی جائے ''تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے۔'' تو پہلے ہی لفظ سے وہ بائنہ ہو جاتی ہے یعنی نکاح سے نکل جاتی ہے اور ایسی عورت پر عدت بھی لازم نہیں ہوتی۔ جب یہ عورت پہلے ہی لفظ سے بائنہ ہوگی اور اس پر عدت بھی نہیں تو اس کے بعد وہ طلاق کا محل نہ رہی اس بنا پر دوسری اور تیسری طلاق لغو ہوتی ہے اسی اعتبار سے حدیث میں کہا گیا کہ اگر تین طلاق دی جائیں تو ایک شمار ہوتی۔ حضور اکرم ﷺ، صدیق اکبرؓ اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی سالوں میں غیر مدخولہ کو طلاق دینے کا یہی طریقہ تھا مگر بعد میں لوگوں نے جلد بازی شروع کر دی اور ایسی غیر مدخولہ کو ایک ساتھ ایک لفظ میں تین طلاق دینے لگے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب تین طلاق ہی ہوں گی (کہ انت طالق ثلثا کہہ کر طلاق دی ہے اور یہ لفظ نکاح قائم ہونے کی حالت میں بولا ہے) (ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۳۰۶)[۱]

دوسرا جواب:

حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانہ میں جب انت طالق، انت طالق، انت طالق کہا جاتا تو عموماً لوگوں کی دوسری اور تیسری طلاق سے تاکید کی نیت ہوتی، استیناف کی نیت نہ ہوتی تھی

---

(۱) عن طاؤس من ان رجلا یقال له ابو الصهباء كان كثير السوال كان اذا طلق امرأته ثلاثا قبل ان يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابى بكر وصدر امن امارة عمر قال ابن عباس بلى كان الرجل ان طلق امرأته ثلاثا قبل ان يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابى بكر وصدرا من امارة عمر فلما رأى الناس قد تتابعوا فيها قال اجيزوهن عليهم باب بقية نسخ المراجعة بعقد التطليقات الثلث.

اوراس زمانہ میں لوگوں میں تدین اورتقویٰ ،خوف آخرت اورخوف خدا غالب تھا، دنیا کی خاطر دروغ بیانی کا خطرہ تک دل میں نہ آتا تھا، آخرت میں جوابدہی اورآخرت کے عذاب کا اتنا استحضار رہتا کہ مجرم بذات خود حاضر ہوکر اپنے جرم کا اقرار کرتا اوراپنے اوپر شرعی حد جاری کرنے کی درخواست کرتا اس بناء پر ان کی بات پر اعتماد کر کے ایک طلاق کا حکم کیا جاتا اسی اعتبار سے حدیث میں کہا گیا ہے کہ اس زمانہ میں تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں ۔مگر جیسے جیسے عہد نبوی سے بعد ہوتا گیا اور بکثرت عجمی لوگ بھی حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے ان میں تقویٰ وخوف آخرت کا معیار کم ہونے لگا اور پہلے جیسی سچائی ،امانت داری اور دیانت داری نہ رہی دنیا اور عورت کی خاطر دروغ بیانی ہونے لگی جس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے:

حضرت عمرؓ کے پاس عراق سے ایک سرکاری خط آیا کہ یہاں ایک شخص نے اپنی بیوی کو یہ جملہ کہا ہے **حبلک علی غاربک** (تیری رسی تیری گردن پر ہے) عمر بن خطابؓ نے اپنے عامل کو لکھا کہ " **ان مرہ ان یوفینی بمکۃ فی الموسم**" اس کو کہو کہ حج کے زمانہ میں مکہ مکرمہ میں مجھ سے ملے ،حضرت عمرؓ حج کے زمانہ میں کعبہ کا طواف کررہے تھے کہ اس آدمی (عراقی) نے آپ سے ملاقات کی اور سلام کیا حضرت عمرؓ نے فرمایا **من انت** تم کون ہو؟ اس نے کہا **انا الرجل الذی امرت ان اجلب علیک** میں وہی ہوں جس کو آپ نے حج کے زمانہ میں طلب فرمایا تھا۔حضرت عمرؓ نے فرمایا تجھے رب کعبہ کی قسم سچ بتا " **حبلک علیٰ غاربک** " سے تیری کیا نیت تھی؟ اس شخص نے کہا " **یا امیر المؤ نین لو استحلفتنی فی غیر ھذا الموضع ما صدقتک اردت بھذا الفراق** " اے امیر المؤمنین آپ نے اگر اس مبارک جگہ کے علاوہ کسی اور جگہ قسم لی ہوتی تو میں صحیح نہ بتاتا حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس جملہ سے فراق کا یعنی عورت کو اپنے نکاح سے الگ کرنے کا ارادہ کیا تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا عورت تیرے ارادے کے مطابق تجھ سے علیحدہ ہوگئی (موطا امام مالک ص ۲۰۰ ما جاء فی الخلیۃ والبریۃ واشباہ ذلک)

غور کیجئے ! یہ عراقی ایک عورت کے لئے جھوٹی قسم کھانے کے لئے اور دروغ بیانی کے لئے تیار تھا مگر کعبۃ اللہ اور حرم شریف کی عظمت وتقدس کا خیال رکھتے ہوئے کذب بیانی سے احتراز کیا۔حضرت عمرؓ نے عوام کی جب یہ حالت دیکھی نیز آپ کی نظر اس حدیث پر بھی تھی ۔ **اکرموا اصحابی ثم الذی یلونھم ثم الذین یلو نھم ثم یظھر الکذب.** یعنی جیسے جیسے عہد نبوت سے دوری ہوتی جائے گی دینداری کم ہوتی رہے گی اور کذب ظاہر ہوجائے گا ۔حضرت عمرؓ نے موجودہ اور آئندہ حالات کو پیش نظر رکھ کر صحابہ سے مشورہ کیا کہ جب ابھی یہ حالت ہے تو آئندہ کیا حالت ہوگی لوگ عورت کو الگ کردینے کی نیت سے تین طلاقیں دیں گے اور پھر غلط بیانی کر کے کہیں گے کہ ہم نے ایک طلاق کی نیت کی تھی ۔آپ نے اس چور دروازے کو بند کرنے کے لئے فیصلہ کیا کہ لوگوں نے ایسی چیز میں جلد بازی شروع کردی جس میں انہیں دیر کرنا چاہئے تھی اب جو شخص تین مرتبہ طلاق دے گا ہم اسے تین ہی قرار دیں گے۔ صحابہ کرام نے اس فیصلہ سے اتفاق کیا اور کسی ایک نے بھی حضرت عمرؓ کی مخالفت نہ کی ۔چنانچہ امام طحاویؒ لکھتے ہیں:۔

"**فخاطب عمر رضی اللہ عنہ بذلک الناس جمیعاً وفیھم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورضی عنھم الذین قد علموا ما تقدم من ذلک فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم ینکرہ علیہ منھم منکر ولم یدفعہ دافع.**"

حضرت عمرؓ نے اس کے ساتھ سب لوگوں کو خطاب کیا ان میں وہ صحابہ کرام بھی تھے جو اس بات سے واقف تھے کہ مطلقہ ثلاث کا عہد نبوی میں کیا حکم تھا پھر بھی ان میں سے کسی نے انکار نہیں کیا اور حضرت عمرؓ کے ارشاد کو رد نہیں کیا۔ (طحاوی شریف ج ۲ ص ۲۹ باب الرجل یطلق امرأتہ ثلاثا معا)

محقق علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:۔ **لم ينقل عن احد منهم انه خالف عمر حين امضى الثلاث وهي يكفي في الاجماع** یعنی کسی ایک صحابی سے بھی یہ منقول نہیں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے صحابہ کی موجودگی میں تین طلاق کا فیصلہ کیا ان میں سے کسی ایک نے بھی حضرت عمرؓ کا خلاف کیا ہو۔ اور اس قدر بات اجماع کے لئے کافی ہے (حاشیہ ابوداؤد ج ۱ ص ۳۰۶ باب بقیۃ نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلث)۔

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"فاختلف العلماء في جوابه وتاويله فالأصح ان معناه انه كان في الامر الاول اذا قال لها انت طالق انت طالق انت طالق ولم ينو تاكيداً ولا استينافاً يحكم بطلقة لقلة ارادتهم الاستيناف بذلك فحمل على الغالب الذى هو ارادة التاكيد فلما كان في زمن عمر رضى الله عنه وكثر استعمال الناس بهذه الصيغة وغلب منهم ارادة الاستيناف بها حملت الاطلاق على الثلاث عملاً بالغالب السابق الى الفهم(نووى ج ۱ ص ۴۷۸ باب طلاق الثلاث)

یعنی: حدیث ابن عباس کی بالکل صحیح تاویل اور اس کی صحیح مراد یہ ہے کہ شروع زمانہ میں جب کوئی **انت طالق، انت طالق، انت طالق** کہہ کر طلاق دیتا تو عموماً اس زمانہ میں دوسری اور تیسری طلاق سے تاکید کی نیت ہوتی تھی۔ استیناف کی نیت نہ ہوتی تھی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور لوگوں نے اس جملہ کا استعمال بکثرت شروع کر دیا اور عموماً ان کی نیت طلاق کی دوسرے اور تیسرے لفظ سے استیناف ہی کی ہوتی تھی اس لئے اس جملہ کا جب کوئی استعمال کرتا تو عرف کی بنا پر تین طلاقوں کا حکم کیا جاتا (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۴۷۸)

یہ ہے حدیث ابن عباس کا مطلب محدثین کی نظر میں۔ اور یہی تشریح اور مقصد صحیح ہے۔ جو مطلب غیر مقلدین بیان کرتے ہیں وہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ راوی حدیث حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے خود تین طلاقوں کے نفاذ کا فتویٰ دیا ہے جو ہم انشاء اللہ عنقریب مفصل ذکر کریں گے۔

علامہ ابن قیمؒ نے بھی باوجود اس تشدد و تصلب کے جو ان کو اس مسئلہ میں تھا حضرت ابن عباسؓ کے اس فتویٰ کا کہ "ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہیں اور اس کے بعد رجعت جائز نہیں" انکار نہیں کیا بلکہ اس فتویٰ کی ثابت ہونے کا صاف اقرار کیا ہے لکھتے ہیں۔ **فقد صح بلاشك عن ابن مسعود وعلى وابن عباس الالزام بالثلاث ان اوقعها جملة** " یعنی حضرت ابن مسعود، حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین سے اکٹھی تین طلاقوں کا لازم کرنا بے شک وشبہ ثابت ہے (اغاثة اللهفان ص ۱۷۹) اور ایسا ہی اعلام الموقعین میں بھی ہے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابن عباسؓ کے فتویٰ کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔

(۲) حدیث رکانہؓ:

غیر مقلدوں کو حدیث رکانہؓ پر بڑا ناز ہے مگر خود حضرت رکانہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے اپنی بیوی کو لفظ ''البتۃ'' سے طلاق دی تھی (جس میں ایک سے تین طلاقوں تک کی گنجائش ہے ایک طلاق کی نیت ہو تو ایک اور تین کی نیت ہو تو تین واقع ہوتی ہیں) پھر آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع دی اور حضرت رکانہ نے کہا واللہ ما اردت الا واحدۃ (خدا کی قسم میں نے لفظ البتۃ سے ایک ہی طلاق کی نیت کی ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا واللہ ما اردت الا واحدۃً (اللہ کی قسم تم نے ایک ہی طلاق کی نیت کی تھی؟) تو حضرت رکانہؓ نے کہا واللہ ما اردت الا واحدۃً۔ تب آنحضور ﷺ نے فرمایا جو تم نے نیت کی ہے اسی کا اعتبار ہے۔ حدیث رکانہ یہ ہے:۔

عن عبداللہ بن یزید بن رکانہ عن ابیہ عن جدہ قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت یا رسول اللہ انی طلقت امرأتی البتۃ فقال ما اردت بھا قلت واحدۃً قال واللہ قلت واللہ قال فھو ما اردت (ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۴۰ باب فی الرجل طلق امرأتہ البتتہ)۔

وفی سنن ابن ماجہ : عن عبد اللہ بن علی بن زیدبن رکانہ عن ابیہ عن جدہ انہ طلق امرأتہ البتۃ فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسألہ فقال ما اردت بھا؟ قال واحدۃً: قال واللہ ما اردت بھا الا واحدۃً؟ قال واللہ ما اردت بھا الا واحدۃً قال فردھا علیہ (ابن ماجہ شریف ج ۱ ص ۱۴۹ مجتبائی دھلی باب طلاق البتتہ)(ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۳۰۷ مجتبائی)

اگر ایک ہی طلاق واقع ہوتی تو قسم دے کر ایک طلاق کی نیت متعین کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ حضور فرمادیتے ایک کی نیت ہو یا تین کی، ایک ہی شمار ہوگی، سوال وجواب اور قسم لینے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر تین کی نیت ہوتی تو تین واقع ہو جاتیں لہٰذا یہ بات قطعاً غلط ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے ایک واقع ہوتی ہے۔

مذکورہ حدیث کی امام ابوداؤد، ابن حبان، حاکم، دارقطنی، اور طنافسی نے تصحیح کی ہے اس کے بالمقابل غیر مقلد اپنے دعویٰ کے ثبوت میں مسند احمد کی جو حدیث پیش کرتے ہیں وہ قابل استدلال نہیں ہے اس لئے کہ کسی محدث نے اس کی تصحیح وتحسین نہیں کی ہے بلکہ اس کی تضعیف کی ہے اور اس کو حد درجہ کمزور بتایا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص میں اس حدیث کو ذکر کر کے فرمایا ہے ''وھو معلول ایضاً'' یہ حدیث بھی معلول یعنی ضعیف ہے (ص ۳۱۹) اور حافظ ذہبی نے بھی اس کو داؤد بن الحصین کے مناکیر میں شمار کیا ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے بلوغ المرام میں یہ روایت نقل کر کے لکھا ہے ''وقدروی ابو داؤد من وجہ آخر احسن منہ ان رکانۃ طلق امرأتہ سھیمۃ البتتہ'' یعنی ابوداؤد نے ایک دوسرے طریقے سے جو مسند احمد کے طریقہ سے بہتر ہے روایت کیا ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی سہیمہ کو لفظ ''البتۃ'' سے طلاق دی تھی (بلوغ المرام ص ۱۲۹) امام ابوداؤد فرماتے ہیں وحدیث نافع بن عجیر وعبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ عن ابیہ عن جدہ ان رکانۃ طلق امرأتہ البتۃ فردھا الیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصح لانھم ولد الرجل واھلہ اعلم بہ ان رکانۃ انما طلق امرأتہ البتۃ فجعلھا النبی صلی اللہ علیہ

وسلم واحدۃ.

یعنی: نافع بن عجیر کی روایت کہ "رکانہؓ نے اپنی اہلیہ کو لفظ "البتۃ" سے طلاق دی اور حضور نے ان کی طرف ان کی اہلیہ کو واپس کر دیا" یہ روایت زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ اس روایت کے راوی خود حضرت رکانہ کی اولاد (یعنی گھر والے) ہیں اور گھر والے گھر میں پیش آنے والے معاملات کو بہتر جانتے ہیں ان کا بیان یہ ہے کہ رکانہ نے اپنی اہلیہ کو لفظ "البتۃ" سے طلاق دی تھی جس کو حضور نے (قسم لینے کے بعد) ایک قرار دیا (ابو داؤد شریف ص ۳۰۶ باب بقیۃ نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلث)

امام نووی شارح مسلم شریف فرماتے ہیں:- واما الروایۃ التی رواھا المخالفون ان رکانۃ طلقھا ثلاثاً فجعلھا واحدۃ فروایۃ ضعیفۃ عن قوم مجھولین وانما الصحیح منھا ما قدمنا انہ طلقھا البتۃ ولفظ البتۃ محتمل للواحدۃ والثلاث ولعل صاحب ھذہ الروایۃ الضعیفۃ اعتقد ان لفظ البتۃ یقتضی الثلاث فرواہ بالمعنی الذی فھمہ وغلط فی ذلک (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۴۷۸ باب طلاق الثلاث)

یعنی: رہی وہ روایت جس کو مخالفین بیان کرتے ہیں کہ حضرت رکانہؓ نے تین طلاقیں دی تھیں اور حضور نے اس کو ایک قرار دیا یہ روایت ضعیف ہے مجہول راویوں سے مروی ہے اور حضرت رکانہ کی طلاق کے سلسلہ میں صحیح روایت وہی ہے جس کو ہم نے پہلے بیان کیا کہ انہوں نے لفظ "البتۃ" سے طلاق دی تھی اور لفظ "البتۃ" ایک اور تین دونوں کا احتمال رکھتا ہے (مدار نیت پر ہے) اگر ایک طلاق کی نیت کی ہو تو ایک ہوتی ہے جیسے حضرت رکانہ نے ایک کی نیت کی تھی اور اس کو قسمیہ بیان کیا تھا اور اگر تین کی نیت ہو تو تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں) اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس ضعیف روایت کے راوی نے یہ سمجھا ہو کہ لفظ "البتۃ" کا مقتضی تین طلاقیں ہیں تو یہ سمجھ کر روایت بالمعنی کر دی (کہ حضرت رکانہؓ نے تین طلاقیں دیں) مگر امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ راوی نے اس کے سمجھنے اور روایت بالمعنی کرنے میں غلطی کی (نووی شرح مسلم شریف ج ۱ ص ۴۷۸)

یہ ہے حدیث رکانہ کی حقیقت محدثین کی نظر میں۔ اب بھی اس حدیث کو پیش کرنا اور اس سے استدلال کرنا صحیح ہو سکتا ہے؟

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوار آہنی پر، حماقت تو دیکھئے

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار اور فتاویٰ

خالق نے اپنے رسول کو منصب تشریعی سے نوازا تھا اس کے رسول نے اپنے صحابہ کو منصب اجتہاد سے نواز دیا اور اس طرح یہ نعمت جو رسول کے حصہ میں آئی تھی امت کا بھی اس میں ایک حصہ لگ گیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے اور رسول کے درمیان تفریق کی اجازت نہیں دیتا اسی طرح رسول اپنے اور اپنے صحابہؓ کے درمیان تفریق کی اجازت نہیں دیتے، درحقیقت یہ انتہائی نادانی اور کجروی ہے کہ جو جماعت امت اور اس کے رسول کے درمیان واسطہ ہے، جو اس کے اقوال وافعال ہم تک پہنچانے والی ہے اسی پر اعتماد نہ کیا جائے، اگر خدا کا رسول خود اپنی حیات میں ان پر اعتماد کر چکا ہے، بادشاہوں اور قبائل کفار سے گفت وشنید انہی کے معرفت کی ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ امت ان پر اعتماد نہ کرے ایک عالم گیر دین جس جماعت سے نکلتا ہے اگر وہی جماعت ناقابل اعتماد ہے تو پھر آئندہ اس دین کا خدا حافظ۔

اسی اہمیت کے پیش نظر حدیث میں فرقۂ ناجیہ کی علامت " ما انا علیه و اصحابی" بتلا کر صحابہ کرام کی سنت کو ایک مستقل حیثیت دے دی گئی ہے، جس طرح رسول کا طریقہ خدا تعالیٰ کے طریقہ سے علیحدہ نہیں ٹھیک اسی طرح صحابۂ کرام کی سنت آنحضرت ﷺ کی سنت سے الگ نہیں اس لئے فرقۂ ناجیہ کی بڑی علامت یہ ہے کہ وہ ان دونوں طریق کی جو درحقیقت ایک ہی ہیں اپنے اپنے مرتبہ میں بزرگی اور احترام کی قائل ہو، بلکہ اس پر گامزن بھی ہو۔ خوارج نے صرف سنت رسول کو لیا اور صحابہ کی ایک جماعت کو کافر ٹھہرایا یہی ان کے ناحق ہونے کی پہلی علامت ہے۔

ہجرت کے چھٹے سال صلح حدیبیہ کے موقع پر جب عروہ ثقفی قریش کی جانب سے شرائط صلح پر گفتگو کرنے کے لئے آئے ہیں تو جن الفاظ میں صحابۂ کرام کی وفاداری کا نقشہ انہوں نے قریش کے سامنے کھینچا ہے اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ایک کافر کے قلب پر اس کا کتنا گہرا اثر پڑا تھا۔ وہ کہتا ہے:-

"میں نے قیصر وکسریٰ ونجاشی کے دربار دیکھے ہیں لیکن جو والہانہ عقیدت کا منظر یہاں دیکھا کہیں نہیں دیکھا، جب محمد (ﷺ) بات کرتے ہیں تو گردنیں جھک جاتی ہیں اور محفل پر ایک سکوت کا عالم طاری ہوجاتا ہے نظر بھر کر کوئی شخص انکی طرف دیکھ نہیں سکتا، آپ کے وضو کا پانی اور آپ کا بلغم زمین پر گرنے نہیں پاتا کہ وہ اسے ہاتھوں ہاتھ لے لیتے ہیں اور اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مل لیتے ہیں۔"

اسی لئے اس قوم کے احساس خودداری اور وفا شعاری کی داستانیں پڑھنے والے مسلم وغیر مسلم اس پر متفق ہیں کہ اس سے زیادہ اطاعت اور فرمان برداری کا ثبوت دنیا کی کسی قوم نے پیش نہیں کیا اور نہ پیش کرسکتی ہے۔

صحابہ کرام کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سب سے پہلے (بعد کتاب اللہ کے) آنحضرت ﷺ ہی کی سنت تلاش کیا کرتے تھے اگر وہ نہ ملتی تو اس کے بعد اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرتے اور اگر اس کے بعد بھی آپ کی سنت ہاتھ آجاتی تو اسی کی اتباع کرتے اور اپنے قول سے رجوع کرلیتے۔ ایک واقعہ بھی ایسا نہیں بتایا جاسکتا جہاں کسی صحابی نے آنحضرت ﷺ کا کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ سنا ہو اور اس کے ثبوت کے بعد پھر اس کے خلاف فیصلہ کرنے کا اپنے دل میں خطرہ بھی محسوس کیا ہو۔

اس لئے موجودہ مسئلہ میں بھی صحابہ کے فتاویٰ کیا ہیں۔ یہ معلوم ہوجانے کے بعد اتنی بات بخوبی ثابت

ہو جائے گی کہ آنحضرت ﷺ کا فیصلہ بھی یہی ہے۔

سہل بن ابی حثمہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں چھ حضرات فتویٰ کا کام کرتے تھے تین مہاجرین میں سے اور تین انصار میں سے۔ (۱) **عمر فاروقؓ** (۲) **عثمان بن عفانؓ** (۳) **علی مرتضیٰؓ**۔ (۴) **ابی بن کعبؓ** (۵) **معاذ بن جبلؓ** (۶) **زید بن ثابتؓ**۔ (**رضی اللہ عنہم اجمعین**) اور مسور بن مخرمہ فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ کرام کا علم انہی چھ حضرات پر منتہی ہوتا ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو جب کوئی مشکل پیش آتی تھی تو انہی چھ حضرات کو جمع کر کے مشورہ لیتے تھے، صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں بھی یہی حضرات فتویٰ میں مرجع خلائق سمجھے جاتے تھے، پھر فاروق اعظم کے عہد میں بھی یہی صورت باقی رہی کہ فتویٰ انہی حضرات کا چلتا تھا۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۰۹، بحوالہ ثمرات الاوراق ص ۱۹۲)

اب صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ پیش کئے جاتے ہیں جن میں مذکورۃ الصدر چھ صحابیوں میں سے چار کے فتاویٰ موجود ہیں اور باقی دو میں سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت، روایات مرفوعہ کے ماتحت نمبر ۷ پر گذر چکی ہے۔ صرف حضرت ابی بن کعبؓ سے اس باب میں کچھ منقول نہیں لیکن وقوع ثلاث کے خلاف بھی ان کا فتویٰ نہیں ہے ان کے علاوہ گیارہ صحابیوں کے فتاویٰ ہیں کیا اس کے بعد بھی اب یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی ہیں؟

علامہ ابن قیم نے سات صحابہ جو مکثرین اور جلیل القدر صحابہ تھے گنوائے ہیں (۱) حضرت عمرؓ (۲) حضرت علیؓ (۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۴) حضرت عائشہؓ (۵) حضرت زید بن ثابتؓ (۶) حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۷) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ان ساتوں حضرات کے فتاویٰ وقوع ثلاث کے بارے میں موجود ہیں۔ فتاویٰ ملاحظہ فرمانے سے پہلے اتنا اور جان لیجئے کہ غیر مقلدین کے مسلم پیشوا اور مقتدیٰ حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی کا اقرار ہے کہ صحابہ کرام کا کوئی حکم اور فتویٰ نص کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

''صحابہ کی یہ عادت تھی کہ بلا حکم اور بلا اجازت رسول ﷺ کے کوئی شرعی اور دین کا حکم محض اپنی طرف سے قائم و جاری نہیں کرتے تھے۔'' (مجموعہ فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۳۵۸)

لہٰذا اگر صحابہ کرام کا کوئی حکم اور فیصلہ نص کے خلاف معلوم ہو تو اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ کوئی ناسخ حکم ان کے علم میں ضرور ہوگا جو ہم تک روایتاً نہیں پہنچا۔

(۱) خلیفہ راشد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آثار:

(۱) **عن انس رضی اللہ عنہ قال کان عمرؓ اذا اتی برجل قد طلق امرأته ثلاثاً فی مجلس او جعه ضرباً وفرق بینهما** (مصنف ابن ابی شبة ج ۵ ص ۱۱ من کره ان یطلق الرجل امرأته ثلاثا الخ)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ کے پاس ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوتیں تو آپ اس کو سزا دیتے اور دونوں میں تفریق کر دیتے۔

(۲) وکان عمر بن الخطاب اذا اتی برجل طلق امرأته الفاً فقال له عمر رضی اللہ عنہ اطلقت؟ فقال انما کنت العب فعلاه عمر بالدرة وقال انما یکفیک من من ذلک ثلاث (محلی ابن حزم ج۱ ص ۱۷۲ کتاب الطلاق) (سنن بیہقی ج۷ ص ۳۳۴ باب ماجآء امضآء الطلاق)(زاد المعاد بحواله عبد الرزاق ج ۲ ص ۲۵۹)(مصنف ابن شیبة ج۵ ص ۱۲)(مصنف عبدالرزاق ج۶ ص ۲۹۳، ۲۲۴)

یعنی: زید بن وہب فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس لایا گیا اس نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی تھیں۔ اس سے حضرت عمرؓ نے فرمایا" کیا تو نے اتنی طلاقیں دی ہیں؟ اس نے کہا میں تو مذاق کررہا تھا حضرت عمرؓ نے اسے درے سے سزادی اور فرمایا کہ تجھ کو ایک ہزار میں سے صرف تین کافی تھیں۔

(۳) حضرت عمرؓ نے اپنے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو ایک سرکاری خط لکھا اس میں آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا ومن قال انت طالق ثلثاً فهی ثلاث. جو شخص یوں کہے" تجھے تین طلاق" تو تین واقع ہوں گی (سنن سعید بن منصور ج ۳ ص ۲۵۹ قسم اول۔ رقم الحدیث نمبر ۱۰۶۹)

(۲) خلیفۂ راشد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا فتویٰ:

روی وکیع عن معاویة بن ابی یحییٰ انه قال جاء رجل الیٰ عثمان بن عفان فقال طلقت امرأتی الفاً فقال بانت منک بثلاث (محلیٰ ابن حزم ج ۱۰ ص ۱۷۲ کتاب الطلاق)(زاد المعاد بحواله عبدالرزاق ج ۲ ص ۲۵۹)(فتح القدیر ج۳ ص ۳۳۰)(مصنف عبدالرزاق ج۶ ص ۳۹۴) کے حاشیہ میں ہے:۔ فی المحلی : ومن طریق وکیع عن جعفر بن برقان عن معاویة ابن ابی یحییٰ قال : جاء رجل الیٰ عثمان بن عفان فقال: طلقت امرأتی الفاً .فقال بانت منک بثلاث. ۱۰ ۱۸۲ (مصنف عبدالرزاق ج۶ ص ۳۹۴ باب الرجل طلق امرأته ثلاثاً معاً)(طحاوی ج ۲ ص ۳۰)

یعنی: معاویہ ابن ابی یحییٰ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دے دی ہیں آپ نے جواب دیا:" بانت منک بثلاث" تیری بیوی تجھ سے تین طلاقوں سے جدا ہوگئی۔

(۳) خلیفۂ راشد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے آثار:

(۱) روی وکیع عن حبیب بن ابی ثابت قال جاء رجل الیٰ علی بن ابی طالب قال انی طلقت امرأتی ألفا فقال له علی بانت منک بثلاث (محلی بن حزم ج۱ ص ۱۷۲ کتاب الطلاق)(سنن بیہقی ج۷ ص ۳۳۵ حواله بالا)(زاد المعاد ج ۲ ص ۲۵۹)(مصنف ابن ابیشیبة ج۵ ص ۱۶)(ایضاً ج۵ ص ۱۴)(فتح القدیر ج ۳ ص ۳۳۰)(طحاوی شریف ج ص ۳۰)

حبیب ابن ابی ثابتؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے فرمایا: تین طلاقوں سے عورت تجھ سے بائنہ ہوگئی۔

علامہ شوکانی نے بھی نیل الاوطار میں حضرت علیؓ کا یہی مسلک بیان کیا ہے کہ وہ طلاق ثلثہ کے وقوع کے قائل تھے۔ (نیل الاوطار ج۶ ص۲۴۵ باب ماجآء فی طلاق البتۃ وجمع الثلث الخ)

(۲) وعن الأعمش انه كان بالكوفة شيخ ......الىٰ قوله...... فاخرج كتا به فاذا فيه بسم الله الرحمن الرحيم هذا ما سمعت علي بن ابي طالب يقول اذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً في مجلس واحد فقد بانت منه (ولا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره قلت ويحك هذا غير الذى تقول قال الصحيح هو هذا ولكن هؤلآء ارادوني على ذلك (سنن بيهقي ج۶ ص ۲۴۵ باب ماجآء في امضآء الطلاق الثلاث وان كن مجموعات)

ترجمہ: (اعمش کوفی سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ کوفہ کے ایک شیخ کہتے تھے کہ میں نے علی بن ابی طالبؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی شخص ایک مجلس میں اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دے تو اس کو ایک طلاق کی طرف رد کر دیا جائے گا۔ میں نے شیخ سے کہا تم نے حضرت علیؓ سے یہ کہاں سنا ہے؟ شیخ نے کہا میں اپنی کتاب نکالتا ہوں اس میں موجود ہے) شیخ نے کتاب نکال کر پیش کی اس میں **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کے بعد یہ لکھا تھا کہ یہ وہ حدیث ہے جس کو میں نے حضرت علیؓ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے جب کوئی شخص ایک مجلس میں اپنی عورت کو تین طلاقیں دے۔۔۔ دے تو عورت اس سے جدا ہو جائے گی پھر جب تک دوسرے زوج سے نکاح نہ کرے طلاق دینے والے کے لئے حلال نہ ہوگی، میں نے کہا افسوس ہے کہ یہ تو تمہارے بیان کرنے کے خلاف ہے تو شیخ نے کہا صحیح یہی ہے لیکن لوگوں نے مجھے مجبور کیا تھا اس لئے میں نے اس کو اس طرح بیان کیا۔ (بیہقی ج۶ ص۲۴۵)

(۳) مصنف عبدالرزاق میں ہے۔ عن شريك بن ابي نمر قال جاء رجل الىٰ علي رضى الله عنه فقال اني طلقت امرأتي عدد العرفج قال تاخذ من العرفج ثلاثاً و تدع سائره.

ترجمہ: شریک بن ابی نمر سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا میں نے اپنی بیوی کو عرفج کے درختوں کے برابر طلاقیں دے دی ہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ان میں سے تین لے لو اور باقی کو چھوڑ دو۔ (مصنف عبدالرزاق ج۶ ص۳۹۴ باب المطلق ثلاثا)

(۴) عن الحكم ان علياً وابن مسعود وزيد بن ثابت قالوا اذا طلق البكر ثلاثاً فجمعها لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره فان فرقها بانت بالاولىٰ.

حکم روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ تینوں حضرات فرماتے ہیں کہ اگر غیر مدخولہ منکوحہ کو تین طلاقیں ایک لفظ سے (انت طالق ثلاثا، تجھے تین طلاق) دے دے تو تینوں واقع ہو جائیں گی اور یہ عورت شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ دوسرے مرد سے نکاح کرے اور اگر الگ الگ لفظوں سے طلاق دے تو پہلی ہی طلاق سے بائنہ ہو جائیں گی (مصنف عبدالرزاق ج۶ ص۳۳۶ باب طلاق البکر)

(۴) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے آثار:

(۱) عن مسروق عن عبداللہ (یعنی ابن مسعود) انہ قال لمن طلق امرأتہ مائۃ بانت بثلاث و سائر ذلک عدوان (مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص ۱۲ باب المطلق ثلاثا) (طحاوی شریف ج ۲ ص ۳۰ باب الرجل یطلق امرأتہ ثلاثا معاً) (سنن بیھقی ج ۷ ص ۳۳۲)

(۲) واخرج ابن حزم بطریق عبدالرزاق عن علقمۃ عن ابن مسعود انہ قال لرجل طلق امرأتہ تسعاً وتسعین ثلاث تبینھا وسائر ھن عدوان (محلی ج ۱۰ ص ۱۷۲) (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۵ ص ۱۲) (زاد المعاد ج ۲ ص ۲۵۹)

مسروق اور علقمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص سے جس نے اپنی عورت کو سو طلاقیں دی تھیں (اور ایک دوسرے شخص سے جس نے اپنی عورت کو ننانوے طلاقیں دی تھیں) فرمایا کہ تین طلاقوں سے بیوی جدا ہوگئی۔ اور بقیہ طلاقیں ظلم، عدوان اور زیادتی ہیں۔

(۳) مالک انہ بلغہ ان رجلاً جاء الی عبداللہ بن مسعود فقال انی طلقت امرأتی بمائتی تطلیقات فقال ابن مسعود فماذا قیل ذلک قال قیل لی انھا قد بانت منی فقال ابن مسعود صدقوا. الخ (مؤطا امام مالک ص ۱۹۹ ماجاء فی البتۃ) (فتح القدیر بحوالہ مؤطا امام مالک ج ۳ ص ۳۳۰ کتاب الطلاق باب طلاق السنۃ)

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ان کو یہ روایت پہنچی ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی عورت کو دوسو ۲۰۰ طلاقیں دے دی ہیں، ابن مسعودؓ نے دریافت فرمایا کہ تم کو دوسروں (مفتیوں) کی جانب سے کیا جواب دیا گیا؟ اس نے کہا مجھے یہ جواب ملا کہ وہ عورت مجھ سے بائنہ ہوگئی، ابن مسعودؓ نے فرمایا وہ لوگ صحیح کہتے ہیں (حکم شرعی ایسا ہی ہے جیسا وہ کہتے ہیں۔)

(۴) عن علقمۃ قال جاء رجل الی ابن مسعود فقال انی طلقت امرأتی تسعۃ وتسعین وانی سألت فقیل لی قد بانت منی فقال ابن مسعود لقد احبوا ان یفرقوا بینک وبینھا قال فما تقول رحمک اللہ فظن انہ سیرخص لہ فقال ثلث تبینھا منک وسائرھا عدوان (مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۹۵ باب المطلق ثلاثا)

علقمہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ابن مسعودؓ سے آکر کہا میں نے اپنی بیوی کو ننانوے ۹۹ طلاقیں دے دیں، میں نے مسئلہ دریافت کیا تو مجھے جواب ملا کہ عورت مجھ سے جدا ہوگئی۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا ان لوگوں کی خواہش یہ ہے کہ تم دونوں میں تفریق کردیں۔ یہ سن کر اس شخص نے کہا آپ کیا فرماتے ہیں؟ اس نے یہ گمان کیا کہ شاید ابن مسعودؓ رخصت دے دیں گے (اور رجعت کا حکم دے دیں گے) ابن مسعودؓ نے جواب دیا کہ تین طلاقوں سے وہ تم سے جدا ہوگئی اور بقیہ طلاقیں ظلم اور زیادتیاں ہیں (مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۹۵)

(۵)عن مطرف عن الحکم عن ابن عباس وابن مسعود قالا فی رجل طلق امرأته ' ثلاثا قبل ان یدخل بها، لا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره(مصنف ابن ابی شیبة ج۵ ص ۲۲ فی الرجل تزوج المرأة ثم یطلقها)(طحاوی شریف ج۲ ص ۳۰)

حکم، ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی بیوی کو صحبت سے پہلے تین طلاقیں دے دے تو عورت اس کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے۔

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آثار وفتاویٰ:

(۱) ابو داؤد شریف میں ہے: حدثنا اسماعیل نا ایوب عن عبد اللّٰہ بن کثیر عن مجاهد قال کنت عند ابن عباس فجاءه' رجل فقال انه طلق امرأته' ثلاثاً قال فسکت حتی ظننت انه رأدها الیه ثم قال ینطلق احدکم فیرکب الحموقة ثم یقول یا ابن عباس یا ابن عباس وان الله قال ومن یتق الله یجعل له مخرجاً وانک لم تتق الله فلا اجد لک مخرجاً عصیت ربک وبانت منک امرأتک......

قال ابوداؤد روی هذا الحدیث حمید الأعرج وغیره عن مجاهد عن ابن عباس و رواه شعبة عن عمرو بن مرة عن سعید بن جبیرعن ابن عباس و ایوب وابن جریج جمیعاً عن عکرمة بن خالد عن سیعد بن جبیر عن ابن عباس وابن جریج عن عبدالحمید بن رافع عن عطاء عن ابن عباس و رواه الأعمش عن مالک بن الحارث عن ابن عباس وابن جریج عن عمروبن دینار عن ابن عباس کلهم قالوا فی الطلاق الثلاث انه اجازها قال وبانت منک نحو حدیث اسماعیل عن ایوب عن عبداللّٰہبن کثیر (ابو داؤد شریف ج۱ ص ۳۰۶ باب بقیة نسخ المراجعة بعد التطلیقات الثلاث)(فتح القدیر ج۳ ص ۳۳۰)(سنن بیهقی ج۷ ص ۳۳۷)

مجاہد فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ وہ اپنی بیوی کو یکبارگی تین طلاقیں دے آیا ہے، ابن عباسؓ چپ رہے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ آپ رجعت کا حکم دے دیں گے پھر فرمایا لوگ پہلے حماقت پر سوار ہوجاتے ہیں اور پھر کہتے ہیں اے ابن عباس! اے ابن عباس! بیشک خدا نے فرمایا کہ جو خدا سے ڈرے اس کے لئے چھٹکارے کی صورت ہوتی ہے اور تو نے خدا کا خوف نہیں کیا اس لئے تیرے واسطے کوئی مخلص نہیں ہے تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری عورت تجھ سے جدا ہوگئی۔

اس کے بعد امام ابوداؤد نے بیان فرمایا کہ ان ان حضرات نے ابن عباسؓ سے یہ روایت بیان کی ہے۔ یہ تمام رواۃ متفقہ طور پر یہ نقل فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے تین طلاقوں کو نافذ فرمادیا۔ اور فتویٰ دیا کہ عورت جدا ہوگئی۔ (ابوداؤد شریف ج۱ ص۳۰۶)

(۲)حدثنا ابراهیم بن مرزوق ... عن مالک بن الحارث قال جاء رجل الیٰ ابن عباس فقال ان عمی طلق امرأته ثلاثا فقال ان عمک عصی اللّٰہفاثمه' اللّٰہواطاع الشیطان فلم یجعل له مخرجا فقلت کیف تری فی رجل یحلها له فقال من یخادع اللّٰہیخادعه (طحاوی شریف ج۲ ص

۲۹ باب الرجل یطلق امرأته ثلاثا معاً)(مصنف ابن ابی شیبه ج۵ ص ۱۱)(فتح القدیر ج۳ ص ۳۳۲)(سنن سعید بن منصور ج۳ ص ۲۵۸ قسم اول رقم الحدیث نمبر ۱۰۶۴، ۱۰۶۵)(اغاثة اللهفان ص ۱۴۲ مبحث التحلیل فصل فی الآثار)

مالک بن حارث فرماتے ہیں کہ ایک شخص ابن عباس کے پاس آیا اور کہا میرے چچا اپنی عورت کو دفعۃً تین طلاقیں دے بیٹھے ہیں ابن عباسؓ نے فرمایا تیرے چچا نے خدا کی نافرمانی کی اور شیطان کی اطاعت کی اور آپ نے اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں نکالی۔ مالک بن الحارث فرماتے ہیں میں نے عرض کیا آپ اس شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں جو اس عورت کو اس شوہر کے لئے حلال کرے آپ نے فرمایا جو اللہ سے چالبازی کرے گا اللہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرے گا۔

(۳)مالک انه بلغه ان رجلاً قال لا بن عباس انی طلقت امرأتی مائة تطلیقة فما ذا تریٰ علی فقال له ابن عباس طلقت منک بثلاث وسبع وتسعون اتخذت بها آیات اللّٰه هزواً(موطا امام مالک ص ۱۹۹ باب ماجآء فی البتة)(فتح القدیر ج۳ ص ۳۳۰)(زاد المعاد ج۲ ص ۲۵۹ بحواله مصنف عبد الرزاق)(طحاوی ج۲ ص ۳۰)(دار قطنی ج۲ ص ۴۳۰)

ایک شخص نے ابن عباسؓ سے کہا میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تین طلاقوں سے تو عورت تجھ سے جدا ہوگئی اور بقیہ ستانوے ۹۷ طلاقوں سے تو نے اللہ کی آیات کا تمسخر کیا۔

(۴)قال وحدثنا ابن المبارک انا سفیان وعبد الرزاق عن الثوری عن عمرو بن مرة عن سعید بن جبیر قال جاء ابن عباس رجل فقال طلقت امرأتی الفاً فقال ابن عباس ثلاث تحرمها علیک وبقیتها علیک وزراً تخذت آیات اللّٰه هزواً (مصنف عبدالرزاق ج۶ ص ۳۹۷، ۳۹۸)(دارقطنی ج۲ ص ۴۳۰)(مصنف ابن ابی شیبة ج۵ ص ۱۳) (محلی ابن حزم ج۱۰ ص ۱۷۲)(سنن بیهقی ج۷ ص ۳۳۲)

(۵)حدثنا ابو محمد بن صاعد ...... عن سعید بن جبیر و مجاهد عن ابن عباس انه سئل عن رجل طلق امرأته عدد النجوم فقال أخطأ السنة حرمت علیه امرأته (دارقطنی ج۲ ص ۴۳۳)

(۶)سئل ابن عباس عن رجل طلق امرأته عدد النجوم قال انما یکفیه رأس الجوزاء (مصنف عبدالرزاق ج۶ ص ۳۹۶)

ابن عباسؓ سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی عورت کو ستاروں کی تعداد کے برابر طلاقیں دی ہوں تو آپ نے فرمایا اسنے سنت طریقہ کے خلاف کیا اور اس کی عورت اس پر حرام ہوگئی۔

(۷)حدثنا ابو بکر ...... عن رجل عن الا نصار یقال له معاویة ان ابن عباس و اباهریرة وعائشة قالوا لا تحل حتی تنکح زوجاً غیره .(مصنف ابن ابی شیبة ج۵ ص ۲۲ فی الرجل

یتزوج المرأة ثم یطلقھا)

(۸)حدثنا ابو بکر قال ناعباد بن العوام عن ھارون بن عنزہ عن ابیہ قال کنت جالسا عند ابن عباس فاتاہ رجل فقال یا ابن عباس انہ طلق امرأتہ مائة مرة وانما قلتھا مرةً واحدةً فتبین منی بثلاث "أم" ھی واحدة؟فقال بانت بثلاث وعلیک وزر سبعة وتسعین.(مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۵ ص ۱۳)

ایک شخص ابن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا ابن عباس! میں نے اپنی عورت کو سو ۱۰۰ طلاقیں ایک ہی دفعہ سے دی ہیں کیا وہ مجھ سے تین طلاقوں سے الگ ہو جائے گی یا وہ ایک ہی طلاق شمار ہو گی؟ آپ نے فرمایا تین طلاقوں سے عورت جدا ہو گئی اور بقیہ ستانوے ۹۷ تم پر وزر (بوجھ) ہیں۔ یہی فتویٰ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ کا بھی ہے تین طلاق کو ایک کہنے والے ان روایات کو بنظر انصاف دیکھیں اور پھر فیصلہ کریں کون عامل بالحدیث ہے؟ مقلدین یا غیر مقلدین؟

(۹)عبدالرزاق　ان رجلا قال لا بن عباس رجل طلق امرأتہ مائة فقال ابن عباس یا خذ من ذلک ثلاثا ویدع سبعا وتسعین.(مصنف عبدالرزاق ج۶ ص ۳۹۶ باب المطلق ثلاثا.

یعنی ایک شخص نے ابن عباسؓ سے کہا، ایک آدمی نے اپنی عورت کو سو ۱۰۰ طلاقیں دے دی ہیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا ان میں سے تین لے لو اور بقیہ ستانوے ۹۷ چھوڑ دو۔

(۱۰)عبدالرزاق　ان رجلا جاء الی ابن عباس فقال طلقت امرأتی ألفا فقال تأخذ ثلاثا وتدع تسع مائة وسبعة وتسعین (مصنف عبدالرزاق ج۶ ص ۳۹۶ ایضاً)

ایک شخص حضرت ابن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی عورت کو ایک ہزار طلاقیں دے دی ہیں۔ آپ نے فرمایا ان میں سے تین لے لو (کہ عورت کے حرام ہونے کے لئے تین ہی کافی ہیں اور مرد تین ہی طلاق کا مالک ہے) اور بقیہ ۹۹۷ چھوڑ دو۔

(۱۱)محمد قال اخبرنا ابو حنیفة　عن عطاء ان رجلا جاء عند ابن عباس فقال طلقت امرأتی ثلاثا قال یذھب احدکم یتلطخ بالا ثم فیأتی بعدہ عند نا اذھب انت عصیت ربک فقد حرمت علیک امرأتک لا تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرک.(کتاب الآثار للامام محمد ص ۲۲۰، ۲۲۱　مترجم)

عطاء فرماتے ہیں ایک شخص ابن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ فرمایا تم جیسے لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ گندگی سے پوری طرح آلودہ ہو جاتے ہو پھر ہمارے پاس آتے ہو۔ چلے جاؤ تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی ہے تم پر تمہاری بیوی حرام ہو گئی تاوقتیکہ دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ (کتاب الآثار ص ۳۰)

(۱۲)عن محمد بن ایاس ان ابن عباس واباھریرة وعبداللہ بن عمرو بن العاص سئلوا عن البکر یطلقھا زوجھا ثلاثا فکلھم قالوا لا تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ .(ابوداؤد ج ۱ ص ۳۰۶ باب بقیة نسخ المراجعةبعد التطلیقات الثلاث)(زاد المعاد ج ۲ ص ۲۵۹)(طحاوی شریف ج ۲ ص ۳۰)

محمد ابن ایاس فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم اجمعین سے سوال

کیا گیا کہ غیر مدخولہ کو اس کا شوہر (مجتمعاً) تین طلاقیں دے دے تو کیا حکم ہے؟ ان تینوں حضرات نے متفقہ طور پر فرمایا کہ وہ عورت اس مرد کے لئے حرام ہوگئی یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے۔

(۱۳) **اخبرنا مالک ...... عن محمد بن ایاس بن بکیر انه قال طلق رجل امرأته ثلاثاً قبل ان یدخل بها ثم بدأ له ان ینکحها فجاء یستفتی قال فذهب معه فسأل أبا هریرة وابن عباس فقالا لا ینکحها حتی تنکح زوجا غیره فقال انما کان طلاقی ایاها واحدةً قال ابن عباس ارسلت من یدک ماکان لک من فضل (موطا امام محمد ص ۲۰۳ باب الرجل یطلق امرأته ثلثا قبل ان یدخل بها) (فتح القدیر ج۳ ص ۳۳۰) (طحاوی شریف ج۲ ص ۲۹) (سنن بیهقی ج۷ ص ۳۳۵) (موطا امام مالک ص ۲۰۷)**

محمد بن ایاس بن بکیر فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے صحبت سے قبل ہی اپنی منکوحہ کو تین طلاقیں دے دیں پھر چاہا کہ اس سے نکاح کرلے اس لئے فتویٰ دریافت کرنے کے لئے نکلا محمد بن ایاس فرماتے ہیں کہ میں اس کے ساتھ ہو گیا، وہ ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ کے پاس گیا، دونوں نے فرمایا اب تم اس سے نکاح نہیں کرسکتے جب تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے، اس شخص نے کہا میری نیت ایک طلاق کی تھی۔ ابن عباسؓ نے فرمایا تو نے خود ہی (**انت طالق ثلاثا** کہہ کر) وہ گنجائش ختم کردی جو تجھے حاصل تھی۔

(۱۴) **حدثنا ابو بکر ... عن محمد بن ایاس بن بکیر عن ابی هریرة وابن عباس وعائشة فی الرجل یطلق امرأته ثلاثا قبل ان یدخل بها قالوا لاتحل له حتی تنکح زوجاً غیره (مصنف ابن ابی شیبه فی الرجل یتزوج المرأة ثم یطلقها ج۵ ص ۲۳)**

محمد ابن ایاس فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ اس شخص کے متعلق جو نئی عورت کو صحبت سے قبل تین طلاقیں دے دے فرماتے ہیں کہ وہ اس شخص کے لئے حلال نہیں تا آنکہ وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح کرے۔

(۱۵) **عبدالرزاق عن ابن جریج قال قال مجاهد عن ابن عباسؓ قال قال له رجل یاآبا عباس! طلقت امرأتی ثلاثاً فقال ابن عباس : یاآبا عباس! یطلق احدکم فیستحمق ثم یقول یا أبا عباس! عصیت ربک فارقت امرأتک (مصنف عبدالرزاق ج۶ ص۳۹۷ باب المطلق ثلاثا)**

مجاہد ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ سے کہا اے ابو عباس! میں نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دی ہیں، ابن عباسؓ نے فرمایا تم میں سے ایک بیوقوفی کرکے طلاق دے دیتا ہے پھر یہ کہتے پھرتے ہو اے ابو عباس! اے ابو عباس! تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی، تیری عورت تجھ سے جدا ہوگئی۔ (مصنف عبدالرزاق ج۶ ص ۳۹۷ باب طلاق البکر)

(۱۶) ایک روایت آثار ابن عمرؓ میں آرہی ہے۔ ابن عباس، ابو ہریرہ اور ابن عمر سے غیر مدخولہ عورت کے متعلق پوچھا گیا کہ اگر اس کو شوہر صحبت سے قبل تین طلاقیں (ایک ساتھ) دے دے تو ان تمام حضرات نے فرمایا اب وہ اس کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے۔ (مصنف عبدالرزاق ج۶ ص ۳۳۳)

یہ ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ۔ ان کو پیش نظر رکھ کر غور کیجئے کہ عامل بالحدیث کون ہے؟ اور کیا ابن عباس کی روایت کا مطلب وہی ہے جو غیر مقلدین سمجھ رہے ہیں؟ ان فتاویٰ سے واضح ہوتا ہے کہ ابن عباس کی حدیث کا ہرگز وہ مطلب نہیں۔ جو غیر مقلدین سمجھتے ہیں۔ فافہم وتدبر۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آثار:

(۱) عن نافع وکان ابن عمر اذا سئل عمن طلق ثلاثاً قال لو طلقت مرۃ او مرتین فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرنی بھذا (ای بالمراجعۃ) فان طلقھا ثلاثاً حرمت حتی تنکح زوجاً غیرہ (بخاری شریف ج۲ ص ۷۹۲ و ج۲ ص ۸۳۰ باب من اجاز طلاق الثلاث)

حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب کسی ایسے شخص کے متعلق سوال کیا جاتا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہوں تو آپ جواب دیا کرتے اگر ایک بار یا دو بار طلاق دی ہوتی (تو رجعت کر سکتا اس لئے کہ) رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو اسی کا (رجعت کا) حکم دیا تھا لیکن اگر تین طلاقیں دے دی ہیں تو وہ حرام ہوگئی جب تک دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ (بخاری شریف)

(۲) مسلم شریف میں بھی آپ کا فتویٰ ہے۔ عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ... اما انت طلقتھا ثلاثاً فقد عصیت ربک فیما امرک بہ من طلاق امرأتک وبانت منک (مسلم شریف ج۱ ص ۴۷۶ باب طلاق الثلاث) (دار قطنی ج۲ ص ۴۳۶)

ابن عمرؓ فرماتے ہیں ... اگر تین طلاقیں دے دیں تو تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی (کہ ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں) اور تیری عورت تجھ سے بائنہ (علیحدہ) ہوگئی۔ (مسلم شریف)

(۳) وکان عبداللہ اذا سئل عن ذلک قال لا حدھم اما انت طلقت امرأتک مرۃ او مرتین فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرنی بھذا وان کنت طلقتھا ثلاثا فقد حرمت علیک حتی تنکح زوجا غیرک وعصیت اللہ فیما امرک من طلاق امرأتک (مسلم شریف ج۱ ص ۴۷۶ ایضا)

جب ابن عمرؓ سے تین طلاقوں کے متعلق دریافت کیا جاتا تو آپ فرماتے اگر تم نے ایک یا دو طلاقیں دی ہیں (تو رجعت کا حق ہے) اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے رجعت کا حکم فرمایا تھا اور اگر تم نے تین طلاقیں دے دیں تو تم پر عورت حرام ہوگئی تاوقتیکہ ... دوسرے سے نکاح نہ کرے اور عورتوں کو طلاق دینے کے متعلق خدا کی جو ہدایات ہیں اس میں تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی (مسلم شریف)۔

(۴) حدثنا سعید المقبری قال جاء رجل الیٰ عبداللہ بن عمرو انا عندہ فقال یا ابا عبد الرحمن انہ طلق امرأتہ مأۃ مرۃ قال بانت منک بثلاث وسبعۃ وتسعون یحاسبک اللہ بھا یوم القیامۃ. (مصنف ابن ابی شیبۃ ج۵ ص ۱۴ فی الرجل یطلق امرأتہ مأتہ او الفافی قول واحد)

ایک شخص ابن عمرؓ کے پاس آیا اور کہا اے ابوعبدالرحمٰن میں نے اپنی بیوی کو سو۱۰۰ طلاقیں دے دی ہیں آپ نے فرمایا تین سے تو عورت جدا ہوگئی اور بقیہ ستانوے طلاقوں کے متعلق قیامت کے دن اللہ محاسبہ کرے گا۔

(۵)حدثنا ابوبکر قال نا اسباط بن محمد عن اشعث عن نافع قال قال ابن عمر من طلاق امرأته ثلاثا فقد عصیٰ ربہ' وبانت منه امرأته'. (مصنف ابن ابی شیبة ج۵ ص ۱۱ من کرہ ان یطلق الرجل امرأته ثلاثا الخ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں جو شخص اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دے تو اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور عورت اس سے جدا ہوگئی۔

(۶)عن سالم عن ابن عمر قال من طلق امرأته ثلاثاً طلقت وعصیٰ ربہ' (مصنف عبدالرزاق ج۶ ص ۳۹۵ باب المطلق ثلاثا)

ابن عمر فرماتے ہیں جو شخص اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دے تو وہ مطلقہ ہو جائے گی اور اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔ (مصنف عبدالرزاق ج۶ ص۳۹۵)

(۷)عبدالرزاق ... عن محمد بن ابی ایاس ابن البکیر ان ابن عباس رضی اللہ عنہ وابا هریرة رضی اللہ عنہ سئلوا عن البکر یطلقها زوجها ثلاثاً فکلهم قالوا لا تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ (مصنف عبدالرزاق ج۶ ص ۳۳۳ باب طلاق البکر)

ابن عباس، ابو ہریرہ، اور ابن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین سے دریافت کیا گیا کہ اگر غیر مدخولہ کو اس کا شوہر تین طلاقیں (ایک ساتھ) دے دے (تو کیا حکم ہے؟) ان تینوں حضرات نے فرمایا وہ عورت اس کیلئے حلال نہیں تا کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔

(۸)عن ابی وائل عن عبداللہ انه قال فیمن طلق امرأته' ثلاثاً قبل ان یدخل بها قال لا تحل حتی تنکح زوجاً غیرہ (طحاوی شریف ج۲ ص ۳۱ باب الرجل یطلق امرأته ثلاثاً معاً)

عبداللہ بن عمرؓ اس شخص کے متعلق جو اپنی عورت کو صحبت سے پہلے تین طلاقیں دے دے فرماتے ہیں کہ وہ عورت اب اس کے لئے حلال نہیں تاآنکہ وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔

(۹)عن علقمة عن عبداللہ انه سئل عن رجل طلق امرأته مأةً قال ثلاث تبینها منک وسائرهن عدوان. (طحاوی شریف ج۲ ص ۳۱ ایضاً)

عبداللہ بن عمرؓ سے اس شخص کے متعلق دریافت کیا گیا جو اپنی عورت کو سو ۱۰۰ طلاقیں دے دے تو آپ نے فرمایا تین طلاقیں عورت کو مرد سے جدا کر دیں گی اور بقیہ زیادتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت جس کو بخاری، مسلم وغیرہ نے روایت کیا اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ابن عمرؓ کے بیان کے مطابق رسول اللہ ﷺ ان تین طلاقوں کے نفاذ کا حکم فرما رہے ہیں جو غیر مسنون طریقہ پر ایک ہی وقت دے دی جائیں۔ اگر مسنون طریقہ پر دی جائیں تو خدا کی نافرمانی اور گناہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

الحاصل تین طلاق ایک ساتھ دینا یقیناً مذموم ہے اور سنت طریقہ کے خلاف ہے لیکن اگر کوئی دے دے گا تو نافذ ہو جائیں گی اور وہ شخص گنہگار بھی ہوگا اور عورت اس پر حرام ہو جائے گی۔ شرعی حلالہ کے بغیر حلال نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

(۷) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے آثار:

(۱) حدثنا یونس ...... عن عطاء بن یسار انه جاء رجل الی عبداللّٰہ بن عمرو فسأله عن رجل طلق امرأته ثلاثا قبل ان یمسها قال عطاء فقلت له طلاق البکر واحدة فقال عبداللّٰہ انما انت قاص الواحدة تبینها والثلاث تحرمها حتی تنکح زوجاً غیره (طحاوی شریف ج۲ ص ۳۰، (مصنف ابن ابی شیبة ج۵ ص ۲۲) (مصنف عبدالرزاق ج۶ ص ۳۳۴)

عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن عمرو بن العاص کے پاس آیا اور اس شخص نے متعلق سوال کیا جس نے صحبت سے قبل عورت کو تین طلاقیں دے دی ہوں، عطاء فرماتے ہیں میں نے عبداللہ بن عمرو سے کہا کہ غیر مدخولہ پر تو ایک طلاق واقع ہوئی ہے، عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا تو نرا واعظ اور قصہ گو ہے، پھر فرمایا کہ غیر مدخولہ ایک طلاق سے بائنہ ہو جائے گی (یعنی اس طرح علیحدہ ہو جائے گی کہ رجوع جائز نہ ہوگا۔ البتہ اگر عورت راضی ہو تو دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے شرعی حلالہ کی ضرورت نہیں) اور تین طلاقوں سے ایسی حرام ہو جائے گی کہ جب تک دوسرے نکاح نہ کرے حلال نہ ہوگی۔

(۲) حدثنا فهد ...... عن عطاء بن یسار عن عبداللّٰہ بن عمرو قال الواحدة تبینها والثلاث تحرمها (طحاویؒ شریف ج۲ ص ۳۰) (موطا امام مالک ص ۲۰۷) (سنن سعید بن منصور ج۳ ص ۳۶۵ قسم اول رقم الحدیث نمبر ۱۰۹۵)

یعنی (ایک شخص نے پوچھا کہ کوئی اپنی بیوی کو خلوت سے پہلے تین طلاقیں دے دے تو کیا حکم ہے؟) آپ نے فرمایا کہ اس کی عورت ایک طلاق سے بائنہ ہو جائے گی اور تین سے حرام ہو جائے گی (بدون شرعی حلالہ حلال نہ ہوگی۔)

(۳) عن محمد بن ایاس ان ابن عباس وابا هریرة وعبداللّٰہ بن عمرو بن العاص سئلوا عن البکر یطلقها زوجها ثلاثا فکلهم قال لا تحل له حتی تنکح زوجا غیره (ابو داؤد شریف ج۱ ص ۳۰۶ باب بقیة نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلث) (زاد المعاد ج۲ ص ۲۵۹) (سنن بیهقی ج۷ ص ۳۳۵ (کذا فی المصنف لعبد الرزاق ج۶ ص ۳۳۵ عن الزهری)

ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ اور عبداللہ بن عمروؓ سے غیر مدخولہ کے متعلق پوچھا گیا کہ اگر اس کو شوہر تین طلاقیں [illegible] تو [illegible] اس وقت تک حلال نہیں جب تک کہ دوسرے مرد سے نکاح نہ [illegible]

(۸) حضرت ابو ہریرہؓ کے آثار و فتاویٰ:

(۱) عن محمد بن ایاس ان ابن عباس وابا هریرة وعبداللّٰہ بن عمرو بن العاص سئلوا عن البکر یطلقها زوجها ثلاثاً فکلهم قال لا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره. (ابو داؤد شریف ج۱

ص ۳۰۶ باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث) (زاد المعاد ج۲ ص ۲۵۹)(سنن بيهقي ج۷ ص ۳۳۵ (كذا في المصنف لعبد الرزاق ج۶ ص ۳۳۵ عن الزهرى)

ابن عباسؓ ابو ہریرہؓ، اور عبداللہ بن عمروؓ سے غیر مدخولہ کے متعلق پوچھا گیا کہ اگر اس کو شوہر تین طلاقیں دے دے تو کیا حکم ہے؟ تمام نے کہا وہ اس کے لئے اس وقت تک حلال نہیں جب تک کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔

(۲) اخبرنا مالک ...... عن محمد بن اياس بن بكير قال طلق رجل امراتة ثلاثاً قبل ان يدخل بها ثم بدله ان ينكحها فجاء يستفتي قال فذهب معله فسأل اباهريرة و ابن عباس فقال لاينكحها حتى تنكح زوجاً غيرهٗ فقل انما طلاقي اياها واحدة قال ابن عباس ارسلت من يدك ماكان لك ن فضلٍ (موطا امام محمد ص ۲۰۳) فتح القدير ج۳ ص ۳۳۰)(طحاوى ج۲ ص ۲۹) (موطاامام مالک ص ۲۰۷)(سنن بيهقي ج۷ ص ۳۲۵)

اس اثر کا ترجمہ آثار ابن عباسؓ میں اثر نمبر ۱۳ پر گزر چکا ہے۔

(۳) حدثنا يونس ...... عن معاوية بن ابى عياش الأنصارى انه كان جالساً مع عبدالله بن الزبير وعاصم بن عمر فجاء هما محمد بن اياس بن البكير فقال ان رجلاً من اهل البادية طلق امرأته ثلاثاً قبل ان يد خل بها فما ذا تريان فقال ابن الزبير ان هذا الا مر ما لنافيه من قول فاذهب الىٰ ابن عباس وأبى هريرة فاسئلهما ثم ائتنا فاخبر نا فذهب فسألهما فقال ابن عباس لأبى هريرة افته يا أبا هريرة فقد جاء تك معضلة فقال أبوهريرة الواحدة تبينها والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجاً غيره (طحاوى شريف ج۲ ص ۲۹. ۳۰ باب الرجل يطلق امرأته ثلثا قبل ان يد خل بها)(مؤطا امام مالک ص ۲۰۸)(سنن بيهقي ج۷ ص ۳۳۵) (مصنف عبدالرزاق ج۶ ص ۳۳۴ عن محمد بن عبدالرحمن وفيه فقال ابن عباس زينتها يا أبا هريرة)

ترجمہ: معاویہ بن ابی عیاش کا بیان ہے کہ میں عبداللہ بن زبیرؓ اور عاصم بن عمرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ محمد بن ایاس ان کے پاس آئے اور کہا اہل بادیہ میں سے ایک شخص نے اپنی زوجہ کو صحبت سے قبل تین طلاقیں دے دی ہیں آپ دونوں اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ ابن زبیرؓ نے فرمایا اس سلسلہ میں ہم کچھ نہیں کہتے تم ابن عباس اور ابو ہریرہ کی خدمت میں جاؤ اور ان سے مسئلہ دریافت کرو اور وہ دونوں جو جواب دیں اس سے ہم کو بھی مطلع کرنا۔ محمد بن ایاس ان دونوں کے پاس گئے ابن عباسؓ نے ابو ہریرہؓ سے فرمایا ان کو فتویٰ دو یہ مشکل (الجھن) تمہارے پاس آئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا ایک طلاق عورت کو مرد سے علیحدہ کردے گی اور تین طلاقیں اس کو حرام کردیں گی جب تک دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے پہلے مرد کے لئے حلال نہ ہوگی۔

(۴) حدثنا ابو بكر ...... عن محمد بن اياس بن بكير عن ابى هريرة و ابن عباس وعائشة فى الرجل يطلق امرأته قبل ان يدخل بها قالوا لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره (مصنف عبدالرزاق عن ابى سلمة ج۶ ص ۳۳۴ باب طلاق البكر)(مصنف ابن ابى شيبه ج۵ ص ۲۳)

حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ، اور حضرت عائشہؓ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو بیوی کو صحبت

سے قبل طلاق دے دے ان تینوں حضرات نے فرمایا اب وہ عورت مرد کے لئے حلال نہیں جب تک کہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔

(۵) حضرت ابوہریرہؓ کا ایک فتویٰ آثار ابن عمرؓ میں اثر نمبر ۷ پر گذرا ہے اس میں حضرت ابوہریرہؓ ابن عمرؓ کے ساتھ شریک ہیں۔ (مصنف عبدالرزاق ج۶ ص۳۳۳ باب طلاق البکر)

(۹) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آثار:

(۱) حدثنا ابوبکر عن محمد بن ایاس بن بکیر عن ابی هریرة و ابن عباس و عائشة وعبداللہ بن عمرو بن العاص سئلوا عن البکر یطلقها زوجها ثلاثا فکلهم قالوا لا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره.

(مصنف ابن ابی شیبة ج۵ ص ۲۳ فی الرجل یتزوج المرأة ثم یطلقها) (مصنف عبدالرزاق عن ابی سلمة ج۶ ص ۳۳۴)

اس اثر کا ترجمہ آثار ابوہریرہؓ کے اثر نمبر ۱ پر گذر گیا۔

(۲) حدثنا ابو بکر عن رجل من الأنصار یقال له معاویة ان ابن عباس و ابا هریرة وعائشة قالوا لا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره (مصنف ابن ابی شیبة ج۵ ص ۲۲ ایضاً)

معاویہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس، ابوہریرہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے (اس عورت کے متعلق جس کو تین طلاقیں دے دی گئی ہوں) فرمایا کہ اب وہ عورت شوہر کے لئے حلال نہیں جب تک دوسرا نکاح نہ کرے۔

(۳) مالک عن یحییٰ بن سعید عن معاویة بن ابی عیاش الأنصاری انه کان جالساً مع عبداللہ بن الزبیر وعاصم بن عمر قال فجاء هما محمد بن ایاس بن بکیر فقال ان رجلاً من اهل البادیة طلق امرأته ثلاثاً قبل ان یدخل بها فما ذا تریان فقال عبداللہ بن الزبیر ان هذا الأمر مالنا فیه من قول فاذهب الی عبدالله بن عباس و ابی هریرة فانی ترکتهما عند عائشة فاسئلهما ثم أتنا فاخبر نا فذهب فسألهما فقال ابن عباس لا بی هریرة أفته یا أبا هریرة فقد جاء تک معضلة فقال ابو هریرة الواحدة تبینها و الثلاث تحرمها حتی تنکح زوجاً غیره وقال ابن عباس مثل ذلک. (موطا امام مالک ص ۲۰۸ باب طلاق البکر) (طحاوی ج۲ ص ۲۹. ۳۰) (بیهقی ج ۷ ص ۳۳۵)

اس کا ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ کے آثار میں اثر نمبر ۳ میں ملاحظہ ہو۔

(۱۰) ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا اثر:

حدثنا ابو بکر قال نا عبداللہ بن نمیر عن اشعث عن ابی الزبیر عن جابر قال سمعت ام سلمة سئلت عن رجل طلق امرأته ثلاثاً قبل ان یدخل بها فقالت لا تحل له یطأها

زوجها. (مصنف ابن ابن شيبة ج۵ ص ۲۲ فى الرجل ينزوج المرأة ثم يطلقها)
حضرت جابرؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو صحبت سے قبل تین طلاقیں دے دی ہوں۔ آپ نے جواب دیا کہ اب اس شوہر کے لئے حلال نہیں کہ اس سے وطی کرے۔

(۱۱) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا اثر:

حدثنا ابو بكر قال نا غندر وعن شعبة عن طارق عن قيس بن ابى حازم انه سمعه يحدث عن المغيرة بن شعبة انه سئل عن رجل طلق امرأته مائة فقال: ثلاث تحرمها عليه وسبعة وتسعون فضل. (مصنف ابن ابى شيبة ج۵ ص ۱۳، ۱۴ فى الرجل يطلق امرأته)(اغاثة اللهفان ص ۳۲۹ عن بيهقى)
طارق فرماتے ہیں کہ قیس بن ابی حازم حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت مغیرہؓ سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو سو۱۰۰ طلاقیں دے دی ہوں تو آپ نے جواب دیا کہ تین طلاقوں نے عورت کو شوہر پر حرام کر دیا اور بقیہ ستانوے فاضل اور بیکار ہیں۔

(۱۲) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا اثر:

حدثنا ابو بكر قال نا سهل بن يوسف عن حميد عن واقع قال سئل عمران بن حصين عن رجل طلاق امرأته ثلاثاً فى مجلس قال أثم بربه وحرمت عليه امرأته. (مصنف ابن ابى شيبة ج۵ ص ۱۰، ۱۱ من كره ان يطلق الرجل امرأته ثلاثا الخ)(احكام القرآن للجصاصؒ ج ۱ ص ۳۸۳)(اغاثة اللهفان ص ۱۷۳)
عمران بن حصین سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دے دی ہو تو آپ نے فرمایا اس نے گناہ کا کام کیا اور اس کی عورت اس پر حرام ہو گئی۔

(۱۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ کا اثر:

حدثنا سعد قال ناسفيان عن شفيق سمع أنس بن مالك يقول فى الرجل يطلق امرأته ثلاثاً قبل ان يدخل بها قال: هى ثلاث، لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره وكان عمره اذا أتى به اوجعه. (سنن سعيد بن منصور ج۳ ص ۲۶۰ قسم اول. رقم الحديث نمبر ۱۰۷۴)(طحاوى ج ۲ ص ۳۰)(مصنف ابن ابى شيبة ج۵ ص ۲۴.)
شفیق فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ اس شخص کے متعلق جو صحبت سے قبل اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے فرماتے تھے یہ تین طلاقیں ہیں، اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے۔ اور حضرت عمرؓ کے پاس جب ایسا شخص لایا جاتا تو آپ اس کو سزا دیتے۔

(۱۴) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا اثر:

عبد الرزاق عن أبی سلیمان عن الحسن بن صالح عن مطرف عن الحکم ان علیا رضی اللہ عنہ وابن مسعود رضی اللہ عنہ وزید بن ثابت رضی اللہ عنہ . رضی اللہ عنہم اجمعین .قالوا: اذا طلق البکر ثلاثاً ، فجمعھا لم تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ، فان فرقھا بانت بالاولیٰ ولم تکن الاخریین شیئاً (مصنف عبدالرزاق ج۶ ص ۳۳۶ باب طلاق البکر)(سنن سعید بن منصور ج۳ ص ۲۶۲ قسم اول. رقم الحدیث نمبر ۱۰۸۰)

ترجمہ: مرد غیر مدخولہ عورت کو بیک لفظ تین طلاقیں دے دے تو وہ شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے۔لیکن اگر الگ الگ لفظوں میں تین طلاقیں دی ہیں تو پہلی طلاق سے وہ بائنہ ہو جائے گی اور بقیہ دو طلاقیں کالعدم ہو جائیں گی۔

(نوٹ)

غیر مدخولہ عورت کا یہی حکم احناف کے یہاں ہے۔کہ اگر اس کو اس طرح طلاق دی جائے کہ ”تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے۔“ تو وہ پہلی طلاق سے بائنہ ہو جائے گی ، بعد کی دو طلاقیں کالعدم ہوں گی۔لیکن اگر کسی نے غیر مدخولہ عورت کو اس طرح طلاق دی کہ ”تجھے تین طلاق ہے۔“ تو تینوں واقعہ ہو جائیں گی ،اور عورت بغیر حلالہ کے حلال نہ ہوگی۔

(۱۵) حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا فتویٰ:

یہ فتویٰ ہم احادیث مرفوعہ میں حدیث نمبر۳ پر نقل کر چکے ہیں جس میں حضرت حسنؓ کا ارشاد ہے:۔

لو لا انی ابنت الطلاق لھالراجعتھا لکنی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ایما رجل طلق امرأتہ ثلاثاً عند کل طھر تطلیقۃً او عند رأس کل شھر تطلیقۃ او طلقھا ثلاثاً جمیعاً لم تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ.(دار قطنی ج۲ ص ۴۳۸)(سنن بیھقی ج۷ ص ۳۳۶)

ترجمہ وہی ملاحظہ کرلیا جائے۔اس کی سند کے متعلق علامہ ابن رجبؒ فرماتے ہیں: اسنادہ صحیح۔ بحوالہ کتاب الاشفاق۔

آثار تابعین

حضرت عبداللہ بن مغفل رحمہ اللہ کا فتویٰ:

حدثنا ابو بکر قال نا علی بن مسهر عن اسماعیل عن الشعبی عن ابن مغفل فی رجل طلق امرأته قبل ان یدخل بها قال لا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره .(مصنف ابن ابی شیبة ج۵ ص ۲۳ فی الرجل یتزوج المرأة ثم یطلقها)

فرمایا جو شخص اپنی منکوحہ کو صحبت سے قبل طلاق دے دی تو اب وہ اس مرد کے لئے حلال نہیں جب تک کہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔

مزید

(۱) حضرت قاضی شریح رحمہ اللہ کے آثار:

شریح رحمہ اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ قاضی تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد سے لے کر حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے عہد تک برابر قاضی رہے، بڑے بلند پایہ تابعی ہیں۔

(۱) حدثنا ابوبکر قال نا وکیع عن اسماعیل عن الشعبی عن الشریح قال (رجل) انی طلقتها مائة قال بانت منک بثلاث وسائرهن اسراف ومعصية (مصنف ابن ابی شیبة ج۵ ص ۱۴ فی الرجل یطلق امرأته مأته او الفاالخ)

شعبی کا بیان ہے کہ ایک شخص نے شریح سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو ۱۰۰ طلاقیں دے دی ہیں، قاضی شریح نے فرمایا عورت تین طلاق سے تم سے جدا ہوگئی باقی ستانوے اسراف اور معصیت ہیں۔

(۲) عن الشعبی انه قال : قال رجل لشریح القاضی طلقت امرأتی مائة فقال شریح بانت منک بثلاث وسبع وتسعون اسراف ومعصية .(محلیٰ ج ۲ ص ۱۷۳ احکام الطلاق)

(۲) حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے فتاویٰ:

(۱) حدثنا ابو بکر قال نا جریر عن مغیرة عن ابراهیم فی الرجل یتزوج المرأة فیطلقها ثلاثاً قبل ان یدخل بها قال ان کان (قال) طالق ثلاثاً کلمة واحدةلم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره او اذا طلقها طلاقاً متصلاً فهو کذلک .(مصنف ابن ابی شیبة ج۵ ص ۲۳ فی الرجل یتزوج المرأة ثم یطلقها)

مغیرہ ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نکاح کرے اور صحبت سے قبل ہی تین طلاقیں دے دے تو کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا اگر ایک جملہ میں تین طلاقیں دی ہیں (یعنی اس طرح کہا ہے کہ ”تجھے تین طلاق“)

تو عورت اس کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے۔

(۲)حدثنا ابو بکر قال نا محمد بن فضیل عن حصین عن ابراھیم قال اذا طلقھا ثلاثاً قبل ان ید خل بھا لم تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ.(مصنف ابن ابی شیبة ج۵ ص ۲۳

فرمایا کہ جب کوئی شخص عورت کو صحبت سے قبل تین طلاقیں دے دے تو اب وہ اس کے لئے حلال نہیں تا آنکہ دوسرے سے نکاح کرے۔

(۳)حدثنا ابو بکر قال(حدثت) عن جریر عن مغیرة عن حماد عن ابراھیم قال اذا خیّرھا ثلاثاً فاختارت مرةً فھی ثلاث.(مصنف ابن ابی شیبة ج۵ ص ۶۵ فی الرجل یخیر امرأتہ ثلاثاً فتختار مرة)

فرماتے ہیں جب شوہر عورت کو تین طلاقوں کا اختیار دے دے پھر عورت ایک ہی مرتبہ تینوں طلاقوں کو اختیار کرلے تو عورت پر تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔

(۴)عبدالرزاق...... عن ابراھیم قال اذا طلق الرجل ثلاثاً ولم ید خل فقد بانت منہ حتی تنکح زوجاً غیرہ الخ .(مصنف عبدالرزاق ج۶ ص ۳۳۲. ۳۳۳ باب طلاق البکر)(اخرجہ سعید بن منصور عن ابراھیم ج۳ ص ۲۶۱ قسم اول . رقم الحدیث ص ۱۰۷۸ ایضاً ص ۲۶۳)

ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں جب مرد اپنی بیوی کو صحبت سے پہلے تین طلاقیں دے دے تو اب وہ اس سے علیحدہ ہوگئی (اور اس پر حرام ہے) تا آنکہ دوسرے مرد سے نکاح کرے۔

(۳) حضرت مکحول رحمہ اللہ کا اثر:

حدثنا ابو بکر قال نا حاتم بن ورد عن مکحول فیمن طلق امرأتہ قبل ان ید خل بھا انھا لا تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ.(مصنف ابن ابی شیبة ج۶ ص ۳۰)

مکحول فرماتے ہیں جو شخص اپنی بیوی کو صحبت سے قبل طلاق دے دے تو جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے اس کے لئے حلال نہیں۔

(۴) حضرت قتادہ رحمہ اللہ کے آثار:

(۱)حدثنا ابو بکر قال نا عبد الأعلی عن سعید عن قتادة عن الحسن وھو قول قتادة انھما قالا اذا قال الرجل لا مرأتہ اعتدی ثلاثاً لم تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ(مصنف ابن ابی شیبةص ۳۰ ج. ۵۰ ما قالوا اذا قال اعتدی ثلاثاً)

(۲)عبدالرزاق عن معمر عن قتادة فی رجل قال لا مرأتہ اعتدی، اعتدی، اعتدی ھی ثلاث...... الخ.(مصنف عبدالرزاق ج۲ ص ۳۶۴باب قولہ اعتدی)

دونوں اثروں کا مطلب یہ ہے کہ جب شوہر بیوی کو اعتدی، اعتدی، اعتدی، تین مرتبہ کہے تو تین

طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور عورت بغیر حلالہ کے حلال نہ ہوگی۔

(۵) امام شعبی رحمہ اللہ کے آثار:

(۱) حدثنا ابو بکر قال ناعبدة بن سلیمان عن عاصم عن الشعبی فی رجل یطلق امرأته ثلاثا قبل ان یدخل بها قال لا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره (مصنف ابن ابی شیبة ج۵ ص ۲۳ فی الرجل یتزوج المرأة ثم یطلقها)

ترجمہ واضح ہے۔

(۲) حدثنا ابو بکر قال نا غندر عن شعبة عن عبداللہ بن ابی السفر عن الشعبی فی رجل اراد ان تبین منه امرأته قال یطلقها ثلاثاً. (مصنف ابن ابی شبة ج۵ ص ۱۲ من رخص للرجل ان یطلق ثلاثا فی مجلس) (سنن سعید بن منصور ج۳ ص ۲۶۰ قسم اول. رقم الحدیث نمبر ۱۰۷۲ ایضاً رقم الحدیث نمبر ۱۰۹۱)

امام شعبی فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ ارادہ کرے کہ اس کی بیوی بالکل اس سے علیحدہ ہو جائے۔ وہ اس کو تین طلاقیں دے دے۔

(۳) حدثنا ابو بکر قال نا ابو الأحوص عن مغیرة عن الشعبی فی رجل خیر امرأته ثلاث مرار فاختارت نفسها مرةً واحدةً قال بانت منه بثلاث (مصنف ابی ابی شیبة ج۵ ص ۶۴ فی الرجل یخیر امرأته ثلاثا فتختار مرة)

امام شعبی فرماتے ہیں جو شخص اپنی زوجہ کو تین مرتبہ طلاق دینے کا اختیار دے دے اور عورت ایک ہی مرتبہ اپنے اوپر تین طلاقیں واقع کر دے تو (تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور) بیوی اس سے جدا ہو جائے گی۔

(۴) عبدالرزاق عن معمر عن عطاء بن السائب عن الشعبی مثله (قال فی الرجل یطلق البکر ثلاثاً جمیعاً ولم یدخل قال لا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره.) (مصنف عبدالرزاق ج۶ ص ۳۳۶ باب طلاق البکر.

امام شعبی فرماتے ہیں جو شخص اپنی بیوی کو دخول سے پہلے ایک ساتھ تین طلاقیں دے دے تو اب عورت اس کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ دوسرے مرد سے نکاح کرے۔

(۶) امام زہری رحمہ اللہ کے آثار:

(۱) حدثنا ابو بکر قال نا عبدالأعلیٰ عن معمر عن الزهری فی رجل طلق امرأته ثلاثاً جمیعا قال ان من فعل فقد عصیٰ ربه وبانت منه امرأته. (مصنف ابن ابی شیبة ج۵ ص ۱۱ من کره ان یطلق الرجل امرأته ثلاثا الخ)

امام زہریؒ اس شخص کے متعلق جو اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے دے فرماتے ہیں جو اس طرح

طلاق دے اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی عورت اس سے جدا ہوگئی۔"

(۲)عن معمر عن ایوب قال دخل الحکم ابن عتیبة علی الزهری بمکة و انا معه فسألوه عن البکر تطلق ثلاثاً قال : سئل عن ذلک ابن عباس ، وابو هریرة، وعبدالله بن عمرو فکلهم قال لا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره الخ. (مصنف عبدالرزاق ج٦ ص ٣٣٥)

ایوب فرماتے ہیں کہ حکم بن عتیبہ مکہ مکرمہ میں امام زہریؒ کی خدمت میں گئے میں بھی حکم کے ساتھ تھا، انہوں نے امام زہری سے سوال کیا کہ کوئی شخص غیر مدخولہ کو تین طلاقیں دے دے تو؟ آپ نے فرمایا یہی سوال حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے بھی کیا گیا تھا تو ان تمام نے فرمایا تھا کہ عورت اس کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے۔

(۳)و کان عمرو ابو هریرة و ابن عباس و ابن شهاب و غیرهم یقولون من طلق امرأته قبل الدخول بها ثلاثاً لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره الخ (کشف الغمة للشعرانی ج ۱ ص ۱۰۱)

حضرت عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس اور ابن شہاب زہری وغیرہ فرماتے ہیں جو شخص اپنی بیوی کو دخول سے پہلے تین طلاقیں دے دے تو اب وہ عورت بغیر حلالہ کے اس کے لئے حلال نہیں۔

(۷) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے آثار:

(۱)حدثنا ابو بکر قال نا وکیع عن الفضل ..... عن الحسن قال جاء رجل الی الحسن فقال انی طلقت امرأتی الفاً قال بانت منک العجوز. (مصنف ابن ابی شیبہ ج۵ ص ۱۴ فی الرجل یطلق امرأته مأته الخ)

ایک شخص حسن بصریؒ کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دے دی ہیں آپ نے فرمایا وہ عورت تم سے جدا ہوگئی۔

(۲)حدثنا سعید قال نا حزم بن حزم قال سمعت الحسن سأله رجل فقال یا أبا سعید رجل طلق امرأته البارحة ثلاثاً وهو شارب فقال یجلد ثمانین وبرئت منه .(سنن سعید بن منصور ج۳ ص۲۶۰-۲۶۱ قسم اول .رقم الحدیث نمبر ۱۱۰۰ ایضاً ج۳ ص ۲۶۳. ۲۶۴ قسم اول .رقم الحدیث نمبر ۱۰۸۸)

حزم بن حزم فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حسن بصری سے مسئلہ پوچھا کہ گذشتہ رات ایک شخص نے اپنی بیوی کو نشہ کی حالت میں تین طلاقیں دے دی ہیں آپ نے فرمایا کہ اس کو اسی ۸۰ کوڑے لگائے جائیں اور اس کی بیوی اس سے علیحدہ ہوگئی۔

(۸) حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ (۹) حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ (۱۰) حضرت حمید بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کے آثار:

حدثنا ابو بکر قال نا عبدالا علی عن سعید عن قتادة عن سعید بن المسیب وسعید بن جبیر وحمید بن عبدالرحمان قالوا لا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره. (مصنف ابن ابی شیبة ج۵ ص ۲۴ فی الرجل یتزوج المرأة ثم یطلقها) (کذا عن سعید بن جبیر مصنف عبدالرزاق ج۶ ص ۳۴۴ من قال اذ طلق امرأته ثلاثا وهی حامل الخ)

مذکورہ تینوں حضرات فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بیوی کو تین طلاقیں دیدے تو عورت بغیر حلالہ کے حلال نہ ہوگی۔

(۱۱) حضرت مصعب بن سعید رحمہ اللہ

(۱۱) حضرت ابی ملک رحمہ اللہ

(۱۳) حضرت عبداللہ بن شداد رحمہ اللہ کے آثار

حدثنا ابوبکر قال نا وکیع عن سفیان عن منصور عن ابراهیم وعن جابر بن عامر وعن عمران بن مسلم عن ابن عفان وابی ملک وعبدالله بن شداد قالوا اذا طلق الرجل امرأته ثلاثا وهی حامل لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره. (مصنف ابن ابی شیبة ج:۵ ص:۴۳)

مذکورہ تینوں حضرات فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی حاملہ عورت کو تین طلاقیں دے دے تو جب تک وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے اس کے لئے حلال نہیں۔

(۱۴) حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کا اثر:

عبد الرزاق عن ابن جریج قال قلت لعطاء البتة، قال یدین فان اراد ثلاثاً فثلاث وان اراد واحدة فواحدة (مصنف عبدالرزاق ج۶ ص ۳۵۵ باب البتة والخلیة)

ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے پوچھا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو لفظ "البتۃ" سے طلاق دے دے تو کیا حکم ہے؟ فرمایا اگر اس لفظ سے تین طلاقوں کا ارادہ کرے گا تو تین واقع ہوں گی اور اگر ایک کا ارادہ کرے گا تو ایک واقع ہوگی۔

حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کے اس اثر سے معلوم ہوا کہ لفظ "البتۃ" میں ایک ساتھ تین طلاقوں کی نیت معتبر ہے پس جب تین طلاقوں کی نیت کرے گا تو تین ہی واقع ہوں گی۔

(۱۵) حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا اثر:

حضرت امام جعفر صادق کا صریح فتویٰ ہے کہ تین طلاقوں کے بعد عورت حلالہ کے بغیر حلال نہیں ہوسکتی۔

عن ابان تغلب قال سألت جعفر بن محمد عن رجل طلق امرأته ثلاثاً فقال بانت منه و لا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره فقلت افتی الناس بهذاقال نعم سنن دار قطنی ج ۲ ص ۴۴۴.

ابان تغلب فرماتے ہیں میں نے امام جعفر سے پوچھا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے تو کیا وہ عورت اس کے لئے حلال رہے گی؟ آپ نے فرمایا وہ اس سے بائنہ ہوگئی اور اب وہ اس کے لئے حلال نہیں جب تک کہ دوسرے سے نکاح نہ کرے میں نے عرض کیا کیا میں لوگوں کو اس کا فتویٰ دوں؟ فرمایا: ہاں شوق سے فتویٰ دو۔

بعض لوگوں نے امام جعفر کے زمانہ میں ان کی طرف اور تمام اہل بیت کی طرف یہ غلط نسبت شروع کی کہ اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جہالت سے تین طلاقیں دے دے تو ایک ہی واقع ہوگی۔ جب یہ بات امام جعفر کے سامنے آئی تو آپ نے اس کی سخت تردید فرمائی اور فرمایا کہ ہمارے نزدیک تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوں گی۔ چنانچہ امام بیہقیؒ نے سنن کبریٰ میں یہ روایت نقل فرمائی ہے:۔

عن مسلمة بن جعفر قال لجعفر بن محمد الصادق ان قوماً یزعمون ان من طلاق بجهالة رد الی السنة ویجعلونها واحدة یرو ونها عنکم . قال معاذ الله ماهذا من قولنا من طلق ثلاثاً فهو کما قال . سنن الکبری للبیهقی آخر باب من جعل الثلاث واحدة الخ ج۷ ص ۳۴۰.

ترجمہ

مسلمہ بن جعفر سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے جعفر صادق سے عرض کیا کہ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جو شخص جہالت کی وجہ سے تین طلاقیں دے دے تو اس کو سنت کی طرف پھیرا جائے گا اور اس کو ایک ہی طلاق قرار دیا جائے گا اور یہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا معاذ اللہ یہ ہمارا قول نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص تین طلاقیں دے گا تو تین ہی واقع ہوں گی (نہ کہ ایک)

(۱۶) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا اثر:

قال عمر بن عبدالعزیز لو کان الطلاق الفاً ماأبقت البتة منه شیئاً .(موطا امام مالک ص ۱۹۹ باب ماجآء فی البتة)

آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر مرد کو شریعت کی طرف سے ایک ہزار طلاقیں دینے کا اختیار دیا گیا ہوتا۔ اور کوئی شخص اپنی بیوی کو لفظ ''البتۃ'' سے طلاق دیتا تو ایک بھی طلاق باقی نہ رہتی (ہزار واقع ہوجاتیں۔) (سنن سعید بن منصور ج ۳ ص ۳۹۰ قسم اول۔ رقم الحدیث نمبر ۱۶۷۳)

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے نزدیک بھی کلمۂ واحدہ سے تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔

(۱۷) حضرت سلیمان اعمش کوفی رحمہ اللہ کا اثر:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فتاویٰ میں فتویٰ نمبر ۲ پر جو اثر ذکر ہوا ہے اس سے امام اعمش کوفیؒ کا مسلک در باب وقوع طلاق ثلاثہ بخوبی معلوم ہوتا ہے۔

(۱۸) امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا اثر:

اخبرنا سعید قال نا هشیم قال انا ابو عون عن ابن سیرین انه کان لایری بأساًان یطلق ثلاثاً.(سنن سعید بن منصور ج ۳ ص ۲۶۰ قسم اول. رقم الحدیث نمبر ۱۰۷۱)

ابوعون کا بیان ہے کہ ابن سیرین تین طلاقیں دینے میں حرج نہیں سمجھتے تھے (یعنی اگر کوئی تین طلاقیں دے دے تو واقع ہوجانے کے قائل تھے۔)

(۱۹) مروان بن حکم رحمہ اللہ کا اثر:

مالک عن ابن شهاب ان مروان بن الحکم کان یقضی فی الذی یطلق امرأته البتة انها ثلاث تطلیقات (موطا امام مالک ص ۲۰۰ باب ماجاء فی البتة

ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق البتہ دیتا تو مروان بن حکم اس کو تین طلاقیں قرار دیتے۔

(۲۰) حضرت امام مسروق رحمہ اللہ کا اثر:

حدثنا سعید عن الشعبی عن مسروق فیمن طلق امرأته ثلاثاً ولم یدخل بها قال لا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره.(سنن سعید بن منصور ج۳ ص ۲۶۲ قسم اول . رقم الحدیث نمبر ۱۰۷۹)

مسروق فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی غیر مدخولہ منکوحہ کو تین طلاقیں دے دے تو اب وہ اس کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ دوسرے سے نکاح کرے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم.

تجھے فارغ خطی دیتا ہوں، طلاق، طلاق، طلاق، اس جملہ کا حکم:

(سوال ۴۱۲) ایک شخص نے اپنی بیوی کو یہ الفاظ لکھے "تجھے فارغ خطی دیتا ہوں، طلاق، طلاق، طلاق، اس صورت میں کتنی طلاق واقع ہوں گی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں لفظ فارغ خطی سے ایک طلاق بائن واقع ہوگی (اس لفظ سے وقوع طلاق کے لئے نیت ضروری نہیں ہے، فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۵۳ ج ۵) اس کے بعد تین لفظ صریح طلاق کے لکھے گئے ہیں، اور قاعدہ ہے کہ " الصریح یلحق الصریح ویلحق البائن بشرط العدة " (درمختار مع شامی ص ۶۴۵ ج ۲ باب الکنایات) طلاق صریح، طلاق صریح سے لاحق ہوجاتی ہے اور بشرط العدۃ طلاق صریح طالق بائن سے بھی لاحق ہوجاتی ہے، لہٰذا بعد کی دو صریح طلاق لاحق ہوکر طلاق مغلظہ ہوں گی اور اخیر کی ایک طلاق لغو ہوگی۔

فتاویٰ خیریہ میں ہے: (سئل) فی رجل قال لزوجته انت علی حرام ونوی بذلک الطلاق ثم

قال عقب ذلک فی العدة انت طالق ثلاثا فهل یلحق الثانی الاول . اولا یلحقه لکون الثانی بائنا والاول بائن ، والبائن لا یلحق البائن (اجاب) تطلق ثلاثا کما صرح به غیر واحد من علمائنا قال فی فتح القدیر الطلاق الثلاث من قبیل الصریح اللاحق بصریح وبائن ومثله فی البحر والنهر ومنح الغفار وغیرها من الکتب وفی مشتمل الا حکام والبائن لا یلحق البائن یعنی البائن اللفظی لا یلحق البائن اللفظی ، اما البائن المعنوی یلحق اللفظی مثل الثلاثة من المبسوط انتهی قالوا وهی حادثة وقعت فی حلب رجل ابان زوجته ثم طلقها ثلاثاً وقد افتی بعضهم بعدم وقوع الثلث لانه بائن فی المعنی والبائن لا یلحق البائن فاعتبار المعنی اولی من اعتبار اللفظ کما ذکر فی السوال وافتی بعضهم بوقوع الثلاث قال فی الفتح الحق انه یلحقها الخ (فتاوی خیریه ص ۵۲،۵۱ ج کتاب الطلاق مطالبة) فقط واللہ اعلم بالصواب.

اللہ کے واسطے تجھے طلاق "تین مرتبہ" کہا تو کیا حکم ہے:

(سوال ۴۱۳) ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ یہ جملہ کہا "اللہ کے واسطے تجھے طلاق" تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں عورت پر تین طلاق واقع ہو کر مطلقہ مغلظہ ہوگئی شرعی حلالہ کے بغیر اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باب الایلاء والظہار

بیوی سے کبھی صحبت نہ کرنے کی قسم کھائی تو کیا حکم ہے اور قسم کا کفارہ:

(سوال ۴۱۴) ایک شخص نے یہ قسم کھائی کہ میں کبھی اپنی بیوی سے صحبت نہیں کروں گا اور انگلش و گجراتی میں قسم نامہ لکھ کر اپنی بیوی کو دیا اس بات کو ایک سال کا عرصہ ہوگیا ہے اور اس درمیان وہ شخص اپنی بیوی سے بالکل الگ رہا ہے تو اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا عورت پر کوئی طلاق ہوگئی، اور اس پر عدت لازم ہوگی؟ اگر وہ شخص اس درمیان صحبت کر لیتا تو کیا حکم ہوتا؟ جواب مدلل ومفصل تحریر فرمائیں۔ (از افریقہ)

(الجواب) شوہر نے یہ قسم کھائی کہ میں کبھی اپنی بیوی سے صحبت نہیں کروں گا اور اس کو ایک سال کا عرصہ ہوگیا ہے، اور اس درمیان دونوں بالکل الگ رہے ہیں تو قسم کھانے کے وقت سے چار ماہ گذرنے پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اور اسی وقت سے اس کی عدت شروع ہوگئی، اگر وہ دونوں باہم نکاح کرنے پر راضی ہوں تو نکاح ہوسکتا ہے، عدت پوری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اور اگر اس شوہر کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس عورت سے نکاح کرنا چاہے تو عدت پوری ہونا ضروری ہے، عدت پوری ہونے سے پہلے نکاح صحیح نہ ہوگا۔

عورت سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانے کو شرع میں ایلاء کہتے ہیں، ایلاء کے تحقق کے لئے یہ ضروری ہے کہ چار مہینے یا اس سے زیادہ صحبت نہ کرنے کی قسم کھائے، اگر چار مہینے سے کم مدت صحبت نہ کرنے کی قسم کھائے تو ایلاء کا تحقق نہ ہوگا لیکن صحبت کرنے پر قسم ٹوٹ جائے گی اور قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔

جب ایلاء کا تحقق ہو جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت:۔ چار مہینے تک صحبت نہ کرنے کی قسم کھائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر چار ماہ گذرنے سے پہلے صحبت کرے گا تو قسم ٹوٹ جائے گی اور قسم کا کفارہ دینا پڑے گا اور اگر چار ماہ تک صحبت نہ کرے گا تو چار ماہ بعد ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اس کے بعد اگر دونوں ساتھ رہنے پر رضا مند ہوں تو دوبارہ نکاح کرنا ہوگا، نکاح کرنے کے بعد اگر اس سے صحبت نہ کرے گا تو طلاق واقع نہ ہوگی (اس لئے کہ قسم صرف چار ماہ صحبت نہ کرنے کی کھائی ہے، اس کو ایلاء مؤقت کہتے ہیں)

دوسری صورت یہ ہے کہ ہمیشہ صحبت نہ کرنے کی قسم کھائے، یعنی یوں کہا کہ خدا کی قسم میں تجھ سے کبھی صحبت نہ کروں گا (جیسا کہ صورت مسئولہ میں ہے) تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس نے صحبت نہ کی تو چار ماہ گذرنے پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اس کے بعد اگر دونوں ساتھ رہنے پر رضا مند ہوں تو دوبارہ نکاح کرنا ہوگا (اگر دونوں ساتھ رہنے پر رضا مند نہ ہوں تو عدت پوری ہونے کے بعد عورت جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے) اگر دونوں نے باہمی رضامندی سے نکاح کر لیا، نکاح کے بعد اگر صحبت کرے گا تو قسم ٹوٹ جائے گی اور قسم کا کفارہ دینا پڑے گا (اس لئے کہ قسم علی حالہ باقی ہے) اور اگر چار ماہ تک صحبت نہ کرے گا تو چار ماہ گذرنے پر دوسری طلاق بائن واقع ہو جائے گی، اور حسب سابق ساتھ رہنا ہو تو نکاح کرنا ہوگا، اگر پھر اسی سے نکاح کر لیا اگر صحبت کرے گا تو قسم ٹوٹ جانے کی بنا پر کفارہ دینا ہوگا اور اگر چار ماہ تک صحبت نہ کرے گا تو چار ماہ گذرنے پر تیسری طلاق واقع ہو جائے گی، اب شرعی حلالہ

کے بغیر اس سے نکاح نہ ہو سکے گا شرعی حلالہ کے بعد اگر اس سے نکاح کرے تو اب صحبت نہ کرنے سے طلاق واقع نہ ہوگی، ہاں قسم باقی ہے لہٰذا اب بھی صحبت کرے گا تو حانث ہونے کی وجہ سے کفارہ دینا ہوگا (شرعی حلالہ کا طریقہ فتاویٰ رحیمیہ ج۵ ص۳۳۲ پر ہے) جدید ترتیب کے مطابق، باب الرجوع میں شرعی حلالہ کی ایک صورت، کے عنوان سے دیکھا لیا جائے۔ از مرتب) (اس دوسری صورت کو ایلاء مؤبد کہتے ہیں)

ہدایہ اولین میں ہے واذا قال الرجل لا مرأته واللہ لا اقربک او قال لا اقربک اربعة اشهر فهو مول لقوله تعالیٰ للذين يؤلون من نسائهم تربص اربعةاشهر فان وطيها في الاربعة الا شهر حنث في يمينه ولزمته الكفارة لا ن الكفارة موجب الحنث وسقط الا يلاء لان اليمين ترتفع بالحنث وان لم يقربها حتى مضت اربعة اشهر بانت منه بتطليقة . الى قوله. فان كان حلف على اربعة اشهر فقد سقطت اليمين لا نها كانت موقتة به وان كان حلف على الا بد فاليمين باقية .الى قوله. فان عاد فتزوجها عادا الا يلاء فان وطيها (فبها) والا وقعت بمضى اربعة اشهرتطليقة اخرىٰ .الى قوله. فان تزوجها ثالثا عاد الا يلاء ووقعت بمضى اربعة اشهر اخرىٰ ان لم يقربها لما بينا فان تزوجهابعد زوج اخر لم يقع بذلك الا يلاء طلاق . واليمين باقية لا طلاقها وعدم الحنث فان وطيها كفر عن يمينه لو جود الحنث. فان حلف على اقل من اربعة اشهر لم يكن مولياً لقول ابن عباسؓ لا ايلاء فيما دون اربعةاشهر .هدايه اولين ص ۳۸۱، ص ۳۸۲ باب الا يلاء .

قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو صبح وشام کھانا کھلائے یا ہر مسکین کو صدقۂ فطر کے برابر گیہوں یا اس کی قیمت دے دے یا ہر مسکین کو ایک ایک جوڑا کپڑا پہنائے، اور اگر ان میں سے کسی چیز کی طاقت نہ ہو تو تین روزے رکھے۔ ہدایہ اولین میں ہے۔ كفارة اليمين عتق رقبة يجزئ فيها مايجزئ في الظهار وان شاء كسا عشرة مساكين كل واحد ثوبا فما زاد وادناه ما يجوز فيه الصلوة وان شاء اطعم عشرة مساكين .الى قوله. فان لم يقدر عى احد الا شياء الثلثة صام ثلثة ايام متتابعات (هدايه اولين ص ۴۶۱ كتاب الايمان فصل فى الكفارة) فقط واللہ اعلم بالصواب .

اگر تجھ سے صحبت کروں تو تجھ کو طلاق اس سے ایلاء ہوتا ہے یا نہیں :

(سوال ۴۱۵) مکرم ومحترم حضرت مفتی صاحب زید مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہو۔ ایک مسئلہ درپیش ہے اس سلسلہ میں بہت پریشان ہوں، آپ سے اس کی تحقیق مطلوب ہے۔ وہ یہ کہ ایک صاحب میرے پاس آئے تھے انہوں نے مسئلہ پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی سے یہ کہہ دیا تھا ”اگر میں تجھ سے وطی کروں تو تجھ کو طلاق“ پھر اس دوران وہ صاحب جماعت میں چلے گئے اور لمبا وقت (تقریباً سات ماہ) جماعت میں گذرا، واپسی میں مجھ سے پوچھا کہ اس جملہ کا کیا حکم ہے؟ میں نے جواب دیا کہ تم جب وطی کروگے تو اس کو طلاق پڑے گی اور صریح ہے اس لئے اس سے رجوع کر سکتے ہو، چنانچہ وہ یہ جواب لے کر چلا گیا اور اسی کے مطابق رجوع کر لیا، ان کے سب تعلقات ٹھیک ہو گئے تو میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ جواب صحیح

تب؟ لمبا وقت غائب ہونے کی وجہ سے اس پر ایلاء کا اطلاق ہوگا؟ اور تجدید نکاح کی ضرورت ہوگی؟ امید ہے کہ جواب مرحمت فرمائیں گے، مجھ پر بڑی گرانی اور فکر ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مذکورہ صورت میں ایلاء ہوگیا جس کا حکم یہ ہے کہ وہ شخص اگر چار ماہ کے اندر اندر صحبت کر لیتا تو طلاق رجعی واقع ہوجاتی، رجوع کرنا کافی ہوتا اور ایلاء ساقط ہوجاتا، لیکن صورت مذکورہ میں چار ماہ گذر گئے اور صحبت نہیں کی تو چار ماہ گذرنے پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی بتراضی طرفین تجدید نکاح کے بعد ایک ساتھ رہ سکتے ہیں، اس صورت میں رجوع کرنا کافی نہیں۔

ہدایہ اولین میں ہے: ولو حلف بحج او بصدقة او عتق او طلاق فهو مؤل لتحقق المنع باليمين وهو ذكر الشرط والجزاء والحلف بالطلاق ان يعلق بقربانها طلاقها او طلاق صاحبتها(هدايه اولين ص ۳۸۳ باب الايلاء)

عنایہ شرح ہدایہ میں ہے (قوله ولو حلف بحج او بصوم)لما فرغ من بيان اليمين باللهفى الايلاء شرع فى بيان اليمين بغير اللهبذكر اللهالشرط والجزاء بان يعلق قربانها بحج او صوم او صدقة او طلاق او عتق فانه يصير موليا لتحقق المنع باليمين بذكر الشرط والجزاء (عنايه شرح هدايه ص ۲۰۳ مع فتح القدير ايضا)

درمختار میں ہے: وان قربتک فعلى حج او نحوه ...... او فانت طالق او عبده حر ..... فان قربها فى المدة ..... حنث وحينئذ (ففى الحلف باللهوجبت الكفارة وفى غيره وجب الجزاء وسقط الايلاء)لانتهاء اليمين (والا) يقربها (ابنت بواحدة) بمضيها الخ شامی میں ہے (قوله وفانت طالق اوعبده حر)..... فان قربها تطلق رجعية ويعتق العبد (درمختار ورد المحتار ص ۷۵۴ ج ۲ باب الايلاء)

بہشتی زیور میں ہے، مسئلہ: خدا کی قسم نہیں کھائی بلکہ یوں کہا اگر تجھ سے صحبت کروں تو تجھ کو طلاق ہے تب بھی ایلاء ہوگیا، صحبت کرے گا تو رجعی طلاق پڑ جاوے گی اور قسم کا کفارہ اس صورت میں نہ دینا پڑے گا، اور اگر صحبت نہیں کی تو چار مہینے کے بعد طلاق بائن پڑ جاوے گی اور اگر یوں کہا، اگر تجھ سے صحبت کروں تو میرے ذمہ ایک حج ہے یا ایک روزہ ہے یا ایک روپیہ کی خیرات ہے یا ایک قربانی ہے تو ان سب صورتوں میں بھی ایلاء ہوگیا، اگر صحبت کرے گا تو جو بات کہی ہے وہ کرنی پڑے گی اور کفارہ نہ دینا پڑے گا اور اگر صحبت نہ کی تو چار مہینے بعد طلاق پڑ جاوے گی۔ (بہشتی زیور ص ۷۷ چوتھا حصہ، بی بی کے پاس نہ جانے کی قسم کھانے کا بیان) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صحبت ترک کر کے عورت کو مثل ماں کے سمجھنا :

(سوال ۴۱۶) جب میں عورت کے پاس ہم بستری کے لئے گیا۔ تو اس نے حسب مرضی صحبت سے انکار کیا جس بنا پر غصہ آ گیا۔ میں نے غصہ کی حالت میں کہا کہ قرآن شریف کو گواہ بناتا ہوں کہ اب کبھی تیرے ساتھ صحبت نہ کروں گا'' تو میری ماں کی مثل ہے۔'' یہ بات بالارادہ طلاق نہیں بلکہ ہم بستری نہ کرنے کے ارادہ سے کہی تو شرعی حکم کیا ہے؟ میری

لئے جائز ہے یا نہیں؟ اس کی بہت بڑی فکر ہے۔ خدا کا خوف ہے فتویٰ دے کر ممنون فرمائیں۔

(الجواب) مذکورہ صورت قسم کی نہیں ہے ظہار کی ہے۔ لہذا کفارۂ ظہار کی ادائیگی سے پہلے عورت کے ساتھ جماع وغیرہ ناجائز ہے۔ کفارہ میں مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے، اس کی استطاعت نہ ہو تو صبح و شام دونوں وقت ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یا ہر ایک کو بنگالی وزن سے پونے دو سیر گیہوں دے دے۔ تو کفارہ ادا ہو جائے گا اور عورت کے ساتھ صحبت بھی جائز ہو جائے گی۔[1]

(۱) الظهار هو تشبيه الزوجة اوجزء منها شائع أو معبر به عن الكل بما لا يحل النظر اليه من المحرمة على التابيد ولو برضاء و صهرية كذا في فتح القدير .فتاویٰ عالمگیری الباب التاسع في الظهار ج. ا ص ۵۰۵ كفارة الفطر و كفارة الظهار واحدة وهي عتق رقبة مؤمنة أو كافرة فان لم يقدر على العتق فعليه صيام شهرين متتابعين وان لم يستطع فعليه اطعام ستين مسكينا كل مسكين صاع من تمراو شعيرا ونصف صاع من حنطة .فتاویٰ عالمگیری ، كتاب الصوم المتفرقات ج. ا ص ۲۱۵.

تنسیخ نکاح

نامردی کی حالت میں طلاق ''خلع'' کر سکتے ہیں :

(سوال ۲۱۷) ایک شخص کی چار سال سے شادی ہوگئی ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ نامرد ہے۔ عورت نوجوان ہے آج دو برس ہوئے اس کے والد کے ہاں ہے لڑکی کا باپ اس سے طلاق مانگتا ہے تو طلاق نہیں دیتا اور کہتا ہے کہ اور دو سال کے بعد دوں گا۔ دوا کرنے کو کہتا ہے چار سال ہوئے اچھا نہیں ہوا ہے تو اب کیا اچھا ہوگا۔ مرض زائل ہونے کی کوئی بھی علامت واضح نہیں ہوتی، اب جوان لڑکی ہے، کچھ فعل شنیع ہو جائے تو اس کے والدین کی عزت کا سوال ہے۔ اس کام کے لئے کورٹ (عدالت) کی طرف رجوع کرنے کا ارادہ ہے۔ قبل اس کے شریعت کیا کہتی ہے وہ معلوم کر کے کورٹ و پنچ میں گے لہذا جواب تاکید سے روانہ فرمائیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں اولاً خلع کرانے کی کوشش کر کے یعنی مہر باقی ہو تو وہ معاف کر کے طلاق کا مطالبہ کرے۔ طلاق نہ دے تو اپنا معاملہ شرعی قاضی یا مسلمان حاکم اور جہاں یہ میسر نہ ہو تو جماعت مسلمین (مسلمان پنچایت جس میں تجربہ کار عالم بھی ہو یا عالم کی رائے کے مطابق عمل ہوتا ہو) کے سامنے معاملہ پیش کرے مسلمان حکام کو غیر مسلم گورنمنٹ کی جانب سے مذکورہ معاملہ کے فیصلہ کا قانوناً اختیار دیا گیا ہو تو اس کی کچہری (عدالت) میں مقدمہ دائر کیا جا سکتا ہے۔ یا میاں بیوی دونوں رضامند ہو کر کسی معاملہ فہم عالم کو حکم (پنچ) مقرر کر لیں۔ پھر یہ حضرات (شرعی قاضی، مسلم جج اور پنچ) معاملہ کی پوری تحقیق و تفتیش شرعی شہادت وغیرہ سے کریں، نامردی ثابت ہو جائے تو علاج کے لئے ایک سال کی مزید مہلت دیں، اچھا نہ ہونے پر اگر مرد طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو تو قاضی۔ مسلمان حاکم یا جماعت مسلمین یا عالم پنچ اس نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں۔ حضرت سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ جو کوئی کسی عورت سے نکاح کرے اس کے ساتھ مجامعت کرنے کی طاقت اس میں نہ ہو (نامرد ہو) تو اس کو ایک برس کی مہلت دی جائے۔ اگر اس مدت میں صحبت کرے تو فبہا ورنہ اس عورت کو مرد سے الگ کر دیا جائے۔ (مؤطا امام مالک ص ۲۱۴ مجتبائی) (۱)

اور فقہ کی معتبر کتاب قدوری میں ہے۔ **واذا كان الزوج عنيناً اجله الحاكم حولاً فان وصل في هذه المدة فلا خيار لها والا فرق بينهما ان طلبت المرأة ذلك** (ص ۱۲۶ مطبع العليمي لاهور) یعنی جب شوہر نامرد ہو تو مسلمان حاکم اس کے علاج کے لئے ایک برس کی مدت دے۔ اس مدت میں اگر وہ عورت کے قابل ہو جائے تو بہتر ورنہ عورت اگر مطالبہ کرے تو دونوں میں تفریق کر دی جائے گی (الحیلہ الناجزہ) عورت کی تفریق میں غیر مسلم جج کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں۔ لہذا قانونی کارروائی کے بعد شرعی پنچایت یا متفقہ پنچ معاملہ کی سماعت کر کے فسخ نکاح کا فیصلہ کریں۔

---

(۱) عن سعيد بن مسيب انه كان يقول من تزوج امرأته فلم يستطع ان يمسها فانه يضرب له اجل سنة فان مسها والا فرق بينهما . اجل الذى لا يمس امرأته ص ۵۲۸)

مفقود کا شرعی حکم کیا ہے:

(سوال ۴۱۸) تقریباً بائیس برس کی لڑکی کی شادی چار برس پہلے ہوئی تھی۔شادی کے ڈیڑھ دو برس بعد اس کا خاوند گم ہوگیا ہے۔حسب امکان جستجو کی مگر پتہ نہ لگا۔تقریباً بیس ماہ سے بالکل لا پتہ ہے عورت کو شوہر کی جائداد میں سے نفقہ ولباس نہیں ملتا،تو اب عورت کیا کرے؟ اور اس کے نفقہ ولباس کا ذمہ دار کون؟ اس طرف کے علماء سے مسئلہ دریافت کرنے پر کہا کہ نوے برس تک انتظار کرے اس پرآشوب دور میں جوان عورت کے لئے شریعت مطہرہ میں کچھ گنجائش ہو تو عربی عبارت کے حوالے سے جواب دیں۔بینوا توجروا۔

(الجواب) جمہور ائمہ و مجتہدین کا اجماع یہی ہے کہ لا پتہ شخص کو مال و جائداد کے بارے میں اس وقت تک زندہ مانا جائے گا جب تک اس کی ہم عمر زندہ ہیں۔جب اس کی بستی میں اسکے ہم عمر مر جائیں تب اس کو بھی متوفی اور مردہ تسلیم کیا جائے گا اور اس کا ترکہ تقسیم کر دیا جائے گا اور نوے سال کی مدت ایسی مانی گئی ہے کہ اس کے ہم عمر ختم ہو جائیں۔اس ضابطہ کی بنا پر عورت کو بھی نوے سال کے بعد بیوہ ماننا چاہئے۔(ہاں بعض صورتوں میں جیسے کہ جنگ میں گم ہوگیا ہو یا ٹی بی یا کینسر وغیرہ مہلک امراض میں غائب ہوگیا ہو یا دریا میں کام کرتے ہوئے لا پتہ ہوگیا ہو اور شرعی قاضی کو اس کی موت کا غالب گمان ہو جائے تو موت کا حکم دے سکتا ہے)

لیکن حضرت امام مالکؒ نے عورت کے بارے میں چند شرطوں کے ساتھ چار برس کی مدت متعین فرمائی ہے۔دلیل میں حضرت عمرؓ کا فیصلہ ہے کہ ایما امراۃ فقدت زوجھا فلم یدراین ھو فانھا تنتظر اربع سنین ثم تعتد اربعۃ اشھر وعشرا ثم تحل .(موطا امام مالکؒ ص ۲۰۹ عدۃ التی تفقد زوجھا)(ترجمہ) جس عورت کا خاوند مفقود ہو جائے اور پتہ نہ چلے کہ وہ کہاں ہے (زندہ ہے یا مرگیا) تو عورت (شرعی قاضی وغیرہ کے حکم سے) چار برس انتظار کرے۔پھر چار ماہ دس دن عدت گزار کر نکاح کر سکتی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے بھی بعض مواقع میں چار برس کی مدت تسلیم کی ہے۔اور اب وقت کی نزاکت اور پرآشوب دور کا لحاظ کر کے ناچاری و مجبوری کی صورت میں حنفی فقہاء بھی حضرت امام مالکؒ کے مذہب کے مطابق چار برس کی مدت کا فتویٰ دیتے ہیں۔لو افتیٰ حنفی فی ھذہ المسئلہ بقول مالک عند الضرورۃ لا باس بہ عمدۃ الرعایہ علی شرح الوقایہ (ج۲ ص ۳۱۳ کتاب المفقود الدر المنتقیٰ شرح الملتقی ج ۱ ص ۱۲۲) شامی (ج۳ ص ۴۵۶)

خلاصہ یہ کہ اگر کسی عورت کا خاوند لا پتہ ہو جائے اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ زندہ ہے یا مرگیا،اور عورت نفقہ ولباس سے عاجز ہو یا عفت کے ساتھ زندگی گذارنا دشوار ہو تو ایسی مجبوری کی صورت میں عورت اپنا مقدمہ شرعی قاضی کی عدالت میں دائر کرے۔جہاں شرعی قاضی نہ ہو اور مسلم جج کو گورنمنٹ نے اس جیسے مقدمہ کا شرعی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہو تو اس مسلم جج کے یہاں مقدمہ دائر کرے۔یا دیندار مسلمانوں کی پنچایت میں (جو شریعت کے مطابق فیصلہ کر سکے) اپنا مقدمہ پیش کر کے جدائی کا مطالبہ کرے،تو قاضی وغیرہ معاملہ کی تحقیق وتفتیش کر کے عورت کو مزید چار برس انتظار کرنے کا حکم دیں،چار برس بعد پھر عورت کے مطالبہ پر شوہر کی وفات کا حکم صادر کر کے وفات کی عدت گزار کر

نکاح کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔ اگر عورت مدت دراز تک صبر کر کے عاجز و تنگ آ گئی ہو اور مزید چار برس صبر نہ کر سکتی ہو، اور فتنہ میں مبتلا ہونے کا نہایت قوی اندیشہ ہو تو ایسے خطرناک موقع پر مالکی مذہب کے مطابق فقط ایک برس انتظار کرا کر جدائی کر کے عدت طلاق گزار کر قاضی وغیرہ نکاح کی اجازت دے سکتے ہیں۔ (الحیلۃ الناجزہ ص ۶۱ بالفاظہ) عدت ختم ہونے تک عورت اپنے خاوند کی جائداد میں نفقہ ولباس وغیرہ خرچ لینے کی شرعاً حق دار ہے۔

غیر مسلم جج تفریق کرے تو کیا شرعاً اس کا فیصلہ معتبر ہے :

(سوال ۴۱۹) بمبئی میں ایک لڑکی کی شادی ہوئی۔ پانچ برس ہوئے۔ لڑکا افریقہ میں ہے۔ فی الحال لڑکی کی عمر بیس برس کی ہے۔ شادی کے بعد لڑکے نے اس کو نہیں بلایا، نہ نفقہ وغیرہ بھیجتا ہے، خطوط لکھے مگر جواب ندارد۔ طلاق کا مطالبہ کیا تب بھی جواب نہیں دیا۔ بالآخر بمبئی کورٹ میں مقدمہ دائر کر کے طلاق حاصل کی، کیا یہ طلاق واقع ہوئی؟ ورنہ حصول طلاق کی کیا صورت ہے؟ اب تک کے نفقہ ومہر کی حق دار ہے؟ اگر ہے تو کیا بذریعہ دیوانی اس کی وصول یابی درست ہے۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں غیر مسلم مجسٹریٹ (جج) کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں ہے، لہٰذا لڑکی نکاح نہیں کر سکتی اور اگر کرے تو وہ غیر معتبر ہے۔ لہٰذا اس مقدمہ کو مسلم جماعت یعنی دیندار مسلم پنچایت کے سامنے پیش کیا جائے جس میں ماہر عالم بھی ہو۔ یہ پنچایت شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ معاملہ کی تحقیق کر کے فسخ نکاح کا فیصلہ کرے اب عورت شرعی نقطۂ نظر کے بموجب آزاد ہوگی۔ عورت مہر کی حق دار ہے۔ لیکن ایام گذشتہ کے نفقہ کی حقدار نہیں۔ **والنفقة لا تصير دينا الا بالقضاء او الرضاء (درمختار)**

(قوله والنفقة لا تصير دينا) اى اذا لم ينفق عليها بان غاب عنها او كان حاضرا فامتنع فلا يطالب بها بل تسقط بمضى المدة. (درمختار مع الشامى ج۲ ص ۹۰۲ باب النفقة مطلب لا تصير النفقة دينا الا بالقضآء او الرضاء).

بحالت مجبوری کورٹ سے طلاق لینا کیسا ہے :

(سوال ۴۲۰) میری لڑکی عاقلہ بالغہ ہے اس کا نکاح ہوا تین برس کے بعد اس کے شوہر کا دماغ خراب ہو گیا۔ اس کا علاج کیا مگر کوئی فرق نہیں۔ اب وہ نہ کچھ کرتا ہے اور اس کو مار پیٹ کرتا ہے۔ لڑکی بڑی پریشان تھی۔ اسی درمیان اس کا جیٹھ بمبئی سے آیا وہ میرے گھر چھوڑ گیا۔ لڑکی کی پریشانی محسوس کر کے اور اس کی تکلیف دیکھ کر اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی اور وہ طلاق نہیں دیتا اب میری لڑکی شرعاً کس طرح علیحدہ ہو سکتا ہے؟ کیا کورٹ سے طلاق لی جا سکتی ہے؟ اور یہ شرعاً تسلیم ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) لڑکی کو چاہئے کہ تقدیر پر راضی رہے۔ زمانہ یکساں طور پر نہیں رہتا اگر لڑکی اس قدر پریشان ہو کہ شوہر کے ساتھ زندگی بسر کرنا دشوار ہو تو شوہر کو مہر معاف کر کے، یا کچھ دے کر اس سے طلاق حاصل کر لے۔ شوہر طلاق کے لئے راضی نہیں ہے۔ جوانی کی وجہ سے عورت میں تحمل نہیں۔ یا شوہر بالکل دیوانہ ہو، یا کوئی ذریعہ معاش نہ ہو، تو عورت شرعاً قاضی کی کچہری میں مقدمہ دائر کرے۔ شرعی قاضی نہ ہو تو مسلم جج کی عدالت میں مقدمہ دائر کرے۔ جس کو شرعی قانون

کے مطابق ڈگری کا اختیار ہو،اور فیصلہ کرتا ہو ورنہ دیندار مسلمانوں کی پنچایت میں (جس میں تجربہ کار عالم بھی ہو) لڑکی اپنا مقدمہ داخل کرے اور یہ پنچایت شرعی قانون کے مطابق علیحدگی کا فیصلہ کردے تو لڑکی علیحدہ ہو سکتی ہے۔ غیر مسلم مجسٹریٹ کا فیصلہ معتبر نہیں۔ جب تک مسلمان پنچائت فیصلہ نہ کرے کورٹ کے فیصلہ پر عمل نہ کیا جائے۔ (الحیلة الناجزہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شوہر نہ بلائے اور نہ طلاق دے تو خلاصی کی کیا صورت :

(سوال ۴۲۱) میرا شوہر دس برس سے مجھے بلاتا نہیں، کسی قسم کی پرسش احوال نہیں کرتا اور خرچ بھی نہیں دیتا۔ اس نے دوسری شادی کرلی ہے۔ وہ مجھے طلاق بھی نہیں دیتا تو میں کیا کروں؟ میرے والدین غریب ہیں۔ لہذا آپ شرع کے مطابق خلاصی ہو سکے۔ ایسی رہنمائی فرمائیں۔

(الجواب) شوہر راضی نہ ہو تو مہر معاف کر کے، یا زیور وغیرہ دے کر خلع کر کے علیحدہ ہو جائے شوہر اس پر بھی رضامند نہ ہوتا ہو تو قانونی طور پر طلاق دینے پر مجبور کیا جائے۔ اگر شوہر طلاق نہ دے اور کورٹ طلاق کا فیصلہ کرے تو یہ فیصلہ شرعی قانون نہ ہونے کی وجہ سے معتبر نہیں ہے۔ لہذا مسلم پنچائت کے سامنے (جس میں معاملہ فہم مستند عالم بھی ہوں اپنا مقدمہ پیش کیا جائے۔ مسلم پنچائت از سرنو شرعی کارروائی کر کے شوہر سے طلاق دلائے یا از خود طلاق کا فیصلہ کرے تو عدت گذار کر دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔ (**الحیلة الناجزہ) فقط واللہ اعلم بالصواب**۔

زوجۂ مفقود کے فیصلہ کے لئے کمیٹی کا انتخاب کون کرے؟ اور فیصلہ کا طریقہ کار کیا ہے :

(سوال ۴۲۲) زوجۂ مفقود کا ایک مسئلہ ہمارے مدرسہ میں آیا ہے۔ الحیلة الناجزہ کا مطالعہ کیا ہے اس وقت اس کے متعلق ایک دو باتیں دریافت طلب ہیں۔

(۱) جماعت مسلمین کو تشکیل کون دے گا؟ جن کے پاس یہ مسئلہ آیا ہے وہ لوگ خود بخود کمیٹی بنالیں یا عامۂ مسلمین کمیٹی کے ارکان کا انتخاب کریں؟

(۲) جب عورت یا کسی اور کا بیان لیا جائے تو اس وقت کمیٹی کے تمام ارکان کا ہونا ضروری ہے یا صرف صدر کا ہونا کافی ہے؟ اور اسی طرح صدر کا فیصلہ معتبر ہوگا یا سب ارکان کا متفقہ فیصلہ ہونا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) جہاں قاضی شرعی موجود نہ ہو وہاں حکومت کی جانب سے اس قسم کے مقدمات کے تصفیہ کے اختیارات جس مسلمان (مجسٹریٹ) کو حاصل ہو اور وہ مسلمان شریعت کے قانون کے مطابق فیصلہ صادر کرے تو اس کا فیصلہ بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے، جہاں حکومت کی جانب سے اس قسم کا انتظام نہ ہو اور عامۂ مسلمین اس قسم کے معاملات کے تصفیہ کے لئے اہل علم اور معاملہ فہم کی کم از کم تین افراد پر مشتمل پنچایت قائم کریں تو اس کا فیصلہ بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے جہاں ایسی پنچایت نہ ہو میاں بیوی خاص اپنے مقدمہ کے لئے اہل علم اور معاملہ فہم دیندار اشخاص پر مشتمل پنچایت کو اختیارات دے کر فیصلہ چاہیں تو اس پنچایت کا متفقہ فیصلہ بھی ان کے حق میں قضاء قاضی کے قائم مقام ہوگا۔

(۲) بیانات لینے اور واقعات کی تحقیق و تفتیش کے وقت سب کا موجود ہونا ضروری ہے، اور فیصلہ بھی وہی

معتبر ہوگا جو متفقہ ہو صرف صدر کی تحقیق و فیصلہ معتبر نہ ہوگا۔ فقط واللہ۔ فقط واللہ اعلم۔

شوہر عنین اور متعنت ہو تو عورت کیا کرے :

(سوال ۴۲۳) ہماری شرعی پنچایت میں عنین کے متعلق مقدمہ آیا ہے، رشتۂ ازدواج کو بارہ سال گذر چکے ہیں، آٹھ سال پہلے تک مرد نے عورت سے جماع کیا تھا اس کے بعد اسے قدرت نہ رہی "الحیلۃ الناجزۃ" کے مطابق تفریق نہیں کرائی جاسکتی مگر ہماری مدعیہ جوان اور صحت مند ہے۔ شوہر نہ اپنا علاج کراتا ہے نہ دیگر خدمات سے عورت کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہماری رائے میں موجودہ ماحول کے مطابق ہماری شرعی پنچایت کو اگر شوہر ہمارا تعاون کرے تو اسے ایک سال کی مدت دینی چاہئے، اور اگر اس ایک سال کی مدت کے اندر بھی اس میں قدرت پیدا نہیں ہوتی تو ہمیں تفریق کردینی چاہئے اور اگر شوہر ہمارا بالکل تعاون ہی نہ کرے تو کیا اس صورت میں بھی ہم تفریق کر سکتے ہیں؟ ہماری شرعی پنچایت میں مستند اور متدین علمائے کرام شامل ہیں، اس مسئلہ میں ہمیں کس نہج سے فیصلہ کرنا چاہئے؟ آپ سے رہنمائی کی درخواست ہے۔ (از احمد آباد)

(الجواب) صورت مذکورہ میں عورت کو تفریق کا حق حاصل نہیں ہے، مناسب یہ ہے کہ شوہر کو علاج کے لئے مہلت دی جائے اور تعاون بھی کیا جائے، اگر صحت یاب نہ ہو تو خلع وغیرہ پر رضامند کیا جائے انکار کرے اور نہ چھوڑنے پر مصر ہو اور عورت جوان ہونے کی وجہ سے بلا شوہر نہ رہ سکے ابتلائے معصیت کا قوی اندیشہ ہو تو وہ جبراً اوا کرا یا طلاق حاصل کرنے کی مجاز ہوگی، انشاء اللہ العزیز عند اللہ وہ ماخوذ نہ ہوگی، یعنی اگر شوہر متعنت ہو اور عورت کو وقوع زنا کا قوی اندیشہ ہو تو اسے تفریق کا حق ملنا چاہئے۔ ہذا ما ظہر لی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شوہر شیعہ بن جائے تو تفریق ضروری ہے یا نہیں

(سوال ۴۲۴) بوقت نکاح شوہر اور بیوی دونوں اہل سنت والجماعت عقیدے کے تھے مگر دو برس ہوئے شوہر شیعہ ہو گیا ہے، بیوی اپنے عقیدے پر قائم ہے، شوہر بیوی پر شیعہ مذہب اختیار کرنے کے لئے دباؤ ڈال رہا ہے، بیوی انکار کر رہی ہے اس وجہ سے دونوں میں اختلاف شدت اختیار کر گیا ہے جس کی بناء پر لڑکی اپنے میکہ چلی آئی ہے اور خاوند کے گھر بھیجا جائے یا اور کوئی صورت اختیار کی جائے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) ہو الموافق للصواب۔ شیعوں کے مختلف العقائد فرقے ہیں، بعض فرقوں کے عقائد حد کفر تک پہنچے ہوئے ہیں اور باقی متبدع اور گمراہ ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ جلد۳ ص ۱۳۵ (جدید ترتیب کی مطابق محرمات کے باب میں، بعنوان، شیعہ لڑکی سے سنی لڑکے کا نکاح؟ سے دیکھ لیا جائے۔ از مرتب) اہل سنت والجماعت مسلک چھوڑ کر شیعہ مسلک اختیار کرنے والا مردود ہے اس نے مسلک حق کی توہین کی ہے اس کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے، لہذا جب تک تائب ہو کر مسلک حق اختیار نہ کرے عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کے پاس رہے عورت کو چاہئے کہ مسلم پنچایت میں اپنا مقدمہ دائر کرے اور تفریق کا مطالبہ کرے تحقیقات کے بعد جو شرعی فیصلہ ملے اس کے مطابق عمل کرے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شوہر نہ طلاق دے اور نہ حقوق زوجیت ادا کرے تو اس سے خلاصی کی کیا صورت ہے :

(سوال ۴۲۵) ایک شخص برما میں ہے اور اس کی بیوی ہندوستان میں ہے اور وہ جوان ہے تقریباً پندرہ سال سے خاوند نے نہ خط لکھا نہ خرچ بھیجا بلکہ خط کا جواب بھی نہیں دیتا، نہ طلاق کا مطالبہ پورا کرتا ہے ان حالات میں کیا یہ عورت دوسرا نکاح کر سکتی ہے اس کے شرائط کیا ہیں؟ جواب مرحمت فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) بغیر طلاق حاصل کئے دوسرا نکاح نہیں ہوسکتا، عورت تفریق چاہتی ہے تو شرعی قاضی یا مسلم پنچایت کے سامنے (جس میں مستند عالم ہونا ضروری ہے) اپنا مقدمہ پیش کرے اور تفریق کا مطالبہ کرے شرعی قاضی اور مسلم پنچایت کو تحقیق کے بعد طلاق واقع کرنے اور تفریق کرنے کا حق ہوتا ہے، شرائط اور طریقہ معلوم کرنے کے لئے ''الحیلۃ الناجزۃ'' کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زوجہ مفقود کے حق میں غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر ہے یا نہیں

(سوال ۴۲۶) ایک لڑکا سات سال سے لا پتہ ہے اس کی طرف سے کوئی خط و کتابت نہیں اس کے نکاح میں ایک عورت ہے وہ عورت اور اس کے رشتے دار دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتے ہیں لڑکی کی طرف سے کورٹ میں فریاد درج کی گئی کہ میرا شوہر لا پتہ ہے اور مجھ کو کورٹ کی جانب سے دوسری جگہ نکاح کرنے کی اجازت ملنی چاہئے، دو تین ماہ کورٹ میں کیس (مقدمہ) چلنے کے بعد کورٹ نے اس کو دوسری جگہ نکاح کرنے کی اجازت دے دی ہے، کیا اب یہ عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے؟ اس کورٹ سے اجازت ملنے پر اس کا دوسری جگہ نکاح ہو رہا ہے کیا اس نکاح میں شرکت کرنے والے حضرات از روئے شرع گنہگار ہوں گے؟ اگر شرعاً یہ نکاح جائز ہے تو اس کی عدت کے لئے کیا صورت ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جہاں قاضی شرعی موجود نہ ہو وہاں اگر حکومت کی جانب سے اس قسم کے مقدمات کے تصفیہ کے اختیارات مسلم مجسٹریٹ کو حاصل ہوں اور وہ مسلم مجسٹریٹ شریعت کے موافق فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے، اور عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کر لینا درست ہو جاتا ہے، غیر مسلم مجسٹریٹ کا فیصلہ ایسے معاملات میں معتبر نہیں ہوتا اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی اور نکاح درست نہ ہوگا، جو لوگ باوجود علم رکھنے کے شرکت کریں گے اور حصہ لیں گے وہ سخت گنہگار ہوں گے، اس صورت میں میاں بیوی کی طرف سے چند ذمہ دار اشخاص تین افراد پر مشتمل پنچایت قائم کریں جس میں کم از کم ایک مستند عالم بھی ہو اور ان کو فریقین کی جانب سے فیصلہ کا اختیار دیا جائے اور پنچایت کے ارکان شرعی قانون کے موافق تحقیقات کر کے فیصلہ دیں تو وہ فیصلہ بھی قضائے قاضی کے حکم میں ہو جائے گا اور اس فیصلہ کے موافق عمل کرنا درست ہوگا۔ (الحیلۃ الناجزہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شوہر مجنون ہو جائے تو عورت کیا کرے :

(سوال ۴۲۷) ایک آدمی مجنون ہو گیا عورت کو بہت مارتا ہے جو اس کے لئے ناقابل برداشت ہے جس بنا پر وہ اس کے ساتھ رہنے پر راضی نہیں ہے اور وہ جوان ہے شوہر بغیر عصمت وعفت کی زندگی گذارنا اس زمانہ میں مشکل ہے

لہٰذا طلاق لے کر دوسری جگہ نکاح کرے ایسی کوئی صورت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایسا مجنون جس کو کبھی جنون ہو اور کبھی اچھا ہو جاتا ہو اگر وہ اچھی حالت میں طلاق دے تو معتبر ہے اور عورت مطلقہ ہو جائے گی مگر جنون کی حالت میں طلاق دے تو معتبر نہیں جس طرح نابالغ کی طلاق معتبر نہیں عورت سخت مار پیٹ کی وجہ سے شوہر کے ساتھ نہ رہ سکتی ہو اور جوانی کی وجہ سے بلا شوہر کے زندگی گذارنا بھی دشوار ہو تو شرعی پنچایت کے سامنے (جس میں مستند عالم بھی ہو) عورت مقدمہ دائر کر کے تفریق کا مطالبہ کر سکتی ہے، شرعی پنچایت معاملہ کی تحقیق کرنے کے بعد جنون کے علاج کے لئے شوہر کے سرپرست اور متعلقین کو ایک برس کی مہلت دے اس مدت میں وہ اچھا ہو جائے تو فبہا ورنہ عورت شرعی پنچایت سے طلاق کا حکم حاصل کر کے پھر عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ (الحیلۃ الناجزۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نسبندی کرانے سے عورت کو تفریق کا حق حاصل ہوگا یا نہیں :

(سوال ۴۲۸) حضرت المخدوم المحترم! عرض خدمت یہ ہے کہ ”دارالقضاء امارت شرعیہ میں عورتوں کی جانب سے ایسے استغاثے پیش ہو رہے ہیں کہ ان کے شوہروں نے نسبندی کرالی ہے اور اس عمل کی وجہ سے وہ قوت تولید سے محروم ہو چکے ہیں اس لئے انہیں شوہر کی زوجیت سے الگ کر کے دوسرے نکاح کی اجازت دی جائے۔

اس سلسلہ میں اہل علم حضرات بالخصوص ماہرین فقہ وفتاویٰ اور ارباب بصیرت سے یہ علمی استفتاء ہے کہ کیا عمل نسبندی کے وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق ہے یا نہیں؟ اہل قضاء کی اس بنیاد کو فسخ کی بنیاد قرار دے سکتے ہیں یا نہیں؟ مثبت یا منفی جو پہلو جواب کا ہو اس کے لئے ماخذ فقہیہ بھی دیا جائے۔

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ ”نسبندی“ کی وجہ سے مرد کی صرف ایک صلاحیت یعنی ”قوت تولید“ ختم ہو جاتی ہے، بقیہ قدرت علی الجماع والدواعی علی حالہ باقی رہتی ہے، ”توالد وتناسل“ نکاح کے اگر بنیادی مقاصد میں سے ہے تو اس عمل کی وجہ سے ایک عورت مقصد نکاح سے کما حقہ منتفع نہیں ہو سکتی ہے اس طرح اس کا یہ حق طلب الولد متاثر ومجروح شرعاً ہوگا یا نہیں؟ از دارالقضاء، امارت شرعیہ بہار واڑیسہ دربھنگہ۔

(الجواب) محض قوت تولید مفقود ہونے کی وجہ سے تفریق نہ ہو سکے گی، **لو لم یکن له ماء ویجا مع فلا ینزل لا یکون لها حق الخصومة کذا فی النهایة (عالمگیری ج ۲ ص ۱۵۶، ۱۵۷ الباب الثانی عشر فی العنین)** لہٰذا عورت کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق نہیں ہے، خلع کر سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۲ رجب ۱۳۹۹ھ۔

شوہر نامرد ہو تو کیا حکم ہے :

(سوال ۴۲۹) میری لڑکی کا عقد نکاح تین چار ماہ قبل ہوا تھا، وہ چار ماہ اپنے سسرال رہی اور اس کے بعد اپنے گھر آگئی ہے اور شوہر کی بے پرواہی اور آوارگی کی شکایت کرتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آج تک شوہر نے جنسی تعلقات قائم نہیں کئے ہیں، میں نے اس کے شوہر سے یہ بات کہی تو وہ اس سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مجھ پر الزام ہے میں نے اس سے ڈاکٹری کرانے کے لئے کہا تو وہ اس سے بھی انکار کرتا ہے، لڑکی وہاں جانے پر بالکل رضامند نہیں

اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ڈاکٹری کرا کر آپ خود اطمینان کرلیں تب بچی کو بھیجا جائے، اگر شوہر اس کے لئے رضا مند نہ ہو تو خلع کی صورت اختیار کی جائے اور کچھ دے کر نجات حاصل کی جائے بلا طلاق حاصل کئے چھٹکارا مشکل ہے اور دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں، شرعی پنچایت ہو تو لڑکی مقدمہ دائر کرے تحقیقات کے بعد جو شرعی فیصلہ ہوا سے تسلیم کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورت طلاق مغلظہ کا دعویٰ کرے شوہر منکر ہو اس صورت میں شرعی پنچایت کو نکاح فسخ کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں :

(سوال ۴۳۰) زید اور اس کی بیوی زینب کے درمیان ایک رات نزاع ہوا، بات بڑھ گئی، زینب کا بیان ہے کہ اس موقعہ پر زید نے اسے سخت وسست کہا اور غصہ میں تین صریح طلاق دے دی، اس کے برعکس زید کا بیان ہے کہ اس موقعہ پر میں نے زینب کو برا بھلا کہا لیکن طلاق نہیں دی، واضح رہے کہ زید اور زینب کا بیان حلفیہ ہے اور دونوں نے اپنے اپنے بیان ہماری شرعی پنچائت میں حلفیہ درج کرائے ہیں، گواہ کسی کے پاس نہیں ہیں، اراکین پنچائت نے اپنے طور پر تحقیق کی ہے مگر حقیقت حال کی تحقیق سے قاصر رہے، جہاں تک اخلاق و کردار کی بات ہے اہل پنچایت کی نگاہ میں زینب ثقہ ہے دیندار گھرانہ سے تعلق ہے، صوم وصلوٰۃ کی پابند ہے، زید پیشہ کے اعتبار سے ڈاکٹری پریکٹس کرتا ہے، نسبندی کے کیس بھی لیتا ہے۔ نکاح دس سال قبل ہوا تھا چار بچے بھی ہیں، شرعی پنچایت نے مصالحت کی ہر ممکن کوشش کی، یہاں تک کہ خلع کی شکل اختیار کرنا چاہی لیکن زید کے والد کی بے جا مداخلت نے ہر کوشش کو ناکام بنا دیا۔

مندرجہ بالا صورت میں کیا شرعی پنچائت کو نکاح فسخ کرنے کا حق حاصل ہے؟ ہماری رہنمائی فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب عورت کا حلفیہ بیان یہ ہے کہ زید نے اسے تین طلاق دی ہیں اور اس نے خود سنا ہے اور اس کو پورا یقین ہے تو ایسی صورت میں اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ شوہر کو اپنی ذات پر قدرت دے اور اس سے ازدواجی تعلقات قائم کرے، اس سے بچنے کی ہر ممکنہ کوشش کرے، مال دے کر خلع کرے یا اس سے علیحدہ ہو کر کسی اور جگہ رہے اور تجردانہ زندگی پر اکتفا کرے، عورت اور اس کے اولیاء اپنے طور پر کوشش کریں یا شرعی قاضی یا شرعی پنچایت کے ذریعہ کوشش کروائیں، اگر خدانخواستہ تمام کوششیں بیکار ثابت ہوں، اور شوہر کسی بات پر آمادہ نہ ہو اور شرعی قاضی پنچایت کے سامنے قسم کھا کر طلاق سے انکار کر دے تو اس صورت میں پورا گناہ شوہر اور اس کی حمایت کرنے والوں پر ہوگا، صورت مسئولہ میں چونکہ طلاق کا ثبوت شرعی گواہوں سے نہیں ہو رہا ہے اور شوہر حلفیہ طلاق کا منکر ہے تو شرعی قاضی یا شرعی پنچایت نہ وقوع طلاق کا فیصلہ کر سکتے ہیں نہ فسخ نکاح کا۔ شامی میں ہے۔ **والمرأة كالقاضي اذا سمعته او اخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوىٰ على انه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدى نفسها بمال او تهرب كما انه ليس له قتلها اذا حرمت عليه وكلما هرب ردته بالسحر، وفي البزازية عن الاوزجندى انها ترفع الامر للقاضى فان حلف ولا بينة لها فالا ثم عليه اه قلت**

اذا لم تقدر على الفداء او الهرب والا على منعه عنها فلا ينافي ما قبله (شامی ص ۵۹۴ ج ۱ باب الصريح) البحر الرائق میں ہے والمرأة كالقاضى اذ سمعته او اخبرها عدل لا يحل لها يمكينه هكذا اقتصر الشارحون وذكر في البزازية وذكر الا وزجندى انها ء رفع الا مر الى القاضى فان لم يكن لها بينة تحلفه فان حلف فالاثم عليه اه ولا فرق في البائن بين الواحدة والثلاث اه وهل لها ان تقتله اذا ارادجماعها بعد علمها بالبينونة فيه قولان والفتوى انه ليس لها ان تقسم ...... الى قوله ...... وعليها ان تفدى نفسها بمال اوتهرب الخ (البحر الرائق ص ۲۵۷ ج ۳ باب الطلاق) فقط والله اعلم بالصواب ۔

کورٹ صرف عورت کی درخواست پر فسخ نکاح یا طلاق کا فیصلہ کرلے تو شرعاً معتبر ہے یا نہیں :

(سوال ۴۳۱) مخدوم المکرم حضرت مفتی صاحب مد ظلہم بعد سلام مسنون! مزاج اقدس بخیر ہوگا، احقر پرکنیڈا سے ایک سوال آیا ہے آپ کی خدمت میں ارسال ہے جواب عنایت فرمائیں۔

ایک عورت نے کنیڈا میں کورٹ پر درخواست دی کہ میں اپنے شوہر کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی مگر شوہر طلاق دینا نہیں چاہتا، یہی وجہ ہے کہ اس نے کورٹ میں نہ کسی تحریر پر دستخط کئے ہیں نہ طلاق نامہ لکھنے کے لئے کہا اور نہ زبان سے طلاق دی، عورت نے اپنے دستخط کر کے کورٹ میں جو درخواست پیش کی اسی درخواست کو بنیاد بناتے ہوئے کورٹ نے اپنا تحریری فیصلہ عورت کو دیدیا جس میں دونوں کے درمیان تفریق کر دینے کا تذکرہ ہے تو شرعی اعتبار سے عورت پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور دونوں کے درمیان تفریق ہوگئی یا نہیں؟ نکاح باقی رہا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں عورت نے اپنے طور پر شوہر سے علیحدگی اختیار کرنے کے لئے کورٹ میں درخواست دی مگر شوہر طلاق دینا نہیں چاہتا، اسی وجہ سے نہ اس نے کسی تحریر پر دستخط کئے نہ خود طلاق نامہ لکھا نہ کسی کو لکھنے کے لئے وکیل بنایا اور نہ زبانی طلاق دی، کورٹ نے عورت کی درخواست پر فسخ نکاح کا فیصلہ کر دیا تو یہ فیصلہ شرعی اعتبار سے غیر معتبر ہے اور اس سے نہ نکاح فسخ ہوگا اور نہ عورت طلاق واقع ہوگی۔

اس قسم کے مقدمات کے فیصلہ کا حق شرعی قاضی کو ہوتا ہے اور جہاں شرعی قاضی نہ ہو اور مسلم جج کو گورنمنٹ نے اس جیسے مقدمات کا شرعی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہو اور وہ مسلم مجسٹریٹ شریعت کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہوجاتا ہے، یا پھر دیندار مسلمانوں کی شرعی پنچایت (جماعت مسلمین) جس میں کم از کم ایک دو مستند عالم بھی ہوں یہ پنچایت شرعی تحقیق کے بعد فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بھی معتبر ہوتا ہے۔ غیر مسلم مجسٹریٹ کا فیصلہ ایسے معاملات میں معتبر نہیں ہوتا۔ لہذا صورت مسئولہ میں عورت یا تو شوہر سے طلاق حاصل کرے، اور وہ انکار کرے تو خلع کرلے یا پھر شرعی پنچایت میں اپنا معاملہ پیش کر کے ان کے فیصلہ کی مطابق عمل کرے۔ فقط والله اعلم بالصواب۔

زوج متعنت سے عورت کس طرح چھٹکارا حاصل کرسکتی ہے :

(سوال ۴۳۲) ایک عورت کا شوہر تقریباً نو ۹ برس سے لاپتہ تھا اس کو تلاش کرتے رہے حال میں اس کا پتہ چلا اب اور یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ کسی دوسری عورت سے نکاح کر چکا ہے اور اب وہ اپنی پہلی بیوی کو بلانے اور ساتھ رکھنے پر تیار نہیں ہے اور نہ نان نفقہ ادا کرتا ہے، عورت جوان ہے، باعفت زندگی گذارنا مشکل ہے تو مذکورہ صورت میں شوہر سے کس طرح چھٹکارا حاصل ہوسکتا ہے؟ عورت کسی طرح بھی اس سے چھٹکارا حاصل کر کے دوسری جگہ نکاح کرنے کی خواہش مند ہے امید ہے کہ ہماری رہنمائی فرمائی گے بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب کہ شوہر کا پتہ چل گیا ہے مگر وہ اپنی پہلی بیوی کو بلانے اور ساتھ رکھنے کے لئے تیار نہیں ہے اور نہ اسے نان نفقہ دینے کے لئے آمادہ ہے اور عورت جوان ہے عفت و پاکدامنی کے ساتھ زندگی گذارنا مشکل ہے، تو ایسی صورت میں کوشش کر کے شوہر کو سمجھا بجھا کر اس سے طلاق بائن حاصل کر لی جائے اگر وہ اپنی خوشی اور رضامندی سے طلاق دینے کے لئے تیار نہ ہو تو خلع کی صورت اختیار کی جائے اگر خدانخواستہ شوہر نہ طلاق دینے پر آمادہ ہو نہ خلع کے لئے تیار ہو اور عورت کو پریشان کرنے کے لئے معلق رکھنا چاہتا ہو تو ایسے ظالم شخص سے جبراً و اکراہاً بھی طلاق حاصل کی جاسکتی ہے دو شرعی گواہوں کی موجودگی میں زبانی طلاق بائنہ کہلوائی جائے تو اس طرح عمل کرنے سے بھی عورت کو شوہر سے چھٹکارا حاصل ہو جائے گا، مندرجہ بالا تحریر کردہ صورتوں میں سے جو صورت بھی اختیار کی جائے عورت اس کے بعد طلاق کی عدت گذار کر کسی اور جگہ نکاح کرسکتی ہے اگر مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی صورت پر بھی عمل نہ ہو سکے تو عورت اپنا معاملہ شرعی پنچایت (جو الحیلۃ الناجزہ میں بیان کردہ شرائط کے مطابق بنائی گئی ہو) میں پیش کر کے تفریق کا مطالبہ کرے، شرعی پنچایت کے اراکین الحیلۃ الناجزہ میں درج شدہ طریقہ کے مطابق معاملہ کی تحقیق کر کے تفریق کا فیصلہ کریں تو ان کا فیصلہ بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہوگا اس کے بعد عورت طلاق کی عدت گذار کر کسی اور شخص سے نکاح کرسکتی ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

المرأۃ کالقاضی کی وضاحت:

(سوال ۴۳۳) محترم المقام حضرت مفتی صاحب مدظلہم، بعد سلام مسنون! مزاج عالی بعافیت ہوگا۔ عرض اینکہ آپ نے فتاویٰ رحیمیہ میں " **المرأة كالقاضي اذا سمعته او اخبرها عدل لا يحل لها تمكينه ...... الخ** " یہ قاعدہ تحریر فرمایا ہے، اس قاعدہ کا محل کیا ہے؟ قاضی اگر قضاءً وقوع طلاق کا فیصلہ کرے تو عورت کے حق میں قضا قاضی حجت ہوگی یا اس کا علم؟ امید ہے کہ وضاحت فرمائیں گے، بینوا توجروا۔

(الجواب) علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر میں اس قاعدہ پر کلام کرتے ہوئے فرمایا ہے ایسا موقع و محل جہاں قاضی ظاہر کو مدنظر رکھ کر وقوع طلاق کا فیصلہ کرتا ہے اور شوہر کی نیت (کہ میرا طلاق کا ارادہ نہیں تھا) کی تصدیق نہیں کرتا ایسا موقع اگر عورت کے ساتھ پیش آجائے یعنی شوہر ایسا لفظ بول دے کہ ظاہر کے اعتبار سے طلاق واقع ہوتی ہو اور عورت خود وہ لفظ سن لے یا کوئی عادل اس کے سامنے شہادت دے اور شوہر نیت طلاق کا منکر ہو تو ایسی صورت میں عورت پر لازم ہے کہ قاضی کی طرح ظاہر کو مدنظر رکھے اور اپنی ذات شوہر پر حرام سمجھے اور شوہر کی نیت کی تصدیق نہ

کرے۔ فتح القدیر کی عبارت یہ ہے: **وکل مالا یدینه القاضی اذا سمعته منه المرأة او شهد به عندها عدل لا یسعها ان تدینه لا نها کالقاضی لا تعرف منه الا الظاهر (فتح القدیر ج۴ ص ۷، باب ایقاع الطلاق)**

امداد الفتاویٰ میں ایک جگہ تحریر فرمایا ہے: اور جب دلالۃ حال قرینۂ ظاہرہ ہے ارادۂ طلاق کا تو انکار نیت میں بوجہ خلاف ظاہر ہونے کے قضاءً شوہر کی تصدیق نہ کی جاوے گی اور عورت پر اس معاملہ میں مثل قاضی کے معاملہ کرنا واجب ہے **قال الشامی عن الفتح التاکید خلاف الظاهر وعلمت ان المرأة کالقاضی لا یحل ان تمکنه اذا علمت منه ماظاهره خلاف مدعاه ص ۴۶۹ ج۲ (امداد الفتاویٰ ص ۴۶۲ ج۲ مطبوعه دیو بند)**

اگر قضاء قاضی بھی ہو اور عورت کو علم بھی ہو تو اس صورت میں عورت کے حق میں دونوں چیزیں حجت ہوں گی، اور اگر صرف قضاء قاضی ہے اور عورت کو علم نہیں ہے تو اس صورت میں قضاء قاضی حجت ہوگی، اور قضاء قاضی کی بنیاد پر عورت کے لئے خود کو مطلقہ سمجھنا ضروری ہوگا (اس لئے کہ جہاں قضاءً طلاق واقع ہوتی ہے دیانۃً بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عقود وفسوخ میں قاضی کا فیصلہ ظاہراً و باطناً نافذ ہوتا ہے، ہدایہ اخیرین میں ہے **وکل شئی قضیٰ به القاضی فی الظاهر بتحریمه فهو فی الباطن (ای عندالله) کذلک (ای حرام) عند ابی حنیفة رحمه الله وکذا اذا قضی بحلال ... وهی مسئلة قضاء القاضی فی العقود و الفسوخ بشهادة الزور (هدایه آخرین ص ۱۲۵، کتاب ادب القاضی)**

لہذا ایسی صورت میں عورت کے لئے قضاء قاضی سے مفر کی گنجائش نہیں ہے اور اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ شوہر کی تصدیق کر کے اس کے ساتھ رہن سہن اور ازدواجی تعلقات قائم کرے اور اگر صرف عورت کو علم ہے قضاء قاضی نہیں ہے تو اس صورت میں عورت کا علم ویقین اس کے حق میں حجت ہوگا اور اس پر لازم ہوگا کہ اپنے اوپر شوہر کو قدرت نہ دے اور اپنی ذات شوہر کے حوالے نہ کرے۔

امداد الفتاویٰ میں ہے ''بعد نقل روایات می گویم کہ درصورت مسئولہ از دو حال خالی نیست یا زن مطلقہ راعدد طلاق یاد ہست یا نہ، اگر یاد ہست درحق او حجت باشد پس اگر سہ یاد باشد او مغلظہ شد حسب علم خود پس او را روا نیست کہ زوج را بر خود قدرت دہد چنانچہ روایت اولیٰ صریح است دراں، واگر یاد نیست صرف زنان حاضرہ خبر مید ہند پس از دو حال خالی نیست یا ایشاں عادل اند یا فاسق یا مستور الحال اگر عدل ہستند عمل برقول ایشاء واجب است زیرا کہ طلاق از دیانات است کہ اخبار عدل دراں مقبول است احتیاج شہادت نیست مگر عند القاضی وصورت مسئولہ تحقیق فتویٰ است نہ قضاء الخ (امداد الفتاویٰ ص ۴۱۸ ج ۲) مطبوعہ دیوبند۔ ص ۳۴۹ ج ۲ مطبوعہ کراچی) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نوٹ:۔ اب یہ عورت کیا کرے؟ بعد والا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

زوجۂ مفقود کی درخواست کے بعد ایک سال انتظار ضروری ہے یا نہیں اور اس ایک سال کی ابتداء کب سے شمار کی جائے :

(سوال ۴۳۴) ہمارے محکمۂ شرعیہ میں زوجۂ مفقود کی جانب سے فسخ نکاح کی درخواست پیش ہوئی ہے (یہ شوہر پانچ سال سے لاپتہ ہے) ہم لوگوں نے پہلی مجلس میں انعقاد نکاح اور تا حال اس نکاح کے قائم رہنے پر دو معتبر گواہوں سے گواہی لی، گواہی کے الفاظ یہ تھے "میں گواہی دیتا ہوں کہ ان رخسانہ بہن کا نکاح یعقوب خاں سے ہوا تھا اور وہ اب تک قائم ہے۔

پھر شوہر کے لاپتہ ہونے پر دو معتبر گواہوں سے گواہی لی گئی پھر مدعیہ (رخسانہ) سے اس بات پر حلف لیا گیا کہ شوہر نے ان کے لئے نفقہ کا کوئی انتظام نہیں کیا ہے، نہ ملکیت چھوڑی ہے نہ کسی کو ضامن بنایا ہے اور نہ عورت نے اپنا نفقہ معاف کیا ہے، نیز عورت سے اس بات پر حلف لیا گیا کہ وہ بغیر شوہر کے عفت کے ساتھ زندگی نہیں گذار سکتی۔

پھر ہم لوگوں نے مفقود کو تلاش کرنے والے اولیاء سے معلومات فراہم کیں تو ہمیں معلوم ہوا کہ ان کے بڑے بھائی پاکستان میں رہتے ہیں اور مفقود ایک بار پاکستان جا چکا ہے اور اس کے پاسپورٹ تیار تھا ہم لوگوں (محکمہ شرعیہ کے بعض افراد نے پاکستان اس کے بڑے بھائی پر فون کر کے معلوم کیا تو انہوں نے بتایا کہ دوسری بار وہ ہمارے یہاں نہیں آئے اور ہمیں ان کا کوئی علم نہیں ہے۔ پھر محکمۂ شرعیہ کی طرف سے اخبار میں اعلان مفقود الخبر ایک مرتبہ شائع کیا لیکن اس اعلان کے ڈیڑھ ماہ تک کوئی خبر ہمیں نہیں ملی، دیگر ذرائع سے بھی مفقود کا حال معلوم کرنے کی کوشش کی کوئی خبر نہیں ملی، اب ہمیں بھی مفقود کے ملنے سے ناامیدی ہو چکی ہے۔

الغرض اب جب کہ ہمیں بھی اس کے ملنے سے ناامیدی ہو چکی ہے اور عورت بھی اپنے بیان کے مطابق چھ ماہ سے زیادہ پاکدامنی کے ساتھ صبر نہیں کر سکتی ہے لہذا ہمیں تفریق کا فیصلہ کرنا ہے تو آنحضرت سے ہمیں یہ دریافت کرنا ہے کہ کیا ہم اس صورت میں ایک سال کے انتظار کا حکم دیئے بغیر ابھی تفریق کا حکم دے سکتے ہیں؟ جیسا کہ احسن الفتاویٰ ج ۵ ص ۴۲۱، ج ۵ ص ۴۲۲ کی عبارت سے مفہوم ہو رہا ہے جس پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور ان کے صاحبزادگی حضرت مولانا محمد رفیع صاحب مدظلہ اور مولانا مفتی محمد تقی صاحب مدظلہ کے بھی دستخط ہیں۔

اور اگر الحیلۃ الناجزہ کی عبارت کے مطابق ایک سال کا حکم دینا تفریق سے پہلے ضروری ہے تو وہ ایک سال کب سے شمار ہوگا؟ محکمۂ شرعیہ میں عورت کی طرف سے تفریق کے لئے درخواست آنے کے بعد سے یا مفقود کے ملنے سے ناامیدی کے بعد جس تاریخ کو ایک سال انتظار کا حکم دیا جائے تب سے؟ امید ہے کہ جواب عنایت فرما کر ہماری رہنمائی فرمائیں گے، جزاکم اللہ خیر الجزاء فی الدارین خیراً

(الجواب) الحیلۃ الناجزہ میں جو تحریر کیا گیا ہے اس کے مطابق عمل کیا جائے اس میں احتیاط ہے، لہذا ایک سال انتظار کا حکم دیا جائے۔

صورت مسئولہ میں ابتلاء کا شدید خطرہ ہے لہذا مرافعہ کے وقت سے (یعنی جس تاریخ کو عورت نے آپ کے محکمۂ شرعیہ میں تفریق کی درخواست دی ہو) ایک سال شمار کیا جا سکتا ہے جیسا کہ الحیلۃ الناجزہ کے حاشیہ کی عبارت

سے مستفاد ہوتا ہے۔ الحیلۃ الناجزہ کی عبارت مع حاشیہ ملاحظہ ہو۔

’’زوجۂ مفقود کے لئے چار سال سے مزید انتظار کا حکم اس صورت میں بالاتفاق ضروری ہے جب کہ عورت اتنی مدت تک صبر وتحمل اور عفت کے ساتھ گذار سکے، لیکن اگر یہ صورت ممکن نہ ہو یعنی عورت اندیشہ ابتلاء ظاہر کرے اور اس نے ایک عرصۂ دراز تک مفقود کا انتظار کرنے کے بعد مجبور ہو کر اس حالت میں درخواست دی ہو جب کہ صبر سے عاجز ہوگئی ہو تو اس صورت میں اس کی بھی گنجائش ہے، کہ مذہب مالکیہ کے موافق چار سال کی میعاد میں تخفیف کردی جائے کیونکہ جب عورت کے ابتلاء کا شدید اندیشہ ہو تو ان کے نزدیک کم از کم ایک سال صبر کے بعد تفریق جائز ہے (الحیلۃ الناجزہ ص ۶۱)

حاشیہ کی عبارت یہ ہے: لیکن یہ بات کہ یہ سال غائب ہونے کے وقت سے شروع سمجھا جائے گا یا مرافعہ الی القاضی کے وقت سے اس کی تصریح کتب مالکیہ میں نہیں ہے اور جس قدر کتب مالکیہ یہاں موجود تھیں ان میں بھی دستیاب نہیں ہوئی اور ظاہر ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ مرافعہ کے بعد سے سال انتظار شمار کیا جائے۔

ایک سال گذارنے کے بعد عورت کے مطالبہ پر تفریق کا فیصلہ کریں اور فیصلہ کے بعد عدت طلاق گذارنے کا بھی حکم کریں، تتمہ الفائدہ میں ہے۔

’’اگر تفریق اس قاعدہ کے موافق کی جائے تو اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ تفریق طلاق رجعی ہوئی اور اس صورت میں زوجۂ مفقود کو بجائے مدت وفات کے عدت طلاق تین حیض گذارنے ہوں گے۔ الخ (الحیلۃ الناجزہ ص ۶۳) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نہر کے بہاؤ میں ایک شخص بہہ گیا اس کے بعد اسے بہت تلاش کیا مگر اس کے زندہ ہونے یا مر جانے کا کچھ پتہ نہ چلا تو اس صورت میں اس کی بیوی کیا کرے:

(سوال ۴۳۵) میرا بیٹا اپنے کچھ دوستوں کے ہمراہ ہماچل پردیش منالی ملم میں بغرض تفریح گیا تھا وہاں ایک نہر کوہ ہمالیہ سے آتی ہے اس میں پانی کا بہاؤ بہت تیز رہتا ہے، نہر کے کنارے ایک پتھر پر اپنے ایک دوست کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، ایک موج آئی میرا لڑکا ایک پتھر کے سہارے اس سے بچنا چاہتا تھا اس وقت وہ اپنا بیلنس سنبھال نہ سکا اور پانی کے بہاؤ میں بہہ گیا اس کے بعد بہت تلاش کی وہ نہر بہت لمبی ہے جہاں جہاں ملنے کے امکانات ہو سکتے ہیں ہم وہاں گئے مگر کچھ پتہ نہ چل سکا، اس کے واقعہ کو چودہ ماہ ہو رہے ہیں اس کی بیوی جوان ہے شادی کو صرف چھ ماہ ہوئے تھے، کچھ لوگوں کا اصرار ہے کہ اس کا دوسری جگہ نکاح کر دینا چاہئے تو اس کا نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں؟

عامل حضرات سے بھی ہم نے رجوع کیا، ان کا کہنا ہے کہ آپ کا بیٹا زندہ ہے اور کسی نامعلوم جگہ میں ہے، کیا ان کی بات قبول کی جاسکتی ہے۔

(الجواب) فقہاء کرام نے مفقود کے سلسلہ میں احکام بیان فرمائے ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے بھی ’’الحیلۃ الناجزہ‘‘ میں بڑی تحقیق سے مفقود کے احکام تحریر فرمائے ہیں، اس میں ایک موقعہ تحریر فرمایا ہے۔

"البتہ بعض صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک زوجہ مفقود کو اس کے ہم عمروں کے ختم ہونے سے پیشتر بھی قاضی نکاح کی اجازت دے سکتا ہے یعنی جب کہ اس مفقود کے ظاہر حال سے اس کی ہلاکت کا غالب گمان ہو جیسے وہ شخص جو معرکۂ جنگ میں گم ہو گیا یا ایسے مرض کی حالت میں نکل گیا ہو جس میں موت کا گمان غالب ہے یا سمندر میں سفر کیا ہو (اور ساحل پر پہنچنے کا پتہ نہ چلا ہو) اس قسم کی صورتوں میں اتنا انتظار کر کے موت کا حکم دے دیا جائے گا جس میں حاکم کو مفقود کے فوت ہو جانے کا غلبہ ظن ہو جاوے اور اس حکم بالموت کے بعد اس کی عورت کو عدت وفات گذار کر نکاح کر لینا جائز ہو جاوے گا کما فی الشامیة تحت قول الدر .(واختار الزيلعي تفويضه الى الا مام) قال في الفتح فاى وقت رأى المصلحة حكم بموته (الىٰ ان قال) ومقتضاه انه يجتهد ويحكم القرائن الظاهرة الدالة على موته وعلى هذا يبتنى ما في جامع الفتاوىٰ حيث قال واذا فقد في المهلكة فموته غالب فيحكم به كما اذا فقد في وقت الملاقاة مع العدوا ومع قطاع الطريق اوسافر على المرض الغالب هلاكه او كان سفره في البحر وما أشبه ذلك حكم بموته لانه الغالب في هذاه الحالات وان كان بين احتمالين واحتمال موته ناشئى عن دليل الاحتمال حياته لان هذ الا حتمال كا حتمال ما اذا بلغ المفقود مقدار ما لا يعيش على حسب ما اختلفوا في مقداره نقل عن الغنية انتهىٰ ما في جامع الفتاوى وافتىٰ به بعض مشائخ مشائخنا وقال انه افتى به قاضي زاده صاحب بحر الفتاوىٰ لكنه لا يخفى انه لا بد من مضى مدة طويلة حتى يغلب على الظن موته لا بمجرد فقده عند ملا قاة العدوا وسفر البحر ونحوه (ج ۳ ص ۵۱۱ شامی استنبول ص ۴۵۲، ص ۴۵۷ ج ۳ كتاب المفقود)(الحيلة الناجزة ص ۴۹، ص ۵۰ ،حكم زوجه مفقود)

مفقود کے متعلق ایک فتویٰ، فتاویٰ رحیمیہ جلد دوم ص ۱۲۹، ص ۱۳۰ میں بھی چھپا ہوا ہے اس میں بھی یہ بات مذکور ہے۔ جدید ترتیب کے مطابق "مفقود کا شرعی حکم" کے عنوان سے ملاحظہ فرمائیں۔ از مصحح۔

صورت مسئولہ میں آپ کا بیٹا نہر کے کنارے بیٹھا ہوا تھا اور موج آنے کی وجہ سے اپنا توازن (بیلنس) برقرار نہ رکھ سکا اور پانی کے بہاؤ میں بہہ گیا، اس کے بعد آپ نے اسے تلاش کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی مگر کامیابی نہیں ہوئی، اور اس حادثہ کو آج چودہ مہینے ہو رہے ہیں اگر وہ زندہ ہوتا تو ابھی تک کچھ نہ کچھ پتہ چلتا مگر ابھی تک کوئی پتہ نہیں چلا۔ کالہذا مذکورہ صورت میں اگر عورت جوان ہو اور اس پرفتن زمانہ میں باعفت زندگی گذارنا مشکل ہو تو ایسی صورت میں عورت اپنا مقدمہ شرعی پنچایت میں دائر کر کے جدائیگی کا مطالبہ کرے، شرعی پنچایت کے ارا کین معاملہ کی تحقیق کریں، تحقیق کے بعد اگر ان کو مفقود کے فوت ہونے کا ظن غالب ہو جائے تو مفقود کی وفات کا حکم کر کے عدت وفات گذار کر نکاح ثانی کے جواز کا فیصلہ کر سکتے ہیں اور عورت اس کے مطابق عمل کر سکتی ہے۔

مذکورہ صورت میں عامل حضرات جو بات کہہ رہے ہیں اسے شرعی شہادت کا درجہ نہیں دیا جا سکتا اور ان کے کہنے کی بنیاد پر اس کو زندہ مان کر عورت کو شادی کرنے سے روکا نہیں جا سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

غیر مسلم جج کا فسخ نکاح کا فیصلہ معتبر نہیں ہے:

(سوال ۴۳۶) شفیق الرحمٰن کا بشریٰ سے نکاح ہوا تو تقریباً سات آٹھ سال دونوں ساتھ رہے دو بچے بھی ہیں، پھر شفیق الرحمٰن کا بشریٰ اور اس کے والدین سے جھگڑا ہوا جس کی وجہ سے بشریٰ اپنے ماں باپ کی گھر چلی گئی اور اس نے بنگلہ دیش میں ایک کورٹ میں طلاق یعنی فسخ نکاح کے لئے درخواست پیش کی، کورٹ نے شوہر اور بیوی دونوں کی گفتگو سنی ان دونوں کی باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے شوہر کے انکار پر نکاح فسخ نہیں کیا، اس کے بعد بشریٰ کے والدین امریکہ چلے گئے وہاں غیر مسلم جج کے سامنے کورٹ میں فسخ نکاح کی درخواست پیش کی، وہاں کی کورٹ نے شوہر کا بیان یا اس سے تحقیق کئے بغیر فسخ نکاح کا فیصلہ کر دیا، کیا وہاں کے غیر مسلم جج کے فسخ نکاح کا فیصلہ کرنے سے نکاح فسخ ہو جائے گا؟ امید ہے کہ اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں گے، بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! غیر مسلم جج فسخ نکاح کا فیصلہ کرے تو وہ فیصلہ شرعاً معتبر نہیں ہوتا اور اس سے نکاح فسخ نہیں ہوگا۔

الحیلۃ الناجزہ میں ہے:۔ اگر کسی جگہ فیصلہ کنندگان حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے، اس کے حکم سے فسخ وغیرہ ہرگز نہیں ہوسکتا لان الکافر لیس باھل للقضاء علی المسلم کما ھو مصرح فی جمیع کتب الفقہ۔ حتی کہ اگر روداد مقدمہ غیر مسلم مرتب کرے اور مسلمان حاکم فیصلہ کرے یا بالعکس تب بھی فیصلہ نافذ نہ ہوگا،... الی قولہ..... اور اگر فیصلہ کسی جماعت کے سپرد کیا جاوے جیسا کہ بعض مرتبہ ججوں کی جیوری کے سپرد ہو جاتا ہے یا بینچ میں پیش ہوتا ہے یا چند اشخاص کی کمیٹی کے سپرد کر دیا جاتا ہے تو اس صورت میں ان سب ارکان کا مسلمان ہونا شرط ہے کوئی غیر مسلم جج اور مجسٹریٹ اور ممبر بھی اس کا رکن ہو تو شرعاً اس جماعت کا فیصلہ کسی طرح معتبر نہیں، ایسے فیصلہ سے تفریق وغیرہ ہرگز صحیح نہ ہوگی الخ۔ (الحیلۃ الناجزہ ص ۲۳ ص ۲۴، جزو دوم تفریق بین الزوجین بحکم حاکم)

لہذا صورت مسئولہ میں عورت کی درخواست پر غیر مسلم جج نے فسخ نکاح کا جو فیصلہ کیا ہے وہ معتبر نہیں اس فیصلہ سے نکاح شرعاً فسخ نہ ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شوہر شیعہ ہو جائے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۴۳۷) زوجین سنی تھے کچھ عرصہ کے بعد شوہر شیعہ بن گیا، اور اس نے اپنے گمراہ پیر کو سجدہ کیا اور اس کو بولتا قرآن سمجھنے لگا اور قرآن مجید کو گونگا قرآن کہنے لگا اور بیوی سنیہ ہے تو کیا ان کا نکاح فسخ ہو گیا، اگر فسخ ہو گیا تو وہ عورت دوسری جگہ شادی کرنے کے لئے متارکت زوج یا تفریق امارت شرعیہ کی محتاج ہے یا نہیں؟ الدرالمختار کی عبارت ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ قضاء قاضی کی ضرورت نہیں ہے " وارتداد احدالزوجین فسخ عاجل بلا قضاء " (شامی ص ۳۹۲ ج ۲) لیکن فتاویٰ رحیمیہ ۲۵۳/۵ سے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے براہ کرم تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) شیعوں میں مختلف العقائد فرقے ہیں جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو (معاذ اللہ) خدا سمجھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے ساتھ قدرت وغیرہ میں شریک مانتے ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی سے حضرت علیؓ کے بجائے حضرت محمد ﷺ کو پہنچائی، اور جو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر (معاذ اللہ) زنا کی تہمت لگاتے ہیں، اور جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کا انکار کرتے ہیں وغیرہ لک کفریہ عقیدہ رکھنے والوں کو فقہاء کرام نے دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ **نعم لا شک فی تکفیر من قذف السیدة عائشة رضی اللہ تعالی عنها او انکر صحبة الصدیق او اعتقد الا لوهیة فی علی رضی اللہ عنه او ان جبریل غلط فی الوحی او نحو ذلک من الکفر الصریح المخالف للقرآن** (شامی ۳/۴۰۲) (فتاویٰ عالمگیری ۲/۲۶۴ مطلب موجبات الکفر ومنها مایتعلق بالا نبیآء الخ) اور جن کے عقیدے حد کفر تک نہیں پہنچے وہ مبتدع اور گمراہ ہیں الخ۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۳/۱۳۵) جدید ترتیب کے مطابق، نکاح محرمات کے بعد میں شیعہ لڑکی سے سنی لڑکے کا نکاح، کے عنوان سے دیکھ لیا جائے۔ از مرتب)

فتاویٰ رحیمیہ ۵/۲۵۳ (جدید ترتیب کے مطابق فسخ نکاح کے باب میں، شوہر شیعہ بن جائے الخ کے عنوان سے دیکھ لیا جائے۔ از مرتب) کے جس فتویٰ کا آپ نے حوالہ دیا ہے اس کے سوال میں شوہر کے صرف شیعہ ہونے کا تذکرہ ہے اس کے ایسے کوئی عقیدہ یا قول وفعل کا تذکرہ نہیں جو موجب کفر ہو اس لئے احتیاطاً نکاح فسخ ہونے کا فیصلہ نہیں کیا گیا اور یہ لکھا گیا کہ عورت اپنا معاملہ مسلم پنچایت میں داخل کرے، مسلم پنچایت کے اراکین شیعہ شوہر کے عقائد کی تحقیق کر کے فیصلہ کرے اور عورت کو اس کے مطابق عمل کرنا ہوگا، مگر چند سال قبل خمینی کی کتابیں اور اس کا لٹریچر سامنے آیا جس سے شیعوں اور خاص کر اثنا عشری کے عقائد کھل کر سامنے آئے، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہم کی تحریک پر یہ مسئلہ اٹھا اور علماء کرام نے متفقہ طور پر ان کے کفر کا فیصلہ کیا، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہم نے الفرقان کی خصوصی اشاعت اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۷ء مطابق صفر المظفر تا ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ میں اسے شائع کیا جس کا نام "خمینی اور اثنا عشریہ کے بارے میں علماء کرام کا متفقہ فیصلہ" ہے جس میں احقر کے بھی تصدیقی دستخط ہیں، لہٰذا اب اگر کوئی شخص شیعہ بنے گا تو اسے مرتد قرار دے کر فسخ نکاح کا حکم لگایا جائے گا۔

الحیلۃ الناجزہ میں ہے:۔ اگر کسی عورت کا خاوند معاذ اللہ اسلام سے پھر جائے اور مرتد ہو جائے تو باجماع ائمہ اربعہ و باتفاق جمہور فقہاء اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو جاتا ہے۔ قضاء قاضی اور حکم حاکم کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ ارتداد شوہر اگر خلوت صحیحہ سے قبل ہوا ہے تو نصف مہر خاوند کے ذمہ ہے اور عورت پر عدت بھی واجب ہے، نیز اس مرتد پر عدت کا نفقہ بھی لازم ہے لما فی الدر المختار (وارتداد احدهما) ای الزوجین (فسخ) فلا ینقص عدداً (عاجل) بلا قضاء فللموطوءة ولو حکماً کل مهرها لتاکده به ولغیرها نصفه لو سمی او المتعة لوار تدو علیه نفقة العدة وفی رد المحتار قوله (بلا قضاء) ای بلا توقف علی قضاء القاضی وکذا بلا توقف علی مضی عدة فی المدخول بها کما فی البحر (شامی باب نکاح الکافر ص ۴۲۵ ج ۳) (الحیلة الناجزة ص ۹۲، ص ۹۳) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باب الرجعة

تین طلاق کے بعد رجوع کر سکتے ہیں یا نہیں:

(سوال ۴۳۸)ایک آدمی نے اپنی عورت کو تین طلاق دی ہے۔حنفی علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ طلاق ہوگئی رجوع ، جائز نہیں ہے۔اور شرعی حلالہ کے بغیر نکاح معتبر نہیں ہے۔مگر ایک غیر مقلد مولوی نے اس کو بہکایا اور فتویٰ لکھ دیا کہ تین طلاق دینے سے ایک ہی طلاق ہوتی ہے۔لہذا رجوع کرلے تو گنجائش ہے تو اس شخص نے نکاح پڑھ کر عورت کو بلالیا ہے۔لہذا اس سلسلہ میں صحیح حدیث فتویٰ علی الفور روانہ فرمائیے۔بینوا توجروا۔

(الجواب) غیر مقلد مولوی کا یہ سمجھنا کہ تین طلاق ایک ساتھ دینے سے ایک ہی طلاق پڑتی ہے قطعاً غلط اور گمراہ کن ہے۔قرآن واحادیث اور اجماع صحابہ علماء سلف وفقہاء ،ومشائخ اور ائمہ مسلمین حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ،حضرت شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہم بزرگان دین کے متفقہ فیصلہ کے خلاف ہے۔لہذا مذکور نکاح صحیح ودرست نہیں ہے۔

تین طلاق کے بعد شرعی حلالہ کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا اور ان کا آپس میں میاں بیوی کی طرح رہنا ناجائز اور قطعی حرام ہے۔دونوں زانی اور بدکار سمجھے جائیں گے۔مذہب کے خلاف غیر مقلد کا سہارا لینے سے حرام شدہ عورت حلال نہیں ہوسکتی۔قرآن شریف میں ہے کہ الطلاق مرتان(سورہ بقرہ رکوع ۲۹)

ترجمہ! جس طلاق کے بعد رجوع کر سکتے ہیں وہ دو ہی طلاق ہیں۔یعنی ایک سے دو تک رجوع جائز ہے۔ الطلاق، ای التطلیق الذی یراجع بعدہ مرتان ای اثنتان (تفسیر جلالین ص ۳۳) آگے تیسری طلاق کے متعلق ہے۔فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره .(سورۂ بقرہ ع ۲۹) فان طلقها الزوج بعد اثنتین فلا تحل له من بعد الطلقة الثالثة حتی تنکح زوجاً غیره.

ترجمہ: پھر اگر مرد عورت کو(دو طلاق کے بعد)تیسری طلاق دے تو اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں رہے گی۔یہاں تک وہ عورت اس کے سوا دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح نہ کرلے۔(تفسیر جلالین ص ۳۳)اور احکام القرآن میں ہے۔فالکتاب والسنة واجماع السلف الصالحین توجب ایقاع الثلث معاًوان کانت معصیة قرآن شریف وسنت اور اجماع سلف صالحین کا فیصلہ یہی ہے کہ یکبارگی تین طلاق واقع ہوجاتی ہیں اگرچہ یکبارگی تین طلاقیں دیدینا معصیت ہے۔(احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۴۵۹)

اور تفسیر مظہری میں ہے۔لکنهم اجمعوا علیٰ انه من قال لا مراته انت طالق ثلثا یقع ثلاثا بالاجماع.ترجمہ:۔جمہور علماء قائل ہیں کہ جو شخص اپنی عورت کو تین طلاق مجتمعاً دے گا تو بالاجماع تین طلاق ہوجائے گی۔(ج ۱ ص ۳۰۰)

اور فتح القدیر میں ہے وذهب جمهور الصحابه والتابعین ومن بعد هم من الائمة المسلمین الیٰ انه یقع ثلثا. ترجمہ۔جمہور صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد جو مسلمانوں کے امام گذرے وہ مانتے ہیں کہ تین

طلاقیں ہوجاتی ہیں۔ (ج ۳ ص ۳۳۰ کتاب الطلاق باب طلاق السنۃ)

اور اسی کتاب میں ہے کہ تین طلاق واقع ہونے کا حکم اجماعی اور حق ہے۔ لہذا اس کے خلاف کرنے میں سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں اور اگر کوئی قاضی شرع اس کے خلاف فیصلہ دے تو وہ معتبر نہیں مردود و باطل ہے کیونکہ تین طلاق واقع ہوجانے کا مسئلہ اجتہادی نہیں اجماعی ہے۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۳۳۰)

بحرالرائق میں ہے۔ ولاحاجة الى الاشتغال بالادلة على رد قول من انكرو قوع الثلاث جملة لانه مخالف للاجماع كما حكاه فى المعراج و لذا قالوا لو حكم حاكم بان الثلاث بفم واحد واحدة لم ينفذ حكمه لانه خلاف لا اختلاف. (البحر الرائق ص ۲۳۹. ۲۴۰ ج ۳ كتاب الطلاق تحت قوله وثلاثا فى طهر او كلمة بدعى).

شیخ الاسلام علامہ عینی شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں۔ ومذهب جماهير العلماء من التابعين ومن بعدهم منهم الاوزاعى والنخعى والثورى وابو حنيفة واصحابه و مالك والشافعى واصحابه واحمد واصحابه واسحاق وابو الثور وابو عبيد واخرون كثيرون على ان من طلق امراته ثلاثا وقعن ولكنه ياثم . (عينى ج ۲۰ ص ۲۳۳ باب من اجاز طلاق الثلاث)

یعنی! جمہور علماء، تابعین اور ان کے بعد کے علماء، فقہاء، محدثین اور امام اوزاعی اور امام نخعی اور امام ثوری۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام مالک، امام شافعی اور ان کے اصحاب، امام احمد بن حنبل اور ان کے اصحاب، امام اسحاق، امام ابوثور امام ابوعبید اور دیگر بہت سے فقہاء قائل ہیں کہ۔ جوکوئی اپنی عورت کو تین طلاق دے گا وہ پڑ جائیں گی لیکن طلاق دینے والا گنہگار ہوگا کہ اس نے خلاف سنت طلاق دی جو شریعت کو پسند نہیں ہے اسی لئے اس کو طلاق بدعی کہا جاتا ہے۔ (عینی شرح بخاری ج ۹ ص ۵۳۷)

اور بدایۃ المجتہد میں ہے:۔ جمهور فقهاء الامصار على ان الطلاق بلفظ الثلاث حكمه حكم الطلقة الثلثة (ج ۲ ص ۶) یعنی! علامہ ابن رشد فرماتے ہیں کہ جمہور فقہاء امصار قائل ہیں کہ ایک دفعہ میں تین طلاقیں دے دینے کا حکم وہی ہے جو تین مرتبہ میں تین طلاقیں دینے کا حکم ہے (بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۶ کتاب الطلاق)

اسی طرح شارح صحیح مسلم شریف شیخ الاسلام امام نووی تحریر فرماتے ہیں:۔ فقال الشافعى ومالك وابو حنيفه واحمد وجماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلث.

یعنی۔ امام شافعی اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد وغیرہم جمہور علماء سلف وخلف سب قائل ہیں کہ تین طلاقیں ہوجاتی ہیں۔ (شرح صحیح مسلم شریف (نووی ج ۱ ص ۴۷۸ باب طلاق الثلاث)

''مرقاۃ'' شرح مشکوۃ میں ہے۔ اليه ذهب جمهور الصحابة والتابعين۔

اور جمہور صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد کے بزرگان ائمہ اور مذہبی پیشوا قائل ہیں کہ تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ (ج ۳ ص ۴۷۶ باب المطلقۃ ثلاثا)

امام بخاریؒ کے نزدیک بھی بیک وقت ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں اس کے لئے آپ نے

ایک باب باندھا ہے " باب من اجاز طلاق الثلاث" اس کے تحت احادیث لائے ہیں، منجملہ ان کے ایک حدیث یہ ہے۔عن عائشة ان رجلا طلق امرأته ثلثا فتزوجت فطلق فسئل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اتحل للاول؟ قال لا حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الاول (لفظه للبخاری) (بخاری شریف پ ۲۲ ج ۲ ص ۷۹۱ باب من اجاز طلاق الثلاث)(مسلم شریف ج ۱ ص ۴۶۳)

یعنی! ایک آدمی نے اپنی عورت کو تین طلاق دی پھر اس نے دوسرے سے نکاح کیا۔ اس نے صحبت کئے بغیر طلاق دے دی، آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ پہلے خاوند کے لئے یہ حلال ہوئی ؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تک دوسرا شوہر صحبت نہ کرلے پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی (بخاری و مسلم)

یہ حدیث طلاق ثلاثہ کے یک وقت ہونے میں ظاہر ہے۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری میں ہے ۔ فالتمسک بظاهر قوله طلقها ثلاثا فانه ظاهر فی کونها مجموعة (ج ۹ ص ۳۲۱) مطابقة للترجمة فی قوله طلق امرأته ثلثا فانه ظاهر فی کونها مجموعة.(عمدة القاری شرح صحیح البخاری ج ۲۰ ص ۲۳۷ ایضاً)

سنن کبری میں "باب امضاء الثلاث وان کن مجموعات" کے ماتحت حدیث لائے ہیں۔عن عائشة رضی اللّٰہ عنها ان رجلا طلاق ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اتحل للاول قال لا حتی تذوق عسیلته کما ذاق الاول ج ۷ ص ۳۳۴ ایضاً)

چند حدیثیں اور ملاحظہ فرمائیے:۔

(۱) حضرت علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو تین طلاق دیتے ہوئے سنا تو غضبناک ہوگئے اور فرمایا:۔تتخذون ایات اللّٰہ هزواً او دین اللّٰہ هزوًا و لعبا؟ من طلق البتة الزمناه ثلاثا لا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره (المغنی لابن قدامه ج ۷ ص ۱۰۳) یعنی تم آیات اللہ کو مذاق بناتے یا یہ فرمایا کہ کھیل بناتے ہو؟ جو بھی طلاق البتہ (تین طلاقیں دے گا ہم تین ہی لازم کردیں گے اس کی بیوی حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ دوسرے سے نکاح نہ کرے (المغنی ابن قدامه ج ۷ ص ۱۰۳ کتاب الطلاق ۵۸۱۹ مسأله قال ، ولو طلقها ثلاثا فی طهر الخ).

(۲) وعن محمود بن لبید قال اخبر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن رجل طلق امراته ثلاث تطلیقات جمیعاً فقام غضبان ثم قال یلعب بکتاب اللّٰہ وانا بین اظهر کم حتی قام رجل فقال یارسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الا اقتله (نسائی شریف ج ۲ ص ۳۶ (مشکوٰة ص ۲۸۴ باب المطلقه ثلاثاً)

یعنی آنحضرت ﷺ کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں اکٹھی دے دی تو آنحضرت ﷺ غضبناک ہوکر کھڑے ہوگئے اور فرمایا کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جارہا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں ۔آنحضرت ﷺ کا یہ غصہ دیکھ کر ایک صحابی کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے یارسول اللہ کیا اسے میں قتل نہ کردوں۔ (نسائی اور مشکوٰۃ شریف)

حدیث مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاقیں مجتمعاً واقع ہوجاتی ہیں اگر واقع نہ ہوتیں تو آنحضرت غضبناک نہ ہوتے اور فرمادیتے کوئی حرج نہیں۔

(۳) صحیح بخاری میں ہے۔ وقال اللیث عن نافع کان ابن عمر اذا سئل عمن طلق ثلاثا قال لو طلقت مرة او مرتین فان النبی صلی اللہ علیه وسلم امرنی بھذا فان طلقتھا ثلاثا حرمت حتی تنکح زوجا غیرک (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹۲ پ ۲۲ باب من اجاز طلاق الثلاث)

(۴) اسی طرح صحیح مسلم میں ہے۔ وکان عبداللہ اذا سئل عن ذلک قال لاحدھم اما انت طلقت امرأتک مرة او مرتین فان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم امرنی بھذا وان کنت طلقتھا ثلاثا فقد حرمت علیک حتی تنکح زوجا غیرک وعصیت اللہ فیما امرک من طلاق امرأتک (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۶ باب طلاق الثلاث)

یعنی جب کوئی شخص تین طلاقیں دے کر حضرت ابن عمرؓ سے فتویٰ دریافت کرتا تو آپ فرماتے کہ اگر تو نے ایک یا دو طلاق دی ہوتی (تو رجوع کرسکتا تھا اس لئے کہ) رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو اس کا حکم دیا تھا لیکن اگر تو نے تین طلاقیں دی ہیں تو وہ تم پر حرام ہوگئی جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے تمہارے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔ (بخاری۔ مسلم)

(۵) عن مجاھد قال کنت عند ابن عباس فجاءہ رجل فقال انه طلق امرأته ثلاثا قال فسکت حتی ظننت انه رادھا الیه ثم قال ینطلق احدکم فیرکب الحموقة ثم یقول یا ابن عباس یا ابن عباس وان اللہ قال ومن یتق اللہ یجعل له مخرجا وانک لو تتق اللہ فلا اجدلک مخرجا عصیت ربک وبانت منک امرأتک (ابوداؤد ج ۱ ص ۳۰۶ باب بقیة فسخ المراجعة بعد الثلث)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس تھا کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میں نے بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ حضرت ابن عباسؓ خاموش رہے۔ میں نے خیال کیا کہ شاید رجعت کا حکم دیں گے۔ پھر انہوں نے فرمایا حماقت پر سوار ہوجاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں اے ابن عباس! اے ابن عباس! بے شک خدا نے فرمایا کہ جو خدا سے ڈرے اس کے لئے چھٹکارے کی صورت ہوتی ہے اور تو نے خدا کا خوف نہیں کیا اس لئے تیرے واسطے کوئی مناص نہیں ہے تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری عورت تجھ سے جدا ہوگئی۔ (ابوداؤد شریف)

(۶) کتاب الآثار (امام محمد) میں ہے۔ باب من طلق ثلاثا (تین طلاق دینے کے بیان میں) محمد قال اخبرنا ابو حنیفة عن عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی حسین عن عمرو بن دینار عن عطاء ان رجلا جاء عند ابن عباس فقال طلقت امرأتی ثلاثا قال یذھب احدکم فیتلطخ بالنتن ثم یاتینی بعدہ عنك اذھب انت عصیت ربک فقد حرمت علیک امرأتک لا تحل لک حتی تنکح زوجا غیرک قال محمد وبه ناخذ وھو قول ابی حنیفة وقول العامة لا اختلاف فیه (کتاب الآثار امام محمد ص ۲۲۰ باب من طلاق ثلاثا او طلق واحدة وھو یرید ثلاثا)

یعنی امام محمد فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، عبداللہ بن عبدالرحمٰن اور حضرت عبداللہ بن

عبدالرحمٰنؒ حضرت عمرو بن دینار کے واسطہ سے حضرت عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص ابن عباسؓ کے پاس آیا اس نے کہا کہ میں نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دی ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ ابن عباسؓ نے فرمایا تم جیسے لوگوں کا طریقہ ہے کہ گندگی سے پوری طرح آلودہ ہوجاتے ہو پھر ہمارے پاس آتے ہو چلے جاؤ۔ تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔ تم پر تمہاری بیوی حرام ہوگئیں۔ تاوقتیکہ وہ دوسرے سے نکاح کرے (اور اس کی صحبت سے متمتع نہ ہو پھر طلاق دے یا مرجائے پھر عدت کے بعد پہلے شوہر سے نکاح کرے تب حلال ہوسکتی ہے۔ امام محمد نے کہا کہ اسی کو ہم لیتے ہیں اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ کا اور عام اہل علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

(۷) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک بیوی کی کسی بات سے آزردہ ہوکر کہہ دیا۔ **اذھبی فانت طالق ثلاثا** یعنی تو چلی جا تجھ کو تین طلاق بعد میں حضرت امام حسنؓ کو معلوم ہوا کہ بیوی کو جدائی کا بہت صدمہ ہے آپ رونے لگے۔ پھر فرمایا **لو لا انی سمعت جدی او حدثنی ابی انه سمع جدی یقول ایما رجل طلاق امرأته ثلاثا عند الا قراء او ثلاثا بمبهمة . لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره لراجعتها.** یعنی اگر میں نے اپنا نانا سے نہ سنا ہوتا۔ یا یہ فرمایا کہ میں نے اپنے والد صاحب سے سنا وہ فرماتے تھے کہ انہوں نے اگر میرے نانا (رسول خدا ﷺ) سے نہ سنا ہوتا کہ جو شخص اپنی عورت کو تین طلاقیں طہروں میں دے دے یا تین طلاقیں مبہم (ایک لفظ میں) دے دے تو جب تک وہ عورت دوسرے سے نکاح نہ کرے پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوتی تو میں عورت کو ضرور واپس لے آتا (**دار قطنی ج ۲ ص ۴۳۷**) (**سنن کبری ج ۷ ص ۳۳۶ باب امضاء الثلاث و ان کن مجموعات**)

حدیث رکانہ:

غیر مقلدوں کو ''حدیث رکانہ'' پر بڑا ناز ہے۔ مگر خود حضرت رکانہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے خود اپنی عورت کو لفظ ''البتہ'' کے ساتھ طلاق دی (جس میں ایک سے تین طلاق تک کی گنجائش ہوتی ہے۔ (ایک طلاق کی نیت ہو تو ایک اور تین کی نیت ہو تو تین واقع ہوتی ہیں) پھر آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر دی اور کہا **و اللہ ما اردت الا واحدۃً** (خدا کی قسم میں نے ایک ہی طلاق کی نیت کی ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا **و اللہ ما اردت الا واحدۃ** (اللہ کی قسم تم نے ایک ہی کی نیت کی تھی؟) تو حضرت رکانہؓ نے کہا **و اللہ ما اردت الا واحدۃ.** تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو تم نے نیت کی ہے اسی کا اعتبار ہے۔ حدیث رکانہ یہ ہے۔

عن عبد اللہ بن یزید بن رکانه عن ابیه عن جده قال اتیت النبی صلی اللہ علیه وسلم فقلت یا رسول اللہ انی طلقت امراتی البتة فقال ما اردت بها قلت واحدة قال و اللہ قلت و اللہ قال فهو ما اردت (ترمذی ج ۱ ص ۱۴۰ باب ماجآء یطلق امرأته البتة)

وفی سنن ابن ماجه :. عن عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانة عن ابیه عن جده انه طلق امراته البتة فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فساله فقال ما اردت بها قال واحدة قال اللہ ما اردت بها الا واحدة ؟ قال اللہ ما اردت بها الا واحدة قال فردها علیه (ابن ماجه شریف ج ۱ ص ۱۴۹

مجتبائی دهلی) (ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۳۰۶ مجتبائی)
اگر ایک ہی طلاق واقع ہوتی تو قسم دے کر ایک طلاق کی نیت متعین کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ فرماتے کہ ایک کی نیت ہو یا تین کی ایک ہی شمار ہوگی۔ لہذا یہ بات قطعاً غلط ہے کہ تین طلاق دینے کے ارادہ سے تین دے تب بھی ایک ہی واقع ہوتی ہے۔ تین نہیں ہوتیں۔

الحاصل تین طلاق کے خلاف غیر مقلد مولوی کا سمجھانا قرآن حدیث اور اجماع صحابہ اور جمہور اہل سنت کی مسلک کے خلاف اور گمراہ کن ہے۔ لہذا کسی مرد یا عورت کی خاطر غیر مقلد کے سمجھانے کے مطابق عمل کرنا جائز نہیں موجب گمراہی ہے۔ نیز سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔

شامی میں ہے ایک حنفی المسلک نے ایک اہل حدیث (غیر مقلد) کی لڑکی سے پیغام نکاح بھیجا۔ اس نے کہا اگر تو مذہب چھوڑ دے۔ یعنی امام کے پیچھے قرأت اور رکوع میں جاتے وقت رفع یدین کرے تو پیغام منظور ہے اس حنفی نے یہ شرط منظور کرلی اور نکاح ہو گیا۔ شیخ وقت امام ابوبکر جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سنا تو افسوس کیا اور فرمایا **النکاح جائز ولکن اخاف علیه ان یذهب ایمانه وقت النزاع لانه استخف بالمذهب الذی هو حق عنده وترکه لاجل جیفة منتنة**. ترجمہ۔ (شیخ امام ابوبکر جوزجانی نے فرمایا کہ خیر) نکاح تو ہو گیا لیکن مجھے اس شخص کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے کہ اس نے عورت کی خاطر اس مذہب کی توہین کی جس کو وہ آج تک حق سمجھتا تھا۔ محض عورت کی خاطر اس کے خلاف کیا۔ (**شامی ج ۳ ص ۲۶۳ باب التعزیر فیما اذا ارتحل الی غیر مذهبه**)

لہذا ان کو چاہئے کہ اپنی عاقبت خراب نہ کریں اور گمراہی سے باز آ جائیں۔ اگر نہ مانے تو ایسے شخص کے ساتھ میل جول اور تعلقات نہ رکھے جائیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی شخص گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کو روکو، نہ مانے تو قطع تعلق کرو کیونکہ وہ اپنے گناہ سے اپنے ساتھ قوم کو بھی تباہ کرتا ہے۔ اطمینان مزید کے لئے چند فتویٰ ملاحظہ فرمائیے۔

فتویٰ نمبر ۱۔ علماء ہند کے استاذ کبیر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فتویٰ:۔
اگر سہ طلاق داد خواہ یکبار خواہ متفرق باز در نکاح نمی تواند آورد تاوقتیکہ حلالہ نہ کند۔
ترجمہ:۔ اگر تین طلاق دے دے چاہے ایک ساتھ یا جدا جدا تو جب تک حلالہ نہ کرے دوبارہ نکاح میں نہیں لا سکتا۔ (فتاویٰ عزیزیہ ج ۲ ص ۲۰)

فتویٰ نمبر ۲۔ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمٰن عثمانی دیوبندی کا فتویٰ:۔
تین طلاق کے بعد عورت مغلظہ بائنہ ہو جاتی ہے اور بلا حلالہ اس سے دوبارہ نکاح کرنا حرام ہے کہ نص قطعی سے ثابت ہے اور اجماع امت اس پر ہے کہ کسی کا خلاف اس میں معتبر نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۳۔ ۴ ص ۲۵۸)

فتاویٰ خیریہ میں ہے:۔
(سئل) فی شخص طلاق زوجته ثلاثا مجتمعاً فی کلمة واحدة فهل یقعن ام لا وهل اذا

رفع الیٰ حاکم حنفی المذھب یجوز لہ تنفیذ الحکم بعدم الوقوع اصلاً او بوقوع واحد او یجب علیہ ان یبطلہ وھل اذا نفذہ ینفذ ام لا ۔

(اجاب) نعم یقعن اعنی الثلاث فی قول عامۃ العلماء المشھورین من فقھاء الامصار ولا عبرۃ بمن خالفھم فی ذلک او حکم بقول مخالفھم والرد علی المخالف القائل بعدم وقوع شی او وقوع واحدۃ فقط مشھور واذا حکم حاکم بعد وقوع الطلاق المذکورۃ لا ینفذ حکمہ کما ھو مقرر مسطور ففی الخلاصۃ وفی کثیر من کتب علمائنا التی لا تعد لو اقضی فیمن طلق امرأتہ ثلاثا جملۃ انھا واحدۃ او بأن لا یقع شئی لا ینفذ وفی التبیین وغیرہ فی کتاب القضاء ان القضاء بمثل ذلک لا ینفذ بتنفیذ قاضی اخر ولو رفع الی الف حاکم ونفذہ لان القضاء وقع باطلاً لمخالفتہ الکتاب و السنۃ او الاجماع فلا یعود صحیحا بالتنفیذ اھ .(ج ۱ ص ۴۳ کتاب الطلاق ومطالبۃ)

(وسئل مرۃ اخری) فی رجل طلق زوجتہ ثلاثا مجتمعا فی کلمۃ واحدۃ فافتاہ حنبلی المذھب بعدم الوقوع فاستمر معاشر الزوجتہ بسب الفتویٰ المذکور قمدۃ سنین فھل یعمل بافتاء الحنبلی المذکور ام لا ولو اتصل بہ حکم منہ فکیف الحال ۔

(اجاب) لا عبرۃ بالفتویٰ المذکورۃ ولاینفذ قضاء القاضی بذلک ولو نفذ الف قاض ویفترض علی حکام المسلمین ان یفرقوا بینھما قال بعض العلماء وحکی عن الحجاج بن ارطاۃ وطائفۃ من الشیعۃ والظاھریۃ انہ لا یقع منھا الا واحدۃ واختارہ من المتأخرین من لایعبأ بہ فافتی بہ واقتدیٰ بہ من اضلہ اللہ تعالیٰ واللہ اعلم (فتاویٰ خیریہ ج ۱ ص ۴۴ ایضاً)

مہر کے عوض طلاق دے تو رجعت صحیح ہے یا نہیں:

(سوال ۴۳۹) عورت مہر معاف کردے اور شوہر اس کے بدلہ میں اس کو طلاق صریح دے۔ یعنی عورت کو یوں کہا۔ کہ میں نے تجھ کو مہر کے عوض میں طلاق دی ہے۔ تو کیا رجوع کرسکتا ہے؟ اور یہ طلاق رجعی ہے یا بائن؟

(الجواب) صریح طلاق جب بعوض مہر دی جاتی ہے تو طلاق بائن ہوتی ہے جس میں حق رجعت نہیں رہتا" شامی" میں ہے۔" یقع بائنا لانہ بعوضۃ " ۔(ص ۷۶۰ ج ۲ باب الخلع) اسی طرح خلوت سے پہلے جو طلاق دی جاتی ہے وہ بھی بائن ہے اور اس میں شوہر کو حق رجعت نہیں رہتا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دو طلاق صریح میں تجدید نکاح ضروری ہے یا نہیں:

(سوال ۴۴۰) میں نے اپنی بیوی کو بحالت غصہ دو ۲ طلاق صریح دی ہیں۔ اب نکاح میں رکھنا ہے تو نکاح ضروری ہے یا بغیر نکاح کے بطور عورت کے رکھ سکتا ہوں۔ طلاق آٹھ دن ہوئے دی ہے؟۔

(الجواب) اگر لفظ طلاق دو بار بولا ہے تو عدت میں رجعت کرسکتا ہے نکاح کی ضرورت نہیں۔ لیکن رجعت کے بعد جب کبھی ایک طلاق دے دے گا۔ تو اگلی دونوں طلاق سمیت تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔ اس کا خیال رکھنا ضروری

ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک طلاق نامہ اور اس کا حکم:

(سوال ۴۴۱) طلاق نامہ ذیل میں ہے۔

اس مقام تحریر ہے کہ آپ کی لڑکی کا نکاح خوانی میرے ساتھ ہوئے کافی عرصہ ہوا۔مگر اس کا دماغ خراب ہونے کی وجہ سے پریشان کرتی ہے۔لہذا آج سے طلاق دے کرر ہا کرتا ہو۔یہ جانیئے بس یہی!

نوٹ:۔اس طلاق نامہ کو چار برس ہوئے ہیں۔اب میاں بیوی دونوں نکاح کے لئے راضی ہیں۔تو حلالہ کے بغیر نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) یہ طلاق نامہ اصل ہو یا اصل کے مطابق ہوتو نکاح ہوسکتا ہے۔حلالہ کی ضرورت نہیں۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔(حوالہ بالا از مرتب)۔

حالت نشہ میں طلاق دے تو ہوگی یا نہیں:

(سوال ۴۴۲) میں عید پر سسرال گیا تھا۔میری عورت بھی وہاں تھی،عید کے بعد عورت سے کہا کہ میں لینے آیا ہوں لیکن ساس،خسر،دونوں نے انکار کیا۔ان کے سامنے ہی لڑکی کی پھوپھی کا مکان ہے۔میں نے ان سے کہا لیکن کوئی بات طے نہ ہوئی۔میں نشہ میں تھا پھوپھی کی لڑکی کے سامنے غصہ میں طلاق،طلاق،دوبار کہا تو کیا یہ نکاح میں رہی یا نہیں؟

(الجواب) جب تم نے اپنی بیوی کو دوبار طلاق طلاق کہا۔تو وہ طلاق رجعی پڑ گئیں اور عدت میں رجوع کر کے بغیر تجدید نکاح کے رکھ سکتے ہو۔لیکن اب ایک طلاق بھی دوگے تو اگلی دونوں کے ساتھ مل کر تین طلاق ہو جائیں گی۔اور شرعی حلالہ کے بغیر حلال نہ ہوگی۔(۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مخالطت سے پہلے طلاق دے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۴۴۳) ایک شخص نے شادی کی،شادی کے بعد رواج ہے کہ دو تین ماہ بعد لڑکی کو بھیجتے ہیں،اس درمیان کچھ نزاع ہوگیا،جس کے غیض وغضب میں شوہر سے (اس کے والد اور بھائی نے جبراً) طلاق دلائی اب خاوند کو بہت شرم و ندامت ہورہی ہے اور کہتا ہے کہ شرعاً جو حکم ہو وہ کیا جائے۔لہذا آپ جلد از جلد جواب دیں۔بعد نکاح کے صحبت نہیں ہوئی ہے۔مرد نے عورت کو تین دفعہ طلاق،طلاق،طلاق دی ہے۔اب اس کو کیا کرنا چاہئے۔عورت کو نکاح میں کس طرح لاوے۔شرعی حکم بحوالہ درج فرمائیں۔بینواتوجروا۔

(الجواب) جب نکاح کے بعد لڑکی کی رخصتی نہیں ہوئی اور مرد و عورت میں مخالطت (میل جول) نہ ہونے پایا تھا کہ مرد نے عورت کو تین طلاقیں یکے بعد دیگرے دے دیں تو پہلی ہی طلاق پر بائنہ ہوگئی،دوسری اور تیسری طلاق نہیں پڑی

(۱) واذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية او تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض انما شرط بقاءها في العدة لانها اذا انقضت زال الملك وحقوقه فلا تصح الرجعة بعد ذلک جوهرة النيرة كتاب الرجعة [illegible] ص ۱۰۳

اب عورت اگر راضی ہو تو نکاح اسے ہو سکتا ہے حلالہ کی ضرورت نہیں ہے۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۳۵۱)[1]

الگ الگ ایک طلاق دے کر رجوع کر لیا تو یہ طلاق محسوب ہو گئی؟:

(سوال ۴۴۴) زید نے اپنی بیوی کو پانچ سال قبل طلاق دی تھی اور دو دن کے بعد رجوع کر لیا تھا پھر ایک سال بعد ایک طلاق دی پھر رجوع کر لیا پھر کچھ عرصہ بعد ایک طلاق دی، اس صورت میں ایک طلاق شمار ہوگی یا تین؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کتب احادیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو بحالت حیض ایک طلاق رجعی دی تو حضور اقدس ﷺ نے رجوع کرنے کا حکم فرمایا کیونکہ بحالت حیض طلاق دینا ممنوع ہے جب حضرت ابن عمرؓ نے یہ حدیث بیان کی تو ان سے یہ سوال کیا گیا کہ رجوع شدہ طلاق محسوب (شمار) ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا فمه کیوں نہیں شمار ہوگی۔ طلق ابن عمر رضی اللہ عنہما امراته وهی حائض فذکر عمر رضی اللہ عنه النبی صلی اللہ علیه وسلم فقال لیراجعها قلت تحتسب قال فمه (بخاری شریف ج ۲ ص ۷۹۰ کتاب الطلاق باب اذا طلقت الحائض یعتد بذلک الطلاق جز نمبر ۲۲ مسلم شریف ج ۱ ص ۴۷۷)

لہذا صورت مسئولہ میں عورت جب کہ مدخولہ ہے تو تین طلاقیں ہو گئیں اور عورت مطلقہ مغلظہ ہو گئی۔ زید بدون حلالہ اسے دوبارہ نکاح میں نہیں لا سکتا لقوله تعالیٰ فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره (قرآن مجید. سوره بقره) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حلالہ کی شرعی صورت:

(سوال ۴۴۵) ایک مسلمان بھائی نے اپنی بیوی کو محلّہ کی دو عورتوں کے سامنے تین مرتبہ غصہ میں طلاق، طلاق، طلاق، کہہ دیا ہے، شوہر و بیوی دونوں اس کا اقرار کرتے ہیں، اب وہ دونوں پھر ایک ساتھ رہنا چاہتے ہیں اس کی کیا صورت ہوگی، جواب عنایت فرما کر کرم فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مذکورہ صورت میں تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور عورت شوہر پر حرام ہو گئی، شرعی حلالہ کے بغیر حلال نہیں ہو سکتی شرعی حلالہ یہ ہے کہ طلاق کی عدت (اگر حیض آتا ہو تو تین حیض اور اگر بڑی عمر ہونے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے اور حاملہ ہو تو وضع حمل) پوری کر کے عورت اپنی مرضی سے کسی سے نکاح کرے اور وہ صحبت بھی کرے اس کے بعد یہ دوسرا شوہر مر جائے تو وفات کی عدت پوری کر کے یا کسی وجہ سے طلاق دے دے تو طلاق کی عدت گذار کر پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔ لاینکح مطلقة بها ای بالثلاث . الی قوله . حتی یطأها غیره ولو الغیر مراهقاً یجامع مثله ...... الی . بنکاح و تمضی عدته ای الثانی الخ (در مختار مع الشامی ج ۲ ص ۷۴۰۔۷۳۹ باب الرجعة) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) فان فرق الطلاق بانت بالا ولی ولم تقع الثانیة والثالثة فصل فی الطلاق قبل الدخول)

شوہر ثانی سے بلا دخول طلاق دینے کی شرط پر نکاح کرنے حکم :

(سوال ۴۴۶) کسی نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے دی ہوں اور حلالہ کے لئے ایک شخص کو اس شرط پر رضامند کیا ہو کہ بغیر صحبت کئے طلاق دے دے گا اور وہ شخص شرط کے مطابق بلا صحبت طلاق دے دے تو یہ شرطیہ نکاح درست ہوگا؟ اور عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہوگی؟ مطلقہ بہو کو خسر اپنے ساتھ رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) شرطیہ نکاح کرنے پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے مگر نکاح منعقد ہو جائے گا اور شرط باطل ہو جائے گی، پھر اگر جماع سے پہلے طلاق دے دی گئی تو طلاق واقع ہو جائے گی لیکن شوہر اول کے لئے عورت حلال نہ ہوگی (وکره التزوج الثانی تحریماً) لحدیث لعن الله المحلل والمحلل له (بشرط التحلیل) کتزوجتک علی ان احللک (وان حلت للاول) لصحة النکاح وبطلان الشرط الخ (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۷۴۳ باب الرجعة) شوہر اول کے لئے حلال ہونے کے لئے زوج ثانی کا وطی کرنا ضروری ہے درمختار میں ہے حتی یطأ غیره (ج ۲ ص ۷۳۹ باب المرجعة) مطلقہ بہو کو ساس اور خسر اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں بشرطیکہ کسی قسم کی خرابی کا (اور گناہ میں مبتلا ہونے کا) اندیشہ نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

آٹھ سال کے بعد زوج ثانی صحبت نہ کرنے کا بیان دے تو حلالہ معتبر ہوگا یا نہیں؟ :

(سوال ۴۴۷) ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں مگر گھر سے بیوی نہ نکلی اور فتویٰ یہ آیا کہ اب شرعی حلالہ کے بغیر عورت شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی، چنانچہ طلاق کی عدت گذرنے کے بعد شوہر کے بھائی نے مطلقہ سے نکاح کرلیا اور تین دن ساتھ رہنے کے بعد طلاق دے دی، عدت گزرنے کے بعد شوہر اول نے نکاح کرلیا جس کو آٹھ سال ہوگئے اولاد بھی ہوئی لیکن اب اس کی عورت اور بھائی کہتا ہے کہ ہم نے صحبت نہیں کی تھی صرف تین دن ساتھ رہ کر طلاق دے دی تھی، اب شوہر کیا کرے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب دونوں نکاح کے بعد میاں بیوی کی طرح تین رات دن خلوت میں رہے اور ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ حلالہ کے لئے صحبت شرط ہے اس کے باوجود اس وقت کچھ نہیں کہا اب آٹھ سال بعد صحبت نہ ہونے کا دعویٰ مسموع نہ ہوگا دونوں میاں بیوی کی طرح رہ سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۰ شوال المکرم ۱۳۹۶ھ۔

مرتد ہونے سے مطلقہ ثلثہ حلال ہوگی یا نہیں :

(سوال ۴۴۸) ایک نومسلم مرد نے مسلمان عورت سے نکاح کیا کچھ دنوں کے بعد نا اتفاقی ہوگئی جس بنا پر عورت کو تین طلاقیں دے کر الگ کر دیا اس کے بعد وہ اپنی قوم میں جا ملا اور مرتد ہوگیا۔ (اعاذ نا الله منه) پھر دوبارہ مسلمان ہوا وہ مطلقہ عورت دوبارہ اس کے ساتھ نکاح کرے تو صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر طلاق کے بعد عدت گذار کر عورت نے دوسرے شوہر سے نکاح کیا ہے اور اس کے ساتھ رہنے (جماع) کے بعد شوہر فوت ہوگیا ہے یا شوہر نے طلاق دے دی ہے اور عدت ختم ہوگئی ہے تو اب وہ عورت اپنے پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے ورنہ نہیں کیونکہ شوہر نے تین طلاقیں دے کر اپنا حق ختم کر دیا ہے وہ حق مرتد ہو جانے کی وجہ

سے واپس نہیں ملاسکتا تاوقتیکہ شرعی حلالہ نہ کیا جائے۔ (والزوج الثانی یھدم بالدخول) فلو لم یدخل لم یھدم اتفاقا قنیۃ الخ (درمختار مع الشامی ج۲ ص ۷۴۲ باب الرجعۃ) اس سے معلوم ہوا کہ واقع شدہ طلاق کو منہدم کرنے والی چیز زوج ثانی کا نکاح اور وطی ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شرعی حلالہ کی ایک صورت:

(سوال ۴۴۹) ایک شخص نے تین طلاق دے دی ہیں، اب وہ دونوں میاں بیوی دوبارہ باہم نکاح کرنے پر رضا مند ہیں اور ظاہر ہے کہ بغیر حلالہ کے اب نکاح نہیں ہوسکتا تو وہ حلالہ کے لئے بھی تیار ہے لیکن سنا ہے کہ حدیث میں اس پر لعنت کی گئی ہے۔ میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ لعنت کن لوگوں پر ہے اور کس صورت میں ہے اور کس شرط پر ہے ہمارے یہاں ایک مولانا نے بیان میں فرمایا کہ ایسے حلالہ کرنے والوں اور کرانے والوں پر اللہ کی لعنت ہے اور وہ حرام کاری کرتے ہیں، تو کیا اس معاملہ میں بیچ میں رہنے والوں پر نکاح پڑھانے والوں پر شاہدین پر کوئی لعنت ملامت ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اول تو طلاق دینا ہی مکروہ ہے اور اگر طلاق دینے کے لئے مجبور ہو جائے تو ایک طلاق دے کر چھوڑ دیوے اگر عدت کے اندر رجوع نہیں کیا تو عدت پوری ہونے سے نکاح سے نکل جائے گی پھر وہ جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے پہلے شوہر سے بھی نکاح ہوسکتا ہے لیکن اپنی حماقت سے تین طلاقیں دے ڈالی ہوں تو اب نہ رجوع کی صورت ہے نہ تجدید نکاح کی عدت گذار کر کسی سے نکاح کرے اور رہنے سہنے (جماع) کے بعد وہ شوہر مر جائے یا وہ کسی وجہ سے طلاق دے دے تو عدت گذار کر پھر کسی اور سے نکاح کرسکتی ہے پہلا شوہر نکاح کرنا چاہے تو وہ بھی کرسکتا ہے کہ حلالہ کی صورت عمل میں آچکی ہے لیکن جس نے پہلے تین طلاقیں دی ہیں وہ عدت کے بعد کسی سے شرطیہ نکاح کر دے یعنی عقد نکاح کے وقت عورت کہے کہ میں نے اپنی ذات تمہارے نکاح میں اس شرط کے ساتھ دی کہ صحبت کر کے طلاق دے دیں اور وہ مرد کہے کہ میں اس شرط پر قبول کرتا ہوں کہ صحبت کے بعد طلاق دے دوں گا یہ سخت مکروہ اور موجب لعنت ہے اور اگر ایسی شرط عقد نکاح کے وقت نہ کی جائے یوں ہی نکاح ہو جائے اور صحبت کے بعد طلاق دے دے تو یہ صورت اس سے اخف ہے اور بلا حلالہ کے میاں بیوی کی طرح رہنے اور غیر مقلد سے غلط فتویٰ حاصل کر کے تمام عمر زنا کاری اور حرام کے بچے جننے سے تو بہتر ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نوٹ:۔ زوجین کے رشتے داروں کو خطرہ ہو کہ اگر ان کا دوبارہ نکاح نہیں کیا گیا تو یہ گناہ میں مبتلا ہو جائیں گے یا عیالدار ہونے کی وجہ سے دونوں پریشان ہوں اس وجہ سے ان کے اولیا یا دوست احباب بغرض اصلاح عورت کا کسی سے نکاح کر دیں اور زوج ثانی بھی اصلاح کی غرض سے بعد از صحبت طلاق دے دے تو انشاء اللہ یہ فعل موجب لعنت نہ ہوگا بلکہ امید ہے کہ اصلاح اور گناہ سے بچانے کی نیت کی وجہ سے مستحق ثواب ہوں گے ترمذی شریف میں اس لعنت والی حدیث کے حاشیہ میں ہے وقیل المکروہ اشتراط الزوج بالتحلیل فی القول لا فی النیۃ بل قد قیل انہ ماجور بالنیۃ لقصد الاصلاح کذا فی اللمعات. ترمذی ج۲ ص ۱۳۳ باب ماجآء فی المحلل والمحلل لہ

شرعی حلالہ کسے کہتے ہیں؟:

(سوال ۴۵۰) شرعی حلالہ کی کیا صورت ہے اس کی وضاحت فرمائیں. بینوا توجروا۔

(الجواب) شرعی حلالہ کی صورت یہ ہے کہ عورت طلاق کی عدت گذارے،طلاق کی عدت یہ ہے کہ اگر عورت کو حیض آتا ہو تو اس کو تین حیض آجائیں،تین حیض چاہے جتنے دنوں میں آئیں تین مہینے میں آئیں یا اس سے کم مدت میں یا اس سے زیادہ مدت میں،تین حیض ہی سے عدت پوری ہوگی،عوام مطلقاً تین مہینے سمجھتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے،اگر تین حیض آنے سے پہلے عورت نکاح کرے گی تو نکاح صحیح نہ ہوگا اور شرعی حلالہ بھی نہ ہوگا،اور اگر عورت ممتدۃ الطہر ہو تو اس کی عدت کس طرح پوری ہوگی اس کے لئے (ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ص ۴۰۵،ص ۴۰۶ اسی باب میں حلالہ کی شرعی صورت کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے از مرتب) اور اگر بڑی عمر ہونے کی وجہ سے حیض آنا بند ہو گیا ہو تو اس کی عدت تین مہینے ہے،اور اگر عورت حاملہ ہو تو وضع حمل سے اس کی عدت پوری ہوگی،عورت کی جیسی بھی حالت ہو اس کے مطابق عدت گذار کر عورت بغیر کسی شرط کے کسی سے نکاح کرے وہ شخص اس کے ساتھ رہے صحبت بھی کرے (صحبت کرنا شرط ہے) اس کے بعد اس کا انتقال ہو جائے تو وفات کی عدت پوری کرکے (وفات کی عدت یہ ہے،حمل نہ ہو تو چار مہینے دس دن،حمل ہو تو وضع حمل ہو جانے) یا اپنی مرضی سے طلاق دے دے تو اوپر درج شدہ طریقہ کے مطابق طلاق کی عدت گذار کر پھر کسی اور سے نکاح کر سکتی ہے. پہلا شوہر نکاح کرنا چاہے تو وہ بھی کر سکتا ہے کہ حلالہ کی صورت عمل میں آچکی ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بہنوئی سے نکاح کرنے سے حلالہ صحیح ہوگا یا نہیں :

(سوال ۴۵۱) عابدہ کو اس کے شوہر نے تین طلاق دے دیں،عدت پوری ہونے کے بعد عابدہ کا نکاح اس کے بہنوئی اقبال سے کیا گیا حالانکہ عابدہ کی بڑی سگی بہن خالدہ اس کے نکاح میں موجود ہے،نکاح کے بعد اقبال عابدہ کے ساتھ رہا صحبت بھی ہوئی اس کے بعد اقبال نے عابدہ کو طلاق دے دی،عدت پوری ہونے کے بعد عابدہ کا نکاح اس کے پہلے شوہر سے کر دیا گیا،دریافت طلب امر یہ ہے کہ عابدہ کا نکاح اقبال سے کیا گیا،کیا یہ نکاح صحیح ہے؟ اسے شرعی حلالہ کہہ سکتے ہیں؟ نیز اس صورت میں اس کی سگی بہن خالدہ کے نکاح پر کوئی اثر پڑا؟ حافظ صاحب نے نکاح سے قبل تحقیق کی تھی کہ اس میں کچھ گڑبڑ تو نہیں ہے تو ان کو بتایا گیا کہ کچھ گڑبڑ نہیں ہے،اس کے بعد انہوں نے نکاح پڑھایا اس صورت میں وہ گنہگار ہوں گے؟ تفصیل سے جواب مرحمت فرمائیں۔

(الجواب) حلالہ اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ جب دوسرا نکاح صحیح ہوا ہو اگر دوسرا نکاح صحیح نہ ہو تو اس کا کچھ اعتبار نہ ہوگا اور عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی،ہدایہ اولین میں ہے:وان کان الطلاق ثلثاً فی الحرۃ . الی قولہ. لم تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ نکاحا صحیحاً وید خل بھا ثم یطلقھا اویموت عنھا (ھدایہ اولین ص ۳۷۹ باب الرجعۃ)

درمختار میں ہے لا ینکح مطلقۃ (بھا) ای بالثلاث...... حتی یطاھا ولو (الغیر) (مراھقا بنکاح نافذ خرج الفاسد والموقوف الخ (درمختار مع شامی ص ۷۳۹،ص ۷۴۰ ج ۲ ایضا)

ایک بہن کی موجودگی میں دوسری بہن سے نکاح کرنا بالکل حرام ہے،قرآن مجید میں ہے وان تجمعوا

بین الاختین . ترجمہ:۔اور یہ (امر بھی حرام ہے) کہ تم دو بہنوں کو(رضاعی ہوں یا نسبی اپنے نکاح میں)ایک ساتھ رکھو(قرآن مجید،سورۃ نساء آیت نمبر ۲۳ ، پارہ نمبر۴)

صورت مسئولہ میں مطلقہ مغلظہ کا جب دوسرا نکاح ہی صحیح نہیں ہوا تو حلالہ بھی صحیح نہ ہوگا اور عورت (عابدہ) اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی ، عابدہ نے اپنے پہلے شوہر سے نکاح کرلیا ہے یہ نکاح بھی باطل ہے اگر دونوں ایک ساتھ رہتے ہوں تو فوراً علیحدہ ہوجانا ضروری ہے ورنہ دونوں سخت گنہگار ہوں گے۔

مذکورہ معاملہ بہت ہی غلط ہوا ہے ،تمام لوگوں پر لازم ہے کہ صدق دل سے توبہ اور استغفار کرتے رہیں ، عابدہ کی بڑی بہن خالدہ اپنے شوہر کے نکاح میں رہے گی ، اپنے شوہر پر حرام نہ ہوگی البتہ جب تک چھوٹی بہن عابدہ کی عدت پوری نہ ہوجائے اس وقت تک بڑی بہن کے شوہر کے لئے اپنی بیوی خالدہ سے صحبت کرنا حرام ہے؟ درمختار میں ہے (وان تزوجهما معا) ای الاختین او من بمعنا هما (او بعقدتین ونسی) النكاح(الاول) شامی میں ہے۔(قوله ونسی الاول) فلو علم فهو الصحیح والثانی باطل وله وطء الاولیٰ الا ان یطأ الثانیة فتحرم الاولیٰ الیٰ انقضاء عدة الثانیة کما لو وطی ء اخت امرأته بشبهة حیث تحرم امرأته مالم تنقض عدة ذات الشبهة ح عن البحر .

مذکورہ عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر دو بہنوں سے الگ الگ نکاح کیا ،اور دوسری بہن سے نکاح کے وقت پہلا نکاح یاد ہے تو پہلا نکاح صحیح ہے اور دوسرا نکاح باطل ہے جس بہن سے پہلے نکاح کیا ہے اس سے صحبت کرسکتا ہے ، البتہ اگر دوسری بہن سے صحبت کرلی ہو تو پہلی بہن دوسری بہن کی عدت پوری ہونے تک حرام ہوجائے گی ، جیسے کوئی شخص اپنی بیوی کی بہن سے وطی بالشبہہ کرلے تو موطوءۃ بالشبہہ کی عدت پوری ہونے تک اس کی بیوی اس پر حرام ہوجاتی ہے۔(درمختار وشامی ص ۳۹۳ ج ۲ فصل فی المحرمات)

اگر حقیقۃً حافظ صاحب کو اس کا علم نہ ہوا اور تحقیق کے باوجود ان کو اس بات کا علم نہ ہوا اور بے خبری میں عابدہ کا نکاح اس کے بہنوئی سے پڑھا دیا تو حافظ صاحب گنہگار نہ ہوں گے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تجھے ہمیشہ کے لئے تین طلاق کہنے کے باوجود حلالہ سے عورت حلال ہوجائے گی:

(سوال ۴۵۲) اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی سے کہا" تجھ" کو ہمیشہ کے لئے تین طلاق ، تو اس صورت میں شرعی حلالہ کے بعد یہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال ہوگی یا نہیں ؟لفظ" ہمیشہ" سے عدم حلت کا گمان ہوتا ہے ، بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً ۔مذکورہ صورت میں شرعی حلالہ کے بعد وہ عورت زوج اول کے لئے حلال ہوجائے گی ،شرعی حلالہ کے بعد زوج اول کے لئے حلال ہونا منصوص ہے ،ارشاد خداوندی ہے۔فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره . (دو کے بعد)اگر تیسری طلاق بھی دے دی تو اب یہ عورت اس کے لئے حلال نہیں تاوقتیکہ کسی اور سے نکاح کرے ،یہ حلت لفظ" ہمیشہ" کہہ دینے سے ختم نہ ہوگی ، بلکہ یہ لفظ لغو ہوگا ،مندرجہ ذیل جزئیہ اس کی واضح دلیل ہے ،فتاویٰ عالمگیری میں ہے وان قال انت طالق علی ان لا رجعة لی علیک یلغو ویملک الرجعة کذا فی السراج الوهاج (فتاویٰ عالمگیری کتاب الطلاق باب ۲ ، فصل نمبر ۳) فقط واللہ اعلم بالصواب .

باب العدت

عدت گزارنے کا محل وموقع کون سا:

(سوال ۴۵۳) مردوزن گاؤں سے دور باغ میں رہتے تھے وہاں شوہر مرگیا۔عورت کے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں کوئی بڑا مرد اس کے ساتھ نہیں ۔لہذا عورت کا مال اور اس کی عزت خطرہ میں ہے۔تو ختم عدت سے پہلے گاؤں میں آ سکتی ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں عورت گاؤں میں آ سکتی ہے (فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۵۳۵)[1]

اسقاط حمل سے عدت ختم ہوتی ہے یا نہیں

(سوال ۴۵۴) اسقاط حمل سے عدت ختم ہوتی ہے یا نہیں؟

(الجواب) اسقاط حمل سے عدت ختم ہو جاتی ہے۔بشرطیکہ بچہ کے ہاتھ پاؤں وغیرہ بنے ہوں۔[2]

نومسلمہ کے ساتھ نکاح کے لئے عدت شرط ہے یا نہیں :

(سوال ۴۵۵) ایک ہندو لڑکی ہے۔اس نے ہندو دھرم کے مطابق نکاح کیا ہے۔اس کا شوہر ابھی زندہ ہے۔مگر وہ لڑکی ایک مسلم لڑکے کے ساتھ اس کے گھر چلی گئی۔اب وہ مسلمان ہوگئی اور اس لڑکے سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں نومسلمہ عورت تین حیض آنے کے بعد حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے گذرنے پر اپنے شوہر سے علیحدہ ہو جائے گی۔اس درمیان میں اگر وہ ہندو شوہر اسلام قبول کرلے عورت اسی کی ہے۔بلا تجدید نکاح میاں بیوی بن کر رہ سکتے ہیں۔اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو دوسرے تین حیض عدت کے پورے کر کے کسی مسلمان کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے۔ کما قاله الشامی تفصیلا لم تبن حتی تحیض ثلاثا او تمضی ثلاثة اشهر قبل اسلام الاخر اقامة لشرط الفرقة مقام السبب(درمختار) وهل تجب العدة بعد مضی هذه المدة فان كانت المرأة حربية فلا لانه لا عدة علی الحربية وان كانت هی المسلمة فخرجت الينا فتمت الحيض هنا فكذلك عند ابی حنيفة خلافا لهما لان المهاجرة لا عدة عليها عنده خلافا لهما كما سياتی بدائع وهدايه وجزم الطحاوی بوجوبها قال فی البحر وينبغی حمله علی اختيار قولهما. شامی ج ۲ ص ۵۳۷ باب نکاح الکافر . اور حیلۃ الناجزۃ میں ہے کہ اور اگر عورت مسلمان ہوتی ہے تو صاحبین کے

---

(۱) ولو كانت بالسواد قد خل عليها الخوف من سلطان او غيره كانت فی سعة من التحول الی المصر كذا فی المبسوط الباب الرابع عشر فی الحداد)

(۲) وعدة الحامل ان تضع حملها كذا فی الكافی . عالمگیری الباب الثالث عشر فی العدة . وسقط ای سقوط ظهر بعض خلقه كيد او رجل او اصبع او ظفر او شعر . . ولد حكما فتصير المراة به نفساء والامة ام ولد يحنث به فی تعليقه و تنقضی به العدة وان لم تظهر له شیء فليس بشیء باب الحيض مطلب فی احوال السقط واحكامه ج ۱ ص ۲۰۲

نزدیک اس پران تین حیض کے علاوہ دوسرے تین حیض تک عدت گذارنا واجب ہے اور امام صاحب کے نزدیک عدت واجب نہیں (البتہ اگر عورت حاملہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک بھی وضع حمل سے قبل اس کا نکاح جائز نہیں) اور احتیاط اسی میں ہے کہ صاحبین کے قول پر عمل کیا جائے۔ امام طحاوی نے اسی کو اختیار کیا ہے (ص ۹۲)

منکوحہ زانیہ حاملہ سے زانی کا نکاح کب ہوسکتا ہے :

(سوال ۴۵۶) ایک شخص نے اپنی منکوحہ کو اس لئے طلاق دی کہ اس نے اجنبی مرد سے بدفعلی کرائی اور اس سے حمل قرار پایا۔ اور دونوں کو اس کا اقرار ہے۔ اب ان دونوں کا نکاح عدت گزرنے کے بعد اور وضع حمل سے پہلے صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) حالت مذکورہ میں مطلقہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے، بچہ کے تولد سے قبل نکاح درست نہیں ہے۔ (حوالہ گذشتہ حمدیہ مرتب) (عنایہ)

(سوال) مسئلہ ذیل میں بعد تحقیق جواب مرحمت فرمائیے۔ ایک مرد نے اپنی حیاتی میں اپنی زوجہ کے واسطے ایک مکان لے رکھا تھا۔ وہ مکان مرد کے رہنے کے مکان سے بالکل متصل ہے۔ اب وہ مرد مر گیا اور اس کے ورثاء نے وہی مکان مرحوم کی زوجہ کو میراث میں دیا ہے۔ اب وہ عورت اپنے مکان میں جو میراث میں ملا ہے اور جو اس گھر سے بالکل متصل ہے جس میں وہ اپنے خاوند کے ساتھ رہتی تھی جا کر رہنا چاہتی ہے۔ اس کے خاوند کے انتقال کو آج تیس دن ہوئے ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ آیا وہ عوت عدت گزارنے سے قبل اس مکان میں رہنے جاسکتی ہے یا نہیں؟

میں نے بہشتی زیور میں دیکھا اس میں دو مسئلے آپس میں خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ ایک کا مطلب یہ ہے کہ خاوند کے ساتھ عورت جس مکان میں رہتی تھی اس میں عدت پوری کرے اور دوسرے کا مطلب یہ ہے کہ اگر خاوند مر جائے تو اس کی عورت نفقہ کپڑا اور مکان پانے کی مستحق نہیں، وہ میراث کی مستحق ہے۔ اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ عورت اپنے مکان میں جاسکتی ہے اور پہلے مسئلہ سے سمجھا جاتا ہے کہ نہیں جاسکتی۔ آپ تحقیق کر کے جواب مرحمت فرمائیں۔ ؟

(الجواب) خاوند کی وفات کے وقت جس مکان میں عورت سکونت پذیر تھی اسی مکان میں اس کو عدت پوری کرنی لازم ہے۔ اس مکان میں اس کا حصہ نہ ہو۔ یا حصہ تو ہے مگر مکان سکونت کے لئے ناکافی ہے اور ورثاء اپنے حصہ میں رہنے نہیں دیتے تو اس صورت میں مکان بدل سکتی ہے۔ اگر مکان کرایہ کا ہے اور کرایہ دے سکتی ہے تب بھی اس میں رہنا لازم ہے۔ وعلی المعتدة ان تعتد فی المنزل الذی یضاف الیها بالسکنی حال وقوع الفرقة والموت لقوله تعالیٰ ولا تخرجوهن من بیوتهن والبیت المضاف الیها. هو البیت الذی تسکنه فقال علیه السلام للتی قتل زوجها اسکنی فی بیتک حتی یبلغ الکتاب اجله وان کان نصیبها من دارا لمیت لا یکفیها فاخر جها الورثة عن نصیبهم انتقلت لان هذا انتقال بعذر الخ .

یعنی معتدہ پر لازم ہے کہ اس مکان میں اپنی عدت پوری کرے جس میں وہ طلاق یا وفات شوہر کے وقت رہتی تھی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو، اور ان کا گھر وہی ہے جس میں وہ رہا

رہی تھیں۔ اور آنحضرت ﷺ نے اس عورت سے جس کا شوہر قتل کر دیا گیا تھا، فرمایا تھا کہ اس مکان میں قیام کر یہاں تک کہ کتاب اللہ کے موافق میعاد پوری ہو جائے۔ (یعنی اربعة اشهر وعشرا یا وضع حمل)

اگر شوہر کے گھر میں بیوہ کا حصہ سکونت کے لئے ناکافی ہے اور وارثوں نے اپنے حصہ سے نکلنے پر مجبور کیا تو دوسری جگہ جا سکتی ہے یہ عذر ہے (ہدایہ ج ۲ ص ۴۵۹ فصل فی الحداد) فتاوی عالمگیری (ج ا ص ۵۳۵)

وتعتدای معتدة طلاق و موت فی بیت وجبت فیه ولا یخرجان الا ان تخرجا الخ (درمختار) شمل اخراج الزوج ظلما او صاحب المنزل لعدم قدرتها علی الکراء او الوارث اذا کان نصیبها عن البیت لا یکفیها (شامی ج ۲ ص ۸۵۴ فصل فی الحداد

عدت کی مدت:

(سوال ۴۵۷) (ا) ایک مرد نے اپنی عورت کو تین طلاق دی۔ اب وہ دوبارہ اسی سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو شرعاً حلالہ اور عدت لازم ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس عورت کی عدت کتنی ہے؟ نوجوان عورت کی عدت کتنی ہے؟ اور اگر آئسہ ہو تو (جس کو حیض نہ آتا ہو) اس کی عدت کس قدر؟ اور اگر عورت نے مجبوراً آپریشن کرایا ہو تو اس کی میعاد میں کچھ فرق ہے؟ تفصیلی جواب سے نوازیں۔

(۲) دوسرا مسئلہ کہ عورت کی اقل مہر کی مقدار اس زمانہ کے حساب سے کتنے روپے ہیں؟

(الجواب) (ا) عورت حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل۔ اور اگر حاملہ نہیں ہے تو تین حیض۔ اور اگر حیض نہ آتا ہو اور امید بھی نہیں تو تین ماہ گذرنے کے بعد عدت پوری ہوگی۔[1] اس کے بعد نکاح کر سکتی ہے۔ حلالہ کی صورت میں دوسرا شوہر دخول کے بعد طلاق دے دے، یا مر جائے تو عدت طلاق یا عدت وفات گذارنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے (آپریشن والی عورت کا حکم مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہو سکتا ہے) (۲) اقل مہر دس ۱۰ درہم ہے۔" واقل المهر عشرة دراهم." ولنا قوله علیه السلام ولا مهر اقل من عشرة دراهم. (هدایه ص ۳۰۴ ج ۲ باب المهر) اور دس درہم کا وزن تقریباً پونے تین تولے چاندی ہے۔ جس کی قیمت آج کے فی تولہ چھ ۶ روپے کے حساب سے ساڑھے سولہ روپے ہوتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

شبہ، یا تہمت کی بناء پر طلاق دی ہوئی عورت کا نان ونفقہ زمانۂ عدت کا!:

(سوال ۴۵۸) عورت سے شادی ہوئی۔ ڈھائی ماہ ہوئے۔ پتہ چلا کہ حاملہ ہے۔ ڈاکٹر نے پانچ ماہ کا حمل بتایا۔ جس بناء پر اسے گھر بھیج دیا۔ اب اسے طلاق دینا ہے تو عدت کے خرچ اور شادی کے خرچ کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) غیر منکوحہ حاملہ بالزنا سے نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔" وصح نکاح حبلیٰ من زناء کتاب النکاح" (درمختار) اور جس کا حمل ہے اگر وہ نکاح کرے تو صحبت بھی کر سکتا ہے کہ حمل اس کے نطفہ سے ہے۔" لو نکحها

---

(۱) اذا طلق الرجل امرأته طلاقا بائنا او رجعیا او ثلاثا اووقعت الفرقة بینهما بغیر طلاق وهی حرة ممن تحیض فعدتها ثلاثة اقراء ... والعدة لمن لم تحیض لصغر او کبر او بلغت بالسن ولم تحض ثلاثة اشهر ... وعدة الحامل ان تضع حملها کذافی الکافی. فتاوی عالمگیری الباب الثالث عشر فی العدة ج ا ص ۵۲۶.

الزانی حل له وطیها اتفاقاً. والولدله. ولزم النفقة.“(درمختار) اوردوسرا شخص نکاح کرے تو اس کے لئے بچہ پیدا ہونے تک وطی وغیرہ حرام ہے۔” وان حرم وطؤها ودواعیه حتی تضع.“ (درمختار) بالنکاح اگر لاعلمی میں صحبت کرے تو گنہگار نہیں۔

صورت مسئولہ میں ڈاکٹر کا معائنہ اور تشخیص شرعی شہادت نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ پیٹ کا ابھار ہو، یا گانٹھ وغیرہ مرض ہونے کی وجہ سے پیٹ بڑھ گیا ہو۔ یا شادی کے بعد شوہر کا حمل ہو۔ جیسے ڈاکٹر پہلے کا قرار دے رہا ہو۔ ہاں البتہ شادی کے بعد سے بچہ پیدا ہونے تک کا زمانہ چھ ۶ ماہ سے کم ہو۔ اس وقت شوہر اپنے حمل کا انکار کرسکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے۔” وکذا ثبوته مطلقاً اذا جاءت به لستة اشهر من النکاح لاحتمال علوقه بعد العقد وان ما قبل العقد کان انتفاخاً لا حملاً ویحتاط فی اثبات النسب ما امکن (شامی ص ۱۰۴ ج ۲ ایضاً) شرع کا قاعدہ ہے کہ کسی طرح سے بھی بچہ کا حلال ہونا ممکن نہ ہو تب مجبوراً حرامی ہونے کا حکم لگایا جائے اور عورت کو زانیہ ٹھہرایا جائے۔ اور جب تک یہ صورت نہ ہو الزام لگانا بلا دلیل اور قبل از وقت ہے۔ خاموشی اختیار کی جائے۔ اور پردہ پوشی سے کام لیا جائے۔ حدیث شریف میں ہے۔” ما من مسلم یرد عن عرض اخیه الا کان حقاً علی الله ان یرد عنه نار جهنم یوم القیامة.“ یعنی۔ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی (بہن) کو بے آبروئی سے بچائے گا۔ حق تعالیٰ اس کو قیامت کے دن نار جہنم سے بچائے گا۔ (شرح السنۃ عن ابی الدرداءؓ) اور دوسری حدیث میں ہے۔” من ستر مسلماً ستره الله فی الدنیا والآخرة.“ یعنی، جو کوئی کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۲ باب الشفقة والرحمة علی الخلق) ایک حدیث میں ہے۔”لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه.“ یعنی۔ کوئی شخص اس وقت تک مومن کہلانے کے قابل نہیں ہے جب تک کہ اس میں یہ جذبہ پیدا نہ ہو جائے کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہ بات پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (بخاری شریف۔ مسلم شریف) شرعی قانون سے بچہ کا حرامی ہونا اور عورت کا زانیہ اور بدکار ہونا ثابت ہو جائے تو اس کے احکام جدا ہیں لیکن جب تک شرعی طور پر ثابت نہ ہو اور مرد طلاق دے دے تو زمانہ عدت کا نفقہ دینا ہوگا۔ البتہ اگر وہ خود ہی کہیں چلی جائے شوہر کے یہاں نہ رہے تو اس صورت میں شوہر پر لازم نہ ہوگا۔ شادی کے خرچ کا مطالبہ کرنا صحیح نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جس کو خلوت سے پہلے طلاق دی گئی ہے اس پر عدت ہے یا نہیں :

(سوال ۴۵۹) کیا فرماتے ہیں۔ علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کی شادی ہوئے چھ برس ہوئے ہیں۔ لیکن آج تک وداع نہیں ہوئی ہے اور کبھی خلوت نہیں ہوئی ہے۔ اب اس کو طلاق دی ہے تو اس پر عدت گذارنا ضروری ہے یا نہیں؟ بغیر عدت گذارے دوسرا نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب لڑکی شوہر کے یہاں نہیں گئی، اور خلوت بھی نہیں ہوئی تو اس پر عدت نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ یآ یها الذین آمنوا اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فما لکم علیهن من عدة تعتدونها (پ ۲۲) یعنی:۔ اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو۔ پھر تم

طلاق دو ان کو چھونے سے پہلے تو تمہارے لئے ان پر کوئی عدت نہیں (سورۂ احزاب۔ پ۲۲) لہذا طلاق کے بعد عدت گذارے بغیر دوسرے سے نکاح صحیح ہے (ہدایہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حاملہ کی عدت کس طرح ہے؟:

(استفتاء (۲) ۴۶۰) حاملہ عورت کو طلاق واقع ہو جائے تو مدت عدت تین مہینے ہیں یا وضع حمل تک؟

(الجواب) حاملہ عورت کو طلاق دی جائے تو عدت وضع حمل پر پوری ہو جاتی ہے۔ (قرآن کریم)(۱) فقط و اللہ اعلم بالصواب۔

(استفتاء ۳) اس واقعہ کے بعد مرد و عورت پچھتاتے ہیں۔ اب دونوں باہم ملنا چاہتے ہیں۔ تو اب کس طرح جوڑ ہوسکتا ہے؟ اور زوجیت کا رشتہ کس طرح قائم کریں۔ بالتفصیل جواب مرحمت فرمائیں۔

(الجواب) تین طلاق سے عورت حرام ہو جاتی ہے۔ نکاح سے حلال نہ ہوگی۔ ہاں اگر عدت ختم کر کے دوسرے کے ساتھ نکاح کرے اور دوسرا شوہر اس کے ساتھ صحبت کرے۔ پھر وہ مر جائے یا کسی مصلحت سے طلاق دے دے۔ تو عدت ختم ہونے کے بعد پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ **فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره**'' یعنی پھر (دو طلاق کے بعد) تیسری طلاق دے۔ تو پھر وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں۔ تاوقتیکہ وہ دوسرے کے ساتھ نکاح کرے۔ پھر اگر وہ طلاق دے تو دونوں کے لئے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں (سورۂ بقرہ) حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو تین طلاق دیں۔ پھر اس نے دوسرے سے نکاح کیا۔ پھر اس نے بغیر صحبت کے ہی طلاق دے دی۔ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا۔ کہ یہ عورت پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے۔ آنحضرت (ﷺ) نے ارشاد فرمایا نہیں۔ تاوقتیکہ دوسرا شوہر صحبت نہ کر لے۔ شوہر اول لئے حلال نہیں۔ **عن عائشة رضی الله عنه ان رجلا طلق امرأته ثلثا فتزوجت فطلق فسئل النبی صلی الله علیه وسلم اتحل للاول ؟ قال لا حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الاول (بخاری شریف ص ۷۹۱ ج۲ پ ۲۲ کتاب الطلاق باب من اجاز طلاق الثلاث)**

اس شرط کے ساتھ نکاح کرنا کرانا کہ صحبت کے بعد طلاق دے دے، سخت مکروہ اور گناہ ہے۔ (اگر چہ نکاح صحیح اور شرط باطل ہوتی ہے) **(و کره التزوج الثانی) (تحریما) لحدیث لعن المحلل او المحلل له (بشرط التحلیل) کتزوجتک علی ان احللک (وان حلت للاول) لصحة النکاح و بطلان الشرط (درمختار مع الشامی ص ۷۴۳ ج۲ باب الرجعة)**

اس سے بھی زیادہ گناہ کا باعث اور ایمان کے لئے خطرناک یہ ہے کہ عورت کی خاطر اپنے حق اور صحیح مذہب اور اہل حق کے متفقہ مسلک کے خلاف غیر مقلدین کا سہارا لے کر حرام شدہ عورت کو حلال سمجھے اور بغیر حلالہ کے عورت کو (بیوی) بنائے۔

''شامی'' میں ہے۔ کہ شیخ ابوبکر الجوزجانی کے زمانہ میں ایک حنفی نے غیر مقلد کی لڑکی کے ساتھ نکاح کا پیام

(۱) واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن سورة طلاق۔

بتینا۔لڑکی کے باپ نے شرط کی کہ میرے مسلک کے مطابق نماز پڑھے تو پیغام منظور ہے۔حنفی نے عورت کے خاطر شرط قبول کر کے شادی کی۔شیخ کو خبر ہوئی تو کہا۔ ولکن اخاف علیه ان یذهب ایمانه وقت النزاع یعنی۔لیکن مرتے وقت اس کے ایمان چلے جانے کا اندیشہ ہے کہ اس نے عورت کے لئے اپنے مذہب کی توہین کی ہے جس کو وہ اب تک حق اور سچا سمجھتا تھا۔(شامی ص ۲۶۳ ج ۳ باب التعزیز فیما ارتحل الی غیر مذهبه)فقط واللہ اعلم بالصواب . اللہ تعالیٰ سوء خاتمہ سے بچائے۔(آمین)

مطلقہ حاملہ کی عدت اور نفقہ:

(سوال ۴۶۱)بعد آداب وتسلیم التماس یہ ہے کہ ایک واقعہ طلاق سات ماہ پہلے ہوا تھا لڑکے نے تین طلاقیں دے دیں اس کے بعد لڑکی والوں کو اطلاع دی تو وہ لوگ آئے اور پنچ کو جمع کیا۔تا کہ عدت اور نفقہ عدت کے متعلق فیصلہ ہو۔ چنانچہ عدت کے سلسلہ میں گفتگو ہوئی۔تو عورت نے کہا۔ کہ مجھ کو ڈھائی مہینے سے حمل ہے۔مرد نے تصدیق کی اس پر پنچ کے آدمیوں نے عورت کی عدت وضع حمل طے کی اور اس کے موافق ہر مہینہ دفع حمل تک پچاس روپے کے حساب سے نفقہ متعین کیا اور جانبین سے معاملہ کی صفائی اور بذریعہ دستخط توثیق ہوگئی مہر وغیرہ ادا کی گئی۔اس کے بعد تقریباً ایک مہینہ بعد یہاں کسی عورت نے اطلاع دی کہ اس لڑکی کو تو خون آ گیا اور حمل ساقط ہوگیا۔ چنانچہ اس کی تصدیق بذریعہ تحقیق مل گئی۔اب لڑکا یہ کہتا ہے کہ نفقہ عدت مجھ پر لازم نہیں کیونکہ حمل کی عدت ختم ہوگئی۔اور لڑکی والے کہتے ہیں کہ خون آیا۔اس لئے حمل ہی نہیں تھا۔لہذا عدت طلاق کا نفقہ ادا کرو۔اور یہ اختلاف شدت پکڑ گیا ہے۔لوگوں نے سمجھا کر معاملہ ٹھنڈا کیا۔(اور یہ نفقہ کا تقاضا لڑکی والوں کی طرف سے خون آنے کے پانچ مہینے کے بعد ہوا ہے۔یہ اطلاعاً عرض ہے۔)خدمت اقدس میں یہ استفتاء ارسال ہے۔امید ہے کہ مندرجہ ذیل امور واضح طور پر بیان کریں گے۔

(۱)عدت حمل میں چار مہینے بعد حمل ساقط ہو جاوے تو عدت ختم ہوئی یا نہیں؟

(۲)صورت مذکورہ میں سقوط کے بعد مرد کے اوپر نفقہ رہتا ہے یا نہیں؟

(۳)اگر مرد پر نفقہ ہو تو کس طور پر اور کتنا ادا کرے؟ پہلے پچاس روپے کا دو ہفتہ ارسال کر چکا ہے۔

(۴)عورت کو دو قول ''عند الطلاق حاملہ ہوں'' اور'' عند السقوط۔ پہلے حاملہ نہیں تھی'' ان میں سے کون سا مصدق سمجھا جائے؟ جب کہ پہلے قول کے ساتھ حمل کے بعض علامات اور تصدیق زوج ملحق ہے۔

طلاق کے بعد لڑکی کو اور اخراج خون واسقاط کی دوائیں استعمال کرائی ہیں۔جمبوسر جا کر جس کی اطلاع یہاں موصول ہوئی۔تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ بات صحیح ہے جمبوسر پندرہ بیس دن دوا کی ہے یہ میری تحقیق نہیں ہے۔لڑکے والوں اور بعض دوسرے لوگوں کی ہے۔اس کی بھی خدمت اقدس میں اطلاع دیتا ہوں شاید اس کی بھی ضرورت محسوس ہو۔

(الجواب) قبل ازیں یہ سوال آیا تھا کہ طلاق کے وقت دو ماہ کا حمل تھا اس کے مطابق عدت کا خرچ متعین ہوا۔لیکن پندرہ روز کے بعد حیض جاری ہوگیا تو اب عدت کا کیا ہوگا؟ جواب لکھا گیا۔کہ جب حیض شروع ہوگیا ہے تو اس عورت

کی طلاق کی عدت تین حیض آنے کے بعد ختم ہوگئی ۔ ڈھائی تین ماہ کے بعد جو خون آیا یہ پہلا حیض ہے ۔ کبھی حیض کئی کئی ماہ بعد آتا ہے ۔ رہا اسقاط کا معاملہ تو اصول یہ ہے کہ جب تک کوئی عضو نہ بنے ۔ جب تک خون بستہ ہو یا گوشت کا لوتھڑا ہو ۔ ہاتھ ، پیر ، انگلی کچھ نہ بنا ہو ۔ تو اس طرح کے اسقاط سے عدت ختم نہ ہوگی ۔ **قولہ تعالیٰ: واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن** . یعنی حاملہ عورتوں کی عدت ان کے حمل کا پیدا ہو جانا ہے ۔ (خواہ کامل ہو یا ناقص بشرطیکہ عضو بن گیا ہو خواہ ایک انگلی ہی بنی ہوں ۔ (بیان القرآن سورۂ طلاق)

والمراد به الحمل الذی استبان بعض خلقه او کله فان لم یستبن بعضه لم تنقض العدة لان الحمل اسم لنطفة متغیرة فان کان مضغة او علقة لم تتغیر فلا یعرف کونها متغیرة بیقین الا باستبانة بعض الخلق(بحر عن المحیط) وفیه عنه ایضاً انه لا یستبین الا فی مأة وعشرین یوماً(الی قوله) واذا سقطت سقطاان استبان بعض خلقه انقضت به العدة لانه ولدو الا فلا . (شامی ص ۸۳۱ ج ۲ باب العدۃ) فقہاء رحمہم اللہ کے حساب سے تقریباً چار مہینے کی مدت میں اعضاء بننے شروع ہوجاتے ہیں اور جب اعضاء بننے لگیں تو وہ بچہ ہے اور اس کے ساقط ہونے سے عدت ختم ہوجاتی ہے ۔ محض خون بستہ اور گوشت کا لوتھڑا ساقط ہو تو اس سے عدت ختم نہ ہوگی ۔ لہذا اس مطلقہ کی عدت باقی ہے اور مطلقہ نفقہ کی حق دار ہے ۔ دو ہفتہ پچاس روپے کے حساب سے دیئے ہیں وہ نفقہ عدت میں محسوب ہوں گے ۔ اسقاط کرانا ثابت ہو جائے تب بھی کوئی فرق نہ ہوگا ۔ بے شک گذشتہ زمانہ کا نفقہ جب کہ اس کا مطالبہ نہ کیا گیا ہو ساقط ہو جاتا ہے ۔ لیکن صورت مسئولہ میں نفقہ عدت دینا شوہر نے قبول کیا تھا اور ماہانہ پچاس روپے کے حساب سے دو ہفتہ اداء کئے بھی ہیں ، اس اقرار نامہ کے مطابق نفقہ دینا ہوگا ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

حلالہ اور عدت:

(سوال ۴۶۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مرد نے اپنی منکوحہ کو مغلظہ کر دیا ۔ پھر اس منکوحہ نے ساڑھے تین ماہ گذار کر ثانی نکاح (حلالہ) کیا ۔ پھر اس نے مغلظہ کر کے ساڑھے تین ماہ پورے ہونے ۔ اب مرد اول کے نکاح میں آنا چاہتی ہے ۔ مگر صورت حال یہ ہے کہ عورت جیسے مغلظہ کیا ہے اسے جب مرد اول سے بچہ پیدا ہوا اس روز سے آج تک تقریباً سات آٹھ ماہ ہو گئے حیض نہیں آیا تو کیا یہ عورت مرد اول کے نکاح میں آسکتی ہے؟ ماہ جمادی الاول کے پہلے چاند مرد ثانی نے حلالہ کر کے مغلظہ کر دیا ہے ۔ اور اب تک حیض بھی نہیں آیا ۔ تو اب مرد اول کے نکاح میں آسکتی ہے؟ جواب سے مشرف فرمائیں!

(الجواب) صورت مسئولہ میں مطلقہ مغلظہ نے عدت کے ساڑھے تین ماہ گذار کر دوسرے مرد سے نکاح کیا وہ معتبر نہیں ۔ تین حیض گذارنا ضروری ہے ۔ تین حیض آجانے کے بعد یہ عورت دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے ۔ اسی طرح دوسرا شوہر نکاح صحیح اور دخول کے بعد طلاق دے دے تو تین حیض گذارنے کے بعد پہلے شوہر کے نکاح میں آسکتی ہے ۔ اگر حمل رہ جائے تو وضع حمل کے بعد ۔ [1] فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

(۱) الحاصل چونکہ نکاح عدت میں ہوا ہے اس نے دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح نہیں ہوا تو زوج اول کے لئے حلال نہیں ۔

طلاق کے بعد کا حیض عدت میں شمار ہوگا یا نہیں؟:

(سوال ۴۶۳) اگر کسی مرد نے آج تین طلاق دے دی۔ اور ایک دو روز کے بعد حیض آئے تو کیا یہ حیض عدت میں شمار ہوگا؟

(الجواب) طلاق کے بعد جو حیض آیا وہ عدت میں شمار ہوگا۔ اس کے علاوہ دو حیض دوسرے آجانے کے بعد طلاق کی مدت پوری ہوگی۔ **ابتداء العدة فی الطلاق عقب الطلاق وفی الوفاة عقب الوفاة فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۵۳۲ ایضاً) فقط واللہ اعلم بالصواب.**

تنگدست عورت پر بھی عدت وفات لازم ہے:

(سوال ۴۶۴) متوفیٰ عنہا زوجہا پر (یعنی جس عورت کا شوہر وفات پا جائے اس پر) عدت ضروری ہے لیکن ایک بیوہ عورت کی ایسی حیثیت نہیں ہے کہ عدت میں بیٹھ کر اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکے تو کیا ایسی عورت پر بھی عدت میں بیٹھنا ضروری ہے؟ اگر نہ بیٹھے تو گنہگار ہوگی؟ اگر کوئی شخص اس بیوہ کی مدد کرے اور اس کو عدت میں بٹھائے تو یہ کام باعث ثواب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایسی عورت پر بھی عدت میں بیٹھنا اور چار مہینے دس روز تک سوگ کرنا واجب ہے اگر حمل ہے ہو تو بچہ پیدا ہونے تک عدت میں بیٹھنا ضروری ہے۔ بغیر شرعی عذر کے گھر سے نکلنا حرام ہے، عدت میں نہیں بیٹھے گی تو شرعی قانون کی خلاف ورزی لازم آئے گی اور سخت گنہگار ہوگی۔ گذران کی صورت نہ ہو تو رشتے داروں کو چاہئے کہ انتظام کریں جو بھی مدد کرے گا ثواب کا مستحق ہوگا۔ اگر کوئی انتظام نہ ہو سکے تب بھی عدت ساقط نہ ہوگی البتہ اتنی اجازت ہے کہ ملازمت کے لئے دن میں باہر نکلے رات کو اپنے مقام پر آجائے۔ درمختار میں ہے **(ومعتدة موت تخرج فی الجدیدین وتبیت) اکثر اللیل (فی منزلها) لان نفقتها علیها فتحتاج للخروج حتی لو کان عندها کفایتها صارت کا لمطلقة فلا یحل لها الخروج فتح الخ وفی الشامی والحاصل ان مدار حل خروجها بسبب قیام شغل المعیشة فیتقدر بقدره فمتی انقضت حاجتها لا یحل لها بعد ذلک صرف الزمان خارج بیتها اه (ج ۲ ص ۸۵۴ باب العدة) فقط واللہ اعلم بالصواب.**

عدت وفات میں پاگل بیوہ کا گھر سے باہر جانا:

(سوال ۴۶۵) میرے خسر صاحب کو وفات پائے ہوئے سوا تین مہینے ہو گئے میری ساس کی عدت پوری ہونے میں کچھ مدت باقی ہے مگر ان کا دماغ ایسا ہو گیا ہے کہ کبھی ہنسنا شروع کرتی ہیں تو بس ہنستی ہی رہتی ہیں اور بالا خانہ سے نیچے بھی چلی آتی ہیں اور باہر جانے کی کوشش کرتی ہیں، تو کیا شریعت ایسی معتدہ کے لئے باہر جانے کی اجازت دیتی ہے؟ اگر وہ باہر جائیں تو گنہگار ہوں گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (از سورت)

(الجواب) بیوہ عورت عدت کے اندر گھریلو کام کے لئے یا رشتے داروں میں کوئی بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی کے لئے بھی نہیں جا سکتی۔ حرام ہے۔ عدت میں حج کے لئے بھی جانا جائز نہیں ہے تو بازار جانا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ اگر خدا

نادانستہ بیوہ پاگل پنے میں باہر نکل آئے تو وہ گنہگار نہیں ہوگی مگر گھر والوں کا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کریں ورنہ وہ گنہگار ہوں گے۔(شامی وغیرہ)[1] فقط واللہ اعلم بالصواب .

عدت وفات میں عورت سفر کرسکتی ہے یا نہیں :

(سوال ۴۶۶) میرے شوہر کا انتقال ہوئے سوا مہینہ ہوا ہے اور میں یہاں (سورت میں) ہوں اور شوہر کا کاروبار مدراس میں ہے ابھی لڑکے کاروبار سنبھال رہے ہیں مگر میری ضرورت محسوس کرتے ہیں اور سرکاری کاغذات پر دستخط کی ضرورت بھی بتلا رہے ہیں تو میں وہاں جاسکتی ہوں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) شوہر کی وفات کی عدت چار مہینے دس دن ہے حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے: **والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعة اشھر وعشراً.** یعنی تم میں جو مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں وہ چار مہینے دس دن اپنے کو روکے رکھیں (یعنی عدت میں بھی بیٹھیں) (سورۂ بقرہ پ۲) اور دوسری جگہ فرماتے ہیں **واتقوا اللہ ربکم لا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشة مبینة .** یعنی خدا (کے قانون کی خلاف ورزی) سے ڈرو جو تمہارا رب ہے نہ تو تم عورتوں کو عدت میں ان کے رہنے کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔(سورۂ طلاق پارہ نمبر ۲۸)

جاہلیت میں (یعنی اسلام سے پہلے) تو ایک سال تک عورت ایک جھونپڑے میں عدت گذارتی اور نہایت میلے کچیلے کپڑے پہنتی جب سال پورا ہوتا تب عدت پوری ہوتی اسلام نے صرف چار مہینے دس دن کی عدت مقرر کی ہے اور پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا جو عورت اللہ و قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کے لئے حلال نہیں کہ کسی میت پر (خواہ باپ ہو، ماں ہو، بھائی ہو، بیٹا ہو) تین راتوں سے زیادہ سوگ کرے مگر شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن تک سوگ کرنا ضروری ہے (یعنی میلے کچیلے کپڑوں میں رہے، سر میں تیل نہ ڈالے، خوشبو استعمال نہ کرے، زیور نہ پہنے، سرمہ نہ لگائے، مہندی نہ لگائے، پان کھا کر منہ لال نہ کرے، نہ رنگا ہوا کپڑا پہنے، نہ کسی قسم کی زینت کرے، اور ایسی حالت میں رہے کہ کوئی مرد (اگر اچانک) دیکھ لے تو اس کی طرف رغبت نہ کرے[2] مرض کی وجہ سے سر میں تیل ڈالنا پڑے، سرمہ لگانا پڑے تو معاف ہے۔ اور اگر عورت کے پاس کھانے پینے کا انتظام نہیں ہے اور نہ کوئی مدد کرنے والا ہے تو مزدوری کے لئے دن کے وقت نکل سکتی ہے مگر رات گھر میں گذارے، اسی طرح کھیتی باڑی کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ ہو اور نا قابل برداشت نقصان پہنچنے کا قوی اندیشہ ہو تو دن میں دیکھ بھال کے لئے نکل سکتی ہے جس ضرورت سے نکلنے کی اجازت ہے اس سے وہ ضرورت مراد ہے کہ اس کے بغیر چارہ نہ ہو۔ طبیعت کی خواہش کو ضرورت قرار دینا غلط ہے اور عدت کے اندر حج فرض کے لئے بھی سفر نہیں کرسکتی۔ **المعتدة لا تسافر لا لحج**

---

(۱) ولا تخرج معتدة رجعي وبائن لو حرة مكلفة من بيتها اصلا لا ليلا ولا نهارا الخ قال في الشامية تحت قوله مكلفة اخرج الصغيرة والمجنونة لكن للزوج منع المجنونة والكتابية صيانة لمائه درمختار مع الشامي فصل في الحداد ج ۲ ص ۸۵۳)

(۲) تحد مكلفة مسلمة ولو امة منكوحة بنكاح صحيح ودخل بها بدليل قوله اذا كانت معتدة بت أو موت. بترك الزينة بحلي او حرير او امتشاط بضيق الاسنان والطيب وان لم يكن لها كسب الا فيه والدهن ولو بلا طيب كزيت خالص والكحل والمزعفر الا بعذر درمختار مع الشامي ج ۲ ص ۸۴۹ .

ولا لغیرہ .(فتاوی عالمگیری ج ۲ ص ۱۶۲ الباب الرابع عشر فی الحداد)(ھدایہ اولین ج ۲ ص ۴۱۰)

عزیز واقارب بیمار ہوں تو ان کی عیادت کے لئے بھی جانے کی اجازت نہیں ہے، سرکاری معاملہ کے لئے وکیل سے مشورہ کیا جائے کاغذات یہاں بھیجے جاسکتے ہوں تو منگوائے جائیں یا پھر مہلت طلب کی جائے۔ عدت کا عذر قابل قبول نہ ہو تو ڈاکٹر کا سرٹیفلٹ بھیج دیا جائے کہ سفر کے قابل نہیں ہے۔ اگر کوئی عذر قابل قبول نہ ہو اور نقصان شدید ہونے کا اندیشہ ہو تو سفر کر سکتی ہے مگر نقصان برداشت کر لینا اچھا ہے۔ فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ممتدۃ الطہر کی عدت کتنی ہے :

(سوال ۴۶۷) ایک عورت کو مدت حیض کافی مدت کے بعد آتا ہے۔ شوہر کے طلاق دینے کے تین ماہ بعد حیض آیا تو اس کی عدت تین ماہ گذرنے سے پوری ہوگئی یا نہیں؟ یا تین حیض ضروری ہیں؟ جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جو لڑکی بالغہ ہے مگر اس کو اب تک حیض نہیں آیا عمر اور دوسری علامت سے بالغہ قرار دی گئی ہے اگر ایسی عورت کو طلاق ہو جائے اور وہ حاملہ بھی نہ ہو تو اس کی عدت تین مہینے ہیں۔ ایسے ہی آئسہ جس کو بڑی عمر ہونے کی وجہ سے حیض آنا بند ہو گیا ہو اس کی عدت بھی تین مہینے ہیں۔ مذکورہ صورت میں اگر عورت کو حیض آتا ہے اگرچہ تین ماہ میں آتا ہے تو وہ حائضہ ہی شمار ہوگی اور ممتدۃ الطہر کہلائے گی اس کی عدت تین حیض ہیں نہ کہ تین ماہ لہذا تین حیض آنے پر عدت پوری ہوگی والعدۃ فی حق من لم تحض حرۃ ام ام ولد لصغربان تبلغ تسعا او کبرابان بلغت سن الایاس او بلغت بالسن. وخرج بقولہ لم تحض الشابۃ الممتدۃ بالطھربان حاضت ثم امتد طھرھا فتعتد بالحیض الی ان تبلغ سن الایاس جوھرۃ وغیرہ.(درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۸۲۸ باب العدۃ).فقط واللہ اعلم بالصواب.

شوہر سے دو برس تک جدا رہی تو اس مدت کا شمار عدت میں ہوگا یا نہیں :

(سوال ۴۶۸) ایک پختہ عمر والی لڑکی کی شادی ہوئی ہے شوہر کے ساتھ دس پندرہ دن رہنے کے بعد ماں باپ کے گھر آئی ڈھائی برس ہو گئے شوہر کے پاس نہیں گئی اور اب اس کو طلاق دے دی گئی ہے مہر اور عدت کا خرچ بھی دے دیا۔ اس کے لئے عدت ہے یا نہیں؟ دو ڈھائی برس شوہر سے علیحدہ رہی تو یہ مدت عدت میں شمار ہو جائے گی یا نہیں؟ فی الحال لڑکی اپنے ماں باپ کے گھر نہیں رہتی جس شخص سے اب نکاح کرنا چاہتی ہے اس کے گھر رہتی ہے اور وہ آدمی جس سے نکاح کرنا ہے دوسری جگہ رہتا ہے تو اس میں کوئی حرج ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب یہ لڑکی نکاح کے بعد شوہر کے ساتھ رہ چکی ہے تو اس کے لئے عدت ہے اگر مطلقہ حاملہ ہو تو وضع حمل سے عدت پوری ہوگی اگر حاملہ نہ ہو تو تین حیض آنے پر عدت پوری ہوگی۔ عدت پوری ہونے سے پہلے دوسرا نکاح درست نہیں اگر نکاح کرے تو معتبر نہیں۔ اگر کر لیا تو وہ اور معاونین سخت گنہگار ہوں گے شوہر کے گھر کو ڈھائی برس سے چھوڑ دیا ہے تو اس سے عدت کی مدت میں کچھ فرق نہ ہوگا۔ لڑکی ماں باپ کے یہاں یا ایسی جگہ رہ کر عدت گذارے کہ اس کی عزت اور عصمت پر حرف نہ آئے۔ نئے خطبہ والے کے مکان میں رہنا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

بالصواب۔

طلاق کے بعد تین ماہ گذار کر نکاح کرنا:

(سوال ۴۶۹) جب عورت کو طلاق ہوتی ہے تو یہاں یہ مشہور ہے کہ وہ تین ماہ گذار کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عورت کی جیسی حالت ہوگی ویسی ہی عدت ہوگی۔ عورتوں کی حالتیں یکساں نہیں ہوتیں لہذا عدت بھی یکساں نہیں۔ عورت کی چار حالتیں ہیں اس کے اعتبار سے اس کی عدت کی مدت ہے۔

(۱) حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔ نہ کہ تین ماہ۔

(۲) جس عورت کو حیض نہ آتا ہو بچپن کی وجہ سے۔ یا عمر سے بالغ ہوئی ہو اور حیض آنا شروع نہ ہوا ہو۔ تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔

(۳) جس عورت کا حیض بڑی عمر ہو جانے کی وجہ سے قدرۃً بند ہو گیا ہو تو اس کی عدت بھی تین ماہ ہے۔

(۴) جس عورت کو حیض آتا ہو (خواہ ممتدۃ الطہر ہو) اس کی عدت تین حیض ہیں موطا امام محمدؒ میں ہے۔

للحامل حتی تضع. والتی لم تبلغ الحیضة ثلثة اشهر. والتی قد یئست من الحیض ثلثة اشهر. والتی تحیض ثلث حیض. (مؤطا امام محمد ص ۲۱۰ باب المرأة یطلقها زوجها یملک الرجعة الخ) فقط والله اعلم بالصواب.

مطلقہ ثلاثہ سے عدت کے زمانہ میں صحبت کر لی:

(سوال ۴۷۰) مطلقہ ثلثہ سے شوہر نے یہ جانتے ہوئے کہ عورت مجھ پر حرام ہو چکی ہے عدت کے زمانہ میں اس سے صحبت کر لی تو اس سے عدت پر کچھ اثر پڑے گا؟ یعنی عدت پھر سے شروع کرنا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مذکورہ میں عدت پھر سے شروع نہ ہوگی مگر اس زنا کی وجہ سے دونوں شرعی سزا کے مستحق ہیں۔ **واما المطلقة ثلاثاً اذا جامعها زوجها فی العدة مع علمه انها حرام علیه ومع اقراره بالحرمة لا تستأنف العدة ولكن یرجم الزوج والمرأة الخ (فتاوی عالمگیری ج۲ ص ۱۶۱ الباب الثالث عشر فی العدة) فقط والله اعلم بالصواب.**

حبلیٰ من الزنا سے اسقاط کے بعد وطی جائز ہے یا نہیں:

(سوال ۴۷۱) جس عورت کو زنا کی وجہ سے حمل ہے اس سے نکاح تو جائز ہے لیکن اگر غیر زانی نے نکاح کیا ہے تو وضع حمل تک اس سے وطی جائز نہیں۔ لیکن اگر اس عورت نے حمل ساقط کرا دیا تو اب اس عورت سے وطی جائز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اسقاط سے رحم صاف ہو جائے حمل کا اثر باقی نہ رہے اور خون بھی موقوف ہو جائے تو وطی جائز ہو جائے گی۔ طریقہ کے اعضاء بن جانے اور اس میں جان پڑ جانے کے بعد یعنی چار ماہ (ایک سو بیس دن) کا حمل ہو چکنے کے بعد

اسقاط کرا کے بچہ کو ضائع کرنا حرام اور گناہ ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مجبوری کی وجہ سے دوسرے قصبہ میں عدت گذارنا:

(سوال ۴۷۲) میرے والد صاحب کا انتقال ہو گیا گھر میں والدہ محترمہ تنہا ہیں، ضعیفہ و مریضہ بھی ہیں اور ان کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں، میں عدت کی پوری مدت ان کے ساتھ نہیں رہ سکتا اس لئے کہ میری ملازمت دوسرے قصبہ میں ہے ایسی مجبوری میں اگر والدہ محترمہ میرے پاس آجائے اور عدت وفات یہاں گذاریں تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عدت کا معاملہ بہت اہم ہے فی زمانہ لوگ اس میں بہت لاپرواہی برت رہے ہیں، معمولی معمولی باتوں کو بہانہ بنا کر عدت کے شرعی قواعد کی خلاف ورزی کر گذرتے ہیں۔ صورت مسئولہ میں بیوہ کا کفیل صرف لڑکا ہی ہے اور وہ خود دوسری جگہ مقیم ہے وہ وہیں رہتے ہوئے بھی ان کی کفالت کر سکتا ہے یہاں بیوہ تنہا ہے تو عزیز و اقارب یا محلہ والوں میں سے کوئی عورت عدت کی مدت تک بیوہ کے ساتھ رہ سکتی ہے دیہات میں کسی خدمت گذار کا مل جانا کوئی مشکل بات نہیں۔ اگر کوئی خدمت گذار نہ مل سکے اور بیوہ تنہا نہ رہ سکے یا عزت و آبرو ریزی کا قوی اندیشہ ہو تو دوسرے دیہات میں جا کر عدت گذار سکتی ہے (وتعتدان) ای معتدة طلاق وموت (فی بیت وجبت فیه) ولا یخرجان منه (الا ان تخرج او ینهدم المنزل او تخاف) انهدامه او (تلف مالها او لا تجد کراء البیت) ونحو ذلک من الضرورات فتخرج منه لا قرب موضع (درمختار) (قوله ونحو ذلک) منه مافی الظهیریة لو خافت باللیل من امر المیت والموت والا احد معها لها التحول لو الخوف شدیدا والا فلا (درمختار و الشامی ج۲ ص ۸۵۴ باب العدة) فقط والله اعلم بالصواب۔

ممتدۃ الطہر کی عدت کی تحقیق:

(سوال ۴۷۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت حاملہ تھی اس حالت میں اس کو زوج نے طلاق مغلظہ دے دی، وضع حمل سے عدت پوری ہونے کے بعد اس نے دوسرے شخص سے نکاح کیا سوء اتفاق کہ زوج ثانی نے بھی اس کو طلاق دے دی، اور اس عورت کو ولادت کے بعد تقریباً ایک ڈیڑھ سال تک حیض نہیں آتا ہے (بہت سی عورتوں کو یہ عارضہ پیش آجاتا ہے) اب اس کی عدت پورا ہونے کی کیا صورت ہوگی؟ کیا یہ عورت مہینوں سے عدت گذار سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔ (از سورت)

(الجواب) صورت مسئولہ میں حنفیہ کے نزدیک عدت بالحیض گذارنا لازم ہے درمختار میں ہے۔ وخرج بقوله لم تحض الشابة الممتدة بالطهر بان حاضت ثم امتد طهر ها فتعتد بالحیض الی ان تبلغ سن الایاس جو هرة وغیرها (درمختار مع الشامی ج۲ ص ۸۲۸ باب العدة)

اگر اس قدر انتظار عدت گذارنے کے لئے ناقابل برداشت ہو تو اجزائے حیض کے لئے علاج کرائے اگر ناکامی ہو اور گناہ میں مبتلا ہونے کا قوی خطرہ ہو تو مالکی المذہب مفتی سے عدت بالاشہر (۹/ ماہ یا ایک سال کی مدت) کا فتویٰ حاصل کرے یا شرعی پنچایت سے فیصلہ کرائے اور اس کے مطابق عمل کرے۔ فقط۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کا فتویٰ :۔

(الجواب) درمختار وردالمحتار کے باب العدۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تو مدت ایاس تک انتظار حیض کا ضروری ہے اور مالکیہ کے نزدیک نو مہینے اور بقول معتمد ایک سال وقت طلاق سے عدت ہے اور ضرورت کے وقت اس قول پر عمل جائز ہے اھ۔ احقر کہتا ہے کہ اس میں یہ امور قابل لحاظ ہوں گے۔ اول :۔ اس کا علاج کرائے۔ دوم :۔ اس قول پر عمل کرنے کے لئے قضاء قاضی کی حاجت ہوگی اور حاکم مسلم گو منجانب کافر بادشاہ کے ہو قاضی شرعی ہے پس سرکار میں ایک درخواست اس کی پیش کی جائے کہ کسی مسلمان حاکم کو اس مسئلہ میں حکم کرنے کا اختیار دے دیا جائے پھر وہ حاکم مسلم اس فتوے کے موافق اس عورت کو عدت گذار کر نکاح ثانی کر لینے کی اجازت دے دے۔ اس طرح عمل کیا جائے۔ سوم :۔ اگر اس قول کے موافق عدت شروع کی اور قبل ختم ہونے ایک سال کے اتفاقاً حیض جاری ہو گیا تو پھر عدت حیض سے کی جائے گی۔ واللہ اعلم ۹ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ۔ (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۳۱۔۴۳۲)

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہٗ کا فتویٰ :۔

(الجواب) یہ عورت ممتدۃ الطہر ہے۔ حنفیہ کے نزدیک تو اس کی عدت حیض سے ہی پوری ہوگی تاکہ سن ایاس تک پہنچے لیکن امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ایک روایت میں نو مہینے اور دوسری روایت میں سال بھر تک حیض نہ آنے کی صورت میں انقضائے عدت کا حکم دے دیا جاتا ہے۔ تو اگر کوئی سخت ضرورت لاحق ہو اور نکاح ثانی نہ ہونے کی صورت میں قوی خطرہ وقوع فی الحرام یا کسی ایسے ہی مفسدہ کا ہو تو کسی مالکی سے فتویٰ لے کر اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (مولانا مفتی) کفایت اللہ رحمہ اللہ۔ (کفایت المفتی ج ٦ ص ۳۸۳ ششم۔ کتاب الطلاق)

فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۸ جمادی الاول ۱۳۹۹ھ۔

حیض کی مدت سے کم خون آئے تو عدت پوری ہوگی یا نہیں :

(سوال ۴۷۴) ایک مطلقہ عورت جس کو دوران عدت پہلے مہینے میں تین دن خون حیض آیا دوسرے مہینے میں دو روز تیسرے مہینے میں ایک روز آیا تو آیا مذکورہ عورت کی عدت پوری ہوگئی ؟ اور اگر کوئی شخص یہ سمجھ کر کہ اس کی عدت پوری ہوگئی اس سے نکاح کرے تو یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور اگر اس عورت کو کئی مہینوں تک مکمل تین روز خون نہ آئے تو اس عورت کی عدت کب پوری ہوگی ؟ بینوا توجروا۔ (گودھرا)

(الجواب) حیض کی اقل مدت تین دن تین رات ہیں دو روز خون آکر موقوف ہو گیا پھر ایک روز آکر بند ہو گیا یہ حیض نہیں استحاضہ ہے [1] لہذا عورت کو جب تک باقاعدہ تین ایام (حیض) نہ آجائیں عدت ختم نہ ہوگی اور جب عدت ختم نہ ہوئی تو نکاح بھی درست نہ ہوگا، ہاں عورت کا آئسہ ہونا محقق ہو جائے تو تین ماہ کے بعد کیا ہوا نکاح درست ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۴ شعبان ۱۳۹۹ھ۔

مطلقہ مغلظہ اپنے شوہر کے گھر عدت گذارے تو کیسا ہے :

(سوال ۴۷۵) ایک مطلقہ مغلظہ عورت اپنے معصوم بچوں کے ساتھ طلاق دینے والے شوہر کے مکان کے

(۱) ومنها النصاب اقل الحيض ثلاثة ايام وثلاث ليال فى ظاهر الرواية هكذا فى التبيين فتاوى عالمگيرى الباب السادس فى الدماء الخ.

دوسرے منزلہ پر اپنی عدت کے ایام گذارے اور شوہر نیچے کی منزل میں رہے، اور کھانا پینا رہن سہن بالکل الگ رکھے اور لڑکے کی والدہ اس کی ذمہ داری لے کہ میں لڑکے کو اس کی زوجہ سے الگ رکھوں گی تو اس طرح عدت گذار سکتی ہے یا نہیں؟ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اس کی وجہ سے یہ صورت اختیار کی جارہی ہے۔ شرعی حلالہ کے بعد دونوں ایک ساتھ رہنے پر رضامند بھی ہیں۔ اور دوسرے نکاح کے بعد جو طلاق ہوگی اس کی عدت بھی اسی مکان پر گذارنے کا ارادہ ہے کیا یہ صورت جائز ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مطلقہ مغلظہ کو اپنی عدت کا زمانہ ایسی جگہ گذارنا چاہئے جہاں شوہر کی آمد و رفت اور ملنا جلنا نہ ہوسکتا ہو، ایک مکان میں اوپر نیچے رہنے میں ملاقات کا بڑا امکان ہے اور گناہ میں مبتلا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے جب کہ دونوں ایک دوسرے کو چاہتے بھی ہیں، اگر گھر کے بڑے لوگ ملنے نہ دینے پر قدرت رکھتے ہوں تو پھر مضائقہ نہیں۔ درمختار میں ہے (ولا بد من سترة بينهما في البائن) لئلا يختلي بالاجنبية ومفاده ان الحائل يمنع الخلوة المحرمة (وان ضاق المنزل او كان الزوج فاسقا فخروجه اولىٰ) لان مكثها واجب لا مكثه (وحسن ان يجعل القاضي بينهما امرأة ثقة قادرة على الحيلولة بينهما) وفي المجتبىٰ الا فضل الحيلولة بستر ولو فاسقا فبا مرأة. قال ولهما ان يسكنا بعد الثلاث في بيت واحد اذا لم يلتقيا التقاء الا زواج ولم يكن فيه خوف فتنة انتهىٰ الخ (درمختار مع الشامي ج ۲ ص ۸۵۵ باب العدة فصل في الحداد) فقط والله اعلم بالصواب . ۱۳ ربیع الاول ص ۱۴۰۰ھ۔

زوجۂ مفقود کے مرافعہ کے بعد انتظار اور حکم بالموت یا فسخ نکاح کے بعد عدت ضروری ہے یا نہیں

(سوال ۴۷۶) ایک عورت کا شوہر قریباً آٹھ سال سے غائب ہے، عورت نے ''شرعی عدالت'' میں استغاثہ دائر کیا وہاں کے قاضی صاحب نے ایک ماہ کے اندر استغاثہ قبول کر کے نکاح فسخ کر دیا۔ فسخ نکاح کی تاریخ ۹ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ ہے۔ اس کے بعد ۱۴ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ کو اسی عورت کے نکاح ثانی کے لئے ہماری بستی میں بارات آئی، اس موقعہ پر راقم السطور سے استفسار کیا گیا، میں نے جواب دیا کہ حکم بالموت کی صورت میں چار ماہ دس روز اور نکاح کے فسخ کی صورت میں تین حیض عدت گذار کر نکاح کر سکتی ہے، اور اتنی قلیل مدت میں نکاح فسخ کر دینا، یہ خود محل اعتراض ہے، بہر کیف قیل و قال کے بعد بارات واپس ہوگئی لڑکے والوں میں سے ایک شخص قاضی صاحب کے پاس گیا کہ وہاں کے عالم نے نکاح کو روک دیا ہے، تو قاضی صاحب نے ایک پرچہ لکھا کہ یہاں فتویٰ امام مالکؒ کے قول پر دیا جاتا ہے، آٹھ سال تک انتظار کر چکی ہے اس لئے دوبارہ تاجیل چہار سالہ وغیرہ عدت پوری کرنا ضروری نہیں ہے، اس پرچہ کو دیکھ کر یہاں کے قاضی نے نکاح پڑھا دیا، مگر میں نے اس وقت بھی قاضی کو روکا کہ آپ نکاح نہ پڑھائیے مگر انہوں نے نکاح پڑھا دیا۔ یہ واقعہ نکاح خوانی بروز بدھ مورخہ ۱۵ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ کو یعنی فسخ نکاح کے تقریباً ایک ماہ سات دن بعد۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ استغاثہ کے بعد تاجیل چہار سالہ ضروری ہے یا نہیں؟ اور فسخ نکاح کے بعد بھی مدت گذارنا ہے یا نہیں؟ کیا قاضی صاحب کو اختیار تامہ حاصل ہوتا ہے کہ مرافعہ سے پہلے جو مدت انتظار میں گذری

ہے اس کو تاجیل و عدت شمار کر کے نکاح کرنے کا فتویٰ صادر کریں، کیا امام مالکؒ نے بغیر تاجیل چہار سالہ اور بغیر عدت پوری کئے ہوئے نکاح کا فتویٰ دیا ہے؟ امید ہے کہ مفصل جواب مرحمت فرمائیں گے، بینوا توجروا۔

(الجواب) زوجۂ مفقود کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا مسلک مدلل اور مبرہن ہے مگر اس زمانہ میں چونکہ اس کے مطابق عمل کرنا از حد مشکل ہے اس لئے علماء احناف نے اس مسئلہ میں عورتوں کی بے صبری اور سہولت کی خاطر امام مالکؒ کے مسلک کے مطابق فتویٰ دینا اور فیصلہ کرنا شروع کیا ہے، مگر جب کسی مسئلہ میں کسی دوسرے امام کا مسلک اختیار کیا جائے تو یہ شرط ہے کہ ان کے نزدیک جو جو شرائط ہوں ان کی پوری رعایت کی جائے، اسی لئے حضرت اقدس حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ نے علماء مالکیہ سے تحقیق کے بعد کتاب ''الحیلۃ الناجزۃ'' مرتب فرمائی، آپ نے بھی ملاحظہ فرمایا ہوگا، حضرت تھانویؒ نے زوجۂ مفقود کے سلسلہ میں جو تحریر فرمایا ہے اس کا لب لباب اور خلاصہ ایک سوال کے جواب میں فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۳۰، ۱۳۱ ج ۲ (فسخ نکاح کے باب میں مفقود کا شرعی حکم کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے۔ از مرتب) پر طبع ہوا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں (اور پوری تفصیل کے لئے الحیلۃ الناجزہ کا ضرور مطالعہ کیا جائے)

خلاصہ یہ کہ اگر عورت کا خاوند لاپتہ ہوجائے اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ زندہ ہے یا مرگیا اور عورت نفقہ و لباس سے عاجز ہو یا عفت کے ساتھ زندگی گذارنا دشوار ہو تو ایسی مجبوری کی صورت میں عورت اپنا مقدمہ شرعی قاضی کی عدالت میں دائر کرے، جہاں شرعی قاضی نہ ہو اور مسلم جج کو گورنمنٹ نے اس جیسے مقدمہ کا شرعی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہو تو اس مسلم جج کے یہاں مقدمہ دائر کرے، یا دیندار مسلمانوں کی پنچایت میں (جو شرعی قانون کے مطابق فیصلہ کر سکے) اپنا مقدمہ پیش کر کے جدائی کا مطالبہ کرے تو قاضی وغیرہ معاملہ کی تحقیق و تفتیش کر کے عورت کو مزید چار برس انتظار کرنے کا حکم دیں، چار برس بعد پھر عورت کے مطالبہ پر شوہر کی وفات کا حکم صادر کر کے وفات کی عدت گذار کر نکاح کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں، اگر عورت مدت دراز تک صبر کر کے عاجز و تنگ آگئی ہو اور مزید چار برس صبر نہ کر سکتی ہو اور فتنہ میں مبتلا ہونے کا نہایت قوی اندیشہ ہو تو ایسی خطرناک موقعہ پر مالکی مذہب کے مطابق فقط ایک برس انتظار کرا کر جدائی کر کے عدت طلاق گذار کر قاضی وغیرہ نکاح کی اجازت دے سکتے ہیں (الحیلۃ الناجزہ) (فتاویٰ رحیمیہ ج ۲ ص ۱۳۰، ۱۳۱) جدید ترتیب کے مطابق ''مفقود کا شرعی حکم'' کے عنوان سے ملاحظہ فرمائیں (مصحح)

اس خلاصہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کی طرف سے مرافعہ کے بعد قاضی یا شرعی پنچایت کے ارکان مفقود کے سلسلہ میں تحقیق و تفتیش کے بعد عورت کو چار برس یا بوقت ضرورت شدیدہ ایک برس انتظار کا حکم دیں مرافعہ سے پہلے عورت نے جتنی مدت انتظار کیا ہو اس کا اعتبار نہ ہوگا، الحیلۃ الناجزہ کی عبارت ملاحظہ ہو ''جواب سوال دوم، حاکم جو چار سال کی مدت انتظار کے لئے مقرر کرے گا، اس کی ابتداء اس وقت سے کی جاوے گی جس وقت حاکم خود بھی تفتیش کر کے پتہ چلنے سے مایوس ہو جائے اور قاضی کی عدالت میں پہنچنے اور اس کی تفتیش سے قبل خواہ کتنی ہی مدت گذر چکی ہو اس کا کچھ اعتبار نہ ہوگا کما فی اول الفتویٰ من العلامۃ سعید بن صدیق المالکی ویؤیدہ باوضح وجہ مافی الروایۃ العشرین من العلامۃ الموصوف (الحیلۃ الناجزۃ ص ۵۳، ۵۴)

مندرجہ بالا خلاصہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ چار برس انتظار کے بعد عورت کے مطالبہ پر جب قاضی یا

شرعی پنچایت کے ارکان حکم بالموت کا فیصلہ کریں تو اس کے بعد عورت کو عدت وفات چار مہینے دس دن گذارنا ضروری ہے، اور اگر ایک برس انتظار کرنے کے بعد عورت کے مطالبہ پر قاضی یا شرعی پنچایت کے ارکان نے تفریق کی ہو تو عدت طلاق یعنی حیض گذارنا ضروری ہے اس کے بعد ہی وہ دوسرا نکاح کر سکے گی، الحیلۃ الناجزہ کی عبارت ملاحظہ ہو "عورت کو چار سال تک مزید انتظار کا حکم کرے، پھر اگر ان چار سال کے اندر بھی مفقود کا پتہ نہ چلے تو مفقود کو اس چار سال کی مدت ختم ہونے پر مردہ تصور کیا جائے گا، اور نیز ان چار سال کے ختم ہونے کے بعد چار ماہ دس دن عدت وفات گذار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا۔ (الحیلۃ الناجزہ ص۵۲ تحت جواب سوال اول)

ایک سال انتظار کے بعد قاضی یا شرعی پنچایت کے ارکان نے تفریق کی ہو تو اس کے متعلق "الحیلۃ الناجزہ" میں ہے "تتمۃ الفائدۃ" اگر تفریق اس قاعدہ کے مطابق کی جائے تو اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ تفریق طلاق رجعی ہوگی اور اس صورت میں زوجۂ مفقود کو بجائے عدت وفات کے عدت طلاق تین حیض گذارنا ہوں گے ۔ (الحیلۃ الناجزہ ص۶۲)

صورت مسئولہ میں قاضی صاحب نے مرافعہ کے بعد صرف ایک ماہ میں نکاح فسخ کر دیا یہ صحیح نہیں ہے، اسی طرح فسخ نکاح کے ایک ماہ پانچ دن کے بعد نکاح ثانی ہو گیا یہ بھی غلط ہے، قاضی صاحب نے جو دعویٰ کیا ہے کہ "یہاں فتویٰ امام مالکؒ کے قول پر دیا جاتا ہے" آٹھ سال انتظار کر چکی ہے اس لئے دوبارہ تاجیل چہار سالہ اور بعد فسخ نکاح مدت گذارنا ضروری نہیں ہے۔" یہ غلط ہے اور امام مالکؒ کے مسلک کے خلاف ہے، امام مالکؒ کا مسلک الحیلۃ الناجزہ میں دیکھا جا سکتا ہے، لہذا قاضی صاحب کا دعویٰ قبول نہیں کیا جا سکتا، آپ نے جو جواب دیا ہے وہ صحیح ہے ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) نامرد کی مطلقہ پر عدت لازم ہے یا نہیں
(۲) عدت میں کن چیزوں سے بچنا چاہئے :

(سوال ۴۷۷) میری لڑکی کی شادی ہوئی مگر میرا داماد نامرد ہے لڑکی اس کے ساتھ ایک دو برس رہی ہے مگر صحبت کی نوبت نہیں آئی فی الحال لڑکے نے میری بچی کو تین طلاق دے دی ہے تو میری لڑکی پر عدت میں بیٹھنا ضروری ہے؟ صحبت نہیں ہوئی ہے تو اس سے عدت پر کچھ اثر پڑے گا؟ اگر عدت لازم ہے تو اس کی مدت کتنی ہے؟ عدت کس طرح گذارنا چاہئے اس کے متعلق شرعی ہدایت ہو تو وہ بھی تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) شوہر اور بیوی میں اگر خلوت ہو جائے یعنی کسی ایسی جگہ تنہائی ہو جائے کہ صحبت کرنے سے کوئی مانع نہ ہو (یعنی مانع حسی، مانع طبعی، مانع شرعی میں سے کوئی مانع نہ ہو) تو ایسی خلوت سے پورے مہر کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے، اور طلاق ہونے پر عدت کا لزوم بھی ہو جاتا ہے چاہئے حقیقۃً صحبت نہ ہوئی ہو۔ اور عدت کے لزوم میں عنین (نامرد) کی خلوت بھی معتبر ہے، ہدایہ اولین میں ہے۔ واذا خلا الرجل بامرأته وليس هناک مانع من الوطی ثم طلقها فلها كمال المهر. الى قوله . وعليها العدة فى جميع المسائل (ہدایہ اولین ص ۳۰۵، ص ۳۰۶ باب المهر) اور باب العنین میں ہے ولها كمال مهر ان كان خلا بها فان خلوة العنين صحيحة ويجب

العدة لما بينا من قبل (هدايه اولين ص ۴۰۱ باب العنين وغيره)

شامی میں ہے (قولہ والا بانت بالتفريق) لانها فرقة قبل الدخول حقيقة فكانت بائنة ولها كمال المهر وعليها العدة لو جود الخلوة الصحيحة بحر (شامی ص ۸۲۰ ج ۲ باب العنين وغيره) الحیلۃ الناجزہ میں ہے ''بعد خلوت صحیحہ شوہر عنین پر پورا مہر واجب ہو چکا تھا وہ تفریق کے بعد بھی ادا کرنا لازم ہے اور عورت پر عدت بھی واجب ہے۔'' (الحیلۃ الناجزہ ص ۳۹) (فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل ص ۳۱۹ ج ۱۰)

صورت مسئولہ میں میاں بیوی ایک دو برس ساتھ رہے ہیں یقیناً خلوت ہوئی ہوگی، اور اب شوہر نے طلاق دے دی ہے تو مطلقہ پر عدت لازم ہے۔ عورت کو حیض آتا ہو تو اس کی عدت طلاق کے روز سے مکمل تین حیض آنے پر پوری ہوگی۔ قرآن مجید میں ہے والمطلقت يتربصن بانفسهن ثلثة قروء. ترجمہ:- اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں تین حیض تک (قرآن مجید سورۂ بقرہ پارہ نمبر ۲)۔

عدت کے زمانہ میں عورت شرعی عذر کے بغیر اپنے گھر سے نہ نکلے، عالمگیری میں ہے۔ ان كانت معتدة من نكاح صحيح وهي حرة مطلقة بالغة عاقلة مسلمة والحالة حالة الا ختيار فانها لا تخرج ليلا ولا نهاراً سواء كان الاطلاق ثلاثا او بائنا او رجعيا كذا في البدائع (عالمگیری ص ۵۳۴ فصل في الحداد)

اسی طرح عدت کے زمانہ میں کسی سے نکاح بھی نہ کرے۔ قرآن مجید میں ہے ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب اجله . ترجمہ:- اور تم تعلق نکاح (فی الحال) کا ارادہ بھی مت کرو یہاں تک کہ مقررہ عدت اپنی ختم کو پہنچ جائے (قرآن مجید سورۂ بقرہ پارہ نمبر ۲)

مطلقہ مغلظہ کو زمانہ عدت میں زیب و زینت ترک کر دینا چاہئے یعنی عمدہ قسم کے رنگے ہوئے کپڑے نہ پہنے، زیورات نہ پہنے، خوشبو استعمال نہ کرے، سر میں تیل نہ لگائے، سرمہ نہ لگائے، البتہ سر میں درد ہو تو علاجاً تیل ڈال سکتی ہے آنکھ میں تکلیف ہو تو سرمہ لگا سکتی ہے مہندی نہ لگائے، بالوں میں باریک کنگھی نہ کرے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ على المبتوته والمتوفى عنها زوجها اذا كانت بالغةً مسلمة الحداد في عدتها كذا في الكافي والحداد الا جتناب عن الطيب والدهن والكحل والحناء والخضاب ولبس المطيب والمعصفر والثوب الا حمر وما صبغ بزعفران الا اذا كان غسيلاً لا ينقض ولبس القصب والخز والحرير ولبس الحلي والتزين والا متشاط كذا في التاتارخانية وانما يلزمها لا جتناب في حالة الا ختيار اما في حالة الا ضطرار فلا باس بها ان اشتكت رأسها وعينها فصبت عليها الدهن او اكتحلت لا جل المعالجة فلا بأس به كذا في المحيط (عالمگیری ص ۱۶۱ ج ۲. كتاب الطلاق الباب الرابع عشر في الحداد) فقط والله اعلم بالصواب .

غیر مقلدین کے فتویٰ کا سہارا لے کر مطلقہ ثلثہ کو رکھ لیا پھر تنبہ ہونے پر مفارقت اختیار کی تو عدت کا کیا حکم ہے :

(سوال ۴۷۸) ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی تو عورت کے ماں باپ اس کو اپنے گھر لے آئے، دس بارہ دن کے بعد شوہر غیر مقلدین کے پاس سے فتوی لے آیا اور اس کا سہارا لے کر بیوی کو اپنے ساتھ لے گیا، حالانکہ بیوی کے والدین اس پر راضی نہ تھے مگر بیوی شوہر کے ساتھ چلی گئی اور دونوں ساتھ رہنے لگے، اس درمیان صحبت بھی ہوتی، تقریباً پندرہ دن کے بعد لوگوں نے میاں بیوی کو سمجھایا کہ اس سلسلہ میں غیر مقلدین کا فتویٰ کارآمد نہیں اور تمہارا یہ فعل صحیح نہیں، اس پر دونوں کو تنبہ ہوا اور بیوی پھر اپنے ماں باپ کے گھر آ گئی اور دونوں علیحدہ ہو گئے، اب اس عورت کی عدت کب سے شمار کی جائے طلاق کے وقت سے یا مفارقت کے وقت سے؟ اگر یہ کسی اور سے نکاح کرنا چاہے تو کب کر سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عدت تو حقیقت میں طلاق کے وقت ہی سے شروع ہو گئی تھی لیکن اگر غیر مقلدین کے فتویٰ سے شوہر یہ سمجھا ہو کہ بیوی میرے لئے حلال ہے اور میں اس کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کر سکتا ہوں اور اس بنیاد پر وہ بیوی کو اپنے گھر لے آیا، اور دونوں ساتھ رہنے لگے، پھر لوگوں کے توجہ دلانے پر دونوں کو تنبہ ہوا اور مفارقت اختیار کر لی تو عدت کے بارے میں اسے وطی بالشبہ کہا جا سکتا ہے (اگر چہ حقیقت میں تو یہ زنا ہی ہے) تو مفارقت کے بعد مستقل عدت لازم ہوگی، البتہ دونوں عدتوں میں تداخل ہو جائے گا، مفارقت کے بعد جو حیض آئے گا اس کا شمار دونوں عدتوں میں ہوگا مثلاً وطی بالشبہہ سے قبل اگر ایک حیض آیا ہو تو مفارقت کے بعد تین حیض اور گذارنا ہوں گے اور اگر استقرار حمل ہو جائے تو وضع حمل سے دونوں عدتیں پوری ہو جائیں گی۔

اور اگر شوہر یہ سمجھا ہو کہ تین طلاق کے بعد بیوی بالکل حرام ہو جاتی ہے مگر خواہش نفسانی سے مغلوب ہو کر بیوی کو اپنے گھر لے آیا اور دکھاوے کے لئے غیر مقلدین سے فتویٰ حاصل کر لیا تو اس صورت میں عدت کے زمانہ میں جو صحبت کی ہے اس کے زنا ہونے میں کوئی شک نہیں اور اس سے عدت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور دوسری عدت لازم نہ ہوگی۔

درمختار میں ہے۔ (واذا وطئت المعتدة بشبهة) ولو من المطلق (وجبت عدةاخرى) لتجدد السبب (وتداخلتا والمرئى) من الحيض (منهما و) عليها ان (تتم) العدة(الثانية) ان تمت الاولىٰ وكذا لو بالاشهر...... ولو حبلت فعدتها وضع الحمل الا معتدة الوفاة فلا تتغير بالحمل كما مر وصححه البدائع (درمختار)

شامی میں ہے (قوله بشبهة) متعلق بقوله وطئت وذلك كالموطوئة للزوج فى العدة بعد الثلاث بنكاح وكذا بدونه اذا قال ظننت انها تحل لى او بعد ما ابانها بالفاظ الكناية وتمامه فى الفتح ومفاده انه لو وطئها بعد الثلاث فى العدة بلا نكاح عالماً بحرمتها لا تجب عدةاخرى لانه زنا وفى البزازية طلقها ثلاثا ووطئها فى العدة فى العلم بالحرمة لا تستانف العدة بثلاث حيض

ویرجمان اذا علما بالحرمة ووجد شرائط الاحصان ولو کان منکرا طلاقها لا تنقضی العدة ولو ادعی الشبهة تستقبل ..... الخ (درمختار و شامی ص ۸۳۷، ص ۸۳۸ ج ۲ باب العدة) (فتح القدیر مع العنایة ج ۴ ص ۳۱۱ باب العدة)

بہشتی زیور میں ہے: مسئلہ: کسی نے اپنی عورت کو طلاق بائن دی یا تین طلاقیں دے دیں پھر عدت کے اندر دھوکے میں اس سے صحبت کر لی تو اب اس دھوکا کی صحبت کی وجہ سے ایک عدت اور واجب ہوگئی، اب تین حیض اور پورے کرے جب تین حیض اور گذر جائیں گے تو دونوں عدتیں ختم ہو جاویں گی (بہشتی زیور ص ۸۴ چوتھا حصہ عدت کا بیان) (فتاوی دار العلوم مدلل و مکمل ج ۱۰ ص ۳۴۶)

فتاوی رحیمیہ میں ہے۔

(سوال) مطلقہ ثلثہ سے شوہر نے یہ جانتے ہوئے کہ عورت مجھ پر حرام ہے عدت کے زمانہ میں صحبت کر لی تو اس سے عدت پر کچھ اثر پڑے گا یعنی عدت پھر سے شروع کرنا ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) صورت مذکورہ میں عدت پھر سے شروع نہ ہوگی مگر اس زنا کی وجہ سے دونوں شرعی سزا کے مستحق ہیں۔ واما المطلقة ثلاثا اذا جامعها زوجها فی العدة مع علمه انها حرام علیه ومع اقراره بالحرمة لا تستأنف العدة ولکن یرجم الزوج والمرأة الخ (فتاوی عالمگیری ج ۲ ص ۱۶۱) (فتاوی رحیمیہ ص ۴۰۲، ص ۴۰۳ جلد پنجم) (اسی باب میں، مطلقہ ثلاثہ سے عدت کے زمانہ میں صحبت کریں کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے۔ از مرتب)

نوٹ:

مطلقہ مغلظہ اپنے شوہر پر بالکل حرام ہو جاتی ہے، شرعی حلالہ کے بغیر حلال نہیں ہو سکتی اس سلسلہ میں غیر مقلدوں کا فتوی قرآن و حدیث اجماع صحابہ اور اقوال مجتہدین کے بالکل خلاف ہے ان کے فتوی کی وجہ سے حرام شدہ عورت حلال نہیں ہو سکتی، فتاوی رحیمیہ میں ہے "تین طلاق کے بعد شرعی حلالہ کے بغیر نکاح درست نہیں اور آپس میں میاں بیوی کی طرح رہنا ناجائز اور قطعی حرام ہے۔ دونوں زانی اور بدکار سمجھے جائیں گے، صحیح مذہب کے خلاف غیر مقلدوں کے فتوی کا سہارا لینے سے حرام شدہ عورت حلال نہیں ہو سکتی۔ (فتاوی رحیمیہ طلاق ثلاثہ کے باب میں ایک مجلس کی تین طلاقیں کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے از مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) وفات کی عدت کب سے شروع ہوتی ہے اور کتنی مدت ہے؟ (۲) عدت چاند کے اعتبار سے گذارنا ہے یا دنوں کے شمار سے (۳) عدت کے دوران غیر محرم سے بات کرنا (۴) عدت میں آسمان سے پردہ کرنا:

(سوال ۴۷۹) (۱) جب کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو عدت کس وقت سے شروع ہوگی؟ اور عدت کے کتنے دن ہیں اور عدت چاند کے اعتبار سے ہے یا دنوں کے شمار سے؟

(۲) کیا مکان میں ایک کمرہ مخصوص کر کے وہیں عدت گذارنا ضروری ہے؟ مکان کے دوسرے کمروں میں جا سکتی ہے یا نہیں؟

(۳) غیر محرم سے عدت کے دوران بات چیت کر سکتی ہے یا نہیں؟

(۴) عورتوں میں یہ مشہور ہے کہ آسمان سے بھی پردہ ضروری ہے یعنی کھلی فضا میں نہیں نکل سکتی کیا یہ شرعی حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) جس وقت شوہر کا انتقال ہو اس وقت سے عدت شروع ہو جاتی ہے اگر حمل نہ ہو تو متوفی عنہا زوجہا کی عدت چار ماہ دس روز ہے۔ اور اگر حمل ہے تو وضع حمل (بچہ پیدا ہونے) سے) عدت پوری ہو جائے گی چاہے جب بھی بچہ کی ولادت ہو۔ قرآن مجید میں ہے **والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً یتربصن بانفسھن اربعة اشھر وعشراً**. ترجمہ:۔ اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور بیبیاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیبیاں اپنے آپ کو (نکاح وغیرہ سے) روکے رکھیں چار مہینے اور دس دن۔ (سورۂ بقرہ پارہ ۱۲ آیت ۲۳۴) نیز قرآن مجید میں ہے **واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن**. ترجمہ:۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت اس حمل کا پیدا ہو جانا ہے (پارہ ۲۸ سورۂ طلاق آیت نمبر ۴) اگر اتفاق سے شوہر کا انتقال چاند کی پہلی تاریخ کو ہوا اور عورت کو حمل نہیں ہے تو چاند کے حساب سے چار مہینے دس دن پورے کرے انتیس کا چاند ہو یا تیس کا اور اگر پہلی تاریخ کو انتقال نہیں ہوا تو ہر مہینہ تیس تیس دن کا شمار کر کے چار مہینے دس دن (یعنی ایک سو تیس دن) پورے کرنا چاہئے، درمختار میں ہے **بالاھلة لو فی الغرة والا فبالایام** بحر وغیرہ۔ شامی میں ہے **(قولہ والا فبالایام) فی المحیط اذا اتفق عدة الطلاق والموت فی غرة الشھر اعتبرت الشھور بالاھلة وان نقصت عن العدد وان اتفق فی وسط الشھر فعند الامام یعتبر بالایام فتعتد فی الطلاق بتسعین یوماً وفی الوفاة بمائة وثلاثین الخ (درمختار وشامی ص ۸۲۹ ج ۲، باب العدة (بہشتی زیور ص ۸۵ چوتھا حصہ . موت کی عدت کا بیان)**

(۲) ضرورت ہو تو دوسرے کمروں میں جا سکتی ہے۔ فقط۔

(۳) غیر محرم سے بات کرنا ضروری ہو تو پردہ میں رہتے ہوئے بقدر ضرورت بات کر سکتی ہے یاد رہے یہ حکم صرف عدت کے زمانہ کے لئے نہیں ہے بلکہ غیر محرم سے پردہ کرنا اور بلاضرورت شرعی بات چیت کرنے سے احتراز ہر وقت ضرورت ہے، شرعی پردہ کے سلسلہ میں ایک تفصیلی جواب فتاویٰ جلد چہارم ص ۹۴ تا ص ۱۱۱ (جدید ترتیب کے مطابق، حظر اباحت میں پردہ کے باب میں، عورتوں کے لئے شرعی پردہ، کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے از مرتب)۔ پر شائع ہو چکا ہے۔

(۴) یہ کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عدت میں عورت کو ہسپتال میں داخل کرنا:

(سوال ۴۸۰) ایک خاتون عدت میں ہے طبیعت خراب ہو گئی، دوا لانے کے لئے وہ ڈاکٹر کے پاس جا سکتی ہے؟ اور اگر طبیعت زیادہ خراب ہو جائے اور ہسپتال میں داخل کرنے کی ضرورت پیش آئے تو ہسپتال میں داخل کرنا کیسا ہے

؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ڈاکٹر کو معائنہ و تشخیص کے لئے گھر بلایا جائے ، اگر طبیعت زیادہ خراب ہو اور کوئی مسلمان دیندار تجربہ کار ڈاکٹر یا حکیم ہسپتال میں داخل کر کے علاج کرانے کا مشورہ دے اور اس کی شدید ضرورت ظاہر کرے تو بقدر ضرورت گھر سے باہر نکلنے اور ہسپتال میں داخل ہو کر علاج کرانے کی گنجائش ہے، ضرورت سے زیادہ باہر نہ رہے۔ (۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب .

عدت میں داماد اپنی خوش دامن سے بات کر سکتا ہے یا نہیں

(سوال ۴۸۱) عدت کے زمانہ میں داماد خوش دامن (ساس) سے بات چیت کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) خوش دامن (ساس) کے لئے داماد محرم ہے، بات چیت کر سکتا ہے، گھر کے دیگر افراد کی موجودگی میں بات چیت کرے، خلوت اختیار نہ کرے اسی میں احتیاط ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شوہر کی وفات کے بعد بیوہ شوہر کی لاش کے ساتھ دوسری جگہ منتقل ہوگئی تو عدت کہاں پوری کرے :

(سوال ۴۸۲) ایک شخص بمبئی میں بغرض ملازمت اہل وعیال کے ساتھ مقیم ہے، یہ اس کا وطن اصلی نہیں ہے، اس جگہ اس شخص کا انتقال ہو گیا، جس وقت بمبئی میں شوہر کا انتقال ہوا بیوی اس کے ساتھ وہیں مقیم تھی ، اولیاء میت لاش کو اس کے وطن اصلی واپی (جو بمبئی سے تقریباً ۱۹۰ کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے) لے گئے اور وہیں اسے دفن کیا گیا، میت کو اس کے وطن اصلی لے جاتے وقت اس کی بیوہ بھی ساتھ چلی آئی ، اب سوال یہ ہے کہ عورت عدت کہاں گذارے؟ بمبئی میں یا واپی میں؟ اس کے خویش واقارب سب واپی میں رہتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) وفات سے قبل عورت جس مکان میں مقیم ہو اسی جگہ عدت گذارنا چاہئے ، البتہ اگر کوئی شرعی عذر ہو تو مناسب جگہ (جو قریب ہو) منتقل ہو سکتی ہے، درمختار میں ہے (وتعتدان) ای متعدة طلاق وموت (فی بیت وجبت فیه) درمختار۔ شامی میں ہے (قوله فی بیت وجبت فیه) هو ما یضاف الیهما بالسکنی قبل الفرقة ولو غیر بیت الزوج کما مر انفا (درمختار ورد المحتار ص ۸۵۴ ج ۲ باب العدة)

بہتر صورت تو یہی تھی کہ مرحوم کو بمبئی ہی میں دفن کیا جاتا ، اور اصول کے مطابق بیوہ بمبئی میں اسی مکان میں عدت گذارتی جہاں وہ بوقت وفات اپنے مرحوم شوہر کے ساتھ رہتی تھی اور شرعی عذر کے بغیر وہاں سے منتقل نہ ہوتی ۔ مگر صورت مسئولہ میں بیوہ میت کے ساتھ واپی منتقل ہوگئی ہے واپی میں اس کے خویش واقارب بھی ہیں اس لئے اب پھر بمبئی جانے کی ضرورت نہیں ، واپی ہی میں اپنی عدت پوری کرے ، عدت میں سفر سے بچنا چاہئے ۔ شامی میں ہے وحکم ما انتقلت الیه حکم المسکن الا صلی فلا تخرج منه ، بحر ، (شامی ج ۲ ص ۸۵۴) (باب العدة) فقط واللہ اعلم بالصواب.

---

(۱) واما الخروج للضرورة فلا فرق فیه بینهما کمانصوا علیه فیما یأتی فالمراد به هنا غیر الضرورة . شامی فصل فی الحداد ج ۲ ص ۸۵۷.

چار سال تک شوہر اور بیوی علیحدہ رہے اس کے بعد شوہر نے طلاق دے دی تو عدت لازم ہوگی یا نہیں؟:

(سوال ۴۸۳) شوہر بیوی نکاح کے بعد دو تین سال تک ایک ساتھ رہے پھر دونوں میں کچھ ان بن ہوگئی چار سال سے عورت اپنی والدین کے گھر ہے اس درمیان دونوں ایک دوسرے سے بالکل نہیں ملے ہیں، دو تین روز قبل شوہر نے اسے طلاق دے دی ہے تو اس عورت پر عدت لازم ہے یا نہیں؟ علیحدگی کا جو زمانہ گذرا ہے اس سے عدت ساقط ہوگی یا نہیں؟ عورت نباہنے اور ساتھ رہنے پر تیار تھی مگر شوہر نے طلاق دے دی۔ اگر مذکورہ صورت میں عدت لازم ہو تو عدت کا خرچہ شوہر پر ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور عدت کا کتنا خرچہ ادا کرنا ہوگا امید ہے کہ تفصیل سے جواب مرحمت فرمائیں گے۔

(الجواب) شوہر اور بیوی دونوں ایک ساتھ رہ چکے ہوں اور اس کے بعد شوہر نے طلاق دی ہو یا شوہر کا انتقال ہو جائے تو طلاق یا موت کے بعد عورت پر عدت لازم ہوتی ہے، عدت کا لزوم نکاح ختم ہونے کے بعد ہوتا ہے، مرد و عورت چاہے جتنی مدت علیحدہ رہیں شوہر جب تک طلاق نہ دے عورت اس کے نکاح میں رہتی ہے، شوہر جس وقت طلاق دے گا یا اس کا انتقال ہوگا اس وقت نکاح زائل ہوگا اور اس کے بعد عورت مطلقہ یا متوفی عنہا زوجہا شمار ہوتی ہے اس لئے علیحدگی کا زمانہ نہ عدت میں شمار ہوتا ہے اور نہ اس سے عدت پر کوئی اثر پڑتا ہے۔

درمختار میں ہے: **هي (اى العدة) تربص يلزم المرأة ..... عندزوال النكاح اوشبهته...... (وسبب وجوبها) عقد(النكاح المؤكد بالتسليم وما جرى مجراه) من موت اوخلوة...... وشرطها الفرقة (درمختار على هامش رد المحتار ص ۸۲۵ ج ۲ باب العدة.**

صورت مسئولہ میں جب شوہر اور بیوی دو تین سال تک ایک ساتھ رہ چکے ہیں البتہ آخری چار سال سے علیحدہ ہیں مگر طلاق ابھی دی گئی ہے تو طلاق کے بعد سے عدت لازم ہوگی تین حیض آنے پر عدت پوری ہوگی، شوہر پر عدت کا خرچہ دینا لازم ہے، خرچہ کی مقدار متعین نہیں ہے دونوں کی مالی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے خرچہ کی مقدار متعین کی جائے، اور اگر ایک مالدار اور دوسرا مفلس ہو تو مفتی بہ قول کے مطابق اوسط درجہ کا نفقہ شوہر کے ذمہ لازم ہوگا۔ (درمختار میں ہے **(بقدر حالهما) به يفتى** . رد المحتار میں ہے **(قوله به يفتى) كذافي الهداية وهو قول الخصاف، وفي الو لو الجية وهو الصحيح وعليه الفتوىٰ وظاهر الرواية اعتبار حاله فقط وبه قال جمع كثير من المشائخ ونص عليه محمد وفي التحفة والبدائع انه الصحيح بحر، لكن المتون والشروح على الاول...... قال في البحر واتفقوا على وجوب نفقة الموسرين اذا كانا موسرين وعلىٰ نفقة المعسر اذا كانا معسرين وانما الا ختلاف فيما اذا كان احدهما موسراً والا خر معسراً فعلى ظاهر الرواية الا عتبار لحال الرجل فان كان موسراً وهي معسرة فعليه نفقة الموسرين وفي عكسه نفقة المعسرين، واما على المفتى به فتجب نفقة الوسط في المسئلتين وهو فوق نفقة المعسرة ودون نفقة الموسرة اه(رد المحتار ص ۲۸۸ ج ۲ ،باب النفقة)فقط والله اعلم بالصواب ـ**

عدت میں مطلقہ زنا سے حاملہ ہوگئی تو اس کی عدت کب پوری ہوگی اور زانی بچہ پیدا ہونے سے پہلے اس سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں

(سوال ۴۸۴) ایک عورت طلاق کی عدت میں ہے، اور اس نے دوران عدت ایک شادی شدہ شخص سے زنا کیا اور اس سے وہ حاملہ ہوگئی تو اب اس کی عدت کب پوری ہوگی؟ زانی اس وقت اگر اس عورت سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں معتدہ نے زنا کیا اور اس کی وجہ سے وہ حاملہ ہوگئی تو یہ سخت گناہ کا کام ہوا جو بے حد قابل افسوس ہے عورت اور زانی پر صدق دل سے توبہ استغفار لازم ہے اگر اسلامی حکومت ہوتی اور گواہوں سے زنا ثابت ہو جاتا تو عورت اور زانی دونوں کو سنگسار کردیا جاتا، اب اس صورت میں بچہ پیدا ہونے سے اس کی عدت پوری ہوگی، اور بچہ پیدا ہونے سے پہلے زانی اس سے نکاح نہیں کرسکتا، اس لئے کہ وہ عورت ابھی عدت میں ہے اور معتدۃ الغیر سے نکاح حرام ہے، شامی میں ہے: اذا حبلت المعتدة وولدت تنقضی به العدة سواء کان من المطلق اومن زنا ... الی قوله. واعلم ان المعتدة لوحملت فی عدتها ذکره الکرخی ان عدتها وضع الحمل ولم یفصل والذی ذکره محمد ان هذا فی عدة الطلاق اما فی عدة الوفاة فلا تتغیر بالحمل وهو الصحیح کذا فی البدائع (شامی ص ۸۳۱ ج۲ باب العدة)

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے:۔

(سوال ۱۱۴۵) مطلقہ کو ایک حیض آیا پھر اس کو زنا سے حمل رہ گیا اب یہ مطلقہ زانی سے نکاح کرنا چاہتی ہے، کب کرے؟

(الجواب) بعد وضع حمل کے نکاح کرے قبل وضع حمل اس کو نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ عدت اس کی وضع حمل ہے. کمافی ردالمحتار للشامی ومثله مالو کان الحمل فی العدة الخ وفی الحاوی اذا حبلت المعتدة. معتدة الطلاق وولدت تنقضی به العدة الخ فالمراد بقوله اذا حبلت المعتدة معتدة الطلاق بقرینة ما بعده الخ (فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل ص ۳۵۱ ج۱۰)

دوسرا فتویٰ:

(سوال) جو عورت عدت طلاق کے اندر زنا سے حاملہ ہو جائے اس کی عدت کیا ہوگی اور زانی سے جو نکاح قبل وضع حمل ہوا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) جو عورت عدت کے اندر زنا سے حاملہ ہو جائے اس کی عدت **وضع حمل** سے پوری ہو جاتی ہے۔ فی رد المحتار عن الحاوی الزاهدی اذا حبلت المعتدة وولدت تنقضی به العدة سواء کان من المطلق او من زنا. اس زانی نے جو نکاح قبل وضع حمل کیا وہ باطل اور ناجائز ہوا کیونکہ وہ نکاح عدت میں ہوا اور نکاح عدت کے اندر باطل ہے (فتاویٰ دارالعلوم ج۱۰ ص ۳۳۲ مدلل و مکمل) فقط والله اعلم بالصواب .

عدت میں طلاق دی جائے تو اس کی عدت کب پوری ہوگی؟:

(سوال ۴۸۵) ایک شخص نے اپنی بیوی کو مورخہ ۸ جولائی ۱۹۹۳ء کو لفظ طلاق بول کر طلاق دی، اس کے بعد ۱۱ اگست ۹۳ء کو دو مرتبہ لفظ طلاق طلاق بول کر طلاق دی تو مذکورہ صورت میں کتنی طلاق واقع ہوں گی اور اس کی عدت کب پوری ہوگی۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں شوہر نے ۸ جولائی ۹۳ء کو ایک طلاق دی اس کے بعد شوہر نے قولاً یا فعلاً رجوع نہ کیا ہو اور رجوع کئے بغیر ۱۱ اگست ۹۳ء کو بقیہ دو طلاق دے دیں تو عورت پر تین طلاق واقع ہوگئیں اور وہ مطلقہ مغلظہ ہو کر اپنے شوہر پر بالکل حرام ہوگئی، اب شرعی حلالہ کے بغیر اپنے شوہر کے لئے حلال نہ ہوسکتی، اس عورت کو عدت تو پہلی طلاق کے بعد ہی سے شروع ہوگئی ہے، پہلی طلاق کے بعد سے مکمل تین حیض آجانے پر عدت پوری ہوجائے گی (بدائع الصنائع ج ۴ ص ۱۹۱ **فصل بیان مقادیر العدة وما تنقضی به** (حوالے کے الفاظ، آگے بعنوان، طلاق حسن کے مطابق طلاق دی، کے تحت دیکھ لئے جائے از مرتب) (فتح القدیر ص ۲۶۷، ص ۲۶۸ ج ۳) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مطلقہ مغلظہ پر سوگ ضروری ہے یا نہیں:

(سوال ۴۸۶) مطلقہ مغلظہ پر عدت کے زمانہ میں سوگ ضروری ہے یا نہیں؟ سوگ میں کن چیزوں سے بچنا ضروری ہے، مدلل جواب عنایت فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) ہاں ایسی عورت پر عدت کے زمانہ میں سوگ ضروری ہے، بناؤ سنگھار نہ کرے خوشبو نہ لگائے، کاجل، سرمہ، مہندی وغیرہ زیب وزینت کی چیزیں استعمال نہ کرے سر میں تیل نہ ڈالے، البتہ اگر سر میں درد ہو تو ایسا تیل استعمال کرسکتی ہے جس میں خوشبو نہ ہو ہدایہ میں ہے: **علی المبتوته والمتوفی عنها زوجها اذا كانت بالغة مسلمة الحداد .الیٰ. والحداد ان تترک الطیب والزینة والكحل والدهن المطیب وغیر المطیب الا من عذر فی الجامع الصغیر الا من وجع .الیٰ. ولا تختضب بالحناء ولا تلبس ثوبا مصبوغاً بعصفر ولا بزعفران لانه یفوح منه رائحة الطیب** (هدایه اولین ص ۴۰۷، ص ۴۰۸ **فصل فی الحداد**) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ماں عدت کے زمانے میں اپنے بیٹے کے نکاح میں کس طرح شرکت کرے؟:

(سوال ۴۸۷) ایک عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا وہ وفات کی عدت گذار رہی ہے اس درمیان وہ اپنے بیٹے کا نکاح کرانا چاہتی ہے تو عدت میں نکاح کراسکتی ہے یا نہیں؟ سوگ کب تک کرنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ''ماں'' عدت کے زمانہ میں اپنے بیٹے کے نکاح کا مشورہ دے سکتی ہے، ممنوع نہیں ہے، البتہ شادی کی خوشی کے کاموں میں خود حصہ نہ لے، زمانۂ عدت میں جو سادا لباس پہن رکھا ہے وہی لباس پہنے رہے، عمدہ نیا لباس نہ پہنے، مہندی وغیرہ لگا کر زیب وزینت اختیار نہ کرے، گھر سے باہر نہ نکلے تاکہ سوگ قائم رہے جب تک عدت کا زمانہ

ہے اس وقت تک ہونا ضروری ہے۔ حوالہ گزشتہ ازمرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

طلاق حسن کے مطابق طلاق دی اس میں عدت کب پوری ہوگی؟:

(سوال ۴۸۸) ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق حسن کے مطابق تین طلاق دے یعنی تین طہروں میں (جس میں صحبت نہیں کی) ایک ایک طلاق دے تو اس کی عدت کب پوری ہوگی؟ پہلی طلاق کے بعد تین حیض اس کی عدت ہے یا تیسری طلاق کے بعد تین حیض اس کی عدت ہے، کفایت المفتی ۳۸۵ ص ۳۸۶ جلد ششم کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عدت تیسری طلاق کے بعد تین حیض آنے پر پوری ہوگی، آپ دلائل کی روشنی میں مذکورہ مسئلہ کا جواب عنایت فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں اس شخص نے طلاق حسن کے مطابق تین طلاق دی اور کسی طلاق کے بعد رجوع نہ کیا ہو تو عدت پہلی طلاق کے بعد ہی سے شروع ہوجائے گی اور تین حیض آجانے سے عدت پوری ہوجائے گی یعنی جب تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے گا تو عدت میں سے دو حیض گذر چکے ہوں گے اس کے بعد ایک حیض آنے گا تو عدت ختم ہوجائے گی، اور اگر عورت ذوات الاشہر میں سے ہو اور ہر مہینے میں ایک ایک طلاق دے تو اس کا بھی یہی حکم ہے یعنی پہلی طلاق کے بعد تین مہینے گذرنے سے عدت پوری ہوجائے گی، جب اس پر تیسرے مہینے میں تیسری طلاق دے گا تو اس کی عدت میں سے دو مہینے گذر چکے ہوں گے اس کے بعد تیسرا مہینہ گذرنے پر عدت پوری ہوجائے گی کفایت المفتی والے جواب میں حضرت مفتی صاحبؒ سے تسامح ہوگیا ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے: ثم اذا وقع عليها ثلاث تطليقات في ثلاثة اطهار فقد مضى من عدتها حيضتان ان كانت حرة لان العدة بالحيض عند نا و بقيت حيضة واحدة فاذا حاضت حيضة اخرى فقد انقضت عدتها ... وان كانت من ذوات الاشهر طلقها واحدة رجعية واذا مضى شهر طلقها اخرى ثم اذا مضى شهر طلقها ثم اذا كانت حرة فوقع عليها ثلاث ومضى من عدتها شهران وبقى شهر واحد من عدتها فاذا مضى شهر اخر فقد انقضت عدتها الخ (بدائع الصنائع ج۳ ص ۹۱ فصل في بيان مقادير العدة الخ)

فتح القدیر میں ہے: ثم اذا وقع الثلاثة في ثلاثة اطهار فقد مضت من عدتها حيضتان ان كانت حرة فاذا حاضت حيضة انقضت الخ فتح القدير ج۳ ص ۴۶۷، ۴۶۸ باب طلاق الثلثة. فقط والله اعلم بالصواب.

تین طلاق والی عورت عدت کہاں گذارے گی:

(سوال ۴۸۹) ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تو اب عورت عدت کہاں گذارے اور اس کا نفقہ کب تک شوہر کے ذمہ ہوگا اور کتنا؟ شوہر کے مکان میں کل چار کمرے ہیں اور ایک باورچی خانہ، دو کمرے اوپر کی منزل پر اور باورچی خانہ اور دو کمرے نیچے کی منزل پر کل دس آدمی ہیں جن میں ساس سسر کے علاوہ شوہر کے بھائی بہنیں اور بھانجی بھی رہتے ہیں۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً، مطلقہ مغلظہ (وہ عورت جسے تین طلاق دی گئی ہوں) اپنے شوہر پر بالکل حرام اور اس کے حق میں اجنبی عورت کی طرح ہو جاتی ہے لہذا اسے عدت کا زمانہ ایسی جگہ گذارنا چاہئے جہاں شوہر کی آمد ورفت اور ملنا جلنا نہ ہو سکتا ہو، صورت مسئولہ میں ایک مکان میں اوپر نیچے رہنے کی وجہ سے ملاقات بات چیت کا بڑا امکان ہے اور گناہ میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ بھی ہے، نیز شوہر کا بھائی بھی ہے عدت میں بے پردگی ہوتی رہے گی اس لئے عورت اپنے ماں باپ کے یہاں عدت گذارے یہی بہتر ہے،[1] عدت کے زمانہ کا نفقہ شوہر کو ادا کرنا ہوگا، نفقہ کی مقدار مقرر نہیں ہے، دونوں کی مالی حالت کو سامنے رکھ کر مقرر کی جاتی ہے۔ (درمختار، شامی ۲/۸۸۸ باب النفقۃ) عورت کو حیض آتا ہو تو اس کی عدت تین حیض ہے اور اگر حمل ہو تو بچہ پیدا ہونے پر عدت پوری ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورت عدت کس مکان میں گذارے گی :

(سوال ۴۹۰) ذیل کے مسئلہ کا بعد تحقیق جواب مرحمت فرمائیں ایک مرد نے جہالت میں اپنی زوجہ کے واسطے ایک مکان لے رکھا تھا جو مرد کے رہائشی مکان سے بالکل متصل ہے، اب وہ مرد مر گیا اور اس کے ورثاء نے وہی مکان مرحوم کی زوجہ کو میراث میں دیا ہے، اب وہ عورت اپنے مکان میں جو اس کو میراث میں ملا ہے اور جو اس کے گھر سے بالکل متصل ہے جس میں وہ اپنے خاوند کے ساتھ رہتی تھی جا کر رہنا چاہتی ہے، اس کے خاوند کے انتقال کو آج تیس دن ہوئے ہیں تو سوال یہ ہے کہ آیا وہ عوت قبل گذرنے عدت کے اس مکان میں رہنے جا سکتی ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ خاوند کی وفات کے وقت جس مکان میں عورت سکونت پذیر تھی اسی مکان میں اس کو عدت پوری کرنا لازم ہے، اگر اس مکان میں اس کا حصہ نہ ہو، یا اگر ہے مگر سکونت کے لئے ناکافی ہے اور ورثاء اپنے حصہ میں نہ رہنے دیتے ہوں تو مکان بدل سکتی ہے، اگر مکان کرایہ کا ہے اور کرایہ دے سکتی ہے تب بھی رہنا لازم ہے۔

وعلی المعتدۃ ان تعتد فی المنزل الذی یضاف الیھا بالسکنی حال وقوع الفرقۃ والموت لقولہ تعالیٰ ولا تخرجوھن من بیوتھن ، والبیت المضاف الیھا ھو البیت الذی تسکنہ وقال علیہ السلام للتی قتل زوجھا اسکنی فی بیتک حتی یبلغ الکتاب اجلہ وان کان نصیبھا من دار المیت لا یکفیھا فاخرجھا الورثۃ عن نصیبھم انتقلت لان ھذا انتقال بعذر الخ یعنی معتدہ پر لازم ہے کہ اسی مکان میں اپنی عدت پوری کرے جس میں وہ طلاق یا وفات شوہر کے وقت رہتی تھی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور ان کا گھر وہی ہے جس میں وہ رہا کرتی تھیں، اور نبی کریم ﷺ نے اس عورت سے جس کا شوہر قتل کیا گیا تھا فرمایا تھا کہ تو اسی مکان میں قیام کر یہاں تک کہ کتاب اللہ کے موافق میعاد پوری ہو جائے (یعنی اربعۃ اشہر وعشرا یا وضع حمل) اور اگر شوہر متوفی کے گھر میں بیوہ کا حصہ سکونت کے لئے ناکافی ہے اور وارثوں نے اپنے حصہ سے نکلنے کے لئے مجبور کیا تو دوسری جگہ جا سکتی ہے، یہ عذر ہے۔ (ہدایہ ج۲ ص ۴۰۸) فصل فی الحداد وفتاویٰ عالمگیری ج۱ ص ۵۳۵ ایضاً)

---

(۱) ولا بد من سترۃ بینھما فی البائن لئلا یختلی بالا جنبیۃ ومفادہ ان الحائل یمنع الخلوۃ المحرمۃ وان ضاق المنزل او کان الزوج فاسقا فخروجہ اولی لأن مکثھا واجب لامکثہ در مختار مع الشامی فصل فی الحداد ج۲ ص ۸۵۵

وتعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ ولا تخرجان منھا الا ان تخرجا (درمختار) اشمل اخراج الزوج ظلما او صاحب المنزل لعدم قدرتھا علی الکراء اوالوارث اذا کان نصیبھا عن البیت لا یکفیھا (شامی ج ۲ ص۸۵۵ فصل فی الحداد) فقط واللہ اعلم بالصواب ۷ ، ۱ جمادی الثانیہ ۱۳۸۲ھ۔

عدت وفات کے دوران غیر ملک کی شہریت باقی رکھنے کے لئے وہاں کا سفر کرنا:

(سوال ۴۹۱) میں امریکہ میں اپنے بیٹوں کے ساتھ رہتی ہوں، میرے شوہر راندیر میں رہتے تھے، وہ بیمار تھے اس وجہ سے میں راندیر آئی، بحکم الٰہی ۲۵ فروری ۹۷ء کو میرے خاوند کا انتقال ہو گیا، راندیر میں میرے شوہر کا بھی مکان ہے اور میرا اپنا ذاتی مکان بھی ہے، میں فی الحال اپنے گھر میں عدت گذار رہی ہوں، امریکن قانون کے مطابق وہاں مجھے جانا ضروری ہے اگر میں اسی وقت وہاں چلی جاؤں تو مجھے وہاں کی شہریت حاصل ہو جائے گی، تو ان حالات میں عدت کے زمانہ میں امریکہ کا سفر کر سکتی ہوں؟ جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔ فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) احقر کے فتاویٰ رحیمیہ میں ہے "عدت کا معاملہ بہت اہم ہے، فی زمانا اس میں بہت لاپرواہی برت رہے ہیں، معمولی معمولی باتوں کو بہانہ بنا کر عدت کے شرعی قواعد کی خلاف ورزی کر گذرتے ہیں الخ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۴۰۴ ج ۵ (اسی باب میں بعنوان، مجبوری کی وجہ سے دوسرے قصبہ میں عدت گذارنا سے دیکھ لیا جائے از مرتب)۔

عدت کے زمانہ میں سفر نہ کرنا چاہئے، حتی کہ حج جیسے عظیم الشان عبادت کے لئے بھی سفر کی اجازت نہیں ہے۔ المعتدۃ لا تسافر لا لحج ولا لغیرہ (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۶۲ ج ۲، کتاب الطلاق باب نمبر ۱۴ فی الحداد)

درمختار میں ہے:۔ (وتعتدان) ای معتدۃ طلاق وموت (فی بیت وجبت فیہ) ولا تخرجان منہ ..... الخ (درمختار مع رد المحتار ص ۸۵۸ ج ۲ فصل فی الحداد)

لہٰذا صورت مسئولہ میں اس بات کی پوری پوری کوشش کی جائے کہ یہاں ہی عدت پوری ہو جائے، حکومت کے سامنے عدت کا عذر پیش کر کے مہلت طلب کی جائے اور یہیں عدت پوری کی جائے، عدت میں اتنا طویل سفر بہت نامناسب ہے، بہت سے شرعی احکام کی خلاف ورزی ہوگی، آپ نے سوال میں جو عذر پیش کیا ہے اس عذر کی وجہ سے خود کو اس فضیلت سے محروم نہ کیا جائے، ماشاء اللہ راندیر میں آپ کا عالی شان مکان ہے، بچے وہاں (امریکہ) رہ کر آپ کی خدمت کر سکتے ہے، اس عمر میں شریعت کے حکم کی خلاف ورزی کر کے غیر وطن میں جانا بالکل مناسب نہیں ہے آپ یہاں رہ کر بھی باعزت زندگی گذار سکتی ہیں لہٰذا عدت کے زمانہ میں اتنے طویل سفر کا خیال ترک کر دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مطلقہ عورت کا عدت ختم ہونے کا دعویٰ قسم کے ساتھ تسلیم کیا جا سکتا ہے اگر مدت میں امکان ہو:

(سوال ۴۹۲) ایک عورت کو طلاق دی گئی اور اس کو اب تک تین حیض آ چکے ہیں، طلاق سے اب تک ڈھائی ماہ ہو رہے ہیں اور اب اس کا دوسرا نکاح کرنا ہے تو نکاح کر سکتے ہیں؟

عورت کا بیان

محترم مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

بعد سلام عرض یہ ہے کہ میری طلاق ۱۳/۳/۸۴ء کو ہوئی اور طلاق کے آٹھ روز بعد پانچ دن حیض آیا اور اللہ کو حاضر ناظر جان کر لکھتی ہوں کہ طلاق کے بعد حیض تین مرتبہ آیا...... فقط والسلام......۲۹/۵/۸۴ء۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! طلاق کے آٹھ دن بعد پانچ دن حیض آیا، پانچ دن کی عادت کے مطابق تین حیض آ جانے کا قسمیہ بیان دیتی ہے اور ڈھائی مہینے ہو رہے ہیں تو عورت کا بیان تسلیم کیا جا سکتا ہے اور عدت ختم ہونے کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔

درمختار میں ہے: **قال مضت عدتی والمدة تحتمله وكذبها الزوج قبل قولها مع حلفها** (درمختار مع رد المحتار ۸۴۲/۲ باب العدة) **والله اعلم.**

''تجھے لڑکی پیدا ہوئی تو تجھے تین طلاق'' کہا اور لڑکی پیدا ہوئی تو عدت وضع حمل ہے یا حیض

(سوال ۴۹۳) میرے داماد نے اپنی بیوی سے ایک سفر کے دوران کہا تھا کہ اگر تجھے لڑکی پیدا ہوئی تو تجھے تین طلاق، لڑکی زچگی میرے یہاں ہوئی اور اس کو لڑکی پیدا ہوئی تو اس صورت میں اس کو طلاق مغلظہ واقع ہوئی یا نہیں؟ اور عورت کی عدت وضع حمل ہے یا نہیں؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! ہاں صورت مسئولہ میں تین طلاق مغلظہ واقع ہو گئیں، لیکن اس صورت میں عدت وضع حمل نہیں ہے بلکہ تین حیض سے عدت منقضی ہوگی، اس لئے کہ طلاق بعد ولادت ہوئی، بعدہٗ طلاق کی عدت شروع ہوئی جب کہ عورت حاملہ نہیں (بچہ جن چکی ہے) لہذا عدت تین حیض سے پوری ہوگی۔ وصورة العدة اذا قال لامرأته اذا ولدت فانت طالق فولدت فانها تحتاج الی ثلاث حیض ماخلا النفاس وسیأتی بیانه (شامی ص ۲۷۶ ج ۱ باب التعلیق، ص ۶۹۲ ج ۲ باب العدة) فقط والله اعلم بالصواب، ۲۳ جمادی الاولی ۱۳۸۰ھ۔

باب النفقه

زمانۂ عدت کے نفقہ ولباس کے متعلق شرعی حکم:

(سوال ۴۹۴) میری عورت بے وجہ میری اجازت کے بغیر میکہ چلی گئی تو میں نے اس کو تین طلاق دے دی۔ اب مذہب حنفی میں عدت کے نفقہ ولباس کا شرعی حکم کیا ہے؟

(الجواب) مطلقہ کے لئے ضروری ہے کہ اسی گھر میں عدت گزارے جو علیحدہ ہونے سے پہلے اس کا بود و باش کا مکان ہو۔ اللہ جل شانہ کا فرمان ہے **لا تخرجوهن من بیوتهن ولا یخرجن** (سورۂ طلاق) یعنی! تم ان کو ان کے (رہنے کے) گھروں سے نکالو۔ اور نہ وہ خود نکلیں مگر جو کھلی بے حیائی (بدکاری وغیرہ) کرے تو اور بات ہے۔

نیز فرمان حق جل شانہ۔ **اسکنوهن من حیث سکنتم من وجدکم** ترجمہ:۔ مطلقہ عورتوں کو اپنی وسعت اور گنجائش کے مطابق وہاں رکھو جہاں تم رہتے ہو (سورۂ طلاق)۔

لہذا عورت عدت طلاق میں شوہر کے یہاں رہے یا شوہر کی مرضی سے، یا حق شرعی یا شرعی عذر کی وجہ سے کسی اور جگہ رہے تب تو خرچ وغیرہ کی حق دار ہے لیکن اگر عورت بلا عذر اور بلا وجہ شرعی شوہر کی ناشزہ (نافرمان) ہو کر شوہر کی مرضی کے خلاف چلی جائے تو خرچ وغیرہ کی حق دار نہیں۔ صورت مسئولہ میں چونکہ آپ کی عورت بلا عذر شرعی کے آپ کی مرضی کے خلاف چلی گئی ہے تو خرچ وغیرہ طلب نہیں کر سکتی۔

ہدایہ میں ہے:۔ **وان نشزت فلا نفقه لها حتی تعود الی منزله** (ج ۲ ص ۴۱۸ باب النفقه) یعنی! عورت شوہر کی نافرمان ہو کر چلی جائے تو جب تک وہ شوہر کے ہاں واپس نہ لوٹے وہ خرچ کی حق دار نہیں ہے۔ (ہدایہ)

اور شامی میں ہے۔ **اذا نشزت فطلقها زوجها فلها النفقة والسکنی اذا عادت الیٰ بیت الزوج**. یعنی! عورت ناشزہ (نافرمان) ہو کر چلی جائے اور شوہر نے اس کو طلاق دیدی تو اگر وہ شوہر کے گھر لوٹ جائے گی۔ نفقہ وسکنی کی حق دار ہے، ورنہ حق دار نہیں (شامی ج ۱ ص ۹۱۱ باب النفقہ)

فتاویٰ اسعدیہ میں ہے:۔ **اعلم ان المرأة اذا طلقت فانها تعتد فی البیت الذی کانت فیه ساکنة من قبل ویجب علیه النفقه والسکنی وان خرجت باختیار ها فهی ناشزة لا تجب لها نفقة** (ج ۱ ص ۱۱۵ ایضاً) ترجمہ! بے شک مطلقہ اس گھر میں عدت گذارے جس میں وہ پہلے سے رہتی ہے اور شوہر کو لازم ہے کہ اس کا خرچ پورا کرے۔ اگر شوہر اس کو گھر سے نکال دے تو اس کے ذمہ اس کا نفقہ اور سکنی کا انتظام ضروری ہے اگر وہ عورت اپنی مرضی سے چلی جائے تو وہ ناشزہ ونافرمان ہوگی۔ اور نفقۂ سکنی ولباس کی حق دار نہ رہے گی۔ (فتاویٰ اسعدیہ ج ۱ ص ۱۵)

اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:۔ آرے نان ونفقہ مقابل احتباس در خانہ است اگر از خانہ برآید بلا اذن زوج نفقہ وکسوہ واجب نہ ماند۔ قاعدہ فقہ است کہ نفقہ جزائے احتباس است۔

ترجمہ:

ہاں عورت کا نفقہ وغیرہ اس کو گھر میں روکے رکھنے کا عوض و بدلہ ہے، اگر بلا اجازت شوہر چلی جائے گی تو نان ونفقہ اور پوشاک وغیرہ شوہر کے ذمہ لازم نہ ہوگا۔ فقہی قاعدہ ہے کہ کسی کا نفقہ اس کے روکے رکھنے کا بدلہ ہے (مجموعہ فتاویٰ عزیزی ج۱ص۱۳)

ناشزہ کا نفقہ واجب ہے، یا نہیں:

(سوال ۴۹۵) مطلقہ بائنہ ومغلظہ جس گھر میں اس پر عدت واجب ہوتی ہو اس کو چھوڑ کر چلی گئی اور شوہر کی ناشزہ و نافرمان بنی تو کیا وہ عدت کے خرچ کی حقدار بنے گی؟

(الجواب) عدت کا نفقہ نکاح کے نفقہ کی طرح ہے ناشزہ ہونے کی وجہ سے یعنی شوہر کے گھر سے شرعی حق کے بغیر چلے جانے سے نفقہ ساقط ہوجاتا ہے۔[1] (ج۱ص۶۸)

طلاق رجعی کی صورت میں مرد وعورت بے پردہ ساتھ رہ سکتے ہیں۔ طلاق بائن نیز مغلظہ (تین طلاقوں) کی صورت میں عورت اور مرد کے درمیان پردہ لازم ہے۔ گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو ان پر نگرانی (پہرا) بھی ضروری ہے۔ مکان میں وسعت اور انتظام نہ ہو تو مطلقہ کو دوسرے گھر میں رکھے یا شوہر دوسری جگہ رہے۔

(سوال ۲) اس واقعہ کے بعد تین ہفتہ تک عورت اپنے شوہر کے یہاں رہی اور اس نے اپنے کسی عمل سے ایسا ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ چلی جانے والی ہے اور تین ہفتہ کے بعد ایک روز موقعہ دیکھ کر جب کہ اس کا شوہر اور ساس گھر میں نہیں تھے اپنی چھ بچوں اور بچیوں کو لے کر اور گھر میں سے جو کچھ لینا تھا وہ سب سمیٹ کر اپنے بہنوئی کے ساتھ اس کے مکان پر چلی گئی۔ جب اس کے شوہر نے اسے بلوایا تو وہ عورت اور اس کا بہنوئی کہتے ہیں کہ تم نے طلاق دے دی ہے اس لئے یہ نہیں آئے گی۔ دو مہینہ اور کچھ دن اس کے بہنوئی نے اپنے یہاں رکھی۔ اور اب وہ عورت ایک کرایہ کا مکان لے کر اس میں رہنے کے لئے آگئی ہے اور چھ بچوں کا اور اپنا نفقہ اور تمام اخراجات کا مطالبہ شوہر سے کر رہی ہے۔ اور ایسی دھمکی دے رہے ہیں کہ عدالت میں مقدمہ دائر کر کے چھ بچوں کا اور اپنا تمام خرچہ وصول کروں گی۔ تو اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں اس عورت کو طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور اگر ہوئی تو طلاق رجعی ہوئی یا بائن ہوئی؟ اور اگر رجعی ہوئی تو اس کو رجوع کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ اور اگر بائن ہوئی تو وہ مرد از سرنو نکاح پڑھ کر اس عورت کو بغیر حلالہ کے لا سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) (۲) صورت مذکورہ میں طلاق بائنہ مغلظہ ہوگئی رجوع کا حق نہیں ہے۔ نکاح کرنے سے بھی عورت حلال نہ ہوگی۔ شرعی حلالہ کے بغیر عورت حلال نہیں ہوسکتی! وان کان الطلاق ثلاثاً لم تحل له' حتی تنکح زوجاً غیره .(هدايه ص ۳۷۹ ج ۲ باب الرجعة)

طلاق کی عدت ختم ہونے تک نفقہ اور سکنی کا انتظام حسب حیثیت شوہر کے ذمہ ہے جب کہ عورت شوہر کے گھر عدت گذارے۔ یا شوہر کی اجازت سے یا شرعی عذر کی بناء پر کسی دوسری جگہ عدت گذارے، یا شوہر گھر سے نکال

---

(۱) وان نشزت فلا نفقة لها حتی تعود الی منزله هدايه باب النفقه ج. ۲ ص ۴۱۸

دے، اور اگر شوہر کی اجازت کے بغیر چلی جائے۔ جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو اس صورت میں وہ نفقہ وغیرہ کی حق دار نہیں رہتی!

اعلم۔ ان المرأة اذا طلقت فانها تعتد فی البیت الذی کانت فیہ ساکنة من قبل ویجب علی الزوج ان ینفق علیها فان اخرجها یجب علیہ النفقة والسکنی وان خرجت باختیار ها فهی ناشزة لا تجب لها نفقة . یعنی بے شک مطلقہ اس گھر میں عدت گذارے جس میں وہ رہتی آئی ہے۔ اور شوہر پر اس کا نفقہ واجب ہے۔ اگر شوہر اس کو گھر سے نکال دے تب بھی اس کے ذمہ نفقہ اور سکنیٰ لازم ہے اور اگر عورت شوہر کی اجازت کے بغیر چلی جاوے تو وہ ناشزہ ہے۔ اس صورت میں شوہر پر اس کا نفقہ واجب نہیں ہے۔ (فتاویٰ اسعدیہ ص ۱۱۵ ج ۱ باب النفقہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(سوال ۳) اور اگر یہ طلاق مغلظہ ہوئی تو اس عورت کو اس کا اپنا چھ بچوں کا جس میں سے صرف ایک بچہ سات برس سے کم کا ہے اور دوسرے سب بچے دس برس سے اوپر کے ہیں۔ نان ونفقہ سکنیٰ اور لباس کے مطالبہ کا حق ہے یا نہیں؟ یہ عورت ناشزہ سمجھی جائے گی یا نہیں؟ اور چھ بچوں میں سے کتنے کا نفقہ وغیرہ طلب کر سکتی ہے؟ حالانکہ اس کے شوہر کا کہنا ہے کہ میں نے طلاق دی ہی نہیں۔ اور میں تم سب کو اپنی ساتھ رکھنے کو راضی ہوں۔ لیکن عورت بچوں کے دینے سے انکار کرتی ہے تو شرعاً اس عورت کو کتنے مطالبہ کا حق ہے؟ حکم شرع واضح فرما کر مشکور فرمائیں۔

(الجواب) صورت مذکورہ میں چھوٹے بچوں کو رکھنے اور پرورش کرنے کا حق ماں کو حاصل ہے۔ جس کی میعاد فقہاءؒ نے لڑکے کے لئے سات سال اور لڑکی کے لئے نو سال اور زیادہ سے زیادہ حیض آنے تک مقرر فرمائی ہے۔ اس مدت کا نفقہ وغیرہ کا ذمہ دار باپ ہے۔ بچوں کے پاس مال ہو تو اس میں سے اخراجات پورے کئے جا سکتے ہیں۔ اگر بچوں کا باپ مالدار ہو تو بچوں کی ماں زمانۂ پرورش کا معاوضہ بھی طلب کر سکتی ہے اور اوپر بتلائی ہوئی عمر سے زیادہ عمر کے بچوں کو باپ لے سکتا ہے۔ [1]

عورت اپنے میکہ میں عدت گذارے تو عدت کے خرچہ کا مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں :

(سوال ۴۹۶) طلاق کے بعد شوہر کے مکان پر عورت کو عدت گذارنے کی اجازت دی گئی، اس کے باوجود وہ نہ رہی اور اس کے والد شوہر کے مکان پر آئے اور زوج کے والد کی اجازت لے کر اپنی لڑکی کو اپنے گھر لے گئے اور اب عدت کا خرچ زوج کے والد سے مانگ رہے ہیں تو کیا ان کو مطالبہ کا حق ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) شوہر کے مکان پر عدت گذارنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔ پھر بھی عورت اپنے باپ کے یہاں عدت گذارنا چاہتی ہے تو عدت کے خرچ کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔ لیکن شوہر تبرعاً دے دے تو بہتر ہوگا۔ [2] فقط واللہ اعلم .

---

(۱) وتستحق الحاضنة اجرة الحضانة اذا لم تکن منکوحة ولا معتدة لأ بیہ وهی غیر اجرة ارضاعة... والحاضنة اما او غیره احق بہ ای بالغلام حتی یستغنی عن النسآء وقدر بسبع وبہ یفتی .. بالصغیرة حتی تحیض ای تبلغ فی ظاهر الروایة . وقر بتسع وبہ یفتی. در مختار مع الشامی باب الحضانہ ج ۳ ص ۵۲۰، ۵۶۲.

(۲) وتسقط بالنشوز وتعود بالعود واطلق فشمل الحامل وغیرها والبائن بثلاث اواقل کما فی الکنایة باب النفقة مطلب فی نفقة المطلقة ج ۲ ص ۹۲۱ .

شرعی قانون کے خلاف نفقہ کا مطالبہ کرنا کیسا ہے :

(سوال ۴۹۷)(۱) مسلمان کے لئے شرعی قانون اور مسلم پرسنل لا کے مطابق فیصلہ کرنے کا انتظام موجود ہوتے ہوئے غیر شرعی قانون کے مطابق فیصلہ لینا یا کرنا یا کروانا جائز ہے؟

(۲) مطلقہ عورت کے لئے عدت کے خرچ کے علاوہ جبراً اپنے طلاق دینے والے شوہر سے نکاح ثانی تک کا نفقہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ جیسا کہ آج کل حکومت کا قانون ہے۔

(۳) حکومت کا نفقہ کے متعلق جو قانون ہے کیا مسلمان مرد یا عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ اس نفقہ کے حصول کے لئے حکومت میں درخواست دے کر اپنے حق میں فیصلہ کروائے؟

(۴) اور اگر بالفرض حکومت نے تا نکاح ثانی نفقہ کا حکم جاری کر دیا تو نادار شوہر ایسے ظالمانہ نفقہ کی ادائیگی کے لئے سود کی رقم دے سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔ (مانگرول، کاٹھیاواڑ)

(الجواب)(۱) شرعی قانون کے خلاف فیصلہ کرنا یا کرانا اور اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط۔

(۲) مطلقہ عورت عدت کے خرچ کی حق دار ہے دوسرے نکاح یا وفات تک کا نفقہ طلب کرنے کا حق نہیں ہے اسلامی قانون کے مقابلہ میں حکومت کے قانون کو ترجیح دینا اور اس کو پسند کرنا اور اس کے مطابق نفقہ حاصل کرنا ظلم اور حرام ہے اور ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔[1] فقط۔

(۳) قطعاً جائز نہیں موجب گناہ ہے۔ فقط۔

(۴) عدت سے زیادہ خرچ کا مطالبہ کرنا اور حکومت کے فیصلہ کے مطابق عمل کرنا عورت کے لئے درست نہیں ہے، شوہر کو عدت سے زیادہ خرچ دینے پر مجبور کیا جائے تو سود کی رقم دے سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۵ جمادی الاول ۱۴۰۲ھ۔

عورت سفر میں جانے سے انکار کرے تو وہ نفقہ کی حق دار ہے یا نہیں :

(سوال ۴۹۸) زید اپنی بیوی کو سفر میں ہمراہ لے جانا چاہے اور بیوی جانے سے انکار کرے تو زید نفقہ بند کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں زید اپنی بیوی کا نفقہ بند نہیں کر سکتا۔ او ابت الذهاب اليه او السفر معه . الىٰ قوله فلها النفقة (درمختار مع الشامی ج۲ ص ۸۹۰. ۸۹۱ باب النفقة) فقط واللہ اعلم بالصواب .

چچا اور ماں ہے تو چھوٹے بچہ کا نفقہ کس پر ہے

(سوال ۴۹۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و عمر دو سگے بھائی ہیں زید بڑا اور عمر چھوٹا ہے، زید کا انتقال ہو گیا اور اس کے وارثوں میں چھ ماہ کی ایک لڑکی، بیوی اور ایک بھائی (عمر) ہے۔ زید کی بیوی کے والدین زندہ

---

(۱) المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى كان الطلاق رجعيا او بائنا او ثلاثا حملا كانت المراة او لم تكن كذا فى فتاوىٰ قاضى خان . فتاوىٰ عالمگيرى الفصل الثالث فى نفقة المعتده ج۱ ص ۵۵۷.

ہیں اور زید کے والدین میں سے کوئی حیات نہیں ہے۔صورت مسئولہ میں زید کی بیوی اور کم سن بچی کا نفقہ کس کے ذمہ ہے؟ عمر کے ذمہ یا زید کی بیوی کے والدین کے؟ اور اگر دونوں پر ہے تو کس کس کی ذمہ داری کس حد تک ہے؟ دیگر زید کا ترکہ مندرجہ بالا ورثہ میں کس طرح تقسیم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں زید کی بیوی اپنے مال یا شوہر کے ترکہ سے بطور میراث جو ملا ہو اس میں سے اپنا نفقہ پورا کرے گی، کچھ نہ ہو یا جو ہو وہ ختم ہو جائے تو اس کے والدین اس کے نفقہ کے ذمہ دار ہوں گے۔اسی طرح بچی کا نفقہ اس کے ذاتی مال سے یا والد کے ترکہ سے جو ملا ہے اس میں سے پورا کیا جائے کچھ نہ رہے تو ماں اور چچا اس کے ذمہ دار ہوں گے، ایک حصہ ماں کے ذمہ اور دو حصہ چچا کے ذمہ ہوگا، اگر ماں محتاج ہے تو صرف چچا ذمہ دار رہے گا زید کے مال و ملکیت کے آٹھ حصے ہوں گے اس میں سے بیوہ کو ایک حصہ (آٹھواں حصہ) لڑکی کو چار حصے اور بھائی (عمر) کو تین حصے ملیں گے۔

وانما تجب النفقة على الاب اذا لم يكن للصغير مال اما اذا كان فالا صل ان نفقة الانسان في مال نفسه صغيراً كان او كبيرا (هدايه اولين ص ۴۲۵ كتاب النفقات باب النفقات) وان كان من الصنفين اعني الا صول والحواشي وارثا اعتبر الا رث ففي ام واخ عصبي او ابن اخ كذلك او عم كذلك على الام الثلث وعلى العصبة الثلثان بدائع (شامي ج۲ ص ۹۳۵ باب النفقة مطلب ضابط في حصر احكام نفقة الا صول والفروع)

وتجب لكل ذي رحم محرم صغير او انثى مطلقاً (ولو) كانت الانثى (بالغة) صحيحة (قوله مطلقاً) قيد للانثى اى سواء كانت بالغة او صغيرةً، صحيحة او زمنة (درمختار مع الشامي ج۲ ص ۹۳۸ ايضا) فقط. والله اعلم بالصواب. ۲۹ جمادى الثاني ۱۴۰۰ھ۔

مطلقہ عورت کے لئے تادم حیات یا تا نکاح ثانی شوہر پر نفقہ لازم کرنا کیسا ہے:

(سوال ۵۰۰) مطلقہ عورت کا نفقہ شوہر پر کب تک لازم ہے؟ سرکاری قانون یہ ہے کہ عورت جب تک دوسرا نکاح نہ کرے یا اس کا انتقال نہ ہو جائے شوہر کو اس کا نفقہ دینا پڑے گا، اگر شوہر نفقہ ادا نہ کرے تو مستحق سزا ہوتا ہے کیا اس قانون کو شرعاً صحیح کہا جا سکتا ہے؟ اور اس قانون پر عمل کرتے ہوئے عورتوں کو یہ نفقہ لینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نکاح میاں بیوی کے درمیان ایک عظیم معاہدہ ہے جس کے پورا کرنے کی ذمہ داری دونوں نے اپنے اوپر لازم کی ہے۔

شوہر کی طرف سے بیوی کو مہر دینے، نان ونفقہ ادا کرنے، حسن معاشرت اور میل ومحبت کے ساتھ زندگی گذارنے کا اقرار ہے۔اور بیوی کی طرف سے عفت و پاکدامنی، اطاعت وفرمانبرداری کا عہد و پیمان ہے۔اگر مرد بدعہدی کرے اور اپنی ذمہ داری پوری نہ کرے تو عورت کو طلاق لینے اور نکاح فسخ کرا کر علیحدہ ہو جانے کا حق ہے۔اسی طرح اگر بیوی ناشزہ، نافرمان، بے وفا اور بدچلن بن جائے اور نکاح کا مقصد فوت ہو جائے اور ایک دوسرے کے حقوق کی پائمالی ہونے لگے تو ایسے حالات میں اس پریشانی سے نجات حاصل کرنے کے لئے بہتر یہی ہے کہ طلاق

دے کر ایسی عورت سے علیحدگی اختیار کرے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:۔

ثم لا بد من الا رشادا لی المراۃ التی یکون نکاحھا موافقاً للحکمۃ موفراً علیہ مقاصد تدبیر المنزل لان الصحبۃ بین الزوجین لازمۃ والحاجات من الجانبین متاکدۃ فلو کان لھا جبلۃ سوء وفی خلقھا وعادتھا فظاظۃ فی لسانھا بذاء ضاقت علیہ الارض بما رحبت وانقلبت علیہ المصلحۃ مفسدۃ.

یعنی:۔ نکاح کے لئے ایسی عورت کا ہونا ضروری ہے جس سے نکاح کرنا حکمت کے موافق ہو اور خانہ داری کی تمام مصلحتیں وہ پورے طور پر انجام دے سکے کیونکہ میاں بیوی میں صحبت لازمی شئی ہے اور دونوں جانب سے حاجتیں ضروری ہیں پس اگر عورت بدطینت ہے اور اس کی عادت میں سختی ہے اور وہ زبان دراز ہے تو اس شخص پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہو جائے گی اور وہ مصلحت فساد کی طرف منقلب ہو جائے گی (حجۃ اللہ البالغۃ مع ترجمہ ج۲ ص ۳۵۹، ص ۳۶۰ من ابواب تدبیر المنزل الترھب باطل والزواج من طریقۃ الانبیاء)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں۔ ومع ذلک لا یمکن سدھذا الباب والتضیق فیہ فانہ قد یصیر الزوجان متنا شزین اما لسوء خلقھما او لطموح عین احدھما الی حسن انسان آخر ....فیکون ادامۃ ھذا النظم مع ذلک بلاءً عظیما وحرجا .... الخ .

یعنی:۔ لیکن اس کے باوجود طلاق کا باب بالکل بند کرنا اور اس میں تنگی کرنا بھی ممکن نہیں کیونکہ کبھی خاوند اور بیوی میں مخالفت (اور نفرت) پیدا ہو جاتی ہے جو یا تو ان دونوں کی بدخلقی ہے یا ان دونوں میں سے کسی ایک کا اجنبی سے تعلق پیدا ہونے یا اسی قسم کے دیگر اسباب کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے ان حالات میں اس جوڑے کا باقی رکھنا بلائے عظیم اور حرج ہے (اور علیحدگی ہی اختیار کرنے میں بہتری ہوتی ہے) حجۃ اللہ البالغۃ مع ترجمہ ج ۲ ص ۲۹۸ کتاب الطلاق قبیل رفع القلم عن البھائم الخ .

ایک دوسرے بزرگ شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

زن بد در سرائے مرد نکو
ہم دریں عالم است دوزخ او
زینہار از قرین بد زینہار
وقنا ربنا عذاب النار

یعنی:۔ بدخلق اور بداطوار عورت نیک مرد کے گھر میں ہو تو (اس مرد کے لئے) اسی دنیا میں دوزخ ہے۔ خدا پاک قرین بد سے محفوظ رکھے اور عذاب دوزخ سے بچائے (گلستان، باب دوم)

جو عضو پیدائش سے بدن کا جزو ہو کبھی بدن سے الگ نہ ہوتا ہو جیسے آنکھ، دانت، کان، ناک، ہاتھ، پیر وغیرہ اگر وہ سڑ جائے اور انسان اس کی وجہ سے بے چین اور بے قرار ہو جائے اور اس کے اصلاح کے امید نہ رہے تو آپریشن کر کے اس عضو کو بدن سے الگ کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح نافرمان اور بے وفا عورت کہ جس نے اپنے معاہدہ کے

خلاف کرکے شوہر اور پورے گھر والوں کو رسوا اور ان کی نیند حرام کر رکھی ہو اور ہر ایک کے لئے دردسر بنی ہوئی ہو اس کو طلاق دے کر کیوں علیحدگی اختیار نہ کی جائے؟ اور سکون حاصل نہ کیا جائے؟

معاہدہ کی خلاف ورزی معمولی بات نہیں ہے حکومت کے تعلقات منقطع ہو کر جنگ کے خطرات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ملازم اگر آقا سے بے وفائی اور خلاف معاہدہ کرے تو اسے ملازمت سے برطرف کر دیا جاتا ہے اور جب تک اسے دوسری جگہ ملازمت نہ ملے اس کو تنخواہ ملنے کا قانون نہیں ہے تو مطلقہ عورت کے لئے نکاح ثانی کرنے تک نفقہ ملنے کا قانون کس بنا پر ہے؟ حکومت کا معزز عہدیدار اگر بغاوت اور بدعہدی کرے تو اس عہدے سے برخواست کر کے سزا دی جاتی ہے دوسری ملازمت ملنے تک حکومت انہیں تنخواہ نہیں دیتی تو وہ عورت جو شوہر کی نافرمانی کر کے اس کے سکون کو ختم کر دے۔ اس کے لئے نکاح ثانی تک شوہر کے ذمہ نفقہ لازم کرنا کہاں کا انصاف ہے؟

شرعی اصطلاح میں ''نفقہ'' سے مراد خوراک، پوشاک اور رہنے کا گھر ہے، شوہر پر عورت کے نفقہ کے وجوب کا سبب ازدواجی تعلق کا قیام ہے لہذا نکاح کے بعد شوہر پر بیوی کا نفقہ لازم ہو جاتا ہے اور جب تک یہ ازدواجی تعلق قائم رہے گا شوہر پر اس کا نفقہ لازم رہے گا اور جب یہ تعلق ختم ہو جائے گا تو سبب کے فوت ہونے کی وجہ سے نفقہ کا لزوم بھی نہ رہے گا جس طرح نوکری اور سرکاری ملازمت کے قائم ہونے کی وجہ سے تنخواہ کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے اور ملازم کی بدعہدی و نافرمانی کے سبب ملازمت کا تعلق ختم ہو جانے پر تنخواہ کی ادائیگی موقوف ہو جاتی ہے، اس کے بعد وہ ملازم تا حیات یا دوسری ملازمت ملنے تک تنخواہ کا مستحق نہیں ہوتا۔ ملازم کیا کرے گا؟ کہاں سے کھائے گا؟ جوئے باز اور چور بن کر معاشرہ کو تباہ و برباد کرے گا ان باتوں کی طرف کسی کا خیال نہیں جاتا، تو جس عورت کو اس بدزبانی، بدخلقی، بے وفائی اور نشوز (نافرمانی) کی وجہ سے نکاح سے الگ کر دیا گیا ہو یہ خیال کر کے کہ وہ کہاں سے کھائے گی، کہاں جائے گی؟ بدچلن بن جائے گی، شوہر پر اس کی زندگی تک یا نکاح ثانی کرنے تک اس کا نفقہ لازم کر دینا کہاں کی عقلمندی ہے؟

بلکہ اگر اس پر بنظر انصاف غور کیا جائے تو اس قانون کی وجہ سے عورتوں میں آزادی، شوہروں کی نافرمانی، امور خانہ داری میں تغافل تھا اور گھریلو زندگی میں فتنہ و فساد پیدا ہوگا۔

مطلقہ عورت کے لئے شرعی حکم یہ ہے: اگر اس کو مہر ادا نہ کی گئی ہو تو مہر ادا کی جائے۔ حیض آتا ہو تو تین حیض تک، حیض نہ آتا ہو تو تین ماہ تک، حاملہ ہو تو وضع حمل تک نان و نفقہ دیا جائے اور اگر خلوت سے پہلے طلاق دے دی گئی اور مہر مقرر ہوئی ہو تو نصف مہر اور اگر مقرر نہ ہوئی ہو تو کپڑوں کا ایک جوڑا دیا جائے اس کے علاوہ نکاح ثانی کرنے یا اس کے انتقال ہونے تک شوہر پر اس کا نفقہ لازم کرنا قرآنی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے اور حدود اللہ سے تجاوز کرنا ہے اور شوہر پر ظلم و زیادتی ہے۔

عدت کے بعد اس کے گذران کی کیا صورت ہوگی؟ اس کا حل یہ ہے کہ وہ عورت دوسرا نکاح کر لے۔ نکاح ثانی اسلام میں معیوب نہیں بلکہ فضیلت کی چیز ہے۔ قرآن کریم میں ہے **وانکحوا الایامی منکم** اور نکاح کر دو رانڈوں کا اپنے اندر مفسر قرآن علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:۔

''اس آیت میں یہ حکم دیا کہ جن کا نکاح نہیں ہوا یا ہو کر بیوہ اور رنڈوے (مطلقہ) ہو گئے تو موقع مناسب ملنے پر ان کا نکاح کر دیا کرو حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''اے علی! تین کاموں میں دیر نہ کر، نماز فرض کا جب

مت آجائے، جنازہ جب موجود ہو، اور رانڈ عورت جب اس کا کفول جائے" جو قوم میں رانڈوں کے نکاح پر ناک بھوں چڑھاتی ہیں سمجھ لیں کہ ان کا ایمان سلامت نہیں (فوائد عثمانی سورۂ نور پارہ نمبر ۱۸) اگر کسی مجبوری کی وجہ سے اس کا نکاح نہ ہو سکے تو پھر اگر عورت صاحب حیثیت ہو تو اپنے مال سے اپنا گذاران چلائے ورنہ اس کے اعزاء واقرباء پر اس کا نفقہ لازم ہوگا (اگر شوہر اس کے اعزاء میں سے ہے تو رشتے دار ہونے کی نسبت سے اس پر بھی اس کا خیال رکھنا ضروری ہوگا) اگر اس کے اعزاء واقربا نہیں ہیں یا وہ خود محتاج ہیں تو اس کی برادری والے (جماعت والے) اس کے نفقہ کا بندوبست کریں ورنہ عام مسلمانوں پر اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں میں خصوصاً عورتوں کے قلوب میں شریعت اور شرعی قانون کی کما حقہ عظمت عطا فرماوے اور اس کی خلاف ورزی کرنے سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

فانی دنیا کے تھوڑے سے مفاد کی خاطر شرعی قانون کے مقابلہ میں دنیوی قانون پر عمل کرنا اور ایسے ناجائز نفقہ کا مطالبہ کرنا اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے تفسیر بیضاوی میں ہے۔ **وانما عدمنه لبس الغيار وشد الزنار ونحوهما كفرا لانها تدل على التكذيب لا لانها كفر في انفسها.** یعنی غیار پہننا اور زنار (جنوئی) باندھنا اور ان کے مانند چیزوں کا اختیار کرنا کفر ہے اس لئے کہ یہ چیزیں آپ ﷺ کی تکذیب پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کو سچا نبی جانے گا وہ ان چیزوں پر جرأت نہیں کرسکتا ورنہ یہ چیزیں اپنی ذات کے اعتبار سے موجب کفر نہیں ہیں۔ تفسیر بیضاوی ص ۲۳ سورۂ بقرہ فقط واللہ اعلم۔

عدت کے بعد مطلقہ کا نفقہ شرعاً ثابت نہیں ہے:

(سوال ۵۰۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس سلسلہ میں کہ مطلقہ عورت کا نفقہ عدت کے بعد تاحیات یا نکاح ثانی شرعاً ثابت ہے یا نہیں؟ سپریم کورٹ نے محمد احمد بنام شاہ بانو کیس میں وجوب کا فیصلہ کیا ہے اور سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۴۱ **وللمطلقت متاع بالمعروف حقا على المتقين** سے استدلال کیا ہے، کیا یہ استدلال صحیح ہے؟ اور یہ نفقہ شرعاً واجب ہے؟ امید ہے کہ مفصل جواب سے نوازیں گے، بینوا توجروا۔

(الجواب) اسلامی شریعت کا قانون یہ ہے کہ جس عورت کو اس کا شوہر وطی یا خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دے دے ایسی عورت پر عدت گذارنا ضروری نہیں ہے وہ آزاد ہے شوہر سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہا وہ فوراً ہی دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے، قرآن میں ہے **یآیها الذین امنوا اذا نکحتم المؤمنت ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فما لکم علیهن من عدة تعتدونها .** اے ایمان والو! تم جب مسلمان عورتوں سے نکاح کرو (اور) پھر تم ان کو ہاتھ لگانے سے قبل طلاق دے دو تو تمہاری ان پر کوئی عدت واجب نہیں ہے جس کو تم شمار کرنے لگو (سورۂ احزاب آیت نمبر ۴۹ پارہ نمبر ۲۲)

(۲) جس عورت کو وطی یا خلوت صحیح کے بعد شوہر طلاق دے دے تو اگر اس عورت کو حیض آتا ہے تو اس کی عدت کی مدت تین حیض ہے، قرآن میں ہے **والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلثة قروء** اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں تین حیض (ختم ہونے) تک۔ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۲۸ پارہ نمبر ۲)

(۳)اور جس عورت کو (بڑی عمر ہونے کی وجہ سے) حیض آنا موقوف ہوگیا اور وہ عورت جس کو حیض آیا ہی نہیں ایسی عورتوں کے لئے عدت کی مدت تین مہینے ہیں قرآن میں ہے **والئی یئسن من المحیض من نسآء کم ان ارتبتم فعدتہن ثلثۃ اشھر و التی لم یحضن** (تمہاری مطلقہ) بیبیوں میں سے جو عورتیں (بوجہ زیادت عمر کے) حیض آنے سے ناامید ہوچکی ہیں اگر تم کو (ان کی عدت کے تعین میں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے، اور اسی طرح جن عورتوں کو (اب تک بوجہ کم عمری کے) حیض نہیں آیا (ان کی عدت بھی تین مہینے ہے) (سورہ طلاق آیت نمبر۴ پارہ نمبر ۲۸)

(۴)اور وہ مطلقہ عورتیں جو حمل سے ہیں ان کے لئے عدت کی مدت وضع حمل ہے (بچہ پیدا ہونے تک ہے) قرآن میں ہے **و اولات الا حمال اجلہن ان یضعن حملہن** اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کے حمل کا پیدا ہوجانا ہے (سورۂ طلاق آیت نمبر۴ پارہ نمبر ۲۸)

مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ جس عورت کو صحبت یا خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق ملی ہے اس عورت کے لئے عدت لازم نہیں ہے، جب عدت نہیں ہے تو نان ونفقہ بھی شوہر کے ذمہ واجب نہیں ہے۔ اور جس عورت کو وطی یا خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دی گی ہے اس پر رحم کی صفائی اور شوہر کے نطفہ کی حفاظت کے خاطر عدت لازم ہے، اگر عورت کو حیض آتا ہو تو تین حیض آنے تک کی مدت عدت کی ہے، اور جس عورت کو کم عمری کی وجہ سے حیض نہیں آتا، اور جس عورت کو بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہیں آتا، موقوف ہوگیا ہو، ایسی عورتوں کی عدت تین ماہ ہے، اور جس کو حمل ہے اس کی عدت بچہ پیدا ہونے تک ہے، اور ان تینوں قسم کی عورتوں کو عدت کے زمانہ کا خرچ ملے گا، چنانچہ قرآن نے عدت کے بیان کے ختم ہونے پر نفقہ کی بھی صراحت فرمادی **وان کن اولات حمل فانفقوا علیہن حتی یضعن حملہن** اور اگر وہ (مطلقہ) عورتیں حمل والیاں ہیں تو حمل پیدا ہونے تک ان کو (کھانے پینے کا) خرچ دو (سورہ طلاق آیت نمبر ۶، پارنمبر ۲۸)

قرآن فیصلہ کررہا ہے کہ حاملہ عورتوں کو وضع حمل تک (جو ان کی عدت کا زمانہ ہے) نفقہ دینا ہے، اس کے بعد دینا ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ لفظ ''حتی'' حکم کو محدود وقت تک متعین کرنے کے لئے آتا ہے، لہٰذا وضع حمل تک وہ نفقہ کی حق دار ہے اس کے بعد وہ حق دار نہیں ہے، اس سے صراحۃً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جن مطلقہ عورتوں پر عدت لازم ہے وہ بھی صرف عدت کے زمانہ کے نفقہ کی حق دار ہے۔ عدت کے بعد حق دار نہیں۔

حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ صاحب ہدایہ نے حضرت عمرؓ سے حدیث نقل فرمائی ہے، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں **سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول للمطلقۃ الثلث النفقۃ والسکنی مادامت فی العدۃ** میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں اس کے واسطے نفقہ وسکنی واجب ہے، جب تک کہ وہ عدت میں ہے (ہدایہ اولین ص ۴۲۳ فصل فی [illegible] جلد ثانی صاحب نصب الرایہ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے اور '' **مادامت فی العدۃ** '' پر کوئی [illegible] نہیں کیا ہے

قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہاء نے بھی یہی لکھا ہے۔

ہدایہ میں ہے **واذا طلق الرجل امرأتہ فلہا النفقۃ والسکنی فی عدتہا رجعیا کان او**

بائنا. جب مرد اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کے لئے۔ عدت کے زمانہ تک۔ نفقہ اور سکنیٰ ہے، طلاق رجعی ہو یا طلاق بائن (ہدایہ اولین ج ۲ ص ۴۲۳ فصل فی نفقۃ المطلقۃ

شرح الوقایہ میں ہے والمطلقة الرجعي والبائن...... النفقة والسكنى اى ما دامت في العدة.
اور وہ عورت جس کو طلاق رجعی یا طلاق بائن دی گئی ہو (اس کے لے) نفقہ اور سکنیٰ ہے جب تک وہ عدت میں ہو (شرح الوقایہ ج ۲ ص ۱۷۹ باب النفقۃ)

قدوری میں ہے واذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسكنى في عدتها رجعيا كان او بائنا. جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دیدے، وہ طلاق رجعی ہو یا طلاق بائن، عدت کے زمانہ تک اس کے لئے نفقہ اور سکنیٰ ہے (قدوری ص ۱۹۰ کتاب النفقات) الجوہرۃ النیرۃ ص ۱۶۶ جلد ثانی)

قرآن وحدیث اور کتب فقہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مطلقہ عدت کے زمانہ تک نفقہ کی حق دار ہے، عدت کے گذر جانے پر اس کا کسی قسم کا تعلق شوہر سے باقی نہیں رہتا بالکل اجنبیہ بن جاتی ہے، دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے اس لئے اس کے نفقہ کا ذمہ دار شوہر نہیں رہا وہ اپنی مرضی سے کچھ دے دے یا دیتا رہے وہ ممنوع نہیں ہے، بلا مرضی زبردستی نفقہ کا ذمہ دار بنا دینا نہ دینے پر سزا کا مستحق قرار دینا شدید ظلم اور زیادتی ہے ایسا حکم قرآن حدیث میں نہیں ہے کسی آیت قرآنی کو توڑ مروڑ کر شوہر کو نفقہ کا ذمہ دار بنانا قرآن میں تحریف اور قانون شریعت میں دخل اندازی ہے جسے کوئی مسلمان مرد یا عورت بشرطیکہ وہ واقعی اور حقیقتاً سچا مسلمان ہو، قبول نہیں کر سکتا۔

قرآن وحدیث میں کسی جگہ بھی ہدایت موجود نہیں ہے کہ مطلقہ کو اس کی حیات یا دوسری شادی تک نفقہ دینا شوہر پر لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں وان يتفرقا اور اگر دونوں میاں بیوی میں جدائی ہو جائے (تو) يغن الله كلامن سعة بے نیاز بنا دے گا اللہ تعالیٰ ہر ایک کو (عورت کو بھی اور مرد کو بھی) اللہ ایک کو دوسرے سے مستغنی کر دے گا، عورت کو کوئی دوسرا ٹھکانہ اور تکفل کا ذریعہ مل جائے گا اور مرد کو کوئی دوسری بیوی مل جائے گی۔ وكان الله واسعاً حكيماً، اللہ بڑی وسعت والا اور بہت حکمت والا ہے۔ (سورۂ نساء آیت نمبر ۱۳۰ پارہ نمبر ۵۔)

اور خاص سورۂ طلاق میں "جس میں طلاق، عدت طلاق، اور نفقۂ مطلقہ کا ذکر ہے۔ ارشاد فرمایا ہے ومن يتق الله يجعل لهٗ مخرجاً ويرزقه من حيث لا يحتسب . ومن يتوكل على الله فهو حسبه 'اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ اس کی (اصلاح مہمات کے لئے) کافی ہے (سورۂ طلاق آیت نمبر ۳-۴ پارہ نمبر ۲۸)

حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک اگر تم لوگ خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھو جیسا کہ اس کا حق ہے تو وہ تمہیں ایسے طریقے پر روزی پہنچائیں گے جیسا کہ پرندوں کو روزی پہنچاتے ہیں کہ وہ علی الصبح بھوکے پیٹ جاتے ہیں اور سر شام شکم سیر ہو کر واپس لوٹتے (مشکوٰۃ شریف باب التوکل والصبر ص ۴۵۲)

کسی خدا پرست شاعر نے کیا خوب کہا ہے ع

غم روزی مخور برہم مزن اوراق دفتر را
کہ پیش از طفل ایزد پر کند پستان مادر را

روزی کا غم مت کھا اور پریشان حال مت رہ تو نہیں دیکھتا کہ بچہ دنیا میں قدم رکھے اس سے قبل رزاق عالم بچہ کی ماں کے پستان (چھاتیاں) دودھ سے بھر دیتا ہے۔ لہذا روزی کی بہت زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود بھی شریعت نے عورت کو بے سہارا نہیں چھوڑا ہے، عدت کے بعد ظاہری طور پر اس کے گذران کی کیا صورت ہوگی اس کا حل یہ ہے۔

''عورت دوسرا نکاح کرے، نکاح ثانی اسلام میں معیوب نہیں ہے بلکہ فضیلت کی چیز ہے، قرآن کریم میں ہے **وانکحوا الایامی منکم** اور نکاح کردو رانڈوں کا اپنے اندر (سورۂ نور آیت نمبر ۳۲ پارہ نمبر ۱۸) مفسر قرآن علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں۔

''اس آیت میں یہ حکم دیا کہ جن کا نکاح نہیں ہوا یا ہو کر بیوہ اور رنڈوے (مطلقہ) ہو گئے تو موقع مناسب ملنے پر ان کا نکاح کردیا کرو، حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''اے علی تین کاموں میں دیر نہ کرو، نماز فرض کا جب وقت آجائے، جنازہ جب موجود ہو، اور رانڈ عورت جب اس کا کفول جائے'' جو قومیں رانڈوں کے نکاح پر ناک بھوں چڑھاتی ہیں سمجھ لیں کہ ان کا ایمان سلامت نہیں۔'' (فوائد عثمانی سورۂ نور پارہ نمبر ۱۸) اگر کسی مجبوری کی وجہ سے اس کا نکاح نہ ہو سکے تو پھر اگر عورت صاحب حیثیت ہے تو اپنے مال سے اپنا گذران چلائے، اگر یہ صورت نہ ہو تو پھر عورت کا باپ یا اولاد ہو تو اس کا بیٹا اس کے نفقہ کا انتظام کرے اس کے بعد اس کے اعزا و اقرباء پر اس کا نفقہ لازم ہوگا (اگر شوہر اس کے اعزاء میں سے ہے تو رشتے دار ہونے کی وجہ سے اس پر بھی اس کا خیال رکھنا ضروری ہوگا) اگر اس کے اعزاء و اقرباء بھی نہیں ہیں، یا وہ خود محتاج ہیں تو اس کی برادری والے (جماعت والے) اس کے نفقہ کا بندوبست کریں، ورنہ عام مسلمانوں پر اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔

وللمطلقت متاع بالمعروف حقاً علی المتقین (سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۴۱)

اس آیت سے یہ استدلال کرنا کہ مطلقہ عورتوں کے لئے دوسرا نکاح کرنے یا موت تک کے لئے نفقہ ہے کسی طرح درست نہیں ہے، یہ مطلب قرآن و حدیث اور تمام کتب فقہ کے خلاف ہے، کسی مفسر یا کسی فقیہ نے یہ نہیں لکھا ہے، اور قرآن میں بھی لفظ ''متاع'' متعدد مقامات پر استعمال کیا گیا ہے، لیکن کسی جگہ بھی یہ مفہوم مراد نہیں ہے۔ لہذا یہ معنی لینا کہ ''دوسرا نکاح یا موت تک مطلقہ عورت کے لئے نفقہ ہے'' قرآن میں تحریف اور شریعت میں دخل اندازی ہے جو کسی بھی صورت میں ایک سچے اور پکے مسلمان کے لئے قابل برداشت نہیں۔

لغات القرآن مؤلفہ مولانا سید عبدالدائم جلالی میں ہے۔

متاعاً۔ اسم مفرد منصوب نکرہ ہے ۲/۱۵ اسم مصدر بمعنی مصدر متعدی یعنی کام میں آنے والی چیز دینا، کپڑا جوتا یا اور کوئی چیز جو حاکم مناسب سمجھے (شافعی) شوہر کے حال کے مناسب کرتہ چادر دوپٹہ دینا (حنفیہ) (تفسیر احمدیہ) ۲/۲ تم کو فائدہ پہنچانے کے لئے اس جگہ بھی متاعا کا معنی تمتیعاً ہے ۱۴/۲ خانگی سامان ۲۲/۱۳ ضرورت کی کوئی چیز ۲/۱۲ فائدہ اندوزی پر قائم رکھنے کے لئے ۲۶/۱۵ کام کی چیز ۳/۱۳ فائدہ کے لئے یا فائدہ پہنچانے کے لئے۔ محلی (لغات القرآن ص ۲۸۷ جلد پنجم)

غور فرمائیں۔ کسی بھی جگہ جو مفہوم اور مطلب بیان کیا جاتا ہے، مراد نہیں ہے عربی کی مشہور ڈکشنری المنجد

نہیں ہے۔

المتعة: اسم للتمتیع . الزاد القلیل . متعة المرأة ما وصلت به بعد الطلاق من نحو القمیص والازار و الملحفة وهي متعة الطلاق . متعة : یعنی فائدہ پهنچانا .زاد قلیل.

متعۃ المرأۃ۔ عورت کا متعہ، قمیص، ازار اور چادر جو مطلقہ عورت کو دیئے جاتے ہیں۔ یہی متعۃ الطلاق ہے۔ (المنجد ص۷۹۹)

لہذا متعہ یا متاع کا مفہوم یہ ہوا۔ ایسی چیز دینا جس کا فائدہ وقتی ہو، جلد ختم ہو جانے والا ہو، جس کا مصداق فقہاء نے یہ قرار دیا ہے کہ مرد اپنی حیثیت کے مطابق ایک جوڑا دے دے، اور حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، تو اس سے حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا "امتعتها" کیا تم نے اس عورت کو متعہ دیدیا، تو اس شخص نے کہا "لم یکن عندی شئی" میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا "متعها بقلنسوتک" اس کو متعہ دو چاہے تمہاری ٹوپی ہی ہو (روح المعانی ص ۱۵۴ ج ۲۲ تحت قولہ و المطلقات متاع بالمعروف الخ) معلوم ہوا کہ معمولی چیز پر بھی متعہ صادق آتا ہے۔

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے اس آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے "اور (یاد رکھو) جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو تو چاہئے کہ انہیں مناسب طریقہ پر فائدہ پہنچایا جائے (یعنی ان کے ساتھ جس قدر حسن سلوک کیا جاسکتا ہے کیا جائے) متقی انسانوں کے لئے ایسا کرنا لازم ہے (ترجمان القرآن سورہ بقرہ)

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی نے اس طرح ترجمہ کیا ہے..... "اور طلاقوں کے حق میں بھی نفع پہنچانا دستور کے موافق مقرر ہے (یہ) پرہیز گاروں پر واجب ہے" (تفسیر ماجدی، سورۂ بقرہ)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے اس طرح ترجمہ فرمایا ہے..... "اور سب طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے کچھ کچھ فائدہ پہنچانا (کسی درجہ میں مقرر ہے) قاعدہ کے موافق، یہ مقرر ہوا ہے ان پر جو (کفر و شرک سے) پرہیز کرتے ہیں (بیان القرآن)

ملاحظہ فرمائیں! کسی نے بھی متاع کا ترجمہ اور مصداق یہ نہیں بتایا کہ عورت کو دوسرا نکاح یا موت تک کا نفقہ دیا جائے، یا کوئی بڑی رقم دی جائے، اس لئے متاع کا مصداق دوسرا نکاح کرنے یا موت تک کا نفقہ قرار دینا یا کوئی بڑی رقم شوہر کے ذمہ لازم قرار دینا صحیح نہیں ہے، البتہ اگر وہ اپنی مرضی سے بڑی رقم دے دے یا اپنی مرضی سے کچھ دیتا رہے تو وہ ممنوع نہیں ہے مگر اس کو قانونی شکل دینا اور زبردستی شوہر کو نفقہ کا ذمہ دار بنانا اور نہ دینے پر اس کو مستحق سزا قرار دینا کسی حال میں صحیح نہیں ہے، اور جن حضرات سے بڑی رقم دینا منقول ہے وہ بھی اسی قبیل سے ہے کہ انہوں نے بطور تبرع و احسان دیا یہ عام قانون نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ احقر سید عبدالرحیم لاجپوری ثم راندیری غفرلہ ۲۳ محرم ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۱/۹ اکتوبر ۱۹۸۵ء۔ تمت بالخیر۔

(۱) بچہ کی ماں، دادا دادی اور چچا ہیں اور بچہ کا نفقہ کس پر واجب ہے؟ (۲) بیوہ کا باپ ہے تو باپ پر اس کا نفقہ واجب ہے یا نہیں:

(سوال ۵۰۲) ایک شخص کا انتقال ہو گیا، اس کا ایک ۱۴ مہینے کا لڑکا ہے، اس لڑکے کی پرورش کا حق کسے ہے، بچہ کے دادا دادی چچا ہیں، تو بچہ اس کے ماں کے پاس رہے گا یا دادا دادی لے سکتے ہیں؟ اگر بچہ ماں کے پاس رہے تو بچہ کا نفقہ کس کے ذمہ ہے۔ نیز متوفی عنہا زوجہا عورت کا نفقہ کس کے ذمہ ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) چھوٹے لڑکے کی پرورش کا حق ماں کا ہے، سات تک ماں لڑکے کو اپنے پاس رکھ سکتی ہے، اس کے بعد دادا اپنے پوتے کو اپنی پرورش میں لے سکتا ہے، بچہ کا دادا چچا موجود ہے تو بچہ کا نفقہ دادا کے ذمہ ہے، اگر بچہ کے پاس مال موجود ہو تو بچہ کے مال میں سے اس پر خرچ کیا جائے گا۔

شامی میں ہے: **ولو وجد معها (ای مع الام) جد لاب بان کان للفقیر ام وجد لاب واخ عصبی وابن اخ اوعم کانت النفقة علی الجدو حده کما صرح به فی الخانیة ووجه ذلک ان الجد یحجب الاخ وابنه والعم لتنزیله حینئذ منزلة الاب وحیث تحقق تنزیله منزلة الاب صار کما لو کان الاب موجوداً فتجب علی الجد فقط بخلاف مالو کان للفقیر ام وجد لاب فقط فان الجد لم ینزل منزلة الاب فلذاوجبت النفقة علیهما اثلاثافی ظاهر الروایة کما مر** (شامی ج۲ ص ۹۳۱، باب النفقة، مطلب ضابط فی حصر احکام نفقة الاصول والفروع)

عورت کے پاس اگر مال ہو تو اسی میں سے اپنا خرچہ پورا کرے، اگر مال نہ ہو تو عورت کا نفقہ اس کے والد کے ذمہ ہوگا، درمختار میں ہے (وکذا) تجب (لولده الکبیر العاجز عن الکسب) کانثی مطلقا. ردالمحتار میں ہے (قوله کانثی مطلقاً) ای ولولم یکن لها زمانة تمنعها عن الکسب فمجرد الانوثة عجز الا اذاکان لها زوج فنفقتها علیه مادامت زوجة الخ (رد المحتار ج۲ ص ۹۲۵، باب النفقة)

عورت کے لئے سب سے بہتر یہ ہے کہ وہ عدت کے بعد دوسرا نکاح کر لے، شرعی اعتبار سے **نکاح ثانی** میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ بہتر ہے قرآن مجید میں ہے: **وانکحوا الایامی منکم والصلحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقرآء یغنیهم اللّٰه من فضله واللّٰه واسع علیم.**

(ترجمہ) احرار میں سے) جو بے نکاح ہوں (خواہ مرد ہوں یا عورتیں اور بے نکاح ہونا بھی عام ہے خواہ ابھی تک نکاح ہوا ہی نہ ہو۔ یا ہونے کے بعد بیوی کی موت (یا شوہر کی موت، یا طلاق کے سبب بے نکاح رہ گئے) تم ان کا نکاح کر دیا کرو اور (اسی طرح) تمہارے غلام اور لونڈیوں میں جو اس (نکاح) کے لائق ہوں، (یعنی حقوق نکاح ادا کر سکتے ہوں) ان کا بھی (نکاح کر دیا کرو) اگر وہ لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ (اگر چاہے گا) ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا، اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے (جس کو چاہے مالدار کر دے) خوب جاننے والا ہے (قرآن مجید سورۂ نور آیت نمبر ۳۲ پ ۱۸)

غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب "غنیۃ الطالبین" میں عورتوں کے

متعلق حدیث نقل فرمائی ہے" مسکینة مسکینة امرأة لیس لها زوج قیل یا رسول الله وان کانت غنیة من المال ...... قال وان کانت غنیة من المال ." ترجمہ:- مسکینہ ہے مسکینہ ہے وہ عورت جس کا شوہر نہ ہو پوچھا گیا اگر وہ مالدار ہو تب بھی مسکینہ ہے، حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا تب بھی وہ مسکینہ ہے۔(غنیۃ الطالبین ص ۹۶ فصل فی آداب النکاح)

دوسری حدیث: لیس شئی خیر الا مرأة من زوج او قبر . ترجمہ:- عورت کے لئے آغوش شوہر یا گوشۂ قبر سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے (غنیۃ الطالبین ص ۹۶ ایضا)

اگر عورت بچہ کے غیر محرم سے نکاح کرے گی تو اس کا حق پرورش ختم ہو جائے گا، پھر یہ حق بچہ کی نانی، پرنانی، دادی، پردادی وغیرہ کو حاصل ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورت گذرے ہوئے زمانہ کے نفقہ کا مطالبہ کرسکتی ہے یا نہیں :

(سوال ۵۰۳) ایک مطلقہ عورت نے عدت کا زمانہ اپنے والدین کے گھر گذارا اور عدت کے زمانہ کا خرچہ نہ شوہر نے ادا کیا اور نہ عورت نے مانگا، اب چند سالوں کے بعد عورت اس شخص سے گذرے ہوئے عدت کے خرچہ کا مطالبہ کررہی ہے، تو اس کا مطالبہ صحیح ہے؟ کیا شوہر پر گذرے ہوئے عدت کے زمانہ کا نفقہ ادا کرنا لازم ہے؟ نیز اس مطلقہ عورت نے اپنی چھوٹی بچی کی پرورش کی ہے، اب وہ عورت بچی کے اخراجات کا بھی مطالبہ کررہی ہے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب کہ زوجین کی باہمی رضامندی سے عدت کے نفقہ کے لئے کوئی مقدار متعین نہیں ہوئی اور نہ کسی شرعی قاضی یا شرعی پنچایت نے مقرر کی تو ایسی صورت میں صحیح قول کے مطابق عورت گذرے ہوئے عدت کے زمانہ کے نفقہ کا مطالبہ نہیں کرسکتی، یہ نفقہ شوہر پر قرض نہیں ہوگا کہ اس کی ادائیگی شوہر پر لازم ہو اسی طرح بچی کے اخراجات بھی متعین نہیں ہوئے اور عورت اپنی مرضی سے اس پر خرچ کرتی رہی تو بچی کے اخراجات کا بھی عورت مطالبہ نہیں کرسکتی۔ درمختار میں ہے (والنفقة لا تصیر دینا الا بالقضاء اوالرضا) ای اصطلاحهما علی قدر معین اصنافا اودراهم فقبل ذلک لا یلزمه شئی وبعده ترجع بما انفقت الخ (درمختار) (قوله وبعده) ای وبعد القضاء والرضا ترجع لانها بعده صارت ملکاً لها کما قد مناه ولذا قال فی الخانیة لو اکلت من مالها او من المسئلة لها الرجوع بالمفروض ا ه وکذا لو تراضیا علی شیئی ثم مضت مدة ترجع بها ولا تسقط...... الخ (درمختار وشامی ص ۹۰۶، ص ۹۰۷ ج ۲ باب النفقة)

امداد الفتاویٰ میں ہے:

(سوال ۶۴۴) کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور ایک ہفتہ تک اپنے مکان پر رکھ کر پھر ہندہ کو اس کے ماں باپ کے مکان پر بھیج دیا اور غریب دس برس تک نان ونفقہ سے خبر نہ لیا پس اس صورت میں ہندہ کا والد زید سے نان ونفقہ شرعاً لے سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) فی الدر المختار والنفقة لا تصیر دینا الا بالقضاء اوالرضاء . الی قوله . فقبل ذلک لا

یلزمہ شئی الخ اس روایت سے معلوم ہوا کہ ہندہ کا والد زید سے نفقہ کی بابت کچھ نہیں لے سکتا البتہ اگر حاکم کچھ مقدار مقرر کردے یا باہم زوجین کسی خاص مقدار پر اتفاق کرلیں اس تاریخ سے آئندہ کے لئے وہ مقدار بطور دینٗ کے واجب فی الذمہ ہوتی رہے گی، اس کا مطالبہ عورت کرسکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۴۷ مطبوعہ دیو بند)

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے۔

(سوال ۱۳۰۲) زید نے ہندہ کو یہ الفاظ کہے ہم نے اس کو چھوڑ دیا اور ہم کو اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے؟ اگر اسی سال مذکورہ ہندہ نے قرض لے کر حوائج ضروریہ میں صرف کیا ہے تو ادا کی کیا صورت ہوگی؟

(الجواب) کتب فقہ میں ہے کہ پچھلا نفقہ بدون قضاء یا رضاء کے شوہر کے ذمہ دین نہیں ہوتا، لہذا ما مضیٰ کا نفقہ شوہر سے وصول نہیں کیا جاسکتا، البتہ اگر وہ خوشی سے دے دیوے تو دوسری بات ہے۔

درمختار میں ہے والنفقة لا تصير دينا الا بالقضاء او الرضاء الخ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل ص ۱۳۰ ج ۱۱).

تیسرا فتویٰ:

(سوال ۵۰۴) محمد اسحاق کی ایک نابالغہ لڑکی اس کی مطلقہ عورت کے ساتھ چلی گئی، تقریباً پانچ سال ہوگئے لڑکی کی ماں نے قرضہ لے کر اس کی پرورش کی، مدت منقضیہ کا نان ونفقہ محمد اسحاق پر عائد ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) اصل یہ ہے کہ نفقہ ما مضیٰ کا ساقط ہوجاتا ہے بدون قضاء یا رضا کے دین بذمہ شوہر نہیں ہوتا۔ کما فی الدر المختار والنفقة لا تصير دينا الا بالقضاء او الرضاء الخ پس موافق اس قاعدہ کے جب کہ قضاء یا رضاء کسی مقدار نفقہ پر نہیں ہوئی تو وہ ساقط ہوگیا (فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل ج ۱۱ ص ۱۳۱، ۱۳۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بچوں کی ماں دادا چچا موجود ہوں تو ماں پر بچوں کا نفقہ واجب ہے یا نہیں:

(سوال ۵۰۵) میری نواسی کے شوہر کا انتقال ہوگیا اس کے دو بچے ہیں، ایک لڑکا تین سال کا اور ایک لڑکی ایک سال کی، میری نواسی اپنے ماں باپ کے گھر آگئی ہے اس کے دونوں بچے اس کے ساتھ ہیں، ان بچوں کا نان ونفقہ ان کے دادا سے لے سکتی ہے یا نہیں؟ بچوں کے دادا اور چار چچا حیات ہیں، آپ جواب عنایت فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) بچوں کے پاس اگر مال ہو تو ان کا مال ان پر خرچ کیا جائے، درمختار میں ہے (وتجب) النفقة بانواعها على الحر (لطفله) يعم الانثى والجمع (الفقير) فان نفقة المملوك على مالكه والغنى فى ماله الحاضر ...... الخ (درمختار مع رد المحتار ۲/ ۹۲۳ باب النفقة قبيل مطلب الصغير المكتسب نفقته فى كسبه لاعلى ابيه.

اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو صورت مسئولہ میں بچوں کا نان نفقہ دادا کے ذمہ ہے مذکورہ صورت میں بچوں کے دادا اور چچا موجود ہیں اور دادا کی موجودگی میں بھائی چچا وغیرہ (ترکہ میں) محروم ہوتے ہیں، جس طرح باپ کی موجودگی میں یہ لوگ محروم ہوتے ہیں تو گویا حکماً باپ موجود ہے اور جب حقیقۃً باپ موجود ہوتا ہے تو بچوں کے نفقہ

کی پوری ذمہ داری باپ پر ہوتی ہے، ماں ذمہ دار نہیں ہوتی، اسی طرح جب باپ حکماً موجود ہو تو اس صورت میں بھی نفقہ کی ذمہ داری ماں پر نہ ہوگی دادا پر (جو حکماً باپ کی جگہ پر ہے) ذمہ داری ہوگی۔

شامی میں ہے: ولو وجد معها (ای مع الام) جد لا ب بان كان للفقير ام وجد لاب واخ عصبي وابن اخ او عم كانت النفقة على الجد وحده كما صرح به في الخانية ووجه ذلك ان الجد يحجب الاخ وابنه والعم لتنزيله حينئذ منزلة الاب وحيث تحقق تنزله منزلة الاب صار كما لو كان الاب موجوداً حقيقة واذا كان الاب موجوداً حقيقةً لا تشاركه الام في وجوب النفقة فكذا اذا كان موجوداً حكماً فتجب على الجد فقط، بخلاف مالو كان للفقير ام وجد لاب فقط. فان الجد لم ينزل منزلة الاب فلذا وجبت النفقة عليهما اثلاثا في ظاهر الرواية كما مر (شامی ص ۹۳۲، ج ۲ باب النفقة)

نوٹ:

اگر بچہ کا بھائی چچا یا ان دونوں کی اولاد ذکر نہ ہو صرف بچہ کا دادا اور ماں ہو تو اس صورت میں دادا حکماً باپ کی جگہ نہیں ہوتا تو بچہ کا نفقہ ماں اور دادا دونوں پر ہوگا ماں پر ایک ثلث ۱/۳ اور دادا پر دو ثلث ۲/۳ جیسا کہ شامی کی مندرجہ بالا عبارت سے ثابت ہوتا ہے، نیز شامی میں ایک اور موقع پر تحریر فرمایا ہے قلت اعلم انه اذا مات الاب فالنفقة على الام والجد على قدر ميراثهما اثلاثا في ظاهر الرواية وفي رواية على الجد وحده' كما سيأتي (شامی ص ۹۲۵ ج ۲ باب النفقة مطلب الكلام على نفقة الا قارب) فقط والله اعلم بالصواب۔

(۱) گھریلو کام اور کھانا پکانا عورت پر لازم ہے یا نہیں
(۲) ضعیفہ والدہ اور معذور بھائی بہن کا نفقہ کس پر لازم ہے:

(سوال ۵۰۲) بیوی پر شوہر کے لئے کھانا پکانا، اور گھر کا کام کرنا لازم ہے یا نہیں؟ شوہر کی والدہ بہت ضعیفہ اور کمزور ہیں اور شوہر کے بھائی بہن معذور ہیں، بیوی پر اپنی ساس اور دیور نند کے لئے کھانا پکانا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عورت کا تعلق ایسے گھرانے سے ہو کہ جہاں عورتیں گھر کے کام خود کرتی ہوں اور کھانا وغیرہ خود پکاتی ہوں تو ایسی عورت پر اپنے شوہر کے لئے کھانا پکانا اور گھر کے کام انجام دینا دیانۃً لازم ہے اگر چہ وہ شریفہ ہو (البتہ اگر عورت بیمار ہو تو اس صورت میں اس پر یہ چیزیں لازم نہ ہوں گی) حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہ اور حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے درمیان کام تقسیم فرمایا کہ باہر کے کام حضرت علیؓ انجام دیں اور گھر کے اندرونی کام حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا انجام دیں، حالانکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تمام عورتوں کی سردار ہیں، لہٰذا عورت پر دیانۃً لازم ہے کہ کھانا پکائے اور گھر کے کام انجام دے، گھر کے باہر کے کاموں کی ذمہ دار عورت نہیں ہے۔

البتہ اگر عورت ایسے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو کہ جہاں عورتیں گھریلو کام نہیں کرتیں تو اس صورت میں شوہر پر

واجب ہے کہ عورت کے لئے پکاپکایا کھانا فراہم کرے۔

درمختار میں ہے(امتنعت)المرأة (من الطحن والخبز ان كانت ممن لا تخدم) او كان بها علة (فعليه ان يأتيها بطعام مهيأ والا) بان كانت ممن تخدم نفسها وتقدر على ذلك (لا) يجب عليه ولا يجوز لها اخذ الاجرة على ذلك لوجوبه عليها ديانة ولو شريفة لانه عليه الصلوة والسلام قسم الاعمال بين على وفاطمة رضى الله عنهما فجعل الاعمال الخارج على على رضى الله عنه والداخل على فاطمة رضى الله عنها مع انها سيدة نساء العالمين بحر. شامی میں ہے:(قوله لوجوبه عليها ديانة)فتفتى به ولكنها لا تجبر عليه ان ابت ، بدائع(درمختار وشامی)(ج۲ ص ۸۹۲،۸۹۳،باب النفقه)

شوہر کی والدہ اوراس کے بھائی بہن کے لئے کھانے کا انتظام کرنا عورت پر شرعاً لازم اور ضروری نہیں ہے البتہ اگر عورت اپنی ساس کی ضعیفی اور کمزوری کی وجہ سے ان کی خدمت کرے اوران کے لئے کھانا پکائے تو یہ اس کے لئے سعادتمندی ہوگی اور یہ خدمت انشاء اللہ اس کے لئے باعث اجر وثواب ہوگی لیکن اس کو مجبور نہیں کیا جاسکتا خصوصاً جب کہ اس کے لئے عذر ہو مثلاً وہ بیمار ہو یا ایسی نازک ہو کہ گھر کے کام اس کے لئے ناقابل برداشت ہوں تو اس پر اصرار نہیں کیا جاسکتا، شوہر پر لازم ہے کہ اپنی والدہ اور معذور بھائی بہن کے کھانے کا انتظام کرے والدہ کے لئے خادم کی ضرورت ہو تو خادم کا بھی انتظام کرے، شامی میں ہے(قوله كنفقة ..... وعرسه) اى لا يشاركه احد فى نفقة ولا فى نفقة زوجته(شامی ص ۹۲۶ ج ۲، باب النفقة) نیز شامی میں ہے وانه اذا احتاج احدهما لخادم وجبت نفقته كما وجبت نفقة المخدوم فكان من جملة نفقته واذا لم يحتج اليه فلا تجب عليه فاعلم ذلك واغتنمه فانه كثير الوقوع والله سبحانه وتعالىٰ اعلم (شامی ج ۲ ص ۹۲۷ باب النفقه)

بہن بھائی معذور ہوں تو ان کا نفقہ بھائی پر لازم ہے۔درمختار میں ہے وتجب ايضا (لكل ذى رحم محرم صغير او انثى) مطلقا (ولو) كانت الانثى بالغة صحيحة (او) كان الذكر (بالغا) لكن (عاجزاً)عن الكسب (بنحو زمانة كعمى وعته وفلج زاد فى الملتقى والمختار اولا يحسن الكسب لحرفة او لكونه من ذوى البيوتات (درمختار مع شامی ص ۹۳۷،ص۹۳۸ ج ۲ باب النفقه)فقط والله اعلم بالصواب.

زمانۂ عدت کا نفقہ شوہر پر لازم ہے:

(سوال ۵۰۷)ایک عورت کو حالت حمل میں اس کے شوہر نے طلاق دے دی تو اس کی عدت کب تک ہے اور عدت کا نفقہ شوہر کے ذمہ لازم ہے یا نہیں؟ اگر لازم ہو تو اس کی مقدار کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حالت حمل میں طلاق دی گئی ہے تو اس کی عدت وضع حمل (بچہ کی ولادت) سے پوری ہوگی، قرآن کریم میں ہے، واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن . ترجمہ:۔اور حاملہ عورتوں کی عدت اس حمل کا پیدا ہو جانا ہے۔(سورۂ طلاق پارہ نمبر ۲۸)

زمانۂ عدت کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہے۔ہدایہ اولین میں ہے:۔ واذا طلق امرأته فلها النفقة والسكنى

فی عدتھارجعیاً کان اوبائنا. یعنی جب مرد اپنی بیوی کوطلاق دے دے تو اس کے لئے عدت کے زمانہ تک نفقہ اور سکنیٰ ہے، طلاق رجعی ہو یا طلاق بائن (ہدایہ اولین ج ۲ ص ۴۲۳ باب النفقہ)

قدوری میں ہے: واذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسكنى فی عدتها رجعیا كان او بائنا (قدوری ص ۱۹۰ کتاب النفقات) در مختار میں ہے (و) تجب لمطلقة الرجعی والبائن. الیٰ قوله النفقة والسكنیٰ والكسوة (درمختار مع الشامی ج ۳ ص ۹۲۱ باب النفقة)

شوہر اگر مالدار ہے تو شوہر پر اپنی حیثیت کے مطابق عدت کا خرچ دینا ہوگا، اور اگر شوہر مالدار نہیں ہے تو درمیانی معیار کے اعتبار سے خرچہ دینا ہوگا، شامی میں ہے قال فی البحر واتفقوا علی وجوب نفقة المسرین اذا كان موسرین وعلی نفقة المعسر اذا كانا معسرین وانما الا ختلاف فيما اذا كان احدهما موسراً و الاخر معسراً فعلی ظاهر الرواية الاعتبار لحال الرجل فان كان موسراً وهی معسرة فعليه نفقة الموسرين وفی عكسه نفقة المعسرين. واما علی المفتی به فتجب نفقة الوسط فی المسئلتين وهو فوق نفقة المعسرة ودون نفقة الموسرة (شامی ج ۲ ص ۸۸۸ باب النفقة) فقط والله اعلم بالصواب.

عورت کا عدت کے بعد بچوں پر خرچ کرنے کی نیت سے رقم لینا کیسا ہے :

(سوال ۵۰۸) ایک عورت کو اس کے شوہر نے طلاق مغلظہ دے دی، اس کے دو چھوٹے لڑکے ہیں وہ ان کی ماں کے پاس ہیں، عورت نے اپنی جماعت کے ذریعہ بچوں کے نفقہ کا ان کے باپ سے مطالبہ کیا مگر باپ نے نفقہ دینے سے انکار کردیا، مجبوراً عورت نے کورٹ میں دعویٰ دائر کیا، کورٹ سے یہ فیصلہ ہوا ہے کہ باپ اپنے ہر بچہ کو ماہانہ دو سو روپے اور بیوی کو ڈھائی سو روپے ادا کرے مطلقہ یہ ڈھائی سو روپے اپنے لئے لینا نہیں چاہتی البتہ دو بچوں کا گذران چار سو روپے میں مشکل ہے عورت بچوں پر خرچ کرنے کی نیت سے ڈھائی سو روپے لے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) شرعی قانون کے مطابق اگر مطلقہ ناشزہ نہ ہو تو زمانۂ عدت کے نفقہ وسکنیٰ کی حق دار ہے، عدت کے بعد اس کے لئے شوہر سے نفقہ لینا جائز نہیں، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ص ۴۱۴، ص ۴۱۵ ج ۵ نیز ص ۴۸۱ تا ص ۴۸۸ ج ۶۔ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں مطلقہ عورت کے لئے تا دم حیات یا نکاح ثانی شوہر پر نفقہ لازم کرنا کیسا ہے؟ اور عدت کے بعد مطلقہ کا نفقہ شرعاً ثابت نہیں ہے۔ کے عنوانات سے دیکھ لیا جائے از مرتب)۔

صورت مسئولہ میں عورت کے لئے ڈھائی سو روپے لینا جائز نہیں ہے بچوں پر خرچ کرنے کی نیت سے بھی لینا درست نہیں ہے کہ یہ خلاف شریعت ہے اور دوسرے اس کو حجت بنائیں گے البتہ عورت کورٹ میں یہ بات پیش کرسکتی ہے کہ میں تو شرعاً ۲۵۰/ اپنے لئے نہیں لے سکتی البتہ چار سو روپے میں بچوں کے اخراجات پورے کرنا مشکل ہے لہذا بچوں کے نفقہ میں کچھ اضافہ کیا جائے۔ [1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) (چونکہ باپ نے نفقہ سے انکار کیا ہے، اب کورٹ نے جو رقم عورت اور بچوں کے لئے مقرر کی ہے اگر وہ صرف بچوں کی پرورش کے لئے کافی ہے تو اس صورت میں مذکورہ دونوں رقم عورت لے کر بچوں پر خرچ کرسکتی ہے خود استعمال نہیں کرسکتی ہے۔ دلیل حضرت ھندہؓ کا وہ سوال ہے جو آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ ابوسفیان ایک کنجوس آدمی ہے خرچہ پورا نہیں دیتا تو کیا میں خفیہ طریقے پر ان کا مال استعمال کرسکتی ہوں، فرمایا۔ بقدر ضرورت استعمال کرسکتی ہو دیکھئے از حاشیہ المصابیح باب النفقات وحق المملوک ج ۲ ص ۵۲۷۔

عدت اور نکاح ثانی ہونے تک کا خرچ وصول کرنے کے لئے کورٹ میں مقدمہ دائر کرنا:

(سوال ۵۰۹) ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے بعد اس نے مہر اور عدت کی رقم جو محلّہ کے دیندار اور سمجھدار لوگوں نے طے کی تھی وہ ادا کر دی کچھ دنوں کے بعد مطلقہ عورت کے باپ نے کورٹ میں شوہر کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا کہ اس نے اپنی مطلقہ بیوی کو عدت کی رقم بہت کم دی ہے اسے مزید رقم ملنا چاہئے نیز تا نکاح ثانی بھی اسے ہر ماہ کچھ رقم نفقہ کے عنوان سے ملنا چاہئے، مذکورہ صورت میں اگر کورٹ عورت کے لئے کوئی رقم مقرر کرے تو وہ رقم لینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب کہ محلّہ کے دیندار او معاملہ فہم لوگوں نے نفقہ عدت کا فیصلہ کر دیا اور عورت نے وہ فیصلہ قبول کر لیا تو اس کے بعد عورت اور اس کے باپ کو اسی کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے والنفقة لا تصير دينا الا بالقضآء او الرضاء اى اصطلاحهما على قدر معين اصنافا او دراهم فقبل ذلك لايلزمه شئى وبعده ترجع بما انفقت درمختار مع الشامى باب النفقات مطلب لا تصير النفقة دينا الخ اگر کچھ کمی تھی تو اسی وقت عورت کو اس پر اشکال پیش کرنا تھا، اب کورٹ میں اس معاملہ کو پیش کرنا بالکل ناجائز اور غیرت ایمان کے خلاف ہے، اسی طرح تا نکاح ثانی یا طویل مدت تک کے نفقہ کا مطالبہ کرنا ظلم اور غیر شرعی مطالبہ ہے اور قانون شکنی ہے، ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے کہ شرعی قانون کے مقابلہ میں دنیوی عدالت کے فیصلہ کو پسند کرنا اور ترجیح دینا لازم آتا ہے جو ایمان کے لئے خطرناک ہے، توبہ استغفار کرنا چاہئے۔ اور اپنا مقدمہ واپس لے لینا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زمانۂ عدت میں عورت بیمار ہو جائے تو دوا کا خرچ شوہر کے ذمہ لازم ہے یا نہیں:

(سوال ۵۱۰) عدت طلاق میں اگر عورت بیمار ہو جائے تو علاج کا خرچ شوہر کے ذمہ لازم ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) زمانۂ عدت میں عورت اگر بیمار ہو جائے تو دوا اور علاج کا خرچ شوہر پر لازم نہیں، شامی میں ہے لا الدواء للمرض ولا اجرة الطبيب (شامی ص ۸۹۳ ج ۲، باب النفقة) فقط واللہ اعلم بالصواب.

شوہر کے مار پیٹ کی وجہ سے عورت زخمی ہوئی پھر سے طلاق دے دی تو علاج کا خرچ شوہر پر لازم ہے یا نہیں:

(سوال ۵۱۱) شوہر نے عورت کو بری طرح مارا پیٹا جس کی وجہ سے اس کے پیٹ اور آنت پر زخم آیا اور اس کو ہسپتال میں داخل کرنا پڑا شوہر کو اس کا اقرار ہے اور گھر کے افراد بھی اس وقت موجود تھے، اس کے بعد شوہر نے اسے طلاق دیدی تو ہسپتال اور دوا وغیرہ کا خرچ شوہر سے وصول کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) شوہر نے ظالمانہ مارا پیٹا اور اس کی وجہ سے عورت زخمی ہوئی۔ اور برائے علاج ہسپتال میں داخل کرنا پڑا تو دوا علاج اور ہسپتال کا خرچ شوہر کے ذمہ لازم ہے، اس سے وصول کرنا جائز ہے، اگر اسلامی حکومت ہوتی تو اس صورت میں ثلث دیت لازم ہوتی، ہدایہ آخرین میں ہے۔ ولا قصاص فى بقية الشجاج..... وفى الجائفة ثلث الدية (هدايه آخرين ص ۵۷۴ كتاب الجنايات) والله اعلم.

بچہ کا نفقہ کس پر ہے .

(سوال ۵۱۲) ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی زمانہ عدت میں اگر بچہ ماں کے پاس ہو تو اس کا خرچہ کون دے گا اور کب تک؟

(الجواب) زمانہ پرورش میں بچہ کا نفقہ باپ کے ذمہ ہے البتہ اگر بچہ کے پاس مال ہو تو اس میں سے اس کے اخراجات پورے کئے جا سکتے ہیں (درمختار ۲/۹۲۳ باب النفقہ) اگر بچہ کا باپ مالدار ہے تو بچہ کی ماں زمانۂ پرورش کا معاوضہ بھی طلب کر سکتی ہے (درمختار شامی ۲/۸۷۶)[1]

فقط واللہ اعلم بالصواب .

(۱) وتستحق الحاضنة أجرة الحضانه اذا لم تكن منكوحة ولا معتدة لأبيه وهي غير اجرة ارضاعه ونفقته قال في الشاميه تحت وله اذا لم تكن منكوحة الخ ان نفقة الصغير ما وجبت على أبيه لو غنيا والا فمن مال الصغير كان من حملتها الانفاق على حاضنته التى حبست لأجله . باب الحضانة ج ۲ ص ۸۷۶)

باب الحضانۃ

بچہ کی تربیت کا حق والدہ کے لئے کب تک ہے :

(سوال ۵۱۳) میرا ایک بچہ ہے۔ اس کی عمر پانچ برس کی ہے وہ اس کی ماں کے پاس ہے۔ ماں کے اخلاق خراب ہیں۔ اس بنا پر میں اس کو لے سکتا ہوں یا نہیں؟ کیونکہ بچہ کے اخلاق خراب ہونے کا ڈر ہے تو گنجائش ہے یا نہیں؟

(الجواب) حضانت کا حق والدہ کے لئے ہے۔ وہ اس کو اس وقت تک اپنے پاس رکھ سکتی ہے، جب تک اس کو کھانے، پینے، پہننے اور ناپاکی رفع کرنے میں ماں کی ضرورت پڑے۔ اور اس کی مدت لڑکے کے لئے سات برس اور بچی کے لئے نو برس ہے یا حیض آنے تک۔ اگر خدانخواستہ ماں مرتد ہو جائے (نعوذ باللہ یا بدچلن ہو یا پاگل ہو جائے یا بچہ کے غیر محرم کے ساتھ عقد نکاح کر لے جس سے بچہ کی حفاظت نہ کر سکے تو والدہ کا حق پرورش باطل ہو جاتا ہے اور یہ حق اس کی نانی، پڑنانی پھر دادی، پڑدادی۔ پھر بہنوں وغیرہا کے لئے ثابت ہو جاتا ہے۔ مقدم حق داروں کے ہوتے ہوئے آپ کو لینے کا حق نہیں پہنچتا۔ (ہدایہ ج ۲ ص ۴۱۴)[1] (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۵۴۱)[2]

عورت میکہ میں عدت گزارے تو چھوٹے بچوں کا نفقہ کس کے ذمہ ہے :

(سوال ۵۱۴) میں نے اپنی عورت کو ناشزہ (نافرمان) ہونے کی بناء پر تین طلاق دی ہے، وہ بچوں کو لے کر میکہ چلی گئی ہے۔ اب اس کا نان ونفقہ وغیرہ میرے ذمہ ہے یا نہیں؟ اور ہے تو کب تک؟ بچے چھوٹے ہیں ان کی تربیت کس کے ذمہ ہے؟ تمام تفصیل مطلوب ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) عدت ختم ہونے تک (یعنی تین حیض آ جانے تک اور اگر حمل ہو تو وضع حمل یعنی بچہ پیدا ہونے تک) عورت کے نفقہ وسکنی کا انتظام شوہر کے ذمہ حسب حیثیت لازم اور ضروری ہے اگر شوہر کے مکان میں رہے یا اس کی اجازت سے دوسری جگہ رہے، ورنہ عدت کے خرچ کی وہ حق دار نہیں ہے۔ آپ نے اگر خوشی سے اجازت دی ہے تو عدت کے خرچ کی وہ حق دار ہے۔

(۲) آپ کے بچے اگر خود مال دار ہیں تو ان کے نان ونفقہ وغیرہ کا خرچ ان کے پیسے سے ہوگا، ورنہ تمہارے ذمہ ہے۔

(۳) بچوں کو رکھنے کا حق (حق پرورش) والدہ کو ہے، لڑکے کو سات برس اور لڑکی کو نو برس یا حیض آنے تک رکھ سکتی ہے (نہ رکھے تو اس پر جبر نہیں) اگر بچوں کی ماں بچوں کے غیر محرم سے شادی کر لے تو اولاد رکھنے کی حق دار نہ ہوگی۔ یہ حق نانی، دادی، بہن، خالہ، پھوپھی وغیرہا کو حاصل ہو جائے گا۔ شامی میں ہے (الا ان تکون مرتدۃ)

(۱۔۲) واذا وقعت الفرقة بين الزوجين فالام احق با لولد .. فان لم تكن له ام فام الام اولیٰ من ام الأب فان لم تكن ام الام فام الأب اولیٰ من الا خوات ... فان لم تكن له جدة فالا خوات اولیٰ من العمات ... والام و الجدة احق بالغلام حتى يا كل وحده ويشرب وحد ويلبس وحده ويستنجي وحده ..... والخصاف قدر الا ستغناء بسبع سنين أحق بالجارية حتى تحيض باب حضانة الو لد ومن أحق به وقد بسبع وبه يفتیٰ درمختار مع الشامی باب الحضانة ج ۲ ص ۸۸۱)(درمختار. شامی ج ۲ ص ۸۷۳)

فحتی تسلم لا نها نجس (اوفاجرة) فجور يضيع الو لدبه كزناء وغناء، وسرقة، ونيا حة الخ (درمختار مع الشامی ج۲ ص ۸۷۳ باب الحضانة) ان اردت التفصيل فارجع الی اصل الكتاب الشامی)

باپ لڑکے کو والدہ کے پاس سے کب لے سکتا ہے :

(سوال ۵۱۵) ایک ہندی عورت کو طلاق ہوگئی ہے۔اس کے پاس چار پانچ سال کا بچہ ہے۔اب اس عورت نے پردیسی نجدی عرب سے نکاح کرلیا ہے اور لڑکے کو نجد لے جانا چاہتی ہے، تو کیا یہ اس کو لے جاسکتی ہے باپ لڑکے کو لے سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب اس نے اجنبی سے نکاح کرلیا ہے تو حدیث اور اسلامی فقہ کی رو سے عورت کا حق پرورش جاتا رہا۔لہذا بچہ کو اپنے ساتھ لے جانے کا اس کو اختیار نہیں۔ماں کے بعد اگر نانی وغیرہ ایسی عورت نہ ہو جس کو حق پرورش پہنچتا ہو، یا ہو، مگر پرورش کرنے کے قابل نہ ہو تو ماں کا فرض ہے کہ بچہ کو باپ کے سپرد کردے۔حدیث شریف میں ہے کہ ایک عورت نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یارسول اللہ میرا بچہ میرے شکم میں رہا اور ایک مدت تک میرے پستان سے دودھ پیتا رہا اور میری آغوش میں تربیت پائی۔اس کے باپ نے مجھے طلاق دی ہے اور اس کا باپ مجھ سے وہ بچہ چھین لینا چاہتا ہے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ انت احق به مالم تنكحی ۔ یعنی جب تک تو شادی نہ کرلے اس بچہ کی تربیت کا حق تجھی کو ہے (ابوداؤد شریف کتاب الطلاق باب من احق بالولد ج۱ص ۳۱۰)

بدکار عورت کو طلاق دینا مہر اور بچوں کی پرورش:

(سوال ۵۱۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی شادی کو ۳۹ سال کا عرصہ ہوا اور فی الحال اس عورت سے سات بچے ہیں زید کو کچھ عرصہ سے اپنی عورت پر بدکاری کا شبہ ہے اور ایک مرتبہ قحبہ خانے میں اس کو رنگے ہاتھوں پکڑا بھی گیا ہے، ابھی تک وہ عورت زید کے گھر میں رہتی ہے لیکن زید کے ساتھ زن وشوئی کے تعلقات رکھنے سے سخت گریزاں ہے اور صاف کہتی ہے کہ جب تم نے مجھے قحبہ خانہ جانے سے منع کردیا تو مجھے بھی ہاتھ مت لگاؤ، ایسی حالت میں اگر عورت کو علیحدہ کردیا جائے تو بچوں کی پرورش کی کیا صورت ہوگی؟ کیا عورت کو یہ حق ہے کہ بچوں کو ساتھ لے جاسکے؟ یا بچے باپ کے پاس رہیں گے؟ اور ایسی عورت شرعاً مہر کی حق دار ہے یا نہیں؟ اور ایسی عورت کو طلاق دینا گناہ ہے یا نہیں؟ جواب مرحمت فرمائیں بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) چھوٹے بچوں کو ماں لے جاسکتی ہے پرورش کا حق اس کو حاصل ہے، جب لڑکا سات سال کا اور لڑکی نو سال کی ہوجائے یا حد بلوغ کو پہنچ جائے تو باپ لے جاسکتا ہے۔(حوالہ گذر چکا ہے۔ازمرتب)۔ہاں اگر عورت بدکاری کی وجہ سے گھر سے غائب رہے اور بچوں کی حفاظت نہ کرسکے تو اس کا حق باطل ہوجاتا ہے اور نانی وغیرہ کا حق ثابت ہوجاتا ہے[1] (۲) مہر کی عورت حق دار ہوگی (۳) ایسی عورت کو طلاق دینا گناہ نہیں ہے بلکہ غیرت کا تقاضا یہ

---

(۱) تثبت للام ... الاان تكون مرتدة أوفاجرة درمختار مع الشامی باب الحضانة ج۲ ص ۸۷۲ ولا حضانة لمن تخرج كل وقت وتترک البنت ضائعة كذا فی البحر الرائق فتاوی عالمگیری الباب السادس عشر فی الحضانة ج۱ ص ۵۷۲.

ہے کہ طلاق دے دی جائے خصوصاً جب کہ شوہر کو پاس آنے نہیں دیتی اس وجہ سے گناہ میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہے اور اگر عورت سے محبت ہو چھوڑنے میں خرابی ہو پریشانی میں گرفتار ہونے کا اندیشہ ہو تو طلاق دینا شرعاً واجب نہیں۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص رسول مقبول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا یا رسول اللہ! (ﷺ) میری عورت بدکار اور زانیہ ہے میں کیا کروں؟ فرمایا طلاق دے دو، اس نے کہ **انی احبھا** مجھے اس سے محبت ہے فرمایا **امسکھا اذا** تب اسے رہنے دے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۷ باب اللعان)

اس لئے فقہاء رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ بدکار عورت کو طلاق دینا واجب نہیں ہے کوئی عذر اور شرعی مصلحت ہو تو رکھ سکتا ہے **لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۴۰۲ فصل فی المحرمات) فقط واللہ اعلم بالصواب۔**

حضانۃ وغیرہ کے حقوق مختلفہ کی تحقیق:

(سوال ۵۱۷) ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دیدی ہے اس کی ایک چھوٹی بچی ہے اس کی پرورش کا حق کسے حاصل ہے؟ اگر ماں کو حاصل ہو تو کب تک؟ ماں اس بچی کا نفقہ (کپڑے دوا وغیرہ کا خرچ) لے سکتی ہے یا نہیں؟ اسی طرح دودھ پلانے اور پرورش کرنے کی اجرت لے سکتی ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں عدت اور عدت کے بعد کے زمانہ کے اعتبار سے حکم ایک ہوگا یا کچھ فرق ہوگا، مدلل ومفصل جواب کی ضرورت ہے بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں اگر ماں بچہ کی پرورش کے لئے تیار ہو تو پرورش کا سب سے پہلا حق ماں کا ہے، باپ زبردستی بچہ اس کے پاس سے چھین نہیں سکتا، اس کی میعاد فقہاء نے لڑکے کے لئے سات سال اور لڑکی کے لئے نو سال اور زیادہ سے زیادہ حیض آنے تک مقرر فرمائی ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: **احق الناس بحضانۃ الصغیر حال قیام النکاح اوبعد الفرقۃ الام الا ان تکون مرتدۃً او فاجرۃً غیر ما مونۃ کذا فی الکافی. الیٰ قولہ . والام والجدۃ احق بالغلام حتی یستغنی وقدر بسبع سنین وقال القدوری حتی یا کل وحدہ یشرب وحدہ ویستنجی وحدہ وقدرہ ابو بکر الرازی بتسع سنین والفتویٰ علی الاول والام والجدۃ احق بالجاریۃ حتی تحیض الخ (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۶۵، ۱۶۶ ج ۱، کتاب الطلاق باب ۱۶ فی الحضانۃ)**

درالمنتقیٰ شرح الملتقیٰ میں ہے۔ **(ویکون الغلام عند ھن) ای الحاضنات (حتی یستغنی عنھا) ای عن النساء ویحتاج الی التخلق بآداب الرجال وفسر القدوری الاستغناء (بان یا کل) وحدہ (ویشرب) وحدہ (ویلبس) وحدہ (ویستنجی) ای یتطھر وقیل یزیل النجاسۃ عنہ (وحدہ) وقدر الاستغناء (بتسع) سنین والمقدر ابو بکر الرازی (اوسبع) والمقدر الخصاف قالوا وعلیہ الفتویٰ اعتباراً للغالب. الی قولہ. وتکون (الجاریۃ عند الام اوالجدہ) ام الام اوالاب (حتی تحیض) فی ظاھر الروایۃ ... (وعند محمد حتی تشتھی کما) تکون الجاریۃ (عند غیر ھما) ای الام والجدۃ (عند غیرھا) ای الام والجدۃ حتی تشتھی (بہ یفتی لفساد) اھل (الزمان) وفی**

الخلاصة وغيرهما وعليه الاعتماد وحد الشهوة تسع سنين وعليه الفتوىٰ ذكره الزيلعي وغيره (در المنتقي شرح الملتقي على هامش مجمع الانهر ج ۱ ص ۴۹ باب الحضانة.

اگر خدانخواستہ (معاذ اللہ) ماں مرتد ہو جائے، یا بدچلن ہو یا پاگل ہو جائے یا بچہ کی پوری طرح حفاظت نہ کر سکے اپنے کاموں کی وجہ سے اکثر ادھر ادھر جانا پڑتا ہو یا ماں بچہ کے غیر محرم سے نکاح کرے تو ماں کا حق پرورش ختم ہو جاتا ہے، اور یہ حق بچہ کی نانی، پرنانی، دادی، پردادی، پھر بہنوں وغیرہ کے لئے علی الترتیب ثابت ہو جاتا ہے۔(هدايه اولين ص ۴۴ ۱، درمختار، شامی ج ۲ ص ۸۷۳)(عالمگیری ج ۱ ص ۵۴۱ بحواله فتاوی رحیمیه ج ۲ ص ۱۵۴ اس باب کا اول سوال ملاحظہ کیا جائے)

زمانۂ پرورش میں بچہ کا نفقہ باپ کے ذمہ ہے، البتہ اگر بچہ مالدار ہو اور مال موجود ہو تو اس میں سے اس کے اخراجات پورے کئے جاسکتے ہیں، درمختار میں ہے۔(تجب) النفقة بانواعها على الحر (لطفله) يعم الانثى الذكر (الفقير) الحرفان نفقة المحاوك على مالكه والغنى فى ماله الحاضر فلو غائبا فعلى الاب الخ (درمختار ج ۲ ص ۶۲۳، ۹۱۴ باب النفقة)

عورت اگر منکوحہ یا مطلقہ ہو تو عورت پر دیانۃً بچہ کو دودھ پلانا اور پرورش کرنا لازم ہے لہٰذا عدت کے زمانہ میں عورت نہ دودھ پلانے کی اجرت کا مطالبہ کر سکتی ہے نہ حضانت (پرورش) کی اجرت کا۔۔۔۔ ہدایہ اولین میں ہے وان استاجرها وهى زوجته او معتدته لترضع ولدها لم تجز لان الارضاع مستحق عليها ديانة قال الله تعالىٰ والوالدات يرضعن اولادهن الخ .(هدايه اولين ص ۴۲۴، ۴۲۵ فصل فى نفقة الاولاد الصغار)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ بیان القرآن میں تحریر فرماتے ہیں۔

مسئلہ۔ ماں دودھ پلانے کی اجرت مانگتی ہے سو اگر ابھی شوہر کے نکاح میں ہے یا یہ کہ طلاق ہوگئی لیکن عدت نہیں گذری ان دونوں حالت میں اجرت لینا جائز نہیں بلکہ قضاءً بھی مجبور کی جاوے گی کہ دودھ پلاوے ولا مولود لہ۔ میں یہ مسئلہ داخل ہے۔(بیان القرآن ص ۱۴۱ ج ۱، سورۂ بقرہ)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں۔

بارہواں حکم: رضاعت یعنی بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت، جب تک عورت شوہر کے نکاح میں ہے اس وقت تک بچہ کو دودھ پلانا خود ماں کے ذمہ بحکم قرآن واجب ہے والوالدات يرضعن اولادهن اور جو کام کسی کے ذمہ واجب ہو اس پر معاوضہ لینا رشوت کے حکم میں ہے جس کا لینا بھی ناجائز ہے اور دینا بھی، اور ایام عدت بھی اس معاملہ میں بحکم نکاح ہیں کیونکہ عورت کا نفقہ جس طرح بحالت نکاح شوہر پر لازم ہے عدت میں بھی واجب ہے۔۔۔۔ الخ (معارف القرآن ص ۴۹۱ ج ۸ پ ۲۸، سورۂ طلاق)

عدت کے بعد اگر ماں مجاناً (مفت) پرورش کے لئے تیار نہ ہو اور وہ پرورش اور دودھ پلانے کا معاوضہ طلب کرے اور باپ مالدار ہے تو باپ کو معاوضہ دینا ہوگا، البتہ اگر باپ تنگدست ہے اور بچہ کی پھوپھی وغیرہ مفت پرورش کے لئے تیار ہو تو پھوپھی وغیرہ کو حق حضانۃ حاصل ہوگا ماں کا حق ساقط ہو جائے گا البتہ اگر ماں اپنے بچہ سے ملنا چاہے تو

پرورش کرنے والی کو چاہئے کہ بطیب خاطر اسے ملاقات کا موقع دیتی رہے، قرآن مجید میں ہے: فان ارضعن لکم فاتوھن اجورھن واتمروا بینکم بمعروف وان تعاسرتم فسترضع له اخری.

بیان القرآن میں ہے: پھر اگر (عدت کے بعد) وہ (مطلقہ) عورتیں (جب کہ پہلے سے بچہ والیاں ہوں یا بچہ ہی پیدا ہونے سے ان کی عدت ختم ہوئی ہو) تمہارے لئے (بچہ کو اجرت پر) دودھ پلا دیں تو تم ان کو (مقررہ) اجرت دو اور (اجرت کے بارے میں) باہم مناسب طور پر مشورہ کرلیا کرو (یعنی نہ تو عورت اس قدر زیادہ مانگے کہ مرد کو دوسری انا ڈھونڈنا پڑے، اور نہ مرد اس قدر کم دینا چاہے کہ عورت کا کام نہ چل سکے بلکہ حتی الامکان دونوں اس کا خیال رکھیں کہ ماں ہی دودھ پلادے کہ بچہ کی اس میں زیادہ مصلحت ہے) اور اگر تم باہم کش مکش کروگے تو کوئی دوسری عورت دودھ پلاوے گی الخ (بیان القرآن ص ۱۸ ج ۱۲ پ ۲۹، سورۂ طلاق)

درمختار میں ہے:۔ (وتستحق) الحاضنة (اجرة الحضانة اذا لم تكن منكوحة ولا معتدة) لابيه وهي غير ارضاعه ونفقته كما في البحر عن السراجية الخ .

شامی میں ہے: (قوله اذا لم تكن منكوحة ولا معتدة ابيه) هذا قيد فيما اذا كانت الحاضنة اماً فلو كانت غيرها فالظاهر استحقاقها اجرة الحضانة بالا ولى ... الى قوله بخلاف ما بعد انقضاء العدة فانها تستحقها عملاً بشبه الا جرة، الخ. (قوله وهي غير اجرة ارضعه ونفقة) قال في البحر فعلى هذا يجب على الاب ثلثة اجرة الرضاع واجرة الحضانة ونفقة الوالد اومثله في الشرنبلا لية (درمختار و شامی ص ۸۷۲ ج ۲ ،باب الحضانة)

دوسرے مقام پر ہے (اوابت ان تربيه مجاناً) والحال ان الاب معسر والعمة تقبل ذلك) اى تربية مجانا ولا تمعنه عن الا مر ... (درمختار)

شامی میں ہے (قوله والحال ان الاب معسر) كذا قيده فى الخانية والبزازية والخلاصة والظهيرية وكثير من الكتب وظاهرة تخلف الحكم المذكور مع يساره لان المفهوم في التصانيف حجة يعمل به رملى وفي الشرنبلا لية تقييد الدفع للعمة بيسارها واعسار الاب يفيد ان الاب الموسر يجبر على دفع الا جرة للام نظراً للصغير اه قلت والمراد من هذه الا جرة اجرة الحضانة كما هو مفهوم من سياق كلام المصنف تبعاً للفتح والدر روالبحر الخ (قوله ولا تمنعه عن الام) اى عن رؤيتها له وتعهدها اياه (درمختار وشامی ص ۸۷۳ ج ۲، باب الحضانة) فقط والله اعلم بالصواب .

(۱) ماں کو بچہ کی پرورش کرنے پر مجبور کرنا (۲) ولادت کا خرچہ کس کے ذمہ ہے:

(سوال ۵۱۸) ایک عورت کو حالت حمل میں شوہر نے طلاق مغلظہ دے دی ہے وضع حمل کے ڈیڑھ دو ماہ بعد اگر ماں بچہ کی پرورش اور دودھ پلانے سے انکار کرے اور بچہ اس کے باپ کے حوالہ کردے تو کیا حکم ہے؟ کیا اس صورت میں اس کو دودھ پلانے اور پرورش کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے؟ نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ ولادت کا خرچ کس کے ذمہ ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر بچہ کی دادی وغیرہ کوئی ذی رحم محرم موجود ہو اور بچہ ماں کا محتاج نہ ہو کوئی دوسری عورت دودھ پلانے اور پرورش کرنے والی موجود ہو یا بچہ اوپر کا دودھ پیتا ہو تو ماں کو بچہ کی پرورش کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، اس صورت میں ماں بچہ کو باپ کے حوالہ کرسکتی ہے، اور اگر بچہ کی پرورش کرنے کے لئے دادی وغیرہ کوئی ذی رحم محرم نہ ہو یا بچہ کسی اور عورت کا یا اوپر کا دودھ نہ پیتا ہو تو ماں کو پرورش کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے، اس صورت میں ماں پر دودھ پلانا اور اس کی پرورش کرنا ضروری ہوگا باپ کے حوالہ کرنا درست نہ ہوگا۔

درمختار میں ہے۔(ولا تجبر) من لها الحضانة (عليها الا اذا تعينت لها) بان لم يأخذ ثدى غيرها اولم يكن للاب ولا للصغير مال به يفتى ...... واذا سقطت الا م حقها صارت كميتة او متزوجة فتنتقل للجدة بحر . ولا تقدر الحاضنة على ابطال حق الصغير فيهما . شامی میں ہے۔ اختلف فى الحضانةهل هى حق الحاضنة او حق الو لد فقيل بالا ول فلا تجبر اذا امتنعت ورجحه غير واحد وعليه الفتوىٰ وقيل بالثانى فتجبر و اختاره الفقهاء الثلاثة ابو الليث والهندوانى وخواهرزاده...... قال فى البحر فالترجيح قد اختلف والاولىٰ بالا فتاء بقول الفقها الثلاثة لكن قيده فى الظهيرية بان لايكون للصغير ذورحم محرم فحينئذ تجبر الا م كى لا يضيع الولدامالو امتنعت الام وكان له جد ة رضيت بامساكه دفع اليها لان الحضانة كانت حقا للام فصح اسقاطها حقها الخ (درمختار و شامى ص ۸۷۵ ج ۲، باب الحضانة)

ہدایہ اولین میں ہے:۔ واذاوقعت الفرقة بين الزوجين فالام احق بالو لد الىٰ.والنفقة على الاب على ما تذكره والا تجبر الام عليه لانها عست تعجز عن الحضانة. حاشیہ میں عنایۃ سے نقل فرمایا ہے قوله ولا تجبر الام عليه اى على اخذالولد اذا ابت اولم تطلب كذا ذكره الا ان لا يكون للولد ذورحم محرم سوى الام فتجبر علىٰ حضانته لئلا يفوت حق الولد اذالا جنبية لا شفقة لها عليه ۱۲ عناية (هدايه اولين ۴۰۳ ج ۲ باب حضانة الولد)

ولادت کا خرچ باپ کے ذمہ ہوگا بچہ اسی کا ہے اور ولادت کا زیادہ نفع بچہ کو ہوتا ہے علامہ شامی نے اسی کو ترجیح دی ہے:وفيه اجر ة القابلة علىٰ من استاجرها من زوجة اوزوج ولو جاء ت بلا استئجار قيل عليه وقيل عليها.

شامی میں ہے:(قوله قيل عليه الخ) عبارة البحر عن الخلاصة فلقائل ان يقول عليه لانه مؤنة الجماع ولقائل ان يقول عليها كأجرة الطبيب. الى قوله. ويظهر ترجيح الاول لان نفع القابلة معظمه يعود الى الولد فيكون علىٰ ابيه تأمل (درمختار و شامى ص ۸۹۳ ج ۲ باب النفقه)

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے:۔

(سوال) زچہ خانہ میں جو مصارف ہوئے وہ بذمہ شوہر ہیں یا نہیں؟

(الجواب) وہ مصارف بھی بذمہ شوہر ہیں (فتاوىٰ دار العلوم مدلل ومكمل ص ۱۵۰ ج ۱۱)فقط والله اعلم.

پرورش کے زمانہ میں باپ اپنی بچی سے ملنا چاہے تو ملاقات کا موقع دینا چاہئے:

(سوال ۵۱۹) میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے، ساڑھے پانچ سال کی ایک بچی ہے، میں اپنی بچی سے ملنے جاتا ہوں تو لوگ ملنے نہیں دیتے، کہتے ہیں کہ بڑی ہونے کے بعد تم کو لڑکی ملے گی، کیا ان لوگوں کی یہ حرکت صحیح ہے؟ اور وہ لڑکی میں کب لے سکتا ہوں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) چھوٹے بچوں کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے، لڑکا ہو تو سات برس، لڑکی ہو تو نو برس اور زیادہ سے زیادہ حیض آنے تک ہے، اس کے بعد آپ اپنی بچی کو لے سکتے ہیں، ماں کو روکنے کا حق نہ ہوگا، پرورش کے زمانہ میں باپ اگر اپنی اولاد سے ملنا چاہے تو ملنے کا موقع دینا چاہئے، اسی کی اولاد ہے۔ ملاقات کا موقع نہ دینا ظلم ہے۔[1]

فقط واللہ اعلم۔

عورت بچہ کے غیر محرم سے نکاح کر لے تو پرورش کا حق ختم ہو جاتا ہے:

(سوال ۵۲۰) علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک عورت کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی اس سے اس کو ایک لڑکا ہے جس کی عمر قریب سوا دو سال ہے، اس کے بعد اس عورت نے ایک ایسے شخص سے نکاح کیا جس سے اس عورت یا اس بچہ کی کوئی رشتہ داری نہیں تھی، نکاح کے بعد اس عورت کو اس بچہ کی پرورش کا شرعاً حق حاصل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بچہ کے غیر محرم کے ساتھ نکاح کرنے سے ماں کا بچہ کی پرورش کا حق باطل ہو جاتا ہے اور یہ حق بچہ کی نانی وغیرہ کو علی الترتیب حاصل ہو جاتا ہے، اس کے بعد ماں زبردستی بچہ کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتی۔

درمختار میں ہے: باب الحضانة تثبت للام......الا ان تكون مرتدة اوفاجرة. الى. اومتزوجة بغير محرم(درمختار مع رد المحتار ص ۸۷۲و ص ۸۷۳ ج ۲) (فتاویٰ عالمگیری ۱۶۵/۲ کتاب الطلاق ،باب ۱۶ فی الحضانة)

بہشتی زیور میں ہے: مسئلہ: اگر ماں نے کسی ایسے مرد سے نکاح کر لیا جو بچہ کا محرم رشتہ دار نہیں ہے، یعنی اس رشتے میں ہمیشہ کے لئے نکاح حرام نہیں ہوتا تو اب اس بچہ کی پرورش کا حق نہیں رہا۔ الخ (بہشتی زیور۔ اولاد کی پرورش کا بیان۔ چوتھا حصہ) فقط واللہ اعلم۔

(۱) مطلقہ بیوی سے چھوٹا لڑکا ہے وہ ماں کے پاس کب تک رہے گا
(۲) ایک دو یوم کے لئے اس کو باپ کے یہاں لانا:

(سوال ۵۲۱) ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی، اور اس کا ایک چھوٹا لڑکا ہے نو مہینے کا، وہ کس کے پاس رہے گا؟ اور کب تک؟

---

(۱) الولد متى كان عند احد الابوين لا يمنع الآخر عن النظر اليه وعن تعاهده كذا فى التتارخانية ناقلاً عن الحاوى . فتاوى عالمگيرى آخر الباب السادس عشر فى الحضانة ج ۱ ص ۵۴۳.

(۲) درمیان میں ایک دوروز کے لئے بچے کو اپنے پاس بلا سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ چھوٹے لڑکے کی پرورش کا حق ماں کو ہے اور یہ حق سات برس تک ہے،[1] اس کے بعد باپ اپنے لڑکے کو لے سکتا ہے، باپ اپنے بچے سے ملنا چاہے تو مل سکتا ہے، بچہ کی ماں وغیرہ ملاقات کرنے سے نہیں روک سکتی کہ اسی کا بچہ ہے، اگر ماں کو اطمینان ہو اور وہ ایک دو دن کے لئے بیٹے کو باپ کے پاس بھیجنے پر راضی ہو تو باپ اپنے بیٹے کو ایک دو دن کے لئے اپنے گھر لا سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بچہ کی پرورش کا حق کس کو ہے؟ اور کب تک ہے؟ کیا باپ کی مرضی کے خلاف ماں اپنے پاس بچہ رکھ سکتی ہے؟:

(سوال ۵۲۲) زید کا صالحہ کے ساتھ نکاح ہوا تھا، قریب دو مہینے اپنے ساس سسر کے ساتھ رہے اس کے بعد دونوں ان سے علیحدہ ہو کر رہنے لگے، علیحدگی کے بعد میاں بیوی میں کسی وجہ سے جھگڑا ہوا اور صالحہ زید کو چھوڑ کر اپنے میکہ چلی گئی، جس وقت صالحہ نے زید کا گھر چھوڑا اس وقت وہ حاملہ تھی، پھر اسے لڑکا ہوا، اس بات کو بھی قریب دس مہینے ہو گئے ہیں، دونوں میاں بیوی میں اختلافات انتہا کو پہنچ گئے ہیں، فریقین طلاق پر آمادہ ہیں، لیکن زید کا یہ کہنا ہے کہ اسے اپنا بیٹا چاہئے، جب کہ صالحہ کا باپ طلاق پر تو راضی ہے لیکن بچے کو دینے سے انکار کرتا ہے، اس کا کہنا یہ ہے کہ بچہ ابھی چھوٹا ہے، اسے باپ سے زیادہ ماں کی ضرورت ہے، ہمیں بچے سے انسیت ہو گئی ہے وغیرہ وغیرہ جب کہ زید کا کہنا یہ ہے کہ اگر بچہ مجھے دیں تب ہی میں طلاق دوں گا، ورنہ نہ طلاق نہ بیوی کو بلاؤں گا، اب سوال یہ ہے کہ کیا زید کی مرضی کے خلاف صالحہ یا اس کے باپ کو بچہ رکھنے کا اختیار ہے؟

(۳) زید کی مرضی کے خلاف صالحہ یا اس کے باپ شرعاً کب تک بچے کو اپنے پاس رکھ سکتے ہیں؟

(۴) بچہ پر اصل حق کس کا ہے؟ ماں کا؟ باپ کا؟ یا نانا کا؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ چھوٹے بچے کی پرورش کا سب سے پہلا حق ماں کا ہے اگر ماں بچہ کی پرورش کرنا چاہے تو باپ اس کا حق حضانۃ (حق پرورش) ختم کر کے زبردستی بچہ کو ماں کے پاس سے نہیں لے سکتا۔ اس کی معیاد فقہاء نے لڑکے کے لئے سات سال اور لڑکی کے لئے نو سال اور زیادہ سے زیادہ حیض آنے تک مقرر فرمائی ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: احق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح او بعد الفرقة الام الا ان تكون مرتدة او فاجرة غير ما مونة كذا في الكافي . الیٰ قوله. والام والجدة احق بالغلام حتى يستغني وقدر بسبع سنين وقال القدوری حتى يا كل ويشرب وحده ويستنجي وحده وقدر ابو بكر الرازی بتسع سنين والفتویٰ على الاول والام والجدة احق بالجارية حتى تحيض الخ (عالمگیری ۱/۱۶۵، ۱۶۶، باب ۱۶ ايضاً كتاب الطلاق)

---

(۱) باب الحضانة تثبت للام والحاضنة اما اوغيره احق به ای بالغلام حتى يستغني عن النسآء وقدر بسبع وبه يفتى درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۸۷۰ . ۸۸۱ الولد متى كان عند احد الابوين لا يمنع الآخر عن النظر اليه و تعاهده فتاویٰ عالمگیری آخر الباب السادس عشر فی الحضانة ج ۱ ص ۵۴۳.

(۲) شوہر نے بیوی کو طلاق دیدی ہو تب بھی ماں کا پرورش کا حق باقی رہتا ہے، بچہ کا باپ راضی ہو یا نہ ہو ماں کو پرورش کا حق حاصل رہے گا، البتہ ماں اگر بچہ کے غیر محرم سے نکاح کرے تو اس کا حق حضانۃ ختم ہو کر یہ حق نانی، پرنانی، دادی، پردادی پھر بہنوں کو علی الترتیب حاصل ہوتا ہے (حوالہ بالا، نیز فتاویٰ رحیمیہ اردو ۱۵۴/۲) نیز ۳/ ۱۴۷) (نیز جلد ۸ ص ۴۵۱) فقط (جدید ترتیب کے مطابق یہ تمام حوالجات اسی باب میں ہیں۔ مصحح)

(۳) نمبر ا ملاحظہ کریں۔

(۴) جواب نمبر ا، نمبر ۲ ملاحظہ کریں۔

اگر زوجین وعزیز و اقارب صلح وغیرہ کے مراحل سے گذر کر پورے اخلاص کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہوں اب نباہ کی کوئی صورت نہیں ہے اور طلاق کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے تو شوہر کو چاہئے کہ اب بلا کسی شرط کے شریعت کے مطابق طلاق دینے کا جو سب سے احسن طریقہ ہے اس کے مطابق ایک طلاق دے دے، جب شریعت نے ماں کو پرورش کا حق دیا ہے تو اب طلاق کے لئے بچہ دینے کی شرط لگانے کا حق نہیں ہے اور بیوی کو معلق چھوڑنا بالکل غلط ہے، جب پرورش کی میعاد پوری ہو جائے تو باپ اپنا بچہ لے سکتا ہے، اس وقت ماں یا بچہ کا نانا بالکل انکار نہیں کر سکتا ہے بچہ باپ کے حوالہ کرنا ہی ہوگا؟ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باب النسب

غلطی سے رضاعی بھانجی سے نکاح ہوگیا تو کیا کرے اولاد ثابت النسب اور وارث ہوگی یا نہیں۔:

(سوال ۵۲۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی نانی کا دودھ بچپن میں پیا تھا۔ بعدہ زید کا نکاح اس کی خالہ (رضاعی بہن) کی لڑکی (رضاعی بھانجی) سے ہوا اور اس نکاح کو تقریباً پچیس ۲۵ سال ہو گئے۔ زید کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں بھی ہیں اور ان دونوں لڑکیوں کا بھی نکاح ہو چکا ہے اور ان کے بچے بھی ہیں۔ اب زید کو معلوم ہوا کہ تمہاری منکوحہ تو رضاعی بھانجی ہے اور تم ماموں ہو لہذا تمہارا نکاح صحیح نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ زید سخت پریشان ہے کہ پچیس ۲۵ سال نکاح کو ہو چکے ہیں اولاد کی اولاد بھی ہو چکی ہے، تو کیا واقعی نکاح صحیح نہیں؟ کیا اب زوجین کی طرح دونوں زندگی نہیں گذار سکتے تفریق ضروری ہے؟ نیز جو چار بچے ہیں ان کا نسب زید سے ثابت ہے یا نہیں؟ وہ زید کے وارث ہوں گے یا نہیں؟

(الجواب) حجۃ شرعیہ سے ثابت ہو جائے کہ واقعی زید نے مدت رضاعت میں اپنی نانی کا دودھ پیا تھا تو زید کی یہ خالہ زاد بہن رضاعی بھانجی بھی ہے لہذا نکاح صحیح نہیں ہوا۔ دونوں زوجین کی طرح نہیں رہ سکتے تفریق ضروری ہے۔ البتہ صورت مسئولہ میں اولاد ثابت النسب اور وارث ہوگی۔ **رجل مسلم تزوج بمحارمه فجئن باولاد يثبت نسب الاولاد منه ، عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ خلافا لهما بناء علىٰ ان النكاح فاسد عندا بى حنيفه رحمه الله تعالىٰ باطل عندهما كذا فى الظهيريه (فتاوىٰ عالمگيرى ج ۱ ص ۵۴۰ الباب الخامس عشر فى ثبوت)**

ولو طلقها ثلاثا ثم تزوجها قبل ان تنكح زوجاً غيره فجاء ت عنه بولد ولا يعلمان بفساد النكاح فالنسب ثابت وان كانا يعلمان بفساد النكاح يثبت النسب ايضاً عندابى حنيفه رحمه الله (فتاوى عالمگيرى ج ۱ ص ۵۴۰ ايضا) فقط والله اعلم بالصواب.

شوہر کے انتقال کے پانچ سال بعد بچہ پیدا ہوا تو کیا حکم ہے:

(سوال ۵۲۴) ایک بیوہ عورت کے شوہر کے مرنے کو پانچ سال ہو چکے ہیں اب اس کو بچہ پیدا ہوا، اس بچہ کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ حلالی شمار ہوگا یا حرامی؟ اور اس عورت کے ساتھ اس کے رشتے داروں اور گاؤں والوں کو کیسا برتاؤ کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) شوہر کی وفات کے بعد دو سال کے اندر بچہ پیدا ہو تو وہ شوہر کا شمار ہوگا دو سال کے بعد جو بچہ پیدا ہوگا وہ ثابت النسب نہ ہوگا لہذا صورت مسئولہ میں جب کہ بچہ پانچ سال کے بعد پیدا ہوا ہے تو وہ شوہر سے ثابت النسب نہ ہوگا۔ **ولو فات عنها قبل الدخول او بعده' ثم جاء ت بولد من وقت الوفاة الى سنتين يثبت النسب منه وان جاء ت به لا كثر من سنتين من وقت الوفاة لا يثبت النسب اھ (فتاوىٰ عالمگيرى ج ۲ ص ۶۳ ، الباب الخامس عشر فى ثبوت النسب)**

البتہ اگر عورت نے عدت وفات کے بعد شرعی نکاح کیا ہو تو پھر دوسرے شوہر کا بچہ کہا جائے گا حرامی بچہ جننے والی عورت سے قطع تعلق ضروری ہے، میل ملاپ نہ رکھا جائے کہ اس کو عبرت ہو اور آئندہ ایسے کام سے باز رہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

میاں بیوی میں دس سال جدائی رہی تو بچہ ثابت النسب ہوگا:

(سوال ۵۲۵) ذیل کے مسئلہ کے متعلق کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین :۔

میاں بیوی کے درمیان دس سال تک جدائی رہی ملاپ نہ ہوا (شوہر نے دوسری شادی کر لی ہے) اب دس سال کے بعد بچہ پیدا ہوا تو یہ بچہ کس کا سمجھا جائے گا؟ اور یہ بچہ اس شخص کے مال و جائداد کا شرعاً وارث ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں شوہر نے پہلی بیوی کو دس سال تک معلق رکھ چھوڑا کسی قسم کا حق ادا نہیں کیا یہ عورت پر شدید ترین ظلم ہوا اور شوہر سخت گنہگار بنا اور یہ بچہ از روئے حدیث الولد للفراش (بخاری شریف) عورت کے خاوند کی طرف منسوب ہوگا اور اس سے ثابت النسب سمجھا جائے گا اور وارث ہوگا۔ عالمگیری میں ہے۔ والحکم فیہ انہ یثبت النسب من غیر دعوۃ لا ینتفی بمجرد النفی وانما ینتفی باللعان (عالمگیری ج ۲ ص ۱۶۳ فصل فی ثبوت النسب) لہذا بچہ کو حرامی قرار دینا اور اس کی والدہ پر بلا حجت شرعی زنا کی تہمت لگانا درست نہیں۔ ممکن ہے کہ شوہر بیوی کے پاس چھپ کر گیا ہو یا بیوی شوہر سے ملی ہو۔ ہاں شوہر انکار کرے کہ میں اس دس سال کے عرصہ میں اس سے ملا نہیں ہوں اور بچہ میرا نہیں ہے ولد الحرام ہے اور عورت بدکار اور زانیہ ہے تو لعان پر فیصلہ موقوف ہوگا۔ قرآن شریف میں ہے۔ والذین یرمون ازواجھم الخ (سورۂ نور پ ۱۸) لعان کی صورت یہ ہے کہ شرعی قاضی کی عدالت میں یا مسلم پنچایت کے حضور مقدمہ پیش ہو پہلے خاوند چار مرتبہ کہے کہ میں بقسم شہادت دیتا ہوں کہ میں نے اپنی عورت پر جو الزام لگایا ہے اس میں میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔ پھر عورت چار مرتبہ کہے کہ میں شہادت دیتی ہوں کہ میرے شوہر نے مجھ پر جو زنا کی تہمت لگائی ہے اس میں وہ جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر وہ سچا ہو تو مجھ پر خدا کا غضب پڑے۔ اس کے بعد تفریق کر دی جائے گی اور مہر دلایا جائے گا اور بچہ کا نسب باپ سے منقطع ہو جائے گا اور عورت کو عدت پوری کر کے دوسرے سے نکاح کرنے کا حق حاصل ہو جائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

غلطی سے رضاعی بھتیجی سے نکاح ہو گیا تو کیا حکم ہے؟ اولاد ثابت النسب ہوگی یا نہیں :

(سوال ۵۲۶) ہمارے خاندان میں ایک لڑکے کا ایسی لڑکی سے لاعلمی میں نکاح ہوا ہے کہ جس نے مدت رضاعت میں اس لڑکے کے بڑے بھائی کی بیوی (یعنی اس لڑکے کی بھاوج) کا تقریباً ڈیڑھ دو سال تک دودھ پیا ہے اس بات کو خاندان والے جانتے ہیں اور وہ عورت بھی پورے یقین کے ساتھ کہتی ہے کہ میں نے اس کو دودھ پلایا ہے مگر نکاح کے وقت کسی کی اس طرف توجہ نہیں ہوئی اور بالکل لاعلمی میں نکاح ہو گیا، اور اس نکاح کو تقریباً پانچ چھ سال کا عرصہ ہو گیا ہے، اور دو بچے بھی ہو گئے ہیں اور لاعلمی میں ابھی تک وہ دونوں میاں بیوی کی طرح رہتے ہیں، اتفاق سے ان کے خاندان کا

ایک لڑکا جو دارالعلوم میں پڑھتا ہے اس کو ہدایہ اولین کے سبق کے درمیان خیال آیا کہ ہمارے خاندان میں جو نکاح ہوا ہے وہ صحیح نہیں ہے قابل فسخ ہے، اس لئے کہ میاں بیوی کے درمیان رضاعی رشتہ ہے کہ شوہر اس کا رضاعی چچا اور بیوی اس کی رضاعی بھتیجی ہے، اس طالب علم نے یہ بات شوہر کو کہی اور اس کو توجہ دلائی کہ تمہاری بیوی تمہاری رضاعی بھتیجی ہے، لہذا یہ نکاح قابل فسخ ہے۔ اس سے شوہر اور خاندان والوں کو بہت تشویش ہوگئی ہے، آپ براہ کرم مدلل جواب عنایت فرمائیں کہ مذکورہ نکاح صحیح ہے یا قابل فسخ؟ اگر قابل فسخ ہے تو اولاد ثابت النسب ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب بڑے بھائی کی بیوی پورے یقین کے ساتھ اور قسم کھا کر یہ کہتی ہے کہ میں نے اس لڑکی کو مدت رضاعت میں دودھ پلایا ہے اور اس بات کو خاندان کے دیگر افراد بھی جانتے ہیں اور وہ اس کے منکر نہیں ہیں تو دودھ پلانے والی اس لڑکی کی رضاعی ماں اور اس کا شوہر اس لڑکی کا رضاعی باپ بن گیا، اور رضاعی باپ کا بھائی (جس کا اس لڑکی سے نکاح ہوا ہے) اس لڑکی کا رضاعی چچا اور یہ لڑکی اس کی رضاعی بھتیجی بن گئی اور رضاعی چچا کا رضاعی بھتیجی سے نکاح صحیح نہیں ہے، حرام ہے لہذا مذکورہ نکاح قابل فسخ ہے، دونوں کو فوراً علیحدگی اختیار کر لینی چاہئے، شوہر اس کو طلاق دے دے یا زبان سے کہہ دے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا۔ اور جس وقت دونوں میں تفریق ہوگی اس وقت سے عدت لازم ہوگی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے واخو الرجل عمه واخته عمته واخو المرضعة خاله واختها خالته (فتاویٰ عالمگیری ج۲ ص ۴۸ کتاب الرضاع)

القول الجازم فی بیان المحارم میں ہے: اور شیر خوار کے رضاعی باپ کا بھائی شیر خوار کا چچا اور اس کی بہن شیر خوار کی پھوپھی ہونے سے شیر خوار پر حرام ہوگی (ص ۱۱)

عین الہدایہ میں ہے " قوله عليه السلام لعائشة ليلج عليك افلح فانه عمك من الرضاعة حضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو فرمایا تھا کہ افلح تیرے سامنے آیا کرے کہ وہ تیرا رضاعی چچا ہے۔ ف۔ چنانچہ خود حضرت ام المومنین عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ بعد حکم حجاب افلح رضی اللہ عنہ میرے یہاں آئے تو میں نے ان سے پردہ کیا، انہوں نے فرمایا تو مجھ سے پردہ کرتی ہے حالانکہ میں تیرا چچا ہوں، میں نے کہا یہ کہاں سے؟ تو فرمایا کہ میرے بھائی کی بی بی نے تجھے دودھ پلایا تو میں نے کہا مجھے تو عورت نے دودھ پلایا ہے مرد نے نہیں پلایا، پھر رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے آپ سے حال بیان کیا، آپ نے فرمایا کہ وہ تیرا چچا ہے، تیرے یہاں آوے گا۔

ف۔ یعنی بغیر پردہ کے تو اس کے سامنے ہو سکتی ہے (عین الہدایہ ج۲ ص۱۳۰ کتاب الرضاع ہدایہ اولین ص ۳۳۱ حاشیہ ص ۸)

والمتاركة فى الفاسد بعد الدخول لا تكون الا بالقول كخليت سبيلك او تركتك (فتاویٰ عالمگیری ج۲ ص ۱۴۱ فصل فی النکاح الفاسد)

صورت مسئولہ میں جو اولاد ہوئی ہے وہ ثابت النسب ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے رجل مسلم تزوج بمحارمه فجئن باولاد يثبت نسب الاولاد منه عند ابى حنيفة رحمة الله تعالىٰ خلافا لهما بناء على ان النكاح فاسد عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ باطل عندهما كذا فى الظهيرية. یعنی ایک

مسلمان شخص نے اپنے محارم میں سے کسی سے نکاح کرلیا پھر اس سے اولاد پیدا ہوئی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ان کا نسب اس شخص سے ثابت ہوگا اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ثابت نہ ہوگا، اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ نکاح فاسد ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک باطل ہے (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۵۴۰ کتاب الطلاق باب نمبر ۱۵ فی ثبوت النسب)

ہدایہ اولین میں ہے۔ واذا فرق القاضی بین الزوجین فی النکاح الفاسد قبل الدخول (الیٰ قوله) وعلیها العدة ویعتبر ابتداء ها من وقت التفریق لا من آخر الوطیات. ویثبت نسب ولدها لان النسب یحتاط فی اثباته احیاءً للولد فیترتب علی الثابت من وجه (هدایه اولین ص ۳۱۳ کتاب النکاح باب المهر) فقط واللہ اعلم بالصواب.

بے خبری میں ایسی خالہ زاد بہن سے نکاح کرلیا جو رضاعی بھانجی ہوتی ہے، اس سے اولاد بھی ہوئی، اب کیا کرے:

(سوال ۵۲۷) زید نے اپنی نانی کا دودھ بچپن میں پیا تھا بعدہٗ زید کا نکاح اس کی خالہ (رضاعی بہن) کی لڑکی (رضاعی بھانجی) سے ہوا، اور اس کا نکاح تقریباً پچیس سال ہوگئے، زید کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں بھی ہیں اور ان دونوں لڑکیوں کا نکاح بھی ہو چکا ہے اور ان کے بچے بھی ہیں۔

زید کو اب معلوم ہوا کہ اس کی منکوحہ رضاعی بھانجی ہے اور یہ اس کا ماموں ہے جس کی وجہ سے اس کا نکاح صحیح نہیں ہوا، چنانچہ زید پریشان ہے۔

تو کیا واقعی نکاح صحیح نہیں ہوا؟ کیا اب یہ دونوں زوجین کی طرح زندگی نہیں گذار سکتے؟ تفریق ضروری ہے؟ نیز جو چار بچے ہیں، ان کا نسب زید سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ اور وہ زید کے وارث ہوں گے یا نہیں؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! حجت شرعیہ سے ثابت ہوجائے کہ واقعی زید نے مدت رضاعت میں اپنی نانی کا دودھ پیا تھا، تو زید کی یہ خالہ زاد بہن رضاعی بھانجی بھی ہے، لہٰذا نکاح صحیح نہیں ہوا دونوں زوجین کی طرح نہیں رہ سکتے، تفریق ضروری ہے، البتہ اولاد ثابت النسب اور وارث ہوگی۔

ولو طلقها ثلاثا ثم تزوجها قبل ان تنکح زوجا غیره فجاء ت عنه بولد ولا یعلمان بفساد النکاح یثبت النسب ایضا عند ابی حنیفة رحمه الله (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۵۴۰ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب).

رجل مسلم تزوج بمحارمه فجئن باولاد یثبت نسب الاولادمنه عند ابی حنیفة رحمه الله خلافا لهما بناء علی ان النکاح فاسد عند ابی حنیفة رحمه الله باطل عندهما، کذافی الظهیریة (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ایضاً ص ۵۴۰) فقط واللہ اعلم بالصواب.

تمت بالخیر

كتاب الايمان والنذور

جھوٹی قسم کا کفارہ کیا ہے؟:

(سوال ۱) ایک شخص نے کورٹ میں جھوٹی قسم کھا کر گواہی دی ہے تو اس کا کفارہ کیا ہے؟ کیا اس کی امامت درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جھوٹی قسم کھانے والا کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے۔ اس کے لئے کفارہ بھی نہیں۔ ہمیشہ بارگاہ خداوندی میں توبہ واستغفار کرتا رہے اور اپنے گناہ کی معافی چاہے۔ اس کو امام بنانا جائز نہیں۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے۔(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب .

ستر ہزار ۷۰۰۰۰ رکعت نفل پڑھنے کی منت مانی ہو تو کیا کرے:

(سوال ۲) میرے نوجوان لڑکے قمر حسین نے میری خطرناک بیماری سے گھبرا کر منت مان لی ہے کہ میری صحت کے بعد ستر ہزار ۷۰۰۰۰ رکعت نماز نفل ادا کرے گا وہ چونکہ جسمانی لحاظ سے کمزور ہے اور سارا دن مصروفیت سے کاروبار سنبھالتا ہے اس لئے اب وہ ان نفلوں کو آٹھ آٹھ رکعت کر کے ۲۴ رکعت تک ادا کرتا ہے اس صورت میں ان کے ادا ہونے میں تقریباً آٹھ نو سال کا عرصہ لگ جائے گا کیا ایسی صورت میں کوئی کفارہ وغیرہ ہو سکتا ہے کہ جس کے ادا کرنے کے بعد یہ سب نفل ساقط اور معاف ہو جائیں۔ یا یہ نوافل گھر کے دوسرے افراد بھی تقسیم کر کے ادا کر سکتے ہیں؟ بہرحال اس کی کوئی صورت آپ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا؟۔

(الجواب) نفل نماز کی منت میں رکعتوں کی تعداد کے مطابق روزانہ رات دن میں جتنی رکعتیں کھڑے کھڑے ادا کر سکے ادا کر سکتا ہے مدت کی تعیین نہیں ہے لیکن جلد سبکدوش ہو جانے کی کوشش جاری رہے۔ اس کے لئے کوئی کفارہ وغیرہ بدل نہیں ہے(۲)۔ **فقط واللہ اعلم بالصواب .**

ولی کے نام بکرا ذبح کرنے کی نذر ماننا:

(سوال ۳) ایک شخص نے اس طرح نذر مانی "اے بزرگ میرا فلاں کام ہو جائے گا تو میں آپ کے نام پر بکرا ذبح کروں گا، آپ کے مزار پر الٹا لٹکوں گا، پھر اس کا کام ہو گیا، تو اس نے مزار پر بکرا ذبح کیا اور خود کو کئی گھنٹے الٹا لٹکایا، اس کی بیوی اس کے ساتھ مزار پر نہیں جا رہی تھی لیکن اس کو بھی زبردستی لے گیا، اب سوال یہ ہے کہ ایسا آدمی مسلمان رہا یا نہیں؟ اس کی بیوی سے اس کا نکاح ٹوٹ گیا یا باقی ہے؟ اگر نکاح رہا تو کیا دوبارہ نکاح کرنا ہوگا؟ اگر نکاح نہیں ٹوٹا تو ایسے آدمی کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ کیا اس طرح کی نذر اور منت ماننا مزار پر بکرا ذبح کرنا، خود کو الٹا لٹکانا جائز ہے؟

---

(۱) فالغموس هو الحلف على امر ماض يتعمد الكذب فيه فهذه اليمين يا ثم صاحبا لقوله عليه السلام من حلف كاذبا ادخله الله النار ولا كفارة فيها الا التوبة والاستغفار . هدايه كتاب الايمان ج ۲ ص ۴۷۸ .

(۲) ومن نذر نذرا مطلقا او معلقا بشرط وكان من جنسه واجب ... وهو عبادة مقصودة خرج الوضوء وتكفين الميت ووجد الشرط المعلق به لزم الناذر لحديث من نذر وسمى فعليه الوفاء بما سمى كصوم وصلاة وصدقة ووقف واعتكاف درمختار مع الشامي مطلب في احكام النذر ج ۳ ص ۷۳۵ .

بینوا توجروا؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں نذر صحیح نہیں کہ یہ امور معصیت ہیں اور معصیت کی نذر منعقد نہیں ہوتی، اس نذر کا پورا کرنا جائز نہیں، درمختار میں ہے وان لا یکون معصیة لذاتہ (درمختار ج۳ ص ۹۲) شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

(سوال) نذر کردن بایں طور کہ اگر حاجت من برآرد بدرگاہ فلاں ولی ایں قدر از نقد وجنس طعام پختہ برسانم یا بنام اوشاں سبیل کنانم چہ حکم دارد۔ جائز یا گناہ کدام گناہ؟

(الجواب) نذر کردن بایں طور کہ اگر حاجت من خدا برآرد بمزار فلاں ولی ایں قدر از نقد وجنس طعام پختہ برسانم درست نیست زیرا کہ در نذر کردن خدائے تعالیٰ چند شروط است اگر ہمہ متحقق شوند نذر را لازم می شود ولا لازم نیست...... الی قولہ چہارم آنکہ منذور فی نفسہ گناہ نباشد اگر گناہ خواہد شد اصلاً در نذر کردن بر و لازم نخواہد شد چنانچہ در فتاویٰ عالمگیری مرقوم است الاصل ان النذر لا یصح الا بشروط...... الی قولہ...... والرابع ان لا یکون المنذور معصیة باعتبار نفسہ انتہی چوں ازیں عبارت معلوم شد کہ در نذر کردن چند شروط ضرور است، پس در سوال کہ مرقوم است کہ بدرگاہ فلاں ایں قدر طعام پختہ برسانم رسانیدن طعام جائے عبادت نیست پس نذر صحیح نخواہد شد...... الخ (مائۃ مسائل ص ۸۱ تا ص ۸۴ فارسی)

ترجمہ:۔ (سوال) اس طرح منت ماننا کہ اگر خدا میری حاجت برلائیں تو فلاں ولی کے مزار پر اس قدر نقدی اور کھانا پہنچاؤں یا ان کے نام کی سبیل لگاؤں یہ کیسا ہے؟ جائز ہے یا گناہ؟ اگر گناہ ہے تو کس قسم کا گناہ؟

(الجواب) اس طرح منت ماننا کہ اگر خداوند تعالیٰ میری حاجت برلائیں تو فلاں ولی کے مزار پر اس قدر نقد وجنس اور پکا ہوا کھانا پہنچاؤں جائز نہیں اس لئے کہ خدا تعالیٰ کی منت ماننے میں چند شرطیں ہیں اگر تمام شرطیں پائی جائیں گی تو نذر لازم ہوتی ہے ورنہ نہیں۔ الی قولہ۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ جو چیز منت میں مانی جائے وہ فی نفسہ گناہ نہ ہو اگر وہ فعل گناہ ہو تو منت کا پورا کرنا اس پر کبھی بھی لازم نہ ہوگا چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ نذر صحیح نہیں ہوتی ہے مگر چند شرطوں کے پائے جانے پر۔ الی قولہ۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ منذور فی نفسہ گناہ نہ ہو۔ انتہیٰ۔ جب اس عبارت سے معلوم ہو گیا کہ نذر ماننے میں چند شرطیں ضروری ہیں تو سوال میں جو صورت مرقوم ہے کہ فلاں ولی کے مزار پر اس قدر کھانا پہنچاؤں گا، مزار پر کھانا پہنچانا عبادت نہیں ہے اس لئے اس صورت میں نذر صحیح نہ ہوگی، اگر اس طرح کہا جائے کہ اگر خداوند تعالیٰ میری حاجت برلائیں تو فلاں مزار کے فقیروں اور مجاوروں کو کھانا کھلاؤں گا تو نذر صحیح ہو جائے گی اور اس کی وفا لازم ہوگی، لیکن فقراء، مزار، مجاوروں کی تخصیص نذر کے پورا کرنے میں ضروری نہیں جس فقیر کو بھی دے دے گا نذر پوری ہو جائے گی اور اگر اس طرح کہے کہ اگر میری حاجت برآئے تو فلاں ولی کے لئے یا فلاں ولی کے نام پر اس قدر نقدی وغیرہ دوں گا تو ایسی منت ماننا بالاجماع باطل ہے، اور وہ کھانا حرام ہے چنانچہ معتبر کتابوں کے حوالہ سے لکھا جائے گا، اور اسی قسم سے ہے اگر یہ کہے کہ یہ چیز اس ولی اور سید کے نام کی ہے (تو یہ بھی حرام ہے) عالمگیری میں ہے وہ نذریں جو اکثر عوام مانتے ہیں کہ صلحاء کی قبر پر جاتے ہیں اور غلاف اٹھا کر مثلاً یہ کہتے ہیں کہ میں اس قدر مال اب قبر پر چڑھاؤں اے میرے سید اگر پوری فرمائیں میری حاجت کو تو یہ بالاجماع باطل ہے۔ الی قولہ۔ اور جب تم نے یہ سمجھ لیا

تو یہ بھی سمجھ لو کہ وہ مال اور اس کے مثل اور چیزوں جو اولیاء کے مزار پر ثواب کے لئے لے جایا کرتے ہیں وہ بالا جماع حرام ہیں۔ جب تک کہ زندہ محتاجوں پر خرچ کرنے کا ارادہ نہ کیا جائے اور اس پر سب متفق ہیں اور اس میں بہت سے لوگ مبتلا ہیں (عالمگیری) بحرالرائق میں ہے وہ نذریں جو اکثر عوام مانتے ہیں جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ کسی غائب آدمی کے لئے یا کسی بیمار کے لئے یا خود اس کو کوئی حاجت درپیش ہو تو وہ صلحاء کے مزار پر جاتا ہے اور مزار کے غلاف کو سر پر رکھ کر کہتا ہے اے میرے فلاں سید اگر آ جائے میرا غائب آدمی یا اچھا ہو جائے میرا مریض، یا پوری ہو جائے میری حاجت، تو آپ پر اس قدر مال اس قدر رکھانا یا اس قدر پانی یا اس قدر تیل یا اس قدر موم بتیاں یا اس قدر چراغ چڑھاؤں گا تو ایسی منت چند وجوہ سے بالا جماع باطل ہے۔ اول تو اس لئے کہ یہ منت مخلوق کے لئے ہے اور مخلوق کے لئے منت ماننا کسی صورت میں جائز نہیں، اس لئے کہ منت عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لئے ہوتی ہی نہیں۔ اور اس وجہ سے کہ اگر گمان ہو کہ اللہ کی سوا امور دنیاوی میں میت بھی متصرف ہے تو یہ اعتقاد کفر ہے۔ الی آخرہ۔ (امداد المسائل ترجمہ مأتہ مسائل ص ۹۰ ص ۹۱ ص ۹۲)

مالا بدمنہ میں ہے:۔ سجدہ کردن بسوئے قبور انبیاء و اولیاء وطواف گرد قبور کردن ودعا از آنہا خواستن ونذر برائے آنہا قبول کردن حرام است بلکہ چیز ہا از اں بہ کفر می رسانند پیغمبر ﷺ بر آنہا لعنت گفتہ، واز اں منع فرمودہ وگفتہ کہ قبر مرابت نہ کنند۔ یعنی۔ انبیاء اور اولیاء کی قبروں کی طرف سجدہ کرنا اور ان سے دعا مانگنا اور ان کی نذر ماننا حرام ہے بلکہ بعض چیزیں کفر تک پہنچانے والی ہیں، پیغمبر علیہ السلام نے ایسی چیزوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ میری قبر کو بت نہ بنانا۔ (مالا بدمنہ ص ۸۰)

لہذا اس طرح منت ماننا کہ ''اے بزرگ میرا فلاں کام ہو جائے گا تو آپ کے نام پر بکرا ذبح کروں گا، آپ کے مزار پر الٹا لٹکوں گا'' سخت گناہ اور حرام ہے، اور مشرکانہ فعل ہے، یہ نذر منعقد ہی نہیں ہوئی، یہ چیز جہالت سے سرزد ہوئی ہے اس لئے توبہ و استغفار لازم ہے اور ایسی صورت میں احتیاطاً وجزاً تجدید نکاح کا حکم کیا جائے گا، شامی میں ہے **نعم سيذكره الشارح ان مايكون كفراً اتفاقاً يبطل العمل والنكاح وما فيه خلاف يؤمر بالا ستغفار والتوبة وتجديد النكاح وظاهره انه امر احتياط الخ (شامی ج۳ ص ۳۹۹ باب المرتد) فقط والله اعلم بالصواب .**

جس جانور کے ذبح کرنے کی نذر مانی کیا اس کو بدلا جا سکتا ہے؟:

(سوال ۴) بعد سلام مسنون! ایک مسئلہ دریافت طلب ہے، وہ یہ ہے کہ ایک شخص نے نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں اپنے دو بکروں میں سے ایک کو صدقہ کروں گا اور ابھی کام ہوا نہیں ہے لیکن امید ہے کہ آئندہ وہ کام ہو جائے تو کیا ابھی اس بکرے کی قربانی کر سکتا ہے؟ اس کا خیال یہ ہے کہ بکرے کی قیمت لگا کر قیمت محفوظ رکھ لے اور جب کام پورا ہو جائے تو اس قیمت کا بکرا خرید کر صدقہ کر دے اور جو بکرا موجود ہے اس کی قربانی کر ڈالے، شرعاً اس کی اجازت ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں بہتر یہ ہے کہ دو بکروں میں سے جو اچھا ہو اسے رکھ لیا جائے، دوسرے کو فروخت کر دیا

جائے یا قربانی کردی جائے اور یہ بھی درست ہے کہ دونوں کو فروخت کردیا جائے یا قربانی کردی جائے اور جب کام پورا ہو جائے تو ایک بکرے کی قیمت صدقہ کردی جائے، یا اس کا بکرا خرید کر صدقہ کردیا جائے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اس قسم کی سوال کے جواب میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے ارقام فرمایا ہے۔ "یہ بھی اختیار ہے خواہ ذبح کرکے تصدق کردے یا بکری کی قیمت کا تصدق کردے اور بیچ ڈالنے کے بعد بھی دونوں اختیار ہیں کہ خواہ دوسری بکری خرید کر ذبح وصدقہ کردے یا وہ قیمت صدقہ کردے (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۹۶) فقط واللہ اعلم بالصواب، یکم ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ۔

روزہ کی نذر کی صورت میں فدیہ ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں:

(سوال ۵) زید نے نذر مانی کہ اگر میرے بھائی کی طبیعت ٹھیک ہوگئی تو میں تیس روزے رکھوں گا، زید کے بھائی کی طبیعت کچھ ٹھیک ہوگئی ہے اور اب وہ اپنی نذر پوری کرنا چاہتا ہے لیکن زید تاجر ہے اس کو روزہ رکھنا مشکل ہوگا اور پابندی نہ ہوسکے گی تو وہ ان روزوں کا فدیہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ یا روزہ ہی رکھنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں برادر زید کی طبیعت ٹھیک ہوجانے پر زید پر ایک ماہ کے روزے رکھنا ضروری ہیں، مسلسل رکھنا ضروری نہیں متفرق بھی رکھ سکتا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے **وفدروی عن محمد قال ان علق النذر بشرط يريد كونه كقوله ان شفى الله مريضى او رد غائبى لا يخرج عنه بالكفارة كذا فى المبسوط ويلزمه عين ما سمى كذا فى فتاوىٰ قاضى خان.** امام محمدؒ فرماتے ہیں۔ اگر نذر ایسی شرط کے ساتھ معلق کی جس کے پورا ہونے کی اسے تمنا ہے جیسے یوں کہا "اگر اللہ تعالیٰ میرے بیمار کو شفا عطا کرے یا میرے گم شدہ کو واپس لوٹا دے تو میں یہ کام کروں گا، تو کفارہ کافی نہ ہوگا اور جس چیز کی نذر مانی ہے وہ پورکرنا لازم ہوگا (فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۴۲) (ہدایہ اولین ص ۴۶۳)

دوسری جگہ ہے **ولو قال لله على ان اصوم شهر امثل شهر رمضان ان نوى المماثلة فى التتابع يلزمه صوم شهر متتا بعاً وان نوى المماثلة فى العدد اولم يكن له نيةيلزمه ان يصوم ثلثين يوماً ان شاء صام متفرقاً وان شاء متتا بعاً كذا فى المحيط.** یعنی۔ اگر اس طرح نذر مانی میں ماہ رمضان کی طرح ایک مہینہ کے روزے اللہ کے واسطے رکھوں گا، اگر اس سے یہ مراد ہو کہ رمضان مانند مسلسل ایک ماہ کے روزے رکھوں گا تو اس کو لگا تار ایک ماہ کے روزے لازم ہوں گے۔ اور اگر یہ نیت ہو کہ رمضان کے روزوں کے عدد (گنتی) کے مطابق روزے رکھوں گا یا کچھ نیت نہ ہو تو اس کو تیس روزے لازم ہوں گے چاہے متفرق رکھے یا مسلسل۔ کذا فی المحیط (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۵ کتاب الصوم الباب السادس فی النذر) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قسم کا کفارہ صرف ایک مسکین کو دینا صحیح ہے یا نہیں:

(سوال ۶) قسم کے کفارہ میں گیہوں یا اس کی قیمت دس مسکینوں کے بجائے ایک ہی مسکین کو دینا صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایک شخص کو ایک ہی دن میں پورا کفارہ دینا صحیح نہیں ہے ہاں ایک مسکین کو دس دن تک صدقۂ فطر کے برابر

گیہوں یا اس کی قیمت دیتا رہے یا ایک ہی مسکین کو صبح وشام دس دن تک کھلاتا رہے تو یہ صحیح ہے کفارہ ادا ہو جائے گا۔ شامی میں ہے(قوله عشرة مساكين) اى تحقيقا او تقديراً حتى لو اعطىٰ مسكيناً واحداً فى عشرة ايام كل يوم نصف صاع يجوز و لو اعطاه فى يوم واحد بدفعات فى عشر ساعات قيل يجزئ وقيل لا هو الصحيح لانه انما جاز اعطائه به فى اليوم الثانى تنزيلاً نه منزلة مسكين آخر لتجدد الحاجة من حاشية السيد ابى السعود (شامى ج۳ ص ۸۲ مطلب كفارة اليمين) فقط والله اعلم بالصواب .

شوہر نے بیوی سے کہا اگر تو فلاں سے بات کرے تو تجھے طلاق کی قسم:

(سوال ۷)زید نے اپنی بیوی ہندہ سے کہا ''اگر تو میری بہن کے گھر گئی یا بہن سے بات چیت کی اسی طرح میری بھاوج سے بات چیت کی تو تجھے طلاق کی قسم'' تاہم ہندہ باز نہ آئی اور زید نے جن جن لوگوں سے بات کرنے سے منع کیا تھا ان سب سے بات کر لی اور زید کی بہن کے گھر بھی گئی، تو ہندہ زید کے نکاح میں رہے گی یا نہیں؟ اور اس پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔ دلائل سے آراستہ فرما کر ممنون فرمائیں، فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۷۵ ج نمبر ۵۔(۱) پر ''طلاق کی قسم'' اس لفظ سے طلاق رجعی کے وقوع کا فیصلہ فرمایا ہے صورت مسئولہ کیا حکم ہوگا وضاحت فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں اور فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۷۵ ج ۵ کے جس سوال و جواب کا آپ نے حوالہ دیا ہے اس میں فرق ہے، فتاویٰ رحیمیہ کے سوال کی نوعیت یہ ہے ''بیوی نے کہا آپ جوا چھوڑ دیجئے اور میری طلاق کی قسم کھایئے اس پر شوہر نے کہا مجھے طلاق کی قسم منظور ہے شوہر کے جواب کی وجہ سے یمین کے انعقاد کا اور اس کے خلاف کرنے (یعنی جوا کھیلنے) پر ایک طلاق رجعی کے وقوع کا حکم لگایا گیا ہے...... مگر صورت مسئولہ میں صرف شوہر کا یہ قول مذکور ہے ''اگر تو میری بہن کی گھر گئی یا میری بہن یا میری بھاوج سے بات کی تو تجھے طلاق کی قسم'' اس میں یمین کی نسبت بیوی کی طرف ہے، اور سوال میں بیوی کا جواب مذکور نہیں ہے، لہذا صورت مسئولہ میں نہ شوہر کے حق میں یمین کا انعقاد ہوا نہ بیوی کے حق میں (البتہ اگر بیوی نے جواب میں یہ کہا ہوتا'' ہاں مجھے یہ منظور ہے'' تو بیوی کے حق میں یمین منعقد ہو جاتی) درمختار میں ولو قال عليك عهد الله ان فعلت كذا فقال نعم فالحالف المجيب .شامی میں ہے(قوله فالحالف المجيب) ولا يمين على المبتدى وان نوى اليمين خانية وفتح اى لا سناده الحلف الى المخاطب فلا يمكن ان يكون الحالف غيره (درمختار و شامى ج۳ ص ۱۹۱ كتاب الايمان، قبيل كتاب الحدود) فقط والله اعلم بالصواب .

ہر جمعہ کے روزہ کی نذر مانی تو کیا خاص جمعہ ہی کا روزہ ضروری ہے؟ اور کسی وجہ سے نہ رکھ سکا تو کیا حکم ہے:

(سوال ۸)زید بیمار تھا اس نے نذر مانی کہ اگر میں صحت یاب ہو جاؤں تو ہر جمعہ کو روزہ رکھا کروں گا، اللہ نے صحت دے دی، تو کیا زید کو خاص جمعہ ہی کا روزہ ضروری ہے؟ یا ہفتہ میں کسی دن روزہ رکھنے سے نذر ادا ہو جائے گی، اور کیا

---

(۱) جدید ترتیب کے مطابق کے طلاق معلق کے باب میں شوہر سے جوا چھوڑنے پر طلاق کی قسم لے الخ کے عنوان سے دیکھ لیا جائے

زندگی بھر کے ہر جمعہ کو روزہ رکھنا پڑے گا جب کہ نیت میں پوری زندگی کا ہر جمعہ شامل ہے، پھر کسی عذر سے جمعہ کا روزہ نہ رکھ پائے تو قضاء رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ صورت مسئولہ میں جب زید نے جمعہ کے دن کی تخصیص کر کے نذر مانی ہے، اور اس کی نیت جمعہ ہی کے دن روزہ رکھنے کی ہے تو شرط پوری ہونے پر صرف ہر جمعہ کا روزہ رکھنا لازم ہوگا، ہفتہ میں کسی اور دن روزہ رکھنا کافی نہ ہوگا، اور اگر کسی مجبوری یا عذر سے جمعہ کا روزہ نہ رکھ سکے تو دوسرے دن اس کی قضا کرے، اور چونکہ زید نے ''ہر جمعہ'' کہا ہے، اور زندگی بھر روزہ رکھنے کی نیت تھی، تو پوری زندگی ہر جمعہ کا روزہ لازم ہے، آئندہ شیخ فانی ہونے کی وجہ سے یا ذریعۂ معیشت کے سخت اور مشقت طلب ہونے کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو روزہ کا فدیہ ادا کرے، اور اگر غربت کی وجہ سے فدیہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو استغفار کرے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: و اذا نذر بصوم کل خمیس یاتی علیه فافطر خمیسا واحدا فعلیه قضاءه، کذافی المحیط ولو اخرا لقضاء حتی صار شیخاً فانیاً و کان النذر بصیام الأبد فعجز لذلک او باشتغا له بالمعیشة لکن صنا عته شاقة له ان یفطر ویطعم لکل یوم مسکیناً علی ما تقدم وان لم یقدر علی ذلک لعسرته یستغفر الله انه هو الغفور الرحیم ولو لم یقدر لشدة الزمان کالحر له ان یفطر وینتظر الشتاء فیقضی، کذا فی فتح القدیر (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۳۵ ج ۱ الباب السادس فی النذر)

وان جعل علی نفسه ان یصوم الیوم الذی یقدم فیه فلان وجعل علی نفسه ان یصوم الیوم الذی یعافی فیه فلان ابدا فعوفی فلان فی الیوم الذی قدم فیه فلان فعلیه صوم ذلک الیوم وحده ابداً ولا شئی علیه غیر ذلک، کذافی المحیط (عالمگیری ص ۱۳۴ ج ۱ باب نمبر ۶ فی النذر) فقط والله اعلم بالصواب . ۲۱ ذی الحجه ۱۴۰۵ھ.

کاروباری آدمی کا اپنے کاروبار میں سے ایک متعینہ رقم اعزاء واحباب کو دینے کی نیت کرنا:

(سوال ۹) ایک صاحب کاروبار میں یہ نیت کرتے ہیں کہ مجھے یومیہ جتنا نفع ہوگا اس کا ایک فیصد منافعہ نکال کر اپنے عزیزوں، دوستوں اور اپنے اکابر کی خدمت میں پیش کروں گا، شرعاً اس رقم کی کیا حیثیت ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ صرف ایک ارادہ ہے نذر و منت نہیں ہے لہذا اس کو تلذذ اور خیرات (امداد) کی رقم کہا جائے گا، ہر ضرورت مند کو چاہے وہ مستحق زکوٰۃ نہ ہو یہ رقم دی جا سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب الحدود والقصاص والدیات

قومی فساد کے موقعہ پر قتل مسلم کے عوض کسی بھی کافر کو قتل کرنا:

(سوال ۱۰) فسادات میں کسی جگہ مسلمان قتل ہوتا ہے تو اس کے قاتل کو تلاش کرنا اور مارنا کارے دارد، اگر مسلمان اس کے بجائے کسی بھی کافر کو اپنے علاقہ میں گھیر گھار کر یا موقع پا کر قتل کر دیں تو شرعاً اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر کافر بالمقابل ہو یا مسلمان کو قتل کر چکا ہو یا اس سے خطرہ ہو یا قاتلین کی مدد کرتا ہو تو اسے مارا جا سکتا ہے، اور اگر بے قصور ہو تو مارنا جائز نہیں۔ علی ہذا عورت کو جب کہ وہ مقابلہ میں نہ ہو، اور شیخ فانی اور بچہ کو قتل کرنا درست نہیں، الا یہ کہ ان میں سے کوئی مقابلہ میں آئے یا صاحب رائے ہو اور دشمنوں کا تعاون کر رہا ہو۔ ہدایہ اولین میں ہے: ولا یقتلوا امرأۃ ولا صبیاً ولا شیخاً فانیاً ولا مقعداً ولا اعمیٰ لان المبیح للقتل عندنا هو الحراب ولا یتحقق منهم ولهذا لا یقتل یابس الشق والمقطوع الیمنیٰ والمقطوع یدہ ورجلہ من خلاف ...... الیٰ قولہ ...... الا ان یکون احد هؤ لاء ممن له رأی فی الحراب او تکون المرأۃ ملکۃ لتعدی ضررها الی العباد وكذا یقتل من قاتل من هؤ لاء دفعاً لشرہ ولان القتال مبیح حقیقۃ ولا یقتلوا مجنونا لانه غیر مخاطب الا ان یقاتل فیقتل دفعاً لشرہ . الخ (هدایه اولین ص ۵۴۲ ج ۲، کتاب السیر، باب کیفیۃ القتال.)

درمختار میں ہے: ونهینا. (عن قتل امرأۃ وغیرہ مکلف وشیخ) خر (فان) لا صیاح ولا نسل له فلا یقتل ...... (واعمی مقعد) وزمن ومعتوہ وراهب واهل کنائس لم یخالطوا الناس (الا ان یکون احدهم ملکاً) او مقاتلاً (او ذارأی) او مال (فی الحرب ولو قتل من لا یحل قتله) ممن ذکر (فعلیه التوبۃ والاستغفار فقط) کسائر المعاصی الخ.

(درمختار مع الشامی ص ۳۱۰، ص ۳۱۱ ج ۳، کتاب الجهاد مطلب فی بیان نسخ المثلثه)

حصن حصین میں ہے: جب کسی (سردار) کو کسی لشکر یا فوجی دستے کا امیر (سپہ سالار) بنائے تو (اول) اس کو خود اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی اور (پھر) اپنے ماتحت مسلمان (سپاہیوں) کے ساتھ بھلائی (اور حسن سلوک) سے پیش آنے کی وصیت کرے پھر کہے۔

(۲) انطلقوا بسم الله وبالله وعلیٰ ملۃ رسول الله ولا تقتلوا شیخاً فانیاً ولا طفلاً ولا صغیراً ولا امرأۃ ولا تغلوا وضموا غنائمکم واصلحوا واحسنوا ان الله یحب المحسنین.

جاؤ اللہ کا نام لے کر اور اللہ کی مدد کے ساتھ اور رسول اللہ ﷺ کے دین پر (قائم رہو) کسی بوڑھے ناکارہ آدمی کو قتل مت کرو اور شیر خوار بچہ کم سن لڑکے اور عورت کو بھی قتل نہ کرو، مال غنیمت میں خیانت نہ کرو (بلکہ) مال غنیمت کو ایک جگہ جمع کر دو (اور تقسیم کے بعد اپنا اپنا حصہ لو) اپنے باہمی معاملات درست رکھو اور (ایک دوسرے کے ساتھ) اچھا

سلوک کرو بے شک اللہ تعالیٰ اچھا سلوک کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

ف:۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی کو امیر لشکر بناتے اور لشکر روانہ کرتے تو یہی وصیت کرتے اور دعائیں دیتے۔ (حصن حصین ص عربی) حصن حصین ص ۱۶۸ ص ۱۷۰ اردو) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایکسیڈنٹ میں رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۱) ایک اسکوٹر سوار کا ٹرک سے ایکسیڈنٹ ہو گیا، ٹرک والے نے اسے ٹکر ماری جس کی وجہ سے اسکوٹر کا بھی نقصان ہوا اور اسکوٹر سوار کا ہاتھ پیر ٹوٹ گیا، عدالت مجرم سے یا بیمہ کمپنی سے کچھ رقم دلواتی ہے تو یہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر لے سکتے ہوں تو لے کر خود استعمال کرے یا صدقہ کرے؟ اور اگر اسکوٹر سوار مر جائے اور عدالت رقم دلوائے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اسکوٹر سوار بالکل بے قصور تھا، ٹرک ڈرائیور ہی قصوروار تھا تو عدالت اگر مجرم سے کچھ رقم دلوائے تو بقدر نقصان رقم لینا جائز ہے، مر جانے کی صورت میں شرعاً مجرم کے عاقلہ پر دیت لازم ہوتی ہے، جو لوگ اس کے ہم پیشہ ہوں وہ اس کے عاقلہ ہیں، اور اگر اسکوٹر سوار کا قصور ہو تو اس کی ذمہ داری ٹرک ڈرائیور پر ڈالنا صحیح نہیں۔

ہدایہ اخیرین میں ہے: ومن قاد قطاراً فهو ضامن لما اوطأ . فان وطى بغير انسانا ضمن به الدية على العاقلة لان القائد عليه حفظ القطار كالسائق وقد امكنه ذلك وقد صار متعديا بالتقصير فيه والتسبيب بوصف التعدى سبب الضمان الا ان ضمان النفس على العاقله فيه (اى فى التسبيب) وضمان المال فى ماله (هدايه اخيرين ص ۵۹۷ باب جناية البهيمة والجناية عليها .

نیز ہدایہ میں ہے۔ الراكب ضامن لما اوطئت الدابه ما اصابت بيدها او رجلها اور أسها او كدمت او خبطت وكذا اذا اصطدمت........ والاصل ان المرور فى طريق المسلمين مباح مقيد بشرط السلامة لانه يتصرف فى حقه من وجه وفى حق غيره من وجه لكونه مشتركا بين كل الناس فقلنا بالا باحة بما ذكرنا ليعتدل النظر من الجانبين . الخ (هدايه اخيرين ص ۵۹۴ ايضاً)

درمختار میں ہے:۔ (وضمن عاقلة كل فارس) اور اجل (دية الاخر ان اصطدماوماتامنه) فوقعا على القفا (درمختار)

شامی میں ہے:۔ (قوله ان اصطدما) اى تضار بابا لجسد۱ھ درمنتقى وهذا ليس على اطلاقه بل محمول على ما اذا تقابلا لما فى الا ختيار سار رجل على الدابة فجاء راكب من خلفه فصدمه فعطب المؤخر لاضمان على المقدم وان عطب المقدم فالضمان على المؤخر وكذا فى سفينتين اه (درمختار و شامى ص ۵۴۳ ج۵ . كتاب الجناية، باب جناية البهيمة)

الاختیار میں ہے: فى نوادر ابن رستم رجل سار على دابة فجاء راكب من خلفه فصدمه فعطب المؤخر لاضمان على المقدم، وان عطب المقدم فالضمان على المؤخر . وكذا فى

السفينتين ، ولو كانا دابتين وعليهما راكبان قد استقبلت واصطدمتا فعطبت احد هما فالضمان على الاخر .(الاختيار لتعليل المختار ص ۴۹، ص ۵۰)

دیت شرعاً عاقلہ پر لازم ہوتی ہے مگر اس زمانہ میں عاقلہ پر لازم کرنا بہت مشکل ہے اس کے لئے تو شرعی قاضی چاہئے جس کے پاس قوت نافذہ ہو۔

فی زماننا ہمارے علم کے مطابق ایسی رقم عدالت بیمہ کمپنی سے دلواتی ہے اگر بیمہ کمپنی رقم ادا کرتی ہو تو چونکہ بیمہ کمپنی کی آمدنی زیادہ تر سودی کاروبار سے حاصل ہوتی ہے لہٰذا اگر اس کے ورثاء بے حد محتاج اور ضرورت مند ہوں تو ان کے لئے بیمہ کمپنی سے رقم لے کر بقدر ضرورت استعمال کرنے کی گنجائش ہے اور زائد از ضرورت غرباء کو دے دیں اور اگر وہ محتاج نہ ہوں تو پوری رقم غرباء اور مساکین کو دے دی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زہر کھلا کر مارنا کیسا ہے:

(سوال ۱۲) زید کی بیوی بدکار ہے۔ چند بار سزا دی۔ تب بھی بدکاری سے باز نہیں آتی۔ خود شوہر نے دیکھا۔ چونکہ آج کل سنگساری کی سزا کا اجراء دشوار ہے تو زہر کھلا کر مار ڈالے تو گناہ تو نہیں ؟ کیا مار ڈالنے کی گنجائش ہے ؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) شوہر کے لئے جائز نہیں کہ زہر کھلا کر مار ڈالے۔ شرعی حد (سزا) رجم ہے اور یہ حد مسلمان حاکم جاری کر سکتا ہے ورکنه اقامة الامام أو نائبه فى الاقامة ، فتاوىٰ عالمگيرى كتاب الحدود ج ۲ ص ۱۴۳ ۔ شوہر کو حق نہیں۔ جب اس نے بدکاری میں مبتلاء ہونے کی حالت میں دیکھا ہے تو چاہئے کہ اس کو طلاق دے دے اور مہر باقی ہو تو ادا کر دے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دارالکفر میں زنا کے ارتکاب پر سزا کی کیا صورت ہوگی:

(سوال ۱۳) مجھ سے ایک بہت سخت جرم ہو گیا ہے جس پر مجھ کو بہت ہی ندامت ہے اور دل سے چاہتا ہوں کہ اس جرم کی شریعت محمدیہ میں جو بھی سزا ہو وہ مجھ کو اس دنیا میں دیدی جائے تاکہ آخرت میں اس کی سزا سے بچ جاؤں اور دوسروں کو بھی اس سے عبرت حاصل ہو اور وہ اس جرم کا ارتکاب کرنے کی ہمت نہ کریں، وہ یہ ہے کہ ایک نوجوان لڑکی سے جو میری رشتے دار بھی ہے زنا ہو گیا ہے اس کی جو سزا ہو وہ تحریر فرمائیں اور مجھ پر اس سزا کا اجراء کس طرح اور کہاں ہوگا وہ بھی تحریر فرما دیں، اس کا تذکرہ میں نے اپنے دوست سے کیا ہے، مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے کہ لوگ ملامت کریں گے، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ دنیا ہی میں پاک ہو جاؤں امید ہے کہ مجھے جواب عنایت فرمائیں گے، بینوا توجروا؟۔

(الجواب) ایسے جرم کے لئے دو چیزیں ہیں اول توبۂ خالص۔ تنہائی میں حق تعالیٰ کے سامنے روئے گڑگڑائے اور اپنے فعل پر اظہار ندامت کے ساتھ دائمی طور پر ترک فعل کا عہد و پیمان کرے کہ آئندہ ہرگز ہرگز اس فعل کا ارتکاب نہ کروں گا، زندگی بھر اس سلسلہ کو جاری رکھے اگر یہ توبہ خلوصیت کے ساتھ ہے تو صادق مصدوق رسول مقبول ﷺ کا فرمان واجب الاذعان ہے کہ توبہ کرنے سے گناہ اس طرح محو (مٹ) ہو جاتا ہے جیسا کہ کیا ہی نہیں تھا التائب من الذنب كمن لا ذنب له . الحدیث۔ دوسری چیز شرعی حد کا نفاذ ہے مگر ہندوستان میں اس کا نفاذ ممکن نہیں، دارالاسلام

میں ہوسکتا ہے، دارالحرب میں بادشاہ اسلام بھی حدود شرعیہ کا نفاذ نہیں کرسکتا۔

حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ اس قسم کے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

(جواب ۱۹۵) حدود شرعیہ کی تنفیذ دارالاسلام میں ہوسکتی ہے، دارالحرب میں بادشاہ اسلام بھی حدود شرعیہ کا نفاذ نہیں کرسکتا، پس ہندوستان جو دارالحرب ہے اس میں حدود ممکن نہیں، علمائے امت پر لازم ہے کہ زانی وزانیہ کو اپنی طاقت بھر زجر کریں جو قانون وقت سے متصادم نہ ہو مثلاً مقاطعہ کا حکم دیں یعنی جب تک زانی وزانیہ توبہ نہ کریں اس وقت تک کوئی ان سے میل جول نہ رکھے۔ (کفایت المفتی ص ۱۷۹، ص ۱۸۰ جلد دوم)

اور ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

(سوال) کوئی شخص اپنی محرمات یعنی بہن اور ماں اور خالہ وغیرہ سے مرتکب زنا ہورہا ہے ایسے شخص کے واسطے شرعاً کیا حکم ہے؟ کافر ہوگیا ہے یا مسلمان رہا؟ اس کے ذمہ کس درجہ کا گناہ ہے؟

(۲) ایک شخص ایک فاحشہ عورت سے مرتکب زنا ہے یعنی رنڈی سے، اس رنڈی کی ایک لڑکی ہے، نہیں معلوم کہ اس شخص کے نطفہ سے ہے یا کسی اور شخص کے نطفے سے غرض کہ شخص مذکور رنڈی مذکورہ سے بھی اور اس کی بیٹی سے بھی مرتکب زنا ہے اس زانی کے واسطے شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(جواب ۱۹۳) گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے کافر نہیں ہوتا فاسق ہوتا ہے، ہاں اگر ماں، بہن وغیرہ محرمات کے ساتھ زنا کو حلال بھی سمجھے تو کافر ہوجائے گا، لیکن یہ بات مسلمان کی طرف بلا کسی قوی دلیل کے منسوب نہیں کرسکتے، اسی طرح دوسری صورت کا جواب ہے کہ ان دونوں صورتوں میں زانی مذکور فاسق ہے، شریعت محمدیہ میں اس پر حد زنا لازم ہے، لیکن اقامت حدود کا زمانہ نہیں ہے اس لئے مسلمانوں کو لازم ہے کہ زجراً وتوبیخاً ایسے شخص سے تعلقات اسلامیہ سلام کلام مخالطت وغیرہ ترک کردیں اور جب تک وہ توبہ نہ کرے اور اس کی توبہ کا خلوص قرائن سے معلوم نہ ہوجائے اس وقت تک اس سے مجانبت قائم رکھیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (کفایت المفتی ج ۲ ص ۱۷۸ کتاب الحدود والجنایات) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مرتد نے ہونے کے بعد اسلام قبول کرنا:

(سوال ۱۴۰) ایک شخص مسلمان گھرانہ میں پیدا ہوا اور پینتالیس (۴۵) سال تک اسلامی زندگی بسر کی مؤذن کے فرائض بھی انجام دیئے اس کے بعد وہ (معاذ اللہ مرتد ہوگیا اور بدھ مذہب کا اعلیٰ پیشوا بن گیا، چھ سال اس دور ظلمت میں گذارنے کے بعد پھر ایک بار تائب ہوکر مشرف بہ اسلام ہوا، کوئی کافر اسلام قبول کرتا ہے تو اس کے گذشتہ کے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں لیکن ایک ہدایت یافتہ شخص مرتد ہوگیا اور اس درمیان اس نے افعال شرکیہ کئے۔ حرام غذا کھائی اور بدھ مذہب کی اشاعت کی اب دوبارہ وہ اپنا مذہب قبول کرتا ہے یعنی تائب ہوکر مشرف باسلام ہوتا ہے تو کیا اس شخص کے اسلام لانے سے زمانۂ ارتداد کے گناہ معاف ہوں گے؟ جس طرح کہ مسلمان ہونے سے زمانۂ کفر کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اور ایسے شخص کو دوبارہ مذہب اسلام قبول کرنا ہو تو اس کا کیا طریقہ ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جو شخص کافر ہو وہ اسلام قبول کرے تو اس کے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں، حالت کفر میں یہ شخص واجب

القتل نہیں ہے مگر ارتداد بہت سنگین گناہ ہے (خصوصاً صورت مسئولہ میں) اگر اس پر اسلام پیش کرنے اور اس کے اشکالات دور کرنے کے باوجود خدانخواستہ وہ شخص توبہ نہ کرے تو اسلامی حکومت میں ایسا شخص واجب القتل ہوتا ہے۔ صورت مسئولہ میں اگر وہ شخص سچے دل سے اپنے گناہ پر ندامت اور ادیان باطلہ سے برائت ظاہر کرے، اور کلمۂ شہادت پڑھ کر صدق دل سے ایمان لے آئے اور عمر بھر اپنے اس جرم عظیم پر گریہ وزاری کے ساتھ توبہ کرتا رہے تو امید ہے کہ اللہ اس کی توبہ قبول کرے اور اس کے گناہ معاف کردے۔ درمختار میں ہے (من ارتد عرض) الحاکم (علیه الا سلام استحبابا) علی المذهب وتکشف شبهته ویحبس ثلاثة ایام ان استمهل فان اسلم فیها والا قتل) لحدیث من بدل دینه فاقتلوه (و اسلامه ان یتبرأ عن الا دیان) سوی الا سلام (او عما انتقل الیه) بعد نطقه بالشهادتین (درمختار مع الشامی ج ص ۳۹۴، ج۳ ص ۳۹۵ باب المرتد) فقط و الله اعلم بالصواب .

کتاب الامارة

عورت کو سربراہ مملکت بنانا کیسا ہے؟ (تفصیلی فتویٰ):

(سوال ۱۵) ایک مسلم عاقلہ بالغہ عورت جس ملک میں قانون ساز اسمبلی، ایوان بالا یعنی سینٹ اور ملک کا صدر بھی مسلم ہو، نیز مذکورہ ملک کے اہم امور، مذکورہ اداروں یعنی مجلس قانون سازی سینٹ صدر اور اپنے وزارتی کابینہ سے منظوری لیتی ہو، اور یہی کابینہ زیادہ تر امور مملکت چلاتی ہو، وزیر اعظم محض ذریعۂ نفاذ ہو تو ایسے ملک میں عورت کا وزیر اعظم ہونا عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟ جواب باصواب سے نوازیں۔

خادم وطالب دعاء داؤد کوکنی ۔۵۸/۱ اے بلاک این، نارتھ ناظم آباد کراچی نمبر ۳۳۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! عورتوں اور مردوں میں جس قدر اختلاط کم ہوگا اور عورتیں اپنے گھروں کی زینت بنی رہیں گی اسی قدر دنیا میں فتنہ وفساد کم ہوگا، بے حیائی اور اس سے پیدا ہونے والے بے شمار غلط اور انسانیت سوز افعال کا ظہور نہ ہوگا، عورتوں کی عصمتیں محفوظ رہیں گی۔ مردوں کی نگاہ اور ان کے خیالات وتصورات کی حفاظت ہوگی اور اس سے ایک صالح معاشرہ وجود میں آئے گا، اس لئے قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر عورتوں کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ گھروں میں رہیں بلاضرورت شرعی وطبعی گھروں سے باہر نہ نکلیں، یہی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں پردہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اگر عورت کو شدید شرعی یا طبعی ضرورت کی وجہ سے گھروں سے نکلنا پڑے تو وہ اس طرح پردہ میں نکلیں کہ غلط قسم کے لوگوں کو تاک جھانک کا موقعہ نہ ملے اور ان کی عصمت وعفت محفوظ رہے، اور اگر عورت بے پردہ اور حیا سوز تنگ وچست فیشن ایبل دیدہ زیب لباس پہن کر اور بن سنور کر نکلتی ہے تو اس سے فتنہ وفساد پیدا ہوتا ہے اس کی وجہ سے مرد بھی لعنت خداوندی اور وعید شدید کے مستحق بنتے ہیں اور خود یہ عورت بھی اللہ کی لعنت کی مستحق ہوتی ہے، اس سلسلہ کی چند آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ ملاحظہ ہوں۔

قرآن مجید میں ہے۔ **وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الاولیٰ.** یعنی تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانۂ جاہلیت کے دستور کے موافق علانیہ نہ پھرتی رہو (سورۂ احزاب پارہ نمبر ۲۲)

یہ حکم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اجمعین کے بارے میں ہے جو پوری امت کی ماں کے درجہ میں ہیں۔ جب ان کو یہ خطاب ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ عام عورتوں کو تو بطریقہ اولیٰ یہ خطاب ہے۔

(۲) **واذا سألتموهن متاعاً فاسئلوهن من ورآء حجاب** یعنی: اور جب تم ان سے (یعنی ازواج مطہرات سے) کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو یہ بات (ہمیشہ کے لئے) تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے (سورۂ احزاب پارہ نمبر ۲۲)

یہ بھی ازواج مطہرات کے بارے میں ہدایت ہے کہ جب ان سے کوئی چیز مانگنے کی نوبت آجائے تو بے پردہ ہو کر مت مانگو بلکہ پردہ میں رہ کر مانگو، یقیناً یہ حکم عام عورتوں کے لئے بھی ہوگا۔

(۳) **یآیها النبی قل لازواجک وبناتک ونسآء المؤمنین یدنین علیهن من**

جلابیبھن. (ترجمہ) اے پیغمبر (ﷺ) اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے کہہ دیجئے کہ (سر سے) نیچی کرلیا کریں تھوڑی سی اپنی چادریں، اس سے جلد پہچان ہوجایا کرے گی (کہ یہ آزاد عورت ہے) تو آزاد نہ دی جایا کریں گی (ترجمہ حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ) (سورۂ احزاب پ ۲۲)

غرض منشأ شریعت یہ ہے کہ مرد اور عورتیں آپس میں بے پردہ نہ ملیں اور ان میں اختلاف نہ ہو۔

مرد اور عورتوں میں فطری طور پر ایک دوسرے کی طرف جاذبیت اور جنسی میلان موجود ہے اور شیطان ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے کہ ان کو مبتلائے معصیت کردے، اسی لئے اللہ رب العزت کا حکم عالی ہے کہ مرد بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور عورتیں بھی، اس سے ان کے قلوب پاکیزہ رہیں گے اور گناہ کی طرف میلان اور غلط جذبات وخیالات پیدا نہ ہوں گے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم ويحفظو افروجهم ذلك از كى لهم ان الله خبير بما يصنعون. یعنی آپ (ﷺ) مومنین سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ تمہارے لئے دل کی صفائی اور پاکیزگی کا ذریعہ ہے، بے شک خدائے پاک اپنے بندوں کے کام سے واقف اور باخبر ہے (سورۂ نور پارہ نمبر ۱۸)

اسی طرح عورتوں کے متعلق ارشاد ہے: **وقل للمؤمنات يغضضن من ابصارهن ويحفظن فروجهن.** ......یعنی۔اور مومن عورتوں سے (بھی) کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور شرم گاہوں کی حفاظت کریں (سورۂ نور پ ۱۸)

حدیث میں ہے: **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن الله الناظر والمنظور اليه.** اللہ کی لعنت ہے نامحرم عورت کو دیکھنے والے پر اور اس عورت پر بھی جس کو دیکھا جائے (**مشکوۃ شریف ص ۲۵۰ باب النظر الی المخطوبة**)

نیز حدیث میں ہے: **العينان زنا هما النظر والا ذنان زنا هما الا ستماع واللسان زناه الكلام واليدزناها البطش والرجل زنا ها الخطى والقلب يهوى ويتمنى ويصدق ذلك الفرج ويكذبه.** آنکھ زنا کرتی ہے اور اس کا زنا غیر کو دیکھنا ہے، کان زنا کرتا ہے اور اس کا زنا باتیں سننا ہیں۔ہاتھ زنا کرتا ہے اور ان کا زنا غیر کو پکڑنا (اور مس کرنا) ہے پاؤں زنا کرتا ہے اور اس کا زنا چلنا ہے اور دل خواہش وتمنا کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب (مسلم شریف ص ۳۳۶ ج ۲ باب القدر علی ابن آدم حظہ من الزنا وغیرہ)

نیز حدیث میں ہے: **عن جرير بن عبدالله قال سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن نظر الفجأة فأ مرني ان اصرف نظري.** یعنی حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نامحرم عورت پر ناگہانی (اچانک نظر پڑنے کے بارے میں پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں فوراً اپنی نگاہ ہٹالوں (مشکوۃ شریف ص ۲۶۸ باب النظر الی المخطوبۃ)

نیز حدیث میں ہے **قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعلى لا تتبع النظرة النظرة فان لك الا ولى وليست لك الاخرة** حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا! اے علی

دیکھو! نگاہ کے بعد نگاہ مت ڈالنا، پہلی نظر (پہلی نگاہ) جو اچانک بلا ارادہ ہو جاتی ہے) قابل عفو ہے، دوسری نظر (دوسری نگاہ جو قصداً ہو) وہ معاف نہیں (ابوداؤد شریف بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۹ باب النظر الی المخطوبہ)

احکام القرآن میں اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے فرمایا ہے: **قال ابو بکر انما اراد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقولہ لک النظرۃ الاولیٰ اذا لم تکن عن قصد فاما اذا کانت عن قصد فھی و الثانیۃ سواء.**

یعنی نگاہ اول سے وہ مراد ہے جو اچانک بلا قصد کے ہو لیکن جب کہ (بلا اجازت شرعی) بالقصد ہو تو جس طرح دوسری نظر قابل مواخذہ ہے، اسی طرح پہلی نظر بھی قابل مواخذہ ہے (**احکام القرآن ص ۳۸۸ ج ۳ سورۃ النور باب ما یجب من غض البصر عن المحرمات**)

نیز حدیث میں ہے۔ **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النظر سھم مسموم من سھام ابلیس فمن ترکھا خوفامن اللہ اعطاہ اللہ ایماناً یجد حلاوتہ فی قلبہ.** یعنی نامحرم کو دیکھنا ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے جو اس کو اللہ کے خوف سے چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اس کو ایسا ایمان عطا فرماتا ہے جس کی حلاوت وہ اپنے قلب میں پاتا ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۸ باب النظر الی المخطوبہ)

حضرت عیسیٰ السلام کا فرمان مبارک ہے۔ **ایاکم و النظرۃ فانھا تزرع فی القلب شھوۃ و کفی بھا فتنۃ .** یعنی (اجنبی عورتوں کو) تاک جھانک کرنے سے اپنے کو بچاؤ اس سے دلوں میں شہوت کا بیج پیدا ہوتا ہے اور فتنہ پیدا ہونے کے لئے یہی کافی ہے (احیاء العلوم ص ۹۸ ج ۳ بیان علی المرید فی ترک التزویج وفعلہ)

حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا: شیر اور سانپ کے پیچھے جانا مگر (اجنبی) عورت کے پیچھے نہ جانا (کہ یہ فتنہ میں ملوث کرنے میں شیر اور سانپ سے بھی زیادہ خطرناک ہے) **قال لابنہ یا بنی امش خلف الا سدو الا سود ولا تمش خلف المرأۃ (احیاء العلوم ص ۹۸ ج ۳ بیان علی المرید فی تر التزویج وفعلہ)**

حضرت یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی نے پوچھا کہ زنا کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا نامحرم کو دیکھنے اور حرص کرنے سے اور حضرت فضیلؒ کا قول ہے، ابلیس کہتا ہے کہ نظر (نامحرم کو دیکھنا) میرا وہ پرانا تیر ہے کہ میں کبھی اس سے خطا نہیں کرتا **وقیل لیحیی علیہ السلام ما بدء الزنا قال النظر و التمنی . وقال الفضیل یقول ابلیس ھو قوسی القدیمۃ وسھمی الذی لا اخطئی بہ یعنی النظر (احیاء العلوم ص ۹۸ ج ۳)**

مجالس الابرار میں ہے: **فالمرأۃ لما کانت مخفیۃ من الرجال کان دینھا اسلم لما روی انہ علیہ السلام قال لا بنتہ فاطمۃ ای شئی خیر للمرأۃ قالت الا تریٰ رجلاً ولا یرھا رجل واستحسن قولھا وضمتھا الیہ وقال ذریۃ بعضھا من بعض وکان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسدون الثقب والکویٰ فی الحیطان لئلا تطلع النساء علی الرجال.**

یعنی: عورت جب تک مردوں سے چھپی ہوئی ہے اس کا دین محفوظ ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی

صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کہ عورت کے لئے سب سے بڑی خوبی کی چیز کیا ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا "وہ کسی مرد کو نہ دیکھے اور نہ کوئی اجنبی مرد اس کو دیکھے" حضور اقدس ﷺ کو یہ جواب بہت پسند آیا اور فرمایا اولاد ایک سے ہے (یعنی باپ کا اثر اولاد میں آتا ہے) اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین دیواروں کے سوراخ اور شگاف بند کر دیا کرتے تھے تاکہ عورتیں مردوں کو نہ جھانکیں۔ (مجالس الابرار ص ۵۶۳ مجلس نمبر ۹۸)

حدیث میں ہے: عن جابر رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان المرأة تقبل في صورة شيطان وتدبر في صورة شيطان. یعنی عورت (جو نامحرم ہو وہ جب) سامنے سے آتی ہے تو شیطان کی صورت میں آتی ہے اور پیچھے سے جاتی ہے تب بھی شیطان کی صورت میں ہوتی ہے (مشکوٰۃ شریف نمبر ۲۶۸ باب النظر الی المخطوبۃ)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ان لا تخرج المرأة من بيتها الا لحاجة منها لا تجد منها بداقال صلى الله عليه وسلم المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشيطان. یعنی بلا ضرورت شدیدہ عورت کو اپنے گھر سے نہ نکلنا چاہئے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا عورت ستر ہے (یعنی چھپانے کی چیز ہے) پس جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے (یعنی اس کے پیچھے لگ جاتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں برے خیالات اور غلط جذبات پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کی عزت اور آبرو میں خطرہ کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے (حجة الله البالغه ترجمه نعم الله السابغه ص ۳۶۵ ج ۲ من ابواب تدبير المنزل لاتخرج المرأة من بيتها الخ)

اس لئے عورت کو بلا شرعی اور طبعی ضرورت کے باہر نکلنا ہی نہ چاہئے اور اگر شرعی ضرورت کی وجہ سے نکلنا پڑے تو حکم یہ ہے کہ سر اور چہرہ چھپا کر یعنی پردہ کے ساتھ نکلے۔

رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آیت قرآنی يآيها النبي قل لا زواجک و بناتک ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن ذلک ادنى ان يعرفن فلا يؤذين. کی تفسیر میں فرماتے ہیں تغطي وجهها من فوق رأسها بالجلباب وتبدي عينا واحدا یعنی خدائے پاک نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا کہ اپنے سروں اور چہروں کو ڈھانک کر نکلیں اور صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں (تفسیر روح المعانی ص ۸۶ ج ۲۲)

حضرت عبیدہ سلمانی رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو عملی طور پر آپ نے اپنا سر اور چہرہ چادر سے چھپا کر بائیں آنکھ کھلی رکھ کر فرمایا: یہ ہے اس آیت کی تفسیر اور مراد...... عن محمد بن سيرين قال سألت عبيدة السلماني عن هذه الاية فرفع ملحفة كانت عليه فتقنع بها وغطى رأسه كله حتى بلغ الحاجبين وغطى وجهه واخرج عينه اليسرى من شق وجهه الايسر. (روح المعانی ص ۸۹ ج ۲۲) (تفسير مظهری ص ۲۵۲ ج ۱۰ اردو) (تفسير مواهب الرحمن ص ۱۱۳ ج ۵ سورۂ احزاب)

شیخ الاسلام پاکستان حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں "روایات میں کہ اس آیت کے

نازل ہونے پر مسلمان عورتیں بدن اور چہرہ چھپا کر اس طرح نکلتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ دیکھنے کے لئے کھلی رہتی تھی۔
اس سے ثابت ہوا کہ فتنہ کے وقت آزاد عورت کو چہرہ بھی چھپالینا چاہئے (فوائد عثمانی ص ۵۶۸ پ ۲۲ سورۂ احزاب)

احیاء العلوم میں امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں **والنساء یخرجن متنقبات** عورتیں حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کی زمانہ میں نقاب ڈال کر (یعنی پردہ کے ساتھ) باہر نکلتی تھیں (**احیاء العلوم . ص ۲۸ ج ۲ ذکر العورات لا تخرج المرأة من بیتها الا لضرورة**)

احکام القرآن میں ہے **قال ابو بکر فی هذه الآیة دلالة علی ان المرأ ة الشابة مامورة بستر وجهها عن الا جنبیین** مذکورہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جوان عورت کے لئے ضروری ہے کہ غیر محرم اجنبی مرد سے اپنے چہرہ کو چھپائے (احکام القرآن ص ۴۵۸ ج ۳ للجصاص باب ذکر حجاب النسآء)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حجۃ الوداع میں مرد ہمارے سامنے آجاتے تو ہم منہ پر چادر لٹکا دیتے اور جب سامنے سے ہٹ جاتے تو منہ پر سے چادر ہٹا دیتے، (اس لئے کہ بحالت احرام منہ چھپانا منع ہے) **عن مجاهد عن عائشة قال کان الرکبان یمرون بنا ونحن محر مات مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فاذا حاذوا بنا سدلت احدانا جلبا بها من رأسها علی وجهها فاذا جاوزنا کشفناه (ابو داؤد شریف ص ۲۶۱ ج ۱)**

مجالس الابرار میں ہے: **وان خرجت من بیت زوجها بغیر اذنه یلعنها کل ملک فی السماء وکل شئی الا الا نس والجن فخروجها من بیته حرام علیها قال ابن الهمام حیث ابیح لها الخروج فانما یباح بشرط عدم الزینة وتغییر الهیأ ة الیٰ ما لایکون داعیاً الی نظر الرجال واستما لهم .**
یعنی: اور اگر عورت (شرعی ضرورت کے بغیر) اپنے خاوند کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر نکلتی ہے تو آسمان وزمین کا ہر ہر فرشتہ اور جس جس چیز پر وہ گذرے سب اس پر لعنت کرتے ہیں سوائے انسان اور جنات کے۔ اور علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ جس جگہ عورت کو جانے کی اجازت ہے تو اس شرط سے اجازت ہے کہ زیب وزینت کے ساتھ نہ ہو اور ہیئت ایسی بدل کر جائے کہ مردوں کو اس کے دیکھنے کی رغبت اور خواہش نہ ہو (مجالس الا برار ص ۵۶۲ ص ۵۶۳ مجلس نمبر ۹۸)

حدیث میں ہے: جو عورت عطر اور خوشبو لگا کر نکلتی ہے وہ زانیہ ہے۔ (احکام القرآن ص ۱۰۳)

مذکورہ پوری بحث کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ مردوں اور عورتوں میں اختلاط جتنا کم ہوگا ہر ایک کا دین اسی قدر محفوظ رہے گا اور جتنا اختلاط زیادہ ہوگا دین میں بگاڑ پیدا ہوگا اور دنیا میں فتنہ وفساد رونما ہوگا اور عورتوں کا فتنہ بڑا سخت ہے چنانچہ حدیث میں ہے "**ما ترکت بعدی فتنة اضر علی الرجال من النساء**" میرے بعد مردوں کے لئے کوئی فتنہ عورتوں کے فتنہ سے زیادہ مضر اور نقصان دہ نہیں ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۷ کتاب النکاح)

دوسری روایت میں ہے **واتقوا النساء فان اول فتنة بنی اسرائیل کانت فی النساء.** عورتوں سے ... کہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں کی وجہ سے ہوا تھا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۷ کتاب النکاح۔

ایسے مواقع جہاں گھر سے باہر نکلنا لابدی اور ضروری ہوتا ہے اور مردوں کے ساتھ اختلاط کا اندیشہ ہوتا ہے

شریعت نے اس چیز کا اور اس جگہ حاضر ہونے کا عورت کو مکلّف نہیں بنایا، مثلاً۔

(۱) عورت پر جمعہ وعیدین واجب نہیں۔

(۲) عورت کے ذمہ جماعت سے نماز پڑھنا واجب نہیں بلکہ گھر میں تنہا نماز پڑھنا جماعت کے ساتھ پڑھنے سے افضل ہے۔

(۳) عورت کا محرم نہ ہو تو تنہا حج کی ادائیگی کے لئے جانا جائز نہیں، اگر محرم نہ ملے اور موت کا وقت آجائے تو حج بدل کی وصیت کرے۔

(۴) عورت پر جہاد فرض نہیں۔

(۵) جنازے کے ساتھ جانے کی مکلّف نہیں۔

(۶) قبروں کی زیارت کے لئے جانے کی اجازت نہیں حتیٰ کہ اپنے والدین اور بیٹے وغیرہ کی قبر پر بھی جانا جائز نہیں۔

غور کیجئے! شریعت اسلامیہ نے عورت کی عصمت وعزت کی حفاظت کا کس قدر اہتمام کیا ہے، ان تمام باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ شریعت کا منشاء یہ ہے کہ عورت شرعی ضرورت کے بغیر گھر سے نہ نکلے اور مردوں کے ساتھ اس کا اختلاط نہ ہو۔

اگر عورت سربراہ مملکت بنے گی تو قدم قدم پر مردوں کے ساتھ اختلاط کا موقع آئے گا، اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے پارلیمنٹ، اسمبلی ہال اور اس کے علاوہ متعدد جگہوں پر حاضر ہوگی مٹنگوں اور مشوروں میں شریک ہوگی، بحث ومباحثہ میں حصہ لے گی، مردوں کو مخاطب کرے گی حاضرین اس کی طرف متوجہ ہونگے جگہ جگہ مردوں کے ساتھ اختلاط اور تنہائی کا موقع بھی آئے گا، کیا یہ سب باتیں شرعاً جائز ہوسکتی ہیں؟ مندرجہ بالا ارشادات خداوندی اور احادیث نبوی ہے (**علی صاحبها الف الف تحية وسلام**) کی روشنی میں ان باتوں کا جواب بخوبی معلوم کیا جاسکتا ہے۔

نیز حدیث میں ہے: **عن ابی بکرة قال لما بلغ رسول الله صلی الله عليه وسلم ان اهل فارس قد ملكوا عليهم بنت كسرى قال لن يفلح قومه ولوا امرهم امرأة . رواه البخاری .**

ترجمہ:۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے اپنے اوپر کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنایا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ قوم ہرگز فلاح نہ پاوے گی، جس نے اپنے اوپر ایک عورت کو حاکم وآمر بنایا۔ (**مشکوٰۃ شریف ص ۳۲۱، کتاب الامارۃ والقضاء**) (**ترمذی شریف ج۲ ص ۵۰، ۵۱**)

شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ رحمہ اللہ، اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ''شرح السنۃ'' کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں۔ **قوله ولوا امر هم امرأةً في شرح السنة لا تصلح المرأة ان تكون اماماً ولا قاضياً لان الامام والقاضي محتاجان الى الخروج للقيام بامر المسلمين والمرأة عورة لا تصلح لذلك اه الخ.** یعنی شرح السنہ میں ہے۔ عورت کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ امام (سربراہ حکومت) اور

قاضی ہے کیونکہ امام اور قاضی کو مسلمانوں کے امور نمٹانے کے لئے باہر نکلنے کی ضرورت پیش آتی ہے (اس کے بغیر وہ اپنی ذمہ داری کامل طریقہ پر انجام نہیں دے سکتے) اور عورت چھپانے کی چیز ہے وہ اس کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ (التعلیق الصبیح علی مشکوۃ المصابیح ص ۲۰۱ ج ۴)

نیز حدیث میں ہے: عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا کانت امرائکم خیارکم واغنیاء کم سمحاء کم وامورکم شوریٰ بینکم فظهر الارض خیرلکم من بطنها واذا کانت امراء کم شرارکم واغنیا ئکم بخلائکم وامورکم الی نساء کم فبطن الارض خیر لکم من ظهرها۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تمہارے امراء تم میں بہترین لوگ ہوں اور تمہارے مالدار تم میں سے سخی لوگ ہوں اور تمہارے معاملات آپس کے مشورہ سے طے ہوتے ہوں تو زمین کی پشت تمہارے لئے اس کے پیٹ سے بہتر ہے۔ اور جب تمہارے امراء تم میں کے بدترین لوگ ہوں اور تمہارے مالدار بخیل ہوں اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے حوالے ہوں تو زمین کا پیٹ (یعنی دفن ہونا) تمہارے لئے اس کی پشت سے بہتر ہوگا (ترمذی شریف ص ۵۲ ج ۱، ابواب الفتن، قبیل ابواب الرؤیا)

قرآن مجید میں ہے: الرجال قوامون علی النسآء بما فضل الله بعضهم علیٰ بعض وبما انفقوا من اموالهم. ترجمہ: مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو (یعنی مردوں کو) بعض پر (یعنی عورتوں پر قدرتی) فضیلت دی ہے (یہ تو وہبی امر ہے) اور (دوسرے) اس سبب سے کہ مردوں نے (عورتوں پر) اپنے مال (مہر میں اور نان نفقہ میں) خرچ کئے ہیں۔ (قرآن مجید، سورۂ نساء آیت نمبر ۳۴ پارہ نمبر ۵)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:۔

ارشاد فرمایا: الرجال قوامون علی النساء.... قوام، قیام قیم عربی زبان میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی کام یا نظام کا ذمہ دار اور چلانے والا ہو، اسی لئے اس آیت میں قوام کا ترجمہ عموماً حاکم کیا گیا ہے یعنی مرد عورتوں پر حاکم ہیں مراد یہ ہے کہ ہر اجتماعی نظام کے لئے عقلاً اور عرفاً یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کا کوئی سربراہ یا امیر اور حاکم ہوتا کہ اختلاف کے وقت اس کے فیصلہ سے کام چل سکے، جس طرح ملک وسلطنت اور ریاست کے لئے اس کی ضرورت سب کے نزدیک مسلم ہے، اسی طرح قبائلی نظام میں بھی اس کی ضرورت ہمیشہ محسوس کی گئی اور کسی ایک شخص کو قبیلہ کا سردار اور حاکم مانا گیا ہے اسی طرح اس عائلی نظام میں جس کو خانہ داری کہا جاتا ہے اس میں بھی ایک امیر اور سربراہ کی ضرورت ہے، عورتوں اور بچوں کے مقابلہ میں اس کام کے لئے حق تعالیٰ نے مردوں کو منتخب فرمایا کہ ان کی عملی وعلمی قوتیں بہ نسبت عورتوں، بچوں کے زیادہ ہیں اور یہ ایسا بدیہی معاملہ ہے کہ کوئی سمجھدار عورت یا مرد اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ (معارف القرآن ص ۳۹۵، ص ۳۹۶ ج ۲)

شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"ان آیات میں مطلقاً مردوں کی فضیلت بیان فرماتے ہیں کہ مردوں کو عورتوں پر ہر طرح کی فضیلت حاصل ہے، ذاتی اور عرضی دونوں قسم کی فضیلتیں مردوں کو خدا تعالیٰ نے عطا کی ہیں اور مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا

ہے...... چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مرد عورتوں پر دو وجہ سے حاکم اور قائم ہیں..... ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر بزرگی اور بڑائی دی ہے، یعنی ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر بہت سی باتوں میں فضیلت دی ہے اور اس فضیلت کا اقتضاء یہی ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہوں اور عورتیں محکوم ہوں حق تعالیٰ نے بہ نسبت عورتوں کو مردوں کو عقل اور علم اور حلم اور فہم اور حسن تدبیر اور قوت نظریہ اور قوت عملیہ اور قوت جسمانیہ وغیرہ وغیرہ کہیں زائد، عطا کی اور نبوت اور امامت اور خلافت اور بادشاہت اور قضاو شہادت اور وجوب جہاد اور جمعہ اور عیدین اور اذان اور خطبہ اور جماعت اور میراث میں حصہ کی زیادتی اور نکاح کی مالکیت اور تعدد ازواج اور طلاق کا اختیار اور بلا نقصان کے نماز اور روزہ کا پورا کرنا اور حیض و نفاس اور ولادت سے محفوظ رہنا، یہ فضائل حق تعالیٰ نے مردوں ہی کو عطا کی ہیں انہی فضائل اور خصوصیات کی بنا پر حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر میں کسی کے لئے حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

جسمانی قوت میں عورتیں مردوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں اور ظاہر ہے کہ کمزور اور ناتواں کو قوی اور توانا پر نہ حکومت کا حق ہے اور نہ وہ کر سکتا ہے قضاء وقدر نے عورتوں کی سرشت میں برودت اور نزاکت رکھی ہے اور مردوں میں حرارت اور قوت رکھی ہے اسی وجہ سے فوجی بھرتی اور جنگ وجدال اور قتال اور شجاعت اور بہادری اور میدان جنگ میں حکومت وسلطنت کے لئے جانبازی اور سرحدوں کی حفاظت اور نگرانی اور حکومت کی بقاء کے لئے جس قدر اعمال شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے وہ سب مردوں ہی سے سرانجام پاتے ہیں، مرد کی ساخت اور بناوٹ ہی اس کی فضیلت اور فوقیت کا ثبوت دے رہی ہے اور عورت کی فطری نزاکت اور اس کا حمل اور ولادت اس کی کمزوری اور لاچاری کی کھلی دلیل ہے۔ (معارف القرآن ادریسی ص ۷۰ ج ص ۱۷ جلد دوم)

مذکورہ آیت اور دونوں بزرگوں کی تفسیر سے ثابت ہوتا ہے کہ سربراہی اور حکمرانی مرد ہی کے لئے زیبا ہے، مرد ہی اس کے قابل ہے اور مرد ہی اس ذمہ داری اور بوجھ کو اٹھا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر اس کو اس کے قابل بنایا ہے اس کے برعکس عورت کو سربراہ اور حکمراں بنانا قلب موضوع ہے، عورت فطری طور پر کمزور ہے اس پر اتنی بڑی ذمہ داری ڈالنا فطرت کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک گھر اور ایک خاندان کے انتظامی امور میں مرد کو قیم، سربراہ حاکم فرمایا ہے، عورت کو محکوم اور مامور قرار دیا گیا ہے تو پوری حکومت کا سربراہ اور حاکم بنانا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

امامت کی دو قسمیں ہیں، امامت کبریٰ، امامت صغریٰ، امامت کبریٰ یعنی سربراہ حکومت ہونا، امامت صغریٰ یعنی نماز باجماعت میں مردوں کا امام بننا۔

عورت امامت صغریٰ کے قابل نہیں وہ امام بن کر مردوں کو نماز نہیں پڑھا سکتی، درمختار میں ہے (**ولا یصح اقتداء رجل بامرأة) وخنثی (او صبی مطلقا) ولو فی جنازة ونفل علی الا صح (درمختار مع رد المحتار ج ۱ ص ۵۴۱ باب الا مامة)**

جب عورت امامت صغریٰ کے قابل نہیں تو پوری حکومت کی امامت کبریٰ اسے کیسے حوالے کی جا سکتی ہے؟ چنانچہ درمختار میں امامت کبریٰ کے شرائط بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔ **ویشترط کونه مسلما حرا ذکرا عاقلاً بالغاً قادراً**، رد المحتار (شامی) میں ہے **ولان النساء امرن بالقرار فی البیوت فکان مبنی**

حالهن على الستر واليه اشار النبى صلى الله عليه وسلم حيث قال كيف يصلح قوم تملكهم امرأة.

اور شرط ہے سربراہ حکومت کا مسلمان ہونا مذکر ہونا آزاد ہونا، عاقل ہونا اور احکام جاری کرنے اور مصالح اسلام قائم کرنے پر قدرت رکھنے والا ہونا۔ مرد ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ عورتوں کو گھر میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے، لہذا عورت کے مناسب حال یہی ہے کہ وہ گھر میں رہے اور اس طرف حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے کہ عورت ان کے معاملات کی مالکیت ہو۔ (درمختار ورد المحتار ص ۵۱۲ ج ۱ باب الامامة)

اگر کوئی شخص ملکہ بلقیس کے واقعہ سے عورت کی سربراہی کے جواز پر استدلال کرے تو اس کے متعلق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے۔

''اور ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے پس بلقیس کے قصہ سے کوئی شبہ نہ کرے، اول تو یہ فعل مشرکین کا تھا، دوسرے اگر شریعت سلیمانیہ میں اس کی تقریر بھی کی ہو تو شرع محمدی میں اس کے خلاف ہوتے ہوئے وہ حجت نہیں۔'' (بیان القرآن ص ۸۷ ج ۸ سورہ نمل پارہ نمبر ۱۹) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب الوقف

قبرستان کی ہری گھاس نیلام کر سکتے ہیں یا نہیں :

(سوال ۱۶) قبرستان کی سبز گھاس نیلام کر سکتے ہیں یا نہیں؟ قبرستان کے چاروں طرف کانٹے کی باڑ کر کے قبضہ کر لیا ہے تو گھاس بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) بلامحنت اور آبیاری کے قدرتاً خودرو گھاس مباح الاصل ہوتی ہے۔ ہر ایک اس سے نفع اٹھا سکتا ہے۔ کسی کی ملکیت اس پر نہیں ہوتی جب تک کاٹ کر قبضہ میں نہ لے لے اس کو بیچ نہیں سکتے۔ کانٹے کی باڑ اور تار وغیرہ سے احاطہ (کمپاؤنڈ) کر لینے سے گھاس نہ مقبوض ہوگی نہ مملوک، اسی طرح قبرستان کی گھاس بھی مباح الاصل ہے کہ کسی کی ملک نہیں ہے کہ بیچ سکیں۔ ہاں کاٹ لینے کے بعد بیچ سکتے ہیں مگر قبرستان کی سبز گھاس کاٹنی منع ہے، کیونکہ مردے اس کی تسبیح کے فوائد سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ہاں خشک گھاس کو کاٹنے کی ممانعت نہیں نور الایضاح میں ہے **وقلع الحشیش والشجر من المقبرة ولا بأس بقلع اليابس منهما.** یعنی۔ قبرستان کی سبز گھاس کو اکھیڑنا اور درخت کو کاٹنا مکروہ ہے اور ہر دو خشک ہو گئے ہوں تو مکروہ نہیں ہے (ص ۱۴۲ کتاب الجنائز فصل فی زیارۃ القبور)

قبرستان کی ہری گھاس کاٹنا:

(سوال ۱۷) اگر قبرستان کی ہری گھاس کو نہ کاٹا جائے اور برسات ختم ہونے تک رہنے دیا جائے اور سوکھنے کے بعد کاٹی جائے تو گھاس خشک ہو جاتی ہے لیکن بہت خراب ہو جاتی ہے۔ کیونکہ گھاس بہت گھنی اور لمبی ہوتی ہے زیادہ بارش برستی ہے تو زمین پر گر جاتی ہے پھر جڑوں کے پاس سے گلنے اور سڑنے لگتی ہے۔ سوکھ جانے کے بعد ایسی گھاس کے دام کم ملتے ہیں۔ بارش میں بھی سڑی ہوئی گھاس سبز نظر نہیں آتی بلکہ جڑوں میں سے سڑی ہوئی نظر آتی ہے صرف اوپر کا حصہ سبز نظر آتا ہے۔ تو ایسی حالت میں قبرستان کی گھاس ایک مرتبہ کاٹ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قبرستان کی گھاس کاٹنے کی ممانعت اس لئے ہے کہ اس کی تسبیح سے جو فائدہ مردوں کو ہوتا ہے اس سے وہ محروم ہو جاتے ہیں مگر قبروں کو چھوڑ کر قبروں کے آس پاس (اردگرد) کی گھاس جو پانی سے سڑ رہی ہے اگر اس کو راستہ بنانے یا صفائی کی ضرورت سے کاٹ دیا جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔ نیز گھاس کی اصلاح اور درستی کے لئے قبر کے اوپر کی گھاس ایک آدھ دفعہ کاٹنے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ مگر مردوں کو مذکورہ بالا فائدہ کے پیش نظر یہ کاٹنا ہی افضل و بہتر ہے ہاں سوکھ جانے کے بعد کاٹنے میں کوئی حرج نہیں۔ کبیری میں ہے کہ قبر کے اوپر سے سبز گھاس کو کاٹنا مکروہ ہے۔ خشک گھاس کو کاٹنا مکروہ نہیں۔ **ویکرہ قطع النبات الرطبة من اعلاہ دون الیابس** (ص ۵۶۳ فصل فی الجنائز) **فقط واللہ اعلم بالصواب.**

کیا مقبرہ کی رقم مشاعرہ میں خرچ کر سکتے ہیں :

(سوال ۱۸) روضہ و مقبرہ کی رقم مشاعرہ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

(الجواب) جب ایک وقف کی رقم دوسرے وقف میں بھی استعمال کرنے کی شرعاً اجازت نہیں تو مشاعرہ میں کس طرح اجازت ہو سکتی ہے۔[1] **فقط واللہ اعلم بالصواب۔**

تاحیات مکان موقوفہ میں رہنے کی شرط:

(سوال ۱۹) میری بیوی کے نام ایک مکان ہے ہماری کوئی اولاد نہیں وہ کہتی ہے کہ جب میں مرجاؤں مکان میں شوہر رہے اپنی وفات تک۔ اس کی وفات کے بعد وہ گھر مسجد میں وقف ہے۔ اور اگر پہلے میں مرجاؤں اور میری وفات کے بعد عورت مرے تو اس کی وفات کے بعد مسجد میں وقف ہے۔ اس طور پر وقف نامہ لکھایا ہے تو شرعی حکم کیا ہے؟ عورت کے ورثاء میں تین بھائی ہیں بینوا توجروا۔

(الجواب) وقف نامہ میں وفات کے بعد وقف کرنا تحریر ہوا ہے تو یہ وصیت ہوئی۔ وصیت ایک ثلث میں جاری ہوتی ہے۔ لہٰذا مکان کا ایک ثلث وقف ہوگا۔ اور بعد وفات نہیں۔[2] بلکہ جس وقت وقف کیا جارہا ہے۔ صاف بات یہ ہے کہ مکان وقف کردیا جائے۔ اور وقف میں یہ شرط لگادی جائے۔ کہ میں اور میرا خاوند اپنی ...... زندگی تک گھر کو استعمال کریں گے۔ پھر وہ مسجد کی ضروریات میں استعمال کیا جائے وغیرہ اس طرح وقف کرنے سے وقف صحیح ہے اور اپنی زندگی تک دونوں رہنے کے حق دار ہیں۔ نہایت ضروری بات یہ ہے کہ یہ خیال رکھا جائے کہ اگر کل ترکہ میں یہی ایک مکان ہے۔ تو اس کو وقف کرنے کا یہ مطلب ہے کہ شرعی وارثوں کو محروم کیا جارہا ہے۔ شرعی عذر کے بغیر ورثاء کو محروم کرنے یا ان کے حق کو نقصان پہنچانا گناہ ہے۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا۔ بعض آدمی پوری زندگی خدا کی عبادت اور اطاعت میں گذارتے ہیں۔ لیکن موت کے وقت ترکہ میں ورثاء کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ نار جہنم ان کے لئے لازم ہو جاتی ہے۔" **عن ابی هريرة رضي الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان الرجل ليعمل والمرء ة بطاعة الله ستين سنة ثم يحضر هما الموت فيضار ان في الوصية فتجب لهما النار."** (مشکوۃ شریف ص ۲۶۵ باب الوصایا)

بہر حال اس شرط کے ساتھ وقف کیا جائے تو وقف درست ہوگا۔ مگر یہ خیال ضرور رکھا جائے کہ وقف فی الواقع للہ ہو۔ در پردہ وارثوں کو محروم کرنے اوران کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ ہو۔ کہ نیکی برباد گناہ لازم ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قبرستان میں گھر جھونپڑے۔ وغیرہ بنانا کیسا ہے:

(سوال ۲۰) ایک قبرستان جو پانچ برس سے بند ہے۔ اس میں لوگوں نے جھونپڑے، مکان وغیرہ بنائے۔ بعض لوگوں نے اعتراض کیا تو کہتے ہیں کہ اس میں سے ہڈی وغیرہ نہیں نکلتی۔ تو کیا ان کی دلیل صحیح ہے؟ اور قبرستان کے

---

(۱) وقف مصحفا على اهل المسجد للقراء ة ان يحصون جاز وان وقف على المسجد جاز و يقرأ منه ولا يكون محصورا على هذا المسجد قال في الشامية تحت قوله ان الحصول هذا الشرط مبنى على ماذكره شمس الائمة من الضابط وهو انه اذا ذكر للوقف مصرفا لابدان يكون فيهم الخ كتاب الوقف مطلب متى ذكر للوقف مصرفا لا بدان يكون فيهم الخ ج ۷ ص ۳۶۵)

(۲) او بالموت اذا علق به اى بموته كاذا مت فقد وقف دارى على كذا فالصحيح انه كوصية تلزم من الثلث بالموت لا قبله درمختار مع الشامي كتاب الوقف قبيل مطلب في وقف المريض

کمپاؤنڈ میں ایسی چیزیں بنانا جائز ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔
(الجواب) وقف قبرستان میں جھونپڑے، مکان وغیرہ بنانا جائز نہیں ہے۔ اگر چہ تدفین موقوف ہو۔ اور قبریں بوسیدہ ہو چکی ہوں اور ہڈیاں نہ نکلتی ہوں۔ (۱) فقط و اللہ اعلم بالصواب ۔

قبرستان میں دوکانیں بنانا:

(سوال ۲۱) ہمارے شہر میں ایک مختصر سی قطعۂ زمین میں ایک چھوٹا سا باغیچہ اور چند قبور تھیں اور اس کے اردگرد چہار دیواری تھی، سرکار نے یہ زمین شہر کی میونسپلٹی (کارپوریشن) کو اس شرط پر دے دی کہ وہ اسے باغیچہ ہی کی شکل میں برقرار رکھے، لیکن میونسپلٹی نے اس شرط کا خیال رکھے بغیر تقریباً دو ماہ پہلے اس قطعۂ زمین پر دوکانیں تعمیر کرنے کا کام شروع کردیا جب سنگ بنیاد رکھنے کے لئے کھدائی شروع ہوئی تو ہڈیاں نکلیں، جس سے مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہوا اور احتجاج کیا گیا اور عدالت میں دعویٰ دائر کر کے تعمیری کام رکوادیا گیا۔
اب سوال یہ ہے کہ میونسپلٹی یا کوئی جماعت یا فرد ایسی قطعۂ زمین پر جس میں قبریں ہوں دوکان تعمیر کرواسکتی ہے؟ آج بھی اس مذکورہ زمین میں کچھ پرانی اور پختہ قبروں کے نشانات اور آثار موجود ہیں، شرع متین کا اس بارے میں کیا فیصلہ ہے؟ مطلع فرما کر ممنون فرمائیں، یہ شہر کے مسلمانوں کا عام مسئلہ ہے۔ بینوا توجروا۔
(الجواب) یہ قطعۂ زمین وقف ہوگا یا کسی مسلمان کی ملک ہوگی، اس لئے سرکار یا میونسپلٹی یا کسی فرد یا جماعت کو حق حاصل نہیں کہ اس پر دوکانیں تعمیر کرے، اموات کی بے حرمتی لازم آئے گی لہٰذا مسلمان پر لازم ہے کہ پرزور احتجاج کریں اور مطالبہ کریں کہ قبروں کو باقی رکھتے ہوئے باغیچہ بنا دیا جائے جیسا کہ پہلے تھا۔ (۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

موقوفہ زمین کس صورت میں فروخت ہوسکتی ہے؟:

(سوال ۲۲) ایک شخص نے بیالیس ۴۲ بیگھہ زمین مسجد کو وقف کی ہے، مسجد کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ وہ آب پاشی کے لئے ٹیوب ویل کا انتظام کرسکے اس لئے فصل کا پورا مدار بارش کے پانی پر رہتا ہے اس بناء پر سالانہ آمدنی بہت ہی کم ہوتی ہے اور اس میں سے سو ۱۰۰ روپے ٹیکس میں نکل جاتے ہیں، اس لئے موجود منتظمین چاہتے ہیں کہ اس زمین کو بیچ کر ان پیسوں سے کوئی مکان بنوالیں یا خرید لیں کہ آمدنی زیادہ ہو اس نیت سے یہ موقوفہ زمین بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) واقف نے وقف نامہ میں فروخت کرنے کی اجازت دی ہو یا وقف اس حالت میں ہو کہ اس سے کوئی نفع حاصل نہ ہوسکے تو فروخت کرنے کی اجازت ہے، اگر کچھ بھی نفع حاصل ہوتا ہو تو اسے فروخت کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ شامی میں ہے۔ (**قوله وجاز شرط الا ستبدال به الخ) اعلم ان الا ستبدال علی ثلاثة وجوه الاول ان یشترطه الواقف لنفسه اولغیره فالا ستبدال فیه جائز علی الصحیح وقیل اتفاقاً والثانی ان**

(۱-۲) ویکره ان یبنی علی القبر أو یقعد او ینام علیه او یو طأ علیه الخ. فتاوی عالمگیری کتاب الجنائز فی القبر والدفن والنقل الخ ج ۱ ص ۱۶۶

لا یشترطه سواء شرط عدمه او سکت لکنه صار بحیث لا ینتفع به بالکلیة بان لا یحصل منه شیئی اصلاً او لا یفی بمو نته فهو ایضاً جائز علی الا صح اذا کان باذن القاضی و رأیه المصلحة فیه و الثالث ان لا یشرطه ایضا و لکن فیه نفع فی الجملة و بدله خیر منه ربعاض و نفعاً و هذا لا یجوز استبداله علی الا صح المختار کذا حرره العلامة قنا لی زاده فی رسالته الموضوعة فی الا ستبدال الخ (شامی ج۳ ص ۵۳۵ تحت مطلب فی استبدال الوقف و شروطه). فقط و الله اعلم بالصواب .

وقف علی الاولاد کی ایک صورت:

(سوال ۲۳) ایک شخص نے اپنا مکان وقف کیا اور کہا کہ یہ میری قریب آل واولاد کے لئے وقف ہے، تو اب اس وقف مکان میں اس شخص کی لڑکیوں کا حق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قریب کی اولاد میں لڑکیاں بھی شامل ہوں گی۔ رجل قال ارضی هذه صدقةموقوفة علی ولدی کانت الغلة لو لدصلبه یستوی فیه الذکر و الا نثی . الخ (فتاویٰ عالمگیری ج۳ ص ۲۰۶ کتاب الوقف الباب الثانی الفصل الثانی). فقط و الله اعلم بالصواب . ۴ شعبان ۱۴۰۰ھ.

شیعہ آغاخانی کھوجے کو وقف کا منتظم بنانا:

(سوال ۲۴) ایک مرحوم صاحب خیر کی ملکیت سورت میں ہے مرحوم کا کوئی وارث نہیں ہے، ان کی اس ملکیت میں سولہ ۱۶ کرایہ دار رہتے ہیں اور وہ خود بھی اسی میں رہتے تھے انہوں نے اپنی وفات سے پہلے عمارت کی آمدنی کے لئے ایک ٹرسٹ قائم کیا ہے اور وصیت کی ہے کہ اس کی جو آمدنی ہو پہلے اس سے مکان کی تعمیر و مرمت کی جائے اور پھر جو رقم بچا کرے وہ محلّہ کی چار مسجدوں میں تقسیم کی جایا کرے، مذکورہ عمارت کے کل پانچ افراد ٹرسٹی ہیں ان میں ایک شخص شیعہ آغاخانی کھوجا بھی ہے، ہم اہل سنت والجماعت حنفی المسلک ایسی آدمی کو ٹرسٹی (منتظم) قائم رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) واقف نے غلطی کی ہے کہ سنی ٹرسٹیوں کے ساتھ آغاخانی کو ٹرسٹی بنایا، اب اگر اس کی وجہ سے وقف کو نقصان پہنچتا ہو اور واقف کا مقصد فوت ہوجاتا ہو تو بدلا جاسکتا ہے، اگر قانونی طور پر اس کی منظوری ہوگئی ہو تو قانونی چارہ جوئی کے ذریعہ کارروائی کی جائے تاکہ کوئی فتنہ پیدا نہ ہو۔

صورت مذکورہ میں سنی ٹرسٹیوں کی اکثریت ہے تو ایک نے اگر مخالفت کی تو وہ کامیاب نہ ہوگا کیونکہ فیصلہ اکثریت کی رائے سے ہوگا۔ بہر حال " نہ سانپ بچے نہ لاٹھی ٹوٹے" کے اصول پر کام کیا جائے ، فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۵ ذیقعدہ ۱۳۹۹ھ۔

طلباء کے چندہ سے قائم کی ہوئی انجمن کی شرعی حیثیت:

(سوال ۲۵) ایک مدرسہ میں حالات خراب ہوئے اس وقت وہاں کی انجمن کی صدارت احقر کے ذمہ تھی، مدرسہ کی مجلس شوریٰ نے انجمن پر قبضہ کرنے کا حق مہتمم کو دے دیا ہے حالانکہ انجمن طلباء کی تھی اس میں کافی کتابیں ہیں اور

دوسری چیزیں بھی ہیں، انجمن طلبہ کے پیسوں سے قائم ہوئی تھی، انجمن کا حساب کس کو دیا جائے؟ مجلس شوریٰ کا فیصلہ کہاں تک درست ہے؟ مجلس شوریٰ کا اعلان یہ ہے۔

''طلباء کو اطلاع دی جاتی ہے کہ ۴ جون ۱۹۷۴ء مجلس شوریٰ کی منعقدہ مجلس نے جامعہ کے طلباء کے نام سے جو انجمن قائم ہے اسے غیر قانونی ٹھیرایا جاتا ہے اس کے علاوہ کی بھی تمام انجمنیں غیر قانونی قرار دی جاتی ہیں، جمعیۃ الطلبہ کی کتابیں نقد اور سامان کو بھی ضبط کرنے کا اختیار مہتمم صاحب کو دیا جاتا ہے۔

۲...... میرا کچھ ذاتی مال بھی مدرسہ کے کمرہ میں ہے اس پر بھی مہتمم صاحب نے قبضہ کر لیا، کیا شرعاً ان کا قبضہ کرنا جائز ہے، جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) جمعیۃ الطلباء کی حیثیت عرفاً وقف کی ہوگئی، طلبہ کی ذاتی ادارہ اور ذاتی کتب خانہ شمار نہ ہوگا، جب طلباء فارغ ہو کر جاتے ہیں تو کتب خانہ کی کتابیں اور سامان ساتھ نہیں لے جاتے بلکہ بعد میں آنے والے طلبہ کے لئے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، انجمن کا یہ دستور اس پر دال ہے کہ کتابیں اور سامان ذاتی نہیں اس لئے طلباء کو مطالبہ کا کوئی حق نہ ہوگا بعد میں آنے والے طلبہ اس سے منتفع ہوتے رہیں گے، اس سلسلہ کا حساب اب مہتمم کو دے دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

۲۔ کمرہ میں آپ کی ذاتی کتابیں اور سامان وغیرہ ہو اس کا آپ مطالبہ کر سکتے ہیں کہ وہ آپ کا حق ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قبرستان کے درختوں کو کاٹ کر ان سے مسجد اور مدرسہ کی اینٹیں پکانا:

(سوال ۲۶) ایک قبرستان جس میں چار گاؤں مشترک ہیں اور وہ قبرستان صرف ایک گاؤں کی ملکیت کا ہے اس گاؤں کے باشندوں نے دیگر تین گاؤں کے باشندوں کو اپنے مردے دفن کرنے کی اجازت دے رکھی ہے، اس قبرستان میں بڑے بڑے درخت ہیں ان درختوں کو کاٹ کر مسجد اور مدرسہ کی اینٹیں پکانے کے لئے وہ گاؤں والے جو مالک ہیں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قبرستان وقف نہ ہو کسی کی ملک ہو تو اس کی اجازت سے درست ہے، اگر قبرستان وقف ہے تو غیر ضروری درختوں کو کٹوا کر اس کی قیمت قبرستان کا کمپاؤنڈ بنانے اور اس کی مرمت میں اور قبرستان کی صفائی و رسایہ دار درختوں کے لگانے، غیرہ کاموں میں صرف کرنا چاہئے، بلا قیمت دوسری جگہ دینے کی اجازت نہ ہوگی۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کی وقف جگہ بغیر کرایہ کے کسی ادارہ کو دینا:

(سوال ۲۷) مسجد کی کچھ وقف جگہ ہے وہ بغیر معاوضہ لئے کسی ادارہ کو مدرسہ چلانے کے لئے دے سکتے ہیں یا

(۱) مقبرة عليها اشجار عظمية فهذا على وجهين اما ان كانت الا شجار نابتة قبل اتخاذ الارض مقبرة او نبت بعد اتخاذ الارض مقبرة ففي الوجه الا ول المسالة على متيمن اما ان كانت الارض مملوكة لها مالك او كانت مواتالا مالك لها واتخذها اهل القرية مقبرة ففي القسم الاول الا شجار با صلها على ملك رب الا رض يصنع بالاشجار واصلها ما شاء الخ ، فتاوىٰ عالمگيرى المسائل التى تعود الى الا شجار التى فى المقبرة الخ ج ۲ ص ۴۷۳

نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کی وقف جگہ مسجد کے مفاد کے لئے ہے لہذا کسی ادارہ کو مفت دینا جائز نہیں،[۱] کرایہ لیا جائے اور اسے مسجد کے مفاد میں استعمال کیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کے وقف قرآن فروخت کرنا:

(سوال ۴۸) ایک صاحب خیر نے مسجد میں تلاوت کے لئے قرآن وقف کئے، ایک دوسرے آدمی نے پیسے دے کر وہ قرآن لے لئے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ درست ہے برائے کرم تحریر فرمائیں کہ مسجد کا قرآن اس طرح بیچا جا سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کے وقف قرآن بیچنا جائز نہیں، ضرورت سے زائد ہو اور کام میں نہ آتے ہوں تو قریب کی ضرورت مند مسجد میں دے دیئے جائیں مسجد کو جب ضرورت نہ ہو تو لینا ہی نہیں چاہئے۔[۲] **فقط واللہ اعلم بالصواب۔**

قبرستان کا احاطہ بنانے میں سود اور زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنا:

(سوال ۴۹) ہم لوگ قبرستان کی چہار دیواری کرنا چاہتے ہیں، اس میں کون سے پیسے استعمال کئے جائیں؟ کیا اس میں زکوٰۃ یا سود یا جوے کی رقم استعمال کی جا سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قبرستان کا احاطہ کر کے قبروں کو بے ادبی اور توہین سے بچانا ضروری ہے اور اس کے لئے حلال کمائی کی رقم ہونی چاہئے، زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنا جائز نہیں ہے اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، جوے کی رقم استعمال کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے، اپنے مردوں کو بے ادبی سے بچانے کے لئے انتظام کرنا اپنا فریضہ ہے، اپنی حیثیت کے مطابق رقم جمع کریں اگر کافی نہ ہو تو مجبوراً بینک کے سود کی رقم وقف قبرستان کے احاطہ میں استعمال کی جا سکتی ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۵ شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ۔

کتنا مال وقف کرنا جائز ہے:

(سوال ۵۰) ایک بیوہ خاتون کے پاس پچیس ہزار کی زمین، ایک گھر اور پندرہ تولہ سونے کا زیور ہے، ان میں سے وہ خاتون شرع کے مطابق اپنی زندگی میں اپنے مرحومین اور خود اپنے لئے ثواب جاریہ کرنا چاہے تو کتنا مال وقف کر سکتی ہے، خاتون کی کوئی اولاد نہیں ہے، بھائی وغیرہ ہیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) ورثاء کو محروم کرنا بڑا گناہ ہے، ویسے اس خاتون کو اختیار ہے کہ اپنے ثواب کے لئے اور خویش و اقارب کے ایصال ثواب کے لئے خیر خیرات کرے بشرطیکہ ورثاء کو محروم کرنا یا نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو۔ وقف کرنے کی صورت یہ ہے کہ پوری ملکیت کا تیسرا حصہ وقف کر دیا جائے، اور اگر ضرورت اور حاجت ہو تو یہ شرط لگائی جا سکتی ہے کہ

---

(۱) یو جر بأجر المثل فلا یجوز بالاقل ولو هو المستحق قاری الهدایة الا بنقصان یسیر قال فی الشامیة تحت قوله فلا یجوز بالاقل ای لا یصح اذا کان بغبن فاحش. مطلب لا یصح ایجار الوقف باقل من اجرة المثل، شامی ج۳ ص ۴۰۳.

(۲) وعن الثانی ینقل الی المسجد آخر باذن القاضی ومثله فی الخلاق المذکور حیشش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما درمختار مع الشامی مطلب فیما لو خرب المسجد اوغیره ج۳ ص ۳۵۹

میں اپنے انتقال تک اس سے فائدہ اٹھاؤں گی اس کے بعد وقف کے متولی (ٹرسٹی) اپنے قبضہ میں لے سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

''صلبی اولاد'' پر وقف کیا تو اولاد کی اولاد حق دار ہوگی یا نہیں؟:

(سوال ۳۱) ایک شخص نے ایک جائیداد اپنی اولاد پر وقف کیا ہے اور وقف نامہ میں اس طرح لکھا ہے۔ ''میں اپنی یہ جائیداد اپنی صلبی اولاد پر وقف کرتا ہوں'' واقف کا انتقال ہوگیا ہے، مرحوم کے دولڑکے اور دولڑکیاں تھیں ان چار میں سے دولڑکوں اور ایک لڑکی کا انتقال ہوگیا ہے، اب ایک لڑکی حیات ہے، مرحوم ایک لڑکے کی اولاد میں دولڑکے اور تین لڑکیاں اور ایک بیوی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں مرحوم لڑکے کی اولاد وقف کی آمدنی میں سے حق دار ہے یا نہیں؟ موجودہ صورت میں وقف کی آمدنی کس طرح تقسیم کی جائے؟ جولڑکی حیات ہے اس کو کتنا ملے گا؟ وضاحت کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(جواب) وقف نامہ یا اس کی نقل ارسال کی ہوتی تو بہتر ہوتا، آپ نے سوال میں وقف نامہ کی یہ عبارت نقل فرمائی ہے۔ ''میں اپنی یہ جائیداد اپنی صلبی اولاد پر وقف کرتا ہوں'' اردو محاورہ میں صلبی اولاد سے مراد بطن اول ہوتا ہے، اولاد کی اولاد مراد نہیں ہوتی، لہٰذا مذکورہ صورت میں جب تک صلبی اولاد میں سے کوئی بھی موجود رہے گی وہی آمدنی کی مستحق ہوگی۔ اور آمدنی تمام اولاد ذکور واناث میں مساوی طور پر تقسیم ہوگی (مذکر ومؤنث میں کمی بیشی نہ ہوگی) جب تک مرحوم کی چاروں صلبی اولاد حیات رہے چاروں مساوی طور پر حق دار ہوں گے اس کے بعد جس کا انتقال ہو جائے اس کی اولاد حق دار نہ ہوگی، بقیہ صلبی اولاد میں سے ایک بھی باقی نہ رہے تو اس کے بعد وقف کی آمدنی فقراء پر صرف کی جائے گی، اولاد کی اولاد حق دار نہ ہوگی، البتہ اگر وہ محتاج اور غریب ہوں تو غریب ہونے کے اعتبار سے ان کو بھی دیا جا سکتا ہے، بطریقہ وقف حق دار نہ ہوں گے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں صلبی اولاد میں صرف ایک لڑکی باقی ہے تو کل آمدنی کی وہی حق دار ہے، مرحوم لڑکے کی اولاد حق دار نہیں۔

درمختار میں ہے: کجعله لولده ولكن يختص بالصلبي ويعم الا نثى مالم يقيده بالذكر و يستقل به الواحد فان انتفى الصلبي فللفقراء دون ولد الولد ...... شامی میں ہے (قوله ولكن يختص بالصلبي) اى بالبطن الاول ان وجد فلا يدخل فيه غيره من البطون لان لفظ ولدى مفرد وان عم معنى بخلاف اولادى بلفظ الجمع على ما يأتى (اردو میں صلبی اولاد بولا جاتا ہے تو اس سے مراد بطن اول ہوتا ہے بطن ثانی وثالث داخل نہیں سمجھے جاتے اسی مذکورہ صورت میں صرف بطن اول کو حق دار قرار دیا گیا ہے) (قوله ويعم الا نثى) اى كالذكر اسم الولد ماخوذ من الولادة وهى موجودة فيهما (قوله ويستقل به الواحد) بان كان له اولاد حين الوقف فماتوا الا واحدة. اولم يكن له الا واحد. فان ذلك الواحد ياخذ جميع غلة الوقف لان لفظ ولدى مفرد مضاف فيعم (درمختار و شامی ص ۶۰۴

ج ۳، فصل فیما یتعلق بوقف الا ولاد)

فتاوی عالمگیری میں ہے: رجل قال ارضی هذه صدقة موقوفة علی ولدی کانت الغلة لو لد صلبه یستوی فیه الذکر والانثی واذا جاز هذا الوقف فما دام یوجد واحد من ولد الصلب کانت الغلة له لا غیر فان لم یبق من البطن الاول تصرف الغلة الی الفقراء، ولا یصرف الیٰ ولد الولد ..... الخ (فتاویٰ عالمگیری ص ۲۰۶ ج ۳، کتاب الوقف، باب ۳، فصل نمبر ۲) فقط واللہ اعلم بالصواب.

نام بنام صلبی اولاد پر وقف کیا تو آمدنی کس طرح تقسیم ہوگی؟ کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کے حصہ کا کون حق دار ہوگا؟:

(سوال ۳۲) ایک شخص نے اپنا مکان اپنی صلبی اولاد پر وقف کیا، اور زبانی اس طرح کہا ہے اور تین پابند شریعت اس بات کے گواہ ہیں" میں اپنا یہ مکان اپنی صلبی اولاد محمد علی، محمد انس، محمد جنید، فاطمہ بیگم اور میمونہ بیگم پر وقف کرتا ہوں" واقف کا انتقال ہو گیا ہے، مرحوم کی تمام اولاد حیات ہے ان پر وقف کی آمدنی کس طرح تقسیم ہوگی؟ مستقبل میں ان پانچ بچوں میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کی اولاد در اولاد وقف کی آمدنی کی مستحق ہوگی یا نہیں؟ مذکورہ بچوں میں سے ایک لڑکا موقوفہ مکان بیچ دینا چاہتا ہے اور اس کی رقم تمام حق داروں میں تقسیم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ مکان بیچ کر مرحوم کے تمام وارثوں میں وہ رقم تقسیم کر سکتا ہے۔ جواب عنایت فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مفتی بہ قول کے مطابق زبانی وقف بھی صحیح ہے ثم ان ابا یوسفؒ یقول وقفاً ۔۔۔ جرد القول لا نه بمنزلة الا عتاق عنده وعليه الفتوی (شامی ص ۴۹۴ ج ۳، کتاب الوقف) (فتاوی دار العلوم قدیم ص ۲۴۹، ۲۵۰ ج ۵، ۶ نیز ص ۲۴۰ ج ۵/۶، عزیز الفتاویٰ).

صورت مسئولہ میں مرحوم واقف نے جو کچھ زبانی کہا ہے جب اس کے شاہد موجود ہیں اور وہ پابند شریعت اور عادل ہیں تو اگر مرحوم نے اور کوئی ایسی شرط جو مانع صحت وقف ہو نہ لگائی ہو تو مذکورہ وقف صحیح ہو جائے گا۔

واقف نے اپنا مکان صرف اپنی صلبی اولاد پر وقف کیا ہے اور ساتھ ساتھ ان کے ناموں کی صراحت بھی کر دی ہے کہ" میں اپنا مکان محمد علی، محمد انس، محمد جنید، فاطمہ بیگم اور میمونہ بیگم پر وقف کرتا ہوں" تو مرحوم واقف کے منشاء کے مطابق یہ مکان انہی لوگوں پر وقف ہوگا اور یہی اولاد وقف کی آمدنی کی مستحق ہوگی، جب تک یہ پانچوں بچے حیات رہیں گے وقف کی آمدنی تمام اولاد ذکور واناث پر مساوی تقسیم ہوگی (مذکر اور مؤنث میں کمی بیشی نہ ہوگی) اس کے بعد اگر کسی کا انتقال ہو جائے گا تو اس کا حصہ غرباء پر تقسیم ہوگا اس کی اولاد یا اس کے حیات بھائی بہن اس کے حصہ کے حق دار نہ ہوں گے (بقیہ بچوں میں بھی یہی حکم رہے گا) اور جب مذکورہ تمام اولاد کا انتقال ہو جائے گا تو اس کے بعد کل آمدنی فقراء پر خرچ کی جائے گی، ان بچوں کی اولاد حق دار نہ ہوگی، البتہ اگر ان میں کوئی غریب اور محتاج ہو تو غریب، فقیر ہونے کی حیثیت سے اس کو دیا جائے گا۔

درمختار میں ہے: ولو قال علی اولادی ولکن سماهم فمات احدهم صرف نصیبه للفقراء

شامی میں ہے (قولہ ولکن سماھم) فقال علی فلان و فلان وفلان ء جعل آخرہ للفقراء درر فلو کان اولادہ اربعۃ وسمی منھم ثلثۃ لم یدخل المسکوت عنہ۔ ..الخ (قولہ صرف نصیبہ للفقراء لانہ وقف علی کل واحد منھم بخلاف ما اذا وقف علی اولاد ثم للفقراء ولم یسم الاولاد فمات بعضھم فانہ تصرف الی الباقی لانہ وقف علی الکل لا علی کل واحد افادہ فی الدر (درمختار و شامی ص ۶۰۲ ج۳ فیما یتعلق بوقف الاولاد)

عالمگیری میں ہے ولو وقف علی اولاد وسماھم فقال علی فلان وفلان وفلان وجعل آخرہ للفقراء فمات واحد منھم فانہ یصرف نصیب ھذا الواحد الی الفقراء کذا فی فتاویٰ قاضی خاں (فتاوی عالمگیری ص ۲۰۸ ج۳ کتاب الوقف باب ۳ فصل نمبر ۲)

صورت مسئولہ میں وقف کی صحت ثابت ہوجائے تو اسے بیچنا ہرگز جائز نہ ہوگا، اگر کوئی شخص بیچے گا تو بیع باطل ہوگی اور بیچنے والا سخت گنہگار ہوگا۔ درمختار میں ہے (فاذا تم ولزم لا یملک ولا یملک ولا یعار ولا یرھن) شامی میں ہے (قولہ فاذا تم ولزم) لزومہ علیٰ قول الامام باحد الامور الاربعۃ المارۃ وعندھما مجرد القبول ولکنہ عند محمد لا یتم الا بالقبض والافراز والتابید لفظاً وعند ابی یوسف رحمہ اللہ بالتابید فقط ولو معنی کما علم مما مر (قولہ لا یملک) ای لا یکون مملوکاً لصاحبہ ولا یملک ای لا یقبل التملیک لغیر بالبیع ونحوہ لا ستحالۃ تملیک الخارج عن ملکہ (درمختار وشامی ج۳ ص ۵۰۷ مطلب فی شرط واقف الکتب الا تعار ولا یرھن ج۳ ص ۵۴۵)۔ غایۃ الاوطار میں ہے: فاذا تم...... پھر جب وقف باجتماع شرائط وارتفاع موانع تمام ہوا تو مملوک نہیں ہوتا اور تملیک اس میں نہیں اور نہ رعایت اور نہ رہن (غایۃ الاوطار ص ۵۶۸ ج ۲، کتاب الوقف) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کوئی شخص موقوفہ زمین بیچنے کی کوشش کرے تو اس وقت مسلمانوں کی کیا ذمہ داری ہے؟:

(سوال ۴۳) ایک زمین وقف علی الاولاد ہے اور اس زمین کا وقف ہونا بستی کے بہت سے لوگوں کو معلوم بھی ہے مگر اس وقت واقف ہی کی اولاد میں سے ایک شخص نے رشوت دے کر بذریعہ حکومت (کورٹ) اسے وقف سے آزاد کرالیا ہے اور اب وہ شخص وہ موقوفہ زمین ایک غیر مسلم کو بیچ دینا چاہتا ہے اس شخص کو بہت سمجھایا مگر وہ بیچنے پر مصر ہے اس صورت میں بستی کے ذمہ دار مسلمان کیا کریں ان پر شرعی ذمہ داری کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) وقف علی الاولاد کو باطل کرنے اور کسی کو بیچنے کا حق نہ اولاد کو حاصل ہے نہ حکومت وکورٹ کو۔ درمختار میں ہے (فاذا تم ولزم لا یملک ولا یملک ولا یعار ولا یرھن. شامی میں ہے (قولہ لایملک) ای لا یکون مملوکاً لصاحبہ ولا یملک ای لا یقبل التملیک لغیرہ بالبیع ونحوہ لا ستحالۃ تملیک الخارج عن ملکہ (درمختار و شامی ایضاً ۳/۵۰۷)

ہدایہ میں ہے: واذا صح الوقف لم یجز بیعہ ولا تملیکہ اما امتناع التملیک فلما بینا ای ماروی من حدیث تصدق باصلھا لا یباع ولا یوھب (ہدایہ اولین ص ۶۲۰، ص ۶۲۱. کتاب

الوقف)

شرح الوقایہ میں ہے فاذا صح الوقف لا یمک ولا یملک...... الی قولہ ...... والا صح انہ لا یجوز فان الوقف بعد الصحۃ لا یقبل الملک کالحر لا یقبل الرقیۃ، (شرح الوقایہ ص ۴۱۱ ج ۲ کتاب الوقف)

صورت مسئولہ میں واقف کی اولاد میں سے ایک شخص وقف کو باقی رکھنا نہیں چاہتا واقف کے منشاء کے خلاف کرنے پر تلا ہوا ہے اور غیر مسلم کو فروخت کرنا چاہتا ہے تو مسلمان کو چاہئے کہ کسی بھی طرح وقف کو علیٰ حالہ باقی رکھنے کی کوشش کریں اور اسے موقوفہ زمین بیچنے نہ دیں اس میں تغافل اور تساہل سے کام نہ لیں، خدانخواستہ اس میں کامیابی نہ ہوں سکے تو مجبوری کی صورت میں اس شخص کو کچھ رقم دے کر موقوفہ زمین مرحوم واقف کی بقیہ اولاد کو اس شرط کے ساتھ حوالے کردیں کہ وہ لوگ وقف کی پوری ذمہ داری کے ساتھ حفاظت اور واقف کی منشاء کے مطابق عمل کریں اور اگر یہ صورت مشکل ہو تو ایک کمیٹی بنا کر یہ وقف اس کے زیر انتظام کردیا جائے اور وہ کمیٹی اس کی آمدنی غرباء پر خرچ کرتی رہے، اور اگر یہ صورت بھی اختیار نہ کرسکتے ہوں تو آخری درجہ یہ ہے کہ موقوفہ زمین کسی مسجد یا مدرسہ کے حوالے کردیں غیر مسلم کے پاس کسی بھی حالت میں یہ زمین جانے نہ دیں اور اس سے مقصود وقف کو خریدنا یا توڑنا نہیں ہے بلکہ وقف کو بچانے کی خاطر فقہی اصول "من ابتلی ببلیتین فلیختر اھو نہا" کے پیش نظر اخف صورت اختیار کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قبرستان کی زمین جانور پالنے کے لئے دینا:

(سوال ۳۴) قبرستان کی زمین کسی شخص کو جانور پالنے کے لئے دے سکتے ہیں یا نہیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) قبرستان کی زمین مردوں کو دفن کرنے کے لئے وقف ہوتی ہے لہذا قبرستان کی زمین اسی کام میں استعمال کرنا چاہئے اس کے علاوہ دوسرے کام میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

درمختار میں ہے: شرط الواقف کنص الشارع (درمختار ۳/۵۷۵، کتاب الوقف) شامی میں ہے: علی انھم صرحوا بان مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ (شامی ۳/۵۸۵، کتاب الوقف۔

لہذا قبرستان کی زمین جانور پالنے کے لئے کسی شخص کو دینا جائز نہیں ہے اگر زمین کھلی ہوئی ہو تو دیوار بنا کر احاطہ (کمپاؤنڈ) کرلیا جائے کہ زمین کی حفاظت ہوجائے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غیر وارث ترکہ میں سے کچھ زمین برائے مسجد وقف کردیں تو وقف صحیح نہ ہوگا:

(سوال ۳۵) ایک شخص کا انتقال ہوگیا اس کے وارثوں میں دو بیویاں تین لڑکے اور ایک لڑکی اور پانچ بھائی ہیں، انتقال کے بعد مرحوم کے بھائیوں نے مرحوم کی کچھ ملکیت مکان وزمین مسجد و قبرستان کو وقف کردیا، سوال یہ ہے کہ اصل وارث بیٹے اور بیٹیاں اور بیویاں ہیں ان کے ہوتے ہوئے ان کی مرضی اور اجازت کے بغیر بھائیوں کا وقف کرنا صحیح ہوسکتا ہے؟ اگر مرحوم کی بیویاں اور اولاد اس وقف کو منظور نہ رکھیں تو یہ ورثاء مکان اور زمین واپس لے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ھوالموفق: مرحوم کے وارثوں میں دو بیویاں تین لڑکے اور ایک لڑکی اور پانچ بھائی ہیں تو مذکورہ صورت میں ان کے مال وملکیت اور ترکہ کے حق دار ان کی دو بیویاں اور ان کے بیٹے بیٹی ہیں مرحوم کے بھائی حق دار نہیں ہیں اگر بھائی شرعاً وارث ہوتے تو اپنے حصہ میں اس قسم کا تصرف کرنے کے حق دار تھے، لہٰذا صورت مسئولہ میں مرحوم کے بھائیوں کو مرحوم کے ترکہ میں تصرف کرنے اور وقف کرنے کا حق نہیں ہے اگر مرحوم کے بھائیوں نے اپنے طور پر مسجد و قبرستان کو مرحوم کی کچھ ملکیت مکان وزمین وقف کی ہو اور وقف کے سلسلہ میں نہ مرحوم نے وصیت کی ہو نہ مرحوم کے شرعی وارثوں نے اجازت دی ہو تو بھائیوں کا وقف کرنا صحیح نہ ہوگا، جب وقف صحیح نہ ہوا ہو تو اصل وارث مکان اور زمین واپس لے سکتے ہیں۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

طویل مدت کے لئے موقوفہ زمین کسی مصلحت سے کرایہ پر لینا اور دینا کیسا ہے؟:

(سوال ۳۶) ایک بستی میں ایک عربی مدرسہ ہے جس میں ۳۵۰ طلبہ ہدایہ اولین تک تعلیم حاصل کرتے ہیں، ۲۲ مدرسین ہیں ۲۰ درس گاہ ہیں اور مسجد ہے، دارالاقامہ میں ۲۶ کمرے، دارالمدرسین اور مطبخ وغیرہ بن چکا ہے۔

مدرسۂ مذکور جس زمین پر واقع ہے وہ زمین مدرسہ کی مملوکہ نہیں ہے بلکہ اس بستی کی ایک مسجد کی وقف زمین ہے اس زمین پر آج سے بائیس سال پہلے علاقہ کی اشد ضرورت کے پیش نظر مدرسہ کی تعمیر ہوئی، مدرسہ کی ابتداء میں علاقہ کے مشہور ومعروف مفتی صاحب رحمہ اللہ سے فتویٰ حاصل کر کے کرایہ طے کیا تھا، آج تک مدرسہ گاؤں کی مسجد کو اس کی وقف زمین کا کرایہ ادا کر رہا ہے، مدرسہ مذکورہ زمین (جس پر مدرسہ واقع ہے) خریدنا چاہے تو شرعاً جواز کی کوئی صورت نکل سکتی ہے یا نہیں؟ اگر شرعاً خریدنے کی گنجائش نہ ہو تو مدرسہ لمبی مدت متعینہ کے لئے (جس کو لیز کہتے ہیں) یہ زمین کرایہ پر لے کر یکمشت اس متعینہ مدت کا کرایہ پیشگی ادا کردے تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

واضح رہے کہ یہ عمل ایک مصلحت کے پیش نظر کیا جارہا ہے ایک تو یہ کہ اس زمین پر مدرسہ کی کافی عمارت بن چکی ہے، دوم یہ کہ فی الحال مسجد کی کمیٹی اطمینان بخش ہے آگے چل کر خطرہ ہے کہ کمیٹی بدلنے پر وہ لوگ اس زمین کا مطالبہ کریں اور مدرسہ کو شدید مالی وتعلیمی بحران سے دوچار ہونا پڑے، امید ہے کہ آپ رہبری فرمائیں گے۔ اللہ پاک آپ کو دارین میں بہترین اجر عطا فرماویں، آمین۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) ھوالموفق: وقف کی بیع تو باطل ہے، لہٰذا یہ موقوفہ زمین بیچنا اور اہل مدرسہ کا موقوفہ زمین خریدنا تو جائز نہ ہوگا، اسی طرح فقہاء رحمہم اللہ نے وقف زمین کو طویل مدت کے لئے کرایہ پر دینے کو بھی ممنوع لکھا ہے کہ اس میں موقوفہ زمین کے ضیاع کا اندیشہ رہتا ہے، مرور زمانہ پر وہ یا اس کے وارث یا اس کے متعلقین مرحوم کو زمین کا مالک سمجھنے لگتے ہیں اور اس پر قبضہ کر کے خود کو وارث اور حق دار سمجھتے ہیں، مگر مذکورہ صورت میں چونکہ اس زمین پر مدرسہ کی بہت ساری عمارتیں بن چکی ہیں، ان عمارتوں کو وہاں سے ہٹانے میں مدرسہ کا کافی مالی نقصان ہوگا نیز وہ مصلحت بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی جو آپ نے تحریر فرمائی ہے، اس لئے صورت مسئولہ میں اگر یہ شکل ہوسکتی ہو کہ مسجد۔مدرسہ کی تمام

---

(۱) و شرط سائر التبرعات افادان الواقف لا بدان یکون مالکا وقت الوقف ملکا ۔ باولو بست فاسدا ان لا یکون محجورا عن التصرف ... حتی لو وقف الغا ... المغصوب لم یصح شامی کتاب الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة۔

عمارتیں خرید لے اور پھر مدرسہ اس میں کرایہ دار بن جائے تو یہ صورت اختیار کی جائے، اور اگر یہ صورت مشکل ہو اور مصلحتاً مدرسہ طویل مدت متعینہ کے لئے زمین کرایہ پر لے کر اس پوری مدت کا کرایہ پیشگی دے دے اور اس میں وقف کا ضرر نہ ہو تو ایسا بھی کیا جا سکتا ہے اور با قاعدہ مدرسہ اور گاؤں کے ذمہ داروں کو اس پر گواہ بھی بنا لیا جائے اور سرکاری اسٹیمپ پر بھی یادداشت لکھ دی جائے کہ مدرسہ عربیہ جس زمین پر واقع ہے وہ زمین گاؤں کی مسجد کی وقف زمین ہے، مدرسہ عربیہ کی مملوکہ نہیں ہے اور مدرسہ نے اتنی مدت کے لئے اسے کرایہ پر لیا ہے وغیرہ تا کہ مستقبل میں وقف ضائع ہونے کا بالکل خدشہ نہ رہے۔

درمختار میں ہے (وبثلاث سنین فی الارض) الا اذا کانت المصلحة بخلاف ذلک وهذا مما یخلف زمانا وموضعاً (درمختار) شامی میں ہے (قوله الا اذا کانت المصلحة بخلاف ذلک) هذا احد الاقوال الثمانیة وهو ماذکره الصدر الشهید من ان المختار منه انه لا یجوز فی الدور اکثر من سنة الا اذا کانت المصلحة فی الجواز وفی الضیاع یجوز الی ثلث سنین الا اذا کانت المصلحة فی عدم الجواز وهذا امر یختلف باختلاف الواضع واختلاف الزمان اه (درمختار و شامی ج۳ ص ۵۴۹ فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته)

فتاویٰ دارالعلوم قدیم میں ہے:

(الجواب) قال فی رد المحتار عن الامام ابی حفص البخاری انه کان یجیز اجارة الضیاع ثلاث سنین فان اجر اکثر اختلفوا فیه وقال اکثر مشائخ بلخ لا یجوز وقال غیرهم یرفع الامر الی القاضی ثم قال قول المتقدمین عدم تقدیر الاجارة بمدة ورجحه فی انفع السائل والمفتی به ماذکره المصنف خوفا من ضیاع الوقف . ثم قال تحت قول الدر الا اذا کانت المصلحة بخلاف ذلک ، واشار الشارح الیٰ انه لا یخالف ما فی المتن لان اصل عدول المتاخرین عن قول المتقدمین بعدم التوقیت انما هو بسبب الخوف علی الوقف فاذا کانت المصلحة الزیادة اوالنقصان اتبعت وهو توفیق حسن انتهی (شامی ص ۴۳۳ ج۳) وقال فی اتحاف الا خلاف فی احکام الا وقاف فجوزت مسئلة الا جارة الطویلة فی الا وقاف خلافاً للقیاس لمسیس الحاجة وسو مح لمتاجرون تلک الاوقاف بکثیر من المنافع والفوائد (ص۱۲۷)

عبارات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ متولی وقف اگر یہ دیکھے کہ اجارۂ طویلہ پر دینے میں وقف کا فائدہ ہے اور نہ دینے میں ضرر ہے تو اس کو شرعاً اختیار ہے اور صورت مسئولہ میں چونکہ ایک سال کا اجارہ اور سو سال کا اجارہ گورنمنٹی قانون میں برابر ہے اور سو دو سو برس کے اجارہ میں فوری فائدہ ہے اس لئے یہ اجارہ جائز ہے بشرطیکہ وقف کا کوئی ضرر نہ سمجھا جاوے (فتاویٰ دار العلوم قدیم ص ۲۷۶ و ص ۲۷۷ جلد نمبر ۵ و نمبر ۲ امداد المفتین. کتاب الوقف) فقط واللہ اعلم بالصواب .

سرکاری قانون کا سہارا لے کر موقوفہ زمین کا مالک بننا کیسا ہے؟:

(سوال ۳۷) ہندوستانی حکومت نے ایک قانون بنایا تھا ''جو رہے اس کا گھر جو کھیتی کرے اس کی زمین'' یعنی خاتمہ زمینداری کا قانون، اس قانون سے مسجد، مدرسہ وغیرہ بھی مستثنیٰ نہ تھے، منجانب حکومت اداروں کے لئے جو مقدار متعین کی گئی تھی بس اتنی ہی مقدار زمین ادارہ کے لئے رکھی جاسکتی تھی، اس مقدار سے زائد زمین سرکاری قانون کی زد میں آنے کی وجہ سے وہ زمین حکومت کو خود لینے یا جس کے قبضہ میں وہ زمین ہے اسے دینے کا اختیار ہوتا تھا، ہمارے گاؤں کی مسجد اور مدرسہ کے پاس کافی مقدار میں زمین تھی جو لوگوں کو زراعت پر دی ہوئی تھی۔ قانون سے زائد جو زمین تھی اس کے متعلق مشورہ یہ ہوا کہ جن لوگوں کے پاس مسجد و مدرسہ کی وقف زمین بطور زراعت ہے صرف حکومت کو دکھانے کے لئے ان کے نام پر کردی جائے اصل ملکیت مسجد و مدرسہ ہی کی رہے گی اور مستقبل میں مناسب موقع پر وہ زمین مسجد و مدرسہ کو واپس کردی جائے گی چنانچہ قابضین زمین سے زبانی معاہدہ ہوا اور زمینیں ان کے نام کردی گئی اور قابضین نے اس سے پورا اتفاق کیا اور عہد کیا کہ مناسب موقع آنے پر ہم اپنا نام ختم کر کے مسجد و مدرسہ کے حوالے کردیں گے، اگر اس وقت یہ صورت اختیار نہ کی جاتی تو وہ زمینیں بالکل ہی ضائع ہوجاتیں، کئی سال اسی حالت میں گذر گئے، اب نئی حکومت بنی ہے اس کی پالیسی الگ ہے اور نئی حکومت نے اس قانون میں ترمیم کی ہے اور وہ پابندی ختم کردی ہے اس وقت قابضین زمین کو معاہدہ یاد دلا کر زمینوں کا مطالبہ کیا گیا اور کہا گیا کہ اپنا قبضہ اور نام ختم کر کے مسجد و مدرسہ کے حوالہ کردو تو وہ لوگ صاف انکار کررہے ہیں، سوال یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں سرکاری قانون کا سہارا لے کر وقف ختم کر کے موقوفہ زمینوں پر قبضہ کرنا اور مالک بننا صحیح ہوگا؟ مدلل اور تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً: کوئی صاحب اپنی زمین مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف کردیں اور شرعی اصول کے مطابق وقف تام اور لازم ہوجائے تو وہ زمین قیامت تک وقف ہی رہے گی کبھی بھی اس وقف کو ختم اور توڑا نہیں جاسکتا، اور کسی کو مالک نہیں بنایا جاسکتا، اسی طرح موقوفہ زمین بیچنا، رہن رکھنا، ہبہ کرنا بھی جائز نہیں ہے، فقہی کتابوں میں اس کے متعلق واضح ہدایات موجود ہیں۔

درمختار میں ہے (فاذا تم ولزم لا یملک ولا یملک ولا یعار ولا یرھن رد المحتار میں ہے (قوله لا یملک) ای لا یکون مملوکا لصاحبه ولا یملک ای لا یقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه لا ستحالة تملیک الخارج عن مالکه (درمختار ورد المحتار ۳/۵۰۷ مطلب فی شرط واقف الکتب ان لا تعار ولا یرھن)

ہدایہ میں ہے: واذا صح الوقف لم یجز بیعه ولا تملیکه اما امتناع التملیک فلما بینا ای ماروی من حدیث تصدق باصلها لا یباع ولا یوھب (ھدایه اولین، ص ۶۲۰، ۶۲۱ کتاب الوقف)

شرح الوقایہ میں ہے: فاذا صح الوقف لا یملک ولا یملک ...... والا صح انه لا یجوز فان الوقف بعد الصحة لا یقبل الملک کالحر لا یقبل الرقیة (شرح الوقایه ص ۱۱۴ ج ۲ کتاب الوقف)

صورت مسئولہ میں جن لوگوں کے قبضہ میں مسجد و مدرسہ کی موقوف زمینیں ہیں معاہدہ کے مطابق وہ زمینیں مسجد و مدرسہ کو واپس کر دینا چاہئے اور اگر وہ لوگ موقوفہ زمینوں پر سرکاری قانون کا سہارا لے کر مالک بننا چاہتے ہیں تو وہ قطعاً ناجائز اور حرام ہے حکومت کے قانون کی وجہ سے وقف ختم نہیں ہوسکتا، اور کسی بھی حالت میں وہ لوگ موقوفہ زمین کے مالک نہیں بن سکتے، فوراً اپنا قبضہ ختم کر کے وقف کو اصلی حالت پر لوٹا دینا شرعاً لازم اور ضروری ہے ورنہ سخت گنہگار ہوں گے اور جو فائدہ حاصل کریں گے وہ سب حرام۔ ۔ فقط۔

ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ سرکاری قانون جیسے بھی ہوں اس کا غلط سہارا لیتے ہوئے وقف زمین یا وقف مکان پر قبضہ نہ کیا جائے بلکہ اگر کسی وجہ سے وقف زمین یا وقف مکان پر غیروں کا قبضہ ہوگیا ہو تو مسلمانوں پر اپنی حیثیت کے مطابق کوشش کر کے وقف کو ان کے قبضہ سے چھڑانا اور اصلی حالت کی طرف لوٹانا واجب اور ضروری ہے، اسلام میں وقف کی بہت ہی اہمیت ہے وقف کی حفاظت کرنا اسلامی فریضہ ہے۔

حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:۔

مسجد یا قبرستان کی زمینوں پر کفار کا غلبہ ہو جائے تو بھی وہ زمینیں شرعاً مسجد یا قبرستان رہتی ہیں۔

ہندوستان، خصوصاً یوپی میں خاتمہ زمینداری کے بعد ایک خاص مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ جو زمینیں موقوفہ تھیں (مسجد یا قبرستان کے لئے یا کسی بھی مصرف شرعی کے لئے) ان پر اگر حکومت ہند کے قانون جدید کی رو سے کوئی شخص، مسلم یا غیر مسلم، قبضۂ مالکانہ حاصل کرے تو کیا وہ زمینیں اس قابض شخص کی ملکیت میں آ جائیں گی یا نہیں؟ استیلاء کفار علی اموال المسلمین کے مشہور فقہی اصول کے عموم سے استدلال کرتے ہوئے اس کی گنجائش بظاہر نکلتی نظر آتی تھی کہ یہ بھی ملکیت میں آ جائیں گی مگر یہ صرف ایک مغالطہ یا غلط فہمی ہے، کیونکہ جہاں وہ اصول ملتا ہے وہیں اس بات کی صراحت بھی موجود ہے کہ استیلاء کفار (کافر اگر غلبہ حاصل کریں مسلمان کا مال لے لیں) تو یہ غلبہ ان مواقع پر ملکیت کا سبب بنتا ہے، جہاں ملکیت منتقل ہونے کی شرعاً گنجائش ہو لیکن ایسے معاملات جہاں شرعاً کسی کی طرف ملکیت منتقل ہو ہی نہیں سکتی وہاں کسی کافر کا بھی غلبہ سابقہ صورت حال کو تبدیل نہیں کرے گا، ہدایہ میں ہے: **لا یملک علینا اھل الحرب بالغلبة مدبرینا و امهات اولادنا .باب استلاء الكفار ج. ۲ ص ۵۸۲.** غلبہ پاکر حربی کافر اگر مسلمانوں کے ام ولد یا مدبر کو پکڑ لے جائیں تو بھی وہ مالک نہیں بنیں گے اس کی وجہ ہدایہ کے مشہور شارح محقق ابن ہمام رحمہ اللہ نے یہ تحریر فرمائی ہے۔ **لان السبب ...... یفید الملک لما یرد علیه فی محله المال المباح ایضاً.** کفار کے غلبہ سے ان کی ملکیت وہاں قائم ہوگی جہاں اس کی اہلیت ہو یعنی مال مباح میں (کہ جس کی ملکیت منتقل کرنا جائز ہو)

اور یہ بات معلوم ہے کہ وقف شدہ مال ایسی چیزوں میں سے جس پر کسی کی ملکیت نہیں قائم ہوسکتی، اس لئے یعنی مذکورہ اصل کی بنا پر، یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ موقوفہ زمینوں پر اگر ملکی قانون کی رو سے کسی کا مالکانہ قبضہ و تصرف ہو جائے تو بھی وہ شرعاً غیر معتبر ہے۔ بلکہ وہ زمین شرعی لحاظ سے پہلے ہی کی طرح موقوفہ رہیں گی، لہذا کسی مسلمان کا اس کو اپنی مالکانہ تصرف میں لانا قطعاً جائز نہ ہوگا بلکہ اگر کسی کافر کی ملکیت میں قانون ملکی کی رو سے پہنچ بھی گئی ہوں تو امکان بھر کوشش کر کے ان سے چھڑانا اور اصل حالت کی طرف لوٹانا بقدر استطاعت مسلمانوں پر واجب ہوگا، حضرت تھانوی

رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک فتویٰ اسی طرح کا موجود ہے۔ حضرت کا یہ فتویٰ (عربی زبان میں) بوادر النوادر ص ۷۱ ۴ ص ۴۷۲ ج ۲ میں موجود ہے، حضرت کے اس فتویٰ پر احقر بعد میں مطلع ہوا پہلے اپنی رائے کا اظہار کر چکا تھا، اس لئے قدرتی طور پر اس توافق سے بہت خوشی ہوئی۔

اس سلسلہ میں خاصی طویل علمی بحث ۱۹۷۵ء، ۱۳۹۵ھ میں اخبار "الجمعیۃ" دہلی کے اندر شائع ہو چکی ہے (جس میں راقم نے بھی حصہ لیا تھا) اس کا خلاصہ بھی یہی ہے جو اوپر کی سطروں میں مذکور ہوا (موجودہ زمانہ کے مسائل کا شرعی حل ص ۸۹، ص ۹۰) وفقط واللہ اعلم بالصواب۔

غصہ میں آکر اپنا مشترک حصہ وقف کر دیا اب اس کو باطل کر کے رقم دینا چاہتا ہے:

(سوال ۳۸) میں اپنے تین لڑکوں اور دو لڑکیوں کے ساتھ اپنے آبائی مکان کے نچلے حصہ میں رہتا ہوں، میری تمام اولاد شادی شدہ ہے مکان کا نچلا حصہ میرے قبضہ میں ہے جب کہ بالا خانہ میں میرے مرحوم بھائی (محمد اشرف) رہتے تھے، وہ شادی شدہ نہیں تھے۔

پہلے ہم دونوں بھائیوں کا کاروبار مشترک تھا پھر بخوشی ہم نے اپنا کاروبار الگ الگ کر لیا، آج سے تقریباً سات سال قبل میری اہلیہ اور میرے بھائی میں جھگڑا ہو گیا جس کی وجہ سے آپس میں بات چیت اور تعلقات بالکلیہ منقطع ہو گئے تھے، جب ہماری بات چیت بند تھی اس زمانہ میں ہمارے بھائی نے بالا خانہ والا حصہ (جس پر وہ قابض تھے) محلہ کی ایک مسجد کے نام وقف کر دیا تھا، یہ واقعہ تقریباً ۱۹۸۷ء کا ہے، میری اہلیہ کا انتقال ۱۹۹۱ء میں ہوا تھا، اہلیہ کے انتقال سے پہلے بھائی کے ساتھ ہمارے تعلقات خوشگوار ہو گئے تھے ۱۹۹۴ء کے شروع میں میرے بھائی نے اس مسجد کے ایک ٹرسٹی سے کہا کہ میں نے اپنی بھاوج کے ساتھ ان بن کی وجہ سے جوش اور غصہ میں آکر اور اپنے بھائی بھتیجوں کا حق مار کر مسجد کے نام اپنا حصہ وقف کر دیا تھا، اب جب کہ میری بھاوج اللہ کو پیاری ہو چکی ہے اور میرے بھائی اور بھتیجوں کے ساتھ تعلقات خوشگوار ہیں اس لئے اب میری دلی خواہش یہ ہے کہ میں اپنا حصہ، جو میں اس مسجد کے نام وقف کر چکا ہوں، مسجد سے واپس لے کر اپنے بھتیجوں کے نام کر دوں، اس ٹرسٹی نے بھائی سے کہا چلئے ہم راندیر جا کر اس بارے میں فتویٰ حاصل کریں کہ مسجد کے نام وقف کردہ جائداد واپس لی جا سکتی ہے! راندیر آنے کا ارادہ تھا مگر کچھ رکاوٹوں کی وجہ سے نہ آ سکے، مگر میرے بھائی نے ٹرسٹی صاحب سے دو تین مرتبہ یہ بات کی اور ان کے علاوہ مسجد کے منشی صاحب جو برسوں سے مسجد کا حساب کتاب لکھتے ہیں ان سے بھی اپنی خواہش کا تذکرہ کیا۔

راندیر آنے کا ارادہ تھا مگر اتفاقاً ایک حادثہ میں بھائی کا انتقال ہو گیا اور راندیر آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے،

اب ہم اور مسجد کے ٹرسٹی آپ سے عرض کرتے ہیں کہ بھائی نے جو حصہ مسجد میں وقف کیا ہے اس کا کیا کیا جائے؟ مرحوم نے جو وقف نامہ تحریر کیا تھا وہ بھی حاضر خدمت ہے، کیا یہ وقف صحیح ہے؟ اور مرحوم بھائی کی خواہش کے مطابق ہم لوگ مسجد سے وقف کردہ جائیداد واپس لے سکتے ہیں ہماری رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ، بینوا توجروا۔

(الجواب) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ حامداً ومصلیاً ومسلماً، وهو الموفق ۔

مرحوم محمد اشرف نے سوال اور وقف نامہ میں ذکر کردہ اپنی غیر منقسم ملکیت (۲/۱ حصہ) اپنی زندگی میں محلہ کی ایک مسجد میں وقف کردی ہے اور اس کا وقف نامہ بھی تحریر کیا ہے، اور وقف نامہ میں لکھا ہے "تادم حیات اپنے لئے اس مکان میں رہائش اور اس کی آمدنی لینے کا حق برقرار رکھتے ہوئے اس جائیداد کو وقف کرتا ہوں۔"

مذکورہ وقف حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کے بموجب صحیح ہو چکا ہے اس لئے وقف ختم کر کے اس کا ابطال نہیں کیا جا سکتا، اب محلہ کی اس مسجد کے متولی صاحبان کو چاہئے کہ اس مکان کو مرحوم (محمد اشرف) اور مرحوم کے بھائی ادریس کے درمیان تقسیم کر دیں اور مرحوم محمد اشرف کے حصہ میں جو نصف حصہ آوے وہ مسجد کی موقوفہ جائیداد سمجھی جاوے۔

مرحوم نے اپنی زندگی میں رہائش کی جو شرط وقف نامہ میں تحریر کی ہے وہ درست ہے ایسی شرط لگائی جا سکتی ہے، درمختار میں ہے (کما) صح وقف (مشاع قضی بجوازه) لا نه مجتهد فيه فللحنفي المقلد ان يحكم بصحة وقف المشاع وبطلانه لا ختلاف التر جيه واذا كان في المسئلة قولان مصححان جاز الا فتاء والقضاء با حدهما بحر ومصنف (درمختار مع رد المحتار، ۳/۵۱۶، ۵۱۷ مطلب في وقف المشاع المقضي به)

درمختار میں ہے (وجاز جعل غلة الوقف) اوالولاية (لنفسه عند الثاني) وعليه الفتوىٰ (قوله وعليه الفتوىٰ) كذا قاله الصدر الشهيد وهو مختار اصحاب المتون ورجحه في الفتح واختاره مشايخ بلخ وفي البحر عن الحاوی انه المختار للفتوىٰ ترغيباً للناس في الوقف وتكثير اللخير. (مطلب في اشتراط الغلة لنفسه رد المحتار ۳/۵۳۵)

فتاویٰ دار العلوم قدیم میں ہے ۔

(الجواب) مشاع کا وقف امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صحیح ہے اور اس پر فتویٰ ہے اس قول کے موافق بعد وقف ہو جانے کے حصہ موقوفہ علیحدہ کر دیا جاوے گا اور تقسیم کر کے اس کو جدا کر دیا جاوے گا، خواہ یہ تقسیم باہمی رضامندی سے ہو اور خواہ بذریعہ عدالت کے ہو (فتاویٰ دار العلوم قدیم ص ۲۶۹ ج ۶،۵۔ عزیز الفتاویٰ)

نیز فتاویٰ دار العلوم میں ہے: وقف کی آمدنی کو حین حیات اپنے لئے رکھا ہے یہ وقف صحیح اور نافذ ہو چکا اس میں کسی وارث کا کوئی حصہ نہیں، قال في الدر المختار من الوقف وجاز جعل غلة الوقف او الولاية لنفسه عند الثاني وعليه الفتوىٰ (فتاویٰ دار العلوم قديم ص ۲۶۷ ج ۶،۵)

مرحوم نے وقف نامہ میں تصریح کی ہے کہ (جائیداد کو) تقسیم کرنے کی صورت میں میرے حصہ کے طور پر متولی حضرات جو کچھ پاویں اس جائیداد کو اگر بیچنے کی ضرورت محسوس ہو تو بیچ کر نقد رقم لے لی جاوے اور اسے بھی وقف شمار کیا جاوے، اس تصریح کے پیش نظر متولی حضرات وقف کو بیچنا چاہیں تو بیچ سکتے ہیں، بیچتے وقت بازار میں رائج الوقت جو قیمت ہو وہ طے کی جاوے اور جو قیمت آوے اس سے کوئی غیر منقول جائیداد اس مسجد کے لئے خریدنا ضروری ہو جائے گا اور وہ غیر منقول جائیداد اصل وقف کے قائم مقام شمار کی جاوے گی، اس تمام کارروائی میں اس بات کا لحاظ

رکھا جاوے کہ وقف کا نقصان نہ ہو۔

درمختار میں ہے: وجاز (شرط الا ستبدال به) ارضاً اخریٰ (او) شرط بیعه ویشتری بثمنه ارضا اخریٰ اذا شاء فاذا فعل صارت الثانية کالا ولیٰ فی شرائطها وان لم یذکرها لم لا یستبد لها) بثالیة لانه حکم مثبت بالشرط والشرط وجد فی الاولیٰ لا الثانية (درمختار)

شامی میں ہے: قوله وجاز شرط الاستبدال به الخ اعلم ان الا ستبدال علی ثلاثة وجوه، الاول ان یشترطه الواقف لنفسه او لغیره او لنفسه وغیره فالا ستبدال فیه جائز علی الصحیح وقیل اتفاقاً ویجب ان یزاد اخر فی زماننا وهو ان یستبدل بعقا ر لا بدراهم ودنا نیر فانا قد شاهد نا النظار یا کلو نها وقل ان یشتری بد لا ولم نر احداً من القضاة فتش علی ذلک مع کثرة الا ستبدال فی زماننا (درمختار ورد المحتار ص ۵۳۵ ،ص ۵۳۶ ،ص ۵۳۷ ج ۳ مطب فی استبدال الوقف وشروطه)

فتاویٰ دارالعلوم قدیم میں ہے۔

(الجواب) جو روپیہ جزو جائیداد موقوفہ کے معاوضہ کا سرکار سے ملا ہے ضروری ہے کہ اس روپے سے جائیداد خرید کر کے شامل جائیداد موقوفہ کے جائے اس روپیہ کو اور کسی کام میں نہ لگایا جائے......الخ (فتاویٰ دار العلوم قدیم ص ۳۳۹) عزیز الفتاویٰ فقط واللہ اعلم بالصواب. ۳ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ (۱۰/۵/۵۴)

رفاہی ادارہ کے دستور میں ایسی تبدیلی جو مقصد اصلی کے خلاف ہو:

(سوال ۳۹) ہمارا ایک ادارہ ہے جس کا نام "گجرات مسلم ایسوسی ایشن" ہے چند سال قبل "انجمن تعلیم المسلمین" کا الحاق ہمارے ادارہ کے ساتھ کیا گیا ہے ہم لوگ انجمن کا مالی تعاون کرتے ہیں اور انجمن کے ذمہ دار ہم سے اہم کاموں میں مشورہ بھی کرتے ہیں اور ہمارے مشوروں کا احترام بھی کرتے ہیں، ابھی ایک اہم بات پیش آئی ہے اور اس سلسلہ میں انجمن کے ذمہ داروں نے ہم پر خط لکھا ہے وہ یہ ہے۔

"انجمن کا قیام ۱۹۶۸ء میں عمل میں آیا، اس کے ماتحت "انجمن ہائی اسکول" بنائی جارہی ہے، انجمن کے قیام کا مقصد مسلم قوم کے غریب بچوں کو دینی و دنیوی تعلیم دینا اور صنعت و حرفت سکھلا کر قوم کو آگے بڑھانا ہے، حکومت ہند نے ایک قانون بنایا ہے اس کے تحت ہر قومی ادارے (جیسے کہ دارالعلوم، دینی مکاتب، مسافر خانے، یتیم خانے جیسے رفاہی اوقاف کی آمدنی سے انکم ٹیکس کی رعایت ختم کردی ہے، یعنی ٹرسٹ کی آمدنی پر انکم ٹیکس کا قانون جاری کردیا ہے، اس قانون سے بچنے کے لئے مذکورہ انجمن کے ذمہ داروں نے انجمن کے دستور میں ترمیم کی ہے، انجمن کے دستور میں یہ ہے "مسلم قوم کے غریب بچوں......کے لئے" ترمیم کے بعد مسلم قوم کے بجائے سیکولر بنادیا ہے، اس ترمیم کی وجہ سے ہر قوم کے بچوں کو داخل کرنا پڑے گا البتہ اس ترمیم کی وجہ سے مذکورہ ادارہ "انڈین گورنمنٹ انکم ٹیکس" کے قانون سے مستثنیٰ ہوجائے گا، تو دستور میں ایسی ترمیم کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

نیز ایک بات یہ بھی عرض ہے کہ جس وقت مذکورہ انجمن کی طرف سے چندہ کی اپیل شائع ہوئی تھی اس میں

بھی انجمن المسلمین کے قیام کا مقصد مسلمانوں کے نادار بچوں کے لئے تعلیم کا انتظام بتلایا گیا تھا۔

آپ اس کا جواب ہمیں عنایت فرمائیں اور ہماری رہنمائی فرمادیں، اللہ پاک دونوں جہان میں آپ کو بہترین بدلہ عطا فرمائیں، آمین فقط والسلام، بینوا توجروا۔

(الجواب) باسمہ تعالیٰ، حامداومصلیا ومسلما۔

صورت مسئولہ میں انجمن تعلیم المسلمین کا قیام خاص مسلمانوں کے نادار بچوں کی دینی تعلیم اور بقدر ضرورت دنیوی تعلیم یا صنعت وحرفت سکھلانے کے لئے عمل میں آیا، اور انہیں مقاصد کو لوگوں کے سامنے پیش کر کے چندہ کی درخواست کی گئی اور لوگوں نے بھی اسی مقصد کے ماتحت چندہ دیا ہے، نیز تقریباً ایک ڈیڑھ سال قبل قیام انجمن ہائی اسکول کے لئے چندہ کی اپیل شائع ہوئی، اس اپیل میں احقر اور حضرت مولانا اجمیری صاحب وغیرہ حضرات کے دستخط ہیں، اس وقت احقر نے ذمہ دار حضرات کو اس بات کی طرف خاص طور پر متوجہ کیا تھا کہ انجمن ہائی اسکول کے قیام کا اصل مقصد دینی تعلیم ہے بچوں کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ اچھا دینی ماحول بھی ملنا چاہئے، احقر کی اس بات سے ذمہ دار حضرات متفق ہوئے تھے۔ جب قیام کا مقصود اصلی دینی تعلیم اور اس کے ساتھ بقدر ضرورت دنیوی تعلیم دینا بھی ہے۔ اور دستور میں یہاں تک تصریح موجود ہے کہ۔

جب یہ ادارہ مالی حیثیت سے خود کفیل ہوجائے، تو اولین فرصت میں اسے دارالعلوم جیسے ادارہ کی شکل دے دی جاوے، اور اب اس کے بالکل برعکس نئی اسکیم میں مقصود اصلی کو ختم کیا جارہا ہے، گویا کہ اصل دستور اور مقصود قیام میں تبدیلی کی جارہی ہے اس لئے ایسی تبدیلی کی اجازت نہیں دی جاسکتی، خلاصہ یہ کہ جن نیک وبھلے مقاصد کے لئے ادارہ قائم کیا گیا ہے انہیں مقاصد کو باقی رکھنا ضروری ہے، اس میں ردو بدل نہ کیا جائے اور لوگوں نے جن مقاصد کے پیش نظر چندہ دیا ہے ان کی منشاء کے خلاف ورزی نہ کی جائے۔ (۱) نیز اصل دستور میں ترمیم کی صورت میں حکومت کے دباؤ میں رہنا پڑے گا اور خلاف شرع امور کا ارتکاب بھی کرنا پڑے گا، اس لئے اصل دستور میں ترمیم کی اسکیم نہ سوچی جاوے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ (۹۳/۱۱/۶)

موقوفہ قبرستان میں آمدنی کے لئے دوکانیں بنانا قبرستان میں موجود مسجد کی تجدید:

(سوال ۴۰) ہماری جماعت کا قبرستان نہایت ہی خستہ حالت میں ہے جماعت کے بہت سے حضرات قبرستان کا احاطہ کرنے کی غرض سے وہاں دوکانیں برائے آمدنی بنانا چاہتے ہیں تو کیا اس طرح آمدنی حاصل کرنا درست ہے، نیز اس آمدنی کا مصرف کیا ہے؟

(۲) قبرستان میں ایک پرانی مسجد تھی جس میں کوئی نماز نہیں پڑھی جاتی تھی، وہ مسجد شہید ہوجانے کی وجہ سے وہاں نئی مسجد بنائی جاوے یا ویسے ہی زمین کو چھوڑ دیا جاوے کیونکہ وہاں کوئی مصلی رہتا نہیں ہے، نیز قبرستان میں مسجد کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

---

(۱) قولہ قولهم مشرط الواقف كنص الشارع فى الخيرية قد صرحوا بأن الا عتبار فى الشروط لما هو الواقع لا لما كتب فى مكتوب الوقف فلو اقيمت بينة لم يوجد فى كتاب الوقف عمل بها بلا ريب لأن المكتوب خط مجرد ولا عبرة به لخروجه عن الحجج الشرعية شامى مطلب فى قولهم مشرط الواقف كنص الشارع ج۷ ص ۴۳۳

(۳) موقوفہ قبرستان کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اس لئے ایسے قبرستان کے لئے حصول آمدنی کا کیا ذریعہ اختیار کیا جائے۔ سابق زمانہ میں قبرستان بڑا تھا، لیکن میونسپلٹی نے اسے قانونی پیائش میں لے لیا جس کی وجہ سے بہت چھوٹا ہوگیا ہے۔

(الجواب) بسم اللہ الرحمن الرحیم، حامداً ومصلیا ومسلماً.

(۱-۳) قبرستان میں ہمارے آباؤ اجداد وغیرہ خویش واقارب اور دیگر مسلمان حضرات مدفون ہوتے ہیں، جن میں بہت سے بزرگان دین، اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اور بندیاں ہوں گی اگلے اہل خیر حضرات بڑی بڑی زمینیں وقف کر گئے ہیں، ان موقوفہ قبرستانوں کی حفاظت اور قبور کی اہانت سے بچانے کا انتظام کرنا ہمارا دینی فریضہ ہے، اس میں کوتاہی اور غفلت کرنا بالکل نامناسب ہے، واقف نے جس مقصد کے پیش نظر وقف کیا ہے اس کے مطابق عمل کرنا ضروری اور لازم ہے اس کی خلاف ورزی جائز نہیں، شامی میں ہے شرط الواقف کنص الشارع (شامی ۳/۵۷۵ ثم صرحوا بان مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ (شامی ۳/ ۵۸۵

قبرستان مسلمان مردوں کی تدفین کے لئے وقف ہوتا ہے، قبرستان کی پوری زمین کا استعمال اسی کام میں ضروری ہے، اس کے علاوہ دیگر امور میں اس زمین کو استعمال کرنا درست نہیں، لہذا قبرستان کی زمین پر دوکانیں بنانا جائز نہیں، قبرستان کی حفاظت کی غرض سے احاطہ کرنا ضروری ہی ہوگیا ہے تو اس کے لئے چندہ کیا جاوے، جماعتی حضرات کے چندہ سے کام پورا نہ ہو سکے تو دیگر اہل خیر حضرات سے چندہ وصول کیا جائے، بوقت ضرورت چندہ کی وصولیابی کے لئے سفر بھی کیا جا سکتا ہے، کوشش و سعی ضروری ہے، اس کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا، بس مکمل کوشش کی جاوے، جو لوگ اس کار خیر میں حصہ لیں گے انشاء اللہ وہ اجر عظیم کے مستحق ہوں گے، قبرستان کے لئے لمبی چوڑی آمدنی کی ضرورت نہیں، معمولی خرچ (جیسے کہ نگرانی کے لئے پہرہ دار، صفائی، بجلی پانی وغیرہ) کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے لئے بھی کوئی انتظام کرلیا جائے۔ فقط۔

(۲) قدیم زمانہ سے قبرستان میں مسجد ہے، وہ شرعی مسجد ہوگی اب جب کہ مسجد زمیں دوز ہوگئی ہے اور وہاں مصلی حضرات (مسلمان) بھی آباد نہیں ہیں ایسی حالت میں مسجد کو توہین اور بے ادبی سے بچانے کی غرض سے اس کا اس طرح احاطہ کر لیا جائے کہ کوئی انسان یا جانور وہاں پہنچ کر مسجد کی بے حرمتی نہ کر سکے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۴/ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ (۷/۳/۱۹۹۴ء)

موقوفہ زمین کا بیچنا جائز نہیں چاہے واقف اجازت دے:

سوال (۴۱) (۱) وقف کردہ زمین کن حالات میں بیچ سکتے ہیں۔

(۲) موقوفہ زمین آمدنی حاصل نہ ہو اور وہ زمین کسی بھی کام میں استعمال نہ ہوتی ہو تو اسے کیا کریں؟

(۳) واقف حیات ہو تو اس کی اجازت سے فروخت کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب) (۱-۳) باسمہ تعالیٰ، حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ فتاوی رحیمیہ میں ہے۔

سوال ۱۶۴۸) ایک شخص نے بیالیس بیگھہ زمین مسجد کو وقف کی ہے مسجد کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ وہ آ

پاشی کے لئے ٹیوب ویل انتظام کر سکے اس لئے کہ فصل کا پورامدار بارش کے پانی پر رہتا ہے، اس بناء پر سالانہ آمدنی بہت ہی کم ہوتی ہے اوراس میں سے سوروپے ٹیکس میں نکل جاتے ہیں اس لئے موجودہ منتظمین چاہتے ہیں کہ اس زمین کو بیچ کر اس پیسوں سے کوئی مکان بنوالیں یا خرید لیں کہ آمدنی زیادہ ہو، اس نسبت سے یہ موقوفہ زمین بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) واقف نے وقف نامہ میں فروخت کرنے کی اجازت دی ہو یا وقف اس حالت میں ہو کہ اس سے کوئی نفع حاصل نہ ہو سکے تو فروخت کرنے کی اجازت ہے اگر کچھ بھی نفع حاصل ہوتا ہو تو اسے فروخت کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ (شامی ج ۳ ص ۵۳۵) (مطلب فی استبدال الوقف) (۱)

مذکورہ جواب سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر واقف نے وقف نامہ میں بیچنے اور اس کے عوض دوسری زمین خریدنے کی تصریح کی ہو یا وہ موقوفہ زمین ایسی حالت میں پہنچ جائے کہ آمدنی بالکل نہ ہوتی ہو یا اس کا خرچ آمدنی سے بڑھ جاتا ہو تو ایسی صورت میں اسے بیچ کر اس کے بدلے دوسری زمین خریدنا جائز ہے، اور اگر آمدنی حاصل ہوتی ہے تو محض آمدنی بڑھانے کے لئے بیچنا جائز نہیں۔

(۳) شرعی طور پر وقف ہونے کے بعد واقف کی اجازت کا اعتبار نہیں، لہذا واقف اجازت دے تب بھی بیچنا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۲ صفر ۱۴۱۴ھ۔

وقف کی چیز بیچنا کب جائز ہے:

(سوال ۴۲) ایک مدرسہ کی زمین (اندازاً دس ایکڑ، بیس بیگھہ ہے) حسب ذیل امور کی وجہ سے بیچنا چاہتے ہیں

(۱) یہ زمین شہر بھروچ سے بالکل قریب میں واقع ہے۔

(۲) اس زمین کے اردگرد میں غیر مسلم لوگ آباد ہیں۔

(۳) اس زمین پر حکومت قابض ہونا چاہتی ہے۔

(۴) اگر اس پر حکومت قبضہ کرلے تو ایسی صورت میں مدرسہ کا زبردست نقصان ہوگا اس لئے کہ حکومت کی معرفت بیچنے میں جو قیمت حاصل ہوسکتی ہے اس کی دس گناہ قیمت اپنے طور پر بیچنے میں آسکتی ہے۔

(۵) فی الحال اس زمین سے آمدنی ہو ایسی کوئی صورت نہیں ہے۔

(۶) اس زمین کا واقف حیات نہیں البتہ اس کے ورثاء حیات ہیں اس زمین کو بیچ کر اس کی قیمت سے دوسری زمین خرید کر یا مدرسہ کی آمدنی کے لئے مکانات بنا کر کرایہ کے طور پر دے کر مدرسہ کی آمدنی میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں، فی الحال مدرسہ کی حالت کمزور ہونے کی وجہ سے مدرسین کو تنخواہ دینے میں بھی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور مذکورہ زمین کو فروخت کرنے کے بعد مدرسہ کی مالی حالت مضبوط ہو تو مدرسین کی تنخواہ کا معیار بھی بڑھایا جاسکتا ہے مذکورہ بالا حقیقت پیش نظر رکھ کر مناسب حل از روئے شرع عنایت فرما کر ممنون کیجئے۔

---

(۱) یہ فتاویٰ رحیمیہ میں جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، موقوفہ زمین کس صورت میں فروخت ہوسکتی ہے کے عنوان سے دیکھ لیا جائے

(الجواب)باسمہ تعالیٰ، حامداو مصلیا و مسلما، وھو الموفق.

بنیادی طور پر ایک بات یادر ہے کہ موقوفہ زمین یا مکان وغیرہ کو بیچنا جائز نہیں ایسی بیع، بیع باطل ہے یعنی بیع ہی درست نہیں، اسی طرح استبدال وقف بھی جائز نہیں البتہ اگر واقف نے وقف نامہ میں بیع کی اجازت دی ہو یا وہ موقوفہ زمین ایسی حالت میں پہنچ جاوے کہ آمدنی بالکل نہ ہو یا اس کا خرچ آمدنی سے بڑھ جاتا ہو، ایسی صورت حال میں استبدال وقف کی اجازت ہے اور موقوفہ زمین بیچ کر اس کی عوض دوسری غیر منقول جائیداد خرید کر اس کی حفاظت کی جائے، موقوفہ شئی سے آمدنی (اگر چہ کم ہی کیوں نہ ہو) حاصل ہوتی ہو تو اسے بڑھانے کے لئے بیچنا درست نہیں (شامی ج ۳ ص ۵۳۵ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ اردو ج ۶ ص ۳۷ (اسی باب میں موقوفہ زمین کس صورت میں فروخت ہوسکتی ہے؟ کے عنوان سے دیکھ لیا جائے۔ مرتب)

صورت مسئولہ میں یہ بات واقعۃً درست ہو کہ سرکار مذکورہ پر قبضہ کر لے گی اور اس کی قیمت بہت ہی کم ادا کرے گی جس کی وجہ سے وقف کا بڑا ضرر ہونے کا اندیشہ ہے، اور وہ زمین ایسی جگہ میں واقع ہے کہ مسلمان وہاں رہائش اختیار نہیں کر سکتے، نیز اس پر کاشت بھی نہیں کر سکتے اور خطرہ لاحق رہتا ہے تو ایسی حالت میں وہ موقوفہ زمین بیچ کر اس کی عوض کوئی دوسری زمین خرید لی جائے تا کہ وقف قائم رہے، وقف کو باقی رکھنا ضروری ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۲ صفر ۱۴۱۴ھ۔

مسجد پر وقف زمین کے پلاٹ کی خرید وفروخت:

(سوال ۴۳) زمین کا کھلا پلاٹ مسجد میں وقف کر دیا گیا ہے مگر کس نے وقف کیا اور کب کیا؟ اس کے متعلق کوئی خبر متحقق نہیں، آج سے تقریباً چالیس یا پچاس سال ہوئے کہ میرے دادا نے اس پلاٹ کو کرائے پر لے رکھا تھا، بعد میں اس زمین کے کرایہ دار میرے والد صاحب بنے، اسی دوران ایک اور شخص کی نیت خراب ہوئی کہ وہ اس پلاٹ کو ہضم کرنا اور اس پر قبضہ کرنا چاہتا تھا، ۱۹۵۲ء میں وقف کا قاعدہ بنا اور اس قانون کے تحت یہ پلاٹ بھی مسجد کی ملکیت میں لکھوا دیا گیا، میرے والد صاحب اس وقف کے مینجنگ ٹرسٹی تھے اور اب بھی ہیں انہوں نے چیریٹی کمشنر سے اس کے متعلق پوچھا کہ اب کیا کیا جائے؟ آیا یہ پلاٹ کسی اور شخص کو ۹۹ سال کے لئے لیز (LEASE) پر دے دیا جائے یا خود موجودہ کرایہ دار کے لئے بھی اس طور پر لینا درست ہے؟ اس پر چیریٹی کمشنر نے کہا کہ نہیں بلکہ اس کو فروخت کر دیا جائے، یا یہ کہ خود کرایہ اسے قیمتاً لے لے۔

بہر حال سرکاری قانون کے مطابق ٹینڈر دیا گیا اور کارروائی ختم ہوئی پھر گورنمنٹ کی مقرر کردہ قیمت کے مطابق بلکہ زیادہ پیسے دے کر یہ پلاٹ میرے نام سے خرید لیا گیا، وضاحت طلب یہ ہے کہ (۱) کیا اس کی بیع شرعاً درست ہے؟ اور اس کو استعمال میں لانا کیسا ہے؟

(۲) والد صاحب تو کرایہ دار ہیں ہی، اب اس پر تعمیری کام انجام دینا اور اپنے لئے ہی استعمال میں لانا کیا درست ہے؟ اس کی تجارت مقصود نہیں۔

(۳) اس کو جن لوگوں نے استعمال کیا وہ سب تباہ و برباد ہو گئے ہیں، اب مجھے استعمال میں لانا ہو تو کیا کیا جائے؟ جنوا

توجروا۔

(الجواب) حامداومصلیاومسلماً۔مذکورہ پلاٹ کوآج تک وقف ہی سمجھا گیا ہے اور وقف ہی کی طرح عمل بھی ہوتا رہا ہے۔لہٰذا اب بھی اس پلاٹ کومسجد کا وقف سمجھا جائے اور وقف کا بیچنا باطل ہے،جس طرح آج تک اسے کرایہ پر جاری رکھا گیا اب بھی اسی طرح جاری رکھا جائے،آج تک جو کرایہ دارر ہے وہ کرایہ دار رہیں یا کسی مناسب شخص کو کرایہ پر دیا جائے (لیکن کرایہ میں بھی ایسی قانونی صورت اختیار کی جائے کہ کرایہ دار اس پر قبضہ نہ کر سکے اور وقف ضائع نہ ہو، مسلسل ۹۹ سال کے لئے ایک ساتھ کرایہ پردے دینے میں ضائع ہوجانے کا اندیشہ بظاہر موجود ہے،لہٰذا تھوڑی تھوڑی مدت کے لئے کرایہ پر دیا جائے یا کرایہ دار بدلتے رہیں)

یا اس کھلی زمین پر مسجد کی آمدنی کے لئے چندہ کر کے مکان بنالیا جائے اور اس مکان کا کرایہ مسجد پر خرچ کیا جائے،الغرض اس پلاٹ کو بیچنا اور خریدنا جائز نہیں،بیع باطل ہوگی خریدنے والا شرعاً اس کا مالک نہ بنے گا نہ مالکانہ تصرف کرنا جائز ہوگا،اگر خریدنے والا خرید کر اپنی ملکیت ثابت کرنا چاہے گا تو تباہی کا سبب بنے گا،جیسا کہ خود آپ نے سوال میں لکھا ہے۔

فاذا تم ولزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن (درمختار)قوله (لا يملك) اى لا يكون مملوكا لصاحبه ولا يملك اى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه (شامى ص ۵۰۷ ج۳ مطلب فى شرط واقف الكتب ان لا تعار ولايرهن) فقط والله اعلم بالصواب .

قبرستان کی زمین پرآمدنی کے لئے تعمیر کرنا:

(سوال ۴۴) یہاں ایک برسوں پرانا ادارہ ہے جس کے ماتحت ایک مسجد اور قبرستان کا انتظام ہورہا ہے،یہ ادارہ عوام سے چندہ جمع کر کے غریب،مسکین،مدرسے اور اسکول کے طلبہ کو،لاوارث میت اور بیوہ عورتوں کوامداد دیتا ہے۔

ادارۂ مذکورہ کی مالی حالت کمزور ہونے کے سبب اراکین ادارہ نے اس کے ماتحت اور اس کے زیر انتظام مسجد وقف جس پر جھونپڑ پٹی والوں کا قبضہ ہے اس زمین کی تھوڑی سی باقی کھلی زمین پر بھی جھونپڑے بن جانے کے اندیشہ کی وجہ سے اس زمین پر تعمیری کام کرنے کا اراکین انجمن (ادارہ) نے بلڈرز سے کونٹریکٹ کیا ہے،ابھی ابھی یہ اطلاع ملی ہے کہ انجمن کے دو لائف ممبران نے بلڈرز سے پانچ لاکھ روپے دلالی لینے کا سودا کیا ہے اور یہ لائف ممبر علی الاعلان یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے کونٹراکٹر سے انجمن کے ساتھ یہ سودا کروانے کے لئے دلالی لی ہے،کیا یہ رقم لینی جائز ہے؟ حالانکہ کمپیٹیشن یا بلڈرز کا کوئی حریف سامنے نہ تھا،جب کہ انجمن کی مالی حالت بہت کمزور ہے،انجمن اس زمین پر بنی ہوئی مسجد کا بھی انتظام کرتی ہے۔برائے کرم اس مسئلہ پر ہماری رہبری فرمائیں۔

(الجواب) حامداومصلیاومسلماً۔یہ بات سمجھ لی جائے کہ واقف نے جس مقصد سے اپنی زمین وقف کی ہو،اس وقف شدہ زمین کا استعمال واقف کی منشاء کے مطابق ہونا ضروری ہے،اس میں تبدیلی کرنا اور واقف کی منشاء کے خلاف عمل کرنا جائز نہیں ہے شامی میں ہے:**شرط الواقف،کنص الشارع** (شامی۳/۵۷۵ نیز شامی میں ہے **صرحوا بان مراعاة غرض الواقفين واجبة** (شامی۳/۵۸۵)

قبرستان مردوں کی تدفین کے لئے وقف ہوتا ہے، لہذا قبرستان کی پوری زمین اسی مقصد میں استعمال ہونا چاہئے، اس کے علاوہ دوسرے کاموں میں وقف قبرستان کی زمین استعمال کرنا درست نہیں۔

صورت مسئولہ میں جب یہ وقف قبرستان ہے تو اس کی پوری زمین مسلمان مردوں کی تدفین کے لئے ہی استعمال کرنا ضروری ہے، اس زمین کا بیچنا یا کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے انجمن کے ذمہ داروں پر لازم ہے کہ قبرستان کی زمین حاصل کر کے اس زمین کا احاطہ کر کے اس کو محفوظ کرلیں اور اس میں مسلمان مردوں کی تدفین شروع کر دیں اور واقف کی منشاء کے مطابق اس کا استعمال کریں ..... جب شرعاً یہ حکم ہے تو دو ذمہ داروں کا اس زمین کے سلسلے میں دلالی لینا کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کو ہبہ دیا ہوا مکان وقف ہے اگر اس کے قرائن ہوں:

(سوال ۴۵) اس کے ساتھ ہم نے ایک دستاویز کی نقل بھیجی ہے جس میں زید نے اپنی پوری ملکیت کی بخشش (ہبہ) کا تذکرہ کیا ہے اور اس کو وقف نہیں کیا ہے، دستاویز کے ص ۳ پر بتایا گیا ہے کہ پوری ملکیت کو بیچا یا رہن نہ رکھا جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ پوری ملکیت کمزور کرنے کے قریب ہوگئی ہے، اور مرحوم کی اور کوئی رقم یا آمدنی نہیں ہے جس سے اس کی مرمت ہوسکے اور ہماری جماعت کے پاس بھی اتنی رقم نہیں کہ اس کی پوری مرمت کرائی جاسکے، ان پریشانیوں کو دیکھتے ہوئے ہم نے یہ سوچا ہے کہ پوری ملکیت کو بیچ کر اس سے حاصل ہونے والی رقم سے شیرز یا کوئی اور ذریعۂ آمدنی قائم کیا جائے اور مرحوم کی مرضی کے مطابق آمدنی کی وہ رقم خرچ کی جاسکے تو پوری ملکیت کو ہم بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ صورت مسئولہ میں مرحوم نے جماعت کو بخشش کا جو دستاویز دیا ہے یہ ملکیت وقف شمار کی جائے گی قرائن ہوں تو بخشش کے لفظ سے بھی وقف ہو جاتا ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم قدیم میں حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کا فتویٰ ہے، ملاحظہ ہو۔

ایک مسماۃ نے اپنی جائداد غیر منقولہ مسجد میں ہبہ کی اور ہبہ نامہ لکھا، اور رجسٹری کرادیا آیا وہ جائیداد مسجد پر موقوف ہوئی یا نہیں؟

(الجواب) وقف ہوگئی جیسا کہ عبارت عالمگیریہ سے ظاہر ہے: **ولو قال وهبت داری للمسجد او اعطیتها له صح ويكون تمليكاً فيشترط التسليم كما لو قال وقفت هذه ..... للمسجد يصح بطريق التمليك اذا للقيم ..... الخ فقط والله تعالىٰ اعلم، كتبه عزيز الرحمن عفى عنه (فتاوی دار العلوم قديم ص ۲۳۷ ج ۶،۵)** اب مذکور بخشش میں جو شرطیں لکھی ہیں "نیز یہ گھر بیچا یا رہن نہ رکھا جائے یا کسی چیز کے بدلہ میں نہ دیا جائے" ص ۳، ان شرطوں کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے لہذا مذکورہ ملکیت بیچی نہیں جاسکتی کوشش کر کے اس کی مرمت انتظام کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) مسجد کے لئے وقف شدہ پلاٹ جو دور ہے اس کی جگہ مسجد کے قریب کا پلاٹ لینا جب کہ واقف مر چکا ہے (۲) صورت مسئولہ میں واقف حیات ہے تو کیا حکم ہے :

(سوال ۴۶)(۱) ایک شخص نے مسجد سے دور ایک مکان کی جگہ (پلاٹ) وقف دی ہے اور وقف دینے والا صاحب خیر وفات پا گیا ہے ان کے کوئی ورثاء نہیں ہیں۔ ہاں خاندان میں بہت دور کے ورثاء ہو سکتے ہیں۔ اب اس مکان کی بجائے جو مسجد سے دور ہے اس کے بدلہ میں مسجد کے پڑوس میں کوئی مکان مل جائے تو اس طرح مکان کا بدلنا شرعاً کیسا ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً واقف نے اگر استبدال کی اجازت دی ہو تب تو استبدال بلا تکلف جائز ہے۔ اور اگر واقف نے استبدال سے متعلق کوئی وضاحت نہ کی ہو تو متولیان مسجد کا استبدال سے کیا مقصد ہے؟ اگر موجودہ جگہ سے مسجد کے لئے آمدنی ہوتی ہو اور متولیان مسجد زائد آمدنی کے لئے جگہ بدلنا چاہتے ہوں تب تو بدلنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر اس خالی پلاٹ سے فی الحال کوئی آمدنی نہ ہو اور استبدال صرف مسجد کے مفاد کے لئے ہو مثلاً مسجد کے قریب جگہ ہو تو وہاں مسجد بنا سکیں گے یا وہ جگہ محفوظ رکھیں گے اور آئندہ توسیع کے کام میں آسکے گی یا اس جگہ مسجد سے متعلق وضوخانہ یا استنجا خانہ یا امام صاحب کا کمرہ بنانا مقصود ہو تو استبدال کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

(سوال ۲) ایسے ہی ایک شخص نے مکان وقف دیا ہو اور وہ صاحب خیر ابھی حیات ہے تو ان کی اجازت سے دور کا مکان جو انہوں نے وقف کیا ہے اس کے بدلہ میں مسجد کے پڑوس میں یا مسجد سے ملحق ہو سکے ایسا مکان لینا شرعاً کیسا ہے؟ اس طرح بدلنے کے بعد صاحب خیر جنہوں نے دور کا مکان وقف کیا تھا پورا پورا اجر ملے گا یا نہیں؟

(الجواب) سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تیرہ مکان ہے اور ممکن ہے کہ اس سے مسجد کے لئے آمدنی بھی ہوتی ہو تو زائد آمدنی کے لئے مکان بدلنا جائز نہیں ہے (شامی بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ اردو ص ۲۷۔۳۷ ج ۶ (اسی باب میں موقوفہ زمین کس صورت میں فروخت ہو سکتی ہے؟ کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے۔ مرتب)

البتہ واقف نے وقف کرتے وقت بدلنے کی اجازت دی ہو تو اس صورت میں استبدال جائز ہے۔ اور اگر واقف نے استبدال کے متعلق کچھ وضاحت نہ کی ہو اور زائد آمدنی کے لئے بدلنا چاہتے ہوں تو ایسا نہیں کر سکتے، البتہ اگر وہ مکان ابھی تک بیکار پڑا ہوا ہے اور آمدنی کی کوئی صورت نہ ہو اور جواب نمبر ۱ کے مطابق مسجد کے مفاد کے لئے بدلنا چاہتے ہوں تو بدلنے کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ۔

قبرستان کے لئے چندہ کیا گیا مگر مناسب زمین نہ ملی تو کیا وہ رقم مسجد مدرسہ میں خرچ کر سکتے ہیں؟:

(سوال ۴۸) ہمارے یہاں قبرستان کی ضرورت ہے زمین خرید نے کے لئے چندہ کیا گیا اور قبرستان کے لئے ایک قطعہ اراضی کا انتخاب بھی کر کے خرید نے کی بات چیت شروع کر دی مگر رکاوٹ پیش آجانے کی وجہ سے سودانہ ہو سکا، دوسری مناسب زمین کی تلاش جاری ہے۔ اس درمیان چھ لوگوں نے اپنی رقم واپس لے کر مدرسہ کو دے دی نہ معلوم

یعنی آپ کے ملک میں ہم لوگ جمع شدہ رقم مسجد مدرسہ میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں ؟ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ رقم مسجد و مدرسہ میں خرچ کر دیں، آپ جواب عنایت فرما کر ہماری رہنمائی فرمائیں ! بینوا توجروا۔

(الجواب) قبرستان ایسی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا، اگر قبرستان نہ ہوگا تو مردوں کی تدفین کہاں ہوگی ؟ بڑی پریشانی پیش آئے گی لہذا جو رقم جمع ہوئی ہے اسے کسی امین شخص کے پاس جمع رکھو اور ضائع ہونے کا اندیشہ ہو یا کوئی قانونی ضرور ہو تو بینک میں جمع کر دو کہ لوگوں کو اطمینان اور اعتماد رہے اور اہتمام سے چندہ جاری رکھو، مناسب جگہ کی تلاش جاری رکھو اور زمین ملنے پر قبرستان کے لئے زمین خرید لو جمع شدہ رقم دوسرے کاموں میں خرچ نہ کی جائے۔[1]

---

(۱) قوله قولهم شرط الواقف كنص الشارع ولا عبرة به بخروجه عن الحج الشرعيه شامى . مطلب . قولهم شرط الواقف كنص الشارع ج ۔ ص ۳۳ . فقط والله اعلم بالصواب

احکام المساجد والمدارس

مسجد کا حق متولی معاف کر سکتا ہے یا نہیں؟:

(سوال ۴۸) کسی کے ذمہ مسجد کے حقوق ہوں (رقم وغیرہ) تو متولی اس کو معاف کر سکتا ہے یا نہیں۔
(الجواب) متولی کو معاف کرنے کا حق نہیں ہے۔ [1]

دخول مسجد کے وقت سلام کرے یا نہیں:

(سوال ۴۹) مسجد میں داخل ہونے کے وقت سلام کہے یا نہیں؟
(الجواب) مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا چاہئے۔ بشرطیکہ لوگ بیٹھے ہوئے ہوں۔ تلاوت یا درس وغیرہ میں مشغول نہ ہوں۔ اور اگر مشغول ہوں تو منع ہے۔ شامی میں ہے (قوله ذاكر فسره بعضهم بالواعظ لا نه يذكر الله تعالىٰ باى وجه كان رحمتى (شامى ج ۱ ص ۵۷۲ مطلب فى احكام المسجد) اگر مسجد میں کوئی نہ ہو یا نماز پڑھتے ہوں اور وہ نہ سن سکیں تو اس صورت میں کہنا چاہئے السلام علينا من ربنا وعلىٰ عباد الله الصالحين . ان حرمة المسجد خمسة عشر او لها ان يسلم وقت الدخول اذا كان القوم جلوساً غير مشغولين بدرس ولا بذكر وان لم يكن فيه احد او كانوا فى الصلوٰة فيقول السلام علينا من ربنا وعلى عبادالله الصالحين .(نصاب الا حتساب قلمى باب ۱۵ ص ۳۴)

مسجد و مدرسہ کے لئے سرکار سے قرض لینا کیسا ہے؟:

(سوال ۵۰) سیلاب سے مسجد کو نقصان پہنچا ہے تو مسجد و مدرسہ کے لئے سرکار سے لون یعنی قرض لینا کیسا ہے؟
(الجواب) سرکاری لون (قرض) جس میں سود دینا پڑتا ہے اس کا لینا جائز نہیں۔ [2]

مسجد و مدرسہ کے لئے غیر مسلم کی امداد لینا:

(سوال ۵۱) مسجد، مدرسہ میں کوئی ریلی راحت فنڈ کی طرف سے امداد لے تو لینا کیسا ہے؟ کہ اس میں غیر مسلم کے روپے بھی ہوتے ہیں؟
(الجواب) مسجد۔ مدرسہ کی عمارت کو نقصان ہوا ہو تو امداد لینے کی گنجائش ہے، جماعت خانہ یا نماز گاہ کے علاوہ بیت الخلاء یا غسل خانہ وغیرہ بنانے اور مرمت کرنے کے لئے امداد لی جائے۔ [3]

---

(۱) يفتى بالضمان فى غصب عقار الوقف وغصب منافعه او اتلافها كما لو سكن بلا اذن أو اسكنة المتولى بلا أجر كان على الساكن أجر المثل . كتاب الوقف مطلب سكن المشترى دار الوقف ج۳ ص ۴۰۷.
(۲) قال هلال رحمه الله تعالىٰ انه وقفه اذا استرست الصدقة وليس فى يد القيم مايرمها فليس له ان يستدين عليها فتاوىٰ عالمگيرى ولاية الوقف وتصرف القيم فى الا وقاف الخ ج ۲ ص ۴۲۴.
(۳) قوله وان يكون قربة فى ذاته فتعين ان هذا شرط فى وقف المسلم فقط بخلاف الذمى لما فى البحر وغيره ان شرط وقف الذمى ان يكون قربة عندنا وعندهم كالو قف على الفقرآء او على مسجد القدس ،شامى كتاب الوقف ج۳ ص ۳۶۱.

مسجد کا متولی کیسا ہونا چاہئے؟:

(سوال ۵۲) ہمارے یہاں مسجدوں کے انتظام کے لئے زیادہ تر دستور ہے کہ محلہ اور جماعت کا ایک امین، دیندار نمازی، متولی ہوتا ہے۔ اور وہ بغیر تنخواہ کے ایمان داری کے ساتھ مسجد کا کام بجالاتا ہے۔ بڑے امور میں نمازیوں سے صلاح، مشورہ وقتاً فوقتاً لیا کرتا ہے متولی ایک ہونے سے خیانت کا ڈر بھی نہیں رہتا ہے، حساب باقاعدہ رکھنا پڑتا ہے۔ مگر بعض جگہوں میں یہ دستور چل پڑا ہے کہ پانچ پانچ متولیوں کی کمیٹی بنتی ہے۔ کمیٹی زیادہ تر مسجد کے متعلق تمام امور کا فیصلہ کرتی ہے۔ کمیٹی کے اشخاص چننے میں علم، دینداری، تقویٰ، پرہیزگاری نہیں دیکھی جاتی، بے نمازی بھی متولی بن جاتا ہے اور ایک دوسرے کی مروت کی بنا پر ہم خیال ہونا پڑتا ہے۔ کمیٹی میں ایک صدر ایک سکریٹری دوسرے ممبران ہوتے ہیں۔ مذکورہ دونوں طریق میں افضل واعلیٰ طریقہ کون سا ہے۔

(الجواب) کمیٹی کے اکثر ارکان وممبران غیر دیندار اور احکام وقف سے ناواقف ہوں گے تو احکام وقف کے خلاف فیصلے ہوں گے۔ اس لئے ایسی کمیٹی سے فقط ایک دیندار احکام وقف سے واقف متولی کا ہونا افضل ہے۔ کام زیادہ ہو، تنہا انجام دینا دشوار ہو تو متولی اپنا نائب رکھ سکتا ہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب .

مسجد کس کو کہتے ہیں؟:

(سوال ۵۳) ایک شخص کہہ رہا ہے کہ مسجد کے لئے اس پر عمارت کا ہونا شرط ہے۔ بغیر عمارت کے کھلی جگہ صحن وغیرہ مسجد نہیں ہے لہٰذا اس پر (صحن مسجد پر) احکام مسجد ثابت نہ ہوں گے کہ عمارت کے بغیر کھلی جگہ ہے۔ کیا یہ دلیل صحیح ہے؟

(الجواب) مسجد ایسی جگہ، ایسی زمین اور ایسے مکان کا نام ہے جس کو کسی مسلمان نے اللہ تعالیٰ کی خاص عبادت، فرض نماز ادا کرنے کے لئے وقف کر دیا ہو اس پر عمارت اور تعمیر در و دیوار اور چھت یا چھپر کا ہونا شرط نہیں۔ مذہب حنفی کی معروف ومعتبر مستند کتاب طحطاوی شرح درمختار میں ہے:۔

واعلم انه لا يشترط في تحقق كونه مسجداً البناء . یعنی! جان لو کہ مسجد کے تحقق (مسجد قرار دیئے جانے) کے لئے بناء (تعمیر) ہونا شرط نہیں (طحطاوی ج ۲ ص ۵۳۶ کتاب الوقف ،احکام مسجد) (قاضی خان ج ۳ ص ۲۱۷)

جگہ زیادہ ہو تو مسجد کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک عمارت والا، دوسرا خالی عمارت والی جگہ میں موسم باراں و سرما میں نماز پڑھی جاتی ہے، جس کو مسجد شتوی اور جماعت خانہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ بلا عمارت کی جگہ میں موسم گرما میں نماز پڑھی جاتی ہے جس کو ''مسجد صیفی'' اور صحن مسجد سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس طرح بارش اور سردی کے موسم میں جماعت خانہ میں نماز باجماعت ہوتی ہے اسی طرح گرمی میں صحن مسجد میں نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے۔ یہ دونوں حصے مسجد میں شامل ہیں فقہ حنفی کی مشہور ومعتبر اور مستند کتاب شامی میں ہے وان كان للمسجد موضعان مسجد

---

(۱) قوله غير مأمون قال في الاسعاف ولا لولي الا امين قادر نفسه اوبنائه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود وكذا تولية العاجز لأن المقصود لا يحصل به ، شامي مطلب في شروط المتولي ج ۳ ص ۳۸۰ في الجواهر القيم اذا لم يراع الوقف يعزله القاضي ايضا مطلب فيما يعزل به الناظر

فتوی او مسجد صیفی (ج ۱ ص ۱۰۲ مطلب فی احکام المسجد) اس عبارت میں گرمی وسردی دونوں موسم کی مسجد کا ذکر ہے اور دونوں کو مسجد ہی کہا گیا ہے۔

مسجد کے کنوئیں کا استعمال کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۵۴) ہمارے یہاں مسجد میں ایک کنواں ہے۔ جس کے بانی اور اس کے بعد کے متولی صاحبان رحمت خداوندی میں پہنچ گئے ہیں۔ ان کی طرف سے اور بانی مسجد کی طرف سے مسجد کے کاموں کے علاوہ دوسری اشیاء میں استعمال کرنے نہ کرنے کے سلسلہ میں موجودہ متولی و منتظم کو معلوم نہیں ہے۔ تو ایسی حالت میں کنواں عام پبلک (عوام الناس) کے استعمال کی اجازت جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) مسجد کی حد میں ہونے کی وجہ سے پہلے کے دستور کے خلاف اس کنوئیں کو وقف عام نہیں کر سکتے۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کا ہجوم رہے گا جس سے مسجد کی حرمت باقی نہ رہے گی۔

مسجد کے روپے کہاں استعمال کرے؟

(سوال ۵۵) ہمارے گاؤں کی مسجد نے اپنے چندہ جمع کر کے حد مسجد میں پہلے کی زمین جس میں پیشاب خانہ تھا اس جگہ پر مسجد کے چندہ کی رقم سے بیت الخلاء غسل خانہ اور نالہ وغیرہ بنانا ہے۔ اس پر مذکورہ بالا سوال میں پوچھے ہوئے کنوئیں پر سے بذریعہ مشین پانی گاؤں میں نل (پائپ) سے پہنچانا کیسا ہے؟

(الجواب) مذکورہ کنوئیں سے مسجد کے بیت الخلاء، پیشاب خانہ، غسل خانہ وغیرہ میں پانی پہنچانے میں حرج نہیں، بلا حرج جائز ہے۔ مگر جو رقم مسجد کے نام سے آئی ہے، اس رقم سے گاؤں میں پانی پہنچانے کے لئے نلکی نہیں بنا سکتے، خواہ وہ مسجد کی جگہ اور اس کے احاطہ میں بنائی جائے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کے پیسوں کو بے جا استعمال نہ کیا جائے:

(سوال ۵۶) عام چندے کی رقم سے مسجد کے کام میں بے جا خرچ کرنا اور دو دو تین تین بار توڑ کر زائد از ضرورت خرچ متولی اپنی مرضی سے کر سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) بے جا اور نامناسب خرچ کرنے کا متولی کو اختیار نہیں۔ کرے گا تو گنہگار اور جماعت کا جواب دہ ہوگا۔

ماہ رمضان میں مسجد کو سنوارنا:

(سوال ۵۷) رمضان المبارک میں شب کو ضرورت سے زائد چراغ وغیرہ سے روشنی کرتے ہیں۔ اور اس کو زیادہ ثواب کا کام سمجھتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے۔

(الجواب) رمضان المبارک میں تراویح کے وقت نمازی ہمیشہ سے زائد ہوتے ہیں۔ ان کی راحت و سہولت کے لحاظ سے حسب ضرورت روشنی میں کچھ اضافہ کیا جائے تو جائز اور مستحسن ہے۔ ہاں صرف مسجد کی رونق افزائی کے لئے

---

(۱) متی ذکر للوقف مصر فالا بدان یکون فیھم تنصیص علی الحاجة، شامی کتاب الوقف ج۴ ص ۳۶۵

سے زائد روشنی کرنا ناجائز اور سخت منع ہے کہ اس میں فضول خرچی ہے ساتھ دیوالی (جو ہندوانی تیوہار ہے) سے مشابہت ہوتی ہے اور مجوسیوں کے شعار کا اظہار اور اس کی تائید لازم آتی ہے۔ مسجد تماشہ گاہ بن جاتی ہے، تراویح کے وقت بچے جمع ہو کر شور و شغب کر کے نمازیوں کو پریشان کرتے ہیں (الاعتصام ج ۲ ص ۲۷۳) خلاف شرع امور سے مسجد کی رونق نہیں بڑھتی، بلکہ بے حرمتی ہوتی ہے۔ مسجد کی زینت اور رونق اس کی صفائی، خوشبو نیز نمازیوں کی زیادتی۔ اچھی پوشاک پہن کر خوشبو لگا کر خشوع و خضوع سے نماز پڑھنے اور باادب بیٹھنے میں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کو مسافر خانہ مت بناؤ:

(سوال ۵۸) اکثر لوگ پانچوں وقت مسجد میں سوئے ہوئے رہتے ہیں۔ ہم ان کو روکتے ہیں پھر بھی باز نہیں آتے اوپر سے جواب دیتے ہیں کہ ہماری جماعت جاتی ہے ہم سوتے رہیں گے ان کے مکانات بھی ہیں۔ لہذا ازراہ شرع کون آدمی مسجد میں سو سکتا ہے؟

(الجواب) مسجد میں معتکف و مسافر کو سونے کی اجازت ہے۔ مقامی آدمی انتظار جماعت میں اور اعتکاف کی نیت سے سو سکتا ہے۔ مگر مسجد میں ادھر ادھر بستر ڈال کر مسجد کو مسافر خانہ جیسا بنا دینا درست نہیں۔ آداب مسجد کا ہر حال میں خیال رکھنا چاہئے۔ ویکرہ النوم والا کل لغیر المعتکف (فتاوی عالمگیری ج۵ ص ۳۲۱ کتاب الکراھة الباب الخامس فی آداب المسجد الخ)

مسجد میں دنیوی باتیں کرنا:

(سوال ۵۹) اکثر لوگ مسجد میں جمع ہو کر دنیوی باتیں کرتے ہیں اس کا خلاصہ کیا جائے کیا وعید ہے۔

(الجواب) مسجد میں دنیوی باتوں میں مشغول ہونا خطرناک ہے۔ جس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے تیرہ سو برس پہلے پیشنگوئی فرمائی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ دنیوی باتیں مسجدوں میں ہونے لگیں گی، ان کے ساتھ نہ بیٹھو، خدا کو ایسوں کی ضرورت نہیں۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۷۱ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دنیوی باتیں کرنا نیکیوں کو کھا جاتا ہے (کما تاکل النار الحطب او کما قال) جس طرح کہ آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے (یعنی جلا دیتی ہے) ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی مسجد میں دنیوی باتیں کرنے لگتا ہے تو فرشتے اس کو کہتے ہیں کہ اے اللہ کے ولی خاموش ہو جا، پھر اگر بات کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اے اللہ کے دشمن چپ ہو جا پھر اگر بات کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں تجھ پر لعنت ہو اللہ کی، خاموش رہ۔

روی عنه علیه الصلوٰة والسلام انه قال اذا اتی الرجل المسجد فاکثر من الکلام تقول الملائکة اسکت یا ولی الله فان زاد تقول اسکت یا بغیض الله فان زاد تقول اسکت علیک لعنة الله (کتاب المدخل ج۲ ص ۵۵)

اگر مسجد میں بقصد گفتگو نہ بیٹھے اتفاقاً کوئی دنیوی ضروری بات آہستہ سے کر لے تو مضائقہ نہیں۔ تاہم بچنا بہتر ہے۔

کیا مسجد کے چراغ کو تلاوت کے لئے لے سکتے ہیں:

(سوال ۶۰) رمضان المبارک میں شب کو تراویح کے بعد اکثر نوجوان صحن مسجد میں بہ نیت ثواب قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اس میں چراغ کا استعمال ہوتا ہے۔ ایک پڑھے سب سنیں بایں طور روزانہ ڈیڑھ گھنٹہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد چائے نوشی کر کے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اس کو فرض وسنت سمجھ کر نہیں، بلکہ مستحب سمجھ کر پڑھتے ہیں۔ گپ شپ سے اس کو بہتر جان کر ایسا کرتے ہیں۔ اس طرح موجب گناہ ہے؟ یا بدعت ہے؟ یا کیا؟

(الجواب) رمضان المبارک میں شب و روز تلاوت قرآن میں مشغول رہنے کی بڑی فضیلت وارد ہے باہم دور (ایک دوسرے کو سنانا) بھی ثابت ہے۔ اس طرح تلاوت کرے کہ نمازی و نائم کو تکلیف نہ ہو تو ممنوع ہے۔ مسجد میں ہمیشہ جس قدر چراغ جلتا ہو، اسی حد تک چراغ مسجد سے تلاوت کر سکتے ہیں۔ (۱) یہ صحن مسجد میں داخل ہو تو مسجد کی طرح اس کا ادب واحترام بھی لازم ہے۔ گپ شپ، شور وشغب چائے نوشی وغیرہ ادب کے خلاف ہیں۔ لہٰذا ان سے اجتناب ضروری ہے۔

صحن میں تراویح پڑھ سکتے ہیں یا نہیں:

(سوال ۶۱) ہمارے یہاں پرانی مسجد ہے۔ جماعت خانہ کے ساتھ وسیع صحن بھی ہے ہمیشہ گرمی کے موسم میں فرض، وتر اور تراویح با جماعت صحن مسجد میں پڑھی جاتی ہے۔ نماز جنازہ کے لئے علیحدہ جگہ متعین ہے۔ تاہم ناواقف حضرات کبھی کبھار صحن میں پڑھ لیتے ہیں۔ سمجھ دار وہاں نہیں پڑھتے ہیں۔ اب مسئلہ درپیش ہوا کہ تراویح صحن میں نہیں پڑھ سکتے۔ پڑھنے والا گنہگار ہے اور اعتکاف بھی ٹوٹ جاتا ہے اس سوال سے جھگڑا ہونے کا اندیشہ ہے۔ تاکید ہے تفصیلاً جواب مرحمت فرمائیں۔

(الجواب) مسجد کے لئے ضروری نہیں کہ اس پر عمارت، چھت یا چھپر ہو۔ طحطاوی شرح درمختار میں ہے۔ **واعلم انه لا يشترط في تحقق كونه مسجداً البناء.** ج ۲ ص ۵۳۵ **كتاب الوقف** یعنی۔ جان لو کہ مسجد کے لئے اس پر عمارت ہونا شرط نہیں ہے" جگہ وسیع اور کافی وافی ہو تو مسجد کے دو حصے کئے جاتے ہیں (۱) چھت دار، جس میں موسم سرما اور بارش میں نماز پڑھتے ہیں جس کو مسجد شتوی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور ہم اس کو جماعت خانہ کہتے ہیں (۲) بلا چھت کا خالی حصہ جس میں موسم گرما میں نماز پڑھتے ہیں جس کو مسجد صیفی اور صحن مسجد سے تعبیر کرتے ہیں اور جس طرح بارش و سردی کے موسم میں اور دھوپ کے وقت فرض نمازیں یا جماعت خانہ میں پڑھی جاتی ہیں، اسی طرح گرمی کے موسم میں فرض نمازیں اور وتر تراویح صحن مسجد میں با جماعت ادا کی جاتی ہیں (جیسا کہ آپ کے یہاں کا معمول ہے) یہ دونوں حصے مسجد شمار ہوتے ہیں۔ کبیری شرح منیہ میں ہے۔ **ان كان هناك مسجد ان صيفي وشتوى** (ج ۱ ص ۶۷۱ احكام المسجد)

---

(۱) ولو وقف على دهن السراج للمسجد لا يجوز وضعة جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين ... ان اراد انسان ان يدرس الكتاب بسراج المسجد ان كان سراج المسجد موضوعاً في المسجد للصلاة لا بأس به الخ عالمگیری قبیل الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد الخ ج ۲ ص ۴۵۹

مذکورہ عبارت میں سردی گرمی کی مسجد (جماعت خانہ وصحن) کا ذکر موجود ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے یہاں جو پہلے سے موسم گرما میں فرض، وتر اور تراویح کی جماعت صحن مسجد میں ہوتی چلی آتی ہے، یہ برا نہیں ہے بلکہ اچھا ہے۔ اعتکاف میں بھی نقصان نہ آئے گا جنازہ کی نماز ناواقفیت کی بنا پر صحن (داخل مسجد) میں پڑھ لی گئی تو یہ صحن مسجد سے خارج نہیں ہوتا بلکہ داخل ہی رہتا ہے۔ البتہ جس مسجد کا ایک ہی حصہ ہو اور صحن (خالی حصہ) پہلے ہی سے خارج مسجد ہو وہاں فرض باجماعت ہوتی نہ ہو (وہاں نماز جنازہ پڑھی جاتی ہو یا نہ پڑھی جاتی ہو) ایسے صحن میں جماعت تراویح کرنا غلط ہے جیسا کہ خارج مسجد حصہ میں فرض نمازوں کی جماعت پڑھنا غلط ہے۔

اگر کریں گے تو ترک مسجد کا گناہ لازم آئے گا اور سمجھا جائے گا کہ مسجد میں جماعت نہیں کی گئی۔ ان **الجماعة فی المسجد سنة علی سبیل الکفایة (الی قوله) ان صلی احد فی بیته بالجماعة حصل لهم ثوابها وادرکوا فضلها ولکن لم ینالوا افضل الجماعة التی تکون فی المسجد لزیادة فضیلة المسجد (کبیری ص ۳۸۴ صلاة تراویح) وان صلی احد فی البیت بالجماعة لم ینالوا فضل جماعة المسجد وهکذا فی المکتوبات (الی قوله) وظاهر کلامهم هنا انّ المسنون کفایة؟ اقامتها بالجماعة فی المسجد حتی لو اقاموها جماعة فی بیوتهم ولم تقم فی المسجد اثم الکل (شامی ج ۱ ص ۶۶۰ صلوة تراویح۔**

مزید اطمینان کے لئے ملاحظہ ہو۔

(سوال) رمضان شریف میں اگر گرمی کے باعث حجرہ مسجد کی چھت پر عشاء کی جماعت کرائی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) نماز ہو جاتی ہے مگر ثواب مسجد کا نہ ملے گا۔ (فتاوی دار العلوم مکمل مدلل ج ۴ ص ۵۷)

صحن خارج مسجد میں تراویح وغیرہ پڑھنا ہو تو مسجد سے متعلق تمام محلہ کے تمام مسلمان اتفاق کر کے اس کو داخل مسجد ہونے کی نیت کر لیں تو داخل مسجد مانا جائے گا اور وہاں تراویح وغیرہ بلا حرج پڑھ سکیں گے مگر اس جگہ کا ادب و احترام بھی مسجد کی طرح کرنا ہوگا۔

مسجد اور مدرسہ کا متولی و مہتمم پابند شرع دیانتدار ہونا چاہئے نااہل کی تولیت ٹھیک نہیں:

(سوال ۶۲) بستی اور قوم اور جماعت میں اہل علم، مولوی، حافظ، قاری موجود ہوتے ہوئے جاہل تارک صوم وصلوۃ اور تارک جماعت اور داڑھی منڈانے والے حضرات کو محض مالدار ہونے کی وجہ سے مسجد کے متولی اور مدرسہ کے مہتمم بنائے جاتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے۔ متولی و مہتمم کیسے ہونے چاہئیں۔ کہا جاتا ہے کہ اہل علم غریب ہوتے ہیں مفت کام نہیں کر سکتے اور امانت سونپنے میں خیال کرنا پڑتا ہے، وغیرہ۔ لہذا تفصیلا جواب دیں۔

(الجواب) اہل علم و پابند صوم صلوٰۃ اور پرہیزگار کے ہوتے ہوئے بے علم، بے عمل، فاسق و فاجر، داڑھی منڈے، تولیت اور اہتمام کے اور دینی سوسائٹی کی قیادت و سیادت کے اہل نہیں ہو سکتے۔ صحیح حق دار حاملین قرآن و پابند شریعت

ہوتے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں کی رہنمائی وہی کر سکتا ہے جس کی زندگی پیغمبر اسلام ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا نمونہ ہو۔ اور حضرت حافظ ابن تیمیہ کا فرمان ہے کہ امت کا اتفاق ہے کہ عالم باعمل مسلمان سیادت و قیادت کا اہل ہے۔ اگر ایسا شخص میسر نہ ہو تو یہ منصب مجبوراً دو شخصوں میں سے ایک کے سپرد کیا جائے گا (۱) عالم فاسق یعنی عالم بے عمل کو (۲) جاہل متقی یعنی بے علم باعمل کو (کتاب السیاسۃ الشرعیہ ص ۱۷)

حدیث میں ابن عباس سے مروی ہے وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جماعت میں سے کسی شخص کو عامل بنایا درحالیکہ اس جماعت میں ایسا شخص موجود ہو جو اللہ کو اس (پہلے شخص) سے زیادہ پسندیدہ ہو تو اس نے اللہ کی اور اس کی رسول کی خیانت کی (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۳۶ عمدۃ المطابع)۔ فتاوی ابن تیمیہ میں ہے۔ ولا یجوز تولیۃ الفاسق مع امکان تولیۃ البر۔ یعنی نیک آدمی کے ملنے کا امکان ہو تو فاسق کو سردار بنانا ناجائز ہے۔ (ج ا ص ۱۵۰)

حدیث میں ہے کہ ہر ایک کام اس کے اہل کو سونپے جائیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اذا وسد الامر الیٰ غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔ یعنی جب اہم امور نااہل کو سپرد کئے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو۔ یعنی قیامت قریب آگئی سمجھو (بخاری شریف ج ا ص ۱۴ کتاب العلم باب من سئل عن علم الخ)

اور آنحضرت ﷺ نے علامات قیامت بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ (ایک علامت یہ ہے کہ) بڑے بڑے کام نااہل کے سپرد کئے جائیں گے اور قوم کا سردار فاسق ہوگا (مشکوٰۃ ص ۴۷۰ وساد القبیلۃ فاسقھم وکان زعیم القوم ارذلھم الخ باب اشراط الساعۃ)۔ اور جو اختیاری امور علامات قیامت میں سے ہیں وہ گناہ کے کام ہیں۔ اسی لئے حکیم الامت حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ حضرت (گنگوہیؒ) نے مجھ کو جواب میں لکھا کہ نااہل کو کام سپرد کرنا یہ خیانت ہے ایسا کرنے سے ہم پر مواخذہ ہوگا کہ کام نااہل کو کیوں سپرد کیا گیا، اصل مقصود خدا کی رضامندی ہے، مدرسہ مقصود نہیں اور رہا یہ کہ مدرسہ باقی نہ رہے گا، اس سے ہم پر مواخذہ نہ ہوگا بلکہ ان سے مواخذہ ہوگا جن کی حرکات سے مدرسہ کو نقصان پہنچے گا۔

اس پر (حضرت تھانویؒ نے) فرمایا کہ جتنا بھی کام ہو صحیح اصول کے تابع ہو۔ حدود شرعیہ کے ماتحت رہ کر ہو مقصود خدا کی رضا ہے نہ مسلمان ہے نہ کام مقصود خدا کی رضا ہونی چاہئے مدرسہ رہے یا جائے مدرسہ خلق میں بدنام ہو یا نیک نام۔ چندہ بند ہو جائے یا جاری رہے طلبا زیادہ ہوں یا کم غرض کچھ بھی ہو، اصول صحیح کے تابع رہنا چاہئے (ملفوظات ۲۸ ج ۵ ص ۳۲۴) اور فرمایا نااہل کو ممبر نہیں بنا سکتے (ج ۵ ص ۲۰۳) صرف مالدار ہونے یا امداد کرنے کی بنا پر اللہ ان اہل نہیں ہو سکتا۔

حضرت مولانا عبدالحی لکھنؤی فرماتے ہیں کہ گو مہتمم مدارس دولت مند ہیں، دنیا کے نشیب و فراز بخوبی جانتے ہیں۔ لیکن جب انہوں نے نہ مدارس اسلامیہ دیکھے ہوں نہ ان کے قوانین انتظام سے کسی طرح واقف ہوں بھلا بتلائیے وہ بدوں مشورۂ مدرسین با استقلال مدارس کا کیسے انتظام کر سکتے ہیں؟ ایسے انتظام کا آخر کار یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ مدرسہ میں کچھ ایسی بدنظمی ہو جاتی ہے کہ ترقی علوم کے جتنے باب ہیں سب مسدود ہو جاتے ہیں۔ (سوانح علوم اسلامیہ ص ۳۸ مطبع نظامی کانپور)

خلاصہ کلام یہ کہ متولی اور مہتمم عالم باعمل ہونا چاہئے، اگر ایسا میسر نہ ہو سکے تو صوم وصلوٰۃ کا پابند، امانتدار، مسائل وقف کا جاننے والا، خوش اخلاق اور رحم دل، منصف مزاج، علم دوست، اہل علم کی تعظیم وتکریم کرنے والا ہو۔ جس میں یہ صفات زیادہ ہوں اس کو متولی و مہتمم بنانا چاہئے۔

نااہل متولی اور مہتمم اپنے ماتحت کام کرنے والے اہل علم کو اپنا نوکر سمجھتے ہیں:

علامہ کفیلتوی فرماتے ہیں، یہاں کے لوگ مدرسین کو جیسے بہ ظاہر خادم سمجھتے ہیں، ویسے ہی ان کو حقیقت میں بھی خادم سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان پر جابرانہ حکومت کی جاتی ہے جیسے ادنیٰ نوکر پر، ایسی حالت میں مدرسین سے مدارس کی ترقی کی امید رکھنا کس قدر تعجب خیز امر ہے اور آئندہ کس امید پر آدمی کو علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو سکتا ہے (سوانح علوم اسلامیہ ص ۳۸ مطبع نظامی کانپور)

یہ سب پچھ ہو رہا ہے، روزمرہ کے نئے نئے قانون بنا کر تنگ کیا جاتا ہے، ایام تعطیلات میں تنگی، رخصت دینے میں سختی کا برتاؤ خوشامد کرنے والوں سے درگزر کا سلوک، نہ کرے، ان سے سختی کا برتاؤ، نیک نامی خوشامد پر موقوف ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

علامہ کفیلتوی فرماتے ہیں کہ لوگوں کے طبائع میں مادہ خوشامد طلبی کا اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ باوجودے کہ علماء نہایت بزرگ خیال کئے جاتے ہیں، تاہم ان کی تعظیم اور ان کے ساتھ سلوک کرنا ان کی خوشامد پر موقوف ہے، لیکن جو لوگ دور دراز ملک کا سفر بغرض تحصیل علوم کرتے ہیں اور دولت علوم سے مالا مال ہو کر آتے ہیں اور دولت علم پر قانع ہو کے خوشامد سے پہلوتہی کرتے ہیں تو ان کی تعظیم تو درکنار ہے ان کو تنگ کرنے کے لئے اس قدر اسباب فراہم کئے جاتے ہیں کہ ان کے جس قدر خیالات علوم اسلامیہ کی ترقی کی بابت ہوتے ہیں وہ سب خاک میں مل جاتے ہیں۔ (ص ۳۷)

اور فرماتے ہیں:۔ مدرسین کی نیک نامی اور بدنامی یہاں صرف خوشامد اور عدم خوشامد پر مبنی ہے۔ مدرس گو کتنا ہی لائق ہو اور پڑھانے میں گو کیسی ہی جانفشانی کرتا ہو، لیکن جب تک خوشامد نہ ہوگی نہ اس کے مشاہرہ میں ترقی ہو سکتی ہے نہ نیک نامی کا اسے تمغہ مل سکتا ہے۔ (سوانح علوم اسلامیہ ص ۳۸ مطبع نظامی کانپور)

بے علم وعمل فاسقوں کو ایسے معزز عہدے سپرد کرنے میں ان کی تعظیم لازم آتی ہے۔ حالانکہ فاسق واجب الاہانت ہے تعظیم کا مستحق نہیں (شامی ج ۱ ص ۵۲۰)[1] حاملین قرآن کو جہال وفاسقوں کی ماتحتی اور تابعداری کرنے سے ان کی توہین وتذلیل لازم آتی ہے، جیسے کہ مردوں کا عورتوں کی ماتحتی اور تابعداری میں رہنا تذلیل سمجھا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔ اذا کان امرائکم شرارکم واغنیائکم بخلائکم وامورکم الی نساءکم فبطن الارض خیر لکم من ظهرها (مشکوٰۃ ص ۴۵۹ باب تغیر الناس) یعنی۔ جب تمہارے سردار فاسق ہوں اور تمہارے دولت مند بخیل ہوں۔ اور تمہارے کام عورتوں کے کہنے پر ہوتے ہوں تب تمہارے لئے زمین کا پیٹ (دفن ہو جانا) بہتر ہے اس کی پشت (جینے) سے (مشکوٰۃ ص ۴۵۹ باب تغیر الناس)۔

---

(۱) واما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بانه لايهتم لامر دينه وبان في تقديمه للامامة تعظيمه وقد وجب عليهم اهانته شرعا باب الامامة، قبيل مطلب البدعة خمسة اقسام)

ارشاد نبوی (ﷺ) اکرموا حملة القران فمن اکرمهم فقد اکرمني. یعنی۔ حاملین قرآن کی تعظیم کرو۔ بے شک جنہوں نے ان کی عزت کی اس نے میری عزت کی۔ (الجامع الصغیر للامام الحافظ السیوطی مطبع خیریه مصر ج ۱ ص ۴۵)

ایک اور حدیث میں ہے۔ حامل القران رایة الا سلام من اکرمه فقد اکرم الله و من اهانه فعلیه لعنة الله! یعنی۔ حاملین قرآن اسلام کے علمبردار ہیں جس نے ان کی تعظیم کی اس نے خدا کی تعظیم کی اور جس نے ان کی تذلیل کی اس پر خدا کی لعنت ہے۔ (الجامع الصغیر للسیوطی ج ۱ ص ۱۲۲ مطبع خیریہ مصر)

جب متولی و مہتمم وغیرہ نا اہل ہوں گے تو ان کے ماتحت ائمہ و مؤذنین اور مدرسین حضرات بھی نا اہل ہوں گے۔ وہ ان علماء کی قدر نہ کرسکیں گے جو غیرت مند اور خوددار ہوں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ جو علماء اہل ہوں گے وہ بددل ہوکر الگ ہوجائیں گے نا اہل پڑے رہ جائیں گے جس سے ادارہ کے کاموں میں ابتری ہوگی۔ نہ تعلیم ہوسکے گی نہ کوئی تبلیغی کام ہوسکے گا جیسا کہ مشاہدہ ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ اہل علم غریب ہونے کی وجہ سے متولی اور مہتمم کا کام مفت نہ کرسکیں گے تو جواب یہ ہے کہ حالت مذکورہ میں وہ تنخواہ لینے کے حق دار ہیں و من کان غنیا فلیستعفف و من کان فقیرا فلیاکل بالمعروف (قرآن حکیم) اور جو غنی ہو اس کو بچنا چاہئے (یعنی نہ لینا چاہئے) اور جو ضرورت مند ہو وہ مناسب مقدار میں ضرورت کے مطابق لے سکتا ہے اسلامی نظام سلطنت میں اہل علم بالخصوص حافظ قرآن کو بیت المال سے سالانہ معقول وظیفہ ملتا تھا۔ جامع صغیر میں روایت ہے حامل کتاب الله تعالیٰ له في بیت مال المسلمین في کل سنة مائتا دینار. ترجمہ: مسلمانوں کے بیت المال میں سے دوسو دینا سالانہ حاملین قران کے لئے ہونے چاہئیں (ج ۱ ص ۱۲۲) ایک دینار عموماً ایک مثقال یعنی ۴½ ماشہ سونے کا ہوتا تھا۔

رہا امانت داری کا سوال؟ تو حاملین قرآن سے بہتر دوسرا کوئی نہیں ہوسکتا۔ قرآن مجید میں ہے انما یخشی الله من عباده العلماء. بے شک لوگوں میں علم و عمل جس قدر زیادہ ہوگا اتنا ہی وہ اللہ سے ڈریں گے۔

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے ایک دفعہ اپنے عاملوں کو لکھا کہ ہمارے کاموں پر سوائے اہل قرآن (حافظ) کے سوا کسی اور کو نہ مقرر کرو۔ عاملوں نے اس کے جواب میں لکھا کہ ہم نے ان کو مقرر کیا مگر وہ لوگ خائن ثابت ہوئے۔ انہوں نے پھر لکھا کہ نہیں، سوائے اہل قرآن کے کسی اور کو نہ مقرر کرو۔ اگر ان میں خیر و بہتری نہ ہوگی تو ان کے غیروں میں بدرجہ اولیٰ نہ ہوگی (مکارم الحفظہ ص ۴۷)

علامہ شامی نے ایک بزرگ کا قول نقل کیا ہے، خیرهم خیر من غیرهم و شرهم خیر من شر غیرهم. یعنی! اہل علم کے بھلے آدمی دوسروں کے بھلے آدمیوں سے بہتر ہیں اور ان کے خراب آدمی دوسروں کے خراب لوگوں سے بہتر ہیں۔ (شامی ج ۵ ص ۲۶۱) کتاب الکراھیۃ فصل فی البیع۔

تاہم ہمیشہ سے ہمارے اکابرین کا مشورہ یہ ہے کہ امانتی ذمہ داری علماء اپنے سر نہ لیں مگر دین کا کام اس کے اہل (عالم، حافظ، قاری اور دیندار) کو ہی سپرد کرنا چاہئے۔ اور عوام کا فرض ہے کہ دامے، درمے، سخنے، نیز خیر اندیشی اور صلاح و مشورہ اور ذاتی تجربہ سے امداد فرماتے رہیں اس میں کوتاہی نہ کریں۔ مسجد و مدرسہ کا کام بھی گھر کے کام کی طرح تقسیم کار کے اصول پر ایک دوسرے کے تعاون سے بہتر اور احسن ہوسکتا ہے۔ فقط۔

محراب میں تصویر آفتاب بنانا:

(سوال ۶۲) ہمارے گاؤں میں ایک نئی مسجد بنائی گئی ہے۔ محراب میں نقش ونگار اور آفتاب کی تصویر بنائی ہے۔ اس کے سامنے کھڑے ہوکر نماز پڑھے تو حرج ہے یا نہیں؟ اگر حرج نہیں تو آفتاب پرستی اور بت پرستی میں کیا فرق لہذا جواب مع حوالہ عنایت فرمائیں کہ محراب میں ایسی تصویر بنانا کیسا ہے؟

(الجواب) محراب میں نقش ونگار اور آفتاب کی تصویر (فوٹو) بنانا منع اور مکروہ ہے کہ اس سے نمازی کے خشوع وخضوع میں خلل آتا ہے۔ لیکن آفتاب کی تصویر کے سامنے کھڑے رہ کر نماز پڑھنے کو آفتاب پرستی کے مشابہ ومماثل قرار دینا حق نہیں کیونکہ پرتش آفتاب کی تصویر کی نہیں ہوا کرتی بلکہ اس کی ذات کی ہوتی ہے۔ دونوں میں بین فرق ہے۔ درمختار میں ہے۔ **او لغیر ذی روح لا نها لا تعبد** یعنی تصویر غیر ذی روح کی ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی عبادت نہیں کی جاتی۔

شامی میں ہے **ان قیل عبدالشمس والقمر والکواکب والشجر الخضر ء قلنا عبد عینه لا تمثاله**۔ یعنی اگر یہ کہا جائے کہ سورج، چاند، ستارے اور ہرے درختوں کی پرستش کی جاتی ہے، ہم کہیں گے کہ ان کی ذات کی پرستش کی جاتی ہے نہ کہ اس کی تصویر کی۔ لہذا جن کی ذات کی پرستش کی جاتی ہو اس کے سامنے کھڑے رہ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس کی تصویر کے سامنے مکروہ نہیں۔ (درمختار۔ شامی ج ۱ ص ۶۰۷ **مکروهات الصلاة**)

لہذا ان کی تصویر کے سامنے نماز پڑھنے سے پرستش اور مشابہت کا حکم عائد نہیں ہوگا مگر خشوع وخضوع میں خلل انداز ہونے کی وجہ سے ایسی تصاویر کا نمازی کے سامنے ہونا ممنوع اور مکروہ ہوگا۔

خانہ خدا اور مسجد کی عمارت مضبوط اور نفیس ہو مگر اس کے ساتھ سادگی کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ پھول، بیل بوٹے، گل کاری، نقش ونگار کی بھر مار بالخصوص محراب اور دیوار قبلہ میں جائز نہیں، قوم کے اعمال بگڑنے کی دلیل ہے۔

حدیث شریف میں ہے:۔ **ماشاء عمل قوم قط الا زخرف مساجدهم**۔ یعنی کسی قدم کی عملی حالت بگڑتی ہے تو وہ مسجدوں کی ظاہری سجاوٹ ہی کو اپنی بڑائی سمجھنے لگتے ہوں (**سنن ابن ماجه ج ۱ ص ۲۴۵ ابواب المساجد والجماعات باب تشبید المساجد**)

اور آنحضرت ﷺ کے خادم خاص حضرت انسؓ کی پیشین گوئی ہے **یتباهون بها ثم لا یعمرو نها الاقلیلا**۔ یعنی مسجدوں کی ظاہری شان وشوکت پر بڑا فخر کیا کریں گے اور ان کو اصل معنی میں بہت کم آباد کیا کریں گے۔ (صحیح بخاری شریف ج ۱ ص ۶۴ کتاب الصلوٰۃ باب بنیان المسجد)

نیز آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں عنقریب تم مساجد کو اونچی بناؤ گے جیسا کہ یہود ونصاری اپنے کلیسا، گرجا گھر اور چرچوں کو اونچا بناتے ہیں (سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۴۴ ایضاً)

فرمان نبوی ہے۔ **صلی الله علیه وسلم. لا تقوم الساعة حتی لایتباه الناس فی المساجد** یعنی جب تک لوگوں میں یہ بات نہ ہوگی کہ اپنی اپنی مسجدوں کو بڑائی اور شان وشوکت پر فخر کیا کریں قیامت نہیں آنے کی (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۷۱ ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۴۴ ابواب المساجد والجماعات باب تشید المساجد)

آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں اور صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی خلافت کے دور تک مسجد نبوی بالکل سادہ تھی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی زمانہ میں توسیع کی ضرورت ہوئی۔ آپ نے توسیع کرائی مگر مقصد یہ ظاہر فرمایا اکن الناس من المطر وایاک ان تحمر وتصفر لتفتن الناس۔ میں بارش سے بچھاتا ہوں ایسا ہرگز نہ کرنا کہ اس پر سرخی یا زرد رنگ لوگوں کو فتنہ میں ڈالو (بخاری شریف ص ۶۴ باب بنیان المسجد

حضرت عثمان کا زمانہ خلافت بہت خوش حالی کا دور تھا۔ بڑے بڑے محل تعمیر ہونے لگے تو آپ نے مسجد نبوی کو بھی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) نئی شان سے پختہ تعمیر کرایا۔ اور اس تعمیر کا بہت بڑا اہتمام کیا۔ مگر مقصد یہ تھا کہ لوگ مسجد کو محل کے مقابلہ میں نظر حقارت سے نہ دیکھیں۔ آپ کی تیار کردہ مسجد میں گل کاری، بیل بوٹے کی بھرمار نہ تھی آپ نے حد اعتدال میں رہ کر نفاست اور خوبصورتی میں تھوڑا سا اضافہ کیا تھا، اس سے بھی صحابہ کرام ناخوش تھے۔ اس کے بعد بنی امیہ کی حکومت میں ولید بن عبدالملک کی خلافت میں مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت گل کاری، نقش ونگار میں بے حد زیادتی ہوئی۔ تعمیر ختم ہونے پر خلیفہ ولید بن عبدالملک معائنہ کے لئے گئے۔ وہاں حضرت عثمان غنیؓ کے ایک فرزند موجود تھے۔ ان سے خلیفہ نے کہا دیکھئے آپ کے والد کی تعمیر کردہ مسجد اور اس مسجد میں کتنا فرق ہے؟

صاحبزادہ نے فوراً جواب دیا۔ جی ہاں میرے والد کی تعمیر کردہ مسجد تھی۔ اور آپ کی یہ تعمیر یہود اور نصاریٰ نے کلیسا اور گرجا کی طرح ہے (جذب القلوب الی دیار المحبوب فارسی ص ۱۲۰)

یہ تھے سلف صالحین کے مبارک خیالات، مسجد کے سنوارنے کے سلسلہ میں۔ نماز کی روح خشوع خضوع ہے، بغیر اس کے نماز بے جان ہے، مسجد کی دیوار خصوصاً محراب اور محراب والی قبلہ جانب کی دیوار اور دائیں بائیں جانب کی دیوار پر رنگین بیل بوٹے، نقش ونگار کا اضافہ یقیناً نمازی کی توجہ اور خیال کو اپنی طرف کھینچتا رہے گا۔

حدیث شریف میں ہے۔ عن انسؓ قال کان قرام لعائشۃ رضی اللہ عنہ سترت بہ جانب بیتہا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم امیطی عنا قرامک ہذا فانہ لا تزال تصاویرہ تعرض فی صلاتی (بخاری ج/۲ ج ۱ ص ۵۴ باب من صلی فی ثوب مصلب اوتصاویر الخ) یعنی آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازہ پر خوبصورت پردہ دیکھ کر فرمایا کہ تم اپنے اس خوبصورت پردہ کو ہٹادو۔ اس کے بیل بوٹے میری نماز میں (عارض ہوکر) خلل انداز ہوتے ہیں (بخاری شریف ج ۱ ص ۵۴ پ ۲) آپ ﷺ نے پھول دار چادر بھی اپنے لئے پسند نہیں فرمائی اور فرمایا کہ یہ چادر مجھے نماز میں غافل کرتی ہے (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۰۸) (۱)

امام نووی رحمہ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:۔

فقہ الحث علیٰ حضور القلب وتدبر ما ذکرناہ و منع النظر من الا متداد الیٰ ما شغل وازالۃ ما یخاف اشتغال القلب بہ و کراھیۃ تزئین محراب المسجد و حائطہ ونقشہ وغیر ذلک من الشاغلات لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعل العلۃ فی ازالۃ الخمیصۃ ہذا المعنی (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۰۸)

(۱) ... قالت قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی خمیصۃ ذات اعلام فنظر الی علمہا فلما قضی صلاتہ قال اذہبوا بہذہ الخ ... کراہیۃ الصلوۃ فی ثوب لہ اعلام

یعنی مسجدوں کی زینت و تزئین اور دیواروں پر نقش و نگاری کراہیت اس لئے ہے کہ یہ چیزیں نمازیوں کے خیال اور توجہ کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں اور آنحضرت ﷺ نے پھول دار چادر کو اتار دیا کہ وقت کی ممتہ ہیں فرمایا کہ اس کے نقش و نگار نے میری توجہ نماز سے ہٹا دی۔ (نووی شرح مسلم)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں! حدیث شریف میں ہے کہ خس و خاشاک مسجد سے دور کرنا اور جاروب کشی اس مکان کی کرنی بہشت کی حوروں کا مہر ہے لیکن اس امر میں یہ احتیاط رہے کہ نوبت زینت کی حد سے نہ بڑھے اور سونے کے پانی سے مطلا نہ کرے اور پھول بیل بوٹے نہ نکالے اور نہ وغیرہ سے رنگین نہ کرے اس واسطے کہ ان چیزوں کے سبب سے مسجد کا حکم بدل جائے گا اور تماشا گاہ میں داخل ہو جائے گی اور اسی واسطے حضرت امیر المومنین عمر فاروق نے جس وقت مسجد نبوی مقدس نئے سرے سے تعمیر کروائی تو معمار کو ارشاد کیا کہ اکن الناس من المطر وایاک ان تحمر او تصفر لتفتن الناس۔ یعنی بنا مسجد کو اس قدر مستحکم کر کہ پانی چھنے کا خوف نہ ہو جائے اور خبردار ہو کہ اس مسجد کو سرخی اور زردی کے ساتھ رنگین نہ کرنا کہ آدمی فتنہ میں مبتلا ہوں گے۔ اور عبادت سے وقت نقش و نگار کی طرف مشغول ہوں گے اور عبادتوں میں قصور ہو گا۔ (تفسیر عزیزی اردو ج اص ۱۱۵ سورۂ بقرہ فارسی ج اص ۴۴۲)

فقہ کی مشہور اور معتبر کتاب البحر الرائق میں ہے والاولیٰ ان تکون حیطان المسجد البیض غیر منقوشة ولا مکتوب علیها۔ ویکره ان تکون منقوشة بصورا و کتابة۔

یعنی بہتر یہی ہے کہ در و دیوار مسجد سفید ہو، نقش و نگار سے پاک ہو اس پر کسی قسم کی تحریر نہ ہو تصویر اور کتابت سے منقش کرنا مکروہ ہے۔ (ج ۵ ص ۲۵۱ فصل فی احکام المسجد قبیل قولہ ومن جعل مسجداً الخ)

اگرچہ زمانہ کے مطابق بعض علماء نے چند شرائط مسجدوں کو خوبصورت اور پر رونق بنانے کی اجازت دی ہے کہ لوگ جب اپنے مکانوں میں غیر معمولی تکلفات کرنے کے عادی ہو گئے ہیں تو اینٹ گارے کی سادہ مسجد ان کی نظر میں نہیں جچے گی اور حقیر معلوم ہو گی جس سے عقائد اور خیالات کے بگڑ جانے کا خطرہ ہے تو اس خطرہ سے بچنے کے لئے اجازت دی ہے کہ مناسب حد تک مسجد کو آراستہ کر سکیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ لوگ عالی شان مسجد بنانے کو کافی سمجھتے ہیں۔ اس کو آباد کرنے کی فکر نہیں کرتے۔

مسجد کی آبادی قابل (عالم با عمل بزرگ) امام مقرر کرانے اور پابند شریعت، بلند آواز، خوش الحان مؤذن رکھنے اور مصلیوں کی کثرت اور باقاعدہ نماز پڑھنے سکھنے سکھانے سے ہوتی ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک مسجد سے متعلق دینی مدارس قائم کر کے قابل اساتذہ رکھ کر اولاد کی دینی تعلیم اور روحانی تربیت کا پورا بندوبست کیا جائے ورنہ ہم آنحضرت ﷺ کی وعید اور پیشن گوئی کا مصداق بن جائیں گے۔ مساجد هم معمورة وهی خراب یعنی ان کی مسجدیں بظاہر آباد مگر در حقیقت برباد (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق بخشے۔

بعض اوقات بطور مسجد جو مکان مستعمل ہو اس کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۶۳) یہاں ایک پہاڑ پر ہوا خوری کا مقام ہے وہاں عیسائی آباد ہیں اور مسلمانوں کے مکانات چند ہیں

کی طرح بنے ہیں اور دو کانیں بھی ہیں۔ جب اسکولوں میں دو ماہ کی تعطیل ہوتی ہے اس وقت دو ماہ کے لئے مسلمانوں کے اہل وعیال ہوا خوری کے لئے جاتے ہیں لیکن مرد نہیں جاتے وہ صرف ہفتہ میں ایک آدھ روز پہنچتے ہیں۔ ایک صاحب نے یہاں پر اپنا مکان نماز پڑھنے کے لئے مسجد کے طور پر استعمال کرنے اور وہ بھی روزانہ نہیں ہفتہ میں ایک دو دفعہ کے لئے دیا ہے تو یہ مکان مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں؟

(الجواب) اس صاحب دل سرمایہ دار نے اپنا مکان ہفتہ میں ایک دو وقت نماز پڑھنے اور بطور مسجد استعمال کرنے کے لئے دیا ہے۔ یہ نہایت ہی مبارک اور ثواب کا کام ہے۔ لیکن یہ جگہ اپنی ملکیت میں باقی رکھ کر دی ہو تو یہ شرعی مسجد کے حکم میں نہیں ہے اور اس پر مسجد کے احکام جاری نہ ہوں گے۔ ہاں باجماعت نماز پڑھی جائے تو جماعت کا ثواب ملے گا اگرچہ مسجد میں نماز پڑھنے جیسا ثواب نہیں ملے گا۔ البتہ اگر اس مکان سے اپنے مالکانہ حقوق ساقط کر دیئے اور اس کو عام مسلمانوں کے لئے مسجد بنا دیا تو یہ شرعی مسجد ہے اور اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں گے۔ جب پہاڑ پر مسلمانوں کی آبادی ہے اور مسلمانوں کے ذاتی مکانات، دوکانیں اور بنگلے وغیرہ سب کچھ ہیں اور ہوا خوری کے لئے لوگ آمدورفت کرتے ہیں اور رہتے ہیں تو یہاں پر مسجد کی خاص ضرورت ہے۔ لہذا چاہئے تو یہ کہ یہ صاحب دل فراخدلی کر کے اس مکان کو ہمیشہ کے لئے وقف کر دیں۔ یہ ان کا صدقہ جاریہ اور بہت بڑا کار خیر ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے **عبیداللہ الخولانی انہ سمع عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ یقول الناس فیہ حین بنی مسجد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم انکم اکثر تم و انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من بنی مسجداً قال بکیر حسبت انہ قال یبتغی بہ وجہ اللہ بنی لہ مثلہ فی الجنۃ (بخاری شریف ج ۱ ص ۶۴ باب من بنی مسجداً)**

جو شخص مسجد تعمیر کرادے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی مقصود ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس جیسا محل جنت میں بنائے گا۔

وہاں کے باشندوں (مسلمانوں) کو لازم ہے کہ مسجد کی صفائی اور آبادی کا پورا خیال رکھیں۔ امام ایسا رکھیں جو پانچوں وقت کی اذان پڑھ کر امامت کرادے اور بچوں کو تعلیم دے بڑے بوڑھوں اور جوانوں کو وعظ و نصیحت کر کے انہیں پکے نمازی اور سچے مسلمان بنائے۔ فقط۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شہر کے بازار میں ایک مسجد جو چوڑ کی مسجد سے مشہور ہے اس کی قبلہ جہت دیوار کے متصل پچھلی طرف مسجد کی چند دکانیں تھیں جو لائن دری میں کٹنگ میں چلی گئی کچھ حصہ باقی ہے جو ان کے لئے کافی نہیں ہے اب یہاں کے وقف کمیٹی کے صدر نے یہ ارادہ کیا ہے کہ مسجد کی آمدنی بڑھانے کے لئے قبلہ جہت دیوار کی فٹ دو فٹ جماعت خانہ سے لے کر دیوار کو پیچھے ہٹا کر مسجد کی آمدنی کے لئے دکانیں بنانا چاہتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ جماعت خانہ کا حصہ چھوڑ کر قبلہ جہت دیوار کے حصہ کو دکان میں شامل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر وقف کمیٹی کے صدر مذکورہ بالا صورت میں گناہ کی سب ذمہ داری اپنے سر لیتا ہے اس بنا پر کمیٹی کے ممبران رضامندی ظاہر کر دیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ مسجد کی قبلہ جہت دیوار مسجد کے حکم میں شمار ہوگی یا مسجد سے خارج؟ اگر اس میں سے کچھ حصہ مسجد کی دکانیں بنانے کے لئے لیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

راقم۔اسماعیل بابو بھائی۔عبدالرحمن بھائی منصوری۔
ناتھو بھائی شکور بھائی۔لال دروازہ بازار بسنگر وایا احمد آباد ضلع مہسانہ۔

(الجواب) ہوالموفق للصواب۔مسجد کی آمدنی بڑھانے کے لئے مسجد کی قبلہ جہت دیوار کو پیچھے ہٹا کر مسجد کی جگہ میں دوکانیں بنانا درست نہیں ہے۔مسجد کی قبلہ جہت دیوار بھی مسجد کے حکم میں ہے اس کا کوئی حصہ مسجد کی حد سے خارج نہیں کیا جاسکتا اور نہ کسی جزء کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے۔اس کی بے حرمتی مسجد کی بے حرمتی شمار ہوگی۔اس کی ذمہ داری لینے کی جرأت کوئی عقل مند نہیں کرسکتا۔باہر کی جگہ اگر دوکان کے لئے ناکافی ہو تو اسے مسجد کا پشتہ بنالیا جائے یا اس جگہ کو کسی چیز سے محفوظ اور محصور کرلیا جائے۔

فمن بنی بیتاً علی جدار المسجد وجب هدمه ولا یجوز الا جرة وفی البزازیه ولا یجوز للقیم ان یجعل من المسجد مستغلا ومسکناً (البحر الرائق ج۵ ص ۲۵۱ فصل فی احکام المسجد تحت قوله ومن جعل مسجدا الخ)

ولا یو ضع الجزع علی جدار المسجد وان کان من اوقافه(البحر الرائق ج۵ ص ۲۵۱ ایضاً)

بنی فوقه بیتا للامام لا یضر لانه من المصالح امالو تمت المسجد یته ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق تتارخانیه فاذا کان هذا فی الواقف فکیف بغیره فیجب هدمه ولو علی دارا لمسجد ولا یجوز اخذا لا جرة منه ولا ان یجعل شیئا منه مستغلا ولا سکنی بزازیه (درمختار کتاب الوقف مطب فی احکام المسجد ج۴ ص ۳۵۸)

مسجد کے کسی حصہ کو راستہ بنالینا:

(سوال ۶۴) مسئلہ ذیل کے بارے میں علماء کرام ومفتیان عظام کیا فرماتے ہیں کہ:۔

سورت میں ادھنہ دروازہ کے قریب مسجد ہے جس میں پنجگانہ نماز باجماعت ہوتی ہے بعض حصہ کو میونسپلٹی والے راستہ چوڑا اور کشادہ کرنے کے لئے توڑنا چاہتے ہیں تو کیا مسجد کی کوئی جگہ دوسری کسی کام میں لاسکتے ہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ صرف جماعت خانہ مسجد کے حکم میں ہے۔صحن، مسجد، غسل خانہ وغیرہ حصے داخل مسجد نہیں۔کیا یہ صحیح بات ہے؟ بحوالہ کتب جواب عنایت فرمائیے۔

(الجواب) جو جگہ ایک دفعہ حکم مسجد میں آجائے پھر اس کی عمارت رہے یا نہ رہے اس میں نماز پڑھی جاتی ہو یا نہ پڑھی جاتی ہو وہ جگہ تا قیامت مسجد کے حکم میں رہے گی اس کو بجز عبادت کے اور کسی کام میں استعمال کرنا صحیح نہیں۔اس کے کسی حصہ کو بیچنا، کرایہ پر دینا رہن رکھنا یا اس کے ورثا کو دینا جائز نہیں۔لہذا صورت مسئولہ میں مسجد کے کسی حصہ کو راستہ میں نہیں لیا جاسکتا۔شامی میں ہے۔ **لا یجوز ان یتخذ المسجد طریقا.** مسجد کے کسی حصہ کو راستہ بنانا جائز نہیں ہے۔ **لان المسجد لایخرج عن المسجدیة ابداً** کیونکہ مسجد کبھی بھی مسجد ہونے (کے حکم سے) نہیں نکلتی ہے (ص ۵۳۰۔۵۳۱ ج ۳ کتاب الوقف مطب فی جعل شئی من المسجد طریقاً)

حتیٰ کہ فقہا تحریر فرماتے ہیں کہ متولی کے لئے جائز نہیں کہ مسجد کی حد میں اور اس کے احاطہ میں دکان بنائے

(بحر الرائق ج ۵ ص ۲۴۹)[۱] جب مسجد کے منافع کے لئے مسجد کی حد اور اس کے احاطہ میں دکان نہیں بنا سکتے تو مسجد کے حصہ کو راستہ میں کس طرح شامل کر سکتے ہیں۔ مسجد نام ہے اس جگہ کا جس کو کسی مسلمان نے خاص عبادت الٰہی کے لئے وقف کیا ہو۔ مسجد کے لئے جو جگہ وقف کی گئی ہے اس کے ہر ایک حصہ پر مسجد کا اطلاق ہوتا ہے اور اس کے ہر حصہ پر وقف کے احکام جاری ہوں گے۔ یعنی جس طرح مسجد کی محراب اور منبر کی جگہ کو کرایہ پر دینا جائز نہیں۔ اسی طرح مسجد کے غسل خانہ اور بیت الخلاء وغیرہ کی جگہ کو بھی کرایہ پر دینا جائز نہیں۔ کیونکہ مسجد کی موقوف جگہ خدا کی عبادت اور عبادت کے لئے تیاری کے اسباب و ذرائع کے لئے ہے۔ صرف جماعت خانہ ہی مسجد نہیں بلکہ صحن اور برآمدہ بھی مسجد ہے اور اس کا احاطہ بھی مسجد کے حکم میں ہے۔ جہاں سردی کے وقت اور گرمیوں میں دھوپ کے وقت نماز پڑھی جاتی ہے اس کو جماعت خانہ یا مسجد شتوی کہتے ہیں اور مسجد داخلی بھی کہتے ہیں۔ اور گرمی میں جہاں نماز پڑھی جاتی ہے اس کو برآمدہ، صحن مسجد، مسجد صیفی اور مسجد خارجی کہتے ہیں (بحر الرائق ج ۲ ص ۷۴، باب ادراک الفریضہ، تحت قولہ ومن خاف فوت الفجر الخ، شامی ج ۱ ص ۶۱۱ مطلب فی احکام المسجد، امداد الفتاویٰ ج ص ۴۸۶)

اگر مسجد کا صحن مسجد میں داخل نہ ہوتا تو گرمی میں صحن میں نماز باجماعت کیوں پڑھتے؟ اور اس کا نام صحن مسجد اور مسجد صیفی اور مسجد خارجی کیوں رکھتے؟ کتب فقہ میں ہے مسجد کو اپنی آمد و رفت کا راستہ بنانا مکروہ ہے۔ (فتاویٰ سراجیہ ص ۷۱) مسجد میں پانی کا کنواں کھودنا مکروہ ہے، کیونکہ لوگوں کی آمد و رفت کی وجہ سے مسجد کی بے حرمتی ہوگی (فتاویٰ سراجیہ ص ۷۱) مسجد میں درخت لگانا مکروہ ہے کیونکہ صفوں میں خلل پڑے گا (فتاویٰ سراجیہ ص ۷۱) مسجد میں وضو کرنا مکروہ ہے۔ ہاں مسجد کی تعمیر کے وقت کوئی جگہ وضو کے لئے کر دی جائے یہ مکروہ نہیں ہے (بحر الرائق ج ۲ ص ۳۴)[۲] ان تمام مسائل میں جو مسجد کا لفظ آیا ہے اس سے مسجد کی کون سی جگہ مراد ہو سکتی ہے؟ جماعت خانہ میں تو اس کی گنجائش نہیں البتہ صحن مسجد میں ایسے کام ہو سکتے ہیں اس لئے ممانعت کی ضرورت پڑتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ فقہاء کے نزدیک صحن مسجد بھی مسجد ہے۔ ایک حصہ نماز و اعتکاف وغیرہ کے لئے اور دوسرا حصہ اعتکاف یا نماز کی تیاری کے لئے ہوتا ہے۔ جس طرح ہسپتال میں ایک کمرہ آپریشن کے لئے ہوتا ہے اور دوسرا کمرہ اس کے متعلقات و تیاری کے لئے ہوتا ہے مثلاً۔

(۱) پیشاب کی حاجت درپیش ہو تو اس سے فراغت سے قبل نماز پڑھنے کی اجازت نہیں اس لئے مسجد میں پیشاب خانہ کی ضرورت ہے۔

(۲) قضائے حاجت درپیش ہو تو اس سے فراغت حاصل کئے بغیر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں اس لئے بیت الخلاء کی ضرورت ہے۔

(۳) بحالت جنابت نماز گاہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں اس لئے غسل خانہ کی ضرورت ہے۔

(۴) بغیر وضو کے نماز نہیں پڑھ سکتے اس لئے مسجد میں حوض یا وضو خانہ کی ضرورت ہے۔

نوٹ:۔ اعتکاف دس دن کا یا پورے ماہ کا ہوتا ہے اس میں کھانا، پینا، سونا وغیرہ سب مسجد میں ہوتا ہے لہٰذا غسل خانہ وغیرہ مذکورہ چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وفی المجتبیٰ لا یجوز لقیم المسجد ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فنائہ فصل فی احکام المسجد)

(۲) وفی الخلاصۃ وغیرھا ویکرہ الوضوء والمضمضۃ فی المسجد الا ان یکون موضع فیہ اتخذ للوضوء ولا یصلی فیہ فصل لما فرغ من الکراھیۃ فی الصلوٰۃ تحت قولہ والوطء فوقہ)

دیس نگر کی مسجد کا معاملہ:

(سوال ۶۵) دیس نگر کی مسجد میں قبلہ جہت دیوار کے متعلق تجویز تھی کہ اس کو توڑ کر دوکان نکالی جائے ۔حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب نے اس کا معائنہ فرما کر تبصرہ فرمایا وہ درج ذیل ہے۔

مفتی لاجپوری صاحب دامت فیوضہم کا معائنہ اور تبصرہ

نحمده ونصلي على رسوله الكريم. اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلاوارزقنا اجتنابه.

احقر نے مورخہ ۲۸ جون ۱۹۶۷ء بروز چہارشنبہ دیس نگر کی چورہ کی مسجد کا معائنہ کیا قبلہ کی دیوار اور اس کے ساتھ کی زمین جس پر دوکان بنانا (بشمولیت جدار قبلہ) زیر تجویز ہی بغور دیکھا اور اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں جس پر قبل ازیں نقشہ دیکھ کر اور طرفین سے حقیقت معلوم کر کے پہنچا تھا کہ مسجد ہذا کی قبلہ جہت دیوار کا کوئی حصہ اور جزء دوکان میں شامل کرنا جائز نہیں۔ فمن بنى بيتاً على جدار المسجد وجب هدمه ولا يجوز الا جرة وفي البزازية ولا يجوز للقيم ان يجعل شيئاً من المسجد مستغلاً ومسكناً (بحر الرائق ج۵ ص ۲۵۱ فصل في احكام المسجد تحت قوله ومن جعل مسجداً)

ولا يوضع الجذع على جدار المسجد وان كان اوقافه الخ (ج۵ ص ۲۵۰ ايضاً) لو بنى بيتاً للامام لا يضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم يصدق (تتار كانيه) فاذا كان هذا في الواقف فكيف لغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولا يجوز اخذ الا جرة منه ولا ان يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنى بزازيه (درمختار كتب الوقف مطلب في جعل شئي من المسجد طريق ج۳ ص ۳۵۸).

یعنی اگر واقف نے مسجد کے اوپر امام کے واسطے کوٹھری بنائی تو ضرر نہیں اس لئے کہ یہ منجملہ مصالح مسجد کے ہے۔لیکن اگر اس مکان کا مسجد ہونا پورا ہو گیا تھا (فقط قول سے جس پر فتوی ہے یا اس میں نماز پڑھنے سے) پھر واقف نے مسجد کے اوپر کوٹھری بنانے کا ارادہ کیا تو منع کیا جائے گا اور اگر (بانی مسجد) کہے کہ میں نے (پہلے سے) اس کی نیت کی تھی اس کی تصدیق نہ کی جائے گی یعنی بانی کی یہ بات تسلیم نہ کی جائے گی۔ کذافی التتار خانیه . پھر جب خود واقف کے متعلق یہ ہے (کہ نہ اس کو تعمیر کی اجازت ہے اور نہ تعمیر کے متعلق اس کی نیت کا اعتبار ہے) تو غیر واقف کو یہ اجازت کب ہو سکتی ہے۔لہذا اس کا گرا دینا واجب ہے۔خواہ عمارت مسجد کی دیوار پر ہی ہو۔ (چھت پر نہ ہو) اور اس کا کرایہ لینا جائز نہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ مسجد کے کسی حصہ کو اس طرح کر دیا جائے کہ اس سے کرایہ وصول ہو سکے یا وہ رہائشی مکان بن جائے۔ بزازیہ بحوالہ درمختار۔ کچھ فقہاء نے مسجد کے کسی حصہ کا کرایہ لینے کی اجازت دی تھی اس کو صحیح تسلیم نہیں کیا گیا سختی سے اس کی تردید کی گئی۔غایۃ الاوطار ج۲ ص ۲۷۰۔

(قوله ولو على جدار المسجد) مع انه لم يا خذ من هواء المسجد شيئاً الخ ونقل في

البحر قبلہ ولا یوضع الجذع علی جدار المسجد وان کان من اوقافہ الخ قلت وبہ علم حکم مایضعہ بعض جیران المسجد من وضع جذع علی جدارہ فانہ لا یحل ولو دفع الاجرۃ (قولہ ولا ان یجعل الخ)ھذا ابتداء عبارۃ البزازیہ والمراد بالمستغل ان یوجر منہ شئی لا جل عمارتہ وبالسکنیٰ محلھا عبارۃ البزازیہ علی ما فی البحر ولا مسکناً وقدرد فی الفتح ما بحثہ فی الخلاصۃ من انہ لو احتاج المسجد الیٰ نفقۃ تو جر قطعۃ منہ بقدر ما ینفق علیہ بانہ غیر صحیح.(شامی ج۳ ص ۵۱۲.۵۱۳ کتاب الوقف مطلب فی احکام المسجد)

قیم المسجد لا یجوز لہ ان یبنی حوانیت فی حد المسجداوفی فنائہ لا نہ المسجد اذا جعل مسکنا تسقط حرمتہ .وھذا لا یجوز والفناء تبع المسجد فیکون حکمہ حکم المسجد کذا فی المحیط السرخسی (فتاویٰ عالمگیری ج۲ ص ۴۶۲ الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد علی)

(یعنی متولی مسجد کو حد مسجد میں فناء مسجد میں دکانیں بنانا جائز نہیں اس لئے کہ دوکانوں کی وجہ سے مسجد کی حرمت باقی نہیں رہتی) لا یجوز لقیم المسجد ان یبنی حوانیت فی حد المسجد وفی فنائہ (بحر الرائق ج۵ ص ۲۴۹ فصل فی احکام المسجد)

روایات فقیہہ سے واضح ہوگیا کہ مسجد کی دیوار یا اس کے کسی حصہ کو دوکان میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔فقہاء رحمہم اللہ نے تصریح کی ہے کہ مسجد کی دیواریں کسی مکان یا دوکان کی دیوار سے مشترک بھی نہ ہوں اگر چہ وہ مکان یا دوکان اس مسجد پر وقف ہو۔لہذا متولی صاحب کو لازم ہے کہ مسجد کی دیوار کو اس کی اصلی حالت پر بنائیں۔دیوار کا کوئی حصہ بھی دوکان میں شامل نہ کریں۔حطیم کعبہ داخل کعبہ ہے لیکن عوام کا لحاظ کرتے ہوئے اور اختلاف ونزاع سے بچتے ہوئے حطیم کو کعبہ کی عمارت میں شامل نہیں کیا اور فرمایا کہ عائشہ میں ڈرتا ہوں کہ تیری قوم کے دل انکار کریں اس بات سے کہ میں حطیم کو کعبہ میں داخل کروں۔ ولو لا ان قومک حدیث عھدھم بالجاھلیۃ فاخاف ان تنکر قلوبھم ان ادخل الجدار فی البیت وان الصق بانہ فی الارض.(صحیح بخاری شریف پ ۶ ج ۱ ص ۲۱۵ کتاب المناسک باب فضل مکۃ)

فتح الباری میں ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امر مستحب کے متعلق اگر یہ خدشہ ہو کہ لوگ اس کو پوری طرح سمجھ نہ سکیں گے اور اس کو اوپرا سمجھ کر شکوک وشبہات میں پڑ جائیں گے تو بہتر یہ ہے کہ اس امر مستحب کو عمل میں نہ لایا جائے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد دوسری جگہ منتقل کی جاسکتی ہے یا نہیں۔اس کی قیمت لی جاسکتی ہے یا نہیں :

(سوال ۶۶) جنوبی افریقہ کی حکومت نے ایک قانون وضع کیا ہے جس کا نام گروپ ایریا ایکٹ (GROUPAREA ACT) ہے۔یعنی ہر قوم کی علیحدہ علیحدہ بستیاں قائم کی جائیں اور اس بستی میں اسی قوم کے افراد کو بسایا جائے۔گوروں کی الگ بستی۔حبشیوں کی الگ بستی اور ہندوستانیوں کی الگ۔اس قانون کی رو سے ہندیوں کو اپنی موجودہ رہائش گاہوں اور گھر بار کو خیر باد کہنا پڑے گا۔اور نئی بستی میں جانے کے لئے ان کو حکومت کی طرف سے مجبور کیا جائے گا۔ہندی لوگ

اس وقت جب گھر بار اور املاک کے مالک ہیں، وہ سب قانون کی رو سے حکومت ان سے خرید لے گی۔ اس قانون کی زد میں مسجدیں اور عبادت گاہیں آ گئی ہیں ہم ہندی مسلمان جس ٹاؤن میں بستے ہیں اس کا نام بیٹھال ہے جہاں گروپ ایریا کا قانون نافذ ہوگیا ہے۔ گروپ ایریا کے قانون کی رو سے گورنمنٹ نے یہاں کی مسجد کو خرید لینے کا نوٹس دیا ہے اور اس کی قیمت بھی تین ہزار پاؤنڈ ٹھہرادی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ:۔(۱) مسجد کی قیمت ٹھہرائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ (۲) مسجد کسی دوسری جگہ منتقل کی جاسکتی ہے یا نہیں، خواہ بوجہ مجبوری ہی سہی؟ (۳) حکومت بزور مسجد خریدنا چاہے تو اس کی ٹھیرائی ہوئی قیمت لینا مسلمانوں کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اگر مسلمان مسجد کی قیمت لینے سے انکار کریں گے تو حکومت اس رقم کو اپنے کسی مذہبی فنڈ میں (یا ہسپتال میں) دے دے گی۔(۴) مسلمان لوگ مسجد کی قیمت لینے کے بجائے حکومت سے یہ کہہ دیں کہ جب تم بزور ہماری مسجد لینے پر تلے ہوئے ہو تو اس مسجد کے عوض ہماری نئی بستی میں حکومت کے خرچ سے ایسی ہی ایک مسجد بنادو تو اس طرح کی درخواست کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) حوالموافق للصواب۔ جس جگہ مسجد قائم ہے، اور جس زمین کے رقبہ کو مسجد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اس کی عمارت قائم رہے یا منہدم ہو جائے، اس میں کوئی نماز پڑھے یا نہ پڑھے۔ اس جگہ کی بستی آباد رہے یا ویران ہو جائے ہر حال میں وہ جگہ علی الدوام تا قیامت مسجد ہی رہے گی، دوسری زمینوں کی طرح فنا نہ ہوگی بلکہ جنت میں پہنچا دی جائے گی۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے **قد ذهب الارضون كلها يوم القيامة الا المساجد فانها يتضم بعضها الى بعض** . یعنی قیامت کے روز ساری زمینیں فنا ہو جائیں گی سوائے مساجد کے کہ وہ آپس میں مل جائیں گی (جامع صغیر امام سیوطی ج ۱ ص ۱۰۹)

اس لئے فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الامام والثانى ابداً الى قيام الساعة (وبه يفتى) حاوى القلسى (درمختار)** یعنی اگر اطراف مسجد منہدم اور ویران ہو جائے اور مسجد کی کوئی حاجت باقی نہ رہے تب بھی امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک وہ جگہ ہمیشہ قیامت تک جاری رہے گی اور اسی پر فتویٰ ہے۔

شامی میں ہے۔ **فلا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله على مسجد اخر سواء كان يصلون فيه اولا وهو الفتوىٰ (ايضاً فيه) ولو حرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لا يعود الى ملك الواقف عند ابى يوسف فيباع نقضه باذن القاضى ويصرف ثمنه الىٰ بعض المساجد الخ (ايضاً فيه) قال فى البحر وبه علم ان الفتوىٰ علىٰ قول محمد فى الات المسجد وعلى قول ابى يوسف رحمه الله فى تابيد المسجد اه والمراد بآلات المسجد نحو القنديل والحصير بخلاف انقاضه لما قدمناه عنه قريباً من ان الفتوىٰ على ان المسجد لا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر.** ج ۳ ص ۵۱۳ **كتاب الوقف مطلب فيما لو خرب المسجد او غيره**)

لہٰذا صورت مسئولہ میں حتی الامکان مسجد کو اپنی حالت پر برقرار رکھنے کی سعی بلیغ کی جائے اور محفوظ کر دی

جائے کہ بے ادبی سے محفوظ اور محفوظ رہے۔ اگر سامان ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اسے دوسری مسجد کے لئے ہٹا لیا جائے اگر عمارت توڑ دیئے جانے کا یقین ہو تو اسے بھی توڑ کر دوسری مسجد کے لئے رکھ لیا جائے اور اصل جگہ محصور کر لی جائے تاکہ بے حرمتی سے محفوظ رہ سکے، اگر مسجد کی زمین حکومت کسی حال میں بھی باقی رکھنا نہیں چاہتی تو اگرچہ بصورت مجبوری ان کے ہاتھ فروخت کر دینے کی گنجائش ہے (اس کے مجاز اصل واقف یا اس کے ورثاء اور وارث معلوم نہ ہوں تو اہل محلہ ہیں) مگر اس صورت میں مسجد فروخت کرنے کی ایک مثال قائم ہو جائے گی اور دوسری جگہ کی حکومتیں اور دوسری قومیں اس سے ناجائز فائدہ اٹھائیں گی۔ لہٰذا اگر نقصان، قابل برداشت ہو تو فروخت نہ کرنا بہتر اور قرین مصلحت ہے والعلم عند اللہ۔

لهم تحويل المسجد الى مكان اخران تركوه بحيث لا يصلي فيه ولهم بيع مسجد عتيق لم يعرف بانيه وصرف ثمنه الى مسجد اخر (شامى ج٣ ص ٥١٢) ان المسئلة فيها خلاف بين الائمة الا سلاف فقال ابو يوسف رحمه الله يبقى مسجدا ابداً الى قيام الساعة لا يعود ميراثا ولايجوز نقله ونقل ماله الى مسجد اخر سواء كانوا يصلون فيه اولا وعند محمد يعود الى صاحبه ان كان حياً والى ورثة ان كان ميتاً وان كان لا يعرف بانيه او عرف ومات ولا وارث له اواجتمع اهل المحلة على بيعه والا ستعانه بثمنه فى المسجد الا خر فلا باس به وتصرف او قافه اليه (الى قوله) والفتوىٰ على قول ابى يوسف (الى قوله) وصحح قوم قول محمد وفى الواقعات للصدر الشهيد المسجد اذا خرب وهو عتيق لا يعرف بانيه وبنى اهل المسجد مسجداً اخر وباع اهل المسجد الاول واستعانوا بثمنه فى بناء المسجد الثانى على قول من يرىٰ جواز هذا البيع وان كنا لا نفتى به جاز و فى الخلاصة والبزازية عن الحلوانى اذا خرب مسجد وتفرق الناس عنه تصرف او قافه الى مسجد اخرو فى النوازل كثير من الكتب انه لا باس به وهذا كله على قول محمد فتحرر من هذا التقرير ان المسئلة اجتهادية وللا ختلاف فيها مجال وللا جتهاد فيها مساغ فاذا توفوت شروط الحكم على قول الامام الثالث الذى رويت موافقته ،فيه لقول الامام الا عظم بعد النظر فى المصلحة للمصلين والا عانة للمتعبدين فلا شك فى صحته ونفاذه وارتفاع الخلاف فيه فانظر الى قوله فى الواقعات وان كنا لانفتى به جازو ماذلك الا انه قد تكون المصلحة فيه متعنيه فاذآ علم الله سبحانه وتعالىٰ خلوص النية وصفاء الطوية وقصد الدار الا خرة والا جور الوافرة والا خذبما هو يسر وطرح ما هو عسر فهوخير محض ونفع صرف فانه الدين كله يسروان خشى عاقبة سوء وانقلاب موضع . فالعمل بما عليه الفتوىٰ اولىٰ والا مور لمقاصدها وكم من شئى واحد يكون طاعة بالنية الخيرية ويكون معصية بالنية الشرية والله اعلم (فتاوىٰ خيرية ج١ ص ١٦٣) حاصله انه يعمل بقول ابى يوسف حيث امكن والا فبقول محمد تامل (شامى ج٣ ص ٥٢٩ كتاب الوقف، فيما لو خرب المسجد اوغيره)

بحالت مجبوری اس کو منظور کیا جا سکتا ہے کہ حکومت اس جگہ کے عوض دوسری مسجد بنوا دے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک وقف کی رقم دوسرے وقف میں استعمال کرنا:

(سوال ۶۷) مساجد کی رقم بطور وقف یتیم خانہ میں دے سکتے ہیں؟

(الجواب) مساجد کی وقف رقم یتیم خانہ میں بطور وقف نہیں دے سکتے۔ ایک وقف کے روپے دوسری وقف میں استعمال کرنے جائز نہیں، ممنوع ہیں۔ درمختار میں ہے وان اختلف احدهما بان بنی رجلان مسجدين اورجل مسجداً اومدرسة ووقف عليهما اوقافاً (لا) يجوزله ذلك (ای الصرف المذكور)

یعنی۔ دو شخص علیحدہ علیحدہ مسجد بنائیں یا ایک ہی شخص نے مسجد اور مدرسہ بنایا اور دونوں کے لئے جدا جدا وقف کئے تو قاضی کو حق نہیں ہے کہ ایک وقف کی آمدنی دوسرے وقف پر خرچ کرے (درمختار مع الشامی ج ۳ ص ۵۱۵ مطلب فی نقل القاضی المسجد)

ہاں اگر واقف نے وقف نامہ میں تحریر کیا ہے کہ ضرورت سے زائد آمدنی سے بوقت ضرورت دوسرے غریب حاجت مند وقفوں میں امداد کریں اور کار خیر میں خرچ کریں تو واقف کی شرط کے مطابق یعنی وقف نامہ میں جو تحریر ہے اس کے مطابق دوسرے وقف کی امداد کرنا اور کار خیر میں خرچ کرنا صحیح ہوگا۔ البتہ اگر کوئی وقف بہت مالدار ہو وقف کو اچھی طرح سے جاری رکھتے ہوئے بھی زائد رقم اس قدر ہو کہ وقف کو اس رقم کی ضرورت فی الحال نہیں ہے اور دوسرا وقف ضرورت مند ہے تو اس کو قرض دے سکتے ہیں۔ اما المال الموقوف علی المسجد الجامع لو تكن للمسجد حاجة للمال فللقاضي ان يصرف في ذلك لكن على وجه القرض فيكون دينا في مال الفئى (فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۴۶۴ قبيل الباب الثانی عشرفی الرباطات والمقابر والخانات الخ) اگر کسی وقف کے خزانہ میں روپے اس طرح زائد ہوں کہ نہ ان کی فی الحال ضرورت ہے نہ آئندہ ضرورت پڑے گی اور یہ روپے یوں ہی جمع رہیں تو ضائع ہو جائیں گے یا ناجائز استعمال ہوں گے اور واقف کا مقصد فوت ہو جائے گا تو ایسے حالات میں قریب کے دوسرے ضرورت مند اوقاف کو زائد روپے امداد کے طور پر (بلاقرض) دینا جائز ہو جائیگا۔ مگر اس صورت میں اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ مسجد کی زائد رقم قریبی ضرورت مند مسجد کو اور مدرسہ کی زائد رقم قریبی ضرورت مند مدرسہ کو دی جائے۔ یتیم خانہ اور سرائے وغیرہ اوقاف کا بھی یہی حکم ہے اور اس مقصد سے کہ آبادی مسجد میں اضافہ ہو، اس زائد فاضل رقم سے مسجد کے متعلق دینی تعلیم کا مدرسہ بھی قائم کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

مساجد کی رقم دنیوی تعلیم میں خرچ کرنا:

(سوال ۶۸) مساجد اور مقابر کی رقم دنیوی تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کو اسکالرشپ (امداد) دے سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) مساجد اور مقابر کی رقم دنیوی تعلیم کے (کالج) اور اسکول میں پڑھنے والے) طلباء کو بطور امداد دینا ناجائز ہے۔ درمختار کا حوالہ بالا وان اختلف احدهما الخ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مدرسہ کے مکان کو کرایہ پر دینا کیسا ہے :

(سوال ۶۹) ہمارے ہاں عربی مدرسہ نہیں تھا۔ایک سخی صاحب مال نے اپنی طرف سے مدرسہ بنوادیا۔لیکن روز بروز بچوں کی تعداد میں اضافہ ہونے سے وہ مدرسہ ناکافی نظر آیا بچوں کو بٹھانے میں تکلیف تھی جس کی بناپر جدید وسیع مدرسہ بنایا گیا۔فی الحال بچے اس نئے مدرسہ میں تعلیم لیتے ہیں۔لہذا اس سخی سرمایہ دار کا بنایا ہوا مدرسہ بند پڑا ہے تو اس کو کرایہ پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کی کرایہ کی رقم جدید مدرسہ میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) قدیم مدرسہ سخی مالدار نے جس نیت اور مقصد سے بنایا ہے اس کا خیال رکھ کر جہاں تک ممکن ہو اس سے وہی کام لیا جائے لڑکوں کا نہیں تو لڑکیوں کا مدرسہ چلائے اگر اس کی بھی ضرورت نہ ہو اور بے کار پڑا ہے تو کرایہ پر دے سکتے ہیں اور اس کی رقم مدرسہ کے خرچ میں لے سکتے ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد ومدرسہ کی رقم دوسرے مدرسہ یا مسجد میں خرچ کر سکتے ہیں؟:

(سوال ۷۰) ہمارے گاؤں کا مدرسہ فی الحال بڑے نازک دور سے گذر رہا ہے۔اس لئے کہ روپے نہ ہونے کی وجہ سے مدرسین کی تنخواہیں وظائف کا انتظام دشوار ہے حتی کہ بند ہونے کی حالت میں ہے۔مدرسہ کی آمدنی زمین کے روپیوں پر ہے۔زمین کی آمدنی سے مدرسہ کا خرچ زیادہ ہے اور گزشتہ چند برس خراب گزرے جس کی بناپر زمین کی رقم نہیں آئی۔اس فتنہ کے دور میں مدرسہ کو باقی رکھنے کے لئے کیا کیا جائے؟ فی الحال بقیہ رقم نہیں مل سکتی۔اس لئے دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہمارے گاؤں کے مدرسہ میں کتب خانہ ہے۔اس میں روپے ضرورت سے زائد ہیں اس طرح قبرستان کے روپے بھی زائد از ضرورت ہیں۔دونوں حیثیت والے ہیں اس لئے ان میں سے روپے لے کر مدرسین کے وظائف دینے کا ارادہ ہے اب سوال یہ ہے کہ ایسے وقت فیض رساں مدرسہ کو جاری رکھنے کے لئے کتب خانہ قبرستان وغیرہ کے روپیوں میں سے مفت روپے لے کر استعمال کر سکتے ہیں؟ دوسرے کسی طریق سے لے سکتے ہیں؟ جیسا کہ قرض حسنہ کے طور پر؟ یہ مسئلہ زیادہ وضاحت طلب ہے۔اس فیض رساں چشمہ کو جاری رکھنے کی کیا صورت ہے؟ رہبری فرماکر ممنون فرمائیں۔

(الجواب) وقف کے احکام بہت نازک ہیں۔واقف کی غرض اور مقصد کا لحاظ اور اس کی شرائط کی پابندی ضروری ہے۔اب اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ ایک وقف کی رقم دوسرے وقف میں خرچ کرنی ناجائز ہے۔درمختار میں ہے **وان اختلف احدهما بان بنی رجلان مسجدین او رجل مسجداً ومدرسة ووقف عليهما اوقافاً لا يجوز له**. یعنی دو آدمی الگ الگ دو مسجدیں بنائیں ایک ہی شخص مسجد اور مدرسہ بنائے اور ان دونوں کے لئے علیحدہ علیحدہ وقف کر دے تو قاضی صاحب کو حق نہیں ہے کہ ایک وقف کی آمدنی دوسرے وقف میں خرچ کرے **(درمختار مع الشامی ج ۳ ص ۵۱۵ کتاب الوقف مطلب فی نقل القاضی المسجد)**

ہاں اگر واقف نے وقف نامہ میں بوقت ضرورت زائد آمدنی کو دوسرے نیک کام میں استعمال کرنے کے لئے لکھا ہو تو شرط کے مطابق دوسرے وقف وغیرہ نیک کاموں میں خرچ کرنا جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔البتہ مشائخ متاخرین نے اتنی گنجائش نکالی ہے کہ اگر کسی وقف کے پاس بہت رقم ہو یعنی بہت سرمایہ دار ہو وقف اچھی طرح جاری

رہتے ہوئے اوراس میں کما حقہ خرچ کرنے کے باوجوداتنی رقم زائد ہو کہ اس کو اس کی بالکل ضرورت نہ ہواور دوسرا وقف ضرورت مند ہے تو اس کو قرض دے سکتے ہیں اوراگر وقف اس قدر مالدار ہو کہ اس مال کی اس کو نہ فی الحال ضرورت ہے نہ آئندہ اوراگر دوسرے نیک کام میں استعمال نہ کیا جائے تو یہ مال ضائع ہو جائے گا یعنی ناجائز استعمال ہوگا اور واقف کا مقصد پورا نہ ہوگا تو ایسے وقف میں قریبی ضرورت مند وقف کو بطور امداد مفت (بلا قرض) دینا جائز ہے (فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۴۶۴) صورت مذکورہ میں اس کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے کہ مسجد کی زائد رقم قریب کی حاجت مند مسجد میں اور مدرسہ کی زائد رقم نزدیک کے ضرورت مند مدرسہ میں استعمال کی جائے اور مسجد کی آبادی میں اضافہ مقصود ہوتو زائد رقم سے مسجد سے متعلق مدرسہ بھی کھول سکتے ہیں اس تفصیل کی روشنی میں آپ خود سمجھ سکتے ہیں اور غور کر کے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آپ کے یہاں جو صورت درپیش ہے اس کا حکم کیا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

کیا مسجد کی پرانی زمین کو رہن رکھ سکتے ہیں؟:

(سوال ۷۱) شاہی زمانہ کی جو زمین مسجد میں وقف ہو متولی اس کو فروخت یا رہن رکھ سکتا ہے۔

(الجواب) وقف کا رہن رکھنا صحیح نہیں۔ اسی طرح وقف چیز کے بیچنے کے بارے میں اس کی حقیقت کا اظہار کرنے اور معتبر عالم سے فتویٰ حاصل کرنے تک اس میں تصرف کا حق حاصل نہیں۔ متولی وقف میں وہی تصرف کر سکتا ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہو۔[1]

مسجد کی رقم سے پانی گرم کرنے کے لئے کوئلہ خرید کر اس سے وضو کرنا کیسا ہے:

(سوال ۷۲) مسجد کے روپے سے خریدے ہوئے کوئلے سے صبح کو پانی گرم کیا جاتا ہے اس سے وضو کرنا کیسا ہے؟

(الجواب) وقف کے روپے کے کوئلے ہوں اور وقف نامہ سے اس کی اجازت معلوم ہوتی ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔[2]

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قبر والی جگہ جماعت خانہ میں شامل کی جاسکتی ہے یا نہیں:

(سوال ۷۳) مسجد کی قبلہ جہت کے قریب چند بوسیدہ قبریں ہیں اس قبر کی جگہ کو مسجد کے جماعت خانہ میں لینا چاہتے ہیں تو کیا گنجائش ہے؟ اس میں قبر کی توہین نہیں؟ نماز پڑھے تو کوئی خرابی نہیں؟

(الجواب) قبر والی جگہ مسجد کی ملک ہو یا کسی نے مسجد میں دے دی ہو اور قبریں بے نشان اتنی بوسیدہ ہوگئی ہوں کہ مردے کے گل کر مٹی بن جانے کا یقین ہو تو ایسی جگہ مسجد کے جماعت خانہ میں لی جاسکتی ہے اور وہاں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اس میں مردوں کی بے حرمتی بھی نہیں مگر جو قبرستان وقف ہو تو اس کا کوئی حصہ بھی مسجد میں شامل کرنا جائز نہیں۔ ہاں بعض فقہاء نے قبرستان کے غیر مستعمل اور بے کار ہونے کی صورت میں کہ نہ فی الحال اس میں مردے دفن

---

(۱) فاذا تم ولزم لا یملک ولا یملک ولا یعار ولا یرهن فبطل شرط واقف الکتب الرهن شرط کما فی التدبیر درمختار مع الشامی مطلب فی شرط واقف الکتب ان لا تعار ولا یرهن ج ۲ ص ۳۵۲۔

(۲) مسجد له مستغلات واوقاف ارادالمتولی ان یشتری من غلة الوقف للمسجد دهنا او حصیرا او حشیشا او آجرا او جصا لفرش المسجد او حصی قالوا ان وسع الواقف ذلک للقیم وقال تفعل ماتری من مصلحة المسجد کان له ان یشتری للمسجد ماشآء فتاویٰ عالمگیری۔ الفصل الثانی فی الواقف علی المسجد الخ۔

کئے جاتے ہوں نہ آئندہ اس کی توقع ہو تو ایسے قبرستان کو مسجد میں شامل کرنے کی اجازت دی ہے لہٰذا اشد ضرورت کے وقت اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ (شامی اور عمدۃ القاری)(۱). فقط و اللہ اعلم.

محلّہ کی مسجد بند کر کے جامع مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے :

(سوال ۷۴) ہمارے قصبہ میں آٹھ محلّہ ہیں ان میں آٹھ مسجدیں ہیں، ایک شاہی مسجد ہے جس میں چھ محلّہ کے آدمی نماز جمعہ پڑھتے ہیں دو محلے والے نہیں آتے ان سے کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ وہاں نماز پڑھنے سے ہماری مسجد ویران پڑی رہتی ہے جس سے مسجد کی بےحرمتی ہے آیا یہ لوگ شاہی مسجد میں نماز پڑھیں تو محلّہ کی مسجد کی بےحرمتی ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) نماز پنجگانہ کے لئے محلّہ کی مسجد میں مردوں کو حاضری کا حکم تاکیدی ہے اہل محلّہ کے حق میں محلّہ کی مسجد از روئے ثواب جامع مسجد کے برابر ہے شرعی عذر کے بغیر اس کے ترک کی اجازت نہیں ایک ہی نمازی ہو تب بھی وہیں نماز پڑھے، البتہ نماز جمعہ کے لئے محلّہ کی مسجد بند کر کے جامع مسجد جانے کی اجازت ہے ایک مسجد میں نمازی نہیں سما سکتے ہیں یا مسجد دور ہونے کی وجہ سے وہاں پہنچنے میں لوگوں کو تکلیف ہوتی ہو تو ایک سے زائد مسجدوں میں جمعہ کا انتظام کر سکتے ہیں، عذر کے بغیر محلّہ کی مسجد میں جمعہ پڑھنے کا انتظام کرنے سے شریعت کا مقصد اور مصلحت اور اسلامی شان و شوکت ختم ہو جاتی ہے لہٰذا بصورت مسئولہ میں محلّہ کی مسجد کو نماز جمعہ کے وقت بند کر کے شاہی مسجد میں نماز پڑھنے سے مسجد کے احترام میں کچھ خلل نہ آئے گا جس طرح کہ نماز عید کے لئے جامع مسجد بند کر کے عیدگاہ میں جانے سے جامع مسجد کے احترام میں کچھ خلل نہیں آتا ہے یہی نہیں بلکہ اس سے اسلامی شان و شوکت میں اضافہ ہوتا ہے اور بڑی فضیلت کے حق دار ہوتے ہیں اس طریقہ کے قیام کا اجر تا قیامت ان کو ملتا رہے گا آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے **من سن فی الا سلام سنه حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها من بعده** . یعنی جس نے اسلام میں اچھی سنت جاری کی اس کو اس کا اجر و ثواب ملے گا اور اس کے بعد جو اس پر عمل کرے گا ان کا اجر بھی اس کو ملے گا اس طرح کے عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ (**مشکوٰۃ ص ۳۳ کتاب العلم**) **و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب .**

مسجد میں جگہ کی تعیین کے متعلق کیا حکم ہے :

(سوال ۷۵) ایک آدمی مؤذن کے قریب ٹوپی یا رومال رکھ کر وضو کے لئے جائے تاکہ پھر آ کر اس جگہ بیٹھ جائے تو یہ جگہ اس کے لئے متعین ہو جائے گی؟

(الجواب) وضو سے پہلی خود رومال، ٹوپی رکھے یا دوسرے سے رکھوائے تو اس سے جگہ متعین نہ ہوگی، جگہ کا حق دار وہ ہے جو بارادۂ نماز بیٹھے۔ پھر اتفاقاً وضو وغیرہ کی حاجت پڑے اور رومال وغیرہ رکھ کر جلد واپسی کے قصد سے اٹھے تو اس جگہ کا حقیقۃً وہ حق دار ہے اب دوسروں کو بیٹھنے کا حق نہیں **وتخصيص مكان لنفسه وليس له ازعاج غيره منه** (**درمختار قلت وينبغي تقييده بما اذا لم يقم عنه على نية العود بلا مهلة كما لو قام للوضوء مثلاً**

---

(۱) وقال الزيلعي ولو بلى الميت وصار ترا باجاز دفن غيره في قبره وزرعه والبنآء عليه.. قلت لكن في هذا مشقة عظيمة فالا ولى اناطة لاجواز بالبلاء..... وان بقي من عظامهم شئي تنبش وترفع وتتخذ مسجدا لماروى ان مسجد النبي صلى الله عليه وسلم كان قبل مقربة للمشركين فنبشت شامي كتاب الجنائز مطلب في دفن الميت ج۲ ص ۲۳۳)

ولا سیما اذا وضع فیه ثو به لتحقق سبق یده تامل وفی شرح السیر الکبیر للسرخسی و کذا کل ما یکون المسلمون فیه سواء کالنزول فی الرباطات والجلوس فی المساجد للصلوة والنزول بمنی او عرفات للحج حتی لو ضرب فسطاطه فی مکان کان ینزل فیه غیره فهو احق ولیس للاخران یحوله الخ (شامی ج ۱ ص ۶۲۰ مطلب فی احکام المسجد)

نمازوں کے بعد صحن مسجد اور چوراہے پر بیٹھ کر لغو باتیں کرنا:

(سوال ۷۶) مسجد کے مصلی حضرات ظہر، عصر، مغرب، عشاء کے بعد مسجد کے باہر صحن میں اسی طرح متصل مسجد چوراہے پر بیٹھ کر آٹھ گھنٹہ فضولیات اور گپ شپ میں ضائع کرتے ہیں تو ایسی لغویات میں وقت گذارنا شرعاً کیسا ہے؟

(الجواب) مسجد کی صحن اور چوراہے پر بیٹھ کر دنیوی باتیں، گپ شپ میں وقت عزیز کو ضائع کرنا خسران ہی خسران ہے۔ قرآن کریم میں خداوند قدوس نے قسم کھا کر اس کی اہمیت بتائی ہے۔ مطالعہ کیجئے سورۂ والعصر! جس کا مفہوم یہ ہے کہ قسم ہے زمانہ کی، انسان کی زندگی ایک قیمتی چیز ہے جو برف کی طرح برابر پگھلتی، اور کم ہوتی جا رہی ہے۔ پروردگار عالم نے انسان کو دنیا میں ایمان ویقین اور اعمال صالحہ کی تجارت کے لئے بھیجا ہے۔ حساب ہوگا زندگی کہاں خرچ کی؟ لہٰذا ایک ایک گھڑی اور ایک ایک لمحہ کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ عبادات خداوندی کے بجائے ان لغویات اور لایعنی میں ضائع نہ کرنا چاہئے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه او کما قال علیه السلام انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ فضولیات کو ترک کردے۔

خدا کے نیک بندوں کو اس کا بہت خیال رہا کرتا ہے۔ حضرت رابعہ بصریہ ؒ شیطان کی بھی برائی نہیں کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ جتنا وقت شیطان کی برائی میں خرچ کروں اتنا وقت ذکر اللہ میں صرف کروں تو کتنا سودمند ہو۔ موت سر پر کھڑی ہے۔ زندگانی کا کوئی بھروسہ نہیں زندگی کب تک ہے کس کو معلوم؟ سمجھدار آدمی وہ ہے جو فضولیات سے بچے اور اپنی زندگی یاد خداوندی میں گذارے ورنہ افسوس ہوگا۔ اس نازک وقت میں کہ افسوس کرنا پچھتانا سودمند نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں ہے فیقول رب لو لا اخرتنی الی اجل قریب فاصدق واکن من الصالحین تو انسان کہے گا اے میرے پروردگار مجھے اور تھوڑی مہلت کیوں نہ دے دی۔ کہ میں خیرت کرتا اور صالح بن جاتا۔ اس کا جواب دیا جائے گا ولن یو خر الله نفسا اذا جآء اجلها. جب وقت مقررہ آجاتا ہے تو کسی کو بھی اللہ تعالیٰ ایک پل کی بھی مہلت نہیں دیتا۔ (سورۂ منافقون) یعنی زندگی ضائع کرنے والے مرنے کے بعد بھی پچھتائیں گے اور زندگی ضائع کرنے پر دلی افسوس کریں گے۔

سورہ سجدہ میں ہے ربنا ابصرنا وسمعنا فارجعنا نعمل صالحا انا موقنون اے ہمارے رب ہماری آنکھیں اور کان کھل گئے، ہمیں واپس دنیا میں بھیج دے ہم اعمال صالح کریں گے ہم کو یقین ہوگیا ہے۔ (سورۂ سجدہ)

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

جز یاد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است
جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است

یعنی یادِ خداوندی کے علاوہ جو کچھ کیا جائے وہ عمر ضائع کرنے کے برابر ہے اور عشق خداوندی کے راز کے سوا جو کچھ پڑھا جائے وہ بے کار اور بے معنی ہے

خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

یعنی اے انسان نیکی کے کام میں مشغول رہ اور جو گھڑیاں زندگی کی باقی ہیں ان کو غنیمت جان اس سے پہلے کہ تیری موت کے چرچے ہونے لگیں کہ فلاں آدمی مرگیا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صحن مسجد کے نیچے حصہ میں حوض بنا ہے! اس کے متعلق:

(سوال ۷۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں:۔ شہر گودھرا میں ایک مسجد ''ابرار'' کے نام سے موسوم ہے۔ تقریباً ساٹھ برس سے پہلے بانی مسجد نے چندہ سے تعمیر کرائی تھی۔ جس کو دو حصوں میں منقسم کی تھی۔ اول مسقف جس میں پانچ چھ صف کا انتظام تھا نماز پنجگانہ باجماعت پڑھی جاتی تھی اور آج بھی جاری ہے۔ دوسرا غیر مسقف حصہ میں جس میں چار پانچ صف کا انتظام ہے اس کو صحن کہتے ہیں۔ اس میں سنن ونوافل ادا کی جاتی ہے۔ اور جمعہ وعیدین بھی زیادہ ہجوم کی وجہ سے اس میں ادا کی جاتی ہے۔ گاہے گاہے نماز جنازہ بھی ادا ہوتی ہے۔ نمازیوں کے لئے پانی کے مٹکے وغیرہ بھی وہاں رکھے جاتے ہیں۔ روزہ افطاری سے اور جماعت والے وہاں کھاتے ہیں۔ اور تبلیغی اجتماع بھی ہوتا ہے جس بناء پر آج اسے مرکز والی مسجد کہتے ہیں۔ نمازیوں کی کثرت کی بناء پر اس مسجد میں تنگی ہونے لگی ہے۔ تو متولیان حضرات نے چندہ کر کے مسجد کی مغربی جہت میں توسیع کر کے مزید آٹھ صفوں کا انتظام کر دیا ہے۔ اور جدید حصہ اس طرح ملحق ہو گیا کہ منبر ومحراب جدید قبلہ والی دیوار میں منتقل کر کے پوری مسجد میں چودہ صفوں کا انتظام ہو گیا ہے۔

مذکورۃ الصفت غیر مسقف حصہ جو صحن کہا جاتا ہے۔ اس کے نیچے ایک حوض اس نوعیت کا بنا ہوا ہے۔ جس میں ایک طرف قبلہ نما نشتیں ہیں۔ نمازیوں کی کثرت کی بنا پر اکثر وبیشتر ایک یا دو رکعت فوت ہو جاتی ہے (کیونکہ اس حوض میں انیس ۱۹ یا بیس ۲۰ آدمی یکبارگی وضو کر سکتے ہیں) اس لئے نمازیوں کی اس ضرورت کے پیش نظر متولیان غیر مسقف (صحن) کے جنوبی وشمالی کنارے پانچ، چھ فٹ توڑ کر نشست گاہ میں توسیع کر کے سہ طرفہ بنائیں تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عموماً مسجد کے دو حصے ہوتے ہیں ایک مسقف (جماعت خانہ) دوسرا غیر مسقف...... (صحن مسجد) گرمی میں نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے۔ لہٰذا آپ کے یہاں صحن کے متعلق خارج ہونے کی تصریح نہ ہو تو اسے داخل ہی سمجھا جائے اور اس میں ایسا کوئی تصرف نہ کیا جاوے جو مسجد کے احترام کے منافی ہو۔ البتہ صحن مسجد کے نیچے کا حوض والا حصہ چونکہ بنائے مسجد کے وقت سے حوض بنا ہو گا اس لئے خارج ہو گا۔ اس حوض والے حصہ میں تصرف کیا جا سکتا ہے اور اس حصہ میں نشست گاہ بنائی جا سکتی ہیں۔ بشرطیکہ صحن جوں کا توں رہے کشادہ ہو، ورنہ جائز نہیں۔ [1] فقط واللہ اعلم بالصواب.

---

(۱) لو بنی فرقه بیتاللامام لا یضر لأنه من المصالح امالو تمت المسجدية ثم اراد البنآء منع ...... ولا ان یجعل شیئاً منه مستغلا ولا سکنی قال فی الشامية قال فی البحر وحاصله ان شرط کونه مسجدا ان یکون سفله وعلوه مسجد الخ درمختار مع الشامی کتاب الوقف مطلب فی احکام المسجد ج. ۳ ص ۳۵۸.

مسجد کےاوپر نیچےدوکان، کمرے بنانا کیسا ہے :

(سوال ۷۸) ہمارے گاؤں کی مسجد شہید کر کے جدید تعمیر کرنی ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ مسجد کی بنیاد بلند کر کے جماعت خانہ کے نیچے مسجد کی آمدنی کے لئے کمرے (دوکانات) بنائیں۔ جس کا راستہ باہر ہی ہوگا۔ جماعت خانہ میں آمدورفت نہیں رہے گی تو اس طرح کمرے بنانا کیسا ہے بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کی ابتدائی (پہلی) تعمیر کے وقت بانی مسجد نیت کرے کہ مسجد کے نیچے کے حصے میں مسجد کے مفاد کے لئے دکانیں اور اوپر کے حصہ میں امام ومؤذن کے لئے کمرے بنانے ہیں۔ یعنی مسجد کی ابتدائی تعمیر کے وقت اس کے نقشہ میں دکان، کمرے، بھی شامل ہوں اور مسجد کی مفاد کے لئے وقف ہوں تو بنا سکتے ہیں۔ اور یہ شرعی مسجد سے خارج رہیں گے۔ اس جگہ پر حائضہ اور جنبی آدمی جا سکے گا۔ (شامی ص۵۱۲ ج ۲) مگر جب ایک بار مسجد بن گئی اور ابتدائی تعمیر کے وقت نیچے دکان اور اوپر کے حصہ میں کمرے شامل نہ ہوں تو مسجد کے اوپر کا حصہ آسمان تک اور نیچے کا حصہ تحت الثریٰ تک مسجد کے تابع اور اسی کے حکم میں ہو چکا۔ اب اس کا کوئی حصہ (جزو) مسجد سے خارج نہیں کہا جا سکتا اور اس جگہ مسجد کی آمدنی کے لئے دکان وکمرے نہیں بنائے جا سکتے۔ اس جگہ احترام مسجد جیسا ہے۔ حائضہ عورت اور جنبی آدمی کو وہاں جانا درست نہیں۔ " لو بنی فوقه بیتا للامام لا یضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدیة ثم اراد البناء منع ." (درمختار مع الشامی ج۳ ص ۵۱۲ کتاب الوقف مطلب فی احکام المسجد) فقط واللہ اعلم بالصواب .

ایک مسجد کی چٹائی۔صف۔دوسری مسجد میں استعمال کرنی چاہئے یا نہیں :

(سوال ۷۹) گاؤں میں تبلیغی اجتماع طے ہوا ہے۔ دوسرے گاؤں کی مسجد کی صفیں، چٹائی، وغیرہ لا سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی طور پر کوئی حرج تو نہیں؟ دوسری مسجد کی چٹائی وغیرہ دو چار دن کے لئے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں دوسرے گاؤں کی مسجد کی صفیں، چٹائی وغیرہ لانے کی شرعاً اجازت نہیں...... مزید اطمینان کے لئے مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ پڑھئے!

(سوال) جامع مسجد کا فرش عیدگاہ میں بچھانا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب) جامع مسجد کا فرش۔ چٹائی وغیرہ عیدگاہ میں بچھانا درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم۔ عزیز الفتاویٰ ص ۲۹۰ ج ۵۔۶) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کے وقف سے جنازہ خریدنا کیسا ہے :

(سوال ۸۰) اوقاف مسجد سے جنازہ خریدنا جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ اوقاف مسجد سے نہ جنازہ بنا سکتے ہیں نہ خرید سکتے ہیں واقف نے اجازت دی ہو تب بھی درست نہیں کیونکہ ایسی باتوں کی اجازت معتبر نہیں۔ فتاویٰ سراجیہ میں ہے ولیس لقیم المسجد ان

یشتری جنازة وان ذکر الواقف ان القیم یشتری جنازة یعنی متولی کے لئے جائز نہیں کہ مسجد کے وقف سے جنازہ خریدے اگرچہ واقف نے اس کی اجازت دی ہو۔ (فتاوی عالمگیری۔ ج:۲ص:۴۶۲)

مساجد میں تبلیغی تعلیم

(سوال ۸۱) ہمارے یہاں روزانہ بعد نماز عشاء جماعت خانہ میں تبلیغی تعلیم ہوتی ہے۔ وظیفہ خواں اور بعد میں آ کر نماز پڑھنے والوں کو حرج ہوتا ہے۔ جس بناء پر تعلیم کرنے والوں سے کہا گیا کہ حوض کے تخت پر بیٹھ کر تعلیم کی جائے تو کہتے ہیں کہ تخت کے قریب عوام بیٹھتے ہیں۔ جس سے تعلیم میں حرج ہوتا ہے تو اب ہم کیا کریں؟ شرعاً کیا حکم ہے؟

(الجواب) نمازیوں کو حرج ہو اور وظیفہ پڑھنے والے مصلیوں کو تشویش ہو۔ اس طرح پر مسجد میں تعلیم کرنا منع اور مکروہ ہے۔ (۱) لیکن تعلیم (فضائل اعمال اور فقہی مسائل سے واقف کرنا) بھی نہایت ضروری ہے۔ لہذا ایسی صورت اختیار کی جائے کہ فریقین کو شکایت پیدا نہ ہو۔ اس کو آسان اور بہتر صورت یہ ہے کہ نماز پڑھنے کی جگہ چھوڑ کر برآمدہ یا صحن مسجد میں تعلیم کی جگہ مقرر کی جائے اگر ایسی جگہ نہ ہو تو مسجد کے کسی گوشہ میں بیٹھ کر اس طرح تعلیم کرائی جائے کہ نمازیوں کو تشویش نہ ہو۔ اس طرح دونوں کام جاری رہ سکتے ہیں اور جاری رکھنا چاہئے اور اسے غنیمت سمجھا جائے اور اس میں شرکت کریں اور قرآن اور نماز صحیح پڑھنا سیکھیں۔ اس سلسلہ کو بند کرانے کی کوشش کرنا درست نہیں۔ "تاریخ گجرات اور یاد ایام" میں ہے۔ کہ تعلیم کا پرانا طریقہ یہ تھا کہ استاد مسجد میں آ کر بیٹھ جاتا اور اس کے اردگرد شاگردوں کا ایک حلقہ بن جاتا۔ الخ (ص ۳۴) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

متولی مسجد کیسے ہوں؟:

(سوال ۸۲) مسجد کا متولی کیسا ہونا چاہئے؟

(الجواب) مسجد کا متولی عالم باعمل ہو، عالم نہ ہو تو دیندار اور دیانت دار تو ضرور ہو۔ غیر عالم فاسق کو متولی بنانا ناجائز ہے۔ خدا پاک فرماتے ہیں۔" **انما یعمر مساجد اللہ من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر واقام الصلوٰة واٰتی الزکوٰة ولم یخش الا اللہ فعسی اولئک ان یکونوا من المھتدین .(پ ۱۰ سورۂ براۃ)** یعنی اللہ کی مسجدوں کو صرف وہی آباد کرتے ہیں جو خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈریں تو امید ہے کہ یہ لوگ (فلاح و کامیابی کی) راہ پانیوالے ہوں گے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد تحریر فرماتے ہیں۔ نیز یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ خدا پاک کی عبادت گاہ کی تولیت کا حق متقی مسلمان کو پہنچتا ہے۔ اور وہ ہی اسے آباد رکھنے والے ہو سکتے ہیں۔ یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ فاسق و فاجر آدمی مساجد کا متولی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دونوں کے درمیان کوئی مناسبت باقی نہیں رہتی بلکہ متضاد باتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ (وہ یہ کہ) مسجد خدا پرستی کا مقام ہے اور متولی خدا پرستی سے نفور (ترجمان القرآن)

حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ مسلمان کی رہنمائی وہی کر سکتا ہے۔ جس کی زندگی پیغمبر ﷺ کے اسوۂ

(۱) اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرھا :الا ان یشوش جھرھم علی نائم او مصلی او قاری الخ شامی مطلب فی رفع الصوت بالذکر ج ۱ ص ۶۶۰

حسنہ کا نمونہ ہو۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

متولی کے ذمہ ناحق مسجد کا قرض بتلانا!:

(سوال ۸۳) ماضی متولی پر مسجد کی رقم باقی ہے اس طرح نئے متولی حضرات نے ظاہر کیا۔ حالانکہ ان پر مسجد کی کوئی رقم باقی نہیں ہے۔ چونکہ متولی انتقال کر گیا ہے۔ اس کے ورثاء کے پاس سے رقم وصول کر کے مسجد میں داخل کرنا چاہتے ہیں تو ورثاء مسجد کے قرض دار ہیں یا نہیں؟

(الجواب) اگر یہ صحیح ہے کہ سابق متولی پر رقم باقی نہیں ہے تو اس کے وارثوں سے رقم وصول کرنا صریح ظلم ہے۔ اور ایسی رقم مسجد میں لگانی یا امام، مؤذن کی تنخواہ میں ادا کرنی درست نہیں ہے۔ ناجائز اور حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ۔ "و لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل . (سورۂ بقرہ) ترجمہ:۔ نہ کھاؤ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق"۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کی صف اور چٹائی کو ٹھوکر مارنا!:

(سوال ۸۴) مسجد کی چٹائی پیروں کے ٹھوکروں سے کھولتے ہیں اور لپیٹتے ہیں۔ یہ بے ادبی میں شامل ہے یا نہیں؟

(الجواب) مسجد کی چٹائی جس پر نماز ادا کی جاتی ہے۔ ہاتھ سے کھولنی چاہئے، پیروں سے ٹھوکر مار کر کھولنا اور بچھانا بے ادبی ہے! فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں۔ "مسجد کے کوڑے کرکٹ کو ناپاک اور بے ادبی کی جگہ میں نہ ڈالا جائے کیونکہ وہ قابل تعظیم ہے۔" و لا ترمی برایة القلم المستعمل لا حترامه کحشیش المسجد و کناسته لا یلقی فی موضع یخل بالتعظیم." (درمختار مع الشامی ص ۱۶۵ ج ا کتاب الطهارة) فقط و الله اعلم بالصواب .

مسجد کے پتھروں کو پیشاب خانہ میں لگانا:

(سوال ۸۵) مسجد شہید کی ہے جدید تعمیر ہو رہی ہے جماعت خانہ میں جو پتھر بچھے ہوئے تھے اسے نکال لئے ہیں اور بے کار پڑے ہیں۔ اگر انہیں بیت الخلاء اور پیشاب خانوں میں لگا دیا جاوے تو کیا کوئی حرج ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بیت الخلاء اور پیشاب خانوں وغیرہ ناپاک جگہ میں اور جہاں بے ادبی ہوتی ہو ایسے کام میں لگانا خلاف ادب ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ان کو مسجد ہی کے کام میں لایا جاوے۔" و لا ترمی برایة القلم المستعمل لا حترامه کحشیش المسجد و کناسته لایلقی فی موضع یخل بالتعظیم." ترجمہ:۔ یعنی استعمال قلم کا تراشہ قابل تعظیم ہے اس کو پھینکا نہ جائے جیسے مسجد کی پرال جو نیچے بچھائی جاتی ہے اور اس کا کوڑا جو جھاڑو میں آتا ہے وہ ایسی جگہ نہ ڈالا جائے جس میں اس کی بے ادبی ہوتی ہو (درمختار مع الشامی ص ۱۶۵ ج ا کتاب الطہارۃ) واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) اس کے علاوہ اسی باب میں مسجد کا متولی کیسا ہونا چاہئے۔ عنوان سے سوال گذرا ہے اسے ملاحظہ کیا جائے۔

مدرسہ کے پیسوں سے مہمان نوازی:

(سوال ۸۶) مدارس میں کبھی کبھی کسی عالم کو بلایا جاتا ہے، یا وہ خود تشریف لے آتے ہیں، اسی طرح کبھی مدرسہ کے کسی ہمدرد کو مدرسہ کے مفاد کے پیش نظر دعوت دے کر بلایا جاتا ہے، تو ان مہمانوں پر مدرسہ کے خزانے میں سے خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور کبھی آنے والے بزرگ سے لوگ استفادہ کی نیت سے مدرسہ آجاتے ہیں تو آنے والوں کو مدرسہ کا کھانا کھلا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) امداد الفتاویٰ میں ہے۔ مدارس کا روپیہ وقف نہیں مگر اہل مدرسہ مثل عمال بیت المال معطیین اور آخذین کی طرف سے وکلاء ہیں، لہذا نہ اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی اور نہ معطیین واپس لے سکتے ہیں (امداد الفتاوی ج ۶ ص ۲۷۳)

دوسری جگہ ہے۔

(سوال) دروازۂ مدرسہ سنبھل پر ایک تختہ پر مدرسہ کا نام لکھ دیا گیا ہے (الی قولہ) بعض صاحبان کی رائے ہے کہ یہ کام مدرسہ کا نہیں ہے اس واسطے اس کی قیمت مدرسہ کی آمدنی سے دینا جائز نہیں، جناب والا کا کیا ارشاد ہے؟

(الجواب) فقہاء نے ایک قاعدہ لکھا ہے کہ مسجد کا نقش ونگار مال وقف سے جائز نہیں لیکن استحکام جائز ہے، پس اسی نظیر پر صورت مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ اگر اس تختہ کی تعلیق سے مدرسہ کو کوئی بین نفع ہو تو مال مدرسہ کا لگانا اس میں جائز ہے اور اگر کوئی معتد بہ مصلحت نہیں ہے محض احتمال ہی کا درجہ ہے تو اپنے پاس سے اس کا دینا چاہئے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۳۲)

ان عبارات سے مستفاد ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں اگر چندہ دہندگان کی اجازت اور رضامندی صراحۃً یا دلالۃً ہو تو ان مخصوص لوگوں کی مہمان نوازی جن کی ذات سے مدرسہ کو معتد بہ نفع کی توقع ہو درست ہے ورنہ مہتمم اور اہل شوریٰ اپنے پاس سے خرچ کریں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۷ جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ۔

مدرسہ کے غسل خانے استعمال کرنا:

(سوال ۸۷) ہمارے گاؤں کے کچھ طلباء دوسری جگہ پڑھتے ہیں، جب تعطیلات میں گھر آتے ہیں تو گاؤں میں جو مدرسہ ہے اس کے غسل خانے استعمال کرتے ہیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مدرسہ کی اشیاء کا استعمال انہی طلباء کے لئے جائز ہے جو مدرسہ میں داخل ہوں یا ایک دو دن کے لئے بطور مہمان آئے ہوں، مسافر خانہ کے طور پر ہر ایک استعمال کرے یہ جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سالانہ اجلاس میں مہمانوں کے طعام کا مسئلہ:

(سوال ۸۸) مدارس میں سالانہ انعامی جلسہ ہوتا ہے اس میں شریک ہونے والے مہمانوں کو مدرسہ کے پیسوں سے کھلایا جاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) واقف کی تصریح اور چندہ دہندگان کی اجازت کے بغیر مدرسہ کے پیسوں سے مہمانوں کو کھلانے کی شرعا اجازت نہیں ہے، اس کے لئے ضرورت ہی ہو تو چندہ کرلیا جائے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے

ہیں۔

''ایک خصوصیت اس مدرسہ کی اسی جلسہ میں یہ معلوم ہوئی کہ اس مرتبہ جو جلسہ کی وجہ سے مہمانوں کا مجمع ہوا ہے، تو ان کی دعوت وغیرہ کے لئے اور اس طرح جلسہ کے جملہ اخراجات کے لئے خاص احباب سے چندہ کیا گیا ہے، عام چندوں کی رقم میں سے جلسہ کے مہمانوں کو کھانا نہیں کھلایا گیا، یہ بات بڑی خوشی کی ہے میری ہمیشہ سے یہی رائے ہے کہ اول تو مہمانوں کو مدرسہ کی طرف سے کھانا کھلانے کی ضرورت نہیں، یہ کسی کے بیٹے کی تقریب تھوڑا ہی ہے جو آنے والوں کو کھانا دیا جائے، یہ ایک قومی اور دینی کام ہے جو آئے اس کو اپنے پاس سے خرچ کر کے بازار میں کھانا چاہئے جیسے عام قومی جلسوں میں کھانے پینے کا خرچ ہر شخص خود برداشت کرتا ہے، اور اگر یہ نہ ہو اور مہمانوں کو کھانا کھلایا ہی جاوے تو اس کے لئے خاص چندہ کرنا چاہئے جس میں سب شریک ہونے والوں کو اس بات کی صریحاً اطلاع ہو کہ یہ رقم مہمانوں کے کھانے وغیرہ میں صرف ہوگی، عام چندہ سے یہ اخراجات نہ کرنے چاہئیں، کیونکہ عام چندہ دینے والے زیادہ تر یہ سمجھ کر مدارس میں چندہ دیتے ہیں کہ ہماری رقم تعلیمی کام میں صرف ہوگی اس سے طلبہ کو کھانا کپڑا دیا جائے گا وغیرہ وغیرہ، اور اسی کو زیادہ ثواب سمجھتے ہیں اور اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ اس سے جلسہ کے مہمانوں کو کھانا کھلایا جائے گا جن میں بہت سے امراء وخوش حال بھی ہوتے ہیں تو شاید بعض لوگ اس اطلاع کے بعد چندہ نہ دیتے، اس لئے میرے نزدیک عام رقوم چندہ سے جلسہ کے اخراجات میں صرف کرنا شبہ سے خالی نہیں، اور شبہ بھی قوی۔'' الخ

(وعظ المسمیٰ به الهدی و المغفرة ص ۳۹، ص ۴۰) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کا نقشہ مکمل ہونے کے بعد مسجد کے نیچے دکان بنانا:

(سوال ۸۹) ایک شخص نے زمین کا کچھ حصہ مسجد بنانے کے لئے دیا اور اسی کے خاندان والوں نے مسجد کا پلان ونقشہ وغیرہ کاغذات تیار کر کے زمین پر مسجد کے حدود کے نشانات لگا کر شہر کے علماء سے بعد عصر مسجد کے مغربی حصہ میں سنگ بنیاد رکھوایا اور مغرب کی نماز باجماعت پڑھی گئی، دوسرے دن پہلے روز والا نقشہ (پلان) منسوخ کر کے دوسرا نقشہ اس طرح بنایا گیا کہ مسجد کی زمین نشیب میں ہے اس کو سڑک سے اونچا کرنے کے لئے کرسی اس طرح بنائی جائے کہ نیچے گودام یا دکان بنا کر مسجد کی آمدنی کے لئے کرایہ پر دے دیا جائے اور اوپر جماعت خانہ میں نماز پڑھی جائے، سوال یہ ہے کہ جب صرف مسجد کی بوڈر بنائی ہو اور ایک مرتبہ نماز پڑھی ہو اور تعمیری کام کھدائی وغیرہ نہ کیا ہو تو ایسی صورت میں گودام یا دکان بنا کر کرایہ پر دینا اور اوپر شرعی مسجد تعمیر کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب نقشہ کے مطابق مسجد کی تعمیر کا کھدائی کا کام (سنگ بنیاد کے لئے) شروع ہو گیا ہے اور ایک وقت کی نماز بھی باجماعت پڑھی گئی تو وہ جگہ نقشہ کے مطابق مسجد ہو گئی اب اس کا کوئی حصہ خارج نہیں ہو سکتا، مسجد میں پانی آجانے کا اندیشہ ہے تو اس بنا پر کرسی بلند کی جا سکتی ہے لیکن نیچے کے حصہ میں گودام یا دوکان بنا کر کرایہ پر دینا جائز نہ ہوگا۔ اگر کام شروع ہونے سے پہلے پلان میں نیچے کا حصہ خارج مسجد ہوتا اور دوکان بنائی جاتی تو اس صورت میں اس کی گنجائش تھی اب اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لو بنی فوقه بیتاً للامام لا یضر لا نه من المصالح اما لو تمت المسجدیة ثم اراد البناء منع (درمختار مع الشامی ج۳ ص ۵۱۲ مطلب فی احکام

المسجد)فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۴ ربیع الاول ص ۱۳۹۲ء

عیدگاہ کو مسجد بنانا:

(سوال ۹۰) محترم ومکرم جناب مفتی صاحب مدظلہ، بعد سلام مسنون! مندرجہ ذیل مسئلہ کا جواب مرحمت فرمائیں۔

ہمارے ملک سے قریب ایک اور ملک ہے جس کا نام ''سورینام'' ہے اس ملک میں مسلمانوں کی بہت سی جماعتیں ہیں، ان میں سے ایک جماعت والوں نے اپنے علاقہ میں ایک مسجد اور ایک عیدگاہ بنائی ہے، اس کے بعد جماعت والوں میں ایسی نااتفاقی ہوگئی کہ ایک دوسرے سے ملنا چھوڑ دیا اور اتفاق کی کوئی صورت نہ رہی حتی کہ مسجد اور عیدگاہ بھی تقسیم ہوئی: بعض لوگوں کے حصہ میں مسجد آئی اور بعض کے حصہ میں عیدگاہ، جن لوگوں کے حصے میں عیدگاہ آئی ہے وہ اس کو مسجد بنانا چاہتے ہیں۔ یہ عیدگاہ پہلے سے مسجد ہی کی شکل میں ہے مگر اس میں صرف عید کی نماز ہوتی تھی اب اس میں پنجوقتہ نماز ادا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں، تو اس میں مسجد کی نیت کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور اس طرح نیت کرنے سے یہ شرعی مسجد کے حکم میں شامل ہوگی یا نہیں؟ جن بانی حضرات نے مل کر مسجد بنائی تھی ان میں بھی اختلاف ہے بعض اس پارٹی میں ہیں تو بعض دوسری پارٹی میں، جو مخالف پارٹی میں ہیں وہ اس عیدگاہ کو مسجد بنانے پر بھی رضامند نہ ہوں گے تو بقیہ بانی حضرات کی نیت معتبر اور کافی ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (ویسٹ انڈیز۔ بارباڈوز)۔

(الجواب) ہر شہر سے متعلق آبادی کے باہر (فنائے شہر میں) عیدگاہ کا ہونا ضروری ہے کہ عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے اس لئے عیدگاہ کو قائم اور باقی رکھتے ہوئے کسی اور جگہ مسجد بنائی جائے، اگر عیدگاہ آبادی کے اندر آگئی ہو تو پوری جماعت متفقہ طور پر مسجد بنانے کی نیت کر لے تو مسجد شرعی بن جائے گی مگر عیدگاہ بنانے کی ذمہ داری باقی رہے گی، بانی سے مراد وہ شخص ہے جس نے مسجد کے لئے زمین وقف کی ہو، اور اگر چند اشخاص چندہ کر کے زمین خریدیں اور وقف کر کے مسجد بنالیں تو پوری جماعت کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ اگر چند آدمی الگ ہوگئے اور مسجد و عیدگاہ تقسیم کر لی تو جن کے حصے میں عیدگاہ آئی ہے انکی نیت کافی ہوگی، لیکن اگر باقاعدہ عیدگاہ ہو یعنی شہر سے باہر ہو تو پھر اس کو قائم رکھتے ہوئے مسجد کے لئے دوسری جگہ تجویز کر لی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کے اندر پائیدان رکھنا اور اس سے پیر صاف کرنا:

(سوال ۹۱) کتاب ''شریعت یا جہالت'' کے صفحہ نمبر ۵۰۲ پر یہ مسئلہ مرقوم ہے ''مسجد میں بوریہ یا ٹاٹ یا گھاس وغیرہ اس واسطے رکھنا کہ لوگ اس سے پاؤں رگڑ لیا کریں تو یہ ائمہ مشائخ کے نزدیک مکروہ ہے'' ''عین الہدایہ ج ۴ ص ۳۲۳'' ہمارے یہاں مساجد کے فرش، دری وغیرہ بڑے پرتکلف اور قیمتی ہوتے ہیں انہیں گردوغبار اور پاؤں کی مٹی، سے بچانے کے لئے پائیدان رکھا جاتا ہے اور کبھی بوریہ بچھایا جاتا ہے اور اس سے مقصود یہی ہوتا ہے کہ اس سے پیر پونچھ کر فرش پر قدم رکھا جائے، آیا یہ مکروہ ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ وان مسح بتراب فی المسجد فان کان التراب مجموعاً لاباس به وان کان منسبطاً یکره وهو المختار وان مسح بخشبة موضوعة فی المسجد لاباس به کذا فی المحیط السرخسی. فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۷۰ قبیل الباب الثامن فی صلاة الوتر. اس

عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کے فرش کی حفاظت کے لئے مسجد میں پائیدان گوڈری اور بوریہ بچھانا اور اس سے پیر پونچھنا درست ہے کہ کبھی پیر بھیگا ہوا ہوتا ہے اور اس سے مسجد کی دری وغیرہ پر دھبہ پڑ جاتا ہے لہذا مسجد میں پائیدان رکھ دیا جائے تو ممنوع نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کی توسیع کے لئے قبریں ہموار کر کے وہ جگہ مسجد میں داخل کرنا:

(سوال ۹۲) ہمارے گاؤں میں پرانی مسجد ہے اس کو شہید کر کے نئی بنائی جارہی ہے، جماعت خانہ کے متصل مغربی سمت کی جانب میں سیدوں کی دو پرانی قبریں ہیں اور نئی تعمیر میں مغربی سمت کی جانب جماعت خانہ میں اضافہ کرنے کا ارادہ ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ دو قبریں جماعت خانہ کے اندر آ جائیں گی تو اب کیا کیا جائے؟ قبر زمین کے ہموار کر دی جائے یا قبریں باقی رکھ کر قبر کے اردگرد چھوٹی سی دیوار بنا دی جائے؟ وضاحت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کی توسیع کے لئے پرانی قبریں اگر جماعت خانہ (مسجد شرعی) میں لینا ضروری ہو تو لے سکتے ہیں اس میں قبروں کی توہین نہ ہوگی بلکہ صاحب قبر کی خوش نصیبی اور سعادت مندی ہے، حرم شریف میں مطاف (طواف کی جگہ) میں بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبریں ہیں، جماعت خانہ میں جو قبریں شامل کی جائیں ان پر نشان بنانے کی ضرورت نہیں، ہموار کر دی جائیں۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ویران شدہ مسجد کی جگہ پر مدرسہ بنانا:

(سوال ۹۳) ہمارے محلّہ میں ایک مسجد بہت پرانی ہے اس کی مرمت اور حفاظت نہ کرنے کی وجہ سے بالکل مسمار ہوگئی ہے، اب صرف زمین باقی ہے۔ دوسری کوئی علامت باقی نہیں ہے، لوگ اس زمین کی بے حرمتی کرتے ہیں، پیشاب پاخانہ تک کر دیتے ہیں، اس جگہ مدرسہ بنا دیا جائے تو کچھ حرج ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کی زمین پر عمارت رہے یا نہ رہے وہ جگہ تا قیامت مسجد کے حکم میں رہے گی، درمختار میں ہے (ولو خرب ما حوله واستغنیٰ عنه یبقیٰ مسجداً عند الامام والثانی) ابداً الی قیام الساعة (وبه یفتی) (درمختار مع الشامی ج ۳ ص ۵۱۲ احکام المساجد) لہذا اس کا ادب واحترام تعظیم وتکریم واجب ہے اور بے حرمتی حرام ہے اور جب تک مدرسہ کا انتظام نہ ہو جماعت خانہ چھوڑ کر کسی اور جگہ بچوں کو تعلیم دی جا سکتی ہے، اگر مسجد تعمیر نہ کر سکتے ہوں تو کم از کم چہار دیواری بنا کر اس کا احاطہ کر لیا جائے تا کہ مسجد کی بے حرمتی نہ ہو، ورنہ آس پاس کے تمام مسلمان گنہگار ہوں گے اور اس کی وجہ سے کسی آفت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے مسجد کی جگہ میں مدرسہ بنانے کی شرعاً اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غیر آباد میدان میں مسجد کا صرف سنگ بنیاد رکھا تو وہ جگہ مسجد ہوگی:

(سوال ۹۴) آج سے تقریباً دس سال پہلے سورت شہر کے قریب ایک گاؤں کے جوار میں مسلمانوں کی رہائش گاہیں تعمیر کرنے کے لئے ایک قطعہ زمین (جو تقریباً سولہ ہزار مربع گز کا ہے) خریدا اور اس کے پلاٹ بنائے جو

---

(۱) وقال الزیلعی ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه ... ان مسجد النبی صلی الله علیه وسلم کان قبل مقبرة للمشرکین فنبشت شامی مطلب فی دفن المیت ج ۲ ص ۲۳۳.

خریداروں کے نام کردیئے گئے اس میں دو پلاٹ مسجد و مدرسہ کے لئے رکھے گئے، جب اس جگہ مکانوں کی تعمیر کا کام شروع کیا گیا تو اس وقت ایک بزرگ کے دست مبارک سے تبرکاً مسجد کا صرف سنگ بنیاد رکھا گیا، اس کے بعد ممبروں سے رقوم کی عدم فراہمی کی وجہ سے تعمیری کام رک گیا اور بہت کوششوں کے باوجود بھی کام آگے نہ بڑھ سکا بالآخر مجبور ہو کر فیصلہ کرنا پڑا کہ یہ پوری زمین بیچ دی جائے اس زمین کا جائے وقوع ایسا ہے کہ دور دور تک مسلمانوں کے مکانات نہیں ہیں اور نہ مستقبل قریب میں ہونے کا امکان ہے اس لئے مسلم خریدار ملنا بھی دشوار ہورہا ہے، ایک غیر مسلم پارٹی وہ زمین خریدنے کے لئے تیار ہوئی ہے لیکن مسئلہ ان دو پلاٹوں کا ہے جو مسجد و مدرسہ کے لئے نامزد کئے ہیں۔ واضح رہے کہ اس جگہ صرف مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور اس وقت تک نہ اذان دی گئی ہے اور نہ نماز پڑھی گئی ہے، اور ابھی یہ میدان بالکل غیر آباد جنگل کی طرح ہے، جب وہ جگہ غیر مسلم خریدیں گے تو وہ لوگ یقیناً مسجد و مدرسہ کے لئے جو جگہ متعین کی گئی ہے اس جگہ مکانات بنائیں گے، مندرجہ بالا امور کے پیش نظر ان دو سوالات کا جواب عنایت فرمائیں۔

(۱) کیا یہ مسجد والی زمین کسی غیر مسلم کو رہائش گاہ بنانے کے لئے یا کسی اور کام کے لئے بیچی جاسکتی ہے۔

(۲) مسجد والی جگہ اگر بیچی نہ جائے اور اسے کھلی زمین چھوڑ دی جائے اور اس کے اطراف غیر مسلم بستی ہوجائے تو اس صورت میں اس زمین کی حفاظت کس طرح کی جائے؟ جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً و مصلیاً و مسلماً! غیر آباد میدان اور جنگل و بیابان میں مسلم آبادی قائم کرنے اور مسلمانوں کو وہاں بسانے کی غرض سے وسیع قطعۂ زمین خریدی گئی اور مسجد و مدرسہ قائم کرنے کی غرض سے جگہ بھی متعین کردی گئی اور مکانات و رہائش گاہوں کی تعمیرات کا کام بھی شروع ہونے والا تھا اس لئے تبرکاً مسجد کے سنگ بنیاد کی رسم ادا کی گئی اس کو دس سال کا عرصہ گذر جاتا ہے مگر رہائش گاہیں بنانے اور مسلمانوں کو وہاں بسانے میں کامیاب نہ ہوسکے اور نہ اس کی توقع ہے ان حالات میں صرف سنگ بنیاد رکھنے پر جب کہ وہاں نہ اذان ہوئی نہ نماز پڑھی گئی اور نہ مسجد بننے اور اس کے آباد ہونے کے اسباب و قرائن پائے جاتے ہیں نہ قرب و جوار میں چھوٹی بڑی کوئی مسلم آبادی ہے نہ اس کی مسلمانوں کو حاجت ہے لہذا شرعی مسجد کے احکام جاری نہ ہوں گے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے من بنی مسجداً لم یزل ملکه عنه حتی یفرزه عن ملکه بطریقه و یأذن بالصلوٰة فیه. اماالا فراز فلانه لا یخلص لله تعالیٰ الا به کذافی الهدایه .الیٰ قوله. واما الصلوٰة فلانه لا بد من التسلیم عندابی حنیفة و محمد هکذا فی البحر الرائق. التسلیم فی المسجد ان یصلی فیه بالجماعة باذنه و عن ابی حنیفة فیه روایتان . وفی روایة الحسن عنه یشترط اداء الصلوٰة بالجماعة باذنه اثنان فصاعداً کما قال محمد والصحیح روایة الحسن کذافی فتاویٰ قاضی خان ویشترط مع ذلک ان یکون الصلوٰة باذان واقامة جهراً لا سراحتی لو صلی جماعة بغیر اذان واقامة سراً لا جهراً لا یصیر مسجداً عندهما کذا فی المحیط والکفایة .(فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۲۳۸ کتاب الوقف الباب الحادی عشر) اور دوسری جگہ ہے۔ رجل بنی مسجداً فی مفازة بحیث لا یسکنها احد و قل ما یمر به انسان لم یصر مسجداً لعدم الحاجة الی صیرورته مسجداً کذافی الغرائب (فتاویٰ عالمگیری ج ۶ ص ۲۱۴ کتاب الکراهیة الباب الخامس)

زمین کے قحط کے زمانہ میں مسلمانوں کے مفاد اور ضرورت کی چیز قبضہ میں آئی ہے اسے چھوڑ نا نہیں چاہئے خود مایوس ہوں تو دوسرے مسلمانوں کو تیار کیا جائے تا کہ پلان اور نقشہ کے مطابق عمل ہو اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو بدرجۂ مجبوری غیر مسلم کو فروخت کی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۱۲ جمادی الاول ۱۳۹۹ھ۔

مسجد کی زمین کی فضا میں چھجہ بنانا کیسا ہے :

(سوال ۹۵) ہمارے یہاں مسجد و مدرسہ دونوں بالکل متصل ہے، مدرسہ کی نئی تعمیر ہو رہی ہے، مدرسہ کی ایک دیوار مسجد کے صحن کی جانب ہے مدرسہ کی دیوار کے بعد مسجد کے صحن کی طرف مدرسہ کی ایک انچ بھی زمین نہیں ہے لیکن لوگوں کی خواہش ہے کہ اس دیوار میں دریچہ لگایا جائے اور دریچہ کی حفاظت کے لئے صحن کے اوپر دریچہ کا چھجہ تعمیر کیا جائے یہ پورا کا پورا چھجہ مسجد کی زمین کے اوپر ہوگا لیکن مسجد کو اس سے کوئی نقصان نہیں ہے کیونکہ یہ مسجد اور مدرسہ دونوں ایک ہی محلہ کی ہیں اور ایک ہی کمیٹی کی نگرانی میں ہے، جب چاہیں اس چھجہ کو توڑ کر مسجد کا کام کیا جا سکتا ہے سوال یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں دریچہ بنانا اور دریچہ پر چھجہ تعمیر کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (راجستھان)

(الجواب) مسجد کی جانب جب کہ نمازیوں کے حق میں خلل انداز نہ ہوتا ہو مدرسہ کی دیوار میں دریچہ بنانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، لیکن چونکہ چھجہ مسجد کی زمین اور اس کی فضا پر واقع ہوگا، اور نمازیوں کے لئے تکلیف دہ اور آگے چل کر نزاع کا سبب بھی بن سکتا ہے لہذا اس کی اجازت نہ ہوگی، شامی میں ہے۔ (قوله ولو علی جدار المسجد) مع انه لم يأخذ من هواء المسجد شيئا اه ونقل في البحر قبله ولا يوضع الجذع علی جدار المسجد وان كان من اوقافه (شامی ج۳ ص ۵۱۲ کتاب الوقف) قبيل مطلب فيما لو خرب المسجد او غيره) فقط والله اعلم بالصواب .

مسجد میں فرقۂ اثناء عشریہ والے شخص کا چندہ لینا:

(سوال ۹۶) ایک شخص جو فرقۂ اثناعشریہ سے ہے اس نے مسجد میں کچھ رقم دی ہے کیا وہ رقم مسجد یا مسجد کی ملکیت کے مکان میں خرچ کر سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اہل سنت والجماعت اور فرقۂ اثناعشریہ کے عقائد میں بین فرق ہے، لہذا خالص دینی اور مذہبی معاملہ میں ان سے چندہ نہ لیا جائے اگر وہ خود دینا چاہے تو وہ کسی سنی مسلمان کو ہبہ کر دے اور وہ مسلمان اپنی طرف سے مسجد میں دے دے تو لے سکتے ہیں۔

صورت مسئولہ میں تو وہ شخص رقم دے چکا ہے تو اگر واپس کرنا نامناسب ہو تو بادل ناخواستہ بیت الخلاء، پیشاب خانہ، غسل خانہ میں استعمال کر لی جائے یا پھر مسجد کا مکان بنانے میں استعمال کی جائے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صورت مسئولہ میں مسجد کی زمین کسے کرایہ پر دی جائے:

(سوال ۹۷) ہماری مسجد کی ایک کھلی جگہ ہے مسجد کے متولی صاحب نے وہ جگہ ایک شخص کو کرایہ پر دینے کا عہد و پیمان کرلیا اور کرایہ بھی طے ہوگیا، اس کے بعد محلّہ کے ایک شخص نے مطالبہ کیا کہ یہ جگہ مجھے کرایہ پر دی جائے اور یہ شخص کرایہ بھی زیادہ دینے کی پیش کش کررہا ہے اس صورت میں دوسرے شخص کو وہ زمین کرایہ پر دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) وعدہ اور عہد و پیمان کے بعد بلاوجہ شرعی خلاف کرنا درست نہیں ،صورت مذکورہ میں متولی نے جماعت (برادری کے ذمہ داری حضرات) کے مشورہ سے یا پہلے سے حاصل شدہ اختیار کی بنا پر یہ کام کیا ہے تو اب اس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر متولی نے محض اپنی رائے سے کیا ہے اور جماعت نے اس کام سے اتفاق نہیں کیا ہے تو متولی کا کیا ہوا معاملہ معتبر نہ ہوگا۔(۱) **فقط واللہ اعلم بالصواب.**

محلّہ والے مسجد کی ٹنکی سے پانی بھر سکتے ہیں یا نہیں:

(سوال ۹۸) ہماری مسجد میں وضو اور استنجا کے واسطے پانی کی تکلیف تھی چند اہل خیر نے مل کر بورنگ کروا کر بجلی کا مشین لگوادیا ہے اس مشین کو چلا کر مسجد کی ٹنکی بھری جاتی ہے اور مشین (موٹر) کا لائٹ بل مسجد کی آمدنی سے ادا کیا جاتا ہے محلّہ والے مسجد کی اس ٹنکی سے اپنے گھروں کے استعمال کے لئے پانی بھر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ٹنکی کا پانی مسجد کے لئے مخصوص ہے، محلّہ والوں کو پانی بھرنے کی اجازت دینا صحیح نہیں ہے، باعث نزاع بھی ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد شہید کر کے راستہ بنانا:

(سوال ۹۹) خدمت گرامی میں عرض ہے کہ ایک سوال درپیش ہے اس کا جواب آپ تفصیل سے عنایت فرمادیں ......سوال یہ ہے کہ سنگاپور میں ایک شہر کے درمیان میں کئی مساجد ہیں، حکومت سنگاپور اس کو ایک خوبصورت شہر بنا رہی ہے، اس بنا پر سڑکیں کشادہ کررہی ہے ان راستوں پر مسجدیں گرجا گھر مندر اور مکانات ہیں حکومت ان کو منہدم کر کے اس کے عوض دوسری جگہ دیتی ہے، ایک جگہ دو مسجدیں شہید کر کے دوسری جگہ صرف ایک مسجد کی جگہ دی ہے تو کیا مسجد کو توڑنا اور اس کے عوض دوسری جگہ لینا شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جو جگہ ایک دفعہ مسجد کے حکم میں آجائے پھر اس کی عمارت رہے یا نہ رہے اس میں نماز پڑھی جاتی ہو یا نہ پڑھی جاتی ہو وہ جگہ تا قیامت مسجد کے حکم میں رہے گی اس کو بجز عبادت کے کسی اور کام میں استعمال کرنا درست نہیں، اس کے کسی حصہ کو بیچنا، کرایہ پر دینا، رہن رکھنا یا اس کے ورثاء کو واپس کردینا جائز نہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں

---

(۱) اگر محل وقوع کے مطابق متولی نے زمین کرایہ پر دیا ہو اب دوسرا زیادہ دینے کی پیش کش کررہا ہے تو ایسی صورت میں پہلے والے کرایہ دار کے ساتھ معاملہ ختم کرنا جائز نہیں اگر محل وقوع کے مطابق کرایہ ہے وقف کے لئے نقصان دہ ہے تو پہلے کے ساتھ معاملہ ختم کر کے دوسرے کو دینا جائز ہوگا۔ ویؤجر بأجر المثل فلا یجوز بالأقل ولو هو مستحق قاری الهدیة الا بنقصان یسیر قال فی الشامیة تحت قوله فلایجوز بالاقل ای لا یصح اذا کان بغبن فاحش ، درمختار مع الشامی کتاب الوقف مطلب لا یصح ایجار الوقف بأقل من اجرة المثل. الخ. ۳ ص ۴۰۲

مسجد کے کسی حصہ کو راستہ میں شامل نہیں کیا جا سکتا، شامی میں ہے **لا یجوز ان یتخذ المسجد طریقاً** مسجد کے کسی حصہ کو راستہ بنانا جائز نہیں، **لان المسجد لایخرج عن المسجدیة ابداً** کیوں کہ مسجد کبھی بھی مسجد ہونے کے حکم سے نہیں نکلتی۔ (**شامی ج۳ ص ۵۳۰۔ ۵۳۱ کتاب الوقف مطلب فی جعل شئی من المسجد طریقاً**) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ اردو ج۴ ص ۱۷۷ ج۴ ص ۱۸۲ (اسی باب میں، بعنوان مسجد دوسری جگہ منتقل کی جا سکتی ہے یا نہیں اس کی قیمت لی جا سکتی ہے یا نہیں، اور بعنوان مسجد کے کسی حصہ کو راستہ بنانا، دیکھ لیا جائے۔ مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کے اوپر منزلہ بنا کر اس کو جماعت خانہ اور نیچے والے حصہ کو مدرسہ بنانا:

(سوال ۱۰۰) ہمارے یہاں ایک مسجد ہے کمیٹی والوں کا ارادہ ہے کہ اسے دو منزلہ بنا کر اوپر والی منزل کو جماعت خانہ اور نیچے والی منزل کو مدرسہ بنا دیا جائے، یہاں شادی کے وقت یہ رواج ہے کہ جب لڑکا نکاح خوانی کے لئے مسجد آتا ہے تو اس کے ہمراہ عورتیں بھی آتی ہیں، اور عورتوں کی محفل مدرسہ میں ہوتی ہے نکاح کے بعد لڑکا عورتوں کی محفل میں جاتا ہے جہاں اسے سلامی دی جاتی ہے جب نیچے والا حصہ مدرسہ بنے گا تو اس میں یہ سب خرافات ہوں گے تو کمیٹی والوں کا یہ خیال درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جماعت خانہ کو مدرسہ اور شادی کا حال بنانا قطعاً جائز نہیں ہے، مسجد کی سخت بے حرمتی ہوگی، لہذا کمیٹی والوں کا خیال درست نہیں ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب ۱۰ شوال المکرم ۱۳۹۹ھ

''مسجد غرباء'' نام رکھنا جائز ہے یا نہیں:

(سوال ۱۰۱) سورت میں ایک مسجد تقریباً چار سو سال پرانی ویران تھی، ایک دو ماہ سے اس کو مرمت کر کے آباد کی گئی ہے اور اس کا نام ''مسجد غرباء'' رکھا گیا ہے آس پاس کے لوگ اکثر خستہ حال ہیں اس نام پر بہت سے لوگوں کو اعتراض ہے، اس لئے یہ نام رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ آپ جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) تعارف کی غرض سے نام رکھا جاتا ہے لہذا اس وجہ سے کہ اس جگہ کے اکثر لوگ غریب ہیں یا غرباء نے مسجد تعمیر کی ہے اور غریب لوگوں کی مسجد ہے ''مسجد غرباء'' نام رکھنے میں شرعی قباحت نہیں ہے، ایسا نام رکھ سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کمرہ میں جانے کے لئے مسجد کی چھت کو راستہ بنانا:

(سوال ۱۰۲) مسجد کی دیوار کے متصل کمرہ ہے اور یہ کمرہ مسجد کی ملکیت ہے اس میں جانے کے لئے مستقل راستہ نہیں ہے، مسجد کی چھت پر سے گذرنا پڑتا ہے ایسے کمرہ میں مدرسہ کے مدرس کے لئے قیام کا انتظام کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(۱) لو بنی فوقه بیتا للأم لا یضر لأنه من المصالح اما لو تمت المسجدیة ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق، درمختار مع الشامی کتاب الوقف مطلب فی احکام المسجد

(الجواب) مسجد کا کمرہ مسجد کے خادم استعمال کر سکتے ہیں، دوسرے لوگ استعمال نہیں کر سکتے، ہاں اگر مسجد کے متعلق مدرسہ ہو تو پھر مدرسین بھی استعمال کر سکتے ہیں جب کہ مسجد کے خدام کو اس کی ضرورت نہ ہو اور خالی پڑا ہو، مسجد کے اوپر بلا عذر شرعی چڑھنا ممنوع اور مکروہ ہے، لہذا کمرہ میں جانے کے لئے دوسرا راستہ بنانا چاہئے، جب تک دوسرا انتظام نہ ہو یہاں سے جانے کی گنجائش ہے۔ درمختار میں ہے (وکرہ تحریماً الوطء فوقه والبول والتغوط) لانه مسجد الی عنان السماء (واتخاذه طریقا بغیر عذر) الخ (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۶۱۴ فی احکام المساجد) فقط واللہ اعلم بالصواب.

قبروں کی جگہ کو مسجد میں شامل کرنا:

(سوال ۱۰۳) ہمارے محلہ کی مسجد میں نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے توسیع مسجد کی ضرورت ہوئی، اس لئے اس کا ایک حصہ جہاں چند پرانی قبریں ایک کمرہ اور باغیچہ تھا، یہ تمام جگہ جدید تعمیر کے وقت مسجد میں شامل کی گئی ہے، فی الحال نماز پرانی مسجد میں ہوتی ہے، لیکن جمعہ و رمضان المبارک میں تراویح میں نئی مسجد میں بھی نمازی ہوتے ہیں، اب جو قبریں زمین کے برابر کر دی گئی تھیں ان کے متعلق ہمارے شہر کے قاضی صاحب کہتے ہیں کہ وہ قبریں دوبارہ بنادی جائیں اس لئے کہ یہ قبریں ان کے خاندان کی چند عورتوں کی ہیں تو ان کا یہ مطالبہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور جہاں پکی مسجد بن گئی ہے اس میں قبروں کا نشان بنانا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کے احاطہ میں مسجد کی وقف زمین میں میت کو دفنانا درست نہیں ہے اور توسیع مسجد کے وقت ان پرانی قبروں کو زمین کے برابر کر کے مسجد میں شامل کر لینا بلا کراہت جائز ہے اس سے قبروں کی بے حرمتی نہ ہوگی بلکہ مردوں کی روحیں خوش ہوں گی کہ نماز پڑھی جاتی ہے۔ "کفایت المفتی" میں ہے جو زمین مسجد کے لئے وقف ہو اس پر سوائے مسائل مسجد کے اور کوئی تصرف جائز نہیں ہے، پس اس قطعۂ زمین میں جو مسجد کا ہے اموات کو دفن کرنا ناجائز تھا اور اس حکم میں نیک و بد کا کوئی فرق نہیں ہے۔ (حضرت مولانا مفتی) کفایت اللہ کان اللہ له (کفایت المفتی ج ۳ ص ۱۰۸)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

(سوال) اگر بوجہ اشد ضرورت قبروں کو مسجد کے صحن میں ڈال دیا جائے تو درست ہے یا نہیں۔

(الجواب) قبروں کو برابر کر کے فرش مسجد میں لیا جائے اس میں کچھ حرج نہیں ہے اور کچھ کراہت نماز میں نہ ہوگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم قدیم ج ۵۔ ۶ ص ۳۰۱)

لہذا قاضی صاحب کا یہ مطالبہ صحیح نہیں ہے اور قبروں کے نشانات باقی رکھنا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کی تعمیر میں زکوۃ کی رقم حیلہ کر کے استعمال کرنا:

(سوال ۱۰۴) ہمارے گاؤں میں مسجد تعمیر ہو رہی ہے رقم کی فراہمی کے لئے دوسری بستیوں میں جانا ہوا، چندہ میں کچھ رقم زکوۃ کی وصولی ہوئی ہے، حیلہ کر کے ان پیسوں کو مسجد کی تعمیری کام میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض لوگوں

کا خیال ہے کہ یہ رقم مدارس میں دے دی جائے ،ہم لوگ کیا کریں؟ بینواتوجروا۔

(الجواب) مسجد کی تعمیر میں یا امام ومؤذن ومسجد کے خدام کی تنخواہ میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنا درست نہیں ہے مسجد کی تعمیر کے لئے للہ رقم دینے والے اہل خیر سینکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں اس لئے تعمیر مسجد میں زکوٰۃ کی رقم ہرگز استعمال نہ کی جائے ،(۱) حیلہ کر کے بھی نہ لینا چاہئے۔صورت مذکورہ میں دینے والوں کی رقم واپس کردی جائے یا ان کی اجازت سے مدارس میں دے دی جائے اگر مسجد کو اس رقم کی از حد ضرورت ہو اور دوسری للہ رقم ملنے کی امید نہ ہو تو کسی مستند عالم کو صورت حال سے واقف کر کے ان کے مشورے کے مطابق عمل کیا جائے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

امام کا مع اہل وعیال احاطہ مسجد میں رہنا:

(سوال ۱۰۵) امام مسجد اپنے اہل وعیال کے ساتھ احاطہ مسجد میں رہ سکتا ہے یا نہیں؟ مسجد کا کوئی دوسرا حجرہ نہیں ہے،صرف ایک ہی حجرہ ہے اس مجبوری کی حالت میں رہ سکتا ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

(الجواب) احاطہ مسجد میں امام ومؤذن کے لئے حجرہ بنا ہو تو اس میں امام ومؤذن کا رہنا درست ہے،لیکن بچوں کے ساتھ رہنے میں عموماً بے پردگی ہوتی ہے،استنجا کی جگہ الگ نہیں ہوتی اور بچوں کے شور وشغب کی وجہ سے نمازیوں کو تکلیف اور حرج بھی ہوگا اس لئے ممنوع ہوگا ،اگر یہ خرابیاں نہ ہوں تو جائز ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کی وقف جگہ پر مدرسہ تعمیر کرنا یا امام ومؤذن کے لئے کمرہ بنانا:

(سوال ۱۰۶) ہمارے یہاں مسجد کے احاطہ میں شرعی مسجد سے علیحدہ ایک صاحب خیر نے مدرسہ کی نیت سے دو بڑے کمرے تعمیر کرادیئے ہیں جس میں بفضلہ تعالیٰ کئی سال سے دینی تعلیم ہو رہی ہے کہ بچے فراغت کے ساتھ بیٹھ کر تعلیم حاصل کرتے ہیں اور آئندہ بھی جگہ تنگ ہونے کا اندیشہ نہیں ہے اس صورت میں مدرسہ کے اوپر امام اور مدرسین کے لئے ایک دو منزلہ عمارت تعمیر کرادیں تاکہ ہمیشہ کے لئے امام ومدرسین کے لئے قیام کی سہولت پیدا ہو جائے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے یا نہیں ،بینواتوجروا۔

(الجواب) احاطۂ مسجد کی تمام جگہ مصالح مسجد کے لئے مسجد پر وقف ہوتی ہے اس جگہ مدرسہ کی عمارت بنانے کے لئے اجازت دینا درست نہیں ہے،البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ بیکار اور کھلی جگہ پر مسجد کے پیسوں سے یا چندہ کر کے عمارت بنائی جائے اور وہ جگہ دینی مدرسہ چلانے کے لئے کرایہ پر دی جائے اور کرایہ مسجد کے مفاد میں صرف ہوتا رہے یا امام ومؤذن کو رہنے کے لئے دے دیا جائے تو یہ صورت جائز ہے،صورت مسئولہ میں مسجد کی جگہ پر برائے مدرسہ عمارت بن چکی ہے تو مسجد والوں کو چاہئے کہ وہ لوگ رقم ادا کر کے یہ عمارت لے لیں زمین تو پہلے سے مسجد کی ملک ہے اس عمل سے عمارت بھی مسجد کی ملک ہو جائے گی اور پھر وہ جگہ مدرسہ کو کرایہ پر دے دی جائے ،فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد شرعی کی بالائی منزل پر مدارس کے سفراء کا قیام کرنا:

(سوال ۱۰۷) ہر سال رمضان المبارک میں مختلف مدارس کے سفراء چندہ کی غرض سے بمبئی آتے ہیں اور ایک

---

(۱) ویشترط ان یکون الصرف تملیکالا اباحة کمامر لا یصرف الی بنآء نحو مسجد ولا الی کفن میت وقضآء دینه، درمختار مع الشامی ، باب المصرف

مسجد کے بالائی حصہ میں قیام پذیر ہوتے ہیں اس بالائی حصہ میں جمعہ کی نماز بھی لوگ ادا کرتے ہیں اور بارش کے دنوں میں جمعہ کے علاوہ اور نمازیوں میں بھی یہاں لوگ نماز ادا کرتے ہیں، ایسی جگہ پر ان سفراء کو قیام کی اجازت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جب کہ سفرا، اس حصہ کو بالکل مسافر خانہ کی طرح استعمال کرتے ہیں، دیوار پر اپنے لباس لٹکاتے ہیں بے تکلف باتیں کرتے ہیں بعض تو سگریٹ تک پیتے ہیں، اخبار بینی کرتے ہیں اور اپنے بستر کھلے پڑے رہنے دیتے ہیں اس بارے میں شرعی حکم تحریر فرمائیں کہ ان کو ٹھہرانے کی اجازت دی جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد شرعی اور اس کے اوپر کا حصہ بھی مسجد شرعی کے حکم میں ہے اس کو مسافر خانہ کے طور پر استعمال کرنا درست نہیں ہے، مسجد کی حرمت باقی نہیں رہے گی، سفیروں کے لئے مسجد کے علاوہ کوئی قیام گاہ نہ ہو تو ان سفراء کو ٹھہرایا جاسکتا ہے، جو مسجد کا کما حقہ ادب و احترام کر سکتے ہوں۔ جو احتیاط نہیں کرتے ان کو اجازت نہ دی جائے۔(۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد یا صحن یا اطراف صحن میں سونا

(سوال ۱۰۸) مسجد یا اس کے اطراف کے صحن میں مقتدیوں کو سونے کی اجازت دینی چاہئے یا نہیں؟ بہت سے لوگ دن کے وقت مسجد میں سونے کے لئے بضد ہیں اور اس کو وہ اپنا واجبی حق سمجھتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا گھر ہے ان متولیوں کا گھر نہیں ہے، آپ شرعی مسئلہ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(نوٹ) اس صحن میں لوگ جمعہ اور ماہ رمضان المبارک میں پنجگانہ نماز ادا کرتے ہیں۔

(الجواب) مسجد میں معتکف اور مسافر کے علاوہ اوروں کو سونے کی اجازت نہیں ہے، فقہاء کرام رحمہم اللہ نے مکروہ لکھا ہے **واکل ونوم الا لمعتکف وغریب** (درمختار مع الشامی مطلب فی احکام المسجد ج ۱ ص ۶۱۹) خارج میں جگہ نہ ہو تو مسافر یا امام وموذن خادم مسجد نگران مسجد، مسجد میں سوسکتا ہے، دوسروں کو کبھی کبھی مسجد میں سونے کی ضرورت پیش آجائے تو بہ نیت اعتکاف مسجد میں داخل ہوں اور تھوڑی دیر نوافل وذکر اللہ میں مشغول رہ کر سوسکتے ہیں **ویکره النوم والاكل فيه لغير المعتكف فيدخل ويذكر الله بقدر مانوى ويصلى ثم يفعل ما يشاء**(ایضاً فتاویٰ سراجیہ ص ۷۲) (فتاویٰ عالمگیری **كتاب الكراهية الباب الخامس فى آداب المسجد والقبلة والمصحف، الخ واللفظ له**)(شامی ج ۱ ص ۶۱۹ حوالہ بالا) لیکن دائمی طور پر مسجد میں یا صحن مسجد میں یا اطراف صحن میں سونے کی عادت کر لینا اور مسجد کو خواب گاہ بنالینا مکروہ اور ممنوع ہوگا۔

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

(جواب ۱) نمازیوں کا مسجد میں اوقات نماز کے علاوہ لیٹ جانا اور سوجانا اگر اتفاقی طور پر ہو تو مباح ہے، لیکن مسجد کو ایک خواب گاہ بنالینا ان کے لئے درست نہیں (کفایت المفتی ج ۳ ص ۱۱۴)

(جواب ۲) مسجد کا وراندہ (برآمدہ) اگر مسجد سے خارج ہو تو اس میں کسی نیک متقی کے اتفاقاً سوجانے کا مضائقہ

---

(۱) وكره تحريماً الوطء فوقه والبول والتغوط. لأنه مسجد الى عنان السمآء قال فى الشامية تحت قوله لأنه مسجد علة لكراهة ماذكر فوقه على السطح لمن فيه اذا لم يتقدم على الامام ولا يبطل اعتكافه بالصعود اليه ولا يحل للجنب والحائض والنفسآء الوقوف عليه الخ درمختار مع الشامى مطلب فى احكام المسجد ج ۱ ص ۳۵۶

نہیں اگر یہ شخص مسجد کے متعلقین میں سے ہے مثلاً امام ہے یا مؤذن یا نگران، تو اس کو ورانڈہ میں (جب کہ ورانڈہ مسجد سے خارج ہو) سونا روانہ بھی جائز ہے لیکن اگر مسجد کے متعلقین میں سے نہیں ہے اور اکثر یا دوامی طور پر مسجد میں سونے کی عادت ڈال رکھی ہے تو یہ مکروہ ہے (کفایت المفتی ج ۳ ص ۱۱۴) **فقط واللہ اعلم بالصواب. ۵ ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ**

جس مسجد میں مؤذن نہ ہو وہ مسجد محلّہ کے حکم میں ہو سکتی ہے یا نہیں :

(سوال ۱۰۹) ہمارے یہاں ایک مسجد ہے اور وہ محلّہ سے باہر ہے مگر پوری ذمہ داری اہل محلّہ پر ہے وہاں نماز پنجگانہ، جمعہ، تراویح وغیرہ ہوتی ہے، لیکن اس مسجد میں مؤذن متعین نہیں ہے وقت ہونے پر کوئی بھی اذان دے دیتا ہے، اور جماعت ہو جاتی ہے، تو کیا مؤذن کی تعیین کے بغیر یہ مسجد ''مسجد محلّہ'' شمار ہوگی؟ یا شارع عام کی؟ اگر محلّہ کی مسجد ہے تو جماعت ثانیہ کا کیا حکم ہے؟ اور اگر عام شاہراہ کی ہے تو جماعت ثانیہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مؤذن مقرر نہیں ہے، مگر وقت مقررہ پر اذان ہو جاتی ہے اور پانچوں وقت جماعت وقت پر ہوتی ہے تو یہ ''مسجد محلّہ'' کے حکم میں ہے اور سب احکام مسجد محلّہ کے جاری ہوں گے اور جماعت ثانیہ مکروہ ہوگی، خارج مسجد یا کسی کے مکان میں دوسری جماعت کی جا سکتی ہے مگر بلا وجہ شرعی اس کی عادت کر لینا مکروہ ہوگا۔[1] **واللہ اعلم بالصواب.**

مسجد کی زمین میں اکھاڑہ بنانا:

(سوال ۱۱۰) مسجد کے قریب ایک جگہ ہے جہاں پہلے مدرسہ تھا اس کے بعد وہ جگہ کرایہ پر دی گئی تھی، اب وہ جگہ خالی ہے محلّہ والے کشتی کھیلنے کے لئے بلا کرایہ (مفت) طلب کرتے ہیں تو اس جگہ کو بلا کرایہ اکھاڑے کے لئے دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کی جگہ اکھاڑے کے لئے مفت دینا جائز نہیں، کرایہ پر دی جا سکتی ہے، بشرطیکہ مسجد کو اس کی ضرورت نہ ہو اور مسجد کی بے حرمتی نہ ہوتی ہو ورنہ کرایہ پر دینا بھی جائز نہیں۔[2] **فقط واللہ اعلم بالصواب.**

مسجد کے احاطہ کے کمرے کرایہ پر دینا:

(سوال ۱۱۱) ہمارے یہاں شاہی مسجد کے احاطہ میں جماعت خانہ سے تقریباً پچاس فٹ دور کچھ کمرے ہیں، ان کمروں میں پہلے زمانہ اسکول تھا اب وہ خالی پڑے ہیں وہ جگہ مسلمان کرایہ پر طلب کرتے ہیں، مسجد کے احترام کی تحریری گارنٹی دیتے ہیں تو اس شرط پر وہ کمرے ان کو کرایہ پر دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کے احاطہ میں جو حجرے ہوتے ہیں وہ عموماً امام مسجد اور خدام مسجد کے لئے ہوتے ہیں لہذا ان کو اسی کام میں لیا جائے، کرایہ پر نہیں دے سکتے، اگر زائد کمرے ہوں تو تعلیم کے کام میں لئے جائیں، ہاں اگر بانی اور

---

(۱) والمراد لمسجد المحلة ماله امام وجماعة معلومون كما في الدر وغيرها شامي باب الامامة مطلب في تكرار الجماعة ج. ۱ ص ۵۵۳. فقط

(۲) يفتى بالضمان في غصب عقار الوقف وغصب منافعه أو اتلافها كما لو سكن بالا ذان او اسكنه المتولى بلاأجر كان على الساكن أجر المثل، درمختار مع الشامي مطلب مسكن المشترى دار الوقف ج. ۳ ص ۴۰۸.

واقف نے کرایہ سے لئے اور مسجد کی آمدنی کے لئے بنائے ہوں تو کرایہ پر دے سکتے ہیں، بشرطیکہ مسجد کو ضرورت نہ ہو اور اس میں مسجد کی بے حرمتی نہ ہوتی ہو اور نمازیوں کو حرج و تشویش نہ ہوتی ہو اور کرایہ دار کے لئے آمد و رفت کا راستہ الگ ہو ورنہ کرایہ پر نہیں دے سکتے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حرام اور مشتبہ مال مسجد کی تعمیر میں خرچ کرنا:

(سوال ۱۱۲) مسجد کی تعمیر اور درستگی کے لئے کوئی ''فلم ایکٹر'' رقم دے تو وہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ ان کی آمدنی یقینا مشتبہ ہوتی ہے بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد خدا کا مقدس اور پاکیزہ گھر ہے اس کی تعمیر درستگی میں حلال اور پاکیزہ مال استعمال کیا جائے، حرام کمائی مسجد میں استعمال کرنا منع اور مکروہ ہے، حدیث شریف میں ہے، خدا تعالیٰ پاکیزہ مال قبول فرماتے ہیں، لہذا حرام اور مشتبہ مال سے مسجد بنانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے،(۱) **فقط و اللہ اعلم بالصواب**۔

مسجد پر قبضہ کر کے گھر بنالینا:

(سوال ۱۱۳) ایک مسجد جہاں پنجگانہ نماز تراویح وغیرہ پڑھنے کی لوگ شہادت دیتے ہیں، اس جگہ پر ایک آدمی نے قبضہ کر کے گھر بنالیا ہے، اس میں کھاتا پیتا ہے اور مسجد کے نشانات، محراب، حوض وغیرہ سب مٹا دیئے ہیں تو ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟ بعض لوگ خودغرضی اور اپنے مفاد کے خاطر اس کی حمایت کرتے ہیں حتی کہ اس مسجد کے خلاف لڑنے کو تیار ہیں، شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس جگہ کے وقف اور مسجد ہونے کا ثبوت ہو جائے پھر چاہے وہ مدت دراز تک ویران غیر آباد اور خستہ حال میں پڑی رہی ہو تو بھی وہ جگہ مسجد ہے اور تا قیامت وہ مسجد کے حکم میں رہے گی اس جگہ کو مسجد کے علاوہ کھانے پینے سونے اور رہنے کے کام میں لینا ناجائز اور حرام ہے، غاصب کی حمایت کرنے والے بھی گنہگار ہوں گے، درمختار میں ہے **ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقیٰ مسجداً عند الا مام والثانی (ای عند ابی یوسف رحمه الله) ابداً الی قیام الساعة وبه یفتی** (درمختار مع الشامی ج۳ ص ۱۱۰ کتاب الوقف مطلب فیما لو خرب المسجد اوغیرہ) فقط و اللہ اعلم بالصواب۔

مسجد میں تبلیغی تعلیم کہاں کی جائے:

(سوال ۱۱۴) ہمارے یہاں مسجد میں عشاء کی نماز کے بعد جماعت خانہ میں تبلیغی جماعت والے دس پندرہ منٹ کتابی تعلیم کرتے ہیں جو لوگ سنت اور وتر پڑھنے میں مشغول ہوتے ہیں یا بعد میں آنے والے فرض نماز پڑھتے ہیں تو ان کو خلل ہوتا ہے اس لئے ان کو کہا جاتا ہے کہ جماعت خانہ کے باہر برآمدہ میں تعلیم کیا کرو، تعلیم والے کہتے ہیں کہ اس کے قریب نشست گاہ ہے وہاں لوگ بیٹھ کر گپ شپ کرتے رہتے ہیں اس لئے تعلیم میں خلل ہوتا ہے، اس

---

(۱) عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من تصدق بعدل تمرة من کسب طیب ولا یقبل الله الا الطیب. الخ. مشکوٰۃ باب فضل الصدقة ص ۱۶۷

حالت میں تعلیم کہاں کی جائے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز اور وظیفہ پڑھنے میں خلل آ ئے اس طرح تعلیم کرنا منع ہے مگر تعلیمی سلسلہ بھی بہت اہم اور مفید ہے اس لئے دونوں سلسلے جاری رہ سکیں ایسی صورت اختیار کی جائے مسجد بڑی ہو تو اس کے کسی گوشہ میں یا برامدہ یا صحن میں تعلیم ہو تو دونوں سلسلے جاری رہ سکتے ہیں، دنیوی باتوں میں مشغول رہنے والوں کو چاہئے کہ تعلیم میں شرکت کریں، دس پندرہ منٹ کا وقت کوئی زیادہ طویل نہیں ہے، مسجد خدا کی یاد کے لئے ہے دنیوی باتوں کے لئے نہیں ہے خصوصاً جب کہ اس سے تعلیم میں حرج ہوتا ہو، تعلیمی سلسلہ کو غنیمت سمجھا جائے اور اس میں شرکت کی جائے اس سے ایمان تازہ اور قوی ہوتا ہے. تعلیم جس میں فضائل کے ساتھ طہارت، وضو، نماز، روزہ وغیرہ کے احکام و ضروری مسائل بھی ہوں، محض فضائل پر اکتفا نہ کیا جائے۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں **اعلم ان کل قاعد فی بیته اینما کان فلیس خالیاً فی هذا الزمان عن منکر من حیث التقاعد عن ارشاد الناس... الخ.**

ترجمہ: جان لو کہ اس دور میں ہر وہ شخص جو گھر میں بیٹھا ہوا ہے، تعلیم و تبلیغ رشد و ہدایت اور عمل صالح کے بارے میں لوگوں کو آمادہ کرنے میں قاصر ہے جس بناء پر وہ سب گنہگار ہیں کہ شہروں میں اکثر لوگ نماز کے شرائط و احکام سے ناواقف ہیں تو پھر گاؤں کے باشندوں کی نماز اور دین کی کیا حالت ہوگی؟ لہذا شہر کی ہر ایک مسجد اور محلہ میں ایک عالم دین کا ہونا ضروری ہے الخ (احیاء العلوم ج ۲ ص ۳۳۶ المنکرات العامۃ)

اس بناء پر تعلیم کو غنیمت سمجھیں اور ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ نماز و تعلیم دونوں جاری رہیں اور کسی کو شکایت نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کی جگہ محفوظ رکھنے کے لئے مال وقف صرف کرنا:

(سوال ۱۱۵) ہمارے محلہ کی مسجد کے ٹرسٹ کے ماتحت دو مسجدیں ہیں ان میں سے ایک مسجد غیر مسلم علاقہ میں ہے اور وہ بالکل غیر آباد ہے عمارت بھی منہدم ہوگئی ہے، حکومت وہ جگہ لینا چاہتی ہے تو ہم کیا کریں، قانونی کارروائی کر کے اس کو محفوظ رکھنے کی کوشش کریں یا وہ جگہ حکومت کو دے دیں؟ اس مسجد کی مستقل آمدنی نہیں ہے تو ہماری مسجد کے ٹرسٹ میں سے کورٹ اور وکیل کا خرچ لینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ''جائے مسجد'' پر کوئی عمارت ہو یا نہ ہو وہاں نماز پڑھی جاتی ہو یا نہ پڑھی جاتی ہو، آبادی ہو یا نہ ہو وہ جگہ ہر حال میں مسجد ہی کے حکم میں ہے، درمختار میں ہے: **ولو خرب ماحوله واستغنیٰ عنه یبقیٰ مسجداً عند الامام والثانی ابداً الیٰ قیام الساعة وبه یفتی** (درمختار مع الشامی ج۳ ص ۵۱۳ کتاب الوقف مطلب فیما لو خرب المسجد اوغیرہ)

یہ جگہ مہمان خانہ، مسافر خانہ یا یتیم خانہ کے طور پر بھی استعمال نہیں کی جاسکتی مسلمانوں کو چاہئے کہ اس کو آباد کریں، پنجگانہ نماز ادا نہ کر سکیں تو کم از کم جمعہ کی نماز پڑھ کر آباد کرنے کی کوشش کریں، ایک آدمی رکھا جائے جو پانچوں وقت اذان دے کر نماز ادا کرے، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو مسجد کے چاروں طرف دیوار بنادی جائے کہ گندگی اور

بے ادبی سے محفوظ رہے، اس سلسلہ میں اور کوئی انتظام نہ ہوسکتا ہو تو آپ کی مسجد کے ٹرسٹ میں سے اس ویران مسجد کے حصہ میں جتنی رقم آئے وہ قانونی کارروائی میں صرف کی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جماعت خانہ کے نیچے حوض بنانا:

(سوال ۱۱۶) ہماری مسجد کی توسیع کی جارہی ہے جو جگہ جماعت خانہ میں شامل کی جائے گی وہ تنگ ہے اس لئے پلان اس طرح بنایا جارہا ہے کہ جونئی جگہ جماعت خانہ میں شامل کی جائے گی اس کے نیچے حوض بنایا جائے، وضو کرنے کے لئے بیٹھک جماعت خانہ سے باہر ہوگی تو اس طرح حوض بنا سکتے ہیں یا نہیں اور اس جگہ صفیں قائم کرسکتے ہیں یا نہیں؟ کیا مسجد کا ثواب ملے گا؟ اور کیا معتکفین وہاں آسکیں گے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جونئی جگہ جماعت خانہ میں داخل کی ہے اس کے لئے نیچے کا حصہ پہلے سے حوض بنانے کی نیت ہونے کی وجہ سے بطور حوض رکھا جاسکتا ہے (پرانی مسجد کا حصہ حوض میں نہ آنے پائے) اور حوض کے اوپر کا حصہ جو جماعت خانہ میں شامل ہے اس میں صفیں قائم کی جاسکتی ہیں، مسجد کا ثواب ملے گا اور وہاں اعتکاف بھی درست ہے،(۱). فقط واللہ اعلم بالصواب .

نماز کے وقت مسجد کا دروازہ بلاضرورت بند رکھنا:

(سوال ۱۱۷) ہماری مسجد کے دو دروازے ہیں، ایک محلّہ کی جانب اور دوسرا شارع عام (روڈ) کی جانب، ان میں سے ایک دروازہ نماز کے وقت بند رکھا جاتا ہے حالانکہ اس طرح بھی مسلمانوں کے کچھ گھر ہیں اس دروازہ کے بند رکھنے کی وجہ سے اس طرف کے رہنے والے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے تو وہ دروازہ بند رکھنا کیسا ہے؟ یہ دروازہ دس پندرہ روز سے بند ہونا شروع ہوا ہے۔ مدلل جواب مرحمت فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کا سامان چوری ہوجانے یا مسجد میں جانور وغیرہ کے گھس جانے کا اندیشہ ہو تو دروازہ بند کیا جاسکتا ہے، لیکن نماز کے وقت کھولنا ضروری ہے جب دونوں دروازوں کی طرف مسلمان آباد ہیں تو نماز کے وقت دونوں دروازے کھلے رہنے چاہئیں بند کر کے نمازیوں کو پریشان کرنا درست نہیں ہے ہاں اگر جانوروں کے اندر آجانے کا ڈر ہو تو اس طرح بند رکھا جاسکتا ہے کہ نمازی خود کھول کر مسجد میں آسکیں اور نمازیوں کی شکایت باقی نہ رہے درمختار میں ہے ۔ و کما کرہ غلق باب المسجد الا لخوف علی متاعه به یفتی(قوله غلق باب المسجد) قال فی البحر و انما کره لانه یشبه المنع من الصلوة قال الله تعالیٰ و من اظلم ممن منع مساجد الله ان یذکر فیها اسمه اه(قوله الا لخوف علیٰ متاعه) هذا اولیٰ من التقید فی زماننا فی جمیع الا وقات ثبت کذلک الا فی اوقات الصلوة اولا فلا او فی بعضها ففی بعضها کذافی الفتح(درمختار و الشامی ج ۱ ص ۶۱۳، ۶۱۴ تحت مطلب فی احکام المساجد) فقط و الله اعلم بالصواب.

(۱) و اذا جعل تحته سرداباً لمصالحه ای المسجد جاز کمسجد القدس ، درمختار مع الشامی کتاب الوقف مطلب فی احکام المسجد ج۳ ص ۵۱۲

جماعت خانے کے پرانے پتھر بیچنا:

(سوال ۱۱۸) مسجد کے جماعت خانہ کے پرانے پتھر بیکار پڑے ہیں ان کو فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور مسجد کی آمدنی کے لئے ایک مکان بنایا جارہا ہے اس میں وہ پتھر استعمال کرا سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کے پتھر بیکار پڑے ہیں تو ان کو جماعت اور اہل محلہ کی اجازت سے متولی فروخت کرے اور اس کی قیمت مسجد کے وقف میں شامل کر لی جائے یا اس رقم سے کوئی چیز جو مسجد کے لئے کارآمد ہو خریدنے کی اجازت ہے، اسی طرح مسجد کے مکان میں استعمال کر سکتے ہیں لیکن پلیدی سے بچایا جائے، یعنی بیت الخلاء، پیشاب خانہ غسل خانہ وغیرہ میں نہ لگایا جائے، درمختار میں ہے **ولا ترمی براية القلم المستعمل لا حترامه كحشيش المسجد وكناسة لايلقي في موضع بخل بالتعظيم** (درمختار مع الشامی ج۱ ص ۱۲۵ کتاب الطهارة) **فقط والله اعلم بالصواب.**

مسجد میں سیاسی جلسہ کرنا:

(سوال ۱۱۹) مسجد میں سیاسی جلسہ اور میٹنگ کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کے ادب واحترام کے بارے میں لوگ بہت زیادہ بے پروائی برتتے ہیں، یہ کام مسجد میں کرنے کے لائق نہیں لہٰذا خالص دینی مجالس کے سوا دوسری آج کل کی سیاسی تحریکیں شرعی مسجد سے باہر کسی اور جگہ منعقد کرنی چاہئیں حضرت عمر فاروق نے مسجد کے باہر کنارے پر ایک چبوترہ تعمیر کروادیا تھا اور اعلان کرادیا تھا کہ جس کو اشعار پڑھنا ہو یا بلند آواز سے بولنا ہو یا کوئی اور کام کرنا ہو تو وہ چبوترہ پر چلا جائے، مشکوٰۃ شریف میں ہے **عن مالک قال بنى عمر رحبة في نا حية المسجد تسمى البطيحا وقال من كان يريد ان يلغط او ينشد شعراً ويرفع صوته فليخرج الى هذه الرحبة رواه في الموطا** (مشکوٰۃ شریف ص ۷۱ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ) اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے **الجلوس في المسجد للحديث لا يباح بالا تفاق لان المسجد ما بني لا مور الدنيا** (عالمگیری ج۶ ص ۲۵۱ کتاب الكراهية الباب الخامس) **فقط والله اعلم بالصواب.**

مسجد میں نکاح خوانی یا قرآن خوانی کے لئے مسجد کی بجلی استعمال کرنا:

(سوال ۱۲۰) مسجد میں نکاح خوانی کے وقت یا جب کوئی شخص اپنے کسی عزیز واقارب کے لئے ختم قرآن کراتا ہے اس وقت مسجد کی بتی (لائٹ) جلائی جاتی ہے پنکھے چلائے جاتے ہیں تو جتنی دیر مسجد کا پاور استعمال کیا جائے اس کا عوض متولی لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور متولی عوض لینے کا قانون بنا سکتا ہے یا نہیں؟ یا خود ان لوگوں کو سمجھ کر مسجد میں عوض دینا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ ان کاموں کے لئے روشنی کا انتظام خود ہی کرلیں، مسجد کی بتی اور پنکھوں کو استعمال نہ کریں حد تو یہ ہے کہ مسجد میں بتی جلانے کا جو وقت مقرر ہے اس کے علاوہ دیگر اوقات میں قرآن کی تلاوت یا دینی

کتابوں کے مطالعے کے لئے بھی مسجد کی بتی جلانے اور پنکھے چلانے کی اجازت نہیں ہے، ممنوع ہے، عالمگیری میں ہے **هل يجوزان يدرس الكتاب بسراج المسجد؟ والجواب فيها انها ان كانت موضوعة للصلوٰة فلا بأس به وان وضع لا للصلوٰة بان فرغوا من الصلوٰة وذهبوا فان اخر الىٰ ثلث الليل لا بأس به وان اخر اكثر من ثلث الليل ليس له ذلک كذافي المضمرات (فتاویٰ عالمگیری ج۶ ص ۲۱۵ كتاب الكراهية الباب الخامس)**

لیکن آج کل غلط دستور ہو جانے کی وجہ سے بتی جلانے اور پنکھے چلانے کی اجازت نہ دینے پر جھگڑے اور فساد کا اندیشہ ہو تو جتنی دیر بجلی خرچ ہو معاوضہ لے لیا جائے تو اس کی گنجائش ہے یا وہ خود ہی دے دے، مسجد میں مجلس نکاح منعقد کرنا مسنون ہے حدیث سے ثابت ہے　ایصال ثواب کے لئے رسمی مجلسیں مساجد میں منعقد کرنا ثابت نہیں، شرح سفر السعادت میں ہے۔ وعادت نبود کہ برائے میت در غیر وقت نماز (جنازہ) جمع شوند وقرآن خوانند و ختمات خوانند نہ بر سر گور ونہ غیر آں وایں مجموع بدعت است ومکروہ۔ یعنی آنحضور ﷺ اور صحابہ وغیرہ سلف صالحین کی یہ عادت نہ تھی کہ میت کے لئے بجز صلوٰۃ جنازہ دوسرے کسی موقع پر جمع ہوتے ہوں اور قرآن پڑھتے ہوں، نہ قبر پر اور نہ دیگر کسی مقام پر، یہ تمام رواج نہ رسوم قرآن خوانی اور مجلس وعظ بدعت اور مکروہ ہیں (شرح سفر السعادت ص ۲۷۳)

فتاویٰ بزازیہ میں ہے **واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقراءة سورة الانعام اوالاخلاص فالحاصل...... الى قوله...... اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لاجل الاكل يكره (فتاویٰ بزازیہ ج ۱ ص ۸۱ كتاب الجنائز قبيل الباب السادس والعشرون فى حكم المسجد)**

لہذا اس میں لائٹ اور پنکھوں کا استعمال کرنا درست نہ ہوگا جب کہ قرآن کی تلاوت اور دینی کتابوں کے مطالعہ کے لئے مسجد کی بجلی استعمال کرنے کی اجازت نہیں (حالانکہ یہ خالص دینی کام ہیں) تو رسمی قرآن خوانی کے لئے اس کی اجازت کس طرح ہوسکتی ہے؟ اگر کرنا ہی ہے تو اپنے گھروں میں کریں؟ مسجد ان کاموں کے لئے موضوع اور شایان شان نہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رمضان کی ستائیسویں کی شیرنی کی بچی ہوئی رقم مسجد میں استعمال کرنا:

(سوال ۱۲۱) تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر شیرینی تقسیم کرنے کے لئے چندہ کیا تھا اس میں سے کچھ پیسے بچ گئے ہیں، کیا ان کو مسجد کے کاموں میں استعمال کر سکتے ہیں، یا وہ پیسے امام صاحب ہی کو دے دیئے جائیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) جس مقصد کے لئے اور جس غرض کی خاطر چندہ کیا ہو اسی میں چندہ کی رقم استعمال کرنا چاہئے، اگر رقم بچ گئی ہو تو چندہ دہندہ گان کی اجازت سے دوسرے مصرف میں استعمال کر سکتے ہیں، یہ امام کا حق نہیں ہے کہ بچی ہوئی رقم ان کو دینا ضروری ہو، ختم قرآن کے وقت شیرینی تقسیم کرنے کے لئے چندہ کرنے کا طریقہ غلط ہے چندہ نہیں کرنا چاہئے، اگر کوئی شخص رسم کی پابندی کے بغیر خوشی سے شیرنی تقسیم کرے تو ممنوع نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کے وقف قرآن کو اپنے قرآن سے بدلنا:

(سوال ۱۲۲) ہماری مسجد میں ایک ترجمہ والا قرآن شریف ہے، مجھے اس کی ضرورت ہے، میں اس کی جگہ ایک معریٰ قرآن (بلا ترجمہ والا) رکھ دوں اور وہ قرآن میں اپنے گھر لے جاؤں تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کے وقف قرآن کو دوسرے قرآن سے بدلنا جائز نہیں مسجد میں بیٹھ کر استفادہ کرنا جائز ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب.

مسجد کا مکان بینک کو کرایہ پر دینا:

(سوال ۱۲۳) مسجد کا مکان بینک کو کرایہ پر دینا کیسا ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) بینک کو مکان کرایہ پر دینا تعاون علی الاثم کے مترادف ہے اور قرآن کریم میں تعاون علی الاثم کی ممانعت آئی ہے، ارشاد خداوندی ہے ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان گناہ اور زیادتی کے کاموں میں معاونت مت کرو، لہذا اس کی اجازت نہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب.

مسجد کی تعمیر کے زمانہ میں نماز باجماعت موقوف کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۲۴) بمبئی میں ایک مسجد کی نئی تعمیر ہو رہی ہے مسجد کے دونوں طرف سڑک واقع ہے اور یہ تجارتی مرکز ہے اس لئے حکومت کی طرف سے نئی تعمیر کی اجازت اس شرط پر ملی ہے کہ تعمیر کا سامان سڑک پر نہ رکھا جائے اس لئے بیکار ملبہ اور تعمیری سامان مسجد میں رکھنا پڑتا ہے جس میں بہت جگہ گھر جاتی ہے اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ تعمیر کے دوران مسجد میں نماز باجماعت پڑھی جائے یا نہیں؟ نماز جاری رکھتے ہیں تو چند مشکلات پیش آتی ہیں (۱) جگہ نکالنا مشکل ہے (۲) حوض کا پورا پانی تعمیر میں مستعمل ہوگا اور مزدور اکثر ہندو ہوتے ہیں ان کے ساتھ بچے بھی ہوتے ہیں ان کو پاکی ناپاکی کا کچھ خیال نہیں ہوتا (۳) ظہر عصر کے نماز کی وجہ سے روزانہ آدھا گھنٹہ کام بند کرنا پڑے گا، تو ان حالات میں نماز باجماعت جاری رکھی جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں مسجد کا بیکار ملبہ فروخت کر دیا جائے وقت پر اذان ہونی چاہئے اور جماعت بھی، چاہئے مختصر ہی سہی، جماعت خانہ میں یا احاطۂ مسجد میں جہاں ممکن ہو جماعت کی جائے، اڑوس پڑوس کے چند نمازی اپنے گھر سے وضو اور سنت سے فارغ ہو کر آجائیں اور بعد کی سنتیں بھی گھر جا کر ادا کریں اس طرح صرف دس پندرہ منٹ کام بند رہے گا، جمعہ موقوف کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، مسجد کے احترام کا پورا خیال رکھا جائے اور گندگی کا اندیشہ ہو تو بچوں کو روکا جائے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ای الذی تحصل من کلامہ انہ اذا وقف کتبا وعین موضعہا فان وقف علی اھل ذلک الموضع لم یجز نقلہا منہ لا لہم ولا لغیر ہم وظاہرہ انہ لا یحل لغیر ہم الانتفاع بہا وان وقفہا علی طلبۃ العلم فکل طالب الانتفاع بہا فی محلہا الخ فتاوی شامی مطلب فی نقل کتب الوقف من محلہا

مسجد کی صفیں عیدگاہ میں کب استعمال کر سکتے ہیں:

(سوال ۱۲۵) مسئلہ یہ ہے کہ مسجد کی صفیں عیدگاہ میں استعمال نہیں کر سکتے مگر یہ حیلہ کرنا کہ صفیں عیدگاہ کے لئے خریدی جائیں اور عیدین کے موقع پر عیدگاہ میں استعمال کریں اور بقیہ دنوں میں مسجد میں استعمال کریں تو اس صورت میں وہ صفیں دونوں جگہ استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب عیدگاہ میں صفیں اس نیت سے دی جائیں کہ عیدین کے موقع پر عیدگاہ میں استعمال ہو اور بقیہ دنوں میں مسجد میں تو مضائقہ نہیں، اسی طرح مسجد میں دیتے وقت یہ کہا جائے کہ عید کے موقع پر عیدگاہ میں استعمال کی جائے تب بھی حرج نہیں۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

پگڑی کی رقم مسجد کی تعمیر میں خرچ کرنا:

(سوال ۱۲۶) بمبئی کی ایک مسجد کی ملکیت ہے اس پر پگڑی کی رقم ملی ہے اس رقم کو مسجد کے تعمیری کاموں میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ پگڑی کی یہ رقم ہندو کرایہ دار، رافضی اور سنی مسلمانوں سے ملی ہے، مسجد شہید کر دی گئی ہے اس کی از سر نو تعمیر ہو رہی ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) پگڑی کی رقم بظاہر کسی شرعی عقد سے حاصل نہیں ہوتی لہذا اس کا استعمال مسجد میں درست نہیں اس لئے اس کو مسجد کے لئے قبول نہ کیا جائے اگر ان کو دینا ہی ہے اور مسجد کو ضرورت بھی ہے تو وہ کسی غیر مسلم سے قرض لے کر متولی کو ہبہ کر دے (اور پگڑی کی رقم سے قرض ادا کر دے) اور متولی اپنی طرف سے مسجد میں استعمال کرے تو گنجائش نکل سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جوتے پہن کر جماعت خانہ میں داخل ہونا:

(سوال ۱۲۷) بمبئی کی ایک مسجد کا تعمیری کام جاری ہے، جماعت خانہ میں سلیپ (چھت) بھر دیا گیا ہے، اس وقت جماعت خانہ میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جاتی ہے، نمازی حضرات مستعمل چپل پہن کر جماعت خانہ کے اندر آ جاتے ہیں کہتے ہیں کہ راستہ میں ریتی وغیرہ ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ چپل پہن کر جماعت خانہ میں جا سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں مسجد کی بے ادبی ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کی عمارت منہدم کرنے کے بعد مسجد کی جگہ کا احترام ویسا ہی ضروری ہے جیسے پہلے تھا، جوتے اور چپل اگر نئے اور پاک ہوں تو مضائقہ نہیں لیکن مقام ادب میں جوتے اتار دینا ادب کا مقتضی ہے آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو قبروں کے درمیان جوتے پہن کر جوتے ہوئے دیکھا تو فرمایا اذا کنت فی مثل ھذا المکان فاخلع نعلیک تفسیر قرطبی تحت قولہ فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی، سورۃ طہٰ یعنی

---

(۱) ان یحصون جاز ھذا الشرط مبنی علی ما ذکرہ شمس الائمۃ من الضابط وھو انہ اذا ذکر للواقف مصرفا لابدان یکون فھم تنصیص علی الحاجۃ حقیقۃ کالفقراء او استعمالا بین الناس کالیتامی والزمنی لأن الغالب فیھم الفقر فیصح للاغنیاء والفقراء فان کانوا یحصون والا فللفقراھم. فقط. شامی کتاب الوقف مطلب متی ذکر للوقف مصرف لابد ان یکون فیھم تنصیص علی الحاجۃ ج۳ ص ۵۱۹.

جب تم ایسی جگہ سے گذرو جس کا احترام مطلوب ہے تو اپنے جوتے اتار دیا کرو لہذا بلا ضرورت پاک جوتے پہن کر بھی شرعی مسجد میں داخل ہونے کی عادت مناسب نہیں تو مستعمل اور مشتبہ جوتے (جو بیت الخلاء جانے میں بھی استعمال کئے جاتے ہیں) پہن کر مسجد شرعی میں داخل ہونا کیسے گوارہ کیا جا سکتا ہے، متولی صاحب کو چاہئے کہ حوض سے لے کر جماعت خانہ تک گودڑی (ٹاٹ، پائیدان) بچھائے رکھیں تاکہ مسجد بے ادبی سے محفوظ رہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۱۰ رجب المرجب ۱۴۰۰ھ۔

مسجد میں برقی پنکھے لگانا:

(سوال ۱۲۸) بعد سلام مسنون وادائے آداب گذارش ہے کہ حسب ذیل سوال کے متعلق جواب مطلوب ہے۔

ہمارے محلّہ کی مسجد کا رقبہ ۲۶ فٹ لمبا اور ۱۶ فٹ چوڑا ہے جس میں تین صفیں ہوتی ہیں، مسجد میں پانچ پنکھے لگے ہوئے ہیں۔ تکبیر اولیٰ کے وقت عموماً بارہ تیرہ مقتدی ہوتے ہیں، جماعت پوری ہوتے ہوتے ڈھائی صف ہوجاتی ہے چند بزرگوار عمر رسیدہ مقتدی پابندی سے تکبیر اولیٰ سے ہی جماعت میں شریک ہوتے ہیں، ان کو کسی بھی موسم میں پنکھے کی ہوا موافق نہیں آتی، گھٹنے اور دیگر اعضاء میں درد شروع ہوجاتا ہے اور مسجد کے متولی صاحب ان کی تکلیف دور کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے نہ پنکھا بند کرواتے ہیں اور نہ ہی آہستہ چلانے کی ہدایت کرتے ہیں اور جب ان کو اس طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو جواب دیتے ہیں کہ ایسے لوگ بہت کم ہیں دو تین افراد کی رعایت کی جائے یا زیادہ کی؟ آپ جواب عنایت فرمائیں کہ مسجد میں پنکھا لگانا کیسا ہے؟ اور ان معذورین کی رعایت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) وہوالموفق للصواب:۔ مسجد میں پنکھے لگانے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، آٹھویں صدی کے علمائے کرام وصلحائے عظام کے سامنے جب یہ مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے اس کی مخالفت کی اور اس کے بدعت شرعی ہونے کا حکم لگایا، چنانچہ علامہ ابن الحاج متوفی ۷۳۷ھ تحریر فرماتے ہیں۔

وقد منع علماء رحمهم الله المراويح ان اتخاذها في المساجد بدعة یعنی ہمارے زمانہ (آٹھویں صدی ہجری) کے علماء مساجد میں پنکھا لگانے کو ایک قسم کی بدعت فرماتے ہیں اور منع کرتے ہیں (کتاب المدخل ج ۱ ص ۱۷ ج ۹ ص ۴۹)

حضرت علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ متوفی ۱۳۰۴ھ ارشاد فرماتے ہیں۔ ''مسجد میں پنکھا فرشی لگانا فی نفسہ مباح ہے کوئی ممانعت شرعیہ اس میں نہیں ہے اور نہ کوئی روایت فقہیہ معتبرہ اس میں نظر سے گذری..... الی قول..... البتہ بدعت لغویہ اور بدعت مباحہ ہے، پس بلحاظ کمال اتباع سلف صالحین ترک اس کا اولیٰ ہوگا اور ارتکاب اس کا موجب ضلالت یا کراہت نہیں ہوسکتا (مجموعہ فتاویٰ ج ۱ ص ۱۱۳)

مولانا موصوف کے نزدیک بدعت شرعیہ تو نہیں ہے مگر خلاف اولیٰ ہونا مصرح ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان فرماتے ہیں:۔

مسجد میں برقی (الیکٹرک) پنکھا لگانا جائز ہے لیکن ابن الحاج نے مدخل میں اس کو بھی ایک درجہ کی بدعت

فرمایا ہے کیونکہ زمانہ سلف صالحین میں اس کا دستور نہ تھا، انتہی مولانا عبدالحئی لکھنوی نے اپنے فتاوی میں فرمایا ہے کہ اگر چہ اس کے بدعت شرعیہ ہونے میں تامل ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ ترک ہی افضل ہے اور اس میں سلف کا پورا اتباع ہے۔(منیۃ الساجد فی اداب المساجد ص ۲۰)

مندرجہ بالا بزرگوں کی عبارات سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ مسجد میں پنکھا لگانا اور اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے (مگر نہ ہونا اولیٰ ہے) یہ حکم بھی اس صورت میں ہے کہ پنکھا ایسا آہستہ چلایا جائے کہ کسی نمازی کو تکلیف نہ پہنچے، آہستہ چلانا بھی مضر اور باعث تکلیف ہو اور ضعفاء و معذورین ادھر ادھر بھاگتے پھریں اور صف چھوڑ کر الگ کھڑے ہونے پر مجبور ہوں اور فضیلت کی جگہ (قرب امام) سے محروم رہیں تو پنکھا لگانا اور چلانا کسی کے نزدیک بھی پسندیدہ نہیں ہوسکتا، بلکہ ممنوع قرار پائے گا۔

شریعت نے ہمیشہ مریضوں، ضعفاء، معذورین اور حاجت مند حضرات کا پورا لحاظ رکھا ہے اگر چہ وہ کم ہوں، چنانچہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول مقبول ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کی کہ فلاں امام صاحب کی نماز میں طویل قرأت پڑھتے ہیں اس لئے میں جماعت سے محروم رہتا ہوں، راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ بہت خفا ہوئے، نصیحت کرتے وقت کبھی میں نے آپ کو اس قدر غضب ناک نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا **ان منکم منفرین فایکم ماصلی بالناس فلیتجوز فان فیھم الضعیف والکبیر وذاالحاجۃ** . یعنی تم میں سے بعض نفرت دلانے والے ہیں، جو بھی نماز پڑھائے تو وہ مختصر پڑھائے اس لئے کہ نمازیوں میں ضعیف، بوڑھے اور حاجت مند بھی ہوتے ہیں (اور ان کی رعایت ضروری ہے (بخاری شریف ج ا ص ۹۷ پ ۳ باب تخفیف الامام فی القیام واتمام الرکوع والسجود)(مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۱)

ظاہر ہے کہ جماعت میں بیمار، ضعیف اور حاجت مند نسبۃً کم ہی ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی رعایت کرنے کا حکم ہو رہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کم یا زیادہ کا سوال نہیں ہے، کمزوروں، بیماروں اور معذوروں کی رعایت ضروری اور مقدم ہے، خواہ وہ کم ہی ہوں۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت معاذؓ نے اپنی قوم کو عشاء کی نماز پڑھائی اور قرأت لمبی پڑھی ایک مقتدی نے نماز توڑ دی اور تنہا پڑھ کر چلے گئے۔ لوگوں نے کہا وہ منافق تو نہیں ہو گئے؟ اس شخص نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ہم مزدور پیشہ لوگ ہیں دن میں محنت کا کام کرتے ہیں حضرت معاذؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا" **یا معاذ افتان انت** " اے معاذ کیا تم فتنہ انگیزی کرتے ہو؟ **والشمس وضحھا والضحی واللیل اذا یغشی. سبح اسم ربک الاعلیٰ** (جیسی) سورتیں پڑھا کرو، **متفق علیہ** (مشکوٰۃ شریف ص ۹۷ باب القراۃ)

غور کیجئے! مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں صرف ایک شخص کی شکایت تھی اور بقیہ سب نمازی مطمئن تھے، لیکن صرف ایک شخص کی تکلیف کا خیال فرما کر عام حکم صادر فرمایا کہ ضعیفوں، کمزوروں اور معذوروں کی رعایت کی جائے، لہٰذا پنکھے کی ہوا جن کو مضر ہے وہ خواہ کتنے ہی کم ہوں ان کی تکلیف کا خیال کیا جائے۔ مزید یہ حدیث ملاحظہ

کیجئے ۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ جب رسول مقبول ﷺ نماز میں کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتے تو نماز مختصر کر دیتے (اس خیال سے کہ) اس کی ماں نماز میں ہوگی تو اس کا دل نماز میں نہ لگے گا اور پریشانی ہوگی (مشکوٰۃ شریف ص ۱۶ باب ما علی الامام) غور کیجئے بصرف احتمال ہے کہ بچہ کی ماں نماز میں ہوگی مگر پھر بھی رسول اللہ ﷺ ایک نمازی کے خاطر نماز مختصر فرما دیتے ہیں اس کے برخلاف ہمارے زمانہ کی حالت یہ ہے کہ جوانوں اور پنکھے کے شائقین لوگوں کا خیال تو کیا جاتا ہے مگر بوڑھوں و بیماروں کی شکایت کو خاطر میں نہیں لاتے ۔ یہ بات بعید از انصاف ہے ۔

مسجد خالص عبادات اور خصوصاً نماز با جماعت کے لئے ہے لہذا جو چیز اس کی ادائیگی میں اور خشوع و خضوع کے لئے مخل ہو اس کا تدارک کرنا ضروری ہے ۔ جن حضرات کو پنکھا مضر ہے وہ اطمینان اور سکون، خشوع و خضوع سے محروم ہوں گے بعض لوگوں نے پنکھے کو گویا مدار فضیلت سمجھ رکھا ہے، جہاں پنکھا ہو اس جگہ نماز پڑھنا پسند کرتے ہیں چاہے امام سے دور ہی ہو جائیں حالانکہ حدیث میں ہے کہ جو نمازی امام کے پیچھے محاذ میں (مقابل میں) کھڑا ہو اس کے لئے سو ۱۰۰ نمازیں لکھی جاتی ہیں اور جو نمازی اس کے داہنے جانب کھڑا ہو اس کے لئے پچھتر ۷۵ نمازیں لکھی جاتی ہیں اور جو اس کے بائیں جانب کھڑا ہو اس کے لئے پچاس نمازیں لکھی جاتی ہیں، اور باقی نمازیوں کے لئے پچیس ۲۵ نمازیں لکھی جاتی ہیں ۔ (مجالس الابرار ص ۳۱۹ مجلس نمبر ۴۷)

اس فضیلت کے حصول سے معذورین محروم رہتے ہیں اور اگر اس جگہ پنکھا نہ چلتا ہو تو پنکھے کے دلدادہ اس جگہ کھڑے نہیں رہتے بلکہ پنکھے کی جگہ کو پسند کرتے ہیں اور پنکھے کے نیچے کھڑے رہنے کے لئے تکبیر اولیٰ کو بھی چھوڑ دیتے ہیں افسوس

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔ "بدعت دفعۃً نہیں آتی اسی طرح آہستہ آہستہ آتی ہے اہل فہم پہلے سے سمجھ جاتے ہیں اور روک دیتے ہیں دوسرے لوگ بعد میں متنبہ ہوتے ہیں (الورد الشذی علی جامع الترمذی ص ۷۰)

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور الله . یعنی مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ بے شک وہ اللہ کے نور سے دیکھ لیتے ہیں ۔

الحاصل :۔ مسجد میں پنکھا لگانا اور اس سے نمازیوں کا متمتع ہونا فی نفسہ جائز ہے لیکن اس میں چند خرابیاں پیدا کر لی گئی ہیں ۔

(۱) بہت تیز چلایا جاتا ہے اور اس کی آواز کی گونج پوری مسجد میں پھیل جاتی ہے حتی کہ امام کی قرأت اور خطبہ پر دباؤ پڑتا ہے، صاف طور پر سنا نہیں جاتا ۔

(۲) معذورین کی رعایت نہیں کی جاتی وہ بھاگتے پھرتے ہیں ۔ اور کہا جاتا ہے کہ معذورین اقل (کم) ہیں اور پسند کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے اس وجہ سے معذورین صف سے الگ کھڑے ہونے پر مجبور ہو جاتے ہیں ۔

(۳) پنکھے کی وجہ سے معذورین فضیلت کی جگہ حاصل کرنے سے محروم رہتے ہیں یا عوام پنکھے کے دلدادہ فضیلت کی جگہ قصداً چھوڑ دیتے ہیں ۔ ان وجوبات شرعیہ کی بنا پر بمفحوائے اثمهما اکبر من نفعهما اس سے

احتراز چاہئے، یا پھر معذورین کی شکایت کا تدارک کرنا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مرد کے ہوتے ہوئے عورت مسجد کی صفائی کر سکتی ہے یا نہیں

(سوال ۱۲۹) مسجد کی صفائی مرد کرے یا عورت؟ مرد کے ہوتے ہوئے عورت کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بے پردگی وغیرہ کوئی قباحت نہ ہو تو عورت مسجد کی صفائی کی سعادت حاصل کر سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۵ شعبان المعظم ۱۴۰۶ھ۔

مسجد، عیدگاہ اور دیگر کار خیر میں استعمال کی نیت سے مسجد میں صفیں دینا:

(سوال ۱۳۰) ایک شخص اس نیت سے صفیں مسجد میں دیتا ہے کہ یہ صفیں مسجد میں استعمال کی جائیں اور بوقت ضرورت عیدگاہ اور دوسرے کار خیر میں بھی استعمال کی جائیں تو اس طرح نیت کر کے مسجد میں صفیں دینا کیسا ہے؟ اور اس نیت سے دینے کے بعد وہ صفیں مسجد اور عیدگاہ دیگر امور خیر میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) واقف کی نیت کے بموجب وہ صفیں مسجد اور عیدگاہ اور تبلیغی اجتماعات کے موقع پر نماز پڑھنے کے لئے استعمال کر سکتے ہیں، بالکل ہی عام کر دینا مناسب نہیں ہے، نماز کے لئے محدود رکھا جائے۔ (حوالہ اسی باب میں مسجد کی صفیں عیدگاہ میں کب استعمال کر سکتے ہیں کے عنوان کے تحت دیکھیں۔ مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۰ ذیقعدہ ۱۴۰۱ھ۔

صحن مسجد میں اور مسجد کے شمالی وجنوبی حصہ میں دوکانیں بنانا:

(سوال ۱۳۱) ہماری مسجد بہت پرانی ہے اس کو شہید کر کے دوبارہ تعمیر کرانا چاہتے ہیں، مسجد میں ایک جماعت خانہ اور اس کے متصل ایک صحن ہے پنجوقتہ نماز میں صرف جماعت خانہ میں مقتدی ہوتے ہیں، مگر جمعہ میں اور بڑی راتوں میں صحن میں بھی نمازی ہوتے ہیں۔ مسجد کے شمالی حصہ میں کنواں اور غسل خانے ہیں اور جنوب میں حوض اور پیشاب خانے ہیں، اب جدید تعمیر میں مسجد کی آمدنی کی نیت سے کچھ دوکانیں بنانے کا پروگرام اس کی نوعیت اس طرح ہوگی۔

جماعت خانہ اپنی اصلی حالت پر رہے گا، صحن کو مختصر کر کے اس میں دو دوکانیں اور شمالی حصہ میں کنواں اور غسل خانے ختم کر کے وہاں دو دوکانیں اور جانب جنوب میں پیشاب خانوں کی جگہ تین دکانیں بنانے کا پلان ہے، حوض کافی وسیع ہے اسے پر کر کے اس کی کچھ جگہ میں غسل خانے اور پیشاب خانے اور کچھ جگہ میں وضو خانہ بنانے کا پلان ہے۔ اب دریافت طلب امور یہ ہے۔

(۱) اس میں دوکانیں بنانا کیسا ہے؟ (۲) کنواں اور غسلخانہ کی جگہ میں جو خارج مسجد ہے دوکانیں بنانا کیسا ہے (۳) حوض کو پر کر کے اس جگہ پر غسل خانے پیشاب خانہ۔ اور وضو خانہ بنانا کیسا ہے؟ (۴) یہ مسجد غیر مسلم علاقہ میں ہے تو یہ دوکانیں مسجد کی آمدنی کی نیت سے غیر مسلموں کو کرایہ پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صحن میں دو احتمال ہیں (۱) داخل مسجد ہے (۲) خارج مسجد ہے اور جب یہ قطعی اور یقینی طور پر معلوم نہ ہو کہ یہ صحن خارج مسجد ہے تو اس کو احتیاطاً داخل مسجد ہی سمجھا جائے گا اور اس کا داخل مسجد جیسا احترام کرنا ہوگا۔ اگر ثابت

ہوجائے کہ یہ صحن خارج مسجد ہے یعنی شرعی مسجد میں شامل نہیں ہے تو اس کا حکم فناء مسجد کا ہوگا اور فناء مسجد میں دکان بنانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے، بلکہ ممنوع ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے قيم المسجد لا يجوز له ان يبني حوانيت في حد المسجد اوفي فنائه لان المسجد اذا جعل حانوتا ومسكنا تسقط حرمته وهذا لا يجوز والفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد كذا في محيط السرخسي (فتاوى عالمگیری ج۳ ص ۲۲۱ الفصل الثاني في الوقف على المسجد الخ) اور بحر الرائق میں ہے وفي المجتبى لا يجوز لقيم المسجد ان يبني حوانيت في حد المسجد او فنائه (البحر الرائق ج۵ ص ۲۴۹ كتاب الوقف فصل في احكام المسجد تحت قوله ومن بنى مسجدا الخ)

(۲) نمازیوں کو تکلیف نہ ہو (لیونڈ، ٹوائلٹ اور غسل خانہ ضروری چیزیں ہیں) اور دوکان بننے سے احترام مسجد میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو بنانا درست ہے ورنہ ممنوع ہوگا۔

(۳) وضو خانہ کا انتظام خاطر خواہ طریقہ پر ہوجائے تو اس جگہ غسل خانے اور پیشاب خانے بنانے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ مسجد کے احترام میں خلل نہ آئے۔

(۴) غیر مسلم کرایہ دار ہوں تو نمازیوں کو بہت کچھ برداشت کرنا پڑے گا اور مسجد کا احترام بھی خطرہ میں پڑے گا، زور زور سے ریڈیو بجے گا، گانا ہوگا، اور محلہ میں مسلمان آباد نہیں ہیں تو یہ مسجد سادگی کے ساتھ کم خرچ سے بنائی جائے تاکہ بے ادبی سے محفوظ ہو جائے اور بوقت ضرورت جمعہ وغیرہ میں استعمال کی جائے یا پانچوں وقت اذان اور نماز باجماعت کم از کم تین نمازیوں کی ہو جایا کرے ایسا انتظام کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

منارہ بنانا کیسا ہے:

(سوال ۱۳۲) مسجد تعمیر ہورہی ہے، منارہ بنانے کا بھی ارادہ ہے۔ منارہ بنانا کیسا ہے؟ کیا آنحضور ﷺ کے مبارک زمانہ میں منارہ تھا؟ یہ بدعت تو نہیں ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بے شک آنحضور ﷺ کے مبارک زمانہ مسجد کے منارہ کی یہ شکل نہ تھی جو آج ہے، لیکن اذان بلند جگہ سے دی جاتی تھی ابوداؤد شریف میں بنونجار کی ایک صحابیہ عورت رضی اللہ عنہا کا بیان منقول ہے كان بيتي من اطول بيت كان حول المسجد فكان بلال يؤذن عليه الفجر الخ یعنی میرا مکان مسجد نبوی سے قریب تھا اور دوسرے مکانوں کی بہ نسبت طویل اور بلند تھا جس پر چڑھ کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے تھے۔ (ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۸۴ باب الاذان فوق المنارة) اس سے ثابت ہوا کہ اذان کے لئے بلند جگہ شرعاً مطلوب ہے لہذا جہاں ضرورت ہو منارہ کے بغیر محلہ میں اذان کی آواز نہ پہنچتی ہو تو اس کا بنانا جائز ہے، بدعت نہیں ہے، مگر منارہ بنانے میں نام ونمود مقصود نہ ہو اور ضرورت سے زیادہ بلند نہ ہو، فتاویٰ عالمگیری میں ہے واما بناء منارة المسجد من غلات المسجد بان يكون اسمع للقوم فلا بأس به وان لم يكن مصلحته لا يجوز بان يسمع كل اهل المسجد الاذان بغير منارة كذا في التمرتاشي یعنی منارہ بنانے میں شرعی مصلحت ہو اور منارہ کے بغیر محلہ میں اذان کی آواز نہ پہنچتی ہو تو منارہ مسجد کے وقف سے بنا سکتے ہیں اور اگر مصلحت نہ ہو اور منارہ کے بغیر آواز

پہنچتی ہوتو جائز نہیں (فتاویٰ عالمگیری ج ۶ ص ۳۱۵ کتاب الکراہیۃ ، الباب الخامس) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جماعت خانہ میں لعاب دانی رکھنا کیسا ہے :

(سوال ۱۳۳) ہماری مسجد میں لعاب دانی (تھوک دانی) رکھی جاتی ہے اور نمازی اس کا استعمال کرتے ہیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) لعاب دانی (اگالدان) صبح وشام وقتاً فوقتاً صاف کی جاتی ہو بدبو دار نہ رہتی ہو تو مسجد میں رکھ سکتے ہیں ، ورنہ اجازت نہ ہوگی ، مجبوری کے وقت ہی استعمال کی جائے ۔ مجبوری نہ ہوتو باہر جا کر تھوکنا چاہئے یا رومال میں تھوک لینا چاہئے ، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد میں چھوٹے بچوں کو لانا :

(سوال ۱۳۴) ہمارے یہاں بعض مصلی اپنے ساتھ چھوٹے بچوں کو مسجد میں لاتے ہیں اور جماعت خانہ میں بٹھاتے ہیں وہ بچے کبھی روتے ہیں کبھی شرارت کرتے ہیں اور گاہے پیشاب بھی کر دیتے ہیں ان کو کہا جاتا ہے کہ بچوں کو اپنے ساتھ نہ لاؤ اس سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے مگر وہ نہیں مانتے ، ان کی سمجھ میں آجائے ایسا جواب تحریر فرمائیں ۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد میں چھوٹے بچوں کو لانے کی اجازت نہیں ، مسجد کا ادب واحترام باقی نہ رہے گا اور لانے والے کو بھی اطمینان قلب نہ رہے گا ، نماز میں کھڑے ہوں گے مگر خشوع وخضوع نہ ہوگا ، بچوں کی طرف دل لگا رہے گا ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے **جنبوا مساجد کم صبیا نکم ومجانینکم الخ** اپنی مسجدوں کو بچوں اور پاگلوں سے بچاؤ (ابن ماجہ ص ۵۵ باب ما یکرہ فی المساجد)

اسی لئے فقہاء رحمہم اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ مسجد میں بچوں کو داخل کرنا اگر اس سے مسجد کے نجس ہونے کا اندیشہ ہوتو حرام ہے ورنہ مکروہ ہے ، الاشباہ والنظائر میں ہے **ومنہا حرمۃ ادخال الصبیان والمجانین حیث غلب تنجیسھم والا فیکرہ (الاشباہ ص ۵۵۷ القول فی احکام المسجد)** ہاں اگر بچہ سمجھدار ہو نماز پڑھتا ہو مسجد کے ادب واحترام کا پاس ولحاظ رکھتا ہو تو کوئی حرج نہیں ہے ، غالباً اسی بناء پر سات برس کی قید حدیث میں موجود ہے ۔ وہ نابالغ بچوں کی صف میں کھڑا ہے ، اگر صرف ایک ہی بچہ ہوتو وہ بالغوں کی صف میں کھڑا ہو سکتا ہے مکروہ نہیں ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تبلیغی جماعت والوں کا مسجد میں سونا اور مقامی لوگوں کا ایک رات شب باشی کرنا :

(سوال ۱۳۵) ممباسا اور ایسٹ افریقہ کے شہروں میں نو دس برس سے تبلیغی جماعت والے آتے ہیں وہ لوگ مساجد میں قیام کرتے ہیں ، مسجد کے صحن اور حجرہ میں کھاتے ہیں ، مسجد میں شب باشی کرتے ہیں ، شہر میں ایک مسجد کو مرکز بناتے ہیں جہاں ہفتہ میں ایک رات مقامی لوگ شب باشی کرتے ہیں ، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ تعیین بدعت نہیں کہلائے گی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) تبلیغی جماعت والے اگر مسافر ہیں، اور مسجد کی صفائی ادب واحترام کا لحاظ کرتے ہیں تو سونے کی گنجائش ہے، باہر جگہ ہو تو وہاں سونا اور وہیں کھانا پینا اچھا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے **و لا باس للغریب و لصاحب الدار ان ینام فی المسجد فی الصحیح من المذهب والا حسن ان یتورع فلا ینام کذا فی خزانة الفتاوی.** یعنی۔ بربنائے صحیح مذہب مسافر اور مقیم کے لئے مسجد میں سونے کی گنجائش ہے، اور بہتر یہ ہے کہ اس سے اجتناب کرے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۶ ص ۲۱۵ کتاب الکراہیۃ، الباب الخامس)

اگر مسافر نہیں ہیں لیکن مسجد میں عبادت اور اعتکاف کی نیت سے کچھ وقت گزاریں تو ان کے لئے بھی کھانے پینے اور سونے کی اجازت ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے **ویکره النوم والا کل فیه لغیر المعتکف واذا اراد ان یفعل ذلک ینبغی ان ینوی الا عتکاف فید خل فیه ویذکر الله تعالیٰ بقدر مانویٰ اویصلی ثم یفعل ماشاء کذا فی السراجیة.** یعنی۔ غیر معتکف کا مسجد میں سونا اور کھانا مکروہ ہے اور جب مسجد میں ان کاموں کے کرنے کی ضرورت ہو تو مناسب یہ ہے کہ اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں داخل ہو، اور نیت کے مطابق اللہ کا ذکر کرے، نماز پڑھے پھر جس کام کا ارادہ ہو کرے (فتاویٰ عالمگیری ج ۶ ص ۲۱۵ حوالہ بالا)

رہا شب گذاری کا مسئلہ: تو ان کا مقصد لوگوں کو گھر کے ماحول سے نکال کر دینی فضا اور اچھے ماحول میں لاکر دینی تعلیم اور تبلیغ کے لئے تیار کرنا ہے اس کا لحاظ کر کے دن اور وقت متعین کیا جاتا ہے جیسا کہ مدرسہ میں تعلیم کے لئے، اور خانقاہوں میں تربیت کے لئے وقت مقرر ہوتا ہے، یہ تقرر سہولت کے لئے ہے نہ فضیلت کے خاطر لہذا یہ منع نہیں ہے تاہم وقت اور دن میں تبدیلی کرتے رہا کریں جس سے عوام میں غلط فہمی نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گاؤں کی مسجد میں رقم دینے کا وعدہ کر کے انکار کرنا:

(سوال ۱۳۶) ایک شخص نے اپنے گاؤں کی غریب مسجد کی مرمت اور درستگی کے لئے کچھ رقم دینے کا وعدہ کیا پھر اس کا کسی سے خانگی جھگڑا ہوا اس بنا پر اس نے رقم دینے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور کہتا ہے کہ لوگ قدر دان نہیں ہیں، اور اب دوسرے گاؤں کی مسجد میں خرچ کرنا چاہتا ہے تو یہ کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) گاؤں کی مسجد بوسیدہ حالت میں ہے اصلاح و مرمت کے قابل ہے اور خدا کے گھر کی درستگی کا وعدہ کر چکا ہے اس بنا پر یہ مسجد زیادہ حقدار ہے لہذا وعدہ پر قائم رہ کر اسی مسجد میں رقم دینی چاہئے بستی والے قدر کریں یا نہ کریں خدا تعالیٰ تو قدر دان ہے اور وہ اجر عظیم اور ثواب جاریہ کا اجر جزیل عطا فرمانے والا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) مسجد کی زمین کس کو کرایہ پر دینا بہتر ہے؟ (۲) مسجد کی آمدنی کی کوئی حد متعین ہے:

(سوال ۱۳۷) مسجد کی ایک زمین ہے جماعت والے اسے ماہانہ دوسو روپے کرایہ پر مانگ رہے ہیں اور دوسرے لوگ تین سو روپے ماہانہ دینے کے لئے تیار ہیں تو کس کو کرایہ پر دی جائے؟

(۲) مسجد کی آمدنی کس حد تک بڑھائی جا سکتی ہے؟ کیا اس کا کوئی نشانہ مقرر ہے کہ اس حد تک آمدنی کی جائے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسجد کو زیادہ آمدنی کی ضرورت نہیں ہے، جواب عنایت فرمائیں بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) مسجد کی زمین کرایہ پر دینا ہے تو اس کی خوب تشہیر کی جائے اور مساجد میں اعلان لگا دیا جائے ”فلاں

زمین جو فلاں جگہ واقع ہے فلاں مسجد اس کی مالک ہے اس کو کرایہ پر دینا ہے پھر جو زیادہ کرایہ دے (بشرطیکہ زمین خطرہ میں نہ پڑے) ایسے شخص کو دی جائے، مسلمانوں کو چاہئے کہ بڑھ چڑھ کر کرایہ کا معاملہ کریں کہ مسجد کو فائدہ پہنچانا ہے جو موجب اجر و ثواب ہے۔ فقط۔

(۲) مسجد کو مرمت کی ضرورت ہوتی ہے کبھی تجدید مسجد کی نوبت آجاتی ہے اس لئے جس قدر زیادہ آمدنی ہو بہتر ہے، امام اور مؤذن اور مسجد کی صفائی کے لئے جو خادم ہوں ان سب کو معقول تنخواہ دی جاسکے کہ اس زمانہ کی قاتل گرانی میں اطمینان سے گذر ہو سکے، بہر حال مسجد کا جس میں مفاد زیادہ ہو اس پر اہل محلہ کے ذمہ داران کے مشورہ سے اور اتفاق سے کام کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نئی تعمیر میں متولیوں نے جماعت خانہ کے کچھ حصہ میں دکان بنادی تو کیا حکم ہے:

(سوال ۱۳۸) ایک پرانی مسجد جس کو شہید کر کے از سر نو بنایا گیا ہے متولیوں نے مسجد کی آمدنی کے لئے جماعت خانہ کے کچھ حصہ میں دو کانیں بنادیں تعمیری کام مکمل ہو چکا ہے، اہل علم اس کی مخالفت کر رہے ہیں کہ آمدنی کے لئے جماعت خانہ کا حصہ الگ نہیں کیا جا سکتا ہے، متولی حضرات پریشان ہیں کہ اب کیا کریں اگر اس حصہ کو دوبارہ جماعت خانہ میں شامل کیا جائے تو کافی نقصان ہوگا، دیوار توڑنا ہوگی، محراب اپنی جگہ سے ہٹانی پڑے گی، شاید اس پر متولی حضرات آمادہ نہ ہوں، تحریر فرمائیں کہ ان کا یہ فعل از روئے شریعت صحیح ہوا یا نہیں؟ اگر متولیوں نے غلطی کی ہو تو اب اس حصہ کو کسی اور کام میں استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ کہ جس سے دوبارہ نقصان نہ ہو۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب سے مسجد بنائی گئی ہے اسی وقت سے یہ جگہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، وہ جگہ تحت الثریٰ تک اور اوپر آسمان تک مسجد کے حکم میں ہے، لہذا مسجد کے نیچے کا حصہ بھی مسجد کے حکم میں ہے اس لئے مسجد کے نیچے کے حصہ میں بھی مسجد کی آمدنی کے لئے دکان اور مکان بنانا درست نہیں ہے تو خود مسجد کے حصہ میں جہاں سالہا سال نماز پڑھی گئی دو دکان بنانا کیسے درست ہو سکتا ہے؟[1] یہ فعل حرام اور کبیرہ گناہ ہے، لہذا دیوار توڑ کر اس حصہ کو داخل کرنا ضروری ہے، خرچ کے ذمہ دار وہ متولی ہیں جنہوں نے بلا تحقیق ایسی حرکت کی ہے۔ اگر ان کی مالی حالت اچھی نہیں ہے تو چندہ کر کے یہ کام کیا جائے خالی رکھنا بھی خلاف ادب و خلاف احترام ہے اور آگے چل کر بے حرمتی کا قوی اندیشہ ہے دوسری محراب بنانے کی ضرورت نہیں ہے، مسجد کے وسط میں محراب جیسا نقشہ بنا لیا جائے اور امام وہاں کھڑا ہوتا کہ دونوں جانب نمازی برابر رہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کے قریب کار پارکنگ بنانے میں سود کی رقم استعمال کرنا:

(سوال ۱۳۹) ہمارے یہاں مسجد بنانے کا پروگرام ہے یہاں کے قانون کے مطابق کار پارکنگ (موٹروں کو توثیق طریقہ سے رکھنے کی جگہ) ہونا لازمی ہے، یہ جگہ درکار ہوتی ہے اور قانون کے مطابق یہ جگہ پختہ سڑک کی طرح بنانا لازم ہوتی ہے، اس کے بغیر مسجد بنانے کی اجازت نہیں ملتی مسجد کے پیسے جو بینک میں جمع کئے جاتے ہیں اور اس پر جو سود ملتا

---

(۱) فرع لو بنا فوقه بيتا للامام لايضر لأنه من المصالح اما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع ، درمختار مع شامي كتاب الوقف، قبيل مطلب فيما لو خرب المسجد وغيره

ہے وہ سودی رقم یہ کار پارکنگ بنانے میں استعمال کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح دوسری ضروریات میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً قبرستان کی زمین خریدنے میں، بینوا توجروا۔ (از کنیڈا)

(الجواب) صورت مسئولہ میں نمازیوں کی کار رکھنے کی جگہ لازمی ہے تو مالدار حضرات یہ کام اپنی حلال کمائی سے کر سکتے ہیں اور کرنا چاہئے، اگر واقعی مجبوری ہو اور بلا بینک کے سود کے بنانا ممکن نہ ہو تو پھر گنجائش ہے، جس قبرستان میں اپنے مردے دفن ہوں گے خود بھی دفن ہوں گے اس کے خریدنے میں سود کی رقم استعمال کرنے کی اجازت نہیں، مجبوری ہو تو کمپاؤنڈ بنانے میں استعمال کرنے کی گنجائش ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مساجد، مدارس عبادت گاہوں کا بیمہ اتارنا:

(سوال ۱۴۰) ہمارے یہاں مساجد و مدارس کے لائن سے جتنی بھی عمارتیں یا عبادت گاہیں ہیں وہ حکومت کے رجسٹر میں وقف کے نام سے نہیں بلکہ ہر شہر یا بستی کے باشندوں کے نمائندہ جماعت یا ٹرسٹ کے نام سے رجسٹر کرائی جاتی ہے۔ یہ ہے حقیقت ہمارے یہاں کی مساجد و مدارس کی۔ یہاں عیسائیوں کی حکومت ہے، ملک میں کئی سیاسی پارٹیاں ہیں ان میں ایک پارٹی تشدد پسند ہے، جو لوگ دیگر ممالک سے آکر یہاں آباد ہو گئے ہیں ان کے ساتھ یہ لوگ بہت بدسلوکی کرتے ہیں جب بھی موقع ملتا ہے تو یہ لوگ ان لوگوں کے مکان، دوکان، مذہبی عبادت گاہوں اور مدارس کو نقصان پہنچاتے ہیں، کبھی جلا بھی ڈالتے ہیں، بیٹھے توڑ ڈالتے ہیں۔ ان امور کے پیش نظر۔

(۱) اگر ہم اس دیار غیر میں دینی درس گاہوں، مذہبی عبادت گاہوں اور مساجد کا بیمہ اتارنا چاہیں تو شرعی اعتبار سے یہ جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ مذکورہ بالا تحریر کے مطابق یہاں کی اکثر عبادت گاہیں شرعی مساجد کے حکم میں نہیں ہیں، عبادت گاہیں ہیں۔

(۲) ان عبادت گاہوں کے علاوہ یہاں جو چند شرعی مساجد ہیں ان مساجد کا بھی بیمہ اتار سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (از برطانیہ)

(الجواب) موجودہ اور مسطورہ پریشان حالی میں بیمہ اتارنے کی گنجائش ہے اور اس کا افشا بھی مناسب ہے کہ مخالفین نقصان پہنچانے سے باز رہیں گے کہ ان کو معاوضہ مل جاوے گا تو نقصان پہنچانا بیکار ہوگا مگر جو رقم بیمہ کے ضمن میں ادا کی گئی ہے وہ رقم مسجد، مدرسہ اور عبادت گاہ کی ہوگی، اور زائد رقم غرباء کو تقسیم کرنا ہوگی، اگر ضرور پڑ جائے تو مسجد و مدرسہ اور عبادت گاہوں کی بیت الخلاء، پیشاب خانہ، غسل خانہ میں بھی لگا سکتے ہیں، تنخواہ وغیرہ اچھے کام میں استعمال نہیں کر سکتے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔ یکم جمادی الثانی ۱۴۰۳ھ۔

پٹے سے لی ہوئی زمین پر مسجد بنانا:

(سوال ۱۴۱) ایک قطعۂ زمین حکومت سے پٹے پر لی ہے اس پر مسجد تعمیر کی گئی ہے، متولیوں کو علم ہے کہ جس زمین پر مسجد تعمیر کی گئی ہے وہ ننانوے سال کی مدت ختم ہوتے ہی حکومت بغیر قیمت ادا کئے اپنے قبضہ میں لے سکتی ہے

(۱) یہ جواب قابل غور ہے اس بارے میں علماء سے پوچھ کر عمل کیا جائے، اگر سخت مجبوری کی وجہ سے بیمہ کی اجازت مل جائے تو اصل رقم سے زاید جو رقم ملے اسے مسجد کی تعمیر پر لگانا جائز نہیں ہوگا خواہ وضو خانہ اور لیٹرین کی تعمیر کیوں نہ ہو فقراء پر صدقہ کرنا ہوگا۔

اسی طرح اگر درمیان میں بھی حکومت چاہے تو یہ عمارت خرید سکتی ہے، کیا ایسی زمین پر مسجد بنانا جائز ہے؟ اور اگر مسجد تعمیر ہوئی ہے تو وہ مسجد شرعی شمار ہوگی؟ گو کہ اس میں پنجوقتہ نماز ہورہی ہے۔ بینوا توجروا۔ (از برطانیہ)

(الجواب) جب کہ پٹے کی زمین پر مسجد تعمیر کی گئی ہے حکومت سے خریدی نہیں ہے نہ حکومت نے مسلمانوں کو دی ہے کہ مسلمان اسے وقف کر کے مسجد شرعی بنا لیتے، اور حکومت کو حق حاصل ہے کہ جب چاہے واپس لے لے تو یہ شرعی مسجد نہیں ہے، عبادت خانہ ہے جماعت کا ثواب ملے گا البتہ مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب نہ ملے گا (لیکن چونکہ مجبوری ہے اس لئے مسجد کی ثواب کی امید رکھنی چاہئے)، درمختار میں ہے (ولا یتم) الوقف حتی یقبض ویفرز ویجعل آخرہ لجهة قربة لا تنقطع (درمختار مع الشامی ج۳ ص ۵۰۴ کتب الوقف مطلب فی الکلام علی اشتراط التأبید) فقط واللہ اعلم بالصواب. ۲۳ شوال المکرم ۱۴۰۳ھ

سو سال کے بعد حکومت مسجد توڑ دے گی اس احتمال کے ہوتے ہوئے مسجد کی نیت کرنا:

(سوال ۲۴۱) ہمارے شہر میں دس بارہ سال پہلے ایک گرجا گھر خریدا ہے اور اس کو عبادت خانہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں، ایک ماہ قبل ایک صاحب نسبت مستند عالم تشریف لائے تھے انہوں نے دریافت فرمایا کہ یہ شرعی مسجد ہے؟ تو بتایا گیا کہ ابھی تک اس کو عبادت خانہ کے طور پر استعمال کر رہے ہیں، تو انہوں نے لوگوں کے ذہن کو صاف کیا اور مسجد شرعی کی نیت کرنے کی رغبت دلائی، یہاں لوگوں کے ذہن میں یہ بات ہے کہ حکومت کا قانون یہ ہے کہ مکانات جب سو سال کے ہوجاتے ہیں تو حکومت ان کو گرادیتی ہے اور وہاں کے رہنے والے اس شہر میں دوسری جگہ منتقل ہوجاتے ہیں تو اس وقت اس مسجد کو کون آباد کرے گا اس وجہ سے یہاں اکثر شہروں میں لوگ عبادت خانہ کی نیت کرتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے۔

(۱) موجودہ حالات میں ایسے مکانات میں مسجد شرعی کی نیت کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) مسجد شرعی کی نیت کرنے کے بعد خدانخواستہ اس جگہ کو اگر حکومت نے گرادی یا اس کے اطراف کی بستی منتقل ہوگئی تو مجلس شوریٰ کے اراکین عند اللہ گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ اور لوگوں کا یہ سوچنا کہ آئندہ کون آباد کرے گا شرعی نقطۂ نظر سے صحیح ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ جواب عنایت فرمائیں گے۔ بینوا توجروا۔ (از برطانیہ)

(الجواب) شرعی مسجد کے تحقق کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جگہ ہمیشہ کے لئے مسجد پر وقف ہو، اگر وہ جگہ کچھ مدت کے لئے پٹہ پر (کرایہ پر) لی گئی ہے (یا مالک کی اجازت کے بغیر زمین پر غاصبانہ قبضہ کر کے مسجد بنالی ہے) تو وہ شرعی مسجد نہ ہوگی درمختار میں ہے (ولا یتم) الوقف (حتی یقبض ویفرز و یجعل آخرہ لجهة قربة لا تنقطع (ج۳ ص ۵۰۴ ایضاً) فتاویٰ عالمگیری میں ہے اما ان وقت الامر بالیوم اوالشهر اوالسنة ففی هذا الوجه لا تصیر مسجدا لو مات یورث عنه کذا فی الذخیرة. انتهیٰ (عالمگیری ج۳ ص ۲۳۸ الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به)

آپ کے یہاں یہ صورت ہے "حکومت کا قانون ہے کہ جب مکانات سو سال کے ہوجاتے ہیں تو اس کو حکومت گرادیتی ہے اور وہاں کے رہنے والے شہر میں دوسری جگہ منتقل ہوجاتے ہیں الخ" اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا

ہے کہ مسجد کی زمین نہ پٹہ پر لی ہے اور نہ ملک کی اجازت کے بغیر غصب کی ہے بلکہ باقاعدہ خریدی ہے، البتہ سو سال بعد احتمال ہے کہ حکومت اس کو توڑ ڈالے اور یہ جگہ اپنے قبضہ میں لے لے اور پورے ملک میں عام صورت یہی ہے ہر جگہ یہی احتمال ہے تو سردست اس احتمال کا خیال نہ کیا جائے اور جو جگہ نماز کی نیت سے خریدیں اس میں عبادت خانہ کے بجائے مسجد کی نیت کی جائے کہ ضرورت ہے اور اس ضرورت کی وجہ سے انشاء اللہ اس میں مسجد کا ثواب ملے گا۔

ہدایہ اولین میں ہے وعن ابی یوسف رحمہ اللہ انہ جوز فی الوجھین حین قدم بغداد ورأی ضیق المنازل فکانہ اعتبر الضرورۃ وعن محمد رحمہ اللہ انہ حین دخل الری اجاز ذلک کلہ لما قلنا (ہدایہ اولین ص ۶۲۴، ص ۶۲۵، کتاب الوقف)

سو سال بعد یا جب بھی حکومت بستی کو منتقل کرے تو اس وقت جو لوگ ہوں وہ لوگ مسجد کو اپنے قبضہ میں رکھنے اور آباد رکھنے کی کوشش کریں اور اگر آباد نہ کرسکیں تو حکومت میں درخواست دے کر اس کا احاطہ کر کے محفوظ کرنے کی پوری سعی وکوشش کریں ولو خرب ما حولہ واستغنی عنہ یبقی مسجد اعند الا مام والثانی ابدا الی قیام الساعۃ (وبہ یفتی) حاوی القدسی۔ یعنی اگر اطراف مسجد منہدم اور ویران ہوجائے اور مسجد کی کوئی حاجت نہ رہے تب بھی امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ جگہ ہمیشہ قیام تک مسجد ہی رہے گی اور اسی پر فتویٰ ہے (درمختار ج ۳ ص ۵۱۳ کتاب الوقف مطلب فیما لو خرب المسجد او غیرہ) مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو فتاوی رحیمیہ (جلد نہم از صفحہ ص ۸۴ تا صفحہ ص ۸۷) (وکفایت المفتی ج ۷ ص ۴۲) فقط۔

(۲) مسجد کی نیت کرنے میں امید ہے کہ موجودہ مجلس شوریٰ کے اراکین انشاء اللہ گنہگار نہ ہوں گے (بلکہ نیت خیر کی وجہ سے انشاء اللہ ماجور ہوں گے) آئندہ خدا اس کی حفاظت کرے گا و راس کے آباد ہونے کی شکلیں پیدا کرے گا انشاء اللہ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۵ صفر ۱۴۰۴ھ۔

جماعت خانہ کی دیوار پتلی کر کے اس جگہ اور اسی طرح صحن مسجد میں سے طاق خارج کر کے دوکان بنانا:

(سوال ۱۴۳) ہمارے یہاں مصلیوں کے کثرت کی وجہ سے مسجد کے کچھ حصہ میں نئی تعمیر کا ارادہ ہے، جماعت خانہ کی جنوبی دیوار کی موٹائی سولہ انچ ہے اس کی موٹائی کم کر کے اندر کی جانب چھ انچ رکھ کر باہر کی جانب دس انچ کی دوکان بنائی جائے اور سمنٹ کے کھمبے ڈال کر دیوار کو مضبوط بنا دیا جائے اس طرح دکان بنانا جائز ہوگا؟ اسی طرح صحن میں ایک طاق ہے جو قبلہ سے منحرف ہے لوگ اس پر بیٹھتے ہیں نئی تعمیر میں یہ ارادہ ہے کہ اس طاق کو صحن سے خارج کر کے اس میں دکان بنادیں تو کیا یہ جائز ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب تک اس جگہ کو دیکھا نہ جائے حکم لگانا مشکل ہے لہذا آپ اپنے یہاں کسی معتبر مفتی یا مستند عالم کو جگہ دکھلا کر اس کا حکم معلوم کریں آپ نے جو نقشہ بھیجا ہے اس کو دیکھ کر میری سمجھ میں جو آیا ہے اس کے پیش نظر عرض ہے۔ مسجد کی دیوار پتلی کر کے اس کا کوئی حصہ مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس حصہ کو دکان میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ صحن اگر داخل مسجد ہے تو یہ طاق بھی داخل مسجد ہے اس لئے اس جگہ دکان بنانا جائز نہیں اور اگر صحن خارج مسجد ہے تو

یہ طاق بھی خارج مسجد ہے لیکن اس جگہ کو فنائے مسجد کہا جائے گا اور فنائے مسجد میں بھی دکان بنانا جائز نہیں، مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو۔ فتاوی رحیمیہ اردو جلد دوم ص۱۷۹ ص۱۸۰ (اسی باب میں، بعنوان، دیس نگر کی مسجد کا معاملہ، سے دیکھ لیا جائے۔ مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۸ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ۔

مسجد میں گھنٹہ والی گھڑی رکھنا:

(سوال ۱۴۴) ایک شخص نے مسجد میں ایک گھنٹے والی گھڑی دی ہے اس گھڑی میں ہر پندرہ منٹ کے بعد ایک دو سیکنڈ تک ٹن ٹن بجتا ہے تو ایسی آواز والی گھڑی مسجد میں وقت معلوم کرنے کے لئے لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (سورت)

(الجواب) گھڑی میں پندرہ پندرہ منٹ بعد ٹن ٹن کی آواز ہوتی ہے اس سے ان لوگوں کو جو دور ہوتے ہیں یا جن کی نگاہ کمزور ہوتی ہے وقت معلوم کرنے میں سہولت رہتی ہے اس بنا پر علماء نے ایسی آواز والی گھڑی مسجد میں رکھنے کی اجازت دی ہے۔ امداد الفتاوی میں ہے۔

(سوال ۱۴۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے اندر ایسی گھڑی رکھنا جو آواز زور سے آدھ گھنٹہ کے بعد دیتی ہے اور ہر وقت تھوڑی تھوڑی آواز بدلی وغیرہ کے دنوں میں وقت نماز پہنچاننے والے کے لئے جائز ہے یا نہیں اور اگر گھڑی مذکور مسجد سے خارج ہو کر آواز مسجد کے اندر جاتی ہو تو اس صورت سے بھی رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ان دونوں صورتوں کی آواز سے نماز میں کراہت ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) مسجد کے اندر گھنٹہ دار گھڑی بغرض اعلام وقت کے جائز ہے اور چونکہ بعض لوگ بینائی کم رکھتے ہیں بعض نمبر نہیں پہنچاتے اور بعض دفعہ روشنی کم ہوتی ہے اس لئے ضرورت ہوتی ہے آواز دار گھڑی کی تو اس مصلحت سے یہ جرس ممنوع سے مستثنی ہے جیسا کہ عالمگیریہ میں بعض فروع اس قسم کی لکھی ہیں اور حدیث میں تصفیق کی اجازت بین صلوۃ میں مصلحت صلوۃ کے لئے مشروعیہ صوت جس میں متقارعین لمصلحۃ الاعلام المتعلق بالصلوۃ کی دلیل بین ہے (امداد الفتاوی ج۳ ص ۷۴۳ احکام المساجد، مطبوعہ ادارہ تالیفات اولیاء دیو بند) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲ صفر المظفر ۱۴۰۵ھ۔

بوقت قضائے حاجت قبلہ کی طرف پیٹھ کرنا بھی ممنوع ہے:

(سوال ۱۴۵) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے مکان میں نیا پائخانہ (فلش) لگایا۔ جس میں حاجت کے لئے بیٹھتے وقت قبلہ کی طرف پیٹھ ہوتی ہے کرایہ دار کا اصرار ہے کہ یہ طریقہ غلط ہے اور اس کے نشست کے رخ کو بدل دیجئے لہذا گذارش ہے کہ شرعاً اگر یہ ناجائز ہے تو گنجائش کی کوئی صورت ہو تو تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) کرایہ دار کا اصرار درست ہے۔ بیت الخلاء کا رخ بدل دینا ضروری ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ "اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروھا." یعنی:۔ جب پاخانہ میں جاؤ (اور حاجت کے لئے بیٹھو) تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو نہ پیٹھ (بخاری ومسلم بخاری کتاب الطهارت باب. لا یستقبل القبلة

بغائط ولا بول الخ) اورفقہائے کرام فرماتے ہیں۔ویکرہ تحریما استقبال القبلة واستدبارها ولو فی البنیان (نور الایضاح ص ۳۰ فصل فی الاستنجاء ۔ الدر المختار مع الشامی ص ۳۱۶ ج ۱ ایضاً) یعنی پیشاب یا پاخانہ پھرنے کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا یا پیٹھ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔آبادی سے باہر ہو یا آبادی اور عمارت کے اندر (نورالایضاح) لہٰذا جب تک رخ نہ بدلا جائے تو جہاں تک ممکن ہو قبلہ کی طرف سے مڑ کر بیٹھے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کا منتظم تنخواہ لے سکتا ہے یا نہیں:

(سوال ۱۴۶) ایک مسجد کے چار منتظمین (ٹرسٹی) ہیں ان میں ایک ناظم اعلیٰ ہے اس مسجد کی بہت ساری جائیداد ہے، مکانات ہیں جن میں تقریباً ایک سوکرایہ دار رہتے ہیں، ان کرایہ داروں سے کرایہ وصول کرنے کے لئے ایک ملازم کا تقرر کیا تھا لیکن اس نے اپنی عدیم الفرصتی کی بنا پر استعفاء دے دیا ہے، اب ان چار منتظمین میں سے ایک بطور ملازمت کرایہ وصول کرنے کا کام کرے اور مشاہرہ لے تو کیا شرعاً وہ منتظم یہ ملازمت کر سکتا ہے؟ اور اس کو تنخواہ لینا جائز رہے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) وقف نامہ میں تنخواہ دینے کا ذکر ہو تو اس کے مطابق عمل کیا جائے، اگر کوئی ذکر نہ ہو اور مذکورہ خدمت مفت انجام دینے کے لئے کوئی ٹرسٹی تیار نہ ہو تو جو بھی کما حقہ خدمت انجام دے سکے اس کو مناسب مشاہرہ طے کر کے دینا درست ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے سئل الفقه ابو القاسم عن قيم مسجد جعله القاضی قيما على غلاتها وجعل له شيئا معلوماً يأخذ كل سنة حل له الاخذ ان كان مقدار اجر مثله كذا فی المحيط (فتاویٰ عالمگیری ج۳ ص ۳۴۰) (کتاب الوقف ، الباب الحادی عشر . الفصل الثانی) فقط والله اعلم بالصواب .

مسجد کے قرآن کے پارے گھر لے جانا:

(سوال ۱۴۷) مسجد میں قرآن بصورت پارے رکھے جاتے ہیں انہیں گھروں میں ختم قرآن کے لئے لے جانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد میں پارے دینے کا مقصود یہ ہو کہ لوگ اسے اپنے مکان پر لے جائیں اور اس سے فائدہ اٹھائے تو اس صورت گھر لے جانے میں مضائقہ نہیں۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مدرسہ کے مہتمم کو رقم موصول ہوئی تو وہ اسے کس مد میں صرف کرے:

(سوال ۱۴۸) ایک شخص نے بیرون ملک سے ایک رقم زید پر (جو ایک ادارہ کا ذمہ دار ہے) بھیجی لیکن یہ نہیں لکھا کہ اسے کس مد میں خرچ کی جائے، زید نے اس سلسلہ میں اس شخص پر خط بھی لکھا لیکن جواب موصول نہ ہوا پھر زید کا انتقال ہو گیا اس کے بعد زید کے ورثاء نے رقم بھیجنے والے پر خط لکھ کر معلوم کرنا چاہا کہ اسے کس مد میں صرف کیا جائے؟ لیکن ان کو بھی کوئی جواب موصول نہیں ہوا، اب اس رقم کو دینی امور میں اور طلباء کی امداد میں صرف کیا جا سکتا ہے؟ بینوا

تو جروا۔

(الجواب) یہ شخص ہمیشہ جس مد میں رقم بھیجا کرتا تھا اسی میں صرف کردی جائے، اگر یہ پہلا ہی موقع ہو اور مرسل الیہ (جس پر رقم بھیجی گئی ہے) کسی ادارہ کا مہتمم اور منتظم ہو تو یہ رقم ادارہ کے دینی امور میں اور طلباء کی امداد میں صرف کی جائے، عموماً ایسی رقم زکوٰۃ کی ہوا کرتی ہے اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ تملیک کا خیال رکھا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کو سیمنٹ قرض دیا اس کی وصولی کی صورت کیا ہوگی؟:

(سوال ۱۴۹) آج سے چار سال قبل مدرسہ کی سیمنٹ مسجد کو قرض کے طور پر دی تھی مدرسہ کے پاس زائد تھی اور مسجد کو ضرورت تھی بازار میں دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے مسجد کو بطور قرض دی گئی، مسجد کے متولی اب وہ قرض ادا کررہے ہیں، اس وقت سیمنٹ کی قیمت =/۲۸ روپے تھی اور آج بازار میں =/۶۵ روپے میں بکتی ہے تو =/۲۸ کے حساب سے پیسے لئے جائیں یا =/۶۵ کے حساب سے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مدرسہ نے سیمنٹ قرض دیا ہے تو سیمنٹ وصول کیا جائے رقم نہ لی جائے، مدرسہ کو سیمنٹ کی ضرورت نہ ہو تو مناسب دام سے فروخت کردے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب ۔ ۵ ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ۔

مسجد کی توسیع کے لئے صحن میں بنی ہوئی قبر کی دیوار یا پوری قبر مسمار کرنا:

(سوال ۱۵۰) مسجد میں نمازی زیادہ ہونے کی وجہ سے جماعت خانہ چھوٹا پڑتا ہے اس لئے ارادہ یہ ہے کہ پیچھے صحن کو وسیع کیا جائے لیکن صحن میں پیچھے کی جانب ایک پرانی قبر ہے، قبلہ کی جانب سے قبر کی جو آڑ دیوار ہے اس کو نکال دیا جائے تو تین صفیں ہو جائیں گی تو کیا ایسا کرنا درست ہے اور قبر پھر درست کرلی جائے، اور اگر ساری قبر زمین کی طرح ہموار کردی جائے تو کیا ایسا کرنا بھی درست ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً: صورت مسئولہ میں نمازیوں کے لئے جگہ تنگ ہونے اور صف ٹوٹنے کی وجہ سے قبر کی آڑ دیوار توڑنے کی ضرورت ہو تو توڑ سکتے ہیں، اور اگر ضرورت ہو تو پوری قبر بھی زمین کے ہموار کرکے وہاں نماز پڑھ سکتے ہیں، اس میں قبر کی توہین نہیں ہے بلکہ صاحب قبر کی سعادت مندی ہے، اس کی روح خوش ہوگی کہ وہاں نماز پڑھی جاتی ہے، کعبۃ اللہ میں مطاف (طواف کی جگہ) میں انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ اردو ۶/ ۹۲، ۹۳، نیز ص ۸۴[2]۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) والقرض شرعاً عقد مخصوص ای بلفظ القرض ونحو یرد علی دفع مال مثلی خرج القیمی لأخر لیرد مثله. درمختار مع الشامی فصل فی القرض ج۵ ص ۱۶۱.

(۲) جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، قبروں کی جگہ کو مسجد میں شامل کرنا اور مسجد کی توسیع کے لئے قبریں ہموار کرکے وہ جگہ مسجد میں داخل کرنا کے عنوان سے دیکھ لیا جائے)

ایک مسجد کا زائد از ضرورت سامان (گھڑی پنکھے قرآن کے پارے دریاں وغیرہ) دوسری دور کی مسجد میں دینا:

(سوال ۱۵۱) زید ایک مسجد کا متولی ہے، کچھ عرصہ پہلے اس کی مسجد غریب تھی پھر اصحاب خیر کے تعاون سے کافی مالدار ہوگئی اور سامان بھی کافی مقدار میں جمع ہوگیا ہے مثلاً کئی گھڑیاں، پنکھے، صفیں، دریاں، چادریں اور قرآن پاک بھی اچھی خاصی زائد مقدار میں ہیں اسی طرح پاروں کی پٹیاں اور دیگر اشیاء۔

سوال یہ ہے کہ کیا زید اس زائد سامان کو کسی غریب مسجد والوں کو دے سکتا ہے اور وہ مسجد دور ہے اور حد سے زیادہ غریب ہے، حتی کہ وضو کے لوٹے تک اس مسجد کے پاس نہیں ہیں، کیا یہ زائد سامان غریب مدرسہ بھی استعمال کر سکتا ہے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں مذکورہ مسجد کا زائد سامان جس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے یہ زائد سامان مذکورہ مسجد سے بہت دور کی مسجد کے لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں تو مذکورہ صورت میں مناسب یہ ہے کہ ضرورت مند مسجد و مدرسہ اس زائد سامان کو مناسب دام سے خرید لیں اور دام ادا کر کے پھر ضرورت مند مسجد (جب کہ اس کی رقم سے یہ سامان خریدا گیا ہو) میں استعمال کریں یا کوئی صاحب خیر یہ زائد سامان خرید کر اس مسجد یا مدرسہ کو دیدے۔(۱)

''جماعت خانہ میں لعاب دانی رکھنا'' اس مسئلہ پر ایک بزرگ مدظلہم کا اشکال اور اس کا جواب:

(سوال ۱۵۲) فتاوی رحیمیہ جلد ششم ص ۱۴۰(۲) پر جماعت خانہ میں لعاب دانی رکھنے کے متعلق آپ کا فتوی دیکھا، آپ نے چند شرائط لعاب دانی رکھنے کی اجازت دی ہے مگر تجربہ یہ ہے کہ جہاں جہاں اسے دیکھا گیا شرائط کی پابندی نہیں ہوتی بعض جگہ کافی بدبو محسوس ہوئی بعض اکابر اہل فتوی نے اس کو مطلقاً منع کیا ہے، احقر کا رجحان بھی اسی طرف ہے اس پر غور فرمالیں پھر جو رائے ہو مطلع کیجئے! بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد میں لعاب دانی (اگالدان) رکھنے کو مطلقاً ممنوع قرار دینے میں تنگی لازم آئے گی اور نمازیوں کو سہولت سے محروم رکھنا ہوگا، ضرورۃً اس شرط کے ساتھ اجازت دینا مناسب ہوگا کہ اس میں پانی ریت یا مٹی ڈالی ہوئی ہو اور صبح وشام اس کی صفائی کی جاتی ہو، اگر صفائی کا اہتمام نہ ہو سکے تو پھر اجازت نہ ہوگی، نزلہ زکام اور کھانسی کی بیماری میں انسان تھوکنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اس کی ضرورت پیش آ جاتی ہے، مجبوری کی وقت ہی استعمال کی جائے اور صفائی کا پورا اہتمام کیا جائے، حدیث میں ہے:

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا قام احدکم الی الصلوة فلا یبصق امامه فانما یناجی الله ما دام فی مصلاه ولا عن یمینه فان عن یمینه ملکا ولیبصق

---

(۱) لکن علمت ان المفتی به قول ابی یوسف انه لا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد آخر کما مر عن الحاوی شامی مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوه ج ۳ ص ۵۱۳ (۲) جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں ملاحظہ فرمائیں

عن يساره اوتحت قدمه فيدفنها . وفي رواية ابي سعيد تحت قدمه اليسرىٰ متفق عليه (۱) (مشکوٰۃ شریف ص ۶۹ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

ترجمہ ۔ حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے کھڑا ہو تو اپنے سامنے نہ تھوکے، اس لئے کہ جب تک وہ نماز میں ہے وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے، اور نہ اپنی داہنی طرف تھوکے کہ اس کے داہنی طرف فرشتہ ہے اور چاہئے کہ وہ اپنے بائیں طرف یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوکے، (حضرت ابوسعیدؓ کی روایت کے مطابق بائیں پاؤں کے نیچے تھوکے) پھر اسے دفن کردے (مشکوٰۃ شریف ص ۶۹)

ترمذی شریف میں حدیث ہے حدثنا محمد بن بشار ... عن طارق عبدالله المحاربي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كنت في الصلوة فلا تبزق عن يمينك ولكن خلفك اوتلقاء شمالك او تحت قدمك اليسرىٰ.

ترجمہ: حضرت طارق بن عبداللہ محاربیؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم نماز پڑھ رہے ہو تو اپنی داہنی طرف مت تھوکو (اور اگر ضرورت ہی پیش آجائے تو) اپنے پیچھے یا اپنے بائیں طرف یا اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوکو (ترمذی شریف ص ۷۴ جلد اول ، باب في كراهية البزاق في المسجد . ابواب السفر)

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت نماز کی حالت میں بھی تھوکا جاسکتا ہے ، البتہ تھوکنے کے آداب بیان فرمائے، ان آداب کی رعایت کرتے ہوئے تھوکنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے ۔ مطلقاً ممانعت نہیں ہے ۔ اور یہ دونوں حدیثیں اپنے عموم کے اعتبار سے مسجد اور غیر مسجد دونوں کو شامل ہیں، دوسری حدیث کے متعلق تو الکوکب الدری میں صراحت " وهذا الحديث بعمومه شامل للمسجد وغيره فيظهره مناسبة للباب (الكوكب الدري ج ۱ ص ۲۱۸ مطبوعه سهانپور)

مسجد میں تھوکنے سے اگالدان میں اور رومال میں تھوکنا اخف ہوگا، اس میں بھی صفائی کے التزام کے ساتھ مجبوری کی بھی قید لگی ہوئی ہے، فتاویٰ رحیمیہ جلد ششم کے جواب میں احقر نے بہت احتیاط سے کام لیا ہے ۔ فتاویٰ رحیمیہ کا جواب بغور ملاحظہ فرمائیں ۔

(الجواب) ''لعاب دانی (اگالدان) صبح شام وقتاً فوقتاً صاف کی جاتی ہو بدبودار نہ رہتی ہو تو مسجد میں رکھ سکتے ہیں ۔ ورنہ اجازت نہ ہوگی ، مجبوری کے وقت ہی استعمال کی جائے مجبوری نہ ہو تو باہر جا کر تھوکنا چاہئے یا رومال میں تھوک لینا چاہئے'' (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۲۰ ج ۶) جدید ترتیب کے مطابق اسی باب کے شروع میں ملاحظہ فرمائیں ۔

مذکورہ جواب ملاحظہ فرمائیں کئی شرطوں کے ساتھ اجازت دی ہے، صفائی پر زور دیا جائے اور جہاں صفائی کا اہتمام نہ ہو اگالدان رکھنے کی اجازت نہ دی جائے ۔

(۱) واضح رہے کہ احادیث میں تھوکنے کا جو آیا ہے اس وقت ہے کہ مسجد کا فرش مٹی سے کچا بنا ہوا ہو آج کل مساجد میں فرش پکا بنایا جاتا ہے لہذا تھوکنا ہرگز جائز نہ ہوگا ۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے " التعلیق الصبیح علی مشکوۃ المصابیح" میں فتح الباری کے حوالے سے جو تحقیق نقل فرمائی ہے وہ بھی دل کو لگتی ہے۔ اہل علم کے استفادہ کے لئے عبارت نقل کی جاتی ہے۔

قوله" البزاق في المسجد خطئية و كفارتها دفنها" قال القاضي عياض رحمه الله انما يكون خطيئة اذا لم يدفنه اما من اراد دفنه فلا . ورده النووی رحمه الله فقال هو خلاف صريح الحديث.

قلت وحاصل النزاع ان ههنا عمومين تعارضا وهما قوله " البزاق في المسجد خطيئة" وقوله "وليبصق عن يساره او تحت قدمه"فالنووی يجعل الاول عاماً ويخص الثاني بما اذا لم يكن في المسجد والقاضي بخلافه يجعل الثاني عاماً ويخص الاول عن لم يرددفنها وقد وافق القاضي جماعة منهم ابن مكی فی التنقيب والقرطبی فی المفهم وغيرهما ويشهد لهم مارواه احمد باسناد حسن من حديث سعد بن ابی وقاص رضی الله عنه مرفوعاً قال من تنخم في المسجد فيغيب نخامته ان تصيب جلد مؤمن او ثوبه فتؤذيه واوضح منه في المقصود مارواه احمد ايضا والطبرانی باسناد حسن من حديث ابی امامة مرفوعاً قال من تنخع في المسجد فلم يدفنه فسيئة وان دفنه فحسنة فلم يجعله سيئة الا بقيد عدم الدفن ونحوه حديث ابی ذر رضی الله عنه عند مسلم وجدت في مساوی اعمال امتی النخاعة تكون في المسجد لا تدفن وروی سعيد بن منصور عن ابی عبيدة بن الجراح انه تنخم في المسجد ليلةً فنسی ان يدفنها حتی رجع الیٰ منزله فاخذ شعلةمن نارثم جاء فطلبها حتی دفنها ثم قال الحمد لله الذی لم يكتب علی الخطئية الليلة وعند ابی داؤد من حديث عبدالله بن الشخير انه صلی مع النبی صلی الله عليه وسلم فبصق تحت قدمه اليسری ثم دلكه بنعله اسناده صحيح فتح الباری (التعليق الصبيح ج ۱ ص ۳۱۲ باب المساجد ومواضع الصلوٰة)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ مسجد میں تھوکنے کے متعلق دو قول ہیں (۱) قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں مسجد میں تھوکنا اس وقت گناہ ہے، جب کہ اس کو دفن نہ کرے (نہ چھپائے) اور جو شخص (ضرورت کی وجہ سے) تھوکنے کے بعد دفن کرنے (چھپانے) کا ارادہ رکھتا ہو اس کے حق میں تھوکنا گناہ نہیں (۲) امام نووی رحمہ اللہ نے اس کی تردید فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ حدیث کے خلاف ہے۔ صاحب فتح الباری فرماتے ہیں: حاصل نزاع یہ ہے کہ یہاں دو عام حدیثیں (بظاہر) متعارض ہیں۔ ایک حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور دوسری حدیث میں یہ فرمایا کہ (نماز میں) اپنے بائیں طرف یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوکے، امام نوویؒ پہلی حدیث کو عمومیت پر باقی رکھتے ہوئے دوسری حدیث کا مصداق یہ قرار دیتے ہیں کہ وہ شخص مسجد میں نماز نہ پڑھ رہا ہو۔ اور قاضی عیاض اس کے برعکس فرماتے ہیں، وہ دوسری حدیث کو عام قرار دیتے ہیں اور پہلی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ مسجد میں تھوکنا اس شخص کے لئے گناہ ہے جو اسے دفن کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو، ابن مکی اور قرطبی اور ان کے علاوہ دیگر علماء نے قاضی عیاض کی موافقت

فرمانی ہے اوران کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام احمد نے اسناد حسن کے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاص سے مرفوعاً روایت کی ہے جو شخص مسجد میں تھوکے پس اپنا تھوک اس وجہ سے چھپاوے کہ کسی مومن کے بدن یا اس کے کپڑے پر لگے گا تو اسے تکلیف ہوگی اور اس سے زیادہ واضح روایت وہ ہے جسے احمد اور طبرانی نے اسناد حسن کے ساتھ روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص مسجد میں تھوکے پھر اسے دفن نہ کرے تو یہ گناہ ہے اور اگر دفن کردے تو نیکی ہے، آپ نے تھوکنے کو اس وقت گناہ قرار دیا جب کہ دفن نہ کرے اور اسی کے مانند حضرت ابوذرؓ کی حدیث ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے اپنی امت کے برے اعمال میں یہ (بھی) پایا مسجد میں تھوکنا اور اسے دفن نہ کرنا، اور سعید بن منصور نے حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ سے روایت کی ہے کہ ایک رات انہوں نے مسجد میں (ضرورت کی وجہ سے) تھوک دیا اور اسے دفن کرنا بھول گئے، گھر پہنچ کر انہیں یاد آیا تو کچھ روشنی کا سامان لے کر مسجد میں تشریف لائے اور وہ جگہ تلاش کر کے تھوک کو دفن کیا پھر فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ آج رات میرے نامۂ اعمال میں یہ گناہ نہ لکھا گیا ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے (ضرورت کی وجہ سے) اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوکا پھر اپنے نعل سے اسے ملایا اس کی سند صحیح ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

حوض کے اوپر عمارت بنا کردہ عمارت درزی کلاس اور ہسپتال بنانے کے لئے کرایہ پر دینا:

(سوال ۱۵۳) مسجد کے حوض پر دو منزلہ عمارت بنائی ہے، پہلی منزل ٹیلرنگ کلاس (درزی کلاس) چلانے کے لئے کرایہ پر دینے کا پروگرام بنایا ہے وہاں بچوں کو خیاطت سکھائی جائے گی، ممکن ہے کہ اس کلاس میں لڑکیاں بھی سیکھنے کے لئے آئیں گی، اور دوسری منزل آنکھ کے ہسپتال بنانے کے لئے کرایہ پر دینا طے کیا ہے، تو اس کا کیا حکم ہے باحوالہ جواب مرحمت فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) حوض کی جگہ فناء مسجد میں سے ہے اور فناء مسجد کی جگہ مصالح مسجد کے لئے ہوتی ہے، اس جگہ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے دوکان بنانے کو ممنوع لکھا ہے، اس سے مسجد کی بے حرمتی ہوگی، فناء مسجد مسجد کے تابع ہے جو حکم اور احترام مسجد کا ہے وہی حکم اور احترام فناء مسجد کا بھی ہے، لہذا حوض کے اوپر عمارت بنا کر اس کی پہلی منزل درزی کلاس اور دوسری منازل ہسپتال بنانے کے لئے کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے، مسجد کی سخت بے حرمتی ہوگی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے قیم المسجد لا یجوز له ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائه لان المسجد اذا جعل مسکنا تسقط حرمته وهذا لایجوز والفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد کذا فی محیط السرخسی. ترجمہ:۔

متولی مسجد کو حد مسجد اور فناء مسجد میں دکانیں بنانا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ دوکانوں کی وجہ سے مسجد کی حرمت باقی نہیں رہتی، فناء مسجد، مسجد کے تابع ہے جو حکم اور احترام مسجد کا ہے وہی حکم اور احترام فناء مسجد کا بھی ہے (فتاویٰ عالمگیری ص ۴۶۲ ج ۲ الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد الخ)

البحر الرائق میں لا یجوز لقیم المسجد ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائه (البحر الرائق ۵/ ۲۴۹ فصل فی احکام المسجد تحت قوله ومن بنی مسجد الخ) فقط واللہ اعلم بالصواب

مسجد کے حوض پر سلیپ بنانا اور حوض کی لمبائی و چوڑائی:

(سوال ۱۵۴) ہمارے یہاں الحمدللہ نمازی زیادہ ہوتے ہیں، گاہے مسجد تنگ ہو جاتی ہے، فی الحال ہم لوگ حوض کی نئی تعمیر کر رہے ہیں، حوض کے اوپر سلیپ (تخت) بنادیا جائے تو کیا حکم ہے؟ تاکہ بوقت ضرورت اس سلیپ (تخت) پر نماز پڑھ سکیں، نیز یہ بھی وضاحت فرمائیں کہ حوض کی کم سے کم لمبائی چوڑائی کتنی ہو؟ اور گہرائی کتنی ہونی چاہئے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حوض اگر مربع بنایا جائے تو کم از کم دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا ہونا چاہئے، آج کل کے حساب سے اس کے تقریباً ۲۲۵ اسکویرفٹ ہوتے ہیں، اگر جگہ میں وسعت ہو تو انسب اور احوط یہ ہے کہ ۲۷۵ اسکویرفٹ کا حوض بنایا جائے، اس سے بھی اگر کچھ وسیع رکھیں تو مزید بہتر ہوگا، حوض کے معاملہ میں احتیاط برتنا اچھا ہے، اور گہرائی اتنی ہو کہ چلو سے پانی لیا جائے تو زمین نظر نہ آئے۔

حوض پر تخت (سلیپ) بنانا نہ بنانا دونوں درست ہے، البتہ اگر حوض پر سلیپ (تخت) بنایا جائے تو اس طرح بنائیں کہ سلیپ پانی کی سطح سے اونچا رہے اور پانی کی بہاؤ میں رکاوٹ پیدا نہ ہو، اگر سلیپ (تخت) پانی کی سطح سے ملا ہوا ہوگا تو وہ شرعی حوض نہ ہوگا، اور سلیپ کے ستون اگر حوض میں بنائے جائیں تو ستون کی جگہ کے علاوہ حوض کی لمبائی چوڑائی ۲۲۵ اسکویرفٹ رہنی چاہئے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ناجائز اشیاء کا کاروبار کرنے والوں سے چندہ لینا لالچ دے کر چندہ لینا، شیعہ سے چندہ لینا:

(سوال ۱۵۵) جن لوگوں کا کاروبار ناجائز اشیاء کا ہے جیسے شراب جو مسجد کے تعمیری کام کے لئے ایسے لوگوں سے چندہ لینا کیسا ہے؟ اسی طرح کسی شخص کو شرم میں ڈال کر یا کسی چیز یا کسی عہدہ یا دونوں کا لالچ دے کر چندہ لیا جائے تو کیسا ہے؟ نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ شیعہ سے چندہ لینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کے لئے بالکل حلال، طیب رقم وصول کی جائے جن لوگوں کا کاروبار ناجائز اشیاء کا ہو اور اسی آمدنی میں سے وہ لوگ چندہ دیں تو ایسی رقم نہ لی جائے، حدیث شریف میں ہے لا یقبل اللہ الا الطیب اللہ تعالیٰ طیب اور پاکیزہ چیز ہی قبول کرتا ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۷، باب فضل الصدقۃ)

نیز اسی شخص کا چندہ وصول کیا جائے جو پوری خوش دلی اور رضاء الٰہی کے لئے ثواب کی نیت سے چندہ دے، شرم میں ڈال کر یا کسی چیز کی لالچ دے کر چندہ وصول کیا جائے گا تو وہ خوش دلی اور خالص ثواب کی نیت سے نہ ہوگا بلکہ اس میں رشوت کا شبہ بھی ہو سکتا ہے، حدیث میں ہے لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منہ کسی شخص کا مال اسی وقت حلال ہوتا ہے جب کہ وہ طیب نفس اور پوری خوش دلی سے دے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۵ کتاب الغصب)

اعلیٰ اور بہتر صورت یہی ہے (خاص کر اس زمانہ میں) کہ مسلمانوں ہی سے چندہ لیا جائے، غیروں کا احسان نہ لیا جائے (امداد الفتاویٰ ص ۶۸۹ و ص ۶۹۰ ج ۲) کم سے کم خرچ سے مسجد بنائی جائے اور بالکل پاکیزہ حلال

طیب غیر مشتبہ رقم استعمال کی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کے پرانے پتھر عام شاہراہ پر ڈالنا:

(سوال ۱۵۶) ایک مسجد کو شہید کیا ہے اس کے پرانے پتھر عام شاہراہ (جسے سب استعمال کرتے ہیں) پر ڈالنا کیسا ہے؟ یا پھر وہ پتھر بیچ کر اس کی رقم مسجد میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کے پرانے پتھر قابل احترام ہیں عام راستہ میں استعمال کرنا احترام اور ادب کے خلاف ہے لہذا مناسب یہ ہے کہ پرانے پتھر مسجد ہی میں کسی مناسب جگہ استعمال کر لئے جائیں، یا ایسے شخص کو بیچ دیئے جائیں جو ان کو بے ادبی اور ناپاکی کی جگہ میں استعمال نہ کرے اور جو رقم حاصل ہو اسے مسجد کے کاموں میں استعمال کریں۔

درمختار میں ہے ولا ترمی براية القلم المستعمل لا حترامه كحشيش المسجد و كناسته لا يلقى في موضع يخل بالتعظيم. مستعمل قلم کا تراشہ قابل تعظیم ہے اسے پھینکا نہ جائے جیسے مسجد کی پرال جو بچھائی جاتی ہے اور اس کا کوڑا جو جھاڑو میں آتا ہے وہ ایسی جگہ نہ ڈالا جائے جس میں بے ادبی ہو۔ (درمختار مع ردالمحتار ۱/۱۶۵ کتاب الطہارت) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کے صحن کے ایک گوشہ میں پھول کے گملے (کونڈے) رکھنا:

(سوال ۱۵۷) ہماری مسجد میں صحن شرعی مسجد (جماعت خانہ) میں شامل نہیں ہے، اس صحن میں ایک طرف پانی کے مٹکے رکھے ہوئے ہیں مٹکے رکھنے کی جگہ ایک چھوٹا سا چھجہ بنا ہوا ہے (ہمارے یہاں اسے پانی کی پرب کہتے ہیں) اس چھجہ پر گلاب، ہوگرے کے پھول کے گملے (جسے ہمارے یہاں پھول کے کونڈے کہتے ہیں) رکھے ہیں تو اس پر یہ گملے رکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر اس جگہ پھول کے گملے (کونڈے) رکھنے سے گرجا وغیرہ سے مشابہت پیدا ہوتی ہو تو مکروہ ہوگا ورنہ گنجائش ہے، شامی میں ہے: او كان في موضع تقع به المشابهة بين البيعة والمسجد يكره (شامی ۱/۶۱۸ مطلب في الغرس في المسجد) فقط والله اعلم بالصواب .

مسجد کی رقم کا سود مسجد کے مکان کے ویرے (ٹیکس) میں استعمال کرنا:

(سوال ۱۵۸) ہماری مسجد کے پیسے بینک میں رکھے ہوئے ہیں اس پر جو سود ملا ہے اسے کس جگہ استعمال کریں؟ سنا ہے کہ مسجد کی بیت الخلاء میں استعمال کی گنجائش ہے، مگر ہمارے یہاں بیت الخلاء تیار ہے اس میں ضرورت نہیں ہے بعض متولیوں کا خیال ہے کہ مسجد کا جو مکان ہے اس کا ٹیکس (ویرا) ادا کرنا ہے، اس میں یہ رقم استعمال کریں، تو ٹیکس ادا کرنے میں یہ سودی رقم استعمال کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کی رقم اور اس پر حاصل شدہ سود کا حساب رکھنا چونکہ ضروری ہوتا ہے، اس لئے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ سود کی رقم مسجد کے بیت الخلاء کی تعمیر یا مرمت میں استعمال کر سکتے ہیں، صورت مسئولہ میں بیت الخلاء تیار ہے اور سود کا حساب بتانا ضروری ہوتا ہے تو اس صورت میں مسجد کے مکان کے ٹیکس (ویرے) میں استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد میں غیر مسلم کا چندہ لینا:

(سوال ۱۵۹) ہمارے گاؤں میں ایک غیر مسلم نے مسجد کے لئے بطور دان (چندہ) چھ پیسے دیئے ہیں، تو کیا وہ پیسے مسجد میں استعمال کر سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر غیر مسلم اپنے اعتقاد سے اسے قربت سمجھتا ہو تو اس کا چندہ لینے کی گنجائش ہے مگر فی زمانا غیر مسلم کی رقم مسجد میں استعمال کرنے سے بچنا چاہئے۔ غیر مسلم کا مسجد پر احسان چڑھے گا اور کسی وقت ان کے مذہبی کاموں میں چندہ دینا اور شرکت کرنا پڑے گی لہذا اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

امداد الفتاوی میں ہے: تیسری صورت یہ ہے کہ کافر مسجد میں چندہ دے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کافر اس کو قربت سمجھتا ہے تو لینا درست ہے، اور اگر قربت نہیں سمجھتا تو درست نہیں۔ ہدایہ کی کتاب الوصیۃ میں یہ تفصیل ہے مگر گفتگو اس میں ہے کہ آیا صرف دینے والے کی رائے معتبر ہے یا اس کے مذہب کا حکم مشہور اول ہے اور احقر کے نزدیک راجح ثانی ہے، یہ حکم تو نفس اعطاء کا ہے لیکن **نظراً الیٰ بعض العوارض الخارجیہ کا لا متنان علی اھل الا سلام من اھل کفر** قبول کرنا مناسب نہیں **فان الا سلام یعلو ولا یعلی والید العلیاء المعطیۃ والسفلیٰ السائلۃ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ عندہ علم الصواب** (امداد الفتاویٰ ص ۲۰۷، ص ۲۰۸ ج ۲، احکام المساجد مطبوعہ کراچی) ایک اور جگہ تحریر فرمایا ہے" اور تقریر ثانی کی یہ ہے کہ بوجہ احتمال منت علی المسلمین فی امر الدین کے اس سے بچنا چاہئے۔ الخ (امداد الفتاویٰ ص ۶۰۴ ج ۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حوض کی دیوار میں سود کے پیسے استعمال کئے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۶۰) ہماری مسجد کا حوض بڑا ہے اس کو چھوٹا کرنے کے لئے بیچ میں ایک دیوار بنائی گئی ہے اور اس میں سود کے پیسے استعمال کئے گئے ہیں، تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر حقیقت میں حوض کے کام میں سود کی رقم استعمال کی گئی ہے تو بہت ہی غلط کام ہوا، دیوار توڑ دی جائے اور دیوار بنانے کی ضرورت ہو تو شرعی حوض کی مقدار باقی رکھ کر اچھی رقم سے دیوار بنائی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سرکاری جگہ پر مدرسہ بنانا:

(سوال ۱۶۱) سرکاری زمین پر مدرسہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مدرسہ ایسی جگہ بنانا چاہئے جو کسی مسلمان کی ملک ہو اور اس نے وہ جگہ برائے مدرسہ وقف کی ہو یا برائے مدرسہ وہ جگہ خریدی ہو اگر ایسی جگہ میسر نہ ہو اور سرکاری زمین ہو تو اولاً وہ جگہ سرکار سے حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کی جائے، اگر سرکار سے باقاعدہ اجازت نہ مل سکے تو اس تاویل سے کہ سرکاری جگہ میں عوام کو بھی فائدہ حاصل کرنے کا حق ہوتا ہے اور مدرسہ سے عوام کو فائدہ ہوتا ہے اور سرکار ایسے کاموں میں جس میں عوام کا فائدہ ہو دینے میں بخل نہیں کرتی اکثر منظوری دے دی جاتی ہے، تو اس امید پر وہاں مدرسہ جاری کریں کہ سرکار اجازت دے دے گی یا قیمتاً مل

جائے کی بعدہ اگر سرکار اجازت دے دے یا قیمتاً مل جائے تو اس کے بعد وہ جگہ مدرسہ کے لئے وقف کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کی بالائی منزل میں مدرسہ بنانا:

(سوال ۱۶۲) مسجد کی بالائی منزل میں مدرسہ جاری کرنا کیسا ہے؟ یہ منزل اکثر خالی رہتی ہے، وضاحت فرمائیں، فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کی بالائی منزل بھی بحکم مسجد ہے اس کا بھی وہی حکم ہے جو مسجد کی نچلی منزل کا حکم ہے، اس کی بے احترامی کرنا وہاں شور وغل اور دنیوی باتیں کرنا جائز نہیں ہے درمختار میں ہے **وکرہ تحریما (الوطی فوقه والبول والتغوط) لانه مسجد الی عنان السماء وکذا الی تحت الثری. (درمختار مع رد المختار ص ۶۱۴ ج ۱ احکام المساجد)**

لہذا مسجد کی بالائی منزل میں مستقلاً مدرسہ جاری کرنا صحیح نہیں، البتہ مدرسہ میں تنگی ہو اور اہل مدرسہ دوسری جگہ کے انتظام کی کوشش میں ہوں اور سردست دوسری جگہ کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے بچوں کی تعلیم خراب ہو رہی ہو تو ایسے بڑے اور سمجھدار بچوں کی کلاس عارضی طور پر محدود اور مختصر وقت کے لئے جاری کی جا سکتی ہے جو مسجد کا پورا پورا احترام کریں، شور وغل اور ہنسی ٹھٹھا اور دنیوی باتیں نہ کریں اور جگہ کا انتظام ہو جانے پر فوراً یہ کلاس اس جگہ منتقل کردی جائے، ایسے چھوٹے بچے جو کپڑے اور بدن کی پاکی و ناپاکی اور مسجد کے ادب واحترام کا خیال نہ کر سکیں ایسے بچوں کی کلاس جاری نہ کی جائے، مسجد میں شور وغل اور مسجد کی بے احترامی ہوگی اور تلویث مسجد کا بھی خطرہ ہے اور اس کی ذمہ داری مسجد کے منتظمین پر ہوگی، حدیث میں ایسے چھوٹے بچوں کو مسجد میں لانے سے منع بھی کیا گیا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے **جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم.** اپنی مسجدوں کو بچوں اور پاگلوں سے بچاؤ (ابن ماجہ شریف ص ۵۵ باب ما یکرہ فی المساجد) اسی لئے فقہاء رحمہم اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ مسجد میں بچوں کو داخل کرنا اگر اس سے مسجد کے نجس ہونے کا اندیشہ ہو تو حرام ہے ورنہ مکروہ ہے، الاشباہ والنظائر میں ہے: **ومنها حرمة ادخال الصبیان والمجانین حیث غلب تنجیسهم والا فیکره (الاشباہ والنظائر ص ۵۵۷)**

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: مسئلہ: بچوں کو قرآن شریف وغیرہ اجرت سے مسجد میں پڑھانا باتفاق ناجائز ہے اور بلا اجرت محض ثواب کے لئے بعض فقہاء نے اجازت دی ہے (کذا فی الاشباہ) لیکن بعض فقہاء اس کو بھی جائز نہیں سمجھتے کیونکہ بحکم حدیث مسجد میں بچوں کا داخل کرنا ہی ناجائز ہے، (کذافی حاشیه الاشباہ عن التمرتاشی) (آداب المساجد ص ۱۴) فقط واللہ اعلم بالصواب

تعمیر کے زمانہ میں مسجد میں جماعت وجمعہ موقوف کرنا کیسا ہے:

(سوال ۱۶۳) ہماری مسجد کے جماعت خانہ کی چھت بوسیدہ ہوگئی ہے اس لئے نئی چھت سلیپ ڈال کر بنائی جارہی ہے اس زمانہ میں جماعت خانہ جماعت کرنا دشوار ہوگا تو صحن یا حوض کے تخت پر جماعت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جمعہ ادا کریں تو جمعہ صحیح ہوگا؟ اگر جمعہ ادا کرنا چاہیں تو منبر کے طور پر کیا استعمال کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سلیپ ڈالنے کے زمانہ میں جماعت خانہ میں جماعت کرنا دشوار ہو تو مسجد کے احاطہ میں جہاں بھی جماعت کرنا ممکن ہو جماعت کی جائے، جماعت موقوف نہ کی جائے جمعہ قائم کرنے کی ضرورت ہو تو جمعہ بھی قائم کر سکتے ہیں تخت پر بھی جماعت اور جمعہ ادا کر سکتے ہیں، اگر لکڑی کا منبر یا کوئی اونچی چیز رکھ سکتے ہوں تو رکھ لیں، اگر جگہ میں گنجائش نہ ہو یا بروقت ایسی کوئی چیز جس پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا جائے مہیا نہ ہو سکے اور زمین پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھ لیا جائے تو بھی خطبہ صحیح ہو جائے گا خطبہ کی صحت کے لئے منبر شرط نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سوال میں درج شدہ طغریٰ مسجد میں آویزاں کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۶۴) ہماری مسجد میں منبر کے اوپر ایک طغریٰ لگانے پر بعض لوگ اصرار کر رہے ہیں، اس کے برعکس دوسرے مصلی شدت سے انکار کر رہے ہیں، طغریٰ اس انداز کا ہے "طغریٰ کے وسط میں کلمہ طیبہ لکھا گیا ہے اور اس میں بیت اللہ اور مسجد نبوی کا فوٹو ہے دائیں جانب اوپر کے کونے میں اللہ جل جلالہ بائیں جانب اوپر کے کونے میں محمد ﷺ دائیں جانب نیچے کے کونے میں علیؓ و حسنؓ اور بائیں جانب نیچے کے کونے میں فاطمہؓ و حسینؓ لکھا ہوا ہے۔

جو لوگ یہ طغریٰ لگانے سے انکار کر رہے ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ طغریٰ شیعی ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے، اس طغریٰ میں کلمۂ طیبہ کے علاوہ شیعی پنج تن کے نام ہیں شیعہ صرف ان کو پاک اور مقدس مانتے ہیں، دیگر صحابہ شیعوں کے نزدیک مقدس اور قابل احترام نہیں ہیں، پاک پنج تن کا تصور شیعہ اور روافض کی ایجاد ہے، وہ لوگ صرف ان کو معصوم مانتے ہیں، آپ ہماری رہنمائی فرمائیں، یہ طغریٰ قبلہ والی دیوار میں منبر کے اوپر لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اہل سنت والجماعت جماعت صحابہ میں تفریق کے قائل نہیں ہیں، خلفاء راشدین عشرۂ مبشرۂ اہل بیت حضرت علیؓ حضرت فاطمۃ الزہراء، حضرات حسنین امہات المؤمنین ازواج مطہراتؓ بنات طاہراتؓ تمام مہاجرین و انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین سب ہی کو قابل صد عزت و احترام مانتے ہیں اور پوری جماعت صحابہ کے متعلق ہم اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ امت کے افضل ترین افراد ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس مقدس جماعت کو حضور اقدس ﷺ کی صحبت کے لئے منتخب فرمایا قرآن و حدیث میں پوری جماعت صحابہ کے فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ جلد نمبر ۴ ص ۱۶ تا ص ۴۹ (۱) ان دلائل کے پیش نظر اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ بڑے سے بڑا غوث، قطب اور ولی ادنیٰ درجہ کے صحابہ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

ہیچ ولی بمرتبہ صحابہ نرسد اویس قرنی رحمہ اللہ با آں رفعت شان کہ بشرف والتسلیمات نرسیدہ بمرتبہ ادنی صحابی۔ شخصے از عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ پرسید کہ **ایہما افضل معاویۃ ام عمر بن عبدالعزیز** درجواب فرمود **الغبار الذی دخل انف فرس معاویۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر من عمر بن عبدالعزیز کذا مرۃ.** (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ص ۲۰۵ دفتر اول مکتوب نمبر ص ۲۰۷)

---

(۱) جدید ترتیب کے مطابق کتاب الایمان میں باب ما یتعلق بالانبیاء میں، قرآن و حدیث اثار صحابہ و اقوال سلف کی روشنی میں تنقید انبیاء الخ کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے۔

ترجمہ:۔ کوئی ولی کسی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا، اویس قرنی اپنے تمام تر بلندی شان کے باوجود چونکہ آنحضور ﷺ کی شرف صحبت سے مشرف نہ ہو سکے اس لئے ادنیٰ صحابی کی مرتبہ کو بھی نہ پہنچ سکے، کسی شخص نے عبداللہ بن مبارکؒ سے دریافت کیا کہ حضرت معاویہؓ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیز؟ جواب میں فرمایا آنحضرت ﷺ کی معیت میں حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں جو غبار داخل ہوا وہ بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز سے کئی گنا بہتر ہے

جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں تفرق شیعوں کی ایجاد ہے، شیعہ حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ حضرات حسنینؓ کو مانتے ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین خاص کر حضرات شیخین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی شان میں سخت گستاخی، بدزبانی اور لعن طعن کرتے ہیں، اہل سنت والجماعت کی مساجد میں ایسے طغرے رکھنا شیعوں کی تائید کرنا ہے اس لئے ایسے طغرے مسجد میں نہ لگائے جائیں۔

بلکہ مناسب یہ ہے کہ مسجد میں خاص کر قبلہ رخ دیوار میں کسی قسم کے طغرے آویزاں نہ کئے جائیں نہ کچھ لکھا جائے۔ دیوار بالکل سادہ رکھی جائے نقش ونگار اور طغرے وغیرہ کی وجہ سے نمازی کے خشوع خضوع میں خلل آتا ہے۔

فقہ کی مشہور کتاب البحر الرائق میں ہے۔ والا ولیٰ ان تکون حیطان المسجد البیض غیر منقوشة و لا مکتوب علیها ویکره ان تکون منقوشة بصور او کتابة یعنی بہتر یہ ہے کہ مسجد کے درودیوار صاف اور نقش ونگار سے پاک ہوں اور اس پر کسی قسم کی تحریر نہ ہو، دیوار پر نقش ونگار، لکھنا مکروہ ہے (البحر الرائق ص ۲۵۳ ج ۲۔ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ۲/۳۷۱ اسی باب میں محراب میں تصویر آفتاب بنانا کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے۔)

درمختار میں ہے: (ولا بأس بنقشه خلا محرابه) فانه یکره لا نه یلهی المصلی ویکره التکلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً فی جدار القبلة قاله الحلبی وفی حظر المجتبی وقیل یکره فی المحراب دون السقف والمؤخر انتهی وظاهره ان المراد بالمحراب جدار القبلة فلیحفظ . شامی میں ہے۔ ولذا قال فی الفتاوی الهندیة وکره بعض مشائخنا النقش علی المحراب وحائط القبلة لانه یشغل قلب المصلی ا ه ومثله یقال فی الحائط المیمنة اوالمیسرة لانه یلهی القریب منه (درمختار و شامی ۱/۶۱۶، احکام المساجد)

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے: دیوار قبلہ پر اور برابر کی دیواروں پر آیات قرآنی وغیرہ لکھنا مکروہ ہے، کیونکہ اس سے مصلی کا خیال منتشر ہوتا ہے اور خشوع وخضوع میں فرق آتا ہے اور نیز اس سے بے ادبی کا بھی خیال ہے ایسا نہ ہو کہ دیوار مسجد گر جائے اور آیات قرآنی پامال وبے حرمت ہوں اس لئے جو آیات لکھی گئی ہیں بہتر یہ ہے کہ ان کو چھلوادیا جائے اور اشعار وغیرہ بھی نہ چاہئے اس کا بھی یہی حکم ہے (فتاویٰ دارالعلوم قدیم ص ۳۳۶ ج ۶،۵ امداد المفتیین)

مفتی اعظم ہند حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ

(سوال) کیا مسجد میں دیواروں پر ٹائل لگانا جائز ہے۔

(جواب ۲۸۷) مسجد کی دیواروں پر اور خصوصاً قبلہ کی دیوار پر رنگین ٹائل لگانا مکروہ ہے۔ (کفایت المفتی ص ۱۴۰ ج ۳) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد میں اگر بتی جلانا کیسا ہے:

(سوال ۱۶۵) مسجد میں اگر بتی جلانا کیسا ہے؟ اس سے مقصود خوشبو ہوتی ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) مساجد کو پاک صاف اور خوشبو دار رکھنا شرعاً پسندیدہ اور مطلوب ہے، جو شخص مساجد میں سے کوڑا کرکٹ نکالتا ہے اس کے لئے بڑی فضیلت ہے، حدیث میں ہے۔ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اخرج اذی من المسجد بنی اللہ لہ بیتاً فی الجنۃ. حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص مسجد سے گندگی نکالے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔ (ابن ماجہ ص ۵۵ باب تطہیر المساجد)

نیز حدیث میں ہے: عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببناء المسجد فی الدور وان ینظف ویطیب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ گھروں میں مسجد بناؤ اور ان کو پاک اور معطر رکھا جائے (مشکوٰۃ شریف ص ۶۹ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

ایک اور حدیث میں ہے۔ اتخذوا علیٰ ابوابہا المطاہر وجمروھا فی الجمع، مسجدوں کے دروازے کے پاس طہارت خانہ بناؤ اور جمعہ کے دن مسجدوں میں خوشبو کی دھونی دو (ابن ماجہ شریف ص ۵۵ باب ما یکرہ فی المساجد)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم جاری فرمایا کہ مدینہ کی مسجد میں ہر جمعہ کو دوپہر کے وقت دھونی دی جائے، زاد المعاد میں ہے۔ عن نعیم بن عبداللہ المجمر ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ امر ان یجمر مسجد المدینۃ کل جمعۃ حین ینتصف النہار (زاد المعاد ص ۱۰۴ ج ۱)

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ مساجد کو صاف ستھرا اور خوشبو دار رکھنا شرعاً مطلوب ہے، لہذا لوبان یا عود کی دھونی دی جائے تو بہتر ہے۔

اگر بتی اگر پاک چیز سے بنائی گئی ہو تو وہ بھی لوبان اور عود کی دھونی کے حکم میں ہے، لہذا مسجد میں اگر بتی برائے خوشبو جلا سکتے ہیں، اس کی راکھ فرش پر نہ گرے اس کا انتظام کیا جائے، اور مسجد سے باہر سلگا کر لے جائیں، مسجد میں جلانے سے ماچس کی گندھک کی بو آئے گی اس بدبو سے بھی مسجد کو بچانا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے کے موقع پر دعوت میں مسجد کی رقم استعمال کرنا:

(سوال ۱۶۶) مسجد کی تعمیر کے لئے چندہ کیا گیا، سنگ بنیاد کے لئے مسجد کے ذمہ داروں نے دعوت کی اس موقع پر کھلانے اور مہمانان خصوصی کے آمد ورفت کا کرایہ ادا کیا گیا، یہ خرچ مسجد کے چندہ کی رقم میں سے کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کی تعمیر کے نام سے جو چندہ کیا گیا ہے وہ رقم تعمیری کاموں میں ہی خرچ کی جائے اس رقم میں سے مہمانوں پر خرچ کرنا جائز نہیں، (۱) ذمہ دار حضرات اگر یہ خرچ برداشت کر سکتے ہوں تو وہ اپنے جیب خاص سے

---

(۱) قولہ ان یحصون جاز ھذا الشرط مبنی علی ما ذکرہ شمس الائمۃ من الضابط وھو انہ اذا ذکر الوقف مصرفا لا بد ان یکون فیھم تنصیص علی الحاجۃ الخ شامی، مطلب متی ذکر للوقف مصر فاالخ.

خرچ کریں ورنہ اس نام سے چندہ کیا جائے اور آئندہ جب موقع آئے اسی میں خرچ کرتے رہیں۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

توسیع مسجد کے لئے ، مسجد کا مکان اور دوکان کرایہ داروں سے خالی کرانا:

(سوال ۱۶۷) مسجد سے متصل مسجد کا مکان اور دوکان ہے، وہ دونوں کرایہ پر دیئے ہوئے ہیں، بیس پچیس سال سے دو لوگ کرایہ دار ہیں اس وقت نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد میں توسیع کی سخت ضرورت ہے تو مسجد کے متولی کرایہ داروں سے مسجد کا مکان اور دوکان خالی کرا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ لوگ خالی کرنے سے انکار کریں تو زبردستی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد سے متصل مسجد کا مکان اور دوکان ہو جو کرایہ پر دیئے ہوئے ہیں اور اس وقت مسجد کو اس مکان اور دوکان کی ضرورت ہے تو مسجد کے متولی مسجد کا مکان اور دوکان خالی کرا سکتے ہیں اگر وہ انکار کریں تو زبردستی بھی خالی کرا سکتے ہیں، کرایہ داروں کو خوشی خوشی خالی کر دینا چاہئے، مسجد کی چیز ہے اور مسجد کو اس کی ضرورت ہے تو اس میں تنگدلی نہ کرنا چاہئے، البتہ آج کل کرایہ کی مکان کی قلت ہے جلدی کرایہ کے مکان نہیں ملتے اس کا لحاظ کرتے ہوئے ان کو کچھ مہلت دی جائے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) مسجد کی وقف زمین اور مملوکہ زمین ملا کر بیچ دی جائے تو کیا حکم ہے
(۲) مسجد کی موقوفہ زمین سے فائدہ حاصل کیا اس کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۶۸) ایک شخص کے پاس مسجد کی وقف زمین برائے زراعت تھی اسی زمین کے متصل خود اس کی مملوکہ زمین تھی اس نے اپنی مملوکہ زمین کے ساتھ ساتھ مسجد کی وقف زمین بھی بیچ دی، دوسرے شخص نے ایک دو سال بعد وہ زمین تیسرے شخص کو بیچ دی، چھ سات سال سے مسجد کی موقوفہ زمین تیسرے شخص کے قبضہ میں ہے، مسجد کی نئی کمیٹی بنی ہے، انہوں نے اس زمین کی متعلق تحقیق کر کے تیسرے شخص سے مطالبہ کیا ہے کہ یہ مسجد کی وقف زمین ہے تم کو یہ زمین واپس کرنا چاہئے، تیسرا شخص کہتا ہے میں نے خریدی ہے، اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں شرعاً کیا حکم ہے، تیسرے شخص پر وہ زمین مسجد کے حوالے کر دینا ضروری ہے یا نہیں؟ اور مسجد کی وقف زمین بیچی گئی ہے، یہ بیچنا اور خریدنا صحیح ہے یا نہیں؟ تیسرا شخص بالکل بے خبر تھا وہ گنہگار ہوگا یا نہیں؟ اور پہلا دوسرا شخص جن کو اس کا علم تھا پھر بھی انہوں نے یہ معاملہ کیا، ان کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

(۲) دوسرے اور تیسرے شخص نے مسجد کی موقوفہ زمین سے زراعت کر کے نفع حاصل کیا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں مملوکہ اور موقوفہ زمین دونوں کو ملا کر ایک ساتھ بیچا گیا ہے مملوکہ زمین میں تو بیع صحیح ہے مگر موقوفہ زمین میں بیع باطل ہے قبضہ کے باوجود نہ دوسرا شخص مالک ہوگا اور نہ تیسرا شخص مالک شمار ہوگا، درمختار میں ہے (وبطل بیع قن ضم الی حر وذکیۃ ضمت الی میتۃ ماتت حتف انفھا وان سمی ثمن

کل) (بخلاف بیع قن ضم الی مدبر) فانه یصح (او قن غیره وملک ضم الی وقف) (ولو محکوما به) فی الا صح، شامی میں ہے والحاصل ان ههنا مسئلتین الاولی ان بیع الوقف باطل ولو غیر مسجد خلافاً لمن أ فتی بفساده لکن المسجد العامر کالحر وغیره کالمدبر المسئلة الثانیة انه اذا کان کالمدبر یکون بیع ماضم الیه صحیحاًولو کان الوقف محکوماً بلزومه الخ(درمختار ورد المختار ص ۴۰۵ وص ۴۰۶ ج ۴ تحت مطلب فی بطلان بیع الوقف وصحة بیع الملک المضموم الیه ،باب البیع الفاسد)

کنزالدقائق میں ہے:ومن جمع بین حرو عبد اوبین شاة ذکیة ومیتة بطل البیع فیهما وان جمع بین عبد و مدبراو بین عبده وعبد غیره او بین ملک و وقف صح فی القن وعبد والملک.

البحرالرائق میں ہے. وفیما اذا جمع بین ملک ووقف روایتان وما ذکر المؤلف هو الصحیح لان الوقف مال ولهذا ینتفع به انتفاع الا موال غیرانه لایباع لا جل حق تعلق به وذلک لا یوجب فساد العقد فیما ضم الیه کالمدبر . الخ (البحر الرائق ص ۹۰ ج ۶، باب البیع الفاسد)

صورت مسئولہ میں چونکہ وقف زمین میں بیع باطل ہے اور تیسرا شخص اس زمین کا شرعاً مالک نہیں ہے لہذا تیسرے شخص پر لازم ہے کہ مسجد کی وقف زمین فوراً مسجد کے حوالے کر کے وقف کو اصلی حالت پر لوٹائے، اگر اس نے درحقیقت لاعلمی میں وقف زمین خریدی تھی تو وہ شخص گنہگار نہ ہوگا بلکہ واپس کردینے میں انشاء اللہ اجر ملے گا، مگر پہلے اور دوسرے شخص نے علم ہونے کے باوجود وقف زمین بیچی تو وہ دونوں سخت گنہگار ہوں کے وقف کو باطل اور ختم کرنے کی کوشش کرنا ایمانی تقاضا کے بالکل خلاف ہے، ان دونوں کو صدق دل سے توبہ استغفار کرنا چاہئے اور آئندہ ان قسم کی حرکت نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا چاہئے۔

اسی طرح سابق متولی نے حقیقت حال اور خرید وفروخت کی خبر ہونے کے باوجود سکوت اختیار کیا ہو اور وقف کی حفاظت کی کوشش نہ کی ہو تو وہ بھی گنہگار رہوگا۔

مذکورہ صورت میں چونکہ موقوفہ زمین میں بیع باطل ہے لہذا تیسرے شخص نے دوسرے شخص کو موقوفہ زمین کی جو قیمت ادا کی ہے وہ اس سے وصول کرے اور دوسرا شخص پہلے شخص سے وصول کرلے۔

(۲) زمین بٹائی پر دینے کا عرف ہو تو عام طور پر جتنے حصے پر زمین بطور زراعت (بٹائی) دی جاتی ہے وہ حصہ اور زمین کی اجرت مثل ان دونوں میں سے جو وقف کے لئے انفع ہو وہ صورت اختیار کی جائے۔

اگر پیداوار کا حصہ انفع للوقف ہو تو مذکورہ صورت میں دوسرے اور تیسرے شخص نے جتنے سالوں تک زراعت کی ہے اتنے سالوں کا حساب کر کے پیداوار کا حصہ مسجد کو ادا کریں، اور اگر زمین کی اجرت مثل ادا کرنے میں وقف کا زیادہ نفع ہو تو اتنے سالوں کی اجرت مثل ادا کریں، تیسرے شخص کا قبضہ گو قبضہ غصب نہ ہو، مگر یہ تو حقیقت ہے کہ اس نے مسجد کی موقوفہ زمین سے نفع حاصل کیا ہے اس لئے اس کے لئے مندرجہ بالا حکم ہوگا، ہاں وہ گنہگار نہ ہوگا۔

درمختار میں ہے:۔واما فی الوقف فتجب الحصة او الا جر بکل حال فصولین .

شامی میں ہے:۔(قوله واما في الوقف) عبارة الفصولين الا في الوقف فيجب فيه الحصة او الا جر بای جهة زرعها او سكنها اعدت للزراعة اولا وعلى هذا استقر فتوى عامة المتأ خرين اه. الى قوله. وذكر في الا سعات انه لا زرع ارض الوقف يلزم اجر مثلها عند المتأ خرين، اه اقول والظاهر حمله على ما اذا لم يكن عرف او كان الا جرانفع للوقف تأ مل ويمكن تفسير قول الفصولين فتجب الحصة اى ان كان عرف وقوله اوالا جراى ان لم يكن عرف او كان الا جرا نفع تأمل . والحاصل ...... وان كانت وقفافان ثمه عرف وكان انفع اعتبر، والا فاجر المثل لقولهم يفتى بما هو انفع للوقف فاغتنم هذا التحرير المفرد المأ خوذ من كلامهم المبد د اه (درمختار ورد المحتار ص ۱۷۰ ،ص ۱۷۱ ج۵ كتاب الغصب)فقط والله اعلم بالصواب .

مسجد کی جگہ طویل مدت کے لئے کرایہ پر دینا:

(سوال ۱۶۹)ایک مسجد کی قبلہ رخ زمین عرصہ سے بیکار ہےاوراس کا جائے وقوع بھی ایسا ہے کہ قبلہ رخ کوئی مسلمان نہیں رہتا، غیر مسلم آباد ہیں فی الحال مسجد کی مجلس عاملہ نے یہ طے کیا ہے کہ اس جگہ عمارت بنا کر اسکول کو کرایہ پر دے دی جائے یہ اسکول گورنمنٹ کے ماتحت ہوگی اور گورنمنٹ اس کا کرایہ ادا کرے گی مگر حکومت کی جانب سے ایک شرط ہے کہ اسکول کی کمیٹی ننانوے سال کے پٹے پر زمین حاصل کرے اور با قاعدہ اس کا معاہدہ تحریری شکل میں پیش کرے تو کیا صورت مذکورہ میں ننانوے سال کے معاہدہ پر اسکول والوں کو یہ جگہ کرایہ پر دے سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مذکورہ زمین مسجد سے بالکل متصل ہے مسجد کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اسے مسجد میں شامل کرلیا جائے اگر اس وقت توسیع مسجد کی ضرورت نہ ہو یا مسجد میں شامل کرنے میں مالی دشواری ہو تو کم از کم احاطہ (کمپاؤنڈ) بنا لیا جائے اور مناسب ہو تو وہاں باغ جیسا بنالیا جائے ،احاطہ کر لینے میں زمین کی حفاظت بھی ہو جائے گی اور آئندہ مسجد کو اس جگہ کی ضرورت ہوگی تو آسانی مسجد کی ضرورت پوری ہو سکے گی ، یا وہاں دینی مدرسہ جاری کیا جائے جس کی صورت یہ ہے کہ مسجد والے عمارت بنا کر اہل مدرسہ کو کرایہ پر دیں اور کرایہ مسجد کے کاموں میں خرچ کیا جائے اور اہل مدرسہ سے تحریری معاہدہ لیا جائے کہ جب مسجد کو اس جگہ کی ضرورت ہوگی آپ لوگوں کو یہ جگہ مسجد کے حوالے کرنا ہوگی، اسکول والوں کو یہ جگہ اتنی طویل مدت کے لئے ہرگز کرایہ پر نہ دی جائے آئندہ مسجد کو اس جگہ کی ضرورت ہوگی تو اس کے حصول کا کوئی راستہ نہ ہوگا اور اس میں ضیاع وقف کا بھی قوی اندیشہ ہے۔

درمختار میں ہے:قال ابو جعفر الفتوىٰ على ابطال الا جارة الطويلة ولو بعقود شامی میں ہے:(قوله الفتوىٰ على ابطال الا جارة الطويلة ولو بعقود)اى لتحقق المحذور المارفيها وهو ان طول المدة يو دى الى ابطال الوقف كما في الذخيرة .الى ان قال .ثم رأيت ط نقل عن الهندية ان بعض الصكالين ارادوا بهذه الا جارة ابقاء الوقف في يدالمستاجر اكثر من سنة فقال الفقيه ابو جعفر انا نبطلها صيانة للوقف وعليه الفتوىٰ كذا في المضمرات (درمختار ورد المحتار المعروف به شامی ص ۵۰۰ ج۳ فصل يراعى شرط الواقف فى اجارت .فقط والله اعلم بالصواب .

مسجد میں یا مسجد سے باہر کوئی چیز گم ہوئی یا گمشدہ چیز ملی ہو، مسجد میں اس کا اعلان کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۷۰) کسی کی کوئی چیز گم ہو جانے مثلاً گھڑی چشمہ جماعت خانہ میں اس کا اعلان مسجد میں کرنا کیسا ہے؟ اگر مسجد ہی میں کوئی چیز گم ہوگئی ہو تو وہاں جا کر تلاش کرنا یا کسی سے تحقیق کرنا کیسا ہے؟ مسجد میں سے کسی کی کوئی چیز پڑی ہوئی ملے تو اس کا اعلان جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد میں گمشدہ چیز کے اعلان کرنے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے، لہذا جماعت خانہ میں گم شدہ چیز کا اعلان ممنوع ہے، اگر مسجد میں کوئی چیز گم ہوئی ہو اور مسجد میں اسے تلاش کرنے کی ضرورت ہو تو مسجد کے آداب واحترام کا خیال کرتے ہوئے کہ شور وغل نہ ہو، نمازیوں اور معتکفین کو خلل نہ ہو تلاش کرنے اور کسی سے اس کے متعلق تحقیق کرنے کی گنجائش ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے: عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سمع رجلاً ينشد ضالة في المسجد فليقل لا ردها الله عليك فان المساجد لم تبن لهذا رواه مسلم. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی کو مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کرتا ہوا سنے تو وہ اسے (زجراً زبان سے، نہ کہ دل سے) کہے اللہ تعالیٰ تیری چیز تجھے نہ لوٹائے اس لئے کہ مسجد اس کام کے لئے نہیں بنائی گئی ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۶۸ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے (ينشد ضالة في المسجد) اى يطلبها برفع الصوت...... ويدخل في هذا كل امر لم يبن له المسجد من البيع والشراء ونحو ذلك (قوله لم تبن لهذا) اى لنشد الضالة ونحوه بل لذكر الله تعالىٰ وتلاوة القرآن والوعظ حتى كره مالك رحمه الله البحث العلمي وجوزه ابو حنيفة رحمه الله وغيره لانه مما يحتاج قاله ابن حجر ويستثنى من ذلك عقد النكاح فانه سنة للامر به رواه الترمذى (مرقاة شرح مشكوة ص ۱۹۹ ج ۲ ايضا)

التعلیق الصبیح میں ہے: (نشد الضالة) اعلم ان نشد الضالة اى رفع الصوت بطلبها فلا نه صخب ولغط وتشويش على المصلين والمعتكفين يستحب ان ينكر عليه بالدعاء بخلاف مايطلبه ارغاماً له وعلله النبى صلى الله عليه وسلم بان المساجد لم تبن لهذا (التعليق الصبيح شرح مشكوة المصابيح ص ۳۱۲ ج ۱ ايضاً)

مظاہر حق میں ہے: ف۔ ظاہر ہے کہ (لا ردها الله عليك) زبان سے کہے واسطے زجر اور منع کے۔ دل سے یہ بددعا نہ کرے...... الخ (مظاہر حق ص ۲۴۰ جلد اول ایضاً)

درمختار میں ہے۔ ويكره ...... انشادضالة۔ شامی میں ہے (قوله انشاد ضالة) هى الشئ الضائع وانشادها السؤال عنها وفى الحديث اذا رأيتم من ينشد ضالة في المسجد فقولوا لاردها الله عليك (درمختار وشامى ج ۱ ص ۶۱۷ احكام المساجد)

''اسلام کا نظام مساجد'' میں ہے۔ گمشدہ چیز کی تلاش بھی مسجد میں جائز نہیں ہے کہ یہ بھی مسجد کے احترام کے خلاف ہے کیونکہ اس میں شور ہنگامہ ناگزیر ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا من سمع رجلا ینشد ضالة فی المسجد فلیقل لا ردها الله علیک فان المساجد لم تبن لهذا ۔ جو کسی شخص کو سنے کہ وہ مسجد میں گمشدہ کی تلاش کرتا ہے تو چاہئے کہ کہے اللہ تعالیٰ اس کو تجھ پر نہ لوٹائے کیونکہ مسجد اس کام کے لئے نہیں بنائی گئی ہے (مسلم باب النهی عن نشد الضالة ص ۲۱۰ ج ۱)

اس حدیث میں صرف گمشدہ چیز کی تلاش سے روکا ہی نہیں گیا ہے بلکہ اس میں اس پر زجر و توبیخ بھی موجود ہے اور ساتھ ہی اس کی علت بھی بیان کردی گئی ہے، اس زمانہ میں خصوصیت سے اس حدیث پر عمل کرنا چاہئے اور اس حدیث کا مفہوم عام مسلمانوں کے ذہن نشین ہونا چاہئے، ہاں اس وقت کوئی حرج سمجھ میں نہیں آتا کہ جب چیز مسجد ہی میں گم ہو جائے تو آداب مسجد کا لحاظ کرتے ہوئے تلاش کی جائے، باقی جو چیز مسجد سے باہر کہیں اور کھوگئی ہے اس کی تلاش ان مساجد کے ذریعہ کسی طرح مناسب نہیں ہے، ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی کو مسجد میں گمشدہ چیز تلاش کرتے دیکھو تو کہو لا وجدت انما بنیت المساجد لما بنیت. وہ تجھ کو نہ ملے، مسجد جس کام کے لئے بنائی ہے اسی کے لئے ہے (مسلم شریف ص ۲۱۰ ج ۱) (اسلام کا نظام مساجد ص ۱۹۸، ص ۱۹۹)

مجمع الانہر میں ہے: (ویعرفها) ای یجب تعریف اللقطة (فی مکان اخذها) فانه اقرب الی الوصول (وفی المجامع) ای مجامع الناس کابواب المساجد والاسواق فانه اقرب الی وصول الخبر . یعنی جس جگہ لقطہ ملا ہو اس جگہ اعلان کرے اور اسی طرح لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ جیسے مسجد کا دروازہ اور بازار، مالک تک خبر اور اس کی چیز پہنچانے کا یہ قریبی ذریعہ ہے (مجمع الانہر ص ۷۱۳ ج ۱، کتاب اللقطہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد میں دعائے مغفرت کا اعلان کرنا:

(سوال ۱۷۱) جماعت خانہ میں بآواز اعلان کرے کہ فلاں شخص کا انتقال ہو گیا ہے فلاں جگہ سے خبر آئی ہے، ان کے لئے دعاء مغفرت کی درخواست ہے، جماعت خانہ میں یہ اعلان کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

(الجواب) جماعت خانہ میں اس قسم کی چیزوں کے اعلان کے التزام اور اس کی عادت مسجد کے شایان شان نہیں ہے مسجد کے ادب واحترام کے بھی خلاف ہے، مسجد ان امور کے لئے نہیں بنائی گئی ہے، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے: (قوله لم تبن لهذا) ای لنشد الضالة ونحوه بل لذکر الله تعالیٰ وتلاوة القرآن والوعظ حتی کره مالک رحمه الله البحث العلمی وجوزه ابو حنیفة رحمه الله لانه مما یحتاج قاله ابن حجر ویستثنی من ذلک عقد النکاح فانه سنة للامر به رواه الترمذی (مرقاة شرح مشکوة ص ۱۹۹ ج ۲، مطبوعہ ملتان باب المساجد ومواضع الصلوٰة)

خارج مسجد تختۂ سیاہ (بلیک بورڈ) پر لکھ کر موت کی خبر دے کر دعاء مغفرت کی درخواست کردی جائے تو گنجائش ہے۔

شامی میں ہے۔ ولا بأس ... وبالاعلام بموته (قوله وبالاعلام بموته) ای اعلام بعضهم بعضا

لیقضوا حقه و کره بعضهم ان ینا دی علیه فی الا زقة و الا سواق لانه اشبه نعی الجاهلية و الا صح انه لا یکره اذالم یکن معه تنويه بذكر وتفخيم الخ (د رمختار و شامی ص ۸۴۰ ج ۱ کتاب الجنائز مطلب فی دفن المیت)(غایة الا وطار ج ۱ ص ۴۲۲)فقط و الله اعلم بالصواب.

(۱)مسجد کی رقم کا سود کہاں خرچ کیا جائے غرباءکو دے سکتے ہیں یا نہیں؟(۲)اس مسئلہ کے متعلق مفتیِ اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تحقیق:

(سوال ۱۷۲)مسجد کی رقم بینک میں جمع ہے اس کا سود بھی آتا ہے مسجد کو سود کی بالکل ضرورت نہیں ہے وہ سود کی رقم امام ومؤذن (دونوں غریب ہیں)اور دیگر غرباءکو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بلا مجبوری بینک میں رقم نہ رکھنا چاہئے اگر قانونی مجبوری کی وجہ سے رقم رکھی ہو اور اس پر سود ملا ہو تو وہ سود مسجد کے بیت الخلاء، غسل خانہ کی مرمت یا صفائی کی چیزوں میں خرچ کیا جائے ،اگر اس میں ضرورت نہ ہو تو غرباءکو دے دیا جائے رفاہ عام کے کاموں میں بھی خرچ کر سکتے ہیں ،امام ومؤذن اگر مستحق ہوں تو ان کو بھی دے سکتے ہیں، مسجد پر یہ رقم خرچ نہ کی جائے کہ یہ تقدس مسجد کے خلاف ہے۔(اس مسئلہ پر بحث آگے آرہی ہے۔ازمرتب)

اس مسئلہ کے متعلق اپنے اکابر مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحبؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تحقیق پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ملاحظہ ہو۔کفایت المفتی میں ہے:

(سوال)مسجد کا جو روپیہ بینک میں جمع رہتا ہے اس کا سود لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ روپیہ نہ لیا جائے تو وہ لوگ اس کو مشن اسکولوں وغیرہ میں صرف کرتے ہیں، اگر جائز ہے تو اس روپے سے امور کار خیر مثلاً تبلیغی مدرسے کی امداد، غرباءکی اعانت، مسافر خانہ، کنواں اور سڑک وغیرہ کی تعمیر سڑکوں پر روشنی، مسلمان طلبہ کے لئے انگریزی کتابوں کی خریداری اور ان کی انگریزی تعلیم پر صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ان صورتوں میں سے جس میں صرف کرنا زیادہ افضل ہو اس سے بھی مطلع فرمایا جائے ،بینوا توجروا۔

(الجواب) جو روپیہ بینکوں میں جمع کیا جائے اس کا سود بینک سے وصول کرلیا جائے تاکہ اس کے ذریعہ سے مسیحی مذہب کی تبلیغ اور مسلمانوں کو مرتد بنانے کی اعانت کا گناہ نہ ہو، وصول کرنے کے بعد اس روپے کو امور خیر میں جو رفاہ عام سے تعلق رکھتے ہوں یا فقراء و مساکین کی رفع حاجات کے لئے مفید ہوں مثلاً یتامی و مساکین اور طلبائے مدارس اسلامیہ کے وظائف اور امداد کتب وغیرہ میں خرچ کرنا یا مسافر خانہ کنواں سڑک وغیرہ تعمیر کرنا، سڑکوں پر روشنی کرنا یہ سب صورتیں جائز ہیں، البتہ مسجد پر خرچ نہ کی جائے کہ یہ تقدس مسجد کے منافی ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم۔محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

(الجواب) از مولانا اشرف علی تھانویؒ اول تو مسجد کا روپیہ بینک میں جمع کرنا جب دوسرا طریق حفاظت کا ہو خلاف احتیاط ہے، اور اگر غلطی سے یا غفلت سے یا مجبوری سے ایسا اتفاق ہوگیا تو اس وقت وصول کرنے میں تو وہی عمل کرے جو مجیب اول نے تحریر فرمایا ہے البتہ جز و اخیر یعنی مصارف مذکورہ میں صرف کرنا اس میں ترمیم کی ضرورت ہے وہ یہ کہ

خاص اس کا مسجد میں صرف کرنا تو تقدس مسجد کے خلاف ہے اور دوسری جگہ صرف کرنا ملک مسجد کا غیر مسجد میں صرف کرنا ہے اس لئے دونوں محذوروں سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ اس قدر روپیہ کسی سے قرض لے کر مسجد میں صرف کردے اور اس سود کی رقم سے وہ قرض ادا کردے، اور یہ ثابت ہے کہ مسجد کی نیت سے جو قرضہ لیا جاوے اس کا مسجد کی آمدنی سے ادا کرنا جائز ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ اشرف علی عفی عنہ۔ ۱۱ ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ۔

الجواب الثانی صحیح۔ بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ، مسعود احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی دار العلوم دیو بند ۱۴ ذی قعدہ ۵۴ء

(الجواب) از حضرت مفتی اعظمؒ۔ الجواب واللہ الملھم للحق والصواب۔ بینک کے سود کو وصول کرنے کا حکم یا تو اس بنا پر ہو کہ ہندوستان دار الحرب ہے، اور دار الحرب میں عقود ربویہ جائز ہیں اس صورت میں بینک میں روپیہ جمع کرنا اور سود حاصل کرنا بھی جائز ہوگا، اور شخصی رقم یا وقفی رقم دونوں جمع کی جاسکیں گی اور رقم کا مالک خواہ کوئی شخص ہو یا مسجد، سودی رقم کا بھی مالک ہو جائے گا اور یہ کہا جاسکے گا کہ سود کی وہ رقم جو مسجد کے جمع شدہ روپے پر ملی ہے مسجد کی رقم ہے۔ لیکن اپنی جماعت کے علماء نے ہندوستان میں عقود ربویہ کے جواز کا ابھی تک حکم نہیں دیا ہے اور اسی نظر سے بینکوں میں روپیہ جمع کرنے سے منع کرتے ہیں، میں بھی بینک میں تا حد امکان روپیہ جمع کرنے سے اب تک منع کرتا رہا ہوں، اول اس لئے کہ سود میں ابتلاء اور بینک کی تمام سودی کاروبار کی معاونت ہے، دوم اس لئے کہ ڈاکخانہ کا سیونگ بینک اور امپیریل بنک کلیۃً اور براہ راست دوسرے بینک اکثری طور پر اور بالواسطہ حکومت کے زیر حکم اور اس کی موید و معاون ہیں اور حکومت کافرہ متسلطہ کو مالی تقویت پہنچانا اور اس کی قوت کو مستحکم کرنا مفاد اسلام کے منافی ہے، اس صورت میں سود حاصل کرنے کے جواز کا حکم محض اس بناء پر ہے کہ اگر چہ بینک کا سود، سود ہی ہے اور اخذ ربا وعقود ربویہ کی مباشرت کی اجازت نہیں، مگر بینک سے سود اس لئے وصول کر لیا جائے کہ نہ لینے کی صورت میں وہ مسیحی مشنریوں کو دے دیا جاتا ہے اور وہ اس کی ذریعہ سے مسیحیت کی تبلیغ اور مسلمانوں وغیرہم کو مرتد بنانے کا کام لیتی ہیں، اس لئے بینکوں میں اول تو روپیہ جمع نہ کرنا چاہئے اور کسی مجبوری یا غفلت سے جمع کر دیا جائے تو اس کا سود بینک سے وصول کر لیا جائے نہ اس بنا پر کہ وہ مالک رقم کا حق اور اس کی ملک ہے بلکہ اس لئے کہ اس کے ذریعہ سے تبلیغ مسیحیت وارتداد مسلمین کا ذریعہ بننے کے گناہ عظیم سے محفوظ رہے اور ظاہر ہے کہ اس تقدیر پر سود کی حاصل شدہ رقم جمع شدہ روپے کے مالک کی خواہ وہ کوئی شخص ہو یا مسجد یا اور کوئی وقف ہو مملوک نہیں ہوتی بلکہ یہ رقم ایک ایسی رقم ہے جو کسی مسلمان کے قبضہ میں شخصی حیثیت سے یا متولی کی حیثیت سے آگئی ہے اور جس کو اپنے قبضہ سے نکال دینا لازم ہے، تو اس کی صورت یہ بتائی گئی تھی کہ رفاہ عام کے کاموں میں یا فقراء و مساکین پر خرچ کر دی جائے۔

اگر اس رقم کا مسجد کو مستحق اور مالک قرار دیا جائے تو لازم ہوگا کہ تمام چھوڑی ہوئی رقم کا متولیوں کو ضامن بنایا جائے جس کی مقدار لاکھوں کروڑوں روپے تک پہنچتی ہے کیونکہ متولی کو کسی طرح یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مسجد کی مملوکہ مستحقہ رقم قصداً وصول نہ کرے اور چھوڑ دے۔ محمد کفایت اللہ۔ (کفایت المفتی جلد ہفتم ص ۱۰۴، ص ۱۰۵، ص ۱۰۶) فقط واللہ اعلم بالصواب

مسجد کے چندہ کے لئے سفر کے اخراجات کے سلسلہ کا قرض، مسجد کے چندہ میں سے وصول کرنا:

(سوال ۱۷۳) ہماری مسجد میں مصلیوں کے پیش نظر توسیع کی سخت ضرورت ہے اور اس کا خرچ بڑا ہے، اہل محلہ اس کو پورا نہیں کر سکتے دیگر مقامات بمبئی وغیرہ کا سفر کرنا پڑے گا، سفر کے لئے بھی مسجد کے پاس رقم نہیں ہے، سردست کچھ لوگوں سے قرض لے کر سفر کے اخراجات پورے کئے جائیں گے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ برائے تعمیر مسجد جو چندہ ہوگا اس میں سے قرض ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) محلہ کی آبادی اور نمازیوں کا خیال کر کے مسجد میں توسیع کی جائے مسجد کی پرانی عمارت مضبوط اور مستحکم ہو اس کو باقی رکھتے ہوئے مسجد میں توسیع کی جاسکتی ہو تو کرے، پرانی عمارت کو شہید نہ کیا جائے اور کم سے کم خرچ سے توسیع کا کام کیا جائے، چندہ دینے والوں کو کہہ دیا جائے کہ مسجد والوں نے قرض لے کر ہمارے سفر کے اخراجات کا انتظام کیا ہے آپ کے چندہ میں سے وہ قرض بھی ادا کیا جائے گا تو ایسی صورت میں چندہ کی رقم میں سے قرض ادا کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد میں دوسری منزل بنا کر نیچے والا جماعت خانہ چھوڑ کر اوپر جماعت کرنا کیسا ہے:

(سوال ۱۷۴) ہماری مسجد میں دوسری منزل بنانے کا پروگرام ہے اور اس کے بعد بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جماعت اوپر والے جماعت خانہ میں کی جائے تو یہ صورت اختیار کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ صورت اختیار کرنا بالکل مناسب نہیں ہے نیچے والا جماعت خانہ جہاں برسوں سے نماز باجماعت ادا کی جارہی ہے جس جگہ لاکھوں سجدے ہوئے ہیں اس جگہ کو چھوڑ کر اوپر جماعت کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، نیچے والا جماعت خانہ کھنڈر بن کر رہ جائے گا اور اس کی حرمت باقی نہیں رہے گی، لہذا اصل جماعت خانہ نیچے والا ہی باقی رہنا چاہئے، امام صاحب نیچے ہی کھڑے ہوں اور جماعت کی صفت بندی نیچے سے شروع ہو، نیچے جگہ نہ رہے تو بقیہ مصلی اوپر جا کر نماز ادا کریں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (اس مسئلہ کی تفصیل مکروہات صلوٰۃ میں دیکھ لیا جائے۔ مرتب)

مسجد کی چھت کا پانی باہر نکالنے کے لئے جماعت خانہ کے نیچے کے حصہ میں نالی بنانا:

(سوال ۱۷۵) مسجد کی چھت کا پانی پرنالہ کے ذریعہ جماعت خانہ میں اتارنا اور نالی کے ذریعہ جو جماعت خانہ کے اندر ہوگی خارج کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد دنیا و مافیہا سے افضل ترین اور مقدس ترین مقام ہے، مسجد کو ظاہری طور پر بھی معطر اور خوشبودار رکھنے کا حکم ہے اور مسجد تحت الثریٰ تک مسجد کے حکم میں ہے، لہذا جب کہ دھابہ (چھت) کا پانی مسجد کے اندر سے گذرے گا تو ہوسکتا ہے بلکہ قوی احتمال ہے کہ بلی چوہے اور کوے وغیرہ کی نجاست اور آلائش لئے ہوئے ہو تو ایسے پانی کا جماعت خانہ کے نیچے گذارنے کے لئے نالی بنانے کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے؟ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) مستحکم اور مضبوط جماعت خانہ شہید کر کے نیا تعمیر کرنا
(۲) بچوں کی دینی تعلیم کی ضرورت:

(سوال ۱۷۶) ہمارے محلہ کی مسجد شہید کر کے توسیع کا پروگرام ہے اس کی صورت یہ ہے کہ جماعت خانہ کی عمارت اتنی پختہ ہے کہ ایک طویل عرصہ تک بغیر کسی خطرہ اور مرمت کے استعمال میں لائی جاسکتی ہے، توسیع کے لئے جماعت خانہ سے متصل ایک بڑا صحن موجود ہے اگر اس پر پختہ چھت (سلیپ) ڈال دی جائے تو کم از کم پانچ سو مصلیوں کی جگہ اور نکل سکتی ہے اور کام چل سکتا ہے، تو ایسی حالت میں جماعت خانہ شہید کرنا کیسا ہے؟ اگر جماعت خانہ شہید کر کے پوری مسجد نئی بنائی جائے تو اس کا اندازی خرچ ساٹھ لاکھ ہے اور یہ پورا خرچ چندہ کر کے کیا جائے گا، آپ ہماری رہنمائی فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب کہ جماعت خانہ کی عمارت مضبوط اور مستحکم ہے، اور جماعت خانہ سے متصل صحن موجود ہے جس پر پختہ چھت (سلیپ) ڈال کر مسجد کی توسیع کی جاسکتی ہے تو مسجد شہید کر کے بلا ضرورت لوگوں سے چندہ کا سوال کرنے اور ان پر بوجھ ڈالنے کی شرعاً اجازت نہیں، اسراف اور فضول خرچی ہوگی، بقدر ضرورت سادہ طریقہ پر جماعت خانہ کی عمارت باقی رکھ کر مسجد میں توسیع کر لی جائے، آج کل لوگ ۴۰ لاکھ ۵۰ لاکھ ۸۰ لاکھ کی مسجد بنا کر فخر کرتے ہیں، فی زمانہ شاندار شاندار مساجد بنانے کے بجائے بچوں کی دینی تعلیم پر توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے اگر بچے دین سے ناواقف اور جاہل رہے تو ان کا ایمان خطرہ

میں ہے اور اس کی پوری ذمہ داری ہم پر ہوگی، قرآن وحدیث میں بچوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے اور ان کو دین سے واقف کرنے کی بہت تاکید کی گئی ہے، قرآن مجید میں ہے:۔ **یا یھا الذین امنوا قوا انفسکم و اھلیکم ناراً** اے ایمان والوں تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ (سورۂ تحریم پارہ نمبر ۲۸) اور دوزخ سے بچانے کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ ان کو دینی تعلیم سے آراستہ و پیراستہ کریں اور بچپن ہی سے ان کو دینی احکام پر عمل کرنے کا عادی بنائیں، ایک حدیث میں ہے **مروا اولادکم بالصلوۃ وھم ابناء سبع سنین واضربوھم علیھا وھم ابناء عشر سنین وفرقوا بینھم فی المضاجع** (ابو داؤد شریف کتاب الصلوٰۃ باب متی یؤمر الغلام بالصلوۃ) ترجمہ:۔ اپنی اولاد کو نماز کا حکم کرو جبکہ وہ سات برس کے ہوں اور جب دس برس کے ہوجاویں تو نماز نہ پڑھنے پر اس کو مارو اور اس عمر میں پہنچ جانے کے بعد ان کے بستر الگ کردو، بچہ سات برس کا ہو یا دس برس کا وہ مکلّف نہیں ہوتا اور اس پر نماز فرض نہیں ہوتی مگر بچپن ہی سے نماز کا عادی ہوجائے اس مقصد کی پیش نظر بچپن ہی سے نماز کی عادت ڈالنے کا حکم کیا گیا اور ایک حدیث میں ہے **طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم، مشکوٰۃ کتاب العلم** ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے (ابن ماجہ) اس لئے اپنی اولاد اور قوم کے بچوں بچیوں کو علم سے آراستہ کرنے کی سخت ضرورت ہے، دینی علم ہی سے بچے صحیح عقائد سمجھ سکتے ہیں اور اپنے اعمال درست کرنے کے عادی ہوسکتے ہیں اور علم ہی سب سے بڑی دولت ہے علم کے بغیر انسان حقیقت میں یتیم ہے ایک عربی

شاعر کہتا ہے۔

لیس الیتیم الذی قدمات والدہ
ان الیتیم یتیم العلم والادب

یعنی وہ بچہ جس کے والد کا انتقال ہو گیا ہو حقیقت میں وہ یتیم نہیں ہے در حقیقت یتیم وہ بچہ ہے جو علم وادب سے محروم رہا ہو وہ دنیا و آخرت دونوں میں بڑے خیر سے محروم رہتا ہے۔ لہذا بچوں کی دینی تعلیم پر توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے، ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے **لان یودب الرجل ولدہٗ خیر لہٗ من ان یتصدق بصاع**، آدمی کا اپنی اولاد کو ادب سکھانا ایک صاع (ساڑھے تین کلو) غلہ خیرات کرنے سے بہتر ہے (ترمذی شریف) ایک اور حدیث میں ہے آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا **ما نحل والد ولدہ من ادب حسن** کسی باپ نے اپنے بچے کو نیک ادب سے افضل کوئی عطیہ نہیں دیا (ترمذی شریف ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی اداب الوالد) معلوم ہوا کہ بچہ کو علم وادب سکھانے سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں بچے کو علم سے آراستہ کرنا مسلمان کا اسلامی فریضہ ہے، قیامت میں اس کے متعلق بھی سوال ہوگا ماذا **علمته وما ذا ادبته**، تم نے اس بچہ کو کیا تعلیم دی تھی اور اس کو کیا ادب سکھایا تھا (فتاوی رحیمیہ کتاب العلم میں، اولاد کو دینی علم سے جاہل رکھنے کی ذمہ داری والدین پر ہے کے عنوان سے دیکھ لیا جائے۔ از مرتب)

لہذا بچوں کی دینی تعلیم سے غفلت بہت عظیم خسران کی بات ہے، نیز ایک اور حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے ارشاد فرمایا **من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وادبہ** جس کے یہاں بچہ کی ولادت ہو تو اس پر لازم ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو ادب سکھائے (**مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۱ باب الولی فی النکاح واستیذان المرأۃ**) نیز حدیث میں ہے: **ما من مولود الا یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ** ۔ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے (یعنی اس کے اندر دین اسلام اور صحیح طریقہ قبول کرنے کی پوری صلاحیت ہوتی ہے) مگر اس کے والدین (غلط) تعلیم و تربیت سے اسے یہودی بنادیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی (مشکوٰۃ شریف ص ۲۱ باب الایمان بالقدر) آج کل ہم قوم کے اعتبار سے تو مسلمان ہیں مگر عملاً ہماری صورت وسیرت بدلی ہوئی ہے اور ہر چیز میں اسلامی اور سنت طریقہ چھوڑ کر یہود ونصاری وہنود کے طریقے اختیار کئے ہوئے ہیں، یہی حال ہماری اولاد کا ہے **الا ماشاء اللہ انا للہ. العیاذ باللہ والی اللہ المشتکی**. علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں۔

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلمان نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

خواب غفلت سے بیدار ہونے کی سخت ضرورت ہے، نئی نسل کے ایمان کی حفاظت دینی تعلیم واسلامی تربیت کے بغیر بہت مشکل ہے، دینی تعلیم و تربیت کے بغیر عصری تعلیم ایمان کے لئے نہایت خطرناک ہے، اسلامی عقائد اخلاق وعادات بگڑ جاتے ہیں، دین وشریعت کی ان کے دلوں میں وقعت اور عظمت نہیں رہتی، اسلامی احکام میں

شکوک وشبہات پیدا ہونے لگتے ہیں ، الحاد زندقہ (بددینی) تک نوبت پہنچ جاتی ہے ۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ فتاویٰ رحیمیہ جلد اول ص۲۷۰ تا ص۲۷۳ جلد اول جدید ترتیب کے مطابق کتاب العلم میں ، بعنوان ، تعلیم نسواں سے دیکھ لیا جائے نیز ص ۱۴۵ تا ص ۱۵۰ ایضا دنیوی تعلیم کے کلاس جاری کرنے کا کیا حکم ہے ؟ کے عنوان سے دیکھ لیا جائے ۔ از مرتب)

علامہ اقبال مرحوم ایک نظم میں جس کا عنوان ” فردوس میں ایک مکالمہ “ ہے اپنا خیال یوں ظاہر فرماتے ہیں ۔

ہاتف نے کہا مجھ سے فردوس میں ایک روز
حالی سے مخاطب ہوئے یوں سعدی شیراز
کچھ کیفیت تو مسلم ہندی تو بیاں کر
درماندۂ منزل ہے کہ مصروف تگ وتاز
مذہب کی حرارت بھی ہے کچھ اس کی رگوں میں
تھی جس کی فلک سوز کبھی گرمی آواز
باتوں سے ہوا شیخ کی حالی متاثر
رو رو کے لگا کہنے کے اے صاحب اعجاز
جب پیر فلک نے ورق ایام کا الٹا
آئی یہ صدا پاؤ گے تعلیم سے اعزاز
آیا ہے مگر اس سے عقیدہ میں تزلزل
دنیا تو ملی طائر دیں کر گیا پرواز
دین ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی
فطرت ہے جوانوں کی زمین گیر وزمین تاز
بنیاد لرز جائے جو دیوار چمن کی
ظاہر ہے کہ انجام گلستاں کا ہے آغاز
پانی نہ ملا زمزم ملت سے جو اس کو
پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز
ذکر حضور شہ یثرب میں نہ کرنا
سمجھیں نہ کہیں ہند کے مسلم مجھے غماز
خرما نتواں یافت ازاں کار کہ کشتیم
دیبا نتواں یافت ازاں پشم کہ رشتیم

آباواجداد سب کچھ تھے مگر ان پر فخر کرنا کافی نہیں خود بھی متبع شریعت اور سچا مسلمان بننا اور اپنی اولاد کو بھی متبع شریعت اور حقیقی مسلمان بنانا ضروری ہے ۔

علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے

تھے تو وہ آباء تمہارے ہی مگر تم کیا ہو
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا کیا ہو
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟
وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

خلاصہ یہ کہ بچوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنا انتہائی ضروری ہے، اس لئے صورت مسئولہ میں جماعت خانہ کی عمارت باقی رکھ کر صحن میں پختہ چھت ڈال کر کام چلا لیا جائے اور جماعت خانہ کی مضبوط اور مستحکم عمارت کو شہید نہ کیا جائے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی رحمہ اللہ کا فتویٰ:

(سوال ۷۴۴) ایک مسجد مقام کلتھر ضلع بلاسپور میں میرے بھائی حاجی الٰہی بخش نے پانچ چھ سال کا عرصہ ہوتا ہے تیار کی ہے مگر اب کچھ لوگ اسے شہید کر کے دوبارہ پتھر کی بنوانا چاہتے ہیں اور اس وقت مسجد میں صرف یہ شکایت ہے کہ ایام بارش میں کچھ پانی چھت کی وجہ سے آتا ہے اب حاجی صاحب شہید کرنے سے انکار کرتے ہیں اور وہ لوگ نہیں مانتے......الخ۔

(الجواب) اگر چھت کی شکایت ہے تو چھت کی مرمت کافی ہے، بلاضرورت پرانی مسجد شہید کرنا درست نہیں......الخ (امداد الفتاویٰ مطبوعہ کراچی ص ۶۰۸ ج ۲)

مساجد کا احترام بہت ضروری ہے، فقہاء رحمہ اللہ نے تو بلاضرورت مسجد کی چھت پر چڑھنے کو بھی مکروہ لکھا ہے، الصعود علی کل سطح مسجد مکروہ. کسی بھی مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے (فتاویٰ عالمگیری ص ۳۲۲ ج۵، کتاب الکراھیة باب ۵)

اب غور کیجئے! مسجد شہید کرنے میں جماعت خانہ کی چھت پر کتنی مرتبہ چڑھنا ہوگا؟ اور کتنے آدمیوں کا چڑھنا ہوگا؟ چڑھنے والے کیسے لوگ اور کون لوگ ہوں گے؟ کیا وہ لوگ مسجد کا احترام کریں گے؟؟؟

فی زمانا جب کہ مکانات وغیرہ مزین اور خوبصورت بنائے جارہے ہیں اگر نئی مسجدیں بھی ویسی شاندار اور خوبصورت بنیں تو فی نفسہ جائز بلکہ مستحسن ہے لیکن اگر فخر و مباہات شہرت و ناموری کے خیال سے بنائی جائے تو اسے قیامت کی علامت بتایا گیا ہے۔

حدیث میں ہے: عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من اشراط الساعة ان یتباھی الناس فی المساجد رواہ ابو داؤد والنسائی والدارمی وابن ماجہ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تسلیما کثیراً کثیراً نے ارشاد فرمایا قیامت کی علامتوں میں سے (ایک) علامت یہ بھی ہے کہ لوگ مساجد کے بارے میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے (مشکوٰۃ شریف ص ۶۹ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ (قوله ان یتباهی الناس فی المساجد) ای فی شأ نها او بنا ئها یعنی یتفا خر کل احد بمسجده ویقول مسجد ی ارفع او ا زین او او سع او احسن ریاء وسمعة واجتلا بـاللمدحدحة (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۲۰۲ ج۲ ایضاً مطبوعه مکتبه امدادیه ملتان)فقط و الله اعلم بالصواب ۔

مسجد کے پرانے ملبہ کا حکم:

(سوال ۱۷۷) ہماری مسجد بہت ہی بوسیدہ ہوگئی ہے جس کی وجہ سے اسے شہید کر کے دوبارہ تعمیر کرنا ہے مسجد کا پرانا ملبا اینٹ وغیرہ جو نکلے گا اسے کہاں استعمال کیا جائے کسی ۔۔ بیچنا کیسا ہے؟ بینواتو جروا۔

(الجواب) مسجد کا پرانا ملبا اینٹ وغیرہ قابل احترام ہے، مناسب یہ ہے کہ مسجد ہی میں کسی مناسب جگہ استعمال کیا جائے یا کسی دوسری مسجد جسے اس ملبہ کی ضرورت ہو ان سے بیچ دیا جائے، ناپاک جگہ اور جہاں بے ادبی ہو وہاں استعمال نہ کیا جائے، درمختار میں ہے: ولا ترمی برایة القلم المستعمل لا حترامه کحشیش المسجد و کناسته لا یلقی فی موضع یخل بالتعظیم. ترجمہ مستعمل قلم کا تراشہ قابل تعظیم ہے اس کو پھینکا نہ جائے جیسے مسجد کی پرال اور اس کا کوا ایسی جگہ نہ ڈالا جائے جس میں اس کی بے ادبی ہو۔(درمختار مع الشامی ج ا ص ۱۶۵ کتاب الطهارة)

اگر بیچنے کی ضرورت ہو تو کسی مسلمان سے بیچا جائے اور اسے ہدایت کر دی جائے کہ یہ مسجد کا ملبہ ہے اسے ایسی جگہ استعمال کیا جائے جہاں بے ادبی نہ ہو، غیر مسلم سے نہ بیچا جائے اس سے بیچنے میں بے ادبی کا قوی اندیشہ ہے ۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد، مدرسہ، اسکول کا چندہ مشترک کیا جاتا ہو تو ہر ایک کا حساب الگ رکھنا ضروری ہے یا نہیں

(سوال ۱۷۸) ہماری مسلم ایسوشیئن کی ماتحتی میں اسکول مدرسہ ساتھ چلتا ہے اور اس میں ایک مسجد بھی ہے اور اطراف کے دیہات میں کچھ مدرسے بھی اسی ایسوشیئن کے ماتحت چلتے ہیں اور مسجد و مدرسہ کا تعمیری کام بھی اسی ادارہ کے ماتحت ہو رہا ہے، سوال یہ ہے کہ مذکورہ ادارہ کی طرف سے سال میں ایک مرتبہ مسجد، مدرسہ، اسکول کا ایک ساتھ ہی چندہ کیا جاتا ہے، مسجد مدرسہ وغیرہ کا الگ الگ چندہ نہیں ہوتا اور یہ طریقہ پہلے سے چلا آرہا ہے اور جو چندہ جمع ہوتا ہے اسی میں مشترک طور پر مندرجہ بالا کاموں میں خرچ ہوتا ہے، مذکورہ صورت میں مدرسہ اور تعمیری کام ان سب کا الگ الگ حساب رکھنا ضروری ہے؟ اور چندہ مذکورہ تمام کاموں میں استعمال کر سکتے ہیں؟ جواب عنایت فرمائیں، بینواتو جروا (زامبیا)

(الجواب) جب پہلے سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ سب کاموں کے لئے ایک ساتھ چندہ کیا جاتا ہے اور چندہ دینے والے بھی یہ سمجھتے ہیں اور جانتے ہو کہ ہمارا چندہ ان سب کاموں میں (جن کا تذکرہ سوال میں کیا گیا ہے) مشترک طور

پر خرچ کیا جاتا ہے اور سب اس پر رضا مند بھی ہیں تو ایسی صورت میں ان کاموں میں استعمال کرنا بھی صحیح ہے اور الگ الگ حساب رکھنا بھی ضروری نہیں ہے۔[1]

یہ بات ملحوظ رہے کہ مذکورہ کاموں میں للہ رقم (امداد) ہی استعمال ہو سکتی ہے، زکوٰۃ صدقات واجبہ وغیرہ کی رقمیں ان کاموں میں استعمال نہیں کر سکتے۔ اگر استعمال کریں گے تو زکوٰۃ وغیرہ ادا نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کی آمدنی ہونے کے باوجود امام صاحب کو کم تنخواہ دینا:

(سوال ۱۷۹) ہماری مسجد کی امام صاحب ماشاء اللہ متقی صالح ہیں، برسوں سے نہایت خاموشی کے ساتھ امامت کی خدمت انجام دے رہے ہیں، جمعہ کے دن خطبہ و بیان بھی ان کے ذمہ ہے صاحب عیال بھی ہیں، مسجد کی آمدنی بھی بہت ہے مگر مسجد کے متولی برسوں سے جو تنخواہ دیتے ہیں وہی اب بھی دے رہے ہیں اضافہ نہیں کرتے، مقتدی متولیوں کو توجہ دلاتے ہیں مگر وہ خیال نہیں کرتے امام صاحب تو کچھ مطالبہ نہیں کرتے مگر ہم ان کی حالت سے باخبر ہیں، اقتصادی اعتبار سے پریشان رہتے ہیں، تو متولیوں کا یہ عمل کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب مسجد کی آمدنی کافی ہے اور امام وخطیب صاحب ماشاء اللہ مدت سے امامت کی خدمت انجام دے رہے ہیں، جمعہ کے دن بیان بھی کرتے ہیں، نیک اور متقی بھی ہیں اور صاحب عیال بھی ہیں تو مسجد کے متولیوں پر لازم ہے کہ ان کے تنخواہ میں گرانی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اضافہ کریں مسجد کی آمدنی ہونے کے باوجود امام صاحب کے گھریلو اخراجات کے مطابق تنخواہ نہ دینا ظلم ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد چہارم ص ۳۵۳، ص ۳۵۴[2] نیز مذکورہ جلد میں سوال نمبر ۲۱۸۳ ملاحظہ فرمائیں۔)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد سے متصل قبرستان میں مسجد کی ضرورت کے لئے بورنگ کرنا کیسا ہے:

(سوال ۱۸۰) مسجد میں پانی کی ضرورت ہے، جماعت خانہ سے متصل ایک چھوٹا سا قبرستان ہے جو احاطہ مسجد ہی میں ہے، اس کے ایک کونے میں بورنگ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد سے متصل زمین کا جو ٹکڑا ہے ظاہر ہے کہ وہ مسجد ہی کی وقف زمین ہوگی اور وہاں مخصوص قبریں ہوں گی بعض بزرگان دین کی قبریں بھی ہو سکتی ہیں تو ایسی جگہ بورنگ کرائی جا سکتی ہے جہاں قبر نہ ہو، مگر یہ خیال رہے کہ قبروں کی بے احترامی نہ ہو قبروں پر چلانہ جائے وہاں شور وشغب نہ کیا جائے، قبروں کا احترام باقی رکھتے ہوئے کام کرایا جائے، احتیاطاً بورنگ اور قبروں کے درمیان مختصر سی دیوار سے احاطہ کر لیا جائے تا کہ امتیاز پیدا ہو جائے اور قبریں بے ادبی سے محفوظ رہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صحن مسجد سے متصل مسجد کا مکان ہے اسے کرایہ دینا کیسا ہے:

(سوال ۱۸۱) صحن مسجد سے متصل ایک مکان کرایہ دار نے خالی کیا ہے، جو لوگ اب یہ جگہ کرایہ پر چاہتے ہیں ان

---

(۱) وقف مصحفا علی اهل مسجد للقرأة ان یحصون جاز وان وقف علی المسجد جاز ویقرأ فیه ولا یکون محصوراً علی هذا المسجد الخ. درمختار مع الشامی مطلب حتی ذکر للوقف مصرفا الخ ج۳ ص ۵۱۹.

(۲) باب الامامة والجماعة میں امام کی ذمہ داریاں کیا ہیں اور اس کی تنخواہ کتنی ہونی چاہئے کے عنوان سے دیکھ لیا جائے، جدید ترتیب کے مطابق۔

میں مسلم اور غیر مسلم دونوں ہیں، غیر مسلم زیادہ کرایہ دینے کے لئے تیار ہے تو کس شخص کو کرایہ پر دینا بہتر ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) ماشاء اللہ آج کل علماء کرام اور تبلیغی جماعت کی مساعی جمیلہ سے روز بروز نمازیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے نیز آبادی میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے، عموماً مساجد میں توسیع کی ضرورت پیش آتی ہے اگر مسجد سے متصل مسجد کی جگہ ہوتی ہے تو توسیع کا پروگرام بہت آسانی سے مکمل ہو جاتا ہے، صورت مسئولہ میں وہ مکان جو خالی ہوا ہے صحن مسجد سے متصل ہے توسیع مسجد کے لئے بہت موزوں جگہ ہے لہذا یہ جگہ کسی کو بھی کرایہ پر نہ دی جائے اور مسجد کے لئے محفوظ کر لی جائے کہ توسیع کے وقت پریشانی نہ ہو، کرایہ دار چھوڑتے نہیں ہیں اور توسیع کا پروگرام مکمل نہیں ہوتا اس لئے منتظمین کو چاہئے کہ یہ جگہ اپنے قبضہ میں رکھیں اور کسی کو بھی کرایہ پر نہ دیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) تعمیر کے زمانہ میں اذان و جماعت موقوف کرنا۔ (۲) جس دوکان میں شراب اور حرام گوشت فروخت ہوتا ہو اس کی بالائی منزل میں جماعت کرنا:

(سوال ۱۸۲) (۱) ہماری مسجد شہید کر کے وسیع کرنے کی سخت ضرورت ہے چنانچہ ہم نے ارادہ کیا ہے تعمیری کام تقریباً سال دو سال چلے گا اس دوران یہاں نماز پڑھنا مشکل ہے تو دوسری جگہ نماز با جماعت پڑھنا کیسا ہے؟ جب کہ زیر تعمیر مسجد میں بالکل نماز اور اذان نہ ہوگی۔

(۲) مسجد ہذا کی تعمیر کی وجہ سے دوسری جگہ جو مکان ہے اس کے بالائی حصہ میں نماز ہوگی اور اس کے نیچے شراب کی دوکان ہے اور حرام گوشت بھی فروخت ہوتا ہے تو اس بالائی حصہ میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ (ری یونین)

(الجواب) (۱) تعمیر کے زمانہ میں مسجد میں اذان اور نماز موقوف کر دینا بالکل مناسب نہیں ہے، وقت پر اذان بھی ہونی چاہئے اور جماعت بھی، چاہے مختصر ہی سہی، جماعت خانہ میں یا احاطۂ مسجد میں جہاں ممکن ہو جماعت کی جائے۔

(۲) جن نمازیوں کی اس مسجد میں گنجائش نہ ہو وہ کسی مکان کے بجائے دوسری مسجد میں جا کر نماز با جماعت ادا کریں وہاں جماعت اور مسجد دونوں کا ثواب ملے گا، البتہ اگر شہر (بستی) میں دوسری مسجد نہ ہو یا ہو مگر بہت دور ہو تو کسی مکان یا ہال میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں، تنہا نہ پڑھیں، مذکورہ مکان کے بالا خانہ میں نماز پڑھ سکتے ہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شرعی مسجد میں صرف عورتیں فرادیٰ فرادیٰ نماز پڑھیں تو مسجد کا حق ادا ہوگا یا نہیں:

(سوال ۱۸۳) احمد نے ایک جگہ بچوں کے لئے مدرسہ بنایا اور اس مدرسہ کے احاطہ میں ایک مسجد شرعی بنوائی جس میں محراب منبر منارہ سب ہیں اور پنج وقتہ نماز با جماعت مدرسہ کے طلبہ واساتذہ پڑھتے تھے اس کے بعد احمد نے بچوں کا مدرسہ دوسری جگہ منتقل کر دیا اور اس جگہ بچیوں کے مدرسہ جامعۃ الصالحات شروع کیا، اب مدرسہ کی طالبات ومعلمات اس مسجد میں نماز پڑھتی ہیں، اذان واقامت و جماعت نہیں ہوتی، تو یہ صورت جائز ہے؟ وہاں پنج وقتہ نماز با جماعت ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب یہ مسجد شرعی ہے اور مسجد شرعی کی نیت سے بنی ہے تو اس میں پنج وقتہ اذان، اقامت کے ساتھ مردوں کا نماز باجماعت ادا کرنا ضروری ہے۔ عورتیں وہاں تنہا تنہا نماز پڑھتی ہیں اس سے مسجد شرعی کا حق ادا نہ ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مدرسہ کے نام سے چندہ کر کے مکان خرید ا گیا اس میں مدرسہ بند کر کے اسکول جاری کرنا:

(سوال ۱۸۴) ہم نے اپنے علاقہ میں چندہ کر کے ایک مکان مدرسہ کے لئے خریدا تا کہ بچے اور بچیاں قرآن اور دینی تعلیم حاصل کر سکیں چنانچہ وہاں بہت اچھے طریقہ سے مدرسہ جاری ہوگیا، کچھ مدت کے بعد انتظامیہ بدل گئی، کچھ عرصہ کے بعد نئی انتظامیہ نے مدرسہ بالکل بند کر دیا اور صرف لڑکیوں کا اسکول چلا رہی ہے، مدرسہ بند ہونے کی وجہ سے جن لوگوں کے بچے پڑھتے تھے اور جن لوگوں نے مدرسہ بنایا تھا ان کو اپنے بچوں کی دینی تعلیم کی فکر ہوئی چنانچہ انہی لوگوں نے دوبارہ مدرسہ کے لئے جگہ خریدی اور اب وہاں مدرسہ چل رہا۔ دریافت طلب امور یہ ہیں۔

(۱) کیا مدرسہ بند کر کے اس مکان میں صرف اسکول چلانا جائز ہے؟ کیونکہ پہلے مدرسہ کے نام سے چندہ کیا گیا تھا۔

(۲) اسکول انتظامیہ مدرسہ نہیں چلاتی اور مدرسہ کو رقم بھی نہیں دیتی تو ان کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

(۳) پہلے مدرسہ کی جو عمارت اور بچی ہوئی رقم ہے وہ موجودہ مدرسہ کو ملنی چاہئے یا نہیں؟ کیونکہ پہلا مدرسہ جن لوگوں نے قائم کیا تھا اسی نام سے دوسرا مدرسہ بھی لوگوں نے قائم کیا ہے، کچھ افراد نئے ہیں۔ بینوا توجروا

(جواب هو الموافق) (۱-۲-۳) جس مقصد کے لئے اور جس چیز کی وضاحت کر کے چندہ کیا گیا ہو اس کی رعایت کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا لازم ہے اور ضروری ہے، اس کی خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔

صورت مسئولہ میں جب اول مرتبہ مدرسہ کے نام سے چندہ کیا گیا ہے اور دینے والوں نے مدرسہ ہی کے لئے رقم دی ہے تو اس رقم کا یا اس سے حاصل شدہ مکان کا مدرسہ ہی کے لئے استعمال ہونا ضروری ہے [1] شامی، مطلب متی ذکر للوقف مصرفا الخ۔ اس مکان میں دینی تعلیم بالکل بند کر دینا جائز نہیں ہے، چندہ دہندگان کے منشاء کے خلاف کرنا ہوگا، لہذا برائے مدرسہ جو مکان ہے اس مکان کو دینی تعلیم میں استعمال کرنا چاہئے، مذکورہ صورت میں مدرسہ کے لئے دوسری جگہ خرید لی گئی ہے اور وہاں جاری ہے اگر فی الحال مدرسہ کو اس مکان کی ضرورت نہ ہو تو اگر وہ مکان باقاعدہ برائے مدرسہ وقف کر دیا گیا ہو اور وقف نامہ میں بوقت ضرورت استبدال کی وضاحت نہ ہو تو ایسی صورت میں وہ عمارت اسکول والوں کو بیچ کر اس کے عوض رقم لینا صحیح نہ ہوگا بلکہ وہ عمارت برائے مدرسہ ہی وقف رہے گی اسکول والے اس عمارت کے مالک نہیں ہو سکتے، وہ مکان خالی کر کے اہل مدرسہ کے حوالے کر دینا چاہئے، اگر فی الحال مدرسہ کو اس مکان کی ضرورت نہ ہو اور اسکول والوں کو ضرورت ہو تو کرایہ کے طور پر وہ لوگ یہ مکان استعمال کر سکتے ہیں، ماہانہ (یا جو عرف ہو) اس کے مطابق کرایہ ادا کرتے رہیں اور وہ رقم مدرسہ کے مفاد میں استعمال ہوتی رہے اور آئندہ جب بھی مدرسہ کو اس مکان کی ضرورت پیش آئے تو مکان خالی کر کے حوالے کر دینا ضروری ہوگا، کرایہ پر دیتے وقت یہ بات طے کر لی جائے، اور مناسب یہ ہوگا کہ کچھ متعینہ مدت کے لئے معاہدہ کر کے کرایہ پر دیا جائے، مدت گذرنے

---

(۱) قوله ان يحصون جاز هذا الشرط مبنى على ماذكره شمس الائمة من الضابط وهو أنه اذا ذكر للواقف مصرفا لابد فيهم تنصيص على الحاجة الخ۔

کے بعد عقد اجارہ کی تجدید کرلیا کریں۔

اور اگر وہ مکان با قاعدہ برائے مدرسہ وقف نہ کیا گیا ہو یا وقف تو ہو مگر وقف نامہ میں بوقت ضرورت اسے بیچ کر دوسرا مکان خریدنے اور استبدال کی اجازت دی گئی ہو تو اس صورت میں اگر مدرسہ کو اس مکان کی ضرورت نہ ہو تو اسکول کو وہ مکان بیچ دینا اور اس کے عوض رقم لینا جائز ہوگا، اس رقم سے کوئی دوسرا مکان برائے مدرسہ خرید لیا جائے اور اس کی آمدنی مدرسہ میں استعمال ہوتی رہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ۶/۲۷۔۳۷ کتاب الوقف میں، موقوفہ زمین کس صورت میں فروخت ہوسکتی ہے؟ کے عنوان سے دیکھ لیا جائے۔ جدید ترتیب کے مطابق۔ از مرتب

اسکول والوں کا مندرجہ بالا طریقہ پر عمل کرنا لازم اور ضروری ہے، اہل مدرسہ مندرجہ بالا طریقہ کے مطابق عمل کرنے کا اور مدرسہ کی بچی ہوئی رقم کا مطالبہ کر سکتے ہیں، اگر اسکول کی کمیٹی والے اس کے مطابق عمل نہیں کریں گے تو امانت میں خیانت کے مرتکب ہوں گے اور سخت گنہگار ہوں گے کیونکہ چندہ دینے والوں نے اس نیت سے چندہ دیا تھا کہ اس سے دینی تعلیم ہو ان کے منشاء کے خلاف کرنا ہرگز جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) مسجد کا تقدس اور اس میں حلال مال خرچ کرنا (۲) ایک شخص کی آمدنی شراب کی ہے اس نے زمین خرید کر برائے مسجد وقف کی وہاں مسجد بن چکی ہے اور عرصہ دراز سے نماز ہو رہی ہے اس مسجد کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۸۵) ایک شخص کی آمدنی شراب کی ہے اس نے ایک زمین ادھار خرید کر اس پر قبضہ کرلیا بعد میں اس کی قیمت ادا کردی، پھر اس نے وہ زمین برائے مسجد وقف کردی، لوگوں کے چندہ سے وہاں مسجد تعمیر کی گئی اور عرصہ دراز سے وہاں نماز ہو رہی ہے، اس شخص کا انتقال ہوگیا ہے، اب کچھ لوگ اس مسجد میں نماز پڑھنے سے انکار کرتے ہیں مذکورہ صورت میں اس مسجد کے متعلق کیا حکم ہے، اسے مسجد شرعی کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور وہاں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! مسجد اللہ رب العزت کا مقدس گھر ہے، روئے زمین پر سب سے بہترین، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب جگہ ہے، دنیا میں جنت کا باغ ہے حدیث شریف میں ہے۔

(۱) عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال احب البلاد الی الله تعالیٰ مساجدها وابغض البلاد الی الله تعالیٰ اسواقها (مسلم شریف ج ص ۲۳۶، فضل المساجد).

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے یہاں آبادی میں محبوب ترین مسجدیں ہیں اور مبغوض ترین بازار ہیں۔

(۲) عن ابی امامة رضی الله عنه قال ان حبرا من اليهود سال النبی صلی الله علیه وسلم ای البقاع خير فسكت عنه وقال اسكت حتى يجئی جبرائيل عليه السلام فسكت وجاء جبريل عليه السلام فسال فقال ما المسئول عنها باعلم من السائل ولكن اسال ربی تبارك وتعالیٰ ثم قال

جبرائیل یا محمد انی دنوت من الله دنوا ما دنوت منه قط قال و کیف کان یا جبریل لا قال کان بینی و بینه سبعون الف حجاب من نور فقال (الرب تعالیٰ) شر البقاع اسواقها و خیر البقاع مساجدها روه ابن حبان فی صحیحه عن ابن عمر رضی الله عنه(مشکوٰۃ شریف ص ۷۱ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ فصل نمبر ۲)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عالم نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا دنیا میں سب سے بہتر جگہ کون سی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے سکوت فرمایا اور فرمایا میرا یہ سکوت حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آمد تک ہے، آپ ساکت تھے کہ جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے آپ ﷺ نے ان پر یہ سوال پیش فرمایا، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا اس سلسلہ میں میرا علم آپ سے زیادہ نہیں ہے ہاں پروردگار عالم سے معلوم کر کے بتا سکتا ہوں (پھر تھوڑی دیر میں) حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا اللہ کے پیارے رسول! میں دربار ایزدی میں حاضر ہوا اور اس قدر قریب ہوا کہ اتنی قربت نہیں ہوئی تھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا وہ نزدیکی کیسی تھی حضرت جبرائیل نے فرمایا میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ستر ہزار نوری پردے حائل تھے، پھر اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا دنیا کی بد ترین جگہ بازار ہیں اور اس کی بہترین جگہ مساجد۔

(۳) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا مر رتم بریاض الجنة فار تعوا قیل یارسول الله وما ریاض الجنة قال المساجد قیل وما الرتع یارسول الله قال سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر رواه الترمذی (مشکوٰۃ شریف ص ۷۰)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم جب جنت کی باغوں سے گذرو تو چر لیا کرو (آسودہ ہو کر کھا پی لو) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے دریافت فرمایا جنت کے باغ کیا ہیں؟ ارشاد فرمایا "مساجد" پھر پوچھا یارسول اللہ! چرنا کس طرح؟ ارشاد فرمایا سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر کا ورد۔

اس لئے مساجد میں بالکل حلال اور پاکیزہ مال استعمال کرنا چاہئے، مال حرام اور مشتبہ مال سے بچنا چاہئے، حدیث میں ہے ان الله طیب لایقبل الا الطیب باب فضل الصدقة ص ۱۶۷ اللہ تعالیٰ پاک ہیں مال طیب ہی کو قبول فرماتے ہیں، شامی میں ہے قال تاج الشریعة اما لو انفق فی ذلک مالاً خبیثاً او مالاً سببه الخبث والطیب فیکره لان الله تعالیٰ لا یقبل الا الطیب فیکره تلویث بیته بما لا یقبله او شرنبلالیه یعنی اگر مسجد میں حرام مال یا ایسا مال جس کے حصول کا سبب حرام وحلال ہو خرچ کرے تو مسجد میں ایسا مال خرچ کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مال طیب (حلال) ہی کو قبول فرماتے ہیں، لہذا ایسا مال جسے اللہ قبول نہیں فرماتے اس سے اس کے مقدس گھر کو ملوث کرنا مکروہ ہے۔ (شامی ۱/۶۱۶ احکام المساجد)

لہذا مساجد کی زمین ہو یا عمارت حلال اور پاکیزہ مال ہی سے بنانا چاہئے، صورت مسئولہ میں مسجد کی زمین اس شخص نے جس کا سوال میں تذکرہ ہے ادھار خرید کر مسجد کے لئے وقف کی اس زمین پر اس شخص کی ملکیت ثابت کر کے وقف کو صحیح کہا جائے یا نہ؟ اس مسئلہ میں تفصیل بھی ہے اور اختلاف بھی۔ عام طور پر معاملہ مطلقاً کیا جاتا ہے مال

حرام متعین کر کے نہیں ہوتا (اور مشتری زندہ بھی نہیں کہ اس سے تحقیق کی جائے) اور اس صورت میں امام کرخی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق (جس پر فتویٰ بھی ہے) مشتری کی ملکیت مبیع پر ثابت ہوجاتی ہے (گو اس پر اصل مالک حرام کا ضمان لازم ہوتا ہے) جب مبیع پر مشتری کی ملک ثابت ہوجاتی ہے تو صورت مسئولہ میں جب اس شخص نے زمین خرید کر مسجد کے لئے وقف کی اور وہاں مسجد بھی تعمیر ہوگئی ہے اور عرصہ دراز سے نماز بھی ہورہی ہے اب مسجد کو معطل کرنا مناسب نہیں ہے اس سے غلط نتائج پیدا ہونے کا خطرہ ہے لہٰذا مذکورہ صورت امام کرخی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق اس زمین پر مشتری کی ملکیت ثابت کر کے اس وقف کو صحیح کہا جائے گا اور وہ مسجد شرعی شمار ہوگی اور نماز پڑھنا صحیح ہوگا۔

ردالمحتار میں ہے۔(قوله اکتسب مالاً حراماً) المسئلة في التتار خانية حيث قال رجل اكتسب مالا من حرام ثم اشترى منه على خمسة اوجه اما ان دفع تلك الدراهم الى البائع اولا ثم اشترى منه بها . او اشترى قبل الدفع بها ودفعها او اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها . او اشترى مطلقا ودفع تلك الدراهم، او اشترى بدراهم آخرو دفع تلك الدراهم الى قوله . وقال الكرخي في الوجه الاول والثاني لا يطيب وفي الثلاث الاخيرة يطيب وقال ابو بكر لا يطيب لكن الفتوىٰ الان على قول الكرخي دفعاً للحرج عن الناس ... الخ. الى . لكن الفتوى اليوم على قول الكرخي دفعاً للحرج لكثرة الحرام اه (رد المحتار على الدر المختار ۴/ ۳۰۴ باب المتفرقات ، مطلب اذا اكتسب مالا حراماً ثم اشترى فهذا على خمسة اوجه . بعد باب المسلم.)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:۔

(سوال ۱) شراب کی آمدنی سے خریدی ہوئی زمین کسی مدرسہ یا مسجد میں وقف کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(جواب ۲) نمبر۲ میں بیان کردیا اول صورت کے مطابق اگر زمین خریدی ہے تو اس پر مشتری کی ملک ہی ثابت نہیں ہوئی پھر وقف کیسے درست ہوگا اور اگر آخری تین صورتوں کے مطابق خریدی ہے تو کرخیؒ کے نزدیک ملک ثابت ہوگئی اور اس کا وقف بھی درست ہے (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۸۷، ص ۳۸۸ ج ۹، فتاویٰ محمودیہ میں سات سوال وجواب ہیں وہ تمام ملاحظہ کئے جائیں) (نیز فتاویٰ محمودی ص ۲۱۳، ص ۲۱۴ ج ۵ ملاحظہ فرمائیں) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) نماز کا وقت مقرر کرنے اور اس میں ردوبدل کرنے کا حق دار کون ہے

(۲) وقت بدلنے پر اعلان ضروری ہے یا بلیک بورڈ پر لکھ دینا کافی ہے :

(سوال ۱۸۲) نماز کے اوقات میں تبدیلی کرنے کا حق کس کا ہے؟ متولی یا عام مقتدی اس میں دخل اندازی کرسکتے ہیں یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں اس کا تعلق مسجد کے نظام سے ہے لہٰذا یہ متولی کا حق ہے۔

(۲) نماز کا وقت بدلا ہو تو اس کے لئے اعلان ضروری ہے یا صرف مسجد کے تختۂ سیاہ (بلیک بورڈ) پر لکھ دینا کافی ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز کا وقت مقرر کرنے اور اس میں ردوبدل کا اصل حق امام کا ہے، دوسرے حضرات (متولی وغیرہ) اما

صاحب کا ادب واحترام ملحوظ رکھتے ہوئے مناسب مشورہ دے سکتے ہیں، زبردستی کرنا مناسب نہیں ہے۔ البتہ امام صاحب نماز کا وقت مقرر کرنے میں نمازیوں کی سہولت کا بھی خیال کریں، اذان اور جماعت میں اتنا فاصلہ رکھیں کہ نمازی حاجت طبعیہ سے فارغ ہوکر جماعت میں شریک ہوسکیں۔ اور جماعت ہونی ہو اس کا بھی خیال رکھا جائے نیز آپس میں میل محبت اتفاق واتحاد برقرار رہے اس کی بھی کوشش کی جائے، امام صاحب کا ادب واحترام ضروری ہے اس سلسلہ میں ان کو اپنا امیر سمجھیں۔

نماز کا وقت مقرر کرنے کے لئے نماز کے وقت کی ابتداء اور انتہاء معلوم ہونا ضروری ہے اسی طرح صبح کاذب، صبح صادق، زوال، سایۂ اصلی، ایک مثل، دو مثل، شفق احمر، شفق ابیض کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے، اہل علم ان باریکیوں کو سمجھ سکتے ہیں، لہذا نماز کا وقت مقرر کرنے اور اس میں رد و بدل کے لئے امام صاحب سب سے زیادہ موزوں ہیں، فی زمانناگو تقویم شائع ہوگئی ہیں اور ہر جگہ دستیاب ہوتی ہیں لیکن یہ اصل چیز نہیں ہیں معتمد تو اصل ہی ہیں اس سے مستغنی نہیں ہوا جا سکتا تقویم سے نماز کا وقت معلوم کرنے کے لئے مدد تو لی جا سکتی ہے لیکن اس کو دارومدار بنانا اور اس میں درج شدہ منٹ منٹ کی پابندی کرنا صحیح نہیں ہے، خصوصاً بارش کے زمانہ میں۔

(۲) اعلان بھی کردیا جائے اور تختہ سیاہ (بلیک بورڈ) پر بھی لکھ دیا جائے تا کہ نمازیوں کو جماعت کے وقت کا علم ہوجائے اور جماعت فوت نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد تعمیر کرنے کی غرض سے چندہ کیا گیا پھر اس رقم سے مسجد کے لئے زمین ایک شخص کے نام سے خریدی گئی اور اس جگہ مسجد بن گئی تو وہ مسجد شرعی ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۸۷) ایک مسلم بستی کے عام مسلمانوں نے آپس میں چندہ کرکے مسجد تعمیر کرنے کی نیت سے ایک زمین ایک غیر مسلم کے پاس سے خریدی اب چونکہ اس زمین کا بیع نامہ بہت سارے لوگوں کے نام سے کروانا ایک مشکل امر تھا اس لئے بستی کے ایک شخص کے نام اس زمین کا بیع نامہ کروایا گیا۔ بیع نامہ (قبضہ رسید) ہونے کے بعد عام مسلمانوں سے چندہ کرکے اسی زمین پر مسجد تعمیر کی گئی، تقریباً گذشتہ آٹھ یا نو سال سے مسجد میں نماز باجماعت ہورہی ہے، اب کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ چونکہ مسجد کی زمین فرد واحد کے نام پر ہے اور ابھی تک اس نے مسجد کے لئے وقف نہیں کی لہذا یہ مسجد فرد واحد کی پراپرٹی ہوئی ان تنازعات کی روشنی میں یہ مسئلہ وضاحت طلب ہے کہ:

۱:۔ کیا اس مسجد میں باجماعت نماز ہوسکتی ہے؟

۲:۔ وقف نہ کرنے کی شکل میں اس مسجد کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

۳:۔ جس شخص کے نام پر مسجد کی زمین ہے اس نے جان بوجھ کر ابھی تک اپنے نام پر رکھا تو اس سلسلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ ... براہ مہربانی ان باتوں کی وضاحت شریعت کی روشنی میں تحریر فرمائیں، عین نوازش ہوگی، بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں بستی کی جماعت کے افراد نے اپنے پیسوں سے یا چندہ کی رقم سے مسجد بنانے کی نیت سے زمین خریدی اور مصلحتاً ایک شخص کو امین بنا کر اس کے نام سے بیع نامہ کیا گیا تو شرعی طور پر تنہا وہ شخص اس زمین کا

مالک نہیں ہوسکتا اور نہ عام طور پر خود ایسا شخص اپنے کو مالک سمجھتا ہے اس جگہ مسجد بن جانے کے بعد جب سے نماز باجماعت شروع ہوئی ہے اسی وقت سے وہ جگہ شرعی مسجد بن چکی ہے اور اس جگہ کا وقف ہونا بھی صحیح ہے، زبانی وقف کرنے سے بھی وقف صحیح ہو جاتا ہے (امداد الفتاویٰ ص ۵۱۵ ج ۲ مطبوعہ کراچی) لہٰذا ابھی تک جو نمازیں باجماعت ادا کی گئی ہیں ان میں شک وشبہ نہ کیا جائے جماعت کا بھی ثواب ملے گا اور انشاء اللہ مسجد کا بھی ثواب ملے گا، البتہ آئندہ کے لئے قانون داں حضرات سے مل کر اس زمین پر سے فرد واحد کا نام منسوخ کر کے پوری جماعت کی طرف سے وقف کر کے وقف کا اعلان کر دیا جائے اور جماعت کے نام کا وقف نامہ بنا دیا جائے تاکہ بوقت ضرورت کام آئے فقط والله اعلم بالصواب۔

''کومن پلوٹ'' میں مسجد بنانا:

(سوال ۱۸۸) ہماری سوسائٹی کی جگہ جس کو ''کومن پلوٹ'' کہتے ہیں، اور اس کو ''سماج واڈی'' بھی کہتے ہیں اس میں پوری سوسائٹی والوں کا حق ہوتا ہے اور ہماری سوسائٹی میں مسلمان ہندو دونوں رہتے ہیں تو ایسی جگہ مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب اس سوسائٹی میں مسلمان اور ہندو دونوں رہتے ہیں اور کومن پلوٹ (سماج واڈی) میں پوری سوسائٹی والوں کا حق ہوتا ہے اگر مسلمان اپنے طور پر اس جگہ مسجد بنالیں گے تو ممکن ہے ہنود قانونی کارروائی کر کے اس وقت نہیں تو آئندہ مسجد کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں لہٰذا مسجد بنانے سے پہلے مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسی کارروائی کریں کہ قیامت تک مسجد کو کسی طرح نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ رہے مسلمان اس جگہ حکومت سے مسجد بنانے کی اجازت حاصل کریں اور سوسائٹی میں جو غیر مسلم آباد ہیں ان کو کسی طرح راضی کریں اور مضبوط طریقہ پر ان سے تحریر لی جائے کہ اس جگہ مسجد بنانے پر ہم راضی اور خوش ہیں، اس جگہ مسجد بنانے سے ہم کو اور ہماری اولاد در اولاد کو قیامت تک اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، ہم اپنی مرضی سے اس جگہ سے اپنا حق ختم کرتے ہیں اس طرح کارروائی کر کے تمام مسلمان متفقہ طور وہ جگہ مسجد کے لئے وقف کر دیں اور پوری جماعت کے نام سے وقف نامہ بنا دیا جائے تاکہ بوقت ضرورت کام آئے، وہ جگہ کسی ایک فرد کے نام نہ رکھی جائے اگر اس طرح کارروائی کر کے مسجد بنا سکتے ہوں تو فبہا (بہتر) ورنہ اس جگہ عبادت خانہ بنایا جائے، جماعت کا ثواب ملے گا مسجد کا ثواب نہیں ملے گا۔ اس صورت میں مسلمانوں کو چاہئے کہ مسجد شرعی بنانے کی کوشش جاری رکھیں خاص مسجد کے لئے جگہ خرید کر مسجد کے لئے وقف کر کے اس جگہ مسجد بنائیں تاکہ مسجد کے ثواب سے محروم نہ رہیں۔ فقط والله اعلم بالصواب۔

ٹی وی اور وی سی آر مرمت کرنے والے کی رقم مسجد میں استعمال کرنا:

(سوال ۱۸۹) ایک شخص ٹی وی اور وی سی آر کی مرمت کرتا ہے اور یہی اس کا ذریعہ آمدنی ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہے وہ شخص اپنی اس کمائی سے مسجد میں چندہ دینا چاہتا ہے تو کیا حکم ہے؟ پہلے اس کی رقم سے مسجد کے لئے زمین خریدی گئی ہے، اس جگہ مسجد بنانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد اللہ کا مقدس گھر ہے اس میں بالکل پاک، طیب اور حلال مال استعمال کرنا چاہئے، حرام اور مشتبہ مال

سے مسجد کو بچانا چاہئے ،حدیث میں ہے ولا یقبل اللہ الا الطیب ،اللہ تعالیٰ پاکیزہ مال ہی قبول فرماتے ہیں (مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۷ باب فضل الصدقة ، فصل نمبر ۱)

یہ بات ظاہر ہے کہ ٹیلی ویژن وی سی آر، آلہ لہوولعب ہیں یہ گناہ کے کام میں استعمال ہوتے ہیں اس کی مرمت اور ریپرنگ کرنا گناہ کے کام میں تعاون کرنا ہے اور قرآن مجید میں ہے ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون مت کرو(قرآن مجید، سورۂ مائدہ پارہ نمبر ۶) ایسے کام سے جو آمدنی ہوگی وہ مشتبہ ہے، ایسی آمدنی کو مسجد کے لئے قبول نہ کی جائے ،اور اگر ایسی رقم سے مسجد کے لئے زمین خریدی ہو تو اتنی رقم اس شخص کو واپس کردی جائے اور پاک طیب صاف ستھری رقم سے مسجد کے لئے زمین خرید کر برائے مسجد وقف کی جائے . فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

مسجد کے لئے مسجد میں چندہ کرنا:

(سوال ۱۹۰) بعد سلام مسنون، ہماری مسجد میں توسیع کی بہت ضرورت ہے اس لئے مسجد شہید کرکے وسیع کرنے کا پروگرام بنایا ہے، اس لئے ہر جمعہ کو نماز کے بعد جماعت خانہ میں کپڑا پھرا کر چندہ کرتے ہیں تو برائے مسجد، مسجد میں چندہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بہتر اور مناسب صورت یہ ہے کہ مسجد سے باہر چندہ کیا جائے یا مسجد میں کسی بورڈ پر چندہ کی اپیل (درخواست) لکھ دی جائے ،البتہ اگر اس طرح چندہ کرنے سے خاطر خواہ کامیابی نہ ہوتی تو اور مسجد میں جمعہ کے دن چندہ کرنے سے مسجد کا زیادہ فائدہ ہوتا ہو تو اس شرط کے ساتھ برائے مسجد، مسجد میں چندہ کرنے کی گنجائش ہے کہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو، ان کی گردن نہ پھاندے، نمازی کے سامنے سے نہ گذرے مسجد میں شوروشغب نہ ہو، مسجد کے احترام کے خلاف کام نہ ہو اور لوگوں کے سامنے کسی کو شرم اور غیرت میں ڈال کر زبردستی چندہ وصول نہ کیا جائے ۔ان شرائط کی رعایت ضروری ہے اگر ان کی رعایت نہ ہو سکے تو مسجد میں چندہ نہ کیا جائے ۔شامی میں ہے والمختار ان السائل ان کان لا یمر بین یدی المصلی ولا یتخطی الرقاب ولا یسأل الحافا بل لا مر لا بد منه فلا بأس بالسوال والا عطاء اھ ومثله فی البزازیة ولا یجوز الا عطاء اذا لم یکونوا علی تلک الصفة المذکورة اھ(شامی ج ۱ ص ۷۷۲ باب الجمعة)

نیز درمختار میں ہے:ویکره الا عطاء مطلقا وقیل ان تخطی. شامی میں ہے(قوله وقیل ان تخطی)...... یکره اعطاء سائل المسجد الا اذا لم یتخط رقاب الناس فی المختار لان علیا تصدق بخاتمه فی الصلوٰة فمدحه اللہ تعالیٰ بقوله ویؤتون الزکاة وهم راکعون اھ (درمختار ورد المحتار ص ۶۱۷ ج ۱، احکام المساجد) (فتاویٰ محمودیه ص ۴۸۲ ج ۱)فقط واللہ اعلم بالصواب .

مسجد کی زمین پر مدرسہ بنالیا ہو تو کیا حکم ہے

(سوال ۱۹۱)مسجد کی زمین پر کچھ لوگوں نے مدرسہ بنالیا ایک مقامی عالم نے کہا کہ یہ درست نہیں ہے،اب ذمہ داران مسجد تعمیر میں جتنی رقم استعمال ہوئی ہے اتنی رقم ارباب مدرسہ کو دے کر وہ عمارت مسجد کی تحویل میں لے لیں،

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مقامی عالم کی بات صحیح ہے یا نہیں، امید ہے کہ جواب مرحمت فرمائیں گے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مقامی عالم نے جو بات کہی ہے وہ بالکل صحیح ہے مسجد کی وقف زمین مصالح مسجد کے لئے وقف ہے لہٰذا مسجد ہی کی مفاد میں وہ زمین استعمال ہونا چاہئے اس زمین پر مدرسہ تعمیر کرنا درست نہیں ہے، صورت مسئولہ میں ارباب مدرسہ نے مدرسہ کی عمارت تعمیر کرلی ہے تو ذمہ داران مسجد اتنی رقم ارباب مدرسہ کو ادا کر کے وہ عمارت مسجد کی تحویل میں لے لیں، اور اس کے بعد ذمہ داران مدرسہ اس عمارت کا مسجد کو کرایہ ادا کرتے رہیں اب اہل مدرسہ اس عمارت کے کرایہ دار ہوں گے زمین اور عمارت مسجد کی ملک شمار ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مدارس کے لئے مسجد میں چندہ کرنا:

(سوال ۱۹۲) مسجد کے جماعت خانہ میں مدارس کے لئے چندہ کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عام حالات میں مسجد میں مدارس کے لئے چندہ نہ کرنا چاہئے، مسجد میں شوروغل ہوگا، نمازیوں کو خلل ہوگا، مسجد کی بے احترامی ہوگی، لہٰذا مسجد میں چندہ نہ کیا جائے البتہ اگر کوئی خاص حالت ہو مسجد میں شوروغل نہ ہو نمازیوں کو تکلیف اور خلل نہ ہو تو گنجائش ہے، درمختار میں ہے: ویکرہ الا عطاء مطلقا وقیل ان تخطی شامی میں ہے۔ یکرہ اعطاء سائل المسجد الا اذا لم یتخط رقاب الناس فی المختار لان علیا تصدق بخاتمۃ فی الصلوۃ فمدحہ اللہ تعالیٰ بقولہ ویؤتون الزکوۃ وھم راکعون (درمختار و شامی ج ۱ ص ۶۱۷ احکام المساجد) شامی میں ہے: والمختار ان السائل ان کان لا یمر بین یدی المصلی ولا یتخطی الرقاب ولا یسأل الحافاً بل الامر لا بد منہ فلا بأس بالسوال والا عطاء اھومثلہ فی البزازیۃ ولا یجوز الاعطاء اذا لم یکولوا علی تلک الصفۃ المذکورۃ اھ (شامی ج ۱ ص ۷۷۳ باب الجمعۃ)

امداد الفتاویٰ میں ہے:

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عیدگاہ یا جامع مسجد یا اور کسی مسجد میں چندہ مانگنا یا اس کی ترغیب دینا اور سائلوں کو صدقات و خیرات دینا کیسا ہے؟

(الجواب) اگر شق صفوف نہ ہو مرور بین یدی المصلی نہ ہو تشویش علی المصلین نہ ہو، حاجت ضروریہ ہو تو درست ہے (امداد الفتاویٰ ص ۱۴۱ ج ۲ مطبوعہ کراچی) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مدرسہ کے وقت میں کسی بزرگ کی عیادت یا زیارت کے لئے جانا:

(سوال ۱۹۳) مدرسہ کے وقت میں کوئی مدرس کسی بزرگ کی عیادت یا زیارت کے لئے جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) آپ کے سوال کے جواب میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا مندرجہ ذیل ملفوظ کافی ہے۔

(جواب ۹۲۲) ایک صاحب نے جو کسی مدرسہ میں مدرس تھے اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کی عیادت کے بارے میں حضرت والا سے دریافت فرمایا تھا کہ جاؤں یا نہ جاؤں؟ یہ تحریر فرمایا کہ چند امور میں غور کر لیجئے اگر سب میں اطمینان ہو جاوے تو جانے میں کیا مضائقہ ہے (۱) مدرسہ کا حرج نہ ہو (۲) مہتمم کو ناگوار نہ ہو (۳) خود

مولانا نارائے پوری کے قلب پر گرانی و بار نہ ہو کیونکہ بعض اوقات مریض کا دل ملنے کو نہیں چاہتا مگر لحاظ کے مارے اپنی رائے کے خلاف کرتا ہے (از وصیۃ العرفان ص ۳۶ شمارہ نمبر ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ مطابق نومبر ۹۴ء جلد نمبر ۱۷) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کے پرانے سامان کا استعمال:

(سوال ۱۹۴) ہمارے یہاں کی مسجد بہت ہی پرانی اور بوسیدہ ہونے کی وجہ سے اس کو شہید کر کے از سر نو آر سی سی (یعنی سمنٹ) سے تعمیر کی گئی ہے، پرانا ملبہ (لکڑی پتھر وغیرہ) ایسے ہی دیوار کے توڑنے سے ناقص اینٹیں پلاسٹر کے ٹکڑے وغیرہ جو نکلے ہیں، جدید تعمیر میں استعمال کے قابل نہیں ہیں بے کار پڑے ہیں، کیا یہ ملبہ ذاتی تعمیر و ضرورت میں استعمال کر سکتے ہیں یا اسے بیچ کر قیمت مسجد کی ضرورت میں صرف کر سکتے ہیں یا کوئی وقف ادارہ قیمۃً یا بلا قیمت اپنے استعمال میں لا سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مذکورہ تمام کاموں میں اس کا استعمال درست ہے بیچنے کی صورت میں قیمت مسجد کی ضرورت میں صرف کی جاوے بلا قیمت نہ دیا جائے **وما انهدم من بناء الوقف والته صرفه الحاكم فى عمدة الوقف ان احتاج اليه وان استغنى عنه امسكه حتى يحتاج الى عمارته فيصر فه فيها (الى قوله) وان تعذر اعادة عينه الى موضعه بيع وصرف ثمنه الى المرمة صرفا للبدل الى مصرف المبدل (هدايه جلد نمبر ۲، ص ۶۲۲ كتاب الوقف)**

اگر مسجد بہت ہی مالدار ہے کہ نہ تو فی الحال پیسے کی ضرورت ہے نہ مستقبل میں ضرورت پڑے گی ایسی صورت حال میں مفت بھی دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غیر مسلم نے صحن مسجد میں پلاسٹر کروایا اس جگہ نماز پڑھنا کیسا ہے:

(سوال ۱۹۵) ہمارے شہر میں ایک مسجد کے صحن میں ایک غیر مسلم نے اپنے پیسوں سے صحن میں پلاسٹر کروایا دیا، اب اس صحن میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فی زمانناً مناسب یہی ہے کہ غیروں کا چندہ مساجد میں نہ لیا جائے ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ ۲/۶۹۳۱ مطبوعہ دیوبند)

مگر صورت مسئولہ میں غیر مسلم صحن مسجد میں پلاسٹر کرا چکا ہے اگر اس نے یہ کام تقرب سمجھ کر کیا ہے تو اس صحن میں نماز پڑھ سکتے ہیں، اگر تہمت ہو اور کوئی مناسب صورت ہو تو اس شخص نے جتنی رقم خرچ کی ہے وہ اسے واپس کر دی جائے اور اچھے انداز سے اسے سمجھا دیا جائے کہ یہ مذہب اور عبادت کا معاملہ ہے ہر ایک اپنے اپنے مذہبی امور اور عبادت گاہوں کے انتظام خود کریں یہی مناسب ہے۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع صاحبؒ ۴/۳۳۱ بھی ملاحظہ کر لیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کی رقم ہضم کرنا اور ایسے آدمی کی تولیت:

(سوال ۱۹۶) کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے متعلق کہ اگر کوئی شخص مسجد کی رقم کھا جاوے اور اس کے خلاف کارروائی نہ کی جائے، اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ وہ شخص گنہگار ہوگا یا نہیں؟ مسجد کی رقم ہضم کرنے والے کے متعلق حکم دنیوی اور ایسے شخص کی آخرت میں سزا کیا ہے؟ مسجد کی تولیت کا اہل کون ہے، خائن شخص کو مسجد کی تولیت سپرد کرنا کیسا ہے؟ مفصل جواب عنایت فرما کر ممنون فرماویں۔

(الجواب) بسم اللہ الرحمن الرحیم. حامداً ومصلیاً ومسلماً.

مسجد کی رقم کھانا اور اس میں خیانت کرنا سخت گناہ ہے، خدانخواستہ مسجد کا متولی رقم مسجد میں خیانت کرے اور اس کا شرعی ثبوت بھی ہو جاوے تو ایسے شخص کو تولیت مسجد سے معزول کرنا ضروری ہے، ایسا شخص تولیت مسجد کی اہلیت نہیں رکھتا مگر یہ یاد رہے کہ حکم مذکور اس وقت ہے جب کہ شرعی طور پر خیانت کا ثبوت ہو، بلا دلیل شرعی کے محض شبہ اور بدگمانی کی بنیاد پر تہمت لگانا ناجائز ہے اور متولی کے لئے لازم ہے کہ مسجد کا معاملہ (حساب وکتاب) بالکل صاف رکھے اور لوگوں کے سامنے پیش کرتا رہے تاکہ انہیں بدگمانی نہ ہو مسجد کے متولی اور مدرسہ کے مہتمم حضرات عالم باعمل ہوں، اگر ایسے میسر نہ ہوں تو صوم وصلوٰۃ کے پابند، امانت دار، احکام وقف سے واقف خوش خلق اور رحم دل، منصف مزاج، علم دوست، اہل علم کی تعظیم وتوقیر کرنے والے وغیرہ اچھے اور بھلے اوصاف سے متصف ہوں انہیں کو متولی ومہتمم وغیرہ بنایا جائے، ایسے ہی لوگ خدا کے مقدس گھر کی خدمت گذاری کی اہلیت رکھتے ہیں۔

درمختار میں ہے (وینزع) وجوبا بزازیة (لو) الواقف درر فغیرہ بالاولیٰ (غیر مامون) اوعاجز او ظھر بہ فسق کشرب خمر و نحوہ فتح.

شامی میں ہے: (قولہ غیر مامون الخ) قال فی الاسعاف ولا یولی الا امین قادر بنفسہ او بنائبہ، لان الولایة مقیدة بشرط النظر ولیس من النظر تولیة الخائن لانہ یخل بالمقصود (درمختار و شامی ۳/ ۵۳۲ مطلب فیما یعزل بہ الناظر)

فتاویٰ دارالعلوم قدیم میں ایک فتویٰ ہے۔

(سوال) ایک شہر میں ایک مسجد کے نیچے دکانیں ہیں ان کی آمدنی جو مسجد کے اخراجات سے بچتی ہے اس کو متولی اپنے ذاتی تصرف میں اٹھاتا ہے اور خرچ کرتا ہے ایسا کرنا صحیح اور جائز ہے، کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) متولی مذکورہ کو یہ چاہئے تھا کہ تمام آمدنی مسجد کی دوکانات وغیرہ کی اس مسجد کی ضروریات میں خرچ کرے اور باقی رہے اس کو مسجد کے لئے باقی رکھے، اپنے ذاتی صرف میں لانا جائز نہیں ہے، اور اگر وہ ایسا کرے تو یہ خیانت ہے اس متولی کو معزول کرنا چاہئے، اور مسلمانان اہل شہر واہل محلہ اس وجہ سے اس کو معزول کر سکتے ہیں اور دوسرے شخص کو متولی بنا سکتے ہیں بانی کی طرف سے متولی بنایا گیا ہو یا بعد میں متولی ہوا ہو، ہر دو صورت میں اس کو علیحدہ کر سکتے ہیں اور حساب وکتاب سمجھ سکتے ہیں، مسلمانوں کو ایسی حالت میں اس میں مداخلت کرنا اور حساب سمجھنا اور درصورت ثبوت خیانت اس کو معزول کرنا ضروری اور لازم ہے، درمختار میں ہے کہ اگر خود بانی بھی ایسی خیانت کرے تو اس کو معزول کرنا

چاہئے متولی مذکورتو بالاولی مستحق عزل ہے ،فقط (فتاویٰ دارالعلوم قدیم ص ۲۸۷ ج ۵، ۶) (نیز فتاویٰ دارالعلوم قدیم ص ۲۴۴ ج ۵، ۶ نیز ص ۲۵۱ ص ۲۵۲، ج ۵، ۶ ملاحظہ ہو) مسجد کا متولی کیسا ہونا چاہئے اس سلسلہ میں ایک تفصیلی جواب فتاویٰ رحیمیہ اردو و گجراتی میں شائع ہوا ہے اسے ضرور دیکھ لیں ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ گجراتی جلد دوم از ص ۱۱۱ تا ص ۱۱۷ یا ایڈیشن فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد دوم از ص ۱۴۱ تا ص ۱۶۹ فقط ۲۶ ، ربیع الاول ۱۴۱۵ھ (۹۴/۵/۴) جدید ترتیب کے مطابق یہی باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

مسجد کے لئے موہوبہ مکان کی قیمت مسجد کی تعمیر میں استعمال کرنا:

(سوال ۱۹۷) ایک قدیم مسجد کی آمدنی کے لئے ایک شخص نے مکان ہبہ کیا تھا وہ مکان کرایہ پر دیا گیا، کرایہ دار مکان خالی نہیں کرتا تھا اس لئے اسے بیچ کر اس کی قیمت مبلغ (۲۶۰۰۰۰) دولاکھ ساٹھ ہزار روپے بینک میں جمع کر دی. اس کا سود پچاس ساٹھ ہزار آیا ہے، فی الحال مسجد کا تعمیری کام ... ن ہے، سوال یہ ہے کہ فروخت کردہ مکان کی اصل قیمت (۲۶۰۰۰۰) مسجد کے تعمیری کام میں استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور سود کی رقم (۵۰-۶۰ ہزار روپے) نئے بیت الخلا اور غسل خانے بنانے میں استعمال کرنا کیسا ہے؟ نیز انہی بیت الخلا، وغسل خانے کی چھت پر امام ومؤذن اور دیگر ضروریات کے لئے حجرے بنائے جائیں۔ جواب عنایت فرمائیں۔

(الجواب) بسم اللہ الرحمن الرحیم، حامداو مصلیاً ومسلماً.

صورت مسئولہ میں کسی غیر مسلم سے قرض لے کر بیت الخلاء بنالئے جائیں اور اس قرض کی ادائیگی سودی رقم کے ذریعہ کی جاوے ، اور مکان کی اصل قیمت مسجد کے تعمیری کام میں استعمال کر سکتے ہیں ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔ ۶ شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ ۔

دومنزلہ مسجد کے اوپر والے منزل میں عورتوں کا وعظ دعاء وغیرہ میں شرکت کے لئے بچوں کے ساتھ آنا:

(سوال ۱۹۸) یہاں دومنزلہ مسجد ہے، اس کے بالکل ہی ساتھ ملا ہوا ایک مکان جو مسجد کے لئے وقف ہے اور خالی ہے، اس مکان میں تبلیغی جماعت کے افراد ٹھہرتے ہیں اس مکان میں یہاں کے امام جو عالم ہیں مہینہ میں ایک دو مرتبہ وعظ وبیان کے لئے عورتوں کو دن میں بلاتے ہیں، امام صاحب مسجد میں بیٹھ کر بیان کرتے ہیں اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ ان کی آواز مکان میں بیٹھی ہوئی عورتیں سنتی ہیں، تقریباً دو سال سے امام صاحب بڑی راتوں میں شب برات اور شب قدر کے موقعہ پر عورتوں کو دومنزلہ مسجد کے بالائی حصہ میں بلاتے ہیں، اسی طرح جب باہر سے کوئی بزرگ آتے ہیں یا مدرسہ کا سالانہ جلسہ ہوتا ہے تو عورتیں چھوٹے چھوٹے چار پانچ سال کی عمر کے بچوں کو لے کر آتی ہیں، بالائی مسجد میں شوروغل ہوتا ہے، رمضان المبارک کی ستائیسویں شب میں جب تراویح میں قرآن مجید ختم ہوتا ہے اس وقت امام صاحب بڑے اہتمام سے یہ اعلان بھی کرتے ہیں کہ قرآن مجید کے ختم کے بعد دعا ہوگی عورتیں اس میں ضرور شرکت کریں اور عورتیں یہاں آکر نماز بھی پڑھیں، عورتیں بالائی مسجد میں آتی ہیں اور نماز بھی ادا کرتی ہیں، ہم نے فتاویٰ رحیمیہ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جس میں عورتوں کے لئے مسجد میں جانے سے متعلق احکام ہیں امام صاحب کو

بتائے تو انہوں نے کہا کہ یہ مسائل ہمارے ملکوں کی مساجد کے لئے ہیں، چونکہ دو منزلہ مسجد ہے اس کے بالائی حصہ میں آ کر وعظ و بیان اور نماز وغیرہ عورتیں سن، پڑھ سکتی ہیں اس میں کوئی قباحت نہیں، تو کیا اگر دو منزلہ مسجد ہو تو اس میں عورتیں نماز اور وعظ و بیان کے لئے آ سکتی ہیں؟ مفصل جواب مطلوب ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ مسجد ایک منزلہ ہو یا دو منزلہ یا سہ منزلہ نیچے سے اوپر آسمان تک اور زمین کی تہہ تک مسجد ہے،(۱) لہٰذا جس طرح پہلی منزل قابل احترام ہے، اسی طرح دوسری اور تیسری منزل بھی قابل احترام ہے، اور جو حکم مسجد کی پہلی منزل کا ہے وہی حکم دوسری اور تیسری منزل کا بھی ہے، اور جس طرح پہلی منزل (گراونڈ فلور) کی بے حرمتی اور وہاں شور و شغب اور چھوٹے بچوں کو لانا جائز نہیں ہے اسی طرح مسجد کی بالائی منزل کی بے حرمتی شور و شغب اور چھوٹے بچوں کو لانا جائز نہیں (درمختار) حدیث میں ہے **جنبوا مساجد کم صبیا نکم ومجانینکم الخ**۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنی مسجدوں کو بچوں اور پاگلوں سے بچاؤ (ابن ماجہ شریف ص ۵۵ ابواب المساجد والجماعت باب ما یکرہ فی المساجد)

الاشباہ والنظائر میں ہے: **ومنها حرمة ادخال الصبيان والمجانين حيث غلب تنجيسهم والا فيكره** . چھوٹے بچوں کو مسجد میں داخل کرنے سے مسجد کے نجس ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسے بچوں کو مسجد میں لانا حرام ہے، ورنہ مکروہ ہے (الاشباہ والنظائر ص ۵۵۷ القول فی احکام المسجد)

چھوٹے بچوں کو پلاسٹک کی چڈی پہنا دینے سے ظاہراً تلویث مسجد کا اندیشہ نہیں رہتا (اگرچہ گاہے چڈی کے ہوتے ہوئے بھی نجاست باہر نکل آتی ہے) مگر اس کے اندرونی کپڑے میں تو نجاست ہوتی ہے ایسے چھوٹے بچوں کو مسجد کے بالائی حصہ میں لانا گویا مسجد میں نجاست لانا ہے، اور مسجد میں نجاست لانا ممنوع ہے بلکہ جس شخص کے بدن پر نجاست لگی ہوئی ہو اس کا بھی مسجد میں آنا ممنوع ہے۔

شامی میں ہے:۔ **(قوله وادخال نجاسة فيه) عبارة الا شباه، وادخال نجاسة فيه يخاف منها التلويث اه ومفاده الجواز لو جافة لكن في الفتاوىٰ الهندية لا يدخل المسجد من علىٰ بدنه نجاسة (شامي ج ۱/ ۶۱۴ مطب في احكام المساجد)**

آداب المساجد میں ہے:۔ مسئلہ: مسجد میں نجاست داخل کرنا جائز نہیں ہے، اور اسی لئے ناپاک تیل کو مسجد میں جلانا جائز نہیں ہے، اگرچہ مسجد سے باہر اس کا جلانا جائز ہے۔ (آداب المساجد ص ۱۳) وعظ و دعا کے شوق میں ہو سکتا ہے کہ حائضہ عورت بھی آ جائے اور مسجد کے بالائی منزل میں بھی حائضہ عورت کا داخل ہونا حلال نہیں ہے، شامی میں ہے **(قوله لا نه مسجد) علة لكراهة ماذكر فوقه ولا يحل للجنب والحائض والنفساء الوقوف عليه (شامي ۱/ ۶۱۴ مطلب في احكام المساجد)**

اس پرفتن دور میں نماز کے لئے عورتوں کو مسجد میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں۔ (اس سلسلے کا تفصیلی جواب فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد پنجم از ص ۵۶ تا ص ۷۱ مکروہات صلوٰۃ میں عورتوں کا مسجد و عیدگاہ جانا کیسا ہے؟ کے عنوان سے

---

(۱) وكره تحريما الوطء فوقه والبول والتغوط لأ نه مسجد الى عنان السمآء قال في الشامية تحت قوله الى عنان السمآء بفتح العين وكذا الى تحت الثرى كما في البيرى عن الاسبيجابي، مطلب في احكام المسجد ج ۱ ص ۶۱۵

ملاحظہ کیا جائے۔ از مرتب) یہ حکم عام ہے چاہے مسجد کی پہلی منزل ہو یا دوسری منزل ممانعت کا حکم دونوں کو شامل ہے، اور اسی طرح ممانعت کا حکم کسی خطہ یا کسی ملک کے ساتھ خاص نہیں، ہر مقام اور ہر جگہ کے لئے یہی حکم ہے، کیا مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام سے بڑھ کر ہماری کوئی مسجد ہو سکتی ہے؟ اور مسجد نبوی کے متعلق حضور اقدس ﷺ نے حضرت ام حمید ساعدی رضی اللہ عنہا کو کیا ہدایت فرمائی ہے، وہ فتاویٰ رحیمیہ اردو ص ۶۱ ص ۶۲ ج ۵ پر ضرور ملاحظہ فرمائیے[1]، لہذا صورت مسئولہ میں امام صاحب عالم صاحب جو بات کہہ رہے ہیں وہ قابل توجہ نہیں ہے، اس میں بہت سارے مفاسد ہیں اس لئے اس کے مطابق عمل نہیں کیا جا سکتا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ الاحقر سید عبدالرحیم لاجپوری راندیر۔ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ۔

مسجد میں ہونے والے نکاح پر متولی مسجد کا فیس وصول کرنا:

(سوال ۱۹۹) یہاں کی ایک مشہور مسجد ہے، ابھی اس کے متولی نے مسجد کے اندر جتنے نکاح ہوتے ہیں ان کے لئے ایک فیس طے کر دی ہے، اگر دن میں نکاح ہو تو پانچ سو روپے اور رات میں ہو تو ایک ہزار روپے، اور اگر کوئی یہ فیس نہ دے تو نکاح کی اجازت نہیں، بعض لوگوں نے متولی کو سمجھایا کہ یہ خدا کا گھر ہے اس کے لئے فیس نہیں ہونی چاہئے، تو متولی نے کہا کہ لوگ شادی بیاہ میں پچیس تیس ہزار روپے خرچ کر سکتے ہیں تو پانچ سو ہزار روپے مسجد کے لئے نہیں دے سکتے ہیں تو اس طریقہ سے مسجد مدرسوں میں دینے کی عادت ڈلوا رہا ہوں تو آیا مسجد میں نکاح کے لئے فیس کا مقرر کرنا شرعاً جائز ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً، ہوالموفق۔ نکاح عبادت ہے اور مسجد میں نکاح کرنا مسنون ہے، بلا وجہ شرعی اس سے روکا نہیں جا سکتا، حدیث میں ہے **عن عائشة رضي الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد (مشكوة شريف ص ۲۷۲ باب اعلان النكاح والخطبة والشروط)** ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نکاح علی الاعلان کرو اور نکاح مساجد میں کرو (مشکوٰۃ شریف) لہذا بلا وجہ شرعی کسی کو مسجد میں نکاح کرنے سے روکنا اور منع کرنا صحیح نہیں ہے، البتہ بوقت نکاح مسجد کی لائٹ اور پنکھا استعمال ہوتا ہے تو اس کا معاوضہ لیا جا سکتا ہے (فتاویٰ رحیمیہ اردو ص ۱۰۶ جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، مسجد میں نکاح خوانی یا قرآن خوانی کے لئے مسجد کی بجلی استعمال کرنا، کے عنوان سے دیکھ لیا جائے۔ از مرتب) مجلس عقد نکاح پر فیس کے طور پر رقم دینے پر مجبور کرنا غلط چیز ہے، البتہ اگر کوئی مطالبہ کے بغیر بطیب خاطر دے تو اسے قبول کیا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ سید عبدالرحیم لاجپوری، ۲۲ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ۔

(۱) کورٹ میں فیصلہ کی وجہ سے مسجد کی تعمیر میں محراب نہ بنانا
(۲) مسجد کی رقم پر ملے ہوئے بینک کے سود کا مصرف:

(سوال ۲۰۰) (۱) ہم لوگ اپنے گاؤں میں مسجد تعمیر کر رہے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم کو سرکاری اجازت صرف مدرسہ کی تعمیر کے لئے ملی ہے، تعمیر کے لئے ایک عرصہ سے کورٹ میں مقدمہ چل رہا تھا، لیکن تعمیر کے نقشے میں محراب نہ

[1] جدید ترتیب کے مطابق مکروہات صلوٰۃ میں عورتوں کا مسجد وعید گاہ جانا کیسا ہے۔ کے عنوان سے ملاحظہ فرمائیں۔

ہونے کی وجہ سے ہم لوگ مقدمہ جیت گئے ہیں، اور کورٹ کا فیصلہ یہ ہے کہ پوری زمین مسجد کی تعمیر کے لئے نہیں ہے بلکہ مدرسہ کی تعمیر کے لئے ہی ہے، لیکن ابھی ہم اس نیت سے تعمیر کر رہے ہیں کہ نماز بھی پڑھی جاسکے، اگر اس تعمیر میں محراب نہ لیں تو چل سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ محراب بنانے کی صورت میں پھر قانونی تکلیف کھڑی ہو جانے کا پورا پورا اندیشہ ہے، اس کے علاوہ اور کوئی راستہ ہو تو بھی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

(۲) ہم نے تعمیر کے لئے تحصیل چندہ کئی سالوں سے شروع کر رکھا تھا مگر تعمیر کی اجازت نہ ملنے کے سبب وہ پیسے بینک میں جمع تھے، اب اس رقم پر اگر سود ملتا ہو تو اس رقم کا استعمال کہاں اور کس طرح کیا جائے، جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

(الجواب) حامداً و مصلیاً و مسلماً و ہو الموفق۔ (۱) صورت مسئولہ میں وہ جگہ مسجد کے لئے وقف کی گئی ہو یا خریدی گئی ہو اور مسجد کے نام سے چندہ کیا گیا ہو تو اسی نیت کے مطابق بنانی چاہئے اور سوال میں مذکور مجبوری کی وجہ سے اگر محراب نہ بنائی جائے تو بھی چل سکتا ہے، امام صاحب بیچ میں کھڑے رہیں اور دونوں طرف صفیں یکساں رہیں اس کے لئے محراب کی جگہ کوئی علامت بنالی جائے۔

(۲) مسجد کی رقم کا سود ملا ہے اگر ضرورت ہو تو مسجد کے بیت الخلاء پیشاب خانہ یا اس کے صفائی میں استعمال کیا جاسکتا ہے اگر اس میں ضرورت نہ ہو تو مسجد میں آنے والے غریب مسافروں کو بطور امداد دیا جاسکتا ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ سید عبدالرحیم لاجپوری، ۲۰ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ۔

جماعت خانہ کی دیوار میں سوراخ کر کے اشتہار کا بورڈ لگانا:

(سوال ۱۰۲) ہماری مسجد شارع عام پر ہے اور جائے وقوع چوراہا ہے، بعض لوگ جماعت خانہ کی دیوار میں سوراخ کر کے لوہے کے اینگل لگا کر اشیاء کے اشتہار کے لئے بورڈ لگانا چاہتے ہیں، اس سے مسجد کو آمدنی ہوگی وہ جگہ اشتہار کا بورڈ لگانے کے لئے بہت موزوں ہے، تو جماعت خانہ کی دیوار کا سہارا لے کر ایسا بورڈ لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کی دیوار میں سوراخ کر کے اینگل لگا کر اشتہار کے لئے بورڈ لگانا شرعاً جائز نہیں ہے، درمختار میں ہے۔

---

(۱) مسجد کی رقم کا سود مل جائے یا ناجائز ذرائع سے کمانے والا روپیہ لگائے حکم یہ ہے کہ مسجد اور مصالح مسجد دونوں میں سود اور دیگر ناجائز ذرائع سے جو روپیہ حاصل ہوا ہو لگانا جائز نہیں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ولا یقبل اللہ الا الطیب، کہ اللہ تعالیٰ پاک چیز ہی کو قبول کرتے ہیں مشکوٰۃ باب فضل الصدقۃ ص ۱۶۷ شامی میں ہے اما لو انفق فی ذلک مالاخبیثاً و مالا سببہ الخبیث والطیب فیکرہ لان اللہ تعالیٰ لایقبل الا الطیب فیکرہ تلویث بیتہ بمالا یقبلہ۔ (شامی مطلب فی احکام المساجد ج۔ا ص ۶۵۸) یہی خبث کی جو علت ہے مسجد میں لگانے سے منتقل ہوگی، وفی خطر الاشباہ الحرمۃ تتعدد مع العلم بہا الا فی حق الوارث وقیدہ فی الظہیریۃ بان یعلم ارباب الاموال درمختار مع الشامی۔ کتاب البیوع مطلب الحرمۃ تتعدد ج۔۵ ص ۱۹۰ ایسے مال کا واپس کرنا لازم ہے۔ شرح السیر الکبیر میں ہے وما حصل بسبب خبیث فالسبیل ردہ۔ ج۔۴ ص ۱۷۶ البتہ واپسی ممکن نہ ہو یا واپسی میں مذکورہ رقم کا اسلام یا مسلمانوں کے خلاف استعمال ہونے کا خطرہ ہو تو فقراء کو دیا جائے اسی مسئلہ سے متعلق اسی باب میں، مسجد کی رقم کا سود کہاں خرچ کیا جائے غرباء کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ عنوان کے تحت حضرت اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مفتی کفایت اللہؒ کے جوابات ملاحظہ کئے جائے اسی کے علاوہ خود حضرت مفتی صاحب کے جوابات اس جواب سے مطابقت نہیں رکھتے ہیں۔ دیکھئے بعنوان۔ ناجائز اشیاء کا [illegible] کرنے والوں سے چندہ لینا الخ جو خبر [illegible] دار میں سود کی پیسے استعمال کئے تو کیا حکم ہے؟

اما لو تمت المسجد ثم ارادالبناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق تتارخانیة فاذا کان ھذا فی الوقف فکیف بغیرہ،فیجب ھدمہ ولو علیٰ جدار المسجد ولا یجوز اخذ الاجرة منہ ولا ان یجعل شیئا منہ مستغلاً ولا سکنی بزازیة.

شامی میں ہے : قولہ ولو علی جدار المسجد) مع انہ لم یأ خذ من ھواء المسجد شیئا اھ ونقل فی البحر قبلہ ولا یوضع الجذع علی جدار المسجد و ان کان من اوقافہ اھ قلت وبہ علم حکم ما یصنعہ بعض جیران المسجد من وضع جذوع علی جدارہ فانہ لا یحل ولو دفع الاجرة (درمختار و رد المحتار ص ۵۱۲ ج۳ ، کتاب الوقف ، مطلب فی احکام المسجد . فقط واللہ اعلم بالصواب.

مسجد شہید کر کے نئی تعمیر میں جماعت خانہ کے نیچے تہہ خانہ بنانا:

(سوال ۲۰۲)(ج)ایک پرانی مسجد کو شہید کر کے نئی تعمیر کرنا ہے، جماعت خانہ کے نیچے تہہ خانہ بنانا شرعاً کیسا ہے؟ اگر تہہ خانہ بنایا جائے تو امام صاحب کہاں کھڑے ہوں ،صف اول کون سی شمار ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب کسی جگہ مسجد شرعی بن جاتی ہے تو وہ جگہ تحت الثریٰ سے عنان سما تک مسجد کے حکم میں شمار ہوتی ہے، اس لئے مسجد یت کی تکمیل کے بعد مسجد کے نیچے نماز کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے تہہ خانہ بنانا یا مسجد کے اوپر کمرہ بنانا قطعاً جائز نہیں ہے۔

درمختار میں ہے۔ وکرہ تحریماً (الوطء، فوقہ والبول والتغوط)لانہ مسجد الی عنان السماء. ردالمحتار میں ہے :(قولہ الیٰ عنان السماء) بفتح العین وکذا الی تحت الثریٰ کما فی البیری الخ)(در مختار و رد المحتار المعروف بہ شامی ج ا ص ۶۱۴ مطلب فی احکام المسجد)

نیز درمختار میں ہے(فوع) لو بنی فوقہ بیتاً للامام لا یضر لانہ من المصالح اما لو تمت المسجدیة ثما اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق تتارخانیة فاذا کان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد الخ (درمختار مع رد المحتار ص ۵۱۲ ج۳ کتاب الوقف مطلب وفی احکام المسجد)

لہذا صورت مسئولہ میں جب پرانی مسجد ہے تو اب اس کے نیچے نماز پڑھنے کے علاوہ کسی اور مقصد مثلاً سامان رکھنے کے لئے تہہ خانہ بنانا قطعاً جائز نہ ہوگا ،ہاں صرف نماز پڑھنے کے لئے اگر تہہ خانہ بنانے کا ارادہ ہو تو اس کی گنجائش ہے، مگر اس بات کا پورا خیال رکھنا ہوگا کہ اس تہہ خانہ کا استعمال صرف نماز ہی کے لئے ہو کسی اور کام مثلاً سامان رکھنے میں اس کا ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔

جس جگہ فی الحال جماعت خانہ ہے نئی تعمیر کے بعد اسی جگہ امام صاحب کھڑے ہوں اور اسی جگہ سے صف بندی شروع ہو، زائد مقتدی اوپر یا نیچے صف بنائیں، امام صاحب سے متصل جو صف ہوگی وہ صف اول شمار ہوگی۔

صورت مسئولہ میں مناسب یہ ہے کہ فی الحال مسجد جس سطح پر ہے اسی سطح پر مسجد بنائی جائے اور بقدر ضرورت اوپر ایک منزل یا دو منزل بنالی جائیں، تہہ خانہ نہ بنائیں، جماعت نیچے سے شروع ہو اور زائد مقتدی پہلے منزل پر اور اس

کے بھر جانے کے بعد دوسری منزل پر صف بنائیں، تہہ خانہ بنانے میں آئندہ اس کے غلط استعمال کا اندیشہ ہے گودام کی طرح اور گرمی کے زمانہ میں ٹھنڈک کی وجہ سے مسافر خانہ کی طرح اس کا استعمال ہونے لگے گا اور بےحرمتی ہوگی، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جدید تعمیر میں جماعت خانہ پہلی منزل پر رکھا اس کے متعلق چند سوالات:

(سوال ۲۰۳) ہمارے یہاں تقریباً ۲۵ سال پہلے پرانی مسجد کو شہید کر کے دو میناروالی نئی مسجد بنائی گئی مسجد قدیم کا جماعت خانہ نیچے تھا، نئی تعمیر میں اصل جماعت خانہ پہلے منزلہ پر بنایا گیا جو نیچے کے پرانے جماعت خانہ سے بڑا ہے، پھر بھی آبادی کے بڑھنے کے سبب جمعہ کی نمازوں میں نیز رمضان میں چھوٹا پڑتا ہے جس کے سبب موجودہ جماعت خانہ میں کمیٹی نے ترمیم کرنا طے کیا ہے جس میں آپ سے مشورہ لینا چاہتے ہیں، لہٰذا ذیل کے سوالات کے جوابات سے مطلع فرمائیں، جزاکم اللہ۔

(سوال ۱) امام اوپر کے جماعت خانہ میں ہو اس کے بھر جانے کے سبب باقی مقتدی نیچے کے جماعت خانہ میں صفیں لگا کر اقتداء کریں تو یہ اقتداء صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہو تو کچھ شرطیں ہیں؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! (۱) مسجد قدیم کا جماعت خانہ نیچے تھا وہ اصل مسجد ہے وہ نیچے تحت الثریٰ تک حکم مسجد میں ہے اس کے نیچے حوض یا امام ومؤذن کے رہنے کے لئے حجرہ یا آمدنی کے لئے دکانیں وغیرہ تعمیر نہیں کیا جاسکتی، نیز اوپر آسمان تک مسجد کے حکم میں ہے، امام ومؤذن کی رہائش کے لئے کمرہ وغیرہ تعمیر نہیں کیا جاسکتا، البتہ مسجد تنگ ہو اور مسجد کی توسیع کے لئے آگے پیچھے دائیں بائیں جگہ نہ مل سکتی ہو تو مجبوراً اوپر نماز پڑھنے کی جگہ بنائی جاسکتی ہے اور نیچے کے جماعت خانہ اور صحن اور فناء مسجد میں نماز پڑھنے کی جگہ نہ رہے تو مجبوراً اور ضرورۃً اوپر کے حصہ میں صفیں بنا کر نماز پڑھی جاسکتی ہے، نیچے جگہ ہوتے ہوئے اوپر چڑھنا منع اور مکروہ ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ اردو ج ۳ ص ۳۰ ص ۳۱، نیز ص ۱۶۲ و ص ۱۶۳ (مکروہات صلوٰۃ میں، نماز عشاء اور تراویح مسجد کی چھت پر ادا کی جائے الخ، کے عنوان سے اور اسی باب میں مسجد کے اوپر نیچے دوکان، کمرے بنانا کیسا ہے؟ کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے۔ از مرتب) لہٰذا صورت مسئولہ میں [illegible] امام نیچے کے حصہ میں ہونا چاہئے، فقط۔

(سوال ۲) اس کا برعکس کیسا ہے؟

(جواب ۲) یہ شکل بہتر ہے۔ فقط۔

(سوال ۳) اوپر کی دونوں صورتوں میں بعض مقتدی اوپر جگہ ہوتے ہوئے نیچے صف بنا کر اقتداء کریں تو یہ صحیح یا نہیں؟ یا نیچے جگہ ہوتے ہوئے (جبکہ امام نیچے ہو) اوپر صف بنا کر اقتداء کریں تو کیا حکم ہے؟

(جواب ۳) یہ صورت مکروہ شمار ہوگی، فقط۔

(سوال ۴) محراب کا درمیان میں ہونا ضروری ہے؟ یا پانچ دس فٹ دائیں بائیں کم زیادہ ہو تو گنجائش ہے؟

(جواب ۴) محراب درمیان میں ہونا ضروری ہے، پانچ دس فٹ ہٹ کر ہو تو امام کا مصلی درمیان میں ہونا ضروری ہے تاکہ دونوں طرف کی صفیں برابر ہوں بڑی چھوٹی نہ ہوں۔ فقط۔

(سوال ۵) پہلی صف چھوٹی ہو، دوسری تیسری بڑی ہوتو کیسا ہے؟

(جواب ۵) جگہ کی تنگی کے سبب پہلی صف چھوٹی ہو دوسری صفیں بڑی ہوں تو حرج نہیں، جائز ہے۔

(سوال ۶) اوپر کے جماعت خانے پر چڑھنے کے لئے سیڑھی ہے جس کا کچھ حصہ پرانے جماعت خانہ میں ہے اور کچھ حصہ باہر، اس سیڑھی پر جانے کے لئے نیچے کے جماعت خانہ میں سے گذرنا پڑتا ہے یہ کیسا ہے؟

(جواب ۶) نیچے کے جماعت خانہ اور صحن میں جگہ نہ ہوتو اوپر چڑھنے کی ضرورت پڑتی ہے لہذا سیڑھی باہر ہونی چاہئے تاکہ جماعت خانہ اور صحن والے نمازیوں کو خلل نہ ہو اور ان کے سامنے سے گذرنا نہ پڑے۔فقط۔

(سوال ۷) اعتکاف نیچے کے جماعت خانہ میں افضل ہے؟ یا اوپر کے جماعت خانہ میں۔

(جواب ۷) نیچے کے حصہ میں اعتکاف کرنا چاہئے، نیچے جگہ نہ ہوتو مجبوری کی حالت میں اوپر کیا جاسکتا ہے۔فقط۔

(سوال ۸) قدیم جماعت خانہ کے منارہ کو کمرہ کی شکل دے کر اسٹور روم کی طور پر استعمال کرنا اور تالا لگا کر رکھنا کیسا ہے؟

(جواب ۸) منارہ کا استعمال اس طرح کرنا کہ اس کا اصل مقصد فوت ہو جائز نہیں ہے۔فقط۔

(سوال ۹) حوض کے اوپر چھت لگا کر جماعت خانے میں اضافہ کیا جائے تو اس کے نیچے کے حصہ میں مسجد کا سامان وغیرہ رکھنا کیسا ہے؟

(جواب ۹) حوض کی جگہ شرعی مسجد سے خارج فنائے مسجد میں ہوتی ہے اس کے اوپر جماعت خانے کا اضافہ کرنے میں حرج نہیں اور نیچے کے خالی حصہ میں مسجد کی صفیں وغیرہ سامان رکھا جاسکتا ہے۔فقط۔

(سوال ۱۰) دو صفوں کے درمیان کتنا فاصلہ ہو تو پیچھے کی صفوں کی اقتداء درست ہے؟

(جواب ۱۰) جماعت خانہ اور صحن میں چاہے کتنا فاصلہ ہو وہ اقتداء کے لئے مانع نہیں ہے۔

(سوال ۱۱) نیچے کے جماعت خانہ میں پانچوں وقت کی جماعت کی نماز ترک کر کے اوپر کے جماعت خانہ میں جماعتیں کرتے رہنا کیسا ہے؟۔

(جواب ۱۱) غلط ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کا نقشہ ہندو سے تیار کروانا کیسا ہے:

(سوال ۲۰۴) ہمارے محلہ کی مسجد زیر تعمیر ہے اس کی تعمیر جدید کی ذمہ داری بڑی حد تک میرے سر ہے، پہلے مسجد کے نقشہ اور پلان کے لئے ہم نے بمبئی کے ایک ماہر تعمیرات (آرکیٹیکٹ) سے رجوع کیا، انہوں نے بطور حق المحنت ایک بڑی رقم کا مطالبہ کیا جو ہماری استطاعت سے باہر تھی، اس کے بعد ہم نے ایک اور مقامی ہندو آرکیٹیکٹ سے مشورہ کیا انہوں نے مسجد کا پلان تیار کرنے پر رضامندی ظاہر کی، جب ہم نے ان سے فیس کی بابت دریافت کیا تو انہوں نے کچھ لینے سے انکار کر دیا، بڑے اصرار کے بعد ایک چھوٹی سی رقم بطور حق المحنت انہوں نے لینے پر آمادگی ظاہر کی، ہمارے محلے کے بعض لوگوں نے یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ مسجد کی تعمیر کے لئے ہندو آرکیٹیکٹ کی خدمات حاصل کرنا نامناسب ہے، میں نے ان سے کہا کہ ہم یہ خدمات ان سے مفت نہیں لے رہے ہیں بلکہ ان کو معاوضہ دیا جار ہا

ب ، ہمارے یہاں مسجد میں دروازے کھڑکیاں وغیرہ کا کام عموماً ہندو بڑھئی کرتے ہیں ، اس کے علاوہ تعمیر میں بیگار وغیرہ کا کام بھی ہندو کرتے ہیں۔

علامہ قسطلانی کی کتاب " المواھب اللدنیہ" میں یہ روایت میری نظر سے گذری کہ عہد نبوی ﷺ میں ایک قبطی نے (جو غالباً عیسائی تھا) مسجد نبوی کا منبر بنایا تھا ، میں اس سلسلہ میں دیگر شواہد کے لئے رجوع کر رہا ہوں ، از راہ کرم اس سلسلہ میں اپنی رائے سے مطلع فرمائیں کہ مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں ہندو آرکیٹکٹ یا ماہر تعمیرات کی خدمات بالمعاوضہ حاصل کرنا ازروئے شرع کیسا ہے ، آیا اس میں کوئی شرعی قباحت ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! مساجد سے متعلق جو خدمات ہوں وہ مسلمان سے لینا بہتر ہے ، خاص کر جب کہ یہ اندیشہ ہو کہ اگر غیر مسلم سے خدمات لی گئیں تو وہ آئندہ مسلمانوں پر احسان جتائیں گے یا اور کوئی دینی مفسدہ ہو چنانچہ مساجد کے لئے کفار کے چندہ کے سلسلے میں علماء کرام تحریر فرماتے ہیں کہ غیر مسلم چندہ دینے والا اپنے اعتقاد کے اعتبار سے اسے قربت سمجھتا ہو تو اس کا چندہ لیا جا سکتا ہے ، لیکن اگر یہ احتمال ہو کہ وہ آئندہ مسلمانوں پر احسان جتائے گا تو اس وقت بہتر یہ ہے کہ ان کا چندہ نہ لیا جائے۔

امداد الفتاویٰ میں ہے:۔

(سوال ۷۸۵) علماء دین وشرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں؟ کہ ہمارے یہاں ایک مسجد نئی تیار ہو رہی ہے اور اس میں ہندو لوگ چندہ دینا چاہتے ہیں وہ روپیہ ہندو لوگ کا مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) اگر یہ احتمال نہ ہو کہ کل اہل اسلام پر احسان رکھیں گے اور نہ یہ احتمال ہو کہ اہل اسلام ان کے ممنون ہو کر ان کے مذہبی شعائر میں شرکت یا ان کی خاطر سے اپنے شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے اس شرط سے قبول کر لینا جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ ، ص ۶۸۸ ج ۲ مطبوعہ دیوبند) (ص ۶۰۴ ج ۲ مطبوعہ کراچی سوال ص ۷۳۹)

نیز تحریر فرماتے ہیں ... الجواب ... پس اس بناء پر اگر کوئی ہندو اپنے اعتقاد میں اس کو قربت سمجھتا ہے تو اس قاعدہ کلیہ کے اقتضاء سے اس کا چندہ لینا جائز ہونا چاہئے۔ الی قولہ۔ اور تقریر ثانی کی یہ ہے کہ بوجہ احتمال منت علی المسلمین فی امر الدین کے اس سے بچنا چاہئے ، جیسا کہ سوال میں بھی نقل کیا ہے۔ الخ (امداد الفتاویٰ ص ۶۸۹ ص ۶۹۰ ج ۲۔ سوال نمبر ۷۸۶ مطبوعہ دیوبند) (مطبوعہ پاکستان ج ۲ ص ۶۰۳ ص ۶۰۴ ، سوال نمبر ۷۳۸)

لیکن صورت مسئولہ میں جب کہ مسلمان آرکیٹکٹ (ماہر تعمیرات) استطاعت سے زائد حق المحنت طلب کر رہا ہے اور غیر مسلم مناسب اجرت پر کام کرنے پر تیار ہے تو چونکہ غیر مسلم کو اجرت دے کر اس سے کام لیا جا رہا ہے تو وہ بمنزلہ ایک ملازم کے ہوا جس سے یہ احتمال ختم ہو جاتا ہے کہ وہ آئندہ مسلمانوں پر احسان جتائے گا ، ان حالات میں ہندو ماہر تعمیرات سے مذکورہ خدمت لی جا سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کی اندرونی دیواروں پر رنگین پتھر یا مختلف تختیاں لگوانا ، محراب یا مسجد میں رنگ برنگی بتیاں لگوانا:

(سوال ۲۰۵) مسجد میں رنگین بتی لگانا یا محراب یا منبر پر یا جماعت خانے میں رنگین پتھر لگوانا ، اور اللہ محمد کی رنگ برنگی

کی لٹکانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز مکہ ومدینہ منورہ کی زیارت گاہوں والا کیلنڈر لٹکانا درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) نماز کی روح خشوع وخضوع ہے اور خشوع وخضوع اور خدا کی طرف دل کی توجہ کے بغیر نماز بے جان ہے، مسجد کی محراب اور قبلہ کی دیوار پر نقش ونگار (بیل بوٹے) ہوں گے تو نمازی کی توجہ اس کی طرف ہوگی اور خشوع وخضوع میں خلل انداز ہوں گے اس لئے منع ہے، بلکہ فقہاءؒ یہاں تک لکھتے ہیں کہ اردگرد کی دیوار کا نقش ونگار اس کے قریب والے نمازیوں کے خشوع وخضوع میں مخل ہوگا۔

حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے دروازے پر خوبصورت پردہ دیکھ کر فرمایا کہ اس خوبصورت اور پر تکلف پردے کو ہٹادو اس کی تصویریں نماز میں میری توجہ مبذول کراتی ہیں (بخاری شریف ص ۵۴ ج ۱، جز نمبر ۲ باب ان صلی فی ثوب مصلب اوتصاویر ھل تفسد صلاتہ الخ)

جب آپ ﷺ نے پھول دار رنگین چادر کے بارے میں فرمایا کہ مجھے نماز میں غافل کرتی ہے تو عام نمازیوں کا کیا؟ امام نوویؒ حدیث مذکور کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ مسجد کے محراب کی زینت اور خوبصورت (نقش ونگار بیل بوٹے) اور دیواروں کا نقش ونگار ایسی چیز ہے جو نمازیوں کی توجہ اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اس لئے محراب اور در و دیوار کو خوبصورت اور منقش بنانا مکروہ ہے (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۰۸)[1] اس لئے جو خوبصورتی نقش ونگار، فریم اور کیلنڈر وغیرہ نمازی کو غافل کرنے والی اور خشوع اور خضوع میں مخل ہو ان سے بچنا ضروری ہے (جذب القلوب باب نمبر ۷ ص ۲۱۶)

مسجد میں رنگین بتیاں لٹکانا عبادت گاہ کو تماشہ گاہ بنانے کے مرادف ہے اس لئے کراہت سے خالی نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فاسق اور غیر پابند شرع کو متولی بنانا:

(سوال ۲۰۶) فاسق اور غیر پابند شرع کو مسجد کا متولی بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! مسجد شعائر اسلام میں سے ہے جو آدمی اسلامی شعائر کا محافظ، شریعت کا پابند ہو، جس کے دل میں خدا کے خوف اور محبت نے گھر کرلیا ہو وہی اس کا محافظ اور متولی بن سکتا ہے، جو شعائر اسلام کا محافظ نہ ہو، شریعت کا پابند نہ ہو، نماز باجماعت کا پابند نہ ہو، فاسق ہو یعنی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو یا صغائر پر مصر ہو، شراب پینے کا عادی ہو، سود خوار ہو، وہ خانۂ خدا کا متولی نہیں بن سکتا، فاسق اور بے دین کو خانۂ خدا کا محافظ بنانے میں مسجد، شعائر دین امام اور مؤذن کی نیز مصلیوں کی بھی توہین وتحقیر لازم آتی ہے، ارشاد باری ہے۔

انما یعمر مسجد اللہ من امن باللہ والیوم الاخر واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ ولم یخش الا اللہ (قرآن حکیم۔ سورۃ توبہ)

ترجمہ: بے شک خانۂ خدا کو آباد کرنے کا کام ان پاک لوگوں کا ہے جو خدا پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے،

---

(۱) ففیہ الحث علی حضور القلب فی الصلوٰۃ وتدبر ما ذکرناہ ومنع النظر من الامتداد الی ما یشغل وازالۃ ما یخاف اشتغال القلب وکراھیۃ تزویق محراب المسجد وحائطہ ونقشہ وغیرہ ذلک من الشاغلات الخ باب کراھیۃ الصلوٰۃ فی ثوب لہ اعلام)

نماز کی پابندی کرے زکوۃ ادا کرے اور سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مولانا ابوالکلام آزادؒ لکھتے ہیں، قرآن میں یہ حقیقت بھی واضح کردی کہ خدا کی عبادت گاہ کی تولیت کا حق متقی مسلمانوں کو پہنچتا ہے اور وہی اسے آباد رکھنے والے ہوسکتے ہیں، یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ فاسق وفاجر آدمی مسجد کا متولی نہیں ہوسکتا، کیونکہ دونوں (خانۂ خدا اور فاسق وفاجر) میں کوئی مناسبت باقی نہیں رہتی بلکہ متضاد باتیں جمع ہوجاتی ہیں (وہ یہ کہ مسجد خدا پرستی کا مقام ہے اور فاسق وفاجر متولی خدا پرستی سے نفور (تفسیر ترجمان القرآن ص ۸۰ ج ۲)

اور فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے. **ولا یجوز تولیة الفاسق مع امکان تولیة البر**. ترجمہ: نیک دیندار پرہیز گار متولی ملنے کے باوجود فاسق (غیر پابندی شرع) کو متولی بنانا درست نہیں (ص ۱۵۰ ج ۱)

''اسلام کا نظام مساجد'' میں ہے کہ خدا کے گھر کی خدمت وہی کرے جو خدا کے دوست ہوں، جن کے دل میں اس کی محبت وخشیت گھر کرچکی ہو (ص ۱۲۹) ظاہری طور پر بھی وہ ایسا ہو جس سے خدا پرستی نمایاں ہو (ایضاً)

حدیث میں ہے کہ جو آدمی کسی جماعت میں کسی اہم کام کی ذمہ داری کسی ایسے شخص کے حوالہ کرے درآں حالانکہ جماعت میں ایسا آدمی موجود ہو جو اس سے زیادہ خدا کی رضامندی چاہنے والا اور خدا کے احکام کی زیادہ پابندی کرنے والا ہوتو منتخب کرنے والے نے خدا تعالیٰ کی خیانت کی، اور اس کے رسول (ﷺ) کی خیانت کی اور تمام مسلمانوں کی خیانت کی (ازالۃ الخفاء حصہ دوم ص ۳۶) (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۱۰۰)

درمختار شامی وغیرہ میں ہے: جب متولی میں شرعی اعذار اور قباحتیں پیدا ہوجائیں تو ایسے عہدہ سے برطرف کردیا جائے جیسے کہ وہ غیر مامون ہو، عاجز ہو فاسق ہو فاجر ہو یا اسے شراب نوشی کی عادت ہوگئی ہوتو اسے تولیت سے ہٹا دینا ضروری ہے (ص ۴۲۱، ص ۴۲۲، ج ۳) (اسلام کا نظام مساجد ص ۲۲۲)

متولی ایسے شخص کو منتخب کیا جائے گا جو اس عہدہ کا خواہاں نہ ہو (ایضاً)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ متولی بنانے میں ان باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، دینی علم رکھتا ہو، وقف کی احکام سے واقف ہو امانتدار ہو، متقی پرہیزگار ہو یعنی اس کی زندگی پیغمبر اسلام ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ہو، مگر افسوس! فی زمانا صرف مالداری دیکھی جاتی ہے اگرچہ وہ بے علم وعمل ہو، نماز وجماعت کا پابند نہ ہو، فاسق ہو۔ حالانکہ مسجد کا متولی حقیقت میں نائب خدا شمار ہوگا تو ایسے عظیم الشان منصب کے لئے اس کے شایان شان متولی ہونا چاہئے، مگر افسوس! آج مساجد کی حالت ''غریب کی بیوی سب کی بھابھی'' جیسی بنادی گئی ہے، لائق نالائق، فاجر، فاسق سب متولی بننے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں، حدیث میں ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ بڑے بڑے عہدے نااہلوں کے سپرد کئے جائیں گے اور قوم کا سردار فاسق بنے گا (مشکوٰۃ ص ۴۷۰ باب اشراط الساعۃ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۱) دو مسجدوں کو ایک بنانا (۲) مسجد کی نئی تعمیر میں قدیم جماعت خانہ کی جگہ پر حوض اور کمرہ بنانا، اور جماعت خانہ اوپر بنانا جائز نہیں ہے:

(سوال ۲۰۷) زمانہ قدیم میں یہاں ایک خاندان میں منافرت کی ایسی آگ پھیلی کہ دو مسجدیں وجود میں لائی گئیں، دونوں کی دیواریں بالکل متصل ہیں، اب کچھ حضرات ان دونوں مسجدوں کو ایک بنا دینا چاہتے ہیں، دونوں مسجدیں ملا کر یا شہید کر کے دونوں مسجدوں کے تینوں طرف قبرستان واقع ہے، دونوں مسجدوں کو ملانے میں تھوڑا سا حصہ قبرستان کا مسجد میں آجاتا ہے۔ کیا اس حصہ کو مسجد میں داخل کر سکتے ہیں؟

(ب) عدم اتصال کی صورت میں ایک مسجد جس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے وہ مصلین کے لئے بہت تنگ ہے اور قبرستان کی وجہ سے جگہ بھی تنگ ہے ایسی صورت میں از سر نو مسجد کی تعمیر میں قدیم جماعت خانہ کی جگہ پر مسجد کا سامان رکھنے کے لئے کمرہ بنایا جائے اور وضو کے لئے حوض بھی بنایا جائے اور کنارہ میں الگ غسل خانہ اور پیشاب خانہ ہو اور کمرہ وحوض سے اوپر نیا جماعت خانہ بنایا جائے، جگہ تنگ ہے اس لئے اس طرح تعمیر کرنے کا پلان بنانا چاہتے ہیں تو مذکورہ نقشہ کے مطابق تعمیر کر سکتے ہیں؟

نوٹ:۔ فی الحال مسجد کی دیواریں بہت کمزور ہیں۔

نوٹ:۔ یہ قبرستان مخصوص جماعت کا ہے یعنی اسی مسجد کے مصلیوں کا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! دونوں مسجدیں بالکل متصل ہیں اور اہل محلہ دونوں مسجدوں کو ایک کرنا چاہتے ہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔

حضرت العلامہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:۔ مسئلہ:۔ اہل محلہ کی لئے جائز ہے کہ وہ ایک مسجد کی دو کردیں یا دو مسجدوں کی ایک بنادیں (الاشباہ) (آداب المساجد ص ۱۸) الاشباہ کی عبارت یہ ہے: **ولا هل المحلة جعل المسجد مسجدين والا ولىٰ ان يكون لكل طائفة مؤذن ولهم جعل المسجدين واحداً**) جب قبرستان میں مردے دفن کئے جاتے ہیں، ویران نہیں ہے کہ اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کی کوئی جگہ مسجد میں شامل نہیں کی جاسکتی، واقف نے جس مقصد سے وقف کیا ہو، اس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے، شرط الواقف کنص الشارع (درمختار کتاب الوقف ۳/۵۷۵)

شامی میں ایک موقع پر فرمایا ہے: **على انهم صرحوا بان مراعاة غرض الواقفين واجبة ...... وقدمر وجوب العمل بشرط الواقف** (شامی ج ۳ ص ۵۸۵) جو جگہ ایک مرتبہ مسجد بن چکی ہو وہ جگہ الی عنان السماء، اور الی تحت الثریٰ تا قیامت مسجد رہے گی (و) **کره تحريما (الوطء فوقه والبول والتغوط) لانه مسجد الى عنان السماء** (درمختار) **(قوله الى عنان السماء) وكذا الى تحت الثرىٰ كما فى البيرى** (درمختار مع شامی ج ۱ /ص ۶۱۴ **مطلب فى احكام المساجد**) اس لئے اگر کسی جگہ ایک مرتبہ مسجد تعمیر ہو چکی ہو اس کے بعد کسی وقت کسی ضرورت کی وجہ سے اسے شہید کر کے مسجد کی نئی تعمیر کی جائے تو جو جگہ داخل مسجد تھی، اب اس کے نیچے یا اوپر کمرہ یا حوض وغیرہ بنانا جائز نہیں ہے، ہاں مسجد بالکل نئی بن رہی ہو اور بالکل نئی تعمیر

کے پلان میں یا کوئی جگہ شرعی مسجد سے خارج ہو اور وہ جگہ نئی تعمیر کے وقت شرعی مسجد میں داخل کی جارہی ہو اور اس نئی جگہ کے پلان میں مصالح مسجد کے لئے حوض یا کمرہ بنانا شامل ہو تو ایسی صورت میں بنانے کی گنجائش ہے درمختار میں ہے: لو بنی فوقه بيتاً للامام لا يضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدية ثم اراد المبناء منع (درمختار ۳/۵۱۳، کتاب الوقف)(فتاوی رحیمیہ ۶/۸۱)(اسی باب میں مسجد کا نقشہ مکمل ہونے کے بعد مسجد کے نیچے دکان بنانا، کے عنوان سے دیکھ لیا جائے۔ از مرتب) حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس مسئلہ پر آداب المساجد کے ضمیمہ میں تسلی بخش کلام فرمایا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔ یکم صفر ۱۴۰۸ھ۔

مسجد کی اطراف میں مسجد سے اونچا مکان بنانا:

(سوال ۲۰۸) مسجد کے سامنے (قبلہ) والی دیوار کے متصل مسجد سے اونچا مکان بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ بقیہ تین جہتوں میں مسجد سے اونچا مکان (قیام گاہ) بنانے کی اجازت ہے یا نہیں؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! مسجد کے اردگرد، مسجد کی عمارت سے اونچے مکانات بنانا جائز ہے اس سے مسجد کی بے حرمتی نہیں ہوتی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ایک مسجد کے لئے وقف کیا ہوا پائپ دوسری مسجد میں دینا
(۲) مسجد کی آمدنی اس کی ضرورت سے زیادہ ہے تو کیا کرے:

(سوال ۲۰۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک پائپ یعنی نل ایک مخصوص مسجد کے کنویں کے لئے وقف کردیا مگر اس مسجد کے لوگوں نے اس کو اپنے مکان میں نہ لیا اور ویسے ہی دوسرے ذرائع سے پانی کھینچنے کا کام لیا اور پائپ پڑے پڑے خراب ہو رہا ہے اور زید نے جب یہ معاملہ دیکھا تو اسی گاؤں میں ایک اور مسجد بھی ہے جس میں پائپ کی شدید ضرورت ہے زید کا ارادہ ہے اگر شریعت اجازت دے تو یہ پائپ اٹھا کر دوسری مسجد میں دے دیا جائے تاکہ ضائع ہونے سے بچ جائے تو کیا دوسری مسجد والوں کو اس کا استعمال جائز ہے؟ اگر نا جائز ہے تو کیا شکل اختیار کی جائے؟

(۲) ایسے ہی بہت سی مساجد میں سالانہ آمدنی کثیر ہوتی ہے، بہت سی رقم جمع ہو گئی ہے، اور اس مسجد میں مستقل آمدنی کا سلسلہ جاری ہے تو دوسری مسجد میں مال دے دیا جائے تو کیا حرج ہے؟ یا لوگ اس کثیر مال کو دیکھ کر کسی ترکیب سے اپنے قبضہ میں لے کر خود کھانے لگیں گے، اب کیا شکل اختیار کی جائے جب کہ دوسری مسجد کو شدید حاجت ہے۔

(۳) ان کثیر آمدنی والی مساجد کا مال کسی مدرسہ میں یا کسی غریب پر اگر لگایا جائے تو آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! جب کہ پائپ مسجد کے لئے وقف کردیا گیا تو واقف کا اختیار جاتا رہا، اب اگر اس مسجد میں اس کی حاجت نہیں ہے نہ آئندہ ضرورت ہوتی اور پڑا پڑا خراب ہو جائے گا یہ اندیشہ ہے تو اسے فروخت کر کے قیمت مسجد کے کام میں لے لی جائے دوسری مسجد والے یہاں سے خرید سکتے ہیں، اگر واقعی مسجد اس قدر مالدار

ہے اور اس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد اس قدر رقم جمع ہے جس کی مسجد کو نہ فی الحال ضرورت ہے نہ فی المآل اور ضائع ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو اس صورت میں یہ آپ بالا قیمت قریب کی محتاج مسجد میں جماعت کے مشورہ سے دیا جا سکتا ہے، اسی طرح رقم بھی قریب کی مسجد میں دی جا سکتی ہے. لا سیما فی زماننا فان المسجد او غیرہ من رباط او حوض اذا لم ینقل یا خذ انقاضہ اللصوص والمتغلبون کما ھو مشاھد و کذلک او قافہ یاکل النظار او غیرھم ویلزمہ من عدم النقل خراب المسجد الا خرا المحتاج الی النقل الیہ الخ (شامی ج ۳ ص ۵۱۴ کتاب الوقف، مطلب فی نقل انقاض المسجد)

بہتر یہ ہے کہ زائد رقم سے اس مسجد کے متعلق دینی مدرسہ قائم کر دیا جائے کہ جس سے مسجد کی آبادی میں اضافہ ہو اور رقم ضائع ہونے سے بچ جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد کی دیواروں پر آیات قرآنی لکھنا ممنوع ہے:

(سوال ۲۱۰) مسجد کے اندرونی اور بیرونی حصہ میں قرآن شریف کی آیتیں لکھنا کیسا ہے؟ اگر جائز ہے تو کون سی لکھنا افضل ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! مسجد کے اندرونی اور بیرونی حصہ میں قرآن شریف کی آیت اور قابل تعظیم اشیا لکھنا ممنوع ہے۔

بے ادبی کے احتمال کی وجہ سے فقہاء اجازت نہیں دیتے. ولا ینبغی الکتابۃ علی جدرانہ (درمختار) قال فی البحر وکذا یکرہ کتابۃ الرقاع والصاقھا بالا بواب لما فیہ من الا ھانۃ وفیہ من النہایۃ لیس بمستحسن کتابۃ القرآن علی المحارب والجدران لما یخاف من سقوط الکتابۃ وان توطا (طحطاوی علی الدر المختار ۱ / ۲۴۰) (قولہ ولا ینبغی الکتابۃ علی جدرانہ) ای خوفا من ان تسقط وتوطأ، بحر عن النہایۃ (شامی ۱ / ۶۲۰ مطلب فی احکام المساجد) فقط واللہ اعلم بالصواب .

مسجد کی وقف زمین بیکار پڑی ہے اس میں مدرسہ کے لئے مکان بنانا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۱۱) ہمارے محلہ کی مسجد کے قبضہ میں بحیثیت ملکیت (وقف) ایک زمین ہے جو برسوں سے ویسے ہی پڑی ہے، اس پر عمارت وغیرہ نہیں ہے. محلہ کا جو مدرسہ ہے اب ارکان مدرسہ کا خیال ہو رہا ہے کہ اس زمین کو مدرسہ کے پیسوں سے کرایہ کے طور پر لے لیا جائے اور ماہانہ زمین کا کرایہ جو ہے وہ مسجد کے صرفہ میں لے لیا جائے، اور پھر مدرسہ اس مسجد کی زمین پر اپنے پیسوں سے عمارت تعمیر کر کے اس عمارت کو کرایہ پر دے اور جو کرایہ وصول ہوا سے مدرسہ اپنے صرفہ میں لے، اس سلسلہ میں ارباب مدرسہ کا خیال ہے کہ زمین پٹہ پر معین مدت کے لئے لکھوالی جائے اور اس پر عمارت بنا کر آمدنی کی صورت کی جائے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ مدرسہ کے ٹرسٹ سے پیسے صرف کر کے ایسی موقوفہ زمین کو پٹہ پر لکھوایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! اگرچہ مسجد کو اس موقوفہ افتادہ زمین کی فی الحال کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن آئندہ توسیع وغیرہ موقع پر ضرورت ہو سکتی ہے اور اس پر مدرسہ کا مکان بن جانے کے بعد اس کو حاصل کرنا مشکل ہے اور قانونی

اعتبار سے بھی دشوار ہے اس لئے پٹہ پر طویل مدت کے لئے کرایہ پر دینے کی اجازت نہ ہوگی، نیز جب کہ موقوفہ زمین پر مدرسہ کی رقم سے عمارت بنے گی تو مسجد کا وقف مدرسہ کے وقف کے ساتھ مختلط ہو جائے گا، یہ بھی درست نہیں ہے، اس لئے اس قسم کا معاملہ نہ کیا جائے۔(۱)

اگر فی الواقع افتادہ زمین مسجد کے کسی مصرف کی نہ ہو، نہ آئندہ اس ضرورت کی توقع ہو، کرایہ کے قابل بھی نہ ہو، بیکار محض ہو، نیز فناء مسجد (متعلقہ مسجد) کا حکم نہ رکھتی ہو تو اہل محلہ کے اتفاق سے اسے فروخت کر کے اس کے عوض دوسری جگہ خریدی جائے بشرطیکہ دوسرے کے قبضہ میں جانے سے مسجد و نمازیوں کو ضرر اور تکلیف پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو ۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ناک کی بدبو والا آدمی مسجد میں آسکتا ہے یا نہیں؟ اگر دوسرے مصلی خوش ہوں تب آنا کیسا ہے:

(سوال ۲۱۲) ایک شخص کو پیدائشی طور پر ناک کی بیماری ہے جس کی وجہ سے بدبو آتی رہتی ہے، علاج و معالجہ سے کوئی فائدہ نہیں ہو، تو ایسے شخص کو اعتکاف میں بیٹھنا کیسا ہے؟

(۲) اور ایسا شخص نماز پنجگانہ کے لئے مسجد میں جائے یا نہیں؟ دوسرے مصلی اس کو برداشت کرنے پر خوش ہوں بلکہ عدم حاضری سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ تو بھی احترام مسجد کے خیال سے اس کو مسجد میں جانا چاہئے یا نہیں؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! (۱) حدیث میں ہے کہ جو شخص اس بدبودار درخت سے کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کہ ملائکہ ایذا پاتے ہیں جس سے انسان ایذا پاتے ہیں۔ (بخاری شریف وغیرہ)(۲)

حدیث معلل ہے بایذاء انسان و ملائکہ اس لئے جس کے جسم کے کسی حصہ کی بو سے لوگوں کو ناگواری اور اذیت ہوتی ہو، ایسے مسجد میں نہیں آنا چاہئے اور اعتکاف میں نہیں بیٹھنا چاہئے، وسیلۂ احمدیہ شرح طریقۂ محمدیہ میں ہے: کل من وجد فیہ رائحۃ کریھۃ یتاذی بہ الانسان یلزم اخراجہ :۔یعنی فقہاء فرماتے ہیں کہ جس شخص کے بدن میں ایسی ناگوار بدبو پائی جائے جس کی وجہ سے آدمیوں کو اذیت ہوتی ہو تو اس کو نکال دینا چاہئے (اسلام کا نظام مساجد ص ۲۱۹)

(۲) بدبو ناگواری اور تکلیف دہ حد تک پہنچی ہوئی ہو، لیکن احباب اسے برداشت کر لیتے ہو یا عادی بن گئے ہوں تاہم اسے مسجد میں آنے سے اجتناب کرنا چاہئے کہ مسجد جائے حضوری ملائکہ ہے، ان کو اور دوسرے لوگوں کو اذیت ہوگی، البتہ اگر بدبو خفیف ہو، تکلیف دہ اور ناگواری کی حد تک نہ ہو تو نماز پنجگانہ کے لئے دافع بدبو، عطر وغیرہ خوشبو لگا کر آسکتا ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب، ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ۔

چوری کی لکڑی اور حرام رقم سے بنائی گئی مسجد کا حکم:

(سوال ۲۱۳) کیا فرماتے ہیں علماء شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ مسجد بنائی گئی ہے، متولیان اور کارکنان

---

(۱) قلت لکن قال ابو جعفر الفتویٰ علی ابطال الاجرۃ الطویلۃ ولو بعقود درمختار مع الشامی کتاب الوقف. مطلب فی الا جارۃ الطویلۃ بعقود (ج ۳ ص ۵۵۰)

(۲) قیل لانس ما سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الثوم فقال من اکل فلا یربن مسجد نا کتاب الا طعمۃ باب مایکرہ من الثوم والبقول الخ ج ۲ ص ۸۱۹)

مسجد نے لکڑیاں وغیرہ جنگلوں میں سے چوری کرکے لاکر بنائی ہے، اور مسجد کے لئے جو چندہ کیا ہے وہ بھی ایسے لوگوں سے جو کھلم کھلا اور ظاہراً چور اور ڈاکو ہیں، جن کے پاس بالکل ناجائز پیسے جمع ہیں، غرض مسجد، چوری کا مال اور ناجائز رقم سے بنائی گئی ہے تو کیا یہ مسجد مسجد کے حکم میں ہوگی، اور اس میں اگر نیک اچھے اور بھلے لوگ نماز پڑھیں تو آیا ان کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اس کا مفصل اور مع حوالہ کتب جواب تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ فقط۔

(الجواب) چوری کے مال واسباب اور ناجائز رقوم سے بنائی ہوئی مسجد کا حکم یہ ہے کہ اس میں نماز نہ پڑھی جائے۔
وفی شرح المنية للحلبی بنی مسجدا فی ارض غصب لا باس بالصلوة فيه وفی الواقعات بنی مسجداً علی سورا لمدينة لا ينبغی ان يصلی لا نه حق العامة فلم يخلص لله تعالی كالمبنی فی ارض مغصوبة (شامی ج ۱ ص ۳۵۴ مکروهات الصلوة، کبیری ص ۵۷۱) لیکن اسے بے حرمتی سے بچایا جائے، اس میں حیض والی عورت اور جنبی کا داخل ہونا جائز نہیں اس کو محفوظ کر دیا جائے، اسے بیچنا بھی درست نہیں، اگر زمین چوری اور غصب شدہ نہیں ہے جائز طریقہ سے حاصل کی گئی ہے تو ناجائز عمارت دور کر کے مال حلال سے دوسری عمارت بنالی جائے تو قابل انتفاع ہو سکتی ہے (منیۃ الساجد ص ۲۶، ۲۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، ۶ ربیع الآخر ۱۳۸۰ھ۔

مدرسہ میں قضائے حاجت کے لئے دیئے جانے کے وقفہ میں مدرسین کا اخبار پڑھنا اور اس پر ٹرسٹی کی بدکلامی:

(سوال ۲۱۴) ہمارے مدرسہ میں صبح ۸ سے ۱۰ تک اور دوپہر کو ۲/۱۵ سے ۴/۱۵ تک تعلیم ہوتی ہے اور دوران تعلیم ۱۵ منٹ کا وقفہ بچوں کے پیشاب یا دیگر ضروریات کے لئے رکھا گیا ہے تو دوران وقفہ ہم لوگ بھی بچوں کی عدم موجودگی کے سبب فارغ رہتے ہیں تو یہ پندرہ منٹ کے وقفہ میں ہم مدرسین اخبار منگوا کر پڑھتے ہیں، ایک نگران مدرسہ نے مدرسہ کے اندر دوران وقفہ حاضری دی اور ہم لوگوں سے بے حد سخت کلامی کی اور فرمایا کہ آپ لوگ حرام کی تنخواہ کھاتے رہیں حالانکہ ابھی وقفہ ختم ہونے میں تین منٹ باقی تھے۔ تو حضرت! ان کا یہ بولنا صحیح ہے یا غلط؟ اور مدرسہ میں اخبار پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ برائے کرم ان دونوں باتوں کا جواب دیں، خدائے پاک آپ کو دونوں جہان میں بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

(الجواب) حامداً و مصلیاً و مسلماً! تعلیم کا وقت صرف دو گھنٹے ہیں اس دوران میں ۱۵ منٹ کی پیشاب پانی کی سب کو مہلت ملنا غیر ضروری ہے، بچے جائیں گے پیشاب کر کے ہاتھ دھولیں گے، نہیں دھوئیں گے بغیر وضو کے قرآن شریف پکڑنا بے ادبی سے خالی نہیں، ابھی سے باوضو قرآن پڑھنے کی عادت ڈالنا چاہئے اس لئے یہ وقفہ غیر ضروری ہے، دو گھنٹہ میں حاجت کا تقاضہ جس کو ہو وہ رخصت لے کر جائے تو تعلیم بھی جاری رہے گی، باقی رہی سرپرست کی حاجت اور سخت سست کہنا یہ زیادتی ہے اور استاذ کی توہین کرنا ہے، تعلیم کے دوران ٹرسٹی نے وقفہ رکھا اور کلاس خالی ہونے اس درمیان اخبار دیکھا تو تعلیم چھوڑ کر نہیں دیکھا، پھر تنخواہ حرام کی کیسے ہوگئی؟ ان کو ایسا کہنا زیبا نہیں تھا، اور ان کو بھی دنیوی اخبار دیکھنا مناسب نہیں تھا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

احاطۂ مسجد میں واقع قبرستان میں امام کا رہائشی حجرہ بنانا:

(سوال ۲۱۵) مسجد کے احاطہ میں قبرستان شامل ہے جو تقریباً تین سال سے دفن کے لئے بند ہے، قبرستان کی اس حد میں امام صاحب کی رہائش کے لئے ایک کمرہ بنایا گیا ہے، جس میں غسل خانہ اور بیت الخلاء ہے اور امام صاحب اس کمرہ میں مع اپنی بیوی بچوں کے رہتے ہیں تو کیا یہ درست ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! احاطہ مسجد میں قبرستان کا یہ قطعہ وقف ہے، کسی کا مملوک نہیں ہے، اس پر امام کی رہائش کے لئے کمرہ بنانا اور اس میں غسل خانہ و پیشاب خانہ بنانا قطعاً جائز نہیں، اس کے بنانے والے اور اس میں رہنے والے دونوں سخت گنہگار ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کشادہ جماعت خانہ میں امام کا ایک دوصف چھوڑ کر کھڑا ہونا:

(سوال ۲۱۶) مسجد کافی بڑی ہے اور نمازی ایک دوصف کے بقدر ہوتے ہیں، اس صورت میں اگر امام صاحب اپنی اصل جگہ (محراب) کے بجائے ایک دوصف چھوڑ کر جماعت خانہ کے درمیان میں کھڑے رہیں تو کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) پورا جماعت خانہ مکان واحد کے حکم میں ہے لہٰذا امام صاحب صورت مسئولہ میں ایک دوصف چھوڑ کر کھڑے رہیں تو کھڑے رہ سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

بیت الخلاء کی نشست گاہ قبلہ رخ ہے یا اس کی پشت قبلہ کی طرف ہے تو اس کی درستگی ضروری ہے:

(سوال ۲۱۷) ہمارے مسافر خانہ میں جو بیت الخلاء بنے ہوئے ہیں ان میں سے بعض میں نشست گاہ ایسی بنی ہوئی ہے کہ قضاء حاجت کے لئے بیٹھنے کے وقت قبلہ کی طرف رخ ہوتا ہے اور بعض میں قبلہ کی طرف پشت ہوتی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان کی نشست گاہ کو بدلنا ضروری ہے یا نہیں؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ قضاء حاجت (پیشاب پاخانہ) کے وقت قبلہ کی طرف رخ اور پشت کرنا سخت ممنوع اور گناہ کا کام ہے، حدیث میں ہے۔ عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلۃ ولا تستدبروھا (مشکوٰۃ ص ۴۲ باب آداب الخلاء)

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم استنجاء کے لئے جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو نہ پشت۔

درمختار میں ہے (کما کرہ) تحریما (استقبال قبلۃ واستدبارھا) لا جل (بول او غائط) فلو للاستنجاء لم یکرہ (ولو فی بنیان لا طلاق النھی) (درمختار مع رد المختار ۱/۳۱۶ مکروھات الصلاۃ)

لہٰذا مذکورہ مسافر خانہ میں جس جس استنجاء خانہ کی نشست قبلہ کی جانب ہو بیٹھنے کے وقت چاہے چہرہ قبلہ کی طرف ہوتا ہو یا پشت، دونوں سخت ممنوع اور گناہ کا کام ہے اس لئے پہلی فرصت میں ان نشستوں کو درست کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۶ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ۔

کتاب الشرکۃ

شرکاء میں سے ایک کو دوسروں کی اجازت کے بغیر علیحدہ کرنا:

(سوال ۲۱۸) ہم چار آدمی ایک کمپنی میں شریک ہیں ان میں سے ایک شریک الگ ہونا چاہتا ہے اس نے ہم تین میں سے ایک سے بات چیت کی اور اپنا ارادہ ظاہر کیا اس نے ہم دو سے مشورہ لئے بغیر چار ہزار روپے اس کو دے کر الگ کر دیا بعد میں اس نے ہم کو حقیقت سے واقف کیا کہ میں نے اس کو اتنی رقم دے کر شرکت سے علیحدہ کر دیا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ یہ فیصلہ صحیح ہوا یا نہیں؟ یا چاروں کو ایک ساتھ بیٹھ کر فیصلہ کرنا چاہئے تھا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب چاروں معاملہ میں شریک ہیں تو جو بھی اہم فیصلہ کیا جائے سب کا مشورہ اور رضامندی ضروری ہے، ایک کا فیصلہ جس سے دوسرے ساتھی متفق نہ ہوں معتبر نہ ہوگا۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیٹے نے زمین خریدی تو اس کا کیا حکم ہے:

(سوال ۲۱۹) زید نے کنوارے پن میں ایک زمین اپنی ذاتی کمائی سے خریدی زید اب وہ زمین فروخت کرنا چاہتا ہے اس کی کوئی اولاد نہیں ہے، بیوی حیات ہے، زید کے پانچ بہنیں اور والدین حیات ہیں، زید بیوی کے ساتھ علیحدہ رہتا ہے زمین کی جو قیمت آئے گی اس میں دوسروں کا حصہ لگتا ہے یا نہیں؟ زید کا ارادہ والد اور والدہ کو حج کرانے کا ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) زید کنوارے پن میں والدین سے الگ رہتا تھا اور اس نے اپنی سمجھ اور کمائی سے زمین خریدی تھی تو اس کا خود وہ مالک ہے، زید کا ارادہ والدین کو حج کرانے کا بہت مبارک ہے۔

لیکن اگر زید والدین کے ساتھ رہتا تھا اور رہنا سہنا کھانا پینا ان کے ساتھ تھا اور ان کے ماتحت رہ کر کمائی ہوئی رقم سے زمین خریدی ہے تو وہ جگہ والد کی شمار ہوگی اور اس میں والد صاحب کے تمام ورثا حق دار ہوں گے۔[2]

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شریک کی عدم موجودگی میں مشترک چیز بیچنا:

(سوال ۲۲۰) تین بھائیوں نے مشترک طور پر ایک ٹریکٹر خریدا اس میں ہر ایک کے کم و بیش حصے تھے ایک عرصہ تک تینوں نے مشترکہ کا کام چلایا اور آمدنی حصوں کے مطابق تقسیم کرتے رہے بعد میں اس کو فروخت کرنے کا ارادہ

---

(۱) ولا يستطيع أحدهما الخروج من الشركة الا بمحضر من صاحبه اھ ملخصا زاد في البحر عن الظهيرية وليس لو احد منهما ان يبيع حصة الأخر مما اشترى الا باذن صاحبه لانهما اشتركا في الشراء لا في البيع . شامي فصل في الشركة الفاسدة تحت قوله ما اشتريت اليوم ج ۳ ص ۳۴۹.

(۲) لما في القنية الأب وابنه يكسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شئ فالكسب كله للأب ان كان الابن في عياله لكونه معينا له الا ترى لو غرس شجرة تكون للأب ثم ذكر خلافا في المرأة مع زوجها اذا اجتمع بعملهما اموال كثيرة كان لها كسب على عدة فهولها شامي فصل في الشركة الفاسدة مطلب اجتمعا في دار واحدة. ج ۳ ص ۳۴۵

ہوا تو ایک دن جب کہ تیسرا شریک حاضر نہیں تھا اس کی عدم موجودگی میں دوسرے دو شریکوں نے وہ ٹریکٹر دوسرے ایک شخص کو فروخت کر دیا، بعد میں اس شریک کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا، کیا یہ بیع معتبر ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں شریک کی اجازت کے بغیر جو معاملہ کیا گیا ہے وہ معتبر نہ ہوگا، الجوہرۃ النیرۃ میں ہے ولا یجوز لا حدھما ان یتصرف فی نصیب الآخر الاباذنہ وکل واحد منھما فی نصیب صاحبہ کالا جنبی لا ن تصرف الا نسان فی مال غیرہ لا یجو ز الا باذنہ او ولا یتہ (الجواھرۃ النیرۃ ج ا ص ۲۸۷ اول کتاب الشرکۃ)

باپ بیٹے ساتھ کاروبار کرتے ہوں تو جو آمدنی ہو اس کا کیا حکم ہے :

(سوال ۲۲۱) عرف میں یہ مشہور ہے کہ اگر باپ بیٹے ساتھ رہتے ہوں اور کام دھندا ایک ساتھ کرتے ہوں تو جتنی آمدنی ہوگی سب کا مالک باپ ہوگا اور جب باپ کا انتقال ہو جائے تو اس وقت جو وارث ہوں گے ان سب میں شرعی اعتبار سے تقسیم ہوگا۔ کیا یہ صحیح ہے؟ شرعاً کیا حکم ہے، برائے کرم مطلع فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) باپ بیٹے سب مل کر ایک ساتھ ایک ہی کاروبار کرتے ہوں کھانا پینا بھی ساتھ ہو تو ساری کمائی باپ کی شمار ہوگی باپ کی وفات کے بعد ترکہ تقسیم ہوگا تو للذکر مثل حظ الا نثیین کے اصول پر تقسیم ہوگا، شامی میں ہے الاب وابنہ یکتسبان فی صنعۃ واحدۃ ولم یکن لھما شئی فالکسب کلہ للاب ان کان الا بن فی عیالہ لکونہ معینالہ الا تری لو غرس شجرۃ تکون للاب (شامی ج۳ ص ۴۸۳ فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ) اور جو لڑکے کے باپ سے الگ ہو کر اپنا مستقل کاروبار کرتے ہوں کھانے پینے کا حساب بھی ان کا الگ ہو تو ان کی کمائی کے وہی مالک ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زوجہ اپنی رقم اور اپنی محنت سے گھر میں کاروبار کرے تو شوہر اور اس کی اگلی بیوی کی اولاد اس میں حق دار ہے یا نہیں :

(سوال ۲۲۲) میں نے اپنے طور پر گھر میں ایک گھریلو کاروبار شروع کیا، اس میں صرف میری اپنی ذاتی رقم ہے اور اس کاروبار میں پوری محنت میں کرتی تھی، میرے شوہر کے نہ اس میں پیسے شامل ہیں نہ محنت، کاروبار جاری ہے، میرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے، ان کی اگلی بیوی کی اولاد ہے، میرے اس کاروبار میں میرے شوہر کے وارثوں یعنی ان کی اگلی بیوی کی اولاد کا حق لگتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سوال میں درج شدہ باتیں بالکل صحیح ہوں تو اس صورت میں آپ کے شوہر کی اگلی بیوی کی اولاد حق دار نہیں ہے، آپ اس کاروبار کی مالک ہیں، شامی میں ہے: ثم ذکر خلافاً فی المرأۃ مع زوجھا اذا اجتمع بعملھما اموال کثیرۃ فقیل ھی للزوج وتکون المرأۃ معینۃ لہ الا اذا کان لھا کسب علحدۃ فھو لھا وقیل بینھما نصفان (شامی ص ۴۸۳ ج ۳ فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب.

عقد شرکت میں ایک شریک ملازم ہو کر کام کرے اور معین تنخواہ لے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۲۲۳) خالد ایک دوکان میں شریک ہے اور اسی دوکان میں وہ کام کرتا ہے اور اس کی تنخواہ لیتا ہے تو کیا شریک کا کام کرنے کی وجہ سے تنخواہ لینا درست ہے؟ اگر درست نہ ہو تو جواز کی کوئی صورت تحریر فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں خالد دوکان میں شریک بھی ہو اور کام کرنے کی وجہ سے اجیر بن کر تنخواہ بھی لے، یہ صورت جائز نہیں ہے، شرکت اور اجارہ (ملازمت) ایک عقد میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اس سے عقد فاسد ہو جاتا ہے، البتہ سب شرکاء اپنی رضامندی سے زیادہ کام کرنے والے کے لئے منافع کی مقدار حصے کے اعتبار سے کچھ زیادہ مقرر کردیں تو یہ صورت جواز کی ہوسکتی ہے۔

درمختار میں ہے: ومع التفاضل فی المال دون الربح وعکسه الخ .

شامی میں ہے: (قوله ومع التفاضل فی المال دون الربح) ای بان یکون لاحدهما الف وللآخر الفان مثلا واشترطا التساوی فی الربح وقوله وعکسه ای بان یتساوی المالان ویتفا ضلان فی الربح لکن هذا مقید بان یشترطا الاکثر للعامل منهما او لاکثرهما عملا اما لو شرطاه للقاعد او لاقلها عملا فلا یجوز کما فی البحر عن الزیلعی والکمال ......الخ (شامی ص ۴۷۱ ج ۳، کتاب الشرکة)

امداد الفتاویٰ میں ہے:

(سوال ۵۰۳) زید، بکر، عمرو، تین شخصوں نے مساوی روپیہ لگا کر تجارت کی اور یہ قرار پایا کہ اس تجارت کو زید کرے جو نفع ہو اس کا نصف زید کو ملے گا، اور نصف میں آدھا آدھا بکر اور عمرو کو، اور جو نقصان ہو اس کو تینوں شخص برداشت کریں، یعنی نفع ایک روپیہ ہو تو آٹھ آنے زید کو اور چار چار آنے بکر و عمرو کے۔ اور نقصان ہو تو سوا پانچ آنے ہر شخص برداشت کرے گا تو آیا یہ صورت جائز ہے یا ناجائز؟

(الجواب) یہ شرکت ہے اور باوجود مساوات سرمایہ کے نفع میں تفاوت کی شرط بھی جائز ہے مگر کام ایک شریک کے ذمہ ڈالنے کی شرط ناجائز، اس لئے یہ شرط فاسد ہوئی، نفع سب کو برابر ملے گا (امداد الفتاویٰ ص ۴۴۲ ج ۳، کتاب الشرکۃ، مطبوعہ کراچی، پاکستان)

آپ کا دوسرا فتویٰ:

(سوال ۵۰۰) چار شخصوں نے مل کر تجارت کیا اور باہم یہ بات قرار پائی کہ ایک سال دو شخص مال تجارت لے کر پردیش کو جاویں، اور دو شخص اپنے وطن میں مکان پر رہیں، اور دوسرے سال دو شخص جو مکان پر وطن میں رہتے تھے وہ مال تجارت لے کر پردیش کو جاویں اور جو پردیس کو مال لے کر گئے تھے وہ وطن میں مکان پر رہیں، اب صرف دو ہی شخص مال تجارت لے کر پردیش کو جاتے ہیں اور دو شخص اپنے وطن میں مکان پر رہتے ہیں، اب تحقیق طلب بات یہ ہے کہ جو شخص پردیش کو مال تجارت لے کر جاتے ہیں وہ ان دو شخصوں سے جو مکان پر رہتے ہیں اور مال تجارت لے کر پردیش کو نہیں جاتے منافع زیادہ لینے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ اگر منافع زیادہ نہیں لے سکتے تو اپنا حق المحنت پردیش جانے کا بطور تنخواہ کے لے سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) فی الدر المختار کتاب الشرکۃ . وشرطھا کون المعقود علیہ قابلاً للو کالۃ فلا تصح فی مباح کاحتطاب وعدم ما یقطعھا کشرط دراھم مسماۃ من الربح لا حدھما لانہ قد لا یربح غیر المسمی وحکمھا الشرکۃ فی الربح فی رد المختار تحت قولہ وحکمھا الشرکۃ الخ واشتراط الربح متفاوتاً وعندنا صحیح فیما سیذکر ج۳ ،ص ۵۲۰ .

اس سے معلوم ہوا کہ جولوگ باہر جاتے ہیں وہ منافع زیادہ لے سکتے ہیں مگر تنخواہ معین کر کے نہیں لے سکتے اور منافع جو زیادہ لیں گے وہ نسبت سے ہونا چاہئے مثلاً دوثلث یہ لیں گے اور ایک ثلث دوسرے شرکاء جو باہر نہ جاویں گے مثلاً ۔ اور یہ جائز نہیں کہ بیس بیس روپے ماہور لیا کریں گے (امداد الفتاویٰ ص ۴۴۰ ص ۴۴۱ ، ج ۳)

مزید حضرت کا ایک اور فتویٰ ملاحظہ ہو۔

(سوال ۵۰۴) زید، عمر، بکر، نے مساوی روپیہ لگا کر تجارت کی اور یہ کل رقم زید کو دے دی کہ تم کام کرو اور نفع میں تم چارانے حق المحنت پاؤ گے اور بارہ آنے حصہ مساوی بلحاظ روپیہ تینوں میں تقسیم ہوں گے اور اگر نقصان ہوگا تو نقصان تینوں مساوی برداشت کریں گے نفع چار آنہ میں تم مضارب ہو، اور بارہ آنے میں شریک تو آیا یہ صورت جائز ہے کہ ایک شخص شرکاء میں مضارب بھی ہو اور شریک بھی۔

(الجواب) ایک معاملہ میں دوسرے معاملہ کی شرط مفسد عقد ہے، ایک معاملہ الگ ہو دوسرا اس طرح الگ ہو کہ وہ قبول وعدم قبول میں مختار رہے اور حساب دونوں رقموں کا الگ رہے یہ جائز ہے (امداد الفتاویٰ ص ۴۴۲ ص ۴۴۳ ، ج ۳ کتاب الشرکۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک شخص کی دوکان اور دوسرے شخص کی زیروکس مشین ہو تو یہ شرکت صحیح ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۲۴) بمبئی میں میری ذاتی دوکان ہے، ایک شخص فوٹو کاپی بنانے کا زیروکس مشین لگا کر میرے ساتھ شرکت میں کام کرنا چاہتا ہے، ہم دونوں مل کر محنت کریں گے اور نفع ونقصان میں دونوں شریک رہیں گے، نفع کی تقسیم نصف نصف کریں گے تو یہ شرکت یعنی میری دوکان اور اس کی مشین ہو جائز ہے یا نہیں؟ اور جب شرکت ختم ہوگی تو مشین کسے ملے گی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مذکورہ شرکت جائز ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ولان قصارا لہ اداۃ القصارین وقصارا لہ بیت اشترکا علی ان یعملا باداۃ ھذا فی بیت ھذا علی ان الکسب بینھما نصفان کان ذلک جائزاً کذا فی السراج الوھاج (فتاویٰ عالمگیری ص ۳۳۴ ج ۲ ، باب نمبر ۵ فی الشرکۃ الفاسدۃ).

شامی میں ہے: ومنھا مافی البحر عن البزازیۃ لا حدھما آلۃ القصارۃ وللاخر بیت اشترکا علیٰ ان یعملا فی بیت ھذا والکسب بینھما جازو کذا سائر الصناعات (شامی ص ۴۸۰ ج ۳ ، کتاب الشرکۃ) جب شرکت ختم ہوگی دوکان آپ کی رہے گی اور مشین آپ کے شریک کی رہے گی، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شادی شدہ بیٹے باپ کے ساتھ رہتے ہوں تو ان کی آمدنی کس کی شمار ہوگی:

(سوال ۲۲۵) ایک شخص کو چار بیٹے ہیں سب ایک ساتھ رہتے ہے اور سب شادی شدہ ہیں، چاروں بیٹے مختلف کام کرتے ہیں مشترک کاروبار نہیں ہے، البتہ سب اپنی اپنی ماہانہ تنخواہ اپنے والد کے حوالہ کردیتے ہیں اور والد پورے گھر کا نظام چلاتے ہیں، والد صاحب نے ان پیسوں سے مختلف چیزیں بھی خریدی ہیں اور کچھ زمین اور ایک مکان بھی خریدا ہے، سوال یہ ہے کہ زمین، مکان اور جو چیزیں خریدی گئی ہیں وہ کس کی شمار ہوں گی؟ والد کی یا سب بیٹوں کی؟ جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) باپ بیٹے ایک ساتھ رہتے ہیں اور ہر ایک اپنی اپنی ماہانہ تنخواہ اپنے والد کو حوالہ کردیتا ہے تو اس صورت میں جمع شدہ رقم سے جو مکان، زمین وغیرہ خریدا گیا ہے وہ سب باپ کی شمار ہوں گی۔

شامی میں ہے: وفی الخانیة زوج بنیه الخمسة فی داره وکلهم فی عیاله واختلفوا فی المتاع فهو للاب، وللبنین الثیاب التی علیهم لا غیر (شامی ص ۴۸۳ ج ۳، فصل فی الشرکة الفاسدة.) فقط واللہ اعلم بالصواب.

تتمة فی الشركة

کسی کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر لینا اور بہنوں کو میراث سے محروم کرنا:

مسلمانوں میں ایک مرض یہ بھی عام ہو رہا ہے کہ جہاں موقع ملا دوسرے کا مال دبا لیتے ہیں صرف دنیوی مفاد پیش نظر رہتا ہے آخرت سے بے انتہاء غفلت چھائی ہوتی ہے، کسی دوسرے کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے۔ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں۔

''حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں۔'' (مجمع الزوائد ص ۱۷۶ ج ۴)

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے منیٰ میں جو خطبہ دیا اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا کوئی مال حلال نہیں ہے سوائے اس مال کے جو اس نے خوش دلی سے دیا ہو (ایضاً ص ۱۷۱ ج ۴)

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ''کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کا کوئی مال ناحق طور پر لے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کا مال مسلمان پر حرام کیا ہے اور اس کو بھی حرام قرار دیا ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی لاٹھی بھی اس کی خوش دلی کے بغیر لے (ایضاً ص ۱۷۱ ج ۴)

کسی سے کوئی چیز لینے یا اس کو استعمال کرنے کے لئے اس کا خوشی سے راضی ہونا ضروری ہے، لہٰذا اگر کسی وقت حالات سے یہ معلوم ہو جائے کہ کسی شخص نے اپنی ملکیت استعمال کرنے کی اجازت کسی دباؤ کے تحت یا شرماشرمی

میں دے دی ہے اور وہ دل سے اس پر راضی نہیں ہے تو ایسی اجازت کو اجازت نہیں سمجھا جائے گا بلکہ اس کا استعمال بھی دوسرے شخص کے لئے جائز نہیں ہوگا۔" (وصیۃ العرفان، جمادی الاولی ص ۱۴۱۶ھ مطابق اکتوبر ۱۹۹۵ء ص ۴۴، ص ۴۵، شمارہ نمبر ۱۰، جلد نمبر ۱۸)

نیز یہ بھی ذہن میں رہے کہ لڑکیوں کو میراث سے محروم کرنا اور ان کو میراث سے جو حصہ ملتا ہے وہ لڑکوں کا آپس میں تقسیم کر لینا یہ بھی اسی حکم کے اندر داخل ہے اور سخت حرام ہے اور بہنوں پر ظلم ہے، لڑکیوں (بہنوں) کا جو شرعی حق ہو (اور ان کے علاوہ جو بھی شرعی وارث ہوں) ان کا حق ادا کرنا انتہائی ضروری اور لازم ہے، میراث کی تقسیم قانون الٰہی ہے اس کے مطابق عمل کرنا بہت بڑی فضیلت اور اجر و ثواب کا باعث ہے اور اس کی خلاف ورزی پر دوزخ کی سخت وعید ہے، قرآن مجید میں میراث کے احکام بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

تلک حدود اللہ ومن یطع اللہ ورسولہ یدخلہ جنت تجری من تحتها الا نهر خلدین فیها وذلک الفوز العظیم ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ ناراً خالداً فیها ولہ عذاب مهین O (قرآن مجید، سورۂ نساء آیت نمبر ۱۳، نمبر ۱۴ پارہ نمبر ۴)

ترجمہ: یہ سب احکام مذکورہ خداوندی ضابطے ہیں اور جو شخص اللہ اور رسول کی پوری اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ایسی بہشتوں میں داخل کر دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا نہ مانے گا اور بالکل ہی اس کے ضابطوں سے نکل جاوے گا اس کو آگ (جہنم) میں داخل کریں گے، اس طور سے کہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اس کو ایسی سزا ہوگی جس میں ذلت بھی ہے۔

لہٰذا بہنوں کا اور شرعی وارثوں کا حق ادا کر دینا چاہئے، مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری دام مجدہ نے بڑی اچھی بات تحریر فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لڑکیوں کے حصہ کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے "للذکر مثل حظ الانثیین" (لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے) فرمایا یعنی لڑکوں کا حصہ علیحدہ سے بتایا ہی نہیں، بلکہ لڑکیوں کا حصہ بتاتے ہوئے لڑکوں کا حصہ بتایا ہے (وصیت اور میراث کے احکام ص ۴۳)

بعض لوگ اپنے کسی وارث کو "عاق" قرار دے کر اس کو میراث سے محروم کر دیتے ہیں، یہ جائز نہیں، اگر کوئی لڑکا نافرمان ہے تو اس کے عمل کا وہ جواب دہ ہے مگر اس کو میراث سے محروم نہیں کیا جا سکتا، حدیث میں ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، بلا شبہ مرد اور عورت ساٹھ سال تک (یعنی پوری عمر) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں پھر موت کے وقت وصیت کرنے میں کسی (وارث) کو ضرر پہنچانے کا پہلو اختیار کرتے ہیں تو ان کے لئے دوزخ واجب ہو جاتی ہے، پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے (سورۂ نساء کی آیت) **من بعد وصیة یوصیٰ بها اودین غیر مضار ...... وذلک الفوز العظیم** تلاوت فرمائی۔ (**مشکوۃ شریف ص ۲۶۵ باب الوصایا**)

دوسری حدیث: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے اپنے وارث کی میراث کو کاٹ دیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت سے اس کا حصہ کاٹ دیں گے، **عن انس رضی اللہ عنہ قال قال**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قطع میراث وارثه قطع اللہ میراثه من الجنة یوم القیامة،(مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۶ باب الوصایا) (فتاویٰ رحیمیہ ص۵۷ ج۶) جدید ترتیب کے مطابق، کتاب المیراث میں بعنوان وارثوں کو محروم کرنے کا گناہ، سے دیکھ لیا جائے۔ازمرتب)

ہمارے زمانہ کی جو حالت ہے کسی شاعر نے اس کا خوب نقشہ کھینچا ہے اس کے چند اشعار یاد ہیں جو پیش کئے جاتے ہیں۔

خبر حدیثوں میں جس کی آئی
وہی زمانہ اب آرہا ہے
زمیں بھی تیور بدل رہی ہے
فلک بھی آنکھیں دکھا رہا ہے
پرائے مال کو اپنا سمجھیں
حرام کو بھی حلال سمجھیں
گناہ کریں اور کمال سمجھیں
بتاؤ دنیا میں کیا رہا ہے
بھائی کا بھائی ہے گا رہزن
حقیقی بیٹی ہے ماں کی دشمن
پسر نے چھوڑا پدر کا دامن
بہن کو بھائی ستارہا ہے
ہاتھ باندھے کھڑے ہیں صف میں
سب اپنے اپنے خیال میں ہیں
امام مسجد سے کوئی پوچھے
نماز کس کو پڑھا رہا ہے

حاصل کلام۔ دنیا میں ہر صاحب حق کا حق ادا کر کے معاملہ صاف کر لینا چاہئے، آخرت کا معاملہ بہت ہی سنگین ہے وہاں حقوق کی ادائیگی نیکیوں سے کرائی جائے گی نیکیاں نہ رہیں گی تو صاحب حق کے گناہ اس کے اوپر ڈال دیئے جائیں گے، حدیث میں ہے۔

(۲۱) عن ابی هریرة رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من کانت له مظلمة لاخیه من عرضه او شئی فلیتحلله منه الیوم قبل ان لا یکون دینار ولا درهم ان کان له عمل صالح اخذ منه بقدر مظلمته وان لم یکن له حسنات اخذ من سیات صاحبه فحمل علیه، روا البخاری.(مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۵ باب الظلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس پر اس کے بھائی کا کوئی حق،

اس کی آبروریزی یا مال سے متعلق ہو تو اسے چاہئے کہ آج ہی اس سے معافی حاصل کرے اس سے پیشتر کہ (قیامت کا دن آئے) وہاں نہ اس کے پاس دینار ہوں گے نہ درہم، اگر اس کے پاس نیکیاں ہوں گی تو نیکیاں لے لی جائیں گی، اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو صاحب حق کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔

(۲۱) عن سعید بن زید رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اخذ شبراً من الارض ظلماً فانہ یطوقہ یوم القیامۃ من سبع ارضین متفق علیہ. (مشکوۃ شریف ص ۲۵۴ باب الغصب والعاریۃ)

ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے کسی کی ظلما ایک بالشت زمین لے لی تو قیامت کے دن اس ایک بالشت کے بقدر ساتوں زمین کا حصہ اس کے گلے میں طوق (ہار) بنا کر ڈال دیا جائے گا۔

کسی کا مال دبالینے اور میراث نہ دینے پر بسا اوقات خاندان میں نا اتفاقی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ قطع رحمی کا سبب بن جاتا ہے اس مناسبت سے مذکورہ مضمون شامل کیا گیا، اللہ جل شانہ ہر ایک کو عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ **فقط واللہ اعلم بالصواب وھو الھادی الی الصراط المستقیم.**

کتاب الصلح

مسلمانوں کے درمیان اختلاف کے وقت ان میں صلح کرانا اور صلح کا طریقہ:

(سوال ۲۲۶) گاہے دو مسلمانوں میں یا دو فریق میں اختلاف اور جھگڑا ہو جاتا ہے اور کبھی خاندان میں یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے ایسے وقت بعض لوگ تماشائی بن کر تماشہ دیکھتے رہتے ہیں، آپس میں صلح کرانے اور اختلاف دور کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتے، اور لوگ صلح کرانے کی کوشش تو کرتے ہیں مگر ان کا مطمع نظر صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ جھگڑا ختم کر دیں اصل جو وجہ اختلاف ہے اس کا حل تلاش نہیں کرتے یا جو صاحب حق ہے اس کا حق دلانے کی کوشش نہیں کرتے، اس سلسلہ میں اسلام کی تعلیم کیا ہے؟ صلح کرانے کا طریقہ کیا ہے؟ امید ہے کہ ہماری رہنمائی فرمائیں گے بینوا توجروا۔

(الجواب) قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب دو جماعتوں یا دو افراد میں جھگڑا ہو جائے تو ان میں صلح کرانے کی کوشش کرنی چاہئے تماشائی بن کر تماشہ دیکھنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے اور صلح کرانے کا بھی صحیح طریقہ یہ ہے کہ صلح کراتے وقت صلح کرانے والے حالات کا گہرائی سے جائزہ لیں اور جھگڑے کی وجوہات تلاش کر کے ان کا حل نکال کر جھگڑے کی بنیاد ہی ختم کر کے صلح کرانے کی کوشش کریں، اسی طرح اگر مالی حق کی بنیاد پر اختلاف ہے تو جس کا حق ہے اسے حق دلوانے اور رفع نزاع کی سعی کریں، وجہ اختلاف کی اصلاح کے بغیر صرف جھگڑا ختم کرنے کی سعی کریں گے تو یہ وقتی صلح ہوگی، اختلاف کا بیج اگر باقی رہا تو مستقبل میں پھر اختلافات ہو سکتے ہیں اس لئے اس طریقہ کے بجائے ایسا پائیدار طریقہ اختیار کریں کہ حق والے کو حق بھی مل جائے اور جھگڑے کی بنیاد ختم ہو کر دائمی صلاح کی صورت نکل آئے۔

قرآن مجید میں ہے۔

وان طائفتن من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینهما فان بغت احدهما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفیء الی امر اللہ فان فاءت فاصلحوا بینهما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین ۝ (قرآن مجید، سورۂ حجرات آیت نمبر ۹ پارہ نمبر ۲۶) (معارف القرآن، خلاصہ تفسیر ص ۱۱۰ ج ۸)

ترجمہ: اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کرا دو (یعنی جھگڑے کی بنیاد کو رفع کر کے لڑائی موقوف کرا دو) پھر اگر (اصلاح کی کوشش کے بعد) ان میں کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے (اور لڑائی بند نہ کرے) تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جائے (حکم خدا سے مراد لڑائی بند کرنا ہے) پھر اگر وہ زیادتی کرنے والا (فرقہ حکم خدا کی طرف) (رجوع ہو جاوے) (یعنی لڑائی بند کر دے) تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کرا دو (یعنی حدود شرعیہ کے موافق اس معاملہ کو طے کر دو محض لڑائی بند کرنے پر اکتفاء نہ کرو اگر صلاح مصالحت نہ ہوئی تو پھر بھی لڑائی کا احتمال رہے گا اور

انصاف کا خیال رکھو یعنی کسی نفسانی غرض کو غالب نہ ہونے دو) بے شک اللہ تعالیٰ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے۔
خلاصہ تفسیر میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے صلح کرانے کے لئے جن باتوں کی طرف نشاندہی فرمائی ہے وہ بہت ضروری اور قابل عمل ہیں، اس لئے کہ جس طرح کسی پر الزام تراشی اور ناحق بدنام کرنا جرم ہے اسی طرح کسی کی غلطی اور جرم پر چشم پوشی کرنا بھی جرم ہے اس کی صحیح ہمدردی اور مدد یہی ہے کہ اس کو اس کی غلطی پر مطلع اور متنبہ کر کے اس سے باز رہنے کی ہدایت کی جائے۔ حدیث میں ہے۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصرا خاک ظالماً او مظلوماً فقال رجل یارسول اللہ انصرہ مظلوماً فکیف ظالماً قال تمنعہ من الظلم فذلک نصرک ایاہ متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۳ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں مظلوم کی تو مدد کرتا ہوں ظالم کی کس طرح مدد کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم اس کو ظلم سے روک دو یہی تمہاری طرف سے اس کی مدد ہے۔
لہٰذا جو غلطی پر ہو اور کسی کا حق دبا رکھا ہو اس کو اپنی غلطی سے باز رہنے اور حق ادا کرنے کی تلقین کریں، اگر مکمل کوشش کے باوجود وہ اپنی غلط حرکتوں سے باز نہ آئے تو پھر اس کا ساتھ نہ دیں، ارشاد خداوندی ہے **ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار** اور اے مسلمانو! ان ظالموں کی طرف مت جھکو کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جاوے (سورۂ ہود پارہ نمبر ۱۲ رکوع نمبر ۹) نیز ارشاد خداوندی ہے۔ **فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظٰمین** تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھو (سورۂ انعام پارہ نمبر ۷ رکوع نمبر ۱۳)
مذکورہ ہدایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے فریقین میں صلح کرانے کی کوشش کی جائے آپس میں صلح کر لینا اور صلح کرا دینا بہت مبارک عمل ہے، قرآن مجید میں ہے۔

فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم واطیعوا اللہ ورسولہٗ ان کنتم مؤمنین (سورہ انفال آیت نمبر ۱ پارہ نمبر ۹)

ترجمہ: تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو (کہ آپس میں حسد اور بغض نہ رہے) اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔
تفسیر الدر المنثور میں ہے۔

اخرج ابن ابی شیبۃ والبخاری فی الادب المفرد وابن مردویہ والبیھقی فی شعب الایمان عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم قال ھذا تخریج من اللہ علی المؤمنین ان یتقو اللہ وان یصلحوا ذات بینھم (الدر المنثور ص ۱۶۱ ج ۳)

ترجمہ: ابن ابی شیبہ نے اور بخاری نے الادب المفرد میں اور ابن مردویہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں اللہ تعالیٰ کے قول "**فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم**" کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے آپ نے ارشاد فرمایا" اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو مکلف بنایا ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کریں اور آپس کے تعلقات کی

اصلاح کریں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

لوگوں کے باہمی اتفاق واتحاد کی بنیاد تقویٰ اور خوف خدا ہے:

اس آیت کے آخری جملہ میں ارشاد فرمایا" **فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم واطیعوا اللہ ورسولہ ان کنتم مومنین**" جس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپس کے تعلقات کو درست رکھو..... الی قولہ ..... اب ان کے دلوں کی اصلاح اور باہمی تعلقات کی خوشگواری کی تدبیر بتلائی گئی ہے جس کا مرکزی نقطہ تقویٰ اور خوف خدا ہے۔

تجربہ شاہد ہے کہ جب تقویٰ اور خوف خدا غالب ہوتا ہے تو بڑے بڑے جھگڑے منٹوں میں ختم ہو جاتے ہیں باہمی منافرت کے پہاڑ گرد بن کر اڑ جاتے ہیں۔ الی قولہ۔ اسی لئے اس آیت میں تقویٰ کی تدبیر بتلایا کر فرمایا "**واصلحوا ذات بینکم**" یعنی بذریعہ تقویٰ آپس کے تعلقات کی اصلاح کرو اس کی مزید تشریح اس طرح فرمائی **واطیعوا اللہ ورسولہ ان کنتم مومنین**. یعنی اللہ اور رسول کی مکمل اطاعت کرو اگر تم مؤمن ہو، یعنی ایمان کا تقاضا ہے اطاعت اور اطاعت کا نتیجہ ہے تقویٰ اور جب یہ چیزیں لوگوں کو حاصل ہو جائیں تو ان کے آپس کے جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے اور دشمنی کی جگہ دلوں میں محبت اور الفت پیدا ہو جائے گی (معارف القرآن ص ۱۷۶ ص ۱۷۷ جلد چہارم)

ایک حدیث میں ہے: **افضل الصدقة اصلاح ذات البین** . ترجمہ: افضل صدقہ آپس میں صلح کرادینا

(کتاب الشهادة فی الحکم والا مثال والآداب مع ترجمه جو امع الکلم لیسد الا مم ص ۱۴۵ حدیث نمبر ۹۷۶)

لہذا جن دو جماعتوں یا جن دو شخصوں میں اختلاف اور جھگڑا پیدا ہو گیا ہے ان پر بھی لازم ہے کہ اسے طول نہ دیں اور جلد از جلد تقویٰ اور خوف خدا کی بنیاد پر اس آیت پر عمل کرتے ہوئے آپس کے تعلقات کی اصلاح کر لیں، کسی کی آبروریزی ہوئی ہو تو اس سے معافی مانگ لیں، مالی حق باقی ہو تو مالی حق ادا کر دیں دنیا میں حق ادا کر دینا بہت آسان ہے، حق ادا نہ کر سکتا ہو تو معاف کرالے حدیث میں ہے:

عن ابی هریرة رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من کانت له مظلمة لاخیه من عرضه اوشئی فلیتحلله منه الیوم قبل ان لا یکون دینار ولا درهم ان کان له عمل صالح اخذمنه بقدر مظلمته وان لم یکن له حسنات اخذمن سیئات صاحبه فحمل علیه رواه البخاری(مشکوة شریف ص ۴۳۷ باب الظلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس پر اس کے بھائی کا کوئی حق، اس کی آبروریزی یا مال سے متعلق ہو تو اسے چاہئے کہ آج ہی اس سے معافی حاصل کرے اس سے پیشتر کہ (قیامت کا دن آئے) وہاں اس کے پاس نہ دینار ہوں گے نہ درہم اگر اس کے پاس نیکیاں ہوں گی تو نیکیاں لے

لی جائیں گی اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو صاحب حق کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔
لہٰذا دنیا ہی میں معاملہ صاف کر کے آپس کے تعلقات کی اصلاح کر لینا چاہئے اور اگر ان کے آپس میں صلح نہ ہوتی ہو تو جو لوگ ان میں صلح کرا سکتے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو صلاحیت اور مقام عطا فرمایا ہو تو ایسے با اثر لوگوں کو صلح کرانے کی پوری کوشش کرنی چاہئے، اور صلح کراتے وقت مندرجہ بالا ہدایات کو ضرور پیش نظر رکھا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب اللقطه

ندی میں بہتی چیز کا لینا اور استعمال کرنا کیسا ہے :

(سوال ۲۲۷) ندی میں سے ناریل یا کھانے پینے استعمال کرنے کی کوئی بہتی چیز نکال کر استعمال کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور کوئی جہاز خود ٹوٹ رہا یا ڈوبنے کی وجہ سے زائد مال راستہ میں پھینکا ہے تو اس کو لا کر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) ناریل یا اس قسم کی چیزیں اگر چڑھاوے کی ہیں تو وہ منذور لغیر اللہ ہیں۔ ما اهل به لغير الله کے حکم میں داخل ہیں حرام ہیں، ان کو کھانا جائز نہیں۔ اگر چڑھاوے کی نہ ہوں تو وہ قسمیں ہیں۔ (۱) بے قیمت چیز جس کی مالک کو تلاش نہیں ہوا کرتی۔ (۲) قیمتی چیز جس کی مالک کو تلاش ہوا کرتی ہے۔

پہلی قسم کی چیز ملے تو اعلان کی ضرورت نہیں ہے کام میں لا سکتا ہے۔ مگر مالک آکر مانگے تو دینی پڑے گی۔ دوسری قسم کی چیز ملے تو اعلان ضروری ہے اور اتنی مدت تک رکھے کہ مالک کے آنے کی امید نہ رہے بگڑنے کا اندیشہ ہو تب غریب مستحق کو صدقہ کردے۔ اگر خود غریب ہو تو خود بھی کام میں لے سکتا ہے۔ مگر مالک آکر لینے والے سے یا جس آدمی کو صدقہ دیا گیا ہے، اس سے مانگ سکتا ہے، چیز موجود نہ ہو تو اس کی قیمت لے سکتا ہے۔ امرود وغیرہ اشیائے خوردنی پانی میں سے نکال کر کھا سکتے ہیں۔ کہ نہ نکالیں تو بگڑ کر برباد ہو جائیں گی۔ [1]

(۲) جہاز والے مال وسامان ڈال کر چلے جائیں تو اگر مقصد یہ ہو کہ جو چاہے وہ لے جائے تو آپ بھی لے سکتے ہیں اور استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر وہ لینے آجائیں تو واپس کرنی ہوگی۔ (درمختار، عالمگیری وغیرہ) [2] فقط والله اعلم بالصواب.

سیلاب میں بہ آئی ہوئی چیزوں کا حکم :

(سوال ۲۲۸) سیلاب کے پانی میں سامان، کرسی، برتن وغیرہ چیزیں بہ آئے اور کسی کو ملے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سیلاب میں جو چیزیں بہ آتی ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں (۱) معمولی چیزیں جن کی اہمیت نہ ہو جن کی تلاش

---

(۱) حطب وجد فی المآء ان له قيمة فلقطة والا فحلال لا خذه كسائر المباحات الاصلية در رقال فی الشامية تحت قوله ان له قيمة فلقطة وقيل أنه كالنفاح يجده فی المآء وذكر فی شرح الوهبانيه ضابطا وهو ان مالا يسرع اليه الفساد ولا يعتاد رميةلحطب وخشب ان كانت له قيمة ولو جمعه من اما كن متفرقة فی الصحيح كما لو وجد جوزة ثم اخرى وهكذا حتى بلغ له قيمة بخلاف تفاح و كمثرى فی نهر جار فانه يجوز أخذه وان كثر لأ نه مما يفسد لو ترک الخ شامی كتاب اللقطه مطلب فيمن وجد حطبا فی نهر الخ ج. ۳ ص ۲۸۴.

(۲) القى شيئا وقال من أخذه فهو له فلمن سمعه اوبلغه ذلک القول ان يا خذه والا لم يملكه لأ نه اخذه امانة لمالكه ليرده . شامی كتاب اللقطة مطب القى سبنا وقال من اخذه فهو له ج. ۳ ص ۲۸۵.

کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی ۔(۲) قیمتی چیزیں جن کی مالک تلاش کرے پہلی قسم کی چیزیں ملیں ۔تو ان کی تشہیر اور اعلان کی ضرورت نہیں وہ استعمال کر سکتے ہیں ۔لیکن مالک آکر طلب کرے تو دینا ضروری ہوگا۔دوسری قسم کی چیزیں ملیں تو ان کی تشہیر اور اعلان ضروری ہے۔ان کے لئے مالک کا انتظار کیا جائے ۔اگر مالک کے آنے کی توقع نہ ہو، یا ان کے بگڑنے کا خطرہ ہو تو غریب کو دی جا سکتی ہے ۔خود حاجت مند ہو تو خود بھی استعمال کر سکتا ہے ۔لیکن اگر مالک آکر طلب کرے تو دینا ضروری ہوگا۔غریب کو دی ہو تو اس سے واپس لی جائے اور اگر وہ چیز موجود نہ ہو تو اس کی قیمت دی جائے ۔(درمختار۔فتاویٰ عالمگیری حوالہ گذشتہ وغیرہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مایجوز بیعه ومالایجوز

سرخ شکر سے ناجائز فائدے اٹھائیں تو اس کا بیچنا کیسا ہے :

(سوال ۲۲۹) ''رہوڈیشیا'' میں تاجروں کو فروخت کرنے کے لئے سرخ شکر ملتی ہے اور وہ لیتے بھی ہیں، اب یہاں کے باشندے اس کو کھانے پینے میں لیتے ہیں اور شراب بنانے میں بھی اس کو استعمال کرتے ہیں تو اس کی تجارت سے ہم گنہگار ہوں گے؟ اس کی تجارت کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) سرخ شکر پاک وحلال ہے۔ منفعت کے لئے تیار کی جاتی ہے اور جائز کاموں میں استعمال کی جاتی ہے اگر کوئی ناجائز طور پر استعمال کرے تو اس کا ذمہ دار وہ ہے۔ بنانے والا اور تاجر نہیں۔ لہذا اس کو فروخت کرنا جائز اور اس کی قیمت حلال ہے درمختار وغیرہ کتب معتبرہ میں ہے کہ شیرۂ انگور اس شخص کو بیچنا جائز ہے جو اس کی شراب بناتا ہے کہ شیرۂ انگور فی نفسہ گناہ نہیں یعنی انگور کے شیرہ میں نشہ نہیں بلکہ شیرہ میں تغیر وتبدل کرنے کے بعد نشہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کا ذمہ دار تغیر وتبدل اور تصرف کرنے والا ہے نہ کہ بیچنے والا لہذا انگور کے شیرہ کی بیع جائز ہے۔ لیکن چونکہ ظاہراً اعانت علی المعصیۃ کے مثل ہے لہذا ناجائز استعمال کرنے والے کو بالخصوص مسلمان کو بیچنا خلاف احتیاط اور خلاف تقویٰ اور مکروہ تنزیہی ہے۔ (شامی ص ۳۴۴ ج ۵)[1]

وبیع العصیر ممن یتخذ خمراً قوله بیع العصیر اعلم ان للبیع ثلثة احوال الا ولیٰ انه لا تقوم المعصیة بنفسه کالحبوب و الثوب ونحوها و الثانی انه تقوم المعصیة بنفسه لکن لا بعینه بل بعد تبدیله وتغیره کعصیر العنب یمکن ان یجعله مسکراً اوما فی معناها ویمکن ان لا تصیر خمراً و الثالث المعصیة تقوم بعینه کالسلاح للکفار فانهم یقاتلون به بعینه' لا تبدیل ولا تغیر فیه فالا ول یجوز بیعه بالا تفاق الثالث یکره بیعه بالا تفاق والثانی جاز بیعه عنده لا عندهما فقال المصنف لبیان هذه النکتة ان بیع العصیر جائز عنده لان معصیة الخمر لا تقوم من نفس العصیر بل بعدما تصیر مسکرا والحق معه انه ملک الا نصاف والتوسیع وصا حباه سلکا مسلک الا حتیاط والحذ ار فان کنت فقیها محتاطاً عالماً بمواقع الا فعال اختر قول ابی حنیفه والا فالا حتیاط فیما قال بها صاحباه (عمدة الرعایة علی شرح الوقایة ج۴ ص ۵۸ کتاب الکراهیة)

نقد وادھار کی قیمت میں فرق جائز ہے یا نہیں :

(سوال ۲۳۰) نقد بیچنے پر کم قیمت لینا اور اسی چیز کو ادھار بیچنے پر کچھ زیادہ قیمت لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ مدلل اور مفصل جواب مرحمت فرمائیں، بینوا توجروا۔

---

(۱) وجاز بیع عصیر عنب ممن یعلم انه یتخذه خمرا لأن المعصیة لا تقوم بعینه بل بعد تغییره وقیل یکره لا عانته علی المعصیة ونقل المصنف عن السراج والمشکلات ان قوله ممن ای من کافر، اما بیعه من مسلم فیکره ومثله فی الجوهرة و الباقانی وغیرهما زاد القهستانی معزیا للخانیة أنه یکره بالاتفاق قال فی الشامیة تحت قوله معزیا ...... وعندی ان ما فی الخانیة محمول علی کراهة التنزیه وهو الذی تطمئن الیه النفوس الخ کتاب الحظر والا باحة فصل فی البیع)

(الجواب) کسی چیز کو نقد بیچنے پر کم قیمت لینا اور ادھار بیچنے پر زیادہ قیمت لینا اس وقت جائز ہے جب کہ معاملہ کرنے کے وقت ایک ہی بات ہو اور قیمت بالکل متعین کرلی جائے، ہدایہ آخرین میں ہے الا تری انہ یزاد فی الثمن لاجل الاجل (ھدایہ اخیرین ص ۵۸ باب المرابحة والتولیة) اس طرح بات کرنا کہ نقد لوگے تو ایک سو روپے اور ادھار لوگے تو ایک سو دس روپے میں، یا اس طرح معاملہ کرنا کہ اگر ایک مہینے میں قیمت ادا کرو تو ایک سو پانچ روپے، دو مہینے میں ادا کرو تو ایک سو دس روپے میں تو یہ صورت جائز نہیں ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے:(رجل باع علی انہ بالنقد بکذا او بالنسینة بکذا والیٰ شھر بکذا والیٰ شھرین بکذا لم یجز، کذا فی الخلاصة. یعنی کوئی شخص اس طرح بیچے کہ نقد اتنے روپے میں اور ادھار اتنے روپے میں، ایک مہینے کی ادھار پر لوگے تو اتنے روپے میں، دو مہینہ کی ادھاری پر لوگے تو اتنے روپے میں، اس طرح بیچنا جائز نہیں، کذا فی الخلاصہ، (فتاویٰ عالمگیری ص۸۰ ج۳، کتاب البیوع باب۱)

آپ اپنے طور پر نقد اور ادھار کی قیمت متعین کرلیں اور معاملہ کے وقت خریدار سے پوچھ لیا جائے کہ وہ کس طرح (نقد یا ادھار) خریدنا چاہتا ہے، خریدار اپنا جو ارادہ ظاہر کرے اسی کے اعتبار ثمن بتا کر معاملہ مکمل کرلیا جائے، اگر ادھار معاملہ ہو تو ثمن (قیمت) کے تعین کے ساتھ ثمن کی ادائیگی کی مدت بھی متعین کرلی جائے۔

امداد الفتاویٰ میں ہے۔

(سوال) ایک شخص اپنا مال نقد ایک روپے کو فروخت کرتا ہے اور ادھار سترہ آنے کو بیچتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) اس کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ وقت بیع کے ثمن کی تعیین نہیں کی، بلکہ مشتری سے تردد کے ساتھ کہا کہ اس کی قیمت اگر اسی وقت دو گے تو ایک روپیہ لوں گا، ورنہ سترہ آنے لوں گا، یہ تو بوجہ جہالت ثمن کے جائز نہیں، دوسری شکل یہ ہے کہ اول مشتری سے طے کرلیا ہو کہ نقد لیتے ہو یا ادھار، اگر اس نے نقد لینے کو کہا تب تو ایک روپیہ قیمت ٹھہرائی، اگر ادھار لینے کو کہا تو سترہ آنے ٹھہرائے یہ جائز ہے، فی العالمگیریہ، رجل باع علی انہ بالنقد ھکذا وبالنسئة بکذا والی شھر بکذا والی شھرین بکذا لم یجز کذا فی الخلاصة، جلد ثالث ص ۱۵۴، مطبوعہ نو لکشور، فقط واللہ اعلم (امداد الفتاویٰ، نمبر ۲ ج۳، کتاب البیوع، مطبوعہ پاکستان)

کفایت المفتی میں ہے:

(الجواب) ادھار میں نقد سے زیادہ قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے بشرطیکہ مجلس عقد میں ادھار ہو اور مدت ادائے قیمت وغیرہ کی بھی تعیین کردی جائے، فی الھدایہ انہ یزاد فی الثمن لاجل الاجل، انتھیٰ (کفایت المفتی ص ۴۰ ج۸)

دوسرا فتویٰ:

(الجواب) نقد اور ادھار میں قیمت کی کمی زیادتی تو جائز ہے، مثلاً کوئی تاجر ایک چیز نقد ایک روپیہ میں فروخت کرتا ہے، اور وہی چیز ادھار لینے والے کو ایک روپیہ دو آنے میں دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، مگر اس کے جواز کے لئے یہ شرط ہے کہ مجلس عقد میں قیمت کی مقدار اور ادائے قیمت کی میعاد معین کرلی جائے۔ مثلاً بائع مشتری مجلس عقد میں ہی یہ کہہ

دے کہ بیع کی قیمت ایک ماہ میں ادا کی جائے گی، اور ایک روپیہ دو آنہ ہوگی، یہ احتمالی صورتیں کہ اگر مہینے کے اندر دو تو ایک روپیہ دو آنہ اور مہینے کے بعد مگر ۴۵ دن کی اندر دو تو ایک روپیہ تین آنہ لوں گا یہ جائز نہیں، بائع اور مشتری دونوں کو لازم ہے کہ قیمت اور ادائے قیمت کا زمانہ معین کر دیں، مثلاً مشتری خود اپنی حالت کا اندازہ کر کے کہ میں مہینے کے اندر ادا کر سکتا ہوں تو مہینے بھر کا وعدہ کرے اور بائع مبیع کی قیمت میں (مثلاً سات روپے فیصدی کا اضافہ لگا کر جو قیمت ہوتی ہو وہ معین کر دے مثلاً سو روپے کے مال کی قیمت ایک سو سات روپے مقرر کر کے کہے کہ ایک سو سات روپے میں فروخت کرتا ہوں، تو یہ صورت جائز ہو جائے گی (کفایت المفتی ص ۴۰ و ص ۴۱ ج ۸، بتغییر یسیر)

فتاویٰ دارالعلوم (امداد المفتیین) میں ہے۔

(سوال) ایک شخص کے گھر میں ایک سو من دھان موجود تھے اس نے تین مہینے کی مہلت پر تین روپیہ فی من کے حساب سے فروخت کر دیے، اس وقت بازار میں دھان دو روپیہ من بکتے تھے، اس نے ادھار کی وجہ سے ایک روپیہ من نرخ بازار سے زیادہ لیا یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) اس مسئلہ میں تفصیل ہے، اگر بوقت معاملہ کوئی قیمت متعین نہ کرے بلکہ یوں کہے کہ اگر ادھار لوگے تو تین روپیہ من قیمت ہے اور نقد لوگے تو دو روپیہ من یا یوں کہ ایک مہینہ کے ادھار پر دو روپیہ من اور تین مہینے کے ادھار پر تین روپیہ من دوں گا۔ یہ صورت تو ناجائز ہے قال فی العالمگیریة من الباب العاشر فی الشروط التی تفسد البیع شهرین بكذا لم يجز كذ فی الخلاصة. (عالمگیری، کشوری ج ۳ ص ۱۵۴) اور اگر معاملہ اس طرح نہ کرے بلکہ پہلے یہ معلوم کر کے کہ یہ شخص ادھار لے گا قیمت میں بہ نسبت نقد کے زیادہ بڑھا دے تو جائز ہے۔ كما فی الهداية من باب المرابحة الا يرىٰ انه يزاد فی الثمن لا جل الا جل ومثله من البحر والدر المختار، والشامی والفتح اور جو صورت زیادتی قیمت کی سوال میں ذکر کی گئی ہے وہ صورت ثانیہ کے اندر داخل ہے اس لئے یہ معاملہ جائز و صحیح ہے الخ (فتاویٰ دارالعلوم قدیم ص ۱۳، ص ۱۴ ج ۸۷۷)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے۔

(سوال) زید مثلاً سینے کی مشین یا ریڈیو وغیرہ کی تجارت کرنا چاہتا ہے اور اس میں یہ رواج کہ نقد فروخت کرنے کی قیمت علیحدہ مقرر کی جاتی ہے اور قسط وار ادا کرنے میں قیمت نقد سے زیادہ لی جاتی ہے تو اس طرح تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا یہ صورت جواز کی ہو سکتی ہے کہ زید اپنی دوکان کے دو حصے کر لے ایک میں نقد کا بھاؤ رکھے ایک میں ادھار کا؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ اگر مجلس عقد میں ہی نقد یا ادھار کا معاملہ صاف ہو جائے۔ کہ خریداری نقد ہے یا ادھار تو اس طرح تجارت درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ ص ۱۷۵ ج ۴ کتاب البیوع) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مہوا پھل ان لوگوں کو بیچنا جو اس سے شراب کشید کرتے ہیں:

(سوال ۲۳۱) اس طرف ایک پھل ہوتا ہے جسے غریب عوام بطور غذا بھی استعمال کرتے ہیں اس کا نام مہوا ہے لیکن

زیادہ تر اس سے شراب کشید کی جاتی ہے، اس کو جمع کر کے رکھنا اور موسم کے بعد اس کو فروخت کرنا کافی نفع بخش ہوتا ہے لیکن موسم کے بعد جو لوگ خریدتے ہیں وہ عموماً شراب بنانے کے لئے ہی خریدتے ہیں، اس کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ کھنڈوہ، مدھیہ پردیش)

(الجواب) موسم کے بعد مہوا کے خریدار عموماً اس سے شراب کشید کرتے ہیں اس لئے ان لوگوں کو بیچنا جو اس سے شراب بناتے ہیں ممنوع ہے[1] کہ اس میں اعانت علی المعصیت ہے، فرمان خداوندی ہے **و لا تعاونوا علی الا ثم والعدوان** یعنی معصیت اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو (سورۂ مائدہ پ ۶) اور جو لوگ اس کا جائز استعمال کرتے ہیں ان کو بیچنا ممنوع نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۷ جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ۔

کالا گڑ جو صرف شراب بنانے میں استعمال ہوتا ہے اس کی تجارت کرنا:

(سوال ۲۳۲) گڑ کی ایک خاص قسم ہے جسے کالا گڑ کہا جاتا ہے وہ صرف شراب بنانے میں استعمال کیا جاتا ہے اور کسی کام میں مستعمل نہیں ہوتا از روئے شریعت اس کی تجارت درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب اس کالے گڑ کا استعمال صرف شراب بنانے میں ہی ہوتا ہے تو **لا تعاونوا علی الا ثم والعدوان** کے پیش نظر شرعاً اس کی تجارت کی اجازت نہیں[2] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ادھار بیچنے پر زیادہ قیمت لینا کیسا ہے؟ (۲) خریدار وقت مقررہ پر پیسے نہ دے سکے تو زیادہ رقم لینا کیسا ہے:

(سوال ۲۳۳) ہم کپڑے کا کاروبار کرتے ہیں، ہمارا طریقہ یہ ہے کہ نقد لینے پر کم قیمت اور ادھار خریدنے پر زیادہ قیمت لیتے ہیں تو اس طرح بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر خریدار مقررہ وقت پر پیسے نہ دے سکے تو کچھ زیادہ رقم لینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نقد بیچنے پر کم قیمت اور ادھار بیچنے پر زیادہ قیمت لے سکتے ہو مگر شرط یہی ہے کہ معاملہ طے کرنے کے وقت ایک ہی بات ہو اور دام بالکل متعین کر دیئے جائیں، آپ اپنے خریدار سے پوچھ لیجئے وہ کس طرح خریدنا چاہتا ہے وہ اپنا جو منشاء ظاہر کرے اسی کے موافق دام بتا کر معاملہ (سودا) طے کر لیا جائے۔

ادھار خریدنے کی صورت میں اگر خریدار معین شدہ مدت میں پیسے نہ دے سکا تو اس کی وجہ سے زیادہ رقم لینا جائز نہیں، ہدایہ اخیرین میں ہے **لان الا جل لا یقابله شیئی من الثمن** (هدایه اخیرین ص ۵۸ باب المرابحة)

الجوہرۃ النیرہ میں ہے: (**قوله ولو کان له الف مؤجلة جیاد فصالحه علی خمس مائة حالة لم یجز**) **لان المعجل خیر من المؤجل وهو غیر مستحق وذلک اعتیاض عن الا جل وهو حرام** (الجوهرة النيرة ص ۶ ج ۲، کتاب الصلح) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

[1] - [2] جائز ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اسی باب کا پہلا عنوان صفحہ ۱۹۵ پر۔

حق تعلی بیچنا:

(سوال ۲۳۴) حاجی عمر حسن صاحب کا انتقال ہو گیا، مرحوم نے اپنے پیچھے چار بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑیں، ترکہ میں تین منزلہ بلڈنگ بھی ہے، ایک شخص محمد جمیل نے مرحوم کے بیٹوں سے درخواست کی کہ میں آپ لوگوں کی بلڈنگ کے تیسرے منزلہ کی چھت پر مکان تعمیر کرنا چاہتا ہوں اور اس کے بدل میں تم کو ۵۰ ہزار روپے دوں گا، اس پر مرحوم کے بیٹے تیار ہو گئے اور مجلس برخواست ہو گئی، صبح کو مرحوم کے چاروں بیٹوں نے اس پر غور وخوض کیا تو ان کو اندازہ ہوا کہ اگر ہم خود اس جگہ مکان بنائیں تو اس کی قیمت لاکھوں روپے آسکتی ہے تو ان کو بہت افسوس ہوا کہ ہم نے بغیر غور وفکر کئے یہ معاملہ کرلیا، جب اس کی اطلاع بہنوں کو دی گئی تو انہوں نے فوراً اعتراض کیا کہ ہماری اجازت کے بغیر تم لوگوں نے ہمارے حصہ میں کیوں سودا کیا، ہمیں یہ سودا منظور نہیں، اس کی اطلاع جب محمد جمیل کو دی اور معاملہ فسخ کرنے کا ہم نے مطالبہ کیا تو وہ اس پر راضی نہیں اور تیسرے منزلہ کی چھت پر چوتھی منزل بنانے پر مصر ہیں، آپ اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں، اس صورت کا کیا حکم ہے؟ بیع فسخ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جو بیع ہوئی ہے وہ صحیح نہیں ہے، یہ حق تعلی کی بیع ہے اور حق تعلی کی بیع شرعاً جائز نہیں ہے، ہدایہ اخیرین میں ہے: **واذا كان السفل لرجل وعلوه لآخر فسقطا او سقط العلو وحده فباع صاحب العلو علوه لم يجز لان حق التعلى ليس بمال لان المال ما يمكن احرازه والمال هو المحل للبيع** (هدايه اخيرين ص ۴۰، باب البيع الفاسد)

لہٰذا مذکورہ معاملہ صحیح نہیں ہے اور محمد جمیل کا اصرار شرعاً قابل قبول نہیں، نیز مذکورہ صورت میں بہنوں کا بھی حق ہے اگر یہ معاملہ صحیح بھی ہوتا تب بھی بہنوں کے حصہ میں ان کی اجازت پر موقوف رہتا اگر وہ اجازت دیتیں تو معاملہ صحیح ہو جاتا اور اگر انکار کر دیتی تو ان کے حصے میں معاملہ ختم ہو جاتا، خلاصہ یہ کہ صورت مسئولہ میں معاملہ بھی صحیح نہیں اور بہنیں بھی راضی نہیں، لہٰذا محمد جمیل کو مکان بنانے پر اصرار نہیں کرنا چاہئے، شرعاً ان کو مکان بنانے کا حق نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اخبارات خریدنے کے بارے میں:

(سوال ۲۳۵) روزنامہ، ہفتہ وار، ماہنامہ وغیرہ رسائل کی خریداری کا کیا حکم ہے وجہ شبہ یہ ہے کہ پرچوں کی تعداد غیر متعین ہے، صفحات کتنے وہ بھی غیر متعین ہوتے ہیں۔ نیز رسالہ کا طول وعرض اور سائز کا تعین نہیں اور یہ بھی تفصیل نہیں کہ مضامین اور اخبار کتنے صفحات میں ہوں گے اور اشتہارات کتنے صفحات میں آئیں گے؟ خصوصی نمبرات کتنے ہوں گے اور تعطیلات کی بنا پر کتنے نمبرات بند رہیں گے وغیرہ یہ باتیں غیر معلوم ہیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) اخبارات اور ماہنامہ کی یہ خریداری جائز ہے۔ اس قسم کی جہالت سے بیع فاسد اور معاملہ ناجائز نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ اس قسم کی جہالت مفضی الی المنازعۃ نہیں مفسد بیع کو فاسد کرنے والی جہالت وہ ہے جس سے جھگڑا پیدا ہو (حجۃ اللہ البالغہ ج۲ ص ۳۲۵ (حوالہ آنے والے جواب میں دیکھ لیا جائے۔ از مرتب) فیض الباری شرح بخاری ج ۳ ص ۲۵۹) شامی وغیرہ میں بالتفصیل مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو۔ فقط۔

اخبارات ورسائل کی خریداری کا کیا حکم ہے

(سوال ۲۳۶) روزنامے، ہفتہ وار اور ماہنامے وغیرہ رسائل کی خریداری کا کیا حکم ہے؟ وجہ اشکال یہ ہے کہ شماروں کی تعداد متعین نہیں اوپر سے صفحات کتنے وہ بھی غیر متعین، نیز اخبار کا طول وعرض اور تقطیع بھی متعین نہیں اور یہ بھی کہ مضامین اور خبریں کتنے صفحات میں ہوں گے اور مالک کے لئے نفع بخش اشتہارات کتنے صفحات میں ہوں گے؟ مخصوص نمبر کتنے ہوں گے؟ تعطیلات کی وجہ سے کتنے شمارے بند رہیں گے؟ وغیرہ چیزیں مجھول ہوتی ہیں؟

(الجواب) اخبارات اور ماہناموں کی یہ خریداری جائز ہے اس قسم کی جہالت مفضی الی النزاع نہیں ہے مفسد بیع وہ جہالت ہے جو مفضی الی النزاع ہو۔ (فیض الباری علی صحیح البخاری ج۳ ص ۲۵۹، شامی وغیرہ) وما کل جهالة تفسد البیع فان کثیر امن الا مور یترک مهملاً فی البیع واشتراط الا ستقصاء ضرر ولکن المفسد هو المفضی الی المنازعة (حجة الله البالغه ج۲ ص ۳۲۵ البیوع المنهی عنها النهی بعض البیوع والمکاسب) فقط والله اعلم بالصواب .

ماہنامہ وغیرہ کی لائف ممبری:

(سوال ۲۳۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اکثر موقر اخبارات ورسائل اور بعض وہ ادارے جو اپنے اراکین اور ممبروں سے سالانہ چندہ وصول کرتے ہیں ان میں لائف ممبری کا طریقہ عام طور پر جاری ہے یعنی جو کچھ چندہ سالانہ ہوتا ہے اس سے کافی زیادہ رقم یکمشت وصول کر لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب تک یہ ادارہ ہے وہ اس کے مستقل ممبر اور رکن ہیں اور جب تک رسالہ یا اخبار جاری رہے گا ان کی خدمت میں جزاء احسان کے طور پر اعزازی حیثیت سے پہنچتا رہے گا اب ان سے سالانہ چندہ نہیں لیا جائے گا نیز ممبر بننے والے اور بنانے والے اس کو ایک مخصوص عطیہ تصور فرماتے ہیں۔ عنوان چندہ کا ہوتا ہے مگر حقیقت عطیہ کی ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر رسالہ بند ہو جائے تو لائف ممبر اس سے واپسی رقم کا مطالبہ نہیں کرتا ادھر عطیہ لینے والے بھی پابند نہیں ہوتے بلکہ بسا اوقات لائف ممبران سے اور عطیات بھی وصول کرتے رہتے ہیں۔ سوال یہ کہ ایسا ممبر بننا اور اس عنوان سے عطیہ وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بعض اخبار والے ان ممبروں کا عنوان بھی بدل دیتے ہیں۔ مثلاً محسن اعظم مربی معاون۔ بینوا توجروا۔ بتاریخ ۳۱ جولائی ۵۸ء علی بھائی اسمعیل پان والا کاوی ضلع بھروچ۔

(الجواب) یہ لائف ممبری ایک اعزازی واحترامی ہے اور جو کچھ وہ ممبر دیتا ہے وہ عطیہ اور بخشش اور اعانت وامداد ادارے کی مقصود ہوتی ہے۔ اس لئے جائز ہے۔ پرچہ اور رسالہ یا اخبار ان کے پاس پہنچایا جاتا ہے وہ بھی خریداری کے سلسلہ میں بھیجا نہیں جاتا بلکہ اعزازی طریقہ پر ہدیہ ہی ہوتا ہے یہ بیع وشرا نہیں ہے تاکہ بیع وثمن کسی درجہ میں جا کر مجہول ہو جائیں اور بیع ناجائز ہو۔ الحاصل یہ صورت جائز ہے۔ اس عنوان سے عطیہ وصول کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ سید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ۱۵/۲ھ

صورت مسئولہ میں جب کہ لائف ممبر اور معاون ومربی بننے اور بنانے اور چندہ فیس لینے اور دینے والوں کی نیت امداد واستمداد اور عطیہ کی ہوتی ہے مبادلہ اور نفع خوری مقصد نہیں ہوتا! اور پرچہ بطور جزاء احسان اور اعزازی

حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے تو یہ صورت بلا شبہ جائز ہے۔ یہ صورت قمار بازی یا بیع فاسد کی نہیں ہے۔ قمار بازی میں لوگوں سے ان کے مالوں کو چھین لینا ہے جس کا مدار اتباع جہل وحرص، باطل آرزو اور فریب پر ہے اور اس کو تمدن اور تعاون میں کچھ دخل نہیں ہے۔ خسارہ پانے والا اگر سکوت کرتا ہے تو غصہ اور نا امیدی کی حالت میں کرتا ہے اور جیتنے والے کو خوشی اور لذت حاصل ہوتی ہے۔

اعلم ان المیسر سحت باطل لانه اختطاف لا موال الناس عنهم معتمد علی جهل وحرص ومنیة باطلة ورکوب غرر تبعثه هذه علی الشرط ولیس له دخل فی التمدن والتعاون الخ (حجة الله البالغه ج ۲ ص ۱۷ ۳ من ابواب ابتغآء الرزق البیوع المنهی عنها)

یہاں نہ نقصان کا مظنہ ہے نہ خسارہ کا اندیشہ! نہ باطل آرزو کار فرما ہے نہ قرب کا ادنیٰ شائبہ! یہاں تو امداد اور عطیہ کا قبول کر لینا اور کار خیر میں لگ جانا اور بقاوترقی ادارہ کا ذریعہ بن جانا ہی اصل کامیابی ہے۔ یہاں کسی کی ہار نہیں ہوتی جب یہ صورت قمار نہیں ہے اور نہ نیت قمار بلکہ عطیہ ہے تو اسے قمار بازی کیسے کہا جا سکتا ہے؟

حدیث میں ''بیع مزابنہ'' کو بوجہ لزوم ربوا ناجائز قرار دیا گیا ہے اور ''عریہ'' کو اس نہی سے مستثنیٰ فرما دیا۔ اس کی وجہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک نیت قمار نہ ہونا ہے! فرماتے ہیں۔ **ورخص فی العرایا بخرصها من التمر فیما دون خمسة او سق لانه عرف انهم لا یقصدون فی ذالک القدر المیسر وانما یقصدون اکلاً رطباً**۔ یعنی عریہ میں جب کہ پھل پانچ وسق سے کم ہوں نبی کریم ﷺ نے چھواروں کے ساتھ اندازہ کر کے بیع کرنے کی رخصت دی کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جانتے تھے کہ اتنی مقدار میں لوگ قمار کا قصد نہیں رکھتے بلکہ تازہ کھجوریں کھانا چاہتے ہیں الخ (حجۃ اللہ البالغہ ایضاً ج ۲ ص ۳۲۲) اور یہ صورت **مبادلة المال بالمال بطریق الاکتساب** کی بھی نہیں ہی کہ معاملۂ بیع وشرا ٹھہرا کر بیع فاسد اور معاملہ ناجائز قرار دیا جائے۔ بیع کی تعریف میں کہا گیا ہے۔

هو مبادلة شیئ بمثله علی وجه مخصوص ای بایجاب او تعاط مخر التبرع من الجانبین والهبة بشرط العوض (درمختار کتاب البیوع ج ۴ ص ۵۰۲) ویقال هو فی الشرع عبارة عن ایجاب وقبول فی مالین لیس فیهما معنی التبرع وهو قول العراقیین کالشیخ واصحابه وقیل هو عبارة عن مبادلة مال بمال لا علیٰ وجه التبرع وهو قول الخراسیین کصاحب الهدایه واصحابه الخ (الجوهرة النیرة ج ۱ ص ۱۸۷ ایضاً) وینبغی ان یزاد قید بطریق الاکتساب کما وقع فی الکتب لاخراج مبادلة لوازم مالهما بطریق الهبة بشرط العوض فانه لیس ببیع ابتداءً وان کان فی حکمه بقاء انتهیٰ (مجمع الانهر ایضاً ج ۲ ص ۴)

ممبری فیس، رسائل کا لوازم (چندہ) اور قیمت نہیں ہے، عطیہ ہے، دونوں میں بین فرق ہے اور لوازم وثمن رسالہ بند ہو جانے پر واپس لیا جاتا ہے ممبری فیس کا مطالبہ نہیں کیا جاتا کہ عطیہ ہے۔ اگر کسی نے مطالبہ کیا تو وہ غیر دستوری، غیر اخلاقی اور رجوع عن الہبہ کی قسم ہوگا۔ لائف ممبری ایک عنوان ہے، مقصد امداد واستمداد ہے، معاملات میں اعتبار معانی کا ہوتا ہے الفاظ اور عنوان کا اعتبار نہیں ہوتا۔ **العبرة للمعانی لا للالفاظ (درالمنتقی) العبرة فی العقود للمعانی (هدایة)**

لائف ممبری ایک اعزازی چیز ہے اس سے مراد دائمی سرپرستی ہے،قومی مذہبی واصلاحی اداروں انجمن اسلام، محفل اسلام کے بھی لائف ممبران ہوتے ہیں ان سے بڑی رقم وصول کی جاتی ہے ان کے لئے عام ممبران کی طرح سالانہ ممبری فیس کا چندہ دینے اور تجدید ممبری کی ضرورت نہیں ہوتی، یہ حضرات اداروں کے دائمی ممبر اور معاون وسرپرست مانے جاتے ہیں ان کے لئے اعزاز ہے ان کے حقوق بھی نسبۃً کچھ زیادہ ہوتے ہیں۔اس طریقہ عمل سے ادارہ کے لئے مدد اور چندہ حاصل کیا جاتا ہے۔یہی طریقہ بعض دینی،علمی،اصلاحی ماہناموں نے بھی اختیار کیا ہے وہی لوگ لائف ممبر اور معاون ومربی وغیرہ خصوصی ممبران بنتے ہیں جن کو ادارہ سے ہمدردی ہوتی ہے،یا صاحب ادارہ سے خصوصی تعلق ہوتا ہے۔یہ ممبران اہل خیر دیندار،اہل علم اور علم دوست،حضرات ہوتے ہیں،ان کی خدمت میں تاحیات یا تابقاء ادارہ بطور جزاء احسان اور تحفۃً رسالہ پیش کیا جاتا ہے اور یہ اہل ادارہ کا اخلاقی فریضہ ہے۔جس کی ہدایت حدیث شریف میں بھی آئی ہے۔ارشاد نبوی ہے کہ۔جس کو کوئی چیز عطا کی جائے اور اس کے پاس کوئی چیز دینے کے قابل موجود ہو تو اس کا بدلہ دے اور جس کے پاس کچھ دینے کے قابل (چیز) نہ ہو تو وہ اس کی مدح کرے الخ۔**من اعطی عطاءً فوجد فليجزبه ومن لم يجد فليثن فان من اثنى فقد شكر ومن كتم فقد كفر (مشكوة شريف ص ۲۶۱ باب العطايا)**

یہ صورت ہبہ اور تبرع من الجانبین کی ہے یعنی ایک دوسرے کو بلا شرط عوض بطریق احسان وجزاء احسان عطیہ دینے اور امداد کرنے کی ایک مفید اور مستحسن تمدنی وتعاونی صورت ہے ہبہ کی تعریف یہ ہے۔**تمليك عين مجاناً اى بلا عوض لا ان عدم العوض شرط فيه درمختار مع الشامى كتاب الهبة ج۵ ص ۶۸۷** یعنی کسی چیز کا کسی کو مفت اور بلا شرط عوض مالک بنا دینا ہے نہ یہ کہ عدم عوض ہبہ میں شرط ہے(درمختار)

ہر عوض اور ہر بدلہ بیع کو مستلزم نہیں ہے۔چنانچہ دینی اور علمی اداروں،انجمن اور محفل وغیرہ کے لائف ممبر اور دائمی سرپرست کو کچھ نہ کچھ حقوق حاصل ہوتے ہیں جو ظاہراً ممبری فیس ہی کی بدولت حاصل ہوتے ہیں۔

مضمون نگار اور فتاویٰ نویس کی خدمت میں بھی بالالتزام پرچہ پیش کیا جاتا ہے یہ بھی ظاہراً مضمون اور فتاویٰ کی برکت ہے۔

مجلس استقبالیہ کے خصوصی ممبران کے لئے جنہوں نے بطور چندہ فیس بڑی رقمیں (مثلاً /۵۰، ۱۰۰/، ۲۰۰/=، ۲۵۰/=، ۵۰۰/=، ۱۰۰۰/=) عطا کی ہیں۔طعام وقیام کا انتظام مجلس استقبالیہ کی جانب سے کیا جاتا ہے وہ بھی بظاہر چندہ دینے ہی کی بدولت ہے۔تاہم یہ صورتیں عقد بیع وشرا میں داخل نہیں کی جاتی تبرع من الجانبین میں شمار ہوتی ہیں۔اس لئے ان کا مطالبہ نہیں ہوتا۔یہی حقیقت لائف ممبری وغیرہ کی سمجھنا چاہئے۔

تبرع کی چند قسمیں ہیں۔ایک تو صدقہ ہے جب کہ اس سے حق تعالیٰ کی خوشنودی مقصود ہو اور دوسرا ہدیہ ہے جب کہ اس کے ساتھ اس شخص کو خوش کرنا مقصود ہو جس کو وہ شے دی گئی ہے۔

الحاصل لائف ممبری کی صورت سودابازی اور تجارتی نہیں ہے جیسا کہ مذکور ہوا،مزید اطمینان کے لئے عرض ہے کہ رسالوں کا سالانہ لوازم (چندہ) معمولی دو روپے، چار روپے اور پانچ روپے ہوتا ہے اور لائف ممبری اور معاون مربی کی فیس (چندہ) =/۵۰،=/۱۰۰ روپے، =/۲۵۰ روپے، =/۵۰۰ روپے اور اس سے بھی زیادہ! اگر تجارتی

معاملہ ہے تو ایک تاجر یہ بھی غور کرے گا کہ یہ رقم کب وصول ہو سکے گی؟ اور یہ بھی غور کرے گا کہ اتنی رقم اتنے سال رکے رہنے سے فائدہ کیا اور کتنا ہوگا؟ اور پرچہ کی زندگی ہی آج کل کیا ہوتی ہے۔ ان باتوں کو سوچنے کے بعد ضرور وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس میں تو سراسر نقصان ہے۔ اس سے بہتر تو یہی ہر سال لوازم ادا کرتے رہیں، اب اگر وہ اس نقصان کو دیکھتے ہوئے ممبر بنتا ہے تو ظاہر ہے معاوضہ مقصود نہیں بلکہ امداد مقصود ہے۔ بعض نے ممبری کے درجات مقرر کئے ہیں تاکہ حسب حیثیت حصہ لیا جاسکے۔ /۵۰ روپیہ اور اس سے زائد عطا کرنے والا معاون شمار ہوگا اور /۱۰۰ روپے یا اس سے زائد دینے والا مربی شمار ہوگا۔ مگر جزائے حساب کے طور پر پرچہ بلا فرق مراتب سب کو ایک ہی دیا جاتا ہے۔ حالانکہ تجارتی اصول سے /۵۰ والے کو اگر ایک دیا جاتا ہے تو /۱۰۰ والے کو دو بلکہ زیادہ پرچہ دینے چاہئیں اور /۱۵۰ والے کو تین پرچے بلکہ زیادہ۔ اسی طرح /۲۰۰ دینے والے کو چار پرچے یا پانچ، چھ اور /۲۵۰ والے کو اس سے زیادہ دیا جانا چاہئے...... علی ہذا رقم دینے والے کا مقصد تجارت اور پرچہ ہی حاصل کرنا ہوتا تو ادنیٰ فیس پچاس روپے سے بھی حاصل کرسکتا تھا پھر /۷۵ روپے، /۱۰۰ روپے /۳۰۰ اور اس سے بھی زیادہ رقمیں کیوں دیتا ہے۔ اس لئے کہ مقصد امداد ہے، تجارت مقصد نہیں۔

علاوہ ازیں اتنی بڑی رقمیں ادا کرنے والے حضرات اور لینے والے کے درمیان کوئی قول وقرار اور عہد تحریر عمل میں بھی نہیں آتا۔ حالانکہ سرکاری کاغذات پر باقاعدہ تحریر عمل میں لانا چاہئے تھا تاکہ پرچہ بھیجنے پر پابندر ہے۔ مگر یہاں نہ کوئی بیع ہے نہ کوئی معقود علیہ ہے جس کے بارے میں تحریر عمل میں لائی جائے۔

البتہ جس طرح رسالہ کا خریدار سالانہ لوازم ادا کر کے اپنے نام ایک سال کے لئے رسالہ جاری کراتا ہے اسی طرح لائف ممبر وغیرہ بھی ایک مقررہ رقم بطور لوازم وقیمت ادا کر کے عمر بھر کے واسطے اپنے نام رسالہ جاری کراتا ہو اور اصل مقصد رسالہ ہو تو بے شک یہ صورت عقد بیع وشرا کی تھی اور بیع مجہول ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہوتی جیسا کہ امداد الفتاویٰ میں ہے۔ لیکن مذکور الصدر صورت ایسی نہیں ہے۔

نیز یہ صورت ہبہ بشرط العوض کی بھی نہیں ہے جس کے لئے شرط ہے۔ عقد ہبہ میں عوض کی شرط لگی ہو جس کا حکم ابتداً ہبہ اور انتہاءً بیع کا ہے اگر المعروف کالمشروط کے قاعدہ سے ہبہ بشرط عوض کی صورت بھی مان لی جائے تب بھی یہ معاملہ جائز اور ہبہ صحیح ہے کیونکہ جہالت عوض کی وجہ سے شرط عوض باطل اور ہبہ صحیح ہو جاتا ہے۔

وقيد العوض بكونه معينا لانه لو كان مجهولاً بطل اشتراطه فيكون هبة ابتداءً وانتهاءً (درمختار مع الشامی ج۴ ص ۷۱۵ كتاب الهبة مسائل متفرقه)

بہر حال! لائف ممبر اور معاون ومربی اور محسن کے عنوان سے ممبر بننا اور بنانا اور عطیہ اور امداد دینا اور لینا شرعاً جائز ہے۔ ہاں اگر کسی کی نیت قمار یا تجارت وتبادلہ کی ہے یا کسی جگہ کا عرف ہی ایسا ہو تو اس کا حکم اس کے مطابق ہوگا۔ مگر ان تمام لائف ممبران کو (جن میں علماء بھی شامل ہیں) جن کی نیت امداد اور عطیہ کی ہے اور ان کی رقم اور امداد سے مسلمانوں کو اور دین و مذہب کو فائدہ پہنچتا ہو۔ قمار باز اور فعل حرام کا مرتکب قرار دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ هذا ماظهر الى الآن والله اعلم بالصواب.

ہڈی کی تجارت کا حکم:

(سوال ۲۳۸) ہڈی کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کون سی ہڈی میں جائز اور کون سی میں ناجائز ہے؟ تشریح فرماویں۔

(الجواب) حامداومصلیاومسلماً۔ انسان اور خنزیر کے سوا باقی حیوانات کی ہڈی کی تجارت درست ہے، خواہ مردار جانور کی ہڈی ہو۔ ولا یجوز بیع شعرا لخنزیر لا نہ نجس العین ......الی قولہ...... ولا یجوز بیع شعور الانسان ولا الا نتفاع بہ...... الی قولہ ...... ولا بأس ببیع عظام المیتۃ الخ(ھدایہ ج۳ ص ۳۹ باب البیع الفاسد) فقط واللہ اعلم بالصواب ، ۲۵ شعبان ۱۳۸۲ھ.

آتشبازی کی تجارت کرنا کیسا ہے:

(سوال ۲۳۹) آتشبازی (داروخانہ) پٹاخے کی تجارت کرنا کیسا ہے؟ اس کے یہاں کوئی ملازمت کرے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) آتشبازی میں اپنے مال کو ضائع کرنا ہے جو یقیناً فضول خرچی ہے اور قرآن مجید میں فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے، ارشاد خداوندی ہے ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین ،وکان الشیطن لربه کفوراً. بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے (قرآن مجید، پ۱۵ سورۂ بنی اسرائیل)

لہٰذا آتشبازی گناہ کا کام ہے اس کی تجارت کرنا گناہ کے کاموں میں مدد کرنا ہے اور قرآن میں ہے ولاتعاونوا علی الا ثم والعدوان . (گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو، پارہ نمبر ۶ سورۂ مائدہ) لہٰذا اس آیت مبارکہ کے پیش نظر اس کی اجازت نہیں ہوسکتی، نیز اس میں کافروں کی مذہبی رسم اور ان کے شعار میں تعاون کرنا بھی ہے، اور جو شخص آتشبازی کی تجارت کرتا ہو، اس کے یہاں ملازمت نہ کی جائے، تعاون علی الاثم بھی ہے اور ظاہر یہی ہے کہ ایسی مشتبہ کمائی ہی میں سے اسے تنخواہ دی جائے گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گڑیوں کی خرید وفروخت:

(سوال ۲۴۰) گڑیوں کو بیچنا، گھر میں بچوں کے کھیل کے لئے رکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جو گڑیا جاندار کی شکل کی ہو اس کو گھر میں رکھنا اور اس کو بیچنا جائز نہیں ہے، موجب لعنت ہے، حدیث میں جاندار کی تصویر رکھنے پر بڑی سخت وعید آئی ہے، بچوں کے لئے بھی اس قسم کی چیز گھر میں نہ لائی جائے، ہاں ایسے کھلونے جو جاندار کی شکل پر نہ ہوں بچوں کے لئے لاسکتے ہیں۔[1]

---

(۱) وظاهر كلام النووى فى شرح الاجماع على تحريم تصوير الحيوان ، وقال، وسوآء صنعه لما يمتهن او لغيره فصنعه حرام بكل حال لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالى ,سواء كان فى ثوب اوبساط او درهم وانآء وحائط وغيرها ... قوله او لغير ذى روح لقول ابن عباس للسائل ، فان كنت لا بد فا علا فاصنع الشكر وما لا نفس له' رواه الشيخان ولا فرق فى الشجر بين المثمر وغيره، شامى. مكروهات الصلوٰة ج ۱ ص ۶۴۷ . ۶۴۹ .

فتاویٰ محمودیہ میں ہے۔
(سوال) مسلمانوں کے گھروں میں بچوں کے لئے جو کھلونے ہوتے ہیں ان میں گڑیا وغیرہ اکثر وبیشتر ہوا کرتے ہیں، بچوں کو ایسے کھلونے کے ساتھ کھلانا کیسا ہے؟ مسلمانوں کے گھروں میں ان کا رکھنا کیسا ہے، مسلمانوں کو ان کی تجارت کرنا کیسا ہے؟
(الجواب) حامداً ومصلیاً! گڑیا کی یا کسی اور کھلونے کی شکل وصورت جاندار کی نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں، جاندار کی صورت بنانا اور گھر میں رکھنا منع ہے بچوں کے لئے بھی نہ رکھیں، ایسی صورتوں کی تجارت بھی نہ کریں فقط واللہ اعلم (فتاویٰ محمودیہ ج ۱۲ ص ۳۷۷) (بہشتی زیور ص ۱۷ حصہ نمبر ۵) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ناخن پالش بیچنا:

(سوال ۲۴۱) عورتیں ناخن پالش استعمال کرتی ہیں وہ بیچنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) ایسا ناخن پالش جو ناخن پر جم جاتا ہو اور اس کے نیچے پانی پہنچنے کے لئے آڑ بن جاتا ہو تو ایسا ناخن پالش استعمال کرنا جائز نہیں، گناہ ہے، وضو اور غسل جنابت درست نہ ہوگا، ایسا ناخن پالش نہ بیچا جائے گناہ پر تعاون ہوگا اور قرآن میں ہے ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون مت کرو (قرآن مجید پارہ نمبر ۶ سورۂ مائدہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نرودھ بیچنا:

(سوال ۲۴۲) نرودھ (کونڈوم) بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) جائز طور پر اس کا استعمال کم ہے اور ناجائز طور پر اس کا استعمال زیادہ ہے اس لئے اس کی تجارت اختیار کرنا مناسب نہیں، اعانت علی المعصیۃ ہو سکتا ہے اور بدنامی سے بھی خالی نہیں اور بے حیائی کا بھی ذریعہ ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مرغیوں کی بیٹ اور گائے بھینس کا گوبر بیچنا:

(سوال ۲۴۳) ہمارا مرغیوں کا فارم ہے، مرغیوں کی بیٹ بڑی مقدار میں جمع ہوتی ہے، یہ بیٹ بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح گائے بھینس کا گوبر بیچنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) جائز ہے (کرہ بیع العذرۃ) رجیع الا دمی (خالصۃ لا) یکرہ بل یصح بیع (السرقین) الزبل خلافاً للشافعی (قولہ الزبل) وفی الشرنبلالیۃ ھو رجیع ما سوی الا نسان (درمختار مع رد المختار ۵/۳۳۹، فصل فی البیع، کتاب الحظر والا باحۃ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

تصاویر پر مشتمل اخبارات کی تجارت:

(سوال ۲۴۴) رسائل ومجلات واخبارات میں لوگوں کی تصاویر شائع ہوتی ہیں جیسے آج کل لیڈران ہند کی، تو

آیا ان کا دیکھنا اور خریدنا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟
(الجواب) جن کا مقصد صرف مضامین ہے ان کی نظر اگر اتفاقاً تصاویر پر پڑ جائے تو معافی کی امید ہے اور جن کا مقصد ہی تصویر دیکھنا ہو تو یہ قابل مواخذہ ہو سکتا ہے خاص کر عورتوں کی تصویریں کہ جن میں بعض عریاں یا نیم عریاں تصویر ہوں۔(فتاویٰ محمودہ ۵/۱۰۷ بھی ملاحظہ فرمائیں) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

راکھی بیچنا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۴۵) ہندؤں کا ایک تہوار ''رکھشا بندھن'' آتا ہے جس میں بہن اپنے بھائی کو راکھی باندھتی ہے تو اس تہوار کے موقعہ پر راکھی بیچنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) راکھی بیچنا گویا کافروں کی مذہبی رسم میں تعاون کرنا ہے اس سے بچنا ہی چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیع الصرف

برٹیس پوسٹل آرڈر میں تبادلہ کرنے کے بارے میں :

(سوال ۲۴۶)افریقہ وغیرہ ممالک سے ہندوستان میں رقم آتی ہے یہ رقم برٹیس پوسٹل آرڈر مثل کاغذ کے نوٹ کے ذریعہ آتی ہے۔نوٹ پر پاؤنڈ اسی طرح اس کی قیمت لکھی ہوئی ہوتی ہے،مذکورہ نوٹ پر رقم لینے والے کا نام وگاؤں لکھا ہوتا ہے ۔ برٹیس پوسٹل کو یہاں تبادلہ کرنے میں سرکاری راہ سے ایک پاؤنڈ کی قیمت ۱۳ روپے ۲۵ پیسے دیئے جاتے ہیں ۔اگر وہ بلا کسی تحریر نام وگاؤں کے ہو تو خانگی تجار اس کی قیمت اس سے زائد دیتے ہیں ۔ یہاں پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس پاؤنڈ کے خانگی تجاروں سے زیادہ رقم لینا جائز نہیں ہے،سود ہے نیز اس میں سرکاری جرم بھی ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ پاؤنڈ مالک کو اختیار ہے جہاں چاہے اس کا تبادلہ کرے چاہے پوسٹ آفس ۔ بینک وغیرہ میں جہاں سوا تیرہ روپے ملتے ہیں یا خانگی میں جہاں زائد رقم ملتی ہے۔تو اب حضرت والا سے جواب شافی مطلوب ہے۔خانگی میں زائد رقم سے پاؤنڈ کو بنوانا جائز ہے یا نہیں۔

(الجواب) سرکاری مقررو متعین قیمت تیرہ روپے پچیس پیسے سے زائد رقم لینا بعض علماء کے نزدیک جائز نہیں ہے اور بعضے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔لہذا زیادہ لینے کی گنجائش ہے۔مگر نہ لینا اولیٰ اور بہتر ہے۔سرکاری جرم ہونے کی وجہ سے کبھی مستحق سزا ہونے کا اور ذلیل و رسوا ہونے کا اندیشہ ہے ۔ جس سے خود کو بچانا ضروری ہے ۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

پھٹے ہوئے نوٹ کو اچھے نوٹ سے کمی بیشی کے ساتھ بدلنا:

(سوال ۲۴۷)پھٹے ہوئے نوٹوں کو اگر اچھے نوٹوں سے بدلنا ہو تو کمی بیشی کے ساتھ بدل سکتے ہیں یا نہیں امید ہے کہ جواب مرحمت فرما کر ہماری رہنمائی فرمائیں گے،بینوا توجروا۔

(الجواب) پھٹے ہوئے نوٹوں اور اچھے نوٹوں کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں ہے، جتنے پھٹے ہوئے نوٹ ہوں اتنے ہی اچھے نوٹ اس کا بدلہ میں ہونے ضروری ہیں، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ اسی مجلس میں لین دین ہو جائے ،ادھار معاملہ نہ ہو۔

ہدایہ اخیرین میں ہے وان کان الغالب علیھما (الدراھم والدنانیر) الغش فلیسا فی حکم الدراھم والدنانیر۔ الی ۔ وان بیعت بجنسھا متفاضلا جاز صرفاً للجنس الی خلاف الجنس فھی فی حکم شیأین فضة وصفر لکنه صرف حتی یشترط القبض ۔الی. قال رضی الله عنه ومشائخنا لم یفتوا بجواز ذلک فی العدالی والغطارفة فانھا اعز الاموال فی دیارنا فلوا بیح التفاضل فیه ینتفع باب الربو ا (خط کشیدہ عبارت قابل غور ہے) (ھدایه اخیرین ص ۹۳ کتاب الصرف)

عصر حاضر کے علماء کی تحقیق یہ ہے کہ اب نوٹ ثمن حقیقی کے مشابہ ہے۔فتاویٰ محمودیہ میں ہے ''یہ اس وقت کا حکم ہے جب چاندی کا روپیہ عام طور پر ملتا تھا ۔روپیہ عام طور پر زیادہ مقدار میں نہیں ملتا سب جگہ نوٹ ہی چالو

ہے، لہذا اب نوٹ ہی بمنزلہ سکہ کے ہے اور اس کے ذریعہ سے زکوٰۃ بھی ادا ہو جاتی ہے۔ فقط (فتاویٰ محمودیہ حاشیہ نمبر ا ص ۵۹ ج ۳، کتاب الزکوٰۃ)

''اہم فقہی فیصلے'' میں ہے۔

(۱) کرنسی نوٹ سند و حوالہ نہیں بلکہ ثمن ہے اور اسلامی شریعت کی نظر میں کرنسی نوٹ کی حیثیت زر اصطلاحی و قانونی کی ہے۔

(۲) عصر حاضر میں نوٹوں نے ذریعۂ تبادلہ ہونے میں مکمل طور پر ثمن خلقی (سونا چاندی) کی جگہ لے لی ہے اور باہمی لین دین نوٹوں کے ذریعہ انجام پاتا ہے اس لئے کرنسی نوٹ بھی احکام میں ثمن حقیقی کے مشابہ ہے لہذا ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ اسی ملک کی کرنسی سے کمی و بیشی کے ساتھ نہ تو نقد جائز ہے نہ ادھار (اہم فقہی فیصلے ص ۱۷، دوسرا فقہی سیمنار، ناشر اسلامک فقہ اکیڈمی) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۰ شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ۔

بیع کو موسم میں ادا کرنے کے وعدہ پر قیمت پہلے لینا کیسا ہے:

(سوال ۲۴۸) کاشت کار تاجروں سے روپے اس شرط پر لیتے ہیں کہ موسم میں غلہ وغیرہ فلاں قیمت سے ادا کریں گے۔ تاجر بھی اپنی مرضی کی قیمت سے غلہ وصول کرنے سے پہلے روپے دے دیتے ہیں جسے بیع سلم کہتے ہیں تو کیا یہ بیع جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ معاملہ اس طرح درست نہیں ہے کہ اناج اور اس کی ادائیگی کی تاریخ وغیرہ کوئی چیز متعین و مقرر نہیں۔ (۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وشرطه ای شروط صحته التی تذکر فی العقد سبعة بیان جنس، کبر او تمر وبیان نوع کمسقی وبعلی وصفة کجید او ردیٔ وقدر ککذا کیلا لاینقبض ولا ینحفظ واجل واقله فی المسلم، شهر به یفتی. درمختار مع الشامی باب المسلم ج ۵ ص ۲۱۴.

بیع باطل وفاسد ومکروہ

گندا انڈا خریدنے کے بعد واپس دینا:

(سوال ۲۴۹) انڈا خریدنے کے بعد توڑا تو وہ گندا نکلا اب واپس دے کر پیسے لینا کیسا ہے؟

(الجواب) جائز ہے! یہ انڈا کسی کام کا نہیں تھا تو اس کی بیع باطل ہوئی۔ لہذا جو قیمت دی تھی وہ واپس لے سکتا۔ "ہدایہ آخرین" میں ہے۔ من اشتری بیضا او بطیحا او قثاء او خیاراً او جوزا فکسره فوجده فاسدا فان لم ینتفع به رجع بالثمن لانه لیس بما ل فکان البیع باطلا. اھ (باب البیع الفاسد ص ۲۷) ہدایة آخرین مجتبائی.

مردار کے چمڑے کی بیع درست ہے یا نہیں:

(سوال ۲۵۰) مردار جانور کی کھال اتار کر اس کو فروخت کرنا اور اس کی قیمت استعمال کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مردار جانور کی کھال دباغت کے بعد بیچ سکتے ہیں اور اس کی قیمت استعمال کر سکتے ہیں۔ دباغت سے پہلے مردار کی کھال ناپاک ہے اس کو فروخت نہیں کر سکتے۔ فروخت کرے تو قیمت اپنے استعمال میں نہ لے، غریب محتاجوں کو صدقہ کردے۔ هدایہ میں ہے۔ ولا بیع جلود المیتة قبل ان تدبغ لانه غیر منتفع به قال علیه السلام لا تنتفعوا من المیتة باهاب وهو اسم لغیر المدبوغ علی ما مر فی کتاب الصلوة ولا باس ببیعها والانتفاع بها بعد الدباغ لا نها طهرت بالدباغ (هدایه ج۳ ص ۳۹ باب البیع الفاسد)

مردار کی خرید وفروخت جائز نہیں:

(سوال ۲۵۱) بمبئی میں بھینسوں کے جائے قیام میں مردہ بھینسیں اور ان کے بچوں کو اٹھانے اور نکالنے کے لئے ایسا بندوبست کیا گیا ہے کہ مردار بردار (مردہ جانور اٹھالے جانے والے) کچھ رقم جائے قیام کے شرکاء یا مالک کو دیتے ہیں اور پورے سال کا کانٹراک کر لیتے ہیں۔ یہ رام غیر مسلم تو لیتے ہیں مگر مسلمانوں کے لئے چونکہ مردار کی بیع حرام ہے یہ لوگ یہ رقم نہیں لے سکتے ہیں۔ بنابریں مسلم پیشہ ور اپنی بھینسوں کو بلا عوض کنٹراکٹر کو دے دیتے ہیں اور اپنی فرصت سے مردار اٹھواتے ہیں تاخیر ہونے کی وجہ سے تعفن زیادہ ہوجاتا ہے۔ لہذا اس کے بارے میں حضرت والا رہنمائی فرماتے ہیں۔ کہ یہ رقم لے کر غرباء کو دے سکتے ہیں؟ پیشاب خانہ یا چورایا، اوٹا، جو عام لوگوں کے استعمال کے لئے ہو یا راستہ بنانے وغیرہ رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کر سکتے ہیں۔

(الجواب) بے شک مردہ جانوروں کی بیع کرنا یا خورد ونوش کے لئے کسی کو دینا جائز نہیں ہے، حرام ہے۔ مردار کی بیع باطل ہے واذا کان باحد العوضین او کلا هما محر ما فا لبیع فاسد کالبیع بالمیتة (وقوله بیع المیتة والدم والخمر باطل لانها لیست اموالا (هدایه ج ۳ ص ۳۳ ایضاً)

صورت مسئولہ میں مزدوری دے کر مزدوروں سے مردار اٹھانے کا الگ بندوبست ہوسکتا ہو تو ایسا کرنا لازم

ہے۔ مگر جب یہ ممکن نہ ہو اور مجبوراً قیام گاہ کے شرکاء کے ساتھ شریک ہونا ہی پڑے تو وہ رقم کسی غریب مجبور محتاج کو دے دینی ضروری ہے، رفاء عام کے طعام میں بھی لسا سکتے ہیں، مردار جانوروں کے چمڑے دباغت کے بعد بیچ سکتے ہیں اور کام میں لے سکتے ہیں۔ قبل از دباغت ناجائز ہے۔ **ولا بیع جلود المیتة بل ان تدبغ لانه غیر منتفع به قال علیه السلام ولا تنتفعوا من المیتة باهاب هو اسم لغیر المدبوغ الخ (هدایه ج۳ ص۳۹ باب البیع الفاسد فقط والله اعلم بالصواب .**

سور کے بال کے برش بیچنا:

(سوال ۲۵۲) ہمارا برش بنانے کا کارخانہ ہے برش سور کے بال سے بنتے ہیں، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بال بیچنے والے زندہ سور کے بال کاٹتے ہیں اور ان کو پانی اور دوا سے پانچ مرتبہ دھوتے ہیں، ہم ان بالوں کو خرید کر دوبارہ گرم پانی میں رنگتے ہیں اور پھر اس سے برش بناتے ہیں، وہ برش گھر کی دیواریں، کھڑکیاں، دروازے وغیرہ رنگنے کے کام میں استعمال ہوتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ سور کے بال کے برش بنا کر بیچنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور اس کی آمدنی کا کیا حکم ہے؟

(۲) اگر ہم دوسروں سے تیار برش خرید کر دوسروں کو بیچیں تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱،۲) ظاہری روایت اور صحیح قول کے مطابق سور کے بال بیچنا جائز نہیں ہے، اس کو بیچ کر جو ثمن حاصل ہوگا وہ ثمن بائع (بیچنے والے) کے لئے حلال اور طیب نہ ہوگا چاہے اپنے کارخانہ میں سور کے بال کے برش بنا کر بیچیں یا کسی اور جگہ سے تیار برش خرید کر بیچیں، ہدایہ اخیرین میں ہے (**ولا یجوز بیع شعر الخنزیر لانه نجس العین فلا یجوز بیعه اهانة له ویجوز الانتفاع به للخرازین للضرورة فان ذلک العمل لایتاتی بدونه ویوجد مباح الاصل فلا ضرورة الی البیع .....الخ (هدایه آخرین ص ۳۹ باب البیع الفاسد)**

درمختار میں ہے (**وشعر الخنزیر) لنجاسة عینه فیبطل بیعه ابن کمال وان جاز الانتفاع به ضرورة الخرز حتی لو لم یوجد بلا ثمن جاز الشراء للضرورة وکره البیع فلا یطیب ثمنه لاخ (درمختار مع شامی ص ۱۵۶ ،ص۱۵۷ ج۴ کتاب البیوع باب البیع الفاسد)**

بدائع الصنائع میں ہے **واما عظم الخنزیر وعصبه فلا یجوز بیعه لانه نجس العین واما شعره فقدروی انه طاهر والصحیح انه نجس لا یجوز بیعه لان جزء منه الا انه رخص فی استعماله للخرازین للضرورة (بدائع الصنائع ص ۱۴۲ ج۵، کتاب البیوع فصل واما الذی یرجع الی المعقود علیه فانواع)**

اس لئے اگر کوئی شخص اس میں مبتلا ہے تو وہ اس کی تجارت ترک کر دے، اگر یکلخت ترک کرنا دشوار ہو تو بتدریج جتنا ہو سکے جلد سے جلد اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرے اور دوسری حلال روزی کا انتظام کرے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں۔

(۸۳۱) فرمایا کہ شیوخ مباحات میں قلیل قلیل چھڑاتے ہیں مگر معاصی میں قلیل قلیل کسی نے نہیں چھڑایا

لیکن میں تو وعظ میں یہ کہہ دیتا ہوں (اللہ تعالیٰ معاف کرے نیت بری نہیں) کہ ایک گناہ تو وہ ہیں کہ جن کو اگر چھوڑ دیا جائے تو آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے مثلاً داڑھی منڈانا ٹخنہ ڈھکنا اگر ان کو چھوڑ دے تو کوئی کام تو نہیں اٹکتا ایسوں کو تو فوراً چھوڑ دینا چاہئے، اور بعضے ایسے ہیں کہ جن کے چھوڑنے کے بعد کچھ کلفت وتنگی ہو مثلاً رشوت لینا کہ صاحب بال بچے بہت ہیں اتنی تنخواہ میں گذر ہو نہیں سکتی تو ایسے گناہوں کے بارے میں تو کہہ دیتا ہوں کہ رفتہ رفتہ ہی چھوڑ دو، نیت یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح تو چھوڑ دیں، جن سے ایک دم چھوڑنے کی امید نہیں بلکہ اگر ان پر اس کا زور ڈالا جائے تو وہ تمام عمر بھی نہ چھوڑیں، اور ایک طریقہ گناہ ہوں کے چھوڑنے کا یہ بتلایا کرتا ہوں کہ مکان میں کیواڑ بند کر کے سوتے وقت روز حق تعالیٰ سے دعا کیا کرو، یا اللہ میں بڑا کم بخت ہوں، نالائق اور پاجی ہوں، غرض خوب تخت تخت اپنے لئے استعمال کر کے کہو کہ یا اللہ میری ہمت تو ان کے ترک کے لئے کافی نہیں آپ ہی مدد فرمائیں دیکھو انشاء اللہ ایک ہی دو ہفتہ میں سب گناہ ختم، مگر کوئی کرتا ہی نہیں جیسے کوئی سبق یاد نہ کرے اور میانجی سے کہے تمہیں سبق یاد کرلیا کرو۔ (از وصیۃ العرفان، کمالات اشرفیہ ص ۳۶ شمارہ نمبر ۸ صفر ۱۴۱۵ھ مطابق اگست ۱۹۹۴ء جلد نمبر ۱۷) فقط۔

(۱) ادھار معاملہ میں ثمن کی ادائیگی کی مدت متعین نہ کی تو کیا حکم ہے؟

(۲) بیع فاسد کو فسخ کرنے کا اختیار کس کو ہے؟:

(سوال ۲۵۳) ایک شخص نے اپنی مملوکہ زمین کا سودا ایک شخص کے ساتھ کیا اور یہ طے کیا کہ نصف رقم مشتری (خریدار) اس وقت ادا کرے اور نصف رقم اس وقت ادا کرے گا جب کہ یہ زمین منجانب حکومت نا قابل کاشت (یعنی .N.A) قرار دی جائے گی نا قابل کاشت کتنی مدت میں قرار پائے گی اس کا تعین مشکل ہے، اس طرح معاملہ طے ہو گیا مشتری نے نصف رقم وعدہ کے مطابق ادا نہیں کی اور زمین ابھی تک N.A. نہیں ہوئی ہے، اس حالات میں بائع اگر یہ سودا فسخ کرے تو گنہگار ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ادھار معاملہ کرنا جائز تو ہے لیکن ثمن کی ادائیگی کی مدت متعین ہونا ضروری ہے، اگر مدت مقرر نہ کی جائے تو بیع فاسد ہو جاتی ہے، درمختار میں ہے (وصح بثمن حال) وهو الا صل (ومؤجل الى معلوم) لئلا يفضى الى النزاع (درمختار مع رد المحتار ص ۳۰، ص ۳۱، كتاب البيوع.

ہدایہ اخیرین میں ہے۔ ويجوز البيع بثمن حال و مؤجل اذا كان الا جل معلوماً...... ولا بدان يكون الا جل معلوماً لان الجهالة فيه ما نعة عن التسليم الواجب بالعقد فهذا يطالبه به فى قريب المدة وهذا يسلم فى بعيد ها (هدايه اخيرين ص ۴ كتاب البيوع)

عالمگیری میں ہے: فمنها معلومية الاجل فى البيع بثمن مؤجل فيفسد ان كان مجهولا (عالمگیری ص ۲ ج ۴ كتاب البيوع، باب ۱.)

صورت مسئولہ میں نصف ثمن کی ادائیگی کے لئے جو مدت مقرر کی گئی ہے وہ مدت متعینہ نہیں ہے، مجہول ہے کہ زیادہ ہو سکتی ہے، لہذا مذکورہ معاملہ فاسد ہے، ولا يجوز البيع الى قدوم الحاج و كذلك الى الحصاد والدياس والقطاف والجزاز لانها تتقدم وتتأ خر (هدايه اخيرين ص ۴۵ باب البيع فاسد) (بهشتى

زیور حصہ پنجم ص ۷،ص۸)

سوال میں اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ زمین فی الحال کس کے قبضہ میں ہے، اگر زمین بائع (مالک زمین) کے قبضہ میں ہے تو بائع مشتری دونوں میں سے ہر ایک کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے، اور بیع فاسد چونکہ شرعا واجب الفسخ ہوتی ہے، لہذا اس صورت میں اگر بائع فسخ کردے گا تو وہ گنہگار نہ ہوگا، اور اگر زمین مشتری (خریدار) کے قبضہ میں ہو، اور زمین علی حالہ موجود ہو اس پر نہ عمارت بنائی ہو، نہ درخت لگائے ہوں تو اس صورت میں بھی امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق ہر ایک کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے، کہ بیع فاسد واجب الفسخ ہوتی ہے، لہذا بیع فسخ کرنے کا ہر ایک کو اختیار ملنا چاہئے، بائع اگر بیع فسخ کرے تو مشتری کو اس کی اطلاع دے دے۔

عینی شرح کنز میں ہے:(ولکل واحد منهما) ای من المتبا یعین فی البیع الفاسد (فسخه) ای فسخ البیع قبل القبض بعلم صاحبه لان البیع الفاسد لا یفید الملک قبل القبض فکان بمنزلة البیع الذی فیه اخیار فکان کل منهما بسبیل من فسخه من غیر رضا الا خر لکنه یتو قف علی علمه لان فیه الزام الفسخ له فلا یلزمه بدون علمه ، واما بعد القبض فان کان الفساد فی صلاة العقد بان کان راجعاً الی احد البدلین کا لبیع بالخمرا والخنزیر فکذلک ینفرد احد هما بالفسخ لقوة الفساد، وان کان بشرط زائد بان با ع الی اجل مجهول اوغیره مما فیه منفعة لاحد هما یکون لمن له منفعة الشرط الفسخ دو ن الآخر عند محمد وعند هما لکل منهما فسخه فیفسخه بعلم صاحبه فی الکل وعند ابی یوسف رحمه الله لا یشترط علمه قال الشارح رحمه الله معنی قوله ولکل منهما فسخه لا ن رفع الفاسد واجب علیهما الخ (عینی شرح کنز، ص ۲۲ ج۲ فصل فی بیان احکام البیع الفاسد)(عنایه شرح هدایه ص ۲۶۵، ص ۲۶۲مع فتح القدیر ج۶)

درمختار میں ہے:۔ ویجب (علی کل واحد منهما فسخه قبل القبض) ویکون امتنا عاً عنه ابن ملک (او بعده مادام) المبیع بحاله جو هرة (فی ید المشتری) اعداما للفساد لانه معصیة فیجب رفعها بحر ولذا (لا یشترط فیه قضاء قاض) لان الواجب شرعاً لا یحتاج للقضاء (درمختار مع رد المحتار ص ۱۷۳ ج۴ باب البیع الفاسد)

الاختیار شرح المختار میں ہے:(لکل واحد من المتعا قدین فسخه) ازالة للخبث ورفعاً للفساد (ویشترط قیام المبیع حالة الفسخ) لان الفسخ بدونه محال الخ (الاختیار لتحلیل المختار ص ۲۲ ج۲ قبیل مطلب رد المشتری فاسدا الی بائعه فلم یقبله)

کنز الدقائق میں ہے: ولکل منهما فسخه الا ان یبیع المشتری او یهب او یحرر او یبنی.

بحر میں ہے(قوله ولکل منهما فسخه) ای یجوز لکل من البائع والمشتری فی البیع الفاسد فسخه رفعا للفساد ......الخ(بحر الرائق ص ۹۴ فصل فی بیان احکام البیع الفاسد ج۶)فقط والله اعلم بالصواب .

دودھ ڈیری میں دودھ کی فروخت کا طریق کار اور اس کا حکم:

(سوال ۲۵۴) ہمارے علاقہ میں دودھ کی ڈیریوں والے چاہے سرکاری ڈیریاں ہوں یا پرائیویٹ سب ان کا یہ عمل ہے کہ گاہک کے پاس سے دودھ لیتے وقت ایک شیشی اس دودھ میں سے بھر لیتے ہیں، پھر گاہک سے لیا ہوا دودھ ناپ کر کین (CAN) میں ڈال دیتے ہیں، اس کے بعد شیشی والے دودھ کو مشین میں ڈال کر جائزہ لیتے ہیں اس میں گھی (کریم) کا تناسب کتنا ہے، اس کو گجراتی زبان میں فیٹ نکالنا کہتے ہیں غرض دریافت طلب امر یہ ہے کہ دودھ کا فیٹ، دودھ ناپ کر کین میں ڈال دینے اور مالک دودھ کے چلے جانے کے بعد نکالا جاتا ہے، کسی بھی گاہک کو دودھ دیتے وقت اپنے دودھ کی قیمت معلوم نہیں ہوتی، بعد میں جب فیٹ نکالا جائے تو رجسٹر میں ہر گاہک کے کھاتہ میں اس سے خریدے ہوئے دودھ کی قیمت لکھ دی جاتی ہے۔

صورت مذکورہ بالا میں دودھ دیتے وقت گاہک کو معلوم نہیں ہوتا کہ میرا دودھ کس قیمت سے خریدا جا رہا ہے، ثمن میں یقیناً جہالت ہوتی ہے، لیکن یہ جہالت مفضی الی لنزاع نہیں ہوتی، گاہک کو فیٹ نکالنے کے بعد اپنے دودھ کی جو بھی قیمت طے ہو وہ منظور ہوتی ہے کیا یہ شکل درست ہے؟ اگر نہیں تو جواز کی کیا شکل ہے؟ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! اصل حکم تو یہی ہے کہ بیع کے وقت ثمن متعین ہو جانا چاہئے، جہالت ثمن کو فقہاء رحمہم اللہ نے مفسد بیع قرار دیا ہے لہذا صورت مسئولہ میں ایسی صورت اختیار کریں کہ جہالت ثمن نہ رہے ڈیری والے اگر اس پر آمادہ نہ ہوں تو اپنے طور پر دودھ بیچنے کا انتظام کریں، یہی اصل حکم ہے، اور شک وشبہ سے بالکل پاک ہے، البتہ اگر اس طرح عمل کرنے میں ناقابل برداشت خسارہ ہوتا ہو، دودھ خراب ہو جانے کا اندیشہ ہو اور ابتلاء بالکل عام ہو اور اس کے علاوہ کوئی صحیح صورت نہ ہو اور دودھ دینے والوں کو ڈیری والوں پر اطمینان ہو کہ وہ مال کے مطابق صحیح ثمن متعین کریں گے خیانت نہیں کریں گے اور دودھ دینے والوں کو ان کے مقرر کردہ ثمن پر مکمل اعتماد ہو اور ثمن کی جہالت مفضی الی النزاع نہ ہو تو بالکل آخری درجہ میں اس کو گوارہ کیا جا سکتا ہے، مگر صحیح طریقہ کی تلاش اور اس پر عمل کرنے کی نیت رہے اور اس کے لئے کوشش بھی جاری رہے۔۔۔ آج کل ایسے آلات دستیاب ہیں جن سے بہت جلد دودھ کی تیح نوعیت معلوم کی جا سکتی ہے، ڈیری والوں کو مسئلہ سے واقف کر کے صحیح طریقہ پر عقد کرنے کی کوشش جاری رکھنا چاہئے، جب تک صحیح طریقہ جاری نہ ہو بوجہ مجبوری موجودہ طریقہ پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ۔

---

(۱) قوله والاثمان المطلقة لا يصح الا ان تكون معروفة القدر والصفة صورة المطلقة ان يقول اشتريت منك بفضة او بحنطة او بذرة ولم يعين قدر اولا صفة وفي الينا بيع صورته ان يقول بعت هذا منك بثمن او بما يساوى فيقول اشتريت فهذا لا يجوز حتى يبين قد الثمن وصفته فالقدر مثل عشرة او عشرين والصفة مثل بخارى الخ حوالے کو دیکھتے ہوئے یہی کہا جائے گا کہ بیع فاسد ہے البتہ اگر ڈیری والے اور مالکان قیمت متعین کر دے اور اس شرط پر بیع کر لے کہ اگر دودھ کو اسی صفت پر پایا جس کے ہم خواں ہیں تو سودہ کو نافذ کریں گے ورنہ واپس کرنے کا اختیار ہوگا، تو یہ جواز کی صورت ہے ڈیری والے کو دودھ چیک کرنے کا موقع مل جائے گا اور قیمت کی تعیین بھی ہو جائے گی۔ از مرتب۔

دودھ سے بالائی نکال کر بیچنا کیسا ہے :

(سوال ۲۵۵) دودھ سے بالائی نکال کر دودھ کو علیحدہ فروخت کرے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) دودھ خدائے پاک کی بڑی عمدہ نعمت ہے۔ خالص دودھ میں جو لذت ہے وہ اس میں نہیں رہتی۔ لہذا اس کو اس طرح بگاڑ کر بیچنا مخلوق خدا کو خالص چیز سے محروم کرنے اور کفران نعمت کے برابر ہے۔ ہاں اگر ظاہر کردے اور اس بنا پر قیمت بھی کم کردے اور دھوکا نہ دے تو جائز ہے۔ فقط۔ واللہ اعلم بالصواب

متفرقات فی البیوع

عورتوں کا دکان پر بیٹھ کر تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں :

(سوال ۲۵۶) تبلیغی جماعت میں باہر جانا ہوتا ہے۔ یا کسی وجہ سے باہر جانا ہوتا ہے تو مرد کی عدم موجودگی میں عورتیں تجارت کرتی ہیں تو شرعی حکم کیا ہے؟ عورتیں تجارت کر سکتی ہیں؟ اسلامی حکم کیا ہے؟ ان کے تجارت کے منافع میں کوئی حرج تو نہیں؟

(الجواب) عورتوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ بے حجاب ہو کر دکان پر بیٹھ کر غیر محرم کے ساتھ تجارت کریں۔ ان کے مرد تبلیغی جماعت میں جائیں یا حج کو یا کسی اور مقصد سے سفر کریں، یا کسی بھی وجہ سے غائب رہیں بے حجابی اور بے پردگی کسی بھی حالت میں جائز نہیں۔

قرآن پاک کی آیات اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات اور خود سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ کا عمل، حضرات صحابۂ کرامؓ تابعین اور اتباع تابعین یعنی جملہ حضرات سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایات کا متفقہ فیصلہ یہی ہے کہ عورتوں پر پردہ فرض ہے۔ بے پردگی حرام ہے۔ اس طرح کی بے حجابانہ دوکانداری میں دونوں گنہگار ہوتے ہیں۔

قرآن پاک کی آیات:

لا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ. (سورۂ احزاب) بے پردہ سامنے نہ آؤ۔ جیسا کہ پہلی جاہلیت میں (عورتیں) سامنے آتی تھیں! یعنی۔ یہ بے حجابی اور بے پردگی صرف دور حاضر کا فیشن نہیں ہے بلکہ اسلام سے پہلے یہ فیشن رائج تھا اور بہت دلکش اور بہت مقبول تھا۔ اور اس جاہلیت کو اولیٰ (پہلی) فرما کر اشارہ اشارہ میں یہ پشینگوئی فرمادی گئی کہ ایک اور جاہلیت (جاہلیت اخریٰ) آئے گی۔ یعنی اس طبقہ کا بے حجابانہ فیشن پھر بھی رواج پائے گا (آج یہ جاہلیت اخریٰ ہی ہے)

بہر حال عورتیں دکان پر بیٹھیں' یا کسی کلب میں یا تفریح گاہ میں جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا پر ہیبت اور بارعب ارشاد سب جگہ کے لئے یکساں ہے۔"لاتبرجن۔" دکھاتی نہ پھرو سامنے نہ آؤ۔

(۲) حکم یہ ہے۔" وقرن فی بیوتکن " (گھروں میں قرار سے ہو) (سورۂ احزاب ع ۴)

(۳) کوئی چیز یعنی دینی ہو تو اس کے متعلق ارشاد خداوندی یہ ہے۔ اذا سالتموھن متاعاً فاسئلوھن من وراء حجاب (سورۂ احزاب ع) ان سے کوئی چیز مانگو تو مانگو پردہ کی آڑ سے۔ (یہ صورت تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔)

(۴) بے شک ضرورت کے وقت عورتوں کو باہر نکلنے کی اجازت ہے۔ مگر اس طرح کہ بڑی چادر میں وہ تمام لپٹی ہوئی ہوں۔ اور چہروں پر چادریں لٹکی ہوئی ہوں۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔" یدنین علیھن من جلابیبھن" (سورۂ احزاب ع ۸) لٹکائے رکھیں اپنے اوپر (چہروں پر) اپنی چادروں کا کچھ حصہ۔

اسی ضرورت کے سلسلہ میں حالت احرام میں عورتوں کے چہرے کا مسئلہ ہے۔ حالت احرام میں عورتوں کو

پردہ کا لحاظ رکھنا ہوگا۔ لیکن اگر کوئی غیر مرد سامنے آجائے تو گھونگھٹ کر لینا ضروری ہوگا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے۔ "کان الرکبان یمرون بنا ونحن محرمات مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا حاذوا بنا سدلت احدانا جلبابها من راسها علیٰ وجهها فاذا جاوزوا فکشفناه" (ابو داؤد شریف کتاب الحج باب فی المرأة تغطی وجهها ص ۲۶۱ ج ۱ مجتبائی) ترجمہ۔ قافلے ہمارے سامنے سے گذرا کرتے تھے۔ اور ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ احرام باندھے ہوئے ہوتیں جب وہ قافلے والے ہمارے سامنے آتے تھے۔ تو ہر ایک عورت اپنی بڑی چادر کے کنارے کو اوپر سے سر کا کر نیچے کر لیا کرتی تھی اور جب سامنا ختم ہو جاتا اور قافلے والے گذر جاتے تو چہرہ کھول لیا کرتی تھی۔

آیات کا خطاب:

ان آیات کا براہ راست خطاب حضرت امہات المؤمنین (یعنی) آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات) سے ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ازواج مطہرات وہ کہ جن کو مسلمانوں کی مائیں قرار دیا گیا ہے کہ ان کا احترام فرض اور واجب اور ان سے نکاح کرنا حرام۔ ان کو یہ حکم ہے تو عام عورتوں کا یہ حکم کیوں نہ ہوگا؟ وہ دو کانوں پر بیٹھ کر مردوں سے گفتگو کرنے کے لئے کس طرح مستثنیٰ ہو سکتی ہیں!

حقیقت یہ ہے کہ پردہ تقاضا حیا ہے۔ اور حیا فطرت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں داخل ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے الا خمس من سنن الا نبیاء (المرسلین) الحیاء، والتعطر، الحدیث۔ نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ "الحیاء شعبة من الا یمان۔" حیا ایمان کی شاخ ہے۔ پس بے پردگی ان لوگوں میں ہے جو نور نبوت سے محروم ہیں اور جو مؤمن نور نبوت سے بہرہ اندوز ہیں، ان کے یہاں پردہ لازم ہے۔ آیات کے بعد احادیث کا مطالعہ کیجئے۔

ارشادات رسول اللہ ﷺ:

(۱) المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشیطان (ترمذی شریف کتاب النکاح ص ۱۴۰ ج ۱) یعنی عورت سراسر پردہ ہے۔ (ایک ایسی شے ہے کہ اس کو چھپانا ضروری ہے) کیونکہ جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکتا ہے۔ (اور اس کو تاکتا رہتا ہے کہ کس طرح اس کو پھنسائے)

(۲) اسی بناء پر ارشاد ہوا۔ "لعن اللہ الناظر، والمنظور، الیه" (عن الحسن مرسلا مشکوٰۃ ص ۲۷۰ باب النظر الی المخطوبة) یعنی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ نظر ڈالنے والے پر اور اس پر جس کی طرف نظر دوڑائی جائے۔

(۳) اور یہ لعنت اس لئے ہے کہ "نظر ڈالنا" ایک طرح کا زناء ہے۔ ارشاد گرامی ہے۔ العینان زناهما النظر (مسلم شریف ص ۳۳۶ ج ۲ باب قدر علی ابن آدم حفظه من الزنا وغیره) (ابو داؤد شریف ص ۲۹۹) آنکھوں کا زنا نظر ہوتا ہے۔

(۴) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا۔ ان المرأة تقبل فی صورة شیطان وتدبر فی صورة شیطان۔" (مسلم شریف بحوالہ مشکوٰة شریف باب النظر الی المخطوبة) عورت شیطان کی صورت میں سامنے آتی ہے اور شیطان کی صورت میں پیٹھ پھیر کر جاتی ہے۔ یعنی ہر ایک رخ میں شیطانی جذبات ابھرتے ہیں۔ اور براخیالات پیدا ہوتے ہیں۔

(۵) انہی فتنوں کی بناء پر حکم یہ ہے۔" لیس لنساء نصیب فی الخروج الا مضطرة (طبرانی) یعنی: صرف مجبوری اور اضطرار کی صورت مستثنیٰ ہے۔ مجبوری اور اضطرار نہ ہو تو عورتوں کو باہر نکلنے کا کوئی حق نہیں۔

یہ ہیں آنحضرت ﷺ کے ارشادات۔ جہاں تک عمل کا تعلق ہے۔ تو مشہور واقعہ ہے۔ جو صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو ان کے سوتیلے بھائی (جو باندی کے بطن سے تھے) سے پردہ کا حکم دیا تھا۔ حالانکہ سوتیلے بھائی سے پردہ نہیں ہوتا یہ حکم صرف اس بناء پر دیا تھا کہ شبہ ہو گیا تھا کہ وہ نطفہ غیر سے ہے (بخاری شریف ص ۹۹۹ باب الولد للفراش الحرة کانت اوامة باب من ادعیٰ اخا او ابن أخت ص ۱۰۰۱) وکان الحسن یقول اتدعون نسائکم لیز احمن العلوج فی الاسواق قبح اللہ من الا یغار (احیاء العلوم ص ۴۸ ج ۲) ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کیا تم عورتوں کو چھوڑ دیتے ہو کہ وہ بازاروں میں ذمیوں کے ہجوم میں گھسیں۔ اللہ کی لعنت ہو اس شخص پر جس میں غیرت نہ ہو۔

مجالس الابرار میں ہے۔ عورت جب تک مردوں سے چھپی رہے اس کا دین محفوظ رہے گا۔ جب کہ سرور کائنات ﷺ نے اپنی لخت جگر پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ عورت کے لئے خوبی کی کیا بات ہے لاڈلی بیٹی نے (جو سیدة نساء اہل الجنة تھیں) جواب دیا کہ نہ وہ کسی مرد کو دیکھے اور نہ اسے کوئی مرد دیکھے۔

فالمرأة کلما کانت مخفیة من الرجال کان دینها اسلم .لما روی انه علیه السلام قال لا بنته فاطمة رضی الله عنه ای شئ خیر للمرأة قالت رضی الله عنه ان لا تری رجلاً ولا یرها رجل. (مجلس ص ۹۸ . ۵۶۳)

خلاصہ یہ کہ تبلیغی کام کی وجہ سے بھی عورتوں کو دکان پر بیٹھنے کی، بے پردہ ہونے کی، اور غیر محرم سے باتیں کرنے کی، اسلامی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ عورت نماز میں قراءت بالجہر نہیں کر سکتی۔ عورت حج میں "لبیک" زور سے نہیں کہہ سکتے، تو دکان پر بیٹھ کر غیر محرم کے ساتھ آزادی کے ساتھ باتیں کرنے کی اجازت کیوں کر ہو سکتی ہے اگرچہ کمائی ہوئی رقم حرام نہیں ہے۔ لیکن کمائی کا طریقہ ناجائز اور گناہ کا باعث ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خریدتے وقت چیزیں چکھنا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۵۷) تاجر کے پاس کھانے کی چیزیں آم، خربوزہ، تربوز، وغیرہ کا چکھنا کیسا ہے

(الجواب) اس کی تین صورتیں ہیں (۱) خریدنے کا ارادہ نہ ہو تو منع اور مکروہ ہے۔ نقصان کا بدلہ دے (۲) خریدنے کا عزم تھا، چکھنے کے بعد پسند آئی ہے پھر ارادہ بدل گیا تو نقصان کا بدلہ دے یا مالک سے معافی چاہے۔ (۳) چکھنے کے بعد

پسند نہ آیا۔ تو نہ خریدنے میں کوئی حرج نہیں۔ [1] .فقط و اللہ اعلم بالصواب .

فروخت کردہ دکان میں خریدار شراب فروشی کرے تو کیا حکم ہے۔

(سوال ۲۵۸)(۱) ایک مسلمان نے اپنی دکان ہندو کو فروخت کردی۔ ہندو خریدار نے شراب کا کاروبار شروع کیا ہے تو کیا اس حالت میں بیچنے والا مسلمان مجرم اور گنہگار ہوگا؟

(۲) میرے ایک عزیز نے جو پابند شرع ہیں، پاسپورٹ کی ایجنسی کرتا ہے۔ فی پسنجر دس، پندرہ ہزار روپے لیتا ہے۔ حالانکہ اس کا صرفہ پانچ سو، ہزار ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں معتد بہ منافع سے زائد نفع لینا کیسا ہے؟ اور اس طرح زیادہ رقم لینا حلال ہے؟

(۳) ایک آدمی اسمگلنگ کر کے غیر ممالک سے چیزیں حاصل کرتا ہے۔ اور اسے فروخت کر کے نفع حاصل کرتا ہے ایسا شخص خیرات کر کے مسجد و مدرسہ میں کوئی رقم دے۔ یا کوئی چیز خرید کر کے دے دے تو کیا یہ حلال ہے؟ اور وہ شخص اجر و ثواب کا حق دار ہے یا نہیں؟

(الجواب) (۱) مسلمان نے جب دکان شراب فروشی کے لئے نہیں دی، شراب فروشی ہندو کا فعل اور پیشہ ہے۔ مسلمان کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ لہذا یہ گنہگار نہیں ہے۔

(۲) جب فریب بازی سے یہ روپے حاصل نہیں کئے ہیں تو یہ مال حرام نہیں ہے البتہ زیادہ منافع لینا خلاف مروت ہے اور ایک قسم کی زیادتی اور ظلم ہے۔

(۳) جائز طریقہ سے کمایا ہوا مال حلال ہے اور اسے مدرسہ اور مسجد میں دینا موجب ثواب ہے مگر سرکاری قانون کی خلاف ورزی کر کے اپنے کو حکومت کا مجرم بنانے اور اس طور پر خود کو ذلیل کرنے کی بھی شرعاً اجازت نہیں لہذا یہ پیشہ قابل ترک ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دکان کی پگڑی:

(سوال ۲۵۹) میں نے پگڑی دے کر دوکان رکھی تھی، اب میں دکان دوسرے کو پگڑی لے کر دے سکتا ہوں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جس نے آپ کے پاس سے پگڑی لے کر دکان دی تھی۔ وہ ہی شخص آپ سے دکان لینا چاہے تو اس سے اتنی رقم آپ لے سکتے ہیں جتنی آپ نے دی ہے۔ دوسروں سے لینا جائز نہیں ہے۔ جو لوگ ہندوستان کو دارالحرب مانتے ہیں اور غیر مسلموں سے سود وغیرہ کے ذریعہ رقم لینا مباح سمجھتے ہیں وہ لوگ غیر مسلموں سے اس قسم کی رقم لینے کی گنجائش بتاتے ہیں۔ لیکن احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے بھی بچا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) او كان المبيع طعاما فأكله او بعضه او اطعمه عبده او مدبره اوام ولده او لبس الثوب حتى تخرق فانه يرجع بالنقصان استحسانا عندهما وعليه الفتوىٰ وعنهما يرد ما بقى ويرجع بنقصان ما اكل وعليه الفتوىٰ درمختار مع الشامى باب خيار العيب مطب فيما لو اكل بعض الطعام

حق تصنیف اور حقوق طبع کے متعلق چند سوالات اور ان کے جوابات

از حضرت مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ سابق مفتی مدرسہ امینیہ۔ دہلی

(استفتاء ۲۶۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ زید بہت بڑا عالم دین ہے اس نے ایک ابتدائی مذہبی کتاب لکھی۔ جس میں بچوں کو سوال جواب کے طور پر عقائد و اعمال کے ضروری مسائل سکھائے ہیں پھر وہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ بہت سے دینی مدارس میں داخل نصاب کر لی گئی اور بہت سے لوگوں (اہل علم و تجارت) نے اس کو چھپوا کر شائع کیا۔ مگر زید نے کبھی کسی پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ زید کے انتقال کے بعد کچھ مدت گذرنے پر عمر نے اس کتاب کو بغرض اشاعت علم و تجارت چھپوایا۔ اس پر زید کے ورثاء مطالبہ کرتے ہیں کہ تمہاری اس کتاب کو چھپوانے سے ہماری تجارت کو نقصان پہنچا۔ تم نے بلا اجازت اس کو چھپوایا ہے۔ لہذا ہمارے نقصان کا ہرجانہ اتنے ہزار روپیہ ادا کرو۔ ورنہ ہم عدالت میں مقدمہ دائر کرتے ہیں کہ تم نے ہماری کتاب کو بلا اجازت چھپوالیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ:

(۱) کیا زید کے لئے خود یہ بات جائز تھی کہ وہ اپنی لکھی ہوئی دینی ضروری کتاب کی طباعت کے حقوق کو قانوناً محفوظ کرائے کہ کوئی دوسرا شخص نہ چھاپ سکے؟

(۲) کیا زید کے ورثاء کے لئے خود یہ بات جائز ہے کہ انتقال زید کے بعد دوسرے لوگوں کو اس کے چھاپنے سے منع کریں؟

(۳) کیا زید یا زید کے ورثاء کے لئے یہ بات درست ہے۔ کہ وہ حقوق طبع کسی پریس یا تاجر کے ہاتھ فروخت کردیں اور کیا شرعاً ایسی بیع درست ہوگی؟ اور اس بیع سے حاصل شدہ روپیہ جائز ہوگا؟ حق طبع مال متقوم ہے یا غیر متقوم؟ (والسلام فقیر محمد غلام مصطفیٰ وارثی)

(الجواب) اقول باللہ التوفیق۔ یہ اجتہادی اور قیاسی مسئلہ ہے۔ قرون اولیٰ میں فن طباعت کا وجود نہ تھا اور نہ طباعت کے ساتھ مالی منفعت کے متعلق ہونے کا تصور تھا۔ لہذا اس کے بارے میں صراحۃً کوئی حکم مذکور نہیں ہے۔ لیکن اگر حق طباعت کو غیر متقوم اور مباح الاصل مان لیا جائے تب بھی ایسی کتاب جس کے ساتھ منصب کی مالی منفعت یا تجارتی مفاد وابستہ ہو۔ تو اس کو ہر کس و ناکس کا بلا اجازت مصنف طبع کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ بعض افعال ایسے ہیں کہ اصل کے لحاظ سے مباح ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ان کے کرنے میں دوسرے شخص کی حق تلفی اور ضرر کا امکان ہو تو ان کی اباحت ساقط ہو جاتی ہے۔ اور وہ ممنوع شرعی بن جاتے ہیں۔ مثلاً:۔

ایک مسلمان عورت کو نکاح کا پیغام دینے کی ہر مسلمان مرد ہم کفو کو اجازت ہے۔ لیکن پیغام پر پیغام دینا ممنوع ہے۔ یعنی اگر ایک مسلمان مرد نے ایک ہم کفو مسلمان عورت کو اپنے نکاح کا پیغام دے دیا ہو اور اولیاء کا نکاح کا کچھ رجحان بھی پایا جائے تو جب تک وہ عورت انکار نہ کردے دوسرے کسی مسلمان کے لئے یہ مباح فعل جائز نہ ہوگا۔ **نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يخطب الرجل على خطبة اخيه. مشكوة باب اعلان النكاح والخطبة والشرط ص ۲۷۲.**

ایک شخص کسی سے بھاؤ طے کر لے تو تیسرے شخص کو دام لگانے کا حق نہیں رہا۔ اپنے مکان کی چھت پر

پر چلنے اور ہوا کھانے کا ہر شخص کو حق حاصل ہے۔ مگر جب دوسرے لوگوں کے گھروں کی بے پردگی ہوتی ہو۔ تو اس مباح کی اباحت نہیں رہے گی۔ (کفایۃ المفتی کتاب المضاربۃ الشرکۃ)۔

مسجد میں ہر جگہ بیٹھنا ہر نمازی کے لئے مباح ہے۔ کوئی مقام کسی شخص واحد کے لئے مخصوص نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی جگہ پر آکر بیٹھ جائے اور اپنا کپڑا وغیرہ رکھ کر کسی ضرورت کے لئے اٹھے تو اس جگہ بیٹھنا دوسروں کے لئے ممنوع ہے۔ یعنی اس جگہ کو جب شخص واحد نے اپنے لئے مخصوص کرلیا ہے تو دوسروں کے لئے اس کی اباحت نہ رہی۔ علامہ شامیؒ نے **باب مایفسد** میں **مطلب فیمن سبقت یدہ الی مباح** کے تحت مفصل طور پر بیان کیا ہے کہ کسی مباح کے ساتھ جب کسی شخص کا حق متعلق ہوجائے تو وہ دوسروں کے لئے مباح نہیں رہتا۔

کسی مصنف کی کتاب جو اس کی شب و روز کی شدید محنت کے بعد معرض وجود میں آتی ہے اس کو طبع کرنے کا سب سے پہلا حق خود مصنف کو حاصل ہے۔ اور اس کا مقصد علم کی تبلیغ واشاعت کے ساتھ ہی مصنف کے لئے مالی منفعت کا حصول بھی ہے۔ تو جب تک مصنف کا حق اس کے ساتھ وابستہ ہے۔ دوسروں کا حق اس کے ساتھ متعلق نہ ہوگا۔ ایسے تاجران کتب جو مصنف کی طرف سے کتاب کی معتدبہ تعداد کی اشاعت کے باوجود اس کی کتاب کو بلا اجازت چھاپ لیتے ہیں وہ اس کتاب کی مقبولیت سے مالی اور تجارتی فائدہ حاصل کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ اور ان کا یہ عذر نا مسموع ہے کہ انہوں نے علم کی اشاعت کے لئے ایسا کیا ہے۔ کیونکہ اگر ان کے دل میں علم کی وقعت اور اشاعت علم کا جذبہ ہوتا تو وہ بڑی تعداد میں مصنف سے کتاب خرید کر غریبوں میں مفت تقسیم کرتے اور ثواب حاصل کرتے۔

اب رہا یہ سوال کہ حق طباعت کا معاوضہ لینا مصنف کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ حقوق مجردہ میں سے وہ حقوق جن میں کوئی مالی منفعت نہیں پائی جاتی یا وہ تحصیل مال کا ذریعہ نہیں بن سکتے۔ بلکہ محض دفع ضرر کے لئے اثبات حق ہوتا ہے۔ مثلاً حق شفعہ کہ سوء جار سے مامون رہنے کے لئے یہ حق دیا گیا ہے۔ بے شک ایسے حقوق کا معاوضہ لینا جائز نہیں۔ لیکن بعض حقوق ایسے ہوتے ہیں۔ جن کے ساتھ صاحب حق کی مالی منفعت حال میں یا مستقبل میں متعلق ہوتی ہے۔ مثلاً حق وظائف یعنی شاہی مناصب، تو ان کا معاوضہ مال کی صورت میں لینا یا مال کی معاوضہ میں حق سے دست بردار ہونا جائز ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے حق خلافت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست برداری دے کر معاوضہ قبول فرمالیا تھا۔ (**الا شباہ والنظائر للحموی . شامی کتاب البیوع مطلب فی العرف الخاص والعام غایۃ الا وطار**)

اپنے کاروبار کے کوئی نام رکھنے کا ہر شخص کو حق حاصل ہے (جس کو آج کل کی اصطلاح میں گڈول کہتے ہیں) لیکن اگر ایک شخص نے اپنے کاروبار کا نام "عطرستان یا گلشن ادب" رکھ لیا۔ اور اس سے اس کا تجارتی مفاد وابستہ ہوگیا تو دوسرے شخص کو وہ نام رکھنے کا حق نہیں رہا۔ اور جب کہ ایک خاص نام کے ساتھ مستقبل میں تحصیل مالی اور تجارتی منفعت مقصود ہے تو گڈول کا معاوضہ لینا جائز ہے (حوادث الفتاویٰ حصہ چہارم سوال نمبر ۴۴)

اسی طرح کتاب کا حق طباعت جب کہ اس کے ساتھ مصنف کی مالی منفعت حال میں یا مستقبل میں متعلق ہے وہ حق ثابت بالاصالۃ ہے اور مصنف اس حق کو معاوضہ لے کر منتقل بھی کرسکتا ہے۔ اور عہد حاضر میں ذرائع نقل و

عمل اور وسائل نشر واشاعت کی بے پناہ وسعت کے ہوتے ہوئے اور مصنفین کے لئے اسباب قدر دانی و ہمت افزائی نیز وجہ کفاف کے فقدان کی وجہ سے حق طباعت کا مصنف کے لئے محفوظ رہنا علمی بخل نہیں ہے۔ بلکہ اسی میں صالح لٹریچر کی بقاء وترقی مضمر ہے۔

صورت مسئولہ میں نقصان چونکہ نقصان منفعت ہے اور وہ بھی غیر متعین اور مجہول اس لئے موجب ضمان نہیں۔ (شامی کتاب الغصب) **واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ احکم۔**

(الجواب صحیح) حضرت مولانا مفتی عبدالغنی صاحب رحمہ اللہ کا حق تصنیف وحقوق طبع سے متعلق فتویٰ صحیح ہے۔ دفع مضرت کے لئے ودیگر مصالح کی بنا پر حقوق محفوظ کرالینا درست ہے۔ **فقط واللہ اعلم بالصواب. کتبہ الاحقر السید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہ ولوالدیہ.**

تجارت کا اشتہار سینما کے ذریعہ:

(سوال ۲۶۱) ایک آدمی اپنی تجارتی چیز کو مشہور کرنے کے لئے سینما میں سلائڈ (جو پکچر شروع ہونے سے پہلے بتائی جاتی ہے) دے سکتا ہے یا نہیں؟ جو شخص اشتہار دینا چاہتا ہے وہ دیندار پابند صوم وصلوٰۃ ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) اپنی تجارتی چیز کو مشہور کرنے کے لئے سینما کا ذریعہ (جو شیطانی گھر ہے) اختیار کرنا اور اس طرح سینما کی مدد کرنا درست نہیں ہے، دیندار اور دینی منصب والے کے لئے زیادہ برا اور بدنامی کی چیز ہے، حدیث میں ہے **اتقوا مواضع التھمۃ** . یعنی تہمت کے موقعوں سے بچو۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے **ایاک وما یسبق الی العقول انکارہ وان کان عندک اعتذارہ** یعنی ایسی چیز سے بچو جس سے دوسروں کی عقلوں میں انکار پیدا ہو اگرچہ تمہارے پاس عذر موجود ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ۔

چوری کے کپڑوں سے بنائی ہوئی ٹوپیاں اور جزدان خریدنا:

(سوال ۲۶۲) ایک درزی کپڑا چوری کرتا ہے اور اس سے ٹوپیاں اور قرآن مجید کے جزدان بنا کر بیچتا ہے تو ان چیزوں کا خریدنا اور استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟ ایسی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) چوری کے کپڑے سے بنائی ہوئی ٹوپی اور جزدان خریدنا درست نہیں حرام ہے بلا علم خرید لیا ہو تو گناہ نہیں نماز بھی درست ہے لیکن جب علم ہوگیا تو ایسا لباس ترک کردینا ضروری ہے۔[1] **فقط واللہ اعلم بالصواب. ۱۵ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ**

سرکاری قانون کے مطابق ملی ہوئی زمین کے متعلق:

(سوال ۲۶۳) ایک غیر مسلم نے ایک مسلمان کو اپنی زمین کرایہ پر دی، پھر حکومت کے قانون کے مطابق وہ زمین

---

(۱) الحرام ینتقل فلو دخل بأمان وأخذ مال حربی بلا رضاہ وأخرجہ الینا ملکہ وصح بیعہ لکن لا یطیب لہ ولا للمشتری منہ قلا فی الشامیۃ تحت قولہ الحرام ینتقل ای تنتقل حرمتہ وان تداولتہ الایدی وتبدلت الاملاک یأتی تمامہ قریباً قولہ ولا للمشتری منہ فیکون بشرائہ منہ مسیئا لأنہ ملکہ بکسب خبیث وفی شرائہ تقریر للخبث باب البیع الفاسد قبیل مطلب البیع الفاسد لا یطیب لہ ویطیب للمشتری ج.۵ ص ۹۸.

مسلمان کو مل گئی، اور حکومت نے اس کی قیمت بہت کم لگائی تھوڑی مدت کے بعد اس مسلمان کا انتقال ہوگیا اب اسکے ورثاء وہ زمین اپنے درمیان تقسیم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ شک کی وجہ سے کہ حکومت نے بہت کم قیمت دلوائی تھی۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مرحوم نے جس قیمت پر زمین لی ہے وہ اصل قیمت سے بہت کم ہے اس وقت اس کو لازم تھا کہ بقیہ رقم ادا کر کے مالک زمین کو رضامند کر لیتا مگر ایسا نہیں ہوا ہے لہذا اتنی رقم مالک زمین کو ادا کر دی جائے، پھر ورثاء میں تقسیم ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ۔

بلیک مارکیٹ کرنا کیسا ہے

(سوال ۲۶۴) حکومت سے چوری چھپے بیرون ممالک کا سامان بیچنا جس کو ہمارے یہاں "بلیک مارکیٹ" اور "دونمبر کا دھندھا" کہتے ہیں، یہ تجارت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر وہ مال نجس، ممنوع الاستعمال اور ممنوع البیع نہ ہو اور مالک سے خریدا ہو تو اس کی تجارت فی نفسہ حلال ہے، لیکن چونکہ حکومت کے قانون کے خلاف ہے اور مجرم سزا کا مستحق اور ذلیل ہوتا ہے اور اپنے آپ کو ذلیل کرنا جائز نہیں ہے اس لئے ایسا معاملہ اختیار نہ کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سودا نہ ہونے پر بیعانہ کی رقم لے لینا:

(سوال ۲۶۵) ایک گاہک دوکان پر آیا وہ ایک مال پر بیعانہ دے جاتا ہے اس شرط پر کہ تین ماہ تک نہ آؤں اور مال نہ لے جاؤں تو مجھے بیعانہ پر کوئی اختیار نہیں کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مشتری (گاہک) اگر مال نہ لے تو ہر حال میں بیعانہ کی رقم واپس کرنا ضروری ہے، شرط کا کوئی اعتبار نہ ہوگا وہ رقم مشتری کی امانت ہے اس کا لے لینا شرعاً جائز نہیں، اگر سودا ہو تو وہ رقم حساب میں لے لی جائے اور اگر سودا نہ ہو تو رقم واپس کر دی جائے تاجر کو روک لینے کا حق نہیں ہے، گاہک کا نام و پتہ معلوم ہو تو اسے خبر کر کے رقم واپس لوٹانے کا انتظام کریں اور اگر نام و پتہ معلوم نہ ہو اگر رقم پہنچانا دشوار ہو تو اس کی طرف سے غریبوں کو دے دی جائے اگر وہ کسی وقت آ جائے اور تقسیم کر دینے پر رضامندی کا اظہار کرے تو فبہا ورنہ وہ رقم واپس کرنا ہوگی اور اس صورت میں ثواب تاجر کو ملے گا، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کیا احتکار تجار کے ساتھ مخصوص ہے:

(سوال ۲۶۶) احتکار کا مسئلہ تاجروں سے متعلق ہے یا کاشتکاروں کو بھی؟ یعنی فی الحال غلہ کی تجارت نہیں۔ سرکاری وصولات کے بعد بقیہ اناج کاشتکار کے پاس رہتا ہے سرکار کے پاس غلہ ختم ہو جاتا ہے اور لوگ پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں ایسے موقع پر جس کاشتکار کے پاس ضرورت سے زائد اناج ہو اور وہ فروخت نہ کرے تو کیا یہ احتکار ہے؟ اس کو بیچے گا ضرور۔ اگر ابھی زیادہ قیمت ملے تو بیچتا ہے کہ غلہ اپنی ضرورت سے زائد ہے اگر یہ احتکار ہے تو کتاب میں تحریر ہے کہ کاشتکار کو اپنا اناج روکنا احتکار نہیں اس کا کیا مطلب؟ اگر یہ احتکار نہیں تو تنگی کی وجہ تو دونوں میں ہے۔ پھر

دونوں میں تفاوت کیوں؟

(الجواب) تاجر غلہ اور چارہ وغیرہ شہر ہی سے یا جہاں سے شہر میں آتا ہے، وہاں سے خرید کر اپنی دکان کے لئے یا گرانی کی وقت نفع خوری کے لئے روکتے ہیں۔ اور لوگوں کو اس کی حاجت کے باوجود اس کو فروخت نہیں کرتے۔ حالانکہ اس مال میں تمام حاجت مندوں کا حق ہوتا ہے۔ اگر تاجر اس کو نہ خریدتا تو سب لوگ خریدتے اور اپنی حاجت پوری کرتے۔ یہ تاجر لوگوں کے درمیان آڑ بنتے ہیں اور اس طرح انسانوں کو تکلیف پہنچا کر ظالم ٹھہرتے ہیں، شرعی اصطلاح میں ایسے تاجر کو "محتکر" کہتے ہیں۔ ان کے لئے سخت وعیدیں وارد ہیں۔ رہا کاشتکار تو وہ اپنی زمین کی پیداوار کا حق دار ہے۔ اس میں عوام کا حق متعلق نہیں۔ جس طرح کاشتکار کو اپنی زمین کی کاشت کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح اس کی پیداوار کو بیچنے نہ بیچنے کا بھی اس کو اختیار و حق حاصل ہے۔ نیز کاشتکار عوام کی حق تلفی نہیں کرتا اس لئے اس کو "محتکر" نہیں کہا جاتا۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ بدنیتی اور بے رحمی اور لوگوں کی تکلیف پر نظر نہ کرنے کا گناہ اس کو بھی ہوتا ہے۔ اور عوام کی ضرورت کا لحاظ ہے اگر گورنمنٹ اس کو ضرورت سے زائد غلہ کی فروخت کرنے پر مجبور کرے تو گنجائش ہے۔ درمختار اور شامی میں ہے۔

ولا یکون محتکر ابحبس غلاۃ ارضہ (قولہ ولا یکون محتکراً الخ) لانہ خالص حقہ لم یتعلق بہ حق العامۃ الا تری ان لہ ان لا یزرع فکذا لہ ان لا یبیع ھدایہ قال ط والظاھر ان المراد انہ لا یاثم اثم المحتکروان اثم با نتظار الغلاء او القحط لنیۃ السوء للمسلمین الخ وھل یجبر علی بیعہ الظاھر نعم اذا اضطر الناس الیہ تأمل (درمختار مع الشامی ج۲ ص ۳۵۲ کتاب الحضر و الاباحۃ فصل فی البیع) واللہ اعلم۔

بائع سے ساز باز کر کے وکیل شراء کا بل کی رقم زیادہ لکھوانا اور خود وہ رقم رکھ لینا:

(سوال ۲۶۷) زید کسی کمپنی میں ملازم ہے کمپنی نے اس کے ذمہ یہ کام سپرد کیا ہے کہ دوسرے کارخانوں میں جا کر کمپنی کے لئے ضرورت کی چیزوں کو خرید کر لائے، زید چیزیں خرید تو لاتا ہے یا چیزوں کے تیار کرنے کا آرڈر دے کر آتا ہے مگر زید کارخانہ والوں سے یہ ساز باز کرتا ہے کہ تم اپنے مقررہ دام سے اس قدر زائد دام کا بل بنادو، اور کمپنی سے بل کا روپیہ وصول ہونے پر وہ زائد دام کی رقم مجھے دے دو، تو کیا زید کا یہ طریقہ صحیح ہے؟ اور یہ روپیہ کیا اس کے لئے حلال و جائز ہے؟ اور کارخانہ والوں کو اس قسم کا بل بنادینا اور زید کے ساتھ اس طرح کا توافق و تعاون کرنا روا ہے، کیا یہ تعاون علی الاثم والعدوان کا مصداق ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! زید کا یہ طریقہ قطعاً غلط اور ناجائز ہے، زید اور کارخانے والے گنہگار ہوں گے اور قولہ تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان کی خلاف ورزی کرنے والے قرار پائیں گے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

فسخ البیع

بیع (سودا) مکمل ہوجانے کے بعد بائع صرف اپنی مرضی سے بیع فسخ نہیں کرسکتا:

(سوال ۲۶۸) میں مکان زمین کی دلالی کا کام کرتا ہوں، ایک مکان کے چار بھائی اور چار بہنیں وارث ہیں ان سب نے اپنا مکان بیچنے کے لئے مجھ سے کہا، ان کے کہنے کی وجہ سے میں نے خریدار تلاش کیا اور مکان بیچنے کے سلسلہ میں اس سے بات چیت کی اور مزید اطمینان کے لئے براہ راست ان تمام وارثوں سے گفتگو کروائی، اس سلسلہ میں ایک دو مجلسیں بھی ہوئیں، خریدار کی بتلائی ہوئی قیمت پر وہ لوگ مطمئن نہیں تھے، گفت وشنید کے بعد خریدار نے ان کی مرضی کے مطابق قیمت منظور کرلی، آخری مجلس میں تمام بھائی بہنوں نے تنہائی میں بھی مشورہ کیا اور سب نے متفقہ طور پر سودا منظور کرلیا اور خریدار کو بہت وثوق کے ساتھ اطمینان دلایا، خریدار نے بطور بیعانہ گیارہ ہزار روپے اسی مجلس میں دیدے دی اور بقیہ قیمت دینے کے لئے ایک معینہ مدت مقرر کرلی گئی اس کے بعد خریدار نے دستاویز بنانے کی کارروائی شروع کردی اور اس پر کافی خرچ بھی کرچکا ہے، ان تمام باتوں کے بعد اب دو بھائی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ سودا منظور نہیں، میں نے ان سے اگلی تمام باتیں کہیں اور کہا کہ سودا مکمل ہوچکا ہے، خریدار نے دستاویز بنانا بھی شروع کردیا ہے اور خود تم لوگوں نے بڑی اطمینان سے سودا منظور کیا تھا، اب تم انکار کرتے ہو، مگر وہ دونوں بیع رد کرنا چاہتے ہیں، خریدار تیار نہیں ہے تو کیا یہ دونوں اپنی مرضی سے یہ سودا ختم کرسکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب سب بھائی بہنوں کی رضامندی سے سودا کیا گیا کسی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا اور مشتری کو پورا اطمینان بھی دلایا اور گیارہ ہزار روپے بیعانہ کے بھی لے لئے تو مذکورہ سودا مکمل ہوگیا، اب مشتری (خریدار) کی رضامندی کے بغیر اس بیع کو فسخ نہیں کرسکتے، ہدایہ اخیرین میں ہے: **واذا حصل الایجاب القبول لزم البیع ولا خیار لواحد منهما الا من عیب او عدم رویة (هدایه اخیرین ص ۴ کتاب البیوع)** (فتاوی محمودیہ ص ۱۸۲، ص ۱۸۳ ج ۴) **فقط واللہ اعلم بالصواب۔**

بیع فاسد ہوجائے تو بیع فسخ کرنے کا کس کو حق ہے؟:

(سوال ۲۶۹) اگر کوئی معاملہ کسی شرط فاسد کی وجہ سے بیع فاسد قرار پائے تو ایسی بیع فاسد کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ کیا اس کو فسخ کردینا ضروری ہے؟ اور فسخ کرنے کا کس کو حق ہے؟ اور فسخ کی صورت میں بائع کیا واپس کرے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بیع کسی شرط فاسد کی وجہ سے فاسد ہوجائے اگر مشتری نے مبیع پر قبضہ کرلیا اور مبیع اپنی اصلی حالت پر مشتری کے پاس موجود ہو تو ایسی بیع فاسد کا فسخ کردینا شرعاً واجب ہے، اس لئے کہ یہ معصیت ہے اور معصیت کو باقی رکھنا صحیح نہیں اسے تو ختم ہی کردینا ضروری ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق بائع مشتری دونوں میں سے ہر ایک کو بیع فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا، البتہ جو کوئی فسخ کرے اپنے ساتھی کی موجودگی میں فسخ کرے یا فسخ کرکے اپنے ساتھی کو اس کی فوراً اطلاع دیدے درمختار میں ہے: **(ویجب علی کل واحد منهما فسخه قبل القبض) ویکون امتناعا عنه ابن ملک (او بعده مادام) المبیع بحاله جوهرة (فی ید المشتری)**

اعداما للفساد لانه معصية فيجب رفعها بحر (و) لذا (لا يشترط فيه تضاء قاض) لان الواجب شرعا لا يحتاج للقضاء ، درر ، (درمختار مع رد المحتار ۴/۱۷۳ ، باب البيع الفاسد)

غایۃ الأوطار میں ہے : ویجب علی کل واحد منهما فسخه ..... ابن ملک اور واجب ہے ہر ایک پر ، بائع اور مشتری سے ، فسخ کرنا بیع فاسد کا قبل قبض مبیع کے اور بیع فسخ کرنا بار رہنا ہوگا بیع سے ، کذا ذکر ابن ملک ۔ او بعده مادام المبیع بحاله جوهرة ..... یا بعد قبض (یعنی مشتری کے مبیع پر قبضہ کر لینے کے بعد) فسخ واجب ہے جب تک کہ مبیع بحال خود بلا تصرف مشتری کے ہاتھ میں ہے ، یہ وجوب فسخ فساد مٹانے کے واسطے ہے ، اس واسطے کہ بیع فاسد گناہ ہے تو اس کا دور کرنا واجب ہے کذا فی البحر ، اور اگر مبیع میں کچھ تصرف مانند بیع اور اعتاق کے ہوگا تو فسخ ممتنع ہوگا ، چنانچہ اس کا ذکر عنقریب آوے گا ولذا ..... اور چونکہ اعدام فساد (فساد دور کرنا) ہر ایک عاقد پر واجب ہے لہذا فسخ کرنے میں حکم قاضی شرط نہیں اس واسطے کہ جو چیز شرعاً واجب ہے وہ حکم قاضی کی محتاج نہیں ، کذا فی الدر (غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار ۳/۸۹)

عینی شرح کنز میں ہے ۔ (ولكل واحد منهما) اى من المتبايعين فى البيع الفاسد (فسخه) اى فسخ البيع قبل القبض بعلم صاحبه لان البيع الفاسد لا يفيد الملك قبل القبض فكان بمنزلة البيع الذى فيه الخيار فكان كل منهما بسبيل من فسخ من غير رضا الأخر لكنه يتوقف على علمه لان فيه الزام الفسخ له فلا يلزمه بدون علمه ، واما بعد القبض فان كان الفساد فى صلب العقد بان كان راجعاً الى احدالبدلين كالبيع بالخمر او الخنزير فكذلك ينفرد احدهما بالفسخ لقوة الفساد ، ان كان بشرط زائد بان باع الى اجل مجهول اوغيره مما فيه منفعة لا حدهما يكون لمن له منفعة الشرط الفسخ دون الاخر عند محمد رحمه الله وعندهما لكل منهما فسخه فيفسخه بعلم صاحبه فى الكل وعند ابى يوسف رحمه الله لا يشترط علمه قال الشارح رحمه الله معنى قوله ولكل منهما " على كل منهما " لان رفع الفاسد واجب عليهما الخ (عينى شرح كنز ۲/۲۶ (فصل) فى بيان احكام بيع الفاسد)

فسخ کا مطلب ظاہر ہے کہ مشتری نے جو چیز خریدی ہے وہ چیز بائع (بیچنے والے) کو واپس کر دے اور جتنا ثمن (دام) ادا کیا ہو وہ ثمن بائع سے واپس لے لے ، جتنا ثمن ادا کیا ہو اتنا ہی وصول کرنے کا حق ہوگا ، کم وبیش لینا دینا صحیح نہ ہوگا وبعد الفسخ (لا يأخذه) بائعه (حتى يرد ثمنه) المنقود (درمختار) شامی میں ہے (قوله حتى يرد ثمنه) اى ماقبضه البائع من ثمن او قيمة كما فى الفتح (قوله المنقود) لان المبيع مقابل به فيصير محبوساً به كالرهن فتح (شامى ۴/۱۷۷)

مشتری اگر مبیع کسی اور کو بیچ دے یا کسی کو ہبہ کر دے اور اس کا قبضہ بھی کرا دے یا وقف کر دے تو ان صورتوں میں فسخ کرنا متعذر ہو جائے گا اور بیع فاسد نافذ ہو جائے گی ۔ درمختار میں ہے (فان باعه) اى باع المشترى فاسداً (بيعاً صحيحاً باتاً) ...... (لغير بائعه) ...... او وهبه وسلم او اعتقه) ...... (بعد قبضه) ...... (اووقفه) وقفا صحيحاً ...... (او رهنه او اوصى) او تصدق (به نفذ) البيع الفاسد فى جميع ما مروا متنع الفسخ لتعلق حق العبد به (درمختار مع رد المحتار ص ۱۷۴ ، ص ۱۷۵ ج ۴ باب بيع الفاسد مطلب يملك المامور ما يملكه الا مر) فقط والله اعلم بالصواب .

باب القرض

کن حالات میں سودی قرض لینے کی گنجائش ہے :

(سوال ۲۷۰) بمبئی شہر میں کرایہ کے مکانات ملنا اب دشوار ہو گیا ہے، جھونپڑ پٹی میں نہ تو موافق زندگی میسر ہیں، نہ تعلیم کا معقول انتظام ہے، پھر کسی بھی وقت جھونپڑے اکھاڑے جاسکتے ہیں۔ نیز مخلوط آبادی کی وجہ سے مسلم بچے غیر اسلامی اثرات سے محفوظ بھی نہیں رہ سکتے، اس لئے مسلمانوں کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ وہ سوسائٹی بنا کر رہیں، چنانچہ مومن گجرات ایسوی ایشن ۸۳۰ء بہ ان کی سوسائٹی بنا کر بمبئی شہر میں ایک کالونی بنائی جارہی ہے۔

شہری قوانین کی سختی اور احکام کی رشوت ستانی کی وجہ سے سوسائٹی کو قدم قدم پر دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ سب سے پہلے ۱۹۷۹ء میں ۵۵ لاکھ روپے میں زمین خریدی گئی، پھر اینوسی (اجازت) حاصل کرنے کے لئے مرکز تک سعی کی گئی اور لاکھوں روپے ضائع کئے گئے تب ۱۹۸۴ء میں جا کر اجازت ملی۔

اب تعمیر کا سلسلہ شروع ہوگا، قانون کے مطابق اینوسی ملنے کے بعد ایک سال میں تعمیر شروع ہونی چاہئے اور پانچ سال میں مکمل ہونی چاہئے۔ ادھر میونسپلٹی سے پلان منظور کرانے کے چکر میں کافی وقت ضائع ہو چکا ہے اب صرف ساڑھے تین سال تعمیر کے باقی رہ گئے ہیں۔

سوسائٹی کے ممبروں میں مندرجہ ذیل قسم کے لوگ ہیں۔

(۱) تاجر، جن کے پاس دو نمبر کی رقم ہے (یعنی سرکاری ٹیکس نہ دی ہوئی) ایک نمبر کی رقم نہیں ہے (یعنی ٹیکس ادا کی ہوئی)...... دو نمبر کی رقم استعمال کرنے سے ٹیکس چوری کی بھاری پینلٹی لگتی ہے، اور ٹیکس بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔

(۲) مالی حیثیت سے کمزور افراد۔

(۳) چھوٹا کاروبار کرنے والے...... یہ لوگ اگر اپنا کاروبار محفوظ رکھنا چاہیں تو سوسائٹی کے مکان کے بغیر رہنا ہوگا اور مکان بنانا چاہیں تو کاروبار سے ہاتھ دھونا پڑے گا (ان کے اہل و عیال وطن میں رہتے ہے اور وہ سال میں ایک مرتبہ وطن جاتے ہیں)

(۴) وہ لوگ جن کے پاس وطن میں گھر اور کاشتکاری کے لئے کچھ زمین بھی ہے مگر وہ گذر بسر کے لئے ناکافی ہے، شہری کاروبار کے بغیر وہ عزت کی زندگی بسر نہیں کر سکتے۔

(۵) وہ لوگ جو اپنی کوئی جائیداد بیچ کر کالونی میں مکان بنانے کے لئے رقم مہیا کر سکتے ہیں، مگر ایسے ہر شخص کو انکم ٹیکس فارم نمبر 37EE بھرنا پڑتا ہے اور ٹیکس دینا پڑتا ہے (رقم کا اندراج غلط کیا جائے تو سرکار ۱۵ فیصد نفع دے کر مکان خود خرید لیتی ہے) ایسے لوگ اگر بینک سے لون لے لیں تو وہ ٹیکس سے بچ جاتے ہیں اور ان کی جائیداد بھی محفوظ رہتی ہے۔

الغرض اینوسی کی مدت کم رہ گئی ہے، اس مختصر مدت میں کمزور لوگ اپنے مکان کی پوری رقم ادا نہیں کر سکتے، ادھر مرکزی سرکار کا شعبہ (HUDCO) کم فیصد سود سے بیس سال کی قسطوں پر لون (سودی قرض) دیتا ہے، تو کس قسم

کے لوگوں کے لئے اس کی گنجائش ہوسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

(نوٹ) لون لینے میں ایک فائدہ یہ بھی ممکن ہے کہ ماسٹر پلان کے شہری ضوابط کی رو سے حکومت کالونی کے تیار شدہ مکانات میں سے دس فیصد مکانات سرکاری شرح سے خرید سکتی ہے سرکاری قیمت تعمیر کے مصارف سے کم ہوتی ہے جس کا نقصان تمام ممبران کو برداشت کرنا پڑتا ہے، لون لینے کی صورت میں ہم سرکار سے درخواست کرتے ہیں کہ یہ غرباء کی کالونی ہے، قرض لے کر بنائی گئی ہے، ان کو سہولت دی جائے اور دس فیصد مکانات نہ لئے جائیں ممکن ہے درخواست منظور ہو جائے اور معافی مل جائے، اور مسلم قوم کا اصل راس المال محفوظ رہ جائے۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ سودی معاملہ اور سودی لین دین بنص قطعی حرام ہے قرآن واحادیث میں اس پر بہت سخت وعیدیں آئی ہیں، ارشاد خداوندی ہے۔

احل الله البيع وحرم الربوا (سورة بقره پاره نمبر ۳)

اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربوا۔ (سود) کو حرام کیا۔

يمحق الله الربوا ويربي الصدقات (سوره بقره پاره نمبر ۳)

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

تو جس چیز کو اللہ مٹاتا ہے اس کو اختیار کرنا کیا یہ اللہ سے بغاوت اور مقابلہ نہیں ہے؟ اتنا ہی نہیں بلکہ اللہ کا ارشاد ہے۔

فان لم تفعلوا فاذ نوا بحرب من الله ورسوله (سورة بقره پاره نمبر ۳)

اگر سودی معاملہ سے باز نہ آؤ گے تو اللہ جل جلالہٗ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جنگ کا اعلان سن لو۔

جس کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ جنگ کا اعلان دیں اور وہ باز نہ آئے تو اس کا خاتمہ بخیر ہوسکتا ہے؟

احادیث میں بھی سودی لین دین پر بہت ہی سخت وعیدیں آئی ہیں، ایک حدیث میں ہے۔

عن جابر رضي الله عنه لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء (مسلم شريف ج۲ ص ۲۷) (مشكوة شريف ص ۲۴۴ باب الربوا)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے اور دینے والے اور سودی معاملہ لکھنے والے اور سودی معاملہ کے گواہوں پر لعنت کی ہے اور فرمایا یہ سب برابر کے گنہگار اور ملعون ہیں۔

دوسری حدیث ہے:

عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اجتنبوا السبع الموبقات قالوا يارسول الله وما هن قال الشرك بالله والسحر وقتل النفس التي حرم الله الا بالحق واكل الربوا واكل مال اليتيم والتولي يوم الزحف وقذف المحصنت المومنات الغافلات متفق عليه.

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہلاک کرنے والی سات چیزوں سے بچو، عرض کیا یارسول اللہ وہ (سات چیزیں) کون سی ہیں؟ فرمایا شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق کسی کا قتل کرنا، سودی معاملہ کرنا یتیم کا مال ناحق کھانا، جہاد سے بھاگنا، پاک دامن خواتین پر زنا کی تہمت لگانا (مشکوۃ ص ۱۷ باب الکبائر)

نیز حدیث میں ہے۔

عن ابی هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الربوا سبعون جزءً ا ايسرها ان ينكح الرجل امه (مشكوٰة شريف ص ۲۴۶ باب المنهى عنها من البيوع)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سودی معاملہ کرنے والے کو ستر قسم کے گناہ لاحق ہوتے ہیں ان میں سے ادنیٰ درجہ کا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں کے ساتھ منہ کالا کرے۔

نیز حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ (غسيل الملائكه) سے روایت ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم درهم ربوا ياكله الرجل وهويعلم اشد من ستة و ثلثين زنية. (مشكوٰة شريف ص ۲۴۶ باب الربوا)

آنحضور ﷺ نے فرمایا ایک سودی درہم کا کھانا (یعنی اپنے استعمال میں لانا) جانتے ہوئے کہ یہ سود کا ہے اللہ کے یہاں چھتیس مرتبہ زنا سے بھی زیادہ سخت ہے۔

نیز حدیث میں ہے رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ چار آدمی ایسے ہیں جن کے بارے میں اللہ نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ ان کو جنت میں داخل نہ کریں گے اور جنت کی نعمت ان کو نہ چکھائیں گے، وہ چار یہ ہیں شراب پینے کا عادی، اور سود کھانے والا، اور یتیم کا مال ناحق کھانے والا، اور اپنے والدین کی نافرمانی کرنے والا (یہ روایت مستدرک حاکم میں ہے۔)

(بحوالہ معارف القرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ص ۶۸۰، ۶۹۱ سورہ بقرہ)

نیز حدیث میں ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی قوم میں سودی لین دین کا رواج ہو جاتا ہے تو اللہ ان پر ضروریات زندگی کی گرانی مسلط کر دیتے ہیں، اور جب کسی قوم میں رشوت عام ہو جاتی ہے تو ان پر دشمنوں کا رعب وغلبہ چھا جاتا ہے (یہ روایت مسند احمد میں ہے) (بحوالہ معارف القرآن ج اص ۶۸۱)

نیز حدیث میں ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس بستی میں زنا اور سودی لین دین پھیل جاتا ہے اس بستی والوں نے اللہ عذاب کو اپنے اوپر دعوت دے دی (یہ روایت مستدرک حاکم میں ہے) (بحوالہ معارف القرآن ج اص ۶۸۱)

مندرجہ بالا ارشادات خداوندی اور احادیث نبوی (ﷺ) سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ سودی معاملہ قطعاً حرام ہے، اس کا مرتکب سخت گنہگار فاسق، باغی وسرکش ہے اور اس کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔

ان نصوص کے پیش نظر شرعاً سودی معاملہ کی قطعاً اجازت نہیں ہے، دار الحرب میں بھی امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب عدم جواز کا ہے)، اور علماء محققین اور محتاط حضرات نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ (۱)

البتہ اضطرار اور حد درجہ کی مجبوری کی حالت میں جب کہ ہلاکت نفس کا خوف ہو، جس طرح بقدر ضرورت مردار کھا کر اپنی جان بچانے کی اجازت ہے، اسی طرح فقہاء نے اضطرار اور حد درجہ کی احتیاط اور شدید مجبوری کی

(۱) تاہم دار الحرب میں ربوی معاملات کرکے سود سے فائدہ اٹھانے میں ہے مگر وہاں بھی حربی کو سود دینا بالاتفاق مباح نہیں ہے (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۰۳، فتاویٰ دار العلوم قدیم ج ۷ ص ۳۰۱، ۱۲۴ سعید احمد پالنپوری۔

صورت میں جب کہ قرض وغیرہ ملنے کی بھی امید نہ ہو بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی اجازت دی ہے۔ ضرورت سے زیادہ لینا درست نہیں ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے وفی القنیۃ والبغیۃ یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح (الاشباہ والنظائر ص ۱۱۵) (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۲۶ باب الربوا)

اس موقعہ پر یہ بات مکمل طور پر پیش نظر رہنا چاہئے کہ سودی قرض لینے کی اجازت حد درجہ کی مجبوری اور شدید احتیاج کی صورت میں ہے، زیب وزینت اور اپنی خواہش پوری کرنے کو "ضرورت اور احتیاج" کا عنوان دینا سخت دھوکہ دہی اور بے ہودہ تاویل ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "ضرورت" اور "حاجت" وغیرہ کی شرعی تعریف نقل کر دی جائے۔

جواہر الفقہ مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع میں ہے۔

یہاں پانچ درجے ہیں۔ ضرورت، حاجت، منفعت، زینت، فضول۔

(۱) ضرورت:

کی تعریف یہ ہے۔ کہ اگر ممنوع چیز کو استعمال نہ کرے تو یہ شخص ہلاک یا قریب الموت ہو جائے گا۔ یہی صورت اضطراری ہے اسی حالت میں حرام وممنوع چیز کا استعمال (چند شرائط) جائز ہو جاتا ہے۔

(۲) حاجت:

کے معنی یہ ہیں کہ اگر وہ ممنوع چیز کو استعمال نہ کرے تو ہلاک تو نہیں ہوگا مگر مشقت اور تکلیف شدید ہوگی، یہ صورت اضطرار کی نہیں اس لئے اس کے واسطے روزے، نماز، طہارت وغیرہ کے بہت سے احکام میں رعایت اور سہولتیں تو دی گئی ہیں مگر ایسی حالت میں حرام چیزیں نص قرآنی کے تحت حلال نہیں ہوں گی۔

(۳) منفعت:

یہ ہے کہ کسی چیز کے استعمال کرنے سے اس کے بدن کو فائدہ پہنچے گا لیکن نہ کرنے سے کوئی سخت تکلیف یا ہلاکت کا خطرہ نہیں جیسے عمدہ قسم کے کھانے اور مقوی غذائیں، اس حالت کے لئے نہ کوئی حرام حلال ہوتا ہے نہ روزہ کا افطار جائز ہوتا ہے، مباح اور جائز طریقوں سے یہ چیزیں حاصل ہو سکیں تو استعمال کرے اور نہ حاصل ہو سکیں تو صبر کرے۔

(۴) زینت:

جس سے بدن کی کوئی خاص تقویت بھی نہیں، محض تفریح خواہش ہے، ظاہر ہے اس کام کے لئے کسی ناجائز چیز کے جائز ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۵) فضول:

وہ ہے جو زینت مباح کے دائرہ سے بھی آگے محض ہو سنیں ہو اس کا حکم بھی ظاہر ہے کہ اس کے لئے احکام

میں کوئی رعایت ہونے کے بجائے اس فضول کی مخالفت احادیث صحیح میں وارد ہے۔ (جواہر الفقہ ص ۲۷، ص ۲۸ جلد دوم)

لغات القرآن میں ہے المضطر اسم فاعل واحد مذکر (اس کے معنی) بے قرار بے کس بے بس (ج ۵ ص ۲۰۴ مؤلف مولانا محمد عبدالرشید نعمانی)

مندرجہ بالا ضرورت وحاجت وغیرہ کی تعریف سے یہ ثابت ہوا کہ حرام چیز ضرورت اور اضطرار ہی کی حالت میں بقدر ضرورت جائز الاستعمال ہوتی ہے لہذا سود جو بنص قطعی حرام ہے اضطرار اور مجبوری ہی کی حالت میں بقدر ضرورت جائز الاستعمال ہوگا۔ اور یہ بھی شخص وانفرادی حالت میں، اس لئے کہ انفرادی صورت میں ضرورت متحقق ہونا سہل ہے کہ جو شخص اضطرار اور ضرورت میں مبتلا ہو وہ اپنی شخصی حالت کسی مفتی یا ماہر عالم کے سامنے پیش کرے اور اجازت ملنے پر بقدر ضرورت استعمال کرے، لیکن اجتماعی صورت میں اضطرار واحتیاج کا تحقق مشکل ہے۔

جس جماعت نے اتنا بڑا کام اٹھایا ہے، کیا وہ سب مساکین ہیں اور زکوٰۃ کے مستحق ہیں؟ کیا اس جماعت میں وہ لوگ شامل نہیں ہیں جو رمضان میں زکوٰۃ دینے والے، صدقہ، فطر ادا کرنے والے، قیمتی جانوروں کی قربانی کرنے والے اور ولیمہ میں عمدہ اور لذیذ کھانا کھلانے والے نہیں ہیں؟ ضرور ہوں گے، اگر وہ اپنے کو مضطر، ضرورت مند اور محتاج سمجھتے ہیں تو کیا ان کو زکوٰۃ وفطرہ کی رقم دی جائے تو وہ قبول کریں گے؟ ظاہر ہے کہ وہ اس کے لئے تیار نہ ہوں گے تو ان کے لئے سودی قرض لینا کس طرح جائز ہو جائے گا؟

یہ بھی پیش نظر رہے کہ ایک انفرادی عمل ہے اور ایک اجتماعی، انفرادی عمل اس قدر مشہور نہیں ہوتا جتنا اجتماعی عمل شہرت حاصل کر لیتا ہے، اور متعدی بن جاتا ہے، انفرادی عمل کو چھپانا آسان ہے اجتماعی عمل چھپایا نہیں جا سکتا اور جب اتنی بڑی جماعت سودی قرض میں مبتلا ہوگی، تو لوگوں کے دلوں میں سود کی حرمت اور نفرت باقی نہیں رہے گی۔ خصوصاً آپ حضرات کی جماعت اور برادری جو تعلیم میں، تبلیغ میں، دینداری میں اتحاد اتفاق میں، اور ایک دوسرے کی ہمدردی وخیر خواہی میں اس حدیث کی مصداق سمجھی جاتی ہے **المؤمن للمؤمن کالبنیان المشید یشد بعضہ بعضاً** (ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے مثل عمارت کے ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کو تقویت پہنچاتا ہے) ایسی جماعت اجتماعی حیثیت سے معاملہ میں ملوث ہو جائے کس قدر افسوس کی بات ہے۔

سودی معاملہ میں بچنے میں ہی مسلمانوں کی ترقی ہے گو بظاہر تنزلی ہو جو قوم بے ہودہ اور نامعقول تاویلوں سے حرام کو حلال اور ناجائز کو جائز کرنے میں کوشاں ہو وہ کسی صورت میں ترقی نہیں کر سکتی۔ مسلمانوں کی عزت اور بلندی عمدہ معیار زندگی میں نہیں بلکہ تقویٰ اور پرہیزگاری میں ہے۔ خلیفۂ ثانی امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے جس وقت سرزمین بیت المقدس پر پیوند دار لباس کے ساتھ اپنا قدم رکھا تو عمال کو شرم محسوس ہوئی اور ایک قیمتی پوشاک زیب تن کرنے کے لئے پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ہم کو جو عزت عطا کی ہے وہ اسلام کی وجہ سے ہے اور یہی ہمارے لئے کافی ہے، لہذا ہماری عزت اور ترقی اسلامی احکام پر عمل کرنے پر موقوف ہے۔

اسلامی احکام میں سے ایک یہ ہے کہ ہم سود سے اور جس میں سود کا شبہ ہو اس سے بھی اپنے آپ کو بچائے رکھیں، امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں **دعوا الربوا والریبۃ** ربوا اور شبہ ربوا کو بھی چھوڑ دو (مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۶ باب الربوا) نیز فرمایا **تر کنا تسعۃ اعشار الحلال خشیۃ الربوا** یعنی حلال کے دس حصوں میں

سے محض ایک کو ہی لیتے ہیں جس میں سود کا ذرہ برابر بھی شائبہ ہوا سے ہم چھوڑ دیتے ہیں۔

دنیا فانی ہے یہاں جو کچھ کرنا ہے حلال اور جائز طریقہ سے کرنا چاہئے اور اپنی عاقبت درست کرنے کی فکر زیادہ چاہئے، دنیا کی فکر کرنا، اور آخرت سے غافل رہنا مسلمان کا شیوہ نہیں ہوسکتا۔

ان معروضات کے بعد عرض ہے کہ سوال میں سودی قرض لینے کی جو ضرورتیں اور مجبوریاں بتائی گئی ہیں وہ اضطرار اور احتیاج شدید کی نہیں ہیں، صحیح اور جائز طریقہ سے ان کا حل نکالا جاسکتا ہے اور اگر اس میں کچھ خسارہ ہو تو شریعت کے پیش نظر برداشت کریں انشاء اللہ اسی میں فلاح ہے، لہذا آپ حضرات جس چیز کی اجازت چاہتے ہیں اس کی جرأت اپنے اندر نہیں پاتا..... بے شک آپ حضرات کا یہ خیال کہ ہم سب مل کر ایک جگہ رہیں بہت مبارک اور اچھا خیال ہے مگر اس کی وجہ سے پوری قوم کو سود کی نحوست میں مبتلا کر دینا کسی طرح مناسب نہیں، اس لئے یہ کام جائز اور صحیح طریقہ سے شریعت کے حدود کے اندر رہ کر کیا جائے انشاء اللہ غیبی مدد آپ کے شامل حال رہے گی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو شریعت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے دلوں میں شریعت کی عظمت پیدا فرمائے، اور آپ حضرات کی بھی مدد فرمائے۔ حرام سے بچ کر حلال طریقہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین بحرمة النبی الامی صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم تسلیماً کثیرا کثیرا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

احقر الانام سید عبدالرحیم لاجپوری ثم راندیری غفرلہٗ راندیر مورخہ ۱۰ محرم الحرام ۱۴۰۶ھ یوم عاشوراء۔

الجواب صحیح والمجیب مصیب ناچیز اسمٰعیل وادی والا غفرلہ خادم افتاء جامع حسینیہ راندیر گیارہ محرم الحرام ۱۴۰۶ھ۔

قد اصاب من اجاب العبد اسمعیل کچھولوی غفرلہ خادم دار الافتاء جامعہ ڈابھیل سملک

الجواب صحیح محمد ابو الحسن علی غفرلہ (دار العلوم ماٹلی والا بھروچ) ۱۲ محرم الحرام ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۸ ستمبر ۱۹۸۵ء

اصاب المجیب وللہ درہ عبدالغنی کادی کان باللہ لہ خادم اشرفیہ راندیر

باسمہ تعالیٰ. قد اصاب من اجاب احقر عبداللہ ولی کاوی عفی عنہ دار الافتاء کنتھاریہ ضلع بھروچ ۱۲ . ۱/۱۴۰۶ھ۔ باسمہ الکرایم.

سود کی حرمت پر جس کثرت کے ساتھ محکم دلائل موجود ہیں اس کے مقابل چند جزوی حالات میں فقہاء کرام نے جو رخصت دی ہے اس کا سہارا نہ لینا ہی ہمارے ایمان کا تقاضہ ہے۔ العبد محمد ابراہیم پٹنی عفی عنہ (دار العلوم ماٹلی والا شہر بھروچ) ۱۲ محرم الحرام ۱۴۰۶ھ۔

مرکز العلوم، دار العلوم دیوبند کا جواب

الجواب وباللہ التوفیق

سود لینا بھی حرام ہے اور دینا بھی حرام ہے، بلکہ دینے کا معاملہ زیادہ سنگین ہے، دار الحرب میں ربوی معاملات کر کے مسلمانوں کو سود سے فائدہ اٹھانا مباح ہے مگر وہاں بھی کفار کو سود دینا مباح نہیں ہے (کفایت المفتی ج ۸ ص ۱۰۳ فتاوی دار العلوم قدیم ج ۷ ص ۴۷) البتہ سخت مجبوری اور اضطرار کی حالت میں جب کہ نوبت ہلاکت نفس یا

جان بچانے کے لئے مردار کھانے کی گنجائش ہے سودی قرض لینے کی بھی گنجائش ہے مگر یہ گنجائش اسی صورت میں ہے
۔ جائز صورت کوئی ممکن نہ ہو اور معاملہ ہلاکت نفس یا عزت وآبرو تک کا آپڑے، ظاہر ہے کہ صورت مسئولہ میں ایسی
مجبوری نہیں ہے۔ فتاویٰ رحیمیہ جلد ۵ ص ۱۹۳ میں درج ذیل سوال وجواب ہیں۔

(سوال) زید کے پاس اپنی ملکیت کی زمین ہے اس پر ایک مکان باندھنا چاہتا ہے لیکن تعمیر کے لئے اس کے پاس پیسے نہیں ہیں تو ایسے وقت میں حکومت یا بینک سے لون (سودی قرض) لے کر یہ مکان باندھ سکتا ہے؟

(الجواب) سودی رقم لے کر مکان بنانا ناجائز ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ العبد سعید احمد عفا اللہ عنہ پالنپوری خادم دارالعلوم دیوبند ۳ محرم ۱۴۰۶ھ جوابات صحیح ہیں عبدالرحمن غفرلہ مفتی مدرسہ امینیہ دہلی ۴ محرم ۱۴۰۶ھ۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحب کا جواب اور مفتی سعید احمد سلمہ کی تصویب بالکل صحیح ہے۔ ہمارے دارالافتاء سے ایسے سوال کا یہی جواب لکھا جاتا ہے۔ العبد یحییٰ غفرلہ مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

سبسیڈی والی لون (قرض) کا حکم:

(سوال ۲۷۱) آج کل حکومت کی جانب سے لوگوں کی بھلائی اور فائدہ کے لئے بہت سے پلان پیش کئے جارہے ہیں منجملہ ان کے ایک پلان مچھلی پالنے کا ہے جس کے لئے حکومت کی جانب سے قرض دیا جاتا ہے، اور اس پر خاص رقم چھوٹ کی ہوتی ہے، جسے "سب سڈی" کہتے ہیں، مثلاً حکومت نے یہ قانون بنایا کہ جس کے پاس ڈھائی ایکڑ زمین ہو اور وہ اس میں تالاب کھود کر مچھلی پالنا چاہتا ہے تو حکومت اس کو بیس ہزار کی رقم بطور قرض دے گی، ابتداء کاغذات مچھلی پالن آفس میں جمع ہوں گے پھر وہ آفس اسے منظور کر کے کسی بینک کو بھیج دے گی بینک بیس ہزار قرض دے گی اور اس پر پچیس فیصد چھوٹ ہوگی، اور بقیہ رقم یعنی پندرہ ہزار دس فیصد سود کے ساتھ وصول کیا جائے گا، اب سوال یہ ہے کہ حکومت کے اس پلان سے کسی مسلمان کو فائدہ اٹھانا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جہاں تک ہمیں معلوم ہوا ہے، اس قسم کے پلان سے حکومت کا مقصد بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرنا اور غریب رعایا کو فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کرنا ہے اس لئے حکومت کچھ رقم چھوٹ بھی دیتی ہے (جسے سب سڈی کہا جاتا ہے) اس قسم کے پلان (اسکیم) سے حکومت کا مقصد سودخوری نہیں ہے اس لئے اگر کوئی شخص، حکومت سے اس قسم کے اسکیم کے تحت قرض لے اور حکومت کی طرف سے اس پر کچھ رقم چھوٹ ملے اور بقیہ رقم حکومت مع سود وصول کرے اگر وہ سود، چھوٹ میں ملی ہوئی رقم (یعنی سب سڈی) سے ادا ہو جاتی ہو، اپنے پاس سے زائد رقم نہ دینا پڑتی ہو تو اس تاویل سے کہ "حکومت نے بطور تعاون جو رقم دی تھی اس شخص نے اسی تعاون والی رقم میں سے کچھ رقم واپس کردی" مذکورہ اسکیم کے تحت قرض لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اور اگر سود کی رقم چھوٹ میں ملی ہوئی رقم (یعنی سب سڈی) سے زیادہ دینی پڑیں تو پھر یہ معاملہ سودی کہلائے گا اور جائز نہ ہوگا۔

موجودہ صورت میں یہ بھی پیش نظر رہے کہ عام طور پر تالاب کی مچھلیوں کی بیع شرعی اصول کے خلاف ہوتی ہے اور بیع فاسد کی صورت ہو جاتی ہے (مثلاً عام طور پر قبل القبض مچھلیوں کو بیچ دیا جاتا ہے، نہ مبیع کی تعین ہوتی ہے نہ بیع مقدور التسلیم ہوتی ہے وغیر ذلک) لہذا جو شخص یہ کاروبار شروع کرنا چاہتا ہو پہلے اس کو بیع کے مسائل بتلائے جائیں،

اوراس سے تحقیق کر لی جائے کہ وہ شرعی اصولوں کے مطابق کام کر سکے گا؟ اوراس پر قابو پا سکے گا؟ اگراس پر عمل کرنے کی یقین دہانی کرے تو ایسے شخص کے لئے اس قسم کا قرض لے کر کاروبار کرنے کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

نوٹ:

یہ جواب لکھا جا چکا تھا، اتفاق سے ماہنامہ ''الرشاد'' جنوری ۱۹۹۰ء کا شمارہ موصول ہوا جس میں ''فقہ اسلامی سمینار کے چند اہم فیصلے'' کے عنوان کے تحت ''سود سے متعلق مسائل'' کے ذیلی عنوان میں سود سے متعلق چند تجاویز درج ہیں، اس میں سے ایک تجویز یہ بھی ہے۔

(۳) ہندوستان میں بعض سرکاری قرضے ایسے ہیں جس میں سرکار کی طرف سے چھوٹ (SUBSIDY) دی جاتی ہے، اور سود کے نام سے اضافی رقم بھی لی جاتی ہے، اگر سود کے نام سے لی جانے والی یہ اضافی رقم چھوٹ (SUBSIDY) کے مساوی ہو یا اس سے کم ہو تو یہ اضافی رقم شرعاً سود نہیں ہے۔ (ماہنامہ ''الرشاد'' جنوری ۱۹۹۰ء، مطابق جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ) جلد نمبر ۱۸، شمارہ نمبر ۲۱ (مولانا مجیب اللہ ندوی، جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ)

اضطراری حالت کے بغیر سودی قرض لینا جائز نہیں:

(سوال ۲۷۲) میرے پاس اپنا ذاتی کارخانہ ہے اس میں کپڑے بننے کی مشینیں ہیں، کارخانہ کی جگہ بھی میری اپنی ذاتی ہے اوراس میں جتنی چیزیں ہیں سب میری ملک کی ہیں، اس وقت کارخانہ جاری کرنے کے لئے رقم کی سخت ضرورت ہے اور کارخانہ جاری کرنے کے لئے جس قدر رقم کی ضرورت ہوتی ہے اتنی رقم میرے پاس نہیں ہے مجھے بینک سے لون (سودی قرض) مل سکتی ہے، لون لینے پر مجھے سود کے ساتھ قرض ادا کرنا ہوگا، میں ان حالات میں بینک سے لون لے سکتا ہوں؟ مفصل اور مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

(الجواب) سودی معاملہ اور سودی لین دین پر قرآن وحدیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں، اور یہ بنص قطعی حرام ہے، ارشاد خداوندی ہے احل اللہ البیع وحرم الربوا، اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربوا (سود) کو حرام کیا (سورۂ بقرہ پ۳) نیز ارشاد فرمایا یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ (سورۂ بقرہ پ) نیز ارشاد فرمایا: فان لم تفعلوا فاذ نوا بحرب من اللہ ورسولہ. اگر سودی معاملہ سے باز نہ آؤ گے تو اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کی طرف سے جنگ کا اعلان سن لو۔ (سورۂ بقرہ پ۳)

حدیث میں ہے: عن جابر رضی اللہ عنہ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربوا ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء. ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے اور دینے والے اور سودی معاملہ لکھنے والے اور سودی معاملہ کے گواہوں پر لعنت کی ہے اور فرمایا، یہ سب برابر کے گنہگار اور ملعون ہیں (مسلم شریف ج ۲ ص ۲۷) (مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۶ باب الربوا)

دوسری حدیث میں ہے: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الربوا سبعون جزءً ایسرھا ان ینکح الرجل امہ. حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سودی معاملہ کرنے والے کو ستر قسم کے گناہ لاحق ہوجاتے ہیں ان میں سے ادنیٰ درجہ کا گناہ یہ ہے کہ

انسان اپنی ماں کے ساتھ منہ کالا کرے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۶ باب المنہی عنہا من البیوع)

حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درهم ربوا یا کله الرجل وهو یعلم اشد من ستة وثلثین زنیة. آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک سودی درہم کا کھانا (یعنی اپنے استعمال میں لانا) یہ بات جانتے ہوئے کہ یہ سود کا ہے (اللہ کے یہاں) چھتیس ۳۶ مرتبہ زنا سے بھی زیادہ سخت ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۶ باب الربوا) اور بھی دیگر احادیث ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (فتاوی رحیمیہ ص ۲۵۷ تا ص ۲۶۰ ، جلد نمبر ۱۶ ای باب کا پہلے سوال ملاحظہ کیا جائے جدید ترتیب کے مطابق۔

مندرجہ بالا ارشادات خداوندی اور احادیث نبوی (ﷺ) سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ سودی معاملہ قطعا حرام ہے، اس کا مرتکب سخت گنہگار، فاسق، باغی و سرکش ہے اور اس کی سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے، ان نصوص کے پیش نظر شرعا سودی معاملہ کی قطعاً اجازت نہیں ہے، البتہ اضطرار اور حد درجہ کی مجبوری کی حالت میں جب کہ ہلاکت نفس کا خوف ہو جس طرح بقدر ضرورت مردار کھا کر اپنی جان بچانے کی اجازت ہے، اسی طرح فقہاء نے اضطرار اور حد درجہ کی احتیاج اور شدید مجبوری کی صورت میں جب کہ قرض وغیرہ ملنے کی بھی امید نہ ہو بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی اجازت دی ہے، ضرورت سے زیادہ لینا درست نہیں، الاشباہ والنظاء میں ہے ، وفی القنیة والبغیة یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح (الاشباہ والنظائر ص ۱۱۵ الفن الاول ، القاعدة الخامسة الضرر یزال) (البحر الرائق ص ۱۲۶ ج ۶ . باب الربوا)

صورت مسئولہ میں سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی حالت ایسی مجبوری اور اضطرار کی نہیں ہے، آپ کے پاس کارخانہ اور مشینیں وغیرہ ہیں جو ہزاروں روپے کی مالیت کی چیزیں ہیں لہذا آپ کے لئے شرعاً لون (سودی قرض) لینے کی اجازت نہیں ہوسکتی، کارخانہ جاری کرنا ہے تو اس کے لئے کوئی جائز طریقہ اختیار کیا جائے مثلاً کسی کو شریک بنا کر شریعت کے مطابق کام کیا جائے ، یا اپنی فیکٹری اور مشینوں میں سے کچھ کم کر کے اس سے جو رقم حاصل ہو اس رقم سے بقیہ کارخانہ کو مضبوط کیا جائے ، اس فانی دنیا میں حلال اور صحیح طریقہ سے بقدر کفاف روزی مل جائے انسانی زندگی کے لئے یہی کافی ہے، حلال اور غیر مشتبہ روزی حاصل کرنے کی کوشش ہونی چاہئے ، فتاوی رحیمیہ میں ہے'' انسان کی سعادت مندی یہی ہے کہ وہ رزق حلال کی طلب میں رہے، حلال اور طیب روزی پیٹ میں جاتی ہے تو اس سے قلب منور ہوتا ہے، اعمال صالحہ کی توفیق ہوتی ہے، عبادات میں دل لگتا ہے اور حرام اور مشتبہ روزی پیٹ میں جاتی ہے تو قلب میں ظلمت پیدا ہوتی ہے، عبادات میں دل نہیں لگتا، نیک کاموں کی توفیق نہیں ہوتی ، نیز رزق حلال میں برکت ہوتی ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ص ۱۴۰ جلد ۶) (جدید ترتیب کے مطابق ، باب الربوا میں ، بعنوان ، جائز ملازمت چھوڑ کر بینک یا انشورش کمپنی میں ملازمت ، سے دیکھ لیا جائے۔ مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مجبوری کی حالت میں بینک سے کتنا سودی قرض لے سکتا ہے :

(سوال ۲۷۳) ایک شخص اسکول میں ماسٹر ہے اور وہی امام بھی ہے۔ غیر شادی شدہ ہے مالی حیثیت اتنی نہیں ہے کہ شادی کر سکے، بلا سود قرض ملنے کی بھی امید نہیں ہے ایسی مجبوری کی حالت میں بینک سے سودی لون لے سکتا ہے یا

نہیں؟ جس کی شرح سود ساڑا تہ فی ہزار پندرہ روپے ہے، شادی اور ذاتی کاروبار کے لئے ایسا لون لے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جبکہ اضطرار اور انتہائی مجبوری کی حالت ہے تو سودی لون لینے کی گنجائش ہے کم سے کم رقم سے کام نکالا جائے، شادی کرنے میں جتنی رقم کی ضرورت ہے اتنی ہی لی جائے فضول اخراجات اور مہمان نوازی حتی کہ ولیمہ کی دعوت کے لئے بھی ایسی رقم لینے کی اجازت نہیں ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سودی قرض کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

(سوال ۲۷۴) ہمارے گاؤں میں مسلم گھانچی (''تیلی'') برادروں کی حالت غربت کی ہے ان کا پیشہ اور تجارت زوال پذیر ہے لہذا انہیں کسب نیز ان کے پیشہ کو فروغ دے کر بیکاری دور کرنے کے لئے حکومت بمبئی نے تجارت پیشہ بورڈ کی معرفت مسلم برادروں کو کم قیمت کی ''شیئر'' خریدوا کر سوسائٹیوں کو رجسٹرڈ بنوا کر گورنمنٹ کے زیر نگرانی سوسائٹیوں کو قائم و جاری کیا ہے شیئروں کی فروخت کے مطابق بورڈ ساڑھے چار فیصد سود کے اعتبار سے تین برس کی قسطوں سے مال خریدنے کے لئے سوسائٹی کو سودی قرض (LONE) دیتے ہیں، سوسائٹیوں کی رقم کی لین دین، بینکوں کے ساتھ ہوتی ہے، سوسائٹی کا نفع تمام شیئر ہولڈروں (خریداران شیئر) کو پورا ملتا ہے، مسلم بھائیوں کو مال کی دھنکن کی وجہ اجرت کام کے مطابق دی جاتی ہے، سوسائٹیوں کے شیئر ہولڈر تمام مسلمان ہیں تو سوال یہ ہوتا ہے کہ:۔(۱) سودی قرض (LONE) کے سود کی لین دین کا شرعاً کیا حکم ہے؟ (۲) سوسائٹی کے سود کی آمدورفت (بینک کا حساب) الگ بنوا کر نفع فنڈ میں سودی رقم نہ لیوے تو نفع لے سکتا ہے یا نہیں؟ (۳) بینک کے سود کی لین دین میں سوسائٹی کے ذمہ دار اشخاص گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ (۴) سوسائٹی ''لون'' (LONE) کے روپئے ایک سال کی مدت میں گورنمنٹ کو ادا کردے تو اس کا سود نہیں لیا جاتا تو اس طرح سے سوسائٹی ''لون'' لیوے یا نہیں؟ اور لون کی رقم سے سوسائٹی قائم کرے یا نہیں؟

(الجواب) مجموعی حیثیت سے مذکورہ معاملہ سودی ہے، اس لئے جائز نہیں ہے، روزی کے جائز ذرائع چھوٹے بڑے میسر ہوسکتے ہیں، لہذا سودی معاملہ جس کی حرمت نص قرآنی اور متعدد احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور گناہ کبیرہ اور اشد زنا ہے، اس کے اختیار کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ حدیث شریف میں ہے:۔ **عن عبداللہ بن حنظلة غسیل الملائکه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم درهم ربوا یاکله الرجل هو یعلم اشد من ستة و ثلثین زینة .(رواہ احمد)** ایک درہم سود کھانا چھتیس زنا سے سخت گناہ کا کام ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۶ باب الربوا) دوسری حدیث میں ہے:۔ **عن جابر قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم أکل الربوا وموکله و کاتبه وشاهدیه وقال هم سواء (رواہ مسلم)** آنحضرت ﷺ نے سود لینے والے، دینے والے اور سودی معاملہ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ سب (اصل گناہ) اور لعنت میں) برابر شریک ہیں (مشکوٰۃ ص ۲۴۴ ایضاً) ایک حدیث میں ہے:۔ **عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه**

---

(۱) یہ حالت، اضطرار کی نہیں ہے کہ سود پر قرض لینے کی اجازت دی جائے نکاح اگر نہ کیا جائے تو جان تلف ہونے کا خطرہ نہیں بلکہ نکاح ایک مسنون عمل ہے، سنت پر عمل کرنے کے لئے حرام کا ارتکاب شرعاً وعقلاً قابل مواخذہ ہے۔ از مرتب

وسلم الربوا سبعون جزء ایسرھا ان ینکح الرجل امه (سود کھانے کے ۷۳ گناہ ہیں، ان میں سے ادنیٰ گناہ کی مثال ایسی ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے) (مشکوٰۃ ص ۲۴۶ باب الربوا

صادق مصدوق ﷺ کے یہ فرامین اور وعیدیں جس کے پیش نظر ہوں گی وہ کبھی بھی سودی معاملہ اختیار کرنے کی ہمت نہ کرسکے گا۔ عن عمر بن الخطاب ان اخر ما انزلت اية الربوا وان رسول الله صلي الله عليه وسلم قبض ولم يفسرها لنا فدعوا الربوا والريبة ۔ حضرت عمر فاروقؓ کا فرمان ہے کہ (معاملات میں) آخری آیت جو نازل ہوئی وہ سود کے متعلق ہے۔ آنحضرت ﷺ اس کی پوری تفصیل کرنے سے پہلے وفات پاگئے لہذا ربوا اور ریبہ دونوں چھوڑ دو یعنی سود اور جس میں سود کا شبہ ہو وہ بھی سود کے حکم میں ہے اس کو بھی چھوڑ دو۔ (مشکوٰۃ ص ۲۴۷ باب الربوا۔

افسوس اب وہ وقت آ گیا ہے جس کی پیشگوئی آنحضرت ﷺ نے فرمائی تھی کہ ضرور ایک وقت ایسا آئے گا کہ کوئی آدمی بھی بغیر سود کھائے نہیں رہے گا یعنی سودی معاملے میں وکیل، شاہد اور کاتب وغیرہ سب معین بنیں گے تو سود کھانے کا گناہ ان پر بھی ہوگا (مشکوٰۃ) خدا پاک محفوظ رکھے (آمین) اگر سوسائٹی سودی معاملہ سے احتراز کرے اور لون (LONE) کا سارا حصے چار فیصد جو سود بنتا ہے وہ نہ دینا پڑے اور بینک کے سود کو بھی شامل نہ کیا جائے تو پھر کوئی حرج نہیں، جائز ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سودی قرض لینا کب جائز ہے :

(سوال ۲۷۵) جب کوئی آدمی کاروبار شروع کرتا ہے تو سرکاری آفس سے اسے مدد کے طور پر کچھ رقم جس کو سب سڈی کہتے ہیں ملتی ہے، اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) آدمی اپنے ذاتی چند ہزار روپے لگا کر کاروبار شروع کرتا ہے اس کے بعد سرکاری آفس چند حصے مدد کے طور پر اسے دیتا ہے اور اس کا بینک سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تو یہ مدد لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اپنے پاس بقدر حاجت وضرورت روپے فراہم نہ ہونے کی وجہ سے سرکاری آفس میں جاتا ہے اور آفس والے بینک کی معرفت کاروبار کے لئے روپے دلاتے ہیں اس صورت میں بینک کو سود دینا پڑتا ہے، یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) اگر یہ صحیح ہے کہ بطور امداد وہ رقم دی جاتی ہے اور اس پر کوئی سود نہیں لیا جاتا تو یہ سودی معاملہ نہیں ہے اس لئے درست ہے۔

(۲) بینک سے سودی معاملہ کرنا درست نہیں اگر اضطراری اور حد درجہ کی مجبوری ہو تو جتنی رقم سے ضرورت پوری ہو جائے اتنی ہی مقدار میں سودی قرضہ لینے کی اجازت ہے اس سے زیادہ لینا درست نہیں۔ الاشباہ والنظائر میں ہے۔ وفي القنية والبغية يجوز للمحتاج الا ستقراض بالربح انتهى . وفي الحموي قوله يجوز للمحتاج الا ستقراض بالربح وذلك تنجوا ان يقترض عشرة دنا نير مثلاً ويجعل لربها شيئا معلوماً في كل يوم ربحاً معلوماً (الا شباه والنظائر ص ۱۱۵ الفن الاول القاعدة الخامسة الضرريزال) البحر الرائق ج۶ ص ۱۲۶ باب الربوا) فقط والله اعلم بالصواب .

باب الربوا

مکان کی تعمیر کے لئے لون (قرض) لے سکتے ہیں یا نہیں :

(سوال ۲۷۶) زید کے پاس اپنی ملکیت کی زمین ہے، اس پر ایک مکان (پروپائیتی) باندھنا چاہتا ہے۔ لیکن تعمیر کے لئے اس کے پاس پیسے نہیں ہیں تو ایسے وقت میں حکومت یا بینک سے (لون) سود سے رقم لے کر یہ (پروپائتی) مکان باندھ سکتا ہے؟

(الجواب) سودی قم لے کر مکان بنانا ناجائز ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سود سے بچنے کے لئے کوئی حیلہ کرنا کیسا ہے :

(سوال ۲۷۷) ایک تاجر نے دوسرے تاجر کے پاس سے لون کے طور پر پانچ سو پاؤنڈ مانگے تو جواب ملا کہ دس فیصد کے حساب سے سود لوں گا۔ لینے والے نے انکار کردیا کہ میں نہ سود دیتا ہوں نہ سود لیتا ہوں، لیکن ایک صورت بناتا ہوں کہ تم مجھے پانچ سو پاؤنڈ کا مال (کپڑے) دس فیصد کے نفع سے دو۔ اور وہ میں لے جاؤں اور وہی مال بدوں نفع کے یعنی اصل قیمت پانچ سو پاؤنڈ میرے پاس سے نقد النقد کے لو اور تم اپنے پانچ سو پچاس کا بل مجھے دو اور میرا نام لکھ لو۔ ایک سال بعد پیسے ادا کردوں گا۔ کیا سود سے بچنے کی یہ تدابیر اور صورتیں جائز ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس اینچ پیچ سے حرام چیز (سود) حلال نہ ہوگی۔ صوت مذکورہ میں پانچ سو سے زائد رقم سود شمار ہوگی اور دینے والا اور لینے والا دونوں گنہگار ہوں گے۔[1] **فقط واللہ اعلم بالصواب۔**

سودی رقم پر نفع لینا کیسا ہے :

(سوال ۲۷۸) ایک تاجر نے ایک ہندو کے پاس سے غلہ خریدنے کے لئے پانچ سو پاؤنڈ لئے اور لیتے وقت کہا کہ میں تم کو پندرہ فی صد کے حساب سے سود نہ دوں گا لیکن جب اصل رقم واپس کردوں گا تو پندرہ فی صد نفع کے حساب سے پچھتر پاؤنڈ دوں گا۔ غلہ خریدنے والا نفع کے متعلق شرط لگاتا ہے کہ خود کو جو نفع ہو اس میں سے نفع نہیں کیونکہ رقم دینے والے کو یہ بات منظور نہیں وہ کہتا ہے کہ تجھے جتنا بھی نفع ہو مجھے تو پندرہ فیصد چاہئے اس رقم سے اناج ہی لیا جاتا ہے دوسرا کچھ نہیں صرف الفاظ میں تغیر ہے تو جائز ہے؟

(الجواب) یہ طریقہ بھی ناجائز ہے سود میں شامل ہے قرض کی رقم پر نفع لینا سود ہے۔ تجارت کے لئے رقم دے کر نفع میں دونوں کی شرکت رکھنا یہ عقد مضاربت کہلاتا ہے جو چند شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔ ایک شرط یہ ہے کہ نفع کی مقدار (مثلاً پندرہ فیصد) معین نہ ہو بلکہ نفع کا کوئی حصہ مثلاً (تہائی۔ چوتھائی یا نصف) مقرر کیا جائے۔[2]

---

(۱) قوله وشراء ما باع بالاقل قبل النقد ای لم یجز شراء البائع ما باع باقل مما باع قبل نقد الثمن　وانما منعناه جوازا استدلالا بقول عائشة رضی الله تعالی عنها لتلک المرأة وقد باعت ستمائة بعد ما اشترت بثما نما ئة بئسما شربت واشتریت ابلغی زید بن ارقم الله تعالیٰ قد ابطل حجه وجهاده مع رسول الله صلی الله علیه وسلم ان لم یتب. بحر الرائق باب البیع الفاسد ج. ۲ ص ۸۲.

(۲) وکون الربح بینهما شائعا فلو عین قدرا فسدت (درمختار مع الشامی کتاب المضاربة ج. ۵ ص ۶۴۸)

باقی یہ صورت کہ نفع ہو یا نہ ہو رقم دینے والے کو کچھ زائد رقم مل جائے تو یہ ناجائز ہے یہ سودی معاملہ ہے۔

بینک کے سود کے متعلق بحث:

(سوال ۲۷۹) ہم سان فرانسسکو (Sonfransisco) میں تقریباً سو مسلمان ہیں۔ ان میں لبنان، ترکی، شام، مصر، ہندوستان اور پاکستان والے سب ہی شامل ہیں۔ یہاں پر مسجد نہیں لیکن ہم ایک مکان میں جمع ہو کر عید الفطر و عید الاضحی وغیرہ کی نماز پڑھتے ہیں اور یہ کام "اسلامک سنٹر آف سانفرانسسکو" کے نام سے چلا رہے ہیں ہم تعمیر مسجد کی کوشش میں ہیں مگر ہماری جماعت (سوسائٹی) میں قریباً پانچ ہزار ڈالر جمع ہوئی ہیں۔ مسجد و مدرسہ کی تعمیر کے لئے تقریباً ایک لاکھ سے زیادہ کی ضرورت ہے کیونکہ یہاں پر ہر شئی بہت گراں قیمت پر ملتی ہیں مگر یہ سب روپے کیسے اور کب تک جمع ہوں اس کی خبر نہیں یہ پانچ ہزار ڈالر بینک میں رکھے ہیں۔ اب وہ بینک تین روپے سود دیتا ہے جس سے سوالات ذیل وارد ہوتے ہیں:۔

(سوال ۱) پانچ ہزار ڈالر جو بینک میں ہیں ان کا سود لینا جائز ہے یا نہیں؟۔

(الجواب) بینک میں رکھی ہوئی رقم امانت کے طور پر نہیں رکھی جاتی، کام میں لگائی جاتی ہے اور اس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے۔ لہذا بینک میں رقم رکھنا اعانت علی المعصیت ہے یعنی گناہ کے کام میں مدد کرنا ہے۔ تحت لاچاری کے بغیر بینک میں رقم خصوصاً وقف رقم رکھنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ (وقف کی رقم انکم کے لئے بینک میں رکھی جاتی ہے یہ بالکل جائز نہیں ہے، گناہ کا کام ہے) اگر ناواقفی سے رقم بینک میں رکھ دی ہے یا قانونی مجبوری کی بنا پر رکھنی پڑی ہو تو اس کے سود کی کوئی رقم بینک میں نہ چھوڑے، چھوڑ دی گئی ہے تو اسلام کی خلاف استعمال ہوگی۔ لہذا وہ رقم لے کر غریب محتاجوں کو دے دی جائے۔ مسجد کے بیت الخلاء غسلخانہ، پیشاب خانہ میں یہ رقم استعمال کی جا سکتی ہے۔ (بیت الخلاء میں استعمال کے عدم جواز پر، احکام مساجد و مدارس میں بحث کر چکے ہیں۔ وہاں ملاحظہ کیا جائے۔ از مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(سوال ۲) سود لینا اور دینا شرع میں جائز نہیں ہے مگر یہاں کے بینک تاجروں اور چھوٹے بڑے کارخانوں اور مال ملکیت والوں کو سود سے رقم دیتے ہیں۔ یہاں کے رسم و رواج کے مطابق بزنس انٹریسٹ شمار ہوتا ہے تو اگر بینک سود دے اس کو اپنی جماعت (سوسائٹی) کے خرچ میں لگانا چاہئے یا نہیں؟ اس کو مسجد کے خرچ میں لگایا جائے یا نہیں؟

(الجواب) سودی رقم جماعت (سوسائٹی) چلانے میں یا مسجد و مدرسہ کے ملازمین کی تنخواہ اور کرایہ وغیرہ ادا کرنے کے کام میں نہیں لا سکتے۔ (۱)

(سوال ۳) بینک کا سود لے کر اس جماعت (سوسائٹی) اور مسجد و مدرسہ کے کاروبار میں استعمال کرنے کی اجازت نہ ہو تو کسی غریب کو دے دیا جائے یا ایسے کام میں استعمال کیا جائے جس میں ثواب کی نیت نہ رکھتے ہوں تو ایسے امور میں استعمال کرنا جائز نہیں؟

(الجواب) اس کا حکم مذکورہ بالا جوابات سے معلوم کر سکتے ہیں۔ (۲)

(۱، ۲) والحاصل ان علم ارباب الاموال وجب رده عليهم والا فان علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه شامی، مطلب فی ورث مالا حراما باب البیع الفاسد ج ۵ ص ۹۹

(سوال ۴) فرض کیجئے کہ مسجد و مدرسہ کی ضرورت کے لئے ایک ہزار روپے کی زمین خریدنی ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے پاس پوری رقم نہ ہو تو اس کا چوتھائی حصہ نقد دے کر بقیہ رقم ہر ماہ تھوڑی تھوڑی ادا کردی جائے۔ پوری قیمت جب تک ادا نہ ہو جائے بائع چھ فیصد سود طلب کرتا ہے۔ ایسی حالت میں مسجد و مدرسہ کی تعمیر کے لئے ایسی زمین وغیرہ خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) جس تجارت اور معاملہ میں سود دینا پڑے وہ ناجائز ہے۔ چاہے وہ مسجد کے لئے ہو یا مدرسہ کے لئے۔ رقم ناکافی ہو تو حسب حیثیت مسجد و مدرسہ بنالیں یا زمین خرید کر اس میں شامیانہ ڈال کر تعلیم و تعلم اور نماز باجماعت شروع کردیں یا کسی مکان میں۔ اپنا ذاتی نہ ہو تو کرایہ کے مکان میں تعلیم و نماز باجماعت کا بندوبست کرسکتے ہیں۔ پوری رقم جمع ہونے کا انتظار کریں۔ نماز باجماعت کا فوری انتظام ہونا ضروری ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ کسی بستی یا جنگل میں تین آدمی بستے ہوں اور وہ نماز باجماعت نہ پڑھیں تو یقیناً ان پر شیطان سوار ہو جائے گا۔ مامن ثلاثة فی قریة ولا بدو لا تقام فیهم الصلوٰة الا قد استحوذ علیهم الشیطان فعلیهم بالجماعة (نسائی شریف ص ۷۴ ج ۱ باب الجماعة وفضلها (مشکوٰة ص ۹۶)

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔ فمراد الله من نصب هذه الامة ان تکون کلمة الله هی العلیا وان لا یکون فی الارض دین اعلی من الاسلام ولا یتصور ذلک الا بان یکون سنتهم ان یجتمع خاصتهم وعامتهم وحاضرهم وبادیهم وصغیرهم وکبیرهم لما هو اعظم شعائره واشهر طاعته فلهذه المعانی انصرفت العنایة التشریعیة الی شرع الجمعة والجماعات والترغیب فیها وتغلیظ النهی عن ترکها

یعنی اس امت کے قائم کرنے سے اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کا بول بالا ہو اور روئے زمین پر دین اسلام سے اعلیٰ اور کوئی دین نہ پایا جائے اور یہ بات اس وقت متصور ہوسکتی ہے کہ ان کا یہ دستور ہو کہ اس عبادت کے لئے جو دین کا سب سے بڑا شعار اور عبادت میں سب سے مشہور عبادت ہے، ہر خاص و عام، شہری و دیہاتی، چھوٹا اور بڑا سب مجتمع ہوا کریں اسی سبب سے عنایت شرعیہ جمعہ اور جماعات کے مقرر کرنے اور ان میں رغبت دلانے اور ان کے ترک سے سخت سے سخت ممانعت کرنے کی طرف متوجہ ہوئی۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۸۸ الجماعۃ حاصیۃ الجماعۃ) (ناشر آرام باغ کراچی)

امریکہ کے ایک ماہر اجتماعیات ونفسیات مسٹر ڈینی سن (Denis on) اپنی کتاب ایموشن ایز دی بیسز آف سویلزیشن کے صفحہ ۲۷۵ پر لکھتے ہیں کہ سب مورخین کہتے ہیں کہ اسلام کو جو حیرت انگیز کامیابی دنیا کو مسخر کرنے میں ہوئی اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنے دائرہ میں زبردست اتحاد و اتفاق پیدا کردیا تھا لیکن خود یہ بات کس طرح پیدا ہوئی کسی نے اس کا حل نہیں کیا اس بات میں ذرا بھی شک وشبہ نہیں کہ اس کی بڑی اور زیادہ موثر چیز نماز باجماعت تھی۔ روزانہ نماز میں مسلمان جہاں کہیں بھی ہو۔ چاہے جنگل و بیابان میں ہو، سب ایک ساتھ جماعت نماز پڑھتے ہیں۔

محمد (ﷺ) سب سے پہلی شخصیت ہے جس نے متحد و متفق ہونے کے لئے نماز باجماعت کی قوت کا احساس کیا اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اسلام کی طاقت پنج گانہ نماز باجماعت کی سخت پابندی کا نتیجہ (ثمرہ) ہے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(سوال ۵)مذکورہ بالا سوال نمبر ۴ میں کسی آدمی کو اپنے قیام کے لئے مکان خرید نے کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟

(الجواب)دارالحرب میں بھی سود دینے کی اجازت نہیں ہے۔لہذا جائز نہیں۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(سوال ۶)دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس ہزار ڈالر بینک میں جمع ہیں۔بینک اس کا تین فیصد سود دیتا ہے۔اب یہاں بیس فیصدی انکم ٹیکس دینا پڑتا ہے۔یہ شرعاً نہیں ہے لیکن دیس اور حکومت کے قانون کی وجہ سے ادا کرنا پڑتا ہے تو بینک کی سودی رقم لے کر انکم ٹیکس ادا کرنے میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) وہ رقم لے لی جائے مگر اپنے کسی کام میں نہ لگائی جائے۔غریبوں اور حاجت مندوں کو دے دی جائے۔انکم ٹیکس ادا کرنے کی حیثیت نہ ہو تو سود کی اس رقم کو انکم ٹیکس میں ادا کرنے کی گنجائش ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زندگی کا بیمہ کرانا کیسا ہے:

(سوال ۲۸۰)ذیل کے سوالات کے جوابات بالتفصیل عنایت فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔

(۱) کم آمدنی والے بیمہ اس لئے کراتے ہیں کہ بالیقین کچھ نہ کچھ رقم بچ سکے۔اگر بچی ہوئی رقم خود کے پاس رہی تو خرچ ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے اور بیمہ کی فیس ادا کرنے کے بعد وہ رقم بیمہ کی پالیسی کی تاریخ سے پہلے ملنا مشکل ہوتی ہے اس لئے اپنے پاس رکھنے سے بچتے ہیں اور بیمہ کرا لیتے ہیں کہ یہ رقم زندگی کی آخری دور میں کام آسکے۔

(۲) کتنے آدمی زندگی کا بیمہ اس لئے کراتے ہیں کہ ان کو اپنی سالانہ آمدنی پر زیادہ ٹیکس دینا پڑتا ہے اگر زندگی کا بیمہ کرا لے تو بیمہ کی فیس جو سال بھر میں دی گئی ہے اس کو وضع کر کے باقی رقم پر انکم ٹیکس ادا کرنا ہوتا ہے۔جن کی آمدنی سالانہ پچیس ہزار یا اس سے زیادہ کی ہے ان کو اس میں بہت نفع ہوتا ہے۔اس کے علاوہ کچھ آدمی اپنی زندگی کا بیمہ اس لئے کراتے ہیں کہ اپنی ناگہانی موت پر ورثاء کو امداد مل سکے اور اگر خود زندہ رہے تو اپنی آخری زندگی میں بیمہ کی رقم ملنے سے معاون حیات ہو سکے۔

(الجواب) زندگی کے بیمہ کا معاملہ کسی بھی نیت و مصلحت سے ہونا جائز ہے۔اس میں قمار(جوابازی)اور سود دونوں قسم کے گناہ ہیں۔اور گناہ بھی بڑے سنگین گناہ ہیں۔حدیث میں ہے۔قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربوا موکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء رواہ مسلم(عن جابر رضی اللہ عنہ (مشکوۃ شریف ص ۲۴۴ باب الربوا)

دوسری حدیث میں ہے: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الربوا سبعون جزء ایسرھا ان ینکح الرجل امہ (مشکوۃ شریف ص ۲۴۶ باب الربوا)

یعنی۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا سودی معاملہ کرنے والے کو ستر قسم کے گناہ لاحق ہوتے ہیں۔جن میں ادنیٰ درجہ کا گناہ اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے کے برابر ہے۔نیز حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ سے روایت ہے۔قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درھم ربوا یاکلہ الرجل وھو یعلم اشد من ستۃ وثلثین زنیۃ الخ (مشکوۃ ص ۲۴۶ باب الربوا)

یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا سود کے ایک درہم (ساڑھے تین ماشہ چاندی) کا کھانا (اپنے خرچ میں لانا) اللہ تعالیٰ کے یہاں چھتیس مرتبہ زنا سے زیادہ سخت ہے۔

جس مسلمان کے دل میں آنحضرت ﷺ کے فرمان مبارک کی عظمت وقعت ہو وہ کبھی بھی سودی معاملہ کرنے کی جرأت نہ کرے گا۔ اسی لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دس حلال اشیاء میں سے صرف وہ چیز جو سود کے شک وشبہ سے بالکل پاک ہو اور باقی کو چھوڑ دو۔ فدعوا الربوا والریبۃ (مشکوٰۃ ص ۲۴۶ باب الربوا)

آنحضرت ﷺ کی پیشنگوئی ہے۔ **لیأتین علی الناس زمان لا یبقی احد الا اکل الربوا فان لم یاکله اصابه من بخاره ویروی من غباره. عن ابی هریرة رضی الله عنه (مشکوٰۃ ص ۲۴۵ باب الربوا)** یعنی۔ لوگوں پر ایک زمانہ آنے والا ہے کہ کوئی آدمی بھی سود سے نہ بچے گا، ظاہراً نہیں لے گا تو اس کا دھواں (کوئی اثر) ضرور اس کو لگے گا۔

اگر اصل رقم جو ادا کر چکے ہیں اس کو لینے کی اور سود چھوڑ دینے کی نیت سے بیمہ کیا تب بھی اجازت نہیں کیونکہ اس میں حرام کاروبار میں شرکت ہوتی ہے اور اس کو ترقی دینے کے لئے امداد واعانت ہوتی ہے۔ حالانکہ ارشاد خداوندی ہے۔ **ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان** . یعنی گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد مت کرو اور خدا سے ڈرتے رہو بے شک اللہ پاک سخت عذاب دینے والا ہے۔ (سورۂ مائدہ)

انڈین ویوز کے سود والے مضمون کے متعلق اہم فتویٰ:

(سوال ۲۸۱) بعد تسلیم و بصد آداب و تعظیم مذکور کاغذ کے ساتھ انڈین ویوز کے کٹنگ (جلد ۴۷ رسالہ ۴۸، ۴۹، ۵۰) عرض خدمت ہے حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری دامت برکاتہم کی خدمت عالی میں پیش کر کے ممنون فرمائیں۔ مذکور کٹنگوں کے دیکھنے سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ "سود اور رویت ہلال" کے مسئلوں کے متعلق کتنی بڑی نا سمجھی اور غلط فہمی لوگوں میں پھیل گئی ہے اور اس میں سود کے مسئلہ کے متعلق ایک فتنہ کھڑا ہو گیا ہے کہ ظلم نہ ہوتا ہو تو سود حرام نہیں ہے، بلکہ سود آج مبارک چیز ہے اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا، تو اس کا جواب حضرت مفتی صاحب مدظلہ سے حاصل فرمائے۔

(الجواب) بڑے تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ تیرہ سو برس پہلے ایک شرعی، قرآنی اور متفقہ ومسلمہ مسئلہ کے خلاف ایک غیر عالم اور علوم شرعیہ (نور نبوت) سے محروم انسان کے نظریہ نیز بیہودہ دلیل اور بکواس پر افریقہ کے مسلمان برادران مذبذب اور ڈانواڈول ہو گئے ہیں، تو جب دجال آئے گا تو کیا حالت ہوگی؟ دجال کے کرشمے تو نہایت ہی خطرناک اور حیرت انگیز ہوں گے، مردہ کو زندہ کرنے کا کرشمہ دکھائے گا۔ اس کے ساتھ اس کی جنت اور دوزخ بھی ہوگی۔ اپنے ماننے والوں کو اپنی جنت میں داخل کرے گا اور نہ ماننے والوں کو دوزخ میں ڈالے گا۔ سخت قحط سالی کے وقت جب کہ لوگوں کے پاس گلہ اناج نہ ہوگا، غلہ دے گا، بارش برسائے گا اور غلہ پیدا کرے گا۔ زمین کی مدفون خزانے اس کو حکم کے تابع ہو جائیں گے ایسے حالات میں آج کے کمزور عقیدہ والے مسلمان (اپنے) ایمان کو کیسے سنبھالیں گے؟ یہ زمانہ پرفتن ہے، جس کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیشنگوئی ہے:۔ **یکون فی اخر الزمان دجالون، کذابون**

یاتونکم من الا حادیث بما لم تسمعوا انتم ولا آبائکم فایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم رواہ مسلم ۔ عن ابی ھریرہ (مشکوٰۃ ص ۲۸ باب الا عتصام بالکتاب والسنۃ مجتبائی دھلی)

یعنی ۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان و پیشگوئی ہے کہ آخری زمانہ میں جھوٹے دجال بہت ہوں گے جو تم وایسی احادیث (باتیں) سنائیں گے جو نہ تم نے کبھی سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے سنی ہوں گی ۔ ایسوں سے بچتے رہنا ورنہ تم کو گمراہ کردیں گے اور فتنہ میں ڈالیں گے ۔ (مشکوٰۃ شریف)

لہذا ایسے گمراہ کن مضامین اور ایسے مضمون نگاروں سے دور رہنا قرآن کریم کی تعلیم ہے ۔ واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماً. یعنی ۔ جب کوئی جہالت کی باتیں کرے تو خدا کے نیک بندے صاحب سلامت کہہ کر الگ ہوجاتے ہیں ۔ (سورۃ الفرقان)

غلط خیالات اور گندے دماغ والوں کی کتابیں اور ان کے مضامین پڑھنے سے دل پر اثر بد پڑنے کا اندیشہ ہے ۔ لہذا اسلام نے ایسی چیزوں سے دور رہنے کی تعلیم دی ہے ۔

حدیث شریف میں ہے ۔ عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین اتاہ عمر فقال انا نسمع احادیث من یھود تعجبنا افتری ان نکتب بعضھا؟ فقال امتھوکون انتم کما تھوکت الیھود والنصاریٰ لقد جئتکم بھا بیضاء نقیۃ. ولو کان موسیٰ حیاً ما وسعہ الا اتباعی (مشکوٰۃ ص ۳۰ ایضاً)

حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ ہم یہود کی باتیں سنتے ہیں جو عجیب ہوتی ہیں اجازت ہو تو کچھ باتیں لکھ لیا کریں ۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا (ﷺ) کیا تم شک میں ہو؟ جیسے یہود و نصاریٰ شک میں تھے ۔ بے شک میں تمہارے پاس روشن شریعت لے کر آیا ہوں ۔ اگر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو ان کے لئے بھی میری اتباع کے سوا گنجائش نہیں تھی (لامحالہ میری پیروی کرتے) (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰)

حضرت جابرؓ کی دوسری روایت ہے ۔ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنسخۃ من التورۃ فقال یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ھذہ نسخۃ من التورۃ فسکت فجعل یقرأ ووجہ رسول اللہ علیہ وسلم یتغیر فقال ابوبکر ثکلتک الثواکل ما تری ما بوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنظر عمر الی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسولہ رضینا باللہ رباًوبالا سلام دیناً وبمحمد نبیاً فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ (مشکوٰۃ ص ۳۲ مجتبائی دھلی باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ۔

(ترجمہ) حضرت عمر فاروقؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک کتاب پیش کرتے ہوئے عرض کیا ۔ یارسول اللہ یہ توراۃ ہے ۔ آنحضرت ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا (خاموش رہے) حضرت عمرؓ پڑھنے لگے حضرت کا چہرۂ انور متغیر ہوا تو حضرت ابوبکر نے (فوراً حضرت عمر کو ٹوکا اور اپنے محاورہ میں) فرمایا ۔ اے عمر تمہیں رونے والیاں روویں ۔ تم آنحضرت ﷺ کے چہرۂ مبارک کو نہیں دیکھتے کہ کیا کیفیت ہے ۔ حضرت عمر نے چہرۂ انور کو دیکھا کہ ناگواری سے رنگ بدلا ہوا ہے (گھبرا کر) عرض کیا ۔ میں پناہ مانگتا ہوں خدا کے غضب سے اور اس کے رسول کے غضب سے ہم

راضی ہیں اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے نبی ہونے پر الخ۔
آیت ربوا کی تشریح کرنے والے ان مقالہ نگار کی مثال اس کاتب جیسی ہے جو جہل مرکب کے مریض تھے۔ قرآن شریف کی کتابت شروع کی تو یہاں بھی اصلاح کی سوجھی۔ ولقد نادانا نوح (اور ہم کو پکارا نوح نے) کے بجائے دانا نوح۔ لکھا کہ نوح علیہ السلام ''نادان'' نہیں تھے ''دانا'' تھے۔ یہ پہلے کاتب کی غلطی ہے کہ ''نادان'' لکھ دیا۔

''عصی آدم ربہ'' (آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی باتیں نہیں مانی) لکھنے لگے تو خیال آیا کہ عصا (لاٹھی) تو آدم کی نہیں تھی۔ عصا رموسیٰ مشہور ہے۔ لہذا آپ نے عصا موسیٰ ربہ تحریر فرمایا۔ فرعون، ابلیس، قارون، ہامان کی جگہ ان صاحب کا اور ان کے باپ دادا کا نام لکھ دیا۔ جن کی فرمائش پر یہ قران شریف لکھ رہے تھے کہ ان ناپاک ناموں کا قرآن میں کیا کام یہاں پاک نام فرمائش کرنے والے اور ان کے آباواجداد کے آنے چاہئیں (معاذ اللہ)

انڈین ویوز کے مضمون نگار کے نظریہ کا خلاصہ:

انڈین ویوز کے مضمون نگار صاحب کے نظریہ کا خلاصہ تقریباً ان کے الفاظ میں یہ ہے:۔
''قرآن مجید کی آیات میں سود کا خلاصہ کر کے لینے دینے کو حرام قرار دیا ہے، وہ ایسا سود ہے جو زکوٰۃ، خیرات وغیرہ کی امداد کے حق دار ہوں، ایسے غریب حاجت مندوں کے پاس سے وصول کر کے اس پر ظلم کیا جائے جلد ۴۷ شمارہ ۴۸)

(الجواب) مذکورہ عقیدہ ونظریہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اسلام میں کوئی بھی یہ نہیں مانتا کہ سود لینا غریب سے حرام ہے۔ سرمایہ داروں (مالداروں) سے سود لینا حرام نہیں، حلال ہے۔
صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین رحمہم اللہ، ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ، محدثین، علماء وفقہاء کرام رحمہم اللہ نیز مشائخ عظام رحمہم اللہ میں سے کسی کا بھی یہ مذہب اور عقیدہ نہیں ہے۔ یہ قرآن کریم پر افترا اور بہتان اور آیات کلام اللہ کی من گھڑت تفسیر ہے۔ یہ مضمون نگار عالم نہیں ہیں۔ اگر کوئی بلند پایہ عربی داں فاضل وقت ہو تو اس کے لئے بھی گنجائش نہیں ہے کہ کلام اللہ کی کسی آیت کے معنی اپنے دل سے گھڑے۔ آیات کلام اللہ کی وہی تفسیر قابل اعتبار ہوگی جس کے شواہد اور قرائن احکام شریعت کے اندر موجود ہوں اور ان شواہد اور قرائن کے بغیر اگر کوئی شخص اپنی عقل اور ذہانت سے تفسیر کرے تو اگر وہ بالفرض صحیح بھی ہو تب بھی آئین تفسیر کے لحاظ سے غلط ہے۔ چنانچہ حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال فی القرآن برائہ فاصاب فقد اخطاء.** (رواہ الترمذی)(مشکوٰۃ ص ۳۵ کتاب العلم)
یعنی۔ جس نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کی تو اگر وہ صحیح بھی ہو تب بھی اس نے غلطی کی۔
یہ تو اہل علم کے متعلق آنحضرت ﷺ کی ہدایت ہے باقی یہ کہ کوئی عالم نہ ہو ادھر ادھر کی کچھ باتیں معلوم کر کے احکام شریعت پر بحث کرنے لگے یا کسی آیت کی تفسیر کی جرأت کرے اور مسلمان اس کی بات کی قدر کریں تو اس کو آنحضرت ﷺ نے علامات قیامت میں شمار فرمایا ہے۔ **عن ابی ھریرۃ قال بینما النبی صلی اللہ علیہ سلم فی**

مجلس یحدث القوم جاءه اعرابی فقال متی الساعة فمضی رسول الله صلی الله علیه وسلم یحدث فقال بعض القوم سمع ماقال فکره ماقال وقال بعضهم بل لم یسمع حتی اذا قضی حدیثه قال این اراه السائل عن الساعة . قال ها انا یارسول الله صلی الله علیه وسلم .قال فاذا ضیعت الامانة فانتظر الساعةفقال کیف اضاعتها قال اذاوسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۴ پ ۱ کتاب العلم باب من سئل علما هو مشتغل فی حدیثه الخ.)

ترجمہ۔آنحضرت ﷺ ایک مجلس میں خطاب فرمارہے تھے کہ ایک اعرابی آیا۔اس نے سوال کیا۔قیامت کب ہوگی؟ آنحضرت ﷺ نے سلسلہ خطاب جاری رکھا (اس کا جواب نہیں دیا) حاضرین میں سے کسی کو خیال ہوا کہ آپ ﷺ نے اعرابی کی بات سن لی مگر جواب دینا پسند نہیں فرمایا۔اور کسی کو خیال ہوا کہ سمع مبارک تک اعرابی کی بات پہنچی ہی نہیں ہے۔یہی خیالات تھے کہ آنحضرت ﷺ نے کلام ختم فرمایا۔تب ارشاد ہوا۔کہاں ہیں (راوی کہتے ہیں کہ مجھے پوری طرح الفاظ یاد تو نہیں رہے مگر میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ فرمایا۔این السائل عن الساعة (وہ کہاں ہیں جو قیامت کے متعلق سوال کررہے تھے) اعرابی نے فوراً جواب دیا۔ھا انا یارسول الله ۔یارسول اللہ میں حاضر ہوں آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔جب وہ امانت (جونوع انسان کو سپرد کی گئی ہے وہ) برباد کی جائے۔اعرابی نے دریافت کیا۔یہ مقدس امانت برباد کیسے ہوگی؟ آنحضرت ﷺ نے ارشادفرمایاجب یہ امر (دین کا معاملہ) نااہل کے سپرد کردیا جائے تو قیامت کا انتظار کر۔

دوسری حدیث یہ ہے کہ لوگ ناواقفوں کو سردار بنا کران سے دین کی باتیں پوچھیں گے وہ خودبھی گمراہ ہوں گے دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔(ترمذی شریف ابواب العلم باب ماجآء فی ذهاب العلم)

حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے کہ جب تک لوگوں کے سامنے علماء کاملین کا علم رہے گا،وہ دین میں ترقی کرتے رہیں گے اور جب ناقص اور ناواقفوں کا علم شروع ہوگا تو برباد ہوں گے (جامع بیان العلم ج ۱ص ۱۵۹)

حضرت امام اوزاعیؒ نے فرمایا ہے کہ دینی باتیں جاہلوں سے پوچھی جاتی ہیں یہ بھی گمراہی کی علامت ہے (الاعتصام ج ۱ص ۱۴۹)

واقعہ یہ ہے کہ شرعی احکام کی حقیقت اور خوبی وحکمت صحیح طریق سے وہی سمجھ سکتا ہے جس نے اسلامی علوم علماء کاملین سے حاصل کئے ہوں جس کو بزرگان دین اور اولیاء کاملین کے فیض صحبت سے کچھ حصہ ملا ہو۔یعنی جن کے قلوب کو خود نبوت کے آفتاب نے ان روشن دانوں کے ذریعہ نورانیت اور حقانیت کی روشنی پہنچا کر منور کیا ہو وہی شرعی احکام کے مصالح وحکم پوری طرح سے سمجھ سکتے ہیں۔جولوگ خدائے تعالیٰ کے ان انعامات سے محروم ہیں،وہ خداوند عالم کے اس لطف وکرم سے کس طرح سرفراز ہوسکتے ہیں؟ ہرایک مدعی وکالت بیرسٹر نہیں ہوتا۔آپ اپنا مقدمہ اسی کے حوالے کرتے ہیں جس نے باقاعدہ وکالت یا بیرسٹری کا امتحان دیا ہو۔پھر کسی بڑے وکیل یا بیرسٹر کا جوزرین کرتجربہ حاصل کیا ہو۔ہر شخص جانتا اور سمجھتا ہے کہ نیم ملا آفت ایمان اور نیم حکیم آفت جان۔مگر افسوس۔آیات کتاب اللہ کی تفسیر کے بارے میں لوگ ان مسلمہ اور متعارف اصول کو بھول جاتے ہیں۔انڈین ویوز کے مضمون نگار صاحب بہترین صحافی اور اچھے اخبار نویس ہوں گے مگر دین کے معاملے میں ان کی تہی دامنی اور محرومی کا اندازہ اسی سے ہوسکتا

ہے کہ وہ کلام اللہ شریف کی آیت کو وہ معنی پہنارتے ہیں جو کسی نے نہیں پہنائے جو شخص تیرہ سو برس کے مفسرین، محدثین، ائمہ کرام مجتہدین، فقہاء عظام اور علمائے ربانی کے ارشادات کو غلط کہے اس کو طالب حق کہا جانے گا یا باطل پرست۔ اے بسا ابلیس آدم روئے ہست (معاذ اللہ)

حدیث شریف میں ہے۔ **ویقال للرجل ما اعقلہ وما اظرفہ واما اجلدہ وما فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من الایمان۔ بخاری شریف۔**

یعنی۔ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص کی نمائشی باتوں سے لوگ یہاں تک متاثر ہوتے ہیں کہ حیرت سے کہتے ہیں۔کتنا بڑا عقلمند ہے کیسا ذہن اور سخن شناس ہے۔کس قدر دلیر ہے اور حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ آیات قرآن اور احادیث رسول اللہ ﷺ کے یہ معنے گھڑنا کہ وہ سود حرام ہے جو ایسے غرباء سے لیا جائے جو زکوٰۃ و خیرات کے مستحق ہیں اور صاحب دولت امراء سے سود لینا حرام نہیں ہے۔یہ سراسر آیات کلام اللہ کی تحریف معنوی اور خواہش نفسانی کی اتباع اور یہود ملعون کی تقلید ہے۔یہودیوں پر چربی حرام کی گئی تھی تو انہوں نے یہ تاویل کر لی کہ اس کو پگھلا کر بیچا اور قیمت اپنے کام میں لائے۔آنحضرت ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی **قاتل اللہ الیہود ان اللہ لما حرم علیھم شحومھا احملوھا ثم باعوہ فاکلوہ بثمنہ (مسلم شریف ج ۲ ص ۳ مطبع علمی دھلی)** (ترجمہ) اللہ تعالیٰ یہود کو برباد کرے جب ان پر چربی حرام کردی گئی تو انہوں نے اس کو پگھلایا اور اس کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی اسی طرح کی تاویل یہ ہے کہ جو مضمون نگار صاحب کر رہے ہیں اور اپنے عمل سے آنحضرت ﷺ کی اس پیشگوئی کی تصدیق کر رہے ہیں۔

لتتبعن سنن من قبلکم شبراً شبراً و ذراعاً ذراعا حتی لو دخلوا حجر فی ضب تبعتموھم قلنا یارسول اللہ الیھود والنصاری ؟ قال فمن (بخاری شریف ص ۸۸۸ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنھما) (ترجمہ) تم لامحالہ اگلوں کے طریقوں کی پیروی کروگے۔بالشت بالشت، ہاتھ ہاتھ۔یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گھسے ہوں گے تو تم بھی گھسوگے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگلوں سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ آپ نے فرمایا۔اور کون؟

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ یہودیوں کے ملعون و مغضوب ہونے کی ایک بڑی وجہ سود خوری ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔**فبظلم من الذین ھادوا۔ الی قولہ ۔ واکلھم الربوا (سورہ نساء ۲۲)** یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے (کئی ایک) اچھی چیزیں ان پر حرام کردیں (جو پہلے) حلال تھیں اور اس وجہ سے بھی کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہت روکنے لگے تھے۔نیز ان کی یہ بات کہ سود لینے لگے حالانکہ اس سے روک دیئے گئے تھے۔(الآیۃ سورہ نساء)

قرآن حکیم کی تصریحات:

ان تمہیدی مقدمات کے بعد قرآن حکیم کی طرف رجوع کیجئے۔اور غور فرمائیے کہ آیات کتاب اللہ نے جس کو حرام قرار دیا ہے جس کو چھوڑنے کی یہاں تک تاکید فرمائی ہے کہ اگر ترک نہیں کرتے ہو تو اللہ اور رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔وہ کیا ہے اور کیا اس میں اس تفصیل کی گنجائش ہے کہ غریب سے حرام ہے امیر سے نہیں۔

پوری آیت یہ ہے:۔

الذین یا کلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس . ذلک بانھم قالوا انما البیع مثل الربوا واحل اللہ البیع وحرم الربوا. فمن جاءہ موعظۃ من ربہ فانتھی فلہ ما سلف وامرہ الی اللہ ومن عاد فاولئک اصحاب النار ھم فیھا خلدونO (سورہ بقرہ ع ۳۹)

جو لوگ کھاتے ہیں سود نہ اٹھیں گے قیامت کو مگر جس طرح اٹھتا ہے وہ جس کے حواس کھودیئے جن نے لپٹ کر (جیسے کوئی مرگی کا مریض ہو یا آسیب زدہ ہو) یہ اس لئے ہوگا کہ انہوں نے سود کے ناجائز ہونے سے انکار کیا اور کہا خرید وفروخت کرنا بھی ایسا ہی ہے جیسے قرض دے کر سود لینا حالانکہ خدا نے تو خرید وفروخت کو حلال فرمایا ہے اور سود (ربوا) کو حرام (دونوں باتیں ایک طرح کی کیسے ہوسکتی ہیں) سو اب جس کسی کو اس کے پروردگار کی نصیحت پہنچ گئی (اور وہ آئندہ سود لینے سے رک گیا) تو جو پہلے لے چکا ہے وہ اس کا ہو چکا ہے۔اس کا معاملہ خدا کے حوالے ہے لیکن جو کوئی باز نہ آیا تو وہ دوزخی گروہ میں سے ہے،ہمیشہ عذاب میں رہنے والا ہے۔

مذکورہ بالا نص قرآنی میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الربوا کو حرام قرار دیا ہے یعنی جس پر بھی ربوا کا اطلاق ہو وہ حرام ہے خواہ وہ غریب سے حاصل ہو یا امیر سے۔

اس کے متعلق جو اعتراض تھا قرآن حکیم نے اس کا جواب دیا ہے۔مزید برائی ربوا کے نقصانات اور مضرتیں بیان فرمائی ہیں۔آپ سب کو بغور مطالعہ فرمائیے اور دیکھئے کہیں غریب اور امیر کا فرق نکلتا ہے۔یا اس فرق کی کوئی پرچھائیں بھی کہیں نظر آتی ہے۔

اعتراض یہ تھا۔ **انما البیع مثل الربوا**۔ یعنی بیع کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ وہ ربوا جیسی ہے۔ربوا حرام ہے تو بیع بھی حرام ہونی چاہئے۔

کلام الٰہی فہمائش کرتا ہے کہ یہ بہت بڑی ہٹ دھرمی ہے کہ بیع کو ربوا۔یا مثل ربوا کہا جائے۔ان دونوں میں نہ یگانگت ہے نہ مماثلت بلکہ ان دونوں میں وہی فرق ہے جو نفی اور اثبات میں ہوتا ہے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ بیع کی حقیقت تبادلہ ہے یعنی دو مماثل چیزوں میں سے ایک کو دوسرے کے عوض میں دینا۔یہاں مماثلت تبادلہ اور عوض ہوتا ہے۔اس کے برعکس ربوا۔اس زیادتی کو کہا جاتا ہے جس کے عوض میں کچھ نہ ہو۔جب ایک میں عوض کا ہونا ضروری ہے اور دوسرے میں نہ ہونا ضروری تو ان دونوں کو یعنی بیع اور ربوا کو ایک کہنا یا مثل قرار دینا سراسر ہٹ دھرمی ہے۔

آپ نے ایک موتی ایک ہزار روپیہ میں خریدا۔ دو ہزار میں بیچا۔ جس طرح ایک ہزار عوض تھا، ایسے ہی دو ہزار بھی عوض اور بدل ہے۔ یہ بائع اور خریدار کا باہمی سمجھوتہ ہے کہ وہ اپنی رضامندی سے ایک ہزار کو موتی کا عوض قرار دیں یا دو ہزار کو۔ کسی بزرگ کی ٹوپی جو پانچ پیسے کی ہو، اس کو ایک ہزار گنیوں کے بدلہ میں فروخت کیا جاسکتا ہے۔ یعنی فریقین کو حق ہے کہ وہ پانچ پیسے کی چیز کا عوض دو ہزار گنیاں قرار دے لیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ البتہ اگر فریقین کی رضامندی نہ ہو۔ جبر و اکراہ یا دھوکہ دے کر زائد رقم وصول کی جائے تو بے شک ناجائز ہے۔ لیکن ایک شخص ایک ہزار روپیہ قرض لیتا ہے اور طے یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک سال بعد پانچ پیسے زائد ادا کرے گا۔ سوال یہ ہے کہ یہ پانچ پیسے کس چیز کا عوض ہیں۔ یہاں تبادلہ اور بیع نہیں ہے اگر ہے تو استعارہ ہے استعارہ کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ بلا عوض کے کوئی چیز منگنی پر دے دی جائے۔ یہ پانچ پیسے پھر بھی زائد ہی رہے ان کے لئے جواز نہیں نکلا۔ ممکن ہے یہ کہہ دیا جائے کہ یہ استعارہ نہیں بلکہ اجارہ ہے یعنی کرایہ۔ یہ پانچ پیسے کرایہ کے ہیں تو کرایہ اس چیز کا ہوتا ہے جو خود باقی رہے۔ کرایہ دار مکان کو خرچ نہیں کرتا۔ مکان بدستور باقی رہتا ہے۔ وہ اس سے رہائش کا فائدہ حاصل کرتا ہے۔ اس کے معاوضہ کا نام کرایہ ہے۔ لیکن قرض دار کا تو پہلا کام یہ ہوا کہ وہ روپیہ خرچ کر دے۔ اب کرایہ کس چیز کا؟ بہرحال فضل خال عن العوض یعنی وہ زیادتی جو عوض اور بدل سے خالی ہو، کوئی مماثل شے اس کے مقابلہ میں نہ کہی گئی ہو اس کا نام ربوا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔

اس پورے سوال جواب پر دوبارہ توجہ فرمائیے اور تلاش کیجئے کہیں امیر یا غریب کا فرق نکلتا ہے یا اس کی کوئی پرچھائیں بھی نظر آتی ہے۔

یہ قرض کی صورت تھی جس میں ربوا ہوا اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا اور علت یہ کہ ایسی زیادتی ہے جس کے مقابلے میں کوئی عوض نہیں آرہا۔

احادیث مقدسہ میں قرض کے علاوہ بیع کی صورتوں پر بھی نظر ڈالی گئی ہے۔ اور خرید و فروخت کے سلسلہ میں جہاں یہ بات پائی گئی کہ زیادتی کے مقابلہ میں عوض نہیں آیا اس کو بھی ربوا قرار دے دیا۔

بے شک بیع کے سلسلہ میں فریقین کو اختیار ہے کہ وہ اپنی خوشی اور رضامندی سے پانچ پیسے کی ٹوپی کا عوض ایک ہزار پونڈ قرار دے لیں۔ لیکن یہ جب ہے کہ جب جنسیں دو ہوں لیکن اگر جنس ایک ہو مثلاً سونے کے عوض میں سونا دیا جائے جیسے دس تولے سونے کا بار گیارہ تولے سونے کے عوض میں فروخت کریں۔ یہاں اگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ فریقین نے اپنی رضامندی سے دس کو گیارہ کا عوض قرار دے لیا ہے۔ مگر یہ رضامندی مشاہدہ کے خلاف ہے۔ اور ایک ہی جنس کی چیزوں میں دس کو گیارہ کے مساوی تسلیم کر لینا کھلی ہوئی حقیقت کا انکار ہے۔ لامحالہ یہ ایک تولہ ایسی زیادتی ہے جس کے مقابلہ میں کوئی عوض نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو بھی ربوا قرار دیا ہے۔

مساوات کی شرط یہ بھی ہے کہ دونوں نقد ہوں سونے جیسی ہم جنس چیزوں کے تبادلہ میں ایک نقد ہو۔ مثلاً زیور آپ اس وقت لے لیں اور قیمت ادھار رکھیں۔ یہ بھی مساوات کے خلاف ہے۔ نقد کی منفعت جو فوراً حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ بھی ایک طرح کی بیشی اور زیادتی ہے جس کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں آرہی۔ لہذا آنحضرت ﷺ نے ہم جنس اور ہم وزن کے مقابلہ میں ادھار کو ربوا قرار دیا ہے۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ زیور کی گھڑائی اور بنوائی۔ یا ایک سونے کا دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ کھرا ہونا، اس زیادتی کا عوض ہوسکتا ہے۔ مگر شریعت نے سونے کے وجود اور جوہر کے مقابلہ میں ان اضافہ اور معنوی امور کا اعتبار نہیں کیا۔ اس قسم کے اضافی اور اعتباری امور ربوا کا دروازہ کھول سکتے ہیں۔ لہذا سونے کے زیور کے عوض میں اگر سونا دیا جائے تو وہ برابر ہی دینا ہوگا اور نقد ادا کرنا ہوگا۔ آپ اگر کاریگر کی محنت یا سونے کی جودت اور عمدگی کو نظر انداز نہیں کرسکتے تو سونے کے عوض میں سونا نہ دیجئے۔ چاندی یا کوئی اور جنس بدلہ میں دے دیجئے تا کہ محنت اور عمدگی کا حق بھی ادا ہوجائے اور ربوا بھی نہ ہو۔

آنحضرت ﷺ نے چھ چیزیں شمار کرائی ہیں جن کی بیع اگر ہم جنس سے ہو۔ تو زیادتی اور ادھار دونوں ربوا ہیں۔ اور حرام ہیں۔

سونا۔ چاندی۔ گیہوں۔ جو۔ کھجور۔ نمک۔

یعنی سونے کی بیع سونے سے، چاندی کی چاندی سے، گیہوں کی گیہوں سے، جو کی جو سے، کھجور کی کھجور سے نمک کی نمک سے ہوگی تو کمی وبیشی بھی حرام ہے اور ادھار بھی حرام ہے۔

وہ خداترس وخداپرست علماء متبحرین جن کا یقین تھا کہ قرآن حکیم کلام اللہ ہے۔ اور محمد رسول اللہ اس کے حامل صادق اور شارح کامل ہیں۔ جنہوں نے کلام اللہ اور احادیث رسول کی تحقیق وتنقید میں عمریں صرف کیں۔ اشارات کو سمجھا۔ ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف کی تہہ میں پہنچ کر اخذ واستنباط کا حق ادا کیا، جن کو ائمہ مجتہدین کہا جاتا ہے۔ انہوں نے ان چھ چیزوں پر یہی مجتہدانہ نظر ڈالی کہ کمی بیشی اور ادھار کی ممانعت انہیں چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا ان کے علاوہ اور چیزوں میں بھی یہ حکم جاری ہوگا۔ اب اس حد تک تو تقریباً سب ائمہ اجتہاد کا اتفاق ہے کہ یہ ممانعت صرف ان چھ میں منحصر نہیں ہے۔ ان کے علاوہ خرید وفروخت کی اور چیزوں میں بھی ممانعت جاری ہوگی۔ مگر وہ اور چیزیں کون کون سی ہیں۔ اس سوال کے جواب میں حضرت مجتہدین کی رائیں مختلف ہوگئیں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا۔ ان چیزوں میں مشترک بات یہ ہے کہ یہ "وزنی ہیں یا کیلی ہیں۔" یعنی ان کی خرید وفروخت وزن اور تول کے ذریعہ ہوتی ہے یا کیل (پیمانہ سے ناپنے) کے ذریعہ ہوتی ہے (اس میں گیہوں اور کھجور مخصوص مقدار کے ڈبوں یا پیپوں میں ناپ کر بیچے جاتے تھے۔ جن کو صاع۔ مد۔ مکوک۔ رطل وغیرہ کہا جاتا تھا۔ اس لئے گیہوں کو کیلی سمجھا جاتا تھا۔ ہمارے یہاں یہ وزنی مانا جاتا ہے) کھجور، گیہوں، جو کے علاوہ سونا چاندی تول کر بیچا جاتا تھا۔ لہذا امام صاحب نے اصول طے کردیا۔ کہ جن دو چیزوں میں قدر وجنس کا اشتراک پایا جائے یعنی جنس متحد ہو اور وہ دونوں کیلی ہوں (پیمانہ سے ناپ کر بیچی جاتی ہوں) یا وزنی ہوں (تول کر بیچی جاتی ہوں) ان میں اگر ایک کی بیع دوسرے سے کی جائے تو ان میں بھی یہ حکم نافذ ہوگا۔ یعنی مساوات لازم ہوگی اور یہ بھی لازم ہوگا کہ بیع نقد ہو۔ ادھار حرام ہوگا۔ اس اصول کی بنا پر سونے چاندی کی طرح لوہے پیتل میں بھی یہی ہوگا۔ اگر لوہے کی بیع لوہے سے کی جائے تو ضروری ہے کہ وزن میں دونوں برابر ہوں اور دونوں نقد ہوں ہاتھ در ہاتھ۔ ادھار نہ ہو۔

بہر حال بحث بہت طویل ہے۔ حضرات ائمہ کے نظریات اور ان کے دلائل کے لئے سینکڑوں صفحات ناکافی ہیں۔ یہاں دلائل بیان کرنے مقصود نہیں ہیں۔ یہاں تو یہ عرض کرنا ہے کہ قرآن پاک کا لفظ ربوا۔ جہاں جہاں تک

وسعت رکھتا ہے۔اس میں مضمون نگار صاحب کا خود ساختہ فرق کہ غریب سے ناجائز اور امیر سے جائز کہیں نظر نہیں آتا۔

قرآن حکیم کی ان آیات میں جو ربوا سے متعلق ہیں۔ ربوا۔ کی دو خرابیوں اور مضرتوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

(۱) پہلی خرابی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

الذین یا کلون الربوا لا یقومون الا کمایقوم الذین یتخبطه الشیطان من المس.

جو کھاتے ہیں سود وہ نہیں اٹھیں گے مگر ایسے جیسے اٹھتا ہے وہ جس کے حواس کھو دیئے جن نے لپیٹ کر (جیسے کوئی مرگی کا مریض یا آسیب زدہ ہو)

اس حواس باختگی اور آسیب زدگی کا پورا ظہور تو قیامت کو ہوگا جب نتائج اعمال حقیقت بن کر سامنے آئیں گے اور جیسا کہ روایات میں ہے سود خوار کی تو ند سانپوں اور اژدھاؤں کا بندگڑھا ہوگا جو اس کو ایسا اپاہج بنادے گا کہ اٹھنا چاہے گا تو اٹھ نہیں سکے گا۔اٹھے گا اور گرے گا۔(معاذ اللہ)

مرگی کے مریض کی طرح اس کے اعضا بھی بے کار ہو جائیں گے اور دماغ بھی معطل ہو جائے گا (معاذ اللہ) لیکن آج کی دنیا میں سرمایہ دار طبقہ جس بحران میں مبتلا ہے اگر اس کو لفظوں میں بیان کرنا چاہیں تو قرآن پاک کے الفاظ سے زیادہ بہتر اور موزوں الفاظ اس کے لئے میسر نہیں آسکے۔ یہ پورا طبقہ گویا آسیب زدہ ہے۔اس کو جن لپٹا ہوا ہے جس نے اس کو حواس باختہ کر رکھا ہے۔

آج دنیا جس بحران میں مبتلا ہے کہ بڑی سے بڑی قوم جو ترقی کے بام عروج پر جلوہ افروز ہے وہ بھی اپنی تمام ترقیات کے باوجود دولت اطمینان سے محروم ہے۔سراسیمگی اور بدحواسی میں مبتلا ہے۔کہیں ہتھیاروں کی دوڑ ہے کہیں سرمایہ داروں اور مزدوروں کی جنگ ہے۔اور سراسیمگی اور بدحواسی کی انتہا یہ ہے کہ فلسفہ اور سائنس کی تمام صلاحیتیں جو انتہائی ترقیات اور انسانیت کی سربلندی پر صرف ہونی چاہئیں وہ ایسی ایجادات پر صرف کی جارہی ہیں جو نوع انسان کو ہلاک و برباد اور دنیا وی کائنات کو زیادہ سے زیادہ اور جلد سے جلد تباہ اور نیست و نابود کرسکیں۔کیا یہ آسیب نہیں ہے اور کیا ان ترقی پذیر قوموں کی ترقی معکوس کی کوئی مثال اس سے بہتر ہوسکتی ہے۔حسد و بغض اور نفرت باہمی کا جن ان کو لپٹا ہوا ہے جو ایک دوسرے کے خلاف آتشیں جنگ نہیں تو سرد جنگ کے ہیبت ناک دیو کھڑے کر رہا ہے۔

دنیا کے اس بحران کو چالاک سود خوار سرمایہ داری کے سر تھوپ رہے ہیں کہ مزدور اور سرمایہ دار کی یہ جنگ جو ہر ایک مملکت میں بھی جاری ہے اور بین الاقوامی میدان میں بھی اس نے سرد جنگ کا طویل سلسلہ جاری کر رکھا ہے اس کی علت سرمایہ داری ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ سرمایہ داری کیا ہے۔کیا اس کی بنیادوں میں سود اور ربو انہیں بھرا جاتا اور کیا اس کی پوری تعمیر سود کے آب و گل سے تیار نہیں ہوتی۔تعجب ہے احتکار واکتناز ذخیرہ اندوزی کی مذمت میں پوری قابلیت اور قلم کا پورا زور صرف کردیا جاتا ہے لیکن دوسری طرف اس ظالمانہ اور بے جا نفع اندوزی کو نظر انداز کردیا جاتا ہے جو سود کی نفرت انگیز خصوصیت ہے۔خدا کرے انڈین ویوز کے مصنف مدیر صاحب کو بھی یہ توفیق ہو کہ وہ ان بنیادی حقیقتوں پر غور کریں ہمیں اس وقت کلام اللہ شریف کی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے یہ عرض کرنا ہے کہ ربوا کی اس عظیم مضرت اور سود

کے اس عظیم نقصان کے سلسلہ میں امیر اور غریب کا نہ کوئی فرق ہو سکتا ہے نہ ہو رہا ہے۔

کیا دنیا کی یہ بحرانی کیفیت اس لئے ہے کہ سود غریبوں سے لیا جاتا ہے او رسودی کاروبار جو بڑی بڑی کمپنیوں اور بڑے بڑے سرمایہ داروں کے درمیان چل رہا ہے وہ ایسا معصوم ہے کہ دنیا کا حلیہ بگاڑنے اور بین الاقوامی بحران پیدا کرنے میں اس کو کوئی دخل نہیں ہے۔

(۲) سود کی دوسری قباحت جس کی طرف قرآن شریف نے اشارہ فرمایا ہے۔ وہ ہے "ظلم"۔

دنیا کے بحران نے نفع اندوزی کی خرابیوں سے ماہرین اقتصادیات کو آگاہ اور آشنا کر دیا ہے۔ وہ نفع اندوزی کو ظلم سمجھتے ہیں۔ جس میں تناسب سے زیادہ نفع کما کر بازار کا بھاؤ بگاڑا جائے اور مارکیٹ کو ڈاؤن کیا جائے۔ لیکن اگر نفع اندوزی مذموم ہے تو سود اس سے پہلے قابل مذمت ہے۔ کیونکہ نفع اندوزی کی صورت میں نفع میں آپ کا ایک حق تو ضرور تھا اب آپ اپنے اس اصل حق میں بے جا اضافہ کر رہے ہیں۔ مثلاً بیس فیصدی نفع کا آپ کو حق تھا آپ عوام کی ضرورت کو پس پشت ڈال کر یہ کوشش کر رہے ہیں کہ سو فیصدی نفع آپ کو حاصل ہو جائے یہ نفع اندوزی ہے۔ مگر سود میں تو آپ کا کوئی بھی حق نہیں تھا۔ آپ ناحق سو روپیہ کے بجائے دو سو روپے لے رہے ہیں۔ یہی ظلم ہے۔ یعنی وضع الشئی فی غیر محله۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک بدترین مرض جس کا نام "بخل" ہے۔ انسانی طبیعتوں میں اس کا رنگ اتنا پختہ ہو چکا ہے کہ کسی قسم کی فراخ حوصلگی کو وہ برداشت نہیں کرتے۔ آج اقتصادیات کا پورا نظام اسی بخل اور خود غرضی، حرص اور طمع کی اینٹوں پر قائم ہے۔ چنانچہ سود۔ لاٹری اور سٹہ وغیرہ سب چیزوں کو پسند کیا جاتا ہے ان کو تہذیب کا جزء مانا جاتا ہے) اس کے برخلاف قرآن حکیم کی آیات مبارکہ وہ فضا پیدا کرنا چاہتی ہیں جس کی بنیاد عطار بخشش، داد و دہش اور فراخ حوصلگی پر ہو۔ جس فضا میں حرص و طمع پر لعنت بھیجی جاتی ہو۔ خود غرضی سے نفرت ہو اور بخل کے متعلق عقیدہ یہ ہو ای داء اودأ من البخل (حدیث) کونسا مرض بخل سے زیادہ سخت اور لا علاج ہو سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم کا یہ رکوع جس میں سود کی مذکورہ بالا حرمت بیان کی گئی ہے اس کا آغاز ان آیتوں سے ہوتا ہے۔

الذین ینفقون اموالهم باللیل والنهار سراً وعلانیةً فلهم اجرهم عند ربهم ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون. ۲۹۴ سورہ بقرہ.

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال رات کو اور دن کو۔ پوشیدہ اور کھلے طور پر پس ان کے لئے ان کا اجر ہے ان کے رب کے یہاں۔ نہ خوف ہوگا ان پر نہ وہ غمگین ہوں گے۔

مدیر صاحب کے تصور باطل کی تردید قرآن شریف سے:

قرآن حکیم معجزہ ہے۔ اس کے اعجاز کی ایک شان یہ بھی ہے کہ سلسلہ کلام میں وہ چیزیں لے آتا ہے جو غلط تصورات دید کرتی ہیں۔ انڈین ویوز کا اعتراض خواہ کتنا ہی بے جان اور بے معنی ہو مگر آیات کلام کا یہ سلسلہ اور سیاق اس اعتراض کو ختم کر دیتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے حرمت ربوا کے سلسلہ کی آخری آیت یہ ہے۔

وان کان ذو عسرة فنظرة الی میسرة O وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون (رکوع ۳۹ سورہ بقرہ)

اگر وہ (قرض دار) تنگی والا ہے (فقیر غریب ہے جس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی جس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے) تو اصل رقم کے ادا کرنے میں اس کو سہولت دو۔ جب تک اس کو سہولت میسر آجائے۔ اور بہتر تو یہ ہے کہ اس تنگ دست کو اصل رقم خیرات کردو۔

یہ آیت خود واضح کررہی ہے کہ سود کا تختۂ مشق دونوں ہو سکتے ہیں۔ امیر بھی اور غریب بھی۔ سود لینا دونوں سے حرام ہے اور جب کہ حرمت کا حکم نازل ہو چکا ہے تو آیت کا مفہوم یہ ہے کہ (۱) مقروض شخص امیر ہو یا غریب سود لینے والے کا فرض دونوں کے متعلق یہ ہے کہ جو سود بھی باقی ہے وہ چھوڑ دے۔ ذروا ما بقی من الربوا۔

(۲) راس المال۔ یعنی اصل رقم کے متعلق بے شک مالک کو حق ہے کہ اس کو وصول کرے مگر کلام اللہ شریف نے اس حق کو تسلیم کرتے ہوئے مالک رقم سے یہ سفارش کی ہے کہ اگر قرض دار شخص تنگی میں ہے تو اصل رقم کے وصول کرنے میں تنگی نہ کرو۔ اس غریب فقیر کو مہلت دو کہ وہ حسب سہولت ادا کرسکے۔ یعنی قرآن نے واضح کردیا کہ جن سے سود لیا جائے وہ دونوں ہو سکتے ہیں۔ غریب بھی اور امیر بھی۔

(۳) غریب کے لئے مزید سفارش یہ ہے کہ مطالبہ کی اصل رقم (راس المال) اس غریب کو صدقہ کردو۔ یعنی معاف کردو اور کچھ نہ لو تو یہ بہت ہی بہتر ہے۔

مقالہ نگار صاحب کی جدت:

یہاں صدقہ کا لفظ آگیا ہے۔ تو بقول "دیوانہ را ہوئے بس است" مقالہ نگار صاحب نے اسی لفظ کو لے کر یہ اجتہاد کر ڈالا کہ سود لینا مالداروں سے حرام نہیں ہے۔ صرف ان غریبوں سے سود لینا حرام ہے جو خود مستحق صدقہ ہوں۔

مقالہ نگار صاحب نے قرآن شریف کے ایک لفظ کو اختراعی اور مصنوعی معنی پہنا کر ان تمام آیتوں پر خط نسخ کھینچ دیا جو پہلے آچکی ہیں۔ اگر مقالہ نگار صاحب کا یہی اجتہاد کارفرما رہا تو ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ مقالہ نگار صاحب نماز بھی غریبوں سے معاف کرادیں گے کیونکہ قرآن مجید میں جگہ جگہ یہ الفاظ ہیں اقیموا الصلوٰة واتوا الزکوٰة (نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ ادا کرو) تو مقالہ نگار صاحب غالباً یہی فیصلہ کریں گے کہ نماز اس پر فرض ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اور جس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے اس پر نماز بھی فرض نہیں۔ پھر وہ شاید جوئے کو بھی جائز قرار دیں۔ بلکہ ممکن ہے فرض کہنے لگیں۔ کیونکہ بخاری شریف میں ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دوسرے سے کہے آؤ جوا کھیلیں تو اس پر ضروری ہے کہ وہ صدقہ کرے۔

مقالہ نگار صاحب کو کہہ دینا چاہئے کہ جوا اس کے لئے حرام ہے جو صدقہ کرسکے اور جو غریب صدقہ نہ کرسکے اس کے لئے جوا حرام نہیں (معاذ اللہ) اگر اسی کا نام تحقیق ہے تو پھر کسی لغت کی کتاب میں دیکھنا پڑے گا کہ (معاذ اللہ) قرآن پاک کی توہین اور آیات واحادیث سے استہزا کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ معاذ اللہ۔

جوار کے بدلہ باجرے لینے کی شرط سے قرض لینا چہ حکم دارد:

(سوال ۲۸۲) ایک آدمی جوار قرض لیتا ہے اس شرط پر کہ موسم میں جوار کے بدلے باجرادوں گا اور دونوں کی قیمت میں فرق ہے اس معاملہ میں شرعی حکم کیا ہے؟

(الجواب) اس شرط پر قرض نہیں دے سکتے۔ اسی وقت واپس لینا ضروری ہے ورنہ سودی معاملہ ہو جائے گا۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سودی رقم بطور زکوٰۃ دے کر حیلہ کرنا کیسا ہے:

(سوال ۲۸۳) ایک آدمی کے پاس سودی رقم ہے وہ زکوٰۃ کے حق دار کو یہ رقم بطور ہدیہ (بخشش) دیتا ہے۔ اس شرط سے کہ تو اس میں سے تھوڑی رقم بطور بخشش مجھے دے۔ اب اس غریب نے وہ رقم بلا نیت ثواب قبول کر کے، اصل مالک کو بخشش دے دی۔ تو کیا اس طرح کا حیلہ صحیح ہے؟ اس مالک کا مقصد رقم کو اپنے استعمال میں لانا ہے۔

(الجواب) سودی رقم میں حیلہ صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا اس طرح حیلہ کرنے سے سودی رقم غیر مستحق مالدار کے لئے حلال نہ ہوگی۔[2] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سرکاری قانون سے فروخت کی ہوئی زمین کی رقم کے سود کا حکم:

(سوال ۲۸۴) حکومت بمبئی کے ۱۹۵۷۔۱۹۵۸ء کے کھیتی ٹینسی دستور العمل کے دفعہ (23/G) کے مطابق کاشتکار زمین کے مالک بن گئے ہیں۔ زمین مالک نہیں بیچتے مگر حکومت اس دفعہ کی بناء پر بشرط ادائیگی دس برس میں (بطور قسط) معمولی قیمت سے یہ زمین کاشتکار کو دلواتی ہے۔ حکومت یہ رقم مع سود کاشتکار سے مالک زمین کو اس طرح دلواتی ہے۔

اصل قیمت روپے	سود نئے پیسے	سود روپے	تاریخ ادائیگی	نئے پیسے	روپے
۱۳۴	۱۲	۲	مورخہ ۳۰۔اپریل ۱۹۶۷ء	۱۲	۲۰۳
۱۲۸	۳۶	۲۳	مورخہ ۳۰۔اپریل ۱۹۶۸ء	۳۶	۱۹۱
۱۲۸	۲۰	۵۷	مورخہ ۳۰ اپریل ۱۹۶۹ء	۲۰	۱۸۵

دس برس تک اسی طرح دلواتی ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سرکاری متعینہ قیمت کا جو سود ملتا ہے۔ وہ شرعاً سود ہے؟ کیا مالک اس کو استعمال کر سکتا ہے؟

---

(۱) هو عقد مخصوص اى بلفظ القرض ونحوه يرد على دفع مال مثلى خرج القيمه لآخر ليرد مثله وصح القرض فى مثلى هو كل ما يضمن بالمثل عند الاستهلاک لا فى غيره درمختار مع الشامى فصل فى القرض ج ۵ ص ۱۶۱

(۲) الحرمة تتعدد مع العلم بها الا فى حق الوارث وقيده بان لا يعلم ارباب الاموال قال فى الشامية تحت الحرمة تتعدد الخ اما لو رأى المكاس مثلا يأخذ من احد شيئا من المكس ثم يعطيه آخر ثم يأخذ من ذلک الآخر فهو حرام. درمختار مع الشامى، باب بيع الفاسد مطلب الحرمة تتعدد ج ۵ ص ۹۸

(الجواب) جب مالک نہیں بیچتا، اور حکومت کی متعینہ قیمت پر راضی نہیں ہے کہ یہ اصل قیمت سے کم ہے تو اس حالت میں حکومت کاشتکار کے پاس سے متعینہ قیمت کے ساتھ بطور سودی رقم کے جو دلواتی ہے وہ سود نہیں ہے۔ اصل قیمت تک زمین کی قیمت اور بدلہ ہے۔ لہذا یہ رقم زمین کا مالک اپنے استعمال میں لاسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بینک کی سودی رقم سے تنخواہ دی جائے تو لینا کیسا ہے :

(سوال ۲۸۵) میں ایک مدرسہ میں ملازم ہوں۔ مجھے جو تنخواہ دی جاتی ہے۔ وہ بینک سودی رقم میں سے دی جاتی ہے۔ جو یہاں جہانگیر میاں نواب نے چار لاکھ روپے رکھ کر جاری کی تھی۔ (تنخواہ جہانگیر ٹرسٹ فنڈ سوسائٹی سے دی جاتی ہے) تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سودی رقم کو لوں یا بند کردوں؟ اس کی کیا شکل ہے؟

(الجواب) سودی رقم سے تنخواہ نہ لی جائے۔ جائز نہیں ہے۔ آپ کو تنخواہ دینے کی صورت یہ ہے کہ وہ لوگ کسی سے قرض لے کر آپ کو تنخواہ دیں! اور قرض اس رقم سے ادا کیا جائی۔ گنجائش کی یہی شکل ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ٹریکٹر خریدنے پر سود کے ساتھ قیمت کی ادائیگی ہو تو کیسا ہے؟:

(سوال ۲۸۶) علماء دین مسئلہ ذیل میں کیا فرماتے ہیں۔ میں کاشتکار ہوں ٹیکٹر خریدنا ہے۔ وقتاً فوقتاً اس کی ضرورت رہتی ہے۔ یہ بازار میں فروخت نہیں ہوتے، عالمی بینک سے خریدے جاتے ہیں۔ عالمی بینک خریدار کی آسانی کے لئے قسط وار ادائیگی کے ساتھ فروخت کرتی ہے۔ تو اس لون کی رقم قسطاً قسطاً دینا پڑتی ہے۔ ہر قسط کے ساتھ کچھ انٹریسٹ (سود) بھی ادا کرنا ضروری ہوتا ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ عالمی بینک سے ٹریکٹر مذکورہ شکل کے ساتھ شرعاً خریدنا کیسا ہے؟

(الجواب) لون سود ہے اصل قیمت سے زائد رقم بعوض مہلت لی جاتی ہے۔ لہذا ٹریکٹر کے بغیر نبھائیں اور تھوڑی پیداوار پر قناعت کریں۔ اگر اس کو خریدنا ہی ہو تو یکمشت قیمت ادا کریں تا کہ لون دینا نہ پڑے۔ بلا اضطرار اور بدون شدید مجبوری کے لون دینا جائز نہیں ہے۔ دار الحرب کے مسئلہ میں بھی کافر حربی سے سود لینے کی اجازت ہے۔ دینے کی اجازت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بینک کا سود:

(سوال ۲۸۷) ہمارے دیار میں زمین و مکان اور جائیداد کی قیمت اتنی زیادہ ہوگئی ہے کہ اب جس شخص کے پاس دو تین ہزار پاؤنڈ ہوں وہ کسی قسم کی جائیداد زمین اور مکان خرید نہیں سکتا۔ اگر کسی کو کوئی زمین مل جائے تو اس کی کوئی آمدنی نہیں ہے۔ آج سے دس برس پہلے یہ حالت نہیں تھی۔ جس کے پاس تھوڑی رقم ہو۔ مثلاً تین ہزار پاؤنڈ سوسائٹی میں رکھ دیا جائے تو وہ دس فی صدی سالانہ شرح سود کے حساب سے تین سو پاؤنڈ دیتے ہیں۔ ایک بیوہ کا گذارہ ہوسکتا ہے۔ یہ بلڈنگ سوسائٹی کفار کی ہوتی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہمارے ملک میں اس کی گنجائش ہے؟

(۲) اسی طرح بینک میں جو رقم رکھی جاتی ہے اس پر جو سود ملتا ہے یہ، یا اسی طرح سرکاری ادارے پوسٹ آفس کی جمع شدہ رقم کا سود اپنے استعمال میں لانے کی، یا حکومت کے ٹیکس میں، یا موٹر کے انشورنس میں استعمال

کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

(الجواب) (۱) بلڈنگ سوسائٹی میں بغرض سود وصولیابی کے لئے رقم جمع کرانا درست نہیں ہے۔ یہ صورت اضطراری اور مجبوری کی نہیں۔ یہ رقم زمین، جائیداد، وغیرہ خریدنے کے لئے ناکافی ہو تو چھوٹی تجارت، یا مضارب کے لئے تو کافی ہے۔ دارالحرب میں بھی امام ابو یوسفؒ اور ائمہ ثلثہ کا مذہب عدم جواز کا ہے اور علمائے محققین اور محتاط حضرات نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

سود کی وعید شدید ہے چھتیس ۳۶ زنا سے بدتر ہے۔ (مشکوٰۃ باب الربواص ۲۴۶) معاذ اللہ ماں سے زنا کرنے سے بھی اشد قرار دیا ہے۔ اس کا شمار مہلکات (ہلاک کرنے والی چیزوں) میں ہے۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اجتنبوا السبع الموبقات مشكوٰة الكبائر و علامات النفاق ص ۱۷ منجملہ ان میں سے ایک سود بھی ہے۔ اسی لئے حضرت عمر فاروقؓ کا ارشاد ہے۔ دعوا الربوا والريبة مشكوٰة باب الربوا ص ۲۴۶۔ ربوا اور شبہ ربوا کو بھی چھوڑو۔ اور فرمایا۔ وتركنا تسعة اعشار الحلال خشية الربوا. یعنی:۔ حلال کی دس حصوں میں سے محض ایک کو ہی لیتے ہیں۔ جس میں سود کا ذرہ برابر بھی شبہ نہ ہو۔ اور جس میں ذرہ برابر بھی سود کا شائبہ ہوا اسے ہم چھوڑ دیتے ہیں۔ لہٰذا حرام اور مشتبہ طریقہ کو رزق کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ قوله عليه السلام. من اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام. مشكوٰة باب الكسب وطلب الحلال ص ۲۴۱. یعنی جو کوئی مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے وہ اپنا دین اور اپنی آبرو بچالیتا ہے اور جو مشتبہ چیزوں میں پڑ جاتا ہے وہ بالآخر حرام میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(۲) ڈاک خانہ اور بینک سے جو رقم سود کی ملی ہے۔ اسے اپنے ذاتی کام میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ حکومت جو ٹیکس عائد کرتی ہے۔ یا میونسپلٹی مکان پر جو ٹیکس لگاتی ہے۔ یا موٹر کا جو انشورنس حکومت کی طرف سے لازمی ہے۔ اس میں اس رقم کے ادا کرنے کی گنجائش ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں :

(سوال ۲۸۸) کارخانہ میں کاریگروں کو کام کرنے میں کسی قسم کی ایذاء یا نقصان ہو تو اس کا بیمہ کراتے ہیں۔ مالک کارخانہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں، کاریگر کو ایذاء یا نقصان پہنچے۔ اس کے ذمہ دار بیمہ کمپنی ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ مالک کارخانہ اس میں کچھ امداد کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) کمپنی جان مال کی کسی قسم کی حفاظت نہیں کر سکتی، جو ہونا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ کمپنی کسی طرح بچاؤ اور حفاظت نہیں کر سکتی ہے بے شک وہ قانونی طور پر نقصان کی ذمہ داری لیتی ہے۔ یعنی جو کمپنی کی نظر میں نقصان ثابت ہو اس کو ادا کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے اور اسی ذمہ داری کے نام سے وہ آپ سے رقم وصول کرتی ہے۔ اس رقم سے وہ اپنا کاروبار چلاتی ہے جو سود بھی ہوتا ہے۔ بہر حال آپ کا تعلق اگر چہ صرف اتنا ہے۔ کہ آپ کو نقصان کا معاوضہ مل جائے اور فرض کیجئے کہ آپ کی نیت یہ ہو کہ آپ اپنے نقصان سے زیادہ نہیں لیں گے یا جو کچھ لیں گے وہ غریبوں کو تقسیم کر دیں گے۔ ان تمام باتوں کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک طرح کا سودی کاروبار ہے۔ جس میں جوئے کی نوعیت بھی ہے۔

اسلام کی مخصوص تعلیم یہ ہے کہ وہ جوا اور سود دونوں کو حرام قرار دیتا ہے۔ لہذا اس میں شرکت جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر بیمہ کرنے والے ہنگامہ اور طوفان کے وقت آ کر مدافعت کرتے ہوں یا مدافعت کرنے کی ذمہ دار ہوں تو جواز کی گنجائش ہے۔ وہ بھی اس شرط پر کہ جو فاضل رقم ہے وہ اپنے پاس نہ رکھے۔ کسی حاجت مند کو دے دے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بینک کے سود کے متعلق فتوے پر تنقید اس کا جواب اور اکابر علماء کی تائیدات

حضرت مفتی صاحب مدظلہ۔

بعد سلام مسنون! فتاویٰ رحیمیہ جلد ۲ کے صفحہ ۱۹۲ جدید ترتیب کے مطابق صفحہ ۲۷۹ پر بینک کے سود کے متعلق فتویٰ ہے کہ:۔

(الجواب) مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ غریب مسکین کو دینا اولیٰ ہے۔ سڑک وغیرہ رفاہ عام کے کاموں میں لگانے کی گنجائش ہے مسجد میں نہیں لگا سکتے۔ مسجد کے بیت الخلاء کی مرمت میں لگا سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اس پر ماہنامہ ''تبلیغ'' (گجراتی) میں مفتی اسمٰعیل کچھولوی صاحب نے سخت تنقید کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ بینک کی سودی رقم رفاہ عام کے کاموں میں صرف کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ یہ لقطہ کے حکم میں ہے اور واجب التصدق ہے۔ اس میں زکوٰۃ کی طرح تملیک شرط اور رکن ہے لفظ صدقہ و تصدق جب مطلق بولا جاتا ہے تو عرف فقہاء میں وہ واجب التملیک ہوتا ہے۔ اور حوالہ " **اشباع الکلام فی مصرف الصدقۃ من المال الحرام** " کا دیا ہوا ہے۔ آپ کی طرف سے اس کا خلاصہ شائع ہونا ضروری ہے۔ لوگ انتظار کر رہے ہیں۔ فقط والسلام۔ (الحاج) احقر عمر جی منوبری۔ دارالعلوم کنتھاریہ (بھروچ)

(اس مسئلہ پر تفصیلی کلام احکام مساجد، مدارس میں کیا گیا ہے وہاں ملاحظہ کیا جائے۔ از مرتب)

خلاصہ:

۔بحمداللہ تعالیٰ وسبحانہ فتاویٰ رحیمیہ کا مسئلہ اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے دلیل یہ لئے یہ عبارت کافی ہے۔ **وقال وما اوجف المسلمون علیہ من اموال اھل الحرب بغیر قتال یصرف فی مصالح المسلمین کما یصرف الخراج قالوا ھو مثل الا راضی (ھدایہ ص ۵۶۷ ج ۲ کتاب السیر)**۔

اس فتویٰ کی موافقت میں علمائے محققین ومفتیان شرع متین کے متعدد فتاویٰ پیش کئے جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔

مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحبؒ کے فتاویٰ

(استفتاء ۱) منجانب مولوی عبدالحق صاحب ناظم جمعیۃ علماء صوبہ آگرہ ۱۹۲۶ء۔

اس زمانہ میں دیانت مفقود اور بھروسہ معدوم ہے۔ بارہا تجربہ ہوا کہ اس میں مرتکب خیانت ہوا الا ماشاء اللہ، پس اس فتنہ وفساد کے زمانہ میں کسی مسجد یا اوقاف کی آمدنی بغرض حفاظت بینک میں رکھی جائے تو جو رقم بنام سود بینک والے دیتے ہیں اگر نہ لی جائے تو اس کو عیسائیت کی اشاعت میں صرف کرتے ہیں، اور ہزاروں کو عیسائی بناتے ہیں۔

الرسود کی رقم کو لے کر کسی کار خیر یا اشاعت اسلام میں خرچ کر دیا جائے جائز ہے یا نہیں ہے؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) ...... بینک کے پاس سودی رقم نہ چھوڑنی چاہئے، کیونکہ وہ مسیحی مشنریوں کو دی جاتی ہے اور تبلیغ مسیحیت میں خرچ ہوتی ہے اور جمع کرنے والے کا روپیہ اس کا سبب ہوتا ہے اور یہ بھی اس گناہ میں شریک ہوتا ہے۔ پس اس سود کی رقم کو لے کر تبلیغ و اشاعت دین میں خرچ کیا جائے۔ فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (رسالہ عمدة الوسیله درجواز اخذ الربوا بالحیله ص ۳)۔

(استفتاء ۲) ......

(الجواب) زائد رقم کو رفاہ عام کے قومی کام میں دے دی جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ مدرسہ امینیہ دہلی۔ (الجمعیۃ نمبر ۱۶/۵ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ مطابق ۳ ستمبر ۱۹۲۷ء ص ۳)۔

(استفتاء ۳) ......

(الجواب) ...... جمع شدہ روپیہ کا سود بینک سے وصول کر کے کسی قومی رفاہ عام کے کام میں دے دیا جائے۔ الخ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ مدرسہ امینیہ دہلی (الجمعیۃ نمبر ۱۷/۹ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ مطابق ۶ ستمبر ۱۹۲۷ء ص ۳-۴)

(استفتاء ۴) ......

(الجواب) ...... بینکوں کا سود رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کر دیا جائے اور اپنے صرف میں لانے سے احتیاط کی جائے۔ الخ بندہ احمد سعید عفی عنہ مدرسہ امینیہ دہلی۔
الجواب صحیح محمد کفایت اللہ مدرسہ امینیہ دہلی (الجمعیۃ ج ۷-۵۸ شعبان المعظم ۱۳۴۶ھ مطابق ۲۹ جنوری ۱۹۲۸ء)

(استفتاء ۵) ......

(الجواب) یہ سود ہے مگر ڈاک خانہ سے وصول کر لینا چاہئے۔ وصول کر کے خود کسی قومی کام میں خرچ کر دینا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ مدرسہ امینیہ دہلی (الجمعیۃ دوشنبہ ۳ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ ۲۰ جولائی ۱۹۳۱ء کالم نمبر ۳-۴)

(استفتاء ۶) ......

(الجواب) پوسٹ آفس کے سیونگ بینک اور سرکاری بینکوں سے سود لینا اس لئے جائز بتایا گیا ہے کہ نہ لینے کی صورت میں سود کی رقم مسیحی مشنریوں کو دے دی جاتی ہے۔ اور تبلیغ مسیحیت پر خرچ ہوتی ہے۔ مسلمان ڈاک خانہ کے سیونگ بینک اور سرکاری بینکوں سے وصول کر لیں۔ اور رفاہ عام کے قومی کاموں میں خرچ کر دیں۔ محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی۔ (الجمعیۃ دہلی یوم یکشنبہ ۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ کالم نمبر ۳ ص ۳)۔

(استفتاء ۷) ......

(الجواب) ...... بینک سے وصول کر کے اس رقم کو قومی اور رفاہ عام کے کاموں میں بہ نیت رفع وبال خرچ کر دینا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ مدرسہ امینیہ دہلی۔ (۲۹ نمبر ۱۲۹ الجمعیۃ ۴ رجب ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۳ء)

(استفتاء ۸) ......

(الجواب) جو روپیہ بینکوں میں جمع کیا جائے اس کا سود بینکوں سے وصول کر لیا جائے تا کہ اس کے ذریعہ سے مسیحی مذہب کی تبلیغ اور مسلمانوں کو مرتد بنانے کا گناہ نہ ہو۔ وصول کرنے کے بعد اس روپیہ کو امور خیر میں جو رفاہ عام سے تعلق

سکتے ہوں۔ مثلاً یتامیٰ ومساکین اور طلبائے مدرسہ اسلامیہ کے وظائف اور امداد کتب وغیرہ میں خرچ کرنا یا مسافر خانہ یا کنواں، سڑکوں پر روشنی کرنا۔ یہ سب صورتیں جائز ہیں، البتہ مسجد پر خرچ نہ کیا جائے کہ یہ تقدس مسجد کے لئے مناسب ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ' اتم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ' دھلی۔ (یہ فتویٰ جامعہ حسینیہ راندیر کے کتب خانہ میں محفوظ ہے)

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب رحمہ مفتی اعظم مظاہر علوم کا فتویٰ

(استفتاء) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی کے پاس بینک یا بیمہ کمپنی وغیرہ کا سود کا روپیہ ہو تو اسے کیا کرے؟ رفاہ عام کے کاموں میں سڑک اور کنواں مسجد کا بیت الخلاء وغیرہ بنانے میں صرف کیا جاسکتا ہے یا اس میں تملیک شرط ہے۔ بینوا توجروا۔

(جواب ۱۱۸۷) فقراء کو دینا زیادہ بہتر ہے۔ مسجد کے علاوہ بیت الخلاء وغیرہ میں صرف کرنے کی بھی گنجائش ہے، یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ سعید احمد غفرلہ مفتی مظاہر علوم سہارنپور ۲۵-۱-۱۲

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا فتویٰ

پہلا فتویٰ:

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے تحریر فرمایا ہے کہ "ہندوستان میں جو بینک قائم ہیں ان میں سے بعض اہل یورپ کے ہیں جو اسلام کے مخالف اور دشمن ہیں یہ لوگ سود کی رقمیں پادریوں کو عیسائیت کی تبلیغ کے لئے ان کے تبلیغی مشن کو دیتے ہیں۔ جبکہ سود کی رقموں کا مطالبہ روپیہ جمع کرنے والے نہیں کرتے۔ اس لئے سود کی رقم نہ لینا، ایک بڑے فتنہ وفساد کا سبب ہے۔ لہٰذا ارباب فتاویٰ نے فیصلہ کیا ہے کہ سود کی رقمیں ضرور لینا چاہئے۔ بلکہ سمندر میں پھینک دینا بینک میں چھوڑ دینے سے بہتر ہے۔" (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۱۹ ج ۱)

دوسرا فتویٰ:

"سرکاری بینکوں میں اور ان بینکوں میں جن کے مالک غیر مسلم ہیں۔ روپیہ جمع کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس روپیہ سے وہ کاروبار کر کے مالی استفادہ حاصل کرتے ہیں اور اسی کے منافع کو اسلام اور مسلمانوں کی تخریب پر صرف کیا جاتا ہے۔ لیکن جمع کرنے کے بعد اس کا سود لینا اور اس کو بینکوں میں چھوڑ دینا جائز نہیں ہے۔ اس روپیہ کو جو بینکوں سے سود کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے اجتماعی مقاصد میں صرف کر دینا چاہئے۔ عالمگیری میں ہے۔" وما او جف المسلمون علیه من اموال الحرب بغیر قتال یصرف فی مصالح المسلمین۔ "الخ ج ۲ کتاب السیر ص ۲۱ تفصیل کے لئے رد المحتار ج ۳ صفحہ ۳۷ اور شرح سیر الکبیر ج ۳ ص ۲۱۴۔ ۲۱۷۔ ۲۲۶۔ ۲۲۸۔ ۳۲۹۔ عالمگیری ص ۲۱۰ وغیرہ ملاحظہ فرمائیے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۷۶ ج ۲)

شعبۂ اشاعت وتبلیغ جامعہ عربیہ حیات العلوم مرادآباد کی طرف سے شائع شدہ پوسٹر بنام ''چند مسائل زندگی'' سے ماخوذ ایک مسئلہ

مسئلہ:

ڈاک خانوں اور بینکوں میں روپیہ جمع کر کے اس کا سود لینا حرام ہے لیکن وہاں چھوڑنے کی بجائے وصول کر کے سڑکوں، پیشاب خانوں، پاخانوں اور نالیوں کی تعمیر جیسے رفاہ عام کے کاموں میں لگادینا چاہئے یا اس سے غریبوں، مسکینوں، بیواؤں، مظلوموں اور مقروضوں کی امداد بھی درست ہے اور ان مظلوموں کی امداد بھی جائز ہے۔ جن کو ناحق مقدمہ میں ماخوذ کرایا گیا ہو مگر ثواب کی نیت سے نہ ہو۔ کیونکہ حرام مال کسی کو دینے سے ثواب نہیں ملتا۔ (چند مسائل زندگی مسئلہ نمبر ۴)۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی مدظلہم کا فتویٰ:

(سوال) زید نے ڈاک خانہ میں روپیہ جمع کیا اور قانون کے مطابق اس کو سود ملا وہ اس سود کو اپنے کام میں لا سکتا ہے یا نہیں؟ (انوار الانصاری کانپوری)

(الجواب) بہتر یہ ہے کہ وہ غرباء پر صدقہ کردے۔ اس نیت سے کہ اللہ تعالیٰ اس کے وبال سے مجھے بچائے۔ بعض کے قول پر اس کو اپنے کام میں لانے کی بھی گنجائش ہے۔ (ماہنامہ ''نظام'' کانپور۔ بابت ماہ شعبان المعظم ۱۳۸۳ھ جنوری ۱۹۶۴ء)

رسالہ ''اشباع الکلام فی مصرف الصدقة من المال الحرام'' میں یہ تشریح بھی ہے کہ:۔

مال حرام اور ..... خبیث کو صدقہ کرنے کا حکم ایک خاص اصل پر مبنی ہے۔ وہ یہ کہ جن اموال کے مالک معلوم نہ ہوں یا ان تک پہنچانا متعذر ہو وہ بحکم لقطہ ہو جاتے ہیں اور حکم لقطہ کا یہی ہے۔ کہ جب مالک کے ملنے سے مایوسی ہو جائے تو مالک کی طرف سے اس کا صدقہ کردیا جائے۔ الخ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند۔ امداد المفتین ص ۱۰۷ ج ۸)۔

بینک کی رقم لقطہ کے حکم میں نہیں ہے۔ اس کے مالک نامعلوم اور لاپتہ بھی نہیں ہیں اور ان کو پہنچانا متعذر بھی نہیں ہے۔ اور یہ رقم واجب الرد بھی نہیں ہے۔ بلکہ واجب الاخذ ہے۔ بینک سے لے لینا ضروری ہے۔ لیکر غرباء کو دے دی جائے یا مصالح المسلمین پر صرف کردی جائے۔ پھر لقطہ کیسے ہوا؟

بالیقین بینک میں روپیہ بعینہ محفوظ نہیں رہتا کاروبار میں لگا رہتا ہے۔ لہذا وہ امانت نہیں ہے بلکہ قرض ہو جاتا ہے۔ اور نفع کے وہ مالک ہو جاتے ہیں۔ لہذا یہ رقم بحکم لقطہ نہیں ہے۔

امداد الفتاویٰ میں ہے۔

بینکوں میں جو رقم جمع کی جاتی ہے۔ اس کے قواعد میں یہ امر یقینی اور معروف ہے کہ وہاں بعینہ امانت نہیں

بھی باقی بلکہ ان سے کاروبار کیا جاتا ہے۔ اور بقاعدہ المعروف کالمشروط جمع کرنے والوں کی جانب سے اس کی اجازت کہا جائے گا۔ اور تصرف کا اذن دینا قرض ہے (ص ۵۰۲ ج ۲)

لفظ صدقہ اور تصدق جب مطلق بولا جائے تو وہ واجب التصدق اور واجب التملیک ہوتا ہے یہ کلیہ نہیں ہے۔ صدقہ اور تصدق صرف واجب اور نفل دونوں کو شامل ہے۔ دلیل اور قرینہ موقع اور محل سے متعین ہوگا۔ چنانچہ کتاب الا میں ہے۔ **فیصدق بجلدها** و تصدق بثمنه (جوہرہ۔ شرح وقایہ۔ درمختار وغیرہ) یعنی قربانی کا چمڑا صدقہ کیا جائے اور اگر اس کو فروخت کر دیا گیا تو قیمت کو صدقہ کرنا ہوگا۔ جلد کا صدقہ مستحب ہے۔ خود بھی رکھ سکتا ہے۔ مالدار کو بھی دیا جا سکتا ہے بخلاف اس کی قیمت کے کہ اس کا صدقہ واجب ہے۔ خود نہیں رکھ سکتا۔ مالدار کو دینا بھی جائز نہیں۔ فیصدق اور تصدق مطلق ہے۔ لیکن ایک جگہ استحبابی حکم ہے۔ اور دوسری جگہ وجوبی۔ علی ہذا صدقہ واجب اور تصدق واجب میں بھی فرق کیا گیا ہے۔ دونوں کا ایک حکم نہیں ہے۔ الطرائف والظرائف میں ہے۔

نکتہ فقہیہ:

فرق بين الصدقة الواجبة والتصدق الواجب فلا يعطى احد حكم الآخر فلا يلزم ان من لا يكون مصرف الاول لايكون مصرف الثاني كا للقطة يجوز صرفها الى بنى هاشم مع عدم كونهم مصرف الصدقة الواجبة (ص ۴۲ ج ۱)

اگر اس کو لقطہ بھی مان لیا جائے تاہم رفاہ عام کے کاموں میں صرف کرنے کی گنجائش نکلے گی۔ فقہاء رحمہم اللہ نے بیت المال کی چار قسمیں کی ہیں۔

(۱) الغنائم والكنوز والركاز (۲) بيت المال المتصدقين (۳) خراج الارضي وغيره۔ یونہی بیت المال کی نصوائع۔ یعنی لقطوں کا مصرف مانندان اشیاء کے کہ نہ ہوان کا کوئی وارث یا ہو لیکن اس پر رد نہ ہو سکتا ہو۔ اس کا مصرف دو صورتیں ہیں جن میں نفع تمام مسلمانوں کو پہنچتا ہے۔ لیکن ہدایہ اور زیلعی میں ہے کہ جو مصالح مسلمین میں صرف ہوتا ہے۔ وہ تیسری قسم کا ہے۔ یعنی خراج الاراضی وغیرہ اس سے **معلوم** ہوا کہ لقطوں کے صرف میں اختلاف ہے۔ صاحب درمختار وغیرہ نے لقطوں کا مصرف مصالح مسلمین (رفاہ عام) قرار دیا ہے۔ اور صاحب ہدایہ وغیرہ نے کہا ہے کہ جو مصالح مسلمین میں صرف ہوتا ہے وہ خراج الاراضی وغیرہ ہے۔ (درمختار شامی جلد نمبر ۳ غایۃ الاوطار جلد نمبر ۲)

شدید خطرے کی حالت میں مکان، دکان، فیکٹری کا بیمہ کرانا:

(سوال ۲۸۹) بعد سلام مسنون اس اہم مسئلہ کے ہر پہلو پر غور فرما کر جواب سے مشرف فرمائیں۔

ظاہر ہے کہ زندگی وغیرہ کے بیمہ کے سلسلے میں حضرات مفتیان کرام عدم جواز کا فتویٰ دیتے ہیں مگر آج کل فتنہ و فساد کا زمانہ ہے، آئے دن فساد ہوتے رہتے ہیں اور مکانات، دوکانات، کارخانے اور فیکٹریوں کو ناقابل برداشت نقصان پہنچایا جاتا ہے اور یہ تجربہ ہے کہ جن مکانات دوکانات وغیرہ کا بیمہ ہوتا ہے ان کو نقصان نہیں پہنچایا جاتا، ان حالات میں اگر مذکورہ بالا اشیاء کا بیمہ کرا لیا جائے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (مرحوم منشی عیسیٰ بھائی ... صاحب

بھروچ)

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً، بیمہ کمپنی بذات خود مکان، دکان، کارخانہ فیکٹری اور انسان کی جان کی حفاظت اور نگرانی نہیں کرتی اس لئے اس معاملہ کو "عقد اجارہ" میں داخل کر کے اشتراط ضمان علی الاجیر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا یہ معاملہ سود اور قمار سے مرکب ہے بایں وجہ اس میں سود اور قمار دونوں قسم کے گناہ ہوتے ہیں اور گناہ بھی بڑے سنگین ہیں حتیٰ کہ حلال سمجھنا کفر ہے مگر سوال میں جن خطرات کی نشاندہی کی گئی ہے وہ بھی واقعہ ہیں اور بیمہ کرا لینے کی صورت میں فسادیوں کی نظر بد سے دکان وغیرہ کی بہ ظن غالب حفاظت ہو جاتی ہے اس لئے قانون فقہ "الضرر یزال" کے پیش نظر خطرے کی چیزوں کا بیمہ کرا لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس شرط کے ساتھ کہ بیمہ کمپنی میں جو رقم جمع کرائی ہے اس سے زیادہ جو رقم ملے وہ غرباء اور محتاجوں میں بلا نیت ثواب تقسیم کر دی جائے اپنے کام میں ہرگز نہ لی جائے ہاں اگر خدا نخواستہ خود ہی محتاج ہو جائے تو علماء کرام سے فتویٰ حاصل کر کے بقدر ضرورت اپنے استعمال میں لینے کی گنجائش ہے. فقہی قاعدہ ہے **الضرورة تبيح المحظورات** (ضرورت ناجائز اشیاء کو مباح کر دیتی ہے) اور یہ نیت رکھی جائے کہ اقتصادی حالت درست ہو جانے پر یہ رقم غرباء کو دے دی جائے گی۔ سودی رقم کو انتہا درجہ کی مجبوری اور اضطراری حالت کے بغیر اپنے استعمال میں لانا ناجائز اور حرام ہے، دار الحرب میں بھی اپنے ہم وطنوں سے سودی معاملہ کرنا درست نہیں۔ دار الحرب میں اباحت مال کی وجہ اختلاف دار ہے اور وہ صورت یہاں (یعنی ہندوستان میں) پائی نہیں جاتی احادیث میں سود کی بہت ہی سخت مذمت آئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔

عن جابر رضی الله عنه لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم اکل الربوا وموکله وکاتبه وشاهدیه وقال هم سواء (مسلم شریف ص ۲۷)(مشکوٰة شریف ص ۲۴۲ باب الربواء)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سود لینے دینے والے، سودی معاملہ لکھنے والے، اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا گناہ میں وہ سب برابر ہیں۔

دوسری ایک حدیث میں ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا **اجتنبوا السبع الموبقات** سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو، صحابہ نے عرض کیا **وما هن یا رسول الله** اے اللہ کے رسول وہ کون سی چیزیں ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے ساتھ چیزیں شمار فرمائیں ان میں سے ایک یہ ہے۔ **اکل الربوا** سود کھانا (**بخاری، مسلم، بحواله مشکوٰة شریف ص ۱۷ باب الکبائر وعلامات النفاق**)

اور ایک حدیث میں ہے۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الربوا سبعون جزء ا ایسرها ان ینکح الرجل امه (مشکوٰة شریف ص ۲۴۶ باب الربوا)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا سودی معاملہ کرنے والے کو ستر قسم کے گناہ لاحق ہوتے ہیں جن میں ادنیٰ درجہ کا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔

حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ سے روایت ہے۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم درهم ربوا یاکله الرجل وهو یعلم اشد من ستة

وثلثین زنیة. (مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۶ باب الربوٰ)

آنحضور ﷺ نے فرمایا سود کے ایک درہم (تین ماشہ ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی کا) کا کھانا (اپنے استعمال میں لانا) جانتے ہوئے کہ یہ سود ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں چھتیس مرتبہ زنا سے بھی زیادہ سخت ہے۔

مزید برآں یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی طرف سے سودی معاملہ کرنے والے کے لئے اعلان جنگ ہے۔ قرآن میں ہے فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله ورسوله پھر اگر سودی معاملہ کرنے سے باز نہ آؤ گے تو اعلان سن لو جنگ کا اللہ اور رسول کی طرف سے۔ (سورۂ بقرہ)

خلاصہ یہ ہے کہ بیمہ ان نصوص کے پیش نظر قطعاً ناجائز ہے مگر عارضی طور پر کچھ وقت کے لئے جب تک خطرے کے حالات ہوں دکان وغیرہ وفسادیوں کی شرارت اور ظلم سے بچانے کے لئے مذکورہ بالا شرائط (زائد رقم غرباء کو دے دی جائے اور اگر بحالت اضطرار خود اپنے کام میں لینے پر مجبور ہو جائے تو خوشحال ہونے پر اتنی ہی خیرات کرے) کے ساتھ بیمہ کرا لینے کی گنجائش ہے عام اجازت نہیں۔ هذا ما سنح لی الآن. فقط الله اعلم بالصواب.

سودی رقم سے ٹیکس ادا کرنا:

(سوال ۲۹۰) حکومت کی جانب سے جو ٹیکس عائد کئے جاتے ہیں جیسے ہاؤس ٹیکس انکم ٹیکس، کیا ان ٹیکسوں کی ادائیگی کے لئے بینک کی سودی رقم استعمال کی جا سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بینک کے سود کا اصل مصرف تو غرباء اور مساکین ہیں رفاہ عام کے کاموں میں بھی صرف کیا جا سکتا ہے، خود منتفع نہ ہو لیکن اگر حکومت کے ان ٹیکسوں کی بھرمار سے تنگ آ گیا ہو اور ان کی ادائیگی میں یہ رقم استعمال کرنے پر مجبور ہو تو گنجائش ہے بلا مجبوری استعمال نہ کرے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صورت مسئولہ میں لائف انشورنس کا کیا حکم ہے:

(سوال ۲۹۱) حکومت تاجروں کی آمدنی سے تین حصے بطور ٹیکس وصول کرتی ہے مگر لائف انشورنس (LIFE INSURANCE) (زندگی کا بیمہ) کی پالیسی اختیار کر لینے کی صورت میں دو حصے معاف کر دیتی ہے تو کیا ایسی صوت میں لائف انشورنس (زندگی کا بیمہ) کرایا جا سکتا ہے؟ بیمہ کرانے سے مقصود یہ ہے کہ حکومت ہماری جائز کمائی پر قبضہ نہ کرلے اور اگر لائف انشورنس کی پالیسی اختیار نہ کی جائے تو حکومت تجارتی آمدنی سے تین حصے لے لیتی ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) اپنی جائز کمائی کو بچانے کے لئے یہ ترکیب اختیار کی جا سکتی ہے بشرطیکہ اس معاملہ میں جو رقم زائد ملے اسے غرباء اور مساکین پر صرف کیا جائے اپنے ذاتی کاموں پر ہرگز ہرگز صرف نہ کی جائے تاہم زندگی کی بیمہ کا معاملہ تقویٰ اور احتیاط کے خلاف ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بینک کے سود سے غریب کے گھر کا بیت الخلاء بنوانا:

(سوال ۲۹۲) سود کے روپیوں سے اگر غریب عزیز واقارب کے گھر کا بیت الخلاء بنا دیں تو کیسا ہے؟ سودی رقم

لینے کی وجہ سے جو ذمہ داری ہے اس سے وہ سبکدوش ہو جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) ہاں بنوا سکتے ہیں اور اس صورت میں آدمی سودی رقم کی ذمہ داری سے بری ہو جائے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سود لینے کی غرض سے غیر مسلم کمپنی میں رقم جمع کرنا:

(سوال ۲۹۳) ایک شخص اپنی رقم آسٹریلیا کی ایک غیر مسلم کمپنی میں جمع کر کے سود حاصل کرنا چاہتا ہے اور پھر اس سودی رقم کو اپنے اور اپنی اولاد کے لئے استعمال کرنے کا ارادہ ہے تو یہ اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) جب اللہ تعالیٰ نے مال حلال نصیب فرمایا ہے تو اسے جائز ذریعہ سے بڑھانا چاہئے، اس مال سے تجارت کی جائے، تجارت کی ہمت نہ ہو تو مضاربت کا معاملہ کرلیا جائے، مکان خرید کر کرایہ حاصل کیا جائے اس کے حلال ہونے میں تردد نہیں، غیر مسلم کمپنی مسلمان کے مال سے ناجائز معاملہ کرے گی سودی لین دین میں لگائے گی جس کی ذمہ داری سے یہ شخص سبکدوش نہیں ہو سکتا سود لینے کی نیت سے رقم جمع کرنا بھی جائز نہیں اور اس کی آمدنی سے متمتع ہونا خود کھانا اپنے بال بچوں کو کھلانا شرعاً اس کی اجازت نہیں، یہ خالص سود ہے اور سود کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

سود کے پیسے انجمن میں خرچ کرنا:

(سوال ۲۹۴) انجمن کے پیسے ٹرسٹی (متولی) نے بینک میں رکھ دیئے ہیں، اور اس کا سود بھی ملتا ہے تو اس سود کو انجمن کے کام میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) انجمن کے متعلق بیت الخلاء غسل خانہ پیشاب خانہ بنانے اور اس کی مرمت کرنے میں اور راستہ درست کرنے میں خرچ کیا جائے اگر ضرورت نہ ہو تو غرباء کو دے دی جائے یا رفاہ عام کے کاموں میں صرف کی جائے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قرض دے کر نفع لینا:

(سوال ۲۹۵) ہماری ایک کلب ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ جب زیادہ روپے ہو جائیں تو اس وقت کہیں باہر تفریح کے لئے جائیں گے، ابھی ہمارے پاس تقریباً چار ہزار روپے جمع ہوئے ہیں وہ پیسے ہم نے ایک دوست کو بطور قرض دیئے ہیں وہ ہماری کلب کے ممبر نہیں ہیں اور وہ اس رقم سے تجارت کرتے ہیں اور ماہانہ تیس روپے دیتے ہیں تو یہ روپے سود شمار ہوں گے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) ماہانہ تیس روپے لینا سود ہے، رقم قرض دے کر نفع حاصل کرنا سود ہے جو بنص قطعی حرام ہے۔[1] جواز کی صورت یہ ہے کہ یہ رقم دے کر عقد مضاربت کا معاملہ کرلیا جائے کہ اس رقم پر جو منافع ہو اس میں اتنا حصہ تمہارا، اور اتنا

---

(۱) وفی الاشباہ کل قرض جر نفعا حرام فکرہ للمرتھن سکنی المرھونۃ باذن الراھن ،درمختار مع الشامی باب القرض ج.۵ ص ۲۶

حصہ ہمارا، مثلاً آدھا حصہ تمہارا آدھا ہمارا، یا ایک حصہ ہمارا دو حصے تمہارے غرض یہ کہ منافع میں جانبین کے حصے مقرر ہو جائیں تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سود کی رقم سے مقروض سید کا قرض ادا کرنا

(سوال ۲۹۶) ایک سید ہے جو مقروض اور پریشان حال ہے آمدنی ملازمت کی قلیل تنخواہ کے سواء کچھ نہیں ہے ایسے سید کا قرض بینک کے سود سے کوئی آدمی ادا کرنا چاہے تو ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اضطرار اور انتہائی مجبوری کی حالت ہو تو اس رقم سے اس کا قرض ادا کرنا درست ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

جائز ملازمت چھوڑ کر بینک یا انشورنس کمپنی میں ملازمت کرنا:

(سوال ۲۹۷) ایک شخص دوائی کی کمپنی میں ملازمت کرتا ہے اسے اسٹیٹ بینک اور جنرل انشورنس کمپنی (بیمہ کمپنی) میں ملازمت مل رہی ہے، یہاں تنخواہ بھی زیادہ ہے اور عہدہ ''پی آفیسری'' کا ہے، تو یہ شخص اپنی موجودہ ملازمت چھوڑ کر اسٹیٹ بینک یا ریزرو بینک یا انشورنس کمپنی میں ملازمت کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب اسٹیٹ بینک، ریزرو بینک اور انشورنس کمپنی میں سودی لین دین کا معاملہ ہوتا ہے تو پھر موجودہ ملازمت چھوڑ کر اس ملازمت کو قبول کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے **عن جابر رضی اللہ عنہ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربوا وموکلہ وکاتبہ و شاھدیہ وقال ھم سواء** مشکوٰۃ باب الربوا ص ۲۴۶۔

ترجمہ:۔ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے سود لینے اور دینے والے اور سودی معاملہ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر، اور فرمایا یہ سب اصل گناہ میں برابر کے شریک ہیں...... اس سے ثابت ہوا کہ گناہ کے کاموں میں امداد کرنا اور اس میں کسی قسم کا حصہ لینا جائز نہیں، حق تعالیٰ فرماتے ہیں، **ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب**۔

ترجمہ:۔ گناہ اور ظلم (زیادتی) کے کاموں میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو اور خدا سے ڈرتے رہو بے شک خدا پاک سخت سزا دینے والا ہے (سورہ مائدہ)

انسان کی سعادت مندی یہی ہے کہ وہ رزق حلال کی طلب میں رہے حلال اور طیب روزی پیٹ میں جاتی ہے تو اس سے قلب منور ہوتا ہے، اعمال صالحہ کی توفیق ہوتی ہے، عبادات میں دل لگتا ہے اور جب حرام اور مشتبہ روزی پیٹ میں جاتی ہے تو قلب میں ظلمت پیدا ہوتی ہے، عبادات میں دل نہیں لگتا، نیک کاموں کی توفیق نہیں ہوتی، نیز حلال رزق میں برکت ہوتی ہے اس لئے موجودہ ملازمت چھوڑ کر ایسی ملازمت اختیار نہ کی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عازمین حج کا ''اختیاری بیمہ پالیسی'' پر عمل کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۹۸) اس سال یعنی ۱۹۸۲ء میں بمبئی کی حج کمیٹی نے عازمین حج کے لئے جان کے بیمہ کا ''اختیاری بیمہ

پالیسی'' کا اجراء کیا ہے، ہر عازم حج سے = /٨٨ روپے وصول کئے جاتے ہیں، اوران کی شرائط کے مطابق اگر کوئی حاجی حادثہ کا شکار ہو جائے تو ان کی مقرر کردہ رقم جو پچاس ہزار سے لے کر ایک لاکھ روپے ہوتی ہے یہ رقم اس شخص کے ورثاء کو دیں گے اور اگر گھر واپس آ گیا تو وہ = /٨٨ روپے واپس نہیں ملیں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ از روئے شرع یہ بیمہ پالیسی جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔ (بمبئی)

(الجواب) بیمہ کی حقیقت قمار اور سود سے مرکب ہے اور یہ دونوں حرام ہیں لہذا حجاج کرام کے لئے اس کا ارتکاب قطعاً ناجائز اور اور حرام ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مقروض کی مدد کرنے کی نیت سے فکس ڈپوزٹ میں رقم جمع کرنا کیسا ہے :

(سوال ۲۹۹) ایک شخص مقروض ہے اور قرض بھی بہت بڑا ہے اس کو قرض ادا کرنے کی بالکل گنجائش نہیں ہے ایسے مقروض کو مدد کرنے کی نیت سے کسی شخص کا بینک میں ''فکس ڈپوزٹ'' میں رقم جمع کرنا کیسا ہے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں مقروض کی مدد کرنے کی نیت سے بھی فکس ڈپوزٹ میں رقم رکھنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر کسی شخص نے جہل اور ناواقفیت کی وجہ سے فکس ڈپوزٹ میں رقم جمع کر دی ہو اور اس کا سود ملا تو ایسے ضرورت مند مقروض کو ثواب کی نیت کئے بغیر دیا جا سکتا ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب.

سوال میں درج شدہ طریقہ تجارت سود میں داخل ہے یا نہیں؟:

(سوال ۳۰۰) ایک طریقہ تجارت آج کل بہت چل رہا ہے، اس کی صورت یہ ہے، کوئی کمپنی یا پارٹی کسی تجارتی چیز کی اسکیم چلاتی ہے، مثلاً کوئی لونا (LUNA) موٹر سائیکل کی اسکیم چلاتا ہے اس کی قیمت پانچ ہزار روپے ہے، سو روپے ماہانہ کے) تین سو ممبر بنائے جاتے ہیں اور ایک ماہ میں ایک بار قرعہ اندازی کی جاتی ہے جس ممبر کا نام قرعہ میں نکل آتا ہے اس کو صرف سو روپے میں پانچ ہزار کی چیز مل جاتی ہے، ۴۵ مہینے کی اسکیم ہے اس میں کمپنی یا پارٹی جو اس اسکیم کو چلاتی ہے اس کا فائدہ تو یہ ہے کہ تیس ہزار روپے ماہانہ جمع ہو جاتے ہیں، اور صرف پانچ ہزار کی چیز جاتی ہے، اس طرح سے تجارت کے لئے اس کو پچیس ہزار روپے مل جاتے ہیں اور ۴۵ ماہ پورے ہونے کے بعد ہر ممبر کو لونا موٹر سائیکل یا پانچ ہزار روپے واپس مل جائیں گے۔ ممبر کا اس میں فائدہ یہ ہے کہ پہلے ماہ قرعہ میں نام نکلنے والے کو صرف سو (١٠٠) روپے میں، دوسرے ماہ والے کو صرف دو سو روپے میں، تیسرے ماہ والے کو صرف تین سو روپے میں پانچ ہزار کی چیز مل جاتی ہیں، قرعہ میں نام نکلنے کے بعد اس ممبر کو پیسے نہیں بھرنے پڑتے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا طریقہ تجارت قمار اور سود میں داخل ہے یا نہیں؟ اس اسکیم میں حصہ لینا یا یہ اسکیم چلانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

(١) والحاصل ان علم ارباب الاموال وجب رده عليهم والا فان علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه شامي باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراما. ج. ٥ ص ٩٩.

(الجواب) بلاشبہ مذکورہ اسکیم اور معاملہ سود اور قمار پر مشتمل ہے لہذا حرام ہے یہ اسکیم چلانا یا اس میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے۔[1] فقط و الله اعلم بالصواب .

فساد میں دوکان کے نقصان کی تلافی کے لئے کون سی صورت اختیار کرنا مناسب ہے؟:

(سوال ۳۰۱) زید ایک اچھا تاجر ہے فساد میں اس کا اسٹاک جل کر خاک ہوگیا، زیادہ سامان ادھار آیا ہوا تھا. کمپنیوں کا قرض ادا کرنے کے بعد ہی دوسرا مال ملنا ممکن ہے، دوکان کا بیمہ نہیں تھا، اب معاملہ دو حال سے خالی نہیں، اول یہ کہ بینک سے قرض لے کر روپیہ ادا کرے تا کہ آئندہ تجارتی سامان پھر انہیں اصولوں پر مل سکے، دوسری صورت یہ کہ جائیداد بیچ کر قرض ادا کیا جائے، اس صورت میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، اس حالات میں کیا بینک سے قرض لینے کی گنجائش ہے، بینوا توجروا، اندور، ایم پی۔

(الجواب) آج کل کے حالات کے پیش نظر کہ جہاں دشمنوں سے خطرہ ہو چند شرائط کے ساتھ مفتیان کرام نے دوکان کارخانہ فیکٹری کے بیمہ کی اجازت دی ہے (فتاویٰ رحیمیہ جلد ششم ۱۳۲ تا ص ۱۳۵) (اسی باب میں، شدید خطرے کی حالت میں مکان، دوکان فیکٹری کا بیمہ کرانا، کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے۔ از مرتب) یہ فتویٰ تقریباً دو سال ہوئے شائع ہو چکا ہے اور مقامی گجراتی ماہنامہ ''حیات'' میں بھی یہ فتویٰ شائع ہو گیا ہے۔

صورت مسئولہ میں قرض ادا کرنے کا بندوست نہ ہو سکے، کہیں سے غیر سودی قرض نہ ملتا ہو اور نہ کمپنی آئندہ مال ادھار دینے کے لئے تیار ہو تو اپنی ضرورت کے بقدر مکان وغیرہ رکھ کر ضرورت سے زائد اشیاء فروخت کر کے قرض ادا کرنے کی سبیل نکالی جائے، اگر اس سے بھی قرض ادا نہ ہو اور سودی قرض لئے بغیر چارہ ہی نہ ہو بالکل مجبور ہو جائے تو بقدر ضرورت سودی قرض لینے کی گنجائش ہے۔ یجوز للمحتاج الا ستقراض بالربح (الا شباہ و النظائر ص ۱۱۵) البحر الرائق ص ۱۲۶ ج ۶) (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۶۱ ج ۶) (جدید ترتیب کے مطابق، باب القرض میں کن حالات میں سودی قرض لینے کی گنجائش ہے کے عنوان کے تحت ملاحظہ کیا جائے۔ از مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب، ۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ۔

غرباء کی امداد کی نیت سے یونٹ ٹرسٹ کے شیئر خریدنا:

(سوال ۳۰۲) مزاج اقدس بخیر ہوگا، خدمت عالی میں گذارش ہے کہ حکومت ہند کی طرف سے منظور شدہ ایک عوامی ادارہ ہے، جس کا نام ''یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا'' یہ ادارہ عوام سے سرمایہ لے کر مختلف قسم کے کاروبار میں لگاتا ہے، پھر اس سے جو آمدنی ہوتی ہے اس میں سے ہر سال سرمایہ داروں کو ان کے سرمایہ پر کچھ فیصد نفع طے کر کے سالانہ نفع تقسیم کرتا ہے۔

یہ بات واضح رہے کہ اس ادارہ کے منتظمین جمع شدہ سرمایہ عموماً سودی کاروبار میں لگاتے ہیں مثلاً کچھ سرمایہ کمپنیوں کے پریفرنس شیئرز اور ڈبنچر شیئرز میں لگاتے ہیں اور کچھ سرمایہ سرکاری بینکوں کی فکس ڈپوزٹ اور بونڈ میں

---

(۱) وشرعاً فضل ولو حکما فدخل بالنسیئۃ ..... خال عن عوض قال فی الشامیۃ تحت قولہ ولو حکما .. فضل مالا بالا عوض فی معاوضۃ مال بمال درمختار مع الشامی باب الربا ج ۵ ص ۱۶۸ .

لگاتے ہیں، اور کچھ سرمایہ سودی سرٹیفکٹ اور وکاس پتر میں لگاتے ہیں اور ان سے جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ شیئرز ہولڈروں کو دیتے ہیں۔

اگر کوئی شخص غریبوں اور محتاجوں کی مدد کے لئے آمدنی کے ذرائع کھڑے کرنے کے ارادہ سے لوگوں سے چندہ کر کے سرمایہ جمع کرے اور اس چندہ کی رقم کو آمدنی حاصل کرنے کے لئے مذکورہ ادارہ ''یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا'' میں لگائے اور اس سے جو ڈیویڈنڈ (نفع) حاصل ہو وہ محتاجوں میں تقسیم کرے تو سوال یہ ہے کہ اس غرض سے چندہ کرنا پھر وہ رقم ''یونٹ ٹرسٹ'' میں لگا کر اس سے نفع حاصل کرنا اور وہ نفع غریبوں میں تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ امید کہ مذکورہ تفصیل کو سامنے رکھ کر جواب عنایت فرمائیں گے۔ (دارالعلوم کنتھاریہ، ضلع بھروچ)

(الجواب) اولاً یہ بات ملحوظ رہے کہ بینک میں جو رقم رکھی جاتی ہے، بعینہ وہ رقم بینک میں بطور امانت محفوظ نہیں رکھی جاتی۔ بینک والے اسے سودی کاروبار میں استعمال کرتے ہیں، لہذا بینک میں رقم رکھنا اعانت علی المعصیۃ ہے، قانونی مجبوری یا چوری کا خوف ہو تو حفاظت کی خاطر رقم رکھنے کی گنجائش ہے، حصول سود قطعاً مقصود نہ ہونا چاہئے اور رقم رکھنے کے بعد جو سود ملے اسے بینک میں چھوڑنا بھی نہ چاہئے، وہاں سے لے کر غریبوں اور محتاجوں کو بلانیت ثواب تقسیم کر دیا جائے، رفاہ عام کے کاموں میں بھی خرچ کر سکتے ہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاوی رحیمیہ ص١٩٢ ج٢) (جدید ترتیب کے مطابق سودی رقم رفاہ عام میں لگا سکتے ہیں کے عنوان سے، باب سودی رقم کا استعمال میں دیکھ لیا جائے، نیز اسی باب میں بینک کے سود کے متعلق فتوے پر تنقید الخ کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے۔ از مرتب)

اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے عرض ہے کہ جب یہ بات واضح ہے کہ ''یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا'' کے منتظمین حاصل شدہ سرمایہ کو زیادہ تر سودی کاروبار میں لگاتے ہیں جیسا کہ آپ نے سوال میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے تو اس میں رقم لگانا اعانت علی المعصیت کی وجہ سے ناجائز ہی ہوگا، غریبوں اور محتاجوں کی نیت سے بھی رکھنا جائز نہ ہوگا، غرباء، حاصل شدہ سود کے مصرف ضرور ہیں، لیکن ان کی امداد کے لئے ناجائز طریقہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں اگر کوئی شخص یا کوئی جماعت محض غرباء کی امداد کے لئے چوری کرے یا ڈاکہ ڈالے تو کیا شرعاً اس کی اجازت ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ امداد کی نیت سے بھی چوری کرنے یا ڈاکہ ڈالنے یا اور کوئی ناجائز طریقہ اختیار کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح سوال میں جو صورت درج ہے اس کی بھی اجازت نہ ہوگی۔

غرباء کی امداد کے لئے چندہ کرنا اور پھر ان کی مدد کرنا، یا للہ رقم جمع کر کے غرباء کی امداد کے لئے آمدنی کی کوئی جائز صورت اختیار کرنا یقیناً باعث اجر و ثواب ہے، لیکن اس نیک کام کے لئے جائز طریقہ ہی اختیار کرنا چاہئے۔ (فقط واللہ اعلم بالصواب۔)

جنوبی افریقہ میں کاروبار اور مکان کا انشورنس کروانا:

(سوال ٣٠٣) ہمارے ملک ساؤتھ (جنوبی) افریقہ میں اس وقت لوٹ مار اور قتل و غارت گری رات دن کا معمول بن گیا ہے۔ بے قصور اور بے گناہ لوگ ظلم و ستم کا شکار رہتے ہیں، صاحب مال اور دولت مند دیکھتے دیکھتے فقیر بن جاتے ہیں اور نان شبینہ کے محتاج ہو جاتے ہیں، ایسے حالات میں کاروبار، مکان کا انشورنس کی ہمارے دیار میں گنجائش ہے یا

نہیں؟ یہاں انشورنس کمپنیاں حکومت کی نہیں ہوتیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) اپنی اشیاء کی حفاظت کی ذمہ داری خود اپنے اوپر ہے اور حکومت پر ہے اگر کوئی نقصان ہوتا ہے تو اسے قسمت اور تقدیر پر محمول کرنا چاہئے، جو صورت سوال میں درج ہے وہ انشورنس کرانے کی شرعی وجہ نہیں ہے، اس لئے صورت مسئولہ میں انشورنس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، انشورنس کے بعد بیمہ کمپنی بذات خود مکان، دوکان وغیرہ کی حفاظت نہیں کرتی کہ اس معاملہ کو عقد اجارہ میں داخل کر کے اشتراط ضمان علی الاجیر کا حکم لگایا جائے، یہ معاملہ سود اور قمار سے مرکب ہے بایں وجہ اس میں سود اور قمار دونوں قسم کے گناہ ہوتے ہیں اور گناہ بھی بڑے سنگین ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد ششم ص ۱۳۳ تا ص ۱۳۵) (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، شدید خطرے کی حالت میں مکان، دوکان، فیکٹری کا بیمہ کرنا، کے عنوان سے دیکھ لیا جائے۔ از مرتب) اس باب میں ایک تفصیلی فتویٰ چھپا ہوا ہے، اس فتویٰ میں سوال میں جو صورت بیان کی گئی ہے، اس صورت میں چند شرائط بیمہ کی اجازت دی گئی ہے وہ صورت آپ کے یہاں نہیں ہے، لہذا آپ کے یہاں کی صورت کو فتاویٰ رحیمیہ میں درج شدہ صورت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اور عام حالات میں بیمہ کرانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جنوبی افریقہ میں موٹر کار کا بیمہ کروانا:

(سوال ۳۰۴) آج کل موٹر ہمارے دیار (جنوبی افریقہ) میں ضرورت زندگی میں سے ہے، بس یا ریل سے سفر کرنا کسی صورت میں بھی خطرہ سے خالی نہیں اور پھر ہر وقت بس اور گاڑی کی سہولت میسر بھی نہیں اس لئے صاحب استطاعت کے لئے آسانی سے گاڑی خریدنے کا انتظام ہو جاتا ہے اور رات دن موٹروں کے ایکسیڈنٹ کے حادثات ہوتے رہتے ہیں جس موٹر سے ٹکر ہوئی ہے اس کو درست کرنے کے اخراجات قصوروار کے ذمہ ہوتے ہیں، کبھی وہ خرچ لاکھوں روپے تک ہوتا ہے قصوروار نے اگر انشورنس نہ نکلوایا ہو تو اس صورت میں اس کا کاروبار اور مکان تک بک جانے کا امکان ہوتا ہے، ایسے حالات میں ہمارے یہاں انشورنس کرانے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (مولانا عبدالحق عمرجی صاحب)

(الجواب) کار کا بیمہ (انشورنس) نہ کرائے کی صورت میں ایکسیڈنٹ ہونے پر ذاتی رقم سے نقصان ادا کرنا پڑے گا اور وہ نقصان بعض وقت اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ آدمی غریب ہو جاتا ہے، یہ بیمہ (انشورنس) کے جواز کے لئے شرعی عذر نہیں ہے لہذا محض اس وجہ سے انشورنس کی اجازت نہ ہوگی، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وقف مکان آمدنی کے ارادہ سے بینک کو کرایہ پر دینا:

(سوال ۳۰۵) ایک خانگی ٹرسٹ ہے اس کی ایک ملکیت (جائیداد) ہے اس کا کچھ حصہ بینک کو کرایہ پر دینا چاہتے ہیں تو بینک کو کرایہ پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینک کو کرایہ پر دینے کا اس وجہ سے ارادہ کیا ہے کہ ہر ماہ وقت پر کرایہ وصول ہو جائے گا، کرایہ دار مکان پر قبضہ کر لیتے ہیں، کورٹ مقدمہ ہونے پر کرایہ دار کی طرف داری کرتی ہے بینک کو کرایہ پر دینے سے یہ خطرہ نہ ہوگا اور بینک سے کرایہ بھی زیادہ ملتا ہے، آپ ہماری رہنمائی فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قرآن و حدیث میں سودی لین دین اور سودی معاملہ اور کاروبار پر سخت وعیدیں آئی ہیں، ارشاد خداوندی

ہے:

(۱)احل الله البيع وحرم الربوا.(سوره بقره پ۳)
اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربوا (سود) کو حرام کیا۔

(۲)يمحق الله الربوا ويربى الصدقات،(سوره بقره پ۳)
اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

(۳)فان لم تفعلوا فاذ نوا بحرب من الله ورسوله .(سورة بقره پ ۳)
اگر سودی معاملہ سے باز آؤ گے تو اللہ جل جلالہٗ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جنگ کا اعلان سن لو۔

حدیث میں ہے:

(۱) عن جابر رضی الله عنه لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم آکل الربا ومؤكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء (مسلم شریف ج۲ ص ۲۷)(مشکوٰة شریف ص ۲۴۶ باب الربوا)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے اور دینے والے اور سودی معاملہ لکھنے اور سودی معاملہ کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا یہ سب برابر کے گنہگار اور ملعون ہیں۔

(۲)عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الربوا سبعون جزءً ا ايسرها ان ينكح الرجل امه (مشکوٰة شریف ص ۲۴۶)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا سودی معاملہ کرنے والے کو ستر قسم کے گناہ لاحق ہوتے ہیں ان میں سے ادنیٰ درجہ کا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں کے ساتھ منہ کالا کرے۔

(۳)قال رسول الله صلی الله علیه وسلم درهم ربوا يأ كله الرجل وهو يعلم اشد من ستة وثلثين زينة .(مشکوٰة شریف ص ۲۴۶ باب الربوا۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک سودی درہم کا کھانا (یعنی اپنے استعمال میں لانا) جانتے ہوئے کہ یہ سود کا ہے اللہ کے یہاں چھتیس ۳۶ مرتبہ زنا سے بھی زیادہ سخت ہے۔

(۴)عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اجتنبوا السبع الموبقات قالوا یارسول الله وما هن قال الشرك بالله والسحر وقتل النفس التى حرم الله الابالحق واكل الربوا واكل مال اليتيم والتولی يوم الزحف وقذف المحصنت المؤمنات الغافلات(مشکوٰة شریف ص ۱۷ باب الكبائر.)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہلاک کرنے والی سات چیزوں سے بچو، عرض کیا یا رسول اللہ وہ سات چیزیں کون سی ہیں؟ فرمایا شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق کسی کو قتل کرنا، سودی معاملہ کرنا یتیم کا مال ناحق کھانا، جہاد سے بھاگنا، پاک دامن خواتین پر زنا کی تہمت لگانا۔

ان کے علاوہ دیگر احادیث بھی ہیں از راہ اختصار ان پر اکتفاء کیا گیا۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ بینک میں عام طور پر سودی معاملہ ہوتا ہے اور سود ہی ان کی آمدنی کا ذریعہ ہے، بینک کو مکان کرایہ پر دینا سودی معاملات میں معاون بننا ہے اور قرآن کریم میں ہے **ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان** گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون مت کرو (قرآن مجید پارہ نمبر ۶ سورۂ مائدہ) لہذا بینک کو مکان کرایہ پر نہ دیا جائے اور وقف کی حفاظت کے جتنے ظاہری اور قانونی اسباب ہو سکتے ہوں انہیں اختیار کر کے کسی دوسرے ہی کو کرایہ پر دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

موروثی مکان میں مقیم وارث کو مکان کی مرمت کے لئے سودی رقم دینا کیسا ہے:

(سوال ۳۰۶) ایک موروثی مکان ہے فی الحال اس مکان میں صرف دو فرد مقیم ہیں بقیہ وارث الگ الگ رہتے ہیں، موروثی مکان بہت ہی بوسیدہ ہو گیا ہے بارش کے زمانہ میں ہر جگہ پانی ٹپکتا ہے اس مکان کے مرمت کی سخت ضرورت ہے جو وارث اس میں رہتے ہیں ان کی مالی حالت از حد کمزور ہے اور دوسرے وارث اس طرف بالکل توجہ نہیں دیتے۔ اگر کوئی شخص سود کی رقم سے اس مکان کی مرمت کرادے تو کیا حکم ہے؟ جواب عنایت فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں موروثی مکان میں جو وارث رہتے ہیں مستحق زکوٰۃ ہوں تو اگر کوئی شخص زکوٰۃ یا سود کی رقم ان کو دے کر مالک بنا دے اور وہ دونوں مالک بننے کے بعد اس رقم سے مکان کی مرمت کرالیں تو کرا سکتے ہیں۔ [1]
فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غرباء کی مدد کی نیت سے بینک میں رقم رکھ کر سود حاصل کرنا:

(سوال ۳۰۷) ایک کمیٹی جو عام مسلمانوں کی خدمت کرتی ہے اس نے کچھ رقم بینک میں "کرنٹ اکاؤنٹ" میں جمع کی ہے جس میں سود نہیں ملتا مگر اب کمیٹی کے ممبران چاہتے ہیں کہ یہ رقم "سیونگ اکاؤنٹ" میں جمع کی جائے تا کہ اس کا سود ملے اور اسے مصیبت زدہ مسلمانوں پر خرچ کریں۔ کیا کمیٹی کا یہ اقدام از روئے شرع شریف درست ہوگا؟ اور سود میں ملی ہوئی رقم مسلمانوں پر خرچ کرنا درست ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بینک میں حفاظت یا قانونی دشواریوں کی وجہ سے رقم رکھی جا سکتی ہے، سود حاصل کرنے کی نیت سے رقم رکھنا درست نہیں ہے، اگر چہ یہ نیت ہو کہ سود کی رقم محتاجوں کو دے دی جائے گی، کرنٹ اکاونٹ میں رقم کی حفاظت ہو سکتی ہے اس کے باوجود اس میں سے رقم نکال کر "سیونگ اکاؤنٹ" میں رکھنے کا بظاہر مقصد یہی ہوگا کہ سود حاصل کرنے کے لئے یہ صورت اختیار کی جا رہی ہے، لہذا حفاظت کی خاطر جس طرح رقم رکھی گئی ہے اسی پر قائم رہنا چاہئے، سود حاصل کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

باقی یہ مسئلہ اپنی جگہ ہے کہ اگر کسی کے پاس سود کی رقم ہو تو وہ رقم غرباء اور محتاجوں کو بلا نیت ثواب دے دینا چاہئے، رفاہ عام کے کاموں میں بھی خرچ کرنے کی گنجائش ہے، مگر سود حاصل کرنے اور اسے غرباء پر خرچ کرنے کے ارادہ سے بینک میں رقم رکھنا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) والحاصل ان علم ارباب الاموال وجب رده علیهم والا فان علم عین الحرام لا یحل له ویتصدق به بنیة صاحبه. شامی باب بیع الفاسد. مطلب فیمن ورث مالا حراما فقیر مالک ہو جانے کے بعد اختیار رکھتا ہے کہ جہاں چاہے استعمال کرے۔

یونٹ ٹرسٹ کے شیئرز پر ملا ہوا ڈیویڈنڈ استعمال کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۳۰۸) یونٹ ٹرسٹ کے شیئرز خریدے ہیں اور اس پر ڈیویڈنڈ (منافع) کے نام سے سالانہ کچھ رقم ملتی ہے، یہ ڈیویڈنڈ استعمال کرنا کیسا ہے؟

یہ بات آپ کے خیال میں رہے کہ یونٹ ٹرسٹ کے منتظمین جمع شدہ سرمایہ زیادہ تر سودی کاروبار میں لگاتے ہیں اور گاہے دوسروں کو سود پر رقم دیتے ہیں اور اس میں جو آمدنی یا سود حاصل ہوتا ہے وہی شیئرز کے خریداروں کو ڈیویڈنڈ کے نام سے دیتے ہیں۔

(الجواب) ہمیں تحقیق کرنے پر معلوم ہوا ہے اور آپ نے بھی سوال میں لکھا ہے کہ ادارہ یونٹ ٹرسٹ جمع شدہ سرمایہ زیادہ تر سودی کاروبار میں لگاتا ہے اور اس سے حاصل شدہ آمدنی ڈیویڈنڈ کے نام سے شیئر ہولڈروں کو دیتا ہے تو ایسی صورت میں یونٹ ٹرسٹ کے شیئرز ہی نہ خریدے جائیں، اعانت علی المعصیت ہے اور اگر کسی نے خرید لئے ہیں تو اولین فرصت میں اسے ختم کر دینا چاہئے اور حاصل شدہ ڈیویڈنٹ غرباء و مساکین کو بلانیت ثواب دے دینا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

پراویڈنٹ فنڈ کے متعلق ایک ضروری مسئلہ:

(سوال ۳۰۹) ایک شخص ایک ''دودھ ڈیری'' میں ملازمت کرتا ہے اور اس کی تنخواہ بارہ سو روپے ہے ہر ماہ پرویڈنٹ فنڈ کے نام سے مذکورہ دودھ ڈیری والے ایک سو بیس روپے اس کی تنخواہ میں سے کاٹتے ہیں اور پھر دودھ ڈیری والے ایک سو بیس کا اضافہ کر کے دو سو چالیس روپے بینک میں جمع کروادیتے ہیں، اور بینک اس پر سال میں دو مرتبہ سود دیتی ہے اور اس کے حساب میں شامل کر دیا جاتا ہے، ملازمت کرنے والا یہ رقم اپنی مرضی سے بینک میں سے نہیں لے سکتا ہے، کے بعد دودھ ڈیری والوں نے بینک میں جمع شدہ رقم مع سود اٹھا کر پوسٹ آفس میں رکھ دی چھ سال بعد پوسٹ آفس والے جمع شدہ رقم دوگنا کر دیں گے اور یہ پوری رقم ملازمت چھوٹنے پر یا انتقال ہونے پر ہی ملتی ہے اس سے پہلے نہیں ملتی۔

اس صورت میں جو اضافہ ڈیری والوں نے کیا اس کے متعلق جواب آپ کے فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۲۷ ج ۵ (جدید ترتیب کی مطابق کتاب الزکوٰۃ میں پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ نہیں ہے؟ الخ کے عنوان سے دیکھ لیا جائے۔ از مرتب) پر ہے کہ وہ انعام ہے اور وہ لینا جائز ہے مگر اس کے بعد بینک اور پوسٹ آفس کی طرف سے جو اضافہ ہوا ہے وہ اضافہ شدہ رقم لینا کیسا ہے؟ اس کی متعلق جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ سب کارروائی دودھ ڈیری والے از خود اپنی ذمہ داری پر کریں ملازم کی مرضی اور اختیار کو اس میں بالکل دخل نہ ہو تو بینک اور پوسٹ آفس کی طرف سے جو اضافہ شدہ رقم ہے اس کا لینا مباح ہے، سود کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی اور اگر دودھ ڈیری والے ملازم کی مرضی یا اجازت سے یہ کارروائی کریں تو بینک یا پوسٹ آفس کی طرف سے جو اضافہ ہوگا وہ سود کہلائے گا جس کا استعمال کرنا درست نہ ہوگا، غرباء کو ثواب کی نیت کے بغیر دے دے، بلکہ اس صورت میں یعنی ملازم کی اجازت سے یہ کام ہوا ہے تو بینک یا پوسٹ آفس والے اس کے وکیل ہوں گے اور وکیل کا قبضہ موکل کا

قبضہ شمار ہوتا ہے تو اس کارروائی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملازم اس رقم کا قابض شمار ہوگا، لہذا جب سے یہ رقم بینک یا پوسٹ آفس کی طرف منتقل ہوگی اس وقت سے اس پر زکوۃ کے احکام جاری ہوں گے، اور ہر سال کی زکوۃ ضابطہ کے مطابق واجب ہوتی رہے گی، اگر زکوۃ نہ ادا کی ہو تو جتنے سالوں کی زکوۃ باقی ہو ان سالوں کی زکوۃ ادا کرنا لازم ہوگی۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے صاحبزادے مولانا مفتی محمد رفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

مسئلہ ۱:۔ جبری پراویڈنٹ فنڈ میں ملازم کی تنخواہ سے جو رقم ماہ بماہ کاٹی جاتی ہے اور اس پر ہر ماہ جو اضافہ محکمہ اپنی طرف سے کرتا ہے پھر مجموعہ پر جو رقم سالانہ بنام سود جمع کرتا ہے شرعاً ان تینوں رقموں کا حکم ایک ہے اور وہ یہ کہ یہ سب رقمیں درحقیقت تنخواہ ہی کا حصہ ہیں اگرچہ سود یا کسی اور نام سے دی جائیں، لہذا ملازم کو ان کا لینا اور اپنے استعمال میں لانا جائز ہے ان میں سے کوئی رقم بھی شرعاً سود نہیں البتہ پراویڈنٹ فنڈ میں اگر اپنے اختیار سے کٹوائی جائے تو اس پر جو رقم محکمہ بنام سود دے گا اس سے اجتناب کیا جائے کیونکہ اس میں تشبہ بالربا بھی ہے اور سودخوری کا ذریعہ بنالینے کا خطرہ بھی اس لئے خواہ وصول ہی نہ کریں یا وصول کر کے صدقہ کر دے۔

مسئلہ ۲:۔ جو حکم مسئلہ ۱ میں بیان کیا گیا ہے یہ اس وقت ہے جب کہ پراویڈنٹ فنڈ کی رقم ملازم نے اپنی طرف سے کسی شخص یا کمپنی وغیرہ کی تحویل میں نہ دلوائی ہو بلکہ محکمہ نے اپنے تصرف میں رکھی ہو یا اگر کسی شخص یا کمپنی وغیرہ کو دی ہو تو اپنے طور سے اپنی ذمہ داری پر دی ہو اور اگر ملازم نے اپنی ذمہ پر یہ رقم کسی شخص یا بینک یا بیمہ کمپنی یا کسی اور مستقبل کمیٹی مثلاً ملازمین کے نمائندوں پر مشتمل بورڈ وغیرہ کی تحویل میں دلوادی تو یہ ایسا ہے جیسے خود وصول کر کے اس کی تحویل میں دی ہو، اب اگر بینک یا کمپنی وغیرہ اس رقم پر کچھ سود دیں تو یہ شرعاً بھی سود ہوگا جس کا لینا ملازم کے لئے قطعاً حرام ہے، فنڈ خواہ جبری ہو یا اختیاری۔ کتبہ محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ خادم دارالافتاء دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۔ نقل دستخط ارکان مجلس تحقیق مسائل حاضرہ۔

الجواب صحیح (مولانا) محمد یوسف بنوری۔ الجواب صحیح (مفتی) رشید احمد عفی عنہ۔
الجواب صحیح سدہ (مفتی) محمد شفیع۔ الجواب صحیح (مفتی) محمد تقی۔
الجواب صحیح (مولانا) محمد عاشق الٰہی۔ الجواب صحیح (مفتی) ولی حسن ٹونکی غفرلہٗ۔

(از جدید مسائل کے شرعی احکام۔ پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ وسود کے مسائل ص ۹۸، ۹۹، ۱۰۰) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیمہ کے متعلق تفصیلی احکام (بارہ سوالات کے جوابات):

(سوال ۳۱۰) (۱) بیمہ کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے اس میں کمپنی بطور سود جو رقم دیتی ہے جس کا نام وہ اپنی اصطلاح میں منافع رکھتی ہے، شریعت کا اصطلاحی ربوا ہے یا نہیں؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! بیمہ کی حقیقت ربوا اور قمار سے مرکب ہے۔ الربوا هو فضل خال عن عوض بمعيار شرعي شرط لا حد المتعاقدين في المعاوضة (درمختار باب الربوا ج ۲ ص ۱۶۸) هو فضل خال عن عوض شرط لا حد المتعاقدين في معاوضة مال بمال (ملتقى الا بحر ايضاً) فقط.

(سوال ۲) اگر سود مذکور شرعی اصطلاح میں ربوا ہے تو بیمہ کے جو مصالح بیان کئے جاتے ہیں ان کی پیش نظر بیمہ کے جواز کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟

(الجواب) ربوا اور قمار دونوں حرام قطعی اور کبیرہ گناہ ہیں، حرمت ان کی منصوص اور اجماعی ہے۔ **اجمع المسلمون علی تحریم الربوا فعلی انه من الکبائر** (عمدة القاری شرح بخاری)

آنحضرت ﷺ نے ربوا کو ہلاک کرنے والی چیزوں میں شمار کیا ہے۔ **اجتنبوا السبع الموبقات. وجعل منهن اکل الربوا**، مشکوٰة باب الکبائر وعلامات النفاق۔ لہٰذا اس کے ہزار منافع بیان کئے جائیں۔ **بدلیل قوله تعالیٰ: قل فیهما اثم کبیر ومنافع للناس واثمهما اکبر من نفعهما سورة بقرة. منهی عنه** اور غیر جائز الارتکاب ہی رہے گا۔ **فقط**۔

(سوال ۳) زندگی کے بیمہ، املاک کے بیمہ، اور ذمہ داری کے بیمہ کے درمیان شرعاً کوئی فرق ہوگا یا تینوں کا ایک حکم ہوگا؟

(الجواب) تینوں کا ایک ہی حکم ہے کہ ناجائز ہے اس لئے کہ تینوں قسمیں ربا اور سود پر مشتمل ہیں، اس میں ذمہ داری محض برائے نام ہے، بیمہ کمپنی جان اور مال کی حفاظت نہیں کرتی، البتہ ڈاک خانہ کے بیمہ کی صورت دوسری ہے اس لئے بعض علماء نے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

امداد الفتاویٰ میں ہے کہ: رہا بیمہ زیور وغیرہ کا جو ڈاک خانہ میں کرایا جاتا ہے اس کی حقیقت اور ہے۔ کیونکہ ڈاک خانہ والے اس چیز کو پہنچاتے ہیں اور اجرت لیتے ہیں پس یہ معاملہ عقد اجارہ ہے اور عملہ ڈاک اجیر ہیں اور بیمہ زیادت اجر ہے اور ان کی یہ ذمہ داری تاوان کی اشتراط ضمان علی الاجیر ہے، جس کو بعض فقہاء نے جائز رکھا ہے بخلاف مذکورہ بیموں کے کہ کمپنی اس مال یا جان میں کوئی عمل نہیں کرتی، اس میں تاویل محتمل نہیں (ج ۳ ص ۱۲۰) فقط۔

(سوال ۴) معاملہ کی یہ شرط کہ اگر بیمہ شدہ شخص یا شئی وقت معین سے پہلے تلف ہوجائے تو اتنی رقم ملے گی اور اس کے بعد تلف ہوئی تو اتنی، جب کہ تلف ہونے کے وقت کا تعین غیر ممکن ہے اس معاملہ کو قمار کی حدود میں تو داخل نہیں کردیتی؟

(الجواب) ہاں یہ صورت قمار کی ہے اور حرام قطعی ہے۔ فقط۔

(سوال ۵) اگر یہ صورت قمار یا غرر کی ہے تو بیمہ کے مصالح کے پیش نظر جواب کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟

(الجواب) اس کا بھی وہی حکم ہے جو نمبر ۲ میں لکھا گیا۔ فقط۔

(سوال ۶) اگر بیمہ دار مندرجہ اقسام بیمہ سے کسی میں سود لینے سے بالکل محترز رہے اور اپنی اصل رقم کی صرف واپسی چاہتا ہو تو کیا یہ معاملہ جائز ہوسکتا ہے؟

(الجواب) یہ صورت بھی جواز کی نہیں ہے کہ اس میں اعانت علی المعصیة ہے البتہ اخذ الربا او ارتکاب قمار کی صورت سے اخف ہے۔ فقط۔

(سوال ۷) جو رقم کمپنی بطور سود ادا کرتی ہے اسے ربا کے بجائے اس کی جانب سے اعانت وامداد اور تبرع واحسان قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

نوٹ: بعض کمپنیوں کے ایجنٹ اس کا مقصد امداد ہی ظاہر کرتے ہیں۔

(الجواب) جی نہیں۔ یہ ربا کی صورت ہے یا قمار کی۔ ایجنٹ کے لکھنے اور نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ شریعت کے احکام کا دارومدار حقیقت پر ہے نہ کہ نام پر، جب تک حقیقت نہیں بدلے گی حکم نہیں بدلے۔ **وانہ لا یتغیر حکمہ بتغیر ھیئتہ وتبدیل اسمہ (مرقاۃ المفاتیح) فقط۔**

(سوال ۸) اگر مسلمان کسی دارالحرب کا باشندہ ہو (مستامن نہیں) اور کمپنی حربیوں ہی کی ہو تو کیا اس صورت میں یہ معاملہ مسلمانوں کے لئے جائز ہوگا؟

(الجواب) دارالحرب میں بھی جمہور ائمہ و علماء محققین کے نزدیک ربوا و قمار کے متعلق وہی احکام ہیں جو دارالاسلام میں ہوتے ہیں، البتہ طرفین سے دارالحرب میں جواز کا قول منقول ہے، لیکن بعض علماء محققین نے امام صاحب کے قول کا ایسا مطلب بیان کیا ہے جو جمہور کے خلاف نہیں رہتا، چنانچہ **لا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب** اس میں احتمال ہے کہ یہ نفی نہی کے لئے ہو جیسا کہ **فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج** میں نہی کردی ہے۔ **فلو ھاجر الینا ثم عاد الیھم فلا ربوا اتفاقا (درمختار) (قولہ فلا ربوا اتفاقا) ای لا یجوز الربوا معہ فھو نفی بمعنی النھی کما فی قولہ تعالیٰ فلا رفث ولا فسوق فافھم (شامی ج ۴ ص ۲۶۱ باب الربا)**

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں، تحقیق الہامی کے طور پر ایک بات لکھ لو وہ یہ کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ **لاربوا بین المسلم والحربی فی دارالحرب** اس سے ربا کے جواز پر استدلال نہیں کر سکتے، کیونکہ اس قسم کی ترکیب کے دو معنی ہوا کرتے ہیں ایک تو یہ کہ **لامضائقۃ فیہ** دوسرے یہ کہ **لایتحقق حقیقۃ ولا یترتب جمیع احکامہ** مثلاً لاربوا کے اگر یہ معنی ہوں کہ ان میں ربا کی حقیقت ہی مرتب نہیں تو اس کا اثر غایت ما فی الباب یہ ہوگا کہ اس پر جمیع احکام مرتب نہ ہوں گے، مثلاً وہ واجب الرد نہ ہو اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ربا کے دوسرے آثار بھی مرتب نہ ہوں، مثلاً گنہگار ہونا کہ اس کا تحقیق باوجود عدم تحقق حقیقت ربوا کے بھی ہوگا، اس کی دلیل یہ ہے کہ خود فقہاء نے بھی **لاربوا بین العبد وسیدہ** میں عدم تحقق حقیقت مانا ہے، لیکن ارتکاب صورت ربوی سے دونوں گنہگار ہوں گے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ **لا صلوۃ الا بطھور** اس میں نفی کے معنی یہی ہیں کہ بدون وضو حقیقت صلوۃ متحقق نہ ہوگی لیکن باوجود اس کے اس طرح نماز کی ہیئت سے اس پر گناہ ہوگا۔ **علیٰ ھذا لا نکاح بین المحارم** میں بھی یہی مراد ہے جس کا اثر یہ ہے کہ وجوب مہر ونفقہ نہ ہوگا۔ لیکن نفس اس فعل سے گناہ ضرور ہوگا، نیز **لا صوم یوم عید** میں بھی یہ ہے، اور **لا رضاع بعد الفطام** میں بھی یہی معنی ہیں کہ حقیقت رضا کا تحقق نہ ہوگا، چنانچہ حرمت رضاع ثابت نہ ہوگی، لیکن بعد مدت رضاع کے دودھ پلانا گناہ ضرور ہوگا، پس جب حدیث لاربوا الخ اس معنی کو محتمل ہے اور خود حدیث شریف میں اس کے مؤیدات ونظائر اس قدر موجود ہیں تو اس حدیث سے حلت ربوا پر استدلال کافی نہ ہوگا (مقالات حکمت ص ۲۵۴)

البتہ بوجہ قوی ثابت ہے کہ دارالحرب میں مسلمانوں کے لئے حربیوں کا مال ہر اس طریق سے جس میں غدر نہ ہو مباح ہے تو سود لینا بھی مباح ہوگا، لیکن اباحت مال کی وجہ اختلاف دار ہے اور یہ علت ایک ہی دار کے باشندوں میں نہیں پائی جاتی، تو اس دلیل سے بھی ہندوستان میں رہنے والے غیر مسلموں کا مال ہمارے لئے مباح نہ ہوگا۔

ولان مالھم مباح فی دارھم فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالا مباحا اذا لم یکن فیہ عذر بخلاف المستأ من منھم لا ن مالہ صار محظورا بعقد الا مان (ھدایہ ج۳ ص ۷۰ باب الربوا)

قال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ لو ان مسلما دخل ارض الحرب بامان فباعھم الدرھم بالدرھمین لم یکن بذلک باس لان احکام المسلمین لا تجری فبای وجہ اخذ اموالھم برضاھم فھو جائز (الرد علی سیرالا وزاعی ص ۹۶)

شیخ الاسلام حضرت مدنی تحریر فرماتے ہیں: اس میں شک نہیں کہ ہندوستان دارالحرب ہے، مگر حضرت مولانا نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز کا خیال تھا کہ باشندگان بلاد اسلامیہ کے لئے جائز ہے کہ وہ ہندوستان میں داخل ہو کر سود اور جوے سے کفار کا مال لے سکتے ہیں، اس میں تراضی طرفین ہو اور عہد شکنی نہ ہو، لیکن باشندگان ہند کے لئے جائز نہیں ہے۔ ان کا خیال تھا کہ ہندوستان کے رہنے والے مسلمان بھی انگریزوں اور ہندوؤں سے سود لے سکتے ہیں، لیکن عوام کی مصلحت کا لحاظ کر کے اس فتویٰ کو شائع نہیں کرتے تھے (مکتوبات شیخ الاسلام ج ا ص ۱۸)

البتہ ہندوؤں سے سود لینے میں اب تک تذبذب ہے (ج ا ص ۱۹)

ہندوستان کی بیمہ کمپنیوں سے معاملہ کرنے میں یہ قباحت ہے کہ مسلمان کا مسلمان سے سود لینا لازم آئے گا چنانچہ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں۔

"دارالحرب میں قمار یا سود کے ذریعہ کفار سے رقم حاصل کر لینے کی تو اباحت ہے مگر بیمہ کمپنیوں میں تو ہزاروں مسلمان بھی شریک ہوتے ہیں اور ان کی رقم بھی شامل ہوتی ہے اور اس میں سے تمام شرکا کو خواہ مسلم ہو یا کافر سود (INTAREST) دیا جاتا ہے تو گویا مسلمان سے بھی سود لیتا ہے، اس لئے دارالحرب کے مسئلہ سے بھی بیمہ کا جواز مشتبہ ہے۔ محمد کفایت اللہ، کان اللہ لہ" (از ولایت بمبئی)

(سوال ۹) اس صورت میں جب کہ انشورنس کا کاروبار خود حکومت کر رہی ہو اور اس صورت میں جب کہ یہ کاروبار نجی کمپنیاں کر رہی ہوں، کوئی فرق ہے یا نہیں؟

(الجواب) دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اس لئے کہ سود لینے کے جواز کا مدار صرف اباحت پر ہے اور اباحت کی علت اختلاف دار ہے، وہ ان دونوں صورتوں میں مفقود ہے۔ فقط۔

(سوال ۱۰) اگر یہ کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہو تو کیا اس بنیاد پر کہ خزانۂ حکومت میں رعیت کے ہر فرد کا حق ہوتا ہے، زیر بحث معاملہ میں سود کی رقم عطیہ حکومت قرار پا کر "ربا" کی حدود سے خارج ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا اس صورت میں یہ معاملہ جائز ہو سکتا ہے؟

(الجواب) اس کو حکومت کا عطیہ قرار نہیں دیا جا سکتا، اور یہ معاملہ اعانت علی المعصیۃ کی وجہ سے جائز نہیں۔ فقط۔

(سوال ۱۱) فرض کیجئے کہ بیمہ کا کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہے ایک شخص بیمہ پالیسی خریدتا ہے اور میعاد معین کے بعد اصل مع سود کے وصول کرتا ہے لیکن

(الف) سود کی کل رقم بطور ٹیکس بندہ خود حکومت کو دے دیتا ہے۔

(ب) ایسی کاموں میں لگا دیتا ہے جن کا انجام دینا خود حکومت کے ذمہ ہوتا ہے مگر وہ لاپرواہی یا کسی دشواری

کی وجہ سے انہیں انجام نہیں دیتی، مثلاً کسی جگہ پل یا راستہ بنوانا، کسی تعلیمی ادارہ کو امداد دینا، کنواں کھدوانا نل لگوا دین وغیرہ جہاں یہ امور قانوناً حکومت کے ذمہ ہوں۔

(ج) ایسے کاموں میں صرف کرتا ہے جو قانوناً حکومت کے ذمہ نہیں ہوئے مگر عام طور پر رعایا ان کے بارے میں حکومت کی امداد چاہتی ہے اور حکومت بھی ان کی اس خواہش کو مذموم نہیں سمجھتی بلکہ بعض اوقات امداد کرتی ہے مثلاً کسی جگہ کتب خانہ کھول دینا وغیرہ۔

تو کیا مذکورہ بالا صورتوں میں اس شخص کے لئے بیمہ پالیسی کی خریداری جائز ہوگی؟ اور اسے ربوا لینے کا گناہ تو نہ ہوگا؟

(الجواب) ان صورتوں میں بھی بلا اضطرار اور شدید مجبوری کے سودی معاملہ کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے، جس طرح کہ خیرات کرنے کی نیت سے چوری کرنے کی اجازت نہیں ہے اور اس میں اعانت علی المعصیت بھی ہے، ہاں اگر کسی نے پہلے سے معاملہ کر رکھا ہے تو وہ سودی رقم بطور ٹیکس و جبری چندہ حکومت کو دے سکتا ہے، اور بلا نیت ثواب رفاہ عام کے کاموں میں دے سکتا ہے؟ فقط۔

(سوال ۱۲) بیمہ دار اگر سود کی رقم بغیر نیت ثواب کے کسی دوسرے کو امداد کے طور پر دیتا ہے تو کیا اس صورت میں انشورنس کا معاملہ جائز ہوگا؟

اگر انشورنس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے تو کیا مصالح و حاجات کو سامنے رکھ کر۔

الف:۔ اس کا کوئی بدل ہو سکتا ہے جس میں مصالح مذکورہ موجود ہوں اور اس پر عمل کرنے سے ارتکاب معصیت لازم نہ آئے، اگر ہو سکتا ہے تو کیا ہے؟ یا۔

ب:۔ انشورنس کی مروجہ شکل میں کیا کوئی ایسی ترمیم کی جا سکتی ہے جو اسے معصیت کے دائرہ سے خارج کر دے اور مصالح مذکورہ کو فوت نہ کرے، اگر ہو سکتی ہے تو کیا؟

(الجواب) اس کا بھی وہی حکم ہے، تمام مشکلات کا حل اور مصیبتوں کا واحد علاج شریعت کی پابندی اور شعائر اسلام کی حفاظت میں مضمر ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) یا یھا الذین امنوا ان تنصروا اللہ ینصر کم ویثبت اقدامکم (اے ایمان والو! اگر تم شریعت کی پیروی کرو گے) اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور وہ تمہارے قدموں کو ثابت رکھے گا۔ (قرآن حکیم)

(۲) ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب، و من یتو کل علی اللہ فھو حسبہ ان اللہ بالغ امرہ. یعنی اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے (مضرتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے، اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے (قرآن حکیم)

فرمان نبوی ہے:

(۳) من حفظ سنتی اکرمہ اللہ تعالیٰ باربع خصال المحبۃ فی قلوب البررۃ والھیبۃ فی

قلوب الفجرة والسعة فی الرزق والثقة فی الدین (شرح شرعة الاسلام لسید علی زاده ص ۹)

یعنی جس نے میری سنت کا تحفظ کیا حق تعالیٰ چار باتوں سے اس کی تکریم فرمائے گا صالحین کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دے گا اور بدکاروں کے دلوں میں ہیبت ڈال دے گا اور رزق فراخ کردیگا اور دین میں پختگی عطا فرمائے گا۔

(۴) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز آپ ﷺ کے پیچھے تھا آپ ﷺ فرمانے لگے اے لڑکے! اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کر! خدا بھی تیری حفاظت کرے گا، اور اللہ کے حقوق کو پیش نظر رکھ! تو خدا کو بھی اپنے پاس پائے گا، اللہ ہی سے مانگ، اللہ ہی سے مدد چاہ، اور یاد رکھ کر تمام زمین وآسمان کے لوگ اکٹھے ہو کر تجھ کو نفع پہنچانا چاہیں تو تقدیر سے زیادہ کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکیں گے، نہ تقدیر سے زیادہ نقصان پہنچ سکیں گے الخ (الحدیث)۔

(۵) عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لو انکم تتوکلون علی اللہ حق توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر تغدو خماصا وتروح بطانا رواہ الترمذی وابن ماجہ (مشکوٰۃ باب التوکل والصبر ص ۴۵۲)

یعنی حضرتؓ فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر بے شک تم اللہ پر توکل (اعتماد) کرو حق توکل (خدا کو رزق کا ضامن یقین کرتے ہوئے حلت وحرمت کا لحاظ رکھ کر جائز طریقہ سے طلب رزق کرو) تو بے شک وہ تم کو روزی دے گا جیسے کہ پرندہ کو دیتا ہے کہ وہ نکلتے ہیں صبح کو بھوکے اور لوٹتے ہیں اپنے گھونسلوں میں شام کو سیر ہو کر (مشکوٰۃ)

ای کریمے کہ از خزانۂ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خورداری
دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ بادشمناں نظر داری

لہذا مسلمانوں کو دینی مدارس، تبلیغی جماعت اور وعظ ونصیحت کے ذریعہ صحیح معنی میں دیندار شریعت کے پابند شعائر اسلام کے محافظ بنانے کی پوری جدوجہد کی جائے اور غیر سودی بینک قائم کئے جائیں تاکہ مسلمان سودی بینک سے بے نیاز ہو جائیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سودی رقم کا استعمال

بیمہ کی رقم وارث کس طرح استعمال کریں:

(سوال ۳۱۱) ایک آدمی نے مرنے سے چار برس قبل چند برسوں کے لئے چند ہزار کا اپنی زندگی کا بیمہ کیا تھا۔ چار برس میں چار ہزار روپے قسط بہ قسط ادا کر دیئے ہیں۔ اب کمپنی مرحوم کے ورثاء کو بیس ہزار روپیہ دے رہی ہے، یہ رقم لے سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) زندگی کا بیمہ کرانا جائز نہیں ہے۔ لیکن جب مرحوم نے بیمہ کرالیا ہے تو بیمہ کمپنی جو رقم دے رہی ہے، وہ لے لی جائے۔ اس رقم میں سے چار ہزار روپے جو مرحوم نے ادا کئے ہیں، مرحوم کے ترکہ میں شامل ہو کر ورثاء کو ملیں گے اور جو رقم زائد ہے وہ واجب التصدق ہے۔ غریب محتاجوں کو یا کسی رفاہ عام کے کاموں میں دے دی جائے۔[1] زائد رقم ایک قسم کا سود ہے اس کو مرحوم کے ترکہ میں شامل نہیں کر سکتے اس کو کسی کار خیر میں بلا نیت ثواب خرچ کر دینا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بینک کی سودی رقم کہاں استعمال کرے:

(سوال ۳۱۲) ہماری سوسائٹی ہے۔ اس کی رقم بینک میں رکھی جاتی ہے۔ اور ہر سال اس کا سود ملتا ہے تو وہ سودی رقم کس کام میں خرچ کی جائے؟

(الجواب) بینک میں جو روپے رکھے جاتے ہیں وہ بطور امانت نہیں ہوتے استعمال کئے جاتے ہیں۔ لہذا بینک میں رقم رکھنا اعانت علی المعصیۃ یعنی گناہ کے کام میں امداد کرنا ہے اگر ناواقفیت سے رکھے ہوں یا قانونی مجبوری اور ناچارگی کی بنا پر رکھے ہوں تو سودی رقم لے کر غریب حاجت مند کو دے دی جائے خود استعمال نہ کرے۔[2] لینے کا حکم بھی اس لئے ہے کہ اگر آپ نہ لیں گے تو یہ رقم غلط موقعوں پر استعمال کی جائے گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حق کے ساتھ ساتھ سودی رقم بھی ملتی ہے تو کیا کرے:

(سوال ۳۱۳) ایک شخص کے پاس میرے پانچ سو روپے ہیں (مجبوراً مجھے دعویٰ کرنا پڑا۔ کورٹ نے میرے حق کے ساتھ ساتھ کے پچاس روپے دینے پر ڈگری کر دی ہے۔ وہ روپے لے سکتا ہوں یا نہیں؟

(الجواب) آپ صرف اپنا حق لیجئے۔ سودی رقم نہیں لے سکتے۔ مدعا علیہ کو دے دیجئے یا دلا دیجئے خود لینا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سودی رقم رفاہ عام میں لگا سکتے ہیں:

(سوال ۳۱۴) بینک و بیمہ کی سودی رقم سڑک وغیرہ پبلک کاموں میں لگا سکتے ہیں، یا نہیں۔ اس سے مسجد اور

---

(۱) والحاصل ان علم ارباب الاموال وجب رده عليهم والا فان علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه . باب بيع الفاسد . مطلب فيمن ورث مالا حراما ج. ۵ ص ۹۹ .
(۲) حواله بالا .

بیت الخلاء کی مرمت کی جا سکتی ہے؟ زکوٰۃ کی طرح اس میں مالک بنانا شرط ہے؟

(الجواب) مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ غریب مسکین کو دینا اولیٰ ہے۔ سڑک وغیرہ رفاہ عام کے کاموں میں لگانے کی گنجائش ہے۔ مسجد میں نہیں لگا سکتے۔ مسجد کی بیت الخلاء کی مرمت میں لگا سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(اس مسئلہ پر مفصل کلام احکام مساجد و مدارس میں ہو چکا ہے۔ از مرتب)

سودی رقم یتیم خانہ کی عمارت وغیرہ میں صرف کر سکتے ہیں:

(سوال ۳۱۵) بینک سے ملی ہوئی سودی رقم یتیم خانہ کی تعمیر میں اور رنگ و روغن کرنے میں اور پبلک قبرستان کے احاطہ بنانے میں خرچ کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

(الجواب) ہاں کی جا سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غیر مسلم کو سود کی رقم دینا:

(سوال ۳۱۶) بینک کے سود کا پیسہ غیر مسلم کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسلمانوں میں ہی بے شمار محتاج اور غرباء ہیں، لہذا غریب محتاج مسلمانوں کو یہ رقم بلا نیت ثواب دے دی جائے یہی بہتر ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دواخانہ کی تعمیر میں سود یا زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنا:

(سوال ۳۱۷) ہمارے یہاں ایک دواخانہ ہے بلا تفریق مذہب سب کو مناسب دام پر دوا دی جاتی ہے، اس دواخانہ کی ایک عمارت کی تعمیر کرنا ہے اس کی تعمیر میں زکوٰۃ اور سود کے پیسے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) دواخانہ کی عمارت میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنا درست نہیں، اگر استعمال کی جائے گی تو لوگوں کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، (۱) اسی طرح سودی رقم بھی استعمال نہ کی جائے، البتہ اگر للہ رقم ملتی ہی نہ ہو کام رکا ہوا ہو تو اس تاویل سے کہ یہ بھی رفاہ عام کا کام ہے مسلمان ہندو ہر ایک اس کو استعمال کریں گے سودی رقم استعمال کرنے کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بینک کا سود غیر مسلم کو دینا:

(سوال ۳۱۸) بینک سے جو سود ملتا ہے وہ کس کو دیا جائے؟ ایک غیر مسلم ضرورت مند ہے، اس کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا؟

(الجواب) یہ رقم غریب، مسکین محتاج کو دی جا سکتی ہے اور وہ اپنے کام میں لے سکتا ہے، غریب مسلمان کو فائدہ پہنچانا چاہئے وہ بہ نسبت غیر مسلم کے زیادہ حق دار ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحة کما مر لا یصرف الی بناء نحو مسجد قال فی الشامیة تحت قوله نحو مسجد کبناء القناطر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانهار وکل ما لا تملیک فیه شامی باب المصرف ج ۲ ص ۳۴۴.

سودی رقم سے مدرسہ کے لئے تپائی خریدنا:

(سوال ۳۱۹) سودی رقم سے مدرسہ کے لئے تپائی (پاٹلے) خریدنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مدرسہ کے لئے تپائی جس پر قرآن مجید اور دینی کتابیں رکھی جائیں گی ایسے مقدس اور بابرکت کام کے لئے سودی رقم استعمال کرنا بالکل ناجائز ہے۔ سودی رقم تو غرباء اور محتاج لوگوں کا حق ہے ایسے لوگوں کو ثواب کی نیت کے بغیر اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے دیدینا چاہئے، البتہ مدرسہ میں غریب بچے پڑھتے ہوں اور ان کے والد بھی غریب و محتاج ہوں اور اضطراری حالت ہو تو سودی رقم سے ایسے بچوں کے لئے کپڑے بنوا دیئے جائیں یا اور کوئی ضرورت کی چیز ان کو دلوائی جائے تو ایسا کر سکتے ہیں۔ (۱) **فقط واللہ اعلم بالصواب۔**

اسکول کے ڈونیشن میں سودی رقم استعمال کرنا:

(سوال ۳۲۰) میں اپنے بیٹے کو ایک اسکول میں داخل کرنا چاہتا ہوں مگر اسکول والے (ڈونیشن) امداد کے نام سے کچھ رقم کا مطالبہ کر رہے ہیں، میں اس ڈونیشن میں سودی رقم دے سکتا ہوں یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

(الجواب) داخلہ کے لئے اسکول والوں کا ڈونیشن کے نام سے رقم کا مطالبہ کرنا ہی صحیح نہیں ہے یہ ڈونیشن نہیں ہے رشوت ہے، آپ ان سے کہیں کہ ہم اپنی مرضی سے اپنی حیثیت کے مطابق تعاون کریں گے، ہمیں کسی مقدار کا پابند نہ بنایا جائے اور اس میں سودی رقم نہ دی جائے، اس میں سودی رقم دینا گویا اپنے بچہ کی تعلیم میں سودی رقم استعمال کرنا ہے، اور سودی رقم اضطراری صورت کے بغیر استعمال کرنا درست نہیں ہے، لہذا جب آپ صاحب مال ہیں تو آپ یہ رقم اس کام میں استعمال نہیں کر سکتے۔ (۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سودی رقم رفاہ عام میں خرچ کرنے کی گنجائش:

(سوال ۳۲۱) حضرت مفتی صاحب مدت فیوضہم بعد سلام مسنون فتاوی رحیمیہ جلد ششم ص ۱۳۸ پر مسئلہ ہے جس میں آپ نے سود کی رقم کے متعلق تحریر فرمایا ہے "یا رفاہ عام کے کاموں میں صرف کی جائے۔" اس کے لئے اپنی معلومات اب تک یہی ہیں کہ ایسی رقم واجب التصدق ہوتی ہے، اس لئے بعض اکابر نے بیت الخلاء میں بھی اس کی استعمال کی اجازت نہیں دی ہے، امید ہے کہ آپ اس پر غور فرمائیں گے۔ فقط۔

(الجواب) محترم و مکرم، دامت برکاتہم، بعد سلام مسنون عرض ہے کہ اس اشکال کا جواب تفصیل سے فتاوی رحیمیہ جلد سوم ص ۲۶۰ تا ص ۲۶۷ (جدید ترتیب کے مطابق باب الربوا میں بینک کے سود کے متعلق فتوے پر تنقید الخ کے عنوان سے دیکھئے۔ از مرتب) میں طبع ہو چکا ہے، اس جواب میں سودی رقم رفاہ عام کے کام میں خرچ کرنے کے متعلق حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کے چند فتاوی بھی موجود ہیں، ان میں سے تین فتاوی درج ذیل ہیں۔

(الجواب)...... جمع شدہ روپیہ کا سود بینک سے وصول کر کے کسی قومی رفاہ عام کے کام میں دے دیا جائے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ دہلی۔ (الجمعیۃ نمبر ۱۷، ۹ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ مطابق ۶ ستمبر ۱۹۲۷ء)

(۱-۲) والحاصل ان علم ارباب الاموال واجب رد ة علیهم والا فان علم عین الحرام لا یحل له ویتصدق به بنية صاحبه. شامی باب البیع الفاسد، مطلب فیمن ورث مالا حراما ج. ۵ ص ۹۹.

(الجواب) پوسٹ آفس کے سیونگ بینک اور سرکاری بینکوں سے سود لینا اس لئے جائز بتایا گیا ہے کہ نہ لینے کی صورت میں سود کی رقم مسیحی مشنریوں کو دے دی جاتی ہے اور تبلیغ مسیحیت پر خرچ ہوتی ہے مسلمان ڈاک خانہ کی سیونگ بینک اور سرکاری بینکوں سے وصول کرلیں اور رفاہ عام کے قومی کاموں میں خرچ کریں۔ محمد کفایت اللہ غفرلہٗ مدرسہ امینیہ دہلی۔ (الجمعیۃ دہلی یوم یکشنبہ ۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ۔)

(الجواب) بینک سے وصول کرکے اس رقم کو قومی اور رفاہ عام کے کاموں میں بہ نیت رفع وبال خرچ کردینا چاہئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ مدرسہ امینیہ دہلی (الجمعیۃ نمبر ۲۹۔۴ رجب ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۳ء)

ماہنامہ ''الرشاد'' میں فقہ اسلامی سیمینار'' کے چند اہم فیصلے'' اس عنوان کے تحت ذیلی عنوان'' سود سے متعلق مسائل'' میں یہ تجویز بھی ہے۔

بینک انٹرسٹ کے سود لینے پر شرکائے سیمنار کا اتفاق ہے، انٹرسٹ کی رقم بینک سے نکالی جائے یا چھوڑی جائے؟ نکال لی جائے تو کس مصرف میں خرچ کی جائے؟ اس سلسلہ میں درج ذیل امور طے پائے۔

(۱) بینکوں سے ملنے والی سود کی رقم کو بینکوں میں نہ چھوڑا جائے بلکہ اسے نکال کر مندرجہ ذیل مصارف میں خرچ کیا جانا چاہئے۔

(۲) بینک کے سود کی رقم کو بلا نیت ثواب فقراء ومساکین پر خرچ کردیا جائے، اس پر تمام ارکان کا اتفاق ہے

(۳) سود کی رقم کو مساجد اور اس کے متعلقات پر خرچ نہیں کیا جاسکتا۔

(۴) اکثر شرکاء سیمنار کی یہ رائے ہے کہ اس رقم کو صدقات واجبہ کے مصارف کے علاوہ رفاہ عام کے کاموں پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے، بعض حضرات کی رائے میں اس کے مصرف کو فقراء ومساکین تک محدود رکھنا چاہئے۔ (ماہنامہ جامعہ ''الرشاد'' جنوری ۱۹۹۰ء مطابق جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ، جلد نمبر ۱۸، شمارہ نمبر ۲۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سودی رقم مسجد کے بیت الخلاء میں استعمال کرنا کب درست ہے:

(سوال ۳۲۲) ہمارے پاس بینک کا سود ہے، یہ سودی رقم مسجد کے بیت الخلاء پیشاب خانہ میں استعمال کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر مسجد کی رقم بینک میں رکھی ہو اور اس پر سود ملا ہو تو چونکہ مسجد کی رقم کا حساب حکومت کو دکھانا پڑتا ہے، حساب دینے کی آسانی کے لئے حاصل شدہ سود کو مسجد کے بیت الخلاء پیشاب خانے میں استعمال کرلیا جائے تو استعمال کرنے کی گنجائش ہے اور اگر مسجد کی رقم کا سود نہ ہو بلکہ دوسروں کی رقم کا سود ہو تو اس صورت میں بلا مجبوری استعمال نہ کرنا چاہئے ثواب کی نیت کے بغیر غرباء کو دے دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نوٹ:

فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۹۲ ج ۲ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں سودی رقم رفاہ عام میں لگا سکتے ہیں؟ کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے ۱۲ از مرتب) والے جواب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مطلقاً سودی رقم مسجد کے بیت الخلاء و پیشاب خانہ میں استعمال کی جاسکتی ہے، وہ سوال و جواب ملاحظہ ہوں۔

(سوال) بینک و بیمہ کی سودی رقم سڑک وغیرہ پبلک کاموں میں لگا سکتے ہیں یا نہیں، اس سے مسجد اور بیت الخلاء کی مرمت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ زکوٰۃ کی طرح اس میں مالک بنانا شرط ہے؟

(الجواب) مسئلہ مختلف فیہ ہے، غریب مسکین کو دینا اولیٰ ہے، سڑک وغیرہ رفاہ عام کے کاموں میں لگانے کی گنجائش ہے، مسجد میں نہیں لگا سکتے مسجد کے بیت الخلاء کی مرمت میں لگا سکتے ہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

یہ جواب کاتب یا ناقل کی غلط فہمی کی وجہ سے عام ہو گیا ہے ورنہ یہ جواب مسجد کی رقم کے سود کے ساتھ مقید ہے، لہذا اس کا خیال رکھا جائے، فتاویٰ رحیمیہ جلد دوم طبع ہو کر جب آئی اور مذکورہ جواب پر نظر پڑی تو احقر نے مظاہر العلوم سہارنپور کے مفتی اعظم مولانا مفتی سعید احمد کی خدمت میں یہ جواب بھیج کر تحقیق چاہی، مفتی سعید احمد صاحب نے تحریر فرمایا کہ جواب میں اصلاح کی ضرورت نہیں، مفتی صاحب کا جواب فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم ص ۲۶۳، ص ۲۶۴ پر چھپا ہوا ہے بغرض افادہ یہاں نقل کر دیا جاتا ہے۔ جدید ترتیب کے مطابق اسی جلد میں ص ۲۵۸ پر۔

(استفتاء) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی کے پاس بینک یا بیمہ کمپنی وغیرہ کا سود کا روپیہ ہو تو اسے کیا کرے؟ رفاہ عام کے کاموں میں سڑک اور کنواں مسجد کا بیت الخلاء وغیرہ بنانے میں صرف کیا جا سکتا ہے یا اس میں تملیک شرط ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فقراء کو دینا زیادہ بہتر ہے، مسجد کے علاوہ بیت الخلاء وغیرہ میں صرف کرنے کی بھی گنجائش ہے، یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے، سعید احمد غفرلہٗ مفتی مظاہر علوم سہارنپور، (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۵۸ ج ۹ ۲۵/۴/۷)۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی اس جواب کی بعد فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۹۴ ج ۲ والے جواب میں اصلاح کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور وہ جواب باقی رکھا گیا۔ لہذا اس صورت کے اختیار کرنے کی بھی گنجائش سمجھتا ہوں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تنخواہ میں سودی رقم کا استعمال اور اس کا حساب کتاب دیگر قوم سے الگ رکھنا:

(سوال ۳۲۲) ایک مسلم رفاہی ادارہ ہے جو اسکول، مدرسہ چلانے کے علاوہ دیگر رفاہی و امدادی کام کرتا ہے، اس کی جمع شدہ رقم لاکھوں کی تعداد میں بینک میں ہے جس کا سود ہر سال ادارہ کو بلا ناغہ ملتا ہے تو اس سودی رقم [illegible] استعمال ادارہ کیسے کرے؟

(۲) معلمین (ٹیچر) یا کارکن حضرات کو اس سودی رقم سے تنخواہ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

(۳) جواب نفی میں ہو تو غیر مسلم ٹیچر یا کارکن کی تنخواہ میں وہ رقم دینا کیسا ہے؟

(۴) ادارہ اپنی دیگر رقوم کے ساتھ سودی رقم کو مخلوط کر کے روزمرہ کے مصارف میں استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۵) سود کا حساب کتاب الگ سے رکھا جاوے یا پھر ادارہ کی غیر سودی رقم کے ساتھ سودی رقم کی آمیزش کی جاوے؟

(الجواب) بسم اللہ الرحمن الرحیم: (از ۱ تا ۵) سودی رقم کے واقعی حق دار انتہائی مفلوک الحال غربت زدہ نادار

لوگ ہیں، سودی رقم انہیں حصول ثواب کی نیت کے بغیر (اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے) دے دی جاوے (حوالہ گذر گیا ہے۔ از مرتب) مسلم یا غیر مسلم، معلمین یا کارکن حضرات کی تنخواہ میں سودی رقم کا استعمال جائز نہیں، البتہ اسکول و مدرسہ کے متعلمین، معلمین، کارکن حضرات میں سے جو کوئی مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق محتاج و نادار ہوں انہیں سودی رقم بطور امداد دی جاسکتی ہے۔

مسلمانوں میں غرباء، وفقراء، کی کمی نہیں ہے، لہذا مسلمان ہی کو ایسی رقم دی جائے سودی رقوم کا حساب کتاب علیحدہ رکھا جاوے، ادارہ کی دیگر رقوم کے ساتھ اس کی آمیزش نہ کی جائے خوش حال لوگ (جن کا گذارہ بآسانی ہو جاتا ہو وہ) اور ان کی نابالغ اولاد سودی رقم کی حق دار نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۷ المحرم الحرام ۱۴۱۵ھ۔

کتاب الاجارۃ

کرایہ دار مکان نہ چھوڑے:

(سوال ۳۲۴) ایک آدمی مسجد کے مکان میں کئی برس سے تیرہ روپے کرایہ دے کر رہتا ہے فی الحال اس مکان کا تمیں روپیہ کرایہ مل سکتا ہے اور دوسرے کرایہ دار دیتے ہیں اس شخص کو جماعت والوں نے برس ہوا کہا تھا کہ دوسرے کرایہ دار جو دے وہی تم بھی دو! جواب میں کہا کہ میرا اپنا مکان تیار ہو رہا ہے تیار ہونے پر اس گھر کو چھوڑ دوں گا۔ اب اس کا مکان تیار ہو گیا تب بھی نہیں چھوڑتا اور ذاتی مکان کو ستر پچھتر روپے کرایہ پر دے دیا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میں پرانا کرایہ دار ہوں۔ سرکاری قانون سے تم مجھے نہ نکال سکتے ہو اور نہ زائد کرایہ لے سکتے ہو! اب دریافت طلب یہ ہے کہ سرکاری قانون کیسا بھی ہو شرعاً ایسا کرنا مناسب ہے؟ خود غرضی کے لئے خدا کے گھر کو نقصان پہنچانا زیبا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس کرایہ دار کے پاس جب اپنا ذاتی مکان قابل رہائش ہے تو اسے لازم ہے کہ حسب وعدہ مسجد کے مکان کو خالی کر دے۔ یا دوسرے کرایہ دار جو کرایہ دیتے ہیں اتنا کرایہ یہ بھی دے۔ ذاتی مکان کو زیادہ کرایہ کی طمع سے دوسروں کو دینا اور جماعت والوں سے عہد و پیمان کے بعد بھی خالی نہ کرنا اور زیادہ کرایہ بھی نہ دینا بد اخلاقی بے انصافی اور وعدہ خلافی ہے اور مسجد کو نقصان پہنچانا ہے۔ خدا سے ڈرنا چاہئے۔[1]

مالک مکان اور کرایہ اور پگڑی کے مسائل:

(سوال ۳۲۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مالک مکان نے اپنے مکان کا ایک حصہ ایک شخص کو چند سال پہلے کرایہ پر دیا تھا۔ اور وہ کرایہ دار وہاں رہتا تھا۔ اب کرایہ دار کو اس حصہ مکان کی ضرورت نہیں ہے۔ اور مالک مکان کو ضرورت ہے۔

(۱) مگر کرایہ دار مالک کو قبضہ دینے کے لئے لیت و لعل کرتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ اس سے کوئی رقم وصول کرے۔

(۲) یا کسی اور شخص سے رقم سے وصول کر کے اس کو ہی مکان کا قبضہ دے۔

(۳) یا اپنے کسی خویش کو قبضہ دے اور مالک کو نہ دے۔

(۴) آج کل کرایہ دار مالک مکان کو قبضہ دینے سے پیشتر مالک سے کافی رقوم وصول کرتے ہیں۔ اور پھر مالک کو قبضہ دیتے ہیں۔ مالک مکان مجبوری و معذوری بادل ناخواستہ پیش کرتا ہے کیا اس طرح سے رقم وصول کرنا جائز ہے؟

(الجواب) (۱) کرایہ دار کی ضرورت اس مکان پر موقوف نہ ہو اس کے بغیر بھی اس کی رہائش کی ضرورت پوری ہو جاتی ہو تو اسے لازم ہے کہ مکان حوالہ کر دے۔ بلا عذر تاخیر کرنا اور ٹال مٹول کرنا ظلم اور معصیت ہے۔ حدیث میں ہے۔ مطل الغنی ظلم۔ یعنی مقدور ہوتے ہوئے حق ادا کرنے میں تاخیر کرنا ظلم ہے۔ (ابو داؤد ص ۱۱۹ ج ۲ کتاب البیوع باب فی المطل وحسن القضآء والصرف)

---

(۱) ویؤجر بأجر المثل فلا یجوز بالاقل ولو هو المستحق قاری الهدایة الا بنقصان یسیر درمختار مع الشامی کتاب الوقف ج ۳ ص ۴۰۲.

دوسری حدیث میں ہے۔''نقصان اٹھانا اور دوسروں کو نقصان پہنچانا اسلام کا طریقہ نہیں ہے۔(الاشباہ والنظائر ص ۱۰۷ القاعدہ الرابعۃ المشقۃ تجلب التیسیر)

اور مکان خالی کرنے کے بدلے میں رقم مانگنا جائز نہیں ہے ظلم اور معصیت ہے۔آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔"ملعون من ضار مؤمنا او مکربه"یعنی جو کسی مسلمان کو نقصان پہنچائے یا دھوکا دے وہ ملعون ہے۔یعنی خدا کی رحمت سے دور ہے۔(مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۸۔باب ما ینھی منہ من التھاجروا التقاطع و اتباع الصورات)

(۲)مالک مکان کی اجازت کے بغیر دوسرے کو مکان دینے کا اس کو حق نہیں ہے۔دے گا تو سخت گنہگار ہوگا۔اور مکان سونپنے کے بدلے میں رقم لینا جائز نہیں ہے۔رشوت شمار ہوگی جو اس کے لئے حلال نہیں ہے۔

(۳)یہ بھی جائز نہیں سخت گناہ کا کام ہے۔

(۴)ہرگز جائز نہیں۔شدید ظلم اور معصیت کا ارتکاب ہوگا۔مالک کو مکان سونپ دینا ضروری ہے۔

مالک مکان اور کرایہ دار کے لئے شرعی ہدایات

غلہ وغیرہ کھانے پینے کی اشیاء نیز کپڑے وغیرہ کا نرخ معین کرنے کا اختیار مالک کو ہے واگرچہ غیر مناسب نفع ممنوع ہے۔حکومت کو اس میں مداخلت کا حق نہیں ہے۔اگر حکومت نرخ معین کرے گی۔تو ایک قسم کا ظلم ہوگا۔لیکن اگر تاجروں کو نفع کی حرص بڑھ جائے اور بلیک مارکیٹ کر کے نفع خوری میں حد سے زیادہ تجاوز کرتے ہوں اور عوام سخت پریشانی میں مبتلا ہوں۔تو عوام کی پریشانی دور کرنے کے لئے اور ضرر عامہ کے پیش نظر شرح مقرر کر دینا جائز ہوگا۔اور اس نرخ پر خرید و فروخت جائز ہو جائے گا۔چنانچہ مالابدمنہ میں ہے۔''بادشاہ و حاکم رانرخ مقرر کردن مکروہ است مگر وقت یہ کہ بقالاں اور گرانی غلہ بسیار تعدی نمائند دراں صورت بہ مشورت دانایان نرخ کند''(ص ۱۲۳)یعنی حاکم اور بادشاہ کے لئے کسی چیز کا نرخ معین کرنا مکروہ ہے۔لیکن جبکہ کھانے پینے کی چیزوں کی قیمت حد سے تجاوز کر جائے اور لوگوں کو پریشانی میں مبتلا کر دے تو تجربہ کار اور نیک لوگوں کے مشورہ سے نرخ معین کر سکتے ہیں۔

اسی طرح مالک مکان کو اختیار ہے کہ میعاد ختم ہونے پر جب چاہے کرایہ دار سے مکان خالی کرالے۔لیکن اس وقت مکانوں کی بڑی قلت اور تنگی ہے۔کرایہ حد سے زیادہ کر دیا گیا ہے۔اس سے بھی شکم سیری نہیں ہوئی تو پگڑی کی لعنت جاری کر دی گئی۔ایسے حالات میں ضرر عامہ کا لحاظ کرتے ہوئے حکومت نے قانون بنا دیا ہے تاکہ مالک مکان کرایہ دار کو پریشان نہ کرے۔اس صورت میں اگر واقعی کرایہ دار مجبور ہے۔مکان خالی کر دینے میں اہل وعیال پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہوں۔تو اپنی حیثیت کے مطابق دوسرا مکان نہ ملے۔اس وقت تک قانون سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہے۔''الضرورات تبیح المحظورات'' یعنی حاجت ناجائز چیزوں کو جائز کر دیتی ہے۔ایسے عاجز آدمی کو مکان خالی کرنے پر مجبور کرنا اور اسے اور اس کے بچوں کو ناقابل برداشت مصیبت میں مبتلا کرنا جائز نہیں اسے مہلت دی جائے اور اس کے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کیا جائے۔حدیث میں ہے کہ جو شخص عاجز اور مفلس کو مہلت دے یا معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن کی سختی سے نجات دے گا۔ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی

مسلمان کی دنیوی تکلیف دور کرے گا اللہ تعالیٰ (اس کے بدلے میں) قیامت کے دن کی تکلیف اور پریشانی سے اسے نجات دے گا۔ (ابوداؤد۔ترمذی)

حاجت مند مسلمانوں کی روٹی کپڑے اور رہنے کے لئے مکان کا خیال ہر ذی مقدور اور باحیثیت مسلمان کے ذمہ ضروری ہے۔ اگر مالداروں کو اس بات کا احساس نہیں ہے) تو حاجت مند پریشان کو اپنی واقعی ضرورت پوری کرنے کے لئے زبردستی کرنے کی شرعاً اجازت ہو جاتی ہے۔

فرمان نبوی (ﷺ) ہے کہ اگر تم میں سے کوئی ضرورت مند دودھ کے جانوروں کے پاس سے گذرے اور اس کا مالک وہاں موجود ہو تو اس کی اجازت سے دودھ پی لے۔ اگر مالک موجود نہ ہو تو تین مرتبہ آواز دے۔ جواب ملے تو اجازت لے کر دودھ پئے۔ جواب نہ ملے تو دودھ نکال کر اپنی ضرورت پوری کر لے ساتھ نہ لے جائے۔ (ابوداؤد)

علامہ ابن حزم اندلسیؒ فرماتے ہیں۔ "**من القوت الذی لا بد منه و من اللباس للشتاء و الصیف بمثل ذلک و مسکن یکفیهم من المطر و الصیف و الشمس.**" یعنی مالدار کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ اپنی بستی کے حاجت مند لوگوں کی ضرورت کو پورا کرے۔ یعنی خوراک اور گرمی اور سردی سے بچنے کے لئے مناسب سامان اور لباس اور بارش اور سردی اور دھوپ سے بچنے کے لئے مکان کا انتظام کرے۔ (محلی شرح مؤطا ص ۱۵۶ ج ۶)

اللہ تعالیٰ نے تمام اہل اسلام کو **رحماء بینهم** (آپس میں رحم کرنے والے) اور **بنیان مرصوص** (سیسہ پلائی ہوئی مضبوط دیوار) قرار دیا۔ اور رسول اکرم ﷺ نے مومنوں کو ایک جسم قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ "**مثل المؤمنین فی توادهم و تراحمهم و تعاطفهم مثل الجسد اذا اشتکی له عضو تداعی له سائر الجسد بالسهر و الحمی.**" یعنی مومنوں کی مثال آپس کی محبت اور رحمت اور شفقت میں ایسی ہے جیسے ایک جسم کی۔ اگر اس کے ایک عضو میں شکایت پیدا ہوتی ہے۔ تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (الحدیث) اسی طرح ایک مسلمان کی تکلیف تمام مسلمانوں کی تکلیف ہے۔ سب کو مل کر اس کی تکلیف دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

انصار نے مہاجرین کی خدمت کی۔ ان کو سہارا دیا، مکان دیئے ہمارا بھی فرض ہے۔ کہ حسب استطاعت اور اپنی حیثیت کے مطابق تکلیف زدہ مسلمان کی تکلیف کو دور کرنے اور ضرورت پوری کرنے میں مدد کریں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تاخیر سے تنخواہ دینا:

(سوال ۳۲۶) اہل مدرسہ کا کسی مصلحت سے ہر مدرس کی تنخواہ دس یوم تاخیر سے دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر مدرس سے اس بات کی پہلے سے صفائی ہوگئی ہو تو ایسا عمل قابل اعتراض نہ ہوگا ورنہ ہر پہلی تاریخ کو تنخواہ دینی چاہئے بلاوجہ شرعی تاخیر کرنا مذموم اور قابل شکایت ہے۔[1] **فقط و اللہ اعلم بالصواب.**

---

(۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ۔ مشکوۃ باب الربعاۃ ص ۲۵۸.

مدرس کو وقت مقررہ کے علاوہ دوسرے وقت آنے پر مجبور کرنا:

(سوال ۳۲۷) ایک مدرس کا ایک مدرسہ میں ''صبح'' ڈھائی گھنٹہ پڑھانے کے لئے تقرر ہوا ظہر بعد وہ دوسری جگہ کام کرتا ہے، اب جس دن اسکول میں پڑھنے والے بچے صبح کے وقت نہ آویں تو اس مدرس کو ظہر کے بعد آنے کے لئے مجبور کرنا کیسا ہے؟ جب کہ تقرر کے وقت ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی کہ اگر صبح کے وقت بچے کم آویں تو آپ کو ظہر کے بعد آنا ہوگا، اس کے باوجود مجبور کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ''اسکول کے اوقات کی تبدیلی کی وجہ سے ظہر بعد آنا ہوگا'' ایسا کوئی عہد اور قول وقرار نہ ہوا ہو تو مجبور کرنا ناانصافی اور زیادتی ہے،(۱) بجائے صبح کے دوپہر کو حاضری دینے میں کوئی قباحت اور نقصان لازم نہ آتا ہو تو مدرس کو مروۃ اور تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر پس وپیش نہ کرنا چاہئے، البتہ مدرس اس کا قانوناً پابند نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کرایہ کا مکان خالی کرنے پر مالک مکان سے رقم لینا:

(سوال ۳۲۸) میں نے ایک مکان آٹھ سال سے کرایہ پر لیا ہے اور میں اسی میں رہتا ہوں، مالک مکان خالی کرنے کے لئے کہہ رہا ہے اور اپنا قبضہ کرنا چاہتا ہے، اور مکان کا قبضہ لینے کے عوض کچھ رقم دینا چاہتا ہے تو میں مکان خالی کرنے پر کچھ رقم لے سکتا ہوں؟ میں نے مکان کی مرمت کرنے کے لئے کچھ خرچ کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) کرایہ کا مکان خالی کرنے کے عوض مالک مکان سے کوئی رقم حاصل کرنا جائز نہیں ہے، ہاں اگر مالک مکان نے آپ سے پگڑی لے کر مکان کرایہ پر دیا ہو تو جتنی رقم آپ نے مالک مکان کو دی ہے اتنی رقم اس سے لے سکتے ہیں ورنہ لینا درست نہیں ہے، آپ نے مکان میں اپنی راحت اور آرام کے لئے کچھ تعمیر کرایا ہے وہ خرچ اگر مالک مکان خوشی سے دیتا ہے تو لینا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۱ محرم الحرام ۱۳۹۷ھ۔

مسجد کے مکان کا زیادہ مستحق کون ہے؟ امام یا منتظم؟:

(سوال ۳۲۹) مسجد کا ایک مکان خالی تھا اور مسجد کے متولی اس کو کرایہ پر دینا چاہتے ہیں، بہت سے لوگ مکان لینے کے خواہش مند ہیں، امام صاحب نے بھی خواہش ظاہر کی اور مسجد کے ایک منتظم نے بھی مکان طلب کیا لیکن مینیجنگ ٹرسٹی نے ان کو مکان کرایہ پر دینے سے انکار کر دیا (کہ یہ اصول کے بھی خلاف ہے) اور امام کو دینے کے لئے تیار ہو گئے، اس پر وہ منتظم امام صاحب کے خلاف ہو گیا، دوسرے متولیان اور اہل محلہ امام صاحب کو مکان کرایہ پر دینے کے لئے خوش ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مکان کو کرایہ پر لینے کا کون زیادہ حق دار ہے؟ امام صاحب یا منتظم۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) چونکہ امام صاحب کا مکان نہیں ہے اور دوسرا مکان ملنا بھی اس زمانہ میں مشکل ہے اس لئے منتظم کے مقابلہ میں امام زیادہ حاجت مند ضرورت مند اور زیادہ حق دار ہے، ویسے بھی متولی اور ٹرسٹی صاحبان اور مقتدیوں پر لازم

---

(۱) والثانی وهو الاجیر الخاص ویسمی اجیر وحد وهو من یعمل لواحد عملا مؤقتا بالتخصیص ویستحق الأجر بتسلیم نفسه فی المدة درمختار مع الشامی کتاب الاجارة مبحث الاجیر الخاص ج.٦ ص ٦٩

ہے کہ امام صاحب اوران کے اہل وعیال کے لئے مکان کا انتظام کریں۔ واللہ اعلم۔

کرایہ دار سے مکان خالی کرانے کا شرعی حکم:

(سوال ۳۳۰) مکان مالک کو اپنے بچوں کی شادی کرانا ہے اس لئے مکان کی ضرورت ہے لیکن کرایہ دار مکان خالی کرنے سے انکار کرتا ہے حالانکہ وہ مسلمان ہے تو شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کرایہ دار کی ضرورت اس مکان پر موقوف نہ ہو اس کے بغیر بھی رہائش کی ضرورت پوری ہو جاتی ہو یا حیثیت اور ضرورت کے مطابق مکان مل سکتا ہو تو اسے لازم ہے کہ مکان خالی کردے بلا مجبوری تاخیر کرنا اور ٹال مٹول کرتے رہنا ظلم اور معصیت ہے، مکان مالک کو بھی لازم ہے کہ کرایہ دار کو پریشان نہ کرے، مکان ملنے تک مہلت دے دے، مجبور آدمی کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاوی رحیمیہ جلد سوم ص ۲۵۶ تا ص ۲۵۹) (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، مالک مکان اور کرایہ دار اور پگڑی کے مسائل کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے۔ از مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اپنا مکان خالی کرانے کے لئے مجبوراً پگڑی دینا:

(سوال ۳۳۱) میں نے اپنا مکان ایک شخص کو کرایہ پر دیا ہے، مجھے اپنے لڑکے کی شادی کرنا ہے اس لئے مجھے مکان کی سخت ضرورت ہے، ہم لوگ جس مکان میں سکونت پذیر ہیں وہ چھوٹا ہے، اس میں گنجائش نہیں ہے، کرایہ دار مکان خالی کرنے کے لئے پندرہ سو روپے طلب کرتا ہے، کیا ایسی مجبوری کی حالت میں مکان خالی کرانے کے لئے پگڑی دینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مکان آپ کا ہے اور آپ کو اس کی ضرورت بھی ہے لہذا اپنا حق حاصل کرنے کے لئے مجبوراً پگڑی دے کر مکان حاصل کر سکتے ہیں۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) مگر کرایہ دار کے لئے اس رقم کا لینا جائز نہیں، (دیکھئے سوال نمبر ۳۲۸)

باب مایجوز من الاجارۃ ومالا یجوز

بینک میں نوکری کرنا کیسا ہے

(سوال ۳۳۲) میں بی۔کوم(B.COM) ہوں۔اور مجھے بینک میں ملازمت مل رہی ہے۔آپ جانتے ہیں کہ بینک کا سارا معاملہ سودی لین دین کا ہے تو یہ ملازمت قبول کرنا کیسا ہے؟

(الف) بعض کہتے ہیں کہ اپنے کو تو محنت کرکے عوض (تنخواہ) لینا ہے۔سود سے کیا نسبت ہے۔

(ب) حقیقت یہ ہے کہ آج کل جہاں بھی دیکھو وہاں سودی معاملہ ہوتا ہے۔کسی دوسری کمپنی میں بھی نوکری ملے۔لیکن وہ بھی روپے بینک میں رکھ کر سود کھاتی ہے۔لہذا اس کی کل انکم (آمدنی) میں سود کا بھی شمار ہوتا ہے جس میں سے تنخواہ دی جاتی ہے،تنخواہ دینے سے دوروز قبل رقم لے کر تنخواہ دی جاتی ہے تو پھر کیا کیا جائے بینوا توجروا۔

(الجواب): جب بینک میں تمام معاملہ سودی لین دین کا ہے تو پھر ملازمت کو قبول کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔عن جابر رضی اللہ عنہ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء.(مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۴ مجتبائی باب الربوا) (یعنی۔) رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے سود لینے اور دینے والے اور سودی معاملہ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر اور فرمایا: کہ یہ سب لوگ (اصل گناہ میں برابر کے شریک ہیں) اس سے ثابت ہوا کہ گناہوں کے کام میں امداد کرنا اور اس میں کسی قسم کا حصہ لینا جائز نہیں گناہ ہے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان. ترجمہ۔اور گناہ اور ظلم (زیادتی) کے کاموں میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو اور خدا سے ڈرتے رہو بے شک خدائے پاک سخت سزا دینے والا ہے۔(سورۂ مائدہ)

(الف) لہذا جن کا یہ خیال ہے کہ کام کرکے عوض لینا ہے سود سے کیا نسبت؟ ان کا یہ خیال غلط ہے۔اور اس زمانہ میں ایسے خیالات کا ہونا تعجب کی بات نہیں۔آنحضرت ﷺ کی پیشینگوئی ہے یاتی علی الناس زمان لا یبالی المرء ماأخذ منہ امن الحلال ام من الحرام. رواہ البخاری عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ(مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۱ باب الکسب وطلب الحلال) کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ آدمی مال حاصل کرنے میں حرام وحلال کی پروانہ کرے گا۔(بخاری شریف)

(ب) جہاں تک ممکن ہو آدمی بچنے کی کوشش کرے تنخواہ سودی رقم سے دی جاتی ہے اس کا یقین ہو تو ایسی نوکری نہ کرے یقین نہ ہو تو شک وشبہ کی ضرورت نہیں۔مگر اس کا کیا یقین کہ یہ زائد رقم یعنی سود کی رقم ہی تنخواہ میں ملی ہے۔روپے بینک میں رکھنے سے سودی نہیں بن جاتے ہاں جو زائد رقم ملتی ہے وہ سود ہے۔لہذا جب تک تحقیق نہ ہو شک وشبہ نہ کرنا چاہئے اگر دیں گے تو وہ لوگ گنہگار ہوں گے۔

(ج) یہ شیطانی دھوکہ ہے کہ اس زمانہ میں حلال کی روزی نہیں مل سکتی۔خدائے پاک کا فرمان ہے۔ وما

من دابة فی الارض الا علی الله رزقها، یعنی! اور کوئی جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کا رزق خدا کے ذمہ نہ ہو۔

اس فرمان میں خدائے تعالیٰ نے روزی پہنچانے کا جو وعدہ کیا ہے وہ حلال اور پاک روزی کے لئے ہے نہ کہ حرام روزی کے لئے۔ جس کی نیت رزق حلال کی ہو خدائے پاک اس کو ایسی ہی روزی دے گا۔ خدا کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ تم بینک کی نوکری چھوڑ کر جائز نوکری اختیار کرو۔ تجارت کرلو یہ بہتر ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ دس حصوں میں سے نو حصے روزی کے تجارت میں ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

آٹا پسائی کی اجرت میں پیسے دینا اور جلن کے بدلہ کچھ آٹا کٹوانا:

(سوال ۴۳۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:۔

زید آٹے کی چکی والا ہے جس کا اصول یہ ہے کہ فی کوئنٹل پانچ روپے پسائی کے ساتھ جلن دو کلو فی کوئنٹل کاٹی جانے گی، ایسی صورت میں اس کی یہاں غلہ پسانا اور اس کا پیسا شرعاً کیسا ہے؟ اگر فتویٰ عدم جواز کا ہے تو شامی جلد پنجم ص ۳۶ کی اس عبارت کا مطلب واضح فرمائیں (قوله والحيلة ان يفرز الا جراولا) ای ويسلمه ای لاجير فلو خلطه بعد وطحن الكل ثم افرز وردالباقی جاز ولا يكون فی معنی قفيز الطحان اذلم يستاجره ان يطحن بجزء منه او بقفيز منه كما فی المنح عن جواهر الفتاویٰ قال الرملی وبه علم بالاولیٰ جواز ما يفعل فی ديارنا من اخذالا جرة من الحنطة والدراهم معا ولا شک فی جوازه. (شامی باب الاجارة الفاسدة ج۵ ص ۳۶)

اور اگر فتویٰ جواز کا ہو تو قفیز الطحان کی کیا صورت ہوگی؟ نیز قفیز الطحان والی صورت بھی مرقوم فرمائیں۔ فقط بینوا توجروا۔ (اعظم گڈھ)

(الجواب) وهو الموفق للصواب۔ صورت مذکورہ فی السوال قفیز الطحان میں داخل نہیں ہے، اجرت میں پیسے دیئے جاتے ہیں آٹا نہیں دیا جاتا قفیز الطحان کی صورت یہ ہے صورة قفيز الطحان ان يستاجر الرجل من آخر ثورا ليطحن بها الحنطة حلی ان يكون لصا حبها قفيز من دقيقها او ثلثة او ما اشبه ذلک فذلک فاسد (فتاویٰ عالمگیری ج۵ ص ۲۷۱ كتاب الا جارة الفصل الثالث فی قفيز الطحان و۱۰ هوفی معناه) ہمارے یہاں اجرت میں پیسے دیئے جاتے ہیں جس کے ادا کرنے میں عند العقد مستاجر عاجز نہیں ہوتا جو عدم جواز کی وجہ ہے والمعنی فيه ان المستاجر عاجز عن تسليم الا جر (هدايه اخيرين ص ۲۸۹ باب الا جارة الفاسدة) صحت اجارہ کی شرط یہ قرار دی گئی کہ عقد سے پہلے مستاجر تسلیم اجرت پر قادر ہو والقدرة علی التسلم شرط وهو لا يقدر بنفسه (شامی ج ۵ ص ۲۸ كتاب الاجارة) لہٰذا یہ اجارہ صحیح ہے فاسد نہیں ہے۔ رہی جلن کی کٹائی تو وہ مزدوری سے الگ چیز ہے اندازہ کے مطابق آٹا کاٹا جاتا ہے جس پر مستاجر اور اجیر دونوں رضامند ہیں ہر ایک مستاجر کے گیہوں اور آٹے کا وزن کرنا اور جلن کی صحیح مقدار نکالنا مشقت اور تکلیف مالا یطاق ہے اس لئے ایسی جہالت مرتفع ہونی چاہئے (او المشقة تجلب التيسير . الضرورات تبيح المحظورات) بہتر صورت یہ

ہے کہ اجرت میں اضافہ کردیا جائے اور آٹا پورا دے دیا جائے قفیز طحان والی حدیث کے متعلق " نصب الرایہ لاحادیث الهدایہ" میں ہے الحدیث السابع قال المصنف ، وقد نهی النبی صلی الله علیه وسلم عنه یعنی قفیز الطحان قلت . اخرج الدار قطنی ثم البیهقی فی سننهما فی کتاب البیوع عن عبید الله بن موسی ثنا سفیان عن هشام ابی کلیب عن عبدالرحمن بن ابی نعم البجلی عن ابی سعید الخدری قال : نهی عن عسب الفحل وعن قفیز الطحان. انتهی واخرجه ابو یعلیٰ الموصلی فی " مسنده" عن ابن المبارک ثنا سفیان به . وذکره عبدالحق فی " احکامه" من جهة الدار قطنی وقال فیه نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم الخ (نصب الرایہ ج۴ ص ۱۴۰ کتاب الاجارۃ)فقط والله اعلم بالصواب .

مدرسہ کا مکان بینک کو کرایہ پر دینا:

(سوال ۳۳۴)ہمارے یہاں ایک مدرسہ بنام "تعلیم الاسلام" ہے اس مدرسہ کے چند مکانات ہیں ان میں سے ایک مکان خالی ہے یہ مکان بینک کو کرایہ پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر یہ مکان کسی اور کو کرایہ پر دیا جائے تو کرایہ کم آئے گا اور بینک والے بہت معقول کرایہ دینے کے لئے تیار ہیں مدرسہ کی مالی حالت بھی کمزور ہے ان حالات میں بینک کو مکان کرایہ پر دینا ناجائز تو نہ ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب)مدرسہ کا مکان بینک کو کرایہ پر نہ دیا جائے اعانت علی المعصیت کی وجہ سے ممنوع ہے، سود کی برائی اور وعیدوں کے پیش نظر مدرسہ کا مکان بینک کو کرایہ پر دینے کی جرأت نہ کی جائے اگر چہ کرایہ زیادہ ملتا ہو ارشاد خداوندی ہے قل لا یستوی الخبیث والطیب ولوا عجبک کثرة الخبیث فاتقوا الله یآ اولی الا لباب لعلکم تفلحون. آپ (ﷺ) فرمادیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں گو تجھ کو ناپاک کی کثرت تعجب میں ڈالتی ہو، پس خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو۔ (سورۂ مائدہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ہندوؤں کی مردہ نعش کو اجرت لے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا:

(سوال ۳۳۵)یہاں کافروں کی مردہ نعش کو مسلم اداروں کی موٹریں ہسپتال سے لے کر ان کے مکان تک پہنچاتی ہیں اور یہ کام اجرت پر ہوتا ہے تو اس طرح اجرت لے کر کافروں کی نعش کو مسلم ادارے کی موٹر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب)اس میں کوئی قباحت نہیں، نعش کو اٹھانے اور ہاتھ لگانے سے احتراز کیا جائے۔(۱). فقط والله اعلم بالصواب .

فلمی کام کرنے والوں کو ہوٹل کے کمرے کرایہ پر دینا:

(سوال ۳۳۶)میرے دوست کا ایک ہوٹل ہے اور اس کے ساتھ گیسٹ ہاؤس بھی ہے اس میں مسافر آ کر کرایہ

---

(۱) ولو استاجر المشرکون مسلما لیحمل میتا منهم الی موضع یدفن فیه ان سمأ جروه لینقله الی مقبرة البلدة جاز عند الکل فتاویٰ عالمگیری کتاب الاجارة الباب السادس عشر فی مسائل الشیوع فی الا جارة الخ

پڑ رہتے ہیں، ان مسافروں میں کبھی چند مسافر ایسے بھی ہوتے ہیں جو فلمی کام کرنے والے یا قوال ہوتے ہیں ان کے ساتھ اجنبی عورتیں بھی ہوتی ہیں اور وہ مخلوط رہتے ہیں اور اپنا پروگرام بناتے ہیں ایسے لوگوں کو کمرے کرایہ پر دینا کیسا ہے ۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جانتے ہوئے ایسے بدکاروں کو کمرہ کرایہ پر دینا اعانت علی المعصیت کی وجہ سے درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) امامت کی تنخواہ اور اس کا معیار (۲) معقول مشاہرہ کے لئے ائمہ مساجد کا تنظیم بنانا اور حکومت سے تعاون حاصل کرنا۔ (۳) اسلام میں مساجد کی اہمیت (۴) اور اس کا صحیح نظام، خداترس امام، صالح مؤذن اور اہل متولی پر ہے۔ (۵) رزاق اللہ تعالیٰ ہیں۔

(سوال ۲۴۷) امام مسجد کے لئے امامت کی تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر لینا جائز ہو تو اس کا معیار کیا ہونا چاہئے؟ آج کل ائمہ مساجد کو تنخواہ بہت کم دی جاتی ہے، مساجد کے متولی اور ذمہ داروں کو اس پر توجہ دینا ضروری ہے یا نہیں؟ ائمہ مساجد کا معقول مشاہرہ کے مطالبہ کے لئے تنظیم بنا کر تحریک چلانا اور اس سلسلہ میں حکومت سے تعاون حاصل کرنا کیسا ہے؟ شرعاً اس میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اسلام میں منصب امامت کی بڑی اہمیت ہے، یہ ایک باعزت باوقار اور باعظمت اہم دینی شعبہ ہے، یہ مصلیٰ رسول اللہ ﷺ کا مصلیٰ ہے، امام نائب رسول ہوتا ہے اور امام اللہ رب العزت اور مقتدیوں کے درمیان قاصد اور ایلچی ہوتا ہے اس لئے جو سب سے بہتر ہو اسے امام بنانا چاہئے، حدیث میں ہے: اگر تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہاری نماز درجہ مقبولیت کو پہنچے تو تم میں جو بہتر اور نیک ہو وہ تمہاری امامت کرے کہ وہ تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان قاصد ہے ان سرکم ان تقبل صلوتکم فلیؤ مکم علماء کم فانهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم، رواه الطبرانی وفی روایة الحاکم فلیؤ مکم خیارکم وسکت عنه (شرح نقایه ۱/۸۶ والاولی بالامامة الخ) دوسری حدیث میں ہے کہ تم میں جو سب سے بہتر ہو اس کو امام بناؤ کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان ایلچی ہے (حوالہ بالا)

فقہ کی مشہور کتاب نورالایضاح میں ہے فالا علم احق بالا مامة ثم الا قرأ ثم الاورع ثم الا سن ثم الا حسن خلقا ثم الا حسن وجها ثم للاشراف نسبا ثم الا حسن صوتا ثم الا نظف ثوبا (۸۳، ۸۴ باب الا مامة) امامت کا زیادہ حق دار وہ ہے جو دین کے امور کا زیادہ جاننے والا ہو (خصوصاً نماز سے متعلق مسائل سے سب سے زیادہ واقف ہو) پھر وہ شخص جو تجوید سے پڑھنے میں زیادہ ماہر ہو، پھر جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو، پھر وہ جو عمر میں بڑا ہو، پھر وہ جو اچھے اخلاق والا ہو، پھر وہ جو خوبصورت اور باوجاہت ہو، پھر وہ جو نسباً زیادہ شریف ہو پھر وہ جس کی آواز اچھی ہو پھر وہ جو زیادہ پاکیزہ کپڑے پہنتا ہو۔

اصلاً تو امامت پر اجرت اور تنخواہ (مشاہرہ) لینا جائز نہیں ہے کہ یہ طاعت ہے اور طاعت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے مگر متاخرین فقہاء نے ضرورت کے پیش نظر اجرت اور مشاہرہ لینے اور دینے کو جائز قرار دیا ہے، درمختار میں

ہے ولا لاجل الطاعات مثل الاذان والحج والامامة وتعليم القرآن والفقه ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والامامة والاذان. (درمختار مع رد المحتار ۵/ ۴۶ باب الاجارة الفاسدة)

خادمان مساجد (امام وغیرہ) و مدارس وان کی حاجت، علمی قابلیت اور تقوی وصلاح کو ملحوظ رکھتے ہوئے مشاہرہ دینا چاہئے، مسجد سے متعلق وقف کی آمدنی میں گنجائش ہو تو اس میں سے، اور اگر گنجائش نہ ہو تو مسلمانوں سے چندہ کر کے ان کی ضرورت کے مطابق مشاہرہ کا انتظام کرنا چاہئے۔

درمختار میں ہے ويعطى بقدر الحاجة والفقه والفضل فان قصر كان الله عليه حسيباً. زيلعى. وفى الحاوى المراد بالحافظ فى حديث لحافظ القرآن مائتادرهم هو المفتى اليوم. ردالمحتار میں ہے (قوله ويعطى بقدر الحاجة الذى فى الزيلعى هكذا ويجب على الامام ان يتقى الله تعالىٰ ويصرف الىٰ كل مستحق قدر حاجته من غير زيادة فان قصر فى ذلك كان الله عليه حسيباً اه وفى البحر عن القنية كان ابو بكر رضى الله تعالىٰ عنه يسوى فى العطاء من بيت المال وكان عمر رضى الله عنه يعطيهم على قدر بالحاجة والفقه والفضل والاخذ بهذا فى زماننا احسن فتعتبر الامور الثلاثة اه اى فله ان يعطى الاحوج اكثر من غير الاحوج وكذا الافقه والافضل اكثر من غيرهما وظاهره انه لا تراعى الحاجة فى الافقه والافضل والا فلا فائدة فى ذكرهما ويوئده ان عمر رضى الله تعالىٰ عنه كان يعطى من كان له زيادة فضيلة من علم او نسب او نحو ذلك اكثر من غيره وفى البحر ايضا عن المحيط والرأى الى الامام من تفضيل وتسوية من غير ان يميل فى ذلك الى هوى وفيه عن القنية وللامام الخيار فى المنع والاعطاء فى الحكم اه (درمختار ورد المحتار ۳/ ۳۸۹، مطلب فى مصارف بيت المال قبيل باب المرتد)

فی زمانا یہ ذمہ داری متولیان مساجد اور محلہ و بستی کے بااثر لوگوں کی ہے، ان کو اس اہم مسئلہ پر توجہ دینا بہت ضروری ہے، ائمہ مساجد کے ساتھ اعزاز واحترام کا معاملہ کریں، ان کو اپنا مذہبی پیشوا اور سردار سمجھیں، ان کو دیگر ملازمین اور نوکروں کی طرح سمجھنا منصب امامت کی سخت توہین ہے، یہ بہت ہی اہم دینی منصب ہے، پیشہ ور ملازمتوں کی طرح کوئی ملازمت نہیں ہے، جانبین سے اس عظیم منصب کے احترام، وقار، عزت اور عظمت کی حفاظت ضروری ہے۔

متولی اور مہتمم کا عالم باعمل ہونا ضروری ہے، اگر ایسا میسر نہ ہو سکے تو صوم وصلوۃ کا پابند، امانت دار، مسائل وقف سے واقف کار، خوش اخلاق، رحم دل، منصف مزاج علم دوست، اہل علم کی تعظیم وتکریم کرنے والا ہو، جس میں یہ اوصاف زیادہ ہوا سی کو متولی اور مہتمم بنانا چاہئے، ان اوصاف کے حامل اگر متولی ہوں گے تو اچھے اور قابل اماموں کا انتخاب کریں گے اور مساجد کا نظام بھی بہتر سے بہتر ہوگا، آج کل نااہل متولیوں کی وجہ سے نااہل اماموں کی بھرمار نظر آرہی ہے اور مساجد میں بدنظمی ظاہر ہو رہی ہے۔

امام مسجد اگر حقیقتاً ضرورت مند اور معقول مشاہرہ کے بغیر اس کا گذر بسر مشکل ہو رہا ہو تو مناسب انداز سے متولیان مسجد اور محلہ کے بااثر لوگوں کے سامنے اپنا مطالبہ بھی پیش کر سکتا ہے اور ذمہ داران مساجد اور بااثر لوگوں پر ہمدردی اور شفقت کے ساتھ اس طرف توجہ دینا بھی ضروری ہے، اس صورت میں اماموں کو ایسا طریقہ اختیار کرنا جس

سے منصب امامت کی توہین لازم آتی ہو یہ جائز نہ ہوگا، امام منصب امامت کے وقار عظمت اور قدر و قیمت کا محافظ اور امین ہے ایسا طریقہ جس سے منصب امامت کی تذلیل تنقیص لازم آتی ہو ہرگز اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

لہذا معقول مشاہرہ کی درخواست کے لئے اپنا معاملہ عدالت اور حکومت کے حوالہ کر دینا اور اس مقصد کے لئے مساجد کی تنظیم (یونین) بنانا اور اس کا ممبر بننا کسی حال میں قابل مدح نہیں بلکہ قابل مذمت اور لائق ترک ہے اس سے دوررس غلط نتائج پیدا ہونے کے شدید خطرات ہیں اور بہت سی خرابیوں کا دروازہ کھلے گا، اماموں کے تقرر کے سلسلہ میں ہمیں پابند ہو جانا پڑے گا اور ائمہ کے تقرر کے سلسلہ میں جو شرائط اور معیار ہے اس کی پابندی نہ ہو سکے گی وغیرہ وغیرہ۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے مسجد میں غیروں کا چندہ لینے کے متعلق جو تحریر فرمایا ہے وہ لائق عمل ہے، فرماتے ہیں "یہ حکم تو نفس اعطا کا ہے لیکن نظراً الی بعض العوارض الخارجیة کالا ستنان علیٰ اھل الا سلام من اھل الکفر، قبول کرنا مناسب نہیں فان الا سلام یعلو ولا یعلی والید العلیا المعطیة والسفلی السائلة ھذا ماعندی واللہ تعالیٰ عندہ علم الصواب (امداد الفتاوی ب ۲ / ۶۹۳ مطبوعہ دیو بند) اسی اصول کو اس وقت بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

نیز یہ عبارت بھی پیش نظر رہے، درمختار باب العاشر میں ہے (ھو ای العاشر حر مسلم) بھذا یعلم حرمة تولیة الیھود علی الا عمال ردالمختار میں ہے (قولہ ھو حر مسلم) ولا یصح ان یکون کافراً لانہ لا یلی علی المسلم بالایة بحرو المراد بالا یة قولہ تعالی ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا (درمختار و رد المختار ۲ / ۵۱ باب العاشر)

لہذا خود اپنا معاملہ ان کے حوالہ کر کے دخل دینے کا موقع ہرگز فراہم نہ کیا جائے۔

فقط واللہ اعلم بالصواب۔ احقر الانام سید عبدالرحیم لاجپوری ثم راندیری غفرلہ ۱ شوال المکرم ۱۴۱۵ھ۔

(۱) ماقالہ المجیب المحقق المحترم فھو الحق والصواب وانا اتفق بھذا الفتیا کل الا تفاق احقر اسمعیل وادی والا غفرلہ خادم التدریس والا فتاء جامعہ حسینیہ راندیر ۱۴ شوال المکرم ۱۴۱۵ھ (مفتی جامعہ حسینیہ راندیر)

بندہ اس جواب سے مکمل اتفاق کرتا ہے، ائمہ کی تنخواہوں کے معیار میں اضافہ کا کام مسلمانوں کی تنظیموں اور جماعتوں کے ذریعہ انجام دیا جائے یہی مناسب ہے حکومت کو اس مقصد کے لئے استعمال کرنے سے اس کو دیگر خالص دینی اور مذہبی امور میں دخل کا موقع اور جرأت ہوگی جس کا ضرر اظھر من الشمس ہے۔ العبد احمد عفی عنہ کانپوری، ۱۸، شوال ۱۴۱۵ھ مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع بلساڑ (گجرات) ھذا ھو الحق والصواب (مفتی) عارف حسن عثمانی ۲۱ شوال المکرم ۱۴۱۵ھ۔ فقط۔

اضافہ

اس فتوی کا اہم پہلو یہ ہے کہ ائمہ مساجد کی تنخواہ کے اضافہ کے سلسلہ میں حکومت سے تعاون حاصل کیا

جا سکتا ہے یا نہیں؟ دور اندیشی اور غلط نتائج کو پیش نظر رکھتے ہوئے مندرجہ بالا فتوی لکھا گیا ہے، اور یہ بات دلیل نہیں ہے قرآن مجید میں ہے انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ ولم یخش الا اللہ فعسی اولئک ان یکونوا من المھتدین. ترجمہ: اللہ کی مسجدوں کو صرف وہ آباد کرتے ہیں جو خدا پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈریں تو امید ہے کہ یہ لوگ (فلاح و کامیابی کی) راہ پانے والے ہوں گے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد تحریر فرماتے ہیں'' نیز یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ خدا پاک کی عبادت گاہ کی تولیت کا حق متقی مسلمان کو پہنچتا ہے اور وہی اسے آباد رکھنے والے ہو سکتے ہیں، یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ فاسق و فاجر آدمی مساجد کا متولی نہیں ہو سکتا، کیونکہ دونوں کے درمیان کوئی مناسبت باقی نہیں رہتی، بلکہ متضاد باتیں جمع ہو جاتی ہیں (وہ یہ کہ) مسجد خدا پرستی کا مقام ہے اور متولی خدا پرستی سے نفور۔ (ترجمان القرآن، بحوالہ فتاوی رحیمیہ ص ۱۶۵ جلد سوم) (جدید ترتیب کے مطابق احکام مساجد و مدارس میں متولی مسجد کیسے ہوں کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے۔ مرتب)

جب فاسق و فاجر مسلمان تولیت کا اہل نہیں تو غیروں کی تولیت اور مساجد پر ان کی بالا دستی کا عدم جواز ظاہر ہے۔

امام کیسا ہونا چاہئے اس کے متعلق بھی جو لکھا گیا ہے یہ پہلو بھی بہت زیادہ قابل توجہ اور لائق اصلاح ہے، اس سلسلہ میں احقر کے برادر خورد مولوی سید عبدالاحد مرحوم نے اپنی مشہور کتاب '' مسلمان کی ڈائری'' میں اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

مسجد کا امام عالم باعمل بزرگ ہونا چاہئے، اگر ایسا نہ ملے تو جسے قرآن زیادہ یاد ہو، اور اچھا پڑھتا ہو ایسا امام رکھا جائے، آج کل ایسے امام ملنا چنداں مشکل نہیں، لیکن اب ایسے امام کی تلاش زیادہ ہے جو متولی کے اشاروں پر چلے اور متولی ایسے ہوتے ہیں جو کسی طرح مسجد کے اہتمام کے اہل نہیں۔

آخر یہ کیا بات ہے کہ ہمیں اپنے معمولی سے کام کے لئے ملازم کی تلاش ہوتی ہے تو ہم بڑی احتیاط برتتے ہیں اور ہر طرح دیکھ بھال کر اپنی پسند کا ملازم رکھتے ہیں لیکن جب مسجد کے لئے امام کی ضرورت و تلاش ہوتی ہے تب ہم مسجد کے لائق نہیں بلکہ اپنے مطلب کا امام ڈھونڈتے ہیں، اس وقت نہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ امام سند یافتہ عالم نہ سہی ضروری مسائل سے واقف بھی ہے یا نہیں، قاری اور حافظ نہ سہی لیکن کم از کم قرآن بھی صحیح پڑھتا ہے یا نہیں کس عقیدہ کا پیرو ہے اور کون سے مسلک کا حامی ہے، مقلد بھی ہے یا شتر بے مہار، نہ تحقیق ہے نہ تفتیش، نتیجہ یہ کہ جو موذن بنانے کا اہل نہیں ہے، امام بن جاتا ہے اور جو دنیا میں کسی مصرف کا نہ ہو وہ موذن بنتا ہے۔

جب متولی مسجد کی ذمہ داری اٹھانے کا اہل نہیں ہوگا تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی مرضی کا نا اہل امام ہی تلاش کرے گا، گھوم پھر کر دیکھ لیجئے تو نا اہل متولی اور نا اہل امام کی جوڑی آپ کو اکثر جگہ نظر آئے گی۔ (مسلمان کی ڈائری ص ۱۵۲)

اسلام میں مساجد کی بہت ہی اہمیت اور بہت ہی عظیم حیثیت ہے، مساجد مراکز اسلام اور شعائر اسلام ہیں، مساجد روئے زمین پر سب سے مقدس، سب سے پاکیزہ اور سب سے بہترین جگہ ہے، اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ

محبوب ہے، دنیا میں جنت کے باغ ہیں، اسلام کے قلعے اور اہل اسلام کے اجتماعی نظام کی لئے مرکز ہیں، لہذا مساجد کا نظام جس قدر بہتر ہوگا مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی پر اس کے نہایت خوشنما اثرات مرتب ہوں گے، مسلمانوں کا معاشرہ پاکیزہ بنے گا اور اسلام کی روح ان کی زندگیوں میں جلوہ گر نظر آئے گی۔

مساجد کا نظام اور آبادی صرف اس کی ظاہری تعمیر وتزئین، اس کے نقش ونگار اور اس کے فلک بوس میناروں سے نہیں ہے، اس کی صحیح آبادی عبادت الٰہی اور ذکر الٰہی اور اعمال مساجد سے ہے، ان امور کے پیش نظر مساجد کا صحیح نظام خداترس امام، صالح مؤذن، اور باصلاحیت واہل متولیوں پر ہے۔

امام حقیقت میں پورے محلہ پوری بستی اور پوری قوم کا پیشوا ہوتا ہے، لہذا امام بہترین عالم باعمل، مسائل احکام نماز سے خوب واقف، قرآن مجید باتجوید اور صحیح پڑھنے والا، خوش الحان سب سے زیادہ متقی، پرہیزگار، خداترس، خوش اخلاق اور ملنسار ہونا چاہئے، امام ایسا ہو کہ اس کے اندر دین کا درد اور امت کا غم ہو اپنی اور قوم کی اصلاح کی فکر ہو اور اپنے دل سوز بیانات، مواعظ حسنہ اور تعلیم وتبلیغ کے ذریعہ مسلمانوں میں دین کا شوق، خوف خدا انابت الی اللہ، عبادت کا ذوق وشوق اور عبادت صحیح وسنت طریقہ کے مطابق ادا کرنے کا جذبہ دنیا کی بے ثباتی اور فکر آخرت، حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی فکر پیدا کردے بلا خوف لومۃ لائم معروف (نیکی) کا حکم کرے اور نواہی ومنکرات پر نکیر کرے، غمی کا موقع ہو یا خوشی کی تقریبات ہر موقع پر قوم کی صحیح رہنمائی اور اسلامی تعلیمات سے واقف کرے بدعات اور رسومات کی نشاندہی اور برملا ان پر روک ٹوک کرے، خود بھی اسلامی احکامات اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک اور نورانی سنتوں پر سختی سے عمل کرے اور مسلمانوں کو بھی عمل کرنے کا عادی بنائے، مسلمانوں اور لوگوں کے ساتھ ایسی ہمدردی اور خوش اخلاقی سے پیش آئے کہ چھوٹے بڑے، مرد عورتیں، اپنے اور پرائے سب اس کے دلدادہ اور دل وجان سے اس پر قربان ہو جائیں حتی کہ اپنے نجی معاملات میں بھی اس سے مشورہ اور رہنمائی حاصل کر کے اس کے مطابق عمل کرنے لگیں، اپنے اعمال واقوال سے لوگوں میں اسلام کی محبت اور دین کی ایسی عظمت پیدا کردے کہ ان کو اپنی اور اپنے اہل وعیال اور مسلمانوں کے اصلاح کی فکر پیدا ہو جائے، خود بھی دینی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی فکر کریں اور اپنی اولاد کو بھی دینی تعلیم وتربیت سے آراستہ وپیراستہ کرنے کا شوق اور جذبہ پیدا ہو جائے اور قوم کے بچے بچیوں کی بھی دینی تعلیم کی فکر پیدا ہو اور اس کا انتظام کریں، خواتین میں بھی دین پر عمل کرنے، نماز، قرآن کی تلاوت اور عبادت کا شوق اور پردہ کی اہمیت پیدا ہو جائے اور ہر مسلمان اپنے گھر سے برائیوں ناچ گانے، ٹی وی اور وی سی آر کی نحوست کو ختم اور دور کرنے کی فکر اور کوشش کرنے لگے، غرض کہ امام کو اپنی ذمہ داری کا پورا احساس ہونا چاہئے اور اپنی ذمہ داری سمجھ کر محض رضائے الٰہی کے لئے (نہ کہ دنیا کے بے حیثیت چند ٹکوں کے لئے) ان تمام خدمات کو انجام دے۔(۱) ہر مسجد میں اگر ایسے امام ہوں گے تو انشاء اللہ مسلمانوں کو معاشرہ میں اس کے بہترین

---

(۱) فقہائے کرام رحمہم اللہ نے ضرورت کی وجہ سے امامت وغیرہ پر اجرت (تنخواہ) لینے کے جواز کا اگر چہ فتویٰ دیا ہے مگر اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ اجرت اور تنخواہ کو ہرگز مقصود نہ ... میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی مقصود ہو، اور حضور اقدس ﷺ کی سیرت طیبہ اور سلف صالحین کے طرز عمل کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھیں اور ولا تشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا کا مصداق نہ بنیں۔ حق تعالیٰ رزاق ہیں اسی پر توکل اور اعتماد، اور اسی کے خزانوں پر نظر رکھیں اور ارشادات ربانی وفرمودات نبوی (ﷺ) کو اپنا حرز جان بنائیں، قرآن مجید میں ہے ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ترجمہ: جو اللہ سے ڈرتا ہے (اس کی نافرمانی اور گناہ کے کام نہیں کرتا) تو حق تعالیٰ اس کے لئے (مشکلات سے) نجات کی راہ نکالتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اثرات آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ اسی طرح مؤذن دیندار اور صالح ہونا چاہئے، جو شخص پابند شرع نہ ہو فاسق ہو، اس کو مؤذن بنانا درست نہیں ہے، خدا کے گھر کا مؤذن دیندار، تعلیم یافتہ، احکام دینیہ خصوصاً اذان و نماز کے مسائل سے واقف، اوقات نماز، صبح کاذب، صبح صادق، زوال، سایۂ اصلی، ایک مثل دو مثل، شفق احمر و ابیض وغیرہ کا جاننے والا، بلند آواز، خوش الحان، اذان کے کلمات صحیح ادا کرنے والا ہونا چاہئے، حدیث شریف میں ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا (قرآن مجید، سورۂ طلاق پ ۲۸) نیز قرآن مجید میں ہے وما من دابة في الارض الا على الله رزقها. ترجمہ: اور کوئی (رزق کھانے والا) جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو۔ (سورۂ ہود پ ۱۲) نیز قرآن مجید میں ہے وكاين من دابة لاتحمل رزقها الله يرزقها واياكم وهو السميع العليم، ترجمہ: اور کتنے جانور ہیں جو اٹھا نہیں رکھتے اپنی روزی، اللہ روزی دیتا ہے ان کو اور تم کو بھی اور وہی ہے سننے والا اور جاننے والا (سورۂ عنکبوت پ ۱۹) فوائد عثمانی میں ہے: یہ روزی کی طرف سے خاطر جمع کردی کہ اکثر جانوروں کے گھر میں اگلے دن کا قوت نہیں ہوتا، نیا دن اور نئی روزی (موضح) پھر جو خدا جانوروں کو روزی پہنچاتا ہے کیا اپنے وفادار عاشقوں کو نہ پہنچائے گا، خوب سمجھو اور رزاق حقیقی وہی ہے جو سب کی باتیں سنتا اور دلوں کے اخلاص کو جانتا ہے۔ ہر ایک کا ظاہر و باطن اس کے سامنے ہے۔ کسی کی محنت وہاں رائیگاں نہیں ہو سکتی، جو لوگ اس کے راستہ میں وطن چھوڑ کر نکلے ہیں انہیں ضائع نہیں کرے گا، سامان معیشت ساتھ لے جانے کی فکر نہ کریں، کتنے جانور ہیں جو اپنی روزی اپنی کمر پر لادے نہیں پھرتے پھر بھی رزاق حقیقی ان کو ہر روز رزق پہنچاتا ہے (سورۂ عنکبوت) نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان الله هو الرزاق ذو القوة المتين: ترجمہ اللہ خود ہی سب کو روزی پہنچانے والا قوت والا نہایت قوت والا ہے (سورۂ والذاریات، پ ۲۷)

حدیث میں ہے عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لو انكم تتوكلون على الله حق توكله لرزقكم كما يرزق الطير تغدو خماصا وتروح بطانا. ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ پر ایسا توکل کرو جیسا توکل کرنا چاہئے تو تم کو اس طرح روزی عطا کرے گا جس طرح پرندوں کو روزی دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے پیٹ جاتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ (اپنے گھونسلوں میں) واپس ہوتے ہیں (مشکوٰۃ شریف ص ۴۵۲ باب التوکل والصبر)...... شیخ سعدی علیہ الرحمہ اپنی مناجات میں فرماتے ہیں

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم
توکہ با دشمنان نظر داری

اے خدا! آپ ایسے کریم ہیں کہ یہود و نصاریٰ، آتش پرست اور بت پرستوں (وغیرہ) کو اپنے خزانۂ غیب سے روزی پہنچاتے ہیں، دشمنوں پر جب ایسی نظر کرم ہے تو اپنے دوستوں کو (جو تیرے عبادت گذار ہیں) کیسے محروم رکھیں گے؟ (مقدمۂ گلستاں)

منقول ہے کہ کوے کا بچہ انڈے سے نکلتا ہے اس وقت اس کے بال و پر سفید ہوتے ہیں، نر و مادہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا بچہ نہیں ہے اگر ہمارا ہوتا تو ہم جیسا سیاہ ہوتا اس لئے وہ کھلانے سے گریز کرتے ہیں، بال و پر جب سیاہ ہونے لگتے ہیں تب اسے اپنا بچہ سمجھتے ہیں، اور پھر کھلانا پلانا شروع کرتے ہیں، اس عمر تک پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اسے اس طرح روزی پہنچاتے ہیں کہ بچہ جب اپنی چونچ بار بار کھولتا ہے تو اس وقت حشرات الارض اور جراثیم ہوا کے ذریعہ اس کے منہ میں پہنچ کر اس کی خوراک بنتے ہیں (ابن کثیر و مظاہر حق) اللہ پاک کوے کے بچہ کو اس طرح روزی پہنچاتے ہیں، تو کیا وہ رحیم و کریم ذات اپنے وفا شعار بندوں کو روزی نہیں پہنچائے گا؟ اس ذات وحدہ لاشریک لہٗ پر توکل کرو اور روزی کی بہت فکر مت کرو۔ بقول شاعر۔

غم روزی مخور برہم مزن اوراق دفتر را
کہ پیش از طفل ایزد پر کند پستان مادر را

فکر معاش میں حیران و پریشان مت ہو، اللہ پاک ایسی قدرت اور رحمت والے ہیں کہ بچہ کے دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے پستان مادر میں دودھ مہیا کر دیتے ہیں، تقدیر میں جو رزق ہے اس کا ملنا ایسا ہی یقینی ہے، جس طرح موت آنا یقینی ہے، جو رزق مقدر میں ہے اس کے مکمل ہونے سے پہلے انسان کو موت نہیں آسکتی مومن کو اس پر ایمان رکھنا چاہئے، حدیث میں ہے وفي رواية وان روح الاقدس نفث في روعي ان نفسا لن تموت حتى تستكمل رزقها الا فاتقوا الله واجملوا في الطلب ولايحملنكم استبطاء الرزق ان تطلبوه بمعاصي الله فانه لا يدرك ماعندالله الا بطاعته. یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈالی (یعنی بذریعۂ وحی بتایا کہ) کسی نفس کو موت نہیں آسکتی جب تک کہ وہ اپنا رزق مکمل نہ کر لے، لہٰذا اللہ سے ڈرو اعتدال اور صحیح طریقہ سے رزق طلب کرو اور دیر سے رزق ملنا تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے رزق تلاش کرنے لگو اس لئے کہ جو اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں ہے وہ اللہ کی طاعت ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۴۵۲ باب التوکل والصبر) ایک اور حدیث میں ہے عن ابی الدرداء رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الرزق ليطلب العبد كمايطلبه اجله۔ یعنی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بے شک رزق بندے کو اس طرح تلاش کرتا ہے جس طرح اس کی موت اسے تلاش کرتی ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۴۵۴) اور بھی بے شمار قرآن مجید کی آیات اور احادیث ہیں جن میں غور و تدبر سے ثابت ہوتا ہے کہ رزق کا تعلق اللہ رب العزت سے ہے لہٰذا اسی ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ پر کامل اعتماد اور توکل کرنا چاہئے، ان آیات اور احادیث پر اگر انسان کی نظر رہے تو پھر انشاء اللہ ادھر ادھر حیران و سرگرداں نہ پھرے گا۔

" لیؤ ذن لکم خیارکم " یعنی تم میں جو صالح ہو وہ اذان کہے (ابو دائود شریف ص ۹۴ ج ۱ باب من آحق بالا مامۃ)

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے وینبغی ان یکون المؤذن رجلاً عاقلاً صالحاً تقیاً عالماً بالسنۃ ۔ یعنی مؤذن عاقل سمجھدار نیک اور متقی ، طریقہ سنت سے واقف ہونا چاہئے (ص ۵۳ ج ۱ الفصل الاول فی صفتہ واحوال المؤذن) اور کبیری میں ہے وافاد ھذا ان الا ولیٰ ان یتولی العلماء الا ذان لا نہ من باب الجماعۃ والدعاء الیھا فلا یفوض الیٰ غیر ھم علی ما مرو فی الخلاصۃ عن واقعات الا وزجندی المؤذن اذا لم یکن عالما بالا وقات لا یستحق ثواب المؤذنین انتھی (کبیری ص ۳۶۲ باب الاذان)(نور الا یضاح ج ۴۵ باب الاذان

فی زماننا مؤذنوں میں یہ اوصاف مفقود ہیں ، ارزاں اور کم سے کم تنخواہ والا مؤذن تلاش کیا جاتا ہے ، خواہ اذان صحیح نہ پڑھ سکتا ہو ، اذان کے کلمات کہیں دراز اور کہیں مختصر کر کے اذان کی روح ہی کو فنا کر دیتا ہو جس کی وجہ سے اعادہ ضروری ہو جاتا ہو ، مثلاً اشہد کو اشد ، حی علی الصلوٰۃ کو حی للصلوۃ ،یاحیا للصلوٰۃ ۔حی علی الفلاح کو حی للفلاح یاحیا للفلاح ، اللہ کی جگہ آللہ ۔ اکبر کی جگہ آکبر اور اکبار اور اسی طرح حی میں بڑی ح کی جگہ چھوٹی پڑھا جاتا ہے ، اسی طرح اور بھی بہت سی غلطیاں کی جاتی ہیں ، امام وغیرہ جاننے والے حضرات بھی اصلاح نہیں کرتے ، اماموں پر اس کی بڑی ذمہ داری ہے اذان صرف اعلان ہی کا نام نہیں ہے بلکہ اذان عبادت بھی ہے ، مہتم بالشان اسلامی شعار بھی ہے اس کو اسی کے شایان شان طریقہ سے ادا کیا جائے کہ اسلامی شان معلوم ہو اور سامعین کے قلوب متأثر اور متوجہ ہوں اور اس کی برکتیں ظاہر ہوں ، ان الا ذآن شعار الا سلام (فتح الباری ج ۱ ص ۶۱ کتاب الاذان) اور فتح القدیر میں ہے لان الا ذان عن اعلام الدین ج ۲ س ۹۳ باب الا ذان) اذان دین کی علامتوں میں سے ہے ، حق تعالیٰ متولیوں کو توفیق دے کہ اس کی اہمیت کو سمجھیں ۔

مساجد کا نظام صحیح اور بہتر سے بہتر ہونے کا زیادہ تر دارو مدار عام طور پر متولیوں پر ہوتا ہے اس لئے متولی بہت ہی باصلاحیت ہونا چاہئے اور اس کے لئے سب سے بہتر عالم باعمل شخص ہے اگر ایسا متولی میسر نہ ہو سکے تو کم از کم دیندار ، صوم وصلوٰۃ کا پابند ، امانت دار مسائل وقف کا جاننے والا ، خوش اخلاق ، منصف مزاج ، علم دوست اہل علم کی تعظیم و تکریم اور ان سے مشورہ کر کے کام کرنے والا ، دین اور اہل دین سے محبت اور دین کی فکر رکھنے والا ہونا چاہئے ۔ اگر ایسا متولی ہوگا تو مندرجہ بالا اوصاف سے متصف امام ومؤذن تلاش کر کے ان کا تقرر کرے گا اور پھر ان کی صحیح قدر اور ان کو خدمت کرنے کا موقع فراہم کرے گا اور دینی کاموں کی انجام دہی میں ان کا معین ومددگار رہے گا ۔ (مزید تفصیل فتاویٰ رحیمیہ اردو ص ۱۶۴ تا ۱۶۹ ج ۲ ۔ جدید ترتیب کے مطابق احکام مساجد ومدارس میں ، مسجد اور مدرسہ کا متولی و مہتمم پابند شرع دیانت دار ہونا چاہئے الخ کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے ۔ از مرتب)

مندرجہ بالا اضافہ کا مضمون احقر کے دردِ دل کی آواز ہے اور دیرینہ تمنا ہے اور یہ صرف پڑھنے پڑھانے کے لئے نہیں ہے بلکہ عمل کے لئے ہے اگر عمل کیا گیا تو انشاء اللہ اس کی نورانیت اور اس کے برکات آپ خود دیکھیں گے ، اللہ تعالیٰ ہماری مساجد کا نظام بہتر سے بہتر بنادے اور ہر مسجد میں ایسے امام ، مؤذن اور متولیوں کا تقرر ہو کہ جن سے

مساجد کا نظام صحیح اور بہتر سے بہتر ہو اور مساجد سے مسلمانوں کو صحیح رہنمائی مل سکے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز، اللھم آمین بحرمۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

دلالی کی اجرت:

(سوال ۳۳۸) میں مکان اور زمین کی دلالی کا کام کرتا ہوں یعنی کوئی شخص اپنا مکان یا زمین بیچتا ہو تو اس کو گاہک (خریدار) لاکر دیتا ہوں، یا کسی کو مکان یا زمین خریدنے کی ضرورت ہو تو اسے مکان یا زمین خرید وادیتا ہوں، اور اس پر اپنا حق المحنت لیتا ہوں، گاہے ایک پارٹی سے اور گاہے دونوں پارٹیوں سے دلالی کی اجرت لیتا ہوں، تو میں دلالی کی اجرت لے سکتا ہوں یا نہیں؟ بعض لوگ ناجائز کہتے ہیں، اور دلالی کا پیشہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ پیشہ مباح ہے اور اپنی محنت اور کام کے موافق پہلے سے مناسب اجرت طے کردی جائے تو طے کردہ اجرت لے سکتا ہے اور اجرت ایک فریق (پارٹی) سے بھی لے سکتا ہے اور دونوں فریق سے بھی لے سکتا ہے البتہ اجرت طے اور متعین ہونا چاہئے، معاملہ مبہم نہ رہنا چاہئے، شامی میں ہے (تتمہ) قال فی التاتار خانیۃ وفی الدلال والسمسار یجب اجر المثل وما تو اضعوا علیہ ان فی کل عشرۃ دنا نیر کذا فذاک حرام علیھم وفی الحاوی سئل محمدبن سلمۃ عن اجرۃ السمسار فقال ارجو انہ لاٗبأس بہ وان کان فی الاصل فاسداً لکثرۃ التعامل و کثیرمن ھذا غیر جائز فجوزوا لحاجۃ الناس الیہ .الخ (شامی ص ۵۳ ج ۵، کتاب الاجارۃ قبل فصل فی ضمان الاجیر)

فتاویٰ دارالعلوم قدیم میں ہے: الجواب، دلال کی اجرت کام اور محنت کے موافق لینا اور دینا جائز ہے بشرطیکہ ظاہر کرکے رضا سے لیا جائے اور جو خفیہ طرفین سے لیا جاتا ہے وہ جائز نہیں:۔ فی الشامی، کتاب الاجارۃ ج ۵ ص ۴۳، قال فی التتار خانیۃ فذاک حرام علیھم اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جو روپیہ وغیرہ خفیہ لیتے ہیں وہ حرام ہے۔ فقط بندہ محمد شفیع غفرلہٗ (فتاویٰ دارالعلوم قدیم ص ۱۱۹ ج ۷، ۸)

کفایت المفتی میں ہے:۔

(سوال) دلال کے یہاں کھانا کیسا ہے؟ شریعت کی رو سے یہ پیشہ جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) دلال کی دعوت کھانا مباح ہے اور دلالی کا پیشہ کرنا مباح ہے۔ (کفایت المفتی ص ۳۷۷ ج ۷)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: دلالی یہ ہے کہ بائع و مشتری کے درمیان معاملہ کرایا جائے، اس میں بائع ومشتری دونوں کو ثمن (قیمت) معلوم ہوتی ہے اور دلال کو اس ثمن کے علاوہ اجرت ملتی ہے خواہ وہ اجرت پانچ دس روپے کی صورت میں متعین ہو خواہ اس طرح کہ فی صد دس روپے یا فی روپیہ ایک آنہ اجرت مقرر کی جائے وہ اجرت درست ہے جس قدر بھی ہو، فقط واللہ سبحانہ اعلم (فتاویٰ محمودیہ ص ۷۰ ا ج ۴) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

موقع محل کے اعتبار سے کرایہ میں اضافہ کا مطالبہ صحیح ہے یا نہیں:

(سوال ۳۳۹) ایک مسجد کی چند دکانیں بہت مدت سے کرایہ پر دی ہوئی ہیں، کرایہ دار بہت معمولی کرایہ دیتے ہیں ان کو اضافہ کرنے کے لئے کہتے ہیں تو انکار کرتے ہیں اور سرکاری قانون کا سہارا لیتے ہیں، حالانکہ دو دکانیں بہت اچھی

موقع پر ہیں، شرعی طور پر مسجد کی کمیٹی کو دوکان خالی کرانے یا کرایہ میں اضافہ کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) اگر کرایہ پر دیتے وقت کچھ مدت اور ماہانہ کرایہ کا تعین کیا گیا ہو مثلاً یہ معاہدہ (اگریمنٹ) ہوا ہو کہ یہ دکان ایک سال کے لئے ماہانہ ایک سو روپے کرایہ پر دی جارہی ہے تو اس مدت متعینہ میں نہ کرایہ میں اضافہ جائز ہے اور نہ اس سے قبل خالی کرانا جائز ہے اور اگر ایسا کوئی معاہدہ نہ ہوا ہو تو اس صورت میں چونکہ ہر ماہ گویا نیا اجارہ ہوتا ہے اس لئے شرعی طور پر ماہ کے شروع ہونے سے قبل کرایہ میں اضافہ کرنے اور دکان خالی کرانے کا اختیار رہتا ہے، ہدایہ آخرین کی مندرجہ ذیل عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے: ومن استاجر داراً کل شهر در هم فالعقد صحیح فی شهر واحد فاسد فی بقیة الشهور الا ان یسمی جملة الشهور ، فان سکن ساعة من الشهر الثانی صح العقد فیه ولیس للمواجر ان یخرجه الی ان ینقضی و کذلک کل شهر سکن فی اوله (هدایه اخرین ص ۳۸۲ باب الاجارة الفاسدة)

صورت مسئولہ میں اگر کسی مدت کے معاہدہ کے بغیر دوکان کرایہ پر دی گئی ہو تو شرعی طور پر مسجد کی کمیٹی کو مہینہ شروع ہونے سے قبل کرایہ میں اضافہ کرنے کا اختیار ہے جو قدیم کرایہ دار ہیں ان کو چاہئے کہ ماحول، موقع اور محل کے اعتبار سے خود ہی کرایہ میں اضافہ کریں مسجد کا تعاون بھی ہوگا، جب ہر چیز میں گرانی برداشت کررہے ہیں تو مسجد کی خاطر کرایہ میں بھی اضافہ کو بطیب خاطر برداشت کرنا چاہئے، ایک مسلمان کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ سرکاری قانون کا سہارا لے کر مسجد کا نقصان کرے ایسا طریقہ اختیار کرنے میں برکتوں سے محرومی ہوتی ہے، جتنا ہو سکے مسجد کا تعاون کرنا چاہئے اس کے بجائے مسجد کی دوکان سے منفعت حاصل کرنا کرایہ کم دینا اور سرکاری قانون کا سہارا لینا ایمانی غیرت کے بالکل منافی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایام رخصت کی تنخواہ:

(سوال ۳۴۰) کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں: کہ بندہ ایک ادارہ میں دینی خدمت انجام دے رہا ہے، مدرسہ کا قانون ہے کہ رخصت لینے کے لئے پہلے سے رخصت کی درخواست دی جائے، بندہ نے رخصت مطلوبہ سے ایک یوم قبل درخواست دی کہ بندہ کو نصف یوم کی رخصت درکار ہے وجہ معلوم کرنے کے بعد صدر محترم نے جواب دیا کہ "اگر گنجائش نکل سکتی ہو تو چار بجے شام سے سفر کرلیں، حالانکہ انتظامیہ اور صدر کو یہ بات معلوم ہے کہ اس جگہ جانے کے لئے ۳½ بجے شام کے بعد سے آٹھ بجے رات تک کوئی سواری نہیں ہے، بندہ نے صدر محترم کے اس گنجائش والے جملہ سے سفر کرلیا، اب اس صورت میں بندہ نصف یوم کے مشاہرہ کا مستحق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) اس سوال کا تعلق اہل چندہ سے ہے، جیسا کہ امداد الفتاویٰ کے جواب سے ظاہر ہوگا، مذکورہ صورت میں آپ کے مدرسہ کا جو قانون مدون، مروج اور مشہور ہو اس کے مطابق عمل ہوگا، بعض مدرسوں میں کیجویل (رخصت اتفاقی) کا قانون ہوتا ہے سالانہ کچھ ایام رخصت کے منجانب مدرسہ متعین ہوتے ہیں ان ایام کے بقدر رخصت لینے پر تنخواہ نہیں کاٹی جاتی، اگر آپ کے مدرسہ میں بھی کیجویل کا قانون ہو اور کیجویل کی مد میں آپ کی رخصت میں گنجائش ہو تو اس صورت میں اہل مدرسہ کا تنخواہ کاٹنا درست نہ ہوگا، اگر کیجویل کے مد میں رخصت کی گنجائش نہ ہو مگر مدرسہ کا

قانون یہ ہو کہ کسی شدید ضرورت کی بناء پر کوئی مدرس ایک دن قبل رخصت کی درخواست دے اور اہل مدرسہ اس درخواست کو منظور کرلیں تو مشاہرہ میں سے کچھ نہ کٹے گا، تو ایسی صورت میں جب کہ آپ نے مدرسہ کے قانون کے مطابق ایک دن قبل رخصت کی درخواست دی، اور ذمہ داران مدرسہ کے جواب میں سفر کرنے کی گنجائش تھی آپ نے اسے اجازت سمجھ کر سفر کیا تو آپ مشاہرہ کے حق دار ہیں، اس صورت میں تنخواہ کاٹنا درست نہ ہوگا اگر انتظامیہ کو رخصت منظور نہ کرنا تھی تو صاف صاف نامنظوری میں جواب دے دینا چاہئے تھا۔ اور اگر مدرسہ کا قانون یہ ہو کہ کچھ یل کے علاوہ کسی ضرورت کی وجہ سے بھی جو رخصت لی جائے گی اس کی تنخواہ کٹے گی تو قانون کے مطابق تنخواہ کا نا درست ہوگا۔

امداد الفتاویٰ میں ہے:۔

(سوال ۲۸۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو طلبہ اور مدرس مدرسہ اسلامیہ کے بیمار ہو جائیں ان کو ایام بیماری کی تنخواہ یا وظیفہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) ظاہراً یہ سوال متعلق چندہ کے ہے سو اصل یہ ہے کہ ایسے اموال میں کسی تصرف کا جواز و عدم جواز معطین اموال کی اذن و رضا پر موقوف ہے اور مہتمم مدرسہ ان معطین کا وکیل ہوتا ہے، پس وکیل کو جس تصرف کا اذن دیا گیا ہے وہ تصرف اس وکیل کو جائز ہے، سو جس مہتمم نے مدرسین کو مقرر کیا ہے اگر اس مہتمم کو معطین نے اس صورت کے متعلق کچھ اختیارات دیئے ہیں اور مہتمم نے ان مدرسین سے اس اختیار کے موافق کچھ شرائط کر لئے ہیں تب تو ان شرائط کے موافق تنخواہ لینا جائز ہے، اسی طرح جو اختیارات وظیفہ کے متعلق مہتمم کو دیئے گئے ہیں ان کے موافق اس کا لینا دینا بھی جائز ہوگا، اور اگر تصریحاً اختیارات و شرائط نہیں مقرر ہوئے لیکن مدرسہ کے قواعد مدون و معروف ہیں تو وہ بھی مثل شروط کے ہوں گے، اور اگر نہ مصرح ہیں اور نہ معروف ہیں تو دوسرے مدارس اسلامیہ میں جو معروف ہیں ان کا اتباع کیا جاوے گا، اور اگر یہ آمدنی کسی جائیداد کی ہے تو اس کا حکم دوسرا ہے۔ فقط۔

دوسرا فتویٰ:۔

(سوال ۲۸۱) مدرس بیمار ہو گیا، ایام مرض کی تنخواہ کا مستحق ہوگا یا نہیں؟ اگر ہے اور اس نے نہیں لی تو لے سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) اگر قالاً یا حالاً اہل چندہ کی رضا بھی جاوے تو یہ شرط ٹھیرانا درست ہے کہ ایام مرض کی تنخواہ دی جاوے گی ورنہ درست نہیں، پھر اگر شرط نہ ٹھیری تب تو استحقاق نہیں ہے اور اگر شرط ٹھیر گئی تو وہ مستحق ہے، پھر اگر اہل چندہ کی رضا معلوم ہو تو چندہ سے دینا درست ہے ورنہ جس نے مدرس رکھا ہے وہ اپنے گھر سے دے۔ (امداد الفتاویٰ ص ۲۸۹ ج ۳، کتاب الاجارہ، مطبوعہ کراچی)

عطر ہدایہ میں ہے:۔

ایام تعطیل و رخصت اگر مشروط و معروف ہوں تو تابع ہیں ایام خدمت کے ورنہ تبرع و انعام پس جب ایام خدمت پورے ہوں گے تعطیل پوری ملے گی ورنہ حساب سے کم ہو جائے گی۔ الخ (عطر ہدایہ ص ۱۳۶)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:۔

(سوال) ملازم وقف دو دن کی رخصت لے کر گیا اور چھ روز میں آیا دریافت یہ ہے کہ ملازم کو اس چار دن کی تنخواہ

لینی کیسی ہے اور متولی کو دینا چاہئے یا نہیں؟ فقط والسلام۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً! اگر ملازمت کی شرائط میں یہ ہے کہ بلا تحصیل رخصت غیر حاضری پر تنخواہ وضع ہوگی تو صورت مسئولہ میں تنخواہ وضع کی جائے گی اگر شرائط میں کچھ مدت بلا تحصیل رخصت چھٹی پر رہنے اور حاضر نہ ہونے کی بھی موجود ہے تو اس مدت کی تنخواہ وضع نہ ہوگی زائد کی وضع ہوگی، غرض حسب شرائط عمل کیا جائے جب کہ وہ موافق شرع ہوں، فقط واللہ اعلم۔ (فتاوی محمودیہ ص ۳۱۱ ج ۶، باب الاجارہ)

مدرس تعطیلات کے ایام کی تنخواہ کا مستحق کب ہوگا؟:

(سوال ۳۴۱) ایک دینی درسگاہ میں ماہ شعبان المعظم میں چار مدرسین کو علیحدہ کر دیا، شوال المکرم میں ان کو واپس درس و تدریس کے لئے لائے تو سالانہ تعطیلات (شعبان و رمضان کے دو ماہ کی تنخواہ) کے از روئے شرع مستحق ہیں یا نہیں؟

(الجواب) سالانہ تعطیلات کا زمانہ ایام عمل کے تابع ہے کہ استراحت کے بعد آئندہ شوال میں کام کے لئے مستعد ہو جائیں لہٰذا اگر تعطیلات کے بعد اسی ادارہ میں خدمت کرے تب تو ایام تعطیلات کے ایام، ایام عمل کے ساتھ ملحق ہو کر مشاہرہ کا استحقاق ہو سکتا ہے اور جب کسی مدرس کو مدرسہ کے قانون کے مطابق علیحدہ کر دیا ہو تو وہ تعطیلات کی مشاہرہ کا مستحق نہیں۔

امداد الفتاوی میں ہے:۔

(سوال ۲۸۲) عربی مدارس میں رمضان شریف کی تعطیل ہوتی ہے تو اس کی تنخواہ کا بلا معاوضہ کام ہونا تو ظاہر ہے، باقی وقت بھی مدرس اپنا وقت مدرسہ میں محبوس نہیں رکھتا کہ اس کی وجہ سے لے سکے، اب لینا اس کو کیسے درست ہے اگر مدرسہ کے مہتمم کسی مدرس کو شعبان کی ۲۹ تاریخ کو مدرسہ کی ملازمت سے علیحدہ کر دے تو یہ مدرس رمضان کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں؟ مدرس مدرسہ میں بحال رہتے ہوئے رمضان کی تنخواہ کا کب مستحق ہوگا، جب سب رمضان ختم ہو جائے یا ختم شعبان پر؟

(الجواب) تنخواہ تو ایام عمل ہی کی ہے مگر تعطیل کا زمانہ تبعاً ایام عمل کے ساتھ ملحق ہے تاکہ استراحت کر کے ایام عمل میں عمل کر سکے، اس سے سب اجزاء کا جواب نکل آیا، اول کا یہ کہ حکماً بلا معاوضہ کام کے نہیں دوسرے کا یہ کہ شعبان کے ختم پر معزول ہو جانے سے تنخواہ نہ ملے گی اور عدم عزل میں رمضان کے ختم پر تنخواہ ملے گی بشرطیکہ شوال میں بھی کام کیا ہو۔ امداد الفتاوی ص ۲۸۹، ص ۲۹۰ ج ۳، کتاب الاجارہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کمیشن پر چندہ:

(سوال ۳۴۲) کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام و علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں۔

ہمارے یہاں مدرسوں میں کمیشن پر چندہ عام ہو چکا ہے مثلاً ایک ہزار چندہ ملا تو ٪۶۰ کی شکل میں ۶۰۰ روپئے سفیر خود رکھ لیتا ہے باقی چار سو روپئے مہتمم کے حوالے کرتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ۵۰، یا ۶۰ فیصد چندہ کرنے والا لازماً لیتا ہے کیا سفیر اور مدرسہ والوں کا ایسا معاملہ کرنا جائز ہے؟

دلائل شرعیہ کی روشنی میں جواب تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) کمیشن پر چندہ ناجائز ہے، یہ اجارہ فاسدہ ہے جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اجارہ میں اجرت متعین ہونا ضروری ہے اور مذکورہ صورت میں اجرت مجہول ہوگی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر اجرت عمل اجیر سے حاصل ہوتی ہو تو بجائے خود یہ ناجائز ہے، اور یہ صورت قفیز طحان میں داخل ہے جس سے حدیث میں منع فرمایا گیا ہے، نیز مذکورہ صورت میں جن لوگوں نے چندہ میں زکوٰۃ کی رقم دی ہے ان کی زکوٰۃ کی ادائیگی بھی مشتبہ رہے گی، زکوٰۃ کی جتنی رقم سفیر وصول کرے گا اتنی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کہ ادائیگی زکوٰۃ کے لئے بلا عوض مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا ضروری ہے اور مذکورہ صورت میں سفیر کو اس کی محنت کے عوض زکوٰۃ کی رقم دی جائے گی۔

ہدایہ اخیرین میں ہے: ولا یصح حتی تکون المنافع معلومة والا جرة معلومة لما روینا و لان الجهالة فی المعقود علیه وفی بدله تفضی الی المنازعة کجهالة الثمن والثمن فی البیع (هدایه اخیرین ص ۲۷۷ کتاب الا جارة)

نیز ہدایہ اخیرین میں ہے:۔ ومن دفع الی حائک غزلاً لینسجه بالنصف فله اجر مثله و کذا اذا استاجر حمارا یحمل علیه طعاما بقفیز منه فالا جارة فاسدة لانه جعل الا جر بعض ما یخرج من عمله فیصیر فی معنی قفیز الطحان وقد نهی النبی علیه السلام عنه وهو ان یستاجر ثورا لیطحن له حنطة بقفیز من دقیقه وهذا اصل کبیر یعوف به فساد کثیر من الا جارات لا سیما فی دیار نا الخ(هدایه آخرین ص ۲۸۹، ص ۲۹۰ باب الا جارة الفاسدة)

درمختار میں ہے:۔ وشرطها کون الا جرة والمنفعة معلومتین لان جهالتهما تفضی درمختار مع رد المختار ص ۴ ج۵)

نیز درمختار میں ہے:۔ (ولو دفع غزلاً لا خر لینسجه له بنصفه)ای بنصف الغزل (أو استاجر بغلا لیحمل طعامه ببعضه او ثوراً لیطحن بره ببعض دقیقه) فسدت فی الکل لانه استاجره بجزء من عمله والا صل فی ذلک نهیه صلی الله علیه وسلم عن قفیز الطحان الخ (درمختار مع رد المختار ص ۴۸ ج۵)فقط والله اعلم بالصواب .

(۱) کمیشن پر سفراء مقرر کرنا (۲) بیرون ملک چندہ کے لئے جانے والے مہتمم کا چندہ میں سے ایک بڑی رقم بطور اجرت لینا:

(سوال ۴۴۴) آجکل مدارس دینیہ میں جن سفراء کو چندہ کے لئے مقرر کیا جاتا ہے اکثر وبیشتر سفراء کو مہتمین حضرات کمیشن پر مقرر کرتے ہیں مثلاً یہ کہ پورے چندہ کا نصف تمہارا اور اسی میں تم خرچ کرو، سفر خرچ وغیرہ سب تمہارے ذمہ یا ایک تہائی مقرر کرتے ہیں اور مدرسہ کا فائدہ اسی میں زیادہ ہے، سفراء پوری توجہ اور محنت سے چندہ کرتے ہیں، مدرسہ کا اس میں زیادہ فائدہ ہے، حالانکہ ہم نے سنا ہے اور فتویٰ بھی دیکھا ہے کمیشن پر سفراء کو رکھنا جائز نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ یہ شکل جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر ایسا نہیں کرتے ہیں تو مدارس کو نقصان ہوتا ہے۔

(۲) ایک مدرسہ کے چندہ کے سلسلے میں ایک صاحب باہر ملک جانا چاہتے ہیں جو مدرسہ کے مہتمم ہیں اور کئی سال سے خالصاً لوجہ اللہ مدرسہ کی خدمت انجام دے رہے ہیں اطراف واکناف میں چندہ بھی کرتے ہیں، مدرسہ کا پورا خیال رکھتے ہیں مگر مدرسہ میں پڑھاتے نہیں ہیں پوری نگرانی کرتے ہیں اور ان کی کوئی تنخواہ مقرر نہیں ہے، اور آج تک ایک پیسہ بھی مدرسہ سے نہیں لیا، اب اگر یہ مدرسہ کے چندہ کے لئے جائیں تو کیا کیا جائے، دو ماہ کے لئے جائیں اور ان کی تنخواہ مقرر کی جائے تو ان کو بہت کم پڑتی ہے مثلاً تین ہزار ماہانہ دیں یا یہ کہ وہ اس میں سے بڑی رقم لیں مثلاً چوتھائی لیں، کیا شکل اختیار کی جائے۔

(۳) دوسری شکل یہ ہے کہ ایک مہتمم ایسے ہیں کہ ان کی تنخواہ مقرر ہے اور وہ مدرسہ کے تمام کاموں کے ذمہ دار ہیں اور چندہ بھی خود ہی کرتے رہتے ہیں، ان کی تنخواہ پندرہ سو روپے ہے۔ اب اگر وہ بیرون ملک جائیں اور مقررہ تنخواہ کے علاوہ رقم لینا چاہیں تو ان کو کتنی رقم دی جائے، وہ کہتے ہیں کہ محنت بہت زیادہ ہے، میں جاؤں بشرطیکہ محنت کے اعتبار سے رقم دی جائے مثلاً دو تین لاکھ روپے چندہ کروں تو کم از کم مجھ کو پچاس ہزار روپے دیئے جائیں، نیز یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ اس معاملہ کو عوام اور ٹرسٹیوں سے مخفی رکھا جائے صحیح رہبری فرمائیں، ممنون کرم ہوں گا، بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً (۱۔۲) کمیشن پر چندہ جائز نہیں ارسال کردہ سوال وجواب ملاحظہ فرمائیں[1]، مدرسہ کے مفاد کے لئے مہتمم صاحب برائے چندہ سفر کریں تو ارباب شوریٰ (ٹرسٹیوں) کے مشورہ سے مناسب تنخواہ مقرر کی جائے اور وہ تنخواہ دی جائے یا پھر ارباب شوریٰ سے مناسب انعام دے دیا جائے (دوسری صورت میں الغرض کمیشن کی صورت سے بچتے ہوئے اصحاب شوریٰ کے مشورہ کے مطابق عمل کیا جائے معاملہ مخفی رکھنا بالکل مناسب نہیں اس میں ارباب شوریٰ نیز عوام کو انگلی اٹھانے کا موقع ملے گا اور اس میں مہتمم کی بدنامی بھی ہے اور مہتمم کا اتنی بڑی رقم کا مطالبہ کرنا بھی تعجب خیز معلوم ہوتا ہے اور اصحاب شوریٰ کو بھی مدرسہ کا لحاظ کرتے ہوئے مناسب فیصلہ کرنا ہوگا اتنی بڑی رقم قبول کرنے کا ان کو بھی اختیار نہ ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ سید عبدالرحیم لاجپوری، راندیر، ۲۳ شوال المکرم ۱۴۱۶ھ۔

سونے چاندی کے زیورات دھونے اور پالش کرنے کی اجرت کے طور پر اس میں سے کچھ سونا نکال لینا:

(سوال ۳۴۵) زید سونے چاندی کے زیور دھونے اور پالش کرنے کا کام کرتا ہے، یعنی سنار سونے کا زیور بنا کر زید کے حوالے کرتا ہے اور زید اس کو گرم کر کے پالش وغیرہ کر کے اس کے اندر چمک اور صفائی پیدا کرتا ہے لیکن اجرت میں روپیہ یا پیسہ نہیں لیتا بلکہ اسی سونے کے زیور میں سے کچھ سونا نکال کر لیتا ہے، اور یہ سنار طے کرتا ہے کہ اتنا سونا نکال لینا، مثلاً سو ۱۰۰ گرام کا زیور سنار نے کر آیا اور کہا کہ اس کو دھودو، زید نے کہا کہ ایک گرام سونا اس کی دھلائی ہوگی لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گرم کرتے وقت یا کسی اور طریقہ سے زید کو سونا ایک گرام نہیں ملتا ہے بلکہ کچھ تو ضائع ہو جاتا ہے، کچھ ہی ملتا ہے یعنی اگر زید کی تقدیر نے ساتھ دیا تو ایک گرام مل جاتا ہے ورنہ آدھا پونا گرام ملتا ہے، یعنی کچھ نہ کچھ ہاتھ لگ جاتا ہے، تو اس طرح سے دھونا اور اجرت لینا جائز ہے کہ نہیں؟! اگر جائز ہے تو ٹھیک ورنہ جواز کی کوئی صورت ہو تو اس کو بھی تحریر فرمائیں، اگر بحوالہ کتب ہو تو بہت احسان ہوگا۔ بینوا توجروا۔

---

[1] یہ سوال وجواب اس فتویٰ سے پہلے جس کا سوال ۳۴۴ ہے وہ ملاحظہ فرمائیے۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! اجارہ صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اجرت متعین ہو مجہول نہ ہو اور ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ عند العقد مستاجر اجرت کی ادائیگی پر قادر ہو، ہدایہ اخرین میں ہے۔

والمعنى فيه ان المستاجر عاجز عن تسليم الأجر (هدايه اخيرين ص ۲۸۹ باب الاجارة الفاسدة)

شامی میں ہے: **والقدرة على التسليم شرط وهو لا يقدر بنفسه (شامى ج۵ ص ۴۸ ايضاً)**

اسی بناء پر حدیث میں قفیز طحان سے منع کیا گیا ہے، قفیز طحان یہ ہے کہ کسی کو گندم پیسنے کے لئے دیئے جائیں اور اجرت یہ طے کی جائے کہ اسی گندم کے آٹے میں سے ایک قفیز (مثلاً ایک کلو) آٹا تم کو ملے گا، قفیز طحان کی حدیث میں ممانعت ہے۔

فيصير في قفيز الطحان وقد نهى النبي عليه السلام عنه وهو ان يستأجر ثوراً ليطحن له حنطة بقفير من دقيقه. (هدايه اخيرين ص ۲۸۹ ايضاً)

لہذا صورت مسئولہ میں اجارہ صحیح نہ ہوگا، صحیح ہونے کی صورت یہ ہے کہ اجرت میں روپیہ متعین کرے، اور اگر سونا ہی متعین کرنا ہو تو مطلقاً سونا متعین کرے، اور جتنا متعین کیا ہے وہ پورا ادا کیا جائے۔ قاضی خاں میں ہے۔

فلو استاجر طحانا ليطحن له هذه الحنطة بقفيز من الدقيق ولم يقل بقفيز من ذلك الدقيق جازله لانه لم يجعل الا جر من دقيق هذه الحنطة والقفيز معلوم. یعنی آٹا پیسنے والے کو گندم پیسنے کے لئے دیئے اور اجرت یہ طے کی کہ تم کو ایک قفیز آٹا دیں گے، یہ نہیں کہا کہ اس آٹے میں سے جو تم پیسوں گے اس میں سے دیں گے تو یہ صورت جائز ہے اس لئے کہ مستاجر نے اسی گندم کے آٹے کو (جو اس کے عمل کے نتیجہ میں موجود ہونے والا ہے) اجرت میں متعین نہیں کیا ہے بلکہ مطلقاً ایک قفیز آٹا متعین کیا ہے اور قفیز کا وزن معلوم ہے (لہذا اجرت مجہول نہیں ہوئی) اس لئے یہ صحیح ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں ص ۲۲ ج ۳ باب الاجارۃ الفاسدۃ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۱۴۰۶ھ۔

کاتب نے آدھی کتابت کی وہ بھی بہت تاخیر سے تو مالک نے کام واپس لے لیا، اور آدھے کام کی جو اجرت کاتب کو دے چکا تھا وہ واپس طلب کی۔ اس کا حکم ......:

(سوال ۳۴۶) زید نے تقریباً تین سال سے عمر کو ایک کتاب لکھنے کا کام سپرد کیا تھا، اس کام کی اجرت (فی صفحہ دس روپے) طے ہونے کے بعد عمر نے اس کتاب کے نصف سے زائد صفحات لکھ کر زید کو سپرد کر دیئے ہیں اور اس کتاب کے سو صفحات کی اجرت بھی لے لی ہے، نیز عمر سے کام میں بہت تاخیر ہوئی اور وعدہ پر وعدہ خلافی ہوتی رہی، اور اس درمیان عمر اپنی پریشانی کی وجہ سے زید سے ملے جلے بغیر دوسری جگہ منتقل ہو گیا، اب زید نے عمر سے کام پورا کرنے کا تقاضہ کیا، کام پورا نہ ہو سکا تو زید نے کتاب کا بقیہ کام واپس لے لیا ہے، اور عمر نے کام کے جو صفحات زید کو دیئے ہیں اور اس کی اجرت بھی وصول کر لی ہے وہ پیسے زید زبردستی طلب کر رہا ہے، عمر پیسے واپس دینے سے انکار کر رہا ہے، اس صورت حال میں عمر زید سے جس کام کی اجرت لے چکا ہے اس پیسے کو زید واپس طلب کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداومصلیاومسلما! کاتب نے جتنے حصے کی کتابت کی ہے اس کی اجرت کا وہ حق دار ہے اور جس حصہ کی وہ کتابت نہیں کرسکتا ہے اس کی اجرت کا وہ مستحق نہیں ہے۔

نوٹ:۔عمر نے وقت پر کام نہیں کیا اور وعدہ خلافی کرتا رہا یہ بہت قابل مذمت ہے مومن کی علامت یہ ہے کہ وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا اس لئے عمر کو وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا، عمر کو چاہئے کہ زید سے معافی مانگے اور اس کو راضی کرے ۔واللہ اعلم۔

جانور کو جفتی کرانے کی اجرت لینا دینا حرام ہے:

(سوال ۳۴۷) ہم بکری پالتے ہیں اور اسے گیا بھن کراتے ہیں بلکہ گیا بھن کرانا پڑتا ہے۔لیکن جب بکرے والے سے اسے گابھن کراتے ہیں تو وہ دس روپے اس کا معاوضہ لیتا ہے، معاوضہ دینا یا اگر بکرا ہمارا ہو تو لینا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) حامداومصلیاومسلما! گیا بھن کرانے کے اجرت لینا جائز نہیں اگر مجبوراً دینا پڑے تو گناہ نہیں۔ہدایہ آخرین میں ہے۔

ولا یجوز اخذ اجرۃ عسب التیس وھو ان یواجر فحلاً لینزو علی اناث لقولہ علیہ السلام ان من السحت عسب التیس والمراد اخذ الاجرۃ علیہ .

یعنی نرکو مادہ پر چڑھانے (جفتی کرانے کی اجرت) لینا جائز نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا جفتی کرانے کی اجرت خبیث ہے یعنی حرام ہے۔(ہدایہ اخیرین ، باب الاجارۃ الفاسد۔ص ۲۸۷) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔۱۳ صفر ۱۴۰۵ھ۔

(۱) مطالبہ پر فوراً خالی کرنے کے وعدہ سے مکان کرایہ پر لیا اب ان کی اولاد خالی نہیں کررہی ہے (۲) کرایہ میں اضافہ کرنے کا مسئلہ:

(سوال ۳۴۸) ہمارا ایک مکان بچوں کے استعمال کے لئے بند رکھا ہوا تھا، اس دوران ایک صاحب ہمارے والد کے پاس آئے اور اپنا عذر بتایا اور کہا کہ کچھ وقت کے لئے آپ اپنا وہ مکان جو بند ہے مجھے استعمال کے لئے کرایہ پر دیجئے، والد صاحب نے کہا کہ یہ مکان بچوں کے لئے رکھا ہے مجھے نہیں دینا ہے، لیکن انہوں نے اپنی مجبوریاں اور والد صاحب کو تنگ کر کے مکان کرایہ پر لیا اور کہا کہ جب آپ کہیں گے میں اپنا بندوبست کر کے آپ کا مکان آپ کو سپرد کردوں گا، جب آپ کے بچوں کے کام آئے گا، لیکن ایسا نہیں ہوا، وہ صاحب گذر گئے، ابھی ان کے بچے ہیں اور ان کو یہ بھی معلوم ہے کہ ہمارے والد نے یہ بند مکان مذکورہ بالا حقیقت کے مطابق کچھ وقت کے لئے رکھا تھا لیکن وہ مکان خالی نہ کرنے کے لئے یہ عذر بتاتے ہیں کہ پیسے نہیں ہیں تو ہم کہاں جائیں؟ حالانکہ ہمیں مکان کی سخت ضرورت ہے، بار باران سے کہا گیا مگر وہ انکار کرتے ہیں، تو اس حالت میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(۲) دیگر ہمارے اور بھی کرایہ دار ہیں، جو پرانے کرایہ سے رہتے ہیں، اس وقت مہنگائی آسمان پر پہنچ گئی ہے، تو ہم ان سے زیادہ کرایہ مانگنے کے حق دار ہیں یا نہیں؟ فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! صورت مسئولہ میں آپ کے والد صاحب نے جن صاحب کو ان کی ضرورت کی وجہ سے مکان کرایہ پر دیا اور انہوں نے مکان کرایہ پر لیتے وقت یہ کہا تھا، آپ جب کہیں گے میں اپنا بندوبست کر کے آپ کا مکان آپ کو سپرد کردوں گا جو آپ کے بچوں کے کام آئے گا، اس معاہدہ کی رو سے جب آپ کے والد صاحب کو اس مکان کی سخت ضرورت ہے اور وہ (یا ان کے وارث) اس ضرورت کی وجہ سے یہ مکان خالی کرانا چاہتے ہیں تو ان صاحب کے بچوں کو مکان خالی کردینا چاہئے) اور اپنا دوسرا بندوبست کرنا چاہئے، خاص کر جب ان صاحب کا انتقال بھی ہو گیا ہے، کرایہ دار یا مالک مکان ان میں سے اگر کسی کا انتقال ہو جائے (اور کرایہ دار نے مکان اپنے لئے کرایہ پر لیا ہے) تو شرعاً عقد اجارہ فسخ ہو جاتا ہے، اس لئے وارثوں کو لازم ہے کہ مکان مالک مکان کو سپرد کردیں اور اپنا دوسرا انتظام کریں۔ اگر فوراً انتظام کرنا مشکل ہو تو ان کو کچھ مدت کے لئے مہلت دی جائے، ہدایہ اخیرین میں ہے۔

ومن استاجر داراً كل شهر بدرهم فالعقد صحيح في شهر واحد فاسد في بقية الشهور الا ان يسمى جملة الشهور فان سكن ساعة من الشهر الثاني صح العقد فيه وليس للمواجران يخرجه الى ان ينقضي وكذلك كل شهر سكن في اوله (هدايه اخيرين ص ۲۸۶ ج۳ باب الاجارة الفاسدة)

نیز ہدایہ میں ہے: **واذا مات احد المتعاقدين وقد عقد الا جارة لنفسه انفسخت الا جارة (هدايه اخيرين ص ۲۹۹ ج۳ باب فسخ الا جارة)**

مالک مکان اور کرایہ دار کے لئے شرعی ہدایات کیا ہیں؟ اس کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد نمبر۳، ص۲۵۷ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں مالک مکان اور کرایہ دار اور پگڑی کے مسائل کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے، ۔ از مرتب) گجرات ص۲۵۲، ص۲۵۳، ص۲۵۴، ص۲۵۵، جلد نمبر۳۔

(۲) اگر کچھ خاص مدت کے لئے کرایہ پر دیا ہے، مثلاً تین سال یا پانچ سال، تو اتنی مدت تک جو کرایہ متعین کیا ہے اتنا لینا جائز ہے اس میں اضافہ کرنا صحیح نہیں، البتہ اگر کوئی مدت متعین نہیں کی صرف ماہواری کرایہ متعین ہے تو اس صورت میں ہر ماہ چونکہ حکماً نیا اجارہ ہوتا ہے لہذا اگر مہنگائی کی وجہ سے مہینہ کے شروع میں کرایہ میں مناسب اضافہ کرنا چاہے تو کرسکتا ہے (ہدایہ اخیرین ص۲۸۶ والی عبارت سے یہ مسئلہ مستنبط ہے) فقط واللہ اعلم بالصواب.

كتاب المزارعة

بٹائی پر زمین دینے کا جواز اور اس کے شرائط:

(سوال ۳۴۹) زید نے عمر کو اپنی زمین اس شرط پر دی کہ زمین زید کی اور عمر بیج پانی وغیرہ لگائے گا اور محنت بھی کرے گا، اور جب فصل تیار ہو جائے تو تقسیم سے پہلے عمر نے جتنا خرچ کیا ہے وہ وصول کر لے گا اور اس کے بعد جو غلہ بچے گا وہ آپس میں برابر تقسیم کریں گے، یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ یا جو شکل جواز کی ہو بتائیں، اور جو کوئی بھی شرط ہو تفصیل سے تحریر فرمائیں، بینوا توجروا۔ (اکل کوا، مہاراشٹر)

(الجواب) جتنی بھی پیداوار ہو اس میں عمر اور زید دونوں شریک رہیں گے، عمر کے لئے یہ شرط لگانا کہ فصل تیار ہونے پر وہ اپنا لگایا ہوا بیج وغیرہ کا خرچ پہلے وصول کر لے گا اور پھر بقیہ پیداوار برابر تقسیم ہوگی، یہ صورت جائز نہیں ممکن ہے کہ اتنی ہی پیداوار ہو جو عمر کے لئے شرط لگائی گئی ہے۔ ہدایہ اخیرین میں ہے۔ **وكذا (اى لا تصح المزارعة) اذا شرط ان يرفع صاحب البذر بذره ويكون الباقي بينهما بنصفين لانه يودى الىٰ قطع الشركة فى بعض معين اوفى جميعه بان لم يخرج الاقدر الذر (هدايه اخيرين ص ۴۱۰، كتاب المزارعة)**

مزارعت (بٹائی پر زمین دینا) کے صحیح ہونے کی آٹھ شرطیں ہیں، پہلی شرط۔ زمین کا قابل کاشت ہونا، زمین دار بنجر زمین دے کر یہ کہے کہ تم اسے قابل کاشت بناؤ اور پھر اس میں کھیتی کرو جو پیداوار ہوگی بانٹ لیں گے تو یہ صحیح نہیں، **ثم المزارعة لصحتها على قول من يجيزها شروط. احدها كون الارض صالحة للزراعة لانه لا يحصل دونه (هدايه اخيرين ص ۴۰۹ ج ۴) (ويشترط فيها) اى فى المزارعة عند من يجوزها (صلاحية الارض للزرع) لان المقصود وهو الربح لا يحصل بدون كونها صالحة للزراعة (مجمع الانهر ج ۲ ص ۴۹۹ كتاب المزارعة)**

دوسری شرط:۔ دونوں کا اہل عقد میں سے ہونا، یعنی عاقل ہونا۔ **والثانى ان يكون رب الارض والمزارع من اهل العقد وهو لا يختص به لان عقد اما لا يصح الا من الا هل (هدايه اخيرين ص ۴۰۹ ايضاً) (مجمع الانهر ص ۴۹۹ ج ۲ كتاب المزارعة)**

تیسری شرط:۔ زمین دیئے جانے کی مدت کا متعین ہونا کہ اتنے مہینے یا اتنے سالوں کے لئے دی جائیں گی **والثالث بيان المدة لانه عقد على منافع الارض او منافع العامل والمدة هى المعيار لها لتعلم (المنافع) بها (اى بالمدة) (هدايه اخيرين ص ۴۰۹) ويشترط تعيين المدة) لتصير المنافع معلومة كسنة او اكثر فان ذكر وقت لايتمكن فيه من الزراعة فهى فاسدة (مجمع الا نهر ص ۴۹۹ ج ۲ ايضاً)**

چوتھی شرط:۔ بیل بیج کون دے گا یہ متعین ہونا چاہئے اور اس کی مختلف صورتیں ہیں بعض جائز بعض ناجائز مثلاً (۱) زمین اور بیج ایک آدمی کا ہو اور بیل اور محنت دوسرے آدمی کی ہو، یہ صورت جائز ہے: **وهى عندهما على اربعة اوجه، ان كانت الارض والبذر لو احد والبقر والعمل لو احد جازت المزارعة (هدايه**

آخرین کتاب المزارعۃ

(۲) زمین ایک شخص کی ہو اور تمام چیزیں یعنی ہل بیل بیج اور محنت دوسرے آدمی کی ہو یہ صورت بھی جائز ہے۔وان کانت الارض لواحد والعمل والبقر والبذر لو احد جازت (ھدایہ اخیرین)

(۳) زمین ہل بیل اور بیج سب ایک کی ہو اور محنت دوسرے کی ہو یہ صورت بھی جائز ہے اور یہ بمنزلہ اس کے ہے کہ دوسرے شخص کو اپنے یہاں ملازم رکھا وان کانت الارض والبذر والبقر لواحد والعمل من الاخر جازت لانہ استاجرہ للعمل بآلۃ المستاجر فصار کما استاجر خیاطاً لیخیط ثوبہ بابرتہ اوطیانا لیطین بمرۃ (ھدایہ اخیرین) مجمع الانہر میں ہے (واذا کان البذر والارض لا حد ھما والعمل والبقر للاخر . او الارض لاحد ھما والبقیۃ للاخر، اوالعمل لاحد ھما والبقیۃ للاخر صحت) فی ھذہ الصور الثلاثۃ (مجمع الانھر ص ۵۰۱ ج ۲ کتاب المزارعۃ)

(۴) زمین، بیل ایک کا ہو، بیج اور محنت دوسرے کی ہو، ظاہری روایت کے مطابق یہ صورت ناجائز ہے۔ وان کانت الارض والبقر لواحد والبذر والعمل لا خر فھی باطلۃ ھذا الذی ذکرہ ظاھر الروایۃ (ھدایہ اخیرین)(وان کانت الارض و لاالبقر لاحدھما والبذر والعمل للاخر بطلت) (مجمع الانھر ص ۵۰۱ ج ۲ ایضاً)

(۵) بیج ایک آدمی کا ہو، زمین، بیل اور محنت دوسری کی ہو، یہ صورت بھی ناجائز ہے۔

(۶) بیج اور بیل ایک کا ہو محنت اور زمین دوسرے کی ہو یہ صورت بھی باطل اور ناجائز ہے وھھنا وجھان اخران لم یذکرھما، احدھما ان یکون البذر لا حد ھما والارض والبقر والعمل لآخر وانہ لا یجوز لانہ یتم شرکۃ بین البذر والعمل ولم یردبہ الشرع، والثانی ان یجمع بین البذر والبقر (بان یکون البذروالبقر لا حد ھما والباقی للاخر) وانہ لا یجوز ایضاً(ھدایہ اخیرین ص ۴۱۰ ایضاً)(وکذا) تبطل (لو کان البذر والبقر لاحدھما والارض والعمل للاخر اوا لبذر)او البقر (لا حدھما والباقی للاخر)(مجمع الانھر ص ۵۰۱ ج ۲ ایضاً)

صحت مزارعت کی پانچویں شرط: جس کا بیج نہ ہو اس کا حصہ متعین کردیا جائے والخامس بیان نصیب من لا بذر من قبلہ لانہ یستحقہ عوضا بالشرط فلا بد ان یکون معلوماً وما لا یعلم لا یستحق شرطاً(ھدایہ اخیرین ص ۴۰۹ ایضا)

چھٹی شرط: زمین کاشتکار کے حوالہ کردی جائے، خود ساتھ رہ کر کام کرنے کی شرط نہ لگائے۔ والسادس ان یخلی رب الارض بینھما (الارض)وبین العامل حتی لو شرط عمل رب الا رض یفسد العقد لفوات التخلیۃ (ھدایہ اخیرین ص ۴۰۹) (و) یشترط(التخلیۃ بین الارض والعامل) لانہ بذلک یتمکن من العمل فصار نظیر المضاربۃ لا تصح حتی یسلم المال الیہ حتی اذا شرط فی العقد مایفوت بہ التخلیۃ وھو عمل رب الارض مع العامل لا یصح (مجمع الانھر ص ۴۹۹ ایضا ج ۲)

ساتویں شرط: پیداوار کی تقسیم حصہ کی اعتبار سے طے ہو، وزن کے اعتبار سے طے نہ ہو، اس طرح کسی خاص

جلد کی پیداوار کسی ایک کے لئے متعین نہ ہو یعنی دونوں میں سے کوئی یہ متعین نہ کرے کہ اتنے من پیداوار میری ہوگی اور باقی جو کچھ بچے گا وہ تمہارا ہوگا بلکہ اس طرح طے کیا جائے کہ دونوں کو نصف نصف ملے گا، یا ایک کو ایک تہائی (۱/۳ اور دوسرے کو دو تہائی ۲/۳) **والسابع الشركة فى الخارج بعد حصوله لانه ينعقد شركة وفى الا نتهاء فما يقطع هذه الشركة كان مفسداً للعقد** (هدايه اخيرين ص ۴۰۹ کتاب المزارعۃ) نیز اسی میں ہے۔ **وان يكون الخارج شائعاً بينما تحقيقاً لمعنى الشركة فان شرطا لا حد هما قفزاناً مسماة فهى باطلة لان به تنقطع الشركة لان الارض عساها لا تخرج الآهذا القدر، وصار كاشتراط دراهم معدودة لاحدهما فى المضاربة**(هدايه اخيرين ص ۴۱۰ ايضاً)(**والشركة فى الخارج**)**عند حصوله (فتفسد ان شرط لا حد هما قفزان معينة او ما يخرج من موضع معين ...... لانه وقت لا يخرج الا ذلك** (مجمع الا نهر ص ۴۹۸،ص ۹۰۰ ج ۲ ايضاً)

آٹھویں شرط: جو چیز بونا ہو وہ متعین کردے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ زمین کا مالک کسی چیز کی کاشت کو اپنی زمین میں پسند نہ کرتا ہو اور پھر بعد میں اختلاف ہو، البتہ اگر مالک زمین مطلقاً اجازت دے دے کہ تم جو چاہو کاشت کرو تو پھر اس کو اختیار ہے کہ جو چیز چاہے بوئے۔ **والثامن بيان جنس البذر ليصير الاجر معلوماً** (هدايه اخيرين ص ۴۰۹)(عين الهدايه ص ۱۰۹ ج ۴) مندرجہ بالا شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے مزارعۃ کا معاملہ کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب الھبة

زندگی میں مال کی تقسیم عطیہ ہے نہ کہ میراث:

(سوال ۳۵۰) میری اولاد میں ایک لڑکا اور چار لڑکیاں ہیں۔ زندگی میں مال تقسیم کرنا ہے۔ شرعاً کس قدر دوں؟ اگر بعد وفات تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کو کس قدر دیا جائے گا؟

(الجواب) وفات کے وقت مذکورہ ورثاء حیات ہوں تو مال کے چھ حصے ہوں گے۔ دو حصے لڑکے کو۔ اور ہر ایک لڑکی کو ایک ہی حصہ ملے گا۔ اگر زندگی ہی میں مال تقسیم کرنے کا ارادہ ہو تو مال کے پانچ حصے کئے جاویں اور لڑکے اور لڑکی کو ایک ایک حصہ برابر دے کر مالک و مختار بنا دیا جائے اور قبضہ کرا دیا جائے۔ (حوالہ آگے آ رہا ہے۔ از مرتب)

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باپ اپنی حیات میں بیٹے، بیٹی کو جائیداد ہبہ کرے مگر قبضہ خود کا رکھے تو یہ صحیح ہے؟:

(سوال ۳۵۱) علمائے دین کیا فرماتے ہیں۔ اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کچھ جائیداد، مکان وغیرہ اپنے ورثاء میں اپنے ایک بیٹے اور ایک بیٹی کو (دونوں بالغ ہیں) باقاعدہ دستاویز کے ساتھ ہبہ کر دیا ہے۔ لیکن مرتے دم تک قبضہ و تصرف اسی کا رہا ہے۔ مرنے کے بعد دونوں بیٹا، بیٹی جائیداد کی آمدنی اور پیداوار لیتے رہیں۔ مگر دوسرے ورثاء جو افریقہ میں ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ ہبہ صحیح نہیں ہے۔ اور اس میں ہمارا حق ہے۔ لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ ہبہ صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) ہبہ تام اور صحیح ہونے کے لئے قبضہ کامل شرط ہے۔ ''درمختار'' میں ہے'' وشرائط صحتها فى الموهوب ان يكون مقبوضاً غير مشاع مميزاً غير مشغول (الى) وتتم الهبة." (ص ۷۰۰. ۷۰۲ ج. ۴ كتاب الهبة)

لھذا جب کہ مرحوم تاحین وفات جائیداد پر خود ہی قابض و متصرف رہا ہے۔ اور اس کی زندگی میں لڑکا اور لڑکی کا مالکانہ قبضہ اور تصرف ثابت نہیں ہے۔ تو یہ ہبہ معتبر نہیں ہے۔ جملہ ورثاء وارث ہیں وہ اپنے حصے لے سکتے ہیں۔ ''فتاویٰ مہدویہ'' میں ہے۔" اذا مات الواهب قبل قبض الموهوب له الهبة بطلت . وتكون ميراثا من الواهب كما فى متروكاته" (ص ۵۷۳ ج. ۴)

آپ کے پاس کتاب بہشتی زیور ہوگی۔ اس کے کتاب الہبہ میں یہ عبارت ملاحظہ کیجئے۔'' اس کی کئی شرطیں ہیں (۱) ایک اس کے حوالے کر دینا اور اس کا قبضہ کر لینا۔ اگر تم نے کہا کہ یہ چیزیں میں نے تم کو دے دی۔ اس نے کہا ہم نے لے لی۔ لیکن ابھی تم نے اس کے حوالے نہیں کیا تو یہ دینا صحیح نہیں ہوا۔ ابھی وہ چیزیں تمہاری ہی ملک میں ہیں۔ البتہ اگر اس چیز پر قبضہ کر لیا تو اب قبضہ کرنے کے بعد اس کی ملک بنی، اسی طرح اگر کسی نے ایک مکان دیا تو اپنا سارا مال و اسباب نکال کر کے خود بھی اس گھر سے نکل کے دینا چاہئے۔'' (ص ۵۱۔۵۲ ج ۵) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زندگی میں مال کی تقسیم عطیہ ہے نہ کہ میراث:

(سوال ۳۵۲) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اپنی زندگی اور تندرستی کی حالت میں اپنی جائیداد وغیرہ اپنے ورثہ میں شرعی طور پر تقسیم کر کے ان کو مالک بنانا چاہتی ہے اور اس کام سے زندگی ہی میں سبکدوش ہونا چاہتی ہے، ورثہ میں شوہر، چار لڑکے، اور چار لڑکیاں ہیں صورت مسئولہ میں جائیداد وغیرہ کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ ہر وارث کو کتنا کتنا حصہ ملے گا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) میراث کی تقسیم کا مسئلہ بعد انتقال جاری ہوتا ہے زندگی میں مال کی تقسیم میراث کی تقسیم نہیں ہے بلکہ ہبہ ہے اور ہبہ (بخشش) کا قاعدہ یہ ہے کہ اولاد کو لڑکا ہو یا لڑکی از روئے حدیث وفقہ سب کو برابر دیا جائے قوله عليه الصلوة والسلام فاتقوا الله واعدلوا بين اولادكم (مشكوة شريف ص ۲۶۱ باب العطايا) اور خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے رجل له ابن وبنت اراد ان يهب لهما شيئاً فلا فضل ان يجعل للذكر مثل حظ الا نثيين عند محمد وعند ابى يوسف رحمه الله بينهما سواء هو المختار لو رود الآثار (خلاصة الفتاوىٰ ج ۴ ص ۴۰۰) درمختار میں ہے وفى الخانية لا بأس بتفضيل بعض الاولاد فى المحبة لانها عمل القلب وكذا فى العطايا ان لم يقصد به الاضرار وان قصده يسوى بينهم يعطى البنت كالابن عند الثانى وعليه الفتوىٰ (قوله وعليه الفتوىٰ) اى على قول ابى يوسف من ان التنصيف بين الذكر والانثىٰ افضل من التثليث الذى هو قول محمد (درمختار مع رد المحتار ج ۴ ص ۵۰۷ كتاب الهبه)

لہذا صورت مسئولہ میں شوہر کو اس کا ربع حصہ (چار آنہ) دے کر باقی مال کے آٹھ حصے ہوں گے اور ہر ایک کو ایک ایک حصہ دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (۱)۔

تاحیات ہبہ کرنے کا حکم:

(سوال ۳۵۳) شادی کے وقت بیوی کو مکان یا کھیت اس طرح ہبہ کردے کہ تاحیات میرا گھر تیرا یا میرے وارثوں کا اتفاق سے شوہر کا انتقال ہو گیا اور عورت اپنی پوری زندگی اس سے متمتع ہوتی رہی اگر عورت کا بھی انتقال ہو جائے تو اس مکان یا کھیت کا وارث کون ہوگا؟ شوہر کے ورثا یا عورت کے ورثا، بینوا توجروا۔

(الجواب) مکان یا زمین یا کھیت وغیرہ عمر بھر کے لئے زوجہ کو ہبہ کر دینا عمریٰ ہے اور یہ جائز ہے اور واپسی کی شرط باطل ہے لہذا تاحیات عورت متمتع ہوگی اور بعد میں اس کے ورثاء مستحق ہوں گے، زوج کے ورثاء واپس نہیں لے سکتے، درمختار میں ہے (جاز العمرىٰ) للمعمر له ولورثته بعده لبطلان الشرط (درمختار مع الشامى ج ۴ ص ۷۱۶ كتاب الهبه فصل فى مسائل متفرقة)

---

(۱) حضرت مفتی صاحب مدظلہ کا فتویٰ صحیح اور مدلل ہے لیکن احقر کے ناقص خیال میں صاحبین کی اقوال میں تطبیق کی ایک صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں موت کی تصور سے پہلے اولاد کو کوئی چیز ہبہ کرے تو اس صورت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول راجح ہے ان منشاء الحدیث هوهذا اور اگر قبیل موت اولاد کو ترکہ کے جھگڑوں سے بچانے کے لئے جائیداد وغیرہ ہبہ کرے تو اس صورت میں امام محمد رحمہ اللہ کا قول راجح ہے، چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے بھی شوہر کے معاملہ میں اصول ترکہ کا لحاظ فرمایا ہے۔ واللہ اعلم سعید احمد پالن پوری۔

غایۃ الاوطار میں ہے جاز العمری للمعرله ولو رثته بعده لبطلان الشرط ہبہ بطریق عمری جائز ہے اور موہوب (بخشش کی ہوئی چیز) اس کا مملوک ہے (الی قولہ) عمری بضم اول یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً اپنا گھر دوسرے کو دے کہ

وہ عمر بھر اس میں رہے پھر جب موہوب لہ مر جائے تو واہب یا اسکا وارث اس کو پھیر لے سو اس طرح کے دینے سے موہوب لہ اور اس کے ورثہ مالک ہو جاتے ہیں اور پھر لینے کی شرط باطل ہے (غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار ج۳ ص ۵۰۸ کتاب الہبہ باب الرجوع فی الہبۃ)

ملتقی الابحر میں ہے (والعمری جائزة) تكون (للمعمر حال حياته ولو رثته بعده) اى بعد مماته (وهي) العمرىٰ (ان يجعل دارىٰ) مثلاً (له) اى للمعمر (مدة عمره فاذا مات ردت اليه) اى الى الواهب هكذا فعلوا فى الجاهلية فابطل الشرع شرط الرد لما قررنا فتبقى لورثة الموهوب له. اور مجمع الانہر میں ہے (والعمرى جائزة للمعمر) بفتح الميم الثانية وهو الموهوب (حال حياته ولورثته بعده) اى بعد وفاته لقوله عليه الصلوة والسلام من اعمر عمرى فهو للمعمرله ولو رثته لان المفهوم منه بطلان الشرط لانه قال عليه الصلوة والسلام ولو رثته كما بيناه فى اول الكتاب (مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر ج ۲ ص ۳۶۶ كتاب الهبة) فقط والله اعلم بالصواب.

کسی لڑکے کو کم اور کسی کو زیادہ دیا اس کا حکم:

(سوال ۳۵۴) ایک شخص ہے اس نے شادی کی اس عورت سے ایک لڑکا ہوا پھر عورت کا انتقال ہو گیا اس کے بعد اس شخص نے مرحومہ کی بہن سے نکاح کیا اس سے سات لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، دوسری اہلیہ کا بھی انتقال ہو گیا ہے، پہلی بیوی سے جو لڑکا ہے وہ شادی شدہ ہے اور دوسری بیوی کے سات لڑکے ہیں ان میں سے دو کی شادی ہو چکی ہے اور تین لڑکیوں میں سے دو کی شادی ہو چکی ہے، تمام بھائی مشترکہ طور پر تجارت کرتے ہیں، اس شخص نے اپنے تمام لڑکوں کے رہن سہن کے لئے مکان بنوائے ہیں ان میں کوئی مکان کم قیمت کا ہے اور کوئی زائد قیمت کا، شریعت اس بارے میں کیا حکم دیتی ہے اس طرح کم و بیش قیمت کے مکان دینا صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جن بچوں کی شادی نہیں ہوئی ہے ان کو شادی کا خرچ دیا جائے اور جن بچوں کے مکانات کم قیمت کے ہیں ان کو اس کا بدلہ دے دیا جائے اور اگلی بیوی کے لڑکے کو اور دوسری بیوی سے جو لڑکے لڑکیاں ہیں سب کو اپنی ملک میں سے برابر سرابر دیا جائے زندگی کی تقسیم بخشش ہے اور بخشش میں سب اولاد برابر کی مستحق ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باپ کی زندگی میں بعض بچے اپنے حق کا مطالبہ کر سکتے ہیں یا نہیں:

(سوال ۳۵۵) میرے سات لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں جن میں سے تین لڑکے اور دو لڑکیوں کی شادی ہو چکی ہے اور ان کی شادی کا خرچ میں نے اٹھایا ہے چار لڑکے اور دو لڑکیوں کی شادی باقی ہے، شادی شدہ لڑکوں میں سے دو لڑکے یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم کو ہمارا حق دے دو ہم الگ ہونا چاہتے ہیں تو کیا مجھے ان دونوں کا حق ادا کر دینا چاہئے؟ اگر ادا کرنا

ضروری ہے تو کس طرح ادا کروں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جن چار لڑکے اور دو لڑکیوں کی شادی کرنا باقی ہے اگلے بچوں کی شادی کے وقت جتنا خرچ ہوا تھا ان کو اس قدر بطور بخشش دے کر مالک ومختار بنادیا جائے تاکہ وہ اپنی شادی کی وقت اس کو استعمال کریں، اس کے بعد جو باقی بچے اس کے آپ مالک ہیں جن بچوں کو الگ ہونا ہو وہ الگ ہو سکتے ہیں ان کو آپ سے زبردستی مطالبہ کا حق نہیں ہے اگر آپ ان کو کچھ دیتے ہیں تو سب کو برابر سرابر دیں۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باپ اپنا حصہ اگر صرف ایک بیٹے کو دے دے تو کیا حکم ہے :

(سوال ۳۵۶) ایک ہسپتال ہے جس میں باپ اور اس کا ایک بیٹا شریک ہیں، ہسپتال میں جو کچھ خرچہ ہوا ہے وہ لڑکے نے کیا ہے، لڑکا ڈاکٹر ہے اور وہی ہسپتال چلاتا ہے، دس بارہ سال سے لڑکا ہی اپنے والدین اور اپنی دو بہنوں کا خرچہ اٹھا رہا ہے باپ اپنا حصہ اپنی مرضی سے اپنے اس لڑکے کو بطور بخشش دے دینا چاہتا ہے جب کہ اس کے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں اور ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ باپ اپنی دوسری اولاد کو چھوڑ کر صرف ایک لڑکے کو اپنا حصہ دے دے تو یہ فعل جائز ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) باپ اگر اپنا حصہ صرف اپنے اس ایک لڑکے کو جو ڈاکٹر ہے دے گا تو دوسرے پانچ لڑکوں اور دو لڑکیوں اور بیوی کو نقصان پہنچے گا، ان کی حق تلفی ہوگی اس بنا پر وہ گنہگار ہوگا، اپنی تمام اولاد کو ایک نظر سے دیکھنا چاہئے اور سب کے ساتھ یکساں معاملہ کرنا چاہئے اور اپنی بیوی کی حق کا بھی خیال رکھے۔ایک صحیح حدیث شریف کا مضمون ہے کہ بعض لوگ تمام عمر اطاعت خداوندی میں مشغول رہتے ہیں لیکن موت کے وقت میراث میں وارثوں کو ضرر پہنچاتے ہیں (یعنی بلاوجہ شرعی کسی حصے سے محروم کردیتے ہیں یا حصہ کم کر دیتے ہیں) ایسے شخصوں کو اللہ تعالیٰ سیدھا دوزخ میں پہنچا دیتا ہے ۔ عن ابی هريرة رضی الله عنه عن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال ان الرجل ليعمل والمرأة بطاعة الله ستين سنة ثم يحضرهما الموت فيضار ان في الوصية فتجب لهما النار (مفيد الوارثين ص ۱۳) مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۵ باب الوصایا) دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے وارث کو میراث سے محروم کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت سے محروم فرمادیں گے ۔عن انس قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيمة (مفيد الوارثين ص ۸۲) (مشکوۃ شریف ص ۲۶۶ ایضا) فقط والله اعلم بالصواب .

اولاد میں ایک بچی غریب گھر میں ہے تو صرف اس کی مدد کرنا کیسا ہے :

(سوال ۳۵۷) زندگی میں جو چیز بچوں کو دی وہ ہبہ ہے اور ہبہ میں برابر کرنا چاہئے ایک شخص نے اپنی ایک لڑکی غریب گھرانہ میں دی اس کے نام چھوٹا سا مکان کردیں یا مدد کے طور پر کوئی رقم اسے دیتے رہیں تو کیا اولاد میں ناانصافی اور دوسروں کا حق مارا جانا تو نہیں ہوگا؟ دوسرے بچے بچیاں ماشاء اللہ خوش حال ہیں ۔بینوا توجروا۔

(الجواب) الاعمال بالنیات جب کہ واقعی اس کی نیت دوسرے ورثاء کا حق مارنے اور کم دینے کی نہیں ہے غریب بچی کی مدد کرنا مقصود ہے اور وہ محتاج ہے تو انشاء اللہ گنہگار نہ ہوگا، اور دوسرے ورثاء مانع نہ ہوں گے ۔ فقط واللہ اعلم

بالصواب۔

بچوں کا مال ماں باپ کسی کو نہیں دے سکتے:

(سوال ۳۵۸) ہمارے یہاں (یعنی انگلینڈ، برطانیہ) میں حکومت کی طرف سے چھوٹے بچوں کو وظیفہ دیا جاتا ہے، اور حکومت کا مقصد ہی بچوں کو دینا ہوتا ہے۔ بچہ کا باپ اس پر قبضہ کرتا ہے اور موقع بموقع ان پر خرچ کرتا ہے، بچہ کی والدہ اس جمع شدہ رقم سے اپنے کسی عزیز کو امداد کے طور پر دینا چاہتی ہے، بچہ کا باپ اس پر راضی نہیں ہے تو وہ دے سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب حکومت کا مقصد بچوں ہی کو مال دینا ہو تو وہ مال بچوں کا ہے اور ماں باپ کے پاس امانت ہے وہ مال بچوں ہی کے کام میں استعمال کرنا چاہئے کسی کو دینا جائز نہیں ہے، بچوں کے مال میں ایسا تصرف کرنا جس میں بچوں کا نقصان ہو جائز نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ کسی کو ان کا مال دے دینے میں بچوں کا نقصان ہے لہذا اماں کو شرعاً یہ حق حاصل نہ ہوگا۔ **ولا یجوز ان یھب شیئاً من مال طفله ولو بعوض (درمختار مع رد المحتار ج۴ ص ۷۰۷، کتاب الھبة، قبیل باب الرجوع فی الھبة)**

بہشتی زیور آپ کے پاس ہوگی اس میں یہ مسئلہ درج ہے، ملاحظہ فرمالیں۔

مسئلہ ۳:۔ جو چیز نابالغ کی ملک ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اسی بچہ ہی کے کام میں لگانا چاہئے کسی کو اپنے کام میں لانا جائز نہیں خود ماں باپ بھی اپنے کام میں نہ لاویں نہ کسی اور بچہ کے کام میں لاویں (بہشتی زیور ص۵۴ ج۵)

مسئلہ ۷:۔ جس طرح خود بچہ اپنی چیز کسی کو دے نہیں سکتا اسی طرح باپ کو بھی نابالغ اولاد کی چیز دینے کا اختیار نہیں اگر ماں باپ اس کی چیز کسی کو بالکل دے دیں یا ذرا دیر یا کچھ دن کے لئے اور مانگی دیویں تو اس کا لینا درست نہیں، البتہ اگر ماں باپ کو نہوت کی وجہ سے نہایت ضرورت ہے وہ چیز کہیں اور سے ان کو نہ مل سکے تو مجبوری اور لاچاری کے وقت اپنی اولاد کی چیز لے لینا درست ہے۔ (بہشتی زیور)

مسئلہ:۔ ماں باپ وغیرہ کو بچہ کا مال کسی کو قرض دینا بھی صحیح نہیں بلکہ خود قرض لینا بھی صحیح نہیں خوب یاد رکھو (بہشتی زیور ص۵۵ پانچواں حصہ، بچوں کو دینے کا بیان) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مصلحتاً بیٹے کے نام پر مکان خریدنے سے بیٹا اس مکان کا مالک شمار ہوگا یا نہیں:

(سوال ۳۵۹) عبدالقادر نے اپنے پیسوں سے ایک مکان خریدا اور سرکاری قانون سے بچنے کے لئے اس مکان کا دستاویز اپنے ایک بیٹے عبدالرزاق کے نام کا بنوایا، نہ بخشش کرنا مقصود تھا اور نہ خریدنے کے بعد وہ مکان عبدالرزاق کو حوالہ کیا زندگی بھر عبدالقادر ہی اس مکان پر قابض رہے اور وہی اس کا انتظام کرتے رہے اور اس کی آمدنی وہی استعمال کرتے رہے، عبدالقادر کا انتقال ہو گیا وفات کے بعد ان کا بیٹا عبدالرزاق اس مکان پر قابض ہو گیا اور خود کو اس کا مالک بتاتا ہے اور دیگر ورثاء کو اس میں سے حصہ دینے کے لئے صاف انکار کرتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ یہ مکان میرا ہے، کیا عبدالرزاق کی بات صحیح ہے؟ کسی مصلحت سے باپ اپنے کسی بیٹے کے نام سے جائیداد خریدے تو بیٹا تنہا اس کا مالک بن سکتا ہے؟ یا وہ باپ ہی کی ملک ہو کر تمام وارثوں میں تقسیم ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب)والد اگر کسی مصلحت سے اپنے کسی بیٹے کے نام سے مکان خرید ے تو وہ بیٹا محض اس کے نام پر خریدنے کی وجہ سے شرعی طور پر اس مکان کا مالک شمار نہ ہوگا۔

امداد الفتاویٰ میں ہے۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین رحمہم اللہ اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے اگر اپنے بیٹے عمرو کے نام کسی مصلحت سے بعوض اپنے مال کے کوئی معاش خرید کی جیسا کہ فی زماننا اکثر رائج اور عرف میں بنام اسم فرضی مشہور ہے تو آیا وہ معاش زید کی ملک ہوگی یا عمرو کی اور زید کو اس میں اختیار نقل و تصرف مثل بیع و ہبہ وغیرہ کا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) رکن بیع کا ایجاب و قبول ہے جن کے درمیان ایجاب و قبول ہوا مبیع اسی کی ملک ہوگی، پس زید نے اگر چہ بمصلحت اپنے بیٹے کے نام سے معاش خرید کی زید ہی کی ملک ہوگی نظیر اس کی بیع تلجیہ ہے کہ دو شخص کسی وجہ سے بیع ظاہر کریں اور مقصود بیع نہ ہو، سو وہ مفید ملک نہیں ہوتی تو جس کے ساتھ ایجاب و قبول تک نہ ہوا اور نہ اس کے ہاتھ بیچنے کا قصد ہے نہ اس کے لئے مشتری کا خریدنے کا قصد ہے اس کی ملک کیونکر ہو سکتی ہے؟ **فی الدر المختار وبیع التلجیة وهو ان یظهر اعقداً وهما لا یرید انه..... لخوف عدو وهو لیس ببیع فی الحقیقة بل کالهزل** ..... پس مشتری ہی کی ملک ہوگی اور اس کو تصرفات مالکانہ جائز ہوں گے تاوقتیکہ کوئی سبب صحیح موجب انتقال ملک جس سے عمر کی ملک ہو جائے نہ پایا جاوے.....الخ (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۷، کتاب البیوع ،مطبوعہ پاکستان)

لہذا صورت مسئولہ میں اگر عبدالرزاق انتقال ملک کا کوئی صحیح سبب شرعی ثبوت کے ساتھ پیش نہ کر سکے تو محض اس کے نام پر مکان خریدنے کی وجہ سے عبدالرزاق تنہا اس مکان کا مالک نہیں بن سکتا، یہ مکان مرحوم عبدالقادر ہی کا ہوگا اور ان کے ترکہ میں شامل ہو کر تمام ورثاء میں شریعت کے مطابق تقسیم ہوگا۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

والدہ نے بڑے بیٹے کو کھلی زمین دی تو کیا حکم ہے :

(سوال ۳۶۰)ایک خاتون اپنے سات بیٹوں کے ساتھ ایک مکان میں رہتی تھیں بیٹے جیسے جیسے بڑے ہوتے گئے مکان میں تنگی ہونے لگی، شادی کے بعد اور بھی تنگی ہوگئی تو والدہ نے تنگی کی وجہ سے اپنے بڑے بیٹے کو اپنی ذاتی ایک کھلی زمین دی، بڑے بیٹے نے اس جگہ قابل رہائش مکان بنایا اور وہیں سکونت اختیار کرلی، والدہ کا ابھی ابھی انتقال ہو گیا ہے تو والدہ نے اپنے بڑے بیٹے کو جو زمین دی تھی اس میں دوسرے وارثوں کا حق لگے گا یا نہیں؟ نیز والدہ کا اپنا جو ذاتی مکان ہے اس میں بڑے بیٹے کا وراثۃً حق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب)والدہ نے اپنے بڑے بیٹے کو کھلی زمین بطور ہبہ (بخشش)دی تھی یا عاریۃً یعنی صرف استعمال کے لئے دی تھی، سوال میں اس کی وضاحت نہیں ہے، اگر شرعی طریقہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ والدہ نے اپنے بڑے بیٹے کو کھلی زمین ہبہ (بخشش) کی طور پر دی تھی اور اس زمین پر بڑے بیٹے کا مکمل قبضہ بھی کرادیا تھا تو ہبہ تام ہوگا اور اس زمین کا مالک بڑا بیٹا ہوگا اور اس صورت میں دوسرے وارثوں کا اس میں حصہ نہ لگے گا، اگر زمین ہبہ (بخشش) کے طور پر دی ہو تو والدہ کے لئے مناسب یہ تھا کہ اپنی تمام اولاد میں برابری کا معاملہ کرتے ہوئے دیگر بچوں کو بھی اسی طرح زمین

بخشش کریں (فتاوی رحیمیہ ص ۱۴۵ ج ۶) (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں زندگی میں مال کی تقسیم عطیہ ہے نہ کہ یہ میراث الخ کے عنوان سے دیکھئے۔ ازمرتب) مگر اب تو والدہ کا انتقال ہوگیا ہے اس لئے دوسرے بیٹوں (وارثوں) کو چاہئے کہ والدہ نے جو کچھ کیا ہے اس پر راضی رہیں۔

اور اگر یہ بات ثابت ہو کہ والدہ نے کھلی زمین عاریۃً دی تھی، مالک بنا کر نہیں دی تھی تو اس صورت میں بڑا بیٹا تنہا مالک نہ ہوگا دیگر وارثوں کا بھی اس میں حق لگے گا۔

والدہ مرحوم کا جو پرانا ذاتی مکان ہے اس میں سب وارثوں کا حق ہے بڑا بیٹا بھی حق دار ہے، اگر زمین ہبہ (بخشش) کے طور پر دی ہو تب بھی وہ حق دار ہے اس بخشش کی وجہ سے بڑے بیٹے کا حق وارثت ختم نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قابل تقسیم مکان میں سے قبل از تقسیم اپنا حصہ ہبہ کرنا

(سوال ۳۶۱) واضح ہو کہ دو مکان ہیں ان دونوں مکانوں میں دو بھائی اور دو بہن ورثۃً حق دار ہیں، دونوں بہنوں نے دونوں مکانوں کا اپنا اپنا حصہ دونوں بھائیوں کو ہبہ کیا، ہبہ کے کچھ مدت کے بعد ایک مکان کو دونوں بھائیوں نے آدھا آدھا تقسیم کر کے ہر بھائی نے اپنے اپنے حصہ پر قبضہ کر لیا اور ہر ایک نے اپنی ضرورت کے مطابق اس میں کچھ تعمیری کام کیا ہے۔ دوسرا مکان بڑا ہے مگر اس میں باقاعدہ حصے تقسیم نہیں ہونے اور ابھی تک وہ مکان غیر منقسم ہے، ہبہ کئے ہوئے دس بارہ سال کا عرصہ گذر گیا ہے آج عرصہ دراز کے بعد دونوں بہنوں نے اپنا اپنا وہ حصہ جو ہم دونوں بھائیوں کو ہبہ کیا تھا میری لاعلمی میں صرف ایک بھائی کے نام کر دیا، اس سے مجھے بہت قلبی تکلیف پہنچی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں ہبہ کر کے واپس لینا کیسا ہے؟ ہبہ نام باقاعدہ رجسٹرڈ ہے امید ہے کہ مدلل جواب مرحمت فرمائیں گے، بینوا توجروا۔

(الجواب) جو چیز مشترک ہو اور قابل تقسیم ہو (یعنی تقسیم کے بعد قابل انتفاع رہتی ہو) اس میں کوئی حصہ دار اپنا حصہ کسی کو ہبہ کرنا چاہے تو وہ ہبہ اس وقت تام ہوتا ہے جب وہ مشترک چیز تقسیم کر کے اپنا حصہ الگ کر لے اور وہ حصہ موہوب لہ کے قبضہ میں دے دے اگر مشترک چیز کو تقسیم کئے بغیر کسی نے اپنا حصہ ہبہ کیا اور واہب کے انتقال تک وہ مشترک ہی رہا تو وہ ہبہ تام نہ ہوگا اور موہوب لہٗ اس حصہ کا مالک نہ ہوگا خواہ اپنے شریک ہی کو ہبہ کیا ہو وہ چیز واہب ہی کی ملک میں رہے گی، یہی ظاہر الروایۃ ہے۔

ہدایہ آخرین میں ہے۔ ولا یجوز فیما یقسم الا محوذۃ مقسومۃ وھبۃ المشاع فیما لا یقسم جائز .الیٰ قولہ . ولنا ان القبض منصوص علیہ فی الھبۃ فیشترط کما لہ والمشاع لا یقبلہ . الی . ولھذا امتنع جوازہ قبل القبض کیلا یلزمہ التسلیم ..... ولو وھب من شریکہ لا یجوز لان الحکم یدار علی نفس الشیوع قال ومن وھب شقصاً مشاعاً فالھبۃ فاسدۃ لما ذکرنا فان قسمہ وسلمہ جاز لان تمامہ بالقبض وعند القبض لا شیوع(ھدایہ اخیرین ص ۲۶۹ کتاب الھبۃ)

بہشتی زیور میں ہے: مسئلہ:۔ اگر کسی کو آدھی یا تہائی یا چوتھائی چیز دو، پوری چیز نہ دو تو اس کا حکم یہ ہے کہ

دیکھو وہ کس قسم کی چیز ہے آدھی بانٹ دینے کے بعد بھی کام کی رہے گی یا نہ رہے گی، اگر بانٹ دینے کے بعد اس کام کی نہ رہے جیسے چکی کہ اگر بیچوں بیچ سے توڑ کے دے دو تو پسنے کے کام کی نہ رہے گی، اور جیسے چوکی پلنگ، لوٹا، کٹورہ، پیالہ، صندوق، جانور وغیرہ ایسی چیزوں کو بغیر تقسیم کئے بھی آدھی تہائی جو کچھ دینا منظور ہو دینا جائز ہے اگر وہ قبضہ کرے تو جتنا حصہ تم نے دیا ہے اس کی مالک بن گئی اور وہ چیز ساجھے میں ہوگئی، اور اگر وہ چیز ایسی ہے کہ تقسیم کرنے کے بعد بھی کام کی رہے گی جیسے زمین، گھر، کپڑے کا تھان، جلانے کی لکڑی، اناج غلہ، دودھ، دہی وغیرہ تو بغیر تقسیم کئے ان کا دینا صحیح نہیں ہے، اگر تم نے کسی سے کہا: ہم نے اس برتن کا آدھا گھی تم کو دے دیا وہ کہے کہ ہم نے لے لیا تو یہ دینا صحیح نہیں ہوا بلکہ اگر وہ برتن پر قبضہ بھی کر لے تب بھی اس کی مالک نہیں ہوئی ابھی سارا گھی تمہارا ہی ہے ہاں اس کے بعد اگر اس میں کا آدھا گھی الگ کر کے اس کے حوالہ کر دو تو اب البتہ اس کی مالک ہو جائے گی، (بہشتی زیور ص ۵۲، ۵۳ پانچواں حصہ، ہبہ کا بیان)

صورت مسئولہ میں دونوں بہنوں کا دونوں مکانوں میں جو حصہ تھا مکانوں کی تقسیم اور حصوں کی تعیین کے بغیر انہوں نے اپنا اپنا حصہ اپنے دونوں بھائیوں کو ہبہ کیا اور اس کے بعد ایک مکان کو دونوں بھائیوں نے آپس میں تقسیم کر کے اپنے اپنے حصہ پر قبضہ کر لیا اگر یہ تقسیم اور قبضہ بہنوں کی اجازت سے ہوا ہو تو اس مکان میں ہبہ تام ہو جائے گا اور دونوں بھائی اپنے اپنے حصے کے مالک شمار ہوں گے، بہنوں کا رجوع اس مکان میں صحیح نہ ہوگا۔

درمختار میں ہے (لا) تتم بالقبض (فيما يقسم ولو) وهبه (لشريكه) او لا جنبي لعدم تصور القبض الكامل كما في عامة الكتب فكان هو المذهب ...... (فان قسمه وسلمه صح) لزوال المانع ـ شامی میں ہے (قوله فان قسمه) اى الواهب بنفسه او نائبه او امر الموهوب له بان يقسم مع شريكه كل ذلک تتم به الهبة كما هو ظاهر لدن عنده ادنى فقه (درمختار و شامی ص ۷۰۳ ج ۴، كتاب الهبه) شامی میں ایک موقع پر تحریر فرمایا ہے۔ كما وقع الا ختلاف في هبة المشاع المحتمل للقسمة هل هي فاسدة او غير تامة والا صح كما في البناية انها غير تامة (شامی ص ۷۰۲ ج ۴ ايضاً، تحت قوله منع تمامها)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ هبة المشاع فيما يحتمل القسمة من رجلين او من جماعة صحيحة عند هما وفاسدة عند الامام وليست بباطلة حتى تفيد الملک بالقبض كذا في جواهر الا خلاطي . ذكر الصدر الشهيد اذا وهب من رجلين ما يحتمل القسمة حتى فسدت الهبة عنده ثم قبضها يثبت الملک ملكاً فاسداً قال وبه يفتى كذا في الفتاوىٰ العتابية، لا يثبت الملک للموهوب له الا با لقبض هو المختار هكذآ في الفصول العمادية (فتاوىٰ عالمگيريه ص ۲۳۰ ج ۵، كتاب الهبة)

درالمنتقی میں ہے:۔ (وتتم بالقبض ...... الكامل) ...... فان قبض في المجلس بالا ذن صح وبعده لا بد من الاذن) والحاصل انه اذا اذن بالقبض صريحاً صح قبضه في المجلس وبعده ولو نهاه لم يصح قبضه لا في المجلس ولا بعده' لان الصريح اقوىٰ من الدلالة، ولو لم يأذن ولم ينه صح

قبضه في المجلس لابعده' (درمختار المنتقى ، شرح الملتقىٰ على هامش مجمع الانهر ص ۳۵۳،ص ۳۵۴ ایضاً جلد دوم)(امداد الفتاوىٰ ص ۳۹۸ ج۳)(كفايت المفتى ص ۲۷۱ ج۸)

دوسرا مکان جو ابھی تک مشترک ہے حصوں کی تقسیم نہیں ہوئی اور تقسیم سے پہلے بہنوں نے ہبہ سے رجوع کر کے اپنا حصہ صرف ایک بھائی کو ہبہ کیا چونکہ اس مکان میں بوجہ شیوعی (تقسیم نہ ہونے کے سبب) ہبہ تام نہ ہوا تھا، لہذا وہ حصہ بھائی کی ملک میں داخل ہی نہ ہوا بہنوں ہی کی ملک میں تھا، لہذا اگر بہنیں ہبہ سے رجوع کر کے اپنا اپنا حصہ صرف ایک بھائی کو ہبہ کر دیں تو ان کو اس بات کا اختیار ہے وہ رجوع کر سکتی ہیں، البتہ اگر وہ اپنے وعدے پر قائم رہتیں اور ہبہ تام کے مطابق عمل کرتیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا، صلہ رحمی بھی ہوتی، لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ بہنوں کا صرف ایک بھائی کو اپنا اپنا حصہ ہبہ کرنا اسی وقت تام ہوگا جب کہ تمام وارثوں کے حصے تقسیم ہو جائیں اور پھر دونوں بہنیں اپنا اپنا حصہ جس بھائی کو دینا چاہیں دیں اور بھائی کا قبضہ بھی کرا دیں۔

فتاویٰ خیریہ میں ہے۔ لا تصح هبة المشاع الذى يحتمل القسمة كالدار والارض وكمالا تصح هبته من الا جنبى لا تصح من الشريك كما فى اغلب الكتب ولا عبرة بمن شذ بمخالفتهم ولا تفيد الملك فى ظاهر الرواية قال الزيلعى ولو سلمه شائعاً لا يملكه حتى لا ينفد تصرفه فيه فيكون مضموماً عليه وينفد فه تصرف الواهب ذكره الطحاوى وقاضى خان وروى ابن رستم مثله ، وذكر عصام انها تفيد الملك وبه اخذ بعض المشائخ انتهى ومع افادتها للملك عند هذا البعض اجمع الكل علىٰ ان للواهب استردادها ومن الموهوب له ولو كان ذارحم محرم من الواهب ... الخ (فتاوىٰ خيريه ص ۱۱۲ ج۲ كتاب الهبة)(شامى ص ۷۰۳،ص ۷۰۴ ج۴ تحت قوله ولو سلمه شائعاً) فقط والله اعلم بالصواب .

غیر منقسم مکان میں سے چچا نے اپنا حصہ بھتیجہ کو ہبہ کیا، اس کا حکم:

(سوال ۳۶۲) ہمارے مرحوم چچا کی شادی نہیں ہوئی تھی، ہمارے مرحوم دادا کا ایک بڑا مکان تھا ان کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں ہمارے مرحوم دادا کا مکان ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوا تھا، اس مشترکہ مکان میں ہمارے چچا کو جو حصہ تھا وہ حصہ انہوں نے مجھے ہبہ کر دیا تھا، ہمارے چچا کا انتقال ہو گیا ہے مکان ابھی تک وارثوں میں تقسیم نہیں ہوا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ مرحوم چچا نے اپنا حصہ بخشش کیا ہے یہ بخشش صحیح ہے یا نہیں، میں تنہا ان کے حصہ کا حق دار ہوں؟ یا ان کے سب وارثوں کا اس میں حق ہے؟ ان کے وارثوں میں تین بھتیجے چار بھتیجیاں اور بھانجے بھانجیاں ہیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں آپ کے مرحوم چچا نے غیر منقسم مکان میں سے اپنا حصہ آپ کو ہبہ کیا ہے وہ ہبہ صحیح نہیں ہے، آپ تنہا اس کے مالک نہیں ہیں۔

جو چیز مشترک ہو اور قابل تقسیم ہو اس میں کوئی حصہ دار اپنا حصہ کسی کو ہبہ (بخشش) کرے تو ہبہ اس وقت تام ہوتا ہے جب کہ وہ چیز تقسیم کر کے اپنا حصہ الگ کر لے اور پھر قبضہ کے ساتھ ہبہ کر دے۔ ہدایہ اخیرین میں ہے۔ ولا

یجوز فیما یقسم الا محوذة مقسومة .الی قوله. ومن وهب شقصاً مشاعاً فالهبة فاسدة لما ذکرنا فان قسمه' وسلمه' جاز لان تمامه بالقبض وعند القبض لا شیوع(ہدایہ اخیرین ص ۲۶۹ کتاب الھبة)(درمختار ورد المحتار ص ۷۰۳ ج۴، کتاب الھبة)(بہشتی زیور ص ۵۲،ص ۵۳ حصہ پنجم)

فتاویٰ ''خیریہ'' میں ہے: لا تصح هبة المشاع الذی یحتمل القسمة کالدار والارض . الی قوله . ولا تفید الملک فی ظاهرا لروایة قال الزیلعی ولو سلمه' شائعاً لا یملکه حتی لا ینفذ تصریفه فیه فیکون مضموناً علیه وینفذ فیه تصرف الواهب ، ذکره الطحاوی وقاضی خان (فتاویٰ خیریه ص ۱۱۲ ج ۲ کتب الهبة)

صورت مسئولہ میں آپ کے چچا کا انتقال ہوگیا ہے، اب اس کے تام ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے، لہذا اس کے تمام شرعی وارثوں میں تقسیم ہوگا ، وارثوں میں تین بھتیجے، چار بھتیجیاں ، بھانجے ، بھانجیاں ہیں ان کے حصہ کے تین سہام ہوکر ہر بھتیجہ کو ایک ایک حصہ ملیگا بھتیجیاں بھانجے بھانجیاں محروم ہیں ان کو کچھ نہیں ملے گا فقط واللہ اعلم بالصواب۔

والد نے ایک بیٹے کو مشین دوسرے کو رکشہ دلوایا ان دونوں کی آمدنی کا مالک کون ہوگا :

(سوال ۳۱۳) میرے والد نے مجھے کپڑے سینے کی ایک مشین دلوائی اور کہا کہ تم اس کے مالک ہو اب تم بانو اور تمہارا کام جانے ، مجھ سے جتنا ہوسکتا ہے کردیا، اب چاہے تم اس سے اپنا مستقبل بناؤ یا بگاڑو، اسی طرح میرے بھائی کو ایک رکشہ دلوادیا اور اس سے بھی اسی طرح کہا ہم دونوں اپنی اپنی چیز کے ذریعہ کام کرتے رہے اور ماہانہ خرچ ہم دونوں بھائی گھر میں دیتے تھے، بقیہ پیسے ہر ایک اپنے پاس رکھتا، اللہ نے میرے کام میں بہت برکت دی ،اس کی آمدنی سے میں نے اپنی شادی کا خرچ کیا اور اسی میں سے میں سعودیہ عربیہ گیا، اللہ کا شکر ہے کہ اللہ نے بہت برکت دی ہے، اس درمیان ہمارے والد صاحب کا انتقال ہوگیا، میں نے جو کچھ کمایا ہے اس میں میرے والد صاحب کے وارثوں یعنی میری والدہ اور میرے بھائی بہن کا حق لگے گا یا نہیں؟ یا وہ آمدنی صرف میری ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب)صورت مسئولہ میں آپ کے والد نے مشین آپ کو تملیکاً دے دی، اور اس کے قرائن بھی موجود ہیں، اسی طرح انہوں نے اپنے دوسرے بیٹے کو رکشہ دلوادیا اور اس کو بھی مالک بنادیا اور آپ دونوں بھائی اپنی اپنی آمدنی اپنے پاس رکھتے تھے صرف ماہانہ خرچ دیتے تھے تو اس صورت میں آپ نے اور آپ کے بھائی نے جو کچھ آمدنی حاصل کی اس کے آپ اور آپ کے بھائی مالک ہیں، آپ کی آمدنی میں دوسروں کا حق نہیں البتہ والدین کی خدمت اور وہ نادار ہوں تو ان کا نفقہ آپ دونوں پر لازم ہے ان کا پورا خیال رکھیں۔

فتاویٰ دار العلوم قدیم میں ہے۔

(سوال)ایک شخص نے اپنی ذاتی رقم سے اپنے لڑکوں کو تجارت کا سلسلہ شروع کرادیا اور چند سال کے بعد اس شخص نے وہ کل رقم واسطے ضروریات شادی ان ہی لڑکوں کے ان سے واپس لے کر ان کی شادی میں صرف کردی اور رقم کا منافع انہیں لڑکوں کے پاس واسطے قائم رکھنے تجارت کے چھوڑ دیا، وہ لڑکے آج تک اسی منافع کی رقم سے معقول

کاروبار کررہے ہیں اور اس وقت تجارت عمدہ پیمانہ پر ہے تو اس شخص کو اس تجارت میں کوئی حق پہنچتا ہے یا نہیں؟ اور وہ شخص تجارت میں عند اللہ شریک سمجھا جاوے گا یا نہیں؟ اور اگر وہ شخص تجارت میں سے کچھ طلب کرے تو اس کا یہ مطالبہ شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) والد نے جو مال اپنے لڑکوں کو دیا تھا اگر صراحۃً ان کی ملک کر دیا تھا، یا اس کے قرائن موجود تھے کہ بطور تملیک دیا ہے تب تو وہ مال ان لڑکوں کی ملک ہے اور اس کا سارا نفع بھی انہیں کی ملک ہے اصل رأس المال جو واپس لیا گیا ہے وہ بھی ان کا تبرع تھا باپ کو بحیثیت شرکت ان سے کسی قسم کا مطالبہ نہیں ہوسکتا، البتہ باعتبار اولاد ہونے کے ان کے ذمہ واجب ہے کہ اگر والدین محتاج ہوں تو ان کے خرچ کا تکفل کرے اور اس حیثیت سے والدین کو بھی بوقت حاجت جبر کرنے کا حق حاصل نہیں ... الی قولہ. والدلیل ماقلنا اولا ما فی الشامی من کتاب الھبۃ ص ۷۰۸ ج ۴، ولو دفع الیٰ ابنہ مالاً فتصرف فیہ الا بن یکون للابن اذا دلت دلالۃ علی التملیک الخ.

کتبہ (مولانا مفتی) محمد شفیع عفا اللہ عنہ.

الجواب صحیح: بندہ (مولانامحدث) اصغر حسین عفا اللہ عنہ (فتاویٰ دارالعلوم قدیم ص ۲۲۹، ص ۲۳۰ ج ۶،۵) فقط واللہ اعلم بالصواب.

تمام ورثاء متفق ہوکر پورا موروثی مکان ایک وارث کو ہبہ کردیں تو ہبہ صحیح ہوگا یا نہیں:

(سوال ۳۶۴) ہمارے مرحوم نانا کا ایک مکان ہے ان کے وارثوں میں صرف ان کی دو بیٹیاں ہیں، دونوں صاحب اولاد ہیں اور وہ سب ماشاء اللہ صاحب مال ہیں مرحوم کی دونوں بیٹیوں کا بھی انتقال ہوگیا اب ان کی اولاد ہمارے نانا کے مکان کے وارث ہیں، ان کے وارثوں نے یعنی میری خالہ زاد بھائی بہنوں اور میرے حقیقی بھائی بہنوں نے متفقہ طور پر اپنا اپنا وراثتی حق جو اس مکان میں ہے مجھے بخشش کردیا اور اس مکان پر میں نے قبضہ بھی کرلیا ہے، البتہ انہوں نے ہبہ میں یہ شرط لگائی ہے کہ تم یہ مکان نہ کسی کو بیچ سکتے ہو نہ کسی کو رہن کے طور پر دے سکتے ہو تو مذکورہ شرط کی وجہ سے یہ ہبہ صحیح ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں ہبہ صحیح ہے مکان پر آپ کا قبضہ بھی کرادیا ہے لہذا آپ شرعاً اس مکان کے مالک ہیں۔

ہدایہ اخیرین میں ہے: واذا وھب اثنان من واحد داراً جاز لانھما سلما ھا جملۃً وھو قد قبضھا جملۃً فلا شیوع (ھدایہ اخیرین ص ۲۷۲ کتاب الھبۃ)

آپ کے نانا کے وارثوں نے ہبہ میں یہ شرط لگائی ہے اس کی وجہ سے ہبہ فاسد نہ ہوگا، ہبہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔

ہدایہ اخیرین میں ہے: والھبۃ لا تبطل بالشروط الفاسدۃ وھذا ھو الحکم فی النکاح والخلع والصلح عن دم العمدۃ لانھا لا تبطل بالشروط الفاسدۃ بخلاف البیع والا جارۃ والرھن لانھا تبطل بھا (ھدایہ اخیرین ص ۲۷۵ کتاب الھبۃ)

نیز ہدایہ میں ہے: **الہبة و الصدقة و النکاح و الخلع و الصلح عن دم العمد لا تبطل باستثناء الحمل بل یبطل الاستثناء لان هذه العقود لا تبطل بالشروط الفاسدة (هدایه اخیرین ص ۴۴ باب البیع الفاسد) فقط و الله اعلم بالصواب .**

مشترک تجارت میں سے دس فیصد حصہ بیٹے کو ہبہ کرنے سے ہبہ صحیح ہوگا یا نہیں :

(سوال ۳۶۵) ایک مشترکہ کاروبار ہے اس میں محمد اقبال کا پچیس فیصد حصہ ہے، ۱۰ جولائی ۱۹۸۳ء کے روز محمد اقبال کا انتقال ہو گیا، مرحوم نے اپنی زندگی میں کاروبار کے اپنے پچیس فیصد حصہ میں دس فیصد حصہ تھا، مرحوم کے انتقال کے بعد پندرہ فیصد حصہ ان کی اہلیہ کے نام مصلحتاً کر دیا گیا، مرحوم کے وارثوں میں ان کی اہلیہ ایک بیٹا محمد عثمان اور چھ بیٹیاں ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ۔

(۱) مرحوم نے اپنے ۲۵٪ حصہ میں سے جو ۱۰٪ حصہ اپنے بیٹے محمد عثمان کو ہبہ کیا، اس میں مرحوم کے دوسرے وارثوں کا حق ہے یا نہیں؟ یا تنہا محمد عثمان اس ۱۰٪ حصہ کے حق دار ہیں؟

(۲) مرحوم کا ۱۵٪ حصہ ان کے انتقال کے بعد ان کی اہلیہ کے نام کیا گیا، اس میں مرحوم کے بیٹے محمد عثمان اور بیٹیوں کا حق ہے یا نہیں؟

مرحوم کا ترکہ ان کے وارثوں میں کس طرح تقسیم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) والد اگر اپنی زندگی میں اپنی کسی اولاد کو کوئی چیز ہبہ کریں اور اپنی دوسری اولاد کو کچھ نہ دیں تو یہ عمل نا مناسب ہے، حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے اولاد ہونے کے اعتبار سے سب برابر ہیں، لہذا اگر بخشش کرنا ہو تو اپنے بچوں کو بیٹے ہوں یا بیٹیاں سب کو برابر دیا جائے بلا وجہ شرعی کمی بیشی نہ کی جائے۔

حدیث میں ہے: **عن النعمان بن بشیر ان اباه اتی به الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال انی نحلت ابنی هذا غلاماً فقال اکل ولدک نحلت مثله قال لا قال فارجعه ...... وفی روایة ...... قال اعطیت سائر ولدک مثل هذا قال لا قال فاتقوا الله واعدلوا بین اولادکم قال فرجع فرد عطیته الخ (مشکوة شریف ص ۲۶۰، ص ۲۶۱ تحت باب العطایا)**

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ ان کے والد ان کو حضور ﷺ کی خدمت میں لائے اور عرض کیا میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام دیا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے اپنی ہر اولاد کو ایسا ہی دیا ہے؟ جواب دیا نہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس سے رجوع کر لو۔ اور ایک روایت میں ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم نے اپنے تمام بچوں کو اسی طرح دیا ہے؟ عرض کیا نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں برابری کرو۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت بشیرؓ واپس آئے اور جو بخشش کیا تھا وہ واپس لے لیا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بعض اولاد کو دینا اور بعض کو نہ دینا پسندیدہ نہیں ہے۔

التعلیق الصبیح شرح مشکوۃ المصابیح میں ہے: **قال النووی فیه استحباب التسویة بین الاولاد فی الهبة فلا یفضل بعضهم دون بعض ، فمذهب الشافعیؒ ومالکؒ وابی حنیفة رحمهم الله تعالیٰ انه**

مکروہ ولیس بحرام والھبۃ صحیحۃ .الی قولہ. وفی شرح السنۃ فی .حدیث استحباب السویۃ بین الاولاد فی النحل وفی غیرھا من انواع البر حتی فی القبلۃ ولو نحل خلاف ذلک نفذ وقد فضل ابوبکر عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھما با حد وعشرین وسقاً نحلھا ایاھا دون سائر اولادہ وفضل عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عاصماً فی عطائہ وفضل عبد الرحمن بن عوف ولدام کلثوم قال القاضی رحمہ اللہ تعالیٰ وقرر ذلک ولم ینکر علیھم فیکون اجماعاً(التعلیق الصبیح ص ۳۸۰ ج ۳)

صورت مسئولہ میں مرحوم محمد اقبال نے اپنے بیٹے محمد عثمان کو اپنے ۲۵٪ حصے میں سے ۱۰٪ حصہ ہبہ کیا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ حقیقۃً ہبہ کرنا تھا یا صرف ظاہراً، اگر انکم ٹیکس سے بچنے یا کسی اور مصلحت سے ہبہ کیا، حقیقت میں ہبہ کرنے کا ارادہ نہیں تھا اور تمام ورثہ اس پر متفق ہوں تو ایسی صورت میں ہبہ صحیح نہ ہوگا۔ اور اگر ہبہ اور بخشش ہی کے ارادہ سے دیا ہو تو یہ "ھبۃ مشاع فیما یقسم" ہے یعنی ایسی چیز کا ہبہ ہے جو مشترک اور قابل تقسیم ہے اور ہبہ مشاع فیما یقسم اس وقت تام اور مکمل ہوتا ہے جب اس کو تقسیم کر کے شئی موہوب کو علیحدہ کر لیا جائے اور موہوب لہٗ کے قبضہ میں دے دی جائے، اگر تقسیم کئے بغیر ہبہ کر دیا اور بعد میں بھی تقسیم کر کے قبضہ نہیں کرایا تو وہ ہبہ تام نہیں ہوگا او موہوب لہ اس چیز کا مالک نہیں بنے گا بلکہ واہب ہی اس کا مالک رہے گا، ہدایہ اخیرین میں ہے: **ولا یجوز فیما یقسم الا محوذۃ مقسومۃ...... قال ومن وھب شقصاً مشاعاً فالھبۃ فاسدۃ لما ذکرنا فان قسمہٗ وسلمہ جاز لان تمامہ بالقبض وعند القبض لا شیوع** (ھدایہ اخیرین ص ۲۶۹ کتاب الھبۃ) فتاویٰ خیریہ میں ہے: **لا تصح ھبۃ المشاع الذی یحتمل القسمۃ کالدار والارض ...... ولا تفید الملک فی ظاھر الروایۃ ، قال الزیلعی ولو سلمہ شائعاً لایملکہ حتی لا ینفذ تصرفہ فیہ فیکون مضمونا علیہ وینفذ تصرف الواھب ذکرہ الطحاوی وقاضی خان** (فتاویٰ خیریہ ج ۲ ص ۱۱۲ کتاب الھبۃ) (بھشتی زیور ص ۵۲، ۵۳ پانچواں حصہ، ہبہ کا بیان)(امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۹۸ مطبوعہ کراچی) (کفایت المفتی ج ۸ ص ۱۷۳ ، نیز ج ۸ ص ۱۷۴)(فتاویٰ محمودیہ ج ۵ ص ۳۳، ج ۵ ص ۴۳)

بنابریں صورت مسئولہ میں اگر مرحوم نے ہبہ ہی کے ارادہ ۲۵٪ حصہ میں سے ۱۰٪ حصہ اپنے بیٹے محمد عثمان کو ہبہ کیا اگر مندرجہ بالا طریقہ کے مطابق حصہ علیحدہ کر کے محمد عثمان کے قبضہ میں دے دیا ہو تو ہبہ صحیح ہوگا۔ اور اگر ۱۰٪ حصہ الگ کر کے اس پر محمد عثمان کا قبضہ نہیں کرایا صرف کاغذ یا اسٹیمپ پر لکھ دیا کہ میں اپنے ۲۵ حصہ میں سے ۱۰٪ حصہ اپنے بیٹے محمد عثمان کو بخشش (ہبہ) کرتا ہوں اور بعد میں بھی ۱۰٪ علیحدہ کر کے اس کے قبضہ میں نہیں دیا تو اس صورت میں ہبہ تام نہ ہوگا اور اس حصہ کے مالک مرحوم محمد اقبال ہی رہیں گے اور مرحوم کے تمام وارثوں کا اس میں حق ہوگا، البتہ اگر مرحوم کے تمام ورثہ بالغ اور موجود ہوں اور وہ اپنی مرضی سے ۱۰٪ حصہ محمد عثمان کو دینے کے لئے تیار ہوں تو دے سکتے ہیں

مرحوم محمد اقبال کے انتقال کے بعد ان کا جو حصہ ان کی اہلیہ کے نام کیا گیا ان کی اہلیہ تنہا اس حصہ کی مالک نہیں ہوں گی مرحوم محمد اقبال کے سب بیٹے بیٹیوں کا بھی اس میں حق ہے۔

حقوق متقدمہ علی الارث کی ادائیگی کے بعد مرحوم محمد اقبال کے ترکہ کے ۶۴ سہام ہونگے اس میں ان کی اہلیہ کو ۸ سہام ان کے بیٹے محمد عثمان کو ۱۴ سہام، اور چھ بیٹیوں میں سے ہر بیٹی کو ۷، ۷ سہام ملیں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

ہدیہ میں دی ہوئی چیز ہدیہ دینے والے کے پاس واپس آئے تو کیا کرے:

(سوال ۳۶۶) ایک شخص نے دوسرے کو تحفۃً کچھ رقم دی کچھ عرصہ کے بعد یہ شخص کسی مرض میں مبتلا ہو کر فوت ہو گیا، اب اس کے ورثاء میں بھی کوئی شخص نہیں اس لئے تحفے کی وہ رقم تحفہ دینے والے شخص کے پاس واپس آئی تو یہ شخص اس رقم کو خود اپنے حج بدل میں جانے والے کو اس حج بدل کے سلسلہ میں خرچ کرنے کے لئے دے سکتا ہے یا نہیں؟ فقط والسلام۔

(الجواب) جب کہ تحفہ کی رقم پر مرحوم کا قبضہ ہو گیا تھا تو وہ اس کی ملک میں داخل ہو گئی، اب اس کے بعد تجہیز و تکفین اور اداء دین و وصیت سے بچ جائے تو اس کے حق دار مرحوم کے ورثاء ہیں اگر ورثاء میں بھی کوئی نہ ہو تو اس کے ایصال ثواب کے لئے غرباء کو دے دی جائے، اگر تحفہ میں دی ہوئی چیز جائز طریقہ سے واپس آئے تو اسے کام میں لیا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب، ۲۰ محرم الحرام ۱۳۷۹ھ۔

چھوٹے موروثی مکان میں اپنا حصہ دوسرے ورثاء کو ہبہ کرنا:

(سوال ۳۶۷) خالد اور حامد دو بھائی ہیں، دونوں صاحب اولاد ہیں اور دونوں کی اولاد عاقل اور شادی شدہ ہیں، ان دونوں بھائیوں کو ایک چھوٹا سا مکان اپنے والد مرحوم سے ترکہ میں ملا تھا وہ دونوں اس مکان میں رہتے تھے بعد میں حامد الگ رہنے لگے، فی الحال خالد اور حامد دونوں کا انتقال ہو چکا ہے اس موروثی مکان میں اب دونوں بھائیوں کی اولاد کا حق ہے حامد کے تمام بچے پوری خوش دلی سے اس مکان کا اپنا وراثتی حصہ خالد کے تمام بچوں کو ہبہ (بخشش) کرنا چاہتے ہیں تو یہ بخشش صحیح ہوگی یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں جزاکم اللہ۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں حامد کے تمام ورثہ عاقل بالغ ہیں اور وہ سب اپنی مرضی اور خوش دلی سے نا قابل تقسیم موروثی مکان میں سے اپنا مجموعی حصہ اپنے چچا خالد کے سب بچوں کو مجموعی طور پر ہبہ کرنا چاہتے ہیں، تو مجموعی طور پر اپنا حصہ ہبہ (بخشش) کر سکتے ہیں، ہبہ کریں گے تو ہبہ صحیح شمار ہوگا، درمختار میں ہے۔ (**وهب اثنان داراً لو احد صح لعدم الشيوع (وبقلبه) لكبيرين (لا) عنده للشيوع فيما يحتمل القسمة . اما مالا يحتمل القسمة كالبيت فيصح اتفاقاً** (درمختار) شامی میں ہے: (**قوله داراً المراد بها مايقسم(قوله وبقلبه) وهو هبة واحد من اثنين (درمختار ورد المحتار ج ۴ ص ۷۰۷ كتاب الهبة)فقط والله اعلم بالصواب .**

بے اولاد آدمی کا اپنی زندگی میں مال تقسیم کرنا:

(سوال ۳۶۸) میں بے اولاد ہوں تین بھائی اور چار بہنیں اور میری بیوی اور والدہ ہیں، اپنی زندگی میں اپنا مال ان میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں تو کس طرح تقسیم کروں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) آپ اپنے لئے جتنا مال رکھنا چاہیں رکھ لیں بلکہ رکھ لینا بہتر ہے، اس کے بعد جتنا تقسیم کرنا ہو اس کا چوتھائی حصہ بیوی کو اور چھٹا حصہ والدہ کو اور اس کے بعد جتنا بچے اس کے سات حصے کر کے تین بھائی اور چار بہنوں میں سے ہر ایک کو برابر سرابر دے دیں، جس کو جو چیز دینا ہو قبضہ کرا کر مکمل طور پر مالک بنا دیں تو ہبہ تام ہوگا، قابل تقسیم چیز

ہوتو تقسیم کر کے ہر ایک کو اس کے حصہ پر قابض کرادیں۔

حدیث میں ہے: عن النعمان بن بشیر...... قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فاتقوا الله واعدلوا بین اولادکم...... الخ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل یعنی برابری کرو (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۱ باب العطایا) لہذا جس طرح اولاد کے درمیان مساوات کا حکم ہے تو اولاد نہ ہونے کی صورت میں بھائی بہن میں بھی مساوات کرنا چاہئے، للذکر مثل حظ الانثیین کا حکم ترکہ کا ہے ہبہ کا نہیں، لہذا بلا وجہ شرعی بھائی بہنوں کو ہبہ کرنے میں بھی کمی زیادتی نہ کی جائے ورنہ قابل اعتراض بھی ہوسکتا ہے، اور موجب دل شکنی بھی ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شوہر کا بیوی سے بخشش کی ہوئی چیزیں واپس لینا:

(سوال ۳۶۹) شوہر نے اپنی کچھ چیزیں بطور بخشش اپنی بیوی کو دے دی ہیں، اور اس کا قبضہ بھی کرادیا ہے، اب اگر یہ شوہر بخشش کردہ چیزیں واپس لینا چاہے تو لے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! بیوی کو ہبہ کی ہوئی چیزیں واپس نہیں لی جاسکتیں۔ وکذلک ما هب احد الزوجین للاخر لان المقصود فیها الصلة کما فی القرابة (هدایه ج نمبر ۳، ص ۲۷۴ باب ما یصح رجوعة وما لا یصح) فقط والله اعلم بالصواب.

مرحوم نے اپنی زندگی میں ایک زمین لڑکیوں کو دی تھی:

(سوال ۳۷۰) محمد نے اپنی زندگی کے دوران پونے چار بیگھ زمین اپنی چار لڑکیوں کو دی تھی تو کیا یہ زمین ترکہ میں شمار ہوگی؟

(الجواب) زمین بٹوارہ کے قابل شئی ہے، جو شئی بٹوارہ کے قابل ہو اس کے ہبہ کی درستگی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ واہب شئی موہوب کے حصہ کرے جس کو جتنا دینا ہے اتنا حصہ الگ کر کے مکمل قبضہ سمیت ہبہ کرے، یا ہبہ کرنے کے بعد خود واہب یا اس کی اجازت سے موہوب لھم میں سے ہر ایک اپنا حصہ الگ کر کے اس پر قابض ہو جاویں تو بھی ہبہ معتبر ہے)، اگر ہر ایک کا حصہ الگ نہیں کیا گیا اور واہب کی موت تک مشاع (مشترکہ غیر منقسم) رہا تو ہبہ درست نہیں اگر چہ حالت مشاع میں قبضہ بھی سپرد کر دیا ہو، اس قبضہ کا بھی اعتبار نہیں، ایسی شئی موہوب واہب کی (ملکیت) جائیداد سمجھی جائے گی اور ترکہ شمار ہوگی۔ درمختار میں ہے (لا) تتم بالقبض (فیما یقسم) ولو وهبه لشریکه) اولا جنبی لعدم تصور القبض الکامل کما فی عامة الکتب فکان هو المذهب...... (فان قسمه وسلمه' صح) لزوال المانع.

شامی میں ہے (قوله فان قسمه' وسلمه' صح) اما لواهب بنفسه او نائبه اوامر الموهوب له بان یقسم مع شریکه کل ذلک تتم به الهبة کما هو ظاهر لمن عنده ادنی فقه (درمختار و شامی ص ۷۰۳ ج ۴، کتاب الهبة)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: هبة المشاع فیما یحتمل القسمة من رجلین اومن جماعة

صحیحة عند هما و فا سدة عند الا مام و لیست با طلة حتی تفید الملک بالقبض کذا فی جو اهر الا خلا طی . ذکر الصدر الشهید اذا وهب من رجلین ما یحتمل القسمة حتی فسدت الهبة عنده ، ثم قبضها یثبت الملک ملکاًفاسداً . قال وبه یفتی کذا فی الفتاویٰ العتابیة لا یثبت الملک للموهوب له الا بالقبض هو المختار کذا فی الفصول الخما دیة۔

(فتاوی عالمگیریه ۵/ ۳۰۰، کتاب الهبة)(هدایه اخیرین ص ۲۶۹) (فتاویٰ خیریه ۲/ ۱۱۲)(امداد الفتاویٰ ۳/ ۳۹۸)بهشتی زیور ۵/ ۵۲، ۵۳)(امداد الفتاویٰ ۳/ ۳۹۷، کراچی)(فتاویٰ محمودیه ۵/ ۴۴۷) (کفایت المفتی ۸/ ۱۷۶)فقط والله اعلم بالصواب .

بیوی اور اولاد کے ہوتے ہوئے اپنا تمام مال بھتیجہ کو ہبہ کر دینا:

(سوال ۳۷۱) ایک مسلم شخص جس کی عمر تقریبا۸۵سال ہے،وہ زندگی میں اپنی تمام جائیداد اپنے بھتیجہ کو ہبہ کرنا چاہتا ہے حالانکہ اس کی بیوی تین لڑکے دولڑکیاں ہیں جس میں ایک لڑکی غیر شادی شدہ ہے۔اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بینواتوجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! ورثہ کو محروم کرنا سخت گناہ کا کام ہے اس سلسلہ میں احادیث شریفہ میں سخت وعیدیں آئی ہیں ،ایک حدیث میں ہے کہ بعض لوگ تمام عمر خدا کی فرمانبرداری میں گذارتے ہیں لیکن موت کے وقت وارثوں کو محروم کر جاتے ہیں ،ایسے لوگوں کو حق تعالیٰ دوزخ میں ڈال دے گا۔عن ابی هریرة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ان الرجل لیعمل والمرأة بطاعة الله ستین سنة ثم یحضرهما الموت فیضار ان فی الوصیة فتجب لهما النار (مشکوٰة شریف ص ۲۶۵ باب الوصایا) دوسری حدیث میں ہے: جوشخص اپنے وارث کو میراث سے محروم کردے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت سے محروم کردے گا۔ عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیمة (ایضاً ص ۲۶۶ ایضاً) لہٰذا ورثاء کو محروم کر کے ساری جائیداد بھتیجے کو بخش دینا موجب گناہ ہے ایسا ہرگز نہ کیا جائے ،اگر تعلق کی وجہ سے بھتیجہ کو دینا ہی ہو اور ضرورت شرعیہ پائی جاتی ہو تو زیادہ سے زیادہ ثلث مال (اپنے مال کا تہائی حصہ) دے کر مدد کرسکتا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ (۴/۱۱/۹۴ء)

کتاب الاضحیہ

قضاء قربانی کے ساتھ ادا قربانی درست ہے؟:

(سوال ۱) قربانی کے سات شرکاء میں سے ایک نے گذشتہ سال کی قربانی کی نیت کی تو سب شرکاء کی قربانی درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) درست ہو جائے گی۔ لیکن اس شریک کی جس نے قضا کی نیت کی ہے نفلی قربانی ہوگی قضاء ادا نہ ہوگی[1] قضا کے عوض ایک اوسط درجہ (درمیانی) بکرے کی قیمت خیرات کرنی ضروری ہے فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قربانی میں عقیقہ کا حصہ درست ہے؟:

(سوال ۲) بڑے جانور کی قربانی میں عقیقہ کا حصہ رکھ سکتے ہیں؟

(الجواب) ہاں! قربانی کے بڑے جانور میں عقیقہ کا حصہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں، جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

میت کی طرف سے قربانی کس طرح کرے؟:

(سوال ۳) میت کی طرف سے قربانی کرنی ہو تو ہر ایک میت کے لئے متفرق جدا جدا حصہ رکھنا ضروری ہے یا پھر ایک میں سب شریک ہو سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ہر ایک کے لئے جدا جدا حصہ رکھنا ضروری ہے۔ ایک حصہ ایک سے زائد میت کے لئے کافی نہیں ہے۔ البتہ اپنی طرف سے نفل قربانی کر کے اس کا ثواب ایک سے زیادہ مردوں و زندوں کو بخشنا درست ہے، جیسے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک قربانی کا ثواب پوری امت کو بخشا تھا۔ گنجائش ہو تو مردوں کے لئے ضرور قربانی کریں بڑے ثواب کا کام ہے۔ اس سے مردوں کو بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نابالغ بچہ پر قربانی واجب نہیں:

(سوال ۴) مجھے امسال قربانی کرنا ہے میری اولاد نابالغ ہے ان کے پاس مال ہے تو ان کے مال میں سے قربانی کرنا مجھ پر ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نابالغ پر قربانی واجب نہیں لہذا آپ ان بچوں کے مال میں سے قربانی نہ کریں۔ **ولیس للاب ان یفعله من مال طفله ورجحه ابن الشحنة قلت وهو المعتمد لما فی متن مواهب الرحمن من انه اصح ما یفتی به اه (درمختار مع الشامی ج۵ ص ۲۷۶ کتاب الاضحیة) فقط واللہ اعلم بالصواب**

---

(۱) ولو ارادوا القربة الاضحیة او غیرها من القرب اجزأهم سواء کانت القربة واجبة او تطوعا او وجب علی البعض دون البعض وسواء اتفقت جهات القربة او اختلفت الخ فتاویٰ عالمگیری کتاب الاضحیة الباب الثامن . ج۵ ص ۳۰۷ ایضا.

مالدار ایام اضحیہ میں قربانی نہ کرے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۵) امیر پر قربانی واجب تھی مگر قربانی نہیں کی ایام اضحیہ ختم ہو گئے۔ اب اس کو کیا کرنا چاہئے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں ایک بکری کی قیمت صدقہ کردے۔ اگر قربانی کے لئے جانور لے لیا ہو تو اس کو اختیار ہے چاہے زندہ صدقہ کردے یا اس کی قیمت خیرات کردے ولو ترکت التضحیة ومضت ایا مها تصدق بها حیة (در مختار) (قوله تصدق بها حیة) لو قوع الیاس عن التقرب بالاراقة وان تصدق بقیمتها اجزاه ایضاً لان الواجب هنا التصدیق بعینها وهذا مثله فیما هو المقصود الخ ذخیره (شامی ج۵ ص ۲۲۹ کتاب الاضحیہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ادھار مہر داخل نصاب ہے یا نہیں؟:

(سوال ۶) ایک عورت مالک نصاب نہیں ہے لیکن اس کا مہر نصاب سے زیادہ خاوند کے ذمہ باقی ہے مگر فی الحال نہیں مل سکتا تو مہر کی حق دار ہونے سے عورت مالدار کہلائے گی؟ اور اس پر قربانی لازم ہوگی؟

(الجواب) شوہر کے ذمہ مہر باقی رہنے سے وہ مالدار نہیں اور قربانی بھی واجب نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری ج۵ میں ہے! واما الموجل الذی سمی بالفارسیة (کابین) فالمرأة لا تعتبر موسرة بذلک بالا جماع (جلدپنجم ص ۹۴ کتاب الاضحیہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تفاوت نیت سے قربانی کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۷) بڑے جانور میں سات شرکاء میں سے ایک شریک سال رواں کی قربانی کی نیت کرے اور بقیہ شرکاء گذشتہ سال کی قضاء کی نیت کریں تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں سال رواں کی نیت سے قربانی کرنے والے کی قربانی درست ہے اور دوسروں کی درست نہیں ہے۔ گذشتہ برس کی قربانی اس سال ادا نہ ہوگی یہ نفل قربانی ہوگی اور سب گوشت صدقہ کردے وشمل مالو کان احدهم مرید اللاضحیة عن عامه واصحابه عن الماضی تجوز الا ضحیة عنه ونیة اصحابه باطلة وصار وا متطوعین و علیهم التصدق بلحمها وعلی الواحد ایضاً لان نصیبه شائع الخ (شامی ج۵ ص ۲۸۵ کتاب الاضحیة) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قربانی کے جانور سے نفع اٹھانا کیسا ہے؟:

(سوال ۸) قربانی کے جانور کے بال اور دودھ کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) قربانی کرنے سے پہلے بال کاٹ کر اور دودھ دوہ کر خود استعمال نہ کرے، بلکہ صدقہ کر دینا لازم ہے۔ ہاں قربانی کے بعد کٹے ہوئے بال اور تھن میں سے نکلا ہوا دودھ استعمال کر سکتے ہیں کیونکہ جانور کے ذبح کرنے کا جو مقصد وہ حاصل ہو گیا ہے۔ اب جس طرح اس کا گوشت استعمال کرنا درست ہے اسی طرح بال، دودھ، چمڑا وغیرہ بھی خود

استعمال کرسکتا ہے۔فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ ولو حلب اللبن قبل الذبح او جز صوفها يتصدق به ولا ينتفع به كذافي الظهيرة واذا ذبحها في وقتها جازله ان يحلب لبنها ويجز صوفها وينتفع به لان القربة اقيمت بالذبح والا نتفاع بعد اقامة القربة مطلق كالا كل كذا في المحيط.(جلد پنجم الباب السادس في بيان مايستحب في الا ضحية والا نتفاع بها ج۔۵ ص ۳۰۱) فقط والله اعلم بالصواب.

قربانی کے بعد زندہ بچہ نکلے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۹)قربانی کے بعد زندہ بچہ نکلے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) بچہ زندہ نکلے تو اس کو ذبح کرے اور مردہ نکلے تو اس کو استعمال میں نہیں لاسکتے فان خرج من بطنها حيا فالعامة انه يفعل به ما يفعل بالام الخ (شامي ص ۳۸۱ كتاب الا ضحية)فقط والله اعلم.

ایک کے بجائے سات بکرے ذبح کرے تو واجب قربانی ایک ہوگی یا سب:

(سوال ۱۰)ایک شخص پر قربانی واجب ہے ایک بکرے کے بجائے سات بکرے ذبح کرے تو واجب قربانی ایک بکرے سے ادا ہوگی یا سات بکرے سے۔اسی طرح بڑے جانور میں سے ساتویں حصے کے بجائے پورے جانور کی قربانی کرے ساتویں حصے سے قربانی ادا ہوگی یا پورے جانور سے ادا ہوگی۔

(الجواب) واجب قربانی کے لئے ایک قربانی کے عوض چند ذبح کرے تو ایک سے واجب ادا ہو جائے گا،اور بقیہ بکرے کی قربانی نفل شمار ہوگی۔لیکن بڑے جانور کے ساتویں حصہ کے بجائے پورے جانور کی قربانی کرے گا تو پورے جانور سے واجب قربانی ادا ہوگی۔ قال في الخلاصة ولو ضحىٰ باكثر من واحدة فالواحدة فريضة والزيادة تطوع عند عامة العماء۔اوردوسری جگہ ہے کہ ولو ان رجلاً موسراً ضحى بدنة عن نفسه خاصةً كان الكل اضحية واجبة عند عامة العلماء وعليه الفتوىٰ (شامي ج۵ ص ۲۹۱ ايضاً)(خلاصة الفتاوىٰ ج۴ ص ۳۱۵. ايضاً)(فتاوىٰ قاضي خان ج۴ ص ۳۴۷ايضاً)فقط والله اعلم بالصواب۔

غریب قربانی کی نیت کرے پھر قربانی نہ کرے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۱۱)ایک غریب شخص کے پاس (جو مالک نصاب نہیں ہے) پالا ہوا بکرا ہے،عید ہونے سے گھر ہی میں قربانی کرنے کا ارادہ تھا،مگر نا تندرستی کی وجہ سے بکرا بیچنا چاہتا ہے تو فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟ کسی کا کہنا ہے کہ غریب جب قربانی کی نیت کرلیتا ہے تو وہ اس جانور کو بیچ نہیں سکتا اس کی قربانی کرنا لازم ہو جاتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟

(الجواب) بکرے کا مالک غریب ہو یا امیر جب وہ نیت کرتا ہے کہ اس بکرے کی قربانی کروں گا تو اس سے اس پر قربانی لازم نہیں ہو جاتی۔بدلنا چاہے تو بدل سکتا ہے اور فروخت کرنا چاہے تو فروخت بھی کرسکتا ہے۔شامی وغیرہ میں ہے۔ فلو كانت في ملكه فنوىٰ ان يضحى بها ...... لا يجب یعنی! جس کی ملکیت میں پہلے ہی سے جانور

ہوتو اس کی قربانی کی نیت کر لینے سے اس کی قربانی لازم نہیں ہوتی (شامی ج۵ ص ۲۸۰ کتاب الاضحیة فتاویٰ عالمگیری ج۵ ص ۲۹۱ کتاب الاضحیہ

اسی طرح جانور خریدنے کے وقت قربانی کی نیت نہ ہو تو بعد میں نیت کرنے سے اس جانور کی قربانی لازم نہیں ہوگی۔ شامی میں ہے او اشتراها ولم ینوا لا ضحیة وقت الشراء ثم نوی بعد ذلک لا یجب لان النیة لم تقارن الشراء فلا تعتبر بدائع (شامی ج۵ ص ۲۸۰ کتاب الاضحیة فتاویٰ عالمگیری ج۵ ص ۲۹۱) البتہ غریب (کہ جس پر قربانی واجب نہیں) بہ نیت قربانی ایام نحر میں قربانی کا جانور خریدے تو اس پر اس جانور کی قربانی واجب ہو جاتی ہے اس کو نہ بیچ سکتا ہے نہ بدل سکتا ہے درمختار میں ہے! (وفقیر شراها لها) لوجو بها علیه بذلک شامی میں ہے۔ لان شرائه لها یجری مجری الا یجاب (شامی ج۵ ص ۲۸۰ کتاب الاضحیة)

شامی کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ ایام نحر سے قبل جانور قربانی کی نیت سے خریدا ہو تو اس جانور کی قربانی لازم نہ ہوگی بدل سکتا ہے اور فروخت بھی کر سکتا ہے۔ شامی میں ہے۔ لقوله شراها ایام النحر وظاهره انه لو شراها قبلها لا یجب . ج۵ ص ۲۸۰ کتاب الاضحیہ

فتاویٰ دارالعلوم! عزیز الفتاویٰ میں یہی ہے! اگر فقیر ایام نحر میں قربانی کی نیت سے کوئی جانور خریدے تو وہ متعین ہو جاتا ہے قربانی کے لئے، لیکن اگر ایام نحر میں نہ خریدا بلکہ ایام نحر سے پہلے خریدا تو دونوں (امیر وغریب) کو بدلنا جائز ہے (ج۵ ص ۶۵)

قربانی خود کرے یا دوسری جگہ بھیجے، اولیٰ کیا ہے :

(سوال ۱۲) افریقہ والے اپنی قربانی ہندوستان میں کراتے ہیں، وہاں خود نہیں کرتے۔ اس میں کوئی حرج تو نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں قربانی بدون حرج کے درست ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ جانور خود پسند کر کے اس کی خدمت گذاری کر کے اس سے محبت کا تعلق پیدا کرے۔ کیونکہ یہ ایک بڑے ثواب کا ذریعہ بننے والا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اولاد کی قربانی کے قائم مقام ہے۔ یعنی اس کو قربان کرنا اولاد کو قربان کرنے کے برابر ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے ذبح کرے، ذبح نہ کر سکے تو اس مبارک وقت پر حاضر رہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ اے فاطمہ! اپنی قربانی کے پاس حاضر رہو کیونکہ قربانی کے (خون کے) ہر ایک قطرہ کے بدلہ میں تمہارے اگلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ (۱) لہٰذا ایسی عنایت خداوندی کے وقت حاضر رہنا بہت بہتر اور انعام خداوندی کی قدر دانی سمجھا جائے گا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا خدا کی یہ نوازش ہم اہل بیت ہی کے لئے خاص ہے یا ہر ایک کے لئے ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (خاص نہیں ہے) بلکہ

---

(۱) ویاکل من لحم الاضحیة ویؤ کل غنیا ویدخر وندب ان لا ینقص التصدق عن الثلث وندب ترکه لذی عیال توسعة علیهم وان یذبح بیده ان علم ذلک والا یعلمه شهید ها بنفسه قال فی الشامیة تحت قوله شهد ها بنفسه لما روی الکرخی باسناده الی عمران بن الحصین قال رسول الله صلی الله علیه وسلم . قومی یا فاطمة فاشهدی اضحیتک فانه یغفرلک باول قطرة من دمها کل ذنب عملته وقولی ان صلاتی ونسکی الخ درمختار مع الشامی کتاب الاضحیة ج۶ ص ۳۲۸

ہمارے لئے اور ہر ایک مسلمان کے لئے ہے (طبرانی) اور مستحب ہے کہ اپنی قربانی میں سے کھائے۔ ہو سکے تو عید کے مبارک دن میں کھانے کی ابتداء اپنی قربانی کے گوشت سے کرے اور پڑوسی اور عزیز و اقارب نیز غریبوں اور رشتہ داروں کو کھلائے، دوسری جگہوں پر قربانی کرانے سے مذکورہ بالا برکتوں سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ اگر کسی عذر یا شرعی مصلحت کی بنا پر یہ کیا جاتا ہو تو پورے اجر کی بلکہ زیادہ ثواب کی بھی امید کی جاسکتی ہے، صحیح طریقہ اور نیت پر مدار ہے، وطن میں خویش و اقارب اور رشتہ داروں کا حق ادا کرنے کے لئے بعض قربانی کا انتظام کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جانور خریدنے کے بعد قربانی نہ کر سکا تو کیا حکم ہے:

(سوال ۱۳) مجھ پر قربانی فرض تھی، لیکن عذر کی بنا پر قربانی نہ کرسکا اور وقت نکل گیا۔ اب کیا کیا جائے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں جانور خریدا ہو تو اس کو زندہ خیرات کردے یا اس کی قیمت خیرات کرنا لازم ہے۔ اگر جانور خریدا نہیں تھا تو ایک بکرے کی قیمت خیرات کردے۔(۱)

قربانی کا چمڑا کس کو دے:

(سوال ۱۴) چرم قربانی کس کو دیا جائے؟

(الجواب) جس کو قربانی کا گوشت دے سکتے ہیں؟ اس کو چرم بھی دے سکتے ہیں۔

میت کی طرف سے قربانی کرے یا نہیں:

(سوال ۱۵) میت کی طرف سے قربانی کرسکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) میت کی طرف سے اور میت کے لئے قربانی کرسکتے ہیں اور اس کی چند صورتیں ہیں (۱) میت نے وصیت کی ہو کہ میرے مال میں سے میری طرف سے قربانی کردینا۔ اور وصیت کے مطابق اس کے مال میں سے قربانی کرے تو جائز ہے۔ مگر قربانی کا تمام گوشت وغیرہ حق داروں کو (جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں) صدقہ کردینا واجب ہے۔ شامی میں ہے (وعن میت) ای ضحی عن میت وارثہ بامرہ الزمہ بالتصدق بھا وعدم الا کل منھا (شامی ج۵ ص ۲۹۳ کتاب الاضحیۃ)

(۲) میت نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو ان کے عزیز و اقارب یا احباب اپنے پیسوں سے نفل قربانی کردیں تو درست ہے اور اس کا گوشت امیر و غریب سب کھا سکتے ہیں۔ وان یتبرع بھا عنہ لہ الاکل لانہ یقع علی ملک الذابح والثواب للمیت (شامی ج۵ ص ۹۳ ۲ کتاب الاضحیۃ)

(۳) اپنے مال سے اور نام سے نفل قربانی کرکے اس کا ثواب ایک یا ایک سے زائد میت کو بخش دے تو وہ بھی درست ہے اور اس کا گوشت بھی امیر و غریب سب کھا سکتے ہیں۔

---

(۱) او اشتری شاۃ لیضحی بھا حتی مضت ایام النحر تصدق بھا حیۃ ولا یجوز الا کل منھا فان باعھا تصدق بثمنھا الخ فتاوی عالمگیری۔ الباب الرابع فیما یتعلق بالمکان والزمان ج۔ ۵ ص ۲۹۶۔

میت کے لئے قربانی اولیٰ ہے یا قیمت کا صدقہ کرنا :

(سوال ۱۶) میت کو ایصال ثواب کے لئے پیسہ صدقہ کرنا بہتر ہے یا ان پیسوں سے قربانی کر کے ایصال ثواب کرنا افضل ہے؟

(الجواب) ایام نحر میں پیسہ وغیرہ صدقہ کرنے سے قربانی کرنا اور اس کا ثواب میت کو پہنچانا افضل ہے۔ کیونکہ صدقہ وخیرات میں فقط مال کا ادا کرنا ہے اور قربانی میں مال کا ادا کرنا بھی ہے اور فداء کرنا بھی۔ یعنی دو مقصد پائے جاتے ہیں۔ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے۔ شراء الاضحیة بعشرة اولیٰ من ان یتصدق بالف لان القربة التی تحصل باراقة الدم لا تحصل بالصدقة (خلاصة الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۲۰ کتاب الاضحیۃ یعنی دس درہم کا جانور خرید کر قربانی کرنا بہتر ہے اس سے کہ ہزار درہم صدقہ کردیں اس لئے کہ ایام نحر میں جو قربت اراقت دم سے (ذبح کرنے سے) حاصل ہوتی ہے وہ صدقہ سے کہاں حاصل ہو سکتی ہے۔

نابالغ اولاد کی طرف سے قربانی کرے یا نہیں :

(سوال ۱۷) میں امیر ہوں، مجھ پر قربانی واجب ہے اور میری چھوٹی چھوٹی اولادیں ہیں تو ان کی طرف سے مجھ پر قربانی کرنا واجب ہے یا نہیں؟

(الجواب) واجب نہیں مستحب ہے۔ وفی الولد الصغیر عن ابی حنیفة روایتان فی ظاهر الروایة یستحب ولا یجب بخلاف صدقة الفطر (فتاویٰ قاضی خان ج ۴ ص ۳۵۵ کتاب الاضحیۃ فصل فی صفة الاضحیة ووقت وجوبها الخ)

زوجہ کی طرف سے قربانی کرے یا نہیں:

(سوال ۱۸) اپنی اہلیہ کی طرف سے مجھ پر قربانی کرنا واجب ہے؟

(الجواب) واجب نہیں ہے۔

زائد مکان کی قیمت میں صدقہ وقربانی ہے یا نہیں

(سوال ۱۹) جس کے پاس دو مکان ہوں ایک میں خود قیام پذیر ہو اور دوسرا کرایہ پر دیا ہو تو قربانی کے متعلق مالداری میں اس گھر کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔ یا نہیں؟

(الجواب) دوسرا مکان کرایہ پر دے یا نہ دے، قربانی وصدقۂ فطر کے سلسلہ میں تکمیل نصاب میں اس کی قیمت کا اعتبار ہے کیونکہ یہ اس کی ضرورت سے زیادہ ہے۔ (۱)

---

(۱) اولها الغنی والغنی فیها من له مائتا درهم او عرض یساوی ماتی درهم سوی مسکنه وخادمه و ثیابه التی یلبسها [illegible] البیت [illegible] فی الا [illegible] الفتم فی صدقة الفطر حواله بالا

ایک ہی مکان ہے اس کو کرایہ پر دیا ہے تو اس کی قیمت کا اعتبار ہے یا نہیں؟:

(سوال ۲۰) جس کے پاس ایک ہی مکان ہو لیکن اس میں خود نہیں رہتا ہے کرایہ پر دے رکھا ہے اور وہ خود کرایہ کے گھر میں رہتا ہے تو قربانی کے متعلق مالداری میں اس گھر کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا؟

(الجواب) اپنا گھر چاہے کرایہ پر دیا ہو یا مفت یا خالی پڑا ہو اور خود دوسرے مکان میں کرایہ پر رہتا ہے یا مفت ہر ایک صورت میں قربانی اور فطرہ کے متعلق مالداری میں اس مکان کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ کیونکہ یہ مکان فی الحال حاجت اصلیہ سے زائد ہے۔

قربانی کرنے والے کے لئے بال و ناخن ترشوانا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۱) ہلال ذی الحجہ دیکھ کر قربانی تک بال و ناخن کاٹنے کی ممانعت کی کیا وجہ ہے؟

(الجواب) جس کا ارادہ قربانی کرنے کا ہے اس کے لئے مستحب ہے کہ ماہ ذی الحجہ کے آغاز سے جب تک قربانی ذبح نہ کرے جسم کے کسی عضو و جزو سے بال و ناخن صاف نہ کرے کہ قربانی کرنے والا اپنی جان کے فدیہ میں قربانی کررہا ہے۔ اور قربانی کے جانور کا ہر جزو قربانی کرنے والے کے جسم کے ہر جزء کا بدلہ ہے۔ جسم کا کوئی جزو نزول رحمت کے وقت غائب ہو کر قربانی کی رحمت سے محروم نہ رہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے مذکور حکم دیا ہے لیکن چالیس دن سے زائد مدت ہو جاتی ہو تو کراہت سے بچنے کی خاطر بال وغیرہ کی صفائی میں ڈھیل اور سستی نہ کرے۔[1]

قربانی کا گوشت غیر قوم کو دینا:

(سوال ۲۲) قربانی کا گوشت غیر قوم کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کوئی واقعی مصلحت ہو تو دے سکتے ہیں مگر بہتر نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں میں غرباء کی کمی نہیں ہے۔[2] **فقط واللہ اعلم بالصواب۔**

ایام نحر میں غریب مالدار ہو جائے تو قربانی کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۲۳) وجوب قربانی کے لئے مالداری کا اعتبار قربانی کے اول دن کا ہے یا آخری دن کا۔ بعض کہتے ہیں کہ عید کے دن صبح کے وقت جو مالدار ہوگا اس پر قربانی واجب ہے۔ بعد میں مالدار ہونے سے قربانی واجب نہیں ہے کیا یہ صحیح ہے؟

(الجواب) آخری دن کا اعتبار ہے۔ اگر وہ شخص پہلے روز غریب ہو یا مسافر یا کافر (معاذ اللہ) مگر قربانی کے آخری دن

---

(۱) ومما ورد في صحيح مسلم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دخل العشر واراد بعضكم ان يضحي فلا يأخذن شعرا ولا يقلمن ظفرا فهذا محمول على الندب دون الوجوب بالاجماع العيدين مطلب في ازالة الشعر والظفر الخ ج. ۲) شامی

(۲) ويهب منها ما يشاء للغني والفقير والمسلم والذمي كذا في الغيائية فتاویٰ عالمگیری كتاب الاضحية الباب الخامس في بيان محال اقامة الواجب ج. ۵ ص ۳۰۰

یعنی ایام نحر گزرنے سے قبل غریب مالدار ہوگیا اور مسافر مقیم بن گیا یا کافر مسلمان ہوگیا (بشرطیکہ وہ مالدار بھی ہوں تو قربانی واجب ہوجائے گی۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ **حتی لو کان کافراً فی اول الوقت ثم اسلم فی اخرہ تجب علیہ (الیٰ قولہ) حتیٰ لو کان مسافرا فی اول الوقت ثم اقام فی اخرہ تجب علیہ (الی قولہ) حتی لو کان فقیراً فی اول الوقت ثم ایسر فی اخرہ تجب علیہ (فتاویٰ عالمگیری ج۵ ص ۲۹۲ کتاب الباب الاول فی تفسیر ھا الخ)**

ایام نحر میں شک ہوجائے تو کیا حکم ہے :

(سوال ۲۴) ایام نحر میں شک ہوگیا کہ بارھویں ذی الحجہ ہے یا تیرھویں؟ تو قربانی کا کیا حکم ہے۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں تیسرے روز تک تاخیر نہ کرے۔ تاخیر ہوجانے کی صورت میں قربانی کر کے سب گوشت کا صدقہ کردینا مستحب ہے۔ **واذا شک فی یوم الاضحی فالمستحب ان لا یوخر الی الیوم الثالث فان اخر یستحب ان لا یاکل منہ ویتصدق بالکل الخ (فتاویٰ عالمگیری ج۵ ص ۲۹۵ کتاب الباب الثالث فی وقت الاضحیۃ)**

مالک نصاب قربانی نہ کرے تو کیا حکم ہے :

(سوال ۲۵) باوجود استطاعت کے قربانی نہ کرے تو اس پر کچھ وعید ہے!

(الجواب) جی ہاں! ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ باوجود قربانی کی استطاعت کے قربانی نہ کرے تو میری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔ یعنی وہ بارگاہ خداوندی میں حاضری کے قابل نہیں۔ **من وجد سعۃً لان یضحی فلم یضح فلا یحضر مصلانا (عین ترغیب عن الحاکم مرفوعا۔ مشکوٰۃ باب فی الاضحیۃ ص ۱۲۷)**

تکبیر تشریق کا ثبوت کیا ہے :

(سوال ۲۶) تکبیر تشریق کی اصلیت کیا ہے؟

(الجواب) فقہاء کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ تکبیر تشریق کی اصلیت یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو لٹایا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ فدیہ لے کر جاؤ۔ لیکن یہ فدیہ لے کر آئے تو اس ڈر سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کرڈالیں گے، اللہ اکبر اللہ اکبر پکارنے لگے۔ حضرت سیدنا ابراہیم نے جب یہ آواز سنی تو بشارت سمجھ کر پکار اٹھے "**لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر**" حضرت اسمٰعیل سمجھے کہ فدیہ آگیا تو اللہ اکبر وللہ الحمد کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرنے لگے۔ (**شامی ج ۱ ص ۵۸۵**)[1]

---

(۱) واصلہ ان جبرئیل علیہ السلام لما جاء بالفداء خاف العجلۃ علی ابراھیم فقال اللہ اکبر اللہ اکبر فلما راٰہ ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام قال لا الہ الا اللہ واللہ اکبر فلما علم اسمعیل قال اللہ اکبر وللہ الحمد ھکذا ذکرہ الفقھاء الخ باب العیدین مطلب یطلق اسم السنۃ علی الواجب.)

کیا پورے گھر کی طرف سے ایک بکرا کافی ہے :

(سوال ۲۷) ہمارے یہاں پورے گھر کی طرف سے صرف ایک قربانی کرنے کا رواج ہے جب کہ گھر میں متعدد لوگوں پر قربانی از روئے نصاب واجب ہوتی ہے لوگ صرف بکرے کی قربانی کرتے ہیں کسی دوسرے جانور کی قربانی نہیں کرتے، بڑے جانوروں میں سے یہاں صرف بھینس بھینسا دستیاب ہے جو دو سال کا عموماً دو سو روپے میں مل جاتا ہے اور بکرا سال بھر کا عموماً تین سو روپے میں ملتا ہے، لوگ کہتے ہیں اگر ہر شخص کی طرف سے قربانی کریں گے تو بہت خرچ ہوگا ہم ان کو سمجھاتے ہیں کہ جو صاحب نصاب ہو اس پر قربانی واجب ہوتی ہے لیکن علاقہ جہالت کا ہے، اس کے سامنے ایک صورت رکھی جا سکتی ہے کہ بڑے جانور کی قربانی کرو اس میں سات اشخاص کی طرف سے قربانی ادا ہو جائے گی، مگر اس صورت میں سوال یہ پیدا ہوگا کہ بھینس کے گوشت کا مصرف کیا ہو؟ لوگ تو اس کا گوشت نہیں کھائیں گے تو کیا قربانی کے بعد کھال اتار کر گوشت دفن کرنا درست ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) گھر میں ہر صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے، ایک کی قربانی سب کے لئے کافی نہیں ہو سکتی اگر بکرے کی قربانی گراں گذرتی ہے تو بڑے جانور کی قربانی کی جائے اور گوشت وہاں بھیج دیا جائے جہاں کھایا جاتا ہے یا جانور بھیج دی جائے یا رقم بھیج دی جائے گوشت کا دفن کر دینا جائز نہ ہوگا کہ اضاعت مال ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جانور خرید امگر قربانی نہ کرسکا یا جانور ضائع ہو گیا:

(سوال ۲۸) شرعی مجبوری کی وجہ سے قربانی نہ ہو سکی اب اس کے پیسے خیرات کرنا ضروری ہیں یا رمضان المبارک میں روزہ داروں کو (جن میں امیر و غریب بھی ہوتے ہیں) ان پیسوں سے افطار کرا سکتے ہیں؟

(الجواب) قربانی کا جانور خرید لیا اور کسی وجہ سے قربانی نہ کرسکا تو زندہ جانور صدقہ کر دیا جائے اور مسئلہ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اگر ذبح کر ڈالا تو غرباء پر اس کا گوشت تقسیم کر دیا جائے مالداروں کو نہ دیا جائے اور اگر جانور ضائع ہو گیا اور قربانی نہ کر سکا اور خریدنے والا امیر ہے تو اس کے ذمہ اس کی قیمت کا صدقہ کر دینا واجب ہے[1]۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قربانی کے چمڑے کی رقم کہاں خرچ کی جائے :

(سوال ۲۹) ہمارے گاؤں میں لوگ قربانی کے چمڑے مدرسہ میں دیتے ہیں ان چمڑوں کے پیسوں سے قرآن، پارۂ عم، تختی وغیرہ خرید کر بچوں کو دیں تو جائز ہے یا نہیں؟ نیز کسی غریب کے کفن دفن میں ان پیسوں کو استعمال کر سکتے ہیں؟ اور استاذ کی تنخواہ میں اس کا استعمال ہو سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قربانی کے چمڑے کے پیسے صرف زکوٰۃ کے مستحقین پر خرچ کئے جائیں، قرآن، پارۂ عم، تختی وغیرہ خرید کر غریب بچوں کو مالک بنا دیں تو بھی جائز ہے، کفن دفن میں تملیک نہیں ہوتی اس لئے استعمال نہیں کر سکتے، ہاں پہلے

(۱) حوالہ اس باب میں، جانور خریدنے کے بعد قربانی نہ کر سکا صفحہ ۲۹ کے عنوان کے تحت ملاحظہ کیا جائے

کسی غریب وارث یا منتظم کو جو مستحق زکوٰۃ ہو اس کو مالک بنادیں اور پھر وہ اپنی مرضی سے کفن دفن میں خرچ کرے تو جائز ہے۔ ان پیسوں کو استاذ کی تنخواہ میں نہیں دے سکتے اگر وہ مستحق زکوٰۃ ہوں تو بطور امداد دے سکتے ہیں[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ۔

قربانی والا وفات پاگیا:

(استفتاء ۳۰) ایک آدمی نے قربانی کے لئے بکرا رکھا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد وارثوں نے اس کو فروخت کردیا۔ اقتصادی حالت کمزور ہونے کی وجہ سے۔ اب اس کے عوض میں بڑے جانور میں سے ایک حصہ رکھا جاوے تو کیسا ہے؟ دوسرا بکرا خریدنے میں قیمت زیادہ ہوجاتی ہے۔ جو بکرا فروخت کیا ہے۔ اتنی قیمت سے دوسرا بکرا نہیں خرید سکتے۔ تو اس صورت میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں بکرا مرحوم کے ترکہ میں شامل ہوکر ورثاء اس کے حق دار ہوگئے ہیں اب ورثاء چاہیں تو اس کی قربانی مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے کرسکتے ہیں۔ واجب نہیں ہے۔ وان مات أحد السبعة المشتركين فى البدنة وقال الورثة اذ بحوا عنه وعنكم صح عن الكل استحسانا لقصد القربة من الكل درمختار مع الشامى كتاب الاضحية ج. ٦ ص ٣٢٦. فقط والله اعلم بالصواب.

گذشتہ سال کی قربانی امسال کرے تو صحیح ہے یا نہیں:

(سوال ۳۱) گذشتہ سال کی قربانی باقی ہے سال رواں بڑے جانور میں دو حصوں کی۔ گذشتہ اور سال رواں کی شرکت کرتا ہوں تو کیا گنجائش ہے؟ اور شریکوں کی قربانی میں کچھ حرج تو نہیں؟

(الجواب) شریکوں کی قربانی ادا ہوجائے گی۔ اور تمہاری امسال کی قربانی بھی ادا ہوجائے گی۔ گذشتہ برس کی قضاء (قربانی) ادا نہ ہوگی۔ (نفل ہوجائے گی اس کے عوض میں ایک بکرے کی قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔" ولو اشترک سبعةٌ فى بقرة ونوى بعض الشركاء التطوع وبعضهم الاضحية لهذه السنة وبعضهم قضاء عن السنة الماضية يجوز الكل لكن يكون تطوعاً عمن نوى القضاء عن السنة الماضية فلا يقع عن قضائه. بل يلزمه ان يتصدق بقيمة شاة وسط لمامضى" (مجالس الابرار ج۳ ص ۲۲۸) فقط والله اعلم بالصواب.

قربانی کے دن گذر جائیں تو جانور کو ذبح کرے یا صدقہ کرے:

(سوال ۳۲) قربانی کا جانور خریدا، پھر قربانی کے ایام گذر گئے۔ اور قربانی نہ کرسکا۔ تو اب اسے کیا کروں؟

(الجواب) جس پر قربانی واجب نہ تھی اس نے قربانی کے ارادے سے جانور خریدا۔ مگر قربانی نہ کرسکا (اور قربانی کے دن گذر گئے) تو اب اس جانور کا صدقہ کردے۔ (زندے کا)

---

(۱) فان باع الجلداو اللحم بالفلوس او الدراهم او الحنطة تصدق بثمنه لأن القربة انتقلت الى بدله، جوهرة النيرة، كتاب الاضحية ج ۲ ص ۲۸۲.

اور اگر مالدار نے اپنی واجب قربانی کے لئے جانور خرید اہوتو اسے اختیار ہے کہ اس کو خیرات کردے۔ یا اس کی قیمت خیرات کردے۔لیکن احتیاط یہی ہے کہ جانور خیرات کردیا جائے (هدایه ص ۴۳۱. ۴۳۰ ج ۴)(۱)
فقط و الله اعلم بالصواب .

قربانی کس پر واجب ہے؟:

(سوال ۳۳) قربانی کس پر واجب ہے؟
(الجواب) ہر ایک مسلمان، مرد وعورت مقیم پر جس کے پاس قربانی کے دنوں میں قرض وضع کرنے کے بعد بقدر نصاب (ساڑھے سات تولہ ۷½) سونا یا (ساڑھے باون تولہ ۵۲½) چاندی۔ یا چاندی کی قیمت ہو۔ جو حوائج اصلیہ (مال واسباب اور گھر، زمین وغیرہ سے) زائد اور فارغ ہو۔ اس پر قربانی واجب ہے(۲) .**فقط و الله اعلم بالصواب .**

قربانی کے دوسرے جانور کی قیمت کم ہوتو کیا حکم ہے:

(سوال ۳۴) ایک مالدار شخص نے قربانی کے لئے جانور خرید ااتفاق سے وہ حاملہ نکلا اس نے وہ جانور اپنے گھر رکھ لیا اور اس کے بدلے دوسرا جانور خرید ادوسرے جانور کی قیمت پہلے سے ستر روپے کم ہے تو کیا ستر روپے خیرات کرنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) ہاں ستر روپے خیرات کردے، شامی میں ہے **وان ضحی بالثانیة وقیمتها اقل تصدق بالزائد** (شامی ج۵ص ۲۸۴ کتاب الاضحیة)فقط و الله اعلم بالصواب ۹ ذی الحجه ۱۴۰۳ھ.

قربانی سنت ہے یا واجب:

(سوال ۳۵) ایک غیر مقلد کا قول ہے کہ ''قربانی واجب نہیں محض سنت ہے۔'' اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔ کہ جو کوئی ذی الحجہ کا چاند دیکھے۔ اور اس کا ارادہ قربانی کا ہو تو وہ اپنے بال، ناخن تاوقتیکہ قربانی کرلے نہ کاٹے۔'' قیدوارادہ ہو'' یہ لفظ بتلاتا ہے کہ قربانی واجب نہیں صرف سنت ہے۔ کیا یہ دلیل برابر ہے؟
(الجواب) قربانی محض سنت نہیں واجب ہے۔ سرور کائنات ﷺ کا ارشاد ہے۔'' جو صاحب نصاب مستطیع ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔'' (**عن ابی هریرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من کان له' سعة ولم یضح فلا یقربن مصلانا.**'' (ابن ماجه ص ۲۳۲ ابواب الاضاحی باب الاضاحی واجبة هی ام لا) (یعنی۔ جو کشائش پاوے اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے پاس نہ پھٹکے (نہ جائے) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قربانی واجب ہے۔ باقی یہ کہ حدیث شریف میں لفظ ''اراد'' آیا ہے تو یہ ایک محاورہ

---

(۱) ولولم یضح حتی مضت ایام النحر ان کان اوجب علی نفسه او کان فقیرا وقد اشتری الاضحیة تصدق بها حیة وان کانا غنیا تصدق بقیمة شاة اشتری اولم یشتر الخ کتاب الاضحیة)
(۲) قوله والیسار الخ بان ملک مائتی درهم او عرضا یساویها غیر مسکنه وثیاب اللبس اومتاع یحتاجه الی ان یذبح الاضحیة الخ شامی کتاب الاضحیة ج ۶ ص ۳۱۲

اور عام بول چال ہے۔ یہ وجوب کے خلاف نہیں۔ حج کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے۔ حدیث میں ہے۔ "من اراد الحج فلیتعجل" یعنی۔ جو حج کا ارادہ کرلے تو چاہئے کہ جلدی کرے (مشکوٰۃ شریف ص۲۲۲ کتاب المناسک) تو کیا حج بھی سنت ہے؟ فرض نہیں؟ خلاصہ یہ کہ قربانی واجب ہے محض سنت نہیں۔

"الاضحیة واجبة علی کل مسلم مقیم موسر فی یوم الاضحیٰ عن نفسه وعن ولده الصغار وه ووجه الوجوب قوله علیه السلام من وجد سعه ولم یضح فلا یقربن مصلانا. ومثل هذا الوعید لا یلحق بترک غیر الواجب الخ (هدایة ص ۴۲۷ ج۴ کتاب الاضحیة) فقط والله اعلم بالصواب.

گذشتہ برسوں کی واجب قربانی کا کیا حکم ہے :

(سوال ۳۶) جس پر قربانی واجب تھی۔ اس نے برسوں تک کی نہیں تھی۔ تو اب کیا کرے؟

(الجواب) خدا پاک جل مجدہ سے قربانی نہ کرنے کی گناہ کی معافی مانگے۔ اور جتنے برسوں کی قربانی رہ گئی اس قدر قیمت کا صدقہ کردے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (حوالہ پہلے گذر چکا۔ مرتب)

صاحب نصاب عورتوں پر قربانی کا شرعی حکم :

(سوال ۳۷) ایسا مال جس کی مالک عورتیں ہیں اور اس کی زکوٰۃ ان کے شوہر ادا کرتے ہیں۔ ایسی عورتوں پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

(الجواب) جب عورتیں صاحب نصاب ہیں تو ان پر واجب ہے کہ اپنے پیسے سے قربانی کریں۔ خود کے پاس رقم نہ ہو تو شوہر کے پاس سے لے کر قربانی کریں۔ یا شوہر عورتوں سے اجازت لے کر ان کی طرف سے قربانی کرے تو واجب قربانی ادا ہو جائے گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جانور کو قبلہ رخ لٹانا مستحب یا تاکیدی سنت ہے :

(سوال ۳۸) بوقت ذبح جانور کو قبلہ رخ لٹانے کا حکم تاکیدی ہے یا استحبابی؟

(الجواب) جانور کو ذبح کرتے وقت قبلہ رخ لٹانا سنت موکدہ ہے۔ عملاً اس کے خلاف کرنا مکروہ ہے۔ (و) کره (ترک التوجه الی القبلة) لمخالفته السنة (قوله) (لمخالفته السنة) ای المؤکدة لانه توارث الناس فیکره ترکه بلا عذر انقافی (درمختار مع الشامی ص ۲۵۸ ج ۵ کتاب الذبائح) فقط والله اعلم بالصواب.

والد صاحب کے ایصال ثواب کے لئے قربانی کرنا:

(سوال ۳۹) قربانی کے جانور میں مرحوم والد صاحب کے ایصال ثواب کے لئے ایک حصہ رکھنا چاہتا ہوں تو رکھ سکتا ہوں یا نہیں؟ اور اس کا گوشت غرباء میں تقسیم کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ یا گھر میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے؟ بینوا

توجروا۔

(الجواب) والد صاحب کے ایصال ثواب کے لئے قربانی کے جانور میں آپ حصہ رکھ سکتے ہیں حق سبحانہ وتعالیٰ قبول فرماوے اس کا تمام گوشت غرباء میں تقسیم کرنا ضروری نہیں امیر وغریب اور گھر والے بھی کھا سکتے ہیں۔ شامی میں ہے وان تبرع بها (ای بالا ضحية) عنه (ای عن الميت) له الا كل لانه يقع على ملك الذابح والثواب للميت ولهذا لو كان على الذابح واحدة سقطت عنه اضحيته' كما فى الا جناس الخ (شامى ج ۵ ص ۲۹۳ كتاب الا ضحية) فقط والله اعلم بالصواب.

قربانی کی کھال کی رقم کو آمدنی کا ذریعہ بنانا:

(سوال ۴۰) قربانی کی کھال کی رقم جماعت کے پاس جمع ہے، جماعت کے ذمہ دار لوگ غرباء کو اس میں سے دیتے ہیں اور اسی طرح نادار بچوں کو اسکول کی کتاب وغیرہ خرید کر دیتے ہیں اور بیماروں کی بھی امداد کرتے ہیں، اب ان کا ارادہ ہے کہ ان پیسوں سے مستقل آمدنی کا ذریعہ بنالیں اور پھر اس کی آمدنی کو غرباء پر خرچ کرتے رہا کریں تو ان کم کے لئے چمڑے کی قیمت سے مکان دوکان بنوانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قربانی کی کھال جماعت کو ہدیۃً نہیں دی جاتی بلکہ بطور وکالت دی جاتی ہے لہذا اس کی قیمت مستحقین کو تملیکاً دے دی جائے اور جہاں تک ہو سکے جلد ادا کر کے سبکدوش ہو جائیں بلاوجہ شرعی تاخیر کرنا کراہت سے خالی نہیں، غریبوں کو قرآن شریف اور کتابیں دی جائیں، غریب بیماروں کی امداد کی جائے، قربانی کی کھال یا اس کی قیمت کو آمدنی کا ذریعہ ہرگز نہ بنایا جائے، غیر مصرف میں رقم استعمال ہوگی تو جماعت کے ذمہ دار گنہگار ہوں گے۔[1] فقط والله اعلم بالصواب .

مالدار کو قربانی کا چمڑا دینا:

(سوال ۴۱) قربانی کا چمڑا مالدار صاحب نصاب کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) چمڑے کا حکم وہی ہے جو گوشت کا ہے، جس طرح گوشت مالدار کو دیا جا سکتا ہے چمڑا بھی دے سکتے ہیں اور صاحب نصاب بخوشی لے سکتا ہے، ممنوع نہیں ہے اور جس مالدار یا غریب کو چمڑا ہدیۃً دیا گیا ہے وہ بیچ کر اس کی قیمت اپنے کام میں لے سکتا ہے۔[2] البتہ اگر قربانی کرنے والے نے چمڑا بیچ دیا تو اس کی قیمت کے حق دار صرف غرباء ہیں مالدار کو دینا درست نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۹۹ھ۔

قربانی کے جانور سے فائدہ اٹھانا:

(سوال ۴۲) قربانی کا جانور کسی صاحب نصاب یا غیر صاحب نصاب نے بقرعید سے ایک دو ہفتہ یا ایک آدھ برس

---

(۱) وان باع الجلد او اللحم بالفلوس او الدرهم او الحنطة تصدق بثمنه لأن القربة انتقلت الى بدله جوهرة النيرة كتاب الا ضحية ج ۲ ص ۲۸۲.

(۲) ويأكل من لحم الا ضحية ويؤكل ويدخر　ويتصدق بجلدها اويعمل منه' نحو غربال وجراب . درمختار مع الشامى كتاب الا ضحية ج ۲ ص ۳۲۷

پہلے خریدایا پال لیا اور پالے ہوئے جانور میں قربانی کی نیت کرلی تو کیا جس دن خریدایا پالے ہوئے جانور کی جس دن قربانی کی نیت کرلی اسی دن سے بکری وغیرہ کا دودھ پینا اون کاٹنا منع ہوجائے گا یا قربانی کے دنوں میں ممنوع ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قربانی کے جانور سے انتفاع مکروہ ہے اور بقول صحیح مالدار اور غریب اس حکم میں مساوی ہیں، عالمگیری میں ہے ولو اشترى شاة للاضحية فيكره ان يحلبها او يجز صوفها فينتفع به لانه عينها للقربة فلا يحل له الا نتفاع بجزء من اجزائها قبل اقامة القربة فيها كما لايحل له الا نتفاع بلحمها اذا ذبحها قبل وقتها ومن المشائخ من قال هذا في الشاة المنذور بها بعينها من المعسر والموسر وفي الشاة المشتراة للاضحية من المعسر فاما المشتراة من الموسر للا ضحية فلا باس ان يحلبها ويجز صوفها كذا في البدائع والصحيح ان الموسر والمعسر في حلبها وجز صوفها سواء هكذا في الغياثية . ولو حلب اللبن من الا ضحية قبل الذبح او جز صوفها يتصدق ولا ينتفع به كذا في الظهيرية (عالمگیری ج۶ ص ۲۰۱ الباب السادس في بيان ما يستحب في الا ضحية والا نتفاع بها) یعنی اگر قربانی کے لئے بکری خریدی تو اس کا دودھ دوہنا یا اون کاٹنا اور اس سے فائدہ حاصل کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ اس بکری کو قربت کے لئے متعین کردیا ہے لہذا قربت کی ادائیگی (یعنی ذبح کرنے سے) پہلے اس کے کسی جز سے انتفاع حلال نہیں، جیسے کہ اس بکری کو وقت سے پہلے ذبح کرڈالے تو اس کے گوشت سے انتفاع حلال نہیں (صدقہ کرنا ہوگا) اور بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ یہ حکم (انتفاع کا عدم جواز) اس بکری (جانور) کے متعلق ہے جس کو نذر مان کر متعین کرلی گئی ہوچاہے نذر ماننے والا غریب ہو یا امیر، اور اس بکری (جانور) کے متعلق ہے کہ جس کو غریب نے قربانی کی نیت سے خریدا ہو۔ رہا وہ جانور جس کو مالدار نے قربانی کی نیت سے خریدا ہو تو اس کا دودھ دوہنے اور اون کاٹنے میں کوئی حرج نہیں هكذا في البدائع لیکن صحیح قول یہ ہے کہ مالدار اور غریب دودھ دوہنے اور اون کاٹنے کے حکم میں برابر ہیں هكذا في الغياثيه. اگر ذبح کرنے سے پہلے قربانی کے جانور کا دودھ دوہا یا اس کا اون کاٹا تو اس کو صدقہ کردے اور اس سے فائدہ حاصل نہ کرے، هكذا في الظهيرة. (فتاویٰ عالمگیری ج۶ ص ۲۰۲) فقط واللہ اعلم بالصواب.

چرم قربانی کے متعلق ایک اشکال کا جواب:

(سوال ۴۳) فتاویٰ رحیمیہ جلد دوم کتاب الاضحیہ (جدید ترتیب کے مطابق گذرے ہوئے سوال سے پہلا سوال ملاحظہ کیا جائے۔ مرتب) میں ہے کہ قربانی کی کھال اس کو دے سکتے ہیں جسے گوشت دے سکتے ہیں، ایک صاحب نے سوال کیا کہ گوشت تو امیر کو بھی دیتے ہیں اور کافر کو بھی، تو اس فتویٰ میں وضاحت کی ضرورت ہے کہ جسے صدقہ دے سکتے ہیں اسے دے سکتے ہیں؟ وہ ضاحت فرمائیں۔ (حیدرآباد)

(الجواب) چرم قربانی مالدار کو بھی ہبۃً دینا جائز ہے اس کا صدقہ واجب نہیں ہے استحبابی ہے جیسے گوشت کا۔ البتہ اگر کھال بیچ دی جائے تو اس کی قیمت واجب التصدق ہے جس طرح کسی نے قربانی کا گوشت بیچ دیا تو اس کی قیمت بھی

واجب التصدق ہے وہ قیمت صرف مستحقین زکوٰۃ ہی کو دی جاسکتی ہے، درمختار میں ہے (فان بیع اللحم او الجلد به) ای بمستهلک (اوبدراهم تصدق بثمنه) (درمختار مع شامی ج۵ ص ۲۸۷ کتاب الاضحیة)فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

شہر کی کسی مسجد میں عید کی نماز ہوجانے کے بعد قربانی کرنا:

(سوال ۴۴)شہر میں نماز عید کسی بھی مسجد میں ہوگئی تو کیا اس شہر میں رہنے والا اپنی قربانی کر کے عیدگاہ نماز پڑھنے کے لئے جائے تو اس کی واجب قربانی ادا ہوگی؟ اگر عیدگاہ میں پڑھ کر قصاب ڈھونڈتا ہیں تو بارہ ایک بجے تک بمشکل ہی ملتے ہیں اس لئے لوگ جلدی کی مسجدوں میں نماز پڑھ لیتے ہیں۔ (حیدرآباد)

(الجواب) شہر کی کسی مسجد میں معتبر لوگوں نے نماز عید ادا کی ہے تو دوسرے لوگوں کی قربانی بھی ادا ہوجائے گی مگر احتیاط اس میں ہے کہ عیدگاہ کی نماز کے بعد قربانی کرے، مجالس الابرار میں ہے واول وقتها بعد طلوع الفجر لكن يشترط تقديم صلوة العيد عليها في حق اهل الا مصار..... ولو خرج الا مام بطائفة الى الجبانة وامر رجلاً ان يصلي بالضعفاء في المصر وضحى البعض بعد ما صلى احد الفريقين يجوز استحساناً (مجالس الا برار ص ۲۲۲ مجلس نمبر ۳۵) درمختار میں ہے (واول وقتها بعد الصلوة ذبح في مصر) اى بعد اسبق صلوة عيد (قوله بعد اسبق صلوة عيد) ولو ضحى بعد ما صلى اهل المسجد ولم يصل اهل الجبانة اجزاء استحساناً لا نها صلوة معتبرة الخ .(درمختار مع شامی ج۵ ص ۲۷۷ کتاب الاضحیة)فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

قربانی کی کھال خود استعمال کرسکتا ہے یا نہیں :

(سوال ۴۵)قربانی کی کھال خود استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟ مصلی اور ڈول بنا کر کام میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) دباغت کے بعد مصلی ڈول وغیرہ بنا کر استعمال کرسکتا ہے، اپنے کام میں نہ لیا یا لیا مگر بعد میں فروخت کردیا تو اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے، اس کو یاد رکھئے درمختار میں ہے (ويتصدق بجلدها او يعمل منه نحو غربال وجراب) وقربة وسفرة ودلو (فان بيع اللحم او الجلدبه) اى بمستهلک (اوبدراهم تصدق بثمنه) (درمختار مع شامی ص ۲۸۰ ج۵. کتاب الا ضحیة)فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

مردوں کی طرف سے قربانی:

(سوال ۴۶)مردوں کی طرف سے قربانی کرسکتے ہیں یا نہیں؟ والدین کی طرف سے، استاذ کی طرف سے اپنے پیر کی طرف سے، اسی طرح اپنے پیغمبر محمد ﷺ کی طرف سے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قربانی مردوں کی طرف سے بھی کرسکتے ہیں مگر ایک بکرا یا بڑے جانور میں سے ایک حصہ کئی مردوں کی

طرف سے جائز نہیں،[۱] آنحضرت ﷺ نے ساری امت کو قربانی میں شامل فرمایا ہے تو حضرت ﷺ نے ساری امت کی طرف سے نہیں کی تھی بلکہ قربانی اپنی طرف سے کی تھی اور اس کا ثواب ساری امت کو بخش دیا تھا، جس طرح ہم نفلی قربانی اپنی طرف سے کر کے اس کا ثواب کئی مردوں اور زندوں کو بخش دیتے ہیں، یہ درست ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مردوں کی طرف سے قربانی کی تو اس کے گوشت کا کیا حکم ہے :

(سوال ۴۷) مردوں کی طرف سے قربانی کی جائے تو اس کا گوشت ہم کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ مالدار کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر مردہ وصیت کر کے مرا ہو کہ میرے مال میں قربانی کرنا تو ایسے قربانی کے گوشت کو غرباء اور مساکین پر خیرات کر دینا لازم ہے، مالدار اور سید کو دینا درست نہیں، ہاں اگر اس کے مال سے قربانی نہیں کی اگرچہ وصیت کی ہو یا نہ کی ہو تو اس کی گوشت کا وہی حکم ہے جو اپنے مال سے قربانی کرنے کا حکم ہے۔[۲] فقط واللہ اعلم بالصواب.

ذبح قربانی میں قربانی کا جانور جس جگہ ہو اس کا اعتبار ہوتا ہے :

(سوال ۴۸) بھائی عبدالرشید نے مدراس سے یہاں (حیدرآباد میں) قربانی کرنے کو لکھا ہے وہاں عید پیر کو ہے اور یہاں اتوار کو، ان کی قربانی ہم یہاں اتوار کو کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یا پیر کو کرنا ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قربانی کا جانور جس جگہ ہو اس جگہ کا اعتبار ہوتا ہے، قربانی کرنے والے کی جگہ کا اعتبار نہیں ہوتا، چنانچہ اگر قربانی والا شہر میں ہو اور وہ اپنا قربانی کا جانور ایسے گاؤں میں بھیج دے جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی اور وہاں صبح صادق کے بعد اس کی قربانی کا جانور ذبح کر دیا جائے تو اس شہر والے کی قربانی صحیح ہو جائے گی۔

ہدایہ اخیرین میں ہے: **والمعتبر فی ذلک مکان الاضحیة حتی لو کانت فی السواد والمضحی فی المصر یجوز کما انشق الفجر ، ولو کان علی العکس لا یجوز الا بعد الصلوٰة وحیلة المصری اذا اراد التعجیل ان یبعث بھا الیٰ خارج المصر فیضحی بھا کما طلع الفجر الخ(ھدایه اخیرین ص ۴۳۰ کتاب الا ضحیة)**

درمختار میں ہے **والمعتبر مکان الا ضحیة لا مکان من علیه فحیلة مصری اراد التعجیل ان یخرجھا لخارج المصر فیضحی بھا اذا طلع الفجر مجتبی(درمختار) (قوله والمعتبر مکان الاضحیة الخ) فلو کانت فی السواد والمضحی فی المصر جازت قبل الصلوٰة وفی العکس لم تجز قھستا نی (درمختار وشامی ص ۲۷۸ ج۵، کتاب الا ضحیة)**

---

(۱) وان مات احد السبعة المشترکین فی البدنة وقال الو رثة اذ بحوا عنه' وعنکم صح عن الکل استحسانا لقصد القربة عن الکل قال فی الشامیة تحت قوله لقصد القربة من الکل ھذا وجه الا ستحسان قال فی البدائع لأ ن الموت لا یمنع التقرب عن المیت بدلیل انه' یجوز ان یتصدق عنه' والحج عنه' الخ درمختار مع الشامی کتاب الاضحیة ج. ۲ ص ۳۲۲

(۲) فرع من ضحی عن المیت یصنع کما یصنع فی اضحیة نفسه من التصدق والا کل والاجر للمیت والملک للذابح قال الصدر والمختار انه ان یا مر المیت لا یا کل منھا ولا یا کل شامی کتاب الا ضحیة ج. ۲ ص ۳۲۲

صورت مسئولہ میں عبدالرشید بھائی نے مدراس سے آپ کو حیدرآباد میں اپنی قربانی کرنے کے لئے لکھا ہے اور مدراس میں پیر کو عیدالاضحیٰ ہے اور آپ کے یہاں اتوار کو تو آپ بلا تکلف ان کی قربانی اتوار کو کر سکتے ہیں، ان کی قربانی صحیح ہو جائے گی، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قربانی کی کھال کی رقم مدرسہ یا مسجد کی تعمیر میں استعمال کرنا:

(سوال ۴۹) قربانی کے جانور کی کھال کی قیمت مکتب یا مسجد کی تعمیر میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قربانی کے جانور کی کھال جب بیچ دی جائے تو اس کی قیمت واجب التصدق ہے، مساکین اور غرباء ہی کو وہ رقم مالک بنا کر دے دینا چاہئے، مکتب یا مسجد کی تعمیر میں وہ رقم استعمال نہیں کر سکتے۔

ہدایہ اخیرین میں ہے: **ولو باع الجلد او اللحم بالدراهم اوبما لا ينتفع به الا بعد استهلاكه تصدق بثمنه لان القربة انتقلت الىٰ بدله الخ (هدايه اخرين ص ۴۳۴، كتاب الا ضحية)**

درمختار میں ہے:۔ **(فان بيع اللحم او الجلدبه) اى بمستهلك (او بدراهم تصدق بثمنه) ومفاده صحة البيع مع الكراهة وعن الثانى باطل لانه كالوقف مجتبىٰ ...... الخ(درمختار مع شامى ج۵ ص ۲۸۷، كتاب الا ضحية)**

فتاویٰ دارالعلوم قدیم میں ہے:

(سوال) چرم قربانی کو فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) قیمت چرم قربانی کا صدقہ فقراء و مساکین پر واجب ہے مسجد کی مرمت وغیرہ میں صرف کرنا اس کا درست نہیں، **فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم قدیم ص ۱۹۰ ج ۸۷۷ عزیز الفتاویٰ)**

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور قابل استفادہ طویل فتویٰ ہے وہ بھی نقل کر دیا جاتا ہے

(سوال) قربانی کی کھالیں جب فروخت کر دی جائیں تو ان کی قیمت کس قسم کے صدقہ میں شمار ہیں؟ اور ان کے مصارف کیا کیا ہیں؟ مسجدوں کی تعمیر وغیرہ میں ان کا صرف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ کھالیں مساجد کے متولیان یا پیش امام کو مسجد بنانے کے لئے دے دی جائیں کہ یہ لوگ ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت مسجد کی تعمیر میں صرف کریں یہ شرعاً جائز ہے یا نہ؟

(الجواب) قربانی کی کھالوں کی قیمت ان کے فروخت کرنے کے بعد از روئے شریعت صدقۂ واجبہ میں داخل ہیں، **كما فى الهداية ولو باع الجلد او اللحم بالدراهم او بما لا ينتفع به الا بعد استهلاكه تصدق بثمنه لا ن القربة انتقلت الى بدله"** اور عینی شرح ہدایہ میں ہے **فاذا تموله بالبيع وجب التصدق .لان هذا الثمن حصل بفعل مكروه فيكون خبيثاً فيجب التصدق** "اور کافی شرح ہدایہ میں ہے۔" **قوله تصدق بثمنه لان معنى التمول سقط عن الا ضحية فاذا تمولها بالبيع انتقلت القربة الىٰ بدله فوجب التصدق.**

عبارات مندرجہ بالا سے جب یہ امر ثابت ہوگیا کہ قربانی کی کھالیں فروخت کرنے کے بعد مثل زکوٰۃ وغیرہ کے ان کی قیمت کا صدقہ کردینا واجب ہے، لہذا ان کے مصارف بھی مصارف زکوٰۃ ہیں اور چونکہ زکوٰۃ و نیز دیگر صدقات میں تملیک شرط ہے اس لئے ان کو تعمیر مسجد وغیرہ میں صرف کرنا ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ تعمیر مسجد میں تملیک نہیں پائی جاتی کما فی الدر المختار لا یصرف الیٰ نحو بناء مسجد والا الیٰ کفن میت وقضاء دینه (الی) لعدم التملیک وهو الرکن . هکذا فی فتح القدیر و هدایة وشرح وقایه وغیره .

حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی صاحب "فتاویٰ اشرفیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔" جب کھال فروخت کر دی تو اس کی قیمت کا تصدق کرنا واجب ہے اور تصدق کی ماہیت تملیک سے ماخوذ ہے، کیونکہ یہ صدقہ واجب ہے اس لئے اس کے مصارف مثل زکوٰۃ کے ہیں۔

اگر کھال کو مسجد کے متولیان یا پیش اماموں کو مسجدیں بنانے کے لئے دے دی جائے کہ یہ لوگ اس کی قیمت کو تعمیر مساجد میں صرف کریں وہ بھی جائز نہ ہوگا، کیونکہ یہاں بھی شرط تملیک جو رکن ہے پائی نہیں جاتی، کیونکہ تملیک کی معنی ہی یہ ہیں کہ کسی شخص کو مالک بنادینا، تاکہ وہ بعد مالک ہوجانے کے جو چاہے کرے، اور بصورت مذکورہ اس قسم کا مالک بنایا نہیں جاتا، بلکہ دینے والے اس لئے دیتے ہیں کہ یہ رقم تعمیر مساجد میں صرف کی جاوے اور یہ تملیک نہیں بلکہ سراسر توکیل ہے قربانی کرنے والے کو ایسا مجاز نہیں کہ کھال کی قیمت تعمیر مساجد میں صرف کرے ویسا ہی ان کو بھی مجاز نہیں کہ کسی دوسرے کو مساجد وغیرہ کی تعمیر میں اسے صرف کرنے کو وکیل بناوے، کیونکہ جس تصرف کے لئے خود موکل کو مجاز نہیں ہے اس کے واسطے دوسرے کو وکیل بنانا بھی جائز نہیں ہے چنانچہ ہدایہ کی کتاب الوکالۃ میں ہے: من شرط الوکالة ان یکون الموکل ممن یملک التصرف ویلزمه الاحکام لان الوکیل یملک التصرف من جهة المؤکل فلا بد من ان یکون المؤکل مالکاً لیملک من غیره.

خلاصہ یہ ہے کہ قربانی کی کھال جب فروخت کردی گئی پھر اس کی قیمت مساجد وغیرہ میں صرف کرنا شرعاً ممنوع ہے اور نہ اسے دوسرے کو اس لئے دینا جائز ہے کہ بعد فروختگی اس کی قیمت تعمیر مساجد میں صرف کریں۔ فقط (مفتی) عزیز الرحمن . (فتاویٰ دارالعلوم قدیم ص ۱۸۸، ص ۱۸۹ ج ۷، ۸، عزیز الفتاویٰ)

فتاویٰ رحیمیہ میں بھی ایک جواب شائع ہوا ہے، ملاحظہ ہو۔

(الجواب) قربانی کی کھال جماعت کو ہدیۃً نہیں دی جاتی بلکہ بطور وکالت دی جاتی ہے، لہذا اس کی قیمت مستحقین کو تملیکاً دے دی جائے اور جہاں تک ہوسکے جلد ادا کر کے سبکدوش ہوجائیں بلا وجہ شرعی تاخیر کرنا کراہت سے خالی نہیں، غریبوں کو قرآن شریف اور کتابیں دی جائیں، غریب بیماروں کی امداد کی جائے، قربانی کی کھال یا اس کی قیمت کو آمدنی کا ذریعہ ہرگز نہ بنایا جائے غیر مصرف میں رقم استعمال ہوگی تو جماعت کے ذمہ دار گنہگار ہوں گے فقط واللہ اعلم بالصواب، (فتاویٰ رحیمیہ جلد ششم ص ۱۶۷، اردو) (جدید ترتیب میں اسی باب میں ملاحظہ کریں ص ۳۳ مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صاحب نصاب امام کو قربانی کی کھال کی رقم دینا:

(سوال ۵۰) ہماری مسجد میں بعض لوگ قربانی کے چمڑے دیتے ہیں مسجد کے متولی حضرات بیچ کر اس کی رقم امام صاحب اور مؤذن کے مابین تقسیم کر دیتے ہیں، جب کہ امام صاحب فلیٹ کے مالک بھی ہیں اور ان کا وہ فلیٹ خالی پڑا ہے، خود مسجد کے مکان میں رہتے ہیں، لہذا ان کو یہ پیسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح ان کو زکوٰۃ کے پیسے دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کے متولی قربانی کے چمڑے بیچ دیں تو اس رقم کا حکم وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے، جو شخص مستحق زکوٰۃ ہو اسی کو یہ رقم دی جا سکتی ہے، ہدایہ اخیرین میں ہے: **ولو باع الجلد او اللحم بالدراهم او بما ينتفع به الا بعد استهلاكه تصدق بثمنه لان القربة انتقلت الى بدله (هدايه اخيرين ص ۴۳۴ كتاب الاضحية)**

صورت مسئولہ میں امام صاحب کا فلیٹ (مکان) خالی پڑا ہے اور وہ مسجد کے مکان میں رہتے ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فلیٹ امام صاحب کی ضرورت سے زائد ہے جس کی قیمت یقیناً نصاب سے زائد ہوگی بایں وجہ خود ان پر قربانی واجب ہے، فتاویٰ رحیمیہ میں ہے۔

(سوال) جس کے پاس ایک ہی مکان ہو لیکن اس میں خود نہیں رہتا ہے کرایہ پر دے رکھا ہے اور خود کرایہ کے مکان میں رہتا ہے تو قربانی کے متعلق مالداری میں اس گھر کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا؟

(الجواب) اپنا گھر چاہے کرایہ پر دیا ہو یا مفت یا خالی پڑا ہو، اور خود دوسرے مکان میں کرایہ پر رہتا ہو یا مفت ہر ایک صورت میں قربانی اور فطرہ کے متعلق مالداری میں اس مکان کی قیمت کا اعتبار ہوگا کیونکہ یہ مکان فی الحال حاجت اصلیہ سے زائد ہے (فتاویٰ رحیمیہ ج ۲۲۰ ج ص ۸۷، ص ۸۸) (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، ایک ہی مکان ہے اس کو کرایہ پر دیا ہے الخ، کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے [۲۱] مرتب)

لہذا صورت مسئولہ میں امام صاحب کو قربانی کے چمڑے کی رقم اور زکوٰۃ کے پیسے دینا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قربانی کے جانور کا بچہ:

(سوال ۵۱) قربانی کا جانور ذبح کرنے سے پہلے اگر اس کا بچہ پیدا ہو جائے تو اسے کیا کیا جائے؟

(الجواب) قربانی کا جانور ذبح کرنے سے پہلے اس کا بچہ پیدا ہو جائے تو اسے بھی اس کی ماں کے ساتھ ذبح کر دیا جائے یا زندہ صدقہ کر دیں، اگر (مذکورہ دونوں صورتوں میں سے کچھ بھی نہ کیا حتیٰ کہ ایام اضحیہ ختم ہو گئے تو اب زندہ صدقہ کرنا لازم ہے، صدقہ بھی نہ کیا یہاں تک کہ دوسرے سال کی قربانی کا زمانہ آ گیا تو اب خود کی (اس سال کی واجب) قربانی کے عوض اس کی قربانی درست نہیں، اس کے باوجود ذبح کیا تو اس کا گوشت صدقہ کرنا ضروری ہے، اور جانور ذبح کرنے کی وجہ سے قیمت میں جو کمی واقع ہوئی اتنی مقدار کا بھی صدقہ کرنا لازم ہے اور خود کی واجب قربانی کے لئے دوسرا جانور ذبح کرے۔

اضحية خرج من بطنها ولد حي قال عامة العلماء يفعل بالولد ما يفعل بالام فان لم يذبحه

حتی مضت ایام النحر یتصدق به حیا(الیٰ قوله) وان بقی الولد عنده حتی کبرو ذبحه للعام القابل اضحیة لا یجوز وعلیه اخری لعا مه الذی ضحی ویتصدق به مذبوحا مع قیمة ما نقص بالذبح والفتوی علی هذا کذا فی فتاویٰ قاضی خاں (عالمگیری ۵/۳۰۲ الباب السادس فی بیان ما یستحب فی الاضحیة الخ) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

ذبح قربانی کے لئے امام کو مجبور کرنا:

(سوال ۵۲) بعض دیہات میں قربانی کا جانور ذبح کرنے کے لئے امام کو مجبور کرتے ہیں اور اس سے نیت پڑھوا کر اس کے ہاتھ سے جانور ذبح کرواتے ہیں، اگر چہ امام بے ہمت، یا طریقہ ذبح سے ناواقف ہو، البتہ کھال اتارنے وغیرہ کے لئے ایک اور اس کام کا ماہر شخص ہوتا ہے اس کے کہنے کے مطابق امام صاحب قربانی کے جانور پر چھری پھراتے ہیں، آیا اس طرح کرنا درست ہے؟

(الجواب) اولیٰ یہی ہے کہ جس کی قربانی ہو وہ خود ذبح کرے ہاں وہ نہ کر سکتا ہو تو طریقۂ ذبح سے واقف دیندار شخص سے ذبح کروائے اس کام کے لئے امام صاحب پر جبر کرنا مناسب نہیں، کیونکہ ذبح قربانی فرائض امامت میں شامل نہیں۔

(وان یذبح بیده ان علم ذلک والا) یعلمه (شهدها) بنفسه ویأ مر غیره بالذبح (درمختار مع الشامی ۶/۳۲۸)(فتاویٰ هندیه ۵/۳۰۰ آخر الباب الخامس فی بیان محل اقامة الواجب)فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

جس کا عقیقہ نہ ہوا ہو اس کی قربانی:

(سوال ۵۳) جس شخص کا عقیقہ نہ ہوا ہو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) بلاتر دد درست ہے، جو آدمی قربانی کے دنوں میں صاحب نصاب ہو اس پر قربانی واجب ہے چاہے اس کا عقیقہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گاؤں میں قربانی وعید:

(سوال ۵۴) جس گاؤں میں نماز عید شرعا درست نہ ہو وہاں قربانی ہو سکتی ہے؟ جواب اثبات میں ہو تو قربانی کب کریں؟ نماز تو وہاں پڑھی نہیں جاتی؟

(الجواب) عید و جمعہ شعائر اسلام میں سے ہیں، شہر قصبہ یا بڑا گاؤں جو قصبہ نما ہو وہاں ہو سکتا ہے دیہات اس کے لائق نہیں لہذا عید و جمعہ پڑھنا درست نہیں ویشترط لصحتها ستة اشیاء المصر او فناؤه الخ (نور الایضاح ص ۱۷ باب الجمعۃ) (البتہ قربانی کر سکتے ہیں کیونکہ قربانی کا تعلق شہر یا قصبہ سے نہیں بلکہ مالداری سے ہے جو صاحب نصاب ہو۔ گاؤں میں ہو یا شہر میں قربانی کرنا واجب ہے۔ از مرتب)

مالدار عورت کی طرف سے شوہر کا قربانی کرنا:

(سوال ۵۵) عورت صاحب نصاب ہو مگر اس مال کی زکوٰۃ اس کا شوہر ادا کرتا ہو ایسی عورتوں پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب عورت صاحب نصاب ہے تو اس پر قربانی واجب ہے، وہ اپنے پیسوں سے قربانی کرے اگر اس کے پاس نقد رقم نہ ہو تو شوہر وغیرہ سے لے کر قربانی کرے یا اپنا کوئی زیور بیچ کر قربانی کرے یا پھر عورت کی اجازت سے اس کا شوہر اس کی طرف سے قربانی کرے، عورت کی اجازت اور اس کو مطلع کئے بغیر اگر اس کا شوہر قربانی کرے گا تو واجب قربانی ادا نہ ہوگی۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قربانی کے وکیل کا بچی ہوئی رقم خود رکھ لینا اور اس کو امور خیر میں صرف کرنا:

(سوال ۵۶) ایک صاحب نے اشتہار دیا جو صاحب قربانی کرنا چاہیں رقم بھیج دیں ہم قربانی کریں گے۔ اس نے نیت یہ کی کہ جو رقم زائد ہوں وہ میرا حق ہے اس رقم سے ضرورت مندوں کو بلا سود قرض دوں گا، اس طرح بلا سود قرض کا سلسلہ چلتا رہے گا، اپنی ذات پر صرف کروں گا شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟

(الجواب) قربانی ایک اہم عبادت ہے، گائے بڑے بڑے جانوروں میں سات شریک ہوتے ہیں اس صورت میں کسی کا حصہ کم نہ ہونا چاہئے۔ شخص مذکور وکیل بن کر لوگوں کی قربانی کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے تو اسے ہر شخص کا حساب الگ رکھنا ہوگا اگر کسی کی رقم بچ جائے تو بقیہ رقم واپس کرنا لازم ہوگا، شخص مذکور اپنا محنتانہ (اجرت) لینا چاہے تو لے سکتا ہے مگر ابتداء ہی سے وہ محنتانہ (اجرت) متعین کرنا ضروری ہوگا ”جو رقم زائد ہو وہ میرا حق“ یہ اجرت غیر متعین اور مجہول ہے۔ لہٰذا اس طرح محنتانہ مقرر کرنا اور لینا صحیح نہ ہوگا ابتداء سے شریعت کے مطابق اجرت مقرر کر کے جو اجرت لے اس کا شخص مذکور مالک ہے اس میں جو تصرف چاہے کر سکتا ہے سوال میں جو تصرف لکھا ہے اس طرح بھی کر سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

والدہ کی طرف سے بکرے کی قربانی کی نیت کی تھی اس کی جگہ دوسرا بکرا کم قیمت کا قربانی کرنا:

(سوال ۵۷) ایک بھائی نے ایک بکرا بچپن سے پالا ہے اور بہت خوبصورت اور تندرست ہے اور آج سے تقریباً ساڑھے چار ماہ پہلے ان کی والدہ وفات پا گئی جس کے بعد انہوں نے اس بکرے کی قربانی مرحوم کی طرف سے کرنے کی نیت کی تھی، اب ایک گاہک اس کی قیمت اچھی دیتا ہے تو ان بھائی کا سوال یہ ہے کہ میں اس کو بیچ دوں؟ تاکہ قیمت اچھی آجائے، پھر اس سے کم دام کا بکرا لے کر میری والدہ کی طرف سے اس نیت کے مطابق اس کی قربانی کروں تو ٹھیک ہے یا نہیں؟

(۱) ولیس علی الرجل ان یضحی عن اولادہ الکبار وامرأتہ الا باذنہ الخ فتاوی عالمگیری کتاب الاضحیۃ الباب الاول فی تفسیرھا ورکنھا الخ ج ۵ ص ۲۹۳

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! ٹھیک ہے، یہ نذر کی صورت نہیں ہے، والدہ کی طرف سے قربانی کرنے کا اور ان کو ثواب پہنچانے کا محض ارادہ اور نیت ہے، بہتر یہ ہے کہ اسی کی قربانی کی جائے، جتنے عمدہ اور موٹے جانور کی قربانی کی جائے گی اتنا زیادہ ثواب والدہ کو اور قربانی کرنے والے کو ملے گا اس کو فروخت کر کے دوسرے کم قیمت کے جانور کی قربانی کی جائے تو باقی قیمت والدہ کے ایصال ثواب کے لئے غریب رشتہ داروں کو خیرات کی جائے، یہ بہتر ہے ضروری نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قربانی کے وکیل کا کچھ زائد رقم وصول کرنا اور اپنی ضرورت میں استعمال کرنا:

(سوال ۵۸) زید لوگوں کے پاس سے پیسے لے کر ان کی قربانی کا انتظام کرتا ہے، لیکن جتنی رقم میں قربانی ہو سکتی ہے اس سے کچھ زائد رقم زید لوگوں کے پاس سے اس عنوان سے لیتا ہے کہ یہ زائد رقم میں جہاں چاہے کار خیر میں خرچ کردوں گا، لوگ خوشی سے مقررہ زائد رقم اسی عنوان سے اسے دیتے ہیں، زید رقم سے اپنے لئے دینی کتابیں خریدنا چاہے تو کیسا ہے؟ یا اسے یہ رقم دوسروں کو ہی دینا ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) قربانی میں جتنی رقم خرچ ہوتی ہو زید کو اتنی رقم لینا چاہئے اگر محنت کرنے کی وجہ سے وہ ''حق المحنت'' لینا چاہے تو جانبین کی رضامندی سے جو حق المحنت طے ہو جائے گا وہ رقم زید لے سکتا ہے، اور زید اس نام سے جو رقم لے گا اس کا وہ حق دار ہے جہاں چاہے خرچ کر سکتا ہے، سوال میں درج شدہ صورت مناسب نہیں، یہ صورت اختیار نہ کی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قربانی کا جانور وزن سے خریدنا:

(سوال ۵۹) ہمارے دیار میں زندہ جانور وزن سے بکتے ہیں اور بغیر وزن کے بھی۔ بغیر وزن کے خریدنے میں خریدار کو جانور بہت گراں پڑتا ہے خریدار کو جانور کے جانچنے کا سلیقہ نہیں ہوتا فروخت کرنیوالے جانور میں جب گوشت بہت کم دیکھتے ہیں تو بغیر وزن کے فروخت کرتے ہیں، خریدار کو تجربہ نہیں ہوتا، اور بھیڑ میں اون بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے بہت موٹا معلوم ہوتا ہے دھوکہ میں آ کر خرید لیتا ہے، ذبح کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ دھوکا ہوا ہے، آج کل ایسے واقعات بہت کثرت سے ہوتے ہیں کہ تین سو رینڈ (مقامی کرنسی) میں بھیڑ خریدا تو نو دس کلو گوشت نکلا، گویا گوشت کا حساب نکالا جائے تو بتیس تینتیس رینڈ کلو پڑا، اور عام طور پر گوشت چودہ سے بیس رینڈ کلو تک فروخت ہوتا ہے۔

یہ حقیقت بجا ہے کہ امر الٰہی کے تعمیل کے وقت گوشت وغیرہ کا حساب نہیں لگانا چاہئے مگر غیر مسلمین کی دھوکہ دہی سے عامۃ المسلمین کو بچانا ضروری ہے یا نہیں؟ اور جب وزن سے خریدنے میں مسلمانوں کو نقصان سے بچانا مقصود ہو تو کیا وزن سے خریدنے کی شرعاً اجازت ہو سکتی ہے؟

(الجواب) جانور غیر موزونی چیز ہے، آپ کے یہاں جب جانور دونوں طریقہ سے یعنی وزن سے اور غیر وزن سے دستیاب ہیں تو بیع کا جو شرعی طریقہ ہے یعنی غیر موزون اسی طریقہ کے مطابق معاملہ کیا جائے، دھوکہ سے بچنے اور بچانے کے لئے تجربہ کار لوگوں کا تعاون حاصل کیا جائے قربانی بہت اہم عبادت ہے، اس میں بیع کا صحیح طریقہ ہی اختیار کرنا چاہئے تاکہ عبادت بالکل صحیح طریقہ پر ادا ہو اور گوشت کے کم وبیش ہو جانے کی زیادہ فکر نہ کی جائے. قربانی

میں اصل مقصود تقویٰ ہے، گوشت نہیں۔ دلیلہ قولہ تعالیٰ: لن ینال اللہ لحو مھا ولا دماء ھا ولکن ینالہ التقوی منکم.

احسن الفتاویٰ ص ۴۹۷ ج ۶ کے جواب سے زندہ مرغی کی بیع کی گنجائش (وزن میں جہالت یسیرہ اور عرف عام کی بناء پر) معلوم ہوتی ہے مگر خیال میں رہے کہ قربانی اہم عبادت ہے اور عبادت میں احتیاط کا پہلو اختیار کرنا بہتر ہے لہذا قربانی کے لئے بیع کا صحیح طریقہ اختیار کیا جائے۔ (باب ما یجوز فی الضحایا) فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ۔

نصف حصہ چرائی پر دیئے ہوئے بکرے کی قربانی کی تفصیل:

(سوال ۶۰) نصف حصہ شرکت پر دیئے ہوئے بکرے کو مالک، یا چرائی پر رکھنے والا۔ آپس میں ایک دوسرے کو نصف قیمت دے کر قربانی کرے تو درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) اس طرح چرائی پر دینا جائز نہیں ہے۔ بہر حال اگر یہ معاملہ کر لیا گیا تھا۔ تو اب صورت مسئولہ میں یہ ہے کہ اگر مالک قربانی کرے تو درست ہے۔ کیونکہ وہ بکرے کا مالک ہے اس کو چرائی کی اجرت دینی ہوگی۔ لیکن اگر راعی (چرانے والا) قربانی کرے تو درست نہیں۔ کیونکہ وہ پہلے سے مالک نہیں ہے اور اب اگر نصف قیمت دیتا بھی ہے تو نصف قیمت دے کر پورے بکرے کا مالک نہیں بن سکتا۔ تو قربانی غیر مملوک کی کرتا ہے۔ یہ جائز نہیں

چرائی کے معاوضہ میں حاصل شدہ بکرے کی قربانی درست ہے یا نہیں؟:

(سوال ۶۱) میری گھاس کی زمین میں (باڑہ) چرواہا بکریاں چراتا ہے۔ اس کے عوض میں سالانہ ایک بکرا دیتا ہے۔ اس کی قربانی کی جائے تو ادا ہوگی یا نہیں؟

(الجواب) باڑہ کی گھاس اگر خودرو ہے یعنی آپ نے نہیں لگائی، اور نہ آپ نے اس کی حفاظت کا انتظام کیا ہے تو مباح عام ہے۔ جو اس کو کاٹ لے گا اس کی مان لی جائے گی۔ اس کی قیمت آپ نہیں لے سکتے۔ لہذا اس کے عوض میں یہ بکرا لینا بھی درست نہیں ہے۔ اس لئے اس کی قربانی بھی جائز نہیں۔ کمافی الدرالمختار۔ " ومن السحت مایؤخذ علی کل مباح الخ" (ص ۳۷۴ ج ۵ حضر والاباحۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قربانی کے جانوروں کی عمریں:

(سوال ۶۲) قربانی کی جانور کی عمر کس قدر ہونی ضروری ہے۔ بالخصوص بکرا، بکری، بھیڑ کی بعض اہل حدیث علماء کہتے ہیں کہ۔ کہ بکرا، بکری اور بھیڑ کے دو دانت ہونا ضروری ہے۔ عمر جس قدر ہو، مگر دانت نہ ہو تو قربانی صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں "مسنۃ" کا لفظ آیا ہے۔ لہذا بحوالۂ حدیث شریف جواب مرحمت فرمائیں۔؟

(الجواب) قربانی کے جانور کا "مسنہ" ہونا ضروری ہے۔ یعنی اونٹ پانچ برس کا۔ گائے وغیرہ دو برس کی۔ اور بھیڑ۔ بکری۔ وغیرہ ایک برس کی ہونا ضروری ہے۔ اس سے کم عمر والے جانور کی قربانی درست نہیں ہے۔ کہ اس سے کم سن والے جانور "مسنہ" نہیں۔ البتہ دنبہ چھ ماہ کا اس قدر فربہ ہو کہ سال کا معلوم ہوتا ہو تو اس کی قربانی درست ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔ "لا تذبح الا مسنة الا ان یعسر علیکم فتذبح جذعة."
یعنی مسنہ جانور کی قربانی کرو۔ اگر مسنہ ملنا دشوار ہو تو چھ ماہ کا ذبح کرو۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۱۵۵ کتاب الا ضاحی باب سن الا ضحیة)

محدث ثناء اللہ پانی پتی تحریر فرماتے ہیں کہ ..... وشرط است کہ گاؤ وجاموس کم از دو سال نہ باشد۔ وشتر کم از پنج سال نہ باشد۔ وگوسفند وبز وآنکہ از وحشی واہلی متولد بود۔ اولیٰ این است کہ از یک سال کم نہ باشد۔ وجائز است شش ماہا دنبہ کہ شروع بہ ماہ ہفتم کردہ باشد (مالا بد منہ ص ۱۶۴) یعنی :۔ اور شرط یہ ہے کہ گائے، بھینس دو سال سے کم کی نہ ہو۔ اور اونٹ پانچ سال سے کم کا نہ ہو۔ اور بھیڑ، بکری ایک سال سے کم کی نہ ہوں۔ اور چھ ماہ کا دنبہ جس کا ساتواں مہینہ شروع ہوا ہو وہ جائز ہے۔ حدیث شریف میں لفظ ''مسنہ'' آیا ہے۔ جس کے دو معنی ہیں (۱) سن رسیدہ جانور (۲) دانت والا جانور = فقہائے کرامؒ نے عمر کا اعتبار کیا۔ اور دانت کو اس کی علامات قرار دیا ہے۔ قربانی کا جانور ''مسنہ'' ہو یعنی سن رسیدہ ہو تو اس کی قربانی درست ہے۔ دانت کی علامت ہو تو بہتر ہے۔ دانت کی علامت پر مدار نہیں۔ دانت سن رسیدگی کی علامت ہے۔ مثال کے طور پر لڑکا، لڑکی سن رسیدگی سے بالغ ہو جاتے ہیں۔ اور شرعی احکام کے مکلف ہو جاتے ہیں، اور شادی کے قابل ہو جاتے ہیں۔ بلوغ کی علامت حیض اور احتلام ظاہر ہو یا نہ ہو۔ اگر کسی لڑکی کو سن رسیدگی کے بعد بھی حیض نہ آئے تب بھی وہ بالغہ ہے۔ اسی طرح قربانی کے جانور سن رسیدہ ہو تو قربانی درست ہے۔ دانت کی علامت ہو یا نہ ہو سن رسیدگی کا یقین ہونا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دم بریدہ جانور کی قربانی صحیح ہے یا نہیں :

(سوال ۶۳) ہمارے یہاں افریقہ میں بھیڑ کی قربانی کرنے میں بہت زیادہ حرج ہے۔ کہ یہاں پر جو بھیڑ ہوتے ہیں وہ دم بریدہ ہوتے ہیں۔ دم بریدہ جانور خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ اور جانور تندرست وتازہ ہوتا ہے۔ دم کاٹنے سے جانور عیب دار نہیں ہوتا ہے۔

اس جانور کی دم تقریباً اٹھارہ ۱۸ انچ لمبی ہوتی ہے۔ یہ جب پاخانہ کرتا ہے۔ تو دم کے ساتھ پاخانہ لگ جاتا ہے۔ جس پر مکھیاں انڈے دیتی ہیں۔ جس بناء پر دم پر کیڑے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کیڑوں کی وجہ سے جانور بجائے صحت مند ہونے کے دبلے ہو جاتے ہیں۔ اس لئے تین ماہ کے بچے کی دم کاٹ دی جاتی ہے۔ عام طور پر دم بریدہ جانور ملتے ہیں۔ دم والے شاذ ونادر ملتے ہیں۔ اگر ملے بھی تو دبلے پتلے۔ تو کیا ایسے جانور کی قربانی صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) ثلث حصہ کی مقدار، یا اس سے زیادہ دم بریدہ بھیڑ وغیرہ کی قربانی درست نہیں۔ ''ہدایہ'' میں ہے۔ ''جس جانور کے کان اور دم کٹی ہو۔ اس کی قربانی جائز نہیں۔''

ولا تجزئ مقطوعة الا ذن والذنب، اما الا ذن فلقوله علیه السلام. استشرفوا العین و الاذن ای اطلبوا سلامتهما، واما الذنب فلا نه' عضو کامل مقصود فصار کالاذن. (هدایه ص ۴۳۱ ج ۴ کتاب الا ضحیة) خصی جانور کی قربانی منصوص اور آپ کی پسندیدہ ہے۔ اس پر دم بریدہ جانور کو قیاس نہیں کر سکتے۔ دم بریدہ جانور کی قربانی اس لئے جائز نہیں کہ دم ایک کامل عضو ہے۔ یہ بیکار نہیں۔ بلکہ کام کی چیز ہے۔ کما

سکتے ہیں۔''ہدایہ'' میں ہے۔دم ایک کامل مقصود عضو ہے۔جس بناء پروہ کان کی طرح ہے۔وما الذنب فلانہ عضو کامل مقصود فصار کالاذن.(ص ۴۳۱ ج ۴ کتاب الضحیہ کان اوردم بریدہ جانور عیب دار ہے۔چاہے بعض کے نزدیک خوبصورت ہو۔(جیسا کہ داڑھی منڈانے میں بعض لوگوں کو خوبصورتی معلوم ہوتی ہے۔)جب دم کٹے جانوروں کورد کردیا جائے گا اوردم والے جانور کی قیمت زیادہ دی جائے گی تو مالک ازخود دم نہ کاٹے گا۔مزید ایک تم خود پال سکتے ہو۔علاوہ ازیں۔بکرے گائے۔بھینس۔اونٹ۔بھینسا وغیرہ جس کی دم کٹی نہ ہو۔ان جانوروں کی قربانی بھی کی جاسکتی ہے۔

نوٹ:۔ایک قول کے مطابق دم نصف سے کم کٹی ہو۔یعنی آدھے سے زیادہ باقی رہی ہو۔اس کی قربانی درست ہے۔لہذا جہاں کامل دم والے یا ثلث حصہ سے کم دم بریدہ جانور نہ ملیں۔وہاں اس قول کے مطابق عمل کرسکتے ہیں۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رسولی والے جانور کی قربانی درست ہے یا نہیں؟:

(سوال ۴۴) جس جانور کو رسولی ہو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) رسولی والے جانور کی قربانی درست ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سینگ ٹوٹے جانور کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۴۵) جانور کا سینگ تھوڑا ٹوٹا ہے۔لیکن سینگ کا خول نکل گیا ہے۔تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) خول نکلے ہوئے جانور کی قربانی درست ہے۔ہاں۔اگر سینگ جڑ سے اکھڑ گیا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔''فان بلغ الکسر الی المخ لم یجز.''(ص ۲۸۲ ج.۵ درمختار کتاب الاضحیہ فقط واللہ اعلم بالصواب.

جانور کے پیدائشی نہ سینگ ہو، نہ کان، نہ دم، تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۴۶) جس جانور کے پیدائشی نہ سینگ ہو، نہ کان، اور نہ دم ہو تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) جس کی پیدائشی سینگ نہ ہوں، اسی طرح اس کے سینگ جڑ سے اکھڑ ے نہ ہوں اس کی قربانی درست ہے۔''ویجوز ان یضحی بالجماء. وہی التی لا قرن لھا. لان القرن لا یتعلق بہ مقصود و کذا ما کسرت القرن ''(ھدایہ ص ۴۳۲ ج ۴ کتاب الا ضحیۃ = شامی ص ۲۸۲ ج ۵ کتاب الاضحیہ اور جس کے پیدائشی دونوں کان یا دم نہ ہو یا ایک کان ہو۔اس کی قربانی درست نہیں۔

''ہدایہ'' میں ہے۔والسکاء وھی التی لااذن لھا '' حلقۃ'' لا تجوز (ھدایہ ص ۴۳۲ ج ۴ ایضا) (و شامی ص ۲۸۳ ج ۵) اور جس کے کان چھوٹے ہوں اس کی قربانی درست ہے۔''فلو لھا اذن صغیرۃ حلقۃ اجزأت .''(درمختار مع الشامی ص ۲۸۳ ج ۵ کتاب الاضحیہ فقط واللہ اعلم بالصواب

داغ دیئے ہوئے جانور کی قربانی کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۶۷) داغ دیئے ہوئے جانور کی قربانی صحیح ہے یا نہیں؟ داغ صحت کے لئے دیا جاتا ہے۔ اس سے گوشت پر کوئی اثر نہیں آتا۔؟

(الجواب) داغ دیئے جانور کی قربانی بلا کراہت جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خصی بکرے کی قربانی کا کیا حکم ہے:

(سوال ۶۸) قربانی کے لئے خصی بکرے کو پسند کرتے ہیں اگرچہ اس میں عیب ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

(الجواب) آنحضرت ﷺ نے خصی دنبہ کی قربانی کی ہے۔ خصی ہونا عیب نہیں ہے۔ اس سے گوشت میں کمی نہیں آتی۔ نیز خصی فربہ ہوتا ہے۔ اور اس کا گوشت لذیذ ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جس جانور سے بدفعلی کی گئی ہو اس کی قربانی:

(سوال ۶۹) ایک شخص نے بڑے جانور (پاڈی) کے ساتھ صحبت کی۔ اور ایک شخص نے اس کی بدفعلی کو بھی دیکھا۔ تو آیا کیا یہ مفعول جانور قربانی کے لئے جائز ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) ایسے جانور کا گوشت کھانا مکروہ ہے۔ لہذا اس کی قربانی بھی مکروہ ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ ایسے جانور کو مالک ذبح کر کے جلاوے۔ تا کہ چرچا ختم ہو جائے۔ ورنہ جب بھی لوگ دیکھیں گے بات یاد آ جائے گی۔" وتذبح البهيمة وتحرق على وجه الا ستحباب ولا يحرم اكل لحمها . (شامی ص ۱۵۴ ج ۱ کتاب الطهارة ابحاث الغسل) وتذبح ثم يحرق ويكره الا نتفاع بها حيةً وميتة (درمختار مع الشامی ص ۲۱۳۰ کتاب الحدود مطلب فی وطء الدابة ج ۳) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قربانی کے جانور کی عمر اور دانت:

(سوال ۷۰) ایک جانور کی عمر پوری ہے۔ لیکن پوری عمر ہونے پر جو دانت نکلتے ہیں وہ نہیں ہیں۔ تو کیا یہ جانور قربانی کے لئے جائز ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) عمر پوری ہونی ضروری ہے۔ دانت کی علامت ہو یا نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن جابر قال ذبح النبي صلى الله عليه وسلم يوم الذبح كبشين اقرنين املحين موجوئين الخ باب في الاضحية ص ۱۲۸)

بانجھ جانور کی قربانی درست ہے یا نہیں:

(سوال ۷۱) بانجھ بکری جو قابل تولد نہیں ہے قربانی کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) جائز ہے منع نہیں ہے۔ (۱) ممانعت کا حکم نظر سے نہیں گزرا۔ بانجھ ہونا قربانی کے لئے عیب نہیں۔ جس طرح جانور کا خصی ہونا اور جفتی سے عاجز ہونا۔ قربانی کے لئے عیب نہیں ہے اور بانجھ جانور اکثر لحیم وشحیم ہوتا ہے گوشت بھی عمدہ ہوتا ہے۔ بڑی عمر کی وجہ سے تولد بند ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عید کے دن سال پورا ہو رہا ہے کیا اس کی قربانی کی جاسکتی ہے:

(سوال ۷۲) جو بکرا گذشتہ سال عید کے روز پیدا ہوا ہو، اس سال اس کی قربانی کر سکتے ہیں۔

(الجواب) اس بکرے کی قربانی امسال عید کے دوسرے دن کر سکتے ہیں۔ قربانی ادا ہو جائے گی۔ اگر احتیاطاً اس کو چھوڑ کر دوسرا بکرا تجویز کر لیا جائے تو بہتر ہے۔

قربانی کے جانور کے سینگ کی کتنی شکستگی مانع جواز ہے

(سوال ۷۳) آپ کے فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۳۴۹ میں ہے "اگر سینگ جڑ سے اکھڑ گیا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں، سینگ کے جڑ سے اکھڑنے کا کیا مطلب ہے؟ بعض کتابوں میں دیکھا "جس جانور کے سینگ کا خول پورا نکل گیا ہو اور سنگ کے اندر کا گودا خول نکل جانے کے بعد ایک انچ بھر ٹوٹ جائے تو اس جانور کی قربانی درست نہیں" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سینگ کے اندر کا گودا سینگ کی جڑ ہے، آپ وضاحت فرمائیں کہ جڑ سے کیا مراد ہے؟ اور کس قسم کی شکستگی مانع جواز ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جس جانور کے سینگ نہ ہوں یا ٹوٹ گئے ہوں یا اوپر کا خول اتر گیا ہو اس کی قربانی درست ہے، البتہ سینگ جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں یا اکھڑ گئے ہوں اور چوٹ کا اثر دماغ تک پہنچ گیا ہو تو ایسے جانور کی قربانی درست نہیں ہے، عالمگیری میں ہے **ویجوز بالجماء التی لا قرن لھا و کذا مکسورۃ القرن کذا فی الکافی وان بلغ الکسر المشاش لا یجزیہ والمشاش رؤس العظام محل الرکبتین والمرفقین کذا فی البدائع (عالمگیری ج ۶ ص ۲۰۰ الباب الخامس فی بیان محل اقامۃ الواجب)** شامی میں ہے **فان بلغ الکسر الی المخ لم یجز (شامی ج۵ ص ۲۸۲ کتاب الاضحیۃ)** بدائع کی عبارت میں (جو عالمگیری اور شامی میں ہے) تصریح ہے کہ مانع جواز وہ شکستگی ہے جو مشاش تک پہنچی ہو، اور مشاش ہڈیوں کے سروں کو کہتے ہیں جیسے گھٹنے اور کہنیوں کے جوڑ (یہاں رؤس العظام سے مراد دماغ کی ہڈی کا سرا ہے) اس سے کم شکستگی مانع جواز نہیں۔

بہشتی زیور میں ہے۔ مسئلہ: جس جانور کے پیدائشی ہی سے سینگ نہیں یا سینگ تو تھے لیکن ٹوٹ گئے اس کی قربانی درست ہے البتہ اگر بالکل جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں تو قربانی درست نہیں۔ (بہشتی زیور ص ۴۷ حصہ سوم)

---

(۱) والعاجز عن الولادۃ لکبر سنھا الخ فتاویٰ عالمگیری الباب الخامس فی بیان محل اقامۃ الواجب ج۵ ص ۲۹۷.

مظاہر العلوم سہارن پور کا فتویٰ ملاحظہ ہو:۔

(جواب ۱۹۴۵) حامداً ومصلیاً ومسلماً ابعد اگر جانور کے دونوں سینگ یا ایک سینگ ٹوٹ جائے تو اس سے قربانی کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ہاں البتہ اگر سینگ بالکل جڑ سے ٹوٹ جائے یہاں تک کہ اندر کا گودا یا مغز ظاہر ہو جائے تو پھر اس جانور کی قربانی درست نہیں ۔ (بہشتی زیور و بہشتی ثمر فتاویٰ دار العلوم اور فتاویٰ رحیمیہ ج ۱۰ ص ۴۹) کی عبارات کا ایک ہی مطلب ہے ان میں کوئی تعارض نہیں ہے قال فی البدائع وروی ان رجلاً من همدان جاء الی سیدنا علی رضی الله عنه فقال یا امیر المؤمنین البقرة عن کم؟ قال عن سبعة ثم قال مکسورة القرن قال لا ضیر ثم قال سیدنا علی رضی الله عنه امرنا رسول الله صلی الله علیه وسلم ان نستشرف العین والا ذن فان بلغ الکسر المشاش لا تجزیه والمشاش رؤس العظام مثل الرکبتین والمرفقین اه ص ۲۸۴ ج ۱ فقط حررہ احقر۔

(مفتی) عبدالعزیز عفی عنہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ۔

جواب صحیح (مفتی) یحییٰ غفرلہ ۲۹.۱۲/۹۷ھ۔

لون سے خریدی ہوئی بھینس کے بچہ کی قربانی:

(سوال ۷۴) احقر نے چند سال پہلے ایک بھینس لون سے خریدی تھی اس وقت مجھے علم نہیں تھا کہ اس میں سرکار کو سود دینا پڑتا ہے، اب اس بھینس کا ایک بچہ ہے، میں اس کی قربانی کر سکتا ہوں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جس بھینس کے بچے کے بارے میں آپ نے پوچھا ہے اس کی قربانی درست ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دو سال سے کم بھینسے کی قربانی:

(سوال ۷۵) میں نے قربانی کے لئے بھینسا پالا ہے اس کی عمر پندرہ دن کم دو برس ہے اور وہ موٹا تازہ ہے تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

(الجواب) قربانی کے دن تک بھینس کی عمر پورے دو برس کی نہ ہو تو اس کی قربانی درست نہیں ہے، درمختار میں ہے. وحولین من البقر والجاموس (درمختار ج۵ ص ۲۸۱ کتاب الاضحیة) مالابدمنہ میں ہے۔ وشرط است تا گاؤ و جاموس کم از دو سال نباشد (ص ۱۴۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جانور کو خصی کرنا اور خصی جانور کی قربانی کرنا:

(سوال ۷۶) ہمارے گاؤں میں ایک شخص کے پاس بہت سے بکرے ہیں اور وہ خود بکروں کو خصی کرتا ہے دریافت یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے خصی کئے ہوئے بکرے کی قربانی کر سکتا ہے یا نہیں؟ یہاں یہ بحث چل رہی ہے کہ جس نے اپنے ہاتھ سے بکرے کو خصی کیا ہو وہ اس بکرے کی قربانی نہیں کر سکتا اور نہ کھا سکتا ہے، یہ بھی واضح فرمائیں کہ خصی جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں اور جانور کو خصی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اپنے ہاتھ سے خصی کئے ہوئے بکرے کی قربانی کرسکتا ہے اور کھا بھی سکتا ہے یہ سمجھنا کہ قربانی نہیں کرسکتا اور نہیں کھا سکتا، یہ خیال صحیح نہیں جانور کا خصی ہونا عیب نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے خصی جانور کی قربانی فرمائی ہے، مشکوٰۃ شریف میں ہے عن جابر رضی الله عنه قال ذبح النبی صلی الله علیه وسلم یوم الذبح کبشین املحین موجوئین الخ نبی کریم ﷺ نے قربانی کے دن دو چتکبرے (سیاہ و سفید رنگ والے) سینگ والے خصی مینڈھوں کی قربانی فرمائی (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۸ باب الاضحیہ)

ہدایہ اخیرین میں ہے ویجوز ان یضحی بالجماء والخصی لان لحمها اطیب وقد صح ان النبی صلی الله علیه وسلم ضحی بکبشین املحین موجوئین ۔ یعنی خصی جانور کی قربانی جائز ہے اس لئے کہ اس کا گوشت عمدہ ہوتا ہے اور حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے دو خصی چتکبرے مینڈھوں کی قربانی فرمائی (ہدایہ اخیرین ص ۴۳۲ ایضاً) فتاویٰ عالمگیری میں ہے والخصی افضل من الفحل لانه اطیب لحماً کذا فی المحیط ۔ خصی جانور کی قربانی غیر خصی جانور کی بہ نسبت بہتر ہے اس لئے کہ اس کا گوشت عمدہ ہوتا ہے (عالمگیری ج۶ ص ۲۰۱ الباب الخامس فی بیان محل اقامة الواجب) درمختار میں ہے ویضحی بالجماء والخصی والثولاء الخ (ج۵ ص ۲۸۲ مع الشامی کتاب الاضحیة)

جانور کو فربہ بنانے یا کسی منفعت کی نیت سے خصی کرنا جائز ہے اور جس عبارت سے خصی کرنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ بلا کسی وجہ شرعی اور بطور لہو ولعب کرنے پر محمول ہے، درمختار میں ہے وجاز (خصاء البهائم) حتی الهرة واما خصاء الآدمی فحرام قیل والفرس وقیدوه بالمنفعة وهی ارادة سمنها او منعها من العض بخلاف بنی آدم فانه یراد به المعاصی فیحرم افاده الاتقانی عن الطحاوی ۔ یعنی جانوروں کو خصی کرنا حتی کہ بلی کو بھی خصی کرنا جائز ہے اور فقہاء نے خصی کرنا جائز ہونے کے لئے منفعت کی قید لگائی ہے اگر منفعت مقصود نہ ہو تو حرام ہے، اور منفعت یہ ہے کہ جانور کو فربہ بنانا مقصود ہو یا یہ نیت ہو کہ وہ کاٹنے سے باز رہے۔ رہا آدمی کو خصی کرنا تو وہ حرام ہے اس لئے کہ یہاں تو مقصود گناہ ہی ہے (درمختار مع شامی ج۵ ص ۳۴۲ کتاب الحظر والاباحة) عالمگیری میں ہے اخصاء بنی آدم حرام بالاتفاق. الی قوله. واما فی غیره من البهائم فلا بأس به اذا کان فیه منفعة واذا لم تکن منفعة او دفع ضرر فهو حرام کذا فی الذخیرة یعنی ۔ انسان کو خصی کرنا بالاتفاق حرام ہے۔ اور دوسرے جانوروں کو خصی کرنا جب کہ اس میں کوئی منفعت ہو حرج نہیں ہے اور جب نہ کوئی منفعت ہو اور نہ کسی تکلیف کو دور کرنا مقصود ہو تو پھر خصی کرنا حرام ہے (عالمگیری ج۶ ص ۲۳۶ کتاب الکراهیة الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء الخ) فقط والله اعلم بالصواب ۔ یکم ذی الحجه ۱۴۰۰ھ۔

جس جانور کے کان پیدائشی چھوٹے ہوں اس کی قربانی کرنا:

(سوال ۷۷) ایک بکرے کے کان پیدائشی بہت چھوٹے ہیں تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جس جانور کے کان پیدائشی چھوٹے ہوں اس کی قربانی جائز ہے، ہاں جس جانور کے پیدائشی دونوں کان نہ ہوں یا ایک ہی کان ہو، یا ایک کان یا دونوں کان مکمل کٹ گئے ہوں تو اس کی قربانی جائز نہیں، درمختار میں ہے (ولا

بالسکاء)التی لا اذن لها خلقة فلو لها اذن صغیرة خلقة اجزأت زیلعی درمختار (قوله التی لااذن لها خلقة)قال فی البدائع و لا تجوز مقطوعة احدی الاذنین بکما لها والتی لها اذن واحدة خلقة ھ(درمختار والشامی ج۵ ص ۲۸۳ کتاب الاضحیة)فقط واللہ اعلم بالصواب .

بت یا مزار کے نام پر چھوڑا ہوا جانور اس کے مالک سے خرید کر قربانی کرنا یا اس کا گوشت خرید کر کھانا:

(سوال ۷۸) یہاں ہندو اوران پڑھ جاہل مسلمانوں میں یہ دستور ہے کہ جانور کسی بت کے نام پر یا کسی مزار کے نام پر ایک معین مدت کے لئے چھوڑ دیتے ہیں، پھر کچھ مدت کے بعد یا اپنی تکلیف دور ہونے پر اس جانور کو پکڑ کر فروخت کر دیتے ہیں۔اب ایسا جانور جو غیر اللہ کے نام پر چھوڑا گیا ہو،اس کو خرید کر قربانی کرنا یا عام دنوں میں قصاب سے اس کا گوشت خرید کر کھانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کسی مزار یا بت کے نام پر جانور چھوڑنا بنص قطعی حرام اور سخت گناہ کا کام ہے مگر اس حرام عمل سے جانور حرام نہیں ہو جاتا اور شرعی اصول کے مطابق یہ جانور اپنے مالک کی ملک سے خارج نہیں ہوتا (اگر چہ وہ اپنے غلط عقیدہ کی بنا پر یہ سمجھتا ہے کہ وہ میری ملک سے نکل کر غیر اللہ کے لئے وقف ہو گیا ہے مگر شرعاً اس کا یہ عقیدہ باطل ہے وہ جانور بدستور اس کی ملک میں ہے)لہذا اگر کوئی شخص جانور کے مالک سے وہ جانور خرید کر قربانی کرے تو قربانی درست ہے،اسی طرح عام دنوں میں اگر قصاب یہ جانور خرید کر اس کا گوشت فروخت کرے تو وہ گوشت خرید کر استعمال کرنا بھی درست ہے (معارف القرآن از مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ج ۲ ص ۴۲۳،ص ۴۲۴ سورۂ بقرہ تحت الآیة وما اهل به لغیر اللہ) فقط واللہ اعلم بالصواب . یکم صفر المظفر ۱۴۰۳ھ۔

بکرے کا کان لمبائی میں چیرا ہوا ہو تو اس کی قربانی درست ہے:

(سوال ۷۹)ایک بکرے کا کان لمبائی میں چرا ہوا ہے تو ایسے بکرے کی قربانی درست ہے یا نہیں؟ کان مکمل موجود ہے مگر لمبائی میں چرا ہوا ہے،بینوا توجروا۔

(الجواب) کان مکمل موجود ہے لمبائی میں چرا ہوا ہے تو اس کی قربانی درست ہے،شامی میں ہے وفی البدائع وتجزی الشرقاء مشقوقة الاذن طولا والخرقاء مثقوبة الاذن الخ (شامی ص ۳۸۴ ج۵ کتاب الاضحیة) فقط واللہ اعلم بالصواب .

خنثیٰ بکرے کی قربانی:

(سوال ۸۰)خنثیٰ بکرے کی قربانی صحیح ہے یا نہیں؟بینوا توجروا۔

(الجواب) خنثیٰ بکرے کی قربانی صحیح نہیں ہے،فتاویٰ عالمگیری میں ہے لا تجوز التضحیة بالشاة الخنثی لان لحمها لا ینضج(فتاویٰ عالمگیری ج۵ ص ۲۹۹ باب نمبر ۵) فی بیان محل اقامة الواجب)

فتاویٰ دارالعلوم قدیم میں ہے۔

(الجواب) درمختار اور شامی میں مذکور ہے کہ خنثی کی قربانی درست نہیں۔ **و لا بالخنثی لان لحمها لا ینضج شرح وهبانية (درمختار) قوله لان لحمها لا ینضج) ولهذا التعليل اندفع ما اورده ابن حبان من انها لا تخلوا اما ان تكون ذكرا او انثى وعلى كل تجوز الخ شامی ج۵ ص ۲۸۴ کتاب الاضحية فقط .(فتاوىٰ دارالعلوم قديم، عزيز الفتاوىٰ ص ۱۸۳ ج۷،۸)فقط والله اعلم بالصواب .**

لنگڑا کر چلنے والے بکرے کی قربانی:

(سوال ۸۱) ایک بکرا جو فربہ اور صحت مند ہے اس کے پاؤں میں چوٹ لگ گئی، اس کی وجہ سے وہ لنگڑا کر چلتا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں اگر وہ بکرا چلتے وقت اس پیر پر سہارا لیتا ہو اور اس پیر کو زمین پر ٹیک کر چلتا ہو، البتہ درد کی وجہ سے صرف لنگڑاتا ہو تو اس بکرے کی قربانی جائز ہے، اور اگر اس پیر پر بالکل وزن نہ لیتا ہو اس کو گھسیٹتے ہوئے یا اس پیر کو اٹھا کر صرف تین پیر پر چلتا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں۔

درمختار میں ہے: **(والعرجاء التي لا تمشي الى المنسک)** شامی میں ہے **(قوله والعرجاء) اى التى لا يمكنها المشى برجلها العرجاء انما تمشي بثلاث قوائم حتى لو كانت تضع الرابعة على الارض وتستعين بها جاز عناية (درمختار و شامي ص ۳۸۲ ج۵ كتاب الاضحية)**

ہدایہ اخیرین میں ہے: **ولا يضحى بالعمياء والعرجاء التي لا تمشي الى المنسک والعجفاء ..... والعرجاء البين عرجها .** حاشیہ میں ہے **قوله البين عرجها هى ان لا يمكنها المشى برجلها العرجاء وانما تمشي بثلث قوائم حتى لو كانت تضع الرابعة على الارض وضعاحقيقيا يجوز ذكره خواهر زاده .(هدايه آخرين ص ۴۲۹ ايضاًمع حاشيه ص۵) فقط والله اعلم بالصواب**

جرسی گائے کی قربانی کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۸۲) جرسی گائے کی قربانی کرنا کیسا ہے؟ جرسی گائے کی پیدائش فطری طریقہ یعنی نر اور مادہ کے اختلاط اور صحبت سے نہیں ہوتی بلکہ گائے پر جب شہوت کا غلبہ ہوتا ہے اور اسے نر کی ضرورت پیش آتی ہے جسے ماہر لوگ سمجھ لیتے ہیں اس وقت بذریعہ انجکشن ولایتی بیل کا نطفہ اس کے رحم میں پہنچا دیا جاتا ہے اس سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے اسے جرسی گائے کہا جاتا ہے عام گایوں کی طرح اس کے پشت پر کوہان کی طرح ابھار نہیں ہوتا، تو اس کی قربانی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بیل کا نطفہ بذریعہ انجکشن گائے کے رحم میں پہنچایا جاتا ہے، اور اس سے بچہ کی ولادت ہوتی ہے تو اسے گائے کا بچہ کہا جائے گا اور اس کا کھانا حلال ہوگا البتہ قربانی جو ایک عظیم عبادت ہے اس میں ایسا جانور ذبح کرنا چاہئے جس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہو، جب غیر مشتبہ جانور بآسانی دستیاب ہو سکتے ہیں تو اس قسم کے مشتبہ جانور کو ذبح نہ کرنے میں احتیاط ہے اپنی عبادت کو بلا مجبوری مشتبہ بنانا مناسب نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ہرن کی قربانی:

(سوال ۸۳) ایک شخص نے قربانی کی نیت سے ایک ہرنی خریدی ہے اور وہ ہرنی اس سے بہت مانوس ہے وہ اس کی قربانی کرنا چاہتا ہے تو قربانی کرسکتا ہے یا نہیں؟ وہ شخص کہتا ہے کہ جب ہرن کا گوشت کھانا حلال ہے تو قربانی بھی صحیح ہونا چاہئے، آپ وضاحت فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) ہرنی وحشی جانوروں میں سے ہے، اور وحشی جانور کی قربانی جائز نہیں، فتاویٰ عالمگیری میں ہے ولا یجوز فی الاضاحی شئی من الوحش۔ وحشی جانوروں میں سے کسی جانور کی قربانی جائز نہیں ہے (فتاوی عالمگیری ص ۱۹۹ ج ۲، کتاب الاضحیہ باب ۵)

یہ ضروری نہیں ہے کہ جس جانور کا کھانا حلال ہو اس کی قربانی بھی جائز ہو، دیکھئے، ایک برس سے کم عمر کا بکرا، دو برس سے چھوٹا بچھڑا، پانچ برس سے کم کا اونٹ کھانا حلال ہے لیکن ان جانوروں کی قربانی جائز نہیں قربانی جائز ہونے کے لئے شرعی دلیل ضروری ہے، صرف عقلی دلیل کافی نہیں۔

لہذا صورت مسئولہ میں ہرنی چاہے مانوس ہوگئی ہو تب بھی اس کی قربانی جائز نہیں، فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

وان ضحی بظبیة وحشیة انست وببقرة وحشیة انست لم تجز.

ترجمہ:۔ اگر کسی شخص نے جنگلی (وحشی) ہرن کی یا جنگلی گائے کی جو مانوس ہوگئی ہے اس کی قربانی کی تو یہ جائز نہیں (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۹۹ ج ۶ باب مایجوز فیه الشرکة، کتاب الاضحیه ب ۵) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اونٹ وغیرہ میں دو شریک کی شرکت صحیح ہے یا نہیں:

(سوال ۸۴) اونٹ وغیرہ بڑے جانور میں بجائے سات حصوں کے دو حصے ہوں۔ مثلاً میاں بیوی دونوں قربانی کریں۔ تو ہر ایک کے حصہ میں ساڑھے تین تین ($3\frac{1}{2}$) ہوتے ہیں۔ تو کیا یہ صحیح ہے؟

(الجواب) ہاں صحیح ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں میں سے کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہیں ہے۔ "مالا بد منه" میں ہے۔ "اگر دو کس یک گاؤ یا شتر مناصفۃ خریدہ قربانی کنند جائز است بروایت صحیح" (ص ۱۲۵ مالا بد منه) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بکرے میں چار نفلی قربانی ہوتی ہے کیا یہ صحیح ہے:

(سوال ۸۵) افریقہ سے ایک آدمی کی خط آیا ہے۔ وہاں کے ایک عالم نے کہا ہے کہ ایک بکرے میں چار مرحومین کے لئے نفل قربانی ہوسکتی ہے۔ اس کے مطابق پانچ بکرے اور بیس ۲۰ آدمی کے نام لکھے ہیں۔ تو کیا یہ قربانی سب کی طرف سے درست ہے؟ یا ہر ایک کے لئے ایک ایک قربانی کرنی ہوگی؟ صحیح حدیث سے جواب مرحمت فرمائیں۔

(الجواب) میت کے لئے اور اس کے نام سے قربانی کرنی ہو تو ہر ایک مرحوم کی طرف سے ایک بکرا ہونا ضروری ہے۔ اور اگر نفل قربانی اپنی طرف سے کرے۔ اور اس کے ثواب میں مرحومین کو شریک کرے تو جس قدر چاہے شریک کرسکتا

ہے۔ چار کی قید ضروری نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ساتویں حصہ کی نفل قربانی میں چھ ساتھی شریک ہو سکتے ہیں؟:

(سوال ۸۶) چھ آدمیوں نے مل کر قربانی کے بڑے جانور میں اپنا اپنا واجب حصہ رکھا اور ساتویں حصہ میں سب نے شریک ہو کر آنحضرت ﷺ کے لئے نفل قربانی کی نیت کر لی تو یہ درست ہے یا نہیں؟ واجب قربانی پر تو برا اثر نہیں پڑتا؟ یاد رہے کہ ساتواں حصہ ایک شخص کی طرف سے نہیں ہے بلکہ ایک حصہ میں چھ شریک ہیں۔ لہذا کتاب کے حوالہ سے جواب دیا جائے۔

(الجواب) ان مات احد السبعة المشتركين في البدنة وقال الورثة اذبحوا عنه وعنكم صح عن الكل استحساناً لقصد القربة من الكل ولو ذبحوها بلا اذن الورثة لم يجزهم (درمختار مع الشامي ج۵ ص ۲۸۴ كتاب الاضحية)

روایت مذکورہ فقہیہ سے استحساناً جائز معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب ساتواں حصہ دار فوت ہو گیا تو اس کا حصہ اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو گیا اور اس حصہ کے ورثا مالک بن گئے اور انہوں نے اس ساتویں حصہ کے مالک ہونے کی حیثیت سے قربانی کی اجازت دے دی تو اس کی قربانی درست ہوگی اسی طرح صورت مسئول میں چھ ساتھیوں نے ساتواں حصہ خرید کر حضور ﷺ کے لئے کر دیا تو درست ہونا چاہئے۔ دوسرے علماء سے بھی دریافت کر لیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

پانچ بھائی مل کر اپنے مرحوم والد کی طرف سے بڑے جانور کی قربانی کریں تو کیا حکم ہے:

(سوال ۸۷) پانچ بھائی مل کر اپنے مرحوم والد یا والدہ مرحومہ کی طرف سے قربانی کریں تو صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اپنے مرحوم والد یا والدہ مرحومہ کی طرف سے نفلی قربانی کرنا درست ہے، بہت فضیلت کی چیز ہے اور بڑے ثواب کا کام ہے، ہر بھائی الگ الگ جانور کی قربانی کرے، یا کم از کم بڑے جانور میں ایک حصہ رکھے اس سے کم حصہ نہ ہونا چاہئے۔ اسی طرح پانچ بھائی مل کر بڑے جانور کی قربانی کریں تو یہ بھی درست ہے اس لئے کہ اس صورت میں ہر ایک کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہیں ہوتا بلکہ زائد ہی ہوتا ہے، ہدایہ اخیرین میں ہے۔ وتجوز (البقرة او بدنة) عن خمسة او سبعة او ثلثة ذكره في الاصل لانه لما جاز عن سبعة فعمن دونهم اولى (الى قوله) ولو كانت البدنة بين اثنين نصفين تجوز في الاصح لانه لما جاز ثلثة الاسباع جاز نصف السبع تبعاً له' (هدايه اخيرين ص ۴۲۸، ص ۴۲۹، كتاب الاضحية.

مالابد منہ میں ہے: اگر دو کس یک گاؤ بالمناصفہ خریدہ قربانی کنند جائز است بروایت صحیح (مالا بد منه ص ۱۶۵) فقط والله اعلم بالصواب.

دو شخص مل کر بڑے جانور کی قربانی کریں تو قربانی ہوگی یا نہیں :

(سوال ۸۸)اونٹ وغیرہ بڑے جانور میں سات شریکوں کی بجائے صرف دو آدمی مثلاً شوہر اور بیوی مل کر قربانی کریں تو ہر ایک کے حصہ میں ساڑھے تین حصہ آئیں گے تو کیا یہ جائز ہوگا ؟ اور قربانی صحیح ہوگی یا نہیں ؟

(الجواب) صورت مذکورہ میں قربانی جائز ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہیں ہے، مالا بدمنہ میں ہے "اگر دو کس یک گاؤ بالمناصفہ خریدہ قربانی کنند جائز است بروایت صحیح (مالا بدمنہ ص ۱۶۵)

ہدایہ اخیرین میں ہے: ولو کانت البدنة بین اثنین نصفین تجوز فی الا صح لانه لما جاز ثلثة الا سباع جاز نصف السبع تبعاله (هدایه اخیرین ص ۴۲۹ کتاب الا ضحیة)فقط و الله اعلم بالصواب.

باب العقیقہ

ایام نحر میں عقیقہ کرنا کیسا ہے:

(سوال ۹۳) ایام نحر میں عقیقہ درست ہے یا نہیں۔

(الجواب) ہاں درست ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بچہ کے عقیقہ کا شرعی حکم کیا ہے؟:

(سوال ۹۴) بچہ کے عقیقہ کا کیا حکم ہے؟ ایک شخص کا کہنا ہے کہ عقیقہ رسمی چیز ہے اسلامی طریقہ نہیں امام ابوحنیفہ خود اس کو بدعت اور مکروہ تحریمی لکھتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

(الجواب) مذہب حنفی میں عقیقہ مسنون و مستحب ہے (رواجی نہیں) اسلامی طریقہ ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر بدعت اور مکروہ تحریمی کا الزام لگانا غلط اور افترا ہے۔ مالابد منہ میں ہے: بدانکہ عقیقہ نزد امام مالک رحمہ اللہ و شافعی رحمہ اللہ و احمد رحمہ اللہ سنت موکدہ است و بروایتے از امام احمدؒ واجب و نزد امام اعظمؒ مستحب و قول بہ بدعت بودنش افتراء است بر امام ہمام (ترجمہ۔ جان لو کہ عقیقہ امام مالک رحمہ اللہ و امام شافعی رحمہ اللہ نیز امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سنت موکدہ ہے اور امام احمد کی ایک روایت وجوب کی بھی ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک مستحب ہے اور ان کی طرف بدعت کا قول منسوب کرنا حضرت امام ہمام پر افترا ہے۔ (ضمیمہ مالابد منہ ص ۱۷۸) بچہ پیدا ہونے کی خوشی میں شکریہ کے طور پر نیز آفات و امراض سے حفاظت کے لئے ساتویں دن (یعنی بچہ جمعہ کو پیدا ہو تو جمعرات کو اور جمعرات کو پیدا ہو تو بدھ کو) لڑکے کے لئے دو بکرے اور لڑکی کے لئے ایک بکرا ذبح کیا جائے اور بچہ کا سر منڈوا کر بال کے ہم وزن چاندی غریبوں کو صدقہ کردے اور لڑکے کے سر پر زعفران لگائے یہ تمام باتیں مستحب ہیں، حدیث سے ثابت ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ **عن سمرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الغلام مرتهن بعقيقته يذبح عنه يوم السابع ويسمى ويحلق راسه (ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۸۳ ابواب الاضاحی باب ماجاء فی العقیقه)** (ترجمہ): بچہ اپنے عقیقہ کے بدلہ میں مرہون ہوتا ہے لہذا ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے اور اس کا نام طے کرلیا جائے نیز اس کا سر منڈوایا جائے۔ مرہون کے بہت سے مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ (مثلاً)

(۱) احادیث میں آتا ہے کہ بچہ ماں باپ کے لئے سفارش کرے گا اور وہ ان کا شفیع ہوگا۔ لیکن اگر حیثیت کے باوجود عقیقہ نہیں کیا اور بچپن ہی میں بچہ کا انتقال ہوگیا تو ماں باپ کے لئے شفاعت نہیں کرے گا۔ گویا جس طرح گروی رکھی ہوئی چیز کام میں نہیں آتی، یہ بچہ بھی ماں باپ کے کام نہیں آئے گا۔ (۲) عقیقہ کئے بغیر بچہ سلامتی نیز خیر و برکات سے محروم رہتا ہے۔ یعنی جب تک عقیقہ نہ ہو مرض کے قریب اور محافظت سے دور رہتا ہے۔ (۳) عقیقہ کئے بغیر بچہ اذی یعنی پلیدی میل کچیل وغیرہ میں مبتلا اور صفائی سے دور رہتا ہے۔ جیسے کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے۔ **مع الغلام عقيقة فاهر يقوا عنه دما وا ميطوا عنه الاذى (بخاری شریف ج ۲ ص ۸۲۲ کتاب العقیقة باب اماطة الاذى عن الصبى فى العقيقة)** نیز حدیث شریف میں ہے **عن علی بن ابی طالب رضی الله**

عنه قال عق رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الحسن بشأة وقال يا فاطمة احلقي راسه وتصدقي بزنة شعره فضة فوزنته فكان وزنه درهما او بعض الدرهم الخ (ترمذی ج ۱ ص ۱۸۳ باب ماجآء في العقيقة) یعنی آنحضرت ﷺ نے ایک بکرا ذبح کر کے امام حسنؓ کا عقیقہ کیا اور حضرت فاطمہؓ کو حکم فرمایا کہ اس کا سر منڈواؤ اور بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کردو۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تعمیل کی بالوں کا وزن ایک درہم یا درہم سے کچھ کم تھا (حوالۂ مذکور) (۴) عن ابی بردة يقول كنا في الجاهلية اذا ولد لا حد نا غلام ذبح شأة ولطخ راسه بدمها فلما جاء الله بالا سلام كنا نذبح شأة ونحلق راسه ونلطخه بر غفران . (ابو داؤد شریف ج ۲ ص ۳۷ کتاب الضحایا باب في العقيقة) یعنی حضرت ابو بردہؓ نے فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت میں (قبل از اسلام) بچہ پیدا ہوتا تو ہم بکرا ذبح کرتے اور اس کا خون بچہ کے سر پر لگاتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام سے نوازا تو اب ہم ساتویں دن بکرا ذبح کرتے ہیں نیز بچہ کا سر مونڈتے ہیں اور اس کے سر پر زعفران لگاتے ہیں (حوالہ مذکور) (۵) عن ام كرز رضي الله عنها قالت سمعت يقول صلى الله عليه وسلم عن الغلام شاتان وعن الجارية شاة لا يضركم اذكرانا كن ام اناثا (ابو داؤد ج ۲ ص ۳۶، ایضاً) یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا عقیقہ میں لڑکے کے لئے دو بکرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ بکرا ہو یا بکری۔

عقیقہ کب تک :

(سوال ۹۵) مدت عقیقہ کب تک ہے۔

(الجواب) عقیقہ کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ ساتویں روز کیا جائے جیسا کہ گذشتہ فتویٰ میں حدیث نمبر ا میں آیا ہے اگر ساتویں روز نہ ہو تو چودھویں روز یا اکیسویں روز کرے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ عقیقہ کے جانور کو ساتویں روز ذبح کیا جائے یا چودھویں روز یا اکیسویں روز۔[1]

بہت سے علماء نے ساتویں دن کی تعداد کا لحاظ کر کے بالغ ہونے تک مدت لکھی ہے اور بہت سے حضرات نے کسی مدت کی قید نہیں لگائی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی پچاس برس کی عمر میں عقیقہ کیا ہے مگر یہ روایت صحیح نہیں ضعیف ہے نیز یہ ایک مجبوری کی صورت ہوگی۔ یہاں پر تو بلا عذر مہینوں بلکہ برسوں تک ٹالتے رہتے ہیں اور گھر میں کسی کی شادی ختنہ وغیرہ رواج کی راہ دیکھتے ہیں اور ساتویں دن کا لحاظ بھی نہیں ہوتا اس کے خلاف مستحب ہونے میں کس کو انکار ہوسکتا ہے؟ عقیقہ خود مستحب ہے اور اس کو مستحب طریقہ سے ادا کرنا چاہئے لہٰذا ساتویں روز عقیقہ کرنا بہتر ہے نہ ہو سکے تو چودھویں یا اکیسویں روز کرے بغیر کسی مجبوری کے اس سے زیادہ تاخیر نہ کرے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (طبرانی وفيه ايضا عن بريدة ان النبي صلى الله عليه وسلم قال العقيقة لسبع اولاربع عشرة اواحدى وعشرين رواه الطبراني في الصغير والاوسط الخ بحواله اعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب افضلية ذبح الشاة في العقيقة ج ۱۷ ص ۱۱۸)

عقیقہ کا جانور ذبح کرتے وقت کیا دعا پڑھے؟:

(سوال ۸۹) بتایئے عقیقہ کے جانور کو ذبح کرتے وقت کون سی دعا پڑھی جائے؟

(سوال) عقیقہ کے جانور کو ذبح کرتے وقت یہ دعا پڑھے: اللھم ھذہ عقیقۃ ابنی ...... (اسم ولد) دمھا بدمہ وعظمھا بعظمہ وجلد ھا بجلدہ وشعرھا بشعرہ اللھم اجعلھا فداء لابنی (لڑکے کا نام)

نوٹ: لڑکی کا عقیقہ ہو تو ضمیر کو بجائے مذکر کے مؤنث بناوے۔ جیسے اللھم ھذہ عقیقۃ بنتی (لڑکی کا نام) دمھا بدمھا وعظمھا بعظمھا وجلدھا بجلدھا و شعرھا بشعرھا اللھم اجعلھا فداء لبنتی (لڑکی کا نام) والد کے علاوہ دوسرا کوئی آدمی ذبح کرے تو ابنی یا بنتی کی جگہ بچہ اور اس کے باپ کا نام لے۔ دعاء مذکورہ کے ساتھ انی جھت سے وانا من المسلمین تک پڑھے اور اللھم منک ولک پڑھ کر بسم اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے۔

مرحوم بچہ کا عقیقہ ہے یا نہیں :

(سوال ۹۰) مرحوم بچے کے عقیقہ کرنے کا حکم ہے یا نہیں۔

(الجواب) مرحوم بچہ کے عقیقہ کا مستحب ہونا ثابت نہیں۔ (حوالہ آگے آرہا ہے۔ مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عقیقہ کا ذمہ دار والدین میں سے کون ہے :

(سوال ۹۱) عقیقہ کس کے ذمہ ہے باپ کے یا ماں کے؟

(الجواب) جس کے ذمہ بچہ کا نفقہ واجب ہے۔ اسی کے ذمہ عقیقہ بھی ہے۔ باپ کی حیثیت نہ ہو تو ماں عقیقہ کرے۔ حیثیت نہ ہو تو قرض لے کر عقیقہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

لڑکے کے عقیقہ میں ایک بکرا کافی ہے :

(سوال ۹۲) لڑکے کے لئے ایک بکرا کافی ہے یا نہیں؟

(الجواب) حیثیت ہو تو لڑکے کے لئے دو بکرے، ۲ بھیڑ ۲ دنبے یا قربانی کی گائے یا اونٹ یا بھینس یا کٹرے میں دو حصے افضل ہیں۔ ورنہ ایک بکرا، بھیڑ یا بڑے جانور میں سے ایک حصہ بھی کافی ہے اس سے عقیقہ ہو جاتا ہے (ملاحظہ ہو فتویٰ نمبر ا حدیث نمبر ۳ (اسی باب کا سوال نمبر ا مراد ہے۔ مرتب)

شادی کی دعوت میں عقیقہ کا گوشت استعمال کرنا:

(سوال ۹۳) ایک شخص شادی کے موقع پر عقیقہ کرتا ہے اور دعوت میں عقیقہ کا گوشت استعمال کرتا ہے، عرفا لوگ اس موقعہ پر چڑھاوا" (دیوار) دینے کے عادی ہیں اگر کوئی نہیں دیتا تو داعی کو ناگواری بھی ہوتی ہے اور مدعو بھی چڑھاوا دینا ضروری سمجھتا ہے تو ایسی صورت میں عقیقہ کا گوشت دعوت میں کھلا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عقیقہ کا گوشت بلا کسی عوض کے کھلانا چاہئے شادی کی تقریب میں چونکہ کھانا کھلا کر چڑھاوا (دیوار) ای

جاتا ہے اس لئے عوض اور بدلہ کا شبہ ہوتا ہے لہذا بچنا چاہئے، ہاں ناشتہ وغیرہ کی دعوت میں جس میں چڑھاوا لینے کا دستور نہیں ہے کھلانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، شادی کی دعوت میں عقیقہ کا گوشت کھلانے کا رواج (دستور) ہو جانے میں جو ایک خرابی یہ بھی ہے کہ استحباب کی رعایت نہ ہوگی مستحب یہ ہے کہ ساتویں روز عقیقہ ہو اور تیسرا ... غرباء کو دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بچہ کا عقیقہ کون کرے؟:

(سوال ۹۷) اگر والدین صاحب مال ہوں اور بچہ کا عقیقہ ماموں، چچا، دادا، نانا وغیرہ رشتے دار کریں تو صحیح ہے یا نہیں؟ عقیقہ ادا ہو جائے گا؟ یا والدین کو پھر دوبارہ کرنا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جس پر بچہ کا نفقہ واجب ہے اگر وہ صاحب مال ہو تو اس کو عقیقہ کرنا چاہئے، مالا بدمنہ میں ہے۔

مسئلہ:۔ بر ہر کسے نفقہ مولود واجب باشد او را عقیقہ او ہم از مال خود باید کرد نہ از مال مولود ورنہ ضامن خواہد شد و اگر پدرش محتاج باشد مادرش عقیقہ نماید اگر میسر باشد (مالا بدمنہ۔ رسالہ احکام عقیقہ ص ۱۷۹) اس کے باوجود اگر والدین کو اس کی توفیق نہیں ہوئی اور دوسرے کرنا چاہیں اور والدین رضامند ہوں تو کافی ہو جائے گا دوبارہ کرنا ضروری نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۴ اصفر المظفر ۱۴۰۰ھ۔

مرحوم بچہ کے عقیقہ کے متعلق ایک اشکال کا جواب:

(سوال ۹۸) فتاوی رحیمیہ صفحہ گذشتہ باب ہذا میں ہے۔

(الجواب) مرحوم بچہ کے عقیقہ کا مستحب ہونا ثابت نہیں۔ فقط۔ اس سے جواز تو ثابت ہوتا ہے جواز کی دلیل کیا ہے! ارقام فرما کر ممنون فرمائیں (از مبارکپور)

(الجواب) عقیقہ زندگی میں کیا جاتا ہے مرنے کے بعد عقیقہ کا مستحب ہونا ثابت نہیں اگر مردہ بچہ کے عقیقہ کو مستحب نہ سمجھا جائے محض شفاعت کی امید وار مغفرت کی لالچ سے کر دیا جائے تو گنجائش معلوم ہوتی ہے جیسے کسی نے حج نہیں کیا اور بلا وصیت مر گیا اور وارث نے اس کی مغفرت کی امید پر اپنے خرچ سے حج بدل کیا تو امید ہے کہ حق تعالیٰ قبول فرمائے اس صورت میں عقیقہ کا جانور مستقل ہو احتیاطاً قربانی کے جانور میں شرکت نہ کرے **وحاصله ان الغلام اذا لم يعق عنه فمات لم يشفع لوالديه ثم ان الترمذي اجازبها الى يوم احدى وعشرين قلت بل يجوز الى ان يموت لمارأيت في بعض الروايات ان النبي صلى الله عليه وسلم عق عن نفسه بنفسه الخ** (فيض الباري ج ۴ ص ۳۳۷ كتاب العقيقة) دیگر علماء سے بھی تحقیق کر کے عمل کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عقیقہ کے جانور کے چمڑے کی قیمت سے نکاح خوانی کا رجسٹر بنوانا:

(سوال ۹۹) عقیقہ کے جانور کا چمڑا بیچ کر اس کی قیمت سے نکاح خوانی کا رجسٹر بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) بعضوں نے لکھا ہے کہ عقیقہ کے چمڑے کی وہ اہمیت نہیں ہے جو قربانی کے چمڑے کی ہے لیکن اسے غرباء ہی کو دیا جائے اس کی قیمت سے نکاح خوانی کا رجسٹر نہ خریدا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

قربانی کے علاوہ دنوں میں بڑا جانور عقیقہ میں ذبح کرنا اور اس میں اپنا اور والدین کا حصہ رکھنا:

(سوال ۱۰۰) میں نے اپنے بچہ کا عقیقہ کرنے کا ارادہ کیا ہے اور اس عقیقہ کے ساتھ میرا اور میرے والدین کا عقیقہ کرنے کا بھی ارادہ ہے اس لئے ان سات حصوں کے لئے بڑا جانور خریدا ہے، بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ صرف قربانی کے دنوں میں بڑے جانور میں عقیقہ ہوتا ہے دوسرے دنوں میں نہیں ہو سکتا، آپ جواب عنایت فرمائیں کہ میں نے جس طرح عقیقہ کرنے کا ارادہ کیا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔
(الجواب) اگر آپ کو معلوم ہے کہ آپ کا اور آپ کے والدین کا عقیقہ نہیں ہوا ہے اس وجہ سے آپ اپنے بچہ کے عقیقہ کے ساتھ سب کا عقیقہ کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے بڑا جانور خریدا ہے تو یہ عقیقہ کرنا درست ہے، اور اگر آپ کا یا آپ کے والدین کا عقیقہ ہو چکا ہے تو دوسری مرتبہ عقیقہ کرنا مشروع نہیں اس لئے اس صورت میں ان کو شامل کرنے کی اجازت نہیں پورا جانور بچہ کی طرف سے عقیقہ کر دیں یا دو بکرے خرید کر عقیقہ کر دیں، یہ سمجھنا کہ قربانی کے دنوں کے علاوہ میں بڑا جانور عقیقہ کے لئے نہیں چل سکتا، صحیح نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تبلیغی اجتماع کے کھانے میں عقیقہ کا گوشت کھلایا گیا تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۰۱) ہمارے یہاں تبلیغی جماعت کا ایک اجتماع ہوا، اس میں ایک وقت کے کھانے کا پاس تین روپے فی کس مقرر کیا گیا تھا، پاس والے کھانے میں عقیقہ کے پورے جانور کا گوشت کھلایا گیا، بعد میں لوگوں میں یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ عقیقہ صحیح ہونے میں شبہ ہے اس لئے کہ اس کھانے کے عوض فی کس تین روپے لئے گئے ہیں، آپ وضاحت فرمائیں، کہ مذکورہ صورت کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔
(الجواب) عقیقہ کے گوشت کا حکم قربانی کے گوشت کے مانند ہے، اور قربانی کے گوشت کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کو روپے پیسے کے عوض بیچ دیا جائے تو جو رقم حاصل ہوئی ہو اس کا صدقہ کرنا واجب ہے، ہدایہ اخیرین میں ہے: ولو باع الجلد او اللحم بالدراهم او بما لا ينتفع به الا بعد استهلا كه تصدق بثمنه لا ن القربة انتقلت الى بدله (هدايه اخيرين ص ۴۳۴ كتاب الا ضحية)

عینی شرح ہدایہ میں ہے۔ فاذا تمولـه بالبيع وجب التصدق لان هذا الثمن حصل بفعل مكروه فيكون خبيثا فيجب التصدق (عيني بحواله فتاوىٰ دارالعلوم قديم ص ۱۸۸ ج۷،۸ كتاب

الاضحیۃ)

رسالہ احکام عقیقہ میں ہے۔ مسئلہ:۔ در شرح مقدمہ امام عبداللہ وغیرہ مرقوم وھی کالاضحیۃ یعنی حکم جانور عقیقہ مثل حکم جانور قربانی ست، فی سنھا در عمر کہ بز کم از ایک سال وگاؤ کم از دو سال وشتر کم از کم از پنچ سال نہ بود۔ وفــــی جنسھا ..... وسلامتھا ..... والاکل منھا . در خوردن از وکہ خوردن گوشت عقیقہ ہم فقیر وغنی وصاحب عقیقہ ووالدین اوراجائز است مثل گوشت قربانی والاھداء والاذخار، وامتناع بیعھا الخ .(رسالہ احکام عقیقہ مالا بد منہ ص ۱۸۰)

صورت مسئولہ میں ایک وقتیہ کھانا فی کس تین روپے لے کر کھلایا گیا ہے اور اس کھانے میں عقیقہ کا گوشت استعمال کیا گیا ہے تو عوض لینے کا شبہ قوی ہے اس لئے گوشت کے مقابلہ میں اندازاً جتنی قیمت حاصل ہوئی ہو اتنی قیمت غرباء پر صدقہ کردی جائے تو انشاء اللہ عقیقہ صحیح ہوجائے گا، ایسی دعوت جس میں قیمت اور عوض نہ لیا جائے عقیقہ کا گوشت کھلانے میں مضائقہ نہیں ہے مگر ایسی بلاعوض والی دعوتوں میں بھی عقیقہ کا گوشت کھلانے کا رواج ہوجانے میں خرابی یہ ہے کہ مستحب طریقہ چھوٹ جانے کا اندیشہ ہے، عقیقہ کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ ساتویں روز عقیقہ ہو اور گوشت کے تین حصے کئے جائیں ایک حصہ گھر والوں کے لئے ایک حصہ رشتہ داروں اور دوست احباب کو اور ایک حصہ غرباء کو دیا جائے (فتاویٰ رحیمیہ اردو ج ۶ ص ۱۷۲ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں ، شادی کی دعوت میں عقیقہ کا گوشت استعمال کرنا ، کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے ص ۷۱ مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عقیقہ کے احکام (بارہ سوالات کے جوابات:)

(سوال ۱۰۲)(۱) عقیقہ کس کو کہتے ہیں، اس کے لغوی واصطلاحی معنی کیا ہیں؟

(۲) کیا عقیقہ فرض واجب یا سنت ہے؟

(۳) عقیقہ کے لئے جانور کو ذبح کرتے وقت کیا پڑھنا چاہئے۔

(۴) جانور کیسا ہو، نیز عمر کی کیا قید ہے۔

(۵) لڑکا اور لڑکی کے لئے کتنے جانور ذبح کئے جائیں، یا زیادہ سے زیادہ کتنے اور کم سے کم کتنے؟

(۶) کیا لڑکے کے لئے بکرا یعنی نر جانور ہی ضروری ہے، اور اسی طرح کیا لڑکی کے لئے بکری یعنی مادہ جانور ہی ضروری ہے؟

(۷) کیا عقیقہ کے لئے ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت بچہ کے ماں باپ کھا سکتے ہیں؟ اور کیا وہ بچہ یا شخص بھی جس کا عقیقہ کیا گیا ہو؟

(۸) عقیقہ کرنے کے لئے بچہ کی عمر کی کوئی قید ہے یا زندگی میں کسی بھی وقت کیا جاسکتا ہے۔

(۹) یا عقیقہ آدمی جوان ہوکر اپنی کمائی کے روپے سے بھی کرسکتا ہے، یا صرف ماں باپ ہی کے روپے اس میں استعمال ہوتے ہیں؟

(۱۰) اکثر وبیشتر حضرات کو کہتے ہوئے سنا گیا کہ جس بچہ کا عقیقہ کیا جائے اس کے ماں باپ ذبیحہ کا گوشت

نہیں کھا سکتے۔ اگر کھانا ہو تو بازار سے گوشت لا کر عقیقہ کے گوشت میں ملائیں تب وہ کھا سکتے ہیں، نیز جس کا عقیقہ ہو اگر وہ کھانا چاہے تو اسے منع ہے، یہ خیال کہاں تک درست ہے؟

(۱۱) اگر گنجائش نہ ہو تو کیا ایک ہی جانور چل سکتا ہے؟

(۱۲) اگر کوئی ایسا شخص مرگیا ہو جس کا عقیقہ باقی ہو تو کیا وہ گنہگار ہو گیا، نیز اس کے پسماندگان پر اس کے انتقال کے بعد عقیقہ کرنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱) عقیقہ مشتق ہے عق سے جس کے معنی پھاڑنے کے ہیں اور یہاں نام ہے ان بالوں کا جو بوقت ولادت بچہ کے سر پر چھوٹے (نکلے) ہوئے ہوتے ہیں اور ساتویں روز مونڈے جاتے ہیں۔ اور عقیقہ اس جانور کو بھی کہا جاتا ہے جو ساتویں روز بچہ کے بال مونڈنے کے وقت ذبح کیا جاتا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح)

(۲) ہمارے حنفی مذہب میں عقیقہ مسنون اور مستحب ہے۔ عقیقہ نزد امام اعظمؒ مستحب است۔ (مالا بد منه ص ۱۷۸)

(۳) بچہ کا باپ جانور ذبح کرے تو اس طرح دعا کرے: اللهم هذه عقيقة ابني (یہاں لڑکے کا نام لے) دمها بدمه و لحمها بلحمه و عظمها بعظمه و جلدها بجلده و شعرها بشعره اللهم اجعلها فداء لابني من النار۔

لڑکی کا عقیقہ ہو تو یوں دعا کرے: اللهم هذه عقيقة بنتي (یہاں لڑکی کا نام لے) دمها بدمها و لحمها بلحمها فعظمها بعظمها جلدها بجلدها و شعرها بشعرها، اللهم اجعلها فداء لبنتي من النار۔

ذبح کرنے والا بچہ کا باپ نہ ہو دوسرا کوئی شخص ہو تو ابنی اور بنتی کی جگہ بچہ اور اس کے باپ کا نام لے۔ اس کے بعد یہ دعا پڑھے: انى وجهت وجهى للذى فطر السموات والارض حنيفا و ما انا من المشركين O لاشريك له و بذلك امرت وانا من المسلمين۔

اس کے بعد یہ کہے: اللهم منك ولك پھر بسم الله الله اكبر کہتے ہوئے ذبح کرے۔ فقط۔

(۴) جو جانور قربانی کرنے کے لائق ہو گا وہ عقیقہ کرنے کے لائق ہو گا۔ وهى شاة تصلح لا ضحية (شامی ج۵ ص ۲۹۳ كتاب الاضحية) فقط

(۵) حدیث میں ہے: عن الغلام شاتان و عن الجارية شاة، یعنی لڑکے کے عقیقہ کے لئے دو بکرے یا دو بکریاں، اور لڑکی کے عقیقہ کے لئے ایک بکرا یا ایک بکری ذبح کی جائے (مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۲ باب العقیقة) گنجائش نہ ہو تو لڑکے کے لئے بھی ایک کافی ہے، فقط۔

(۶) لڑکے کے لئے بکرا اور لڑکی کے لئے بکری ہونا ضروری نہیں ہے، حدیث میں ہے لا يضركم ذكرانا كن او اناثا یعنی نر اور مادہ دونوں برابر ہیں (مشکوٰۃ ص ۳۶۲ باب العقیقة) فقط

(۷) بچہ اور اس کے ماں باپ وغیرہ سب کھا سکتے ہیں، قربانی کے گوشت کا جو حکم ہے وہ اس کا بھی ہے، و ساحب عقیقہ و والدین او را بائز است، مثل گوشت قربانی (مالا بدمنه ص ۱۸۰) فقط۔

(۸) مسنون ومستحب ہے کہ پیدائش کے ساتویں روز بچہ کا نام رکھا جائے، اور سر منڈایا جائے، اور بالوں کے ہم وزن سونا یا چاندی صدقہ کیا جائے اور اس کے ساتھ عقیقہ کا جانور ذبح کیا جائے اگر ساتویں روز عقیقہ نہ ہو سکے تو چودہویں روز یا اکیسویں روز کیا جائے، اگر حیثیت نہ ہو تو سات روز کے حساب سے کرے یا سات ہفتہ یا سات مہینے یا سات سال کا حساب لگایا جائے بلوغ تک بعض نے بعد بلوغ کے بھی جائز رکھا ہے، بعد ولادت ہفتم روز یا چہاردہم یا بست ویکم وہمیں حساب یا بعد ہفت ماہ یا ہفت سال عقیقہ باید کرد، الغرض رعایت عدد ہفت بہتر است (مالا بد منہ ص ۱۸۱)

(۹) ہاں آدمی اپنا عقیقہ بڑے ہونے کے بعد بھی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ فقط۔

(۱۰) یہ خیال صحیح نہیں ہے، غلط مشہور ہے۔ فقط۔

(۱۱) ہاں چل سکتا ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے: **عن محمد بن علي بن حسين عن علي بن ابي طالب قال عق رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الحسن بشاة وقال يا فاطمة احلقي رأسه وتصدقي بزنةشعره فضة فوزناه فكان وزنه درهما او بعض دراهم، رواه الترمذي (مشكوة شريف ص ۳۶۲ باب العقيقه)**

(۱۲) بلا عقیقہ مر جائے تو کوئی بھی گنہگار نہیں ہوتا اور پسماندگان پر عقیقہ کرنا ضروری نہیں۔ **فقط والله اعلم بالصواب. ۲۲ شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ۔**

کتاب الذبائح

غیر مقلدوں کے نزدیک کافر کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام

(سوال ۱۰۳) کیا غیر مقلدوں کے نزدیک کافر کا ذبح کردہ جانور حلال ہے؟ اور اس کا کھانا جائز ہے؟

(الجواب) اہل حدیث مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ " قال الشوکانی والحق ان ذبیحة الکافر حلال" (یعنی) شوکانی فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ کافر کا ذبح کردہ جانور حلال ہے (دلیل الطالب ص ۴۰۳)

گردن مروڑی ہوئی مرغی کا ذبح کرنا درست ہے یا نہیں :

(سوال ۱۰۴) بلی نے مرغی پر حملہ کر کے سر توڑ دیا لیکن مرغی زندہ ہے اچھل رہی ہے تو ذبح کر کے کھانا درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں اگر مرغی زندہ ہے اور گردن کا اتنا حصہ باقی ہے کہ ذبح کر سکتے تو ذبح کر کے کھانا درست ہے۔ لیکن توڑا ہوا سر کھانا درست نہیں ہے۔ اور جب سر کے ساتھ پوری گردن بھی توڑ دی ہو اور ذبح کرنے کی مقدار کا حصہ نہ بچا ہو تو ذبح کرنے کا کوئی راستہ نہیں اس کا کھانا حرام ہے۔ (شامی)[1]

ذبح کے وقت جانور کا منہ قبلہ رخ نہ ہو تو کیا حکم ہے :

(سوال ۱۰۵) ذبح کرتے وقت جانور کا منہ قبلہ رخ نہ کرے تو کوئی حرج ہے؟

(الجواب) بوقت ذبح جانور کا منہ قبلہ رخ کرنا سنت ہے، بدون عذر کے قبلہ جانب رخ نہ کرنا خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے (درمختار شامی)[2]

خلاف سنت ذبح کرے تو کیا حکم ہے :

(سوال ۱۰۶) افریقہ میں ذبح کرنے سے پہلے جانور کو پستول یا بندوق سے گولی سر میں یا گردن میں، بڑا چھرا مار کر زمین پر گراتے ہیں، پھر ذبح کرتے ہیں۔ تو از روئے حدیث ایسا کرنا جائز ہے؟ اس طریقہ سے ذبح کردہ جانور کا گوشت کھانا جائز ہے؟ گائے بے مہار پھرتی ہیں جس بنا پر باندھنا مشکل ہوتا ہے۔ لہذا ان پر بندوق، پستول یا چھرے سے وار کرنا جائز ہے؟ تفصیل سے جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

(الجواب) مذکورہ سوال کے مطابق جانور اگر ایسا مست اور طوفانی ہو کہ کسی طرح اس پر قبضہ نہ کر سکتے ہوں تو مجبوراً گردن یا پیر وغیرہ (حتی الامکان سر میں نہیں) چھرا یا پستول وغیرہ سے وار (مجروح) کر کے گرا سکتے ہیں بشرطیکہ

---

(۱) شاة قطع الذئب اوداجها وهي حية لا تذكي لفوات محل الذبح ولو انتزع رؤسها وهي حية تحل بالذبح بين اللبة و اللحيين كتاب الذبائح ج ۲ ص ۲۰۸)

(۲) وكره ترك التوجه الى القبلة لمخالفة السنة ص ۲۹۶ كتاب الذبائح)

مرنے سے پہلے ذبح کرلیں۔فقہاء احادیث کی روشنی میں یہاں تک لکھتے ہیں کہ گائے زیادہ طوفانی ہونے کی وجہ سے قبضہ میں نہ آئے اور ذبح نہ ہوسکے تو مجبوراً بدن کے کسی حصہ پر چھری، تیزے یا دھار دار ہتھیار سے ضرب لگا کر مجروح کر کے خون بہا کر حلال کرے تو اس کا کھانا جائز ہے۔جیسے کہ شکار میں واما الاضطرارية فركنها العقر وهو الجرح في اى موضع كان وذلك في الصيد وكذلك ما ند من الابل والبقر والغنم بحيث لا يقدر عليها صاحبها لانها بمعنى الصيد (فتاوىٰ عالمگيرى ج۵ ص ۲۸۵ كتاب الذبائح الباب الاول) لیکن اگر پستول یا چھرے وغیرہ سے زخمی اس لئے کیا جاتا ہے کہ جانور کو باندھنے اور لٹانے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے تو یہ صورت سخت مکروہ ہے۔ذبح سے پہلے اس طرح کی ایذا رسانی، درست نہیں ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

معین ذابح ''بسم اللہ'' پڑھے یا نہیں

(سوال ۱۰۷) " اغلاط العوام " نام کی کتاب میں ہے کہ عوام میں مشہور ہے کہ ذابح (جانور ذبح کرنے والا) کے معین (مددگار) پر بھی "بسم الله الله اكبر" کہنا واجب ہے، سو یہ محض غلط ہے (ص ۷) اور ضمیمہ " مالا بدمنه" میں ہے۔اگر کسے اضحیہ خودش باعانت دیگر ذبح نماید پس واجب است تسمیہ بر معین ذابح واگر یکے ازاں ہم ترک نماید حرام گردد (ص ۱۷۳) ان دونوں میں صحیح کیا ہے؟ بحوالہ کتب تشریح فرمائیں۔بینوا توجروا۔

(الجواب) اس مسئلہ کی علیحدہ علیحدہ صورتیں ہیں اور یہ دونوں صورتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔کتاب 'اغلاط العوام' میں ''معین ذابح'' کا مطلب یہ کہ جو بوقت ذبح جانور کا ہاتھ پاؤں، سر، سینگ وغیرہ پکڑنے میں معین و مددگار بنتا ہے اس کو بسم اللہ پڑھنا واجب نہیں۔ذابح کا بسم اللہ پڑھنا کافی ہے۔

اور ضمیمہ ''مالا بدمنہ'' میں معین سے مراد ذابح کا ساتھی ہے یعنی جو شخص ذابح کے ساتھ ہاتھ رکھے یا چھری پکڑ کر چھری چلانے میں معین و مددگار بنتا ہے اس کو بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے دونوں میں سے ایک بھی چھوڑ دے گا تو جانور حلال نہ ہوگا۔درمختار میں ہے۔ فوضع يده على يد القصاب في الذبح واعانه على الذبح سمي كل وجوبا. (ترجمہ) ذابح اپنا ہاتھ ذبح کے وقت قصاب کے ہاتھ پر رکھ کر ذبح کے لئے مدد کرے تو دونوں پر بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔اگر دونوں میں سے کوئی ایک بھی بسم اللہ چھوڑ دے گا یا گمان کرے گا کہ ایک کا پڑھنا کافی ہے تو جانور حرام ہوگا (درمختار مع الشامي ج۵ ص ۲۹۲ كتاب الذبائح)

خلاصہ یہ کہ جو محض ہاتھ پاؤں وغیرہ پکڑ کر ذبح میں معین و مددگار بنتا ہے اس پر بسم اللہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔ہاں چھری چلانے میں مددگار بنے تو اس پر بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔

ذبح کے وقت کن چیزوں کی رعایت ضروری ہے:

(سوال ۱۰۸) کچھ ذبح کرنے والے جانور کو ذبح کرتے وقت ظالمانہ برتاؤ کرتے ہیں۔لہذا اس موقع پر کن کن اشیاء کا لحاظ ضروری ہے اس کا اظہار ضروری ہے؟

(الجواب) (۱) جانور کو ذبح کرنے سے پہلے چارہ کھلائے پانی پلائے (بھوکا پیاسا) رکھنا مکروہ ہے (۲) مذبح (جائے ذبح) میں لے جاتے وقت گھسیٹ کر لے جانا مکروہ ہے (۳) آسانی سے گرائے بے جا سختی کرنا مکروہ ہے (۴) قبلہ رخ

بائیں کروٹ لٹائے (کہ جان آسانی نکلے) اس کے خلاف کرنا مکروہ ہے (۵) چار پیروں میں سے تین باندھے (۶) چھری تیز رکھے، کند چھری سے ذبح کرنا مکروہ ہے (۷) چھری تیز کرنا ہو تو جانور سے چھپا کر تیز کرے جانور کے سامنے تیز کرنا مکروہ ہے (۸) جانور کو لٹانے سے پہلے چھری تیز کرلے بعد میں تیز کرنا مکروہ ہے۔[1]

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص جانور کو پچھاڑ کر چھری تیز کرنے لگا یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم بکرے کو ایک سے زائد موت دینا چاہتے ہو (۹) ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنا مکروہ ہے (۱۰) لٹانے کے بعد فوراً ذبح کرے بے فائدہ تاخیر کرنا مکروہ ہے (۱۱) سختی سے ذبح نہ کرے کہ سر الگ ہو جائے یا حرام مغز (گردن کے اوپر سے ذبح کرنا مکروہ اور منع ہے کیونکہ اس میں جانور کو زائد از ضرورت ایذا رسانی ہے (۱۳) ذبح کے بعد جانور سرد ہونے سے پہلے گردن علیحدہ نہ کرے اور نہ چمڑا اتارے کہ یہ مکروہ ہے۔ (ہدایہ) (درمختار، شامی وغیرہ) مذکورہ بالا احکام قربانی کے جانور کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر ذبیحہ کے لئے ہیں۔

ذبح کرنے میں گردن علیحدہ ہو جائے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۰۹) ذبح کرتے وقت گردن الگ ہو جائے تو ذبیحہ جانور کھا سکتے یا نہیں؟ چند حضرات اس کو حرام کہتے ہیں اور بعض مکروہ مانتے ہیں۔ اس میں کیا صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کھانا حلال ہے مکروہ اور حرام نہیں (ہدایہ ج ۴ ص ۴۲۲ کتاب الذبائح) ہاں قصداً یا لاپرواہی سے اس طرح ذبح کرنا مکروہ ہے، کیونکہ اس میں زائد از ضرورت جانور کو تکلیف اور ایذا رسانی ہے، حدیث شریف میں ہے کہ خدا پاک نے ہر ایک مخلوق کے ساتھ احسان و خوبی کا برتاؤ کرنے کو فرض قرار دیا ہے۔ اگر کسی (مجرم) کو قتل کرو تو مناسب صورت سے قتل کرو (کہ اس کو زیادہ تکلیف نہ ہو) اور جانور کو ذبح کرو تو مناسب صورت سے ذبح کرو (کہ زیادہ تکلیف نہ ہو جائے) اور چھری تیز رکھو۔ اس طرح جانور کے لئے سہولت کی کوشش کرو (یعنی چھری پھیرنے سے پہلے اور چھری پھیرنے کے بعد ایسا کام نہ کرو جس سے جانور کو تکلیف پہنچے۔ مسلم شریف ص ۱۵۲ ج ۲۔

نوٹ:۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ افریقہ میں جو بعض جگہ دستور ہے کہ جانور ذبح کرنے سے قبل سر میں بھاری ہتھوڑا مارتے ہیں پھر ذبح کرتے ہیں اور وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے جانور کی روح جلد نکل جاتی ہے یہ طریقہ ظالمانہ ہے اور سخت مکروہ ہے۔

بلی کے منہ سے چھڑائی ہوئی مرغی کا حکم:

(سوال ۱۱۰) مرغی کو بلی کے منہ سے چھڑا کر فوراً ذبح کرلیا، خون نکلا لیکن حرکت محسوس نہ ہوئی تو اسے کھانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) وندب احداد شفرته قبل الاضجاع وكره بعده كالجر برجلها الى المذبح وذبحها من قفاها ان بقيت حية حتى تقطع العروق والا لم تحل لموتها بلا ذكاة والنخع... وكره كل تعذيب بلا فائدة مثل قطع الرأس والسلخ قبل ان تبرد اى تسكن عن الاضطراب وهو تفسير باللازم كما لا يخفى وكره ترك التوجه الى القبلة لمخالفة السنة. درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۲۹۶.

(الجواب) کھا سکتے ہیں۔درمختار میں ہے۔ذبح شاۃ مریضۃ فتحرکت او خرج الدم حلت "والا لا"(درمختار ص ۲۶۹ ج۵ کتاب الذبائح) بیمار بکری ذبح کی۔اس نے حرکت کی یا اس سے خون نکلا تو حلال ہے ورنہ حلال نہیں ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

آج کل کے یہود ونصاریٰ کے ذبیحہ کا حکم:

(سوال ۱۱۱) کیا آج کل کے یہود ونصاریٰ کا ذبیحہ حلال ہے؟ ہمارے یہاں یونیورسٹی اور کالج میں عرب ممالک کے جو اسٹوڈنس (طلباء) پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان کا ذبیحہ حلال ہے اور یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس مصر فلسطین اور دیگر عرب ممالک کے علماء کرام کے فتاویٰ ہیں اور دلیل یہ بیان کرتے ہیں وطعام الذین او تو االکتاب حل لکم میں نے ان کو مختصراً یہ جواب دیا کہ آج جو اہل کتاب ہیں وہ صرف برائے نام ہیں لیکن وہ تسلیم نہیں کرتے اور حجت بازی کرتے ہیں،لہذا آپ برائے کرم تفصیل سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں کہ کیا عمل کیا جائے؟

(الجواب) بے شک قرآن میں ہے وطعام الذین او تو ا الکتب حل لکم مگر اس آیت کا تعلق ایسے یہود ونصاریٰ سے تھا جو اپنے مذہب کے اصول اور پیغمبر اور کتب سماویہ کو مانتے تھے،سائنس پرست اور نجوم پرست نہیں تھے، ذبیحہ پر غیر اللہ کا نام نہ لیتے تھے اللہ کا نام لے کر ذبح کرتے تھے تو ایسے یہود ونصاریٰ کا ذبیحہ حلال تھا اگر آج بھی اس قسم کے عقائد کے یہود ونصاریٰ ہوں اور بوقت ذبح غیر خدا کا نام نہ لیتے ہوں [1] تو ان کا ذبیحہ اس آیت کی رو سے درست ہونے میں کوئی کلام نہیں لیکن آج کل جو یہود ونصاریٰ ہیں ان میں سے اکثر ملحد،بددین،دہریہ،سائنس پرست اور نجوم پرست ہیں صرف برائے نام اہل کتاب ہیں ان کو مذہب سے بالکل لگاؤ نہیں بلکہ ان کے اقوال وافعال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مذہب سے بیزار ہیں جب ان کی یہ حالت ہے تو وہ اہل کتاب کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور ان کے ذبیحہ کو کس طرح حلال کہا جا سکتا ہے؟ اور ان کے حق میں اس آیت سے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے؟ اس لئے ضروری ہے کہ حلال اور غیر مشتبہ چیز کو چھوڑ کر مشتبہ چیز اختیار نہ کی جائے اور ان کے ذبیحہ سے بالکلیہ احتراز کیا جائے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔

(الجواب) ذبیحہ کتابی کا بنص قرآنی حلال ہے قال اللہ تعالیٰ وطعام الذین او توالکتب حل لکم ای ذبائح الیھود النصاریٰ جلالین،مگر شرط یہ ہے کہ غیر خدا کے نام سے ذبح نہ کرے ورنہ حرام ہے فی الدر المختار اذا سمع منہ عند الذبح ذکر المسیح علیہ السلام اور بعض فقہاء نے شرط لگائی ہے کہ کتابی یہودی معتقد الوہیت عزیر علیہ السلام ونصرانی معتقد الوہیت عیسیٰ علیہ السلام نہ ہو مگر عامۂ روایات مطلق ہیں مگر احتیاط یہ ہے کہ موضع اختلاف سے تحرز کریں،ھکذا حققہ العلامۃ الشامی فی رد المحتار (امداد الفتاویٰ ج۳ ص ۴۶۷ کتاب الذبائح والا ضحیہ) اور فرماتے ہیں:لیکن اس زمانہ میں جو نصاریٰ کہلاتے ہیں وہ اکثر قومی حیثیت سے نصاریٰ ہیں،مذہبی حیثیت سے محض دہری وسائنس پرست ہیں ایسوں کے لئے یہ حکم جواز نکاح کا نہیں (اس سے ذبیح کا حکم بھی سمجھا جا سکتا ہے)(امداد الفتاویٰ ج۲ ص ۱۷۰،بیان القرآن پ۶ ج۳)

---

(۱) اور اللہ تعالیٰ کا نام لیکر ذبح کرتا ہو۔سعید احمد

مفسر قرآن حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مگر یاد رہے کہ ہمارے زمانہ کے نصاریٰ عموماً برائے نام نصاریٰ ہیں ان میں بکثرت وہ ہیں جو نہ کسی آسمانی کتاب کے قائل ہیں نہ مذہب کے نہ خدا کے، ان پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہوسکتا لہٰذا ان کے ذبیحہ اور نساء کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہوگا۔ نیز یہ ملحوظ رہے کہ کسی چیز کے حلال ہونے کے معنی یہ ہیں کہ فی حد ذاتہ کوئی وجہ تحریم کی نہیں لیکن اگر خارجی اثرات وحالات ایسے ہوں کہ اس حلال سے منتفع ہونے میں بہت سے حرام کا مرتکب ہونا پڑتا ہو، بلکہ کفر میں مبتلا ہونے کا احتمال ہو تو ایسے حلال سے انتفاع کی اجازت نہیں دی جائے۔ (فوائد عثمانی سورۂ مائدہ پارہ نمبر ۶)

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے آج کل جو لوگ نصاریٰ کہلاتے ہیں ان میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو دہری ہیں، کسی مذہب ہی کو نہیں مانتے، بلکہ خدا کے وجود ہی کے قائل نہیں یہ لوگ اگرچہ باعتبار مردم شماری نصاریٰ کہلاتے ہیں مگر حکم شرع میں ایسے لوگ اہل کتاب نہیں ہوسکتے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ج ۱-۲ ص ۱۶۰)

پاکستان کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں "آج کل یورپ کے عیسائی اور یہودیوں میں ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو اپنی مردم شماری کے لحاظ سے یہودی یا نصرانی کہلاتے ہیں مگر درحقیقت وہ خدا کے وجود کے اور کسی مذہب ہی کے قائل نہیں، نہ تورات وانجیل کو خدا کی کتاب مانتے ہیں نہ موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا نبی وپیغمبر تسلیم کرتے ہیں، یہ ظاہر ہے کہ وہ محض مردم شماری کے نام کی وجہ سے اہل کتاب کے حکم میں داخل نہیں ہوسکتے نصاریٰ بنی تغلب کے بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ ان کا ذبیحہ حلال نہیں اور اس کی وجہ یہی بتلائی کہ یہ لوگ دین نصرانیت میں سے بجز شراب نوشی کے اور کسی چیز کے قائل نہیں، حضرت علیؓ کا ارشاد ہے۔

روی ابن الجوزی بسنده عن علی رضی الله عنه قال لا تاکلوا من ذبائح نصاری بنی تغلب فانهم لم يتمسكوا من النصرانية بشی الا شربهم الخمر ، ورواه الشافعی رحمه الله بسند صحيح عنه تفسير مظهری ج ۳ ص ۳۴) سوره مائده.

ابن جوزی نے سند کے ساتھ حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نصاریٰ بنی تغلب کے ذبائح کو نہ کھاؤ کیونکہ انہوں نے مذہب نصرانیت میں سے شراب نوشی کے سوا کچھ نہیں لیا، امام شافعیؒ نے بھی سند صحیح کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بنی تغلب کے متعلق یہی معلومات تھیں کہ وہ بے دین ہیں، نصرانی نہیں ہیں۔ اگرچہ نصرانی کہلاتے ہیں اس لئے ان کے ذبیحہ سے منع فرمایا (**اسلامی ذبیحہ بحوالہ جواهر الفقه ج ۲ ص ۳۹۳، ص ۳۹۴**)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے زمانہ کی بنی تغلب کے نصاریٰ کے حالات دیکھ کر ان کے ذبیحہ کو حرام فرمایا، آج کل کے یہود ونصاریٰ کے حالات تو ان سے کئی درجہ بدتر ہیں پھر کس طرح ان کے ذبیحہ کو حلال کہا جاسکتا ہے؟

مصر وفلسطین کے علماء کے فتوں کا ذکر کیا جاتا ہے مگر آج سے تقریباً نصف صدی پہلے جب مفتی عبدہ نے (آج کل کے مصری وفلسطینی علماء انہی کے جمع کردہ مواد سے استدلال کرتے ہیں اور انہی کی تقلید کرتے ہوئے یہود ونصاریٰ کے ذبیحہ کو حلال کہتے ہیں) جب یہود ونصاریٰ کے ذبیحہ کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا تو اس زمانہ کے تمام ہی

علماء نے ان کے اس فتوی کی تردید کی تھی، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

''اب سے نصف صدی پہلے مصر کے مفتی عبدہ نے پوری ملت اسلامیہ اور ائمہ اربعہ کے خلاف یورپ میں ہونے والے سب ذبائح کے حلال ہونے کا فتوی دے دیا تھا جس پر پورے عالم میں اضطراب پیدا ہوا مفتی عبدہ کو ان کے عہدہ سے ہٹانے کے مطالبات ہوئے اطراف عالم کے علماء نے ان کے فتوی کی تردید کی۔الی قولہ۔اس لئے علماء امت نے مفتی عبدہ کے اس فتوی کو قرآن وسنت کی نصوص اور ائمہ اربعہ و جمہور فقہاء کے خلاف قرار دیا اور اسلامی دنیا کے ہر علاقہ سے اس کی تردید میں مضامین لکھے گئے، مفتی عبدہ کے شاگرد علامہ رشید رضا مصر کے اہل قلم صحافی اور ذی علم ہیں انہوں نے اپنے استاذ کی حمایت میں مضامین لکھے اور اپنے سیاسی اقتدار اور خاص کوششوں کے ذریعہ کچھ علماء کی موافقت بھی حاصل کرلی اس طرح مصر میں یہ فتنہ دب گیا مگر فتنہ کا دب جانا اور چیز ہے اور فتوی کا مانا جانا دوسری چیز۔ اس زمانہ کی اخبارات ورسائل دیکھے جائیں تو یہ حقیقت کسی پر مخفی نہیں رہتی کہ پوری دنیا کے علماء نے مفتی عبدہ کے اس فتوی کو غلط ناقابل اعتبار قرار دیا تھا۔(اسلامی ذبیحہ بحوالہ جواہر الفقہ ص ۴۰۵، ص ۴۰۶ جلد دوم)

یہ ہے حقیقت مفتی عبدہ اور علامہ رشید رضا کے فتاوی کی، لہٰذا اب ان کے فتووں کا سہارا لے کر یہود ونصاری کے ذبیحہ کو حلال کہنا اور پوری امت مسلمہ کے خلاف کرنا بالکل صحیح نہیں، مومن کی سعادت مندی اور کامیابی اسی میں ہے کہ اس کے پیٹ میں حلال طیب غذا پہنچے اس سے قلب منور ہوتا ہے روحانیت پیدا ہوتی ہے عبادات کا شوق پیدا ہوتا ہے اس میں دل لگتا ہے خدا کی محبت اور خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور جب پیٹ میں حرام اور مشتبہ چیز جاتی ہے تو قلب میں ظلمت اور تاریکی پیدا ہوتی ہے روحانیت ختم ہو جاتی ہے، عبادت کا شوق پیدا نہیں ہوتا اور اس میں دل نہیں لگتا، اس لئے حلال وطیب ہی غذا کے حصول کی سعی کرنا چاہئے واللہ اعلم۔

بندوق سے مارا ہوا شکار حلال ہے یا نہیں :

(سوال ۱۱۲) بندوق کی گولی سے شکار مارا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے جب شکار ملا تو ذبح کیا لیکن اس کو ذبح کرنے کے وقت اس میں حرکت نہیں تھی صرف تھوڑا سا خون نکلا تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر بندوق چلاتے وقت ہی دل میں ذبح کی نیت کرلی جائے اور زبان سے بسم اللہ اکبر کہے اور پھر ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ جانور بے جان ملے تو کیا حکم ہے؟ اسی طرح جانور اتنا چھوٹا ہے کہ گولی لگتے ہی مر جائے گا تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بندوق کی گولی سے شکار مارا تو اس جانور کے حلال ہونے کے لئے بعد میں ذبح کرنا شرط ہے اگر ذبح کرنے سے پہلے وہ شکار مر گیا (چھوٹا ہو یا بڑا) تو وہ شکار حلال نہ ہوگا کہ گولی میں دھار نہیں ہے، اور جانور گولی کی مار اور جلن سے مرتا ہے۔ درمختار میں ہے (او قتله معراض بعرضه او بندقة ثقيلة ذات حدة تقتلها بالثقل لا بالحد) شامی میں ہے قال قاضی خان لا يحل صيد البندقة والحجر والمعراض والعصا وما اشبه ذلك وان جرح لانه لا يخزق . الى قوله . فاما الجرح الذى يدق فى الباطن ولا يخزق فى الظاهر لا يحل لانه لا يحصل به انهار الدم. الى قوله . وفى التبيين ان الموت اذا حصل بالجرح بيقين حل وان بالثقل او شك فيه فلا يحل حتماً او احتياطا ا ه ولا يخفى ان الجرح بالرصاص انما هو بالا حراق والثقل

بواسطة اندفاعه العنيف اذ ليس له حد فلا يحل وبه افتى ابن نجيم (درمختار شامى ج۵ ص ۴۱۷ كتاب الصيد)فقط والله اعلم بالصواب . ۷ جمادى الثانى ۱۴۰۱ھ.

مچھلی بغیر ذبح کئے کیوں حلال ہے؟:

(سوال ۱۱۳) مچھلی بغیر ذبح کئے کیوں حلال ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ارشاد خداوندی ہے وهو الذى سخر البحر لتا كلوا منه لحما طرياً وهو السمک۔ وہ ذات ہے جس نے تمہارے قابو میں دریا کردیا تا کہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ۔ تازہ گوشت سے مراد مچھلی ہے۔ (تفسیر جلالین۔ سورۂ نحل پ۱۴ص ۱۷۸)

دوسرے جانوروں کی طرح اس کو ذبح کرنے کی شرط نہیں ہے، بلا ذبح حلال ہے بنا بنایا تازہ گوشت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کا ارشاد ہے احلت لنا ميتتان ودمان الميتتان الحوت والجراد والدمان الكبدو الطحال یعنی ہمارے لئے دو میتوں اور دو خون حلال کئے گئے، دو میتوں سے مراد مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون سے مراد جگر اور تلی ہیں (مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۱ باب ما یحل اکلہ وما یحرم)

مچھلی دوسرے جانوروں کی طرح نہیں ہے، اس میں دم مسفوح نہیں ہے، اس کے بدن کا اصلی مادہ پانی ہے اور پانی بالطبع پاک ہے لہذا مچھلی کی روح جدا ہو جانے سے اس پر ناپاک ہونے کا حکم نہیں لگے گا۔ اس لئے ذبح کرنا ضروری نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) عیسائی بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے تو کیا حکم ہے
(۲) ذبح میں کتنی رگیں کاٹنا ضروری ہے :

(سوال ۱۱۴) عیسائیوں کا ذبیحہ جس پر وہ کسی کا نام نہیں لیتے نہ خدا کا نہ کسی اور کا، اور ذبح میں حلقوم نہیں کاٹتے، اسے اہل کتاب کا ذبیحہ کہہ سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) آج کل کے عیسائی اہل کتاب میں شامل ہیں یا نہیں، اولاً یہی مسئلہ قابل غور ہے اس مسئلہ کے متعلق ایک تفصیلی فتویٰ، فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد ششم از ص ۱۷۴ تا ص ۱۷۸ میں ہے اسے ضرور ملاحظہ کیا جائے۔ (جدید ترتیب کے مطابق یہ سوال اسی باب میں گذر چکا ہے۔ مرتب)

جن لوگوں کا ذبیحہ حلال ہے ان کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ بوقت ذبح اللہ کا نام لیں بسم الله الله اكبر کہہ کر ذبح کریں اگر اس طرح ذبح کریں گے تب ہی ذبیحہ حلال ہوگا، قصداً و ارادۃً اگر اللہ کا نام ترک کر دیں چاہے کسی اور کا نام نہ لیں مگر وہ ذبیحہ متروک التسمیہ عمداً کے اندر داخل ہوگا اور وہ حرام ہوگا، ہدایہ اخیرین میں ہے: وان ترک الذابح التسمية عمداً فالذبيحة ميتة لا توكل وان تركها ناسياً اكل ...... والمسلم والكتابى فى ترک التسمية سواء (هدايه اخيرين ص ۴۱۹، كتاب الذبائح)

ذبح کا بہتر اور متفق علیہ طریقہ یہ ہے کہ چار رگیں (حلقوم، مری، ودجان) کاٹی جائیں اور اگر ان میں سے

کوئی بھی تین رگیں کاٹی جائیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ذبیحہ حلال ہوجاتا ہے، درمختار میں ہے وعروقہ الحلقوم...... (والمری) هو مجری الطعام والشراب (والودجان) مجری الدم (وحل) المذبوح (بقطع ای ثلث منها) اذ للاکثر حکم الکل (درمختار مع شامی ص ۲۵۶، ص ۲۵۷ ج۵ کتاب الذبائح)

ہدایہ اخیرین میں ہے: والعروق التی قطع فی الذکاة اربعة، الحلقوم والمری والودجان الیٰ قوله. وعندنا ان قطعها (ای الاربع) حل الاکل وان قطع اکثرها فکذلک عند ابی حنیفةؒ اذا قطع الثلث ای ثلث کان یحل (هدایه اخیرین ص ۴۲۱ جلد ۴ کتاب الذبائح)

بہشتی زیور میں ہے۔ مسئلہ: ذبح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جانور کا منہ قبلہ کی طرف کر کے تیز چھری ہاتھ میں لے کر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر اس کے گلے کو کاٹے یہاں تک کہ چار رگیں کٹ جاویں ایک نرخرہ جس سے سانس لیتا ہے، دوسری وہ رگ جس سے دانہ پانی جاتا ہے اور دو شہ رگیں جو نرخرہ کے دائیں بائیں ہوتی ہیں، اگر ان چار میں سے تین ہی رگیں کٹیں تب بھی ذبح درست ہے، اس کا کھانا حلال ہے اور اگر دو ہی رگیں کٹیں تو وہ جانور مردار ہوگیا اس کا کھانا درست نہیں۔

مسئلہ: ذبح کے وقت بسم اللہ قصداً نہیں کہا تو وہ مردار ہے اور اس کا کھانا حرام ہے اور اگر بھول جاوے تو کھانا درست ہے (بہشتی زیور ص ۷۰ تیسرا حصہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مشینی ذبیحہ:

(سوال ۱۱۵) کیا فرماتے ہیں حضرات مفتیان کرام مسئلہ ذیل کے متعلق، ہمارے یہاں بار باڈوز میں مشین پر مرغ ذبح ہوتے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ زندہ مرغوں کو مشین ذبح پر لایا جاتا ہے اور انہیں بجلی کا کرنٹ دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے مرغ نیم بے ہوش ہوجاتے ہیں، اس کے بعد آٹومیٹک پٹہ کے ذریعہ مشینی چھری تک پہنچتے ہیں، اس وقت ایک مسلم شخص بسم اللہ بول کر (مشین کے ذریعہ) ذبح کرتا ہے اور پورا خون اور جان نکلنے سے پہلے ہی مشین کے ذریعہ گرم پانی میں ڈال دیتے ہیں، اس کے بعد باہر نکال کر پَیرا کھاڑتے ہیں اور نجاست کے علاوہ اندر کی تمام اشیاء مشین کے ذریعہ صاف کی جاتی ہیں اور عمل ذبح مکمل ہوجانے کے بعد "حلال چکن" تحریر کردہ ڈبو میں گوشت بند کیا جاتا ہے، ڈبوں کی پیکنگ کے وقت مسلم رفقاء وہاں موجود ہوتے ہیں، مذکورہ طریقہ کے مطابق ایک گھنٹہ میں ڈیڑھ ہزار سے زائد مرغ ذبح کئے جاتے ہیں اور ڈبوں میں بند کرنے کا عمل کفار کرتے ہیں، اس کے بعد پیک کردہ مرغ (ڈبوں کی شکل میں) گودام میں منتقل ہوتے ہیں وہاں مسلم و کفار دونوں کے مذبوحہ مرغ ہوتے ہیں، اس کے بعد "حلال چکن" کے عنوان سے سپر مارکیٹ میں فروخت کئے جاتے ہیں، مشینی ذبیحہ مذکورہ بالا طریقہ کا ہمارے رفقاء نے مشاہدہ کیا ہے، تو کیا اس مشینی ذبیحہ کا استعمال از روئے شروع مسلمانوں کے لئے جائز ہے؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں بوقت ذبح مرغوں پر جو حالات گذرتے ہیں انہیں دیکھتے ہوئے ایسے ذبیحہ کے کھانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، ذبح کا جو مسنون طریقہ ہے اسی کے مطابق ذبح کرنا چاہئے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

۷ جمادی الثانی ۱۴۱۵ھ (۲/۱۱ /۹۴)

باب مایجوز اکلہ (من الحیوان)ومالایجوز

حلال جانوروں کی سات چیزیں حرام ہیں:

(سوال ۱۱۶)بریلوی علماء اپنے وعظوں میں فتاوی رشیدیہ کا حوالہ دے کر کہتے ہیں کہ دیوبندی علماء بکرے کے خصیے کھانے کو حلال طیب مانتے ہیں۔کیا یہ بات درست ہے؟۔

(الجواب) قطعاً غلط۔افترا اور بہتان ہے۔سوال اور جواب بلفظہ نقل کئے جاتے ہیں۔ملاحظہ فرمایئے۔

(سوال)حلال جانور کے گوشت مثل بکری وگاؤ وطیور وغیرہ میں کون کون چیز حلال ہے اور کون کون چیز حرام ہے؟

(الجواب) سات چیز حلال جانور کی کھانی منع ہیں ذکر،فرج مادہ،مثانہ،غدود،حرام مغز جو پشت کے مہرے میں ہوتا ہے،خصیہ،پتہ مرارہ جو کلیجی میں تلخ پانی کا ظرف ہے اور خون سائل قطعی حرام ہے باقی سب اشیا ءکو حلال لکھا ہے۔مگر بعض روایات میں کڑوے پتہ کی کراہت لکھتے ہیں۔اور کراہت تنزیہی پر حمل کرتے ہیں۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔ بندہ رشیدی احمد گنگوہی۔

کیا کوا کھانا حلال ہے:

(سوال ۱۱۷)مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے کیا کوا کھانا حلال لکھا ہے؟

(الجواب) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے وہی لکھا ہے جو حضرات حنفی فقہاء لکھتے آئے ہیں۔دشمن لوگ جان بوجھ کر بدنام کرتے ہیں۔مولانا گنگوہی کا فتوی اور مکہ معظمہ کے مفتی اعظم عبداللہ بن عباس بن صدیق حنفی کا فتوی جو مولانا گنگوہی کے فتوے کی تائید میں ہے۔دیکھو تذکرۃ الرشید ج ص ۱۷۸۔

نوٹ:۔حرام کو حلال کہنے والے کے لئے جو حکم ہے وہی حلال کو حرام کہنے والے کے لئے بھی ہے۔یہ بات ذہن نشین کر کے جواب پڑھنا چاہئے۔

کوے کو اردو میں کوا اور فارسی میں ''زاغ'' اور عربی میں ''غراب'' کہتے ہیں (لغات کشوری) غراب بہت قسم کے ہوتے ہیں۔بعضے حلال اور بعضے حرام۔بہر حال یہ مسئلہ فروعی ہے۔بہت سے جانور ایسے ہیں کہ ان کے حلال،حرام ہونے کے متعلق اہل سنت کی ائمہ میں اختلاف ہے مثلاً گوہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حرام ہے اور امام شافعی کے نزدیک حلال ہے جو حرام ہے امام شافعی حلال کہتے ہیں۔(حوالہ مذکور) چمگادڑ کو بعض حلال کہتے ہیں اور بعض حرام (ص ۲۹۰) گھوڑے کو بعض حلال کہتے ہیں اور بعض ناجائز بتلاتے ہیں۔روباہ (لومڑی) کو شافعی حلال کہتے ہیں اور حنفی حرام مانتے ہیں۔دریائی مینڈک امام شافعی کی ایک روایت کے مطابق حلال ہے اور امام ابوحنیفہ اس کو حرام کہتے ہیں ۔خود امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے دو شاگردوں کے درمیان بعض جانوروں کے متعلق جائز ناجائز۔مکروہ،غیر مکروہ ہونے اختلاف موجود ہے۔اسی طرح ''غراب'' (کوا) کے بارے میں بھی فقہاء کے درمیان اختلاف ہے **والغراب الذی یاکل الحب والزرع ونحوھا حلال بالا جماع کذا فی البدائع (الی) وعن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ قال سالت ابا حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ عن العقعق فقال لا باس بہ فقلت انہ یا کل النجاسات**

فقال انه یخلط النجاسة بشئی اخر ثم یا کل فکان الا صل عنده ان ما یخلط کالدجاجة لا باس وقال ابو یوسف رحمه الله تعالیٰ یکره العقعق کما تکره الدجاجة کذا فی فتاویٰ قاضی خان(الی قوله) فاما الغراب الذرعی الذی یلتقط الحب مباح طیب وان کان الغراب بحیث یخلط فیا کل الجیف تارة والحب اخری فقد روی عن ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ انه یکره وعن ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ انه لا باس بأ کله وهو الصحیح علی قیاس الدجاجة کذافی المبسوط (فتاویٰ عالمگیری ج۵ ص ۲۸۹ ، ۲۹۰ کتاب الذبائح الباب الثانی فی بیان ما یؤ کل من الحیوان الخ)

اپنے حنفی فقہاء رحمہم اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''غراب'' تین قسم کے ہوتے ہیں (بعض فقہاء نے تین سے زیادہ قسمیں بھی بتائی ہیں)ایک وہ کہ صرف مردار کھاتا ہے یہ ''حرام'' ہے۔دوسرا وہ کہ صرف دانہ کھاتا ہے، یہ ''حلال'' ہے۔ تیسری وہ جو دانہ اور مردار دونوں کھاتا ہے اس کو عقعق کہتے ہیں۔ یہ بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حلال ہے۔ کیونکہ وہ مرغ کی طرح ہے(کہ دانہ ونجاست دونوں کھاتا ہے)اور امام ابو یوسف کے نزدیک یہ تیسری قسم مکروہ ہے۔ کیونکہ وہ زیادہ تر مردار کھاتا ہے۔ مگر امام ابوحنیفہ کا مذہب احق ہے۔(زیلعی شرح کنز) (تکملہ بحر الرائق ج ۱ ص ۱۷۲ کتاب الذبائح) (مجمع الانھر ج۴ ص ۵۱۴)(ذخیرہ العقبی ص ۴۲۹ ، ۴۳۰)(فتاوی جامع الرموز ج۳ ص ۱۴۳)(فتاوی قاضی خان ج۴ ص ۱۵۱)(الدر رالغرر ج ۱ ص ۱۷۱)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ والغراب الذی یا کل الحب والزرع ونحوها حلال بالا جماع.
یعنی جو کوا دانہ اناج اس جیسی چیزیں کھاتا ہے وہ بالاتفاق حلال ہے۔(ج۵ ص ۲۸۹ الباب الثانی فی بیان ما یؤکل من الحیوان الخ)(بدائع ج ۵ ص ۳۹) (کنزالبیان ص ۲۱۸) (قدوری ص ۲۲۲) (درمختار مع الشامی ص ۲۶۸ ج۵) (وقایہ ج۴ ص ۳۳)(فتاوی سراجیہ ص ۷۱)(هدایہ ج ۴ ص ۴۲۳)(احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۳۳)

ان فقہی روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ غراب (زاغ ۔کوا) بعض قسم کے حلال ہیں اور بعض حرام ہیں۔ بریلوی کوے کے نام سے چڑتے ہیں، ہر قسم کے کووں کو حرام بتاکر جمہور فقہاء کے خلاف کر کے ان کو غلط کار ثابت کرتے ہیں، جب مولانا گنگوہی فقہاء کی طرح بعض کو حلال مانتے ہیں اور بعض کو حرام۔ پھر ان کو بدنام کرنے کے کیا معنی۔ میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مولانا گنگوہی نے حنفی فقہاء کے خلاف نہیں لکھا ہے۔ اگر غلطی بھی کی ہوتو پھر بھی لعنت کے مستحق نہ تھے کیونکہ انسان غلطی کا سزاوار ہوتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ''الو'' کو حلال لکھا ہے۔ والبوم یؤکل (فتاویٰ عالمگیری ج۵ ص ۲۹۰ ایضاً) حالانکہ ''الو'' حرام ہے۔حق تعالیٰ بدگمانی سے بچائے۔ آمین یارب العالمین۔

خرگوش کی کتنی قسمیں ہیں اور کون سے خرگوش کھائے جاتے ہیں؟:

(سوال ۱۱۸)خرگوش دو قسم کے ہوتے ہیں ان میں سے کون سے حلال ہیں؟

(الجواب) خرگوش دونوں قسم کے حلال ہیں۔یحل اکل الا رنب عند العلماء کافه الخ (حیوة الحیوان ج ۱ ص ۱۹ وفتاوی رشیدیه ج۲ ص ۹۰)

جھینگا کھانا جائز ہے یا نہیں

(سوال ۱۱۹) جھینگا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو مع دلائل وجہ جواز تحریر فرمادیں اور جولوگ اسے مکروہ قرار دیتے ہیں ان کا کیا جواب ہوگا؟ یہاں گجرات میں عام طور پر بکثرت کھایا جاتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جھینگا دریائی جانور ہے اور دریائی جانوروں میں مچھلی حلال ہے اور جو مچھلی نہیں ہے وہ حرام ہے، جھینگا میں اختلاف ہے، بعض علماء نے مچھلی سمجھ کر حلال کہا اور بعض نے کیڑا خیال کر کے منع کیا تو یہ جانور مشکوک ہوا اور مشکوک اپنی اصل پر محمول ہے، جھینگا میں اصل مچھلی ہونا ہے. کیڑا ہونے کا شبہ ہے لہذا ابناء براصل کے حلال ہے حرام قرار دینا صحیح نہیں اور یہ بھی صحیح نہیں کہ جھینگا کیڑا ہے اس لئے کہ کیڑا پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اور جھینگا مچھلی کی طرح انڈے سے پیدا ہوتا ہے نیز مچھلی کی دیگر علامتیں بھی جھینگے میں پائی جاتی ہیں اس لئے جھینگا حرام اور واجب الترک نہ ہوگا یہ فتویٰ ہے اور بچنے میں تقویٰ ہے، اور تقویٰ مرتبہ کمال ہے۔ کتب لغات وطب میں بالاتفاق اس کی تصریح ہے کہ جھینگا مچھلی ہے، ملاحظہ ہو۔

(۱) الروبیان (جھینگا) ھو السمک صغیر جداً احمر (حیوۃ الحیوان ج ۱ ص ۳۶۰)

(۲) الا ربیان بالکسر سمک کالدود (قاموس المحیط ج ۴ ص ۳۳۲ دارالمامون) (ص ۲۵۴ ربع رابع. نو لکشور)

(۳) (والا ربیان بالکسر سمک کالدود) وفی الصحاح بیض من السمک کالدود یکون بالبصرۃ .فصل الراء من باب الواو والیاء (صحاح مع تاج العروس عربی ج ۱۰ ص ۱۴۲) (امام بغوی والسید محمد مرتضی الزبیدی)

یعنی: اربیان ایک مچھلی کا نام ہے جو (شکل وصورت میں کیڑے کی طرح ہوتی ہے)

(۴) اربیان نوعی ازماھی (صراح ص ۵۶۰ باب الواو والیاء فصل الراء . نو لکشور)

(۵) اربیان نوعی از ماہی است کہ آں را بہندی جھینگا می گویند (منتھی الارب فی لغت العرب ص ۱۲۰ ربع دوم)

(۶) اربیان بفتح الف وبای تازی ملخ آب وآن نوعی از ماہی خورداست کہ بہندی جھینگا گویند وبتازی جراد البحر گویند (شمس اللغات ص ۴۰ فارسی)

(۷) مچھلی جھینگا ماہی روبیان۔ حلال مچھلی ہے، اس کی مونچھیں لمبی ہوتی ہیں رنگ سفید ذائقہ شیریں بساندہ (مخزن المفردات)

(۸) روبیان اسم مضرب من السمک (تذکرۂ داؤد انطاکی)

(۹) الاربیان۔ جھینگا مچھلی (المنجد اردو ص ۵۲ مطبع مصطفائیہ)

(۱۰) جھینگا اگر مچھلی کی قسم ہے تو مباح ہے، ولیکن کچھ شک کی وجہ سے تردد ہوگیا ہے۔ اور اظہر یہ ہے کہ مباح (عین الہدایہ ج ۴ ص ۱۷۳)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا فتویٰ:

ماہی روبیان کا حکم

(الجواب) اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ سمک بجمیع انواعہ حلال ہے، اب صرف شبہ اس میں ہے کہ یہ سمک ہے یا نہیں، سو سمک کے کچھ خواص لازمہ کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوئے کہ ان کے انتفاء سے سمکیت منتفی ہو جائے، اب مدار صرف عدول مبصرین کی معرفت پر رہ گیا، اور اگر مبصرین میں اختلاف ہوگا تو حکم میں بھی اختلاف ہوگا، چنانچہ اسی وجہ سے جریث میں امام محمدؒ مخالف ہیں کما نقلہ الشامی۔ اس وقت میرے پاس حیوٰۃ الحیوان دمیری کی جو کہ ماہیات حیوانیات سے بھی باحث ہے موجود ہے، اس میں تصریح ہے **الروبیان ھو السمک صغیر جداً** اور اس کے مقبول نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں، پس یہ مقتضی حلت کو ہے، مخزن جو کہ نیز باحث ہے ماہیات ادویہ سے اس میں گو اس کو ماہی سے تعبیر کرنا حجت نہیں مگر آگے اس کو حلال کہنا صاف قرینہ ہے کہ اس نے اس کو ماہیت ماہی میں داخل کیا ہے، پس اس سے اور بھی تائید ہوگئی، بہر حال احقر کو اس وقت تو اس کے سمک ہونے میں بالکل اطمینان ہے۔ **ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً۔ واللہ اعلم ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۲۴ھ امداد ج ۲ ص ۱۷۷ (امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۱۰۱)**

ایضاً:

(سوال ۸۵) ادجھڑی کا کھانا مکروہ کس قسم کا ہے اور جھینگا دریائی کہ جو یہاں اور مدراس میں اکثر کھایا جاتا ہے کیا حکم رکھتا ہے۔

(الجواب) فقہاء نے اوجھڑی کو بمنزلہ لحم لکھا ہے، کمافی ردالمحتار (ص ۲۰۹) اور درمختار وغیرہ میں تمام انواع سمک کو حلال کہا ہے، اور سمک ہونا یہ عدول مبصرین کے اخبار پر ہے اور جھینگا مچھلی کو حیوٰۃ الحیوان میں سمک لکھا ہے اس لئے اوجھڑی اور جھینگا مچھلی دونوں حلال ہیں۔ اور جھینگا کے لفظ سے شبہ نہ کیا جاوے جیسا کہ مار ماہی کی حلت مصرح ہے اور لفظ مار سے اس میں شبہ نہیں کیا گیا۔ ۹ رجب ۱۳۲۳ھ۔ تتمہ ثالث (امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۱۰۲)

حضرت علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کا فتویٰ

''جھینگہ کہ آن را اربیان بکسر ہمزہ میگویند چنانچہ از صحاح وغیرہ مفہوم می شود حلال است، چہ آں نوعیست از انواع سمک والسمک بجمیع انواعہ حلال بالاتفاق و آنانکہ قائل بحرمتش شدہ اند منشائی آن فہمیدن جھینگہ را خارج از اقسام سمک ست ولیس کذلک، در حمادیہ می آرد، **الدودی الذی یقال لہ جھینگہ حرام عند بعض العلماء لا نہ لا یشبہ السمک فانما یباح عند نا من صید البحر انواع السمک وھذا لا یکون کذلک وقال بعضھم حلال لانہ یسمی باسم السمک واللہ اعلم۔**

حررہ (علامہ) محمد عبدالحی عفا اللہ عنہ (مجموعہ فتاویٰ قدیم ج ۱ ص ۵۶)

یعنی: جھینگا جس کو اربیان بھی کہتے ہیں جیسا کہ صحاح سے مفہوم ہے حلال ہے کیونکہ یہ بھی مچھلی کی ایک قسم ہے اور مچھلی بجمیع انواعہ بالاتفاق حلال ہے اور جن لوگوں نے اس کو حرام قرار دیا ہے محض اس کو مچھلی کی انواع سے خارج

شمار کرتے ہوئے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، حمادیہ میں ہے۔ کیڑا جسے جھینگہ کہا جاتا ہے بعض علماء کے نزدیک حرام ہے،
ان کا کہنا یہ ہے کہ دریا کا شکار جو از قسم مچھلی ہے وہ حلال ہے اور یہ جھینگہ از قسم سمک نہیں ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے اور
بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ جھینگہ حلال ہے اس لئے کہ اس کو سمک (مچھلی) کہا جاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بطخ حلال ہے یا حرام؟:

(سوال ۱۲۰) بطخ کھانا کیسا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کو ذبح کرنے سے پہلے پیر کاٹ دیئے جائیں تو وہ حلال ہو جاتی ہے، کیا اس کے ذبح کا یہ مخصوص طریقہ ہے؟ اور یہ خیال صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بطخ کھانا حلال ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے **وما لا مخلب له من الطير والمستأنس منه كالدجاج والبط والمتوحش كالحمام والفاختة والعصافير والقبج والكركي والغراب الذي يأكل الحب والزرع ونحوها حلال كذا في البدائع (عالمگیری ج ٦ ص ١٩٤ كتاب الذبائح الباب الثاني في بيان ما يؤكل من الحيوان الخ)** اور اس کے ذبح کا طریقہ وہی ہے جو مرغا مرغی کے ذبح کا طریقہ ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۱ ذیقعدہ ۱۴۰۱ھ۔

خرگوش کھانا حلال ہے یا نہیں؟:

(سوال ۱۲۱) خرگوش ایک ایسا جانور ہے جو صرف اناج اور گھاس کھاتا ہے مردار یا نجاست نہیں کھاتا نہ کسی جانور کا شکار کرتا ہے، خرگوش دو طرح کے ہوتے ہیں (۱) کھر والے ان کے پنجے نہیں ہوتے (۲) پنجہ والے، کھر والے خرگوش ہمارے یہاں نہیں ہوتے صرف پنجہ والے ہوتے ہیں لیکن یہ اپنے پنجہ سے کھاتا نہیں ہے اور یہ پنجہ والا خرگوش بھی نجاست یا مردار نہیں کھاتا ہے تو دونوں قسم کے خرگوش حلال ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (راندیر)

(الجواب) خرگوش دونوں قسم کے حلال ہیں، حیوۃ الحیوان میں ہے **يحل اكل الارنب عند العلماء كافة** یعنی تمام علماء کے نزدیک خرگوش کھانا حلال ہے (حیوۃ الحیوان ج ۱ ص ۱۹) ہدایہ اخیرین میں ہے **ولا بأس باكل الارنب لان النبي صلى الله عليه وسلم اكل منه حين اهدى اليه مشويا وامر اصحابه رضي الله عنهم بالاكل منه ولانه ليس من السباع ولا من اكلة الجيف فاشبه الظبي** . یعنی۔ خرگوش کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ حضور ﷺ کو جب اس کا بھنا ہوا گوشت ہدیہ میں پیش کیا گیا تو آپ نے اس کا گوشت تناول فرمایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو اس کے کھانے کا حکم فرمایا، اور خرگوش نہ درندہ ہے نہ مردار کھانے والا، پس یہ ہرن کے مشابہ ہے، اس لئے اس کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں (ہدایہ اخیرین ص ۴۲۳ کتاب الذبائح) درمختار میں ہے **(وحل غراب الزرع) الذي يا كل الحب (والارنب) (درمختار ج۵ ص ٣٦٨ كتاب الذبائح) فقط والله اعلم بالصواب .**

بکرے کے خصیے کھانا حرام ہے:

(سوال ۱۲۲) بکرے کے کپورے یعنی خصیے کھانا حرام ہیں آپ کے فتاویٰ رحیمیہ جلد دہم ص ۷۵ پر جو درج ہے وہ

ہم نے ایک شخص کو دکھایا مگر وہ کہتا ہے کہ اس میں کسی فقہ کی کتاب کا حوالہ نہیں ہے آپ سے درخواست ہے کہ کسی فقہی کتاب سے حوالہ نقل کردیں تو بہتر ہوگا، وہ شخص اس کے بغیر ماننے کو تیار نہیں ہے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) بکرے کے خصیے (کپورے) کھانا حرام ہے، فقہی کتابوں میں صراحۃً موجود ہے، چنانچہ شامی میں ہے۔

(تتمہ) مایحرم اکلہ من اجزاء الحیوان الماکول سبعۃ الدم المسفوح والذکر والا نثیان والقبل والغدۃ والمثانۃ والمرارۃ ، بدائع (شامی ص ۲۷۱ ج۵) (قبیل کتاب الا ضحیۃ)

درمختار میں ہے:۔ (کرہ تحریماً)من الشاۃ سبع الحیاء (ھو الفرج) والخصیۃ والغدۃ والمثانۃ والمرارۃ والدم المسفوح والذکر) للاثر الوارد فی کراھۃ ذلک و جمعھا بعضھم فی بیت واحد ، فقال.

فقل ذکر والا نثیان مثانۃ
کذلک دم ثم المرارۃ والغدد

(درمختار مع رد المحتار ۴۵۵/۵ ، مسائل شتی قبیل کتاب الفرائض)

بدائع الصنائع میں ہے:۔(فصل)واما بیان مایحرم اکلہ من اجزاء الحیوان الماکول فالذی یحرم اکلہ منہ سبعۃ الدم المسفوح والذکر والا نثیان والقبل والغدۃ والمثانۃ والمرارۃ لقولہ عز شانہ یحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث وھذہ الا شیاء السبعۃ مماتستخبثہ الطباع السلیمۃ فکانت محرمۃ وروی عن مجاھد رضی اللہ عنہ انہ قال کرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الشاۃ الذکر والا نثیین والقبل والغدۃ والمرارۃ والمثانۃ والدم فالمراد منہ کراھۃ التحریم بدلیل انہ جمع بین الا شیاء الستۃ وبین الدم فی الکراھۃ والدم المسفوح محرم الخ (بدائع الصنائع ۶۱/۴ کتاب الذبائح والصیود) فقط واللہ اعلم بالصواب .

جانور کی سات حرام چیزوں میں نر کا عضو تناسل داخل ہے یا نہیں :

(سوال ۱۲۳) فتاوی رحیمیہ اردو جلد دوم ص ۲۲۳ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب کا پہلا سوال ملاحظہ کیا جائے۔ مرتب) پر مذبوحہ حلال جانور کی سات چیزیں حرام بتلائی ہیں اس میں فرج مادہ بھی ہے کیا نر کا عضو تناسل بھی حرام چیزوں میں داخل ہے؟ فتاوی رحیمیہ میں اس کا تذکرہ نہیں ہے، اور حرام مغز سے کیا مراد ہے، غدود اور حرام مغز دونوں ایک چیز ہیں یا الگ الگ؟ برائے کرام وضاحت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) فتاوی رحیمیہ جلد دوم ص ۲۲۳ کے جس فتوی کا آپ نے حوالہ دیا ہے اس میں کچھ عبارت پریس کی غلطی سے طبع ہونے سے رہ گئی ہے، بعد والے ایڈیشن میں وہ عبارت شامل کرلی گئی ہے، اگر بعد والے ایڈیشن کی عبارت آپ کے پیش نظر ہوتی تو مسئلہ پوری طرح صحیح ہو جاتا ہے۔ بعد والے ایڈیشن کی عبارت ملاحظہ ہو۔"

(الجواب) سات چیز حلال جانور کی کھانا منع ہے، ذکر، فرج مادہ، مثانہ، غدود، یعنی حرام مغز جو پشت کے مہرے میں ہوتا ہے، خصیہ، پتہ مرارہ جو کلیجی میں تلخ پانی کا ظرف ہے اور خون سائل قطعی حرام ہے، باقی سب اشیاء کو حلال لکھا ہے مگر

بعض روایات میں کڑوے پتہ کی کراہت لکھتے ہیں اور کراہت تنزیہی پر حمل کرتے ہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔ بندہ رشید احمد گنگوہی (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۲۳ ج ۲) (جدید مبوب)

مذکورہ عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ حرام چیزوں میں نر کا عضو تناسل (ذکر) بھی داخل ہے اور حرام مغز سے مراد غدود ہے جو پشت کے مہرے میں ہوتا ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مچھلی کسی آفت سے مری ہو تو وہ حلال ہے:

(سوال ۱۲۴) بارود کے کیمیکل سے ایک چیز بنائی جاتی ہے، جسے ہمارے یہاں گجرات میں "طوطا" کہتے ہیں، یہ چیز پتھر توڑنے کے لئے استعمال ہوتی ہے، اس کو اگر پانی میں چھوڑا جائے تو اس کی آواز سے مچھلی تڑپتی ہوئی پانی پر آجاتی ہے اس کے بعد مچھلی کا شکار کر کے پکڑ لی جاتی ہے اگر اسے پکڑا نہ جائے تو تھوڑی دیر کے بعد وہ مر جاتی ہے تو ایسی مچھلی کھانا حلال ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جو مچھلی کسی آفت سے مری ہو وہ حلال ہے اور جو اپنی موت سے مر کر پانی کی سطح پر الٹی تیر رہی ہو (یعنی پیٹ اوپر اور پشت نیچے ہو) تو وہ مچھلی حلال نہیں۔

درمختار میں ہے (ولا) یحل حیوان مائی الا السمک) الذی مات بآفة ولو متولداً فی ماء نجس ولو طافیة مجروحة وهبانیة (غیر الطافی) علیٰ وجه الماء الذی مات حتف انفه وهو ما بطنه من فوق فلو ظهره من فوق فلیس بطاف فیؤکل کما یوکل ما فی بطن الطافی وما مات بحر الماء او برده وبربطه فیه او القاء شئی فموته بافة وهبانیة۔

شامی میں ہے:۔ وانما قال العلامة عبدالبر الاصل فی اباحة السمک ان مامات بآفة یوکل ومامات بغیر آفة لا یوکل (قوله او القاء شئی) وکان یعلم انها تموت منه قال فی المنح لو اکلت شیئا القاه فی الماء لتأ کله فماتت منه، وذلک معلوم اه (درمختار و شامی ص ۲۶۷ و ص ۲۶۸ ج ۵، کتاب الذبائح)

صورت مسئولہ میں طوطا چھوڑنے کی آفت سے (اس کے صدمہ سے) مچھلی اگر مر بھی جائے تب بھی وہ حلال ہے کہ اس کی موت طوطا چھوڑنے کی آفت سے ہوئی ہے وہ اپنی موت سے مری نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اوجھڑی کھانا کیسا ہے

(سوال ۱۲۵) ہمارے یہاں ایک شخص یہ کہتا ہے کہ بکرے کی اوجھڑی کھانا حرام ہے اور اپنی اس بات کو ایک عالم کی طرف منسوب کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ آپ لوگ اوجھڑی کو حلال کہتے ہو یہ صحیح نہیں ہے۔ آپ وضاحت فرمائیں کہ اوجھڑی کھانا حلال ہے یا حرام؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فقہاء نے جانور کی سات چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان سات چیزوں میں اوجھڑی شامل نہیں ہے، لہذا اسے حلال کہا جائے گا، جو اسے حرام قرار دیتے ہیں وہ دلیل پیش کریں۔

امدادالفتاویٰ میں ہے:

(سوال ۷۸) ایک وکیل ہیں جنہیں اچھا اسلامی خیال بھی ہے گو مائل بہ بدعت ہیں انہوں نے بہشتی زیور میں چند شکوک پیدا کئے اور دکھلائے حصہ سوم بہشتی زیور میں جو مسائل بعنوان حلال وحرام چیزوں کا بیان کے لکھے ہیں ان میں اوجھڑی کو حلال لکھا ہے ......ان ہر سہ مسئلوں کی بابت وہ فقہی روایت کے طالب ہیں؟۔

(الجواب) اوجھڑی کی حلت اس لئے ہے کہ اس میں کوئی وجہ حرمت کی نہیں فقہاء نے اعضائے حرام کو شمار کر دیا ہے یہ ان کے علاوہ ہے یہ شمار درمختار کی مسائل شتی میں مذکور ہے۔الحیاء والغدة والخصية والمثانة والمرارة والدم المسفوح والذكر (امداد الفتاویٰ ص ۱۰۲ ج۴ مطبوعہ پاکستان) (کھانے پینے کی حلال وحرام ومکروہ ومباح چیزوں کا بیان) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب الحظر والا باحۃ

باب الحجاب (پردہ سے متعلق)

(سوال ۱۲۶) اسلام میں عورتوں کے لئے پردہ کا حکم ہے؟ آنحضرت ﷺ اور اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مبارک دور میں عورتیں پردہ کرتی تھیں؟ نیز اپنے استاد اور پیر سے پردہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں المستفتی ۔ جناب موذن عبدالغفار صاحب۔

(الجواب) بلاشبہ اسلام میں عورتوں کو نامحرم مردوں سے (جن سے کسی وقت بھی نکاح ہوسکتا ہے) پردہ کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے اور اگر پردہ کا حکم موجود نہ ہوتا تو یہ شریعت کا ایک نقص ہوتا انبیاء علیہم السلام کی تہذیب میں ہمیشہ سے پردہ داخل ہے، یہ بے پردگی ان ہی قوموں کا دستور العمل ہے جو نبوت کی روشنی سے محروم ہیں، نامحرم استاد ہو یا پیر سب سے پردہ کرنا واجب ہے، ہاں شیخ فانی اور فانیہ اور ایسے مرد عورت جو نکاح کے لائق نہیں رہے ان کے جذبات مردہ ہو چکے ہیں وہ اس وجوبی حکم سے مستثنیٰ ہوں گے۔ مجالس الابرار میں ہے **فالمرأة كلما كانت مخفية من الرجال كان دينها اسلم** ۔ یعنی عورت جس قدر مردوں سے پوشیدہ رہے گی اس کا دین زیادہ سالم اور محفوظ رہے گا (م۹۸ص۵۶۳)۔

حضرت رسول مقبول ﷺ سے زیادہ مقدس کون ہوگا؟ حضور ﷺ سے عورتیں (صحابیات) پردہ کرتی تھیں (البتہ بعض عورتوں کا چہرہ کھول کر آنحضرت ﷺ کے سامنے آنا ضرورت کی وجہ سے تھا) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک عورت کو آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں کوئی خط پیش کرنا تھا تو پردہ کے پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر پیش کیا (ابوداؤد۔ نسائی۔ مشکوٰۃ) ساری امت کی عورتیں آنحضرت ﷺ کی روحانی بیٹیاں ہیں اور آنحضرت ﷺ خود معصوم! کسی قسم کے وسوسے کا بھی شائبہ نہیں لیکن باوجود اس کے پردہ کا حکم تھا اور ازواج مطہرات تمام امت کے رجال ونساء کی مائیں تھیں، چنانچہ ارشاد باری ہے:۔ "**وازواجه امهاتهم**" اس کے باوجود ارشاد حق جل شانہ ہے: ۔**وقرن في بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى** "یعنی اپنی گھروں میں جمی بیٹھی رہیں اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق (بے پردہ بن سنور کر) نہ پھریں (قران حکیم سورۂ احزاب) اور فرمایا: ۔**يا ايها النبي قل لازواجك وبناتك ونساء المومنين يدنين عليهن من جلابيبهن.** یعنی۔ اے نبی (ﷺ) آپ اپنی بیویوں سے، اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیویوں سے بھی کہہ دیجئے کہ (سر سے) نیچے کر لیا کریں (اپنے چہرے کے اوپر) تھوڑی سی اپنی چادریں (یعنی چادر کا کچھ حصہ بطور گھونگھٹ چہرے پر لٹکا لیا کریں تاکہ سر کے ساتھ چہرہ بھی چھپ جائے) اس سے جلدی پہچان لی جایا کریں گی۔ تو آزار نہ دی جایا کریں گی (بیان القرآن) مطلب یہ ہے کہ باندیاں کھلے چہرے پھرتی ہیں اور شریعت نے بھی ان پر چہرہ چھپانا لازم نہیں کیا اور شریر لوگ باندھیوں کو چھیڑا کرتے ہیں تو آزاد اور شریف خواتین پر لازم ہے کہ وہ سر اور چہرہ چھپالیا کریں اس طرح بسہولت ان کی پہچان ہوجایا کرے گی اور شریر لوگ جو شریف اور باعزت خواتین کو چھیڑنے کی ہمت نہیں کرتے وہ ان کو نہیں چھیڑیں گے اور ان کے آزاد سے شریف خواتین محفوظ رہیں گی۔ قابل توجہ یہ ہے کہ قرآن شریف نے پردہ اور نقاب کو

شریعت اور عزت کی علامت قرار دیا ہے اور بے پردگی و بے حجابی ان کی علامت قرار دی ہے جو عزت و شرافت سے محروم آبرو باختہ ہوں (معاذ اللہ)

اور فرمایا:۔ واذا سئلتموھن متاعاً فاسئلوھن من وراء حجاب :۔یعنی جب تم پیغمبر علیہ السلام کی بیویوں سے کوئی سامان مانگنے جاؤ تو ان سے وہ سامان پردے کے باہر سے مانگا کرو، یہ طریقہ تمہارے دلوں اور ان کے قلوب کے پاک رہنے کا بہترین ذریعہ ہے (سورۂ احزاب)

احادیث سے ثبوت حجاب:

(۱) آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:۔عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس للنساء نصیب فی الخروج الا مضطرۃ رواہ الطبرانی فی الکبیر یعنی عورتوں کو اپنے گھروں سے باہر نکلنے کا حق نہیں ہے، لیکن اس وقت کہ وہ مجبور و مضطر ہو جائیں (طبرانی)

(۲) المرأۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفھا الشیطان (ترمذی شریف ج ۱ ص ۱۴۰) عورت چھپانے کی چیز (یعنی عورت کے لئے پردہ ضروری ہے) کیونکہ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاک جھانک کرتا ہے ۔(ترمذی شریف) بدباطن لوگ جو بری نظر سے عورت کو تاکتے ہیں وہ سب شیطان ہیں کیونکہ گلی کوچوں اور بازاروں میں ان شیاطین کی کمی نہیں ہوتی۔ اس واسطے عورت کو چاہئے کہ بلاضرورت شدید گھر سے باہر نہ نکلے! حتی کہ نماز کے لئے مسجدوں میں بھی نہ جائے۔

بیشک آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں عورتوں کو نماز کے لئے مسجد میں جانے کی اجازت تھی لیکن ساتھ ہی یہ بھی ہدایت تھی کہ " بیو تھن خیر لھن "ان کے گھر ان کے حق میں (مسجد کی حاضری سے) بہتر ہیں (مشکوٰۃ شریف ص ۹۶ باب الجماعۃ)

احادیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی آخری عمر میں عورتوں کے لئے مسجد میں نہ جانے کو پسند فرماتے تھے (اور بعض جلیل القدر صحابہ نے اپنی بیویوں کو مسجد کی حاضری سے روکنا شروع کر دیا تھا) عن ام حمید امرأۃ ابی حمید الساعدی رضی اللہ عنھا انھا جاء ت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ انی احب الصلوٰۃ معک، قال قد علمت انک تحبین الصلوٰۃ معی و صلوتک فی بیتک خیر من صلوتک فی حجرتک، وصلوتک فی حجرتک خیر من صلوتک فی دارک وصلوتک فی دارک خیر من صلوتک فی مسجد قومک وصلوتک فی مسجد قومک خیر من صلوتک فی مسجدی قال فامرت فبنی لھا مسجد فی اقصی شئی من بیتھا واظلمہ کانت تصلی فیہ حتی لقیت اللہ عزوجل رواہ احمد وابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحھما (ترغیب ترھیب ج ۱ ص ۱۸۷)

(ترجمہ) حضرت ابوحمید ساعدی کی اہلیہ محترمہ حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ حضرت مجھے بڑا شوق ہے کہ میں آپ کے پیچھے نماز پڑھا کروں

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم ٹھیک کہتی ہو لیکن تمہاری نماز تمہاری بند کوٹھری میں صحن کی نماز سے بہتر ہے، اور احاطہ کی نماز محلہ کی مسجد کی نماز سے افضل ہے اور محلہ کی مسجد کی نماز ہماری مسجد (مسجد نبوی ﷺ) میں آکر پڑھنے سے بہتر ہے۔ چنانچہ ام حمید رضی اللہ عنہا نے فرمائش کر کے اپنے کمرے (کوٹھے) کے آخری کنارے (کونہ) میں جہاں سب سے زیادہ اندھیرا رہتا تھا مسجد (نماز پڑھنے کی جگہ) بنوائی وہیں نماز پڑھا کرتی تھیں، یہاں تک کہ ان کا وصال ہوا اور اپنے خدا کے حضور میں حاضر ہوئیں۔ (ترغیب ترہیب ج۱ ص ۱۸۷)

جب حضرت عمر فاروقؓ کا زمانہ آیا اور عورتوں کی حالت میں تبدیلی ہوئی (اچھے لباس، زینت، خوشبو وغیرہ کے استعمال کا رواج ہوا) تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان عورتوں کو جو مسجد میں آجاتی تھیں منع فرمادیا۔ تمام صحابہ نے اس کو پسند فرمایا کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ البتہ بعض عورتوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی شکایت کی حضرت عائشہؓ نے حضرت عمرؓ کے فیصلہ سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا **لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل** . یعنی اگر حضور ﷺ ان باتوں کو دیکھتے جو اس وقت عورتوں نے ایجاد کرلی ہیں تو آنحضرت ﷺ ان کو مسجد میں جانے سے روک دیتے جیسا کہ بنواسرائیل کی عورتوں کو منع کردیا گیا تھا **(صحیح بخاری شریف ج ۱ ص ۱۲۰ پارہ ۴ باب خروج النسآء الی المساجد الخ.(صحیح مسلم شریف ج ۱ ص ۱۸۳ ایضاً)**

بخاری شریف کی شرح (عینی) میں ہے کہ حضرت عمرؓ جمعہ کے روز کھڑے ہو کر کنکریاں مارتے اور عورتوں کو مسجد سے نکالتے تھے (عینی شرح بخاری)

اس لئے فقہاء رحمہم اللہ نے بھی ممنوع اور مکروہ ہونے کا فتویٰ دیا" **ویکرہ حضور ھن الجماعۃ ولو بجمعۃ وعید وو عظ مطلقا ولو عجوزاً لیلا علی المنھب المفتی بہ لفساد زمان** . یعنی عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے اگر چہ جمعہ میں اور عید میں اور وعظ کی مجلس میں ہو چاہے بوڑھی ہو یا جوان رات ہو یا دن بوجہ فساد زمانہ مفتی بہ مذہب یہی ہے۔ (درمختار مع الشامی ج۱ ص ۵۲۹ باب الامامۃ)

(۳) آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات کو نابینا صحابی سے پردہ کرنے کا حکم فرمایا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور میمونہ ہم دونوں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھیں کہ (نابینا صحابی) حضرت عبداللہ بن ام مکتوم تشریف لائے آنحضرت ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ پردہ کرلو۔ میں نے عرض کیا۔ کیا یہ ایسے اندھے نہیں ہیں کہ ہمیں دیکھ نہ سکیں؟ جب یہ دیکھ نہیں سکتے تو ہم پردہ کیوں کریں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا تم بھی اندھی ہو کیا تم ان کو نہیں دیکھ سکتیں۔ **عن ام سلمۃ انھا کانت عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومیمونۃ اذا قبل ابن ام مکتوم فد خل علیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجبا منہ فقلت یا رسول اللہ ! الیس ھو اعمیٰ لا یبصرنا؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افعمیاو ان انتما الستما تبصرانہ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۹ باب النظر الی المخطوبۃ)** نیز ارشاد ہوا عورت شیطان کی صورت میں سامنے آتی ہے اور شیطان کی صورت ہی میں پشت پھیر کر جاتی ہے یعنی عورت کا سامنا بھی وسوسہ انگیز ہوتا ہے اور شیطان کی طرح برے خیالات دل میں ڈالتا ہے اور جب پیٹھ پھیر کر جاتی ہے تو یہ حصہ بھی شہوت انگیز ہوتا ہے اور شیطان کو موقع

دیتا ہے کہ وہ نفس کو برگشتہ کرے۔(واللہ اعلم) (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۸ باب النظر الی المخطوبہ)

(۴) اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔ العینان تزنیان وزنا ھما النظر، واذنان تزنیان وزنا ھما الاستماع، واللسان زناہ الکلام، (الحدیث)

یعنی آنکھیں زنا کرتی ہیں اوران کا زنا (غیر کو) دیکھنا ہے، اور کان زنا کرتے ہیں اوران کا زنا (غیر کی آواز کو) سننا ہے (یہاں تک کہ عورتوں کو جہری نماز میں پکار کر قراءت کرنا جائز نہیں اسی طرح عورتوں کو حج میں تلبیہ (لبیک) پکار کر کہنا جائز نہیں) اور زبان زنا کرتی ہے اوراس کا زنا (غیر سے ازراہ شہوت) باتیں کرنا ہے (حتیٰ کہ جوان عورتوں کے لئے غیر محرم مرد کو سلام کرنا جائز نہیں) اور ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں اوران کا زنا (غیر محرم کو) پکڑنا (چھونا) ہے۔ اور پاؤں بھی زنا کرتے ہیں اوران کا زنا (غیر محرم کی طرف برے ارادہ سے) چلنا ہے اور دل خواہش وتمنا کرتے ہیں اور پھر شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۳۶ باب قدر علی ابن آدم حظہ من الزنا وغیرہ) (ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۲۹۹)

(۵) آنحضرت ﷺ نے اپنی زوجہ مطہرہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بھائی سے جو باپ کی باندی کے بطن سے تھا پردہ کرنے کا حکم دیا وہ عتبہ کے مشابہ تھا، (۱) چنانچہ وہ لڑکا اپنی بہن سودہؓ سے تاحیات نہ مل سکا (بخاری شریف ص ۶۱۶ باب مقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ زمن الفتح)

(۶) ایک لڑکا جنگ میں شہید ہوگیا، تو تفتیش حال کے لئے اس کی والدہ برقعے میں حضرت (ﷺ) کی خدمت شریف میں حاضر ہوئی، حاضرین متعجب ہوکر کہنے لگے کہ بایں پریشانی بھی نقاب نہیں چھوڑا، صحابیہ نے جواب میں فرمایا کہ میرا بیٹا گم ہوا ہے میری شرم وحیا تو گم نہیں ہوئی۔ (ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۳۴۴ کتاب الجہاد

(۷) حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم کو آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ عید کے روز (مسلمانوں کی شان وشوکت بڑھانے کے لئے) حیض والی عورتوں کو اور پردہ نشین عورتوں کو بھی لایا جائے (مشکوٰۃ) اس حدیث میں ''ذوات الخدور'' کا لفظ ہے جس کے معنی ''پردہ میں رہنے والی عورتیں'' ہوتا ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۵ باب صلوۃ العیدین) اسی پردہ کی بنا پر ہدایت یہ فرمائی تھی کہ عورتیں بڑی چادریں اچھی طرح لپیٹ کر آئیں، کچھ عورتوں نے عرض کیا کہ اگر کسی کے پاس چادر نہ ہو تو ارشاد ہوا اس کی کوئی ساتھی اپنی چادر میں اس کو چھپالے (پردہ بہر حال ضروری ہے)

---

(۱) زمانہ جاہلیت میں ایک رواج یہ بھی تھا کہ دوسرے کی باندی سے ناجائز تعلق کی بنا پر جو بچہ پیدا ہوتا تھا اگر یہ شخص مطالبہ کرتا تھا کہ وہ بچہ میرا ہے تو وہ بچہ اس کا لڑکا مان لیا جاتا تھا اور اس کا نسب تسلیم کرلیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے حضرت سعد کو وصیت کی تھی کہ زمعہ کی باندی سے جو لڑکا ہے وہ میرا ہے تم اس کو لے لینا۔ زمعہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے والد تھے، عتبہ تو حالت کفر ہی میں مرگیا۔ فتح مکہ کے بعد یہ مقدمہ آنحضرت کی بارگاہ عدالت میں پیش ہوا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا مطالبہ تھا کہ یہ بچہ مجھے ملنا چاہئے میرے بھائی نے وصیت کی تھی یہ ان کی صلب سے ہے، حضرت سودہؓ کے بھائی کا مطالبہ تھا کہ یہ میرے باپ کی باندی کے بطن سے ہے لہذا یہ مجھے ملنا چاہئے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت سودہؓ کے بھائی کا مطالبہ تسلیم فرمایا یہ بچہ ان کے حوالے کردیا یعنی زمعہ کا لڑکا اور حضرت سودہؓ کا بھائی مان لیا گیا عتبہ کا لڑکا نہیں مانا گیا کہ زنا کی بنا پر نسب ثابت نہیں ہوتا مگر چونکہ یہ بچہ عتبہ کے مشابہ تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت سودہ کو اس کی اجازت نہیں دی کہ ان کے سامنے بے پردہ آئیں حالانکہ حضرت سودہؓ عمر کے لحاظ سے بھی بوڑھی ہوچکی تھیں۔

مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ اور بھی حدیثیں ہیں جن سے روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرات اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مبارک زمانہ میں پردہ کا بڑا اہتمام تھا۔ چنانچہ احیاء العلوم میں ہے:۔

و النساء یخرجن متنقبات. یعنی عورتیں نقاب ڈال کر نکلا کرتی تھیں (ج ۲ ص ۴۸ احیاء العلوم الباب الثالث فی المباشرۃ)

"طبعی (قضاء حاجت' وغیرہ) اور شرعی (حج وغیرہ) ضرورت سے عورت کو کسی وقت باہر نکلنا پڑے تو قرآنی تعلیم اور ہدایت نبوی ﷺ کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوگا کہ۔

(۱) نگاہیں نیچی رکھیں۔ قرآن مجید میں ہے **وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن .** یعنی اور آپ مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی (عصمت کی) حفاظت کریں اور اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں (سورۂ نور۔)

(۲) نقاب کے ساتھ نکلے:۔ قرآن کریم میں ہے۔ **یدنین علیھن من جلا بیبھن .** یعنی چادروں کا نقاب (گھونگٹ) لٹکالیں (سورۂ احزاب)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب لوگ ہمارے سامنے آجاتے (آمنا سامنا ہو جاتا) تو ہم منہ پر چادر لٹکا لیتیں اور جب سامنے سے چلے جاتے تو ہم منہ کھول دیا کرتی تھیں۔ **فاذا حاذوا بنا سدلت احدا نا جلبا بھا من راسھا علی وجھھا فاذا جاوزنا کشفناہ** (ابو داؤد شریف ج ۱ ص ۲۶۱ کتاب المناسک باب المحرمات تغطی وجھھا)

(۳) بن سنور کر نہ نکلے:۔ قرآن حکیم میں ہے:۔ **ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ .** یعنی اور زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق بن سنور کر نہ نکلیں (سورہ احزاب)

حافظ ابن ہمام فرماتے ہیں جس جگہ عورت کو جانے کی اجازت ہے تو اس شرط سے اجازت ہے کہ بے پردہ بن سنور کر نہ جائے اور ایسی ہیئت کے ساتھ جائے کہ مردوں کو اس طرف دیکھنے کی رغبت نہ ہو اس لئے کہ خدا پاک نے فرمایا ہے۔ (**ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی** : مجالس الابرار ص ۵۶۳)

(۴) میلے کپڑے اور سادے برقعے میں نکلے:۔ حدیث پاک میں ہے:۔ **ولکن یخرجن وھن تفلات** یعنی لیکن عورتوں کو میلے کچیلے کپڑوں میں نکلنا چاہئے۔ (ابو داؤد ج ۱ ص ۹۱ باب ماجآء فی خروج النسآء الی المسجد)

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ **اعروا النساء یلزمن الحجال وانما قال ذلک لا نھن لا یرغبن فی الخروج فی الھیئۃ الرثۃ.** یعنی عورتوں کو عمدہ پوشاک نہ دو گھروں میں بیٹھی رہیں گی" اور یہ اس لئے فرمایا کہ عورتیں خراب خستہ حال میں باہر نکلنے کی رغبت نہیں کرتیں (احیاء العلوم ج ۲ ص ۴۸ الباب الثالث فی المباشرۃ)

(۵) کوئی خوشبو پاؤڈر وغیرہ نہ لگائے:۔ حدیث شریف میں ہے:۔ **کل عین زانیۃ .** یعنی ہر نگاہ (جو بری نیت سے ہو) زنا ہے اور بے شک جس وقت عورت خوشبو لگا کر مردوں کے پاس سے گذرتی ہے زانیہ اور بدکار

ہے۔(مشکوٰۃ ص ۹۶ باب الجماعۃ وفضلھا)

مجالس الابرار میں ہے، اگر شوہر کی اجازت سے ضرورۃً نکلے تو پردہ کر کے خراب ہیئت میں نکلے (شاندار برقعہ نہ ہو) غیر آباد راستہ تلاش کرے، جہاں آمد ورفت کم ہو، سڑکوں اور بازاروں میں سے نہ گذرے اور خوشبو لگا کر بن سنور کر نہ نکلے اور راستہ میں کسی سے بات نہ کرے۔ (ص ۵۶۸) **وکان الحسن یقول اتدعون نساء کم لیزاحمن العلوج فی الا سواق قبح اللہ من لا یغار** یعنی حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ کیا تم اپنی عورتوں (اور ماں، بہنوں، بیٹیوں) کو چھوڑ دیتے ہو کہ بازاروں میں گھومتی پھریں اور کافروں سے رگڑ کر چلیں، خدا ناس کرے اس کا جو غیرت نہ رکھتا ہو (**احیاء العلوم ج ۲ ص ۴۸ الباب الثالث فی آداب المباشرۃ الخ**)

(۶) سفر میں محرم یا شوہر کا ساتھ ہونا: آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ جو عورت اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ تین روز کی (تین منزل یعنی ۴۸ میل) یا زیادہ کا سفر کرے مگر اس صورت میں کہ اس کے ساتھ اس کا باپ یا بیٹا یا شوہر یا بھائی ہو یا کوئی ذی رحم محرم ہو (**صحیح مسلم شریف ج ۱ ص ۴۳۴ باب سفر المرأۃ مع محرم الی حج وغیرہ**)

بعض روایات میں دو دن، بعض میں فقط ایک دن، بعض میں فقط ایک رات، بعض میں فقط تین میل کا ہی حکم آیا ہے، یہ تفاوت فتنہ کے اعتبار سے ہے، جس قدر فتنہ وفساد کا اندیشہ زیادہ ہوگا اسی قدر احتیاط کی ضرورت ہوگی۔

حضرت فاطمہ سیدۃ نساء اھل الجنۃ اور پردہ

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ عورتوں کے لئے سب سے بہتر کیا بات ہے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نہ وہ مردوں کو دیکھیں نہ مرد ان کو دیکھیں، آنحضرت ﷺ نے اس جواب کو بہت پسند فرمایا اور دعائیں دیں (مسند بزار۔ دار قطنی)

عورت کے جنازہ پر گہوارا (چھتری) اور دفن کے وقت قبر پر چاروں طرف سے پردہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ایجاد ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے وفات کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ میرے جنازے کو ڈھانک لیا جائے تاکہ اجنبی مردوں کو میرے قد وقامت وجسامت بدن کا پتہ نہ چلے آپؓ کی طبعی شرم وحیا نے اس کو بھی برداشت نہ فرمایا حالانکہ جسم کفن میں چھپا ہوا ہوتا ہے اور وفات کے بعد جسم محل شہوت بھی نہیں رہتا اور شرکاء جنازہ بھی اس وقت مردہ دل ہوتے ہیں، اور خوف خدا ان پر غالب ومسلط رہتا ہے، رسول اللہ ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طبعی شرم وحیا کا یہ حال اور اس زمانہ کی عورتیں، نیم آستین فراک پہنے ہوئے بلکہ نیم عریاں باریک کپڑے اور بعض ساڑھے باندھے ہوئے بن سنور کر خوشبو اور پاؤڈر سے آراستہ! کھلے سر کھلے منہ! بازاروں میں میلوں میں، سینما اور تفریح گاہوں میں مردوں کے سامنے اپنے حسن وجمال کا مظاہرہ کرتی پھرتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے کیا خوب فرمایا تھا **کاسیات عاریات ممیلات مائلات**، بہت سی عورتیں ایسی ہیں جو بظاہر کپڑے پہنے ہوئی ہوتی ہیں لیکن درحقیقت وہ ننگی ہوتی ہیں اور دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے اور دوسروں کی طرف مائل ہونے میں بڑی مشاق ہوتی ہیں، ایسی عورتیں جنت کی خوشبو سے محروم ہیں۔ کیا خوب فرمایا ''اکبر'' ''مرحوم'' نے:۔

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

ولا یخرجن الی الطرقات فان خروجھن یعد من عدم الغیرة فیلزم لرجل ان یمنع زوجتہ عن الخروج من البیت ولا یاذن لھا بالخروج الا فی مواضع مخصوصة وھی سبعة مواضع (۱، ۲) زیارة الابوین (۳، ۴) وعیادتھما (۵، ۶) وتعزیتھما اواحدھما (۷) وزیارة المحارم وفی بیان العصبة فی حق النساء (مجالس الابرارم ۹۸ ص ۵۶۲)

یعنی راستوں پر عورتیں نہ نکلیں کیونکہ ان کا نکلنا بے غیرتی میں شمار ہے۔ پس مرد پر لازم ہے کہ اپنی بیوی کو گھر سے نکلنے پر روکے اور نکلنے کی اجازت نہ دے، مگر چند خاص خاص صورتوں میں:۔ ماں باپ کی زیارت، ان کی بیمار پرسی اور دونوں کی یا ایک کی تعزیت کو۔ یعنی ماں باپ کو کوئی صدمہ کی بات پیش آجائے تو ان کی دلداری اور ہمدردی کے لئے جانا یا ایسے رشتہ داروں سے ملنے جانا جو محرم ہیں (بہن بھائی چچا ماموں جیسے رشتہ دار)

اگر کوئی عورت دائی ہے یا مردے کو غسل دینے والی یا اس کا کسی پر حق آتا ہے یا کسی کا اس پر حق آتا ہے تو اجازت سے یا بے اجازت ہر طرح سے جا سکتی ہے اور ان کے سوا غیروں کی ملاقات یا ان کی عیادت یا ولیمہ کے لئے جانے کی اجازت نہ دی جائے اور اگر اس نے اجازت دی اور وہ گئی تو دونوں گنہگار ہوں گے۔ اجازت کبھی چپ رہنے سے بھی ہوتی ہے یہ خاموشی زبانی اجازت کے مثل ہے کیونکہ بری بات سے منع کرنا فرض ہے خاموش رہنے سے یہ فرض ترک ہوتا ہے اور ترک فرض گناہ ہے۔ م ۹۸ ص ۵۲۲۔

حضرت علامہ شیخ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں جس جگہ عورتوں کو جانے کی اجازت ہے تو اس طرح سے اجازت ہے کہ بن سنور کر نہ جائیں ایسی صورت بدل کر جائیں کہ مردوں کو ادھر دیکھنے کی رغبت اور چاہ نہ ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا و لا تبرجن تبرج الجاھلیة الاولیٰ اور نہ نکلیں زمانۂ جاہلیت کی طرح (۹۸ ص ۵۶۲، ص ۵۶۸)

فالمرأة کلما کانت مخفیة من الرجال کان دینھا اسلم لما روی انہ علیہ السلام قال لابنتہ فاطمة ای شیٔ خیر للمرأة قالت ان لا تری رجلا و لا یراھا رجل فاستحسن قولھا وضمھا الیہ وقال ذریة بعضھا من بعض (۹۸ ص ۵۶۳)

اور نبی ﷺ کے اصحاب (رضوان اللہ علیہم اجمعین) دیواروں کے سوراخ اور جھروکے بند کردیا کرتے تھے کہ عورتیں مردوں کو نہ جھانکیں (مجالس الابرار م ۵۸ ص ۵۶۳) فقط واللہ اعلم بالصواب .

عورتوں کے لئے شرعی پردہ:

(سوال ۱۲۷) عورت اجنبی مردوں کے سامنے آئے اور بے باکی سے ملے ہنسی مذاق اور دل لگی کی باتیں کرے، خلوت میں بیٹھے، ایسے بے غیرتی اور بے حجابی کے کام شوہر دیکھے اور پھر بھی اس کو نہ روکے بلکہ اس پر راضی رہے تو ایسے

شخص کے لئے کیا حکم ہے؟ اور شریعت میں عورتوں کے لئے پردہ ہے یا نہیں؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً: ۔عورتوں کے لئے حجاب (پردہ) کا حکم درحقیقت غیرت خداوندی کا تقاضا ہے اگر شریعت اسلامی میں پردہ کا حکم نہ ہوتا تو شریعت میں ایک قسم کا نقص ہوتا۔ پردہ سے وہ قوم محروم ہے جو نور نبوت سے محروم ہے، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پوری امت کی ماں کے درجہ میں ہیں۔ پھر بھی ان کو خدائے پاک کا حکم تھا "وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولی" یعنی! تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانۂ جاہلیت کے دستور کے موافق علانیہ نہ پھرتی رہو۔ (سورۂ احزاب پارہ نمبر ۲۲)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو امت کے مقدس ترین اور افضل ترین اور انتہا درجہ کے پاکباز افراد ہیں انہیں حکم تھا" واذا سألتمو هن متاعاً فاسئلو هن من وراء حجاب ذلكم از كى لكم واطهر " یعنی: ۔اور جب تم ان سے (یعنی ازواج مطہرات سے) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگا کرو یہ بات (ہمیشہ کے لئے) تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے (سورۂ احزاب پارہ نمبر ۲۲)

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا۔

حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھیں اتنے میں دیکھا کہ ایک نابینا صحابی رسول حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں آرہے ہیں حضور اکرم ﷺ نے ہمیں پردہ کرنے اور ہٹ جانے کا حکم فرمایا میں نے کہا! یارسول اللہ! یہ تو بچارے نابینا ہیں ہمیں نہیں دیکھ پاتے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم دونوں بھی اندھی ہو تم تو دیکھ سکتی ہو۔ مشکوٰۃ شریف میں یہ روایت مذکور ہے۔ عن ام سلمة انها كانت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم وميمونة اذا قبل ابن ام مكتوم فدخل عليه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم احتجبامنه فقلت يارسول الله اليس هو اعمیٰ لا يبصر نا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أفعميا وان انتما الستما لا تبصرا نه (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۹ باب النظر الی المخطوبۃ)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سالم رضی اللہ عنہ (پہلے یہ غلام تھے اور تقویٰ وطہارت میں اپنی مثال آپ تھے) کے درمیان پردہ نہ تھا (ان کے نزدیک غلام سے پردہ کرنا ضروری نہ تھا) ایک دن آکر حضرت سالمؓ نے کہا کہ خدا پاک نے مجھے آزاد کر دیا ہے اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مبارک باد دی اور ان سے پردہ کرلیا۔ حضرت سالم فرماتے ہیں کہ اس دن کے بعد سے میں نے کبھی حضرت عائشہؓ کو نہیں دیکھا۔

نسائی شریف میں یہ روایت منقول ہے۔ قال سالم كنت اتيها مكاتباً ما تختفي منى فتجلس بين يدى وتتحدث معى حتى جئتها ذات يوم فقلت ادعى لى بالبركة يا ام المؤمنين قالت وما ذالك فقلت اعتقنى الله قالت بارك الله لك وارخت الحجاب دونى فلم ارها بعد ذلك اليوم (نسائی شریف ج ۱ ص ۱۴ باب مسح المرأة رأسها)

حضور اکرم ﷺ کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں جب بلوغت کی حد کو پہنچا (یعنی بلوغت کے آثار نمایاں ہوگئے) تو میں نے صبح حاضر خدمت ہوکر اس کی اطلاع دی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب تم گھر

میں عورتوں کے پاس نہ جانا۔

(انس رضی اللہ عنہ) لما کان صبیحۃ احتلمت دخلت علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرتہ' فقال لا تدخل علی النساء فما اتی علی یوم اشد منہ .(جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۶۹ الغیرۃ والخلوۃ بالنساء والنظر الیھن)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے زیادہ نیک اور پاک باز لڑکا کون ہوسکتا ہے؟ اور ازواج مطہرات دنیا کی مقدس ترین اور افضل ترین عورتیں ہیں اس کے باوجود آپ ﷺ نے اپنے خادم خاص پر پابندی عائد کردی اور پردہ کا حکم فرمایا۔ آج اس فتنہ کے دور میں عوام یہ کہتے ہوئے نہیں شرماتے کہ دل صاف ہونا چاہئے رسمی پردہ کی ضرورت نہیں، دل کا پردہ کافی ہے۔ یہ کھلم کھلا شریعت پر اعتراض ہے۔ کیا اس زمانہ کے لوگوں کے قلوب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی پاک باز ازواج اور پاکیزہ بیٹیوں اور آپ کی معتمد فرمانبردار متقی خادم حضرت انس رضی اللہ عنہم اجمعین) سے زیادہ پاک ہوسکتے ہیں؟ (معاذ اللہ)

مشہور بزرگ حضرت شیخ نصیر آبادی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ لوگ اجنبیہ عورتوں کے پاس بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کو دیکھنے میں ہماری نیت پاک ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ مادامت الا شباح باقیۃ فان الامر والنھی باق والتحلیل والتحریم مخاطب بہ . یعنی جب تک جسم انسانی باقی ہیں، امر و نہی (شرعی احکام) بھی باقی ہیں اور تحلیل و تحریم کے مخاطب ہیں (بوادر النوادر ص ۷۰۲)

نامحرم مرد وعورت کا ایک دوسرے کو دیکھنا زنا اور فحش کاری کا پہلا زینہ ہے اسی سے تمام خرابیوں، بے حیائی اور بے شرمی کا دروازہ کھلتا ہے اس لئے خدائے پاک نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ بدنظری سے بچتے رہو اور خواہش نفسانی کو کچلتے رہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلک ازکیٰ لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون ، آپ (ﷺ) مؤمنین سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہ تمہارے لئے دل کی صفائی اور پاکیزگی کا ذریعہ ہے، بے شک خدائے پاک اپنے بندوں کے کام سے واقف اور باخبر ہے اسی طرح عورتوں سے متعلق ارشاد خداوندی ہے وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ، یعنی: اور مؤمن عورتوں سے (بھی) کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور شرم گاہوں کی حفاظت کریں (سورۂ نور پارہ نمبر ۱۸)

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مومن عورتوں کی دلوں کی صفائی اور پاکیزگی کے لئے اور مؤمن مردوں کی غیرت کے لئے۔ اور مؤمن عورتوں کو کافر و مشرک عورتوں سے ممتاز کرنے کے لئے خدا پاک نے احکام نازل فرمائے ہیں پہلا حکم یہ ہے کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں یعنی نامحرم مردوں کے دیکھنے سے بچیں، احیاء العلوم میں ہے۔ وزنا العین من کبار الصغائر وھو یؤدی علی القرب الی الکبیرۃ الفاحشۃ وھی زنا الفرج ومن لم یقدر علی غض بصرہ لم یقدر علی حفظ دینہ، یعنی: آنکھ کا زنا صغیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے، اور یہ گناہ کبیرہ (زنا، لمس وغیرہ) کا سبب بھی بن سکتا ہے، اس لئے جو کوئی اپنی نگاہ پر کنٹرول نہیں کرسکتا وہ اپنے دین کی بھی حفاظت نہیں کرسکتا (احیاء العلوم ص ۹۸ ج ۳ بیان ماعلی المرید فی

ترک التزوج وفعله)

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے، ایاکم والنظرة فانها تزرع فی القلب شهوة وکفی بها فتنةً، یعنی جھانکنے سے بچو اس سے دل میں شہوت کا بیج پیدا ہوتا ہے اور فتنہ پیدا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۹۸ بیان ما علی المرید فی ترک التزوج وفعله۔

حضرت داؤد علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام سے فرمایا۔ شیر اور سانپ کے پیچھے چلے جانا۔ محرم عورت کے پیچھے کبھی نہ جانا (کہ یہ فتنہ میں ملوث کرنے میں شیر اور سانپ سے بھی زیادہ خطرناک ہے) وقال سعید بن جبیر انها جاء ت الفتنة من قبل النظرة ولذلک قال لا بنه یا بنی امش خلف الأسد والا سود ولا تمش خلف المرأة (احیاء العلوم ص ۹۸ ج ۳ ایضاً)

حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ زنا کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا نامحرم کو دیکھنے اور حرص کرنے سے، اور حضرت فضیلؒ کا قول ہے کہ ابلیس کہتا ہے کہ نظر (نامحرم کو دیکھنا) میرا وہ پرانا تیر ہے کہ میں کبھی اس سے خطا نہیں کرتا، وقیل یحییٰ علیه السلام ما بدء الزنی قال النظر والتمنی . وقال الفضیل یقول ابلیس هو قوسی القدیمة وسهمی الذی لا أخطئی به یعنی النظر (احیاء العلوم ص ۹۸ ج ۳ ایضاً)

حدیث میں ہے:۔ قال رسول الله صلی الله علیه وسلم النظر سهم مسهوم من سهام ابلیس فمن ترکها خوفاً من الله اعطاه الله تعالیٰ ایماناً یجد حلاوته فی قلبه . یعنی نامحرم کو دیکھنا ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے، جو اس کو اللہ کے خوف سے چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اس کو ایسا ایمان عطا فرماتا ہے جس کی حلاوت وہ اپنے قلب میں پاتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۸ باب النظر الی المخطوبۃ)

نیز حدیث میں ہے۔ عن جریر بن عبدالله قال سالت رسول الله صلی الله علیه وسلم عن نظر الفجاء ة فامرنی ان اصرف نظری ، حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے نامحرم عورت پر ناگہانی نظر پڑنے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں (فوراً) اپنی نگاہ ہٹالوں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۸ باب النظر الی المخطوبۃ)

نیز حدیث میں ہے:۔ قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لعلی لا تتبع النظرة النظرة فان لک الا ولیٰ ولیست لک الآخرة. حضرت بریدہؓ سے روایت ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ہدایت فرمائی کہ اے علی! نگاہ کے بعد نگاہ نہ ڈالو کہ نگاہ اول (بلا ارادہ کے اچانک نظر) قابل عفو ہے، دوسری نظر (جو قصداً ہو) معاف نہیں (ابو داؤد ، بحوالہ مشکوٰۃ ص ۲۶۹ ایضاً)

احکام القرآن میں اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے۔ فرماتے ہیں۔ قال ابوبکر انما اراد النبی صلی الله علیه وسلم بقوله لک النظر الا ولیٰ اذا لم تکن عن قصد فاما اذا کانت عن قصد فهی والثانیه سواء یعنی نگاہ اول سے مراد وہ نظر ہے جو اچانک بلا قصد کے ہو لیکن جبکہ بلا اجازت شرعی بالقصد ہو تو جس طرح دوسری نظر قابل مؤاخذہ ہے اسی طرح پہلی نظر ہی قابل مؤاخذہ ہے (احکام القرآن ج ۴ ص ۳۸۵ سورۃ النور باب مایجب من غض البصر عن المحرمات)

تفسیر مواہب الرحمٰن میں ایک حدیث نقل کی ہے:۔ ایاکم والجلوس علی الطرقات حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ خبردار! شارع عام پر نہ بیٹھو، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اس کے بغیر چارہ کار نہیں (اس لئے کہ لین دین اور تجارتی معاملہ رہتا ہے) تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجبوری ہو تو اس شرط پر اجازت ہے کہ راستہ کا حق ادا کرو، صحابۂ کرام نے پوچھا راستہ کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نظر کو نیچی رکھنا اور اذی (تکلیف پہنچانے) سے بچنا اور سلام کا جواب دینا اور معروف کا حکم کرنا اور منکر سے روکنا وغیرہ وغیرہ (تفسیر مواهب الرحمن ص ۱۵۷ ج ۴ سورۂ نور تحت الآیة ،قل للمومنین یغضوا من ابصارهم ومسلم شریف ص ۲۱۳ ج ۲ باب من حق الجلوس علی الطرق ورد السلام) حدیث میں لعنه الله الناظر والمنظور الیه . یعنی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے نامحرم عورت کو دیکھنے والے پر اور اس پر بھی جس کو دیکھا جائے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۰ باب النظر الی المخطوبة) نیز حدیث میں ہے۔ عن جابر ؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان المرأة تقبل فی صورة شیطان وتدبر فی صورة شیطان . یعنی عورت (نامحرم سامنے آتی ہے تو شیطان کی صورت میں آتی ہے اور پیچھے سے جاتی ہے۔ تب بھی شیطان کی صورت میں ہوتی ہے۔ (مشکوة شریف ص ۲۶۸ ایضا)

شہوت ابھارنے کے ان جراثیم اور شیطانی شرارتوں سے محفوظ رکھنے کے لئے اور ایمان کو روحانی امراض سے بچانے کے لئے خدا پاک نے ارشاد فرمایا ہے وقرن فی بیوتکن تم اپنے گھروں میں جم کر بیٹھی رہو (سورۂ احزاب پارہ نمبر ۲۲) اور حضور اکرم ﷺ کا مبارک ارشاد ہے۔ لیس للنساء نصیب فی الخروج الا مضطرةً ، یعنی عورتوں کو اپنے گھروں سے نہ نکلنا چاہئے مگر جب کہ وہ مجبور اور عاجز ہوں (یعنی طبعی اور شرعی عذر ہو) (طبرانی)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ ان لا تخرج المرأة من بیتها الا لحاجة منها لا تجد منها بداً قال صلی الله علیه وسلم المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشیطان :۔ یعنی! بلاضرورت شدیدہ عورت کو اپنے گھر سے باہر نہ نکلنا چاہئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا عورت ستر کی چیز ہے (یعنی چھپانے کی چیز ہے) پس جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکتا ہے (یعنی اس کے پیچھے لگ جاتا ہے اور لوگوں کو دلوں میں برے خیالات پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کی عصمت اور آبرو میں خطرہ کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے ۔(حجة الله البالغة مع ترجمه نعم الله السابغه ص ۳۶۵ ج ۲ من ابواب تدبیر المنزل ذکر العورات)

مجالس الابرار میں ہے:۔ فالمرأة کلما کانت مخفیةً من الرجال کان دینها اسلم لما روی انه علیه السلام قال لا بنته فاطمة ای شئی خیر للمرأة قالت ان لا تریٰ رجلاً ولا یراها رجل واستحسن قولها وضمها الیه وقال ذریة بعضها من بعض وکان اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم یسدون الثقب والکوی فی الحیطان لئلا تطلع النساء علی الرجال ، یعنی! عورت جب تک مردوں سے پوشیدہ ہے (چھپی ہوئی ہے) اس کا دین بچا ہوا ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ عورت کے لئے سب سے بڑی خوبی کی بات کیا ہے؟ عرض کیا وہ کسی مرد کو نہ دیکھے اور نہ کوئی اجنبی مرد اس کو دیکھے آپ ﷺ کو یہ جواب بہت پسند آیا اور ان کو اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا کہ اولاد ایک ایک سے ہے۔

(یعنی باپ کا اثر اولاد میں بھی آ تا ہے) اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین دیواروں کے سوراخ اور شگاف بند کر دیا کرتے تھے تا کہ عورتیں مردوں کو نہ جھانکیں۔(مجالس الابرار ص ۵۶۳ مجلس نمبر ۹۸)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہے:۔ وما الغیرة فی محلها فلا بد منها وهی محمودة لما روی انه علیه الصلوٰة والسلام قال ان الله یغار وان المؤمن یغار، وغیرة الله ان یاتی المومن ما حرم الله علیه وفی حدیث انه علیه السلام قال انی لغیور وما امرء لا یغار الا منکوس القلب والطریق المغنی عن الغیرة ان لایدخل علیهن رجل ولا یخرجن الی الطرقات لان خروجهن یعلمن عدم الغیر فلیلزم للرجل ان یمنع زوجته عن الخروج من البیت ولا یاذن لهابالخروج الا فی مواضع مخصوصة وهی ما قال صاحب الخلاصة .نقلاً عن مجموع النوازل یجوز للزوج ان یاذن لها بالخروج الیٰ سبعة مواضع زیارة الابوین وعیادتهما وتعزیتهمااواحدهما وزیارة المحارم . الیٰ قوله وان خرجت من بیت زوجها بغیر اذنه یلعنها کل ملک فی السماء وکل شیئ تمر الا الانس والجن فخروجها من بیته بغیر اذنه حرام علیها قال ابن الهمام وحیث ابیح لها الخروج فانما یباح بشرط عدم الزینة وتغییر الهیئاة الیٰ مالا یکون داعیاً الیٰ نظر الرجال واستمالتهم.

ترجمہ:۔اور وہ غیرت جو اپنے موقع پر ہو وہ تو ضرور ہونی چاہئے کیونکہ روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ غیرت کرتا ہے اور بلاشبہ مؤمن بھی غیرت کرتا ہے اور اللہ کی غیرت یہ ہے کہ مؤمن ایسا کام کرے جو اللہ نے اس پر حرام کیا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میں غیرت مند ہوں، اور کوئی مرد ایسا نہیں ہے جو غیرت نہ کرتا ہو مگر الٹے دل والا، (یعنی ایسا شخص جس کا دل بگڑ گیا ہو) اور وہ طریقہ جو بے عزتی سے بچائے وہ یہ ہے کہ عورتوں کے پاس کوئی مرد نہ آئے اور وہ راستوں میں نہ نکلیں کیونکہ ان کا نکلنا بے غیرتی میں شمار ہوتا ہے۔اس لئے مردکو لازم ہے کہ اپنی بیوی کو گھر سے باہر نکلنے سے منع کرے۔اور چند خاص جگہوں کے سواء کسی اور جگہ ان کو جانے کی اجازت نہ دے اور وہ یہ ہیں۔جن کو صاحب خلاصہ الفتاویٰ نے مجموع النوازل سے نقل کیا ہے'' کہ مرد کو جائز ہے کہ اپنی بیوی کو سات جگہ جانے کی اجازت دے (۱۔۲) ماں باپ کی ملاقات کے لئے (۳۔۴) اور ان کے بیمار پرسی کے لئے (۵۔۶) اور ان دونوں کی یا ایک کی تعزیت کے لئے (۷) اور دیگر محارم کی ملاقات کے لئے۔اسی طرح میت کو غسل دینے کے لئے بھی جانے کی اجازت ہے، اور دائی (بچہ جنوانے والی) کو بھی اجازت ہے۔الیٰ قولہ۔اور عورت خاوند کے گھر سے بغیر اجازت کے چلی گئی تو آسمان وزمین کا ہر ہر فرشتہ اور جس جس چیز پر وہ گذرے سب اس پر لعنت کرتے ہیں سوائے انسان اور جنات کے۔اور علامہ ابن ہمامؒ نے فرمایا ہے کہ جس جگہ اس کو جانے کی اجازت ہے تو اس شرط سے اجازت ہے کہ زیب وزینت کے ساتھ نہ ہو اور ہیئت ایسی بدل کر جائے کہ مردوں کو اس کو دیکھنے کی رغبت اور خواہش نہ ہو۔(مجالس الابرار ص ۵۶۲ مجلس نمبر ۵۸)

حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے'' کیا تم اپنی عورتوں کو چھوڑ دیتے ہو کہ بازاروں میں کافروں سے رگڑ کر (مل کر) چلیں، خدا برا کرے اس شخص کا جو غیرت نہ رکھتا ہو۔(مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم ص ۶۴۶ ج ۲)

وکان الحسن یقول أتدعون نساء کم لیزاحمن العلوج فی الأسواق قبح اللہ من لا یغار (احیاء العلوم ص ۴۸ ج ۲ الباب الثالث فی آداب المباشرۃ الخ)

ایسا بے غیرت آدمی دیوث ہے، حدیث میں ہے کہ تین قسم کے لوگ جنت میں داخل نہ ہوں گے، منجملہ ان میں سے ایک دیوث ہے، سوال کیا گیا کہ دیوث کون ہے؟ ارشاد فرمایا کہ جس کو اس بات کی پرواہ نہیں ہے کہ اس کی ماں بہن کے پاس کون آتا جاتا ہے۔ (طبرانی)

فتنوں کے ان چور دروازوں ہی کو بند کرنے کے لئے شریعت نے نگاہ پر پابندی عائد کی ہے اور حجاب کا حکم دیا ہے۔ نیز نامحرم کو جھانکنے تاکنے سے دل میں ناجائز جنسی میلان اور رغبت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی زنا کاری کا پہلا زینہ اور سبب ہے اور اسباب زنا بحکم زنا ہیں اسی لئے قرآن پاک میں تاکیدی حکم ہے۔ **لا تقربوا الزنی**، زنا کی قریب بھی نہ جاؤ۔ (**سورۂ بنی اسرائیل پارہ نمبر ۱۵**)

رغبت اور محبت سے نامحرم کو دیکھنا، جھانکنا، باتیں کرنا، قریب بیٹھنا، ان کی باتیں سننا، مس کرنا یہ سب زنا کے درجہ میں ہیں اور اس کے اولین سبب ہیں۔ اسی لئے خدا پاک نے اس سے بچنے کا حکم فرمایا۔ حدیث میں ہے۔ آنکھ زنا کرتی ہے اور اس کا زنا غیر کو دیکھنا ہے کان زنا کرتا ہے اور اس کا زنا باتیں سننا ہے اسی لئے جوان عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ اجنبی کو سلام کرے، زبان زنا کرتی ہے اور اس کا زنا باتیں کرنا ہے۔ ہاتھ زنا کرتا ہے اور اس کا زنا غیر کو پکڑنا اور مس کرنا ہے۔ پاؤں زنا کرتا ہے اور اس کا زنا چلنا ہے۔ اور دل خواہش و تمنا کرتا ہے اور پھر شرم گاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب۔

العینان زنا هما النظر، والاذنان زنا هما الأستماع، واللسان زناه الکلام، والیدان زنا هما البطش، والرجل زنا هما الخطیٰ، والقلب یهوی ویتمنیٰ ویصدق ذلک الفرج ویکذبه (مسلم شریف ص ۳۳۶ ج ۲ باب قدر علی ابن آدم حظه من الزنا وغیره)

یہ حکم مرد وزن دونوں کے لئے ہے کہ جس طرح مردوں کی نگاہیں اجنبیہ عورتوں پر پڑ کر خیانت کرتی ہیں۔ اسی طرح اجنبیہ کی نگاہیں بھی اجنبی مردوں پر پڑ کر خیانت کی مرتکب ہوتی ہیں اور جس طرح مردوں کے لئے عورتوں میں کشش اور جاذبیت ہے۔ اسی طرح عورتوں میں بھی مردوں کی طرف رغبت و میلان اجذب وکشش چھپی ہوئی ہے، اور اس رغبت و میلان کو ابھارنے والی چیز نظر بازی وغیرہ ہے اس بنا پر مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کے بارے میں بھی ارشاد خداوندی ہے، **قل للمومنین یغضوا من ابصارهم الخ. وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارهن الخ**۔ آپ (ﷺ) مومن مردوں اور مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں (سورۂ نور پ ۱۸) حدیث میں ہے جو عورت عطر وغیرہ خوشبو لگا کر نکلتی ہے وہ زانیہ ہے (**احکام القرآن، نصاب الاحتساب قلمی ص ۵۴ باب ۲۳**) اور حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ **ما ترکت بعدی فتنة اضر علی الرجال من النساء**۔ یعنی میرے بعد مردوں کے لئے کوئی فتنہ عورتوں کے فتنہ سے زیادہ مضر اور نقصان دہ نہیں ہے (**مشکوٰۃ ص ۲۶۷ کتاب النکاح**)

دوسری روایت میں ارشاد ہے۔ **واتقوا النساء فان اول فتنة بنی اسرائیل کانت فی النساء،**

عورتوں سے ڈرو کہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں کی وجہ سے ہوا تھا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۷ کتاب النکاح

یہ فتنہ کا زمانہ ہے آپ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی ہے۔ یہود و نصاریٰ کی طرح اخیر میں یہ امت بگڑ جائے گی یہاں تک کہ یہود و نصاریٰ میں سے کسی خبیث نے اپنی ماں کے ساتھ زنا کیا ہوگا تو میری امت کے بدترین لوگوں میں ایسے بے غیرت نکلیں گے جو ایسی فحش کاری اور بدفعلی میں مبتلا ہوں گے یہ زمانہ بھی ایسے فتنوں اور بے غیرتی کا ہے حدیث میں ہے کہ عورت کسی مرد کے ساتھ خلوت میں نہ رہے اگر چہ اس کا باپ ہو کہ شیطانی فتنہ سے امن نہیں، روایت میں ہے کہ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما امہات المؤمنین (غیر حقیقی نانیاں) کی طرف نگاہ نہیں کرتے تھے (تفسیر مواہب الرحمن اردو ص ۱۴۶ سورۂ نور)

''معیار السلوک'' میں ہے ''نامحرم عورت سے پردہ نہ ہونا بہت سی خرابیاں پیدا کرتا ہے نفس و شیطان سے نہ کسی کو اطمینان ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ و امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما ایک مکان میں یہی دونوں باپ اور بیٹی بیٹھے ہوئے تھے اور یہ دونوں ذات مبارکہ وہ ہیں جن کی پاکیزگی اور بزرگی میں قرآن میں کئی جگہ آیت نازل ہوئی ہیں تو حضرت نبی کریم ﷺ نے ان دونوں (باپ بیٹی) کو تنہا بیٹھا ہوا دیکھ کر یہ فرمایا اے ابوبکر شیطان دور نہیں ہے۔ تنہا بیٹی کے پاس بھی نہ بیٹھا کرو بلکہ تیسرے آدمی کو ساتھ لیا کرو۔ (معیار السلوک ص ۱۶۴)

حق جل مجدہٗ کا فرمان ہے:۔ **یآ ایھا النبی قل لا زواجک وبنا تک ونسآء المومنین یدنین علیھن من جلا بیبھن ذلک ادنی ان یعرفن　فلا یوذین .**

ترجمہ:۔ اے پیغمبر (ﷺ) اپنے بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیبیوں سے کہہ دیجئے کہ (سر سے) نیچے کر لیا کریں تھوڑی سی اپنی چادریں، اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی (کہ یہ آزاد عورت ہے) تو آزار نہ دی جایا کریں گی (ترجمہ حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ۔ سورۂ احزاب پ ۲۲)

جلابیب۔ جلباب کی جمع ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ جلباب ایسی چادر کو کہتے ہیں جس سے پورا جسم چھپ جائے۔ **فالجلا بیب جمع جلباب وھو علی ماروی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ الذی یستر من فوق الیٰ اسفل (تفسیر روح المعانی ص ۸۸ ج ۲۲)**

خمار (دوپٹہ، اوڑھنی) جو عام حالات اور دائمی استعمال کے لئے ہوتی ہے۔ اور جب بغرض ضرورت گھر سے باہر جانا ہو تو جلباب (چادر یا جالیدار معروف برقع) کی ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ **تغطی وجھھا من فوق رأسھا بالجلباب وتبدی عیناً واحداً** . یعنی خدا پاک نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا کہ اپنے سروں اور چہروں کو ڈھانک کر نکلیں اور صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں۔ (تفسیر روح المعانی ص ۸۹ ج ۲۲) اور حضرت ابو عبیدہ سلمانی رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو (عملی طور پر) آپ نے اپنا سر اور چہرہ چادر سے چھپا کر بائیں آنکھ کھلی رکھ کر فرمایا یہ ہے اس آیت کی تفسیر اور مراد۔ **عن محمد بن سیرین قال سألت عبیدۃ السلمانی عن ھذا لآیۃ فرفع ملحفۃ کانت علیہ فتقنع بھا وغطی رأسہ کلہ حتی بلغ الحاجبین وغطی وجھہ وخرج عینہ الیسریٰ من شق وجھہ الا یسر (روح المعانی ص ۸۹ ج ۲۲) (تفسیر مظھری، ص ۲۵۲ ج ۱۰ اردو) (تفسیر**

مواهب الرحمن ص ۱۱۳ ج۵ سورۂ احزاب)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں :۔ روایات میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر مسلمان عورتیں بدن اور چہرہ چھپا کر اس طرح نکلتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ دیکھنے کے لئے کھلی رہتی تھی اس سے ثابت ہوا کہ فتنہ کے وقت آزاد عورت کو چہرہ بھی چھپالینا چاہئے ۔(فوائد عثمانی ص ۵۶۸ سورۂ احزاب)

احیاء العلوم میں ہے :۔ والنساء یخرجن متنقبات ، یعنی عورتیں حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کے زمانہ میں چہروں پر نقاب ڈال کر باہر نکلتی تھیں یعنی پردہ نشین تھیں ۔(احیاء العلوم ص ۴۸ ج۲)

احکام القرآن میں ہے :۔ قال ابو بکر فی هذه الأية دلالة علی ان المرأة الشابة ما مور بستر وجهها عن الا جنبیین ۔ یعنی یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جوان عورت کے لئے ضروری ہے کہ غیر محرم مرد سے اپنے چہرہ کو چھپائے (احکام القرآن ج۳ ص ۴۵۸ سورۂ احزاب آخر باب ذکر حج النسآء)

ان حوالوں سے معروف پردہ کا ثبوت بوضاحت ہوتا ہے اس کے باوجود یہ کہنا کہ معروف پردہ کی کوئی دلیل نہیں یہ قول باطل ہے اور بے دلیل ہے ، جس کے قلب میں خوف خدا نہ ہوگا وہی یہ بات کہہ سکتا ہے ۔ مزید ملاحظہ فرمائیے ۔

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا فتویٰ

(الجواب) عورت کا چہرہ نماز میں پردہ کا حکم نہیں رکھتا ، مگر غیر محرموں کے سامنے آنے جانے میں پردہ کا حکم رکھتا ہے کیونکہ چہرہ ہی اصل شے ہے جو جاذب نظر اور مہیج جذبات ہے ۔ (کفایت المفتی ص ۳۸۸ ج ۵)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حجۃ الوداع میں مرد ہمارے سامنے آجاتے تو ہم منہ پر چادر لٹکا دیتے اور جب سامنے سے ہٹ جاتے تو منہ پر سے چادر ہٹا دیتے (اس لئے کہ بحالت احرام منہ چھپانا منع ہے)

عن مجاهد عن عائشة قال كان الركبان يمرون بنا ونحن محرمات مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فاذا حاذوا بنا سدلت احد نا جلبا بها من رأسها علی وجهها فاذا جاوزنا كشفناه (ابو داؤد شریف ص ۲۶۱ ج ۱ كتاب المناسك باب المحرمة تغطی وجهها)

ابوداؤد شریف میں ہے ایک اور حدیث ہے :۔ **قال جاء ت امرأة الی النبی صلی الله علیه وسلم یقال لها ام خلا د وهی متنقبة تسئال عن ابنها وهو مقتول فقال لها بعض اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم جئت تسئالین عن ابنک وانت متنقبة فقالت ان ارزأ فلن ارزا حیائی .** یعنی ایک غزوہ میں ایک نوجوان کی شہادت کی خبر پھیلی تو اس کی ماں جن کا نام ام خلاد ہے اس واقعہ کی تحقیق کے لئے (پریشان و پراگندہ حالت میں) نقاب ڈال کر (یعنی پردہ میں) آئیں کسی نے کہا ایسی پریشانی کی حالت میں بھی نقاب (پردہ) نہ چھوڑا ، انہوں نے جواب دیا میں نے لڑکا گم کیا ہے غیرت گم نہیں کی ہے ۔(ابو داؤد شریف ص ۳۴۴ ج ۱ کتاب الجهاد باب فصل قتال الروم الخ)

اندازہ لگائیے ان کے دل میں پردہ کی کتنی اہمیت تھی ۔ ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے بھائی جوان

کے باپ کی باندی سے پیدا ہوئے تھے جن کے متعلق دوسرے کا دعویٰ تھا کہ یہ میرے نطفہ سے ہے آپ ﷺ نے اس کا دعویٰ رد کر دیا اور حضرت سودہؓ کا بھائی قرار دیا۔ تاہم حضور اکرم ﷺ نے حضرت سودہؓ کو احتیاطاً حکم دیا۔ **احتجبی منه،** اس سے پردہ کرو۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے **فما رأها حتی لقی الله،** یعنی حضرت سودہؓ نے اور اس لڑکے نے اس احتیاطی امر پر اس شدت سے عمل کیا کہ اس لڑکے نے مرتے دم تک اپنی بہن حضرت سودہؓ کو نہیں دیکھا۔ (**مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۷ باب اللعان**)

حدیث میں ہے **قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ایاکم والدخول فقال رجل یا رسول الله ارأیت الحمو قال الحمو الموت.** یعنی آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اجنبیہ عورتوں کے پاس جانے سے بچو۔ ایک صحابی نے عرض کیا۔ (دیور، جیٹھ) کا بھی یہی حکم ہے فرمایا کہ دیور تو موت ہے۔ یعنی جس طرح موت سے ڈرتے اور بھاگتے ہیں۔ اسی طرح دیور جیٹھ وغیرہ شوہر کے خویش واقارب سے بھی ڈرنا یعنی پردہ کرنا چاہئے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۸ باب النظر الی المخطوبۃ)

پیغمبر خدا ﷺ جسے موت سے تعبیر فرماتے ہیں آج امت کی اکثریت اسے حیات سمجھتی ہے۔ دیور، جیٹھ، بہنوئی، نندوئی۔ خالہ زاد، چچازاد، ماموں زاد، بھائی بہن وغیرہ سے پردہ کرنے کو ضروری نہیں سمجھا جاتا بلکہ معیوب شمار کیا جاتا ہے، ان سے بے حجاب ملنے اور ہنسی مذاق کرنے اور خلوت میں اٹھنے بیٹھنے، باتیں کرنے، اور ایک ساتھ سفر کرنے کو خوبی اور خوش اخلاقی سمجھا جاتا ہے۔ گناہ کریں اور اسے کمال سمجھیں اس سے زیادہ دلیری اور کیا ہوسکتی ہے؟ اس طرح آنحضرت ﷺ کے فرامین کی علی الاعلان مخالفت کی جارہی ہے۔ اہل علم اور دیندار طبقہ بھی اس میں شامل ہے افسوس!

چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

بجائے اس کے کہ اپنے جرم کا اعتراف کرتے اور اپنے معاشرہ غلطی کی اصلاح کی فکر کرتے "چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد" کا مصداق بنتے ہوئے غلط دلائل پیش کئے جاتے ہیں اور غلط دعویٰ کیا جاتا ہے کہ دل کا پردہ کافی ہے معروف پردہ کی ضرورت نہیں گویا اپنی ذات کو حضور اکرم ﷺ، بنات طاہرات، ازواج مطہرات اور صحابۂ کرامؓ رضی اللہ عنہم اجمعین سے زیادہ پاکباز تصور کرتے ہیں۔ اور یوں سمجھتے ہیں کہ ہم ان حضرات کی بہ نسبت اپنے قلوب پر زیادہ قابو رکھتے ہیں۔ **نعوذ بالله من هذه الهفوات.**

حدیث پاک میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول مقبول ﷺ کی نگاہ کسی اجنبیہ پر پڑی اور دل متأثر ہوا اس کو دور کرنے کے لئے فوراً گھر تشریف لائے اور زوجۂ مطہرہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے خلوت فرمائی اور مصاحبت کی اور فرمایا کہ جس کو بھی ایسا واقعہ پیش آئے تو وہ اپنی گھر والی (زوجہ) کے پاس چلا جائے اس لئے کہ اس کے پاس بھی وہی چیز ہے جو اس کے پاس ہے۔

عن ابن مسعود رضی الله عنه قال رأی رسول الله صلی الله علیه وسلم امرأة فاعجبته فاتی سودة هی تصنع طیباً عندها نساء فاخلینه فقضی حاجته ثم قال ایما رجل رأی امرأة تعجبه فلیقم الیٰ هله فان معها مثل الذی معها (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۹ باب النظر الی المخطوبۃ)

یہ واقعہ خاص امت کی تعلیم کے لئے ہے کہ جب کسی کو ایسی بات پیش آجائے تو یہ عمل کر کے طبیعت کو

تسکین دے، عورت کو دیکھ کر طبیعت کا متاثر ہونا قدرتی اور فطرت انسانی ہے اور اسی لئے وہ نظر جو پہلی مرتبہ بلا قصد کے ہو معاف ہے، قابل مؤاخذہ نہیں ہے، یہ فطری اور جنسی میلان جو طبیعت انسان میں ایک دوسرے کے لئے ہے یہ خدا کی پیدا کردہ ہے اس نے اپنی حکمت اور مصلحت کے ماتحت خاص مقصد سے اس کو نفس انسانی میں پیدا فرمایا ہے، اس کا جائز استعمال ثواب کا باعث ہے اور ناجائز استعمال عذاب کا موجب ہے، حاصل یہ کہ جب آنحضرت ﷺ کا قلب مبارک متاثر ہوا تو ہمارے دلوں کی کیا حیثیت ہے؟ لہٰذا جہاں جس قدر فتنہ کا اندیشہ ہوگا وہاں اسی قدر پردے کا سخت حکم ہوگا۔

حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:۔

عام عورتوں کو نصیحت:

جس سے شروع میں پردہ ہے چاہے وہ پیر ہو اور چاہے کیسا ہی نزدیک کا ناتہ دار جیسے دیور، جیٹھ، خالہ، پھوپھی یا چچا ماموں کا بیٹا یا بہنوئی یا نندوئی یا منہ بولا بھائی باپ، ان سب سے خوب پردہ کرو (قصد السبیل ص ۲۵)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔ مسئلہ:۔ جوان عورت کو غیر محرم کے سامنے منہ کھولنا درست نہیں نہ ایسی جگہ کھڑی ہو جہاں کوئی دوسرا دیکھ سکے، اس سے معلوم ہوا کہ نئی دلہن کی منہ دکھائی کا جو دستور ہے کہ کنبہ کے سارے مرد منہ دیکھتے ہیں یہ ہرگز جائز نہیں۔ (بہشتی زیور ص ۵۷ حصہ ۳ لباس اور پردے کا بیان)

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا فتویٰ

(سوال) ایک شخص نے اپنی عورت کو اپنے بڑے بھائی سے پردہ کرنے کا حکم دیا جس کی وجہ سے والدہ سخت ناراض ہو گئیں اور کہتی ہیں کہ تو اپنے بھائی سے پردہ نہ کر ورنہ میں تم سے جدا ہو جاؤں گی اب عرض یہ ہے کہ کیا اس وجہ سے والدہ محترمہ کا ناراض ہو جانا قیامت میں اس کے حق میں مضر ہوگا؟ (ملخص)

(الجواب) حدیث شریف میں شوہر کے بھائی کو عورت کے لئے موت سے تعبیر فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پردہ کرنا لازم ہے، تو اس شخص نے شریعت کے مطابق کام کیا ہے اس پر والدہ کی ناراضگی اس کے حق میں مضر نہیں۔ فقط۔ (مولانا مفتی) **محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ (کفایت المفتی ص ۳۹۰ ج ۵ کتاب الحجاب)**

(سوال) ایک مکان میں چار بھائی اور ان کے والدین اکٹھے رہتے ہیں۔ مکان تنگ ہونے کی وجہ سے اس میں حصے نہیں ہو سکتے علاوہ ازیں خورد و نوش میں بھی جدائی ناممکن ہے کیونکہ کوئی روزگار، کوئی طالب علم، کوئی بے روزگار، اور بسا اوقات ہر ایک بھائی کو اندر جانے کی ضرورت پڑتی ہے، اب پردہ کس طرح کرنا چاہئے، وجہ و کفین ورجلین کا استثناء جائز ہے یا نہیں؟ جواز کے صورت میں قباحت یہ ہے کہ انسان کا چہرہ دیکھنے سے بدخیالی پیدا ہوتی ہے، اور عدم جواز کی صورت میں گھر کا کاروبار مشکل؟ اس کے علاوہ بیبیاں بسا اوقات دوسرے بھائیوں کی نظر میں پڑ جاتی ہیں۔ (ملخص)

(الجواب) ایسی حالت میں عورتوں کو گھر میں احتیاط سے رہنا اور حتی الامکان کھلے منہ سامنے ہونے سے بچنا لازم ہے، امکانی کوشش کرلیں، اور مجبوری سے احیاناً سامنا ہو جائے تو صفائی قلب کی حالت میں اس کی معافی کی امید ہو سکتی ہے۔ فقط۔ **(حضرت مولانا مفتی) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی کفایت المفتی ص ۳۹۰، ص**

۳۹۱ ج۵. فقط واللہ اعلم بالصواب وعلمہ، اتم واحکم وھو الھادی الی الصراط المستقیم۔

نواسہ کی بیوی سے پردہ نہیں اس لئے کہ وہ محرم ہے:

(سوال ۱۲۸) نواسہ کی بیوی سے پردہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نواسہ کی مدخولہ سے پردہ نہیں ہے، وہ محرمات سے ہے اس سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے، قولہ تعالیٰ وحلائل ابنائکم یعنی بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام ہے، اور بیٹے کے عموم میں پوتا، نواسہ داخل ہے لہذا ان کی بیویوں سے نکاح جائز نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) اسلام میں پردہ کی اہمیت (۲) بہنوئی شرعاً محرم نہیں والدین اگر اس سے پردہ نہ کرانے پر مصر ہوں تو وہ گنہگار ہیں۔ (۳) ناشزہ نفقہ کی حق دار نہیں ہے۔:

(سوال ۱۲۹) زید کا عقد نکاح ہندہ سے ہوا، ایک موقع پر زید نے دیکھا کہ ہندہ کا بہنوئی ہندہ سے فحش مذاق کر رہا ہے جو زید کے لئے بالکل ناقابل برداشت تھا، زید نے اشارہ سے ہندہ کو وہاں سے ہٹنے کو کہا اس وقت وہ ہٹ گئی، بعد میں ہندہ کو زید نے ہر طرح سمجھایا مگر وہ ایک ستون کی طرح کھڑی ہنستی رہی، پھر زید نے ہندہ سے پوچھا کہ تجھے میرے ساتھ گھر کرنا ہے یا نہیں؟ اس طرح دو مرتبہ پوچھا مگر ہندہ خاموش رہی، تو زید نے ہندہ سے کہا کہ اب تیسری بار پوچھتا ہوں اگر تو نے جواب دیا تو ٹھیک ہے ورنہ میں سمجھوں گا کہ تجھے گھر نہیں کرنا ہے، تیسری بار جب ہندہ سے پوچھا تو ہندہ بولی کہ گھر کرنا کس کو پسند نہیں۔ زید نے پھر ہندہ کو خدا کی قسم کھلائی اور قرآن شریف پکڑوایا اور وعدہ دلایا کہ اب اپنے بہنوئی سے اس قسم کا مذاق نہیں کرے گی اور تنہائی میں نہیں ملے گی، نہ اس کے گھر جائے گی۔

ان تمام باتوں کو اس نے قبول تو کیا مگر ان میں سے کسی ایک پر بھی عمل نہیں کیا اور بہنوئی کے گھر شوہر کی مرضی کے خلاف پوشیدہ طور پر جاتی رہی، باوجود اس کے زید اس کو سمجھاتا رہا مگر ایک روز وہ خود ہی ماں کے یہاں چلی گئی اور پھر نہیں آئی اور اس کی ماں نے زید کو یہ بلوایا کہ تم کون ہوتے ہو میری بیٹی کو بہنوئی کے گھر جانے سے روکنے والے؟ ہندہ اب مرتے دم تک تمہارے گھر نہیں آئے گی۔

اب سوال یہ ہے کہ اس صورت میں زید کو کیا کرنا چاہئے؟

(۱) ایسے والدین کے متعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا کیا حکم ہے جو اولاد کی بے جا طرفداری اور ہمدردی کرتے ہوں؟

(۲) نیز ان حالات میں ہندہ کے نان نفقہ کا ذمہ دار کون ہے؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! (۱) حضور ﷺ کا ارشاد ہے: استوصوا بالنساء خیراً فانما ھن عوان عندکم لیس تملکون منھن شیئاً غیر ذلک الا ان یأتین بفاحشۃ مبینۃ فان فعلن فاھجروھن فی المضاجع واضربوھن ضرباً غیر مبرح فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلاً الا ان لکم علی نسائکم حقاً ولنسائکم علیکم حقاً فاما حقکم علی نسائکم فلا یوطئن فرشکم من تکرھون ولا یاذن فی

بیو تکم لمن تکرھون الا وحقھن علیکم ان تحسنوا الیھن فی کسو تھن وطعامھن (ترمذی شریف ج۱ ص ۱۳۹ باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأ ۃ ، ابواب الرضاع)

یعنی :عورتوں کے ساتھ بھلائی کے ساتھ پیش آنے کی میری وصیت اور ہدایت قبول کرو وہ تمہاری قیدی ہیں اس سے زیادہ ان پر تمہارا کوئی اختیار نہیں ہے مگر اس صورت میں کہ وہ کھلی بے حیائی اور بے شرمی کا کام کریں ، اگر وہ بے حیائی کا ارتکاب کرے تو سزا اور نصیحت کے طور پر ان سے اپنا بستر الگ کرلو اور تم ان کو ہلکی مار بھی مار سکتے ہو ، پھر اگر وہ تمہاری فرمانبردار بن جائیں تو ان پر زیادتی کرنے کے لئے بہانے مت تلاش کرو ۔ خبردار ! جس طرح تمہاری بیویوں پر تمہارا حق ہے تو ان کا بھی تمہارے اوپر حق ہے ، تمہارا حق بیویوں پر یہ ہے کہ تمہارے فرش کو ایسے شخص سے نہ رندوائیں جس سے تم ناخوش ہو ، اور نہ ایسے شخص کو تمہارے گھروں میں آنے کی اجازت دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو اور خبردار ! عورتوں کا تم پر حق یہ ہے کہ ان کو اچھا لباس پہناؤ ، اور اچھا کھانا کھلاؤ (ترمذی شریف) لہذا ہندہ اور اس کے بہنوئی کے درمیان فحش مذاق اور بے تکلفی کے ساتھ بات چیت جو شوہر کے لئے ناقابل برداشت ہے یقیناً فاحشہ مبینہ اور کھلی بے حیائی اور بے شرمی کی بات ہے جس میں شوہر کو تنبیہ کرنے اور ہلکی سزا دینے کا از روئے قرآن وحدیث حق حاصل ہے ، عورت کو چاہئے کہ ان حرکتوں سے باز آجائے ، اس کے ماں باپ اگر اس کی حمایت کرتے ہوں اور بہنوئی سے مذاق اور تنہائی میں ملنے کو پسند کرتے ہوں اور شوہر کی ناراضگی کی پرواہ نہ کرتے ہوں تو وہ اپنی لڑکی پر ظلم کرتے ہیں اور سخت گنہگار ہیں ۔

بہنوئی شرعاً نامحرم ہے ، اس سے پردہ ضروری ہے ، آپ لوگوں کی سہولت کے پیش نظر ایک اردو کی مشہور کتاب کا حوالہ دیا جاتا ہے ، چنانچہ اصلاح الرسوم میں ہے ۔

''جس سے عمر میں کبھی بھی نکاح صحیح ہونے کا احتمال ہو وہ شرعاً محرم نہیں بلکہ نامحرم ہے اور جو حکم شریعت میں محض اجنبی اور غیر آدمی کا ہے وہی ان کا ہے گو کسی قسم کا رشتہ قرابت کا رکھتا ہو ، جیسے چچا کا یا پھوپھی کا بیٹا یا ماموں کا یا خالہ کا بیٹا (یعنی چچازاد بھائی پھوپھی زاد بھائی ، ماموں زاد بھائی ، خالہ زاد بھائی یا دیور (شوہر کا بھائی) یا بہنوئی یا نندوئی وغیرہ ہم یہ سب نامحرم ہیں ان سے وہی پرہیز ہے جو نامحرم سے ہوتا ہے بلکہ چونکہ ایسے موقعوں پر فتنہ کا واقع ہونا سہل ہے اس لئے اور زیادہ احتیاط کا حکم ہے (اصلاح الرسوم ص ۷۶)

حدیث میں ہے : ایکم والدخول علی النساء فقال رجل یا رسول اللہ ارأیت الحمو قال الحموا لموت ۔ یعنی آنحضرت ﷺ نے مردوں کو ہدایت فرمائی کہ تم اجنبی اور نامحرم عورتوں کے پاس جانے سے بچو ، ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ دیور (شوہر کے بھائی) کے متعلق کیا حکم ہے کا اس سے بھی بچنا چاہئے ، آپ ﷺ نے فرمایا کہ دیور تو موت ہے ، یعنی اس سے خلا ملا رکھنا بے جا ملنا موت ہے یعنی زیادہ خطرناک ہے ۔ (مشکوۃ شریف ص ۲۶۸ باب النظر الی المخطوبۃ)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں :۔ جان لو کہ جس طرح عورتوں کی طرف دیکھنے سے مردوں ؟ ان کا عشق اور ان کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے اسی طرح عورتوں کو بھی مردوں کے دیکھنے سے عشق ومحبت پیدا ہوتی ہے (حجۃ اللہ البالغہ ج۲ ص ۳۶۴ من ابواب تدبیر المنزل ذکر العورات)

ادھر جو پردہ نہ ہو سکے گا
ادھر بھی تقویٰ نہ ہو سکے گا

فرمان نبوی ہے: المرأة عورة اذا خرجت استشرفها الشیطان یعنی عورت ستر کی چیز یعنی چھپانے کی چیز ہے پس جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان (شیطانی گروہ) اس پر نظر ڈالتا ہے (اور لوگوں کے دلوں میں غلط جذبات ابھارتا ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۸ باب النظر الی المخطوبة)

زنا صرف فعل بد کا ہی نام نہیں ہے بلکہ آنکھوں کا بھی زنا ہے، کانوں کا بھی زنا ہے، دل و دماغ کا بھی زنا ہے، اسی طرح حق تعالیٰ نے فرمایا ہے: ولا تقربوا الزنا انه کان فاحشة. یعنی زنا کے قریب بھی مت جاؤ، یعنی آنکھ، کان، ہاتھ، پیر، دل و دماغ کے زنا سے بھی بچو، حدیث میں ہے: العینان تزنیان وزنا هما النظر والا ذنان تزنیان وزنا هما الا ستماع واللسان یزنی وزناه النطق والید ان تزنیان وزنا هما البطش. مسلم باب قدر علی ابن آدم خطه' من الزنا وغیره ج. ۲ ص ۳۳۶ یعنی آنکھیں زنا کرتی ہیں اوران کا زنا دیکھنا ہے اور کان زنا کرتے ہیں اوران کا زنا سننا ہے اور زبان زنا کرتی ہے اور اس کا زنا بولنا ہے (یعنی کسی عورت ولڑکے سے شہوت کی راہ سے باتیں کرنا) اور ہاتھ زنا کرتے ہیں اوران کا زنا پکڑنا ہے۔

حدیث میں ہے کہ ایک نابینا صحابی حضور ﷺ کے مکان پر تشریف لا رہے تھے، آنحضرت ﷺ نے ام المومنین حضرت ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ کو پردہ کر لینے کا حکم دیا، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ تو نابینا ہیں ہم کو نہیں دیکھ سکتے، حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم بھی نابینا ہو؟ تم تو ان کو دیکھ سکتی ہو! (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۹ باب النظر الی المخطوبة، فصل نمبر ۲)

حدیث میں ہے: آنحضرت ﷺ کی زوجۂ مطہرہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے بھائی (جو باپ کی لونڈی سے پیدا ہوئے تھے) کے بارے میں شبہ تھا کہ حضرت سودہؓ کے والد کے نطفہ سے ہے یا دوسرے کے نطفہ سے؟ آنحضرت ﷺ نے اسے شرعی قانون کے مطابق حضرت سودہؓ کے والد کا لڑکا قرار دیا لیکن شبہ کی بناء پر حضرت سودہؓ کو اس مشتبہ بھائی سے احتیاطاً پردہ کا حکم دیا فما رآها حتی لقی الله تعالیٰ، متفق علیه. پھر وہ لڑکا تادم حیات اپنی بہن حضرت سودہؓ کو دیکھنے نہیں پایا، (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۷ باب اللعان)

یہ ہے شرعی قانون! اور یہاں بہنوئی سے ملنے کی اجازت نہ دینے کا رونا رویا جارہا ہے۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تمام امت کی مائیں تھیں۔ وازواجه امهاتهم. پھر بھی ان سے پردہ کا حکم تھا۔ قوله تعالیٰ فاسئلو هن من وراء حجاب (ازواج مطہرات سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگو) چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کی وجہ سے ازواج مطہرات سے بھی بلا حجاب ملنا بات چیت کرنا ممنوع ہو گیا۔ تو بہنوئی اس حکم سے کیسے مستثنیٰ ہو سکتا ہے؟

ایک صحابیؓ نے) آنحضرت ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ! نامحرم عورت پر دفعۃً نظر پڑ جائے تو کیا حکم ہے؟ فرمایا: فوراً نظر پھیرے (دیکھتا نہ رہے) (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۸ باب النظر الی المخطوبة)

نیز ارشاد نبوی ہے: اللہ کی لعنت ہے اس پر جو غیر محرم کو دیکھے اور اس عورت پر بھی جو دیکھنے کا موقع دے

(مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۰ باب النظر المحظوبة)

بہنوئی سے پردہ نہ ہونا اور خلوت میں ملنا بہت سی خرابیاں پیدا کرتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مرد (نامحرم) عورت کے پاس تنہائی میں بیٹھے گا تو وہاں تیسرا شیطان ضرورت ہوگا (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۹ باب النظر الی المخطوبہ۔

نفس و شیطان سے نہ کسی کو اطمینان ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے، اس لئے شریعت نے اس معاملہ میں بہت احتیاط برتی ہے، چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے پدر بزرگوار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مکان میں بیٹھی ہوئی تھیں، آنحضرت ﷺ نے ان باپ بیٹی کو تنہا دیکھ کر فرمایا، اے ابوبکر! شیطان دور نہیں ہے، تنہا بیٹی کے ساتھ بھی نہ بیٹھا کرو (معیار السلوک ص ۱۶۴)

جب باپ بیٹی کے لئے جن کی پاک بازی پر قرآن ناطق ہے یہ ہدایت تھی، تو بہنوئی کے لئے کیا حکم ہونا چاہئے؟؟ ذرا غور تو کیجئے!

(جواب ۲) صورت مسئولہ میں عورت ناشزہ ہے جب تک مکان پر نہ آئے وہ نفقہ کی مستحق نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بالوں کے احکام

علاج کی ضرورت سے عورت سر کے بال منڈا لے:

(سوال ۱۳۰) عورت کے سر پر بیماری ہے۔ ڈاکٹر اور طبیب کی رائے ہے کہ بال منڈا لے تب علاج مفید ہوگا۔ آیا ایسی کسی صورت میں بال کے حلق کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟

(الجواب) جب بال منڈائے بغیر علاج معالجہ مفید نہیں ہے تو مجبوراً بال منڈانے کی اجازت ہے۔ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے۔

المرأة اذا حلقت راسها ان كان لوجع اصابها لا باس به وان كان لتشبه بالرجال يكره .

یعنی عورت بال منڈانے پر مجبور ہو جائے تو اجازت ہے لیکن تشبہ بالرجال یا فیشن کے لئے ہو تو جائز نہیں حرام ہے۔ (ج ۴ ص ۳۷۷ كتاب الكراهية الفصل التاسع فى المتفرقات)

عورت کے داڑھی مونچھ نکل آئے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۱۳۱) عورت کے داڑھی مونچھ کے بال نکلیں تو کیا حکم ہے۔ منڈائے یا نہیں؟

(الجواب) منڈا سکتی ہے۔ بلکہ عورت کو داڑھی کے بال صاف کر دینا مستحب ہے۔ [۱] فقط والله اعلم بالصواب.

حلق عانہ وغیرہ کی صفائی کی میعاد:

(سوال ۱۳۲) صفائی کتنے ایام میں کی جائے؟ مسنون اور بہتر کیا ہے؟

(الجواب) افضل یہ ہے کہ ہر ہفتہ بالخصوص جمعہ کو پاکی حاصل کرے۔ یعنی ناخن تراشے لبیں لے اور موئے زیر ناف اور بغل کے بال صاف کر کے غسل کرے۔ موئے زیر ناف اور بغل کی صفائی ہر ہفتہ نہ ہو سکے تو پندرہ یا بیس دن میں کی جائے۔ انتہائی مدت چالیس ۴۰ دن ہے۔ چالیس دن کے بعد پاکیزگی حاصل نہ کریں تو سخت گنہگار ہوں گے (و يستحب (حلق عانته وتنظيف بدنه بالا غتسال فى كل اسبوع مرة) والا فضل يوم الجمعة وجاز فى كل خمسة عشرو كره تركه وراء الا ربعين مجتبى (درمختار) (قوله وكره تركه) اى تحريما اقول المجتبىٰ ولا عذر فيما وراء الاربعين ويستحق الوعيد (شامى ص ۳۵۸ ج ۵ كتاب الحظر والاباحہ

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر جمعہ کو ناخن اور مونچھیں درست فرماتے اور بیس دن ہونے پر موئے زیر ناف اور چالیس دن پر بغل کے بال پاک صاف کرواتے تھے۔ قوله اكثر من اربعين ليلة والمعنى لا نترك تركا يتجاوز اربعين لا انه وقت لهم الترك اربعين . وفى شرح السنة عن ابى عبيد الله الا غران رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقص شاربه ويأ خذ من اظفاره كل جمعة

---

(۱) (شامى ولا باس باخذ الحجبين وشعر وجهه ما لم يشبه المخنث تاتار خانيه شامى كتاب الحظر والاباحة فصل فى البيع ج ۵ ص ۳۵۸)

الخ وقال ابن الملک قد جاء فی بعض الروایات عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یأخذ اظفارہ' ویحفی شاربہ کل جمعۃ ویحلق العانۃ فی عشرین یوما وینتف الا بط فی کل اربعین یوماً (التعلیق الصبیح ص ۴۰۵ ج۴ باب التوجل)فقط واللہ اعلم بالصواب .

حالت جنابت میں ریش وغیرہ تراشنے کا حکم:

(سوال ۱۳۳) حالت جنابت میں سر منڈانا۔ داڑھی بنانا۔ اور ناخن تراشنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟:

(الجواب) اس حالت میں مذکورہ افعال ممنوع ومکروہ ہے۔ ’’فتاویٰ عالمگیری‘‘ میں ہے۔ ’’حلق الشعر حالۃ الجنابۃ مکروہ وکذا قص الا ظافیر .‘‘ ترجمہ۔ حالت جنابت میں سرمنڈانا اورناخن تراشنا مکروہ ہے۔ (ص ۳۵۸ ج۵ کتاب الحظر والا باحۃ فصل فی البیع) فقط واللہ اعلم بالصواب .

بالوں کو دفن کرنے کا حکم:

(سوال ۱۳۴) بالوں کو دفن کرنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ضروری نہیں بہتر ہے۔ پاک جگہ میں ڈال دینا بھی درست ہے۔ ’’واذا قص اظفارہ او حلق شعرہ ینبغی ان یدفنہ وان القاہ فلا بأس بہ .‘‘ (الا ختیار شرح المختار ص ۱۶۷ ج۴ [illegible] الکراھیۃ)فقط واللہ اعلم بالصواب .

داڑھی کتنی رکھنا مسنون ہے:

(سوال ۱۳۵) داڑھی ایک مشت سے زیادہ رکھنا منع ہے یا اجازت ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) داڑھی ایک مشت رکھنا ضروری ہے۔ ایک مشت سے بہت زیادہ رکھنا خلاف سنت ہے۔ ’’واعفاء اللحی قال محمدؒ عن ابی حنیفۃؒ ترکھا حتی تکث وتکثر والتقصیر فیھا سنۃ وھو ان یقبض رجل لحیتہ فما زاد علی قبضۃ قطعہ لان اللحیۃ زینۃ وکثرتھا من کمال الزینۃ وطولھا الفاحش خلاف السنۃ (الا ختیار شرح المختار ص ۱۶۷ ج۴ ایضاً) ترجمہ:۔ اعفاء اللحی (یعنی داڑھی بڑھانے کے متعلق) امام محمدؒ کی روایت ہے۔ کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا۔ ’’داڑھی کو چھوڑے رکھنا چاہئے۔ یہاں تک کہ گھنی ہوجائے اور بڑھ جائے اور داڑھی میں قصر کرنا سنت ہے اور قصر یہ ہے کہ داڑھی کو مٹھی میں لے جو مٹھی سے بڑھ جائے اس کو کاٹ دے۔ (کترواے) حقیقت یہ ہے کہ داڑھی سنت ہے داڑھی کا بھرپور ہونا کمال زینت اور جمال مومن ہے مگر داڑھی کی غیر معمولی درازی بھی خلاف سنت ہے۔ (الا ختیار شرح المختار ص ۱۶۷ ج۴)فقط واللہ اعلم بالصواب .

داڑھی کا وجوب اور ملازمت کی وجہ سے اس کا منڈوانا:

(سوال ۱۳۶) بعض ملازمتوں کے لئے داڑھی منڈانے کی شرط ہوتی ہے جس کی داڑھی ہوتی ہے اس کو ملازمت

نہیں ملتی اگر کوشش کے بعد بھی مل جائے تو تنخواہ نسبتاً کم ہوتی ہے، ایسی صورت میں داڑھی منڈانا یا فرنچ کٹ رکھوانا کیسا ہے؟ مدلل ومفصل جواب کی ضرورت ہے کہ لوگوں کے سامنے پوری وضاحت آجائے اور لوگ اس شنیع حرکت سے باز آئیں اور داڑھی کی اہمیت ان کے دل میں پیدا ہو۔ بینوا توجروا۔ (از سورت)

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ مردوں کے لئے داڑھی رکھنا واجب ہے اور اس کی مقدار شرعی ایک قبضہ یعنی ایک مشت ہے، داڑھی رکھنا تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متفقہ سنت مستمرہ ہے، اسلامی اور قومی شعار ہے، شرافت، بزرگی کی علامت ہے، چھوٹے اور بڑے میں امتیاز وفرق کرنے والی ہے، اسی سے مردانہ شکل کی تکمیل اور صورت نورانی ہوتی ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دائمی عمل ہے اور حضور ﷺ نے اسے فطرت سے تعبیر فرمایا ہے، لہذا داڑھی رکھنا واجب اور ضرورت ہے منڈانا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اس پر امت کا اجماع ہے، حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتی ہیں **عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية الخ** یعنی دس چیزیں فطرۃ میں سے ہیں (۱) مونچھوں کا کترانا (۲) داڑھی بڑھانا (۳) مسواک کرنا (۴) ناک میں پانی ڈال کر صفائی کرنا (۵) ناخن تراشنا (۶) بدن کے جوڑوں کو دھونا (۷) بغل کے بال اکھاڑنا (۸) زیر ناف کے بال صاف کرنا (۹) پانی سے استنجاء کرنا۔ راوئ حدیث کو دسویں چیز یاد نہ رہی، فرماتے ہیں ممکن ہے کہ وہ کلی کرنا ہو (**مسلم شریف ص ۱۲۹ باب خصال الفطرة . كتاب الطهارة**)

اس حدیث میں جو کہ نہایت قوی ہے دس چیزوں کو جن میں سے داڑھی کا بڑھانا اور مونچھوں کا کترانا بھی ہے۔ فطرۃ بتلایا ہے اور فطرت عرف شرع میں ان امور کو کہا جاتا ہے جو کہ تمام انبیاءؑ اور رسل کی معمول بہ اور متفق علیہ سنت ہو اور ہم کو ان پر عمل کرنے کا حکم ہو۔ صاحب مجمع البحار اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں، **عشر من "الفطرة" اى من السنة اى سنن الا نبياء عليهم السلام التى امرنا بالا قتداء بهم فيها : اى من السنة القديمة التى اختار ها الا نبياء عليهم السلام و اتفقت عليها الشرائع فكا نها امر جبلى فطرواعليه .**
یعنی دس چیزیں فطرۃ یعنی سنت میں سے ہیں یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ان سنتوں میں سے جن کی اقتداء کا ہمیں حکم دیا گیا ہے (**اولئک الذین هدى الله فبهداهم اقتده**) یعنی اس سنت قدیم میں سے جس کو انبیاء علیہم السلام نے اختیار فرمایا اور اس پر تمام شرائع متفق ہیں گویا کہ وہ امر جبلی ہے جس پر انبیاء علیہم السلام کو پیدا کیا گیا ہے (**مجمع البحار ج ۴ ص ۱۵۵ فطر**) امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں **قالوا ومعناه انها من سنن الانبياء صلوات الله وسلامه عليهم** یعنی فطرۃ کے معنی یہ ہیں کہ وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں میں سے ہے (**نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۱۲۸**)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہو گیا کہ داڑھی بڑھانے کا حکم تمام شریعتوں میں تھا اور یہ تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت رہی ہے۔

دوسری حدیث میں ہے **عن ابن عمر رضى الله عنه قال قال النبى صلى الله عليه وسلم خالفوا المشركين او فروا اللحى واحفوا الشوارب . وفى رواية انهكوا الشوارب واعفوا اللحى . متفق عليه (مشكوة شريف ص ۳۸۰ باب الترجل)** یعنی مشرکین کی مخالفت کرو مونچھیں پست کرو (چھوٹی کرو) اور

داڑھی کو معاف رکھو۔ (یعنی اسے نہ کاٹو) اور ایک حدیث میں ہے۔ ارخوا اللحی داڑھی لٹکاؤ۔ ان احادیث میں حضور ﷺ صیغۂ امر کے ساتھ داڑھی رکھنے کا حکم فرمارہے ہیں اور امر حقیقت میں وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ نیز داڑھی منڈانے میں کفار، اناث (عورتیں) اور مخنثوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے جس کا ناجائز اور حرام ہونا احادیث سے ثابت ہے۔ منتشبه بقوم فهو منهم (ابو داؤد شریف) ایک حدیث میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں۔ اللہ لعنت کرتے ہیں ان مردوں پر (جو داڑھی منڈا کر یا زنانہ لباس پہن کر) عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں (مشکوٰۃ شریف ص ۳۸۰) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو مخنث بنتے ہیں اور اسی طرح ان عورتوں پر (جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں) اور فرمایا انہیں اپنے گھروں سے نکال دو۔ عن ابن عباس قال لعن النبی صلی الله علیه وسلم المخنثین من الرجال و المترجلات من النساء وقال اخرجوهم من بیوتکم (مشکوٰۃ شریف ص ۳۸۰)

مالابد منہ میں ہے۔ مرد را تشبہ بزنان وزن را تشبہ بہ مردان ومسلم را تشبہ بہ کفار وفساق حرام است۔ یعنی مردوں کو عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا اور عورت کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے (مالابد منہ ص ۱۳۱) لہذا کفار و فساق کی مشابہت اختیار کرنے سے بچنا ضروری ہے صلحاء کی مشابہت اختیار کرنا باعث فلاح ہے۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

فتشبهوا ان لم تکونوا مثلهم

ان التشبه بالکرام فلاح

نیز داڑھی مرد کے لئے وقار اور زینت کی چیز ہے۔ تکملہ بحر الرائق میں ہے لان اللحیة فی او انها جمال (ج۸ ص ۲۳۱ کتاب الدیات) آسمان پر ملائکہ کی تسبیح ہے سبحان من زین الرجال باللحی والنساء بالذوائب۔ پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو داڑھی سے اور عورتوں کو چوٹیوں سے زینت بخشی۔ (تکمله بحر الرائق ج۸ ص ۲۳۱ کتاب الدیات (شمس الضحیٰ فی اعفاء للحیٰ ص ۱۳)

مفسرین نے ولا مرنهم فلیغیرن خلق الله کی تفسیر میں لکھا ہے کہ داڑھی منڈانا بھی تغییر خلق اللہ ہے، یعنی اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑنا ہے (بیان القرآن ص ۱۵۹ پارہ نمبر ۵ حاشیہ) (ترجمہ شیخ الهند ص ۱۲۷) (تفسیر حقانی ج۳ ص ۲۲۹ پارہ نمبر ۵ سورۂ نساء) اور بالاتفاق تغییر خلق اللہ حرام ہے۔ شیطان لعین نے یہ کہا تھا کہ میں خدا کے بندوں کو حکم دوں گا کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بگاڑیں، معلوم ہوا کہ جو لوگ داڑھی منڈا کر اپنی فطری صورت بگاڑتے ہیں وہ شیطان لعین کے حکم کی تعمیل اور اس کی مرضی کا کام کرتے ہیں، اور جو لوگ شیطان مردود کے فرماں بردار ہیں وہ بڑے ہی خسارے میں ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے ومن یتخذ الشیطان ولیا من دون الله فقد خسر خسرانامبیناً اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنادے گا وہ صریح نقصان میں پڑے گا۔

تفسیر روح البیان میں ہے حلق اللحیة قبیح بل مثلة وحرام و کما ان حلق شعر الرأس فی

حق المرأة مثلة منهي عنه وتفويت للزينة كذلك حلق اللحية مثلة في حق الرجال وتشبه بالنساء منهي عنه وتفويت للزينة قال الفقهاء اللحية في وقتها جمال وفي حلقها تفويت للزينة على الكمال ومن تسبيح الملائكة سبحان من زين الرجال باللحى وزين النساء بالذوائب یعنی ۔ داڑھی منڈانا نہ صرف یہ بلکہ مثلہ اور حرام ہے، جس طرح عورت اگر اپنے سر کے بال منڈاوے تو یہ مثلہ ہے جو ممنوع ہے اور اس سے عورت کی زینت ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح مرد اگر داڑھی منڈادے تو یہ بھی مثلہ ہے اور اس سے مردانہ شان ختم ہو جاتی ہے۔

فقہاء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ داڑھی اپنے وقت میں جمال ہے اور اس کو منڈادینا زینت کو ختم کرنا ہے اور ملائکہ کی تسبیح ہے، سبحان ...... پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو داڑھی سے زینت بخشی اور عورتوں کو لٹوں سے اور چوٹیوں سے (روح البیان ص ۲۲۲ تحت الآیة واذا بتلی ابراهیم ربه بکلمات فاتمهن)

ہدایہ میں ہے لان حلق الشعر في حقها مثلة كحلق اللحية في حق الرجال یعنی عورت کے سر کا بال منڈانا مثلہ ہے جس طرح مرد کا داڑھی منڈانا مثلہ ہے (هدایه ج ۱ ص ۲۳۵ باب الاحرام کتاب الحج) (هكذا في الجوهرة النيرة ج ۱ ص ۱۶۷ کتاب الحج)

داڑھی منڈانا قوم لوط کی ہلاکت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، درمنثور میں ہے۔ قوم لوط دس برے کاموں کی وجہ سے ہلاک کی گئی ان میں سے ایک داڑھی منڈانا بھی ہے۔ واخرج اسحق بن بشير والخطيب وابن عساكر عن الحسن قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عشر خصال عملتها قوم لوط بها اهلكوا وتزيدها امتى نجلة اتيان الرجل بعضها بعضاً الى قوله . وقص اللحية وطول الشارب الخ (درمنثور ج۴ ص ۳۲۴ سورة انبياء پاره نمبر ۱۷ تحت الآية . ولو طا آتيناه حكما وعلما ونجيناه من القرية الخ)

جب کسریٰ کے دو قاصد داڑھی منڈائے اور مونچھیں بڑھائے ہوئے حضرت رسول مقبول ﷺ کے دربار میں حاضر ہوئے تو آپ ان کی یہ صورت دیکھ کر کبیدہ خاطر ہوئے پوچھا کہ ایسی صورت بنانے کا تم کو کس نے حکم دیا ہے؟ کہنے لگے ہمارے رب کسریٰ نے۔ آپ نے فرمایا لکن امرني ربي ان احفي بشاربي واعفي لحيتي. یعنی لیکن میرے رب نے تو مجھے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں پست کرنے کا حکم دیا ہے (طبقات ابن سعد جلد اول بحوالہ داڑھی کا وجوب مصنفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نوراللہ مرقدہ)

بڑی عبرت کا مقام ہے حضور ﷺ نے جب کافر کو ایسی حالت میں دیکھا تو اس ہئیت وصورت کو ناپسند فرماتے ہوئے نفرت کا اظہار کیا اور ہم حضور ﷺ کے نام لیوا ہو کر اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی محبت کے دعوی دار بن کر یہ شنیع حرکت کریں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کو اس سے کتنی تکلیف ہوتی ہوگی! اس کا اندازہ خود ناظرین لگالیں۔

ہند میں ایک فارسی شاعر مرزا بیدل تھے، ان کے نعتیہ کلام سے متاثر ہو کر ایران سے ایک صاحب ان کی ملاقات کے اشتیاق میں ہندوستان آئے، شاعر مرزا بیدل سے ملاقات ہوئی تو اتفاق سے وہ داڑھی منڈانے میں مشغول تھے، ایرانی مسافر نے بڑے تعجب اور دکھ سے کہا! آغا ریش می تراشی؟ (آقا آپ داڑھی منڈاتے ہیں) اس

نے کہا ہے دل کسے نمی تراشم (کہا ہاں! لیکن کسی کا دل نہیں دکھاتا ہوں، بڑا گناہ کسی کا دل دکھانا ہے) ایرانی مسافر نے برجستہ کہا، آرے دل رسول خدا می خراشی یعنی تو تو رسول اللہ ﷺ کا دل دکھاتا ہے تب اس کے دل کی آنکھیں کھلیں اور قالا یا حالاً کہا

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی
مرا با جان جاں ہمراز کردی

رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ان سے فرمایا میرے بعد قریب ہے کہ تیری زندگی دراز ہو، لوگوں کو خبر دینا کہ جو شخص اپنی داڑھی میں گرہ لگائے یا داڑھی چڑھائے یا تانت کا قلادہ ڈالے یا گوبر اور ہڈی سے استنجاء کرے تو محمد (ﷺ) اس سے بری ہیں، مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن رویفع بن ثابت قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا رو یفع لعل الحیوۃ ستطول بک بعدی فاخبر الناس ان من عقد لحیتہ او تقلد وتراً او استجی بر جیع دابۃ او عظم فان محمداً منہ بری. رواہ ابو داؤد (مشکوٰۃ شریف ص ۴۳ باب آداب الخلاء)

جب داڑھی لٹکانے کے بجائے چڑھانے پر یہ وعید ہے تو منڈانے اور شرعی مقدار (قبضہ) سے کم کرنے پر کیا وعید ہوگی؟ ناظرین اس کا خود اندازہ لگالیں؟ مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ ثابت ہوا کہ داڑھی رکھنا واجب ہے اسلامی شعار ہے اور منڈانا حرام ہے۔

احادیث سے حضور ﷺ کی ریش مبارک کا ایک مشت بلکہ اس سے کچھ زائد ہونا ثابت ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ ریش مبارک میں خلال فرماتے تھے عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا تو ضاً اخذ کفاً من ماء فاد خلہ تحت حنکہ فخلل بہ لحیتہ و قال ھکذا امرنی ربی (ابو داؤد شریف باب تخلیل اللحیۃ) اور آپ کی داڑھی مبارک اتنی گنجان تھی کہ اس نے سینہ مبارک کو گھیر لیا تھا کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کث اللحیۃ یملأ صدرہ (شمائل ترمذی) اور آپ ریش مبارک میں کنگھی بھی فرماتے تھے عن انس بن مالک قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکثر دھن رأسہ وتسریح لحیتہ (شمائل ترمذی ص ۴ باب ماجاء فی ترجل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نیز روایتوں میں یہ بھی وارد ہے کہ آنحضور ﷺ اپنی ریش مبارک کے طول وعرض سے قبضہ سے زائد بالوں کو کتر لیتے تھے، ترمذی شریف کی روایت ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یأخذ من لحیۃ من عرضھا وطولھا (ترمذی شریف ج۲ ص ۱۰۰ باب ماجاء فی الاخذ من اللحیۃ) شرح شرعۃ الاسلام میں مقدار قبضہ کی صراحت آئی ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یأ خذ من لحیتہ طولا وعرضًا علی قدر القبضۃ (شرح شرعۃ الاسلام ص ۲۹۸) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ " الطرائف والظرائف " میں تحریر فرماتے ہیں۔ فائدہ: روی الترمذی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یأخذ من لحیتہ طولاً وعرضاً وصاحب مفاتیح وغرائب در آخر ایں حدیث لفظ اذا زاد علی

قدر المقبضہ نیز نقل کردہ اند یعنی ''مفاتیح وغرائب'' میں اس حدیث کے آخر میں یہ لفظ بھی ہے کہ حضور ﷺ اپنی داڑھی مبارک سے عرضاً وطولاً کترتے تھے جب کہ قبضہ کی مقدار سے زائد ہو جاتی۔ (الطرائف والظرائف)

حضور اکرم ﷺ کے صحابہ (جو آپ کے اقوال و افعال کے مشاہدہ کرنے والے ہیں اور آپ کی ایک ایک سنت پر عمل کرنے والے ہیں) کے عمل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے بڑے فدائی ہیں اور آپ کی سنتوں کے بڑے شیدائی ہیں امام بخاریؒ نے ان کے عمل کو بطور معیار پیش کیا ہے **و کان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض علی لحیته فما فضل اخذه** . ترجمہ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حج یا عمرہ سے فارغ ہوتے تھے تو اپنی داڑھی کو مٹھی سے پکڑ لیتے تھے جو حصہ زائد ہوتا تھا اس کو کاٹ دیتے تھے (بخاری شریف ج ۲ ص ۸۷۵ کتاب اللباس) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی مقدار قبضہ سے زائد کاٹ دیتے تھے (**حاشیه بخاری شریف ج ۲ ص ۸۷۵ حاشیه نمبر ۷ باب اعفاء اللحیی الخ**) ترمذی شریف کے حاشیہ میں ہے **وقدروی عن ابی هریرة ایضا انه کان یقبض علی لحیتی فیأ خذ ما فضل عن القبضة اسنده ابو شیبة (ج ۲ ص ۱۰۰ حاشیه نمبر ۹ حواله بالا)**

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا عرض اور طول میں داڑھی کترنا اسی مقدار اور کیفیت سے ہوتا تھا، اور یہ ثابت ہوا کہ داڑھی کی مقدار مسنونہ ایک مشت ہے لہٰذا اس سے کم کرنا اور خشخشی داڑھی رکھنا از روئے شرع جائز نہیں ہے۔

ان احادیث کی روشنی میں اقوال فقہاء بھی ملاحظہ ہوں۔ امام محمد رحمہ اللہ کتاب الآثار میں فرماتے ہیں **والسنة فیها القبضة وهو ان یقبض الرجل لحیته فما زاد منها علی قبضة قطعه** . داڑھی کی مقدار مسنونہ ایک قبضہ ہے اور وہ اس طرح کہ داڑھی مٹھی میں لے لے اور جو زائد ہو اسے کاٹ دے (کتاب الآثار)

درمختار میں ہے **ولا بأس بأخذ اطراف اللحیة والسنة فیها القبضة (قوله والسنة فیها القبضة) وهو ان یقبض الرجل لحیته فما زاد منها علی قبضة قطعه کذا ذکر محمد فی کتاب الآثار عن الامام قال وبه نأخذ محیط اه** یعنی داڑھی میں مقدار مسنون ایک مشت ہے۔ لہٰذا جو حصہ ایک مشت سے زائد ہو اس کو کتروا دے یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے (**شامی ج ۵ ص ۳۵۹ کتاب الحظر والا باحة تحت فصل البیع**) دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں **واما الاخذ منها وهی دون ذلک کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم یبحه احد واخذ کلها فعل هنود الهند ومجوس الاعاجم . (درمختار مع الشامی ج ۲ ص ۱۵۵ کتاب الصوم مطلب فی الأخذ من اللحیة)**

ترجمہ: اور داڑھی میں سے لینا اس حال میں کہ وہ مشت سے کم رہ جائے جیسا کہ بعض مغربی اور مخنث کرتے ہیں، پس اس کو کسی نے مباح نہیں کیا اور کل کا منڈانا ہند کے کفار کا فعل ہے اور عجم کے مجوسیوں کا طریقہ ہے، کذا فی فتح القدیر (**غایة الاوطار ج ۱ ص ۵۲۴ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده**)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں۔ **قوله : لم یبحه احد نص فی الاجماع (بوادر النوادر ج ۲ ص ۴۴۳)** یعنی صاحب درمختار (وفتح القدیر) کا قول **لم یبحه احد** داڑھی

منڈانے اور کٹوانے کی حرمت پر اجماع کی صریح دلیل ہے۔

تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں ہے۔ **وقال العلائی فی کتاب الصوم قبیل فصل العوارض ان من اللحیۃ وھی دون القبضۃ کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال لم یبحہ احد واخذ کلھا فعل یھود الھند و مجوس الاعاجم فحیث اد من علیٰ فعل ھذا المحرم یفسق وان لم یکن ممن یستخفرنہ ولا یعدونہ قادحاً للعدالۃ والمروۃ (تنقیح الفتاوی الحامدیہ ج ۱ ص ۳۵۱ کتاب الشھادۃ فی شھادۃ محلوق اللحیۃ)** خلاصہ یہ ہے کہ ایک مشت سے کم داڑھی رکھنے کو کسی نے مباح قرار نہیں دیا۔

علامہ محمود خطاب لکھتے ہیں: **فلذلک کان حلق اللحیۃ محرما عند ائمۃ المسلمین المجتھدین ابی حنیفۃ ومالک والشافعی وغیرھم** (المنھل ج ۱ ص ۸۶ بحوالہ داڑھی اور انبیاء کی سنتیں) یعنی: اسی وجہ سے تمام ائمہ مجتہدین جیسے امام ابوحنیفہ امام مالک امام شافعی امام احمد وغیرہم رحمہم اللہ کے نزدیک داڑھی منڈانا حرام ہے۔

فیض الباری شرح بخاری میں ہے **واما قطع مادون ذلک فحرام اجماعاً بین الائمۃ رحمھم اللہ** داڑھی اس طرح کاٹنا کہ قبضہ سے کم رہ جائے باتفاق ائمہ حرام ہے (**ج ۴ ص ۳۸۰ باب اعفآء اللحی**)

نصاب الاحتساب میں ہے۔ مسئلہ: **ھل یجوز حلق اللحیۃ کما یفعلہ الجوالقیون ؟ .**

(الجواب) **لایجوز ذکرہ فی کراھیۃ التجنیس والمزید و فی جنایات الھدایہ وقال علیہ السلام احفوا الشوارب واعفوا اللحی ای قصوا الشوارب واترکوا اللحی ولا تحلقوھا ولا تقطعوھا ولا تنقصوھا فی القدر المسنون وھی القبضۃ.**

ترجمہ: مسئلہ۔ داڑھی منڈانا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) التجنیس والمزید کی کتاب الکراہیۃ اور ہدایہ کی باب الجنایات میں مذکور ہے کہ (داڑھی منڈانا) جائز نہیں ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا اپنی مونچھوں کو چھوٹا کرو اور داڑھیوں کو گھنی کرو اور اسے اپنے حال پر چھوڑ دو اور مقدار مسنون سے کم نہ کرو اور وہ ایک قبضہ ہے (نصاب الاحتساب ص ۱۴۔۱۵ قلمی باب نمبر ۲)

مالا بدمنہ میں ہے۔ تراشیدن ریش بیش از قبضہ حرام است۔ یعنی داڑھی منڈانا اور ایک قبضہ سے کم رکھنا حرام ہے (**مالا بد منہ ص ۱۳۰**)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ ''حلق کردن لحیہ حرام است وروش افرنج وہنود است وگذاشتن آن بقدر قبضہ واجب است واو را سنت گویند بمعنی طریقہ مسلوک در دین است یا بہ جہت آں کہ ثبوت آں بہ سنت است چنانکہ نماز عید را سنت گفتہ اند۔ یعنی داڑھی منڈانا حرام ہے اور اہل مغرب اور ہندوؤں کا طریقہ ہے داڑھی ایک مشت رکھنا واجب ہے اور اس کو سنت اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ یہ دین میں طریقہ مسلوکہ ہے، یا اس لئے سنت کہا جاتا ہے کہ یہ سنت سے ثابت ہے چنانچہ نماز عید کو (اسی معنی کے اعتبار سے) سنت کہا جاتا ہے (حالانکہ وہ واجب ہے) (**اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۱۲ باب الترجل**)

الاختیار شرح المختار میں ہے واعفاء اللحی. قال محمد عن ابی حنفیة ترکها حتی تکث وتکثر والتقصیر فیها سنة وهو ان یقبض رجل لحیته فما زاد علی قبضة قطعه لان اللحیة زینة وکثرتها من کمال الزینة وطولها الفاحش خلاف السنة۔ ترجمہ۔ اعفاء للحی. داڑھی بڑھانا، امام محمد کی روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا داڑھی کو چھوڑے رکھنا چاہئے یہاں تک کہ گھنی ہوجائے اور بڑھ جائے اور داڑھی میں قصر سنت ہے اور قصر یہ ہے کہ داڑھی کو مٹھی سے پکڑے جو مٹھی سے زائد ہو اس کو کاٹ دے، داڑھی زینت ہے اور اس کا بھرپور ہونا (گھنی ہونا) کمال زینت ہے اور داڑھی کی غیر معمولی درازی خلاف سنت ہے۔ (الاختیار شرح المختار ج۴ ص ۱۶۷ کتاب الکراهیة)

امام غزالی تحریر فرماتے ہیں وقد اختلفوا فیما طال منها فقیل ان یقبض الرجل علی لحیته واخذ ما فضل عن القبضه فلا بأس فقد فعله ابن عمرو جماعة من التابعین واستحسنه الشعبی وابن سیرین وکرهه الحسن وقتادہ وقالا ترکها عافیة احب لقوله صلی الله علیه وسلم اعفوا اللحی (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۴۸) کتاب الکراهیة

ترجمہ۔ لوگوں نے اس باب میں اختلاف کیا ہے کہ اگر داڑھی لمبی ہوجائے تو کیا کرنا چاہئے۔ بعض کا قول ہے کہ مقدار مشت چھوڑ کر باقی کاٹ ڈالے تو کچھ مضائقہ نہیں کہ حضرت ابن عمرؓ اور بہت سے تابعین نے ایسا کیا ہے۔ اور امام شعبی اور ابن سیرین نے اس کو اچھا سمجھا ہے، حسن اور قتادہ نے اس کو مکروہ فرمایا ہے اور کہا ہے کہ اس کو یونہی رہنے دینا مستحب ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اعفوا اللحی داڑھی بڑھاؤ۔ (مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم ص ۱۵۹، ص ۱۶۰)

ان روایات واقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ داڑھی رکھنا واجب ہے اور ایک مشت سنت مؤکدہ ہے اس سے کم کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اتنی لمبی رکھنا کہ لوگوں کی نگاہیں اس پر اٹھیں اور مذاق سا بن جائے یہ بھی خلاف سنت ہے، لہذا ملازمت اور اچھی تنخواہ کی خاطر داڑھی منڈانا اور فرنچ کٹ بنانے کی شرط قبول کرنا جائز نہیں ہے۔ حق تعالیٰ رزاق ہے اسی پر اعتماد وتوکل کرنا چاہئے، اس کے احکام اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی گذارنا چاہئے فرمان خداوندی ہے وکأین من دابة لا تحمل رزقها الله یرزقها وایاکم (سورہ عنکبوت پ ۲۱) ترجمہ۔ کئی جاندار ایسے ہیں کہ (آئندہ کے لئے) اپنا رزق نہیں بچاتے خدا پاک ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی رزق دیتا ہے، اور ارشاد ربانی ہے ومن یتق الله یجعل له مخرجا ویرزقه من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی الله فهو حسبه ترجمہ۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے (اس کی نافرمانی اور گناہ کے کام نہیں کرتا) تو حق تعالیٰ اس کے لئے (مشکلات سے) نجات کی راہ نکالتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے کہ جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو کوئی خدا پر بھروسہ رکھتا ہے (اس کی مشکلات حل کرنے کے لئے) خدا کافی ہے (سورۂ طلاق پ ۲۸)

حدیث میں ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک اگر تم خدا پر مکمل طور پر توکل کرو تو وہ تم کو اس طرح رزق عطا کرے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے

جو صبح (اپنے گھونسلوں سے) بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر واپس لوٹتے ہیں عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لو انکم تتوکلون علی اللہ حق توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر تغدو خماصا وتروح بطانا (مشکوٰۃ شریف ص ۴۵۲ باب التوکل والصبر)

شیخ سعدی علیہ الرحمہ اپنی مناجات میں فرماتے ہیں۔

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

اے خدا! آپ جب کہ ایسے کریم ہیں کہ یہود و نصاریٰ، آتش پرستوں اور بت پرستوں وغیرہ کو اپنے خزانۂ غیب سے روزی پہنچاتے ہیں، دشمنوں پر جب ایسی نظر کرم ہے تو اپنے دوستوں کو (جو تیرے عبادت گذار ہیں) کس طرح محروم رکھیں گے؟ (مقدمہ گلستان)

منقول ہے کہ کوے کا بچہ انڈے سے نکلتا ہے اس وقت اس کے بدن کے بال و پر سفید ہوتے ہیں، نر و مادہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا بچہ نہیں ہے اگر ہمارا ہوتا ہے تو ہم جیسا سیاہ بھی ہوتا اس لئے وہ کھلانے سے گریز کرتے ہیں، بال و پر جب سیاہ ہونے لگتے ہیں تب اسے اپنا بچہ سمجھتے ہیں اور پھر کھلانا پلانا شروع کرتے ہیں جب تک اس کی بال و پر سیاہ نہیں ہوتے اس کس مپرسی کی حالت میں خدا تعالیٰ اسے اس طرح سے روزی پہنچاتے ہیں کہ بچہ جب اپنی چونچ بار بار کھولتا ہے تو اس وقت حشرات الارض اور جراثیم ہوا کے ذریعہ اس کی منہ میں پہنچ کر اس کی خوراک بنتے ہیں (ابن کثیر۔ مظاہر حق) اس طرح اللہ تعالیٰ کوے کے بچہ کو روزی پہنچاتے ہیں تو کیا وہ ذات اپنے وفا شعار بندوں کو روزی نہیں پہنچائے گی؟ کیا وہ تمہیں بھوکا مارے گا؟ نہیں ہرگز نہیں!! بقول شاعر

غم روزی مخور برہم مزن اوراق دفتر را
کہ پیش از طفل ایزد پر کند پستان مادر را

فکر معاش میں حیران و پریشان ہونے کی ضرورت نہیں خدا تو ایسی قدرت والے ہیں کہ بچہ کے دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے پستان مادر میں دودھ مہیا کر دیتے ہیں اور اس طرح محیر العقول طریقہ پر خوراک کا انتظام فرما دیتے ہیں۔ بے شک وہ بڑی شان اور قدرت والے ہیں انما امرہٗ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون خدا کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو وجود میں لانا چاہتا ہے تو وہ اس کو حکم دیتا ہے ''کن'' ہو جا۔ تو وہ اسی وقت وجود میں آ جاتی ہے (سورہ یٰس پ ۲۳)

خدا تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی سنت کے مطابق زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین فقط واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم وھو الھادی الی الصراط المستقیم۔

انگریزی بال رکھنا:

(سوال ۱۳۷) انگریزی بال کہ جس میں پیچھے کے حصہ کے بال چھلنٹے جاتے ہیں اور آگے کے بال بہ نسبت پیچھے کے حصہ کے بڑے ہوتے ہیں تو ایسے بال رکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حضور اکرم ﷺ زلفی بال رکھتے تھے، موئے مبارک کبھی نصف کان تک کبھی کان کی لوتک ہوتے اور جب بڑھ جاتے تو شانۂ مبارک سے چھو جاتے۔ اور ایک مرتبہ آپ نے حج کے موقعہ پر اپنا سر مبارک منڈایا بھی ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ وغیرہ بعض صحابہ سے بھی سر منڈانا ثابت ہے اس لئے سنت یہ ہے کہ پورے سر پر بال رکھے جائیں یا سب کے سب منڈا دیئے جائے یا مساوی طور پر کٹوا دیئے جائیں، کچھ حصہ منڈانا اور کچھ حصہ میں بال رکھنا، یا چھوٹے بڑے اتار چڑھاؤ بال رکھنا جو آج کل فیشن ہے اور انگریزی بال سے موسوم ہے یہ خلاف سنت ہے، نصاریٰ فساق اور فجار کی ہیئت کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے۔ جو ممنوع ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے قزع کو منع فرمایا ہے اور قزع یہ ہے کہ سر کے بعض حصے کے بال مونڈے جائیں اور بعض حصے کے چھوڑ دیئے جائیں **عن ابن عمر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن القزع والقزع ان يحلق رأس الصبى ليترك بعض شعره (ابو داؤد ج ۲ ص ۲۲۴ مشكوة شريف ص ۳۸ باب الترجل)** بخاری میں قزع کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے "آگے سے بال چھوڑ دینا اور سر کا پچھلا حصہ منڈا دینا" **ولكن القزع ان يترك بنا صية شعر و ليس فى راسه غيره (بخارى شريف ج ۲ ص ۸۷۷ باب القزع)**

دوسری ایک حدیث ہے، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے ایک بچہ کو دیکھا کہ اس کے سر کے بعض حصے کے بال مونڈے ہوئے اور بعض حصے میں بال چھوڑ دیئے گئے ہیں تو آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ اگر بال مونڈنا ہو تو پورے سر کے بال مونڈو اور اگر بال رکھنا ہو تو پورے سر پر بال رکھو۔ **عن نافع عن ابن عمر رضى الله عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم رأى صبياً قد حلق بعض رأسه وترك بعضه فنهاهم عن ذلك فقال احلقوه كله او اتركوه كله (ابو داؤد شريف ج ۲ ص ۲۲۵) (مشكوة شريف ص ۳۸۰ باب الترجل)**

شامی میں ہے **(قوله واما حلق رأسه الخ) وفى الروضة للزندوسى ان السنة فى شعرا لرأس اما الفرق او الحلق وذكر الطحاوى ان الحلق سنة ونسب ذلك الى العلماء الثلثة . الى قوله . ويكره القزع وهو ان يحلق البعض ويترك البعض قطعاً مقدار ثلثة اصابع الخ** یعنی علامہ زندوی کی روضہ میں ہے۔ سر کے بال رکھنے کے سلسلہ میں سنت طریقہ یا تو فرق (سر پر بال رکھنا) ہے یا حلق (سر منڈانا) ہے علامہ طحاویؒ نے فرمایا ہے کہ حلق سنت ہے اور علماء ثلثہ امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ کی طرف اس کو منسوب کیا ہے۔ الی قولہ۔ اور قزع مکروہ ہے اور قزع یہ ہے کہ سر کے بعض حصے کے بال مونڈے جائیں اور بعض کے چھوڑ دیئے جائیں **(شامى ج ۵ ص ۳۵۹ كتاب الحضر والا باحة فصل فى البيع)**

عالمگیری میں ہے یستحب حلق الرأس فی کل جمعة کذا فی الغرائب . الی قوله . ویکره القزع وهو ان یحلق البعض ویترک البعض مقدار ثلثه اصابع کذا فی الغرائب . یعنی غرایب میں ہے کہ ہر جمعہ سر منڈانا مستحب ہے۔ الی قولہ۔ اور قزع مکروہ ہے اور قزع یہ ہے کہ سر کے بعض حصہ کے بال مونڈے اور بعض حصہ میں تین انگلیوں کے بقدر چھوڑ دے (فتاوی عالمگیری ج۶ ص ۲۳۸ الباب التاسع عشر فی الختان الخ کتاب الکراهیة)

بہشتی گوہر میں ہے۔ مسئلہ۔ پورے سر پر بال رکھنا نرمہ گوش تک یا کسی قدر اس سے نیچے سنت ہے اور اگر سر منڈائے تو پورا منڈا دینا سنت ہے اور کتروانا درست ہے مگر سب کتروانا اور آگے کی جانب کسی قدر بڑے رکھنا جو کہ آج کل کا فیشن ہے جائز نہیں اور اسی طرح کچھ حصہ منڈوانا کچھ رہنے دینا درست نہیں (بہشتی گوہر ص ۱۳۴)

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کا فتویٰ

(سوال) کیا انگریزی بال رکھنا جائز نہیں ہے؟

(الجواب) انگریزی بال رکھنا مکروہ ہے (کفایت المفتی ج۹ ص ۱۷۰)

لہذا انگریزی اور فیشن ایبل بال رکھنا مکروہ ہے اس میں غیر قوموں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے اور حدیث میں غیروں کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے مشہور حدیث ہے من تشبه بقوم فهو منهم . جو جس قوم سے مشابہت اختیار کرے گا وہ انہیں میں شمار ہوگا (مشکوۃ شریف ص ۳۷۵ کتاب اللباس)

مالا بد منہ میں ہے۔ مرد را تشبہ بزنان وزن را تشبہ بمرداں، و مسلم را تشبہ بکفار و فساق حرام است۔ مردوں کو عورتوں کی مشابہت اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنا اور اسی طرح مسلمان کو کفار اور فساق کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے (مالا بد منه ص ۱۳۱)

احادیث میں ایسی مشابہت پر سخت وعید آئی ہے، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے لعن النبی صلی الله علیه وسلم المخنثین من الرجال والمترجلات من النساء وقال اخرجوهم من بیوتکم. یعنی حضور ﷺ نے ان مردوں پر جو مخنث بنتے ہیں لعنت فرمائی ہے اور ان عورتوں پر بھی جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں اور فرمایا ان کو اپنے گھروں سے نکال دو۔ ایک دوسری حدیث میں ہے۔ وعنه قال قال النبی صلی الله علیه وسلم لعن الله المتشبهین من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال . حضور ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں (بخاری شریف ج۲ ص ۸۷۴) (مشکوۃ شریف ص ۳۸۰ باب الترجل)

لہذا کفار و فساق و فجار کی مشابہت سے احتراز کیا جائے اور ایسی وضع اختیار کرنے سے اپنے آپ کو بچایا جائے، علماء صلحاء کی مشابہت اختیار کی جائے، عربی شاعر کہتا ہے۔

فتشبهوا ان لم تكونوا مثلهم
فان التشبه بالكرام فلاح

صلحاء کی مشابہت اختیار کرو اگر چہ تم ان جیسے نہیں ہو کہ نیک لوگوں کی مشابہت اختیار کرنے میں فلاح ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورت اپنے گرے ہوئے بالوں کو جمع کر کے اپنی چوٹی میں ملا سکتی ہے یا نہیں۔

(سوال ۱۳۸) عورت اگر اپنے گرے ہوئے بالوں کو جمع کر کے اپنی چوٹی میں ملائے تو کیا حکم ہے؟ اگر کالے تاگے کی ربن جو بالوں کے مشابہ ہوتی ہے، ملائے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عورت اپنے گرے ہوئے بال بالوں میں نہ ملائے ممنوع ہے تاگا ملا سکتی ہے۔ وفی الا ختیار ووصل الشعر بشعر الا دمی حرام سواء کان شعرها اوشعر غیرها الخ (درمختار) (قوله سواء کان شعرها او شعر غیرها) لما فیه من التزویر کما یظهر مما یأتی وفی شعر غیرها انتفاع بجزء الآدمی ایضاً لکن فی التتارخانیة واذا وصلت المرأة شعرها بشعرها فهو مکروه وانما الرخصة فی غیر شعر بنی آدم تتخذ المرأة لتزید فی قرونها وهو مروی عن ابی یوسفؒ وفی الخانیة ولا بأس للمرأة ان تجعل فی قرونها وذوا ئبها شیئا من الوبر (شامی ج۵ ص ۳۲۸ کتاب الحظر والا باحة باب الا ستبراء وغیره)فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

چہرہ بنوانا جائز ہے یا نہیں :

(سوال ۱۳۹) داڑھی ترشوا کر چہرہ بنوانا درست ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کتنا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس طرح چہرہ بنوانا کہ ہر طرف سے ایک مشت داڑھی باقی رہے درست ہے اگر ایک مشت سے کم رہے تو اس کی اجازت نہیں ولا بأس باخذ اطراف اللحیة والسنة فیها القبضة (قوله والسنة فیها القبضة) وهو ان یقبض الرجل لحیته فما زاد منها علیٰ قبضة قطعه کذا ذکره محمد فی کتاب الآثار عن الا مام قال وبه ناخذ محیط(درمختار والشامی ج۵ ص ۳۵۹ فصل فی البیع) دونوں رخسار پر جبڑے کی حد سے آگے بال نکل آئے ہوں اور چہرہ بھدہ معلوم ہوتا ہو تو ان بالوں کو بھی صاف کرا سکتے ہیں۔ عدم الآ ثام میں ہے: داڑھی کے جو بال رخسار کی طرف بڑھ جاتے ہیں ان کو برابر کر دینے میں یعنی خط بنوانے میں کوئی حرج نہیں ہے (عالمگیری)(عدالآ ثام مرتب مولوی محمد یاور حسین حنفی گوپاموی)فقط واللہ اعلم بالصواب۔

داڑھی کے اس حصہ میں جہاں بال نہیں ہیں بال آنے کی نیت سے استرا پھیرنا:

(سوال ۱۴۰) میری داڑھی نکلی ہے مگر درمیان میں بعض جگہ بالکل بال نہیں ہیں اس لئے بدنما اور برا معلوم ہوتا ہے بعض لوگوں کا تجربہ ہے کہ اگر خالی جگہ پر استرا پھیرا جائے تو بال نکل آتے ہیں اس نیت سے موضع ریش پر استرا پھیرنا جائز ہے یا نہیں! بینوا توجروا۔

(الجواب) موضع ریش کا بعض حصہ بالوں سے خالی ہو تو بال نکل آئیں اور ریش بھر جائے اس غرض سے خالی جگہ پر بطور علاج استرا پھیرانے میں مضائقہ نہیں لیکن اگر موضع ریش پر چھوٹے اور متفرق بال ہوں تو بڑھانے اور ملانے کی غرض سے ان بالوں کو مونڈنا درست نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سیاہ خضاب لگانا:

(سوال ۱۴۱) سر کے بال جوانی میں سفید ہو جائیں تو سیاہ خضاب لگانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سیاہ خضاب لگانا سخت گناہ ہے احادیث میں اس پر وعید آئی ہے ایک حدیث میں ہے عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یکون قوم فی آخر الزمان یخضبون بھذا السواد کحو اصل الحمام لا یجدون رائحۃ الجنۃ. حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا آخری زمانہ میں کچھ لوگ ہوں گے جو سیاہ خضاب لگائیں گے جیسے کبوتر کا سینہ ان لوگوں کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی (ابو داؤد شریف ج ۲ ص ۲۲۶ باب ما جاء فی خضاب السواد)(مشکوٰۃ شریف ص ۳۸۲) دوسری حدیث ہے عن جابر رضی اللہ عنہ قال اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بابی قحافۃ یوم الفتح و رأسہ ولحیتہ کالثغامۃ بیاضاً فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیروا ھذا بشئی واجتنبوا السواد. حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں لایا گیا ان کے سر اور داڑھی کے بال ثغامہ کے مانند بالکل سفید تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس سفیدی کو کسی چیز سے بدل دو اور سیاہ خضاب سے احتراز کرو (ابو داؤد شریف ج ۲ ص ۲۲۶ باب فی الخضاب)(مشکوٰۃ شریف ص ۳۸۲) اس حدیث میں سیاہ خضاب سے بچنے کا صراحۃً امر فرمایا لہٰذا اس سے بالکل احتراز کیا جائے اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ سیاہ خضاب کے علاوہ دوسرے رنگ کا خضاب مثلاً سرخ خالص حناء یعنی مہندی کا یا کچھ سیاہی مائل جس میں کتم (ایک قسم کی گھاس ہے جو خضاب کے کام میں آتی ہے) شامل کیا جاتا ہے، جائز ہے، حدیث میں ہے ان احسن ماغیر بہ الشیب الحناء والکتم بہترین خضاب حنا اور کتم ہے۔ (ابو داؤد شریف ج ۲ ص ۲۲۶ باب فی الخضاب)(مشکوٰۃ شریف ص ۳۸۲) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے صحیحین میں منقول ہے کہ حناء اور کتم کا خضاب لگاتے تھے۔ وفی الصحیحین عن انس رضی اللہ عنہ ان ابا بکر رضی اللہ عنہ اختضب بالحناء والکتم (بحوالہ زاد المعاد ج ۲ ص ۱۶۹)

فتاوی عالمگیری میں ہے وعن الامام ان الخضاب حسن لکن بالحناء والکتم والوسمۃ واراد اللحیۃ وشعر الرأس. یعنی، داڑھی اور سر کے بال میں خضاب کرنا اچھا ہے، لیکن مہندی، کتم اور وسمہ سے خضاب کیا جائے (فتاویٰ عالمگیری ج ۶ ص ۲۳۸ کتاب الکراھیۃ الباب العشرون فی الزینۃ الخ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رمضان وغیر رمضان میں داڑھی منڈانا:

(سوال ۱۴۲) ایک شخص صرف ماہ رمضان میں داڑھی رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ رمضان میں اس لئے نہیں منڈاتا کہ رمضان میں اس گناہ سے بچوں، اور رمضان ختم ہوتے ہی داڑھی منڈا دیتا ہے، اس کا یہ فعل کیسا ہے؟ مذموم ہے یا نہیں؟ اپنے ہاتھ سے مونڈے اس کا گناہ زیادہ ہے یا حجام (نائی) کے پاس منڈانے کا، بینوا توجروا۔

(الجواب) داڑھی منڈانا ایک فعل حرام ہے جس سے یہ شخص ماہ رمضان میں بچا ہا اب اگر بعد رمضان یہ شنیع حرکت کرے گا تو ایک فعل حرام کا بعد از رمضان مرتکب ہونا شمار ہوگا، اور گنہگار رہوگا، خود مونڈے تو فعل حرام کا مرتکب ہوگا، اسی طرح حجام (نائی) سے منڈوائے تب بھی فعل حرام کا مرتکب ہوگا اور مونڈنے والا بھی گنہگار ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

ناخن، مونچھ، زیر ناف اور بغل کے بال وغیرہ کی صفائی کی کیا مدت ہے:

(سوال ۱۴۳) پاکیزگی کتنے دن میں لیوے؟ مسنون و بہتر کیا ہے؟

(الجواب) افضل یہ ہے کہ ہر ہفتہ بالخصوص جمعہ کے دن صفائی حاصل کرے، یعنی ناخن مونچھ درست کرے اور زیر ناف اور بغل کے بال کی صفائی کے بعد غسل کرے۔ زیر ناف اور بغل کے بال کی پاکیزگی ہر ہفتہ نہ کر سکے تو پندرہ بیس دن میں کرے انتہائی مدت چالیس دن ہے۔ چالیس روز گزر جائیں اور صفائی حاصل نہ کرے تو گنہگار رہوگا۔ ''شامی'' میں ہے (و) یستحب (حلق عانة وتنظيف بدنه بالاغتسال في كل اسبوع مرة) والا فضل يوم الجمعة جاز في كل خمسة عشر وكره تركه وراء الاربعين (قوله وكره تركه) اى تحريماً لقوم المجتبى ولا عذر فيما وراء الاربعين ويستحق الوعيد (در مختار مع الشامي ج ۵ ص ۳۵۸ كتاب الحضر والاباحة فصل في البيع) عن ابن عمر ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يأخذ اظفاره ويحفي شاربه كل جمعة ويحلق عانته في عشرين يوما وينتف الابط في اربعين يوما۔ یعنی۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر جمعہ کو ناخن اور مونچھ درست فرماتے ہیں اور بیسویں روز زیر ناف اور چالیسویں روز بغل کے بال صاف کرتے تھے (التعليق الصبيح ج ۴ ص ۴۰۵ باب الترجل) فقط۔

داڑھی مونڈنا اور خلاف شریعت بال کاٹنا اور ایسے شخص کا ہدیہ یا دعوت قبول کرنا:

(سوال ۱۴۴) نائی (حجام) جو شریعت کے خلاف انگریزی بال کاٹتے ہیں یا داڑھی مونڈتے ہیں یہ جائز ہے یا ناجائز؟ اور ایسے شخص کی دعوت یا ہدیہ قبول کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حضور اکرم ﷺ زلفی بال رکھتے تھے، موئے مبارک کبھی نصف کان تک کبھی کان کی لو تک ہوتے اور کاہے جب بڑھ جاتے (جہاد وغیرہ کسی ضروری امر میں مشغولیت کی وجہ سے) تو شانہ مبارک سے چھو جاتے، اور ایک مرتبہ آپ نے حج کے موقعہ پر اپنا سر مبارک مونڈایا بھی ہے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دیگر بعض صحابہؓ سے بھی سر منڈانا ثابت ہے اس لئے بال کے متعلق سنت یہ ہے کہ پورے سر پر بال رکھے جائیں یا سب کے سب منڈا دیئے جائیں یا مساوی طور پر کٹوا دیئے جائیں، کچھ حصہ منڈانا اور کچھ حصہ میں بال رکھنا یا چھوٹے بڑے اتار چڑھاؤ بال کٹوانا جو آج

کل فیشن ہے اور انگریزی بال سے موسوم ہے، یہ خلاف سنت ہے، اس سے نصاریٰ، فساق اور فجار کی ہیئت کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے جو ممنوع ہے، (مزید تفصیل اور حوالوں کے لئے فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۶۳ ، ص ۲۶۴ جلد ششم ملاحظہ فرمائیں) (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، انگریزی بال رکھنا، کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے[۱۱۳] مرتب) جب اس قسم کے بال رکھنا ممنوع ہے تو لا تعاونوا علی الاثم والعدوان کے پیش نظر ایسے بال کاٹنے کی اجازت نہ ہوگی۔ داڑھی رکھنا واجب ہے اور اس کی شرعی مقدار ایک مشت ہے اس سے کم کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اسی طرح منڈا دینا بھی بالکل حرام اور گناہ کبیرہ ہے، تفصیل اور حوالہ جات کے لئے ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ رحیمیہ از ص ۲۳۶ تا ص ۲۵۰ ج۶ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، داڑھی کا وجوب اور ملازمت کی وجہ سے اس کا منڈوانا، کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے[۱۱۴] مرتب) جب داڑھی منڈانا حرام ہے تو دوسرے کی داڑھی مونڈنے کی حرمت بھی ظاہر ہے۔

اگر یہ یقین ہو کہ ہدیہ یا دعوت اسی مشتبہ کمائی سے ہے تو ہدیہ یا دعوت قبول نہ کی جائے، ورنہ اگر اکثر کمائی ایسی ہی مشتبہ ہے تب بھی ہدیہ یا دعوت قبول کرنے سے احتراز کیا جائے اور اگر دوسری حلال اور غیر مشتبہ آمدنی زیادہ ہو تو ہدیہ و دعوت قبول کرنے کی گنجائش ہے، یا اکثر آمدنی حرام اور مشتبہ ہے مگر وہ شخص صراحت کردے کہ یہ بالکل حلال آمدنی کا مال ہے تو اس صورت میں بھی ہدیہ اور دعوت قبول کرنے کی گنجائش ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: **اھدیٰ الی رجل شیئاً او اضافه انه کان غالب ما ل من الحلال فلا بأس الا ان یعلم بانه حرام فان کان الغالب هو الحرام ینبغی ان لا یقبل الهدیة ولا یا کل الطعام الا ان یخبره بانه حلال ورثته او استقرضة من رجل کذافی الینا بیع (فتاویٰ عالمگیری ص ۲۲۸ ج۶ کتاب الکراهیة باب ۱۲ فی الهدایا) (امداد الفتاویٰ ص ۳۱۱، ج۳ کتاب الا جاره مطبوعه کراچی) فقط واللہ اعلم بالصواب.**

عورت کا بال کاٹنا:

(سوال ۱۴۵) اگر کسی عورت کے چوٹی کے بال بڑے چھوٹے ہوں تو ان کو برابر کرنے کے لئے بال کاٹنا کیسا ہے؟ بعض عورتیں اپنی لڑکیوں کے بال بطور فیشن کاٹتی رہتی ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بال قدرۃً چھوٹے بڑے ہوتے ہیں اس میں کوئی برائی کی بات نہیں ہے کاٹنے سے چوٹی چھوٹی ہوگی لہذا بال نہ کاٹے جائیں، چھوٹی بچیوں کے بال بھی بطور فیشن کاٹنا ممنوع ہے۔ (حوالہ آنے والے جوابات میں ملاحظہ کیا جائے۔ مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورت کے زیادہ لمبے بال کاٹ کر کم کرنا:

(سوال ۱۴۶) میری بارہ سالہ بچی کے بال بہت لمبے اور گھنے ہیں جو سرین تک پہنچتے ہیں، بالوں کو دھونا اور صاف رکھنا اس کے لئے مشکل ہے، جوئیں پڑنے کا اندیشہ ہے، ایسی صورت میں بالوں کی لمبائی قدرے کم کردی جائے تو لڑکی با آسانی اپنے بالوں کو سنبھال سکے گی، تو قدرے بال کٹوا دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) گھنے اور لمبے بال عورتوں اور بچیوں کے لئے باعث زینت ہیں آسمانوں پر فرشتوں کی تسبیح ہے سبحان

من زين الرجال باللحى و وزين النساء بالذوائب ۔ پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو داڑھی سے زینت بخشی اور عورتوں کو لٹوں اور چوٹیوں سے (روح البیان ص ۲۲۲ ج ۱ بحوالہ فتاوی رحیمیہ ۲۴۰/۶ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، داڑھی کا وجوب اور ملازمت کی وجہ سے اس کا منڈوانا، کے عنوان کے تحت ملاحظہ کیا جائے ۔ مرتب)

لہذا بالوں کو چھوٹا نہ کیا جائے البتہ اتنے بڑے ہوں کہ سرین سے بھی نیچے ہو جائیں اور عیب دار معلوم ہونے لگیں تو سرین سے نیچے والے حصہ کے بالوں کو کاٹا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عورت کا فیشن کے طور پر شوہر کے حکم سے یا خود بال کٹوانا:

(سوال ۱۴۷) عورت کو اگر شوہر فیشن کے طرز پر بال کاٹنے کے لئے کہے یا عورت خود بطرز فیشن بال کاٹے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر شوہر عورت کو فیشن کے طرز پر بال کاٹنے کے لئے کہے یا عورت از خود فیشن کے انداز پر بال کاٹے تو سخت گناہ کا کام ہے، اور حرام ہے اور گناہ کے کام میں شوہر کی اطاعت جائز نہیں۔ حدیث میں ہے۔

عن علي رضي الله عنه قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان تحلق المرأة رأسها رواه النسائي (مشكوة شريف ص ۳۸۴ باب الترجل)

درمختار میں ہے۔ **قطعت شعر رأسها اثمت ولعنت زاد في البزازيةوان باذن الزوج لانه لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق (درمختار مع رد المختار ص ۳۵۹ ج۵ ۶ كتاب الحضر و الاباحة ، فصل في البيع)**

عالمگیری میں ہے۔ **ولو حلقت المرأة رأسها فان فعلت لو جع اصابها لابأس به وان فعلت ذلك تشبهاً بالرجل فهو مكروه كذا في الكبرى (عالمگیری ص ۲۳۸ ج۶ ، كتاب الكراهية باب نمبر ۱۹)**

بہشتی زیور میں ہے:۔ مسئلہ: عورت کو سر منڈانا بال کترانا حرام ہے، حدیث میں لعنت آئی ہے (بہشتی زیور ص ۱۳۴ حصہ نمبر ۱۱، تتمہ حصہ پنجم بہشتی زیور، بال کے متعلق احکام) (امداد الفتاوی ص ۲۱۶، ص ۲۱۷، ص ۲۱۸ جلد چہارم۔ بالوں کے حلق وقصر اور خضاب وغیرہ کے احکام) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بال بڑھانے کے لئے عورت کا بالوں کے سروں کو کاٹنا:

(سوال ۱۴۸) عورت اپنے بال بڑھانے کی نیت سے بالوں کے کنارے میں تھوڑے سے بال کاٹے تو کیسا ہے؟ بعض عورتوں نے بتایا کہ گاہے بال کے کناروں پر بال پھٹ کر اس میں سے دو بال ہو جاتے ہیں پھر بالوں کا بڑھنا بند ہو جاتا ہے، اگر سرے سے کاٹ دیئے جائیں تو بڑھنا شروع ہو جاتے ہیں تو ایسی صورت میں کاٹنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر معتد بہ مقدار تک بال بڑھ چکے ہیں تو مزید بڑھانے کے لئے بال کاٹنے کی اجازت نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باب السلام والمصافحہ

مصافحہ کے وقت ہاتھ چومنا:

(سوال ۱۴۹) بعض لوگ مصافحہ کر کے اپنے ہاتھ کی تقبیل کرتے ہیں، یہ جائز ہے؟۔

(الجواب) وکذا ما یفعله الجهال من تقبیل ید نفسه اذا لقی غیره فهو مکروه فلا رخصة فیه (درمختار قوله فهو مکروه) ای تحریما ویدل علیه قوله بعد فلا رخصة فیه.

یعنی اس کی کوئی اصل نہیں ہے، جہالت کا نتیجہ ہے اور مکروہ ہے (شامی ج ۵ ص ۳۳۷ کتاب الحظر والاباحة باب الاستبراء وغیرہ)

مصافحہ کا مسنون طریقہ کیا ہے؟:

(سوال ۱۵۰) زید کہتا ہے کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا بدعت ہے، کیا یہ درست ہے؟

(الجواب) حدیث شریف میں ہے کہ صحابی فرماتے ہیں کہ میرا ہاتھ آنحضرت ﷺ کے دونوں ہاتھ مبارک میں تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا مسنون ہے۔ بدعت نہیں۔ جو بات حدیث سے ثابت ہو اس کو بدعت کہنا غلط ہے۔ [۱] فقط واللہ اعلم۔

سلام کرتے وقت کب اور کس طرح ہاتھ اٹھائے؟:

(سوال ۱۵۱) ایک دوسرے کو سلام کرتے وقت "السلام علیکم" کے لفظ کے ساتھ ہاتھ اٹھائے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نہیں! ہاتھ نہ اٹھائے۔ اگر سامع دور ہو یا اونچا سنتا ہو تو اس کو سلام کی آواز پہنچانے اور سننے میں شک ہو تو سلام کے لفظ کے ساتھ ہی ہاتھ سے اشارہ کرے۔ [۲]

مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا

(سوال) مسجد میں آتے جاتے سلام کرنا کیسا ہے؟ آدمی نماز پڑھتے ہوں تو کیا حکم ہے؟ بعض بیٹھے ہوں تو اس وقت سلام کرے یا نہیں؟

(الجواب) مسجد میں لوگ نماز اور اوراد وغیرہ میں مشغول نہ ہوں تو سلام کرے اور اگر مشغول ہوں یا مسجد میں کوئی نہ ہو تو داخل ہوتے وقت یہ کہے السلام علینا من ربنا وعلی عباداللہ الصالحین (فتاویٰ عالمگیری ج ۵) اگر بعض نماز پڑھ رہے ہوں اور بعض فارغ ہو کر بیٹھے ہوں تو اگر فارغین اتنے دور ہوں کہ ان کو سلام کرنے سے یا ان کے سلام کے جواب سے ان مشغولین کو حرج نہ ہوتا ہو تو سلام کی اجازت ہے ورنہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

صبح کے وقت صبحک اللہ بالخیر اور شام کے وقت مساک اللہ بالخیر کہے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۵۲) بعض جگہ رواج ہے کہ صبح کی ملاقات میں صبحک اللہ بالخیر کہا جاتا ہے اور شام کی ملاقات

---

(۱) والسنة فی المصافحة بکلتا یدیه وتمامه فیما علقته علی الملتقی قال فی الشامیة تحت قوله وتمامه الخ والسنة ان تکون بکلتا یدیه وبغیر حائل من ثوب او غیره وعند اللقاء بعد السلام وان یاخذ الابهام فان فیه عرقا ینبت المحبة کذا جاء فی الحدیث (درمختار مع الشامی باب الاستبراء وغیره ج ۵ ص ۳۳۶)

(۲) عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال لیس منا من تشبه بغیرنا لا تشبهوا بالیهود ولا بالنصاری فان تسلیم الیهود بالاصابع وتسلیم النصاری الاشارة بالاکف مشکوٰة باب السلام ص ۳۹۹ قال ابن الالتفات بالاشارة الیه فی السلام من صنیع الیهود والنصاری نعم ان کان الرجل بعیدا تجوز الاشارة ولا بد من التکلم باللسان ایضا، عرف الشذی ابواب الاستئذان باب کراهیة اشارة الید فی السلام ج ۲ ص ۹۹)

میں مسائل اللہ بالخیر کہا جاتا ہے تو شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سلام کے بعد کہا جاوے تو جائز ہے۔ اور اگر بجائے سلام کے کہا جاوے تو جائز نہیں بدعت ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عید کے بعد مصافحہ اور معانقہ کرنا کیسا ہے:

(سوال ۱۵۳) عید کے خطبہ اور دعاء کے بعد مصافحہ کرتے ہیں باہمی ٹکراؤ ہوتا ہے۔ بعض معانقہ کرتے ہیں۔ اس کو بے اصل اور غیر ضروری سمجھنے والے کو لعن طعن و تشنیع کرتے ہیں اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو نماز عید کے بعد مصافحہ اور معانقہ کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ عید کی نماز کے بعد مصافحہ اور معانقہ کرتے تھے۔ بحوالہ کتب جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا؟۔

(الجواب) مصافحہ اور معانقہ اپنے طریقہ پر مسنون ہے۔ سلام، مصافحہ اور معانقہ داخل عبادت ہیں۔ عبادت کو صاحب شریعت کے حکم کے مطابق ادا کی جائے تب ہی عبادت میں شمار ہوگی اور ثواب کے حق دار ہوں گے ورنہ بدعت ہو جائے گی اور بجائے ثواب کے عذاب ہوگا۔ مجمع البحرین کی مصنفؒ نے اپنی شرح میں بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے عید کے دن نماز سے پہلے عید گاہ میں نفل پڑھنے کا ارادہ کیا۔ تو حضرت علیؓ نے اس کو منع کیا۔ اس شخص نے کہا کہ اے امیر المؤمنین میں خوب جانتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ نماز پڑھنے پر عذاب نہیں دے گا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں بھی خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی کام پر ثواب نہیں دیتا۔ تاوقتیکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو نہ کیا ہو یا اس کے کرنے کی ترغیب نہ دی ہو۔ پس یہ تیری نماز عبث ہے۔ اور فعل عبث حرام ہے۔ پس اندیشہ ہے کہ خدا پاک تجھ کو اس پر عذاب دے اس لئے کہ تو نے اس کے پیغمبر (ﷺ) کے خلاف کیا۔

وقال صاحب مجمع البحرين في شرحه ان رجلاً يوم العيد في الجبانة اراد ان يصلي قبل صلوة العيد فنهاه علي رضي الله عنه فقال الرجل يا امير المومنين اني اعلم ان الله تعالى لا يعذب على الصلوة فقال علي رضي الله عنه واني اعلم ان الله تعالى لا يثيب على فعل حتى يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم او يحث عليه فيكون صلاتك عبثا والعبث حرام فلعله تعالى يعذبك به بمخالفتك نبيه صلى الله عليه وسلم م ۱۸ ص ۱۲۹.

دیکھئے! اذان عبادت ہے دین کا شعار اور اسلامی علامت ہے۔ جمعہ کے لئے دو اذان اور ایک اقامت التزاماً ہوتی ہے۔ مگر نماز عید کے لئے نہ اذان ہے اور نہ اقامت کہ یہ ثابت نہیں۔ اگر عید گاہ میں اذان یا تکبیر پڑھی جائے تو ہر شخص جانتا ہے وہ بدعت ہوگی۔ اسی طرح مصافحہ اور معانقہ کا حکم ہے عید و غیرہ نمازوں کے بعد اس کا التزام بدعت ہے۔ "مجالس الابرار" میں ہے۔ **واما في غير حالة الملاقاة مثل كونه عقيب صلوة الجمعة والعيدين كما هو العادة في زماننا فالحديث ساكت عنه فيبقى بلا دليل وقد تقرر في موضعه ان ملا دليل عليه فهو مردود.** ترجمہ۔ لیکن ملاقات کے علاوہ کسی اور وقت جیسے جمعہ یا عیدین کے بعد جیسا کہ اس زمانہ میں لوگوں کی عادت ہوگئی ہے۔ تو حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ لہذا یہ ایک بے دلیل فعل ہے اور یہ اپنے مقام پر ثابت اور متحقق ہے کہ جس فعل کی دلیل نہ ہو وہ مردود ہے۔ قابل عمل نہیں۔ (م ۵۰ ص ۲۹۸)

''شامی'' میں منقول ہے (کسی بھی) نماز کے بعد مصافحہ کا رواج مکروہ ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نماز کے بعد مصافحہ نہ کرتے تھے اور کراہت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ روافض کا طریقہ ہے۔ ابن حجر شافعیؒ فرماتے ہیں۔ کہ لوگ پنجگانہ نماز کے بعد مصافحہ کرتے ہیں وہ بدعت مکروہہ ہے شریعت محمدیہ (ﷺ) میں اس کی کوئی اصلیت نہیں۔ ابن الحاج مکیؒ کتاب ''المدخل'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ امام کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں نے نماز فجر اور جمعہ اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کا جو نیا طریقہ ایجاد کیا ہے۔ بلکہ بعض نے پنجگانہ نمازوں کے بعد مصافحہ کا طریقہ ایجاد کیا ہے۔ اس سے اس کو منع کرے کہ یہ بدعت ہے۔ شریعت میں مصافحہ کسی مسلم سے ملاقات کرتے وقت ہے نہ نمازوں کے بعد۔ لہذا شریعت نے جو محل مقرر کیا ہے۔ اسی جگہ اس کو بجالائے اور سنت کے خلاف کرنے والے کو روکے۔ ثم نقل عن ابن حجر من الشافعية انها بدعة مكروهة وقال ابن الحاج من المالكية في المدخل انها من البدع وموضع المصافحة في الشرع انما هو عند لقاء المسلم لا خيه لا في ادبار الصلوات فحيث وضعها الشرع يضعها . فينهى عن ذالك ويزجرفاعله الما اتى به من خلاف السنة اه (شامی ص ۳۳۶ ج.۵ کتاب الحظر والا باحة فصل فی البیع)

واما في غير حال الملاقاة مثل كو نها عقيب صلوة الجمعة والعيدين كما هو العادة في زماننا فالحديث ساكت عنه فيبقى بلا دليل وقد تقرر في موضعه ان مالا دليل عليه فهو مردود لا يجوز التقليد فيه بل يرده.(مجالس الا برار م۵۰ ص ۲۹۸)

شارح مشکوٰۃ محدث ملا علی قاری مکی حنفیؒ تحریر فرماتے ہیں۔ بے شک شرعی مصافحہ کا وقت شروع ملاقات کا وقت ہے۔ لوگ بلا مصافحہ ملتے ہیں، علمی باتیں کرتے ہیں۔ پھر جب نماز پڑھتے ہیں۔ اس وقت مصافحہ کرتے ہیں۔ یہ کہاں کی سنت ہے؟ اس لئے بعض فقہاء نے وضاحت کی ہے کہ یہ طریقہ مکروہ اور بدعت سیہ ہے۔ (مرقاة شرح مشكوٰة ص ۵۷۵ ج.۴ باب المصافحة)

ان تصریحات کی بناء پر ضروری ہے کہ رسمی مصافحہ سے اجتناب کرے مگر ایسا طریقہ اختیار نہ کرے۔ جس سے لوگوں میں غصہ، اور نفرت پھیلے۔ ایسے موقعہ پر ملا علی قاریؒ کی ہدایت کا خیال رکھا جائے۔ آپ فرماتے ہیں۔ جب کوئی مسلمان بے موقع مصافحہ کے لئے ہاتھ دراز کرے تو ہاتھ کھینچ کر اس کا دل نہ دکھائے اور بدگمانی کا سبب نہ بنے اور آہستگی سے سمجھائے اور مسئلہ کی حقیقت سے آگاہ کرے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب . (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۵۷۵ ج۴)

تالی سلام کا جواب دے:

(سوال ۱۵۴) قرآن شریف تلاوت کرنے والے کو سلام کیا یا نہ وہ جواب دے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) تلاوت کرنے والے کو سلام نہیں کرنا چاہئے۔'' مرعلى من يقرء القرآن او يؤذن او يقيم، اويخطب في الجمعة او العيدين (او النكاح) او على جماعة يشتغلون بالصلوة لا يسلم الا اذا كان فيهم من لا يصلي وكذا في الدرس الخ .'' لیکن اگر کسی نے سلام کیا تو مختار یہ ہے کہ جواب دیا جائے۔ ''وان

لم فی حال الصلوٰۃ فالمختار انہ یجب الرد بخلاف حال الخطبۃ والاذان وتکرار الفقہ (فتاویٰ بزازیہ جلد نمبر ۳ مع ہندیہ ص ۳۵۵ کتاب الکراھیۃ نوع فی السلام) فقط واللہ اعلم بالصواب

مصافحہ کب مسنون ہے اور کب بدعت:

(سوال ۱۵۵) مصافحہ کس صورت میں مسنون ہے اور کس صورت میں بدعت ہے؟ بالتفصیل تحریر فرمائیں؟

(الجواب) مصافحہ حدیث سے ثابت ہے اور اس کی بڑی فضیلت وارد ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ما من مسلمین یلتقیان فیتصا فحان الا غفرلھما قبل ان یتفرقا. جب دو مسلمان مل کر باہم مصافحہ کریں تو ان کے جدا ہونے سے قبل ہی ان کی بخشش ہو جاتی ہے۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۹۷ ابواب الاستیذان باب ماجاء فی المصافحہ)

اس سے ثابت ہوا کہ مصافحہ مسلمانوں کی باہم ملاقات کے وقت بعد سلام کے مسنون اور مشروع ہے اور چونکہ مصافحہ تکملۂ سلام ہے تو بعد سلام کے ہونا چاہئے۔

شارح مشکوٰۃ ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

فان محل المصافحۃ المشروعۃ اول الملاقات وقد یکون جماعۃ یتلاقون من غیر مصافحۃ ویتصاحبون بالکلام ومذاکرۃ العلم وغیرہ مدۃ مدیدۃ ثم اذا صلوا یتصافحون فاین ھذا من السنۃ المشروعۃ ولھذا صرح بعض علمائنا بانھا مکروھۃ حینئذ وانھا من البدع المذمومۃ. (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۵۷۵ باب المصافحۃ)

یعنی مشروع مصافحہ کا محل شروع ملاقات کا موقع ہے۔ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ ملتے ہیں بغیر مصافحہ کے اور دیر تک ادھر ادھر کی اور علم وغیرہ کی باتیں کرتے رہتے ہیں اور پھر جب نماز پڑھ لیتے ہیں تو مصافحہ کرنے لگتے ہیں۔ یہ کہاں کی سنت ہے؟ اسی لئے بعض علماء نے تو صراحۃً لکھ دیا ہے کہ یہ طریقہ مکروہ اور بدعت مذمومہ ہے۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المصافحہ۔

مجالس الابرار میں ہے۔ واما المصافحۃ فسنۃ عند التلاقی الخ اور مصافحہ ملاقات کے وقت مسنون ہے کیونکہ حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دو مسلمان جب ملیں اور مصافحہ کریں تو دونوں کے جدا ہونے سے قبل ہی ان کی بخشش ہو جاتی ہے (م ۸۴ ص ۴۹۲)

ملاقات کے شروع میں یعنی جیسے ہی ملاقات اور سلام وجواب ہو اس وقت کے علاوہ دوسرے وقت جو مصافحہ کئے جاتے ہیں مثلاً نماز فجر و نماز عصر و نماز جمعہ یا نماز عیدین وغیرہ کے بعد جو مصافحہ کیا جاتا ہے اور اس کو سنت سمجھا جاتا ہے یہ غلط ہے۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت نہیں ہے۔

شامی میں ہے:۔ ونقل فی تبیین المحارم عن الملتقط انہ تکرہ المصافحۃ بعد اداء الصلوٰۃ بکل حال لان الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم ما صافحوا بعد اداء الصلوٰۃ ولانھا من سنن الروافض اھ. ثم نقل عن ابن حجر من الشافعیۃ انھا بدعۃ مکروھۃ لا اصل لھا فی الشرع وانہ

سنبہ فاعلہ اولا ویعزر ثانیا ثم قال وقال ابن الحاجب من المالکیۃ فی المدخل انہا من البدع وموضع المصافحۃ فی الشرع انما ہو عندلقاء المسلم لا خیہ لا فی ادبار الصلوٰت فحیث وضعہا الشرع یضعہا فینھی عن ذالک ویزجر فاعلہ لما اتی بہ من خلاف السنۃ اھ۔

(ترجمہ) نماز کے بعد مصافحہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ صحابہ بعد نماز مصافحہ نہیں کیا کرتے تھے اور اس لئے بھی مکروہ ہے کہ یہ روافض کا طریقہ ہے اور علامہ ابن حجر فرماتے ہیں یہ قابل کراہیت بدعت ہے شریعت محمدی میں اس کی کوئی اصلیت نہیں اس کے کرنے والے کو پہلی دفعہ تنبیہ کردی جائے (نہ مانے تو، دوسری دفعہ میں اس کو سزا دی جائے اور ابن الحاج مالکی ''مدخل'' میں تحریر فرماتے ہیں۔ یہ بھی ایک بدعت ہے شریعت میں مصافحہ کرنے کا وقت، وہ بتایا گیا ہے جب مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کرے نمازوں کے بعد نہیں۔ پس جہاں شریعت نے مصافحہ رکھا ہے وہیں مصافحہ کرے (اس کے علاوہ دوسرے اوقات میں مثلاً نمازوں کے بعد) مصافحہ کرنے سے منع کیا جائے اور کرنے والے کو جو سنت کے خلاف عمل کر رہا ہے سختی سے منع کیا جائے۔ (شامی ج ۵ ص ۳۳۶ کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ) (یہی مضمون مجالس الابرار میں بھی ہے م ۵۰ ص ۲۹۸)

بہر حال اصل مسئلہ یہی ہے۔ البتہ لوگوں کے حالات بہت نازک ہو چکے ہیں مزاج بگڑ چکے ہیں۔ بات بات پر لڑائیاں ہوتی ہیں۔ بدگمانیاں پھیلتی ہیں۔ لہذا رفع فتنہ کے طور پر علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر کوئی مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے تو اپنا ہاتھ کھینچ کر ایسی شکل نہ پیدا کرنی چاہئے کہ اس کو بدگمانی، شکایت اور رنج ہو۔ مرقاۃ (شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۵۷۵ باب المصافحہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

عید کے دن مصافحہ و معانقہ کا بدعت ہونا عیدگاہ تک محدود ہے یا نہیں:

(سوال ۱۵۶) فتاویٰ رحیمیہ جلد دہم ص ۱۲۶ پر ہے ''جمعہ اور عید کی نماز کے بعد مصافحہ کرنے کا حکم۔''

(الجواب) مصافحہ فی نفسہ سنت ہے مگر نیا چاند دیکھ کر مبارکبادی کے وقت کی خصوصیت اور نماز جمعہ وعیدین کے خطبہ کے بعد کی تخصیص بے اصل اور بے دلیل ہے، لہذا فقہائے کرام مذکور رسم کو مکروہ اور بدعت تحریر فرماتے ہیں۔''

یہ فتویٰ آپ کا ہے، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ مذکورہ مصافحہ و معانقہ کا بدعت ہونا عیدگاہ یا مسجد کی حد تک ہے یا عام ہے؟ عام رواج کے مطابق لوگ تین دن تک مصافحہ و معانقہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ عند الملاقات کا ہے۔ حالانکہ نیت عید کے مصافحہ کی ہوتی ہے اور مزید یہ کہتے ہیں کہ مصافحہ و معانقہ کا بدعت ہونا عیدگاہ کی حد تک ہے، صحیح کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسنون مصافحہ اور معانقہ عیدگاہ وغیرہ ہر جگہ جائز ہے ممنوع نہیں ہے اور جو مصافحہ اور معانقہ بدعت کی حد میں آتا ہے وہ ہر جگہ ممنوع ہے عیدگاہ اور مسجد کی قید نہیں ہے، مصافحہ بروقت ملاقات مسنون ہے، عید کی مبارکبادی زبان سے دینا مستحب ہے (تقبل اللہ منا ومنکم، ان الفاظ سے مبارکبادے دی جائے) اس کے لئے مصافحہ شرط نہیں ہے، اور چونکہ یہ روافض کا طریقہ ہے اس لئے بھی احتراز کرنا چاہئے، لوگ ساتھ ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور سلام کے بعد ساتھ ساتھ جاتے ہیں، ساتھ لوٹتے رہ کر نماز پڑھتے ہیں اور خطبہ سنتے ہیں اور جب کھڑے ہوتے ہیں تو

مصافحہ ومعانقہ کرتے ہیں، یہ کون سا موقع ہے؟ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ اردو ج ۳ ص ۷۱ تا ص ۷۳ باب العیدین (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، عید کے بعد مصافحہ اور معانقہ کرنا کیسا ہے کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے۔مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ۔

جمعہ اور نماز عید کے بعد مصافحہ کرنے کا حکم:

(سوال ۱۵۷) عیداور رمضان وغیرہ مبارک مہینوں کا چاند دیکھ کر ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہوئے مصافحہ کرتے ہیں نیز جمعہ اور بالخصوص خطبۂ عید کے بعد مصافحہ کیا جاتا ہے اس کا کیا ثبوت ہے؟

(الجواب) مصافحہ فی نفسہ سنت ہے۔مگر نیا چاند دیکھ کر مبارک بادی کے وقت کی خصوصیت اور نماز جمعہ وعیدین کے خطبہ کے بعد کی تخصیص بے اصل اور بے دلیل ہے۔لہٰذا فقہاء کرامؒ مذکورہ رسم کو مکروہ اور بدعت تحریر فرماتے ہیں۔ (شامی ج۵ ص ۳۳۶ کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ .شرح سفر السعادۃ ص ۴۰۶ مجالس الابرار م ۵۰ ص ۲۹۸)

ہندوؤں کو نمستے کہنا:

(سوال ۱۵۸) ہندوؤں کو نمشکار یا نمستے کہنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس کی اجازت نہیں۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نامحرم عورت کو سلام کرنا اور اس کے سلام کا جواب دینا:

(سوال ۱۵۹) نامحرم عورتوں کو سلام کرنا یا ان کے سلام کا جواب دینا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نامحرم عورتوں کو سلام کرنا بہتر نہیں ہے، اور اگر نامحرم عورت سلام کرے تو دل ہی دل میں جواب دے دے زبان سے جواب نہ دے اور اگر بوڑھی عورت ہو تو زبان سے بھی جواب دے سکتے ہیں ولا یکلم الا جنبیۃ الا عجوزاً عطست او سلمت فیشمتھا ویرد السلام علیھا والآ لا (قولہ والالا) ای وان لا تکن عجوزاً بل شابۃ لا یشمتھا ولا یرد السلام بلسانہ (درمختار والشامی ج۵ ص ۳۴۴ ایضاً فصل فی البیع) فقط واللہ اعلم بالصواب . ۱۱ شوال المکرم ۱۴۰۰ھ.

مصافحہ دو ہاتھ سے مسنون ہے:

(سوال ۱۶۰) مصافحہ دو ہاتھ سے مسنون ہے یا ایک ہاتھ سے؟ غیر مقلدین ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہیں اور دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں" وکان یدی بین یدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ،، میرا ہاتھ آنحضرت ﷺ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا، اس حدیث میں صحابی اپنے ایک ہاتھ سے

(۱) کیونکہ یہ مخصوص مذہبی الفاظ ہیں ومن تشبہ بقوم فھو منھم، البتہ جو الفاظ مذہبی نہیں ہیں بلکہ معاشرتی ہیں جیسے آداب یا آداب عرض ان کی گنجائش ہے ۱۲ سعید احمد۔

مصافحہ کرنا بیان کرتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مصافحہ دو ہاتھ سے مسنون ہے اور غیر مقلدین جس حدیث کو پیش کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے دو ہاتھ سے مصافحہ فرمایا تب ہی تو صحابیؓ کا ہاتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں مبارک ہاتھوں کے درمیان ہو گیا اور صحابی نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا ہو، یہ حدیث اس بارے میں قطعی نہیں ہے، اس لئے کہ جب دونوں طرف سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ ہوگا تو لامحالہ ایک ہاتھ دو ہاتھوں کے درمیان ہوگا ور یہاں صحابی تحدیث بالنعمۃ کے طور پر اپنی سعادت مندی بیان فرمارہے ہیں کہ میرا ایک ہاتھ حضور ﷺ کے دونوں مبارک ہاتھوں کے درمیان تھا یہ بتلانا مقصود نہیں ہے کہ میں نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا اور صحابہؓ سے یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ حضور ﷺ تو مصافحہ کے لئے دونوں ہاتھ بڑھائیں اور صحابی ایک ہاتھ سے مصافحہ کریں (ایسی بے ادبی و بے تہذیبی تو غیر مقلدین ہی کر سکتے ہیں) اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کا ایک اثر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا نقل فرمایا ہے اور اسکے بعد اسی اثر سے مصافحہ کے دو ہاتھ سے ہونے پر استدلال فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ حضرت حمادؒ کا عمل بھی پیش کیا ہے کہ انہوں نے محدث کبیر امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے دو ہاتھ سے مصافحہ فرمایا، اگر ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ مسنون ہوتا تو یہ حضرات محدثین ضرور اس پر نکیر فرماتے۔

ملاحظہ ہو امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔ باب المصافحۃ۔ **قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التشھد و کفی بین کفیہ** ۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور ﷺ نے تشہد کی تعلیم فرمائی اس حالت میں کہ میرا ہاتھ حضور ﷺ کے دونوں مبارک ہاتھوں کے درمیان تھا (خیال رہے کہ یہ تعلیم کا موقعہ ہے جس طرح بیعت کے وقت ہوتا ہے) اس کے بعد امام بخاریؒ نے باب باندھا ہے **باب الاخذ بالیدین** (دو ہاتھ سے مصافحہ کرنا) اور اس کے ثبوت میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہی اثر اور حضرت حمادؒ کا عمل پیش کیا ہے، فرماتے ہیں **باب الاخذ بالیدین ۔ وصافح حماد بن زید ابن المبارک بیدیہ حدثنا ابو نعیم قال حدثنا سیف بن سلیمان قال سمعت مجاھداً یقول حدثنی عبداللہ بن مخبرۃ ابو معمر قال سمعت ابن مسعود یقول علمنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و کفی بین کفیہ التشھد کما یعلمنی السورۃ (بخاری شریف ج۲ ص ۹۲۶)**

امام بخاریؒ کے اس طرز سے بین طور پر ثابت ہوا کہ مصافحہ دونوں ہاتھ سے ہو۔ شامی میں ہے **والسنۃ ان تکون بکلتا یدیہ (درمختار والشامی ج۵ ص ۳۳۶ کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ)**

مجالس الابرار میں ہے:۔ **والسنۃ فیھا ان تکون بکلتا الیدین** ۔ مصافحہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے ہو **(مجالس الابرار ص ۲۹۸ مجلس نمبر ۵۰)**

ابوالحسنات علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

الجواب ہو المصوب:۔ جمہور فقہاء مصافحہ را بدو کف دست مسنون می نویسند در مجالس الابرار می نویسد

والسنة ان تکون بکلتایدیه انتهی وہم چنیں است در درمختار و جامع الرموز وغیرہ وحدیث ابوامامہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تصافح المسلمان لم تفرق اکفهما حتی یغفر لهما کہ در معجم طبرانی مرویست دلالت برآں دارد چہ اگر مصافحہ بیک کف از ہر کس می شد دریں حدیث بجائے اکفہما کہ جمع کف است لفظ کفاہما بصیغۂ تثنیہ واردمی شد وشاہد آں تعلیق صحیح بخاری است کہ درآں در باب الاخذ بالیدین مسطور است وصافح حماد بن زید ابن المبارک بیدیه انتهی ازیں تعلیق معلوم می شود کہ مصافحہ بہر دو دست در عہد تابعی متوارث بود ۔ وآنچہ کہ در صحیح بخاری درباب مذکور از عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مرویست علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و کفی بین کفیه التشهد کما یعلمنی السورة من القرآن التحیات للہ والصلوۃ والطیبات الحدیث پس ظاہر آنست کہ مصافحہ متوارثہ کہ بوقت تلاقی مسنون است نبودہ بلکہ طریقہ تعلیمیہ بودہ کہ اکابر بوقت اہتمام تعلیم چیزے از ہر دو دست یا یک دست اصاغر گرفتہ تعلیم می سازند بر تقدیر تسلیم اینکہ ایں مصافحہ متوارثہ بودہ ثبوت آں بہر دو دست ازاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر است واز جانب ابن مسعود بودن صرف یک کف مابین ہر دو کف نبوی قطعی نیست چہ گاہے کف بمعنی جنس مستعمل شدہ ہر دو کف ازاں مراد گرفتہ میشوند وہم چنیں در استعمال عرب وآیات قرآنیہ واحادیث نبویہ استعمال ید در جنس ید آمدہ است کہ بر یک ید و دو ید متضمن است و در اکثر مقامات بمقام دو ید استعمال یک لفظ آمدہ است بناءً علیہ در احادیثے کہ درآں اخذ بالید وارد است نص بر بودن مصافحہ بیک دست نیست بلکہ ہر دو امر محتمل است بالجملہ دریں باب اگر شئی صریح صحیح برآں یافتہ شود کہ مصافحہ صرف بیک کف مسنون است اقوال فقہاء گذاشتن لازم خواہد بود وتاوقت عدم وجود تصریح صریح بر اقوال فقہاء عمل باید ساخت واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی (مجموعہ فتاویٰ قدیم ج ۲ ص ۱۵۲ کتاب العلم مطبع یوسفی لکھنو) (محمد عبدالحی ابوالحسنات) (مطبع یوسفی جدید ج ۱ ص ۶۷۔۶۸ کتاب العلم)

یعنی:۔ تمام فقہاء دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو مسنون کہتے ہیں، مجالس الابرار میں ہے والسنة ان تکون بکلتا یدیه مصافحہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ سے ہو، انتہیٰ۔ درمختار اور جامع الرموز میں بھی ایسا ہی ہے حضرت ابوامامہ سے روایت ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تصافح المسلمان ..... الخ جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے ہاتھوں کے علیحدہ ہونے سے پہلے ان کے گناہوں کی مغفرت کردی جاتی ہے انتہیٰ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ مصافحہ دو ہاتھ سے ہونا چاہئے اس لئے کہ اگر ایک ہاتھ سے مصافحہ ہوتا تو حدیث میں لفظ اکفهما (اکف۔ کف کی جمع ہے جس کے معنی ہیں "ہاتھوں") کی جگہ "کفاهما" ہوتا اور اس کی دلیل صحیح بخاری کی وہ تعلیق ہے جو "باب الاخذ بالیدین" میں ہے۔ وصافح حماد بن زید ابن المبارک بیدیه ۔ حماد بن زید نے ابن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا، انتہیٰ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تابعین کے دور میں بھی یہی طریقہ مروج تھا۔ اور ایک ہاتھ سے مصافحہ کا ذکر جو بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں مجھ کو نبی ﷺ نے سورت قرآن کی تعلیم کی طرح تشہد یعنی التحیات للہ الخ کی تعلیم دی اس حال میں کہ میرا ہاتھ آپ کے دونوں مبارک ہاتھوں کے درمیان تھا، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذکورہ مصافحہ ملاقات کے وقت ہونے والا مسنون مصافحہ نہ تھا بلکہ یہ تعلیم کے لئے تھا کیونکہ اکابر کسی خاص چیز کی تعلیم کے اہتمام کے لئے اپنے چھوٹوں

کا ایک یا دونوں ہاتھ پکڑ کر تعلیم دیا کرتے ہیں، اور اگر اس مصافحہ کو ملاقات کا تسلیم کرلیا جائے تو اس کا ثبوت آنحضرت ﷺ کے دونوں مبارک ہاتھوں سے ہو رہا ہے اور ابن مسعود کی جانب سے فقط ایک ہاتھ کا ہونا یقینی اور قطعی نہیں ہے بلکہ دونوں ہاتھوں سے ہونے کا امکان ہے کیونکہ لفظ کف واحد کے لئے نہیں بلکہ جنس کے معنی میں ہے اور اسی طرح لفظ ید کا استعمال محاورات عرب آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ میں بمعنی جنس ثابت ہے تو اس صورت میں لفظ ید ایک اور دو ہاتھ کو متضمن اور شامل ہوگا اور اکثر مقامات میں دو ید کے موقع پر لفظ ید آیا ہے اس اعتبار سے جس حدیث میں اخذ بالید وارد ہے اس کی مراد ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا نہیں بلکہ وہاں دونوں صورتوں کا احتمال ہے کہ ایک ہاتھ سے ہو یا دو ہاتھ سے البتہ اگر کسی جگہ حدیث صحیحہ اور صریحہ سے یہ بات معلوم ہو کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ مسنون ہے تو فقہاء کے اقوال کو چھوڑنا پڑے گا اور اس تصریح صریح کے بغیر فقہاء کے اقوال پر عمل کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی اردو مبوب ص ۱۱۷ مطبوعہ پاکستان)

اس حدیث کے متعلق محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ ''تذکرۃ الخلیل'' میں ہے۔

''ایک بار آپ ٹونک تشریف لے گئے اور بندہ ہمراہ تھا چند اہل حدیث ملنے آئے اور ایک ہاتھ سے مصافحہ کا حضرت نے حسب عادت دونوں ہاتھ بڑھائے اور مسکرا کر فرمایا کہ مصافحہ اس طرح ہونا چاہئے وہ بولے حدیث میں ہے۔ صحابی کہتے ہیں۔ وکان یدی فی یدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا ہاتھ حضور ﷺ کے دونوں ہاتھوں میں تھا، آپ نے بے ساختہ فرمایا پھر متبع سنت (نبوی) ہم ہوئے یا تم؟ (تذکرۃ الخلیل ص ۲۰۴) لہٰذا مصافحہ دو ہاتھ سے ہی مسنون ہے نہ کہ ایک ہاتھ سے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دینی تعلیم کے وقت سلام کرنا:

(سوال ۱۶۱) مسجد میں تعلیم ہو رہی ہے یا مدرسہ میں درس ہو رہا ہے تو ایسے وقت سلام کرنا کیسا ہے؟ اگر کوئی سلام کرے تو جواب دینا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں سلام نہ کرنا چاہئے مکروہ ہے اور اگر کوئی شخص سلام کرے تو صحیح قول یہ ہے کہ جواب نہ دے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے یکرہ السلام عند قراءۃ القرآن جھراً وکذا عند مذاکرۃ العلم وعند الاذان والاقامۃ والصحیح انہ لا یرد فی ھذہ المواضع ایضا کذا فی الغیاثیۃ۔ یعنی کوئی شخص جہراً قرآن کی تلاوت کر رہا ہو تو اس وقت سلام کرنا مکروہ ہے اور اسی طرح علمی مذاکرہ کے وقت اور اذان واقامت کے وقت، اور صحیح قول یہ ہے کہ ان مواقع میں جواب بھی نہ دے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۳۲۵، کتاب الکراھیۃ باب نمبر ۷) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بھائی بہن کا ایک دوسرے کے ہاتھ پیر دبانا اور ملاقات کے وقت مصافحہ اور معانقہ کرنا:

(سوال ۱۶۲) بھائی بہن جو بالغ ہیں بیماری کی حالت میں ایک دوسرے کے ہاتھ پیر دبا سکتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا اور معانقہ کرنا (گلے ملنا) کیسا ہے بینوا توجروا۔

(الجواب) مسئلہ نازک ہے،فقہاء رحمہم اللہ نے اس پر بحث کی ہے اس لئے ان چیزوں سے بچنا ہی بہتر ہے اگر بیماری کی حالت ہو اور خدمت کرنے والا کوئی نہ ہو اور خدمت کی سخت ضرورت ہو تو ایسی صورت میں ہاتھ پیر (گھٹنے سے نیچے نیچے) کوئی ایسا موٹا کپڑا ڈال کر جس سے ایک دوسرے کے جسم کی گرمی محسوس نہ ہو ہاتھ پیر دبا سکتے ہیں اور اگر شہوت کا اندیشہ ہو تو پھر اس سے بچنا ضروری ہے۔

درمختار میں ہے۔(ومن محرمه) هي من لا يحل له نكاحها ابداً بنسب او سبب ولو بزنا (الى الرأس والوجه والصدر والساق والعضد ان امن شهوته) وشهوتها ايضاً ذكره في الدراية. الى قوله . (وما حل نظره) مما مر من ذكراو انثى (حل لمسه) اذا امن الشهوة علىٰ نفسه وعليها لانهٗ عليه الصلوٰة والسلام كان يقبل رأس فاطمة وقال عليه الصلوة والسلام من قبل رجل امه فكانما قبل عتبة الجنة وان لم يأمن ذلك او شك فلا يحل له النظر واللمس (درمختار مع ردالمحتار ص ۳۲۲ ص ۳۲۳ ج۵، فصل في النظر واللمس ،كتاب الحظر والاباحة) فقط والله تعالىٰ اعلم بالصواب .

وضو کرنے والے کو سلام کرنا

(سوال ۱۶۳)لوگ وضو میں مشغول ہوں،اس وقت سلام کیا جائے یا نہیں؟

(الجواب) وضو میں مشغول آدمیوں کو سلام نہ کیا جائے ۔وضو بھی ایک عبادت اور ثواب کا کام ہے اور اس میں مصروفیت ہے اور خاص توجہ کی ضرورت ہے۔اس میں بعض اعضا ایسے بھی ہیں کہ اگر خاص توجہ نہ دی جائے تو خشک رہ جائیں اور وضو نہ ہو،اس میں بعض فرائض بعض سنن اور بعض مستحبات ہیں اور آداب وضو میں یہ بھی ہے کہ ہر عضو کو دھوتے وقت بسم اللہ اور کلمہ شہادت ورد زبان ہو اور دوسرے اوراد بھی کتابوں میں منقول ہیں،وضو میں بعض مکروہات ہیں اس کا بھی خیال رکھا جائے ،لہٰذا اس موقعہ پر سلام نہ کیا جائے اگر کوئی سلام کرے تو جواب دے دینا اولیٰ ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سلام کا طریقہ اور اس کے متعلق مسائل:

(سوال ۱۶۴) کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی سے یا غیر مسلم سے ملے تو سلام کا کیا طریقہ ہے؟ جو طریقہ مسنون اور مستحب ہو،نیز سلام کے آداب ومسائل بیان فرمائیں اور ہماری رہنمائی فرمائیں بینوا توجروا۔

(الجواب) آپ کے سوال کے متعلق میں کچھ عرض کروں اس سے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''خلاصۃ التفاسیر'' میں سلام کے متعلق ایک جامع اور تفصیلی مضمون ہے اسے نقل کردوں،ملاحظہ فرمائیں۔

خلاصۃ التفاسیر میں ہے:۔ واذا حييتم بتحية فحيوا باحسن منها او ردوها، ان الله كان علىٰ كل شئى حسيباً . اور جب دعا دیئے جاؤ تم کسی دعا سے پس دعا دو اچھی اس سے یا پھر دو اسی کو بے شک اللہ تعالیٰ ہر شئی پر حساب کرنے والا ہے۔یعنی جب تم کو کوئی سلام کرے تو خواہ اسی قدر جواب دو اور بہتر یہ ہے کہ اس سے بہتر جواب دو،یعنی لفظ رحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کا زائد کرو اللہ ہر شئی کا حساب کرے گا،واضح رہے کہ سلام کا ذکر قرآن میں کئی جگہ

ہے اور یہاں صرف مسئلہ جواب سلام مذکور ہوا مگر ہم یہیں پوری تفصیل کئے دیتے ہیں کہ احکام دوسری جگہ سے جمع کرنا نہ پڑیں۔

اول تحیہ (یعنی دعا) یہ لفظ مجمل ہے تفصیل اس کی آیات واحادیث میں موجود ہے فرمایا **فسلموا علی انفسکم تحیۃ من عند اللہ** آپس میں سلام کرو، یہ دعا اللہ کی مقرر کی ہوئی ہے **تحیتھم یوم یلقونہ سلام** دعا ان کی جس دن ملیں سلام ہے (بخاری) جب اللہ نے آدم کو بنایا فرمایا فرشتوں پر سلام کرو جو جواب دیں کہ تمہارے اور تمہارے اولاد کی تحیۃ یعنی جواب سلام ہے حضرت آدم علیہ السلام نے کہا السلام علیکم فرشتے بولے السلام علیکم، معلوم ہو گیا کہ تحیۃ سے مراد سلام ہے دوسری دعا نہیں۔

(دوم) (الفاظ سلام) (۱) (مسنون) سلام یا السلام کا لفظ علیک یا علیکم کے ساتھ کہے۔ (۲) (جائز) صرف سلام یا تسلیم اس لئے کہ یہ لفظ قرآن میں مذکور مگر آنحضرت ﷺ سے ماثور پس صرف سلام یا تسلیم پر اکتفاء کرنے والا ثواب سنت سے محروم رہے گا (۳) (حرام) وہ لفظ جس میں تعظیم ممنوعہ نکلے جیسے بندگی، (۴) (بدعت یا مشابہت بکفار) پس جو لفظ بنفسہ گناہ کے معنوں میں شامل نہیں بدعت ضالہ ہیں جیسے کورنش، مجرا، آداب۔ **صبحک اللہ، امساک اللہ**، جیسا کہ ابوداؤد نے عمران بن حصینؓ سے روایت کی، اور جو لفظ کفار کی پیروی سے اختیار کئے جائیں تو یہ گناہ بالائے گناہ ہے بدعت سیئہ ومشابہت دنیہ ترمذی میں فرمایا **لیس منا من تشبہ بغیر نا لا تشبھوا بالیھود ولا النصاری فان تسلیم الیھود الا شارۃ بالا صابع وتسلیم النصاری الا شارۃ بالاکف** (ترمذی شریف ص ۹۲ ج ۲، باب ماجاء فی کراھیۃ اشارۃ الید فی السلام) ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے غیر کی مشابہت اختیار کرے، یہود کی مشابہت نہ کرو بے شک یہود کا سلام ہاتھ کے اشارہ سے ہے۔

مسئلہ:

صرف ہاتھ کے اشارے پر کفایت کرنا یا اسے جزء سلام یا موجب ثواب سمجھنا مشابہت کفار اور بدعت ضالہ ہے۔

مسئلہ:

لفظ اور اشارے کا جمع کر لینا جیسا کہ ہمارے بلاد میں معمول ہے اگر چہ اولیٰ نہ ہو مگر جائز ہے خصوصاً جب کہ یہ اشارہ علامت تعظیم وتوقیر عرفاً قرار پا چکا ہے۔

مسئلہ:

کہ جب بعد یا کسی اور وجہ سے آواز سلام سمجھ میں نہ آ سکے تو ہاتھ سے اعلام واعلان مباح ہے۔ ترمذی۔ **رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر فی المسجد یوماً وعقبہ من النساء فاھوی بیدہ باب ماجآء فی التسلیم علی النسآء** ج ۲ ص ۹۹ آپ ﷺ مسجد گئے اور آپ کے پیچھے عورتیں تھیں تو آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

مسئلہ:

اس قدر جھکنا کہ قریب برکوع ہو جائز نہیں۔

مسئلہ:

بعض جہال سلام چھوڑ کر اللہ اللہ یا واللہ کہتے ہیں تو فی نفسہ یہ الفاظ محبوب ومحمود ہیں لیکن ترک سنت سے عاصی واختراع جدید سے بدعتی اور استعمال بے محل سے بے ادب ہوگا دیکھو کافر صرف اللہ کہنے سے مؤمن اور محمد رسول اللہ کہنے سے جانور حلال نہیں ہوتا، افضل السلام علیکم کے ساتھ ورحمۃ اللہ کا لفظ بڑھانا جواب میں وبرکاتہ کا زیادہ کرنا جیسا کہ حدیث میں آیا کہ آپ نے فرمایا السلام علیکم پر دس، اور ورحمہ اللہ پر بیس اور وبرکاتہ پر تیس نیکیاں ہوتی ہیں۔

(سوم وقت سلام):

(۱) جب ملاقات ہو (۲) جب جانے لگے ایسا ہی حدیث میں ہے۔

(چہارم):

کون سلام پہلے کرے! ہر چند سلام میں سبقت کرنا ہر شخص کو اچھا ہے (مشکوٰۃ) فرمایا جو سلام میں پیش دستی کرتا ہے وہ کبر سے پاک ہے، اور فرمایا اولیٰ الناس من بدء بالسلام. جو پہلے سلام کرے وہ بہترین آدمیوں میں سے ہے، لیکن بخاری میں ہے کہ سوار پیدل کو، اور چلنے والا، بیٹھنے والے کو اور چھوٹی جماعت بڑی کو سلام کرے۔

مسئلہ:

اگر چھوٹا پیدل ہو اور بڑا سوار تو دونوں مختار ہیں جو چاہے سبقت کرے اور آپ ﷺ سے چھوٹوں پر سلام کرنا اور سبقت (یعنی سلام میں پہل کرنا) ثابت ہے، قیاس قلیل اور صغیر کو سبقت کا حکم بوجہ تعظیم ہے پس شاگرد استاد پر اور مرید پیر پر اور بیٹا باپ پر اور ملازم آقا پر پہلے سلام کرے۔

مسئلہ:

جن پر پہلے سلام کرنا ہو اگر وہ سہواً یا عمداً پیش دستی (پہل) نہ کرے تو دوسرے کو ترک جائز نہ ہوگا۔

پنجم:

کسے سلام کرے۔ ہر مؤمن پر سلام کرنا چاہئے۔ (مسلم) **تقری السلام علی من عرفت او لم تعرف.** سلام کر پہنچانے یا نہ پہنچانے کو۔ مالک۔

طفیل کہتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ صبح کو بازار جایا کرتے تھے تو آپ ہر شخص کو سلام کرتے مسکین ہو یا تاجر، اجنبی ہو یا آشنا، ایک دن میں آپ کے ساتھ تھا میں نے کہا آپ بازار میں کیا کرتے ہیں نہ کچھ خرید وفروخت ہے نہ کہیں بیٹھتے ہیں، آیئے یہیں بیٹھ کر باتیں کریں۔ ابن عمرؓ نے فرمایا میں سلام کرنے کے لئے آیا کرتا ہوں مگر کفار اس عموم سے مستثنیٰ ہیں جیسا کہ فرمایا مسلم یہود ونصاریٰ سے سلام میں پہل نہ کرو اور جب ان میں سے کسی کو راہ میں پاؤ تو کنارے کی طرف مجبور کرو، اور آپ نے کفار کے خطوط میں لکھا السلام علیٰ من اتبع الھدی. اس مسئلہ میں گو بہت اختلاف ہے بعضوں نے ممنوع اور بعضوں نے بضرورت جائز لکھا ہے، اور بعضوں نے کہا لفظ علیک کہے۔ اور محمد نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے آثار میں نقل کیا کہ ذمی کو جواب سلام دیا جائے مگر احکام مجبوری سے

بدل جایا کرتے ہیں، مغلوبی اور حاجت اور مجبوری کے زمانہ میں اس کا ترک ابتداءً یا جواباً موجب فتنہ ہے پس مستحسن یہ ہوگا اُن کے سلام کے لئے اور (کوئی) لفظ، آداب وغیرہ اختیار کرے۔

ششم:

(حکم سلام) فقہاء فرماتے ہیں کہ ابتداءً سلام کرنا سنت مؤکدہ ہے اور جواب دینا واجب، حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جب آپ ﷺ مدینہ منورہ میں گئے تھے تو پہلا حکم افشاء سلام کا دیا، مگر یہ وجوب وسنیت کفایہ ہے، یعنی ایک نے بھی سلام کرلیا یا جواب دے لیا سب بریٔ الذمہ ہوئے ورنہ ذمہ دار ہیں۔

مسئلہ:

جو لفظ سلام کرنے والا کہے وہی جواب میں کہنا جائز ہے جیسا کہ فرمایا (او ردوھا) اور اس پر زیادتی کرنا افضل ہے جیسا کہ فرمایا باحسن منھا.

مسئلہ:

سلام کرنے والا السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے اور جواب دینے والا وبرکاتہٗ زیادہ کرے، اور اس کے سوا دوسرے الفاظ احادیث سے ثابت نہیں ہوئے مگر ابوداؤد میں ومغفرتہ کا لفظ آیا ہے۔

لطیفہ:

رحمۃ اللہ وبرکاتہ کا لفظ قریب قریب اسی مقام کے قرآن مجید میں بھی مذکور ہے، سورۂ ہود، رکوع۔

لطیفہ:

اشارہ آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی ہم کو دعا دے تو ہم بھی اسے وہی دعا دیں یا اس سے اچھی اور اگر ہمارے حق میں کوئی کلمۃ الخیر کہے تو ہم بھی اس کا معاوضہ دیں۔

ہفتم:

(فضائل سلام) مسلم۔ لاتدخلون الجنة حتی تؤمنوا، ولا تؤمنوا حتی تحابوا الا ادلکم علیٰ شئی اذا فعلتموہ، تحاببتم افشوا السلام بینکم، جنت میں نہ جاسکو گے جب تک ایمان نہ لاؤ اور مومن نہ ہوگے جب تک باہم محبت نہ کرو، کیا تم کو ایسی شئی بتادوں کہ جب اسے کرو آپس میں محبت ہوجائے، آپس میں سلام کا طریقہ شائع کرو اور آنحضرت ﷺ کا دوام اعلیٰ درجہ کی فضیلت ہے۔

مسئلہ:

سلام میں تمسخر کرنا یا لفظ کو دل لگی یا دشمنی سے بدلنا بہت بڑا گناہ ہے اور طریقۂ کفار ویہود۔ (خلاصۃ التفاسیر ص ۴۲۳، ص ۴۲۴، ص ۴۲۵ ج ۱، پارہ نمبر ۵، سورۂ نساء) فقط واللہ اعلم بالصواب .

باب الختان وقلم الاظفار وغیرہ

کامل سپاری نہ کھلے تو ایسی ختنہ جائز ہے :

(سوال ۱۶۶) میں نے اپنے لڑکے کی ختنہ کرائی اچھا ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ سپاری کا نصف حصہ ہی کھلا ہوا ہے پورا نہیں تو ایسی ختنہ سے سنت ادا ہو جائے گی یا پوری کرانا ہوگی۔؟

(الجواب) ختنہ میں جتنی چمڑی کٹنا چاہئے اس کے نصف حصہ سے زائد کٹ گئی ہے تو ختنہ ہوگئی اور اگر نصف حصہ یا اس سے بھی کم کھال کٹی ہو تو ختنہ دوبارہ کرائی جائے۔ **غلام ختن فلم تقطع الجلدة کلها فان قطع اکثر من النصف یکون ختانا او دونه فلا** (فتاوی عالمگیری ج۵ ص ۳۵۷ الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء الخ)

نومسلم کی ختنہ کے متعلق :

(سوال ۱۶۷) بڑی عمر کے نومسلم کی ختنہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ کسی کے ستر پر عمداً نظر کرنا حرام ہے، اور ختنہ کرتے وقت ختنہ کرنے والے کی نظر خود شرمگاہ پر پڑتی ہے اور چھونا بھی پڑے گا تو اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ ختنہ سنت ہے اور سنت کی ادائیگی میں ارتکاب حرام لازم آتا ہے تو اس کے متعلق برائے کرم بذریعہ کتب فقہ رہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں۔؟

(الجواب) جو ابتداء ہی سے مسلمان ہے اس کے لئے ختنہ کی اتنی اہمیت نہیں جتنی نومسلم کے لئے ہوتی ہے، نومسلم کے ستر عورت کے مقابلہ میں اس کی ختنہ زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ ختنہ شعائر اسلام اور اس کے خصائص میں سے ہے اور خاص اسلامی علامت ہے۔ جس کا نومسلم میں ہونا ضروری ہے اس میں اس کی صداقت اور استقامت کی دلیل بھی ہے اور ختنہ دین اسلام پر ثابت قدم رہنے میں معین ہے اس لئے نومسلم کی ختنہ کرانی ضروری ہے، ختنہ کا مخصوص مقام جس کا کھولنا ضروری ہے، اس کے علاوہ دوسری جگہ چھپائے رکھے اور ختنہ کرنے والا جہاں تک ممکن ہو نظر اور ہاتھ بچا کر کام لے۔ ''مجموعہ فتاویٰ'' میں ہے ''وکافریکہ مسلمان شدہ ختنہ اش باید کرد در خزانۃ الروایات می آرد **فی الذخیرۃ ان المسلم یختن مالم یبلغ فاذا بلغ لم یختن لا ن ستر عورة البالغ فرض والختان سنة فلا یترک الفرض للسنة والکافر اذا اسلم یختن بالا تفاق لمخا لفته دین الا سلام وھو بالغ** ج۳ ص ۹۶ (یعنی) اور مسلمان بچہ ہو تو اس کی ختنہ کی جائے جب بالغ ہو جائے تو ختنہ نہ کی جائے اس لئے کہ بالغ کا ستر عورت فرض ہے اور ختنہ سنت ہے، سنت کے لئے فرض ترک نہیں کیا جا سکتا اور کافر مسلمان ہو جائے تو بالاتفاق اس کی ختنہ کا حکم ہے اس لئے کہ وہ بالغ ہونے کے باوجود دین اسلام کی مخالفت کر رہا تھا۔'' (اور جب مخالفت ترک کرنا چاہتا ہے تو پوری طرح چھوڑنا اسی وقت کہلائے گا جب کہ خلاف اسلام کوئی ظاہری علامت بھی اس میں باقی نہ رہے) جیسے بعض یہودی اسلام لائے تو شریعت اسلامی کے ساتھ ساتھ شریعت موسوی کا دامن بھی چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ مثلاً ہفتہ کی تعظیم کرنا اور اونٹ کا گوشت (حلال اعتقاد رکھتے ہوئے) نہ کھانا، یہ خیالات اسلام کو پسند نہ آئے اور آیت

نازل ہوئی یا یھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃً (یعنی) اے ایمان والو! اسلام میں کامل طریقہ سے (ظاہرو باطن دونوں طریقوں سے) داخل ہو جاؤ (یعنی خلاف اسلام کوئی بات تم میں موجود نہ ہونی چاہئے) (قرآن حکیم سورۃ بقرۃ)۔

ہاں اگر نومسلم بے حد ضعیف اور کمزور ہو کہ ختنہ کی تاب نہ لا سکے تو پھر ختنہ لازم نہیں ہے و کذلک المجوسی اذا اسلم وھو شیخ ضعیف اخبرا ھل البصر انہ لایطیق الختان یترک (فتاویٰ قاضی خان ج ۴ ص ۷۸۴ کتاب الحضر والا باحۃ فصل فی الختان و کذلک شیخ من المجوس او الھند لو اسلم وقال اھل البصر انہ لا یطیق الختان یترک (فتاویٰ سراجیہ ص ۷۵ کشیخ اسلم وقال اھل النظر لایطیق الختان (درمختارمع شامی ج ۵ ص ۶۵۲ مسائل شتی قبیل کتاب الفرائض) فقط واللہ اعلم .

عورتوں کی ختنہ کرنا کیسا ہے :

(سوال ۱۶۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں کہ لڑکیوں کی ختنہ کرانا اسلام میں ہے یا نہیں؟ بحوالہ تحریر فرمائیں۔ بینواتوجروا۔

(الجواب) قوی یہ ہے کہ عورتوں کی ختنہ سنت نہیں ہے، جائز ہے اس میں مردوں کا مفاد ہے کہ الذ ہے جماع میں وختان المرأۃ لیس بسنۃ بل مکرمۃ للرجال وقیل سنۃ (درمختار) (قولہ بل مکرمۃ للرجل) لانہ الذفی الجماع زیلعی (قولہ وقیل سنۃ) جزم بہ البزازی معللاً انہ نص علی ان الخنثی تختن (الی قولہ) ولا یفید ذلک سنیۃ للمرأۃ تامل الخ (شامی ج۵ ص ۶۵۷ مسائل شتی قبیل کتاب الفرائض) فقط واللہ اعلم بالصواب . ۲۲ رجب المرجب ۱۳۹۹ھ۔

نازک بچہ کو ختنہ کے وقت بھنگ کھلانا:

(سوال ۱۶۹) میرا فرزند عتیق الرحمٰن سلمہٗ نہایت نازک اور غضب ناک بچہ ہے عمر تین چار سال کے درمیان ہے، کبھی معمولی سزا دینے بلکہ غصہ کرنے پر ایسا روتا ہے کہ دیر تک آواز نہیں نکلتی، سارا گھر بے چین ہو جاتا ہے، منہ پر پانی چھڑکا جاتا ہے تب جا کر کہیں آواز نکلتی ہے، ایسی حالت میں ختنہ کرانے میں ڈر لگتا ہے، ایسے بچوں کو ختنہ کرنے والا شیرینی کے ساتھ کچھ بھنگ کھلا کر غنودگی کی سی حالت ہونے پر ختنہ کرتا ہے تاکہ تکلیف کا احساس نہ ہو یا کم ہو شرعاً اس کی اجازت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

(الجواب) یہ عذر شرعی ہے، اس میں بقدر ضرورت تھوڑی سی بھنگ جس میں شراب وغیرہ نجس چیز کی آمیزش نہ ہو پلا دینے کی گنجائش ہے، شامی میں ہے (فرع) قدمنا فی الحظر والا باحۃ عن التتار خانیۃ انہ لا بأس بشرب ما یذھب بالعقل لقطع نحوا کلۃ اقول ینبغی تقییدہ بغیر الخمر وظاھرہ انہ لا یتقید بنحو بنج من غیر المائع وقیدہ بہ الشافعیۃ واللہ تعالیٰ اعلم (شامی ج۵ ص ۴۵۷ آخر کتاب الا شربۃ) فقط واللہ اعلم بالصواب .

اتوار اور منگل کے دن غسل کرنا اور ناخن تراشنا کیسا ہے :

(سوال ۱۷۰) دلائل الخیرات کے حاشیہ میں لکھا ہے۔

(۱) منگل کے دن جو ناخن ترشواتا ہے صحت اس سے نکل بھاگتی ہے اور بیماری اس میں داخل ہو جاتی ہے، اور جو کوئی منگل کے دن غسل کرتا ہے عمر اس کی کم ہو جاتی ہے (عقول عشرہ)

(۲) اصحاب تاریخ کہتے ہیں کہ روز یکشنبہ کو جو کوئی ناخن تراشے اس سے غناء نکل جاتی ہے اور فقیری داخل ہو جاتی ہے اور جو کوئی یکشنبہ کو غسل کرے کوئی بیماری اس کو لاحق ہو (عقول عشرہ)

برائے مہربانی ان دونوں عبارتوں کے متعلق وضاحت فرمائیں، اور منگل و اتوار کے دن ناخن تراشنا اور غسل کرنا کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟ بیان فرمائیں بینوا توجروا۔

(الجواب) (۱-۲) جنہوں نے یہ لکھا ہے ان کے تجربہ کی بنا پر لکھا ہوگا اس کا اعتقاد رکھنا اور شرعی حکم سمجھنا صحیح نہیں ہے اور نہ اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ امداد الفتاویٰ میں اسی طرح کا ایک سوال و جواب ہے وہ ملاحظہ ہو۔

(سوال) پندنامہ میں جو شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مصرعہ تحریر فرمایا ہے۔

شب در آئینہ نظر کردن خطا است

یہ ممانعت شرعی ہے یا کسی مصلحت سے، اور اگر مصلحت ہے تو کیا مصلحت ہے اسی طرح رات کو جھاڑو دینا خواری کا باعث ہے، اور دیواروں کو کپڑے سے صاف کرنا خواری لاتا ہے، یہ کس طرح سے ہے اور کس وجہ سے ہے۔

(الجواب) ان امور کی شرع میں کچھ اصل نہیں، جو محض عوام میں مشہور ہیں ان کی اصل ڈھونڈنے کی کوئی ضرورت نہیں، البتہ جو بزرگوں کے کلام میں پایا جاتا ہے تو از قبیل حکمت وطب ہے ورنہ یہ کہا جاوے گا کہ بعض بزرگوں پر حسن ظن غالب تھا اس لئے بعض روایات کو سن کر تنقید راوی نہ کی اس کو صحیح سمجھ کر لکھ دیا۔ پس وہ معذور ہیں اور قابل عمل نہیں۔
تتمہ اولی ص:۳۰۵ (امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۲۴ مسائل شتی) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باب مایجوز اکله ومالایجوز

گرم کھانا پینا:

(سوال ۱۷۱) گرم کھانا پینا مکروہ ہے؟

(الجواب) کچھ گرم ہو تو مکروہ نہیں، ہاں زیادہ گرم ہو تو مکروہ ہے، مگر جو چیز ایسی ہو کہ سرد ہو جانے سے اس کا فائدہ یا ذائقہ ختم ہو جائے تو مکروہ نہیں ہے۔ جیسے چائے، کافی وغیرہ (۱) **فقط واللہ اعلم بالصواب.**

بائیں ہاتھ سے چائے پینا کیسا ہے:

(سوال ۱۷۲) اکثر لوگ چائے نوشی کے وقت دائیں ہاتھ میں پیالہ اور بائیں ہاتھ میں پلیٹ (رکابی) پکڑتے ہیں اور چائے بائیں ہاتھ سے پیتے ہیں۔ کیا یہ مکروہ نہیں؟

(الجواب) جی ہاں مکروہ ہے۔ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا پیتا ہے۔ داہنے ہاتھ سے کھانا پینا مسنون ہے۔ (۲) بعض وجوب کے قائل ہیں۔ بائیں ہاتھ سے ایک کھانے پینے والے شخص پر آنحضرت ﷺ نے لعنت فرمائی تھی جس سے اس کا ہاتھ بیکار ہو گیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک عورت کو آنحضرت ﷺ نے بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھ کر بددعا فرمائی تو وہ طاعون (پلیگ) میں مرگئی۔ فقط واللہ اعلم۔

بیائی بھینس کے دودھ کا استعمال کیسا ہے:

(سوال ۱۷۳) یہاں لوگوں میں مشہور ہے کہ بھینس دس ماہ قبل بیائی ہو۔ (بچہ جنی ہو) تو اس کا دودھ نہیں پیتے، پھینک دیتے ہیں۔ تو کیا دس ماہ پہلے بیائی ہوئی بھینس کے دودھ کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) دس ماہ کے بعد بیائی بھینس کا دودھ بھی استعمال میں نہیں لاتے بوجہ ثقل کے، ایسے ہی دس ماہ پہلے کا دودھ بھی جب قابل ہضم ہو جائے تو استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری کوئی وجہ معلوم نہیں۔ ہاں! اگر اس کو دودھ ہی نہ کہا جائے بلکہ خون وغیرہ کوئی دوسری چیز ہو۔ تو حکم واضح ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کھانے پینے میں احتیاط کرنا خلاف توکل ہے:

(سوال ۱۷۴) کھانے پینے میں احتیاط کرنا کہ کسی چیز کو کھائے کسی چیز کو نہ کھائے کسی کو نفع بخش اور کسی کو ضرر رساں سمجھے آیا یہ خلاف توکل ہے؟

(الجواب) نفع ونقصان من جانب اللہ ہے۔ چیزوں میں نفع ونقصان، مرض وشفاء کی تاثیر اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے۔ اس کے حکم کے بغیر کوئی چیز نہ نفع پہنچا سکتی ہے نہ نقصان یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کوئی چیز نہ کھائے اور پرہیز برتے تو یہ خلاف توکل نہیں۔

---

(۱) ولا یا کل طعام حار ولا یشم الخ فتاوی عالمگیری کتاب الکراھیة الباب الحادی عشر الخ.

(۲) قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا یاکلن احدکم بشمله ولا یشربن بها فان الشیطان یا کل بشماله ویشرب بها مشکوٰة کتاب الا طعمة ص ۳۶۳.

ام منذر صحابیہ کا بیان ہے ۔ دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومعہ علی ولنا دوال معلقة قالت مجعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کل ومعہ علی یا کل فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلیؓ مہ یا علی فانک ناقہ قال فجلس علی والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کل قالت فجعلت لهم سلقاً وشعیراً فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا علی من ھذا فاصب فانہ او فق لک (ترمذی شریف ابواب الطب ج ۲ ص ۲۴)

ام منذر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہمارے یہاں آقائے دو جہان رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوئے آپ کے ہمراہ حضرت علیؓ بھی تھے ۔ ہمارے یہاں کھجور کے خوشے (گچھے) لٹکے ہوئے تھے ۔ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ ان میں سے تناول فرمانے لگے ساتھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کھانے لگے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ علی چھوڑ دو (مت کھاؤ) تم ابھی بیماری سے اٹھے ہو، کمزور ہو تو تمہاری طبیعت برداشت نہیں کرے گی ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ رک گئے ۔ پھر میں نے چقندر اور جو کے آٹے کی کانجی کر کے دی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا میاں علی ، یہ کھاؤ ، یہ تمہاری طبیعت کے موافق ہے ۔

پس توکل کا مدار اس پر نہیں ہے کہ چیزوں میں تاثیر نہ مانے ، توکل یہ ہے کہ نظر تاثیر پر نہ رکھے نظر اللہ تعالیٰ پر رکھے کہ نفع ونقصان خدا کے قدرت اور اس کے حکم سے ہے اگر اس کا حکم نہ ہو تو ہر چیز بیکار ہے ۔

غیر مذبوحہ جانور کا گوشت خرید کر بلی کو کھلانا :

(سوال ۱۷۵) ہمارے یہاں ڈبے میں بیل کا گوشت ملتا ہے جو کہ حرام ہے یعنی غیر مذبوح ہوتا ہے مسلمان اس گوشت کو خرید کر بلی کو کھلا سکتے ہیں یا نہیں ؟ (ریونین)

(الجواب) مردار اور حرام جانور کا گوشت ناپاک اور حرام ہے نہ تو کھانا درست اور نہ کسی طرح اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے ، اس کی خرید وفروخت بھی درست نہیں لہذا اس کو خرید کر بلی کو کھلانا جائز نہیں ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب ۔ ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۹۵ھ ۔

مکھی کے کسی جزء سے شربت کو سرخ بنایا گیا تو اس کا استعمال کیسا ہے :

(سوال ۱۷۶) یہاں دکانوں میں لال شربت ملتا ہے اس کی اندر جو سرخی اور لالی ہوتی ہے وہ ایک قسم کی مکھی سے کشید کی جاتی ہے ۔ اس مکھی کو پیس کر یا کسی اور طریقہ سے سرخی کشید کرتے ہیں اور اس کو شربت میں ملاتے ہیں تو اس شربت کا پینا کیسا ہے ؟ (از ریونین)

(الجواب) مکھی اور چیونٹی میں دم سائل نہیں ہے اس لئے پاک ہے مگر کھانا حلال نہیں ، خارجی استعمال درست ہے ، داخلی استعمال درست نہیں لہذا اس کا کوئی جز شربت میں پڑتا ہو تو اس کا استعمال جائز نہ ہوگا ، درمختار میں ہے ۔ (ولا یحل ذوناب یصید بنا بہ او مخلب سبع ولا الحشرات) ھی صغار دواب الارض واحدھا حشرۃ قولہ واحدھا حشرۃ) بالتحریک فیھا کالفارۃ والوزعة سام ابرص والقنفذ والحیة والضفدع والزنبور والبرغوث والقمل والذباب والبعوض والقرادالخ (درمختار والشامی ج ۵ ص ۲۶۵ کتاب

الذبائح) فقط واللہ اعلم بالصواب. ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۹۹ھ.

کھانے سے قبل ہاتھ دھو کر رومال سے پونچھنا:

(سوال ۱۷۷) کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھو کر رومال سے یا کسی کپڑے سے پونچھے بغیر کھانا سنت ہے یا یہ کہ ہاتھ پونچھے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کھانے سے قبل ہاتھ دھوئے لیکن رومال یا تولیہ سے نہ پونچھے رومال سے پونچھے بغیر کھانا مستحب ہے، کھانے سے فارغ ہو کر جب ہاتھ دھوئے اس وقت پونچھ لے شامی میں ہے (قولہ وغسل الیدین قبلہ) لنفی الفقر ولا یمسح یدہ بالمندیل لیبقی اثر الغسل (شامی ج۵ ص ۲۹۷ کتاب الحظر و الاباحۃ)(فتاوی رحیمیہ ج ۲ ص ۲۳۳ جدید ترتیب کے مطابق ص۱۴۱ پر سوال ۱۴۷) (واللہ اعلم بالصواب۔

کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد دونوں ہاتھ دھوئے یا ایک ہاتھ:

(سوال ۱۷۸) کھانے کے بعد یا کھانے سے پہلے دونوں ہاتھ دھونا چاہئے یا ایک ہاتھ دھونا کافی ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سنت یہ ہے کہ دونوں ہاتھ دھوئے، ایک ہاتھ دھونے سے کامل سنت ادا نہ ہوگی، فتاویٰ عالمگیری میں ہے قال نجم الائمۃ البخاری وغیرہ غسل الید الواحدۃ او اصابع الیدین لا یخفی لسنۃ غسل الیدین قبل الطعام لان المذکور غسل الیدین قبل الطعام الی الرسغ، کذافی القنیۃ (عالمگیری ج۵ ص ۳۳۷ کتاب الکراھیۃ باب نمبر ۱۱)فقط واللہ اعلم بالصواب .

ہاتھ پہنچوں تک دھونا چاہئے:

(سوال ۱۷۹) ہاتھ کہاں تک دھونا چاہئے صرف انگلیاں دھونے سے سنت ادا ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) دونوں ہاتھ پہنچوں تک دھونے چاہئیں، صرف انگلیاں دھونا کافی نہیں ہے (فتاویٰ عالمگیری ج۵ ص ۳۳۷)(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب .

ڈالڈا گھی میں نجس شئی ملائے جانے کا شبہ ہو تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۱۸۰) آج کل عوام میں یہ چرچا ہو رہا ہے کہ ڈالڈا گھی میں سور کی چربی ملائی جاتی ہے تو اس کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

حضرت مفتی صاحب مدظلہم! بعد سلام مسنون، بحمد اللہ تعالیٰ یہاں خیریت سے ہے خدا کرے مزاج عالی بعافیت ہو، بناسپتی گھی کے متعلق بہت سے سوالات آرہے ہیں، اب تک تو یہی لکھا ہے کہ بلا دلیل شرعی حرمت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا، جو رائے عالی ہو تحریر فرمائیں۔ (ایک مفتی صاحب مدظلہم)

(الجواب) مکرمی ومحترمی زید مجدکم السامی۔ بعد سلام مسنون، عافیت طرفین مطلوب ہے، جب کہ دنیا بھر میں اس کا

---

(۱) قال نجم الائمۃ البخاری وغیرہ غسل الید الواحدۃ او اصابع الیدین لا یکفی لسنۃ غسل الیدین قبل الطعام لأن المذکور غسل الیدین وذلک الی الرسغ کذا فی القنیۃ الباب الحادی عشر.

استعمال بلا تامل ہو رہا ہے تو جب تک نجس شئی ملائے جانے کا شرعی ثبوت نہ ہو حرام قرار دینا صحیح نہیں، جناب والا کی رائے بالکل صحیح ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کھانے کے درمیان انگلیاں چاٹنا:

(سوال ۱۸۱) کھانے سے فارغ ہونے کے بعد انگلیاں چاٹنا مستحب ہے، ایک شخص کھانے کے درمیان بھی انگلیاں چاٹتا رہتا ہے، کیا یہ بھی مستحب ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کھانے سے فراغت پا کر انگلیاں چاٹنا مستحب ہے اثناء طعام میں مستحب نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے، مدارج النبوۃ میں ہے ولعق اصابع دراثنائے اکل مکروہ است (ج۱ ص۴۶۶ باب یازدہم در عبادات طعام وشراب وغیرہ) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کا ثبوت حدیث سے ہے:

(سوال ۱۸۲) کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا حدیث شریف سے ثابت ہے؟ یا فقہی روایت ہی ہے؟

(الجواب) کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا حدیث سے ثابت ہے۔ فقہی روایت حدیث کے مطابق ہے۔ ترمذی شریف میں ہے:۔ **فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم برکۃ الطعام الوضوء قبلہ والوضوء بعدہ** ترجمہ:۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ کھانے کی برکت کھانے سے پہلے اور بعد میں وضو یعنی ہاتھ دھونا اور کلی کر لینا ہے ۔(ص ۷ ج ۲ ابواب الاطعمۃ باب الوضوء قبل الطعام وبعدہ) **فقط واللہ اعلم بالصواب** .

کھانے کے بعد ہاتھ دھونا مسنون ہے:

(سوال ۱۸۳) بعد خوردن واول خوردن ہر دو دست باید شست یا یک۔

(الجواب) سنت آنست کہ ہر دو دست بشوید، بہ شستن یک دست سنت کاملہ ادا نمی شود۔ (فتاویٰ عالمگیری ج۵ ص ۳۳۷ الباب الحادی عشر فی الکراھۃ فی الاکل الخ) فقط واللہ اعلم .

ہاتھ پہنچوں تک دھونا چاہئے:

(سوال ۱۸۴) دست تا کجا باید شست؟ بہ شستن انگشتان فقط وسنت اداء شود یا نہ؟

(الجواب) ہر دو دست تا برسغ باید شست فقط وانگشتان شستن کافی نیست۔

ہاتھ دھو کر رومال سے پوچھنا:

(سوال ۱۸۵) ھل یمسح یدہ قبل الطعام بالمندیل اذا غسلھا قبل الطعام ؟

(الجواب) ولا یمسح یدہ قبل الطعام بالمندیل لیکون اثر الغسل باقیا وقت الاکل ویمسحھا بعد لیزول اثر الطعام بالکلیۃ کذا فی خزانۃ المفتین (الفتاویٰ العالمگیریہ ج۵ ص ۳۳۷ ایضا)

کھانے پینے میں عیب لگانا کیسا ہے:

(سوال ۱۸۶) کھانے پینے کی چیز پسند نہ آئے اس لئے اس کو برا کہے تو کچھ حرج ہے؟ باورچی کو تنبیہ کر سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کھانا خدا کی بڑی نعمت ہے۔اس میں عیب نہ نکالے۔پسند ہو تو کھائے ورنہ چھوڑ دے۔حدیث شریف میں ہے۔**عن ابی هريرة قال ماعاب النبی صلی الله علیه وسلم طعاما قط ان اشتهاه اکله وان کره ترکه (مشکوة کتاب الا طعمة)**

یعنی حضور ﷺ کھانے میں کبھی عیب نہ نکالتے تھے۔جس کی خواہش ہوتی کھا لیتے اور جو کھانا مرغوب نہ ہوتا چھوڑ دیتے تھے۔البتہ کھانا پکانے میں کوئی کوتاہی یا کسی چیز کی کمی ہو تو اس کو درست کرنے یا آئندہ خیال رکھنے کے لئے باورچی وغیرہ کو تنبیہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔اس طور پر کہے کہ کھانے کی تحقیر وتنقیص لازم نہ آتی ہو۔فقط

خواہ مخواہ شبہ کرنا:

(سوال ۱۸۷)امام وموذن کا کھانا محلہ میں سے متعدد جگہوں سے آتا ہے اور جہاں سے کھانا آتا ہے ان سے متعلق معلوم نہیں کہ یہ سود،رشوت لیتے ہیں یا نہیں؟ تو یہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) محلہ سے جو کھانا آتا ہے وہ حلال ہے شک نہ کیا جائے تاوقتیکہ یہ معلوم نہ ہو کہ فلاں کا ذریعۂ معاش کا غالب حصہ سود یا رشوت کا ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ٹیبل کرسی پر اور الگ الگ پلیٹوں میں کھانا:

(سوال ۱۸۸)ٹیبل کرسی پر اور الگ الگ پلیٹوں میں کھانے کا رواج عام ہوتا جارہا ہے اور یوں کہا جاتا ہے کہ الگ الگ پلیٹوں میں کھانے سے کھانا ضائع اور برباد نہیں ہوتا،اور ایک ساتھ بڑے خوانچے میں یا بڑی پلیٹ میں کھانے سے جو کھانا بچتا ہے وہ ضائع ہو جاتا ہے،تو اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ وضاحت فرمائیں،بینوا توجروا۔

(الجواب) زمین پر دسترخوان بچھا کر بیٹھ کر کھانا سنت ہے،ٹیبل کرسی پر کھانے کا طریقہ اسلامی تہذیب کے خلاف ہے ،یہ طریقہ متکبروں اور فیشن پرستوں کا ہے لہذا قابل ترک ہے،مالا بدمنہ میں ہے،مسلم را تشبہ بہ کفار وفساق حرام است۔ مسلمان کو کفار اور فساق کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے(مالا بدمنہ ص ۱۳۱)

اسی طرح ایک ساتھ مل کر ایک برتن میں کھانا بھی مسنون اور باعث برکت ہے الگ الگ پلیٹوں میں کھانا اسلامی طریقہ نہیں ہے،یہ غیر قوم کا طریقہ ہے کہ وہ دعوتوں اور گھروں میں ایک ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہیں مگر سب کی پلیٹیں الگ الگ ہوتی ہیں اگر مسلمان بھی یہی طریقہ اختیار کریں تو پھر مسلمانوں اور غیر مسلموں میں امتیاز کی کیا صورت ہوگی ؟ نیز یہ تو ہم پرستوں کا طریقہ ہے جو امراض کے متعدی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں،حدیث میں ہے **عن عمر بن الخطاب قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کلو اجمیعا ولا تفرقوا فان البرکة مع الجماعة** حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سب ساتھ مل کر کھاؤ الگ الگ

مت کھاؤ، ساتھ مل کر کھانے میں برکت ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۰ باب الضیافۃ)

دوسری حدیث میں ہے:۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا "انا نا کل ولا نشبع" "ہم کھاتے ہیں لیکن شکم سیری نہیں ہوتی، حضور ﷺ نے فرمایا" **فلعلکم تفترقون**" شاید تم لوگ الگ الگ کھاتے ہو، **قالوا نعم** صحابہ نے کہا جی ہاں، آپ نے ارشاد فرمایا **فاجتمعوا علی طعامکم اذکروا اسم اللہ یبارک لکم فیہ، رواہ ابو داؤد** سب ایک ساتھ مل کر اور بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ تمہارے کھانے میں برکت ہوگی (**ابو داؤد شریف ج۲ ص ۱۷۲ باب فی الاجتماع علی الطعام**) (**مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۹ باب الضیافۃ**) (**حصن حصین ص ۱۰۹ منزل نمبر۳**)

نیز حدیث میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بہت بڑا پیالہ تھا جس میں سب ایک ساتھ مل کر کھاتے تھے، **عن عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ قال کان للنبی صلی اللہ علیہ وسلم قصعۃ یحملھا اربعۃ رجال یقال لھا الغراء فلما اضحوا وسجدوا الضحی اتی بتلک وقد ثرد فیھا فالتفوا علیھا (ای اجتمعوا حولھا) الخ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۹ باب الضیافۃ) (جمع الفوائد)**

نیز حدیث میں ہے، خدا کا پسندیدہ کھانا وہ ہے جس میں بہت سے ہاتھ ہوں (جمع الفوائد جلد اول)

یہ ہے اسلامی تعلیم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت اور مبارک طریقہ اس مبارک طریقہ کو چھوڑ کر متکبروں اور غیر قوموں کے طریقہ کو اختیار کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

رہا یہ سوال کہ ساتھ کھانے میں کھانا برباد ہوتا ہے تو یہ درحقیقت ایک شیطانی وسوسہ ہے، اگر کھانے والوں کی تعداد کے مطابق کھانا نکالا جائے اور ضرورت پڑنے پر دوسرا کھانا لیا جائے تو کھانا کسی طرح ضائع نہ ہوگا، اور اگر اس کے باوجود بھی کھانا بچ جائے تو اس میں کسی طرح کی کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی، مومن کے جھوٹے میں شفا ہے، لہذا اس کھانے کو ضائع نہ کیا جائے۔

آیت قرآنی **لیس علیکم جناح ان تاکلوا جمیعاً او اشتاتاً** (پھر اس میں بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ) (پارہ نمبر ۱۸ سورہ نور) سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساتھ مل کر کھاؤ یا تنہا تنہا کھاؤ دونوں جائز ہیں کسی میں کچھ حرج اور گناہ نہیں تو پھر ساتھ مل کر کھانے پر اتنا اصرار کیوں ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ آیت میں نفس جواز کو بیان کیا گیا ہے کہ دونوں طرح کھانا جائز ہے، ساتھ مل کر کھاؤ یہ بھی جائز ہے اور کسی وقت تنہا کھانے کا اتفاق ہو جائے تو یہ بھی جائز ہے، اس میں گناہ نہیں ہے مگر ان دونوں میں افضل طریقہ یہ ہے کہ سب ساتھ مل کر کھائیں اس میں برکت ہے جیسا کہ مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے، اور اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ بعض انصار رضی اللہ عنہم اجمعین کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب تک ان کے ساتھ کوئی مہمان نہ ہوتا تنہا کھانا نہیں کھاتے تھے یا مہمان کی موجودگی میں مہمان ہی کے ساتھ کھانے کو ضروری سمجھتے تھے تو اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا کہ ساتھ مل کر کھاؤ یا تنہا تنہا سب جائز ہے، اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے، فوائد عثانی میں ہے (تنبیہ) آیت سے تنہا کھانے کا جواز بھی نکلا، بعض حضرات کو دیکھا ہے کہ جب تک کوئی مہمان ساتھ نہ ہو کھانا نہ کھاتے تھے، معلوم ہوا یہ غلو ہے، البتہ اگر کئی کھانے والے ہوں اور اکٹھے بیٹھ کر کھائیں تو موجب برکت ہوتا ہے، کما

ورد فی الحدیث (سورۂ نور پارہ نمبر ۱۸ رکوع نمبر ۱۳)

معارف القرآن ادریسی میں ہے: نیز بعض انصار پر جود وکرم کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ لوگ بے مہمان کے تنہا کھانا گوارہ نہیں کرتے تھے اور اپنی جان پر مشقت گوارہ کرتے تھے اور مہمان کا انتظار کرتے تھے، ان کے بارے میں آئندہ آیت اتری، تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ایک جگہ جمع ہو کر اور مل کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ، اور اکیلے اکیلے کھاؤ، اور دل میں یہ خیال نہ کرو کہ کس نے کم کھایا اور کس نے زیادہ، اکیلے اکیلے کھانا بھی جائز ہے مگر مل کر کھانے میں برکت زیادہ ہے (معارف القرآن ادریسی ج۸ ص ۲۹۲) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (تفسیر روح المعانی ج۱۸ ص ۲۲۱ مطبوعہ مصطفائیہ دیو بند. اور تفسیر مواھب الرحمن ص ۲۴۶، ج۱۸ ص ۲۴۷ پارہ نمبر ۱۸ وتفسیر روح البیان ج۱۸ ص ۱۸۱، ۱۸۲)

تنہا کھانے کا رواج آج کل عام ہوتا جا رہا ہے، غیر اقوام اور فیشن پرستوں نے اسے اپنایا ہے لہذا مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہئے، خصوصا اہل علم حضرات کو۔ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

مھما صارت السنۃ شعار الاھل البدعۃ قلنا بترکھا خوفاً من التشبہ بھم. یعنی جب کوئی سنت مبتدعین کا امتیازی شعار بن جائے تو ہم اس میں ان کے مشابہ بن جانے کے خوف سے اس کو بھی ترک کا فتویٰ دیں گے (احیاء العلوم ج۲ ص ۲۷۰ بحوالہ التشبہ فی الاسلام ج۱ ص ۱۶۳) اللہ تعالیٰ سنت کی عظمت اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حالت جنابت میں کھانا پینا کیسا ہے؟:

(سوال ۱۸۹) صحبت کے بعد یا احتلام کے بعد غسل سے پہلے جنبی کے لئے کھانا یا پینا کیسا ہے؟ حلال ہے یا حرام؟ بعض لوگ بالکل حرام کہتے ہیں، مرد وعورت دونوں کا ایک حکم ہے یا کچھ فرق ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صحبت یا احتلام کے بعد غسل کرنے سے پہلے کھانے پینے کی ضرورت پیش آئے تو وضو کر لینا چاہئے، اگر وضو کا بھی موقع نہ ہو تو کم از کم ہاتھ منہ دھو کر کلی کر کے کھانا پینا چاہئے۔ ہاتھ منہ دھونے سے پہلے جنبی کا کھانا پینا مکروہ ہے، مرد وعورت دونوں کا ایک ہی حکم ہے، حائضہ اس سے مستثنیٰ ہے اس کے لئے مکروہ نہیں، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ویکرہ للجنب رجلاً کان او امرأۃ ان یأکل طعاماً او یشرب قبل غسل الیدین والفم ولا یکرہ ذلک للحائض والمستحب تطھیر الفم فی جمیع المواضع، کذا فی فتاویٰ قاضی خان (فتاویٰ عالمگیری ۵/ ۲۳۷، کتاب الکراھیۃ، باب نمبر ۱۱) فقط واللہ اعلم بالصواب.

حاملہ کا مٹی کھانا:

(سوال ۱۹۰) حاملہ عورت کو مٹی کھانے کی رغبت پیدا ہوتی ہے تو مٹی کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اتنی مقدار کھانے کی اجازت ہے کہ صحت کے لئے مضر نہ ہو، فتاویٰ عالمگیری میں ہے: **اکل الطین مکروہ ذکر فی فتاویٰ ابی اللیث ذکر شمس الائمۃ الحلوانی فی شرح صومہ اذا کان یخاف علی نفسہ انہ لو اکلہ اورثہ ذلک علۃ او آفۃ لا یباح لہ التناول وکذلک ھذا فی کل شیء سوی**

الطین ، وان کان یتنا ول منه قلیلا او کان یفعل ذلک احیاناً لا بأ س به کذآ فی المحیط، الطین الذی یحمل من مکة ویسمیٰ طین احمر هل الکراهیة فیه کالکراهة فی اکل الطین علی ما جاء فی الحدیث قال الکراهیة فی الجمیع متحدة کذا فی جواهر الفتاویٰ وسئل عن بعض الفقهاء عن اکل الطین البخاری ونحوه قال لا بأس بذلک مالم یضرو کراهیة اکله لا للحرمة بل لتهیج الداء (فتاویٰ عالمگیری ص ۲۲۷ ج۶، کتاب لکراهیة الباب الحادی عشر فی الکراهیة فی الا کل وما یتصل بها) فقط واللہ اعلم بالصواب.

روٹی کے چار ٹکڑے کر کے کھانا:

(سوال ۱۹۱) روٹی کے چار ٹکڑے کر کے کھانا کیسا ہے؟ چار ٹکڑے کر کے کھانا چاہئے یا پوری ہونے کی حالت میں ؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) روٹی کے چار ٹکڑے کرنا ضروری نہیں ہے، جیسی سہولت ہو اس پر عمل کیا جا سکتا ہے، چار ٹکڑے کرنے کا دستور ان علاقوں میں ہے جن میں شیعوں کا زور ہے اور اس سے اشارہ خلفاء اربعہ کی طرف ہے کہ ہم چاروں کو مانتے ہیں، شیعوں کی طرح دو یا تین کے منکر نہیں ہیں۔ فتاویٰ محمودیہ ص ۱۴۷ ج ۵) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باب التصاویر

مکان میں براق کی تصویر رکھنا کیسا ہے:

(سوال ۱۹۲) بعض مکانوں میں "براق" کی تصویر ہوتی ہے یہ تبرکاً رکھی جاتی ہے اور اس کی زیارت کی جاتی ہے۔ اس کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) ظاہر بات ہے کہ مذکورہ تصویر اصلی "براق" کی نہیں من گھڑت اور بناوٹی ہے اس کو اصلی براق کی تصویر سمجھنا غلط ہے۔ بناوٹی چیز کو اصل کا نام دینے سے اس کو اصل کے احکام لاحق نہیں ہوتے۔ اگر کوئی خانہ کعبہ اور روضہ اطہر نامی بہترین عمارت تعمیر کر لے تو کیا وہ مصنوعی جگہ مقدس اور متبرک بن جائے گی اور وہ اصل چیز کے قائم مقام ہو جائے گی؟ اور مسلمانوں پر اس جگہ کو مکرم و معزز سمجھنا ضروری ہو جائے گا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ جو کوئی باپ کو دیکھے بغیر اپنے ذہن سے باپ کی تصویر بنا کر لوگوں سے کہے کہ یہ میرا باپ ہے تو لوگ اس کو کیا کہیں گے؟ خلاصہ یہ کہ بناوٹی چیز کو اصل کا نام دینا اور برکت کے لئے مکان میں رکھنا وغیرہ جاہلانہ فعل ہے۔

قدوۃ العارفین حضرت شاہ ابوالحسن نصیر آبادی فرماتے ہیں۔ اور اگر مقصد یہ ہو کہ یہ جگہیں یعنی مبارک مقام کی تصویر سازی ثواب کا کام ہے یا ان بناوٹی تصویروں کے ساتھ اصل کے احکام نافذ کریں تو بے شک بدعت سیئہ ہے۔ بلکہ بہت سی باتوں میں شاید کفر تک پہنچ جاتا ہے، جیسا کہ تعزیہ کے ساتھ عوام اور بعض خواص لوگوں کا عمل اور دستور ہے (مجالہ نافعہ ص۱۴) فقہ کی مشہور کتاب "نصاب الاحتساب" سے ایک فتوی یہاں پر نقل کرتا ہوں۔

مسئلہ۔ **بعض السوال يجلسون على القوارع ويعرضون ثيابا مصورة بصور قبور بعض المتبركين وبلاد هم ويضربون المزمار عندذلک ويجتمع عليه بعض الجهلة والسفهاء فما يصنع بهم** کچھ فقیر راستہ پر بیٹھ کر بزرگان دین کی قبروں کی تصویر والے کپڑے لوگوں کے سامنے تبرکاً پیش کرتے ہیں اور باجہ بجاتے ہیں۔ جہلاء و حمقاء وہاں جمع ہوتے ہیں لہذا ان سے کیسا برتاؤ کیا جائے؟

(الجواب) **ينهون عن ذالک وان رئ المصلحة فى تمزيق ذلک الثوب فمزقه فلا ضمان عليه لانه مجتهد فيه فصار ککسر المعازف.**

(الجواب) ایسے کاموں سے ان کو روکنا ضروری ہے اور امام مصلحت جانے ان کپڑوں کے پھاڑنے میں تو پھاڑ ڈالے اس پر ان کی قیمت کا تاوان نہیں ہوگا۔ (نصاب الاحتساب الباب السادس ص۱۶)

اسی کتاب میں ہے۔ **روى فى الاخبار ان قوماً خرجوا على هيئة الحجاج الىٰ زيارة بيت المقدس فردهم عمر رضى الله عنه وضربهم بالدرة وقال لهم تريدون ان تجعلوا بيت المقدس کالمسجد الحرام** ۔ ایک قوم حاجیوں کی شکل میں بیت المقدس کی زیارت کے لئے جاتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان کو روک دیا اور کوڑے لگائے اور فرمایا کہ کیا تم بیت المقدس کو کعبہ بنانا چاہتے ہو؟ (باب ۲۴ ص ۶۰) نصاب الاحتساب۔

جب بیت المقدس جیسی پاک جگہ کے ساتھ مسجد حرام جیسا برتاؤ جائز نہیں تو مصنوعی تصویر کے ساتھ براق

جیسا برتاؤ کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ بلکہ اس کو نیست و نابود کرنا ضروری ہے۔

فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے کہ فان کل ماعظم بالباطل مکان او زمان او حجر او شجر او بنیۃ وجب قصد اھا نتہ کما تھان الا وثان المعبودۃ (ج ۲ ص ۷۶)

ایسی ہر ایک چیز جس کی باطل طریقہ سے تعظیم کی جاتی ہے۔ وہ جگہ ہو یا وقت یا پتھر یا درخت یا کوئی عمارت تو جس طرح پوجا کی مورتیوں کا توڑ دینا ضروری ہے ان چیزوں کا ختم کرنا بھی ضروری ہے۔ ج ۲ص ۷۶)

یہ فتاویٰ اور دلائل بے جان کے لئے ہیں۔ اور براق تو جاندار ہے اس کی تصویر کسی حالت میں بھی (مذکور خرابی ہو یا نہ ہو) رکھ نہیں سکتے کہ جاندار کی تصویر شرعاً حرام ہے۔ پھر چاہے وہ براق کی ہو۔ یا کسی پیر پیغمبر کی ہو۔ (معاذ اللہ)

خانہ کعبہ میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں تھیں۔ ان کو آنحضرت ﷺ کے حکم سے ختم کیا گیا۔ رہا تبرک کا تصور تو حرام میں برکت کہاں۔ آنحضرت ﷺ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نیز ملائکہ تصویر والے مکانوں سے نفرت فرماتے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو میں نے مدعو کیا تو آپ ﷺ تشریف لائے مگر مکان میں تصویر دیکھ کر واپس تشریف لے گئے (کنز العمال ج ۲ ص ۲۱۹)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملک شام میں تصویر کی وجہ سے دعوت رد فرمائی۔ (کنز العمال ج ۲ ص ۲۱۹) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

تصویر بنانی سیکھنا سکھانا کیسا ہے :

(سوال ۱۹۳) بطور پیشہ و ہنر تصویر سازی سیکھنا اور سکھانا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) ذی روح اور غیر ذی روح اشیاء میں وہ چیز جس کی پرستش کی جاتی ہو (جیسا کہ صلیب) اس کی تصویر بنانی جائز نہیں۔ حدیث شریف میں فن تصویر اور مصور کی سخت مذمت وارد ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ فعلیک بھذا الشجر وکل شئی لیس فیہ روح (یعنی تمہیں تصویر بنانا ہو تو درخت اور ہر ایسی چیز کی تصویر بنا سکتے ہو جس میں جان نہ ہو!(مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۳۸۶ باب التصاویر)

یادگار کے لئے یا وطن بھیجنے کے لئے یا شادی کے لئے فوٹو کھچوانا :

(سوال ۱۹۴) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے فوٹو کھچوایا اور جب اس کو معلوم ہوا کہ اس کا بہت گناہ ہے تو اس کو بہت افسوس ہوا اور ندامت ہوئی اب اس گناہ سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی کوئی صورت ہے؟ اور یادگار کے لئے یا وطن بھیجنے کے لئے یا شادی کی غرض سے لڑکے اور لڑکی کو بتلانے کے لئے تصویر کھنچوانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ضرورت اور قانونی شرعی مجبوری کے بغیر تصویر بنانا اور بنوانا جائز نہیں گناہ کا کام ہے بنوالی ہو تو ضائع کر دی جائے اور توبہ استغفار کرے اللہ سے معافی مانگے، یادگار کے لئے یا وطن بھیجنے کے لئے یا لڑکی لڑکے کو بتانے کے لئے

تصویر بنوانے کی شرعاً اجازت نہیں، جس کو دیکھنے کی ضرورت ہو وہ جا کر دیکھ لے اور اس میں تصویر کشی کے گناہ کے علاوہ اور بھی خرابیاں ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دیوی، دیوتاؤں کی تصویروں کو فریم کرنا کیسا ہے:

(سوال ۱۹۵) زید نقشوں اور تصویروں کو شیشے میں لگانے اور طغریٰ بنانے کا کام کرتا ہے جس میں کفار کی دیوی، دیوتاؤں کی تصویریں بھی آتی ہیں، اب سوال یہ ہے کہ زید ایسی تصویروں کی فریم بنا کر اجرت لے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عمل اور محنت کی اجرت تو فی نفسہ جائز ہے لیکن یہ عمل اعانت علی المعصیت کی وجہ سے مکروہ اور قابل ترک ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گھر میں ٹیلویژن او ویڈیو رکھنا اور اس کو دیکھنا:

(سوال ۱۹۶) گھر میں ٹیلی ویژن رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا شمار لہو ولعب میں ہے یا نہیں؟ یہاں اس کا بہت رواج ہو گیا ہے اور اب اس کے ساتھ ویڈیو بھی عام ہے تو کیا حکم ہے؟ اگر کوئی صرف خبریں سنے تو کیا حکم ہے؟ لیکن اکثر خبر نشر کرنے والی عورت ہی ہوتی ہے، مدلل ومفصل جواب تحریر فرمائیے، بینوا توجروا (از انگلینڈ وغیرہ)

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً، ٹیلی ویژن لہو ولعب اور گانے بجانے کا آلہ ہے اس میں جاندار تصویروں کی بھرمار ہوتی ہے، مردوں کی نظر نامحرم عورتوں کی تصویر پر اور عورتوں کی نظر نامحرم مردوں کی تصویر پر پڑتی ہے بلکہ ارادۃً وشوقاً ورغبۃً دیکھا جاتا ہے اور یہ ناجائز ہے، خبریں سننے کے لئے خبر دینے والے کی تصویر دیکھنا ضروری نہیں ہے، لہذا یہ بالکل غیر ضروری ہے اور بسا اوقات اس پر فلم بھی دکھائی جاتی ہے جس میں فحاشی عریانیت اور شہوت انگیز مناظر کی کثرت ہوتی ہے، گھر میں چھوٹے بڑے، ماں بہنیں بہو بیٹیاں سب ہی ہوتے ہیں اور سب خوب شوق سے دیکھتے ہیں، یہ بے انتہا بے غیرتی اور بے حیائی ہے، بچوں کے اخلاق پر برا اثر پڑنے اور بچپن ہی سے ان کے اندر غلط عادتیں پیدا ہونے کا قوی احتمال ہے اس کی پوری ذمہ داری اور پورا وبال والدین اور گھر کے بڑوں پر ہوگا لہذا اس کے دیکھنے سے مکمل احتراز کیا جائے، اور ویڈیو کیسٹ تو عموماً فلم ہی ہوتی ہے اس کی حرمت تو بالکل ظاہر ہے۔

مزاج شریعت یہ ہے کہ بلا ضرورت نہ مرد عورتوں کو دیکھیں اور نہ عورتیں مردوں کو، اسی میں ان کے قلوب پاکیزہ اور غلط وشہوانی خیالات سے پاک اور صاف رہ سکتے ہیں، قرآن میں ہے **قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلک ازکی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون** . آپ (ﷺ) مؤمنین سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لئے دل کی صفائی اور پاکیزگی کا ذریعہ ہے، بے شک خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے کام سے واقف اور باخبر ہے، اسی طرح عورتوں کے متعلق ارشاد خداوندی۔ **وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن** آپ مؤمن عورتوں سے بھی کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور شرم گاہوں کی حفاظت کریں (سورۂ نور پارہ نمبر ۱۸)

حدیث میں ہے، **ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ**

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی لعنت ہے اجنبی عورت کو دیکھنے والے پر۔ اور اس عورت پر جس کو دیکھا جائے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۰ باب النظر الی المخطوبۃ) نیز حدیث میں ہے عن جریر بن عبداللہ قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نظر الفجاءۃ فامرنی ان اصرف نظری حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نامحرم عورت پر اچانک نظر پڑنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں فوراً اپنی نگاہ ہٹالوں (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۸ باب النظر الی المخطوبۃ

نیز حدیث میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النظر سہم مسموم من سہام ابلیس فمن ترکہا خوفاً من اللہ اعطاہ اللہ ایماناً یجد حلاوتہ فی قلبہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بدنظری ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے جو اس کو اللہ کے خوف سے چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اس کو ایسا ایمان عطا فرمائے گا جس کی حلاوت وہ اپنے قلب میں پائے گا (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۸ باب النظر الی المخطوبۃ)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھیں اتنے میں ایک صحابی نابینا حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تشریف لائے، حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ہمیں پردہ کرنے اور ہٹ جانے کا حکم فرمایا، میں نے کہا یا رسول اللہ! یہ تو نابینا ہیں ہم کو نہیں دیکھ سکتے حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؟ عن ام سلمۃ انہا کانت عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومیمونۃ اذا قبل ابن ام مکتوم فدخل علیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجبامنہ فقلت یا رسول اللہ! الیس ہو اعمی لا یبصر نا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افعمیا وان انتما الستما تبصرانہ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۹ باب النظر الی المخطوبۃ)

مجالس الابرار میں ہے فالمرأۃ کلمات کانت مخفیۃ من الرجال کان دینہا اسلم لماروی انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال لابنتہ فاطمۃ ای شئی خیر للمرأۃ قالت ان لا تری رجلا ولا یراہا رجل واستحسن قولہ وضمہا الیہ وقال ذریۃ بعضہا من بعض وکان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسدون الثقب والکوی فی الحیطان لئلا تطلع النساء علی الرجال یعنی۔ عورت جب تک مردوں سے چھپی ہوئی رہتی ہے اس کا دین محفوظ رہتا ہے آپ ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کہ عورت کے لئے سب سے بڑی خوبی کی بات کیا ہے؟ عرض کیا وہ کسی مرد کو نہ دیکھے اور نہ کوئی اجنبی مرد اس کو دیکھے حضور ﷺ کو یہ جواب بہت ہی پسند آیا اور فرمایا اولاد ایک ایک سے ہے (یعنی باپ کا اثر اولاد میں آتا ہی ہے۔) اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین دیواروں کے سوراخ اور جھروکے بند کردیا کرتے تھے کہ عورتیں مردوں کو نہ جھانکیں (مجالس الابرار م ۵۸ ص ۵۶۳)

ٹی، وی کے پردہ پر جو تصویریں نظر آتی ہیں ان کو دیکھ کر یقیناً دل میں غلط اور شہوانی خیالات ہوں گے اس لئے ان تصویروں کو دیکھنا جائز نہ ہوگا، اور یہ محتاج بیان نہیں ہے کہ آج کل ٹی، وی میں خبر نشر کرنے والی اور اسی طرح دوسرے پروگرام پیش کرنے والی عموماً عورتیں ہوتی ہیں اور وہ ایسا پرکشش اور باریک لباس زیب تن کئے ہوئے ہوتی ہیں کہ ان کے بدن کا بڑا حصہ برہنہ ہوتا ہے۔ اور شرعاً یہاں تک حکم ہے کہ اجنبی عورت نے ایسا باریک لباس پہنا ہو جس

سے اس کا بدن ظاہر ہورہا ہو یا ایسا تنگ اور چست لباس پہنا ہو جس سے ان کے بدن کی کیفیت اور نشیب و فراز معلوم ہوتا ہو تو اس کا لباس بھی دیکھنا جائز نہیں ہے حدیث میں اس پر بہت سخت وعید آئی ہے کہ جو شخص عورت کے لباس کو دیکھے یہاں تک کہ اس کے بدن کا حجم ظاہر ہونے لگے تو اس کو جنت کی خوشبو حاصل نہ ہو سکے گی شامی میں ہے وفی التبیین قالوا ولاباس بالتأمل فی جسدها وعليها ثياب مالم يكن ثوب يبين حجمها فلا ينظر اليه حينئذ لقوله عليه الصلوٰة والسلام من تأمل خلف امرأة ورأى ثيابها حتى يتبين له حجم عظامها لم يرح رائحة الجنة . الىٰ قوله . اقول مفاده ان روية الثوب بحيث يصف حجم العضو ممنوعة ولو كثيفاً لا ترى البشر منه (شامی ج۵ ص ۳۲۱ کتاب الحظر والاباحة فصل فی النظر واللمس)

اگر یہ کہا جائے کہ ٹی وی کی پردہ پر جو صورتیں نظر آتی ہیں وہ محض عکس ہیں لیکن اس صورت میں بھی شرعاً اس کی قباحت و ممانعت باقی رہے گی اس لئے کہ حکم شریعت یہ ہے کہ جس طرح اجنبیہ کا چہرہ دیکھنا ناجائز ہے اسی طرح شیشہ یا پانی میں اس کا عکس پڑ رہا ہو تو وہ عکس دیکھنا بھی جائز نہیں ہے۔

شامی میں ہے۔ الثانى لم ار مالو انظر الى الا جنبية من المرأة او الماء وقد صرحوا فى حرمة المصاهرة بانها لا تثبت بروية فرج من مرأة او ماء لان المرئى مثاله لا عينه بخلاف مالو نظر من زجاج او ماء هى فيه لان البصر ينفذ الزجاج والماء فيرى ما فيه ومفاد هذاانه لا يحرم نظر الاجنبية من المرآة اوالماء الا ان يفرق بان حرمة المصاهرة بالنظرو نحوه مشدد فى شروطها لان الاصل فيها الحل بخلاف النظر لانه انما منع منه خشية الفتنة والشهوة وذلک موجود هنا ورأيت فى فتاوىٰ ابن حجر من الشافعية ذكر فيه خلافاً بينهم رجح الحرمتبنحو ما قلناه والله تعالىٰ اعلم .

یعنی:۔ اگر اجنبی عورت کا عکس شیشہ یا پانی پر دیکھے تو اس کا کیا حکم ہے؟ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اس کا حکم صراحۃً کسی جگہ نہیں دیکھا، البتہ فقہاء نے حرمۃ مصاہرت کی بحث میں یہ تصریح کی ہے کہ اگر عورت کی شرمگاہ کا عکس شیشہ یا پانی پر پڑ رہا ہو اور اسے دیکھے تو اس سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی اس لئے کہ اس صورت میں شیشہ اور پانی میں نظر نافذ ہو جاتی ہے اور جو چیز نظر آتی ہے وہ اصل ہوتی ہے، اس بحث کا مفاد یہ ہے کہ اگر اجنبی عورت کا عکس شیشہ (آئینہ) یا پانی پر پڑ رہا ہو تو اس کا دیکھنا حرام نہیں ہے مگر ان دونوں میں فرق ہے وہ یہ ہے کہ حرمت مصاہرت دیکھنے یا چھونے وغیرہ سے اس وقت ثابت ہوگی جب اس کی تمام شرطیں پائی جائیں اس لئے کہ اصل عورت میں حل ہے برخلاف نظر کے اس لئے کہ بدنظری کے ممنوع ہونے کی وجہ فتنہ اور شہوت کا خوف ہے اور یہ فتنہ یہاں (عکس دیکھنے میں) موجود ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں کہ میں نے شوافع کی کتاب فتاوی ابن حجر دیکھی اس میں انہوں نے اختلاف ذکر کیا ہے اور حرمت کو راجح کیا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا والله تعالىٰ اعلم .(شامی مع در مختار ج۸ ص ۳۲۷ فصل فی النظر واللمس)

اگر یہ کہا جائے کہ گاہے گاہے اس پر ایسا پروگرام پیش کیا جاتا ہے جس سے معلومات حاصل ہوتی ہیں تو یہ کہا

جائے گا کہ نفع سے زیادہ نقصان ہے اور اثمهما اکبر من نفعهما کا مصداق ہے۔ محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اگر کوئی کہے کہ مجھے ناجائز گانا بجانا سننے سے یادالہٰی میں کشش اور رغبت بڑھتی ہے تو یہ بالکل غلط ہے، اس لئے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گانا بجانے کی نہی کے لئے فرق نہیں کیا ہے، اگر ایسے اعذار اور بہانے قابل قبول ہوتے تو طوائف کا گانا سننا اس کے لئے جائز ہوتا جو دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے وہ خوشی پر برانگیختہ نہیں کرتا اور نشہ آوری چیزوں کا پینا اس کے لئے جائز ہوتا جو دعویٰ کرتا ہے کہ میں اس کے پینے سے نشہ میں نہیں آتا اور بہت سے حرام کاموں سے محفوظ رہتا ہوں اگر کوئی کہے کہ جب میں حسین اور خوبصورت لڑکے اور پرائی عورتوں کو دیکھتا ہوں اور ان کے ہمراہ تنہائی میں بیٹھتا ہوں تو خدا کی قدرت کا نظارہ اور خوبصورتی سے عبرت حاصل کرتا ہوں تو اس کے لئے یہ ہرگز جائز نہیں ہے بلکہ اس کا ترک کرنا واجب ہے اور حرام چیزوں کے لئے استعمال سے نصیحت اور موعظت حاصل کرنا حرام کاری سے بدتر ہے اور وہ شخص خدا کی راہ میں بدکاری اور حرام کاری کرنا چاہتا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں نہ ایسے لوگ اپنی خواہش اور ہوی کے مطابق چلتے ہیں، یہ قابل قبول اور قابل توجہ نہیں ہے وان قال قائل اسمعها علی معنی ان اسلم فیها عند الله تعالیٰ کذبناه لان الشرع لم یفرق بین ذلک ولو جاز لا حد جاز للانبیاء علیهم السلام ولو کان ذالاعذار لا جزنا سماع القیان لمن یدعی انه لا یطربه وشرب المسکر لمن ادعی انه لا یسکره فلو قال عادتی انی متی شربت الخمر کففت عن الحرام لم یبح له ولو قال عادتی اذا شهدت الا مردو الا جنبیات وخلوت بهم اعتبرت فی حسنهم لم یجزله ذلک واجیب ان الاعتبار بغیر المحرمات اکثر من ذلک وانما هذه طریقة من اراد بطریق الله عزوجل فیرکب هواه فلا نسلم لا صحابها ولا نلتفت الیهم. (غنیة الطالبین ص ۲۵)

جب یہ ثابت ہوگیا کہ ٹیلی ویژن آلہ لہو ولعب ہے تو ٹیلی ویژن اور ویڈیو کیسٹ گھر میں رکھنا بھی مکروہ اور گناہ کا کام ہے اگرچہ استعمال نہ کیا جائے چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے۔ ولو امسک فی بیته شیئا من المعازف والملاهی کره ویأثم وان کان لا یستعملها لا ن امساک هذه الا شیاء یکون للهو عادةً (خلاصة الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۳۸ کتاب الکراهية نوع فی السلام)

وقت خدا کی بہت بڑی نعمت ہے اس کی جتنی قدر کی جائے کم ہے، ٹی وی اور ویڈیو دیکھنے سے آخرت کا کون سا فائدہ ہوگا؟ بلکہ خسارہ ہی خسارہ ہے۔ اللہ کے ذکر سے غافل کرنے والی اور فکر آخرت کو ختم کرنے والی چیز ہے اور جو چیز انسان کو اللہ کے ذکر اور موت کے فکر اور اپنے مقصد حیات سے غافل کردے وہ منحوس اور بیکار ہے حدیث میں ہے من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ بیکار چیزوں کو چھوڑ دے، اور حدیث میں ہے عن ابن عمر رضی الله عنهما قال اتیت النبی صلی الله علیه وسلم عاشر عشرة فقام رجل من الا نصار فقال یا نبی الله من اکیس الناس واحزم الناس قال اکثر هم ذکر اللموت واکثرهم استعداداً للموت اولئک الا کیاس ذهبوا لشرف الدنیا وکرامة الآخرة حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم دس آدمی جس میں ایک میں بھی تھا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ایک انصاری صحابیؓ نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ سب سے زیادہ سمجھدار اور سب سے زیادہ محتاط آدمی کون ہے؟ حضور

ﷺ نے ارشاد فرمایا جولوگ موت کو سب سے زیادہ یاد کرنے والے اور موت کے لئے سب سے زیادہ تیاری کرنے والے ہوں، یہی لوگ ہیں جو دنیا کی شرافت اور آخرت کا اعزاز لے اڑے۔ (بحوالہ موت کی یاد از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی ص ۲)

لہذا انسان کو جو وقت ملا ہے اسے موت اور آخرت کی تیاری میں صرف کرنا چاہئے بیکار اور لغو کاموں میں وقت ضائع نہ کیا جائے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

جز یاد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است
جز سر عشق ہرچہ بخوانی بطالت است

یاد الٰہی کی علاوہ کسی اور چیز میں مشغول ہونا عمر ضائع کرنا ہے عشق الٰہی کے سوا جو کچھ کیا جائے بیکار ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو لغو اور بیکار چیزوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے اور وقت کی قدر نصیب کرے آمین بحرمۃ سید المرسلین ﷺ آخر میں ٹی وی کی مضرات پر ایک جرمن ڈاکٹر کا تبصرہ ملاحظہ ہو۔

صدق جدید لکھنؤ ۲۴ اگست ۱۹۸۴ء کی اشاعت میں ہے؟ ''جرمن ڈاکٹر نے خبردار کیا ہے کہ اسکول جانے والی عمر کے بچوں کو ٹیلی ویژن دیکھنے کی اجازت کسی حال میں نہ دینی چاہئے کیونکہ اس کے دیکھتے رہنے سے ان میں حصول علم کی طلب جاتی رہتی ہے اور وہ اپنی معصومیت بھی کھو بیٹھتے ہیں اور حقائق کی گہرائی تک پہنچنے کی صلاحیت ان میں رفتہ رفتہ ختم ہو جاتی ہے، بچوں کی ذہن پر ٹیلی ویژن کے جو مضر اثرات پڑتے ہیں ان کی ایک نمایاں مثال دیتے ہوئے ڈاکٹر نے کہا کہ ایک بچہ سے جو ٹیلی ویژن دیکھتا رہتا ہے جب یہ بتایا گیا کہ اس کے دادا کی موت واقع ہوگئی تو اس نے بے ساختہ سوال کیا کہ داداجان کو گولی کس نے ماری؟ قتل و جرائم کے مناظر ٹیلی ویژن پر دیکھتے رہنے ہی کا نتیجہ تھا کہ بچہ یہ سوال کر بیٹھا۔ ذہنی و دماغی صلاحیتوں پر اثر ڈالنے کے ساتھ ٹیلی ویژن کا جو اثر بچوں کی عام صحت خصوصا بصارت پر پڑتا ہے وہ سب پر روشن ہے لیکن افسوس جس خطرہ کو محسوس کر کے مغرب کی ماہرین فن بچوں کے لئے اس کے استعمال کو ممنوع قرار دے رہے ہیں ہمارے ملک میں اس کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اس سے زیادہ فروغ دینے کی کوشش سرکاری سطح پر کی جارہی ہے اور اس پر فخر کیا جارہا ہے اور شہروں کی طرح دیہاتوں میں بھی حکومت ٹیلی ویژن کا انتظام کرتی جارہی ہے۔

''نشیمن'' بنگلور ۱۶ ستمبر ۱۹۸۴ء کے شمارہ میں ہے ''آج کل ٹیلی ویژن پر ملک اور غیر ملکی فلمیں دکھائی جارہی ہیں، جن میں بوس و کنار، چوما چاٹی، لپٹا جھپٹی سب ہوتی ہے، کیا ایسے مناظر کا گھر میں دکھایا جانا اور باپ بیٹی، ماں بیٹے، ساس اور داماد وغیرہ کا ایک ساتھ مل بیٹھ کر دیکھنا اچھی بات ہے؟ کیا تہذیب اور اخلاق ایسے مناظر دیکھنے کی اجازت دیتے ہیں؟ اب تو وی سی آر (وڈیو) بھی اس برائی کے طوفان میں اضافہ کر رہا ہے۔ (بحوالہ کیلنڈر دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد ۱۴۰۵ھ، ۱۹۸۵ء) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

لکڑی کے ذریعہ بنائے جانے والے مناظر میں جاندار کی تصویر کا حکم:

(سوال ۱۹۷) ہمارے یہاں لکڑی کے ایک تختہ پر چھوٹے چھوٹے لکڑیوں کے ٹکڑوں کو جما کر پہاڑ یا سمندر، درخت وغیرہ کے قدرتی مناظر بناتے ہیں، اسی طرح ہاتھی، گھوڑا گائے وغیر مختلف جانوروں کی تصویر بناتے ہیں، ایسی چیزوں کی خرید وفروخت شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ لوگ ان مناظر یا جانوروں کی تصویر کو اپنے گھروں میں آفسوں وغیرہ میں آویزاں کرتے ہیں، گھر میں یہ مناظر وغیرہ آویزاں کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ذی روح کی تصویر بنانا اور اسے گھر میں یا کسی اور جگہ آویزاں کرنا اور اس کی خرید وفروخت کرنا جائز نہیں ہے، گناہ کبیرہ ہے، البتہ غیر ذی روح جیسے درخت، سمندر، پہاڑ وغیرہ کے مناظر (بشرطیکہ اس میں ذی روح جانور وغیرہ کی تصویر نہ ہو اور اس کی پوجا نہ کی جاتی ہو) بنانا گھر وغیرہ میں رکھنا اور ان کی خرید وفروخت کرنا جائز ہے، مشکوٰۃ شریف میں بخاری ومسلم کی روایت نقل فرمائی ہے عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول کل مصور فی النار یجعل له بکل صورة صورها نفساً فیعذبه فی جهنم قال ابن عباس رضی اللہ عنه فان کنت لا بد فاعلاً فاصنع الشجر وما لا روح فیه متفق علیه (مشکوٰة شریف ص ۳۸۵، ص ۳۸۶، باب التصاویر) یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہر تصویر بنانے والا جہنم میں ہے ہر تصویر کے بدلہ جو اس نے (دنیا میں) بنائی، ایک شخص پیدا کیا جائے گا پس وہ شخص جہنم میں اس کو عذاب دے گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر تم کو تصویر بنانا ہی ضروری ہو تو درخت کی اور ایسی چیزوں کی تصویر بناؤ جس میں جان (روح) نہ ہو (مشکوٰۃ شریف)۔

شامی میں ہے: قال فی البحر وفی الخلاصة وتکره التصاویر علی الثوب صلی فیه اولا انتهی وهذه الکراهیة تحریمیة وظاهر کلام النووی فی شرح مسلم الاجماع علی تحریم تصویر الحیوان وقال وسواء صنعه لما یمتهن اولغیره فصنعه حرام بکل حال لان فیه مضاهاة لخلق اللہ تعالیٰ وسواء کان فی ثوب او بساط او درهم واناء وحائط وغیرها (شامی ص ۶۰۶ ج ۱ مکروهات الصلوٰة)

عالمگیری میں ہے: اذا کان الرجل یبیع الثیاب المصورة او ینسجها لا تقبل شهادته (فتاوی عالمگیری)

درمختار میں ہے:۔ اشتری ثوراً او فرساً من خزف لا جل استئناس الصبی لا یصح ولا قیمة له فلا یضمن متلفه (درمختار مع شامی ج ۴ ص ۲۹۷ کتاب البیوع باب المتفرقات)

کبیری میں ہے: ویکره التصاویر علی الثوب صلی فیه اولم یصل (کبیری ص ۳۴۶)

فتاویٰ دار العلوم قدیم میں ہے:

(الجواب) کسی جاندار کی صورت بنانا خواہ مجسمہ کی صورت میں یا نقش اور رنگ کی صورت میں اور پھر خواہ قلم سے اس کی نقاشی کی جاوے یا پریس وغیرہ میں اس کو چھاپا جائے اور یا فوٹو کے ذریعہ عکس کو قائم کیا جائے یہ سب بلا شبہ تصاویر

وتماثیل ہیں جن کی حرمت پر اس قدر احادیث صحیح وارد ہیں کہ اگر تواتر کا دعویٰ کیا جائے تو غالباً صحیح ہوگا۔ الی قولہ۔ احادیث مذکورہ اور عبارات فقہاء سے یہ بھی ثابت ہے کہ فوٹو اور مطلقاً تصویر کھینچنا کھنچوانا اوران کا استعمال کرنا اوران کا اپنے پاس رکھنا گناہ کبیرہ ہے۔اور کرنے والا ان افعال کا فاسق ہے اور نماز اس کے پیچھے جب کہ دوسرا امام صالح مل سکتا ہو مکروہ تحریمی ہے۔ کما صرح به في رد المحتار وعامة كتب المذهب ، والله سبحانه وتعالىٰ اعلم .

الجواب صحیح بندہ اصغر حسین عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح مسعود احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی دار العلوم دیوبند۔ الجواب صحیح محمد اعزاز علی غفر لہ مدرس دار العلوم دیو بند (فتاویٰ دار العلوم قدیم ،امداد المفتین ج ۷،۸ ص ۲۵۶، ۲۵۷)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:۔

(الجواب) جاندار کی تصویر خواہ دیوار پر بنائی جائے خواہ کاغذ پر ہو خواہ کپڑے پر چاہے قلم سے بنائی جائے یا مشین سے یا کسی اور آلہ سے یکدم بنالیا جائے، کپڑے کی بناوٹ میں ہو یا کسی اور چیز کی بناوٹ میں، بہرصورت ناجائز اور گناہ ہے اپنی مرضی سے ہو یا کسی کی فرمائش سے روپیہ کی لالچ میں ہو یا ویسے ہی نفس کی خواہش سے ہو کسی طرح اجازت نہیں ہے جو کام ناجائز ہو وہ کسی دوسرے کی خواہش یا اس کی ناخوشی کے ڈر سے جائز نہیں ہوگا، سچے مسلمان کی آزمائش کا یہی موقع ہوتا ہے کہ ایک ناجائز کام کو دوسرے لوگ کرتے اور نفع کماتے ہیں اور یہ نفع کی پروانہیں کرتا بلکہ نقصان اٹھاتا ہے الخ (فتاوی محمودیه ص ۱۴۲ ج۵)

ایک دوسری جگہ تحریر فرمایا ہے: بے جان، درخت وغیرہ کا فوٹو رکھنا اتارنا درست ہے: قال العلماء تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم وهو من الكبائر لانه متوعد عليه بهذا الو عيد (اى اشدا لناس عذا با عند الله المصورون) وسواء صنعه لمايمتهن ام لغيره فصنعه حرام لكل حال وسواء كان في ثوب او بساط او درهم او دينا ر او فلس او اناء او حائط او غيرهما فاما تصوير ماليس فيه صورة الحيوان فليس بحرام اه (فتح البارى ص ۳۱۵ ج ۱۰)فتاوىٰ محموديه ص ۹۰، ۹۱ ج۵. فقط والله اعلم بالصواب .

لباس زینت

ریشمی کپڑے اور سونے چاندی کے زیور یا گھڑی.

(سوال ۱۹۸) ریشمی کپڑے پہن کر نماز پڑھے تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) مردوں کے لئے نماز وغیرہ میں ریشمی لباس حرام ہے۔ جبہ وغیرہ میں چار انگل جتنا چوڑا ریشم بطور استر استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم۔

جانگیہ پہننے کا مسئلہ:

(سوال ۱۹۹) اپنے حنفی مذہب میں مرد کے لئے گھٹنے چھپانا فرض ہے یا نہیں؟ گھٹنہ کھلا رہے ایسا نصف پاجامہ (جانگیہ) پہننے کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث سے جواب عنایت فرمائیں۔

(الجواب) مرد کا ستر (جس کا چھپانا ضروری ہے) ناف سے گھٹنے تک ہے، نماز اور خارج نماز ناف سے گھٹنے تک بدن چھپانا ضروری وفرض ہے۔ اس میں سے کوئی بھی حصہ عذر شرعی کے بغیر کھلا رکھنا جائز نہیں ہے، موجب گناہ ہے (البتہ گھٹنے اور شرم گاہ کے کشف کا گناہ برابر نہیں ہے) ستر کے متعلق قرآن شریف میں ہے:۔

یا بنی ادم قد انزلنا علیکم لباساً یوا ری سو اتکم وریشاً یعنی اے اولاد آدم ہم نے تمہارے لئے لباس بنایا ہے جو تمہارے ستر کو چھپاتا ہے اور باعث زینت بھی ہے (پ۸ سورہ اعراف ع ۳)

اس کی تفصیل حدیث شریف اور کتب فقہ میں ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ مرد کا ستر ناف سے گھٹنے تک ہے۔ دوسری حدیث میں ہے۔ الرکبة من العورة . گھٹنا بھی داخل ستر ہے۔ (زجاجة المصابیح ج ۱ ص ۲۱۹ باب الستر عینی شرح ھدایہ ج ۱ ص ۵۶۴)

ہدایہ میں ہے کہ مرد کا ستر ناف سے گھٹنے تک ہے اور گھٹنا ستر میں داخل ہے (یعنی گھٹنا چھپانا بھی ضروری ہے۔ (ج ۱ ص ۷۲ باب شروط الصلوٰۃ التی تتقدمھا) ایسا جانگیہ (نصف پاجامہ) پہننے کی شرعاً اجازت نہیں ہے جس میں گھٹنے کھلے رہیں!

آپ کی سہولت اور مزید اطمینان کے لئے ہند کے مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب کی مشہور کتاب "تعلیم الاسلام" کی عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے:۔

(سوال) ستر چھپانے سے کیا مراد ہے؟

(الجواب) مرد کو ناف سے گھٹنے تک اپنا بدن چھپانا فرض ہے ایسا فرض ہے کہ نماز کے اندر بھی فرض ہے اور نماز کے باہر بھی فرض ہے! (ج ۴ ص ۴۰)

---

(۱) یجب ان یعلم ان لبس الحریر وھو ما کانت لحمته حریرا وسداه حریر احرام علی الرجال فی جمیع الا حوال وروی بشر عن ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ انه لا بأس بالعلم من الحریر فی الثوب اذا کان اربعة اصابع او دونها ولم الحک فیه خلافا . فتاوی عالمگیری کتاب الکراھیة الباب التاسع فی اللبس ج ۵ ص ۳۳۱، ۳۳۲.

کیا سونے کی گلیٹ چڑھی ہوئی گھڑی مرد پہن سکتا ہے:

(سوال ۲۰۰) گھڑی پیتل کی ہے اس پر سونے کی گلیٹ چڑھائی ہے تو مرد اس کو پہنے یا نہیں؟ اس کو پاس رکھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) سونے چاندی کی گلیٹ چڑھائی ہوئی گھڑی مرد پہن سکتا ہے۔ لیکن نہ پہننا بہتر ہے اور پاس رکھ کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (۱)

حجاج کرام جورومال لاتے ہیں وہ عمامہ کے قائم مقام ہے؟:

(سوال ۲۰۱) عمامہ کا طول وعرض کتنے گز ہونا چاہئے حاجی لوگ جورومال لاتے ہیں اس کو عمامہ کے قائم مقام شمار کر سکتے ہیں بینوا توجروا۔

(الجواب) عمامہ کی طول وعرض کی کوئی حد متعین نہیں۔ عرف میں جس کو عمامہ کہتے ہیں اسی کو مان لیا جائے۔ لہذا امام جورومال سر پر باندھتے ہیں اس کو عمامہ کہہ سکتے ہیں۔ فقط

سونے چاندی کا فاؤنٹن:

(سوال ۲۰۲) ایک خالص چاندی کا فاؤنٹن (قلم) مسلمان استعمال کر سکتے ہیں۔ حال ہی میں مشہور عالم "شیفر پین کمپنی" نے خالص چاندی منقش قلم مارکیٹ میں داخل کیا ہے۔ قیمت ۲۵ ڈالر ہے۔ یعنی تقریباً دو سو ۲۰۰ روپے اس کا کوئی خاص نام بھی رکھا ہے۔ میں منگوانا چاہتا ہوں۔ اچھی قلموں کا مجھے بہت شوق ہے لیکن سونے چاندی کی چیزیں مسلمان استعمال نہیں کر سکتے۔ اس لئے میں ہچکچاتا ہوں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) خالص چاندی یا سونے کا بنا ہوا قلم مرد اور عورت دونوں کے لئے جائز نہیں ہے اور جس دھات میں چاندی یا سونے کا حصہ غالب یا مساوی ہو تو اس کا حکم بھی خالص چاندی اور سونے کا ہے۔ اگر نب سونے چاندی کی ہو تو اس کا استعمال بھی درست نہیں ہے۔ (۲) فقط واللہ اعلم بالصواب.

کھلے سر پھرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۰۳) فیشن ایبل لوگ کھلے سر پھرتے ہیں۔ نماز کے وقت سر پر کسی طرح جورومال باندھتے ہیں یا کشتی نوپی پہنتے ہیں۔ جو مسجد سے نکلتے ہیں سر سے اتار کر جیب میں رکھ دیتے ہیں یا ہاتھ میں پکڑ لیتے ہیں۔ شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بلا عذر شرعی اور بلا وجہ شرعی کھلے سر پھرنے کی عادت ظاہر ہے کہ ناپسندیدہ ہے خلاف ادب ہے اور فساق کا شعار

---

(۱) ولا بأس بالانتفاع بالاوانی المموهة بالذهب والفضة بالاجماع كذا فی الاختيار شرح المختار فتاوی عالمگیری كتاب الكراهية الباب العاشر ج۵ ص ۳۳۵.

(۲) يكره ان يكتب بالقلم المتخذ من الذهب والفضة او من دواة كذلك الخ فتاوىٰ عالمگیری کتاب الکراهية الباب العاشر

ہے۔شرعاً مکروہ ہے۔اس سے احتراز ضروری ہے۔پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔
ویکرہ کشف رأسہ بین الناس وما لیس بعورۃ مما جرت العادۃ بسترہ! یعنی:۔اپنے سرکو اور بدن کے اس حصہ کو جوستر میں داخل نہیں ہے۔مگر باشریعت باتہذیب نیک لوگوں کا طریقہ یا ان کی عادت یہی ہے کہ وہ اس کو چھپائے رکھتے ہیں تو سرکو یا بدن کے ایسے حصہ کو لوگوں کے سامنے کھولنا مکروہ ہے۔(غنیۃ الطالبین ص ۱۳ ج ۱)
علامہ جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔ **ولا یخفی علی عاقل ان کشف الرأس مستقبح وفیہ اسقاط مروہ وترک ادب وانما یقع فی المناسک تعبدا للہ** . یعنی!عاقل شخص پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ لوگوں کے سامنے سرکھلا رکھنا مکروہ ہے۔جس کو بری نظر سے دیکھا جاتا ہے۔شرافت،اور مروت وادب اور شریفانہ تہذیب کے خلاف ہے۔شریعت میں صرف احرام حج میں سرکھلا رکھنے کا حکم ہے جس کا مقصود تعبد ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی نیاز مندی اور اپنی بندگی کا اظہار یہ تعبد کسی اور کے لئے جائز نہیں،بلکہ حرام ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ناجائز اور مشتبہ لباس تیار کرنا:

(سوال ۲۰۴)ایک مسلمان درزی دوسرے مسلمان کو یہود ونصاریٰ کا لباس سی کر دیتا ہے تو وہ درزی **من تشبہ بقوم فہو منہم** کی معاونت کرنے والوں میں داخل ہوگا یا نہیں؟بینوا توجروا۔
(الجواب) ایسا لباس جس میں کفار اور فساق سے تشبہ لازم آتا ہو مسلمان کے لئے پہننا مکروہ وممنوع ہے۔مالابدمنہ ہے۔مرد را تشبہ بزناں،وزن را تشبہ بمرداں،ومسلم را تشبہ بکفار وفساق حرام است۔یعنی مرد کو عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا اور مسلمان کو کفار اور فساق کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے(مالابدمنہ ص۱۳۰)
دیندار مسلمان اور علماء جس لباس کو اختیار کریں اسے اختیار کیا جائے اور جس لباس سے دیندار مسلمان اور علماء احتراز کریں اس سے بچا جائے،اور ایسا لباس جس میں کفار یا فساق سے مشابہت لازم آتی ہو تیار کرنا کراہت سے خالی نہیں ہے شامی میں ہے۔ **امرہ انسان ان یتخذ لہ خفاً علی زی المجوس او الفسقۃ او خیاطاً امرہ ان یتخذ لہ ثوباً علی زی الفساق یکرہ لہ ان یفعل لانہ سبب التشبہ بالمجوس والفسقۃ** یعنی کسی موچی سے کسی نے یہ فرمائش کی کہ تو مجھ کو ایسا موزہ بنادے جو مجوسیوں یا فاسقوں کے انداز پر ہے،یا درزی سے کہا کہ تو مجھے اہل فسق کا لباس تیار کردے تو ان پیشہ وروں کو ایسی چیز کا بنا کر دینا شرعاً مکروہ ہے اس لئے کہ اس میں کفار اور فساق سے مشابہت ہوتی ہے۔(شامی ج۵ ص ۳۴۵ کتاب الحضر والاباحۃ فصل فی اللبس)
علاآثام ص ۹۶)فقط واللہ اعلم بالصواب .

سونے کے بٹن استعمال کرنا:

(سوال ۲۰۵)سونے کے بٹن استعمال کرنا کیسا ہے؟بینوا توجروا۔
(الجواب) سونے کی گھنڈی جو کپڑے سے الگ نہیں ہوتی،ملحق ہوتی ہے،جائز ہے۔جو سونے کے بٹن گھنڈی کے مانند نہیں ہیں الگ ہوتے رہتے ہیں اس کا یہ حکم نہیں ہے۔
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں مدت الجواب ہوئی حضرت مولانا قاری

عبدالرحمن پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہ اس ازرار سے مراد کلابتوں کی گھنڈی ہے، بٹن اس میں داخل نہیں، ان کے صاحبزادے قاری عبدالسلام مرحوم سے سن کر صفائی معاملات کے اس مسئلہ میں مجھ کو تردد ہو گیا ہے، اور اس وقت احتیاط کے درجہ میں اس سے رجوع کرتا ہوں۔ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ (ترجیح خامسہ ص ۱۱۲) (امداد الفتاویٰ ج۴ ص ۱۲۵۔۱۲۶) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مصنوعی دانتوں میں سونے کے دانت بنوانا:

(سوال ۲۰۶) عذر کے وقت سونے کے ایک دو دانت لگوانا جائز ہے، لیکن اگر کسی کے سب دانت مصنوعی ہوں اور ان مصنوعی دانتوں میں جسے چوکھٹہ کہتے ہیں سونے کے ایک دو دانت لگوالے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اس صورت میں کوئی شرعی عذر نہیں پایا جاتا، مصنوعی دانتوں (چوکھٹہ) کو نکال کر دھو سکتے ہیں، صاف کر سکتے ہیں اس لئے اس میں بدبو پیدا ہونے کا اندیشہ نہیں ہے لہذا اس صورت میں سونے کے دانت بنوانے کی اجازت نہیں، پہلی صورت میں عذر شرعی (کہ کسی اور چیز کا دانت بنوانے میں بدبو آتی ہے) پایا جاتا ہے اس لئے وہاں اجازت ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سینٹ استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں

(سوال ۲۰۷) سینٹ جس میں الکوہل کی ملاوٹ کبھی ۹۰ فیصد کبھی ۷۰ فیصد کبھی ۶۰ فیصد ہوتی ہے اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اس کو لگا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اسپرٹ کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ یہ تیز شراب کا جوہر ہے اس میں سے بذریعۂ علم کیمیا خاص نشی جز علیحدہ کر لیا جاتا ہے اس کا نام الکوہل ہے، اگر انگور یا کھجور یا منقی سے بنی ہو تو بالاتفاق ناپاک اور حرام ہے، ایک قطرہ بھی استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اور جو اسپرٹ، بیر، آلو، جو، گیہوں، مہوا، سے بنتی ہے اس میں اختلاف ہے نمازی آدمی کو ایسی اسپرٹ لگانے سے بچنا چاہئے لیکن اگر کسی نے ایسا سینٹ لگا کر نماز پڑھ لی تو چونکہ اسپرٹ کی مقدار مانع جواز سے کم ہوگی اس لئے نماز ادا ہو جائے گی لیکن کراہت سے خالی نہیں، اور اگر سینٹ کی شیشی سے بدن پر چھڑکا (اسپرے کیا) تو اس کی مقدار زیادہ ہوگی لہذا نماز مشتبہ ہوگی اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گھڑی کی گرفت کے لئے اسٹیل یا لوہے کی چین استعمال کرنا:

(سوال ۲۰۸) آج کل جو گھڑیاں ہاتھ میں باندھتے ہیں اس میں پٹہ یا چین اسٹیل یا لوہے کا ہوتا ہے بعض کا کہنا ہے کہ اس کا استعمال بحالت نماز جائز نہیں ہے لہذا آنجناب نماز و غیر نماز میں اس کے جواز یا عدم جواز کے متعلق تحریر فرما دیں۔

(الجواب) گھڑی کی گرفت کے لئے چمڑا موجود ہے اور دوسری اشیاء کے مقابلہ میں زیادہ موزوں بھی ہے لہذا احتیاط اس میں ہے کہ چمڑے کا پٹہ استعمال کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

لوہا پیتل یا تانبے کی انگوٹھی پہننا:

(سوال ۲۰۹) مرد کے لئے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات مثلاً لوہا، تانبا، اسٹیل کی انگوٹھی پہننا جائز ہے یا نہیں، اور عورتوں کے لئے کیا حکم ہے؟ بینواتوجروا۔

(الجواب) چاندی کے علاوہ کسی اور دھات (مثلاً سونا، لوہا، تانبا، پیتل) کی انگوٹھی مرد کے لئے جائز نہیں ہے، اسی طرح عورتوں کے لئے بھی سونے اور چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کی انگوٹھی مکروہ ہے۔ شامی میں ہے وفی الجوهرة والتختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه للرجال والنساء (شامی ج۵ ص ۳۱۵ كتاب الحظر والاباحة فصل في اللبس) فتاویٰ عالمگیری میں ہے وفی الخجندی التختم بالحديد والصفر والرصاص مكروه للرجال والنساء جميعاً (فتاویٰ عالمگیری کتاب الکراهية الباب العاشر ج۶ ص ۲۲۴ كتاب الكراهية الباب العاشر) مالابدمنہ میں ہے۔ مسئلہ: انگشتری از آہن وسنگ وروئین جائز نیست (مالابدمنہ ص ۱۱۰ فصل در لباس) البتہ لوہے کی وہ انگوٹھی جس پر چاندی چڑھا دی گئی ہو تو اس کی پہننے میں حرج نہیں۔ عالمگیری میں ہے ولا باس بان يتخذ خاتم حديد قد لوى عليه فضة او لبس بفضة حتى لا يرى كذا في المحيط (ج۶ ص ۲۲۴ ایضاً) (شامی ج۵ ص ۳۱۶) فقط والله اعلم بالصواب .

خلاف شرع لباس سینا اور بچا ہو کپڑا رکھ لینا:

(سوال ۲۱۰) درزی جو شریعت کے خلاف کپڑے سیتے ہیں، یا بچا ہوا کپڑا اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، تو ان کا شریعت کے خلاف کپڑے سینا اور بچا ہوا کپڑا اپنے پاس رکھ لینا کیسا ہے؟ بینواتوجروا۔

(الجواب) ایسا لباس سینا جو شریعت کے خلاف ہو کراہت سے خالی نہیں ولا تعاونوا على الاثم والعدوان (گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون مت کرو) کے پیش نظر ایسا لباس نہ سینا چاہئے۔

شامی میں ہے: وان كان اسكافاً امره انسان ان يتخذ له خفاً على زى المجوس او الفسقة او خياطاً امره ان يتخذ له ثوبا على زى الفساق يكره له ان يفعل لانه سبب التشبه بالمجوس والفسقة، یعنی۔ موچی کو کسی نے کہا کہ مجوسیوں یا فساق کے طرز کا جوتا بنادے یا درزی سے کہا کہ فساق کے طرز پر کپڑا سی دے تو اس کے حکم کے مطابق جوتا یا کپڑا سینا مکروہ ہے، اس لئے کہ اس میں مجوسیوں یا فساق کے ساتھ مشابہت ہے۔ (شامی ص ۳۴۵ ج۵، كتاب الحظر والاباحة، فصل في البيع)

بہشتی زیور میں ہے: مسئلہ نمبر ۱۷: ناجائز لباس کا سی کر دینا بھی جائز نہیں مثلاً شوہر ایسا لباس سلوادے۔ جو اس کو پہننا جائز نہیں تو عذر کر دے، اسی طرح درزن سلائی پر ایسا کپڑا نہ سے۔ (بہشتی زیور ص ۸۰ حصہ تیسرا، متفرقات)

درزی کے پاس جو کپڑا بچا ہوا گر وہ ایسی معمولی سی کترن ہو کہ کپڑے کے مالک خود اسے چھوڑ دیتے ہوں [illegible] نہ لے جاتے ہوں تو ایسی معمولی کترن درزی استعمال کرے تو کوئی حرج نہیں گنجائش ہے کہ حکماً اجازت ہے۔

فتاویٰ دار العلوم میں ہے: معمولی کترن جو مالک پارچہ خود بھی چھوڑ دیتے ہیں ان کی لے جانے کا اہتمام نہیں کرتے، اگر درزی وہ کترین کسی کپڑے میں لگادے تو اس کو پہننا جائز ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم قدیم ص ۲۸۴ ج ۷،۸) (امداد المفتیین)

لیکن اگر بچا ہوا بڑا اور کارآمد ہو اور مالک عموماً ایسے ٹکڑے نہ چھوڑتے ہوں تو اگر مالک کی اجازت سے درزی وہ کپڑا اپنے پاس رکھ لے تب تو وہ استعمال کر سکتا ہے اور اگر مالک کی اجازت نہ ہو یا مالک سے چھپا کر کپڑا بچالے تو یہ کپڑا چوری کا کہلائے گا اور اس کپڑے کا استعمال اس کے لئے جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جس بٹن پر سونے کا پانی ہو وہ استعمال کرنا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۱۱) مردوں کے لئے ایسے بٹن کرتے میں پہننا جس پر سونے کا پانی ہو، شرعاً اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ایسے بٹن استعمال کرنے میں حرج نہیں ہے۔ درمختار میں ہے: اما المطلی فلا بأس به بالا جماع بلا فرق بین لجام ورکاب وغیرهما لان الطلاء مستهلک فلا عبرة للونه عینی وغیره وفی رد المحتار (قوله والخلاف فی المفضض) اراد به ما فیه قطعة فضة فیشمل المضبب والا ظهر عبارة العینی وغیره وهی وهذا الا ختلاف فیما یخلص واما التموية الذی لا یخلص فلا بأس به بالاجماع لانه مستهلک فلاعبرة ببقائه لونا اه (درمختار ورد المحتار ص ۳۰۱ ج ۵ کتاب الحظر والا باحة فصل فی اللبس)

غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار میں ہے: اور خلاف ابو یوسف اور امام کا مفضض میں ہے یعنی جس چیز میں چاندی سونا علیحدہ ہو سکتا ہو اور مطلی یعنی جس پر چاندی سونے کا پانی پھرا ہو سو وہ بالا جماع درست ہے بدون فرق کے لگام اور رکاب وغیرہما کے اس واسطے کہ طلا یعنی چاندی سونے کا پانی مستہلک ہے جدا نہیں ہو سکتا تو اس کی فقط رنگت کا کچھ اعتبار نہیں، کذا فی العینی وغیرہ (غایۃ الا وطار ص ۱۹۸ ج ۴)

ہدایہ اخیرین میں ہے: وهذا الا ختلاف فیما یخلص فاما التمویه الذی لا یخلص فلا بأس به بالا جماع (هدایه اخیرین ص ۴۳۷ ج ۴ کتاب الکراهیة فصل فی اللبس)

عین الہدایہ میں ہے: اور یہ اختلاف مذکور ایسی صورت میں ہے کہ وہ جدا ہو سکے۔ ف۔ یعنی جن اشیاء میں اول سے آخر تک سونے یا چاندی سے مفضض یا مضبب ہونے میں ابو حنیفہؒ کے ساتھ ابو یوسفؒ کا اختلاف بیان کیا گیا ہے ایسی صورت میں ہے کہ ان چیزوں سے سونا و چاندی جدا ہو سکتا تھا یعنی جڑاؤ باہر ہو کہ اس کو جدا کرنا ممکن ہو اور کھپ نہیں گیا ہو فاما التمویه الذی لا یخلص فلابأس به بالا جماع اور ملمع یعنی سونے چاندی کا پانی پھرا ہوا جو الگ نہیں ہو سکتا ہے تو اس میں بالا جماع مضائقہ نہیں ہے۔ ف یعنی امام ابو حنیفہ و ابو یوسف و محمد سب کے نزدیک ملمع جائز ہے اگرچہ شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں (عین الهدایه ص ۲۱۷، ص ۲۱۸ ج ۴) فقط واللہ اعلم بالصواب

عورتوں کا بیوٹی پارلر میں منہ دھلوانا:

(سوال ۲۱۲) آج کل بیوٹی پارلر میں منہ دھلوانے کی فیشن بہت عام ہو رہی ہے، عورتیں زیب و زینت کے لئے وہاں جاتی ہیں، چہرے پر سیاہ داغ دھبے ہوں یا رنگ سیاہ ہو تو کریم وغیرہ لگا کر خاص انداز سے منہ دھوتے ہیں جس سے وقتی طور پر رنگ نکھر جاتا ہے اور خوبصورتی معلوم ہونے لگتی ہے، کیا یہ جائز ہے؟ عورت اپنے شوہر کے لئے زیب و زینت کے لئے وہاں جائے تو کیا حکم ہوگا، یہ سب کام عورتیں کرتی ہیں بینوا توجروا۔

(الجواب) فضول خرچی اور لغو کام ہے بلکہ دھوکا بازی بھی ہے اپنی اصلی رنگ کو چھپانا اور مصنوعی خوبصورتی کی نمائش کرنا ہے اس قسم کے کاموں میں سے بچنا چاہئے۔

عورت اپنے شوہر کی خاطر سادہ اور پرانے طریقہ کے مطابق جو فیشن میں داخل نہ ہو اور فجار و فساق کفار کے ساتھ مشابہت لازم نہ آتی ہو، ایسی زیب و زینت کر سکتی ہے بلکہ مطلوب ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ان شرٹ (پتلون میں قمیص) کرنے کا حکم:

(سوال ۲۱۳) قمیص یا شرٹ کو پتلون کے اندر داخل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! آپ ﷺ کی پیشین گوئی ہے۔

لتتبعن سنن من كان قبلكم شبرا بشبر وذراعا بذراع (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۳۴)

ترجمہ: تم ضرور بالضرور پہلی امتوں (یہود اور نصاریٰ) کے بالکل نقش قدم پر چلو گے۔

ليأتين على امتى كما اتى على بنى اسرائيل حذو النعل بالنعل حتى ان كان منهم من اتى امه علانية لكان فى امتى من يصنع ذلك (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ باب الاعتصام)

ترجمہ: ضرور میری امت پر ایک زمانہ آنے گا جیسا کہ بنی اسرائیل پر آیا تھا تم ان کے نقش قدم پر اس حد تک چلو گے کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا شخص نکلے گا جو اپنی ماں سے اپنا منہ کالا کر کے رہے گا (مشکوٰۃ ص ۳۰، باب الاعتصام)

لباس تو لباس عبادت میں غیر کی مشابہت جائز نہیں رکھی گئی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سمیت فرعون سے نجات حاصل کرنے کے شکریہ میں عاشوراء (دسویں محرم) کا روزہ رکھا، جس کی یادگار کو اخیر تک علمائے یہود نے باقی رکھا آپ ﷺ نے یہ جان کر فرمایا کہ اس یادگار کو باقی رکھنے کے ہم یہود کی بہ نسبت زیادہ حق دار ہیں کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم زیادہ قریب ہیں اس لئے آپ نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور صحابہ کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا لیکن نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھنے کی ہدایت فرمائی تاکہ یہود کے ساتھ مشابہت لازم نہ آئے۔

روزہ افطار کرنے میں غروب کا یقین ہو جانے کے باوجود یہود اور نصاریٰ تاخیر کرتے تھے اور تاخیر کو ثواب سمجھتے تھے، آپ ﷺ نے افطار میں ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے حکم فرمایا کہ میرے نزدیک محبوب ترین خدا کا وہ بندہ ہے جو افطار میں عجلت کرے اور فرمایا کہ جب تک (میری امت) افطار کے لئے تارے نکلنے کا انتظار نہیں کرے گی طریقہ پر قائم رہے گی۔

اور فرمایا یہ دین ہمیشہ غالب رہے گا جب تک افطار میں عجلت کی جائے گی اور فرمایا کہ انسان بھلائی میں رہے گا جب تک افطار میں عجلت کرے گا۔

دیکھو! غیروں کی مشابہت سے بچنے کی کتنی تاکید و اہتمام کیا گیا ہے۔ قمیص کو پتلون میں اتارنے کا طریقہ بھی یہود و نصاریٰ کا ہے۔ جس کو فاسق قسم کے لوگوں نے بغیر سمجھے اور بغیر فائدہ کے اپنا لیا ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ تین قسم کے لوگوں سے خدا پاک بہت ہی ناراض ہے، ان میں سے ایک (مبتغ فی الا سلام سنة الجاهلية) وہ ہے جو مسلمان ہو کر جاہلیت اور غیروں کے طور طریقے اختیار کرے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷)

پتلون تنگ اور چست ہوتی ہے اور کرتا یا قمیص نہ ہوگا تو ستر (شرم گاہ) کے آگے پیچھے کا حصہ نمایاں ہوگا اور ستر کا نشیب و فراز ظاہر ہوگا، اور عیب پر لوگوں کی نگاہ پڑے گی ایسے ننگے لباس میں بہنوں کے سامنے آتے ہیں، کتنا زیادہ شرمناک ہے؟ (شامی ۵/۳۲۱)

نماز میں رکوع سجدے کی حالت میں ستر کا نشیب و فراز (سرین کا حصہ) صاف نظر آتا ہے، پیچھے کے لوگوں کی نظر عیب پر پڑے گی اور نماز مکروہ ہونے کا سبب بنے گی۔

اسی طرح قمیص اور چھوٹا شرٹ بھی شرعی نقطۂ نگاہ سے ناپسندیدہ اور مکروہ ہے بسا اوقات رکوع سجدے میں پتلون کھینچ جاتی ہے اور ستر (سرین) کے اوپر کا حصہ کھل جاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیل بوٹم پتلون پہننا (لڑکے لڑکیوں کے لئے):

(سوال ۲۱۴) بیل بوٹم پتلون پہننے کا کیا حکم ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

(الجواب) بیل باٹم پتلون غیروں اور فاسقوں کا لباس شمار کیا جاتا ہے، دینداروں کے لئے برکتی رحمتی لباس چھوڑ کر غیروں اور فاسقوں کی وضع قطع (طرز) اختیار کرنا ناجائز اور گناہ ہے۔

مالا بدمنہ میں ہے: مسلم را تشبہ بہ کفار و فساق حرام است (ترجمہ) مسلمان کے لئے کافروں اور فاسقوں کی مشابہت حرام ہے ص:۱۳۱۔ کافروں اور فاسقوں کے لباس وغیرہ کے ساتھ جس درجہ کی مشابہت ہوگی اس درجہ ممانعت کا حکم عائد ہوگا، جس لباس میں پوری مشابہت ہوگی وہ ناجائز اور حرام شمار ہوگا اور جس لباس میں تھوڑی مشابہت ہوگی وہ مکروہ شمار ہوگا۔ بہت افسوس کی بات ہے کہ لڑکوں کی دیکھا دیکھی لڑکیاں بھی بیل بوٹم پتلون پہننے لگی ہیں یہاں تک کہ بھائی بہن ایک دوسرے کی پتلون پہنتے ہیں اور اس کو کمال سمجھتے ہیں، یہ اخلاقی کمزوری اور ذہنیت کے بگاڑ کی علامت ہے۔

عورتوں کو لازم ہے کہ مردوں کے طرز کے لباس سے بچیں، نیز مردوں کو لازم ہے کہ عورتوں کے طرز کا لباس اختیار نہ کریں کہ ۔ ۔ ۔ پر لعنت ۔ ۔ ۔ حدیث میں ہے۔

لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الرجل يلبس لبسة المرأة والمرأة تلبس لبسة الرجل

یعنی آپ ﷺ نے لعنت فرمائی اس مرد پر جو عورت جیسا لباس پہنے اور اس عورت پر جو مرد جیسا لباس پہنے (مشکوٰۃ ص ۳۸۳ باب الترجل)

حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عائشہؓ کو خبر دی کہ ایک عورت مردانہ جوتے پہنتی ہے تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول خدا ﷺ نے لعنت فرمائی ہے اس عورت پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرے (مشکوٰۃ ص ۳۸۳)

اسی طرح مسلمانوں کو لازم ہے کہ غیروں کے لباس اور طور طریقہ سے بچ کر رہیں، آپ ﷺ کا فرمان ہے **من تشبہ بقوم فھو منھم** ،یعنی جس آدمی نے کسی قوم کی (صورۃ) مشابہت اختیار کی تو وہ (عقیدۃ اور صورۃ) اس قوم کا شکار بن جائے گا۔ (**مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۵ کتاب اللباس**)

اسی لئے جب آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو زعفران سے رنگے ہوئے لال کپڑے پہنتے ہوئے دیکھا تو فرمایا "**ان ھذہ من لباس الکفار فلا تلبسھا**" یعنی یہ لال کپڑے کافروں کا لباس ہے اس کو مت پہنو۔

حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کے ہاتھ میں عربی کمان تھی اور ایک شخص (صحابیؓ) کے ہاتھ میں فارسی کمان تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پھینک دے اور عربی کمان اختیار کر (**مشکوٰۃ شریف ص ۳۳۸ قبیل باب اٰداب السفر**)

مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس اس سے بہتر نعم البدل موجود ہے تو دوسری قوم کے پاس بھیک کیوں مانگتے ہو؟

بزرگان دین ہدایت فرماتے ہیں کہ:

فتشبھوا ان لم یکونوا مثلھم
ان التشبہ بالکرام فلاح

یعنی کریموں اور پاک بازلوگوں کی مشابہت اختیار کرو اگر چہ تم ان جیسے نہ ہو، بیشک کریموں اور پاکبازوں کی مشابہت اختیار کرنے میں دین ودنیا کی بھلائی اور کامیابی ہے۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے: **خیر شبابکم من تشبہ لکھو لکم وشر کھو لکم من تشبہ بشبابکم**
یعنی تمہارے جوانوں میں سب سے بہتر جوان وہ ہے جو بزرگوں کی مشابہت اختیار کرے اور تمہارے بوڑھوں میں سب سے بدترین بوڑھا وہ ہے جو جوانوں کی مشابہت اختیار کرے۔ (**کنز العمال ج۸ ص ۱۲۹**)

علامہ ابن حجر ہیتمیؒ (متوفی ۹۷۳ھ) نے اپنی کتاب "**الزواجر عن اقراف الکبائر**" میں محدث مالک بن دینار کی روایت سے ایک نبی کی وحی نقل کی ہے۔

اوحی اللہ الی نبی من الانبیاء ان قل لقومک لا یدخل مداخل اعدائی ولا یلبس ملابس اعدائی ولا یرکب مراکب اعدائی ولا یطعم مطاعم اعدائی فیکون اعدائی کما ھم اعدائی .

یعنی: خدا نے انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی کی طرف وحی بھیجی کہ اے نبی اپنی قوم سے کہہ دو کہ وہ میرے دشمنوں کے داخل ہونے کی جگہ سے داخل نہ ہوں میرے دشمنوں کے لباس جیسا لباس نہ پہنیں، اور میرے دشمنوں کی سواریوں پر سوار نہ ہوں اور میرے دشمنوں کے کھانے جیسا کھانا نہ کھائیں (یعنی تمہارے اوران کے درمیان امتیاز ضروری ہے) ورنہ تمہاری قوم بھی اسی طرح میرے دشمنوں کے زمرے میں داخل ہوجائے گی جیسے وہ میرے دشمن

ہیں (کتاب الزواجر عن اقتراف الکبائر ص ۱۱ ج ۱)فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

ریڈیو بنانا،فروخت کرنا اور خریدنا:

(سوال ۲۱۵)زید کے پاس ریڈیو کا کارخانہ ہے جس میں وہ خود بھی ریڈیو بناتا ہے اور پھر دوسری کمپنیوں کو فروخت کرتا ہے کیا یہ درست ہے؟اور بکر اس نیت سے ریڈیو خریدتا ہے کہ قرأت تقریر اور خبریں سنا کرے گا مگر بکر کے گھر والے اس کا گانے بجانے میں بھی استعمال کرتے ہیں تو بکر کا ریڈیو رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(الجواب) ریڈیو خبریں اور تقاریر سننے کے لئے وضع ہوا ہے لیکن اب زیادہ تر گانے بجانے اور لہو ولعب میں استعمال ہونے لگا ہے اور بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو خبریں،تقریریں اور بیانات وغیرہ جائز چیزوں کے سننے میں اس کا استعمال کرتے ہیں لہذا اس کو آلات لہو وطرب میں داخل نہیں کیا جائے گا،ناجائز طریقہ پر استعمال کرنے کا جرم ان پر عائد ہوگا جو اس کا ناجائز طور پر استعمال کرتے ہیں لہذا اس کا بنانا فروخت کرنا جائز طریقہ سے استعمال کی نیت سے خریدنا اور اس کی مرمت کرنا وملازمت کرنا فی نفسہ مباح ہے مگر تقویٰ اور احتیاط نہ بچنے میں ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سرکاری ملازم کو ہدیہ دیا جائے تو قبول کرنا کیسا ہے :

(سوال ۲۱۶)میں سرکاری ملازم ہوں اور آج کل رشوت لینا عام ہو چکا ہے،لیکن الحمدللہ میں کسی کے پاس سے کچھ نہیں لیتا ہوں،اپنی ذمہ داری سمجھ کر جو کام میرے ذمہ ہے وہ کرتا ہوں،اگر کوئی ہدیہ دینے کی بات کرتا ہے تو میں صاف انکار کر دیتا ہوں،مگر پھر بھی کام پورا ہو جانے کے بعد وہ شخص زبردستی کچھ ہدیہ دینے کی کوشش کرتا ہے میں اس رقم کو لینے سے بھی انکار کرتا ہوں تو وہ شخص یہ کہہ کر زبردستی جیب میں ڈال دیتا ہے کہ تم نے تو پیسے لینے کے متعلق کچھ نہیں کہا تھا ہمارا کام ہو گیا اس لئے اس کی خوشی میں ہم پیش کر رہے ہیں اور رقم زبردستی دے کر چلا جائے تو ایسی رقم لینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) آپ جو کام کرتے ہیں اس کی اجرت (تنخواہ)ادارہ کی طرف سے آپ کو ملتی ہے،آپ نے اسی اجرت پر کام کرنا منظور کیا ہے تو آپ اسی اجرت کے حق دار ہیں،اس کے علاوہ لوگ کام کرانے سے پہلے یا بعد میں ہدیہ کے نام سے پیش کرتے ہیں یہ صرف آپ کے عہدہ کی وجہ سے ہے اگر آپ اس عہدے پر فائز نہ ہوتے تو کیا آپ کو ہدیہ پیش کیا جاتا؟اس لئے آپ کو ہدیہ کے نام سے جو کچھ پیش کیا جاتا ہے حقیقت میں یہ ہدیہ نہیں ہے رشوت ہے اور رشوت لینا جائز نہیں ہے،ہاں وہ لوگ جو آپ کے قریبی رشتے دار ہیں یا آپ کے دوست ہیں اور آپ کے اس عہدے پر فائز ہونے سے پہلے ہی سے آپس میں ہدیہ لینے اور دینے کی عادت ہو اگر ایسے لوگ حسب عادت ہدیہ پیش کریں تو اس کے قبول کرنے میں حرج نہیں،لیکن ایسی صورت میں بھی اگر ان کا آپ کے پاس کوئی کام ہو تو اس وقت ان کا ہدیہ قبول نہ کریں ورنہ آپ پر تہمت لگ سکتی ہے کہ رشوت لے کر کام کیا ہے؟ حدیث میں ہے۔

عن عروۃ قال اخبرنا ابو حمید الساعدی قال استعمل النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجلاً من بنی اسد یقال لہ ابن اللتبیۃ علی صدقۃ فلما قدم قال ھذا لکم وھذا اھدی لی فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر قال سفین ایضاً فصعد المنبر فحمد اللہ واثنیٰ علیہ ثم قال ما بال العامل

بعثہ فیاتی فیقول ھذا لک وھذا لی فھلا جلس فی بیت ابیہ او امہ فینظر اھدی لہ ام لا الخ (بخاری شریف ص ۱۰۶۴ ج ۲، کتاب الاحکام باب ھدایا العمال)

یعنی! حضرت ابوحمید ساعدیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسد کے ایک شخص جن کو ابن لتبیہ کہا جاتا تھا صدقہ وصول کرنے کے لئے عامل بنایا، جب وہ واپس آئے تو انہوں نے کہا اتنی مقدار آپ کی ہے اور اتنا حصہ دیا ہے، حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ کی حمد وثنا فرمائی پھر ارشاد فرمایا عاملین کا عجیب حال ہے ہم ان کو بھیجتے ہیں آ کر کہتے ہیں کہ اتنا آپ کا اور اتنا میرا وہ اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھے پھر دیکھے اسے ہدیہ ملتا ہے یا نہیں الخ (بخاری شریف ص ۱۰۶۴ ج ۲ کتاب الا حکام، باب ھدایا العمال)

ہدایا اخیرین میں ہے:۔ ولا یقبل ھدیۃ الا من ذی رحم محرم او ممن جرت عادتہ قبل القضاء بمھاداتہ لان الاول صلۃ الرحم والثانی لیس للقضاء بل جری علی العادۃ وفیما وراء ذلک یصیر اکلا بقضائہ حتی لو کانت للقریب خصومۃ لا یقبل ھدیتہ' وکذا اذا زاد المھدی علی المعتاد او کانت لہ خصومۃ لانہ لا جل القضاء فیتحاماہ (ھدایہ اخیرین ص ۱۱۹ ج ۳ ص ۱۲۰، کتاب ادب القاضی) (در مختار ورد المحتار ص ۴۳۰، ص ۴۳۱ ج ۴، کتاب القضاء مطلب فی ھدیۃ القاضی)

البتہ کسی موقع پر کوئی شخص کام پورا ہو جانے کے بعد خالص اپنی مرضی اور خوشی سے ہدیہ پیش کر رہا ہو اور اس کا بار بار آپ کے پاس کام کی غرض سے آنا نہیں ہوتا اتفاقاً کسی کام کی وجہ سے آ گیا ہے اور بظاہر آئندہ اس کے دوبارہ آنے کی امید بھی نہیں اور کام کے شروع میں صراحۃً یا اشارۃً لین دین کی بات نہ ہوئی ہو اور نہ آپ کے ادارہ کی طرف سے ہدیہ قبول کرنے پر پابندی ہو اور پوری دیانت داری کے ساتھ آپ کا دل گواہی دے کہ یہ ہدیہ ہے رشوت نہیں ہے اور قبول کرنے میں بدنامی کا اندیشہ بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں ہدیہ قبول کر لینے کی گنجائش ہے۔

بخاری شریف کے حاشیہ میں ہے۔ وفیہ ان ما اھدی الی العمال خدمۃ السلطان بسبب السلطنۃ انہ لبیت المال، الا ان الامام اذا اباح لہ قبول الھدیۃ لنفسہ فھو یطیب لہ کما قال صلی اللہ علیہ وسلم لمعاذ رضی اللہ عنہ وقد طیبت لک الھدیۃ فقبلھا معاذ واتی بما اھدی الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوجدہ' قد توفی فاخبر بذلک الصدیق فاجازہ' (بخاری شریف ص ۱۰۶۴ ج ۲ حاشیہ کتاب الا حکام باب ھدایا العمال) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ہیرے کے کارخانہ والے کا اصلی ہیروں کو کم قیمت ہیروں سے بدل ڈالنا:

(سوال ۲۱) عثمان کے پاس ہیرے کا ایک کارخانہ ہے، اس کارخانہ میں ہیرے پر پالش کرنے کا کام ہوتا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ عثمان ہیرے کے تاجر کے پاس سے کچھ مال لاتا ہے اور اپنے کارخانہ میں ملازمین سے اس پر پالش کروا کے اسی تاجر کو واپس دیتا ہے، عثمان مزدوری لے کر یہ کام کرتا ہے، عثمان کو فی ہیرہ بیس روپے مزدوری ملتی ہے جب کہ عثمان کو فی ہیرہ اپنے ملازم کو اٹھارہ روپے چکانا پڑتے ہیں اور مزید تین روپے فی ہیرہ بجلی، پاوڈر اور دیگر ضروری

اخراجات کی وجہ سے ہوتے ہیں تو عثمان فی ہیرہ مزدوری وغیرہ کی مد میں اکیس روپے چکاتا ہے جس میں بظاہر عثمان کا نقصان ہوتا ہے عثمان اپنے نقصان کی تلافی کی شکل یہ اختیار کرتا ہے کہ کچھ اصلی ہیرے نکال کر اپنے پاس سے کم قیمت کے ہیرے مثلاً سو ہیرے پالش کرنے کے لئے تاجر کے پاس سے لے کر آیا اس میں سے ۲۵ ہیرے نکال کر کم قیمت کے ۲۵ ہیرے اپنے پاس سے ملا دیتا ہے اس طرح کرنے ہی سے اس کا کارخانہ چل سکتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ طریقہ صحیح ہے یا نہیں؟ عثمان پر حج فرض ہوگا یا نہیں، اسی طرح زکوٰۃ کا کیا حکم ہوگا جلد جواب عنایت فرمائیں؟ ۔فقط۔

(الجواب) یہ طریقہ جھوٹ اور دھوکہ پر مبنی ہے لہذا شرعاً جائز نہیں ہے، جو آمدنی ہوگی وہ بھی جائز نہ ہوگی، عثمان تاجر سے کہے کہ ہم پوری امانت داری کے ساتھ آپ کے اصلی ہیرے واپس کریں گے لیکن مزدوری زیادہ لیں گے، اتنی مزدوری سے ہمارا کارخانہ چلنا مشکل ہے، اگر عثمان کا اس کے علاوہ اور کوئی حلال آمدنی کا ذریعہ ہو یا حلال مال اس کے پاس موجود ہو اور عثمان اپنی تمام آمدنی ایک ساتھ ملا دیتا ہو تو خلط کی وجہ سے عثمان تمام مال کا مالک شمار ہوگا اور عثمان پر غیر کے مال (جو غلط طریقہ سے اس کے پاس آیا ہے) کا ضمان لازم ہوگا اور حج وغیرہ سب لازم ہوں گے، البتہ حج کے لئے مناسب یہ ہے کہ کسی غیر مسلم سے قرض لے کر حج کرے اور اپنے پیسوں سے قرض ادا کردے (فتاویٰ محمودیہ ص ۲۸۶ وص ۲۸۷ ج ۹) (معلم الحجاج ص ۳۴ سفر حج کے مصارف) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شراب خانہ کے واچ مین کی کمائی اور اس کے ساتھ رشتہ داروں کو کیا سلوک اختیار کرنا چاہئے:

(سوال ۲۱۸) بعد آداب کے عرض ہے کہ مسئلہ ذیل کے بارے میں علماء کرام کیا فرماتے ہیں مدلل اور واضح جواب سے نوازکر ممنون فرمادیں۔

ایک آدمی شراب خانے کا واچ مین ہے اب سوال یہ ہے کہ اس کی آمدنی حلال ہوگی یا حرام اگر حرام ہو تو ہم اقارب کے لئے اس کے مدعو کرنے پر کیا صورت اختیار کی جائے نیز اس سے تعلقات اور رشتہ داری کس طرح برقرار رکھی جائے؟ واضح فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

(الجواب) وباللہ التوفیق۔ جس کی آمدنی خالص حرام کی ہو اور وہ تنخواہ بھی اسی حرام آمدنی سے دیتا ہو تو ایسے شخص کے یہاں ملازمت کرنا جائز نہیں ہے اور جو تنخواہ ملے وہ بھی حلال نہیں، لہذا جس شخص کا شراب خانہ ہے اگر اس کی آمدنی کا ذریعہ صرف یہی شراب خانہ ہے اور اسی آمدنی سے وہ تنخواہ دیتا ہے تو یہ ملازمت بھی ناجائز ہے اور جو آمدنی ہوگی وہ بھی حلال نہ ہوگی، نیز اس میں تعاون علی المعصیۃ بھی ہے اور قرآن میں ہے **ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان** . گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون مت کرو (قرآن مجید) اس لئے یہ ملازمت قابل ترک ہے۔

امداد الفتاویٰ میں اسی طرح کا ایک سوال وجواب ہے بغور ملاحظہ فرمائیں۔

(سوال ۳۰۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے ایک کسبی یا سود خوار یا رشوت خور کی نوکری کی اور تینوں کی آمدنی محض حرام ہے تو اب اس کو اس مال حرام سے جو تنخواہ ملی حلال ہے یا نہیں؟ یا کسی

شخص نے اپنے گیہوں یا کوئی اور چیز کسی سے فروش کے ہاتھ فروخت کی اور اس نے اس آمدنی ناجائز سے قیمت دی تو اب اس کو وہ حلال ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ کی تشریح فرمایئے۔

(الجواب) جن کی آمدنی بالکل حرام خالص ہے جیسے کسبی یا مے فروش یا سود خور وغیرہم ان کی نوکری کرنا ناجائز ہے اور جو تنخواہ اس میں سے ملتی ہو وہ حلال نہیں اور اسی طرح اپنی چیز اس کے ہاتھ فروخت کر کے اسی مال حرام میں سے قیمت لینا بھی حلال نہیں۔ **قال اللہ تعالیٰ ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب** تو اپنی پاکیزہ مزدوری یا پاکیزہ چیز کو اس ناپاک مال سے بدلنا ناجائز ٹھہرا۔

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل ثمن الکلب ولا حلوان الکاھن ولا مھر البغی (ص ۱۳۶) وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام ان اللہ حرام الخمرو ثمنھا (ص ۱۳۷) وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالساً عند الرکن قال فرفع بصرہ الی السماء وضحک فقال لعن اللہ الیھود ثلاثا، ان اللہ حرم الشحوم فباعوھا واکلوا ثمانھا ان اللہ اذا حرم علی قوم اکل شئی حرم علیہ ثمنہ (ص ۱۳۷) لعن رسول اللہ صلی اللہ علہ وسلم الربوا وموکلہ (ص ۱۲۷) سنن ابی داؤد جلد ثانی وغیر ذلک من الایات والاحادیث .(کتاب البیوع)

ہاں جن لوگوں کی آمدنی مشتبہ اور **مختلط الحلال و الحرام غالب الحلال** ہو مثلاً یہی لوگ کسبی و مے فروش و سود خور وغیرہم کوئی دوسرا پیشہ مباح مثل تجارت حلال یا اور کچھ بھی کرتے ہوں اس وقت ان کی نوکری اور اپنی چیز ان کے ہاتھ بشرطیکہ تنخواہ یا قیمت حلال مال میں سے دیں یا غیر مشتبہ غالب الحلال سے دیں۔ **نھانا رسول اللہ** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: **عن کسب الامۃ الا ما عملت بیدھا وقال ھکذا نحو الخبز و الغزل والنقش (ابو داؤد جلد ثانی ص ۱۳۰ کتاب البیوع)**

وجہ یہ ہے کہ مشتبہ سے تحرز متعذر اور دشوار ہے پس بضرورت جائز ہے۔ **لان الضرورات تبیح المحظورات ، ولا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا.** اگرچہ خلاف تقویٰ ہے کہ **دع ما یریبک الی مالا یریبک وھو الموفق ۱۳ محرم ۱۳۰۱ھ (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۱۱ کتاب الاجارہ)**

جب یہ ثبوت ہو جائے کہ شراب خانے کے مالک کی آمدنی کا صرف یہی ذریعہ ہے اور اسی حرام آمدنی میں سے وہ تنخواہ دیتا ہے اور شخص مذکور کی آمدنی کا ذریعہ صرف یہی ملازمت ہو اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہ ہو اور نہ اس کے پاس حلال رقم ہو کہ جس سے وہ دعوت کر رہا ہے تو پھر ایسے شخص کی دعوت قبول نہ کی جائے؟ اور اگر حلال آمدنی کا کوئی اور ذریعہ ہو اور وہ آمدنی اس سے زیادہ ہے تو پھر دعوت قبول کرنے میں حرج نہیں، بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ وہ حرام آمدنی میں سے نہیں کھلا رہا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: **اھدی الیٰ رجل شیئاً او اضافہ ان کان غالب مال من الحلال فلا بأس الا ان یعلم بانہ حرام فان کان الغالب ھو الحرام ینبغی ان لا یقبل الھدیۃ ولا یأ کل الطعام الا ان یخبرہ بانہ حلال ورثتہ اواستقرضتہ من رجل کذافی الینابیع (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۴۳، باب نمبر ۱۲ فی الھدایا)**

مالا بدمنہ میں ہے:۔ مسئلہ: قبول ضیافت وہدیہ امرائے ظالم وزن رقاصہ ومغنیہ ونائحہ کہ اکثر مال او حرام باشند جائز نیست واگر داند کہ اکثر مال او از حلال است جائز است (مالا بدمنہ ص ۱۰۹ فصل در خوردن)

اگر شخص مذکور سے تعلقات قائم رکھنے میں اس کی اصلاح کی امید ہو تو تعلقات بنیت اصلاح قائم رکھے جائیں البتہ اگر بالکل مایوس ہو جائے تو زجراً و توبیخاً اس نیت سے کہ دوسروں کو بھی اس سے عبرت ہوگی اس سے تعلقات منقطع کرلیں انشاء اللہ یہ بھی بغض فی اللہ میں داخل ہو کر باعث اجر ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تداوی ومعالجات

کالرا (ہیضہ) کا انجکشن لینا کیسا ہے؟:

(سوال ۲۱۹) کالرا (ہیضہ) کی وبا کے زمانہ میں سرکار ہیضہ کے انجکشن دیوے تو لینے میں کوئی شرعی حرج ہے؟

(الجواب) کوئی حرج نہیں، حفظ ما تقدم کے طور پر علاج کر سکتے ہیں۔ ہوگا تو وہی جو خدا کو منظور ہے!

غیر مسلم سے سحر اور ناپاک عمل کرانا:

(سوال ۲۲۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل صورت حال میں کہ ہمارے علاقہ گجرات میں آج کل سحر کا بہت زور ہے۔ آپس میں ذرا بھی اختلاف یا دشمنی ہوگئی۔ تو فریق مخالف کو پریشان کرنے یا جان لینے کے لئے غیر مسلم مشرک کے پاس سے سحر کروایا جاتا ہے۔ اس کے دفعیہ کے لئے تعویذات عملیات سب ہو لیا گیا۔ مگر اس میں خاطر خواہ آرام نہیں ہوا۔ البتہ تخفیف ہو جاتی ہے۔ عاملوں کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ یہ سفلی یا ناپاک عمل ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا مکمل دفعیہ بھی اسی طرح سفلی اور ناپاک عاملوں ہی سے ہو سکتا ہے۔ چند مشرک عامل بھی تعلق کی وجہ سے عمل کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر شریعت کا احترام اور گناہ کے ڈر کی وجہ سے آج تک نہ خود کیا اور نہ کسی کو اجازت دی۔ بہت سے لوگ پریشان ہو چکے ہیں۔ اور متعدد اموات بھی واقع ہو چکی ہیں تو کیا ایسی صورت حال میں غیر مسلم مشرکوں سے سحر ٹونکا وغیرہ تمام پلید چیزوں کے رد کے لئے عمل کروانا جائز ہے یا نہیں؟

اس میں ہمیں کچھ کھانا، پینا، پڑھنا، باندھنا نہ ہوتا ہو۔ بلکہ وہ اپنے عمل کے ذریعہ از خود دفع کرتا ہو۔ یا ان میں سے کوئی بات کرنی ہوتی ہو۔ مثلاً عام طور پر ان کا پڑھا ہوا تاگا بندھواتے ہیں۔ تو کیا ان میں کچھ فرق ہوگا؟ یا دونوں صورتیں مساوی ہوں گی؟ نیز اجرت یا کوئی دوسری اشیاء خریدنے کے لئے پیسے دینے کا کیا حکم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب کہ جان کا خطرہ لاحق ہے۔ اور دوسرا جائز علاج کارگر نہیں ہوتا اور مریض کو کوئی نجس اور حرام چیز کھانی نہیں پڑتی اور نہ شرکیہ اور کفریہ کلمات زبان سے ادا کرنے پڑتے ہیں بلکہ غیر مسلم خود ہی اپنے عمل کے ذریعہ سحر کے مضر اثرات کو دفع کرتا ہے تو بوجہ مجبوری ایسا عمل کرانے اور اجرت دینے کی گنجائش ہے۔

وفي حاشية الايضاح لبيري زاده قال الشمني تعلمه وتعليمه حرام اقول مقتضى الاطلاق ولو تعلم لدفع الضرر عن المسلمين وفي ذخيرة الناظر تعلمه فرض لرد ساحر أهل الحرب وحرام ليفرق به بين المرأة وزوجها وجائز ليوافق بينهما اه (الى قوله) وللسحرة فصول كثيرة في كتبهم فليس كل مايسمى سحرا كفرا الخ (شامي ص ۴۱، ۴۲ ج ۱ مقدمه شامي مطلب في التنجيم والرمل) فقط والله اعلم بالصواب

کسی دوسرے شخص کو آنکھ دینے کی وصیت کرنا اور اس کو خون پر قیاس کرنا:

(سوال ۲۲۱) آج کل آنکھوں کی بینک قائم ہے اور لوگ یہ وصیت کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد ہماری آنکھ اس

ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ اگر کسی دوسرے شخص کا ایک گردہ اسے لگا دیا جائے تو امید ہے کہ افاقہ ہوگا اور اس کی طبیعت اچھی ہوجائے گی لڑکے کی والدہ اپنا ایک گردہ دینے کے لئے تیار ہے تو شرعاً کیا حکم ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟ جلد مفصل مدلل جواب عنایت فرمائیں، بینوا توجروا۔

(الجواب) انسان اپنے بدن یا کسی عضو کا مالک نہیں ہے کہ اس میں آزادانہ تصرف کر سکے اسی بنا پر اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنا کوئی عضو کسی دوسرے شخص کو قیمتاً یا بلا قیمت دیدے، اور اس کی بہت سی نظائر کتب فقہ میں ہیں۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ **مضطر لم یجد میتة وخاف الهلاک فقال له رجل اقطع یدی وکلها او قال اقطع منی قطعة فکلها لا یسعه ان یفعل ذلک ولا یصح امره به کمالا یسع للمضطر ان یقطع قطعة من لحم نفسه فیا کل** یعنی کوئی شخص حالت اضطرار میں ہے اور بھوک کی وجہ سے اس کو اپنی جان کی ہلاکت کا اندیشہ ہے اور مردار جانور تک نہیں ہے کہ اس کا گوشت کھا کر اپنی جان بچائے اس حالت میں کسی شخص نے پیش کش کی کہ تم میرا ہاتھ کاٹ کر کھالو یا یوں کہا کہ کسی جگہ سے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹ کر کھالو تو اس مضطر کے لئے اس شخص کا ہاتھ یا گوشت کاٹ کر کھانا جائز نہیں ہے اور کسی شخص کو اس طرح کی پیش کش کرنا بھی صحیح نہیں ہے (اس لئے کہ خود وہ اپنے ہاتھ یا اپنے بدن کے گوشت پوست کا مالک نہیں ہے) جس طرح خود مضطر کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنے بدن میں سے گوشت کاٹ کر کھالے (**فتاویٰ قاضی خان ص ۳۶۵ کتاب الحظر والاباحة**)

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں خودکشی حرام ہے اس لئے کہ کوئی شخص اپنی روح کا مالک نہیں ہے کہ اسے ضائع کردے، لہذا کسی زندہ یا مردہ انسان کا گردہ آپریشن کر کے نکال کر دوسرے انسان کے جسم میں لگانا جائز نہیں ہے

الاشباہ والنظائر میں ہے **الضرر لا یزال بالضرر** ۔ضرر کو ضرر سے دفع نہ کیا جائے (الاشباہ ص ۱۰۹) فتاویٰ عالمگیری میں ہے **الانتفاع باجزاء الآدمی لم یجز قیل للنجاسة وقیل للکرامة هو الصحیح کذافی جواهر الاخلاطی . کتاب الکراهیة الباب الثامن عشر** . یعنی انسان کے کسی جزء سے انتفاع جائز نہیں ہے، انتفاع کے عدم جواز کی علت یا تو نجاست ہے یا کرامت واحترام صحیح، کرامت واحترام کو علت قرار دینا ہے (ارشاد خداوندی ہے **ولقد کرمنا بنی آدم** تحقیق کہ عزت دی ہم نے اولاد آدم کو پارہ نمبر ۱۵ رکوع نمبر ۶) (**فتاویٰ عالمگیری ج ۶ ص ۲۳۶ مطبوعه کانپور**)

حدیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ اللہ کی لعنت ہے **واصلہ** اور **مستوصلہ** پر (واصلہ وہ عورت ہے جو دوسرے کے بال عورتوں کے بالوں میں لگاتی ہے تا کہ سر کے بال زیادہ اور لمبے معلوم ہوں۔ مستوصلہ: وہ عورت جو اپنے بالوں میں دوسرے کے بال لگوائے) مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ بخاری ومسلم حدیث ہے **عن ابن عمر رضی الله عنهما ان النبی صلی الله علیه وسلم قال لعن الله الواصلة والمستوصلة . الخ(مشکوٰة شریف ص ۳۸۱ باب الترجل)** شامی میں ہے **وفی الاختیار و وصل الشعر بشعر الآدمی حرام سواء کان شعرها او شعر غیر ها لقوله صلی الله علیه وسلم لعن الله الواصلة والمستوصله الخ** یعنی کسی دوسری عورت کی بال اپنے بالوں میں جوڑنا حرام ہے چاہے خود اس کے بال ہوں یا کسی دوسری عورت کے بال ہوں حضور ﷺ کے اس فرمان **لعن الله الواصلة والمستوصلة** کی بنا پر (**شامی ج ۵ ص ۳۲۹ کتاب الحظر والاباحة**

فصل فی النظر واللمس)

لہذا صورت مسئولہ میں والدہ کے لئے شرعاً جائز نہیں ہے کہ اپنا گردہ بیٹے کے جسم میں لگانے کے لئے دے۔

آج کل کی تحقیق کے اعتبار سے نفع ہوتا ہو تو اس سے انکار نہیں مگر اثمھما اکبر من نفعھما کے اصول پر ناجائز ہی ہوگا، نیز اس طرح انسانیت کی توہین بھی ہے کہ اگر یہ طریقہ چل پڑا تو انسانی اعضاء "بکری کا مال" بن جائیں گے، اور یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ جس کا گردہ لیا جائے گا اس کی صحت اور زندگی خطرہ میں پڑے گی اور جس کو گردہ دیا جائے گا اس کی صحت بھی یقینی نہیں ہے۔

اللہ ہی سے شفاء کی امید رکھیں دوا اور علاج کے ساتھ دعاؤں کا بھی خصوصی اہتمام رکھیں صدقہ وخیرات بھی حسب حیثیت کریں کہ صدقہ بلاؤں کو دور کرتا ہے اللہ کو منظور ہوگا تو انشاء اللہ ضرور شفاء عطا فرمائے گا، قضائے الٰہی پر راضی رہیں اور ہر حال میں اس کا شکر ادا کرتے رہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایلوپیے (ڈاکٹری) طریقہ سے علاج کرانا کیسا ہے:

(سوال ۲۲۴) آج کل سب ایلوپی (ڈاکٹری) سے علاج کرتے ہیں اور ان دوائیوں میں "الکحل" تھوڑا بہت ہوتا ہے۔ فی زماننا ہذا، بعض کے علاوہ کوئی قابل اعتماد حکیم نہیں ہے۔ بنابریں مجبوراً ایلوپے سے علاج کرانا پڑتا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ اس طرح کا علاج معالجہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اسپرٹ شراب کا جوہر ہے اور اسپرٹ سے علم کیمیا کے ذریعہ خاص منشی جزء علیحدہ نکال لیا جاتا ہے وہ الکحل ہے گویا الکحل اسپرٹ کی روح ہے۔ اسپرٹ ہر جیپ دار چیز سے بنتی ہے۔ جیسے بیر، آلو، گڑ، مہوا، جو، گیہوں وغیرہ نباتات سے بنتی ہو اور دواؤں میں ڈالی جاتی ہو اس کو ایک روایت کی رو سے بطور دوا ضرورۃً استعمال کر سکتے ہیں گنجائش ہے۔ مگر بچنا بہر حال اولیٰ اور بہتر ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی کے خلیفہ معتمد طبیب حاذق حکیم محمد مصطفےٰ صاحب بجنوری میرٹھی اپنی کتاب "طبی جوہر" میں لکھتے ہیں کہ یہاں نہ صرف اس شراب کا حکم لکھتے ہیں جس سے آج کل بچنا مشکل ہوگیا ہے وہ شراب اسپرٹ ہے انگریزی قریب قریب تمام ادویات میں شامل ہے (الیٰ قولہ) اس کا حکم یہ ہے کہ ایک روایت کی رو سے یہ بھی حرام اور نجس ہے۔ اور ایک کی رو سے پاک ہے اور دواء بقدر غیر مفشی داخلاً بھی استعمال کی جاسکتی ہے۔ گو سلیم الطبع مسلمان کی طبیعت ایسی چیز کو جس کی پاکی اور حلت میں اختلاف ہو قبول نہیں کر سکتی۔ (الیٰ قولہ) لیکن عموم بلوی (عام لوگوں کا مبتلا ہونا) ایسی چیز ہے جس سے فتویٰ میں ایسے موقع پر ضرور وسعت ہو جاتی ہے لہذا اس میں زیادہ تشدد نہ چاہئے اور جس سے ہو سکے احتیاط کرے تو بڑی خوبی کی بات ہے۔ یہاں سے حکم انگریزی ادویات کا خصوصاً ٹنکچروں کا نکل آیا (الیٰ قولہ) حضرت والا (حکیم الامت تھانویؒ) فرماتے ہیں کہ اسپرٹ شراب اربعہ میں سے نہیں ہے۔ پس ایسی اسپرٹ کا شیخین کے نزدیک استعمال جائز ہے۔ لیکن فتویٰ امام محمد صاحب کے قول پر ہے تاکہ عوام الناس کی جرأت نہ بڑھ جائے تو چونکہ یہ فتویٰ سد باب فتنہ کے لئے ہے اس لئے مبتلا کو گنجائش استعمال کی ہے۔ مگر اہل تقویٰ کو ٹنکچر کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہئے اور جو عوام مبتلا ہوں ان پر سختی نہ کریں۔

نیز امداد الفتاویٰ میں ایک سوال اور جواب یہ ہے۔

(سوال) انگریزی دوا جو پینے کی ہوتی ہے اس میں عموماً اسپرٹ ملائی جاتی ہے۔ یہ قسم ہے اعلیٰ درجہ کی شراب کی۔ یعنی شراب کا ست ہے تو جب اس امر کا یقین ہو چکا اور مسلم ہے تو انگریزی ہسپتال کی دوا پینا جائز ہے یا ناجائز۔

(الجواب) اسپرٹ اگر عنب (انگور) وزبیب (منقی) ورطب (تر کھجور) وتمر (خشک کھجور) سے حاصل نہ کی گئی ہو تو اس میں گنجائش ہے للاختلاف ورنہ گنجائش نہیں للاتفاق۔ ۲۱ محرم ۱۳۳۴ھ ڈاکٹری کی کتاب دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اسپرٹ تیز قسم کی شراب ہے جو شراب کا مقطر کرنے سے تیار ہوتی ہے اور لکھا ہے کہ ہندوستان میں گھٹیا شرابیں بنتی ہیں مثلاً آلو۔ بیر۔ جو۔ گیہوں وغیرہ کی اور یورپ میں بڑھیا شرابیں بنتی ہیں۔ مثلاً انگور۔ سیب انار۔ منقی وغیرہ کی۔ اور اسپرٹ کی تین قسمیں ہیں۔ میتھولیٹڈ اسپرٹ اور پروف اسپرٹ اور ریکٹی فائیڈ اسپرٹ جو دواؤں کے کام میں آتی ہے وہ بڑھیاں قسم ہے جس کا نام ریکٹی فائیڈ اسپرٹ ہے۔ یہ قیمت میں بھی دوسری قسموں سے بہت زیادہ ہے۔ تو اگر یہ ولایت سے آئی ہوں تو چونکہ ولایت میں اکثر شرابیں بڑھیا بنتی ہیں اس واسطے یہ احتمال کسی قدر قوت کے درجہ میں ہوسکتا ہے کہ یہ اسپرٹ بھی انگور یا منقی یا چھوارے سے بنی ہوئی شراب کا مقطر ہو اگر ایسا ہے تو وہ حرام اور نجس ہے اور جس دوا میں وہ ملائی جائے گی وہ بھی نجس اور حرام ہے گو اس احتمال پر ہر دوا میں فتویٰ عدم جواز کا نہیں دیا جاسکتا لیکن یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اولیٰ یہی ہے کہ بلاضرورت ایسی دواؤں کو استعمال نہ کیا جائے۔ یہاں سے حکم ہومیو پیتھک ادویات کا بھی نکل آیا کہ اولیٰ یہی ہے کہ ان کو بلاضرورت استعمال نہ کیا جائے کیونکہ ان کا اصل جزو اسپرٹ ہی ہوتا ہے اور دوسری دوا کا جزو برائے نام ہوتا ہے۔ انتہی قول حکیم صاحب کا۔

مگر اسپرٹ اور الکحل ہونے کے شبہ پر ہر ایک ڈاکٹری دواء کے متعلق ناپاک اور ناجائز ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ شک کا شرع میں اعتبار نہیں ہے البتہ بچنا بہتر ہے۔ بلاضرورت استعمال نہ کرے۔

ابوالحسنات حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کا فتویٰ ملاحظہ کیجئے۔

استفتاء۔ اکثر ادویۂ انگریزی از قبیل عرق جو ولایت سے تیار ہوکر آیا کرتے ہیں الخ۔

ھو المصوب:۔ جب یقین یا ظن غالب ہو کہ شراب وغیرہ ملا ہوا ہے اس وقت استعمال ان چیزوں کا ممنوع ہوگا ورنہ ممانعت بطور فتوے کے نہ ہوگی اور اجتناب بطور تقوے کے ہوگا۔ (مجموعہ فتاوی ج ۲ ص ۲۲۹ طبع قدیم) واللہ اعلم

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا فتویٰ ملاحظہ کیجئے۔

"ڈاکٹری علاج میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی دوا کے متعلق بالیقین یا بغلبِ ظن یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ناپاک اور ناجائز ہے تو اس دوا کو استعمال نہ فرمائیے۔ مطلق ڈاکٹری علاج میں کوئی مضائقہ نہیں۔" (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۳۹۰ مکتوب نمبر ۱۴۳)

جن ادویہ کے متعلق یہ معلوم ہو کہ ان میں شراب ملی ہوئی ہے بالیقین ہے ان کو استعمال نہیں کر سکتے، وہ حرام ہیں۔ لیکن اگر ان کے سوا کوئی علاج ہی نہ ہو تو حکیم حاذق کے کہنے سے بقدر ضرورت استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔ (قوله اختلف في التداوي بالمحرم. ففي النهاية عن الذخيرة يجوز ان علم فيه شفاء ولم يعلم دواء آخر. یعنی حرام چیز سے علاج کرنے میں فقہاء کی رائے مختلف ہے نہایہ میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ جب اس میں بالیقین شفا ہو اور دوسری کوئی جائز علاج نہ ہو

استعمال کر سکتے ہیں۔ مگر بچنا بہتر اور افضل ہے۔ (درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۱۹۴ قبیل فصل فی البئر) (فتاویٰ عالمگیری ج۵ ص ۳۵۵ کتاب الکراهیة الباب الثامن عشر فی التداوی) فقط واللہ اعلم بالصواب .

کیمپ لگوا کر نوجوانوں کا اپنا خون جمع کرنا کیسا ہے :

(سوال ۴۲۵) اسلام میں خون لینا دینا مباح ہے کہ نہیں؟ اکثر ہمیں یہ مسئلہ پیش آتا ہے کہ جب بھی کسی مسلمان بھائی کو بیماری کی حالت میں خون کی ضرورت پیش آتی ہے تو ہمیں "بلڈ ڈونیٹ بینک" (خون کا بینک) میں خون لینے جانا پڑتا ہے، اس وقت ہمارے سامنے عموماً یہ بات کہی جاتی ہے کہ مسلمان بلڈ بینک میں خون تو دیتے نہیں مگر خون لینے چلے آتے ہیں، بلڈ بینک کے عہدے دار غیر مسلم ہوتے ہیں تو ہمیں پرائیوٹ بلڈ بینک سے خون لینا پڑتا ہے مگر ڈاکٹر پرائیوٹ بلڈ بینک کا خون دینے سے منع کرتے ہیں کیونکہ وہ خون بیمار اور نشہ والوں کا ہوتا ہے اس لئے ہم نوجوان مل کر ایک کیمپ کا پروگرام بنانا چاہتے ہیں نوجوان اپنا اپنا خون دیں گے تو ہم اس طرح کیمپ لگا کر اپنے مسلمان بھائیوں کا خون جمع کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) انسان کا خون جب بدن سے نکال لیا جائے تو وہ نجس ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ یہ انسان کا جزو بھی ہے اس لئے واجب التکریم بھی ہے، لہذا اس کا استعمال عام حالات میں جائز نہیں ہے، البتہ جب کسی مریض کے ہلاکت کا اندیشہ ہو اور اس کی جان خطرہ میں ہو اور خون دینے سے جان بچ جانے کی توقع ہو یا تجربہ کار ماہر ڈاکٹر کی نظر میں خون دیئے بغیر صحت کا امکان نہ ہو تو ان حالات میں خون دینا جائز ہے (جواہر الفقہ ص ۳۸ ج ۲)

اپنا خون کسی کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں حکم یہ ہے کہ خون انسان کا جزو ہے اور انسان اپنے بدن یا کسی جزو کا مالک نہیں ہے کہ اس میں آزادانہ تصرف کر سکے اسی بناء پر اس کے لئے جائز نہیں کہ اپنا کوئی عضو کسی دوسرے شخص کو قیمتاً یا بلا قیمت دے دے اور اس کی بہت سی نظائر کتب فقہ میں ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۸۶ ج ۶ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، کسی دوسرے شخص کے گردہ استعمال کرنا ...[۲۶] کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے۔ مرتب)

اس لئے شرعی اصول کے اعتبار سے اصل حکم تو یہی ہے کہ اپنا خون کسی کو دینا جائز نہیں ہے، البتہ اوپر جن شرائط کے ساتھ مریض کو خون دینا جائز بتایا گیا ہے اس صورت میں اپنے اعزا یا احباب جن سے خاص تعلق اور ہمدردی ہو اور اس کی صحت کی خواہش رکھتا ہو ان میں سے کسی کو اپنا خون بلا قیمت دینا چاہے تو اگر چہ خون انسان کا ایک جزو ہے مگر چونکہ اس کا نکالنا مثلہ نہیں ہے اور نہ خون نکالنے سے بدن میں کوئی ظاہری عیب پیدا ہوتا ہے اس لئے بقدر ضرورت اس شرط کے ساتھ خون دینا جائز ہے کہ اپنی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو (فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۶۳ ج ۶ (جدید ترتیب کے مطابق باب الوصیت میں کسی دوسرے شخص کو آنکھ دینے کی وصیت کرنا اور اس کو خون پر قیاس کرنا، کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے[۲۵] مرتب)

لہذا بوقت ضرورت ہی اپنے اعزا، واحباب میں سے کسی کو اپنا خون دینا شرعاً جائز ہو سکتا ہے اور جب ... نہ ہو تو چونکہ انسان اپنے بدن یا کسی عضو کا مالک نہیں ہے تو اس کو یہ حق بھی حاصل نہیں ہے کہ اپنا خون نکالا...

بلڈ بینک میں جمع کرادے، لہذا سوال میں جو تحریر کیا گیا ہے کہ کیمپ لگوا کر نوجوان اپنا خون جمع کروائیں شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے۔

البتہ سوال میں جو پریشانی لکھی گئی ہے اس کا ایک حل یہ ہوسکتا ہے کہ جو نوجوان اپنا خون دینا چاہتے ہیں ان کا نام اور کس گروپ کا خون ہے وہ لکھ لیا جائے اور آئندہ جب کسی مریض کو خون کی ضرورت ہو اس وقت ان نوجوانوں میں سے جس کا مریض سے رشتے داری یا خصوصی تعلق ہو مندرجہ بالا شرائط کو پیش نظر رکھتے ہوئے بقدر ضرورت اپنا خون دے دے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مریض کو کن حالات میں خون دیا جا سکتا ہے؟ تبرعاً خون نہ ملے تو خریدنا کیسا ہے عورت کو مرد کا خون دیا گیا تو بعد میں نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں:

(سوال ۲۲۶) (۱) مریض کو کسی انسان کا خون دینا کیسا ہے؟ کن حالات میں خون دینا جائز ہوگا؟ مریض کا کوئی عزیز یا دوست اپنا خون دینا چاہے تو دے سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) اگر مریض کو کوئی شخص خون دینے والا نہ ہو تو مریض کے لئے قیمت دے کر خون خریدنا جائز ہوگا؟

(۳) کسی عورت کو کسی مرد نے خون دیا تو اس مرد کا نکاح اس عورت سے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) انسان کا خون دوسرے کے بدن میں داخل کرنا (یعنی استعمال کرنا) دو وجہ سے حرام ہے۔ (۱) خون انسان کا ایک جزو ہے اس لئے واجب التکریم ہے (۲) انسان کا خون بدن سے نکال لیا جاوے تو وہ نجس ہے لہذا عام حالات میں جب کہ کوئی اضطراری صورت نہ ہو آیت قرآنی حرمت علیکم المیتة والدم کے پیش نظر اس کا استعمال حرام ہوگا البتہ جب کسی مریض کی ہلاکت کا خطرہ ہو اور خون دینے سے اس کی جان بچنے کا ظن غالب ہو تو ایسی اضطراری حالت میں بقدر ضرورت مریض کو خون دینا جائز ہے، اور ایسی اضطراری صورت میں کوئی مسلمان دوسرے کو (یعنی مریض کو) اپنا خون مفت دے تو اس کی بھی گنجائش ہے بشرطیکہ خود کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو۔ محض منفعت یا زینت یا قوت وطاقت بڑھانا مقصود ہو تو ایسی صورت میں خون استعمال کرنا اور خون دینا ہرگز جائز نہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

مریض کو دوسرے کا خون دینے کا مسئلہ: تحقیق اس مسئلہ کی یہ ہے کہ انسانی خون، انسان کا جزء ہے اور جب بدن سے نکال لیا جائے تو وہ نجس بھی ہے اس کا اصل تقاضا تو یہی ہے کہ ایک انسان کا خون دوسرے کے بدن میں داخل کرنا دو وجہ سے حرام ہو، اول اس لئے کہ اعضاء انسانی کا احترام واجب ہے اور یہ اس احترام کے منافی ہے، دوسرے اس لئے کہ خون نجاست غلیظہ ہے اور نجس چیزوں کا استعمال ناجائز ہے۔

لیکن اضطراری حالات اور عام معالجات میں شریعت اسلام کی دی ہوئی سہولتوں میں غور کرنے سے امور ذیل ثابت ہوئے، اول یہ کہ خون اگرچہ جزء انسانی ہے مگر اس کو کسی دوسرے انسان کے بدن میں منتقل کرنے کے لئے اعضاء انسانی میں کاٹ چھانٹ اور آپریشن کی ضرورت پیش نہیں آتی، انجکشن کے ذریعہ خون نکالا اور دوسرے کے بدن میں داخل کیا جاتا ہے، اس لئے اس کی مثال دودھ کی سی ہوگئی جو بدن انسانی سے بغیر کسی کاٹ چھانٹ کے نکلتا اور

دوسرے انسان کا جزء بنتا ہے اور شریعت اسلام نے بچہ کی ضرورت کے پیش نظر انسانی دودھ ہی کو اس کی غذا قرار دیا ہے۔ الیٰ قولہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ دودھ جزء انسانی ہونے کے باوجود بوجہ ضرورت کے لئے بھی، جیسا کہ عالمگیری میں ہے و لا بأس بان یسعط الرجل بلبن المرأة ویشربه للدواء، اس میں مضائقہ نہیں کہ دوا کے لئے کسی شخص کی ناک میں عورت کا دودھ ڈالا جائے یا پینے میں استعمال کیا جائے (عالمگیری)

اور مغنی ابن قدامہ میں اس مسئلہ کی مزید تفصیل مذکور ہے (مغنی کتاب الصید ص۶۰۲ ج ۸)

اگر خون کو دودھ پر قیاس کیا جائے تو کچھ بعید از قیاس نہیں، کیونکہ دودھ بھی خون کی بدلی ہوئی صورت ہے، اور جزو انسانی ہونے میں مشترک ہے فرق صرف یہ ہے کہ دودھ پاک ہے اور خون ناپاک تو حرمت کی پہلی وجہ یعنی جزء انسانی ہونا تو یہاں وجہ ممانعت نہ رہا صرف نجاست کا معاملہ رہ گیا، علاج دوا کے معاملہ میں بعض فقہاء نے خون کے استعمال کی بھی اجازت دی ہے۔

اس لئے انسان کا خون دوسرے کے بدن میں منتقل کرنے کا شرعی حکم یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں تو جائز نہیں مگر علاج ودوا کے طور پر اس کا استعمال اضطراری حالت میں بلاشبہ جائز ہے، اضطراری حالت سے مراد یہ ہے کہ مریض کی جان کا خطرہ ہو، اور کوئی دوسری دوا اس کی جان بچانے کے لئے مؤثر یا موجود نہ ہو، اور خون دینے سے اس کی جان بچنے کا ظن غالب ہو، ان شرطوں کے ساتھ خون دینا تو اس نص قرآنی کی رو سے جائز ہے جس میں مضطر کے لئے مردار جانور کھا کر جان بچانے کی اجازت صراحۃً مذکور ہے، اور اگر اضطراری حالت نہ ہو یا دوسری دوائیں بھی کام کر سکتی ہوں تو ایسی حالت میں مسئلہ مختلف فیہا ہے جس کی تفصیل کتب فقہ بحث تداوی بالمحرم میں مذکور ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم. (معارف القرآن ص ۴۱۹، ص ۴۲۰، ص ۴۲۱ جلد اول سورہ بقرہ پ ۲)۔

(۲) مریض کو اگر مفت خون نہ مل سکے تو اس کے لئے مجبوراً خون خریدنا جائز ہے مگر خون دینے والے کے لئے قیمت لینا درست نہیں، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔ ''خون کی بیع تو جائز ،لیکن جن حالات میں جن شرائط کے ساتھ نمبر اول میں مریض کو خون دینا جائز قرار دیا ہے، ان حالات میں اگر کسی کو خون بلا قیمت نہ ملے تو اس کے لئے قیمت دے کر خون حاصل کرنا بھی جائز ہے، مگر خون دینے والے کے لئے اس کی قیمت لینا درست نہیں، حضرات فقہاء کی تصریحات اس مسئلہ میں حسب ذیل ہیں (ایک جزئیہ نقل کیا جاتا ہے) ولا یجوز بیع شعر الخنزیر لانه نجس العین فلا یجوز بیعه اهانة له ویجوز الانتفاع به للخزر للضرورة (الی قوله) یوجد مباح الاصل فلا ضرورة الی البیع (هدایه ص ۵۵ ج ۲) قوله فلا ضرورة قال الفقیه ابو اللیث ان کانت الاساکفة لا یجدون شعر الخنزیر الا بالشراء ینبغی ان یجوز لهم الشراء للضرورة (نهایه) ان شعر الخنزیر یوجد مباح الاصل فلا ضرورة الیٰ بیعه وعلیٰ هذا قیل اذا کان لا یوجد الا بالبیع جاز بیعه لکن الثمن لا یطیب للبائع (عینی ...... الی قوله ...... ونجس العین لا یجوز بیعه اهانة ویجوز الانتفاع به للخزز للضرورة لان غیره لا یعمل عمله فان قیل اذا کان کذلک وجب ان یجوز بیعه اجاب بانه یوجد مباح الاصل فلا ضرورة الیٰ بیعه . وعلیٰ هذا قیل اذا کان لا یوجد الا بالبیع جاز بیعه لکن الثمن لا یطیب للبائع وقال ابو اللیث ان کانت

الاسا كفة لايجدون شعر الحصر الا المعتوه بمعنى ان يجوز لهم (عناية على هامش الفتح ص ۴۰۲ ج۵) جواهر الفقه ص ۱ ۳۰، ص ۳۰، ص ۲۰ ج ۲

(۳) اس مرد ... اور وہ دونوں نکاح کرنا چاہیں تو نکاح ہو سکتے ہیں۔ ان دینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی ... محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں، شوہر کا خون بیوی کے بدن میں یا بیوی کا خون شوہر کے ... نکاح بدستور قائم رہتا ہے کیونکہ شریعت اسلام نے محرمیت ... رضاعت کے ساتھ مخصوص کیا ہے، ان سے تجاوز کرنا درست نہیں اور رضاعت سے ثبوت محرمیت بھی مدت رضاعت کے ساتھ خاص ہے، مدت رضاعت یعنی اڑھائی سال عمر کے بعد دودھ پینے سے بھی حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ كما هو مصرح ومفصل فى عامة كتب الفقه والله سبحانه وتعالى اعلم ـ بنده محمد شفيع عفا الله عنه دار العلوم كراچی نمبر ۱۴۔

تصدیقات شرکاء مجلس

رشید احمد عفی عنہ مفتی اشرف المدارس کراچی ـ محمد عاشق الٰہی بلند شہری مدرس دار العلوم کراچی ولی حسن ٹونکی غفرلہٗ مفتی مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی، محمد رفیع عفا اللہ عنہ مدرس و ناظم مدرسہ ابتدائیہ دار العلوم کراچی محمد یوسف عفا اللہ عنہ بنوری بانی مدرسہ عربیہ (بحوالہ جواہر الفقہ ص ۴۰ جلد نمبر ۲، رسالہ انسانی اعضاء کی پیوند کاری) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ڈاکٹر کی غفلت پر ملنے والا تاوان وصول کرنا:

(سوال ۲۲۷) عرصہ تین سال سے زید یہاں ایک ہسپتال کے ڈاکٹر سے اپنے پیٹ کی ایک بیماری کے لئے زیر علاج ہے، بقول ڈاکٹر یہ مرض لا علاج ہونے کی وجہ سے دوا سے صرف تھوڑا بہت کنٹرول ہو سکتا ہے۔ مکمل شفا کی امید کم ہے، اثنائے علاج شدت تکلیف پر زید کو ایک دوا دی گئی جس سے اس کو بطور ضمنی اثر (SIDE EFFECT) ذیابیطس کا مرض لاحق ہو گیا ڈاکٹر کے علم میں جب یہ بات لائی گئی، تو اس نے بغیر کسی اظہار تعجب کے کہا یہ دوا کا ضمنی اثر ہے، اس کے بعد اس نے وہ دوا بتدریج کم کر کے بند کر دی اور دوسری دوا تجویز کی جو سابق دوا کے مقابلہ میں زود اثر اور بے ضرر یا کم ضرر تھی، کیا ڈاکٹر کو دیگر متبادل اور بے ضرر دوا کے ہوتے ہوئے اول وہلہ میں سخت دوا کے استعمال پر، نیز مریض کی صحت سے غفلت برتنے پر اور اس کو ذیابیطس جیسی خطرناک دائمی مرض میں مبتلا کرنے پر ضامن و قصور وار قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں"

ڈاکٹروں کی رائے میں مرض ذیابیطس ام الامراض ہے، بقول ان کے اس بیماری سے جوڑوں کا درد، بینائی کی کمزوری، زخموں کا بدیر مندمل ہونا، ... قوت مدافعت میں کمی، جگر و گردوں کا متاثر ہونا یہاں تک کہ عارضہ قلب جیسی ... مہلک امراض ... اور مریض دائمی طور پر اس کا شکار ہو کر پوری زندگی سلب آزادی خورد و نوش سے مکمل پرہیز اور ... سے دوا یا انجکشن لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

(۲) ڈاکٹر کی غفلت و بے پروائی ثابت ہونے پر مریض کی عمر، مرض کی کیفیت اور باقی زندگی میں اس ... دائمی معذوری کو ملحوظ رکھتے ہوئے عدالت بطور تاوان یا جرمانہ کے کچھ رقم مریض کو ڈاکٹر سے دلواتی ہے، ایسا ...

کے لئے اس رقم کو لے کر اپنے تصرف میں لانا شرعی اعتبار سے جائز ہے یا نہیں؟ عام طور پر یہ تاوان ڈاکٹر کی انشورنس کمپنی ادا کرتی ہے (از انگلینڈ)

(الجواب) جب کہ ڈاکٹر نے قصداً یہ حرکت نہیں کی ہے اور غفلت نہیں برتی ہے تو وہ مجرم نہیں ہے، اس سے تاوان کا مطالبہ کرنا صحیح نہیں، دوا سے نقصان پہنچنا یہ قدرتی چیز ہے، چنانچہ مثنوی میں ہے۔

چوں　قضا　آید　طبیب　ابلہ　شود۔

اگر ڈاکٹر کا جرم ثابت ہو جائے اور اس کے جرم کی وجہ سے تاوان اور جرمانہ مل رہا ہے وہ آپ لے سکتے ہیں، اگر آپ کو شبہ ہو تو غرباء و مساکین پر تقسیم کر دیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۵ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ۔

پلاسٹک سرجری کا حکم نومولود بچہ کی جھلی سے آگ والے کا علاج کرنا:

(سوال ۲۲۸) مدت سے ڈاکٹروں کے یہاں آگ کی جلن کے لئے معالجہ یہ طریقہ رہا ہے کہ جلے ہوئے حصہ پر دوا لگانے کے بعد دوسرے موضع (مثلاً سرین) سے بذریعہ آپریشن کچھ کھال نکال کر اس جلے ہوئے حصہ پر لگا لیتے ہیں، چونکہ جلنے سے کبھی بہت گہرا زخم ہو جاتا ہے اور اس موضع کی کھال بالکل اکھڑ جاتی ہے تو زخم کے بھر جانے کے واسطے اس شخص کے بدن کے کسی حصہ سے (اکثر و بیشتر سرین سے کہ وہ ہمیشہ نظروں سے غائب ہے) بقدر ضرورت کھال نکال لیتے ہیں اور اسی کھال کو جلے ہوئے موضع پر لگا دیتے ہیں ایسا کرنے سے وہ حصہ جلدی درست ہو جاتا ہے اور سوزش کی تکلیف ختم ہو جاتی ہے، ابھی حال ہی میں ڈاکٹر حضرات کے یہاں جلن کے لئے ایک جدید علاج زیر تحقیق ہے (ابھی تک اس نئے علاج کا عام رواج نہیں ہوا، بطور آزمائش چند لوگوں پر استعمال جاری ہے) تفصیل اس کی یہ ہے کہ رحم کے اندر جو جھلی ہے جس میں حمل لپٹا ہوتا ہے، اسی جھلی کو ولادت کے بعد ڈاکٹر نکال لیتا ہے، مختلف ادویہ اور مسالہ جات کے ساتھ اس جھلی کو ملا لیتا ہے یہاں تک کہ ایک لیسدار مادہ تیار ہو جاتا ہے مرہم کی طرح، اب اگر کوئی آگ سے جل گیا تو اس جھلی سے تیار شدہ مرہم کو استعمال کرتے ہیں، جلے ہوئے حصہ پر لگانے سے بہت جلد زخم بھر جاتا ہے اور کھال پہلی حالت کی طرف لوٹ آتی ہے، اب کھال کے قلم کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان دونوں مسئلوں میں شرعی حکم دریافت طلب ہے کہ آیا علاج بایں دو طریق جائز ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ ان دونوں صورتوں میں جان کے ہلاک ہونے کا تو خوف نہیں ہے البتہ سخت تکلیف سے نجات ہے، مؤدبانہ گذارش ہے کہ جواب حوالہ کتب فقہیہ سے مبرہن و مدلل ہو، اجر کم علی اللہ وھو خیر المؤجرین۔

(الجواب) حامداً و مصلیاً و مسلماً! صورت مسئولہ میں دونوں قسم کا علاج اضطرار اور ضرورت شدیدہ کی حالت میں درست ہے، رحم کی جھلی جس میں بچہ لپٹا ہوا رہتا ہے اور باہر آتا ہے خارجی استعمال کرنے میں قباحت نہیں، فضول اور ناکارہ شئی ہے اور سوزش دور کرنے میں فوری طور پر اس کا مرہم استعمال کیا جاتا ہے بخلاف بذریعۂ آپریشن کھال نکالنے کے۔ کہ تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود۔ عورت کا دودھ جو انسان کا جز ہے علاجاً استعمال کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے: ولا بأس بان یسعط الرجل بلبن المرأہ ویشربہ للدواء (فتاویٰ ھندیہ ج۶ ص ۳۳۶ کتاب الکراھیۃ الباب الثامن عشر فی التداوی) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

فعل جائز و ناجائز

مرد کا عورت کی شرم گاہ کو چومنا اور عورت کے منہ میں اپنا عضو مخصوص دینا:

(سوال ۲۲۹) مرد و عورت جب پاک ہوں تو ان کی شرم گاہ کا ظاہری حصہ پاک ہے یا ناپاک؟ اگر بوقت ہم بستری عورت مرد کی شرم گاہ کو منہ میں لیوے یا مرد اس کے منہ میں دے دے، اسی طرح اگر مرد عورت کی شرم گاہ کے ظاہری حصہ کو زبان لگائے، چومے تو ایسی حرکتوں سے قباحت ہے یا نہیں؟ گناہ ہوگا یا نہیں؟ ایسے مسائل کے دریافت کرنے میں شرم محسوس ہوتی ہے مگر ضرورۃً دریافت کیا ہے معاف فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) دین کے مسائل و احکام دریافت کرنے میں شرم و حیا کو آڑ نہیں بنانا چاہئے اگر شرم و حیا کا لحاظ کر کے دینی احکام معلوم نہ کئے جائیں تو شرعی احکام کا علم کیسے ہوگا؟ خدا تعالیٰ فرماتا ہے **واللہ لا یستحی من الحق** (اللہ تعالیٰ حق بات کہنے میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا) لہٰذا مسائل کے دریافت کرنے میں شرم و حیا کو حجاب نہ بنانا چاہئے، بے شک شرم گاہ کا ظاہری حصہ پاک ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر پاک چیز کو منہ لگایا جائے اور منہ میں لیا جائے اس کو چوما جائے اور چاٹا جائے۔ ناک کی رطوبت پاک ہے تو کیا ناک کے اندرونی حصہ کو زبان لگانا اس کی رطوبت کو منہ میں لینا پسندیدہ چیز (خصلت) ہو سکتی ہے؟ اور اس کی اجازت ہو سکتی ہے؟ مقعد (پاخانہ کا مقام) کا ظاہری حصہ بھی ناپاک نہیں، پاک ہے، تو کیا اس کو چومنے کی اجازت ہوگی؟ نہیں ہرگز نہیں، اسی طرح عورت کی شرم گاہ کو چومنے اور زبان لگانے کی اجازت نہیں سخت مکروہ اور گناہ ہے، کتوں، بکروں وغیرہ حیوانات کی خصلت کے مشابہ ہے اگر شہوت کا غلبہ ہے تو صحبت کر کے ختم کر لے، البتہ عورت فاعل نہیں ہے مفعول ہوتی ہے پس صحبت اس کے اختیار کی بات نہیں ہے اس لئے اگر وہ صحبت کی درخواست کرنے میں شرم محسوس کرے اور شہوت سے مغلوب ہو کر مرد کے عضو مخصوص کو منہ میں لے لے تو معذوری ہے لیکن اس کی عادت کر لینا مکروہ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے **فی النوازل اذا ادخل الرجل ذکرہ فی فم امرأتہ قد قیل یکرہ وقد قیل بخلافہ کذا فی الذخیرۃ (عالمگیری ج ۶ ص ۳۴۶ کتاب الکراھیۃ الباب الثلثون فی المتفرقات)**

غور کیجئے! جس منہ سے پاک کلمہ پڑھا جاتا ہے، قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے درود شریف پڑھا جاتا ہے اس کو ایسے خسیس کام میں استعمال کرنے کو دل کیسے گوارا کر سکتا ہے؟ ایک شاعر کہتا ہے۔

هزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

ہزار مرتبہ مشک وگلاب سے منہ دھوؤں تب بھی تیرا پاک نام لینا بے ادبی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خاندانی عزت کے پیش نظر اسقاط حمل کرانا:

(سوال ۲۳۰) ایک باعزت گھرانے کی بچی نے کسی مسلمان کے ساتھ راہ فرار اختیار کیا، تحقیق سے بعد معلوم ہوا کہ پہلے ہی سے غلط روابط تھے مگر لڑکی کا کہنا ہے کہ ہم نے شادی کر لی ہے اس لئے اس آدمی سے طلاق نامہ لکھوالیا ہے مگر

شبہ یہ ہے کہ کہیں حمل نہ ہو اگر جانچ کرانے کے بعد حمل کی بات پختہ طور پر معلوم ہو جائے تو ایسی صورت میں جب کہ جان نہ پڑی ہو اسقاط کرا سکتے ہیں؟ اور اسقاط کے بعد عدت گذارنی ضروری ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نکاح متحقق ہونے کی صورت میں طلاق نامہ جبراً و اکراہاً لکھوایا ہوگا تو طلاق معتبر نہ ہوگی ایسی حالت میں زبانی طلاق کا اعتبار ہوتا ہے، نکاح کے بعد صحبت بھی ہوئی ہو تو طلاق کی عدت لازم ہوگی، بلا صحبت ہی طلاق کی نوبت آ گئی ہو تو عدت لازم نہ ہوگی،(۱) عدت لازم ہونے کی صورت میں اگر حمل ابتدائی درجہ میں ہو تو اسقاط کی گنجائش ہے۔ لیکن عدت پوری نہ ہوگی، البتہ بچہ کے اعضاء بن گئے ہوں تو عدت ختم ہونے کا حکم دیا جائے گا مگر اعضاء بن جانے اور جان پڑ جانے کے بعد اسقاط حرام ہے۔ نکاح کے چھ مہینے کے بعد بچہ ہوگا تو وہ ثابت النسب اور حلالی ہوگا پھر اسقاط کا طریقہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟(۲) نیز جب لڑکی کے بھاگ جانے کا لوگوں کو علم ہے تو اسقاط سے عزت کیسے بچ سکتی ہے؟ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۹ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ۔

بذریعہ انجکشن رحم میں مادۂ منویہ پہنچانا:

(سوال ۲۳۱) میں پچھلے ساڑھے تین سال سے شادی شدہ ہوں مگر اولاد سے محروم ہوں دعا کے ساتھ دوا بھی جاری ہے، ہم جس ڈاکٹر کے پاس جا رہے ہیں وہ عیسائی ہے اس نے بہت توجہ سے علاج کیا (اور اس سلسلہ میں میری اہلیہ کا آپریشن بھی ہوا) اور اس نے ہمیں جو جو ہدایات کیں اس پر عمل بھی کیا مگر ہم ابھی تک اولاد کی نعمت سے محروم ہیں، اب ڈاکٹر صاحب نے ایک مصنوعی طریقہ بتایا ہے جس کے بارے میں مجھے فتویٰ درکار ہے، آپ رہنمائی فرمائیں۔ وہ طریقہ یہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب میرا مادۂ منویہ جو کہ میں ہاتھ سے نکالوں گا میرے سامنے میری اہلیہ کی بچہ دانی میں کسی آلہ کے ذریعہ منتقل کریں گے، اس عمل سے امید واثق ہے کہ اللہ کے حکم سے بچہ ہو جائے گا۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ مادۂ منویہ میرا ہی ہوگا اس میں کسی اور چیز کی آمیزش نہ ہوگی۔ جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ (از کینیڈا)

(الجواب) مشت زنی کی تو اجازت نہیں بوقت صحبت عزل کا طریقہ اختیار کر کے منی محفوظ کی جا سکتی ہے، جو بچہ شوہر کے نطفہ سے پیدا ہوگا وہ ثابت النسب ہوگا، لیکن یہ طریقہ غیر فطری اور مکروہ ہے جبکہ خود شوہر یہ عمل کرے، ڈاکٹر سے ایسا عمل کرانا قطعی حرام ہے۔ ستر عورت فرض ہے عورت کی شرم گاہ (جائے پیشاب) عورت غلیظہ ہے شرم گاہ کے بالائی حصہ کو بلا وجہ شرعی دوسرے کے لئے دیکھنا جائز نہیں ہے تو اندرونی حصہ کو دیکھنا اور شرم گاہ کو چھونا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ میاں بیوی سخت گنہگار ہوں گے اور شوہر از روئے حدیث دیوث بنے گا اور جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا لہذا اس عمل

---

(۱) خلوت (یعنی میاں بیوی میں یکجائی ہونے) سے بھی عدت واجب ہوتی ہے۔ سعید احمد۔

(۲) مذکورہ صورت میں نسل ضائع کرنے کی اجازت نہیں اگرچہ حمل ابتدائی مرحلے میں ہو۔ مذکورہ عذر ان اعذار میں سے نہیں جس کی وجہ سے حمل ضائع کرنا جائز ہو۔ وفی الدر المختار لو ارادت القاء الماء بعد وصوله الی الرحم قالوا ان مضت مدة ينفخ فيه الروح لا يباح وقبله اختلف المشائخ فيه والنفخ مقدر بمائة وعشرين يوما بالحديث اه قال فی الخانية ولا اقول به لضمان المحرم بيض الصيد لانه اصل الصيد فلا اقل ان يلحقها اثم وهذا لو بلا عذر شامی كتاب الحظر والا باحة ج ۶ ص ۶۰۳ قبيل باب الاستبراء وغيره ، وجاز بعذر كالمرضعة اذا ظهر بها الحبل وانقطع لبنها وليس لابی الصبی ما يستاجر به الظئر و يخاف هلاک الولد قالوا يباح لها ان تعالج فی استنزال الدم ما دام الحمل مضغة او علقة الخ شامی آخر كتاب الحظر والا باحة ج ۶ ص ۴۲۹

سے قطعاً احتراز کیا جائے اولاد کا شوق ہے تو دوسری شادی کر سکتے ہیں جائز صورت ہوتے ہوئے ناجائز طریقہ چل پڑا تو آپ سخت گنہگار اور مبغوض ہوں گے ومن سن سنة سيئة فله وزرها ووزر من عمل بها الى يوم القيامة مشکوٰۃ کتاب العلم ص ۳۳ او کما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم . فقط والله اعلم بالصواب . ۲۰ ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ.

جھنڈے کو سلامی دینا:

(سوال ۲۳۲) ۱۵ اگست کے دن پرچم کشائی کے وقت سلامی دی جاتی ہے تو سلامی دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص سرکاری ماسٹر یا گورنمنٹ ملازم ہے تو کیا کرے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ محض سیاسی چیز ہے اور حکومتوں کا طریقہ ہے، اسلامی حکومتوں میں بھی ہوتا ہے، بچنا اچھا ہے، اگر فتنہ کا ڈر ہو تو بادل ناخواستہ کرنے میں مؤاخذہ نہیں ہوگا، انشاء اللہ۔

اس کے متعلق حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔ ''جھنڈے کی سلامی مسلم لیگ بھی کرتی ہے اور اسلامی ملکوں میں بھی ہوتی ہے وہ ایک فوجی عمل ہے اس میں اصلاح ہو سکتی ہے مگر مطلقاً اس کو مشرکانہ عمل قرار دینا صحیح نہیں ہے (از نقیب جلد نمبر ۷ پھلواری شریف پٹنہ ۲۶، جمادی الاول ۱۳۵۸ھ ۔ ۹ جولائی ۱۹۳۹ء یکشنبہ۔) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ظالم شوہر طلاق دے دے اس مقصد کے لئے پاک عمل کرنا:

(سوال ۲۳۳) ہندہ نامی لڑکی کا حامد سے تعلق تھا اور وہ اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی تھی مگر اس کے والدین نے اس کا نکاح خالد سے کر دیا، نکاح کے بعد دونوں میں نا اتفاقی رہی اور ابھی حال یہ ہے کہ ہندہ دو سال سے اپنے والدین کے گھر ہے خالد نہ اس کو اپنے یہاں بلاتا ہے اور نہ کچھ خرچ دیتا ہے بلکہ اب وہ دوسرا نکاح کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ میں زندگی بھر ہندہ کو تڑپاؤں گا نہ طلاق دوں گا نہ اپنے پاس بلاؤں گا، ہندہ طلاق لے کر حامد سے نکاح کرنا چاہتی ہے، ان حالات میں اگر کوئی عامل ایسا عمل کرے کہ خالد ہندہ کو طلاق دے دے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ہندہ کا بھی قصور ہے کہ کسی اور سے ناجائز تعلق قائم رکھا تھا اور اب شوہر کی بھی تعدی اور ظلم وزیادتی ہے کہ نہ رکھنا چاہتا ہے نہ طلاق دیتا ہے عمر بھر سڑانا چاہتا ہے، ایسے حالات میں ہندہ گناہ کی مرتکب ہوگی لہذا کوئی ایسا پاک عمل کرنا کہ جس کی وجہ سے شوہر مجبور ہو کر طلاق دے دے تو اس کی شرعاً اجازت ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۹ رجب المرجب ۱۴۰۴ھ۔

سود کی رقم سے ٹیکس ادا کرنا:

(سوال ۲۳۴) علمائے دین اس بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ اسلام میں ڈھائی فیصد زکوٰۃ فرض ہے، اس کے علاوہ سرکاری ٹیکس جو بہت زیادہ ہوتا ہے وہ بھی ادا کرنا پڑتا ہے، کیا اس صورت میں بینک کے سود ٹیکس ادا کرنے کی شریعت کی طرف سے گنجائش ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) زکوٰۃ ادا کرنا عبادت ہے اور بہت سی مصیبتوں اور بلاؤں سے نجات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، غریب رشتہ دار وغیرہ کی امداد کر کے دعائیں لینا ہے اس میں رنجیدہ خاطر اور دل برداشتہ نہ ہونا چاہئے، بینک کی زائد رقم کے غرباء حقدار ہیں سرکاری ٹیکس ناقابل برداشت ہے اور بینک بھی سرکاری ہے اس لئے بینک کے سود سے سرکاری ناقابل برداشت ٹیکس ادا کرنے کی گنجائش ہے مگر جہاں تک ہو سکے بچنے کی کوشش کی جائے کہ اس میں سود اپنے استعمال میں لانے کے مرادف ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کسی تدبیر سے یا رشوت دے کر میونسپلٹی کو ٹیکس کم دینا:

(سوال ۲۳۵) ہماری کپڑے کی دوکان ہے اور ہم باہر سے مال منگواتے ہیں، میونسپلٹی کے قانون کے اعتبار سے سو روپے کے مال پر ڈیڑھ سو روپیہ بطور ٹیکس حکومت کو دینا ضروری ہوتا ہے، بہت سے لوگ کسی تدبیر سے یا افسروں کو رشوت دے کر کم ٹیکس دیتے ہیں، تو یہ حرکت جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) میونسپلٹی کا ٹیکس بچا کر پولسوں اور افسروں کو رشوت دینا اور ان کو اس کا عادی بنانا کوئی اچھا کام نہیں ہے، اس سے بہتر تو یہی ہے کہ ٹیکس پورا دے دیا جائے نہ دینے میں کبھی ذلیل اور بے عزتی ہونے کا موقعہ آ جاتا ہے اور خود کو ذلیل کرنا شرعاً جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اسقاط حمل جائز ہے یا نہیں:

(سوال ۲۳۶) ایک کنوری لڑکی اپنی غلط کاری کی وجہ سے حاملہ ہوگئی ہے اور اب اس کے حمل کو چار مہینے ہو چکے ہیں ادھر والدین کی عزت کا سوال ہے ایسی صورت میں حمل گرانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بچہ کے بال انگلیاں پیر وغیرہ اعضاء بن چکے ہوں اور بچہ میں جان پڑ گی ہو جس کی مدت ۱۲۰ دن ہے (یعنی چار مہینے) ایسی حالت میں کسی کے نزدیک بھی حمل گرانا جائز نہیں حرام اور گناہ ہے، بچہ ضائع ہوگا اور اس کی ماں کی جان کو بھی خطرہ میں ڈالنا ہے اس لئے اس کی اجازت نہ ہوگی وفی الذخیرۃ لو ارادت القاء الماء بعد وصولہ الی الرحم قالوا ان مضت مدۃ ینفخ فیہ الروح لا یباح لھا وقبلہ اختلف المشائخ فیہ والنفخ مقدر بمائۃ وعشرین یوماً بالحدیث اھ (شامی ج۵ ص ۳۲۹ کتاب الحضر والاباحۃ، آخر فصل فی النظر والمس) فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۵ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ۔

سخت بیماری کی وجہ سے ضبط تولید کرائے یا نہیں:

(سوال ۲۳۸) میری بیوی عرصۂ دراز سے بیماری میں مبتلا ہے۔ جس بنا پر کمزور اور کم طاقت ہے۔ کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ چھ ۶ سات ۷ برس سے یہ حالت ہے۔ علاج و معالجہ کے باوجود کوئی فرق نہیں اس حالت میں ایام حمل میں طبیعت خراب رہتی ہے۔ کمزوری میں اور اضافہ ہو جاتا ہے تو ایسی حالت میں آپریشن کرانا جائز ہے یا نہیں؟ ڈاکٹر حکیم کہتے ہیں کہ تم آپریشن نہ کراؤ گے تو طبیعت ایسی ہی رہے گی۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب کمزوری اور طبیعت کی خرابی کی وجہ سے حمل کی قرار کی دشوار ہے۔ حمل برداشت نہیں ہو سکتا۔ تو اولاً ایسا

علاج کیا جاوے کہ کچھ عرصہ تک استقرار حمل نہ ہو یعنی حمل نہ ٹھہرے۔ پھر اگر یہ وقتی تدبیر مفید ثابت نہ ہو تو بالآخر مسلمان دیندار حاذق حکیم یا مسلمان دیندار تجربہ کار ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق آپریشن کرانا جائز ہے۔ اس بارے میں غیر مسلم ڈاکٹر یا حکیم کی صلاح غیر معتبر ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ضبط تولید کا شرعی حکم کیا ہے

(سوال ۲۳۹) آپریشن کے ذریعہ بچہ دانی نکال لینا کیسا ہے؟ مرض وصحت میں کیا حکم ہے؟ بعض لوگ مفلسی کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

(الجواب) اگر ضرورت محسوس ہو تو بحالت عذر جب تک عذر باقی ہے چندوں کے لئے ضبط حمل کی تدبیر ومعالجہ کر سکتے ہیں۔ لیکن بدون شرعی عذر کے بچہ دانی نکال کر دائما اولاد سے محروم ہونے کی کوشش کفران نعمت ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔

عن معقل بن یسار قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم. رواہ ابو داؤد (مشکوۃ شریف کتاب النکاح ص ۲۶۷)

یعنی ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ اولاد جننے والی ہوں کہ قیامت کے روز تمہاری کثرت تعداد کی بناء پر میں دوسری امتوں پر فخر کر سکوں (مشکوۃ)

رزق دینے والا خدا ہے وہ اولاد کو بھی دے گا اور تم کو بھی۔ اولاد کے رازق ماں باپ نہیں بلکہ خدا ہے، جس نے ماں کے شکم میں رزق دیا وہ پیدا ہونے کے بعد بھی دے گا۔ اولاد ماں کے پیٹ سے رزق نامہ ساتھ لے کر آتی ہے اسی کے مطابق رسد پانے کی پھر ایسے تصورات کیوں کئے جائیں؟ فرمان خداوندی ہے۔

ولا تقتلوا اولادکم من املاق نحن نرزقکم وایاھم (سورۃ الانعام)

یعنی ''اپنی اولاد کو بخوف افلاس قتل نہ کرو۔ ہم ہی تم کو رزق دیتے ہیں اور ان کو'' دوسری جگہ ہے:۔

ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم (سورۃ بنی اسرائیل)

یعنی۔ اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے قتل نہ کرو ہم ان کو اور تم کو بھی رزق دیتے ہیں لہذا معمولی عذر میں اس کی اجازت نہیں۔ ہاں اگر عورت کی صحت خراب ہونے کی وجہ سے اس میں ضبط حمل کی قوت نہ رہی ہو اور جان کا خطرہ ہو، اور آپریشن کے بغیر چارہ کار نہ ہو اور اس کی اجازت مسلمان دیندار حکیم حاذق یا مسلمان دیندار تجربہ کار ڈاکٹر دیتا ہو تو آپریشن کر سکتے ہیں۔

برتھ کنٹرول (ضبط تولید) کے لئے مجبور کیا جائے تو کیا علاج:

(سوال ۲۴۰) آج کل ہم ریلوے کے ملازمین (ریلوے میں نوکری کرنے والوں) کو برتھ کنٹرول کے لئے بہت ہی مجبور کیا جاتا ہے۔ ہمیں کہا جاتا ہے کہ بچے پیدا نہ ہوں۔ اس لئے مرد یا عورت میں سے کوئی ایک آپریشن کرالیں بالخصوص مردوں کے آپریشن پر زیادہ زور دیا جاتا ہے! اگر ہم برتھ کنٹرول کا انکار کرتے ہیں تو ہماری ایذا رسانی کے لئے ہر حربہ کام میں لایا جاتا ہے اور ہمیں جو سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ مثلاً پیشگی امداد، اور بحالت بیماری ادویہ اور علاج

معالجہ کے لئے ریلوے ڈاکٹر وغیرہ سے محروم کردیا جاتا ہے۔اور ایسے بہت سے طریقوں سے ہمیں پریشان کیا جاتا ہے جس سے تنگ آکر کچھ تو آپریشن کراہی ڈالتے ہیں اور انکار کی صورت میں نوکری عذاب بن جاتی ہے اور مذکورہ سہولتیں نہ ملنے پر ہماری مشکلات میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ایسے حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ اور علمائے دین کے خیالات اس سلسلہ میں کیا ہیں۔

مذکورہ حالت کو ہم مجبوری کے تحت لا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اسے مجبوری شمار کرکے آپریشن کرالیا جائے۔تو جائز ہوگا یا نہیں؟

جب ان سے یوں کہا جاتا ہے کہ برتھ کنٹرول ہمارے مذہب کے خلاف ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہاں بیچ میں دھرم ورم مت لاؤ! اب ہم کیا کریں۔؟ آپ بالتفصیل سمجھائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) بے شک! اولاد اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:۔ **تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم.** یعنی ایسی عورتوں کے ساتھ نکاح کرو جو بہت ہی محبت کرنے والی اور بہت ہی بچے جننے والی ہوں۔کیونکہ میں تمہاری اکثریت اور زیادتی کی وجہ سے دیگر امتوں پر فخر کروں گا۔(مشکوٰۃ کتاب النکاح ص ۲۶۷)

ملازمت قائم رکھنے یا ملازمت کی سہولتیں اور آسائشیں حاصل کرنے کے لئے خود کا یا اپنی عورت کا آپریشن کرا کر ہمیشہ کے لئے اولاد سے محروم ہوجانا اور خصی ہوجانا کفران نعمت ہے اور شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔حدیث میں وارد ہے کہ صحابہ کرامؓ نے گناہوں سے بچنے اور دنیاداری سے بے فکر ہوکر خدا کی عبادت میں مصروف رہنے کے ارادہ سے خصی ہونے کی خواہش ظاہر کی تو آپ (ﷺ) نے اجازت نہیں دی اور قرآن پاک کی۔آیت تلاوت فرمائی:۔

یا ایھا الذین امنوا لا تحرموا طیبٰت مااحل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین○

(اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمہارے لئے حلال کی ہیں ان پاکیزہ لذیذ چیزوں کو حرام مت کرو۔اور حدود سے آگے مت نکلو بے شک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔) **بخاری شریف ج ۲ ص ۷۵۹ باب ما یکرہ من التبتل والخصآء.**

اس سے معلوم ہوا کہ خصی یعنی قطع نسل کا عمل نص قرآنی سے بھی حرام ہے۔اور حدود اللہ سے تجاوز میں داخل ہے۔لہذا عمل قطع نسل بالاتفاق حرام ہے (**عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۲۰ ص ۷۲**) اور فقہاء نے لکھا ہے کہ **اما خصاء الادمی حرام**۔ انسان کا خصی ہوجانا حرام ہے (**درمختار مع الشامی ج۵ ص ۳۴۲ کتاب الحضر والاباحت فصل فی البیع**)

حدیث میں ہے۔**لاطاعۃ للمخلوق فی معصیۃ الخالق.** یعنی خالق کی نافرمانی کرکے مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

اس لئے ''دھرم ورم بیچ میں مت لاؤ'' کی جواب میں سب کو متفق ہوکر اور ایک زبان ہوکر کھلے الفاظ میں یہ کہہ دینا چاہئے کہ پہلے دھرم (مذہب) پھر ملازمت! رزق کا دینے والا تو خدا تعالیٰ ہے۔قرآن میں باری تعالیٰ نے فرمایا۔

وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقها. یعنی روئے زمین پر کوئی بھی ایسا ذی روح نہیں ہے جس کی رزق کی ذمہ داری خدائے تعالیٰ نے نہ لی ہو۔ (سورۂ ہود)

دوسری جگہ ارشاد ہے۔ **وکأین من دآبة لا تحمل رزقها اللہ یرزقها وایاکم.** یعنی کتنے جاندار ایسے ہیں جو (آئندہ کل کے لئے) اپنی روزی محفوظ (بچا کر) نہیں رکھتے۔ خدا ہی انہیں رزق پہنچاتا ہے اور تمہیں بھی وہی رزق دیتا ہے۔ (قرآن حکیم سورۂ عنکبوت)

ایک اور جگہ ہے۔ **ومن یتق اللہ یجعل له مخرجاً ویرزقه من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فهو حسبه** . یعنی جو شخص خدا سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے (مشکلات سے) نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے، جس کے متعلق اس کو وہم وگمان تک نہیں ہوتا اور جو خدا پر بھروسہ رکھے گا اس کے لئے خداوند تعالیٰ (مشکلات دور کرنے کے لئے) کافی ہے (قرآن حکیم۔ سورۂ طلاق)

اور ایک جگہ ارشاد ہے۔ **ولا تقتلوا اولادکم من املاق نحن نرزقکم وایاهم** یعنی۔ اپنی اولاد کو مفلسی کی وجہ سے قتل نہ کرو ہم تمہیں روزی دیتے ہیں اور ان کو بھی (قرآن حکیم۔ سورۂ انعام)

اور ایک جگہ ارشاد ہے۔ **ولا تقتلوا اولادکم خشیة املاق نحن نرزقهم وایاکم** یعنی اولاد کو ناداری کے خوف سے مت قتل کرو ہم انہیں بھی روزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی (قرآن حکیم سورہ بنی اسرائیل)

حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ بے شک اگر جو آپ لوگ خدائے تعالیٰ پر بھروسہ رکھو گے جیسا کہ اس کا حق ہے تو وہ تمہیں ایسے طریقے پر روزی پہنچائیں گے جیسا کہ پرندوں کو روزی پہنچاتے ہیں کہ وہ علی الصبح بھوکے پیٹ جاتے ہیں اور سر شام شکم سیر ہو کر واپس ہوتے ہیں ۔ (مشکوٰۃ باب التوکل والصبر ص ۴۵۲)

حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں:۔

اے کریمے کہ از خزانہ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

یعنی اے خدا! آپ جب کہ ایسے کریم ہیں کہ یہود ونصاریٰ، آتش پرستوں اور بت پرستوں وغیرہ کو اپنے خزانہ غیب سے روزی پہنچاتے ہیں۔ دشمنوں پر جب ایسی نظر رحم وکرم ہے تو اپنے دوستوں (جو اللہ کے عبادت گذار ہیں) کو کس لئے محروم رکھیں گے؟

منقول ہے کہ کوے کا بچہ انڈے سے نکلتا ہے تب اس کے بدن کے بال وپر سفید ہوتے ہیں۔ نر اور مادہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا بچہ نہیں ہے۔ اگر ہمارا ہوتا تو ہم جیسا ہی سیاہ ہوتا اس لئے وہ اسے کھلاتے نہیں۔ لیکن جب اس کے بال وپر کالے ہونے لگتے ہیں تو اسے اپنا بچہ سمجھتے ہیں اور کھلاتے پلاتے ہیں۔ بال وپر جب تک کہ سفیدی سے سیاہی مائل ہوتے ہیں اس اثناء میں خداوند تعالیٰ اسے اس طریقہ سے روزی پہنچاتے ہیں کہ بچہ جب اپنی چونچ (منہ)

کھولتا اور بند کرتا ہے تب حشرات الارض اور جراثیم ہوا کے ذریعہ اس کے منہ میں پہنچ کر اس کی خوراک بنتے ہیں اس طرح اللہ تعالیٰ کوے کے بچے کو روزی پہنچاتے ہیں تو کیا وہ ذات اپنے وفا شعار بندوں کو روزی نہیں پہنچائے گی؟ کیا وہ تمہیں بھوکوں ماریں گے؟؟ نہیں ہرگز نہیں!! بقول شاعر

غم روزی مخور برہم مزن اوراق دفتر را
کہ پیش از طفل ایزد پر کند پستان مادر را

فکر معاش میں حیران و پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، خدا تو ایسی عالی شان والے ہیں کہ نومولود (بچہ) کے دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے خداوند قدوس پستان مادر میں دودھ مہیا کر دیتے ہیں اور اس طرح محیر العقول خوراک کا انتظام ہو جاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ضبط ولادت کے متعلق کیا حکم ہے :

(سوال ۲۴۱) آپریشن کر کے ضبط ولادت کی گنجائش ہے یا نہیں؟

(الجواب) وقتی طور پر (ایک خاص مدت تک جب تک ضرورت ہو) حمل روکنے کی ضرورۃً اجازت ہے۔ مگر ہمیشہ کے لئے ضبط ولادت کسی شدید اور انتہائی مجبوری ہی میں جائز ہو سکتی ہے۔ معمولی مجبوری میں اجازت نہیں ہے۔ آج کل عیش پرستوں نے اس کو فیشن بنالیا ہے اس کی اجازت نہیں ہے۔

عورت کے شکم میں بچہ مر جائے تو نکالے یا نہیں :

(سوال ۲۴۲) اگر حاملہ عورت کے شکم میں بچہ مر جائے تو عورت کو بچانے کے لئے بچہ کو کاٹ کر کے نکالنا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) بچہ کی موت کا پورا یقین ہو اور عورت کے انتقال کا خوف ہو تو عورت کی جان بچانے کی خاطر بچہ کو کاٹ کر نکالنا جائز ہے۔ بچہ زندہ ہو تو کاٹنا جائز نہیں ہے۔ **(درمختار مع الشامی ج ۱ ص ۸۴۰ باب صلوٰۃ الجنائز مطلب فی دفن المیت)**

بچہ کا تولد نہ ہوتا ہو تو اس کو کاٹ کر نکالنا کیسا ہے :

(سوال ۲۴۳) عورت حاملہ ہے۔ بچہ تولد نہیں ہوتا ڈاکٹرنی کہتی ہے کہ بچہ کو ماں کے پیٹ میں سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نکالے تو عورت کی جان بچ سکتی ہے تو ایسی حالت میں بچہ کو کاٹے یا نہیں۔

(الجواب) بچہ زندہ ہو تو کاٹنے کی شرعاً اجازت نہیں۔ بچہ کٹنے پر ماں کی زندگی کی گارنٹی کون دے سکتا ہے۔ لہٰذا آپریشن کر کے دونوں کی زندگی بچانے کی کوشش کی جائے۔ زندگی خدا کے قبضہ میں ہے۔ ''درمختار'' میں ہے **(حامل ماتت وولدھا حی) یضطرب (شق بطنھا) من الایسر (یخرج ولدھا) ولو بالعکس وخیف علی الام قطع اخرج لو میتا والا لا کما فی کراھیۃ الاختیار (در مختار مع الشامی ج ۱ ص ۸۴۰ باب صلوۃ الجنائز مطلب فی دفن المیت).**

یعنی حاملہ عورت مرگئی اور بچہ اس کے پیٹ میں زندہ ہے تو ایسی حالت میں عورت کے پیٹ کو بائیں جانب سے چیر کر بچہ کو نکالا جائے اور بچہ مر گیا اور ماں زندہ ہے اور مردہ بچہ کے پیٹ میں ہونے سے ماں کی زندگی خطرہ میں ہے تو بچہ کو کاٹ کر نکالنا جائز ہے اور بچہ زندہ ہو تو کاٹ کر نکالنا جائز نہیں کہ ماں کی موت یقینی نہیں احتمالی ہے لہذا شک کی بناء پر بچہ کی جان لینے کی اجازت نہیں۔ای ولو کان حیا لا یجوز تقطیعه لأن موت الام به موهوم فلا یجوز قتل ادمی حی لأمر موهوم ۔ شامی ج ۱ ص ۸۴۰ باب صلوة الجنائز مطلب فی دفن المیت.

(۱) مکڑی مارنا اور اس کے جالے صاف کرنا (۲) چھپکلی مارنا:

(سوال ۲۴۴) کہتے ہیں کہ مکڑی کو نہیں مارنا چاہئے، کیونکہ اس نے غار ثور پر جالا تن کر حضور ﷺ کی حفاظت کی تھی، گاہے گاہے گھر میں ان کی وجہ سے بہت جالے ہوجاتے ہیں جسے نحوست کہتے ہیں، تو شرعاً ان کے مارنے کی اجازت ہے؟ اسی طرح چھپکلی کے مارنے کے متعلق کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔ (از حیدرآباد)

(الجواب) مکڑی کی مختلف قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جو زمین میں گھر بناتی ہے وہ موذی ہے اس کو مارنے کی اجازت ہے، روح المعانی میں ہے النوع الآخر الذی یحفر بیته فی الارض ویخرج فی اللیل کسائر الهوام وهی علی ما ذکره غیر واحد من ذوات السموم فیسن قتلها (روح المعانی ج ۲۰ ص ۱۶۱ سورۂ عنکبوت) اور جو گھر وں میں جالا تنتی ہے وہ موذی جانور نہیں ہے، بلا ضرورت اسے تکلیف پہنچانے اور مارنے سے خصوصاً جب کہ مذکورہ واقعہ مشہور ہے۔احتراز کرنا چاہئے۔روح المعانی میں ہے وقیل لا یسن قتلها فقد اخرج الخطیب عن علی کرم الله وجهه قال قال رسول الله ﷺ دخلت انا وابوبکر الغار فاجتمعت العنکبوت فنسجت بالباب فلا تقتلوهن ذکر هذا الخبر جلال الدین السیوطی فی الدر المنثور والله اعلم بصحته وکونه مما یصلح للاحتجاج به (روح المعانی ج ۲۰ ص ۱۶۱ سورۂ عنکبوت)

یعنی مکڑی کو مارنا نہ چاہئے خطیب نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اور ابوبکر غار میں داخل ہوئے تو مکڑیوں نے جمع ہوکر فوراً جالا تن دیا اس لئے تم ان کو قتل مت کرو۔

گھر میں اگر مکڑی کے جالے ہوگئے ہوں تو صاف کرسکتے ہیں وذکر انه یحسن ازالة بیتها من البیوت. لما اسند الثعلبی وابن عطیة وغیرهما عن علی کرم الله وجهه انه قال طهروا بیوتکم من نسج العنکبوت فان ترکه فی البیت یورث الفقر وهذا ان صح عن الامام کرم الله وجهه فذاک والا فحسن الازالة لما فیها من النظافة ولا شک بندبها. یعنی ثعلبی اور ابن عطیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے مکڑی کے جالوں سے اپنے گھروں کو صاف رکھو کیونکہ اس کے چھوڑ دینے سے فقر پیدا ہوتا ہے اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس اثر کا ثبوت ہو تو یہی دلیل ہے، ورنہ جالے صاف کرنا مستحب ہی ہے اس لئے کہ اس میں نظافت ہے (روح المعانی ج ۲۰ ص ۱۶۱)

چھپکلی موذی جانور ہے وہ کھانے پینے کی چیزوں میں اپنے منہ کا لعاب ڈال دیتی ہے تو اس میں زہریلے اثرات پیدا ہوجاتے ہیں اور اس کی کھانے سے طبیعت پر بہت برا اثر پڑتا ہے، ہمارے علم میں ایسے واقعات ہیں لہذا یہ

کھانا کھانے کی وجہ سے پورے گھر والوں کو ایک دم ہسپتال جانا پڑا۔ اور حدیث میں وزغ کو مارنے کا حکم ہے (مسلم شریف ج۲ص۲۳۵ باب فی قتل الوزغ) (ترمذی شریف ج ۱ص ۱۷۹ باب فی قتل الوزغ) وزغ وزغۃ کی جمع ہے اور وزغ کا مصداق جس طرح گرگٹ ہے اسی طرح چھپکلی بھی ہے، مصباح اللغات اور المنجد اردو میں تو وزغۃ کا ترجمہ چھپکلی کیا گیا ہے، چنانچہ مصباح اللغات میں ہے۔

الوزغۃ چھپکلی وزغ ووزاغ واوزاغ وزغان (مصباح اللغات) المنجد مترجم اردو میں ہے۔

الوزغۃ: چھپکلی ج وزغ ووزاغ واوزاغ ووزغان (المنجد) فقط واللہ اعلم۔

دینی خدمت میں رکاوٹ پیدا نہ ہو اس نیت سے سلسلۂ اولاد کو چند سالوں کے لئے موقوف کرنا کیسا ہے:

(سوال ۲۴۵) دور حاضر میں دینی علم سیکھنے اور سکھانے کی ضرورت کو ارباب حل وعقد شدت سے محسوس کر رہے ہیں، مجھے بھی یہی احساس شدت سے لاحق ہے، اللہ تعالیٰ نے جو علم دین عطا فرمایا ہے اللہ کے فضل سے تدریسی خدمت میں مشغول ہوں اور یکسوئی کے ساتھ مشغول رہنا چاہتی ہوں مگر اولاد کی پرورش اور نگرانی مانع ہے، اس وقت دو بچے ہیں، آئندہ بچوں کی وجہ سے مزید رکاوٹ پیدا نہ ہو تو کیا سلسلۂ اولاد کو چند سالوں کے لئے موقوف کرنا جائز ہوگا؟ اس بندش اولاد کا مسئلہ صرف چند سال کے لئے ہے کہ تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ چھوٹے دو بچوں کی صحیح پرورش بھی ہو سکے۔ امید ہے کہ اس مسئلہ کا تسلی بخش جواب مرحمت فرمائیں گے، فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) نکاح کا مقصد توالد وتناسل ہے اور کثرت اولاد حضور اکرم ﷺ کے لئے فخر کا سبب بھی ہے، جس عورت کو اولاد زیادہ ہو ایسی عورت سے نکاح کی ترغیب ہے، حدیث میں ہے: **عن معقل بن یسار رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم، رواہ ابو داؤد والنسائی** یعنی حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم ایسی عورت سے نکاح کرو جو بہت محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی ہو میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۷ کتاب النکاح)

نیز حدیث میں ہے:۔ **عبدالرزاق ..... عن سعید بن ابی حلال ..... ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال تناکحوا تکثروا فانی اباھی بکم الامم یوم القیامۃ ......الخ** آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نکاح کرو نسل بڑھاؤ میں قیامت کے دن تمہاری کثرت سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا (**مصنف عبدالرزاق ج۶ ص ۱۷۳ باب وجوب النکاح وفضلھا**) (**جامع الصغیر حرف التاء للعلامۃ السیوطی ص ۱۱۱**)

نیز حدیث میں ہے:۔ **عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النکاح من سنتی فمن لم یعمل بسنتی فلیس منی وتزوجوا (وفی نسخۃ، فتزوجوا) فانی مکاثر بکم الامم ......الخ** ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نکاح کرنا میری سنت ہے جو شخص میری سنت پر عمل نہ کرے وہ میری جماعت سے نہیں، پس نکاح کرو میں تمہارے

ذریعہ دیگر امتوں پر فخر کروں گا (ابن ماجه شریف ص ۱۳۴ باب ماجاء فی فضل النکاح)

ایام حمل کی تکلیف، ولادت کی تکلیف، بعدہ رضاعت کی مشقت، اور بچہ کی تربیت وغیرہ کے سلسلہ میں جو بھی تکلیف برداشت کی جائے گی یہ سب عبادت اور موجب اجر وثواب ہے، لہذا صورت مسئولہ میں وقتی طور پر بندش اولاد کے لئے جو بات پیش کی گئی ہے اسے شرعی عذر قرار نہیں دیا جاسکتا، دینی خدمت میں مشغول ہونا بھی دین ہے اور موجب اجر وثواب ہے، اولاد کی پرورش وغیرہ بھی دین اور موجب اجر وثواب ہے، اولاد میں کوئی ایسا بھی ہوسکتا ہے جو اپنے زمانہ کا عالم ربانی، ولی کامل ہو اور وہ اپنے والدین، خاندان بلکہ پوری بستی اور عامۃ الناس کی ہدایت ونجات کا ذریعہ بن جائے اس لئے اولاد کے سلسلہ میں دل تنگ نہ کرنا چاہئے اور جو کچھ تکلیف اور پریشانی پیش آئے اسے بخوشی برداشت کرنا چاہئے۔

اور ساتھ ساتھ ہمارا تو ایمان ہی یہ ہے کہ اولاد ہونا، نہ ہونا اللہ کی مشیت پر موقوف ہے اللہ کو اگر منظور ہے تو عدم استقرار حمل کی ہر قسم کی تدبیر اختیار کرتے ہوئے بھی اولاد ہوسکتی ہے اور اسے کوئی نہیں روک سکے گا، اور اگر اللہ کو منظور نہیں ہے تو استقرار حمل کے لئے ہر نوع کی کوشش کرتے ہوئے نہ استقرار حمل ہوتا ہے نہ اولاد ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لله ملک السموات والارض یخلق مایشاء یهب لمن یشآء انا ثا ویهب لمن یشآء الذکور. اویزوجهم ذکرانا وانا ثا ویجعل من یشآء عقیماً انه علیم قدیر.

ترجمہ: اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمان وزمین کی، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے، یا ان کو جمع کردیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہے بے اولاد رکھتا ہے، بے شک وہ بڑا جاننے والا بڑی قدرت والا ہے۔ (ترجمہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ پارہ نمبر ۲۵، رکوع نمبر ۵، سورۂ شوریٰ)

حدیث میں ہے۔ عن ابی سعید رضی الله عنه قال سئل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن العزل فقال ما من کل الماء یکون الولدو اذا اراد الله خلق شئی لم یمنعه رواه مسلم. حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ سے عزل کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ایسا نہیں ہے کہ ہر قطرۂ منی سے بچہ پیدا ہو، اور جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو پیدا فرمانے کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے کوئی روک نہیں سکتا، رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۵، ص ۲۷۶ باب المباشرة)

لہذا اس معاملہ کو مشیت الٰہی پر چھوڑ دیا جائے، ہم تو بندۂ محض ہیں اللہ جس حال پر رکھے اس پر راضی رہنا ہمارے ایمان اور عبدیت کا مقتضیٰ ہے، خدمت دین کا جذبہ اور نیت ہے، انشاء اللہ نیت کے مطابق اجر وثواب ملے گا، اگر بظاہر اس میں کوئی مانع پیش آجائے تو اسے بھی منجانب اللہ ہی سمجھا جائے، اگر اللہ چاہیں تو بیماری یا اور کوئی مانع بھی تو پیش آسکتا ہے، اس وقت کیا کیا جائے گا؟ فقط واللہ اعلم بالصواب ۲۷ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ۔

شدید تکلیف کی وجہ سے آپریشن کرکے بچہ دانی نکلوانا کیسا ہے:

(سوال ۲۴۶) میری اہلیہ کو جب سے حمل ٹھہرتا ہے اس وقت سے ولادت تک تکلیف رہتی ہے چکر آتے ہیں، کہیں

جانا ہوتو راستے میں وقفہ وقفہ سے آرام کرتے ہوئے جانا پڑتا ہے، اور میری اہلیہ ایک پاؤں سے معذور ہے اور بچہ اسی طرف رہتا ہے جس کی وجہ سے اور زیادہ تکلیف ہوتی ہے اور جب بچہ کی ولادت ہوتی ہے تو وہ الٹا ہوتا ہے، ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ اس کے بعد جو حمل رہے گا تو عورت کی جان خطرہ میں ہے تو ایسی حالت میں آپریشن کرکے بچہ دانی نکلوانی کی اجازت ہے؟ بینواتوجروا۔

(**الجواب**) نکاح کا مقصد توالد و تناسل ہے اور کثرت اولاد حضور اکرم ﷺ کے لئے فخر کا سبب بھی ہے، جس عورت کو اولاد زیادہ ہو ایسی عورت سے نکاح کی ترغیب ہے۔ حدیث میں ہے۔ **عن معقل بن یسار قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تزوجوا الودود الولود فانی مکاثربکم الامم.** رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم ایسی عورت سے نکاح کرو جو زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ اولاد جننے والی ہو کہ (قیامت کے دن) تمہاری کثرت تعداد کی بناء پر دوسری امتوں پر فخر کرسکوں (**مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۷ کتاب النکاح**)

نیز حدیث میں ہے: **عن الرزاق عن معمر عن عبدالملک بن عمیر و عاصم ابن بھدلۃ ان رجلاً اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابنۃ عم لی ذات میسم ومال وھی عاقر. افاتزوجھا؟ فنھاہ عنھا مرتین اوثلاثاً ثم قال لا مراۃ سوداء ولود احب الی منھا، اما علمت انی مکاثر بکم الامم** الخ یعنی ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے چچا کی ایک لڑکی ہے جو حسین وجمیل اور صاحب مال ہے، لیکن وہ بانجھ ہے کیا میں اس سے نکاح کروں؟ آپ ﷺ نے دو یا تین مرتبہ اس سے منع فرمایا، اور پھر ارشاد فرمایا: بچے جننے والی سیاہ فام عورت مجھے اس خوبصورت مالدار بانجھ عورت سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ میں تمہاری کثرت تعداد سے دیگر امتوں پر فخر کروں گا (**مصنف عبدالرزاق ص ۱۶۰، ص ۱۶۱ ج ۶. باب نکاح الابکار والمراۃ العقیم**)

شامی میں ہے:۔ **فی الحدیث سوداء ولود خیر من حسناء عقم** حدیث میں ہے بچے جننے کے قابل سیاہ فام عورت، خوبصورت بانجھ عورت سے بہتر ہے (**شامی ص ۳۶۰ ج ۲، کتاب النکاح**)

نیز حدیث میں ہے: **عبدالرزاق...... عن سعید بن ابی ھلال ...... ان النبی صلی اللہ وسلم قال تناکحوا تکثروا فانی اباھی بکم الامم یوم القیامۃ ...... الخ** نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نکاح کرو نسل بڑھاؤ میں قیامت کے دن تمہاری کثرت سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا (**مصنف عبدالرزاق ص ۱۷۳ ج ۶ باب وجوب النکاح وفضلھا**) (**جامع الصغیر للعلامۃ السیوطی ص ۱۱۱، حرف التاء**)

نیز حدیث میں ہے۔ **عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النکاح من سنتی فمن لم یعمل بسنتی فلیس منی وتزوجوا (وفی نسخۃ فتزوجوا) فانی مکاثربکم الامم ...... الخ.**

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''نکاح کرنا میری سنت ہے، جو شخص میری سنت پر عمل نہ کرے وہ میری جماعت سے نہیں، پس نکاح کرو میں تمہارے ذریعہ دوسری امتوں پر فخر کروں گا (**ابن ماجہ شریف ص ۱۳۴، باب ماجاء فی فضل النکاح**)

ایام حمل کی مشقت، ولادت کی تکالیف، بعدہٗ رضاعت اور بچہ کی تربیت وغیرہ وغیرہ کے سلسلہ میں جو بھی تکالیف اور پریشانی برداشت کی جاتی ہیں یہ سب انشاء اللہ موجب اجر وثواب ہے، اور حمل وولادت یہ مرحلہ ہی تکالیف کا ہے اور عموماً سب ہی کو یہ تکلیف ہوتی ہے قرآن سے ثابت ہے حملته امه كرها و وضعته كرها ترجمہ۔ اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اس کو جنا (قرآن مجید پارہ نمبر ۲۶ رکوع نمبر ۲ سورۂ احقاف)

حضور اقدس ﷺ کے مذکورہ فرامین اور ارشادات اور آپ کی پسند فرمودہ چیز کے پیش نظر مسئلہ بڑا نازک بن جاتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں غیر مسلم ڈاکٹر کی رائے قابل عمل نہیں ہوسکتی، علاج اور تدبیر سے کچھ مدت کے لئے حمل روکا جاسکتا ہے مگر بچہ دانی نکلوا کر ہمیشہ کے لئے خدائی نعمت سے محروم ہونے کی کوشش کفران نعمت ہے اس کے لئے مسلمان دیندار حکیم حاذق یا مسلمان دیندار تجربہ کار ڈاکٹر کا فیصلہ قابل قبول ہوسکتا ہے، اہلیہ کو سورت میں حضرت مولانا حکیم سعد رشید اجمیری صاحب مدظلہ کو دکھایا جاوے اور ان سے علاج کرایا جائے، علاج کے بعد اگر حکیم صاحب آپریشن کرنے اور بچہ دانی نکلوانے کا فیصلہ کریں تو ان کا فیصلہ قابل عمل ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سنی عالم شیعوں کا نکاح پڑھائے تو کیا حکم ہے:

(سوال ۲۴۷) شیعوں کا نکاح سنی عالم پڑھائے تو کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) شیعوں کا نکاح ان کے ہی لوگوں کے حوالہ کردیا جائے، ان میں سے بعض کے عقائد حد کفر تک پہنچے ہوئے ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی علیہ الرحمہ کی تصنیف "ایرانی انقلاب" اور ماہنامہ الفرقان کا خصوصی نمبر بنام "خمینی اور اثناعشریہ کے بارے میں علماء کرام کا متفقہ فیصلہ" حصہ اول اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۷ء شمارہ ۱۰-۱۱-ج ۱۲۔ جلد ۵۲ حصہ دوم مئی تا جولائی ۱۹۸۸ء شمارہ ۵، ۷، نیز فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۳۴-۱۳۵ ج ۲ (جدید ترتیب کے مطابق کتاب النکاح میں شیعہ لڑکی سے سنی لڑکے کا نکاح، کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے ۱۲ مرتب) تقیہ ان کا شعار ہے، اس وجہ سے ان کے صحیح عقائد کا پتہ چلانا بھی مشکل ہے، لہٰذا بچنا ہی چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ڈھائی ماہ کا حمل ساقط کرانا:

(سوال ۲۴۸) میں شادی شدہ ہوں اور میرے تین بیٹے ہیں، آخری بیٹے کی عمر ۸ ماہ ہے، میری اہلیہ کی طبیعت ہر وقت خراب رہتی ہے، ڈاکٹروں کو دکھایا تو وہ کہتے ہیں کہ اہلیہ کو حمل رہ گیا ہے اور تقریباً دو ڈھائی ماہ کے درمیان کا ہے اور رحم پر ورم ہے جس وجہ سے بچہ کی رحم میں جس طرح پرورش ہونی چاہئے وہ نہ ہوسکے گی اس لئے بچہ کی ماں کے لئے خطرہ ہے، اہلیہ کمزور بھی ہے، وہ حمل ساقط کرانے کے لئے کہہ رہے ہیں اور آپریشن کر کے بچہ دانی نکلوانے کا مشورہ دے رہے ہیں، آپ شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں؟ جزاکم اللہ، بینوا توجروا۔

(الجواب) بچے کے بال انگلیاں پیر وغیرہ اعضاء بن گئے ہوں اور بچہ میں جان پڑگئی ہو جس کی مدت ۱۲۰ دن ہے (شامی) (ایسی حالت میں کسی کے نزدیک بھی حمل گرانا جائز نہیں ہے حرام اور گناہ ہے۔ اور اس سے قبل اگر شرعی ... [illegible] اسقاط حمل کرایا جائے مثلاً شیر خوار بچہ ہے اور استقرار حمل کی وجہ سے عورت کا دودھ خشک ہوگیا (اور ... [illegible]

کے دودھ کا انتظام نہ کر سکتا ہو) اور اس وجہ سے بچہ کی جان کو خطرہ لاحق ہو گیا ہو تو حمل ساقط کرا دینے کی گنجائش ہے۔ ورنہ گناہ ہے، شامی میں ہے۔ وفی الذخیرة لو ارادت القاء الماء بعد وصوله الی الرحم قالوا ان مضت مدة ينفخ فيه الروح لا يباح لها وقبله اختلف المشائخ فيه والنفخ مقدر بمائة وعشرين يوما بالحديث اه قال في الخانية ولا اقول به لضمان المحرم بيض الصيد لانه اصل الصيد فلا اقل من ان يلحقها اثم وهذا لو بلاعذر اه (شامی ص ۳۲۹ ج۵، قبيل باب الاستبراء) (فتاویٰ رحیمیہ ص۲۵۵،ص۲۵۶ ج۲ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں اسقاط حمل جائز ہے یا نہیں، کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے ۱۸۱ مرتب) نیز درمختار میں ہے ويكره ان تسعى لا سقاط حملها وجاز لعذر حيث لا يتصور. شامی میں ہے (قوله ويكره الخ) اى مطلقا قبل التصور و بعد على ما اختاره في الخانية كما قد مناه قبيل الا ستبراء وقال الا انها لا تاثم اثم القتل (قوله وجاز لعذر) كالمرضعة اذا ظهربه الحبل وانقطع لبنها وليس لاب الصبى ما يستأجر به الظئر و ف هلاک الولد قالوا يباح لها ان تعالج في استنزال الدم مادام الحمل مضغة او علقة ولم يخلق له عضو وقدر واتلک المدة بمائة وعشرين يوماً وجاز لانه ليس بآدمي وفيه صيانة الادمى خانية (درمختار و شامی ج۵ ص ۳۷۹ قبيل كتاب احياء الموات)

صورت مسئولہ میں حمل دوڈھائی ماہ کے درمیان کا ہے، اہلیہ کا کسی مسلمان دیندار تجربہ کار حکیم سے علاج کرائیں اگر ان کی رائے یہ ہو کہ عورت کی حالت بہت نازک ہے علاج سے اصلاح کی اور اچھا ہونے کی امید نہیں ہے اور آئندہ خطرہ ہے تو ایسی صورت میں حمل ساقط کرایا جا سکتا ہے اس بارے میں غیر مسلم ڈاکٹر کی رائے قابل عمل نہیں، آپریشن کر کے بچہ دانی (رحم) نکلوا کر ہمیشہ کے لئے خود کو اولاد کی نعمت سے محروم کر لینے کی کوشش کفران نعمت ہے، اور شریعت کے اعتبار سے یہ بات نکاح کے مقصد اور منشأ کے خلاف ہے، کسی مسلمان دیندار تجربہ کار حکیم یا ڈاکٹر کا مشورہ ہو تو کچھ مدت کے لئے حمل کو رکوایا جا سکتا ہے مگر آپریشن کر کے ہمیشہ کے لئے صلاحیت تولید کو ختم کر دینا شرعاً جائز نہیں ہے۔ ہاں البتہ مسلمان دیندار تجربہ کار حکیم یا ڈاکٹر علاج کے بعد یہ فیصلہ کریں کہ اب آپریشن کے سوا کوئی صورت نہیں ہے، عورت کی جان کو سخت خطرہ ہے تو ایسی مجبوری اور اضطرار کی صورت میں اس کی گنجائش ہو سکتی ہے اس صورت میں بھی غیر مسلم ڈاکٹر کی رائے قابل عمل نہیں ہو سکتی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

پختہ لائسنس بنوانے کے لئے سرکاری آفیسر کو رشوت دینا:

(سوال ۲۴۹) زید نے ایک مشین غیر مسلم سے خریدی، خرید کے وقت اس کا کچا لائسنس تھا، پختہ لائسنس بنانے کے لئے کاغذات اور آفس میں بھیجے مگر رشوت نہ دینے کی وجہ سے اس کا عارضی لائسنس بھی سرکاری آفیسر نے ختم کر دیا، اب اس مشین کو جاری کرنا یا بیچنا ہو تو رشوت دے کر پکا لائسنس بن سکتا ہے، پکا لائسنس بنائے بغیر اگر زید وہ مشین بیچے گا تو زید کا کم از کم ایک لاکھ روپیہ کا نقصان ہوگا جب کہ زید پریشان ہے، کافی مقروض ہے اس کے آمدنی کا کوئی مستقل ذریعہ نہیں ہے، ان حالات میں رشوت دے کر پکا لائسنس بنا کر اگر مشین جاری کر دی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کوئی غیر مسلم رقم خرچ کر کے پکا لائسنس بنا کر خود اس مشین کو اچھی قیمت میں خریدے، دونوں

صورتوں کا جواب مرحمت فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں دونوں صورتوں میں سے جس صورت میں زیادہ نقصان اٹھانا اور بے عزت ہونا نہ پڑے وہ صورت اختیار کر سکتا ہے فقہی قاعدہ ہے **من ابتلی ببلیتین فلیختر اھو نھما ، فقط واللہ اعلم بالصواب .**

عورت کا کمپنی میں ملازمت کرنا:

(سوال ۲۵۰) ایک شخص ایک کمپنی میں ملازمت کرتے تھے ان کا انتقال ہوگیا، ان کی بیوہ اور چار بچیاں ہیں ان کے گذر بسر کے لئے پریشانی کا سامنا ہے کمپنی والے مرحوم کی بیوہ کو اپنے یہاں ملازمت دینے کے لئے تیار ہیں، کمپنی کی بس میں آمدورفت ہوگی، کیا مذکورہ صورت میں عورت کے لئے ملازمت قبول کرنے کی اجازت ہو سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عورت کمپنی میں ملازمت کرے گی تو کئی ممنوعات کا ارتکاب ہوگا، بے پردگی ہوگی، نامحرم مردوں کے ساتھ اختلاط اور بعض موقعوں پر خلوت اور تنہائی کا موقعہ بھی آ سکتا ہے، ان کے ساتھ بے تکلفانہ بات چیت اور نامحروم مردوں کے ساتھ آمدورفت ہوگی وغیرہ وغیرہ اس لئے شرعاً ایسی ملازمت کی اجازت نہیں ہو سکتی، مزید تفصیل اور دلائل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۶۷ تا ص ۱۷۰ جلد سوم (جدید ترتیب کے مطابق متفرقات بیوع میں عورتوں کا دکان پر بیٹھ کر تجارت کرنا الخ کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے۔ مرتب)

عورت پریشان حال ہو تو گذر بسر کے لئے اور کوئی جائز تدبیر اختیار کی جائے سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ مناسب جگہ نکاح ثانی کر لے، جب تک یہ صورت نہ ہو یا کسی وجہ سے عورت نکاح ثانی کے لئے آمادہ نہ ہو تو گھر میں چھوٹے بچے بچیوں کو پڑھانا شروع کر دے یا کوئی گھریلو ہنر اختیار کرے اور اس سے اخراجات کا انتظام کرے، اگر ایسی کوئی صورت نہ ہو سکے اور عورت بچیوں کے پاس مال نہ ہو فاقہ کی نوبت آتی ہو تو عورت اور بچیوں کے اعزاء واقربا پر ان کے نان نفقہ کا انتظام کرنا لازم ہوگا، اگر وہ انتظام نہ کریں تو اہل محلہ و جماعت مسلمین پر یہ فریضہ عائد ہوگا۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ اردو ص ۱۷ ۴۱، ص ۴۱۸ ج ۵ (جدید ترتیب کے مطابق کتاب النفقات میں مطلقہ عورت کے لئے تادم حیات یا تا نکاح ثانی شوہر پر نفقہ لازم کرنا کیسا ہے؟ کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے ص۳۲۹ مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

پانچ مہینہ کے حمل کے متعلق ڈاکٹروں کی رائے اسقاط کی ہے تو کیا اسقاط درست ہے؟:

(سوال ۲۵۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت ہے جس کے حمل کا پانچواں مہینہ چل رہا ہے لیکن صورت حال یہ ہے کہ ڈاکٹروں نے کئی مرتبہ بچے کا اسکان (خصوصی مشین سے بچہ کو دیکھنا) کیا اور بتلایا کہ بچہ کی حالت اچھی نہیں ہے، اس کی ماں کی جان بھی خطرہ میں ہو سکتی ہے کیونکہ بچہ کے اندر کئی قسم کے نقصانات ہیں (۱) دل بائیں جانب کے بجائے دائیں جانب ہے (۲) دل میں بجائے چار منافذ کے ایک منفذ ہے (۳) بچہ کے دل میں خون کا اختلاط ہو رہا ہے، آکسیجن و بغیر آکسیجن والے خون کی وجہ سے بچہ اگر عندالولادت زندہ بھی رہا تو نیلا رنگ ہوگا، نیز پیدا ہوتے ہی اس کا آپریشن کرنا ہوگا اور اس کے بعد بچہ کی حیات بھی موہومہ ہے اور ولادت کے وقت تکلیف بھی

بہت ہوگی، ان کی ماں پران باتوں کا بڑا اثر ہے، ان حالات کی وجہ سے کچھ لوگوں کا اصرار ہے کہ اسقاط کیا جائے، ایک طبیب عالم اور ایک حکیم حاذق نے بھی یہی رائے دی ہے ایسی صورت حال میں اسقاط کا کیا حکم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حمل کا پانچواں مہینہ ہے بچہ کے اعضاء مکمل بن چکے ہوں گے اور روح پڑ چکی ہوگی، ایسی حالت میں اسقاط حمل کی اجازت نہیں، ڈاکٹر جو بات کہہ رہے ہیں اس کا سو فیصد صحیح ہونا ضروری نہیں ہے، حال ہی میں ایک جنین کے متعلق ڈاکٹری رپورٹ یہ تھی کہ بچہ کا صرف ایک پیر ہے دوسرا پیر نہیں ہے، ماشاء اللہ وہ بچہ صحیح سالم پیدا ہوا دونوں پیر صحیح سلامت ہیں، لہذا اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے، دعاء کا سلسلہ جاری رکھیں، بوقت ولادت بچہ کی والدہ کو مؤطا امام مالک کھول کر بتایا جائے، انشاء اللہ ولادت آسان ہوگی، نیز ولادت کی سہولت کے جو مجرب اور صحیح عمل ہیں انہیں بھی اختیار کیا جائے۔

شامی میں ہے: وفی الذخیرة لو ارادت القاء الماء بعد وصوله الی الرحم قالوا ان مضت مدة ینفخ فیه الروح لایباح لها وقبله اختلف المشائخ فیه والنفخ مقدر بمائة وعشرین یوماً بالحدیث اه قال فی الخانیة ولا اقول به لضمان المحرم بیض الصید لانه اصل الصید فلا اقل من ان یلحقها اثم وهذا لو بلا عذر اه (شامی ۵/۳۲۹ قبیل باب الاستبراء)

نیز درمختار میں ہے۔ ویکره ان تسعی لاسقاط حملها وجاز لعذر حیث لا یتصور۔ شامی میں ہے (قوله ویکره الخ) ای مطلقاً قبل التصور و بعده علی ما اختاره فی الخانیة کما قبیل الاستبراء وقال الا انها لا تأثم اثم القتل (قوله وجاز لعذر) کالمرضعة اذا ظهر به الحبل وانقطع لبنها ولیس لاب الصبی مایستأ جربه الظئر ویخاف هلاک الولد قالوا یباح لها ان تعالج فی استنزال الدم ما دام الحمل مضغة او علقة ولم یخلق له عضو وقدروا تلک المدة بمائة وعشرین یوماً وجاز لانه لیس بآدمی وفیه صیانة الآدمی خانیة (قوله حیث لا یتصور) فیه لقوله وجاز لعذر والتصور کما فی القنیة ان یظهر له شعر او اصبع او رجل او نحو ذلک (درمختار و شامی ص ۳۷۹ ج۵، قبیل کتاب احیاء الموات)

غایۃ الاوطار میں ہے:۔ ویکره ان تسعیٰ لاسقاط حملها وجاز بعذر حیث لا یتصور، اور عورت کا دوا پینا اپنی حمل کے اسقاط کے واسطے مکروہ ہے، اور اسقاط کرنا عذر کے سبب سے درست ہے جب کہ حمل کی صورت نہ بن گئی ہو) حمل کا گرانا بلا عذر مباح نہیں اور عذر سے درست ہے بشرطیکہ صورت نہ بن گئی ہو، عذر اسقاط یہ ہے کہ مثلاً عورت لڑکے کو دودھ پلاتی ہے اور حمل رہنے سے دودھ جاتا رہا اور اس کے زوج کو دایہ رکھنے کی قدرت نہیں ہے اور ہلاکت طفل کا خوف ہے تو اس صورت میں حمل کا گرا دینا علاج وغیرہ سے درست ہے جب تک حمل ٹھہرا ہوا اعضاء نہ بن گئے ہوں۔ (غایة الاوطار ۴/۲۴۹، باب الاستبراء) (فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حمل کی تکلیف کے پیش نظر اسقاط کی تدبیر کرنا:

(سوال ۲۵۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں۔ میری اہلیہ کو تین ماہ کا حمل ہے اس کو ہر

مرتبہ حمل سے بہت تکلیف ہوتی ہے، ڈاکٹرنی کا مشورہ یہ ہے کہ حمل گرادیا جائے اور آپریشن کرالیا جائے ڈاکٹرنی کا مشورہ قابل عمل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(جواب) سورت میں مولانا حکیم سعد رشید اجمیری صاحب دامت برکاتہم حاذق اور عالم باعمل ہیں ان کو (یا کسی اور حکیم حاذق دیندار کو) دکھلایا جائے اور ان کے مشورہ کے مطابق عمل کیا جائے محض ڈاکٹرنی کے کہنے سے حمل گرانا نہیں چاہئے حمل میں تکلیف تو ہوگی مگر اس کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے، قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے۔

ووصینا الا نسان بوالدیه احسانا. حملته امه کرهاً وو ضعته کرها وحمله وفصاله ثلثون شهراً (قرآن مجید، سورہ ' احقاف پارہ نمبر ۲۶ آیت نمبر ۱۵)

ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے (اور بالخصوص ماں کے ساتھ اور زیادہ کیونکہ) اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور (پھر) بڑی مشقت کے ساتھ اس کو جنا، اور اس کو پیٹ میں رکھنا اور اس کا دودھ چھڑانا اکثر تیس مہینہ (میں پورا ہوتا) ہے۔

تفسیر مواہب الرحمٰن میں ہے:۔ **حملته' امه' کرها ووضعته' کرهاً** تکلیف کے ساتھ اس کی ماں اس کا حمل رکھتی ہے اور تکلیف کے ساتھ اس کو جنتی ہے۔ف۔یعنی فرزند کے حمل میں اس کی ماں کو متلی شروع ہوتی ہے جس سے وہ بار بار قے کرتی ہے اور غذا ہضم نہ ہونے سے بیمار کی طرح زرد پڑ جاتی ہے اور جب پیٹ میں بچہ بڑا ہوتا ہے تو تعب و مشقت کے ساتھ اس کے بوجھ کو کرب کے ساتھ اٹھائے رہتی ہے غرض کہ جب تک پیٹ میں رہتا ہے تب تک اس کو بچہ کی وجہ سے ہر طرح کی تکلیف و بے چینی لاحق رہتی ہے پھر جب اس کو جنتی ہے تو اس حالت میں بھی جننا ایسی درد و تکلیف کے ساتھ ہوتا ہے کہ اس کی جان پر نوبت آجاتی ہے اور باوجود ان سب باتوں کے وہ کمال محبت سے سب صدمہ اپنی جان پر لیتی ہے اور یہ نہیں چاہتی کہ بچہ کی جان کو کچھ تکلیف پہنچے پھر پیدا ہونے کے بعد بھی سینہ سے لگائے ہوئے اس کو اپنے بدن کا خون پلاتی ہے اور اپنے خون کو نہیں بلکہ اسی کا منہ تاکا کرتی ہے اگر کسی وقت اس کا چہرہ ملول دیکھا تو بے انتہا محبت سے گھلی جاتی ہے اور نہیں چاہتی کہ یہ ملول ہو بلکہ اس کی بلا و بیماری اپنی جان پر اوڑھ لینا چاہتی ہے۔ (تفسیر مواہب الرحمٰن ص ۲۱ جلد نمبر ۲۶)

مذکورہ آیت اور تفسیر سے ثابت ہوا کہ استقرار حمل سے لے کر وضع حمل تک عورت کو تکلیف ہوتی ہے، تکلیف کے بغیر یہ مراحل طے نہیں ہوتے مگر اس تکلیف پر عورت کو بہت اجر و ثواب ملتا ہے، محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ نے اپنی مشہور کتاب "غنیۃ الطالبین" میں ایک روایت بیان فرمائی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وما من امرأة حملت من زوجها حين تحمل الا كان لهامن الا جر مثل القائم ليلة والصائم نهاراً والغازی فی سبيل الله تعالیٰ وما من امرأة يا تيها طلق الا كان لها بكل طلقة عتق نسمة وبكل رضعة عتق رقبة فاذا فطمت ولدها نا دها منا د من السما ء يتها المرأة قد كفيت العمل فيما مضى واستأنفي العمل فيما بقى..... (غنیۃ الطالبين ص ۹۳ فصل فی اداب النكاح)

ترجمہ: اور جو عورت اپنے شوہر سے حاملہ ہوتی ہے اسے اتنا اجر دیا جاتا ہے جتنا رات کو عبادت کرنے والے دن کو روزہ رکھنے والے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کو ملتا ہے، جب اسے دردزہ لاحق ہوتا ہے تو ہر درد کے بدلہ میں ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے اور جب بچہ ماں کے پستان چوستا ہے تو ہر مرتبہ پستان چوسنے کے بدلے میں عورت کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے، اور جب بچہ شیر خوارگی کے ایام پورے کر لیتا ہے تو آسمان سے ایک آواز دینے والا آواز دیتا ہے۔ اے عورت تو نے سابقہ زمانے کا عمل پورا کر لیا اب جو زمانہ باقی ہے اس میں اپنا عمل شروع کر (غنیۃ الطالبین)

بچہ کی ولادت کے وقت یا مدت نفاس میں خدانخواستہ اگر عورت کا انتقال ہو جائے تو اسے شہادت کا ثواب ملتا ہے) اور وہ شہیدہ کہلائے گی، شامی میں ہے (قوله والنفساء) ظاهره سواء ماتت وقت الوضع اوبعده قبل انقضاء مدة النفاس (قوله قد عدهم السيوطي الخ) اى في التثبيت نحو الثلاثين فقال . الى قوله . او بالجمع بالضم بمعنى المجموع كالذخر بمعنى المذخور . والمعنى انها ماتت من شيئى مجموع فيها غير منفصل عنها من حمل او بكارة وقد تفتح الجيم ايضاً على قلة قال صلى الله عليه وسلم ايماامرأة ماتت بجمع فهي شهيدة الخ (شامی ج ۱ ص ۸۵۳ باب الشهيد)

غایۃ الاوطار میں ہے: اور نفاس والی عورت خواہ جننے کے وقت مرے یا مدت نفاس میں (وہ شہیدہ ہے) (غاية الاوطار ص ۴۲۷ ج ۱) فقط والله اعلم بالصواب .

یتیم خانہ کی رقم ڈرامہ میں استعمال کرنا:

(سوال ۲۵۳) یتیم خانہ کی رقومات ڈرامہ وغیرہ میں استعمال کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یتیم خانہ کی رقومات ڈرامہ وغیرہ میں صرف کرنا جائز نہیں حرام ہے۔ ان الذين يأ كلون اموال اليتمى ظلماً انما يأ كلون في بطونهم ناراً وسيصلون سعيراً یعنی جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں وہ لوگ بلاشبہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں اور عنقریب وہ لوگ جہنم میں داخل ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بسم الله الرحمن ـــــ -

حامداً ومصلیاً ومسلماً: ہمارے ایک قدیم دوست مولانا مفتی مرغوب احمد لاجپوری رحمہ اللہ تھے، مرحوم جید عالم اور تجربہ کار مفتی تھے، رنگون میں برسوں افتاء کی خدمت انجام دی، ان کے ایک پوتے جن کا نام بھی اپنے جدامجد کے نام پر "مولوی مرغوب احمد" ہے اس وقت ڈیوز برطانیہ میں مقیم ہیں، ماشاء اللہ دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور اپنے دادا جانؒ کے فتویٰ کی ترتیب میں مشغول ہیں، صاف ستھرا علمی ذوق رکھتے ہیں، فتاویٰ رحیمیہ کے بڑے دلدادہ ہیں، فتاویٰ رحیمیہ کے مطالعہ کے دوران جو دلائل عقلیہ ان کی نظر سے گذرے جن کے متعلق ان کا تأثر ان کی زبانی یہ ہے" فتاویٰ رحیمیہ میں سائل کے اس سوال پر کہ "ایسا کیوں" حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے قلم سے جو جواب وجود میں آیا اس نے یہ صرف یہ کہ راقم کو متاثر کیا بلکہ دل میں یہ داعیہ پیدا کر دیا کہ ایسے جوابات کو یکجا جمع کر دیا جائے یہ چند صفحات اسی داعیہ قلبی کا نتیجہ ہیں جو ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں امید ہے کہ ناظرین ان

صفحات کے مطالعہ سے محظوظ ہوں گے۔"

حسن اتفاق سے دیو بند میں فتاویٰ رحیمیہ جلد نہم کی کتابت جاری ہے اور وہاں سے خط موصول ہوا کہ مزید کچھ شامل کرنا ہو تو جلد بھیج دیا جائے خیال ہوا کہ موصوف کا یہ مضمون فتاویٰ رحیمیہ جلد نہم میں شامل کر دیا جائے موصوف کی حوصلہ افزائی ہوگی اور انشاء اللہ ناظرین بھی مستفید ہوں گے...... اللہ پاک موصوف کی اس علمی کاوش کو شرف قبولیت بخشے اور علم وعمل میں خوب برکت اور مزید دین متین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے، آمین بحرمۃ النبی الامی ﷺ احقر سید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہ ولوالدیہ ۲۷ رجب المرجب ۱۴۱۷ھ۔ (نوٹ جدید ترتیب کے مطابق اس مضمون کو جلد دہم میں شامل کر دیا ہے۔

فتاویٰ رحیمیہ اور دلائل عقلیہ

لونڈی اپنے مالک کے لئے بغیر نکاح کیوں حلال ہے

(۱) کسی صاحب کے اس سوال پر۔

"لونڈی اپنے مالک کے لئے بغیر نکاح کے بھی حلال ہے اگر ہے تو کیوں؟ اور اس میں کیا حکمت ہے۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے تحریر فرمایا۔

اگر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام لونڈیوں کی حلت کے لئے نکاح لازم فرماتے ہیں تو خود لونڈیوں کو بڑی دشواری پیش آتی، قرآن مجید میں ہے کہ خدا تعالیٰ تمہارے لئے سہل اور آسانی کا ارادہ فرماتے ہے اور تمہیں دشواری اور مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتے **یرید اللہ بکم الیسر** (الآیہ بقرہ) یاد رہے کہ شریعت میں مالک کے لئے لونڈی کی حلت کا حکم کسی خراب منشا و برے مقصد کے لئے نہیں بلکہ وہ سراسر معاشرتی وتہذیبی مصلحت اور لونڈیوں کی خیر خواہی ہے۔

لونڈی کے لئے نکاح کی حاجت اس لئے نہیں ہے کہ شریعت نے لونڈی کی ملکیت کو جواز وطی کے لئے نکاح کے قائم مقام بنا دیا ہے، جس طرح ایجاب وقبول سے نکاح کا انعقاد اور ملک بضعہ کا حاصل ہو جاتا ہے یعنی حق تمتع (منکوحہ سے وطی کا حق) محض اعتبار شرعی ہے اسی طرح لونڈی کے ملک میں آ جانے سے حق تمتع کا حاصل ہو جانا بھی شرعی اعتبار ہے تو اس کے جواز میں شرعاً وعقلاً کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

یہ واضح کر دینا بھی مناسب ہے کہ اعتبار کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں مثلاً بکریوں وغیرہ حیوانات اور پرندوں کے حلال ہونے کے لئے ذبح کرنا (بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر کاٹنا) شرط اور ضروری ہے، بغیر ذبح کے حلال نہیں ہو سکتے، برخلاف مچھلی کے کہ اس کی حلت کے لئے ذبح شرط نہیں ہے ذبح کے بغیر بھی کھا سکتے ہیں، مچھلی کا قبضہ میں آ جانا اور اس کا مالک ہو جانا ہی اس کے ذبح کے قائم مقام ہے، حالانکہ دونوں قسم کے حیوانات جاندار ہیں لیکن ایک کے لئے ذبح شرط ہے، دوسرے کے لئے ذبح شرط نہیں۔ (۱) تو آزاد عورت کی حلت کے لئے نکاح شرط ہوا، اور لونڈی کی حلت کے لئے نکاح شرط نہ ہوا اور اس کی ملکیت کو قائم مقام نکاح کے سمجھا جائے تو اس میں کیا خلاف عقل ہے؟

اب یہ بات کہ مملوکہ لونڈی نکاح کے بغیر کیوں حلال ہے؟ یہاں ایجاب وقبول اور نکاح کی قید کیوں نہیں تو

---

(۱) مچھلی بغیر ذبح کئے کیوں حلال ہے؟ اس عنوان کا ایک فتویٰ حضرت کے فتاویٰ رحیمیہ ص ۳۳۷ ج ۶ پر ہے اس میں ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ مچھلی میں دم مسفوح نہیں۔ جدید ترتیب کے مطابق ص۶۷ ج۱۰ پر ملاحظہ فرمائیں۔ مصحح

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کی ضرورت ہی نہیں یعنی نکاح میں ایجاب وقبول اس لئے ہوتا ہے کہ ایک خاص طرح کا فائدہ جس کا آپ کو حق نہیں ہے شرعاً آپ کو اس کا حق حاصل ہوجائے، یہاں جب خریداری اور ملکیت کے باعث آپ پوری باندی اور اس کے جملہ حقوق کی مالک ہوگئے تو اس فائدہ کے بھی مالک ہوگئے جو نکاح کے ذریعہ حاصل ہوا کرتا ہے، اب نکاح تحصیل حاصل اور قطعاً فضول ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نکاح کے سلسلہ میں ارشاد ربانی ہے " ان تبتغوا باموالکم "یعنی خواتین کی حرمت کا لحاظ کرتے ہوئے کلام الٰہی نے یہ شرط قرار دیا ہے کہ کچھ مال پیش کیا جائے جس کو" مہر" کہا جاتا ہے، اب اگر باندی کا نکاح کسی غیر شخص سے کیا جائے تو یہ مال (مہر) باندی کا مالک لے گا، لیکن اگر باندی کا نکاح خود مالک سے ہو تو سوال یہ ہے کہ مال یعنی مہر کون دے گا اور کون لے گا؟ باندی جب تک باندی ہے حق ملکیت سے محروم ہے، وہ کسی چیز کی مالک نہیں ہوسکتی اس کے پاس جو کچھ ہے وہ مالک کا ہے، اب کیا مالک سے لے کر مالک کو دے دے اور مالک خود ہی مطالبہ کرنے والا بھی ہو اور خود ہی ادا کرنے والا بھی، یہ ایک مذاق ہے شرعی حکم اور قانون نہیں بن سکتا۔

اس میں اور بھی دقتیں ہیں جس بناء پر نکاح کی قید خلاف حکمت تھی، مثلاً یہ کہ جب یہ باندی آزاد کے کفو نہیں تو اس کو شوہر میسر آنا مشکل ہوگا جس کا اثر یہ ہوسکتا ہے کہ جنسی آوارگی پیدا ہو جس کو کتاب اللہ میں فاحشہ اور فحشاء فرمایا گیا ہے، جو عند اللہ غیر محبوب اور بدترین خصلت ہے، پس شریعت نے یہ صورت تجویز فرمائی جو اگرچہ فی الحال نکاح کی صورت نہیں رکھتی مگر نتیجہ کے لحاظ سے نکاح کی شان پیدا کردیتی ہے کیونکہ باندی سے بچہ پیدا ہوجانے کے بعد مالک کی ملکیت ناقص ہوجاتی ہے یعنی اس کو فروخت کرنا جائز نہیں رہتا وہ اس کے یہاں بچوں کی ماں، گھر کی گرہستن اور اپنے مالک کی بیوی کی طرح رہے گی اور مالک کے انتقال کے بعد آزاد ہوجائے گی وارثوں کو نہیں دی جاسکتی نہ فروخت کی جاسکتی ہے (ص ۵۴، ص ۵۵، ص ۵۶ جلد اول) جدید ترتیب کے مطابق ۲۱/۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

حالت حیض میں صحبت کے متعلق

(۲) ایک شخص نے یہ سوال کیا۔

ایک حدیث نظر سے گذری جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حائضہ سے صحبت کرے تو نصف دینار خیرات کرے (مشکوٰۃ) اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حالت حیض میں صحبت کرنی ہو تو نصف دینار خیرات کر کے کرے، لہٰذا اس کی وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں۔

جواباً فرمایا:

آپ نے حدیث کا جو مطلب سمجھا کہ حالت حیض میں نصف دینار خیرات کر کے صحبت کر سکتے ہیں یہ بالکل غلط ہے، نصف دینار خیرات کرنا بطور فیس کے نہیں بطور جرمانہ اور سزا کے ہے اور غضب خداوندی سے بچنے کے لئے ہے، کتب فقہ میں ہے کہ کوئی رمضان المبارک میں حالت صوم میں صحبت کرے تو کفارہ لازم ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ روزہ کی حالت میں صحبت کرنی ہو تو کفارہ دے کر کر سکتے ہیں (ص ۴۸ جلد چہارم)

نماز کے بعد جہری دعاء کا حکم

(۳) ایک شخص نے پوچھا۔

فرض باجماعت کے بعد دعا آہستہ مانگے یا زور سے، اگر آہستہ کا حکم ہے تو کس قدر؟ اور اگر زور سے مانگنے کا حکم ہے تو کس قدر؟ دونوں میں کون سا افضل ہے، حدیث میں نماز کے بعد کس قدر دعائیں مانگنا وارد ہے؟ وہ کتنے بغیر کسی طرح مروی ہیں، لہٰذا افضل کیا ہے مطلع فرمائیں؟۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے جواب عنایت فرماتے ہوئے فرمایا:۔

سری دعاء افضل ہے، نمازیوں کا حرج نہ ہوتا ہو تو کبھی کبھی ذرا آواز سے دعاء کر لے جائز ہے، ہمیشہ جہری دعاء کی عادت بنانا مکروہ ہے، حدیثوں میں جس طرح دعا کے متعلق روایتیں ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ دعاء پڑھی ایسے ہی یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رکوع میں "**سبحان ربی العظیم**" اور سجدہ میں "**سبحان ربی الاعلی**" پڑھا، لیکن جس طرح رکوع اور سجدہ کی تسبیحات کی روایتوں سے جہر نہیں ثابت ہوتا دعاء کی روایتوں سے بھی جہر نہیں ثابت کیا جا سکتا۔ (ص ۱۸۳ جلد اول جدید ترتیب کے مطابق ص ۵۵ ج ۶ پر)

جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے میں محلہ کی مسجد کی بے حرمتی ہے

(۴) ایک صاحب کے اس استدلال پر" کہ نماز جمعہ جامع مسجد میں پڑھی جائے تو مسجد محلہ ویران پڑی رہے گی اور مسجد کی بے حرمتی ہوگی" کے جواب میں تحریر فرمایا کہ۔

جس طرح نماز عید کے لئے جامع مسجد بند کر کے عیدگاہ جانے میں جامع مسجد کے احترام میں کچھ خلل نہیں آتا ہے یہی نہیں بلکہ اس سے اسلامی شان وشوکت میں اضافہ ہوتا ہے۔ (ویسے ہی محلہ کی مسجد بند کرنے میں مسجد کی بے حرمتی نہیں ہے۔ (ص ۲۵۳ ج اول) جدید ترتیب کے مطابق ص ۹۰ ج ۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

چونکہ مخاطب عربی نہیں سمجھتے اس لئے خطبہ غیر عربی میں پڑھنا کیسا ہے:

(۵) خطبہ جمعہ وعیدین عربی میں پڑھا جانا چاہئے، اس پر بعض لوگوں کو یہ اشکال ہوتا ہے کہ چونکہ عام لوگ عربی سے ناواقف ہوتے ہیں اس لئے خطبہ سمجھ میں نہیں آتا۔ الخ

اس پر رد کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

اگر خطبہ عربی سمجھ میں نہیں آتا تو نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہ بھی کہاں سمجھ میں آتا ہے؟ قرأت بھی ہم کہاں سمجھ سکتے ہیں؟ تو کیا ان تمام کو اردو کا جامہ پہنایا جائے گا؟ اس مرض کا اصلی علاج یہ ہے کہ عربی اتنی سیکھ لی جائے کہ خطبہ وغیرہ کا مطلب سمجھ سکیں، عبادت کی صورت مسخ کرنا یہ اس کا علاج نہیں ہے۔ (ص ۱۴۳، جلد ششم)

روزہ کی غلطی معاف ہے لیکن نماز اور حج کی غلطی کیوں معاف نہیں

(سوال ۲۵۴) حدیث میں ہے کہ جس نے روزہ کی حالت میں بھول کر کھا پی لیا تو وہ اپنے روزہ کو پورا کرلے کیونکہ

اس کو اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے، بخلاف نماز اور حج کے کہ ان میں بھول نہیں اس کی کیا وجہ؟

(الجواب) اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ کے اندر کوئی ایسی ہیئت نہیں ہے جو روزہ کو یاد دلاتی ہو اس لئے روزہ میں معاف سمجھا گیا، بخلاف نماز اور حج کے، کہ نماز میں استقبال قبلہ نماز کو یاد دلانے والی ہیئت ہے اور حج میں احرام یعنی بغیر سلا ہوا کپڑا پہننا وغیرہ ہیئت مذکورہ ہے اس لئے حج اور نماز میں معذور نہیں سمجھا گیا۔ (ص ۲۵۸ جلد ہفتم)

سود کے مسئلہ میں ایک مضمون نگار کا تعاقب

(سوال ۲۵۵) ایک مضمون نگار نے سود کے متعلق بکواس کرتے ہوئے لکھا کہ "ظلم نہ ہوتا ہو تو سود حرام نہیں ہے" مضمون نگار کا دعویٰ یہ ہے کہ سود لینا غریب سے حرام ہے سرمایہ داروں سے سود لینا حرام نہیں، اور قرآنی حکم "وان تصدقوا خیر لکم" سے اپنی سمجھ کے مطابق یہ نئی تفسیر گھڑی مضمون نگار کے نظریہ کا خلاصہ ان کے الفاظ میں یہ ہے۔

"قرآن مجید کی آیات میں سود کا خلاصہ کر کے لینے دینے کو حرام قرار دیا ہے وہ ایسا سود ہے جو زکوٰۃ خیرات وغیرہ کی امداد کے حق دار ہوں، ایسے غریب حاجت مندوں کے پاس سے وصول کر کے اس پر ظلم کیا جائے۔"

اس باطل نظریہ کا جو رد حضرت مفتی صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں کیا ہے وہ قابل دید ہے اس تفصیلی جواب کے آخر میں "مقالہ نگار صاحب کی جدت" کے عنوان سے جو عقلی جواب ہے وہ میرے موضوع کا مقصد ہے، ہو ہذا۔

یہاں صدقہ کا لفظ آ گیا ہے تو بقول دیوانہ را ہوئے بس است، مقالہ نگار صاحب نے اسی لفظ کو لے کر یہ اجتہاد کر ڈالا کہ سود لینا مالداروں سے حرام نہیں ہے صرف ان غریبوں سے سود لینا حرام ہے جو خود مستحق صدقہ ہوں۔

مقالہ نگار صاحب نے قرآن شریف کے ایک لفظ کو اختراعی اور مصنوعی معنی پہنا کر ان تمام آیتوں پر خط نسخ کھینچ دیا جو پہلے آ چکی ہیں، اگر مقالہ نگار صاحب کا یہی اجتہاد کارفرما رہا تو ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ مقالہ نگار صاحب نماز بھی غریبوں سے معاف کرا دیں گے کیونکہ قرآن مجید میں جگہ جگہ یہ الفاظ ہیں " اقیموا الصلوٰۃ و آتو الزکوٰۃ" (نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو) تو مقالہ نگار صاحب غالباً یہی فیصلہ کریں گے نماز اس پر فرض ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، اور جس پر زکوٰۃ فرض نہیں اس پر نماز بھی فرض نہیں، پھر وہ شاید جوئے کو جائز قرار دیں، بلکہ ممکن ہے فرض کہنے لگیں، کیونکہ بخاری شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دوسرے سے کہے کہ آ جوا کھیلیں تو اس پر ضروری ہے کہ وہ صدقہ کرے۔

مقالہ نگار صاحب کو کہہ دینا چاہئے کہ جوا اس کے لئے حرام ہے جو صدقہ کر سکے اور جو غریب صدقہ نہ کر سکے اس کے لئے جوا حرام نہیں، معاذ اللہ اگر اسی کا نام تحقیق ہے تو پھر کسی لغت میں دیکھنا پڑے گا کہ **(معاذ اللہ)** قرآن پاک کی توہین اور آیات و احادیث سے استہزاء کا مطلب کیا ہوتا ہے (ص ۲۵۲، ص ۲۵۳ جلد نہم)

ایک حدیث سے قربانی کے سنت ہونے کا استدلال صحیح ہے

(سوال ۲۵۶) ایک غیر مقلد کا قول ہے کہ قربانی واجب نہیں محض سنت ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے "جو کوئی ذی الحجہ کا چاند دیکھے اور اس کا ارادہ قربانی کا ہو تو وہ اپنے بال" ناخن تا وقتیکہ قربانی نہ کرلے نہ

کاٹے ''قصد وارادہ'' ہو یہ لفظ بتلاتا ہے کہ قربانی واجب نہیں صرف سنت ہے، کیا یہ دلیل درست ہے۔

(الجواب) قربانی محض سنت نہیں بلکہ واجب ہے، سرور دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے جو صاحب نصاب مستطیع ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آوے (عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان لہ سعۃ ولم یضح فلا یقربن مصلانا (ابن ماجہ ص ۲۳۲) یعنی جو کشائش پاوے اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کی پاس نہ پھٹکے (نہ جائے) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قربانی واجب ہے۔

باقی یہ کہ حدیث شریف میں لفظ ''اراد'' آیا ہے تو یہ ایک محاورہ اور عام بول چال ہے یہ وجوب کے خلاف نہیں، حج کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے، حدیث میں ہے " من اراد الحج فلیتعجل " یعنی جو حج کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ جلدی کرے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۲۲) تو کیا حج بھی سنت ہے؟ فرض نہیں۔ خلاصہ یہ کہ قربانی واجب ہے محض سنت نہیں الخ (ص ۱۰۹ ج سوم) جدید ترتیب کے مطابق ۳۵/۱۰ پر

حفاظ کی عزت افزائی کے لئے پھولوں کا ہار پہنانا

(سوال ۲۵۷) تراویح میں ختم قرآن کی رات حافظ صاحب کی عزت افزائی کے لئے پھولوں کا ہار پہنانا کیسا ہے؟

(الجواب) ختم قرآن کی شب حفاظ کو پھولوں کا ہار پہنایا جاتا ہے، یہ رواج برا اور قابل ترک ہے اور اس میں اسراف بھی ہے، اگر حفاظ کی عزت افزائی مقصود ہے تو ان کو عربی رومال یا شال کیوں نہیں پہناتے؟ الخ (ص ۲۵۸ جلد ۶)

غروب سے پہلے چاند نظر آ جائے تو افطار کا حکم

(سوال ۲۵۸) عید کا چاند غروب آفتاب سے پہلے نظر آ جائے تو روزہ افطار کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے فتویٰ دیا کہ روزہ افطار نہیں کر سکتے، اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کا فتویٰ یہ تھا۔

''کسی عورت کو اگر اس دن آخری وقت میں حیض آ جائے تو اس کو افطار کر لینے کا حکم ہے اسی پر قیاس کرتے ہوئے مذکورہ حالت میں بھی ایسا کر سکتے ہیں یعنی روزہ افطار کر لینا چاہئے۔''

کسی صاحب نے ان دونوں فتاویٰ میں تعارض پر صحت کا سوال کیا اس پر جواباً تحریر فرمایا: ''بحمد اللہ فتاویٰ رحیمیہ کا فتویٰ صحیح ہے، الیٰ قولہ۔ آپ نے جو فتویٰ نقل کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے اور نہ اس پر عمل جائز ہے، حائضہ پر قیاس کر کے روزہ افطار نہیں کر سکتے، حیض آتے ہی روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس پر قضا لازم ہے بحالت حیض روزہ رکھنا حرام ہے، اگر چاند دیکھ کر روزہ افطار کرنا جائز ہو تو مغرب کی نماز بھی جائز ہونا چاہئے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں (ص ۲۶۵ جلد نمبر ۷)

مطلقہ کے نفقہ کی شرعی حیثیت پر عجیب استدلال

(سوال ۲۵۹) مطلقہ عورت کا نفقہ شوہر پر کب تک لازم ہے، شرعی فیصلہ کو چھوڑ کر قانون حکومت کا سہارا لے کر نکاح ثانی تک نفقہ کا مطالبہ کرنا کیسا ہے؟ اس کا تفصیلی جواب تو فتاویٰ میں مفصل ہے اس میں ایک عجیب استدلال سے اپنے مدعیٰ کا ثبوت قابل دید ہے۔

شرعی اصطلاح میں ''نفقہ'' سے مراد خوراک، پوشاک اور رہنے کا گھر ہے، شوہر پر عورت کے نفقہ کے وجوب

کا سبب ازدواجی تعلقات کا قیام ہے لہذا نکاح کے بعد شوہر پر بیوی کا نفقہ لازم ہوجاتا ہے، اور جب تک یہ ازدواجی تعلق قائم رہے گا شوہر پر اس کا نفقہ لازم رہے گا اور جب یہ تعلق ختم ہوجائے گا تو سبب کے فوت ہونے کی وجہ سے نفقہ کا لزوم بھی نہ رہے گا جس طرح نوکری اور سرکاری ملازمت کے قائم ہونے کی وجہ سے تنخواہ کی ادائیگی لازم ہوجاتی ہے اور ملازم کی بدعہدی ونافرمانی کے سبب ملازمت کا تعلق ختم ہوجانے پر تنخواہ کی ادائیگی موقوف ہوجاتی ہے اس کے بعد وہ ملازم تاحیات یا دوسری ملازمت ملنے تک تنخواہ کا مستحق نہیں ہوتا، ملازم کیا کرے گا؟ کہاں سے کھائے گا؟ جوئے باز اور چور بن کر معاشرہ کو تباہ وبرباد کرے گا ان باتوں کی طرف کسی کا خیال نہیں جاتا تو جس عورت کو اس کی بدزبانی، بدخلقی، بےوفائی اور نشوز (نافرمانی) کی وجہ سے نکاح سے الگ کردیا گیا ہو یہ خیال کرکے وہ کہاں سے کھائے گی، کہاں جائے گی، بدچلن بن جائے گی، شوہر پر اس کی زندگی تک یا نکاح ثانی کرنے تک اس کا نفقہ لازم کردینا کہاں کی عقل مندی ہے؟ (ص ۱۴۳ ج ۸)

قبر پر اذان دینے والوں کے ایک استدلال کا عمدہ رد

(سوال ۲۶۰) قبر پر اذان دینے والوں کے اس استدلال پر کہ ''اذان سن کر شیطان بھاگتا ہے، مردہ اس کی شرارت سے محفوظ رہتا ہے'' رد فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

''اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جہاں شیطان شرارت کرے وہاں اذان دینا چاہئے، حدیث میں ہے " **ان الشیطان یجری من الا نسان مجری الدم** " (**متفق علیه**) شیطان انسان کے بدن میں داخل ہوکر خون کی طرح دوڑتا ہے (اور انسان کو گمراہ کرتا ہے) (**مشکوٰۃ شریف ص ۱۸ باب فی الوسوسته**) اہل بدعت بتلائیں کیا اس وقت اذان دینا مسنون ہے؟

اسی طرح حدیث میں ہے کہ میاں بیوی جب صحبت کرتے ہیں تو شیطان شرارت کرتا ہے اور شامل ہونے کی کوشش کرتا ہے، اسی لئے حضور ﷺ نے امت کو تعلیم دی کہ صحبت سے پہلے یہ دعا پڑھی جائے " **بسم الله اللّٰهم جنبنا الشیطان و جنب الشیطان مارزقتنا** " اے اللہ ہمیں شیطان سے دور رکھ اور جو اولاد تو عطا کرے) اسے بھی شیطانی اثر سے محفوظ رکھ اور بوقت انزال دل میں یہ دعا پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ **اللھم لا تجعل للشیطان فیما رزقتنی نصیباً**. اے اللہ جو کچھ تو ہمیں عطا فرمائے اس میں شیطان کا حصہ نہ رکھ (**حصن حصین ص ۱۲۰**)

کیا اہل بدعت بوقت مصاحبت اذان دیتے ہیں؟ اگر نہیں دیتے تو کیا وجہ ہے؟ اسی طرح حدیث میں ہے کہ بیت الخلاء میں خبث جنات مرد اور عورتیں رہتی ہیں جو انسان کی شرم گاہ سے کھیلتے ہیں اور شرارت کرتے ہیں اسی لئے حضور ﷺ نے امت کو ہدایت فرمائی کہ بیت الخلاء جانے سے پہلے یہ دعاء پڑھیں " **اللھم انی اعوذبک من الخبث والخبائث**"

کیا بدعتی بیت الخلاء میں جاتے وقت شیطانی شرارت سے محفوظ رہنے کے لئے اذان دیتے ہیں؟ اگر نہیں دیتے تو کیا وجہ؟؟؟ اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ ان مواقع میں اذان دینا ثابت نہیں اس لئے نہیں دیتے اسی طرح قبر پر اذان دینا ثابت نہیں اس لئے قبر پر اذان نہیں دیتے اور نہ اسے مسنون سمجھتے ہیں (ص ۱۴۴ جلد نمبر ۲)

زوجین کی شرم گاہ کا ظاہری حصہ پاک ہے اس لئے چومنے کی اجازت ہے؟

(سوال ۲۶۱) مرد وعورت کی شرم گاہ کا ظاہری حصہ پاک ہے، ناپاک؟ اگر بوقت ہم بستری عورت مرد کی شرم گاہ منہ میں لیوے یا مرد عورت کی شرم گاہ کے ظاہری حصہ کو زبان لگائے، چومے تو ایسی حرکتوں میں قباحت ہے یا نہیں؟

(الجواب) بے شک شرم گاہ کا ظاہری حصہ پاک ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر پاک چیز کو منہ لگایا جاوے اور منہ میں لیا جائے اس کو چوما جائے اور چاٹا جائے، ناک کی رطوبت پاک ہے تو کیا ناک کے اندرونی حصہ کو زبان لگانا اس کی رطوبت کو منہ میں لینا پسندیدہ چیز (خصلت) ہوسکتی ہے؟ اور اس کی اجازت ہوسکتی ہے؟ مقعد (پاخانہ کا مقام) کا ظاہری حصہ بھی ناپاک نہیں پاک ہے تو کیا اس کو چومنے کی اجازت ہوگی؟ نہیں ہرگز نہیں، اسی طرح عورت کی شرم گاہ کو چومنے اور زبان لگانے کی اجازت نہیں سخت مکروہ اور گناہ ہے، کتوں بکروں وغیرہ حیوانات کی خصلت کے مشابہ ہے (ص ۲۷۰ جلد ۶) جدید ترتیب کے مطابق ص۲۰۲ پر ملاحظہ فرمائیں

(نوٹ) یہ پورا سوال وجواب قابل دید ہے، اس سوال کا جو جواب حضرت نے اپنی شان فقاہت سے دیا ہے یہ واقعہ آپ ہی کا حصہ ہے۔

خصی کلمہ گو ہے پھر اس کی امامت کیوں مکروہ ہے:

(سوال ۲۶۲) حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے اس فتویٰ (خصی اور ہجڑے کو امام بنانا جائز نہیں، نماز مکروہ ہوتی ہے) پر ایک صاحب نے یہ اشکال کیا کہ جو نسبندی کرا رہا ہے وہ کلمہ گو تو ہے اس کا ایمان تو صحیح ہے، پھر اس کے پیچھے نماز کیوں درست نہیں، اس پر تحریر فرمایا کہ۔

"ہر کلمہ گو کی امامت درست ہو یہ ضروری نہیں ہے عورت بھی کلمہ گو ہے لیکن اس کی امامت جائز نہیں ہے نابالغ بھی کلمہ گو ہے مگر اسے امام بنانے کی شرعاً اجازت نہیں، اسی طرح ازراہ رغبت (اپنی مرضی سے) خصی بننے والے کو "امامت" کا اعلیٰ منصب عطا کرنا درست نہیں، خصی ہونا حرام ہے، ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ جلد دہم ص ۱۸۳۔ فتاویٰ رحیمیہ جلد نمبر ۴ ص ۱۸۹ ۔

طلاق میں مرد کیوں مختار ہے۔

(سوال ۲۶۳) طلاق دینے میں مرد کیوں مختار ہے؟ جب کہ نکاح کے وقت عورت کی مرضی معلوم کی جاتی ہے، تو طلاق کے وقت کیوں معلوم نہیں کی جاتی؟

(الجواب) (اس سوال پر تفصیلی بحث تو فتاویٰ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے مضمون سے متعلق چند سطریں نقل کی جاتی ہیں)

آقا ملازم رکھتا ہے تو معاملہ دونوں کی رضامندی سے طے ہوتا ہے، لیکن جب ملازم آقا کے کام کا نہیں رہتا، دونوں میں ان بن ہو جاتی ہے تو آقا اسے علیحدہ کر دیتا ہے ملازم رضامند ہو یا نہ ہو، اسی طرح جب ملازم کا دل ملازمت سے اچاٹ ہو جاتا ہے تو وہ استعفیٰ دے کر علیحدگی اختیار کر لیتا ہے، یہ دنیوی قاعدہ ہے جسے بخوشی قبول کیا جاتا ہے تو شرعی قانون قبول کرنے میں کیا تامل ہے؟ (ص ۳۴۹ ج ۶)

حجر اسود کا بوسہ دینے میں اس کی عبادت کا شائبہ

(سوال ۲۶۴)غیر مسلم اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمان حجر اسود کو بوسہ دے کر اس کی پوجا کرتے ہیں، ان کو کیا جواب دیا جائے۔؟

(الجواب) حجر اسود کو بوسہ محبت کی غرض سے دیا جاتا ہے(الیٰ قولہ) آدمی اپنی اولاد اور بیوی کو بھی بوسہ دیتا ہے تو کیا انہیں معبود سمجھ کر دیتا ہے؟ ہر گز نہیں (ص ۳۲ ج ۸)

مصلیوں تک آواز پہنچانے کی وجہ سے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال

(سوال ۲۶۵)امام کی تکبیرات انتقال کی آواز بذریعہ مکبرین مصلیوں تک پہنچ جاتی ہے مگر امام کی قراءت کی آواز مصلی حضرات تک نہیں پہنچتی ،لہذا نماز عید میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کیسا ہے؟

(الجواب) صحت صلوٰۃ کے لئے امام کی قرأت کا سننا ضروری نہیں ہے،ظہر اور عصر میں امام کی قرأت کہاں سنائی دیتی ہے؟ایسے ہی مغرب کی تیسری اور عشاء کی تیسری و چوتھی رکعت میں قرأت نہیں سنائی دیتا اس کے باوجود نماز صحیح ہو جاتی ہے الخ (ص ۱۸۳ جلد ۶)

عورت کا بغیر محرم حج کرنا

(سوال ۲۶۶)چند عورتیں بغیر محرم کے قافلہ کی شکل میں حج میں جاسکتی ہیں؟اس پر تفصیلی بحث فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

صرف عورتیں ہی عورتیں ہونے کی صورت میں خوف فتنہ بڑھ جائے گا،سڑک پر ایک چھوٹے بچہ کے لئے گاڑی گھوڑے وغیرہ کا جو خطرہ رہتا ہے اس کے ساتھ دو چار بچے اور ہو جانے سے اندیشہ ختم ہو گا یا بڑھے گا؟ فتاویٰ رحیمیہ ۷۹/۸

تقلید کی حیثیت بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے

(سوال ۲۶۷)دین کی اصل دعوت یہ ہے کہ صرف اللہ کی اطاعت کی جائے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی اسی لئے واجب ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے قول و فعل سے احکام الٰہی کی ترجمانی فرمائی ہے کہ کون سی چیز حلال ہے کون سی چیز حرام ہے، کیا جائز اور کیا ناجائز۔ان تمام معاملات میں اطاعت تو صرف خدا کی کرنا ہے مگر چونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان معاملات کے مبلغ اور پہنچانے والے ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہیں اور حضور ﷺ کی اطاعت درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہے،ارشاد خداوندی ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ لہٰذا شریعت کے تمام معاملات میں صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ضروری ہے اور جو شخص خدا اور اس کے رسول کے سوا کسی اور کی اطاعت کرنے کا قائل ہو اور اس کو مستقل بالذات مطاع سمجھتا ہو تو یہ یقیناً نہ مومن ہے،لہٰذا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ قرآن و سنت کے احکام کی تابعداری اور اطاعت کرے۔

قرآن و حدیث (سنت) میں بعض احکام ایسے ہیں جو آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے صراحتاً ثابت

ہیں جن میں بظاہر کوئی تعارض نہیں ہے اس قسم کے احکام اور مسائل ''منصوصہ'' کہلاتے ہیں لیکن بعض احکام ایسے ہیں جن میں کسی قدر ابہام واجمال ہے اور بعض آیات واحادیث ایسی ہیں جو چند معانی کا احتمال رکھتی ہیں بعض محکم ہیں اور بعض متشابہ، کوئی مشترک ہے تو کوئی مؤول اور کچھ احکام ایسے ہیں کہ بظاہر قرآن کی کسی دوسری آیت یا کسی دوسری حدیث سے متعارض معلوم ہوتے ہیں، اس کی چند مثالیں بیان فرمانے کے بعد تحریر فرمایا ہے۔

ایسے مسائل میں اجتہاد واستنباط سے کام لینا پڑتا ہے ایسے موقع پر عمل کرنے والے کو الجھن ہوتی ہے کہ وہ کس طرح عمل کرے، از خود اجتہاد کر کے فیصلہ کرے یا اسلاف کی فہم وبصیرت اور ان کے علم پر اعتماد کر کے ان کے فیصلہ پر عمل کرے، ایسی الجھن کے موقعہ پر عمدہ بات یہی ہے کہ جس طرح ہم اپنے دنیوی معاملات میں ماہرین فن کے مشوروں پر عمل پیرا ہوتے ہیں، بیمار ہوتے ہیں تو ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں، کورٹ میں کوئی مقدمہ ہو تو وکیل کرتے ہیں مکان بنانا ہو تو انجینئر کی خدمات حاصل کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ اور جو وہ کہتے ہیں اس کی سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں اس سے حجت بازی نہیں کرتے، اسی طرح دینی معاملات میں ان مقدس ترین حضرات کی فہم وبصیرت پر اعتماد کرتے ہوئے ان ائمہ مجتہدین میں سے کسی کے قول پر عمل کریں اس عمل کرنے کو اصطلاح میں تقلید کہتے ہیں، تقلید کی حیثیت صرف یہ ہے کہ تقلید کرنے والا اپنے امام کی تقلید یہ سمجھ کر کرتا ہے کہ وہ در اصل قرآن وسنت پر ہی عمل کر رہا ہے اور صاحب شریعت ہی کی پیروی کر رہا ہے اور گویا یہ تصور کرتا ہے کہ ''امام'' اس کے اور صاحب شریعت کے درمیان واسطہ ہے مثال کے طور پر جماعت کی نماز میں جب کہ جماعت بڑی ہو امام کی آواز دور کے مقتدیوں کو سنائی نہ دیتی ہو تو اس وقت مکبر مقرر کئے جاتے ہیں وہ مکبر امام کی اقتداء کرتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہہ کر امام کی نقل وحرکت، رکوع و سجدہ کی اطلاع پچھلی صف والوں کو دیتا ہے اور پچھلی صف والے یہ تصور کرتے ہیں کہ ہم امام ہی کی اقتداء واتباع کر رہے ہیں اور خود مکبر بھی یہی سمجھتا ہے کہ میں خود امام نہیں ہوں بلکہ میرا اور پوری جماعت کا امام صرف ایک ہی ہے سب اسی کی اقتداء کر رہے ہیں میں تو صرف امام کی نقل وحرکت کی اطلاع دے رہا ہوں، بس بالکل یہی صورت یہاں ہیں کہ مقلد کا تصور یہی ہے کہ میں خدا اور رسول ہی کی اطاعت اور اتباع کر رہا ہوں۔ امام، کو درمیان میں بمنزلۂ مکبر تصور کرتا ہے)، اس کو مستقل بالذات مطاع نہیں سمجھتا مستقبل بالذات مطاع تو صاحب شریعت ہی کو خیال کرتا ہے (فتاویٰ رحیمیہ جلد اول۔ ص ۱۹۶، ص ۱۹۷، ص ۱۹۸)

اس عام فہم مثال سے تقلید کی حیثیت کو واضح فرمایا اور غیر مقلدوں کے خود ساختہ اعتراض واشکال کی بنیاد ڈھا کر رکھ دی اس کے بعد بھی خواہ مخواہ اعتراض کی راہ اختیار کرنا ہٹ دھرمی اور تعنت کے سوا کچھ نہیں، واللہ المستعان علی ما تصفون۔

(سوال ۲۰) ایک دوسرے مقام پر تقلید کی ضرورت پر کلام کرتے ہوئے فرمایا ہے:

ٹھنڈے دل سے اگر غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ تقلید ایک امر فطری ہے اور ایک قدرتی ناگزیر ضرورت ہے جو انسان کے ساتھ مثل سائے کی لگی ہوئی ہے، غیر مقلدین بھی اس سے بے نیاز نہیں ہیں، ان کے گھروں میں چھوٹے بچے گھر کے بڑوں کو ہی دیکھ کر نماز پڑھتے ہیں، اور دوسرے اعمال کرتے ہیں اور ان کے گھر کی مستورات محدثہ، عالمہ ،فاضلہ نہیں ہوتیں، مردوں ہی سے پوچھ پوچھ کر عمل کرتی ہیں، اور خود غیر مقلدین عالم فاضل محدث نہیں ہوتے وہ بھی

اپنے بڑوں ہی سے پوچھ پوچھ کر عمل کرتے ہیں اور اس پوچھ پوچھ کر عمل کرنے کو مذموم نہیں سمجھا جاتا، اس کو شرک بدعت اور گناہ نہیں کہا جاتا، اور معمولی صنعت وحرفت میں بھی بغیر تقلید کے کام نہیں چلتا، طب کی کتابوں کا مطالعہ کر کے انسان حکیم اور ڈاکٹر نہیں بن جاتا اور ایسا شخص اگر مطب کھول کر بیٹھ جائے تو اسے مجرم کہا جاتا ہے اور جو اس سے علاج کرائے وہ اس سے بڑا نادان سمجھا جاتا ہے، مثل مشہور ہے ''نیم حکیم خطرہ جان ونیم ملاّ خطرۂ ایمان'' بہر حال دنیا میں ہر کام میں تقلید کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن دین کے معاملہ میں چند حدیث کی کتابوں کا ترجمہ دیکھ کر اپنے آپ کو علوم قرآن وحدیث کا ماہر سمجھنے لگنا، اور ائمہ ہدیٰ واسلاف عظام کے ساتھ بدگمانی کرنا ان کی شان میں بدزبانی اور گستاخی کرنا اور ان کی تقلید کو شرک وبدعت کہنا اور اپنی ناقص فہم وعقل پر اعتماد کرنا اور ہوائے نفسانی کی اتباع کو عین توحید سمجھنا یہ کہاں کا انصاف ہے۔ بریں عقل ودانش بباید گریست'' اگر ہمارے غیر مقلدین بھائی ہٹ دھرمی کٹ حجتی اور ضد کو چھوڑ کر دیانتداری، سنجیدگی اور ٹھنڈے دل سے غور کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ عدم تقلید کے عقیدے پر جمے رہیں اور اپنی پہلی روش پر ندامت اختیار نہ کریں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۰۲ جلد اوّل)

ایک مثال سے بدعت کی قباحت کی وضاحت

(سوال ۲۶۸) حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی نے اپنے ایک رسالہ ''اسلام میں سنت کی عظمت اور بدعت کی قباحت'' میں بدعت کی مذمت وقباحت اور بدعت سے سنت پر کیا اثر ہوتا ہے اس کو ایک مثال سے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ بات دل میں اتر جاتی ہے اور اس کے سوا دوسری بات نہیں رہتی کہ یوں کہا جائے کہ بدعت کا ترک ہی لازم اور ضروری ہے تاکہ امت سنت کے انوار سے اپنے اعمال کو منور کرے اور سنت کو خوب پھلنے پھولنے کا موقع ملے، آپ تحریر فرماتے ہیں۔

بدعت سے سنت کو عظیم نقصان پہنچتا ہے بدعت سنت کی جگہ لے لیتی ہے، اور بالآخر سنت نیست ونابود ہو جاتی ہے اس کو ایک مثال سے سمجھئے، گیہوں چاول باجرہ وغیرہ کے کھیت میں گھاس اور بیکار قسم کے پودے اگ آتے ہیں اور وہ جس قدر بڑھتے ہیں اس سے فصل اور کھیتی کو نقصان پہنچتا ہے اس نقصان سے حفاظت کے لئے کسان وگھاس اور پودوں کو جڑ سے نکال دیتا ہے تو گیہوں وغیرہ کے پودے پھلتے پھولتے ہیں اور فصل عمدہ ہوتی ہے، اگر وہ گھاس اور پودے اکھاڑے نہ جائیں تو کھیتی اور فصل کو سخت نقصان لاحق ہونے کا اندیشہ رہتا ہے یہی حال بدعت کا ہے، بدعت گھاس اور بیکار قسم کے پودوں کے مانند ہے جو سنت کو پھلنے پھولنے نہیں دیتی اسے دبائے رکھتی ہے اگر ابتداء ہی سے بدعت کی نشاندہی نہ کی جائے اور امت کو اس سے روکا نہ جائے تو بالآخر بدعت غالب آجاتی ہے اور سنت کی جگہ لے کر سنت کو نیست ونابود کر دیتی ہے۔'' (اسلام میں سنت کی عظمت اور بدعت کی قباحت ص ۶) فقط: مرغوب احمد لاجپوری غفرلہٗ خ (ڈیوزبری)

برطانیہ کے سفر کے دوران ''رؤیت ہلال کمیٹی جمعیت علماء برطانیہ'' کی دعوت پر احقر کی زیر صدارت اجلاس کی مختصر روداد اور متفقہ فیصلہ کی عکسی نقل:

مخدومنا المکرم حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری صاحب مدظلہم العالی ودامت برکاتہم وفیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

مزاج گرامی بخیر ہوگا، ہم تمام احباب شب وروز آپ کے لئے دعاء کرتے ہیں۔ بعدہ' عرض اینکہ آپ ۱۹۷۸ء میں برطانیہ تشریف لائے تھے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس وقت ''رؤیت ہلال کمیٹی جمعیت علماء برطانیہ'' کے ممبران اور ذمہ دار علماء کا ایک اجلاس آپ کی زیر صدارت ہوا تھا اور برطانیہ میں ثبوت ہلال والے مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر غور وخوض کیا گیا تھا۔ اور کوئی فیصلہ بھی ہوا تھا۔

خدمت اقدس میں عرض ہے کہ اس اجلاس کی مختصر روداد اور فیصلہ محفوظ ہو تو اس کی نقل تحریر فرما کر، ممنون فرمائیں۔ جزاکم اللہ فقط۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلیا ومسلما. اما بعد!

مکرمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ......عافیت طرفین مطلوب ہے۔

آپ کا خط موصول ہوا۔ آپ نے مجلس کی مختصر روداد اور فیصلہ کی نقل طلب فرمائی ہے جواباً عرض ہے۔

ماہ جولائی ۱۹۷۸ء میں احقر کا حضرت مولانا محمد رضا اجمیری صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ راندیر۔ اور حضرت مولانا سید ابرار احمد استاذ حدیث فلاح دارین ترکیسر ضلع سورت کی رفاقت میں برطانیہ کے مخلص دوستوں کی دعوت پر ڈیوزبری کے تبلیغی اجتماع میں شرکت اور تبلیغی ودعوتی پروگراموں کے مقصد سے برطانیہ کا سفر ہوا۔ اس سفر کے دوران برطانیہ جمعیۃ علماء کے ذمہ دار حضرات مفتی عبدالباقی صاحب۔ علامہ خالد محمود وغیرہ نے رؤیت ہلال کے مسئلہ سے متعلق ایک اجلاس (مٹنگ) میں شرکت کی دعوت پیش کی جسے احقر نے اپنے رفقاء کے مشورہ سے اور وہاں کے حالات کے پیش نظر اور اس مقصد سے کہ خدا کرے کوئی اتفاق کی شکل پیدا ہو جائے ان حضرات کی دعوت ہم نے قبول کر لی۔

مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۷۸ء کو احقر کی زیر صدارت ایک مجلس ہوئی۔ جس میں اس مسئلہ پر غور وفکر کرنے کے بعد ایک فیصلہ پر حاضرین مجلس نے دستخط فرمائے۔

ابتداءً حضرت مولانا مفتی عبدالباقی صاحب دامت برکاتہم نے بیان دیا (الفاظ تو ذہن میں محفوظ نہیں مفہوم جو ذہن میں رہ گیا ہے اپنے الفاظ میں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔) کہ یہاں برطانیہ میں پورا سال مطلع ابر آلود رہتا ہے۔ اس لئے انتیسواں چاند نظر نہیں آتا'' شاید ہی کسی وقت نظر آجائے' اس لئے یہ ملک اسلامی ممالک کی اطلاع کا محتاج رہتا ہے۔ یہاں مختلف مسلک اور مکتب خیال کے لوگ بستے ہیں۔ سعودی عربیہ کے باشندے اور جماعت اسلامی والے سعودی عربیہ کی خبر تسلیم کرنے پر مصر رہتے ہیں اور اس کے مطابق عمل کرنا چاہتے ہیں۔ پاکستانی

حضرات چاہتے ہیں کہ پاکستان سے رابطہ رکھا جائے۔

ہندوستانی حضرات مراکش سے تعلق رکھنے پر مصر رہتے ہیں۔ان میں بھی دو فرقے ہیں (دیوبندی۔ بریلوی) جو ایک دوسرے پر اعتماد نہیں رکھتے۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دو تین روز تک عید منائی جاتی ہے۔ان حالات میں اتحاد واتفاق کی دو صورتیں نظر آتی ہیں۔

(۱) مختلف مکتب خیال کے افراد ہوائی جہاز کے ذریعہ بادلوں کے اوپر پہنچ کر رمضان اور عیدین کا چاند دیکھ لیا کریں تا کہ فیصلہ متفقہ ہو۔کیا اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے؟

(۲) اسلامی ممالک سے جو پہلی خبر بطریق موجب مل جائے اسے منظور کر لیا جائے۔اس میں کسی ایک ملک کی ترجیح لازم نہیں آتی۔جو بھی پہلی خبر بطریق موجب مل جائے اسے منظور کر لیا جائے۔اس پر بھی سب متفق ہو سکتے ہیں۔آیا سعودی عربیہ کی خبر قبول کی جاسکتی ہے؟ مطلع کا مختلف ہونا مانع تو نہ ہوگا؟

پہلی صورت کے متعلق احقر نے عرض کیا تھا کہ آپ کے یہاں کے ان پیچیدہ حالات کے پیش نظر برطانیہ میں اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے اگر چہ یہ طریقہ غیر مستحسن اور دشوار گذار ہے۔اس لئے اس کی عام اجازت نہیں ہو سکتی۔اختلاف اور فتنہ سے بچنے کے لئے خاص برطانیہ کے لئے اس کی گنجائش ہے۔ الضرورات تبیح المحظورات

دوسری صورت کے متعلق احقر نے عرض کیا تھا کہ مراکش قریب ہے اس سے تعلق رکھا جاتا تو بہتر تھا۔کہا گیا کہ عرب حضرات مراکش کی ترجیح کو پسند نہیں کریں گے۔اس کے بعد احقر نے کہا کہ سعودی عربیہ کی خبر شرعی طریقہ سے ملے اور یہ خبر یہاں کے اعتبار سے انتیس ۲۹ تمیں ۳۰ کے درمیان دائر ہوتو قابل قبول ہو سکتی ہے۔مطلع کا اختلاف مانع نہ ہوگا۔اٹھائیسواں ۲۹ یا اکتیسواں ۳۱ چاند لازم آتا ہو تو قابل قبول نہ ہوگا۔(مندرجہ ذیل حوالجات بعد میں شامل کئے گئے ہیں۔)

فتاوی عالمگیری میں ہے۔ولا عبرة لا ختلاف المطالع في ظاهر الرواية كذا في فتاوىٰ قاضي خان وعليه فتوىٰ الفقيه ابي الليث وبه كان يفتي شمس الا ئمة الحلوائي قال لورأ ى اهل مغرب هلال رمضان يجب الصوم اهل مشرق كذافي الخلاصة .(عالمگيری ج ا ص ۲۱۱)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

نعم فينبغي ان يعتبر اختلافها ان لزم منه التفاوت بين البلد تين با كثر من يوم واحد لان النصوص مصرحة بكون الشهر تسعة وعشرين او ثلاثين فلا تقبل الشهادة ولا يعمل بها فيما دون افل العدد و لا ازيد من اكثره.(فتح الملهم شرح مسلم ج۳ ص ۱۱۳)

علم الفقہ میں ہے:۔ایک شہر والوں کا چاند دیکھنا دوسرے شہر والوں پر بھی حجت ہے۔ان دونوں شہروں میں کتنا ہی فاصلہ کیوں نہ ہو حتی کہ اگر ابتدائے مغرب میں چاند دیکھا جائے اور اس کی خبر معتبر طریقہ سے انتہائے مشرق کے رہنے والوں کو پہنچ جائے تو ان پر اس دن کا روزہ ضروری ہوگا۔ (درمختار رد المحتار وغیرہ) علم الفقہ ج۳ ص ۱۸/۱۷.

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں۔

(سوال) اگر کسی دور کے شہر سے سے چاند دیکھنے کی خبر آئے تو معتبر ہوگی یا نہیں؟
(الجواب) چاہے کتنی ہی دور سے خبر آئے معتبر ہے مثلاً برہما والوں نے چاند نہیں دیکھا اور کسی بمبئی کے شخص نے ان کے سامنے چاند دیکھنے کی گواہی دی تو ان پر ایک روزہ کی قضاء لازم ہوگی۔ہاں یہ شرط ہے کہ خبر ایسے طریقہ سے آئے جس کا شریعت میں اعتبار ہے۔تار کی خبر معتبر نہیں۔(تعلیم الاسلام ص ۵۶ حصہ چہارم)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔
انبیاء علیہم السلام کی شان ہی تیسیر و تسہیل ہے۔ان کے کلام میں کسور کا نہ ہونا اولیٰ ہے اسی لئے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اختلاف مطالع کو غیر معتبر قرار دیا ہے کہ اگر مکہ یا مدینہ سے شرعی ثبوت کے ساتھ خبر آ جائے۔کہ وہاں یہاں سے پہلے چاند ہوا ہے تو ہندوستان والوں پر اس خبر کی وجہ سے ایک روزہ رکھنا فرض ہوگا۔الیٰ قولہ۔
امام ابوحنیفہؒ نے اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کیا اور ان کا قول عقل و نقل دونوں کے مطابق ہے۔نقل کے مطابق تو اس لئے کہ حدیث سے معلوم ہو چکا ہے **نحن امة امية لا نكتب و لا نحسب** جس سے معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ کا مدار ایسے دقیق قواعد حساب وہیئت پر نہیں جس میں مہارت فن کی ضرورت ہو تو چاہئے کہ اس قسم کے دقائق ریاضیہ جن کی اطلاع ہر شخص کو آسانی سے نہیں ہو سکتی شریعت میں معتبر نہ ہوں۔اور عقل کے مطابق اس لئے کہ احکام شرعیہ تمام عالم کے لئے عام ہیں جس میں عالم و جاہل فلسفی و غبی محاسب و غیر محاسب سب قسم کے آدمی ہیں۔تو احکام شرعیہ میں ایسی بات نہ ہونا چاہئے جو صرف فلسفی و محاسب ہی معلوم کر سکے جاہل معلوم نہ کر سکے۔
اور ظاہر ہے کہ اختلاف مطالع ایک خاص مقدار مسافت پر ہوتا ہے)۔یہ نہیں کہ یہاں سے دہلی تک اختلاف مطالع ہو جائے۔بلکہ اس کے لئے ایک خاص مقدار معین ہے۔جس کو اہل حساب ہی جانتے ہیں۔اور رؤیت وشہادت ایسی چیزیں ہیں جن کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔پس ہلال (چاند) کا مقدار رؤیت وشہادت ہی پر ہونا چاہئے نہ کہ اختلاف مطالع پر۔پس امام ابوحنیفہؒ کا قول اصول شریعت کے بھی زیادہ موافق ہے اور اصول عقل کے بھی۔(وعظ العشر ص ۷، ص ۸)

اس کے بعد مندرجہ ذیل فیصلہ پر حاضرین مجلس نے دستخط ثبت فرمائے۔''فیصلہ کی فوٹو کاپی (عکسی نقل) اس کے ساتھ منسلک ہے۔'' فقط والسلام۔

متفقہ فیصلہ

اسلامک کلچر سینٹر لندن

مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۷۸ء

مسلمانان برطانیہ اس امر پر اتفاق کا اظہار کرتے ہیں کہ رمضان اور عیدین کے لئے رؤیت ہلال کا وہ طریقہ اختیار کیا جائے گا۔جو سنت نبوی ﷺ میں بتایا گیا ہے۔اور اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ۔

(الف) برطانیہ میں چاند دیکھنے کی کوشش جغرافیائی امکان کی روشنی میں کی جائے گی اور علماء کی ایک کمیٹی ہوائی جہاز کے ذریعے چاند دیکھنے کی کوشش کرے گی۔

(ب) اگر برطانیہ میں مذکورہ طریقے سے چاند نظر نہ آئے تو کسی اسلامی ملک سے رؤیت ہلال کی شرعی طور پر ثابت ہونے والی شہادت کی خبر پر انحصار کیا جائے گا۔ اور۔ (ج) رؤیت ہلال کمیٹی (الف) یا (ب) کی روشنی میں چاند کا اعلان کرے گی اور اس کی وسیع پیمانے پر تشہیر کا اہتمام کیا جائے گا۔ تاکہ پورے جزائر برطانیہ میں ایک ہی دن رمضان کا آغاز اور اختتام ہو سکے۔ دستخط شرکاء:۔

اجلاس رؤیت ہلال کمیٹی جمعیت علماء برطانیہ ۱۶ جولائی ۱۹۷۸ء ۲ بجے دوپہر۔ زیر صدارت: حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری۔

اسلامک سینٹر لندن میں ۱۵ جولائی ۱۹۷۸ء کو لکھی گئی مندرجہ بالا متفقہ تحریر پڑھ کر سنائی گئی۔ تمام ارکان رؤیت ہلال کمیٹی ''جو حاضر تھے'' نے اس کی تائید فرمائی اور اسے درست قرار دیا۔ ممبران کمیٹی کے سوا جو اکابر علماء اس میٹنگ میں موجود تھے انہوں نے بھی پوری موافقت فرمائی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ROYAT HILAL (Moon Sighting) COMMITTEE
ISLAMIC CULTURAL CENTRE
146 Park Road London NW8

متفقہ فیصلہ
اسلامک کلچرل سنٹر لندن
مورخہ ۱۵ جولائی ۱۹۷۸ء

مسلمانان برطانیہ اس امر پر اتفاق کا اظہار کرتے ہیں کہ رمضان اور عیدین کے لئے رویت ہلال کا وہ طریقہ اختیار کیا جائے گا جو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بتایا گیا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ
(الف) برطانیہ میں چاند دیکھنے کی کوشش جغرافیائی امکان کی روشنی میں کی جائے گی اور علماء کی ایک کمیٹی ہوائی جہاز کے ذریعہ چاند دیکھنے کی کوشش کرے گی۔
(ب) اگر برطانیہ میں مذکورہ طریقے سے چاند نظر نہ آئے تو کسی اسلامی ملک سے رویت ہلال کی شرعی طور

پر ثابت ہونے والی شہادت کی خبر پر فیصلہ کیا جائے گا۔

اور

(۳) رویت ہلال کمیٹی (الف) یا (ب) کی روشنی میں چاند کا اعلان کرے گی اور اس کی وسیع پیمانے پر تشہیر کا انتظام کیا جائے گا تاکہ پورے برطانیہ میں ایک ہی دن رمضان کا آغاز اور اختتام ہو سکے۔

دستخط شرکاء :-

اجلاس رویت ہلال کمیٹی جمعیت علماء برطانیہ

۱۶ جولائی ۱۹۷۸ء ۲ بجے دوپہر

زیر صدارت: حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری

اسلامک سینٹر لندن میں ۱۵ جولائی ۱۹۷۸ء کو لکھی گئی مندرجہ بالا متفقہ تحریر پڑھ کر سنائی گئی تمام ارکان رویت ہلال کمیٹی (جو حاضر تھے) نے اس کی تائید فرمائی اور اسے درست قرار دیا۔ ممبران کمیٹی کے سوا جو اکابر علماء اس میٹنگ میں موجود تھے انہوں نے بھی پوری موافقت فرمائی۔ دستخط ممبران رویت ہلال کمیٹی۔

دستخط اکابر علماء کرام جو شریک اجلاس ہوئے :-

باب المسکرات

سردی کے مقابلہ کے لئے برانڈی وغیرہ مسکرات کا استعمال کیسا ہے :

(سوال ۲۶۹)انگلینڈ(یو۔ کے)میں سخت سردی ہے ہندوستانی لوگ برداشت نہیں کر سکتے۔لہذا جسم میں حرارت پیدا کرنے کی غرض سے برانڈی پینے کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟

(الجواب) برانڈی وغیرہ مسکرات کا استعمال ناجائز اور حرام ہے۔صورت مسئولہ میں بھی برانڈی نشہ آور کے استعمال کی شریعت میں اجازت نہیں ہے۔حدیث شریف میں ہے۔**عن دیلم الحمیری قال قلت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ انا بارض باردة ونعامل فیھا عملا شدیداً وانا نتخذ شراباً من ھذا القمح نتقوی بہ علی اعمالنا و علی بردبلادنا قال ھل یسکر قلت نعم قال فاجتنبوہ قلت ان الناس غیر تارکیہ قال ان لم یترکوہ قاتلوھم (رواہ ابوداؤد) مشکوۃ ج۲ ص ۳۱۸ باب بیان الخمر ووعید شاربھا)**

یعنی !دیلم حمیری بیان کرتے ہیں کہ میں نے بارگاہ رسالت (ﷺ) میں عرض کی کہ ہم سرد ملک میں رہتے ہیں بڑی مشقت کے کام کرتے ہیں۔ہم گیہوں کی شراب پی کر کام کرنے کی قوت حاصل کرتے ہیں اور سردی کا مقابلہ کرتے ہیں۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا وہ نشہ آور ہے(اس سے نشہ چڑھتا ہے) میں نے کہا ہاں تو فرمایا کہ اس سے بچنا ضروری ہے، میں نے کہا کہ لوگ نہیں چھوڑیں گے تو فرمایا آپ (ﷺ) نے کہ نہ چھوڑیں تو تم ان سے جنگ کرو۔(مشکوۃ)

گرمی پیدا کرنے کے لئے مسکرات کے علاوہ بہت سی پاک اشیاء ملتی ہیں، جیسا کہ مشک عنبر، سونے کا کشتہ وغیرہ لہذا سردی کے مقابلہ کے لئے یہ چیزیں استعمال کی جاسکتی ہیں۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حقہ، بیڑی، سگریٹ وغیرہ پینا کیسا ہے:

(سوال ۲۷۰)مجالس الابرار کی تیسویں مجلس میں لکھا ہے کہ حقہ پینا ناجائز اور حرام ہے اور اس کے لئے عقلی ونقلی دلائل پیش کئے گئے ہیں۔لیکن دور حاضر کا اہل علم طبقہ حقہ نوشی میں مبتلا ہے۔کیا اب کوئی صورت جواز کی نکل آئی ہے؟ بالتفصیل جواب فرمائیے کہ عام بیماری ہے۔بینوا توجروا۔

(الجواب) جس حقہ میں ناپاک یا نشہ آور چیزیں نوش کی جاتی ہیں وہ بالاتفاق حرام ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں، لیکن جس حقہ، بیڑی سگریٹ وغیرہ تمباکو نوشی کا رواج ہے اس کی حرمت متفق علیہ نہیں ہے۔اکثر علماء فقہاء کی رائے جواز کی ہے۔''شامی''میں ہے۔**فیفھم حکم التنباک وھو اباحة علی المختار والتوقف وفیہ اشارة الی عدم تسلیم اسکارہ وتفتیرہ واضرارہ (ج۵ ص ۴۰۷ کتاب الاشربة)**

یعنی اصل اشیاء میں اباحت یا توقف ہے اس قانون کے مطابق تمباکو کا حکم سمجھ سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ مختار قول کے مطابق اباحت ہے یا توقف اور اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ یہ نشہ آور اور فتور پیدا کرنے والا اور

ضرر رساں نہیں ہے۔(شامی)

مگر تمباکو نوشی سے منہ میں بد بو پیدا ہوتی ہے لہذا صحیح ضرورت کے بغیر حقہ نوشی وغیرہ کراہیت سے خالی نہیں۔تمباکو بنفسہ مباح ہے۔اس میں کراہیت بد بو کی بناپر عارضی ہے کراہت تحریمی ہو یا تنزیہی۔بہر حال قابل ترک ہے۔اس کی عادت نہ ہونی چاہئے۔اس کی کثرت اسراف اور موجب گناہ ہے۔جو لوگ ہر وقت کے عادی ہیں ان کا منہ ہمیشہ بد بو دار رہتا ہے جس سے آنحضرت ﷺ کو بہت زیادہ نفرت تھی حدیث میں ہے۔ **عن ابی سعید الخدری ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مر علی زراعة بصل هو واصحابه فنزل ناس منهم فاکلوا منه ولم یا کل اخرون فرحنا الیه فدعا الذین لم یاکلوا البصل واخر الا خرون حتی یذهب ریحها**۔ یعنی حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام پیاز کے کھیت کے قریب سے گذرے۔بعض صحابہ وہاں ٹھہر گئے۔ان میں سے بعض نے اس میں سے کھایا اور بعض نے نہیں کھایا پھر سب بارگاہ نبوی میں پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے پیاز نہ کھانے والوں کو قریب بلایا اور پیاز کھانے والوں کو بد بو زائل ہونے تک پیچھے بٹھایا۔(**صحیح مسلم ج ا ص ۲۰۹ باب نهی عن اکل سوم اوبصل الخ**)شریعت میں منہ کی صفائی کے متعلق نہایت تاکید اور فضیلت وارد ہے۔آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔**السواک مطهرة للفم ومرضاة للرب** یعنی۔مسواک۔منہ کی پاکی کا ذریعہ ہے اور رب ذوالجلال کی خوشنودی کا سبب۔(مشکوٰۃ شریف ص ۴۴ باب السواک)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ جب باہر سے تشریف لاتے تو اولاً مسواک کرتے تھے(مسلم شریف ج ا ص ۱۲۸)

اکثر تمباکو نوش حضرات منہ کی صفائی کا خیال نہیں رکھتے۔جب دیکھے منہ میں بیڑی، سگریٹ ہوتی ہے۔مسجد کے دروازہ تک پیتے چلے جاتے ہیں بقیہ حصہ کو پھینک کر مسجد میں داخل ہوتے ہیں،شاید کوئی مسواک کرتا ہوگا یا منجن استعمال کرتا ہوگا۔محض کلی پر اکتفا کر کے نماز شروع کر دیتے ہیں۔کہیں ایسوں کے ساتھ نماز پڑھنے کی نوبت آجاتی ہے نماز پڑھنی دشوار ہو جاتی ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو کوئی اس بد بو دار درخت (پیاز یا اس کی آل) کو کھائے وہ (منہ صاف کئے) بغیر (تو کا نیائی جائے) ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کہ جس چیز سے آدمی کو تکلیف ہوتی ہے فرشتوں کو بھی اس سے تکلیف ہوتی ہے(مسلم شریف ج ا ص ۲۰۹ باب السواک)

فقہاء کرام تحریر فرماتے ہیں کہ بد بو دار چیز کھانے، پینے کے بعد منہ صاف کئے بغیر مسجد و مدرسہ عید گاہ، نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ اور مجلس تعلیم اور وعظ و تبلیغی اجتماعات میں شریک ہونا مکروہ ہے(نووی شرح مسلم ج ا ص ۲۰۹ ایضاً)

مسلمانوں کا کون سا وقت ذکر اللہ اور ذکر رسول اللہ ﷺ سے خالی رہتا ہے۔قدم قدم پر **بسم الله الخ السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته** درود و دعا، **سبحان الله ،الحمد لله، الله اکبر، ماشاء الله، لا حول ولا قوة الا بالله ، استغفر الله انا لله الخ** مصافحہ کے وقت یغفر اللہ، چھینک پر **الحمد لله یرحمکم الله یهدیکم الله** وغیرہ وغیرہ ورد زبان رہتا ہے،لہذا حتی الوسع منہ کی صفائی ضروری ہے۔خدائے پاک کے ہزار ہا احسانات اور فضل و کرم ہے کہ اس نے اپنے رسول اللہ ﷺ کے مقدس و مبارک نام لینے کی ہمیں اجازت دی ہے۔ورنہ چہ نسبت خاک

را با عالم پاک۔

هزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

مولانا روم فرماتے ہیں:۔

این قبول ذکر تو ز رحمت است
چونماز مستحاضہ رخصت است

خلاصہ یہ کہ حقہ، بیڑی، سگریٹ وغیرہ چیزیں حرام نہیں مگر بلاضرورت وبلا مجبوری ان کی عادت ڈالنا مکروہ ہے، ہاں ضرورۃً جائز ہے لیکن صفائی کا خیال بھی ضروری ہے بعض محققین کے فتاویٰ درج ہیں۔

قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا فتویٰ۔

(الجواب) حقہ کے باب میں بہت فتاویٰ اور رسائل طبع ہوئے اور بحث مباحثہ ہوا مگر بندہ کے نزدیک راجح اور حق یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے اور اس وقت میں علاج بلغم ہے اور اگر ازالہ بد بو کا ہو جائے تو مباح بلا کراہت ہے باقی تکلفات ہیں۔(تذکرہ الرشید ج ۱ ص ۱۶۸، ۱۶۹)

(۲) ابوالحسنات حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ کا فتویٰ ملاحظہ کیجئے:۔

وانچہ کہ بعد تنقیح دلائل طرفین واضح شد این ست کہ قول حرمت لایعبأ بہ ست چہ حرمت موقوف بر دلیل قطعی تحریم ست وحاکمین بحرمت دلیلے قطعی برآں قائم نساختہ اند بلکہ جملہ دلائل ظنیہ شاں ہم مخدوش اند چنانچہ بر مطالعۂ ترویح الجنان مخفی نخواہد ماند وقول اباحت بلا کراہت ہم خالی از خدشات نیست البتہ قول کراہت قابل اعتبار است این ہمہ گفتگو در حقہ کشی ست فاما خوردن تمباکو واستعمال آں در بینی پس دلیلے معتبر ع بر کراہتش ہم قائم نیست۔(مجموعہ فتاویٰ ج ا ص ۲۲۹ طبع قدیم)

(۳) حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی کا فتویٰ:۔

بلاضرورت کراہت تو سمجھتا ہوں اور بضرورت کھانا پینا دونوں جائز اور ضرورت میں نفس عین مکروہ نہیں۔ دوسرے عوارض خارجیہ سے گو کراہت ہو جائے اور عوارض کی خفت وشدت سے کراہت کی خفت وشدت میں تفاوت ہوگا اور سکر تمباکو میں نہیں ہے صرف حدت ہے۔ اسی سے پریشانی ہوتی ہے لیکن عقل ماؤف نہیں ہوتی اور عوارض خارجیہ کے اعتبار سے کھانا اخف ہے بہ نسبت پینے کی۔ کما ہو مشاہد (امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۱۱۴)

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی فرماتے ہیں:۔ یہ جملہ بزرگان دین (دیوبندی حضرات) تمباکو کے استعمال پر سوائے کراہت تنزیہی وخلاف اولیٰ اور کوئی حکم نہیں فرماتے۔(الشہاب الثاقب ص ۸۴)

(۵) مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ:۔

درحقیقت تمباکو بھی ایک قسم نباتات کی ہے۔ اور شامی میں صحیح قول یہ نقل کیا ہے کہ تمباکو کا استعمال مباح ہے۔ البتہ بلاضرورت غیر اولیٰ ہے اور قول کراہت (تحریمی) بلادلیل ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم عزیز الفتاویٰ ج ۷، ۸ ص ۲۱۴)

(۶) مفتی عزیز الرحمن صاحب کا دوسرا فتویٰ:۔

(الجواب) تمبا کو کھانا، پینا، سونگھنا مباح ہے مگر غیر اولیٰ جس کا حاصل یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے اور تجارت تمبا کو کی درست ہے۔(فتاویٰ دار العوم دیو بند ج۷.۸ ص ۲۳۶)

(۷) حضرت مفتی شفیع صاحب کا فتویٰ

البتہ اگر بلاضرورت پیئے تو مکروہ تنزیہی ہے اور ضرورت میں کسی قسم کی کراہت نہیں ۔منہ صاف کرنا بدبو سے ہر حال میں ضروری ہے۔(فتاویٰ در العلوم دیو بند (ج۷.۸ ص ۲۹۲)

شراب کی حرمت کا ثبوت:

(سوال ۱۷۲) ایک شخص لوگوں کو کہتا ہے کہ شراب حرام نہیں ہے، قرآن میں اس پر حرام ہونے کا لفظ نہیں آیا ہے، کچھ لوگ اس کی اس لغویات کی وجہ سے غلط فہی کا شکار ہو رہے ہیں، اس کو کیا جواب دیا جائے تا کہ لوگ اس کا شکار نہ بنیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) شراب بہت سی خرابیوں کا منبع اور سرچشمہ ہے اس لئے حق تعالیٰ نے بہت تاکید کے ساتھ اس کو حرام کیا ہے ،قرآن مجید میں ہے یا یھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر و الانصاب والا زلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون. اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور قرعہ کے تیر تو محض گندے اور شیطانی کام ہیں سو ان سے بچتے رہو تا کہ تمہارا بھلا ہو ۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تفسیر حقانی میں لکھا ہے۔"صاحب کشاف لکھتے ہیں کہ اس آیت میں شراب کی حرمت چند در چند وجوہ سے (یعنی کئی طریقوں سے) مؤکد کردی ہے۔اول جملہ کو 'انما' کے ساتھ صادر کیا۔دوم اس کو بت پرستی کے ساتھ ملا دیا۔سوم اس کو رجس یعنی ناپاک کہا ۔چہارم عمل شیطان فرمایا جو کہ تمام خرابیوں کا سرچشمہ ہے، پنجم اس سے بچنے کا حکم دیا ششم اس کے اجتناب میں (یعنی بچنے میں) فلاح (کامیابی) کا واقع ہونا بیان فرمایا، تو ارتکاب میں (یعنی پینے میں) فلاح کہاں؟ ہفتم اس کی علت تحریم انسان کا اپنے حواس سے معطل ہو جانا جو اس کی معاش و معاد میں مخل ہے، معاش میں تو باہمی رنجش اور عداوت کے پیدا کر دینے اور معاد میں نماز اور یاد خدا سے غافل کر دینے سے، اس کے بعد اطیعو االلہ سے لے کر المبین تک اور بھی اس حکم کی تاکید کردی اب لفظ حرام کا اطلاق اس کی حرمت کے لئے ضروری نہ تھا۔(تفسیر حقانی ج۴ ص ۵۴ سورہ مائدہ پارہ نمبر۷)

حدیث میں ہے (۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل مسکر خمر و کل مسکر حرام ، ہر نشہ والی چیز شراب ہے اور ہر نشہ والی چیز حرام ہے۔(مشکوۃ شریف ص ۳۱۷ باب بیان الخمر الخ)

(۲) قال صلی اللہ علیہ وسلم کل شراب اسکر فھو حرام، ہر شراب جو نشہ پیدا کرے حرام ہے (مشکوۃ شریف ص ۳۱۷ باب بیان الخمر الخ)

(۳) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ حرم

الخمر والميسر والكوبة ...... **الخ** حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوا اور ڈھول بجانے کو حرام قرار دیا ہے۔(**مشکوٰۃ شریف ص ۳۸۶ باب التصاویر**)

(۴)**عن ابن عمر رضي الله عنهما قال خطب عمر رضي الله عنه علىٰ منبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال انه قد نزل تحريم الخمر** ...... **رواه البخاري.** حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا یقیناً خمر (شراب) کی حرمت نازل ہوچکی ہے۔(مشکوٰۃ شریف ص ۳۱۷ باب بیان الخمر)

نصوص بالا سے شراب کی حرمت قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے، فتنوں کا زمانہ ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی فتنوں سے حفاظت فرمائے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

متفرقات حظر والاباحة

گناہ کے بعد توبہ کرنے سے گناہ رہتا ہے یا نہیں

(سوال ۲۷۲) گنہگار توبہ کرلے تو گناہ معاف ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اب توبہ کے بعد اس کو گنہگار کہنا کیسا ہے؟

(الجواب) مغرب کی جانب سے آفتاب طلوع ہونے سے پہلے اور حالت نزع سے قبل گنہگار صدق دل سے توبہ کرے گا تو خدا پاک اپنے فضل وکرم سے اس کے وہ گناہ جس سے اس نے توبہ کی ہے معاف فرمادیں گے، خداتعالیٰ نے اپنے آخری نبی ﷺ کی معرفت اعلان فرمایا ہے۔ **یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعاً انه هو الغفور الرحیم** O (ترجمہ) اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو، بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرمادیں گے واقعی وہ بڑا بخشنے والا رحمت والا ہے (زمر ع ٦ پ ۲۴)

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا **ابن ادم لو بلغت ذنوبک عنان السماء ثم استغفرتنی غفرلک**: (ترجمہ) اے ابن آدم اگر تیرے گناہ آسمان کے کنارے تک پہنچ جائیں پھر بھی تو مجھ سے مغفرت چاہے تو میں تجھے معاف کردوں گا (**مشکوٰة شریف ص ۲۰۴ باب الاستغفار**)

مگر کامل توبہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جو نمازیں اور روزے فوت ہوگئے ہیں ان کو قضا کرے، جو کفارہ لازم ہوا تھا اس کو ادا کرے، اسی طرح حقوق العباد جو ان کے ذمہ ہوں ان کو ادا کرے، یعنی جس کا جو حق ہے اس کو ادا کرے یا معاف کرائے اگر اصل حق دار نہ ملے تو اس کے ورثاء کو پہنچادے وہ بھی نہ ہوں تو حق دار کی جانب سے اس نیت سے خیرات کردے کہ اللہ کے ہاں امانت رہے اور قیامت کے دن حق دار کو پہنچ جائے اگر غربت کی بنا پر حق ادا نہ کرسکے تو اس کو چاہئے کہ نیکیاں زیادہ کرے اور جس پر اس نے ظلم کیا تھا اس کے لئے دعا مغفرت کرتا رہے، امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حق داروں کو راضی کرادے گا۔ مجالس الابرار میں ہے۔

فان الشرع لایکتفی فیه بمجرد التوبة بل اضاف الیٰ ذلک فی البعض قضاء کالصلوٰة والصوم وغیرهما وفی البعض کفارة ایضاً واما حقوق الادمیین فلا بدمن ایصالها الیٰ مستحقیها فان لم یوجدوا یلزم تصدقها عنهم بنیة ان تکون ودیعة عند الله تعالیٰ یوصلها الیٰ اصحابها یوم القیامة فمن لم یجد السبیل لخروجه عما علیه لاعساره فعلیه ان یکثر من اعمال الصالحات ویستغفف لمن ظلمه من المؤمنین والمؤمنات فی اکثر الاوقات فانه اذا فعل کذلک یرجی من فضل الله تعالیٰ ان یرضی خصمائه یوم القیامة (مجالس الابرار م ٦٦ ص ۳۸۴)

آدمی کو چاہئے کہ توبہ جلدی کرے اور توبہ کے بھروسے گناہ پر جرأت نہ کرے، ممکن ہے توبہ نصیب نہ ہو یا توبہ خلوص دل سے میسر نہ ہو، حضرت یحییٰ ابن معاذؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک سب سے بڑا دھوکہ یہ ہے کہ گناہ بڑھتا چلا جائے اور اس پر ندامت وحسرت نہ ہو اور پھر معافی کی امید رکھے، بے شک ایک گنہگار جو توبہ کرنا چاہتا ہے وہ یہ

عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ غفار اور ارحم الرحمین ہے تمام گناہ معاف کرسکتا ہے۔ اور ضرور معاف کردے گا، اس کو کوئی روک نہیں سکتا، اس کو کوئی ٹوک نہیں سکتا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

لونڈی غلام بنانے کی رسم کے متعلق

(سوال ۳۷۴) غلام لونڈی بنانے کا رواج نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری کے بعد سے ہے یا پہلے ہی سے تھا؟ اس کی مختصر تاریخ؟ (۲) لونڈی اپنے مالک کے لئے بغیر نکاح کے بھی حلال ہے اگر ہے تو یہ کیوں؟ اور اس میں کیا حکمت ہے؟ (۳) دور حاضر میں لونڈی رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (۴) اگر کوئی مسلمان آدمی لونڈی رکھنا چاہے تو اس لونڈی کا مسلمان ہونا ضروری ہے یا غیر مسلم کو بھی رکھ سکتا ہے؟ (۵) پہلے زمانہ میں کس قدر لونڈی رکھتے تھے اور اس دور میں کس قدر رکھنے کی اجازت ہے؟ (۶) لونڈی کے لئے پردہ ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہے تو کیا وجہ اور نہیں ہے تو کیا وجہ (۷) لونڈی کی اولاد آزاد ہے یا غلام؟ (۸) مالک کے مال میں لونڈی اور اس کی اولاد وارث ہیں یا نہیں؟

(الجواب) غلام اور لونڈی کا رواج اسلام سے بہت پہلے سے ہے، اکثر و بیشتر یہ جنگ کی نتیجہ میں ہے، یعنی دنیا میں جب سے جنگ وقتال کا آغاز ہوا ہے، اس وقت سے اس رواج کی بنیاد پڑی ہے، یہ رواج تقریباً دنیا کی تمام اقوام و ممالک میں تھا، اولاً جب دشمن مقبوض ہوتے تو بے رحمی سے قتل کردیئے جاتے تھے، پھر اس میں کچھ اصلاح و درستی ہوئی تو یہ طریقہ رائج ہوا کہ جو قیدی خطرناک ہوتے ان کو قتل کردیا جاتا۔ کمزور قیدیوں۔ عورتوں اور بچوں کو قتل سے معاف رکھا جاتا مگر خدمت کے لئے ان کو غلام اور لونڈی بنالیا جاتا، اسلام نے اس قدیم اور مروجہ رسم کی مخالفت نہیں کی، اگر مخالفت کرتا تو بے سود ہوتا کیونکہ اس زمانے کی سیاسی اور معاشرتی حالت کے پیش نظر ایسا کرنا غیر مفید اور خلاف مصلحت تھا۔ بین الاقوامی روابط ایسے مضبوط نہ تھے کہ ایک ملک کا قانون دوسرے پر اثر ڈالتا۔ اس وقت غلامی کو اگر یک قلم منسوخ کردیا جاتا تو یقیناً ایسا ہوتا کہ دشمن اطمینان سے ہمارے قیدیوں کو غلام بناتے، ان کو ذلیل کرتے اور اس سے مطمئن رہتے کہ ان کے ہم قوم قیدیوں کو بھی ہمارے ہاتھ سے یہ مصیبتیں پہنچ سکتی ہیں جہاں تک احترام انسانیت کا تعلق ہے اسلام نے اس جذبہ کی قدر کی اور ایسی صورتیں تجویز کردیں جن کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ رسم خود ختم ہوجائے۔ باایں ہمہ بہت سی خرابیاں اور غلط مفادات جو غلامی کے سلسلہ میں حاصل کئے جاتے تھے ان کو یک لخت ختم کردیا۔ مثلاً (۱) لونڈیوں سے بدکاری کروا کر کماتے تھے تو قرآن نے کہا **ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء** (سورۂ نور) یعنی ''تم اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو'' گھر کے کام کاج اور اپنی راحت کی خاطر غلام اور لونڈیوں کو نکاح کی اجازت نہیں دیتے تھے اس پر ارشاد خداوندی نازل ہوا **وانکحوا الایامی منکم الخ** تم اپنی بن بیاہی عورتوں اور اپنے نیک غلام ولونڈیوں کا نکاح کرادو۔ (نور) (۳) پہلے لونڈی غلام کے ساتھ حیوانوں جیسا برتاؤ کیا جاتا تھا لیکن اسلام نے تعلیم دی کہ یہ تمہارے بھائی بہن ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھ تلے (اور تمہارے تابع) کردیا ہے (اس سے بھائی چارہ کا رشتہ ختم نہیں ہوتا وہ بدستور باقی رہتا ہے) لہذا تم پر لازم ہے (کہ مساوات برتو جہاں تک کہ کھانے اور پہننے میں بھی مساوات رکھو) جو تم کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ، جیسا لباس تم پہنو ویسا ہی ان کو پہناؤ، ان سے ان کی استطاعت کے مطابق خدمت لو اور کوئی ایسا کام سپرد کردو جو ان کے طاقت سے باہر ہو اور سخت ہو تو ان کی مدد کرو اور فرمایا کہ'' جو کوئی اپنے غلام

سے سختی کا معاملہ کرے تو وہ جنت میں نہیں جائے گا" اور فرمایا کہ "جو اپنے غلام کو بلا قصور مارے پیٹے یا طمانچہ مارے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کردے" ایک شخص نے سوال کیا کہ میں اپنے غلام کی خطا کتنی بار درگذر کروں؟ تو آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا۔ تیسری یا چوتھی مرتبہ کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ روزانہ ستر مرتبہ معاف کرتا رہ، مطلب یہ کہ سزا دینے سے بچو۔ وفات کے وقت آنحضرت ﷺ کی وصیت یہ تھی کہ نماز کی پابندی کرو اور غلام باندی کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اس تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غلام کے قصور پر اس کی گوشمالی کی پھر نادم ہوئے اور توبہ کر کے غلام سے کہا کہ تو میری گوشمالی کر، اس نے انکار کیا بالآخر آپ کی اصرار پر گوشمالی کی، آپ نے بہانہ رہے اور فرمایا میں قیامت کے دن کی سزا سے ڈر رہا ہوں، ایسے واقعات بہت ہیں، جن کا نقل کرنا دشوار ہے۔

(۴) اسلام نے "فک رقبۃ" غلام لونڈی کی گردن چھڑانے اور آزاد کرنے کو موجب اجر عظیم قرار دیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا تو خدائے پاک اس غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں اس کے تمام اعضاء کو جہنم کی آگ سے نجات دے گا حتی کہ شرم گاہ کے بدلہ میں شرم گاہ کو۔ غیر مسلم غلام لونڈی آزاد کرنے کی بھی بڑی فضیلت آئی ہے اور ہدایت دی ہے کہ جو کوئی اپنی لونڈی کو ادب سکھائے یعنی اچھی تربیت کرے اور حسن اخلاق کی تعلیم دے اور سدھارے پھر اس کو آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح کرلے تو اس کے لئے دوگنا اجر وثواب ہے، اس طرح کے ارشادات اور احکام بہت ہیں۔ ان کا یہ اثر ہوا کہ ہزاروں کی تعداد میں غلام لونڈی آزاد ہونے لگے، آنحضرت ﷺ نے بذاتہ الشریف تریسٹھ ۶۳ غلام لونڈی آزاد کئے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے (۶۳) تریسٹھ آزاد کئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے ۳۰ ہزار آزاد کئے۔ حضرت حکیم بن حزامؓ نے سو آزاد کئے، حضرت عباسؓ نے ستر آزاد کئے، حضرت عثمانؓ ہر جمعہ کو ایک آزاد کرتے اور مزید فرماتے کہ جو غلام خشوع وخضوع سے نماز پڑھے گا، اس کو آزاد کردوں گا، حضرت عائشہؓ نے انہتر ۶۹ آزاد کئے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک ہزار آزاد کئے حضرت ذوالکلاع حمیریؓ نے ایک ہی روز میں آٹھ ہزار آزاد کئے (الرق فی الاسلام ج ۱ ص ۱۳۱ سلسلہ ندوۃ المصنفین دھلی)

(۵) ان اصولی ارشادات کے علاوہ جزئیات اور تفصیلی احکام میں بہت سی صورتیں ایسی ہیں کہ غلام خود بخود آزاد ہو جاتا ہے، جیسا کہ۔ (۱) غلام کسی ایسے شخص کی ملک میں آ گیا جو اس کا قریبی رشتہ دار (ذی رحم محرم تھا) مثلاً بھائی (باپ، چچا۔ ماں یا لڑکے کی ملک میں آ گیا) (۲) کوئی حربی کافر، مسلمان غلام کو دارالاسلام سے خرید کر دارالحرب میں لے گیا تو یہ غلام وہاں پہنچتے ہیں آزاد ہو جائے گا (۳) مالک سے جس لونڈی کو بچہ پیدا ہو تو مالک کی وفات کے بعد وہ لونڈی آزاد ہے۔

(۶) چند صورتیں ایسی ہیں جہاں قانونی یا اخلاقی مطالبہ ہوتا ہے کہ غلام آزاد کیا جائے مثلاً (۱) قتل خطا کے کفارہ میں غلام آزاد کیا جائے (۲) کفارہ ظہار میں (۳) کفارہ قسم (۴) کفارہ صوم میں غلام آزاد کیا جائے (۵) اپنے غلام کو طمانچہ مارے تو اس کا کفارہ غلام آزاد کرنا ٹھیرایا (۶) سورج گرہن میں غلام آزاد کرے (۷) چاند گرہن میں غلام آزاد کرے (۸) ایصال ثواب کے لئے آزاد کرے، اسی طرح قدم قدم پہ غلام ولونڈی آزاد کرنے کی ترغیب وتاکید فرمائی اور رسم غلامی ختم کرنے کی کوشش کی۔

فرمان فاروقی:

آنحضرت ﷺ کے علاوہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں چند فرمان جاری کئے جن کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ بیشمار غلام آزاد ہو گئے بلکہ بنیادی طور پر آزادی کی چند صورتیں سامنے آئیں مثلاً فرمان جاری کیا گیا (۱) صدیق اکبر کے دور میں مرتد قبائل کے جو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے ہیں ان سب کو آزاد کیا جائے (۲) یہ اصول قائم کردیا کہ اہل عرب کبھی کسی کے غلام نہیں بنائے جاسکتے ان کا قول ہے کہ **لا یسترق عربی** یعنی عرب کا کوئی آدمی غلام نہیں بنایا جاسکتا۔ (**الفاروق حصہ دوم ص ۷۸ بحوالہ فتوح البلدان ص ۳۱۶**) (۳) نہ ذمی کو غلام بناسکتے ہیں (۴) زمانہ جاہلیت میں جو غلام بنائے گئے ہیں پھر انہوں نے اسلامی دور بھی دیکھا ہے تو وہ اپنی قیمت ادا کر کے آزاد ہو جائیں، مالک راضی ہو یا ناراض (**الرق فی الاسلام، فتح الباری، نہایہ وغیرہ**)

مسلمانوں پر ہر معاملہ کا شرعی حکم جاننا ضروری ہے، اس کی حکمت و مصلحت معلوم کرنا ضروری نہیں اور حکمت معلوم کرنا ہر کس وکس کا کام بھی نہیں ہے، لہذا ہر معاملہ میں حکمت کے درپے ہونا غلط ہے اور حکمت کے جاننے پر عمل موقوف رکھنا بغاوت ہے اور اس کے عدم ادراک پر اس کو خلاف حکمت و مصلحت ماننا گمراہی ہے، اگر کسی معاملہ کی حکمت سمجھ میں نہ آئے تو اپنی فہم کا قصور سمجھے کہ شرعی حکم خلاف حکمت نہیں ہوتا، اپنی فہم کا قصور ہوتا ہے، ایک بار بارش برسی تو ایک بزرگ نے کہا اے اللہ کیسے موقعہ کی بارش برسائی، غیب سے آواز آئی کہ بتاؤ ہم نے بے موقعہ کب برسائی ہے۔ بزرگ نے یہ آواز سنی۔ انہیں احساس ہوا کہ بارگاہ خداوندی کی شان میں گستاخی سرزد ہوئی ہے وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے، غرض کہ شرعی حکم مصلحت سے خالی نہیں ہوتا، لونڈی بغیر نکاح کے اپنے مالک کے لئے حلال ہے اس میں بھی بڑی مصلحت وحکمت ہے، ہم کیا سمجھ سکتے ہیں؟ ہمارے لئے قرآن مجید نے فیصلہ فرمایا ہے **وما اوتیتم من العلم الا قلیلا** (یعنی) تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے (سورۂ بنی اسرائیل) اگر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام لونڈیوں کی حلت کے لئے نکاح لازم فرماتے ہیں تو خود لونڈیوں کو بڑی دشواری پیش آتی قرآن مجید میں ہے کہ خدا تعالیٰ تمہارے لئے سہل اور آسانی کا ارادہ فرماتے ہیں اور تمہیں دشواری اور مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتے **یرید اللہ بکم الیسر الایہ** (بقرہ) یاد رہے کہ شریعت میں مالک کے لئے لونڈی کی حلت کا حکم کسی خراب منشاء برے مقصد کے لئے نہیں بلکہ وہ سراسر معاشرتی وتہذیبی مصلحت اور لونڈیوں کی خیر خواہی ہے۔

لونڈی کے لئے نکاح کی حاجت اس لئے نہیں کہ شریعت نے لونڈی کی ملکیت کو جواز وطی کے لئے نکاح کا قائم مقام بنادیا ہے۔ جس طرح ایجاب وقبول سے نکاح کا انعقاب اور ملک بضعہ کا حاصل ہو جانا یعنی حق تمتع (منکوحہ سے وطی کا حق) محض اعتبار شرعی ہے، اسی طرح لونڈی کے ملک میں آجانے سے حق تمتع کا حاصل ہو جانا بھی شرعی اعتبار ہے، تو اس کے جواز میں شرعاً وعقلاً کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ واضح کردینا بھی مناسب ہے کہ اعتبار کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں مثلاً بکریوں وغیرہ حیوانات اور پرندوں کے حلال ہونے کے لئے ذبح کرنا (بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر کاٹنا) شرط اور ضروری ہے، بغیر ذبح کے حلال نہیں ہو سکتے برخلاف مچھلی کے کہ اس کی حلت کے لئے ذبح شرط

نہیں ہے، ذبح کے بغیر بھی کھا سکتے ہیں، مچھلی کا قبضہ میں آ جانا اور اس کا مالک ہو جانا ہی اس کے ذبح کے قائم مقام ہے ۔حالانکہ دونوں قسم کے حیوانات جاندار ہیں لیکن ایک کے لئے ذبح شرط ہے دوسرے کے لئے ذبح شرط نہیں، تو آزاد عورت کی حلت کے لئے نکاح شرط ہو اور لونڈی کی حلت کے لئے نکاح شرط نہ ہو اور اس کی ملکیت کو قائم مقام نکاح کے سمجھا جائے تو اس میں کیا خلاف عقل ہے؟ اب یہ بات کہ مملوکہ لونڈی نکاح کے بغیر کیوں حلال ہے، یہاں ایجاب وقبول اور نکاح کی قید کیوں نہیں تو پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کی ضرورت ہی نہیں، یعنی نکاح میں ایجاب وقبول اس لئے ہوتا ہے کہ ایک خاص طرح کا فائدہ جس کا آپ کو حق نہیں ہے شرعاً آپ کو اس کا حق حاصل ہو جائے یہاں جب خریداری اور ملکیت کے باعث آپ پوری باندی اور اس کی جملہ حقوق کے مالک ہو گئے تو اس فائدہ کے بھی مالک ہو گئے جو نکاح کے ذریعہ حاصل ہوا کرتا ہے، اب نکاح تحصیل حاصل اور قطعاً فضول ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ نکاح کے سلسلہ میں ارشاد ربانی ہے۔ **ان تبتغوا با موالکم** .یعنی خواتین کی حرمت کا لحاظ کرتے ہوئے کلام الٰہی نے یہ شرط قرار دیا ہے کہ کچھ مال پیش کیا جائے جس کو ''مہر'' کہا جاتا ہے اب اگر باندی کا نکاح کسی غیر شخص سے کیا جائے تو یہ مال (مہر) باندی کا مالک لے گا۔ لیکن اگر باندی کا نکاح خود مالک سے ہو تو سوال یہ ہے کہ مال یعنی مہر کون دے گا اور کون لے گا؟ باندی جب تک باندی ہے حق ملکیت سے محروم ہے وہ کسی چیز کی مالک نہیں ہو سکتی، اس کے پاس جو کچھ ہے وہ مالک کا ہے اب کیا مالک سے لے کر مالک کو دے دے اور مالک خود ہی مطالبہ کرنے والا بھی ہو اور خود بھی ادا کرنے والا بھی۔ یہ ایک مذاق ہے شرعی حکم اور قانون نہیں بنا سکتا۔ اس میں اور بھی دقتیں ہیں جس بناء پر نکاح کی قید خلاف حکمت تھی مثلاً یہ کہ جب یہ باندی آزاد کے کفو نہیں ہے تو اس کو شوہر میسر آنا مشکل ہوگا جس کا اثر یہ ہو سکتا ہے کہ جنسی آوارگی پیدا ہو جس کو کتاب اللہ میں فاحشہ اور فحشاء فرمایا گیا ہے، جو عند اللہ غیر محبوب اور بدترین خصلت ہے۔ پس شریعت نے یہ صورت تجویز فرمائی جو اگر چہ فی الحال نکاح کی صورت نہیں رکھی مگر نتیجہ کے لحاظ سے نکاح کی شان پیدا کر دیتی ہے کیونکہ باندی سے بچہ پیدا ہونے کے بعد مالک کی ملکیت ناقص ہو جاتی ہے یعنی اس کو فروخت کرنا جائز نہیں رہتا وہ اس کے یہاں بچوں کی ماں۔ گھر کی گھر ستن اور اپنے مالک کی بیوی کی طرح رہے گی اور مالک کے انتقال کے بعد آزاد ہو جائے گی۔ وارثوں کو نہیں دی جا سکتی نہ فروخت کی جا سکتی ہے۔

موجودہ زمانہ میں لونڈیاں ملنی دشوار ہیں شرعی باندیوں کے لئے جو شرائط ہیں وہ اس زمانہ میں ملنی مشکل ہیں، لہذا لونڈی نہیں رکھ سکتے۔ اگر کسی جگہ لونڈی کا رواج ہو تو شرعی تحقیق کے بغیر معتبر نہیں اور نکاح کے بغیر اس کے ساتھ صحبت جائز نہیں، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں۔ **و لا سیما السراری اللاتی یؤ خذن غنیمة فی زماننا للتیقن بعدم قسمة الغنیمة فیبقی فیهن حق اصحاب الخمس وبقیة الغانمین (شامی ج۲ ص ۳۹۶ کتاب النکاح مطلب مهم فی الوطء السراری الخ)** (یعنی) ہمارے زمانے میں جو باندیاں بطور غنیمت حاصل کی جاتی ہیں وہ شرعی لونڈیاں نہیں ہیں (اور ان کے ساتھ صحبت جائز نہیں) کیونکہ اس کا یقین ہے کہ مال غنیمت کی جس طرح تقسیم ہونی چاہئے وہ نہیں ہوتی پس جو مستحق ہیں (یعنی اصحاب خمس اور باقی مجاہدین) ان کے حقوق رہ جاتے ہیں (تو کسی باندی پر بھی پوری طرح جائز ملک ثابت نہیں ہوتی) شرعی لونڈیاں وہ ہیں جو جنگ اور جہاد میں گرفتار کر کے مال غنیمت میں شامل کر لی گئی ہوں اور امیر یعنی خلیفۃ المسلمین یا اس کے نائب نے ان کو دار الحرب سے اپنے اسلامی علاقہ

(دارالاسلام) میں لاکر قاعدہ شریعت کے مطابق تقسیم کیا ہو، دارالاسلام میں لانے اور امیر کی تقسیم سے پہلے لونڈی کسی کے لئے حلال نہیں، حتیٰ کہ امام نے یا امیر لشکر نے اعلان کر دیا ہو کہ جس کے قبضہ میں لونڈی آئے وہ اس کی ہے، تب بھی دارالاسلام میں لائے بغیر قبضہ کرنے والے غازی ومجاہد کے لئے حلال نہیں، اس زمانے میں یہ قوانین کہاں ہیں؟ اسلامی قانون جہاد کے بموجب قاعدہ یہ ہے کہ دشمن سے جو مال بطور غنیمت حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ بیت المال کے لئے علیحدہ کر لیا جائے جو ضرورت مند فقراء مسکینوں مثلاً یتامیٰ اور بیواؤں کو دیا جائے، باقی چار حصے غازیوں اور مجاہدوں میں تقسیم کئے جائیں جب تک مال غنیمت اپنے ملک یعنی دارالاسلام میں نہ آ جائے اس وقت تک تقسیم درست نہیں اور جب تک تقسیم نہ ہو وہ مشترک مال ہے، اس میں سب کا حق ہے البتہ جب امیر تقسیم کر دے گا تو جو جس کے حصہ میں آئے گی وہ اس کے لئے حلال ہوگی۔ جس طرح لڑکی کا ولی جس سے لڑکی کا نکاح کرا دے اس کے لئے وہ حلال ہو جاتی ہے اس سے پہلے نہیں اسی طرح امیر　　باندی کا ولی ہے جس کو مالک بنا دے اس کے لئے وہ چند شرائط حلال ہو جاتی ہے پھر اس مالک کو حق ہوتا ہے کہ وہ کسی کو بیچ دے یا بطور عطیہ دے کر مالک بنا دے تو اس کے لئے وہ حلال ہو جاتی ہے، اسی طرح کوئی لونڈی وراثت میں منتقل ہوتی رہی ہے تو آج بھی شرعی باندی ہے اور اس کا مالک اس کو رکھ سکتا ہے، اس کے لئے حلال ہے، مگر ایسی باندی اس زمانے میں کہاں؟ بظاہر ایسی باندی کا اس زمانہ میں کم از کم ہندوستان میں وجود نہیں ہے۔ باندی کسی بھی مذہب کی کسی بھی نسل کی ہو، مملوک بن سکتی ہے لیکن مجامعت صرف اس سے جائز ہو سکتی ہے جو مسلمان یا اہل کتاب (عیسائی یا یہودی) ہو، مشرکہ یعنی بت پرست لونڈی سے مجامعت جائز نہیں ہے۔

شرعی لونڈی حسب طاقت وحسب حیثیت جتنی بھی چاہے رکھ سکتا ہے، کوئی تعداد معین نہیں ہے لیکن باندیوں کے لئے جو قواعد ہیں وہ بہت نازک ہیں، انہیں پیش نظر رکھنا ضروری ہے، مثلاً جس لونڈی سے وطی کر لی اس کے قریبی رشتہ دار (مثلاً بہن، خالہ، پھوپھی، بھانجی، بھتیجی وغیرہ) سے وطی کرنی جائز نہیں رہی اگر چہ اس کی ملکیت میں کیوں نہ ہو؟ جیسے کہ نکاح کی صورت میں ناجائز ہے، یہاں بھی ناجائز ہے۔

لونڈیوں کے لئے آزاد عورتوں کی طرح سخت پردے کا حکم نہیں ہے، کیونکہ اس کے ذمہ اپنے آقا کی خدمت ضروری ہے، خانگی وبیرونی کام کرنے ہوتے ہیں، اس وجہ سے پردہ کے معاملہ میں شریعت نے لونڈی کو آزاد عورتوں کی طرح مکلف نہیں بنایا ہے۔

لونڈی کی جو اولاد آقا سے پیدا ہو وہ آزاد شمار کی جائے گی **وولد الامة من مولاها حر (الجوهرة النيرة ج۲ ص ۱۸۸ آخر كتاب العتاق)**

مالک کے مال میں لونڈی وارث نہیں بنتی، ہاں مالک کی اولاد (جو اس باندی کے پیٹ سے ہو) وارث ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گھٹنے پر پاؤں ٹیک کر سونا کیسا ہے؟

(سوال ۲۷۴) ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ ترمذی شریف کی حدیث کے مطابق ایک پاؤں کے گھٹنے پر

دوسرے پاؤں کو رکھ کر سونا ممنوع ہے، لہذا اس طرح سونے سے آدمی گنہگار ہوتا ہے، یہ ٹھیک ہے؟

(الجواب) بے شک اس طرح پاؤں پر پاؤں رکھ کر سونے کی ممانعت وارد ہوئی ہے ابواب الاداب الخ باب **ماجاء فی وضع احدی الرجلین علی الا خری مستلقیاً** مگر اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں لنگی باندھنے کا رواج تھا، لنگی پہن کر اس طرح پیر اونچا کرنے سے ستر کھل جانے کا ڈر رہتا ہے، اس لئے ممانعت آئی تھی، اگر کوئی شخص پاجامہ پہن کر یا لنگی باندھ کر ہوشیاری اور احتیاط سے سوئے جس سے ستر کھلنے نہ پائے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، صحابہؓ نے آپ ﷺ کو مسجد میں پاؤں پر پاؤں رکھ کر آرام فرماتے ہوئے دیکھا ہے (**حجۃ اللہ البالغہ**) **فقط و اللہ اعلم بالصواب**.

کھیتی محفوظ نہیں رہتی اس کے لئے کیا صورت اختیار کی جائے۔

(**سوال ۲۷۵**) کئی برسوں سے میری کھیتی خراب ہو جاتی ہے، کھیتی تیار نہیں ہوتی کبھی بیج خراب ہو کر سڑ جاتا ہے، یا دوسری آفات سماویہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، لہذا کوئی طریقہ بتلائیں کہ کھیتی نقصان سے محفوظ رہے؟

(**الجواب**) بیج زمین میں ڈالنے سے پہلے وضو بنا کر کھیت کے کنارے دوگانہ گذارے اور درود شریف پڑھ کر بارگاہ ایزدی میں نہایت تضرع سے دعا کرے کہ **اللھم انی عبد ضعیف سلمت الیک فسلمہ لی وبارک لی فیہ** (ترجمہ) خدایا میں تیرا ضعیف بندہ ہوں، اس کام کو تیرے سپرد کرتا ہوں، تو اسے سلامت رکھ کر میرے حوالے کر اور میرے لئے اس میں برکت عطا فرما'' پھر درود شریف پڑھے امید ہے کہ خداء پاک اس دعا کی برکت سے زراعت کو تمام آفات وبلیات سے محفوظ رکھ کر اس میں برکت عطا فرمائے گا، اس کے بعد جب زراعت تیار ہو جائے تو ناپ کرنے والا باوضو قبلہ رخ ہو کر ناپ کرے اور اس میں سے غرباء کا حق ادا کرنے کے بعد دوگانہ نفل پڑھ کر دعا کرے کہ **یارب انی القیت بذراً قلیلاً واعطیتنی شیئاً کثیراً فاجعلھا قوت طاعۃ ولا تجعلھا قوت معصیۃ واجعلنی من الشاکرین** (خدایا! میں نے تھوڑا سا بیج ڈالا اور تو نے مجھے بہت دیا تو اس کو اطاعت کی خوراک بنا اور نافرمانی کی غذا نہ بنا اور مجھے شکر گذار بندوں میں سے بنا۔

حدیث شریف میں ہے کہ ''بندہ گناہوں کی وجہ سے رزق سے محروم رکھا جاتا ہے'' (رواہ احمد) لہذا آدمی کو چاہئے کہ خداء پاک کی نافرمانی اور ناراضگی کے کاموں سے دور رہ کر اس کی رضامندی کے کام کرنے اور خدا پر توکل کرے تو خداء پاک اس کو ہر کام میں مدد کرے گا اور اس کا فضل وکرم شامل حال ہوگا۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں **ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً الخ** (اور جو کوئی خدائے پاک سے ڈرتا رہتا ہے اس کے لئے وہ مشکلات سے نجات کی راہ نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی طرح روزی پہنچاتا ہے جس کا اس کو وہم وگمان بھی نہیں ہوتا اور جو خداء پاک پر بھروسہ کرتا ہے خدا اس کے لئے کافی ہے (قرآن حکیم) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شوقیہ کتا پالنا جائز ہے یا نہیں:

(**سوال ۲۷۶**) ایک شخص کہتا ہے کہ کتا پالنا اس کو اپنے پاس بٹھانا جائز ہے اور کہتا ہے کہ یہ قرآن سے ثابت ہے، اصحاب کہف کے ساتھ کتا تھا اس سے استدلال کرتا ہے، ہم تو اسے غلط ہی سمجھتے ہیں مگر بعض روشن دماغ اس کی بات صحیح

سمجھتے ہیں، اس کا جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) کتاب پالنا اس کو گھر میں رکھنا درست نہیں ہے، گناہ کا کام ہے البتہ مویشی یا کھیت وغیرہ کی حفاظت کے لئے یا تعلیم دیئے ہوئے شکاری کتے کے پالنے کی اجازت حدیث سے مستفاد ہوتی ہے، ان ضرورتوں کے علاوہ جو شوقیہ کتا پالا جاتا ہے وہ بالاتفاق ناجائز اور معصیت ہے، حدیث میں ہے۔

(۱) عن ابی طلحة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تدخل الملائکة بیتاً فیه کلب ولا تصاویر (بخاری، مسلم) حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصاویر ہوں **(مشکوٰۃ شریف ص ۳۸۵ باب التصاویر)**

(۲) عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من اقتنی کلبا الا کلب ما شیة او ضار نقص من عمله کل یوم قیر اطان متفق علیه (بخاری، مسلم) یعنی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو جانوروں کے محافظ کتے، یا شکاری کتے کے علاوہ کتا پالتا ہے تو ہر روز اس کے اجر (ثواب) میں سے دو قیراط گھٹ جاتے ہیں **(مشکوٰۃ شریف ص ۳۵۹ باب ذکر الکلب)** اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں اس کتے کا بھی استثناء آیا ہے جو کھیتی کی حفاظت کے لئے پالا گیا ہو۔

اصحاب کہف کے ساتھ کتا تھا اس سے کتا پالنے کے جواز پر استدلال نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ کتا پالنے کی ممانعت کا حکم شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الف الف الف تحیۃ وسلام) کا ہے اور ممکن ہے کہ دین مسیح علیہ السلام میں ممنوع نہ ہو، دوسرا یہ بھی قرین قیاس ہے کہ یہ لوگ صاحب جائیداد صاحب مویشی تھے ان کی حفاظت کے لئے کتا پالا ہو اور جیسے کتے کی وفاشعاری مشہور ہے یہ جب شہر سے چلے وہ بھی ساتھ لگ گیا ہو **(معارف القرآن ج ص ۵۵۵، ج۵ ص ۵۵۶ سورۂ کہف) فقط واللہ اعلم بالصواب.**

چوروں کے خوف سے کتا پالنا:

(سوال ۲۷۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میرے گھر میں چار مرتبہ چوری ہوئی اس لئے خیال ہوتا ہے کہ حفاظت کی نیت سے کتا پالوں تو اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کچھ کتابوں کے مطالعہ سے اتنا معلوم ہوا کہ شکار کے لئے اور کھیتی باڑی کی حفاظت کے لئے کتا پالنے کی گنجائش ہے چونکہ ہمارے گھر میں بار بار چوری ہونے کی وجہ سے بچوں اور عورتوں کے دل میں دہشت اور خوف پیدا ہو گیا ہے تو اس حالت میں میرے لئے کتا پالنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب چوروں کا اس قدر خوف ہے اور ان کے دفع کرنے کا کوئی اور علاج نہیں ہے تو ایسی مجبوری کی صورت میں بغرض حفاظت جان و مال کتا پالنا درست ہے۔ **وفی الا جناس لا ینبغی ان یتخذ کلبا الا ان یخاف من اللصوص او غیرهم. الی قوله . ویجب ان یعلم بان اقتناء الکلب لا جل الحرس جائز شرعاً و کذا اقتناء للاصطیا دمباح و کذلک اقتناء ه لحفظ ذرع والماشیة جائز کذا**

فی الذخیرۃ(فتاوی عالمگیری ج۶ ص ۲۴۰ کتاب الکراھیۃ الباب الحادی والعشرون)وفی فتح القدیروالانتفاع بالکلب للحراسۃ والاصطیاد جائز اجماعاً لکن لا ینبغی ان یتخذ فی دارہ الا ان خاف اللصوص او عدواً.الخ (البحرالرائق ج۶ ص ۱۷۳ کتاب البیوع باب المتفرقات) فقط واللہ اعلم بالصواب.

برتھ کنٹرول اور قرآن کریم:

(سوال ۲۷۸) پاکستان کے وزیر صحت قاضی انوارالحق نے پارلیمنٹ میں ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ برتھ کنٹرول قرآن کریم کے حکم کے خلاف ہے اس خیال کے ساتھ میں متفق نہیں ہو۔ برتھ کنٹرول کا مطلب اولاد کشی نہیں ہوتی۔شاہ عزیزالرحمٰن نے قرآن شریف کی آیت ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق پیش کی۔اور پھر پوچھا تھا کہ قرآن حکم کی روشنی میں ضبط تولید (برتھ کنٹرول) کی اجازت ہے؟ کیا وزیر صحت کی رائے صحیح ہے؟

(الجواب) وزیر صحت قاضی انوارالحق کے خیالات صحیح نہیں ہیں۔آنحضرت ﷺ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عزل کے بارے میں پوچھا تو ارشاد فرمایا۔"ذلک الوأد الخفی."(یعنی یہ تو وأد خفی ہے یعنی بچہ کو زندہ درگور کرنے کے برابر ہے)اور یہ وہی ہے جس کا بیان (قرآن آیت)واذا الموؤدۃ سئلت میں ہے۔(ترجمہ)اور جب زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ کس گناہ میں ماری گئی تھی؟ثم سألوہ عن العزل فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذلک الوأد الخفی وھو واذا الموؤدۃ سئلت (مسلم شریف ص ۴۶۶ ج ۱ باب جواز الغیلۃ الخ مشکوۃ شریف ص ۲۷۶ باب المباشرۃ)

فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں علامہ شبیر احمد عثمانی نقل فرماتے ہیں کہ قاضی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عزل کو وأد خفی قرار دیا ہے۔کہ جس نطفہ کو خدا پاک نے تیار کیا تھا کہ بچہ پیدا ہو اس کو برباد کرنا۔بچہ کو ہلاک کرنے اور زندہ درگور کرنے کے مشابہ ہے۔نتیجہ وہی ہے فرق یہ ہے کہ کھلم کھلا نا زندہ درگور نہیں کیا جاتا۔اس لئے اس کو خفی کہا گیا۔(ج ۳ ص ۵۱۸ باب جواز الغیلۃ)

بخاری شریف میں حدیث ہے کہ صحابہ کرامؓ نے گناہ سے بچنے اور دنیوی تعلقات سے علیحدہ ہو کر خدا کی عبادت میں لگنے کے شوق سے خصی ہوجانے کی خواہش ظاہر کی۔تو آنحضرت ﷺ نے اس کی اجازت نہیں دی۔اور دلیل میں آیت قرآنی پیش کی۔ یاایھا الذین امنوا لا تحرموا طیبات مااحل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین (بخاری شریف ص ۷۵۹ ج ۲ باب مایکرہ من التبتل والخصاء)

آنحضرت ﷺ نے جس طرح خصی ہونے کو اس آیت سے حرام قرار دیا تو ظاہر ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کے تحت قطع نسل بھی اس آیت کے تحت داخل ہوگا۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۷ باب مایکرہ من التبتل والخصاء)

خواب کی حقیقت کیا ہے:

(سوال ۲۷۹) خواب کی حقیقت کیا ہے اور خواب کسے کہتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) "خلاصة التفاسیر" میں ہے۔ خواب یہ ہے کہ روح جسم سے نکل کر عالم علوی و سفلی میں سیر کرتی ہے۔ جو جاگنے میں نہیں دیکھ سکتی وہ دیکھتی ہے اسے حس روحی کہنا چاہئے جس جسمانی صرف حاضر پر حاوی ہو سکتی اور حس روحانی حاضر و غائب دونوں کی مدرک ہے۔ فرمایا خواب تین ہیں (۱) رویائے صالحہ (یہ اللہ کی طرف سے بشارت ہے (۲) ملول اور پریشان کن خواب (یعنی اضغاث احلام یہ وسوسۂ شیطان ہیں) فرمایا۔ الرؤیا من اللہ والحلم من الشیطان (خواب اللہ کی طرف سے ہے اور حلم شیطان کے وساوس سے) اور رویائے صالحہ عالم ملکوت و جبروت و فیضان حضرت لاہوت سے ہے اور عالم خیال و مثال سے تعلق نہیں۔ کہا دانیال پیغمبر نے روحیں آسمان ہفتم کی طرف بلند کی جاتی ہیں اور بحضور پروردگار با ادب کھڑی ہوتی ہیں سجدہ کرنے کی اجازت ملتی ہے طاہر عرش کے تلے اور غیر طاہر دور سے سجدے میں گرتی ہیں، حدیث میں ہے رؤیا المؤمن جزء من ستة و اربعین جزءًا من النبوۃ (مؤمن کا خواب چھیالیس حصہ نبوت کا ہے) اور بعض روایتوں میں پینتالیسواں حصہ بھی مروی ہے پس خواب فیضان الوہیت و برکات نبوت سے ہے۔ فرمایا ذهبت النبوة و بقيت المبشرات (ابن ماجه) نبوت ختم ہو گئی بشارتیں باقی ہیں اور تفسیر آیۃ لهم البشریٰ میں فرمایا کہ مراد رؤیائے صالحہ ہیں فرمایا من تحلم بحلم لم یر كلف ان يعقد بين شعيرتين و لم يفعل (بخاری شریف) یعنی جس نے ایسا خواب بیان کیا جو نہ دیکھا تھا تو مجبور کیا جائے گا کہ گرہ لگائے دو جو میں اور وہ نہ لگا سکے گا یعنی قیامت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوگا، اور فرمایا ان افری الفری ان یری عینیه مالم تریا (بخاری شریف) یعنی نہایت بڑا افترا یہ ہے کہ جو نہیں دیکھا آنکھوں کی طرف منسوب کرے یعنی جھوٹا خواب بیان کرے، حدیث میں ہے اصدقکم رؤیا اصدقکم حدیثا (مسلم شریف) جو جس قدر سچا اسی قدر اس کے خواب سچے ہیں۔

(خلاصة التفاسیر ص ۴۲۰ ۴۲۱ سورۂ یوسف، تحت آیة اذ قال یوسف لابیه یا ابت انی رأیت الخ) فقط واللہ اعلم بالصواب

حکومت بطور امداد رقم دے تو لینا کیسا ہے:

(سوال ۲۸۰) ایک شخص انگلینڈ میں مقیم ہے ان کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی کچھ روز بعد اس لڑکی کا انتقال ہو گیا وہاں کی حکومت ایسے موقعہ پر بطور امداد اپنی خوشی سے بچے کے ماں باپ کو کچھ رقم دیتی ہے تو وہ رقم لینا کیسا ہے؟ خود استعمال کر سکتا ہے یا لے کر کسی غریب کو دے دے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب کہ حکومت بلا طلب بطور امداد اور غم خواری کے رقم دیتی ہے تو لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، خود استعمال کرے یا حاجت مندوں کو دے دے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شاعر کو فنی معلومات کی بناء پر "مفتی سخن" کا خطاب دینا:

(سوال ۲۸۱) کسی مسلمان شاعر کو اس کی فنی معلومات کی بنا پر "مفتی سخن" کا خطاب دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ مذہبی معاملات میں فیصلہ کرنے والے کو "مفتی دین" کہتے ہیں، اسی طرح کلام کے ماہر کو "مفتی سخن" کا خطاب دینے میں قباحت نہ ہونی چاہئے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) مسلمان شاعر کو اس کی فنی معلومات کی بنا پر "مفتی سخن" کا خطاب دینا فی نفسہ مباح ہے، لیکن چونکہ شاعر عالم دین نہ ہو تو مفتی سخن کے خطاب سے تلبیس کا احتمال ہے، عوام اس سے دین کا عالم اور مفتی شرع متین سمجھ لیں گے اور پھر اس سے دین کے مسائل اور احکام دریافت کریں گے اور ضلو افاضلوا کا مصداق ہوں گے، لہذا غیر عالم کو اس قسم کا خطاب دینے سے اجتناب کرنا چاہئے کہ عوام الناس کو دھوکہ نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

منگنی ہوجانے کے بعد ایک دوسرے کے گھر عیدی بھیجنا:

(سوال ۲۸۲) آج کل لڑکے اور لڑکی کی منگنی ہوجانے کے بعد جانبین سے ایک دوسرے کے گھر عید کے موقع پر عیدی بھیجی جاتی ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بطور عیدی کے بھیجنے کی ممانعت نہیں، اس کو رسم نہ بنایا جائے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بچوں کی سالگرہ منانا:

(سوال ۲۸۳) کیا بچوں کی سالگرہ منانا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سالگرہ منانے کا جو طریقہ رائج ہے (مثلاً کیک کاٹتے ہیں) یہ ضروری نہیں بلکہ قابل ترک ہے، غیروں کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے، البتہ اظہار خوشی اور خدا کا شکر ادا کرنا منع نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

نیلام میں رشوت کی ایک صورت:

(سوال ۲۸۴) ہمارے یہاں سرکاری جنگلوں میں گوند پیدا ہوتا ہے اور سرکار اسے نکلوا کر نیلام کرتی ہے، نیلام میں بولی لگانے کے لئے پہلے کچھ رقم ادا کرنی پڑتی ہے میں نے بھی وہ رقم بھر کر بولی لگانے کا حق حاصل کیا، نیلام کے موقع پر ایک شخص نے دوسرے خریداروں کو کچھ رقم دے کر راضی کرلیا کہ وہ بولی نہ لگائیں تاکہ یہ مال میں خریدلوں کچھ رقم مجھے بھی ملی ہے، تو وہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جس نے یہ رقم دی ہے اس کو واپس کردی جائے اس کا استعمال جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شوقیہ کبوتر کھانا کیسا ہے:

(سوال ۲۸۵) ہمارے یہاں ایسے لوگ ہیں جن کو کسی قسم کی بیماری نہیں۔ پھر بھی ایسے لوگ رات کو کبوتر پکڑ کر نہایت خوشی کے ساتھ کھاتے ہیں۔ تو یہ کھانا کیسا ہے؟ ایسے لوگ گنہگار ہیں یا نہیں۔ اور ہوں تو کیسے؟

(الجواب) کبوتر کھانا حلال ہے چاہے بطور دواء کھائے یا شوقیہ کھائے کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(سوال ۲۸۶) ایک رضا خانی مولوی نے اشتہار چھپوایا کہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر عورت ملنے کی فرمائی ہے۔ لہذا حضرت عائشہ کی سخت توہین ہوئی ہے۔ اور لکھتے ہیں کہ کوئی کمینہ سے کمینہ بھی ماں کو (ام المؤمنین کو) خواب میں دیکھ کر جورو (جفت) سے تعبیر نہ کرے گا یہ حضرت صدیقہ کی سخت توہین ہے بلکہ اس جناب کے حق میں صریح گالی ہے۔ اس سے زیادہ کیا بے ایمانی اور بے

غیرتی ہو سکتی ہے کہ ماں کو (امہات المومنین) کو جورو سے تعبیر کر دیا جائے۔ یہاں پر اس اشتہار سے بڑی غلط فہمیاں پیدا کر دی گئی ہیں۔ لہذا آپ کے جواب کا سخت انتظار ہے؟

(الجواب) خواب کی تعبیر ایک مقدس علم ہے ایک خاص فن ہے۔ اس کے اصول وضوابط ہیں اور اس کو سمجھنے کے لئے خداداد عقل وفہم اور بصیرت کی ضرورت ہے فن تعبیر کے اصول وضوابط معلوم کئے بغیر صرف اپنی ناقص عقل سے اس میں دخل دینا اور تعبیر کہنے والوں پر اعتراض کرنا جہالت اور بیوقوفی کی دلیل ہے۔

ازواج مطہرات یعنی امہات المومنین کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر نیک بیوی نصیب ہونے کی درست ہے۔ اس میں بے حرمتی یا توہین کا شائبہ نہیں۔ اس کو وہی سمجھ سکتا ہے، جس کو نور نبوت سے کچھ حصہ نصیب ہوا ہو۔ جو لوگ بدعات وظلمت کی ناپاکی میں غرق ہو رہے ہوں۔ خداوند عالم ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت میں گرفتار ہوں وہ لوگ اس نعمت سے کہاں بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں؟ **من احدث حدثا او آوی محدثا فعلیه لعنة الله و الملائکة والناس اجمعین**۔ یعنی جس نے کوئی بدعت ایجاد کی یا بدعتی کو پناہ دی تو اس پر خدا کی لعنت اور ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت ہے (مشکوٰۃ شریف)

دوسری حدیث میں ہے جو کوئی بدعتی کی صحبت میں رہتا ہے اس کو حکمت یعنی دینی معرفت نہیں دی جاتی۔ (تلبیس ابلیس ص ۱۴)

عن فضیل من احب صاحب بدعة احبط الله تعالیٰ عمله واخرج نور الاسلام من قلبه.

حضرت فضیل بن عیاض سے روایت ہے کہ جس نے بدعتی کو دوست بنایا اللہ تعالیٰ اس کے اعمال اکارت کر دیتا ہے اور اسلام کا نور اس کے دل سے نکال دیتا ہے۔ (مجالس الابرار ج۸۸ ص ۵۱۲)

حضرت سہیل رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:۔

ومن ضحک فی وجه مبتدع ینزع الله تعالیٰ نور الایمان من قلبه.

یعنی جو شخص بدعتی کو دیکھ کر ہنس پڑے (خوش ہو جائے) تو اللہ تعالیٰ اس کے دل سے ایمان نکال لیتا ہے۔ (مجالس الابرار ج۸۸ ص ۵۱۲)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ عمل بدعت از دیاد آن ظلمت می نماید وتقلیل نور سنت می سازد وعمل سنت باعث تقلیل آں ظلمت است وتکثیر آن نور (مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۳۸ فارسی)

یعنی! بدعت کے کاموں سے ظلمات میں زیادتی اور نورانیت میں کمی آتی ہے اور اتباع سنت سے ظلمات میں کمی اور نورانیت میں زیادتی ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ تعبیر میں کسی قسم کی توہین اور بے ادبی نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے (علامہ شیخ عبدالغنی نابلسی) (جن کو مولوی احمد رضا خان صاحب بھی اپنا مذہبی پیشوا مانتے تھے) اپنی مشہور کتاب "تعطیر الانام فی تعبیر المنام" میں ازواج مطہرات میں سے کسی کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر واضح الفاظ میں نیک بیوی ملنا لکھتے ہیں۔ عربی عبارت یہ ہے۔ **من رای من الرجال احداً من ازواج النبی صلی الله علیه وسلم وکان اعجب تزوج امرأة صالحة** (ج ۱ ص ۱۷)

کیا علامہ عبدالغنی نابلسیؒ نے نعوذ باللہ امہات المومنینؓ کی توہین کی ہے؟ معاذ اللہ آپ کمینہ تھے؟ آپ نے

ایمان و بے غیرت تھے نہیں ہرگز نہیں۔ تو پھر حضرت تھانویؒ کی ذات مقدس پر تعبیر مذکور سے کسی قسم کی تہمت لگانا کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ فقط۔

تعبیر کی عبارت کو خواب کی عبارت بتلا کر عوام کو غلط فہمی میں ڈالنے کی اہل بدعت کی ناجائز کوشش

(سوال ۲۸۷) ''نعرہ حق'' نامی کتابچہ میں ایک رضاخانی مولوی نے تذکرۃ الرشید (ج ۲ ص ۲۸۹) سے حوالہ سے مولانا گنگوہیؒ کا خواب نقل کیا ہے:۔

میں نے ایک بار خواب دیکھا کہ مولوی قاسم نانوتوی صاحب عروس (دلہن) کی صورت میں ہے اور میرا ان سے نکاح ہوا ہے جس طرح زن وشوہر میں ایک کو دوسرے سے فائدہ پہنچتا ہے اس طرح مجھے ان سے اور انہیں مجھ سے فائدہ پہنچتا ہے حکیم محمد صدیق کاندھلوی نے کہا الرجال قوامون علی النساء آپ نے (حضرت گنگوہی نے) فرمایا آخر ان کے بچوں کی تربیت تو کرتا ہی ہوں؟

پھر بکواس ولایعنی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ارے اوبے ایمانو ایسے گندے غلیظ خواب تو دیکھتا ہوا اور ایسی ناپاک خواب کو اپنی کتاب میں لکھتے نہیں شرماتے؟ (پھر لکھتا ہے) مسلمانوں مذکورہ بالا خواب کے معنی برابر سمجھ لو اس خواب کی عبارت ایسی ہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی نے خواب میں مولانا قاسم نانوتویؒ سے نکاح کیا مولانا قاسم نانوتوی جیسے دلہن بنے اور بات تو آگے فرمانے کی ہے کہ وہ اقرار بھی کرتے ہیں کہ نکاح کے بعد جس طرح زن وشوہر ایک دوسرے سے نفع اندوز ہوتے ہیں ایسا ہی نفع ان دونوں نے ایک دوسرے سے اٹھایا مسلمانو! زن وشوہر ایک دوسرے سے کون سا اور کیسا نفع اٹھاتے ہیں وہ تم سمجھ سکتے ہو۔ (نعرہ حق ص ۷۔۶)

(الجواب) مذکورہ خواب اور اس کی تعبیر کی عبارت نقل کرنے میں اور اس کا مطلب بیان کرنے میں زبردست خیانت اور بے ایمانی سے کام لیا گیا ہے۔ ''تذکرۃ الرشید'' میں خواب اور اس کی تعبیر کی عبارت حسب ذیل ہے۔

(میں نے ایک بار خواب میں دیکھا تھا کہ مولوی محمد قاسم صاحب عروس کی صورت میں ہیں اور میرا ان سے نکاح ہوا ہے) (خواب صرف اتنا ہے آگے اس کی تعبیر بیان کی گئی ہے)

سو جس طرح زن وشوہر میں ایک دوسرے سے فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح مجھے ان سے اور انہیں مجھ سے فائدہ پہنچتا ہے انہوں نے حضرت رحمہ اللہ کی تعریف کر کے کہ ہمیں مرید کرایا اور ہم نے حضرت سے سفارش کر کے انہیں مرید کرادیا۔ حکیم محمد صدیق کاندھلوی نے کہا الرجال قوامون علی النساء. آپ نے فرمایا ہاں! آخر ان کے بچوں کی تربیت کرتا ہی ہوں۔

''نعرہ حق'' کے مصنف نے مذکورہ عبارت میں ایک خیانت تو یہ کی ہے کہ تعبیر والی عبارت کو خوب سمجھ لیا اور اگلی سطر والی عبارت جو تعبیر کی تفسیر تھی لوگوں میں غلط فہمی پیدا کرنے کے لئے بالکل اڑادی اور زن وشوہر ایک دوسرے سے کس طرح نفع اندوز ہوتے ہیں وہ تم سمجھ سکتے ہو۔ یہ فقرہ بڑھا کر اپنی جہالت اور بے ایمانی کا صریح ثبوت دے دیا ہے۔

رہا خواب میں آدمی کا آدمی سے نکاح ہونا تو اس میں کوئی خرابی نہیں، فن تعبیر کے امام محمد بن سیرین کی مشہور کتاب ''تعبیر الرؤیا'' میں ہے کہ اگر کسی نے خواب میں دیکھا کہ وہ کسی مرد سے نکاح کرتا ہے اگر وہ مرد جس سے وہ نکاح کرنا دیکھا ہے۔ معروف و معلوم ہے اور درمیان ان دونوں کے کچھ دشمنی بھی نہیں ہے تو وہ مفعول اپنے فاعل یا فاعل کے ہمنام سے یا اس کے نظیر و مثل سے خیر کو پہنچے گا۔ (باب دہم) دیکھو خواب مذکور اور مولانا گنگوہی کی خواب میں کچھ بھی فرق ہے؟

یہ خواب کی باتیں ہیں ان پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے۔ خواب میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ خواب میں زنا کرنے سے حد نہیں لگائی جاتی بلکہ فاسق و گنہگار ہونے کا حکم بھی نہیں لگایا جاتا خواب میں کلمۂ کفر سے کفر بھی لازم نہیں آتا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو خواب بظاہر خراب معلوم ہو تو اس کی تعبیر بھی خراب ہی ہو۔ ملاحظہ ہو کتاب تعبیر الرویا میں ہے:۔

اگر کسی نے یہ خواب دیکھا کہ اس نے اپنی مادر یا خواہر یا کسی اور ذی قرابت سے نکاح کیا اور یہ رؤیت ماہائے حرام (ذیقعدہ ذی الحجہ محرم اور رجب) میں واقع ہوئی ہے تو بنا پر تعبیر کے یہ شخص زمین حرم پر چلے گا۔ یعنی مشرف بہ زیارت کعبہ ہوگا (باب دہم ص ۸۱)

روایت مشہور ہے کہ خلیفہ ہارون رشید کی بیوی زبیدہ نے خواب میں دیکھا کہ دنیا کے لوگ آ آ کر اس سے صحبت کر رہے ہیں۔ بہت پریشان ہوئی مگر فن تعبیر کے امام حضرت ابن سیرین نے تعبیر بتلائی کہ خدائے پاک زبیدہ سے ایسا کام کرائے گا کہ اس سے ساری مخلوق فائدہ اٹھائے گی۔ چنانچہ ''نہر زبیدہ'' اس خواب کی تعبیر ہے۔

دیکھو! یہ پورا خواب بظاہر کتنا شرمناک ہے مگر اس کی تعبیر کتنی شیریں بیان کی گئی ہے۔ اگر ''نعرۂ حق'' کے مصنف اس وقت ہوتے تو ضرور سنگساری کا فتویٰ دیتے۔

گر ہمیں مفتی و ہمیں فتوے

کار ایمان تمام خواہد شد

خلاصہ یہ کہ خواب گندہ اور برا نہیں ہوا اور اس کی تعبیر بھی گندہ اور بری نہیں ہوتی گندی کہنے والے کی ذہنیت گندی ہوتی ہے۔ خواب میں آدمی کا نکاح آدمی سے اور ایک دوسرے سے نفع مند ہونے کی تفسیر کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے (تعبیر الرؤیا باب دہم ص ۸۱)

مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم کو فائدہ ہوا کیا ہوا؟ اس کی تفسیر خود فرماتے ہیں، انہوں نے (مولانا قاسم نے) حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کر کے ہمیں مرید کرایا اور ہم نے حاجی صاحب سے سفارش کر کے انہیں (مولانا محمد قاسم صاحب کو) مرید کرادیا۔ حکیم صاحب نے الرجال قوامون علی النساء کی آیت پڑھ کر اشارہ کر کے فرمایا کہ آپ خواب میں شوہر بنے ہو اس کی بھی کچھ تعبیر ہونی چاہئے؟ جواب میں فرمایا ہاں آخر ان کے بچوں کی تربیت کرتا ہی ہوں بتلاؤ اس میں کیا خرابی ہے؟ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اپریل فول (یکم اپریل کو دھوکہ دہی کرنا) کیسا ہے :

(سوال ۲۸۸) اپریل فول منانا یعنی لوگوں کو جھوٹ بول کر فریب دینا یا ہنسانا ہنسانا کیسا ہے؟

(الجواب) یہ نصاریٰ کی سنت ہے۔ اسلامی طریقہ نہیں ہے۔ جھوٹ بولنا حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ ویل للذی یحدث فیکذب لیضحک به القوم ویل له' ویل له (ابوداؤد ج ۲ ص ۳۳۳ باب التشدید فی الکذب) اس آدمی کے لئے ہلاکت ہے جو لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے) اور حدیث میں ہے۔ لا یؤ من العبد الایمان کله حتی یترک الکذب فی المزاحة والمراء وان کان صادقا (مسند احمد) (کوئی بندہ پورے پورے ایمان کا حامل نہیں ہوگا جب تک وہ جھوٹ کو بالکل ترک نہ کر دے، خواہ ہنسی مذاق میں ہو خواہ لڑائی جھگڑے میں (خواہ صرف انداز جھوٹ کا ہو اگرچہ واقع میں سچ ہو) اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ جھوٹ بولنا بڑی خیانت ہے۔ کیونکہ آدمی اللہ اور لوگوں کا امین ہے اس کو سچ ہی بولنا چاہئے۔ جھوٹ بولنا امانت کے منافی ہے۔ حدیث میں ہے:۔ کبرت خیانة ان تحدث اخاک حدیثا هو لک مصدق وانت له کاذب (ابو داؤد شریف) یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات اس طرح کہو کہ وہ تمہیں سچا جان رہا ہو۔ حالانکہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔

عمل صالح کی توفیق کیوں ہوتی ہے اور کیوں نہیں ہوتی :

(سوال ۲۸۹) میں تہجد کا پابند تھا۔ کبھی قضاء نہ ہوتی تھی کچھ عرصہ سے تہجد بالکل ترک ہوگیا ہے۔ پڑھنا چاہتا ہوں مگر اٹھنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ نہایت پریشان ہوں۔

(الجواب) اس کی اصل وجہ گناہ اور خدا کی نافرمانی ہونا چاہئے۔ لہذا معاصی کو یاد کر کے بہ صمیم قلب توبہ کریں۔ اور خدا سے اپنی معاصی کی معافی طلب کریں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے تو اس کو شب بیداری کی توفیق نہیں ہوتی، اور حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک گناہ کے سبب پانچ ماہ تک تہجد سے محروم رہا تھا دریافت کیا کو نسا گناہ تھا فرمایا کہ میں ایک آدمی کو روتا دیکھ کر دل میں کہا تھا کہ یہ آدمی مکار ہے! حرام روزی سے بھی امور خیر میں سستی ہوتی ہے اور اس کے خلاف بداعمالی کا شوق ہوتا ہے۔ حرام روزی سے بھی بچنا چاہئے۔ فقط۔

کیا آلات زراعت منحوس ہیں :

(سوال ۲۹۰) شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور حکیم الامت مولانا تھانویؒ کی اردو تفسیر میں پارہ اول سورہ بقرہ ع ۷ کی دوسری آیت۔ واذ قلتم یا موسیٰ الخ کی تفسیر کا خلاصہ کرتے ہوئے حاشیہ میں فائدہ نمبر ا میں حسب ذیل ایک حدیث نظر آئی۔ مشکوٰۃ میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس گھر میں آلات زراعت داخل ہوتے ہیں اس میں غربت داخل ہوتی ہے۔ کسان زیادہ تر مفلسی وغربت میں پھنسے رہتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم زراعت پیشہ لوگ تو گھر ہی میں کھیتی کے آلات رکھتے ہیں۔ جس میں (کپاس) روئی چننے کی چادریں بھی ہوتی ہیں تو یہ سامان ہم کہاں رکھیں؟

(الجواب) جو شے آدمی کو ذکر خدا اور اس کی عبادت سے غافل کردے اور اس کے احکام سے روک دے وہ چیز اس کے لئے منحوس اور سبب ذلت ہے۔ پھر چاہے وہ آلات زراعت ہوں یا دوسرے آلات یا کوئی دوسرا جائز پیشہ اور روزگار ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **من اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا** . جو میری یاد سے غافل رہا اس کو تنگی کی زندگی نصیب ہوگی (سورہ طٰہٰ) اور فرمایا **انما اموالکم و اولاد کم فتنه** . تمہارا مال و اولاد تمہارے لئے ایک آزمائش ہے۔

مال و اولاد اگر رضائے الٰہی کے لئے مددگار ہو تو ایسی نعمت ہے کہ اس جیسی کوئی نعمت نہیں۔ (سورۃ تغابن)
کسی بزرگ نے خوب کہا ہے

نہ مردست آنکہ دنیا دوست دارد
اگر دارد برائے دوست دارد

اور اگر عبادت الٰہی اور احکام خداوندی کی تعمیل سے روکے تو ایک وبال ہے کہ اس جیسا کوئی وبال نہیں۔ زیادہ تر کسان اپنے پیشہ میں اتنے زیادہ مشغول رہتے ہیں کہ نماز روزہ حج اور جہاد جیسی عبادات سے محروم رہتے ہیں احکام اسلام سے واقف نہیں ہوتے کھیت پر رہتے ہیں تو دین و دنیا سے غافل اور گھر پر آتے ہیں تو اپنے مویشی اور کاشتکاری کے کاموں میں پھنسے رہتے ہیں ذکر خدا اور عبادت سے یکسر غافل رہتے ہیں۔ اناج (غلہ) گراں ہونے کی دعا کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے حدیث میں تنبیہ ہے، دیندار کسانوں کے لئے یہ حکم نہیں ہے اور آلات زراعت مکان میں رکھنے میں کوئی خرابی نہیں ہے، ان ہی حضرت امامہؓ سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ تمام جگہوں میں بدتر سے بدتر جگہ بازار ہے اور اچھی سے اچھی جگہ مساجد ہیں، کیونکہ بازار ایک غفلت، گناہ، دغابازی و فریب کاری اور کذب کا مقام ہے۔ مگر خدا کے نیک صالح بندے اس کی برائی سے بچ کر نیکی سے مالا مال ہوکر آتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ بازار میں داخل ہوتے وقت **لا الٰه الا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد یحی ویمیت وهو علیٰ کل شئی قدیر** . پڑھنے والے کے لئے ایک لاکھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ایک لاکھ گناہ معاف کئے جاتے ہیں اور ایک لاکھ درجے بلند کئے جاتے ہیں۔ اور جنت میں ایک محل بنایا جاتا ہے۔ بہت سے صحابہؓ اسی ثواب کی غرض سے بازار جاتے تھے۔ دیکھئے جو جگہ بدتر سے بدتر تھی وہ کیسی مبارک ثابت ہوئی۔ اسی طرح کسان بھی نیک نیتی، صداقت اور احکام شرعیہ کی پابندی کر کے نامبارک کو مبارک کرسکتا ہے۔ آلات زراعت میں بذاتہ کوئی خرابی اور نحوست نہیں ہے، نحوست ہمارے اعمال بد کی ہے۔ اسی لئے تنبیہ کی گئی ہے جیسا کہ چودھری (سردار، پٹیل، مکھیہ) کے لئے حدیث میں ہے کہ دوزخ میں جائے گا اور عاشر (ٹیکس وصول کرنے والے) کے لئے تنبیہ ہے کہ ظلم و ستم کر کے اپنی عاقبت خراب و برباد نہ کرے۔ حالانکہ یہی لوگ اسلام کے نظام حکومت میں بنیادی ستون ہوتے ہیں۔ اگر وہ عدل، دیانت اور تقویٰ کے پابند ہوں۔

البتہ گانے بجانے کے آلات اور ساز و سامان جن کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے، ان کو مکان میں رکھنا اگرچہ استعمال نہ کیا جائے مکروہ اور گناہ ہے۔ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:۔

ولو امسک فی بیته شیئاً من المعازف والملاهی کره ویأثم وان کان لا یستعملها لان

امساک هذه الا شياء يكون للهو عادة (ج ۴ ص ۲۳۸) فقط واللہ اعلم.

بارش نہ برسنے اور قحط سالی کی کیا وجہ :

(سوال ۲۹۱) بارش نہ برسنا اور قحط سالی ہونے کی کیا وجہ ہے؟

(الجواب) بارش نہ برسنا اور قحط سالی واقع ہونے کا سبب احکام خداوندی کی خلاف ورزی اور اپنی بداعمالیاں ہیں، بالخصوص زنا کاری، حق تلفی، غربا، مساکین اور حاجت مندوں کی امداد نہ کرنا، ناپ تول میں کمی کرنا یہ قحط سالی کے اصل اسباب ہیں حدیث شریف میں ہے جو لوگ ناپ تول میں کمی کرتے ہیں وہ قحط سالی میں، موت کی سختی میں اور حکام کے ظلم میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں ہے۔ ما من قوم يظهر فيهم الزنا الا اخذ بالسنة او كما قال عليه السلام.

اور مثنوی میں مولانا روم فرماتے ہیں۔

ابر نا ید از پئے منع زکوٰۃ
وز زنا خیزد وبا اندر جہات

حضرت ابوسفیان سے مروی ہے کہ انه قال بلغني ان بني اسرائيل قحطوا سبع سنين حتى اكلوا الجيف والا طفال . ابوسفیان سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے خبر پہنچی کہ بنی اسرائیل سات برس قحط میں مبتلا رہے یہاں تک کہ مردوں اور بچوں کو کھا گئے و كانوا يخرجون الى الجبال ويتضرعون الى الله تعالىٰ فاوحى الله الى انبياء هم انى لا اجيب لكم داعيا ولا ارحم لكم باكياً حتى تردو المظالم الىٰ اهلها ففعلوا فمطروا. اور وہ اللہ تعالیٰ سے پہاڑوں میں جا کر تضرع وزاری کیا کرتے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے ان کے نبیوں کو وحی بھیجی کہ میں نہ تمہاری دعا قبول کروں گا اور نہ تمہارے کسی رونے والے پر رحم کروں گا جب تک کہ تم حق داروں کے حقوق ادا نہ کرو۔ پس انہوں نے حق ادا کئے تو مینھ برسا (مجالس الا برام ۴۵ ص ۲۷۲)

حضرت پیران پیر سید عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:۔

حكى ان بني اسرائيل اصابتهم شدة فاجتمعوا الى نبي من انبيائهم فقالوا له اخبر نا بما يرضى الحق عزوجل حتى نتبعه فيكون سببا لدفع هذه الشدة عنا فسال الحق عزوجل عن ذالك فاوحى الله اليه قال لهم ان اردتم رضائي فارضوا المساكين فان ارضيتمو هم رضيت وان استخطتمو هم سخطت . اسمعوا يا عقل انتم ما تزالون تستخطون المساكين وتريدون رضى الله عزوجل ما يقع با يديكم رضاه بل انتم متقلبون في سخطه !

حکایت ہے کہ ایک مرتبہ بنی اسرائیل تنگ حالی میں مبتلا ہوئے تو سب اکٹھے ہو کر ایک نبی کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ وہ کام بتائیے کہ جس سے حق تعالیٰ شانہ راضی ہو کہ ہم اس کو کریں اور وہ ہماری اس مصیبت کے دفع ہونے کا سبب بن جائے۔ نبی نے حق تعالیٰ شانہ سے اس کام کی بابت سوال کیا تو حق تعالیٰ نے نبی کو وحی بھیجی کہ ان سے کہہ دو کہ اگر تم میری خوشنودی چاہتے ہو تو مساکین کو راضی کرلو۔ پس اگر تم نے ان کو راضی کرلیا تو میں راضی ہو جاؤں

کہ اوران کوناراض رکھا تو میں ناراض رہوں گا۔سن لواے عقل والو!تم ہمیشہ مساکین کوناراض رکھتے ہواور پھرحق تعالیٰ کی خوشنودی چاہتے ہو؟اس کی خوشنودی تمہارے ہاتھ کبھی نہیں آئے گی تم ہر پہلواس کی ناراضی میں ہو!(فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی م ۳۸ص ۲۵۷)

کیا میاں بیوی ایک دوسرے کونام لے کرپکار سکتے ہیں :

(سوال ۲۹۲)(۱)میاں بیوی کواس کانام لے کربلاسکتا ہے؟اور بیوی اپنے میاں کونام سے پکار سکتی ہے؟ (۲)میاں بیوی اپنے بچوں کے نام سے ایک دوسرے کوبلائے توکیاحکم ہے؟(۳)میاں بیوی اپنا کوئی خاص نام رکھ کرایک دوسرے کوبلائے توجائز ہے یانہیں؟

(الجواب)مرداپنی بیوی کواس کے نام سے پکارسکتا ہے۔لیکن عورت اپنے خاوند کواس کے نام سے نہ پکارے کہ یہ بے ادبی اور گستاخی کی بناپر مکروہ ہے۔یکرہ ان یدعوا الرجل اباہ والمرأۃ زوجھا باسمہ (کذافی السراجیۃ) لہذا سرداروغیرہ تعظیمی الفاظ سے بلائے بل لابد من لفظ یفید التعظیم کیا سیدی ونحوہ (شامی ج۵ص۳۶۹ کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع)بچہ بچی کے نام سے ایک دوسرے کوپکارنا مناسب نہیں۔ابومحمدوغیرہ کنیت شوہر کے لئے استعمال کرے۔

دورحاضر میں ہجرت فرض ہے یانہیں :

(سوال ۲۹۳)اس زمانہ میں ہجرت کرنا یعنی وطن چھوڑ کے چلے جانامسلمان پرفرض ہے یانہیں؟

(الجواب)اس زمانہ میں بھی جہاں کفار کازور ہےاوراحکام شرعیہ آزادی کے ساتھ ادانہ کئے جاسکتے ہوں توترک وطن کرکے کسی اسلامی مملکت میں چلے جاناضروری ہے۔جناب نبی کریم ﷺ کے مبارک دور میں جب تک مکہ فتح نہ ہوا تھااوروہاں کفار کازورتھااس جگہ سے ہجرت ضروری تھی اوراس کے لئے تاکیدبھی کی گئی۔چنانچہ صحابہ ہجرت کرکے مدینہ منورہ چلے آئے تھے۔لیکن جب مکہ فتح ہواتوحکم ہواکہ اب ہجرت کی ضرورت نہیں حسن نیت اور جہاد چاہئے۔(نیت وجہاد او کما قال علیہ السلام. تفسیر فتح المنان ج۳.)

ہجرت فرض ہوتو مکہ جائے یا مدینہ :

(سوال ۲۹۴)ہجرت کے فرض ہونے کی صورت میں مکہ جائے یامدینہ یادوسری کوئی جگہ جائے۔؟

(الجواب)ہجرت کرکے کسی جگہ جانے کی تخصیص نہیں چاہئے۔مکہ معظمہ ہویامدینہ منورہ (زادھما اللہ شرفا ومجدا)یادوسری جگہ جہاں اسلامی ارکان آزادی سے اداکرسکے وہاں جاسکتے ہیں۔فقط۔

بارش نہ ہونے پربکراوغیرہ کاتصدق :

(سوال ۲۹۵)ہمارے گاؤں میں بارش نہیں ہے لوگوں نے چندہ کرکےاناج اوربکراخریدااس کوکاٹ کرگوشت اور اناج کوغرباء پرتقسیم کیاتویہ اناج اورگوشت غیرمسلم کوبھی دے سکتے ہیں؟بینواتوجروا۔

(الجواب) ایسے موقعہ پر چندہ کر کے بکرا خرید کر اس کے گوشت کو واجب التصدق سمجھنا غلط ہے۔ اس وقت جس کے پاس جو کچھ ہو حسب حیثیت محض لوجہ اللہ مستحق کو دے دے۔ بکرے کاٹنے کی رسم غلط ہے۔ صدقات نافلہ غیر مسلم کو بھی دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

گورنمنٹ کی امداد لینا کیسا ہے:

(سوال ۲۹۶) ضلع بھروچ میں زلزلہ آنے سے مکان، اور مسجد و مدرسہ کو ناقابل برداشت نقصان ہوا ہے۔ گورنمنٹ کی طرف سے امداد مل رہی ہے۔ تو کیا مالدار اس کو لے سکتا ہے؟ مسجد و مدرسہ کی عمارت میں استعمال کی جاسکتی ہے۔ یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں سرکاری طرف سے جو رقم ملتی ہے وہ سرکاری امداد ہے وہ لی جاسکتی ہے۔ جس کو ضرورت نہ ہو وہ حاجت مند کو دے دے۔ اسی طرح مسجد و مدرسہ کی تعمیر میں لینا درست ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ بطور قرض رقم لے کر مسجد و مدرسہ میں خرچ کریں۔ اور سرکاری امدادی رقم سے قرض ادا کر دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زلزلہ کے وجوہات شرعی نقطہ نظر سے!:

(سوال ۲۹۷) زلزلہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟ شرعی رو سے واضح فرمائیں! بینوا توجروا۔

(الجواب) خدا پاک نے زمین میں رگیں بنائی ہیں اور وہ فرشتوں کے ہاتھ میں دے دی ہیں۔ جہاں کہیں گناہوں کا بار بڑھ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ وہاں فوری عذاب نازل کرنا چاہتا ہے تو فرشتوں کو حکم فرماتا ہے۔ فرشتہ رگ (یعنی اس جگہ کے اکام) کو کھینچتا ہے زمین لرزتی ہے۔ زلزلہ آجاتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں زلزلہ آیا۔ آپ (ﷺ) نے حضرات صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "تمہارا رب تم سے توبہ چاہتا ہے، تم توبہ کرو" بہرحال احادیث سے معلوم ہوا کہ گناہوں کی کثرت زلزلہ کا سبب ہوتا ہے۔ اور توبہ ذریعۂ نجات! نعوذ باللہ و نتوب الیہ۔

حضرت عمر فاروقؓ کے مبارک دور میں زلزلہ آیا۔ تو آپؓ نے لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا۔ کوئی خاص گناہ ہے جس کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ لوگو! توبہ کرو! میں قسم کہتا ہوں کہ اگر دوبارہ زلزلہ آیا تو میں یہاں نہیں رہوں گا!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زلزلہ کے متعلق پوچھا تو فرمایا: "کہ زنا، شراب، رقص و سرود (گانا بجانا) لوگوں کا مذاق بن جائیں۔ تو غیرت حق کو بھی جوش آتا ہے۔ اگر معمولی تنبیہ پر توبہ کرلیں۔ تو فبہا، ورنہ عمارتیں منہدم اور عالی شان تعمیرات خاک کے تودے کر دیئے جاتے ہیں۔

پوچھا گیا کہ کیا زلزلہ عذاب ہے؟ فرمایا مؤمن کے حق میں رحمت اور کافر کے لئے عذاب (معاذ اللہ)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے بحیثیت خلیفہ ہونے کے ایک فرمان نامہ لکھ کر ملکوں میں روانہ کیا۔ کہ یہ زلزلہ ایک ایسی چیز ہے کہ خدا پاک اس سے اپنے بندوں پر اپنا عتاب ظاہر فرما کر ان سے توبہ کا مطالبہ فرماتے ہیں۔ اس وقت صدق دل سے توبہ کرنی چاہئے۔ بدکاری چھوڑ دینی چاہئے۔ اور کثرت سے صدقہ، خیرات کرنی چاہئے۔ اور جلوہ وقت نہ ہو تو نوافل میں مشغول ہونا چاہئے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی دعا، ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین

اور حضرت نوح علیہ السلام کی دعا۔

وان لم تغفرلی وترحمنی اکن من الخاسرین۔

اور حضرت یونس علیہ السلام کی دعا۔

لا الہ الا انت سبحنک انی کنت من الظلمین۔

وغیرہ پڑھنی چاہئیں۔

زیادہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''اخبار زلزلہ'' مصنفہ حضرت تھانویؒ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

لوگوں کے سامنے ناک صاف کرنا:

(سوال ۲۹۸) بعض لوگوں کی عادت ہے کہ لوگوں کے سامنے ناک میں انگلی ڈال کر چیپڑے نکالتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا برا نہیں ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) لوگوں کے سامنے ناک میں انگلی ڈال کر چیپڑے نکالنا مکروہ اور بری عادت ہے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ '' ویکرہ ازالۃ درنہ بحضرۃ الناس۔'' (غنیۃ الطالبین ص ۱۳ ج ۱) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

للہ دی ہوئی رقم واپس ملی تو اسے کیا کرے:

(سوال ۲۹۹) میرے پاس ایک شخص آئے اور کہا کہ ایک آدمی بیمار ہے اور محتاج ہے، اور وہ زکوۃ کا مستحق نہیں ہے اس لئے آپ ان کی للہ مدد کریں میں نے کچھ رقم ان کو دے دی، چھ گھنٹے کے بعد انہوں نے خبر دی کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے اور انہوں نے مجھے وہ رقم واپس کر دی، اب اس رقم کا استعمال میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (از سوت)

(الجواب) جب کہ آپ کی دی ہوئی رقم نہ زکوۃ کی ہے نہ صدقۂ واجبہ کی، نہ کفارات کی اور نہ چرم قربانی کی قیمت ہے نہ بینک کا سود ہے تو آپ بلا تامل اپنے کام میں لا سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مسافر خانہ کے کمروں میں ٹیلی ویژن نصب کرنا:

(سوال ۳۰۰) ہمارا ایک ادارہ ہے اس کے ماتحت ایک مسافر خانہ ہے، جو مسافر وہاں آکر قیام کرتے ہیں ان میں سے بہت سے مسافر کہتے ہیں کہ کمروں میں ٹیلی ویژن ہونا چاہئے اور ایک شخص اس کام کے لئے پیسے بھی دینے کے لئے کہہ رہا ہے، تو ہم مسافر خانہ میں کمروں کے اندر ٹیلی ویژن رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور جو پیسے دے رہا ہے وہ پیسے لئے جائیں یا نہیں؟ اگر ٹیلی ویژن رکھا جائے تو مسافر خانہ کے عہدہ دار گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں کسی بھی حالت میں مسافر خانہ میں ٹیلی ویژن رکھنے کی اجازت نہ دی جائے جو عہدہ دار ہیں وہ اس کے ذمہ دار اور گنہگار ہوں گے اور جو شخص اس گناہ کے کام کے لئے پیسے دینا چاہتا ہے وہ پیسے بالکل قبول

نہ کئے جائیں صاف انکار کر دیا جائے ۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۹۲ تا ص ۳۰۰ ج ۶ (جدید ترتیب کے مطابق باب التصاویر میں، گھر میں ٹیلی ویژن اور ویڈیو رکھنا اور اس کو دیکھنا، کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے ۔ مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

ٹیلی ویژن پر کرکٹ کا میچ دیکھنا؟:

(سوال ۳۰۱) ٹیلی ویژن پر کوئی پروگرام (جیسے کرکٹ کا میچ) جو ڈائرکٹ ٹیلی کاسٹ ہوتا ہے۔ وہ دیکھنا جائز ہے یا ناجائز؟ ویسے علماء سے سنا ہے کہ ٹیلی ویژن دیکھنا حرام ہے لیکن جس طرح میدان میں کسی بھی طرح کا کھیل کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اسی طرح کیمرے کو درمیان میں رکھ کر دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! قرآن مجید میں فلاح یاب مؤمنین کی صفت یہ بیان کی گئی ہے والذین ھم عن اللغو معرضون، ترجمہ ۔ اور جو لغو یعنی فضول باتوں سے خواہ قولی ہوں یا (فعلی) برکنار (الگ) رہنے والے ہیں (قرآن مجید، سورۂ مومنن، پارہ نمبر ۱۸ رکوع نمبر ۱)

لغو کے معنی فضول کلام یا بیکار کام جس میں کوئی دینی فائدہ نہ ہو، لہذا ہر ایسا کام یا ہر ایسی بات جس میں کوئی دینی نفع نہ ہو اس سے اعراض کرنا چاہئے اور اس میں اپنا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے ، حدیث شریف میں ہے ۔ من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ ، انسان کے اسلام کی خوبی میں سے اس کا بے فائدہ چیزوں کا چھوڑ دینا (مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۳ باب حفظ اللسان والغیبۃ الخ)

ٹی وی میں میچ دیکھنے سے کون سا دینی فائدہ ہے؟ اس میں قیمتی وقت ضائع کرنے کے سوا اور کیا ہے؟ اس لئے قیمتی وقت کو اس بیکار لغو کام میں استعمال کرنے کی اجازت کس طرح ہو سکتی ہے، اس سے بالکل پرہیز کیا جائے ، اور آج کل یہ کرکٹ وباء کی طرح ایک مرض بن گیا ہے ، اس پر جوا کھیلا جاتا ہے ۔ ہار جیت کی شرط لگائی جاتی ہے ، عورتیں اور نوجوان لڑکیاں بے شرمی اور بے ہودگی ، بے پردگی کے ساتھ اسے دیکھنے کے لئے آتی ہیں جو بسا اوقات ٹی وی پر بھی نظر آتی ہیں ۔ نمازیں قضا ہوتی ہیں ، اور بھی بہت ساری اخلاقی خرابیاں ہیں ، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ اس بیکار اور لغو چیز کو بالکل چھوڑ دیں اور عمر کے قیمتی لمحات کو بہت غنیمت سمجھیں ، یہ خدا کی بہت بڑی نعمت ہے ۔

حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سوال ہوگا کہ تم نے اپنی عمر کہاں اور کن کاموں میں خرچ کی؟ (مشکوٰۃ) خصوصاً جوانی کے زمانہ کے متعلق سوال ہوگا کہ اپنی جوانی کا زمانہ کہاں خرچ کیا؟ (مشکوٰۃ)

اگر ہم نے اپنا یہ قیمتی وقت ایسے بیکار کاموں میں اور گناہوں میں ، نمازوں کے ضائع کرنے میں خرچ کیا ہوگا تو ہمارے پاس کوئی جواب نہ ہوگا اور یہ یقینی بات ہے کہ قیامت میں ہر شخص کو حاضر ہونا ہے اور اپنی زندگی کا حساب دینا ہے ۔

مومن کے دنیا میں آنے کا مقصد یہ ہے کہ اس دنیا میں رہ کر آخرت کی تیاری کرے ۔ حدیث میں ہے ۔ الدنیا مزرعۃ الاخرۃ دنیا آخرت کی کھیتی ہے کھیت میں انسان جو بوتا ہے وہ کاٹتا ہے اس لئے عمر کو غنیمت سمجھا جائے اور حسرت کا موقع آنے سے پہلے پہلے آخرت کی تیاری کی جائے (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۹۲

تاص ۳۰۰ جلد ششم اردو (جدید ترتیب کے مطابق باب التصاویر میں گھر میں ٹیلی ویژن اور ویڈیو رکھنا الخ کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے ص۲۳۴ مرتب) فقط واللہ اعلم بالصواب ۴ ربیع الآخر ۱۴۰۹ھ۔

عمارت پر "ھذا من فضل ربی" کی تختی لگانا:

(سوال ۳۰۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ پرانی یا نئی عمارت میں ھذا من فضل ربی کی تختی لگانا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) ھذا من فضل ربی کی تختی مکان میں اس طرح کہ بے ادبی نہ ہو لگا سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

جس بیل میں بٹن دبانے پر "اللہ اکبر" کی آواز نکلے گھر یا اوفس میں اسے استعمال کرنا:

(سوال ۳۰۳) آج کل بازار میں ایک "ڈوربیل" بک رہا ہے اس کی سویچ دبانے (اون کرنے) سے بیل میں "اللہ اکبر" کی آواز نکلتی ہے جس سے گھر والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ دروازہ پر کوئی آیا ہے، یا اوفس میں اسے لگایا جاتا ہے کسی نوکر یا خادم کو بلانے کے لئے اس کا استعمال ہوتا ہے تو یہ بیل استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! صورت مسئولہ میں اس بیل کا استعمال جائز نہیں، اس میں اللہ عزوجل کے مبارک اور بے حد قابل عظمت نام کو کسی کو اپنے آنے کی خبر دینے یا کسی کو بلانے کے لئے استعمال کرنا لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں گناہ کا کام ہے، اس کے اس طرح استعمال کرنے میں اللہ تعالیٰ کے پاک اور مبارک نام کی توہین ہے، لہذا گھر پر یا آفس میں اسے استعمال نہ کیا جائے، اللہ کا مبارک نام خالص ذکر الٰہی کی نیت اور ارادہ سے لینا چاہئے، اپنی کوئی دنیوی غرض پوری کرنے کے لئے اس مبارک نام کو استعمال کرنا بہت ہی نامناسب اور ایمانی غیرت کے منافی ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص لوگوں کو اپنی آمد کی خبر دینے کے لئے "یا اللہ" کہے تو یہ مکروہ ہے، اور جیسے کوئی شخص سبق ختم ہونے کی خبر دینے کے لئے واللہ اعلم کہے تو یہ بھی مکروہ ہے، یا کوئی چوکیدار زور سے " لا الہ الا اللہ " پڑھے اور اس سے اس کا مقصد اپنے بیدار ہونے کی خبر دینا ہو تو یہ بھی مکروہ ہے۔

درمختار میں ہے: وقد کرہ قول الرجل الله اعلم و نحوه لا علام ختم الدرس يقرء . ردالمحتار (شامی) میں ہے (قوله لا علام ختم الدرس) اما اذا لم يكن اعلاما بانتهاء ئه لا يكره لانه ذكر وتفويض بخلاف الا ول لانه استعمله آلة ٰ وللا علام ، ونحوه اذا قال الداخل ياالله مثلاً ليعلم الجلاس بمجيئة ليهيئو اله محلا ويو قروه، واذا قال الحارس لا اله الا الله ونحوه ليعلم باستيقاظه فلم يكن المقصود الذكر اما اذا اجتمع القصد ان يعتبر الغالب كما اعتبر فى نظائره اھ (درمختار ورد المحتار ص ۳۸۱ ج۵، کتاب الحظر و الا باحة قبيل كتاب احياء الموات) فقط و الله تعالىٰ اعلم بالصواب . ۸. جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ (۲۲/۱۰/۱۹۹۶ء)

سحر کی وجہ سے برے خیالات آئیں تو:

(سوال ۳۰۴) اگر کسی شخص پر سحر (جادو) کا اثر ہو اور اس کا اثر دل و دماغ پر ہو جس کی وجہ سے ایسے گندے گند ے

اور خطرناک خیالات آتے ہیں کہ ان کو زبان پر لانے کی ہمت بھی نہیں ہوتی، تو کیا ان خیالات کی وجہ سے وہ شخص گنہگار ہوگا؟

(الجواب) اگر سحر کے اثر کی وجہ سے یہ چیز ہو رہی ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس پر توجہ نہ دی جائے اور ان خیالات فاسدہ کی وجہ سے وہ شخص گنہگار نہ ہوگا۔ البتہ سحر کے اثر سے نجات حاصل کرنے کے لئے ماہر مخلص عاملوں سے عمل کرا کر نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں، بہشتی زیور میں بھی ایک عمل لکھا ہے وھو ھذا ۔

برائے دفع سحر:

آیات ذیل لکھ کر مریض کے گلے میں ڈال دیں اور پانی پر پڑھ کر اس کو پلا دیں، اگر نہلانا نقصان نہ کرتا ہو تو انہی آیات کو پانی پر پڑھ کر اس سے مریض کو نہلا دیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم فلما القوا قال موسیٰ ما جئتم به السحر ان اللہ سیبطله ان اللہ لا یصلح عمل المفسدین اور قل اعوذ برب الفلق من شرما خلق ومن شر غاسق اذا وقب ومن شر النفثت فی العقد ومن شر حاسد اذا حسد اور قل اعوذ برب الناس ملک الناس اللہ الناس من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنة والناس .(بهشتی زیور ص ۱۱۸ ،ص ۱۱۹ ،نواں حصه) فقط واللہ اعلم بالصواب .

درزی کے پاس کپڑا بچ گیا اس کا کیا حکم ہے :

(سوال ۳۰۵) ہمارے یہاں کپڑے سینے کا کاروبار ہے، کئی کاریگر کام کرتے ہیں، ہم دوکانداروں سے کپڑا لاتے ہیں اور کپڑا سی کر اسی کو واپس کرتے ہیں، ان میں سے بہت سے دکاندار غیر مسلم ہیں، وہ اپنے حساب سے کپڑا کاٹ کر دیتا ہے مگر اکثر کپڑا بچ جاتا ہے، جب ہم بچا ہوا کپڑا واپس کرتے ہیں تو وہ شک کرتے ہیں کہ تم ہمارے ملازم سے زیادہ کپڑا لے جاتے ہو تم نے اس کو رشوت دی ہوگی، ہر چند کہ کہتے ہیں مگر وہ نہیں مانتے بدگمانی کرتے ہیں بلکہ ہمارے کاروبار میں رخنہ پیدا ہوتا ہے اب ہم کیا کریں اس کپڑے کو خیرات کر دیں یا اس کی قیمت غریبوں کو دے دیں بہر حال اس صورت میں کیا کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر بچا ہوا کپڑا اتنی مقدار میں ہے کہ اس کو واپس کرنے کا عرف ہے تو اس بچے ہوئے کپڑے کا مالک وہی ہے جس کا کپڑا ہے اس کو ہی واپس کرنا چاہئے اگر وہ شک یا بدگمانی کرتا ہے تو اس کی موجودگی میں کپڑا لیا جائے یا اس سے کہا جائے کہ تم اپنے اعتماد کے آدمی کی موجودگی میں ہمیں کپڑا دیا کرو اور اس کے سامنے یہ واضح کرنے کی کوشش کریں کہ اسلام ہمیں امانت داری اور سچ بولنے اور معاملات میں صحیح طریقہ اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے اور ہم اس کی تعلیم پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کسی کی مکمل اجازت اور دلی رضامندی کے بغیر اس کا ایک پیسہ لینا بھی حرام سمجھتے ہیں، ہم کاریگر ہیں اور ہماری کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس طرح کپڑا کاٹیں کہ زیادہ مقدار میں کپڑا بچے تاکہ آپکا فائدہ ہو۔ لہذا بدگمانی کے بجائے آپ کو خوش ہونا چاہئے۔ الغرض کسی طریقہ سے بھی اس کو اپنے اعتماد میں لینے اور اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرو اور اپنے صدق و دیانت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرو کہ ہم آپ کے ملازمین کو رشوت نہیں

دیتے ہیں انشاء اللہ اس کا اچھا ہی نتیجہ نکلے گا، جب مالک موجود ہے تو اس کپڑے کا مالک وہی ہے اس کی اجازت کے بغیر غریبوں کو کیسے دیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کیا ملا، سید ہوسکتا ہے؟:

(سوال ۳۰۶) علمی خاندان کے لوگ ملا سے پہچانے جاتے ہیں اور ملا کہے جاتے ہیں مگر وہ اپنے آپ کو سید کہتے ہیں تو جو ملا ہو وہ سید ہو سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ملا اور سید میں تضاد نہیں ہے جو ملا کہلاتا ہو وہ سید بھی ہوسکتا ہے اور جو سید ہو وہ ملا بھی ہوسکتا ہے۔ ملا حقیر اور پسماندہ لوگ نہیں ہوتے، بہت پڑھے لکھے عالم فاضل علامہ وغیرہ کو بھی ملا کہا جاتا ہے، بہت سے اہل علم وفضل جو بڑی امتیازی شان رکھتے تھے اس لفظ سے مشہور ہیں جیسے ملا علی قاریؒ، ملا جامیؒ، ملا رومیؒ۔

لغات کشوری میں ہے۔ ملاّ: ع۔ یہ صیغہ مبالغہ کا ہے بمعنی بہت بھرا ہوا، بسیار پر، مراد اس سے وہ شخص جو علم سے بہت بھرا ہوا اور پر ہو یعنی بہت پڑھا ہو، بڑا عالم، فارسی کے استعمال میں اکثر یہ لفظ بغیر ہمزہ آخر کے آتا ہے (لغات کشوری ص ۴۹۴ فصل میم مع لام)

اشرف اللغات میں ہے: ملاء بضم میم و تشدید لام اور بعد الف کے ہمزہ یعنی بہت پر علم ہے، یعنی بہت پڑھا ہوا (اشرف اللغات ص ۲۳۰ باب میم مع لام) فقط واللہ اعلم بالصواب.

نومولود کے کان میں عورت کا اذان دینا کافی ہے یا نہیں؟:

(سوال ۳۰۷) بچہ کی ولادت کے بعد ایک عورت نے اس کے ایک کان میں اذان اور دوسرے کان میں اقامت کہی تو یہ کافی ہے یا نہیں؟ یا دوبارہ مرد کو اذان دینا ہوگا؟ ایسا سنا ہے کہ عورت کو اذان دینا مکروہ ہے تو کیا یہ اذان بھی مکروہ ہوگی؟ اس وقت کوئی مرد وہاں نہ تھا اس لئے عورت نے اذان واقامت کہی" بینوا توجروا۔

(الجواب) نومولود کے کان میں صالح متقی مرد اذان اور اقامت کہے تو بہتر ہے لیکن اگر عورت نے اذان اور اقامت کہہ دی تو وہ بھی کافی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں، ہاں نماز کے لئے جو اذان ہے وہ اذان دینا عورت کے لئے مکروہ ہے کہ اس میں آواز بلند کی جاتی ہے اور یہ بات عورت کے لئے مناسب نہیں۔ ویکرہ اذان ...... امرأۃ (درمختار ۱/۳۶۴ باب الاذان) اگر نماز کے لئے عورت نے اذان دی تو اس کا اعادہ کیا جائے و کذا یعاد اذان امرأۃ (درمختار ۱/۳۶۵ ایضاً) اور نومولود کے کان میں اذان واقامت کہنے کے وقت آواز بلند کرنا نہیں ہے اس لئے عورت کی اذان واقامت کافی ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

آب زمزم میں ترکی ہوئی احرام کی چادر کا کیا کیا جائے؟:

(سوال ۳۰۸) بندہ حج کے لئے گیا تھا، اس وقت میں نے احرام کا کپڑا آب زمزم میں تر کیا تھا جو آج بھی میرے پاس موجود ہے اس کا استعمال کس طرح کرنا چاہئے؟ اپنے اور اپنی بیوی کے کفن کے لئے رکھ دو یا رشتہ داروں کو تبرکاً تھوڑا تھوڑا تقسیم کردوں، یا کسی کفن کمیٹی کو دے دوں جو مناسب سمجھ کر کسی غریب کے کفن کے لئے دے دیں غرض جو

صورت آپ کو مناسب معلوم ہو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہو اس سے مطلع فرمائیں، انشاء اللہ اسی پر عمل کروں گا۔

(الجواب) احرامی چادر جس کا سوال میں ذکر ہے بوسیدہ ہونے سے پہلے پہلے اس کو استعمال کر لینا چاہئے، وہ بوسیدہ ہونے کے بعد کفن کے لئے قابل استعمال نہیں رہے گا، آپ مالک ہیں بیچ بھی سکتے ہیں، مالی حالت اچھی ہو تو صدقہ اور بخشش کے طور پر دے دینا بہتر ہے، رشتہ داروں اور نیک لوگوں کو کفن کے لئے دے دینا بہتر ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کسی مسجد میں عقیدہ بگاڑنے والی کوئی تفسیر ہو تو اس کو وہاں سے ہٹا دینا:

(سوال ۳۰۹) اگر کسی مسجد میں مودودی صاحب کی تفسیر ہو یا احمد رضا خاں صاحب کی تفسیر ہو اور لوگوں کے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں مسجد سے وہ تفسیر چوری سے لے کر اپنے استعمال میں رکھ لینا آیا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو پھر بھی تفسیر چوری سے لے کر اپنے استعمال میں رکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً! صورت مسئولہ میں اگر لوگوں کے فتنہ اور بدعقیدگی میں واقع ہونے کا اندیشہ ہو تو مسجد کے متولی سے یا امام صاحب کو حقیقت حال سے آگاہ کر کے ان سے درخواست کریں کہ اسے ایسی جگہ رکھیں کہ عوام سے نہ دیکھ سکیں، اگر اس پر آمادہ نہ ہوں تو پھر ان سے درخواست کی جائے کہ ہم اس کی جگہ دوسری تفسیر رکھ دیتے ہیں، یا آپ کہیں تو یہ خرید لیں، اگر اس کی بھی امید نہ ہو اور اس بات کا اندیشہ ہو کہ اس کی وجہ سے آپس میں اختلاف پیدا ہوگا، مسجد میں نئے نئے فتنے ہوں گے، لوگ بدعقیدگی میں مبتلا ہو جائیں گے تو اس نیت سے کہ لوگ آپس کے فتنے سے محفوظ رہیں اور بدعقیدگی میں مبتلا نہ ہو جائیں اور صحیح چیز ان کے پاس پہنچے وہ تفسیر اٹھا کر اس کی جگہ صحیح تفسیر مثلاً حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی معارف القرآن یا حضرت تھانویؒ کی بیان القرآن وغیرہ رکھ دیں تو اس کی گنجائش ہے، اور ان دونوں صورتوں میں یہ سمجھا جائے گا کہ یہ تفسیر مسجد والوں کے لئے قابل استعمال نہیں رہی اس لئے اس کی جگہ دوسری صحیح اور قابل استعمال چیز اس کے عوض رکھ دی گئی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

اقدس نام رکھنا کیسا ہے:

(سوال ۳۱۰) چند دن گذرے لڑکا پیدا ہوا ہے جس کا نام اقدس رکھا ہے۔ جیسے لوگ انور، اکرم رکھتے ہیں۔ یہ نام رکھنا کیسا ہے؟ آیا کوئی قباحت ہے؟ اگر کوئی قباحت ہو تو کیا وجہ؟ اگر اقدس نام رکھ سکتے ہیں تو اس کا ثبوت کیا ہے؟

(الجواب) بچہ کا نام اقدس رکھنا مناسب نہیں ہے اقدس کے معنی بہت پاک ہے۔ اور حق جل شانہ کا ارشاد ہے۔ فلا تزکوا انفسکم. (تم اپنے کو مقدس نہ سمجھو) لہذا اقدس نام پسندیدہ نہیں ہے۔ حدیث میں رباح (فائدہ) یسار (آسانی) اور افلح (نافع) نام رکھنے کی ممانعت وارد ہے اس لئے بھی یہ نام مناسب نہیں ہے۔ اکرم، انور تنہا تو مناسب نہیں ہے۔ البتہ محمد اکرم۔ محمد انور رکھ سکتے ہیں۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب.

(۱) عن سمرۃ بن جندب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تسمین غلامک یسارا ولا رباحا ولا نجیحا ولا افلح الخ مشکوۃ باب الاسامی ص ۴۰۸

مسلمان غیر مسلم کے ساتھ کھا سکتا ہے یا نہیں:

(سوال ۳۱۱) مسلمان غیر مسلم کے ساتھ کھا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نصاب الاحتساب باب نمبر ۵ میں ہے کہ اس کی تالیف قلب اور اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے ایک دو مرتبہ (گاہے گاہے) کھانے کا اتفاق ہو جائے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ غیر مسلموں کے ساتھ کھانا کھایا ہے، پس ہم نے محمول کیا کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فعل اسی حیثیت سے تھا کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہوں لیکن ان کے ساتھ ہمیشہ کھانا مکروہ ہے جیسا کہ حضرت ﷺ کا ارشاد ہے **من الجفاء ان یأکل مع غیر اھل دینہ.** یعنی غیر دین والوں کے ساتھ کھانا کھانا ظلم ہے پس ہم نے اس کو ہمیشگی اور مداومت پر محمول کیا اسی طرح ذخیرہ فصل اٹھارویں میں منقول ہے (نصاب الاحتساب ص) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ہندو کی شیرینی اور تحفہ لینا کیسا ہے:

(سوال ۳۱۲) ہندو کی کتھا (بیان) وغیرہ کی شیرینی اپنی وعظ وغیرہ کی شیرینی نیاز جیسی ہوتی ہے، وہ مسلمان کھا سکتا ہے؟ ہندو برادر تیرتھ سے آ کر تبرک بھیجے تو وہ مسلمان کھا سکتا ہے؟

(الجواب) ہندو کی کتھا (بیان) وغیرہ کی شیرینی کھانا جائز ہے۔ مگر خلاف احتیاط ہے ہاں اگر شیرینی دیو۔ دیوتا وغیرہ وغیر اللہ کی نذر و نیاز کی قسم کی ہو تو کھانا حلال نہیں ہے ان کے تیرتھ جاترا (جیسے مسلمانوں کے حج کے) تحفے کو تبرک نہ سمجھے تو لینے میں حرج نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

کافر کے ساتھ کھانا کھائے تو کیا حکم:

(سوال ۳۱۳) کافر کے ساتھ کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) کبھی کبھار کھا سکتے ہیں۔ عادت بنانا مکروہ ہے۔ نفع المفتی والسائل میں ہے۔

الاستفسار: ھل یجوز الاکل مع الکافر؟ الاستبشار: ان کان ذلک مرۃ او مرتین یجوز لان النبی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم اکل مع کافر فحملناہ علی ذلک ولکن یکرہ المداومۃ علیہ کذا فی نصاب الاحتساب فی الباب الرابع ص ۱۱۰)

کتاب الوصیة

مرض الموت میں وارثوں کو مال کی بخشش:

(سوال ۳۱۴) میرے والد صاحب پانچ ماہ ہوئے ''ملایا'' میں خدا کی رحمت کو پہنچ گئے۔ میں اس وقت ''آسٹریلیا'' میں تھا۔ میری حقیقی والدہ اور دو بہنیں ''انڈیا'' میں تھیں، اور فی الحال بھی ہیں۔ میری غیر حقیقی ماں اور ان سے پیدا شدہ اولاد میں چار لڑکے اور چھ لڑکیاں ہیں۔ جو والدہ کے ساتھ رہتے تھے۔ مرض الموت میں والد صاحب نے اپنی خوشی سے یا زبردستی سے میری حقیقی والدہ اور بہنوں کی عدم موجودگی میں اپنی سب جائیداد میری غیر حقیقی ماں اور ان کی اولاد کو بخشش لکھ دی ہے۔ تو یہ بخشش معتبر ہے؟ کیا میری حقیقی والدہ اور بہنیں اس میں حق دار نہیں؟ بحوالہ کتب جواب تحریر فرمائیں!

(الجواب) آنحضرت ﷺ کا فرمان واجب الاذعان جس پر عمل کرنا لازمی ہے۔ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک وارث کو اس کا حق دے دیا۔ اور اس کا حصہ مقرر کر دیا۔ لہٰذا اب کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔'' عن ابی امامة رضی الله عنه ' قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول فی خطبته عام حجة الوداع ان الله قد اعطیٰ کل ذی حق حقه' فلا وصیة لوارث. (مشکوٰة شریف ص ۲۶۵ باب الوصایا)

جس بیماری کے بعد صحت نہ ہوئی ہو وہ مرض الوفات ہے۔ مرض الوفات میں عطیہ اور بخشش وصیت کے حکم میں ہے۔ اور وصیت وارثوں کے حق میں از روئے حدیث جائز نہیں۔

''ہدایہ'' میں ہے۔ مرض وفات میں مریض وارث کیلئے ہبہ کرے تو وہ وصیت کے حکم میں ہے والهبة من المریض للوارث فی هذا نظیر الوصیة. لانها وصیة حکماً (ج۴ ص ۶۴۱ کتاب الوصایا)

جس بناء پر مرحوم نے اپنی آخری بیماری میں جو جائیداد اپنے کچھ وارثوں کو خوشی یا ناخوشی سے بخشش کر دی ہے۔ شرعاً وہ معتبر نہیں۔ لہٰذا مرحوم کی پہلی بیوی اور اس کے لڑکے اور لڑکیوں کو مذکورہ ہبہ میں سے حق ملے گا۔ مرض الوفات سے پہلے ہبہ کیا ہو۔ پھر اس پر قبضہ بھی کرا دیا ہو تو وہ ہبہ معتبر ہوتا ہے۔ ہبہ کے صحیح اور معتبر ہونے کے لئے دونوں شرطیں ضروری ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وصیت کے مطابق کتابیں مدرسہ میں دی جائیں یا نہیں:

(سوال ۳۱۵) ایک عالم صاحب کا انتقال ہو گیا ان کی وصیت تھی کہ میری سب کتابیں فلاں دینی مدرسہ میں دے دی جائیں۔ کتابوں کی قیمت ترکہ کی ثلث حصہ سے کم ہے) تو سوال یہ ہے کہ مذکورہ مدرسہ میں دینا ضروری ہے۔ طلبہ اور علماء کو بانٹ دیں تو کوئی حرج ہے؟

(الجواب) کسی بھی مدرسہ میں کتابیں دینے کی دو قسمیں ہیں کہ مدرسہ کے طلباء اور مدرسین کو تقسیم کرنے کے لئے دی جائیں اور دوسری یہ کہ مدرسہ کے وقف کتب خانہ میں داخل کر کے طلبہ اور مدرسین کو پڑھنے اور مطالعہ کرنے کے لئے دی جائیں۔ صورت مسئولہ میں ظاہر ہے کہ وصیت دوسری قسم کے مطابق ہوگی۔ لہٰذا ورثاء کو چاہئے کہ مرحوم کی وصیت کے

مطابق کل کتابیں مدرسہ کے وقف کتب خانہ میں داخل کردیں۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

میت نے زکوۃ ادا نہیں کی تو کیا ورثاء ادا کریں:

(سوال ۳۱۶) مرحوم پر زکوۃ واجب الاداتھی لیکن ادا نہ کرسکا تو اس کے مال سے زکوۃ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مرحوم کے ترکہ سے زکوۃ کی ادائیگی ضروری نہیں ہے۔البتہ اگر اس نے وصیت کی ہوتو قانون وصیت کا لحاظ رکھتے ہوئے ثلث مال سے ادا کی جائے اگر سب ورثاء رضا مند ہوں تو پورے ترکہ سے اور بلا وصیت بھی ادا کی جاسکتی ہے مگر نابالغ ورثاء کی رضامندی معتبر نہیں ہے۔لہذا اس کے مال سے نہیں دے سکتے۔[1] **فقط واللہ اعلم بالصواب**

قریب المرگ کی وصیت:

(سوال ۳۱۷) ایک آدمی قریب المرگ ہے اس کے چار بھائی ہیں۔ایک نئی بیوی ہے،اولاد یا ماں باپ نہیں ہیں اس کے پاس تقریباً بیس پچیس ہزار روپے ہیں،فی الحال جو عورت ہے اس کی اگلے شوہر سے اولاد ہے جو علیحدہ اپنا بسر اوقات کرتی ہے،اب یہ آدمی ہے اس کو اس کی زوجہ اصرار کرتی ہے کہ اپنی زندگی میں پوری ملکیت میرے نام کردو، اس عورت کے روزمرہ جھگڑے سے یہ آدمی تیار ہو گیا ہے تو کیا اس طریقہ کا وصیت نامہ معتبر ہوگا؟ کیا بیوی کے کہنے پر عمل کرے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟حق داروں کا حق نہ دینے والے کے لئے کیا وعید ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) زندگی اور حالت صحت میں اپنی جائیداد کسی کو عطیہ دے کر قابض کرائے مالک مختار بنادے تو وہ شرعاً اور قانوناً مالک ہوجائے گا اور ہبہ معتبر ہوگا،اگر نیت ورثاء کی حق تلفی کی ہوگی تو سخت گنہگار ہوگا اور کوئی شرعی مجبوری ہوتو خدا معاف کرنے والا ہے جس مرض میں وہ وفات پاجائے اس کو مرض الموت کہتے ہیں اور مرض الموت میں بخشش کرنا معتبر نہیں ہوتا۔نیز وارث کے لئے وصیت (وصیت نامہ) جائز بھی نہیں (لا وصیة لوارث) البتہ غیر وارث کے لئے ثلث مال سے وصیت معتبر ہے،صورت مسئولہ میں بیمار ہوجائے تو اس کی جائیداد میں سے عورت کو چوتھا حصہ اور باقی میں سے ہر ایک بھائی برابر کے حق دار ہیں۔مثال یہ رہی۔

بھائی		زوجہ
مسئلہ ۱۶		مسئلہ ۴
میت	۴	
۳		۱
۱۲		۴
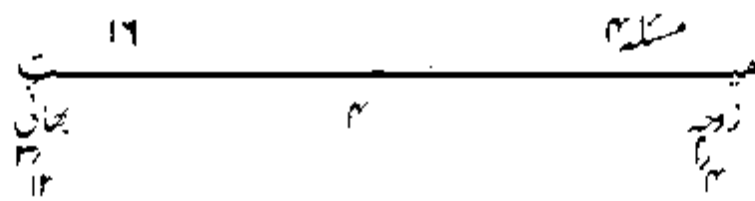
عورت کو چوتھا حصہ اور ہر ایک بھائی کو تین تین حصے ملیں گے۔فقط

[1] وظاهر كلامهم انه لو كان عليه زكاة لا تسقط عنه بدوون وصية لتعليلهم لعدم وجوبها بدوون وصية باشتراط النية فيها لأنها عبادة فلا بد فيها من الفعل حقيقة أو حكما بأن يوصي بأخراجها فلا يقوم الوارث مقامه في ذلك لم رأيت في صوم السراج التصريح بجواز تبرع الوارث باخراجها.شامي باب قضاء الفوائت مطلب في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل ج ۲ ص ۷۴

اپنے مال میں اعزہ کے لئے وصیت کرنا:

(سوال ۳۱۸) میں غیر شادی شدہ ہوں، والدین غریق رحمت ہوگئے ہیں میرے صرف دو بھائی ہیں مگر ان میں بھی ایک کا انتقال ہوگیا ہے ان کے دولڑکے حیات ہیں، اور دوسرے بھائی حیات ہیں میرا انتقال ہوجائے تو میرے بھائی اور بھتیجوں کو کتنا ملے گا؟ اگر بھتیجوں کو کچھ نہ ملتا ہو تو ان کے لئے وصیت کرسکتا ہوں؟ کتنے مال کی وصیت کا حق ہے؟ اسی طرح اپنی زندگی میں خیرات کرنا چاہتا ہوں تو کیا حکم ہے؟ بینواتوجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں آپ کے انتقال کے وقت اگر آپ کے بھائی اور بھتیجے حیات ہوں تو آپ کے پورے مال کے حق دار آپ کے بھائی ہوں گے بھتیجوں کو وراثۃ کچھ نہیں ملے گا، البتہ آپ ان کے لئے اپنے مال کے تیسرے حصے میں وصیت کرسکتے ہیں، اپنی حیات میں آپ اللہ کو راضی کرنے اور اپنی آخرت بنانے کے لئے خیر خیرات کریں (بشرطیکہ وارثوں کو محروم کرنے یا ان کو کم ملے ایسی نیت نہ ہو) تو آپ کرسکتے ہیں، ایسی صورت اختیار کریں کہ وارث بالکل محروم نہ ہوجائیں، اور اگر آپ کے وارث ہی غریب اور ضرورت مند ہوں تو پھر ان کو آسودہ حال میں چھوڑا جانا اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو محتاج چھوڑ واور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں، حدیث میں ہے۔

عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال مرضت عام الفتح مرضا اشفیت علی الموت فاتانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعودنی وفقلت یا رسول اللہ ان لی مالا کثیراً ولیس یرثنی الا ابنتی افاوصبنی بما لی کلہ قال لا قلت فثلثی مالی قال لا قلت فالشطر قال لا قلت فالثلث قال الثلث والثلث کثیر انک ان تذر ورثتک اغنیاء خیر من ان تذرھم عالۃ یتکففون الناس الخ.

یعنی: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں فتح مکہ کے سال ایسا بیمار ہوا کہ زندگی کے آثار باقی نہ رہے، حضور اکرم ﷺ عیادت کے لئے میرے پاس تشریف لائے، حضرت سعد فرماتے ہیں میں نے عرض کیا میرے پاس بہت مال ہے اور ایک بیٹی کے سوا کوئی وارث نہیں میں چاہتا ہوں کہ اپنے سب مال کی (اللہ کے راستے میں صرف کرنے کی) وصیت کر جاؤں، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا نہیں، تب میں نے کہا دو تہائی مال کی وصیت کروں؟ فرمایا نہیں! میں نے عرض کیا نصف مال کی؟ فرمایا نہیں! تب میں نے کہا تہائی مال کی؟ تو آپ علیہ السلام والسلام نے فرمایا! خیر، تہائی مال کی وصیت کرسکتے ہو، اور یہ بھی زیادہ ہے تمہارا اپنے وارثوں کو آسودہ چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ تم ان محتاج چھوڑ جاؤ اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں...... الخ۔

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۵، کتاب الوصایا) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مرنے والی نے اپنے ترکہ کے پانچ حصے کرکے والدہ، بیٹا، بیٹی اور بہن کو ایک ایک حصہ دے کر باقی ایک سے حج بدل کی وصیت کی:

(سوال ۳۱۹) ایک عورت کا انتقال ہوگیا، اس کے وارثوں میں اس کی والدہ اس کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی، اور ایک بہن ہے، شوہر نے طلاق دے دی تھی، مرحومہ کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا مرحومہ نے اپنی وفات سے پہلے اپنے لڑکے

سے کہا تھا کہ میرے مال کے پانچ حصے کرنا ایک حصہ تم لینا ایک حصہ میری بیٹی کو اور ایک حصہ میری والدہ کو اور ایک حصہ میری بہن کو اور ایک حصہ میری طرف سے حج بدل کرانا، مذکورہ صورت میں کس طرح عمل کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں اگر مرحومہ کے تمام وارث (بیٹا بیٹی اور والدہ) عاقل و بالغ ہوں اور وہ مرحومہ کی وصیت کے مطابق عمل کرنے پر راضی ہوں تو وصیت کے مطابق عمل کر سکتے ہیں، حقوق متقدمہ علی الارث تجہیز و تکفین اور مرحومہ پر قرض ہو تو اس کی ادائیگی کے بعد جو بچے اس کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے وصیت کے مطابق عمل کرلیا جائے، اور اگر ورثہ وصیت کے مطابق عمل کرنے پر راضی نہ ہوں تو تجہیز و تکفین اور قرض ہو تو اس کی ادائیگی کے بعد مرحومہ کا جتنا ترکہ بچے اس کے ثلث میں وصیت نافذ ہوگی، ثلث میں سے پہلے مرحومہ کی طرف سے حج بدل کرایا جائے اور اس کے بعد جو بچے وہ مرحومہ کی بہن کو دے دیا جائے، اور بقیہ دو ثلث کے اٹھارہ سہام ہوں گے، اس میں سے مرحومہ کی والدہ کو تین حصے (یعنی چھٹا حصہ) بیٹے کو دس حصے اور بیٹی کو پانچ حصے ملیں گے، بہن کو وراثۃً کچھ نہیں ملے گا، درمختار میں ہے:۔

(وتجوز بالثلث للا جنبی) (عند عدم المانع وان لم یجز الوارث ذلک لا الزیادۃ علیه الا ان تجیز ورثته بعد موته) ولا تعتبر اجازتهم حال حیاته اصلاً بل بعدو فاته (وهم کبار) (درمختار مع رد المختار ص ۵۷۱ ج۵ کتاب الوصایا)

نیز درمختار میں ہے:(واذا اجتمع الوصایا قدم الفرض وان اخرہ الموصی وان تساوت) قوۃ (قدم ما قدم اذاضاق الثلث عنها .

شامی میں ہے:(قوله قدم الفرض) کالحج والزکاۃ والکفارات لان الفرض اهم من النفل والظاهر منه البداءۃ بالاهم زیلعی ،(درمختاورد المختار ص ۵۸۰،ص ۵۸۱ ج۵،کتاب الوصایا) فقط واللہ اعلم بالصواب ۔

صدقۂ جاریہ کی وصیت کی تو کون کون سے کام صدقۂ جاریہ میں داخل ہوں گے؟:

(سوال ۳۲۰) ایک شخص مرض الموت میں تھا، وفات سے دس بارہ روز قبل اپنی بیوی سے کہا کہ ایک شخص پر میری کچھ رقم باقی ہے اگر میرا انتقال ہو جائے تو وہ تم کو وہ رقم دے گا، اس رقم سے میرے لئے صدقۂ جاریہ کا انتظام کر دینا کہ مجھے ثواب ملتا رہے، اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا اور رقم ملتی ہے تو اب کیا حکم ہے؟ صدقۂ جاریہ سے کیا مراد ہے؟ امید ہے کہ ہماری رہنمائی فرمائیں گے، صدقۂ جاریہ میں کون کون سے کام داخل ہیں؟

(الجواب) مرحوم نے جس رقم کے متعلق وصیت کی ہے اگر وہ رقم مرحوم کے کل ترکہ کے ایک ثلث (۱/۳) کے اندر اندر ہو تو وصیت کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے، اور اگر یہ رقم ثلث سے زائد ہو تو کل ترکہ کے ایک ثلث میں وصیت نافذ کی جائے گی، صدقۂ جاریہ یعنی ایسا کام کرنا جو باقی رہے اور لوگ اس سے فیض حاصل کرتے رہیں اور مرحوم کو اس کا ثواب جاری رہے مثلاً مسجد بنوانا، مدرسہ، مسافر خانہ وغیرہ بنوانا دینی کتابیں وقف کرنا، کنواں کھدوا دینا خاص کر جہاں پانی کی ضرورت ہو وہاں پانی کا انتظام کر دینا وغیرہ وغیرہ، غرض مرحوم کی اس رقم سے ایسا کام کیا جائے کہ صدقۂ جاریہ کی شکل میں بن جائے کہ میت کو ثواب ملتا رہے، میت ثواب سے بڑا خوش ہوتا ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب.

(۱) وفی الفتاوی الخلاصة ولو اوصی بالثلث فی وجوہ الخیر یصرف الی القنطرۃ اوبناء المسجد او طلبة العلم کذا فی التتارخانیة. فتاویٰ عالمگیری. کتاب الوصایا الباب الثانی فی بیان الالفاظ التی تکون وصیة ج ۶ ص ۹۷.

بینک میں رکھی رقم کا سود زندگی بھر استعمال کرتا رہا اس کی موت کے بعد ورثاء سود کے بدلہ میں اصل رقم صدقہ کریں تو:

(سوال ۳۲۱) ایک شخص نے ایک لاکھ پندرہ ہزار روپے بینک میں فکس ڈپوزٹ میں رکھے اور اس کا جو سود ملتا تھا وہ اپنے گھر کے اخراجات میں خرچ کرتا رہا، ایک ہفتہ قبل اس شخص کا انتقال ہو گیا، اب اس شخص کی اولاد کا ارادہ یہ ہے کہ ہمارے والد نے جتنی رقم سود کی استعمال کی تھی ترکہ تقسیم کرنے سے قبل اتنی رقم غرباء میں تقسیم کردیں، تو مرحوم کے بچے اس طرح کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس طرح کرنے سے مرحوم نے جو سود استعمال کیا اس کا گناہ معاف ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) سب ورثاء عاقل اور بالغ ہوں اور سب موجود ہوں اور وہ سب اپنی خوشی سے اتنی سود کی رقم غرباء کو دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں اللہ تعالیٰ سے مرحوم کی مغفرت کی دعا کرتے رہیں اور ایصال ثواب بھی کرتے رہیں اور اللہ سے مغفرت کی امید رکھیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

لے پالک وارث ہوتا ہے یا نہیں؟ اس کے حق میں وصیت درست ہے یا نہیں؟ اس کے نام کے ساتھ کس کا نام جوڑا جائے؟:

(سوال ۳۲۲) اگر کوئی شخص کسی بچے کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالے جسے لے پالک کہتے ہیں تو کیا حقیقت میں وہ اس کا لڑکا ہوجاتا ہے؟ اور وہ بچہ اس شخص کا وارث ہوگا یا نہیں، یہ شخص اپنے منہ بولے کو کچھ دینا چاہے یا وصیت کرنا چاہے تو کیا حکم ہے؟ اسکول وغیرہ میں بچہ کے نام کے ساتھ کس کا نام لکھا جائے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر کوئی شخص کسی بچے کو لے پالک یعنی منہ بولا بیٹا (متبنیٰ) بنالے تو حقیقت کی اعتبار سے وہ اس شخص کا بیٹا اور وہ شخص اس کا باپ نہیں بن جاتا، اس بچے کا حقیقی باپ وہی ہے جس کے نطفہ سے وہ پیدا ہوا ہے اور اس بچے کا نسب بھی اسی حقیقی باپ سے ثابت ہوگا اور اسی کا وارث بنے گا، جس شخص نے منہ بولا بیٹا بنایا ہے اس کا وارث نہ ہوگا، قرآن مجید میں ہے۔

وما جعل ادعیاء کم ابنآء کم ذلکم قولکم بافواھکم و اللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ادعوھم لاباء ھم ھو اقسط عند اللہ .

ترجمہ:۔ اور تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (سچ مچ) کا بیٹا نہیں بنادیا یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے (جو غلط ہے واقع کے مطابق نہیں) اور اللہ تعالیٰ حق بات فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ بتلاتا ہے (اور جب منہ بولے بیٹے واقع میں تمہارے بیٹے نہیں تو) تم ان کو (متبنیٰ بنانے والوں کا بیٹا مت کہو، بلکہ) ان کے (حقیقی) باپوں کی طرف منسوب کیا کرو، یہ اللہ کے نزدیک راستی کی بات ہے الخ۔ (قرآن مجید سورۂ احزاب آیت نمبر۴ پارہ نمبر۲۱)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں: کہ اسی طرح منہ بولا بیٹا تمہارا بیٹا نہیں بن جاتا، یعنی دوسرے بیٹوں کے ساتھ نہ وہ میراث میں شریک ہوگا اور نہ حرمت نکاح کے مسائل اس پر عائد ہوں گے کہ بیٹے کی مطلقہ بیوی باپ پر ہمیشہ کے لئے حرام ہے تو متبنیٰ کی بیوی بھی حرام ہو (معارف القرآن ص ۸۴ ج ۷)

اس بچے سے محبت ہوتو بخشش کے طور پر اپنے مال کے تیسرے حصہ میں سے دے سکتا ہے یا وصیت کرسکتا ہے

اسکول وغیرہ میں بچہ کے نام کے ساتھ اس کے حقیقی والد کا نام لکھا جائے **ادعوھم لا بائھم ھو اقسط عند اللہ** . سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ **فقط واللہ اعلم بالصواب** ۔

مصلحتاً دوسرے کے نام مکان خریدنے پر مالک کون ہوگا مرحوم نے مکان کے ایک حصہ میں اپنی بیوی اور لڑکیوں کے لئے وصیت کی تو کیا حکم ہوگا؟:

(سوال ۳۲۴) مرحوم ایوب نے اپنی پھوپھی سے مکان خریدنے کا ارادہ کیا پھوپھی مکان بیچنے کے لئے تیار ہوگئی مگر کسی خاص مصلحت سے مکان کا دستاویز مرحوم ایوب کے دو بیٹوں کے نام پر کیا گیا تو وہ مکان کس کا شمار ہوگا؟ مرحوم ایوب کا انتقال ہوگیا ہے اس کے وارثوں میں ایک بیوہ تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں مرحوم نے مذکورہ مکان مع سامان چھوڑا ہے، مرحوم کے اس کے سوا دو مکان اور ہیں ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ مرحوم نے اپنی زندگی میں بچوں سے یہ کہا تھا کہ مکان کے نیچے والے حصہ میں تمہاری والدہ جب تک زندہ رہے رہے گی اور اس کے بعد یہ حصہ تین لڑکیوں کو دیا جائے وہ سب شادی شدہ ہیں کبھی ان کو یہاں آنا ہوتو نیچے والے حصہ میں وہ آکر رہیں گی، مرحوم نے جو کہا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ نیز اگر کوئی وارث مرحوم کے کسی چیز کا قبل از تقسیم مالک بننا چاہے تو مالک بن سکتا ہے یا اس میں سب وارثوں کا حق ہونے کی وجہ سے مالک بننا ناجائز ہوگا؟ صاف صاف تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) کسی مصلحت کی وجہ سے دوسرے کے نام مکان، جائیداد خریدی جائے تو محض اس کے نام پر خریدنے کی وجہ سے وہ شخص اس مکان اور جائیداد کا مالک نہ ہوگا، جس کے ساتھ سودا ہوا ہے جس نے رقم ادا کی ہے وہی اس کا مالک ہوگا (امداد الفتاویٰ ص ۱۸، ص ۱۹ ج ۳، کتاب البیوع)

لہٰذا مذکورہ مکان مرحوم ایوب کے ترکہ میں شامل ہوکر ان کے تمام ورثہ کے درمیان تقسیم ہوگا، صرف وہی دو بچے اس مکان کے مالک نہ ہوں گے۔

مرحوم ایوب جن جن چیزوں کے مالک ہوں مثلاً ان کے مکانات، گھر کا سامان برتن کپڑے وغیرہ وغیرہ سب چیزیں مرحوم کے ترکہ میں شامل ہوں گی اور شرعی قانون کے مطابق تمام ورثہ میں تقسیم ہوں گی، قبل از تقسیم کوئی وارث اپنے طور پر کسی چیز کا مالک بننا چاہے تو بالکل جائز نہ ہوگا، اگر مرحوم ایوب کے سوال میں درج شدہ ہی وارث ہوں تو حقوق متقدمہ علی الارث (تجہیز وتکفین قرض جائز وصیت) کی ادائیگی کے بعد مرحوم کا ترکہ بہتر (۷۲) سہام پر منقسم ہوگا، س میں مرحوم کی بیوی کو نو سہام، تین لڑکوں میں سے ہر لڑکے کو چودہ چودہ سہام، اور تین لڑکیوں میں سے ہر لڑکی کو سات سات سہام ملیں گے۔

مرحوم ایوب نے اپنے ایک مکان کے نچلے حصے کے متعلق جو بات کہی ہے، اگر تمام ورثہ عاقل و بالغ ہوں اور وہ سب موجود ہوں اور سب ورثہ اس کے مطابق عمل کرنے پر راضی ہوں تو عمل کر سکتے ہیں، اور اگر ورثہ اسی وقت مرحوم کے پورے ترکہ کی تقسیم کا مطالبہ کرتے ہوں تو پھر تمام ترکہ کی تقسیم ضروری ہوگی اور تقسیم کے بعد ہر وارث کے حصہ میں جو کچھ آئے وہ اس چیز کا مالک ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سرکاری قانون کی زد سے بچانے کے لئے پورے مال کی وصیت:

(سوال ۳۲۵) ایک شخص سورت کا باشندہ برسوں سے بیرون ملک میں رہائش اختیار کئے ہوئے تھا، وہیں اس کا انتقال ہوا، شخص مذکورہ مرحوم کی بہت ساری جائیداد ہے، مرحوم کی اہلیہ ہے البتہ اور اولاد نہیں، وہاں کا سرکاری قانون یہ ہے کہ اولاد نہ ہو اور ورثاء انڈیا میں ہوں تو ستر فیصد جائیداد پر سرکار قابض ہو جائے گی صرف تمیں فیصد ورثاء کو دی جاتی ہے، اس قانون کی زد میں آنے سے بچنے کے لئے مرحوم نے اپنے بھتیجے کے لڑکے کو لے پالک بنایا اور اسے انڈیا سے صغر سنی ہی میں وہاں لے گیا، مقصود یہ تھا کہ اپنے انتقال کے بعد جائیداد مذکورہ قانون کی زد میں آنے سے بچ جائے، مرحوم نے اپنی زندگی میں ایک وصیت نامہ تحریر کیا تھا کہ میرے اور میری اہلیہ کے انتقال کے بعد میرے گھروں کا مالک میرے لے پالک لڑکا ہے اس کو چاہئے کہ وہ جائیداد اپنے نام کروا کر اس میں سے کچھ رقم خیرات کرے، ٹیکس سے بچنے کی غرض سے وصیت نامہ میں ورثاء کی تصریح نہیں کی گئی ہے تاکہ سرکار جائیداد میں سے ستر فیصد ضبط نہ کرے، فی الحال مرحوم کی اہلیہ کا بھی انتقال ہو گیا ہے، نیز مرحوم کے انتقال کے بعد ان کی اہلیہ نے تمام زیورات ورثاء کی اجازت کے بغیر مسجد میں دے دیئے ہیں تو کیا اس طرح مسجد میں دینا درست ہے۔ اسی طرح لے پالک نے بھی مسجد میں کچھ دیا ہے۔ اسی طرح وصیت نامہ کے بموجب لے پالک لڑکا تمام جائیداد کا وارث ہو کر مالک شمار ہوگا، اور مرحوم کی جائیداد میں ورثاء حق دار ہوگے یا نہیں؟ اور اگر حق دار ہیں تو کتنے حصے کے؟، جواب دے کر ممنوع فرمادیں۔

(الجواب) جو شخص کسی کو لے پالک بنالے تو واقعۃً وہ اس کا حقیقی لڑکا اور وہ (لے پالک بنانے والا) اس (لے پالک) کا حقیقی باپ نہیں بنتا اس لڑکے کا حقیقی باپ وہی ہے جس سے وہ پیدا ہوا اور اس لے پالک کا نسب اسی حقیقی باپ سے ثابت ہوگا اور اس حقیقی باپ سے ہی وہ لے پالک وارث بنے گا، لے پالک بیٹا لے پالک بنانا نے والے کا وارث نہ ہوگا قرآن مجید میں ہے۔

وما جعل ادعیا کم ابناء کم ذلکم قولکم بافواھکم واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ، ادعوھم لآبآء ھم ھو اقسط عند اللہ .

ترجمہ:۔ اور نہیں کیا تمہارے لے پالکوں کو تمہارے حقیقی بیٹے یہ تمہاری بات ہے اپنے منہ کی اور اللہ کہتا ہے ٹھیک بات اور وہی (سیدھی راہ) سمجھاتا ہے، پکارو لے پالکوں کو ان کے حقیقی باپ کی طرف نسبت کر کے یہی پورا انصاف ہے اس کے یہاں (سورۂ احزاب، آیت ۳/۴، پارہ نمبر ۲۱)

لے پالک کو اگر کچھ دینا چاہے تو اپنے مال کے ایک ثلث (تیسرے حصہ) میں سے بطور وصیت دے سکتا ہے، صورت مسئولہ میں مرحوم نے مصلحتاً جو وصیت نامہ بنایا ہے اس کے پیش نظر شرعی رو سے لے پالک لڑکا مرحوم کی

تمام جائیداد کا مالک نہیں بن سکتا، البتہ اس وصیت نامہ کی وجہ سے مرحوم کے ترکہ میں سے ثلث مال کا حق دار ہے اس سے زائد کا نہیں، باقی دوثلث ترکہ کے حق دار مرحوم کے شرعی ورثاء ہیں مرحوم کی کوئی اولاد نہیں ہے، اس لئے ثلث مال لے پالک لڑکے کو دینے کے بعد جو کچھ بچے اس کا ایک ربع (چوتھا حصہ) مرحوم کی اہلیہ کو ملے گا۔

خلاصہ یہ کہ صورت مذکورہ میں کل ترکہ کا ایک ثلث لے پالک کو ملے گا، اس کو دینے کے بعد جو بچے اس کا ربع (چوتھا حصہ) مرحوم کی بیوی کو دیا جائے اس کے بعد جو کچھ بچے وہ مرحوم کے شرعی ورثاء (جو نو بھتیجے ہیں نو حصے کر کے ان) میں تقسیم ہوگا (یعنی ہر بھتیجا کو نو حصوں میں سے ایک ایک حصہ ملے گا)

لے پالک اگر مسجد یا مدرسہ میں کچھ خیرات کرنا چاہے تو وہ اپنے حصہ (ثلث مال) میں سے دے سکتا ہے اور کچھ نہ کچھ دینا بھی چاہئے۔ مرحوم نے وصیت نامہ میں جو یہ تحریر کیا ہے کہ مال خیرات کیا جائے تو اگر ثلث مال سے زیادہ خیرات کرنا ہو تو ورثاء کی اجازت ورضامندی پر موقوف ہے۔ اگر ورثاء اجازت نہ دیں تو وہ اپنا حصہ مسجد کمیٹی سے واپس لے سکتے ہیں، ایسے حالات میں شرعی ورثاء کی منشاء اور اجازت کے بغیر ایسے مال کا استعمال مسجد اور مدرسہ کے کاموں میں جائز بھی نہیں، اسی طرح مرحوم کی بیوی نے جو زیورات مسجد میں دیئے ہیں وہ زیورات مرحومہ کی ذاتی ملکیت کے ہوں یا اس کو ملنے والے شرعی حصہ (ایک ربع) میں سے ہو، تب تو یہ دینا درست ہے اور اگر اس کے شرعی حصہ سے زائد ہوں تو زائد میں اس کا تصرف جائز نہیں لہٰذا مسجد کے کاموں میں ان زیورات کا استعمال بھی جائز نہیں، ورثاء اس صورت میں بھی اپنا حق واپس لے سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

غیر مسلم کے لئے وصیت کی ہو تو وہ معتبر ہے یا نہیں:

(سوال ۳۲۶) ایک شخص کی بیوی نومسلم ہے اس شخص نے اپنی زندگی میں اپنی بیوی کے دور کے ایک غیر مسلم رشتہ دار شخص کے لئے وصیت کی ہے تو اس وصیت کا کیا حکم ہے؟ اس شخص کا انتقال ہو گیا ہے کیا اس وصیت پر عمل کرنا ضروری ہوگا؟ غیر مسلم کے لئے وصیت صحیح ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ باحوالہ جواب عنایت فرمائیں گے، بینوا توجروا۔

(الجواب) غیر مسلم کے لئے وصیت ہو سکتی ہے، بدائع الصنائع میں علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: **واما کونہ مسلماً فلیس بشرط حتی لو کان ذمیاً فاوصیٰ لہ مسلم او ذمی جاز (بدائع الصنائع ص ۳۱۴ ج۷ کتاب الوصایا)**

ہدایہ اخیرین میں ہے: **ویجوز ان یوصی المسلم للکافر و الکافر للمسلم فالاول لقولہ تعالیٰ لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین . الایۃ (ھدایہ اخیرین ص ۶۴۱ کتاب الوصایا)**

لہٰذا صورت مسئولہ میں مرحوم نے جو وصیت کی ہے وہ معتبر ہے، مرحوم کے ثلث مال (۱/۳) میں نافذ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

تقسیم میراث سے پہلے جو منافع ہوئے اس کا حکم:

(سوال ۳۲۷) محمد کے انتقال کے بعد چار سال تک میراث کی تقسیم نہیں ہوئی، اس عرصہ میں بہت نفع ہوا ہے، تو کیا

یہ نفع بھی میراث میں شمار ہوگا؟ جواب اثبات میں ہو تو میراث کی تقسیم کیسے ہوگی؟۔

(الجواب) جو کچھ نفع کی شکل میں زیادتی ہوئی اسے اصل ترکہ ہی (کا ایک جز) سمجھا جاوے اور اس نفع کو ترکہ میں شامل کرکے میراث تقسیم کی جاوے فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب، راندیر ۲۰ شوال ۱۴۱۴ھ۔

زید کے انتقال کے بعد ایک آدمی کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ زید کا بیٹا ہے لیکن وہ خود اس کا مدعی نہیں ہے:

(سوال ۳۲۸) مرحوم زید نے اپنی حیات میں ایک لڑکے کو متبنیٰ بنایا تھا، زید کا انتقال ہوگیا ہے، ورثاء میں ایک بیوی اور نو بھتیجے ہیں ابھی ابھی معلوم ہوا ہے کہ مرحوم زید کا ایک لڑکا ہے، مرحوم نے کبھی اس کا تذکرہ نہیں کیا اور نہ اس لڑکے نے زید کے انتقال کے بعد مرحوم کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا اور نہ میراث طلب کی البتہ لوگوں کی زبان پر یہ باتیں ہیں، مگر ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ لڑکا اسی شہر میں رہتا ہے جہاں زید رہتا تھا، کبھی آج تک نہ زید نے کچھ کہا اور نہ اس لڑکے نے زید کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا تو مذکورہ صورت میں کیا حکم ہے؟ کیا اسے بیٹا مانا جائے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حامداو مصلیاو مسلما! جس شخص کے متعلق یہ کہا جارہا ہے کہ یہ مرحوم کا بیٹا ہے اگر اس کی طرف سے کسی طرح کا کوئی دعویٰ اور مطالبہ نہیں ہے جیسا کہ سوال میں درج ہے تو لوگوں کی بات کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، البتہ اگر وہ دعویٰ کرے کہ میں مرحوم زید کا وارث ہوں اور میں ان کا بیٹا ہوں اور تنہا ایک ہی بیٹا ہوں اور دیگر ورثاء اس کا انکار کریں تو اسے اپنا دعویٰ شرعی شہادت سے ثابت کرنا ہوگا، دو عادل، دیندار، شریعت کے پابند مرد یا ایک دیندار مرد اور دو دیندار عورتیں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر شہادت دیں کہ یہ شخص (اس کا نام بیان کریں) مرحوم زید کا صحیح اور نسبی بیٹا ہے (ولد الزنا نہیں) ہم اس کے بیٹا ہونے کی شہادت دیتے ہیں اور صرف یہی ایک بیٹا ہے اور اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ مرحوم زید کا وارث ہے اور شرعی قاضی یا شرعی پنچایت (محکمہ شرعیہ، شرعی کمیٹی) گواہوں کی شہادت قبول کرکے اس شخص کے مرحوم زید کا بیٹا اور وارث ہونے کا فیصلہ کریں تو ایسی صورت میں وہ مرحوم زید کا بیٹا ہوگا اور مرحوم کے ترکہ کے ثلث میں وصیت نافذ کرنے کے بعد مرحوم کے بقیہ ترکہ میں سے آٹھواں حصہ مرحوم کی اہلیہ کو اور بقیہ ترکہ عصبہ کے طور پر مرحوم کے اس بیٹے کو ملے گا، اور اس صورت میں مرحوم کے بھتیجے محروم ہوں گے اور اگر وہ شخص شرعی شہادت سے اپنا بیٹا ہونا ثابت نہ کر سکے تو صحیح قول کے مطابق بقیہ ورثاء سے ان کے علم پر قسم لی جائے گی وہ قسم کھا کر بیان کریں کہ ہم نہیں جانتے کہ یہ مرحوم زید کا بیٹا ہے تو اس کے بعد اس کا دعویٰ قابل قبول نہ ہوگا اور وہ مرحوم کا وارث نہ ہوگا، اور اس صورت میں وصیت نافذ کرنے کے بعد مرحوم کے ترکہ میں سے چوتھا حصہ (۱/۴) مرحوم کی اہلیہ کو ملے گا اور اس کے بعد جو ترکہ بچے وہ مرحوم کے نو بھتیجوں میں مساوی طور پر تقسیم ہوگا۔

درمختار میں ہے: ولو ادعى ارثا عن ابيه فلو اقربه امر بالدفع اليه ولا يكون قضاء على الاب حتى لو جاء حيا يا خذه من الدافع على الا بن ولو انكر قيل للا بن برهن على موت ابيک وانک وارثه ولا يمين والصحيح تحليفه على العلم بانه ابن فلان وانه مات ثم يكلف الا بن بالبينة بذلک وتمامه فى جامع الفصولين من الفصل السابع والعشرين (درمختار ۲/۱۱۶، کتاب

الدعویٰ ،باب دعویٰ النسب) (غایۃ الا وطار ۳/ ۳۹۸)

فتح القدیر میں ہے:۔والثانی ان یشھدوا انہ ابنہ ووارثہ ولا نعلم لہ وارثا غیرہ فان القاضی یقضی بجمیع الترکۃ بلا تلوم (فتح القدیر ۶/ ۴۳۰ وعنایۃ مع فتح القدیر ۶/ ۴۳۰، فصل فی القضاء فی المواریث، کتاب ادب القاضی)فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

مرنے والے کا اپنی آنکھ دوسرے کو دینے کی وصیت کرنا:

(سوال ۳۲۹)ایک شخص انتقال سے پہلے وصیت کرے کہ انتقال کے بعد میری آنکھیں ''آنکھوں کی بینک'' میں محفوظ کرادی جائیں اور پھر کسی ضرورت مند شخص کو دے دی جائے ،یا فلاں شخص کی آنکھ میں میری آنکھ لگادی جائے ،تو کیا یہ وصیت جائز ہے اور اس پر عمل ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب)انسان اپنے بدن یا کسی عضو کا مالک نہیں ہے کہ اس میں جو چاہے آزادانہ تصرف کرسکے،دلائل کے لئے ملاحظہ ہو فتویٰ رحیمیہ ص ۲۸۶،ص ۲۸۷ ج ۶ (جدید ترتیب کے مطابق کتاب الحضر والاباحت میں، کسی دوسرے شخص کا گردہ استعمال کرنا، کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے۔ص ۱۶۹ امرتب) نیز ہدایہ اخیرین میں ہے۔لانــــہ لا ولا یۃ لھما علی دمھما ولھذا لا یملکان الا باحۃ فلا یستبح بر ضا ھما یعنی۔کسی شخص کو اپنے خون (ہکذا اپنے بدن یا کسی عضو) پر ولایت نہیں ہے اس لئے کوئی شخص اس بات کا مالک نہیں ہے کہ اپنا خون (اسی طرح اپنا بدن یا کوئی عضو) کسی کے لئے مباح کردے،اگر کسی نے اپنی مرض سے مباح بھی کردیا ہو تب بھی وہ خون(ھکذا عضو) مباح الاستعمال نہ ہوگا۔(ھدایہ اخرین ص ۱۲۹ باب التحکیم. تحت قولہ ولا یجوز التحکیم فی الحدود والقصاص)

لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص جو وصیت کررہا ہے یہ وصیت فیما لا یملک یعنی ایسی چیز کی متعلق ہے جس کا وہ مالک نہیں ہے اس لئے وصیت معتبر نہ ہوگی اور اسی طرح جس کے لئے (ادارہ ہو یا کوئی فرد) وصیت کی ہے اسے اس آنکھ کے مطالبہ کا حق حاصل نہ ہوگا ، نیز اس میں اعضاء انسانی کی اہانت بھی ہے حالانکہ انسان واجب التکریم ہے ،فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب المیراث

ماں کی ملک میں لڑکی کا حق ہے یا نہیں؟:

(سوال ۳۳۰) مرحوم زید نے اپنی زندگی میں اپنی لڑکی زبیدہ کو اپنی جائیداد بخش دی ہے۔ زبیدہ کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے۔ خاوند کا انتقال ہو گیا ہے۔ زبیدہ بی بی کو اس کے خاوند کی بہن نے طمع دلائی ہے کہ تیری شادی کروا دیں اگر تو اپنی جائیداد جو والد کی طرف سے ملی ہے اس لڑکے کو لکھ دے (یعنی دے دے) زبیدہ ایسا کرنے کو تیار ہے اور لڑکی کو اپنی میراث سے محروم کرنا چاہتی ہے تو اس کا یہ فعل شرعاً درست ہے؟ کیا والد کی جائیداد میں لڑکی کا حق نہیں ہے؟

(الجواب) بے شک لڑکی بھی والدہ کی وارث ہے۔ والدہ کے انتقال کے بعد اس کی جائیداد کی حق دار ہے۔ ماں لڑکی کو محروم کرنا چاہے اور وصیت کرے کہ میرے انتقال کے بعد میری سب جائیداد میرے لڑکے کو دی جائے۔ لڑکی کو کچھ نہیں دیا جائے یا اس کے حق سے کم دینے کی تحریر کر دے پھر بھی لڑکی محروم نہ ہو گی اور اپنا پورا حق لینے کی حقدار رہے گی مگر یہ حکم وفات پا جانے کے بعد تقسیم ترکہ سے متعلق ہے باقی زندگی اور تندرستی کی حالت میں ماں اپنی پوری جائیداد لڑکے کو دے سکتی ہے اگر چہ بلا وجہ شرعی ایسا کرنا (اور لڑکی کو محروم کرنا) بے انصافی ہے اور مروت نیز ماں کی مامتا کے خلاف ہے لہذا موجب گناہ ہے (شامی ج ۴ ص ۷۰۷)

حدیث شریف میں ہے! عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه يوم القيمة (مشكوة ج ١ ص ٢٦٦ باب الوصايا)

یعنی! جو آدمی ناحق اپنے وارث کو وراثت سے محروم کر دے تو خدا پاک اس کا حق جنت سے باطل کر دیں گے (مشكوة ج ١ ص ٢٦٦) (درمختار مع الشامی ج ۴ ص ۷۰۷ کتاب الهبة)

لہذا زندگی میں دینا ہو تو دونوں کو دے اور مساوی حصہ دے۔ لڑکے کو دوگنا اور لڑکی کو ایک حصہ دینے کا حکم بھی ترکہ سے متعلق ہے۔ زندگی میں جو اولاد کو دیا جاتا ہے وہ ''عطیہ'' ہے اور عطیہ میں سب اولاد چاہے لڑکا ہو یا لڑکی برابر کے حق دار ہیں۔

البتہ لڑکے کو تعلیم وغیرہ شرعی مصلحت کے پیش نظر زیادہ دے اور لڑکی کو کم دینے میں اس کو نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو تو جائز ہے۔ '' انما الاعمال بالنیات'' (حدیث) اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تین بہنیں، تین بھتیجے اور بھتیجی چچازاد بھائی بہنیں وارث ہیں:

(سوال ۳۳۱) ایک شخص کا انتقال ہو گیا۔ ان کی اولاد نہیں ہے عورت بھی نہیں ہے۔ ان کے قریبی رشتہ داروں میں تین بہنیں اور دو فوت شدہ بہن کی اولاد تین بھتیجے ایک بھتیجی، بھائی بہنیں اور چچازاد بھائی، بہن ہیں۔ اب ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے۔ ترکہ میں کچھ نقد ہے اور گھر ہے کل رقم تقریباً پندرہ ہزار ہوتی ہے؟۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) حقوق متقدمہ علی الارث (ترکہ تقسیم کرنے سے پہلے کے حقوق) ادا کرنے کے بعد بقیہ رقم و جائیداد کے نو حصے ہوں گے۔ دو ۲ دو ۲ حصے تین بہنوں کو اور ایک ایک حصہ تینوں بھتیجوں کو ملے گا۔ مرحومہ کے بہنوں کی اولاد اور بھتیجی

اور چچازاد بھائی بہن محروم ہیں۔ واللہ اعلم

بہن کو حق نہ دیا جائے تو کیا حکم ہے؟:

(سوال ۳۳۲) ترکہ تقسیم کرنے کے بارے میں بھائی کی نیت خراب ہے۔ یعنی باپ کے ترکہ میں سے بہنوں کا حق دینے کے لئے بھائی راضی نہیں ہے تو اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

(الجواب) میراث کی تقسیم کے بارے میں شرعی حکم نہ ماننا اور لڑکیوں کو ان کے حق سے محروم کرنا اور ان کو ان کا حق نہ دینا بہت سخت گناہ کا کام ہے بلکہ حد کفر تک پہنچ جانے کا اندیشہ ہے۔ خدائے پاک نے اپنے کلام پاک میں وراثت کے قانون و قواعد بیان کرنے کے بعد صریح الفاظ میں فرمایا۔ ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ ناراً خالداً فیھا ولہ عذاب مھین . یعنی اور جو کوئی خدا اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقررہ حدود سے تجاوز کرے گا تو اس کو جہنم میں ڈال دے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے ذلت کا عذاب ہے (سورہ نساء) لہذا صورت مسئولہ میں بہنوں کو ان کا حق دینا ضروری ہے۔ انکار کرنا رسم کفار کی اتباع ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وارثوں میں دو عورتیں، ایک لڑکا دو لڑکیاں، اور ایک بہن ہیں:

(سوال ۳۳۳) مرحوم زید کی دو عورتیں اور ایک لڑکا دو لڑکیاں اور ایک بہن ہیں۔ تو زید کی جائیداد کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ضروری حقوق ادا کرنے کے بعد مرحوم کے ترکہ کے کل بتیس (۳۲) حصے ہوں گے۔ ان میں سے دو۲ دو۲ حصے دونوں عورتوں کو اور چودہ (۱۴) حصے لڑکے کو اور سات سات (۷) حصے دونوں لڑکیوں کو ملیں گے۔ بہن محروم ہے۔

الـــمـــه

زوجہ	زوجہ	ابن	بنت	بنت	اخت
۲	(۱/۸) ۲	۱۴	(۷/۲۸) ۷	۷	م
	فی ۲				

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(سوال ۳۳۴) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سید ابراہیم صاحب کی وفات ہوگئی۔ ورثاء میں لڑکا سید عبدالکریم صاحب دوسرا لڑکا سید حسام الدین صاحب اور لڑکی عائشہ بی بی صاحبہ۔ دوسری لڑکی آمنہ بی بی صاحبہ کو چھوڑا۔ اس کے بعد سید حسام الدین صاحب انتقال کر گئے۔ ورثاء میں زوجہ نور بی بی لڑکا سید سراج الدین دوسرا لڑکا سید نظام الدین تیسرا لڑکا سید عبدالحق اور لڑکی بی بی کو چھوڑا۔ بعدہٗ آمنہ بی بی صاحبہ نے وفات پائی۔ ورثاء میں بھائی سید عبدالکریم صاحب اور بہن عائشہ بی بی کو چھوڑا۔ پھر عائشہ بی بی صاحبہ بھی رحلت کر گئیں۔ ورثاء میں صرف بھائی عبدالکریم صاحب ہیں اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ سید ابراہیم صاحب کی جائیداد کو کس طرح تقسیم کیا جائے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب)

مسئلہ ۷۲

سید ابراہیم صاحب

ابن	ابن	بنت	بنت
سید عبدالکریم صاحب	سید حسام الدین صاحب	عائشہ بی بی صاحبہ	آمنہ بی بی صاحبہ
۲۴	۲۴	۱۲	۱۲

مسئلہ ۲۴ تداخل سید حسام الدین صاحب مافی الید ۲۴

زوجہ	ابن	ابن	ابن	بنت
نور بی بی صاحبہ	سید سراج الدین	سید نظام الدین	سید عبدالحق	بی بی
۳	۶	۶	۶	۳

مسئلہ ۲ تباین آمنہ بی بی صاحبہ مافی الید ۱۲

اخ	اخت
سید عبدالکریم صاحب	عائشہ بی بی
۲	۱

مسئلہ کل عائشہ بی بی مافی الید ۱۲

اخ
سید عبدالکریم صاحب
۱۲

الاحیاء

سید عبدالکریم	نور بی بی	سید سراج الدین	سید نظام الدین	سید عبدالحق	بی بی
۴۸	۳	۶	۶	۶	۳

هو الموفق للصواب

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث و رفع موانع متروکہ سید ابراہیم کا بہتر سہام پر منقسم ہوگا۔ منجملہ اس کے سید عبدالکریم صاحب کو اڑتالیس اور نور بی بی صاحبہ کو تین اور سید سراج الدین کو چھ اور سید نظام الدین کو چھ اور سید عبدالحق کو چھ اور بی بی کو تین سہام ملیں گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ سید عبدالرحیم لاجپوری امام بڑی مسجد جامع۔ راندیر ۲۳ ربیع الاول ۶۳ھ مطابق ۱۹ مارچ ۴۴ء یکشنبہ۔

الجواب صحیح والمجیب مصیب۔ مرغوب احمد غفرلہ۔

زوج اور زوجہ کی میراث:

(سوال ۳۳۵) شوہر کے مال سے بیوی کو اور بیوی کے مال سے شوہر کو کتنا ملتا ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) شوہر کی کوئی اولاد یعنی بیٹا یا بیٹی۔ پوتا یا پوتی۔ پڑپوتا یا پڑپوتی۔ سکڑ پوتا یا سکڑ پوتی وغیرہ میں کوئی موجود ہو (اولاد اس بیوی سے ہو خواہ دوسری بیوی سے) تو بعد تقدیم مصارف تکفین وادائے قرض وانفاذ وصیت ''جو مال بچے اس کا ثمن (آٹھواں حصہ) بیوی کو ملے گا، ایک سے زائد عورتیں ہوں تب بھی ثمن ہی ملے گا باہم برابر تقسیم کرلیں۔

مثال ایک زوجہ مسئلہ ۹ زید — زوجہ ۱، اخ ۹ (؟)

مثال ۲ زوجہ مسئلہ ۸ زید — زوجہ ۱، زوجہ ۱، بنت ۸، اخ ۶ ؛ زوجہ ۱، ابن ۷

مثال ۳ زوجہ مسئلہ ۲۴ زید — زوجہ ۱، زوجہ ۱، زوجہ ۱، بنت الابن ۱۲، اخ ۱۳ (؟)

مثال ۴ زوجہ مسئلہ زید — زوجہ ۱، زوجہ ۱، زوجہ ۱، زوجہ ۱، ابن لابن ۲۱

اگراولاد میں کوئی نہ ہوتو بیوی کو ربع (چوتھا حصہ) ملے گا ایک سے زیادہ عورتیں ہوں تب بھی ربع ہی ملے گا باہم مساوی تقسیم کرلیں۔

مثال ۱ زوجہ مسئلہ زید — زوجہ ۱، اخ ۳

مثال ۲ زوجہ مسئلہ زید — زوجہ ۱، زوجہ ۱، اخ ۶

مثال ۳ زوجہ مسئلہ زید — زوجہ ۱، زوجہ ۱، زوجہ ۱، اخ ۹

مثال ۴ زوجہ مسئلہ ۱۶ زید — زوجہ ۱، زوجہ ۱، زوجہ ۱، زوجہ ۱، اخ ۱۲

قال اللہ تعالیٰ: ولھن الرابع مما ترکتم ان لم یکن لم ولد فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم الخ . یعنی اگر تماری اولاد نہ ہوتو تمہاری عورتوں کو تمہارے ترکہ میں سے ربع ملے گا اور اگر تمہاری اولاد ہے تو ان کو ثمن (آٹھواں حصہ ملے گا۔ (سورۂ نساء) اسی طرح زوجہ کی اولاد میں بیٹا یا بیٹی، پوتا یا پوتی، پڑپوتا یا پڑپوتی وغیرہ ہو (اس شوہر سے ہو یا پہلے شوہر سے) تو حقوق متقدمہ کے بعد جو مال بچے اس کا ربع (چوتھا حصہ) خاوند کو ملے گا۔ مثال۔

مسئلہ مرحومہ — زوج ۱، ابن ۲، بنت ۱

اگر اولاد میں کوئی نہ ہوتو خاوند کو نصف ملے گا۔

مسئلہ ۲ — زوج ۱، اخ ۱

قال اللہ تعالیٰ: ولکم نصف ماترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد فان کان لھن ولد فلکم الرابع . الخ . یعنی اگر تمہاری عورتوں کی اولاد نہ ہوتو ان کے ترکہ میں سے تم کو نصف ملے گا اور اگر اولاد ہو تو تم کو ربع ملے گا۔ (سورۂ نساء)

اولاد مدت مدیدہ کے بعد باپ کے ترکہ کی حقدار ہوتی ہے یا نہیں؟:

(سوال ۳۳۶) انڈیا (بھارت) میں ایک شخص کے انتقال کو پچاس سال ہوگئے اس کی زمین و جائیداد ورثاء کے پاس ہے۔ وارثوں میں ایک لڑکا بیرون ملک ہے اب وہ اپنا حصہ طلب کرتا ہے تو آیا وہ حق دار ہے یا نہیں؟ پچاس سال کے بعد اس کا مطالبہ درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) جب یہ لڑکا اپنے باپ کا بیٹا ہے تو یہ اس کا وارث ہے۔ اپنا حق وصول کرسکتا ہے۔ مدت زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کا حق باطل نہیں ہوا۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب .

(۱) ولما فی الحامدیة عن فتاوی احمد آفندی المهنداری مفتی دمشق انه کتب علی ثلاثة مسئلة انه تسمع دعوی الارث ولا یمنعها طول المدة .شامی کتاب الدعوی مطلب هل یبقی النهی بعد موت السلطان ج ۵ ص ۴۲۰)

زندگی میں مال کی تقسیم:

(سوال ۳۳۷) میری اہلیہ کی طبیعت ناساز رہا کرتی ہے اس لئے اپنے مال ومتاع زندگی ہی میں اولاد پر تقسیم کرنے کا اس کا ارادہ ہوگیا ہے اولاد میں ایک لڑکا اور دولڑکیاں ہیں اور میری دوسری بیوی کے چار بچے ہیں دولڑکے اور دولڑکیاں تو شرع محمدی کے مطابق تقسیم کیسے ہوگی؟ بینواتوجروا۔

(الجواب) آپ کی عورت زندگی میں اپنامال ومتاع وارثوں کو تقسیم کرنا چاہے تو مال کے چار حصے کر کے ایک شوہر کو اور ایک حصہ لڑکے کو اور ایک ایک حصہ دونوں لڑکیوں کو دے دے زندگی میں اولاد پر مال کی تقسیم میراث نہیں ہے عطیہ ہے اور عطیہ میں لڑکا لڑکی برابر کے حق دار ہوتے ہیں۔ لڑکے کو دگنا ملنے کا قانون میراث کا ہے جو بعد الموت جاری ہوتا ہے ۔ قولہ تعالیٰ: یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین (سورۂ نساء)

اب رہے وہ تمام چار بچے جو دوسری بیوی سے ہیں وہ اس عورت کے وارث نہیں ہوسکتے ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

چچازاد بھائی کے لڑکے اور بھتیجی کی اولاد میں ترکہ کا حق دار کون؟:

(سوال ۳۳۸) ایک آدمی مرگیا۔ اس کی بیوی اور اولاد نہیں، بھتیجا، بھتیجی بھی نہیں، بھتیجی کی اولاد میں دولڑکے اور ایک لڑکی ہے چچازاد بھائی بھی نہیں۔ چچازاد بھائی کے سات لڑکے ہیں۔ تو شرعاً مرحوم کے وارث کون ہیں؟ بینواتوجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں چچازاد بھائی کے لڑکے وارث ہیں بھتیجی کی اولاد وارث نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

قبر کی زمین کی قیمت کس مال سے دی جائے:

(سوال ۳۳۹) میت کے بعد ورثاء عام قبرستان میں دفنانا چاہتے ہیں اور بعض ورثا قبر کے لئے زمین خرید کر اس میں دفنانا چاہتے ہیں آیا زمین کی قیمت میت کے مال سے دی جائے یا ورثاء ادا کریں؟ بینواتوجروا۔

(الجواب) یہ خرچ تجہیز اور تکفین میں شامل ہے لہذا میت کے مال سے ادا کر سکتے ہیں مفید الوارثین میں ہے:۔ وارثوں کے لئے ضروری نہیں کہ وہ میت کو کسی عام قبرستان اور گویہ غریباں میں دفن کریں بلکہ اگر چاہیں تو بمقدار قبر زمین خرید کر اس میں دفن کریں، کوئی وارث ہو یا قرض خواہ اس سے مانع نہیں ہوسکتا ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے عام قبرستان میں دفن کریں تو جائز ہے (ص ۳۵) لیکن اگر میت عورت ہو اور اس کا شوہر بھی ہو تو تجہیز وتکفین کے خرچ کا ذمہ دار وہ ہے لہذا عورت کے ترکہ میں سے خرچ نہیں لیا جاسکتا شوہر حسب مرضی وحیثیت تجہیز وتکفین کا کام انجام دے اگر شوہر نہ ہو یا انکار کرے تو عورت کے ترکہ میں سے تجہیز وتکفین کا خرچ لیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ورثاء میں دو بیویاں ہوں تو کس طرح تقسیم کرے:

(سوال ۳۴۰) ایک آدمی مرگیا ہے۔ اس کے ورثاء میں دو بیویوں کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں ہے تو روپے میں سے دونوں کو چار آنے ملیں گے تو باقی بارہ آنے کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں بقیہ بارہ آنے بھی دونوں بیویوں کو دے دیئے جائیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وصیت نامہ میں نکاح نہ کرنے کی شروط پر میراث دینا:

(سوال ۳۴۱) ایک شخص نے اپنی زندگی میں وصیت نامہ میں تحریر کیا کہ میری وفات کے بعد عورت شادی نہ کرے تو میرے مال میں سے میراث دی جائے اور اگر نکاح کرے تو نہ دی جائے۔ وہ رقم مسجد میں دی جائے تو یہ جائز ہے؟

(الجواب) خاوند کی روح قبض ہوتے ہی عورت اس کے ترکہ میں اپنے شرعی حصہ کی حقدار ہو جاتی ہے۔ عورت نکاح کرے یا نہ کرے ہر حال میں وہ حق دار ہے وصیت نامہ کی مذکورہ تحریر عورت کے حق کو باطل نہیں کر سکتی۔ لہذا عورت کے حصہ کی رقم مسجد وغیرہ میں دینے کا کسی کو کوئی حق نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ورثاء میں لڑکا، لڑکی ہے:

(سوال ۳۴۲) مرحوم احمد بھائی کے ورثاء میں ایک لڑکا اسمٰعیل اور لڑکی عائشہ ہے۔ تو ہر ایک کو کتنا ملے گا؟

(الجواب)

مسئلہ ۳ — مرحوم

ابن اسماعیل	بنت عائشہ
۲	۱

حقوق متقدمہ علی الارث (تجہیز و تکفین، قرض، وصیت ثلث مال سے) ادا کرنے کے بعد جو مال بچے اس کے تین حصے ہوں گے۔ دو حصے لڑکے اسمٰعیل کو اور ایک حصہ لڑکی عائشہ کو ملے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ورثاء میں بیوی، ماں، بہن اور تین لڑکیاں:

(سوال ۳۴۳) مرحوم کے ورثاء میں تین لڑکیاں، بیوی، والدہ اور بہن ہیں تو ہر ایک کو کیا ملے گا؟

(الجواب)

مسئلہ ۲۴ تـ ۷۲ — مرحوم

زوجہ	ام	بنت	بنت	بنت	اخت
۳/۹	۴/۱۲	۱۶	۱۶	۱۶	۱/۳

صورت مسئولہ میں مرحوم کے مال کے ۷۲ سہام ہوں گے ان میں سے ۹ سہام (آٹھواں حصہ) زوجہ کو ۱۲ سہام (چھٹا حصہ) ماں کو اور سولہ سولہ سہام (دوثلث) تین لڑکیوں کو اور باقی ۳ سہام بہن کو میں گے۔ کذا فی کتب الفرائض۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیوی، لڑکی، بھائی، بہن، بھتیجا، بھانجا وارث ہیں:

(سوال ۳۴۴) مرحوم وفات پا گئے۔ ورثاء میں ایک بھائی، ایک بہن، ایک لڑکی، ایک بیوی اور ایک بھتیجا، بھانجا

ہیں تو ہر ایک کو کیا ملے گا؟

(الجواب)

مسئلہ ۸ — مرحوم

زوجہ	بنت	اخ	اخت	ابن الاخ	ابن الاخت
۱	۴	۲	۱	م	م

مرحوم کے مال کے آٹھ حصے ہوں گے زوجہ کو ایک حصہ، لڑکی کو چار حصے بھائی کو دو حصے، بہن کو ایک حصہ ملے گا، بھتیجے، اور بھانجے کو کچھ نہیں ملے گا، محروم ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دو لڑکے، دو لڑکیاں اور ایک عورت:

(سوال ۳۴۵) ایک شخص کا انتقال ہوا۔ وارثوں میں ایک عورت اور دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ تو مرحوم کے مال کی تقسیم کس طرح کی جائے۔

(الجواب)

مسئلہ ۸_۴۸ — مرحوم

زوجہ	ابن	ابن	بنت	بنت
۱/۶	۱۴	۱۴	۷	۷

حقوق متقدمہ علی الارث ادا کرنے کے بعد مرحوم کے مال کے اڑتالیس حصے ہوں گے۔ عورت کو چھ حصے۔ ہر ایک لڑکے کو چودہ چودہ حصے اور ہر ایک لڑکی کو سات سات حصے ملیں گے۔

فقط دو لڑکے اور دو لڑکیاں:

(سوال ۳۴۶) ایک عورت مرگئی۔ ورثاء میں صرف دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ میراث کی تقسیم کیسے کی جائے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب)

مسئلہ ۶ — ہندہ

ابن	ابن	[illegible]	بنت
۲	۲	۱	۱

مال کے چھ حصے ہوں گے، دو، دو حصے دونوں لڑکوں کو ایک ایک حصہ دونوں لڑکیوں کو ملے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک بھائی، دو بہنیں:

(سوال ۳۴۷) ایک آدمی کی وفات ہوگئی۔ ورثاء میں ایک بھائی ہے اور دو بہنیں ہیں۔ ترکہ کی تقسیم کا طریقہ بتلایا جائے۔

(الجواب)

مسئلہ۴ مرحوم

اخ ۲ — اخت ۱ — اخت ۱

ترکہ کے چار حصے ہوں گے دو حصے بھائی کو ملیں گے اور ایک ایک حصہ دونوں بہنوں کو ملے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تین لڑکی، ایک بیوی، ایک بھائی:

(سوال ۳۴۸) زید کی وفات ہوگئی، ورثاء میں ایک بیوی، تین لڑکیاں اور ایک بھائی ہے۔ ہر ایک وارث کو کیا ملے گا؟

(الجواب)

مسئلہ۲۴ ـ ۷۲ زید

زوجہ ۳/۹ — بنت ۱۲ — بنت ۱۲ — بنت ۱۲ — اخ ۵/۱۵

حقوق متقدمہ علی الارث ادا کرنے کے بعد جو مال رہے اس کے ۷۲ حصے ہوں گے ۹ حصے زوجہ کو۔ ۱۶۔۱۶ حصے تین لڑکیوں کو اور ۱۵ حصے بھائی کو ملیں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

تین عورت، تین لڑکی ایک بھائی، ایک بہن:

(سوال ۳۴۹) ایک شخص کا انتقال ہوگیا۔ ورثاء میں تین عورتیں، تین لڑکیاں اور ایک بھائی بہن ہیں، ترکہ کیسے تقسیم کیا جائے؟

(الجواب)

مسئلہ۲۴ ـ ۷۲ مرحوم

زوجات۔۳ ۳/۹ — بنات۔۳ ۱۲/۴۸ — اخ ۱۰ — اخت ۵

حقوق متقدمہ علی الارث ادا کرنے کے بعد مرحوم کی جائیداد کے ۷۲ حصے کیے جائیں۔ عورتوں کو ۳۔۳ حصے اور لڑکیوں کو ۱۶۔۱۶ حصے اور بھائی کو دس ۱۰ اور بہن کو پانچ حصے دیے جائیں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیوی، دو بہن، ایک بھائی:

(سوال ۳۵۰) مرحوم نے اپنے پیچھے بیوی، دو بہن اور ایک بھائی چھوڑا تو مرحوم کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

(الجواب)

مسئلہ۴ ـ ۱۶ مرحوم

زوجہ ۱/۴ — اخت ۳ — اخت ۳ — اخ ۶

حقوق متقدمہ علی الارث ادا کرنے کے بعد ترکہ کے کل سولہ حصے ہوں گے۔ بیوی کو چار حصے، بھائی کو چھ

حصے اور ہرایک بہن کو تین تین حصے ملیں گے۔فقط

دولڑکی، ایک بھائی، دو بہن:

(سوال ۳۵۱) ایک عورت مرگئی۔ورثا میں دولڑکی ایک بھائی اور دو بہن ہیں تو تقسیم کس طرح ہوگی؟

(الجواب)

مسئلہ ۳ تصحیح ۱۲ ——— مرحوم

بنت	بنت	اخ	اخت	اخت
۴	۴	۲	۱	۱

حقوق متقدمہ ادا کرنے کے بعد ترکہ کے بارہ حصے ہوں گے۔ ہرایک لڑکی کو چار، چار حصے، بھائی کو دو حصے اور ہرایک بہن کو ایک ایک حصہ ملے گا۔فقط۔

بیوی، بھائی، دو بہن اور ماں:

(سوال ۳۵۲) ایک آدمی مرگیا، ورثاء میں بیوی، بھائی، دو بہن اور ماں ہے، ہرایک کو کتنا ملے گا؟

(الجواب)

مسئلہ ۱۲ تصحیح ۴۸ ——— مرحوم

زوجہ	اخ	اخت	اخت	ام
۱۲	۱۴	۷	۷	۸

صورت مذکورہ میں حقوق متقدمہ علی الارث کی ادائیگی کے بعد ترکہ کے کل اڑتالیس حصے ہوں گے۔عورت کو بارہ حصے، ماں کو آٹھ حصے اور بھائی کو چودہ حصے اور ہرایک بہن کو سات سات حصے ملیں گے۔

دولڑکی اور ایک لڑکا:

(سوال ۳۵۳) ایک عورت وفات پائی اس کے ورثاء میں ایک لڑکا اور دولڑکیاں ہیں تو ہرایک کو کیا ملے گا؟

(الجواب)

مسئلہ ۴ ——— میتہ

ابن	بنت	بنت
۲	۱	۱

حقوق متقدمہ کی ادائیگی کے بعد ترکہ کے چار حصے ہوں گے لڑکے کو دو حصے اور ہرایک لڑکی کو ایک ایک حصہ ملے گا۔ **للذکر مثل حظ الانثیین (قرآن حکیم) فقط. واللہ اعلم بالصواب.**

ایک بھائی بہن:

(سوال ۳۵۴) ایک آدمی کا انتقال ہوگیا، اس کے ورثاء میں ایک بھائی بہن ہے تو ہرایک کو کیا ملے گا؟

(الجواب)

مسئلہ ۳ ــــــــــــــ مرحوم

اخ	اخت
۲	۱

حقوق متقدمہ کی ادائیگی کے بعد ترکہ کے تین حصے ہوں گے۔ بھائی کو دو حصے اور بہن کو ایک حصہ ملے گا۔

لڑکا، دولڑکی، پھوپھی اور چچی:

(سوال ۳۵۵) ایک آدمی مرگیا، ورثاء میں لڑکا، دولڑکیاں، پھوپھی اور چچی ہے تو ہرایک کو کیا ملے گا؟

(الجواب)

مسئلہ ۴ ــــــــــــــ مرحوم

لڑکا	لڑکی	لڑکی	پھوپھی	چچی
۲	۱	۱	م	م

حقوق متقدمہ علی الارث ادا کرنے کے بعد ترکہ کے چار حصے ہوں گے۔ لڑکے کو دو حصے اور ہرایک لڑکی کو ایک ایک حصہ ملے گا۔ پھوپھی اور چچی محروم ہیں، فقط۔

خاوند کب محروم ہوتا ہے:

(سوال ۳۵۶) خاوند کب محروم ہوتا ہے؟

(الجواب) بدوں خاص وجہ کے شوہر محروم نہیں ہوتا۔ اگر عورت کے اولاد ہو تو ربع (چوتھا) حصہ ملے گا ورنہ نصف حصہ ملے گا۔

قولہ تعالیٰ: ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد فان کان لھن ولد فلکم الربع (قران حکیم)

بیوی کب محروم ہوتی ہے:

(سوال ۳۵۷) بیوی کب محروم ہوتی ہے؟

(الجواب) بغیر خاص وجہ کے بیوی محروم نہیں ہوتی خاوند کی اولاد ہو تو ثمن (آٹھواں حصہ) لے گی ورنہ ربع (چوتھا) لے گی۔ قولہ تعالیٰ: ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلھن الثمن ۔القرآن الکریم

باپ کب محروم ہے:

(سوال ۳۵۸) باپ کب محروم ہے؟

(الجواب) باپ محروم نہیں ہوتا۔ لڑکا لڑکی کے حصہ میں سے کم از کم سدس (چھٹا حصہ) تو باپ کو ملتا ہی ہے۔ قولہ تعالیٰ۔ ولا بویہ لکل واحد منھما السدس (قرآن حکیم)

دادا کب محروم ہے:

(سوال ۳۵۹) دادا کب محروم ہوتا ہے؟

(الجواب) باپ زندہ ہوتو دادا محروم ہوگا۔ فقط۔

بیوی، باپ، ایک لڑکا:

(سوال ۳۶۰) عبداللہ کا انتقال ہوگیا۔ ورثاء میں عورت باپ اور ایک لڑکا ہے تو تقسیم میراث کس طرح ہوگی۔؟

(الجواب)

مسئلہ ۲۴ — عبداللہ

زوجہ	باپ	لڑکا
۳	۴	۱۷
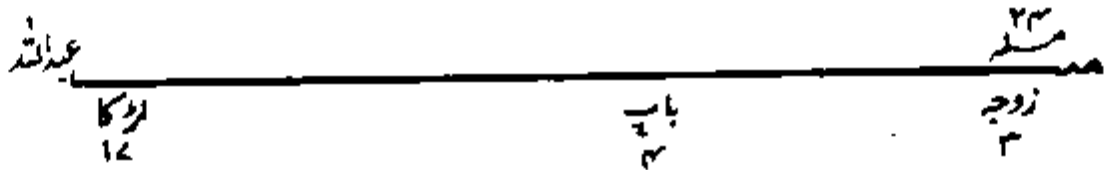
ترکہ کے کل چوبیس ۲۴ حصے ہوں گے۔ عورت کو تین حصے، باپ کو چار حصے اور لڑکے کو بقیہ سترہ حصے ملیں گے۔ فقط

بیوی، باپ اور لڑکی:

(سوال ۳۶۱) عبداللہ کا انتقال ہوگیا۔ ورثاء میں ایک بیوی، باپ اور لڑکی ہے تو کیا ملے گا؟

(الجواب)

مسئلہ ۲۴ — عبداللہ

زوجہ	باپ	لڑکی
۳	۹	۱۲

ترکہ کے چوبیس حصے ہوں گے۔ بیوی کو تین حصے، لڑکی کو ۱۲ حصے اور باپ کو نو حصے ملیں گے

عورت اور ماں باپ:

(سوال ۳۶۲) زید مرگیا۔ اس کے ورثاء میں بیوی اور ماں، باپ ہیں تو ہر ایک کو کیا ملے گا؟

(الجواب)

مسئلہ — زید

زوجہ	ماں	باپ
۱	۱	۲
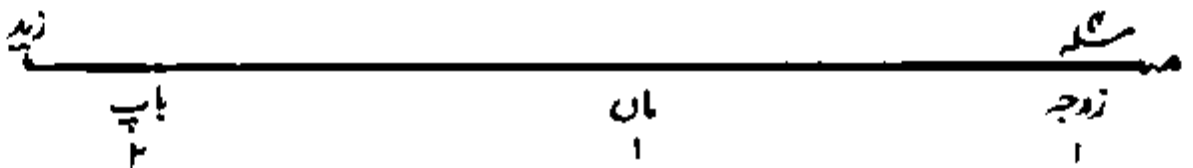
ترکہ کے چار حصے ہوں گے، بیوی کو ایک حصہ، ماں کو ایک حصہ اور باپ کو دو حصے ملیں گے۔ (سراجی)

خاوند، باپ اور لڑکا:

(سوال ۳۶۳) جمیلہ وفات پاگئی، ورثاء میں خاوند، باپ اور لڑکا ہے تو ہر ایک کو کیا ملے گا؟

(الجواب)

مسئلہ ۱۲　　جمیلہ

خاوند	باپ	لڑکا
۳	۲	۷

حقوق متقدمہ کی ادائیگی کے بعد ترکہ کے بارہ حصے ہوں گے شوہر کو تین حصے، باپ کو دو حصے (سدس) اور لڑکے کو سات حصے ملیں گے۔ فقط۔

شوہر باپ اور ایک لڑکی:

(سوال ۳۶۴) حمیدہ کے ورثاء میں شوہر اور ایک لڑکی اور باپ ہے تو ہر ایک کو کیا ملے گا؟

(الجواب)

مسئلہ ۱۲　　حمیدہ

خاوند	باپ	لڑکی
۳	۳	۶

حقوق لازمہ ادا کرنے کے بعد مال کے بارہ حصے ہوں گے۔ شوہر کو تین حصے (ربع) لڑکی کو چھ حصے (نصف) اور باپ کو تین حصے ملیں گے۔ فقط۔

ورثاء میں بیوی، لڑکی اور ایک بھائی ہے:

(سوال ۳۶۵) مرحوم کے ورثاء میں ایک بیوی اور ایک لڑکی اور ایک بھائی ہیں۔ تو میراث کس طرح تقسیم ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) شرعی حقوق اداء کرنے کے بعد مال کے آٹھ (۸) حصے ہوں گے۔ ایک حصہ بیوی کو اور چار حصے لڑکی کو اور بقیہ تین حصے بھائی کو ملیں گے۔

مسئلہ ۸

زوجہ	بنت	اخ
۱	۴	۳

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ورثاء میں بیوی اور دادی کا بھتیجا ہے:

(سوال ۳۶۶) ایک آدمی مرگیا۔ ورثاء میں بیوی اور دادی کا بھتیجا ہے۔ یعنی باپ کے ماموں کا لڑکا حیات ہے۔ دوسرا کوئی وارث نہیں تو ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں ترکہ کے چار حصے ہوں گے۔ بیوی کو ایک حصہ اور بقیہ تین حصے مرحوم کی دادی کے بھتیجے کو یعنی باپ کے ماموں زاد بھائی کو ملیں گے۔ یہ لڑکا ذوی الارحام میں شامل ہے۔ ثم جزء جدیہ الخ (در مختار مع الشامی ص ۷۹۶ ج۵ کتاب الفرائض) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

خاوند اور باپ:

(سوال ۳۶۷) جمیلہ مرگئی۔ ورثاء میں باپ اور خاوند ہے۔ مال کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب)

مسئلہ ۲	جمیلہ
خاوند	باپ
۱	۱

ترکہ کے دو حصے ہوں گے شوہر کو ایک حصہ اور باپ کو ایک حصہ ملے گا (سراجی) فقط۔

عدت طلاق سے پہلے شوہر مر جائے تو حق میراث ملے گا یا نہیں:

(سوال ۳۶۸) ایک بیمار نے عورت کو غصہ میں طلاق دی اور عدت طلاق گزرنے سے پہلے مرگیا اس کے مال میں عورت وارث ہے یا نہیں؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں طلاق ہوگئی اور عدت میں وفات ہونے کی صورت میں میراث کی حق دار ہے عدت ختم ہوگئی تو حق دار نہ ہوگی محروم ہوگی۔ فقط۔

بیوی، لڑکا، تین لڑکی، باپ، بھائی اور بہن:

(سوال ۳۶۹) ایک آدمی مرگیا۔ ورثاء میں بیوی، لڑکا، تین لڑکی، باپ، بھائی، بہن اور ایک غیر حقیقی ماں اور اس کا لڑکا، لڑکی بھی ہے تو مرحوم کے ترکہ میں سے ہر ایک کو کیا ملے گا۔

(الجواب)

مسئلہ ۲۴ ـ ۱۲۰ مرحوم

زوجہ	لڑکا	۳ لڑکیاں	باپ	بھائی	بہن	ماں (غیر حقیقی)	لڑکا	لڑکی (غیر حقیقی)
۳/۱۵	۳۴	۱۷	۴/۲۰	م	م	م		م
		۱۷						
		۱۷/۵۱						

صورت مسئولہ میں حقوق واجبہ ادا کرنے کے بعد ترکہ کے ایک سو بیس حصے ہوں گے ان میں سے پندرہ حصے عورت کو باپ کو بیس حصے لڑکے کو چونتیس حصے اور ہر ایک لڑکی کو سترہ سترہ حصے ملیں گے حقیقی اور غیر حقیقی بھائی بہن اور سوتیلی ماں کو کچھ نہ ملے گا (سراجی) فقط۔

دو بیوی، ایک لڑکی:

(سوال ۳۷۰) زید کے ورثاء میں دو بیوی اور ایک لڑکی اس کی زوجہ متوفیہ سے حیات ہے تو ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے۔

(الجواب)

مسئلہ ۱۶		زید
زوجہ	زوجہ	لڑکی
۱	۱	۱۴

حقوق ضروریہ کے ادا کرنے کے بعد ترکہ کے کل سولہ ۱۶ حصے ہوں گے ان میں سے ہر ایک بیوی کو ایک ایک حصہ اور بقیہ چودہ حصے لڑکی کو ملیں گی۔ فقط۔

حاملہ بیوی، ماں اور دو بہن:

(سوال ۳۷۱) ایک آدمی مرگیا۔ ورثاء میں ماں اور دو بہن اور عورت حاملہ ہے تو ترکہ کی تقسیم کس طرح ہوگی؟
(الجواب) جب عورت حاملہ ہے تو تولد تک ٹھہرے بعد تولد تقسیم کیا جائے تو بہتر ہے۔ اگر ورثاء راضی نہ ہوتے ہوں ابھی تقسیم چاہتے ہوں تو حمل کو لڑکا مان کر ترکہ تقسیم کیا جائے یعنی حقوق ضروریہ ادا کرنے کے بعد مال کے چوبیس حصے ہوں گے ان میں سے عورت کو تین حصے اور ماں کو چار حصے ملیں گے اور بقیہ سترہ حصے امانت رہیں گے دونوں بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا اب اگر لڑکا پیدا ہوا تو بقیہ سترہ حصوں کا مالک وہ ہوگا اور اگر لڑکی پیدا ہو تو بقیہ سترہ میں سے اس کو بارہ حصے اور باقی پانچ حصے دونوں بہنوں کو مشترک ملیں گے اور اگر خدانخواستہ بچہ مردہ پیدا ہوا تو مال کے تیرہ حصے ہوں گی ان میں سے عورت کو تین حصے اور ماں کو دو حصے اور ہر ایک بہن کو چار چار حصے ملیں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ماں، بیٹی حادثہ میں یکساں مرجائے تو باہم وارث ہیں یا نہیں

(سوال ۳۷۲) ماں، بیٹی، ہوائی جہاز میں تھیں وہ جہاز ٹوٹ پڑا تو دونوں ہلاک ہوگئیں۔ دونوں مالدار ہیں تو ترکہ کی تقسیم کے وقت دونوں باہم ایک دوسرے کے وارث ہیں یا نہیں؟
(الجواب) ماں بیٹی اس طرح مرگئیں کہ ان کی موت کا علم نہ ہو کہ پہلے کون مرا تو دونوں ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے۔ ان کو خارج کرکے مال تقسیم کیا جائے، مثال کے طور پر لڑکی کے ورثاء میں زوج، باپ بیٹا ہو تو مال کے بارہ ۱۲ حصے ہوں گے شوہر کو تین حصے اور باپ کو دو حصے اور بیٹے کو بقیہ سات ۷ حصے ملیں گے ماں وارث نہیں رہے گی اسی طرح ماں کے ورثاء میں زوج، لڑکا ہو تو ترکہ کے چار ۴ حصے کرکے زوجہ کو ایک حصہ اور لڑکے کو تین حصے ملیں گے لڑکی وارث نہیں (سراجی)

دادا کے ترکہ سے پوتے کی محرومی اور قانون شریعت میں ترمیم کا مسئلہ:

(سوال ۳۷۳) قرآن حکیم میں اگرچہ فرمایا گیا ہے آباء کم و ابناء کم لا تدرون ایھم اقرب لکم نفعاً . بایں ہمہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دادا کے ترکہ سے یتیم پوتوں کا محروم رہنا بہت ہی عجیب سی بات ہے، رحمت ورافت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ یتیم کو ضرور دیا جائے، قرآن حکیم نے اگرچہ صراحۃً نفی نہیں کی مگر جو اصل مقرر فرمائے ہیں ان کی بناء پر یتیم پوتے لامحالہ محروم ہوجاتے ہیں۔ سنا ہے مصر میں یہ قانون بنایا گیا ہے کہ دادا پر لازم کردیا جاتا ہے کہ وہ یتیم پوتوں کے

لئے وصیت کردے اگر وہ وصیت کئے بغیر وفات پا جاتا ہے تو قاضی اس طرح تقسیم کرتا ہے کہ یتیم بچے محروم نہ رہیں۔ اپنے باپ کا حصہ حاصل کریں، مصر کی مثال پیش کرتے ہوئے یہاں بھی کچھ ممبران پارلیمنٹ کا اصرار ہے کہ پرسنل لاء میں ترمیم کی جائے اور اس طرح کا قانون بنالیا جائے۔اب سوال یہ ہے۔

(۱) کیا یتیم بچوں کے متعلق لوگوں کا یہ احساس صحیح ہے، اگر صحیح نہیں ہے تو کیوں؟

(۲) کیا مناسب ہے کہ مصر کی طرح یہاں بھی قانون میں ترمیم کرائی جائے؟

(الجواب) یہ احساس صحیح نہیں۔ناواقفیت یا بے اعتنائی اور بے توجہی کا نتیجہ ہے اور نہ صرف تعلیم اسلام اور قرآن پاک کے ارشادات سے ناواقفیت ہے۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ سائل نفاذ قانون کے لازمی اثرات اور قدرتی تقاضے سے بھی واقف نہیں ہے یا پرسنل لا میں ترمیم کے شوق نے اس کو ناواقف بنادیا ہے۔

نفاذ قانون بلکہ حق یہ ہے کہ عدل و انصاف اور حق وصداقت پر عمل کرنے میں بھی بسا اوقات ایسی صورتیں پیش آتی ہیں جونہایت تلخ اور ناگوار ہوتی ہیں اور ان کے خلاف بہت سخت قسم کا احساس ہوتا ہے، اس قاتل سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جس نے کسی بے قصور نیک اور صالح نوجوان کو کسی تعصب کی بنا پر قتل کردیا ہو۔لیکن جب اس قاتل کو پھانسی پر چڑھایا جاتا ہے تو خود اس کی حالت کس قدر رقت انگیز ہوتی ہے۔ پھر اس قاتل کا قصور کیا تھا۔اس کی بیوی اور بچوں اور ماں باپ نے کیا قصور کیا تھا کہ بیوی کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کیا جارہا ہے ماں اور باپ کو تڑپایا جارہا ہے اور اگر بدقسمتی سے یہ قاتل فیصلہ لکھنے والے جج کا حقیقی بھائی یا بیٹا ہو تو غور فرمائیے احساس کس قدر قلق انگیز ہوگا اسی قسم کے نفسیات کا لحاظ کرتے ہوئے کلام اللہ میں جہاں حکم ہوا ہے یا ایھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین ساتھ ساتھ یہ بھی ہے ان یکن غنیاً او فقیراً فاللہ اولی بھما (سورہ نساء ۲۰) یہ آیت قرآنی شہادت اور گواہی کے بارے میں ہے۔یہی شان نفاذ قانون کی ہوتی ہے۔اسی لئے مشہور مقولہ ہے کہ ''قانون اندھا بہرا ہوتا ہے۔''

فرائض کے سلسلہ میں بھی ایسی صورتیں پیش آتی ہیں جو نفسیات کے خلاف ہوتی ہیں جیسا کہ معاملہ مسئولہ میں قرآن حکیم نے ایسی ہی صورتوں کی پیش بندی کے لئے جیسے یہ حکم فرمایا للذکر مثل حظ الانثیین . الی قولہ یوصی بھا او دین تو اثناء کلام میں (کہ ابھی جملہ فرائض کا بیان بھی نہیں ہوتا) ارشاد ہوگیا آباء کم و ابناء کم لا تدرون ایھم اقرب لکم نفعا .فریضۃ من اللہ ان اللہ کان علیما حکیما . تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کہ نفع رسانی کے لحاظ سے کون سا رشتہ تم سے زیادہ قریب ہے (اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ ہی اس کا فیصلہ کرسکتی ہے) اللہ تعالیٰ نے یہ حصے ٹھیرا دئیے ہیں اور وہ (اپنے بندوں کی مصلحت کا) جاننے والا ہے (اپنے تمام احکام میں) حکمت رکھنے والا ہے۔ بہر حال اس طرح کا احساس اور اس قسم کے نفسیات صحیح نہیں ہیں۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ قانون جس کے نفاذ کے وقت اس طرح کے رقت انگیز جذبات بیدار ہوں اس کی بنا ،عدل و انصاف پر ہے یا نہیں۔

اس عام عقیدہ کے علاوہ کہ اللہ تعالیٰ کا ہر ایک حکم مبنی بر عدل و انصاف ہے۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ قریب کا تعلق بعید کے مقابلہ میں زیادہ ہوتا ہے۔ شاخ کا حق پہلے ہے، شاخ در شاخ کا بعد میں۔ کیا یہ اصول عدل و انصاف کے خلاف ہے یا عین عدل و انصاف ہے؟ اگر یہ اصول نہ مانا جائے تو دادا کے ترکہ میں تمام ہی پوتوں کا حصہ ہونا چاہئے

اور اگر یہ اصول صحیح ہے تو اس اصول پر عمل کرتے ہوئے اگر کوئی صورت انسانی نفسیات کے خلاف ہو تو ان نفسیات کو نظر انداز کیا جائے گا، اصول کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ پھر یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ ہماری نظر صرف ظاہر پر ہوتی ہے مگر خدا دانا و خبیر جو قانون اسلام کا مقنن ہے ظاہر کے ساتھ باطن بھی اس کے سامنے ہے۔ یتیمی بے شک ایک مصیبت ہے لیکن یہ مصیبت عنداللہ فضیلت ہے، قانون الٰہی کی تدوین کے وقت وہ فضیلت بھی پیش نظر ہوگی۔ ایک طرف ترکہ ہے دوسری طرف یہ فضیلت دونوں جمع نہیں ہوتے۔ بیٹوں کو مال ملتا ہے اور وہ اس فضیلت سے محروم ہیں۔ پوتوں کو یہ فضیلت دے دی گئی ہے ان کو مال نہیں ملا۔

مصر میں اگر یہ قانون بنایا گیا ہے تو وہ قانون عدل نہیں بلکہ قانون تغلب ہے اس طرح کا قانون اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب جج اور قاضی کو تقسیم کرنے کا حق ہو اور جہاں یہ حق نہ ہو وہاں اس طرح کا قانون سراسر تغلب اور شخصی ملکیت پر دست درازی ہے۔

قرآن حکیم کے مقرر کردہ فرائض قضاء قاضی یعنی کسی جج کے فیصلہ کے محتاج نہیں ہیں بلکہ بلا قضاء قاضی خود بخود لازم ہو جاتے ہیں۔ وارث کا حصہ قاضی کے فیصلہ کی بنا پر نہیں ملتا بلکہ قرآنی فیصلہ ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ جیسے ہی مورث کا انتقال ہوا وارث اپنے حصہ کا مالک ہو گیا صرف قبضہ باقی رہتا ہے جس کے لئے تقسیم عمل میں لائی جاتی ہے بس قاضی یا جج اگر دادا کا قائمقام بھی بنا ہے تو اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ وارثوں کے حصہ میں کمی بیشی کرے کیونکہ یہ مال مرنے والے کا نہیں رہا کہ اس کا قائمقام کسی کے حصہ میں کمی بیشی کر سکے۔ بلکہ یہ مال حصص شرعی کے بموجب ان کا ہو گیا جن کو قرآن نے وارث قرار دیا ہے۔ نص قرآنی کے بموجب اگر وارث کے حصہ کے مبلغ ایک ہزار روپیہ ہوتے ہیں تو جیسے ہی مورث کا انتقال ہوا وہ ایک ہزار وارث کے ہو گئے وہ ان کا مالک ہو گیا۔ اب اگر قاضی صاحب ایک ہزار کے بجائے سات سو دیتے ہیں اور تین سو پوتے کو دلواتے ہیں تو وہ ایک شخص کی شخصی ملکیت میں تصرف کر رہے ہیں جو سراسر تغلب ہے اور کوئی بھی قانون تغلب کی اجازت نہیں دے سکتا۔

(الجواب) (۴) قطعاً مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ نصوص قرآنی اور احکام خداوندی میں ترمیم ہوگی جس کو مسلمان برداشت نہیں کر سکتے اور نہ ان کے لئے جائز ہے کہ وہ برداشت کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

لڑکی اور تین بھائی ایک بہن، دو پوتے اور چار پوتیاں ہیں:

(سوال ۳۷۴) عورت مرگئی ورثاء میں لڑکی، تین بھائی اور ایک بہن اور مرحومہ کے دو پوتے اور چار پوتیاں حیات ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مرحومہ کا لڑکا اس کی زندگی میں وفات پا گیا ہے۔ لہٰذا مرحومہ کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حقوق متقدمہ علی الارث کی ادائیگی کے بعد مرحومہ کے ترکہ کے سولہ (۱۶) حصے ہوں گے۔ جن میں سے لڑکی کو آٹھ حصے اور دونوں پوتوں کو دو ۲ دو ۲ حصے اور چاروں پوتیوں کو ایک ایک حصہ ملے گا۔ مرحومہ کا لڑکا نہیں جس بناء پر اس کی اولاد وارث ہوئی اگر لڑکا ہوتا تو پوتا پوتیاں محروم ہوتیں۔ بھائی بہن محروم ہیں۔ صورت مسئولہ اس طرح ہوگی۔

مسئلہ ۲ ۱۲

بنت	ابن الابن	ابن الابن	بنت الابن	بنت الابن	بنت الابن	بنت الابن	اخ	اخت
۸	۲	۲	۱	۱	۱	۱	۴	۴

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ماں اور دو بہنیں اور عورت حاملہ ہیں:

(سوال ۳۷۵) ایک آدمی مر گیا۔ وارثوں میں عورت۔ ماں اور دو بہنیں ہیں۔ اور عورت حاملہ ہے۔ تو مال کس طرح تقسیم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) بیوی حاملہ ہے تو وضع حمل تک انتظار کیا جائے تو بہتر ہے۔ اگر ورثاء اس بات کو قبول نہ کریں تو حمل کو لڑکا مان کر ترکہ تقسیم کیا جائے۔ یعنی شرعی حقوق ادا کرنے کے بعد مال کے چوبیس (۲۴) حصے کئے جائیں گے۔ عورت کو تین (۳) حصے۔ ماں کو چار ۴ حصے اور بقیہ سترہ ۱۷ حصے بطور امانت رکھے جائیں۔ بہنوں کو کچھ نہ دیا جائے۔ اگر لڑکا پیدا ہوا تو امانت کا وہ حق دار ہے بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ اور اگر لڑکی پیدا ہوئی تو امانت کے سترہ (۱۷) حصوں میں سے بارہ حصے لڑکی کو ملیں گے۔ اور بقیہ پانچ حصوں کی دو بہنیں حق دار ہوں گی۔ اگر خدانخواستہ بچہ مردہ پیدا ہو تو مال کے تیرہ حصے ہوں گے۔ دو ۲ حصے ماں کو، تین حصے بیوی کو اور چار چار حصے دونوں بہنوں کو ملیں گے۔ (سراجی)

مسئلہ کی صورت یہ ہوگی

(۱) مسئلہ ۲۴ — جبکہ لڑکا پیدا ہو

زوجہ	ام	ابن	اختان
۳	۴	۱۷	م

(۲) مسئلہ ۲۴ — جبکہ لڑکی پیدا ہو

زوجہ	ام	بنت	اختان
۳	۴	۱۲	۵

(۳) مسئلہ ۱۳ — جبکہ بچہ مردہ پیدا ہو

زوجہ	ام	اختان
۳	۲	۸ فی ۴

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دو بیویاں اور سوکن کی لڑکی میں ترکہ کی تقسیم:

(سوال ۳۷۶) زید مر گیا ورثاء میں دو بیویاں ایک لڑکی (جو ان دونوں بیویوں کی سوکن کی لڑکی ہے) اور ان دونوں کی کوئی اولاد نہیں ہے تو ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ضروری حقوق ادا کرنے کے بعد مال کے سولہ (۱۶) حصے ہوں گے۔ دونوں بیویوں کو ایک ایک حصہ اور

بقیہ چودہ حصے لڑکی کو ملیں گے۔سراجی)
صورت مسئلہ یہ ہوگی۔

المسئلہ ۱۶

زوجہ	زوجہ	بنت
۱	۱	۱۴

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیوی، اور بھائی بہن، اور مرحومہ بہن کی اولاد میں میراث کی تقسیم:

(سوال ۳۷۷) ایک شخص مر گیا۔اس کے بعد عورت مر گئی۔ایک بھائی اور بہن حیات ہیں۔اور ایک بہن مرحوم کی حیات میں وفات پا گئی۔جس کی اولاد ہیں۔تو ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) شرعی حقوق کی ادائیگی کے بعد مرحوم کے مال کے چار حصے ہوں گے۔عورت کو ایک حصہ ملے گا (عورت مر گئی ہے تو اس کے ورثاء حق دار ہیں) بقیہ تین حصوں میں سے بھائی کو دو حصے اور ایک حصہ بہن کو ملے گا۔مرحومہ بہن کی اولاد محروم رہے گی۔(سراجی)

المسئلہ ۴

زوجہ	اخ	اخت
۱	۲	۱

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زوجہ، تین لڑکیاں، اور علاتی بھائی میں میراث کی تقسیم:

(سوال ۳۷۸) حاجی احمد مر گئے ورثاء میں بیوی، تین لڑکیاں اور ایک علاتی بھائی ہے۔حقیقی بھائی پانچ برس ہوئے پاکستان گیا ہے۔لیکن لاپتہ ہے زندہ ہے یا مر گیا ہے۔کوئی خبر نہیں تو مرحوم کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں حقوق متقدمہ علی الارث کی ادائیگی کے بعد مرحوم کے مال کے بہتر ۷۲ حصے ہوں گے۔بیوی کو نو (۹) حصے اور ہر ایک لڑکی کو سولہ۔سولہ (۱۶۔۱۶) حصے اور بقیہ پندرہ (۱۵) حصے لاپتہ بھائی کی بطور امانت جمع رکھیں اگر آ جائے تو دے دیئے جائیں۔اور اگر پختہ یقین ہو جائے کہ مرحوم حاجی احمد کے مرنے سے پہلے مر گیا تھا تو یہ پندرہ (۱۵) حصے علاتی بھائی کو ملیں گے اور اگر ثابت ہو جائے کہ حاجی احمد کے بعد مر گیا ہے تو یہ امانت اس کے وارثوں کو ملے گی۔اور اگر کچھ پتہ نہ چلا تو اس کی عمر نوے ۹۰ برس کی ہو۔اس وقت مردہ سمجھیں گے اور اس کا حصہ علاتی بھائی کو اگر وہ زندہ نہ ہو تو اس کے ورثاء کو ملے گا۔صورت مسئلہ یہ ہوگی۔

المسئلہ ۴۸ مـــــــ ۷۲　　مرحوم حاجی احمد　　جبکہ لاپتہ بھائی آجائے

زوجہ	بنت	بنت	بنت	اخ حقیقی
۹	۱۶	۱۶	۱۶	۱۵

المسئلہ ۴۸ ۷۲　　مرحوم حاجی احمد　　جبکہ یقین ہوجائے کہ مرحوم کی وفات سے پہلے اخ حقیقی مر گیا ہے

زوجہ	بنت	بنت	بنت	اخ علاتی
۹	۱۶	۱۶	۱۶	۱۵

فقط واللہ اعلم بالصواب

باپ کی زندگی میں اولاد کو میراث طلب کرنے کا حق نہیں ہے:

(سوال ۳۷۹) بعد آداب و تسلیم عرض اینکہ میرے پاس تھوڑی زمین ہے اور میری اولاد موجود ہے اور اب بوڑھا۔ میں کمزور ہو چکا ہوں اور ظاہری اسباب کوئی نہیں ہیں۔ اور مقروض بھی ہوں اور اس کی ادائیگی کی صورت سوائے زمین فروخت کرنے کے کوئی نہیں ہے۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ میری اولاد میرے ہوتے ہوئے زمین کی حق دار بن سکتی ہے۔ اگر میں بیچوں تو کیا اولاد کا کوئی حق ضائع ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اپنے مال کے آپ خود مالک و مختار ہیں۔ جو چاہوں کر سکتے ہو۔ اولاد مانع نہیں ہو سکتی ہے۔ لیکن وارثوں کو بلاوجہ محروم کرنے، یا نقصان پہنچانے کی غرض سے فروخت کرنے اور خیرات کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو آنحضرت ﷺ عیادت کے لئے تشریف لائے۔ حضرت سعدؓ نے عرض کیا کہ میرے پاس بہت مال ہے اور بیٹی کے سوا کوئی وارث نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے سب مال کی اللہ کے راستے میں صرف کرنے کی) وصیت کر جاؤں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا دو تہائی مال کی وصیت کروں؟ فرمایا نہیں! میں نے عرض کیا۔ نصف مال کی؟ فرمایا نہیں! تب میں نے کہا۔ تہائی مال کی؟ تو آپ (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) نے فرمایا۔ خیر تہائی مال کی کر سکتے ہو اور یہ بھی زیادہ ہے۔ تمہارا اپنے وارثوں کو آسودہ چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو محتاج چھوڑ جاؤ اور وہ لوگوں کو آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ **(مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۵ باب الوصایا)**

عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال مرضت عام الفتح مرضاً (شفیت علی الموت) فاتانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعودنی فقلت یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان لی مالا کثیراً ولیس من یرثنی الا ابنتی افاوصی بما لی کلہ قال لا قلت فثلثی مالی قال لا قلت فالشطر قال لا قلت فالثلث قال الثلث والثلث کثیر انک ان تذور ورثتک اغنیاء خیر من ان تذرھم عالۃ یتکففون الناس الخ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۵ باب الوصایا)

البتہ قرض سے سبکدوش ہونے کے لئے جتنا مال فروخت کرنے کی ضرورت ہے بلا تامل فروخت کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے نہ اولاد مانع ہو سکتی ہے اور نہ شریعت۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

دو بیوہ، ایک لڑکا، اور چھ لڑکیوں میں تقسیم میراث:

(سوال ۳۸۰) ایک آدمی مرگیا۔ اس کی دو۲ بیویاں ایک لڑکا اور چھ ۶ لڑکیاں ہیں۔ مال کی تقسیم نقد رقم کے حساب سے کس طرح ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) روپے میں دو۲ آنے (آٹھواں حصہ) دونوں بیویوں کو (ہر ایک کو ایک ایک آنہ) ملے گا۔ بقیہ چودہ آنے کے آٹھ حصے ہوں گے دو۲ حصے (ساڑھے تین آنے) ایک لڑکے کو اور ہر ایک لڑکی کو ایک ایک حصہ (پونے دو آنے) ملیں گی۔ (سراجی) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

بیوی۔ لڑکا۔ اور دو لڑکیوں میں ترکہ تقسیم:

(سوال ۳۸۱) زید کے پاس زمین مکانات وغیرہا رقم نقدی ہے۔ ورثاء میں بیوی اور ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہیں۔ زید کی حیات میں اس کی بیوی اور اولاد کو کس قدر حصہ ملے گا؟ اور زید کو کس قدر ملے گا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فی الحال تو زید اپنی جائیداد کا خود مختار و مالک ہے۔ جب تک وہ زندہ ہے کوئی وارث اپنا حصہ (جو زید کی وفات کے بعد ملنے والا ہو) جبراً نہیں لے سکتا۔ ہاں اگر زید خود دینا چاہے تو اپنی ضرورت کے مطابق الگ کرکے باقی جائیداد کی تقسیم اس طرح کر دے۔ بیوی کو آٹھواں حصہ (روپے میں دو آنے) لڑکے کو چار آنے آٹھ پائی اور اسی طرح ہر ایک لڑکی کو چار آنے آٹھ پائی دی جائے۔ کیونکہ زندگی میں یہ تقسیم عطیہ اور بخشش ہے۔ اور بخشش میں لڑکے لڑکیاں برابر کے حق دار مانے جاتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ورثاء میں ایک نواسہ اور چار نواسیاں ہیں۔ ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا:

(سوال ۳۸۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں، ہندہ نے اپنے پیچھے ایک نواسہ اور چار نواسیاں چھوڑیں، ان وارثوں میں ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں حقوق متقدمہ علی الارث (تجہیز و تکفین قرض وغیرہ) کی ادائے گی کے بعد مرحومہ ہندہ کے ترکہ کے چھ حصے ہوں گے، دو حصے نواسے کو اور ایک ایک حصہ ہر نواسی کو ملے گا للذکر مثل حظ الا نثیین کے اصول پر، فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ وان استووا فی القرب ولیس فیھم ولد الوارث فالمال یقسم بینھم علی السواء ان کانوا ذکوراً کلھم او اناثاً کلھن فان کانوا مختلطین فللذکر مثل حظ الا نثیین وھذا بلا خلاف ان اتفقت صفة الا صول ای الا ٓباء والا مھات فی الذکورة والا نوثة (فتاویٰ عالمگیری ج۷ ص ۲۹۶ الباب السابع فی ذوی الا رحام) شامی میں ہے فان اتفقت (ای صفة الاصول فی الذکور ة والا نوثة) فالقسمة علی ابدان الفروع اتفاقاً بالسویة ان کانوا ذکوراً فقط او انا ثاً فقط کان بنت ابن مع مثله ای مع ابن بنت ابن آخر وکبنت بنت بنت مع مثلھا وللذکر کالا نثیین ان کانوا مختلطین کابن بنت وبنت بنت (شامی ج۵ ص ۲۹۳ ص ۲۹۴ کتاب الفرائض) (مفید الوارثین ص ۱۵۵) فقط واللہ اعلم بالصواب.

ورثاء میں بھتیجا بھتیجی اور اخیافی بہنوں کی اولاد ہیں:

(سوال ۳۸۳) ایک شخص کی وفات ہوچکی ہے جن کا نام عبدالغنی ہے، ان کی زوجہ، اولاد، والدین اور بھائی بہن میں سے کوئی نہیں ہے، صرف ایک بھتیجہ محمد حنیف اور ایک بھتیجی رابعہ بی بی ہے اور مرحوم کی دو اخیافی بہنوں کی اولاد ہیں ایک بہن جن کا نام حلیمہ ہے اس کے تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، دوسری بہن جس کا نام عائشہ ہے اس کے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے، دونوں اخیافی بہنوں کا انتقال مرحوم کی زندگی میں ہو چکا ہے، ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔ رہنمائی فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں مرحوم عبدالغنی کا بھتیجہ محمد حنیف عصبہ ہے، بھتیجی اور اخیافی بہنوں کی اولاد ذوی الارحام میں سے ہیں، اس لئے پورا ترکہ محمد حنیف کو ملے گا، بھتیجی اور اخیافی بہنوں کے اولاد مرحوم ہیں (مفید الوارثین ص ۱۶۷) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مفقود بیٹا وارث ہے یا نہیں:

(سوال ۳۸۴) جناب قاسم صاحب کا انتقال ہوگیا ان کے وارثوں میں صرف ان کی ایک بیوی ایک لڑکا اور ایک لڑکی مسماۃ خدیجہ ہے ان کے علاوہ اور کوئی وارث ذوی الفروض یا عصبات میں سے موجود نہیں ہے، لڑکا اپنے والد کا نافرمان تھا اس وجہ سے وہ کہتے تھے کہ میرے ترکہ میں سے اس کو کچھ نہ دیا جائے، مزید برآں وہ لڑکا اپنے والد کی زندگی میں کہیں چلا گیا تھا، آج تک اس کا کچھ پتہ نہیں ہے، تو مرحوم کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ خدیجہ اپنے مفقود بھائی کو کچھ دینے یا اس کا حصہ بطریقۂ امانت رکھنے کے لئے تیار نہیں ہے، جواب عنایت فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں مرحوم قاسم صاحب کی کل مال وملکیت کے حقوق متقدمہ علی الارث (تجہیز وتکفین قرض وغیرہ) کی ادائیگی کے بعد چوبیس/۲۴ حصے ہوں گے ان میں ان کی بیوی کو تین حصے (مال کا آٹھواں حصہ) لڑکے کو چودہ حصے اور لڑکی خدیجہ کو سات حصے ملیں گے، لڑکا اگرچہ نافرمان تھا اور باپ نے لڑکے کو حق وارثت سے محروم کرنے کا ارادہ بھی کرلیا تھا، تاہم وہ حق وراثت سے محروم نہ ہوگا، وہ اپنا حصہ پائے گا، وہ لڑکا اس وقت مفقود (لاپتہ) ہے تو اس کا حصہ کسی معتبر اور امانت دار کے پاس رکھ دیا جائے اگر آجائے تو اس کو سپرد کردیا جائے اور اگر صحیح طور پر ثابت ہوجائے کہ مرحوم قاسم کے مرنے سے پہلے وہ انتقال کر گیا تھا یا اس کی عمر ۹۰ برس ہو اس وقت تک واپس نہ آئے تو یہ چودہ حصے بہن خدیجہ کو ملیں گے اگر خدیجہ اس وقت زندہ نہ ہو تو اس کے ورثہ حق دار ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(نوٹ): مفقود بھائی کا حصہ بطور امانت رکھنا ضروری ہے، بہن کی ناراضگی کو اس میں دخل نہیں ہوسکتا۔

(۱) مفقود کو کسی سے ترکہ ملے اس کا کیا حکم ہے؟ (۲) مفقود کے ذاتی مال کا کیا حکم ہے؟:

(سوال ۳۸۵) ایک عورت کا انتقال ہوگیا ہے اس کی کوئی اولاد نہیں ہے، شوہر کا انتقال اس کی زندگی میں ہوگیا، والدین میں سے بھی کوئی نہیں صرف اس کے چار بھائی ہیں اور ان میں سے ایک بھائی لا پتہ ہے، تو مرحومہ کا ترکہ پورا جو بھائی موجود ہیں ان میں تقسیم کیا جائے یا لا پتہ بھائی کا بھی اس میں حق ہے؟ اگر اس کا حق لگتا ہو تو جو اس کے حصہ میں آئے اس کا کیا کیا جائے؟ کیا اس کے وارثوں کو دے دیں؟

نیز یہ بھی دریافت طلب ہے کہ جو بھائی لا پتہ ہے اس کا اپنا ذاتی مال وملکیت ہے کیا اس کی ملکیت اس کے وارثوں میں تقسیم کردی جائے؟ اس کا ایک لڑکا ایک لڑکی اور ایک بیوی ہے، مدلل ومفصل واضح جواب عنایت فرمائیں، بینواتوجروا۔

(الجواب) اس مرحومہ عورت کے صرف چار بھائی ہی ہوں ان کے علاوہ اور کوئی نہ ہو تو مرحومہ کے ترکہ کے چار حصے ہوں گے، اور ہر بھائی کو ایک ایک حصہ ملے گا۔

مرحومہ کا ایک بھائی مفقود (لا پتہ) ہے اس کے متعلق شرعی حکم یہ ہے کہ اس کو اس وقت تک زندہ مانا جائے گا جب تک اس کے ہم عمر زندہ ہیں، جب اس کے ہم عمر مر جائیں تب اس کو متوفی اور مردہ سمجھا جائے گا، اور نوے ۹۰ سال کی عمر ایسی مانی گئی ہے کہ اس کے ہم عمر عموماً اتنی مدت میں انتقال کر جاتے ہیں (ہاں بعض صورتوں میں جیسے کہ جنگ میں گم ہوگیا ہو یا ٹی بی یا کینسر وغیرہ مرض مہلک میں غائب ہوگیا ہو یا دریا میں کام کرتے ہوئے لا پتہ ہوگیا ہو اور شرعی قاضی کو یا اس کے قائم مقام شرعی پنچائت کو اس کی موت کا غالب گمان ہوجائے تو وہ موت کا حکم دے سکتا ہے، یا شہادت شرعیہ سے اس کی موت کا ثبوت ہوجائے تو اس کو مردہ تسلیم کیا جائے گا۔)

مفقود کا اپنا ذاتی مال وجائیداد ہے اس کو محفوظ رکھا جاتا ہے، جب اس کی موت کا حکم لگایا جائے گا، اس وقت اس کے جو وارث زندہ ہوں گے ان میں وہ مال شرعی طور پر تقسیم کیا جائے گا اس کی موت کے حکم سے پہلے جن کا انتقال ہوگیا وہ محروم ہوں گے، یہ تو خود اس کی ذاتی مال کا حکم ہے۔

اور دوسروں سے اس کو جو مال بطور وراثت ملتا ہے وہ بطور امانت محفوظ رکھا جائے، اگر وہ آ جائے تو وہ مال اس کو سپرد کر دیا جائے، اور اگر واپس نہ آئے تو جب مندرجہ بالا اصول کے مطابق اس کی موت کا حکم لگایا جائے اس وقت وہ مال جو بطور امانت محفوظ رکھا تھا جس مورث سے اس کو وہ مال ملا تھا وہ مال اسی مورث کے وارثوں میں تقسیم کیا جائے (مفقود کے وارثوں میں تقسیم نہ کیا جائے) لیکن اس وقت کے وارثوں کا اعتبار نہیں بلکہ ان وارثوں پر لوٹایا جائے جو مورث کے انتقال کے وقت موجود تھے، ان وارثوں میں جو زندہ ہوں گے وہ خود اس مال کو لیں گے اور جو انتقال کر گئے ہوں وہ حصہ ان کے وارثوں میں تقسیم ہوگا (سراجی ومفید الوارثین وغیرہ)

صورت مسئولہ میں مفقود کو اپنی بہن سے جو ایک حصہ ملا ہے وہ کسی امانت دار کے پاس محفوظ رکھا جائے اگر وہ آ جائے تو اس کو وہ حصہ دے دیا جائے اور اگر نہ آئے تو جس وقت اس کی موت کا حکم لگایا جائے یہ ایک حصہ اس کی مرحومہ بہن کے جو تین بھائی اس کے انتقال کے وقت زندہ تھے، ان میں مساوی طور پر تقسیم کر دیا جائے، اگر ان میں

سے کسی بھائی کا انتقال ہو جائے تو اس کے حصہ میں جو مال آتا ہے وہ اس کے وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے۔
اور جو مفقود کا ذاتی مال ہے اس کو بھی محفوظ رکھا جائے، وارثوں میں تقسیم نہ کیا جائے، جب اس کی موت کا حکم لگایا جائے اس وقت اگر یہ وارث یعنی بیوی، لڑکا، لڑکی زندہ ہوں تو مفقود کے ترکہ کے چوبیس ۲۴ سہام ہوں گے، آٹھ سہام بیوی کو۔ چودہ ۱۴ سہام لڑکے کو، سات ۷ سہام لڑکی کو ملیں گے، اور اگر ان میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو جو زندہ ہوں گے ان میں مفقود کا ترکہ تقسیم ہوگا، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وارثوں کو محروم کرنے کا گناہ:

(سوال ۳۸۶) میرے پاس الحمدللہ کچھ جائیداد اور سونا اور نقد روپے ہیں میری تین لڑکیاں ہیں بیوی کا انتقال ہو گیا ہے تین بھائی ہیں، مگر ان میں سے کوئی کام کا نہیں میرا ارادہ ہے کہ میں اپنے لئے بقدر گذران رکھ کر بقیہ اپنی تین لڑکیوں کو بخشش کر دوں تا کہ بعد میں بھائیوں کو کچھ نہ ملے یا کم ملے تو اس طرح کر سکتا ہوں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (از بمبئی)

(الجواب) دوسرے وارثوں کو محروم کرنے کی نیت سے اپنی ملکیت صرف لڑکیوں کو بخشش کرنا غلط اور موجب گناہ ہے، حدیث میں ہے کہ بعض لوگ تمام عمر خدا کی فرمانبرداری میں گذارتے ہیں لیکن موت کے وقت وارثوں کو محروم کر جاتے ہیں، ایسے لوگوں کو حق تعالیٰ دوزخ میں ڈال دے گا۔ مشکوٰۃ شریف میں روایت ہے **عن ابی هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان الرجل ليعمل والمرأة بطاعة الله ستين سنة ثم يحضر هما الموت فيضا ر ان في الوصية فتجب لهما النار ثم قرأ ابو هريرة من بعد وصية يو صى بها او دين غير مضار الى قوله تعالىٰ وذلك الفوز العظيم (مشكوٰة شريف ج ا ص ۲۶۵ باب الوصايا)** (حاشیہ میں ہے **قوله فيضآران . من المضارة اى يوصلان الضرر الى الوارث بسبب الوصية للاجنبي با كثر الثلث او بان يهب جميع ماله فالواحد من الورثة كيلا يرث وارث آخر من ماله شيئا فهذا مكروه وفرار عن حكم الله تعالىٰ ۱۲ مرقات)** (التعليق الصبيح ج۳ ص ۴۹۸)

دوسری حدیث میں ہے۔ جو شخص اپنے وارث کو میراث سے محروم کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت سے محروم کر دے گا، مشکوٰۃ شریف میں **عن انس رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيٰمة (مشكوٰة شريف ج ا ص ۲۶۶)**

لہذا بہتر یہی ہے کہ آپ اپنی ملکیت اپنے پاس رکھیں، آپ کے انتقال کے بعد لڑکیوں کو بطور میراث ثلثان (دو حصے) مل جائیں گے اور ایک حصہ دوسرے وارثوں (بھائیوں) کو ملے گا وہ بھی حق دار ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو حق دار بنایا ہے اس لئے دل تنگ نہ کیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ورثاء میں پانچ لڑکے دولڑکیاں شوہر اور ایک بہن ہے (۲) وصیت کے بغیر نماز روزہ کا فدیہ نکالنا (۳) ایک مسکین کو متعدد فدیہ دینا، یا ایک فدیہ متعدد مساکین کو دینا:۔

(سوال ۳۸۷) ہماری والدہ کا انتقال ہوگیا، ان کے ورثاء حسب ذیل ہیں پانچ لڑکے، دولڑکیاں، شوہر اور ایک حقیقی بہن، ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا، نیز۔

(۱) ایک شخص کے پاس مرحومہ کے بیس بائیس ہزار روپے جمع ہیں، کیا اس رقم سے مرحومہ کی طرف سے حج بدل کرا سکتے ہیں؟ مرحومہ کی حج کی بہت تمنا تھی۔

(۲) بیماری کی وجہ سے تقریباً ۴ ماہ کی نماز فوت ہوئی ہے اور اسی طرح ایک ماہ کے روزے فوت ہوئے تو نماز روزوں کا فدیہ نکال سکتے ہیں؟ ایک نماز اور ایک روزے کا فدیہ کتنا ہے؟ مرحومہ نے فدیہ کی وصیت نہیں کی ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) مرحوم کے کل ترکہ کے ۲۸ حصے ہوں گے، اس میں سے شوہر کو ۱۲ حصے (چوتھا حصہ) اور ہر لڑکے کو ۲۔۶ حصے اور ہر حصے اور ہر لڑکی کو ۳۔۳ حصے ملیں گے بہن محروم ہے۔

اگر تمام ورثاء بالغ ہوں اور وہ سب اپنی مرضی سے مرحومہ کی طرف سے حج بدل کرانا چاہیں تو کرا سکتے ہیں، ان پر حج کرانا واجب نہیں ہے، اگر ورثاء میں نابالغ بھی ہوں تو ان کی رضامندی معتبر نہیں ہے، لہٰذا ان کے حصہ میں سے کچھ نہ لیا جائے۔

اسی طرح نماز روزہ کے فدیہ کی وصیت نہیں کی ہے، لہٰذا فدیہ ادا کرنا واجب نہیں ہے، لیکن اگر بالغ ورثاء تبرعاً اپنی مرضی سے نماز روزہ کا فدیہ ادا کرنا چاہیں تو ادا کر سکتے ہیں (مالا بدمنہ ص ۹۹ ص ۱۰۰) (نابالغ ورثاء ہوں تو ان کی رضامندی معتبر نہ ہوگی اور ان کے حصہ سے فدیہ ادا کرنا جائز نہ ہوگا۔)

ایک نماز اور ایک روزہ کا فدیہ صدقۂ فطر کے برابر پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت ہے، ایک دن کی وتر کے ساتھ چھ نمازوں کے حساب سے فدیہ ادا کیا جائے۔

ایک مسکین کو چند نمازوں یا چند روزوں کا فدیہ دینا جائز ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے، صاحب درمختار اور صاحب الجوہرۃ النیرۃ اور صاحب طحطاوی علی مراقی الفلاح نے جائز لکھا ہے، حضرت تھانویؒ اور مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی مدظلہ صاحب احسن الفتاویٰ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے، اسی طرح ایک فدیہ کو چند مساکین کے درمیان تقسیم کرنا بھی امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق جائز ہے (یہ فتویٰ فتاویٰ رحیمیہ جلد دہم ص ۱۷۱، میں چھپ چکا ہے)

درمختار میں ہے۔ **ویفدی وجوبا ولو فی اول الشهر وبلا تعدد فقیر كالفطرة (درمختار) (قوله وبلا تعدد فقیر) ای بخلاف نحو كفارة الیمین للنص فیها علی التعدد فلو اعطی هنا مسكینا صاعاً عن یومین جاز لكن فی البحر عن القنیة ان عن ابی یوسف رحمه الله فیه روایتین وعند ابی حنیفة لا یجزیه كما فی كفارة الیمین، وعن ابی یوسف لو اعطی نصف صاع من بر عن یوم واحد لمساكین یجوز قال الحسن وبه نا خذ. اھ۔ ومثله فی القهستانی (درمختار مع الشامی ص**

۱۶۳، ص ۱۶۴ فصل فی العوارض)

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے۔ فاعطوا فقیراً واحداً جملة ذلک جاز بخلاف کفارة الیمین (الجوہرۃ ج ۱ ص ۱۴۷ کتاب الصوم)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے (قوله وتلزمهما الفدية) ثم ان شاء اعطی فی اول رمضان وان شاء اعطی فی آخره ولا يشترط فی المدفوع اليه العدد (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۷۶ کتاب الصوم فصل فی العوارض)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:۔

مسئلہ: ایک روزہ کے فدیہ کو دو آدمیوں میں تقسیم کرنا یا چند روزوں کے فدیہ کو ایک ہی شخص کو ایک تاریخ میں دینا درست نہیں، جیسا کہ شامی نے بحوالہ بحر از قنیہ نقل کیا ہے اور بیان القرآن میں اسی کو نقل کیا گیا ہے مگر حضرتؒ نے امداد الفتاویٰ میں فتویٰ اس پر نقل کیا ہے کہ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، شامی نے بھی فتویٰ اس پر نقل کیا ہے، البتہ امداد الفتاویٰ میں ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ کئی روزوں کا فدیہ ایک تاریخ میں ایک کو نہ دے لیکن دے دینے میں بھی گنجائش ہے، یہ فتویٰ مورخہ ۱۶ جمادی الاخری ۱۳۵۳ھ امداد الفتاویٰ جلد دوم صفحہ ۱۲۴ میں منقول ہے (معارف القرآن ج ۱ ص ۲۴۶ سورۂ بقرہ پارہ نمبر ۲ رکوع نمبر ۶) (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۲۴ مطبوعہ پاکستان۔ ج ۲ ص ۱۶۱ ص ۲۴۶ سورۂ بقرہ پارہ نمبر ۲ رکوع نمبر ۶) (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۲۴ مطبوعہ پاکستان ج ۲ ص ۱۶۱ ص ۱۶۲ مطبوعہ ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند)

بہشتی زیور میں ہے:۔ مسئلہ وہ گیہوں (یعنی فدیہ کے گیہوں) اگر تھوڑے تھوڑے کئی مسکینوں کو بانٹ دے دے تو بھی صحیح ہے (بہشتی زیور ص ۴۲ حصہ تیسرا فدیہ کا بیان)

احسن الفتاویٰ میں ہے۔

(سوال ۲۰۱) پانچ چھ روزوں کا فدیہ ایک مسکین کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب و منه الصدق والصواب) اس میں اختلاف ہے، درمختار میں جائز لکھا ہے، اور شامیہ میں بحر سے نقل کیا ہے کہ عند الامامؒ جائز نہیں، امام ابو یوسفؒ سے جواز کی روایت ہے، شامیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک فدیہ متعدد اشخاص پر تقسیم کرنے کے بارے میں امام ابو یوسفؒ کا قول جواز، ماخوذ بہ ہے اس سے ثابت ہوا کہ حکم فدیہ کا للکفارہ نہیں بلکہ کصدقۃ الفطر ہے۔ لہٰذا متعدد روزوں کا ایک فدیہ ایک مسکین کو دینے میں بھی امام ابو یوسفؒ کا قول ہی راجح ہوگا یعنی یہی قول ماخوذ بہ ہے (اس کے بعد درمختار و شامی کی عبارت ہے) (احسن الفتاویٰ ص ۳۶۶ کامل مبوب کتاب الصوم والاعتکاف)

مرض الموت میں شوہر طلاق دے دے تو بیوی کو ترکہ ملے گا یا نہیں:

(سوال ۳۸۸) ایک شخص بہت بیمار تھا، اسی بیماری میں اس کا انتقال بھی ہو گیا یعنی وہ مرض الموت میں مبتلا تھا، اس درمیان اس نے اپنے انتقال کے دس پندرہ روز پہلے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دیں، اس کی نیت کیا تھی وہ تو اللہ ہی

جانتا ہے مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصود محض اپنی بیوی کو میراث سے محروم کرنا تھا، دونوں کے تعلقات خراب تھے تو اس مطلقہ عورت کو اس شخص کے ترکہ سے میراث ملے گی یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

(الجواب) شوہر نے مرض الموت میں عورت کو بغیر اس کے مطالبہ کے تین طلاقیں دے دیں اور عدت میں شوہر کا انتقال ہو گیا تو عورت میراث سے محروم نہ ہوگی اس کا جتنا حصہ شرعاً مقرر ہے وہ اس کو ملے گا۔ اور اگر عورت کے مطالبہ پر شوہر نے طلاق دی ہے تو وہ وارث نہ ہوگی۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ ولو طلقها بائنا او ثلثا ثم مات وهي في العدة فكذلك عندنا ترث ولو انقضت عدتها ثم مات لم ترث وهذا اذا طلقها من غير سوالها فاما اذا طلقها بسوالها فلا ميراث لها كذا في المحيط (عالمگیری ج۲ ص ۱۲۲ باب طلاق المریض)

مفید الوارثین میں ہے۔ اگر مریض اپنی زوجہ کو طلاق بائنہ یا رجعیہ دے دے تو واقع ہو جائے گی لیکن اگر عدت ختم ہونے سے پہلے شوہر مر گیا تو زوجہ میراث سے محروم نہ ہوگی (ص ۴۶) (بہشتی زیور ص ۴۱ ج ۳۲ حصہ چہارم بیمار کی طلاق دینے کا بیان) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ورثاء میں ایک اخیافی بھائی بہن ہیں تو ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا:

(سوال ۳۸۹) ایک شخص کا انتقال ہو گیا، ان کے وارثوں میں صرف ایک اخیافی بھائی اور ایک اخیافی بہن ہے (اخیافی یعنی ماں ایک ہو باپ الگ الگ ہوں ان کو ماں شریک بھائی کہتے ہیں) ان کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں تو مرحوم کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ بینواتوجروا۔

(الجواب) مرحوم کے انتقال کے وقت ان کے وارثوں میں صرف ایک اخیافی بھائی اور ایک اخیافی بہن ہے، ان کے علاوہ اور کوئی وارث نہ ہوں نہ مرحوم کے باپ، دادا، پردادا لڑکا لڑکی، پوتا، پوتی ہو اور نہ عصبات و ذوالفروض میں سے کوئی ہو تو ان کی کل مال و ملکیت کے دو حصے ہوں گے ایک حصہ اخیافی بھائی کو اور ایک حصہ اخیافی بہن کو ملے گا۔ قاعدہ کے اعتبار سے ان دونوں کو مرحوم کے کل مال کا ثلث تہائی حصہ ملتا ہے مگر چونکہ کوئی دوسرا وارث موجود نہیں ہے اس لئے بقیہ دو حصے بھی ان دونوں پر رد ہوں گے، نیز یہ بھی خیال رہے کہ اخیافی بھائی بہنوں میں للذكر مثل حظ الانثيين کا قاعدہ نہیں ہے، اخیافی بھائی بہنوں کو برابر ملتا ہے۔ هكذا في كتب الفرائض۔

(نوٹ) اخیافی بھائی بہن ذوی الفروض میں داخل ہیں، عصبات میں ان کا شمار نہیں، ان کی تین حالتیں ہیں (۱) جب یہ ایک ہو اور میت کا باپ دادا لڑکا لڑکی پوتا، پوتی موجود نہ ہوں تو اس کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا (۲) جب یہ دو یا دو سے زائد ہوں تو ان کو کل مال کا ثلث ملے گا (۳) جب میراث کا باپ دادا، لڑکا لڑکی، پوتا پوتی میں سے کوئی بھی موجود ہو تو اخیافی بہن محروم ہوتے ہیں، سراجی میں ہے، واما لاولاد الام فاحوال ثلث السدس للواحد والثلث للاثنين فصاعدا ذكورهم واناثهم في القسمة والا ستحقاق سواء ويسقطون بالولد وولد الابن وان سفل وبالاب والجد بالاتفاق (سراجی ص ۶ باب معرفة الفروض الخ) فقط والله اعلم بالصواب۔

اپنے مال میں تصرف کرنا، نافرمان اولاد کو میراث سے محروم کرنا:

(سوال ۳۹۰) زید کے پاس جو کچھ مال واسباب ہے وہ اس کا بلاشرکت غیر مالک ومختار ہے اس کے لڑکے اپنا کاروبار الگ کرتے ہیں اور وہ سب زید کے نافرمان ہیں، زید کی ایک لڑکی ہے اور وہ غیر شادی شدہ ہے، زید اپنا مال وملکیت اپنی بیٹی کو دینا چاہتا ہے، لڑکوں کو یہ گوارہ نہیں ہے وہ اپنے والد کو طرح طرح کی دھمکیاں دے رہے ہیں ان حالات میں زید اپنی ملک میں سے لڑکی کو دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور لڑکوں کو وراثت سے محروم کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) زید اپنے مال کا مالک ومختار ہے، زندگی میں جس کو چاہے دے سکتا ہے، فروخت کرسکتا ہے، لڑکی کو دے سکتا ہے مگر نیت لڑکوں کو محروم کرنے یا نقصان پہنچانے کی نہ ہو ورنہ گنہگار ہوگا، لڑکے بہر حال لڑکے ہیں، نافرمان ہونے کی وجہ سے عاق کرنے کی اجازت نہیں، باپ کے مرنے کے بعد جو کچھ اس نے چھوڑا ہوگا اس میں نافرمان لڑکوں کو بھی ان کا حصہ ملے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مکان قابل تقسیم ہو اور بعض وارث مکان میں سے حصہ کا مطالبہ کریں تو مکان کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟:

(سوال ۳۹۱) ہمارے والد صاحب جناب ابراہم صاحب کا ایک مکان ہے اس میں کسی کا حق نہیں ہے، تقریباً چالیس سال قبل ان کا انتقال ہوگیا اس وقت ان کے وارثوں میں ان کی اہلیہ تین لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں، اس کے بعد ہماری والدہ کا انتقال ہوا، ان کے وارثوں میں اوپر درج شدہ تین لڑکے (اقبال، خالد، زاید) اور تین لڑکیاں (راشدہ، فاطمہ، حلیمہ) ہی تھیں ہمارے نانا نانی کا ہماری والدہ سے پہلے انتقال ہوگیا تھا، پھر ہمارے ایک بھائی اقبال کا انتقال ہوگیا، ان کے وارثوں میں ان کی زوجہ عائشہ خاتون، اور تین لڑکے (یوسف، محمد انس، طلحہ) اور پانچ لڑکیاں (میمونہ، سلمٰی رضیہ، حامدہ، ناعمہ) ہیں، ہمارے والد کا مکان وارثوں میں کس طرح تقسیم ہوگا؟ ہماری دو بہنوں کا خیال یہ ہے کہ ان کو مکان ہی میں سے حصہ دیا جائے، ایک مطلقہ ہے اور ایک کنواری ہے اور مکان بڑا بھی ہے تقسیم ہوسکتا ہے، تو ہم کس طرح تقسیم کریں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ھوالموفق

مسئلہ ۹ ـ ۳۹۶　　　　مرحوم ابراہیم وزوجہ

ابن	ابن	ابن	بنت	بنت	بنت
اقبال	خالد	زاہد	راشد	فاطمہ	حلیمہ
۲	۲/۸۸	۲/۸۸	۱/۴۴	۱/۴۴	۱/۴۴

صورت مسئولہ میں بعد ادائیگی حقوق متقدمہ علی الارث وعدم موانع مرحوم جناب ابراہیم کا ترکہ ۲۹۶ سہام پر تقسیم ہوگا، اس میں سے خالد کو ۸۸ حصے زاید کو ۸۸ حصے، راشدہ کو ۴۴ حصے فاطمہ کو ۴۴ حصے حلیمہ کو ۴۴ حصے اور مرحوم اقبال کی بیوی عائشہ کو ۱۱ حصے، یوسف کو ۱۴ حصے، محمد انس کو ۱۴ حصے، محمد طلحہ کو ۱۴ حصے، میمونہ کو ۷ حصے سلمیٰ کو ۷ حصے، رضیہ کو ۷ حامدہ کو ۷ حصے ناعمہ کو ۷ حصے ملیں گے۔

آپ کی دو بہنیں مکان میں سے حصہ مانگ رہی ہیں، مکان بڑا ہے اور تقسیم ہوسکتا ہے لہذا جب ان کی خواہش ہے کہ ہمیں اپنے والد مرحوم کی یادگار میں سے ہی حصہ ملے تو اسے مکان میں سے حصہ دے دیا جائے، اگر قیمت لگا کر تقسیم کیا جائے تو ان کے حصہ میں جتنی رقم آتی ہو ممکن ہے کہ اس رقم سے آج کی مہنگائی کے زمانہ میں مکان نہ خرید سکیں تو وہ بے گھر ہو جائیں گی اس لئے بہنوں کی جو تجویز ہے وہ بہتر ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب، ۱۴ ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ۔

(۱) صرف لڑکیاں ہوں تو بھائی بہن کو ترکہ میں استحقاق ہوگا یا نہیں؟
(۲) اپنی زندگی میں اولاد کو جائیداد کا ہبہ؟:

(سوال ۳۹۲) ہم تین بھائی اور دو بہنیں ہیں، باپ کی ملکیت کا مکمل بٹوارہ ہو چکا ہے، رہن سہن بھی الگ الگ ہے، منشاء سوال یہ ہے کہ میری چھ لڑکیاں ہیں لڑکے نہیں ہیں تو کیا میرے مال میں سے میرے بھائی اور بہنوں کو بھی ورثہ ملے گا؟ اگر ملے گا تو کتنا؟

(۲) میں اپنی حیات میں اپنی لڑکیوں کو اپنی ملکیت بخشش کرسکتا ہوں یا نہیں؟ اگر کرسکتا ہوں تو کس طریقہ سے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) عورت (بیوی) ہو تو آٹھویں حصہ کی وہ حق دار ہے اور لڑکیاں چھ ہیں وہ آپ کی ترکہ میں سے دوثلث (⅔) کی حق دار ہیں آپس میں برابر سرابر تقسیم کرلیں، اس کے بعد جو بچے اس میں بھائی بہن حق دار ہوں گے اور للذکر مثل حظ الانثیین کے اصول پر بھائی کو دو حصے اور بہن کو ایک حصہ (یعنی ایک بھائی کو دو بہنوں کے برابر) ملے گا، یہ حکم آپ کی وفات کے بعد کا ہے، بھائی بہن شرعاً وارث ہیں۔

آپ اپنی زندگی میں کیوں تقسیم کرنا چاہتے ہیں؟ اگر آپ اپنی زندگی میں صرف اپنی بیوی اور لڑکیوں کو دیں گے اور جو کچھ دینا ہو اس پر قبضہ بھی کرادیں تو قانوناً اگرچہ لڑکیاں اور بیوی مالک بن جائیں گی مگر بھائی بہن محروم ہوں گے اور ان کو محروم کرنے کا گناہ ہوگا، اگر آپ اپنے کو گناہ سے بچانا چاہتے ہوں اور زندگی میں تقسیم کرنا ضروری ہو تو بہتر صورت یہ ہے کہ پہلے آپ اپنے لئے بقدر ضرورت الگ نکال لیجئے (کہ آئندہ آپ کو دوسروں کا محتاج ہونا نہ پڑے) بعدہٗ بیوی کو آٹھواں حصہ، چھ لڑکیوں کو کل مال کے دو حصے اور اس کے بعد جو بچے اوپر بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق بھائی کو دو حصے اور بہن کو ایک حصہ دیا جائے انشاء اللہ اس صورت میں ہر ایک کو اپنا حق مل جائے گا اور کوئی محروم نہ رہے گا فقط واللہ اعلم بالصواب۔

زندگی میں اپنی لڑکیوں کو جائیداد کی تقسیم کر دینا:

(سوال ۳۹۳) میری صرف لڑکیاں ہیں، بھائی بہن صاحب مال ہیں اور ایک دوسرے کی وراثت کی تمنا نہیں رکھتے، اس حال میں بھی کیا میرے بھائی بہنوں کو ترکہ میں سے دیا جائے گا؟ اگر میرے بھائی بہن راضی ہوں تو میں اپنی لڑکیوں کو اپنی جائیداد وغیرہ بطور ہبہ دے سکتا ہوں؟ رہنمائی فرمائیں، جزاکم اللہ، بینوا توجروا۔

(الجواب) انتقال کے بعد ترکہ کی تقسیم شرعی حکم ہے، جو بھی شرعاً وارث ہو شریعت کے قانون کے مطابق اسے اس کا حق ملتا ہے وہ مالدار ہو یا غریب، تقسیم وراثت اپنی مرضی کی چیز نہیں کہ جسے چاہیں دے دیں اور جسے چاہیں نہ دیں، اور جو شرعی وارث ہے اسے بھی یہ حق نہیں کہ اپنا حصہ نہ لے بلکہ شرعاً اسے اس کا حصہ ملے گا، ہاں لینے کے بعد اسے حق حاصل ہے کہ جسے چاہے بخشش کے طور پر دے دے، اور اپنی زندگی میں جو کچھ دیا جاتا ہے وہ ترکہ کی تقسیم یا بالفاظ دیگر تقسیم وراثت نہیں، یہ ہبہ اور بخشش ہے اور انسان کو شرعی حدود میں رہتے ہوئے یہ حق ہے کہ اپنے مال میں جو چاہے تصرف کرے، لیکن اگر وارثوں کو محروم کرنے کی نیت سے اپنا مال کسی کو دے دے تو نیت صحیح نہ ہونے کی وجہ سے گنہگار ہوگا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۷۵ تا ص ۲۷۶ ج ۶ (جدید ترتیب کے مطابق اسی باب میں، وارثوں کو محروم کرنے کا گناہ کے عنوان سے دیکھا جائے۔ ص ۲۷۴ ج ۱۰ مرتب) اور اگر وارثوں کو محروم کرنے کی قطعاً نیت نہ ہو اور ورثہ بھی دل سے اس پر راضی ہوں اور محض اس خیال سے کہ میرے انتقال کے بعد لڑکیوں کو تکلیف اور پریشانی نہ ہو اپنی زندگی میں بخشش کر کے قبضہ دے کر مالک و مختار بنا دے تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ماں نے اپنے والد کے ترکہ میں سے حصہ لینے سے انکار کیا تھا اب اس کی اولاد حصہ مانگ رہی ہے:

(سوال ۳۹۴) ایک شخص کے آٹھ لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں ان کے والدین اور بیوی کا انتقال ان کی زندگی میں ہو گیا، ایک لڑکی کا انتقال والد کے بعد ہوا، اس لڑکی نے اپنی زندگی میں کہا تھا کہ مجھے اپنے والد کی ملکیت میں سے اپنا حق نہیں چاہئے، اور اس بات کے گواہ بھی ہیں، اس مرحومہ کے چھ لڑکے اور ایک لڑکی ہے، اس کے شوہر کا انتقال اس سے پہلے ہو گیا تھا، اس مرحومہ لڑکی کی کچھ اولاد اپنا حق (جو ماں سے انہیں مل سکتا ہے) مانگ رہے ہیں اور کچھ انکار کرتے ہیں، تو اب شرعاً کیا حکم ہے؟ لڑکی کو اس کے باپ کی جائیداد میں سے حق ملے گا یا نہیں؟ اور اس کے جو بچے اپنی والدہ کے حصہ میں سے اپنا حق مانگ رہے ہیں ان کا مطالبہ شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) انتقال کے بعد مرحوم کے ترکہ کی تقسیم حکم شرعی ہے، جو بھی شرعاً وارث ہو شریعت کے مطابق اسے حق ملتا ہے، یہ اپنی مرضی کی بات نہیں ہے کہ جسے چاہیں دے دیں اور جسے چاہیں نہ دیں، اور جو شخص شرعی وارث ہے اسے بھی یہ حق نہیں ہے کہ اپنا حصہ نہ لے۔ اسے اس کا حق ملے گا، درمختار میں ہے: والثالث اما اختیاری وھو الوصیة او اضطراری وھو المیراث وسمی فرائض لان اللہ تعالیٰ قسمه بنفسه واوضحه وضوح النهار بشمسه .الخ (درمختار مع رد المختار ص ۶۶۳ ج۵، کتاب الفرائض)

لہذا صورت مسئولہ میں صرف اتنا کہہ دینے سے کہ مجھے میرا حق لینا نہیں ہے اس سے اس کا شرعی حق ختم نہ ہوگا (فتاویٰ رحیمیہ جلد اول، چند کلمات کے ماتحت)

صورت مسئولہ میں حقوق متقدمہ علی الارث کی ادائیگی کے بعد مرحوم کی کل مال وملکیت کے اٹھارہ سہام کر کے ہر لڑکے کو دو دو سہام اور ہر لڑکی کو ایک ایک سہام دیا جائے، مرحومہ لڑکی کو جو ایک حصہ ملا ہے پھر اس کے تیرا/۱۳ حصے ہوں گے ہر لڑکے کو دو دو حصے اور لڑکی کو ایک حصہ ملے گا، جن وارثوں کو حصہ نہ لینا ہو وہ اپنا حصہ لینے کے بعد جنہیں چاہیں اپنی مرضی سے دے سکتے ہیں، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ایک لاولد خاتون کے تین بھائی تین بہنیں وارث ہوں تو اس کا حکم؟:

(سوال ۳۹۵) ایک خاتون ہے ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے اس کے والدین بھی نہیں ہیں، اور کوئی اولاد بھی نہیں ہے، رشتے داروں میں تین بھائی اور تین بہنیں ہیں، یہ عورت ابھی حیات ہے اگر اس عورت کا انتقال ہو جائے تو اس کی میراث کس طرح تقسیم ہوگی؟ کیا یہ خاتون اپنی حیات میں جس کو چاہے اور جتنا چاہے اپنی ملک میں سے دے سکتی ہے؟ یا کسی کے لئے وصیت کر سکتی ہے؟ یہ عورت چاہتی ہے کہ اپنی وصیت لکھ کر رکھ دے مگر وہ بذات خود نہیں لکھ سکتی، تو اگر کسی کے پاس لکھوائے اور یہ عورت اس پر اپنے دستخط کر دے تو کیا یہ وصیت معتبر ہوگی؟ اس عورت کا ایک بھانجا اور ایک بھانجی ہے کیا وہ بھی وارثوں میں شامل ہو کر ترکہ کے حق دار ہوں گے؟ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (سورت)

(الجواب) صورت مسئولہ میں اگر خاتون کے انتقال کے وقت اس کے تین بھائی اور تین بہنیں حیات ہوں تو حقوق متقدمہ علی الارث (تجہیز وتکفین، قرض، بعدہ ⅓ میں سے وصیت) کی ادائیگی کے بعد ترکہ کے نو حصے ہوں گے، ہر بھائی کو دو، دو حصے اور ہر بہن کو ایک ایک حصہ ملے گا، بھانجا، بھانجی ذوی الارحام میں سے ہیں اور بھائی بہن عصبہ ہیں اور عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام محروم ہوتے ہیں، لہذا بھانجا بھانجی ورلثۃ حق دار نہ ہوں گے، اگر مذکورہ خاتون اپنے بھانجے بھانجی کو کچھ دینا چاہتی ہوں تو ایک تہائی مال تک وصیت کر سکتی ہیں اپنی زندگی میں جو کچھ دیا جائے یہ ترکہ کی تقسیم نہیں بلکہ ہبہ (اور بخشش) ہے اور انسان کو شرعی حدود میں رہتے ہوئے یہ حق ہے کہ اپنی زندگی اور صحت میں اپنے مال میں جو چاہے تصرف کرنے (فتاویٰ محمودیہ ص ۶۳ ج ۵، باب مسائل المیراث) لیکن اگر وارثوں کو محروم کرنے یا کم حصہ ملے اس نیت سے اپنا مال کسی کو دے دے تو یہ بالکل غیر مناسب ہے کہ وراثت ملک غیر اختیاری ہے۔ اس لئے کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اپنے بعد ورثہ میں سے کسی کو محروم کر دے، شریعت نے جو حصہ جس وارث کا متعین کر دیا ہے) وہ اس کو ضرور پہنچے گا خواہ مورث راضی ہو یا ناراض (فتاویٰ محمودیہ ص ۶۳ ج ۵) اور احادیث میں اس پر سخت وعید ہے، مفید الوارثین میں ہے: ایک صحیح حدیث شریف کا مضمون ہے کہ بعض لوگ تمام عمر اطاعت خداوندی میں مشغول رہتے ہیں، لیکن موت کے وقت میراث میں وارثوں کو ضرر پہنچاتے ہیں (یعنی بلاوجہ شرعی کسی حیلے سے مرحوم کر دیتے ہیں یا حصہ کم کر دیتے ہیں) ایسے شخصوں کو اللہ تعالیٰ سیدھا دوزخ پہنچا دیتا ہے (مفید الوارثین ص ۱۲ (مشکوۃ شریف ص ۲۶۵ باب الوصایا)

حدیث کے الفاظ یہ ہیں: عن ابی ھریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان الرجل

لیعمل والمرأة بطاعة الله ستین سنة ثم یحضر هما الموت فیضا ران فی الوصیة فتجب لهما النار ثم قرأ ابو هریرة من بعد وصیة یوصی بها او دین غیر مضار الیٰ قوله تعالیٰ و ذلک الفوز العظیم (مشکوة ص ۲۶۵ ایضاً)باب الوصایا) حاشیہ میں ہے (قوله فیضاران . من المضارة ای یو صلان الضرر الی الوارث ب بسبب الوصیة للاجنبی باکثر الثلث اوبان یهب جمیع ماله لو احد من الوارثة کیلا یرث وارث آخر من ماله شیئا فهذا مکروه وفرار عن حکم الله ۱۲ مرقات) (التعلیق الصبیح ص ۳۹۸ ج ۳)

دوسری حدیث میں ہے ارشاد ہے: عن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیمة یعنی جو شخص اپنے وارث کو میراث سے محروم کردے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت سے محروم فرمادیں گے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۶ باب الوصایا مفید الوارثین ص ۱۲ فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۷۴ ج ۱۰)، لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اس عمر میں اگر کسی کے ساتھ سلوک کرنا ہو تو ایک تہائی کے اندر اندر کیا جائے (اور نیت صرف سلوک کی ہو وارثوں کو حصہ کم ملے یہ نیت نہ ہو) اور زندگی میں جو کچھ دیا جاتا ہے وہ ہبہ (بخشش) ہے اور ہبہ تام (مکمل) ہونے کے لئے قبضہ شرط ہے، لہٰذا جو کچھ دینا ہو اگر وہ قابل تقسیم ہو تو تقسیم کر کے مکمل قبضہ دے کر مالک ومختار بنادیا جائے تاکہ ہبہ مکمل اور تام ہو جائے، (درمختار وشامی ص ۷۰۰، ص ۷۰۳ ج ۴) (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۷۷ ج ۳ (جدید ترتیب کے ومطابق کتاب الھبۃ میں باپ اپنی حیات میں بیٹے، بیٹی کو جائیداد ہبہ کرے مگر قبضہ خود رکھے الخ کے عنوان سے ملاحظہ کیا جائے۔ص ۳۱۱ ج ۹ مرتب)

اگر مذکورہ خاتون خود وصیت نامہ نہ لکھ سکیں اور دوسرا شخص ان کے حکم سے وکیل بن کر وصیت نامہ لکھ دے اور پھر وہ وصیت نامہ مذکورہ خاتون کو اور شرعی گواہوں کو سنا کر اس پر مذکورہ خاتون اور گواہ دستخط کردیں اور بعد میں شرعی گواہ وصیت نامہ کی گواہی دیں تو ایسا وصیت نامہ معتبر ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

متوفی کی جو رقم وزیور امانت ہو وہ اس کے ورثاء کو دی جائے:

(سوال ۳۹۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کو ایک بڑی رقم اور زیورات بطور امانت دی اور کہا کہ اگر میں مر جاؤں تو میرے ورثاء میں سے فلاں فلاں دو لڑکوں کو دے دینا، دو لڑکوں میں سے ایک لڑکے نے بکر سے اپنے باپ کی امانت میں سے بڑی رقم قرض لی تھی، زید کی اجازت کے بغیر اب زید وفات پاچکے ہیں تو بکر یہ امانت کس کو دے؟ صرف ان دو لڑکوں کو یا تمام وارثوں میں تقسیم کرے؟ زید کے وارثوں میں چار لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، زید کی اہلیہ اور اسی طرح زید کے والدین کا انتقال زید کی زندگی میں ہو گیا تھا۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) زید کی رقم جو بکر کے پاس بطور امانت ہے اور اس رقم میں سے بکر نے زید کی اجازت کے بغیر اس کے لڑکے کو بطور قرض دی ہے وہ رقم لڑکے سے وصول کرلی جائے اور پوری رقم اور زیورات کے گیارہ حصے کئے جائیں دو، دو حصے چار لڑکوں کو اور ایک ایک حصہ تین لڑکیوں کو تقسیم کیا جائے زید کی وصیت پر عمل کرنا درست نہیں لا وصیة لوارث۔ الحدیث۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ یکم ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ۔

بوقت تقسیم جائیداد کی جو قیمت ہوگی اس کا اعتبار ہوگا:

(سوال ۳۹۷) ہمارے والد صاحب کا انتقال ۱۹۷۵ء میں ہوا، وارثوں میں ہمارے والد صاحب کی دوسری اہلیہ اور آٹھ بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہیں، ان کے والدین (یعنی ہمارے دادا، دادی اور ان کی پہلی اہلیہ کا انتقال ان کی زندگی میں ہوگیا تھا، والد صاحب کے انتقال کے بعد ۱۹۷۷ء میں جائیداد وغیرہ کی تقسیم کے لئے ایک خاکہ بنایا گیا مگر وہ خاکہ صرف کاغذ پر رہا باقاعدہ تقسیم وراثت نہ ہوسکی اور پھر تقسیم کا معاملہ ہی معرض التوء میں پڑ گیا، ۱۹۸۶ء میں ایک مرتبہ ہمارے بڑے بھائی میرے پاس آئے اور ۱۹۷۷ء کے خاکہ کے مطابق تقسیم کی گفتگو کی، دوسرے ورثہ کو اس کی اطلاع نہیں دی گئی، احقر نے عرض کیا کہ وہ تقسیم صرف کاغذ پر رہی، اب آج تقسیم کرنے کا خیال ہے تو اس وقت جائیداد وغیرہ کی جو قیمت بنتی ہے اس کے اعتبار سے تقسیم کرنا چاہئے، مگر وہ اپنی بات پر مصر رہے تو احقر نے اس تقسیم پر دستخط کرنے سے انکار کردیا، اب حال میں پھر جائیداد وغیرہ کی تقسیم کی بات چل رہی ہے، دریافت طلب بات یہ ہے کہ جائیداد وغیرہ کی تقسیم حالیہ قیمت سے ہوگی یا ۱۹۷۷ء والے کاغذی خاکہ کے وقت کی قیمت کے اعتبار سے ہوگی۔

والد صاحب کے انتقال کے بعد چار بھائیوں اور تین بہنوں کی شادی مشترکہ کاروبار سے کی گئی تو جتنا خرچ ہوا ہے کیا یہ خرچ ان کے حصہ میں سے وضع کیا جائے گا۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر سوال میں درج شدہ باتیں بالکل صحیح ہوں اور حقیقت یہی ہو کہ ابھی تک جائیداد وغیرہ کی تقسیم نہیں ہوئی ہے اور نہ حصہ متعین کر کے ہر ایک کا حصہ ادا کیا گیا، یا کچھ ادا کر کے دوسروں سے ان کی رضامندی سے بعد میں ادائیگی کے لئے مدت لی گئی، اور اب اس وقت تقسیم کرنا چاہتے ہو تو جائیداد کی تقسیم حالیہ قیمت کے اعتبار سے ہوگی ۱۹۷۷ء میں جائیداد کی تقسیم کرلی ہوتی اور ہر وارث کا حصہ معین کردیا گیا ہوتا تو اس وقت کے اعتبار سے ٹھیک تھا مگر جب کہ تقسیم صرف کاغذی خاکہ تک رہی باقاعدہ عمل میں نہیں آئی اور اب ہر وارث کو اس کا شرعی حصہ ادا کرنا چاہتے ہیں تو جس وقت ترکہ تقسیم کیا جائے اس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا، یہ حقوق العباد کا معاملہ ہے، اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

جن بھائی بہنوں کی شادی والد صاحب کے انتقال کے بعد ہوئی ہے کیا شادی کے وقت ان سے یہ کہا گیا تھا کہ جو کچھ ان کی شادی کے سلسلہ میں خرچ ہوگا تقسیم وراثت کے وقت اس کو وضع کیا جائے گا اگر باہمی یہ معاہدہ ہوگیا ہو اور بھائی بہنوں نے اسے تسلیم کیا ہو تب تو اخراجات وضع کر کے ان کا حصہ ادا کیا جائے گا اور اگر باہمی رضامندی سے ایسا معاہدہ نہ ہوا ہو تو اسے تبرع واحسان کہا جائے گا، ان کے حصہ میں سے جبراً وصول نہیں کیا جاسکتا، البتہ اگر وہ اپنی مرضی سے وضع کرنے کے لئے کہیں تو ان کی مرضی کی بات ہے، صورت مسئولہ میں مرحوم کے وارثوں میں درج شدہ ہی ورثہ ہوں تو حقوق متقدمہ علی الارث کی ادائیگی کے بعد مرحوم کے ترکہ کے ۱۶۸ سہام ہوں گے، مرحوم کی اہلیہ کو ۲۱ سہام (ثمن) ہر لڑکے کو ۱۴۔۱۴ سہام ہر لڑکی کو ۷۔۷ سہام ملیں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وارثوں میں زوجہ، والدہ اور حقیقی بھائی بہن، علاتی بھائی اور اخیافی بھائی بہن موجود ہیں تو ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا:

(سوال ۳۹۸) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ عباس سلیمان کا انتقال ہوگیا، عباس کی کوئی اولاد نہیں ہے ان کے وارثوں میں ان کی اہلیہ والدہ دو حقیقی بھائی اور دو حقیقی بہنیں ہیں، اور ان کے علاوہ ان کے تین علاتی بھائی (باپ ایک، ماں الگ) بھی ہیں، اور مرحوم عباس کی والدہ کا نکاح پہلے ایک شخص مسمی غلام رسول سے ہوا تھا ان سے چار اولادیں ہوئیں ایک لڑکا اور تین لڑکیاں (یعنی مرحوم کے ایک اخیافی بھائی اور تین اخیافی بہن بھی ہیں) واضح ہو کہ جائیداد مرحوم عباس کی ہے مرحوم کا ترکہ مذکورہ وارثوں میں کس طرح تقسیم ہوگا؟ مرحوم عباس کے والد اور دادا کا انتقال بھی مرحوم سے پہلے ہوگیا ہے، بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں مرحوم عباس کے سوال میں درج شدہ ہی وارث ہوں، مرحوم کی اولاد باپ دادا میں سے بھی کوئی نہ ہو تو حقوق متقدمہ علی الارث تجہیز وتکفین، قرض، بعدہ ایک ثلث میں سے جائز وصیت ادا کرنے کے بعد مرحوم کی ذاتی مال وملکیت کے ۲۴ حصے ہوں گے اس میں سے۔

مرحوم عباس کی زوجہ کو	۶	حصے	(چوتھا حصہ)
مرحوم عباس کی والدہ کو	۴	حصے	(چھٹا حصہ)
مرحوم عباس کے اخیافی بھائی کو	۲	حصے	
مرحوم عباس کی ایک اخیافی بہن کو	۲	حصے	
مرحوم عباس کی دوسری اخیافی بہن کو	۲	حصے	
مرحوم عباس کی تیسری اخیافی بہن کو	۲	حصے	
مرحوم عباس کے ایک حقیقی بھائی کو	۲	حصے	
مرحوم عباس کے دوسرے حقیقی بھائی کو	۲	حصے	
مرحوم عباس کی ایک حقیقی بہن کو	۱	حصے	
مرحوم عباس کی دوسری حقیقی بہن کو	۱/۲۴	حصہ ملے گا۔	

مرحوم عباس کے علاتی بھائی، حقیقی بھائیوں کے موجود ہونے کی وجہ سے محروم ہیں، حقیقی بھائی، علاتی بھائیوں کی بہ نسبت قریب کے عصبہ ہیں، اور مرحوم کے اخیافی بھائی بہن ذوی الفروض ہیں اور صورت مسئولہ میں مرحوم عباس کی اولاد باپ دادا میں سے کوئی نہیں ہے اس لئے یہ محروم نہیں، شرعاً وارث ہیں۔ اور ثلث مال کے حق دار ہیں، اور یہ ثلث مال ان کے درمیان مساوی طور پر تقسیم ہوگا۔ سراجی میں ہے۔ واما اولاد الام فاحوال ثلث، السدس للواحد والثلث للاثنین فصاعداً ذکورھم واناثھم فی القسمة والا ستحقاق سواء ویسقطون بالولد وولد الابن وان سفل وبالاب والجد بالا تفاق (سراجی ص ۱۶ باب معرفة الفروض ومستحقیھا)

اوراخیافی بھائی بہن ماں کے ہوتے ہوئے بھی وارث ہوتے ہیں سراجی میں ہے وفریق یرثون بحال ویحجبون بحال وھذا مبنی علی اصلین احد ھما ھو ان کل من یدلی الی المیت بشخص لا یرث مع وجود ذلک الشخص سوی اولاد الام فانھم یرثون معھا لانعدام استحقاقھا جمیع الترکة (سراجی باب الحجب) فقط واللہ اعلم بالصواب .

وارثوں میں صرف ایک حقیقی بھائی اور ایک علاتی بہن ہے اوراس کا حکم:

(سوال ۳۹۹)ایک شخص کا انتقال ہوگیا اس کی کوئی اولاد اور باپ دادا میں سے کوئی نہیں ہے، صرف ایک حقیقی بھائی اور ایک علاتی بہن ہے تو مرحوم کے ترکہ کا حق دار کون ہے؟ علاتی بہن کو اگر ملتا ہو تو کتنا ملے گا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب کہ مرحوم کے ماں باپ دادا وغیرہ اور اولاد میں بھی کوئی بیٹا بیٹی نہیں ،صرف ایک حقیقی بھائی اور ایک علاتی بہن ہے تو حقوق متقدمہ علی الارث کی ادائیگی کے بعد مرحوم کا کل ترکہ حقیقی بھائی کو ملے گا، علاتی بہن محروم ہے۔ سراجی میں ہے:ویسقط بنوا لعلات بالاخ لاب وام وبالاخت لاب وامھا اذا صارت عصبة (سراجی باب معرفة الفروض ومستحقیھا) تنویرالحواشی شرح سراجی میں ہے:اگر میت کے حقیقی بھائی موجود ہیں تو علاتی بہن (بلکہ علاتی بھائی بھی) میراث سے محروم رہیں گے اوران کو کچھ حق نہیں پہنچے گا (تنویرالحواشی ص ۲۸)(مفیدالوارثین ص ۱۱۵ فصل دسویں علاتی بہن کے حصے)فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وارثوں میں بھانجی اور بھانجے کے دولڑکے ہیں:

(سوال ۴۰۰)عبدالرحمٰن کا انتقال ہوا،اس کے وارثوں میں اس کی ایک حقیقی بہن کی ایک لڑکی (یعنی اس کی بھانجی) اوردوسری حقیقی بہن کے لڑکے کے دولڑکے (یعنی اس کے بھانجے کے دو بیٹے) ہیں،ان کے علاوہ کوئی وارث نہیں، والدین اوراس کی دونوں بہنوں کا انتقال عبدالرحمٰن کی زندگی میں ہوگیا تھا تو عبدالرحمٰن کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں عبدالرحمٰن کے وارثوں میں صرف سوال میں درج شدہ ہی وارث ہوں،ماں باپ ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی نہ ہو تو حقوق متقدمہ علی الارث کی ادائیگی کے بعد مرحوم کا کل ترکہ ان کی حقیقی بھانجی کو ملے گا ،بھانجے کی اولاد محروم ہے،ان کو کچھ نہیں ملے گا اس لئے کہ بھانجی بہ نسبت بھانجے کی اولاد کی میت کے زیادہ قریب ہے۔

بھانجے اور بھانجی کی اولاد ذوی الارحام کی صنف سوم میں داخل ہیں اور صنف سوم میں تقسیم وراثت کا طریقہ یہ ہے کہ میت سے جو اقرب ہوتا ہے وہ مقدم ہوتا ہے،سراجی میں ہے:فصل فی الصنف الثالث الحکم فیھم کالحکم فی الصنف الاول اعنی اولھم بالمیراث اقربھم الی المیت (سراجی ص ۴۷ باب ذوی الارحام)

مفیدالوارثین میں ہے:۔ جب درجہ اول ودوم کے ذوی الارحام موجود نہ ہوں (اور عصبہ اور ذوی الفروض بھی کوئی نہ ہو) تو درجہ سوم کے ذوی الارحام وارث ہوتے ہیں ان میں بھی جو میت سے قریب علاقہ رکھتا ہے وہ بعید سے مقدم ہے یعنی جن چار نمبروں کا ہم ذکر کرتے ہیں ان میں اول نمبر کے سامنے دوم نمبر والے محروم رہیں گے اور

دو نمبر کی موجودگی میں سوم نمبر والے محروم ہوں گے وعلی ہذا القیاس۔ اس کے بعد حضرت مؤلف علیہ الرحمہ نے چاروں نمبروں کا تفصیل سے بیان فرمایا ہے، بھانجی کو درجۂ سوم کے نمبر والے وارثوں میں اور بھانجوں کی اولاد کو درجۂ سوم کے نمبر۲ کے وارثوں میں شمار فرمایا ہے، لہٰذا بھانجے کی اولاد بھانجی کی موجودگی میں محروم ہوگی (مفید الوارثین ص ۶۷ تا ص ۷۰، فصل نمبر۳ ذوی الارحام کا تیسرا درجہ) اسی تفصیل کے ساتھ تنویر الحواشی شرح سراجی (اردو) ص ۹۸ تا ص ۱۰۱ میں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وارثوں میں بیٹا بیٹی ہیں، بیٹا زمین کا خالی حصہ بیٹی کو دینا چاہتا ہے اور تعمیر شدہ خود لینا چاہتا ہے؟:

(سوال ۴۰۱) ایک شخص کا انتقال ہوگیا وارثوں میں صرف ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے، اس کی اہلیہ کا اور ماں باپ کا انتقال مرحوم کی زندگی میں ہوگیا تو مرحوم کا ترکہ اس کے بیٹا اور بیٹی میں کس طرح تقسیم ہوگا؟۔ مرحوم کے ترکہ میں ایک مکان ہے، مکان کے اگلے حصہ میں تعمیر ہے اور پچھلا حصہ کھلی جگہ ہے، مکان کے تین حصے کر کے بھائی اپنی بہن سے کہتا ہے کہ تم یہ کھلی جگہ جو ایک حصہ کے بقدر ہے لے لو، بہن اس پر راضی نہیں ہے وہ کہتی ہے اس میں میرا نقصان ہے، تو شرعاً بھائی کی بات قابل قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں حقوق متقدمہ علی الارث ادا کرنے کے بعد مرحوم کے کل ترکہ کے تین حصے ہوں گے، بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کو ایک حصہ ملے گا، بھائی اپنی بہن کو مکان میں سے کھلی جگہ (جس میں تعمیر نہیں ہے) دینا چاہتا ہے اور تعمیر والا حصہ خود لینا چاہتا ہے، اگر بہن اسے لینے پر دل سے راضی نہ ہو تو بھائی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی بہن کو یہ جگہ لینے پر مجبور کرے، ترکہ میں جو چیز ہوتی ہے اس کے ہر ہر جزو میں تمام وارثوں کا حق ہوتا ہے، لہٰذا کوئی وارث اپنی مرضی سے دوسرے وارث کا حصہ متعین کر کے اس کو وہ حصہ لینے پر مجبور نہیں کر سکتا، شرعاً اس کو یہ حق حاصل نہیں ہے، ہدایہ اولین میں ہے: **الشركة ضربان شركة املاک وشركة عقود فشركة الاملاک العين يرثها رجلان او يشتريانها فلا يجوز لاحدهما ان يتصرف في نصيب الاخر الا باذنه** (هدايه اولين ص ۲۰۴ كتاب الشركة) فتح القدیر میں فوائد ظہیریہ سے نقل کیا ہے: **ان الشركة اذا كانت بينهما من الابتداء بأن اشتريا حنطةً او ورثاها كانت كل حبة مشتركة بينهما . الخ**(فتح القدير مع عناية ص ۱۵۴ ج۶ كتاب الشركة) دونوں عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے، شرکۃ کی دو قسمیں ہیں۔ شرکۃ املاک، شرکۃ عقود، شرکت املاک یہ ہے۔ دو آدمی (یا ان سے زیادہ) کسی چیز کے وارث بنے یا دو آدمیوں نے مل کر کوئی چیز خریدی تو وہ ان دونوں کے درمیان مشترک ہوگی، اور دونوں میں سے کسی ایک کے لئے اپنے ساتھی کے حصہ میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا اور استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اور شرکت جب بالکل ابتداء سے ہو جیسے دو آدمیوں نے مل کر گیہوں خریدے یا گیہوں کے وارث بنے تو اس کا ہر ہر دانہ دونوں کے درمیان مشترک ہوگا (ہدایہ اولین، فتح القدیر)

عنایہ شرح ہدایہ میں ایک مسئلہ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: **ان صاحب عشرة اسهم يكون شريكاً لصاحب تسعين سهماً في جميع الدار على قدر نصيبها منها وليس لصاحب الدران يدفع صاحب**

القليل من جميع الدار في قدر نصيب من اى موضع كان . عبارت کا مطلب یہ ہے، کہ ایک مکان میں دو شخص حصہ دار ہیں ایک شخص کی نوے ۹۰ حصے ہیں اور دوسرے کے دس، تو دونوں اپنے اپنے حصے کے بقدر پورے مکان میں شریک ہیں، لہٰذا جس شخص کا حصہ زیادہ ہے اس کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے ساتھی کو جہاں سے چاہے حصہ دیدے (عنايه شرح هدايه ص ۲۷۵ ج۶ مع فتح القدير تحت المسئلة ومن اشترى عشرة اذرع من مأته ذراع من دار او حمام ، كتاب البيوع)

لہٰذا صورت مسئولہ میں کوئی ایسی صورت نکالی جائے کہ دونوں میں سے کسی کا نقصان نہ ہو اور ہر ایک کو اتنا حصہ مل جائے جتنا کہ اس کا حق ہے، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

موروثہ زمین ومکان میں اپنے حصۂ میراث کو دوسرے وارث کے ہاتھ بیچنا:

(سوال ۴۰۲) ہمارے والد صاحب کا انتقال ہو گیا ترکہ میں مکان اور زمین چھوڑی ہے ہم تین بھائی اور دو بہنیں ہیں، ابھی تک ترکہ باقاعدہ تقسیم نہیں ہوا، مکان اور زمین میں میرا جو شرعی حق اور حصہ ہے وہ حصہ میں اپنے ایک بھائی کو بیچنا چاہتا ہوں تقسیم سے پہلے پہلے میں اپنا حصہ بھائی کو بیچ سکتا ہوں یا نہیں؟ بھائی کے علاوہ کسی اور کو بیچوں تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ترکہ کی تقسیم سے قبل آپ مکان اور زمین کا اپنا حصہ اپنے بھائی کو بیچ سکتے ہیں، اسی طرح کسی اور کو بھی بیچنا چاہیں تو بیچنا جائز ہے، ہدایہ اولین میں ہے: ويجوز بيع احدهما نصيبه من شريكه في جميع الصور ومن غير شريكه بغير اذنه (هدايه اولين ص ۶۰۴ كتاب الشركة)

فتح القدیر میں فوائد ظہیریہ سے نقل فرمایا ہے: ان الشركة اذا كانت بينهما من الا بتداء بان اشتريا حنطةً او ورثا ها كانت كل حبة مشتركه بينهما فبيع كل منهما نصيبه شا ئعاً جائز من الشريک والا جنبي الخ (فتح القدير مع عناية ص ۱۵۴ ج۶ كتاب الشركة. فقط والله اعلم بالصواب .

بڑے مکان میں سے اپنا حصہ مانگنا اور پورا مکان بیچنے پر راضی نہ ہونا:

(سوال ۴۰۳) ہمارے والد صاحب کا انتقال ہو گیا، ان کے ترکہ میں ایک بڑا مکان بھی ہے، اس میں شرعاً میرا بھی حق ہے، میں کہتا ہوں کہ مکان میں میرا حصہ ہے وہ مجھے دے دو اور تقسیم کرنا آسان ہے مشکل نہیں۔ ایک فرد کہتا ہے حصہ تقسیم کرنے سے مکان کی قیمت کم ہو جائے گی، پورا مکان بیچ دیا جائے اور پیسے تقسیم کر لئے جائیں، مجھے پیسے نہیں زمین چاہئے تو اس بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟ میں مکان میں سے زمین مانگنے کا حق دار ہوں یا نہیں؟ مجھے اپنی زمین بیچنے پر مجبور کیا جائے یہ جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) ترکہ میں جو چیز ہوتی ہے اس کے ہر ہر جزو میں تمام وارثوں کا حق ہوتا ہے اور تمام ورثاء اس میں شریک ہوتے ہیں فوائد ظہیریہ میں ہے ان الشركة اذا كانت بينهما من الا بتداء بان اشتريا حنطة او ورثاها كانت كل حبة مشتركه بينهما (فوائدظهيريه على هامش الهدايه ص ۶۰۴ جلد ۲)(فتح القدير مع عنايه ص ۱۵۴ ج۶ كتاب الشركة)

اسی طرح کسی وارث کو یہ بھی حق نہیں کہ صرف اپنی مرضی سے مکان یا زمین تقسیم کر کے دوسروں کو اس پر عمل کرنے کے لئے مجبور کرے الا یہ کہ سب راضی ہوں، عنایہ شرح ہدایہ میں ایک مسئلہ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ان صاحب عشرة اسهم يكون شريكاً لصاحب تسعين سهما في جميع الدار على قدر نصيبهما منها وليس لصاحب الدار ان يدفع صاحب القليل من جميع الدار في قدر نصيب من اى موضع كان (عنايه شرح هدايه ص ۲۷۵ ج۷ مع فتح القدير كتاب الشركة)

صورت مسئولہ میں مکان بڑا ہے تقسیم کے قابل ہے اور آپ کا مطالبہ یہ ہے کہ مکان میں میرا جو حصہ ہے وہی (یعنی زمین) مجھے ملنا چاہئے تو آپ کا مطالبہ صحیح ہے، آپ کی مرضی کے بغیر پورا مکان بیچ کر پیسے تقسیم کرنے پر آپ کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) قومی فساد میں باپ بیٹے شہید کر دیئے گئے، کون پہلے شہید ہوا اس کا علم نہیں تو ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ (۲) مرنے والوں کو حکومت کی طرف سے ملی ہوئی رقم کس طرح تقسیم کی جائے؟:

(سوال ۴۰۴) ہمارے یہاں قومی فساد کے موقع پر ایک گھر میں ایک شخص حاجی سلیمان اور ان کے تین بیٹے شہید کر دیئے گئے، ان میں کون پہلے شہید ہوا کون اس کے بعد اس کا بالکل علم نہیں اور نہ اس کا کوئی چشم دید گواہ موجود ہے، تینوں بیٹوں میں ایک بیٹا محمد حنیف شادی شدہ ہے اور دو بیٹے غیر شادی شدہ ہیں، محمد حنیف کے وارثوں میں ایک بیوہ ایک بیٹا دو بیٹیاں ہیں، اور حاجی محمد سلیمان کی وارثوں میں ان تین شہید بیٹوں کے علاوہ مرحوم کی بیوی اور چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ مرحوم حاجی سلیمان کے ترکہ میں سے ان کے مرحوم بیٹے محمد حنیف کی بیوی اور بچوں کو حصہ ملے گا یا نہیں؟۔

(۲) جتنے افراد شہید ہوئے ہیں ان میں سے ہر ایک کو حکومت کی طرف سے ساٹھ ساٹھ ہزار روپے دیئے گئے ہیں، حاجی سلیمان کی بیوہ کو ان کے شوہر اور ان کے دو غیر شادی شدہ بیٹوں کے پیسے دیئے گئے ہیں، اور محمد حنیف کے پیسے ان کی بیوی کو دیئے گئے ہیں، جو رقم ملی ہے ان کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جو جو افراد شہید ہوئے ان میں کون پہلے اور کون بعد میں شہید ہوا اس کا علم نہیں اور نہ کوئی گواہ ہے تو اس صورت میں شہید ہونے والے افراد آپس میں ایک دوسرے سے میراث پانے کے مستحق نہیں اور ہر ایک کی ذاتی ملکیت (مال، سامان) اس کے حیات وارثوں میں تقسیم کی جائے گی، سراجی میں ہے: اذا ماتت جماعة ولا يدرى ايهم مات اولاً جعلوا كانهم ماتوا معاً فمال كل واحد منهم لورثته الا حياء ولا يرث بعض الاموات من بعض هذا هو المختار (سراجى فصل فى الغرقى والحرقى والهدمىٰ) (معين الفرائض ص ۱۰۵، ص ۱۰۶)

حقوق متقدمہ علی الارث کی ادائیگی کے بعد مرحوم حاجی سلیمان کے ترکہ کے ۸۸ سہام ہوں گے، مرحوم کی بیوہ کو ۱۱ سہام، ہر حیات بیٹے کو چودہ چودہ سہام، اور ہر حیات بیٹی کو سات سات سہام ملیں گے۔ اگر دو غیر شادی شدہ بیٹوں کے پاس اپنا ذاتی مال ہو تو ان میں سے ہر ایک کے ترکہ کے ۲۶ سہام ہوں گے، ان کی والدہ کو گیارہ سہام اور ہر حیات بھائی کو دس دس سہام اور ہر حیات بہن کو پانچ پانچ سہام ملیں گے ..... مرحوم محمد حنیف کے ترکہ کے ۹۶ سہام ہوں

گےاس میں سےان کی اہلیہ کو بارہ سہام،ان کی والدہ کو ۱۶ سہام،ان کے بیٹے کو ۳۴ سہام،ان کی ایک بیٹی کو ۱۷ سہام اور دوسری بیٹی کو ۱۷ سہام ملیں گے۔

مرحوم حاجی سلیمان کے ترکہ میں سے ورثۂ محمد حنیف کی بیوہ اور اولاد کو کچھ نہیں ملے گا (مرحوم حاجی سلیمان کے بیٹے موجود ہیں اور بیٹوں کی موجودگی میں پوتے پوتیاں محروم ہوتی ہیں) البتہ حاجی صاحب کے ورثہ اپنے مرحوم بھائی محمد حنیف کے بچوں کا تعاون کریں تو بہت بہتر ہوگا صلہ رحمی ہوگی اور انشاء اللہ اجر وثواب کا کام ہوگا جتنا دینا ہو وارثوں کی مرضی پر موقوف ہے ایک ثلث کے اندر اندر رہے۔

حکومت کی طرف سے بطور مدد جو کچھ دیا گیا ہے وہ ترکہ نہیں ہے (۱) لہٰذا جن کو دیا گیا ہے وہی اس کی حق دار ہیں وہ اپنی مرضی سے دوسروں کو دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں ان کی مرضی پر موقوف ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وارثوں میں بیوی، حقیقی بھائی اور ایک علاتی بہن ہے:

(سوال ۴۰۵) حسن محمد کا انتقال ہوگیا ان کے وارثوں میں بیوہ ایک حقیقی بھائی اور ایک علاتی (باپ ایک ماں الگ الگ) بہن موجود ہے، مرحوم حسن کے والدین کا انتقال ان سے پہلے ہوگیا اور مرحوم کی کوئی اولاد نہیں تو مذکورہ وارثوں میں ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) حقوق متقدمہ علی الارث (تجہیز وتکفین، قرض بعدہ ⅓ میں سے وصیت) کی ادائیگی کے بعد مرحوم حسن محمد کے مال کے چار حصے ہوں گے ان میں سے ایک حصہ زوجہ کو اور بقیہ تین حصے بطریقۂ عصبہ بھائی کو ملیں گے، علاتی بہن محروم ہے اسے کچھ نہ ملے گا، مفید الوارثین میں ہے (۵) جب حقیقی بھائی موجود ہو تو علاتی بھائی اور علاتی بہنیں محروم رہیں گے (مفید الوارثین ص ۱۴۱ عصبہ درجہ سوم نمبر ۱ حقیقی بھائی) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

رہن رکھا ہوا مکان راہن کی موت کے بعد مرتہن نے کورٹ کی اجازت سے فروخت کردیا، پھر بھی کیا ورثاء کا حق ہے:

(سوال ۴۰۶) مرحوم محمد حسین نے محمد عمر سے ایک لاکھ روپے قرض لئے، اور اپنا مکان بطور رہن محمد عمر کے پاس رکھا، رضہ ادا کرنے سے پہلے محمد حسین کا انتقال ہوگیا، محمد حسین کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ محمد عمر (مرتہن) نے محمد حسن کے وارثوں سے کہا کہ تمہارے والد کا مکان میرے پاس رہن ہے، تم لوگ اپنے والد کا قرضہ ادا کرکے اپنا مکان چھڑا لو مگر وارثوں نے کچھ دھیان نہیں دیا، محمد عمر نے مجبوراً اپنا قرضہ وصول کرنے کے لئے کورٹ میں اپنا معاملہ پیش کیا اور کورٹ ہی کی معرفت وہ مکان ایک لاکھ روپے میں نیلام ہوگیا، ایک لاکھ روپے بالکل مناسب قیمت تھی، مکان اسی حیثیت کا تھا، محمد اقبال نے بذریعہ کورٹ وہ مکان خریدا، اس کا دستاویز محمد اقبال کے پاس تھا اس کے بعد راہن مرحوم محمد حسین کے ایک بیٹے ابراہیم کی زوجہ فاطمہ بی بی نے وہ مکان محمد اقبال سے خریدا، فاطمہ کے زوج ابراہیم کا انتقال پہلے ہوگیا تھا اب محمد حسین کے دوسرے وارث فاطمہ بی بی زوجۂ ابراہیم سے اس مکان میں سے اپنا حق مانگتے ہیں، کیا شرعاً اس مکان میں مذکورہ صورت میں محمد حسین کے وارثوں کا حق ہے؟ مدلل جواب کی ضرورت ہے، ان لوگوں کا شدید اصرار ہے حالانکہ فاطمہ بی بی نے یہ مکان خالص اپنی رقم سے خریدا ہے۔ فقط بینوا توجروا۔

(الجواب) راہن (جس نے قرضہ لے کر کوئی چیز رہن رکھی ہو) کا انتقال ہوجائے اور راہن کے ورثاء اپنے مورث کا قرضہ ادا نہ کریں، ترکہ میں مال نہ ہونے کی وجہ سے یا لاپرواہی کی وجہ سے، اور شئی مرہون فروخت کی جائے تو اس کے ثمن کا سب سے زیادہ حق دار مرتہن (جس نے قرضہ دیا ہو اور شئی مرہون اس کے پاس ہو) ہے، اس ثمن میں سے

---

(۱) اس مسئلہ میں دوسری رائے یہ بھی ہے کہ وہ امدادی رقم بحکم دیت ہے اور تمام شرعی ورثا کا حق ہے کیونکہ یہ رقم فساد میں یا کسی سنگین حادثہ میں ہلاک ہونے والے ہر شخص کو یکساں ملتی ہے خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، اور خواہ وہ بالغ ہو یا بچہ ۱۲۔ سعید احمد۔

مرتہن اپنا قرضہ وصول کرے اگر کچھ رقم بچ جائے تو اس میں دوسرے قرض خواہ یا مرحوم کے وارثوں کا حق ہوتا ہے، اور اگر ثمن قرضہ سے کم ہو تو جتنا قرضہ باقی رہتا ہو اتنا قرضہ مرتہن کو راہن کے ترکہ میں سے وصول کرنے کا حق ہوتا ہے اور اگر ثمن قرضہ کے برابر ہو تو پورے ثمن کا مرتہن حق دار ہوتا ہے، بدائع الصنائع میں ہے وکذلک اذا بیع الرهن بعد وفاة الراهن وعليه ديون ولم يخلف ما لا آخر سوى الرهن كان المرتهن احق بثمنه من بين سائر الغرماء لما ذكر نا فان فضل شئ يضم الفضل الى مال الراهن ويقسم بين الغرماء بالحصص لان قدر الفضل لم يتعلق به حق المرتهن وان نقص عن الدين يرجع المرتهن بما بقى من دينه فى مال الراهن ...... الخ (بدايع الصنائع ص ۱۵۳ ج ٦، كتاب الرهن فصل واما شرائطه كونه مصمونا عند الهلاك)

ہدایہ اخیرین میں ایک موقع پر تحریر فرمایا ہے: کالراهن اذامات حاشیہ میں ہے: قوله كالراهن الخ فان المرتهن احق بالمرهون يباع فى دينه اذا تعذر الا ستيفاء ۱۲ (هدايه اخيرين ص ۸۷ كتاب البيوع)

صورت مسئولہ میں مرحوم محمد حسین نے محمد عمر سے ایک لاکھ روپے قرض لے کر اپنا مکان محمد عمر کے پاس بطور رہن رکھا، اور قرض ادا کر کے اپنا مکان چھڑانے سے قبل ان کا انتقال ہو گیا، ان کے وارثوں پر لازم تھا کہ اپنے مرحوم والد صاحب کا قرضہ ادا کر کے مکان چھڑا لیتے، اور مرتہن محمد عمر نے وارثوں کو اس طرف متوجہ بھی کیا مگر وارثوں نے اس طرف دھیان نہیں دیا اور مجبوراً محمد عمر نے اپنا معاملہ کورٹ میں پیش کیا اور کورٹ کی معرفت ایک لاکھ روپے میں مکان نیلام کر دیا گیا (اور سوال میں تحریر کرنے کے مطابق مناسب داموں پر یہ مکان نیلام کیا گیا) شئی مرہون (مکان) کا ثمن قرضہ کے برابر تھا اس لئے اس پوری رقم کا مرتہن (محمد عمر) حق دار ہے وہ اپنے قرضہ میں یہ رقم وصول کر سکتا ہے، اس رقم میں محمد حسین کے وارثوں کو کوئی حق نہیں ہے، اور اب اس مکان کے مالک محمد اقبال شمار ہوں گے، اس کے بعد مرحوم محمد حسین کی بہو فاطمہ بی بی زوجہ ابراہیم نے وہی مکان محمد اقبال سے خریدا، اگر فاطمہ بی بی نے خالص اپنے پیسوں سے وہ مکان خریدا ہو تو فاطمہ بی بی اس مکان کی مالکہ ہے اور اگر اپنے شوہر کے پیسوں سے خریدا ہے تو اس کے شوہر ابراہیم کے تمام وارثوں کا اس میں حق ہوگا، اور محمد حسین کے دیگر وارثوں کا اس مکان میں مرحوم محمد حسین کا ترکہ ہونے کے اعتبار سے کوئی حق نہیں، یہ مکان مذکورہ صورت میں ان کے ترکہ میں شامل ہی نہیں ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سرکاری زمین پر گھر بنالیا اس کے بعد وفات ہوئی تو کیا اس میں وراثت جاری ہوگی؟:

(سوال ۴۰۷) سرکاری زمین پر ہمارے والد مرحوم نے دوکان بنائی تھی، اس زمین اور دکان کا کوئی دستاویز ملکیت کا نہیں ہے، اور نہ کرایہ ادا کرتے ہیں بلکہ اس قطعہ زمین پر بہت سے لوگوں نے (جن میں مسلم وغیر مسلم سب ہیں) اسی طرح دکان مکان بنالئے ہیں، سرکار سے اس زمین کو خریدنے کی کوشش جاری ہے مگر ابھی تک سرکار نے زمین فروخت نہیں کی ہے، مذکورہ زمین کی میراث کا کیا مسئلہ ہے؟ یہ زمین والد مرحوم کے ترکہ میں شامل ہو کر تمام وارثوں میں شرعی قانون کے موافق تقسیم کی جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جو چیزیں مملوکہ ہوں اور ان میں کسی دوسری کا حق نہ ہو ایسی چیزیں ترکہ میں شامل ہوتی ہے اور جس چیز کے متعلق علم ہو کہ یہ چیز مرحوم کے پاس مالکانہ طور پر نہیں تھی اس میں شرعاً وراثت جاری نہ ہوگی اور ایسی چیز ترکہ میں شامل نہیں ہوگی (درمختار و شامی ص ۷۶۶، ص ۷۶۷ ج ۵، کتاب الفرائض)

مفید الوارثین میں ہے: پس وہ تمام مال جس پر شریعت نے اس کے ملک اور مملوک ہونے کا حکم لگادیا ہے اور غیر کا حق اس کے ساتھ متعلق نہیں اور میت اس کو چھوڑ کر رخصت ہو گیا ہے وہ سب ترکہ اور مال میراث کہلائے گا خواہ اس کو ماں باپ دادا وغیرہ کسی رشتے دار کی طرف سے میراث میں پہنچا ہو یا زوجہ یا شوہر کی جانب سے ملا ہو یا اس نے اپنا روپیہ اور محنت لگا کر خریدا اور حاصل کیا ہو، غرض جو چیزیں بوقت مرگ آخری دم میں اس کی خالص مملوک تھی خواہ کسی ذریعہ سے مالک بنا ہو اور خواہ وہ چیزیں زمین، باغ، نقد، زیور، کپڑا، جانور ہوں یا گھر کا اسباب و آرائش کا سامان،

ہر ایک چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ترکہ میں داخل ہے اور سب چیزوں سے وارثوں کا حق متعلق ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ میت کے بدن پر جو کپڑے ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں، اور اگر میت کی جیب میں ایک الائچی بھی پڑی ہو تو کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ بلا اجازت وارثوں کے اس کو منہ میں ڈال لے کیونکہ وہ وارثوں کا حق ہے کسی ایک آدمی کا حصہ نہیں (مفید الوارثین ص ۲۷ فصل نمبر ۴)

صورت مسئولہ میں دکان کے ملبہ اور دکان کے مال میں تو وراثت جاری ہوگی اور دوکان کی زمین سرکاری ہے والد مرحوم اس کے مالک نہیں تھے تو شرعی طور پر اس میں وراثت جاری نہ ہوگی البتہ وہ وارث جو اس زمین کو استعمال کر رہے ہیں اگر وہ دوسرے وارثوں کو کچھ دے کر رضا مند کرلیں تو ان کی بھی دل جوئی ہو جائے گی اور پھر اس زمین کا معاملہ بھی صاف ہو جائے گا اس سے ان کا کچھ تعلق نہ رہے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

مقتول کی بیوہ اور بیٹے کو بطور امداد جو رقم حکومت کی طرف سے ملے اس میں دیگر ورثہ کا حق نہیں ہے:

(سوال ۴۰۸) مرحوم اقبال کی وفات برطانیہ میں قتل سے ہوئی تھی سرکار برطانیہ کی طرف سے مرحوم کی بیوہ کو ایک رقم بحیثیت مدد ملی ہے نیز مرحوم کے بیٹے کے لئے بھی سرکار نے ایک رقم منظور کی ہے جو اس کو اٹھارہ سال کی عمر میں دی جائے گی، سوال یہ ہے کہ ان دونوں رقموں میں مرحوم کے والد یا والدہ یا کسی اور رشتے دار کو حصہ ملے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(سوال ۴۰۸/ب) مرحوم کی بیوہ نے منت مانی تھی کہ جب اسے رقم ملے گی تو اس میں سے مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے کچھ رقم مثلاً دو ہزار پاؤنڈ صرف کرے گی، رقم ملنے کے بعد مرحوم کے والد نے پوری رقم اپنے پاس رکھ لی اور کہا کہ میں ایصال ثواب کے لئے صرف کروں گا مگر اب تک کچھ نہ کیا تو اب مرحوم کی بیوہ کیا کرے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) جب حکومت نے وہ رقم صرف مرحوم کی بیوہ اور مرحوم بیٹے ہی کو بطور امداد اور تعاون کے دی ہے تو اس رقم کے حق دار بیوہ اور مرحوم کا بیٹا ہی ہے، یہ مرحوم کا ترکہ نہیں ہے کہ اس میں مرحوم کے والد یا والدہ یا کسی اور رشتے دار کا حق ہو۔

(۲) مرحوم کے والد نے وہ رقم اپنے پاس رکھی ہے وہ ان کے پاس امانت ہے اس رقم کی مالک تو مرحوم کی بیوہ ہی ہے، اس میں مرحوم کے والد کو تصرف کا حق حاصل نہیں ہے، اس میں تصرف کا حق بیوہ کو ہی ہے، لہٰذا مرحوم کے والد کو چاہئے کہ وہ رقم مرحوم کی بیوہ کو دے دے، رقم مل جانے کے بعد بیوہ اپنی منت پوری کرے فقط واللہ اعلم بالصواب

ورثاء میں ایک بیٹی ایک بہن اور تین بھتیجے چھوڑے:

(سوال ۴۰۹) ایک شخص کا انتقال ہوا اس کے وارثوں میں ایک بیٹی ایک بہن اور تین بھتیجے ہیں، مرحوم کے والدین بیوی اور بھائی کا انتقال مرحوم کی زندگی میں ہو گیا، مذکورہ صورت میں ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں حقوق متقدمہ علی الارث کی ادائیگی کے بعد مرحوم کے ترکہ کے دو حصے ہوں گے ایک حصہ مرحوم کی بیٹی کو اور ایک حصہ ان کی بہن کو ملے گا بھتیجے محروم ہیں، بہن جب بیٹی کے ساتھ جمع ہوتی ہے تو وہ عصبہ مع الغیر بن جاتی ہیں۔ سراجی میں ہے۔ ولهن الباقی مع البنات او بنات الا بن لقوله علیه السلام اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة یعنی بہنوں کو بیٹیوں یا پوتیوں سے باقی حصہ ملے گا، حضور اکرم ﷺ کا قول ہے۔ بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ (سراجی نمبر ۹ باب معرفة الفروض و مستحقیها) دوسری جگہ ہے: واما العصبة مع غیر فکل انثی تصیر عصبة مع انثی اخری کالا خت مع البنت لما ذکرنا، حاشیہ میں ہے قوله مع البنت. سواء کانت صلبیة او بنت ابن وسواء کانت واحدة او اکثر کما ذکرنا من قوله اجعلوا الا خوات مع البنات عصبة (سراجی مع حاشیه ص ۱۵ وحاشیه نمبر ۱ ایضا) اس سے ثابت ہوا کہ بہن بیٹی کے

ساتھ مل کر عصبہ بن جائے گی چاہے بہن ایک ہو یا ایک سے زائد، اور چاہے بیٹی ایک ہو یا ایک سے زیادہ بہر حال بہن عصبہ بنے گی۔

مفید الوارثین میں ہے(۳) اگر میت کے بیٹی پوتی یا پڑپوتی یا سکر پوتی (خواہ ایک ہو یا زیادہ) تو اس صورت میں ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے وہ میت کی ہمشیرہ کو مل جائے گا (مفید الوارثین ص ۱۱۲ ذوی الفروض کا بیان فصل نمبر ۹)۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں بہن عصبہ ہونے کی وجہ سے بقیہ نصف ترکہ کی حقدار ہوگی اور بھتیجے محروم رہیں گے۔

مفید الوارثین میں ہے: (۴) اگر میت کے کوئی حقیقی یا علاتی بھائی موجود ہو (یا درجہ اول و دوم کا کوئی عصبہ موجود ہو) تو بھتیجا بالکل محروم رہ جائے گا، اور اگر میت کی بیٹی اور حقیقی بہن دونوں موجود ہوں تب بھی یہ محروم ہے (مفید الوارثین ص ۱۴۳ پانچواں باب، عصبات کا بیان، عصبہ درجہ سوم نمبر ۳/۱۱ حقیقی بھتیجا) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

شوہر، بیٹی، دو بہن، دو بھتیجے وارث چھوڑے:

(سوال ۴۱۰) ایک عورت کا انتقال ہوا اس کی وارثوں میں اس کا شوہر، ایک بیٹی، دو حقیقی بہنیں اور دو بھتیجے ہیں مرحومہ کے والدین اور بھائی کا انتقال مرحومہ کی زندگی میں ہو گیا ہے مرحومہ کا کوئی بیٹا نہیں ہے تو مذکورہ صورت میں مرحوم کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں حقوق متقدمہ علی الارث (قرض، جائز وصیت) کی ادائیگی کے بعد مرحومہ کے ترکہ کے ۸ سہام ہوں گے اس میں سے مرحومہ کے شوہر کو ۲ سہام مرحومہ کی بیٹی کو ۴ سہام، مرحومہ کی ایک بہن کو ایک سہام اور مرحومہ کی دوسری بہن کو ایک سہام ملے گا۔

مرحومہ کے بھتیجے محروم ہیں ان کو کچھ نہیں ملے گا، مرحومہ کی دونوں بہنیں مرحومہ کی بیٹی کے ساتھ مل کر عصبہ مع الغیر بن جائے گی اور بیٹی کو اس کا شرعی حصہ دینے کے بعد بقیہ حصوں کی دونوں بہنیں حق دار ہوں گی (سراجی ص ۱۰ نیز ص ۱۵ مع حاشیہ باب معرفۃ الفروض) (مفید الوارثین ص ۱۱۹ ذوی الفروض کا بیان فصل نمبر ۹، نیز ص ۱۴۳) فقط واللہ اعلم بالصواب.

بیٹی کو دیئے ہوئے قرض کی تحریر لینا کیسا ہے:

(سوال ۴۱۱) زید نے اپنی دختر کو پانچ لاکھ روپے بطور قرض داماد کے کاروبار کے لئے دیئے لیکن ابھی تک زید کو اپنی دختر سے قرض وصول ہونے کی امید نظر نہیں آتی اور زید بیمار رہتا ہے وہ چاہتا ہے کہ اپنی بیٹی سے ایک تحریر لے کہ اتنی رقم میرے والد نے مجھے بطور قرض دی ہے، مقصد تحریر یہ ہے کہ ایک حجت باقی رہے اور بیٹی کے حصہ میراث سے اتنی رقم کم کردی جائے، تو شرعاً تحریر لینا اور بیٹی کے حصہ میراث میں سے اس رقم کے کم کروانے کا حق حاصل ہے؟ اور زید کا تحریر لینا جائز ہے؟ وہ رقم بیٹی کے حصہ میراث سے کم ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) صورت مسئولہ میں سوال کے پیش نظر زید کی دی ہوئی رقم قرض ہے اور قرض واجب الاداء ہوتا ہے، اگر زید کی دختر اپنے والد کی زندگی میں قرض ادا نہ کر سکے اور والد کا انتقال ہو جائے تو یہ قرض مرحوم کے ترکہ میں شمار ہوگا اور زید کے ورثہ کو قرض وصول کر کے تمام وارثوں میں شرعی قانون کے مطابق تقسیم کرنا ہوگا اس وقت خدانخواستہ زید کی دختر قرض ادا نہ کر سکی تو دیگر ورثا اس کے حصہ میراث میں قرض کی رقم وضع کر سکتے ہیں۔

زید نے اپنی دختر کو قرض دیا ہے اس سلسلے کی تحریر زید لے سکتا ہے، قرآن مجید میں ہے۔

یا یھا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الیٰ اجل مسمی فاکتبوہ ولیکتب بینکم کاتب بالعدل ولا یاب کاتب ان یکتب کما علمہ اللہ فلیکتب ولیملل الذی علیہ الحق ولیتق اللہ ربہ ولا یبخس منہ شیئاً فان کان الذی علیہ الحق سفیھاً او ضعیفاً اولا یستطیع ان یمل ھو فلیملل

ولیہ بالعدل. (قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۸۱ پارہ نمبر ۳، رکوع نمبر ۶)

ترجمہ:۔ اے ایمان والوں، جب معاملہ کرنے لگو ادھار کا ایک میعاد معین تک تو اس کو لکھ لیا کرو اور یہ ضروری ہے کہ تمہارے آپس میں کوئی لکھنے والا انصاف سے لکھے اور لکھنے سے انکار بھی نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سکھلا دیا اس کو چاہئے کہ لکھ دیا کرے اور وہ شخص لکھوادے جس کے ذمہ وہ حق واجب ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرتا رہے اور اس میں ذرہ برابر کمی نہ کرے پھر جس کے ذمہ حق واجب تھا اگر وہ خفیف العقل ہو یا ضعیف البدن ہو یا پھر خود لکھانے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کا کارکن ٹھیک ٹھیک لکھوادے۔

اس آیت کریمہ میں یہ ارشاد ہے کہ اے لوگو جب تم کوئی ادھار کا معاملہ کرو تو اس میں وقت متعین کر لیا کرو کہ آج سے پندرہ دن بعد آپ کی رقم ادا کروں گا اور پھر اس معاملہ کو باہمی طور پر لکھ لینا چاہئے تاکہ کل کو کسی طرح کا کوئی اختلاف اور جھگڑا نہ ہو سکے اور یہ لکھوانا قرض ملنے والے کے ذمہ ہے جو دراصل اس کی طرف سے ایک طرح کا اقرار نامہ ہے الخ (آسان تفسیر ص۲۴۳ ص ۳) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

وارثوں میں ایک پوتی ایک پڑپوتا دو پڑپوتیاں ہیں:

(سوال ۴۱۲) قاسم کا بیٹا نور محمد ہے نور محمد کا انتقال اپنے والد کی زندگی میں ہو گیا اس کا ایک لڑکا احمد اور ایک لڑکی فاطمہ حیات ہیں، احمد کی شادی ہوگئی اس کا بھی ایک لڑکا شبیر اور دو لڑکیاں ممتاز اور مریم ہیں، احمد کا انتقال بھی اپنے دادا قاسم کی زندگی میں ہو گیا، جب قاسم کا انتقال ہوا اس وقت اس کے وارثوں میں ایک پوتی مسماۃ فاطمہ اور ایک پڑپوتا شبیر اور دو پڑپوتیاں ممتاز اور مریم ہیں، تو مرحوم قاسم کا ترکہ مذکورہ حیات وارثوں میں کس طرح تقسیم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

(الجواب)

میت مسئلہ ۸ مضروب مرحوم قاسم

بنت الابن	ابن ابن الابن شبیر	بنت ابن الابن	بنت ابن الابن
فاطمہ		ممتاز	مریم
۴	۲	۱	۱

صورت مسئولہ میں حقوق متقدمہ علی الارث (تجہیز و تکفین، قرض بعدہ ثلث مال سے وصیت) ادا کرنے کے بعد مرحوم قاسم کی پوتی کو بطریقۂ فرضیت نصف ترکہ ملے گا اور بقیہ نصف ترکہ پڑپوتے شبیر اور دو پڑپوتی ممتاز اور مریم میں للذکر مثل حظ الانثیین کے طریقہ پر تقسیم ہوگا، کل ترکہ کے آٹھ حصے ہوں گے اس میں سے چار حصے پوتی فاطمہ کو، دو حصے پڑپوتے شبیر کو ایک حصہ پڑپوتی ممتاز کو اور ایک حصہ دوسری پڑپوتی مریم کو ملے گا۔

سراجی میں ہے: **ولو ترک ثلث بنات ابن بعضھن اسفل من بعض وثلث بنات ابن ابن آخر ...... الیٰ قولہ ...... للعلیا من الفریق الاول النصف وللوسطیٰ من الفریق الاول مع من یوازیھا السدس تکملۃ للثلثین ولا شئی للسفلیات الا ان یکون معھن غلام فیعصبھن من کانت فوقہ ممن لم تکن ذات سھم ویسقط من دونہ** (سراجی ص ۹، ص ۱۰ باب معرفۃ الفروض الخ)

شریفیہ شرح سراجی میں ہے: **وان فرض الغلام مع العلیا من الفریق الاول کان جمیع المال بینہ وبین اختہ للذکر مثل حظ الانثیین ولا شیئی للسفلیات (بمقتضی قولہ ویسقط من دونہ) وھی ثمان (سوی العلیا المذکورۃ) وان فرض (الغلام) مع الوسطیٰ الاول فیاخذ علیا الاول النصف (بالفرض) والباقی للغلام مع من یحاذیہ وھی وسطی الاول وعلیا الثانی للذکر مثل حظ الانثیین** (شریفیہ مع حاشیہ ص ۳، ص ۲۵ باب معرفۃ الفروض)

درمختار میں ہے: **بخلاف ابن الابن وان سفل فانہ یعصب من مثلہ او فوقہ ممن لم تکن ذات سھم ویسقط من دونہ فلو ترک ثلث بنات ابن بعضھم اسفل من بعض وثلاث بنات ابن ابن آخر**

کـذلک...... الـیٰ قـولـه ......فالعلیا من الفریق الا ول لا یوازیها احد فلها النصف ...... الیٰ قوله ...... الا ان یکـو ن مع واحدة منهن غلام فیعصبها ومن یحاذیها ومن فوقها ممن لا تکون صاحبة فرض وسقط السفلیات .

شامی میں ہے:(قولـه فـلها النصف) لا نها قامت مقام بنت الصلب عند عدمها (قوله والوسطیٰ من الفریق الاول توازیها العلیا من الفریق الثانی (لان کلا مهما یدلیٰ الی المیت بواسطتین الخ .قوله الا ان یکون الـخ ...... وان فـرض الـغـلام مع العلیا من الفریق الا ول کان جمیع المال بینه وبین اخته للذکر مثل حظ الا نثیین ولاشئی للسفلیات وهن ثمان، وان فرض مع الوسطیٰ الا ول فتا خذ علیا الا ول النصف والباقی للغلام مـع مـن یـحـا ذیـه وهـی وسـطی الاول وعلیا الثانی للذکر مثل حظ الا نثیین الخ (قوله ممن لاتکون صـاحبة فـرض ، امامن کانت صاحبة فرض فانها تأ خذ سهمها ولا تصیر بها عصبة وهی العلیا من الفریق الا ول التی اخـذت الـنـصـف والو سطیٰ منه مع العلیا من الفریق الثانی حیث اخذتا السدس وهذا قید معتبر فیمن کانت فـوقـه دون مـن کـانـت بـحـذائه فانه یعصبها مطلقاً (درمختار ورد المحتار ص ۷۶۱وص۷۷۶ ج۵، کتاب الفرائض، قبیل باب العول) (غایة الاوطار ص ۳۹۰، ج۴)فقط والله اعلم بالصواب .

میاں بیوی کا ایک ساتھ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہوا تو وراثت کا کیا حکم ہے :

(سوال ۴۱۳)زید اور اس کی بیوی عائشہ کار میں سفر کر رہے تھے دونوں کا ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا زید کی دو بیویاں ہیں، پہلی بیوی کا انتقال ہو گیا ہے اس کی ایک لڑکی فاطمہ ہے، دوسری بیوی کا ایک مکان ہے، اس مکان میں وراثۃً زید کی پہلی بیوی کی بیٹی حقدار ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الـجـواب) صورت مسئولہ میں زید اور اس کی دوسری بیوی عائشہ کا کار حادثہ میں ایک ساتھ ایکسیڈنٹ ہوا اور دونوں ایک ساتھ انتقال کر گئے، کون پہلے اور کون بعد میں مرا یہ معلوم نہیں، تو دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا وارث نہیں بنے گا اور ہر ایک کی ذاتی مال وملکیت ان کے اپنے اپنے وارثوں میں شریعت کے قانون کے مطابق تقسیم ہوگی، لہٰذا زید کو اس کی دوسری بیوی عائشہ کے گھر میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔

سراجی میں ہے:۔فـصـل فـی الـحرقی والغرقی والهدمی. اذا ماتت جماعة ولا یدری ایهم مات اولاً جعلوا کانهم ماتوا معاً فمال کل واحد منهم لو رثته الا حیاء ولا یرث بعض الا موات من بعض هذا هو المختار (سراجی ص ۵۴)

معین الفرائض میں ہے:۔حرقی، غرقی، ہدمی کا بیان۔ اگر چند رشتے دار دریا میں ڈوب کر یا آگ میں جل کر یا مکان میں دب کر بیک وقت مر جائیں اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کون پہلے مرا کون پیچھے تو وراثت کے بارے میں وہ آپس میں ایک دوسرے کی نسبت کالعدم تصور کئے جاتے ہیں یعنی وہ آپس میں ایک دوسرے سے میراث پانے کا استحقاق نہیں رکھتے بلکہ ہر ایک کی ذاتی ملکیت اس کے موجودہ مستحق ورثاء میں تقسیم کی جاتی ہے۔ ....الخ (معین الفرائض ص۱۰۵، ص۱۰۶)

صورت مسئولہ میں جب زید مرحوم ہی کو اس کی دوسری بیوی عائشہ کے مکان میں سے شرعاً کچھ نہیں ملتا تو اس میں سے زید کی پہلی بیوی کی بیٹی فاطمہ کو بھی کچھ نہیں ملے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ترکہ پر قابض دو وارثوں میں سے ایک وارث دیگر ورثاء کا حق دینے پر تیار ہے جب کہ دوسرا تیار نہیں، جو وارث تیار ہے اگر وہ اپنا پورا حصہ اپنے قبضہ والے مکان میں سے وصول کرے تو کیا حکم ہے :

(سـوال ۴۱۴)ہمارے والد والدہ کا انتقال ہو گیا ہے والدین کے وارثوں میں دو بیٹے تین بیٹیاں ہیں، والد

صاحب کے دو مکان ہیں ایک بڑا جس کی قیمت اندازاً سات لاکھ روپے ہے اور ایک اس سے چھوٹا اس کی قیمت اندازاً پانچ لاکھ ہیں، بڑا مکان بڑے بیٹے کے قبضہ میں ہے اور چھوٹا مکان میرے قبضہ میں ہے۔ بڑے بھائی ورثاء کو اس کا حصہ دینے کے لئے تیار نہیں ہیں میں الحمدللہ تیار ہوں، اگر میں دونوں مکانوں کی قیمت مجموعی (بارہ لاکھ روپے) کے اعتبار سے جو میرا حصہ بنتا ہے (۳۴۲۸۵۷ـ۱۴) یہ حصہ اپنے قبضہ والے مکان میں سے وصول کر کے بقیہ رقم (۸۶ـ۱۵۷۱۴۲۰) تینوں بہنوں میں مساوی طور پر تقسیم کردوں تو شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ یہ تقسیم ترکہ کے سات حصے کر کے کی گئی ہے، دونوں بیٹوں کو دو دو حصے اور تینوں بیٹیوں کو ایک ایک حصہ، ایک مفتی صاحب نے ہمیں یہی طریقہ بتایا ہے، تینوں بہنوں نے بھی بڑے بھائی سے اپنے اپنے حصہ کا مطالبہ کیا ہے مگر وہ تیار نہیں ہیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) آپ نے تقسیم کی جو صورت لکھی ہے وہ صحیح نہیں ہے اس صورت میں آپ کو تو پورا حصہ مل جائے گا اور بہنوں کو کم حصہ ملے گا۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ آپ سب مل کر بڑے بھائی کو بھی ترکہ کی تقسیم پر آمادہ کرنے کی کوشش کریں، ضرورت ہو تو خاندان اور محلہ کے دیندار سمجھدار انصاف پسند لوگوں کا تعاون حاصل کریں، اگر ان تمام کوششوں کے باوجود بڑا بیٹا تیار نہ ہو تو آپ کے قبضہ میں جو مکان ہے اس کے سات حصے کر کے ایک ایک حصہ تینوں بہنوں کو دے دیں دو حصہ کے آپ حقدار ہیں اور بڑے بھائی کے جو دو حصے ہیں وہ آپ اپنے قبضہ میں رکھ کر بڑے بھائی کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے قبضہ والے مکان میں میرے جو دو حصے ہیں ان دو حصوں کا ان دو حصوں سے حساب کرلیں گے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ورثوں میں پانچ علاتی بھائی چار علاتی بہنیں اور ایک حقیقی بھتیجا ہے تو تقسیم کس طرح ہوگی؟:

(سوال ۴۱۵) غلام محمد کی دو بیویاں تھیں، پہلی بیوی حامدہ سے ایک لڑکا عبدالحق اور دو لڑکی زہرا اور سارا ہوئیں، حامدہ کے انتقال کے بعد غلام محمد نے حفصہ سے نکاح کیا اس سے پانچ لڑکے اور چار لڑکیاں ہوئیں، غلام محمد کا انتقال ہو چکا ہے اس کی پہلی بیوی حامدہ کے لڑکے عبدالحق کا ایک لڑکا احمد ہے، عبدالحق کا اور اسی طرح اس کی حقیقی بہن زہرا کا انتقال ہو چکا ہے، زہرا کے دو لڑکے ہیں، ابھی حال میں سارا کا انتقال ہوا اس کی شادی نہیں ہوئی ہے، سارا کے وارثوں میں اس کے پانچ علاتی (باپ شریک) بھائی اور چار علاتی بہنیں اور ایک حقیقی بھتیجا احمد اور دو بھانجے ہیں، سارا کا ترکہ مذکورہ وارثوں میں کس طرح تقسیم ہوگا؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں حقوق متقدمہ علی الارث (تجہیز و تکفین، قرض بعدہ ثلث مال میں سے وصیت) کی ادائیگی کے بعد مرحومہ سارا کے ترکہ کے چودہ حصے ہوں گے اس میں دو دو حصے ہر علاتی بھائی کو اور ایک ایک حصہ ہر علاتی بہن کو ملے گا، سارا کا حقیقی بھتیجا احمد اور دو بھانجیاں محروم ہیں ان کو کچھ نہیں ملے گا۔ علاتی بھائی۔ حقیقی بھتیجے پر مقدم ہوتا ہے اور مذکورہ صورت میں علاتی بہنیں اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بغیرہ بن جائیں گی اور ان تمام کے درمیان مرحومہ سارا کا ترکہ للذکر مثل حظ الانثیین کے طریقہ پر تقسیم ہوگا۔

درمختار میں ہے **(ثم جزء ابیہ الاخ) لا بوین (ثم) لا ب ثم (ابنہ) لابوین ثم لاب (وان سفل)(درمختار ص ۶۸۷ ج ۵، کتاب الفرائض فصل فی العصبات)** مفیدالوارثین میں ہے۔

(۲) جب علاتی بھائی موجود ہو تو حقیقی بھتیجا محروم رہتا ہے، کیونکہ بھائی قریب ہے اگرچہ علاتی ہے اور بھتیجے کا درجہ بعیدی ہے۔

(۳) اگر میت کی علاتی بہنیں بھی موجود ہوں تو وہ بھی علاتی بھائی کے ساتھ مل کر عصبہ ہو جائیں گی اور ہر ایک بہن کو بھائی سے نصف حصہ ملے گا۔ (مفیدالوارثین ص ۱۴۲ عصبہ درجہ سوم نمبر ۲/۱۰ علاتی بھائی)

نیز مفیدالوارثین میں ہے۔ اگر میت کے کوئی حقیقی یا علاتی بھائی موجود ہو (یا درجہ اول و دوم کا کوئی عصبہ موجود

ہو) تو بھتیجا بالکل محروم رہ جائے گا۔الخ (ص ۱۴۳ عصبہ درجہ سوم ۱۱/۳ حقیقی بھتیجا) (یعنی حقیقی بھائی کا بیٹا)
نیز مفید الوارثین میں ہے۔''
(۱) جب میت کا حقیقی اور علاتی بھائی کوئی نہ ہو تو حقیقی بھائی کا بیٹا اس تمام مال کا مستحق ہوگا جو ذوی الفروض کے حصے لگانے کے بعد باقی رہا ہے (مفید الوارثین ص ۱۴۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

باپ نے ٹیکس سے بچانے کے لئے جائیداد بیٹوں کے نام کردی تو اس میں بیٹیوں کو حق میراث ہے یا نہیں:

(سوال ۴۱۶) زید نے انتقال کیا بیوی، چھ لڑکے، چار لڑکیاں، ایک دوکان اور نو مکان اور ہزاروں روپے نقد چھوڑے، زید کے چھ لڑکوں نے اپنے باپ سے کہا کہ اگر آپ اپنی زندگی میں اپنی تمام جائیداد کی تقسیم کر جائیں تو حکومت موجودہ کی وہ ٹیکس جو مورث کی موت کے بعد وارثوں کو ادا کرنی پڑتی ہے اور یہ ٹیکس حکومت وصول کرتی ہے اس سے بچ جائیں گے۔ زید نے اپنے لڑکوں کے اصرار پر جائیداد کی تقسیم کر ڈالی چنانچہ دکان اور مکانات اپنے لڑکوں کے نام لکھ دیئے اور نقد روپیوں میں سے تھوڑی سی رقم بلا لحاظ اصول شرعیہ اپنی لڑکیوں کے لئے کاغذ پر تحریر کردی مگر یہ رقم بھی ان چاروں لڑکیوں کو ان کی ضمانت میں نہیں دی، لڑکوں نے اپنے باپ کی تقسیم کے مطابق مکانات دوکان پر قبضہ کرلیا، اب جب کہ زید باپ کا انتقال ہوا اور چاروں لڑکیوں کا مطالبہ شروع ہو گیا کہ ہمارے باپ کا جو ترکہ ہے اس میں شرعی تقسیم کی جائے اور جو ہمارا حق ہے وہ ہمیں دیا جائے، مگر زید کے چھ لڑکوں نے ان چار لڑکیوں کے سوال و مطالبہ کا جواب یوں دیا کہ ہمارے والد نے جس نہج پر تقسیم کی ہے وہ درست ہے اور دکان اور مکانات ہمیں بخشش کے طور پر دیئے ہیں، اس لئے اب تمہارا حق دکان اور نو مکانات میں نہیں ہے، ہاں جتنا حق تمہارا ان کی تحریر کے مطابق روپیوں میں ہے وہ ہم دیں گے، اور دوسرے ترکہ میں تمہیں مطالبہ کا استحقاق نہیں، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید مرحوم کی ملکیت میں ان کی چار لڑکیوں کا حصہ ہوگا؟ یا زید نے جو تحریر اپنی ضمانت میں مخصوص رقم کی تحریر لکھی تھی صرف اتنا ہی ان کا حق مانا جائے گا؟ نیز مذکورہ بالا ترکہ میں زید کی بیوی (بیوہ) کا کتنا حق ہوگا؟

(الجواب) حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ زید نے مرض الموت سے پہلے اپنی جائیداد اپنے لڑکوں کے نام باقاعدہ ہبہ کر کے قبضہ بھی کرا دیا تھا تو ہبہ صحیح اور معتبر ہے، اس ہبہ شدہ جائیداد میں لڑکیوں کا کوئی حصہ نہ ہوگا، یہ الگ بات ہے کہ لڑکیوں کو محروم کرنے کی وجہ سے زید سخت گنہگار ہوگا۔

حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے وارث کو میراث سے محروم کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت سے محروم کردے گا۔ مشکوٰۃ باب الوصایا ص ۲۶۵۔ ایک حدیث میں ہے کہ بعض لوگ پوری زندگی خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری میں گذارتے ہیں لیکن موت کے وقت میراث میں وارثوں کو نقصان پہنچا کر (یعنی بلا عذر شرعی کسی حیلہ سے محروم کر کے) جہنمی بن جاتے ہیں۔

قال ان الرجل ليعمل والمرأة بطاعة الله ستين سنة ثم يحضر هما الموت فيضار ان في الوصية فتجب لهما النار (مشكوٰة شريف ص ۲۶۵.

لیکن اگر ہبہ کے بعد لڑکوں نے اس پر قبضہ نہیں کیا تھا اور زید مر گیا، یا ہبہ مرض الموت میں واقع ہوا ہے تو ان دونوں صورتوں میں ہبہ باطل ہے، اسی طرح اگر یہ واقعہ ہے کہ زید نے لڑکوں پر اعتماد کر کے اس کی خیر خواہی کی بناء پر اپنی جائیداد برائے نام ان کے نام لکھ دی، ان کو مالک بنانا مقصود نہیں تھا تب بھی لڑکے اس جائیداد کے مالک نہ ہوں گے اور تمام ورثاء اس جائیداد میں بہ حصہ رسد حق دار ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

تمت